یہ چاہتیں یہ شدتیں

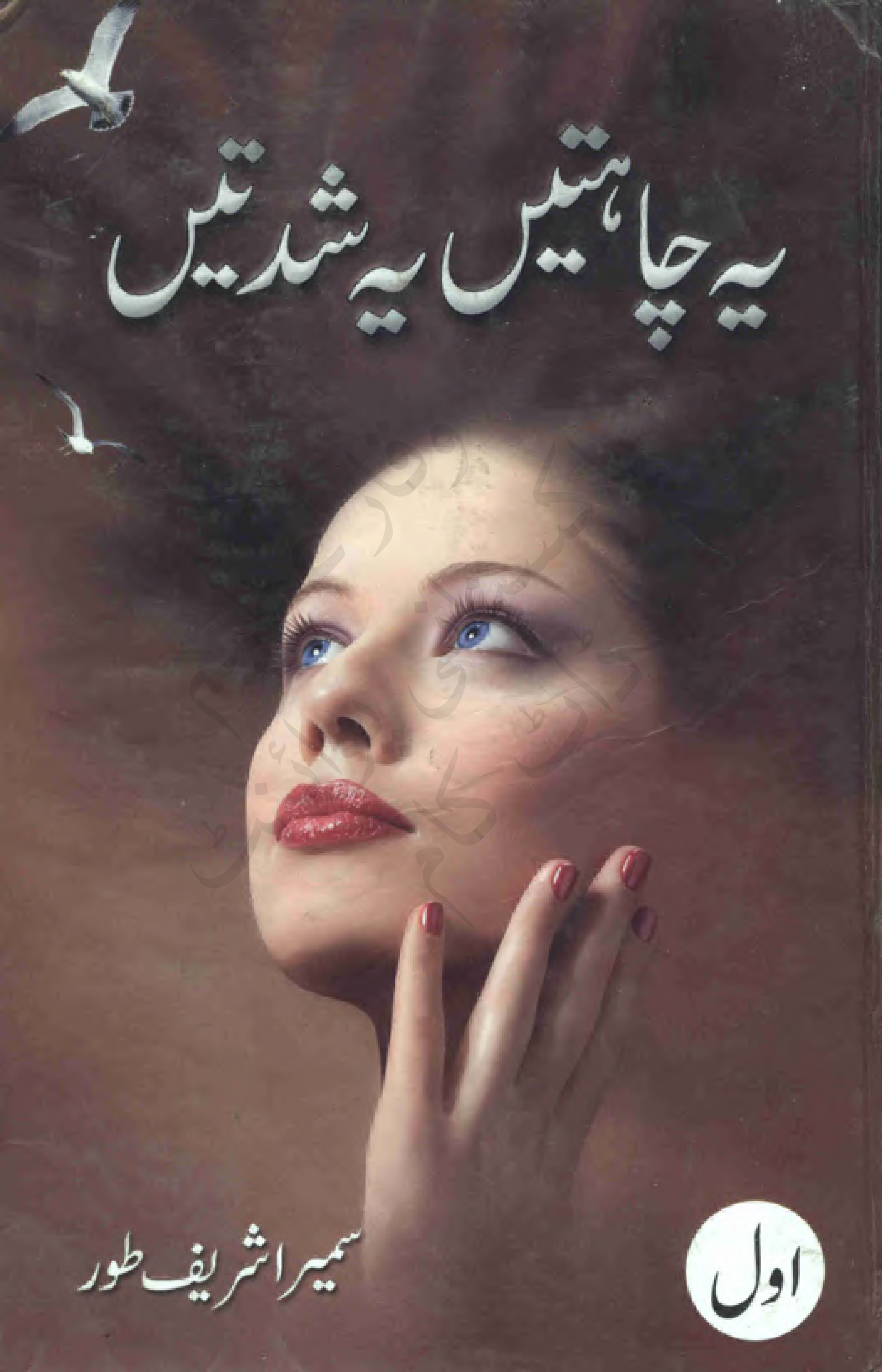

سمیرا شریف طور

اول

انتساب

اپنی ''امی'' کے نام!

جو کائنات کا سب سے خوبصورت رشتہ ہے۔ ہر قسم کی بناوٹ سے پاک، جس کے قدموں کے نیچے رب نے جنت رکھ دی ہے۔ اختلاف اور روّیوں میں فرق ایک طرف مگر ماں کی محبت کا کوئی نعم البدل نہیں۔ دنیا کے ہر رشتے میں کھوٹ ہو سکتا ہے مگر ماں اور اولاد کی محبت روزِ اوّل کی طرح خالص و پاک ہے۔

آج میں جو کچھ بھی ہوں، اپنے ابو کے بخشے اعتماد کے بعد اپنی فیملی اور امی کی محبتوں و تعاون کی وجہ سے ہوں۔ اللہ ہماری ماں کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

دیباچہ

“یہ چاہتیں، یہ شدتیں” ...... یہ میرا دوسرا طویل ترین ناول ہے جو 35 ماہ تک مسلسل شائع ہوتا رہا اور قارئین کی بھرپور پسندیدگی سے بھی نوازا گیا۔

“محبت دھنک رنگ اوڑھ کر” کے بعد یہ میری دوسری کتاب ہے۔ یہ ناول میری برسوں کی کاوش ہے۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے 2002ء میں ایک ناول لکھا تھا، جس کے کردار صرف سمعان اور زرش مسعود احمد اور ان کی فیملی کے کرداروں کے گرد گھومتے تھے۔ میری تمام دوستوں، کزنز، بہنوں (بشریٰ طور) سب نے پڑھا اور بے حد سراہا۔ ہر ایک نے ہمت دلائی کہ اس کو ڈائجسٹ میں شائع ہونے کے لئے بھیجو ضرور شائع ہوگا۔ مگر میں بھیج نہ سکی۔

جب کالج کے دنوں میں ہی میں نے باقاعدہ لکھنے کا آغاز کیا اور پھر جب میری تحریریں شائع ہونے لگیں تو یہی خیال تھا کہ اس ناول کو شائع کروانا ہے۔ کچھ وقت گزرا اور ذہن میں سوچ آئی کہ اگر یہ سلسلے وار ناول کے طور پر متعارف کراؤں تو زیادہ پسند کیا جائے گا اور پھر میں نے اس میں چند اور کرداروں کا اضافہ کیا۔ نوریہ، شارق، رضا، نواز وغیرہ کے کردار اضافی تھے مگر ان سب کرداروں نے اس ناول کو پسندیدگی کا جو مقام دیا، وہ اگر زرش یا سمعان احمد کے کردار ہوتے تو شاید ایسی شہرت و پسندیدگی ناممکن تھی۔

میں نے ناول کے آغاز میں جو دعویٰ کیا تھا کہ یہ ناول پہلے کی طرح ٹاپ ون جائے گا اور قارئین کو بے حد پسند آئے گا۔ اس معیار کو آخر تک نبھانے کی پوری کوشش کی۔

سمعان احمد، زرش، نوریہ اور شارق کے کردار مرکزی تھے۔ یہ سب کردار ہمارے معاشرے کے اندر رہنے والے کردار ہیں۔ بظاہر عام سے کردار تھے مگر اپنے لفظوں، جذبات و احساسات سے قارئین کے دلوں میں مخصوص جگہ بناتے چلے گئے۔ کہانی کا پلاٹ کوئی ماورائی پلاٹ نہ تھا مگر پوری کوشش رہی کہ عام کہانی کی طرح نہ لکھوں۔ کچھ خاص ہو، نیا ہو۔

سمعان احمد کا کردار ہمارے معاشرے کے لئے ایک استعارہ ہے اعتدال پسندی کا، جہاں بھی بگاڑ، نفرت ہو وہاں اس جیسے کردار ہی ماحول میں توازن رکھنے کا سبب بنتے ہیں۔

زرش، شارق، رمشاء اور رضا حمید آج کے جذباتی دور کی جذباتیت کے عکاس تھے جبکہ شائستہ بیگم اور نواز، درمیانی راہ پر چلنے والے دامن بچا کر نکل جانے والے کردار تھے جو اپنے حُسنِ اخلاق سے دوسروں کی خامیوں کو نظرانداز کر دینے کی خوبی رکھتے ہیں۔ جبکہ طاہرہ بیگم اور سعید احمد کے کردار وقت و حالات کے تحت خود میں تبدیلیاں پیدا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

رہ گئی نوریہ تو اس کا کردار آج کے دور کی عورت کے لئے ایک مثالی کردار ہے۔ ایک ایسی عورت کا کردار جو پاکبازی و حیاداری کی صفات کو ہی عورت کی اصل معراج سمجھتی ہے اور اپنے کردار پر مر مٹنے والی عورت جب وقت کے تھپیڑے سہتی ہے تو پھر ہر چٹان سے ٹکرا جانے کا حوصلہ پیدا کر لیتی ہے۔

سمعان اور زرش میرے پسندیدہ کردار تھے اور ان کرداروں پر ہی میں نے زیادہ توجہ دی اور ہر ممکن کوشش کی کہ ان میں کوئی کمی نہ رہے۔

میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہوں، اس کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ اصلاحی و تنقیدی دونوں انداز میں اپنی آراء سے ضرور نوازیے گا۔

اس ناول سے مجھے محبت، شہرت، عروج سب کچھ ملا۔ میری توقع سے بڑھ کر اس ناول نے پسندیدگی کی جگہ بنائی۔

اس ناول کو کتابی صورت میں لانے کے سلسلے میں ان سب لوگوں کی مشکور ہوں جو اس سلسلے میں معاون ثابت ہوئے۔ اللہ نگہبان!

دعاؤں کی طالب
سمیرا شریف طور

اوّل

تولیے سے چہرہ صاف کرتے سمعان احمد نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔

"تم بھی بے وقت آ ٹپکے ہو...... اب بھلا یہ تک ہے کہ تمہارے ساتھ میں بھی اس حالت میں خوار ہوں۔" سمعان کا انداز خفت لیے ہوئے تھا مگر ظفر کی جانب سے کسی بھی قسم کا رسپانس نہ ملنے پر سمعان احمد نے تولیہ ہٹا کر دیکھا تو ایک لمحے کو سمعان احمد کو اپنے حواس یکجا کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا دل کئی بار دھڑک اٹھا تھا۔

"یہ...... یہ...... یہ کیا کر رہے ہو......؟" ایک دم حواس میں لوٹتے ہی کچھ شرمندہ سا ہوتے ہوئے کہا۔ سمعان احمد نے جھنجلا کر تولیہ صوفے پر پھینک کر ظفر کی جانب پیش قدمی کی تھی، جو اس کی طرف معنی خیز نظریں لیے مسکرا رہا تھا۔

"وہی جو تمہیں نظر آ رہا ہے۔" ظفر کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔ سمعان احمد مزید سٹپٹا اٹھا۔

"مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ سمعان احمد جیسا گھنا بھی محبت جیسا کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے۔"

"بکومت...... ادھر دو مجھے۔" سمعان احمد نے خجالت کا تاثر مٹاتے ہوئے ظفر کے ہاتھ سے اپنی گرے کلر کی ڈائری چھیننے کی کوشش کی تھی مگر ظفر اس کی کوشش کو ناکام بناتے ہوئے اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ سمعان خونخوار نظروں سے گھورتا رہ گیا تھا۔

"چھپایا تھا دل میں اسے مگر عیاں ٹھہرا
سکونِ دل جسے سمجھے وہی دردِ نہاں ٹھہرا"

سمعان احمد نے سختی سے لب بھینچ لیے جب کہ وہ بڑے خاص انداز میں گنگنا رہا تھا بلکہ سمعان احمد کو چڑا رہا تھا۔

سمعان احمد کو اس لمحے پچھتاوے نے آ گھیرا جب وہ اس ڈائری کو سرہانے تلے رکھ کر بھول گیا تھا۔ آج طبیعت بھی کچھ مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اوپر سے ظفر کا فون آ گیا تھا۔ سمعان احمد نے سرسری سا ذکر کر دیا تھا اور اگلے گھنٹے میں وہ یہاں تھا۔

ظفر کی شگفتہ باتوں سے سمعان احمد کی طبیعت کی ساری کلفت ختم ہو چکی تھی۔ دونوں کا ارادہ باہر آؤٹنگ کا تھا اس لیے سمعان احمد باتھ لینے چلا گیا تھا۔ واپس لوٹا تو سامنے یہ معاملہ درپیش تھا۔

"ظفر! میں کہہ رہا ہوں شرافت کے ساتھ اسے مجھے دے دو۔" سمعان احمد نے انتہائی ضبط سے

ڈاکٹر ظفر کی آنکھوں سے چھلکتی عیاں ہوتی شرارت کو برداشت کیا تھا مگر ادھر تو سرے سے پرواہ ہی نہ تھی۔

”متاعِ زیست اب تو خاکِ راہِ دلبراں سی ہے
وہ جس کا نام جپتے تھے نہ جانے وہ کہاں ٹھہرا“

ڈاکٹر ظفر ڈائری کھولے مسلسل شرارت پر آمادہ تھا۔ انتہائی کول مائنڈ سمعان احمد کا اس لمحے جی چاہا کہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کا گلدان اٹھا کر ظفر کے سر پر دے مارے۔

”ظفر! تم نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ اب کے سمعان احمد نے جھنا کر اس کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا ظفر نے چھلانگ لگا کر ڈریسنگ کی دوسری طرف رکھے صوفے پر جگہ بنالی تھی۔

”وہ قصہ ہر شبِ غم کا، جو تھا تحریر طاقوں پر
ہے دورِ شمع پُرنم کہ آہوں کا دھواں ٹھہرا“

”ظفری......“ سمعان احمد نے بیڈ سے کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔

مگر ادھر تو کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔

”سدا بھٹکا کیے لیکن مسافت میں نہ فرق آیا
وہیں تھیں منزلیں اپنی ترا پرتو جہاں ٹھہرا
تہی دامن تو تھے ہی مگر یہ بھی کیا عالم ہے
نہ ٹھہرا اشک ہی آنکھوں میں، نہ رخصت کا سماں ٹھہرا“

سمعان احمد اسے کینہ توز نظروں سے سر جھٹکتے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ سمعان دوبارہ اس کی جانب پیش قدمی کرتا وہ اچھل کر بیڈ پر جا کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ اونچے کیے سمعان کی پہنچ سے دور تھا۔

”کرم جس کا بہانہ تھا جبیں کا جو ٹھکانا تھا
وہ رنگِ آسماں ٹھہرا، نہ سنگِ آستاں ٹھہرا“

”ظفر! تم بہت کمینے انسان ہو......“ سمعان احمد کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اسے کچا نگل لیتا۔

”وہ جب بھی بات کرتا ہے عجب مبہم سی ہوتی ہے
اب اس کی بات کیا کریں سدا کا بدگمان ٹھہرا
بہت دلکش تھا خاور سراپا حسن کا جلوہ
کہ ہر اندازِ رعنائی میرا زورِ بیان ٹھہرا“

سمعان احمد نے ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے ہی اس کے ہاتھ سے ڈائری چھین لی۔

”ارے...... رے...... یار...... پڑھنے تو دو...... تمہاری داستانِ عشق، روداد محبت...... دردِ الفت...... بلکہ تمہارا زرش نامہ۔“ اس نے آنکھ میچی تھی۔ سمعان احمد کا جی چاہا کہ اس کی گردن دبوچ لے۔ وہ اب نان اسٹاپ بولنا شروع ہو گیا تھا۔ سمعان احمد نے ڈائری سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر لاک کر کے چابی اپنی پاکٹ میں ڈال کر اس کی جانب رخ کیا۔

”تمہیں شرم آنی چاہیے ظفر اس طرح کسی کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرتے ہوئے۔“ سمعان احمد کی آنکھوں میں واضح خفگی تھی بلکہ شرم دلا رہا تھا۔ یوں اپنا آپ عیاں ہونے پر ہلکی سی خفت بھی تھی۔

چہرہ کچھ سرخی لیے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر ظفر اس کی بات پر ایک دم قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ سمعان کا یہ روپ اسے مزید شرارت پر اکسا رہا تھا۔

”شرم تو تمہیں آنی چاہیے۔ مجھ سے یوں پردہ پوشی کرنے پر...... بلکہ زرش کا نام چھپانے پر میں نے تو یوں ہی کمر سیدھی کرنے کو تکیہ اٹھایا تھا۔ کیا پتا تھا اس ڈائری میں تمہاری داستانِ عشق رقم ہے۔ تم نے آدھا گھنٹہ باتھ لینے میں لگایا ہے اور میں نے چیدہ چیدہ اسے پڑھنے میں......“ وہ مسکرا کر اپنا کارنامہ بتا رہا تھا۔ سمعان احمد نے اپنی خجالت مٹانے کو اس پر کشنز کی بھرمار کر دی تھی۔ وہ خود کو سینت سینت کر رکھنے والا بندہ تھا مگر اب......

”بہت غلط حرکت کی۔ تم نے اگر یہ ڈائری اٹھا ہی لی تھی تو پڑھنے کی کیا ضرورت تھی......؟“ اپنی خجالت پر وہ خود ہی شرمندہ ہو رہا تھا۔

”زرش اچھی لڑکی ہے...... معصوم سی، کیوٹ سی مگر......“ اس کی بات کو قطعی نظرانداز کیے وہ اپنی ہانک رہا تھا۔ سمعان احمد نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا۔

”ظفر!“ وہ گھور کر رہ گیا تو وہ ہنس دیا۔

”ایسے تو اب مت دیکھو...... میں زرش نہیں ہوں۔“ آنکھ دبا کر وہ کہہ رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سمعان احمد کے لبوں پر ایک دھیمی مسکان آ ٹھہری تھی پھر وہ خود ہی کہنے لگا۔

”میں خود بہت الجھا ہوا تھا...... بلکہ میں خود تم سے یہ سب ڈسکس کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے ہی یہ سب ہو گیا......“ اپنی خفت کو ایک طرف ڈال کر سمعان احمد نے خود کو نارمل کیا۔ ظفر بھی ہنس دیا پھر ایک دم وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”ایک بات کہوں......؟“ سمعان احمد نے جو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال سنوارنے لگا تھا۔ اس کی بات پر پلٹ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”زرش بہت کم عمر ہے...... تم دونوں میں عمر کا فرق زیادہ ہے۔ وہ لاابالی سی ہے اور پھر تمہاری امی، کیا وہ مان جائیں گی؟“ وہ ایک مخلص دوست کی طرح مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔ سمعان احمد نے برش ڈریسنگ پر رکھ کر اس کے قریب بیڈ پر جگہ پکڑی۔

”ظفر! میں خود بہت پریشان ہوں...... امی کسی بھی طرح چچا جان وغیرہ کی فیملی کا نام تک سننے کو تیار نہیں۔ برسوں کی چھوٹی موٹی چپقلش کو انہوں نے اپنی انا کا مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ اب تو وہ زرش کو اپنے گھر تک میں برداشت کرنے کی روادار نہیں ہیں......“ سمعان احمد کو ایک مخلص و پرخلوص دوست کی ضرورت تھی۔ اس کے دل کی حالت سے تو وہ کب کا باخبر تھا مگر زرش سے متعلق قطعی طور پر بے خبر تھا

اور اب جب کہ اسے حقیقت سے آگاہی ملی تھی تو سمعان احمد نے اس کے سامنے اپنے دل کا درد کھول کر رکھ دیا تھا پھر اب چھپانے کا فائدہ بھی نہیں تھا۔

"واقعی...... زرش کیا ساری صورت حال سے باخبر ہے؟" پُر سوچ انداز میں اس نے سمعان احمد کا چہرہ دیکھا جہاں عجب موسم رقم تھا۔

خوشی بھی...... اور دل سوزی بھی۔

"نہیں۔" اپنے بالوں کو سمیٹتے سمعان احمد نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"اور میں چاہتا بھی نہیں ہوں کہ اسے کچھ علم ہو...... اس وقت تک تو بالکل نہیں جب تک امی راضی نہ ہو جائیں اور اگر امی کو علم ہو گیا کہ زرش کے متعلق میرے محسوسات اس نوعیت کے ہیں تو وہ زمین و آسمان ایک کر دیں گی...... کبھی نہیں مانیں گی...... کبھی بھی نہیں...... میں چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس طرح ہو کہ امی خود اپنی دلی آمادگی و رغبت سے نئے تعلقات کی ابتدا کریں۔" سمعان نے گزشتہ چند دنوں کی اندرونی پریشانی ایک دم ظفر کے سامنے لا رکھی تھی۔

"ہوں...... جس طرح کے تم لوگوں کے خاندانی حالات میں رنجشیں ہیں اس میں تو آنٹی کو اپنی پرانی تمام رنجشیں مٹا کر خود پیش رفت کرنا ہو گی۔" وہ بھی نہایت سنجیدگی کے ساتھ تبصرہ کر رہا تھا۔ سمعان احمد نے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر سے چند لمحے والی شرارت کا عکس ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملا تھا۔ سمعان کے ہونٹوں پر ایک دھیمی مسکان سرایت کرتی گئی۔

"چھوڑو یار اس ٹاپک کو...... جتنا بھی اسے سوچیں گے ذہنی انتشار کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ فی الحال تو تم مجھے آؤٹنگ کے لیے لے کر جانے والے تھے۔" سمعان احمد نے فوراً موضوع بدلا تھا۔ وہ خود بھی اس ٹاپک پر مزید گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ظفر نے اسے دیکھا اس کے چہرے پر ایک دم شرارت کا عکس لہرایا تھا۔

"عشق نے نکما کر دیا ظفر
ورنہ سمعان احمد بھی آدمی تھا بڑے کام کا"

سمعان احمد نے ایک دم قہقہہ لگایا۔ ظفر نے اچھا خاصا شعر برباد کر دیا تھا۔

"ویسے یار تمہیں زرش کا نام چھپانے پر میں قطعی معاف نہیں کروں گا۔" سمعان احمد نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو روکا۔

"مثلاً کیا کرو گے؟" سمعان احمد مکمل طور پر تھوڑی دیر والی کیفیت سے باہر آنا چاہتا تھا۔

"مثلاً یہ کروں گا کہ یہ سارے کشنز تمہیں دے ماروں گا اور اس کے بعد اچھی سی چائے پیئوں گا اور بعد میں تمہیں لے کر آؤٹنگ پر جاؤں گا اور تم نے چائے کا جو آرڈر دیا تھا وہ کہاں ہے......؟"

ڈاکٹر ظفر نے واقعی بیڈ پر بکھرے سارے کشنز ایک ایک کر کے سمعان احمد پر اچھالنے شروع کر دیے تھے۔

"ارے...... رے...... رے...... یہ کیا کر رہے ہو تم...... انسان بنو...... ڈاکٹر ہو مگر حرکتیں دیکھو اپنی......" سمعان احمد ادھر ادھر ہو کر اپنا بچاؤ کر رہا تھا مگر ظفر باز نہ آیا تو اس نے بجائے ادھر ادھر بھاگنے کے زمین پر بکھرے کشنز اٹھا کر اسے مارنے شروع کر دیے تھے۔ ایک دم ہی کمرے میں کشنز بکھر گئے تھے۔

"چائے کا میں نے صغریٰ کو پیغام دے دیا تھا۔ فرح نے تیار کروا لی ہو گی...... تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔" سارے کشنز ظفر پر اچھال کر سمعان احمد دروازے کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتا' آنے والا چائے کی ٹرالی لوازمات سے سجائے دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

سمعان احمد جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

سمعان احمد اسے آج پورے چار دن بعد دیکھ رہا تھا۔

چار دن پہلے جب وہ ان کے ہاں سے گئی تھی تو کس قدر اداس، مضمحل اور دلگرفتہ تھی اور اب...... چہرہ بالکل بے ریا تھا۔ چار دن پہلے امی اور زرش کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کا شائبہ تک نہ تھا۔ شگفتہ تر و تازہ چاندنی کی طرح روشن چہرہ لیے اپنی شہد رنگ آنکھوں کے دمکتے ہیرے لیے اس کے سامنے تھی۔

چار دن سے وہ امی اور اس کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کو سوچ سوچ کر سخت پشیمان ہو رہا تھا اور وہ تھی کہ......

"السلام علیکم......" زرش مسعود احمد نے اسے ایک دم تصورات کی دنیا سے باہر لا پٹخا تھا۔ سمعان احمد ایک دم جھینپ کر سیدھا ہوا۔ سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دے کر رخ موڑا تو ظفر کو شریر نظروں سے اپنی جانب دیکھتا پا کر خجل ہو گیا۔

"ارے زرش آئی ہیں۔ کیسی ہیں زرش آپ......؟" سمعان احمد کو شرارتی نظروں سے تاڑتے وہ زرش کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو گیا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... آپ کیسے ہیں......؟" وہ چائے کے لوازمات سے سجی ٹرالی اندر لا چکی تھی۔ آرام سے ٹرالی سیٹ کر کے وہ چائے کے لوازمات ٹیبل پر سجانے لگی تھی۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں...... البتہ......" ظفر نے کن انکھیوں سے جھینپتے ہوئے سمعان احمد کو دیکھا۔ سمعان احمد اس کے "البتہ" پر ٹپٹا اٹھا۔ نجانے اب کیا کہہ دے۔

"ظفر......" اس نے تنبیہی پکارا تھا۔ وہ کھل کر ہنس دیا۔ زرش نے ناسمجھی میں دونوں کو دیکھا اور پھر کمرے کی حالت کو...... جہاں جابجا کشنز بکھرے ہوئے تھے۔ بستر پر' قالین پر' صوفوں پر...... ورنہ سمعان احمد کا کمرہ تو بہت نفاست سے ٹپ ٹاپ ہوتا تھا مگر...... ارد گرد دیکھتے ہوئے اس کی نظر سمعان احمد پر آ ٹکی تو اسے یاد آیا کہ وہ آج یہاں کیوں آئی ہے؟

"سمعان بھائی! آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟" انتہائی سادہ انداز میں وہ پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد صوفے پر بیٹھتے ہوئے جھکا تو ظفر کھنکارا۔

"کیوں میری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟" زرش کے استفسار پر ظفر کھانسنے لگا۔ اسے نظرانداز کر کے

سمعان احمد نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"وہ صبح کالج میں فرحی ذکر کر رہی تھی کہ رات آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے گھر جا کر مما کو بتایا تو انہوں نے سختی سے تاکید کی کہ میں پوچھ آؤں۔ آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے مجھے آئے ہوئے۔ فرح چائے بنا رہی تھی۔ ابھی ایک دوست کی کال آ گئی تھی۔ مجھے چائے دے کر اس نے کمرے میں بھیج دیا تھا۔" سادگی سے مگوں میں چائے انڈیلتے ہوئے اس نے بتایا تھا۔ سمعان احمد کی نظریں اس کے سراپے میں الجھنے لگیں۔ ظفر کی موجودگی کا خیال کر کے سمعان احمد نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل دیا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ رات بس سر میں ہلکا سا درد تھا۔ اسی وجہ سے فرحی پریشان ہو گئی۔ بلاوجہ تم لوگوں کو بھی پریشان کیا۔ پاگل ہے وہ پوری......" سمعان احمد نے ہنس کر ٹالا تھا۔

"پاگل نہیں ہے۔ وہ بتا رہی تھی آپ آج کل کچھ پریشان رہنے لگے ہیں اور تو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنے بھی لگے ہیں۔ کسی چیز کی ٹینشن لے رہے ہیں۔ مما بھی یہی کہہ رہی تھیں اور علی بھی جب کہ میں خود بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔ آپ بدلنے لگے ہیں...... کچھ بات ہے ضرور جو ہمیں نہیں بتائیں گے۔" چائے کا مگ ظفر کو دے کر اس کی جانب بھی مگ بڑھائے بہت اپنائیت اور محبت وخلوص سے وہ پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

وہ اپنے اندر کی جنگ تو خود لڑ رہا تھا اور پھر ان لوگوں کو کیسے خبر ہو گئی کہ......؟

"دھوکا ہے تم لوگوں کا...... مجھے کوئی ٹینشن نہیں۔" شہد جیسی ہیروں کی طرح دمکتی صاف وشفاف آنکھوں سے خلوص واپنائیت سے نظر چرا کر اس نے کہا تھا۔

"ایسے کیسے ہو سکتا ہے......؟ ہمیں کوئی وہم نہیں ہوا۔ اتنے سارے لوگوں کا مشاہدہ غلط نہیں ہو سکتا...... اب آپ پہلے والے سمعان بھائی نہیں رہے...... بہت تبدیل ہو گئے ہیں آپ......" وہ سمعان احمد کے چہرے پر اپنی آنکھیں گاڑھے بالکل سنجیدہ تھا۔ سمعان ہنس دیا پھر ظفر کا خیال کر کے لب بھینچ لیے۔

"ظفر بھائی! آپ ہی ان سے پوچھیں ایسی کیا بات ہے جو یہ ہمیں نہیں بتا سکتے؟ کم از کم علی اور فرح کی پریشانی کا ہی خیال کر لیں۔" اب کے اس نے بالکل خاموش مگر زیر لب مسکراتے ظفر کو بھی گھسیٹا تھا۔ ظفر ایک دم سٹپٹایا تھا پھر سمعان کو معنی خیز نظروں سے تاڑتے ہوئے ہنس دیا۔

"بے فکر ہو جائیں زرش مسعود احمد...... سمعان احمد کو جو مرض لاحق ہے وہ لاعلاج ہے۔ ہاں اگر آپ تعاون کریں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

وہ آخر میں شرارت سے ہنس دیا تھا۔ زرش کے خاک پلے نہ پڑا۔

"کیا مطلب......؟" وہ الجھی تھی۔

"مذاق کر رہا ہے یہ تم جاؤ۔" اس سے پہلے کہ ظفر مزید گل افشانی کرتا سمعان نے فوراً زرش کا دھیان بٹایا تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ سمعان احمد اسے ٹال رہا تھا۔

"چلیں تو میں جاؤں گی مگر ایک بات میری سن لیں۔ آپ کی اس تبدیلی سے متعلق میں مزید جان کر

رہوں گی۔ میں فرح نہیں ہوں جو آپ کی باتوں سے بہل جاؤں۔ بات ہے ضرور...... میں پتا کروا لوں گی۔" وہ اسے اپنے ارادوں سے خبردار کرتی کمرے سے چلی گئی تھی۔ سمعان نے اس کے جاتے ہی ظفر کو گھورا۔

"تمہاری زبان بند نہیں رہ سکتی تھی۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" ایک ہی گھونٹ میں چائے ختم کرتے اس نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

سمعان بے چارگی سے اسے دیکھتے اس لمحے کو پچھتایا جب ڈائری ڈاکٹر ظفر کے ہاتھ لگی تھی۔ پہلے تو وہ اس کے عشق کے فرضی قیافے لگا رہا تھا مگر اب تو اس کے پاس "زرش" کا پورا حوالہ موجود تھا۔

* * *

داخلی دروازہ دھکیل کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا تھا' سیدھی نظر گہرے پرپل دوپٹے کے ہالے سے اپنی چھب دکھاتے چہرے پر ٹک گئی تھی۔ وہ بلاشبہ حسین تھی مگر اس وقت وہ اس لباس میں حسین ترین لگ رہی تھی۔

"اوہ...... یہاں تقریب شروع ہو چکی ہے۔" اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی تھی۔ ایئرپورٹ سے یہاں تک پہنچنے میں اسے پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا۔ یقیناً اب تک نواز اس کی آمد سے مایوس ہو کر اسے لعنت ملامت کا فریضہ انجام دے رہا ہوگا۔ سب ہی جانے پہچانے چہرے تھے۔ تینوں چچیاں تھیں' چچا جان تھے ان کی آل اولاد تھی۔ اچھا خاصا ہجوم تھا۔ ہر کوئی محو گفتگو تھا۔ گھریلو سطح پر منعقد ہونے والی سادہ سی تقریب مگر پھر بھی رشتہ دار احباب (قریبی) دکھائی دے رہے تھے۔

ابھی تک کسی نے بھی شارق زمان کی آمد پر دھیان نہیں دیا تھا۔ شارق نے یوں ہی کھڑے کھڑے نواز فاروق کو ڈھونڈنا چاہا۔ اردگرد کا جائزہ لیتے' تلاش کرتے اس کی نظر بائیں جانب رکھے صوفے پر ٹک گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ پیش قدمی کرتا پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ شارق زمان نے فوراً رخ بدلا۔

"شکر ہے تم بھی پہنچے ہو...... دو دفعہ تائی جان کا فون آ چکا ہے۔ ہر دفعہ تمہارے پہنچنے سے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ نواز بھی انتظار کر کر کے ابھی پانچ منٹ پہلے ہی یہاں پہنچا ہے۔ کم از کم کسی تقریب پہ ہی دستیاب ہو جایا کرو۔" نبیل اسے دیکھتے ہی نان اسٹاپ بولنا شروع ہو گیا تھا۔ شارق دھیمے سے مسکرا دیا۔

"ایم سوری۔ سیدھا ایئرپورٹ سے یہاں پہنچا ہوں۔ کیا کروں کام ہی ایسا تھا ورنہ میں کبھی نہ جاتا۔"

نبیل کے اس محبت بھرے شکوے پہ وہ فوراً شرمندہ ہو گیا تھا' نبیل مسکرا دیا۔

"چلیں آئیں...... اندر چلتے ہیں۔" وہ ابھی تک دروازے کی دہلیز پر ہی کھڑا تھا۔ نبیل کے کہنے پہ اس نے فوراً دہلیز چھوڑ دی اور قدم اندر کی جانب بڑھا دیے تھے۔ سب سے سلام دعا کر کے وہ نواز

[illegible]

بھرپور تھا۔

”مجھ سے ملنے یا بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ کل سے میں تمہارے نمبر پر ٹرائی کر رہا ہوں اور تم ہو کہ اس وقت جب سب کچھ ہو چکا ہے۔ اپنا چہرہ دکھا رہے ہو۔“ نواز کے لہجے میں بے پناہ خفگی تھی۔ اس نے شارق کا مصافحہ کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ بھی جھٹک دیا۔

”ایم سوری یار! رئیلی سوری۔ میرے اتنے اچھے دوست کی منگنی ہو اور میں نہ آؤں ہو ہی نہیں سکتا۔ ایئر پورٹ پر دیر ہو گئی تھی اور پھر یہاں تک آتے آتے ٹریفک نے بھی تمہیں شکوہ کرنے کا حق دے دیا۔ آئی پرامس تمہاری شادی پر جلدی آؤں گا۔“ معذرت کرتے کرتے وہ غیر سنجیدہ ہو گیا تھا۔ نواز نے اسے گھورنا چاہا مگر اس کو مسکراتے دیکھ کر وہ بھی ہنس دیا۔ شارق نے شکر ادا کرتے ہوئے اس کو گلے سے لگا لیا۔

”تم بیٹھو میں ذرا تمہاری منگیتر صاحبہ کا بھی قرض اتار دوں...... پھر تمہارے پاس بیٹھتا ہوں۔“

شارق زمان، نواز سے علیحدہ ہوتے ہوئے اس جانب بڑھ گیا تھا جدھر صوفے پر نویرہ بھی سنوری بیٹھی ہوئی تھی۔ چھوٹی چچی جان اس کے بائیں جانب تھیں جب کہ خالدہ چچی دائیں طرف۔

”السلام علیکم......“ دونوں خواتین نے اس کی جانب نگاہ اٹھائی۔

”وعلیکم السلام...... بڑی دیر کر دی آنے میں...... بڑی آپا کے کئی فون آ چکے ہیں۔ بار بار تمہارا پوچھ رہی تھیں۔“ چھوٹی چچی نے شارق کے سر پر پیار کرتے کہا تو وہ خفیف سا ہنس دیا۔

”میں نے راستے میں امی جان کو فون کر دیا تھا۔“ خالدہ چچی سے بھی پیار لیتے اس نے کہا تو نویرہ نے ہلکا سا سر اٹھا کر شارق زمان کو دیکھا تھا۔

کوٹ سوٹ میں ملبوس اپنے دراز قد سمیت انتہائی وجیہہ لگ رہا تھا۔ نویرہ کو اپنے اس کزن میں ایک عجیب سی خلش چھپی محسوس ہوتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بظاہر مسکرا رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ بھی عجب بناوٹی سی تھی یا شاید کچھ کی تھی۔

”کیسی ہو نویرہ تم؟“ اسے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر شارق نے پوچھا تو نویرہ نے ایک دم سٹپٹا کر چہرہ جھکا لیا۔ بہت کم شارق زمان اسے براہِ راست مخاطب کرتا تھا۔ عجب سی جھجک تھی۔ نہ صرف ان کے درمیان تھی بلکہ خاندان کا ہر فرد شارق زمان کے معاملے میں بہت حساس ہو جاتا تھا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے سو بار سوچتا تھا۔ بے تکلفی میں بھی تکلف پنہاں رہتا۔

”جی ٹھیک ہوں۔“ نویرہ نے جھکے سر سے ہی جواب دیا تھا۔

شارق زمان نے بغور دیکھا۔

گہرے پرپل دوپٹے کے ہالے میں اس کا خوب صورت چہرہ مزید گل رنگ ہوا جا رہا تھا۔ چند پل کے لیے تو شارق زمان کی نظریں اس چہرے سے ہٹنا بھول گئی تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں ”ہمیں یہاں سے ہٹنا گوارا نہیں۔“

”بیٹھو بیٹا...... میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں۔“ وہ خالدہ چچی کی آواز پر ایک دم چونک اٹھا تھا۔ عجب سی لہر اندر تک اتری تھی۔ خالدہ چچی اسے کہہ کر آگے بڑھ گئیں چھوٹی چچی تو پہلے ہی اٹھ چکی تھیں۔ شارق زمان نے ایک نظر پھر دیکھا۔

جھکا ہوا سر اس کے اندر اک عجیب سی لہر سرایت کرتا چلا گیا تھا۔

”اچھی لگ رہی ہو......“ اپنے احساسات سے گھبرا کر شارق نے ایک دم خود کو ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔ نویرہ کا گلنار چہرہ مزید دو آتشہ ہو گیا۔ وہ الجھ کر رہ گیا پھر بغور جائزہ لیا۔ شارق زمان کے لیے یہ بڑا دلچسپ لمحہ تھا پھر ہنس دیا۔

”یہ تمہارا گفٹ ہے...... پتا نہیں تمہیں پسند آتا ہے کہ نہیں۔ امی جان کی ہدایت پر یہ خرید لیا تھا۔“ اپنی پاکٹ سے ایک چھوٹا سا مخملیں کیس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے اس نے کہا تو نویرہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”جی...... امی......“

شارق زمان کے چہرے پر عجب سا تاثر تھا وہ صرف ایک لمحہ دیکھ پائی۔

”کیا گفٹ ہے بھلا...... ذرا ہم بھی دیکھیں......؟“ شارق زمان ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا تب ہی پیچھے سے نبیلہ بھابی نے آ کر پوچھا تھا۔ شارق نے وہی ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔

”دیکھ لیں۔“ شارق کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔ بھابی ہنس دیں۔ انہوں نے گفٹ لے کر فوراً کیس کھولا تھا۔ خوب صورت نگوں سے مزین گولڈ کا بریسلٹ اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ سامنے تھا۔

”ارے اتنا خوب صورت......“ بھابی ایک دم فدا ہو گئی تھیں۔ دیگر کزنز لڑکیاں ان کے گرد جمع ہونے لگیں۔

”ارے نویرہ مجھے یقین نہیں آ رہا...... یہ شارق لایا ہے۔“ بھابی کو بے لاگ تبصرہ کرنے کی عادت تھی۔ بغیر کسی کی پروا کیے انہوں نے فوراً کہا تھا۔ نویرہ جہاں خائف ہوئی تھی شارق بھی سٹپٹا کر پیچھے ہٹا تھا۔

”امی جان کی ہدایت تھی پھر جدہ سے رفعت باجی بھی کہہ رہی تھیں ان ہی کے مشورے پر خریدا تھا...... پسند آئے تو ٹھیک ورنہ معذرت......“ ایک دم اپنے لیے دیے انداز میں کہہ کر وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ واپس نواز کی جانب قدم بڑھاتا۔ ایک دم نظر ایک جانب کھڑکی کے پاس بے حس و حرکت کھڑے رضا حمید کی جانب اٹھی تھی۔ وہ نویرہ کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

شارق زمان نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اپنی بھابیوں رمشاء اور دیگر لڑکیوں میں گھری نویرہ کو دیکھا۔ ایک دم شارق ٹھٹکا تھا پھر پلٹ کر رضا کی طرف نظر کی۔

وہ اب بھی اسی طرح کھڑا تھا اپنے اردگرد سے بے خبر...... شارق نواز کی جانب بڑھنے کے بجائے اس کی طرف آ گیا تھا۔

”رضا! خیریت...... کیا ہوا ہے......؟“ اس کے سر پر پہنچ کر اس نے پوچھا تھا۔ وہ اس کی آواز سن کر

یوں ٹھٹکا جیسے اچانک اس منظر میں داخل ہوا ہو۔

”کیا ہوا یار؟“ وہ خالی خالی نظروں سے شارق کو دیکھ رہا تھا۔ شارق نے آج سے پہلے اسے کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ کچھ حیران ہوتے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ جیسے حواسوں میں آ گیا۔

”نہ...... نہ...... نہیں...... تو کچھ بھی نہیں ہوا مجھے...... میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔“ ایک دم اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ ملتے جیسے پچھلے تاثر کو زائل کرتے اس نے کہا تھا۔ شارق کچھ الجھا پھر اس کی سرخ انگارہ آنکھوں میں جھانکا۔ وہ نظریں پھیر گیا۔

”کچھ نہیں ہوا بھائی بس ہلکا سا بخار ہے۔“ اپنے ہونٹوں کو کاٹتے اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔

”اچھا...... تب ہی میں کہوں تمہاری کزن کم دوست زیادہ کی منگنی ہو رہی ہے اور تم مجنوں کی طرح ہوش و حواس گم کیے...... دنیا و مافیہا کو بھلائے یوں رہ ہی نہیں سکتے۔“ شارق نے ہنس کر کہا تو وہ اپنے ہونٹ مزید کچلنے لگا پھر شارق نے اس کی کلائی تھامی تو واقعی پریشان ہوا تھا۔ وہ بخار سے پھنک رہا تھا۔

”واقعی یار! تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ تم یہاں کھڑے ہو اپنے بستر پر آرام کرنا چاہیے تھا تمہیں۔ اس طرح تو طبیعت بگڑ بھی سکتی ہے۔“

انتہائی تشویش سے وہ کہہ رہا تھا۔ رضا کے چہرے پر ایک تھکی مسکراہٹ ابھر آئی۔

”بس میں گھر ہی جانے والا تھا۔“ اس نے تیزی سے اپنی کلائی چھڑائی۔

”ہاں تم کو بستر پر لیٹ کر آرام کرنا چاہیے۔“ اس کے کندھے پر تھپکی دیتے شارق نے کہا تو وہ ایک دم تیز تیز قدم اٹھاتا دروازہ پار کر گیا تھا۔ شارق نواز کے پاس وہ تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

”یہ سب اتنی جلدی ہو گیا...... میں نے تو ہفتہ پہلے صرف رشتہ طے ہونے کی خبر سنی تھی۔ اب ایک دم یوں منگنی...... آخر بات کیا ہے...... خیریت ہے نا؟“ شارق نے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

”خیریت و عافیت ہی نہیں سب کچھ ٹھیک ہے۔ بس امی اور بہنیں یہ سب کچھ جلدی کرنا چاہتی تھیں۔“ اس نے آرام سے بتایا۔

”اور تمہاری اس کزن...... کیا نام ہے اس کا......؟“ شارق نے ذہن پر زور دیا تھا۔ ”ہاں...... یاد آیا رومیسہ...... اس کا کیا بنا پھر......؟ بڑے نیک جذبات رکھتی تھیں وہ تمہارے لیے۔“ شارق زمان نے ازراہِ مذاق پوچھا تھا...... بلکہ چھیڑا تھا۔

”امی نے میرے سامنے رومیسہ اور نوریہ دونوں کے نام رکھے تھے۔ بظاہر دونوں ہی سلجھی ہوئی باادب لڑکیاں ہیں لیکن میں نے امی کے سامنے نوریہ کا نام منتخب کیا تھا۔ میں اپنی چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ ایسے میں امی جیسی لڑکی کی ڈیمانڈ کرتی تھیں وہ ساری خوبیاں نوریہ میں تو تھیں مگر رومیسہ نے ایک آزاد خیال اور ہم سے مختلف ماحول میں پرورش پائی ہے۔ وہ شاید ہمارے خاندانی طور طریقوں کے مطابق خود کو نہ ڈھال پائے جب کہ مجھے صرف اور صرف اس ’خاندان‘ اپنے گھر کی فلاح و بہبود چاہیے تھی۔ اسی لیے میں نے نوریہ کا نام لے لیا تھا۔ امی کو اپنی بھتیجی کے ریجیکٹ ہونے پر دکھ تو ہوا تھا مگر جب میں نے اپنے خیالات سے انہیں آگاہ کیا تو وہ دل سے راضی ہو گئی تھیں۔ اس طرح یہ منگنی طے پا گئی۔“ آرام سے اس نے چند الفاظ میں سب کچھ سنایا۔

”تم خوش ہو؟“ شارق زمان نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھا تو وہ کھل کر مسکرا دیا۔

”نوریہ کسی بھی شخص کا آئیڈیل ہو سکتی ہے۔ پڑھی لکھی‘ باحیا‘ باکردار‘ سلجھی ہوئی اور تہذیب یافتہ ہر خوبی تو اس میں موجود ہے پھر میرے رنجیدہ ہونے کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔“ وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

”بڑی چیز ہو تم۔“ شارق نے بھی مسکرا کر ایک مکا جڑ دیا تھا۔

* * *

”قیصرہ بیگم کی طبیعت خراب تھی۔ شائستہ بیگم ان کی عیادت کو آئی ہوئی تھیں۔ یوں تو قیصرہ طاہرہ بیگم کی بڑی بہن تھیں مگر رشتے میں قیصرہ ان کی چچازاد بہن بھی لگتی تھیں۔ طاہرہ سے لاکھ شکوے شکایتیں ہوتیں مگر رشتے داری ایسی تھی کہ ہر ایک سے ملنا ملانا رہتا تھا۔

”تم ٹھہرو میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔“ شوفر کو ہدایت دے کر وہ گیٹ کھول کر اندر بڑھ آئی تھیں۔ راہداری میں انہیں کوئی شخص دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ سیدھی اندرونی دروازے کی طرف بڑھی تھیں۔

اس سے پہلے کہ وہ داخلی دروازہ کھول کر قدم اندر رکھتیں، آنے والی آوازوں نے ان کے قدم جکڑ لیے تھے۔

”کیا کروں آپا...... مجبوری سی مجبوری ہے۔ وہ لڑکی تو میرے سینے پر مونگ دلنے کو کافی ہے۔ اوپر سے سمعان کے باپ کی ضد وہ میرے جیسا بیٹا ہے میرا اسے اس چڑیل کے لیے کیسے ضائع کر دوں۔ سعید احمد کو تو بھتیجی کی محبت کی تپ چڑھی ہوئی ہے۔ روز میرا ضبط آزما رہا ہے وہ شخص...... میرا بس نہیں چل رہا کہ کچھ کر بیٹھوں۔“ طاہرہ بیگم انتہائی نفرت سے کہتی رو بھی رہی تھیں۔ شائستہ بیگم الجھ کر رہ گئیں۔ گفتگو کس کے متعلق تھی کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

”تو تم اس کم بخت کو گھر میں گھسنے ہی کیوں دیتی ہو...... میں تو سچ کہوں گی یہ تمہاری ڈھیل ہے ورنہ کس کی مجال ہے جو تمہاری مرضی کے بغیر تمہارے گھر میں قدم بھی رکھ لے...... اور وہ بھی چھٹانک بھر کی زرش۔“

قیصرہ بیگم کے لہجے میں انتہائی حقارت تھی۔ شائستہ بیگم کے دل پر ایک چوٹ سی لگی تھی۔ ایک دم یوں لگا کسی نے دل مٹھی میں لے کر بھینچ لیا ہو۔

”اوہ تو موضوعِ گفتگو یہ ہے۔“ وہ دکھ سے کٹ کر رہ گئیں۔

”میرے نصیب برے ہیں...... مجھے تو زندگی گزارنے کا سلیقہ ہی نہیں آیا۔ ماں باپ کے گھر میں بھی اور پھر سسرال میں بھی...... اوپر سے سعید احمد جیسے شخص کے ساتھ نے زندگی سے بھی بیزار کر دیا ہے۔ باپ تو باپ اولاد تک مجھے کچھ نہیں سمجھتی۔ پتا نہیں شائستہ کے ہاتھ میں ایسا کون سا جادو ہے۔ میری ساری اولاد ”چچی جان‘ چچی جان“ کے گن گاتی پھرتی ہے۔ فرح تو پھر میری نظر سے ڈر کر کچھ اثر

”بیٹھو بیٹا...... میں ذرا مہمانوں کو دیکھوں۔ [illegible]

کر لیتی ہے۔ علی تو بالکل ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ منہ پھٹ اتنا کہ خدا کی پناہ...... سمعان کی ہر بات ہی نرالی ہے...... جب بھی کوئی بات کہوں گی چپ چاپ سر جھکا کر سنتا رہے گا۔ نہ کوئی ہاں اور نہ کوئی ناں۔ کرنا وہی ہے جو چچا، چچی یا باپ نے کہنا ہے۔" وہ اب زور و شور سے رو رہی تھیں بلکہ دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

شائستہ بیگم کے دل میں ایک اشتعال کی گہری لہر اٹھی تھی مگر وہ بڑے ضبط کے ساتھ اپنے غصے کو پی گئیں۔

"میں اب بھی کہتی ہوں ابھی بہت وقت نہیں گزرا۔ سعید احمد کو اعتماد میں لو۔ اسے اپنی طرف راغب کرو۔ اولاد بھی تمہارا کہنا مانے گی ویسے سمعان احمد تو بڑا سعادت مند بچہ ہے۔ جو کہو گی بھی انکار نہیں کرے گا۔ ماں والا رعب رکھو۔"

قیصرہ بیگم طاہرہ کو سمجھا رہی تھیں۔ شائستہ بیگم کا دل قیصرہ کی جانب سے ایک دم بھر آیا۔

"یہی تو دکھ ہے آپا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا مگر اس کی ایک نظر ہی ایسی ہوتی ہے کہ مجھے اسے کچھ کہنے کی اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو پورے کا پورا باپ کے کنٹرول میں ہے۔ اوپر سے اب تو دل کو یہ جو نیا خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ میری تو راتوں کی نیندیں ہی اڑ گئی ہیں۔"

سوں سوں کرتی وہ بتا رہی تھیں۔ شائستہ بیگم نے ہونٹ بھینچے۔ اندر جو گفتگو ہو رہی تھی وہ اس قابل تو نہیں تھی کہ اب وہ اندر جائیں مگر واپس جانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ وہ کشمکش و پیچ میں گرفتار ہو گئیں کہ کیا کریں۔

"تم نے سعید احمد سے میری فوزیہ کی بات کی۔ سمعان احمد کے سلسلے میں؟"

وہ اندر قدم بڑھانے کو ہی تھیں کہ قیصرہ کی بات سن کر پھر اپنی جگہ پر ہی جم گئیں۔

"کہاں آپا! موقع ہی نہ مل سکا۔ سعید احمد نے تو دوٹوک کہہ دیا کہ زرش کے علاوہ سمعان احمد کی زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آ سکتی۔ سو جتن کر کے عثمان سے ہادیہ کا پیچھا چھڑایا تھا۔ وہ تو شکر ہوا کہ عثمان نے خود ہی زوباریہ کا نام لے کر اپنے باپ کی زبان بند کر دی تھی پھر وقار اور ہادیہ کی شادی ہوتے ہی میں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ پیچھے رہ گئی نوشین۔ اس کے طرف سے مجھے فکر تھی مگر اس کا عفان سے رشتہ طے ہوتے ہی یہ فکر بھی ختم ہو گئی مگر پتا نہیں تھا کہ سعید احمد تیسری کا نام لے کر مجھے خاموش کر دیں گے۔ اوپر سے سمعان احمد، میرا تو سوچ سوچ کر دماغ پھٹنے لگا ہے۔ لاکھ میں نے سعید احمد کو سمجھایا کہ وہ کم عمر ہے نا سمجھ ہے۔ سمعان سے مختلف ہے مگر اس اللہ کے بندے کی بھی ایک ہی رٹ ہے۔ زرش نہیں تو کوئی بھی نہیں۔ میں نے اپنی ماں کو زبان دی تھی کہ اپنے بھائی کی بیٹیوں سے کسی ایک کو سمعان کی دلہن ضرور بناؤں گا۔ لو بھلا ماں تو مر گئی اور یہ شائستہ کی لڑکی میری جان کا آزار بن گئی ہے۔ سچ کہتے ہیں جیسی ماں ویسی بیٹی۔ ماں سعود احمد کو ہی لے اڑی اور بیٹی میرے بیٹے کی عقل گم کر رہی ہے۔"

شائستہ بیگم کے لیے اب مزید سننا دوبھر ہو گیا تھا۔ پہلے تو جی چاہا کہ خاموشی سے واپس پلٹ جائیں مگر پھر کچھ سوچ کر دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئیں۔

"السلام علیکم......" دروازے کی آواز سن کر دونوں پلٹی تھیں مگر اپنے سامنے شائستہ کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ شائستہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہیں۔ دونوں کے یوں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر رنگ ہی اڑ گئے تھے۔

"وعلیکم السلام! ارے شائستہ آئی ہے۔ آؤ بھئی...... بسم اللہ...... بسم اللہ۔" قیصرہ بیگم فوراً سنبھلی تھیں۔ شائستہ بیگم کا جی چاہا کہ ان جیسی عیار عورت کا منہ نوچ لیں مگر ایسی جذباتیت ان کی فطرت میں نہ تھی۔ ہونٹ بھینچ کر انہوں نے طاہرہ کو دیکھا جو غیظ بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"آئی تو میں آپ کی طبیعت معلوم کرنے تھی مگر یہاں آ کر جو کچھ سنا ہے۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ اپنی بیٹی کے متعلق اس طرح کی واہیات گفتگو کرنے والے کا منہ نوچ لوں مگر قیصرہ آپا کا ادب و لحاظ آڑے آ جاتا ہے۔ کاش آپ صرف طاہرہ کی بہن ہوتیں تو میرے لیے معاملہ صاف کرنا آسان ہوتا۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ آپ میرے چچا مرحوم کی بیٹی ہیں۔ طاہرہ تو یہ سب رشتے فراموش کر چکی ہیں۔ آپ تو یاد رکھیں۔ اپنی بیٹی کی جگہ بنانے کے لیے کسی کی بیٹی پر اس طرح کی الزام تراشی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔"

ان کا دل لہولہو ہو رہا تھا۔ زرش انہیں کس حد تک عزیز تھی کاش کوئی ان کا دل چیر کر دیکھتا۔ انہوں نے تو اسے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ اس کے باپ نے تو اسے ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا اور یہ لوگ......

شائستہ کی باتیں سن کر جہاں طاہرہ نے نظروں کا زاویہ بدلا، وہاں قیصرہ بیگم کی آنکھوں میں ایک دم غصہ چھلکنے لگا تھا۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو تم شائستہ!" انہیں تو غصہ تھا وہ طنز سے ہنس دیں۔

"ہوش میں تو ہوں...... طاہرہ کی بدولت آج تک میں سعید بھائی کے سامنے شرمسار ہوں۔ کبھی سر اٹھا کر ان سے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکی اور یہ عورت ہے کہ اپنا گھر تو برباد کر چکی ہے۔ اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ میری اولاد کو بھی باعث آزار بناتی جا رہی ہے۔" شائستہ بیگم بغیر کسی لگی لپٹی کے کہہ گئیں۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہوتی۔ اس وقت ان کی بھی کیفیت تھی۔

"شائستہ۔" طاہرہ ایک دم چیخ اٹھی تھیں۔ شائستہ کا گھر برباد کر لینے کا طعنہ سیدھا دل پر لگا۔ دل سے خون رسنے لگا تھا۔

"اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے تمہیں۔ سچ کہہ رہی ہوں میں۔ میرا شوہر تو ساری عمر اپنی مٹھی میں رکھا۔ میرے بیٹے کو بھی تم ماں بیٹی ورغلا رہی ہو۔ مجھے آئینہ دکھانے سے پہلے تم اپنی کریہہ صورت تو دیکھو۔" وہ تکلیف سے بلبلا اٹھی تھیں۔ جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ شائستہ بیگم استہزائیہ ہنس دیں۔

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ پہلے تم اپنے گریبان میں جھانکو پھر مجھے الزام دینا۔ میں تو اماں جی (ساس) کے وعدے کی پابند ہوں ورنہ تمہیں ایسا جواب دیتی کہ ساری عمر پچھتاتی۔ مجھے رشتوں کی محبتیں رلاتی ہیں ورنہ میری بیٹی تم جیسی عورت کے قابل کہاں ہے...... مجھے تو تمہاری اولاد کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ دل خون کے آنسو روتا ہے۔ نجانے تم کیسی عورت ہو جو اپنی اولاد کی خوشیوں کو نگلنے کو

بے تاب ہو۔ ہمیں تو بخشو بی بی...... اللہ ہی تمہیں ہدایت دے۔ ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے حق میں بھی......“

وہ طاہرہ بیگم کو صاف صاف سنا کر بغیر ایک سیکنڈ ضائع کیے وہاں سے نکل آئی تھیں۔ ڈرائیور ابھی بھی وہیں تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اس نے مستعدی سے دروازہ کھولا۔ وہ اندر بیٹھ گئیں۔

دل اندر ہی اندر تکلیف سے بلبلا رہا تھا۔

”زرش......“ ان کے ہونٹوں سے بے آواز سسکاری نکلی۔

”اماں جی آپ کے وعدے نے ہمیں کس عذاب سے دوچار کر دیا ہے۔ کاش آپ دیکھتیں۔“ ان کی آنکھیں جل تھل ہو رہی تھیں۔ وہ بکمال ضبط سے آنکھوں کو چھلکنے سے باز رکھ رہی تھیں۔

”اور سمعان احمد......“ ان کا خیال بھٹک گیا۔ ذہن دو حصوں میں بٹنے لگا۔ ایک طرف زرش ان کی اپنی بیٹی تھی ان کی زندگی تھی' ان کی چہیتی۔

اور دوسری طرف سمعان احمد۔ اس کی بے رنگ و بے کیف زندگی...... اس کی آنکھوں کے جلتے دیے...... اور ان کی خواہشیں......

”کیسی بے حس ماں ہو تم طاہرہ۔ میں چچی ہو کر تمہارے بیٹے کی آنکھوں کے جلتے دیوں کی روشنی محسوس کر گئی ہوں اور تم ہو کہ ان ہی دیوں کو بجھانے کو تیار کھڑی ہو۔ کاش میں صرف زرش کی ماں ہوتی۔ سعید احمد کی ماں بھری بہن اور سمعان احمد کی تشنگیوں کی رازداں نہ ہوتی تو میں اپنی بیٹی کی بقا کے لیے آرام سے فیصلہ کر کے ایک طرف ہو جاتی تو آج یہ تکلیف' اذیت تو نہ سہہ پاتی۔“ ان کی آنکھوں کے کناروں سے کئی صاف شفاف موتی نکل کر رخساروں پر بہتے ان کے گریبان میں جذب ہوتے چلے گئے تھے۔

* * *

نجانے کمرے میں اس قدر حبس تھا یا پھر اس کے اندر...... اس گہری ہر سو چھائی تاریکی میں وہ کھڑکی کھولے گہری گہری سانس لے رہا تھا مگر اندر کی حدت کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

نجانے کیسی آگ تھی جو بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ درد تھا کہ حد سے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اذیت تھی کہ بے حد وحساب......

غم تھا کہ نہ مٹنے والا......

چند پل رضا حمید نے زور زور سے سانس لینے کی کوشش کی تھی مگر اندر کی گھٹن جوں کی توں تھی۔ اس نے اپنے قدم کھڑکی سے ہٹا کر بستر کی جانب بڑھائے تھے۔

اضطراب' بے چینی' بے قراری و پریشانی سے ایک کے بعد دوسری دراز کھولتا چلا گیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے سے اس کے اندر سے دھواں اٹھ رہا تھا جو اس کا سب کچھ جلاتا جا رہا تھا...... اس کے ارمان...... اس کے ان دیکھے خواب...... اس کی خواہشوں کی تتلیوں کے نازک پر...... اور میٹھے میٹھے سپنے......

کھڑکی سے دوسری طرف کا منظر بہت صاف وشفاف تھا۔ گہری تاریکی تھی مگر اس تاریکی میں اولین چاند کی کرنیں بہت مدھم روشنی بکھیر رہی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر چاند کو دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ نامکمل چاند میں ایک ادھورا سا عکس جھلملانے لگا تھا۔

”نوریہ احسان۔“ اس کے لبوں سے یہ نام نکلا تھا اور پھر درد بن کر اس کے اردگرد پھیلتا چلا گیا تھا۔

وہ اپنے دل کی اس انوکھی جسارت پر خود بھی حیران تھا...... پشیمان تھا...... ایک درد کے لامتناہی صحرا میں بھٹک رہا تھا۔ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کرے؟

”اف میرے اللہ! یہ کیا ہو گیا...... وہ تو میرے لیے بہت محترم تھی۔ بہت عزیز' پھر یہ کیفیت کون سی سزا ہے میری......“ بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتے وہ اذیت کی انتہا پر تھا۔

اپنے دل کے اس دوغلے پن کے پُرفریب دھوکے پر اپنے دل کے جرم کو ناقابلِ معافی قرار دے کر خود کو سزا پر سزا دے رہا تھا۔

اندر سینے میں جلنے والی آگ اس طرح بجھنے والی نہ تھی۔

”ایم سوری نوریہ میں اپنے آپ کو کیسے سمجھاؤں۔ تم تو میرے لیے باعثِ صد احترام تھیں۔ نجانے یہ دکھ کا صحرا کہاں سے ابھر آیا ہے۔ میں تو اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں ہوں۔“ وہ جذباتیت سے کڑھ کر رہ گیا۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ کلاک پر ایک نظر ڈال کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ چہرہ جل رہا تھا۔ نظروں میں بار بار دلہن بنی سجی سنوری نوریہ کا حسین چہرہ گھوم رہا تھا۔ بخار جوں کا توں تھا۔ اپنے اندر کی گھٹن کم کرنے کو اس نے نل کھول کر پانی ہتھیلیوں میں بھر بھر کر چہرے پر چھپاکے مارنا شروع کر دیے تھے۔

رضا حمید کا یہ شغل نجانے کب تک جاری رہتا۔ معاً دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

ایک دفعہ......

دو دفعہ پھر دستک ہوتی چلی گئی۔ نل بند کر کے تولیے سے منہ رگڑتے وہ باہر نکلا تھا۔

”اس وقت...... خدا خیر کرے۔“ دستک اگرچہ دھیمی آواز میں احتیاط سے دی جا رہی تھی مگر رات کے اس پہر...... وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

”کون ہے......؟“ اس نے پوچھا مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ صرف دستک ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہوا تھا ساتھ حیران بھی...... اس نے دروازہ کھول دیا تھا لیکن دروازے پر موجود شخصیت کو دیکھ کر اس کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

”تم...... اس وقت...... خیریت......؟“ اندر کی کڑواہٹ اس کی زبان میں بھی آ گئی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے یہ لڑکی آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ بارہا اسے جھڑک چکا تھا۔ انتہائی بے عزت کر چکا تھا اور نجانے اس لڑکی کے کیا ارادے تھے اور اب اس وقت اس کی آمد اس کے اندر خطرے کا الارم بجا تھا۔

”تمہارے کمرے کی لائٹ روشن تھی۔ میں نے سوچا تمہیں دیکھ لوں کہیں بخار سے زیادہ طبیعت

خراب نہ ہوگئی ہو۔" وہ واقعی متفکر تھی مگر رضا حمید پہ کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

"شکریہ اس نوازش کا...... میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" دل تو چاہا کہ ایک کڑوا سا جواب دے کر رمشاء جاوید کو اپنی نظروں سے اوجھل کر دے مگر اس کا لحاظ و مروّت آڑے آ گیا تھا۔

"مگر تم جاگ کیوں رہے تھے؟" وہ قدم کمرے میں رکھ چکی تھی۔ رضا نے اسے گھورا۔

"پاگل کتے نے کاٹ لیا تھا اس لیے......" بچپن سے لے کر اب تک یہ لڑکی اسے انتہائی زہر لگتی تھی۔ نفرت سی ہو گئی تھی۔ اس سے مگر وہ بھی ڈھیٹ تھی۔ رضا حمید کو سلگتے دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دی۔

"نویرہ یاد آ رہی تھی؟" بڑے آرام سے وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا حمید کو لگا جیسے اس نے اس پہ تیزاب کی پوری بوتل انڈیل دی ہو۔

"شٹ اپ...... گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" دبی آواز میں وہ پھنکارا تھا۔ نجانے اس کے جذبوں سے آگاہی اس پاگل لڑکی کو کیسے ہو گئی تھی۔ ایک ہفتے سے رضا حمید کی یہ حالت تھی اور وہ ایک ہفتے سے اسے زچ کر رہی تھی اور اب رات کے اس پہر......

"مجھے شٹ اپ کروا کر تم کس کو دھوکا دو گے خود کو یا مجھے......؟" وہ سلگ رہی تھی۔

"تم جاتی ہو یا میں تمہیں دھکے دے کر باہر نکالوں۔" وہ بمشکل اسے برداشت کر رہا تھا۔ اگر وہ اس کی ماموں زاد نہ ہوتی تو وہ واقعی اسے دھکے دے کر نہ صرف اپنے کمرے سے نکالتا بلکہ اپنے گھر سے بھی باہر کرتا بعد میں گھر والے جو مرضی سلوک کرتے۔

"ہونہہ...... تم مجھے کیا نکالو گے۔ میں تو خود چلی جاؤں گی مگر یاد رکھنا نویرہ کا بھوت سر سے اتار لو۔ کچھ نہیں تو کم از کم اپنی اور اس کی عمر کا ہی لحاظ کر لو...... اپنے سے بڑی آپا جی سے عشق فرما رہے ہیں محترم۔" رضا حمید کا ہتک آمیز انداز دیکھ کر وہ بھی سلگ اٹھی تھی۔ رضا حمید سے اس کے الفاظ برداشت نہیں ہوئے تھے۔

"شٹ اپ......" رضا نے کھینچ کر طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ اندر جو دل جل رہا تھا اس کی تپش کسی نہ کسی طرح تو نکلنی ہی تھی۔

رمشا تھپڑ کھا کر ایک دم ساکت رہ گئی تھی۔ بے یقینی سے رضا حمید کو دیکھا۔ وہ لاکھ نفرت کا اظہار کرتا تھا مگر کبھی ہاتھ اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی اور اب......

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

رضا حمید غصے بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت دماغ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہ تھا۔ یہ بھی نہیں کہ رات کے اس پہر ان کا شور سن کر کوئی ادھر بھی آ سکتا ہے۔

"تم فوراً میرے کمرے سے نکل جاؤ...... بس فوراً۔" وہ کہہ رہا تھا۔ کمرے میں چکر لگانے لگا تھا۔

"تم پچھتاؤ گے دیکھنا تم...... مجھے رلا کر تم کیسے سکھی رہ سکتے ہو۔ تم تو اپنی کیفیت سے اب باخبر ہوئے ہو۔ میں تو اسی دن سے جان گئی تھی جب مستقل تمہارے گھر رہنے آئی تھی اور وہ پاک دامن کیسے بڑی آپا بن کر تمہیں ورغلا گئی...... کمینی...... ذلیل......"

رخسار آگ کی طرح دہک رہا تھا اور اسی حساب سے اس کی زبان شعلے اگلنے لگی تھی۔ رضا سے مزید برداشت نہ ہوا۔ وہ اشتعال میں آگے بڑھا تھا۔

"بہت ہو گئی...... دفعہ ہو جاؤ تم یہاں سے۔ آئندہ میرے سامنے اپنی شکل لے کر نہ آنا ورنہ کچھ کر بیٹھوں گا میں۔ مجھے تم جو مرضی کہو نویرہ کے لیے ایک لفظ بھی نہیں۔"

اس کی بارود کی طرح آگ اگلتی زبان دیکھ کر رضا حمید نے اس کا بازو دبوچ کر کمرے سے باہر دھکیل دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی۔ رضا نے کھٹاک سے دروازہ لاک کر دیا۔

"بدتمیز...... اسٹوپڈ......" اس نے نویرہ کو گالی دی تھی۔ رضا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا قتل کر دے۔ کمرے کی جو بھی چیز ہاتھ لگتی گئی وہ تہس نہس کرتا چلا گیا تھا۔

* * *

ماما کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ آج پھر یہاں تھی۔ اس گھر سے جانے کو اس کا جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ تائی جان کی بے انتہا نفرت کے باوجود ہر دفعہ وہ یہاں چلی آتی تھی اور یہاں آنے کے بعد وہ جس قدر ذلیل ہوتی تھی۔ یہ صرف وہی جانتی تھی یا پھر فرح اور علی۔ یہ ان لوگوں کی محبتیں ہی تو تھیں جو ہر بار اسے یہاں کھینچ لاتی تھیں پھر تایا جان کا صرف ایک دفعہ محبت سے فون کرنا ہوتا تھا اور وہ دوڑی چلی آتی۔ پچھلی ہر ذلت بھلا کر...... ہر بات فراموش کیے وہ پھر یہاں ہوتی تھی۔

کالج میں روز فرح سے ملاقات ہوتی تھی۔ سارا دن وہ اکٹھی ہی ہوتی تھیں۔ ایک ہی سبجیکٹ تھا۔ اس لیے دونوں کا ایک ساتھ پریڈ ہوتا تھا پھر دونوں کی دوستی بھی تو مثالی تھی اور گھر آ کر صرف چند گھنٹے آرام سے گزارتی تھی۔ ادھر فرح کا فون آیا نہیں ادھر زرش بی بی نے گھر سے قدم نکالا نہیں۔ اس وقت بھی وہ علی اور فرح کو فون کرنے آئی تھی۔

ماما نے کتنا منع کیا تھا۔ غصے سے بھی پیار سے بھی سمجھایا تھا اور پھر جب زرش کی آنکھوں میں آنسو مچل آئے تو انہوں نے خود ہی پچکار کر سمجھاتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ڈرائیور کو اس نے باہر سے ہی چلتا کر دیا تھا۔ چوکیدار نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ لان میں فرح اور علی بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسے دیکھ کر دونوں کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

"شکر ہے تم آئیں تو۔ میں تو اکیلے بیٹھ بیٹھ کر بور ہو رہی تھی۔ کسی چیز میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔" فرح اسے دیکھ کر فوراً شروع ہو گئی تھی وہ ہنس دی۔

"کچھ نہ پوچھو ماما سے، بڑی مشکل سے اجازت ملی ہے۔ نہ جانے کل سے انہیں کیا ہو گیا ہے۔ کل بھی نہ آنے دیا اور آج بھی۔ میں رونے لگی تھی پھر خود ہی کہنے لگیں کہ چلی جاؤ مگر احتیاط سے، میں کوئی گڑبڑ نہ کروں اور تائی جان کو بالکل تنگ نہ کروں۔ تم خود ہی بتاؤ بھلا میں تمہاری والدہ صاحبہ کو کب تنگ کرتی ہوں؟ یہ وہی ہیں جو مجھے ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کر پاتیں۔" کرسی پہ بیٹھ کر اس نے سب سے پہلے اپنا دکھڑا رو دیا تھا۔

چونکہ یہ روز کا معمول تھا فرح اور علی نے مطلق دھیان نہ دیا۔

"ویسے تم دونوں نے کال کر کے مجھے ارجنٹ کیوں بلایا ہے...... خیریت ہے نا......؟" ان دونوں کے چہرے اسے کچھ سسپنس سے بھرپور دکھائی دیے تو وہ چونکی۔ اپنا دکھڑا بھول کر فوراً پوچھا۔

"آج امی اور ابو کے درمیان بڑی زوروں کی لڑائی ہوئی ہے۔ جب میں کالج سے لوٹی تب کی بات ہے۔" فرح نے سنجیدگی سے بتایا تو زرش خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ علی لاپروائی سے بیٹھا ہوا تھا مگر اس کا سارا دھیان دونوں کی جانب تھا۔

"کیوں......؟" یہ لڑائی روز کا معمول تھا مگر وہ پھر بھی پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

تایا جان اور تائی جان کی ہر نئی لڑائی زرش کو اک نئی تکلیف سے دوچار کر جاتی تھی۔ اس وقت بھی یہی کیفیت ہوئی تھی۔ ایک دم دل اندر ہی اندر تکلیف سے دوچار ہوتا چلا گیا تھا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ کیوں ہوئی مگر جب میں گھر لوٹی تھی تو دونوں جھگڑ رہے تھے۔ موضوع بحث سمعان بھائی کی شادی تھا۔" فرح نے آرام سے بتایا تو وہ چونکی تھی۔

"کیا سمعان بھائی کی شادی......" وہ حیرت سے چیخ اٹھی تھی۔

"ہش...... آہستہ...... امی کو ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے دوائی دے کر سلایا ہے۔ وہ اٹھ گئیں نا تو تمہارے ساتھ ہماری بھی گردن دبوچ لیں گی......" فرح نے اسے ڈرایا تھا تو اس نے بھی لاپروائی سے اپنے سنہری بالوں کو پیچھے جھٹکا تھا۔

"خیر وہ گردن تو کبھی دبوچے گی نہیں۔ اتنی تو اخلاقیات ہیں ان میں......" اس نے کہا تو علی بھی بول پڑا۔

"خیر یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ آج کل ہماری والدہ صاحبہ کو تمہارے سائے سے بھی نفرت ہو رہی ہے۔ اس لیے تم اپنی خیر مناؤ۔ یہ نہ ہو کہ کسی دن حقیقت میں گردن دبوچ لیں۔" علی نے چڑایا۔

"یوں ہی...... مفت میں۔ میری ماما نے کبھی مجھے انگلی تک نہیں لگائی اور وہ گردن دبوچیں گی۔" وہ حقیقتاً برا مان گئی تھی۔ فرح کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ دونوں کی نوک جھوک میں اصل بات تو بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔ فرح بی بی تو پیٹ کی ہلکی تھی جب تک اپنے گھر کی ایک ایک بات زرش بی بی کے کانوں میں نہ انڈیل دیں۔ کچھ ہضم ہی نہیں ہوتا تھا۔

"چپ کرو تم دونوں اپنی میں میں شروع کر دی ہے۔ اصل بات تو میں نے بتائی ہی نہیں ہے۔" اس نے دونوں کو ڈانٹ دیا تھا۔ اکثر فرح اسی طرح اپنے زرش سے ایک سال اور علی سے دو سال بڑا ہونے کا رعب جماتی رہتی تھی جس کا دونوں پر کم ہی اثر ہوتا تھا چونکہ اس وقت موضوع گفتگو سمعان بھائی کی شادی تھا۔ اسی لیے زرش اور علی دونوں کو چپ ہونا پڑا تھا۔

"مگر سمعان بھائی کی شادی ہو کس سے رہی ہے؟" زرش نے ہی پوچھا تھا۔

"امی کی بھانجی قیصرہ خالہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی فوزیہ صاحبہ سے۔" علی نے جواب دیا تھا۔

"کیا......؟" زرش حیرت سے چیخ اٹھی مگر فرح کے گھورنے پر دھیمی آواز کر کے پوچھنے لگی۔

"مگر کب ہو رہی ہے......؟ اور سمعان بھائی ہیں کہاں، کتنے تیز ہیں مجھے پتا تک نہیں لگنے دیا اور

گھر میں بھی کسی نے ذکر نہیں کیا۔"

وہ اپنی ہانک رہی تھی۔ فرح کو غصہ آنے لگا۔

"تم فی الحال اپنی چونچ بند رکھو اور خاموشی سے میری بات سنو۔" اس نے ڈانٹ دیا۔ زرش نے اس کے رعب جمانے پر گھورا مگر بولی کچھ نہیں۔

سمعان بھائی خود بے خبر ہیں۔ فی الحال بات امی ابو کے درمیان ہے۔ امی جان چاہتی ہیں کہ ہر حال میں سمعان بھائی کی شادی فوزیہ آپی سے ہو جب کہ ابو انکاری ہیں۔"

"حرج ہی کیا ہے؟ فوزیہ آپی کتنی پیاری ہیں۔ ایم کام کر رہی ہیں۔ اگر سمعان بھائی کی شادی ان سے ہو جاتی ہے تو کتنے اچھے لگیں گے دونوں ساتھ ساتھ۔" اس کی بات ختم ہوتے ہی زرش نے اپنی رائے دی تھی۔ فرح تو فرح، علی نے بھی گھورا۔

"اللہ نہ کرے ابھی ہمارے سمعان بھائی پر اتنا برا وقت نہیں آیا۔" علی نے کچھ تلخی سے کہا تھا۔

"تمہیں کیا اعتراض ہے اتنی پیاری تو ہیں......" زرش کو اس کی تلخی ذرا نہ بھائی تھی۔

"صرف پیاری ہیں اور کوئی گن نہیں ہے ان میں...... قیصرہ خالہ کی طرح لگائی بجھائی میں ایک دم طاق...... اس سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ سمعان بھائی ہمیشہ کنوارے ہی رہیں۔" علی سے سب کو یہی شکایت تھی کہ وہ منہ پھٹ اور صاف گو تھا۔ کبھی لگی لپٹی نہیں رکھی تھی اس وقت بھی اس کی صاف گوئی سن کر زرش خاموش ہو گئی۔

"ابو کو اسی بات پر اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیصرہ خالہ کی کسی بھی بیٹی کو وہ ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کر سکتے کجا کہ ساری زندگی کی اذیت سہنا۔"

فرح نے کہا تو زرش الجھ گئی۔

"مگر فرح اس طرح تو تائی امی مزید ڈپریشن کا شکار ہو جائیں گی۔ وہ فوزیہ آپی کو بہت چاہتی ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ان کا ایسا ارادہ ہے۔ اب اگر وہ چاہتی ہیں تو ان کی خواہش کو بھلا کیسے رد کیا جا سکتا ہے۔ فوزیہ آپی اتنی بری بھی نہیں ہیں۔ بس وہ قیصرہ خالہ کے زیر اثر رہتی ہیں اس لیے ایسی ہو گئی ہیں ورنہ مجھ سے تو وہ بڑے اچھے انداز میں ملتی ہیں۔" زرش نے سادگی و سچائی سے کہا تھا۔ علی استہزائیہ ہنسا۔

"ہونہہ اچھی ہیں...... پوز کرتی ہیں محترمہ......" وہ اچھا خاصا جلا بھنا بیٹھا تھا۔

"امی اور ابو کے درمیان لڑائی اچھی خاصی بڑھ گئی ہے۔ پرسوں شام سے سمعان بھائی لاہور گئے ہوئے ہیں۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو لڑائی اتنی نہ بڑھتی۔ ابو تو غصے سے گھر سے نکل گئے تھے۔" فرح نے مزید بتایا تو زرش کو پھر تایا ابو کا دکھ دکھی کر گیا۔

"اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو ہوگا ناں۔" وہ حقیقتاً بری طرح پریشان ہو گئی۔

"ہاں ہے......" علی نے فوراً کہا تھا۔ "سمعان بھائی بھی عثمان بھائی کی طرح کسی لڑکی کو پسند کر کے امی اور ابو دونوں کو نظر انداز کر کے اپنی پسند سے شادی کریں۔ تمہیں علم ہے نا ابو چاہتے تھے کہ عثمان بھائی کی شادی ہادیہ آپا سے ہو۔ امی نے محض تمہاری ماما کی وجہ سے ہادیہ آپی کے لیے انکار کر دیا تھا۔

تب کتنی لڑائی ہوئی تھی۔ امی نے تب ہی قیصرہ خالہ کی بڑی بیٹی صباحت باجی کا نام لیا تھا جو کہ ابو کو قطعی منظور نہ تھا۔ مہینوں لڑائی ہوتی رہی تھی۔ عثمان بھائی اکتا کر اپنے سسر کی بیٹی کے لیے اپنے سسر سے بالا ہی بالا سارے معاملات طے کر کے آ گئے تھے۔ یہاں آ کر ہمیں بتایا کہ ایک ماہ بعد ان کی ان کے سسر کی بیٹی ڈاکٹر زوباریہ سے شادی ہے۔ امی اور ابو تو ہکا بکا رہ گئے۔ ناراض ہوئے تو بھائی نے صاف کہہ دیا زوباریہ آپ دونوں کے لڑائی جھگڑوں سے زیادہ بہتر ہے اور کتنی دھوم دھام سے شادی ہوئی تھی۔ ابو ہادیہ آپی کو بنیاد بنا کر اپنی جگہ رنجیدہ تھے اور امی اپنی جگہ...... اب بھی یہی حال ہونا چاہیے۔ سمعان بھائی خاموشی سے کسی کو پسند کر کے شادی کر کے گھر لے آئیں۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری......"

علی صاحب نے کیا زبردست حل پیش کیا تھا۔ فرح اور زرش دونوں اس کو کھا جانے والی نظروں سے تکتی رہ گئیں۔

"تم اپنی چونچ بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔ سمعان بھائی ایسے نہیں ہیں اتنے اچھے ہیں وہ تو تایا ابو کی مرضی کے بغیر کچھ کر ہی نہیں سکتے۔" زرش نے فوراً تردید کی تھی۔

"تب وہ ساری عمر کنوارے ہی رہیں گے۔ ہمارے والدین میں کبھی اتفاق ہونے والا نہیں ہے۔" علی نے ایک تلخ حقیقت سامنے رکھی تھی۔ فرح اور زرش صرف علی کو دیکھ کر ہی رہ گئی تھیں۔

"شرم کرو۔ وہ والدین ہیں تمہارے......" زرش نے اسے شرم دلانا چاہی تھی۔ وہ سر جھٹک گیا۔

"ہونہہ...... ماں باپ ہیں۔ ایسے ماں باپ سے تو ہم......"

"علی......" اس سے پہلے کہ وہ کچھ غلط کہتا۔ فرح نے لرز کر اسے ٹوک دیا۔ وہ خود بھی لب بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"چھوڑو اس ٹاپک کو...... گولی مارو روز کی بات ہے یہ...... آؤ ہم کیرم کھیلتے ہیں۔" فرح اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نظر انداز کیے زرش سے کہہ رہا تھا۔ زرش تاسف سے سر ہلاتے اٹھ گئی۔

"تم نہیں سدھرو گے...... کتنے تلخ ہوتے جا رہے ہو تم...... آئندہ تایا جان اور تائی امی کے لیے ایسی بات مت کہنا۔ وہ والدین ہیں تمہارے اور والدین کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔" وہ اسے ناصح بنی سمجھا رہی تھی۔ علی ہنس دیا۔ اندر ہی اندر اسے اپنے الفاظ کی تلخی کا احساس بھی ہوا تھا۔

"ایم سوری اوکے۔ آئندہ نہیں کہوں گا۔ اب تو تم دونوں ہنس دو۔ پلیز...... پلیز......" وہ ایک دم ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دونوں ہی ہنس دیں۔

"چلو اس خوشی میں کیرم کھیلتے ہیں۔ امی دوائی کھا کر سوئی ہیں۔ رات سے پہلے وہ اٹھیں گی نہیں۔ آج جی بھر کر موج کریں گے۔" وہ فوراً اپنی جون میں لوٹ آیا تھا۔ فرح اور زرش دونوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ کتنے دنوں بعد تو انہیں کھیلنے کا موقع مل رہا تھا۔

❁……❁……❁

"نویرہ!" وہ کچن میں کھڑی مسالا بھون رہی تھی جب پیچھے سے بھابی نورین نے آواز دی تھی۔

"جی بھابی!" وہ فوراً پلٹی تھی۔

"سب کچھ تیار ہے۔ تم نہا کر کپڑے وغیرہ بدل لو۔ میں یہ سب کر لوں گی۔ بعد میں اگر مہمان آ گئے نا تو تم اسی حلیے میں ان کے سامنے چلی آؤ گی۔"

نورین بھابی کہہ رہی تھیں۔ ان کی آخری بات پر وہ ہنس دی۔ منگنی کے بعد پہلی بار فاروق چچا فیملی سمیت ڈنر پر انوائیٹڈ تھے۔ اماں نے ساتھ ہی حمید چچا کی فیملی کو بھی انوائیٹ کر لیا تھا۔ وہ اور بھابی صبح سے کچن میں گھسی کھانا پکانے کے چکر میں الجھی ہوئی تھیں۔ اس دوران گھر کی بھی اچھی خاصی صفائی ستھرائی کر لی گئی تھی۔ اب سب کچھ تیار تھا۔ صرف کوفتوں کا سالن تیار کرنا باقی تھا۔ باقی سارا کام ہو چکا تھا۔ کوفتے بھی تیار تھے۔ وہ مسالا بھون رہی تھی جب بھابی کو اس کے حلیے کا احساس ہوا تھا۔ سارا دن کام کی وجہ سے وہ اچھی خاصی میلی لگ رہی تھی۔ تب ہی انہوں نے اسے کچن سے جانے کو کہا تھا۔

"ہو جاؤں گی تیار، ابھی اچھا خاصا وقت ہے۔" اس نے نظر انداز کیا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں تم فوراً نکلو یہاں سے۔" بھابی نے اس کے ہاتھ سے چمچ کھینچ لینا چاہا تو اسے کچن سے نکلنا ہی پڑا۔

اپنے کمرے میں الماری سے اپنا ایک سوٹ نکال کر وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ نہا کر باہر نکلی تو اپنے کمرے میں ساجدہ باجی کے ساتھ نواز کی بڑی بہن ثنا آپی کو دیکھ کر جھینپ سی گئی تھی۔ منگنی کے بعد پہلی دفعہ روبرو سامنا ہو رہا تھا ورنہ اس کی ان سے اچھی خاصی فرینڈ شپ تھی مگر اب رشتہ بدلتے ہی جھجک بھی درمیان میں حائل ہو چکی تھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے دونوں کو مشترکہ سلام کیا تھا۔ کالے گیلے لباس میں لمبے بال پشت پر ڈالے وہ انتہائی تروتازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" پہلے ساجدہ باجی نے پھر ثنا آپی نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"کالے لباس میں تیرا گورا بدن یوں لگے ایمان سے......" اس سے جدا ہو کر بازوؤں سے تھام کر اس کا چہرہ دیکھتے ثنا آپی شرارت سے گنگنائی تھیں۔ وہ مزید جھینپ گئیں۔ "کاش نواز بھائی بھی آج آتے۔" اس سے دور ہو کر انہوں نے کہا تھا۔ اس کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔

"سب آ گئے ہیں۔" اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی پھلجھڑی چھوڑتیں اس نے فوراً پوچھا تھا۔

"سب سے کیا مراد ہے؟" انہوں نے آنکھیں مٹکائی تھیں۔ نویرہ کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔

"کم از کم وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔" تولیے سے اپنے بال خشک کرتے اس نے کہا تو وہ کھل کر ہنسی تھیں۔

"مثلاً میں کیا سمجھی ہوں؟" وہ مسلسل شرارت پر آمادہ تھیں۔ نویرہ نے ہاتھ روک کر انہیں خفگی سے دیکھا۔

"اف...... آج یہ ثنا آپی کو کیا ہو گیا ہے؟" وہ کلسی۔

"ساجدہ باجی! آپ اکیلی آئی ہیں۔ بھائی جان اور بچے نہیں آئے؟" تولیہ ایک طرف ڈال کر برش لے کر اپنے لمبے بالوں کو وہ سلجھانے لگی تھی۔ ساجدہ باجی جو مسلسل مسکرا رہی تھیں وہ ہنسنے لگیں۔

"توبہ کرو۔ تمہارے بھائی صاحب مجھے بھلا اکیلے کہاں آنے دیتے ہیں۔ ان ہی کے ساتھ آئی ہوں۔ البتہ بچوں کو گھر خالہ جی کے پاس ہی چھوڑ آئی ہوں۔" ساجدہ باجی نبیل بھائی سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی نبیل بھائی کے سسرال میں نبیلہ بھابی کے بھائی کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ احمد بھائی بہت اچھے مزاج کے شخص تھے ادھر نبیلہ بھابی بھی سلجھی ہوئی ملنسار طبیعت کی مالک تھیں۔ کبھی محسوس نہیں ہوا تھا کہ وٹے سٹے کی شادی ہے۔ نویرہ چار بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ بڑے بھائی ساجد تھے جو کہ بیوی بچوں سمیت دبئی میں رہتے تھے۔ سال بعد آتے۔ مل کر پھر چلے جاتے تھے۔ بس نویرہ ہی غیر شادی شدہ تھی۔ اب منگنی ہو چکی تھی۔ ارادہ چند ماہ بعد شادی کر دینے کا تھا۔

بال سلجھا کر وہ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھ کر ان دونوں کے ساتھ ہی کمرے سے باہر آئی تھی۔ چچا حمید کی بھی فیملی آ چکی تھی۔ بھابی نے سب کو ہی چائے اور دیگر لوازمات پیش کر دیے تھے۔ وہ سب سے مل کر بھابی کے پاس آ گئی۔ وہ چھوٹی چچی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جب کہ اماں تائی جان کے ساتھ مصروف گفتگو تھیں۔

"ہنڈیا تیار ہو گئی ہے۔ کچھ رہ تو نہیں گیا؟" اس نے آہستگی سے بھابی سے پوچھا۔ انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔ اس نے سکون کا سانس لیا پھر حاضرین پر نظر ڈالی۔

ثنا آپی کے علاوہ شائلہ آپی، زارا آپی اور حمیرا چاروں بہنیں آئی ہوئی تھیں۔ صرف ثنا آپی کے میاں اور بچے تھے جب کہ زارا اور شائلہ دونوں تنہا ہی تھیں۔ حمیرا اور رمشاء سر جوڑے باتیں کر رہی تھیں ساتھ ساتھ چائے بھی پی رہی تھیں۔ ان پر نظر پڑنے کے بعد رضا حمید پہ جا ٹھہری۔ وہ ہال کے کونے میں رکھے آخری صوفے پہ بیٹھا ہوا تھا۔

"ارے رضا! بھی آیا ہوا ہے......" اسے ایک دم یاد آیا تھا جب سے اس کا رشتہ طے ہوا تھا تو اسی شام وہ ان کے گھر آیا تھا۔ کس قدر غصے میں تھا۔ صرف اتنی بات پر کہ اسے کچھ بھی بتایا نہیں گیا۔ نویرہ نے اسے کتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ خود بھی اس سارے معاملے سے بے خبر تھی جو بھی ہوا تھا آناً فاناً ہوا مگر یقین کیے بناء ہی ناراض ہو کر چلا گیا تھا پھر پورے آٹھ دن بعد اس نے اسے اپنی منگنی والے دن دیکھا تھا۔ وہ دلہن نہیں بنی ہوئی تھی ورنہ اسے منانے کی کوشش ضرور کرتی۔ اس کے بعد بھی دن اتنی مصروفیت میں گزرے کہ وہ روز ارادہ کرنے کے باوجود نہ تو ان کے ہاں جا سکی تھی اور نہ ہی فون کر سکی تھی۔ اب منگنی کے پورے چھ دن بعد وہ دکھائی دے رہا تھا۔ انتہائی سنجیدہ اور خفا خفا سا۔ اس کی ناراضی کو یاد کر کے نویرہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کی طرف چلی آئی تھی۔ رضا حمید نے صرف ایک لحظہ کو گردن اٹھا کر اس جانب دیکھا تھا پھر گردن جھکا لی۔

"کیسے ہو رضا......؟" اسے خاموش دیکھ کر نویرہ نے پہل کی تھی۔

اس کے کھنکتے لہجے پر رضا حمید نے سر اٹھا کر نویرہ کو دیکھا۔ بلیک سوٹ میں وہ انتہائی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ بغیر کسی ہار سنگھار کے بھی وہ بہت خوب صورت

لگ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ کی کلائی پر موجود بریسلٹ کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے گھماتے رضا کے اندر انتشار برپا کرتی چلی گئی۔

"ٹھیک ہوں۔" دوپٹے سے جھانکتے بالوں کی آبشار وہ صرف ایک نظر ہی دیکھ پایا تھا۔ اس سے پہلے کہ بڑی مشکل سے سمجھایا دل پھر اختیار سے باہر ہوتا اس نے نظر ہی پھیر لی تھی۔ نظر بلا ارادہ رمشاء اور حمیرا کی جانب جا اٹھی تھی۔

رمشاء اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر عجیب طنزیہ و استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ رضا کو لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔ وہ مزید سلگنے لگا۔

"ناراض ہو؟" وہ سائیڈ پر رکھی تپائی پر بیٹھ چکی تھی۔ رضا نے اس دفعہ اس کی طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

"نہیں۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟ پچھلے دو ہفتوں سے تم میرے ساتھ ایسا کر رہے ہو۔ تم میرے چھوٹے سے دوست ہی نہیں انتہائی پیارے سے بھائی بھی ہو۔ میں بھلا تم سے وہ سب کچھ کیوں چھپاتی؟ مجھے تو خود علم نہیں تھا۔" نویرہ وضاحت کر رہی تھی۔ رضا حمید کو لگا وہ اسے "چھوٹا سا دوست' پیارا بھائی" کہہ کر جیسے اس کے منہ پر طمانچے مار گئی ہو۔ وہ تو ہمیشہ یہی سب کہتی تھی مگر پہلے کبھی دل کو اتنی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" رضا کو اس ذکر سے ہی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ کچھ کہتی اس نے فوراً تردید کی تھی۔

"واقعی......؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ چلیں یہ بتائیں آپ خوش ہیں؟" اپنی طرف سے اس نے نویرہ کا دھیان بٹانا چاہا۔

"یہ امی اور بھائیوں کا مشترکہ فیصلہ ہے۔ وہ خوش ہیں تو ظاہر ہے میں بھی خوش ہوں۔" اس نے صاف گوئی سے بتایا تھا۔ رضا حمید اس کے کھلے چہرے کو دیکھے گیا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" شاید وہ کچھ اور بھی پوچھتا۔ رمشاء حمیرا کو لیے ادھر ہی آ گئی تھی۔ بظاہر بہت اپنائیت و بے تکلفی سے اس نے نویرہ کو مخاطب کیا تھا لیکن دیکھ رضا کو رہی تھی۔ رضا نے نظریں پھیر لیں۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر جان بوجھ کر آئی ہے۔ اسے رمشاء سے مزید نفرت سی ہوئی۔

"کچھ نہیں...... رضا سے یوں ہی منگنی کی باتیں ہو رہی تھیں۔" وہ چپ سادھے بیٹھا ہوا تھا۔ نویرہ نے ہی بتایا۔

"اچھا...... میں تو سمجھی کہ شاید......" رمشاء فقرہ ادھورا چھوڑ کر ہنس دی تھی۔ رضا نے غیظ و غضب بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ حمیرا اور نویرہ کچھ نہیں سمجھی تھیں سوائے اس کے کہ شاید دونوں میں پھر کوئی

نیا معرکہ ہوا ہے۔

"ایکسکیوزمی......" رمشا کو مسکراتے دیکھ کر وہ اس پر لعنت بھیجتا وہاں سے اٹھ ہی گیا تھا مگر پلٹنے سے پہلے اس نے رمشاء پر ایک نگاہِ غلط ضرور ڈالی تھی، جسے اس نے طنزیہ مسکراہٹ میں اچھال دیا تھا۔

* * *

وہ اپنے P.C کے سامنے بیٹھی انٹرنیٹ پر چیٹنگ میں مصروف تھی جب ہی آنے والی ای میل پر فرح چند سیکنڈ کو ہل بھی نہیں سکی۔

"آپ کیسی ہیں اور میری ای میلز کا جواب کیوں نہیں دے رہیں؟ پلیز مجھے جواب دیں۔ میں شدت سے منتظر ہوں۔" مونیٹر کی اسکرین پر نظر آنے والے یہ الفاظ فرح کے دل و دماغ میں گھوم رہے تھے۔

وہ اکثر انٹرنیٹ پر چیٹنگ کرتی رہتی تھی مگر پچھلے چند ماہ سے اسے اس قسم کی میلز آنا شروع ہو گئی تھیں۔ شروع میں تو اس نے بھی "جسٹ فار انجوائے منٹ" ان کا جواب بھی دیا تھا۔ میلز کے ذریعے سے ہی اسے علم ہوا کہ "پرنس" نام کا وہ کوئی لڑکا ہے۔ پاکستان میں ہی رہتا ہے مگر کہاں، یہ اس نے بھی بتانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اپنی تعلیم ایم۔ بی۔ اے بتاتا تھا۔ شروع میں وہ بہت اچھے انسانوں کی طرح میلز بھیجتا تھا مگر پھر اس کی میلز پڑھ کر اس "پرنس" (اسے نہیں لگتا تھا کہ یہ اس لڑکے کا اصل نام ہوگا بلکہ وہ تو اس بات سے بھی خائف تھی کہ ہو سکتا ہے وہ لڑکی ہو اور لڑکا بن کر اس کو بے وقوف بنا رہی ہو) سے فرح کو خوف آنے لگا تھا۔ فرح نے اسے اپنے بارے میں کبھی کچھ بھی بتانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ شروع میں جب اس نے فرح سے اس کا نام پوچھا تھا تو فرح نے شرارت سے لکھ دیا تھا "اگر آپ پرنس ہیں تو ہم "پرنسس" ہیں اور پرنسس کے نام نہیں ہوا کرتے۔" تب سے اب تو وہ اسے پرنسس ہی کہتا تھا مگر اب صرف ایک ہفتہ پہلے ہی اس نے فرح کو وہ سب کچھ بتا کر نہ صرف حیران کر دیا تھا بلکہ خوفزدہ بھی کر دیا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا۔ فرح سعید احمد کے متعلق اچھی خاصی معلومات رکھتا تھا۔ وہ نہ صرف اس کا اصل نام جانتا تھا بلکہ وہ تینوں بھائیوں، امی ابو فرح کے فیملی بیک گراؤنڈ اور ابو کے بزنس سے متعلق بھی اچھی خاصی معلومات رکھتا تھا۔ وہ سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہے۔ اسے یہ بھی علم تھا۔ اس دن فرح واقعی سچ مچ ڈر گئی تھی۔ وہ نجانے کون تھا یا بھی اس کا پتا نہیں کیا مقصد تھا؟ مگر فرح کو حقیقی طور پر اس کی ای میلز سے خوف محسوس ہونے لگا۔ جیسے اس وقت بھی وہ یہ ای میل دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

"فرح پلیز! مجھے ریپلائے کرو۔ مجھے پتا ہے تم میری ساری ای میل پڑھ رہی ہو۔ بس ایک دفعہ نیٹ پر تو آؤ۔ میں تمہارا جواب پڑھنا چاہتا ہوں پلیز۔" ایک اور ای میل آ گئی تھی۔ فرح کی ساکت انگلیاں کی بورڈ پر لرز رہی تھیں۔

"یا اللہ میں کیا کروں......؟ اگر وہ واقعی کوئی لڑکا ہوا تو......؟" وہ یہ سوچ کر ہی دہل گئی تھی۔ "اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ مجھ سے نیٹ پر چیٹنگ شروع کرنے سے لے کر اب تک کے ہر عمل میں ایک سوچا سمجھا منصوبہ صاف دکھائی دے رہا ہے پھر وہ مجھ سے متعلق اتنی درست معلومات کیسے رکھتا ہے؟"

وہ جوں جوں کڑھ رہی تھی۔ اس کا دماغ پھٹنے کو تھا۔

"وہ جو کوئی بھی ہے مجھے ایک دفعہ اس سے دو ٹوک بات کرنی چاہیے۔ اس کی معلومات کی کم از کم تردید تو کر ہی سکتی ہوں۔ اگر پھر بھی وہ نہ مانا تو میں صاف صاف بات کروں گی ورنہ نیٹ استعمال نہیں کروں گی یا اپنا ای میل ایڈریس ہی تبدیل کر لوں گی پھر وہ جو کوئی بھی ہے بھلا کیا کر لے گا۔"

کافی دیر سوچنے کے بعد اس کے ذہن نے یہ حل پیش کیا تھا۔

"ہاں مجھے اس کی ای میلز کا جواب ضرور دینا چاہیے۔ اس طرح تو میں اس کی معلومات پر "سچ" کا یقین ثبت کر رہی ہوں۔ کم از کم میں اس کی معلومات کو ہی رد کر سکتی ہوں۔ اس طرح خوف زدہ ہونے سے بھلا کیا ہوتا ہے؟"

اس سوچ کے ساتھ ہی اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ کی بورڈ پر اس کی انگلیاں تیزی سے حرکت کرنے لگی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

مونیٹر پر یہ الفاظ لکھ کر اس نے انٹر کی دبا دی۔

"شکریہ فرح۔ آپ کو میرا خیال تو آیا۔ اگر آج بھی آپ میری میلز کا جواب نہ دیتیں تو کل میں نے آپ کے گھر آ جانا تھا۔"

اس کی توقع سے بھی جلدی اسے جواب موصول ہوا تھا۔ اس کے الفاظ نے فرح کو بھک سے اڑا دیا تھا۔

"میں فرح نہیں ہوں سمجھے آپ مسٹر پرنس......" خوف کے ساتھ ساتھ اس کے اندر مزاحمت کی بھی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔

"تم فرح ہو۔ تمہارے بائیں رخسار کا تل مجھے تمہیں لاکھوں لڑکیوں میں بھی غلط پہچاننے کی غلطی نہیں کرنے دیتا مائی ڈیئر فرح سعید احمد۔"

فرح کے ہاتھ بے اختیار اپنے بائیں رخسار کے تل کو چھونے لگے تھے۔

فرح کا دل چاہا کہ کاش وہ جو کوئی بھی تھا وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اس کا سر پھاڑ دیتی۔

"تم کون ہو......اور کیا چاہتے ہو؟" وہ جتنی بھی تردید کرتی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کی معلومات بڑی اپ ڈیٹ تھیں اسی لیے اس نے مزید "میں فرح نہیں ہوں" کے الفاظ لکھنے کے بجائے اس سے اصل بات معلوم کرنا چاہی تھی۔ یہ اس کا خود پیدا کردہ مسئلہ تھا، جسے اس نے خود ہی ہینڈل کرنا تھا۔

"میں جو کوئی بھی ہوں اس بات کو جانے دو۔ بس مائی ڈیئر فرح یہ یاد رکھنا کہ میں تم سے بہت شدت سے محبت کرتا ہوں۔ کب سے، یہ تو شاید مجھے بھی علم نہیں مگر تب سے مجھے شدت سے تمہارے وجود کا احساس ہوا ہے جب تمہاری تصویر دیکھی تھی۔ اب تو مجھے تمہارے چہرے کا ایک ایک نقش ازبر ہو چکا ہے۔ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری آنکھوں کا رنگ کیا ہے۔" وہ آنکھیں پھاڑے مونیٹر کی اسکرین کو گھورے گئی۔

"تمہیں میری تصویر کہاں سے ملی تھی؟" وہ جو کوئی بھی تھا اپنے بارے میں کبھی بھی بتانے والا نہیں تھا سو "تم کون ہو؟" کے سوال کو دوبارہ دہرانے کے بجائے اس نے یہ الفاظ لکھ دیے تھے۔

"ڈھونڈنے والے تو خدا کو بھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ تو تمہاری تصویر ہے۔" فرح کو لگ رہا تھا کہ جیسے ای میل بھیجنے والا اس کے احمقانہ سوالات پر قہقہے لگا رہا ہو۔ وہ بری طرح الجھ گئی۔ اسے اس دن پر پچھتاوا ہونے لگا جب سمعان بھائی سے فرمائش کر کے اس نے اپنے P.C پر انٹرنیٹ کی سہولت لگوائی تھی۔

"مجھے پڑھائی کے لیے ڈیٹا لوڈ کرنا پڑتا ہے پھر کالج سے آ کر سیکھے گئے سبق کو بھی کمپیوٹر پر دہرانا پڑتا ہے اس لیے پلیز بھائی مجھے نیٹ کی سہولت مہیا کر دیں ناں۔"

سمعان بھائی سے انٹرنیٹ کی بات کرتے ہوئے اس نے کتنے آرام سے کہا تھا جو کہ غلط بھی نہ تھا۔ بس کبھی کبھار وہ نیٹ پر چیٹنگ کرنے لگی تھی مگر وہ بھی بہت کم۔ نیٹ پر وہ جتنے بھی لوگوں سے چیٹنگ کرتی تھی۔ ان میں زرش کے علاوہ اس کی کالج کی فرینڈز تھیں اور چند ایک ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں تھیں۔ کوئی بھی لڑکا نہ تھا۔ پہلی دفعہ اس نے "پرنس" نامی شخص کی آنے والی ای میل پر جواب دیا تھا اور زندگی میں پہلی ہی چوری پہلا ہی پھندا ثابت ہو رہی تھی۔

خاندان میں زرش کے اور چند ایک کزنز لڑکیوں کے علاوہ کسی اور کے پاس اس کا ای میل ایڈریس تھا ہی نہیں کہ وہ یہ سوچتی کہ ان میں سے کسی ایک کی شرارت ہو سکتی تھی مگر کون تھا جو اس قدر اپ ڈیٹ انفارمیشن رکھتا تھا۔ نہ صرف اسے معلومات حاصل تھیں بلکہ اس کے پاس اس کی تصویر بھی تھی۔

وہ اس قدر کنفیوژ ہو چکی تھی کہ مارے خوف کے اس نے کمپیوٹر ہی شٹ ڈاؤن کر دیا تھا۔

"مجھے علی یا پھر سمعان بھائی میں سے کسی ایک سے بات ضرور کرنی چاہیے۔ اس سے پہلے کہ میرے کردار پر حرف آئے۔"

ادھر ادھر مسلسل چکر لگاتے وہ سوچ رہی تھی۔

"نہیں...... میں بھلا انہیں کیا کہوں گی...... کیا بتاؤں گی......؟ اس طرح تو میری اپنی ہی سبکی ہو گی پھر میں کیا کروں......؟ یا اللہ تو ہی جانتا ہے میری نیت صاف تھی۔" تھک ہار کر بستر پر گر کر وہ زور شور سے درود شریف کا ورد کرنے لگی تھی۔

"جب بھی کوئی پریشانی یا مسئلہ ہو تو بیٹا درود شریف کا ورد شروع کر دیا کرو۔ درود ابراہیمی سے ساری پریشانی ختم ہو جاتی ہے اور اللہ ایسی جگہ سے پریشانی کا حل فرماتا ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

بہت عرصہ پہلے اسے دادی جان کی ہی بات یاد آ رہی تھی۔ وہ مزید خشوع و خضوع سے ورد کرنے لگی تھی۔

⁂

آج وہ جلدی آفس سے اٹھ گیا تھا۔ ارادہ چچا جان کے ہاں جانے کا تھا۔ کتنے دن ہو گئے تھے زرش کو دیکھے ہوئے اس سے ملے ہوئے۔ جس دن ظفر آیا تھا اس دن وہ ان کے ہاں آئی تھی۔ اس کے بعد وہ نہیں آئی تھی پھر سمعان احمد کو لاہور چار پانچ دن کے لیے جانا پڑ گیا تھا۔ دو دن ہو گئے تھے اسے واپس لوٹے ہوئے مگر واپس آ کر وہ ایسا الجھا تھا کہ رات گئے فارغ ہوتا تھا۔ دوسرا زرش بھی ان کے ہاں نہیں آئی تھی۔ آج آفس آتے ہی اس نے دو بجے کے بعد کی اپنی آج ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں۔ اب آفس سے نکلتے ہوئے بھی اسے چار بج گئے تھے۔

سمعان احمد جب ان کے گھر پہنچا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ سمعان سیدھا گاڑی اندر لے آیا تھا۔ گاڑی سے نکلتے ہی پہلی نظر لان کی چیئر پر بیٹھی زرش پر ہی پڑی تھی۔ سمعان کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آ ٹھہری۔ آفس سے نکلتے ہوئے اس نے سب سے پہلے اسے دیکھنے کی خواہش کی تھی اور بعض خواہشیں کتنی جلدی پوری ہو جاتی ہیں۔

وہ لان چیئر پر بیٹھی اپنی کتابیں بکھرائے ان میں غرق تھی۔ گرین ہلکے شیڈ کے سوٹ میں وہ ڈھلتے سورج کا ہی ایک حصہ محسوس ہو رہی تھی۔ سمعان احمد نے اندر بڑھنے کے بجائے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"السلام علیکم۔" وہ اس قدر اپنے کام میں مگن تھی کہ سمعان احمد کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لے پائی تھی۔ اب سمعان کی آواز پر فوراً اچھلی۔

"ارے...... آپ...... سمعان بھائی آپ......" وہ ایک دم سیدھی ہوئی تھی پھر سمعان کو دیکھ کر ایک دم بے خود ہو گئی تھی۔ کتنے دنوں بعد تو وہ دیکھ رہی تھی۔

"کیسی ہو......؟" سمعان نے اس کے دہکتے رخساروں کی لالی محسوس کرتے مسکرا کر پوچھا تھا۔ زرش کی آنکھوں کے روشن چمکتے دمکتے ہیرے کچھ اور خیرہ کن ہو گئے تھے۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ پتا ہے سمعان بھائی! ابھی میں آپ کو ہی یاد کر رہی تھی اور میں نے چپکے سے دل میں دعا بھی مانگی تھی کہ اللہ کرے سمعان بھائی آ جائیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا آپ اتنی جلدی آ گئے ہیں۔" سمعان احمد اس کی بات پر ہنس دیا۔

"چلو تمہاری دعا مجھے کھینچ کر یہاں لے آئی ہے۔ اب بتاؤ مجھے یاد کیوں کیا جا رہا تھا؟" کری

کھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے سمعان نے پوچھا تو وہ فوراً سنجیدہ ہوئی۔

"مجھے یہ سوال سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ کل میرا ٹیسٹ بھی ہے اور ہماری ٹیچر نے ہمیں کچھ نہیں سمجھایا۔ پچھلے ایک ہفتے سے چھٹی پر تھیں اب آتے ہی ٹیسٹ دے دیا ہے۔ جب سے کالج سے لوٹی ہوں ان ہی کے ساتھ الجھی ہوئی ہوں۔" اس نے فوراً اپنا مسئلہ بتایا۔ سمعان نے ایک گہری سانس لی۔

"تم مجھے فون کر کے بلوا لیتی یا فرح کے ساتھ مل کر حل کر لیتیں۔" سمعان نے کہا تو زرش بُرے بُرے منہ بنانے لگی۔

"کہاں بلوا لیتی...... میں نے فون کرنا چاہا تھا مگر ماما نے منع کر دیا بلکہ ڈانٹ بھی دیا کہ میں خود ہی سوال حل کرنے کی کوشش کروں۔ خوامخواہ آپ کو ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہ کروں بلکہ تین دن سے مجھے آپ کے ہاں بھی جانے نہیں دے رہیں۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے انہیں۔ بات بات پہ مجھے ڈانٹ دیتی ہیں۔" آخر میں وہ واقعی رنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ سمعان نے حیرانی سے دیکھا۔

"وہ منع کیوں کر رہی ہیں......؟ تم کون سا وہاں پہلی دفعہ جا رہی ہو۔ ہفتے میں دو تین دن تو ضرور جاتی ہو۔"

"مجھے کیا پتا آپ خود ہی ان سے پوچھ لیجئے گا۔ میں پوچھتی ہوں تو مجھے "ابھی تم بچی ہو۔ تمہاری سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں یہ باتیں۔ جو کہا ہے وہ کرو" کہہ کر ٹال جاتی ہیں۔" وہ اچھی طرح جلی بیٹھی تھی۔ سمعان احمد مسکرا دیا۔ وہ سمعان احمد کو مسکراتے دیکھ کر مزید کلسی۔

"آپ مسکرا رہے ہیں۔ یہاں میرا ایک کلو خون جل جل کر خاک ہو گیا ہے۔" بے انتہا خفگی سے اس نے کہا تھا۔ سمعان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ہونٹوں پر روکی۔

"اس وقت میں مسکرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا ماسوائے اس کے کہ تمہارے ٹیسٹ میں تمہاری ہیلپ کر دوں۔" سمعان نے مسکرا کر اس کے آگے سے نوٹ بک اٹھا لی تھی۔ ایک نظر کاپی پر ڈالی، پھر اس پر۔ وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو سمعان کی نظر اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئی تھی۔ ڈھلتی سہ پہر میں وہ گرین لباس میں سرسبز لان کا ایک دلکش حصہ ہی محسوس ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ سمعان خود اس سے بیگانہ ہوتا' اس نے فوراً نگاہ پھیر لی تھی۔

"سمعان بھائی! فرح بتا رہی تھی کہ آپ لاہور سے اس کے لیے گولڈ کا لاکٹ لے کر آئے ہیں۔ میں نے دیکھا تھا بڑا خوب صورت ہے۔" سمعان کے آگے کتاب رکھتے ہوئے اس نے یوں ہی کہا تھا۔

"تمہیں پسند آیا......؟" بال پوائنٹ لے کر سمعان نے لکھتے ہوئے سرسری سا پوچھا تھا۔

"جی بہت زیادہ۔ میرا دل چاہا کہ میں......" کچھ کہتے کہتے اس نے زبان فوراً ہونٹوں تلے دبا لی۔ سمعان نے ہاتھ روک کر اس کو دیکھا۔ ادھوری بات کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"تمہیں اگر اچھا لگا ہے تو میں تمہیں بھی لا دوں گا۔ دراصل لاہور میں مجھے یہ پسند آیا تھا اور اس وقت وہاں صرف ایک ہی لاکٹ تھا ورنہ میں تمہارے لیے بھی ضرور لاتا پھر یہ F.S کے حروف سے مزین تھا۔ تمہارے نام کا آرڈر پہ بنوانا پڑتا اور مجھے تو اگلے دن ہی واپس آنا پڑ گیا تھا ورنہ ضرور خریدتا۔" سمعان نے وضاحت کی تھی۔ سمعان کا یہ ہمیشہ سے اصول رہا تھا کہ جب بھی کراچی سے باہر جانا پڑتا تھا وہ فرح اور زرش کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لاتا تھا۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا کہ اس نے کچھ خریدا بھی تو صرف فرح کے لیے۔ اگر اسے زرش کے نام کے حروف سے کندہ لاکٹ مل جاتا تو وہ ضرور لاتا۔

زرش سمعان کی وضاحت پر خوامخواہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس تو ویسے ہی اچھی خاصی جیولری ہے۔ ماما' بادیہ آپا اور پاپا اکثر دلاتے رہتے ہیں۔ میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا۔ پہلی دفعہ آپ فرح کے ساتھ میرے لیے کچھ نہیں لائے تھے۔ اس لیے میں نے محسوس بھی کیا تھا۔ آپ نے وضاحت کر دی اب اس کی ضرورت نہیں۔ بس میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے مجھے جان بوجھ کر نظرانداز نہیں کیا۔" وہ اپنی ازلی معصومیت سے کہتی گئی تھی۔ اس میں بناوٹ نہیں تھی جو دل میں تھا وہی زبان پہ بھی۔ سمعان کے دل میں اس وقت پکڑ دھکڑ ہونے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم ساری توجہ اس جانب مبذول کر لو تو بہتر ہے۔" سمعان نے نا صرف اپنا دھیان بٹانے کے لیے بلکہ اس کی بھی توجہ کاپی کی طرف مبذول کروا دی تھی۔ وہ فوراً سنجیدہ ہو کر کاپی پر جھک گئی تھی۔

ذہانت کے معاملے میں وہ خاندان کی سب لڑکیوں سے بڑھ کر تھی۔ اپنی تعلیم کے معاملے میں وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھی بھرپور توجہ دیتی تھی اور کبھی کبھار سمعان احمد سے بھی مدد لے لیتی۔ سمعان احمد کو اسے چیدہ چیدہ نکات بتانے پڑے تھے۔ اس نے منٹوں میں حل بھی کر لیے تھے۔ سمعان احمد دل ہی دل میں اس کے اس قدر تیزی سے پک کرنے کی صلاحیت کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

"بس اب میں بعد میں کر لوں گی۔ میں نے آتے ہی آپ کو اس طرح الجھا دیا تھا۔ شکر ہے ماما ابھی تک اپنے کمرے سے نہیں نکلیں ورنہ میری شامت پکی تھی۔ وہ سمجھیں گی کہ میں نے آپ کو بلوایا ہے۔ ویسے آپ چائے پئیں گے یا کولڈ ڈرنک......؟ اب اندر چلیں اگر ماما کو پتا چل گیا ناں کہ میں نے آپ کو اتنی دیر تک بھوکا پیاسا بٹھائے رکھا ہے تو وہ میری جان کو آ جائیں گی۔" جلدی جلدی ٹیبل سے بکھری کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ اسی رفتار سے اس کی زبان بھی چل رہی تھی۔

سمعان ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چچی جان کیا کر رہی ہیں......؟" اندر کی طرف بڑھتے سمعان پوچھ رہا تھا۔

"کل سے انہیں کچھ فلو سا محسوس ہو رہا تھا۔ آپ کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی لیٹی تھیں۔ شاید سو گئی ہیں ورنہ آپ کی گاڑی کی آواز سن کر وہ فوراً کمرے سے نکل نہ آتیں۔" اس نے آرام سے بتایا تو سمعان احمد یک دم رک گیا۔

"چچی امی کی طبیعت خراب ہے اور تم مجھے اب بتا رہی ہو......؟" انہوں نے خفگی سے دیکھا۔

"تم لے لیں۔ خیال ہی نہیں رہا ورنہ سب سے پہلے یہی بتاتی۔" سمعان کی خفگی دیکھ کر اس نے

فوراً کہا تھا۔

"میں ان کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم چائے لے کر ادھر ہی آ جانا۔" اندر داخل ہو کر سمعان احمد سیدھا ان کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

"جو حکم سر! بس ماما سے میری سفارش ضرور کر دیجیے گا کہ مجھے آپ کے ہاں آنے کی اجازت دلوا دیں۔ وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔ پلیز میرے اچھے بھائی ہیں ناں۔" ایک دم اس کے سامنے آ کر وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔ سمعان نے تیزی سے اپنے اٹھتے قدم روکے ورنہ اس کے یوں سامنے آ جانے سے ٹکرا جانے کا خدشہ تھا۔

اس کی اس حرکت میں اس قدر معصومیت و برجستگی تھی کہ سمعان احمد کے دل کی دھڑکن مس ہوئی تھی۔ بے اختیار سر نے جنبش کی تھی۔

"تھینک یو سو مچ۔ مجھے پتا تھا آپ انکار نہیں کریں گے۔ بس آپ نے مما کو منانا ہے۔ میرے لیے پلیز میرے بھائی ہیں ناں۔" اب کے اس کے "میرے بھائی ہیں" کہنے پر سمعان نے اپنے مسکراتے لب سمیٹے۔ اس کی آنکھوں کا سنہری پن کاریڈور کی نیم تاریکی میں کچھ اور بھی سنہرا محسوس ہوا تھا۔ وہ رکی نہیں تھی۔ کتابیں رکھنے اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

"تمہارے لیے ہی تو یہ سب کچھ کر رہا ہوں پاگل لڑکی......" وہ اپنے کمرے میں گم ہو چکی تھی۔ سمعان احمد نے شائستہ بیگم کے کمرے کی طرف پیش رفت کی۔ اس نے دو دفعہ دروازے پر دستک دی تھی۔

"کون ہے......؟" تیسری بار کے لیے اٹھتا ہوا ہاتھ رک گیا۔ شائستہ بیگم کی آواز آئی۔ سمعان کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف بیڈ لائٹ تھی جو ابھی شائستہ بیگم نے روشن کی تھی۔

"میں ہوں چچی امی...... سمعان......" سمعان نے آگے بڑھ کر سارے کمرے کی لائٹ روشن کر دی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔

"سمعان! تم اس وقت......؟" وہ کمبل لیے لیٹی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھیں۔ ان کی آنکھیں سرخ رنگ ہو رہی تھیں۔ ایک لمحے کو سمعان احمد کو لگا جیسے وہ کافی دیر سے رو رہی تھیں۔

"جی...... یوں ہی ادھر سے گزرتا یہاں چلا آیا مگر یہاں آ کر علم ہوا ہے کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔" سمعان نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیں۔

"کچھ زیادہ نہیں۔ بس ہلکا سا فلو ہو رہا تھا۔ میڈیسن لی تھی اب تو افاقہ ہے۔" سمعان ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

"پھر بھی آپ کو ضرور احتیاط کرنی چاہیے۔ یہ چھوٹا موٹا فلو بعض اوقات بگڑ بھی جاتا ہے۔" سمعان احمد کے لہجے میں ابھی بھی فکرمندی تھی۔ شائستہ بیگم ہنس دیں۔ بڑی تلخ سی ہنسی تھی۔ سمعان محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیا بات ہے کوئی بات ہوئی ہے......؟" بغور ان کے چہرے کا جائزہ لیتے اس نے بہت کچھ اخذ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کوئی بات نہیں ہوئی۔ تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ بس موسم کا اثر ہے اور کچھ نہیں۔" اب کے انہوں نے مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی مگر ان کا ستا ہوا چہرہ سمعان کو کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

"چچی جان! چھپایا ان سے جاتا ہے جو آپ کے دل میں اتر کر سب کچھ جان لینے کے گر سے ناواقف ہوں۔ آپ صرف میری چچی امی ہی نہیں بلکہ میری سب سے مخلص دوست بھی ہیں...... اور آپ اپنے دوست سے کچھ چھپا رہی ہیں۔" اب کے اس نے خفگی سے کہا تھا۔

"میں نے کہا ناں سمعان بیٹے! کوئی بات نہیں ہوئی۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"تو پھر آپ زرش کو ہمارے گھر کیوں نہیں آنے دے رہیں؟ میں دو دن سے کراچی میں ہوں۔ اس سے چار دن پہلے لاہور گزار کر آیا ہوں۔ آپ نے ان چھ سات دنوں میں ایک دفعہ بھی فون کر کے مجھ سے میری خیریت دریافت نہیں کی؟! اپنا خیال رکھنا کہہ کر خاص تاکید نہیں کی اور تو اور میں جب سے آیا ہوں آپ اپنے کمرے میں بند ہو کر رونے کا شغل فرما رہی ہیں۔ میں سامنے آیا ہوں تو یوں حیران ہو رہی ہیں جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ سے نظریں چرا رہی ہیں اور اس کے باوجود کہتی ہیں کہ کوئی بات نہیں ہوئی......" ان کا ہاتھ تھامے وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں شکوہ کر بیٹھا تھا۔ وہ پہلے تو سمعان احمد کے اس قدر درست اندازے لگانے پر حیران ہو کر دیکھے گئیں پھر ان کی آنکھوں کی سطح نمی سے تر ہونے لگی۔

اللہ نے انہیں صرف تین بیٹیاں ہی دی تھیں۔ ہادیہ، نوشین اور زرش۔ سمعان احمد کی موجودگی نے انہیں کبھی بیٹے کی حسرت ہی نہیں ہونے دی تھی۔ ان کے لیے سمعان احمد بیٹوں سے بڑھ کر تھا مگر اب قیصرہ بیگم اور طاہرہ بیگم کی باتیں سن کر ان کا دل اندر ہی اندر ریزہ ریزہ ہو کر کہیں بکھر گیا تھا۔

"سمعان......" وہ سسکی لے کر رو پڑی تھیں۔ سمعان حیرانی سے دیکھے گیا۔

"چچی امی...... چچی......" اس نے ایک بیٹے کی طرح انہیں بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ روتی رہی تھیں حتیٰ کہ سارے آنسو سمعان کے کندھے پر بہا دیے۔

"آپ میری امی سے بڑھ کر ہیں...... خدا بتائیں اگر میری ذات آپ کے لیے دل آزاری کا سبب بنی ہے تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔ آپ میرے لیے میری امی کی طرح ہیں۔" ان کے آنسو سمعان کو تکلیف میں مبتلا کر رہے تھے۔ ان کا سر اپنے کندھے سے ہٹا کر اس نے کہا تو شائستہ بیگم کو احساس ہوا کہ وہ کتنی دیر سے کیا حماقت سرانجام دیے جا رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا...... بس دل بھر آیا تھا۔ رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ زرش تو یوں ہی پریشان ہو جاتی ہے۔ نوشین بھی ہادیہ کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ شاید گھر میں سناٹے سے گھبرا گئی ہوں۔" انہوں نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔ سمعان احمد ہونٹ بھینچے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے آپ مجھے اس لائق نہیں سمجھتیں کہ مجھے کچھ بتائیں تو میں چلا جاتا ہوں۔ خوامخواہ آپ کو

پریشان کرنے آ گیا تھا مگر آپ تو......" بہت سنجیدگی سے کہتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ شائستہ بیگم نے اسے دیکھا۔

"سمعان! تم غلط سمجھے ہو...... تم میری بات تو سنو...... سمعان...... سمعان......" وہ آوازیں دیتی رہ گئی تھیں مگر سمعان بے انتہا ڈسٹرب ہو چکا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ لاکھ سر پٹخ لے وہ اسے کچھ بھی بتانے والی نہیں ہیں۔

وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکلا تھا مگر زرش کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ چائے کی ٹرالی گھسیٹے اس کے سامنے ہی تھی۔ اسے کمرے سے نکلتا دیکھ کر رک گئی تھی۔

"ارے...... آپ کہاں جا رہے ہیں......؟ میں ابھی تو چائے تیار کر کے لائی ہوں۔ آپ پی کر جائیں اور ہاں...... ماما سے بات کی......؟" سمعان احمد لب بھینچے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر بھی اس کے زاویوں میں فرق نہ آیا تو زرش متوجہ ہوئی۔

"کیا ہوا ہے......" وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی کیونکہ سمعان کے عقب میں ماما بھی کھڑی تھیں۔ زرش کی وجہ پریشانی سمعان احمد نہیں بلکہ ماما کا متورم چہرہ تھا۔

"ماما! کیا بات ہے......؟ آپ روئی ہیں؟" وہ ٹرالی وہیں چھوڑ کر فوراً ماں کی طرف بڑھی تھی۔ ان کے کندھے کو تھام کر بے تحاشا پریشان ہو چکی تھی۔ اس نے ماما کو کبھی روتے نہیں دیکھا تھا اور اب ان کا چہرہ......

"سمعان چائے پی کر جانا......" ماما نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ان کی ساری توجہ سمعان احمد کی طرف تھی جو ان سے ناراض ہو کر جا رہا تھا۔

"نہیں۔ چچی امی! ایک بہت ضروری کام ہے۔ اس وقت چلتا ہوں اللہ حافظ۔" زرش بھی حیرانی سے ماما کا رویا متورم چہرہ دیکھ رہی تھی تو کبھی سمعان احمد کے تاثرات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جو اپنی بات کہہ کر رکا نہیں بلکہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا تھا۔

"ماما...... کیا بات ہے......؟ سمعان بھائی آپ سے ناراض ہو کر گئے ہیں؟" جیسے ہی سمعان باہر نکل گیا تھا زرش کی بھی حیرانی ختم ہو گئی تھی۔ اس نے رخ شائستہ بیگم کی طرف کیا تھا۔

"تم نے سمعان کو کیوں بلایا تھا جب کہ میں نے منع کر دیا تھا تو......" وہ سخت لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ زرش بھونچکا رہ گئی۔

"ما...... ما......" وہ کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی۔ "میں انہیں فون کر کے کیوں بلاتی جب آپ نے ایک دفعہ منع کر دیا تھا تو وہ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میں نے پہلے کبھی آپ کی اجازت کے بغیر کوئی قدم اٹھایا ہے جو اب اٹھاتی۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"تو پھر سمعان کو کیسے علم ہو گیا کہ میں تمہیں ان کے ہاں جانے کی اجازت نہیں دے رہی......؟"

"اوہ۔ تو یہ بات...... مگر ماما کو اس قدر غصہ کیوں آ رہا ہے؟" وہ حیرانی سے سوچ کر رہ گئی۔

"میں نے ان سے ذکر کیا تھا۔" اسے لگا ماما صرف اس کی اس بات پر روئی ہیں مگر اتنی سی بات پہ

یوں بری طرح تو نہیں رویا جاتا کہ چہرہ یوں سرخ ہو جائے۔ وہ الجھ کر رہ گئی۔

"مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔ اپنے کمرے میں جا کر نماز ادا کرو...... اور اس کے بعد اپنی پڑھائی پر توجہ دو...... بہت نالائق ہوتی جا رہی ہو تم...... سیکنڈ ائیر میں آ چکی ہو مگر تمہارا بچپنا جوں کا توں برقرار ہے۔ نہ جانے کب عقل آئے گی تمہیں......؟" انہوں نے اسے بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔ وہ منہ کھولے حیرت سے گنگ دیکھتی رہ گئی جب کہ وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر واپس کمرے میں جا چکی تھیں۔

* * *

"سر! شہوانہ زمان سے متعلق ساری انفارمیشن اس لفافے کے اندر ہیں۔ ساتھ تصاویر بھی۔ لالہ منصور صرف سیاسی ہی نہیں اپنے علاقے کی بڑی زورآور شخصیت بھی ہے۔ احسان منصور اس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس وقت شہوانہ زمان اپنی ماں بدرآراء کے ساتھ احسان منصور کے عطا کردہ فلیٹ میں رہ رہی ہیں۔ شہوانہ کی پہلی شادی اس کی ماں بدرآراء نے اپنے ایک جاننے والے تحسین خان سے کی تھی۔ خاصی موٹی تازی آسامی تھا۔ خوب لوٹا دونوں ماں بیٹیوں نے اسے۔ وہ کروڑ پتی سے کنگلا پتی بن گیا تو اس کی ماں نے شہوانہ کی وہاں سے طلاق دلوا کر دوسری جگہ شادی کرنے کی حماقت کرنے کے بجائے کئی عقل کے اندھوں کو الو بنایا تھا۔ اب بدرآراء کی نظر احسان منصور پہ ہے۔ احسان منصور بھی شہوانہ پہ جان چھڑکتا ہے جب کہ لالہ منصور کو اپنے بیٹے سے بڑی محبت تھی اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کا بیٹا ایسی عورتوں کے ہاتھوں برباد ہو۔ لالہ منصور کے لیے ان دونوں ماں بیٹی کو ختم کرانا مشکل کام نہیں تھا مگر احسان منصور نے اپنے باپ کو دھمکی دے رکھی ہے کہ اگر ان ماں بیٹی کا بال بھی بیکا ہوا تو وہ کھڑے کھڑے اپنی جان دے دے گا۔"

شارق زمان کے سامنے بیٹھا اس کا سب رپورٹر اسے یہ سب انفارمیشن دے رہا تھا۔ اس دوران شارق زمان نے اسے قطعی نہیں ٹوکا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی رائے کا اظہار کیا تھا۔ رپورٹر عمران کی فراہم کردہ معلومات سے وہ پہلے ہی باخبر تھا۔ اس کا شارق کے سامنے رکھا ہوا لفافہ بھی جوں کا توں تھا۔ شارق زمان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانے کی قطعی کوشش نہیں کی تھی۔

"شہوانہ زمان کی اپنے پہلے شوہر تحسین خان سے کوئی اولاد بھی ہے؟" اپنے اندر کی وحشت سے گھبرا کر اس نے پیپر ویٹ اٹھا لیا تھا۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پہ منتقل کرتے اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا تھا۔

"جی سر! اس کا ایک بیٹا ہے۔ دونوں ماں بیٹی اس کو اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ دراصل تحسین خان کی اچھی خاصی جائیداد ہتھیانے کے باوجود دونوں ماں بیٹی نے بیٹے کو عدالت کے ذریعے حاصل کر لیا تھا۔ اب آہستہ آہستہ تحسین خان دوبارہ اپنی بنیادیں مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔" عمران نے تفصیلاً بتایا تھا۔

"اچھا۔ اب تم جاؤ اور منصور صاحب کو کال کر دینا اور بتا دینا کہ رپورٹ شائع ہو جائے گی۔" ایک دم اس کے اندر کی وحشت اس قدر بھر چکی تھی۔ شارق زمان کو خدشہ لاحق ہوا کہ وہ کہیں عمران کے

سامنے ہی خود پر کنٹرول نہ کھو دے۔ اس نے ایک دم قطعی انداز میں حکم دیتے ہوئے اسے چلتا کیا تھا۔

”جی......“ وہ باہر چلا گیا۔

شارق زمان اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔

”شہوانہ زماں......“ کوئی اس کے اندر سے چیخا تھا۔ وہ گہرے گہرے کش لینے لگا۔

”زمان اور بدر آراء کی بیٹی......“ کسی نے اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے شروع کر دیے تھے۔

”نہیں۔ وہ صرف اور صرف بدر آراء کی بیٹی ہے۔ اس کا زمان حسنین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

میز پر پڑی کئی چیزیں دھکے سے نیچے گر گئی تھیں۔

”اس طرح سے تعلق ختم نہیں ہو جاتے شارق زمان...... وہ زمان حسنین کی بیٹی ہی نہیں حسنین کی پوتی بھی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ تمہاری بہن ہے۔ صرف تمہاری بہن۔“ کوئی اس کے اندر بیٹھا زور سے چیخا تھا۔

شارق زمان کا اشتعال بڑھنے لگا۔

اسے محسوس ہونے لگا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

”وہ کمینی...... بدذات میری بہن کیسے ہو سکتی ہے......؟ وہ تو صرف ایک طوائف زادی ہے۔ بدر آراء کی بیٹی ہے۔ شہوانہ بدر آراء بس......“

وہ اپنے ہوش و حواس کھوتا جا رہا تھا۔

”تم رشتوں سے انکاری ہو رہے ہو۔ آج منصور لالہ تمہارے سامنے آ کر تمہیں بتا رہا ہے کہ شہوانہ زمان اس کے بیٹے کی رکھیل بنی ہوئی ہے اور وہ تمہارے سامنے تمہاری بہن کو گالی دے گیا تھا۔ تمہارے اندر کی غیرت کہاں جا سوئی تھی جو اس کا طمانچہ لفظ رکھیل کی صورت میں برداشت کر گئے تھے۔ تمہیں تو غیرت سے مر جانا چاہیے تھا۔“ کوئی اس کے اندر بیٹھا مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

وہی جو مسلسل بچپن سے اب تک اس کے تعاقب میں تھا۔

وہی جس نے اس سے اس کی بچپن کی معصومیت چھین لی تھی۔

اس کے اندر محرومیوں کے لامتناہی صحرا دیے تھے۔

جسے رشتوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ جسے اپنی ذات سے نفرت ہو گئی تھی۔

”بدر آراء...... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا...... دعا کرو تم کبھی میرے سامنے نہ آنا ورنہ میں بیٹا ہونے کا حق ادا نہ کر پاؤں گا۔ تمہاری شہرت مسلسل میرے تعاقب میں رہی ہے۔ پہلے پہل تمہارا حوالہ بن کر...... پھر تمہاری یاد بن کر اور اب تمہاری بیٹی شہوانہ زمان کی صورت میں...... میں غلط لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگا ہوں۔ میں خود کو بھول چکا ہوں۔ اس کے باوجود تمہاری شہرت میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ میری ماں ایک طوائف ہے...... میں ایک طوائف زادہ ہوں۔

وہ اپنے آپ سے لڑ رہا تھا۔ اپنے اندر اٹھنے والی آوازوں کو دبا رہا تھا۔

یوں ہی ادھر سے ادھر چکر لگاتے اس کی نظر اس خاکی لفافے پر جا ٹھہری جو اس کا رپورٹر اس کی ٹیبل پر رکھ گیا تھا۔

اس میں مکمل رپورٹ کے ساتھ ساتھ تصاویر بھی تھیں جو لالہ منصور نے بھجوائی تھیں بلکہ شارق زمان کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ جس شخص کو شہوانہ زمان کا بائیو ڈیٹا اکٹھا کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی...... وہ کیسے بدر آراء بیگم کی سابقہ شہرت سے بے خبر ہو گا اور اس شخص نے یہ رپورٹ شائع کروانے کا بندوبست بھی کس سے کروایا تھا۔ بدر آراء کے بیٹے' شہوانہ زمان کے بھائی کے ہاتھوں...... کتنا عقل مند اور چالباز شخص تھا۔ جانتا تھا ایک بھائی اپنی غیرت پر پڑنے والی چوٹ کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ اپنے بیٹے کو بھی نہیں کھونا چاہتا تھا اور بدر آراء بیگم کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی کا بھی پتہ صاف کر دینا چاہتا تھا۔

واقعی شارق زمان اس شخص کی ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔

شارق نے آگے بڑھ کر خاکی لفافہ اٹھا لیا تھا۔

لفافے کو چاک کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کانپی تھیں۔

اس کے سامنے لالہ منصور کی بھیجی گئی تصاویر تھیں۔

تصاویر پر ایک نظر ڈال کر شارق زمان کا جی چاہا کہ کاش اس لمحے اس کے سامنے شہوانہ زمان ہوتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے اس عورت کا گلا دبا دیتا۔

ایک تصویر میں بدر آراء تھی۔ وہ اس عورت کو یکسر فراموش کر چکا تھا مگر اس کا ایک ایک نقش اس کے دل و دماغ پر ثبت ہو چکا تھا اور اب وہ اس عورت کو جو کہ اسے صرف جنم دینے کا سبب بنی تھی، دیکھ رہا تھا۔ ماہ و سال اس عورت پر صرف تھوڑا سا فرق چھوڑ پائے تھے۔ وہ آج بھی ویسی تھی جیسی شارق زمان نے تصویروں میں دیکھی تھی۔ عمر بڑھ چکی تھی۔ جسم فربہی مائل ہو چکا تھا مگر خوب صورتی جوں کی توں تھی جس کا اثر اس کے سادہ لوح باپ پر ہوا تھا۔

ایک ایمان دار' باحیا بیوی اور ننھی سی بیٹی رفعت زمان کی موجودگی کے باوجود وہ اس چالاک و چالباز عورت کی اداؤں کا گھائل ہو گیا تھا پھر وہ اسے ایک بیٹے کا تحفہ دے کر کہیں چلی گئی تھی۔ کہاں......؟ اس کا باپ بھی غم کھائے قبر میں جا اترا تھا۔ اس کی پہلی بیوی شارق زمان کی پالی پوسی تھی۔ بیٹے کی طرح محبت دی تھی مگر بدر آراء کی پرچھائیں سے اس شارق زمان کو نہ بچا سکی تھی کہ وہ حوادث زمانہ کا شکار ہو گیا۔ اچھے برے کی تمیز کے باوجود وہ گناہوں میں لذت محسوس کرنے لگا تھا۔ جب اس کی ماں اس کے باپ کی جمع پونجی چرا کر بھاگ رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر بیٹے کا احساس نہیں کیا تھا تو وہ اپنا احساس کیسے کر لیتا۔ اسے دنیا نے جو دیا تھا وہ دنیا کو لوٹا رہا تھا۔ اپنے خاندان میں بہت کم ملتا ملاتا تھا۔ صرف اس پڑھائی سے بھاگتے بھاگتے وہ نجانے کن اندھیروں کا مسافر بنتا جا رہا تھا جن کی کوئی منزل نہ تھی۔ واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس کا یہ چھوٹا سا پریس میڈیا تھا۔ وہ پیسہ کمانے کے لیے ہر جائز و ناجائز چیز شائع کرتا تھا۔ چاہے وہ اشاعت فلم انڈسٹری سے متعلق ہو یا سیاست سے متعلق...... وہ

حکام بالا سے متعلق ہو یا کسی کی ذاتی مخالفت سے متعلق...... وہ بلا خوف و خطر ہر کام کر جاتا تھا جس طرح پیسہ اس کے ہاتھ میں آ رہا تھا اسی طرح لٹاتا بھی جا رہا تھا۔

تصویروں کو لفافے میں ڈال کر اس نے ٹیبل پر پٹخ دیا۔

اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

اس رپورٹ کو شائع کر کے وہ اپنی غیرت کا خون کرنے جا رہا تھا۔ اپنے اندر کے غیرت مند مرد کو مار رہا تھا۔ اس رپورٹ میں شامل تصاویر کو شائع کر کے۔

”بدر آراء بیگم۔ بس تم تیار رہنا۔ تم اور تمہاری بیٹی کو میرے ہاتھوں سے عبرت ناک موت سے کوئی نہیں بچا سکتا...... کوئی بھی نہیں......“ وہ دوبارہ کرسی پر گر چکا تھا۔ تھک ہار کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا تھا۔ وہ حالات کا مارا ہوا شخص تھا اور یہی موت اس کے جسم اور روح کے مقدر میں بھی تھی۔

✿......✿......✿

کالج سے آنے کے بعد نمازِ ظہر ادا کر کے کھانا کھا کر وہ لیٹ گئی تھی۔ عصر کے قریب آنکھ کھلی تھی۔ نماز ادا کر کے وہ کتابیں سمیٹ کر باہر لان میں آ بیٹھی تھی۔ دو دن ہو گئے تھے زرش بھی نہیں آ رہی تھی۔ آج کالج میں وہ بتا تو رہی تھی کہ چچی امی نے اسے یہاں آنے سے منع کیا تھا۔ زرش کی زبان سے سن کر وہ خود بھی حیران تھی۔ کل کالج میں ٹیسٹ تھا اور زرش ہوتی تو دونوں مل کر تیاری کر لیتیں مگر اب لگ رہا تھا کہ اسے سمعان بھائی سے مدد لینا ہو گی۔

طاہرہ بیگم کچن میں مصروف تھیں۔ آج کل ان کا غصہ ویسے ہی آسمان کو چھو رہا تھا۔ ایسے میں فرح ان سے دور ہی رہتی تھی کیونکہ ان کا سارا نزلہ اس کی ناتواں جان پر ہی نکلا کرتا تھا۔ آج تو ویسے بھی قیصرہ خالہ آئی ہوئی تھیں۔ وہ کالج میں تھی جب ان کی آمد ہوئی تھی۔ گھر لوٹی تو وہ جا رہی تھیں۔ امی کا موڈ خاصا جارحانہ ہو رہا تھا۔ وہ فوراً اندازہ کر کے اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔ صرف کھانا کھانے کچن میں آئی تھی۔ اس کے بعد اب کمرے سے نکلی تھی۔ وہ سیدھی لان میں چلی آئی۔ اتنا تو وہ بھی سمجھ چکی تھی کہ امی اسے پڑھتا دیکھ کر خود ہی جل کڑھ لیں گی۔ اسے کچھ نہیں کہیں گی۔ علی بھی کھانا کھا کر نکل گیا تھا۔ ابو نے اسے اپنے آفس بلوایا تھا۔ شاید اسے چچا ابو کے ساتھ کہیں بھیجنا تھا۔ اکثر وہ چچا ابو کے ساتھ کہیں نہ کہیں جاتا رہتا تھا۔ خاص طور پر میٹنگز وغیرہ میں۔ اب اکثر ابو اسے بزنس کے امور سے آگاہ کرنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ابھی سے ہی ان کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرے۔ اسی طرح وہ بزنس کی تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ وہ کتاب کھولے نوٹ بک پر لکھنے میں مصروف تھی، جب چوکیدار بابا چلے آئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے تھا، ساتھ میں شاید کارڈ بھی۔

”فرح بیٹا! آپ کے لیے کوئی یہ دے کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔“

”کیا میرے لیے......؟“ وہ حیران ہو کر سرخ گلابوں سے بنے گلدستے میں سجے بکے کو دیکھ رہی تھی۔

”جی انہوں نے آپ کا ہی نام لیا تھا پھر مجھ سے سائن کروا کر چلا گیا تھا۔“

اس نے الجھتے ہوئے ان سے پھول اور کارڈ لے لیے تھے۔

”کون ہو سکتا ہے......؟“ اس نے سوچا۔ ”اچھا آپ جائیں میں دیکھ لیتی ہوں۔“ اس نے کہا۔

پھولوں کی مہک اسے مزید متوحش کر رہی تھی۔ اس نے جلدی سے کارڈ کھولا۔

”مائی ڈیئر سویٹ لو“ کا انتہائی خوب صورت کارڈ تھا۔ کارڈ خالی تھا مگر اس کے اندر رکھا صفحہ خالی نہ تھا۔ فرح نے کارڈ میز پر رکھ کر کاغذ اٹھا لیا تھا۔

ہجر کے ماہتاب سن
ہم بھی ہیں تیرے ہم سفر
ہم سے بھی کوئی بات کر
ہم بھی تو تیرے رفیق ہیں
ہم سے نہ اجتناب کر
دستِ فراقِ یار میں
ازلوں کے ہمرکاب سن
ہجر کے ماہتاب سن
بخت میں جب نہ چین ہو
وقت سے کیا گلہ کریں
اس سے کہاں گلہ کریں
راہ میں اس کو روک لیں
کیسے یہ حوصلہ کریں
تُو تو ہمارے ساتھ چل
تُو تو ہمارے خواب سن
تاروں میں انتشار ہے
کسی کی نگاہ کے سبب
اپنی ہی جاہ کے سبب
ہم نے جسے گنوا دیا
شدتِ راہ کے سبب
اس کے غمِ فراق کا
ہم سے بھی حساب سن
ہجر کے ماہتاب سن

جذبوں سے گندھی یہ نظم فرح کے اندر عجب سا انتشار برپا کر رہی تھی۔ نظم کے اختتام پر رقم طراز تھا۔

”اس نظم کو پڑھنے کے بعد میری میلز کا رسپانس دیں ورنہ یہ سلسلہ تب تک چلے گا، جب تک آپ

میرے لیے سنجیدہ نہیں ہو جاتیں مائی ڈیئر فرح سعید احمد۔"

وہ شخص انتہائی بلیک میلر تھا۔ فرح نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے مفلوج ہو رہا تھا۔

"یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے...... ؟ وہ کون ہے...... کیوں میرے ہی پیچھے پڑ گیا ہے؟" وہ رو دینے کو تھی۔ اشتعال میں آ کر اس نے کارڈ سمیت کاغذ کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے۔

"بلیک میلر...... ذلیل انسان......" فرح کو لگ رہا تھا کہ اس کے دماغ کی کوئی نہ کوئی رگ پھٹ جائے گی۔

اس نے ایک قہر بھری نفرت انگیز نظر پھولوں کے بکے پر ڈالی تھی۔ غصے سے اس نے خوب صورت انداز میں بنایا گیا گلدستہ بکھیر دیا تھا۔ سرخ گلابوں کی پتیاں اردگرد بکھر کر احتجاج کرنے لگی تھیں۔ اس سے پہلے کہ امی لان میں چلی آتیں، اس نے بکھرے پھول، پھولوں کی ٹہنیاں اور ریپر اٹھا کر گیٹ کے ایک طرف پڑے کوڑادان میں سارا ڈھیر ڈال دیا۔

اب کچھ بھی پڑھنے کا موڈ نہیں تھا۔ اس نے کوفت، جھنجھلاہٹ و پریشانی سے اکتا کر کتابیں اٹھا کر اپنے کمرے کی راہ لی مگر راہداری میں ہی اسے رکنا پڑا تھا۔

ماجدہ کسی سے فون پہ بات کر رہی تھی۔ ماجدہ ان کی کل وقتی ملازمہ تھی۔ چوکیدار بابا کی بیٹی۔ اس وقت امی کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔ شاید گھنٹی بجنے پر وہ ادھر آئی۔

"جی میں نے کہا ناں کہ یہاں کوئی پرنسس نہیں رہتی۔ غلط نمبر ہے۔ عجیب ڈھیٹ انسان ہیں آپ۔ ایک دفعہ کی بات کا اثر نہیں ہوتا۔" ماجدہ غصے میں کہہ رہی تھی اور فرح کے پاؤں تلے سے زمین سرکتی جا رہی تھی۔

"یا اللہ!" اس سے پہلے کہ کتابیں ہاتھ سے نکل کر زمین پہ گرتیں، اس نے فوراً ماجدہ کی طرف قدم بڑھائے۔ ماجدہ فون رکھ کر بڑبڑاتی ہوئی جانے لگی تھی۔ اسے دیکھ کر رک گئی۔

"کس کا فون ہے ماجدہ؟" اس کی زبان لڑکھڑائی۔ ماجدہ نے ناک سکیڑی۔

"پتا نہیں کون بدتمیز ہے بی بی جی! مسلسل تنگ کر رہا ہے۔ روز اسی وقت فون کر دیتا ہے کہ مجھے پرنسس سے بات کرنی ہے۔ ہزار بار اسے کہہ چکی ہوں کہ اس نام کی کوئی لڑکی یہاں نہیں رہتی مگر وہ بھی ڈھیٹ ہے۔" وہ اکتا کر بتا رہی تھی۔ فرح کا رنگ مزید زرد ہو گیا۔

"تو یہ بلیک میلر شخص اس حد تک پہنچ گیا ہے۔" اس کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ ماجدہ واپس کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ بمشکل اپنے آپ کو گھسیٹتی کمرے میں پہنچی تھی۔ کتابیں میز پہ پٹخ کر وہ بستر پہ بیٹھ کر ممکنہ کارروائی پہ کڑھنے لگی تھی۔ ایک دم اس کے ذہن میں خیال آیا کہ دیکھے تو سہی کہ نمبر ہے کونسا...... اپنے کمرے میں رکھے ایکسٹینشن میں اس نے آنے والی کالز میں سی ایل آئی پہ نمبر دیکھے تھے۔ سب سے پہلے جو نمبر تھا۔ وہ پاکستان کا نہیں تھا۔ شاید کسی باہر کے ملک کا تھا۔ وہ نمبر گھورے گئی۔

"وہ شخص پاکستان میں رہتا ہے پھر یہ نمبر......" وہ الجھ کر رہ گئی۔ "چلو یہ مان بھی لوں کہ اس نے مجھے پاکستان کے نام پہ جھوٹ بھی بولا ہو تو پھر اس نے یہ کارڈ اور پھول خود سے کیسے بھجوا دیے۔" وہ جوں جوں سوچتی مزید فکرمند ہوتی جا رہی تھی پھر یوں ہی آزمانے کو اس نے وہ نمبر ری ڈائل کر دیے تھے مگر دوسری جانب کمپیوٹر آپریٹر کی آواز سن کر وہ کڑوا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"یہ نمبر آف تھا۔" کمپیوٹر آپریٹر اسے کچھ دیر بعد نمبر ڈائل کرنے کو کہہ رہی تھی۔ فرح کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ آخر یہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا...... وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اس رات کے بعد اس نے دوبارہ کمپیوٹر آن ہی نہیں کیا تھا۔ اگر کمپیوٹر ایک دو دفعہ آن کرنے کی ضرورت پڑی بھی تو وہ صرف کمپیوٹر تک رہی تھی۔ انٹرنیٹ کو چھیڑا بھی نہیں تھا۔ کیا شخص تھا وہ بلیک میلر بھی۔ پہلے اس کو ای میل کی تھی پھر اسے مسلسل زچ کرتا رہا تھا اور اب اگر اس نے اس شخص کی ای میلز کی جانب سے خاموشی اختیار کی بھی تھی تو وہ ان ہتھکنڈوں پہ اتر آیا تھا۔ فرح کو حقیقتاً اس شخص سے نفرت محسوس ہوئی تھی جو اسے مسلسل ذہنی اذیت پہنچا رہا تھا۔

* * *

نفیسہ پھپھو نوشین کو چھوڑنے آئی تھیں مگر یہاں آ کر گھر کی خاموشی دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ زرش ان سے بظاہر خوش ہو کر ملی تھی مگر اس کا ستا ہوا چہرہ بتا رہا تھا کہ کوئی بات ہوئی ضرور ہے۔ شائستہ بیگم بھی خوش مزاجی سے ملی تھیں۔ نفیسہ سعید احمد اور مسعود احمد کی نہ صرف اکلوتی بہن تھیں بلکہ شائستہ کے اکلوتے بڑے بھائی جمال کی بیوی ہونے کے ناطے بھابی بھی لگتی تھیں۔ دوسری طرف ہادیہ کی شادی وقار سے ہونے پر رشتہ مزید گہرا ہو گیا تھا۔

نفیسہ کے پانچ بچے تھے۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں۔ بڑے بیٹے وقار تھے جو کہ ہادیہ کے شوہر بھی تھے۔ پھر دو بیٹیاں زویا اور ماریہ دونوں کی شادیاں طاہرہ کے بڑے بھائی کے بڑے دونوں بیٹوں سے ہوئی تھیں۔ اس کے بعد سعد جمال تھا جو کہ امریکہ میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کا آخری سال چل رہا تھا۔ چند ماہ رہ گئے تھے اس کی واپسی کو۔ سعد کے بعد ستارہ تھی جس کی شادی چند ماہ پہلے غفران کے بڑے بھائی قادر سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔ غفران نہ صرف مسعود احمد کے چہیتے دوست ہارون آغا کا بیٹا تھا بلکہ نوشین کا منگیتر بھی تھا۔ دونوں کی منگنی ستارہ کی شادی کے ایک ماہ بعد ہی ہو گئی تھی۔ نوشین بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا وہ پھپھو کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ ادھر سے ہی کالج چلی جاتی تھی۔ گھر میں کل سے زرش کو ڈانٹنے کے بعد سے بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ زرش، شائستہ بیگم سے اچھی خاصی ناراض ہو چکی تھی۔ کل شام سے کمرے میں بند تھی۔ صبح کالج گئی، واپس آ کر پھر کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ اب پھوپی کو دیکھ کر ہی کمرے سے نکلی تھی۔ سلام دعا کر کے ایک طرف ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ شائستہ بیگم کو اس کا یہ انداز بہت زیادہ کھولا رہا تھا مگر کل اسے اچھا خاصا ڈانٹ چکی تھیں۔ اس لیے خاموش رہیں۔ آج مسعود احمد بھی جلدی آ گئے تھے۔ وہ کسی بھی بات سے قطعی بے خبر تھے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ انہیں کسی بات کا علم ہو۔

”آپا! آپ رات رہیں گی ناں؟“ کھانے سے فارغ ہو کر سعود احمد نے پوچھا تھا۔ نفیسہ آپا نے سر ہلا دیا۔

”ہاں آج رات رہنے کے لیے ہی آئی ہوں۔ بہت دن ہو گئے تھے تم لوگوں سے ملے ہوئے۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

”آپا! چائے پئیں گی؟“ سعود احمد آپا کو لے کر لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ شائستہ بیگم بھی وہیں چلی آئیں۔ نفیسہ آپا نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ کچن میں جا کر نوشین کو چائے کا کہہ کر واپس آ گئیں۔

”زویا اور ماریہ کیسی ہیں......؟“ صوفے پر بیٹھتے ہوئے شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

”اللہ کا شکر ہے۔ پچھلے ہفتے ہی ان کے ہاں گئی تھی۔ بال بچوں سمیت خوش ہیں اپنے گھروں میں۔ ستارہ بھی آئی ہوئی تھی۔ کل ہی گئی ہے۔“

”اچھے لوگ ہیں ہارون آغا بھی۔ پہلے تو صرف دوستانہ تعلقات تھے اب تو رشتہ داری بھی ہو گئی ہے۔ اپنوں سے بڑھ کر ہیں۔“ شائستہ نے تعریف کی تھی۔

”ہاں واقعی۔ یہ زرش کہاں گئی ہے؟ کھانا کھاتے ہی اٹھ گئی۔“ اردگرد دیکھتے زرش کو تلاش کرتے انہوں نے پوچھا تو شائستہ نے پہلو بدلا۔

”وہ کمرے میں جا چکی ہے۔ آج کل اس کے کالج کے ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔ سارا دن کتابوں میں ہی الجھی رہتی ہے۔“ تاہم انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

”کل قیصرہ ہمارے ہاں آئی تھی کہہ رہی تھی سعید احمد اور طاہرہ کے درمیان جھگڑا چل رہا ہے۔ میں ادھر ایک چکر لگاؤں اسی لیے پہلے ادھر آئی ہوں۔ کل ادھر کی بھی خبر لوں گی۔ طاہرہ تو سیدھے منہ بات تک نہیں کرتی مگر کیا کریں بھائی اور بچوں کا خیال آتا ہے ورنہ کیا پڑی ہے روز بے عزتی کروانے آ جائیں۔“

نفیسہ آپا نے خود ہی بات شروع کر دی تھی۔ شائستہ چپ رہی تھیں۔ سعود احمد حیران ہوئے تھے۔

”مگر بھائی جان اور طاہرہ کے درمیان جھگڑا کیوں چل رہا ہے؟ اب کیا بات ہو گئی ہے؟ روز ملاقات ہوتی ہے۔ آفس میں مجھ سے تو کوئی بات نہیں ہوئی ان کی۔“ سعود احمد نے بھی پوچھا تھا۔ نفیسہ آپا نے گہری سانس لی۔

”سمعان احمد کے رشتے کی بات کی وجہ سے۔ طاہرہ اپنی بھانجی فوزیہ کو بہو بنا کر لانا چاہتی ہے مگر سعید بھائی نہیں مان رہا۔ بس اسی بات سے جھگڑا طول پکڑتا جا رہا ہے۔ میں نے قیصرہ سے سنا ہے۔ سعید احمد نے عثمان کو بلوایا ہے۔ آج کل وہ طاہرہ سے کافی خار کھائے بیٹھا ہے۔ قیصرہ کی ہی زبانی ہے کہ آج کل سعید احمد اس کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا سوچ رہا ہے۔“ نفیسہ آپا نے بہت دکھ سے بیان کیا تھا۔ سعود احمد بھی گہرے دکھ میں گھرے چپ چاپ سنتے گئے۔

”اللہ خیر کرے۔ ساری عمر اس بربادی میں گزار کر وہ اب کیا سوچ رہے ہیں۔“ شائستہ نے بھی دہل کر کہا تھا۔

”پتا نہیں یہ سچ بھی ہے کہ نہیں۔ ہماری بھاوج کو تو ساری عمر عقل نہیں آئی۔ اس کی بہن نے ساری عمر اسے سکھی رہنے نہیں دیا اور وہ ہے کہ کاٹھ کی الو بنی ہوئی ہے۔“

”آپا! شاید آپ کو برا لگے اس میں کچھ حد تک قصوروار بھائی صاحب بھی ہیں۔ جب ساری عمر گزر چکی ہے تو اس عمر میں آ کر اولاد کا ہی کم از کم خیال کر لیں۔“ سعود احمد دکھ سے باہر نکلے تو کہے بغیر نہ رہ سکے۔

”ہاں کہنا آسان ہے۔ سعید احمد کی باتیں سنتی ہوں تو دل رونے لگتا ہے۔ ماں جایا ہے میرا اسے کبھی سکھی و آباد دیکھنے کی سدا خواہش رکھی ہے۔ وہ کبھی مجھے الزام نہیں دیتا مگر سچ کہتی ہوں اس کی بربادی کی ذمہ دار میں ہی ہوں۔ میں نے ہی تو گھر والوں سے طاہرہ کو بہو بنانے پر زور دیا تھا۔“ وہ آنسو بہانے لگی تھیں۔ شائستہ تاسف سے ہونٹ کچلنے لگیں۔

”آپا! پرانی باتیں کریدنے سے کیا حاصل...... دل اپنا ہی دکھے گا۔ مجھے تو بچوں کا خیال آتا ہے۔ عثمان بیوی بچے سمیت اسلام آباد اکیلا رہتا ہے۔ سمعان خود کو گھریلو رنجشوں سے دور رکھنے کے لیے اس طرح بزنس میں انوالو ہو چکا ہے کہ آج وہ لاہور میں ہے تو کل اسلام آباد۔ کبھی یہاں ہے تو کبھی وہاں۔ علی کی جذباتی طبیعت کا بیان ہی نہیں۔ رہ گئی فرح تو وہ نہ ادھر کی ہے نہ ادھر کی۔ اس طرح تو بچوں پر ہی غلط اثر پڑ رہا ہے۔“ شائستہ کو پھر سمعان یاد آ گیا تھا۔ کس طرح ان سے ناراض ہو کر گیا تھا مگر وہ اسے اس کی ماں اور خالہ کی باتیں بتا کر مزید دکھی و رنجیدہ نہیں کر سکتی تھیں۔ جہاں تک زرش کی بات تھی انہوں نے اسے کسی نہ کسی طرح بہلا ہی لیا تھا۔ وہ بہل جاتی تھی مگر سمعان اصل بات جانے بغیر نہیں ٹلنے والا تھا۔

”آپا! بھائی صاحب نے تو مجھ سے بھی بات کی تھی سمعان اور زرش کے رشتے کے لیے۔“ سعود احمد نے ہی بتایا تھا۔ آپا حیران ہوئی تھیں جب کہ شائستہ بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی رہیں۔ سعود احمد ان سے پہلے بھی ذکر کر چکے تھے۔ ان کے لیے یہ اطلاع نئی نہ تھی۔ بہت پہلے سے وہ جانتی تھیں۔

”اچھا...... پھر تم نے کیا کہا؟“

”انہوں نے نوشین کی عثمان سے بات طے کر لینے کے موقع پر یہ بات کی تھی تب وہ ناراض ہوئے تھے کہ میں باہر لڑکا دیکھ رہا ہوں گھر میں سمعان نظر نہیں آیا مگر میں یہ کہہ کر ٹال گیا تھا کہ بعد میں دیکھا جائے گا مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے زرش کا نام لے کر مجھے چپ کروا دیا تھا۔“ وہ بتا رہے تھے جب نوشین چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ خاموش ہو گئے تھے۔ وہ بچوں کے سامنے ایسی باتیں ڈسکس نہیں کرتے تھے۔ نوشین ان کے خاموش ہونے پر سمجھ چکی تھی کہ کسی اہم مسئلے پر بات ہو رہی ہے۔ وہ فوراً چائے پیش کر کے اپنا اور زرش کا مگ لے کر اس کے کمرے میں چلی گئی۔

”میں نے زرش کی کم عمری کا کہہ کر ٹال دیا تھا مگر وہ بضد رہے بلکہ وہ مجھے یہ بات یاد دلاتے رہے کہ میں نے مرتی ہوئی اماں جان سے بھائی صاحب کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ میری بیٹیوں میں سے ایک بھائی صاحب کی بہو بنے گی، کہنے لگیں تو پھر اب زرش کیوں نہیں۔ وہ کم عمر ضرور ہے مگر بالغ ہے“

تب میں نے وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا کہہ کر بات ختم کر دی تھی اور انہوں نے بھی یہ کہہ کر دوبارہ بات نہیں کی تھی کہ آج یا کل تمہارے پاس زرش میرے سمعان کی امانت ہے وہ ہمارے گھر ہی آئے گی یہ کبھی نہ بھولنا۔"

انہوں نے تفصیل سے ساری بات کہہ سنائی تھی۔

"اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔" آپا نے سنجیدگی سے شکوہ کیا تھا۔

"آپا! میں نہیں چاہتا کہ بات ایک زبان سے دوسری زبان تک نکلتے ہوئے ہمارے بچوں کے کانوں تک پہنچے اور ان کے ذہن غلط اثر لیں۔ بھائی صاحب نے اگر اتنی بڑی بات کی ہے تو یقیناً سمعان کی رضامندی سے ہی کی ہوگی مگر زرش اس معاملے سے لاعلم ہی رہے تو بہتر ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ بچی کی معصومیت تباہ ہو پھر کون سا باقاعدہ بات طے ہوئی تھی۔ زبانی کلامی گفتگو تھی اسی لیے میں نے وقت سے پہلے کسی سے ذکر کرنا مناسب نہ جانا تھا۔" انہوں نے نہ بتانے کی مکمل وضاحت کر دی تھی۔

وہ اپنی تینوں بچیوں کے معاملے میں ازحد حساس تھے۔ ہادیہ کے لیے عثمان کے رشتے کی جب بات کی تو انہوں نے خاموشی سے نفیسہ آپا کے وقار کے لیے ہامی بھر کے سارا معاملہ ہی حل کر لیا تھا۔ دوسری طرف عثمان بھی زوباریہ کو پسند کرتا تھا سو اس طرح عثمان کی شادی زوباریہ اور ہادیہ کی وقار سے بخیر و عافیت طے ہو گئی تھی مگر اب مسئلہ گھمبیر تھا۔ آپا کی زبانی طاہرہ کی ضد اور بھائی صاحب کا ردعمل دیکھ کر وہ الجھ گئے تھے۔

"اگر طاہرہ اسی طرح اپنی ضد پر قائم رہی تو تم کیا کرو گے؟" آپا نے پوچھا تھا۔ انہوں نے شائستہ کو دیکھا ان کے چہرے پر بھی یہی سوچ تھی۔

"آپا! سمعان میرا داماد بنے یہ میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہے جس طرح سمعان نے سارا بزنس سنبھال رکھا ہے میں تو خود چاہتا ہوں کہ وہ میرا اپنا بیٹا بن جائے۔ وقار اور عفان سے بڑھ کر وہ مجھے عزیز ہے مگر آپا مجھے اس سے بھی بڑھ کر اپنی زرش عزیز ہے جس نے بھی اسے بیاہ کر لے جانا ہے۔ پوری آن بان اور شان و عزت کے ساتھ لے کر جائے ورنہ مجھ پر بیٹی بوجھ نہیں ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ سیکنڈ ایئر میں ہے۔ آرام سے اپنی تعلیم مکمل کرے جب مناسب ہوگا تو شادی بھی ہو جائے گی۔ ان چاہی بہو وہ کبھی نہیں بنے گی۔ طاہرہ نے جس بات کو بنیاد بنا کر ساری زندگی خود بھی عذاب میں جھیلی ہے اور اپنے ساتھ بچوں کی بھی زندگی سے کھیلی ہے ایسے کھیل میں، میں اپنی بیٹی کو قطعی جانے نہیں دوں گا۔ مجھے اپنی زرش پر پورا اعتماد ہے۔ وہ سمعان سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتی ہے اور یہ ایک بھائی کی محبت سے زیادہ کچھ نہیں۔" وہ آرام سے سب کہہ گئے تھے۔

نفیسہ آپا اور شائستہ دونوں نے گہری بوجھل سانس فضا میں خارج کی تھی۔ شائستہ بیگم کی تو آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔

"طاہرہ کو خود آ کر پوری عزت و شان کے ساتھ میری بیٹی کو مانگنا ہوگا ورنہ کبھی نہیں۔" ان کے لہجے

میں قطعیت تھی۔ شائستہ کے رخساروں پر آہستہ آہستہ آنسو گرتے چلے گئے۔ وہ کیسے کہہ دیتیں کہ ان کو سمعان احمد کس حد تک عزیز ہے۔

وہ ان کے کن کن خوابوں کا مرکز تھا۔

وہ ان کی انہونی خواہشوں کا محور تھا۔

مگر اب لگ رہا تھا کہ سارے خواب ملیامیٹ ہو رہے ہیں۔

ساری خواہشیں راکھ کا ڈھیر بنتی جا رہی ہیں۔

سمعان احمد طاہرہ کا بیٹا تھا۔ ان کا بیٹا کبھی نہیں بن سکتا تھا۔ کس قدر تلخ حقیقت تھی۔ وہ اس سے گزشتہ کئی دنوں سے نظریں چرا رہی تھیں مگر اب وہ تلخ سچائی حقیقت کا روپ دھارے ان کے سامنے موجود تھی۔ وہ کس طرح اس سے انکاری ہوتیں۔ آپا نفیسہ اور سعود احمد دونوں نے انہیں آنسو بہاتے دیکھا۔

"اچھا ہے یہ غبار ابھی نکل جائے۔ اگر اسے نکلنے کو راہ نہ ملی تو خوامخواہ دل کا ناسور بن جائے گا۔" سعود احمد ان کے سمعان احمد سے متعلق جذبات سے اچھی طرح آگاہ تھے اسی لیے انہوں نے دوٹوک قطعیت سے یہ الفاظ دہرائے تھے۔ وہ شائستہ کے دل میں کوئی امید باقی رہنے نہیں دینا چاہتے تھے جس سے نہ صرف وہ خود دکھی ہوتیں بلکہ ان کا خاندان بھی متاثر ہوتا۔ "اور مجھے اپنی بچیاں ہر شے سے زیادہ عزیز ہیں۔" انہوں نے ان کے چہرے کو دکھ سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"آپ باتیں کریں۔ میں تھک چکا ہوں۔ اب صرف سونا چاہوں گا۔"

وہ اس ماحول سے ہی نکل گئے تھے۔ شائستہ بیگم کو کھل کر رونے کا موقع ملا تھا۔

"شائستہ حوصلہ کرو۔ یہ وہ تلخ حقیقت ہے جو تم اول روز سے جانتی ہو پھر بھی تم یوں جذباتی ہو رہی ہو۔ تمہارا یہ حال ہے تو سعود کو کون سمجھائے گا۔ سعید بھائی ہے اس کا یوں بھائی سے اپنی جڑیں کاٹنا آسان نہیں ہے۔ تمہیں تو اس کی ہمت بندھانا چاہیے۔ اس کو حوصلہ دینا چاہیے۔" آپا نفیسہ ان کا کندھا تھپکتے انہیں سمجھا رہی تھیں ان کا دل بھر آیا۔

"آپا! سمعان پیدا ہوتے ہی میری گود میں آیا تھا اور پھر جب طاہرہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی تو اسے میں نے ہی پالا تھا۔ ہادیہ تو میری گود میں بعد میں آئی تھی مجھے تو یوں ہی لگتا ہے کہ وہ میرا اپنا ہے۔ کتنی خواہش تھی کہ وہ ہادیہ کا نصیب بنتا مگر وقار سے ہادیہ کی شادی کے بعد میں نے یہ بات دوبارہ نہ چھیڑی تھی۔ ہادیہ کے بعد نوشین کی طرف بھی کبھار سوچ چلی جاتی تھی مگر جس طرح سعود نے آناً فاناً ہارون بھائی سے عثمان کے لیے ہاں کر دی تھی، میں دل مسوس کر رہ گئی تھی اور اب زرش...... جب بھی یہ سوچتی ہوں کہ میری تینوں بیٹیوں میں سے وہ کسی ایک کا بھی نصیب نہیں تو کوئی میرے دل کو اپنی مٹھی میں لے کر بھینچ لیتا ہے مگر آپا یہ بھی سچ ہے۔ سعود کی طرح میری بھی خواہش ہے کہ طاہرہ اپنی خوشی، اپنی رضا و دلی رغبت و آمادگی سے اسے مانگے ورنہ کبھی نہیں۔"

وہ روتے ہوئے اپنے دلی جذبات بیان کر گئی تھیں۔

"چلو ابھی تو حالات سازگار ہونے کی دعا تو کرو، میری تو بڑی خواہش ہے کہ میں سعد کے لیے زرش کو مانگ لوں مگر......" وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئیں۔ محسوس کرنے کے باوجود شائستہ بیگم نے ان کے رک جانے پر قطعی دھیان نہ دیا تھا۔

"یہ تو قسمت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا کہیں نہ کہیں جوڑ ضرور بنایا ہے۔ کل جا رہی ہوں میں طاہرہ کے ہاں، کچھ اس کی سنوں گی کچھ اپنی سناؤں گی۔ دیکھتی ہوں کیا ہوتا ہے...... ویسے کل دوپہر کو عثمان بھی آ رہا ہے۔ سعید کو بھی سامنے بٹھا کر سمجھاؤں گی۔ کچھ نہ کچھ حل تو نکال کر ہی اٹھوں گی۔" انہوں نے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا۔

پھر ایک دم انہیں کچھ یاد آیا تو پوچھا۔

"ارے ہاں۔ تمہاری قیصرہ سے گھر میں طاہرہ سے کوئی جھڑپ ہوئی تھی؟" آخر کار انہوں نے شائستہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی تھیں۔

"آپ کو کس نے بتایا ہے؟" دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کرتے پوچھا تھا۔

"لو مجھے کون بتاتا۔ کل آئی نہیں تھی قیصرہ وہی ذکر کر کے گئی ہے۔ پوری بی جمالو ہے۔ ادھر سے ادھر کی اور ادھر سے ادھر کی لگائی بجھائی کرنے والی اس کی عادت نہیں جانے والی، اوپر سے اس کا میاں بھی ویسا ہی ہے۔ اولاد بھی ان ہی کے رنگ میں رنگی گئی ہے۔ میں تو سچ کہتی ہوں طاہرہ کو اس حال تک پہنچانے والی وہی اور اس کا میاں ہے۔ اپنے گھر میں وہ خود تو سکھی ہے مگر اسے برباد کر دیا ہے اور طاہرہ تو کانوں کی ایسی کچی ہے کہ ساری عمر اسی کے کہنے پر چلے۔" انہوں نے جی بھر کر قیصرہ کو کوسا تھا۔

"باقی بہن بھائی تو اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ صرف طاہرہ کی ہی مت ماری گئی ہے۔" وہ مزید تبصرہ کر رہی تھیں۔ شائستہ بیگم خاموش رہیں۔ "تم نے بتایا نہیں کیا بات ہوئی تھی؟" انہوں نے پھر پوچھا تھا۔

شائستہ بیگم نے آرام سے ساری بات کہہ سنائی تھی۔ وہ سن کر کلس کر رہ گئیں۔

"اللہ سمجھے اس قیصرہ کو۔ اس طرح کسی کی بیٹی پر الزام لگا کر بہتان بازی کر کے وہ اپنی بیٹی کو بسا لیں گی۔ نجانے لوگ دوسروں کا گھر اجاڑنے سے پہلے اپنے آشیانے کی فکر کیوں نہیں کرتے۔"

"چھوڑیں آپا! مجھے تو یہ دکھ ہے زرش وہاں جاتی ہے۔ نجانے طاہرہ اس کے ساتھ کیا کیا بدکلامی کرتی ہو گی۔ مجھے اس نے کبھی آ کر ادھر کی بات نہیں بتائی بلکہ خوش ہو ہو کر ہر بار بھائی صاحب، علی، فرح اور سمعان کی باتیں ہی کرتی رہتی ہے۔"

"اللہ طاہرہ کو ہدایت دے۔ یہ ہدایت ایسی چیز ہے جو کسی کے سمجھانے سے نہیں آتی بلکہ خود عقل کرنے سے آتی ہے جب عقل پہ پردے پڑ جائیں تو ہر چیز، ہر بھلائی پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ اللہ اس کی عقل پر پڑنے والے پردے ہٹا دے۔ اماں جی، ابا جی دونوں سعید احمد اور طاہرہ کی خراب زندگی کا دکھ لیے قبر میں جا اترے تھے۔ وہ گھر دو گھروں میں بٹ گیا۔ تم لوگ یہاں آباد ہوئے وہ لوگ وہاں۔ دیکھتی ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ میرے لیے تو دونوں بھائی جان سے بڑھ کر ہیں۔

اللہ بس ہدایت دے۔" وہ غمگین ہو کر رو دیں تو شائستہ نے خاموشی سے ان کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

"حوصلہ کریں سب انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

نفیسہ آپا کے بجائے شائستہ نے اس بات سے خود کو زیادہ حوصلہ دیا تھا۔

* * *

شہوانہ زماں اور بدر آراء کی میگزین رپورٹ بمعہ تصاویر دونوں کے سابقہ تمام افیئرز کے ساتھ "سچ کیا ہے" میگزین کی زینت بن چکی تھی۔ صبح سے لے کر شارق زمان کو قارئین کے کئی فون آ چکے تھے مگر وہ ایک بھی ریسیو نہیں کر رہا اور نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دو دن سے اپنا موبائل بالکل آف کر رکھا تھا۔ کل سے وہ گھر بھی نہیں گیا تھا پھر وہ اس گھر میں جا کر کیا کرتا۔ بیمار ماں کا چہرہ اسے مزید محرومیوں میں دھکیل دیتا تھا۔ نوکروں کی ایک فوج تھی گھر میں مگر وہاں سکون نہ تھا جس کی تلاش آج کل اس کو تھی۔

صبح سے شام اور شام سے رات ہونے لگی۔ وہ یوں ہی آفس چیئر پر بیٹھا رہا۔ منصور لالہ نے اس میگزین رپورٹ کے چھپتے ہی طے شدہ معاوضہ بھیج دیا تھا جو اس کی ٹیبل کے لاکر میں موجود تھا اور لمحہ بہ لمحہ اسے اندر ہی اندر ڈستا جا رہا تھا۔ پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ "سچ کیا ہے" بعض اوقات انسان کے لیے کس قدر تلخ بن جاتا ہے۔

غیرت مندی کا خون رگوں میں تیرنے کے باوجود بے غیرت بن جانا کس قدر دشوار ہوتا ہے۔

بعض اوقات حقیقت کا کھلی آنکھوں سے مقابلہ کرنا جان سے گزرنے سے بھی دشوار ہوتا ہے۔

وقت بیتا جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے اس کی ٹیبل پر پڑے ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی تھی مگر اسے جیسے پروا ہی نہ تھی۔ نجانے کب تک یہی کیفیت برقرار رہتی اس کے اندر کی گھٹن اس کے اندر مزید وحشت بھرتی جا رہی تھی۔ اسی وحشت سے گھبرا کر وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر آفس سے نکل آیا تھا۔ کل سے وہ یہاں تھا۔ گیٹ پر موجود گارڈ مین بھی یہیں ہوتا تھا۔ اکثر جب وہ یہاں رکتا تھا تو وہی اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا تھا۔ اب اسے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ جا رہا ہے

"سر آفس کو لاک لگا دوں؟" وہ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب اس نے پوچھا تھا۔ شارق زمان نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد وہ کتنی دیر تک بے مقصد ہی سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔ اس کا ذہن کہیں بھی نہیں ٹھہر رہا تھا۔ اسے کہاں جانا تھا؟ کیا کرنا تھا؟ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ صرف خبر تھی تو یہ کہ شہوانہ زمان اس کی بہن ہے اور بدر آراء اس کی ماں۔ میگزین کے صفحات کی زینت بننے والی دونوں کی تصاویر اور سابقہ افیئرز۔ شارق زمان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کسی پول کے ساتھ اپنی گاڑی ٹکرا کر اپنے آپ کو ختم کر لے۔ جس پرچھائیں سے وہ بچپن سے جوانی تک لڑتا آیا تھا۔ وہ اب اس کو مکمل طور پر اپنے حصار میں مقید کرنے کو تیار تھی۔

کتنی بار وہ خود کو یہ کہہ کر بہلا چکا تھا کہ اس کی ماں مر چکی تھی۔ اس کی کوئی بہن تھی ہی نہیں مگر ہر

دفعہ لالہ منصور کی کریہہ گفتگو، دونوں ماں بیٹی کی تصاویر اور میگزین کی رپورٹ اسے پاگل کر دیتی تھی۔

نجانے کب اس نے "رینکسٹ کلب" کی جانب گاڑی موڑ لی تھی۔ وہ ہوش میں تو اس وقت آیا جب گاڑی کلب کے مین گیٹ کے سامنے رک چکی تھی۔

وہاں موجود گارڈ نے اسے دیکھ کر احتراماً سیلوٹ کرتے ہوئے گیٹ کھول دیا۔ وہ جب بھی اس طرح انتشار و وحشت کا شکار ہوتا تھا وہ یہاں چلا آتا تھا۔ نجانے پہلی بار وہ یہاں کب آیا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول چکا تھا مگر یہاں کے لوگوں سے آنے والے امیر زادوں اور زادیوں سے اس کی پرانی علیک سلیک تھی۔ سب ہی اسے جانتے تھے۔

شارق زمان نے آہستگی سے گاڑی اندر پارکنگ میں جا کر کھڑی کی۔ اندر داخل ہو کر بہت سے لوگوں نے اسے ویلکم کہا تھا۔ کئی لڑکیوں نے دور سے ہی ہاتھ لہرائے اور کچھ امیر زادیوں نے اسے دیکھ کر اپنے بیگ سے اپنا روپ بہروپ دیکھنے کو آئینے نکالے تھے۔

وہ ایسی ہی شخصیت کا مالک تھا۔

بھرپور مردانہ وجاہت، دلکش و دلنشیں سراپا۔

جس راہ سے بھی گزر جاتا تھا ہزاروں پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

اس کے اندر صرف باپ کی وجاہت و دلکشی ہی نہیں سمٹ آئی تھی بلکہ ماں کی خوب صورتی و اکھڑپن بھی موجود تھا۔ وہ کج تھا، ہرجائی تھا۔ یہاں کتنی امیر زادیاں اس کی صرف ایک جنبشِ ابرو کی منتظر تھیں۔ وہ ان کی رعنائی و خوب صورتی سے فائدہ بھی اٹھاتا تھا مگر کوئی بھی اس کے اندر کے مرد کو مطمئن نہ کر پائی تھی۔ وہ صرف ان کو دیکھتا تھا۔ ان کے ساتھ ہنس بول کر، گفتگو کرتے، ڈائیلاگز بول کر اپنے کچھ پل حسین کر لیتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی لڑکی اس کے دل کی دھڑکنوں میں انتشار برپا نہ کر پائی تھی پھر وہ بہت جلد اکتا جاتا تھا۔ وہ فطرتاً ہرجائی تھا۔ اپنی اس خصوصیت سے نہ صرف وہ خود آگاہ تھا بلکہ یہاں موجود ہر شخص جانتا تھا۔ اس سارے کھیل میں اس نے کبھی خود سے کسی لڑکی کی جانب پیش رفت کی بھی نہ تھی۔ یہ امیر زادیاں خود تھیں جو اس کی جانب پکے پھل کی طرح آ گرتی تھیں۔ وہ تو صرف ان کی خواہش پوری کرتا تھا۔ صرف چند حسین لمحے ہوتے تھے اور بس...... وہ کبھی آخری حد تک نہیں گیا تھا۔

اسے خود پر کنٹرول ہوتا تھا۔ شاید پتا نہیں کون سی نیکی تھی، کون سی طاقت تھی جو اسے برائی کی دلدل میں اترنے کے باوجود باہر کھینچ لاتی تھی اور پھر وہ کئی دن تک ملول و پشیمان پھرتا تھا۔ اپنے آپ سے الجھتا، خود سے لڑتا مگر پھر جب اس کے اندر ایسی آگ لگتی تو وہ پھر یوں ہی بکھر جاتا پھر یہیں آ کر اسے پناہ ملتی تھی۔

اس وقت بھی وہ خاموشی سے اپنی مخصوص کرسی پر آ بیٹھا تھا۔ ویٹر اس کا مخصوص گلاس اسے پکڑا گیا اور وہ اردگرد دیکھتا رہا۔

"ہیلو۔ بہت دنوں بعد آئے ہو آج۔" یہ زیبا تھی جو اسے دیکھ کر اس کی ٹیبل پر چلی آئی تھی۔ کروڑوں کے مالک باپ کی اکلوتی جانشین تھی۔ اکثر یہاں آتی رہتی۔ یہاں کے سب ممبر اسے بخوبی

جانتے تھے۔

شارق زمان نے سر اٹھا کر اسے صرف ایک نظر دیکھا تھا۔ پچھلے وزٹ میں یہ لڑکی اسے اچھی لگی تھی مگر اس بار اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا حتیٰ کہ خوب صورتی کی انتہا تک حسین لڑکی زیبا بھی نہیں۔

"کیا بات ہے بہت خاموش ہو...... آر یو آل رائٹ......؟" اپنے حسین ہاتھ اس کے بازو پر رکھے وہ ایک ادا سے پوچھ رہی تھی۔

نجانے شارق زمان کو کیا ہوا تھا۔ اس نے نفرت سے زیبا کیانی کے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔

"شٹ اپ۔ حد میں رہو۔" وہ پھنکارا تھا۔ زیبا حیران ہوئی۔ پچھلی ملاقات میں تو وہ اس پر بری طرح مہربان تھا مگر اس بار تو...... وہ حیرت سے شارق کو دیکھ رہی تھی۔

"واٹ اے نان سینس......؟" شارق زمان کے یوں نخوت سے ہاتھ جھٹکنے پر وہ اپنی ننھی سی ناک سکیڑ کر اسے گھورتی تھی۔ شارق نے ایک غیظ بھری نظر اس کی جانب کی مگر پھر نگاہ بدل کر رہ گیا۔ اندر جو آگ جل رہی تھی اس کی تپش سے اس کا اندر تو جل ہی رہا تھا لیکن دماغ بھی جھلس رہا تھا۔

"لیو می آلون۔" اس کا بس چلتا تو پوری دنیا کو آگ لگا دیتا۔

اسے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی شہوانہ زمان اور بدر آراء کا ہی عکس لگ رہی تھی۔

"اوہ یو...... کیا سمجھتے ہو تم خود کو......؟ تم میری انسلٹ کر رہے ہو۔" وہ لڑکی بھی ایک دم پھنکاری تھی۔ شارق زمان نے اپنی انگارہ آنکھیں اس کے سرخ و سپید سلیقے سے کیے گئے میک اپ سے سجے چہرے پر ڈالی تھیں۔

"میں نے تمہیں دعوت نہیں دی تھی۔" وہ پہلے سے زیادہ آتش فشاں مادے کی مانند پھٹ پڑنے کو تھا۔

"دیکھ لوں گی میں تمہیں بھی۔ میرے پاؤں نہ چاٹے تو کہنا، یاد رکھنا......" زیبا کیانی کو اپنی اس درجہ ہتک کسی طور برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ اردگرد کی میزوں پر موجود کئی نفوس اس جانب متوجہ ہوئے تھے۔ زیبا کیانی کو بے انتہا سبکی کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنے پاؤں پٹختے اسے دھمکی دیتی وہاں سے نکل گئی تھی۔ شارق نے نخوت سے سر جھٹکا اور ویٹر کو اشارہ کیا۔ وہ ایک اور گلاس اسے تھما گیا تھا۔ زیبا سے جھڑپ کا نتیجہ تھا یا کہ اس گلاس کے اثر سے اس اندر کی کھولن پہلے سے کچھ کم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس کلب میں ہمیشہ اسے اس کے اندر کی وحشت و دیوانگی اور پاگل پن کھینچ لاتا تھا۔ اکثر راتیں وہ گھر سے باہر گزارتا تھا مگر اس دفعہ تو گھر والوں کو اس نے پرسوں سے اپنی کوئی خبر ہی نہیں دی تھی ورنہ اس سے پہلے وہ اکثر اماں سے بات کر لیا کرتا تھا لیکن اس دفعہ......

وہاں بیٹھے آدھی رات سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ اس کے خشک و سرد رویے کو محسوس کر کے کسی نے بھی اس کے قریب پھٹکنے کی کوشش نہ کی تھی۔ زیبا کی شامت وہ لوگ دیکھ چکے تھے۔ اس کے بعد کوئی بھی اس کی میز کی جانب نہیں آیا تھا۔

بہت سا وقت گزرنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ وہاں موجود نفوس اپنے اپنے دولت کدوں کی

طرف واپسی کی راہ پکڑ رہے تھے۔ وہ بھی اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

اس حالت میں گھر جانے کا اس کا قطعی موڈ نہیں تھا۔ لاکھ بے باک سہی مگر اماں اور خاندان کے دیگر افراد کے سامنے وہ بہت باحیا ہی رہا کرتا تھا۔ اس کی یہ ساری سرگرمیاں صرف باہر کی حد تک تھیں۔ خاندان کی سطح پہ وہ بہت کم گو اپنی ذات میں مگن رہنے والا لاپرواہ سا انسان تھا۔ خاندان کے اکثر افراد کو اس سے بہت سے گلے شکوے تھے۔ کبھی وہ ان کا خیال کرتا اور کبھی نفرت سے ٹال جاتا تھا اور کبھی کبھار اسے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اپنی بربادی کے ذمہ دار محسوس ہوتے تھے۔ رفعت باجی اچھی تھیں، اماں بھی اس کا خیال رکھتی تھی مگر ان سب رشتہ داروں میں صرف نواز فاروق ہی اسے پسند تھا۔ نجانے کیوں لے اسے اس سے نہایت انسیت محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی اس سے دوستی بھی تھی۔

وہاں سے نکلنے کے بعد وہ کتنی دیر تک بے مقصد سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا رہا اور پھر فجر کی اذانیں جب سنائی دیں تو وہ خاموشی سے اپنے دفتر کی جانب واپس لوٹ آیا۔ اس کا آفس اس کی اچھی پناہ گاہ تھا جو کہ اب بھی اس کے کام آ رہی تھی۔

* * *

فرح تین بجے کے قریب علی کے ساتھ کالج سے لوٹی تو سامنے ہی عثمان بھائی اور پھپھو نفیسہ کو بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”السلام علیکم۔“ کتنے مہینوں بعد وہ عثمان بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ ایک دم جذباتی ہوئی تھی۔ بھاگ کر بھائی کے پاس آ گئی۔

”وعلیکم السلام...... اچھی ہو؟“ انہوں نے محبت و اپنائیت سے اس کا سر تھپکتے ہوئے اپنی طرف چہرہ کر کے پوچھا تو وہ ہنس دی اور سر ہلا دیا۔

”بہت اچھی ہوں۔ بہت دنوں بعد آئے ہیں۔ بھابی اور حمزہ کو نہیں لائے...... اور اس طرح اچانک......؟“ ان سے جدا ہو کر کتنے سوال کر دیے تھے۔ وہ مسکرا دیے

”دھیرج سے سب سوالوں کے جواب ملیں گے۔ پہلے پھپھو سے تو ملو۔“ انہوں نے اس کی توجہ پھپھو کی طرف مبذول کروائی تو وہ شرمندہ ہو کر فوراً ان کی طرف بڑھی تھی۔ انہوں نے محبت سے گلے لگایا۔

”کیسی ہیں پھپھو؟“

”جیتی رہو، خوش رہو۔“ انہوں نے شفقت و محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔ وہ جھینپ گئی جب کہ ایک طرف بیٹھی طاہرہ بیگم کو ان کی یہ کارروائی قطعی نہ بھائی تھی۔ ان کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔ علی عثمان سے گلے مل کر پھپھو سے پیار لے کر وہیں صوفے پہ بیٹھ گیا تھا جب کہ پھپھو نے محبت سے فرح کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

”آپ لوگ کب آئے......؟“ علی نے پوچھا تھا۔

”میں تو آج دس بجے کی فلائٹ سے سیدھا گھر ہی آیا ہوں جب کہ پھپھو تم لوگوں کی آمد سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی آئی ہیں۔“ عثمان بھائی نے بتایا۔

”آپ رہیں گے ناں؟“ علی نے عثمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے نفی میں گردن ہلا دی

”نہیں۔ یہاں ایک ضروری کام تھا۔ صرف دو دن کی چھٹی پہ آیا ہوں۔ زوباریہ اپنی امی کے ہاں چلی گئی تھی۔ پھر ڈیوٹی کا بھی مسئلہ ہوتا ہے۔ میرے لیے رکنا ناممکن ہے۔“

”عجیب لف زندگی ہے آپ فوجیوں کی بھی۔ شکر کریں آپ کے سسر کرنل ہیں جو ان کی سفارش پہ آپ کو صرف اسلام آباد میں ہی مستقل رکھا ہوا ہے ورنہ جس طرح فوجیوں کی پوسٹنگ ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہوتی رہتی ہے۔ آپ بھی پھنسے ہوتے ادھر سے ادھر کے چکر میں۔“ علی نے ہنس کر چھیڑا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیے۔

”تم دونوں آ کر ہی جم گئے ہو۔ جاؤ اپنے اپنے کمروں میں جا کر کپڑے تبدیل کرو پھر کھانا کھاؤ گے۔“ فرح عثمان سے اور پھپھو سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی تھی مگر طاہرہ بیگم کے ٹوکنے پر لب سی گئی۔ اچھی طرح سمجھ گئی کہ ان کا موڈ آف ہے۔ اسی لیے فوراً اٹھ گئی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں علی کو بھی امی کے خراب موڈ کا بتایا مگر وہ مزید پھیل کر بیٹھ گیا۔

”پھپھو! اور سنائیے گھر میں سب کیسے ہیں؟ ہادیہ آپی...... بھائی وغیرہ“ فرح کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ علی نے جان بوجھ کر وہ موضوع چھیڑا تھا جس سے امی کا بلڈ پریشر ضرور ہائی ہوتا تھا۔

”اللہ کا شکر ہے۔“

”سعد بھائی کی سنائیے۔ سنا ہے اس سال چند ماہ بعد آ رہے ہیں وہ؟“ امی نے اب باقاعدہ علی کو گھورنا شروع کر دیا تھا۔ فرح نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔

”ہاں ماشاءاللہ اس کی بھی تعلیم ختم ہو گئی ہے۔ بس رکا ہوا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ چند ضروری کام ہیں۔ وہ نمٹا کر ہی آئے گا۔ اللہ ساتھ خیریت کے وہ دن لائے۔“ پھپھو کے لیے تو بس سعد کا نام ہی کافی تھا وہ فوراً شروع ہو گئی تھیں۔

طاہرہ نے کھا جانے والی نظروں سے علی کی حرکت کو دیکھا۔ نفیسہ بیگم سے ان کو کئی شکوے شکایتیں تھیں۔ اول الذکر وہ شائستہ کی بھابی تھیں پھر ان کو اسی جہنم میں دھکیلنے میں ان کا زیادہ ہاتھ تھا۔ سعید احمد سے ان کی شادی کروانے میں سارا کریڈٹ ہی ان کو جاتا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں بیٹیوں زویا اور ماریہ کی شادیاں بھی ان کے سگے بھائی کے بیٹوں سے کی تھیں۔ دونوں بہنیں عیش کر رہی تھیں وہاں۔ اپنے اس بڑے بھائی سے بھی ان کی شروع سے ہی ان بن چلتی آئی تھی۔ وہ اصول کی بات کرتے تھے۔ ان کے قیصرہ اور طاہرہ دونوں سے اختلافات رہتے تھے۔ سو ان دونوں بہنوں کو ان سے اور کشیدگی روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی تھی جس کا وہ سارا ذمے دار نفیسہ آپا کو ہی سمجھتی تھیں۔ سعید احمد کی بہن تھیں جو انہیں بولنا پڑتا تھا ورنہ وہ ان کو کبھی منہ نہ لگاتیں۔ اس وقت بھی منہ میں ہی بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عثمان نے پھپھو کے آتے ہی سعید احمد کو اطلاع کر دی تھی سو عثمان کی آمد اور

نفیسہ آپا کی وجہ سے وہ کچھ لمحوں میں بس پہنچنے ہی والے تھے۔ اسی لیے وہ خاموش تھیں۔

تھوڑی دیر بعد سعید اور سمعان احمد بھی آ گیا تھا بھائی اور پھپھو کا سن کر۔ عثمان نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ سب نے اکٹھے ہی ٹیبل پر دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ کھانا کھاتے ہی سعید احمد اٹھ گئے تھے۔ جاتے جاتے انہوں نے فرح کو چائے بنانے کا کہا۔ وہ فوراً چائے بنانے کچن میں گھس گئی تھی۔ بہت کم ایسا ہوا کہ گھر کے سب افراد یوں ایک ہی ٹیبل پر اکٹھے ہوئے تھے۔ آج جمع ہوئے تو فرح بے انتہا خوش تھی۔

ماجدہ کھانے کے برتن اٹھانے لگی تو سب ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ پھپھو، علی، طاہرہ اور سعید احمد لاؤنج میں ہی آ بیٹھے تھے جب کہ عثمان، سمعان احمد کو لے کر اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔

"زوباریہ بھابی اور حمزہ خیریت سے ہیں؟" سمعان نے عثمان کو بستر پر بیٹھتے دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سب خیریت ہے۔ تمہیں پتا ہے میں آج کیوں آیا ہوں؟" انہوں نے سمعان احمد سے پوچھا تو اس نے ناسمجھی میں انہیں دیکھا

"نہیں۔"

"مجھے ابو نے بلوایا ہے۔" انہوں نے آرام سے بتایا تھا۔ سمعان احمد حیران ہوا۔ ابو نے تو ان سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"کیوں...... کوئی کام تھا انہیں آپ سے؟"

"گھر میں جو ٹینشن چل رہی ہے اس سے تو تم باخبر ہی ہو گے؟" اب کے سمعان احمد نے صرف سر ہلایا تھا۔

"ابو نے مجھے فون پر سب کچھ بتایا تھا کہ آج کل میں آ کر اپنی ماں کو سمجھاؤں ورنہ نتائج کی ذمہ دار وہ خود ہوں گی۔" عثمان نے ابو کے الفاظ دہرائے تھے۔

"او آئی سی۔" سمعان احمد نے ہونٹ سکیڑے۔

"میں اس مسئلے پر سوچ سوچ کر الجھ گیا ہوں۔ امی ابو بھی اپنی اپنی ضد نہیں چھوڑیں گے۔ بچپن سے اب تک ان کے یہی حالات دیکھتے آ رہے ہیں۔ ان دونوں کی وجہ سے میں سب سے الگ تھلگ اپنوں سے دور اسلام آباد میں خودساختہ جلاوطنی کی سزا بھگت رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ زوباریہ میرا انتخاب غلط نہیں ہے مگر والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ اپنے حقیقی گھر میں جو سکھ چین ہوتا ہے اس سے تو میں محروم ہی ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ ایسی ہی کوئی جلاوطنی تمہیں بھی برداشت کرنی پڑے۔"

سمعان احمد بغور انہیں سن رہا تھا۔ وہ رکے پھر سمعان احمد کو دیکھ کر مسکرائے۔

"دیکھو یار! ان حالات میں تمہیں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔ امی ابو میں سے کسی ایک کے انتخاب کو اہمیت دینا ہوگی۔ زرش یا فوزیہ...... لڑکیاں دونوں ہی اچھی ہیں۔ خوب صورت ویل آف اور مہذب۔ فوزیہ میں صرف ایک خامی ہے کہ خالہ قیصرہ کی طرح اس میں بھی ادھر سے ادھر لگائی بجھائی کی عادت ہے اور یہ خامی اس کی ساری خوبیوں کو پس منظر میں دھکیل دیتی ہے اور زرش میں سب سے بڑی خامی اور جو

خوبی ہے وہ یہ ہے کہ وہ حد درجہ معصوم ہے اور کم عمر بھی۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟"

وہ شاید اسی لیے اس کے کمرے میں آئے تھے۔ سمعان احمد نے ان کے چہرے سے نظریں ہٹائی تھیں۔ "وہ کیا چاہتا تھا؟" سمعان احمد نے اپنے دل پر اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"میری جو خواہش ہے وہ امی ابو میں سے دونوں کو ہی قبول نہیں ہو گی۔" سمعان احمد کے لہجے میں خودبخود تلخی اتر آئی تھی۔

"کیا ہے تمہاری خواہش؟" عثمان احمد نے دریافت کیا تھا۔ وہ تلخی سے ہنس دیا۔

"میری خواہش ہے کہ اس گھر میں جو بھی لڑکی آئے وہ ابو کے ساتھ ساتھ امی کی بھی من پسند اور خواہش ہو۔ چاہے وہ زرش ہی کیوں نہ ہو۔" سمعان احمد نے اپنی خواہش کو اس انداز میں ظاہر کر دیا تھا کہ عثمان محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"تم فوزیہ کے بجائے زرش کو اہمیت دے رہے ہو۔ خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے تعجب سے استفسار کیا تھا۔ سمعان احمد جھینپ سا گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو پرت در پرت لپیٹ کر رکھنے والا بندہ تھا مگر اس معاملے میں وہ آہستہ آہستہ بہت سے لوگوں پر عیاں ہوتا جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ان حالات میں اور خاندانی رنجشوں کو بھلانے کے لیے زرش کسی پل کا کردار ضرور ادا کر سکتی ہے۔" اس نے سادگی سے کہہ دیا تھا۔ عثمان نے سمعان احمد کو بغور دیکھا پھر مسکرا دیے تھے۔

"یہ کہو کہ تم خود ہی زرش کے سب سے بڑے حامی ہو۔" انہوں نے چوٹ کی تھی۔

"یوں تو پھر یوں ہی سہی۔ آپ کی سمجھ دانی ہے۔" سمعان احمد نے بھی ان کی بات اڑانے کی کوشش کی تھی بلکہ کندھے اچکائے تھے۔ انہوں نے سمعان کے کندھے پر دھپ لگائی۔

"یار الو نہ بناؤ۔ سیدھے سادے انداز میں اپنے دل کی بات کہو۔ ابو جی نے ہی مجھے یہ کام سونپا تھا تاکہ وہ امی کے سامنے دوٹوک بات کر سکیں دوسرا انہیں کچھ کچھ تمہاری دلی کیفیت کا اندازہ بھی ہے۔ میں تو یوں ہی تمہیں موضوع پر لا رہا تھا۔ کیا میں نہیں جانتا کہ تمہاری زرش سے کس حد تک انسیت ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ سمعان احمد نے صرف گھورنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ کتنے تیز تھے اسے الو بنا رہے تھے۔

"جب ابو سب سمجھتے ہیں تو پھر میرے منہ سے سننا لازمی ہے کیا؟ جو ان کی مرضی وہی میری بھی مرضی ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔" سمعان احمد نے کچھ خفا سے انداز میں کہا تھا۔ عثمان ہنسنے لگا تھا۔

"ابو امی کے سامنے اس طرح اسٹینڈ لے رہے ہیں تو یقیناً وہ ساری بات اچھی طرح سمجھ کر ہی لے رہے ہیں۔ تمہارا نام استعمال کیے بغیر۔ اتنا تو انہوں نے میرے اور بادیہ کے سلسلے میں بھی انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا جتنا کہ اب۔" وہ کھل کر تبصرہ کر رہے تھے۔

"ابو چچا جان سے بات کر چکے ہیں۔ شاید چچی جان کو بھی میری دلی کیفیت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتیں مگر میں نے بارہا محسوس کیا ہے وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہیں۔ زرش اس

معاملے سے قطعی نابلد ہے پھر جب ابو نے چچا جان سے بات کی تھی تو مجھ سے میری رضامندی لی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر میں راضی ہوں تو وہ تب ہی چچا جان کے سامنے بات کریں ورنہ میری پسند کو اہمیت دی جائے گی اور یہ سچ ہے کہ ابو کے پوچھنے کے بعد ہی مجھ پر انکشاف ہوا کہ زرش صرف میرے لیے ایک چچازاد نہ تھی بلکہ وہ شروع سے ہی میرے لیے بہت خاص اہمیت رکھتی تھی۔ میں نے ابو سے سوچ کر جواب دینے کا وقت مانگا تھا اور اس ساری مہلت میں میرے سامنے گزشتہ ایک ایک پل واضح ہو گیا تھا۔ شاید زرش کے علاوہ کوئی اور میری زندگی میں اس طرح مقام نہ بنا سکا جس طرح وہ بنا چکی ہے۔ اس کے علاوہ میں کسی اور کے ساتھ زندگی بھی نہ گزار سکوں۔" سمعان احمد نے آہستگی سے اپنے جذبات واحساسات سے آگاہ کر دیا تھا۔ عثمان پرسوچ نظروں سے سمعان کو دیکھے گئے۔

"اب اگر امی ابو کے درمیان کوئی فیصلہ نہ ہو پایا تو تم کیا کرو گے؟" انہوں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تھا۔

"تو میں اس وقت تک انتظار کروں گا جب تک امی ابو کا ایک فیصلہ نہ ہو جائے ورنہ آدھی زندگی تو گزر چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آدھی اور ہو گی گزر ہی جائے گی مگر یہ بات کلیئر ہے زرش نہیں تو کوئی اور بھی نہیں۔" سمعان احمد نے کھل کر عثمان کے سامنے ہی اپنا سارا معاملہ کلیئر کر لینا چاہا تھا۔ عثمان احمد تفکر سے اسے دیکھنے لگے۔

"اب تو کچھ نہ کچھ ضرور ہی کرنا ہو گا۔ بس یار تم ہمت نہ ہارنا۔ میں دونوں کو منانے کی کوشش کروں گا کہ وہ اسے انا کا مسئلہ بنانے کے بجائے خاندانی بقا کا معاملہ جان کر اہمیت دیں ورنہ یہ رنجشیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔" عثمان نے سمعان کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر اسے سمجھایا تو سمعان نے اثبات سے سر ہلا دیا۔

"یہی تو سارا مسئلہ ہے۔ وہ ان معاملات کو صرف انا کا ہی تو مسئلہ بنا رہے ہیں۔ نجانے کس کس محرومی کا بدلہ وہ یہ ایشو اٹھا کر لینا چاہتے تھے۔ زرش کے معاملے کی حد تک تو میں ابو کا ساتھ دے رہا ہوں مگر اس مسئلے کو بنیاد بنا کر انہوں نے مزید جن مسائل کو کھڑا کر دیا تھا وہ تو اس معاملے کو مزید بگاڑ دیں گے۔" سمعان احمد واقعی کافی حد تک ٹینس تھا۔ عثمان احمد اچھی طرح محسوس کر گئے تھے۔

"میں پتا ہے کیا سوچ رہا ہوں؟" سمعان احمد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد عثمان احمد کو متوجہ کیا تھا۔ عثمان احمد اسے سوالیہ نظروں سے دیکھے گئے۔

"کئی دنوں سے میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آ رہا ہے۔ اس مسئلے کی وجہ سے امی ابو کے درمیان جو شدید ناچاقی ہوئی ہے اس وقت صرف اس کا حل کیا جائے۔ امی ابو کے درمیان حالات سازگار ہوں گے تو دونوں ہی اس مسئلے کو اہمیت دیں گے۔ ایسے میں امی کو زرش کے لیے کنوینس کرنا آسان ہو سکتا ہے جب کہ اب اس مسئلے کا حل صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ ابو اپنے فیصلے کو اہمیت دیں گے اور امی اپنے فیصلے کو۔ جب کہ ہمیں درمیانی راہ نکالنا ہے۔ مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں ہے اور زرش بھی ابھی پڑھ رہی ہے۔ چچا کم از کم اس کے گریجویشن سے پہلے شادی بھی نہیں کرنے والے۔ جب تک تو ہم اپنے طور پر حالات کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں مگر یہ طے ہے کہ امی کی مرضی کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ میرے لیے ابو کے ساتھ امی کی رائے بھی اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ اگر نہیں مانیں گی تو یہ مسئلہ جوں کا توں رہے گا تاوقت یہ کہ وہ دل وجان سے راضی نہ ہو جائیں۔"

سمعان احمد نے اپنی سوچ سے عثمان احمد کو آگاہ کر دیا تھا۔ وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا گئے۔

"سوچ تو تمہاری بھی درست ہے۔ جب تک امی ابو کے درمیان کسی فیصلے پر اتفاق نہیں ہو گا یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہو گا۔"

عثمان احمد نے سمعان احمد کو آنے والے حالات سے بھی آگاہی دی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ چچا جان کے گھر کی کیا کنڈیشن ہے؟ میرا مطلب ہے وہ لوگ ہمارے گھر کی ساری صورت حال سے کیا باخبر ہیں؟" عثمان کو اچانک دوسری جانب کا بھی خیال آیا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ آفس میں تو روز چچا جان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان کی کسی بات سے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارے گھر میں چلنے والا جھگڑا ان لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچا ہو ہاں البتہ چچی جان کچھ افسردہ بلکہ غم زدہ ہیں کیوں؟ میں نے بہت دفعہ ان سے پوچھنے کی کوشش کی ہے مگر وہ تو کچھ بھی بتانے پر آمادہ ہی نہیں اور تو اور انہوں نے زرش کو بھی یہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔ دو دن پہلے میں ادھر گیا تھا۔ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے بارہا پوچھنے کی کوشش کی تھی مگر صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے کچھ بھی نہیں بتانے والی۔ جواباً میں ان سے خفا ہو کر آ گیا تھا۔ یہ دو دن میں نہیں گیا اس انتظار میں رہا کہ شاید وہ رابطہ کر لیں مگر ان کی خاموشی دیکھ کر لگتا ہے مجھے کل خود وہاں جانا پڑے گا۔"

سمعان نے وہاں کے موجودہ حالات سے عثمان احمد کو پوری طرح آگاہ کیا تھا۔

"یہ تو گھمبیر مسئلہ ہے۔ دونوں طرف سے ایک طرح کے ہی حالات ہیں۔ بندہ کس کس محاذ پہ لڑے۔ میدان جنگ میں تو لڑنا آسان ہوتا ہے کہ وہاں سامنا دشمن سے ہوتا ہے مگر گھریلو محاذ سے کسی بھی طرح کامیابی ممکن نہیں ہو سکتی۔ یہاں ہمیں شکست دینے والے بھی ہمارے اپنے ہی ہوتے ہیں۔"
عثمان احمد دھیرے سے ہنس دیے تھے پھر باہر جانے کی نیت سے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں باہر دیکھوں کیا حالات چل رہے ہیں؟ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑنے کی ضرورت ہے۔"
عثمان احمد کی بات پر وہ بھی مسکرا دیے اور پھر عثمان کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ بھی اس کے ہمراہ ہو لیا تھا۔

* * *

وہ سلائی مشین رکھے نورین کا سوٹ سلائی کر رہی تھی۔ گریجویشن کے بعد اس نے صرف تین ماہ سلائی انسٹی ٹیوٹ جوائن کیا تھا۔ آج کل وہ گھر بیٹھے خاندان بھر کی لڑکیوں کے سوٹوں پر نت نئے ڈیزائن بنا بنا کر اپنی سلائی میں مہارت پیدا کر رہی تھی۔

یہ ڈیزائن اس نے میگزین میں دیکھا تھا۔ سوئی دھاگے اور موتیوں کا ورک ہوا تھا۔ دو دن لگا کر اس نے بڑی محنت سے قمیص کی آستینوں اور گلے پر کڑھائی کی تھی۔ موتی بھابی نے لگا دیے تھے اور اب بیٹھی وہ اس کی سلائی کر رہی تھی۔

امی اپنی بڑی بہن واجدہ خالہ کی طبیعت معلوم کرنے گئی ہوئی تھیں۔ گزشتہ تین روز سے شارق بھائی گھر نہیں لوٹے تھے۔ ان کے آفس جو بھی گیا تھا وہ وہاں بھی نہیں ملے تھے۔ ہر کوئی مایوس ہو کر لوٹا تھا۔ شارق بھائی کی طرف سے اس وجہ فکر مندی کی وجہ سے واجدہ خالہ بیمار پڑ گئی تھیں۔ کل سے انہیں بخار تھا اور آج اماں ان کی عیادت کو چلی گئی تھیں۔ اس وقت گھر میں وہ اور بھابی ہی تھیں۔ بھابی شام کی تیاریوں کے سلسلے میں کچن میں گھسی ہوئی تھیں جب کہ وہ پوری تندہی سے اپنے کام میں مصروف تھی۔

”السلام علیکم۔“ وہ مشین پر جھکی ہوئی تھی جب اپنی پشت پر آواز سن کر وہ فوراً سیدھی ہوئی۔

آنے والے کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر اپنائیت سے لبریز مسکراہٹ ابھر آئی۔

”وعلیکم السلام۔ بڑے دنوں بعد تمہیں ہمارے گھر کی یاد آئی ہے۔“ نویرہ شکوہ کیے بغیر نہ رہی تھی جب سے اس کی منگنی ہوئی تھی وہ صرف ایک بار ان کے ہاں آیا تھا اور اب شکل دکھا رہا تھا۔

”بس پڑھائی میں مصروف تھا۔“ وہ قالین پر مشین رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی جوتا اتار کر اس سے کچھ فاصلے پر کشن پر بیٹھ گیا تھا۔

رضا اس دن کے بعد آج دیکھ رہا تھا۔ اتنے دن کس قدر وہ دل کو سمجھا چکا تھا مگر یہ پاگل دل کسی بھی طور پر نہ مانا تو وہ اب مجبور ہو کر یہاں تھا۔ اس کی پیاسی نظریں نویرہ کے چہرے پر دیوانہ وار رقصاں تھیں۔ وہ یوں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کی نظریں جنموں سے اس دید کی پیاسی ہوں۔

”رضا!“ وہ مشین پر جھکی ہوئی دھاگہ ڈال رہی تھی۔ جھکے جھکے ہی پکارا تھا۔ رضا کو لگا جیسے اس کے گرد گھنٹیاں سی بج گئی ہوں۔

”ہوں۔“

”تم اتنے دن کیوں نہیں آئے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا تھا۔

”آپ نے یاد کیا تھا؟“ وہ جیسے آسمان پر جا بیٹھا تھا۔

”بہت زیادہ۔“ اس نے دھاگہ ڈال کر سر اونچا کیا تھا۔ رضا نے اس کی گہری سیاہ صاف و شفاف آنکھوں میں جھانکا۔ اس کا دل ان تین کٹوروں میں ڈوب ڈوب گیا تھا۔

”میں بھابی سے روز کہتی تھی کہ تم لوگوں کے ہاں چلتے ہیں مگر روز کوئی نہ کوئی کام آ پڑتا تھا۔ آج بھی میرا ارادہ ہو رہا تھا مگر اماں واجدہ خالہ کے ہاں چلی گئی ہیں۔“ قمیص کا کپڑا سیدھا کر کے وہ مشین کے پیر کے نیچے رکھ رہی تھی۔ رضا کی نظریں اس کی سیدھی مانگ میں الجھنے لگیں۔

”آپ نے مجھے یاد کیوں کیا تھا؟“ وہ نجانے کیا سننا چاہتا تھا۔

”ظاہر ہے تم اپنی زبان سے نہ کہو مگر تم مجھ سے میری منگنی پر خفا تھے۔ تم تو اتنے اچھے دوست جیسے بھائی ہو۔ تمہاری خفگی میں بھلا سہہ سکتی ہوں۔“

نویرہ نے ایک لمحے کو رضا کے ایک دم زرد پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

”چھن...... چھن۔“ کر کے رضا کے سینے کے اندر بہت کچھ ٹوٹتا چلا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پردہ سا تنے لگا۔

”اچھا دوست...... بھائی۔“ وہ زیر لب بولا۔ رضا کا دل لہو لہو ہوتا چلا گیا۔ اس نے ایک خفگی بھری نظر نویرہ پر ڈالی تھی مگر وہ سر جھکائے مشین چلا رہی تھی۔ اس کی پوری توجہ کپڑے پر تھی۔

”تمہاری اہمیت تو شاید اس کپڑے سے بھی کم ہے۔“ وہ خود ترسی کا شکار ہونے لگا تھا۔

”ارے رضا حمید آیا ہوا ہے۔“ بھابی کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئیں تو سامنے ہی اسے براجمان دیکھ کر فوراً کہا تھا۔ رضا نے فوراً سنبھل کر سلام کیا تھا۔

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔ بہت دنوں بعد شکل دیکھ رہے ہیں تمہاری کہاں ہوتے ہو آج کل۔“ وہ نویرہ کے پاس ہی ٹک گئی تھیں۔ رضا بمشکل مسکرایا۔

”مجھے کہاں ہونا ہے؟ گھر میں ہی ہوتا ہوں۔“ اس نے استہزائیہ کہا تھا۔

”رمشاء کیسی ہے۔ اسے بھی لیتے آتے۔ وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ میں اس قمیص کا ڈیزائن ضرور دکھاؤں۔ آ کر وہ بھی دیکھ لیتی۔“ اچانک نویرہ کو خیال آیا تو کہنے لگی۔ رضا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”وہ کہاں مل گئی آپ کو؟“

”کل میں اور بھابی ’چھپائی والے‘ کی دکان پر گئے تھے۔ کچھ میٹریل چاہیے تھا وہ بھی اپنی دوستوں کے ساتھ تھی۔“

”او اچھا۔“ اسے ایک دم اس ماحول سے اکتاہٹ ہونے لگی یا شاید رمشاء کے ذکر سے۔

”تائی جان کب آئیں گی؟“ اب کے اس نے برائے بات پوچھا تھا۔

”امی رات کو آئیں گی۔ ویسے نویرہ یہ شارق صاحب کچھ کھسکے ہوئے نہیں ہیں۔ مہینے میں ایک آدھ

بار انہیں ایسا دورہ ضرور پڑتا ہے۔" علی کو جواب دے کر بھابی نے ساتھ ہی شارق پر بھی تبصرہ کیا تھا۔

"ایسے تو نہ کہیں اچھے خاصے ہیں۔ بس ذہنی طور پر کبھی ڈسٹرب ہو جاتے ہیں۔ نبیل بھائی نے بتایا نہیں کہ کس قدر خستہ حال اور برسوں کے بیمار لگ رہے تھے۔"

نویرہ سب کام چھوڑ کر ایک دم افسردہ ہو گئی تھی۔

نجانے کیوں اسے شارق کی شخصیت کے الجھے اسرار حل کرنے کا شوق تھا۔

وہ ان سے ان کا مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی۔ ان کے ذہنی خلفشار کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ وہ ان کے اندر تک اتر کر ان کو ازبر کر لینا چاہتی تھی۔

کبھی کبھی اس کے اندر بڑی انوکھی و انہونی خواہش بھی کروٹ لیتی تھی کہ وہ اپنی تمام خوشیاں ان کو دے کر ان کی آنکھوں کے تمام کرب، ان کے اندر کے سارے غم، زندگی کے سارے دکھ اپنے آنچل میں سمیٹ لے اور انہیں کہے کہ "شارق بھائی آپ صرف مسکرائیں۔ آپ مسکراتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔" مگر وہ ان سے یہ کبھی نہ کہہ پائی تھی ہر دفعہ ان سے سامنا ہونے پر صرف سوچ کر دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔

انہوں نے اس کی منگنی پر جو بریسلیٹ دیا تھا۔ وہ اس وقت بھی اس کی کلائی میں موجود تھا۔ بریسلیٹ کو انگلیوں کی پوروں سے چھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے شارق زمان کا بھرپور توانا و دلکش وجیہہ سراپا آ سمایا تھا۔

دل نے ایک کروٹ بدلی تھی۔

وہ ایک دم سنبھلی تھی۔ یوں ہی گھبرا کر اس نے یہ دیکھنے کے لیے اس کی اس خود فراموشی کو کسی نے محسوس تو نہیں کیا۔ بھابی کو دیکھا تھا وہ اپنی قمیص دیکھ رہی تھیں۔ اس نے دوسری نظر رضا پر ڈالی تھی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

نجانے کیا تھا؟ کون سی چیز تھی۔ نویرہ کا دل سکڑ کر سمٹا تھا۔

"رضا!" اس کی آواز نے رضا کا ارتکاز توڑ دیا تھا۔

نویرہ اسے کھوجنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں جھکا گیا۔

"کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں تم آج کل کچھ الجھے الجھے بلکہ پریشان رہنے لگے ہو۔ کوئی مسئلہ ہے؟" وہ یہی اخذ کر سکی تھی سو بہت خلوص سے پوچھ بھی لیا تھا۔ اس نے ایک دم نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ میں تو شارق بھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اس نے ایک دم بات پلٹ دی تھی۔ نویرہ کو یقین تو نہ آیا مگر اس نے اپنی کھوجتی نظریں بھی ہٹالی تھیں۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا جیسے بھاگنے کو ہو۔

"بیٹھو تو سہی۔ کھانا بس تیار ہی ہے۔ کھا کر ہی جانا۔" بھابی نے ہی اسے روکا تھا۔

"نہیں بھابی! مجھے گھر جا کر پڑھنا بھی ہے۔ چلتا ہوں پھر کبھی آؤں گا اللہ حافظ۔" عجلت میں کہتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"بھابی! آپ نے محسوس کیا ہے کہ رضا کچھ بدل گیا ہے۔ پہلے تو جب بھی آتا تھا ایک ادھم مچائے رکھتا تھا۔ خاموش تو بیٹھا ہی نہیں جاتا تھا اس سے۔ زبان ہر وقت چلتی رہتی تھی۔ پچھلی مرتبہ دعوت میں بھی چپ چاپ کھویا کھویا سا رہا تھا اور اب بھی ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر چلا گیا ہے اور بات چیت بھی بس برائے نام ہی کی ہے۔ مجھے لگتا ہے اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے جسے وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتا ورنہ مجھے تو ضرور بتاتا۔ خیر میں بھی پتا کروالوں گی آخر وہ پریشان کیوں ہے؟" وہ بھابی سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں محسوس تو میں نے بھی کیا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں اپنے کمرے میں جا کر دیکھوں گڑیا اٹھ تو نہیں گئی۔" بھابی بھی اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ وہ بھی ایک بار پھر مشین پر جھک گئی تھی۔ اسے آج ہی یہ قمیص مکمل کرنا تھی۔

* * *

اگلے دن فرح اور علی اپنے اپنے کالج روانہ ہو گئے تھے۔ رات نفیسہ آپا یہیں ٹھہری تھیں۔ طاہرہ کا خیال تھا کہ وہ چلی جائیں گی مگر رات ان کے ٹھہرنے کا پروگرام دیکھ کر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھیں۔ اب صبح سے لے کر عثمان احمد، سمعان احمد، سعید احمد سمیت باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے۔ وہ بظاہر کچن میں ماجدہ کے ساتھ مصروف رہی تھیں مگر سارا وقت وہ جلتی کڑھتی رہی تھیں۔ خدا خدا کر کے علی اور فرح کے بعد سمعان احمد بھی اپنے آفس کے لیے روانہ ہوئے تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ نجانے کیا بات تھی کہ وہ سمعان احمد کو اپنے سوا کسی اور جانب متوجہ دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔ سعید احمد آج آفس نہیں گئے تھے۔ انہیں اندر ہی اندر یہ بات بھی کھٹک رہی تھی مگر وہ ان سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔

دونوں کے درمیان ایک خلیج تو نجانے کب سے حائل تھی مگر ایک ہفتے سے بول چال بالکل بند تھی۔ اب سعید احمد کو اپنی بہن کے آگے بچھتے دیکھ کر ان کے اندر آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

عثمان احمد کتنے مہینوں بعد ملنے آیا تھا مگر انہیں اس کے پاس بیٹھ کر بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ کل سے وہ پھوپھی، باپ، بہن بھائیوں کے ساتھ مصروف تھا۔ ماں کا تو شاید اسے احساس ہی نہ تھا۔ یہ دکھ بھی اندر ہی اندر گھلا رہا تھا۔

کچن کا کام ختم ہوتا وہ ماجدہ کو چند ہدایت دیتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے کی نیت سے راہداری سے گزر رہی تھیں مگر اندر سٹنگ روم میں ہونے والی گفتگو نے ان کے قدم روک لیے تھے۔

اس وقت گھر میں ملازموں اور ان کے علاوہ نفیسہ آپا عثمان احمد اور سعید احمد بھی تھے۔

"آپا! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر یہ بات وہ کم عقل عورت بھی تو سوچے۔ زندگی جیسے بھی گزر گئی وہ الگ قصہ ہے۔ مجھے اس عورت سے زندگی کے اس موڑ پر آ کر کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ میں بھی اپنے بچوں کی بہتری کے لیے ہی یہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں اور وہ کم عقل عورت ہے کہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے۔" آواز اگرچہ دھیمی تھی مگر لہجے کی تندی و ترشی غصے سمیت صاف عیاں تھی۔ طاہرہ بیگم

لق و دق کھڑی رہ گئی تھیں۔ آگے بڑھنے کا خیال ہی نہ رہا۔

"وہ اگر ضد پر اڑی ہے تو تمہیں ہی عقل کرنی چاہیے۔ ایک بات تم بھی مانو گے۔ زبردستی سے چیزیں سدھرتی نہیں بلکہ ٹوٹ جاتی ہیں اور عورت کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہونے والی ٹیڑھی ہی چیز ہے۔ اسے اب انسان کا کام ہے کہ عقل سے، محبت سے، پیار سے سیدھا کرے ورنہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آنے والا۔" نفیسہ آپا کی آواز تھی۔

"ہونہہ۔ وہ عورت محبت و پیار سے سمجھنے والی نہیں ہے اور محبت و پیار کے مظاہرے بھی آپا تب ہوتے ہیں جب دوسری طرف کچھ گنجائش ہو جب کہ وہ اس گھر میں ملاوٹ زدہ دل لے کر آئی تھی اور ایسی ہی نحوست اس نے اپنے ساتھ ساتھ میری زندگی میں بھی گھول دی ہے۔"

سعید احمد کے لہجے میں زمانے بھر کی تلخی تھی۔ طاہرہ بیگم کو ایک پل کو لگا تھا کہ ان کا پورا وجود اس تلخی و حقارت کے ذرّوں میں تبدیل ہو کر ہوا کے گرداب میں گم ہو گیا ہو۔

"نہیں سعید احمد! تم نے اپنی زندگی گزار لی۔ اب بچوں کی باری ہے۔ وہ چھوٹے تھے اب بڑے ہو گئے ہیں۔ ان کی بقا کے لیے سوچو، جذباتی ہونے یا انا میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ان بچوں کی ماں ہے۔ اس کے بھی ان بچوں کے متعلق کچھ خواب ہیں اسے اہمیت دو۔" طاہرہ کو نفیسہ آپا کا کردار ایک مکار عورت کا سا لگا، جو اُن کے سامنے کچھ اور ہے اور بھائی کے سامنے اور ہے۔

"ابو جان! پھپھو صحیح کہہ رہی ہیں۔ آپ کو اپنی ضد چھوڑنا ہو گی۔ امی وہاں راضی نہیں ہیں تو آپ کو بھی سوچنا چاہیے۔ حالات کے موافق ہونے کی تدبیر کرنی چاہیے نہ کہ اس طرح کا رویّہ اختیار کر کے سنورتے حالات کو بھی مزید بگاڑ دیا جائے۔"

یہ عثمان کی آواز تھی۔ طاہرہ بیگم کو لگا ان کا رہا سہا مان بھی ختم ہو گیا ہے۔ بیٹے کی یہ ساری گفتگو سن کر...... ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔

"یار! تم بھی اپنی ماں کی حمایت کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلوایا تھا۔" سعید احمد عثمان کے اس طرح سمجھانے والے انداز پر ٹوک گئے تھے۔

"گستاخی معاف مگر آپ نے مجھے اس لیے بلوایا تھا کہ میں امی کو منا لوں مگر ان کو منانا بہت مشکل ہے۔ میں آپ کو درست راہ بتا رہا ہوں۔ سمعان احمد کی عمر واقعی شادی کی ہی ہے مگر زرش بھی کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔ آپ شوق سے اسے بیاہ کر لے آئیے گا مگر امی کو راضی کر کے اور سمعان بھی یہی چاہتا ہے بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ رہا ہے امی کی رائے و مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ راضی ہوں گی تو یہ شادی ممکن ہے ورنہ نہیں۔"

طاہرہ بیگم سپاٹ چہرہ لیے کھڑی تھیں۔

"میرے جیتے جی شائستہ تمہاری لڑکی میرے گھر میں اس حیثیت سے قدم بھی رکھ لے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نہیں جانتی، نہیں سمجھتی کہ تم ماں بیٹی نے میرے بیٹے کو کس طرح انگلیوں پہ ڈالا ہوا ہے مگر یاد رکھنا میرے جیتے جی تمہارا یہ خواب پورا ہونے والا نہیں ہے۔" ان کا روم روم نفرت سے بھرا تھا۔ انہوں نے ایک سلگتی ہوئی نظر اندر کے منظر پر ڈالی۔ دروازے کی اوٹ سے سعید احمد اور عثمان بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے جب کہ ساتھ والے صوفے پر نفیسہ آپا تھیں۔

"میں نے سعود احمد سے بات کی ہوئی ہے۔ میں کیسے پیچھے ہٹ جاؤں؟ پہلے ہی سمعان احمد کی شادی کو دیر ہوتی جا رہی ہے۔" اب کے سعید احمد جھنجلا اٹھے تھے۔

"تو کیا طاہرہ کی غیر موجودگی میں یہ سب کچھ کر کے خوش رہ لو گے؟" نفیسہ آپا نے تاک کے تیر لگایا تھا۔ سعید احمد نے پہلو بدلا تھا۔

"مجھے اس عورت کی پروا نہیں۔ پہلے بھی تو وہ اس گھر میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرے بچوں کی خوشیاں اس کے بغیر بھی ہو جائیں گی۔"

طاہرہ کئی لمحے ساکت و صامت کھڑی رہی تھیں۔ کتنی آسانی سے سعید احمد نے کہہ دیا تھا۔ وہ لرزتی، جھلملاتی آنکھوں سے ادھر ہی دیکھے گئیں جہاں سعید احمد براجمان تھے۔ ان کے دل پہ بڑی گہری چوٹ لگی تھی۔

"سعید احمد تم آج بھی اتنے ہی سفاک و ظالم ہو جتنے ماضی میں تھے۔ کاش میں تم سے تمہاری اس نفرت کا، اپنے یوں دھتکارے جانے کا حساب مانگ سکتی۔" وہ اندر ہی اندر سلگ اٹھی تھیں۔ دل و دماغ میں کئی یادیں چل اٹھی تھیں مگر وہ کیسے حساب مانگتیں؟

وہ تو کل بھی خسارے میں تھیں آج بھی اور شاید ساری عمر اسی خسارے کا بھگتان بھگتنا تھا۔

"ابو پلیز! وہ عورت ہماری ماں ہے۔ اس نے ہمیں جنم دیا ہے۔" عثمان احمد کا دبا دبا لہجہ طاہرہ کے دل کا لہولہو کر گیا تھا۔

"یہی تو رونا ہے۔ کاش وہ عورت تم لوگوں کی ماں نہ ہوتی تو میں نجانے کب کا سارے حساب بے باق کر چکا ہوتا۔ اسے اپنی ضد چھوڑنا ہو گی۔ یہ میری بھی ضد ہے ورنہ وہ میری طرف سے آج ہی فارغ ہیں۔"

"ابو پلیز!" عثمان احمد ملتجی ہوا تھا۔

"عثمان! مجھے مجبور مت کرو۔ میں اپنی اولاد کے سامنے تماشا بن گیا ہوں۔ لوگ تو ایک طرف...... میں اپنے بچوں سے نظر ملانے کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے زندگی میں کوئی اتنا بڑا گناہ کیا ہو جس کی سزا مجھے تم لوگوں کی ماں کی صورت بھگتنا پڑ رہی ہے۔"

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے تھے۔ طاہرہ بیگم کے پتھر وجود میں حرکت ہوئی تھی۔

"یہ شخص آج بھی اسی مقام پر ہے۔" وہ رو رہی تھیں۔ ان کا جی چاہا دھاڑیں مار مار کر اپنی بدقسمتی کا اعلان کریں۔ "تختہ یا تخت...... ساری عمر میں نے اس شخص کے نام کی خاطر اذیت سہی اب نہیں۔ آج ہی فیصلہ ہو جائے تو بہتر ہے۔ میں بھی دیکھتی ہوں یہ شخص کس حد تک جا سکتا ہے؟ میری اولین نادانی کی مجھے کس حد تک سزا دے سکتا ہے۔" وہ ایک دم مقابلے پر اتر آئی تھیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے بالکل نابلد ہو کر۔

وہ ایک دم دروازے سے اندر داخل ہو گئی تھیں۔ وہاں موجود تینوں نفوس نے انہیں حیرت سے دیکھا تھا۔ عثمان احمد ان کے چہرے پہ آنسو دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"امی....." عثمان احمد کو طاہرہ بیگم کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا کہ بس اب کوئی طوفان آنے ہی والا ہے۔

طاہرہ بیگم عثمان کی پکار کی پروا کیے بغیر سعید احمد کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ وہ انہیں یوں کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نخوت سے سر جھٹک کر چہرے کا رخ ہی موڑ گئے تھے۔

"آپ کو آج جو بھی فیصلہ کرنا ہے۔ وہ کر لیں میں بھی دیکھوں اپنی بہن اور بیٹے کی شہ پا کر آپ کس حد تک جا سکتے ہیں۔" انہیں کسی چیز کا اب خوف یا ڈر نہ تھا۔ بے خوف و خطر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ نفیسہ آپا ڈر کر آگے بڑھ آئیں۔

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔" انہوں نے حقارت سے کہا تھا۔ عثمان تڑپ کر آگے بڑھا تھا۔

"ابو جی پلیز!" اسے ماں کی یوں برملا تذلیل برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"تو پھر اپنی ماں سے کہو وہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔ اسے سامنے دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے شدید نقصان کا احساس ہوتا ہے۔ شکر کرے ابھی بھی یہ میرے نام پہ میرے گھر میں آباد ہے۔"

طاہرہ کو لگا انہوں نے آج سب کچھ تو کہہ دیا تھا۔ ایک جوان بیٹے کے سامنے ان کے الفاظ ان کے سینے پہ بھالے کی طرح لگے تھے اور خون رسنے لگا تھا۔

وہ بلک بلک کر رونے لگیں۔

"امی پلیز! آپ ہی یہاں سے چلی جائیں۔ بے وقوفی مت کریں۔ زندگی یوں جذباتیت سے نہیں گزرتی پلیز۔" عثمان احمد نے ایک دم ان کو کندھوں سے تھام لیا تھا جو ان کے الفاظ سن کے بے یقین نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے ٹوٹے پتے کی طرح لرز رہی تھیں مگر دوسری جانب پروا ہی کب تھی۔

"عثمان! پوچھو ان سے کیا قصور تھا میرا؟ میری ساری اولاد کو میرے خلاف ورغلا دیا ہے اور اب بھی اسے سکون نہیں۔ جو جرم تھا اس کا اقرار ساری عمر کیا اب کیا چاہتے ہیں یہ؟" وہ پھٹ پڑی تھیں۔ عثمان احمد کچھ نہیں سمجھ پایا تھا۔ بس ماں کو کندھوں سے تھام کر ساتھ لے لگا لیا تھا۔

"عثمان! اسے یہاں سے لے جاؤ۔ یہ چاہتی ہے کہ اس کی عزت' اس کا بھرم برقرار رہے تو میرے سامنے سے چلی جائے ورنہ بہت برا ہو سکتا ہے۔" وہ خود پر بہت ضبط کر رہے تھے۔ خاموش کھڑی نفیسہ آپا نے تاسف سے دونوں کی دیکھا اور پھر عثمان کی موجودگی پہ انہیں گھورا بھی۔

"آفرین ہے تم پر بھی سعید احمد! طاہرہ تو اس وقت جذباتی ہو رہی ہے۔ کم از کم تم ہی ہوش کے ناخن لو۔" انہوں نے اس کے آتش فشاں موڈ کو دیکھتے ہوئے ٹوکا تھا۔

"ساری عمر یہی تو کرتا آ رہا ہوں۔" طاہرہ بیگم عثمان کے حصار میں زار و قطار رو رہی تھیں۔ وہ ایک نگاہ غلط ڈال کر تیزی سے قدم اٹھاتے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

ان کے باہر نکلنے پر نفیسہ آپا نے سکون کا سانس لیا ورنہ ان کا دل کانپ رہا تھا کہ کہیں طاہرہ کی جذباتی طبیعت سعید احمد کے منہ سے برسوں سے پردہ پوشی کرتے راز کو ہی طشت ازبام نہ کر دے۔

طاہرہ!" انہیں بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر طاہرہ کو تسلی دینا چاہتی تھیں مگر وہ ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی پھٹ پڑی تھیں۔

"نام نہ لیں میرا..... مل گیا سکون آپ کو بھی..... آگ لگائی ہوئی ہے مل کر آپ نے بھی اور اس عورت نے بھی۔ اب وہ جو چکر چلا رہی ہے کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی میں۔ اس کی بیٹی کو آگ لگا دوں گی جس طرح میرے اندر لگی ہوئی ہے..... مکار عورت۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں اور پھر عثمان احمد کے بازو جھٹک کر وہ کمرے سے ہی نکل گئی تھیں۔

نفیسہ آپا کی آنکھیں بھر آئیں۔ عثمان بھی گنگ کھڑا تھا پھر اس نے حرکت کی تھی۔

"پھپھو!" عثمان کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"ہوں۔" انہوں نے آنسو پونچھے۔

"امی ابو جان اور شائستہ چچی میں آخر ایسی کون سی بات ہے جس نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے؟ بچپن سے لے کر اب تک امی ابو کی ہر لڑائی میں شائستہ چچی اور چچا کے ذکر کے ساتھ کچھ مبہم سی پرتجسس باتیں بھی سنتے کو ملی ہیں۔ خود سے بڑھ کر کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اس سے باپ کا بھرم ٹوٹ جاتا ہے۔ صرف بھرم ہی نہیں دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ امی اور ابو کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں' سمجھتے ہیں۔ آج آپ مجھے وہ بات بتائیں جس نے دلوں میں اس قدر نفرت کاشت کر دی ہے کہ اولاد بھی اسے ختم نہیں کر پا رہی۔ پلیز پھپھو مجھ سے چھپائیں نہیں۔ اب ہم بچے نہیں ہیں۔ کم از کم میں نہیں۔ میں اپنی ایک زندگی شروع کر چکا ہوں۔ یہ نفرت کی کاشت یہاں رکنے والی نہیں۔ اس کے اثرات بہت آگے تک جائیں گے۔ مجھے علم ہونا چاہیے کہ اس نفرت کی بنیاد کیا ہے اور کیونکر ہے؟"

وہ نفیسہ پھپھو کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنا کھڑا تھا۔ انہوں نے ایک لحظہ کو اسے دیکھا تھا پھر نظریں چرا گئی تھیں۔ اسی دن سے تو وہ ڈرتی تھیں مگر سعید احمد اور طاہرہ بیگم دونوں کو اس کی پروا نہ تھی۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں وہم ہو رہا ہے۔" انہوں نے ٹالنا چاہا۔

"پھپھو پلیز! امی ابو جس طرح کے الفاظ بول رہے تھے کم از کم آپ تو مت جھٹلائیں۔ ابو اگر باہر نہ نکل جاتے تو آج یہ راز بھی فاش ہو جاتا۔ مجھے بہلائیں نہیں..... پلیز....."

"کیا بتاؤں عثمان! مجھے مجبور نہیں کرو۔ وقت ابھی نہیں آیا۔ جب آئے گا تم لوگوں کو خود بخود ہی پتا چل جائے گا۔ بس شکر کرو کہ ایک قیامت آتے آتے ٹلی ہے۔" صوفے پہ ٹکتے اپنے آنسو پونچھتے انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ عثمان چند لمحے لب بھینچے کھڑا دیکھتا رہا تھا مگر پھر تیزی سے کمرے سے نکلنے لگا تھا۔ جب وہ پیچھے سے کہہ رہی تھیں۔

"اپنی ماں سے پوچھو گے تو وہ بھی نہیں بتائے گی۔ کوئی بھی والدین گوارا نہیں کرتے کہ ان کی اولاد کی نظروں میں ان کا بھرم ٹوٹے۔ اگر انہوں نے تم بچوں کو بتانا ہی ہوتا تو نوبت یہاں تک آتی ہی

کیوں......؟ جو کچھ ہو رہا ہے اسے وقت پہ چھوڑ دو۔ وقت سب سے بڑا استاد ہے۔ وہ تمہیں سب کچھ سکھا دے گا۔" عثمان نے پلٹ کر ناراض نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"یہاں سب تمہاری ماں اور باپ کے خیر خواہ ہیں۔ اگر کچھ معلوم کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو قیصرہ سے دریافت کرنا مگر پھر اپنے ماں باپ سے ملنے کی کوشش مت کرنا کیونکہ ان کے سر تمہارے سامنے ہمیشہ جھکے ہی رہیں گے۔ غلطی کا احساس وہ نہیں ہوتا جس کی نشاندہی دوسرے کریں بلکہ احساسِ ندامت اور غلطی کا احساس وہ ہوتا ہے جو دل میں پیدا ہو۔ اپنے ماں باپ کو ان کے حال پہ چھوڑ دو جب ان کو اپنی اپنی غلطیوں کا احساس ہو گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اپنے بھیگے چہرے کو دوپٹے کے پلّو سے صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ عثمان احمد خاموشی سے آ کر ان کے پاس صوفے پہ بیٹھ کر کندھے پہ اپنا سر رکھ گیا تھا۔

"ایم سوری پھپھو! مگر میرا مقصد ان دونوں کے درمیان رنجشوں کو ختم کرانا ہے نہ کہ ان کو ندامت سے دوچار کرنا ہے۔" انہوں نے عثمان کے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔

"سب اللہ پہ چھوڑ دو۔ ہم سے جو ہو سکا ہم نے کیا ہے۔ آگے وہ جانے اور اس کا کام۔" انہوں نے بہت ضبط سے کہا تھا۔ عثمان بس ان کو دیکھتا چلا گیا تھا۔

✿......✿......✿

شارق زمان آج پورے چار دن بعد اپنے آفس آیا تھا۔ اماں گھر میں بیمار تھیں۔ گزشتہ چند دن سے اپنے غم میں نڈھال وہ گھر سے بالکل لاپروا رہا تھا اور اماں اسی پریشانی میں بستر سے جا لگی تھیں۔ پچھلے سال ان کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی دائیں ٹانگ کاٹنی پڑ گئی تھی۔ وہ ہر وقت گھر میں ہی ہوتی تھیں۔ کہیں آنا جانا ان کا بالکل ہی بند ہو چکا تھا۔ وہیل چیئر استعمال کرتی تھیں۔ ان کے لیے شارق نے ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کر رکھا تھا۔ اپنی بزنس مصروفیات کی وجہ سے وہ گھر پہ کم ہی ٹکتا تھا۔ کبھی یہاں پریس میٹنگ کا دعوت نامہ آ گیا ہے تو کبھی وہاں سے۔ اس کے علاوہ نبیل بھائی کے ساتھ اس نے اس کے کاروبار میں شراکت کی بنیاد پہ بزنس بھی شروع کر رکھا تھا جس کا شارق زمان سے صرف اس حد تک تعلق تھا کہ ہر ماہ اسے نبیل کی طرف سے ایک معقول آمدنی مل جاتی تھی پھر والد صاحب کا بھی وسیع کاروبار تھا جو اس کے فاروق چچا ہی ہینڈل کرتے تھے۔ شارق کا صرف اتنا کام تھا کہ وہ کبھی کبھار جا کر فاروق چچا سے ابا جی کے کاروبار کا پوچھ لیا کرتا تھا کیونکہ آج کل سارے کا سارا کاروبار انہوں نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ وہ اپنی پوری توجہ اپنے میگزین کی جانب رکھے ہوئے تھا مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا تھا وہ اس کام سے اکتاتا جا رہا تھا۔ خاص طور پہ پچھلے دنوں سے وہ اس کام کو چھوڑ کر فاروق چچا کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ ہاتھ بٹانے کا سوچ رہا تھا۔

آج اماں کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ بخار بھی اتر چکا تھا۔ سہارے سے وہ چلنے پھرنے بھی لگی تھیں۔ پچھلے تین دن خالدہ چچی جو رشتے میں اماں کی سگی بہن بھی تھیں، اماں کے پاس تھیں۔ کل رات چلی گئی تھیں۔ صبح وہ مطمئن ہو کر آفس چلا آیا تھا۔

دوپہر کے قریب وہ ایک فائل لیے اس کا مطالعہ کر رہا تھا جب آفس فون بجنے لگا تھا۔

"یس۔" مصروف انداز میں اس نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"سر آپ کی والدہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" دوسری طرف سے اس کا سیکرٹری کہہ رہا تھا۔ شارق زمان نے حیران ہو کر فائل سے نظریں ہٹائیں۔

اماں نے آج تک آفس فون نہیں کیا تھا پتا نہیں کیا بات تھی کہیں ان کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہو گئی ہو اور ملازمہ نے فون کر دیا ہو۔

"بات کرواؤ۔" وہ پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف اس کے سیکرٹری نے اس کی کال ملا دی تھی۔

"ہیلو۔" رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا تھا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف بھی وہی الفاظ دہرائے گئے تھے وہ الجھا۔ یہ اماں کی آواز نہ تھی اور نہ ہی ان کی ملازمہ کی۔

"جی کون؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"شارق زمان بات کر رہے ہیں نا۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔ اب کے وہ مزید حیران ہوا۔

"جی میں شارق زمان ہی ہوں مگر آپ کون ہیں؟" اس نے تحمل سے جواب دیا۔

"شکر ہے تم سے بات تو ہوئی۔ میں کتنے دنوں سے کال کر رہی ہوں مگر تم تو......"

"آپ جو بھی ہیں پہلے اپنا نام بتائیں۔" شارق نے تندہی سے بات کاٹ دی تھی۔ اسے اپنے سیکرٹری پہ غصہ آنے لگا جس نے غلط بیانی سے اس کی کال ملا دی تھی۔

"میں بدر آراء ہوں۔" دوسری طرف سے بڑے سکون سے کہا گیا تھا۔

شارق زمان اپنی جگہ پتھر ہو گیا تھا۔

"جی......ای......" اس کی زبان سے ٹوٹے بکھرے لفظ بے آواز نکلے تھے۔ اندر کی وہ آگ، جسے وہ اتنے دنوں سے بڑی مشکل سے بجھا رہا تھا۔ وہ ایک دم بھڑک اٹھی تھی۔ شعلے لپکنے لگے تھے۔ دل دماغ ایک دم آندھیوں کی زد میں آ گئے تھے۔

کتنے مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔ اپنے اندر کی شکست و ریخت میں اسے اپنا منتشر و بچا کھچا سراپا نکال کر وہ دوبارہ اس جگہ آ کر بیٹھا تھا مگر وہ پھر سے اسی الاؤ میں دہکنے لگا تھا۔

"کون بدر آراء؟" وہی آگ اس کے لہجے سے بھی عیاں تھی۔

"میں بدر آراء زمان۔ زمان حسین کی بیوی۔" دوسری طرف سے پہلے سے زیادہ پرسکون لہجہ تھا۔ شارق زمان کو محسوس ہوا کہ آگ کے دہکتے کوئلے اس کے کانوں میں ڈال دیے گئے ہوں۔

"شٹ اپ۔ میں کسی بدر آراء کو نہیں جانتا۔" وہ پھنکارا تھا۔ اندر کی آگ باہر نکلنے کو تھی۔

"چلو زمان حسین کی بیوی کو نہ پہچانتے ہو گے مگر اپنی ماں کو تو جانتے ہی ہو گے۔" نجانے وہ عورت کس مٹی کی بنی ہوئی تھی جو اپنے بیٹے کے جذبات سے بھی کھیلنے سے باز نہ آئی تھی۔

شارق زمان کا جی چاہا کہ وہ اس عورت اس کے سامنے ہو اور وہ اس کے پرخچے اڑا دے۔

"شٹ اپ۔ میں تم جیسی کسی عورت کو نہیں جانتا۔ میری ماں اپنے گھر میں بیٹھی بڑی عزت کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ کوئی بدچلن اور بدکردار عورت میری نہیں ہو سکتی۔" شارق زمان کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے۔

آگ برس رہی تھی۔

آنکھیں وحشت و بربریت سے ابل پڑنے کو بے تاب تھیں۔

"ہا...... ہا...... ہا......" دوسری طرف سے زبردست قہقہے پڑنے لگے تھے۔

"بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی نہیں جانتی تھی کہ کوئی شارق زمان "سچ کیا ہے؟" کا مالک ہو سکتا ہے۔ تمہارے میگزین نے ہی بتایا ہے۔ بڑا اچھا میگزین ہے۔ بڑا جوشیلا 'کڑوا سچ' لکھتے ہو تم اس کے اندر۔ چند دن پہلے پڑھا تھا اچھا لگا پھر سوچا اپنے بیٹے کو مبارک باد ہی دے دوں کہ اس نے ایک بدکردار و بدچلن عورت کی کہانی اس کی بیٹی سمیت پوری دنیا کے سامنے بیان کی ہے۔ تمہارا حق بنتا ہے۔ بڑے حوصلے والے ہو تم تو۔" وہ عورت زہر اگل رہی تھی اور شارق کو لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے کانوں میں کوئی سیسہ انڈیل رہا ہو۔

"اوہ یو شٹ اپ۔ بکواس بند کرو اپنی۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ آئندہ یہاں فون مت کرنا ورنہ پھر جو کچھ میں کروں گا وہ تم دیکھنا۔ نہ تم سلامت رہو گی نہ وہ تمہاری خبیث بیٹی۔" لفظ تھے کہ زہر میں بجھے ہوئے تیر۔

شارق نے کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔

اندر ابال اٹھ رہے تھے۔

طیش بڑھتا جا رہا تھا۔

جس عورت کی پرچھائیں سے وہ بچپن سے ہی پیچھا چھڑاتا آ رہا تھا وہ زندگی کے اس موڑ پر پوری طرح اس پر حاوی ہو چکی تھی۔

زندگی میں اس کو اپنے اردگرد لوگوں سے لاکھ شکوے سہی مگر ہر بار اپنے آپ سے گھبرا کر اس نے صرف اپنی پیدا کرنے والی ماں سے ہی نفرت کی تھی۔ کبھی وہم و گمان میں نہ تھا کہ وہ ان حالات میں کسی دن اس سے ہم کلام بھی ہو گی۔

وہ تو اس عورت کی کی گئی غلطیوں کا ابھی تک خمیازہ بھگت رہا تھا اور اب اس مقام پر وہ پھر اس کے زخم تازہ کرنے اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔

اس نے وحشت سے میز پر پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر سامنے کی دیوار پر دے مارا تھا۔

"ٹھا......" کی آواز کے ساتھ وہ قالین پر جا گرا تھا اور پھر کمرے میں ایک گہری معنی خیز خاموشی تھی مگر کہیں اک شور اٹھا تو...... شارق زمان کے اندر...... اس کے سینے کے اندر...... دماغ کے ہر حصے میں...... ایک گہرا شور برپا ہو چکا تھا...... وہ جو بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھا ایک دم بکھرتا چلا گیا تھا۔

کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ اندر کی جنگ سے لڑنے لگا تھا یا شاید خود سے ہارنے لگا تھا۔

……

عصر کے قریب وہ یہاں پہنچا تھا۔ سارے دن کی ٹینشن اسے یہاں کھینچ لائی تھی اور پھر کل عثمان احمد کو چلے بھی جانا تھا۔ اس لیے وہ جانے سے پہلے چچا کی فیملی سے بھی ملنے آ گیا تھا۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا تو۔ وہ گاڑی اندر بڑھا لے آیا تھا۔ راہداری خالی تھی وہ سیدھا داخلی دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ سامنے ہی لاؤنج تھا جہاں ہلکی آواز میں ٹی وی چل رہا تھا۔ عثمان احمد نے قدم اندر کی جانب بڑھائے تھے۔

نوشین اور چچی جان چائے پی رہی تھیں جب کہ زرش ریموٹ کنٹرول پکڑے چینل پر چینل بدل رہی تھی۔

"السلام علیکم۔" عثمان احمد کی آواز پر تینوں نے رخ موڑے تھے۔

"عثمان۔" وہ تینوں ہی حیرت زدہ رہ گئی تھیں۔

"عثمان بھائی۔" زرش نے فوراً ٹی وی بند کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" شائستہ بیگم فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ عثمان احمد بھی ان کی جانب بڑھا۔

انہوں نے اس کے سر پہ پیار کیا تھا۔ کتنے مہینوں بعد وہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ والہانہ نظروں سے دیکھے گئیں۔

"کیسے ہیں عثمان بھائی۔" زرش اور نوشین بھی اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم دونوں کیسی ہو۔" بہت اپنائیت سے دونوں کے سروں پہ پیار کرتے ہوئے انہوں نے بڑے بھائیوں والی شفقت سے کہا تھا۔

"اے ون۔" زرش چہکی تھی۔ انہوں نے بغور دیکھا۔

پہلی دفعہ اس کو صرف زرش سے ہٹ کر کسی اور نظر سے دیکھ رہے تھے۔ شاید سمعان احمد کی نظر سے...... خوب صورت 'گڈ لکنگ' ایکٹیو اور اسمارٹ......

اور...... ان کی نظریں اس کے چہرے پہ بھٹک گئیں۔

"واقعی اگر سمعان دل ہارا ہے تو غلط نہیں۔ یہ معصومیت 'یہ دلربائی و خوب صورتی کسی کو بھی اس کے سامنے ہرا سکتی ہے۔" وہ خود سے کہے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

"کب آئے۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ زرش اور نوشین اردگرد براجمان ہوئی تھیں۔ شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

"کل دوپہر کو آیا تھا۔ سارا دن آپ کے ہاں آنے کا سوچتا رہا مگر اب فرصت ملی ہے۔"

"کیا......؟" ان کے بتانے پر زرش چیخی تھی۔

"مگر کالج میں تو مجھ سے فرح نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ آپ آئے ہیں اس نے بتایا تک نہیں۔"

"ہو سکتا ہے اسے تمہیں سرپرائز دینا مقصود ہو......" اس نے پکا ارادہ کیا تھا۔

"پوچھوں گی اس بدتمیز کو۔" اس نے پکا ارادہ کیا تھا۔

"نوشی، زری! بھائی آیا ہے۔ کوئی کھانے پینے کا بندوبست کرو۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات پوچھتی امی نے ٹوک دیا تھا۔

"کیوں نہیں ابھی لے کر آتے ہیں۔" نوشین نے بھی فوراً کہا۔ وہ اٹھ گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ زرش کو بھی جانا پڑا کہ یہ ماما کا حکم تھا جسے وہ کبھی ٹال نہیں سکتی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ عثمان بھائی کے پاس بیٹھ کر باتیں شروع کر دے۔

"اکیلے آئے ہو یا زوباریہ اور حمزہ بھی ہمراہ ہیں؟" شائستہ بیگم نے دریافت کیا تھا۔ وہ ہنس دیے۔

"نہیں۔ فی الحال میں تنہا ہی آیا ہوں۔ ابو نے بلوایا تھا ضروری کام سے۔" انہوں نے مختصراً بتایا تھا۔ شائستہ بیگم نے بغور دیکھا۔ الجھا الجھا سا افسردہ چہرہ۔ ان کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

"خیریت تھی ناں؟" وہ بلوانے کی وجہ سے باخبر تو تھیں مگر پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

"جی بالکل۔" انہوں نے صرف یہی کہا تھا۔

"نفیسہ آپا ادھر گئی تھیں۔ ابھی وہیں ہیں یا چلی گئی ہیں؟" انہوں نے پوچھا تھا۔

"چلی گئی ہیں بلکہ میں ابھی انہیں ہی چھوڑ کر ادھر آیا ہوں۔"

"اچھا۔" انہوں نے ایک لمحہ کو عثمان احمد کو دیکھا۔ "زوباریہ اور حمزہ کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں دونوں۔ اگلے ماہ ہمارا ارادہ ہے کہ چند دن رہنے کو یہاں آئیں۔" انہوں نے بتایا تھا پھر پوچھنے لگے۔

"چچا جان کب تک آئیں گے؟"

"مغرب کے بعد ہی آئیں گے۔" انہوں نے بتایا تو عثمان نے سر ہلا دیا۔ اسی اثنا میں زرش اور نوشین ٹرالی میں کولڈ ڈرنک کے ساتھ ساتھ دیگر لوازمات سجائے چلی آئی تھیں۔

"عثمان بھائی! حمزہ اور بھابی کو بھی لے آتے کتنے مہینے ہو گئے ہیں ان دونوں کو دیکھے ہوئے۔" کولڈ ڈرنک کا گلاس تھماتے زرش نے کہا تھا۔ وہ مسکرا دیے۔

"تم لوگ ہمارے ہاں آجاؤ۔ زوباریہ بہت یاد کرتی ہے۔"

"میں تو کتنی دفعہ ماما پاپا کو کہہ چکی ہوں مگر یہ دونوں مانیں تب نا۔" ناراضگی سے شائستہ بیگم کو دیکھتے ہوئے اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔

شائستہ زرش کی بات پر صرف سر ہلا کر رہ گئیں۔ جس دن سے سمعان احمد ناراض ہو کر گیا تھا۔ زرش بھی ان سے منہ پھلائے ہوئے تھی۔ ان سے بات بھی کرتی تھی مگر ناراضگی کا بھرپور تاثر لیے ہوئے اب بھی اس کا یہی انداز تھا۔

"فرصت ہی نہیں ملتی۔ ہر دفعہ پروگرام بناتے بناتے رہ جاتے ہیں اور سعود کسی نہ کسی کام میں الجھے چلے جاتے ہیں۔" انہوں نے جلدی سے وضاحت کر دی تھی۔ زوباریہ بھی جب فون کرتی تھی ان سب سے اسلام آباد آنے کا ضرور کہتی تھی۔

عثمان کی شادی کے بعد وہ لوگ ان دونوں کے ہاں صرف ایک دفعہ ہی جا سکے تھے البتہ سعود احمد کتنی بار جا چکے تھے مگر پوری فیملی سمیت صرف ایک دفعہ ہی جانا ہوا تھا۔

"چلیں اس دفعہ پروگرام ضرور بنائیے گا۔ چچا جان اگر فارغ نہ ہوئے تو مجھے بلوا بھیجئے گا یا پھر سمعان وغیرہ کے ساتھ آجائیے گا۔" کولڈ ڈرنک پیتے انہوں نے کہا تو زرش کو سمعان کے نام سے یاد آیا وہ اس دن سے دوبارہ ان کے ہاں نہیں آئے تھے۔ اس نے کن انکھیوں سے ماما کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے پرسوچ نظروں سے کچھ سوچ رہی تھیں۔

"سمعان بھائی کہاں ہوتے ہیں وہ آج کل نہیں آرہے؟" نوشین نے گویا اس کے دل کی بات چھین لی تھی۔ اس نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا جب کہ وہ بھائی کی طرف متوجہ تھی۔ ماما نے بھی عثمان کو دیکھا تھا۔ گویا وہ بھی ان کا جواب سننے کی منتظر ہوں۔

"گھر میں ہی ہوتا ہے۔ کل بھی آفس سے لوٹا تھا۔ صبح بھی آفس چلا گیا تھا۔ اس وقت میرا خیال ہے کہ وہ ادھر ہی ہوگا۔" وہ بتا رہے تھے امی نے یوں سر ہلایا جیسے واقعی سوال انہوں نے ہی پوچھا تھا۔ زرش کو ہنسی آگئی تھی۔ اس نے ہنسی چھپانے کو سر جھکایا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ سمعان بھائی اور ماما کے درمیان کوئی بات ہوئی تھی...... کیا وہ نہیں جانتی تھی مگر اتنا وہ سمجھ چکی تھی۔ سمعان بھائی کو ناراض کر کے وہ خود بھی بے چین ہیں۔ لاشعوری طور پر وہ ان کی آمد کی منتظر بھی تھیں۔

ابھی وہ لوگ باتیں ہی کر رہی تھیں جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ زرش نے فوراً لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"السلام علیکم۔" سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھ کر زرش کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

"وعلیکم السلام۔" سمعان کی گھمبیر آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"کیسی ہو زرش؟" وہ پوچھ رہے تھے۔ اس دن کے بعد آج سمعان احمد کی آواز زرش کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ وہ خوش تھی اور اپنی خوشی کا سبب وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ سوائے اس کے کہ آج کتنے دنوں بعد انہوں نے کال کی تھی۔

"آپ کو اس سے کیا؟ آپ تو ہم سب کو بھول ہی گئے ہیں۔ اس دن سے ایک دفعہ بھی فون کرنے کی زحمت نہیں کی۔" معصومیت سے غیر ارادی طور پر وہ شکوہ کر بیٹھی تھی۔ شائستہ بیگم کا سارا دھیان اسی جانب تھا۔ انہیں سمجھنے میں قطعی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ دوسری جانب کون ہے...... ان کے دل میں ہلچل سی ہونے لگی تھی۔

"ناراض ہو؟"

"نہیں جی۔ میں کیوں ناراض ہونے لگی۔ بہت خوش ہوں قسم سے آپ سے لڑنے کو دل چاہ رہا ہے۔"

اب تو عثمان نے بھی سمجھنے میں دیر نہیں کی تھی کہ کس کا فون ہے...... البتہ زرش کی بات پر وہ ہنس پڑے تھے۔

"سمعان بھائی کا فون ہے؟" نوشین نے بھی پوچھا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔

"لڑ لینا آج رات یا پھر کل آؤں گا۔ چچی امی سے ابھی کچھ حساب بے باق کرنے ہیں۔ تم سے بھی نمٹ لوں گا۔" دوسری طرف سے بڑے سکون سے فرمایا گیا تھا۔ وہ سلگ گئی۔

"تو پھر اب فون کیوں کیا ہے؟ ماما سے تو آپ کبھی بھی مل سکتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہمیں کیوں نظرانداز کر رہے ہیں۔" شائستہ بیگم کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ عجیب لڑکی تھی۔ ان کی خفگی پر اشاروں کنایوں میں سمجھانے پر بھی وہی بے تکلفی، وہی لاپروائی جوں کی توں برقرار تھی۔

"بہت ناراض ہو۔" دوسری طرف سمعان احمد اس کی خفگی سے بھرپور آواز سے لطف اٹھا رہا تھا۔ گھمبیر سی آواز میں عجیب سی تپش بھی تھی۔ اس پاگل لڑکی کا دھیان کب تھا ادھر جو محسوس بھی کرتی۔

"بہت زیادہ۔ ایک دفعہ میرے ہاتھ لگ جائیں پھر بتاؤں گی۔" اس نے دانت کچکچائے تھے۔ سمعان احمد ہنستا چلا گیا۔

"زرش لاؤ ریسیور مجھے دو۔" ماما سے اس سے زیادہ برداشت نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے خود ہی بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ وہ منہ بناتی واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔

"کیسے ہو سمعان؟" شائستہ بیگم کا انداز نارمل تھا۔ دوسری طرف سمعان احمد بالکل چپ ہو گیا۔

"ٹھیک ہوں۔ مجھے دراصل یہ پوچھنا تھا کہ کہیں عثمان بھائی ادھر تو نہیں آئے؟ ان کا موبائل آف ہے شاید۔ کال نہیں جا رہی۔" سنجیدگی سے سمعان احمد پوچھ رہا تھا۔ ناراضگی کا واضح تاثر موجود تھا۔ شائستہ کے لبوں پر خود بخود مسکراہٹ سمٹ آئی۔

"ہاں عثمان یہیں ہے۔ تم بھی آ جاؤ۔ میں کھانا بنواتی ہوں۔ ادھر ہی آ کر کھانا۔" ایک دم انہوں نے کہہ دیا تھا۔ زرش نے حیران ہو کر دیکھا۔ عثمان خاموش تھا۔

"مگر چچی جان......" دوسری طرف ان کے رویے پر حیران ہوتے سمعان نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے بات کاٹ دی۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔ رات کو تم آ رہے ہو۔ عثمان کو بھی کھانا کھائے بغیر جانے نہیں دوں گی پھر جو چاہے پوچھ لینا میں تیار ہوں۔"

اتنے دنوں سے وہ خود سے لڑ لڑ کر ہاری تھیں۔ وہ ان بچوں سے دور رہ بھی نہیں سکتی تھیں۔ سمعان احمد کی صرف یہ تین چار دن کی خفگی ان کے دل کو اندر ہی اندر چھیڑے جا رہی تھی۔ اوپر سے زرش کا خفگی بھرا لاتعلق سا انداز......انہیں احساس ہو گیا تھا کہ سمعان احمد ان کی جانب سے کس قدر دلگرفتہ ہو کر گیا ہو گا۔

"ہم انتظار کریں گے رات کو۔" انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ نوشین اور زرش کی طرف پلٹی تھیں جو دمکتے چہرے لیے اسی جانب متوجہ تھیں۔

"رات کھانے کا اچھا سا انتظام ہونا چاہیے۔ کوارٹر سے یاسمین کو بلوا لو اور تم دونوں بھی میرے ساتھ کچن میں چلو۔ عثمان اور سمعان دونوں ہوں گے۔ کتنے دنوں بعد تو یوں یہ بچے اکٹھے ہو رہے ہیں۔" ماما کا انداز پرجوش سا تھا۔ سمعان احمد سے بات کر لینے کا احساس تھا یا پھر کیا تھا وہ ایک دم متحرک ہو گئی تھیں۔ زرش اندر ہی اندر خوش ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"آئیں بھائی کچن میں چلتے ہیں۔ وہاں باتیں بھی کریں گے اور کام بھی۔"

شائستہ بیگم اور نوشین کو کچن کی طرف جاتا دیکھ کر اس نے عثمان کا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹا تھا۔ وہ بھی ہنستے ہوئے اس کے ساتھ ہی ہو لیے تھے کہ یہ لڑکی انہیں بھی بہت عزیز تھی۔

⁂

کالج سے آنے کے بعد وہ عجب بولائی بولائی پھر رہی تھی۔ عثمان بھائی پھپھو کو چھوڑنے گئے ہوئے تھے۔ اسے یہ بات ماجدہ نے بتائی تھی کیونکہ طاہرہ بیگم کمرہ بند کیے تجانے کیا کر رہی تھیں۔ فرح نے ایک دو دفعہ دستک بھی دی تھی مگر دوسری جانب سے صرف سرد مہری تھی۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی معرکہ سر ہوا تھا۔ اس نے ماجدہ سے پوچھنے کی کوشش کی۔

"پتا نہیں بی بی جی! میں تو کچن میں تھی۔ ہلکی ہلکی لڑنے کی آوازیں تو آ رہی تھیں پھر بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ بڑے صاحب گھر سے نکل گئے۔ دوپہر کو لوٹے تھے۔ آپ کی پھپھو عثمان بھائی اور بڑے صاحب تینوں نے اکٹھے ہی کھانا کھایا تھا پھر صاحب جی تو کہیں اپنا بریف کیس لے کر چلے گئے تھے۔ البتہ تھوڑی دیر بعد آپ کی پھپھو اور عثمان صاحب بھی چلے گئے تھے۔ وہ شاید انہیں چھوڑنے گئے ہیں۔"

ماجدہ کی طرف سے ملنے والا تفصیلی جواب تھا۔ اس نے مزید کچھ پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ گھر کا جو ماحول چل رہا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بات کیا ہو سکتی ہے؟ وہی سمعان بھائی کی شادی کا مسئلہ۔ ابو اپنے موقف پر ڈٹے رہے ہوں گے اور امی اپنے پر......

وہ جوں جوں سوچتی الجھتی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے علی اپنے دوستوں کی کال پر کہیں چلا گیا تھا یہ کہہ کر کہ وہ مغرب تک لوٹ آئے گا۔ وہ اکیلی گھر میں بیٹھی ادھر سے ادھر بھی چکر لگانے لگتی اور کبھی ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتی تھی۔

کچن میں بھی کوئی کام نہ تھا۔ ماجدہ کھانا وغیرہ تیار کر چکی تھی۔

نیند اسے آ نہیں رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ عثمان بھائی کا انتظار کرتی رہی کہ شاید وہ لوٹ آئیں اور اس کی بوریت ختم ہو مگر وہ نہیں لوٹے تھے۔ البتہ سمعان بھائی کا فون آ گیا تھا۔ اس نے عثمان بھائی کے نہ لوٹنے کا بتایا تو انہوں نے بتا کر اسے کال بیک کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور وہ اب ان کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ان کی کال آ گئی تھی۔

"عثمان بھائی! چچی جان کے ہاں ہیں تم فکر نہ کرو۔ ابو کو بزنس کے کسی اہم کام کے سلسلے میں ارجنٹ لاہور جانا پڑ گیا ہے۔ وہ دو دن بعد لوٹیں گے۔ علی گھر لوٹے تو اسے دوبارہ کہیں باہر نہ جانے دینا۔" اسے عثمان بھائی اور ابو کے متعلق بتا کر وہ ہدایت بھی دے رہے تھے۔ اس نے سر ہلایا۔

"میں بہت بور ہو رہی ہوں۔ آپ ہی گھر آ جائیں۔ امی اپنے کمرے میں بند ہیں۔ مجھے ان درو دیوار سے وحشت ہو رہی ہے۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ دوسری طرف سمعان احمد خاموش ہو گیا۔

"بھائی آپ آ رہے ہیں نا......" اس نے ان کی خاموشی پر دوبارہ پوچھا تھا۔

"نہیں گڑیا! دراصل چچی امی نے گھر بلایا ہے۔ شاید کھانے پر۔ دیر سے آؤں گا تب تک عثمان بھائی بھی وہیں ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے......لیکن جلدی آنے کی کوشش کیجیے گا۔ مجھے اس طرح اتنے بڑے گھر میں اکیلے ہونے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ امی بھی اپنے کمرے میں ہیں۔ کتنی دفعہ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے مگر وہ کھول ہی نہیں رہیں۔"

"کیوں......؟" اس کی فراہم کردہ خبر پر وہ حیران ہوئے تھے۔ صبح تک تو امی ٹھیک تھیں۔

"پتا نہیں۔ ماجدہ بتا رہی تھی۔ امی ابو کے درمیان شاید پھر کوئی نئی جھڑپ ہوئی ہے۔" اس نے تلخی سے بتایا تھا۔ سمعان کئی لمحے تک خاموش رہا۔

"سنو مغرب کے بعد میں آ جاؤں گا۔ تم تیار رہنا میرے ساتھ ہی چچا جان کے ہاں چلی جانا۔" سمعان نے فوراً پروگرام سیٹ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے......مگر وہ امی......" اچانک اسے ماں کا خیال آیا تو رک گئی۔

"انہیں جب تمہاری پروا نہیں تو تم بھی چپ رہو۔ فی الحال تم ان سے ذکر نہیں کرو گی جب تک امی ابو اپنی نفرت کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں بتا سکتے۔ ہم یوں بزدلوں کی طرح پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ بس تم تیار رہنا۔ میں مجید (ڈرائیور) کو بھیج دوں گا بلکہ میں خود ہی آ جاؤں گا۔" اس نے آرام سے سر ہلا دیا تھا۔

کمرے میں آ کر اس نے الماری سے اپنے کپڑے نکالے تھے۔

آج کتنے دنوں بعد اسے چچا جان کے ہاں جانے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ واش روم میں گھسنے تک یہی سوچ رہی تھی۔ گہرا براؤن سوٹ بڑے سے دوپٹے کے ہمراہ پہن کر جب وہ باتھ روم سے نکلی تو بہت فریش لگ رہی تھی۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اپنے چہرے پر کولڈ کریم لگا رہی تھی جب انگلیوں سے مساج کرتے اس کی نظریں خود بخود اپنے بائیں رخسار کے سیاہ تل پر ٹھہر گئی تھیں۔ انگلیوں کی حرکت رک گئی تھی۔ وہ بغور اپنے چہرے کے تل کا جائزہ لے رہی تھی جب کہ پس منظر میں کوئی آواز گونج رہی تھی۔

"تم فرح ہو۔ تمہارے بائیں رخسار کا تل مجھے تمہیں لاکھوں لڑکیوں میں بھی پہچاننے کی غلطی نہیں کرنے دیتا۔ مائی ڈیئر فرح سعید احمد......"

آواز کیا تھی اس کے دماغ پر گویا ہتھوڑے سے برسے تھے۔

اس دن پھول اور کارڈ موصول ہونے کے بعد اور کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ وہ آج کل نیٹ استعمال نہیں کر رہی تھی اسی لیے اسے نہیں خبر تھی کہ اس کی ای میلز کا اب کیا ردعمل ہے۔ کریم لگا کر بالوں میں برش پھیر کر وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

آج کتنے دنوں بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جب تک سمعان بھائی اسے لینے نہیں آ جاتے وہ نیٹ یوز کر لے۔ اسی وقت تو وہ بھی نیٹ پر ہوتا تھا۔ آج نجانے کیوں دل ہمک ہمک کر اس کی ای میلز پڑھنے کو اکسا رہا تھا۔ وہ لاکھ خود کو سرزنش کرتی رہی مگر دل کسی طور مان نہیں رہا تھا۔ وہ خاموشی سے پی۔ سی کے سامنے بیٹھ گئی۔

کمپیوٹر اسٹارٹ کر کے وہ نیٹ کھول رہی تھی۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے مگر وہ پھر بھی اپنے آپ کو نہ روک پائی تھی۔ نجانے اندر کون سی طاقت تھی جو اسے ایسا کرنے پر اکسا رہی تھی۔ فرح ای میل باکس کھول چکی تھی۔ اب وہ اپنے ای میل ایڈریس پر آئی ہوئی ای میلز چیک کر رہی تھی۔

اس شخص کی کئی ای میلز تھیں۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے سب سے پہلی ای میل کھولی تھی۔

دل کا سکون چھین کے اسباب لے گیا
اک شخص میری نیند میرے خواب لے گیا
بھٹکا کے ساری رات سحر کی تلاش میں
جانے کہاں کہاں مجھے ماہتاب لے گیا

خوب صورت اشعار تھے فرح کا دل سینے کے اندر زور زور سے دھک کرنے لگا تھا۔

"فرح تم بہت زیادتی کر رہی ہو میرے ساتھ۔ فون کرنے پر کوئی ملازمہ ٹائپ خاتون کی آواز سننے کو ملتی ہے۔ مجھے پتا ہے میرے بھیجے گئے پھول اور کارڈ کا کیا حشر ہو چکا ہے مگر پھر بھی دیکھو کس قدر حوصلہ ہے کہ بجائے اس کے تمہاری اس مسلسل خاموشی سے اکتا جاؤں ہر وقت نیٹ پر موجود رہتا ہوں۔ اس گمان میں کہ شاید تم جواب دو۔ میری ای میلز ہی پڑھ لو اور دل میں کوئی نرم جذبہ پیدا ہو جائے۔" اگلی ای میل یہ تھی۔ فرح سعید کے دھڑکتے دل کی رفتار میں ایک دم مزید اضافہ ہوا تھا۔ اس نے خود سے گھبرا کر فوراً ہی پی۔ سی بند کر دیا تھا۔

"یا اللہ! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ یہ میں کس راہ پر نکل رہی ہوں......نہیں...... یہ غلط بات ہے۔ مجھے اس کی ای میلز پڑھنی ہی نہیں چاہیے تھیں۔" پی۔ سی کو گھورتے وہ مسلسل خود سے الجھ رہی تھی۔

"نجانے وہ کون ہے؟ میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتا ہے؟ اور وہ فون نمبر وہ بھی پاکستان کا نہیں ہے۔ پتا نہیں کہاں کا ہے لیکن وہ تو پاکستانی ہے پھر وہ پھول اور کارڈ......"

کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ مسلسل اسی شخص کو سوچ رہی تھی۔ کڑیوں سے کڑیاں ملتی جا رہی تھیں۔

"مجھے ہیلپ لائن سے اس نمبر کا پتا کروانا چاہیے کہ وہ کہاں کا نمبر ہے؟" خود سے الجھتے اس کے دماغ میں اچانک خیال آیا تو وہ فوراً کرسی سے اٹھ گئی تھی۔ نمبر وہ اپنی ڈائری میں اتار چکی تھی۔

"اس نے اپنے کمرے میں ہی رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا تھا۔ وہ اب ون فائیو کی

ہیلپ لائن ملا رہی تھی۔ دوسری طرف سے رابطہ ہونے پر فرح نے جلدی سے فون نمبر بتا کر ہیلپ چاہی تھی۔

"ہم معلوم کر دیتے ہیں پلیز آپ کچھ دیر بعد رابطہ کیجیے۔" نسوانی آواز پر اس نے سر ہلایا تھا پھر فرح نے پورے پانچ منٹ بعد ون فائیو پر کال دوبارہ کی تھی۔ انہیں اپنی کال کا مقصد بتا کر وہ دوسری جانب لڑکی کی آواز سننے لگی تھی۔

"یہ امریکہ کا نمبر ہے اور موبائل نمبر ہے۔" دوسری طرف سے اسے اطلاع دی گئی تھی۔ وہ شکریہ ادا کر کے ریسیور کریڈل پر رکھ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ یہ وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ یہ موبائل نمبر ہے مگر کہاں کا اب اسے علم ہوا تھا۔

"امریکہ کا نمبر ہے تو اس شخص نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا ہے...... کیوں......؟" فرح کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔

"مگر وہ پھول اور کارڈ......" وہ جوں جوں سوچ رہی تھی الجھتی جا رہی تھی۔

"مجھے سمعان بھائی کے سامنے سارا معاملہ لانا ہوگا ورنہ جس طرح وہ شخص گھر میں فون کرتا اور پھول و کارڈ بھیج رہا ہے۔ وہ بعد میں میرے لیے کسی بہت بڑی پریشانی کا بھی سبب بن سکتا ہے۔ جذباتیت سے نکل کر سوچتے ہوئے اس کے ذہن کو صرف یہ حل سوجھ رہا تھا۔

پھر وہ ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئی تھی۔

مغرب کے بعد سمعان احمد آ گیا تھا۔ وہ اس وقت نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ امی ابھی تک کمرے سے نہیں نکلی تھیں۔ علی اس کے نماز ادا کرنے کے دوران گھر لوٹا تھا۔

"امی ابھی تک اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلیں؟" سلام دعا کے بعد سب سے پہلے سمعان نے فرح سے یہی پوچھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ سمعان لب بھینچ گیا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ ان کے بعد گھر میں اس کے رشتے کے موضوع پر ہی گفتگو ہوئی ہوگی جس کی وجہ سے امی کا یہ ردعمل تھا۔

"میں ذرا کپڑے چینج کر لوں بہت تھک گیا ہوں۔ تم بھی تیار ہو جاؤ پھر چچا جان کے ہاں چلتے ہیں۔" سمعان احمد کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

"کیا...... چچا جان کے ہاں جا رہے ہو تم دونوں......؟" علی نے پوچھا تو وہ اپنے ہی دھیان سے چونکی تھی۔

"ہاں...... عثمان بھائی ادھر ہی ہیں۔ پھپھو کو چھوڑ کر وہیں چلے گئے تھے۔ بھائی بھی جا رہے ہیں ساتھ میں بھی۔" وہ تیار تو تھی ہی صوفے پر بیٹھتے ہی بتانے لگی۔

"اور امی کو پتا ہے؟"

"نہیں۔"

"چلو میں بھی چلتا ہوں۔" وہ ایک دم پر جوش ہوا تو فرح نے گھورا۔

"کوئی نہیں۔ ہم سب چلے گئے تو امی کا موڈ مزید خراب ہو جائے گا، بہتر ہے کہ تم امی کے پاس گھر

میں ہی رہو پھر پتا نہیں سمعان بھائی چچا جان کے ہاں جانے کا امی کو بتاتے بھی ہیں کہ نہیں۔"

"کیا ہے بھئی! میں بھی چلتا ہوں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں ادھر کا چکر لگائے ہوئے۔" وہ بضد ہوا تھا۔ فرح نے مطلق دھیان نہ دیا تھا۔ ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔ اندر ہی اندر وہ سمعان احمد سے موقع دیکھ کر اس ای میل کرنے والے شخص سے متعلق گفتگو کرنے کے ارادے باندھ رہی تھی۔

* * *

نواز احمد ان کے ہاں آئے ہوئے تھے، تب سے وہ اپنا کمرہ بند کیے اس میں مقید تھی۔ نوریہ کو ان کے سامنے جاتے ہوئے ایک عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ ان سے اس کا شروع سے ہی ایک پرتکلف تعلق تھا۔ وہ بہت کم ان کے ہاں آتے جب بھی آتے نبیل بھائی یا اماں کے ساتھ باتیں کر کے چلے جاتے تھے۔ آج منگنی کے بعد پہلی دفعہ وہ ان کے گھر آئے تھے۔ پیشے کے لحاظ سے وہ استاد تھے۔ گزشتہ سال سے ایک دو کالجز میں انہوں نے اکنامکس وغیرہ پڑھا کر تدریس کا آغاز کیا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ذہین ترین شخص تھے پھر ان کی اکیڈمی بھی تھی پہلے وہ مختلف کالجز میں پیریڈ لیتے اس کے بعد کا سارا وقت وہ اپنی اکیڈمی میں ہوتے۔ جب کہ ان کے خاندان کے باقی افراد ذاتی کاروبار یا بزنس وغیرہ کرتے تھے۔ صرف اُن کا شروع سے ہی رجحان تدریس کی جانب تھا، اسی لیے سب کی مخالفت کے باوجود وہ اس جانب آئے اپنے اس کام سے وہ بہت مطمئن تھے۔ ایم بی اے کیا ہوا تھا۔ چچا جان کا خیال تھا کہ وہ ان کا بزنس میں ہاتھ بٹائیں مگر پھر ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے انہیں مجبور نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے بعد انہیں ہی سارا کچھ سنبھالنا ہوگا، فی الحال وہ اپنا شوق پورا کر لیں جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔

ان کے خاندان میں پردے کا خاص اہتمام تو نہیں تھا مگر منگنی ایک ہی جگہ پر ہوئی تھی۔ دونوں گھروں میں یوں بے دھڑک آنا جانا بھی نہیں تھا۔ منگنی کے بعد نوریہ تو ایک دفعہ بھی نہ گئی تھی۔ چچا جان، ان کی بیٹیاں اور چچی جان سب کتنی بار کہہ چکی تھیں مگر نوریہ حجاب سے انکار کر دیتی۔ چچا جان کو نبیل بھائی سے کچھ کام تھا، اس لیے انہوں نے نواز احمد کو ان کے گھر بھیجا تھا۔ بھابی آتے جاتے اسے چھیڑ رہی تھیں۔ وہ احتجاجاً اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ کھانا اس نے بھابی کے ساتھ مل کر بنایا تھا لیکن اب......

محترمہ نوریہ صاحبہ باہر تشریف لے آئیں کھانے پر اماں حضور آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔ جب بھابی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو وہ ایک کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے......" اس نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تو بھابی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کتاب چھین لی، وہ انہیں گھورنے لگی۔

"بہانہ نہیں...... تمہارے محترم نواز صاحب تو تمہارا کھانے پر انتظار کر رہے ہیں اور تم یہاں بھوک ہڑتال پر بیٹھی ہو۔" وہ بظاہر سنجیدہ تھیں مگر ان کی آنکھوں سے پھوٹتی مسکراہٹ پر وہ جھلا گئی۔

"بھابی...... وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔"

”چلو، اٹھو شاباش...... ہمارے ہاں ایسا بھی کوئی خاص پردہ نہیں ہے۔“ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ کنفیوژ ہو گئی۔

”مگر بھابی، وہ اماں اور نبیل بھائی......“ وہ اماں اور بھائی کی وجہ سے گھبرا رہی تھی، بھابی ہنس دیں۔

”ایک ہی خاندان میں رشتہ جڑنے سے یہ سب چلتا ہے اور اس میں قباحت بھی نہیں ہے۔ بس چلو اماں نے تمہیں خود بلانے کو کہا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے ناں کہ تمہارا نواز کا سامنا کرنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ان کی اپنی بھی یہی مرضی ہے۔“ اب کے انہوں نے واقعی سنجیدگی سے کہا تو وہ خاموشی سے دوپٹہ درست کر کے بھابی کے ساتھ باہر نکل آئی۔

اماں، نواز اور نبیل بھائی ڈائننگ ٹیبل پر شاید اسی کے منتظر تھے۔ وہ اندر ہی اندر کنفیوژ ہو رہی تھی۔ دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی نگاہوں کا پہلا تصادم نواز فاروق سے ہی ہوا۔ نوریہ نے گھبرا کر نظروں کا زاویہ بدلا۔

”السلام علیکم......“ اس نے مشترکہ سلام کیا پھر آگے بڑھ کر اماں کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اماں ثریا کو گود میں بٹھا کر کھانا کھلا رہی تھیں جب کہ نبیل بھائی اور نواز بھی کھانا شروع کر چکے تھے۔

”نواز یہ چاول ضرور لینا...... نوریہ نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں......“ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھانا کھا رہی تھی جب بھابی کی آواز پر اس نے گھبرا کر دیکھا۔

بھابی کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی جب کہ ان کے یوں کہنے پر اماں کے ساتھ ساتھ نواز اور نبیل بھائی بھی ہنس دیے۔ نوریہ کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ اس نے واقعی چاول پکائے تھے۔ مگر...... بھابی تو......

”جی بھابی! میں ضرور ٹیسٹ کروں گا......“ نواز نے مسکرا کر کہا۔ نوریہ اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ایک نظر نوریہ پر بھی ڈالی۔ اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

”اُف۔“ کیا مصیبت ہے۔ اسے بھابی پر غصہ آنے لگا۔

خاموشی سے کھانا کھایا۔ ٹیبل سے سب سے پہلے اماں اٹھیں۔ ثریا اب انہیں تنگ کرنے لگی تھی۔ نوریہ نے اسے لینا چاہا مگر اماں اسے لے کر باہر نکل گئی تھیں۔ ان کے نکلتے ہی بھابی کی رگ شرارت پھڑکی۔

”نواز زبان گھر پر رکھ کر آئے ہو......“ بھابی مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔ انہوں نے الجھ کر انہیں دیکھا مگر ان کی آنکھوں میں مچلتی مسکراہٹ دیکھ کر ہنس دیے۔

”فی الحال تو نہیں......“ بہت آرام سے تولیہ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”مجھے تو یہی لگ رہا ہے یہ تمہاری سسرال بعد میں پہلے چچا کا گھر ہے کچھ بولو، مجھے تمہیں اکسانا پڑ رہا ہے۔“

”مسئلہ کیا ہے۔“ انہوں نے دلچسپی سے انہیں دیکھا۔ جب کہ نبیل ان کی اس ہلکی پھلکی نوک جھوک پر مسکرا رہا تھا۔

”مسئلہ یہ کہ آج نوریہ نے چاول بہت مزیدار پکائے ہیں......“ ان کی تان وہیں آ کر ٹوٹی تھی۔

نوریہ نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں گھورا جب کہ باقی دونوں نے قہقہے لگائے۔

”چلیں جی میں کہہ دیتا ہوں۔“ انہوں نے مسکرا کر چہرہ نوریہ کی طرف کیا تو وہ ایک دم جھینپ سی گئی۔ ”نوریہ چاول بہت مزیدار تھے...... اب خوش۔“ اسے جھینپے دیکھ کر وہ فوراً بھابی سے پوچھ رہے تھے جن کے چہرے کی چمک دیدنی تھی۔

”ہاں...... اور چائے پی کر جانا ہے...... نوریہ بنائے گی......“ آخر میں انہوں نے پھر کہا۔

اب کے نوریہ بھی ہنسنے لگی۔ کم از کم ان کے نارمل انداز سے اس کی گھبراہٹ ضرور کم ہوئی تھی۔ وہ کھانا کھا چکی تھی اسی لیے ٹیبل سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

نواز نے اسے دیکھا۔ سادہ گھریلو لباس میں وہ اپنے صاف شفاف چہرے کی خوبصورتی سمیت آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

”تم کہاں چلی......؟“ بھابی نے پوچھا۔

”کچن میں...... چائے بنانے......“ اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا، اسی لیے آرام سے جواب دیا۔

”نہلے پہ دہلا...... اسی کو کہتے ہیں......“ نبیل بھائی بھی کھل کر ہنسنے لگے۔ وہ فوراً وہاں سے نکلی۔ اس نے کچن میں آ کر چائے کا پانی چولہے پر چڑھایا۔ فریج سے دودھ نکال کر پلٹی تو بھابی برتن لے کر داخل ہوئیں۔ نوریہ کو ان کی فضول گوئی پر تپ چڑھی ہوئی تھی۔ وہ برتن سنک میں رکھ کر پلٹیں تو اس نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”اب بتائیں...... بڑی ہانک رہی تھیں اُدھر...... نوریہ نے چاول بہت مزیدار پکائے ہیں......“ کمر پہ ہاتھ رکھے وہ انہیں گھور رہی تھی۔

”میں تو اچھی بھابی کا کردار ادا کر رہی تھی...... نواز پہ اچھا امپریشن پڑے گا۔“ انہوں نے اس کی باتوں کو بغیر کسی خاطر میں لائے بڑے آرام سے کہا بلکہ ان کا حوالہ دے کر چڑایا۔

”بڑا اچھا کردار ادا کر رہی تھیں، دل تو چاہ رہا تھا کہ آپ کی زبان بند کر دوں۔“ وہ گھور کر دودھ ابلتے پانی میں ڈالنے لگی۔

”ویسے اس لباس میں لگ خوب رہی ہو، بڑے غور سے نواز دیکھ رہا تھا تمہیں۔“

وہ جھینپ سی گئی۔

”بھابی پلیز...... مجھے کنفیوژ نہیں کریں......“ اس نے پلٹ کر شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنستی چلی گئیں۔

”قسم سے نوریہ یہاں نواز ہوتا تو وہ فدا ہو جاتا تم پر......“ لو میں جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں یقین نہیں آتا تو اس سے پوچھ لینا۔ وہ اب بھی باز نہیں آئی تھیں۔

”اگر آپ اسی طرح کی فضول باتیں کرتی رہیں گی تو میں چلی جاؤں گی یہاں سے پھر چائے بھی خود ہی بنا کر دیجیے گا۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔

بھابی نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

”میں تو تمہارا دل بہلا رہی ہوں، اس ڈل لائف میں تھوڑا بہت مذاق ہونا چاہیے۔ نواز بھی کم کو سنجیدہ سا شخص ہے اور تم بھی ایسی ہی ہو...... بدلو تھوڑا سا خود کو۔ منگنی کا پیریڈ اسی لیے ہوتا ہے۔ شکر کرو اس جیسا شخص تمہارے حصے میں آیا ہے۔“

نویرہ نے مسکرا کر ان کے بازو پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

”بھابی...... پتا نہیں کیوں مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے، جب بھی میں یہ تصور کرتی ہوں کہ آئندہ زندگی مجھے نواز احمد کے ساتھ گزارنا ہوگی تو ایک سوالیہ نشان میرے سامنے آ جاتا ہے۔ کئی چہرے گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ میں آنکھیں بند کرتی ہوں تو ان کی جگہ دوسرے لوگوں کے چہرے آ جاتے ہیں اور میرا دل عجیب توہمات کا شکار ہونے لگتا ہے۔ ایسے میں آپ کا مذاق میرے دل پر ایک عجیب سی چوٹ لگاتا ہے۔ میں اپنے جذبات کو بیان نہیں کر سکتی کہ میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے میرے ساتھ ضرور کچھ ہونے والا ہے۔“

اس کی آنکھوں میں عجیب سا رنگ اور خوف تھا۔ بھابی نے اسے کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

”کیا کہہ رہی ہو تم......؟“ وہ حیران تھیں۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرے اندر کی یہی کیفیت ہے۔ نواز کو دیکھ کر بھی میرا دل اندر سے اسی طرح خوف زدہ ہوتا ہے اوپر سے آپ کی چھیڑ چھاڑ...... میں ڈبل مائنڈ ہو رہی ہوں۔“

بھابی پُرسوچ نظروں سے اس کا صبیح روشن صاف، چمکتا چہرہ دیکھنے لگیں۔

چائے ابلنے کی آواز پر نویرہ فوراً پلٹی۔ آنچ دھیمی کرکے اس نے چائے میں چینی ڈالی۔

”تم خوش نہیں ہو اس رشتے سے......؟“ پیچھے سے بھابی کی آواز پر بھی وہ نہ پلٹی۔

”میں خوش ہوں یہ اماں، بھائی، چچا وغیرہ سب کا مشترکہ فیصلہ ہے لیکن اس رشتے سے میرے اندر کی دنیا عجیب طوفان کی زد میں آ رہی ہے...... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا......“ بھابی نے اس کی بات پر پرسکون سانس لی۔

”شکر ہے۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا...... اچانک کسی ایسے شخص سے ایک ایسا تعلق جڑ جائے جو کہ آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تو کچھ عرصے تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ یہ فطری بات ہے۔ تم نواز کو ذہنی طور پر مطمئن ہو کر قبول کرنے کی کوشش کرو گی تو خود بخود دل و دماغ پرسکون ہو جائیں گے۔“

بھابی اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔ نویرہ ایک گہری بوجھل سانس فضا میں منتقل کرکے کیبنٹ سے ٹک لگانے لگی۔ بھابی کے جواب میں اس نے کچھ بھی کہنے سے احتراز کیا تھا۔

❁

نوشین اور زرش کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی، بہت عرصے بعد یوں ڈنر پر سمعان بھائی ان کے ہاں تھے۔ عثمان، احمد، فرح، پاپا، ماما، نوشین، عثمان احمد اور وہ خود ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھانے سے زیادہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ پاپا، سمعان اور عثمان اپنے بزنس کی باتیں کر رہے تھے جب کہ تینوں لڑکیاں اپنے اپنے کالج، پڑھائی اور دوستوں کے ذکر میں الجھی ہوئی تھیں۔ شائستہ بیگم دونوں طرف کی گفتگو سن رہی تھیں۔

”چچی امی! یقین کریں زرش سب اساتذہ تو ایک طرف پورے کالج کی فیورٹ اسٹوڈنٹ ہے۔ اس دفعہ بھی پچھلے ہفتے ہونے والے ٹیسٹ میں سب سے زیادہ مارکس زرش کے ہی تھے۔ میرے تیسرے نمبر پر تھے۔“ فرح کھانا کھاتے ہوئے چچی کو بتا رہی تھی، انہوں نے مسکرا کر زرش کو دیکھا وہ لاپروائی سے کھانا کھا رہی تھی۔ زرش صرف ذہین ہی نہیں بلکہ ہر سال پوزیشن بھی لیتی تھی۔ نصابی وغیر نصابی ہر طرح کی سرگرمیوں میں وہ نہ صرف حصہ لیتی بلکہ شاندار کامیابی بھی حاصل کرتی۔ گولڈ میڈلسٹ تھی۔ انہیں اپنی زرش پر فخر محسوس ہوتا۔ ہر کوئی اسے سراہتا تھا اور وہ تھی بھی سراہے جانے کے لائق۔

”تمہارے نمبر کیوں کم تھے؟“ سمعان احمد کی ساری توجہ اس کی جانب تھی بھائی اور چچا سے گفتگو کرنے کے باوجود وہ فرح کو سن رہا تھا۔ ایک دم انہوں نے پوچھا تو زرش ہنس دی۔

”اب آئی ناں پہاڑ کے نیچے اور کرو تعریفیں۔“ وہ چہکی، مسعود احمد بھی مسکرا دیے۔ سمعان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ ابھر آئی۔

”جہاں زرش بی بی ہوں وہاں بھلا کسی اور کی دال کہاں گلنے والی ہے؟“ فرح نے اطمینان سے کہا تو شائستہ سمیت سب ہنس دیے۔

”سمعان بھائی مجھے تو کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے......“ نوشین فرح کو چھیڑے بغیر نہ رہ سکی۔

”میں کیوں جلنے لگی زرش سے بلکہ مجھے تو فخر محسوس ہوتا ہے جب ہر استاد، ہر لڑکی صرف اور صرف زرش کی تعریفیں کرتی ہے۔“ اس نے برا مان کر نوشین کو دیکھتے ہوئے فوراً تردید کی۔

سمعان احمد نے بغور دیکھا، کھانا کھاتی ہوئی وہ لاپروائی سے مسکرا رہی تھی، یوں جیسے یہ تعریفیں اس کی نہیں کسی اور بندے کی ہو رہی ہوں۔ انہیں اس کی یہی بات تو اچھی لگتی تھی۔ ان کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔

لاتعلق...... بے پرواسے انداز۔

"اب بس بھی کرو...... زیادہ تعریفیں نہ کرو یہ نہ ہو کہ کل صبح زرش بی بی اٹھیں تو بالکل بدلی ہوئی ہوں۔" نوشین اب زرش کو چھیڑ رہی تھی۔ زرش نے فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچا۔

"ماما! دیکھ لیں نوشی کیا کہہ رہی ہے...... میں کیوں بدلوں گی بلکہ میرے اندر تو اور زیادہ دلچسپی سے پڑھنے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے......" اس نے فوراً ماما کو گھسیٹا تو وہ مسکرا دیں۔

"چپ ہو کے کھانا کھاؤ، تم لوگ بعد میں باتیں کر لینا......" انہوں نے ٹوکا۔

سب کھانا کھا کر ٹیبل سے اٹھ گئے تھے۔ ان تینوں نے ملازمہ کے ساتھ مل کر ناں صرف برتن اٹھوائے بلکہ کچن کی صفائی بھی کی۔ اس دوران زرش نے چائے تیار کر لی۔ سرو کرنے کی ذمہ داری نوشین کے سر ڈال کر وہ دونوں اپنے کپ اٹھا کر اوپر ٹیرس پر چلی گئیں۔

"آج موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔" ٹھنڈی ٹھنڈی معطر ہوا چل رہی ہے۔ ریلنگ پر جھکتے ہوئے زرش نے کہا۔ فرح نے بغور اسے دیکھا۔

لاپرواسا معصوم حسن تھا کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے ساتھ وہ دل میں گھٹ رہی تھی۔

وہ سمعان بھائی کے ساتھ یہاں آ تو گئی مگر اب گھر کی فکر بھی ستانے لگی تھی۔ نجانے امی کا ری ایکشن کیا ہو سکتا ہے وہ ابھی تک اپنے کمرے سے ہی نہ نکلی ہوں۔ وہ سوچ رہی تھی مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں سمعان بھائی کے ساتھ ادھر آ گئی ہوں اور انہیں خبر نہ ہو۔

"کہاں ہو تم......؟" وہ نجانے سوچ کی وادیوں میں کہاں جا نکلی تھی۔ جب زرش نے زور سے پوچھا تو وہ چونکی پھر مسکرا دی۔

"کچھ نہیں یار...... میں امی کے بارے میں سوچ رہی تھی، لگتا ہے آج پھر امی اور ابو کے درمیان کوئی معرکہ ہوا ہے جب سے میں کالج سے گھر واپس گئی ہوں وہ کمرے میں بند ہیں۔ سمعان بھائی مجھے یہاں لے آئے تھے، ہم لوگ انہیں بتائے بغیر آئے ہیں۔ پتا نہیں ان کا کیا ری ایکشن ہو......"

"اوہ...... ویری سیڈ......" زرش کئی لمحے تک خاموش رہی پھر اس خاموشی کو نوشین کی آمد نے توڑا۔

"کیا بات ہے تم دونوں بہت خاموش ہو...... خیریت ہے ناں؟" فرح کی گیلی آنکھوں اور زرش کو ہونٹ کچلتے دیکھ کر نوشین پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کچھ نہیں بس وہ تائی امی کی بات ہو رہی تھی، فرح بتا رہی تھی کہ آج پھر تایا ابو اور تائی امی کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے......" چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی زرش نے بتایا۔

"اوہ مگر جھگڑا ہوا کس بات پر......؟" کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے نوشین نے پوچھا۔

فرح بھی ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی جبکہ زرش ریلنگ کے ساتھ ہی کھڑی رہی۔

"یہ تو علم نہیں...... مگر جہاں تک مجھے اندازہ ہو رہا ہے امی، ابو میں آج کل صرف اور صرف سمعان بھائی کی شادی کے معاملے پر ہی جھگڑے ہو رہے ہیں۔" فرح نے سنجیدگی سے بتایا۔ زرش تو چونکی ہی مگر نوشین نے بھی چونک کر زرش کو دیکھا۔

"ارے ہاں فرح! میں تو یہ بات بھول ہی گئی تھی پھر کیا فیصلہ ہوا؟" زرش بھی قریب آ گئی۔ فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر نوشین کو، نوشین نے فوراً نظریں پھیر لیں۔ فرح کو سمجھنے میں صرف ایک پل لگا۔

"اوہ تو نوشین سب جانتی ہے......" وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"کچھ بھی نہیں...... آج کے واقعے کا مجھے علم نہیں ہے کہ نوبت کہاں تک پہنچی ہے۔" وہ کچھ تلخ سی ہونے لگی۔

"نوشین تمہیں پتا ہے تائی امی فوزیہ آپی سے سمعان بھائی کی شادی کرنا چاہتی ہیں مگر تایا ابو نہیں مان رہے......" زرش نے نوشین کو بتایا۔ اپنی طرف سے وہ انکشاف کر رہی تھی مگر نوشین پرسکون تھی۔

"ہاں میں جانتی ہوں، پھپھو کے ہاں تھی جب قیصرہ خالہ وہاں آئی تھیں۔ بہت کچھ بتا رہی تھیں تبھی مجھے علم ہوا تھا......"

فرح نے حیرت سے دیکھا۔

"پھر تو نوشین یہ بھی جانتی ہو گی کہ ابو کس کا نام لے رہے ہیں......" وہ بغور نوشین کو دیکھنے لگی۔

"فرح! سمعان بھائی ہمیں بہت عزیز ہیں فوزیہ جیسی لڑکی کا ان کے ساتھ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مگر......" نوشین کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"مگر تایا ابو جو چاہ رہے ہیں وہ تبھی ممکن ہے جب تائی امی راضی ہوں ورنہ کچھ بھی ممکن نہیں۔ نئے رشتے پرانی رنجشیں ختم کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں نا کہ نئے تعلق پرانی رنجشوں کو مزید مضبوط کریں۔"

زرش کے کچھ پلے نہ پڑا، نوشین خاموشی سے چائے کی چسکیاں بھرنے لگی۔ فرح نے چپ چاپ دونوں کی صورتیں دیکھتی زرش کو دیکھا پھر مسکرا دی۔

"کاش امی راضی ہو جائیں...... سمعان بھائی کے ساتھ زرش کتنی جچے گی...... اتنی پیاری سی، معصوم سی تو ہے......" وہ مسلسل زرش کو دیکھ رہی تھی۔

وہ زرش کو بہت چاہنے کے باوجود یہ بات نہ بتا سکی اور علی کو بھی اس نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زرش ان کے گھر میں ہر روز ہونے والے جھگڑے کی اصل وجہ کو جان لے اور اس کی دل آزاری ہو۔

"چھوڑو اس ٹاپک کو میں تم دونوں کو بور کرنے نہیں آئی بلکہ یہاں فریش ہونے آئی ہوں۔ تم بتاؤ نوشی تمہاری سسرال میں سے بھی کوئی آیا گیا ہے؟" فرح نے اس بوجھل سی خاموشی سے گھبرا کر فوراً گفتگو کا موضوع بدلا۔ تو زرش ہنس دی۔

"تم تو اس کی سسرال کا پوچھو ہی مت...... نوشی کی ساس کا بس چلے تو محترمہ یہاں ہی ڈیرہ جما لیں، یہ بہانہ کر کے کہ جب تک میں اپنی چاند سی بہو کو دیکھ نہ لوں، مجھے نیند نہیں آتی۔" زرش کو تو موضوع چاہیے تھا فوراً نوشین کو چھیڑنے پر تیار رہتی۔

"بکو مت...... اب وہ لوگ اتنا زیادہ بھی نہیں آتے، بس کبھی ہفتے میں چکر لگا لیتے ہیں۔" نوشین فوراً

جھینپ کر کہنے لگی تو دونوں ہنس دیں۔

”سنا تم نے فرح کبھی ہفتے میں......“ بھنویں اچکاتی زرش نوشین کا ریکارڈ لگانے کو بے تاب تھی۔

”تو اور کیا دل میں تو لڈو پھوٹتے ہوں گے بلکہ خواہش ہوگی کہ کاش روزانہ آتی یہاں تشریف فرما ہوں......“ فرح کیوں پیچھے رہتی۔ نوشین کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

”تم دونوں باز آ جاؤ ورنہ......“ خالی تنک دکھاتے وہ دھمکی دے رہی تھی۔

”ورنہ کیا...... بولو......“ دونوں اسے تنگ کر رہی تھیں بلکہ زرش تو باقاعدہ چڑا رہی تھی۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کتنا طول پکڑتا اگر سمعان احمد سیڑھیاں چڑھتے اوپر نہ آ جاتے۔ نوشین زرش کے جواب میں کچھ کہتے کہتے رہ گئی تھی۔

”فرح! گھر چلیں، بہت دیر ہو گئی ہے......“ آتے ہی انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے اتنی جلدی...... ابھی تو میں نے آپ سے کوئی بات نہیں......“ زرش سمعان احمد کو اتنی جلدی جاتے دیکھ کر فوراً کہنے لگی۔

سمعان نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ کھلے لمبے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے، دوپٹہ لاپروائی سے کندھے پر جھول رہا تھا۔ خوبصورت چہرے پر ہیرے کی طرح دمکتی آنکھیں انہیں نظر ہٹانا مشکل ہونے لگا۔

”علی دو دفعہ فون کر چکا ہے...... امی کئی بار پوچھ چکی ہیں بلکہ وہ تو ہماری یہاں آمد سے بھی قطعی نابلد ہیں...... اب اگر ہم مزید لیٹ ہوئے تو علی کے لیے امی کو بہلانا مشکل ہو جائے گا......“ انہوں نے کھڑے کھڑے بتایا۔ زرش نے منہ بنایا۔

”ایک تو مجھے یہ آپ کی والدہ ماجدہ سمجھ نہیں آئیں...... آخر انہیں اس ساری نفرت سے کیا حاصل ہوگا۔ خود تو مشکل میں ہیں ہی دوسروں کو بھی اذیت سے دوچار کر رہی ہیں۔“ زرش کہے بغیر نہ رہ سکی۔ نوشین نے اسے یوں بکواس کرنے پر گھورا مگر وہ سر جھٹک گئی۔ وہ ایسی ہی تھی دوٹوک بات کرنے والی۔

”تم نہیں سمجھو گی، تم اپنے چھوٹے سے دماغ پر زور نہ ڈالو تو بہتر ہے۔ یہ بڑوں کے معاملات ہیں، انہیں بڑوں تک ہی رہنے دو۔“ سمعان احمد کو زرش کی بات سے سخت تکلیف ہوئی مگر برا مانے بغیر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ منہ بنانے لگی۔

”رہنے دیں اب اتنا بھی چھوٹا دماغ نہیں ہے میرا، کم از کم آنکھوں کی زبان، لفظوں کا ہیر پھیر میں بھی سمجھنے لگی ہوں......“

نہ چاہتے ہوئے بھی سمعان احمد کے ہونٹوں پر اس کی بات پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”مثلاً اب تک کس کس کی آنکھوں کی زبان اور لفظوں کے ہیر پھیر کو سمجھ پائی ہو؟“

زرش سمعان احمد کے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ صاف دیکھ رہی تھی۔ فرح اور نوشین بھی مسکرا رہی تھیں۔ اسے اپنی بات کا یوں مذاق میں اڑایا جانا بہت برا لگا۔

”پلیز بھائی...... مذاق مت اڑائیں...... آئی ایم سیریس......“ اس نے فوراً احتجاج کیا۔

”ہاں میں بھی سیریس ہوں بلکہ بہت زیادہ...... کیوں فرح......“ انہوں نے فرح کو متوجہ کیا تو مسکرا کر دیکھنے لگی۔ ذو معنی بات تھی کچھ پلے نہ پڑی لیکن سمعان کے پوچھنے پر سر ضرور ہلایا پھر شرارت سے کہنے لگی۔

”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں...... یہ آپ اور زرش ہی جانیں......“ وہ فوراً پہلو بچا گئی۔

”آپ نے ماما سے بات کی......“ بات کو مذاق کے رخ پر جاتے دیکھ کر زرش نے فوراً اصل بات پوچھی۔ ”میرا مطلب ہے کہ آپ کے ہاں آنے کی اجازت پر......“

”نہیں...... موقع ہی نہیں ملا...... ادھر ادھر کی ہی باتیں ہوتی رہیں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ اب بھی تمہیں ہمارے ہاں آنے سے منع کریں۔ اس دن سے قطعی مختلف موڈ تھا آج چچی جان کا۔ اس دن تو مجھے بھی ناراض کر دیا تھا انہوں نے مگر آج تو خود ہی مجھے مدعو کیا تھا انہوں نے۔ عثمان بھائی اور چچا جان کی موجودگی میں، میں اس دن کے رویے پر استفسار نہیں کر سکا لیکن کل ان سے فون پر ضرور بات کر لوں گا......“

”یعنی کہ معاملہ ابھی جوں کا توں ہے...... ویسے بائی دی وے اس دن آپ اتنے خراب موڈ میں واپس کیوں گئے تھے؟“

فرح اور نوشین زرش کی زبانی ہی ساری صورتحال سے باخبر اور خاموش تھیں لیکن زرش کا ذہن ابھی بھی اس دن والی بات میں الجھا ہوا تھا۔

”کوئی بات نہیں، تم اپنے ذہن پر زور مت ڈالو تو بہتر ہے۔ فرح! جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا۔“ اسے گول مول سا جواب دے کر انہوں نے فرح کو ٹوکا جو کھڑی مسکرا رہی تھی۔

”میں تو تیار ہوں...... چلیں......“ اس نے فوراً قدم بڑھائے۔

زرش سمعان احمد کے بات کو یوں ٹال دینے پر گھور رہی تھی۔

سمعان احمد جانے کے لیے پلٹا مگر پھر اچانک کچھ یاد آیا تو فوراً زرش اور نوشین کو دیکھا۔

”ہاں مجھے یاد آیا میں نے تم دونوں کے لیے جیولر کو لاکٹ بنوانے کا آرڈر دیا ہے۔ جلد ہی مل جائیں گے، جب دوبارہ آؤں گا تو لیتا آؤں گا۔“ نوشین تو کچھ نہ بولی البتہ مارے خوشی و انبساط کے زرش کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

”ہائے...... اللہ...... سمعان بھائی!...... آپ کو وہ بات یاد ہے...... میں تو بھول بھال گئی تھی۔ یوں ہی ایک بات کہہ دی تھی میں نے، آپ تو واقعی سنجیدہ ہو گئے......“

”میں فرح کے لیے کچھ لاتا اور تم لوگوں کو بھول جاتا، یہ ناممکن تھا۔ گھر آ کر فرح کو لاکٹ دیا تو اس نے بھی سب سے پہلے یہی بات کہی کہ زرش اور نوشی کے تحائف کہاں ہیں، یقین مانو مجھے خود سے شرمندگی ہوئی۔ تم سے بھی وہی گفتگو چل نکلی اب تو آرڈر بھی دے دیا ہے سیم ٹو سیم۔ فرح کے لاکٹ کی طرح کا ہی تیار کروانے کو کہا ہے، دیکھو جیولر کب تک دیتا ہے۔“

”سمعان بھائی! آپ بھی بہت زیادہ تکلف کرنے لگے ہیں، ہم اور فرح جدا نہیں ہیں...... ہلکے پھلکے گفٹس کی کوئی بات نہیں مگر اس طرح کی جیولری اچھا نہیں لگتا......“

نوشین نے بھی کہا تو سمعان احمد نے اسے گھورا۔

”کیا اچھا لگتا ہے اور کیا نہیں...... یہ میں تم دونوں سے بہتر جانتا ہوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی فلاسفی اپنے پاس رکھو۔ گفٹ بس گفٹ ہوتا ہے۔ مہنگے اور سستے کا کیا ذکر بھلا۔“ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سمعان احمد نے سنجیدگی سے کہا تو نوشین ہنس دی۔

”آپ کو سمجھانا ہمارے بس کا کام نہیں...... آپ سے الجھنے کے لیے تو زرش کا ہی حوصلہ ہے۔ میں تو نیچے چلوں...... آؤ فرح......“

نوشین مسکرا کر فرح کے ساتھ نیچے اترنے لگی۔ سمعان احمد نے بھی قدم بڑھائے تو زرش تیزی سے ان کے قریب آ گئی۔

”بھائی بات سنیں......“ سمعان احمد کے اٹھتے قدم رک گئے۔

”مجھے سچ سچ بتائیں اس دن کیا بات ہوئی تھی...... آپ اتنے غصے سے کیوں گئے تھے؟“ وہ بہت سنجیدہ تھی۔ سمعان احمد نے مکمل طور پر رخ اس کی طرف کیا۔

”چچی امی نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا؟“ بجائے جواب دینے کے، انہوں نے الٹا سوال کیا تو اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

”نہیں...... بلکہ مجھے تو اچھا خاصا ڈانٹا بھی۔ میں نے ایک دو دفعہ آپ کو فون بھی کرنا چاہا مگر انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔ کالج سے آنے کے بعد وہ تو مکمل طور پر مجھے اپنی نظروں میں رکھنے لگیں۔ آپ کا ذکر کرتی ہوں تو بری طرح جھڑک دیتی ہیں۔“ وہ معصومیت سے وہ سب کچھ بھی بتا رہی تھی جو اسے ہرگز نہیں بتانا چاہیے تھا۔ سمعان احمد نے الجھ کر زرش کو دیکھا۔ وہ اس سے زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

”امی ایسا کیوں کر رہی ہیں...... بتائیں مجھے...... پلیز......“

”چچی جان! زرش کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہیں مگر کیوں؟“ اس کے آگے ایک سوالیہ نشان تھا جس کا جواب سوائے چچی جان کے کسی کے پاس نہ تھا۔ سمعان احمد زرش کی حالت دیکھ کر مزید الجھ گیا تھا۔

”مجھے خود نہیں پتا وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں۔ آج آیا تو میں ان سے اسی معاملے پر گفتگو کرنے کو ہی تھا مگر امی کی وجہ سے جلدی جانا پڑ رہا ہے۔ انشاء اللہ چند دنوں میں چچی جان سے بات کر کے اصل معاملہ ضرور سلجھاؤں گا، تم فکر نہیں کرو......“

زرش سے زیادہ انہوں نے خود کو حوصلہ دیا۔

”پتا نہیں سمعان بھائی! مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ماما پاپا کسی ٹینشن میں ہیں، وہ لوگ ہمارے سامنے کبھی اصل معاملہ نہیں لائیں گے لیکن وہ پریشان ضرور ہیں۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے پھر ماما کا ری ایکشن۔ اس دن پھپھو نوشین کو چھوڑنے آئی تھیں تو وہ بھی سارا وقت امی کے ساتھ آپ کی شادی اور تائی امی کی باتیں کرتی رہیں۔ فرح نے ہی ذکر کیا تھا کہ تائی امی آپ کی شادی فوزیہ آپی سے کرنا چاہتی ہیں جب

کہ تایا ابو راضی نہیں ہیں، اس دن پھپھو بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ آج عثمان بھائی بھی امی کو یہی بتا رہے تھے، کیا اسی لیے ماما پریشان ہیں......؟“

ساری بات سمعان احمد کے سامنے رکھ کر وہ آخر میں پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے وہ کس قدر اطمینان سے اپنی معصومیت میں اس کے سامنے اصل بات لے آئی۔ جس کی طرف سمعان کا ابھی تک ذہن بھی نہیں گیا تھا۔

”اوہ تو اسی لیے چچی جان کا ری ایکشن ایسا تھا۔ کہیں نہ کہیں سے انہیں اصل بات پہنچ ہی گئی ہوگی اور یقیناً وہ اس رشتے والی بات پر پریشان ہوں گی۔ میں بھی کس قدر احمق ہوں، میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا......“ بظاہر زرش کو دیکھتے ہوئے سمعان احمد کی سوچ کہیں اور محو پرواز تھی۔

”کیا سوچ رہے ہیں......؟“ سمعان احمد کے بازو پر ہاتھ رکھے وہ پوچھ رہی تھی۔

سمعان احمد اس کے ہاتھ کے لمس پر چونکے پھر ایک دم ہوش میں آ گئے۔

”کچھ نہیں اگر وہ اس بات پر پریشان ہیں تو تم فکر نہیں کرو، میں ان سے بات کر لوں گا یہ اتنا اہم ٹاپک نہیں ہے کہ اس کے لیے یوں پریشان ہوا جائے۔“ سمعان احمد نے مسکرا کر کہا بلکہ زرش کو ریلیکس کرنے کو انہوں نے ٹالا تھا۔

”سمعان بھائی! آپ واقعی فوزیہ آپی سے شادی کر لیں گے جیسا کہ تائی امی یہی چاہتی ہیں اور تایا ابو نہ مانے تو پھر؟“ وہ اس طرح سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

سمعان احمد کو زرش کے منہ سے یہ ساری گفتگو سننا اچھا تو نہیں لگ رہا تھا مگر کیا کرتا وہ اسے ٹوک بھی نہیں سکتا تھا۔

”اچھی امید رکھنی چاہیے...... شادی تو میں امی اور ابو دونوں کی باہمی رضامندی سے ہی کروں گا۔ انشاء اللہ وہ دن ضرور آئے گا، جب امی ابو ایک بات کریں گے، وہ کب آتا ہے یہ دیکھنا ہے۔ تم مت الجھو، یہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں مگر یہ دعا کرو کہ جو میرے دل کی خواہش ہے وہ ابو کے ساتھ ساتھ امی کی بھی دل کی بن جائے......“

نجانے گفتگو کا اثر تھا یا اندرونی خواہشوں کی یلغار زرش کا مرمریں ہاتھ تھام کر ہلکے سے تھپتھپاتے وہ خود کو یہ سب کہنے سے نہ روک پائے۔ چہرے پر دھیمی سی، الوہی مسکراہٹ تھی۔

”اللہ...... سمعان بھائی کیا آپ کسی کو پسند کرتے ہیں؟“ جملے کا آخری حصہ سن کر زرش فوراً اچھلی۔

سمعان احمد کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ کن لمحوں میں بہہ نکلے۔ ایک دم خفت سے دوچار ہوئے۔ زرش کا ہاتھ چھوڑ کر دو قدم پیچھے ہٹے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ زرش کے لیے سمعان احمد کی یہ کیفیت حیران کن تھی۔

”نہیں...... میں یوں ہی امی ابو کی بات کر رہا تھا......“ سمعان احمد کی راہ میں ابھی نہ جانے کتنے دشوار لمحے باقی تھے۔ وہ زبان سے اقرار کر کے اس معصوم سی لڑکی کو کسی اذیت سے بھی دوچار نہیں کر سکتے تھے۔ یہ انہیں بہت عزیز تھی۔ نازک آبگینے سے بھی زیادہ۔

”تو پھر یہ آپ نے کیوں کہا کہ جو میرے دل کی خواہش ہے وہ ابو کے ساتھ ساتھ امی کی بھی دل

خواہش بن جائے۔"

وہ شکی نظروں سے دیکھتے ہوئے جرح پر اتر آئی۔

سمعان احمد کو اپنی ایک لمحے کی بے اختیاری پر ندامت ہوئی۔

"ہاں تو وہی ابو کا ایک فیصلہ ہو، کیا یہ میرے دل کی خواہش نہیں ہے؟" سمعان احمد بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر کہہ پایا تھا۔

وہ اسے شکی نظروں سے دیکھنے لگی پھر ہنس دی۔ یوں لگا جیسے فضا میں کئی مدھر مترنم سی گھنٹیاں گنگنا اٹھی ہوں۔

"میں تو حیران ہو گئی تھی کہ آپ کسی کو پسند کرتے ہوں گے۔" میں مان ہی نہیں سکتی۔" وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔

"کیوں...... میں کسی کو پسند کیوں نہیں کر سکتا؟" سمعان احمد پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"آپ اس قدر اچھی نیچر کے مالک ہیں کہ ادھر اُدھر تانکنا جھانکنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ یہ بات علی کہتا تو میں آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی مگر کوئی مجھ سے یہ آ کر کہے کہ سمعان احمد فلاں کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں کبھی یقین نہیں کروں گی۔ آپ میرے لیے کیا ہیں کاش میں آپ کو بتا سکتی۔"

وہ بڑی معصومیت، بڑے بھولپن سے دل کی بات کہہ رہی تھی اور سمعان احمد حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دل تو چاہا کہ جھنجوڑ کر اسے کہے کہ میں یہ کیوں نہیں کر سکتا، میں کسی کو کیا پسند کروں گا میرے دل و دماغ پر تو صرف تمہارا ہی عکس ہے مگر وہ نہیں کہہ پا رہا تھا۔ اس کے ہونٹ جیسے کسی نے گوند سے چپکا دیے تھے۔

"چلیں نیچے چلتے ہیں فرح آپ کا انتظار کر رہی ہوگی اور ماما بھی پتا نہیں کیا سوچیں گی۔ آج کل تو ان کی ساری سوچیں جیسے میری ذات پر ہی آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس وقت تو ویسے بھی میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

پہلے کی طرح معصوم انداز میں وہ اونچی آواز میں کہتی آگے قدم بڑھا چکی تھی لیکن سمعان احمد ایک قدم بھی نہ بڑھا سکا۔ ذہن زرش کی آخری بات پر ہی اٹک گیا تھا۔

"اس وقت تو ویسے بھی میں آپ کے ساتھ ہوں......" سمعان احمد کو اپنے اردگرد بھی جملے گردش کرتے دکھائی دیے۔ زرش نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے اسے دیکھا تو سمعان احمد بھی اس کے پیچھے چل دیے مگر سیڑھیاں اترتے اترتے وہ ادھیڑبن کا شکار ہو چکا تھا۔

"چچی جان یقیناً میرے جذبوں سے واقف ہو گئی ہوں گی...... ان کا اس دن کا انداز، زرش کو سختی سے ہمارے گھر آنے سے منع کر دینا اور میرے ساتھ اس کے موجود ہونے پر بھی ان کا نظر میں رکھنا...... یہ ساری باتیں تو یہی ظاہر کرتی ہیں کہ وہ میری انہونی خواہشوں تک رسائی پا گئی ہیں مگر کیسے......؟"

سیڑھیاں اترے سمعان احمد کا دماغ الجھتا چلا گیا۔

* * *

نبیلہ بھابی کے ساتھ وہ واجدہ خالہ کی عیادت کو آئی تھی مگر سامنے ہی زبیدہ چچی کے ساتھ رمشا اور رضا کو دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔

"السلام علیکم......" کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تو واجدہ خالہ وہیل چیئر پر اور سبھی لاؤنج میں تھے۔

"وعلیکم السلام...... ارے میری بچیاں آئی ہیں...... بسم اللہ......" واجدہ خالہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ انہوں نے نوریہ اور نبیلہ بھابی کے جھکے سروں پر بھاری بھاری بوسہ دیتے ہوئے پیار کیا۔ زبیدہ چچی سے ہاتھ ملا کر وہ رمشا کے پاس صوفے پر آ بیٹھی۔

"لگتا ہے آپ کو خبر تھی کہ ہم آج یہاں آئے ہوئے ہیں......" رمشا کا لہجہ عجیب سا تھا۔ نوریہ نے محسوس کیا لیکن توجہ نہ دی بلکہ ہنس دی۔

"ارے کب...... کئی دنوں سے ہم آنے کا پروگرام بنا رہی تھیں مگر فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ آج بھی بھابی کو گھسیٹ گھساٹ کر لائی ہوں......" بھابی کی طرف دیکھ کر اس نے مسکرا کر بتایا۔ رضا حمید نے کھا جانے والی نظروں سے رمشا کو گھورا۔ وہ سامنے ہی تو بیٹھی تھی۔ وہ بھی یہاں آنے کو کب تیار تھا امی کے اصرار پر چلا آیا تھا۔ کیا پتا تھا کہ نوریہ اور بھابی عین وقت پر پہنچ جائیں گی ورنہ وہ شاید کبھی نہ آتا۔ اسے رمشا ہمیشہ سے ناپسند تھی۔

"خالہ جان! آپ سنائیں اب طبیعت کیسی ہے؟" نبیلہ بھابی نے واجدہ خالہ سے پوچھا تو نوریہ نے بھی ادھر توجہ دی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ شارق بہت دھیان رکھتا ہے۔ آج کل آفس سے بھی جلدی آ جاتا ہے پھر شاکرہ بھی ہر وقت خدمت کو تیار رہتی ہے۔ پہلے سے بہت بہتر ہوں کمرے سے نکل کر یہاں بیٹھی ہوں۔ شکر ہے اس ذات کا......" ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کرتے ہوئے انہوں نے بتایا۔

"واجدہ اس کی سب سے چہیتی خالہ تھیں۔ نوریہ کو اماں کے بعد ان سے خاص انسیت محسوس ہوتی تھی۔ ہر دفعہ ان کے پاس آ کر وہ ان کی گفتگو سے نئے سرے سے متاثر ہوتی۔

"شارق بھائی کب تک آئیں گے۔" رضا حمید نے پوچھا۔ نوریہ نے دیکھا کہ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کچھ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ نجانے کیوں وہ اب ہر ملاقات کے بعد اسے پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ و پژمردہ سا نظر آتا۔

"تھوڑی دیر تک آ جائے گا۔" خالہ نے بتایا تو رضا کے چہرے پر پہلے سے زیادہ اکتاہٹ طاری ہو گئی۔

"امی! میں جا رہا ہوں، صبح کالج میں ٹیسٹ ہے ابو کو بھیج دوں گا ان کے ساتھ آ جائیے گا......" رضا حمید اٹھ کھڑا ہوا۔

”اتنی جلدی بیٹا! ابھی تو میں نے شاکرہ کو چائے وغیرہ کا کہا ہے......“ واجدہ خالہ نے اسے جانے کے لیے تیار دیکھ کر کہا تو اس نے ایک نظر نویرہ پر ڈالی وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ رضا حمید نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

نویرہ کی آنکھوں میں ایسی کیا بات تھی کہ رضا حمید کو اپنے دل میں ایک کوندا سا لپکتا محسوس ہوا۔

”کوئی بات نہیں امی وغیرہ ہیں نا......“ وہ ایک منٹ ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ رمشا جاوید کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

”ٹیسٹ کی تو تم کل بھی تیاری کر لو گے کل چھٹی ہے آج اتنا ضروری بھی نہیں......نویرہ آپی اور بھابی ابھی آئی ہیں کچھ دیر بیٹھ کر ان کے ساتھ باتیں ہی کر لو اگر اتفاق سے اکٹھے ہو ہی گئے ہو تو۔“

رمشا نے بظاہر مسکرا کر کہا لیکن اس کے لفظوں کی کاٹ پر رضا نے بھنا کر اسے دیکھا وہ استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھتی گویا دہکتے انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

رضا کا جی چاہا کہ ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر اس کا منہ توڑ دے۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہا......“ رضا حمید کا لہجہ ایک دم کڑوا ہو گیا۔ تلخی سے اس نے جوابی کارروائی کی۔ سبھی چونکے۔

”ایں......یہ......رضا!......یہ کیا انداز ہے بات کرنے کا......“ رضا اور رمشا جاوید کی آپس میں کبھی نہیں بنی تھی اس وقت بھی رضا کے تلخ انداز پر زبیدہ چچی نے فوراً بیٹے کو ٹوکا۔

”مجھے ایک بہت ضروری کام ہے......جا رہا ہوں میں، آتے رہیے گا آپ لوگ بعد میں......“ رمشا کی گھٹیا سوچ پر وہ تلملاتے ہوئے اندر ہی اندر سلگ اٹھا۔

بغیر کسی کی پروا کیے وہ بھناتے ہوئے وہاں سے نکل آیا۔

”رضا!......رضا!......“ چچی زبیدہ اسے آوازیں دیتی رہ گئیں مگر وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار پلٹ کے دیکھے بغیر چلا گیا۔

”لو......اس لڑکے کی عادت نرالی ہے......دیکھ لیا بھابی بیگم آپ نے بھی۔ رمشا نے ایسی کون سی بات کہہ دی کہ یوں غصے سے چلا گیا۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے اس لڑکے کو۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اکلوتا ہے، کچھ کہنے سننے سے پہلے ہزار دفعہ سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں اثر نہ لے لے۔“ زبیدہ چچی رنجیدہ سی ہو گئی تھیں۔ نویرہ کے لیے ان کی یہ ساری باتیں حیران کن تھیں۔

”مگر چچی جان! رضا ایسا کیوں کر رہا ہے کچھ بتاتا نہیں......“ نویرہ نے زبیدہ چچی سے پوچھا۔

”مجھے تو خود کچھ نہیں سمجھ میں آ رہا۔ اچھا بھلا تھا۔ ابھی یہ حرکتیں کرنے لگ گیا ہے۔ پہلے میں سوچتی رہی کہ پڑھائی کی ٹینشن ہے مگر اب تو اسے کچھ پڑھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتی۔ پتا نہیں کالج بھی جاتا ہے کہ نہیں۔ سارا سارا دن آوارہ گردی کرتے ہی دیکھتی ہوں۔ گھر میں باپ کے آنے کا وقت ہوتا ہے تو چلا آتا ہے ورنہ تو اسے گھر کی بھی ضرورت نہیں۔“ چچی زبیدہ اب باقاعدہ آنسو بہا رہی تھیں۔ رمشا نے ہونٹ بھینچ لیے۔ نویرہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ رضا بدل گیا ہے۔ اب اس میں وہ پہلے والا چونچالی، شرارتی پن اور اپنائیت مفقود ہو گئی ہے۔ وہ بھی محسوس کر رہی تھی مگر وہ گھر والوں کو اس حد تک ڈسٹرب کر دے گا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

”اللہ خیر کرے......زبیدہ حوصلہ کرو......بچہ ہے، ناسمجھ ہے......پیار سے سمجھا بجھا کر پوچھو تو سہی کہیں غلط صحبت میں تو اٹھنے بیٹھنے نہیں لگ گیا۔“ واجدہ خالہ بڑے تفکر سے کہہ رہی تھیں۔

”پتا نہیں بھابی بیگم۔ رضا کے باپ اتنے غصے والے ہیں۔ ان سے تو ذکر کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ آج بھی نہ جانے کیسے ہاتھ لگا تھا۔ میں نے کہا چلو دو گھڑی کو ساتھ مل کر بیٹھ لیں گے۔ زبردستی لائی تھی لیکن ایک دم اٹھ کے چل دیا ہے......رمشا کی بات تو بس بہانہ ہی ہے۔“ انہوں نے دوپٹے سے آنسو صاف کر کے بتایا تو وہاں موجود سب کے دل بھر آئے۔

”چچی جان! فکر نہیں کریں......نبیل سے بات کروں گی وہ پتہ کریں گے کہ کہاں آتا جاتا ہے، کن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ نبیلہ بھابی نے بھی انہیں تسلی دی۔

”تو اور کیا......یہی عمر ہے بھٹکنے والی۔ شارق کو بھی اتنی ہی عمر میں باہر کی ہوا نے خراب کیا۔ اب بھی جب ساری ساری رات گھر نہیں لوٹتا تو میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کچھ کہنے سننے سے بھی ڈرتی ہوں کہ کہیں سوتیلی کا الزام نہ آ جائے۔ خدا گواہ ہے میرا حقیقی بیٹا بھی ہوتا تو اتنی محبت نہ کر پاتی لیکن اس کے ذہن میں تو سگی اور سوتیلی کی گرہ پڑ چکی ہے۔ اللہ سلامت رکھے حمید میاں کو۔ اچھا موڈ دیکھ کر بات کرنا، جوان اولاد ہے، یوں نظر بھی نہیں بچائی جا سکتی لوگ تو باہر تیار بیٹھے ہیں ایسے بچوں کو شکار کرنے کے لیے۔ میں بھی ماں ہوں اچھی طرح تمہارا دکھ سمجھ رہی ہوں لیکن تم خود سے بھی اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرو۔ یوں رونے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔“

واجدہ خالہ کی زبان سے دکھ بول رہا تھا۔ نویرہ جھلملاتی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا کہ خالہ شارق زمان سے کس قدر والہانہ محبت کرتی ہیں۔

”نویرہ! تمہاری تو رضا سے کتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ پیار سے بہلا کر پوچھنا تو سہی مسئلہ کیا ہے......کیوں کر رہا ہے وہ ایسے......تمہاری تو وہ بہت عزت کرتا ہے تمہیں تو ضرور بتا دے گا۔“ چچی زبیدہ نے امید بھری آنکھوں سے نویرہ کو دیکھا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔

”جی چچی جان ضرور......میں تو خود کب سے محسوس کر رہی ہوں مگر سیریس نہیں لیا۔ وہ بھی ہمارے گھر بہت کم آنے لگا ہے......کچھ میرا بھی آپ کے ہاں آنا جانا نہیں ہو رہا۔ اب ساری صورتحال کا علم ہوا ہے تو پہلی فرصت میں اس سے بات کروں گی۔“

وہ چچی زبیدہ کو تسلی دے رہی تھی اور رمشا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”میرا بھی خیال ہے نویرہ آپی! وہ کسی اور کو تو بتائے یا نہ بتائے آپ سے کچھ نہیں چھپائے گا۔“ رمشا کا لہجہ عجیب سا تھا۔ کسی اور نے تو نہیں غور کیا البتہ نویرہ ضرور چونکی تھی۔ رمشا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ نویرہ جواباً دیکھ کر رہ گئی۔

”ہاں اس میں تو شک نہیں ہے کہ رضا کو نویرہ سے بے حد انسیت ہے۔ اس کی ہر بات بلا چوں چرا

مان لیتا ہے۔ پہلے بھی تو جب بھی تنگ کرتا تھا میں نوریہ سے کہتی تھی۔ وہ اسے صرف ایک بار سمجھاتی تھی تو وہ فوراً سیدھا ہو جاتا تھا۔ اب تو میں اس کے سامنے تمہارا نام لے لوں تو اس کے ماتھے پر بل پڑنے لگتے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے اس لڑکے کو......"

چچی زبیدہ بہت دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔ نوریہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"بیگم صاحبہ میں نے چائے ٹیبل پر لگا دی ہے۔" شاکرہ (ملازمہ) نے آ کر اطلاع دی تو واجدہ خالہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔

"شارق نہیں آیا ابھی تک...... شاکرہ اس کے موبائل پر کال تو کرو......" انھوں نے شاکرہ سے کہا تو وہ فوراً ٹیلیفون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔

"تم سب لوگ ٹیبل پر چلو میں فون سن کر آتی ہوں۔" واجدہ خالہ نے شاکرہ کو نمبر ملاتے دیکھ کر ان سے کہا۔

"بیگم صاحبہ! موبائل بند ہے...... کال نہیں مل رہی......" ایک دو مرتبہ مسلسل کال ملانے کے بعد شاکرہ نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

"پتا نہیں کیوں بند ہے؟ اب تو ہر وقت بند ہی رکھنے لگا ہے۔" وہ متفکر سی ہو کر کہنے لگیں۔

"ہوگا کوئی ضروری کام ان کو، چلیں آئیں ہم چائے پیتے ہیں۔" سب ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ نوریہ واجدہ خالہ کی متفکر صورت دیکھ کر فوراً ان کی پشت پر آ کھڑی ہوئی۔ شاکرہ کو جانے کا اشارہ کر کے وہ ان کی وہیل چیئر کو کھینچنے لگی۔

"اللہ اس خاندان کے لڑکوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے...... ذرا سی شارق کو دیر ہونے لگے تو میری جان لبوں پر آ جاتی ہے...... مگر اسے تو پروا ہی نہیں ہوتی......" نوریہ خاموشی سے انہیں ڈائننگ ٹیبل پر لے آئی۔

* * *

بہت خاموشی سے آگے قدم بڑھاتے لان کی جانب کھلنے والی اس کھڑکی کے پاس سے گزرتے سبحان احمد کے قدم بری طرح ٹھٹکے تھے۔

"سعید احمد میں نے ہمیشہ برداشت کیا ہے اب میری برداشت کی یہ حد ہے...... مجھ پر یوں کیچڑ اچھالنے سے پہلے کچھ خدا کا خوف تو کیا ہوتا......" روتی سسکتی یہ طاہرہ بیگم کی آواز تھی، دھیمی مگر بہت واضح۔ اندر گفتگو نہ جانے کس نہج پر تھی مگر امی کی سسکیاں سبحان احمد کو سننے پر مجبور کر گئی تھیں۔

"خدا کا خوف ہی تو ہے...... اپنے بچوں کا پاس ہے ورنہ تم جیسی عورت کے ساتھ کوئی بھی مرد ایک لمحہ بھی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتا......"

یہ سعید احمد کی آواز تھی۔ غصیلی، ضبط کی آخری حدوں کو چھوتی ہوئی۔

سبحان احمد نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔

اس کے والدین نے اپنی اندرونی چپقلش کی اصل وجہ کو کبھی ان کے سامنے برملا آشکار نہیں کیا مگر کیا

ان کے روز روز جھگڑوں سے وہ اصل وجہ نہ جان سکا تھا۔ سبحان احمد کا دل لہولہو ہونے لگا۔

"سعید احمد...... پلیز......" امی کی یہ آواز سبحان احمد کو ضبط کی انتہا پر پہنچا گئی۔

"زرش نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں...... قیصرہ کی لڑکی تو بالکل بھی نہیں......" ابو کا وہی اٹل انداز تھا۔

"اگر آپ کو مجھ سے ضد ہے تو پھر میں کہے دیتی ہوں فوزیہ نہیں تو پھر زرش بھی نہیں۔ میں بھی اس گھر میں قیصرہ کی ہی لڑکی کو لے کر آؤں گی......" ابو کے اٹل اور دوٹوک انداز پر امی کا لہجہ بھی ضدی ہو گیا۔

"تو پھر تم بھی میری بات کان کھول کر سن لو اس عورت کی لڑکی کو گھر لانے سے پہلے میں تم کو اس گھر سے رخصت کر دوں گا۔ پھر بے شک بڑے شوق سے اپنی اس عقل کل، باکردار بہن کے پاس باقی ساری زندگی گزارنا مگر میری اولاد کا نام نہ لینا۔ تم جیسی عورت انہیں ذہنی سکھ دے نہیں سکی، روحانی خوشیاں خاک دے گی......"

"سعید احمد......" ابو کی اس دھمکی پر امی کی بے ضبطی سسکاری نکلی۔ سبحان احمد کو لگا جیسے اس کے دل پر گھونسا سا دے مارا ہو۔

اسی بات پر آ کر تو اس کی ماں کی ضد ٹوٹی تھی اور اب بھی......

"آپ مجھے اس طرح بلیک میل نہیں کر سکتے۔" امی کہہ رہی تھیں۔ عجیب ٹوٹا سا انداز تھا۔

"پھر تم بھی مجھے بلیک میل نہیں کرو۔ زندگی جس طرح گزر رہی ہے گزرنے دو۔ ہمارا اچھا یا برا وقت گزر چکا ہے۔ یہ میرے بچوں کی زندگی ہے اور میں تمہیں اپنے بچوں کی زندگی سے کھیلنے کی اجازت قطعی نہیں دوں گا۔ یہ بات اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو بھی باور کروا دینا ورنہ جو بات راکھ کا ڈھیر بنی ہوئی ہے وہ کہیں چنگاریوں کی صورت اختیار کر کے تمہارے ساتھ ساتھ اسے بھی نہ تباہ کر دے۔ میں تو جیسے تیسے کر کے برداشت کر گیا ہوں۔ ہماری اولاد یہ سب برداشت نہیں کرے گی...... میرا تو بھرم ٹوٹے گا ہی ساتھ میں تم بھی کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہ رہو گی۔" تیز آواز میں غصے سے کہا گیا پھر زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

اندر سے امی کے رونے کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ سبحان احمد جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ امی ابو کی زندگی کا یہ موڑ اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ جب تک کسی چیز سے آگہی نہیں تھی، قطعی دھیان نہیں دیا تھا مگر اب یہ بات واضح اور صاف صاف سامنے آ رہی تھی وہ کیونکر رخ پھیر سکتا تھا۔ ذہنی خلفشار ایک دم بڑھا تھا۔

بچپن سے ہی سب کچھ چلتا آ رہا تھا مگر اب تو انتہا تھی۔

سبحان احمد اپنے کمرے میں جانے کے لیے پلٹا مگر اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

آدھی رات سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا اسے یوں سامنے دیکھ کر حیران ہوتے وہ شرمندگی سے سر جھکا گئی۔

"آپ لان میں ٹہل رہے تھے۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ میں تو بس یوں ہی

آ گئی۔ نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے...... مگر......"

اس "مگر" کے بعد کیا تھا سمعان احمد خاموشی سے اسے ہاتھ مسلتے دیکھتا رہا۔

"نیند کیوں نہیں آ رہی؟" انہوں نے استفسار کیا۔

"پتا نہیں......" بھرایا ہوا لہجہ تھا۔ سمعان احمد کو دکھ نے آ گھیرا...... وہ پلکیں جھکائے آنسو پی رہی تھی۔ ان کے ماں باپ اپنے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کو بھی ذہنی اذیت سے دوچار کر رہے تھے کاش وہ ان کو بتا سکتا...... سمعان احمد نے خاموشی سے فرح کو بازو کے حصار میں لے لیا۔

"رات بہت ہو گئی ہے...... آؤ اندر چلتے ہیں......" امی ابو کی جو باتیں اس نے سنی تھیں۔ یقیناً وہ فرح بھی سن چکی تھی۔ سمعان احمد کے اندر ان کی گفتگو کو نئے سرے سے دہرانے کا حوصلہ نہ تھا۔ بے حد خاموش سا سمعان احمد اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

دو دن بعد آج شام کو ابو لاہور سے واپس آئے تھے۔ کھانا وغیرہ سب نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔ اس کے بعد فرح اور علی تو اپنی اسٹڈی میں مصروف ہو گئے جب کہ سمعان احمد کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گیا۔ بارہ بجے تک وہ یہی کام کرتا رہا۔ کمپیوٹر آف کرنے کے بعد نیند نہیں آ رہی تھی۔ یوں ہی ٹہلنے کو، جی بہلانے کو وہ لان میں نکل آیا۔ ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ گھریلو حالات پر، چچی جان اور زرش کی باتوں پر مگر کافی دیر تک ٹہلنے کے باوجود دل کسی طور پر بھی مطمئن نہ ہو پایا تو وہ واپس اپنے کمرے میں جانے کے لیے پلٹا لیکن امی ابو کے کمرے کی کھڑکی کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ سب کچھ سن لیا جو کہ عام حالات میں وہ کبھی دانستہ نہ سنتا۔

"بیٹھو......" اپنے کمرے میں لا کر سمعان احمد نے اسے اپنے بستر پر بٹھا دیا۔ وہ آہستگی سے بیٹھ گئی تھی۔ دوپٹے سے گیلی آنکھیں صاف کر کے اس نے سمعان احمد کو دیکھا جو نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔

"بھائی......" اس نے پکارا۔

"ہوں......" سمعان احمد نے اسے دیکھا۔

"امی ابو کی زندگی کا یہ کون سا پہلو ہے بچپن سے یہی سب کچھ سنتے آ رہے ہیں مگر اب تو......" آنسوؤں کے ریلے نے اس کے الفاظ کو نامکمل ہی رہنے دیا۔

"پتا نہیں گڑیا...... تم کیوں روتی ہو...... پلیز چپ ہو جاؤ، یوں سمجھو تم نے کچھ سنا ہی نہیں۔ تم پریشان نہیں ہوا کرو...... میں ہوں ناں......" بہت شفقت سے اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے سمعان احمد نے اسے دلاسہ دیا۔

"بھائی! مجھے بہت ڈر لگتا ہے...... عثمان بھائی اسلام آباد میں رہتے ہیں، امی ابو کے ان جھگڑوں سے اگر آپ بھی چلے گئے تو......" وہ خوف سے پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد ہنسا۔

"نہیں گڑیا...... میں کہیں نہیں جاؤں گا...... میں یہیں رہوں گا......" بڑے ضبط سے ہنس کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"اگر امی زرش کے لیے نہ مانیں تو......" وہ سوالیہ نظروں سے سمعان احمد کو دیکھنے لگی۔

"تو......" اس "تو" سے آگے تو سمعان احمد بھی نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوگا مگر بعض خواہشیں بہت تڑپاتی ہیں۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا تم کیوں فکر کرتی ہو۔" سمعان احمد نے اسے بہلانا چاہا۔

"آپ زرش کو پسند کرتے ہیں ناں؟" اس کا سر تھپتھپاتے سمعان احمد کے ہاتھ رک گئے۔

"تمہیں نیند آ رہی ہے......" سمعان احمد نے اس کے سوال کو ٹالنا چاہا مگر وہ اپنے سر سے سمعان احمد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگی۔

"مجھے زرش بہت پسند ہے...... مجھے پتا ہے آپ بھی پسند کرتے ہیں...... میں نے ہمیشہ اسے آپ کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ علی بھی یہی چاہتا ہے...... مگر امی......" اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے۔ سمعان احمد نے بغور دیکھا۔

"فرح! ساری بات امی کی خواہش اور مرضی کی ہے...... میں ابھی اس مقام پر نہیں کہ ان کی مرضی اور خواہش کے بغیر عثمان بھائی کی طرح کوئی انتہائی قدم اٹھاؤں۔ میں اس گھر کو اس خاندان کو جوڑنا چاہتا ہوں نہ کہ توڑنا۔ ہم سب کے ساتھ ساتھ زرش امی کی بھی خواہش ہونی چاہیے۔ ورنہ کچھ بھی ممکن نہیں......" وہ آزردگی سے بولا۔

"امی نہیں مانیں گی...... کبھی نہیں مانیں گی...... کل قیصرہ خالہ سے فون پر بات کر رہی تھیں اور انہیں کہہ رہی تھیں کہ ابو چاہے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا لیں وہ زرش کے لیے کبھی نہیں مانیں گی......"

"ایک تو یہ قیصرہ خالہ بھی کیا چیز ہیں...... اصل فساد کی جڑ تو یہی ہیں...... ہمارے گھر کے سارے انتشار اور بدنظمی کی اصل وجہ بھی یہی ہیں۔ امی ابو کا خیال نہ ہوتا تو میں ان سے پوچھتا کہ وہ چاہتی کیا ہیں؟ وہ کس چیز کا بدلہ ہم سے لے رہی ہیں؟......"

قیصرہ خالہ کے نام پر سمعان احمد کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ کمرے میں چکر لگاتے ہوئے وہ ضبط کی آخری سیڑھی پر تھا۔

"امی کو پتا نہیں کیوں سمجھ نہیں آ رہی...... صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قیصرہ خالہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کروا رہی ہیں مگر امی تو......" فرح کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں۔

"میں نے تمہیں کہا ہے ناں کہ یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا تم ریلیکس رہا کرو...... تم روتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے...... اپنا آپ بہت برا لگنے لگتا ہے...... تم تو ہماری جان ہو۔ تمہاری آنکھ میں آنسو آتے ہیں تو سخت اذیت محسوس کرنے لگتا ہوں......" اسے کندھوں سے تھام کر پیار سے اس کی پیشانی چومتے سمعان احمد نے دلاسا دیا۔ وہ محبت کے اس مظاہرے پر بے اختیار سمعان احمد کے ساتھ لپٹ گئی۔

"بھائی! امی ابو کو اس حال میں دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے مجھے۔ میرا بس چلے تو میں اپنی جان دے کر ان دونوں کو ایک کر دوں مگر میں کیا کروں میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو بھی دکھی نہیں

دیکھ سکتی۔ علی تو لاپروا سا ہے وہ امی ابو کے جھگڑوں کو اتنی اہمیت بھی نہیں دیتا مگر آپ تو...... جب آپ دکھی ہوتے ہیں تو میری جان پر بن آتی ہے۔" وہ رو رہی تھی سمعان احمد نے بہت شفقت سے اس کے تمام آنسو پونچھ دیے تھے۔

"بس...... رونا نہیں...... بہت رات ہوگئی ہے، جاؤ جا کر سو جاؤ، صبح کالج بھی جانا ہے...... امی ابو کے یہ جھگڑے اب روز کا معمول ہیں۔ ٹینشن لوگی تو بیمار پڑ جاؤ گی......" سمعان احمد نے اسے سمجھایا پھر اس کا سر تھپک کر اسے جانے کو کہا۔

"اگر مجھے نیند نہ آئی تو؟" دروازے کے پاس جا کر وہ رکی۔ سمعان احمد مسکرایا۔

"سونے کی کوشش کروگی تو نیند بھی آجائے گی، چلو جاؤ شاباش......"

"آپ بھی سو جائیں...... ورنہ میں دوبارہ آجاؤں گی......" کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے کہا تو سمعان احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

وہ دروازہ بند کرگئی تھی اس کے جاتے ہی سمعان احمد کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ ایک دم غائب ہوگئی۔ فرح کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو پرسکون اور نارمل رکھے ہوئے تھا مگر اب اس کے جاتے ہی اندرونی خلفشار و انتشار ایک دم اسے اپنے گھیرے میں لینے لگا۔

امی ابو کے روز روز کے جھگڑوں کا صرف ایک ہی حل تھا کہ وہ زرش کے حق سے دستبردار ہو جائے۔

"کیا زرش سے دستبردار ہونا اس قدر آسان ہے؟"

لائٹس آف کرکے نیم خوابناک روشنی میں خود سے الجھتے سمعان احمد نے اس سوال پر کچھ لمحے خود فراموشی میں گزار دیے تھے۔

"نہیں...... بہت مشکل ہے...... بہت مشکل......" بستر پر کروٹ بدلتے اس کے دل نے سرگوشی کی۔

"ناممکن تو نہیں......" سمعان احمد نے دل کو تسلی دی مگر دل تو پہلے سے زیادہ کراہ اٹھا۔

"ہرگز نہیں...... کیا تم اپنے والدین کی سی ایک ناکام زندگی گزار لوگے......؟" سمعان احمد کے سامنے ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا۔ وہ بستر سے اٹھ بیٹھا۔

"سمعان بھائی! آپ میرے ساتھ جب ہوتے ہیں تو مجھے لگتا ہے جیسے میں ایک دم کسی پناہ کے حصار میں آگئی ہوں مگر جب میں آپ سے جدا ہوتی ہوں تو میرے اندر ایک خلا سا ابھرنے لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے میں چیخ چیخ کر روؤں...... کیوں ہوتا ہے میرے ساتھ ایسا...... مجھے بتائیں نا مجھے اتنی گھبراہٹ کیوں ہونے لگی ہے۔" کئی ماہ پہلے زرش اس کا ہاتھ پکڑے اپنی کیفیت بتا رہی تھی اور وہ حیرت سے ساکن و صامت کھڑا سن رہا تھا۔ تب پہلی دفعہ اسے زرش کے وجود کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔

"مجھ سے ناراض نہ ہوا کریں۔ آپ ناراض ہوتے ہیں تو لگتا ہے زندگی روٹھنے لگی ہے۔ سچ کہتی ہوں آپ کے گھر نہ آؤں تو مجھے موت دکھائی دیتی ہے۔ میں آپ لوگوں کے بغیر نہیں رہ سکتی......"

وہ اس سے ناراض تھا اس کی اور امی کی ہلکی سی بدکلامی ہوگئی تھی۔ قصور سراسر امی کا ہی تھا مگر اس نے اسے اچھا خاصا ڈانٹ دیا۔ پھر تین دن تک وہ ان کے ہاں نہیں آئی تھی، چوتھے دن جا کر سمعان احمد اسے منا رہا تھا تو وہ یہ سب کہہ رہی تھی اور تب سمعان احمد کو اپنا دل مکمل طور پر ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

اس کے والہانہ پن پر دل ڈوب کر ابھرتا تھا۔

محبت کے احساس نے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا اور تب پہلی دفعہ سمعان احمد اس کی آنکھوں کے دمکتے ہیروں کے سامنے ریزہ ریزہ ہوگیا اور وہ لمحہ اس کی کل زندگی بن گیا۔ وہ ہر لمحہ اس لمحے میں گزار رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں پر ان سبک ہاتھوں کی نرمی محسوس ہوئی تو بستر پر کانٹے اُگ آئے۔

بعض اوقات جان بوجھ کر محبت سے دامن چھڑانا کس قدر مشکل ہو جاتا ہے۔ بستر کے کراؤن سے سر ٹکاتے سمعان احمد کو اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہوئیں۔

"مگر مجھے اپنے گھر کو انتشار اور بدنظمی سے بچانے کے لیے بروقت ایک فیصلہ تو کرنا ہوگا۔" سینے پر ہلکے ہلکے انگوٹھے سے ضربیں لگاتے سمعان احمد نے سوچا۔

"میرے لیے امی ابو دونوں اہم ہیں کسی ایک کی برتری کے لیے کسی دوسرے کو ہرانا وہ بھی صرف اور صرف اپنی خواہش کے لیے...... کیا ساری زندگی میں اپنے والدین کے سامنے سر اٹھا کر جی سکوں گا......؟" سینے کے بائیں جانب درد کی ایک ہلکی لہر اٹھی مگر کمال ضبط سے سمعان احمد برداشت کر گیا۔

"شاید میں اپنے دل کے سامنے تو سرخ رو ہو ہی جاؤں مگر والدین کے سامنے ہمیشہ سر جھکائے ہی رہوں گا تو پھر کیا کروں......"

کروٹ بدلتے سمعان احمد کو کسی پل سکون نہ تھا۔

زندگی میں آنے والے اولین لمحات کے رنگ مہکتے ہوئے رسیلے اور نشیلے تھے۔

تصور اتنا جاں فزاں تھا کہ وہ چاہ کر بھی نظریں چرانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ سرخ گلابی چہرہ، ہیروں کی طرح دمکتی آنکھوں کی لانبی سیاہ پلکوں کی معصوم لرزش، سرخ، ملیح، سبک ہاتھوں کا پرجوش لمس۔

وہ کس کس رخ سے نظر چراتا۔ اس کا تو ہر ہر انداز گھائل کر دینے والا تھا۔

وہ ایک بھرپور مرد تھا۔ زندگی کے میدان میں ہر لحاظ سے کامیاب و کامران مگر اس مقام پر آکر سمعان احمد کو اپنی ساری ذہانت، معاملہ فہمی، سوجھ بوجھ راکھ کا ڈھیر محسوس ہو رہی تھی۔

زندگی نے ہر مقام پر اسے ایک نئے تجربے، نئے واقعے سے روشناس کیا تھا لیکن گزشتہ ماہ سے دل جس طرح الجھا تھا وہ خود کو کہیں کھو کر بھولتا جا رہا تھا۔ وہ جو خود ناقابل تسخیر تھا اب کسی اپنے کو اپنے لیے ناقابل تسخیر گردان رہا تھا۔

زرش کا دل میں یوں جگہ بنا لینا، ایک انوکھے تجربے سے دوچار کر گیا تھا، رگ و پے میں ایک میٹھا درد سلگ رہا تھا۔ اس احمق سی، معصوم سی، کم عمر جذباتی لڑکی کی چاہ سمعان احمد جیسے باہوش، عقلمند شخص کو نئی الجھن سے دوچار کرگئی۔

زندگی میں آنے والا یہ سوز عجیب اذیت سموئے ہوئے تھا۔ ایسی ڈور جس کا کوئی بھی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

مسلسل کرب سے عجیب طرح کی یاسیت و پژمردگی کا شکار ہو چکا تھا۔ ایسی یاسیت جو اذیت بن کر رگ و پے کو چھیدتی چلی جاتی ہے، گھائل کر دیتی ہے۔

مسلسل کروٹیں بدلتے بدلتے ایک دم وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی لائٹ روشن کی۔ سائیڈ دراز سے اپنی ”گرے“ ڈائری نکالی۔ اس دن جب ظفر آیا تو اس نے اس دراز میں رکھی تھی اور آج نکالی۔ بہت دنوں بعد سمعان احمد اسے کھول رہا تھا۔ گرے جلد کو کھولتے ہوئے اس کے انداز میں بے پناہ عقیدت تھی، بہت والہانہ پن تھا۔ اس ڈائری میں جا بجا اس کے اولین جذبوں کے مہکتے گلاب رقم تھے۔ سفید گلابی کاغذ اس کے جذبوں کی شدتوں کے گواہ تھے۔

اس کے سچے جذبوں کی پاکیزگی کے امین تھے۔

اس کی نس نس میں بکھرے محبت کے امرت کے راز داں تھے۔

سمعان احمد کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔ بعض اوقات لفظ حقیقت کا روپ دھار کر انسان کو کس قدر اذیت ناک دھوکے سے دوچار کر دیتے ہیں۔ دراصل یہاں سارا قصور اس کی سمجھ کا ہے۔ وہ تخیل کی پرواز سے نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرنے نکل جاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو وہی ماحول، وہی جگہ وہی سب کچھ ہوتا ہے اور یہ لمحات بعض اوقات انسان کو دائمی غم سے بھی دوچار کر دیتے ہیں۔ نہ جانے سمعان احمد کے مقدر میں کیا تھا لیکن اس گرے ڈائری پر وہ اپنی ساری الجھنیں، ساری کلفتیں، سارے غم رقم کرتے کرتے ایک دم حال سے بے خبر پورے تخیل سے سیراب ہوتا چلا گیا تھا۔

* * *

یہاں آنے کا اس کا قطعی موڈ نہیں ہو رہا تھا مگر پھر خانہ پری کو وہ آ گیا تھا۔ بہت سے ایڈیٹرز اور اخباری رپورٹرز آئے ہوئے تھے۔ وہ سب سے مل کر ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔ ویٹر اسے مشروب پکڑا گیا تھا۔ وہ ہولے ہولے سِپ لے رہا تھا۔

”ہیلو مسٹر شارق زمان......“ عقب سے آنے والی آواز پر وہ پلٹا مگر ایک لمحہ کو لگا کہ زمین آسمان گھوم گئے ہوں۔

قیامت کبھی یوں ہی بغیر بتائے آ جاتی ہے۔

کبھی بیٹھے بٹھائے ہی انسان اذیتوں کے پہاڑ تلے آ جاتا ہے۔

وہ جس، جس اذیت سے بھاگ رہا تھا، وہ مسلسل اس کے تعاقب میں تھی۔ کس قدر وہ بچنے کی کوشش میں تھا لیکن اس کی ہر کوشش ناکامی سے ہمکنار ہو رہی تھی۔ شارق زمان کے اپنے سامنے نظر آنے والے نقوش کوئی اور نہ تھے۔ بہت جانے پہچانے چہرے تھے۔ وہ تو ان چہروں کو بند آنکھوں سے بھی اچھی طرح پہچان سکتا تھا۔ اب کیوں نہ جانتا۔

”ہیلو......“ شارق زمان کے لہجے میں پہاڑوں کی سی سختی تھی۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے اپنے سامنے والے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ضبط کی کس منزل پر تھا کاش کوئی سمجھ سکتا۔

”یقیناً اچھی طرح پہچان گئے ہوں گے ہمیں، شارق زماں صاحب......“

شارق نے سختی کے ساتھ اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ اذیت و صبر کے جس مقام پر تھا وہ صرف وہی جانتا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا احسان منصور انتہائی خباثت سے مسکرا رہا تھا اور اس کے ساتھ کھڑا وجود اپنی حشر سامانیوں سمیت شارق زمان کی غیرت کو للکار رہا تھا۔ بڑی مشکل سے شارق زمان نے اپنی غیظ و غضب والی فطرت کو اشتعال انگیزی کا لبادہ اوڑھنے سے روکا تھا۔ ایک سلگتی وحشیانہ نظر احسان منصور کے ساتھ کھڑی شہوانہ زمان پر ڈالی جو اپنے بھڑکتے چمکتے وجود کے ساتھ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

”بہت اچھی طرح......“ بہت ضبط سے شارق زمان نے خود کو بحران کے شدید دباؤ سے نکالا۔

”آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا...... بڑا زبردست ہے آپ کا میگزین......“ شہوانہ زمان دلچسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی مگر وہ لاپروائی سے ایک سلگتی نظر ڈال کر دوبارہ ادھر متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ احسان منصور کی بات پر شارق کی بھنویں تن گئی تھیں۔

”زبردست“ کی پلیز وضاحت کر دیں ذرا......“

اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل امر ضرور تھا مگر ناممکن نہیں تھا۔ وہ اس پل ایک نئے تجربے سے دوچار ہوا تھا خود پر قابو پا لینے کے تجربے سے۔

اپنے بپھرتے وحشی جذبوں کو لگام ڈال لینے کے تجربے سے بہت ہی خشک کھردرا لہجہ تھا۔

”گزشتہ دنوں آپ کے میگزین میں شائع ہونے والی رپورٹ کی تعریف کر رہا ہوں محترم شارق زمان صاحب......“ احسان منصور اسی طرح چرکے لگا رہا تھا۔

شارق زمان کو لگا جیسے اس کا سارا ضبط بے ربط ہونے کو ہے۔ اختیار ایک دم بے اختیاری کی کیفیت میں ڈھلتا چلا گیا تھا۔ شارق زمان کے لیے اس لمحے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہونے لگا۔

وہ زہر بھری نگاہوں سے اپنے مقابل کو دیکھ رہا تھا۔ جو ہنس کر کہہ رہا تھا۔

”ارے شارق زمان صاحب، ان سے تو متعارف کروایا ہی نہیں آپ کو۔ یہ شہوانہ وہی ہیں جن کی رپورٹ اور تصاویر آپ کے میگزین کی زینت بنی تھیں۔ میری طرح شہوانہ کو بھی آپ سے ملنے، آپ کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ شومئی قسمت کہ آج کی تقریب میں موقع بھی مل گیا، ویسے تعارف کی محتاج تو نہیں ہمشیرہ ہوتی ہیں آپ کی......“

شارق زمان کو لگا جیسے سامنے کھڑے شخص نے اس پر کھولتا ہوا پانی انڈیل دیا ہو اور وہ جلنے لگا ہو۔

”شٹ اپ......“ وہ ایک دم پھنکارا اردگرد لوگ جمع نہ ہوتے تو وہ اس شخص کا منہ توڑنے میں ایک لمحہ نہ لگاتا۔ بمشکل اپنے اٹھتے ہاتھوں کو وہ قابو میں رکھے ہوئے تھا۔

”ارے آپ تو خفا ہو گئے...... مجھے بھی پتہ نہیں تھا، یہ تو مختلف لوگوں نے بتایا کہ آپ شارق زمان ہیں اور میرے والد نے بتایا تھا کہ آپ شہوانہ کے بھائی ہیں، یقین مانیں بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر......“

شارق زمان نے ایک اشتعال انگیز نظر ڈالی۔ وہ شخص مسکرا رہا تھا اس کے ساتھ کھڑا وجود دلچسپی سے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ شہوانہ زمان کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"شٹ اپ...... میں کسی شہوانہ کو نہیں جانتا۔ سمجھے تم...... آئندہ میرے سامنے آنے کی غلطی کوشش نہ کرنا ورنہ زمین میں زندہ گاڑ دوں گا۔"

صرف ہاتھ اٹھانے کی کسر رہ گئی تھی۔ پھنکارتے لب و لہجے میں ایک دم کہہ کر راستے میں آنے والی ہر شے کو ٹھوکر مارتے وہ وہاں سے نکل آیا۔

وہ اپنے پیچھے احسان منصور کے مکروہ قہقہوں کی آوازیں بخوبی سن رہا تھا۔

دل چاہ رہا تھا کہ پلٹ کر جائے اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر دونوں کو ڈھیر کر دے۔

"یہ شہوانہ زمان ہیں......" گاڑی پارکنگ ایریا سے نکالتے ہوئے احسان منصور کی آواز اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

وہ کبھی سوچتا کہ اگر زندگی میں اس کی ماں کا اس سے سامنا ہو گیا تو وہ کیا کرے گا۔ جب سے شہوانہ کی رپورٹ میگزین میں چھپی تھی تب سے وہ مسلسل اسی اذیت میں تھا کہ اگر ان ماں بیٹی نے اس کے آفس میں آ کر رابطہ کرنے کی کوشش کی تو وہ دنیا والوں کو کیا جواب دے گا۔

کیسے ان سے اپنے تعلق سے انکار کرے گا۔

اور آج سرعام ایک بھری پری تقریب میں یہ واقعہ ہو چکا تھا۔ وہ ہزار ہا خواہش کے باوجود نہ تو احسان منصور کا گلا دبا سکا اور نہ ہی شہوانہ کا منہ توڑ سکا تھا۔ کس قدر تمسخرانہ لب و لہجہ تھا احسان منصور کا۔

گاڑی چلاتے ہوئے وہ سلگ رہا تھا۔

کسی بھی چیز کا ہوش نہ تھا بس دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔

"ویسے تعارف کی محتاج تو نہیں...... ہمشیرہ ہوتی ہیں آپ کی۔" گونجتی ہتھوڑے برساتی آواز اس کے دماغ کی ساری صلاحیتیں سلب کرتی جا رہی تھی۔

"یہ بے چارہ شارق ہے اس کی ماں ایک طوائف زادی تھی۔ اس کے باپ سے شادی کی تھی پھر شوہر کو چھوڑ کر بھاگ گئی ایک بیٹا چھوڑ گئی۔ بچی کو لے گئی۔"

ماضی میں کہے گئے کسی کے جملے اس کی شریانوں کو پھاڑ دینے کو تھے۔

"گزشتہ دنوں آپ کے میگزین سے شائع ہونے والی رپورٹ کی تعریف کر رہا ہوں محترم شارق زمان صاحب......"

اسپیڈ سے گاڑی دوڑاتے اس کی آنکھوں کے سامنے صرف اور صرف احسان منصور اور شہوانہ کے چہرے گھوم رہے تھے اور کوئی چیز اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

"شہوانہ زمان......" گاڑی چلاتے ہوئے اس نے زور سے اسٹیرنگ پر ہاتھ مارے تھے۔ سامنے سے گاڑی آ رہی تھی رات کے اندھیرے میں کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ غم و غصے نے دماغی

صلاحیتوں کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ شہوانہ اور احسان منصور کے علاوہ اسے اور کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ گھومتے وہیل کو قابو میں کرتا سامنے سے آنے والی گاڑی سے اس کی گاڑی بری طرح ٹکرائی اور ایک زبردست دھماکہ ہوا اس کے بعد مکمل خاموشی تھی۔

* * *

وہ گھر لوٹا تو امی ابو اور رمشا سامنے ہی بیٹھے دکھائی دیے۔ رمشا کو دیکھ کر اسے شام والی تائی جان کے ہاں کی جانے والی حرکت یاد آئی لیکن حمید صاحب کو دیکھ کر وہ نظریں جھکا گیا تھا۔

"کہاں تھے تم......؟" ابو بھی اسے دیکھ چکے تھے اسی لیے پوچھا تھا۔

"حیدر کے ہاں گیا ہوا تھا۔" سر جھکائے جھکائے جواب دیا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا لیکن اس کے باوجود حمید صاحب بہت سخت تھے۔ وہ "کھلاؤ تو سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی نگاہ سے" کے قائل تھے۔ رضا حمید ان سے ہمیشہ بہت خائف رہتا تھا اگر ان کے غصے کی پروا نہ ہوتی تو اپنے اور رمشا کے درمیان موجود تعلق کو کب کا توڑ چکا ہوتا۔

"کیا کر رہے تھے اس کے ساتھ......" ان کا تفتیشی انداز تھا۔ امی خاموش تھیں اس نے یونہی نظر اٹھائی تو رمشا جاوید کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ اسے سلگا گئی۔

"کام تھا ایک......" اس نے تحمل سے جواب دیا۔

"کیا کام تھا؟" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"اس کے ساتھ مل کر کمپیوٹر پر ایک اسائنمنٹ تیار کر رہا تھا......"

حمید صاحب نے ایک گہری نظر بیٹے پر ڈالی۔ جھکی گردن اور چہرے کے تاثر سے وہ کچھ اخذ کر کے ایک دم پرسکون ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے زبیدہ بیگم نے انہیں جو کنڈیشن بتائی تھی وہ خود بھی متفکر سے تھے۔ وہ ان کا اکلوتا اور لاڈلہ بیٹا تھا، خدانخواستہ اگر کسی غلط صحبت کا شکار ہو جاتا تو اسی لیے وہ اس سے پوچھ گچھ کرنے پر مجبور تھے۔

"اسائنمنٹ تیار ہو گئی؟" اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے انہوں نے پوچھا۔ وہ ایک طرف صوفے پر ٹک گیا۔

"جی......" سنجیدگی سے اس نے جواب دیا۔

"رمشا بیٹا!......" حمید صاحب کا رخ اب رمشا کی جانب تھا وہ جو مکمل توجہ رضا حمید کی طرف مبذول رکھے ہوئے تھی، ایک دم چونکی۔

"جی پھوپا جان"

"بیٹا! اچھی سی چائے پلا دو بہت طلب ہو رہی ہے......" انہوں نے فرمائش کی۔

"ابھی لائی پھوپا جان......" وہ فوراً وہاں سے چلی گئی۔

"میں عشاء کی نماز ادا کر لوں...... بہت دیر ہو گئی ہے۔" حمید صاحب نے زبیدہ بیگم کو اشارہ کیا وہ

کہتے ہوئے اٹھیں...... رضا نے انہیں لاؤنج سے نکلتے دیکھا۔

"ہاں بیٹا جی آپ کی اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟...." رضا سمجھ گیا ابو نے اس سے بات کرنے کے لیے رمشا کو یہاں سے بھیجا اور امی بھی اسی لیے گئی ہیں، وہ ایک دم محتاط ہو گیا۔

"جی بالکل ٹھیک......" اس نے محتاط نظروں سے ابو کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ بالکل سپاٹ چہرہ تھا۔ حمید صاحب کو اپنے تاثرات چھپانے میں کمال مہارت حاصل تھی۔ ان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ کبھی بھی ان کے چہرے سے نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ رضا ناکام ہو کر ٹیلیویژن کی طرف دیکھنے لگا جس پر کوئی "ٹاک شو" آ رہا تھا مگر آواز بند تھی۔

"میں کئی دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ تم کچھ الجھے الجھے سے پریشان رہنے لگے ہو کیا بات ہے......؟" حمید صاحب نے پوچھا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ ذہن اضطراب کا شکار ہو گیا۔ وہ کچھ پوچھنا چاہتے، کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ سمجھ تو گیا تھا مگر بات اس موضوع پر ہو گی وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ وہ براہ راست رضا کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے، جیسے کچھ پڑھنے کی کوشش میں ہوں۔ رضا حمید نے فوراً پلکیں جھکا لیں۔ اندر پھیلنے والا انتشار ایک دم بڑھا اور بے چینی حد سے سوا ہو گئی۔

"جی...... میں سمجھا نہیں......" اپنے آپ کا یوں آشکار ہونا اسے قطعی گوارا نہ تھا۔ اس نے چہرے کے اترتے رنگوں کو نارمل کرنے کی کوشش کی مگر وہ مزید آشکار ہوتے گئے۔

"سارا سارا دن اور رات گئے تک باہر آوارہ گردیاں کرنا۔ کوئی بات کرے یا بلائے تو کاٹ کھانے کو دوڑنا ان سب کا مطلب میں تمہیں سمجھاؤں یا تم مجھے بتاؤ گے۔" وہ سخت کھردرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

ان کا سخت دو ٹوک کوئی رعایت نہ دینے والا انداز دیکھ کر رضا کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔

"یا اللہ اس سوئے ہوئے شیر کو کس نے جگا دیا۔" وہ حمید صاحب کو صرف ایک نظر دیکھ پایا۔ وہ غصے سے گھور رہے تھے۔

"جی کوئی بات نہیں......" اندر سے دل کسی تیز دھار سے کاٹا جانے لگا مگر وہ دل کی بات نہ کہہ سکا۔ وہ مر بھی جاتا تو کسی کے سامنے اپنے دل کی بات آشکار نہ کر پاتا۔

"تو پھر اپنے آپ کو بدلو...... میں تمہیں غیر ضروری کام کے لیے باہر نکلتے نہ دیکھوں ورنہ نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔" پہلے سے زیادہ غیظ بھرے انداز میں وہ اسے باور کروا رہے تھے۔

"جی......" وہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ احساس ذلت و ہتک سے اس کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔ امی اور رمشا کو وہ کسی خاطر میں نہیں لاتا تھا مگر ابو......

"تمہارے پروفیسر صاحب سے تمہاری پڑھائی کے متعلق معلومات کرنے کے لیے میں نے تھوڑی دیر پہلے فون کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری پڑھائی کی صورتحال بہت خراب ہے۔ میں تمہاری ہر جائز ضرورت پوری کرتا ہوں تو صرف اس لیے کہ تم مکمل یکسوئی اور توجہ سے اپنی اسٹڈی مکمل کرو اگر تمہارا

دل پڑھائی میں نہیں لگ رہا تو بہت آسان حل ہے پڑھائی چھوڑ کر کاروبار سنبھالو، تمہیں بھی پتا چلے پیسہ کمانا کسے کہتے ہیں مگر یہ فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ تمہارے جیسے لڑکے کو کام کے نام پر صرف محنت مزدوری ہی کرنے کو ملے گی اور کچھ نہیں......"

حمید صاحب اسے بھگو بھگو کر مار رہے تھے۔ وہ سر جھکائے ان کی لعنت ملامت سن رہا تھا۔ اسے مسلسل سر جھکائے دیکھ کر انہوں نے مزید غصہ سے اور ڈانٹ کر کہا "سن رہے ہو جو میں کہہ رہا ہوں......"

"جی......" پھنسی پھنسی آواز میں رضا نے کہا۔

حمید صاحب کو بھی احساس ہوا کہ وہ اسے اچھا خاصا بے عزت کر چکے ہیں تھوڑا سا دھیمے پڑے۔

"دیکھو یہ سب کچھ میں تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔ دن رات محنت کر رہا ہوں تو صرف اور صرف تم لوگوں کی آسائش و سکون کے لیے اگر تم پڑھائی پر توجہ نہیں دو گے تو سوچو تمہارے کیا ہاتھ آئے گا۔ آج جن باتوں کو تم لاپروائی، کم عمری کی بدولت نہیں سمجھ پاؤ گے کل کو وہ ایک بہت بڑے نقصان کی طرح تمہیں نگلنے کو بے تاب ہوں گی۔ اس عمر میں بھٹکنے والے ساری عمر پچھتاتے ہیں۔ دل لگا کر پڑھائی کرو جو بھی مسئلہ ہے مجھے بتاؤ میں ابھی زندہ ہوں۔ تمہارے تمام مسئلے کو حل کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔ جو بھی پریشانی ہے مجھ سے کہو یا پھر اپنی ماں کو بتاؤ کل سے تم تواز کی اکیڈمی میں روزانہ جایا کرو گے۔ پہلے کالج اور اس کے بعد تواز کے پاس رہو گے۔ میں اس سے بات کر لوں گا۔ خبردار دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کی ضرورت نہیں......" ڈانٹتے ہوئے وہ اسے محبت پیار سے کہہ رہے تھے۔

"جی...... اچھا......" رضا اس قدر عزت افزائی پر دھواں دھواں چہرے کے ساتھ ان کو دیکھ کر نظریں جھکا گیا۔

"ادھر آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو......" رضا کی اس قدر عزت افزائی پر سعادت مندی پر انہیں بھی اس کا خیال آیا تو سارا رعب و دبدبہ ایک طرف ڈال کر محبت سے اسے اپنے پاس آ کر بیٹھنے کو کہہ رہے تھے۔

رضا آہستگی سے اٹھا اور خاموشی سے چلتا ہوا ان کے پاس جا بیٹھا۔

انہوں نے بہت شفقت و محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

"دیکھو بیٹا جی! یہ جو عمر ہوتی ہے ناں بہت عجیب سی ہوتی ہے۔ اس عمر میں ہر چمکتی چیز سونا محسوس ہوتی ہے۔ بہت سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانا پڑتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارا بیٹا، ہماری ذرا سی لاپروائی کی نذر ہو جائے اگر کوئی بات ہوئی ہے مجھ سے یا اپنی ماں سے، کوئی گلہ شکوہ ہے تو بیٹا جی ہمیں بتاؤ یہ رشتے دکھ سکھ بانٹنے ہی کا تو نام ہے۔" بازو کے حصار میں لیے بہت پیار اور محبت سے وہ کہہ رہے تھے۔ کچھ پل پہلے دکھائی دینے والے ڈانٹتے ڈپٹتے حمید صاحب کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

رضا کا دل ان کی اپنائیت سے لبریز ہونے لگا۔ دل میں آئی کہ کہہ دے۔

"مجھے تو یہ چاہیے...... ہر حال میں چاہیے اور کچھ بھی نہیں......" مگر شرم و حیا نے زبان پر تالے ڈال

دیے۔ ابی اور نویرہ کی عمروں کے تضاد نے اسے شش و پنج میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

”کوئی بات نہیں ہے...... آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔“ وہ اس کے جواب کے منتظر تھے۔ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ بس یہی لفظ سوجھے سو کہہ دیے۔

”شاباش...... مجھے امید ہے تم آئندہ ہمیں شکایت کا موقع نہیں دو گے۔“ اس کا کندھا تھپتھپاتے انہوں نے بھی آج کے لیے اتنی ہی ڈوز کافی سمجھی تھی۔ زبان سے وہ اسے سمجھا چکے تھے۔ باقی کا کام وہ اس کی نگرانی کر کے سرانجام دے لیں گے۔ انہیں پتا تھا رضا ان سے اچھا خاصا ڈرتا ہے، ان کا زبان سے سمجھا دینا ہی کافی ہوگا۔

”نماز پڑھتے ہو؟“ دوبارہ ٹی وی آن کر کے انہوں نے پوچھا۔ رضا کو شرمندگی نے آگھیرا۔

”کبھی...... کبھی......“

”پانچوں وقت کی نماز پڑھا کرو......“ انہوں نے نصیحت کی۔ رضا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دوران رمشا چائے کی ٹرے اٹھا کر چلی آئی۔

رضا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ رضا نے ناگواری سے رمشا پر ایک نظر ڈالی، اس لمحے اس نے بھی اسے دیکھا تھا۔

احساس برتری، فتح، سب کچھ اپنے اختیار میں ہونے کا غرور۔

کیا کچھ نہیں تھا رمشا جاوید کی آنکھوں میں۔

وہ بس اسی سے ہار جاتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔ ابو کے اتنے لمبے لیکچر پر بھی اس کے اندر کی تلملاہٹ بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ رضا حمید کو اپنا پورا وجود زہریلا ہوتا محسوس ہوا۔

”رمشا جاوید...... مجھے تم یوں اشتہار بنا کر اچھا نہیں کر رہی۔ گن گن کر بدلے لوں گا میں تم سے......“ وہ اندر ہی اندر غصے سے کراہ کر رہ گیا۔ وہ ایک علانیہ، غصہ بھری نگاہ ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”کہاں جا رہے ہو......؟“ اس سے پہلے کہ وہ کوئی قدم اٹھاتا ابو نے پوچھا۔ وہ کلس کر رہ گیا۔

”اپنے کمرے میں......“ رمشا ابو کو چائے کا کپ دے رہی تھی۔

”آرام سے بیٹھ کر چائے پیو...... کبھی ہمارے ساتھ بھی بیٹھ کر دو باتیں کر لیا کرو...... اور کچھ نہیں تو کم از کم موڈ ہی خوشگوار ہو جاتا ہے بندے کا، آپس میں محبت و یگانگت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔“ وہ اسے پھر سمجھانے لگے۔ رضا کو لگا جیسے ابو کی بات نے اس کے اٹھتے قدموں میں زنجیر ڈال دی ہو۔

بہت چاہنے کے باوجود وہ وہاں سے نکل نہیں پایا۔ رمشا جاوید سے ہزار ہا نفرت کرنے کے باوجود اسی کے ہاتھ کی بنی چائے پینے پر مجبور تھا۔ وہ اذیت سے دل مسوس کر ابو کے ساتھ دوبارہ بیٹھ گیا۔

❖

رات کا نجانے کون سا پہر تھا گھبراہٹ سے نویرہ کی آنکھ کھل گئی۔ اجنبی سا ماحول اور پھر اجنبی بستر پر نیند بھی الجھی الجھی سی تھی۔ شاید وہ ایک گھنٹہ ہی سو پائی تھی۔ کمرے کی لائٹ روشن تھی واجدہ خالہ لائٹ آن کر کے سوتی تھیں، اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھیں یا پھر شاید نیند کی گولیوں کا اثر تھا کہ انہیں اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ تھا۔

نویرہ دوپٹہ سنبھال کر بستر سے اتر آئی۔ وال کلاک کی طرف دیکھا رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ باتھ روم میں جا کر کلی کی ایک دو چھپاکے منہ پر مار کر وہ کمرے سے نکل آئی۔ سارے گھر کی لائٹس آف تھیں۔ شاکرہ اپنے کوارٹر میں جاتے ہوئے آف کر گئی تھی۔ وہ اکثر ہی اس گھر میں آتی رہتی تھی مگر رات کو بہت کم رکتی تھی۔ اس کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ اسے نیند صرف اپنے بستر پر ہی ٹھیک طرح سے آتی تھی اسی لیے وہ کبھی کبھار رات گزارنے کو رکتی تھی اور جب بھی وہ واجدہ خالہ کے ہاں رکی تھی ایک ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ اندازے سے بٹن تلاش کر کے اس نے راہداری کی لائٹ آن کی۔

وہ شام کو نبیل بھائی کے ساتھ واجدہ خالہ کی عیادت کے لیے آئی تھی رضا کے جانے کے بعد وہ کافی دیر بیٹھی تھیں بعد میں حمید چچا آ کر زبیدہ چچی اور رمشا کو لے گئے تھے۔ ان کو نبیل بھائی لینے آئے تھے مگر شارق زمان ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔ خالہ کی طبیعت فکر سے خراب ہونے لگی تھی۔ کافی دیر تک شارق زمان کا انتظار کرنے کے بعد وہ لوگ واپس جانے کے لیے تیار تھے جب واجدہ خالہ نے اسے روک لیا۔ نبیل بھائی نے بھی خالہ کی طبیعت دیکھ کر اسے رک جانے کا کہا۔ وہ لوگ تو چلے گئے مگر وہ اور خالہ کافی دیر تک شارق کے انتظار میں جاگتی رہیں۔ اس نے شاکرہ کو اپنے کوارٹر میں بھیج دیا۔ خالہ کی بے چینی دیکھ کر اس نے نیند کی گولی پانی میں ملا کر انہیں پلا دی تھی۔ وہ تو سو رہی تھیں مگر وہ رات کے اس پہر جاگنے پر مجبور تھی۔

”یہ شارق بھائی کی زندگی بھی کیسی زندگی ہے، نہ اپنی فکر ہے، نہ اپنے سے متعلقہ لوگوں کی۔“ دوپٹے کو اچھی طرح سے لپیٹ کر وہ گلاس وال دھکیل کر رہائشی حصے سے باہر آ گئی۔ لان کی طرف کھلنے والے دروازے کو لاک کیا ہوا تھا، وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

”شاکرہ کا دم بھی کتنا غنیمت ہے خالہ جان کے لیے۔ وہ نہ ہوتی تو شارق بھائی کی اس روٹین سے وہ اب تک قبر میں جا اترتیں......“ اپنے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ مسلسل اسی نہج پر سوچ رہی تھی۔ چند

منٹ وہاں بیٹھی پھر اندر جانے کو سوچ رہی تھی کہ گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

نوریہ کا دل ایک لمحے کو دھڑکا پھر سمٹ کر پھیلا۔

"شارق بھائی......" یہ اس کی گاڑی کا ہارن تھا۔ چوکیدار گیٹ لاک کر کے اپنے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔ نوریہ ایک دو منٹ کھڑی رہی پھر وہ درمیانی آٹومیٹک دروازے کا لاک کھول کر باہر نکل آئی۔ اتنی دیر میں ہارن پر ہارن کی آواز سن کر چوکیدار بھی اپنے کمرے سے نکل آیا۔

"ظہور بابا! دیکھیں تو سہی کہیں شارق بھائی تو نہیں ہیں......" وہ لان کی سیڑھیوں پر ہی رک گئی۔

"ظہور نے گیٹ کھول دیا......شارق زمان ہی تھا۔ وہ گاڑی اندر لے آیا۔ ٹوٹے پھوٹے شیشوں والی گاڑی دیکھ کر نوریہ کے حلق سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔

"ہائے اللہ......! وہ ایک دم سے بولی اور منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کہاں مر گئے تھے تم......کتنی دیر سے ہارن پر ہارن دے رہا ہوں میں......" پٹیوں سے جکڑے شارق زمان نے گاڑی سے نکل کر ظہور کو ڈانٹا۔

"وہ صاحب جی آنکھ لگ گئی تھی......"

شارق وہیں گاڑی کھڑی کر کے اندر کی طرف بڑھا لیکن لان کی سیڑھیوں پر بے حس و حرکت کھڑی نوریہ کو دیکھ کر ٹھٹکا جو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مدھم روشنی میں اس کا گلابی چمکتا چہرہ رات کی تاریکی میں بھی نمایاں ہو رہا تھا۔

"یہ......یہ......کیا ہوا؟......" وہ اس کے سر بازو وغیرہ پر بندھی پٹیوں کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں......بس چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا......" نوریہ راستہ روکے کھڑی تھی اس لیے شارق زمان کو جانا پڑا ورنہ اس کے لیے ایسی حالت میں ایک پل کو بھی کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

"پلیز جگہ دیں......" کچھ درد تھا اور کچھ اندرونی تلخی خود بخود لہجہ کڑوا ہو گیا۔ نوریہ کو ایک دم احساس ہوا تو فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

شارق زمان نے ابھی پہلی ہی سیڑھی پر قدم رکھا تھا لیکن ٹانگ کی چوٹ ایسی تھی کہ وہ صرف دو سیڑھیاں ہی چڑھ پایا اور تیسری پر اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ نوریہ قریب ہی کھڑی متفکر اور پریشان نظروں سے دیکھ رہی تھی ایک دم آگے بڑھ کر اس نے شارق زمان کے وجود کو سمیٹ لیا۔

"پلیز دھیان سے......" اتنے بھرپور، توانا وجود کو اپنے بازوؤں سے سہارا دے کر اس کو قدم بڑھانے میں مدد دینا خاصا مشکل تھا۔

"ظہور بابا! شارق بھائی کو اندر لے جائیں......" شارق زمان کی خستہ مخدوش زخمی حالت دیکھ کر نوریہ کا دل بھر آیا۔ نازک سے وجود سے اس توانا مرد کو سہارا دینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے دور کھڑے ظہور بابا کو آواز دی۔ وہ فوراً آگے بڑھے اور شارق زمان کو اندر لے گئے۔ وہ شارق کو اس کے کمرے میں لے آئے۔ نوریہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ ظہور بابا نے شارق زمان کو بستر پر لٹا دیا۔

"شارق بھائی...... یہ سب کیسے ہوا؟......آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......" بستر پر لیٹتے ہی

شارق آنکھیں بند کر چکا تھا۔ اس متفکر آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جھلملاتی، موٹی سیاہ آنکھیں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

شارق زمان صرف ایک نظر ڈال پایا۔ ایکسیڈنٹ خاصا شدید ہوا تھا نجانے کون لوگ تھے جو اس کی ٹوٹی پھوٹی گاڑی پر اسے قریبی کلینک تک لے گئے تھے۔ ضروری مرہم پٹی کے بعد شارق کے ہوش میں آتے ہی ڈاکٹر نے اسے فارغ کر دیا۔ وہ ایک چھوٹا سا کلینک تھا۔ بارہ بجے کے بعد ڈاکٹر کو بند کرنا تھا مگر اس کی وجہ سے وہ لیٹ ہو گیا تھا۔ اس کو یہاں تک لانے والے چلے گئے تھے۔ اس کی تمام چیزیں اس کے پاس ہی تھیں۔ ٹانگ میں درد ایسا تھا کہ چلنا محال لیکن وہ وہاں سے نکل آیا۔ اتنی سخت تکلیف میں ڈرائیونگ کر کے گھر تک آنا اسے مزید درد سے دوچار کر گیا تھا۔

"شارق بھائی......" وہ شاید غنودگی میں تھا۔ جب اس نے نرم نرم ہاتھوں کا لمس اپنی پیشانی پر محسوس کیا۔

"شارق......" بے قرار، تڑپتا لہجہ تھا۔

"صاحب جی......" یہ ظہور کی آواز تھی شارق نے بمشکل آنکھیں کھولی۔

پہلی نظر جس چہرے پر پڑی وہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا روشن چہرہ تھا۔

"ہوں......" بھیگے چہرے پر نظریں جمانا مشکل ہو رہا تھا۔

"وہ صاحب جی کیا ہوا؟" "طبیعت زیادہ خراب ہے......؟" وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں......" شارق نے صرف گردن ہلائی۔

"ظہور بابا! آپ ایسا کریں، ان کے یہ خون آلود پھٹے ہوئے کپڑے بدلوائیں ورنہ ان کپڑوں سے تو ان کی طبیعت مزید خراب ہو گی۔ میں ان کے لیے کھانے پینے کو کچھ لے کر آتی ہوں۔" وہ ظہور بابا کو ہدایت دے کر تیزی سے الماری کی طرف بڑھی۔ وہ پہلی دفعہ شارق کی کسی چیز کو ہاتھ لگا رہی تھی۔

شارق کی حالت نے اسے اچھا خاصا بدحواس کر دیا تھا۔ تیزی سے الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے الماری کے پٹ کے اندرونی جانب کے خانے میں شراب کی ان گنت خالی بوتلوں میں سے ایک دو نیچے آ گری تھیں۔ شراب کی بو کی وجہ سے بمشکل اس نے کپڑے نکالے۔

"آپ ان کے کپڑے بدلوائیں میں دودھ وغیرہ گرم کر کے لاتی ہوں، ساتھ میں کوئی میڈیسن بھی دیکھتی ہوں......" ظہور بابا نے کپڑے لے لیے۔

وہ ایک تلخ سی نگاہ بستر پر لیٹے کراہیں بھرتے وجود پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

"شارق بھائی! یہ آپ کن راہوں پر چل نکلے ہیں۔ کبھی تو سوچتے آپ کس خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ اپنی ماں کے گناہوں کا بدلہ اپنے آپ کو برباد کر کے کیوں لے رہے ہیں۔" دودھ گرم کرتے ہوئے وہ مسلسل اپنے بہتے آنسو صاف کرتی رہی۔ شارق زمان اس کے سگے تایازاد تھے۔ ان کی اس مخدوش حالت کا ذمہ دار نجانے کون تھا مگر خاندان کا ہر فرد ان کے دکھ میں افسردہ تھا۔ ہر فرد کو شارق زمان بے حد عزیز تھا۔ دودھ گرم کر کے گلاس میں ڈال کر وہ مختلف درازیں کھنگالنے لگی۔ ایک دراز میں

فرسٹ ایڈ باکس مل گیا۔ اس میں سے متعلقہ میڈیسن نکال کر وہ ٹرے میں گلاس اور میڈیسن رکھ کر کمرے میں لے آئی۔

بستر خالی تھا ظہور بابا باتھ روم کے بند دروازے کے قریب کھڑے تھے۔ شارق بھائی شاید اندر تھے۔ دو منٹ بعد وہ نکل آئے۔ وہ کپڑے بدل چکے تھے۔ نویرہ نے سکون کی سانس لی۔ ظہور بابا نے اسے دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔

"بابا یہ آپ ان کو دودھ کے ساتھ میڈیسن کھلا دیں......" اس نے بابا کو ٹرے پکڑا دی۔

"مجھے کچھ بھی نہیں کھانا......" شارق زمان کے لہجے میں اب بھی درد نمایاں تھا۔ تلخی سے اس نے انکار کر دیا۔ ظہور بابا شارق کے انکار پر نویرہ کو دیکھنے لگے۔

"یہ دودھ ہے ساتھ میں درد کی میڈیسن ہے۔ اب مجھے تو یہ نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے، کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں مگر یہ پین کلر درد میں آرام دے گی......" وہ اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔

شارق زمان جو پہلے ہی درد کی بھٹی میں جھلس رہا تھا نویرہ کے ہدایت دینے پر مزید سلگا۔

"میں نے کہا ناں کہ مجھے کچھ نہیں لینا...... جاؤ تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ نہیں مرنے والا میں جاؤ...... پیچھا چھوڑو تم لوگ میرا......"

لباس بدلنے سے شارق کے اندر کچھ حواس بحال ہو رہے تھے اسی لیے وہ تلخ بھی ہوتا جا رہا تھا۔ نویرہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی۔

"لائیں مجھے دیں......" اس نے کچھ سوچ کر ظہور بابا کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

"آرام سے اٹھ کر یہ دودھ پی لیں، ملازمہ نہیں ہوں آپ کی جو آپ کے سرہانے کھڑی رہوں اور بے فکر رہیں جس طرح کی آپ کی حرکتیں ہیں آپ اتنی جلد مرنے والے نہیں ہیں......" دودھ کا گلاس لے کر وہ اس کے سر پہ کھڑی تھی۔ شارق زمان نے بے بسی سے دیکھا۔ گلابی روشن روشن چہرہ سپاٹ سے تاثرات لیے ہوئے تھا۔ گہری کالی آنکھیں اٹل ارادے کو ظاہر کر رہی تھیں۔ شارق انتہائی کوفت سے کہنیوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے اٹھا۔

"لاؤ دو آب حیات......"

نویرہ نے جلدی سے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے ظہور بابا سے گولیاں لے کر ہتھیلی اس کی طرف بڑھائی۔

"اب کیا ہے......؟" دودھ کا گلاس اس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا مگر گولیوں کو دیکھ کر اس کی تلخی مزید بڑھ گئی۔

"میڈیسن ہے آرام دے گی......" صاف شفاف ہتھیلی پھیلائے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر اس کے چہرے کے گلابی پن کو دیکھا اور ایک نظر گلابی ہتھیلی پر ڈالی۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے اس کی صاف شفاف نرم سی ہتھیلی سے گولیاں اٹھائیں اور منہ میں رکھ کر وہ ایک گھونٹ میں دودھ کا گلاس منہ سے لگا کر خالی کر گیا۔ نویرہ نے شارق زمان کے ہاتھ سے

خالی گلاس لے کر سکون کی سانس لی۔

"ویسے یہ سب ہوا کیسے؟......" اسے گلاس تھما کر وہ دوبارہ پلکیں موند چکا تھا۔ نویرہ کی آواز پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

"کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا......" بند آنکھوں سے ہی وہ بولا۔

"ڈاکٹر کے پاس گئے تھے؟" اس نے دوسرا سوال کیا تو شارق نے کچھ ناگواری سے آنکھیں کھول کر نویرہ کو دیکھا۔ وہ سکون سے سونا چاہتا تھا مگر یہ لڑکی......

"ظاہر ہے یہ مرمت میں خود کرنے سے تو رہا۔" حسب روایت تلخ جواب ملا۔

"کہاں کہاں چوٹیں آئیں...... شدید ہیں یا معمولی سی ہیں......" اس کے لہجے کی تلخی کو یکسر نظر انداز کیے اس نے اگلا سوال کیا۔

"تمہیں نیند نہیں آ رہی......" شارق زمان کی ضبط کی انتہا تھی۔ ساتھ ساتھ اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ وہ نویرہ تو کیا ہر کسی سے بڑے لیے دیے انداز میں رہتا تھا مگر یہ لڑکی آج شارق زمان کو حیران پہ حیران کیے دے رہی تھی۔

"نہیں...... مجھے انجان جگہ پہ مشکل سے ہی نیند آتی ہے......" شارق زمان کو آرام سے جواب دے کر وہ اب کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ خاصا بے ترتیب سا کمرہ تھا۔ ہر چیز ادھر سے اُدھر بکھری پڑی تھی۔ وہ اس کمرے میں بہت کم آتی تھی شاید ہی چند بار آنا ہوا تھا پھر شارق کا رویہ ایسا ہوتا کہ وہ اس سے کم ہی مخاطب ہوتی تھی۔ آج بھی اس کی خراب کنڈیشن کی وجہ سے وہ اس سے نہ صرف گفتگو کر رہی تھی بلکہ اس کی تھوڑی بہت تیمارداری بھی کر چکی تھی۔

"بی بی جی، میرے لیے اب کیا حکم ہے؟" وہ بغور کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جب ظہور کی آواز آئی تو وہ ایک دم چونک گئی۔ وہ بے چارہ نیند سے بے حال کھڑا تھا۔

"ہاں بابا آپ جائیں......" ایک نظر اس نے شارق پر ڈالی جو دوبارہ سے آنکھیں بند کر چکا تھا۔

ظہور بابا کمرے سے نکل گئے تھے۔ وہ شارق زمان کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اونچا لمبا جوان سراپا تھا۔ خوبصورت وجیہ نین نقوش والا مردانہ چہرہ ہلکی ہلکی سرخی لیے ہوئے تھا۔ چہرے پہ کھنچاؤ کی کیفیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دلکشی و مردانہ وجاہت کا پیکر تھا۔

"شارق بھائی! درد ہو یا طبیعت زیادہ خراب ہو تو آپ یہ انٹرکام بجا دیجیے گا۔ میں خالہ جان کے کمرے میں ہوں......" شارق زمان کی بھیگی، لرزتی پلکیں دیکھ کر اس نے کہا اور واپس جانے کے لیے مڑی۔ کمرے سے نکلنے سے قبل شارق کی آواز گونجی۔

"یہ لائٹ آف کر جاؤ پلیز......"

وہ خاموشی سے پلٹی۔ تمام لائٹس آف اور نائٹ بلب روشن کر کے دروازہ بند کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

* * *

وہ جب سے کالج آئی تھی تو عجیب کھویا کھویا سا انداز تھا۔ زرش محسوس تو پہلے ہی کر چکی تھی مگر ٹوکا نہیں تھا۔ میڈم زبیدہ کی کلاس میں بھی فرح کو اسی طرح ذہنی طور پر غیر حاضر محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر حیران ضرور ہوئی تھی۔

”خدا خیر کرے..... بھلا ایسی کیا بات ہو گئی جو یہ لڑکی اس حد تک غیر حاضر ہے۔“ سارا پیریڈ زرش یہی سوچتی رہی۔

پیریڈ ختم ہوتے ہی وہ دونوں اپنی فائلز اور کتابیں سمیٹ کر باہر نکل آئیں۔

”فرح! کیا بات ہے..... تم پریشان ہو؟.....“ وہ دونوں کمپیوٹر لیب میں آ کر بیٹھ گئیں۔ فرح کا وہی انداز تھا۔ مجبوراً زرش کو پوچھنا ہی پڑا۔ ان کا فارغ وقت اسی لیب میں گزرتا تھا۔ اس وقت کلاس آف تھی سو وہ اطمینان سے پوچھ رہی تھی۔

”نہیں..... کوئی بات بھی نہیں۔ میں تو بالکل بھی پریشان نہیں.....“ وہ زرش کے استفسار پر پہلے تو چونکی پھر ایک دم ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے نفی میں گردن ہلانے لگی۔

”مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو..... میں تمہاری نس نس سے واقف ہوں' کوئی بات ضرور ہے.....“ اس وقت لیب بالکل خالی تھی' صرف تین لڑکیاں تھیں اس لیے زرش نے آرام سے جرح کی۔

”اوہ کم آن ڈیئر کوئی بات نہیں۔ دراصل امی کی طرف سے پریشانی ہے پھر ابو بھی گھر پر نہیں' رات ان کا فون آیا تھا کہہ رہے تھے کہ ان کا ٹور لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تو کوئی اور الجھن نہیں۔“ پھیکی ہنسی ہنستے اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ زرش مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تائی امی اس سے پہلے بھی ناراض ہوتی تھیں' بلکہ کئی کئی دن کمرہ نشین ہو جاتی تھیں۔ اس نے کبھی بھی کالج ٹائمنگ میں اس بات کو سر پر سوار نہیں کیا تھا لیکن اس بار۔

”یار ایسے کیوں گھور رہی ہو.....؟“ زرش کو اپنا مسلسل جائزہ لیتا پا کر اس نے ٹوکا تو وہ ایک گہری سانس لے کر سیدھی ہو گئی۔

”مان لیتی ہوں مگر دل تو نہیں مان رہا.....“ فائل کھول کر اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے کہا۔

اس نے سکھ کی سانس لی۔ ورنہ زرش اس کے سر ہو جاتی تو اسے ٹالنا مشکل ہو جاتا۔

”یہ سر حسن کا پیریڈ بھی کتنا مشکل ہوتا ہے..... وہ پریکٹیکل نہیں کرواتے بلکہ بندے کا خون نچوڑتے ہیں۔“ زرش نے اپنے سامنے پڑے پی سی کو آن کرتے ہوئے کہا۔

فرح مسکرا دی۔ اسے زرش کی یہ عادت اچھی لگتی تھی۔ وہ اس بات کے زیادہ پیچھے نہیں پڑتی جس پر اسے شک گزر رہا ہو کہ کوئی اس سے کچھ چھپا رہا ہے بلکہ الٹا وہ اس بات کی جانب سے مکمل لاتعلقی و کنارہ کشی اختیار کر لیتی۔ جب تک کہ اصل حقیقت خود بخود سامنے نہ آ جائے۔

”ہاں پریکٹیکل واقعی مشکل ہوتا ہے لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ بندے کو دوبارہ کہیں اور سے کمپیوٹر سیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔“ فرح نے بھی اپنی مکمل توجہ حال پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

”یہی تو اصل مزہ ہے کسی کام سیکھنے کا۔ سر حسن جیسے استاد بہت کم ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں وہ سب کچھ ابھی سے سکھا رہے ہیں جو کہ ایم کام کمپیوٹر میں مہارت رکھنے والا شخص سب سے آخر میں سیکھتا ہے۔“ کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

”ہوں..... دراصل ہمیں اس لیے بھی یہ بات زیادہ محسوس ہو رہی ہے کہ ہم دونوں سمعان بھائی سے اچھا خاصا سیکھ چکے ہیں۔ جب کہ وہ لڑکیاں جنہیں کمپیوٹر کی Basic ہی نہیں پتا انہیں اب آ کر مسئلہ ہو رہا ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔ سمعان بھائی کا سکھایا ہوا آج ہمارے کام آ رہا ہے۔ آج ہم دونوں سر حسن کی چہیتیاں ہیں ناں یہ ان ہی کی بدولت ہے۔“

زرش نے ہنس کر کہا۔ فرح بھی مسکرا دی۔ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو زرش کی باتوں میں محو کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی یہ شعوری کوشش قطعی ناکام ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن بری طرح الجھ رہا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر حاضر نہیں کر پا رہی تھی۔

رات بھر کمپیوٹر پر کام کرتے یوں ہی اس کا جی انٹرنیٹ یوز کرنے کو چاہ رہا تھا۔ وہ اجنبی ای میلز کی وجہ سے بہت احتیاط کرنے لگی تھی۔ وہ عثمان بھائی اور فاریہ بھابی سے زیادہ تر رابطہ ای میلز کے ذریعے ہی رکھتی تھی۔ عثمان بھائی اسلام آباد جا چکے تھے۔ اس کا دل فاریہ بھابی سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا۔ اس نے بہت ڈرتے ڈرتے ای میلز باکس کھولا اور پہلی ہی ای میل نے اسے اپنی جگہ ساکت کر دیا۔

”فرح! بہت بری ہو تم!..... ای میلز ریسیو کیوں نہیں کرتیں۔ سارا دن تم سے رابطے کی کوشش میں ہلکان ہوتے میری انگلیاں دکھنے لگتی ہیں۔“ مانیٹر کی اسکرین پر آنکھیں جمائے اس کا دماغ کچھ بھی سوچنے سے محروم ہو چکا تھا۔ دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ نجانے وہ کون تھا..... اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ ایک دم دل چاہا کہ ابھی جا کر سمعان بھائی کو اپنے کمرے میں لا کر یہ سب دکھائے بتائے مگر اس کے اندر اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہلنے کی سکت نہ تھی۔

اس نے فوراً pc آف کر دیا لیکن اس کے بعد اس کی ساری رات کانٹوں پر لوٹتے گزری۔ ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ ”سمعان بھائی کو وہ کیا بتائے۔“ کس کشمکش میں وہ بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔

”ارے کہاں گم ہو؟..... تم..... آر یو آل رائٹ؟.....“ زرش نے اس کا کندھا زور سے ہلایا' تو وہ ایک دم چونکی..... پھر خجالت سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔ زرش پریشان ہو گئی۔

”کیا بات ہے تم پریشان ہو!.....“ اب کے فکرمندی اور سنجیدگی سے زرش نے پوچھا تو وہ نفی میں گردن ہلانے لگی۔

”کوئی بات نہیں ہے.....“ اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔ زرش کھوجتی نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات کھنگالنے لگی۔

”تو پھر تم ہر دو منٹ بعد کہاں کھو جاتی ہو؟“ اپنے سامنے پڑے PC کو شٹ ڈاؤن کر کے زرش

مکمل طور پہ اس کی طرف رخ موڑ چکی تھی۔

"بتایا ناں میں امی کی طرف سے فکرمند ہوں۔ گھر میں ایک عجیب سا ماحول ہو چکا ہے۔ ابو تو خیر بزنس کے سلسلے میں گھر سے باہر ہیں مگر سمعان بھائی اور علی بھی اب زیادہ تر باہر ہی رہنے لگے ہیں۔ میں اکیلی گھر میں بور ہوتی رہتی ہوں اوپر سے تم نے بھی آنا چھوڑ دیا ہے۔" کچھ سنجیدگی اور کچھ رنجیدگی سے اس نے کہا تو زرش کھوجتی نظروں سے اس کے چہرے کو ٹٹولتی رہی۔

"تائی جان کا آخر مسئلہ کیا ہے؟" اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ زرش کو یقین کرنا پڑا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔

"پتا نہیں...... فی الحال تو سمعان بھائی کی شادی ہی مسئلہ ہے' جو کہ امی ابو میں وجہ تنازعہ بنا ہوا ہے......" اس نے اس کا دھیان بٹ جانے پر شکر ادا کیا۔

"مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس چھوٹے سے مسئلے کو اتنا بڑا کیوں بنایا جا رہا ہے۔"

اس وقت لیب میں ان دونوں کے علاوہ جو تیسری لڑکی تھی وہ کونے میں کمپیوٹر پہ مصروف تھی پھر وہ دونوں کافی دھیمی آواز میں بول رہی تھیں' اس لیے زرش مکمل طور پہ خود کو اس ٹاپک پہ گفتگو کرنے سے نہ روک پائی۔

"مجھے تو خود کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ امی ابو کی اس کشمکش کا انجام کیا ہوگا۔ دونوں میں سے کوئی اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ ہم تو پس رہے ہیں۔ نہ ہی امی کی طرف داری کرنے کے قابل ہیں اور نہ ہی ابو کی۔" آخر میں وہ کچھ تلخ سی ہو گئی۔

"سمعان بھائی کیا چاہتے ہیں؟ جب سچویشن اس رخ پر آ چکی ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اسٹینڈ لیں۔ جوان اولاد کے سامنے والدین کی ہر رنجش دم توڑ دیتی ہے۔"

فرح نے حیران ہو کر زرش کے گلابیاں چھلکاتے چہرے کو دیکھا۔ (اتنی عقلمندی کی بات) وہ اسے بغور دیکھنے لگی۔

خوبصورت معصومیت سے لبریز چہرہ کہیں سے بھی تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا پھر سمعان احمد جیسے شخص کا یوں دل ہارنا کچھ غلط بھی نہ تھا۔ زرش کے سامنے تو بڑے بڑے دل ہار سکتے تھے۔

"سمعان بھائی......!" وہ ہنس دی...... "سمعان بھائی کبھی اسٹینڈ نہیں لیں گے۔" عجیب سی تلخی محسوس کی تھی زرش نے اس کی ہنسی میں۔

"کیوں......؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

فرح کا ایک دم جی چاہا کہ کہہ دے کہ تمہاری وجہ سے' لیکن بمشکل سمعان احمد کا راز افشا کرتی زبان کو اس نے دانتوں تلے دبایا۔ ایک دو منٹ خود کو کمپوز کرنے میں لگائے۔

"وہ چاہتے ہیں کہ عثمان بھائی کی شادی جیسا تجربہ وہ نہ کریں...... ان کی شادی امی اور ابو دونوں کی باہمی رضامندی و آمادگی سے طے پائے جو کہ اس صدی میں تو قطعی ممکن نہیں ہو سکتی۔ شاید......" وہ کچھ تلخ زہر خند لفظ کہتے کہتے رک گئی۔

زرش کو احساس ہوا کہ وہ کیسی آگ میں جل رہی ہے۔ اس نے بہت اپنائیت و چاہت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے ہولے دبانا شروع کر دیا۔

"پریشان نہیں ہوتے انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا...... میں ماما' پاپا سے بات کروں گی۔ وہ تایا ابو کو سمجھائیں گے۔ تائی جان تو نہیں لیکن تایا ابو تو ہماری بات سنتے اور مانتے ہیں ناں۔" وہ اس کو حوصلہ دے رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پہ ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔

"بہت معصوم ہو تم زری! چچا اور چچی جان' کبھی بھی تمہیں آگ میں دھکیلنا نہیں چاہیں گے جس قدر وہ لوگ تم سے محبت کرتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ یہ ہم سب کی محبت ہی تو ہے کہ تم ابھی تک اس راز سے بے خبر ہو جو اگر تمہارے علم میں آ جائے تو شاید تم ہم میں سے کسی کا یقین ہی نہ کرو اور اسی بے یقینی سے بچانے کے لیے تو ہم سب تمہیں لاعلم رکھ رہے ہیں کہ کہیں تمہارے احساس کے آئینے کو بے اعتباری کی ٹھیس نہ پہنچے......"

وہ فائل پہ مسلسل انگلیاں پھیرتی رہی۔ زرش کے اندر ایک دم دکھ کی گہری لہر سرائیت کر گئی۔ وہ صرف اس کی تایازاد ہی نہیں بلکہ دل کے تمام تقاضوں پہ پورا اترنے والی اس کی دم ساز' رازدار' دکھ سکھ کی ساتھی اور بہت پیاری دوست بھی تھی۔ دونوں کا تعلیمی سلسلہ ایک ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں کبھی کسی تیسرے فرد کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ نوشین اس کی بہن تھی لیکن وہ نوشین کے بجائے اس سے زیادہ اٹیچ تھی اور یہ اٹیچمنٹ بچپن سے لے کر اب تک قائم تھی۔

"فرح! میں نے کہا ناں پریشان بالکل نہیں ہونا۔ میں ہوں ناں...... میں سمعان بھائی سے بات کروں گی' ان سے کہوں گی کہ وہ اسٹینڈ لیں۔ تایا جان سے بات کروں گی......"

فرح کی آنکھوں میں جھلملاتے ستارے دیکھ کر زرش کا دل دکھ سے کٹتا چلا گیا۔ زرش نے بات ہی ایسی کی تھی۔ وہ جو پہلے ہی رو دینے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔ مزید ضبط نہ کر سکی۔ آنسو قطار در قطار بہتے چلے گئے......

"اف......! کیا کر رہی ہو...... پلیز خود کو سنبھالو...... ہم اس وقت کمپیوٹر لیب میں ہیں۔ دس منٹ بعد پیریڈ شروع ہونے والا ہے' چند منٹوں میں اسٹوڈنٹس آنا شروع ہو جائیں گے۔ پلیز اپنے آپ کو سنبھالو۔" اس کی کمر سہلاتے' ہاتھ تھپتھپاتے وہ خود بھی کسی بھی لمحے رو دینے کو تھی۔

فرح کو ایک دم اپنی حماقت کے ساتھ صورتحال کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے خود کو ڈانٹا۔

"آئی ایم سوری......" اس نے ایک دم ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔ چور نظروں سے اردگرد دیکھا۔ وہاں وہ لڑکی ابھی بھی کونے میں بیٹھی اپنے کام میں مصروف تھی مگر وہ کسی بھی لمحے ان دونوں کی طرف متوجہ ہو سکتی تھی۔

"پانی پیو گی......" زرش پوچھ رہی تھی اس نے نفی میں سر ہلا کر اپنے بیگ سے ٹشو کا پیکٹ نکالا۔ ایک دو لیف نکال کر وہ اپنی ناک اور چہرہ صاف کرنے لگی۔

"میں پانی لاتی ہوں......" وہ سر جھکائے چہرہ صاف کر رہی تھی۔ زرش فوراً اٹھ کر لیب کے دائیں

کونے میں رکھے کولر کی طرف بڑھ گئی۔ ایک گلاس ہر وقت زرش کے بیگ میں ہوتا تھا۔ اپنے بیگ سے گلاس نکال کر وہ کولر سے پانی بھرنے لگی۔

”ہش...... یہ کیا ہو رہا ہے مجھے...... کیوں میں خود کو سنبھال نہیں پا رہی...... خوامخواہ زرش کو بھی پریشان کر دیا۔ وہ پہلے ہی ہمارے سلسلے میں کم پریشان رہتی ہے۔“ وہ خود کو ڈانٹ رہی تھی۔

”یہ سب رات پڑھنے والی ای میل کا اثر ہے...... مجھے لگ رہا ہے کہ اگر یہ ای میلز، فون کالز، وہ پھول اور گفٹ کارڈ کا سلسلہ نہ رکا تو میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔“

زرش گلاس بھر کے واپس پلٹ رہی تھی۔ فرح نے اسے دیکھتے ہی اپنے چہرے کو چھپایا۔

”مجھے آج ضرور سمعان بھائی سے بات کرنی ہوگی۔ امی کو تو کسی چیز کی بھی پرواہ نہیں...... انہیں تو بس اپنی انا عزیز ہے اور ابو...... کم از کم سمعان بھائی تو ایسے شخص ہیں جو میری بات سنتے ہیں، میرے اندر کا حال جانتے ہیں۔ میری بات سن کر، ساری حقیقت جان کر مجھے موردِ الزام نہ ٹھہرائیں گے۔“

”یہ لو پانی پیو......“ زرش نے گلاس اس کی جانب بڑھا دیا۔

”شکریہ......“ گلاس تھام کر اس نے ایک محبت بھری نظر زرش پر ڈالی۔ وہ اس کے لیے پریشان تھی، فکرمند تھی۔ کتنی اچھی تھی وہ، اس کے ہر دکھ میں دکھی ہونے والی اور ہر سکھ میں اس کے ساتھ مسکرانے والی، اس کی دم ساز، اس کی سہیلی۔ اس کی غم زاد۔

”آئی ایم سوری، زرش! میں بہت چاہنے کے باوجود اپنے اس راز میں تمہیں شریک نہیں کر سکتی، یہ میری ذات، میرے کردار، میری عزت کا سوال ہے۔ تم بہت اچھی ہو مگر میں تمہیں اپنے اس دکھ میں بھی شریک نہیں کر سکوں گی......“ پانی پیتے ہوئے بھی وہ زرش کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی فکرمند تھی۔

”پلیز ڈونٹ وری...... ناؤ آئی ایم فائن......“ گلاس زرش کو دوبارہ پکڑاتے اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

”آئی نو......“ زرش نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر گرمجوشی سے اپنی گرفت مزید مضبوط کر دی۔

✿......✿......✿

فجر کی نماز ادا کر کے وہ کمرے سے نکل آئی۔ ابھی اندھیرا پوری طرح چھٹا نہیں تھا۔ وہ انگلیوں کی پوروں پہ تسبیح پڑھتے شارق زمان کے کمرے کی جانب نکل آئی۔

”اس وقت اندر جاؤں کہ نہیں......“ ایک لمحے کے لیے دروازے پر رک کر نویرہ نے سوچا لیکن پھر اس کی رات والی کنڈیشن یاد کر کے وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔

خالہ جان ابھی سو رہی تھیں۔ فجر کی اذان کے فوراً بعد ہی وہ نماز ادا کر کے یہاں آ گئی۔ ساری رات شارق زمان کی وجہ سے وہ سو نہیں سکی۔ رہ رہ کر اس کی خراب حالت دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال رہی تھی اور اب......

وہ بستر پہ بالکل چت لیٹا تھا...... گہرا گندمی رنگ کمرے کی نائٹ روشنی میں اور بھی گندمی محسوس ہو

رہا تھا۔ گھنے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک لمحے کو نویرہ احسان کے لب جامد ہو گئے اور پوروں کی حرکت رک گئی۔ دل کی حرکت ایسی تھی جیسے کوئی زندگی کی آخری سانس لے رہا ہو۔

”یا اللہ......!“ نویرہ احسان کے اندر سناٹا صرف ایک دو پل کے لیے ٹھہرا تھا۔ اگلے لمحے اس کے ہونٹوں سے بڑی واضح جنبش ہوئی۔

”یا اللہ......“ اس کی پوروں کی حرکت ایک دفعہ پھر رواں دواں تھی۔

وہ لمحہ بھر کے لیے جھجکی پھر آہستہ روی سے چلتی ہوئی اس کے بستر کے نزدیک آ کھڑی ہوئی۔

شارق زمان اس کے سب سے بڑے تایا کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں کوئی بھی تھی۔ اس نے چاہے زندگی کیسی بھی گزاری تھی اس کے باوجود نجانے کیوں سارا خاندان اس پہ جان چھڑکتا تھا۔ اس کی ہر بات کو اولیت دیتا تھا۔ اس کی شخصیت میں ایک عجیب بات تھی کہ ہر کوئی اس سے بات کرتے ہوئے ہزار بار سوچتا تھا۔ لیکن اس کی کہی بات کبھی کسی نے رد نہیں کی تھی۔

کچھ جھجکتے، کچھ ہچکچاتے نویرہ احسان کا دایاں ہاتھ اٹھا۔ بہت نرمی و آہستہ روی سے اس نے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔ ایک لمحے کے لیے نویرہ کو لگا گویا کرنٹ چھو گیا ہو۔ اس نے فوراً اس کی پیشانی سے بال ہٹائے۔ وہ بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کی کلائی چھوئی۔ نبض کی رفتار کو تسلی بخش تھی لیکن بخار۔ وہ ایک دم تفکر سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی تسلی ادھوری رہ گئی لیکن وہ خاموشی سے ہونٹ کچلنے لگی۔

”انہیں تو بہت تیز بخار ہے۔“ ایک نظر دنیا و مافیہا سے بے خبر اس پر ڈال کر وہ کچھ سوچنے لگی۔

”شارق...... شارق بھائی......“ اس نے اس کی کلائی چھو کر اسے جگانا چاہا۔

”اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے ایک دو پل کے لیے دیکھا لیکن درد ہوتے سر، سلگتے احساس اور چٹختے جسم سے وہ کچھ بھی نہیں سمجھ پایا۔

”شارق بھائی......“ اس نے نیم غنودگی کی کیفیت میں دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ نویرہ نے ڈر کر سختی سے اس کا بازو جھنجھوڑا...... اس خیال سے کہ کہیں یہ غنودگی نقصان کا باعث نہ بن جائے۔

”کیا ہے؟...... چھوڑو......“ سختی سے جھنجلا کر اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ لب کچلنے لگی۔ کو تسلی ہوئی کہ چلو حواس میں ہے۔

”آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟...... بخار تو بہت تیز ہے...... اگر زیادہ تکلیف محسوس کر رہے ہیں تو ظہور بابا کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلواؤں......“ اس نے نرمی سے پوچھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔

”پریشان و متفکر آواز...... یہ اس کی ملازمہ کی آواز نہیں تھی اور نہ ہی اماں کی...... تو پھر غنودگی اور ڈوبتے ذہن سے وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ بخار سے جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ جسم کے روئیں روئیں میں درد ہو رہا تھا۔

”پانی......“ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ نویرہ کا دھندلا سا چہرہ ہی دکھائی دیا۔ اس نے دوبارہ سرہانے

پر سر پٹختے پانی مانگا۔

”میں ابھی لاتی ہوں......“ نویرہ فوراً باہر کی طرف بھاگی۔ کچن سے گلاس میں پانی بھر کر واپس لوٹی تو وہ سرہانے پر سر پٹخ رہا تھا۔

”یہ پانی پی لیں......“ نویرہ نے آگے بڑھ کر جھجکتے، ڈرتے اس کا سر اٹھا کر گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔ نجانے اس کے اندر کیسی آگ لگی ہوئی تھی۔ غٹاغٹ پورا گلاس چڑھا گیا۔

”تم؟......“ دوبارہ سرہانے پر سر رکھ کر وہ نویرہ کی طرف دیکھ رہا تھا جب کہ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

”میں نویرہ ہوں......“ نویرہ سمجھ گئی تھی کہ وہ بخار کی شدت کی وجہ سے اسے پہچان نہیں پا رہا۔

”نویرہ......“ اس کے صرف لب ہلے تھے پھر اس نے سر ہلایا۔

”اماں کہاں ہیں؟“ اپنی قوت ارادی کا استعمال کرتے وہ اپنے ذہن کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”رات سے ان کی طبیعت کچھ مضمحل سی تھی سو رہی ہیں۔“ وہ اپنے ہاتھ کو بند کر کے اپنی پیشانی پر ضربیں مار رہا تھا۔ نویرہ اس کی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھنے لگی۔ یہ شخص خاندان کے ہر فرد کو عزیز تھا۔ وہ تو پھر حساس دل کی نرم مزاج لڑکی تھی۔

”ظہور......ظہور کہاں ہے اسے بلاؤ......“ اس کی کلائی پر دباؤ بڑھا تو وہ الرٹ ہو گئی۔

”جی اچھا......“ وہ فوراً باہر نکلی۔

اس سے پہلے کہ وہ داخلی دروازہ کھول کر سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھتی شاکرہ اسے آتی دکھائی دی۔

”شاکرہ!......ظہور بابا کو بلاؤ۔ انہیں کہو فوراً شارق بھائی کے کمرے میں جائیں۔“ اس نے عجلت میں پیغام دیا۔ شاکرہ الٹے قدموں لوٹ گئی۔ وہ اس قدر الجھ چکی تھی کہ دوبارہ اس کے کمرے میں جانے کی ہمت نہ کر سکی۔ البتہ ظہور بابا اس کے کمرے میں جانے سے پہلے اس کے پاس ضرور آئے تھے۔

”شارق صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔“

ظہور بابا سر ہلانے کے بعد چلے گئے۔ شاکرہ بھی اس کے پاس چلی آئی۔ وہ لاؤنج کے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

”بی بی جی صاحب جی کو کیا ہوا ہے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”پتا نہیں شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ تمہیں کسی ڈاکٹر کا پتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ خالہ جان کے فیملی ڈاکٹر وغیرہ کا......“

”جی ہاں ڈاکٹر طیب ہیں جو اکثر بڑی بیگم صاحبہ کو چیک کرنے آتے ہیں۔ ظہور بابا کو پتا ہے ان کے بارے میں۔ میں انہیں کہتی ہوں وہ بلا کر لے آئیں گے......“ وہ جانے کو پلٹی لیکن نویرہ نے روک دیا۔

”نہیں رہنے دو، صبح صبح وہ کہاں پریشان ہوں گے میں خود ہی کسی کو دیکھتی ہوں......“ وہ اٹھ کر ٹیلیفون کے پاس آ گئی۔

بار بار گھر کا نمبر ملانے کی کوشش کی لیکن مل ہی نہیں پا رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

”السلام علیکم......“ اس نے جلدی سے کہا۔

”وعلیکم السلام......آپ؟......“ دوسری طرف نواز فاروق اجنبی آواز سن کر کچھ حیران ہوا۔ شارق زمان کے گھر کے نمبر سے کم از کم اسے یہ آواز کبھی سنائی نہیں دی۔

”میں نویرہ بول رہی ہوں......“ اس نے فوراً اپنا تعارف کروایا۔

”اوہ......“ دوسری طرف سے کچھ حیران ہوتے ہوئے نواز فاروق کچھ ریلیکس ہو گیا۔

”خیریت ہے ناں آپ وہاں......“

”جی خیریت ہے۔ رات شارق بھائی کا شاید ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اس وقت ان کی طبیعت کافی خراب ہے پلیز کسی ڈاکٹر کو لے کر آ جائیں۔ بہت تکلیف میں ہیں وہ اس وقت......“ نجانے کیوں ایک دم اس کی آواز بھرا گئی۔

”اوہ......سو سیڈ......نویرہ بی بی ریلیکس......میں تھوڑی دیر میں ڈاکٹر کو لے کر پہنچتا ہوں تم فکر نہ کرو......کوئی زیادہ مسئلہ تو نہیں ہوا ناں......“ اپنی آنکھ سے بہہ جانے والے آنسوؤں کو انگلیوں سے صاف کرتے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں......لیکن رات جب وہ گھر آئے تھے تو طبیعت بہت خراب تھی۔ اب مزید خراب ہو گئی ہے۔“ چاہنے کے باوجود وہ اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو نہیں پا رہی۔

”او کے تم بالکل پریشان نہیں ہونا......میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ رہا ہوں......“

اس نے اس کی آواز سے شارق کی کنڈیشن کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا تو نویرہ نے اللہ حافظ کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اسے پتہ تھا نواز اب تھوڑی دیر ہی لگائے گا یہاں پہنچنے میں۔ فاروق چچا کا گھر شارق زمان کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع تھا۔ وہ چہرہ صاف کرتی خالہ جان کے کمرے میں چلی آئی وہ اٹھ گئی تھیں۔ یونہی بستر پر لیٹے شاید شاکرہ کا انتظار کر رہی تھیں۔

”ارے خالہ جان آپ اٹھ گئیں......“ ان کی زندگی عجیب سی تھی۔ دوسروں کے سہاروں کی محتاج، اس کی بات پر وہ صرف مسکرائیں۔

”شارق گھر آ گیا ہے؟“ نویرہ کے ان کے اوپر سے کمبل اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہاتھ کانپے تھے۔

”جی......رات گئے لوٹے تھے۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”چلیں اٹھیں......منہ ہاتھ دھو لیں پھر باہر چلتے ہیں۔“

شارق زمان سے متعلق وہ انہیں بتا کر مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، اسی لیے بات پلٹی۔ وکیل

چیئر بستر کے قریب کر کے انہیں سہارا دے کر چیئر پر منتقل کرتے وہ پسینے پسینے ہوگئی۔ وہ انہیں اٹیچ باتھ روم والے کمرے میں لے کر آ گئی۔

"میں خود سب کرلوں گی...... بس تم شاکرہ کو بھیج دو۔" اس نے تاول، صابن اور دیگر چیزیں ان کے قریب رکھیں تو انہوں نے ٹوک دیا۔

نویرہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر پھر چپ رہی۔

"جی اچھا......"

دروازے کو یوں ہی ادھ کھلا چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔ شاکرہ کو خالہ جان کے پاس جانے کا کہہ کر وہ کچن میں چلی آئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ گزشتہ رات کی شارق زمان کی خراب حالت کو یاد کر کے ہولتی رہی۔

ابھی اس نے چائے تیار کی ہی تھی کہ کال بیل بجنے لگی۔ نواز کی آمد کا سوچ کر وہ چولہا بند کر کے فوراً کچن سے نکلی۔ اس سے پہلے کہ وہ باہر کی جانب قدم بڑھاتی، شاکرہ خالہ جان کے کمرے سے نکلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں راہداری میں کھڑی رہی۔

نواز فاروق کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ شاید ڈاکٹر...... نواز اس کی طرف آ گیا۔

"السلام علیکم......" نویرہ کا دوپٹہ ابھی نماز کے اسٹائل میں لپٹا ہوا تھا۔ بلو لباس میں خوبصورت چہرے کے ساتھ وہ صبح کی تمام تر تروتازگی لیے ہوئے تھی لیکن روئی روئی آنکھیں اس کے چہرے کو سوز بھری کیفیت بخش رہی تھیں۔ نواز اسے ایک لمحہ کے لیے ہی دیکھ پایا۔

"وعلیکم السلام......" نویرہ کے صرف لب ہلے تھے۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے اخلاقاً پوچھا۔ نویرہ نے صرف سر ہلا دیا۔

"آپ...... شارق بھائی کو دیکھ لیں۔ ظہور بابا ان کے پاس ہیں۔"

دھیرے سے انداز میں اس نے لب کشائی کی۔ وہ فوراً سر ہلاتے شارق زمان کے کمرے کی طرف ڈاکٹر سمیت بڑھ گئے۔

نویرہ واپس کچن میں آ کر کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں شاکرہ بھی خالہ جان کی کرسی دھکیلتے وہیں آ گئی۔

"نویرہ تم یہ کیا کر رہی ہو...... رہنے دیتی...... شاکرہ ہے ناں......" خالہ جان نے اسے روٹی بناتے دیکھ کر کہا تو وہ پھیکے چہرے کے ساتھ مسکرا دی۔

"کوئی بات نہیں...... میں کون سا روز یہاں آتی ہوں۔ مہینوں بعد تو آنا ہوتا ہے۔ شاکرہ بے چاری تو روز ہی کرتی ہے۔"

"اللہ تمہیں جزا دے۔" انہوں نے مسکرا کر بھانجی کو دیکھا۔

"شاکرہ! دیکھو شارق اٹھ گیا ہے کہ نہیں...... ذرا بھی آفس سے دیر ہو جائے تو سارے گھر کو سر پہ اٹھا لیتا ہے۔" ان کی آواز میں شارق کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ شاکرہ نے گھبرا کر اسے دیکھا وہ خود

بھی چونکی۔ اسے اشارہ سے منع کیا تھا۔

"لائیں میں یہ سب کر لیتی ہوں آپ بیگم صاحبہ کو شارق صاحب کے کمرے میں لے جائیں۔" ہاتھ دھو کر وہ اس کے قریب آ گئی تھی۔ نویرہ بھی پیچھے ہٹ گئی۔

ہاتھ دھو کر کچن ٹاول سے ہاتھ صاف کر کے وہ خالہ کی طرف چلی آئی۔

"پتا ہے خالہ جان رات شارق بھائی کا ہلکا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہیں۔ میں نے نواز کو فون کیا تھا وہ ڈاکٹر کو لے کر آئے ہیں۔ ڈاکٹر جاتا ہے تو میں آپ کو ان کے کمرے میں لے کر چلتی ہوں۔"

"بہت آرام سے ان کے قریب بیٹھ کر اس نے نرمی سے بتایا۔

"کیا......؟" خالہ تو ایکسیڈنٹ کا لفظ سن کر ہی ساکت رہ گئیں۔

"کب......؟ تم مجھے اب بتا رہی ہو...... زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں......" وہ ایک دم متوحش ہو کر پوچھ رہی تھیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پریشانی کی بات نہیں، چوٹیں تو بہرحال آئی ہیں۔ آپ بے شک خود چل کر دیکھ لیں۔ وہ ٹھیک ہیں......" خالہ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر وہ بتا رہی تھی۔

خالہ پریشانی سے دیکھتی رہیں۔ اسی دوران ڈاکٹر چیک اپ کر کے چلا گیا تو ظہور بابا میڈیسن لینے ان کے پیچھے ہی چلے گئے۔ وہ شاکرہ کو ناشتہ ٹیبل پر لگانے کا کہہ کر خالہ جان کی وہیل چیئر دھکیلتے شارق زمان کے کمرے میں چلی آئی۔

"دس از ناٹ فیئر یار!...... تم کس کو سزا دے رہے ہو...... ہمیں یا خود کو۔ دیکھو اپنا حال...... میرا دل چاہ رہا ہے کہ......" بے بسی سے کچھ کہتے دونوں کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نواز فاروق خاموش ہو گیا۔

"السلام علیکم خالہ جان......" نواز فوراً شارق کے بستر سے اٹھ کر خالہ کی طرف بڑھا۔ شارق زمان نے بھی اماں کو اپنے کمرے میں ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو......" انہوں نے نواز کے جھکے سر پہ پیار کیا اور شارق کو دیکھا اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"شارق......" نویرہ پیچھے ہٹ گئی۔ نواز نے ان کی کرسی بستر کی پٹی سے لگا دی۔ اماں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

"یہ سب کیا ہے؟...... کیوں کرتے ہو یہ سب؟ میری محبت، میری برداشت کا امتحان لے رہے ہو......" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

نویرہ اور نواز تو ایک طرف شارق بھی ان کے پھوٹ پھوٹ کر رونے پہ گھبرا گیا۔

"اماں کچھ نہیں ہوا؟...... بس ہلکا سا ایکسیڈنٹ تھا اور کچھ نہیں......" اپنی لرزتی آواز پہ بمشکل قابو پاتے اس نے اماں کو بہلانا چاہا۔

”چپ رہو تم...... ہمیشہ یہی کرتے ہو میرے ساتھ...... تمہیں میرے بڑھاپے کا بھی احساس نہیں۔ اس عمر میں رلاؤ گے مجھے۔“ انہوں نے اس کے بازو پر پیشانی ٹکا دی۔ اس نے گھبرا اور الجھ کر پہلے نوریہ اور پھر نواز کی طرف دیکھا۔ ”تم ہی سمجھاؤ انہیں...... کچھ نہیں ہوا ہے مجھے بس ہلکا سا بخار ہے...... یار نواز سنبھالو اماں کو......“ پہلے نوریہ کو اور پھر نواز سے کہا۔ دونوں بیک وقت اماں کی طرف لپکے۔ نوریہ دائیں جانب تھی تو نواز بائیں۔

”خالہ!“...... ”بڑی اماں......“ دونوں نے بیک وقت پکارا پھر نوریہ خاموش ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹی نواز نے انہیں اپنے بازو میں سمیٹا۔

”بڑی اماں...... شارق ٹھیک ہے...... بس ایکسیڈنٹ کی وجہ سے حرارت ہوگئی ہے۔ پلیز سنبھالیں خود کو...... یہ گدھا ٹھیک ہے۔“ اس نے اماں کا چہرہ صاف کرتے ہوئے انہیں تسلی دی تو ان کا دل کچھ پل کو ٹھہرا...... شارق نے بھی سکون کا سانس لیا۔ بخار تو اب بھی بہت تیز تھا مگر وہ مکمل حواس میں تھا۔ یہ شاید ڈاکٹر کے ٹریٹمنٹ کی بدولت تھا۔

”نوریہ آپ بڑی اماں کو باہر لے جائیں‘ انہیں ناشتہ کروائیں...... میں شارق کے پاس ہی ہوں۔“ اماں دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ نوریہ جو چپ چاپ کھڑی آنکھیں موندے لیٹے شارق کو دیکھ رہی تھی‘ کو کہا تو وہ چونکی اور پھر سر ہلا دیا۔

”آپ ناشتہ نہیں کریں گے؟“ یہ ناشتے کا وقت تھا اور وہ افراتفری میں نائٹ ڈریس کے لباس میں ہی گھر سے عجلت میں ڈاکٹر کو لے کر یہاں آ گیا تھا۔ نوریہ کو احساس ہوا تو پوچھا۔

”نہیں...... فی الحال موڈ نہیں......“ وہ دوبارہ شارق کے پاس ٹک گیا تھا۔ نوریہ نے سر ہلا کر اماں کی کرسی کے ہینڈل تھامے۔

”نوریہ! بیٹا دونوں کا ناشتہ کمرے میں ہی لے آؤ۔ پتا نہیں۔ شارق نے رات بھی کچھ کھایا ہوگا کہ نہیں......“ انہیں اب نئی فکر لاحق ہوگئی۔

”جی اماں آپ چلیں میں یہیں لے آتی ہوں......“ اس نے کرسی باہر کی طرف دھکیلی۔ خالہ جان کو ناشتہ دے کر اس نے شارق اور نواز دونوں کا ناشتہ ٹرے میں سجا کر شاکرہ کو تھما کر اندر بھیج دیا۔

”آؤ بیٹا!...... بیٹھو...... تم بھی ناشتہ کر لو......“

خالہ جان نے اسے بھی آفر کی تو وہ بھی خاموشی کے ساتھ ان کے پاس ہی ٹیبل پر ٹک گئی۔

❀......❀......❀

کالج سے لوٹنے کے بعد کھانا کھا کر وہ بستر پر لیٹ گئی مگر نیند تھی کہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ دو تین دفعہ کروٹیں بدلنے کے بعد اچانک کچھ سوچ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے سے باہر آ کر نوشین کے کمرے میں جھانکا تو وہ گہری نیند میں غرق تھی۔ وہ اس کی نیند کو کوس کر رہ گئی۔

”کیا کروں......؟“ لاؤنج میں آ کر ٹی وی لگا کر بیٹھتے ہوئے بھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔

”ایک تو ہماری ماما کو بھی نجانے کیا ہو گیا ہے۔ تایا ابو کے ہاں بھی نہیں جانے دے رہیں۔ آج فرح بھی کالج میں کتنی ڈسٹرب تھی۔ میں چلی جایا کرتی تھی تو بے چاری کا کچھ وقت میرے ساتھ کٹ جاتا تھا لیکن اب ماما کا یہ حکم...... اف......“ چینل بدلتے ہوئے بھی اس کا ذہن آج فرح کے رویے کی طرف ہی تھا۔

”میں ماما سے بات کر کے دیکھوں تو سہی ہو سکتا ہے وہ مان جائیں...... اس رات سبحان بھائی آئے تو تھے ہو سکتا ہے امی کی ناراضگی اب ختم ہوگئی ہو...... سبحان بھائی سے وہ بالکل نارمل ملی تھیں۔“ ذہن میں یہ خیال آتے ہی وہ فوراً ٹی وی آف کر کے ماما کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ماما، یاسمین (ملازمہ) سے اپنے کمرے کی ڈسٹنگ کروا رہی تھیں۔

”ماما......“ وہ پکاریں۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ ”ماما! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے پلیز وعدہ کریں انکار نہیں کریں گی۔“ شائستہ بیگم یاسمین کے ساتھ خود بھی چیزیں ادھر اُدھر کر رہی تھیں۔ زرش کے عاجزانہ انداز پر چونکیں۔

”خیریت‘ کوئی خاص بات ہے؟“ واز پیں یاسمین کو پکڑاتے انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

”ہوں...... باہر آئیں ناں......“ اس نے لاڈ سے ان کا ہاتھ تھاما تو وہ سمجھ گئیں۔ آج کوئی خاص بات ہے۔

”یہیں بتا دو...... مجھے بہت کام ہے اور تم سوئی بھی نہیں......“ اپنا ہاتھ چھڑوا کر انہوں نے گویا ٹالا۔ زرش ایک دم ان کے سامنے آ گئی۔

”ماما پلیز نیند نہیں آ رہی تھی...... پہلے وعدہ کریں‘ میری بات مانیں گی......“

”تم بات بتاؤ......“ انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ جانچا تو زرش لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہچکچا کر کہنے لگی۔

”وہ مجھے...... تایا ابو کے ہاں جانا ہے۔“ اٹک اٹک کر شائستہ بیگم کا چہرہ دیکھتے اس نے گویا کہہ ہی دیا۔

شائستہ بیگم کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہو گیا۔ وہ ہونٹ سی گئیں۔ زرش نے بغور دیکھا۔

”ماما پلیز...... انکار نہیں کریں۔ آج فرح کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ کالج میں کافی ڈسٹرب اور روئی بھی تھی۔ پلیز مان جائیں ناں......“

”کیا ہوا ہے فرح کو......؟“ انہوں نے ایک دم تفکر سے پوچھا۔

”ہوا تو کچھ نہیں...... وہی تایا جان اور تائی جان کی وجہ سے پریشان ہے...... شاید سبحان بھائی کی شادی کا کوئی مسئلہ چل رہا ہے اس لیے......“ ماما کا چہرہ بغور دیکھتے بتا رہی تھی جب انہوں نے زرش کے بازو گلے سے ہٹا کر رخ بدلا۔

”اسی لیے میں تمہیں وہاں نہیں بھیج رہی۔ وہ ان کا گھریلو مسئلہ ہے۔ تم خوامخواہ ان کے مسئلوں میں مت الجھو......“ انہوں نے یاسمین کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے چلی گئی‘ تبھی انہوں نے کہا۔

”مگر ماما...... ہم اور تایا کی فیملی الگ تو نہیں...... سبحان بھائی میرے سگے بھائی نہیں لیکن بھائی تو

ہیں ناں اور پھر بھلا مجھے ان کے مسئلے میں الجھنے سے کیا تکلیف ہوگی۔"

زرش کا انداز بحث کرنے والا تھا۔ شائستہ بیگم نے بغور دیکھا۔ زرش پر انہیں اپنی ذات سے بڑھ کر اعتماد تھا اور سمعان احمد پر بھی لیکن طاہرہ بیگم...... وہ ہونٹ کچلنے لگیں۔

"مجھے نہیں پتہ۔ بس مجھے اجازت دے دیں، میں آج وہاں جارہی ہوں...... آپ نہیں جانتیں آج فرح کتنی ڈسٹرب تھی۔ میں چلی جاتی ہوں تو بہل جاتی ہے ورنہ وہ کالج سے آنے کے بعد سارا دن تنہا الجھتی اور سلگتی رہتی ہے...... پلیز...... ماما جی...... پلیز......" ایک دم اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے اس طرح کہ وہ بے بس ہوگئیں۔

"اوکے ٹھیک ہے۔ چلی جاؤ...... مگر خیال رکھنا وہاں جا کر ان کے ذاتی جھگڑوں اور مسئلوں سے خود کو الگ ہی رکھنا تو بہتر ہے...... میری جان! میں نہیں چاہتی کہ کوئی تمہیں ایک لفظ بھی کہے...... میں طاہرہ کی زبان سے خوب واقف ہوں، ان کے گھر میں بھائی صاحب اور اس کے درمیان کسی بھی قسم کی ناچاقی ہو سارا نزلہ تم پر ہی گرتا ہے۔ ایسے میں کوئی تم کو کچھ کہے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

انہوں نے اجازت دیتے ہوئے اسے نصیحت بھی کر دی۔ زرش کو یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی مان جائیں گی۔ خوشی سے بے حال ہونے لگی۔

"شکریہ ماما!...... بہت بہت شکریہ...... آپ فکر ہی نہیں کریں...... میں ایسی کوئی بات ہی نہیں کروں گی جس سے آپ کو تکلیف ہو......" خوشی سے شائستہ بیگم کے گلے لپٹ کر وہ مسرور سی کہہ رہی تھی۔ شائستہ بیگم نے اس کا سر تھپکا۔

"جاؤ...... چلی جاؤ...... لیکن مغرب سے پہلے لوٹ آنا...... بلکہ میں خود ہی ڈرائیور کو بھیج دوں گی......" خود سے جدا کر کے انہوں نے مزید تاکید کی۔ زرش نے فوراً سر ہلایا۔ اس وقت وہ کچھ بھی کہیں زرش بلا چوں و چرا مان لیتی کہ ان کا اجازت دے دینا ہی اس کے لیے بہت تھا۔

"آپ ڈرائیور کو کہیں وہ گاڑی نکالے۔ میں کپڑے چینج کرلوں اور بیگ بھی لے لوں۔" وہ عجلت سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ چینج کر کے اپنا بیگ لیا۔ پڑھنے کا موڈ نہیں تھا اس لیے کوئی کتاب نہیں رکھی۔ فٹافٹ وہ تیار تھی۔

"دھیان سے رہنا...... مجھے تمہاری کوئی شکایت نہ ملے......"

گاڑی میں بیٹھتے بھی انہوں نے تاکید کی۔ اس نے بچوں کی طرح سر ہلایا۔

وہ آج کتنے دنوں بعد تایا جان کے ہاں جانے کے احساس سے ہی بہت خوش تھی۔ آدھے گھنٹے کا راستہ تھا جو اس نے نہایت بے تابی سے گزارا۔ وہاں پہنچ کر ڈرائیور اسے گیٹ کے سامنے اتار گیا۔

"السلام علیکم چوکیدار چاچا......" اس نے چوکیدار کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام...... بڑے دنوں بعد آئی بیٹا......" انہوں نے چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ وہ ہنس دی۔ بس چاچا میں مصروف رہی تھی......" اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

اندر آئی تو فرح لان چیئر پر بیٹھی ملی۔ آنکھیں موندے نجانے کس دنیا میں غرق تھی۔ وہ سیدھی ادھر ہی چلی آئی۔

"ہیلو ڈیئر......" زرش کا انداز ڈرانے والا تھا۔ فرح ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ حقیقت میں ڈر گئی تھی ایک دو سیکنڈ تو اسے سمجھنے میں لگے کہ ہوا کیا ہے اور اس کے سامنے کون کھڑا ہے۔

"کیا ہوا ڈر گئی؟" زرش نے ہنس کر پوچھا تو فرح نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالنے کے لیے ایک گہری سانس لی۔

"بہت بدتمیز ہو تم...... ریئلی ڈرا کر رکھ دیا تم نے......" اپنی سانسوں کو بحال کرتے اس نے زرش کا ہاتھ تھاما۔ جواباً زرش ہنس دی۔

"ویسے بھئی تم آج یہاں کیسے؟ چچی جان کیسے مان گئیں یہاں بھیجنے کو۔" وہ دونوں وہیں چیئر پر بیٹھ گئیں۔ زرش ہنس دی۔

"بس منا لیا...... تم سناؤ اب موڈ کیسا ہے میری جان کا اور باقی لوگ کدھر ہیں جو تم یہاں تنہا بیٹھی ہو۔"

"امی اندر ہیں اور علی اپنے کمرے میں، مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو یہاں آکر بیٹھ گئی۔"

"اچھا...... چلو اندر چلو تمہارے کمرے میں...... لگے ہاتھوں تائی امی سے بھی سلام دعا کر لوں گی ویسے آج ان کا موڈ کیسا ہے؟"

"کچھ نہیں پوچھو...... تم تو آج ان کے سامنے بھی مت جانا علی اور امی کے درمیان اچھی خاصی جھڑپ ہوگئی ہے۔ دراصل علی کھانا کھانے کے بعد بائیک لے کر باہر جانا چاہ رہا تھا امی کو علم ہوا تو انہوں نے ڈانٹ دیا۔ غصے سے وہ امی سے الجھ پڑا۔ نہ جانے کس کس کا غصہ امی نے اس بے چارے پر نکالا۔ اب وہ منہ پھلائے اپنے کمرے میں بند ہے۔" وہ سنجیدگی سے بتا رہی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں...... اب میں آگئی ہوں اس کا موڈ منٹوں میں ٹھیک کرتی ہوں۔ تم تو اندر چلو...... اس وقت ایمان سے پوری "افسردہ حسینہ" لگ رہی ہو۔ میں خاص طور پر تمہارے لیے آئی ہوں اس لیے اپنے اس سڑے منہ کو درست کرلو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے آخر میں دھمکی دی تو فرح ہنس دی۔

پھر دونوں اندر کی طرف بڑھیں۔

لاؤنج کے سامنے سے گزرتے ہوئے زرش کی نگاہ صوفے پر براجمان طاہرہ بیگم پر پڑی تو وہ رک گئی۔ وہ نجانے کس سوچ میں غرق تھیں۔ سیدھی نظر زرش کی طرف اٹھی۔

پہلے تو اتنے دنوں بعد اپنے گھر میں دیکھ کر حیران ہوئی پھر چہرے پر واضح ناگواری سمٹ آئی۔

"السلام علیکم تائی امی......" فرح کو رکنے کا اشارہ کرکے لاؤنج کا دروازہ عبور کرتے ان کے پاس چلی آئی۔

طاہرہ بیگم کے چہرے کی واضح ناگواری صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ انہوں نے زرش کے سلام کا جواب نہیں دیا لیکن وہ پھر بھی مسکرا کر ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہیں آپ......؟" اب کی بار انہوں نے زرش کو گھورا جسے زرش کسی خاطر میں نہ لائی۔

"ماما آپ کو سلام کہہ رہی تھیں......" ان کی نگاہوں کی برہمی سے زرش اندر ہی اندر سٹپٹائی لیکن انہیں بولنے پر اکسانے کے لیے اس نے ایک دفعہ پھر ہمت کی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" زرش کے "ماما کا سلام" پہنچانے پر انہوں نے چبا کر جتایا زرش تو سٹپٹائی دروازے پر کھڑی فرح بھی کلسی۔

"آپ لوگوں سے ملنے......آف کورس یہ دادا جان کا گھر تھا اور اب میرے تایا ابو کا۔ مجھے یہاں آنے کے لیے کسی جواز کی ضرورت تو نہیں۔ میں جب چاہے آ سکتی ہوں۔" فرح نے اسے اندر چلنے کے لیے اشارہ کیا لیکن وہ اندر جانے کے بجائے بیٹھی رہی۔ وہ آج تائی جان سے بات کرنے کے موڈ میں تھی کہ "آخر وہ اس سے اتنا خار کیوں کھانے لگی ہیں......کوئی وجہ تو ہوگی۔

"واقعی تمہیں یہاں آنے کے لیے کسی جواز کی ضرورت نہیں ہے۔ تم تو خود سب سے بڑا جواز ہو۔" انہوں نے چبا چبا کر کہا۔ زرش حیران تھی کہ آخر اس بات کا مطلب کیا ہے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" کچھ تلخی زرش کے لہجے میں گھل گئی۔ فرح کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ اس نے اسی لیے اسے امی کے مزاج سے آگاہ کیا تھا مگر......

"زرش اندر چلتے ہیں......تم یہ بحث بعد میں کر لینا......" اس سے پہلے کہ طاہرہ بیگم کی طرف سے مزید کچھ تلخ سننے کو ملتا فرح نے فوراً آگے بڑھ کر مداخلت کی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں طاہرہ بیگم سے خاموش رہنے کی التجا کی اور زرش سے اپنی چونچ بند رکھنے کی۔

"میں کب بحث کر رہی تھی......میں تو ان کو سلام کرنے رکی تھی مگر نجانے کیوں یہ مجھ سے اتنی نفرت سے پیش آتی ہیں......"

زرش اٹھ کھڑی ہوئی مگر وہ پھر بھی یہ کہہ گئی۔

"فرح اس لڑکی کو کہو میرے سامنے مت آیا کرے......یہ میرے گھر آتی ہے اور میں اسے اپنے گھر میں قدم رکھنے دیتی ہوں اس کے لیے یہی بہت ہے۔ اس کے علاوہ میں اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں......" ان کے لہجے میں چنگاریاں سی تھیں۔ ایک آگ تھی زرش نے الجھ کر انہیں دیکھا۔ فرح کی آنکھیں اسے چپ رہنے کی التجا کر رہی تھیں مگر جب سے ماما نے اسے یہاں آنے سے منع کیا تھا تب سے اس کا ذہن صرف ایک وجہ اخذ کر پایا تھا کہ ضرور تائی جان نے ہی کوئی بات کی ہوگی مگر کیا......؟

وہ اب ان سے وہی "کیا......؟" سبب جاننا چاہتی تھی۔

"کیوں؟ ایسی کیا خامی ہے مجھ میں جو آپ مجھ سے اس درجہ نفرت سے پیش آتی ہیں۔ جب بھی میں آتی ہوں آپ میرے ساتھ یہی سلوک کرتی ہیں۔ آج مجھے وجہ بتا دیں۔ شاید اس کے بعد میں یہاں آنے سے پہلے ہزار بار سوچوں پھر آؤں۔"

اس نے فرح کی التجا کو نظرانداز کر کے اٹل لہجے میں پوچھا۔

"میرے گھر میں آگ لگائی ہوئی ہے تم لوگوں نے......میری ذات کو شعلوں میں دھکیل دیا ہے تم نے اور مجھ سے پوچھتی ہو کہ کیوں نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔ ہاں کرتی ہوں میں تم سے نفرت۔ میرا بیٹا مجھ سے چھین رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں تم سے خوش ہو کر ملوں......تھوک نہ دوں تم پر......"

وہ پتا نہیں کیا کہہ رہی تھیں۔ زرش کے کچھ پلے نہ پڑا۔ الجھ کر پہلے طاہرہ بیگم کو اور پھر فرح کو دیکھا جو خود زرد سی کھڑی تھی۔

"تائی امی پلیز......کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا......"

"تم جیسی چالاک اور کہہ بھی کیا سکتی ہے......جادوگرنی ہو تم پوری اور کتنی معصوم بنتی ہو......دفعہ ہو جاؤ یہاں سے......جیسی ماں چالاک جادوگرنی ویسی بیٹی......ساری عمر اس منحوس نے سکھ کی سانس نہ لینے دی۔ اب بیٹی میرے سینے پر مونگ دلنے کو آ جاتی ہے۔" وہ نہ جانے کیا کیا ہذیان بک رہی تھیں۔

زرش تو ساکت کھڑی تھی۔

"تائی امی پلیز......آپ مجھے لاکھ برا بھلا کہہ لیں......پہلے بھی کہتی ہیں میں نے کبھی زبان درازی نہیں کی لیکن میری ماما سے متعلق ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔ وہ اس گھر سے متعلق کتنا درد رکھتی ہیں آپ کیا جانیں اگر آپ نے ان سے متعلق ایک لفظ بھی کہا تو جواباً میری زبان بھی کھل سکتی ہے۔ آپ میری بڑی ہیں' میرے لیے قابل احترام ہیں لیکن......" وہ کچھ تلخ کہتے کہتے ایک دم سختی سے لب بھینچ گئی۔

فرح دونوں کے تند خو و تلخ لہجے سن کر حواس باختہ ہی تو ہو گئی۔

"ہاں تو کیا کر لو گی تم......میرا منہ نوچ لو گی......میری زبان پکڑ لو گی؟......واقعی بد کو بدکردار کہیں تو تکلیف ہوتی ہے......بڑی تکلیف ہو رہی ہے تمہیں اپنی ماں کے متعلق کچھ سن کر......جاؤ بی بی میرے منہ نہ لگو۔ ورنہ میں بولوں گی تو دنیا سنے گی۔ ساری چلتر بازیاں جانتی ہوں میں تمہاری اور تمہاری ماں کی......" انہوں نے ہاتھ نچا کر کہتے ہوئے حد ہی کر دی۔ اپنی نفیس' محبت کرنے والی ماما سے متعلق اس طرح کے نادر خیالات سن کر زرش کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

"پلیز تائی امی......حد میں رہیں آپ اپنی......یہ میری ماما ہیں' میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی......"

جواباً وہ بھی دو آتشہ ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو......پلیز چپ کریں......"

اس سے پہلے کہ طاہرہ بیگم مزید نفرت کا اظہار کرتیں فرح نے دونوں کو ٹوک دیا۔

"امی کیا کر رہی ہیں آپ؟ پلیز چپ کریں اور زرش تم چلو یہاں سے......" باری باری دونوں کو ٹوکتے وہ طاہرہ بیگم کے سامنے روہانسی ہو گئی۔ زرش نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ ایک سلگتی زہر بھری نظر طاہرہ بیگم پر ڈالی۔

بارہا ایسا ہوا تھا کہ بات حد سے بڑھی تھی لیکن کبھی بھی اس حد تک نوبت نہ آئی تھی مگر اب کی بار زرش کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی برداشت بالکل ختم ہو گئی ہے۔ فرح نے اس کا بازو تھاما لیکن اس نے

جھٹکے سے چھڑوا دیا۔ نجانے کیوں وہ آج خود بھی دودھاری تلوار بننے پر تیار تھی۔

”نہیں فرح!...... میں ہی ہمیشہ کیوں چپ ہو جاؤں...... ماما مجھے آنے نہیں دیتیں صرف اس لیے کہ کوئی بات نہ ہو جائے۔ میں اپنی ماما کی عزت کی خاطر ہمیشہ تائی امی کی ہر تلخ، ہر بری بات سہہ جاتی ہوں مگر آج تو حد کر دی ہے انہوں نے۔ بدکردار تک کہہ دیا ہے انہوں نے اور کیا کسر رہ جاتی ہے......“ کہتے کہتے زرش کی آواز رندھ گئی تھی۔

علی جو شور و ہنگامے کی آواز سن کر نجانے کب اپنے کمرے سے نکل آیا تھا اب دروازے پر کھڑا دونوں کو سن رہا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے فرح!......“ زرش خاموش ہوئی تو وہ اندر چلا آیا۔

فرح ہاتھوں میں چہرہ لیے اب رونے میں مصروف تھی۔ طاہرہ بیگم نے نخوت سے سر جھٹکا تو علی نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

”مجھے کیا پتہ...... پوچھ لو تم ان دونوں سے ہی...... میں ہر کسی کے درمیان بس پس ہی رہی ہوں۔“ وہ خود بھی رو دینے کو تھی۔

”لو آ گیا اس کا ایک اور حمایتی......“ طاہرہ بیگم کا پارہ جو علی کی بدتمیزی سے پہلے ہائی تھا رہی سہی کسر زرش کی وجہ سے پوری ہو چکی تھی اب دوبارہ علی کے درمیان میں کودنے سے انہوں نے اسے ہی کوسا۔

”امی جان گستاخی معاف...... مگر جس قسم کا سلوک آپ کر رہی ہیں وہ بھی کوئی قابل تحسین نہیں ہے۔ جو اپنی اولاد کے احساسات تک نہ سمجھ سکے وہ انسان رشتوں کے تقدس کا کیا خاک احساس کر سکتا ہے......“ علی نے دو ٹوک بات کی تھی۔

طاہرہ بیگم کو علی کے یوں دوبدو بولنے پر تپ چڑھی۔

”علی! بکواس بند کرو...... اور دفع ہو جاؤ یہاں سے......“

”دفع تو میں ہو جاؤں گا...... خیر میں کیا جس قسم کا رویہ آپ لوگوں کا ہے۔ ایک ایک کر کے آپ کی ساری اولاد دفع ہو جائے گی...... آپ ترسیں گی رشتوں کو مگر رشتے آپ سے دور بھاگیں گے...... لکھوا لیں مجھ سے...... پہلے عثمان بھائی پھر سمعان بھائی اس کے بعد میں...... رہ گئی یہ آپ کی بیٹی یہ تو لڑھکتا پتھر ہے نہ ادھر کا نہ اُدھر کا......“

علی کے لہجے میں اس قدر تلخی تھی کہ چند لمحے تک طاہرہ بیگم بھی گنگ رہ گئیں۔

”یہ سب اس منحوس کا اثر ہے۔ اس کا اثر ہے۔ چڑیل نے آتے ہی میرے گھر میں آگ لگا دی۔ آج اس منحوس کی وجہ سے میری اپنی اولاد میرے منہ لگ رہی ہے......“

انہوں نے جی بھر کر زرش کو کوسا اگر ان کا بس چلتا تو وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھانے سے گریز نہ کرتیں۔

”تائی جان خدا کے لیے...... ایسا میں نے آپ کا کیا بگاڑ دیا ہے جو مجھے معاف کرنے پر راضی ہی نہیں ہیں۔ بتائیں مجھے ایسی کیا بات ہے۔ کیا قصور ہے میرا......“ وہ ایک دم ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ فرح تو ایک طرف علی بھی ڈر گیا کہ کہیں وہ اشتعال میں زرش پر ہاتھ نہ اٹھا لیں۔

”زرش چلو یہاں سے......“ فرح نے اس کا بازو کھینچا مگر وہ وہیں جمی رہی۔

”بتائیں، میں آپ سے پوچھ رہی ہوں؟ یہ گھر میرا بھی اتنا ہی ہے جتنا فرح یا علی کا کیونکہ یہ میرے دادا جان کا بنایا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے بچوں کے لیے بنایا تھا۔ بابا نے آپ کی وجہ سے یہ گھر چھوڑا، ورنہ ہم کب چاہتے تھے یہاں سے جانا۔ اب بھی اگر میں یہاں آتی ہوں تو اس پر میرا حق ہے۔ میں آؤں گی اور ہمیشہ آؤں گی۔ آپ مجھے روک نہیں سکتیں یہاں تک کہ میں آپ کی نفرت کی اصل وجہ نہ جان لوں......“

”اپنی ماں سے پوچھو کیوں نفرت کرتی ہوں میں تم سے...... اپنے باپ سے پوچھو...... ناگن ہے وہ چڑیل میری خوشیوں بھری زندگی اسے ہضم نہیں ہوئی تھی، ڈس گئی اب تم میری زندگی میں زہر گھول رہی ہو...... میرے بیٹے کے پیچھے لگی ہوئی ہو۔ نکل جاؤ میرے گھر سے...... آئندہ یہاں آنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ میں تمہارا گلا دبا دوں گی......“ انہوں نے اسے دھکا دیا۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہ تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گرنے کو تھی۔ علی پیچھے کھڑا تھا اس نے فوراً سہارا دیا۔

”امی کیا کر رہی ہیں آپ......“ علی چیخا...... زرش لاکھ بدتمیز سہی مگر اس حملے پر وہ گنگ سی رہ گئی...... بلکہ سہم گئی۔

”اسے نکالو یہاں سے...... ورنہ یا تو یہ نہیں رہے گی یا میں نہیں رہوں گی......“

اچھی بھلی ہوش و حواس رکھنے والی طاہرہ بیگم بالکل بچوں جیسی جذباتی حرکات کر رہی تھیں۔

فرح رونے لگیں۔ علی لب بھینچے کھڑا اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

”چلی جاتی ہوں لیکن تائی امی ایک بات یاد رکھیں۔ ہمارے والدین نے ہمیں ہمیشہ رشتوں کی عزت کرنا سکھایا ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے۔ آج جو کچھ بھی ہوا یہ سارا قصور آپ کا ہے۔ میری امی نے کبھی ہمارے سامنے آپ کی برائی نہیں کی بلکہ بڑائی ہی بیان کی ہے۔ آپ مجھے جو مرضی کہیں لب سیے سنتی رہوں گی لیکن میری ماما سے متعلق ایک بات بھی نہیں...... میری ماما کا اور آپ کا کیا مقابلہ؟ آپ تو ان کے عشر عشیر بھی نہیں...... علی میرے بھائی جیسا ہے۔ سمعان بھائی میرے بھائی ہیں...... میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں...... صاف اور کھری ہوں میں۔ شاید اسی لیے ماما مجھے یہاں آنے سے منع کرتی تھیں مگر مجھے ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ واقعی آگ کی تپش کا اندازہ آگ میں جلنے والا ہی کر سکتا ہے۔ آپ تو وہ آگ ہیں جس سے آپ کی اپنی اولاد بھی جھلس رہی ہے۔“ ”میں اپنی ہر بے عزتی برداشت کر سکتی ہوں مگر کوئی مجھے بدکردار کہے یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔“

روتے ہوئے کہہ کر وہ پلٹی لیکن دروازے پر ایستادہ شخص کو دیکھ کر رک گئی۔

”تایا ابو......“ اس کے لب ہلے۔ وہ غیظ بھری نظروں سے طاہرہ بیگم کو گھور رہے تھے۔ زرش کا دل سہم گیا۔ سانس حلق تک خشک ہو گئی۔

فرح اور علی کی بھی کچھ یہی کیفیت تھی جب کہ طاہرہ بیگم کو پروا ہی کب تھی۔

وہ نجانے کب یہاں آئے تھے۔

"کیا کہا ہے تم نے زرش کو......؟" وہ پھنکارے۔ لاپرواہ انداز میں کھڑی طاہرہ بھی ایک لمحے کو بیٹھا گئی......

"آپ کی چہیتی بھتیجی کو بھلا میں کچھ کہہ سکتی ہوں......" دل اگرچہ ان کے غصے سے خائف ہو چکا تھا لیکن زبان کٹنے سے پھر بھی نہ چوکی تھی۔

"تم......" وہ غصے سے آگے بڑھے۔ "تم......" وہ پھٹ پڑنے کو تھے۔

"تایا ابو......"

"ابو جان......"

فرح اور زرش دونوں ایک دم ان کے سامنے آ گئیں۔ دونوں نے دائیں بائیں سے بازو تھام لیے۔

"کچھ نہیں کہا......سارا قصور میرا تھا......پلیز تایا ابو یقین کریں میں نے جان بوجھ کر بدتمیزی کی تھی۔ انہوں نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے تو خود انہیں مجبور کیا تھا......"

زرش رو رہی تھی۔ یہی حال فرح کا بھی تھا۔ انہوں نے سلگتی نگاہ فرح سے ہٹا کر طاہرہ بیگم پر ڈالی۔

"میرے گھر میں رہنا ہے تو عزت کے ساتھ رہو......ورنہ......"

وہ خاموش ہو گئے۔ اس "ورنہ" کے آگے کیا سرد پن تھا۔ لاؤنج میں کھڑے پانچوں نفوس لرز کر رہ گئے۔

"یہ یہاں آئے گی اور ہمیشہ آئے گی......تمہاری ضد ہے تو پھر میری بھی ضد ہے۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا بلیک کلر کا بریف کیس صوفے پر پٹخ دیا۔

"علی......تم زرش کو اس کے گھر چھوڑ کر آؤ۔" ایک کھا جانے والی نگاہ گم صم کھڑی طاہرہ بیگم پر ڈال کر وہ باہر نکل کر جانے لگے۔

"فرح بیٹا! سمعان باہر لان میں بیٹھا ہوا ہے اسے میرے پاس بھیجو......" وہ حکم دے کر باہر نکل گئے۔

باقی چاروں نفوس کی سانس بحال ہوئی۔ جیسے کوئی مصیبت آتے آتے ٹلی ہو۔

زرش تیزی سے کمرے سے نکل آئی۔

تایا ابو اچانک نہیں آئے تھے۔ لان میں سمعان احمد کی گاڑی کھڑی تھی اتنے شور شرابے میں وہ چاروں ہی سن نہیں پائے۔

زرش نے لان چیئر پر بیٹھے سمعان احمد کو دیکھا۔

"پتا نہیں......سمعان بھائی نے کیا کچھ سنا ہو گا۔"

زرش کے پیچھے فرح بھی چلی آئی۔

سمعان احمد آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بالکل گم صم تھا۔

زرش وہیں کافی فاصلے پر کھڑی رہی۔ فرح ہی آگے بڑھی۔

"سمعان بھائی......"

فرح کی آواز پر سمعان احمد نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹالیا۔ نظر فرح سے ہوتی کچھ فاصلے پر کھڑی زرش پر جا ٹھہری۔

بابا کو ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے کے بعد دونوں سیدھا گھر لوٹے تھے۔ شور و غل سن کر دونوں ہی حیران ہو گئے۔ کتنی ساری باتیں سنی تھیں۔ پاپا انتہائی طیش میں اندر جانے کو تھے لیکن سمعان احمد نے انہیں روک دیا۔ وہ خود تو باہر آ گیا لیکن پاپا اندر چلے گئے اور اب......

سمعان احمد کے اندر ایک عجیب سی لہر اٹھی۔ فرح کو قطعی نظر انداز کر کے وہ تیزی سے اٹھ کر زرش کے سامنے آ کر رک گیا۔

"تم یہاں کیوں آئیں......؟" سلگتا لہجہ تھا۔ زرش لق دق رہ گئی۔

"سمعان بھائی......" وہ حیرت سے گنگ تھی۔ "آپ......بھی......" اس کی آنکھیں پھر سے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"ہاں میں بھی......تم نے امی کے ساتھ اس قدر زبان کیوں چلائی......؟" سمعان احمد نے کہا۔ قطعاً انداز تھا۔ یوں ایک دم فردِ جرم عائد کرنے والا۔

زرش نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپالیا۔

"بہت برے ہیں آپ......مجھے نہیں سمجھتے......میں......میں تو......وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ ہچکیوں سے رو دی۔

سمعان احمد کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ درحقیقت وہ خود بھی نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

"سمعان بھائی پلیز......رہی سہی کسر اب آپ تو پوری نہ کریں۔ امی نے کیا کم کر دیا ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی سنا ہے سنا ہو گا۔ اسے اپنے رخ سے مت دیکھیں......زرش اگر زبان نہ چلاتی تو اس سے زیادہ برا ہوتا......" زرش کے عقب سے علی بولا جو اسے چھوڑنے کے خیال سے بائیک کی چابی لے کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

"نہیں آؤں گی آئندہ آپ کے گھر......سنا آپ نے......کبھی نہیں......" روتے ہوئے وہ وہاں سے بھاگی۔

ایک دم اس کو احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ چکا ہے۔

"زرش......"

وہ فوراً اس کے پیچھے لپکا اور اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"مت بولیں مجھ سے......بات نہیں کریں......" اس نے اسے روکنے کے لیے اس کا بازو تھاما لیکن وہ ہاتھ جھٹک کر تیزی سے گیٹ کراس کر گئی۔

"امی نے کیا کم بے عزتی کی تھی جو آپ نے......خوب بدلہ لیا آپ نے اس کی محبت کا......" علی تھا

سے انداز میں کہہ کر تیزی سے گیٹ سے نکلا۔

مغرب کا وقت ہونے کو تھا' شام کے سائے پھیلنے کو تھے زرش تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ علی واپس تیزی سے اندر گیا۔ عجلت میں بائیک اسٹارٹ کر کے گیٹ سے نکالی۔ اس دوران وہ کافی آگے جا چکی تھی۔

''چلو آؤ بیٹھو...... میں تمہیں چھوڑ آؤں......'' اس کے قریب بائیک آہستہ آہستہ چلاتے اس نے کہا تو وہ پھٹ پڑی۔

''نہیں...... میں نہیں جاؤں گی...... پاگل ہوں میں جو تم لوگوں کی محبت میں بے عزتی کروانے آتی ہوں...... اب بے فکر ہو جاؤ...... ماما نے کہا تھا وہ گاڑی بھیج دیں گی' میں روڈ پر کھڑے ہو کر گاڑی کا انتظار کر لوں گی...... جاؤ تم یہاں سے......''

علی نے تحمل سے اس کی بات سنی۔ وہ رو رہی تھی اتنی ہی شدت سے ہچکیاں بھی لے رہی تھی۔ وہ اندر تک دکھی ہو گیا۔

''پلیز زری!...... میری اتنی پیاری بہن ہے۔ میں بھلا اپنی بہن کو روڈ پر یوں اکیلے چھوڑ سکتا ہوں' پلیز بیٹھو...... ورنہ میں زبردستی بٹھا لوں گا......''

اس نے پیار سے بازو پکڑ کر پچکارا تو وہ روتی ہوئی اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

علی نے تشکر بھری سانس لی ورنہ زرش کے معاملے میں بعض اوقات لینے کے دینے پڑ جاتے تھے۔

* * *

شارق زمان کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر رات تک پورا خاندان جمع ہو گیا۔ فاروق چچا کی فیملی حمید چچا کی فیملی اور نویرہ احسان کی فیملی۔ جس نے بھی خبر سنی عیادت کو آتا جا رہا تھا۔ یہ اس خاندان کی مثالی محبت تھی جو سب کو باہم باندھے ہوئے تھی۔ گھر جدا تھے مگر دل ایک دوسرے کی محبت اور دکھ درد سے ہمہ وقت لبریز رہتے تھے۔

گو ایکسیڈنٹ معمولی تھا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا رہی سہی کسر بخار نے پوری کر دی تھی۔ واجدہ خالہ تو ہمہ وقت شارق کے کمرے میں اس کی پٹی کے ساتھ لگی رہیں۔

اس وقت رات کے اس پہر سارا خاندان یہیں تھا۔ نواز' شارق زمان کو بھی لاؤنج میں لے آیا تھا' ہر کوئی گفتگو میں مصروف تھا۔ خوب محفل جمی ہوئی تھی۔ نویرہ چائے بنانے کچن میں گھسی۔ ہوئی تھی' صبح سے وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ رات بھی ٹھیک سے سوئی نہیں تھی۔ اس وقت تھکن سے برا حال تھا مگر وہ پھر بھی چائے کا برتن برنر پر چڑھا کر فریج سے دیگر لوازمات نکالنے لگی۔

''نویرہ بی بی آپ رہنے دیں۔ میں چائے بنا لوں گی...... بیگم صاحبہ نے منع کیا ہے۔ اب آپ کچھ نہیں کریں گی ان کے پاس جا کر بیٹھیں......''

فریج سے دودھ نکال کر پلٹی تو شاکرہ اس پیغام کے ساتھ اندر داخل ہوئی وہ مسکرا دی۔ تھکن سے بدن چور چور ہو رہا تھا' یہ عنایت بڑی غنیمت لگی۔

''ٹھیک ہے...... تم چائے بنا لو لیکن بالکل سادی سی...... اور ساتھ میں فریج میں سے کھانے کو کچھ میٹھا بسکٹ اور نمکس نکال لینا......'' دودھ کی تھیلی شاکرہ کو تھما کر اس نے ہدایت دی اور پھر کچن سے نکل آئی۔

حمیرا' رمشا اور نبیلہ بھابی تینوں قالین پر براجمان تھیں جب کہ فاروق چچا' حمید چچا' چچی اور اماں ایک ساتھ واجدہ خالہ کے قریب صوفے پر بیٹھے تھے۔ درمیان کے صوفے پر ایک طرف نواز فاروق تھا ساتھ میں شارق زمان اور اس کے ساتھ رضا تھا جب کہ دوسری طرف نبیل بھائی اور ان کے ساتھ والی نشست خالی تھی۔

''آؤ نویرہ!...... ادھر کیوں کھڑی ہو۔ اندر آؤ شاباش۔'' واجدہ خالہ کی نظر دروازے میں ایستادہ نویرہ پر پڑی تو ایک دم پکارا اور تقریباً سبھی نے گفتگو ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر اندر

چلی آئی۔

"ماشاء اللہ بہت سلجھی ہوئی ہے نویرہ...... کل سے یہاں ہے اس طرح گھر سنبھالا ہے کہ ہر چیز کی طرف دھیان رکھا ہے کہ مجھے خود بھی احساس نہیں ہوا کہ نویرہ یہاں کے لیے انجان ہے۔ جیتی رہے...... اللہ جزا دے۔"

واجدہ خالہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئیں، وہ جھینپ گئی۔ اس کی تعریف پر اماں اور بڑی چچی کے چہرے پر ستائش ابھر آئی۔ وہ سر جھکائے نبیل بھائی کے ساتھ والی خالی نشست پر آ بیٹھی۔

"خالہ جی آپ بھی حد کرتی ہیں...... میرا اپنا گھر ہے میں فارغ بیٹھی اچھی تھوڑی لگتی...... پھر کام بھی کیا ہے بس روٹین کا ہی تو تھا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

شارق زمان نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

خوبصورت اور پرکشش خدوخال، اسے اپنی یہ کزن دیگر لڑکیوں سے مختلف لگی۔ ہر فن مولا۔ ہر کسی کے کام آنے کے لیے ہر وقت تیار...... وہ ان کے گھر بہت کم آتی تھی مگر جب بھی آتی گھر گھر لگنے لگتا تھا۔ وہ آتی بھی صرف ایک دو دن کے لیے مگر اس طرح گھر سنبھالتی کہ یوں محسوس ہونے لگتا کہ جیسے گھر کی اصل مالک وہی ہو۔

شارق زمان کے حافظے میں کل رات اور صبح کے وقت اس کے متعلق پریشان و متفکر نویرہ کا چہرہ در آیا تو چہرے پر ایک نرم سی مسکان اتر آئی۔ پل پل اس کا خیال رکھتی رہی تھی۔ کبھی دوائی کے لیے پریشان، کبھی کھانے کی بابت استفسار......

"ماشاء اللہ...... نویرہ بڑی سمجھدار اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے...... بہت لکی ہو یار تم......" شارق نے اپنے بائیں طرف بیٹھے نواز سے دھیمے سے کہا جسے رضا نے بھی بخوبی سنا تھا۔ ایک ٹیس سی اٹھی تھی دل میں...... نظر ایک دم نویرہ کے چہرے کا طواف کرنے مچلنے لگی لیکن وہ خود کو ڈانٹ گیا۔ سب کی موجودگی میں (خاص طور پر رمشا کی) وہ یہ حرکت مر کر بھی نہ کرتا۔

"تھینکس...... میرا خیال ہے تم بھی اب ایسی کوئی سمجھداری دکھا دو...... بہت گزار دی تنہا۔۔۔ اب کوئی ساتھی ڈھونڈ لینا چاہیے تمہیں بھی......"

نواز نے بھی جواباً ہنس کر کہا۔ شارق زمان نے قہقہہ لگایا۔ اب طبیعت قدرے بہتر تھی پھر سب کی موجودگی میں ان کی باتوں میں وہ خود کو بہت فریش محسوس کر رہا تھا۔ اسی لیے نواز کے "مشورے" کو خوب انجوائے کیا۔

"کیوں پھنساتے ہو یار...... تمہیں میری آزادی اتنی بری کیوں لگتی ہے جو ہر وقت میرے پیچھے ہی پڑے رہتے ہو۔ اب میں تمہاری طرح لکی تو نہیں ہوں کہ مجھے بھی کوئی "سمجھدار" سی مل جائے...... خاندان میں ایک ہی سمجھدار ہے جس کو تم لے اڑے ہو۔"

شارق کا انداز ہی ایسا تھا کہ رضا حمید بھی مسکرا دیا۔ نواز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ نویرہ نے اسے بغور دیکھا۔

وہ تینوں دھیمے دھیمے کسی بات پر مسلسل مسکرا رہے تھے۔

"کیا بات ہو رہی ہے...... بڑے قہقہے لگ رہے ہیں؟......" نبیل بھائی اگرچہ کچھ فاصلے پر تھے مگر انہیں بھی تجسس جاگا۔

"میں شارق کو مشورہ دے رہا تھا کہ اب اسے بھی کوئی لڑکی دیکھ لینی چاہیے۔ تاکہ اس کی سرگرمیوں میں بھی فرق آئے اور کچھ نہیں تو ذمہ داری کا ہی احساس ہو۔" نواز نے اونچی آواز میں کہا، جو بڑوں نے بھی سنا۔ واجدہ خالہ ہنس دیں۔

"تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی...... میں تو خود اسے کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں مگر یہ مانے تو تب ناں......" انہوں نے مصنوعی خفگی سے شارق کو دیکھا۔ تو وہ مسکرا دیا۔

"بس آج سے آپ لڑکی دیکھنا شروع کر دیں اسے منانا میرا کام ہے......" نواز نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"شارق بھائی سے بھی پوچھ لیں انہیں کیسی لڑکی چاہیے......" نبیلہ باجی نے مشورہ دیا۔

"ہاں واقعی شادی تو انہیں کرنی ہے۔ لڑکی بھی ان کی ہی پسند کی ہونی چاہیے۔ ٹاپک دلچسپ تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ وہ اس طرح کسی کے قابو میں آیا ہو اور جو یہ موضوع چلا تو نویرہ کے منہ سے بھی پھسل گیا۔

اس نے مسکرا کر نویرہ کو دیکھا لیکن ایک دم اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سمٹی۔ عجیب لطافت سے مسکراتی یہ لڑکی کبھی کبھار عجیب انداز میں اس کے دل کے تاروں پر ہاتھ مار جاتی تھی کہ وہ گنگ سا رہ جاتا۔ اب بھی ایک پل کو اندر کی وحشت پوری قوت سے باہر نکلنے کو بے تاب ہوئی تھی۔

"بشرطیکہ وہ تم ہو......" ایک لمحے کی بات تھی۔

ہونٹوں سے الفاظ پھسلے تھے۔

یا دل سے لفظ نکلے تھے۔

چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

آنکھوں میں کئی رنگوں کا عکس تھا۔

عجب سی وحشت تھی۔

ایک دو پل کو تو سبھی ٹھہر گئے تھے۔

یوں جیسے اچانک انہونی ہو گئی ہو۔ اس قدر سنجیدگی۔

وہ بے باک ضرور تھا مگر بے ادب نہیں لیکن یوں بڑوں کی موجودگی میں اتنی بڑی بات کہہ دینا وہ بھی اس قدر سنجیدگی سے۔ سبھی حیرت سے شارق کو دیکھ رہے تھے۔

ایک دم شارق زمان کو بھی احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ چکا تھا۔

ایک پل نے اسے کس طرح آشکار کر دیا ہے۔

وہ خود بھی حیران تھا کہ اس کی زبان سے یہ الفاظ پھسل کیسے گئے؟

"مگر کیا کریں..... نواز مجھ سے سبقت لے گیا۔ اب انتظار کرنا پڑے گا۔

کوئی تم نہیں تو تم "جیسا" تو ضرور ہو......"

مسکرا کر کہتے ہوئے مذاق کے رنگ میں ایک دم اس نے اپنے چند پل کہے جانے والے الفاظ کا اثر زائل کرنا چاہا۔

سب کی سانس ایک دم بحال ہوگئی۔

سبھی مسکرا دیے۔

نویرہ جو خود اس کی اس قدر سنجیدگی سے دہرائی جانے والی بات پر حیران و ششدر آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی وہ بھی ایک دم پرسکون ہوگئی لیکن اندر ہی اندر ایک لہر ضرور اٹھی۔ تبھی وہ مقابل بیٹھے اپنا بغور جائزہ لیتے اسے دیکھنے لگی۔

"تم بھی حد کرتے ہو شارق...... مذاق کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا کرو...... نویرہ اب تمہاری کزن ہی نہیں ہونے والی بھابی بھی ہے......"

واجدہ خالہ نے بھی ٹوک دیا۔ تو وہ ہنس دیا۔ نجانے اس کی ہنسی میں کیا بات تھی کسی اور نے شاید محسوس کی تھی کہ نہیں لیکن نویرہ کا دل چیخ گیا۔

"بالکل بجا فرمایا...... ہم دل سے عزت کرتے ہیں آنسہ نویرہ صاحبہ کی۔ ہم بھلا کوئی ایسی گستاخی کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں ان کی شان میں۔ یہ تو ہمارے لیے قابل صد احترام ہیں۔" انداز اگرچہ اب بھی مذاق اڑانے والا تھا لیکن نویرہ کو اس کی آنکھوں میں وہ ایک لمحے پہلے کی وحشت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ نجانے کیوں اس کے اندر کی لڑکی اس کی آنکھوں کی کیفیت سے ڈر گئی۔

اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

اس پل اسے اس کی آنکھوں کی تپش اپنے وجود پر نیزے کی انی کی طرح چبھ رہی تھی۔ ایک سیکنڈ کو بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دم نویرہ کے چہرے پر برہمی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا جو بظاہر عام سے انداز میں مسکراتے ہوئے ابھی بھی اس کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ جیسے اس کے چہرے کے تمام رنگ پڑھنے کی کوشش میں ہو۔

نویرہ نے برہمی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں شارق زمان کو تنبیہ کی۔

دوسرے ہی پل اس نے مسکرا کر اپنی نگاہیں ہٹالیں۔ نویرہ کے اندر کوئی چیز چیخ کر رہ گئی۔ جیسے کوئی شدت سے احتجاج کرنے لگا ہو۔

"شارق بھائی نے ایسا کیوں کیا ہے...... اس سے پہلے تو انہوں ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔" باقی لوگ دوبارہ سے وہی ٹاپک چھیڑ چکے تھے مگر نویرہ سر جھکائے ہتھیلیوں کو آپس میں مسلتے اس کی آنکھوں میں ٹھہر جانے والی ایک پل کی کیفیت پر ہی حیران و پریشان تھی۔

"آئندہ احتیاط کرنا ہم بھی بیٹھے ہیں اس محفل میں۔" نواز جو پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ شارق آج اسے ستانے اور مذاق کے موڈ میں ہے اس نے بھی ہنس کر کہا تو نویرہ کو جیسے ایک دم لگا کوئی اور بھی اس کے ساتھ ہے۔ کسی نام کے ساتھ اس کا نام ہے۔ وہ اتنی غیر اہم نہیں کہ کوئی مذاق میں اس کے متعلق اتنی بڑی بات کہہ جائے۔ نواز کی طرف دیکھتے ہوئے وہ پرسکون ہوگئی۔

"ہو سکتا ہے میری نظر اور سمجھ کا دھوکہ ہو...... شارق بھائی واقعی مذاق کر رہے ہوں......" وہ مکمل طور پر مطمئن ہوگئی تھی۔

"بہت بری بات ہے شارق بھائی...... آئندہ مجھے آپ سے بات چیت میں احتیاط کرنا ہوگی۔"

شاکرہ چائے لے کر آگئی تھی۔ ایک ایک کرکے وہ سب کو چائے سرو کرنے لگی تو نویرہ نے بھی آہستہ سے کہہ دیا۔ "میرا اور آپ کا اس قسم کے مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔" اس نے جتا بھی دیا اور حد بھی متعین کر دی۔

شارق نے شاکرہ کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے دیکھا۔ اس کے لبوں پر وہی پہلے جیسی مسکراہٹ آگئی تھی۔ اس کے اندر کوئی چیز پوری شدت سے چیخی۔

"معافی مانگ چکا ہوں مادام!...... میں نے کہا ناں کہ میں آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں نواز کے ناطے اور بھی گہرا تعلق ہے۔" ذہن میں رکھیے......"

چائے کا ایک گہرا سپ لیتے اس نے فوراً معذرت خواہانہ انداز اپنایا تو نویرہ ہنس دی۔ یوں ایک پل کو لگا جیسے ماحول کی ساری کثافت ہی دھل گئی ہو۔

"پھر آپ بتائیں نا...... کیسی لڑکی چاہیے آپ کو......" اتنی دیر سے خاموش بیٹھی رمشا بھی درمیان میں کود دی۔

شارق نے ایک بے بس نظر سے نواز کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ "یار کہاں پھنسا دیا تم نے۔" نواز محظوظ ہوا۔

"کوئی بھی نہیں......" اس نے کہا۔

"کیوں......" یہ سوال چھوٹی چچی کی طرف سے اٹھا تھا۔

"ابھی میرا شادی کرنے کا قطعی موڈ نہیں...... مذاق ایک طرف...... اس جانب میں نے نہ کبھی سوچا ہے اور نہ ہی ابھی سوچنا چاہتا ہوں۔" ایک دم سے سنجیدگی اس کے چہرے پر آکر رک گئی۔ چٹانوں جیسی سختی جو سب کو ایک حد میں رہنے پر مجبور کر دیتی تھی اب بھی یہی ہوا۔

"کیوں...... شارق بیٹا! اس معاملے میں یوں لاتعلقی کیوں؟...... یہی شادی کی عمر ہے۔" فاروق چچا نے اس کی یوں سنجیدگی سے ایک دم انکار کرنے پر فوراً سوال اٹھایا۔

شارق کا دل چاہا سب کو ایک سخت سا جواب دے کر ہمیشہ کے لیے چپ کرا دے وہ ایسا ہی تھا۔ کبھی کبھار ہی اس کا موڈ بہتر ہوتا لیکن اس وقت اسے خود پر بہت جبر کرنا پڑا۔

"ابھی میں خود کو اس ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتا...... شادی بہت بڑی ذمہ داری مانگتی ہے...... میں جس قدر غیر ذمہ دار ہوں آپ سب لوگ باخبر ہیں......" اس نے حاضرین پر ایک اچٹتی نظر ڈالی پھر نگاہ ذرق بھٹکتی ہوئی صاف شفاف مانگ پر آٹھہری۔ "یا یوں سمجھ لیں میں ابھی خود ہی اس ٹاپک سے بچتا

چاہتا ہوں یہ نہیں کہ شادی کروں گا ہی نہیں کروں گا، ضرور کروں گا لیکن کس سے۔ یہ تو مجھے خود بھی نہیں پتا......" آخر میں وہ کچھ کہہ گیا تھا مگر دوٹوک انداز میں۔ آج یوں موضوعِ سخن بننے پر شارق زمان نے بھی واضح کر دیا۔

سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔ مزید کچھ کہنے یا سننے کی کسی کے اندر ہمت ہی نہیں ہوئی۔ شارق کا انداز ہی اتنا اٹل تھا۔ اس نے بات ہی اس قدر دوٹوک انداز میں ختم کر دی کہ فاروق چچا نے کوئی اور موضوع چھیڑنا زیادہ مناسب جانا۔ اس خیال سے کہ پھر کبھی بات کریں اور منوا کر رہیں گے۔

⁂

فرح نے سبحان احمد کو سعید احمد کا پیغام دیا کہ وہ انہیں بلا رہے ہیں مگر وہ اس وقت اندرونی طور پر اس قدر ڈسٹرب تھا کہ اندر جانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"ابو کو کہنا میں رات کو آ کر ان سے مل لوں گا۔ اس وقت ڈاکٹر ظفر کے ساتھ میرا پروگرام ہے، رات کو لوٹوں گا۔"

ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھا کر سبحان احمد گھر سے باہر آ گیا۔ ڈاکٹر ظفر کے ساتھ واقعی اس کا پروگرام تھا مگر اس وقت نہیں ڈنر کے وقت تھا۔

وہ کتنی دیر تک گاڑی ادھر اُدھر دوڑاتا رہا۔

"سبحان بھائی...... آپ بھی۔"

حیرت اور بے یقینی سے گنگ آواز تھی۔

آنسوؤں سے تر چہرہ اس کو اضطراب کے سمندر میں دھکیلتا رہا۔

"نہیں آؤں گی آپ کے گھر...... کبھی نہیں...... سنا آپ نے...... کبھی نہیں......"

روتے ہوئے وہ وہاں سے گئی تھی۔ اس کو ایک پل کے لیے لگا تھا کہ زندگی اس سے روٹھ کر چلی گئی ہو اور اب جیسے اس کے آنسو اندر ہی اندر اسے ادھ موا کرنے کو تھے۔ اندر کے اضطراب سے گھبرا کر اس نے گاڑی "سی ویو" کی جانب موڑ لی۔ گاڑی ایک طرف پارک کر کے وہ پتھروں پر آ بیٹھا...... لہریں پتھر کو چھو چھو کر لوٹ رہی تھیں۔ سمندر کے تلاطم تیز شور میں غیر مرئی نقطے کو گھورتے نجانے کتنا وقت بیت گیا۔

موبائل کی بیپ ہوئی تو وہ چونکا۔

موبائل اسکرین پر ڈاکٹر ظفر کا نمبر دیکھ کر یاد آیا کہ وہ انتظار کر رہا ہوگا۔

"ہیلو......" اس نے کال ریسیو کی۔

"کہاں ہو تم؟...... میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" چھوٹتے ہی اس نے پوچھا۔ اس نے ایک گہری سانس سمندر کی ٹھنڈی فضا میں خارج کی۔

"آئی ایم سوری یار!...... میں شاید نہ آ سکوں۔ پلیز مائنڈ نہ کرنا۔ کل کا پروگرام سیٹ کر لو۔"

اس نے ڈنر کی طرف سے معذرت کی۔

"کیا مطلب...... تم نہیں آ رہے......" دوسری طرف وہ پھاڑ کھانے کو تھا۔

"نہیں......"

"کیوں؟......"

"بس طبیعت ٹھیک نہیں...... پھر پاپا کے ساتھ ایک اہم میٹنگ بھی ہے...... پلیز یار مائنڈ نہیں کرنا کل اکٹھے ڈنر کریں گے تو پھر بات کریں گے۔"

"کیا ہوا طبیعت کو......" اب کے وہ کچھ آرام سے پوچھ رہا تھا۔

"کل بتاؤں گا...... آئی ایم سوری تمہیں میری وجہ سے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی......" اس نے سلیقے سے ایکسکیوز کیا تو دوسری طرف ظفر سمجھ گیا کہ یقیناً کوئی سنجیدہ بات ہوئی ہوگی ورنہ وہ وقت دے کر انکار کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔

"او کے پھر ٹیک کیئر...... کل تفصیلی بات ہوگی۔ میں مغرب کے بعد ہی تمہیں آفس سے پک کر لوں گا......" ڈاکٹر ظفر نے مزید ایک دو رسمی جملوں کے بعد موبائل بند کر دیا تھا۔

اس نے تشکر بھری سانس لی کہ ڈاکٹر ظفر نے کریدنے کی کوشش نہیں کی اور فوراً بات مان لی۔

وہ کچھ دیر مزید وہیں رکا۔

"امی کی نفرت بلا جواز تو نہیں......" لہروں کو ہاتھوں سے چھوتے وہ مسلسل اسی رخ پر سوچ رہا تھا۔

"مگر اس میں زرش کا کیا قصور، اسے تو شاید کچھ بھی علم نہیں۔" ہتھیلی میں پانی جمع کر کے ایک ایک قطرے کو گرتے دیکھنے کا کھیل وہ گم حواسوں سے دیکھ رہا تھا۔

"امی کی نفرت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے...... میرے لیے تو تینوں ہی اہم ہیں امی، ابو اور شاید زرش بھی...... ان تینوں میں سے کسی ایک کا بھی ڈی گریڈ ہونا کیا میں برداشت کر سکتا ہوں؟......"

وہ مسلسل سوالات کے کٹہرے میں خود کو مجبور پا رہا تھا لیکن جواب کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ ابھی ڈور کسی بھی طرح سلجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ تنگ آ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ واپس گاڑی میں آ کر بیٹھا تو پہلے سے زیادہ مضطرب تھا۔

واپسی کے سفر میں وہ ادھر اُدھر گاڑی گھماتا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب خود سے ہار کر وہ گھر کی طرف لوٹ آیا۔ جس کشمکش اور اذیت سے وہ دوچار تھا اس کا شاید اس کے پاس کوئی حل بھی نہیں تھا۔

گاڑی پارک کر کے اندر آیا تو گھر میں بالکل خاموشی تھی۔ کاریڈور میں بھی کوئی دکھائی نہ دیا۔ نہ ہی اس وقت وہ کسی سے سامنا کرنا چاہتا تھا۔ کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ کافی دیر بعد باہر نکلا تو صوفے پہ پاپا اور بیڈ پہ فرح کو بیٹھے دیکھ کر وہ رک گیا۔

"السلام علیکم......" وہ ایک لمحے رکا پھر سر خشک کر کے تولیہ اسٹینڈ پہ ڈال دیا۔

"وعلیکم السلام...... بڑی دیر لگائی تم نے موبائل بھی آف تھا......" پاپا نے پوچھا۔

وہ چپ رہا۔ ڈاکٹر ظفر کی کال کے بعد اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔

سعید احمد لاہور گئے ہوئے تھے مزید چند دن لگ جاتے تھے مگر کام جلد ہو جانے پر وہ واپس لوٹ

آ ئے۔ سمعان احمد کو آفس میں فون کیا کہ وہ ڈرائیور کو ائیر پورٹ بھیج دے لیکن ڈرائیور کو بھیجنے کے بجائے وہ خود ہی لینے چلا گیا۔ ارادہ سعید احمد کو گھر چھوڑ کر نئے سرے سے فریش ہو کر ڈاکٹر ظفر کی طرف جانے کا تھا لیکن......

”کیسا رہا ٹور......“ وہ خاموش رہا تو انہوں نے نہیں پوچھا۔

”ٹھیک تھا۔“ اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے سعید احمد کو دیکھا۔

وہ اس وقت اس کے کمرے میں تھے یقیناً کوئی ضروری بات تھی۔

”بھائی آپ چائے پئیں گے......“ فرح نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں گڑیا...... ابو سے پوچھ لو...... میرا دل نہیں چاہ رہا......“ اس کے انکار پر اس نے والد کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔

”نہیں...... میرا بھی موڈ نہیں۔ تم جا کر آرام کرو...... اور ہاں علی سو گیا ہے یا پڑھ رہا ہے۔“ انہوں نے پوچھا۔

”علی سو گیا ہے......“ فرح نے مختصراً جواب دیا تو بابا نے سر ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔

”بیٹھو...... مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے......“ انہوں نے بیڈ کی سائیڈ پر بیٹھے سمعان کو اپنے پاس صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔

”کوئی خاص بات ہے۔“ بات کس نوعیت کی ہو سکتی ہے اس کو اندازہ ہو رہا تھا مگر پھر بھی پوچھا۔

”ہوں......“ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا......

”آج جو کچھ بھی ہوا تم نے بھی سب سنا ہے......“ انہوں نے بغیر تمہید باندھے بات شروع کی۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے کمر ٹکائی۔

”جی......“

”میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ قصور کس کا ہے؟...... میں جمع تفریق کے اس حساب سے اکتا چکا ہوں۔ تمہاری ماں جو چاہتی ہے‘ تم اچھی طرح جانتے ہو اور جو میں چاہتا ہوں اس سے بھی باخبر ہو۔ میں زرش پر زور دے رہا ہوں تو اس لیے نہیں کہ یہ میری ضد ہے اس لیے کہ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم اسے چاہتے ہو......“

انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے ایک دم سر جھکا لیا۔ ایسا موقع تو آنا تھا مگر اتنی جلدی۔ اس کا چہرہ سرخی مائل ہونے لگا۔

”میں نے مسعود احمد سے جب بات کی تھی تمہاری رضامندی لے کر ہی کی تھی۔ زرش مجھے اتنی ہی عزیز ہے۔ جتنے کہ تم...... لیکن آج کی ساری بات کا لب لباب یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اسٹینڈ لو۔ فرح اور علی کی باتیں سن کر جو بھی بات سامنے آئی ہے وہ یہی ہے کہ تم اب اس مقام پر کیا چاہتے
“

وہ حیران کن نظروں سے بابا کو دیکھ رہا تھا۔ توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح کی بات کریں گے۔ یعنی اسے اسٹینڈ لینا ہوگا۔ وہ الجھا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟...... یہی الجھن سوال کا روپ دھار چکی تھی۔

”تمہاری ماں سمجھانے کی حد سے نکل چکی ہے۔ میں بھی بیٹی والا ہوں‘ مجھے علم ہے کہ بیٹی کی عزت نفس اور ذلت کیا ہوتی ہے۔ تمہاری ماں جس طرح زرش کی ذات کے پرخچے اڑانے پر کمربستہ ہے اس کا صرف یہی حل ہے کہ تم اپنی ماں کے سامنے صاف اور واضح بات کرو...... جس طرح عثمان احمد نے اسٹینڈ لیا تھا......“

انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کر دی۔ اس نے لب بھینچ لیے۔

”آئی ایم سوری ابو جان...... میرے لیے یہ ممکن نہیں...... کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اس نے انکار کر دیا۔ انہیں شاید اس جواب کی توقع نہ تھی وہ چند پل بے یقینی سے اسے دیکھتے رہے۔

”میرے لیے آپ جتنے قابل احترام ہیں۔ امی بھی اتنی ہی ہیں۔ میں اگر اس مقام پر اسٹینڈ لوں گا تو یقیناً ان کا دل برا ہوگا۔ وہ یہ بات کبھی نہیں بھولیں گی کہ میں نے ان کی خواہش کو نظر انداز کر کے اپنے دل کی بات مانتے ہوئے زرش کے لیے اسٹینڈ لیا۔ عثمان بھائی کا معاملہ دوسرا تھا۔ فاریہ بھابی ”متنازعہ“ شخصیت نہیں تھیں جب کہ زرش ہے اور سب سے بڑھ کر آپ کی خواہش بھی ہے۔ وہ ساری زندگی اس بات کو قبول نہیں کریں گی اور نہ ہی چچا جان اور چچی جان مانیں گے پھر کیا ہوگا...... نتائج کیا ہو سکتے ہیں...... مجھ سے بہتر آپ اندازہ کر سکتے ہیں......“ اس نے دھیمے انداز میں ساری بات کھول دی۔

سعید احمد نے بغور ایک ایک لفظ سنا۔

”مجھے اس عورت کی قطعی پروا نہیں...... مجھے تم لوگوں کے احساسات کی فکر ہے بس......“ انہوں نے قطعی کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”لیکن مجھے ہے...... وہ عورت میری ماں ہے ابو جان......“ اس کا انداز بھی قطعی تھا۔

انہوں نے بغور بیٹے کی طرف دیکھا۔ وہ ان کا سب سے سعادت مند و فرماں بردار بیٹا تھا۔ آج تک ان کی کسی بھی بات کے جواب میں اس کے منہ سے ”نہیں“ نہیں نکلا تھا مگر آج......

”تو پھر ٹھیک ہے جو تمہاری ماں کہتی ہے وہ مان لو...... میں تمہاری بارات لے کر وہاں چلا جاؤں گا......“ اب کی بار انہوں نے کچھ غصے سے کہا۔ وہ سٹپٹا گیا۔ ایک دم گھٹنے زمین پر ٹیک کر ان کے سامنے بیٹھ کر ان کے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

”آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر مگر امی کو بھی تکلیف دینا نہیں چاہتا...... ہم کچھ عرصہ اس ٹاپک کو بھول نہیں سکتے۔“ اس نے لجاجت سے کہا۔ وہ خاموش رہے۔

”ابو جان پلیز...... سمجھنے کی کوشش کریں...... چچا جان زرش کی شادی اتنی جلدی نہیں کریں گے کم از کم دو تین سال تک...... تب تک ہم اس ٹاپک کو رہنے دیتے ہیں۔ امی کو سمجھا تو سکتے ہیں۔ زرش کا نام نہیں

لیتے ہیں' ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں بہتری کی صورت نکل آئے اور امی خود اس رشتے کے لیے دل سے راضی ہو جائیں...... ہم لوگ بالکل خاموش رہتے ہیں۔ جس طرح امی کی خواہش ہے' کر لیتے ہیں بعد میں ہم اپنی منوالیں گے مگر اس طرح نہیں جس طرح اب ہو رہا ہے۔ اس طرح گھر بنتے نہیں بگڑ جاتے ہیں۔ پلیز......"

انہوں نے گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے تمہاری بات مان کر میں اس ٹاپک کو بھول جاتا ہوں مگر وہ بھی نہیں ہوگا جو وہ عورت چاہتی ہے۔ فوزیہ بھی اس گھر میں نہیں آئے گی اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا اور یہ فائنل بات ہوگی۔ دو تین جتنے سال بھی سہی یہ طے ہے کہ زرش اسی گھر میں آئے گی......" انہوں نے اٹل انداز میں کہا تو اس نے ایک پرسکون سانس لی۔

شکر ہے انہیں اس کی بات سمجھ آ گئی تھی۔

"تھینک یو ابو جان!...... تھینک یو سو مچ...... انشاء اللہ میں امی کو سمجھا لوں گا۔

ان دو تین سالوں میں سب بہتر ہو جائے گا۔ میرا یقین کریں......"

ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے کمال اطمینان اور یقین سے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"وہ عورت کسی کے سمجھانے سے کبھی سمجھنے والی نہیں...... میری زندگی گزر گئی ہے' تم بھی کوشش کر کے دیکھ لو...... ہو سکتا ہے تم کامیاب ہو جاؤ......"

وہ اس کے ہاتھوں کو تھپتھپا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ زرش کا بھی گھر ہے...... وہ یہاں آتی رہے گی اسے یہاں آنے سے تمہاری ماں' کبھی منع نہیں کرے' یہ بات بھی اپنی ماں کو سمجھا دینا......" دروازے کے پاس رک کر انہوں نے کہا اور پھر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد اس کے چہرے پر تفکر کے سائے گہرے ہونے لگے۔

طاہرہ بیگم کو سمجھانا ایک مشکل امر تھا لیکن وہ یہ کام اپنے ذمے لے چکا تھا۔

"جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا......"

اس نے قطعیت سے سر جھٹکا اور بستر کی طرف پیش قدمی کی۔

✿......✿......✿

"چ...... چ...... چ......" بڑے اشتیاق سے تم اپنی نویرہ آپا کو ملنے گئے تھے مگر اس نے تو تمہیں لفٹ بھی نہیں کروائی۔

شارق کے گھر سے واپس آ کر حمید صاحب اور ان کی بیگم اپنے کمرے میں چلے گئے۔ رضا ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔ رمشا نے آتے ہی یہ گل افشانی کی۔

"شٹ اپ......" رضا حمید کو بھڑکانے کے لیے رمشا جاوید کا انداز ہی کافی تھا۔ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"اف......" رمشا نے خوب مزہ لیا۔ "اتنا غصہ...... ویسے میں تمہارے غم میں برابر کی شریک ہوں۔ مجھے بڑا افسوس ہے......" رمشا نے رضا حمید کو چڑانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

"بکواس بند کرو......" رضا نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ کنٹرول صوفے پر دے مارا۔

"کیوں کیا تکلیف ہو رہی ہے...... سچ ہی تو کہہ رہی ہوں۔ میں نے انکل سے منع کیا تھا کہ تم نہیں جاؤ گے صرف اور صرف اپنی "آپا" کے لیے گئے تھے تو اب انکار کیوں کر رہے ہو......" رمشا خود تو بھڑک رہی تھی۔ رضا کے اندر بھی وہی آگ لگا رہی تھی اور وہ واقعی بھڑک اٹھا۔

"اور تم صرف اور صرف اس وجہ سے گئی کہ میں جا رہا ہوں...... ہے ناں......" رضا کا انداز پھاڑ کھانے کو تھا۔ رمشا جاوید ہنس دی۔

"یس آف کورس...... بھئی تمہارا کیا بھروسہ...... کب تم "نویرہ"...... "نویرہ" کرتے اس کے پیچھے چل دو۔"

"تم جیسی گھٹیا لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی......" وہ بجائے اشتعال میں آنے کے بہت دکھ سے کہہ رہا تھا۔ رمشا نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"گھٹیا نہیں...... تم کیا جانو گھٹیا پن کیا ہوتا ہے اگر میں گھٹیا لڑکی ہوتی تو نویرہ بی بی اب تک اپنی منگنی ٹوٹنے کا غم منا رہی ہوتی......"

رمشا نے "گھٹیا پن" کی وضاحت کی۔ رضا ایک دو پل تک کھڑا رہا پھر نجانے کیا ہوا یک دم صوفے سے اٹھا۔ اس کا بازو دبوچ کر اسے دیوار میں اس طرح دھکیلا کہ وہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"رمشا کا سر بری طرح دیوار سے ٹکرایا لیکن رضا پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔"

"تم گھٹیا پن کی بات کرتی ہو...... میں بتاؤں گھٹیا پن کیا ہوتا ہے...... تمہیں بتاؤں۔" وہ وحشیانہ انداز میں اس کے کندھوں کو اپنی وحشی گرفت میں جکڑے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ اس کو خوف کی لہر نے آ لیا۔

"چھوڑو مجھے......" ایک تو رضا کی گرفت دوسرا تھپڑ کی شدت وہ ادھ موئی ہو گئی۔ آواز پر اب خوف غالب تھا۔ رضا نے جھنجھوڑ کر اسے صوفے پر پٹخ دیا۔

وہ ایک دفعہ پھر لڑکھڑا گئی...... پاؤں مڑا تو بے وزن ہو کر اوندھے منہ صوفے پر گر پڑی۔ دوپٹہ درمیان میں ہی قالین پر گر گیا تھا۔

"تم نے آئندہ "نویرہ" کے لیے گھٹیا لفظ استعمال کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا...... میں تمہارا جتنا لحاظ کرتا ہوں تم اتنی ہی سر چڑھتی جا رہی ہو۔ تم نے اگر کسی سے ایک لفظ بھی غلط انداز میں نویرہ کے لیے بولا تو اسی دن میں تمہارا گلا دبا دوں گا۔ تم اگر کسی بھی حد تک جا سکتی ہو تو میں بھی جا سکتا ہوں...... اگر نویرہ کی منگنی ٹوٹے گی تو میرا اور تمہارا رشتہ بھی ختم ہوگا۔ سمجھیں...... انداز دھمکی دینے والا ہی نہیں عمل کرنے والا بھی تھا۔

غضب ناک تیور لیے وہ الجھے تنفس سمیت سب کہہ گیا۔ جیسے اس کا بس چلے تو ایک پل میں وہ اسے آگ لگا دے۔

رمشا سیدھی ہوئی تو وہ تن فن کرتا لاؤنج سے نکل گیا۔

رمشا کا الجھا تنفس اس کے جانے کے بعد بحال ہونے لگا۔

"اف...... یہ رضا تھا؟" وہ لرز کر رہ گئی۔

"اتنا خوفناک...... شکر ہے میں بچ گئی......" دل میں ابھی خوف باقی تھا۔ رخسار تپ رہا تھا۔ ہاتھ سے رخسار کو ڈھانپ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم مر جاؤ نویرہ اللہ کرے تم مر جاؤ...... میری زندگی میں آگ لگا کر تم بھلا کیسے سکھی رہو گی......"

* * *

وہ دو دن مزید خالہ جان کے ہاں رہ کر واپس جا رہی تھی۔ شارق ان تین دنوں میں گھر پر ہی تھا۔ اب وہ بالکل ٹھیک تھا۔ بخار بھی اتر چکا تھا۔ نویرہ اس دن شارق زمان کے رونے سے اس قدر الجھی تھی کہ اس نے اس کے بعد ایک دوبار ہی اسے بلانے کی زحمت کی تھی۔ کزن کی حیثیت سے اسے اس سے انسیت تھی' اس لیے وہ اس کے متعلق فکرمند بھی رہتی تھی مگر اس رات' اس کی آنکھوں کی کیفیت سے وہ الجھ گئی تھی۔ خود ہی اسے بلانے سے اجتناب کیا تھا اور اب آج جب وہ جانے کو تیار تھی۔ نبیل بھائی کا انتظار کر رہی تھی تو بھی وہ مسلسل اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ کبھی اسے کچن میں جاتے دیکھ کر اور کبھی اماں کے کمرے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مسلسل نظروں کی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔

نویرہ اس کی آنکھوں کی تحریر سمجھ تو نہیں پا رہی تھی لیکن الجھ کر رہ گئی تھی۔

"کیا بات ہے شارق بھائی...... کوئی پریشانی ہے......"

اب کی بار وہ لاؤنج میں آئی تو پوچھے بغیر نہ رہی۔ وہ چونکا۔

"ہوں...... کیا پوچھ رہی تھی تم......؟" اس نے اس کی طرف دھیان سے دیکھا۔

سرخ لباس سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے پورے قد سے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

"آپ بہت غور سے دیکھ رہے تھے...... بلکہ کتنی دیر سے آتے جاتے گھور رہے ہیں۔ میں نے سوچا شاید کوئی مسئلہ ہو......" اس نے اصل بات کی۔ بات کو گھما پھرا کر کرنے کی اس کی عادت نہ تھی اس لیے اس نے براہ راست پوچھا۔

شارق زمان نے ذرا دھیان سے اور تعجب سے اسے دیکھا۔ اس رات کی طرح اس وقت بھی اس کے چہرے پر کچھ برہمی کے آثار تھے۔ وہ مسکرا دیا۔

"بیٹھو......" اس نے مسکرا کر کہا تو وہ بیٹھ گئی...... تاہم تیور وہی تھے۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پاک دامن عورت کسے کہتے ہیں......؟" اس نے دھیمی مسکراہٹ سے کہا تو وہ حیران ہوگئی۔

"کیا مطلب......؟" وہ پہلے سے زیادہ الجھ گئی۔

"تم نہیں سمجھو گی...... اس لیے اس بات کو جانے دو۔ واپس جا رہی ہو۔" اس نے مسکرا کر بات بدل دی تو وہ کچھ پل بغور اسے دیکھتی رہی۔

شارق زمان کو اس نے بہت کم مسکراتے دیکھا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"جی...... نبیل بھائی نے کہا تھا کہ وہ لینے آئیں گے مگر ابھی تک نہیں آئے۔"

شارق زمان نے بات ٹال دی تاہم اتنا ہوا کہ اس نے گھورنا بند کر دیا۔ اس لیے اس نے دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کی۔

"تم فون کر کے پتا کرلو...... ہو سکتا ہے کسی خاص کام میں الجھ کر بھول گیا ہو......" شارق نے مشورہ دیا تو اس نے سر ہلایا۔ وہ اٹھ کر وہیں لاؤنج میں رکھے فون اسٹینڈ کی طرف چلی آئی۔ فون نبیل بھائی نے ہی ریسیو کیا۔

"آئی ایم سوری تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ دراصل مجھے ایک ضروری کام تھا کاروباری دوست آئے بیٹھے ہیں۔ کچھ دیر ہو جائے گی شاید بارہ کے بعد ہی فارغ ہو پاؤں...... اچھا ایک کام کرو تم' شارق تو گھر پر ہی ہوگا اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ ورنہ شاید کل اسکول......" نبیل بھائی نے کہا تو وہ چپ ہوگئی۔

"شارق کہاں ہے اس سے بات کرواؤ ذرا......" انہوں نے کہا تو اس نے اس کو دیکھا' وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ آواز دھیمی تھی۔

"نبیل بھائی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں......" اس کے دیکھنے پر اس نے بھی دیکھا تو اس نے کہہ دیا۔

شارق زمان ٹی وی آف کر کے اس کے قریب چلا آیا۔ وہ ریسیور اسے تھما کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ہاں نبیل کیسے ہو؟" وہ کچھ دور صوفے پر آ بیٹھی۔

"ٹھیک ٹھاک ہوں یار...... تم سناؤ' تم کیسے ہو گاڑی ڈرائیو کرنے کے قابل ہو کہ نہیں۔

"دوسری طرف سے نبیل نے پوچھا تو وہ حیران ہوگیا۔

"کیوں خیریت......؟"

"یار یہاں کچھ کاروباری لوگ آئے بیٹھے ہیں۔ ایک پارٹی سے ملنا ہے۔ شاید مجھے دیر ہو جائے...... تم اگر گاڑی ڈرائیو کر سکتے ہو تو نویرہ کو گھر چھوڑ دو...... ورنہ پھر میں کل آ سکتا ہوں......"

شارق نے نویرہ کی طرف دیکھا وہ اسی کی طرف متوجہ تھی۔ شارق کے دیکھنے پر اس نے سر جھکا لیا۔ سرخ آنچل تھوڑا سا سر سے سرک گیا تھا۔ صاف شفاف مانگ شارق زمان کی توجہ اپنی طرف کھینچنے لگی۔

"ہوں ٹھیک ہے...... میں بالکل فٹ ہوں...... چھوڑ آؤں گا......" اس نے ہامی بھر لی۔

"اوکے پھر ٹھیک ہے...... باقی باتیں پھر کروں گا۔ اللہ حافظ......" نبیل نے مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔ ریسیور رکھ کر پلٹا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر آپ کو زحمت ہوتی ہے تو میں کل نبیل بھائی کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔" کچھ جھجکتے ہوئے اس نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"یعنی کہ تمہیں میرے ساتھ گھر جانے پر اعتراض ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں۔ میں تو آپ کی تکلیف کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔"

"تم اماں سے مل لو اور شاکرہ کو کہو وہ تمہارا بیگ لے آئے' میں گاڑی نکالتا ہوں......"

شارق زمان اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ تنہا نہیں جانا چاہتی تھی مگر وہ نبیل بھائی کو انکار نہیں کر سکتی تھی اور اب وہ......

وہ سر جھٹک کر خالہ کے کمرے میں آ گئی۔

"اچھا خالہ جان میں گھر جا رہی ہوں۔ نبیل بھائی کا فون آیا تھا وہ نہیں آ رہے' شارق بھائی چھوڑنے جا رہے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے...... شارق کو کہنا وہ گاڑی احتیاط سے چلائے...... پہلے ہی خدا نے بچایا ہے۔" انہوں نے اسے اپنے گلے لگایا۔

"اپنا خیال رکھیے گا...... دوائی اور خوراک وقت پر لیجیے گا۔"

ان سے جدا ہو کر اس نے بھی خاص ہدایت کی۔ وہ مسکرا دیں۔

اپنا بیگ لے کر وہ گیٹ سے نکلی تو وہ فرنٹ ڈور کھولے منتظر تھا۔ فرنٹ سیٹ دیکھ کر وہ جھجک گئی۔ پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف۔ وہ اگنیشن میں چابی گھما رہا تھا۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کیا کرتی رہتی ہو سارا دن......" گاڑی تھوڑا سا آگے بڑھی تو اس نے ہی اندر کی خاموشی کو توڑا۔ ورنہ وہ تو تہیہ کیے بیٹھی تھی کہ کچھ نہیں بولے گی۔

"کچھ نہیں...... گھریلو کام کاج' سارا دن انہی میں مصروف رہتی ہوں۔ اس کے علاوہ کبھی کبھار سلائی کر لیا کرتی ہوں......" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے مکمل گھریلو "خاتونِ خانہ" ہو......" انہوں نے مسکرا کر کہا اور وہ لب بھینچے خاموش رہی...... وہ بھلا کیا کہتی۔

وہ رات کے اس پہر شارق کے ساتھ تنہا آنے پر ہی جھجک رہی تھی اوپر سے ان کی بے تکلفی...... بہت عرصے بعد اس کا خالہ جان کے گھر آنا ہوا تھا۔ یوں تو انہیں قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ورنہ وہ اسے کم گو اور اپنی ذات میں گم شخص ہی لگا کرتا تھا لیکن اب......

"ایک بات کہوں برا تو نہیں مانیں گے؟...... اچانک کچھ خیال آنے پر اس نے جھجکتے پوچھا۔

"ہاں کہو......" اس نے اس کی طرف دیکھا۔ گاڑی کی ہلکی لائٹ میں پیشانی تک دوپٹہ جمائے وہ دہکتا انگارہ محسوس ہو رہی تھی۔ سرخ لباس میں سرخ و سفید چہرہ چاندنی بکھیر رہا تھا۔

شارق زمان کو محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ اس نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"آپ نے پرسوں رات ایسا مذاق کیوں کیا تھا؟" براہ راست شارق زمان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا اور اسی لمحے شارق کی توجہ بٹی۔ اس کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر لڑکھڑا گیا۔ اسٹیئرنگ گھوما' گاڑی ایک دم لڑکھڑائی۔ نوریہ کی چیخ نکل گئی...... اس نے لڑکھڑاتی گاڑی پر قابو پانے کے لیے بریک پر پاؤں مارے۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ نوریہ نے ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔ سارا وجود لرز رہا تھا۔

"نوریہ...... نوریہ آر یو آل رائٹ......" گاڑی بری طرح سے اپنا توازن کھو بیٹھی تھی۔ نوریہ کا خوف ابھی بھی برقرار تھا۔ وجود بھی لرز رہا تھا۔ اس نے پشیمانی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو جیسے وہ ہوش میں آ گئی' فوراً اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"آ...... آپ...... آپ......" وہ کچھ سخت کہنے کی کوشش میں لب سی گئی۔

"آئی ایم سوری...... میرا دھیان بھٹک گیا تھا۔" اس نے ندامت سے کہا۔

"آپ کا دھیان تو یوں لگتا ہے' ہر وقت بھٹکا رہتا ہے۔ آپ کے لیے زندگی بے کار اور بے معنی ہو گی جسے آپ تجربوں کی نذر کرنے پر تلے ہوئے ہیں مگر میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے...... مجھے پتا ہوتا کہ آپ کی ڈرائیونگ اس قدر ناقص ہے تو میں کبھی آپ کے ساتھ نہ آتی......"

خوف کے باعث آنسو بہہ نکلے۔ چہرہ صاف کرتے اس نے تلخی سے کہہ دیا۔

"ڈرائیونگ تو خیر میری بہت شاندار ہے تم نے تجربہ کب کیا ہے۔"

"رئیلی......" انداز ایک دم ذومعنی تھا۔ نوریہ اندر تک جھنجلا اٹھی۔

"دیکھیں...... میں سیدھی' صاف کھری لڑکی ہوں...... مجھے آپ کی ذومعنی باتوں کی قطعی سمجھ نہیں آتی بس اتنا ہوتا ہے کہ میرا دماغ ضرور الجھ جاتا ہے۔ میرے ساتھ صاف اور سیدھی بات کیا کریں...... ورنہ کوئی ضرورت نہیں بات کرنے کی......"

چاہے وہ بات مذاق کے رنگ میں کی ہو یا پھر "رئیلی" کی صورت میں......

اس نے تلخی سے سب کہہ دیا۔ سگریٹ کا دھواں اڑاتے شارق نے حیران ہو کر نوریہ کو دیکھا۔ اس قدر صاف گو اور کھری لڑکی تھی۔ اس نے پہلی دفعہ ہی اسے قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ دل ایک دم سے اچھلنے لگا۔ وہ پہلے بھی ان کے ہاں آتی تھی مگر کبھی اس نے اسے قابل توجہ ہی نہ جانا تھا۔

"پلیز گاڑی چلائیں...... مجھے رات اسی راستے پر نہیں گزارنی۔ آپ بصد شوق اپنا یہ شوق پورا کیجیے گا مگر مجھے میری منزل پر پہنچانے کے بعد......"

اس کی تلخی ایسی تھی کہ اس کے ہونٹ خودبخود مسکرا اٹھے اور اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"تم سے کبھی اس قدر تفصیلی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے تمہارے متعلق کچھ اندازہ بھی نہیں تھا لیکن تم واقعی کچھ منفرد سی لڑکی ہو۔ رئیلی آئی امپریس یو......"

اس کا انداز واقعی تعریفی تھا۔ نوریہ چپ رہی۔

"تم کوئی رائے نہیں دو گی......"

وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے اسے بولنے پر اکسانے لگا۔

"نہیں......" اس نے بولنے سے صاف انکار کر دیا۔

"کیوں؟......"

"اس لیے کہ مجھے رات کے اس پہر میں پہلی دفعہ نبیل بھائی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں ہر کسی کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتی اور یہ کہ سفر میں تو میں بالکل نہیں بولتی مگر آپ مجھے مسلسل بولنے پر مجبور کر رہے ہیں۔" پہلے سے زیادہ صاف گوئی تھی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

باقی کا راستہ اس نے شعوری کوشش کر کے خاموشی میں گزارا۔

گھر قریب آیا تو نویرہ شکریہ ادا کرنے کے لیے الرٹ ہو کر بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں پکا ارادہ کرلیا کہ آئندہ کبھی اس کی گاڑی میں سفر نہیں کرے گی۔

* * *

اس دن علی گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ شائستہ بیگم مغرب کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ اسی لیے زرش کی خلاصی ہوگئی تھی، علی بھی بیٹھنے کے بجائے چلا گیا۔ دو دن یونہی گزر گئے۔ اس نے دوبارہ جانے کی ضد نہیں کی۔ فرح سے تو کالج میں روز ملاقات ہوتی۔ فرح نے دوبارہ اس موضوع کو نہیں چھیڑا۔ زرش بھی پہلوتہی کر رہی تھی۔ دونوں میں پڑھائی کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہو رہی تھی۔

آج بھی وہ کالج سے آنے کے بعد کھانا کھا کر لاؤنج میں چلی آئی۔ ماما رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن میں مصروف تھیں۔ وہ خاموشی سے ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔

"زرش! ایک بات پوچھوں۔" وہ بظاہر ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی لیکن دھیان گیان کی سوئیاں نجانے کہاں اٹکی ہوئی تھیں۔ نوشین نے کچھ دیر اس کی غیر حاضر دماغی محسوس کی پھر میگزین ٹیبل پر چھوڑ کر وہ اس کے پاس ہی آ بیٹھی۔

"ہوں......" اس نے نگاہیں اسکرین سے ہٹا کر نوشین کو دیکھا۔

"میں دیکھ رہی ہوں جب سے تم تایا جان کے ہاں سے لوٹی ہو کچھ پریشان ہو۔ کیا بات ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زرش چونکی۔

"نہیں تو...... پریشان تو نہیں...... تمہیں یونہی محسوس ہو رہا ہوگا ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے ہنس کر ٹالنے کی کوشش کی تو نوشین نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ میرا وہم نہیں...... یقین ہے...... ضرور کوئی بات ہے......" اس کا یقین ابھی بھی برقرار تھا۔ زرش سر جھکا گئی۔

"کیا بات ہے...... مجھ سے شیئر کرو پلیز زرش! یوں خود کو مت گھلاؤ۔ ہم ہیں ناں...... کیا تائی امی نے کچھ کہا ہے......" بہت محبت سے زرش کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنائیت سے پوچھا۔ زرش کی آنکھیں جھل مل ہونے لگیں۔

"میں نے پوری کوشش کی تھی کہ کوئی بات نہ ہو...... مگر......" وہ لب سی کر آنسو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا کوئی بات ہوئی ہے......؟" اس نے دھیمے سے پوچھا تو زرش نے سر ہلا دیا۔

دھیرے دھیرے اس نے سب کہہ دیا۔ نوشین نے کچھ پل خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر کہا۔

"اتنی بڑی بات ہوگئی اور تم نے ذکر تک نہیں کیا۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"نہیں پلیز...... نوشین! تم کبھی کسی سے ذکر نہ کرنا...... خاص طور پر ماما سے بالکل بھی نہیں۔" اس نے ملتجی انداز میں نوشین کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ورنہ ماما مجھے کبھی بھی تایا جان کے ہاں جانے نہیں دیں گی...... پہلے ہی وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی تھیں۔ بہ خدا میں نے جان بوجھ کر تائی امی سے تلخ کلامی نہیں کی تھی لیکن وہ بات ہی اس قدر نفرت آمیز انداز میں کر رہی تھیں کہ مجھے بھی خود پر کنٹرول نہ رہا اور پھر بات بڑھتی چلی گئی......" وہ اب ندامت محسوس کر رہی تھی، کیا تھا اس دن وہ خود پر قابو رکھ تو بات اتنی نہ بڑھتی...... وہ خود پر کنٹرول کر لیتی...... تھوڑا سا صبر کر لیتی تو کیا تھا۔

"چلو جو ہوا مٹی ڈالو...... سمعان بھائی اور تایا ابو بھی تم پر بات نہیں آنے دیں گے۔ سارا معاملہ سلجھا لیں گے...... تم ریلیکس ہو جاؤ...... اوکے...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک تائی امی کی بات ہے اتنا کچھ سننے کے بعد تایا ابو کسی نہ کسی طرح ان کی زبان تو روکیں گے ناں......" اس نے سمجھایا تو زرش نے سر ہلایا۔

"تم ماما کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی...... ٹھیک ہے۔" اس نے یقین چاہا تو نوشین مسکرا دی۔

"ویسے ماما بھی تمہاری خاموشی پر پریشان ہو رہی تھیں۔" اس نے بتایا۔

"اچھا؟"

"چلو آؤ لان میں ٹہلتے اور باتیں بھی کرتے ہیں......" نوشین اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوئی تو وہ بھی اٹھ گئی۔ دونوں لان میں ٹہل رہی تھیں جب گاڑی کے ہارن پر چونکیں۔

"یہ تو سمعان بھائی کی گاڑی ہے......" نوشین آواز پہچان کر پلٹی وہ بھی دیکھنے لگی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ سمعان احمد نے گاڑی اندر لا کر کھڑی کی۔

سمعان احمد کے ساتھ علی اور فرح بھی تھے۔ زرش حیران سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس دن اسے سب سے زیادہ تکلیف سمعان احمد کے الفاظ سے ہوئی تھی۔ کس طرح انہوں نے اسے ڈانٹ دیا تھا اور اب......

"السلام علیکم......" وہ تینوں قریب چلے آئے۔ فرح نوشین کے گلے لگ گئی۔ زرش خاموش رہی۔

"وعلیکم السلام...... آپ تینوں...... خیریت سے ہیں ناں؟......" نوشین کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔

"آج ہمارا باہر ڈنر کا پروگرام تھا۔ سمعان بھائی ہمیں ڈنر کرا رہے ہیں۔ تم لوگوں کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" فرح نے مسکرا کر سمعان احمد اور پھر زرش کی طرف دیکھ کر کہا تو زرش نے چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے رخ موڑ لیا۔ علی اور فرح سے تو وہ ناراض نہیں تھی مگر وہ سمعان احمد کو ان کے الفاظ کی تلخی کا احساس تو دلا سکتی تھی۔

سمعان احمد نے بغور دیکھا۔ سادہ گھریلو حلیے میں بھی وہ نظر کو خیرہ کر رہی تھی۔ انہوں نے اس کے

سنجیدہ چہرے پہ اپنی پرجوش نظریں ٹکادیں۔ خفا خفا، سنجیدہ چہرہ کتنا اپنا اپنا لگ رہا تھا۔ انہیں اپنے الفاظ کی تلخی کا شدت سے اندازہ تھا اسی لیے تو اس نے پروگرام بنایا تھا۔

”زبردست...... بڑے عرصے بعد سمعان بھائی ہمیں کوئی ایسی بدپرہیزی کروا رہے ہیں۔“ نوشین ایک دم پرجوش ہوگئی۔ زرش پھر بھی خاموش رہی۔

”چلو تم دونوں تیار ہو جاؤ...... اتنی دیر میں، میں ذرا چچی جان سے مل لوں......“ انہوں نے زرش کے خفا چہرے سے نظریں ہٹا کر کہا اور اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

”میں نہیں جا رہی...... میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے...... تم لوگ نوشین کو لے جاؤ۔“

سمعان احمد دعوت کرے اور زرش انکار کرے یہ ناممکن تھا لیکن اس وقت بہت سنجیدگی سے وہ فرح اور علی کو انکار کر رہی تھی۔ سمعان احمد کے اندر کی طرف بڑھتے قدم رک گئے۔

”کیوں......؟“ فوراً پلٹ کر پوچھا۔

”کہا ہے ناں کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے......“ اس نے ناراضی سے کہا۔ سمعان احمد نے ایک خاموش نظر ڈالی۔

”تیار ہو جاؤ میں چچی جان سے بات کر کے آتا ہوں تو پھر تمہارے دردِ سر کا بھی علاج کرتا ہوں۔“ فرح اور نوشین کو اسے تیار کرنے کا اشارہ کر کے وہ اندر چلے گئے۔

”مجھے نہیں جانا......“ زرش نے پاؤں پٹخے۔

”کیوں؟......“ تینوں بولے۔ اس نے خفگی سے سب کو دیکھا۔

”بس کہہ دیا ہے ناں کہ نہیں جانا تو پھر نہیں جانا......“ وہ پاؤں پٹخ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ فرح اور نوشین بھی پیچھے ہی چلی آئیں۔

”کیا ہے؟...... سمعان بھائی اتنے عرصے بعد ٹریٹ دے رہے ہیں۔ ہم سی سائیڈ پہ جائیں گے اور وہیں ڈنر بھی کریں گے۔“ فرح نے اسے راضی کرنا چاہا مگر وہ کشن گود میں رکھ کر بیٹھی رہی۔

”نوشین اسے اٹھاؤ اور باتھ روم میں بھیجو میں اس کے کپڑے نکالتی ہوں......“ فرح نے اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر نوشین سے کہا۔

”یار کیا ہے؟...... دل نہیں چاہ رہا...... زبردستی ہے کیا؟...... بس نہیں جا رہی میں۔ کہہ جو دیا۔“ نوشین نے اسے بازو سے پکڑ کر باتھ روم کی طرف دھکیلا تو وہ احتجاجاً چلائی۔

”جلدی سے کپڑے چینج کر کے باہر آ جاؤ ورنہ ہم اس سے زیادہ برا کریں گے۔“ فرح نے اس کی وارڈروب سے گرے جدید اسٹائلش قسم کا سوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

زرش خونخوار نظروں سے اسے گھورے گئی۔

”چلو جلدی کرو...... میں نے بھی تیار ہونا ہے...... تم جلدی سے باہر نکلو اتنی دیر میں میں بھی تیار ہو کر آتی ہوں۔ تب تک سمعان بھائی کے بھی ماما کے ساتھ مذاکرات ہو جائیں گے۔“ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل کر نوشین نے حد کر دی تھی۔ وہ کلستی ہوئی سمجھ گئی آج اس کا کوئی بھی حربہ کام آنے والا نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس وقت خاموشی سے ان کی بات مان لے۔

وہ فرح کے زبردستی کرنے پہ تیار ہو کر باہر نکلی تو سمعان احمد، علی اور ماما کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ نوشین بھی لباس بدل کر آ گئی تھی۔ سمعان احمد نے ایک خاص نظر ڈالی تو وہ شکایتی نگاہ ڈال کر منہ پھیر گئی۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا ان سے ناراض رہنے کا۔ اسی لیے خاموش کھڑی رہی۔

”اچھا چچی امی، اب ہم چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے واپسی میں تاخیر ہو جائے۔ میں خود دونوں کو پہلے یہاں چھوڑ دوں گا......“ سمعان احمد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ماما مسکرا دیں۔ سمعان احمد کی ذمہ دار طبیعت سے وہ بخوبی آگاہ تھیں۔ اسی لیے سمعان احمد کے صرف ایک دفعہ کہنے پر فوراً راضی ہو گئیں۔

جب وہ لوگ ”سی سائیڈ“ پر پہنچے تو سورج غروب ہونے والا تھا۔ ڈوبتے سورج کا عکس سمندر میں بہت دلکش لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے سمندر میں آگ لگ گئی ہو۔ وہ سب ہلا گلا اور چٹکلے چھوڑ رہے تھے۔ زرش کا موڈ سمندر کو دیکھ کر ایک دم معتدل ہو گیا۔ وہ تو سمندر کی دیوانی تھی اور ڈوبتے سورج کا منظر، سمندر کے پانی میں دیکھنا سونے پہ سہاگا۔ وہ مبہوت سی آگے بڑھ رہی تھی۔ فرح اور نوشین اسے آوازیں دیتی رہ گئیں مگر پانی کی لہروں کے تعاقب میں وہ بہت آگے تک چلی آئی۔ جوتے وہ فرح کے پاس ہی اتار آئی تھی۔ ننگے پاؤں گیلی ریت پہ چلتے پانی کی لہروں کو پیچھے چھوڑنا اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ تھا جو وہ ساحل سمندر پر سرانجام دیا کرتی تھی۔

”شکر ہے تمہارا موڈ تو بہتر ہوا......“ اپنے عقب سے اسے سمعان احمد کی آواز سنائی دی تو وہ اپنے ہی خیالوں سے چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ جینز کے پائنچے گھٹنوں تک فولڈ کیے اس کے ساتھ ہی چل رہے تھے۔ زرش کو ان کے چہرے کی دھیمی مسکراہٹ دیکھ کر یاد آیا وہ تو ان سے ناراض تھی۔

”آپ تو بات ہی نہیں کریں مجھ سے......“ اس نے فوراً ناراضی کا اظہار بھی کر دیا۔ آہستہ آہستہ سورج سمندر میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ صرف ہلکی ہلکی سرخی باقی تھی۔ جو ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ ایسی ہی سرخی زرش کے چہرے پہ بھی تھی۔ خفا سی، ناراض سی۔ وہ دھیرے سے ہنس دیے۔

”بھئی ایسا کیا قصور ہو گیا مجھ سے؟......“ انہوں نے اس کے ہمراہ چلتے ہوئے پوچھا۔ زرش نے ناراض نظروں سے دیکھا۔

”بہت برے ہیں آپ...... کتنی بری طرح ڈانٹ دیا مجھے...... یہ بھی خیال نہ کیا کہ میں کتنی ہرٹ ہوئی ہوں گی......“ اس کی زبان سے اب بھی شکوہ بول رہا تھا مگر خفگی نہیں تھی۔ وہ ایسے ہی دل کی مالک تھی۔ صاف شفاف کھری سی۔ سمعان احمد نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ زرش ایک پل کو ٹھہری مگر جس اپنائیت سے سمعان احمد نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے سہلایا، زرش کی ساری خفگی اڑن چھو ہو گئی۔

”آپ نے ایسا کیوں کیا؟“

”آئی ایم سوری...... یقین کرو میرا مقصد تمہاری تذلیل کرنا نہیں تھا بلکہ اس تکلیف کو کم کرنا تھا جو ان کے الفاظ سے تمہیں پہنچی تھی......“ اس نے اپنے برے رویے کی وضاحت کر دی اور زرش بی بی کا

دل ایک ذرا سی وضاحت سے کھل اٹھا۔

”مجھے قطعی پروا نہیں تائی امی کچھ بھی کہتیں...... وہ ہماری بڑی ہیں۔ اس وقت ان کے لفظ برے تھے...... بعد میں، میں نے سوچا تو احساس ہوا کہ تلخی سے پیش تو میں بھی آئی تھی۔ وہ تو ہماری بڑی ہیں، کچھ بھی کہہ سکتی ہیں، مجھے خود پہ کنٹرول کرنا چاہیے تھا۔“ اس نے آرام سے اپنی غلطی مان لی۔ سمعان احمد مسکرا دیا۔

سورج مکمل طور پر غروب ہو چکا تھا۔ اب ماحول میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا۔

”مجھے تمہاری یہی خوبی متاثر کرتی ہے۔ تم کسی بات کو انا کا مسئلہ نہیں بناتی ہو فوراً اپنی غلطی مان کر ایکسکیوز کر لیتی ہو۔“ اس کے لہجے میں فخر تھا۔ زرش ہنس دی۔

”اتنی تعریف بھی مت کریں...... آئندہ آپ نے مجھے کبھی ڈانٹا تو میں سنجیدگی کے ساتھ خفا ہو جاؤں گی۔“ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ اس بات پر اس نے بے ساختہ ایک قہقہہ لگایا۔

”اوکے ڈیئر...... چلو اس خوشی میں بلکہ ناراضی دور کرنے کی خوشی میں یہ اپنا تحفہ قبول کرو......“ اس نے مسکرا کر جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا اور اپنی بند مٹھی زرش کے سامنے کر دی۔

”کیا ہے یہ؟“ بند مٹھی اسے تجسس سے دوچار کر رہی تھی۔

”بوجھ لو......“ اس کا موڈ اسے ایک دو پل تنگ کرنے کا تھا۔ اس وقت زرش کے ہمراہ بہت فریش تھا۔

”مجھے نہیں پتا...... مٹھی کھولیں...... دکھائیں ناں......“ وہ بالکل بچی بن گئی اور مٹھی کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی بے تابی محسوس کر کے سمعان احمد نے خود ہی اپنی مٹھی کھول دی۔

”زبردست......“ سمعان احمد کی صاف شفاف ہتھیلی پر زنجیر اور پینڈل کی صورت میں ”تحفہ“ دھرا ہوا تھا۔ زرش نے ایک لمحے سمعان احمد کی پھیلی ہتھیلی کو دیکھا اور پھر زنجیر اور پینڈل کو دیکھ کر وہ جھجک گئی۔ اتنا قیمتی تحفہ...... اٹھائے کہ نہ اٹھائے۔

”کیوں پسند نہیں آیا......“ اسے جھجکتے ہوئے ہاتھ پیچھے کھینچتے دیکھ کر سمعان احمد نے پوچھا۔

”نہیں بہت اچھا ہے...... مگر بہت قیمتی ہے۔“ اس نے جھجکتے، اٹکتے کہہ دیا۔ وہ ہنس دیا۔

”تم سے زیادہ نہیں...... انداز معنی خیز تھا لیکن آنکھوں کی چمک اس سے زیادہ...... اس نے یہ کہتے ہی اپنی ہتھیلی سے لاکٹ اٹھا کر زرش کے سامنے لہرایا۔ یہ لاکٹ بالکل فرح کے لاکٹ کی طرح کا تھا۔ بس پینڈل دل کے شیپ کا تھا اور درمیان میں Z.S کے الفاظ کندہ تھے۔

”میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا آپ تو......“ اسے اپنی بات یاد آ گئی جو فرح کا لاکٹ دیکھ کر اس نے سمعان احمد کی اپنے گھر آمد پہ کہی تھی اور اب یہ لاکٹ......

”فرح کے لیے لاکٹ خریدتے ہوئے مجھے قطعی احساس نہیں ہوا تھا کہ مجھے تمہارے لیے بھی لینا چاہیے۔ بعد میں تمہاری بات پر مجھے احساس ہوا اور فوراً آرڈر پر بنوایا۔ بس تمہیں دینے کا خیال نہیں آ رہا تھا۔ فرح کا لاکٹ تھوڑا سا چینج ہے پھر وہ اس کے نام پر تھا۔ جب کہ یہ تمہارے نام پر اسپیشل بنوایا ہے۔ کیوں اچھا نہیں...... یا لینا نہیں چاہتی......“

زرش نے لاکٹ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اس لیے اس نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

”نہیں اچھا ہے...... مگر......“ وہ پھر اٹک گئی۔ نظریں ہارٹ شیپ کے پینڈل میں کندہ الفاظ Z.S پر جمی ہوئی تھیں۔ فرح کا لاکٹ F.S کے الفاظ پر تھا جب کہ زرش۔

”ابھی پکڑ بھی لو...... ادھر وہ تینوں ہمارا انتظار کر رہے ہیں جلدی کرو......“ اس کا انداز بالکل لاپروا تھا۔ زرش نے ایک نظر اس کو دیکھا پھر لاکٹ کو اور آخر میں اپنے سے کافی دور فرح، نوشین اور علی کو ریت پر بیٹھے خوش گپیاں کرتے دیکھا۔

”تھینک یو سوچ......“ ایک لمحے کو اس نے سوچا پھر اس نے مسکرا کر لاکٹ تھام لیا۔

لاکٹ زرش کی ہتھیلی پر تھا۔ زرش کو اپنی ہتھیلی عجیب سے احساس سے بھیگتی محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً سمعان احمد کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔

”اب اس کو پہن لو......“ اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ بھی ساتھ ہو لی۔

”جی...... گھر جا کر ماما کو دکھاؤں گی پھر پہنوں گی......“ لاکٹ کو مٹھی میں بھینچے وہ قدم سے قدم ملا کر سمعان احمد کے ساتھ چل رہی تھی۔

ڈنر کے بعد وہ لوگ وہاں مزید ایک گھنٹہ ٹھہرے پھر واپس لوٹ آئے۔ راستے میں سمعان احمد نے ان سب کو ان کی فرمائش پر آئس کریم کھلائی۔ دونوں جب گھر پہنچیں تو تھکن سے برا حال تھا لیکن اس تھکن کے باوجود دونوں فریش تھیں، وہ انہیں گیٹ پر اتار کر چلے گئے تھے۔ دونوں کھلکھلاتی، ہنستی اندر چلی آئی تھیں۔ شائستہ بیگم لاؤنج میں ہی موجود تھیں شاید ان کا انتظار کر رہی تھیں دونوں ٹھہر گئیں۔

”السلام علیکم ماما!......“ ان کے سلام پر انہوں نے سر ہلایا۔ دونوں ہی ان کے دائیں بائیں آ بیٹھیں۔

”کیسا گزرا آج کا ڈنر......“ دونوں کے چمکتے دمکتے چہرے دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔ زرش کھلکھلائی۔

”بہت اچھا...... سمعان بھائی نے ہمیں بہت انجوائے کروایا۔ اور ماما انہوں نے مجھے یہ لاکٹ بھی دیا۔“ اس نے فوراً ہتھیلی ماما کے سامنے پھیلا دی۔ اس نے لاکٹ ابھی تک نہیں پہنا تھا۔ بڑی حفاظت کے ساتھ وہ سارا وقت مٹھی میں چھپائے رہی تھی۔

شائستہ بیگم نے ایک نظر زرش کے جھلملاتے، چمکتے چہرے پر ڈالی اور دوسری نگاہ زرش کی پھیلی ہتھیلی میں دھرے قیمتی لاکٹ پر...... نوشین جانتی تھی، وہ دیکھ چکی تھی۔ سو وہ بھی ماما کے ردعمل کی منتظر تھی۔

شائستہ بیگم نے لاکٹ اٹھا لیا۔ ہارٹ شیپ میں بنے لاکٹ میں کندہ لفظ Z.S پر ان کی نگاہیں ٹھہر گئی تھیں۔

”پتا ہے ماما ایسا ہی لاکٹ سمعان بھائی نے فرح کو لا کر دیا تھا۔ مجھے پسند آیا تھا تو میں نے یوں ہی ذکر کر دیا، مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ واقعی مجھے بھی لا کر دے دیں گے۔“

شائستہ بیگم نے بغور بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ سچ صرف اس کے ہونٹوں پر ہی نہیں آنکھوں میں بھی تھا۔

"یہ سمعان احمد کس رستے پر چل نکلا......" ZS کے حروف پر انگلیاں پھیرتے وہ دل ہی دل میں دکھی سی ہو گئیں۔

"اچھا ہے ناں ماما...... میں تو لیتے ہوئے جھجک رہی تھی اتنا قیمتی تحفہ کہ پتا نہیں آپ راضی بھی ہوں گی کہ نہیں۔ سمعان بھائی نے کہا بھی تھا کہ پہن لو مگر میں نے آپ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنا...... اگر آپ اجازت دیں گی تو پہنوں گی ورنہ انہیں واپس کر دوں گی بھلے وہ ناراض ہوں......"

شائستہ بیگم نے ایک اطمینان کی سانس خارج کی۔ ان کی بیٹی کا دامن ہی نہیں دل بھی صاف تھا۔ یہ سوچ کر ان کے اندر طمانیت کی لہر سرایت کر گئی۔

"بہت پیارا ہے...... پہن لو...... سمعان نے اتنی محبت و خلوص سے دیا ہے۔ تحفوں کی قدر کرنی چاہیے......" انہوں نے اس قدر اطمینان سے جواب دیا کہ زرش ایک دم خوش ہو گئی۔

"تھینک یو ماما۔ تھینک یو سو مچ...... ورنہ مجھے تو لیتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ اتنا قیمتی جو ہے......"

شائستہ بیگم نے زنجیر کا لاک کھولا اور زرش نے ایک دم ہاتھ سے اپنے بال سمیٹے۔

"آپ خود پہنائیں......" کتنا اعتماد تھا زرش کی آواز اور لہجے میں...... ایسا ہی اعتماد شائستہ بیگم کے دل میں بھی ہر سو روشنیاں بکھیر رہا تھا۔ انہوں نے زرش کے گلے میں لاکٹ پہنا کر اس کی پیشانی چومی۔

"مجھے اچھا لگا ہے تم نے میری ناراضی یا اعتراض کو اہمیت دی۔ سمعان احمد پر مجھے بھرپور اعتماد ہے مگر مجھے تمہاری معصومیت سے ڈر لگتا ہے۔ بس کوشش کرنا ایسا ہی اعتماد میں ہمیشہ تم پر کروں۔ خاندان والے کچھ بھی کہیں تم دونوں میرے دل کے ٹکڑے ہو۔ بس میرا اعتماد کبھی نہ توڑنا۔" انہوں نے دھیمے سے نصیحت کی تھی۔ زرش کچھ نہیں سمجھی تھی۔ بس یہ کہ ماما اس پر اور سمعان احمد پر اعتماد کرتی ہیں۔

"پرامس ماما، آپ کی زرش آپ کا اعتماد ہمیشہ برقرار رکھے گی......" ان کی جذباتی نصیحت پر وہ بھی جذباتی ہو گئی۔ انہوں نے مسکرا کر زرش کا رخسار تھپتھپایا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ماما، پاپا سو گئے ہیں؟" مسعود احمد کو جلدی سونے کی عادت تھی۔ گھر آتے ہی کھانا کھا کر کچھ وقت بچیوں کے ساتھ گزار کر وہ فوراً سونے چلے جاتے تھے۔ نوشین کے پوچھنے پر انہوں نے سر ہلایا۔

"ہاں......"

"میں بھی سونے جا رہی ہوں...... تم دونوں بھی تھک گئی ہو گی اس لیے آرام سے اپنے کمرے میں جا کر سو جانا۔" ماما نے جانے سے پہلے تاکید کی۔

"نوشین تمہیں لاکٹ پسند آیا ہے ناں؟" زنجیر انگلی پر لپیٹے زرش نے پوچھا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں تو سونے جا رہی ہوں واقعی بہت تھکن ہو گئی ہے۔ ویسے آج انجوائے بھی کتنا کیا ہے۔ کتنے عرصے بعد یوں ہم مل کر کہیں باہر گئے تھے۔"

"ہوں، واقعی بہت مزا آیا۔ جاتے ہوئے مجھے سمعان بھائی پر جتنا بھی غصہ تھا وہاں جا کر سارا ختم ہو گیا...... وہ کتنے اچھے ہیں میری چھوٹی چھوٹی بات کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔" نوشین مسکرا دی۔ اس کی مبہم سی باتیں نوشین کو بہت کچھ سمجھانے کو کافی تھیں جبکہ زرش......

"ہو سکتا ہے...... تم ان کے لیے واقعی بہت اہم ہو......" نوشین نے چھیڑا۔ زرش مطلب سمجھے بغیر ہنس دی۔

"واقعی...... وہ تو میں ہوں......" وہ فخر و مان سے اترائی۔

نوشین نے مزید کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر کچھ سوچ کر سر جھٹک گئی۔

"تم تو شاید لاکٹ کی خوشی میں رات بھر نہ سو مگر مجھے نیند آ رہی ہے۔ اوکے۔ شب بخیر......" وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

کمرے میں آ کر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر زرش نے لاکٹ کو دیکھا۔ خوبصورت صراحی دار گردن میں گولڈن زنجیر میں چھوٹا پینڈل اور اس میں کندہ لفظ...... زرش نے بہت نرمی سے اپنے نام پر انگلی پھیری۔

"زرش مسعود احمد" اس نے ZS کا مطلب نکالا تھا۔

"سمعان بھائی بھی کتنے اچھے ہیں۔ فرح تو ان کی سگی بہن ہے مگر مجھے بھی اس سے کم نہیں سمجھتے...... تائی امی کچھ بھی کہیں...... میرے تو وہ سگے بھائی ہیں ناں......" بے پناہ طمانیت سے سوچتے اس نے پینڈل مٹھی میں دبا لیا۔

ہتھیلی نرم سے احساس سے بھیگ اٹھی اور یہی احساس ہاتھ سے ہوتا ہوا رگ و پے میں اندر تک سرایت کرتا چلا گیا۔ جس کا شاید کوئی نام نہیں تھا۔

* * *

شارق زمان تین دن بعد اپنے آفس آیا تھا۔ طبیعت تو ایک دن میں ہی سنبھل گئی تھی لیکن ڈاکٹر کی ہدایت پر وہ بمشکل دو دن ہی آرام کر پایا۔ دفتر میں کئی کام تھے جو اس کے منتظر تھے۔ سارا دن وہ بہت مصروف رہا۔ لنچ ٹائم کے وقت اسے تھوڑی سی فرصت ملی۔ اماں نے گھر سے کھانا بھجوایا تھا۔ وہ کھانا کھا رہا جب نواز کی کال آئی۔

"خیریت یار!......" سلام دعا کے فوراً بعد وہ اصل موضوع کی جانب آ گیا۔

"بالکل ہماری طرف تو بالکل خیریت ہے...... البتہ تمہاری خیریت نیک مطلوب ہے۔" نواز نے چھیڑا۔ شارق فوراً الرٹ ہو گیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ میری جان کہ آج بڑی اماں کی کال آئی تھی اور انہوں نے تمہارے متعلق تفتیشی رپورٹ مجھے ریکارڈ کروائی ہے۔" غیر سنجیدہ انداز تھا۔ شارق کچھ نہ سمجھ پایا۔

"تم سنسر پالیسی چھوڑ کر آرام سے بکواس نہیں کر سکتے۔" شارق نے ٹوک دیا۔ نواز نے جاندار قہقہہ لگایا۔

"خود چاہے جتنی مرضی سنسر شپ اپناؤ ہم پر پابندی......"

"بکومت...... جو کچھ بھی کہنا ہے صاف کہو میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔" گلاس لبوں سے لگاتے اس نے دھمکی دی۔

"صاف بات یہ ہے کہ آج بڑی اماں نے کال کر کے تم سے متعلق انفارمیشن چاہی تھی۔"

"کیسی انفارمیشن؟" لنچ باکس بند کر کے اسے ہاتھ سے ایک طرف رکھ کر وہ وہیں اپنے آفس میں ایک سائیڈ پر رکھے صوفوں میں سے ایک پر ٹانگیں سیدھی کر کے آرام سے نیم دراز ہوا۔

"یہ تم کیا کرتے ہو...... کہاں آتے جاتے ہو...... کس قسم کے دوست بنا رکھے ہیں اور ان دوستوں میں لڑکیوں کی تعداد کتنی ہے؟ وغیرہ وغیرہ......" نواز ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔

"اس ساری بکواس کا مطلب؟"

"بہت واضح، وہ تمہاری ٹانگوں میں زنجیر...... میرا مطلب ہے کہ بیوی کی صورت میں بیڑی ڈالنے کا سنجیدہ قسم کا ارادہ رکھتی ہیں...... لڑکی ڈھونڈنے کی مہم کا آغاز وہ میرے ذریعے یعنی میری فراہم کردہ معلومات کو استعمال کر کے تمہاری مشکوک سرگرمیوں سے شروع کریں گی......" شارق زمان پر نواز کی ساری لن ترانیوں کا مقصد اچھی طرح واضح ہو گیا تھا۔

"لعنت ہو تم پر...... جواب میں تم نے کیا کہا؟" صوفے سے اٹھ کر وہ اپنی مخصوص چیئر پر آ بیٹھا۔

"مجھے کیا کہنا ہے...... بڑی امی جو پوچھتی گئیں "اچھے بچوں" کی طرح بتاتا گیا کہ موصوف کے کس قسم کے دوست ہیں۔ کبھی کبھی بنکسٹ کلب میں کیوں حاضری دی جاتی ہے۔ وہاں کس قسم کی مخلوق پائی جاتی ہے اور اس مخلوق میں صنف نازک کا کیا رول ہے...... خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ کچھ بھی تو نہ چھپایا۔ آخر کو میرے دوست کی زندگی کا سوال تھا۔"

شارق زمان اس کی ساری بکواس پر تپ اٹھا جی چاہا وہ سامنے ہو اور ٹیبل پر سے پیپر ویٹ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

"نواز! آئی ول کل یو......" شارق کا غصے سے برا حال تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ اپنے آپ کو درست کر لو ورنہ کسی بڑے کو مجھے تمہارے پیچھے لگانا پڑے گا......" اس کے غصے کے جواب میں نواز نے بہت سنجیدگی و تحمل سے کہا۔ شارق نے لب بھینچ لیے۔

"میں یہ قدم کبھی نہ اٹھاتا اگر اس رات تمہارا ایکسیڈنٹ نہ ہوتا۔ وہ تو ہلکا سا ہی ایکسیڈنٹ تھا مگر خدانخواستہ کچھ سیریس بھی ہو جاتا تو جانتے ہو کیا ہوتا...... بڑی اماں تو سنتے ہی مر جاتیں۔" نواز کا لہجہ ازحد سنجیدہ تھا۔ "اب تم بتاؤ...... کیا خیال ہے تمہارا اس بارے میں؟" سنجیدگی سے اس نے پوچھا۔

شارق جواباً کچھ نہ بولا۔ شارق کو خود کو اعتدال پر لانے کے لیے کتنی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی یہ صرف

وہی جانتا تھا۔

وہ اپنی سرگرمیوں کے معاملے میں بہت حساس تھا...... خاندان کے لوگوں میں اسی لیے تو بہت گھلا ملا نہیں تھا کہ اپنی خامیوں سے وہ خود بھی آگاہ تھا۔ اپنی کمزوریوں کا دوسروں کی زبان سے تذکرہ وہ شاید کبھی سہہ نہ پاتا۔ اسی لیے ہر کسی سے ملنے سے اجتناب کرتا تھا۔ صرف ایک نواز ہی تو تھا جو اس حد تک جا سکتا تھا کہ اسے اکثر اچھے برے کی تمیز سکھانے بیٹھ جاتا۔

"بہت برا کیا تم نے...... اس کا مطلب ہے کہ آئندہ مجھے تم سے بھی محتاط رہنا ہوگا۔" اپنی کمزوریوں کا تذکرہ یوں نواز کے منہ سے سن کر اس کے اندر اضطرابیت و وحشت سے بھرپور ایک لہر اٹھی۔

وہ اچھا تھا یا برا نواز کو کوئی حق نہیں تھا کہ اماں کے سامنے اس کی کمزوریاں عیاں کرتا۔ وہ دل ہی دل میں نواز سے سخت خفا ہو گیا۔

"سنو تو، انہیں ابھی تو کچھ نہیں بتایا سوائے اس کے کہ ان کا لاڈلہ کسی ایک خاص لڑکی سے دوستی نہیں رکھتا۔ تمہاری اگر کوئی پسند ہے تو بتا دو میں بڑی اماں تک معاملہ پہنچا دوں گا آگے تمہاری قسمت۔"

"تم نہیں سدھرو گے...... تمہارے یہ طنز میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ شادی اور عورت سے متعلق میرے کیا نظریات ہیں پھر بھی......"

وہ سمجھ گیا کہ نواز اسے ستانے کے لیے زچ کر رہا تھا۔ ایک دم ریلیکس ہو کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ یوں جیسے فراغت ہی فراغت ہو جب کہ ٹیبل فائلز سے بھری پڑی تھی جو کہ اس کی توجہ کی منتظر تھیں۔

"مانتا ہوں میں کہ تم کتنے پتھر...... ظالم بقول تمہاری محبوباؤں کے "ہارڈ اسٹون" بن چکے۔ تم کو سمجھانا تو پتھر سے سر پھوڑنا ہے۔" شارق کا اطمینان محسوس کر کے نواز نے اس کی طبیعت صاف کرنا چاہی تھی۔ شارق ہنس دیا۔

"جب جانتے ہو تو پھر...... ہر بار یہ غلطی کیوں کرنے لگ جاتے ہو۔"

"محبت کرتے ہیں ہم تم سے۔ تم جن راہوں پر چل نکلے ہو تم کو تو شاید کسی کی کیا اپنی بھی پروا نہیں رہی مگر میری جان ہمیں تمہاری بہت فکر ہے...... پلیا پلپا تمہارے لیے فکر مند رہتے ہیں۔" شارق اس کی محبت سے لبریز آواز میں تفکر و پریشانی محسوس کر کے حقیقتاً متاثر ہوا۔

اسے کزن کی حیثیت میں بھائی جیسا رہبر و دوست ملا تھا۔

"قدر کرتا ہوں تمہاری...... یہ تمہاری زبان کی مٹھاس اور تم لوگوں کی بے لوث محبت ہی ہے یار جو مجھے ابھی اس مقام پر لے کر نہیں گئی جہاں سے واپسی شاید ناممکن ہو۔" وہ خود بھی اس حقیقت کا اعتراف کر رہا تھا۔

"تو پھر تم چھوڑ دو یہ سب کچھ...... یہ کام...... یہ لوگ...... یہ دوست...... اور راتوں کو کلبز میں جانا......" لوہا گرم دیکھ کر نواز نے فوراً چوٹ لگانے کا ارادہ کیا۔ شارق اچھی طرح سمجھتے ہوئے ہنس دیا۔

"چھوڑ دوں گا...... اور کچھ" ۔ وہ اس وقت بالکل نارمل موڈ میں تھا۔ ہونٹوں پر خوبصورت مسکراہٹ

تھی۔

"اور یہ کہ شادی کے لیے مان جاؤ یار..... تمہاری زندگی میں، شخصیت میں آہستہ آہستہ خود بخود ایک ٹھہراؤ آجائے گا....."

"یہ شاید ممکن نہیں..... ایک دو دفعہ اس موضوع پر سوچا بھی تو عورت ذات سے نفرت ہونے لگی ہے۔ اب تو ہر عورت میں بدرآراء کا عکس ہی دکھائی دیتا ہے۔ شہوانہ روپ جھلکتا ہے اور ان گنت ایسی لڑکیوں کا جن کے ساتھ وقت تو گزارا جاسکتا ہے مگر شادی کبھی نہیں کی جاسکتی....." شارق کا انداز قطعی تھا۔

"نہیں یار، ہر عورت کو ایک ہی نظر سے مت دیکھو..... پھر وقت پاس کرنے والی لڑکی بھی شادی کے قابل نہیں ہوتی۔ تم ان لڑکیوں سے ہٹ کر سوچو۔ اپنے خاندان میں اردگرد..... یا پھر اماں سے کہہ دو وہ خود ہی کوئی لڑکی دیکھ لیں گی....." وہ کہہ رہا تھا اور شارق زمان کی آنکھوں میں جھلملاتا عکس آٹھہرا تھا۔

سیدھی صاف شفاف مانگ۔

چاندنی بکھراتا چہرہ۔

روشن ستارہ آنکھیں جن کی گہرائی میں کوئی اگر ڈوبے تو شاید کبھی ابھر نہ پائے۔

"شارق..... یار تم سن رہے ہو نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں....." شارق کا دھیان ہٹ گیا تھا۔ نواز پکار رہا تھا۔ شارق نے ایک دم اپنے آپ کو سنبھالا۔

عجیب سی وحشت و اضطراریت آنکھوں میں سمٹ آئی۔

"یار میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ میرے ساتھ اس ٹاپک پر بات مت کیا کرو۔ اس رات بھی تم نے موضوع چھیڑ دیا تھا اور میں نے بمشکل ٹالا تھا اور اب بھی....." اس کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔

"کیوں..... تم ساری عمر یوں ہی گزار دو گے کیا..... اپنا نہیں تو بڑی اماں کا ہی خیال کرو، انہیں کس جرم کی سزا دے رہے ہو۔ ان کی امیدوں کا واحد مرکز تم ہی ہو اور تمہارا جو رویہ ہے، جو اطوار تم نے اپنائے ہوئے ہیں وہ انہیں مار دینے کے لیے کافی ہیں....."

بہت دکھ سے وہ کہہ رہا تھا۔ شارق کے اندر بھی ایسا ہی دکھ ہچکولے کھانے لگا۔

"سوری یار! تمہاری ہر بات سر آنکھوں پر..... اس سلسلے میں مجھے مجبور مت کرو۔ میں خود کو کسی کے قابل نہیں سمجھتا۔ تم آئندہ اس موضوع پر کبھی بات مت کرنا آج تفصیلی بات ہوگئی ہے۔ یہی کافی ہے۔ اس وقت بہت لمبی بات ہوگئی ہے اجازت دو یار..... ابھی بہت سارا کام باقی ہے۔ دیگر امور پر بھی کبھی طویل بحث کریں گے جب بھی ملاقات کا موقع ملے گا تو۔"

شارق زمان نے خود موبائل آف کر دیا۔ دوسری طرف نواز ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔

موبائل آف کر کے اس نے مخمل پر پھینک دیا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پاکدامن عورت کسے کہتے ہیں؟" شارق زمان کو اپنی ہی آواز اپنے اردگرد گونجتی

محسوس ہوئی۔

"کیا مطلب؟" الجھی الجھی حیرت سے بھرپور آواز تھی۔

خوبصورت آنکھوں میں سے جھانکتی حیرت کسی بھی انسان کا ایمان ڈگمگانے کے لیے کافی تھی اور وہ بھی ڈگمگا گیا تھا۔ صرف دل ہی نہیں ایمان بھی ڈگمگایا تھا۔ ایک لمحے کو دل چاہا کہ وہ اسے پاکدامن عورت کی تشریح سمجھائے اگر وہ اس وقت کوئی پیش قدمی کرتا تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن اگلے ہی لمحے وہ سنبھل گیا اور ایک دفعہ پھر بھٹک گیا۔ گاڑی اس سے بے توازن ہوگئی تھی۔

"آئی ایم سوری..... میرا دھیان بھٹک گیا تھا" اس نے اپنے بہک جانے کی توجیہ بیان کی۔

"آپ کا دھیان تو لگتا ہے ہر وقت بھٹکتا رہتا ہے....."

کس قدر تلخی تھی آواز میں۔ اس وقت اگر گاڑی بے توازن نہ ہوتی تو شاید بہت کچھ بے توازن ہو جاتا۔

کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ صرف ایک ہی چہرے کو سوچ رہا تھا۔ بہت سی باتیں یاد آرہی تھیں۔

"تو پری وش احسان..... تم مجھے کیوں یاد آرہی ہو؟ کیوں میری بے عنوان زیست میں اپنے نام کا بیج بونے آجاتی ہو..... کیوں؟....."

وہ ذہن کے دریچے سے چپٹ جانے والے خیال سے لڑ پڑا..... خود سے الجھ پڑا تنگ آکر اس نے اپنا سر مخمل کی صاف شفاف چکنی سطح پر ٹکا دیا۔

"ون از ناٹ فیئر یار نواز!..... ناٹ فیئر....." گہری گہری سانس لیتے وہ صرف یہی الفاظ بڑبڑا رہا تھا۔

* * *

سعید احمد اپنے کمرے میں کتاب ہاتھ میں لیے ورق گردانی میں مصروف تھے جب دروازہ ناک کر کے فرح چائے کا مگ لیے اندر داخل ہوئی۔

”ابو جان! چائے......“ اس نے کپ ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے مسکرا کر تھام لیا۔

”جیتی رہو...... آؤ بیٹھو....“ انہوں نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔

”شکریہ.... مگر مجھے کل کالج کے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔“ فرح بیٹھنے کے بجائے کھڑی رہی۔ وہ دھیمے سے مسکرائے شفقت آمیز انداز میں بیٹی کو دیکھا۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ انہوں نے بہت محبت سے کہا تھا۔ فرح پلٹ آئی۔ ”سنو بیٹا! اپنی ماں کو کمرے میں بھیج دینا۔“ اچانک کچھ سوچتے انہوں نے عقب سے آواز دی تو فرح تحیر سے پلٹ کر انہیں دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ بڑے عرصے بعد انہوں نے اس انداز میں کسی کے سامنے اس طرح اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر باہر نکل آئی۔

”امی! ابو آپ کو بلا رہے ہیں۔“ فرح نے اطلاع دی۔ وہ جو لاؤنج میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں، وہ چونکیں۔ سعید احمد نے انہیں اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ انہیں یقین نہیں آیا۔

”مجھے......“ حیرت اس قدر ہوئی کہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ سامنے بیٹی بیٹھی ہے۔

فرح سر ہلا کر رہ گئی۔

طاہرہ بیگم الجھ گئیں...... سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ فرح نے چائے بنائی تھی عموماً رات کی چائے وہی بناتی تھی سب کو سرو کر کے انہیں بھی دی تھی۔ ابھی آدھا ہی کپ پیا تھا کہ یہ پیغام ملا۔

انہوں نے باقی آدھا کپ بھی ایک دو گھونٹ میں ختم کیا۔ فرح پیغام دے کر جا چکی تھی۔

”لگتا ہے آج سعید احمد کا پھر لڑنے کا موڈ ہے۔“ ان کی سوچ صرف یہیں تک پہنچ پائی تھی۔

سعید احمد کے کمرے میں جانے سے پہلے انہوں نے سارا گھر چیک کیا تھا۔ ساری لائٹس آف کر کے وہ کمرے کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اس کمرے میں وہ پہلی دفعہ نہیں جا رہی تھیں روزانہ اس کمرے تک کا سفر کرتی تھیں مگر آج سعید احمد نے بڑے عرصے بعد خود سے انہیں بلایا تھا۔

”ہو سکتا ہے...... آج قسمت مہربان ہو گئی ہو اور سعید احمد کو بھی میرا خیال آ گیا ہو۔“

دل خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے لگا۔

”مگر نہیں...... سعید احمد تو پتھر ہے۔ ساری عمر اس پتھر میں جونک نہیں لگی۔ اب قسمت مہربان ہو بھی جائے تو کیا۔ اب تو دل خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کا ہنر بھی بھول گیا ہے۔“ وہ آزردگی کی گہری عمیق کھائی میں غرق تھی۔ جہاں روشنی کا کوئی روزن نہ تھا۔ تاریکی ہی تاریکی تھی۔

دروازہ کھلا تو سعید احمد کی نگاہ طاہرہ بیگم کی نگاہ سے جا ملی۔ دونوں طرف ایک دم لگا کہ جیسے فاصلے سمٹ گئے ہوں۔ ماہ و سال کا عرصہ ٹھہرا ہی نہ ہو۔ وہی وقت، وہی زمانے آ گئے ہوں جب دل دل سے آشنا تھا۔ جب نظر نظر کو پہچانتی تھی۔

اور...... اب۔

سعید احمد نے ایک نظر ڈال کر پھیر لی اور طاہرہ بیگم دھڑام سے تاریکی کے گہرے گڑھے میں دوبارہ جا گریں۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ آئیں اور معمول کے مطابق اپنی جگہ پر جا بیٹھیں۔

”مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“

کچھ پل کمرے میں گہری خاموشی کا راج رہا اور پھر سعید احمد کی آواز گونجی۔ طاہرہ بیگم نے الجھ کر دیکھا۔

”اس شخص کو کیا ضرورت پڑ گئی کہ مجھ سے کوئی بات کرے۔“

سرخ و سفید چہرے کی خوبصورتی اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت ابھی بھی برقرار تھی۔ عمر کا فرق پڑا تھا مگر خد و خال، رنگ و روپ وہی تھا۔

طاہرہ بیگم دیکھے گئیں۔

”مجھے سمعان سے متعلق بات کرنی ہے۔“

ایک دو منٹ انہوں نے انتظار کیا کہ شاید وہ پوچھے کہ ”کیا خاص بات ہے۔“ مگر انہیں چپ سادھے دیکھ کر انہوں نے مزید کہا۔ طاہرہ بیگم ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

”اس دن آپ نے بات ختم کر دی تھی اب کیا باقی رہ گیا ہے جو کہنا ہے۔“ لہجے میں اب بھی تلخی کا راج تھا۔ ”میں اس وقت لڑنے یا بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ یہ مسئلہ میرے ہی بیٹے کی خوشیوں کا نہیں تمہاری بھی اولاد کا ہے۔“ انہوں نے تلخی کا جواب نرمی سے دیا۔

”شکر ہے...... آپ نے یہ نہیں کہا کہ سمعان صرف آپ کی اولاد ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔“ گہرا طنز تھا۔ سعید احمد اپنی برداشت آزمانے کو لب سی گئے۔

میں واضح کر چکا ہوں کہ تم سے لڑنے یا بات بڑھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ انہوں نے پتھروں کی سختی سے کہا۔

طاہرہ بیگم اس لہجے کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکیں۔

”سمعان سے میں بات کر چکا ہوں تم زرش کے لیے راضی نہیں اور تمہاری بہن کی بیٹی کے لیے

ہیں...... اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ ہم لوگ سمعان کی شادی کے قصے کو ہی ختم کر دیتے ہیں۔" انہوں نے بلا تمہید بات شروع کی۔ طاہرہ بیگم ناسمجھی میں دیکھنے لگیں۔

"کیا سمعان شادی نہیں کرے گا......" جب بات سمجھ میں آئی تو ایک دم تلخی سے کہہ دیا۔

"جب والدین کے باہمی فیصلے ضد کی کسوٹی پر پرکھے جائیں تو اولاد یہی فیصلے کرتی ہے۔ یہ میرا نہیں سمعان احمد کا فیصلہ ہے۔" اب کے طاہرہ بیگم چپ چاپ دیکھنے لگیں۔

"بہرحال اس کی شادی کی سب سے بہتر عمر یہی ہے لیکن اس نے خود مجھ سے بات کی ہے۔ وہ چند سال شادی نہیں کرنا چاہتا، نہ زرش سے اور نہ ہی تمہاری بھانجی سے۔" انہوں نے بات کو گھما پھرا کر وہیں لا کھڑا کیا۔

"میں اس سے بات کروں گی۔ اس طرح تو وہ بہت دیر کر دے گا۔" طاہرہ بیگم اب کے کچھ متفکری کہہ رہی تھیں۔ وہ ان کا فرماں بردار بیٹا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک کوئی ناجائز چیز طلب نہیں کی تھی اور اب اس کی آنکھوں میں زرش کا عکس دیکھ کر طاہرہ بیگم کو برداشت نہیں ہو پا رہا تھا مگر اس کا فیصلہ، وہ دکھ کی بھٹی میں جا گریں......

"میرا خیال ہے...... موجودہ حالات میں اس گھر کے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے یہی سب سے بہتر فیصلہ ہے۔ اس نے کبھی مجھ سے غلط یا ناجائز خواہش نہیں کی۔ اس نے مجھ سے التجا کی تھی کہ وہ ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا یہ فیصلہ ہے۔ سو تمہیں بھی اب اپنے آپ کو سمجھا لینا چاہیے۔ اس کے ساتھ نہ ہی میں نے کبھی خود زبردستی کی ہے اور نہ ہی کسی کو اجازت دوں گا کہ وہ اس کی زندگی کے اہم معاملے میں یوں دخل اندازی کرے۔ دو، تین، چار سال یا جب بھی فیصلہ کرے گا تب ہی اس کی شادی ہوگی۔"

انہوں نے قطعیت سے کہہ دیا۔ طاہرہ بیگم حیرت سے گنگ رہ گئیں۔ سمعان کی آنکھوں میں زرش کا عکس دیکھ کر ان کے دل میں الاؤ سے جلنے لگ گئے۔ انہوں نے تو صرف قیصرہ آپا کے کہنے پر فوزیہ کا نام لیا تھا۔ ورنہ کہاں فوزیہ کہاں ان کا سمعان۔ صرف زرش کی ضد میں وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھیں۔ اب اس کے فیصلے نے گویا ساری بساط ہی الٹ دی۔

زرش اور فوزیہ کے علاوہ وہ جہاں بھی کہتا ہے میں راضی ہوں۔" انہوں نے لب کشائی کی۔ سعید احمد ان کی طرف دیکھ کر تلخ و طنزیہ ہنسی ہنسے۔

"آپ کو اس کی شادی کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ زرش اور فوزیہ کے علاوہ بھی کسی سے نہیں۔" انہوں نے طاہرہ بیگم کو سلگانے کے لیے اپنے پاس سے اضافہ کیا تھا۔

طاہرہ بیگم دھک سے رہ گئیں۔

"میں اس سے بات کروں گی......" اس وقت سعید احمد سے الجھنے کے بجائے سمعان احمد کا فیصلہ زیادہ قابل غور تھا۔

سعید احمد کا لہجہ تک طنزیہ تھا۔ طاہرہ بیگم بمشکل پی سکیں۔

"وہ ان دونوں کے علاوہ جس سے بھی شادی کرنے کے لیے راضی ہے میں اسے اپنے گھر لے آؤں گی...... اس کی خوشی کے لیے۔"

"اچھا......" سعید احمد ہنس دیے۔ طاہرہ بیگم کا وجود پانی پانی ہونے لگا۔

"طاہرہ بیگم! پہلے آپ یہ یقین تو کر لیں کہ یہ گھر کس کا ہے پھر "اپنے گھر" کا دعویٰ کیجیے گا۔" انہوں نے انہیں آسمان سے زمین پر پٹخنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔ ایک پل میں دو کوڑی کا کر دیا۔

"آپ میری توہین کر رہے ہیں......" وہ سلگ اٹھیں۔

"تمہاری سمجھ کی بات ہے...... ورنہ میں نے تو حقیقت واضح کی ہے۔" وہ آرام سے تکیہ درست کر کے سیدھے لیٹے تھے۔ طاہرہ بیگم لب سی گئیں۔

"اب جب کہ زرش تمہاری اصل ضد تھی سمعان اور میں اس کے نام سے دستبردار ہو گئے ہیں تو تمہیں بھی اب اپنے آپ پر کنٹرول کرنا ہوگا۔ زرش اس گھر میں اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ میرے لیے فرح ہے۔ وہ نہ صرف اس گھر میں آیا کرے گی بلکہ جب چاہوں گا میں اسے یہاں لے کر آؤں گا۔ جتنا دعویٰ تمہیں یہ "اپنے گھر" کا ہے اس سے بڑھ کر دعویٰ کرنے کی حقدار وہ ہے۔ اب اگر وہ کبھی یہاں آیا کرے تو تمہیں اپنے اوپر کنٹرول رکھنا ہوگا۔ اس گھر کو تمہارے "اپنے گھر" کی میں صرف یہی گارنٹی دے سکتا ہوں۔"

انہوں نے طاہرہ بیگم کو گنگ کر دیا۔ وہ لب بھینچے تنفر بھری آنکھوں سے سعید احمد کو دیکھنے لگیں جو آنکھوں پر بازو رکھ کر سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔

"مجھے صرف یہی کہنا تھا...... اب میں سونا چاہتا ہوں...... چاہو تو لائٹ آف کر کے باہر جا سکتی ہو......" انہوں نے ایک پل میں طاہرہ بیگم کا اصل مقام یاد دلا دیا۔

طاہرہ بیگم کے اندر موجود عورت چیخ اٹھیں۔

اپنی اس درجہ توہین پر بلبلا اٹھی۔

ایک لمحے تو جی چاہا آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے وجود کا گریبان پکڑ کر چیخ چیخ کر کہے۔ وہ اسے اتنی کڑی سزا کیوں دے رہا ہے...... لیکن وہ ضبط کر گئیں۔

ان کے اندر کی عورت بلک اٹھی...... لیکن انہوں نے اندر کے شور کو باہر آنے سے روک دیا۔

"تم اب بھی جیت گئے سعید احمد...... مگر کب تک جیتتے رہو گے...... میں ایک بار ہاری تھی...... صرف ایک جرم تھا میرا...... اور تم نے اس جرم کو میری عمر بھر کا روگ بنا دیا۔ پل پل مری ہوں میں، تو جیتے تم بھی نہیں...... اور اب میری اولاد کو میرے سامنے لا کھڑا کیا ہے...... خدا سمجھے تمہیں......"

لائٹ آف کر کے وہ دوبارہ بستر کے کنارے پر آ ٹکی تھیں۔

* * *

”رضا تم کالج جاتے ہوئے رمشا کو بھی اس کے کالج چھوڑ دینا۔ آج مجھے لیٹ جانا ہے اسی لیے میں نہیں جاسکوں گا۔“

ناشتے کی ٹیبل کے گرد وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ امی کچن میں تھیں جب کہ حمید صاحب کے دوسری طرف رمشا بھی موجود تھی۔ وہ روزانہ حمید صاحب کے ساتھ کالج جاتی تھی۔ رضا کے پاس اپنی بائیک تھی جس پر کالج جاتا تھا۔ ابو کے اس حکم پر اس کا حلق کڑوا ہوگیا۔

”ایک غصے بھری نگاہ رمشا پر ڈالی جو خود بھی ایک لمحے کو چونکی تھی مگر پھر ناشتے میں جت گئی۔“

”تمہارے راستے پر ہی پڑتا ہے، اسے کالج چھوڑتے ہوئے چلے جانا۔“ ناشتے کے ساتھ ساتھ اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”جی اچھا.....“ رضا حمید کو اگر کسی کا ڈر یا خوف تھا تو وہ حمید صاحب ہی تھے۔ وہ ان کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد ضرور تھا مگر مکمل طور پر ان کے کنٹرول میں تھا۔ اس کی ہر جنبش پر ان کی نظر رہتی تھی۔ حمید صاحب ان والدین میں سے تھے جو ”کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نظر سے“ کے نظریے پر عمل کرتے تھے۔ رضا دوسروں کے سامنے لاکھ پر مارے لیکن جہاں باپ کی ایک نظر اس پر پڑتی سارا غصہ، نفرت اور اشتعال انگیزی صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتی۔ وہ ان سے بہت ڈرتا تھا۔ اس وقت بھی رمشا سے دل میں لاکھ نفرت تھی لیکن زبان سے سعادت مندی دکھا گیا۔

”میں بائیک نکال رہا ہوں..... تم ناشتہ مکمل کر کے آجاؤ.....“ رمشا پر ایک تیکھی سی نگاہ ڈال کر وہ باہر نکل گیا۔ رمشا کالج خیر خیریت سے پہنچنے کی دعا کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لپکی۔ وہ اپنا بیگ اور چادر لپیٹ کر باہر آئی تو رضا بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا۔

”بیٹھو.....“ لہجے میں سخت بیزاری تھی، رمشا کا جی چاہا کہ جانے سے انکار کر دے لیکن وہ خون کے گھونٹ پیتی بیٹھ گئی۔

”پیچھے ہٹ کر بیٹھو.....“ بائیک پر بیٹھتے ہوئے وہ ذرا سی ٹچ ہوگئی تو رضا حمید پھنکار اٹھا۔

”کیا مصیبت ہے..... مجھے نہیں جانا تمہارے ساتھ۔“ رمشا کو رضا کا انداز بے انتہا ہتک آمیز لگا۔ وہ کون سا جان بوجھ کر اس کے سر منڈھی جا رہی تھی جو وہ اسے برداشت بھی کرتی۔ ایک دم بھڑک کر انکار کر دیا۔

”میرے پاس تمہاری ناز برداریوں کے لیے وقت نہیں ہے..... بیٹھنا ہے تو بیٹھو۔“ اس نے بھی چیخ کر کہہ دیا۔ رمشا کا جی چاہا کہ اندر جا کر انکل کو ان کے بیٹے کا انکار پہنچا کر ساری سعادت مندی کی پول کھول دے۔

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری باتیں سننے کا..... زیادہ ہی تکلیف ہو رہی ہے تو آرام سے جا کر اپنے والد صاحب کو انکار کر دو..... میں نے تم سے لفٹ نہیں مانگی تھی۔“ وہ تنفر سے تن فن کرتی دور جا کر کھڑی ہوئی۔ رضا حمید نے بے بسی سے دیکھا۔ پوری آفت ہے یہ لڑکی۔

”رمشا! میرے پاس وقت نہیں ہے..... مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔“ وہ زچ ہوگیا۔ رمشا نے بھنا کر دیکھا۔

”پلیز بیٹھو.....“ حمید صاحب کی ڈانٹ کا خیال تھا ورنہ وہ اس کو یونہی چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ اس کی ذمہ داری حمید صاحب کے ذمے تھی نہ کہ اس کی لیکن وہ جا نہیں سکتا تھا۔ وہ حمید صاحب کے سامنے ”ہاں“ کر چکا تھا۔

”سنا نہیں تم نے کیا کہا ہے میں نے۔“ اسے اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر رضا جھنجلا گیا۔ رمشا کو یک گونہ سکون ملا۔ وہ کم از کم اس کے برابر کی تو تھی۔ وہ بھلا کیسے اتنی آسانی سے اس کی تلخی برداشت کر لیتی۔

”میرے ساتھ انسانوں کی طرح بات کیا کرو..... ہر وقت ”تمہارا رویہ برداشت کرنا“ میرا کام نہیں ہے..... کسی دن میں نے انکل کے سامنے جا کر یہ کہہ دیا تو پھر بھگتنا!“ اکڑ دکھانے سے وہ بھی باز نہیں آئی تھی۔ رضا کا دل چاہا کہ اس سر پھری، منہ پھٹ، بدتمیز لڑکی کو اٹھا کر کہیں پھینک دے۔

”تمہیں کالج نہیں جانا؟.....“ اس کی بکواس کے جواب میں اپنے غصے کو پیتے ہوئے اس نے تحمل سے کہا۔

”جانا ہے.....“ وہ آرام سے اسے تپا کر اس کے پیچھے دوبارہ آ بیٹھی۔ اس دفعہ بیٹھتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر رضا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ رضا بھنا اٹھا۔ اندر سے اٹھنے والے تنفر پر بمشکل قابو پایا..... ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ اس بددماغ لڑکی کو کسی کھائی میں جا گرائے جہاں سے دوبارہ وہ کبھی اسے دکھائی نہ دے۔

رضا نے تیزی سے بائیک گیٹ سے نکالی۔ انتہائی تیز اسپیڈ کے ساتھ وہ گاڑی چلا رہا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے رمشا کا دم نکلنے لگا۔

”رضا..... بائیک آہستہ کرو..... ورنہ میں گر جاؤں گی.....“ رضا کے کندھے کو سختی سے پکڑے وہ اس کے کان کے قریب چلائی۔ رضا نے اسپیڈ کم کرنے کے بجائے مزید تیز کر دی۔

صبح کے وقت ہر کوئی آفس، اسکول و کالج کے لیے نکل رہا تھا۔ مصروف شاہراہ تھی۔ رمشا خوف سے زرد پڑنے لگی۔

”یا اللہ..... کہیں بائیک کو نہ دے مارے.....“ وہ دل ہی دل میں ہولنے لگی۔

رضا کے لیے رمشا کی ایک پل کی موجودگی برداشت کرنا مشکل تھی کجا کہ وہ اپنے اتنے قریب بٹھا کر اتنی دیر سے ضبط کر رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اس مصیبت سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ ایسے میں اس نے رمشا کی چیخ و پکار پر مطلق دھیان نہ دیا۔

بائیک جیسے ہی کالج کے سامنے رکی رمشا نے صحیح سلامت پہنچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

”مجھے لینے کون آئے گا؟“ بائیک سے اتر کر اس نے پوچھا۔ رضا نے دوبارہ بائیک اسٹارٹ کر کے ایک نظر اسے دیکھا۔

”مجھے کیا پتا..... پوچھ لیا ہوتا اپنے انکل صاحب سے.....“ ایک زہر بھری، کٹیلی نگاہ کالج یونیفارم

میں ملبوس وجود پر ڈالی۔ رمشا لب بھینچ کر رہ گئی مگر واپسی کی پریشانی ابھی سے ہونے لگی۔

”پھر میں گھر کیسے جاؤں گی؟“ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”مجھے کیا پتا؟“ رضا کو خود دیر ہو رہی تھی۔ رمشا کی پریشانی باعث آزار محسوس ہو رہی تھی۔ قطعی لہجے میں کہہ دیا۔

”روز تو انکل کے ساتھ ہی واپس جاتی ہوں مگر آج......“ وہ واپسی پر اکیلی جانے کے خیال سے ہی پریشان ہو اٹھی۔

”انہوں نے مجھے صرف چھوڑنے کا کہا تھا جو میں نے کر دیا۔ تم واپس کس طرح جاتی ہو یہ تمہارا درد سر ہے میرا نہیں۔“ وہ نخوت سے سر جھٹکتے زن سے گاڑی بھگا کر لے گیا۔

رمشا جاتی ہوئی بائیک کی دھول دیکھتے ہوئے لب بھینچ کر رہ گئی۔

”ایک دفعہ میں گھر پہنچ جاؤں پھر دیکھنا انکل سے تمہاری کیسی شامت بلواتی ہوں۔“ اس کی انتقام حس پھر سے بیدار ہونے لگی۔ وہ کلستے اور اسے کوستوں سے نوازتے گیٹ کراس کر گئی۔

* * *

چھٹی کا دن تھا سب گھر پر ہی تھے۔ صبح ناشتہ بھی سب نے دیر سے کیا تھا۔ سعود احمد چھٹی کا سارا دن فیملی کے ساتھ ہی گزارتے تھے اگر کبھی موڈ بنا تو ڈنر باہر کر لیتے تھے۔ ماما اسپیشل قسم کا لنچ تیار کر رہی تھیں۔ نوشین کو ماما نے اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ بقول زرش کے اس کی ٹریننگ ہو رہی تھی کیونکہ بی اے کے فوراً بعد نوشین کی شادی کر دینے کا ارادہ تھا۔ اسی لیے ماما اسے گھریلو کاموں میں زیادہ الجھائے رکھتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی جو سیکھے گی وہ سسرال میں کام آئے گا۔ وہ اسے ہر فن مولا بنانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ زرش کو اس معاملے میں چھوٹ تھی۔ کھانے کے نام پر وہ چائے اچھی بنا سکتی تھی۔ باقی کام وہ ماما کی مدد سے ہی کر سکتی تھی، اکیلے تو کچھ بھی کرنا نہیں آتا تھا پھر وہ کچھ لاپروا بھی تھی۔ ان کاموں پر خود ہی توجہ نہیں دیتی تھی، یہ سوچ کر کہ ماما پاپا اسے کون سا ابھی سسرال دھکا دے رہے ہیں کم از کم وہ ایم بی اے کرنے سے پہلے تو یہاں سے جانے والی نہیں تھی۔

”پاپا ہمارے کالج میں اگلے ماہ چھٹیاں ہونے والی ہیں۔ ”دسمبر ویکیشن“ اس دفعہ میں نے اور نوشین نے ارادہ کیا ہے کہ ہم لوگ اسلام آباد جائیں گے، عثمان بھائی اور زویاریہ بھابی کے ہاں......“ وہ لاؤنج میں بیٹھے پاپا سے کہہ رہی تھی۔

”لیکن اس دفعہ تو شاید دسمبر میں میرے پاس وقت نہ ہو۔“ پاپا اپنی بزنس مصروفیات کی وجہ سے کم ہی کہیں آتے جاتے تھے۔ یہاں کے آفس کا سارا کنٹرول ان کے ہاتھ میں تھا جب کہ دوسرے شہروں اور ملک سے باہر کے وزٹ کے لیے تایا ابو اور سمعان بھائی ہی زیادہ جاتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے گھر علیحدہ ضرور کیے تھے دل نہیں اور جب دلوں میں وسعت ہو تو بزنس ایک ہو یا علیحدہ علیحدہ فرق نہیں پڑتا۔

”ہمیں نہیں پتا...... بس آپ کو اس دفعہ وقت نکالنا ہے۔ ابھی تو پورا ایک مہینہ باقی ہے اس لیے میں آپ کو پہلے سے اطلاع دے رہی ہوں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ جب بھی فارغ ہوں گے ہمیں اسلام آباد لے کر جائیں گے۔“

زرش کا انداز کچھ ضد منوانے والا تھا۔ سعود احمد مسکرا دیے۔

”چلو دیکھتے ہیں، ابھی تو نومبر کا آغاز ہے دسمبر تک...... شاید فرصت نکل ہی آئے۔“ انہوں نے سوچتے ہوئے کہا تو زرش نے منہ بسورا، جانتی تھی یہ فرصت کبھی نہیں نکلے گی۔ ہر بار وہ لوگ کہیں نہ کہیں جانے کا پروگرام بناتے تھے اور ہر بار پروگرام فلاپ ہو جاتا تھا۔ ابھی وہ سعود احمد سے مزید اس موضوع پر بات کرنے کا ارادہ رکھتی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

”السلام علیکم......“ سی ایل آئی پر جگمگاتا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

”وعلیکم السلام کیسی ہو زرش؟“ دوسری طرف ستارہ آپی تھیں زرش کھلکھلائی۔

”اے ون...... آپ سنائیں...... آنٹی، انکل اور بھائی سب کیسے ہیں؟“

”سب ٹھیک ہیں...... ممانی جان کہاں ہیں؟“

”ماما اور نوشین کچن میں ہیں...... آج ماما اسپیشل لنچ تیار کروا رہی ہیں اسی لیے وہ دونوں وہاں مصروف ہیں۔“ اس نے مسکرا کر بتایا۔ ستارہ بھی ہنس دیں۔

”عفان بھائی کیسے ہیں؟ انہیں کہیں ان کا پردہ ایک بندی سے ہے کبھی ہم سے بھی ہیلو ہائے کر لیا کریں۔“

”ہیلو ہائے کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی البتہ وہ خود یہیں ہے یہ لو بات کر لو اس سے۔“ ستارہ نے ریسیور عفان بھائی کی طرف منتقل کیا۔

”السلام علیکم کیسی ہو زری؟“

”آپ سے تو میں سخت قسم کی ناراض ہوں، اس لیے آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔“ فوراً خفگی کا اظہار بھی کر دیا۔

”ہم سے کیا غلطی ہو گئی سالی صاحبہ؟“ دوسری طرف بھی عفان تھا باتوں میں بندے کو رام کرنے والا۔

”غلطی یہ ہو گئی کہ کبھی ملاقات تو کیا کال تک کرنے کی بھائی صاحب نے زحمت نہیں کی۔ ہم ہی خود مل آئیں تو مل آئیں۔ آپ کو تو یہ بھی توفیق نہیں......“

”زرش۔ لاؤ مجھ سے بات کرواؤ......“ سعود احمد نے کہا۔

زرش نے ریسیور انہیں تھما دیا۔ اسے اپنا لڑنے کا پروگرام کھٹائی میں پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

”جیتے رہو...... الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہاری آنٹی بھی فریش ہیں۔“ زرش صرف انہیں سن رہی تھی۔

”ہاں بالکل اے ون...... ہارون آغا سے کہنا کسی دن ہمارے ہاں بھی چکر لگائیں پوری فیملی کے ساتھ تفصیلی ملاقات کیے کافی دن ہو گئے۔“

"ہاں بیٹا کام تو واقعی بہت ہوتا ہے کم ہی نکلنا ہوتا ہے لیکن اگر آج تم لوگ فارغ ہو تو آ جاؤ تمہاری آنٹی اچھا سا لنچ تیار کروا رہی ہیں۔" انہوں نے لگے ہاتھوں دعوت بھی دے ڈالی۔ زرش ہنس دی۔

"اچھا بات کراؤ ہارون سے......" وہ اب ہارون انکل سے بات کر رہے تھے۔ زرش یک طرفہ گفتگو سنتی رہی۔ پاپا نے ریسیور رکھا تو اس نے فوراً پوچھا۔

"ہارون انکل فیملی سمیت آ رہے ہیں۔"

"ہاں......تم ذرا اپنی ماما کو ادھر بھیجو۔"

زرش فوراً کچن کی طرف گئی۔

"ماما! پاپا آپ کو بلا رہے ہیں......" اس نے اطلاع دی۔ ماما چکن روسٹ کر رہی تھیں۔ ایک منٹ کو رکیں۔

"انہوں نے ہارون انکل کو پوری فیملی کے ساتھ انوائیٹ کیا ہے......میرا خیال ہے عفان بھائی بھی آ رہے ہیں۔" اس نے نئی خبر بھی دی۔

"اچھا......" ماما نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر انہوں نے نوشین کو دھیان سے کام کرنے کا کہہ کر لاؤنج کی راہ لی۔ وہ نوشین کے سر ہو گئی۔

"تم بھی ذرا اپنا حلیہ سنوار لو......عفان بھائی بھی آ رہے ہیں وہ تمہیں ماسیوں والے حلیے میں دیکھ کر ہو سکتا ہے منگنی کو ہی خیرباد کہہ دیں۔" زرش کا ستانے کا موڈ تھا۔ نوشین نے چکن روسٹ برتن میں نکال کر ٹیپ کن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"کہتے ہیں شکل اچھی نہ ہو تو بات ہی اچھی کر لیا کرتے ہیں۔" وہ کیبن سے بیسن نکال کر پلٹی تو زرش ہنس دی۔

"خیر شکل تو مابدولت کی لاکھوں میں ایک ہے۔ جو دیکھے دیکھتا رہ جائے البتہ تمہارے متعلق فکرمندی رہتی ہے۔ پہلے ہی اللہ نے روپ پورا دیا ہے اوپر سے کچن کی ماسی لگ رہی ہو۔" نوشین کا رنگ ہلکا گندمی تھا لیکن سرخ تھا خوبصورتی میں وہ ہادیہ اور زرش سے کسی بھی طور کم نہ تھی۔ نوشین کو اکثر کمپلیکس رہتا تھا کہ اس کا کلر زرش اور ہادیہ کی طرح سفید کیوں نہیں۔ گندمی سرخی مائل کیوں ہے۔ ایسے میں زرش اسے خوب ستاتی تھی۔ اب بھی اس نے کہا تو نوشین کو فکر ہوئی۔

"واقعی زرش، اس وقت میرا کلر بہت گندمی ہو رہا ہے......" وہ اپنے کلر کے معاملے میں بے حد حساس تھی زرش کی ہنسی نکل گئی۔

"واقعی......بہت......عفان بھائی ایک نظر دیکھ لیں تو فوراً شادی کے لیے مچل اٹھیں......"

"مرو تم......" نوشین نے پاس پڑا کفگیر اٹھا کر زرش کے بازو پر کھینچ مارا پھر خجل سی ہو کر ہنس دی۔

"یاسمین یہ بیسن چھان کر گھول دو۔ مچھلی کے قتلوں پر لگانا ہے۔ بیسن والی مچھلی فرائی کرتی ہے۔ اب تو مہمان بھی آ رہے ہیں، ہو سکتا ہے ماما ایک دو ڈش اور بھی بنا دیں۔"

یاسمین آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی تھی، نوشین کے کہنے پر فوراً بیسن گھولنے لگی۔

"یاسمین......نوشین......زرش جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ......تمہارے پاپا نے پوری فیملی کو انوائیٹ کیا ہے۔ ستارہ قادر اور عفان بھی آ رہے ہیں۔ اچھا سا کھانا ہونا چاہیے۔" ماما پاپا سے ساری معلومات لے کر دوبارہ کچن میں چلی آئیں اور آتے ہی جلدی مچا دی۔

"مجھ سے یہ سارا کام نہیں ہوگا۔ سلاد بنا سکتی ہوں۔ برتن دھو سکتی ہوں۔ کیبنٹز سے نکال کر ٹیبل سجا سکتی ہوں۔ لہسن پیاز چھیل سکتی ہوں اور نہیں......" زرش ماما سے اپنا نام سن کر فوراً بدکی ایک دم عذر پیش کیا۔

"چلو بس کرو۔ یہی بہت ہے۔ اس کے بعد باقی گھر کو بھی دیکھنا ہے......چھٹی کی وجہ سے یونہی الٹا پڑا ہے۔" ماما جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھیں۔

مہمانوں کے آنے تک تقریباً کچن کا سارا کام مکمل تھا۔ گھر کی ڈسٹنگ یاسمین نے کی تھی، سجاوٹ نوشین اور زرش دونوں نے مل کر کی تھی۔ ماما دیگر کام دیکھتی رہیں۔ ادھر ہارون انکل کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ نوشین اپنے حلیے سے گھبرا کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔

مہمانوں کو ماما اور پاپا دونوں نے ریسیو کیا۔ زرش کا بھی حلیہ خراب تھا لیکن اسے تو قطعی پروا نہ تھی۔ انکل آنٹی، قادر بھائی، ستارہ آپی کے ساتھ عفان بھائی بھی تھے۔ سب سے سلام دعا کر کے وہ کمرے میں کپڑے چینج کرنے آ گئی تھی۔

کپڑے چینج کر کے وہ کچن میں پہنچی تو نوشین یاسمین کی مدد سے چائے کے لوازمات ٹیبل پر سجا چکی تھی۔ وائٹ اینڈ اسکائی بلو سوٹ میں نوشین کی گندمی سرخی مائل رنگت تمتما رہی تھی۔ زرش نے نظروں ہی نظروں میں سراہا۔

"زبردست......عفان بھائی کی خیر نہیں......" اس نے زبان سے بھی سراہا۔ نوشین جھینپ گئی۔

"بکو مت......" برتن دوبارہ سیٹ کرتے ہوئے وہ الجھی۔

"چائے کی ٹرالی تم لے کر جاؤ گی میں تمہارے ساتھ چلوں گی......" عفان کی وجہ سے وہ اندر جانے سے ہچکچا رہی تھی زرش کو ہنسی آ گئی۔

"تمہارا بھی کوئی جواب نہیں۔ آج کل کی لڑکیاں سسرال کے نام پر اترانے لگتی ہیں ساری شرم و حیا بھلائے منگیتر صاحب کے سامنے جا کر تشریف فرما ہوتی ہیں اور ہماری بتولی ہیں کہ انہیں شرمانے سے ہی فرصت نہیں......سسرال تمہاری ہے اور چائے مجھ سے لے جانے کی گزارش کی جا رہی ہے۔"

زرش نے جی بھر کر نوشین کا ریکارڈ لگایا۔ وہ بھنا کر دیکھنے لگی۔

"اڑا لو مذاق......جب تم پر ایسا وقت آئے گا پھر پوچھوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔ زرش کھلکھلا کر ہنس دی۔

"دفع ہو جاؤ......تمہاری جیسی بہن تو اللہ کسی کو نہ دے۔ بجائے مدد کرنے کے، مذاق اڑا رہی ہے۔"

"ضرور......میں تو اندر جا رہی ہوں تم بھی آ جاؤ چائے کے ساتھ۔" وہ اسے ہاتھ لہراتی، زچ کرتی لاؤنج میں چلی آئی۔ جہاں سب براجمان تھے۔ سلام دعا وہ پہلے سب سے کر چکی تھی۔ آرام سے ادب

کے ساتھ ستارہ آپی کے ساتھ جا بیٹھی۔

''نوشین کہاں ہے...... ابھی تک آ کر نہیں ملی......'' ستارہ آپی نے پوچھا۔

''وہ چائے لے کر آ رہی ہے...... دراصل عفان بھائی کی وجہ سے وہ اندر آنے سے شرما رہی ہے۔'' مسکرا کر آہستگی سے ستارہ کو بتایا تو ستارہ ہنس دی۔

''ہماری نوشین ماشاءاللہ بہت شرمیلی ہے۔'' انہوں نے سراہا۔

''کچھ زیادہ ہی......'' اس نے لقمہ دیا تبھی نوشین یاسمین کی مدد سے ٹرالی گھسیٹے چلی آئی۔ یاسمین دروازے سے ہی پلٹ گئی۔ باقی کام اب اسے اکیلے ہی کرنا تھا...... سب ہی نے اسے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

''السلام علیکم......'' بغیر ادھر اُدھر دیکھے اس نے ایک ہی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......'' پرجوش خیر مقدم ہوا۔ نوشین کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

''چائے زرش سرو کر دے گی تم ادھر بیٹھو......'' مسز ہارون آغا نے ٹرالی سیٹ کرتے دیکھ کر اسے ٹوکا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر ان کے پاس چلی آئی۔

ماما کے اشارے پر زرش نے ٹرالی اپنی طرف گھسیٹ لی۔ ایک ایک کر کے سب کو چائے اور دیگر لوازمات سرو کرنے لگی۔

''میں تو کتنی بار ہارون آغا سے کہہ چکی تھی کہ چلیں ہم اپنی بہو سے مل آتے ہیں مگر ان کو فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ پچھلے دنوں ستارہ نفیسہ آپا کے ہاں چلی گئی تو میں نے سوچا جب لوٹے گی تو اکٹھے ہی چلیں گے...... آج کل میں ہم آنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ بھائی صاحب نے خود دعوت دے دی۔''

مسز آغا نے ماما کے ''کبھی چکر نہ لگانے کے شکوے'' کے جواب میں کہا۔

''فرصت تو یوں سمجھیں ادھر بھی نہیں ہوتی مگر بچیوں کی خوشیوں کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔'' پاپا نے بھی حصہ لیا۔ جس کی ہاں میں سب نے ہاں ملائی۔ خوشگوار ماحول میں چائے پی گئی۔ ڈھیروں باتیں ہو رہی تھیں۔ مختلف موضوعات تھے۔ جب وقت بیتنے کا ماما کو احساس ہوا تو انہوں نے ٹوک دیا۔

''نوشین...... زرش بیٹا! جلدی سے کھانا لگا دو۔ سب کو بھوک لگی ہو گی۔ چار بج رہے ہیں دوپہر کا کھانا تو کسی نے بھی نہیں کھایا ہو گا۔''

نفیس سی ساڑی میں ملبوس شائستہ بیگم کے انداز و اطوار کی شائستگی دیکھنے کے قابل تھی۔ دونوں بہنیں فوراً اٹھ گئیں۔ دونوں کے ساتھ ستارہ بھی چلی آئی۔

''ستارہ آپی! عفان بھائی کیسے سوٹڈ بوٹڈ ہو کر آئے ہیں۔ دیکھنے کے لائق ہیں۔ ہیں ناں......'' نوشین شرمیلے انداز میں یاسمین کے ساتھ خاموشی سے برتنوں میں کھانا نکال رہی تھی۔ زرش کی بات پر شرمیلی مسکراہٹ ہونٹوں پر آ گئی۔

''ارے یہ تو کچھ بھی نہیں...... وہ تو بارات کا دولہا بن کر آنے پر بضد تھا میں نے ہی ماموں جان کا ڈراوا دے کر کچھ شرم دلائی۔'' وہ اور ستارہ آپی برتن ڈائننگ روم میں لا کر ٹیبل سیٹ کر رہی تھیں۔

''سنا تم نے نوشین بی بی۔ اسے کہتے ہیں بے شرمی، کچھ تم عفان بھائی سے ہی سیکھ لو۔'' اس نے پانی کا جگ اور کولڈ ڈرنک کی ڈیڑھ لیٹر والی بوتلیں نکالتے ہوئے نوشین کو چھیڑا۔ نوشین مزید جھینپی تاہم اسے گھورا ضرور۔

''مجھے تنگ مت کرو...... ورنہ بعد میں تمہارا جو حشر ہو گا وہ دیکھنا۔'' ڈشوں اور ڈونگوں میں لوازمات نکالتے ہوئے اس نے زرش کو دھمکی دی مگر اسے اثر کہاں تھا۔ کبھی کبھار تو نوشین کو چھیڑنے کا موقع ملتا تھا اور وہ اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔

انہی چھوٹے موٹے جملوں کے تبادلے میں کھانا لگا دیا گیا۔ زرش نے ہی سب کو کھانا لگ جانے کی اطلاع دی۔

بڑوں نے پہلے کھانا ختم کیا۔ انکل پاپا کے اٹھتے ہی ماما اور آنٹی بھی اٹھ گئیں۔ باقی وہ پانچوں ٹیبل پر ہی براجمان رہے۔

''کھانا بہت زبردست تھا کس نے بنایا تھا......'' نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے عفان نے زرش کو دیکھا، ساتھ ہی نوشین بھی بیٹھی تھی، شرمائی جھینپی سی۔ وائٹ اینڈ اسکائی بلو کلر اس کی رنگت پر خوب جچ رہا تھا۔ اس نے بغور دیکھا۔

''ماما اور آپ کی منگیتر صاحبہ نے مل کر......'' جواب زرش کی طرف سے آیا۔ وہ ہنس دیا۔

''ہوں...... ہوں...... شرم کرو تم سے بڑے ابھی اس محفل میں موجود ہیں۔'' وہ گاہے بگاہے بغور دیکھ رہا تھا۔ نوشین خوبصورت تھی مگر اس لمحے خوبصورت ترین لگ رہی تھی۔ قادر بھائی نے عفان کی چوری پکڑ لی۔ عفان پہلے تو جھینپا پھر کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''تو آپ بھی بھائی کو دیکھ لیں میں نے کب منع کیا۔'' نوشین نے سر جھکا لیا۔ زرش کی کھی کھی شروع ہو چکی تھی۔ عفان کی اس دیدہ دلیری پر اس نے وکٹری کا نشان بنا کر داد دی۔

نوشین نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ کریم کلر کے سوٹ میں ملبوس وہ وجیہہ اور قابل رشک لگ رہا تھا۔ زندہ دل طبیعت کا مالک تھا اسی لیے ہر دلعزیز تھا۔ ''میں نے سوچ لیا۔''

''کیا؟'' زرش نے چونک کر پوچھا۔

''یہی کہ نوشین کے بی اے کے ایگزامز کے فوراً بعد شادی ہو گی......''

آرام سے نوشین کی آنکھوں میں دیکھتے اس کا سکون غارت کر گیا تھا۔ وہ ایک دم سر جھکا گئی۔

''دیکھ لیں...... اپنے بھائی کی بے شرمی...... اپنے منہ سے شادی کی بات کر رہے ہیں دیور صاحب......'' ستارہ نے اپنے شوہر کو اکسایا۔

''کوئی بات نہیں...... ایسا برا وقت ہم پر بھی آیا تھا...... جب یہ بھی بیوی والا ہو جائے گا سب خواب ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ سر پہ ہاتھ رکھ کر رویا کرے گا بچہ......'' وہ کہاں چوکنے والے تھے آخر کو وہ بھی عفان کے ہی بھائی تھے۔ عفان اور زرش تو ہنسنا شروع ہو گئے جبکہ بھابی میاں کو گھورنے لگیں۔

''کیا مطلب ہے...... یعنی مجھ سے شادی کر کے آپ سر پہ ہاتھ رکھ کر رو رہے ہیں۔'' ستارہ کے

تیور جارحانہ تھے۔ قادر بھائی نے مصنوعی ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"اللہ سے ڈرو بیوی سر پہ ہاتھ رکھ کر رونا تو دور کی بات ہے، آٹھ آٹھ آنسو رونا بھی کم ہے......"

"دیکھ لوں گی آپ کو بھی...... ذرا گھر چلیں......" ستارہ نے دھمکایا۔

کھانا کھایا جا چکا تھا۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے۔

نوشین، ستارہ اور یاسمین سب کے نکل جانے کے بعد ٹیبل سمیٹنے لگ گئی۔ اتنی دیر میں زرش چائے تیار کر چکی تھی۔ لاؤنج میں ایک دفعہ پھر محفل جم چکی تھی۔ زرش چائے لے کر آئی تو خوب رونق تھی۔ ہنسی، مذاق قہقہے۔ بہت عرصے بعد ان کے گھر میں ایسا ماحول دیکھنے کو مل رہا تھا۔ زندگی یوں تھرک رہی تھی۔

اگر ان لمحوں میں ہادی اور تایا جان کی فیملی بھی ہمارے ساتھ ہوتی تو اس محفل کا رنگ ہی اور ہوتا۔" سب کو چائے سرو کرتے ہوئے زرش کی ذہنی رو اس طرف بھٹک گئی۔

☆☆

دوپہر میں سونے کے بعد نہا کر وہ خاصی فریش تھی۔ آج طاہرہ بیگم بڑے عرصے بعد بڑے ماموں کے ہاں گئی تھیں۔ وہ وہاں کم ہی جاتی تھیں تین چار ماہ بعد اب گئی تھیں۔ سعید احمد ایک دوست کے ہاں چلے گئے تھے۔ سمعان اپنے کمرے میں سو کر وقت گزار رہے تھے۔ علی کا میچ تھا تھوڑی دیر پہلے نہا کر اپنے ساز و سامان سمیت وہ چلا گیا تھا۔

فرح نے کھانا کھا کر اپنے لیے چائے بنائی۔ دوپہر آہستہ آہستہ سہ پہر میں ڈھل چکی تھی۔ وہ لاؤنج کی گلاس وال کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ گلاس وال کے دوسری طرف لان کا منظر بہت دلکش تھا۔ آج کل غیر متوقع طور پر گھر میں سکون تھا۔ امی ابو کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہو رہا تھا۔ اس دن زرش کے چلے جانے کے بعد اسے ڈر تھا کہ اب امی ابو کے درمیان زوروں کی جھڑپ ہوگی مگر بچت رہی تھی۔ اس کے بعد سمعان بھائی سے پتا نہیں ابو کی کیا گفت و شنید ہوئی تھی جو امی ابو کے درمیان کی کشیدگی جو مہینوں چلتی تھی ایک بے نام موسم کی زد میں آ چکی تھی۔ ابھی رات کی ہی تو بات تھی جب ابو نے اسے امی کو کمرے میں بھیجنے کا کہا تھا پتہ نہیں دونوں میں کیا بات ہوئی تھی۔ وہ یہ سوچ کر ساری رات پریشان ہوتی رہی کہ ابھی کسی بھی لمحے دونوں کے جھگڑے کی آواز کمرے سے باہر آنے لگی۔ صبح دونوں کے چہرے کھوجتے ہوئے بھی وہ کسی جھگڑے کا سراغ نہ پا سکی تھی۔ امی نے خود ابو کے لیے ناشتے کی ٹرے تیار کی۔ سمعان بھائی کے ساتھ بھی امی کا رویہ خاصا پیار سمیٹے ہوئے تھا۔ خاصے عرصے بعد وہ خالص ماؤں والے انداز میں دکھائی دے رہی تھیں۔ نجانے کیا ہونے والا تھا لیکن فرح کو امی پہ بہت پیار آ رہا تھا۔ اپنے گھر کا یہ سکون بہت فرحت بخش محسوس ہو رہا تھا۔ خاصا مسرور سا۔

وہ سوچوں میں غرق چائے کے سپ لے رہی تھی جب صرف ہاتھ بھر کے فاصلے پر رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ کی بیل چیخ اٹھی۔

فرح نے بغیر دیکھے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو......" چائے کا خالی مگ پاس پڑی تپائی پر رکھ دیا۔ "السلام علیکم......" آگے بڑھ کر وہ صوفے پر ٹک گئی۔

"وعلیکم السلام......" انجانی مردانہ آواز تھی...... وہ چونکی......

"فرح!...... تم فرح ہو نا!" دوسری طرف بے تابی سے کہا گیا تھا۔ وہ الجھ گئی۔

"جی...... مگر آپ......" وہ اٹک گئی......

"تھینک گاڈ تم نے ریسیو کیا ورنہ میری انگلیاں تھک گئی تھیں یہ نمبر ملاتے، ملاتے۔ ہر بار تمہاری کوئی ملازمہ یا پھر والدہ کال ریسیو کرتیں۔"

ازحد بے تکلفی سے کہا جا رہا تھا۔ فرح تو اپنی جگہ ساکت و صامت سی رہ گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ کال کرنے والے کو جان گئی تھی۔

اس درجہ بے تکلفی و اپنائیت۔"

وہ کئی ثانیے حرکت بھی نہ کر سکی۔

"آپ...... آپ......" ہوش آیا بھی تو زبان الفاظ ادا نہ کر پائی۔

"کتنا شوق تھا مجھے تمہاری آواز سننے کا۔ آج میرا دل کہہ رہا تھا کہ یقیناً کال تم ہی ریسیو کرو گی۔ دیکھ لو جذبے سچے ہونے چاہئیں، شدت ہونی چاہیے ہر چیز ممکن ہو سکتی ہے۔" دوسری طرف نجانے کون سا سحر پھونکا جا رہا تھا فرح تو مبہوت سی تھی۔

"تم کچھ نہیں کہو گی...... کچھ تو کہو...... تمہیں نہیں پتا تمہاری آواز میرے اندر کیسے رس گھولتی۔ تمہارا سحر مجھے سونے نہیں دیتا۔ ساری ساری رات جگاتا ہے۔"

فرح کو لگا وہ اس منتر کے حصار میں مقید ہوتی جا رہی ہے۔

"تم میری ای میل کا جواب نہیں دیتیں...... اب بھی خاموش ہو...... پلیز فرحی!...... کچھ تو کہو...... پلیز......" فرح کو لگا اس کے اندر کی لڑکی بس ڈھے جانے کو ہے۔

"آپ...... آپ...... کون ہیں؟......" وہ بولی بھی تو کیا۔

"محبت کرتا ہوں تم سے اور محبت کی کوئی ذات نہیں ہوتی...... کوئی نام نہیں ہوتا محبوب کا کسی حسب نسب سے تعلق نہیں ہوتا۔ بس سرتاپا عشق ہوتا ہے اور بس......" دوسری طرف وہ نجانے کس انداز میں بات کر رہا تھا۔ فرح کو اعصاب ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"پلیز میرا پیچھا چھوڑ دیں...... میں نہیں جانتی آپ کو...... میرا صرف ایک جرم تھا۔ میں نے آپ کی میلز کا جواب دیا تھا۔ اب وہ سلسلہ میں ختم کر چکی ہوں۔ میں کسی پرنس ورنس کو نہیں جانتی...... پلیز یہاں کال مت کیا کریں......" فرح کی آواز بھیگ چکی تھی۔

"فرح!...... فرح!......" دوسری طرف اس کی آواز کا بھیگا پن بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا تھا۔ فرح رو دی۔

"پلیز...... التجا کرتی ہوں آپ سے...... میں عزت دار ماں باپ کی بیٹی اور بھائیوں کی بہن

ہوں...... آپ جو بھی ہیں، آپ کا جو بھی مقصد ہے پلیز مجھے معاف کر دیں، میرا پیچھا چھوڑ دیں......“ ”آپ کو کیا پتا آپ کی میسجز اور کالز مجھے کس قدر تکلیف سے دوچار کر دیتی ہیں...... مجھے اپنا آپ مجرم لگنے لگتا ہے۔“ وہ سسک اٹھی۔

”پلیز یہاں کال مت کیا کریں...... پلیز......“ اس نے ریسیور رکھ دیا اور گھٹنوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”کون ہے یہ؟ آخر کون ہے؟“ اس کا ذہن الجھ گیا۔ دماغ کی نسیں پھٹنے کو تھیں۔

”کیا واقعی وہ محبت کرتا ہے مجھ سے...... کیا واقعی یا پھر کھیل ہے۔“ وہ ادھر سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

”یا اللہ......“ وہ سسک اٹھی...... ”یا اللہ...... تو جانتا ہے میں بے قصور ہوں۔ میں نے جب محسوس کیا کہ اب معاملہ غلط ہے تو میں نے قدم پیچھے کر لیے تو مجھے رسوا نہ کرنا۔ میرے بھائی، میرے والدین مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ مجھے اپنے قدموں پر مضبوط رکھنا...... یا اللہ......“

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

* * *

بھابی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ صبح نبیل بھائی آفس چلے گئے تو گھر میں وہ اور اماں تنہا رہ گئیں۔ بھابی ہوتی تھیں تو گڑیا کی وجہ سے گھر میں کافی رونق رہتی تھی۔ آج کل نویرہ کو گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔

گھر کی صفائی ستھرائی کے بعد وہ سارا دن ادھر سے اُدھر بولائی بولائی پھرتی رہتی تھی۔ بھابی کو گئے تین دن ہی ہوئے تھے۔ وہ اس روٹین سے اکتا گئی۔ وہ بہت ہنگامہ پرور لڑکی نہیں تھی مگر اتنی کم گو اور اپنی ذات میں مگن رہنے والی بھی نہ تھی۔ اس وقت بھی اکتاہٹ و بیزاری سے لبریز وہ قالین پر لیٹی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے نہائی تھی۔ گرین کنٹراس شیڈ والے لباس میں وہ کافی فریش لگ رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر اماں بیٹھیں دال چن رہی تھیں۔ رات میں ان کا کچھ پکانے کا ارادہ تھا۔ وہ فارغ بیٹھنے کے بجائے ابھی سے چننے لگ گئی تھیں۔ نویرہ نے منع بھی کیا تھا کہ وہ خود کر لے گی وہ کچھ نہ کریں مگر ان سے بھی فارغ نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود وہ ڈبوں سے دال نکال لائیں۔

کال بیل بجی تو نویرہ نے سر اٹھا کر اماں کو دیکھا۔ گیٹ کھولنے کی ذمہ داری اماں یا نبیل بھائی کی تھی۔ ان کی غیر موجودگی میں وہ اور بھابی یہ کام سر انجام دیتی تھیں۔

”میں دیکھتی ہوں۔“ اماں اٹھ کر باہر چلی گئی تھیں۔ نویرہ یوں ہی کہنیاں قالین پر ٹکائے لاپروا انداز میں لیٹی میگزین دیکھتی رہی۔

”آؤ بیٹا!...... آ جاؤ......“ نجانے اماں کسے کہہ رہی تھیں۔ نویرہ نے سر اٹھا کر جائزہ لینا چاہا۔ اس کا خیال تھا کہ نبیل بھائی ہوں گے مگر اماں کے ساتھ فاروق نواز اور اس کے پیچھے شارق زمان کو دیکھ کر وہ ایک دم سیدھی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

”السلام علیکم......“ شارق زمان اور نواز نے بیک وقت سلام کیا۔ نویرہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا اور اردگرد دیکھنے لگی۔ پتہ نہیں وہ دوپٹہ کہاں ہے۔ وہ اٹھ کر ادھر اُدھر ہو کر دوپٹہ تلاش بھی نہیں کر سکتی تھی۔

”یا اللہ......“ پہلی دفعہ اسے حقیقتاً خود پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ نہانے کے بعد وہ یوں ہی کمرے سے نکل آئی تھی۔ گھر میں اس وقت کوئی مرد تو تھا نہیں کہ اسے دوپٹے کا دھیان رہتا اور اب یہ مصیبت۔

شارق زمان نے دلچسپی سے دیکھا۔ بغیر دوپٹے کے کنفیوژ۔ گھبرائی...... شرمائی سی نویرہ قابل توجہ تھی۔ وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کا یہ روپ دیکھ رہا تھا۔ دل ایک دم اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بغیر دوپٹے کے شرمائی گھبرائی وہ جیتی جاگتی قیامت تھی۔

شارق زمان کیا نواز بھی اس کا یہ روپ دیکھ کر ایک لمحے کو دنگ رہ گیا۔ وہ ان کے سامنے ہمیشہ سر پر اچھی طرح دوپٹہ جمائے بڑے باوقار انداز میں آتی تھی کہ نظر بے باکی سے اٹھنے کے بجائے خود بخود احترام سے جھک جائے مگر آج......

نواز فاروق کے دل نے دوسری نظر ڈالنے کو اکسایا مگر وہ دل کو ڈپٹ کر احتراماً صوفے کی طرف بڑھا جب کہ شارق زمان ابھی بھی اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ جیسے نظریں اس وجود کی حشر سامانیوں سے ہٹنے کو انکاری ہو گئی ہوں۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ پاک دامن عورت کسے کہتے ہیں؟“ اپنی ہی آواز ہر وقت اس کے تعاقب میں دوڑتی تھی اور اب......

پاک دامن عورت کا یہ کون سا روپ تھا۔ وہ ایک دم نظریں جھکا گیا۔ دل میں احترام جاگا۔

”بیٹھو بیٹا کھڑے کیوں ہو۔“ اماں نے لاؤنج کی تمام لائٹس آن کر دیں۔ شارق نواز سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اس طرح کہ نویرہ عقب میں ہو گئی۔

نویرہ نے شکر ادا کیا میگزین سینے سے لگائے بغیر ادھر اُدھر دیکھے اس نے ناک کی سیدھ میں چلتی اپنے کمرے میں آ کر ہی دم لیا۔

”یا اللہ......“ کوفت سے اس کا برا حال تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ اس حلیے میں کسی کزن چچا وغیرہ کے سامنے آ جائے۔ نبیل بھائی کے سامنے بھی کبھار دوپٹے کا خیال نہیں رہتا تھا مگر کندھوں اور سینے پہ پھیلا ہوتا تھا۔ رضا حمید سے وہ لاکھ بے تکلف تھی مگر اس سے بے تکلفی کے باوجود اس کے سامنے بغیر دوپٹے کے کبھی نہیں آئی تھی اور اب......

دوپٹہ بستر پہ پڑا ہوا تھا اٹھا کر اس نے کندھوں پہ پھیلا لیا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہیئر برش کو جلدی جلدی بالوں میں پھیرنے لگی۔ لمبے گھنے سیاہ بال ریشم کی طرح ملائم تھے۔ بالوں کا جوڑا بنا کر ہیئر پن لگائی۔ اس نے دوپٹہ اچھی طرح سر پہ جمایا۔

”کیا ضرورت تھی مجھے بغیر دوپٹے کے کمرے سے نکلنے کی۔“ ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اس نے خود کو کوسا۔

"یہ شارق بھائی بھی کتنے عجیب ہیں۔ پہلے بھی کوئی تعلق نہیں تھا...... نہ ملنا، نہ ملانا، نہ ہنسنا، نہ بولنا اور کیسے ایک دم بدلنے لگے ہیں اور وہ دیکھتے کیسے ہیں۔ پہلے تو کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا اتنے تو آدم بیزار تھے مگر اب...... ایک دفعہ نظر اٹھے تو جھکتی نہیں ہے...... اب بھی کیسے منہ پھاڑ کے دیکھ رہے تھے۔ جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہے ہوں۔"

شارق زمان کی نگاہوں سے اسے الجھن سی ابھی تک محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی بھی ان کی نگاہیں اس کے وجود کا طواف کر رہی ہوں۔ کچھ ایسا ہی حال تھا۔

"نویرہ بیٹا کہاں ہو؟" کمرے سے باہر اماں کی پکار سنائی دی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔

"جی اماں......" وہ ایک دم دروازے میں آئی۔

"شارق اور نواز آئے بیٹھے ہیں...... کھانے پینے کے لیے کچھ لاؤ۔" انہوں نے کہا تو اس نے سر ہلایا لیکن چہرے کی الجھن رفع نہ ہوئی۔

"یہ دونوں کیوں آئے ہیں...... خیریت ہے ناں......" نواز تو خیر منگنی کے بعد دوسری دفعہ ان کے گھر آیا تھا لیکن شارق زمان بھی منگنی والے دن ہی مہمان بن کر آیا تھا۔

"کہہ رہے تھے کہ نبیل نے دونوں کو بلوایا ہے۔ شاید کوئی کاروباری کام ہے بس نبیل بھی پہنچ رہا ہوگا۔ کھانے کے لیے میں نے پوچھا ہے منع کر رہے ہیں۔ چائے وغیرہ لے آؤ میں ادھر ہی ہوں......" اماں جلدی سے ہدایت دیتی پلٹ گئیں۔

کچن میں آ کر اس نے چائے کا برتن رکھا فریج میں کافی کچھ محفوظ تھا۔ دوپہر میں ہی اس نے کباب بنائے تھے۔ سموسے بھی تھے۔ اس کے علاوہ کیک اور کٹلس بھی تھے۔ سب کچھ نکال کر اس نے اوون میں گرم کیا۔ نمکو بسکٹ، کیک، کباب، سموسے اور کٹلس وغیرہ سے ٹیبل ٹرالی سجا کر وہ چائے کی طرف پلٹی جو ان کو گرم کرنے کے دوران بنا چکی تھی۔ ٹرالی سلیقے اور طریقے سے سجا کر وہ ادھر ہی چلی آئی۔

دونوں اماں سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو گفتگو کا تسلسل ٹوٹا۔ چائے بنا کر اس نے باری باری دونوں کو دی۔

"شکریہ......" شارق نے تو یونہی کپ تھام لیا جب کہ نواز نے شکریہ کہا۔

"نویرہ! پتا تو کرو نبیل کب تک آ جائے گا۔" اماں کو چائے کا کپ تھمایا تو انہوں نے کہا وہ سر ہلا کر ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف چلی آئی۔

شارق زمان نے دیکھا۔ وہ نمبر ملا رہی تھی۔ سرو قد، مناسب سراپا، خوبصورت، دلکش خدوخال تھے۔

سلیقے سے اچھی طرح سر پر دوپٹہ جمایا ہوا تھا۔

مکمل دھیان و توجہ سے وہ نمبر ملا رہی تھی۔

شارق زمان غیر اختیاری کیفیت سے لاشعوری طور پر اسے دیکھے گیا۔

کال مل گئی تھی وہ دھیمے لب و لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"آپ کب پہنچ رہے ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق زمان کا پورا وجود کان بن گیا۔

"جی...... دونوں ہی ہیں۔ جی...... چائے دی ہے میں نے...... جی...... اماں پاس ہی ہیں...... اچھا جلدی آ جائیں۔" یکطرفہ گفتگو شارق زمان نے بغور سنی تھی۔ نواز اماں سے باتوں میں مصروف تھا جب کہ اس کی پوری توجہ اس وجود کی طرف تھی۔ ریسیور رکھ کر وہ پلٹی تو سیدھی نظر شارق زمان کی اٹھی نظروں سے جا ٹکرائی۔ شارق زمان کی آنکھوں میں سلگتی، مچلتی ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ لق دق رہ گئی۔ ایک نگاہ نظریں ہٹا کر دوبارہ سے دیکھا تو وہ اسی طرح ہی متوجہ تھا۔ انتہائی ریلیکس موڈ میں بایاں بازو صوفے کی پشت پر پھیلائے دائیں ہاتھ میں چائے کا مگ تھامے۔ نویرہ ایک دفعہ پھر سلگ اٹھی۔

گرین لباس میں اس کی خوبصورت رنگت بہت نمایاں تھی بلکہ کندن کی طرح دمک رہی تھی۔ اس نے انتہائی ناگواری سے شارق زمان کی نگاہوں میں دیکھا۔ نویرہ کی آنکھوں کی برہمی بہت نمایاں تھی۔ شارق زمان نگاہ پھیر گیا۔ شارق زمان کے نگاہ پھیر لینے پر وہ مزید الجھی۔

"یہ شارق بھائی ایسی حرکتیں کیوں کر رہے ہیں...... ہو سکتا ہے یہ ان کا نارمل انداز ہو۔ میری ہی چھٹی حس غلط سمجھ رہی ہو۔" وہ الجھ کر خود کو ہی مورد الزام ٹھہرا گئی۔

"اماں! نبیل بھائی بس پانچ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔" اس نے اماں کو بتایا تھا۔ اماں نے سر ہلایا۔ یقیناً نواز کی موجودگی میں نویرہ کا اب بھلا کیا کام تھا۔ وہ باہر کی طرف لپکی۔

"بیٹھو نویرہ۔" شارق زمان اسے باہر نکلتے دیکھ کر ایک دم کہہ اٹھا۔ وہ چونک کر رکی۔

"نہیں شارق بھائی...... مجھے کچن میں کچھ کام ہے۔ آپ پلیز اماں سے باتیں کریں۔"

شارق کا یوں روکنا اسے حقیقت میں ناگوار گزرا تھا۔ تاہم لہجے پر قابو پا کر اس نے وہاں موجود سائیڈ ٹیبل پر رکھی دال کی ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی آئی۔

"شارق بھائی کی ان حرکتوں کا کیا مطلب ہے؟ آخر وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" ٹرے سلیب پر پٹختے وہ کتنی دیر تک ساکت کھڑی رہی۔

"آخر مجھے شارق بھائی کی نظروں کی ناگواری بار بار اتنی شدت سے کیوں محسوس ہو رہی ہے۔"

وہ اب سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

وہ گزشتہ تمام ملاقاتیں یاد کرنے لگی۔ یہ ملاقات سلام دعا سے زیادہ نہ تھی۔ ایک ادھ نظر کے تبادلے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی لیے تو وہ لاشعوری طور پر شارق زمان کی کم گو شخصیت سے متاثر تھی۔ ان کے اندر کی تلخی کا راز جاننے کی جستجو سینے میں اکثر سر اٹھاتی تھی۔ ابھی کل کی ہی تو بات تھی کہ جب اس کے دل میں شارق زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کی خواہش بھی ابھری تھی۔ اپنی خوشیاں اسے دے کر اس کے دکھ لے کر مگر اب......

"ہو سکتا ہے میرا وہم ہو...... جس بات سے مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے ہو سکتا ہے وہ ان کی عادت ہو۔ میں کون سا ان کو بہت گہرائی سے جانتی ہوں۔" اس نے پھر کوئی توجیہ نکال لی۔

تھوڑی دیر میں نبیل بھائی بھی پہنچ گئے۔ وہ ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور اماں کچن میں چلی آئیں۔

"تم کھانے پینے کا بندوبست کرو...... ہوسکتا ہے نبیل انہیں کھانے پر روک لے۔"

"پھر تو دال چاول نہیں پکاؤں، کوئی اور چیز بنالیتی ہوں۔"

"ہوں یہ بھی اچھا ہے ساتھ میں دال چاول بھی پکالو۔ صبح نبیل خاص طور پر کہہ کر گیا تھا کہ کتنے دن ہوگئے ہیں دال چاول کھائے ہوئے۔" اماں نے کہا تو وہ سر ہلا کر فریج کی طرف بڑھی۔

فریج میں چکن بھی تھا اور چھوٹا گوشت بھی۔ وہ سوچنے لگی کہ تھوڑے سے وقت میں آرام سے کون سی چیز بن سکتی ہے۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے دونوں گوشت نکال لیے۔ دال گوشت کے ساتھ اس نے روٹیاں بنالیں البتہ چکن پلاؤ ساتھ ضرور بنایا تھا۔ سلاد رائتہ میٹھے میں کسٹرڈ بنالیا۔ جلدی میں وہ صرف یہی کرسکتی تھی۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ کھانا ٹیبل پر لگا کر اس نے اماں کو اندر بھیجا تاکہ وہ ان کو کھانے پر بلا لائیں۔ وہ پانی کا جگ بھر کر ٹیبل پر لائی جب اماں کے ساتھ وہ تینوں آگئے۔

"اتنا اہتمام...... ہم مہمان تھوڑی ہیں...... آپ نے تو چچی اماں تکلف کر ڈالا۔" نواز ٹیبل دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اماں ہنس دیں۔

"ابھی کہاں اہتمام کیا۔ نویرہ جلدی میں صرف یہی بناسکی۔" وہ ایک طرف کھڑی اماں کی بات پہ مسکرادی۔ وہ لوگ بیٹھ گئے۔

"چکن پلاؤ، دال گوشت۔ زبردست مزہ آگیا۔" دال چاول کے ساتھ گوشت نبیل بھائی کی محبوب غذا تھی۔ ڈونگے سے ڈھکن اٹھا کر وہ خوش ہورہے تھے۔

"ہماری نویرہ سے اچھا دال گوشت و چکن پلاؤ کوئی اور بنا ہی نہیں سکتا۔" نبیل باری باری شارق اور نواز کے لیے کھانا نکالتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"آؤ نویرہ ادھر کیوں کھڑی ہو۔ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔" ایک تو نواز فاروق کی موجودگی پھر شارق کی وجہ سے وہ انکار کرگئی۔

"میں کھاچکی ہوں...... پلیز آپ لوگ کھائیں......" اس نے سلیقے سے معذرت کی۔

شارق زمان نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"تم ہمارے ساتھ کھانا نہیں چاہتیں یا پھر نواز کی موجودگی میں پرہیز کررہی ہو۔" بظاہر مذاق تھا جیسا کوئی بھی کزن ازراہِ تفنن کرتا ہے مگر نویرہ کو اماں اور نبیل بھائی کی موجودگی میں بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اسے کچھ تو کہنا ہی تھا نواز اس کی طرف دیکھ کر مسکرادیا۔

"ہمارے بزرگوں کا ادب و لحاظ رکھنے والے ہیں۔ چاہے وہ نواز ہو یا پھر نویرہ۔ چچازاد ہونے کی حیثیت سے بھی ایک اٹوٹ تعلق ہے مگر جو نیا تعلق بنا ہے وہ اپنی جگہ مسلّم ہے۔" اماں نے بھی شارق کی بات کا جواب دیا تھا۔

وہ ایک لحظہ کو لاجواب ہوگیا۔

"پھر تو دونوں کو پردے میں بٹھا دینا چاہیے آپ کو۔" مسکرا کر وہ پھر کہہ رہا تھا۔ اماں کے ساتھ نبیل بھی ہنس دیا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں...... منگیتر سے بڑھ کر یہ دونوں کزن ہیں...... اب ہمارا خاندان اتنا دقیانوسی بھی نہیں کہ یوں پابندیاں لگائے جس سے بے جا حبس کا احساس ہو۔" نبیل بھائی نے شارق کو تفصیلی جواب دیا۔

"تو پھر نویرہ کو یہیں بیٹھ کر ہمارے ساتھ کھانا کھانا چاہیے۔ چچی اماں اور نبیل کو کوئی اعتراض نہیں۔" شارق نے خود ہی کہا تھا اماں اور نبیل بھائی خاموش رہے۔

نویرہ کو شارق کا یہ رویہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ ایسا کیوں کررہا ہے۔

"بات اعتراض کی نہیں۔ بات شرم و حیا اور رکھ رکھاؤ کی ہے۔ پلیز آپ لوگ تکلف مت کریں۔ اماں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لیجیے گا۔" شارق کو جواب دے کر اس نے اماں کو بھی کہا اور پھر وہاں سے نکل گئی۔

نواز نے معنی خیز انداز میں شارق زمان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تاڑا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔

"اسے کہتے ہیں شرم و حیا اور رکھ رکھاؤ۔" اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھرک رہی تھی۔ شارق نے سر جھکالیا۔

"واقعی شرم و حیا اور رکھ رکھاؤ یہی ہے۔" کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔

* * *

کالج سے واپسی پر علی اسے گھر لے جانے کے بجائے پھپھو کے ہاں لے آیا۔ اس نے بہت منع کیا، امی کی ناراضی کا ڈراوا بھی دیا لیکن وہ بھی اپنی من مانی کرکے ہی رہا۔ فرح پھپھو کے ہاں آکر بھی وہ امی کی ناراضی کے خوف سے ہولتی رہی۔

انکل اور وقار بھائی تو آفس میں تھے۔ ہادی آپی اور پھپھو کے علاوہ ستارہ باجی بھی تھیں جو آج ہی میکے آئی تھیں۔ پھپھو اسے اتنے عرصے بعد اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ اس کی خوب آؤ بھگت ہورہی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے علی کو واپس چلنے کا کہا تو پھپھو نے سختی سے منع کردیا۔

"کوئی ضرورت نہیں اتنی جلدی جانے کی۔ تین مہینے بعد تم یہاں آئی ہو اور اتنی جلدی جانے کے لیے بھی تیار ہوگئی ہو۔" فرح نے بے چارگی سے پھپھو کو دیکھا۔ امی کا خوف نہ ہوتا تو ضرور رکتی مگر اب وہ کیا بتاتی کہ امی، پھپھو اور ان کی فیملی سے کتنا خار کھاتی ہیں۔

"آپ کو بتایا تو ہے کہ یہ علی کا بچہ مجھے سیدھا کالج سے یہاں لایا ہے۔ امی پریشان ہورہی ہوں گی۔ تیسرا گھنٹہ چل رہا ہے۔" علی کی طرف شکایتی انداز سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو پھپھو نے ایک دم علی کی طرف رخ کیا۔

"علی تم گھر چلے جاؤ، فرح آج یہیں رہے گی، میں سعید سے فون پہ بات کرلوں گی۔ کل تمہارے پھوپا یا وقار کوئی چھوڑ آئے گا۔" انہوں نے فوراً ہی اس مسئلے کا حل نکال لیا۔ ستارہ اور ہادی آپا خاموشی

سے مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ فرح تو پھپھو کے اس نئے آرڈر پر بھونچکا سی رہ گئی۔

”نہیں پھپھو...... پھر کسی دن آ جاؤں گی۔ آج نہیں۔ یوں بغیر بتائے چلے آنے پر امی بہت خفا ہوں گی اور مزید رکنے پر تو...... بابا...... نہ......“ اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

”ہادی مجھے موبائل دو میں خود طاہرہ سے بات کر لیتی ہوں کہ فرح آج یہیں رکے گی۔“ انہوں نے نیا حکم دیا تو فرح علی کو دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ ہادی آپا نے موبائل میں نمبرز ڈائل کر کے پھپھو کو تھمایا تو فرح خاموشی سے دیکھنے لگی۔ امی پھپھو اور ان کی فیملی کو سخت ناپسند کرتی تھیں اور فرح کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ اگر وہ یہاں رک گئی تو امی کا موڈ سخت خراب ہو جائے گا لیکن پھپھو سے بحث کون کرے۔

”وعلیکم السلام...... کیسے ہو سمعان بیٹے؟“ سمعان بھائی کا نام سن کر فرح حیران ہوگئی کہ وہ تو اس وقت آفس میں ہوتے ہیں لیکن آج گھر پہ تھے۔

”الحمدللہ...... میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں...... تم سناؤ طاہرہ کہاں ہے؟“ وہ پوچھ رہی تھیں اور فرح خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”ارے...... اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے۔ فرح اور علی ادھر ہیں میرے ہاں۔ بچے ہیں خیال نہیں رہا کہ پہلے فون کرتے...... فرح تو ابھی بھی پریشان ہو رہی ہے، یہ لو خود بات کر لو۔“ انہوں نے موبائل فرح کو تھما دیا۔

”السلام علیکم بھائی......“ پھپھو کی یکطرفہ گفتگو سے وہ کچھ نہ کچھ تو سمجھ گئی تھی۔

”میں نے علی کو منع بھی کیا تھا...... وہ مان ہی نہیں رہا تھا۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ امی کو کم از کم فون کر کے اطلاع ہی دے دے لیکن کہہ رہا تھا کہ امی سے جوتے کھانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔“ فرح نے جوں کے توں علی کے الفاظ سمعان کو پہنچائے۔

”پھپھو نہیں آنے دے رہیں...... کہہ رہی ہیں آج یہیں رکوں۔“ اس نے پھپھو کی طرف دیکھا وہ س کی طرف ہی متوجہ تھیں فوراً موبائل اس سے لے لیا۔

”فرح یہاں رکے گی علی کو بھیج دیتی ہوں۔ اتنے عرصے بعد اگر غلطی سے وہ آ گئی ہے تو کیا ہوا۔ س میں نے کہہ دیا ہے کل تمہارے پھوپا یا وقار چھوڑ آئیں گے...... بیگ اس کے پاس ہے یونیفارم ی ہے۔ یہیں سے کالج چلی جائے گی۔“

”مگر...... مگر...... کچھ نہیں...... میں نے طاہرہ کو اطلاع دینے کے لیے کال کی تھی۔ خیر وہ بات نہیں رنا چاہتی تو اور بات ہے تم اسے اطلاع دے دو...... اچھا ٹھیک ہے، اللہ حافظ۔“ پھپھو نے موبائل د کر کے ہادی آپا کو تھماتے ہوئے فرح کو دیکھا۔

”سمعان کو کہہ دیا ہے میں نے ”تم آج یہیں رہو گی۔ طاہرہ سے وہ خود ہی بات کر لے گا۔ اب رام سے بیٹھو۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔“ پھپھو کی بات پر وہ کچھ پرسکون گی۔ اسے پتا تھا اب سمعان بھائی امی کو سنبھال لیں گے۔

”پھر پھپھو میں جاؤں۔“ علی نے پوچھا تو پھپھو نے سر ہلا دیا۔

”علی تو ہر ہفتے ایک چکر لگا لیتا ہے لیکن تمہیں تو مہینوں گزر جاتے ہیں یہاں قدم رکھے۔ ہر بار میں تایا ابو اور سمعان کو کہتی ہوں تمہیں بھی ساتھ لائیں مگر نہ جی۔ اب علی کو میں نے کہا تھا، شکر ہے آج اسے خیال آ ہی گیا۔“ ہادی آپا نے کہا تو وہ ہنس دی۔ وہ اچھی طرح سے علی کی چالاکی سمجھ گئی تھی۔

علی کے چلے جانے کے بعد وہ کچھ دیر پھپھو کے ساتھ باتیں کرتی رہی پھر پھپھو لیٹنے چلی گئیں تو وہ ستارہ باجی کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئی۔

”پچھلے ہفتے اتوار کو ہم سب چھوٹے ماموں کے ہاں گئے تھے۔ انہوں نے کھانے پر انوائٹ کیا تھا۔ نوشین تو شرمائی لجائی رہی لیکن زرش نے خوب نوشین کا ریکارڈ لگایا۔“ ستارہ باجی مسکرا کر بتا رہی تھیں۔ جب اچانک چلتے چلتے وہ ان کی اسٹڈی ٹیبل کے قریب آ کر رک گئی۔ شادی سے پہلے بھی ستارہ کا کمرہ ایسے ہی تھا اور اب بھی۔ ستارہ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ شادی کے بعد سسرال کی بھی لاڈلی بن گئی تھی۔ وہ ان کی اسٹڈی ٹیبل پہ پڑی کتابیں کھنگال رہی تھی کہ کتاب میں سے ایک صفحہ نکل کر ٹیبل پر گر گیا۔ جیسے ہی فرح نے وہ پیج اٹھایا تو ستارہ نے پیچھے سے جھانک کر کہا۔

”کیا دیکھ رہی ہو۔“

”کچھ نہیں...... کتابیں دیکھ رہی تھی۔ آپ کے پاس شاعری کا اچھا خاصہ مجموعہ ہے۔“ وہ صفحے کی تہیں کھول ہی رہی تھی کہ اچانک ستارہ نے اس کے ہاتھ سے صفحہ کھینچ لیا۔

”یہ بہت خاص صفحہ ہے۔ تمہارا دیکھنا منع ہے؟“ انہوں نے ایک دم صفحہ اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔ فرح نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”کیوں......“ ”ایسی بھی اس میں کیا بات ہے جو میں نہیں دیکھ سکتی؟“ فرح کو ستارہ کی حرکت سے تجسس ہوا۔ شرارتاً چھیڑا تو وہ ہنس دی۔

”بہت خاص بات ہے۔“ ”کچھ ہجر کی کہانی ماہتاب کی زبانی ہے۔“ ”تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔“ وہ اسے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہوسکتا ہے قادر بھائی سے متعلق کوئی سیکرٹ ہو۔ اس نے سوچا۔ ستارہ کی ایک شاعری کی ڈائری اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔ اچانک اس کا ذہن الجھ گیا۔

”یہ رائٹنگ......“ اسے یاد کر کے بھی کچھ یاد نہ آیا۔

”ستارہ آپی! آپ کی لکھائی تو بہت پیاری ہے۔ جیسے صفحے پر موتی پرو دیا ہوا ہو۔“

”ہوں...... سعد بھی یہی کہتا ہے بلکہ اسے تو میری رائٹنگ اتنی پسند ہے کہ جب بھی میں اسے خط لکھتی ہوں تو جواباً میری رائٹنگ کی تعریف میں خط لکھنا نہیں بھولتا اور اس کے تعریفی خطوط پڑھ کر قادر بہت جلتے ہیں۔ قادر کی لکھائی اتنی صاف نہیں ہے۔ وہ بھی میری رائٹنگ کو بہت پسند کرتے ہیں۔“

”سعد بھائی کب تک واپس لوٹیں گے......“ کتابیں چھوڑ کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔ ستارہ بھی اس کے قریب چلی آئی۔

"امی کہتی ہیں جلدی آ جائیں لیکن بھائی کا ارادہ ابھی چند ماہ اور وہاں رکنے کا ہے۔ وہ وہاں مزید کچھ پریکٹس کرنے کے موڈ میں ہیں۔"

"تو بابر بھائی کے علاوہ یہ دوسرا بندہ ہوگا جو ہمارے خاندان میں ڈاکٹر ہوگا۔" ستارہ نے سر ہلایا۔

"اور وہ بھی ہارٹ اسپیشلسٹ۔" ستارہ کے لہجے میں اپنے ذہین ترین بھائی کے لیے فخر اور مان تھا۔

"آپ کی اور سعد بھائی کی بہت زیادہ انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ ہیں ناں......"

"ہوں...... قادر بھی یہی کہتے ہیں۔ میں ہر وقت سعد بھائی...... سعد بھائی کرتی رہتی ہوں تو اکثر وہ جھنجلا بھی جاتے ہیں۔ جب بھی سعد کا فون آتا ہے تو اس سے میری بہت شکایتیں کرتے ہیں۔" فرح مسکرا کر دیکھنے لگی تو اچانک ستارہ کو کچھ یاد آ گیا۔

"ارے ہاں سعد بھائی نے اپنی تصویریں بھیجی ہیں دیکھو گی......" اس نے سر ہلایا تو وہ بیگ سے موبائل نکال لائی۔ "ڈاکٹر سعد جمال" کی ڈھیروں تصویریں تھیں۔ ہر تصویر میں اس کی وجاہت و شخصیت کا وقار بھرپور تاثر چھوڑ رہا تھا۔

"زبردست...... سعد بھائی تو بڑے ہینڈسم ہو گئے ہیں۔ آپ کے موبائل کا رزلٹ بھی بہت اچھا ہے۔ ہر تصویر اتنی کلیئر ہے کہ حد نہیں۔"

"میری تقریباً روز ایک گھنٹہ سعد سے چیٹنگ ہوتی ہے۔ کبھی کمپیوٹر پہ کام کرتے ہوئے کال بھی کرتے ہیں۔ کچن میں چائے بناتے۔ اسٹڈی کرتے بہت اچھے لگتے ہیں۔" ستارہ سعد کی تعریفوں میں مصروف ہو چکی تھی۔ فرح مسکراتی رہی۔

اس کی جب بھی ستارہ سے ملاقات ہوتی تھی ہر بار ان کا موضوع گفتگو صرف سعد جمال کی ذات ہوا کرتی تھی۔ سعد یہ ہے' وہ ہے' یہ کرتا ہے' وہ کرتا ہے۔ اب سعد ایسا ہو گیا۔ آج کل سیر کے لیے فلاں جگہ گیا ہوا ہے۔ اس بات سے وہ یہ اندازہ لگا سکی کہ ستارہ کی سعد کے ساتھ اس قدر انڈر اسٹینڈنگ ہے کہ اس کی گفتگو کسی اور موضوع کی طرف جا ہی نہیں سکتی۔

"میں بھائی کو بتاؤں گی کہ تم نے انہیں ہینڈسم کا لقب دیا ہے۔ اپنی تعریف سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ابھی میں انہیں SMS کرتی ہوں کیسے فوراً ری پلے کرتے ہیں۔"

ستارہ شادی کے بعد بھی نہیں بدلی تھی۔ اسی طرح کھلکھلاتی، مسکراتی لاابالی پن کا مظاہرہ کرتی رہتی تھی۔ ستارہ کی انگلیاں تیزی سے ایس ایم ایس لکھ رہی تھیں۔ فرح بستر پہ بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

"میں نے ایس ایم ایس سینڈ کر دیا ہے، دیکھنا کیسے ری پلے کرتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر فرح کے صاف و شفاف چہرے کو دیکھا۔ جس پہ بڑی متانت بھری مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔

"کیا لکھا ہے؟" فرح نے پوچھا۔

"جو بھی لکھا وہ جانے دو بس دیکھو میسج پڑھتے ہی کال کیسے آتی ہے۔" ابھی ستارہ کے الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ موبائل ٹون بجنے لگی۔

"دیکھو آ گئی کال...... بڑی کوئیک سروس ہے سعد بھائی کی۔" فرح کھلکھلا کر ہنس گئی۔ "سعد بھائی ہیں......" ستارہ نے فوراً کال ریسیو کی۔

"وعلیکم السلام۔" ستارہ کے لہجے میں ہی کیا آنکھوں میں بھی ایک پراسراری چمک تھی۔

"ابھی فرح کہہ رہی تھی کہ بڑی کوئیک سروس ہے سعد بھائی کی......" ہنستے ہوئے ستارہ نے اس کا حوالہ دیا تو فرح جھینپ سی گئی۔

"بات کرواؤں......؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ فرح نے ایک دم نفی میں سر ہلایا۔

سمعان بھائی اور ابو کے پاس اکثر سعد کی کالز آتی رہتی تھیں۔ جب سے وہ گیا تھا شاید ہی فرح کی کبھی بات ہوئی ہو۔ ایک جھجک سی تھی۔

"فرح انکار کر رہی ہے۔" ستارہ نے اس کا انکار سعد تک پہنچا دیا۔ لہجے میں اب بھی شرارت تھی۔

"اچھا...... دھمکیاں تو مت دو کرواتی ہوں۔" ستارہ نے موبائل اس کی طرف بڑھایا تو فرح نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر انکار کر دیا۔

"مجھے نہیں کرنی کوئی بات وات۔" اس نے بدستور سر نفی میں ہلایا۔

"کر لو کچھ نہیں ہوتا۔" ستارہ نے اس کے کان سے موبائل لگا دیا۔ مجبوراً فرح کو بات کرنا پڑی۔

"السلام علیکم۔" اس کی نگاہ ستارہ کی مسکراہٹ پر تھی وہ کچھ پزل سی ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" دوسری طرف سے سعد کی بڑی پرجوش بھاری آواز سنائی دی۔ "کیسی ہو؟"

"جی ٹھیک ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ ستارہ ابھی بھی اس کے پاس بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"آج تم ہمارے ہاں کیسے آ گئیں...... میں نے تو سنا ہے تمہیں ہمارے ہاں آنا سخت برا لگتا ہے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں...... بس فرصت ہی نہیں ملتی۔" پزل تو وہ اب بھی ہو رہی تھی مگر بات کرتے ہوئے پراعتماد بھی تھی۔ سعد جمال اس کا سگا پھوپی زاد تھا کوئی غیر تھوڑی تھا۔ یہی اعتماد کافی تھا۔

"یوں کہو ممانی جان کا ڈر ہے جو تمہیں آنے سے روکتا ہے۔" فرح چپ رہی۔ "اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟"

"بہت اچھی......" اس نے مختصراً کہا پھر اس سے پہلے کہ سعد کچھ اور کہتا اس نے موبائل ستارہ کو تھما دیا اور خود اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"ہیلو...... ہاں سعد میں ہوں ستارہ...... میں کیا جانوں؟ میں نے تو بات کروائی ہے اب وہ بات نہیں کرنا چاہتی تو میرا کیا قصور۔" ستارہ کہہ رہی تھی۔ فرح نے کھڑکی کھول دی۔

"او کے دیکھوں گی...... تم نے ذمہ داری ہی ایسی کندھوں پہ ڈالی ہوئی ہے اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ ٹھیک ہے پھر بات ہوگی...... نہیں آج رات نہیں...... ہاں ٹھیک ہے کل ہوگی۔ اچھا بابا...... میں ایم ایم ایس کر دوں گی۔ اب خوش...... او کے اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ......"

باہر دیکھتے ہوئے بھی فرح کی توجہ ستارہ کی گفتگو پہ تھی۔ اس نے موبائل بستر پہ پھینک کر فرح کو دیکھا۔

"تم نے سعد سے بات کیوں نہیں کی......؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ فرح نے پلٹ کر دیکھا۔

”کی تو ہے۔“

”خاک کی ہے...... سلام دعا۔ بس حال چال۔ بے چارے نے اتنی دور سے کال کی تھی اور تم بھی ناں۔“ فرح کھڑکی سے ہٹ کر دوبارہ ستارہ کے پاس آ بیٹھی۔

”آپ سب کو پتا ہے میں اپنے بھائیوں کے علاوہ دیگر لڑکوں حتیٰ کہ کزنز تک سے بھی برائے نام گفتگو کرتی ہوں چاہے وہ ماموں زاد ہوں یا خالہ زاد...... آپ لوگوں کی تو بات ہی اور ہے۔ کبھی کبھار سعد بھائی کی کال سمعان بھائی کے پاس آئے تو وہ بات کروا دیتے ہیں۔ تب بھی میں اتنی ہی گفتگو کرتی ہوں۔“ اس نے رسان سے جواب دیا تو ستارہ مسکرا دی۔

”چلو جانے دو......“ ستارہ نے دوبارہ موبائل اٹھا لیا۔

”میرا آج رات یہیں ٹھہرنے کا پروگرام ہے۔ قادر سے کہہ چکی ہوں۔ دونوں مل کر خوب باتیں کریں گی۔“ وہ موبائل سے اپنی تصویر بنا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ زبان بھی چل رہی تھی۔

”تمہاری تصویر بناؤں؟“ ستارہ نے کیمرے میں اس کو فوکس کیا تو فرح جھینپی۔

”اچھی نہیں آئے گی۔“ اس نے عذر تراشا۔

”فکر مت کرو...... میرے موبائل کیمرے کا رزلٹ بہت اچھا ہے۔“ ستارہ نے تصویر بنائی تو فرح نے دیکھا تصویر واقعی بہت اچھی آئی ہے۔ انتہائی کلیئر و شفاف۔“

”زبردست......“ وہ سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

”سفید یونیفارم میں عموماً تصویر کلیئر نہیں آتی لیکن واقعی آپ کے کیمرے کا رزلٹ بہت اچھا ہے۔“ ستارہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر چند بٹن اور دبائے تھے۔ فرح صرف اس کی تیزی سے چلتی انگلیاں دیکھتی رہی پھر یکدم وہ مسکرانے لگی تو فرح جو ستارہ کو بغور دیکھ رہی تھی حیران ہو گئی۔

”کیا ہوا......؟“ اس نے پوچھا۔

”کچھ نہیں...... سیکرٹ ہے...... کبھی موقع ملا تو بتاؤں گی۔ چلو باہر چلتے ہیں، ہادی بھائی کو دیکھتے ہیں کیا کر رہے ہیں......“ موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ فرح کو ستارہ کی پراسرار مسکراہٹ کچھ عجیب سی محسوس ہوئی پھر سر جھٹک کر وہ بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

* * *

یہاں لاہور میں موسم کیا بدلا سارا شیڈول بدلتا چلا گیا۔ نومبر کے مہینے کا آخر چل رہا تھا۔ سردی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ نویرہ کی روٹین بھی اسی طرح بدلتی جا رہی تھی۔ سردیوں کے لیے لحاف نکالنا ان کے گھرانے کی مخصوص تیاریاں تھیں۔ نئے سرے سے سارے گھر کی ترتیب بدلی جاتی۔ اس سارے عمل میں وہ اور بھابی گھن چکر بن کر رہ گئی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے ان کا کام ختم ہوا تو نویرہ نے سلائی مشین پکڑ لی۔ بھابی اور وہ سردیوں کی شاپنگ کر کے لائی تھیں۔ نبیل بھائی کے ملبوسات ریڈی میڈ ہی تھے۔ ایک دو سوٹ سلوانے والے تھے جو انہوں نے اپنے درزی کو دے دیے تھے۔ البتہ باقی سب کے کپڑوں، کی سلائی کی ذمہ داری نویرہ کے ذمے تھی۔ سب کے دو دو سوٹ تھے۔ سب سے پہلے اس نے اماں کے کپڑے سیے۔ ایک دن میں ہی کام ختم ہو گیا۔ اگلے دن اس نے بھابی کے کپڑوں کی کٹنگ کی، اپنے اور گڑیا کے کپڑوں کے لیے اسے کچھ میٹریل خریدنا تھا۔ اس نے بھابی کو کہا تو انہوں نے اسے رمشا کو فون کر کے بلوا کر ساتھ جانے کو کہا۔

”پتا نہیں وہ فارغ بھی ہو گی کہ نہیں......“

”تم فون کر کے دیکھ لو...... ہو سکتا ہے فارغ ہی ہو...... گڑیا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ورنہ میں خود ہی چلتی۔“ گڑیا کو آج کچھ بخار تھا۔ نویرہ نے فون کیا تو رمشا نے ہی ریسیو کیا۔ سلام دعا کے فوراً بعد وہ مطلب پر آ گئی۔

رمشا مجھے بازار جانا ہے۔ گڑیا کی طبیعت ٹھیک نہیں، بھابی نہیں جا رہیں تم اگر فارغ ہو تو رضا کے ساتھ چلی آؤ۔ دونوں مل کر چلتی ہیں۔“

”فارغ تو میں ہوں لیکن رضا...... اچھا آپ ایسا کریں میں رضا کو بتاتی ہوں کہ آپ کی کال ہے اسے کہیے گا تب ہی میں آ سکوں گی۔“

”ٹھیک ہے بلاؤ اسے میں خود بات کر لیتی ہوں۔“ نویرہ نے کہا تو وہ ہولڈ کرنے کا کہہ کر چلی گئی۔ پانچ منٹ بعد رضا لائن پر آ گیا۔ سلام دعا کے بعد جب نویرہ نے اسے رمشا کو ساتھ لانے کا کہا تو اس نے ایک دم انکار کر دیا۔

”آئی ایم سوری...... میں نہیں آ سکتا مجھے نواز بھائی کے پاس ان کی اکیڈمی جانا ہے۔“

صاف کہو...... تم رمشا کی وجہ سے انکار کر رہے ہو۔“ رمشا سے اس کی بیزاری سارا خاندان ہی جانتا

تھا۔ یوں ایک دم رضا کے انکار کر دینے سے اس نے بھی کہہ دیا۔

"نہیں انکار تو نہیں ہے۔ یہ تو آپ رمشا سے بھی پوچھ لیں "نواز بھائی کی اکیڈمی جانے" کی سزا ابو کے ذریعے اس کی نافذ کردہ ہے۔ ذرا بھی تاخیر ہو جائے تو نواز بھائی فوراً ابو کو رپورٹ کر دیتے ہیں اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں ابو کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا۔" اس کا لہجہ اگرچہ تلخ تھا مگر سچا تھا۔ نویرہ چپ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے تم پانچ منٹ نکال کے اکیڈمی جاتے ہوئے رمشا کو ہمارے ہاں چھوڑ بھی تو سکتے ہو۔ ہم دونوں با آسانی جا سکتی ہیں۔ پلیز اچھے بھائی ہونا انکار نہیں کرنا۔ میرا آج بازار جانا بہت ضروری ہے ورنہ پھر کتنے دن لگ جائیں گے۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مان گیا۔ وہ نویرہ کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد گیٹ پر رضا کی بائیک کا ہارن سنائی دینے لگا۔ لالہ گیٹ کھولنے گئیں۔ رضا باہر سے چلا گیا البتہ رمشا ساتھ ضرور تھی۔

"تھینک گاڈ تم آ گئی ورنہ تو رضا سے کچھ بعید نہ تھا۔" رمشا سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ رمشا نے بغور دیکھا۔ اس دن رضا سے جھڑپ کے بعد اس کا دل نویرہ سے مزید اچاٹ ہو گیا تھا مگر۔

"ایسا بھی کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں ہے۔" وہ بغور جائزہ لے رہی تھی۔ رضا کے لیے اسے پانچ منٹ برداشت کرنا ناممکن تھا۔ کہاں وہ نویرہ کے کہنے پر اسے چھوڑنے چلا آیا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ وہ باہر سے چلا گیا ورنہ وہ ضرور کچھ الٹا سیدھا بولتی۔ رضا کی توجہ ایک منٹ بھی نویرہ کی طرف مبذول ہو اسے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا۔ نویرہ چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹے، بیگ کندھے پر ڈالے تیار تھی۔

"کچھ کھاؤ پیو گی......؟" بھابی نے پوچھا تو رمشا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"آؤ پھر چلتے ہیں۔ تین بج رہے ہیں بازار میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ شام سے پہلے گھر بھی آنا ہے۔" نویرہ نے شاپنگ بیگ تھام لیا جس میں سوٹوں کی کترنیں اور کٹنگ پیس تھے جن پر چھپائی بھی کروانی تھی اور کچھ میچنگ کا میٹریل بھی خریدنا تھا۔

بازار پہنچ کر پہلے نویرہ نے کپڑوں پر چھپائی کروائی پھر متعلقہ میٹریل لیا جن میں ٹکلیاں، لیسیں، دھاگے وغیرہ شامل تھے۔ اس کے بعد اس نے چند اور ضروری میچنگ کی چیزیں لیں۔ ان سب میں انہیں دو گھنٹے لگ گئے۔

"مجھے اپنے کالج کی جرسی اور شال خریدنی ہے۔ ساتھ میں گھریلو استعمال کے ایک دو سوٹ لینے ہیں۔ مارکیٹ کے اندر چلتے ہیں۔ وہاں اچھی ورائٹی ملتی ہے۔" رمشا کی بات پر وہ دونوں مارکیٹ کے اندر آ گئی تھیں۔

اس نے اپنی خریداری کی۔ ایک جرسی کے بجائے دو جرسیاں لیں۔ شال کے علاوہ جوتے اور گھریلو سوٹ اور دیگر کاسمیٹکس کی روزمرہ کی اشیا لی تھیں۔

"یہاں سے کیا لینا ہے؟" نویرہ کا خیال تھا کہ وہ سب کچھ خرید چکی ہے لیکن اسے جینٹس کی دکان میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ رک گئی۔

"آپ آئیں نا مجھے رضا کے لیے کچھ چیزیں لینی ہیں۔ پھپھو نے پیسے دیے تھے کہ لے آنا۔" اس نے رضا کے لیے تین شرٹس اور جینز لیں۔ اس کے علاوہ کفلنکس اور دو ٹائیوں کے ساتھ ٹائی پن بھی۔ وہاں ان کو کافی وقت لگا۔ رمشا کو کوئی بھی چیز پسند نہیں آ رہی تھی۔ اپنی شاپنگ اس نے منٹوں میں کی تھی لیکن رضا کے لیے ہر چیز وہ دیکھ بھال کر لے رہی تھی۔ اس کے ہر انداز میں رضا کے لیے بے پناہ محبت جھلک رہی تھی۔ نویرہ دل ہی دل میں متاثر ہوئی۔

سارا کچھ پیک کروا کر وہ دونوں وہاں سے نکل آئیں۔ رضا کے لیے رمشا نے ہر چیز اپنی پسند سے لی تھی۔ بعض چیزوں کے لیے نویرہ نے مشورہ بھی دیا تو پسند آنے کے باوجود رمشا نے وہ چیزیں نہیں لی تھیں۔ یہ بات نویرہ نے بھی محسوس کی تھی مگر اس نے ٹوکا نہیں تھا کہ ان معاملات میں بعض لڑکیاں حد سے زیادہ جذباتی ہوتی ہیں اور رمشا کی رضا سے نسبت اور محبت سارا خاندان جانتا تھا۔

"بہت لکی ہے رضا جسے تم جیسی محبت کرنے والی لڑکی مل رہی ہے۔" ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتے نویرہ نے کہا۔ رمشا کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ آ ٹھہری۔ تلخی سے نویرہ کو دیکھا اور پھر سختی سے ہونٹوں کو بھینچ گئی مبادا کچھ تلخ نہ کہہ دے۔

"کاش یہ حقیقت رضا بھی جان لے۔ وہ سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ کاش میں اسے بتا سکتی۔" رمشا نے اپنے لب بھینچ لیے تھے۔ نویرہ نے بخوبی محسوس کیا کہ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا لیکن......

"رضا ابھی کم عمر اور جذباتی سا لڑکا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ٹھہراؤ آ جائے گا۔ تم اس کے متعلق ٹینشن نہ لیا کرو۔ بہت سے لڑکے شروع میں اس طرح رشتہ طے ہو جانے پر شاکی ہوتے ہیں مگر پھر رفتہ رفتہ حقیقت کو قبول کر لیتے ہیں۔ وہ بھی کر لے گا......!"

رمشا کے چہرے کی تلخی اور لب بھینچ لینے سے نویرہ بھی سمجھی کہ وہ ہرٹ ہوئی ہے اسی لیے اسے سمجھانے لگی۔

"ایک بات طے ہے نویرہ آپی! میرے اور رضا کے درمیان جس نے بھی آنے کی کوشش کی ناں تو میں اس کے ساتھ بہت برا کروں گی۔ میں کسی چیز پر صبر کر لینے والی لڑکی نہیں ہوں جو چیز میری ہے، وہ بس میری ہے۔ میں کسی دوسرے وجود کی مداخلت گوارا نہیں کروں گی۔ رضا جن خیالوں میں زندگی گزار رہا ہے اور جن آسمانوں پر اڑ رہا ہے اسے کہہ دیجیے گا اس سراب سے نکل آئے ورنہ منہ کے بل گرے گا۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔ اسے رمشا پر ترس بھی آیا اور پیار بھی۔ تاہم اس نے کچھ بھی کہنے سے اجتناب کیا کہ اس کی مزید حوصلہ شکنی نہ ہو۔

سڑک پر کوئی سواری نہیں مل رہی تھی۔ مغرب کی اذان وہیں کھڑے ہوئی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلنے لگا تو نویرہ پریشان ہو گئی۔

"اف...... اتنی دیر ہو گئی...... نماز بھی قضا ہو گئی ہے...... اب نجانے کب سواری ملے گی۔"

"یہاں سے تو شاید ممکن نہیں ہے۔ چلیں مین روڈ پر چلتے ہیں شاید کوئی سواری مل جائے۔" رمشا کی بات پر اس نے سر ہلایا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے بھی ان کے پاس کتنا سامان ہو گیا تھا۔ ابھی وہ دونوں مین روڈ پر پہنچی ہی تھیں کہ ایک گاڑی ان کے سامنے آ کر رکی۔

"تم دونوں یہاں اس وقت......؟" کھڑکی کے شیشے سے جھانکتے چہرے کو دیکھ کر دونوں ایک لمحے کو پزل ہوئیں پھر سنبھل بھی گئیں۔ یہاں شارق زمان کو دیکھ کر دونوں ہی حیران تھیں۔

"آپ......" وائٹ چادر میں نویرہ کا کچھ چہرہ چھپا ہوا تھا جب کہ رمشا کا چہرہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ شاید اسی لیے شارق زمان کے لیے انہیں پہچاننا آسان ہو گیا۔ ورنہ وہ اکیلی ہوتی تو وہ انہیں کبھی نہ پہچانتا۔

"ہوں...... یہاں کیوں کھڑی ہو، تم دونوں؟"

"ہم شاپنگ کے لیے آئی تھیں۔ سواری نہیں مل رہی تھی۔ اسی لیے یہاں آ گئے کہ شاید کوئی سواری مل جائے۔" نویرہ خاموش رہی۔ رمشا نے ہی بتایا۔

"اکیلی آئی تھیں؟" وہ پوچھ رہا تھا رمشا نے سر ہلایا۔ "آؤ بیٹھو...... میں ڈراپ کر دوں گا......" شارق نے رخ موڑ کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی فرنٹ ڈور بھی۔

"تم آگے بیٹھ جاؤ میں پیچھے بیٹھ جاتی ہوں۔" نویرہ نے رمشا کے ہاتھ سے سامان لے کر پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ رمشا بھی اس کے ساتھ بیٹھنے لگی تو اس نے کہا۔ شارق زمان کا جو امیج خاندان بھر میں بنا ہوا تھا اسی بنا پر رمشا اس سے اچھا خاصا خوف کھاتی تھی لیکن اب ناچار اسے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا ہی پڑا۔

سارا راستہ خاموشی میں گزرا۔ شارق نے گاڑی نویرہ کے گھر کے سامنے روکی تو رمشا فوراً باہر نکلی۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے؟" اسے باہر گاڑی کھڑی کرتے دیکھ کر نویرہ نے پوچھا۔ وہ اس سے مخاطب ہونا نہیں چاہتی تھی مگر رواداری بھی کسی چیز کا نام ہے۔

"آتا ہوں، تم دونوں چلو میں یہ سامان لے آتا ہوں......" اسے سامان سمیٹتے دیکھ کر شارق نے کہا تو وہ خاموشی سے رمشا کے ساتھ اندر چلی آئی۔ شارق جب سامان لے کر اندر آیا تو نویرہ دوپٹہ اوڑھ کر لاؤنج میں بیٹھی پانی پی رہی تھی۔

"السلام علیکم......" لاؤنج میں سبھی تھے۔ نبیل بھائی، اماں اور بھابی وغیرہ۔ شارق نے سب کو مشترکہ سلام کیا۔ اماں سے پیار اور نبیل سے مصافحہ کر کے اس نے سارے شاپرز ٹیبل پر ڈھیر کر دیے۔

"یہ تم دونوں کو کہاں مل گیا؟" نبیل بھائی نے حیران ہوتے ہوئے نویرہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہم واپس آ رہے تھے۔ سواری نہیں مل رہی تھی تبھی مین روڈ پر یہ مل گئے۔" بھابی رمشا کو پانی کا گلاس تھما کر اماں کے پاس جا بیٹھیں۔

"میں تو آفس سے سیدھا گھر کی طرف جا رہا تھا تو رمشا پر نظر پڑ گئی۔ بغور دیکھا تو پتا چلا کہ نویرہ بھی ہے۔ گاڑی روک کر پوچھا تو معلوم ہوا سواری نہیں مل رہی۔"

شارق نبیل سے باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ وہ کچن میں چلی آئی۔ جلدی سے اس نے شارق کے لیے ایک گلاس اورنج شیک بنایا۔ ٹرے میں گلاس رکھ کر وہ ابھی کچن سے نکلی نہیں تھی کہ پیچھے ہی رمشا چلی آئی۔

"کیا کر رہی ہیں...... رمشا کو وہاں مردوں میں بیٹھنا اچھا نہیں لگا تھا تبھی ادھر آ گئی۔

"کچھ نہیں۔ تم ایسا کرو شارق بھائی کو یہ دے آؤ۔ پیاس لگی ہوگی اتنی دیر میں، میں ٹیبل پر کھانا لگاتی ہوں کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ بھابی نے تقریباً سبھی کچھ تیار کر رکھا ہے۔ تم اب کھانا کھا کر ہی جانا۔ انکل تو لیٹ ہی آئیں گے تمہیں لینے۔ میں فون کر دیتی ہوں۔" رمشا چلی گئی تو اس نے جلدی سے برتن نکالے بھابی چلی آئیں تو دونوں نے مل کر ٹیبل لگائی۔

"بھابی فی الحال میرا کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا...... میں کمرے میں جا رہی ہوں۔

"رمشا کو اچھی طرح کھلائیے گا۔" پچھلی دفعہ جب شارق ان کے ہاتھ آیا تھا تو اس کی آنکھوں کی عجیب سی کیفیت نے نویرہ کو اپنی جگہ بہت کانشس کر دیا تھا۔ اسے شارق کی آنکھوں کے زاویے جب بھی یاد آتے تھے اس کے اندر ناگواری کی کیفیت سی سرایت کر جاتی تھی اور اب بھی اس کا دل ٹیبل پر سب کی موجودگی میں کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ نجانے کیوں نویرہ کے دل میں شارق زمان کی جانب سے ایک گرہ سی پڑ گئی تھی۔ کمرے میں آ کر وقت دیکھا عشا کی اذانیں ہو چکی تھیں۔ وضو کر کے اس نے ائے نماز بچھائی۔ مغرب کی قضا اور عشا کی دونوں نمازیں ادا کر کے وہ دعا مانگ رہی تھی جب رمشا لی آئی۔

"میں شارق بھائی کے ساتھ گھر جا رہی ہوں۔ گھر فون کیا تھا رضا تو لینے نہیں آئے گا۔ انکل کو اب نی رات گئے کیا تکلیف دوں۔ میں نے کہہ دیا کہ میں کسی کے ساتھ خود ہی آ جاؤں گی۔ اب شارق مائی جا رہے ہیں تو میں نے کہہ دیا، مجھے چھوڑ دیں۔ آپ کو سلام کرنے آئی تھی۔"

"تم اکیلی شارق بھائی کے ساتھ جاؤ گی؟"

"تو اور کیا ظاہر ہے اکیلی ہی جاؤں گی۔"

"نہیں، میرا مطلب ہے تمہیں اکیلے نہیں جانا چاہیے۔ تم نبیل بھائی کے ساتھ چلی جانا میں انہیں ہہ دیتی ہوں۔ تم شارق بھائی کے ساتھ مت جانا۔" اس کا انداز قطعی تھا۔ اس کی یہ بات سن کر رمشا ران ہو گئی۔

"مگر...... میں تو انہیں کہہ چکی ہوں۔"

"منع کر دو...... تم ان کے ساتھ نہیں جاؤ گی...... بس میں نے کہہ دیا ہے؟"

رمشا، نویرہ کے اس انداز پر مزید حیران ہو گئی۔

"لیکن کیوں؟" رمشا کو نویرہ کے یوں حق جتانے پر تھوڑی حیرت ہوئی۔

"مجھے ان پر قطعی اعتماد نہیں ہے۔ مجھے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے عجیب سا خوف آتا ہے۔ انے ایک بات شدت سے نوٹ کی ہے وہ کوئی بھی ہو میں یا تم ان کی نگاہیں اندر تک جھانک رہی

ہوتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ شاید ہوس یا شاید حقارت۔ کچھ ہوتا ضرور ہے۔ آئی ڈونٹ نو۔" وہ خود کنفیوز ہوگئی تھی۔ رمشا خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ زیادہ شارق سے نہیں ملی تھی لیکن اس کے متعلق جو بھی سنا تھا وہ بھی......

"محسوس تو کچھ ایسا میں نے بھی کیا لیکن میرا تو ان سے سامنا بھی بہت کم ہوتا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ کچھ غلط حرکت کریں گے۔ ہم ان کی رشتے دار ہیں۔ تھوڑا بہت تو لحاظ ہوگا انہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ ہم تجربہ کرنے بیٹھیں۔ اگر عورت کی چھٹی حس اسے مرد کے معاملے میں کسی "خطرے کا سائرن" دے تو اس "سائرن" کو کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ تم احتیاط کرنا میں ان کی سگی تایازاد ہوں جب کہ تم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ رمشا نے سر اثبات میں ہلایا۔

نوریہ سے رضا کے معاملے میں لاکھ بغض و نفرت سہی مگر اس وقت اس کے بھلے کو ہی کہہ رہی تھی فوراً مان گئی۔

"چلو آؤ، وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ تم انکار کر دینا...... گھبرانا نہیں۔" وہ دونوں کمرے سے نکل آئیں۔ شارق واقعی انتظار کر رہا تھا۔

"آئی ایم سوری شارق بھائی مجھے ابھی نوریہ آپی سے کچھ کام سیکھنا ہے میں نبیل بھائی کے ساتھ چلی جاؤں گی...... آپ کا شکریہ......" وہ آرام سے کہہ رہی تھی۔ شارق کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ شاید حقارت...... یا شاید تذلیل کا احساس۔ پہلے کہہ کر یوں اب انکار کر دینا۔ وہ کھٹک گیا۔ اس نے پہلے رمشا اور پھر نوریہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی ایک سرد سی کیفیت تھی۔ گاڑی کی ڈم لائٹ میں وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ پایا۔ یہاں آکر وہ اس کے سامنے زیادہ دیر ٹھہری بھی نہیں تھی کہ وہ اسے بغور دیکھتا لیکن اب نوریہ کے ہر انداز میں ایک ٹھہراؤ تھا لیکن اس کی آنکھوں میں شارق زمان کو اپنے لیے ایک حقارت بھری ملامت محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایک دم نگاہیں پھیر گیا۔

"اوکے میں چلتا ہوں......" وہ دوبارہ رمشا یا نوریہ کی طرف دیکھے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ نوریہ نے سر جھٹکا اور خاموشی سے اپنی شاپنگ چیک کرنے لگی۔ جو ابھی بھی ٹیبل پر پڑی ہوئی تھی۔ رمشا اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

وہ وہاں سے نکل تو آیا لیکن اب شارق زمان کے اندر ایک الاؤ سا جل اٹھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کوئی چیز دل و دماغ کو کچوکے لگا رہی ہے۔

"نوریہ احسان......" اس نے تنفر سے سوچا۔ آج بہت عرصے بعد اس کے اندر وہی پرانی تلملاہٹ بیدار ہوئی تھی۔

"آئی ول کل یو...... آئی کل یو......" لڑکھڑاتے وجود سے اس نے بیڈ پر دھری ہر چیز تہس نہس دی۔ کتنے دن ہوگئے تھے وہ اپنے آپ کو سنبھال رہا تھا۔

[illegible] انداز میں اس کے دل میں اترتی جا رہی تھی یوں کہ اب اسے ہر طرف، ہر وقت نو

ہی نوریہ دکھائی دیتی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کی شفاف پیشانی، اس کی باتیں، اس کا دوپٹہ اوڑھنے کا انداز وہ اس کی کزن تھی۔ بارہا ان کے گھر آچکی تھی مگر اس نے آج تک اس کا بے ترتیب دوپٹہ نہیں دیکھا تھا۔ اس کے انداز میں ہمہ وقت عجیب سا رکھ رکھاؤ، وقار اور تمکنت سی ہوتی تھی اور یہی چیز شارق زمان کے دل کے تاروں کو چھیڑتی تھی یوں کہ وہ اسے چھو کر محسوس کرنے کو مچل اٹھتا تھا۔ نوریہ، نواز کی منگیتر ہے اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بس ایک دفعہ اس کے دل میں اس لڑکی کو بہت قریب سے دیکھنے کی خواہش بارہا جاگی تھی اور ہر بار اسے خود سے لڑنا پڑتا مگر آج......

آج شارق زمان کو نوریہ کی آنکھوں میں اپنے لیے حقارت اور نفرت دکھائی دی تھی۔ اس نے اور رمشا نے گھر ڈراپ کر دینے کی آفر قبول کر لی تھی مگر گھر میں ایک جھلک کے بعد وہ اسے دکھائی نہیں دی تھی۔ رمشا کے ہاتھ سے "اورنج شیک" پیتے ٹیبل پر کھانا کھاتے، بعد میں نبیل سے تھوڑی دیر گپ شپ لگاتے۔ ہر آہٹ پر اس کا دل مچلا تھا، اس کی مزید ایک جھلک دیکھنے اور وہ دکھائی بھی دی تھی۔ رمشا نے اسے گھر ڈراپ کر دینے کو کہا تھا۔ وہ اس کا انتظار کر رہا تھا اور جب وہ واپس آئی تو آکر انکار کر دیا۔ اس کے انکار میں شارق زمان کو ایک بے اعتمادی و بیزاری کی جھلک محسوس ہوئی اور پھر نوریہ کی آنکھوں میں جھانکتے اسے ایک پل میں اپنا آپ مجروح ہوتے لگا۔ کتنی چبھن محسوس ہوئی تھی؟ اس لیے وہ چپ چاپ وہاں سے نکل تو آیا لیکن گھر میں آتے ہی اس کی برداشت ختم ہوگئی تھی۔ نوریہ کی آنکھوں کی حقارت شارق زمان کو بری طرح مسترد ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ اسے زندگی میں پہلی دفعہ کوئی "صنف نازک" بھائی تھی اور قسمت کی کیا ستم ظریفی تھی وہی اس کے لیے بری طرح شکست کا سبب بن گئی۔ نوریہ میں نجانے ایسی کیا خاص بات تھی جو دل ہر بار بری طرح اس کی طرف کھنچتا تھا۔ کمرے کی ہر چیز پر اپنا غصہ نکال کر وہ بے دم ہو کر بستر پر گر گیا۔

"یہ ناانصافی میرے ساتھ ہی کیوں...... کیوں کیا نوریہ نے میرے ساتھ ایسا...... کیوں......" اس کا ہر جذبہ بہت شدت لیے ہوئے تھا۔

وہ نفرت کرتا تھا تو شدت سے۔

وہ دوستی کرتا تھا تو شدت سے۔

اور اب یہ پسندیدگی۔

پتہ نہیں یہ پسندیدگی محبت تھی کہ نفرت مگر شارق زمان کے اندر طلب بن کے ابھر رہی تھی۔ اشتعال تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اپنی کیفیت سے وہ خود بھی بے خبر تھا۔ نجانے وہ شدتوں کے کس مقام پر تھا۔ اس کے جذبے کن چاہتوں کے آئینہ دار تھے۔ یہ چاہتوں، یہ شدتوں کا کون سا درجہ تھا وہ نہیں جانتا تھا مگر اتنا سمجھ ضرور پا رہا تھا کہ ہر آہٹ پر اس کا دل نئے انداز میں دھڑکا تھا۔ ہر نظر (اٹھنے والی) چاہتوں کی پیامبر تھی۔ اپنی کیفیت اپنی محبت، کچھ بھی تو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بس ذہن میں صرف یہی تھا کہ وہ سخت انداز میں بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ نوریہ نے جس طرح بداعتقادی کی نگاہ کی تھی اور رمشا کے انکار نے جو شگاف روح پر ڈالا تھا اس شگاف سے اس کی روح بلبلا اٹھی تھی۔

"نویرہ......" اس کی آنکھوں کے سامنے آدھا چھپا چہرہ آسمایا تھا۔ جذبات کا تلاطم بہت بپھرا ہوا تھا۔ پہلے درد اور تھا لیکن اب درد اور تھا مگر سلگتا وہی تھا۔ نویرہ اس کے اعصاب پر اس بری طرح کیوں حاوی ہو چکی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔ اور نہ ہی جاننے کی کوشش کی تھی مگر اتنا ضرور سمجھ رہا تھا کہ نویرہ کی ذات اس کے لیے بہت اہمیت اختیار کرتی جا رہی ہے یوں کہ وہ ذرا سی بھی جھلک نہ دکھائے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے۔ اس کے اندر اشتعال خیز مادہ پھوٹ پڑنے کو بے تاب ہو جاتا ہے۔ ہر چیز کو تہس نہس کر دینے کو تیار ہو جاتا۔

* * *

وہ گنگناتی ہوئی کچن سے نکلی لیکن لاؤنج میں شائستہ بیگم کو فون پر مصروف دیکھ کر رک گئی۔

"اتنا سب ہو گیا اور زرش نے مجھے بتایا تک نہیں۔" ان کی دکھ بھری آواز پر زرش ٹھٹک گئی۔

"یا خدا اب کیا کر دیا میں نے۔" وہ دل ہی دل میں پریشان ہو گئی۔

"یہ سب طاہرہ نے قیصرہ آپا سے کہا تھا...... اوہ خدا...... اسی ڈر سے میں اسے وہاں جانے سے منع کرتی تھی لیکن زرش نے بھی حد کر دی۔ پتا ہے ناں طاہرہ کی فطرت کا کیوں زبان چلائی اس نے......" زرش کو سمجھنے میں تھوڑی وقت ہوئی تھی لیکن وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ ماما کس سے بات کر رہی تھیں اور بات کی نوعیت کیا ہے۔

"بچی نہیں ہے وہ...... خدا کی پناہ ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ اس واقعہ کو گزرے اور اس نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا...... اور کیا قیامت آئی ہے...... سمعان احمد سے دستبرداری ہی کیا کم تکلیف دہ ہے جو اب طاہرہ ان ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہے۔" شائستہ بیگم سخت غصے میں تھیں۔ زرش کا دل خوف سے ہولنے لگا۔ ان کے موڈ سے اپنی کم بختی کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔

"اور تو اور مجھ سے سمعان اور فرح کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ چند دن پہلے آئے تھے تینوں بہن بھائی، زرش اور نوشی کو ساتھ لے کر "سی سائیڈ" گئے تھے۔ بالکل نارمل تھے۔ مجھے بھی اندازہ نہ ہو سکا۔ زرش کا زاویہ تھوڑا سا مختلف تھا لیکن میں نے یونہی ٹال دیا کہ میرا وہم بھی ہو سکتا ہے......"

شائستہ بیگم کی زرش کی طرف سے پشت تھی۔ زرش فوراً وہاں سے کھسک گئی اور اپنے کمرے میں آ کر وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس دن تائی امی نے جو بھی کہا اور جواباً زرش نے جو بھی کہا سوائے نوشین یا تایا کی فیملی کے کوئی نہیں جانتا تھا لیکن یہ بات چھپی رہنے والی تو نہ تھی۔ امی کا خوف تھا جس نے اسے شائستہ بیگم کے سامنے کچھ بھی کہنے سے روکے رکھا تھا ورنہ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ بات ان کو کسی نہ کسی طرح پتا چل ہی جائے گی۔ وہ کمرے میں بیٹھی ابھی الجھ ہی رہی تھی جب ایکدم دروازہ دھکیل کر شائستہ بیگم اندر داخل ہوئی تھیں۔ زرش فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماما!......" شائستہ بیگم بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ زرش نے خود کو سنبھالا۔

"تم اس دن جب طاہرہ کے ہاں گئی تھی تو کیا ہوا تھا؟" سخت تحکم بھرا انداز تھا جس میں قطعی لچک نہ

تھی۔ اس معاملے میں وہ اسی طرح سخت تھیں۔ زرش کا دل لرزا۔

"ماما!...... کس دن......؟ کیا بات ہے؟" اس نے ٹالنے کو زبان کھولی ہی تھی لیکن شائستہ بیگم کے تیور دیکھ کر چپ رہ گئی۔

"آپ کو جب سب کچھ پتا چل ہی گیا ہے تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔" مجرمانہ سا انداز تھا۔ شائستہ بیگم نے تاسف بھری نظر ڈالی۔

"بڑی شرم کی بات ہے، وہاں اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے مجھ سے ذکر کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ آج بھی میں نفیسہ آپا کے ہاں فون نہ کرتی تو بادی یہ سب نہ بتاتی۔ قیصرہ کی زبان نہیں توپ ہے جس میں سے بارود نکلتا ہے۔ سارے خاندان میں تمہاری زبان درازی اور طاہرہ کی مظلومیت کے ڈھنڈورے پیٹ رہی ہے اور تم یہاں اتنی مطمئن ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" ان کا غصہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔ زرش نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ ماما سے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا...... تائی جان، جان بوجھ کر بات بڑھا رہی تھیں۔ انہوں نے آپ کے لیے بہت ہی غلط باتیں کہی تھیں، مجھ سے برداشت نہیں ہوا تو جواباً میں بھی سب کہہ گئی۔" مجرمانہ انداز میں وہ اعتراف کر گئی تھی۔ شائستہ بیگم لب بھینچ کر رہ گئیں۔

"ادھر بیٹھ کر آرام سے مجھے ساری تفصیل بتاؤ......" خود بھی صوفے پر بیٹھ کر اسے کہا تو وہ بیٹھ گئی۔ شائستہ بیگم نے ساری بات سنی پھر کتنی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ زرش کن انکھیوں سے ماں کے رنگ بدلتے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔

"اسی لیے میں تمہیں وہاں نہیں جانے دیتی...... کل کو کوئی بڑی بات بھی ہو سکتی ہے۔ طاہرہ تو اپنے ہوش و حواس گم کر بیٹھی ہے لیکن یہ قیصرہ آپا، زرشان کی چالاکیاں نہیں سمجھ سکتیں، ان سارے حالات کے ذمہ دار یہی ہیں۔ اب دیکھنا سارے خاندان میں تمہاری ذرا سی کم عقلی کیا گل کھلاتی ہے۔" انتہائی پریشانی سے وہ کہہ رہی تھیں۔

"آئی ایم سوری ماما...... میں اس لیے نہیں گئی تھی، تائی امی بہت غلط بول رہی تھیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ چپ رہوں لیکن...... وہ ندامت سے چپ ہو گئی۔

"بس اب کبھی ادھر نہیں جاؤ گی۔ کوئی ضرورت نہیں پرائی آگ میں جھلسنے کی۔ تم ہمیں انتہائی عزیز ہو۔ بس تم ادھر نہیں جانا...... انہوں نے قطعی لہجے میں کہہ دیا۔ زرش بے چارگی سے دیکھنے لگی۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر بند کر گئی اس وقت ماما کے سامنے کچھ بھی کہنا سودمند نہیں تھا بلکہ فضول ہی تھا۔

"تم نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا؟" انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پھر پوچھا۔

"آپ ناراض ہوتیں اور دوبارہ تایا جان کے ہاں جانے سے منع کر دیتیں۔ پھر فرح نے بھی منع کیا تھا کہ آپ خوامخواہ پریشان ہوں گی۔ میں نے نوشی کو بتایا تھا۔" شائستہ بیگم اس کی بات پر تاسف سے گردن ہلا کر رہ گئیں۔

"جیسے اب تو میں بہت خوش ہو رہی ہوں...... طنزیہ لہجہ تھا۔ زرش شرمندہ ہو گئی۔

"آئی ایم سوری...... پلیز پاپا سے ذکر نہ کیجیے گا۔ وہ پریشان ہوں گے......"

"تو بندہ ایسی حرکت کرے ہی کیوں جس سے دوسرے پریشان ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "خیر جب بات مجھ تک پہنچ گئی ہے تو وہ ان تک بھی پہنچ جائے گی۔ اس سے پہلے کہ غلط انداز میں ان تک پہنچے مجھے پہلے ہی انہیں آگاہ کر دینا چاہیے اور تم بھی سن لو، ایسے معاملات والدین سے چھپانے والے نہیں ہوتے۔ بتا دینا فائدہ مند رہتا ہے۔ وہ بڑے ہوتے ہیں اور ان معاملات کا بہتر سدباب کر سکتے ہیں۔" وہ اسے تنبیہ کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

زرش نے سکون بھری سانس لی کہ اسی میں ہی عافیت رہی ورنہ اپنے گلے میں لٹکے لاکٹ کو مٹھی میں بھرے وہ یونہی سوچوں میں گم رہی۔

"اب ماما کا یہ نیا حکم...... تایا ابو کے ہاں نہیں جانا...... یہ تو بہت مشکل ہے۔ ایک ہفتہ تو ہو گیا ہے ادھر نہیں جا رہی ہے تو جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔ اگر واقعی ماما نے نہ جانے دیا تو؟" وہ نئی سوچ لے کر الجھ گئی۔ "میں سمعان بھائی سے بات کروں گی...... کہوں گی ماما نے ان کے ہاں آنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ تایا ابو سے بات کریں اور تایا ابو کی بات ماما کبھی نہیں ٹال سکتیں۔" ماما تو کچن میں چلی گئی ہوں گی ابھی فون کرتی ہوں۔" اپنی سوچ پر عملدرآمد کرنے کے لیے وہ فوراً کمرے سے نکل آئی۔ پہلے ماما کی کچن میں اچھی طرح موجودگی کنفرم کر کے وہ لاؤنج میں آ گئی۔

سمعان احمد کا موبائل نمبر ملاتے ہوئے وہ انتہائی محتاط تھی۔ کال جا رہی تھی پھر سمعان احمد نے کال ریسیو کر لی۔ اب اس کی مصروف سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"السلام علیکم......" سمعان احمد کہہ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام...... سمعان بھائی۔" دوسری طرف سمعان احمد زرش کی آواز سن کر ایک لمحے کو رکا پھر متوجہ ہوا۔ "زرش تم......"

"ہوں......" اس نے آہستہ سے کہا اگر ماما آ جاتیں تو شامت آ جاتی۔ "آج پتا ہے کیا ہوا۔" وہ جلدی جلدی سمعان احمد کو سب بتا دینا چاہتی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" دوسری طرف سے وہ ہر کام چھوڑ چکا تھا۔ اس دن "سی سائیڈ" والے دن کے بعد اب اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دل ایکدم کھلنے لگا تھا۔

"کچھ نہ پوچھیں مرتے مرتے بچی ہوں۔ وہ تو خیریت ہو گئی ورنہ آج میں گئی تھی۔" زرش کا انداز ڈرامائی تھا۔

"کیوں کیا بات ہے؟ صاف صاف بتاؤ...... تم ٹھیک تو ہو نا۔" دوسری طرف وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔ وہ ہنس دی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آج ہادی آپا کو ماما نے فون کیا تھا تو انہوں نے ماما کو میری اور تائی امی کی جھڑپ بتا دی۔ کچھ نہ پوچھیں ماما کا غصے سے برا حال تھا۔ خیر مجھ سے زیادہ سخت تو نہیں ہوئیں لیکن آپ کے ہاں جانے پر پھر پابندی لگ گئی ہے۔"

دوسری طرف سمعان نے ایک پرسکون سانس لی۔ تاہم بات نظر انداز کی جانے والی بھی نہ تھی۔

"ہادی لوگوں کو کس طرح سارے واقعہ کا علم ہوا ہے؟"

"شاید قیصرہ خالہ کے ذریعے۔ ماما کی باتوں سے تو یہی لگ رہا تھا کہ تائی امی نے ان سے ذکر کیا تھا اور پھر انہوں نے سارے خاندان والوں میں......"

سمعان احمد خاموشی سے سنتا رہا۔

"سمعان بھائی اب میں کیا کروں؟...... قسم سے اس دن میرا لڑنے کا قطعی ارادہ نہ تھا۔ میں بڑی مشکل سے ماما سے پرمیشن لے کر انتہائی خوشی خوشی گئی تھی لیکن تائی امی کا کوئی قصور نہیں پہلے بھی تو ایسا ہوتا رہا ہے شاید مجھے ہی خود پر کنٹرول کرنا نہیں آیا۔ اب ماما کا یہ نیا حکم کہ اب میں آپ کے گھر نہیں جاؤں گی...... اب کیا کروں...... بڑی مشکل ہے...... مر جاؤں گی میں......" آخر میں وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی۔

نکلنے کو اس کے آخری جملے کے کئی مفہوم نکل سکتے تھے لیکن سمعان احمد کا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

"آپ تایا ابو سے بات کریں وہ ماما کو سمجھائیں گے تو ماما منع نہیں کریں گی۔ ایک مرتبہ انہوں نے نہیں کہہ دیا تو مطلب نہیں ہی رہے گا اور اتنے دن آپ لوگوں سے میں دور نہیں رہ سکتی...... آپ سے تو بالکل بھی نہیں......"

سمعان احمد اس کے جملوں پر چپ سادھے رہا۔

"سمعان بھائی...... سن رہے ہیں نا......" دوسری طرف مکمل خاموشی محسوس کر کے اس نے پوچھا تو سمعان نے سر ہلایا۔

"ہاں...... ٹھیک ہے۔ میں ابو کو کہوں گا کہ وہ تمہیں خود لے آئیں۔"

"ٹھینک یو...... آپ بہت اچھے ہیں......" وہ ایک دم چہک اٹھی اس کی آواز میں موجود کھنکھلاہٹ سن کر سمعان احمد کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔

"سنو ماما کا موڈ ابھی تک نارمل نہیں ہوا ہے...... تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"آپ فکر نہ کریں...... انہیں اب مجھ سے قطعی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں ان سے بھی سوری کر لوں گی...... اگرچہ میرا قصور نہیں تھا۔" وہ کہہ رہی تھی سمعان نے گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے میں اب فون بند کر رہی ہوں۔ ماما کو پتہ نہیں کہ میں نے آپ کو کال کی ہے۔ آپ بھی ذکر نہ کیجیے گا پلیز...... ورنہ وہ خفا ہوں گی......" سمعان احمد ہنس دیا۔

"تم بھی عجیب ہو...... اور کچھ......" شدتوں سے لبریز آواز میں بھاری پن بھی آ سکتا تھا مگر ادھر ایسی حس نہیں تھی جو ان چاہتوں کی شدتوں کو محسوس کرتی۔

"بس یہی بات تھی...... ماما کو منانا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ ماما آنے والی ہیں میں پھر فون کروں گی۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ......" سمعان احمد نے بھی کہا اور اس نے جلدی سے فون بند کر دیا۔

"تھینک گاڈ...... اب سمعان بھائی تایا جان کو کہہ کر بات ختم کروا دیں گے۔" لاکٹ کو ایک دفعہ پھر مٹھی میں دبوچے وہ خوش تھی...... بہت خوش...... نجانے کیوں۔

* * *

پھپھو کے گھر سے وہ اگلے ہی دن کالج سے واپس آ گئی تھی۔ پھوپا جان چھوڑ کر گئے تھے۔ امی کا موڈ اگر بہتر نہیں تو برا بھی نہیں تھا۔ آج سارا دن کالج میں پرسکون گزرا تھا لیکن گھر واپسی پر پہلے ہی مرحلے پر اس کی جان شکنجے میں پھنس گئی۔

علی کے ساتھ بائیک پر آئی تھی، علی بائیک کھڑی کر کے اندر بڑھ گیا تو وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بیگ اسٹڈی ٹیبل پر رکھ ہی رہی تھی کہ بالکل کورے سفید لفافے پر نظر ٹھٹک گئی۔

"یہ کیا ہے؟" حیرت سے دیکھتے ہوئے اس نے لفافے کو اٹھا لیا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کچھ بھی تو نہیں لکھا ہوا تھا۔ بالکل صاف شفاف جیسے ابھی نکال کر رکھا ہو۔ کونے سے فرح نے ہلا کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ہے مگر کاغذ کے سوا اسے کچھ اندازہ نہ ہوا۔ فرح نے لفافہ کھولا تو گلابی لیٹر پیپر کی تہیں لگی ہوئی تھیں۔

"یا اللہ یہ کہیں اس شخص نے تو نہیں بھیجا" اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی۔ "نہیں...... اگر اس شخص نے بھیجا ہوتا تو کم از کم اس کے اوپر مہر لگی ہوتی، میرا ایڈریس لکھا ہوتا......" کاغذ کھولنے سے پہلے وہ شش و پنج میں تھی کہ کھولے کہ نہیں۔

"مگر...... جب مجھے پھول اور کارڈز ملا تھا تب بھی بیرونی لفافہ بالکل کورا تھا اور اب بھی...... لیکن یہ کاغذ......" فرح کے باقاعدہ ہاتھ کانپنے لگے۔ ڈرتے ڈرتے اس نے کاغذ کھولا۔

"لاکھ پردوں میں رہوں بھید میرے کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے......"

فرح پہلی دو لائنوں پر ہی ٹھٹک گئی۔ اتنی صاف شستہ لکھائی۔ جیسے ہر لفظ موتی میں پرو دیا ہو...... "یہ لکھا......" وہ الجھ کر رہ گئی سر جھٹک کر اس نے پھر پڑھنا شروع کیا۔

"تیرا اصرار کہ چاہت کا کبھی اظہار نہ ہو
واقف اس غم سے میرا حلقۂ احباب نہ ہو۔
تو مجھے ضبط کے صحراؤں میں کیوں رولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے۔"

فرح کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"یا اللہ!......" وہ خوف سے کانپ کر رہ گئی...... "یہ کون ہے...... اور میرے کمرے میں اس محمل پر یہ خط کیسے پہنچا۔ وہ الجھ گئی۔

یہ بھی کیا بات ہے کہ چھپ چھپ کے تجھے پیار کروں
اگر کوئی پوچھ ہی بیٹھے تو میں انکار کروں

وقت کی ہر بات کو دنیا کی نظر تولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے۔

اس موسم میں بھی فرح کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگ گئے تھے۔ ہر لفظ جذبوں سے گندھا ہوا تھا۔

"میں نے اس فکر میں کاٹی کئی راتیں، کئی دن
میرے شعروں میں تیرا نام نہ آئے لیکن
جب تیری آنکھ میری سانس میں رس گھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے"

اس قدر شدت تھی لفظوں میں، حرف حرف جذبوں سے لبریز تھا۔

"یا اللہ...... یہ کون ہے......؟ مزید بھی کچھ لکھا ہوا تھا مگر فرح کے اندر کچھ بھی پڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے لرزتی پلکوں سے دوبارہ کاغذ کو دیکھا۔

تیرے جلووں کا اثر تو میری ایک ایک غزل
تو میرے جسم کا سایہ ہے تو یوں کترا کے نہ چل
پردہ داری تو خود اپنا بھرم کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

آخر میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ صرف یہ شاعری ہی تھی فرح سخت اذیت میں گرفتار ہو چکی تھی۔

"کون ہے...... آخر کون ہے" وہ وہیں کرسی پر کہنیاں ٹکائے بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے اس کے ہر انداز سے اذیت جھلک رہی تھی۔

"میں سمعان بھائی کو دکھاؤں بھی تو کیا...... میری اپنی ساکھ ہی خراب ہو گی۔ بھائی لاکھ دوست ہوں مگر رہیں گے وہی روایتی بھائی۔ پتا نہیں کیا ری ایکشن ہو ان کا۔" اس کی سوچ نجانے کہاں کہاں جھٹکنے لگی۔

"فرح بی بی جی......" ملازمہ کی آواز پر وہ فوراً سیدھی ہو گئی۔ وہ دروازے پر کھڑی تھی۔ فرح نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ سخت بھوک لگی ہوئی ہے فوراً ٹیبل پر آ جائیں۔ کھانا میں نے لگا دیا ہے بیگم صاحبہ بھی انتظار کر رہی ہیں۔ فرح نے سر ہلا دیا۔

وہ پلٹ رہی تھی جب اچانک اس نے پکارا۔

"سنو...... وہ پلٹ کر دیکھنے لگی فرح کو سمجھ نہ آئی کہ کیا کہے۔

"یہ لفافہ...... کس نے ادھر رکھا ہے۔" وہ ابھی تک اسی بات میں الجھی ہوئی تھی۔ لفافہ پکڑ کر اس کے سامنے کیا۔

"یہ میں نے رکھا ہے......" فرح کو مزید حیرانی ہوئی۔

"تم نے......؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"جی.....بابا (چوکیدار) کو بیگم صاحبہ نے بازار بھیجا تھا تو ایک آدمی آیا تھا۔ میں نے ہی گیٹ کھولا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ "فرح سعید احمد کو دے دیں۔ میں نے لاکر آپ کی ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔"

"کوئی پوسٹ مین تھا؟" اس نے سر اٹھایا۔

"نہیں جی.....اچھا خاصا آدمی تھا۔ موٹر سائیکل پہ آیا تھا اس نے بیل بجائی پھر آپ کا نام لیا اور دے کر چلا گیا۔ عام طور پہ جو ڈاکیا آتا ہے وہ تو نہیں تھا کوئی نیا آدمی تھا....." وہ سوچ کر بتا رہی تھی۔ فرح متوحش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ٹی سی ایس کا کوئی ورکر ہوگا....." فرح نے کہا، اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں صاحب لوگوں کی ڈاک آتی رہتی ہے اب تو میں بھی پہچاننے لگی ہوں۔ یہ تو کوئی نیا ہی آدمی تھا پہلے کبھی نہیں دیکھا....." فرح نے سر ہلایا۔

"اچھا تم جاؤ.....میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ چلی گئی تو فرح نے ایک نظر پھر کاغذ پر ڈالی۔

"اگر مجھے پتا چل جائے کہ یہ کون ہے تو میں اس کو قتل کر ڈالوں۔" وہ انتہائی نفرت سے سوچ رہی تھی۔ کاغذ اور لفافہ دونوں ٹیبل کی دراز کے اندر پٹخے اور وارڈ روب سے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔

اکیڈمی سے آنے کے بعد کھانا کھا کر وہ کچھ دیر ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔ امی نے اسے رمشا کو لانے کا کہا تھا مگر وہ چپ سادھے بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر پہلے نبیل بھائی رمشا کو چھوڑ گئے تھے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ چلے گئے۔ وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اب اس نے خود کو مصروف کر لیا تھا۔ ذہنی و روحانی طور پر بھی وہ پہلے سے بہتر تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اسے نوریہ یاد نہیں تھی، اس کی محبت دل دماغ کو الجھاتی نہیں تھی۔ بہت تکلیف دیتی تھی لیکن اس نے اس درد سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ سوائے رمشا کے کوئی بھی تو اس کے اندر کے موسم کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ ابو کے لیکچر کے بعد وہ مسلسل اکیڈمی جا رہا تھا۔ اسے خود اندازہ ہو رہا تھا کہ تعلیم کے معاملے میں وہ حد سے زیادہ غفلت برت چکا ہے۔ اب دلجمعی سے وہ اپنا مستقبل بنانا چاہتا تھا۔

کتابیں لے کر وہ بستر پر آ بیٹھا۔ رات کے ساڑھے دس ہو رہے تھے۔ ان کے گھر میں سب کو ہی رات میں جلد اپنے کمروں میں گھس جانے کی عادت تھی۔ گھر میں چار ہی افراد ہوتے تھے۔ حمید صاحب، زبیدہ بیگم رمشا اور وہ خود۔ اس لیے کھانے کے فوراً بعد سب اپنے اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے۔ آج کچھ دیر نبیل وغیرہ کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے بہت دنوں بعد اس کے اندر پھر سے نوریہ کے نام کی ہلچل ہونے لگی تھی۔ نبیل بھی نوریہ کی طرح شائستہ اطوار و عادات کا مالک تھا اور یہی وہ عادات و اطوار تھیں جس نے اس کے دل کو نوریہ کی طرف کھینچ لیا تھا۔ کتابیں کھولے وہ لاشعوری طور پر اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

آج اس نے کال کی تھی اسے رمشا کو چھوڑنے کو کہا تھا۔ رمشا سے لاکھ بیزار سہی مگر وہ نوریہ کو بھی انکار نہ کر سکا اور پھر اس کے گھر کے دروازے سے پلٹ آیا۔ رمشا نہ ہوتی تو ضرور اندر جاتا۔ بہت دن ہو گئے تھے اسے دیکھے ہوئے۔ شارق زمان کے گھر اسے دیکھا تھا پھر اس کے بعد بہت دل چاہنے کے باوجود نہ جا سکا تھا۔

"نوریہ....." اس کے لبوں سے نام نکلا۔

رضا کو کتاب کے ہر صفحے، ہر حرف میں نوریہ کا عکس جھلملاتا محسوس ہوا۔

"نوریہ آپ کو پتا ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں.....میرے دل میں ہر جگہ آپ ہیں۔ میری سوچوں میں، میرے خیالوں میں، میری ہر طرف.....ہر طرف....." شعور میں جھلملاتی نوریہ کے مکمل عکس سے وہ مخاطب تھا۔ "مجھے خود بھی پتا نہ چلا یہ محبت کینسر کی طرح میرے وجود میں سرایت کرتی چلی گئی۔ میں تو خود سے بھی آنکھیں نہیں ملا پاتا۔ آپ کے سامنے تو ساری عمر سر جھکا رہے گا۔" اپنی ہتھیلی پہ "نوریہ" لکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایک درد سمٹ آیا تھا۔

"چکور کی قسمت میں صرف چاند پر فدا ہونا ہے۔ دیوانہ وار چکر لگاتا ہے.....میرے ہاتھوں کی لکیروں میں آپ کا نام نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے میں تو کہیں بھی نہیں ہوں مگر میں اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں جسے ہر آن، ہر لمحہ، نوریہ، نوریہ ہی سوجھتا ہے۔ خود سے، زبردستی سے، نام لکھ لینے سے کوئی میرا تو نہیں ہو سکتا۔" انگلی سے نام کو چھوتے ہوئے وہ خود فراموشی کی کیفیت میں غرق تھا اور نجانے کب تک یہ خود فراموشی رہتی جب دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" گیارہ بج رہے تھے اس نے دروازے کی طرف دیکھا رمشا اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں دو کپ رکھے ہوئے تھے۔ رضا کی بھنویں تن گئیں۔

"تم.....؟" کتابیں سمیٹتے اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"میں نے پھپھو اور انکل کے لیے چائے بنائی تھی سوچا تمہیں بھی دے دوں۔" ٹرے اس نے بستر پر رکھ دی۔ رضا جو نیم دراز تھا وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کپ پکڑ کر رمشا نے اس کی طرف بڑھایا۔ رضا نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر چائے کا مگ تھام لیا۔ رمشا نے خوشگوار حیرت سے رضا کو دیکھا۔ وہ اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے پلکوں کی چلمن گرا گئی۔ رخسار سرخ ہو گئے۔ رضا نے ناگواری سے یہ منظر دیکھا۔ محبوب کی ایک ذرا سی بے توجہی کی نگاہیں بھی کسی طرح گل رنگ کر دیتی ہیں۔ رمشا کو اپنے چہرے سے حرارت پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ عرصے بعد رضا کی بھرپور نگاہ اس پر پڑی۔

اپنا مگ لے کر وہ سائیڈ پر رکھی کرسی پر جا بیٹھی.....رضا کو رمشا کی یہ حرکت ناگوار تو گزری مگر اس وقت وہ کسی بھی قسم کی دھما چوکڑی کے لیے تیار نہ تھا۔ خاموشی سے اس نے مگ لبوں سے لگا لیا۔ چائے اچھی بنی ہے رضا نے ایک گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"تم نے پوچھا نہیں.....شاپنگ کیسی ہوئی؟" رمشا نے اپنے بیٹھنے کی توجیہ پیش کر دی تھی۔ رضا نے گہری سانس لی۔ اپنے کمرے میں اس کی موجودگی بے مقصد تو نہ تھی۔

"یہ خواتین کا شعبہ ہے۔ میں بھلا کیا پوچھ سکتا ہوں......" تلخی اب بھی برقرار تھی۔ رمشا نے واضح طور پر اس کی تلخی محسوس کی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں پوچھنا چاہیے تھا کہ نویرہ آپی کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھی۔" رمشا اپنی فطرت سے باز نہیں آئی تھی۔

رضا نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ جی چاہا کہ چائے کا یہ گرم بھرا ہوا کپ رمشا کے خوبصورت سرخ و سفید چہرے پر انڈیل دے جو اسے اذیت پہنچانے کا کوئی لمحہ بھی جانے نہیں دیتی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا۔

"تو پھر......؟" نہایت نپا تلا انداز تھا رمشا نے صرف ایک نگاہ کی۔ رضا کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ وہ نگاہیں پھیر گئی۔

"نویرہ میں ایسی کیا بات ہے جو مجھ میں نہیں۔" اپنے مگ پر شہادت کی انگلی پھیرتے وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا کے دل کے تار جھلملائے۔ ایک انتشار سا اندر تک پھیلتا چلا گیا۔ اس نے جھنجلا کر مگ سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔ یہ لڑکی باز نہیں آئے گی۔ اسے کوفت ہونے لگی۔

"اگر ایسی ہی الٹی سیدھی گفتگو کرنی ہے تو فوراً میرے کمرے سے نکل جاؤ۔" وہ اس سے زیادہ خود پر کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔ جارحانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"رمشا نے ایک نگاہ بھر کے اسے دیکھا۔ انتہائی غصے میں بھی وہ دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔ جب کہ وہ تو تھی اس کی دیوانی۔

"میں تو سیدھی سادھی گفتگو کرنے آئی تھی مگر جانے کہاں سے ہمارے درمیان نویرہ آ جاتی ہے اور پھر نویرہ کے سوا کچھ اور رہتا ہی نہیں۔" رندھی ہوئی آواز میں وہ کہہ رہی تھی۔ رضا نے بمشکل خود کو کچھ تلخ کہنے سے روکا۔

"یہ صرف تمہاری ذہنی اختراع ہے......" وہ اور کیا کہہ سکتا تھا۔

"اور میں۔" تمہاری زندگی میں کہاں ہوں......؟" جھلملاتی آنکھیں اٹھا کر وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔ رضا لب بھینچے کھڑا رہا......اور پھر چہرہ موڑ لیا۔

"کہیں بھی نہیں......" رمشا رضا کے چہرہ موڑنے پر ٹوٹ سی گئی تھی۔ خود کلامی کا انداز تھا۔ رضا خاموش رہا۔

"آج نویرہ کے ساتھ شاپنگ کرتے وقت کتنی دفعہ میرا دل چاہا تھا کہ میں کسی دکان سے تیزاب خرید کر اس کے منہ پر انڈیل دوں اگر میں نہیں تو وہ بھی نہیں۔"

"رمشا......" رضا، رمشا کی اس قدر جذباتیت پر چیخ اٹھا۔

"دیکھا کتنی تکلیف ہوئی ہے تمہیں...... مجھے بھی ہوتی ہے۔ اتنی ہی، اس سے بھی زیادہ......جب تم اس کے لیے اس طرح ری ایکٹ کرتے ہو۔" وہ شدت پسندی کی انتہا پر تھی نجانے چاہتیں کیا تھیں یہاں تو صرف شدتیں تھیں۔ وہ بھی اس سے کچھ قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ رضا نے سر جھٹکا جیسے

وہ لاعلاج ہو، پاگل ہو۔

"تم پاگل ہو......تم سے سر کھپانے سے بہتر ہے کہ انسان کسی دیوار پر سر دے مارے۔" وہ بولا بھی تو پھاڑ کھانے والے انداز میں، شدت پسندی لیے ہوئے۔

"اور تمہاری نویرہ صاحبہ عقل کل ہیں۔ خاندان کی سعادت مند، تمیز دار سلجھی ہوئی بیٹی جو بھی آتا ہے تعریفیں کرتا چلا جاتا ہے۔ نویرہ یہ ہے، وہ ہے اور تم......" وہ رک گئی۔ "تمہارے نزدیک میں پاگل ہوں......ہاں میں پاگل ہوں تم سے محبت کرتی ہوں یہ میرا پاگل پنا ہے۔ کاش میں نویرہ کو کچھ کہہ سکتی۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میں اسے کچھ نہیں کہتی......کچھ بھی نہیں......انتہائی خواہش کے باوجود اس کے منہ پر تھوک بھی نہیں سکتی......اور اس کی اماں بی والی نصیحتیں سن لیتی ہوں۔" وہ ہذیان بک رہی تھی۔ رضا انتہائی برداشت وضبط سے سب سنتا رہا۔

"میرا خیال ہے تم اس وقت حواس میں نہیں ہو......نویرہ کے ساتھ وقت گزار کر آئی ہو نویرہ کا "ہوا" کچھ زیادہ ہی تمہارے سر پر سوار ہو چکا ہے۔ اس طرح کے ڈرامے کر کے تم میرے دل میں نفرت تو کاشت کر سکتی ہوں۔ محبت نہیں......" وہ انتہائی نفرت سے کہہ رہا تھا۔ رمشا کے دل کو کچھ ہوا۔

وہ اس کے لیے اپنا آپ مٹائے جا رہی تھی اور وہ تھا کہ......

"جاننا چاہتی ہو کہ نویرہ میں ایسی کیا خاص بات ہے جو تم میں نہیں......" وہ جیسے ایک دم بپھر اٹھا۔ اس کے ہذیان بکنے سے۔

"تو پھر سنو......" اس نے رمشا کا بازو دبوچا تو چائے چھلک کر رمشا کے ہاتھ کو جلاتی کپڑوں کو بھی خراب کرتی چلی گئی۔

"اس میں تم جیسی ادائیں نہیں ہیں......تمہاری جیسی گندی، کمینی فطرت نہیں رکھتی......اس میں تمہاری جیسے بے باکی نہیں ہے......اس کا کردار ایسا ہے کہ انسان کی نگاہیں حیا و ادب سے جھک جائیں......جب کہ تم......تمہیں تو اس بات کی بھی پروا نہیں کہ تم اس وقت میرے کمرے میں ہو۔ میرے سامنے یوں بے باکی سے اظہار محبت کر رہی ہو......نفرت ہے مجھے تم سے......سمجھیں۔ نفرت ہے......" اس نے جھنجوڑ کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

رمشا بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ کس قدر نفرت سے اس نے اسے دھتکار دیا تھا۔

"تم کیا جانو محبت کیا ہے۔ تم تو محبت کے ہجے تک نہیں جانتی......کوئی بھی مرد کسی بھی عورت کے منہ سے محبت کا اظہار سن کر اس عورت کو تمغے نہیں پہنائے گا۔ نفرت سے دھتکار دے گا، سنا تم نے......" رضا نے اسے دو کوڑی کا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ بس اسے دیکھتی ہی جا رہی تھی۔

"جاؤ یہاں سے......آئندہ رات کے وقت میرے کمرے میں آنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ نویرہ سے تم نفرت کرتی ہو۔ ٹھیک ہے مگر تم نے کبھی نویرہ کو ایک لفظ بھی کہا یا کسی بھی قسم کی تخریب کاری کی کوشش کی تو ہمارے درمیان یہ جو نام نہاد تعلق ہے اسے ختم کرنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگاؤں

گا۔" انتہائی بپھرا ہوا طیش بھرا انداز تھا۔

"تم......" رمشا نے سختی سے کچھ کہنا چاہا تھا کہ رضا نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے...... تم جو بھی کرنا چاہتی ہو باہر جا کر کرو، جو بھی بکواس کرنی ہے باہر رہ کر کرو...... میرے کمرے میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں......" اسے دروازے سے باہر دھکیلتے ہوئے انگلی اٹھا کر تنبیہ کر کے کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔

"رمشا کی ہذیانی بدکلامی نے رضا کو انتہائی اذیت پہنچائی تھی۔ چائے سے بھرا کپ اٹھا کر اس نے دیوار پہ دے مارا۔ چھناکے کی آواز سے کپ تو ٹوٹا تھا مگر چائے دیوار کے ساتھ قالین کو بھی گل رنگ کر گئی تھی۔

"آئی ہیٹ یو رمشا...... آئی ہیٹ یو......" بستر سے ٹرے اٹھا کر اس نے کونے میں پٹخ دی۔ رمشا اس کے اندر کی آگ کو نئے سرے سے پھر دہکا گئی۔ وہ نویرہ کے نام کے جذبوں کو تھپک تھپک کر سلاتا تھا اور رمشا کے ایک ہی وار سے وہ پھر نئے سرے سے بلبلا اٹھتے تھے...... اس وقت بھی رضا کو اپنا تن من دھن جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اندر پھر سے نئے سرے سے آگ ہی آگ دہکتی محسوس ہوئی تھی۔

* * *

نواز یونیورسٹی سے جلدی فارغ ہو گیا تھا۔ باقی وقت گزارنے کو وہ شارق زمان کے آفس چلا آیا تھا۔ کتنی دیر مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہی تھیں۔ لنچ ٹائم پر دونوں آفس سے اٹھ آئے تھے۔ ان کا ارادہ کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کرنے کا تھا۔ اس وقت دونوں بیٹھے لنچ کر رہے تھے۔

آج تائی جان کا فون آیا تھا خاص طور پر تمہارے لیے۔" کھانا کھاتے ہوئے اچانک نواز نے کہا۔ شارق نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"میرے لیے۔" اس کی آواز میں استعجاب تھا۔

"وہ چاہتی ہیں کہ تم شادی کر لو...... وہ بیمار ہیں، معذور ہیں۔ انہیں اس عمر میں ایک ایسے وجود کی اشد ضرورت ہے جو سارا گھر سنبھال سکے تاکہ ان کی پریشانی ختم ہو سکے۔ جب بھی میری ان سے بات ہوتی ہے وہ یہی کہتی ہیں کہ میں تم کو شادی پہ آمادہ کر لوں...... چاہے تم کسی بھی لڑکی کو سلیکٹ کرو وہ اسے بیاہ کر لے آئیں گی۔" نواز نے تفصیلی بتایا۔ شارق نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"آج کل یہ ٹاپک ہم دونوں کے درمیان کچھ زیادہ ہی ڈسکس نہیں ہونے لگا ہے......" شارق نے کہا تو نواز ہنس دیا۔

"ہونا بھی چاہیے۔ تم سے عمر میں چھوٹا ہوں لیکن شادی کر رہا ہوں امی اور ابا جی بہت جلد نویرہ کو گھر لا رہے ہیں اور ایسے میں تم یونہی چھڑے چھانٹ پھرو گے، کچھ تو شرم کرو۔ خود پر نہیں تو بڑی اماں پر ہی ترس کھاؤ۔ اس بڑھاپے میں انہیں ترسا رہے ہو۔" نواز نے اسے شرم دلانا چاہی لیکن وہ جامد تاثرات لیے اسے دیکھتا رہا۔ خاص طور پر نویرہ کے نام پر اس کے اندر ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ احساس کے تار جھنجلا اٹھتے۔ وہ بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں پہلے بھی بارہا تمہیں کہہ چکا ہوں کہ پلیز لیو دس ٹاپک...... تمہیں خوشی ہوتی ہے مجھے تکلیف دے کر......" اس نے تکلیف سے پوچھا تو نواز نے ٹھٹک کر دیکھا۔ شارق کے چہرے پہ عجیب سے تاثرات رقم تھے۔ کچھ غیر مبہم سے۔ انجان سے۔

"اینی تھنگ از سیریس......؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"شارق مجھے نجانے کبھی کبھار کیوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہارے اس طرح انکار کے پیچھے کوئی خاص وجہ ہے۔ کہیں کوئی دل کا معاملہ تو نہیں......" وہ شروع میں تو سنجیدہ رہا اور آخر میں تھوڑا سا شرارتی ہو گیا۔ شارق نے سر تھام لیا۔

"تمہاری گنگا ہمیشہ الٹی ہی بہتی ہے۔ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔ کہہ تو وہ اب بھی مذاق میں رہا تھا لیکن اس کے لہجے میں ایک سنجیدگی تھی نواز ہنس دیا۔

"خواب بے جا نہیں ہوتے۔ کچھ ہو تو کھڑا ابھرتا ہے...... تنکے سے کہانی بنتی ہے۔ یوں شادی کے معاملے میں تمہارا انکار کرنا میں یقین ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی بات ہی نہ ہو۔"

"تمہاری سوچ ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تمہاری سوچ پہ پابندی تو نہیں۔" شارق زمان پھر سے کھانا کھانے لگا تھا۔ نواز ایک دو لمحے اسے غور سے دیکھتا رہا۔

"تم سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے......" پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے اس نے ایک تاسف بھری نگاہ کی۔ شارق نے مطلق دھیان نہ دیا۔

کھانا ختم ہو چکا تھا۔ شارق نے چائے کا آرڈر دیا۔ ویٹر برتن سمیٹ کر لے گیا۔

"پھر بھی یار تم نے اپنی فیوچر لائف کے متعلق کچھ تو پلاننگ کی ہو گی ناں۔ ٹھیک ہے ماضی میں کچھ بھی ہوا ہو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان ساری زندگی کی خوشیاں اپنے اوپر حرام کر لے۔" نواز اب بالکل سنجیدہ تھا۔ شارق خاموش رہا۔

"زندگی میں بہت سے لوگ ملتے ہیں...... اچھے برے، زندگی برے کے اثر سے رک نہیں جاتی، چلتی رہتی ہے۔ تم اپنی والدہ اور بہن کے حصار سے خود ہی نکلنا نہیں چاہتے۔ ان کے سحر سے اپنے ذہن کو آزاد کرو۔ زندگی بہت خوبصورت ہو جائے گی۔" شارق خاموش رہا۔ اسے نواز کے منہ سے اپنی ماں اور بہن کا حوالہ اچھا نہیں لگا اگر سامنے نواز نہ ہوتا تو وہ اس حوالے کی نوبت بھی نہ آنے دیتا۔

"میں جانتا ہوں یار اماں اس مسئلے کو لے کر بہت پریشان رہتی ہیں مگر فی الحال اس مسئلے کو جوں کا توں ہی رہنے دو تو بہتر ہے۔" اس نے بات ختم کرنے کو کہہ دیا تھا۔

نواز شارق کو بغور دیکھتا رہا۔ بھینچے ہونٹ، کشیدہ اعصاب، الجھے تیور۔ ضرور کہیں کوئی گرہ تھی جو الجھی ہوئی تھی مگر کیا...... وہ اندازہ نہ کر سکا۔

"ہیلو...... شارق زمان" دونوں خاموشی سے چائے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب شارق زمان اپنے عقب سے آتی آواز پہ پلٹا۔

"زیبا گیلانی---" سجی سجی، پور پور بنی سنوری سامنے کھڑی تھی۔ شارق زمان کو لاسٹ ٹائم میں

ہونے والی "زیبا کیانی" سے جھڑپ یاد آ گئی۔ اس کے بعد شاید وہ ایک دو دفعہ ہی کلب جا سکا تھا مگر اب زیبا کیانی۔ وہ اکیلی تھی۔ اونچی ہیل میں اس کا دراز قد اور بھی نمایاں تھا۔ خوبصورت قیمتی دیدہ زیب پرس کو جھولاتی وہ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ انتہائی خوبصورت مگر...... اس وقت دو آتشہ بنی ہوئی تھی۔

"ہیلو......" نواز بھی بڑے غور سے دیکھ رہا تھا پھر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی معنی خیزی سمٹ آئی تھی۔ شارق نظر انداز کرتے ہوئے زیبا کو دیکھ رہا تھا۔

"کہاں ہوتے ہو آج کل؟ کلب بھی بہت کم آنے لگے ہو۔ ایمان سے اب تو وہاں رونق ہی نہیں لگتی......" وہ خود ایک رونق تھی جہاں بھی قدم رکھ دے روشنی بکھر جاتی تھی مگر شارق زمان کے معاملے میں وہ ایسی ہی تھی بے باک سی۔

"مجھے کہاں ہونا ہے...... پرانا ممبر ہوں وہاں جب دل چاہے گا آ جاؤں گا۔" وہی لاپروا انداز تھا۔ زیبا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"بے چارہ دل...... تمہارے ساتھ دل کا بڑا مسئلہ رہتا ہے۔ ایک میں ہوں کہ لاسٹ ٹائم ہونے والی جھڑپ بھلائے پھر تم سے مخاطب ہوں مترنم ہو کر...... ایمان سے میں نے تم جیسا خود پسند بندہ نہیں دیکھا۔ اب انسان کو اتنا بھی پراؤڈلی نہیں ہونا چاہیے۔ دوستوں میں تھوڑا بہت تو چلتا ہی رہتا ہے۔" پرس کو متواتر ہلاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ نواز کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کیے۔ شارق زمان کو کوفت ہونے لگی۔ اس وقت وہ اس بات کے قطعی موڈ میں نہ تھا۔ اس دوران ویٹر چائے رکھ گیا تھا۔ زیبا کو شارق نے بیٹھنے کی آفر نہیں کی۔ نواز کو عجیب سا لگا۔ شارق اپنے مگ میں چائے انڈیل رہا تھا۔ اس نے مطلق زیبا کی بات کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔

"پلیز، آیئے بیٹھیے...... چائے پئیں۔" شارق چائے کے سپ لینے لگا تھا۔ نواز کو اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے اس نے اسے آفر کی۔ زیبا نے نخوت سے سر جھٹکا۔ شارق کا نظر انداز کرنا بہت کھلا تھا۔

"تھینکس...... بن بلائے سلام دعا کر لیتی ہوں لیکن بن بلائے مہمان کبھی نہیں بنتی۔ خود پسندی مجھ میں بھی حد سے زیادہ ہے۔ میرے پاپا کا ڈیلی گیشن آیا ہوا ہے ان کے ساتھ میٹنگ ہے۔ بڑے دنوں بعد شارق کو دیکھا تو رک گئی۔ او کے ایگری ینگ مین پھر کبھی ملیں گے...... باقاعدہ۔ سی یو......" وہ پرس ہلاتی ہلاتی چلی گئی۔ نواز نے اب تاسف سے شارق کو دیکھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ چلو سیدھے منہ بات نہ کرتے کم از کم جواب تو دیتے۔"

"تم اس معاملے سے متعلق کچھ نہیں جانتے اس لیے کچھ بھی کہنا فضول ہے۔"

"میں جانتا ہوں...... تم ہو ہی ڈھیٹ۔" نواز نے کلس کر مگ میں اپنے لیے چائے نکالی۔

"ویسے یہ لڑکی...... مجھے خاصی مشکوک لگی ہے...... بڑی اپنائیت جتا رہی تھی تم سے کہیں کوئی چکر وکر تو نہیں......" نواز نے آنکھ مٹکا کر پوچھا۔ شارق تاسف سے گردن ہلا کر رہ گیا۔

"میری چوائس اب اتنی گری ہوئی بھی نہیں ہے۔ ایسی لڑکیاں ایسی جگہوں پر تو سجتی ہیں گھر کی

چار دیواری میں نہیں۔" انتہائی تلخی سے شارق نے کہا تو نواز کو بہت برا لگا۔

"تو پھر تم ایسی لڑکیوں کے ساتھ وقت کیوں گزارتے ہو۔ یہ بھی تو درست حرکت نہیں ہے۔ تم اپنے لیے ہر طرح سے پرفیکٹ، مومن اور پاک باز عورت چاہتے ہو کبھی خود بھی سوچا ہے کہ تمہاری زندگی میں داخل ہونے والا وجود بھی یہ ڈیمانڈ کر سکتا ہے۔" وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ شارق اذیت سے ہنس دیا۔

"ہوں...... بہت مرتبہ اسی لیے تو شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" سراسر مذاق اڑانے والا انداز تھا لیکن تھا سچ......

"تمہارا کوئی علاج نہیں...... بجائے اس کے کہ تم خود کو سنوارو کسی پاک باز وجود کے قابل بناؤ...... غلط فیصلہ کر کے بیٹھ گئے ہو۔" نواز مزید چڑا۔ وہ برہم ہو رہا تھا۔ شارق نیم وا آنکھوں میں عجیب سی کیفیت لیے دیکھنے لگا۔

"چلو اب...... بہت وقت گزار لیا...... مجھے ابا جی کے پاس بھی جانا ہے۔ آج انہوں نے بلایا تھا۔ کبھی تم بھی ادھر کا چکر لگا لیا کرو...... کاروبار کا جائزہ لے لیا کرو...... ابا جی اکیلے کیا کچھ سنبھالیں۔" نبیل اب ان کے ساتھ شیئرز کی بنیاد پر کام تو کر رہا ہے لیکن پھر بھی اتنے بڑے کاروبار کو ابا جی سنبھالے ہوئے ہیں۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا ہوں کہ سارا فارغ وقت ان کو دیا کروں مگر پھر بھی ان پر بہت بوجھ ہے......" وہ کہہ رہا تھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ شارق نے بھی اس کی تقلید کی۔ واقعی بہت وقت ہو چکا تھا۔ اب چلنا چاہیے۔

شارق نے ویٹر کو بل پے کیا اور پھر دونوں ہوٹل سے نکل گئے۔

◆

سمعان احمد نے نجانے سعید احمد سے کس طرح بات کی تھی کہ اگلے ہی دن تین بجے کے قریب اسے لینے آ گئے تھے۔ ماما نے انہیں ہر طرح سے ٹالنا چاہا تھا لیکن انہوں نے بھی بغیر کچھ جتائے اپنی ضد جاری رکھی تھی۔ آخرکار ماما کو ہار ماننا ہی پڑی۔

"ٹھیک ہے آج آپ زرش کو لے جائیں...... مگر واپس بھی چھوڑ جائیں گے۔ اپنے کو نہیں بھیجوں گی بے شک۔ اپنا گھر ہے مگر دلوں میں کشیدگیاں ہوں تو پھر اپنے گھر بھی بے گھر کر دیتے ہیں۔"

شائستہ بیگم کا انداز رنجیدہ تھا سعید احمد خاموش رہے، سمعان نے کل ان سے بات کی تھی۔ آج ہی آفس سے وقت نکال کر وہ تین چار دنوں کے لیے زرش کو اپنے گھر لے جانے کے لیے آئے تھے۔ شائستہ مشکل سے ہی مانی تھی مگر مان گئی تھی۔ وہ بھی اس شرط پر کہ صرف آج جائے گی اور واپس بھی آئے گی۔ رہے گی نہیں۔

"تم فکر نہیں کرو...... اب وہاں کوئی بات نہیں ہو گی، طاہرہ کو میں سمجھا چکا ہوں مجھے بھی زرش اتنی ہی عزیز ہے۔ جتنی تم لوگوں کو۔ زرش کا کل بھی وہ اپنا گھر تھا اور آج بھی رہے گا۔ میرے دل سے ابھی تک یہ ملال ہی نہیں جاتا کہ تم لوگ اس گھر کو چھوڑ کر یہاں آ بسے۔" سعید احمد کی آواز میں بھی دکھ آ ٹھہرا تھا۔ اسی میں ہم سب کی بقا تھی۔ رشتوں میں یہ جو تھوڑی بہت مروت باقی ہے اس کی بدولت ہے ورنہ تو بہت پہلے سے سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ خالہ اماں کا انتقال کیا ہوا سب کچھ بدل گیا۔" شائستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ زرش کو انہوں نے کچن میں بھیجا۔ نوشین اپنے کمرے میں تھی۔ تبھی اس موضوع پر بات ہو گئی تھی ورنہ بچیوں کے سامنے وہ اس قسم کے تذکرے نہیں کرتے تھے۔

"میں زرش کو بھیجتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

سعید احمد نے دروازے تک شائستہ کا تعاقب کیا۔ شائستہ ان کی سگی خالہ زاد تھی۔ سعود کے ناطے انہیں نفیسہ آپا کی طرح ہی عزیز تھی۔ مگر حالات نے کبھی رشتوں کو نکھرنے نہیں دیا اور پھر طاہرہ کی بدولت تو ہر رشتہ ہی دھند میں لپٹ گیا تھا۔

زرش لاؤنج میں آئی تو اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کی ٹرے تھی۔ مل تو وہ پہلے ہی چکی تھی۔ اس نے گلاس تایا ابا کو تھمایا۔ انہوں نے محبت سے زرش کو دیکھا۔

"زرش شائستہ بھی یہیں چلی آئیں۔ بھائی صاحب تمہیں لینے آئے ہیں...... تم چلی جانا...... مگر

رات سے پہلے واپس بھی آنا ہے۔ اب جاؤ جا کر نوشین کو اٹھاؤ کافی دیر ہو گئی ہے اس سوئے ہوئے تایا سے مل لے آ کر......" وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ زرش سر ہلا کر واپس پلٹ آئی۔ نوشین کو اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ رہنا تو تھا نہیں پڑھائی کا بھی موڈ نہیں تھا۔ اس نے کپڑے نکال کر باتھ روم کا رخ کیا۔ لباس بدل کر شولڈر بیگ لے کر وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ تایا جان نوشین سے بھی چلنے کو کہہ رہے تھے۔ وہ انکار کر رہی تھی زرش سے ہٹ کر وہ طاہرہ بیگم کے رویئے سے سخت چڑتی تھی اس لیے بہت کم وہاں جاتی تھی۔

"نوشی جاؤ چلی جاؤ۔ واپسی پر فون کر دینا میں ڈرائیور کو بھیج دوں گی۔" ماما نے کہا تو نوشین انکار نہ کر سکی۔

"ڈرائیور کیوں...... سمعان خود چھوڑ جائے گا۔ جاؤ نوشین جلدی سے کپڑے چینج کر کے آؤ۔" تایا ابو نے کہا تو نوشین اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تایا ابو کے ساتھ دونوں جب گھر پہنچیں تو سارے گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فرح اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ علی اپنے کمرے میں بند تھا۔ البتہ طاہرہ بیگم کچن میں ماجدہ کے ساتھ مصروف تھیں۔ گاڑی کے ہارن پر وہ کچن سے نکلیں لیکن لان میں گاڑی سے سعید احمد کے ساتھ زرش اور نوشین کو نکلتے دیکھ کر انہیں پتنگے لگ گئے۔

"یہ شخص مجھے کبھی سکھ سے نہیں رہنے دے گا......" وہ کلس کر رہ گئیں۔

"السلام علیکم تائی امی......" دونوں نے قریب آ کر سلام کیا۔ سعید احمد بھی ساتھ تھے۔ مجبوراً طاہرہ کو سر ہلانا پڑا۔ ورنہ لب دانتوں تلے دبائے ہوئے تھے۔ سعید احمد نے ایک اچٹتی نظر ڈالی اور پھر آگے بڑھ گئے۔ دو قدم چلے پھر پلٹ کر دیکھا وہ دونوں وہیں کھڑی تھیں۔

"آؤ تم دونوں...... اپنا گھر ہے ادھر ہی کیوں رک گئی ہو......" انہوں نے پکارا۔ دونوں آگے بڑھ آئیں۔ سعید احمد کا بھتیجیوں کے ساتھ یہ رویہ دیکھ کر طاہرہ بیگم کے سینے پر سانپ لوٹ گیا تھا۔

سعید احمد کے ساتھ وہ لاؤنج میں آ بیٹھیں۔ نہ چاہتے ہوئے انہیں بھی ادھر آنا پڑا۔

"علی اور فرح کہاں ہیں؟" ٹائی ڈھیلی کرتے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"دونوں اپنے کمروں میں سو رہے ہیں۔" طاہرہ نے کہا۔

"جاؤ زرش دونوں کو اٹھا دو۔" انہوں نے زرش کو بھیجا۔

فرح بڑی گہری نیند میں غرق تھی۔ زرش نے ہولے سے اس کے بستر پر بیٹھتے اس کا بازو تھاما۔

"فرح......" وہ کسمسائی لیکن زرش کے دو تین بار ہلانے پر اٹھ بیٹھی۔ زرش کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔

"ارے تم...... تم تو آج کہہ رہی تھی چچی جان نے تمہیں یہاں آنے سے منع کر دیا ہے لیکن تم......"

"تایا ابو کے ساتھ آئی ہوں اور مزے کی بات یہ ہے کہ میرے ساتھ نوشین بھی ہے۔" اس نے مسکرا کر بتایا تو فرح پہلے تو حیران ہوئی پھر فوراً بستر سے اتری۔

"واقعی......" نوشین بہت کم آتی تھی اسی لیے فرح کا حیران ہونا بجا تھا۔ زرش نے سر ہلایا۔

"میں جا رہی ہوں علی کو اٹھا کر آ جاؤ تایا ابو بلا رہے ہیں۔"

فرح باتھ روم میں گھسی تو وہ کمرے سے نکل آئی۔ نوشین اور تایا ابو باتیں کر رہے تھے۔ تائی امی غائب تھیں۔

"اٹھ گئے دونوں......" انہوں نے پوچھا۔

"فرح کو اٹھا دیا ہے وہ علی کو اٹھا لائی۔" وہ تایا کے ساتھ ہی آ بیٹھی۔

تھوڑی دیر میں فرح اور علی بھی آ گئے۔ تایا ابو اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ماجدہ کو فرح نے کھانے کی ایک طویل لسٹ تھمائی پھر چاروں خود ہی کچن میں چلے آئے تھے۔ طاہرہ بیگم کے تیور بگڑے تھے۔ تاہم انہوں نے زبان سے کسی بھی قسم کی بات کا اظہار نہیں کیا۔

"امی آج یہ چاروں مل کر کھانا پکائیں گی اس لیے آپ کی چھٹی۔" علی نے طاہرہ بیگم سے کہا۔

"میری کیوں چھٹی...... میری ساری عمر کچن سنبھالتے گزری ہے اور تم میری چھٹی کروا رہے ہو۔" انہیں علی کی بات ذرا نہ بھائی۔ سختی سے کہا تو علی سٹپٹا کر ہنس دیا۔

"آپ کی مستقل چھٹی تھوڑی کروا رہا ہوں۔ آپ ان پر سپرویژن کیجیے گا۔ آج دیکھتے ہیں زبان کے علاوہ ان میں اور کیا کیا جوہر ہیں۔" اس نے فرح کو چڑایا۔

"تائی امی! یقین کریں ہم اتنا برا بھی نہیں پکائیں گے۔ ماجدہ ہے ناں ہمارے ساتھ پھر آپ بھی ہمیں بتاتی جائیے گا۔" نوشین نے دھیرج سے کہا۔ طاہرہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ سعید احمد کے سامنے وہ بے بس تھیں ورنہ کچن تو کیا وہ انہیں گھر میں بھی نہ گھسنے دیتیں۔ انہوں نے ماجدہ کو دو تین ہدایات دیں اور کچن سے نکل گئیں۔ زرش نے سکون کی سانس لی۔

"تھینک گاڈ تائی امی کا موڈ نارمل رہا ورنہ میں تو ڈر رہی تھی کہ اب شامت آئی کہ تب آئی......" زرش نے کہا تو نوشین نے گھورا وہ فوراً زبان دانتوں تلے دبا گئی۔

"سوری میں بھول گئی تھی کہ زبان سی کے رہنا ہے......" زرش کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ چاروں ہنس دیے۔

ان چاروں میں کوکنگ صرف ماجدہ اور نوشین کو ہی آتی تھی۔ فرح اور زرش ہیلپر تھیں۔ علی ان چاروں کا سر کھا رہا تھا۔ گاہے بگاہے علی اور فرح جا کر طاہرہ بیگم سے کوئی نہ کوئی ترکیب پوچھ آتے تھے۔

مغرب کے بعد سمعان احمد گھر لوٹا تو کچن میں زرش کے ساتھ نوشین کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے دوچار ہو گیا۔

"نوشین بھی ہے...... بھئی زبردست۔ ویسے علی تم نے دیکھا تھا آج سورج کس سمت سے نکلا تھا۔" دونوں کے سلام کرنے پر سمعان احمد نے برجستہ کہا تو کچن میں قہقہے گونج اٹھے۔

"سمعان بھائی پلیز......" نوشین نے فوراً احتجاج کیا۔ سمعان مسکرا دیا۔ نگاہ بھٹک کر زرش کی طرف جا اٹھی جو ٹیبل پر بیٹھی پیاز کاٹنے کے ساتھ زور و شور سے آنسو بھی بہا رہی تھی۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔" فرح کباب تل رہی تھی۔ ماجدہ آٹا گوندھ رہی تھی۔ نوشین ہانڈی کی طرف متوجہ تھی۔ علی ان سب کو چھیڑیں دے رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کباب سے بھی انصاف کرتا جا رہا تھا۔ سمعان احمد نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آج کچن کی شامت آئی ہوئی ہے۔ یہ نیم حکیم ہم پر اپنے تجربات آزمائیں گی......" علی کی چونچ چلی۔ فرح نے بھنا کر اسے چمچ مارا۔

"شرم کرو۔ سب سے زیادہ کھا بھی تم رہے ہو۔ بریانی تم چکھ چکے ہو۔ کباب آدھے سے زیادہ تم اپنے پیٹ میں ٹھونس چکے ہو پھر بھی ہمیں نیم حکیم کہہ رہے ہو۔" فرح کی بات سن کر نوشین مسکرا دی۔

"امی کہاں ہیں؟" کچن کے معاملے میں طاہرہ ماجدہ پر بھی کم ہی بھروسہ کرتی تھیں کجا کہ ان چاروں کو کھلی چھٹی دی ہوئی تھی۔

"امی لاؤنج میں ہیں۔" علی نے کہا۔

"ویسے کیا کچھ بن رہا ہے۔" مرغ روسٹ کرنے کی خوشبو اور کبابوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سمعان نے خوشبو کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"ماجدہ نے بریانی بنائی ہے۔ نوشی نے چکن روسٹ اور روٹیاں بنانے کی ذمہ داری لی ہے۔ میں کباب بنا رہی ہوں اور ہم سب مل کر قورمے کا ستیاناس کریں گی۔" فرح نے تفصیلی بتایا تھا۔ سمعان نے دیکھا کہ زرش پیاز کاٹ چکی تھی۔ وہ اب بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر منہ ہاتھ دھو رہی تھی۔

"اور زرش کیا بنا رہی ہے؟" وہ تولیے سے منہ صاف کرتی ہوئی پلٹی تھی۔ سمعان نے پوچھا۔

"یہ سویٹ ڈش تیار کر چکی ہے۔ باقی سارا سامان اس نے اور علی نے تیار کر کے دیا ہے۔ ہم تو صرف پکا رہی ہیں۔" نوشین نے مسکرا کر بتایا۔

"کھانے کا ذائقہ بھی ہوگا یا بس ایسے تیار کیا تم لوگوں نے۔" سمعان کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"صاحب جی یہ تو آپ کھا کر ہی فیصلہ کیجیے گا۔" ماجدہ نے بھی حصہ لیا۔ زرش مسلسل مسکرا رہی تھی مگر بالکل خاموش تھی۔ سمعان نے یہ بات شدت سے محسوس کی۔

"او کے پھر ڈنر پر ہی بات ہوگی۔ اس وقت فرح ڈیئر اچھی سی چائے تیار کر کے کمرے میں بھیجو بہت تھکن ہو رہی ہے۔ اتنی دیر میں، میں ذرا فریش ہو لوں......" سمعان وہاں سے چلا گیا۔

"زرش! تم فٹافٹ چائے تیار کر لو۔ سمعان بھائی گھر آتے ہی سب سے پہلے چائے پیتے ہیں اور علی تم امی کو دیکھو وہ کیا کر رہی ہیں اور ابو کو بھی۔ زرش چار کپ چائے بنا لینا۔ امی، ابو اور میرے لیے۔" علی چلا گیا۔

زرش آئینے میں اپنی سرخ آنکھیں دیکھ رہی تھی جب فرح کے کہنے پر وہ خاموشی سے برتن میں پانی ڈال کر چائے بنانے لگی۔ فرح کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ جب وہ یہاں آئی تھی تو کچھ شوخ سی تھی مگر اب...... اس نے سر جھٹکا...... لیکن کوئی چیز اس کے اندر کلک کرتی رہی تھی۔ زرش نے چائے بنا کر ماجدہ کے ہاتھ طاہرہ بیگم اور سعید صاحب کے لیے بھجوائی۔ ایک کپ نکال کر اس نے پلیٹ میں رکھ کر

ڈھک دیا۔

"میں یہ کپ سمعان بھائی کو دے آؤں کوئی کام رہ گیا ہے تو بعد میں بتا دینا۔ میں آ کر کر دوں گی۔" فرح سے کہہ کر وہ چلی آئی تھی۔

بہت عرصے بعد یوں اس انداز میں وہ اس گھر میں تھی۔ جیسے استحقاق بھرا انداز ہو۔ وہ لوگ جب یہاں تھے تو یہی گھر تھا، اسی طرح تھا مگر اب وہ لوگ نہیں تھے۔ دوریاں ایسی تھیں کہ پاٹی نہیں جا سکتی تھیں۔ یہ گھر، اس کے مکین ہر چیز بدل گئی تھی، جب سے گھر بدلا تھا۔ ان کی کتنی خواہش تھی کہ دوبارہ سے یہاں شفٹ ہو جائیں۔ شروع کے برسوں میں اس نے ماما پاپا سے بہت ضد کی تھی حتیٰ کہ ٹینشن سے بیمار بھی پڑ گئی تھی مگر ماما پاپا نہیں مانے تھے اگر بات صرف تائی امی کے رویے کی ہوتی تو شاید یہ گھر دو گھروں میں تبدیل ہو جاتا۔ وہ لوگ کہیں اور نہ جاتے مگر بات کچھ اور تھی۔ بڑوں نے کبھی بچوں کے درمیان معاملے کو آنے نہیں دیا تھا لیکن اس کے باوجود طاہرہ بیگم کے رویے نے ہر ایک کو احساس دلایا تھا کہ معاملہ کچھ اور ہے مگر کیا۔ وہ جب بھی اس گھر میں آتی تھی الجھ جاتی اور یہی الجھن ہر بار انتہائی بے عزت ہونے کے باوجود اس گھر میں دھکیل لاتی تھی۔ جیسے کہ اب سمعان احمد کے کمرے کے دروازے پر اس نے دستک دی تھی۔

"یس کم ان......" وہ اندر داخل ہو گئی۔ سمعان احمد باتھ لینے کے بعد تولیے سے سر رگڑ رہا تھا۔ زرش کو چائے لاتے دیکھ کر ایک دھیمی سی مسکراہٹ سمعان کے ہونٹوں پر آ گئی۔ زرش جھجکی۔

"یہ چائے......" اس نے کپ آگے بڑھایا۔ سفید شلوار قمیض میں سمعان احمد کا دراز سراپا بہت نمایاں تھا۔ اس نے تاول اسٹینڈ پر لگا کر اس کے ہاتھ سے کپ تھام لیا۔

"بیٹھو......" سمعان نے کہا تو زرش نے نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی ہلکی سی سرخی تھی۔ شاید پیاز کی وجہ سے۔ سمعان نے بغور دیکھا تو وہ جانے کو پلٹی۔

"زرش......" اس کی پکار پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ فوراً اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "کیا بات ہے...... پریشان ہو؟" سمعان نے پوچھا۔ زرش نے حیران ہو کر دیکھا پھر ہنسی۔

"نہیں......"

"تو پھر الجھی ہوئی ہو...... کیا بات ہے۔ امی نے کچھ کہا ہے......؟"

زرش حیران ہوئی کہ انہوں نے کیسے جان لیا کہ وہ الجھی ہوئی ہے۔"

"کچھ نہیں سمعان بھائی...... بس وہی بات جو ہر بار اس گھر میں آنے کے بعد مجھے اذیت سے دوچار کر دیتی ہے۔" وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔ سمعان نے ایک گہری سانس لے کر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔ چائے کا ذائقہ اچھا تھا۔ اس کو زرش کے ہاتھ کی بنی چائے کی اچھی طرح پہچان تھی۔

"مجھے کوئی نہیں بتاتا ماما، پاپا نے گھر کیوں چھوڑا جب کہ ہمارا پورشن ابھی بھی اسی طرح ہے۔ آپ لوگوں کے حصے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن وہاں۔ تب تو میں کم عمر تھی مگر اب تو حالات سمجھ سکتی ہوں اب بھی کوئی نہیں بتاتا صرف تائی امی کا رویہ تو اصل وجہ نہیں ہو گی۔ نجانے کیوں میرا دل کہتا ہے اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے۔" وہ کہہ رہی تھی سمعان نے استعجاب سے اسے دیکھا۔ یہ کم عمر سی لڑکی اپنی عمر سے بڑے مسائل میں الجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے فوراً اسے ٹوکا۔

"تم ان مسائل میں مت الجھو۔ سوائے ٹینشن کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

"کیوں......؟" وہ سوالیہ نشان بنی اس کے سامنے تھی۔

سمعان کی نظریں اس کے سفید چہرے پر ٹک گئیں۔ الجھا الجھا سا سرخ چہرہ، شہد رنگ آنکھیں، سبک خرام پلکیں، خمیدہ ہونٹ کچھ بھی تو نظر انداز کیے جانے والا نہ تھا۔ زرد سوٹ میں ملبوس اپنے وجود کی تمام تر خوبصورتی سمیٹے اس کی نظروں کے حصار میں تھی۔

"اگر اس کیوں کا جواب میرے پاس ہوتا تو میں تمہیں ضرور دیتا۔ تم اپنے چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالو تو بہتر ہے۔" سمعان احمد نے اپنی یک دم بدلتی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اسے ٹالا۔ وہ شکایتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"سب مجھے ہمیشہ کیوں ٹال جاتے ہیں...... تم کم عمر ہو، چھوٹی ہو۔ چھوٹا سا دماغ ہے تمہارا اس لیے زور نہ ڈالو...... وغیرہ...... اب میں اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں۔" وہ ناراضی سے کہہ رہی تھی۔ سمعان احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے شگوفے پھوٹ پڑے۔ اس نے بات ہی ایسی کی تھی۔ اس نے بغور دیکھا...... مسکراتی نگاہوں سے اس کا وجود جانچا۔

"آپ مسکرا کیوں رہے ہیں......؟" اس نے مزید خفگی کا اظہار کیا۔ سمعان کی آنکھوں میں خوشنما رنگ آ ٹھہرے۔ زرش کے گلے میں جھولتا لاکٹ "Z-S" کے الفاظ سمعان احمد کو عجیب سا سرور بخش رہے تھے۔

"تمہاری باتوں پہ میں مسکراؤں نہ تو اور کیا کروں......" مسکراہٹ ضبط کیے بغیر اس نے کہا۔ زرش نے خفا نظروں سے اسے دیکھا۔

"سبھی مجھے بچی سمجھتے ہیں ماما اتنی تاکیدیں کرتی ہیں کہ حد نہیں...... آج بھی آتے ہوئے اتنی نصیحتیں اف اللہ...... آپ بتائیں، بھلا آپ سے مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے جو وہ کہتی ہیں کہ میں آپ سے زیادہ فرینک نہ ہوا کروں حد میں رہا کروں۔ علی بھی تو ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتیں جب کہ آپ......" وہ کم عقل، احمق سب کہے جا رہی تھی۔ سمعان احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سمٹتی چلی گئی۔ انتہائی اذیت پہنچی تھی اس کے الفاظ سے۔"

"یہ...... یہ...... چچی امی نے کہا......" اس نے پوچھا جب کہ لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"تو اور کیا...... وہ کہتی ہیں کہ تائی امی کو میرا آپ سے گھلنا ملنا اچھا نہیں لگتا اسی لیے میں آپ سے دور رہوں تو بہتر ہے۔ آپ میرے بھائی ہیں۔ بھلا وہ ایسا کیوں کہتی ہیں...... مجھے ان کی بات سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ چلیں تائی امی کا تو رویہ ہی ایسا رہتا ہے جب کہ ماما...... وہ بھی انہی کی طرح برتاؤ کرنے لگ گئی ہیں۔ تائی امی کے سامنے آپ سے بات نہ کروں۔ آپ کی کسی بات کا جواب نہ دوں...... کیوں......؟ کیوں کر رہے ہیں سب لوگ میرے ساتھ ایسا......" وہ سوالیہ نشان بنی کھڑی

تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

چچی اور امی کے رویوں سے وہ کس قدر الجھی ہوئی تھی وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔

"سمعان بھائی! پتا نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں سب سمجھ رہی ہوں اتنی بچی بھی نہیں ہوں۔ یہ ٹھیک ہے میں آپ سے حد سے زیادہ اٹیچ ہوں۔ آپ سے وہ باتیں بھی کہہ جاتی ہوں جو نہیں کہنی چاہیے لیکن میرا دل تو صاف ہے۔ ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں نے آپ لوگوں کو اپنا بھائی سمجھا ہے۔ لوگ کچھ بھی کہیں مگر جب ماما مجھے اس طرح کی نصیحتیں کرتی ہیں تو مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ آپ ماما سے بات کیجیے گا وہ تو کم از کم اور لوگوں کی طرح باتیں نہ کیا کریں۔ تائی امی کی باتیں نظر انداز کر سکتی ہوں مگر ماما......"

سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی...... یہ یک طرفہ جذبات انسان کو کس طرح گھائل کر دیتے ہیں۔ وہ اس اذیت کا احساس کر سکتا تھا۔

چچی کو بیٹی کی ساکھ پیاری تھی اور امی کو اپنی ضد۔

درمیان میں کون پس رہا تھا۔

وہ دونوں ہی۔

زرش رویوں کی زد پہ تھی۔

اور وہ جذبوں کی شدتوں کی زد پہ۔

اسے چھوڑنا محال تھا اور اپنانا اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ۔ کیا زرش مجھے اس تے تعلق سے قبول کرے گی۔ اس کی پیشانی پر موجود دونوں بھنوؤں کے درمیان تل پہ نظریں جمائے وہ کچھ سوچنے سے قاصر تھا۔

یہ یکطرفہ جذبوں کا انجام کیا ہوگا۔

وہ سوچ کر الجھ گیا...... جبکہ وہ کہہ رہی تھی۔

"میں خود کو یہاں آنے اور آپ سے بات کرنے سے نہیں روک سکتی...... کبھی نہیں روک سکتی۔ اس احساس سے ہی میری سانسیں تھمنے لگتی ہیں کہ کبھی مجھے اس گھر سے تعلق توڑنا پڑے گا۔ جس طرح پاپا نے توڑ لیا ہے۔ جب سے ہم لوگ اس گھر سے گئے ہیں انہوں نے پلٹ کر اس گھر میں قدم نہیں رکھا۔ ماما بھی عثمان بھائی کی شادی پہ آئی تھیں۔ وہ بھی پھپھو اور تایا ابو کے بار بار منانے پر اور ہم لوگ...... اسی لیے تو ضد کر کے میں یہاں آ جاتی ہوں کہ یہ تعلق ٹوٹنے نہیں۔ نام نہاد ہی سہی برقرار تو رہے۔ پائیداری نہ سہی رشتے کا نام تو رہے......" وہ رو رہی تھی۔

سمعان احمد ششدر سنتا رہا۔ اتنی گہری باتیں کرنے لگی تھی یہ لڑکی۔

"پتا نہیں آپ لوگوں کو میری باتیں کیوں احمقانہ محسوس ہوتی ہیں جب کہ میرا دل آپ سب کے لیے بہت دکھی ہوتا ہے......" وہ ایک دم کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور وہ خاموش لب دبائے کھڑا رہا۔ آنے والے حالات کا اسے اندازہ تھا مگر اس رخ پر بھی چلے جائیں گے اس نے کبھی سوچا نہیں تھا

اور اب زرش۔

اس کی آنکھوں کے جھلملاتے آنسو۔

اس کی آواز کا درد۔

کچھ بھی تو نہیں سوچا تھا۔

کیا واقعی ہمارا تعلق ریت پر نشان کی مانند تھا جسے جب چاہے مٹا دیا جائے۔ وہ سوچنے لگا۔

واپسی پر سمعان احمد انہیں چھوڑنے آیا۔ زرش فرنٹ سیٹ پر تھی جب کہ نوشین پچھلی سیٹ پہ۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر زرش ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اس کا موڈ اچھا خاصا شگفتہ ہو چکا تھا جب کہ سمعان احمد مسلسل گہری سوچ میں غرق تھا۔ طاہرہ بیگم کے سامنے وہ خاصا محتاط رہا۔ غلطی سے بھی اس نے زرش یا نوشین وغیرہ سے بے تکلفی کا اظہار نہ کیا۔ جب کہ سعید احمد، فرح، علی مسلسل ان کو باتوں میں الجھائے ہوئے تھے اور اب جب وہ ان کو ابو کے کہنے پہ چھوڑنے آ رہا تھا تو بھی امی کے چہرے کی ناگواری اس کو بہت کچھ سمجھا چکی تھی۔

زندگی میں ان سب معاملات سے بھی دوچار ہونا تھا۔ اس کو اندازہ ہو رہا تھا۔

"سمعان بھائی! کیا بات ہے...... اتنے چپ چپ کیوں ہیں......" گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی نوشین محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے فوراً پوچھا۔

"نہیں نوشی! کوئی بات نہیں یونہی چپ تھا۔ تم سناؤ تمہارے سسرال والوں کا کیا حال ہے۔" سمعان احمد نے پوچھا تو نوشین کنفیوژ سی ہو گئی۔ سسرال کے نام پر اس کا ہمیشہ یہی حال ہوتا تھا۔ زرش جبھی تھی اسی لیے خوب ریکارڈ لگاتی تھی، اب بھی چہکی۔

"سمعان بھائی! اس کے سامنے سسرال کا نام نہ لیا کریں۔ سسرال کے نام پر یوں شرمانے لگ جاتی ہے جیسے سسرال میں بیٹھی ہو۔" سمعان احمد ہنس دیا۔

"تم تو چپ کر و بلی جھالو......" زرش کے یوں بیچ میں بولنے پر نوشی کو تپ چڑھی۔

"دیکھا کیسی بن رہی ہے...... چاہے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں۔"

نوشی کا جی چاہا کہ کوئی چیز زرش کے سر پہ دے مارے۔

"بکواس نہیں کرو۔" اس نے دوپٹہ کو زرش پہ مکھی اڑانے والے انداز میں لہرایا۔

"عفان بھائی کی اکثر کال آتی رہتی ہے۔ وہ بے چارے نوشی سے بات کرنے کو مچلتے رہتے ہیں اور بی بی ہے کہ فون کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔"

زرش نے سمعان احمد کو بتایا۔

سمعان نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بغور دیکھا۔

کھلکھلاتا ہنستا چہرہ عجیب بہار دے رہا تھا۔

کوئی فکر، کوئی ٹینشن نہ تھی۔

شام والے رویے کا عکس ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا تھا۔

”سمعان بھائی یہ بکواس کر رہی ہے۔ اس چڑیل کی باتوں کا یقین مت کیجیے گا۔“ نوشی نے فوراً تردیدی بیان جاری کیا۔ اس کو دونوں بہنوں کی ہلکی پھلکی نوک جھوک اچھی لگ رہی تھی۔

”اچھا جی میں چڑیل ہوں تم کیا ہو؟“ اس نے نوشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”چڑیل کی بہن......“ اس نے برجستہ کہا۔ اس نے مصنوعی خفگی سے سمعان کو دیکھا۔

”سمعان بھائی آپ بھی......“ اس نے آنکھیں دکھانا چاہیں مگر سمعان احمد کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر اس نے نوشی کو تنبیہ کی۔

”تمہیں تو میں گھر جا کر پوچھ لوں گی...... دیکھنا کیا حشر کرتی ہوں تمہارا...... عفان بھائی کو فون کر کے تمہاری کارستانیاں بتاؤں گی......“ اس نے دھمکی دی۔ نوشی نے ہاتھ ہلایا۔

”آئس کریم کھاؤ گی تم دونوں......؟“ گاڑی آئس کریم پارلر کے قریب سے گزری تو سمعان نے پوچھا۔

”نیکی اور پوچھ پوچھ۔ میں ضرور کھاؤں گی......“ زرش نے فوراً ہامی بھری۔ نوشی نے بھی سر ہلایا۔ اس نے جگہ دیکھ کر کار پارک کی۔

آئس کریم پارلر کافی وسیع تھا۔ اس کے ساتھ دونوں اندر آ گئیں۔ وہ ان کو ایک ٹیبل کی طرف لے آیا۔ اپنا اپنا پسندیدہ فلیور منگوا کر تینوں نہ صرف باتیں کر رہے تھے بلکہ آئس کریم سے بھی انصاف کر رہے تھے۔ جبھی آئس کریم کھاتے زرش کی نگاہ سامنے اٹھی۔ جانا پہچانا چہرہ تھا مگر اس کے ساتھ موجود لڑکا۔

اس نے نوشی کو ٹہوکا دیا۔ وہ متوجہ ہوئی تو اسے سامنے دیکھنے کا اشارہ کیا۔ سمعان احمد سائیڈ پہ تھا ورنہ دونوں پہ ضرور توجہ دیتا۔

نوشی بھی اس لڑکی اور لڑکے کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ دونوں کونے کی ایک ٹیبل پہ جا بیٹھے۔

”کیا بات ہے تم دونوں ایک دم چپ کیوں ہو گئی ہو۔“ سمعان نے پوچھا اور پھر نوشی کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ زرش سمعان احمد کو بغور دیکھ رہی تھی۔ سمعان احمد ان ہی کی طرح حیران ہوا تھا پھر ایک دم سر کو جھٹکا۔

”یہ فوزیہ آپی ہیں مگر ان کے ساتھ یہ لڑکا کون ہے؟“ نوشین نے پوچھا۔

”پتا نہیں...... ہو گا کوئی جاننے والا......“ اس نے کندھے اچکائے۔

”مگر پھر بھی جس طرح قیصرہ خالہ کے نظریات ہیں ان کے مطابق رات کے اس پہر ایک اجنبی لڑکے کے ساتھ یوں پارلر میں ہونا خاصا حیران کن ہے۔“ زرش خاموش تھی نوشین کہے بغیر نہ رہی۔ فوزیہ کا ابھی تک دھیان ادھر نہیں گیا تھا ورنہ ضرور دیکھتی۔

”بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں، ہو گا ان کا پرسنل معاملہ۔ تم اپنی آئس کریم کی طرف دھیان دو پگھل رہی ہے۔“ اس کو صرف حیرت ہوئی تھی۔ یہ لڑکا اس کے لیے بھی قطعی اجنبی تھا۔ تاہم اس نے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ اسی لیے نوشی کو ٹال دیا۔

”سمعان بھائی! آپ کو اتنا مطمئن بھی نہیں ہونا چاہیے تھوڑا بہت تو دھیان دینا چاہیے۔ تائی امی فوزیہ آپی کو آپ کے لیے پسند کر چکی ہیں......“ زرش نے کہا۔

”تم......“ اس نے اسے کچھ کہنا چاہا پھر خاموش ہو گیا۔

”چلیں ہمیں کیا...... تائی امی زیادہ بہتر جانتی ہیں جب وہ رسک لے رہی ہیں تو پھر......“ زرش نے کندھے اچکائے۔ سمعان احمد پھر بھی خاموش رہا وہ اس سلسلے میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سعید احمد اس سلسلے میں طاہرہ بیگم سے بات کر چکے تھے۔ یہ معاملہ فی الحال دب چکا تھا۔ اسی لیے وہ مطمئن تھا۔

آئس کریم سے فارغ ہو کر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب نکالا تو اس میں لاکٹ تھا۔

”یہ نوشی تمہارے لیے ہے...... لیا تو زرش کے ساتھ ہی تھا مگر اس دن تمہیں دینا یاد نہ رہا آج یاد آیا تو آتے ہوئے لے آیا تھا کہ واپسی پہ تمہیں دے دوں گا۔“ اس نے ہتھیلی نوشی کی طرف بڑھائی۔ نوشین ایک دم سٹپٹا گئی۔ زرش کے لاکٹ کی ہی طرح کا لاکٹ تھا۔ بس فرق صرف یہ تھا کہ اس پہ ”N-S“ کے الفاظ کندہ تھے۔

”یہ میرے لیے......“ اسے حیرت ہوئی۔

”ہوں تم دونوں کے لیے بنوائے تھے۔ زری کو اس دن دے دیا تھا تمہارا میرے پاس تھا۔ آج یاد آیا تو ساتھ لے آیا......“ نوشین کشمکش میں تھی کہ لے کہ نہ لے۔

”اب پکڑ بھی لو...... دیکھ کیا رہی ہو...... تمہارے لیے ہے۔“ زرش مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ نوشین نے جھجکتے ہوئے لاکٹ اٹھا لیا۔

”اب پہن بھی لو......“ اس نے محبت سے کہا تو نوشین نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں گھر جا کر ماما سے اجازت لے کر پہنوں گی......“ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”کیوں...... اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ فرح کو بھی دیا تھا، زرش کو بھی اور تمہیں بھی۔“

”اتنا مہنگا گفٹ...... ماما ناراض نہ ہو جائیں۔“ اس کے لہجے میں خفگی محسوس کر کے اس نے فوراً توجیہ پیش کی۔

”نہیں ہوں گی، پہن لو...... اور اب چلو......“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نوشی نے زرش کو دیکھا۔

”پہن لو...... ماما کچھ نہیں کہیں گی......“

اس نے لاکٹ پہن لیا۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

بے اختیار نظر زرش کی طرف اٹھی وہ سر پہ دوپٹہ جمائے ہوئے تھی ورنہ اس کے گلے میں موجود لاکٹ ضرور نظر آتا۔

”تھینک یو سمعان بھائی......“ نوشین اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

سمعان بل پے کر کے ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

فوزیہ اور وہ لڑکا ابھی تک کونے والی ٹیبل پہ موجود تھے۔ زرش نے باہر نکلنے سے پہلے نظر ان پہ ڈالی۔

* * *

فاروق چچا آئے تھے اماں سے انہوں نے نواز اور نویرہ کی شادی کی بات کی تھی۔ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور پھر سوچ کر جواب دینے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ اماں نے نبیل بھائی سے رات بات کی تھی انہوں نے ساجد بھائی اور ساجدہ باجی سے صلاح مشورہ کر کے فیصلہ کرنے کو کہا تھا۔

اماں نے صبح ہی دونوں جگہ فون کر کے رائے لی تھی۔ دونوں نے کہہ دیا کہ جیسا وہ لوگ مناسب سمجھیں کر لیں۔ اماں نے حمید صاحب سے بھی فون پر بات کی تھی۔ انہوں نے بھی کہہ دیا تھا کہ نیک کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ جتنا جلدی نمٹ جائے اچھی بات ہے۔ سو اماں نے ہر طرف سے تسلی بخش جواب پا کر فاروق صاحب کو فون کر دیا تھا کہ وہ لوگ آج رات کھانے پر آ جائیں اور پھر مل بیٹھ کر جو بھی تاریخ مناسب سمجھتے ہیں رکھ لیتے ہیں۔ خاندان کی ہی بات تھی کونسا باہر کا معاملہ تھا اسی لئے انہوں نے فون کر کے حمید چچا کے علاوہ شارق زمان اور فاروق وغیرہ سب کو رات کھانے پر انوائٹ کر لیا تھا۔

وقت تھوڑا تھا اور کام بہت سے سب سے بڑی ذمہ داری کھانے ہی کی تھی۔ سب ہی ود فیملی انوائٹڈ تھے ساتھ میں نبیلہ بھابی کی پوری فیملی بھی تھی۔ ساجدہ باجی احمد بھائی وغیرہ سبھی ہی تھے۔ ساجدہ باجی جلدی آ گئی تھیں۔ تینوں مل کر کچن کا کام سنبھالے ہوئے تھیں۔

شام تک مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ حمید چچا کے ہاں سے چچا اور چچی تھے۔ رضا اور رمشاہ دونوں ہی نہیں آئے تھے۔ نبیلہ بھابی کی ساری فیملی تھی بھابیاں بھائی والدہ وغیرہ۔ فاروق چچا کے ہاں سے بھی سبھی بیٹیاں داماد چچی اور چچا خود تھے۔ البتہ شارق نہیں آیا تھا۔ نبیل بھائی دو دفعہ فون کر چکے تھے مگر وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ اماں نے نبیل کو کہا بھی تھا کہ شارق واجدہ خالہ کو ساتھ ضرور لائے انہوں نے شارق کو پیغام بھی دیا تھا لیکن وہ ابھی تک غائب تھا۔

مغرب کے بعد تک گھر میں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ ساجدہ باجی، نبیلہ بھابی اور ان کی بھابیوں نے آ کر نویرہ کو کچن اور دیگر کاموں سے بے دخل کر دیا تھا۔

تھا تو صرف تاریخ مقرر کرنے کا معاملہ مگر ان کے ہاں پھر بھی خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس دفعہ بھی اچھا خاصا اہتمام ہوا تھا۔ سبھی خاندان کے افراد تھے مگر نویرہ اپنے کمرے میں ہی بند رہی تھی۔ باہر کیا ہو رہا ہے کیا نہیں، کون آ رہا ہے ابھی تک کون نہیں پہنچا۔ حمیرا (نواز کی چھوٹی بہن) اسے ہر دومنٹ بعد آ کر خبر دے جاتی تھی۔

فیروزی سوٹ پہنے سلیقے سے سر پہ دوپٹہ جمائے وہ اپنے کمرے میں ہی تھی۔ جو بھی آتا تھا خصوصاً خواتین اس کے کمرے میں ہی دھرنا مارے بیٹھ جاتا تھا۔

نواز کی چاروں بہنیں یہیں تھیں۔ شوخ و چنچل ایک سے بڑھ کر ایک۔ سوائے حمیرا کے سبھی شادی شدہ تھیں۔ نویرہ ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"شارق بھائی آ گئے ہیں بڑی امی بھی ہیں۔ شارق بھائی بازوؤں میں اٹھا کر انہیں اندر لائے ہیں۔ وہ ثناء اور شمائلہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی جب حمیرا نے اندر آ کر اطلاع دی تھی۔ بڑے عرصے بعد بڑی امی خاندان کی کسی تقریب میں شرکت کر رہی تھیں۔ ورنہ اپنی معذوری کے باعث انہوں نے کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ نویرہ کی منگنی پر بھی وہ نہیں آئی تھیں۔

"بڑی دیر کی ہے شارق بھائی نے آنے میں۔" حمیرا سے بڑی زارا نے کہا تھا۔

"لیکن آ تو گئے ہیں نا۔ "دیر آید درست آید" اسی کو کہتے ہیں۔"

حمیرا ہنسی..... نویرہ خاموش رہی۔ شارق زمان کے گزشتہ رویوں نے اس کے دل میں ایک گرہ سی ڈال دی تھی۔ اب اسے شارق زمان کے ذکر سے کوفت اور بیزاری محسوس ہوتی تھی۔ شارق کے متعلق اس کے تمام نیک اور اچھے جذبات خواب و خیال ہو چکے تھے۔ شارق زمان کی تمام مظلومیت اسے اس کا بہروپ لگنے لگی تھی۔ کبھی وہ اسے معصوم اور حالات کا ستایا ہوا محسوس ہوتا تھا لیکن اب اسے لگ رہا تھا کہ شارق زمان کی بہت سی خرابیاں اس کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔ اس رات شاپنگ سے واپسی پر اس کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے شارق زمان جس طرح بار بار اسے بیک مرر سے دیکھ رہا تھا اسے سخت کوفت محسوس ہوئی تھی۔

اور پھر ان کے گھر آنے کے بعد روشنی میں دیکھنے پر اسے نجانے کیوں شارق زمان میں غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔ شارق کی آنکھوں کی رنگت اس کے دیکھنے کا انداز اس کی چال کی غیر ہمواری نویرہ کے دل میں ایک گرہ سی ڈال گئی تھی اور پھر وہ دوبارہ اس کے سامنے نہیں گئی تھی۔ اسے شارق زمان کی آنکھیں انتہائی گھٹیا لگی تھیں۔ بے باک سی۔

رمشاء اس کے ساتھ گھر جانا چاہتی تھی نویرہ کو اچھا نہیں لگا تھا جو چیز اسے اپنے لئے کھٹک رہی تھی وہ رمشاء کے لئے کیسے سود مند مان لیتی۔ اس کے اپنے خدشات تھے کہ اس نے رمشاء کو شارق زمان کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا اور پھر ان کے جانے کے بعد نبیل بھائی کے ساتھ اسے گھر بھیجا تھا۔

شارق کی سرگرمیوں سے تقریباً سارا خاندان ہی واقف تھا مگر اس کے باوجود ہر کوئی اسے بھرپور عزت دیتا تھا۔ کبھی ان لوگوں میں نویرہ بھی تھی لیکن اب اس کے دل میں شارق کی طرف سے بال آ گیا تھا سو وہ اسے عزت کے قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔

"چلو آؤ نویرہ بڑی امی سے مل آئیں۔"

وہ خیالوں کی دنیا میں غرق تھی ثناء کی پکار پہ چونکی۔

"جی..... کیا کہا ہے؟" اس نے پوچھا تو ثناء نے اپنی بات دہرائی۔ وہ سبھی جا رہی تھیں نویرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں..... اتنے مہمانوں میں بھلا میں جاتی اچھی لگوں گی۔"

"کچھ نہیں ہوتا..... چلو آؤ اٹھو..... اپنے خاندان کے سبھی مرد حضرات ہیں ایک دفعہ چل کر سب سے سلام دعا تو کر آؤ۔ امی اور چچی تمہیں یہیں مل گئی ہیں۔ بس جا کے سب سے مشترکہ سلام لینا اور بڑی امی کے پاس تک جانا اللہ اللہ خیر صلا۔" شمائلہ نے مشورہ دیا تھا۔ وہ تینوں کو دیکھنے لگی۔

”چلو اٹھو بھی...... کچھ نہیں ہوتا...... آ ؤ......“ زارا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا۔

لاؤنج میں سبھی براجمان تھے۔ ایک طرف مرد تو دوسری طرف خواتین۔ وہ جھجک رہی تھی۔

زارا اور شائلہ ا سکے ساتھ تھیں اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

”السلام علیکم۔“

اس نے ایک اچٹتی نظر ڈالی تھی۔ سب نے دیکھا تھا وہ فوراً سر جھکا گئی۔

”چلو آؤ بڑی امی ادھر ہیں ان کے پاس چلتے ہیں۔“ ثناء نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف رکھے صوفوں کی طرف بڑھ گئی تھی وہ اس کے ساتھ کھنچی چلی گئی۔

”السلام علیکم بڑی امی کیسی ہیں آپ۔“ واجدہ بیگم کے پاس جا کر ثناء نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

”وعلیکم السلام۔“ ثناء ان کے سامنے جھکی تھی انہوں نے اس کے سر پہ پیار کیا تھا۔ پھر انہوں نے نویرہ کو دیکھا۔ وہ بھی ان کے سامنے جھکی تھی۔ انہوں نے بہت محبت سے سر پہ پیار کر کے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

”آؤ بیٹھو ادھر۔“ انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ان کے دائیں طرف جگہ تھی وہ بیٹھ گئی۔

حمیرا شائلہ زارا بھی آ کر ملی تھیں۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے بڑی امی۔“ نویرہ نے پوچھا تھا۔ وہ مسکرا دیں۔

”اللہ کا شکر ہے۔ وہ جس حال میں رکھے اس کا کرم ہے۔“

باقی سب پھر باتوں میں معروف ہو چکے تھے نویرہ کو واجدہ خالہ سے خاص انسیت تھی۔ اب بھی وہ ان سے چھوٹے موٹے سوال کرنے لگی تھی۔ وہ بڑی محبت سے جواب دے رہی تھیں۔

”رفعت باجی کب تک پاکستان کا چکر لگا رہی ہیں۔ فون تو آتا رہتا ہو گا ان کا۔“

شارق زمان کے علاوہ واجدہ خالہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی وہ بھی اتنی دور جدہ میں جا آباد ہوئی تھیں۔ سال دو سال بعد آنا ہوتا تھا اور سارے خاندان کو ان کی آمد کا انتظار رہتا تھا۔

”کہہ تو رہی تھی کہ اگلے دو تین ماہ میں چکر لگائے گی۔ دیکھتے ہیں کب آتی ہیں۔“ نویرہ نے سر ہلایا پھر اس نے حاضرین پر سرسری نظر ڈالنے کو سر اٹھایا تھا ورنہ وہ مسلسل سر جھکائے ہوئے تھی۔

اس کے سامنے ہی صوفے پر نبیل بھائی احمد بھائی اور شارق زمان تینوں براجمان تھے۔ نبیل اور احمد بھائی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔ شارق زمان البتہ خاموش بیٹھا انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بے تاثر چہرہ بے تاثر نگاہیں...... نویرہ کے دیکھنے پر بھی اس نے نگاہیں نہیں پھیری تھیں۔

نویرہ کی بھنویں تن گئیں۔

شارق زمان کے یہی انداز و اطوار نویرہ کو ناگواری کے سمندر میں دھکیل دیتے تھے۔ وہ اب بھی نگاہیں پھیر گئی۔

”یہ شخص کیا چاہتا ہے۔ کیوں کر رہا ہے یہ سب؟“ وہ الجھ کر رہ گئی۔

”میں آتی ہوں بڑی امی۔“ وہ وہاں سے جلدی سے اٹھ آئی تھی۔ کچن میں آ کر گلاس میں پانی نکال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

”پہلے بھی شارق زمان یہی تھا اور میں بھی...... اب کیا بدل گیا ہے جو وہ مجھ پر نظر اٹھا کر جھکانا بھول جاتا ہے۔ اتنی بے باکی“۔ وہ کلس کر رہ گئی۔

خالی گلاس کاؤنٹر پر رکھتے وہ مسلسل اسی نہج پر سوچ رہی تھی۔

اندر سے مسلسل باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ قہقہے تھے چہکاریں تھیں نویرہ کا دل دوبارہ اندر جانے کو نہ چاہا' وہیں اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”اور یہ رضا کیوں نہیں آیا...... اور نہ ہی رمشاء...... خیریت ہو...... سبھی ہیں سوائے ان دونوں کے۔ مجھے کال کر کے پتہ تو کروانا چاہیے۔ چچی کہہ رہی تھیں کہ موڈ ہو گا تو بعد میں آ جائیں گے۔ اتنا تو وقت ہو گیا ہے اب کب آئیں گے۔“

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لاؤنج میں تو سبھی تھے وہ نبیل بھائی کے کمرے میں چلی آئی۔ کال ملائی تو رمشاء نے ریسیو کی۔ سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا کہ ”کیوں نہیں آئے دونوں۔“ تو جواباً بہت اکھڑا ہوا انداز تھا۔

”آپ کی شادی کی تاریخ ہی طے ہوئی ہے ایسی کون سی ”شاہی تقریب“ ہے جس میں ہم دونوں کی شرکت بہت لازمی ہے۔“ نہایت تلخی تھی زبان میں نویرہ حیران ہوئی۔

”رمشاء......“ رمشاء کا طنزیہ انداز تو بارہا محسوس ہوا تھا مگر یہ تلخی...... ”یہ بات کرنے کا کونسا انداز ہے...... میں نے یونہی فون کیا تھا۔ تم تو......“ نویرہ چپ ہو گئی۔

”سوری...... لیکن مجھے اسی طرح بولنا آتا ہے۔ رضا کی کمی محسوس ہو رہی ہے تو اس کے موبائل پہ کال کریں ادھر تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ سوائے زخموں پہ نمک چھڑکنے کے۔“ پہلے سے زیادہ جلا بھنا انداز تھا۔ نویرہ گردن ہلا کر رہ گئی۔

”رضا سے جھگڑا ہو گیا ہے کسی بات پہ۔“ اس کی عقل یہیں تک جاتی تھی۔

”جھگڑا...... ہونہہ...... اس سے کون جھگڑتا ہے۔ اسے تو خوابوں سے فرصت نہیں...... نارسائی کا غم منا رہا ہے وہ اور میں اس سے جھگڑوں گی۔“ انتہائی تلخ انداز تھا نویرہ کے خاک پلے نہ پڑا۔

”تمہاری باتیں میرے سر سے گزر رہی ہیں......“ نویرہ نے کہا تو دوسری طرف وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

”ہنس کیوں رہی ہو؟“ نویرہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔

”شکر کریں ہنس رہی ہوں اور اس بات کا بھی شکر کریں کہ میری باتیں آپ کے سر سے گزر رہی ہیں۔ آرام سے نواز بھائی کو پیاری ہوں سو نفل پڑھوں گی۔“ نویرہ کو یکدم اس کے لہجے سے حقارت سی محسوس ہوئی۔

”رمشاء......“ نویرہ کو یقین ہو چلا کہ واقعی رمشاء کا دماغ چل گیا ہے۔

”پتا نہیں آپ میں ایسی کیا بات ہے میں چاہوں بھی تو حد سے نہیں گزر سکتی اور جس دن میرا ضبط

اور اختیار جواب دے گیا اس دن میں وہ سب کچھ کر گزروں گی خواہ میرا اپنا ہی سب کچھ برباد کیوں نہ ہو جائے۔ سنا نویرہ آپی آپ نے یہ بات رضا کو بھی سمجھا دیجئے گا بڑی سنتا ہے وہ آپ کی۔"

غم و غصے سے کہتے وہ ایکدم کھٹاک سے فون بند کر چکی تھی۔ نویرہ ریسیور تھامے حیران و ششدر بیٹھی رہ گئی۔ رمشاء کی غیر مبہم سی باتیں، جلا بھنا انداز، تلخ لب و لہجہ کچھ بھی تو نظر انداز کیے جانے والا نہ تھا۔

"پتا نہیں اب ان دونوں میں کیا بات ہوئی ہے جو رمشاء یوں بی ہیو کر رہی ہے۔" وہ متفکر سے سوچے گئی۔

وہ فون رکھ کر باہر نکل آئی تھی۔ باہر اب بھی قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ نویرہ کا ارادہ اپنے کمرے میں جانے کا تھا جبھی راہداری سے گزرتے لاؤنج سے نکلتے شارق زمان کو دیکھ کر وہ رک گئی۔ شارق زمان بھی دیکھ چکا تھا نویرہ کو لاؤنج کے دروازے کے سامنے سے گزر کر اپنے کمرے میں جاتا تھا، وہ راستے میں رکا ہوا تھا۔

"مبارک ہو دو ماہ بعد کی تاریخ طے پا گئی ہے۔ بڑا لکی ہے نواز۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا، نویرہ کے دل میں اگر اس کی طرف سے بدگمانی نہ آ چکی ہوتی تو ضرور جواب دیتی مگر اب...... وہ لب بھینچ کر خاموش رہی تھی۔

"کیا بات ہے...... بڑا روکھا پھیکا انداز ہے تمہارا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔ نویرہ کو کوفت ہوئی۔ تاہم اس نے اپنے تاثرات پر قابو پائے رکھا۔

"جی...... الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" شارق مسکرایا۔ اور بغور دیکھا۔ فیروزی سوٹ میں سر پہ اچھی طرح دوپٹہ جمائے وہ ہمیشہ کی طرح بہت پراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ وہ حسین تھی مگر اس کی شخصیت کی سب سے بڑی خوبی اس کے کردار کی پختگی تھی۔ وہ خاندان بھر کی چاہی جانے والی لڑکی تھی۔ ہر کوئی عزت کرتا تھا اس کی......اور ایسے میں شارق زمان کے دل میں اس کا احساس کروٹیں نہ لیتا تو کیا کرتا۔

"اس دن بھی تم ملی ہی نہیں گھر آتے ہی کمرے میں گھس گئی تھیں اور جاتے وقت دکھائی دی تھیں۔" وہ کہہ رہا تھا نویرہ نے بمشکل کچھ تلخ کہتے اپنی زبان روکی۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں، کوئی بھی ہو میں کم ہی کھلتی ملتی ہوں کزنز سے تو قطعی نہیں۔" اندر کی تلخی دباتے اس نے آرام سے جواب دیا تھا۔

"مگر رضا سے تو تمہاری بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ ہے۔ سنا ہے میں نے وہ تمہاری کوئی بات نہیں ٹالتا۔" نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔

"جی کہہ سکتے ہیں مگر اب ایسی کوئی بات نہیں رہی...... وہ اپنی تعلیم میں مصروف ہوتا ہے۔ اب تو شاید ہی ملاقات ہوتی ہے۔" نہایت تحمل سے جواب دیا تھا۔ شارق نے سر ہلایا۔

"ویسے آج اچھی لگ رہی ہو۔ یہ فیروزی کلر تم پر بہت جچ رہا ہے۔" شارق کا سادہ سا انداز تھا مگر انداز میں موجود اثر سادہ نہ تھا نویرہ ایکدم سرخ ہوئی تھی۔ ناگواری تو تھی ہی مگر ایک حجاب کی لہر بھی آ ٹھہری تھی۔

شارق نے بغور دیکھا، اس کا رنگ بدلتا چہرہ، خوبصورت گہری آنکھوں پر سایہ فگن پلکوں کی لرزش کپکپاتے ہونٹ، ہر انداز ہی قاتل تھا، اس کے سینے میں موجود دل پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

"جی...... پلیز راستہ دیں مجھے کمرے میں جانا ہے۔" ایک پل لگا تھا اسے کنفیوز ہونے میں مگر اگلے ہی لمحے اس کے لہجے میں ناگواری سمٹ آئی تھی۔ سارا حجاب ایک طرف ڈالے وہ کہہ رہی تھی۔ شارق ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب سے گزر کر اندر جانا چاہتی تھی جبھی لہراتا دوپٹہ شارق کے وجود کو چھوتا راہداری میں رکھی لوہے کی ٹیبل میں پھنسا تھا۔ نویرہ تیزی سے پلٹی تھی، دوپٹہ کھنچاؤ لگنے سے سر سے اتر چکا تھا۔ نویرہ کے لمبے سلکی بال اس کی ساری پشت پر بکھر آئے تھے۔ شارق دم سادھے دیکھے گیا۔

"اف...... یہ کیا مصیبت ہے۔" ایک تو بال کھلے تھے دوسرا دوپٹہ پھنس چکا تھا۔ کچھ شارق زمان کی موجودگی نویرہ کوفت کے ساتھ ساتھ کنفیوز بھی ہو اٹھی تھی۔

"لائیں میں نکال دیتا ہوں، اس طرح دوپٹہ پھٹ جائے گا۔" دوپٹہ کا کونہ کھنچنے سے سلاخ کے اندر پھنس چکا تھا۔ نویرہ نے تیزی سے جھٹکے سے کھینچ کر نکالنا چاہا تھا جب شارق ایکدم آگے بڑھا تھا۔

"نہیں...... پلیز میں نکال لوں گی۔" ایک ہاتھ سے لمبے بال سمیٹے دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ نکال رہی تھی۔ شارق اس کے منع کرنے پر خاموشی سے دیکھے گیا۔

جھٹکے سے کھینچ کر اس نے کونہ نکال لیا تھا۔ نئے دوپٹے میں کتنا بڑا سوراخ ہو گیا تھا وہ دھیان دیے بغیر تیزی سے چلی گئی تھی۔ شارق زمان اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے میں گھس چکی تھی۔ نویرہ کے لمبے بال واقعی خوبصورت تھے۔ اس کے ذہن میں بالوں کی آبشار جم کر رہ گئی تھی۔

"شارق تم ادھر کھڑے ہو۔ کھانا لگانے لگے ہیں چلو آؤ، بڑی امی تمہارا پوچھ رہی ہیں، پھر ٹیبل پہ چلتے ہیں۔ خواتین یہیں کھائیں گی۔" وہ ابھی تک دروازے کو گھور رہا تھا، جہاں سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ نبیل کی بات پر پلٹ کر دیکھا تھا کچھ سمجھ نہ آئی تھی مگر وہ اس کی تقلید میں اس کے پیچھے چل دیا تھا۔

* * *

نویرہ کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ ۲ فروری طے پائی تھی، بروز سوموار۔ اس وقت دسمبر کا آغاز تھا۔ درمیان میں پورا جنوری تھا، کافی دن تھے سو ہر کوئی مطمئن تھا۔ فروری کے بعد ساجدہ باجی اور نواز کی بہنوں کے بچوں کے ایگزیمز تھے سو اسی لئے فروری کا مہینہ ہی طے ہوا تھا۔ فروری میں اگرچہ سردی ہوتی تھی مگر موسم تھوڑا بہت بدل بھی چکا ہوگا۔ سو ہر پہلو کا جائزہ لیکر ہی تاریخ طے پائی تھی۔

حمید صاحب نے گھر واپسی پر آکر رمشاء کو دن طے ہو جانے کی خبر سنائی تو اس نے شکر ادا کیا تھا۔ "شکر ہے نویرہ کی شادی ہوگی تو یہ رضا بھی کچھ ہوش کے ناخن لے گا۔" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"رضا کہاں ہے۔ سو گیا ہے کیا؟" زبیدہ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں..... لاؤنج میں بیٹھا ہے۔" بہت چاہنے کے باوجود نہ کہہ سکی کہ "نارسائی کا غم منا رہا ہے"

جب سے رضا کو نویرہ کے شادی کے دن طے پانے کی خبر ملی تھی وہ گم صم ہو کر رہ گیا تھا۔ ان کی اس کیفیت سے بھی رمشاء جھلس رہی تھی۔ جلے پیر کی بلی بنی ہوئی تھی۔ رضا نے آج ان کے ہاں جانے سے انکار کر دیا تھا رمشا جانے کو تیار تھی مگر پھر وہ نہ گئی۔ اندر سے وہ مطمئن تھی، خوش تھی کہ نویرہ جلد از جلد رخصت ہو رہی ہے۔ کم از کم نویرہ کی طرف سے رضا کے متعلق اس کی ٹینشن تو کم ہوگی لیکن رضا کا انداز بھی اسے جھلسا رہا تھا۔

"وہاں سب تم دونوں کا پوچھ رہے تھے۔ بے شک بڑوں کی تقریب تھی مگر تم دونوں بھی چلتے تو اچھا لگتا۔ حمیرا، نبیلہ، نویرہ بار بار تم دونوں کو یاد کر رہی تھیں۔" زبیدہ نے کہا تھا۔ رمشاء چپ رہی۔ آج سے پہلے وہ اس خاندان کی ہر تقریب اٹینڈ کرتی تھی مگر اب......

پھوپا اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ زبیدہ لاؤنج کی طرف بڑھی۔

"میں رضا کو دیکھوں تم چائے بنا لاؤ، تھکن سی ہو رہی ہے۔" وہ لاؤنج میں چلی گئی تھیں۔ رمشاء کچن میں چلی آئی۔ چائے بنا کر پہلے اس نے حمید صاحب کے کمرے میں پہنچائی تھی پھر ٹرے میں تین گلاس لیکر وہ لاؤنج میں آ گئی۔

بڑے صوفے پر رضا لیٹا ہوا تھا، لیکن اس کا سر زبیدہ کی گود میں تھا۔

"تم نے بتایا کیوں نہیں تمہیں اتنا تیز بخار ہے...... جسم پھنک رہا ہے تمہارا......" رمشاء ٹیبل پر ٹرے رکھتے ٹھٹکی۔ وہ گم صم تھا یہ تو وہ جانتی تھی مگر بخار...... وہ فکر مند ہوئی۔

"کیا ہوا...... بخار ہو گیا ہے...... مگر صبح تک تو یہ ٹھیک تھا؟" اس نے پھوپی کی شکل دیکھی، رضا نے سر اٹھا کر ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں میں...... کچھ نہیں ہوا مجھے...... بخار ہی ہے ذرا سا مر تو نہیں گیا جو اتنا فکر مند ہو رہی ہیں۔" پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔ رمشاء تو رمشاء زبیدہ بیگم بھی حیران رہ گئیں۔

"رضا بھلا ایسی بدفالیں منہ سے نکالتے ہیں۔ اتنا تیز بخار ہے کم از کم بتایا تو ہوتا۔" رضا ان سے اس لب و لہجے میں کبھی مخاطب نہیں ہوا تھا مگر انہوں نے اس کے بال سنوار کر پچکارا۔ اکلوتی اولاد تھا بے حد عزیز۔ نجانے اب اسے کیا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ فکر مند ہو گئیں۔

"چلیں اب پتا چل تو گیا ہے۔" اسی طرح منہ چھپائے وہ کہہ رہا تھا۔ رمشاء چپ چاپ کھڑی دیکھے گئی۔

"کھانا کھایا؟" چچی کو نئی فکر ہوئی۔ رمشاء کو دیکھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں...... کھانا کیوں نہیں کھایا تم نے اس طرح تو طبیعت زیادہ خراب ہوگی۔" انہوں نے اس کا سر اٹھایا تھا۔ سرخ انگارہ آنکھیں انہیں خوف محسوس ہوا۔

"دل نہیں چاہ رہا...... جب دل چاہے گا تو کھا لوں گا۔ اس وقت تنگ نہیں کریں مجھے۔" خفا خفا بے زار انداز تھا۔ زبیدہ نے رمشاء کو دیکھا وہ بھی چپ چاپ تھی۔

"چلو...... کھانا نہیں کھانا دودھ پی لو۔ میڈیسن لے لو۔ جاؤ رمشاء دودھ لے آؤ۔" انہوں نے رمشاء کو کہا تھا وہ فوراً جانے کو پلٹی تھی۔

"نہیں...... مجھے کچھ نہیں کھانا پینا...... بس ٹھیک ہوں میں......" تلخی اب بھی تھی۔

"کھاؤ گے نہیں تو ٹھیک کیسے ہو گے۔ یہ بخار بستر پر بھوکے پیاسے پڑے رہنے سے نہیں اترے گا۔ جاؤ رمشاء دودھ اور دوا لے کر آؤ۔"

رمشاء چلی گئی تھی۔ زبیدہ نے بیٹے کو بغور دیکھا۔ آنکھیں بند کئے وہ بالکل چپ چاپ تھا۔ ایسی کیفیت رضا کی تبھی ہوتی تھی جب وہ کسی چیز کی ٹینشن لیتا تھا۔ اکلوتا لاڈلہ بیٹا تھا اس کی ایک ایک عادت سے واقف تھیں۔

"رضا! کیا بات ہے۔ کس چیز کی ٹینشن لے رہے ہو؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ رضا نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ہنوز جانچ رہی تھیں۔ رضا کی سرخ جھلستی آنکھیں پل بھر کو اٹھی تھیں پھر جھک گئیں۔

"امی......" وہ سسک اٹھا تھا۔ زبیدہ حیران ہوئیں۔

"رضا......" اکلوتی اولاد کا یوں بری طرح سسک اٹھنا ان کا دل کانپ اٹھا۔ "کیا بات ہے؟ جلدی بتا مجھے ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔" وہ ایکدم متوحش ہو گئیں۔

"مجھے...... مجھے......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ زبیدہ کی بے تابی بڑھی۔

"ہاں بولو کیا مجھے......" انہوں نے اسے حوصلہ دیا۔

"مجھ سے وعدہ کریں میں جو بھی مانگوں گا مجھے دیں گی۔" وہ مچل اٹھا۔ دونوں ہاتھ تھام لئے۔ "وعدہ کریں...... پلیز...... ورنہ میں مر جاؤں گا......" وہ بلک اٹھا تھا۔ وہ بھول گیا تھا وہ اس وقت کہاں ہے کس کے سامنے ہے، کیا کہنے جا رہا ہے۔ بس یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ کھیلن کو چاند مانگ رہا تھا۔ اگر اسے چاند نہ ملتا تو مر جاتا۔

"رضا...... میری جان...... سنبھالو خود کو کیا بات ہے۔ بتاؤ جلدی کرو۔" وہ ماں تھیں بیٹے کی حالت پر تڑپ اٹھی تھی۔ کب اس طرح تڑپ کر اس نے کبھی کچھ مانگا تھا اور اب......

"وعدہ کریں۔ میری بات مانیں گی۔" وہ بچوں کی طرح ضد کر رہا تھا۔ ہر حال میں منوانے والا انداز تھا۔ حواس بے حواس تھے۔

زبیدہ نے رضا کے گرم ہاتھ تھام لئے۔ مضبوطی سے مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

"میری جان...... میرے چندا...... تو کہہ تو سہی۔ تیری ماں تیرے لئے تو اپنی جان بھی دے دے گی۔" اس وقت وہ کچھ بھی مانگتا وہ دے دیتیں۔ رضا کی حالت ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

"مجھے...... مجھے...... نویرہ چاہئے۔"

لفظ کیا تھے دھماکا ہوا تھا۔

چھناکے سے دودھ کا بھرا گلاس اور پلیٹ رمشاء کے ہاتھ سے گر گئے تھے۔ زبیدہ بیگم بھی ہکا بکا تھیں۔

ایک نظر دروازے میں کھڑی بے حس و حرکت رمشاء پر ڈالی اور پھر رضا کو دیکھا۔ جو ان کے دونوں ہاتھ تھامے آنسو بھری آنکھیں لئے کھیلن کو چاند مانگ چکا تھا لیکن کانچ پہ پاؤں پڑ گیا تھا اور پھر کوئی چیز اس کا وجود چھیدنے لگی تھی۔ ایک تکلیف کی سرد لہر تھی جو رگ و پے میں اندر تلک سرایت کرتی گئی۔ خون ابل پڑا تھا مگر وہ بے حس و حرکت دیوار کو تھام کر وہیں ٹھہر گئی تھی۔ جیسے اب جسم میں جان نہ رہی ہو۔

"مجھے نویرہ چاہیے...... ہر حال میں چاہیے۔ مجھے وہ نہ ملی تو میں مرجاؤں گا۔" وہ رو پڑا تھا۔ رمشاء بے تاثر نگاہوں سے رضا کو دیکھے گئی۔

قیامت آ چکی تھی۔ اسی دن سے وہ ڈرتی تھی اور یہ دن آ چکا تھا۔ زبیدہ بیگم کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رضا کیا کہہ رہا ہے۔

"رضا......" وہ پکاریں۔

"مرجاؤں گا...... بہت صبر کیا ہے...... بہت برداشت کیا ہے...... مگر امی مجھے صرف اور صرف نویرہ چاہیے......" اس کی ایک ہی تکرار تھی۔ ایک ہی نام تھا ہونٹوں پر۔ "نویرہ...... نویرہ...... نویرہ" بخار سے پھنکتا جسم، لرزتے ہاتھ، برستی آنکھیں۔

زبیدہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"خبردار تو نے مزید ایک لفظ بھی کہا۔ نویرہ...... اوہ میرے اللہ...... رضا تجھے ہو کیا گیا ہے...... نویرہ...... کہہ دے کہ تو مذاق کر رہا ہے۔ یااللہ یہ کیا ہے۔" ان کے حواس بحال ہو چکے تھے۔ اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لئے۔ رضا نے بے تابی سے دوبارہ ہاتھ جکڑ لئے۔

"امی...... خدا کے لئے...... بڑی چچی سے بات کریں...... مجھے نویرہ نہ ملی تو میں مرجاؤں گا۔"

زبیدہ حیران نظروں سے دیکھے گئیں۔ یہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی۔ رضا کا مطالبہ۔

"نہ...... نہیں...... رضا اس کے بعد بھی منہ سے ایسی بات مت کرنا' نویرہ کسی کے نام سے منسوب ہے۔ خاندان میں بھونچال آ جائے گا۔ اپنی اور نویرہ کی عمر کا فرق ہی دیکھ۔ کیوں ہمیں خاندان بھر کی لعنت ملامت کروائے گا۔ خاندان سے نکلوائے گا کیا۔"

"کچھ بھی ہو...... نویرہ مجھے نہ ملی تو میں مرجاؤں گا۔" وہ ہذیانی انداز میں کہتا اٹھ بیٹھا تھا۔

رمشاء بے حس و حرکت رضا کو دیکھے گئی۔

یہ محبت تھی...... رضا کی محبت تھی' اور جس سے محبت تھی وہ رمشاء نہیں نویرہ تھی۔

"زبان بند کرو اپنی...... بخار تمہارے دماغ کو چڑھ گیا ہے۔ آئندہ ایسی غلط بات کہتے ہوئے سو دفعہ سوچنا۔" زبیدہ سختی سے کہتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"سو دفعہ سوچا ہے۔ پل پل مرا ہوں...... نہیں صبر ہوتا۔" اس نے ماں کے ہاتھ تھام لئے تھے۔

زبیدہ بے بسی سے دیکھے گئیں۔

"نویرہ کے دن طے ہو گئے ہیں۔ ۲ فروری کو شادی ہے اس کی۔ کچھ تو سوچ' کیوں مجھ کو بے عزت کروائے گا۔ تمہارا باپ ہی کیا کم غصے والا ہے۔ ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال کھڑا کرے گا اگر میرے منہ سے تمہاری طرح کی ایک بات بھی نکلی تو۔"

"امی......" وہ بے بسی سے ماں کے ہاتھوں پر اپنا سر ٹکا گیا۔

"دیکھ رضا...... نویرہ تجھ سے کم از کم کتنے سال بڑی ہے۔ خاندان کی وہ واحد لڑکی ہے جو ہر دلعزیز ہے۔ تیرا باپ تو ایک قیامت لے آئے گا۔ مجھے یوں رسوا نہ کر۔"

"اور جو میں مرجاؤں تو؟" رضا کا انداز دھمکی آمیز تھا۔ زبیدہ تڑپ اٹھیں۔

"ایسی بدفالیں منہ سے نہ نکال...... تو ہزاروں سال جیئے مگر یہ میرے بس میں نہیں۔ پھر تو رمشاء سے منسوب ہے۔ مرتے بھائی بھاوج کو میں نے زبان دی تھی اور تو جانتا ہے تیرا باپ تجھے گھر سے نکال دے گا۔ بڑے پکے ہیں وہ اپنے اصولوں میں۔" ایکدم اس کے پاس بیٹھ کر رضا کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کے پیشانی چومی تھی۔

"میں مرجاؤں گا......" ضدی ہٹیلا انداز تھا۔ زبیدہ ساکت دیکھتی رہ گئیں۔

"رضا......" انہوں نے سختی سے ٹوکا۔ رضا مچل اٹھا۔

"محبت کرتا ہوں اس سے...... پتا نہیں کب سے...... ہوش سنبھالا تو ہر طرف وہ تھی اور اب وہ مجھ سے دور ہو رہی ہے۔ میرا دل بند ہو رہا ہے۔ کوئی نہیں سمجھتا مجھے۔" وہ رو دیا تھا۔ رمشاء کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

پاؤں سے خون بہہ بہہ کر گرے قالین کو سرخ کرتا جا رہا تھا مگر اسے پرواہ ہی نہ تھی۔

"اور تم نے مجھ سے تعلق توڑا تو میں مرجاؤں گی۔" رمشاء کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر کہے مگر زبان تک نہ ہلا سکی۔

"آئندہ نویرہ کا نام بھی نہ لینا۔ بس اپنے دل میں ہی یہ راز چھپا لے۔ جو تو چاہتا ہے وہ کبھی ہونے والا نہیں......" زبیدہ نے سختی سے کہا تھا۔ رضا شکایتی انداز سے دیکھتا رہا۔

"آپ ایک دفعہ چچی لوگوں سے بات تو کریں۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر میں دوبارہ ضد نہیں کروں گا صرف ایک دفعہ...... پلیز۔" وہ منت پر اتر آیا۔

"رضا......" زبیدہ کو اب غصہ آنے لگا تھا۔ "تو سمجھتا کیوں نہیں۔ خاندان بھر میں ہمیں رسوا کروائے گا تو...... بات صرف اتنی نہیں کہ وہ منسوب ہے یا اس کے دن طے ہو چکے ہیں بات یہ ہے کہ وہ تجھ سے عمر میں بڑی ہے اور اس خاندان میں عمروں کا فرق ساری عمر قائم رہتا ہے۔ ذلیل ہو جائیں گے ہم۔ وہ چھوٹا بھائی سمجھتی ہے تجھ کو اور تو ہے کہ...... تمہیں شرم تو نہ آئی ایسا سوچتے ہوئے بھی......" وہ رو دی تھیں۔ رضا جذباتی ہوا۔

"وہ کچھ بھی سمجھیں...... مگر میں تو ان سے محبت کرتا ہوں۔ خاندان والے کچھ بھی کہیں' مجھے ہر حال میں وہ چاہیے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا...... خبردار تم نے آئندہ میرے سامنے ایسی بکواس بھی کی تو...... میں

ایسی ماں نہیں ہوں جو اولاد کی جائز ناجائز پوری کرنے کو کسی اور کا گھر برباد کردوں...... ساری عمر کے لئے وہ لڑکی معتوب ٹھہرائی جائے گی اگر ایک دفعہ بھی خاندان بھر میں تیری بات نکل آئی تو...... ہم جو رسوا ہوں گے علیحدہ کیا تو نہیں جانتا' اس خاندان کے اصول......"

وہ سمجھا رہی تھیں' غصے سے' محبت سے رضا چپ چاپ دیکھے گیا۔

زبیدہ کا انکار اس کے دل کو دو حصوں میں تقسیم کررہا تھا اور پھر ایکدم وہ اٹھا تھا۔

"رضا......" زبیدہ نے پکارا تھا' مگر وہ پروا کئے بغیر تیزی سے باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن دروازے میں بکھرے کانچ اس کے پاؤں کو زخمی کرتے چلے گئے۔ وہ لڑکھڑایا تھا۔ کانچ اندر تلک اتر گئے تھے۔

"اف......" وہ تکلیف سے وہیں تھم گیا تھا۔

"رضا......" زبیدہ ایکدم تڑپ کر رضا کی طرف لپکی تھیں۔

رضا کا بازو تھاما...... تکلیف سے وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ کس نیت سے جارہا تھا۔

"ارے یہ تو کھب گئے...... تم ادھر بیٹھو۔"

انہوں نے رضا کا بازو پکڑ کر دوبارہ قریبی صوفے پر بٹھادیا تھا۔ خون بل بل بہہ رہا تھا۔

رضا نے پاؤں میں پھنسا کانچ نکالا۔

"رمشاء تمہارا پاؤں بھی زخمی ہے اور اتنی دیر سے تو یونہی کھڑی ہے ادھر بیٹھ۔" زبیدہ کی رمشاء کے پاؤں پر اب نظر پڑی تھی۔ اسے بھی بازو سے پکڑ کر رضا کے ساتھ ہی بٹھادیا تھا۔

دونوں ایک ہی طرح کے زخم سے گھائل تھے۔ ایک ہی طرح کی تکلیف تھی مگر دل ایک نہ تھے۔ نجانے کیوں...... رمشاء کی آنکھیں بھر آئیں۔

زبیدہ دونوں کو چھلکتی بھری آنکھوں سمیت دیکھتی باہر نکل گئی تھیں کہ دونوں کے پاؤں پر لگانے کو کچھ لے آئیں۔

رمشاء چپ تھی۔ رضا کے الفاظ نے' اس کی باتوں نے اس کا ذہن بالکل صاف کردیا تھا اور رضا...... اس کے دماغ پر صرف ایک ہی بھوت سوار تھا "ثوبیہ کا حصول۔"

اس وقت اسے نہ کچھ اور سمجھ آرہا تھا اور نہ ہی سمجھنا چاہتا تھا۔

زبیدہ بیگم جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس لے آئی تھیں۔

"اتنے گہرے زخم ہیں۔" ان کی آواز رندھی ہوئی تھی جبکہ دونوں کو ہی پروا نہ تھی۔

دونوں ہی بے حس' بے تاثر انداز میں بیٹھے رہے۔

* * *

گھر میں آج کل سعید احمد اور طاہرہ بیگم کی طرف سے سکون تھا' اور یہ سکون ایسا تھا کہ سارا گھر ایک خوشگوار سی تبدیلی محسوس کررہا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ طاہرہ اور سعید احمد کے آپسی تعلقات بہت خوشگوار ہوگئے تھے مگر یہ ضرور ہوا تھا کہ ہر روز چوبیس گھنٹے گھر میں جو معرکے والی فضا چھائی رہتی تھی وہ کم ہوئی تھی۔ کئی دن ہوگئے تھے پرسکون ماحول تھا۔ طاہرہ بیگم سعید احمد کی باتوں کی وجہ سے اپنی زبان بند رکھے ہوئے تھیں تو سعید احمد سمعان احمد کی وجہ سے کچھ اور زرش کا بھی احساس تھا۔ جان گئے تھے کہ سمعان اور زرش کا معاملہ جنگ وجدل سے حل ہونے والا نہیں' آرام سے سکون سے اور دھیرج سے حل ہوگا۔

سعید احمد کو سمعان احمد کی رائے بھی کافی معقول لگی تھی اور پھر اس کے اثرات بھی اچھے خوشگوار تھے اس لئے انہوں نے اب غلطی سے بھی زرش کو سمعان کے لئے لانے کا ذکر کرنے سے اجتناب کرلیا تھا۔ زرش کو سعود احمد کم از کم گریجویشن سے پہلے کبھی رخصت نہیں کرے گا۔ انہوں نے ٹھنڈے انداز میں سوچا' تو یہی حل نکلا کہ فی الحال خاموشی اختیار کی جائے۔ دو تین سال بعد جب بھی موقع ملا وہ اپنی منوا کر رہیں گے۔ پھر یہ تو سمعان کی بھی دلی خواہش تھی یہ ٹھیک تھا کہ انہوں نے طاہرہ سے ضد باندھ لی تھی مگر زرش بڑی عزت وقار اور مان کے ساتھ اس گھر میں آئے یہ ان کی بھی خواہش تھی سو سمعان احمد کی بات پر عمل کرکے گھر میں سکون تو آہی گیا تھا۔

ان ہی پرسکون دنوں میں عثمان اور زوباریہ کی حمزہ کے ساتھ آمد ایک خوشگوار سرپرائز ہی ثابت ہوئی تھی۔

اتوار کے دن سب ہی گھر پہ تھے۔ لیٹ اٹھے تھے' سو ناشتہ بھی لیٹ کررہے تھے۔ دس بجنے والے تھے جب سب ڈائننگ ٹیبل پہ براجمان تھے۔ ماجدہ فرح اور طاہرہ ناشتے کا انتظام کررہی تھیں۔ سمعان اخبار کے ساتھ ساتھ پراٹھے سے انصاف کررہا تھا علی اور سعید احمد پوری طرح ناشتے پر توجہ دیئے ہوئے تھے جب عثمان کی آواز آئی تھی۔

"السلام علیکم۔" تینوں ہی چونک گئے تھے۔ ایسا سرپرائز...... تینوں ہی گنگ تھے۔

"السلام علیکم......" چوکیدار بابا بیگ تھامے ہوئے پیچھے ہی تھا۔ حمزہ کو عثمان نے اٹھایا ہوا تھا۔ زوباریہ بھی ساتھ کھڑی مسکرا کر سلام کررہی تھی۔

"ارے عثمان زوباریہ تم دونوں......" سعید احمد ایک دم سنبھلے فوراً سیٹ سے اٹھے اور لپک کر عثمان کو سینے سے بھینچ لیا۔ حمزہ عثمان کے بازو میں تھا اس والہانہ گرفت پر احتجاج کر اٹھا۔ انہوں نے مسکرا کر اسے بازو میں اٹھالیا تھا۔ والہانہ چومتے انہوں نے زوباریہ کو دیکھا وہ مسکراتی ان کے قریب ہوئی۔

"کیسے ہیں پاپا آپ؟" سعید احمد نے بہت شفقت سے اس کے سر پہ پیار کیا تھا۔ عثمان اب سمعان اور علی سے مل رہا تھا۔

"امی...... فرح دیکھیں کون آیا ہے؟" عثمان کے گلے لگے علی نے کچن کی طرف منہ کرکے کہا تھا۔

فرح پہلے برآمد ہوئی تھی ہاتھ میں ٹرے میں آملیٹ اور پراٹھا تھا۔ ڈائننگ روم کا منظر دیکھ کر حیران ہوئی۔

"عثمان بھائی...... بھابی......" حیرت سے پکارتی وہ ایکدم بھاگی چلی آئی تھی۔ ٹرے ٹیبل پہ پٹخ کر اس نے زوباریہ کو والہانہ پن سے اپنے ساتھ چمٹالیا۔

"سچی بھابی مجھے یقین نہیں آرہا...... کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔" زوباریہ سے جدا ہوکر

بازوؤں سے مضبوطی سے جکڑے وہ بے یقین تھی۔

"نہیں تم خواب نہیں دیکھ رہی ہو ہم بہ نفس نفیس یہاں ہیں۔"

عثمان بھائی اس کے پاس چلے آئے تھے اس نے زوباریہ کو چھوڑ عثمان کے بازوؤں میں پناہ لی......

عثمان نے فرح کی پیشانی چومی تھی۔

"کیسی ہے ہماری گڑیا؟" کتنی محبت اور شفقت تھی عثمان کی آواز میں فرح کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک...... اور یہ موٹو کیسا ہے؟" علی حمزہ کو اچھال رہا تھا۔ فوراً عثمان کا حصار توڑ کر اس کی طرف بڑھی۔ ایک سال کا حمزہ کپڑوں میں پیک اچھا خاصا صحت مند تھا اس نے اٹھا لیا۔

"علی یہ کیسا شور ہے؟ کون آیا ہے؟" طاہرہ کی بھی آواز آئی تھی۔ پھر وہ خود دکھائی دیں۔ عثمان اور زوباریہ کو دیکھ کر ان کا بھی وہی حال ہوا تھا جو سب کا ہو چکا تھا۔

"عثمان......" وہ بے تابی سے آگے بڑھی تھیں۔

"السلام علیکم......" عثمان نے سلام کیا تھا۔ انہوں نے ساتھ چمٹا لیا۔ کتنی دیر تک چمٹائے رکھا۔ جب سے عثمان دور ہوا تھا انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا۔

"السلام علیکم ماما۔" زوباریہ بھی تھی انہوں نے مسکرا کر اسے بھی بازو میں سمیٹ لیا۔

سبھی ایک طرف دیکھتے مسکرا رہے تھے۔ محبتوں کا یہ ملاپ خاصا خوشگوار تھا۔

"گھر کی یاد کیسے آ گئی...... فرصت مل گئی تم دونوں کو۔"

فرح کے بازوؤں سے حمزہ کو لے کر پیار کرتے انہوں نے شکوہ کیا تھا۔

باقی سب دوبارہ اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ عثمان اور زوباریہ بھی بیٹھ گئے۔

سعید احمد کے دائیں طرف پہلی چیئر پر طاہرہ بھی آ بیٹھیں۔ ان کے ساتھ والی سیٹ پر زوباریہ تھیں۔

"فرصت کہاں ماما؟ اتنی ٹف روٹین ہوتی ہے، بہت دل چاہ رہا تھا سب سے ملنے کو چھٹی لے کر آئے ہیں۔" زوباریہ بھابی نے کہا تھا۔

زوباریہ بھابی گائنا کالوجسٹ تھیں۔ آرمی کے اسپتال میں ڈاکٹر تھیں جبکہ عثمان بھائی آرمی میں ہی انجینئر تھے۔

اسلام آباد میں ہی ہوتے تھے۔ اپنی جاب کی وجہ سے کم ہی آنا ہوتا تھا۔

زوباریہ بھابی کی پوری فیملی آرمی میں تھی۔ بھائی، بھابیاں، والد، چچا وغیرہ۔ زوباریہ بھابی کے والد عثمان بھائی کے آفیسر تھے۔ انہیں عثمان بھائی زوباریہ کے لئے پسند آ گئے تھے انہوں نے عثمان سے مراسم بڑھائے اور پھر اپنی بیٹی سے ملوایا تھا اس طرح عثمان اور زوباریہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگ گئے تھے۔ جن دنوں بادیہ اور عثمان کی بابت گھر میں ٹینشن چل رہی تھی۔ عثمان بھائی نے زوباریہ بھابی کا نام لے لیا تھا۔ اس طرح سعید احمد اور طاہرہ کو اپنی اپنی ضد پس پشت ڈال کر دونوں کی شادی کرنا پڑی تھی۔ شروع میں طاہرہ کا زوباریہ سے تھوڑا بہت کھچاؤ رہا تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ ٹھیک ہوتی چلی گئیں۔ اس میں کچھ ہاتھ زوباریہ بھابی کا بھی تھا۔ وہ انتہائی خوش مزاج اور ملنسار طبیعت کی مالک خاتون واقع ہوئی تھیں، کوئی بھی ان کی سلجھی ہوئی طبیعت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

"ہمارا کتنے دنوں سے پلان بن رہا تھا لیکن جاب کی وجہ سے نکلا نہیں ہو رہا تھا۔ آج کل میں چھٹیاں منظور ہوئی تھیں۔ پہلی فلائٹ سے ہی یہاں پہنچے ہیں انشاء اللہ ایک ہفتہ تک یہیں رہیں گے۔"

عثمان بھائی نے بتایا تو فرح خوش ہو اٹھی۔ پورے ایک ہفتے کے لئے عثمان اور زوباریہ ان کے ہاں رہیں گے۔ وہ اس تصور سے ہی جھوم اٹھی تھی۔

"شکر ہے تم لوگوں کو بھی رہنے کا خیال آیا۔ ہم تو ترس گئے تھے حمزہ اور زوباریہ کی شکل دیکھنے کو......" حمزہ کو سعید احمد نے ابھی بھی اٹھایا ہوا تھا۔ وہ بہت "پیا" بچہ تھا۔ سب کے پاس ہی چلا جاتا تھا۔

"آپ لوگ بھی تو کم ہی آتے ہیں۔ کبھی کبھار سمعان بزنس کے سلسلے میں چکر لگا لے تو بھی رکتا نہیں ہے۔ ہماری تو مجبوری ہے، علی فرح اور ماما آپ بھی تو چکر نہیں لگاتے۔" زوباریہ نے کہا تھا طاہرہ مسکرا دیں۔

"علی اور فرح تو پڑھائی میں الجھے رہتے ہیں۔ چھٹیاں ہوں گی تو سب آئیں گے۔" سمعان نے کہا تھا۔

"چلو فرح فٹافٹ ماجدہ کو کہو ناشتہ تیار کرے۔ میں آتی ہوں۔ عثمان، زوباریہ کو بھوک لگی ہو گی۔"

فرح اٹھ کر فوراً چلی گئی تھی۔

وہ عثمان اور زوباریہ سے مزید حال احوال پوچھتی رہیں۔ اتنی دیر میں فرح دونوں کے لئے کولڈ ڈرنکس لے آئی تھی۔

"تم لوگ پراٹھا لو گے ناشتے میں یا پھر......" طاہرہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے ہاتھ کے پراٹھے سبھی شوق و رغبت سے کھاتے تھے۔

"میں تو پراٹھا کھاؤں گا بہت عرصہ ہو گیا ہے آپ کے ہاتھ کا پراٹھا کھائے۔" عثمان نے کہا تھا تو زوباریہ نے بھی سر ہلا دیا۔

"تم لوگ یہ پیو...... میں فٹافٹ تیار کر لاتی ہوں۔"

وہ چلی گئی تھیں عثمان پچھلی دفعہ آیا تھا تو گھر میں ہر وقت ٹینشن دکھائی دی تھی جبکہ اب ایک خوشگوار سی تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔ امی کا رویہ، ابو کا انداز...... بڑے عرصے بعد یوں ٹیبل پہ امی ابو دونوں قریب بیٹھے دکھائی دیئے تھے۔

"خیریت...... گھر میں ماحول پہلے سے کچھ چینج ہے؟"

کولڈ ڈرنک پیتے عثمان نے بھی کو دیکھا تھا۔ سعید احمد مسکرا دیئے۔ عجیب پراسراری مسکراہٹ تھی۔

"ہوں...... ماما کا رویہ بھی کچھ ہٹ کر ہے......" زوباریہ بھی کہہ رہی تھی۔

سمعان احمد نے بھی ایک گہری سانس لی۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی۔

"کیا بات ہے۔ ماما زرش کے لیے راضی ہوگئی ہیں یا پھر فوزیہ کے لیے تم۔" زوباریہ بات ادھوری چھوڑ کر سمعان احمد کو دیکھنے لگ گئی تھیں۔

"ابھی تو آپ لوگ آئے ہو آرام سے بیٹھو کھاؤ پیو' گھر کا ماحول سمجھ میں آ جائے گا۔ اتنی جلدی کس بات کی ہے۔ تمہاری ماں کی ضد کتے کی اس دم کی طرح ہے جو سو سال بھی نلی میں رہے باہر نکالیں تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہتی ہے۔ آہستہ آہستہ تم لوگ بھی جان جاؤ گے' اپنی ماں کے خوشگوار موڈ کی وجہ۔" سعید احمد طنزیہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"تم لوگ بیٹھو...... کھاؤ پیو...... میں ذرا فریش ہولوں۔" وہ ڈائننگ روم سے باہر نکل گئے تھے۔ عثمان نے سمعان کو دیکھا۔ وہ ہونٹوں پہ انگلی پھیر رہا تھا۔ عثمان نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر موقع مناسب نہ جان کر منہ بند کر گیا۔

"تمہاری بزنس کی مصروفیات کیسی چل رہی ہیں۔" عثمان نے سمعان سے پوچھا تھا۔

"بس وہی...... ابو اور چچا جان آفس سنبھالتے ہیں اور میں ڈیلی گیشنز کو کبھی یہاں' کبھی وہاں' کبھی لاہور اور کبھی اسلام آباد آج کل میں وہاں باقاعدہ آفس اسٹارٹ کرنے کا سوچ رہا ہوں۔ ابو نہیں مان رہے اس طرح مجھے وہاں مستقل رہنا ہوگا جبکہ ابو اور چچا کے خیال میں میری یہاں زیادہ ضرورت ہے۔ ابھی تو دونوں ہی نہیں مان رہے دیکھتے ہیں آگے کیا کرتے ہیں۔"

"انشاء اللہ ٹھیک ہی ہوگا...... اور فرح علی تم دونوں پڑھائی کے علاوہ کیا کرتے رہتے ہو۔" زوباریہ بھابی نے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں...... سولیا' جاگ لیا' کھالیا' پی لیا اور جب زرش آ جاتی ہے تو اس کے ساتھ وقت گزار لیتے ہیں۔ مگر اس کے بعد اسٹڈی کرتے ہیں۔ علی کبھی دوستوں کے ساتھ نکل جاتا ہے اور جس دن امی منع کردیں اس دن علی کا موڈ دیکھنے والا ہوتا ہے۔ سارا دن میرا سر کھاتا ہے۔"

"اور تم کیا کرتی ہو......"

"بھابی مت پوچھیں۔ یہ لڑکی مجھے کس کس انداز میں زچ کرتی ہے۔ علی کیرم کھیلیں' علی آئس کریم لادو...... علی آؤ ٹی وی دیکھتے ہیں' علی آؤ لان میں چکر لگاتے ہیں۔ کچھ نہ پوچھیں اس کی فرمائشیں ہی نہیں پوری ہوتیں۔"

وہ بھی شروع ہو چکا تھا عثمان زوباریہ سمعان سمیت وہ دونوں بھی ہنس دیے تھے۔ اس دوران طاہرہ معہ پراٹھوں کے آ گئی تھیں اور پھر دونوں ناشتے میں مصروف ہوگئے تھے۔

بہت عرصے بعد ان کے گھر میں ایک ایسے بھرپور دن کی شروعات دیکھنے کو مل رہی تھیں۔

⁂

ہادیہ اور وقار اپنے بیٹے کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ہادی آپی کا کچھ دن رہنے کا موڈ تھا۔ ماریہ باجی اور زویا باجی پھپھو کے ہاں تھیں۔ جتنے دن وہ ادھر تھیں ہادی آپا ادھر آ گئی تھیں۔ وقار بھائی آئے تو صرف چھوڑنے تھے لیکن ممانی کے بار بار اصرار پہ وہ رات ٹھہرنے کا پروگرام بنا بیٹھے تھے۔ کچھ سنڈے تھا' کام بھی کچھ نہ تھا سو اگلے دن صبح صبح رخصت ہونے کا ارادہ تھا۔ مغرب تک ان کے گھر میں کافی چہل پہل رہی تھی۔ مغرب کے بعد اچانک ہی اپنے گھر عثمان اور زوباریہ کو دیکھ کر بھی حیران ہوئے تھے۔ سلام دعا' آنے نہ جانے کے گلے شکوے کتنی دیر تک یہی باتیں ہوتی رہی تھیں۔

رات کے کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ زرش سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔ سب کو دے کر وہ اپنا کپ لے کر بھابی کے پاس آ بیٹھی۔

"اسٹڈی کے علاوہ اور کیا کرتی ہو تم دونوں؟" ان کے دائیں بائیں دونوں ہی تھیں۔ سو دونوں سے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"کرنا کیا ہے...... کالج سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے۔ نوشی' یاسمین اور ماما کے ساتھ کچن کے کاموں میں لگ جاتی ہے' میرا موڈ ہوتا ہے تو میں بھی ہاتھ بٹا دیتی ہوں ورنہ ادھر ادھر ہی چکراتی رہتی ہوں۔ کبھی تایا ابو کے ہاں چلی جاتی ہوں بس اپنی تو یوں ہی گزر رہی ہے۔" زرش نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔

"اور چچی جان نوشی کے سسرال والے کیسے ہیں۔ کب تک شادی متوقع ہے۔" زوباریہ بھابی کتنے عرصے بعد کراچی آئی تھیں سو ہر ایک کے متعلق دریافت کر رہی تھیں۔

"دیکھتے ہیں کیا کرتے ہیں' اچھے لوگ ہیں' ذاتی طور پر تو پہلے ہی خاصے مراسم تھے ستارہ کی شادی کے بعد رشتہ داری بھی ہوگئی تھی۔ اب تو نوشی کی سسرال ہے بہت اچھے سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔ شادی پہ وہ لوگ تو زور دے رہے ہیں ہم ہی ابھی ٹال رہے ہیں۔"

"کیوں......" پاپا' عثمان بھائی اور وقار اور بھائی تینوں ٹی وی کے سامنے بیٹھے باتوں میں مصروف تھے وہ سب ان سے کافی دور ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"نوشی ابھی اسٹڈی میں مصروف ہے۔ ہادی کی بھی کم عمری میں شادی کردی تھی ابھی گریجویشن مکمل نہ ہوئی تھی کہ شادی کی ذمہ داری ڈال دی' وہ تو وقار ہیلپنگ شوہر تھا کچھ عرصہ صبر کیے رہا۔ آرام سے

ہادی نے ایگزیم دیئے تھے اور اس کے بعد ہی ہادی گھریلو کاموں میں الجھی تھی۔ اللہ نے قسمت اچھی لکھی ہے' بیٹا بھی جلدی ہو گیا مگر نوشی کے ساتھ یہ سب نہیں دہرانا چاہتے۔ آرام سے گریجویشن کے ایگزیمز دے پھر دیکھیں گے۔" ماما نے تفصیلی کہا تھا۔ ہادی ہنسی جبکہ نوشین جھینپی تھی۔

"اور کیا...... یہ میرا ہی ماما کو مشورہ تھا ورنہ شادی کے بعد شوہر صبر کہاں کرتے ہیں۔ اور دہرے کام بھی کرو۔ شوہروں کو بھی راضی کرو اور پڑھائی بھی ہو۔"

زرش اور نوشی خاموش ہی رہیں کہ گفتگو ہی ایسی تھی۔

"بھائی آپ پھپھو کے ہاں جائیں گی......" زرش نے پوچھا تو وہ اثبات میں گردن ہلا گئی۔

"ہاں ارادہ تو ہے...... پھر پورے ایک ہفتے کے لئے آئے ہیں سبھی سے ملوں گی۔"

"حمزہ کو بھی لے آتے کتنا عرصہ ہو گیا ہے اسے دیکھے ہوئے۔ تب تو تین ماہ کا تھا اب تو بڑا ہو گیا ہوگا۔" نوشین کی بات پر زوباریہ نے گردن ہلائی۔

ساتواں مہینہ چل رہا ہے...... بڑا ایکٹو ہو گیا ہے۔ بڑا خیال رکھتی ہوں اس کا پھر میری ماما کا گھر بھی نزدیک ہے۔ ڈیوٹی آورز میں ماما کے ہاں بھیج دیتی ہوں۔ مجھ سے زیادہ تو وہ ماما لوگوں سے اٹیچ ہے۔ بڑا شرارتی ہے۔ ذرا تنگ نہیں کرتا...... عثمان بھی بڑی تعریف کرتے ہیں بس لانا چاہ رہی تھی مگر ماما نے (طاہرہ بیگم) نے منع کر دیا کہ خوامخواہ نظر لگ جائے گی۔ ہے بھی تو بڑا پیارا سا۔" زوباریہ کی بات پر سبھی مسکرا دیں۔

"جب ماں باپ اتنے پیارے ہوں تو بچے بھی پیارے ہوتے ہیں۔ آپ نے طیب کو دیکھا ہے کیسا تیز ہے پورے ایک سال کا ہے۔ پھپھو تو ہر وقت اسے ساتھ رکھتی ہیں۔ میرے سے زیادہ وہ پھپھو سے اٹیچ ہے۔" ہادی اپنے بیٹے کا بتا رہی تھی جو تھوڑی دیر پہلے ہی سویا تھا۔ ہادی آپا اسے کمرے میں لٹا آئی تھیں۔ اسی لئے تو آرام سے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"اور چچی جان آپ سنائیں باقی خاندان والوں کی...... کیسے ہیں سب' خاص طور پر قیصرہ خالہ وغیرہ۔" زوباریہ نے پوچھا تو قیصرہ کے نام پر شائستہ کا موڈ بگڑا۔

"ٹھیک ہیں سبھی...... آتی رہتی ہیں سبھی کے ہاں البتہ قیصرہ کے ہاں کم ہی جاتی ہوں' ادھر ادھر آتے جاتے ملاقات ہو جاتی ہے۔ قیصرہ کی طبیعت ہی ایسی ہے کہ میرا جی خراب ہونے لگتا ہے اس سے ملتے ہوئے۔ خود ہی کوشش کرتی ہوں کم ہی سامنا ہو۔" انہوں نے صاف کہا تھا۔

"آتی رہتی ہیں ہمارے ہاں تو...... پھپھو اور ان کا ہر بار کسی نہ کسی بات پر معاملہ خراب ہو ہی جاتا ہے اور ہر بار اب نہ آنے کی قسم کھا کر جاتی ہیں مگر پھر آ جاتی ہیں۔ حوصلہ قیصرہ خالہ کا سارے خاندان کی خبر رکھتی ہیں۔ ادھر کیا ہو رہا ہے' تایا جان کے ہاں کس کی کس سے لڑائی ہوئی ہے۔ ماموں وغیرہ سب کے سلسلے میں ان کی معلومات بڑی اپ ٹو ڈیٹ ہوتی ہیں۔ کبھی کبھار تو مجھے ان پر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ "چل تو چل" والی طبیعت ہے ان کی ایمان سے۔" ہادی آپا نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

"اور ان کی بیٹی...... کیا نام ہے اس کا...... ہاں فوزیہ...... وہ کیسی ہے اپنی شادی پر دیکھی تھی' تب

سرسری نظر ڈالی تھی اس کے بعد قیصرہ خالہ کے ہاں جانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ عثمان خود بھی ان سے پہلو بچاتے ہیں۔ اب سمعان کے سلسلے میں اس کا نام سن کر اسے دیکھنے کا اشتیاق ہو گیا ہے۔"

"ہے تو اچھی...... خوبصورت ایجوکیٹڈ...... طبیعت کی بھی ٹھیک ہے مگر...... غصے کی تیز ہے۔ سمعان احمد سے قطعی مختلف اور پھر اس کا ذہن بھی سمعان سے نہیں ملتا...... بڑا فرق ہے دونوں میں خاص طور پہ قیصرہ خالہ کی بڑی مانتی ہے۔ اور یہ قیصرہ خالہ کیسی ہیں یہ تو آپ اچھی طرح اندازہ لگا چکی ہوں گی۔" ہادی آپا نے ہی بتایا تھا۔

زوباریہ نے سر ہلایا۔

"آج کل ماریہ باجی کی نند صبا جس یونیورسٹی میں ایم کام کر رہی ہے' وہیں فوزیہ بھی ہوتی ہے بتا رہی تھیں ماریہ باجی کہ بقول صبا یونیورسٹی کے ایک لڑکے سے اس کا افیئر چل رہا ہے۔ اکثر ہوٹلنگ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قیصرہ خالہ بھی جانتی ہیں مگر جان بوجھ کر سمعان احمد کے سر منڈھنے کو تیار ہیں۔"

ہادی آپا کی یہ نئی تازہ دی جانے والی انفارمیشن پر زرش نے نوشی کو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے ایسی بات ہو مگر ہمیں کیا۔ تم قیصرہ کے معاملے میں چپ ہی رہا کرو۔ کچھ بھی مت کہا کرو...... قیصرہ جانے اور اس کی بیٹی۔" ماما نے ہادی آپا کو ٹوک دیا تھا۔

"خوامخواہ ہم پر الزام آ جائے گا...... پہلے ہی کوئی قصور نہیں ساری عمر سے سزا کاٹ رہے ہیں۔" شائستہ کی آواز رندھی تھی پھر انہوں نے قابو پا لیا۔

ایکدم ماحول عجیب سی کثافت کی زد پر آ گیا تھا۔

"ہادی آپا...... اس رات جب سمعان بھائی ہمیں چھوڑنے آئے تھے نا اور آئس کریم بھی کھلائی تھی اس جگہ پہ ہم نے فوزیہ باجی کو دیکھا تھا ان کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔ کافی الٹرا ماڈرن سی تھی۔ سمعان بھائی نے بھی دیکھا تھا۔ حیران ہوئے تھے...... ہم نے تبصرہ کیا تو ہمیں ٹوک گئے۔ لیکن وہ بالکل اجنبی آدمی تھا اور رات کے دس کے قریب دونوں وہاں تھے۔ ہے نا حیرت کی بات۔"

نوشی نے بتایا تھا۔ ہادی کے ساتھ زوباریہ بھی چونکیں جبکہ ماما نے نوشی کو گھورا۔

وہ نوشی وغیرہ کے منہ سے پہلے ہی سارا قصہ سن چکی تھیں۔

"چھوڑو اس بات کو ہمیں کیا...... پرائی لڑکی کے متعلق ہم کیوں اندازے لگائیں۔ رات کے اس پہر یقیناً ماں باپ کے علم میں ہوگا ہی کہ ان کی اولاد کہاں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لڑکا اس کے لئے اجنبی نہ ہو۔ نوشی تم لوگ اب اس بات کو کسی اور کے سامنے مت کہہ دینا۔ خوامخواہ ایک نیا عذاب کھڑا ہو جائے گا۔ ہماری بات تو جنگل میں آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ چاہے وہ طاہرہ کی بات ہو یا ہماری۔" انہوں نے فوراً منع کیا تھا۔ نوشی سر جھکا گئی۔

"دیکھئے ماما یہ زیادتی ہے۔ طاہرہ خالہ جھٹ سے کسی کی بھی اولاد کے متعلق کوئی بھی بیان جاری کر دیتی ہیں۔ اپنی اولاد سے متعلق انہیں کچھ ہضم نہیں ہوتا۔ ہمارے تینوں گھروں سے متعلق کوئی بھی

بات ہو وہ اشتہار بنا دیتی ہیں۔ اور اپنی بات قبر کے ہول میں بھی کھلنے نہیں دیتیں۔ سمعان بھائی والا معاملہ ہی لے لیں' تایا ابو کیا چاہتے ہیں یا سمعان بھائی کی کیا خواہش ہے' سارے خاندان میں انہوں نے ڈھنڈورا پیٹ دیا ہے۔ چلو یہیں تک بات رہتی تو ٹھیک تھا انہوں نے تو حد کر دی۔ تائی امی کو ایک منٹ کے لئے پرسکون ہونے نہیں دیا۔ لمحہ بہ لمحہ فون کر کر کے انہوں نے وہ آگ لگائی کہ تائی اور تایا کے درمیان ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی اور پھر مزے لے لے کر وہ خاندان کے سارے گھروں میں جا جا کر بتاتی ہیں کہ آج فلاں بات پہ سعید احمد طاہرہ سے جھگڑا ہے' کونسا گھر ہے جہاں جھگڑے نہیں ہوتے مگر تایا اور تائی کی زندگی قیصرہ خالہ نے تماشا بنا دی ہے۔"

ہادی بھری بیٹھی تھی سب کہے گئی۔ آواز دھیمی تھی سو صرف یہ چاروں ہی سن سکیں۔

"پھر بھی بیٹا دل تو ہمارا بھی دکھتا ہے' ہم نے ایک زندگی یہ قضیے کرتے گزاری ہے۔ بھائی صاحب اور طاہرہ میں کیا بات تھی یہ علیحدہ کہانی ہے۔ یہ دونوں پرسکون زندگی گزار سکتے تھے' طاہرہ کے سب بہن بھائیوں نے پوری کوشش کی تھی مگر یہ قیصرہ ہی تھی جس نے طاہرہ کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہم تو سچ کہتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ اسی سچ کی بدولت وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے جب بھی پرانی باتیں یاد آتی ہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے پھر بھی ہم کیا کر سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک طرف خاموش بیٹھے حالات کا رخ دیکھیں' کبھی تو بہتری آئے گی ہی نا۔"

"لیکن چچی جان اس طرح خاموش رہنے سے بھی بعض اوقات حالات بگڑ جاتے ہیں۔ عثمان بتاتے ہیں سمعان وغیرہ آپ سے حد سے زیادہ اٹیچ ہیں پھر بھی آپ یہ بات کہہ رہی ہیں جبکہ سمعان احمد کسی بھی طرح اس فوزیہ کے لئے سوٹ ایبل نہیں ہے تو پھر آپ اسٹینڈ کیوں نہیں لیتیں۔ آپ کا پہلا حق بنتا ہے۔"

"بات اس رخ پہ آ چکی تھی کہ شائستہ بیگم نے زرش اور نوشی کو دیکھا' ہادی خاندانی معاملات میں کسی حد تک باخبر ہو چکی تھی کہ ہر طرف سے اسے خبر ملتی رہتی تھی جبکہ نوشی اور زرش......

"تم دونوں اٹھو اندر جاؤ...... ہر وقت بڑوں کی باتوں پہ ہی توجہ مت دیا کرو یہ خاندانی جھمیلے تمہارے کسی کام کے نہیں......اٹھو جاؤ شاباش۔" انہوں نے صاف کہتے دونوں کو کہا تھا۔ دونوں جو آرام سے بیٹھی سن رہی تھیں گہری سانس لے کر اٹھ بیٹھیں۔ نوشی سمجھ چکی تھی کہ ماما نے زرش کی وجہ سے دونوں کو اندر بھیجا ہے' وہ زرش کو لیکر ہادی کے کمرے میں چلی گئی جہاں طیب سویا ہوا تھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا چچی جان۔" زرش اور نوشین کے جانے کے بعد زوباریہ نے وہی سوال دوبارہ اٹھایا تھا۔

"میں اسٹینڈ کیسے لوں؟ ہم لوگ اس پوزیشن میں نہیں ہیں۔ سمعان ہمیں لاکھ عزیز سہی' میں نے اسے گود میں کھلایا ہے' ہادی سمعان سے ایک سال چھوٹی ہے۔ عثمان سمعان میرے ہاتھوں میں پل کر جوان ہوئے ہیں مگر یہ نفرتوں کے سلسلے بہت جان لیوا ہیں۔ مجھے مان ہے ان بچوں پر مگر میں ان کو عذاب کی بھٹی میں کیسے جھونک دوں۔ پھر زرش بھی ایسی عمر میں ہے جہاں فہم و شعور کے بجائے

جذباتیت حاوی رہتی ہے۔ سمعان سے وہ لاکھ اٹیچ سہی مگر میں اسے کسی جہنم میں نہیں دھکیل سکتی۔ طاہرہ جس مقام پہ ہے ایسے حالات میں ہمارا قدم پیچھے بڑھا لینا ہی بہتر ہے۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ پاپا نے سمعان اور زرش کے رشتے کے سلسلے میں باقاعدہ آپ لوگوں سے بات کی تھی؟" شائستہ بیگم کے جواب میں زوباریہ نے فوراً کہا تھا۔

"ہاں کی تھی تب تمہارے چچا نے زرش کی کم عمری کا کہہ کر ٹال دیا تھا۔" شائستہ نے اسی دھیمے انداز میں جواب دیا تھا۔

"مگر کیوں...... مجھے تو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عثمان کی دادی جان کی بھی یہی خواہش تھی کہ عثمان یا سمعان میں سے کسی ایک کی آپ کی کسی ایک بیٹی سے شادی ہو' چلو ہادی اور نوشی کی بات ہی دوسری تھی' عثمان کی میرے ساتھ کمٹ منٹ تھی لیکن سمعان اور زرش کے معاملے میں سوچا تو جا سکتا تھا نا۔"

"ضرور سوچتے بیٹا اگر طاہرہ خود آ کر پوری عزت وشان اور دلی آمادگی سے ہماری بچی کے لیے بات کرے تو......ورنہ زرش ہمیں بھاری نہیں ابھی پڑھ رہی ہے' پہلے تعلیم مکمل کرے گی پھر اس کی شادی کا بھی سوچیں گے۔ ابھی تو اسے ضدیں کرنے اور اپنی بات منوانے سے ہی فرصت نہیں۔ وہ گھرداری خاک کرے گی۔" زوباریہ نے ہادی کو دیکھا اس کا چہرہ مطمئن تھا۔ جیسے وہ اپنی ماما سے سو فیصد اتفاق کرتی ہو۔

"چلیں اس پوائنٹ کو بھی جانے دیتے ہیں مگر اگر کبھی سمعان احمد نے خود آپ سے زرش کے لئے بات کی تو پھر کیا کہیں گی۔" زوباریہ نے وہ بات کہہ دی تھی، جو انہوں نے کبھی سوچی بھی نہ تھی۔

"عثمان سمعان کی تربیت میرے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ ان کی نگاہ بدلنے سے ہی میں ان کے اندر کا موسم پڑھ لیتی ہوں۔ میں جانتی ہوں سمعان زرش میں دلچسپی رکھتا ہے اس نے زبان سے کبھی اظہار نہیں کیا اور نہ ہی وہ میرے سامنے اظہار کرے گا۔ اپنے بچوں کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔" ان کے اندر اعتماد تھا' زوباریہ دیکھ کر رہ گئی۔

"اور اگر کبھی سمعان نے زرش سے اظہار کر دیا تو پھر؟" اس بات پہ ہادیہ اور شائستہ بیگم دونوں الجھ کر رہ گئی تھیں۔

"بڑوں کے معاملے میں یہ کہہ لیں کہ سمعان ان کا ادب لحاظ کر کے خاموش رہے گا اور اگر زرش کو اپنے دل کی بات بتا کر وہ راضی کر لے تو پھر بھی آپ یہی کہیں گی۔" زوباریہ نے دونوں کو شش و پنج میں ڈال دیا تھا۔

"جذبے بے لگام ہوتے ہیں۔ ان پہ بند نہیں باندھے جا سکتے اور پھر سمعان احمد جس جذبے کا اسیر ہے اس میں تو اور بھی مشکل ہے۔ زرش کم عمر جذباتی ضرور ہو گی مگر چاہے جانے کی خواہش ہر لڑکی میں فطری ہوتی ہے اور جب سمعان احمد جیسا ہر لحاظ سے مکمل انسان کسی کی خواہش کرے اور وہ وجود لاعلم بھی نہ رہے تو میرا نہیں خیال زرش کا ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کرے گا۔ محبت' چاہت ایسے جذبات ہیں جنہیں مجبوراً کسی کے دل میں پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جذبے خود آگے بڑھ کر اپنا آپ

منوا لیتے ہیں اور کبھی سمعان کے جذبوں نے زرش سے اپنا آپ منوا لیا تو پھر......؟“

زوباریہ سوالیہ نشان بنی بیٹھی تھی۔ شائستہ بیگم کے پاس کوئی بھی جواب نہیں تھا۔ وہ نگاہیں پھیر گئیں۔

کچھ دیر بعد انھوں نے سر اٹھایا تھا‘ زبان کے علاوہ زوباریہ کی آنکھوں میں بھی یہی سوال تھا۔

”تو پھر اس مقام پہ طاہرہ کو ضد توڑنا ہوگی۔ میری بیٹی کو وہی عزت‘ وہی مقام اور مان دینا ہوگا جو اس کا حق ہوگا۔ بحیثیت بہو وہ ڈیزرو کرتی ہوگی...... مجھے سمعان عزیز ہے لیکن کوئی بھی ماں اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے کنوئیں میں دھکیل نہیں سکتی۔ طاہرہ کو خود آ کر ہم سے زرش کو مانگنا ہوگا۔ پچھلے تمام حوالے بھلا کر اسے نئے رشتے استوار کرنا ہوں گے ورنہ کچھ بھی ممکن نہیں۔“ زوباریہ مسکرادی تھی۔

”چلیں جی میری دعا ہے اللہ بہتری کرے...... یہ محبتوں‘ چاہتوں کی باتیں ہیں۔ ایسے رشتے میں ہی جذبے اچھے لگتے ہیں۔ اللہ حالات سنوارے۔ فی الحال تو میرا خیال ہے پاپا اس بات کو دبا گئے ہیں ان کا خیال ہے کہ زرش ابھی اپنی تعلیم مکمل کرلے جب حالات سازگار ہوں گے تو وہ اپنا حق بھی استعمال کرلیں گے۔ بس آپ لوگ تیاری کریں۔ مجھے لگ رہا ہے انشاء اللہ حالات بدلیں گے۔“

زوباریہ بہت مطمئن تھی۔ بہت پرامید اور آسودہ حال۔

شائستہ نے ایک گہری سانس لی تھی۔ دل ہی دل میں آمین کہا تھا۔ سمعان انھیں کس حد تک عزیز تھا کاش وہ زوباریہ کو بتا سکتیں۔

…………*

رضا بیمار تھا‘ ذہنی طور پر وہ اس قدر اپ سیٹ تھا کہ بستر کا ہو کر رہ گیا۔ دو تین دنوں میں ہی وہ نچڑ کر رہ گیا تھا۔ زبیدہ بیگم ہر کسی سے اس کی بیماری کی وجہ چھپا گئی تھیں مگر وہ اور رمشاء جانتی تھیں کہ رضا کس طرح زبیدہ کے تختی سے انکار پر ٹوٹا ہے۔ اسے تو یہ چاہئے۔ زبیدہ بیگم حمید صاحب سے بات کریں۔“ اس کی ایک ہی ضد تھی لیکن زبیدہ بیگم کو اسے چپ کرانے اور زبان بند کرنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرنے پڑ رہے تھے مگر رضا کسی بھی طرح نہیں مان رہا تھا وہ اتنا ضدی نہیں تھا مگر اس مقام پہ آ کر اس کی ضد حد سے گزر رہی تھی۔

”رضا بند کروا اپنی یہ ضد...... آنے والا وقت تمہیں دکھائی نہیں دے رہا مگر میری جان نکل رہی ہے۔ تمہارا باپ تمہیں اور مجھے گھر سے نکال دے گا پھر مانگتے رہنا تو یہ کو...... اگر ایسا کچھ ہوا تو کچھ کھا کے مرجاؤں گی میں بھی۔“ وہ اسے ہر طرح سے سمجھا بجھا چکی تھیں اس وقت بھی رات کے اس پہر بھی اس کی وہی ضد تھی کہ حمید صاحب اور خاندان والوں سے بات کریں۔ زبیدہ کو ایکدم غصہ آیا تھا سب کہہ دیا۔ اس وقت کمرے میں صرف وہ دونوں تھے۔

”دیکھ رضا...... تیرا دماغ خراب ہوا ہے میرا نہیں۔ اپنے باپ کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ سارے خاندان میں اتنا غصیلہ اور تند مزاج کوئی نہیں ہے۔ ورنہ تو انھیں کسی بات پہ غصہ نہیں آتا اگر آتا بھی ہے تو پھر وہ حد کردیتے ہیں۔“

رضا چپ رہا تھا۔

”کچھ بھی نہیں ہوسکتا...... کچھ بھی......“ کتنی دیر بعد بولا تو کتنا مایوس تھا‘ زبیدہ کا اپنا دل کٹنے لگا۔

”ہاں کچھ بھی نہیں ہوسکتا...... تو ضد چھوڑ دے...... رمشاء اتنی اچھی تو ہے‘ تیری ہم عمر ہے...... پھر کس بات کی ضد ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کو اس مقام پہ اس عمر میں جذبات بہکا دیتے ہیں وہ تیری طرح ضد تو نہیں کرتے۔ خود کو سنبھال لیتے ہیں۔ تو بھی خود کو سنبھال۔“

”میں بہکا تو نہیں ہوں...... نہیں بہکا میں......“ وہ سرہانے میں منہ چھپا گیا۔

رات کے اس پہر رضا کی خراب طبیعت کے باعث وہ اس کے پاس چلی آئی تھیں۔ حمید صاحب اور رمشاء کب کے سو چکے تھے۔ زبیدہ نے رضا کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”رمشاء سے نفرت ہے مجھے...... نہیں پسند وہ مجھے......“ وہ نفرت سے کہہ رہا تھا۔ زبیدہ لب سی گئیں۔

”تو مجھے رسوا کروائے گا......“ وہ روہانسی ہوگئیں۔ ”تو نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو میں کہہ دیتی ہوں خدا کی قسم کھا کے مرجاؤں گی۔“ دوپٹے میں منہ چھپا کر وہ بھبک کر رونے لگ گئیں۔

رضا نے سرہانے سے چہرہ نکال کر ماں کو دیکھا...... اپنی ضد میں اسے کچھ بھی تو یاد نہیں تھا کسی کا بھی تو خیال نہیں رہا تھا صرف اپنے دل کی مان رہا تھا۔ یہ بھی نہ سوچ رہا تھا کہ اس کی ضد سے کیا کیا طوفان آسکتے ہیں۔

”بات سن میری‘ آج میں تجھے سب بتاتی ہوں پھر خود فیصلہ کرنا ایسے رشتے کیسے کیسے طوفان لاتے ہیں۔“ اپنا چہرہ صاف کرکے وہ کہہ رہی تھیں۔

رضا نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا۔

”میں اس خاندان کے لئے بالکل غیر ہوں۔ اماں کے محلے میں ہمارے گھر کے سامنے حاجی غفار صاحب رہتے تھے۔ بڑے نیک طبیعت اور سلجھے ہوئے انسان تھے وہی ان کے بیٹے تھے۔ ساتھ ہی ان کا بھائی رہتا تھا ان کے چار بچے تھے۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ تینوں بیٹے شادی شدہ تھے‘ بیٹی کا خالہ کے ہاں رشتہ طے تھا مگر وہ اور غفار صاحب کا چھوٹا بیٹا ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ والدین کا خوف تھا کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ لڑکی تو خود کو سنبھال گئی مگر لڑکے سے اپنا آپ سنبھالا نہ گیا۔ ادھر لڑکی کی شادی طے ہوئی ادھر لڑکے نے گھر میں اس لڑکی کا رشتہ مانگنے کا شوشہ چھوڑ دیا۔ خاندانی لوگ تھے۔ زبان کا کہا ہر حال میں پورا کرنے والے۔ غفار صاحب نے بہت بیٹے کو سمجھایا مگر بیٹے کی ضد نہ ٹوٹی پھر لڑکے کی ماں بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ تھک ہار کر غفار صاحب نے چھوٹے بھائی سے بات کی وہ تو سنتے ہی بھڑک اٹھے۔ ان کے تینوں بیٹے مرنے مارنے پر تل گئے۔ جب انھیں علم ہوا کہ رمضان (لڑکا) ان کی بہن کو پسند کرتا ہے۔ بات بڑھتے بڑھتے خاندان والوں تک پہنچ گئی۔ لڑکی کا قصور تھا کہ نہیں مگر اس پہ طرح طرح کے الزام لگے اور پھر اس کی خالہ رشتہ توڑ گئی۔ غفار صاحب شرمندہ بھی تھے انھوں نے دوبارہ بھائی سے بات کی تو ان کے بیٹے طیش میں آگئے۔ کھڑے کھڑے انھوں نے اپنی بہن کو قتل کرڈالا تھا۔ رمضان کو بھی مارنا چاہا مگر وہ بچ گیا اور بھاگ نکلا۔ دو گھر تباہ

ہو گئے۔ کیس پولیس تک پہنچ گیا۔ دونوں خاندان پولیس سے چھپتے پھر رہے تھے۔ غفار صاحب کا بھائی اسی صدمے سے انتقال کر گیا۔ بیٹے بے گھر ہو گئے تھے اور رمضان کا کچھ پتا نہ تھا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ رمضان کو بھی قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ بھاگ تو گیا تھا مگر بعد میں لڑکی کے بھائیوں نے اسے ڈھونڈ کر مار دیا تھا۔ واللہ اعلم...... مگر ایک لڑکے کی ضد سے دو گھر تو تباہ ہو گئے۔ اگر وہ صبر کر لیتا حالات پہ چھوڑ دیتا تو ضرور اس کے لئے بہتری نکل آتی مگر ہوا کیا؟ اس کی ضد نے لڑکی کی جان لی جو لی پورا گھر بھی تباہ کیا۔ پتا نہیں رمضان مر گیا یا زندہ ہے...... قاضی صاحب وہ محلہ ہی چھوڑ گئے۔ لڑکی کے بھائی کچھ عرصہ جیل میں رہے اور پھر دے دلا کر کیس ختم کروالیا۔ اب وہ بھی وہ محلہ چھوڑ گئے ہیں کہاں ہیں کچھ علم نہیں۔ میں بہت چھوٹی تھی جب یہ سارا واقعہ ہوا تھا پھر بڑی ہوئی تو ماں باپ نے شادی کر دی۔ قسمت سے تمہارا باپ بھی بے حد غصیلا ملا۔ مگر اچھے ہیں۔ غصہ کرتے ہیں مگر عزت بھی دیتے ہیں۔ مگر خاندان والوں کے معاملے میں وہ بے حد حساس ہیں۔ زمان کی بیوہ واحدہ آپا سے کلام نہیں کرتے کہ ان کے میاں تمہارے چچا کے طور طریقے ٹھیک نہ تھے۔ خاندان سے باہر اکیلے اپنا کاروبار شروع کیا کہ وہ خاندان میں اپنے غصے سے خود ہی خائف رہتے ہیں۔ ایسے میں بتاؤ میں کیا کروں تم کہتے ہو کہ نویرہ تمہارے جذبات سے بے خبر ہے۔ اسے تو کچھ پتا ہی نہیں۔ میں کیسے اس کی صاف ستھری ہنستی بستی زندگی کو اجاڑنے کا سامان کروں۔"

رضا لب بھینچے سب سن رہا تھا۔

"رمشاء سے تمہارا رشتہ طے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ میں تمہیں اچھی طرح یاد کروا دوں کہ تمہیں ہر حال میں رمشاء سے شادی کرنا ہوگی۔ اگر کبھی تم نے انکار یا اعتراض کیا تو پھر میں اور تم جانیں۔ ان کا ہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ انہوں نے رمشاء کے باپ کو زبان دی ہے اور وہ زبان پہ جان دینے والے آدمی ہیں۔" وہ رو دی تھیں۔ رضا تب بھی خاموش رہا۔

"تم اپنے آپ کو سنبھالو...... اس عمر میں بندہ بہک جاتا ہے۔ مگر عقلمند اور مکمل انسان وہی ہے جو جذبات کو عقل پہ حاوی نہ ہونے دے۔ نویرہ کی اگر میں بات کر بھی لوں مگر اس خاندان میں کوئی نہیں مانے گا۔ نویرہ نے ہی اگر انکار کر دیا اور تم سے نفرت کا اظہار کر دیا تو پھر بولو کیا کرو گے تم؟"

رضا خاموشی سے آنکھیں بند کر کے بازو رکھ کے کروٹ بدل گیا۔

"میں نویرہ پر کوئی بہتان نہیں باندھ سکتی۔ اگر میں تمہاری فکر میں کہہ دوں کہ نویرہ نے تم پہ پیمان باندھا ہے تو پھر میں مجرم ہوں گی کہ نویرہ کا کردار، اس کی عادات، اس کے اطوار، خاندان کا ہر بندہ آنکھیں بند کر کے اس کی گواہی دے سکتا ہے۔ ہم چھوٹے ہیں۔ خاندان والے کبھی پلٹ کر دیکھیں گے نہیں۔" وہ اب بھی کہہ رہی تھیں رضا نے کچھ نہ کہا۔

"تمہیں یہ سب اس لئے بتا رہی ہوں کہ تم جذبات میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔ نویرہ تمہارے لئے قابل صد احترام ہے۔ وہ نواز کی منگیتر ہے۔ کچھ وقت گزرے گا وہ اسی خاندان کی بہو ہوگی...... تمہیں ہی اپنے اوپر بند باندھنا ہوں گے ورنہ پھر مجھے کچھ مت کہنا۔ میں ہر حال میں تمہارے باپ اور

خاندان والوں کا ساتھ دوں گی۔"

رضا اب بھی خاموش تھا۔

"سنبھالو اپنے آپ کو...... بیمار پڑ کے بھی اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔ رمشاء کی زبان بند ہے اگر کل کو کسی کے سامنے اس کی زبان کھل گئی نا تو پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے ہم...... چلتی ہوں میں...... آرام سے سونے کی کوشش کرو...... میرا بیٹا بہت سمجھدار ہے...... اپنی ماں کی مجبوری اچھی طرح سمجھ گیا ہوگا۔" وہ اس کی پیشانی پہ بوسہ دے کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

زبیدہ کے جانے کے بعد رضا اٹھ بیٹھا...... بخار اب بھی تھا۔ پاؤں کا زخم اب بھی تکلیف دے رہا تھا مگر سینے میں جلتی آگ بہت اذیت ناک تھی۔

اپنے دل کی بات ماں کے سامنے آشکار کر کے نہ ہی وہ پچھتا رہا تھا اور نہ ہی شرمسار تھا لیکن ماں کی باتیں اس کی منتیں اس کی نصیحتیں......

رضا نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائی۔

"مر جاؤں گا اگر نویرہ سے دستبردار ہوا تو......" وہ ایک بار پھر سسک اٹھا۔

دل پہ کچھ اختیار نہ تھا۔

"یہ محبت، یہ جذبے، یہ چاہتوں اور شدتوں کے کھیل اتنے اذیت ناک کیوں ہوتے ہیں...... کیوں......" اپنے درد پہ وہ خود ہی بلبلا اٹھا تھا۔

اماں نے چچی زبیدہ کے ہاں فون کیا تو پتا چلا رضا بیمار ہے۔ تین چار دن سے مسلسل بخار ہے۔ رمشاء بھی کچھ ٹھیک نہ تھی۔ فون رکھ کر انہوں نے بھابی اور نویرہ سے ذکر کیا تو وہ بھی متفکر ہوئیں۔ اماں نے رات کو جانے کا کہا تھا۔

نبیل بھائی شام کو گھر لوٹے تو اماں اور نویرہ چچا کے ہاں جانے کو تیار تھیں۔ بھابی نہیں جا رہی تھیں۔ بس نبیل بھائی کا انتظار تھا۔ یہ ان کے خاندان کا اصول تھا کہ چاہے کسی بھی گھر میں کوئی بیمار ہو سب ہی عیادت کو جاتے تھے۔ چاہے بیماری عام نوعیت کی ہو یا شدید۔

نبیل بھائی ان کو لے کر آ گئے تھے۔ چچی بہت محبت اور خوش اخلاقی سے ملی تھیں۔ رمشاء چپ چاپ سی تھی۔ اسے بھی بخار تھا لیکن رضا کی طبیعت زیادہ ہی خراب تھی۔ ان کے تھوڑی دیر بعد فاروق چچا اور چچی چلے آئے تھے انہیں بھی بھابی نے فون کر کے بتایا تھا۔

سبھی اس وقت رضا کے کمرے میں تھے۔

"رضا...... کیا بات ہے...... طبیعت اتنی خراب کیوں کر لی ہے تم نے۔ تم تو بخار وغیرہ کو کچھ نہیں گردانتے اور اب......" نویرہ اس کے پاس کرسی پہ آ بیٹھی۔ شگفتہ انداز تھا۔ رضا نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھا۔

پرپل کلر کے لباس میں سر پہ سلیقے سے دوپٹہ جمائے متانت سے مسکراتی رضا کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی اس نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

"رضا......!" کوئی جواب نہ پا کر نویرہ نے دوبارہ پکارا۔

وہ تب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ نویرہ نے پلٹ کر رمشاء کو دیکھا۔ ان کے آنے کے بعد ہی وہ بھی آ کر کمرے میں ہی ایک طرف کشن پر آ بیٹھی تھی۔

"تمہیں بھی بخار چڑھ گیا...... رضا کا ساتھ تم نے ضرور دینا تھا۔" اس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ رمشاء کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"بس شاید موسم کا اثر ہے۔ ڈاکٹر گھر آ کر چیک کر رہا ہے میڈیسن بھی یوز کروا رہی ہوں انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" زبیدہ چچی نے ہی جواب دیا تھا۔

"ہاں آج کل موسم اثر انداز ہو جاتا ہے۔ پھر سردیوں کا موسم تو فوراً ہی اثر کر جاتا ہے۔" بڑی چچی نے بھی کہا۔ نویرہ اٹھ کر رمشاء کے پاس قالین پر کشن پر آ بیٹھی۔ رمشاء کا ہاتھ تھاما تو آگ کی طرح دہک رہی تھی۔

"کتنا تیز بخار ہے تمہیں تو رمشاء...... کوئی گرم کپڑا بھی نہیں پہنا ہوا۔ اس طرح لاپروائی سے طبیعت مزید خراب ہو جائے گی۔" نویرہ نے فکرمندی سے رمشاء کا بخار سے سرخ تپا تپا چہرہ دیکھا۔ رمشاء گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میں بھی کتنی دفعہ اسے کہہ چکی ہوں مگر یہ دونوں میری سنتے کب ہیں۔ دونوں ہی اکلوتے ہیں اور لاڈلے بھی۔ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں میری محبت کا۔" زبیدہ چچی آبدیدہ ہو گئیں۔

"بدلتا موسم تو ہر کسی پہ اثر انداز ہو جاتا ہے یہ تو پھر دسمبر کی سردی ہے۔ احتیاط تو ضروری ہے نا۔ ورنہ ایک دفعہ بندہ بیمار پڑ جائے تو پورے سال کے لئے پڑ جاتا ہے۔" اماں نے بھی کہا۔

"جاؤ رمشاء بیٹا جرسی وغیرہ پہن کر آؤ...... جاؤ شاباش۔" حمید چچا نے کہا تو رمشاء اٹھ کر چلی گئی تھی۔ نویرہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ دونوں چچا اور نبیل بھائی رضا کے بستر پہ ہی بیٹھے ہوئے تھے جبکہ اماں چچی اور زبیدہ چچی سائیڈ کی کرسیوں پر تھیں۔

"میڈیسن کے ساتھ پرہیزی خوراک بھی کھلاؤ۔ بچے میں کمزوری نہ ہو گی۔" بڑی چچی نے چھوٹی چچی کو کہا تو انہوں نے سر ہلایا۔

"سب کچھ ہی کھلا رہی ہوں...... رمشاء تو انکل کے کہنے پہ کچھ نہ کچھ کھا ہی رہی ہے یہ رضا تو کچھ منہ کو لگا ہی نہیں رہا......" چچی نے شکایتی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ جو اب ضد تو چھوڑ چکا تھا مگر بولنا بھول گیا تھا۔

"بری بات رضا...... کتنا پریشان کر دیا تم نے سب کو......" نویرہ نے ادھر بیٹھے ہی لتاڑا۔ وہ تب بھی آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔

"سو رہا ہے شاید......" چچی نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر دیکھا اور پھر کہا تھا۔

"آئیں ہم باہر چلتے ہیں۔ خوامخواہ شور سے نیند خراب ہو گی۔" اماں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ باقی سب نے بھی ان کی تقلید کی۔

لاؤنج میں آ کر بھی بیٹھ گئے تھے۔ رمشاء جرسی پہن کر آئی تو نویرہ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ بغور رمشاء کا چہرہ دیکھا۔ انتہائی زرد بخار سے تپا چہرہ تھا۔ نویرہ کو کسی بات کا احساس ہوا۔

"کیا بات ہے مشی! کہیں تم دونوں میں کوئی بات تو نہیں ہوئی۔" نویرہ نے دل کی بات کہنے میں تامل نہیں برتا تھا۔ رمشاء نے جواباً ایسی نظروں سے نویرہ کو دیکھا کہ وہ سٹپٹا گئی۔ تاہم منہ سے کچھ بھی نہیں کہا۔

باقی بڑے باتوں میں مصروف ہو چکے تھے وہ دونوں ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔

"کیا بات ہونی ہے ہم میں............؟" تلخ لہجہ تھا نویرہ ایکدم خائف ہوئی۔

"یونہی...... تم دونوں جھگڑتے رہتے ہو اسی لئے پوچھ لیا تھا۔ ورنہ......"

"ٹھیک ہیں ہم دونوں۔ موسم شاید کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہو گیا ہے۔" وہی تلخی اب بھی تھی۔ نویرہ گہری سانس لے کر رہ گئی مگر اندر ہی اندر کوئی چیز کھٹک ضرور کر رہی تھی۔

کال بیل ہوئی تو رمشاء اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ باقی سب نواز اور نویرہ کی شادی کے معاملات کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔

"السلام علیکم......" نویرہ توجہ سے سب کو سن رہی تھی اس آواز پہ چونک کر پلٹ کر دیکھا۔

دروازے میں نواز کھڑا تھا اور اس کے عقب میں شارق زمان' پیچھے ہی رمشاء تھی۔ نویرہ کو امید نہ تھی کہ نواز یہاں دکھائی دے گا وہ فوراً سر جھکا گئی۔

"وعلیکم السلام۔" چچی اور چچا نے باآواز بلند کہا تھا۔

نواز نے سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ کونے کے صوفے پہ پیلے سوٹ میں ملبوس نویرہ کو دیکھ کر وہ بھی ٹھٹکا۔ نویرہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ نواز کے ہونٹوں کو چھو گئی تھی۔

وہ دونوں اندر بڑھ آئے تھے۔ باری باری سب سے سلام دعا کی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے نبیل کا فون آیا تھا کہ رضا کی طبیعت ٹھیک نہیں شارق کے موبائل پہ۔ میں بھی اسی کے ساتھ ہی تھا سوچا چل کر عیادت کر آئیں۔ مگر یہاں تو سبھی موجود ہیں۔" رمشاء نویرہ کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔ وہ دونوں سائیڈ صوفے پہ بیٹھ گئے تھے۔

"ہاں بس اچانک خراب ہو گئی تھی۔" زبیدہ بیگم خوامخواہ شرمندہ ہو گئی تھیں۔

"کہاں ہے رضا......؟" شارق نے پوچھا تھا۔

"کمرے میں ہے۔ دوائی کھلائی تھی شاید سو گیا ہے۔" حمید چچا نے جواب دیا تھا۔

"اور تم سناؤ...... تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ نبیل بتا رہا تھا کہ تم بھی کچھ علیل ہو۔" شارق کا رخ نویرہ کے ساتھ بیٹھی رمشاء کی طرف ہوا تھا۔ رمشا شارق زمان کے براہ راست پوچھنے پر گھبرا گئی۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"خاک ٹھیک ہے۔ اتنا تیز بخار ہے کہ ہاتھ نہیں لگایا جا رہا......" بڑی چچی نے فوراً کہا تھا۔

"میڈیسن یا ٹریٹمنٹ وغیرہ؟" نواز نے چچی کو دیکھا انہوں نے گردن ہلائی۔

"سب ہو رہا ہے بس......"

"انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نواز نے دلاسہ دیا۔

چچی زبیدہ مہمانوں کے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کرنے اٹھیں تو نویرہ بھی وہاں سے نکل آئی۔ نواز کی موجودگی میں تو ویسے بھی اسے شرم آ رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں چچی......؟" وہ کچن میں ہی چلی آئی۔ چچی چائے کا برتن چولہے پر چڑھا رہی تھیں۔

"چائے بنانے لگی تھی...... تم کیوں اٹھ آئیں۔" انہوں نے ایک نظر بغور دیکھا۔ انتہائی سلجھی ہوئی ٹھہری طبیعت کی مالک ان کی پسندیدہ ترین لڑکی تھی مگر رضا...... ان کے دل سے ہوک اٹھی۔ یوں لگا کوئی چیز دل سے ٹوٹ کر گری ہو۔

"وہاں سب کی موجودگی میں مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ لائیں میں چائے بناتی ہوں۔" اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ زبیدہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں...... تم بیٹھو میں کر لوں گی۔"

"کچھ نہیں ہوتا چچی جان...... میرا اپنا گھر ہے۔ بھلا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی اچھی لگوں گی۔" اس نے چچی کو پیچھے ہٹا دیا تھا اور خود چولہے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"بڑا خوش قسمت ہے نواز...... تم جیسی لڑکی اسے شاید ہی کہیں ملتی...... اللہ تمہیں خوشیاں دے چاہتیں نصیب کرے۔ مقدر اچھا کرے......" انہوں نے دعائیں دی تھیں۔ نواز کے نام پر وہ جھینپ گئی۔

منگنی کے دوران تو نہیں مگر دن طے ہونے کے بعد وہ لاشعوری طور پر نواز کو سوچنے لگی تھی۔

"رمشاء بھی کچھ کم نہیں...... بڑا خوش نصیب ہے رضا...... یوں کہیں اس خاندان کے لڑکے بیویوں کے معاملے میں بڑے خوش نصیب واقع ہو رہے ہیں۔" اس نے بات ہنسی میں ٹالی تھی۔ چچی تلخی سے مسکرا دیں۔

"کاش اپنی خوش نصیبی کا یقین وہ بدنصیب بھی کر لے۔" ان کی آواز رندھ گئی۔ نویرہ فوراً متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے دونوں میں کوئی ان بن ہو گئی ہے۔"

"ان بن ہوتی تو کوئی بات بھی تھی مگر وہ......" رضا کی تکلیف اس کی بیماری نے ان کو بہت پژمردہ اعصاب بنا ڈالا تھا۔

نویرہ نے چچی کو بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"دوسرے سے اس رشتے کو ہی کوئی اہمیت نہیں دے رہا...... وہ تو......" کچھ کہتے کہتے وہ ایکدم دانتوں تلے زبان دبا گئیں۔

"اتنا فکرمند مت ہوا کریں...... دونوں ابھی امیچور ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ سنبھل جائیں گے پھر دیکھئے گا رضا کیسے نہیں مانے گا۔ خود کہے گا......" نویرہ نے بھرپور دلاسا دیا۔ چچی نے اپنے بہتے آنسو

صاف کیے۔ ایک نظر نویرہ پر ڈالی۔ دھیمی مسکراہٹ لیے کتنی مطمئن اور پُراعتماد تھی۔ خاندان کا ہیرا تھی یہ لڑکی۔

"آہ...... ہاں......" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "رضا...... کس مصیبت میں تو نے مجھے ڈال دیا ہے۔"

وہ اذیت سے سر جھکا گئیں۔

نویرہ چائے کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے فریج سے دیگر لوازمات نکالنے لگیں۔

نویرہ نے چائے بنا کر چائے دانی میں ڈالی۔ چچی ٹرے میں سب کے لیے کپ رکھ چکی تھیں۔

ٹرے سجا کر وہ باہر نکلی تھیں۔

"تم بھی آ جاؤ...... سب کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی لو۔" نکلنے سے پہلے نویرہ سے کہا۔ وہ سر ہلا گئی۔

چچی زبیدہ چلی گئی تھیں، وہ یونہی کھڑی رہی۔

نواز کی موجودگی میں وہ اندر جانے سے جھجک رہی تھی۔ منگنی سے پہلے یا بعد میں آمنے سامنے آنے سے کوئی روک ٹوک نہ تھی مگر اب دن طے ہو جانے سے ایک پردہ خود بخود درمیان آ ٹھہرا تھا۔

وہ اسٹول گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ پانچ منٹ بعد رمشاء دو کپ تھامے چلی آئی۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں۔" ایک چائے کا مگ اسے تھما کر اس نے پوچھا تھا۔

"ویسے ہی اندر حبس بھی تھا۔ بس دل نہیں مانا اندر جانے کو۔" سِپ لیتے اس نے سرسری کہا تھا۔

"کیوں کہیں نواز بھائی کی موجودگی میں اندر نہیں جانا چاہ رہیں۔" رمشاء کی بات پر جھینپ گئی۔

"یہ بھی بات ہے۔ مجھے نہیں علم تھا کہ اس طرح آمنا سامنا ہو سکتا ہے ورنہ میں نہ آتی۔"

"خاندان میں یہ سب تو چلے گا ہی جب تک شادی نہیں ہو جاتی۔ آپ کب تک چھپیں گی۔ کہیں نہ کہیں تو آمنا سامنا ہو ہی جائے گا۔ جس طرح آج......" رمشاء قدرے خوشگوار موڈ میں تھی سو ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھی نویرہ مسکرائی۔

"ہوں...... مگر پھر بھی مجھے احتیاط تو کرنی ہی چاہیے۔" وہ مسلسل چائے کے سِپ لے رہی تھی۔

رمشاء نے بغور نویرہ کا چہرہ دیکھا۔ سرخی مائل بھرا بھرا چہرہ...... گہری کالی اور...... سنجیدگی سے مسکراتی آنکھیں اور ان پر سایہ فگن لانبی پلکیں۔ سلیقے سے سر پر جمایا دوپٹہ۔ ایک لمحے کو رمشاء خود بھی مبہوت رہ گئی تھی۔ نویرہ کی خوبصورتی میں نجانے کونسی ایسی ادا تھی جو دیکھنے والے کو ایک لمحہ بغور دیکھنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ جیسے وہ خود آنکھ جھپکنا بھول گئی تھی۔ وہ بے دھیانی سے کپ پر انگلی پھیرتی گئی۔

"کیا بات ہے...... اتنی محویت سے کیا دیکھ رہی ہو۔" اپنے چہرے پر رمشاء کی نگاہوں کا رقص محسوس کر کے اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"آپ بہت خوبصورت ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی نویرہ ہنس دی۔

"مائی گاڈ...... اس لیے تم اتنے غور سے دیکھ رہی تھیں۔" ہنسی روک کر اس نے رمشاء کو دیکھا جو

بہت سنجیدہ تھی۔

"نہیں...... میں دیکھ رہی ہوں کہ اس قدر خوبصورتی تو خدا نے مجھے بھی دی ہے آپ میں ایسی کیا خاص بات ہے جس کا خاندان کا ہر فرد معترف ہے۔" انتہائی سنجیدگی سے وہ پوچھ رہی تھی۔ نویرہ نے حیرت سے دیکھا۔ رمشاء کی آنکھوں میں کوئی انجانا احساس کروٹیں لے رہا تھا وہ سمجھ نہ پائی۔

"پاگل ہو تم...... کوئی خاص بات نہیں...... میں تو ایک عام سی خدا کی مخلوق ہوں۔ تمہاری طرح...... شاید تم سے بھی کم درجہ......" اس نے انکساری سے کہا تھا۔ رمشاء نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں اگر مجھ سے کم درجہ ہوتیں تو کبھی اس قدر اہمیت کی حامل نہ ہوتیں۔ کوئی آپ کے لئے مجھے یوں ریجیکٹ نہ کرتا۔"

لفظ تھے کہ کیا تھے۔

نویرہ ہکا بکا رہ گئی۔

رمشاء مکمل حواسوں میں تھی یا بے حواس تھی۔

نویرہ کچھ نہ سمجھ پائی۔

"مذاق نہیں کرو یار...... کیوں ایسی الجھی الجھی باتیں کر رہی ہو...... مجھے ایک لفظ نہیں پلے پڑا۔" نویرہ نے کہا تھا۔ رمشاء کے اندر سے ایک تند غبار اٹھی تھی جی چاہا یکدم نویرہ کو کھری کھری سنا دے مگر...... رمشاء لب بھینچ کر کاؤنٹر سے پشت لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"رضا مجھے ریجیکٹ کر چکا ہے۔ وہ تو شروع سے ہی ریجیکٹ کرتا آیا تھا مگر......"

اس کی آواز رندھ گئی اور پھر مسلسل آنسو بہتے چلے گئے۔

نویرہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ کس طرح اسے تسلی و تشفی کے الفاظ کہے۔

"پلیز رمشاء...... بی بریو! کچھ نہیں ہوتا...... دیکھنا اس لڑکے کو کیسے سیدھا کرتے ہیں ہم لوگ...... تمہیں آج رلا رہا ہے تو معافیاں مانگے گا دیکھنا۔" اس نے دلاسا دیا۔ رمشاء نے اپنے آنسو صاف کر لئے۔ نویرہ کو دیکھا۔ وہ محبت و شفقت سے دیکھ رہی تھی۔ رمشاء دیکھے گئی۔ کتنا خار کھاتی تھی وہ نویرہ سے۔ کتنا غلط سوچتی تھی وہ اس کے بارے میں...... دل چاہتا تھا کہ وہ سامنے ہو تو منہ نوچ لے۔ چیخ چیخ کر بے عزت کر کے دھتکار دے۔

مگر......

مگر کچھ بھی تو نہیں کر پاتی تھی۔

نویرہ سامنے ہوتی تھی تو رمشاء لفظ بھول جاتی تھی۔ بہت چاہنے کے باوجود نفرت سے بے عزت نہ کر پاتی تھی۔ بہت خواہش کے باوجود منہ نہ نوچ پاتی تھی۔

اور رضا......

وہ اس پر مرتا تھا۔

وہ اس کے لئے مر رہا تھا۔

وہ اس کے لئے بخار میں تپ رہا تھا۔

وہ اس کے لئے مجنوں بن رہا تھا۔

اور وہ خود...... وہ تلخی سے ہنس دی۔

"کیا ہوا ہے......" نویرہ نے پوچھا' وہ سر ہلا گئی۔

"سب کچھ ہو چکا ہے نویرہ آپی۔ اب تو شاید کچھ بھی نہیں رہا۔" رمشاء آنکھوں میں نمکین پانی لئے ہوئے تھی۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

شارق زمان اور نواز دونوں ہی دروازے پر کھڑے تھے۔

"آپ......؟" رمشاء نے فوراً آنکھیں صاف کی تھیں۔

"ہم رضا کے کمرے میں جا رہے تھے مگر تم دونوں کو دیکھ کر رک گئے۔ کوئی "جذباتی سین" چل رہا ہے کیا؟"

یہ شارق زمان تھا نویرہ غیر محسوس انداز میں رمشاء کی اوٹ میں ہوئی تھی۔ شارق زمان کی تیز نگاہوں سے یہ حرکت مخفی نہ رہ سکی تھی۔ وہ تو یونہی نواز کے کہنے پر چلا آیا تھا۔ کیا پتا سامنے یہ بھی ہو گی۔ پہلی نظر اسی وجود پر پڑی تھی اور پھر کائنات بے رنگ ہو گئی تھی۔ سارے رنگ صرف ایک وجود میں سمٹ کر رہ گئے تھے۔

اور اب بھی پرپل سوٹ میں اپنے سابقہ انداز میں اس کے سامنے تھی۔ اسی کو دیکھنے کے لئے ہی تو وہ رکا تھا اور اب یہ دل

"نہیں...... بس یونہی...... ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں......" رمشاء نے وضاحت کی تھی۔ نواز نے مسکرا کر نویرہ کو دیکھا۔

جھینپی جھینپی سی پہلے سے قدرے مختلف دکھائی دی۔

اس نے ایک گہری استحقاق بھری نگاہ ڈالی۔

رشتہ آہستہ آہستہ مستحکم ہوتا جا رہا تھا۔ دل میں جگہ بناتا جا رہا تھا۔

"ادھر ادھر کی باتوں میں کبھی آنسو نہیں نکلتے۔" شارق نے کہا تھا۔ رمشاء پزل ہو گئی۔

شارق زمان ان کے ہاں کم ہی آتا تھا مگر جب بھی آتا وہ اس کے سامنے آنے سے ضرور پزل ہو جاتی تھی۔

"کبھی تو بات نہ بھی ہو تو بھی آنسو نکل آتے ہیں شارق بھائی۔ ادھر ادھر کی باتیں تو پھر کوئی معنی رکھتی ہیں۔" نویرہ بولنا نہیں چاہتی تھی مگر رمشاء کو پزل دیکھ کر یکدم کہہ گئی۔

شارق مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایسی بات ضرور تھی کہ نویرہ بول کر شرمندہ ہوئی۔

"صحیح کہہ رہی ہے نویرہ...... کبھی بے معنی سی بات پر بھی دل رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو رمشاء

پھر بھی بخار کی حالت میں ہے اور رضا کی بھی کنڈیشن میرا خیال ہے کچھ ایسی ہی ہوگی۔" معنی خیز انداز صاف چھیڑنے والا تھا۔ رمشاء اب جھینپ بھی گئی۔

نویرہ کی مسکراہٹ آٹھہری۔

ایک نگاہ کی تھی نواز کی طرف وہ بھی دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں پہلے سے ہٹ کر کوئی خاص چمک تھی وہ فوراً پلکوں کی چلمن گرا گئی۔

"خیریت نویرہ صاحبہ! ہمارے آتے ہی آپ ادھر پردہ کر بیٹھی تھیں۔" شارق کی گلفشانی اسے مزید خجل کر گئی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں...... میں تو یونہی چچی جان کی ہیلپ کو آ گئی تھی۔" اس نے بات پھیری تھی نواز کا قہقہہ برجستہ تھا۔

"یوں کہیے مجھ سے چھپنے کو یہاں آ بیٹھی تھی۔"

آج تو نواز کا ہر انداز ہی نرالا تھا۔ نویرہ کے چھکے چھوٹ گئے۔

نواز یوں برملا کہہ دے گا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"بڑوں کے سامنے اب میں یوں بے شرمی سے وہاں بیٹھی بڑی اچھی لگتی ناں۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

نواز ہنس دیا۔ شارق مسکرا بھی نہ سکا۔

نواز اور نویرہ کا تعلق ایک اٹل حقیقت بن کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ جسے وہ ہمیشہ ذہن سے جھٹک دیا کرتا تھا مگر اب...... ایک پھانس سی دل میں چبھتی محسوس ہوئی۔ نواز کا ہنسنا...... نویرہ کا شرمانا' چھپنا' شارق کو زہر لگنے لگا۔

"خیر بری بھی نہ لگتی۔ ہمارے خاندان میں پردے کا کوئی خاص رواج نہیں ہے۔" برجستہ جواب تھا۔

نویرہ کلسی...... جی چاہا اپنا ماتھا پیٹ لے کہ کیوں بولی تھی مگر......

شارق کے سامنے نواز کی یہ دیدہ دلیری ایک آنکھ نہ بھائی۔

رمشاء خاموش تھی۔

"چلو یار رضا کو بھی دیکھ لیں...... پھر گھر بھی چلنا ہے اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" نواز کی بات شارق کو بھی اچھی نہ لگی تھی۔

شارق کا جی چاہ رہا تھا کہ نواز کو ایکدم منظر سے ہٹا دے یا پھر نویرہ کو غائب کر دے۔ نواز کی آنکھوں کی چمک...... ہونٹوں کی مسکراہٹ...... سب ایکدم زہر لگنے لگا تھا۔

نویرہ سے اس کا کوئی باقاعدہ تعلق تو نہ تھا صرف کزن ہی تو تھی مگر یہ رقابت' یہ جلنا' یہ اذیت۔

وہ بھنا کر رہ گیا۔ شارق کا ایکدم یہاں سے چلے جانے کو جی چاہا۔

"چلتے ہیں یار...... اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ رضا آرام کر رہا ہوگا۔ دو منٹ بات تو کرنے دو۔"

شارق نے نواز کے بازو کو شکنجے میں جکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا تھا۔

"بڑوں میں سے کوئی آ گیا ناں تو پھر مزے سے دو منٹ بات کرنا۔" دانت چبا کر شارق کلسا تھا نواز ہنس دیا۔

نویرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے۔ بات ہی تو کر رہا ہوں...... کونسا میں......" نواز بات ادھوری چھوڑ کر مسکرا لیا تھا۔

نویرہ کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

"یا اللہ! آج یہ نواز کو کیا ہو رہا ہے...... یہ پہلے تو اتنے بے باک نہ تھے۔"

"چلتے ہو کہ میں دوں فاروق چچا کو آواز......" شارق نے دھمکی دی تھی جو کارگر رہی۔

"خدا تم جیسا دوست نہ دے۔ پورے آستین کے سانپ ہو تم۔" نواز مسکراتا اس کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ نویرہ نے اپنا کب کی رکی ہوئی سانس خارج کی۔

رمشاء بھی کچھ پرسکون ہوئی۔

"یا خدا...... آج نواز بھائی کو کیا ہو گیا تھا۔"

رمشاء کہہ رہی تھی نویرہ نے دھیان نہ دیا۔

"آئندہ میں بھی کسی کے ہاں نہیں آؤں گی۔ حد ہے...... کتنے بدتمیز ہو رہے تھے یہ نواز صاحب بھی۔"

وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی۔

* * *

پچھلے ایک ہفتے سے شارق زمان کے معمولات میں فرق آ گیا تھا۔ میگزین کے دفتر وہ بہت کم جا رہا تھا، زیادہ تر وقت مختلف دوستوں کے ساتھ گزارتا اور رات گئے تک کلب چلا جاتا۔ گھر آنے جانے کی اس کی روٹین بھی بدلی تھی اور بھی بہت سی ایکٹی ویٹیز میں فرق آیا تھا۔ اس رات بھی وہ گھر جانے کے بجائے "ٹینکسٹ کلب" چلا آیا۔ روز کی طرح آج بھی وہاں محفل پُر رونق تھی۔ مرد خواتین، ٹولیوں میں موجود خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ شارق زمان نے سارے ہال پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ زیبا کیانی اسے دیکھ چکی تھی۔

"ہائے......" اس نے وہیں سے ہاتھ ہلایا۔

شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آٹھہری، جواباً ہاتھ ہلا کر وہ اپنی مخصوص ٹیبل پر آ بیٹھا۔

"آج تم لیٹ آئے ہو......" زیبا کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اپنی ساتھی کو چھوڑ کر اس کے پاس چلی آئی تھی۔ سرخ مخمل کے لباس میں وہ ریشم کی کوئی ڈوری محسوس ہو رہی تھی۔ انتہائی نازک، بے انتہا سبک رو۔ ہار سنگھار سے مزین سرتاپا قیامت۔

شارق زمان کے ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ یہاں ہر روز زیبا سے مل رہا تھا۔ زیبا پچھلے گلے شکووں کو بھلا کر شارق زمان سے پھر اسی طرح ایڈجسٹ کر چکی تھی

جیسے پہلے تھی اور شارق نے بھی اس کی پیش قدمی کو قبول کر لیا تھا۔

"بیٹھو...... بس دوستوں میں وقت کا احساس ہی نہ ہوا۔"

زیبا اس کے سامنے والی چیئر پر ٹک گئی۔ لانبی انگلیوں والے ہاتھ اس نے ٹیبل کی چکنی سطح پر رکھ دیے تھے۔ شارق نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا۔ روئی کے گالوں کی طرح تھے۔ شارق زمان نے بارہا ان کی نرمی محسوس کی تھی۔

"میں نے پاپا کو تمہارے بارے میں بتایا ہے...... وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" ویٹر ان کے پاس آیا تو شارق نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ چلا گیا تو زیبا نے کہا۔ وہ تعجب سے زیبا کو دیکھنے لگا۔ وارفتہ نگاہیں، شارق کے چہرے کا ایک ایک نقش جذب کر رہی تھیں۔ شارق کی نگاہوں میں ناگواری کی کیفیت آ ٹھہری۔ تاہم اس نے کسی بھی قسم کے احساس کا مظاہرہ مناسب نہ سمجھا۔

"کیوں؟" سادہ اور کچھ حد تک پُر شوق انداز تھا۔ زیبا کھلکھلائی۔

"یو آر مائی بیسٹ فرینڈ...... اور پاپا جانتے ہیں ان کی لاڈلی کوئی چھوٹی موٹی چیز پسند نہیں کرتی اور اگر کر بھی لے تو اس کی تعریف نہیں کرتی اور اگر کرتی بھی ہوں تو اس میں واقعی کوئی بات ہوتی ہے...... پاپا سے میں تمہارا بہت ذکر کر چکی ہوں۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

شارق زمان اس کی بات کا پس منظر سمجھنے کے باوجود سپاٹ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"پاپا کہہ رہے تھے کہ تم سے پوچھ لوں، جب بھی فارغ ہو انوائٹ کر لوں......" اپنے ریشمی ملائم بال ہاتھ سے سلجھاتے ہوئے وہ بہت سرسری انداز میں کہہ رہی تھی۔ جیسے معمول کی بات ہو۔

"اگر میں ان سے نہ ملنا چاہوں تو؟" اس کی آواز میں ایسا تاثر تھا کہ زیبا پہلی بار چونکی...... بغور شارق زمان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔ ایک دم اسے احساس ہوا کہ کچھ دنوں سے شارق زمان کے اندر کچھ سرد پن سا ہے۔ اب آہستہ آہستہ اس کا مزاج سمجھنے لگی تھی۔

"تو تمہیں زبردستی لے جاؤں گی۔" بے تکلفی سے کہتے اس نے اپنا مرمریں موی ہاتھ ٹیبل پر رکھے شارق زمان کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ شارق زمان زیبا کے اعتماد پر دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا۔

"زبردستی، میرے ساتھ تو میرے باپ نے بھی نہیں کی تھی جب تک وہ زندہ تھے، تم زبردستی کا لفظ بھول جاؤ۔" شارق زمان نے مسکرا کر کہا تو زیبا نے تعجب سے دیکھا۔ یہ پل پل بدلتا ہوا شخص اس کے لیے ایک معمہ تھا۔

"تم انکار کر رہے ہو؟" زیبا کے لہجے میں ناراضی در آئی تھی۔ شارق نے نفی میں گردن ہلائی۔

"جب کہو گی میں تمہارے والد سے مل لوں گا، مگر تمہارے ساتھ کہیں جا کر نہیں۔ جنہیں مجھ سے ملنا ہے وہ خود چل کر آئیں اور دوسرے، ملنے کی وجہ جانے بغیر تو میں کسی کو بھی ملاقات کا شرف نہیں بخشتا۔" لاپروا اور معذرت خواہانہ انداز تھا۔ زیبا کو ناگواری محسوس ہوئی مگر وہ پی گئی۔ یہ شخص اس کے دل کو اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اسے قطعی کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"تم انہیں میرے میگزین والے دفتر لے آنا یا ادھر کلب میں ہی مل لوں گا۔" زیبا کے ہاتھ کے نیچے

سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے شارق نے مسکرا کر کہا۔ زیبا کا جی چاہا کہ ٹیبل پر پڑا ایش ٹرے اٹھا کر اس مغرور شخص کے سر پر دے مارے۔

"تم عجیب و غریب شخص ہو...... میں نے تم جیسا شخص پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم سمجھے نہیں کہ میں تمہیں کیوں اپنے والد سے ملوا رہی ہوں۔" ناراضی سے بھرپور تاثر تھا۔ اس کے چہرے پر اور تاثر سج بھی رہا تھا۔ شارق ہنس دیا۔

"سمجھ تو میں بہت کچھ رہا ہوں...... اب ہر بار انسان کی سمجھ اسے صحیح کا سگنل بھی نہیں دیتی۔ بعض اوقات الجھا بھی دیتی ہے...... پھر بھی میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے والد سے کیوں ملوانا چاہتی ہو۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر بولی...... "میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں......؟" بہت ہی سادہ، صاف اور بغیر کنفیوز ہوئے زیبا کیانی نے کہہ دیا تھا۔ شارق زمان اسے دیکھنے لگا۔ زیبا کی بے باکی پہ اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جس سوسائٹی کی لڑکی تھی وہاں اسی طرح بے دھڑک دل کی بات کہی جاتی تھی۔ وہاں جذبے یوں ہی کلبوں کی راتوں میں بے مول ہوتے تھے لیکن شارق نے......؟ کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر چہرے کا رخ موڑ لیا۔

"میرا نہیں خیال کہ اپنی گزشتہ کسی بھی ملاقات میں، میں نے تمہیں کوئی ایسا تاثر دیا ہو کہ تم اتنی بڑی بات کہہ دو......" اس نے کہا۔

زیبا نے الجھ کر دیکھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"صاف مطلب ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا......؟"

زیبا کے لیے یہ بات کسی دھچکے سے کم نہ تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ کتنی دیر تک وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی۔ شارق زمان اسے انکار کر رہا تھا۔ زیبا کیانی کو۔ کروڑوں کی تنہا وارث کو جس پہ ہزاروں مرتے ہوں وہ خود چل کر اس کے پیچھے آئی تھی۔ اسے شادی کی آفر کی اور یہ شخص انکار کر رہا ہے اسے غصہ آنے لگا۔

"تم نے مجھے چیٹ کیا...... یو چیٹر۔" وہ ایک دم طیش میں آ گئی۔

شارق زمان کی بھنویں تن گئیں۔

"میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا...... میرا تمہارے ساتھ ویسا ہی رویہ ہے جیسا یہاں دیگر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے...... ہاں شروع میں جب تم نے یہ کلب جوائن کیا تھا تب تمہارے ساتھ کچھ بے تکلف ہوا تھا لیکن اپنی طبیعت اور مزاج کی وجہ سے میں بہت جلد پیچھے بھی ہٹ گیا تھا۔ اس کے بعد جو بھی ہوا یہ تمہاری پیش قدمی تھی۔ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں......" زیبا کے طیش میں آنے پر شارق زمان نے بھی ایک دم بھڑک کر ٹوک دیا۔ زیبا یوں آئینہ دکھائے جانے پر اسے دیکھنے لگی۔ واقعی ہر بار وہ خود اس کی راہ میں آئی تھی۔ اس نے تو کبھی نہیں بلایا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں مانتی ہوں، میں ہی تمہارے پیچھے خوار ہو رہی ہوں مگر میں تمہارے ساتھ سیریس

ہوں...... میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں......" شارق کے مزاج کو وہ کچھ نہ کچھ تو سمجھنے ہی لگی تھی۔ ایک دم احساس ہوا کہ وہ واقعی طیش زدہ ہو رہی تھی۔ فوراً اپنے اندر اٹھتے ہوئے اشتعال کو دبا کر نہایت نرمی سے کہا۔

"مگر میں شادی نہیں کرنا چاہتا......" اس کی بات کو اس نے فوراً رد کیا۔

"کیوں، کیا خامی ہے مجھ میں؟ خوبصورت ہوں۔ ویل آف، ایجوکیٹڈ ہوں۔ صاحب جائیداد ہوں۔ اپنے باپ کی ساری جائیداد کی تنہا وارث ہوں اور کیا چاہیے تمہیں۔" ایک دم اس نے کہا تو شارق ہنس دیا۔

"میری بات شاید تمہاری سمجھ میں نہیں آئی...... میں تمہاری بات ہی نہیں کر رہا بلکہ میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتا......" زیبا کی گنوائی گئی تمام خوبیوں کو نظر انداز کرتے اس نے کہا تو زیبا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں......؟"

"اب یہ میرا خالص ذاتی مسئلہ ہے، تم کو بتانے سے رہا......" ایک دم شارق زمان کے لہجے میں اجنبیت در آئی۔ جیسے اکثر اچانک سمت آتی تھی۔

زیبا نے بغور دیکھا۔ سرد سے تاثرات لیے اجنبی لہجے میں کہتا وہ اسے عجیب سا شخص ہی لگا۔

"محبت کرتے ہو کسی سے......" وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ہنوز جانچ رہی تھی۔ وہ ہنس دیا۔ شارق کی ہنسی میں ایک طنز تھا۔ زیبا کچھ اندازہ نہ لگا سکی۔

"اگر میں کہوں ہاں تو......؟" وہ ٹیبل کی طرف آگے کو جھک آیا تھا۔ زیبا نے ایک دم شارق کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں عجیب سی کیفیت تھی۔ انجان سی۔ کم از کم وہ اس کیفیت کو محبت کا نام نہیں دے سکتی تھی۔

"ناممکن، جو شخص اپنے آپ سے محبت نہ کرنا جانتا ہو وہ کسی اور سے خاک کرے گا۔"

یہ شخص اس کے لیے واقعی کسی معمے سے کم نہ تھا۔

شارق کا زوردار قہقہہ گونجا اور پھر وہ ہنستا ہی چلا گیا۔ زیبا کو اس کی ہنسی بہت گراں گزری وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"آئی ایم سوری......" وہ ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا پھر ہنس دیا۔ زیبا نے بھنا کر اٹھنا چاہا تو شارق نے فوراً اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ وہ حیران ہو کر ٹھہر گئی۔

"پلیز سٹ ڈاؤن......" زیبا اپنے ہاتھ کے اوپر دھرے گندمی مردانہ مضبوط ہاتھ کو دیکھتی رہ گئی...... وہ بیٹھ گئی۔ تاہم چہرے کے تاثرات تبدیل نہ کر پائی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مجھ جیسا شخص کسی سے محبت کر سکتا ہے؟" شارق زمان اب سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ زیبا نے کچھ نہ کہا صرف اسے دیکھتی رہی۔

"نہیں...... میں کسی سے محبت نہیں کر سکتا...... کبھی نہیں...... اور شاید......" وہ رک گیا۔ زیبا کو

دیکھا۔ وہ صرف خوبصورت ہی نہیں، خوبصورت ترین تھی۔ اس جیسی لڑکی کو نظر انداز کرنا کفرانِ نعمت سے کم نہ تھا۔

"بہت زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ تم میرا فیملی بیک گراؤنڈ تو جانتی بھی ہوگی۔" وہ کہہ رہا تھا زیبا نے الجھ کر دیکھا۔

"یہاں موجود تقریباً ہر شخص، ہر دوسرے شخص کے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں جانتا ہے۔ تمہیں بتاؤں جب میں نے یہاں آنا شروع کیا تو بہت سی آنٹیز کے لیے میں باعث توجہ بنا لیکن جیسے جیسے ان کے علم میں میرا فیملی بیک گراؤنڈ آتا گیا تو وہ مجھ سے لاتعلقی اختیار کرتی گئیں۔ یہاں اس ٹیبل پہ میں سارا وقت اکیلے بیٹھ کر جاتا ہوں تو اس میں میرا اپنا کوئی ہاتھ نہیں۔ میرا فیملی بیک گراؤنڈ ان کو میری جانب آنے سے روکے رکھتا ہے۔ ایسے میں تم سے شادی......" وہ ایک دفعہ پھر ہنس دیا۔ "تم اپنے والد کو میرے بارے میں مکمل معلومات دو انہیں میری فیملی ہسٹری بتاؤ ذرا، وہ تمہیں مجھ سے شادی کا مشورہ تو دور کی بات سلام دعا کا مشورہ بھی نہیں دیں گے۔" طنزیہ لہجہ آخر میں مذاق اڑانے والا تھا۔ وہ اب پھر ہنس دیا۔ زیبا چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"میں مانتا ہوں میری طبیعت اور مزاج میں شدت پسندی ہے۔ میں یہاں آتا ہوں تو بہت سی چیزوں، بہت سی باتوں سے بھاگ کر آتا ہوں۔ یہاں وقت گزارنا مجھے اپنے کمرے کی گھٹن سے نجات دلاتا ہے۔ یہاں کی رنگینیوں میں اپنے ذہن و دل کو الجھا کر اپنے دل میں پنپتی بہت سی خواہشات کو مار دیتا ہوں۔ یہی میرا ماضی، یہی میرا حال اور شاید مستقبل بھی...... تم زندہ دل لڑکی ہو، تمہارے سامنے زندگی اپنی تمام تر رنگینیوں سمیت منتظر ہے۔ کیوں مجھ جیسے بدمزاج شخص کے پیچھے اپنا وقت برباد کرتی ہو۔ انجوائے یور لائف پریٹی گرل...... انجوائے......" وہ اب مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپ تھپا رہا تھا۔ زیبا چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"تم اپنے ماضی کی وجہ سے ایسی زندگی گزار رہے ہو...... جان بوجھ کر......" کچھ لمحے خاموشی میں گزرے۔ اسی خاموشی کو پھر زیبا نے ہی توڑا۔

"شاید...... یا شاید نہیں...... دراصل بہت عرصہ ہوا، میں نے اپنے آپ میں جھانکنا چھوڑ دیا ہے...... ایک بات بتاؤں، جب انسان کے نزدیک زندگی بے کار ہو جائے تو وہ جیسے مرضی گزرے اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا...... یا شاید معنی رکھتا ہو...... بہرحال میری زندگی کی ترجیحات میں شادی کا لفظ کہیں بھی نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ زیبا جو اس کا ایک ایک لفظ تولنے کی کوشش میں تھی فوراً بولی۔

"اور محبت......" اس نے شارق کی آنکھوں میں جھانکا جیسے وہ کوئی راز پانا چاہتی ہو۔ "کیا یہ لفظ بھی تمہاری زندگی کی ترجیحات سے بے دخل ہو چکا ہے......" وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ہاں شاید......" شارق نے کندھے اچکائے۔ زیبا نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے گردن

ہلائی۔

"تم صرف اپنے آپ کو برباد کر رہے ہو..... چلو آج کی گفتگو سے تمہاری ذات کا ایک سرا تو ہاتھ آیا..... تمہاری باتوں کا یہ مطلب نہیں کہ میں کونفیس ہو چکی ہوں۔ تم مجھے پسند آئے ہو اور تمہاری بے توجہی، لاپروائی بھی مجھے تم سے بدظن نہیں ہونے دے رہی اور نہ ہی میں کبھی ہوں گی۔ میری فیملی، تمہارے فیملی بیک گراونڈ سے متعلق کچھ بھی کہے۔ آئی ڈیم کیئر..... مجھے صرف تمہاری ذات سے سروکار ہے اور ہمیشہ رہے گا..... اوکے میں چلتی ہوں پھر ملیں گے۔" وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

شارق زمان کو حیرت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یہ سب سن کر، تعلق توڑ کر، اس کی انسلٹ کر کے جائے گی مگر اس طرح آرام سے اس کا چلے جانا۔ شارق زمان لب بھینچ گیا۔

* * *

زوباریہ بھابی نے فرح اور علی کے پرزور اصرار پر "ہاکس بے" کا پروگرام بنایا تھا۔ بدھ کا روز تھا، علی اور فرح دونوں نے ہی رات کو پروگرام طے کر لیا تھا کہ کل چھٹی کرنی ہے۔ بھابی کی تجویز پر نوشین اور زرش کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی۔ فون پر بھابی نے ہی چچی سے اجازت لی۔ طاہرہ بیگم کو زوباریہ کی سعود احمد کی فیملی سے اس قدر بے تکلفی قطعی نہیں بھائی۔ ایک تو ان کے ہاں جانا اور پھر اب دونوں بہنوں کو انوائٹ کرنا۔ دل تو چاہا کہ زوباریہ کو ٹوک دیں مگر نتیجتاً بدمزگی کا خدشہ تھا۔ سو تلخ گھونٹ پی گئیں۔ بہت عرصے بعد ان کی ساری اولاد اس طرح اکٹھی کسی پروگرام میں پوری خوشی و آمادگی سے شریک ہو رہی تھی، سو برداشت کر گئیں۔

ساری تیاری رات کو ہی کر لی گئی تھی۔ پروگرام کے مطابق وہ دس بجے کے قریب گھر سے نکل آئے تھے۔ سعید احمد نے خود نوشین اور زرش کو پک کر کے ہاکس بے پہنچنے کا کہا تھا۔ سمعان احمد، عثمان، علی، فرح اور طاہرہ بیگم بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہاں انہوں نے سارے دن کے لیے ہٹ کرائے پر لیا تھا۔ سامان وغیرہ رکھ کر وہ لوگ سمندر کی طرف دوڑے۔ چھٹی کا دن تو تھا نہیں، اسی وجہ سے لوگ بھی کم تھے۔ اکا دکا فیملیز دکھائی دے رہی تھیں۔ اسی لیے وہ سبھی بہت اطمینان سے پانی میں اچھل کود کر کے انجوائے کر رہے تھے۔

حمزہ طاہرہ بیگم کے پاس تھا۔ بھابی، عثمان بھائی، سمعان احمد، فرح، علی پانچوں فٹ بال کھیل رہے تھے جب سعید احمد نوشین اور زرش کو لے کر آ گئے۔

دونوں نے دور سے ہی ان پانچوں کو ہاتھ ہلا کر اپنی آمد سے آگاہ کیا۔ طاہرہ بیگم کو سلام کر کے وہ ہٹ میں اپنا بیگ اور جوتے اتار کر ان لوگوں کے قریب چلی آئیں۔

"السلام علیکم....." فٹ بال کے پیچھے بھاگتا سمعان احمد رک گیا۔ گہرے جامنی لباس میں تمتماتی رنگت لیے بالوں کو لمبے اسکارف سے باندھے ہیرے کی طرح جگمگ کرتی نگاہوں کی چمک دیکھنے والی تھی۔ زرش، فرح اور زوباریہ سے ہاتھ ملا کر اب عثمان اور علی سے ہاتھ ملا رہی تھی۔ سمعان احمد فٹ بال لے کر ان کے قریب ہی چلا آیا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو تم دونوں.....؟" فٹ بال علی کی طرف اچھال کر سمعان احمد نے دونوں کو باری باری دیکھا۔ دونوں ہی مسکرا دیں۔ سمعان احمد نے نوشین سے مصافحے کے بعد زرش کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھرپور جوش سے تھاما۔

"بالکل اے ون..... پتا ہے سمعان بھائی مجھے رات سے ہی اتنی خوشی ہو رہی تھی۔ بہت عرصے بعد آپ لوگوں کے ساتھ "ہاکس بے" کا پروگرام..... مائی گاڈ..... میں بتا نہیں سکتی کہ میں کتنی خوش ہوں....."

خوشی سے تمتماتا چہرہ..... بغیر کچھ سے بھی پڑھا جا سکتا تھا کہ وہ کتنی خوش ہے۔ سمعان کی آنکھوں میں خوش گوار رنگ آ ٹھہرے۔ مسکرا کر اس کا ہاتھ چھوڑا۔

"پتا چل رہا ہے ہمیں..... اس لیے تو چچی جان سے اجازت لی تھی تم دونوں کے لیے۔ ورنہ تم دونوں کے بغیر کچھ مزہ نہ آتا....."

زوباریہ بھابی کی چاہت پر نوشین نے انہیں محبت سے دیکھا۔

"ماما شاید اجازت نہ دیتیں اگر آپ کال نہ کرتیں۔ آتے ہوئے سو ہدایات ساتھ باندھی ہیں انہوں نے....." اس نے ہنس کر بتایا۔

"چلو پھر میرا شکریہ ادا کرو۔ ورنہ اس وقت تم لوگ کالج میں ہوتیں۔" بھابی کی بات پر دونوں ہنس دیں۔

وہ دن بھرپور انداز میں گزرا۔ دسمبر کا مہینہ ہونے کی وجہ سے سمندر کا پانی بھی کافی ٹھنڈا تھا لیکن وہ لوگ انجوائے بھی خوب کر رہے تھے۔ گرم کپڑوں میں ملبوس ان کا زیادہ وقت ریت پر چیختے چلاتے اور انجوائے کرتے ہوئے گزرا۔

سعید احمد کچھ فاصلے پر بیٹھے سب کو انجوائے کرتے گاہے بگاہے دیکھ لیتے تھے البتہ طاہرہ بیگم کبھی ان کے پاس چلی آتیں اور کبھی ہٹ کے اندر چلی جاتیں۔ اس عمر میں ٹھنڈا پانی ان کے جوڑوں کے لیے نقصان دہ تھا، سو وہ ان لوگوں کے کھانے پینے کے انتظام میں ہی لگی رہیں۔ ماجدہ ان کے ساتھ تھی۔ دوپہر کا کھانا سب نے مل کر کھایا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور پھر کچھ دیر سبھی ستانے کو لیٹ گئے۔ واپسی کا ارادہ رات گئے تھا۔ خوبصورت ہٹ میں جس کو جہاں جگہ ملی وہیں لیٹ گیا۔ زرش، بھابی، فرح، نوشین چاروں کتنی دیر تک باتیں کرتی رہیں پھر ایک ایک کر کے سبھی سو گئیں۔ یہ چاروں ایک ہی کمرے میں تھیں، باقی لوگ دوسرے کمرے میں۔

زرش کی آنکھ کھلی تو سبھی ابھی تک سوئے ہوئے تھے۔ اس نے وقت دیکھا تین بج رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ وہ صرف ایک گھنٹہ ہی سو پائی تھی۔ اس نے نوشین کا کندھا ہلایا۔

"نوشی اٹھو....." اس نے پکارا۔ نوشی کسمسائی۔

"کیا ہے سونے دو....." یہ کہہ کر اس نے کروٹ بدل لی۔

زرش اس کی نیند پر لعنت بھیجتے اور دوپٹہ سنبھالتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کولر سے گلاس میں پانی نکال کر

اس نے منہ پہ دو تین چھپاکے مارے۔ کلی کر کے وہ ہٹ کے ٹیرس میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ ٹیرس سے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا نظارہ بہت بھرپور تھا۔

زرش کا جی سمندر کی لہروں کے ساتھ دور تک جانے کو مچلنے لگا۔ اب تک وہ سبھی تایا ابو کی بھرپور ہدایت کے تحت صرف ریت تک ہی محدود رہے تھے۔ پانی کے اندر تک جانے کی غلطی نہیں کی تھی کہ موسم سرد ہے۔ آگے تک نہیں گئے تھے مگر اب، جب تک وہ لوگ اٹھ کر باہر آتے اس نے لہروں کا تعاقب کر کے واپس بھی آ جانا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹیرس سے ہٹ گئی اور جوتے وہیں ٹیرس کی سیڑھیوں پر اتار کر ہٹ سے باہر نکل آئی۔

"ویسے مجھے یوں تنہا نہیں آنا چاہیے تھا۔" تھوڑی دور ہی چلی تھی کہ اس کا دل اسے ملامت کرنے لگا۔ وہ سر جھٹک کر چلتی رہی۔ گیلی ریت کی ٹھنڈی، سرد ہوائیں اس کے بدن کو عجیب سا سرور بخش رہی تھیں۔ وہ ایک دم سب بھول بھال گئی۔ سمندر اسی طرح اسے دیوانہ بناتا تھا۔ ہر بار وہ یہاں آ کر بیگانہ ہو جاتی تھی۔ لہریں اس کے پاؤں کو چھو رہی تھیں۔ وہ پانی میں چلتی رہی یہاں تک کہ پانی گھٹنوں تک آ گیا۔

"واہ......! کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ کیا تھا میں فرح کو ہی ساتھ لے آتی۔" اس وقت لوگ تھے مگر کم...... کہیں کہیں دکھائی دے رہے تھے۔ لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ واپس پلٹی لیکن چٹانوں کو دیکھ کر وہ ادھر چلی آئی۔ وہ ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں پانی میں لٹکائے وہ جھک جھک کر ہتھیلیوں میں مسلسل پانی بھرنے کی کوشش میں تھی۔ چٹان کافی اونچی تھی۔ اس کے ساتھ کئی چٹانیں تھیں۔

"تم یہاں اکیلی کیوں آئیں......؟" سمعان احمد کی آواز پر وہ ایک دم ڈر گئی تھی۔ فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ سمعان احمد عقب میں تھے۔

"آپ...... اف اللہ...... حد کرتے ہیں آپ بھی...... ڈرا کے رکھ دیا......"

اس کا دل خوف سے کانپنے لگا اور اس کے ہاتھ سنسنا رہے تھے۔ ایک خفت بھری نظر سمعان پہ ڈالی۔ جو اسے ہی گھور رہا تھا۔

"تم اکیلی کیوں آئیں......؟" اس کے ڈرنے کی پروا کیے بغیر دوبارہ وہی سوال دہرایا۔

"یونہی...... باقی سب سو رہی تھیں...... میرا دل چاہا یہاں آنے کو سو میں چلی آئی......" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ سمعان احمد کو اس کا یہ انداز ذرا نہ بھایا۔ اردگرد دیکھا۔ اس وقت یہ جگہ تقریباً سنسان ہی تھی، کم ہی لوگ تھے۔ ایسے میں زرش کو یوں اکیلے چلے آنا اور اس جگہ بیٹھنا۔ وہ تو سمعان کی یونہی آنکھ کھل گئی۔ ٹیرس پہ ٹہلتے یونہی چٹانوں کی طرف نگاہ چلی گئی۔ کافی فاصلہ تھا مگر وہ پھر بھی پہچان گیا تو فوراً یہاں آیا۔

"اتنا لاپروا نہیں ہونا چاہیے۔ کم از کم لڑکی ذات کو قطعی نہیں...... ایسی جگہوں پر اکیلے گھومنا پھرنا بعض اوقات بہت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔" اس کے پاس ہی چٹان پہ بیٹھتے سمعان نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔ زرش کو ایک دم احساس ہوا وہ واقعی غلطی کر چکی ہے۔

"آئی ایم سوری...... آپ کو پتا ہے سمندر مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ٹیرس پہ کھڑی تھی کہ اچانک دل یہاں آنے کو مچل اٹھا۔" وہ اپنی ازلی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ سمعان نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ سورج کی صاف شفاف کرنیں براہ راست اس کی چمکتی دمکتی جلد کو مزید جگمگا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی سنہری رنگت کتنی خیرہ کن تھی۔ سمعان احمد ایک دو لمحے کے لیے مبہوت سا ہو گیا۔ لاپروائی سے کندھے پہ ڈالا دوپٹہ۔ بلو خوبصورت اسکارف میں جکڑے بال اور گالوں پہ جھولتی شریر لٹ۔

سمعان احمد نے ہاتھ بڑھا کر چہرے پہ جھولتی شریر لٹ کو انگلی کے ذرا سے خم سے پیچھے کیا۔

"پھر بھی احتیاط ضروری ہوتی ہے۔ تم ہم میں سے کسی کو اٹھا لیتیں......" سمعان احمد کی آواز بوجھل سی عجیب احساس لیے ہوئے تھی۔ زرش ایکدم الجھی۔ چونک کر سمعان احمد کو دیکھا۔ وہ اس پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ جھجکتے ہوئے عجیب سے احساس کا شکار ہو گئی۔

سمعان احمد سے لاکھ انسیت و بے تکلفی سہی مگر بحیثیت لڑکی ایک جھجک خود بخود وقت گزرنے کے ساتھ ان کے درمیان آ ٹھہری تھی۔ کبھی سمعان احمد کے معاملے میں وہ خود بے خود ہو جاتی تھی لیکن اس وقت اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ جسے وہ کوئی نام نہ دے سکی مگر وہ سر جھٹک گئی۔

"سمعان بھائی کیا بات ہے......؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں......؟" وہ سمعان احمد کی مسلسل گہری جائزہ لیتی نگاہوں سے خائف ہو گئی۔ دل اندر ہی اندر سکڑنے سمٹنے اور پھیلنے لگا تھا۔

سمعان احمد ایک دم نگاہ پھیر گیا۔ اپنی بے خودی و بے اختیاری خود ہی خفت سے دوچار کر گئی۔ جذبوں میں ارتعاش برپا ہو گیا۔ سمعان احمد نے جھک کر ہتھیلی میں پانی بھرا۔

زرش کو سمعان کی اس حرکت سے کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ ناسمجھی میں اس نے کندھے اچکائے۔

"سمعان بھائی......" اس نے پکارا پھر بھی سمعان نے سر نہ اٹھایا۔ ہتھیلی سے ایک گرتے قطرے کو دیکھنے لگا۔

"ہوں......" جھکے سر سے ہی کہا۔

"ایک بات پوچھوں......؟" جھجکتا انداز تھا۔ سمعان نے سر اٹھایا اور زرش کو دیکھا۔ وہ الجھی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ہوں......"

"آپ کسی کو پسند کرتے ہیں......؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ ایک پل کو سمعان کے اندر ایک سناٹا سا چھا گیا۔ ہر طرف ایک ہی سوال تھا۔ "آپ کسی کو پسند کرتے ہیں......؟"

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" سمعان احمد نے فوراً خود کو سنبھالا...... سنجیدگی سے اس کا چہرہ جانچا۔

"بس یونہی...... دیکھیں نا...... گھر میں آج کل صرف ایک ہی ٹاپک چل رہا ہے "آپ کی شادی" ماما، پاپا اکثر اس قسم کی باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ہادیہ آپی آئی ہوئی ہیں وہ بھی یہی باتیں کر رہی ہیں۔ بس ان کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ آپ خود کسی کو پسند کرتے ہیں......" کتنے آرام سے وہ

سمعان احمد کے دل کے انتشار کو بے بسی و بے خودی کی زد میں لے آئی تھی۔ کتنے سکون سے وہ دل کے تاروں پہ ہاتھ مار گئی تھی۔ سمعان احمد نے لب بھینچ لیے۔ بمشکل دل میں مچلتے جذبوں کو زبان دینے سے روک پایا۔ وہ ایک انسان تھا۔ عام سا انسان مگر اپنی بشری کمزوری پہ قابو پاتے ہوئے خود کو روک لیا۔

”پاگل ہو تم...... ایسی کوئی بات نہیں...... میں جب بھی شادی کروں گا امی ابو کی باہمی رضامندی سے ہی کروں گا۔ امی، ابو کی پسند میری پسند ہوگی......“

”مگر تائی امی تو فوزیہ آپی کو آپ کے لیے لانا چاہتی ہیں اور پتا ہے سمعان بھائی فوزیہ آپی کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔ اس رات جب ہوٹل میں ہم نے فوزیہ آپی کو دیکھا تھا۔ ان کے ساتھ جو لڑکا تھا۔ شاید وہی تھا...... آپ نے دیکھا ہے ناں......؟“

وہ بتا رہی تھی۔ سمعان احمد کو ناگواری کا احساس ہوا......

”تم اپنی عمر کے مطابق باتیں کیا کرو...... فوزیہ کیا کرتی ہے یا کیا نہیں تمہارا ہیڈک نہیں۔ اپنی پڑھائی پہ توجہ دو...... ہادیہ بھی کیا بچکانہ باتیں کرتی ہے تم لوگوں کے سامنے...... چچی امی منع نہیں کرتیں......“

سمعان کے یوں ناگوار لہجے پہ زرش ایکدم حقیقت سے ارتعاش کی زد پر آ گئی۔ اسے یونہی دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی سو کہہ دی۔ کیا پتا تھا سمعان احمد یوں ڈانٹ دے گا۔

”آئی ایم سوری...... ماما تو منع کرتی ہیں مگر...... اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔“

”مگر تم لوگ ضرور سن لیتی ہو...... بڑی بری بات ہے یوں چھپ کر باتیں سننا۔“

”نہیں...... نہیں...... چھپ کر کب سنتے ہیں...... وہ لوگ آپس میں ڈسکس کر رہی ہوتی ہیں یونہی کانوں میں پڑ جاتی ہے......“ سمعان کے ڈانٹنے والے انداز پر اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔ سمعان نے بغور دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔ وہ کچھ زیادہ ہی خفا ہو رہا تھا۔ نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”اپنی پڑھائی پہ توجہ دیا کرو...... آگے بڑی زندگی پڑی ہے ان باتوں کے لیے۔ یہ خاندانی معاملات ڈسکس کرنے کے لیے نہیں ہوتے ہیں مگر ان کو یوں سوچنا اور سوال کرنا بعض اوقات ذہن کو بھی الجھا دیتا ہے۔ کوشش کرو کہ کبھی ان معاملات میں نہ الجھو سوائے تکلیف و اذیت کے کچھ ہاتھ آنے والا نہیں۔“ زرش کا ہاتھ تھام کر ہولے سے تھپ تھپاتے ہوئے سمعان احمد نے سمجھایا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔ سر ہلانے سے زرش کے گلے میں جھولتا لاکٹ بھی حرکت کرنے لگا۔ ”Z.S“ کے الفاظ پر سمعان احمد کی نظریں بھٹک گئیں۔

”یہ لاکٹ تمہارے گلے میں بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔ جب خریدا تھا تو اندازہ نہیں تھا کہ اتنا خوبصورت اور قیمتی ہے مگر اب......“ ہاتھ بڑھا کر انگلی پینڈل کی نوک پر رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ زرش جھینپ گئی۔

”تمہارے کالج میں اجازت ہے ایسی جیولری پہننے کی۔“ سمعان احمد نے ہاتھ ہٹا لیا۔ زرش نے فوراً غیر محسوس انداز میں دوپٹہ گلے میں لپیٹ لیا۔ اس کی، اس حرکت پر سمعان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگنے لگی۔

”نہیں......“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”فرح نے بھی پہن رکھا ہے، تم نے بھی...... فائن نہیں ہوتا تم لوگوں پہ......“ سمعان نے مزید پوچھا۔ ہیروں کی طرح جگمگاتی آنکھیں جھک گئی تھیں۔ گھنی اور لانبی پلکیں لرز رہی تھیں۔ زرش کے وجود میں ایسی دلکشی پہلی دفعہ سمعان احمد کو محسوس ہوئی۔ (یعنی یہ لڑکی میری گہری نگاہ کو پڑھنا بھی جانتی ہے) ایک نیا احساس جاگا تھا۔

”کالج کے اوقات میں ہم دونوں گلے سے اتار لیتی ہیں...... گھر آ کر پھر پہن لیتی ہیں۔“ وہ بتا رہی تھی۔ سمعان مسکرا دیا۔

”اوکے ویل...... اٹھو اندر چلتے ہیں۔ باقی لوگ اٹھ گئے ہوں گے......“ سمعان احمد چٹان سے اتر چکا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ زرش کی طرف بڑھایا لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ چٹان اونچی تھی۔ بیٹھتے ہوئے تو وہ اچھل کر بیٹھ گئی تھی۔ اب اترتے ہوئے چھلانگ لگا کر اترنا پڑتا۔ نیچے گھٹنوں تک پانی تھا۔ ذرا سا پھسلتی تو پانی میں گرتی۔ اس نے دوسری چٹان کی طرف دیکھا، وہ تھوڑی چھوٹی تھی۔ اس پہ چھلانگ لگا کر وہ آرام سے دوسری طرف کود سکتی تھی۔ وہ چٹان پہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آرام سے...... دھیان سے پاؤں جما کر اترو......“ سمعان احمد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سر ہلا کر اس نے دوسری چٹان کو دیکھا۔ دونوں چٹانوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ اس نے لاپروائی سے چھلانگ لگائی مگر پاؤں مضبوطی سے جمنے کے بجائے لڑکھڑا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا توازن برقرار رکھتی دوسری طرف ٹھہرے پانی میں جا گری۔

”زرش...... زری......“ زرش کو گرتے اور چیخ مارتے دیکھ کر سمعان احمد چیخا اور جلدی سے اس کی طرف ٹھہرے پانی میں کود گیا۔

* * *

رضا کا بخار اترا تو انتہائی خاموشی سے زندگی کے دیگر معمولات بھی شروع ہو گئے۔ کالج اکیڈمی کا سلسلہ پھر چل نکلا مگر زبیدہ کے سمجھانے کا اثر تھا یا پھر انکار کا۔ اس نے زبان پر دوبارہ نویرہ کا نام نہیں لیا لیکن وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی خاموشی زبیدہ اور رمشا کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

آج وہ کالج سے آنے کے بعد لیٹ گیا تھا۔ اکیڈمی بھی نہیں گیا تھا۔ سارا وقت کمرے میں ہی پڑا رہا تو زبیدہ بیگم کو تشویش ہوئی۔ وہ محسوس کر رہی تھیں کہ رمشا اب رضا کے معمولات و کاموں میں حصہ نہیں لیتی۔ وہ کچھ کہتی تو وہ کام کر دیتی تھی ورنہ رضا سے خود دور ہی رہتی۔ پہلے تو ان کا دل چاہا رمشا کو بھیجیں وہ پوچھے تو سہی کہ اکیڈمی کیوں نہیں گیا مگر پھر خود ہی چلی آئیں۔

وہ تمام روشنیاں گل کیے لیٹا تھا۔

''رضا.....'' انہوں نے پکارا پھر آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ رضا نے تیز روشنی سے بچنے کے لیے ایک دم آنکھوں پہ بازو رکھ لیا۔

وہ اس کے پاس بستر پہ آ گئیں۔

''کیا بات ہے..... طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کالج سے آنے کے بعد نہ کچھ کھایا، نہ پیا تب سے لیٹے ہوئے ہو۔ اکیڈمی بھی نہیں گئے..... خیریت ہے ناں؟'' نہایت تشویش سے کہتے اس کے بالوں پہ ہاتھ رکھا۔ رضا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مزید فکرمند ہو گئیں۔

''رضا..... کیا بات ہے.....؟ ہٹاؤ بازو..... میں کچھ کہہ رہی ہوں.....'' انہوں نے خود ہی رضا کا بازو اس کے چہرے سے ہٹا دیا مگر رضا کا چہرہ دیکھ کر انہیں ایک جھٹکا لگا۔ سرخ انگارہ آنکھیں..... نمی سے تر چہرہ..... انتہائی خوفناک لگ رہا تھا۔ وہ اس وقت......

''رضا.....'' وہ بے یقینی سے پکارنے لگیں۔

''آپ مجھے میرے حال پہ چھوڑ کیوں نہیں دیتیں.....؟'' انتہائی تلخی سے اس نے ان کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا۔

''بس دل نہیں چاہ رہا اکیڈمی جانے کو..... اور اب میں وہاں نہیں جاؤں گا..... بتا دیجیے گا ابو کو..... زہر لگتا ہے مجھے فاروق نواز.....'' وہ ایکدم ابل پڑا۔ زبیدہ ششدر رہ گئیں۔

''یہ کیا پاگل پن ہے رضا..... آہستہ بولو.....'' انہوں نے ڈانٹا۔ وہ سر جھٹک کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا چاہتی ہیں آپ، اب جینا بھی چھوڑ دوں۔ آپ مجھے میرے حال پہ چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ میں پاگل ہوں، مجھے پاگل پن سمیت میرے حال میں جینے دیں۔ جائیے یہاں سے..... جائیں.....'' کتنے دنوں بعد وہ واپس اپنی جون پہ آیا تھا۔ وہی مشتعل انداز..... ضدی لہجہ..... زبیدہ کا دل رک رک کر چلنے لگا۔

''تم مجھے رسوا کر کے رہو گے.....'' ان کا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

رضا نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

''فاروق نواز..... بڑا ہے تم سے..... بھائی کی جگہ ہے۔ اتنی نفرت کیوں کر رہے ہو..... اس طرح تو تم خود کو تباہ و برباد کر لو گے..... اس میں بھلا نواز کا کیا قصور۔ تمہیں اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیے۔ ایسی بھی کیا عمر کہ انسان دیوانگی کا ہاتھ تھام لے۔ بی ایس سی آنرز کے آخری سال میں ہو، اب اتنے بچے بھی نہیں ہو کہ تمہاری ہر ضد کو بچے کی ضد کہہ کر میں تمہارا ساتھ دوں۔'' انہیں رضا کے رویے سے شاک پہنچا تھا۔ رضا چپ بیٹھا رہا..... انہوں نے اچھا خاصا سخت لہجہ اپنایا تھا۔

مجھ سے برداشت نہیں ہوتا..... کچھ بھی برداشت نہیں ہوتا۔ آپ ابو سے بات کر کے دیکھیں تو سہی..... ابھی ایسا بھی وقت نہیں گزرا حالات سنبھل سکتے ہیں۔''

انہوں نے بے انتہا غصے سے رضا کو دیکھا۔ رضا نے ان کا ہاتھ تھاما تو ایکدم جھٹک دیا۔

''پاگل پن کی باتیں مت کرو رضا..... ایسا کبھی نہیں ہو سکتا..... میں نے تمہیں کتنا سمجھایا ہے مگر تم اسی مقام پر ہو..... اسی جگہ پر.....'' وہ دکھ سے چپ ہو گئیں۔

''مجھے بھی تو کوئی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا.....'' اس نے شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ زبیدہ نظریں چرا گئیں۔ وہ غلط چیز کے لیے ضد کر رہا تھا۔ وہ کھیلنے کو چاند مانگ رہا تھا تو کیا وہ اس کے ہاتھ میں انگارہ تھما دیتیں۔ وہ جانتی تھیں کہ کتنی رسوائی ہے اس میں مگر وہ اسے کیسے سمجھاتیں۔

''رضا میری بات کان کھول کر سن لو..... قیامت تک تمہارے باپ سے یا کسی سے بھی میں ایسی بات نہیں کروں گی جس سے نویرہ کی رسوائی ہو۔ ہاں اگر تم نے زبان کسی اور کے سامنے کھولی تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے..... سچ کہہ رہی ہوں اسی وقت کچھ کھا کے مر جاؤں گی.....'' انہیں اب رضا کی ضد غصے سے دوچار کرنے لگی تھی۔

ماں کی اس دھمکی پر وہ بے یقینی سے دیکھنے لگا۔

''آپ مجھے دھمکی دے رہی ہیں۔'' بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس کی ہر جائز ناجائز بات میں اس کا ساتھ دینے والی ماں اس بات پہ کچھ کھا کر مر جانے کی دھمکی دے رہی تھی۔

''میری ضد بے جا تو نہیں۔'' اس کا لہجہ دکھی ہو گیا۔ زبیدہ کا دل کٹنے لگا۔ تاہم انہوں نے خود کو سخت بنائے رکھا۔ ذرا سی ہمدردی رضا کے حق میں غلط ہو سکتی تھی۔

''اتنی جائز بھی نہیں۔ تم اسے دھمکی سمجھو یا کچھ اور..... تم بے شک ہماری اکلوتی اولاد ہو لیکن اس

خیال میں مت رہنا کہ تمہارا ساتھ دوں گی۔ کچھ کھا لوں گی مگر نہ خود رسوا ہوں گی، نہ نویرہ کو ہونے دوں گی۔ بہتر ہے زبان بند ہی رکھو......" وہ اسے سختی سے جتا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

رضا کی آنکھوں کی سرخی ایکدم بڑھ گئی۔

"تم نواز کے پاس اکیڈمی نہیں جانا چاہتے ہو مت جاؤ...... میں تمہارے باپ سے بات کر لوں گی مگر تمہارا یہ سال بہت اہم ہے اسے ضائع مت کرو...... اپنی پڑھائی پر توجہ دو...... وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اب کی بار انہوں نے نرمی سے کہا تو رضا نے منہ پھیر لیا۔ زبیدہ ایک دو منٹ ٹھہریں کہ شاید وہ کچھ کہے مگر پھر کمرے سے نکل آئیں۔

کچن میں رمشا رات کے کھانے کا اہتمام کر رہی تھی۔ انہوں نے اسے بغور دیکھا۔ سی گرین سوٹ میں وہ بہت پیاری اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ رضا اور رمشا دونوں ہم عمر ہی تھے۔ ایک حادثے میں والدین کا انتقال ہو گیا تھا تب سے انہوں نے رمشا کو اپنے گھر میں ہی رکھ لیا تھا۔ رمشا کے مرتے والدین سے انہوں نے رمشا کو اپنی بیٹی بنا کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اب رضا کی ضد......

انہوں نے سر جھٹکا۔

"کیا کر رہی ہو......؟" وہ کچن کے اندر چلی آئیں۔ وہ پھوپی کو دیکھ کر پلٹی پھر مسکرائی۔

"چکن پلاؤ بنانے کا ارادہ ہے۔ مسالہ تیار کر رہی ہوں۔ انکل کو بہت پسند ہے ناں۔ چکن پلاؤ رضا بھی بہت شوق سے کھاتا ہے۔"

انہوں نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی۔ روانی میں آج کتنے دنوں بعد اس کے منہ سے رضا کا نام سن رہی تھیں ورنہ وہ اب رضا سے نہ صرف خود دور رہتی تھی بلکہ اس کے ذکر تک سے اجتناب برت رہی تھی۔

"کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کے معاملے میں دونوں باپ بیٹا بھلا کب ضد کرتے ہیں صبر شکر سے جو مل گیا کھا لیتے ہیں مگر "ضد" کے معاملے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ رضا بالکل باپ پر گیا ہے۔ مجھے تو اب اس سے خوف آنے لگا ہے......"

وہ فریج سے دودھ نکال کر چائے بنانے کی نیت سے چولہے کی طرف بڑھیں۔ زبیدہ کی بات سن کر رمشا کے تاثرات بدلنے لگے۔

"اللہ ہدایت دے...... میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔ مجھے تو ہول اٹھتے ہیں کہ اگر کسی دن ضد میں یا انجانے میں وہ کسی اور کے سامنے نویرہ کا نام لے بیٹھا تو کیا ہوگا۔ قیامت نہ آ جائے گی خاندان بھر میں...... میں جانتی ہوں اس خاندان کے مردوں کو باہر جو مرضی، من مانی کر آئیں گھر کے اندر کی عورت کو کوئی میلی آنکھ سے بھی دیکھ لے، الٹا سیدھا سوچ لے تو جان لینے پر تل جاتے ہیں۔" انہوں نے برتن میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا۔ رمشا لب بھینچے سنتی رہی۔

"نویرہ کو میں جانتی نہ ہوتی تو پہلا خیال دل میں یہی آتا کہ اس نے میرے بیٹے کو غلط راہ پر لگایا ہے، اب اپنا ہی "بیٹا" کم عقلی دکھائے تو دوسروں کو کیا الزام دوں۔ نویرہ کی شرافت، کردار کی پاکیزگی کی گواہی سارا خاندان دے گا۔ ایک طرف کر دے گا ہمیں اگر کسی کو رضا کے جذبات کی بھنک بھی پڑ گئی تو......"

وہ کتنی دیر رضا سے الجھ کر آئی تھیں۔ اندر وحشت بسیرا کر چکی تھی۔ دل کا غبار نکالنے کے لیے رمشا کے سوا کوئی اور وجود بھی تو نہ تھا۔ رمشا کو اس ذکر سے کتنی اذیت اور تکلیف ہوتی ہوگی وہ بخوبی اندازہ لگا سکتی تھیں۔

رمشا کا دل ایکدم اچاٹ ہونے لگا۔ کتنے شوق سے آج وہ پلاؤ بنانے کے ارادے سے آئی تھی مگر اب پھوپی کی گفتگو...... وہ خاموشی سے کام کرتی رہی۔ جتنی دیر میں زبیدہ نے چائے بنائی، اتنی دیر میں اس نے ابلتے پانی میں چاول ڈال کر چولہے کی آنچ تیز کر دی۔

زبیدہ نے ایک کپ میں چائے ڈال کر اس کے پاس رکھی اور دوسرا کپ لے کر وہ کچن سے باہر نکل گئیں۔

"رضا کو دے آؤں...... کمرے میں بند نجانے کیا کیا سوچتا رہتا ہے پھر طبیعت خراب کر لی تو سردی کے موسم میں برا حال ہو جائے گا۔ ضدی ہے، کم عقل ہے، جذبات کا سمندر تلاطم خیز ہے، اللہ ہدایت دے۔ آہستہ آہستہ سمجھاتی رہوں گی تو شاید سمجھ ہی جائے۔" وہ ایک گہری اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

زبیدہ بیگم کے کچن سے جاتے ہی رمشا نے چمچ چولہے پر پٹخا۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔ اس نے اپنے لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

"رضا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی...... نویرہ تمہیں کبھی ملنے والی نہیں لیکن میری طرف سے منہ موڑا تو سب کچھ ملیا میٹ کر دوں گی...... کچھ بھی باقی نہیں رہنے دوں گی۔ نہ تمہیں، نہ تمہاری نویرہ کو......" اس کے اندر سب تہس نہس کر دینے کی آگ جل رہی تھی۔ وہ نفرت کی انتہا پر تھی۔

گزشتہ دنوں اس نے جس قدر نویرہ سے نفرت کی تھی، جتنی بددعائیں اسے دی تھیں۔ یہ صرف وہی جانتی تھی۔ رضا سے وہ متنفر و کھنچی کھنچی سی رہ رہی تھی مگر اندر کی آگ جوں کی توں تھی۔ رضا کو اس کی پروا ہی کب تھی۔ یہ احساس ہی اسے ذلت کی گہرائیوں میں جا دھکیلتا تھا۔ رضا نے نویرہ کے لیے اسے ریجیکٹ کیا تھا۔ وہ یہ بھول نہیں پا رہی تھی۔

* * *

پاؤں لڑکھڑایا اور وہ بے توازن ہو کر ٹھاٹھیں مارتے پانی میں جا گری۔ خوف سے اس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

"زرش...... زری......" سمعان چند لمحے کچھ بھی سمجھ نہیں پایا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تھا تاکہ وہ اسے تھام کر نیچے اترے مگر وہ ہاتھ نظر انداز کر کے پیچھے کی طرف سے خود اترنے لگی اور ایک دم گری اور جب وہ سمجھا کہ سچویشن کیا ہے تو وہ فوراً دوسری طرف آ گیا۔

"سمعان بھائی......" وہ گری ضرور تھی اس کے ماتھے پر چٹان کا سرا لگنے سے گہری چوٹ آئی تھی۔

سمعان احمد کو اپنی طرف دیکھ کر اس نے اپنے منتشر ہوتے حواس سنبھالنے کی کوشش کی مگر درد سے نڈھال وہ ریت پر جھکتی چلی گئی۔

”زری...... تم ٹھیک تو ہونا......؟“ پانی اتنا گہرا نہیں تھا۔ وہ دونوں ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھے اوندھے منہ تھی۔ سمعان احمد نے فوراً اسے کندھوں سے تھاما۔

”زری......“ وہ جھکی ہوئی تھی صرف ایک دفعہ سمعان کو پکار کر وہ خاموش ہوگئی تھی۔ سمعان احمد چیخا۔ اس کو سیدھا کیا۔ اس کے ماتھے کے بائیں طرف کنپٹی کے قریب سے خون کی لکیر بہہ رہی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ...... زرش یہ تو بلیڈنگ ہو رہی ہے۔“ سمعان کو ایک لمحے کے لیے کچھ سمجھ نہیں آئی کہ کیا کرے۔ زرش درد کی شدت سے نڈھال ہو رہی تھی۔ تکلیف دبانے کو لب بھینچ رکھے تھے۔ ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی لہروں سے دونوں ہی بھیگ چکے تھے۔

”اٹھو...... چلو...... ہٹ میں چلتے ہیں......“ سمعان احمد نے اس کے گرد بازو پھیلایا اور سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”مجھ سے نہیں چلا جاتا...... میرا سر گھوم رہا ہے......“ دوپٹہ ماتھے پر رکھ کر اس نے سمعان کو دیکھا۔

”کیا ہوا ہے......؟“ اس سے پہلے کہ سمعان احمد جواب میں کچھ کہتا عقب سے آئی آواز پر دونوں ہی چونکے۔ سعید احمد اور علی دونوں ہی کھڑے تھے۔ زرش کے ماتھے سے خون بہتے دیکھ کر دونوں ہی ایکدم پریشان ہوگئے۔

”زری...... یہ کیا ہوا......؟ کیسے لگی چوٹ......“ سعید احمد ایکدم آگے بڑھے تو سمعان ایک طرف ہو گیا۔ سعید احمد نے بے تابی سے اسے تھاما...... وہ جو بمشکل اپنی تکلیف برداشت کر رہی تھی رو دی۔

”تایا ابو......“ وہ ان کے بازو میں منہ چھپا کر رو دی...... انہوں نے سمعان کو دیکھا۔

”کیا ہوا...... کیسے لگی چوٹ......“

”یہاں سے گر گئی...... پاؤں پھسل گیا تھا۔“ اس نے چٹان کی طرف اشارہ کیا۔

”علی بہن کو سہارا دو...... چلو زرش اندر ہٹ میں چلتے ہیں......“ انہوں نے متفکر کھڑے علی کو پکارا تو وہ فوراً آگے بڑھا۔ سعید احمد اور علی دونوں کے سہارے سے وہ ہٹ تک آئی۔ اندر سبھی اٹھ چکے تھے۔

”ہائے...... زری یہ کیا ہوا......“ جیسے ہی وہ دونوں کے سہارے اندر داخل ہوئی نوشی اور فرح دونوں ہی دیکھ کر چیخ اٹھیں۔

”گر گئی ہے......“ علی نے بتایا۔ نوشی کا دل خون دیکھ کر کانپنے لگا۔

”کیسے......؟“ نوشی نے فوراً اس کا بازو تھاما۔ زرش کے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔ انہوں نے ہٹ کے کمرے میں لا کر اسے بٹھا دیا۔

زوباریہ بھابی اس کے دوپٹے سے ہی اس کا زخم صاف کرنے لگیں۔

”زخم زیادہ گہرا نہیں مگر بینڈیج تو ضرور ہوگی ورنہ بلیڈنگ نہیں رکے گی......“

اس کے اردگرد سبھی موجود تھے۔

”یہ وہاں کر کیا رہی تھی...... جب ہم سب یہاں تھے تو یہ اکیلی وہاں کیوں گئی......“ طاہرہ بیگم علی کی زبانی چوٹ لگنے کی وجہ سن چکی تھیں، ایکدم ناگواری سے کہا۔

ان کی تیز، ناگوار آواز پر کسی اور نے دھیان دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر سمعان اور سعید احمد دونوں ہی چونکے۔ سمعان نے ماں کا چہرہ دیکھا۔

”کس قدر نفرت انگیز نظروں سے وہ زرش کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ سن کھڑا رہ گیا۔

”بچی ہے...... چلی گئی تھی کیا پتا تھا چوٹ لگ جائے گی......“ سعید احمد بھی تاثرات نوٹ کر چکے تھے۔ وہ بھی تلخی سے بولے۔

”اب اتنی بھی بچی نہیں...... سب چال بازیاں جانتی ہوں۔“ اب کے انہوں نے اندر کی کھولن کا برملا اظہار کیا۔ کسی کی بھی موجودگی کا خیال نہیں کیا۔ سبھی حیران ہوئے کہ یہ اچانک انہیں ہو کیا گیا ہے۔ زرش نے الجھ کر دیکھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا......؟“ سعید احمد بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے مگر طاہرہ بیگم کے لب و لہجے میں چھپی کاٹ انہیں ہضم نہیں ہوئی۔

”آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں......“ وہ تیز اور تلخ آواز میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ سمعان نے تعجب سے باپ کو دیکھا جو اپنے غصے کو بمشکل کنٹرول کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے جب طاہرہ بیگم کی آنکھ کھلی تھی تو کمرے سے نکل آئیں۔ سمعان کو نہ پا کر انہوں نے یونہی دوسرے کمرے میں جھانکا تو زرش بھی موجود نہیں تھی۔ ان کے اندر گویا آگ کے گولے جل اٹھے۔ سمعان کے جذبات سے آگہی نہ بھی ہوتی تب بھی وہ زرش کو کبھی برداشت نہ کر پاتیں اور اب...... ان کا ذہن بہت دور تک، بہت غلط انداز میں سوچ رہا تھا۔ اندر ہی اندر کھول رہی تھیں۔ اسی لیے انہوں نے علی کو اٹھا کر باہر بھیجا تھا۔ اسی وقت سعید احمد بھی اس کے ساتھ ہو لیے تھے مگر اب زرش اور سمعان دونوں کو اچھا خاصا بھیگا دیکھ کر ان کے تن بدن میں بھڑکتی آگ مزید سلگنے لگی۔ ان کا ذہن بہت دور تک سوچ رہا تھا۔

سعید احمد کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی طاہرہ کی رفاقت کا پس منظر کچھ کچھ سمجھ رہے تھے۔ انہیں اپنے بچوں کے سامنے بیوی کے اس لب و لہجے پر رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔

”یہ زوباریہ، نوشی اور زرش بھی کیا سوچتی ہوں گی......“ انہوں نے سلگتی نظر دروازے کے باہر ٹیرس پر جھکے طاہرہ بیگم کے وجود پر ڈالی پھر تلخی سے سر جھٹکا۔ سمعان احمد ان کے ایک، ایک تاثر کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

”زوباریہ بیٹا!...... زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں ہے......“ انہوں نے اپنے غصے کو پس پشت ڈال کر پوچھا جواب ٹشو سے زرش کے زخم کو صاف کر رہی تھی۔ زوباریہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں پاپا...... لیکن ڈاکٹر کو دکھا دینا چاہیے...... فرسٹ ایڈ کا سامان ہوتا تو میں ہی ڈریسنگ کر دیتی لیکن ابھی ڈاکٹر کو دکھا دینا چاہیے۔ سمندری پانی زخموں کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے......“

انہوں نے سر ہلایا پھر جیب سے چابی نکال کر بالکل خاموش کھڑے سمعان احمد کی طرف بڑھائی۔

"جاؤ سمعان زرش کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ...... بینڈیج وغیرہ کروا کر لے آؤ رات تو یہیں ہیں۔ ایسے میں زخم خراب بھی ہو سکتا ہے۔"

سمعان احمد نے تعجب سے باپ کو دیکھا۔ گاڑی کی چابی تو اس کے اپنے پاس بھی تھی لیکن سعید احمد کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

"جی...... میں اپنی گاڑی نکالتا ہوں آپ زرش کو لے آئیں......" دوسرے کمرے میں جا کر اس نے اپنا پرس اٹھایا جو لیٹنے سے پہلے اس نے سائیڈ پر رکھا تھا اور اٹھنے کے بعد اٹھانا بھول گیا تھا۔

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر زرش کو بٹھا کر سعید احمد نے دروازہ بند کر دیا۔

"دھیان سے لے جانا...... اور زرش بیٹا پریشان نہیں ہونا، چھوٹا سا زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا......"

طاہرہ بیگم کی ضد میں وہ جان بوجھ کر زرش کو سمعان کے ہمراہ بھیج رہے تھے۔ ٹیرس پر کھڑی طاہرہ بیگم دونوں کو جاتا دیکھ کر بل کھا کر رہ گئیں۔ وہ پاؤں پٹختی وہاں سے ہٹ گئیں۔ سمعان نے گاڑی اسٹارٹ کی تو سعید احمد پیچھے ہٹ گئے۔

"زیادہ درد تو نہیں ہو رہا ہے۔" خون رک چکا تھا تاہم تکلیف تو برقرار تھی۔ سمعان نے پوچھا تو زرش مسکرائی۔

"ہوں...... ہو رہا ہے...... میری اپنی غلطی ہے، مجھے اکیلے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا اگر چلی گئی تھی تو ادھر چٹان پر جا کر نہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔ کتنی اونچی تھی، بیٹھ تو آرام سے گئی مگر اترتے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔" وہ سر جھکائے ندامت سے کہہ رہی تھی...... سمعان نے اسے ایک نظر دیکھا۔

"تائی امی کو میرا اکیلے سمندر کے کنارے جانا اچھا نہیں لگتا ناں۔"

سمعان احمد کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی معصومیت اور ناسمجھی پر مسکرائے یا پھر اذیت سے سر جھٹک دے۔

طاہرہ بیگم کے تاثرات، لب و لہجہ کی تلخی اور اندر کی کھولن نہ سمجھتے ہوئے ہی سمعان احمد اپنی ماں کی بات کی کاٹ کی تہہ میں الجھ گیا۔

"تم اکیلی کب تھی، میں تمہارے ساتھ تھا......" وہ طاہرہ بیگم کے لہجے کی تلخی سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ سمعان نے اندازہ لگایا۔ شائستہ نے اسے کتنی نصیحتیں کر کے بھیجا تھا۔ سمعان احمد نے اس کی ندامت کم کرنا چاہی۔

"پھر بھی میں اکیلی ہی گئی تھی...... سبھی اندر تھیں...... آپ تو بعد میں آئے تھے......" اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے سمعان احمد کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھا۔ سمعان ہنس دیا۔

تھوڑی دیر میں سمعان احمد اسے لیے ڈاکٹر ظفر کے کلینک میں آ چکا تھا۔ ڈاکٹر ظفر مختلف ہاسپٹلز میں وزٹ کے ساتھ ساتھ اپنا ذاتی کلینک بھی چلا رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کلینک پر ہی ہوتا تھا۔ کہیں اور جانے کے بجائے وہ زرش کو یہیں لے آیا۔

"ڈاکٹر ظفر اندر ہیں......؟" ریسیپشن پر موجود لڑکی سے سمعان احمد نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا وہ چونکہ بارہا یہاں آ چکا تھا۔ اسی لیے وہ جانتی تھی۔

"چلو آؤ......" اپنا خون آلود دوپٹہ تو وہ وہاں ہٹ میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ بھابی نے اسے اپنی چادر اوڑھا دی تھی۔

ڈاکٹر ظفر اور اس کی فیملی سے وہ بارہا مل چکی تھی مگر پہلی دفعہ اس کے کلینک آئی تھی۔ اسی لیے جھجک رہی تھی۔ سمعان احمد نے اس کی جھجک محسوس کر کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ زرش کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوا تو ڈاکٹر ظفر کسی پیشنٹ کے ساتھ مصروف تھا۔

"السلام علیکم......"

سمعان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونکا پھر تعجب کا شکار ہو گیا۔ کافی دنوں بعد سمعان کو دیکھ رہا تھا لیکن جیسے ہی نظر اس کے عقب سے جھانکتے وجود پر پڑی تو خوشگوار حیرت سے مریض کو وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام...... تم یہاں خیریت؟" اس نے سمعان کو آگے بڑھ کر گلے لگایا۔ اندر داخل ہوتے ہی سمعان نے زرش کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا جسے ظفر نے بھی دیکھا تھا۔

"آپ زرش ہی ہیں...... کیسی ہیں آپ......؟" وہ جھینپ گئی۔ فوراً سر ہلایا۔

"آئیں بیٹھیں پلیز......" اس نے ٹیبل کی طرف رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں بیٹھ گئے۔

"ایک منٹ میں ذرا اپنے پیشنٹ کو دیکھ لوں......" اس نے معذرت خواہانہ مسکراہٹ سے دیکھتے ہوئے اپنے مریض کی طرف توجہ دی۔ پانچ منٹ میں فارغ ہو کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں اب فرمائیے۔ سمعان احمد صاحب...... اتنے عرصے بعد کیسے میرے غریب خانے کی یاد آ گئی......" وہ طنزیہ کہہ رہا تھا۔ سمعان مسکرایا۔

"پہلے اپنی ان مریضہ کو دیکھ لو...... پھر طنز فرمالینا......" اس نے ساتھ بیٹھی زرش کی طرف اشارہ کیا۔ وہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

"کیوں کیا ہوا......؟" اس نے فوراً زرش کو دیکھا جو پیشانی تک چادر پھیلائے بیٹھی تھی۔ پہلی دفعہ وہ اسے یوں چادر میں لپٹی لپٹائی دکھائی دی بہت حیرت ہوئی۔

"گرنے سے پیشانی پر چوٹ لگ گئی ہے...... ذرا چیک کر لو شاید ڈریسنگ کی ضرورت ہے۔" ظفر نے فوراً سمعان کی بات پر سر ہلایا۔

"آپ ادھر آئیں......"

وہ خاموشی سے اٹھ کر مریض والی مخصوص چیئر پر آ بیٹھی۔

"کہاں چوٹ آئی ہے؟" ظفر نے پوچھا تو اس نے آہستگی سے چادر پیشانی سے ہٹا دی۔ ایک دو منٹ اس نے زخم کا جائزہ لیا پھر اپنی کولیگ لیڈی ڈاکٹر کے پاس نرس کے ہمراہ بھیج دیا۔

"ویسے بھائی تمہیں اس چاند کے ٹکڑے کے ہمراہ میری یاد کیسے آگئی۔ شہر میں اور بھی بہت سے ڈاکٹر ہیں......" ڈاکٹر ظفر نے طنز فرمایا تو سمعان ہنس دیا۔

"مگر ان میں ڈاکٹر ظفر نہیں ہے......" سمعان کی بات پر اس نے گھورا پھر ہنس دیا۔

"زرش کو چوٹ کیسے لگی؟" چیئر کو چھوڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہائکس بے" کا پروگرام تھا وہیں چٹان پر سے پاؤں پھسلا تو گر گئی۔" سمعان کی بات پر اس نے سر ہلایا۔

"اکیلے تھے کہ......" ظفر کی ادھوری بات پر سمعان نے اسے گھورا۔

"پوری فیملی کے ساتھ تھے......شرم کرو......"

"ہاں تو یوں کہو ناں تم پروگرام کا کہہ رہے تھے......اب پروگرام میں تو کیا کچھ آسکتا ہے اور انسان بہت کچھ سمجھ سکتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر مچلتی شرارتی مسکراہٹ کو سمعان نے تاسف سے دیکھا۔

"تمہارا ذہن صرف انہی خرافات میں الجھ سکتا ہے اور کچھ نہیں......"

"ہاں ذہن، ذہن کی بات ہے......" اس نے سمعان کو جتانا چاہا تھا۔ سمعان نے غصے سے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"زرش کو تمہارے ساتھ آتے دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ ویسے تم کب مٹھائی کھلا رہے ہو۔ تمہارے گھر والے اس معاملے کو کب تک فائنل کر رہے ہیں؟"

ڈاکٹر ظفر سے سمعان نے بہت سی باتوں کا ذکر مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اسی لیے اب بھی چپ ہو گیا۔

"بہت جلدی ہے تمہیں مٹھائی کھانے کی......" اس نے بات اڑانا چاہی تو ظفر ہنس دیا۔

"آف کورس......میرا ایک ہی تو چہیتا یار ہے اس کی منگنی کی مٹھائی نہ کھاؤں تو ڈوب مرنے کا مقام ہے......"

"تو پھر ڈوب مرو......ابھی مٹھائی کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں......" سمعان کا انداز بہت سرسری تھا۔ ظفر نے اسے غور سے دیکھا۔

"وجہ......؟"

"کوئی خاص نہیں......امی، ابو جب تک کسی ایک فیصلے پر متفق نہیں ہو جاتے تمہاری مٹھائی کی حسرت، حسرت ہی رہے گی......" سمعان نے اب بھی سرسری انداز میں بتایا۔

ظفر نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ سمعان جس قدر سرسری انداز میں بات کر رہا تھا، معاملہ اتنا بھی سرسری نہ تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا۔

"اگر انکل آنٹی کبھی ایک فیصلے پر متفق نہ ہوئے تو؟" اس کی زبان پر خدشہ آٹھہرا۔

"تو وقت بہتر فیصلہ کرنے والا ہے......" سمعان احمد نے کندھے اچکائے۔

"اور زرش......بھول پاؤ گے اسے؟" وہ متفکر سا پوچھ رہا تھا۔

"کیا وہ اس قابل ہے کہ کوئی اسے بھول پائے......" ٹیبل پر انگلیاں پھیرتے سمعان نے کہا تو ڈاکٹر ظفر کئی ثانیے تک سر کو جنبش دیے بغیر سمعان کو دیکھتا رہا۔ جس کے لہجے میں ایکدم بے چارگی اور ملال سمٹ آیا تھا۔

"اور زرش کیا وہ واقعی ابھی تک بے خبر ہے......" سرسراتا ہوا سوال تھا۔ سمعان ہنس دیا۔ ظفر کو سمعان کی ہنسی میں خود آزاری کی کیفیت محسوس ہوئی۔

"تم اس سے بات کر کے دیکھو......اپنے جذبات سے آگاہ کرو......شاید کوئی بہتر راہ نکل آئے......"

"نہیں......" سمعان نے نفی میں سر ہلایا۔ "اسے کسی بھی طرح کی بات بتا کر میں اس کی معصومیت تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ بے خبر ہے اور بے خبر ہی رہے تو اچھی بات ہے۔ امی، ابو شاید ہی متفق ہوں۔ ایسے میں اپنی الجھنوں میں اسے بھی میں گھسیٹ لوں کیا یہ اچھا ہوگا۔" آخر میں سمعان نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر ظفر کو دیکھا تو اس نے تائید میں سر ہلا دیا۔ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر زرش کو اندر ہوتے دیکھ کر لب سی گیا۔ سمعان احمد نے بھی رخ موڑ کر دیکھا۔ اسی طرح چادر کو اپنے گرد لپیٹے وہ اس کی طرف چلی آئی۔ پیشانی پر بینڈیج کر دی گئی تھی۔

"ہو گئی ڈریسنگ......؟" زرش نے سر ہلایا۔ وہ بیٹھی نہیں تھی۔ سمعان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو یار......چائے منگواتا ہوں پی کر جانا......میں زرش کا ویٹ کر رہا تھا......" اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھایا۔

"نہیں یار، فی الحال اس کی ضرورت نہیں......پھر کبھی سہی......وہاں ہٹ میں سبھی انتظار کر رہے ہوں گے......" سمعان نے سہولت سے انکار کیا۔ "کوئی میڈیسن وغیرہ؟" سمعان نے پوچھا۔

"یہ کریم لکھ رہا ہوں زخم کو ایک ہی دن میں مندمل کر دے گی۔ ساتھ میں پین کلرز ہیں۔ درد میں افاقہ دیں گی......" اس نے چٹ میں چند الفاظ گھسیٹ کر نسخہ سمعان کی طرف بڑھایا۔

"کوئی فیس وغیرہ......" سمعان نے پرس نکالا۔

"سمعان......؟" ڈاکٹر ظفر نے پیپر ویٹ اٹھا لیا۔ اس کے اس انداز سے سمعان تو ایک طرف زرش بھی ہنس دی۔

"او کے......تم حساب کتاب کر لینا کسی دن ڈنر پر چلیں گے۔" سمعان نے پرس واپس جیب میں رکھ لیا۔ ڈاکٹر ظفر نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہی ہیں مس زرش......مروت نام کو نہیں ہے اس بندے میں......اور مجال ہے کبھی احسان لے لے کسی کا......شرمندہ کر کے رکھ دیتا ہے، یہ بندہ......"

سمعان احمد مسکرانے لگا۔

"ڈنر کی فکر نہ کرو......فیس کا الگ کھاتہ رکھ لو پھر کبھی معاملہ کلیئر کروں گا۔ ڈنر ڈن جب کہو گے میں آجاؤں گا......بشرطیکہ زرش بھی ساتھ ہو کیوں زرش ساتھ دیں گی ہمارے ساتھ ڈنر میں؟" اس نے

براہِ راست زرش کو مخاطب کیا۔ وہ ایک دم جھینپی پھر سمعان احمد کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"آہ……حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے ہی……" سمعان کی طرف معنی خیز نظروں سے تکتے اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ سمعان نے تنبیہی نظروں سے گھورا……مگر وہ کب باز آنے والا تھا۔

"جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے حال ہمارا باغ تو سارا جانے ہے۔" اس نے سر کھجاتے سر دھنا۔

"ظفر……" سمعان کو اس کی گنگناہٹ پر ٹوکنا پڑا۔ زرش خواہ مخواہ پزل ہو رہی تھی۔ ظفر ہنس دیا۔

"اوکے……بیسٹ وشز……گڈ لک……" سمعان سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھی وہ شرارت سے باز نہیں آیا۔

وہاں سے نکل کر زرش کو سمعان گاڑی میں بیٹھنے کا کہہ کر خود میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ گیا۔ میڈیسن لے کر وہ لوٹا تو زرش گاڑی سے ٹیک لگائے منتظر تھی۔

"چلو بیٹھو۔" زرش کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لے کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ زرش کے لیے کھول دیا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر زرش نے چادر پیشانی سے ہٹالی۔ پیشانی کے بائیں جانب کنپٹی کے قریب بینڈیج کی گئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے……درد تو نہیں ہو رہا……" سمعان نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔ زرش نے نفی میں سر ہلایا تو سمعان نے مطمئن ہو کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

* * *

آج پھر اس کے اندر ایک تلاطم برپا تھا۔ ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ ہر چیز جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اس ایک چہرے کو دیکھنے کی طلب اتنی شدید تھی کہ وہ آفس سے اٹھ کر سیدھا اس کے گھر کی طرف چلا آیا مگر بند گیٹ کے سامنے گاڑی روکے وہ کتنی دیر ساکت و جامد اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔

"اندر جا کر کیا کہوں گا کہ کیوں چلا آیا میں اور نویرہ وہ کیا سوچے گی……" شارق زمان دیوانگی کی نجانے کس حد پر تھا۔ غور و فکر، سوچ و سمجھ کی حد سے بالاتر……نویرہ کی طلب دن بدن اس کے اندر بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے لیے نہیں تھی……وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا تھا مگر یہ پاگل دل۔ بعض اوقات دل بری طرح رسوا کرواتا ہے۔ یہ دل کے معاملات بھی عجیب ہوتے ہیں وہ کچھ کروا لیتے ہیں جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں ایسا کوئی بے بسی و لاچاری بھرا مقام آئے گا جب وہ اپنے دل کے ہاتھوں ہی بے بس ہو جائے گا۔ کتنی تاویلیں، ہزاروں بہانے گھڑ کر وہ دل کو سمجھا چکا تھا لیکن یہ دل کچھ سمجھنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔

وہ اپنی ہی بے کلی دور کرنے کو دوبارہ وہ سب کچھ اختیار کر رہا تھا۔ وہی پرانے دوستوں کی صحبت، وہی رنگ و بو کی محفلیں……ہزار جتن کر رہا تھا وہ ایک دل کے لیے مگر دل کسی اختیار میں نہ تھا۔ کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ صرف ایک رٹ تھی……"نویرہ……نویرہ……نویرہ……" وہ کچھ بھی نہ مانتا

مگر خاندانی اصول و قواعد اس کے سامنے پھن پھیلائے آ کھڑے ہوتے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا اگر ایک دفعہ اس کی زبان سے نویرہ کا نام اس انداز میں کسی بڑے نے سن لیا تو ہر طرح کا تعلق توڑ لیں گے۔ اسے تعلق کی پروا نہیں تھی۔ اسے رشتوں کی بھی پروا نہیں تھی۔ جب زندگی کا سب سے اہم تعلق، اہم رشتہ اس کا نہ بن سکا تو باقی رشتوں کو وہ خاک اہمیت دیتا لیکن یہاں بات دل کی تھی۔ اس کی طلب کی تھی۔ دل نے پہلی دفعہ ٹوٹ کر کسی کو چاہا تھا۔ کسی کا تقاضا کیا تھا مگر ہزار مصلحتیں اس کے پاؤں زنجیروں سے جکڑے بیٹھی تھیں۔ کتنی بندشیں، کتنی مشکلیں تھیں جو اس کی راہ میں حائل تھیں۔

وہ مشکل پسند بندہ ضرور تھا۔ اسی مشکل پسندی نے اسے کس کس منزل سے نہ گزارا تھا حتیٰ کہ اپنی ذات کو بھی مشکل بنالیا تھا۔ لوگ اس سے محبت ضرور کرتے تھے مگر پیٹھ پیچھے نفرت بھی دوگنی کرتے تھے۔ وہ جانتا تھا، سب سمجھتا تھا مگر اب سمجھنے کا دور گزر چکا تھا۔ عادتیں پختہ ہو چکی تھیں۔ بہت چاہنے کے باوجود بھی وہ پرانی حرکتوں سے ہاتھ کھینچ نہیں سکا تھا لیکن یہ دل کی طلب……

شارق زمان نے ایک گہری سانس حلق سے خارج کر کے گاڑی سے باہر قدم رکھا۔ گاڑی لاک کر کے اس نے گیٹ بجایا۔ پانچ منٹ بعد خالہ نے گیٹ کھولا۔

"السلام علیکم……" وہ فوراً سلام بجا لایا۔

"ارے شارق آیا ہے……وعلیکم السلام……جیتے رہو……" انہوں نے ایک دم خوش ہو کر پیار کیا۔

"آؤ……آ جاؤ اندر چلو……" وہ دروازے سے ہٹ گئیں تو وہ اندر آ گیا۔ وہ اسے لاؤنج میں لیے چلی آئیں۔

شام سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کا وقت تھا۔ بھابی رات کے کھانے کا اہتمام کرنے میں مصروف تھیں جب کہ نویرہ لاؤنج میں قالین پر بیٹھی فریم میں قمیص لگائے موتی لگانے میں مصروف تھی۔

"آ جاؤ بیٹا……اندر آ جاؤ……"

وہ لاؤنج کے دروازے پر رک گیا۔ اماں نے کہا تو نویرہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شارق زمان کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ فوراً سر سے پھسلا دوپٹہ دوبارہ جمایا۔

"السلام علیکم……" وہ اندر آ گیا۔ نویرہ نے سر ہلایا۔

"کیسی ہو؟" گڑیا اس کے پاس ہی قالین پر اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ شارق زمان اس کے مقابل صوفے پر ٹک گیا۔

"میں الحمدللہ ٹھیک ہوں……آپ سنائیں……خالہ جان کیسی ہیں؟" ٹانگیں سمیٹ کر اپنی نشست بدل کر وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"بالکل ٹھیک ہیں……ہاں کبھی کبھار طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو ڈاکٹر کو بلانا پڑتا ہے……ورنہ تو ٹھیک ہی ہیں……" شارق زمان نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"نبیل ابھی تک نہیں آیا……" ارد گرد دیکھتے ہوئے شارق نے پوچھا۔

"نہیں……آج کل لیٹ آ رہا ہے……تقریباً مغرب کے بعد ہی آتا ہے۔" اماں نے کہا تو اس

سر ہلا دیا۔ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے نظریں واپس نویرہ پہ آ ٹھہری تھیں۔ چند ثانیے وہ دیکھتا رہا۔ وہ موتی لگانے میں مصروف تھی ورنہ شارق کی محویت پہ ضرور ناگواری کا اظہار کرتی۔

"نبیل سے کوئی کام تھا......؟" اماں نے پوچھا تو شارق زمان خفت کا شکار ہو گیا۔

"نہیں...... یونہی ادھر سے گزر رہا تھا سوچا آپ لوگوں کی خیریت بھی معلوم کرتا چلوں۔" اس نے سکون سے کہا۔ نویرہ نے ایک پل کو سر اٹھا کر دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

اماں ایک دم خوش ہو گئیں۔ شارق کم ہی آتا تھا لیکن اب ان کے ہاں آنے لگا تھا۔ ان کے لیے یہ خوشی کا مقام تھا۔ وجہ جو بھی تھی ان کا ذہن کہیں اور جا ہی نہیں سکتا تھا۔ بس اسی بات پہ ہی خوش تھیں کہ اسے بھی رشتوں کی قدر کا احساس ہونے لگا ہے۔

اماں اور شارق بڑی خالہ کی طبیعت کو ہی ڈسکس کرنے لگے۔ نویرہ اپنا کام کرتی رہی۔ اس دوران نبیلہ کچن سے ادھر آئی تو شارق کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔

"ارے شارق صاحب آئے ہیں...... کیسے ہیں آپ......؟"

"ٹھیک ہوں آپ سنائیں......؟" شارق کھڑا ہو گیا۔ سلام دعا کر کے بیٹھا تو نبیلہ بھی نویرہ کے پاس آ بیٹھی۔

"نبیلہ بیٹا! شارق کے لیے کھانے پینے کو کچھ لے آؤ۔" اماں کے کہنے پر وہ فوراً اٹھ کر چلی گئی۔

"آپا کی طبیعت کی طرف سے بڑی فکرمندی رہتی ہے۔ اس عمر میں معذوری اللہ کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ بڑا دل دکھتا ہے...... ڈاکٹر وغیرہ سے بات کر کے دیکھو ہو سکتا ہے مصنوعی ٹانگ کا بندوبست ہو ہی جائے۔" اماں کے کہنے پر شارق نے سر ہلایا۔

"ڈاکٹر سے تو مسلسل رابطہ رہتا ہے۔ فزیو تھراپسٹ سے ہر ماہ ملاقات ہوتی ہے۔ اب اماں کا تفصیلی چیک اپ ہونا ہے مگر اماں خود ہی ابھی مصنوعی ٹانگ لگوانے کے حق میں نہیں ہیں۔ آپ لوگ سمجھائیں شاید آپ کی بات مان جائیں۔"

نویرہ نے سر اٹھا کر دیکھا وہ خالہ کے متعلق واقعی فکرمند دکھائی دے رہا تھا۔ ورنہ خالہ سے متعلق اس کا رویہ خاصا سرد ہی ہوتا تھا۔

"اللہ بہتری کرے گا۔ میں آپا سے بات کروں گی...... ہو سکتا ہے مان ہی جائیں۔ اس طرح کم از کم اپنا بوجھ تو خود سہار سکیں گی......" بہن کی معذوری سے متعلق اماں کتنی پریشان و متفکر رہتی تھیں نویرہ اچھی طرح جانتی تھی وہ مسکرا کر دوبارہ سر جھکا گئی۔

"ضرور کیجیے گا...... میری تو بات مانتی ہی نہیں صرف ایک شرط...... آپ بات کر کے دیکھ لیں ہو سکتا ہے آپ کی بات مان لیں۔"

اماں نے سر ہلایا تو نبیلہ بھابی ٹرے میں چائے بسکٹ وغیرہ کے لوازمات اٹھائے چلی آئیں۔

"آپ ان کی صحت کے لیے ان کی شرط مان کیوں نہیں لیتے......"

شرط کیا تھی سارا خاندان جانتا تھا۔ بھابی نے چھوٹی تپائی پر لوازمات سجاتے ہوئے شارق زمان کو

دیکھا۔

"ہاں بیٹا اور کتنی دیر کرو گے اپنی شادی میں۔ تم نبیل اور نواز ہم عمر ہی ہو بس سال دو سال کا فرق ہی تم تینوں میں۔ اس بڑھاپے میں آپا کی ساری امیدیں تم سے ہی وابستہ ہیں۔ کب تک یونہی رہو گے۔ نبیل کی ماشاء اللہ سے بچی ہے۔ نواز بھی ایک دو ماہ کے وقفے سے کنارے لگ جائے گا۔ اب صرف تم رہ جاتے ہو۔ آپا کو اصل پریشانی تمہاری طرف سے ہے۔ ان کی خواہش اتنی بے جا بھی نہیں...... مانا کہ تم ان کو سگی ماں نہیں گردانتے مگر انہوں نے تمہیں ہمیشہ سگی اولاد سے بڑھ کر ہی چاہا ہے۔" انہوں نے بھی ایکدم وہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔ جس سے وہ ہمیشہ پہلو تہی کر جاتا تھا۔ بعض اوقات تو بھڑک بھی اٹھتا تھا۔ اب بھی لب بھینچ گیا۔

نبیلہ نے شارق کو چائے کا مگ تھمایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔ بھاپ اڑاتی چائے کے کپ کو گھورتے اس نے ایک نظر نویرہ کو بھی دیکھا جو بظاہر اپنے کام میں مصروف تھی مگر ساری توجہ ادھر ہی مبذول تھی۔ اب بھی شارق کی نگاہ سے نگاہ ملی تو فوراً سر جھکا لیا۔

شارق زمان کے اندر ہر طرف دھواں سا سماں ہونے لگا۔

"خاندان کے باقی لڑکوں کو اپنی پسند بتانے کی کھلی اجازت ہی نہیں ملتی مگر آپ کو تو یہ خصوصی رعایت بھی حاصل ہے پھر دیر کس بات کی ہے۔" نبیلہ بھی کہے بغیر نہ رہ سکی تھیں۔ شارق نے گرم کپ کو منہ سے اٹھا لیا۔ گھونٹ بھرا تو ایک دم ہونٹ جل اٹھے فوراً کپ ہونٹوں سے پرے ہٹایا۔

"اگر پسند و نہ پسند کا مسئلہ ہے تو بتائیں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ بھروسہ کر سکتے ہیں ہم پہ......" آخر میں نبیلہ کا انداز شرارت آمیز تھا۔ شارق تلخی سے ہنس دیا۔ اماں بھی مسکرائیں۔ نظر پھر نویرہ کے جھکے سر پہ جا ٹھہری۔ سیدھی صاف شفاف مانگ۔ آدھا سر دوپٹہ سے ڈھانپا ہوا تھا۔ شارق کی نگاہ اس پہ اٹک گئی۔

"پسند......" وہ زیر لب بڑبڑایا اور پھر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"میرے چچا کی بیٹیاں بڑی پیاری، سلجھی ہوئی ہیں اگر کہیں تو بات چلاؤں دراصل چچی جان ان کے رشتوں کے متعلق آج کل بڑے ہاتھ پیر مار رہی ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

اب کے نویرہ نے بھی مسکرا کر سر اٹھایا۔ شارق ایک دم نبیلہ کی بات پہ گھبرا گیا۔ جیسے وہ واقعی رشتے کے لیے ہامی بھروا کر ہی اٹھیں گی۔

"نہیں...... نہیں...... پلیز کن باتوں کو لے بیٹھیں۔ کوئی اور بات کریں۔"

نبیلہ کھل کر ہنسی۔ شارق کی گھبراہٹ نے ایک عجب لطف دیا۔ سبھی ہنس دیں۔

"یہ بندہ اس ذکر سے گھبرا بھی سکتا ہے؟" نویرہ کو شدید حیرت ہوئی جو خاصی خوشگوار بھی تھی۔

"شارق بھائی آپ خوامخواہ تاخیر کر رہے ہیں، آپ کو ایک چانس مل رہا ہے ابھی تو ہر کوئی آپ کی منتیں کر رہا ہے بعد میں آپ ترسیں گے کوئی مذاق میں بھی نہیں پوچھے گا۔"

مسلسل خاموش اپنے کام میں مصروف نویرہ کے اس مذاق پر شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری

ہوتی چلی گئی۔

"ابھی تم اپنی شادی کے بکھیڑوں سے نمٹو، میری فکر نہ کرو۔ اپنے لیے میں خود ہی کافی ہوں۔" اس نے بھی مذاقاً کہا۔ نویرہ شادی کے ذکر پر جھینپ گئی۔

"بھئی اتنی دیر کر رہے ہیں۔" نبیلہ بھابی نے اس کے آخری جملے کا جواب دیا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"کہتے ہیں..... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

وہ کہہ تو بھابی کو رہا تھا مگر دیکھ صرف نویرہ کو رہا تھا۔ وہ بھی متوجہ تھی ایکدم سٹپٹا گئی۔ شارق کی نگاہوں کی عجیب سی کیفیت ایکدم نویرہ کے اندر کچھ کلک کر گئی۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ جو شارق کی طرف سے بدگمان ہو رہی تھی، آج شارق کی نگاہوں کی شرافت محسوس کر کے وہ پہلے کی طرح منظر سے غائب نہیں ہوئی مگر اب ایک دم شارق کی بات نے اسے سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ ایکدم چہرے پر وہی ہر بار در آنے والا ناگواری کا احساس جاگا جو شارق کی نگاہوں سے اس کے چہرے پر چھا جاتا تھا۔

"ہر کسی کے ساتھ یہ مثل صادق نہیں آتی۔ بعض اوقات "صبر کا پھل کڑوا بھی ہو جاتا ہے۔" ناگواری کی ایک لہر جو اس کے چہرے پہ چھائی تھی اس کا اثر زبان کی کڑواہٹ میں بھی آ گیا۔

شارق زمان نویرہ کی بات پر اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"مثلاً....." اس نے براہ راست نویرہ کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لے لیا تھا۔

نویرہ الجھ گئی۔ اپنی بات کہہ کر پچھتائی..... شکایت و ناگواری کی کیفیت لیے شارق کو دیکھا۔

"یہ مثال تو آپ خود ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ انسان کے صبر کے پھل میں اس کے کردار اور شخصیت کی پختگی کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔"

اس نے براہ راست شارق زمان پہ چوٹ کی۔ شارق زمان ایکدم لب بھینچ گیا۔

نبیلہ بھابی اور اماں کو بھی نویرہ کی بات انتہائی بری لگی۔

"نویرہ۔" شارق کے چہرے کی سرخی ایکدم بڑھ گئی۔ اماں نے فوراً ٹوکا۔ نویرہ نے سر جھکا۔

"انسان کو سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے۔ ہر وقت بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی۔" اماں کو اس کا سر جھکنا مزید برا لگا۔

شارق خاموش رہا مگر اندر ہی اندر ایک آگ جل اٹھی، یہی بات اسے تکلیف دیتی تھی۔ اسی لیے وہ ایک عرصے سے اس ذکر سے بھاگ رہا تھا۔ نویرہ کی طرف دل تو اب راغب ہوا تھا۔ وہ تو کب سے شادی نہ کرنے کے فیصلے پر ڈٹا ہوا تھا لیکن اس وقت نویرہ کی بات دل میں تیر کی طرح گھپ گئی۔

"آئی ایم سوری شارق بھائی اگر آپ کو برا لگا ہو تو میں نے تو یونہی سرسری سا کہہ دیا تھا۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"چلیں آج آپ بتا ہی دیں کس قسم کی لڑکی چاہتے ہیں۔ ہم بڑی اماں کی مدد کریں گے لڑکی تلاش کرنے میں۔" نبیلہ بھابی نے پھر وہی بات چھیڑ دی۔ اسے آج یہاں آنا خاصا مہنگا پڑ رہا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا سب کو ہو کیا گیا ہے۔ ہر کسی کو میری شادی کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ گھر میں اماں۔ ادھر آپ لوگ اور دوسری طرف نواز..... کہتے ہیں شادی کا تجربہ خاصا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، اسی لیے وہ عقل مند ہے جو یہ تجربہ نہیں کرتا۔" وہ اس قسم کے ماحول، اس قسم کی بے تکلفی اور مذاق کا عادی نہ تھا مگر خود کو یوں نشانہ بنتے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے جوابی کارروائی کی تو بھابی نے اسے گھورا۔

"ہرگز نہیں..... مردوں کو تو شادی سے فرق ہی نہیں پڑتا بلکہ ان کے تو عیش ہی عیش ہوتے ہیں سمجھیں۔ شادی تو عورت کی زندگی میں تبدیلی لاتی ہے۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بھی شادی نہ کرے وہ عقل مند ہوتا ہے بلکہ بعض لوگ نہ کر کے بھی کم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ نے سنا تو ہوگا۔ میاں بیوی، گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ جب ایک پہیہ ہی نہیں ہوگا تو گاڑی کیسے چلے گی اور یہ بھی سنا ہوگا کہ ہر مرد کی کامیابی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس لیے اب وہ دور گزر گیا جب عورت کو ڈی گریڈ کیا جاتا تھا بلکہ آج کا دور برابری کا ہے۔ ہر چیز سے لے کر رشتوں تک میں برابری۔ چاہے وہ رشتہ میاں بیوی کا ہی کیوں نہ ہو۔" بھابی شروع ہوئیں تو کہتی چلی گئیں۔ ان کی یہ باتیں سن کر شارق مسکرا دیا۔

"آپ جب کسی ایک مفروضے پہ کاربند ہو کر کسی فیصلے پر جم جاتے ہیں تو بھی یہ روش بعض اوقات تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ شادی بیاہ کھیل نہیں۔ نہ ہی محض تفریح کا سامان ہے۔ نکاح سنت نبوی ہے۔ یہ ایک مقدس فریضہ ہے۔ یوں کہیں نکاح ایک قلعہ ہے۔ اس قلعے کے اندر آ کر مرد اور عورت شیطان کے شر سے بچ جاتے ہیں۔ بہت سی برائیوں اور سیاہ کاریوں سے بھی بچ جاتے ہیں۔" بھابی نے بڑی سنجیدگی سے گفتگو کا رخ اس طرف موڑا کہ جہاں شارق زمان کی اپنی ذات موضوع بحث بن سکتی تھی۔ شارق ایک ایک لفظ بغور سنتا اور پہلو بدلتا رہا۔ اب اسے احساس ہونے لگا کہ اس نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔

اب ایسی بھی کیا بے اختیاری کہ انسان صرف ایک وجود کے لیے اپنی ذات کو یوں موضوع بحث بنوا ڈالے۔ شارق زمان کے چہرے کے نہ صرف تاثرات بدل گئے تھے بلکہ وہ لب بھی بھینچ گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس قدر واضح تھے کہ اماں نے بغور شارق کا چہرہ دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں نبیلہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"چھوڑو ان باتوں کو تم سناؤ اخبار کے علاوہ اور کیا کرتے رہتے ہو۔ فاروق بھائی کے ہاں بھی جاتے ہو یا نہیں....." انہوں نے خود ہی موضوع بدل دیا۔

شارق کے بھینچے لب ایکدم گہری سانس کی صورت اختیار کرتے ہوئے پرسکون ہو گئے۔

"جی صرف اخبار کے دفتر ہی جاتا ہوں۔ فاروق چچا اکیلے میں کاروبار دیکھتے ہیں۔ نواز اور چچا جان خبر کر دیتے ہیں، خود کبھی جانے کا دھیان ہی نہیں آیا۔ یوں بھی فرصت ہی نہیں ملتی۔" چائے باتوں کے دوران کب کی ختم ہو چکی تھی۔ مزید کسی چیز کی طرف اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ خالی کپ آگے بڑھ

کے تپائی پر رکھ کر وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹا...... رات کا کھانا کھا کر جانا۔ مغرب ہونے کو ہے۔ نبیل بس تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔" اسے اٹھتا دیکھ کر اماں نے فوراً کہا۔ شارق نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں چلتا ہوں۔ ایک دو دوستوں سے بھی ملنا تھا۔ بس ادھر سے گزرا تو چلا آیا پھر کبھی چکر لگاؤں گا۔"

نویرہ نے دیکھا بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس اچھا خاصا وجیہہ لگ رہا تھا۔ یہ سچ تھا کہ شارق زمان خاندان بھر میں اپنی وجاہت و شخصیت کی خوبصورتی میں بے مثل تھا مگر اس کے کردار نے اس کی طرف سے نویرہ کا دل اچاٹ کر دیا تھا۔ تبھی شارق نے اسے دیکھا اور نویرہ کی نظریں ملیں۔ شارق زمان کی آنکھوں کی کیفیت تھی یا پھر کیا بات تھی کہ ایک کوندا سا لپکا تھا۔

نویرہ نے فوراً سر جھکا لیا۔

"یہ شارق بھائی مجھے ہمیشہ اس انداز سے کیوں دیکھتے ہیں۔ دل ایکدم کانپنے لگ جاتا ہے۔ عجیب شخص ہیں۔" اگلے ہی پل ناگواری کے ایک گہرے احساس نے نویرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ویسے ہی تاثرات اس کے چہرے پر بھی چھا گئے تھے۔

وہ اماں سے اجازت لے کر آگے بڑھا۔ واپس پلٹتے اور دروازے کی طرف جاتے ہوئے بھی اس نے کئی بار نویرہ کی طرف دیکھا مگر نویرہ نے دوبارہ اس کی طرف دیکھنا تو دور کی بات چہرہ ہی موڑ لیا۔

"یہ میرا دل ہر بار شارق زمان کی آنکھوں کی پراسراریت بلکہ ناگواریت کیوں مجھ پر آشکار کر دیتا ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں؟" وہ الجھ چکی تھی۔ فریم پر موتی لگانے میں اس کا دھیان بٹ چکا تھا۔ اسے ایکدم سے شارق زمان کی شخصیت سے بیزاری و نفرت کا احساس ہونے لگا۔

* * *

"ہاکس بے" کے اگلے دو روز تک عثمان اور زوباریہ رہے تھے۔ ایک دن پھپھو کے ہاں چلے گئے تھے اور اس کے اگلے دن امی کے دونوں ماموؤں اور خالاؤں کے ہاں ہو آئے تھے۔ آج ان کی واپسی تھی۔ ساری تیاری وغیرہ مکمل تھی۔ سمعان احمد انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا اور جاتے ہی فون کر دینا۔" طاہرہ بیگم نے عثمان کو دیکھتے ہوئے خاص تاکید کی تھی پھر انہوں نے زوباریہ کو گلے لگایا۔ حمزہ کو سمعان نے پہلے ہی اٹھایا ہوا تھا۔ سب سے مل کر وہ لوگ گاڑی میں آ بیٹھے۔ گاڑی سمعان احمد ڈرائیو کر رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر عثمان تھا جب کہ زوباریہ پچھلی سیٹ پر حمزہ کو گود میں لیے ہوئے تھی۔

"یار! ذرا چچا ابو کی طرف گاڑی موڑ لو ملتے ہوئے چلتے ہیں، ان کو بھی خدا حافظ کہہ لیں ورنہ ان کا دل خراب ہوگا......" جیسے ہی سمعان مین روڈ پر گاڑی لایا تو عثمان نے فوراً کہا۔

"سمعان نے پلٹ کر دیکھا۔ شاید اسی لیے وہ لوگ جلدی گھر سے نکل آئے تھے۔ اس نے خاموشی سے گاڑی دوسری سمت موڑ لی۔

"ویسے سمعان! امی کے رویے سے تم نے نوٹ کیا ہے۔ وہ پہلے سے کچھ بدلی بدلی ہیں۔ اس دفعہ جس طرح انہوں نے ہماری آؤ بھگت کی ہے پہلے کبھی اس طرح انہوں نے ہمیں ویلکم نہیں کیا۔" اچانک عثمان نے کہا۔

"تو اور کیا...... ماما کا رویہ مجھ سے بھی کچھ کھنچا کھنچا ہوتا تھا لیکن اس دفعہ تو انہوں نے اگلی پچھلی ساری کسر نکال دی۔ زوباریہ بھابی بھی مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔ سمعان مسکرا دیا، یہ بات اس نے بھی نوٹ کی تھی مگر امی کے رویے کے پیچھے موجود محرک کا وہ خود بھی اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔

"امی سے تو نہیں مگر ابو سے بات ہوئی ہے میری، تمہاری شادی کے متعلق کہہ رہے تھے کہ تمہارے کہنے پر انہوں نے خود ہی اس موضوع کو فی الحال ٹال دیا ہے۔"

"ہوں...... میں نے خود ابو کو منع کر دیا تھا۔ خوامخواہ دونوں گھروں میں ایک ٹینشن سی کری ایٹ ہو رہی تھی۔ امی بھی حد سے زیادہ جذباتی ہو رہی تھیں، زرش کو انہوں نے سختی کے ساتھ مسترد کر دیا تھا۔ صاف لفظوں میں تو نہیں مگر انہوں نے اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی پھر میں نے خود ہی سوچا تو یہی مناسب لگا کہ فی الحال اس ٹاپک کو یہیں رہنے دیں اور دوسری طرف زرش بھی پڑھ رہی ہے اس طرح یوں صرف کشیدگی ہی پیدا ہو رہی تھی اور کچھ بھی خاص نہیں ہو رہا تھا۔" سمعان نے بتایا تو عثمان نے سر ہلا دیا۔

"سمعان نے بالکل صحیح کہا ہے...... زرش ابھی پڑھ رہی ہے۔ چچا جان اتنی جلدی تو زرش کو رخصت نہیں کریں گے۔ اس طرح ہو سکتا ہے امی جان کی ضد بھی ٹوٹ جائے اور ان کے دل میں بھی زرش کے لیے جگہ بن جائے۔" زوباریہ نے بھی رائے دی۔

"زرش میں ابھی بچپنا بہت ہے۔ لاابالی سی طبیعت کی مالک ہے۔ کچھ چچا جان اور چچی جان کی بے حد لاڈلی بھی ہے۔ ہو سکتا ہے تب تک وہ بھی میچور ہو جائے۔" یہ زوباریہ کی دوسری رائے تھی۔ جس سے سمعان کو ذرا بھی اختلاف نہ تھا۔

وہ لوگ چچا کے ہاں پہنچے تو اس وقت گھر میں بالکل خاموشی تھی۔ شائستہ بیگم ان کو لان میں مل گئیں۔ سمعان کی گاڑی اندر آتے دیکھ کر وہ فوراً ان کی طرف چلی آئیں۔

"السلام علیکم چچی جان۔" زوباریہ نے سلام کیا تو انہوں نے اسے گلے لگایا اور زوباریہ سے حمزہ کو اپنی گود میں لے لیا۔

"جا رہے ہو تم لوگ......" پچھلی سیٹ پر بیگ دیکھ کر انہوں نے سمعان اور عثمان کو دیکھا۔

"ہوں...... بس اتنی ہی چھٹیاں تھیں۔ ایک گھنٹہ بعد کی فلائٹ ہے۔ سوچا چلتے چلتے ہیں آپ سے بھی مل لیں گے۔" عثمان قریب چلا آیا۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو لے کر اندر چلی آئیں۔

"گھر میں بڑی خاموشی ہے۔" زوباریہ نے اردگرد دیکھا۔

"ہاں---- نوشی کالج گئی ہے۔ فرح نے تم لوگوں کی وجہ سے چھٹی کی تھی تو زرش بھی نہیں گئی کہ وہ

اکیلی جا کر کیا کرے گی۔ تمہارے چچا جان کی طبیعت آج کچھ ٹھیک نہیں تھی کمرے میں لیٹے ہوئے ہیں۔" انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔

"کیوں کیا ہوا...... ان کی طبیعت کو۔" چچا کی طبیعت کا سن کر تینوں ہی پریشان ہو گئے۔

"ہونا کیا ہے۔ وہی دل کا درد...... رات کو اچھے بھلے تھے۔ صبح آفس کی تیاری کر رہے تھے کہ سینے میں درد شروع ہو گیا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ نوشی کالج جا چکی تھی، زرش گھر پہ تھی۔ اسی نے ڈاکٹر زبیری کو کال کی۔ انہوں نے آ کر میڈیسن دی۔ انجکشن بھی لگائے۔ ابھی لیٹے ہوئے ہیں۔ زرش ان کے پاس کمرے میں ہی ہے۔" شائستہ بیگم کے چہرے پر گزرے لمحوں کا عکس تھا اور تکلیف تھی۔

سمعان احمد نے ایکدم آگے بڑھ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔

"ہمیں کال کیوں نہیں کی۔ فون کر دیا ہوتا ہم آ جاتے۔ شکر ہے طبیعت سنبھل گئی ہے اگر زیادہ خراب ہو جاتی تو؟"

چچا اور چچی کے معاملے میں وہ کس قدر حساس تھا یہ سبھی جانتے تھے۔ ناراضی و شکوے سے کہا تو وہ سب مسکرانے لگے۔

"اللہ کا شکر ہے اب طبیعت بہتر ہے۔" انہوں نے تسلی دی۔

"میں دیکھتا ہوں......" وہ انہیں وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

جب سمعان کمرے میں داخل ہوا تو زرش بستر پہ دراز سعود احمد کا سر دبا رہی تھی۔ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ کسی بات پہ مسکرا رہے تھے۔ سمعان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر زرش نے سر اٹھایا۔

"ارے سمعان بھائی آپ......"

"السلام علیکم۔" سمعان آگے بڑھ آیا۔ سعود احمد نے بھی سمعان کو دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سمعان احمد نے ان سے ہاتھ ملا کر ان کے قریب ہی جگہ پکڑ لی۔ تبھی عثمان، زوباریہ اور سائنہ بھی چلے آئے۔

"ارے عثمان اور زوباریہ بھی ہیں۔" وہ ایکدم اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے عثمان کو گلے لگایا۔ زوباریہ کو پیار کیا۔

"جا رہے ہو تم لوگ......؟" وہ جانتے تھے آج ان کی فلائٹ ہے۔ عثمان نے سر ہلایا۔

"ہم لوگ آپ سے ملنے آئے تھے مگر یہاں آ کر چچی نے بتایا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔" عثمان نے تفکر سے پوچھا تو وہ ہنس دیے۔

"طبیعت کیا خراب ہونی ہے بس دل چاہ رہا تھا بیگم سے خدمت کروانے کو۔" ان کا انداز ہی ایسا تھا کہ سب ہی ہنس دیے۔ شائستہ بیگم نے انہیں گھورا۔

"خدا کا خوف کریں۔ صبح ہمارے ہاتھ اور پیروں سے جان نکلی جا رہی تھی اور اب کیسے مذاق سوجھ رہا ہے۔" انہیں ایکدم صبح کا واقعہ یاد آ گیا جب سعود احمد کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی اور ان کو کچھ

سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ "اگر زرش گھر پہ نہ ہوتی اور ڈاکٹر زبیری کو فون نہ کرتی تو نجانے کیا ہوتا...... اس تصور سے ہی ان کا دل کانپ اٹھا تھا۔

اور کیا، بچی بھابی صبح پاپا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ یکدم ہی دل میں اتنا درد اٹھا تھا۔"

سعود احمد دل کے مریض تھے۔ ایک دو دفعہ پہلے بھی تکلیف ہو چکی تھی لیکن سیریس حالت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زرش کی بات پہ وہ مسکرائے۔

"یہ دونوں ماں بیٹی تو بس یونہی خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ معمولی درد تھا۔ اب تو بالکل ٹھیک ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر سب کو یقین دلانا چاہا۔

"پھر بھی آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔ دل کا معاملہ ہے۔ ڈاکٹر زبیری ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں اچھی طرح ٹریٹمنٹ کروائیں۔" عثمان نے مشورہ دیا۔

"شام کو میرے ساتھ چلیے گا۔ ڈاکٹر زبیری کے کلینک میں خود سارے ٹیسٹ کرواؤں گا۔ خدانخواستہ کوئی سیریس بات تو نہیں۔" شائستہ بیگم کے لہجے اور زرش کے اترے چہرے سے سمعان نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ انہیں کس قسم کا درد ہوا ہوگا۔ ورنہ وہ عام حالات میں اپنی تکلیف گھر والوں پہ ظاہر بھی نہیں کرتے۔ سمعان نے تشویش سے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے یار تم لوگوں کو...... اللہ کا شکر ہے بالکل فٹ فاٹ ہوں۔ معمولی درد تھا بس......"

"یہ ہر دفعہ اسی طرح ٹال جاتے ہیں۔ اس دفعہ کوئی بات نہیں سنی۔ تم آ جانا میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ ڈاکٹر زبیری سے بات کروں گی۔" شائستہ نے سعود احمد کے لاپروا انداز پر فوراً کہا۔ انہوں نے بیگم کو دیکھا مگر وہ نظریں پھیر گئیں۔

"کیا کرتی ہو بیگم! تم نے ان بچوں کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا۔ ملنے آئے تھے یہ لوگ تو۔" انہوں نے اپنی طرف سے سب کا دھیان ہٹانا چاہا۔ خاص طور پر شائستہ بیگم کا۔

"ہم لوگ تو ٹل کر چلے ہی جائیں گے مگر آپ کو اپنی طبیعت کا خیال رکھنا چاہیے۔" زوباریہ نے بھی کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"آپ ہمارے ہاں آیئے گا ہم انتظار کریں گے آپ کا۔ آنے والے دنوں میں بچوں کی دسمبر کی چھٹیاں تو ہو رہی ہیں۔ زرش اور نوشی کے ہمراہ چکر لگائیے۔" عثمان نے آخر میں کہا تو زرش ایکدم پرجوش ہو گئی۔

"تو اور کیا پاپا...... آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اس دفعہ ضرور اسلام آباد جائیں گے۔ اس طرح آپ کی طبیعت پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔" وہ ان کے دائیں طرف تھی۔ بائیں طرف سمعان احمد تھا۔ سائیڈ میں زوباریہ اور عثمان تھے۔

"چلو دیکھیں گے۔ فرصت ملی تو ضرور چکر لگائیں گے۔" انہوں نے ہامی بھری۔

"بھائی ہم سب آئیں گے۔ ہادی آپا کو بھی ساتھ لے کر آئیں گے...... فرح، علی اور اس نے سمعان کی طرف دیکھا۔ "سمعان بھائی آپ چلیں گے ناں ہمارے ساتھ۔" اس نے سمعان سے

پوچھا۔

"پتا نہیں......" سمعان نے کندھے اچکائے۔ "دراصل آفس روٹین میں شاید ہی وقت ملے۔" دوسری صورت میں وہ انکار کر رہا تھا۔

"یار چلے آنا... تھوڑا سا وقت نکال لینا ایک دو دن کے لیے۔" عثمان نے کہا تو اس نے فی الحال سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا دسمبر کے مہینے میں انتہائی مصروفیت کے دن ہوں گے مشکل سے ہی وقت نکل پائے گا۔

"بیگم بچوں کی تواضع کے لیے کچھ لے آؤ۔ چائے وغیرہ......" انہوں نے سائیڈ کرسی پر بیٹھی شائستہ بیگم سے کہا تو وہ فوراً سیدھی ہو گئیں۔ ان کی باتوں میں لگ کر وہ بھول ہی گئی تھیں۔

"نہیں چچی جان...... فلائٹ میں اب تھوڑا ہی وقت ہے۔ ہم تو بس کھڑے کھڑے ہی خدا حافظ کہنے آئے تھے۔ اب چلنا چاہیے۔" عثمان نے منع کر دیا۔ سمعان بھی گھڑی دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا چچا جان اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ چیک اپ ضرور کروا لیجیے گا۔" زوباریہ بھی اٹھ گئی پھر وہ سب ان سے مل کر کمرے سے نکل آئے۔ زرش بھی ان کے ساتھ چلی آئی۔ کمرے سے نکلتے ہوئے شائستہ بیگم نے الماری سے دو شاپنگ بیگ نکالے۔

"یہ تم لوگوں کے لیے میں نے تحفے لیے تھے۔ پرسوں شاپنگ کے لیے گئی تھی۔ تم تینوں کے لیے، لیے ہیں۔" انہوں نے باہر آ کر بیگز زوباریہ کو تھمائے۔

انہیں یقین تھا کہ یہ لوگ ملنے ضرور آئیں گے۔ زوباریہ شرمندہ ہو گئی۔

"آپ نے تو یونہی تکلف کر ڈالا۔"

"کوئی تکلف نہیں ہے...... ان میں میرے اور نوشی کی طرف سے بھی دو دو گفٹ بیگ ہیں آپ اور حمزہ کے لیے۔" زرش نے کہا۔

"تھینک یو سو مچ آپ لوگوں کا...... آپ ضرور آیئے گا۔ ہم انتظار کریں گے۔" وہ بیگ گاڑی میں رکھ کر چچی کے گلے لگ گئی پھر اس نے زرش کو بھی گلے لگایا۔ عثمان بھائی نے ان سے حمزہ کو لے لیا تھا۔ شائستہ بیگم نے عثمان کو پیار دیتے ہوئے حمزہ کا رخسار چوما پھر مٹھی میں دبے کئی نوٹ اس کی جیب میں ٹھونس دیے۔

"یہ...... یہ کیا کر رہی ہیں آپ......" عثمان نے چچی کو منع کرنا چاہا مگر انہوں نے کوئی بات نہیں سنی۔

"شرم کرو اتنے عرصے بعد ہماری بہو اور پوتا آیا ہے وہ کیا خالی ہاتھ جاتے اچھے لگتے...... یہ پیار ہے۔ تمہیں کیوں اعتراض ہو رہا ہے؟" سمعان احمد ایک طرف کھڑا مسکراتے ہوئے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"آپ پاپا کو فون کر کے یاد کرواتے رہیے گا۔ اس دفعہ آپ کے ہاں آنے کا پروگرام پکا ہے یہ نہ ہو کہ ٹال جائیں......" وہ لوگ گاڑی میں بیٹھے تو زرش زوباریہ کی طرف مسکراتے ہوئے جھک گئی۔ سمعان احمد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"میں چچا جان کو شام میں ڈاکٹر زبیری کے پاس لے جاؤں گا۔ آپ تیار رہیے گا......"

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سمعان احمد نے شائستہ بیگم کو خاص تاکید کی۔ وہ مسکرا دیں۔ سمعان نے گاڑی ریورس کر کے آگے بڑھائی تو دونوں نے ہاتھ ہلایا۔ جواباً زوباریہ نے بھی ہاتھ ہلایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

سمعان شام سے کچھ پہلے ہی مسعود احمد کو لینے آ گیا۔ شائستہ بیگم ساتھ جانے کو تیار ہو گئی تھیں مگر عین وقت پر نوشی کے سسرال سے ہارون پاشا کی فیملی کا فون آ گیا کہ وہ لوگ مسعود احمد کی عیادت کو آ رہے ہیں۔ انہیں نفیسہ آپا کے ہاں سے علم ہوا تھا کہ مسعود احمد کی طبیعت خراب ہے جب کہ نفیسہ پھپھو کے ہاں زرش نے فون کر کے ہادی آپا کو پاپا کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع دی تھی۔ شائستہ بیگم نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔ سمعان مسعود احمد کو لے کر چلا گیا تو شائستہ بیگم مہمانوں کی آمد تک ان کی تواضع کے لیے کچن میں گھس گئیں۔ آدھ گھنٹے بعد ہارون پاشا ان کی بیگم اور عفان تینوں آ گئے۔ شائستہ بیگم مہمانوں کے پاس لاؤنج میں چلی گئیں اور وہ دونوں کچن میں کام کرتی رہیں۔ دونوں جا کر مہمانوں سے مل آئیں پھر ایک دفعہ جا کر نوشی چائے دے آئی۔ زرش کچن میں ہی یاسمین کا ہاتھ بٹاتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد پھپھو، ہادی آپا، وقار بھائی اور جمال ماموں چلے آئے۔ دونوں بہنیں جا کر ان سے بھی ملیں اور پھر نوشین نے دوبارہ ٹرالی تیار کی تو اب کی بار زرش چائے سرو کرنے لاؤنج میں آئی۔

ابھی وہ چائے سرو کر کے فارغ بھی نہیں ہوئی تھی کہ تایا ابو، علی اور فرح آ گئے۔

"یا اللہ...... آپ لوگ اکٹھے نہیں آ سکتے تھے۔ ایک ایک کر کے آ رہے ہیں۔" فرح سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے گھورا۔ وہ کچھ بھی نہیں بس مسکرا دی۔

"ہم تو چچا جان کی مزاج پرسی کو آئے ہیں۔" وہ علی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ مزید کپ لینے کچن میں بھاگی...... چائے تو وہاں تھی مگر کپ کم تھے۔

"تایا ابو، علی اور فرح بھی آئے ہیں......" یاسمین کے ساتھ مل کر پھلکے بناتی نوشی کو اس نے بتایا تو وہ حیران ہو گئی۔

"واقعی......"

"ہوں...... بڑے عرصے بعد پھپھو، تایا ابو اور تمہارے سسرالی ایک جگہ اکٹھے ہوئے ہیں۔ یا تمہاری منگنی پر ہم سب اکٹھے ہوئے تھے۔"

"واقعی...... اچھا پاپا آ گئے؟"

"نہیں...... ماما سب کو دوبارہ سے بتا رہی ہیں کہ پاپا سمعان بھائی کے ساتھ ڈاکٹر زبیری کے پاس گئے ہیں۔" اس نے ٹرے میں کپ رکھے تو سمعان احمد کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"سمعان بھائی آ گئے۔" اس نے دو کپ مزید ٹرے میں رکھے۔

وہ لاؤنج میں آئی تو پاپا اور سمعان بھی اندر آ چکے تھے۔ دونوں اب سب سے مل رہے تھے پھر پاپا تایا ابو کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"کیا کہہ رہے تھے ڈاکٹر زبیری......؟" ماما نے پوچھا۔ وہ خاموشی سے کپوں میں چائے ڈال رہی تھیں مگر سارا دھیان ادھر ہی تھا۔

"کچھ بھی نہیں...... میں نے اپنے سامنے ای سی جی کروائی ہے نارمل کنڈیشن تھی۔ ڈاکٹر زبیری نے میڈیسن لکھ دی ہیں۔ میں لے آیا ہوں بس پرہیز کرنے کو کہا ہے۔ فکر والی کوئی بات نہیں ہے۔" سمعان احمد نے بتایا۔

"شکر ہے اللہ کا......" ماما ہی نے نہیں وہاں موجود ہر شخص نے یہ کلمات ادا کیے، کسی نے با آواز اور کسی نے دل میں۔

"جب زرش کی کال آئی تو مجھے اس وقت سے بہت فکر ہو رہی تھی۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آپ لوگوں نے مجھے صبح اطلاع کر دی ہوتی۔" ہادی آپا نے ماما کو دیکھا تو پاپا ہنس دیے۔

"میں سارا دن اسے منع کرتا رہا مگر اسے چین نہیں پڑ رہا تھا۔ تمہیں بتا کر ہی دم لیا۔" زرش نے چائے کا کپ انہیں تھمایا تو انہوں نے اسے چپت لگائی۔

"اچھا کیا تھا...... یہ فون نہ کرتی تو کسی کو بھی پتا نہ چلتا۔" پھپھو نے کہا تو وہ مسکرا کر پلٹی اور ٹرے میں رکھا ہوا کپ اس نے سمعان کی طرف بڑھا دیا۔ سمعان نے کپ تھاما تو وہ خالی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ایک طرف رکھے کشن پر جا بیٹھی۔

بڑے سب ادھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ سمعان، عفان سے محوِ گفتگو تھا۔ خواتین ایک دوسرے سے۔ فرح اسے اشارہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں کچن میں آ گئیں تو ماما بھی چلی آئیں۔

"کھانا تیار ہے۔" انہوں نے نوشی سے پوچھا پھر فوراً آگے بڑھ کے برتن چیک کرنے لگیں۔

"تقریباً سب کچھ ہی تیار ہے۔ یاسمین ڈائننگ روم کا دروازہ کھولو، یہ کرسیاں اور میز ادھر لگاؤ۔ مہمان زیادہ ہیں کہیں ڈائننگ روم کی کرسیاں کم نہ ہوں۔ نوشی، زری فٹافٹ کھانا لگاؤ۔" انہوں نے تینوں سے کہا تو فرح بھی ان کے ساتھ ہو لی۔ چکن کا سالن، ساتھ چاول اور پھلکے تھے۔ کم وقت میں بس یہی بن سکا تھا۔ ٹیبل سیٹ کر کے انہوں نے سب کو ڈائننگ روم میں بلا لیا۔

"میں ادھر اکیلا بیٹھا بور ہو رہا ہوں سب اپنی باتوں میں مصروف ہیں کسی کو میری پروا ہی نہیں۔" علی مظلومیت کا اشتہار بنا دھڑام سے بستر پر گرا۔ زرش نے اسے ایک مکا جڑ دیا۔ اسے، اس کا بیٹھنے کا یہ انداز انتہائی زہر لگتا تھا۔

"شرم کرو بدتمیز...... ایسے بیٹھتے ہیں۔" اس نے گھورا تو وہ ہنس دیا۔

"میرے نزدیک تو ایسے ہی بیٹھا جاتا ہے۔" اس نے مونگ پھلی کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نوشی نے پلیٹ اس کی پہنچ سے دور کر دی۔

"یہ ہمارا حصہ ہے......"

"تو میرا حصہ کہاں ہے......؟" اسے کم سے کم نوشی سے ایسی بے مروتی کی امید نہیں تھی۔

"جہاں سے تم آئے ہو......" فرح نے کہا تو اس نے دانت پیسے۔

"میں تم لوگوں کے لیے یہاں آیا ہوں......"

"ہم نے تمہیں بلایا تو نہیں تھا پھر جہاں لڑکیاں ہوں وہاں لڑکوں کا کیا کام؟"

علی کا جی چاہا کہ زرش کا سر پھاڑ دے۔

"بڑی بے مروت ہو تم لوگ......" وہ ڈرائی فروٹ کی طرف سے ناامید ہو کر نیم دراز ہو گیا۔

"کس کی چغلیاں ہو رہی تھیں؟"

"کم از کم تمہاری نہیں۔" زرش نے اسے منہ چڑایا۔

"تم لوگ میری کر بھی کیسے سکتی ہو...... مجھ جیسا نیک اور شریف لڑکا پورے خاندان میں نہیں ہوگا۔" اس نے لمبی ہانکی تینوں کو ہنسی آ گئی۔

"ماشاء اللہ کیا کہنے تمہاری نیکی اور شرافت کے......" نوشی نے بھی چڑایا تو وہ ہنس دیا۔

"کوئی شک ہے؟"

"ایسا ویسا......" فرح کے کہنے پر اس نے اسے گھورا۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"بہنیں بھائیوں کے بارے میں زیادہ اچھی طرح جانتی ہیں۔" زرش نے اسے مزید چڑایا۔ اس سے پہلے کہ وہ جوابی کارروائی کرتا دروازے پر ناک کرتے سمعان، عفان اور ہادیہ آپا چلی آئی تھیں۔

"تم لوگ ادھر کیوں آ بیٹھے......؟" سمعان اور عفان سامنے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے تھے جب کہ ہادیہ آپا نے زرش کے قریب جگہ پکڑ لی۔

"بڑوں کی اپنی باتیں ہو رہی تھیں۔ وہی بزنس کی گفتگو ایک طرف بیٹھ کر بور ہونے سے بہتر ہے ہم یہاں آ بیٹھیں۔" فرح نے چلغوزے چھیل کر کھاتے ہوئے جواب دیا تھا۔ کوشن براہ راست عفان پاشا کی نگاہوں کی زد میں تھی بالکل مقابل وہ تھوڑا سا فرح کی طرف کھسکی تو عفان مسکرا دیا۔

"آپ سنائیں عفان بھائی کیا کرتے رہتے ہیں آپ......" بڑوں کے درمیان تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اب موقع ملا تو فرح نے پوچھا۔

"کچھ نہیں سارا دن ابو کے ساتھ ان کے آفس میں ہی ہوتا ہوں۔"

"تم لوگوں کے دسمبر ایگزامز کب شروع ہو رہے ہیں۔" لاپروائی سے مونگ پھلی اور چلغوزوں سے انصاف کرتی زرش پر سمعان کی نظر پڑی تو اسے یکدم یاد آیا۔

"بس شروع ہونے والے ہیں۔ شاید ایک دو دن میں ڈیٹ شیٹ مل جائے۔" فرح نے ہی جواب دیا۔

"دسمبر ووکیشن سے پہلے ختم ہو جائیں گے کہ نہیں......"

"میرا خیال ہے دسمبر سے پہلے ہی ختم ہوں گے۔ رزلٹ وغیرہ بعد میں ہی ہوگا۔" اس دفعہ زرش نے جواب دیا تو سمعان نے سر ہلایا۔

"ہوں...... نوشی اور علی تم دونوں کے کب تک ہیں۔"

"میرا بھی تقریباً یہی شیڈول ہے۔" علی نے کہا۔ پھر سمعان نے نوشی کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے چھٹیوں کے بعد ہی ہوں گے......" اس نے دھیمے سے کہا۔

"کیوں خیریت ہے؟" سمعان کے یوں خاص طور پر پوچھنے پر علی نے دریافت کیا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ میرا خیال ہے دسمبر کی چھٹیوں میں اسلام آباد کا پروگرام سیٹ رہے گا۔ کیوں عثمان چلو گے ہمارے ساتھ......"

ان کو بتا کر سمعان نے عفان کو دیکھا جب کہ وہ چاروں اس پروگرام پر خوش تھیں۔

"کیا واقعی اس دفعہ پروگرام ڈن ہو گیا ہے۔" زرش ایکدم پر جوش ہو گئی تھی۔

"ہوں...... ڈاکٹر نے چچا جان کو کچھ ہفتوں کے لیے "بیڈ ریسٹ" کی تاکید کی ہے۔ اب ایک انسان سارا دن بستر پر پڑے پڑے بھی بیزار ہو جاتا ہے۔ عثمان بھائی بھی آفر کر گئے ہیں۔ چچا جان کو میں منالوں گا تم لوگ اپنا شیڈول دیکھ لو...... ایک ہفتہ کافی رہے گا......" سمعان نے سنجیدگی سے کہا۔

"یاہو......" علی تو ایسے پروگراموں کا شوقین تھا۔ اس نے نعرہ لگایا۔

"تم نے بتایا نہیں عفان......؟"

"میں فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آنے والے دنوں میں بزنس مصروفیات نجانے کیا ہوں۔"

"مصروفیات کا کیا ہے...... آپ بس طے کریں وقت خود بخود نکل آئے گا۔" زرش نے فوراً کہا تو وہ ہنس دیا۔

"او کے دیکھیں گے......" اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

"اور ہادیہ آپا آپ کو بھی چلنا ہے۔ پھپھو سے بات کر لیجیے گا......" اس نے ابھی سے پروگرام طے کرنا شروع کر دیا تھا۔ زرش نے خاموشی سے مسکراتی ہادیہ کو بھی کہا تو وہ چونکی۔

"میرا جانا مشکل ہی ہے...... گھر سے مشکل ہی نکلنا ہوتا ہے۔"

"کوئی نہیں...... آپ ضرور جائیں گی میں ممانی جان اور پھپھو سے خود بات کر لوں گی۔"

"تم لوگوں کو بس خدا موقع دے سیر سپاٹوں کا......" وہ ہنس دیں۔

"تو اور کیا اتنے عرصے بعد تو کوئی پروگرام بن رہا ہے...... اتنی سخت پڑھائی میں تھوڑی بہت تو انجوائے منٹ ہونی چاہیے۔" علی نے کہا تو سمعان نے اسے گھورا وہ خجل سا ہو گیا۔

"تمہاری پیشانی کا زخم اب کیسا ہے۔"

وہ سب "اسلام آباد کے پروگرام" کو ڈسکس کرنے لگ گئی تھیں جب سمعان احمد کی آواز پر زرش نے سمعان کو دیکھا پھر اپنی پیشانی پر لگی سنی پلاس کو چھوتے ہوئے ہنس دی۔

"ٹھیک ہے اب تو...... ایک آدھ دن میں یہ سنی پلاس سے بھی جان چھوٹ جائے گی......" ہادیہ نے بھی دیکھا۔ وہ اس کی پیشانی کی چوٹ کے متعلق لاعلم تھیں۔

"کیا ہوا تھا پیشانی پر......"

"بس گر گئی تھی...... چوٹ لگ گئی......" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہیں بھی سکون نہیں ہے...... ہر وقت بچوں کی طرح اچھلتی کودتی رہتی ہو۔ ضرور کہیں سے چھلانگ لگائی ہوگی۔ انسانوں کی طرح چلنا تو آتا ہی نہیں تمہیں۔ کسی دن خدانخواستہ کوئی بڑی چوٹ لگ گئی تو......" وہ ایکدم متفکر ہو گئیں۔

زرش نے سمعان کو دیکھا ہادیہ کی بات پر وہ مسکرا رہا تھا تو وہ ہنس دی۔

"سمعان بھائی ہیں ناں میری ہر چوٹ پر پردہ ڈالنے والے۔ فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔" انتہائی شرارتی انداز تھا۔ ہادیہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ ٹھہری پھر اس نے سمعان کو دیکھا۔ زرش کی طرف دیکھتے ہوئے سمعان کی آنکھوں میں ایک عجیب سا احساس تھا۔

"سمعان ساری عمر تمہارے ساتھ نہیں رہے گا۔" ایکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے انہوں نے وہ بات کہہ دی۔ جس پر سمعان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ایک سیکنڈ میں سمٹ گئی۔ سمعان کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ زرش ہنس دی۔ لاشعوری طور پر وہ گلے میں موجود زنجیر کو انگلی پر لپیٹ رہی تھی۔ سمعان نے ایک نظر دیکھا اور پھر نظر پھیر لی۔

بعض اوقات مذاق میں بیان کی گئی حقیقت بھی کتنی تلخ ہوتی ہے۔ سمعان احمد کو ایکدم اندازہ ہوا۔

"ہادی آپا امید اچھی ہونی چاہیے...... اگر یقین ڈانواں ڈول ہوتا ہے تو ہاتھ آئی کامیابی بھی ناکامی میں بدل جاتی ہے۔ میرا تو یقین ہے وقت ضرور بدلے گا۔ کس خاندان میں چھوٹی موٹی چپقلش نہیں ہوتی بس دل کشادہ ہونے چاہئیں۔ راستے خود بخود بنتے جاتے ہیں۔"

سمعان احمد نے حیرت سے فرح کو دیکھا۔ ہادیہ کی سنجیدگی کا جواب اس نے بھی اتنی ہی سنجیدگی سے دیا تھا۔ ہادیہ کے ہونٹ مسکرا دیے۔ ایک نگاہ پھر سمعان پر ڈالی وہ اب صرف اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اگر کچھ کہوں گا تو بات بہت دور تک جائے گی۔ میرا خیال ہے، میرا ابھی چپ رہنا ہی بہتر ہے ورنہ تمہاری بات کا جواب میرے پاس ہے اور بہت اچھا جواب ہے۔"

سمعان احمد نے کہا تو ہادیہ کھل کر ہنس دی۔

"سوری تم دونوں بہن بھائی تو ایکدم سیریس ہو گئے۔ میں نے یونہی ایک بات کی تھی۔" انہوں نے زرش کی موجودگی کا احساس کرتے ایکدم بات ٹالی ورنہ بات نکلتی تو بہت دور تک جاتی۔

سمعان احمد نے بھی عفان سے دوسری بات شروع کر دی۔ زرش کی موجودگی میں وہ بھی کوئی بات نہیں چھیڑنا چاہتا تھا۔ ورنہ ہادیہ کی بات دل میں بہت تکلیف دے رہی تھی۔

وہ گھر کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہوئی تھی کہ بڑی چچی کی کال آ گئی۔ وہ اسے ساتھ لے جا کر شاپنگ پر جانا چاہتی تھیں۔ شادی کے لئے انہیں نویرہ کی پسند کی اشیاء خریدنی تھیں۔ بات انہوں نے اماں سے کی تھی' ان کی اجازت سے ہی وہ انہیں لینے آ رہی تھیں۔ اماں نے ہی کال ریسیو کی تھی پھر نویرہ کو تیار ہونے کو کہا تھا۔ نویرہ خاموشی سے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو بڑی چچی حمیرا اور شائلہ آپی کے ہمراہ آئی بیٹھی تھیں۔ وہ ایک پل کو جھجکی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے مشترکہ سلام کیا۔

چچی نے محبت سے اسے گلے لگا لیا۔ شائلہ اور حمیرا سے بھی مل کر وہ ایک طرف بیٹھی تھی۔

''بعد میں بیٹھنا۔ اٹھو چلو ہمارے ساتھ' حمیرا نے کالج سے چھٹی کی ہے شائلہ کو بھی سسرال سے بلوایا ہے کتنے دنوں سے پروگرام بن رہے تھے مگر گھر سے نکلنا ہی نہیں ہو رہا تھا۔'' چچی نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھیں ابھی چچی چائے وغیرہ پی کر جایئے گا۔'' بھابی بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں مگر انہوں نے ہاتھ سے منع کر دیا۔

''نہیں...... بازار میں کچھ وقت لگ جائے گا۔ پھر کبھی سہی۔'' اماں نے ایک دو دفعہ اصرار کیا تھا مگر چچی کے صاف انکار پر انہوں نے بھی زیادہ نہ کہا۔' اماں سے اجازت لے کر وہ باہر آئے تو گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر نواز ان کا منتظر تھا۔ نواز پر نگاہ پڑتے ہی نویرہ کے قدم ٹھٹکے تھے اس نے گھبرا کر چچی کو دیکھا وہ مسکرا دی تھیں۔

نواز نے اسے سلام کیا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ نواز کے ساتھ حمیرا بیٹھ گئی جبکہ وہ شائلہ آپی کے ساتھ چچی کے ہمراہ پچھلی سیٹ پر تھی۔

''ہمیں شادی کے لئے جیولری خریدنی تھی' ساتھ میں کچھ کپڑے بھی۔ پہننے تو تمہیں ہی ہیں' اچھی بات ہے تم مرضی سے اپنے پسند کے کلرز لے لو۔'' شائلہ نے کہا تھا۔

''مجھے بھی ابھی سب کچھ خریدنا ہے۔ کچھ بھی نہیں لیا۔ اگلے دنوں ہمارا ٹرپ جا رہا ہے مری' اسلام آباد سوچا کچھ ٹرپ کے لئے شاپنگ کر لوں' پورے پانچ دنوں کا پروگرام ہے۔ میرا اور رمشاء دونوں کا جانے کا ارادہ ہے۔''

حمیرا کی بات پر اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

''نویرا! جیولری کے نئے ڈیزائن آئے ہوئے ہیں۔ میں پچھلے ہفتے گئی تھی جیولر کے پاس۔ بہت اچھے لگے تھے' دیکھ لینا جو بھی جی کو اچھا لگے آرڈر دے دیں گے۔'' رضیہ چچی نے نویرہ کے جھینپے جھینپے گولڈن چادر کے ہالے میں اپنا عکس دکھاتے چہرے کو دیکھا تھا۔ نواز بیگ مرر سے نظر آتے نویرہ کے جھکے سر پر گاہے بگاہے نگاہ ڈال لیتا تھا۔

نواز کو میں کتنے دنوں سے کہہ رہی تھی مگر یہ فارغ ہو تب نا...... آج بھی میں نے زبردستی اس کی یونیورسٹی سے چھٹی کروائی ہے۔ یہ لڑکا بھی ہاتھ نہیں آتا۔ بس اپنے ہی جھمیلے ہیں اس کے...... یونیورسٹی سے اکیڈمی میں بھاگ دوڑ...... اس کے ابو کہہ بھی رہے تھے کہ ان کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹاؤ مگر یہ سنتا کب ہے؟ بس اپنے ہی شوق ہیں اس کے......'' نواز ہنس دیا تھا۔

''ظاہر ہے میری طبیعت کاروبار کے جھمیلوں میں کہاں سیٹ رہتی ہے؟ ابو کے ساتھ جب بھی فارغ ہوتا ہوں چکر لگا تو لیتا ہوں۔ یہ پڑھانا میرا شوق ہے۔ پھر میں کونسا اکیلا ہوں یونیورسٹی میں پیریڈز لیتا ہوں۔ اکیڈمی میں کوالیفائیڈ ٹیچرز رکھے ہوئے ہیں تقریباً وہی سب کچھ ہینڈل کرتے ہیں۔ اب اچھا خاصا وقت ابو کے ساتھ صرف کر رہا ہوں پھر بھی آپ کو گلہ رہتا ہے۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے نواز نے پلٹ کر کہا تھا۔ نویرہ نے یونہی سر اٹھا کر دیکھا تو نظر ملی تھی' وہ فوراً نگاہ پھیر گئی۔ ایک لمحے کو لگا کہ جیسے بجلی کوند گئی ہو۔ چچی کے ساتھ وہ پہلے جیولر کی دکان پر آئے تھے۔ اچھی خاصی جیولری تھی' سنار نے کئی ڈیزائن دکھائے تھے۔ ہر ڈیزائن ہی اپنی مثال آپ تھا' وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔ حمیرا' شائلہ' نواز تینوں ہی چچی کو مشوروں سے نواز رہے تھے۔

''یہ دیکھو نویرہ کیسا ہے؟'' چچی نے ایک گولڈ کا ہار سیٹ اٹھا کر اس کے سامنے کیا تھا۔

''بہت اچھا...... بہت زبردست......'' وہ چاروں کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ نواز عقب میں کھڑا تھا۔ نویرہ کے گردن ہلانے پر اس نے فوراً کہا تھا۔

''مگر امی جان آج کل ڈریس کے ساتھ میچنگ جیولری چل رہی ہے۔ سوٹ وغیرہ کا تو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ یہ نہ ہو کہ جیولری ڈریس کے ساتھ میچ ہی نہ کرے۔'' حمیرا نے کہا تو شائلہ نے بھی سر ہلایا۔

''ہم آرڈر دے دیتے ہیں نا' ڈریس کا انتخاب کر کے موتی وغیرہ میچنگ ڈلوا لیں گے۔ کیوں نویرہ؟'' وہ ہر معاملے میں اس کی رائے مانگ رہی تھیں۔ نویرہ نے مسکرا کر گردن ہلائی تھی۔

اور اس کے بعد بھی تقریباً ساری شاپنگ میں انہوں نے نویرہ اور نواز کی پسند کو مدنظر رکھا تھا۔ ہر چیز نویرہ سے پوچھ کر لی جا رہی تھی۔ نواز سے مشورہ کیا جا رہا تھا۔ دونوں بہنیں بڑی پرجوش تھیں ساتھ میں چچی جان بھی۔

آخر میں وہ لوگ برائیڈل ڈریس کے لئے دو تین گھنٹے خوار ہوئے تھے۔ شائلہ اور نواز کو کوئی ڈریس پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔ کتنی دکانیں چھان ماری تھیں۔ تھک ہار کر چچی بیگم نے ایکدم کہہ دیا۔

''مجھ سے نہیں اب کسی اور دکان میں جا کر مغز کھپائی کی جاتی۔ عجب ہو تم دونوں بہن بھائی' کچھ پسند

ہی نہیں آ رہا۔ نویرہ کو بھی خوار کر رہے ہو تم دونوں' کیا سوچتی ہوگی یہ......" نواز مسکرایا تھا۔

"کچھ نہیں سوچیں گی یہ...... شادی ایک ہی دفعہ ہوگی کم از کم ڈریس تو اپنی پسند کا ہو۔" آج نواز کا موڈ حیران کن حد تک کافی شوخ ہو رہا تھا۔ ساری شاپنگ کے دوران وہ اسی طرح کے چٹکلے چھوڑ رہا تھا۔ اچھی خاصی پر اعتماد نویرہ شرم کی پوٹلی بن کر رہ گئی تھی۔ اب بھی نواز کی بات پر جھینپ گئی۔

"تم نے پہننا نہیں ہے...... نویرہ تو کوئی مین میخ نہیں نکال رہی بس تم دونوں بہن بھائی کی ناک تلے کوئی لباس نہیں جچ رہا۔" وہ واقعی تھک چکی تھیں۔ اس لئے ان کا رویہ بجا تھا۔

"مگر دیکھنا تو مجھے ہی ہے نا۔ کم از کم میری دلہن کا برائیڈل ڈریس تو میری پسند کا ہونا چاہئے۔" نویرہ کی طرف دیکھتے نواز نے مسکرا کر کہا تھا۔

نویرہ کو اپنے رخسار دہکتے محسوس ہوئے۔ چچی جان بھی ہنس دیں۔ "خوب کہی تم نے۔"

"تو جاؤ...... تم دونوں بہن بھائی نویرہ کو ساتھ لے جاؤ پسند کرلاؤ اب میں ایک انچ بھی یہاں سے نہیں ہلنے والی۔ گاڑی کا دروازہ کھولو میں حمیرا کے ساتھ اندر بیٹھتی ہوں۔ تم لوگ فارغ ہو کر آ جانا۔"

نویرہ نے چچی کے اس حکم پر فوراً ان کو دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھیں۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ہم تھوڑی دیر میں لوٹ آئیں گے۔ تب تک امی اور حمیرا ادھر ہی انتظار کرتی ہیں۔" شمائلہ نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

نواز نے سر ہلا کر گاڑی ان لاک کی اور ہاتھ میں پکڑا سامان اندر ڈال دیا۔

شمائلہ اور چچی جان بھی اندر بیٹھ گئی تھیں۔

"جلدی آ جانا۔" انہوں نے خاص تاکید کی تھی۔

پتہ نہیں نواز کیسا سوٹ چاہ رہا تھا جو پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔ دو تین دکانیں مزید چیک کرنے کے بعد نویرہ بھی الجھ گئی۔ وہ اب تک مکمل خاموش تھی۔ کسی بھی قسم کی رائے کا قطعی اظہار نہیں کیا تھا مگر اب اکتا گئی تھی۔ اگلی دکان میں داخل ہوئے تو وہ بوریت محسوس کر رہی تھی۔ کچھ تھکن تھی اور کچھ اکتاہٹ' شمائلہ اور نواز ابھی بھی پرجوش تھے۔ اسے حقیقتاً حیرت ہوئی۔ زنانہ شاپنگ سے متعلق نواز کی معلومات بڑی زبردست تھیں۔

"نویرہ یہ ڈریس دیکھو کتنا خوبصورت ہے۔" سیلز گرل نے شمائلہ کے کہنے پر ایک ڈریس دکھایا' ایک لمحے کو تو نویرہ کی بھی آنکھیں چندھیا گئیں۔ انتہائی باریک نفیس کام تھا۔

"ہوں......" اس نے سر ہلایا۔ ڈیپ ریڈ کلر میں لہنگا سیٹ تھا۔ لہنگے' کرتی اور دوپٹے تینوں پر کام دیکھنے کے لائق تھا۔

"آپ بتائیں نواز بھائی کیسا ہے؟ دیکھنا تو آپ نے ہی ہے ناں۔" شمائلہ نے اسے چھیڑا تھا' وہ کھل کر ہنسا۔ پھر نویرہ کو دیکھا وہ فوراً سر جھکا گئی۔

"اس میں شک نہیں ہے لیکن پچھلے تین گھنٹے میں نے اس لئے خوار نہیں کئے کہ مجھے کوئی ڈریس پسند نہیں آ رہا تھا بلکہ میری خواہش تھی کہ نویرہ اپنی پسند کا اظہار خود کرے مگر مجھے اب لگ رہا ہے کہ آج کا

دن تو ایک طرف' مزید دو تین دن بھی خوار ہوتے رہے تو یہ محترمہ کبھی منہ سے کچھ نہیں کہیں گی۔"

نویرہ نے بے حد حیرت و استعجاب سے نواز کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ جیسے موتیوں کی چمک ہو۔

"امی' حمیرا اور تم نے جو بھی چیز پسند کی ہے انہوں نے صرف گردن ہلائی ہے مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ کہیں ان کو سعادت مندی مہنگی نہ پڑ جائے کم از کم دلہن کا ڈریس تو اپنی پسند کا ہو۔" وہ طنز نہیں کر رہا تھا مگر نویرہ شرمندہ سی سر جھکا گئی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ چچی جان نے ہر چیز مجھ سے پوچھ کر ہی لی ہے۔" اس نے اتنے سارے وقت میں پہلی دفعہ لب کشائی کی تھی۔ شمائلہ ہنس دی۔

"نواز کو تمہارے ہر بار سر ہلانے پر تعجب ہو رہا تھا کہ کہیں تمہیں کچھ چیز ناپسند نہ ہو۔ ہمارے ساتھ تم پہلی اور آخری بار شاپنگ کر رہی ہو' بعد میں تم کو ڈسٹرب کرتے رہتے اسی لئے نواز بھائی کو تمہاری پسند کی فکر تھی۔ مجھے بار بار کہہ رہے تھے کہ کہیں تم سعادتمندی میں نہ ماری جاؤ' اپنی پسند کا اظہار کر دو۔" شمائلہ مزے سے بتا رہی تھی۔ نویرہ کے ہونٹ ایکدم مسکرا اٹھے تھے۔

"شکریہ خیال رکھنے کا۔ آپ لوگ میرے لئے جو بھی خریدتے وہ مجھے دل و جان سے پسند آتا کیونکہ اس محبت میں جو خلوص اور چاہت ہے وہ شاید میری پسند میں بھی نہ ہو...... میں اب اتنی سطحی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ کو میری سعادتمندی پر شبہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔" اس نے براہ راست نواز کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"یہ سوٹ پسند آیا؟" نواز نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

"دل سے؟" آج تو نواز کا موڈ ہی نرالا تھا وہ ایکدم سٹپٹا گئی۔ شمائلہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ نویرہ مزید جھینپی۔

"پتہ نہیں...... دیکھنا تو آپ کو ہے جو اچھا لگے لے لیں۔" نواز کی شرارت وہ خوب سمجھ رہی تھی فوراً رخ بدل کر کہا تھا۔ شمائلہ کی ہنسی رکنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

"مگر پہننا تو تم کو ہے نا۔" نواز فوراً رخ بدل کر اس کے سامنے آیا تھا۔ نویرہ اس گل افشانی پر مزید زچ ہوئی۔ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا جس کی آنکھوں کی شرارت بھرپور تھی۔

"پلیز نواز......"

نواز فاروق کو ایکدم لگا جیسے نویرہ کے ہونٹوں سے پھول جھڑے ہوں۔ اس کی نظر پیشانی تک چادر میں چھپے چہرے پر بھٹک بھٹک گئی۔ نویرہ کے اس ڈھکے چھپے انداز میں بھی ایسی دلکشی تھی جو دل کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ نواز کتنے لمحے اس کے سرخ جھلملاتے رخساروں پر سایہ فگن لانبی لرزتی کانپتی پلکوں سے نظریں نہ ہٹا پایا تھا۔

"ہوں...... اوں...... نواز بھائی......"

شمائلہ نے مسکرا کر بھائی کا بازو تھاما تو وہ کھل کر مسکرایا۔ نویرہ کے شرماتے لجاتے سراپے پر ایک

بھرپور نگاہ ڈالی۔ نویرہ کے لئے مارے حجاب کے سر اٹھانا محال تھا۔

"میرا خیال ہے...... سوٹ تو پسند ہو ہی چکا ہے۔ پے منٹ کریں تو پھر چلنے کی کریں۔ امی انتظار کررہی ہوں گی۔"

شائلہ کی بات پر وہ آگے بڑھ گیا تھا تو نویرہ نے خاموشی سے شائلہ کا ہاتھ تھاما۔ اسے اپنے ہاتھ کی لرزش کا بخوبی احساس تھا مگر اس وقت مجبور تھی۔

"یہ نواز بھی کتنے بے باک ہو رہے ہیں...... اب میں کبھی ان کے ساتھ نہیں آؤں گی۔ اور یہ...... دیکھ کیسے رہے تھے...... اف اللہ......" نویرہ کو اپنا ننھا دل ابھی تک کانپتا محسوس ہو رہا تھا۔

ایک پل میں اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آئندہ چچی جان کے کسی بھی اس قسم کے پروگرام میں شامل نہیں ہوگی۔ خاص طور پر نواز کی موجودگی میں تو قطعی نہیں۔

نواز پے منٹ کر کے واپس آیا تو وہ خاموشی سے شائلہ کا ہاتھ پکڑے واپسی کو ہولی۔ مگر دل کی حالت کا ابھی بھی وہی عالم تھا۔

* * *

وہ تھکن سمیٹ کر اپنے کمرے میں جارہی تھی مگر لاؤنج میں آتی آواز پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔

بن تیرے کیا ہے جینا
میرے دل کی رانی تو
میری خوشبوؤں کا موسم
میرے خوابوں کی تعبیر
میرے سپنوں کی تصویر
بن تیرے کیسی ہار
وہ جیت ہو ہار......
تیرے سنگ ہے سب کچھ
بن تیرے ہو تو بے کار
بن تیرے کیا ہے جینا

پورے کمرے میں ایک عجیب سا ماحول طاری تھا۔ وہ اتنے دنوں بعد اس کے کمرے کے قریب پہنچی تھی۔

رضا حمید کے گزشتہ رویوں نے اسے اپنی ذات میں محدود ہوجانے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ اس سے دانستہ گریز کرنے لگی تھی۔ نویرہ کے لئے اس کی جذباتیت پچھلے دنوں جس طرح عروج پر تھی آنے والے دنوں نے اسے اپنی ذات میں سمٹ جانے پر مجبور کردیا تھا۔

رضا کی وہی روٹین تھی۔ کالج اکیڈمی اور پھر گھر آکر رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہوجانا لیکن آج وہ خلاف معمول نہ صرف لاؤنج میں موجود تھا بلکہ سی ڈی پلیئر سے آتی آواز پر وہ

صوفے پر بیٹھا اپنے پاؤں کو مسلسل حرکت بھی دے رہا تھا۔ کتاب اس کی گود میں کھلی پڑی تھی مگر وہ کہیں اور گم تھا۔

رمشاء دروازے کے فریم میں جم گئی۔

رضا کے سرخ چہرے کی رنگت گلوکار کی آواز سے ہم آہنگ ہونے لگی۔

تیری پائل کی چھن چھن
تیری سانسوں کا سرگم
تیری خوشبو تیری پریت
یاد آئے میرے میت
جو تجھ پر لکھے تھے
وہ سارے میرے گیت
ساری خوشیاں سپنے تیرے ہیں تیرے ساتھ
بن تیرے کیا ہے جینا......

رمشاء کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا۔

وہ اس شخص کو کتنا چاہتی تھی کاش وہ اسے بتا سکتی؟ وہ اس کے لئے کیا تھا کاش وہ اپنا آپ اس پہ آشکار کرسکتی؟

وہ اگر اس کے ہتک آمیز رویئے سے پیش آنے کے بجائے ایک کزن، ہم راز دوست کی طرح اپنے دل کی بات شیئر کرتا تو شاید وہ اس کی خواہش میں اپنا آپ وار دیتی مگر......

رمشاء نے آنکھوں میں بھر جانے والی نمی انگلی کی پور سے ہٹائی۔ اس وقت لاؤنج کا ماحول گیت کے بول رمشاء کے اندر کے ماحول سے جیسے ہم آہنگ ہوتے جارہے تھے۔

وہ خاموشی سے یک ٹک رضا حمید پر نظریں گاڑے کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں پگھلا دینے والی تپش تھی۔ ایک ایسا احساس تھا کہ پتھر بھی متوجہ ہوجائے۔

رمشاء جاوید اس کے سامنے ہی دروازے کے فریم سے کمر ٹکائے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔

رضا حمید کے چہرے پر اگلے ہی لمحے ناگواری سمٹ آئی تھی۔ رمشاء بھی جیسے کسی خیال سے چونکی۔ رضا کے متوجہ ہونے پر فوراً سیدھی ہوئی۔ رضا نے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کنٹرول سے سی ڈی پلیئر آف کیا تھا۔

وہ خود سے اگر ہارا تھا تو اپنی ماں کے سامنے دل کی خواہش کے رائیگاں جانے پر خود سے برہم تھا۔ اور اس لڑکی سے۔ اس کا بس چلتا تو رمشاء جاوید کو اپنی پوری حیات سے ہی بے دخل کردیتا۔

"کیا بات ہے؟" وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

رضا مید اس کی نگاہوں کے احساس سے جھنجلا گیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پکارنا بلکہ پوچھنا پڑا تھا۔

"آج بڑے دنوں بعد سی ڈی پلیئر کی آواز سن رہی ہوں۔ حیرت ہو رہی ہے۔ لگتا ہے اپنے اندر کا احوال جواد احمد کی زبانی سنانے کے موڈ میں تھے۔ مگر افسوس نہ ہی یہاں نویرہ ہیں اور نہ ہی پھپھو بیگم جن کی ممتا تمہارے لئے بیدار ہو جائے۔" رمشاء اس سے الجھنا چھوڑ چکی تھی۔ اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اب کچھ بھی ہو جائے وہ نویرہ کے معاملے میں اس شخص سے نہیں الجھے گی مگر اب زبان نے حرکت کی بھی تو پھر وہی کھولن تھی جس کی بدولت گزشتہ کئی روز سے وہ سرتاپا جل رہی تھی۔

"شٹ اپ......" رضا حمید ایک دم پچھتایا کہ اسے نظر انداز کیوں نہیں کر پایا۔ نویرہ کے سلسلے میں اس کی یہ گوہر افشانی اسے پھر سرتاپا سلگا گئی تھی۔ ایک دم ہونٹ بھینچ کر مزید کچھ تلخ کہنے سے خود کو باز رکھا۔ بڑی چبھتی تلخ نگاہ اس کی طرف کی۔

سرخ کنٹراس کے گھریلو حلیے میں گولڈن جرسی میں شال کندھے پر ڈالے وہ اچھی خاصی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ اگر اس کا دل کہیں اور جلا نہ ہوتا...... یا رمشاء اسے ناپسند نہ ہوتی تو شاید اس وقت صورتحال مختلف ہوتی۔ رضا حمید نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"میں اس وقت تم سے کسی بھی قسم کی بکواس کے موڈ میں نہیں ہوں۔ جاؤ یہاں سے۔" اس کی بات پر رمشاء کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ آٹھہری تھی۔

وہ جانے کے بجائے دروازے سے ہٹ کر اندر آ گئی۔ رضا نے تلخی سے ہونٹ کاٹ لئے۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا رضا! ہم دونوں اپنی اپنی ذات کے غم منانے کے بجائے ایک دوسرے کو اہمیت دیں۔ میں تمہارے لئے کوئی غیر تو نہیں ہوں۔ خونی رشتہ ہے میرا تم سے...... سگے پھوپی زاد ہو تم میرے...... کیا انکار کر سکتے ہو اس تعلق سے؟" وہ اس کے مقابل صوفے پر آ بیٹھی تھی۔

رضا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر تلخی سے ہنس دیا۔

"بشرطیکہ تم صرف پھوپی زاد کی حد تک ہی رہو تو......" اس نے جتایا تھا۔ باقاعدہ صاف تمسخر اور مذاق اڑانے والی ہنسی تھی۔ رمشاء ایک دم چیخ گئی۔

"تم میری توہین کر رہے ہو......" اس کی انا بلبلا اٹھی تھی۔

"سوری......" رضا نے اگلے ہی لمحے کہا تھا مگر انداز اب بھی وہی تھا۔ مذاق اڑاتا۔ "میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ میں تم سے گریز ہی کروں۔ میں اپنا غم مناؤں یا کچھ بھی کروں تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ تم میرے معاملات سے دور ہی رہا کرو تو بہتر ہے۔" خاصا دل شکن تضحیک آمیز رویہ تھا۔ رمشا دیکھ کر رہ گئی۔

"اور جو ہمارے درمیان رشتہ ہے وہ...... اس کو کس کھاتے میں ڈالو گے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔ رضا نے ایک گہری سانس لی۔

"زبردستی کے رشتے کبھی پائیدار نہیں ہوتے اور رشتے بھی ماننے دل کے قبول کرنے سے اہمیت رکھتے ہیں ورنہ پانی پر بنے نقش تو اکثر بے حیثیت ہوتے ہیں۔" یونہی صوفے پر اطمینان سے بیٹھے پاؤں ہلاتے وہ کہہ رہا تھا۔ رمشاء کے اندر کی آگ ایکدم بھڑک اٹھی۔ وہ جذباتی تھی وہ جانتی تھی

اس میں اشتعال انگیزی حد سے زیادہ ہے وہ اقرار کرتی تھی مگر وہ رضا سے کس حد تک قریب تھی اسے جتا نہیں سکتی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ پانی پر بنے نقش تو اکثر بے حیثیت ہوتے ہیں۔ نویرہ کے سلسلے میں بھی تمہاری جذباتیت کے خیال سے میری بھی یہی رائے ہے۔" اگلے ہی لمحے وہ مقابلے پر اتر آئی تھی۔ اس نے اس پر چوٹ کی تھی۔ اپنی توہین وہ بھی یوں صاف انداز میں کیسے گوارا کر لیتی۔

رضا نے تلخی سے اسے گھورا۔ وہ نہایت اطمینان سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"اور جہاں تک رشتے کی پائیداری یا اہمیت کا تعلق دل کے قبول کرنے یا ماننے سے ہوتا ہے تو درست کہہ رہے ہو تم۔ میرے اور تمہارے تعلق کو میں کیا سارا خاندان نہ صرف مانتا بلکہ قبول بھی کرتا ہے۔"

وہ ہنسی اور ایکدم کندھے اچکائے۔ رضا کا جی چاہا ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے سر پر دے مارے۔

"ہاں یاد آیا مجھے آج میں نواز بھائی کے ہاں گئی تھی۔" وہ اسے مسلسل چبھتی غیظ بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ جب ایکدم ہنس کر اس نے بات بدلی تھی۔

نواز کے نام پر رضا کے اندر ایک دم خطرے کا الارم بجنے لگ گیا۔ رمشاء کوئی ذکر بے معنی نہیں کرتی تھی۔ ضرور نواز کے ہاں جانے میں بھی کوئی کہانی ہوگی۔ آج وہ اکیڈمی نہیں گیا تھا۔ ایک دوست کے ہاں چلا گیا تھا۔ نواز بھی اکیڈمی میں نہیں تھا۔ سو کسی کو علم نہیں ہو سکا کہ وہ اکیڈمی سے غیر حاضر ہے۔

"حمیرا کو شاپنگ کے لئے جانا تھا آج اس نے چھٹی کی تھی۔ میں ان کے ہاں گئی تھی۔ شام کے بعد وہ لوگ شاپنگ کر کے لوٹے تھے۔ نویرہ آپی ان کے ہمراہ تھیں۔ نواز بھائی شائلہ آپی حمیرا اور چچی امی سب گئے تھے۔ بڑی زبردست شاپنگ کی ہے انہوں نے شادی کے لئے۔ میں تو دلہن کا سوٹ دیکھ کر ہی حیران رہ گئی۔ نواز بھائی کی پسند سے ساری شاپنگ ہوئی ہے۔ بڑے موڈ میں تھے وہ آج اور تمہیں جو نویرہ آپی کی شرم وحیا بڑا اٹریکٹ کرتی ہے تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کیسے مظاہرے ہو رہے تھے۔ شرم وحیا کے۔" رمشاء جس میں چنگاری بھرنا خوب جانتی تھی۔ نہایت تمسخرانہ انداز تھا۔

"بکواس بند کرو......" وہ واقعی لوڈ...... ہوا تھا۔ نواز اور نویرہ کے متعلق وہ کچھ غلط سن ہی نہیں سکتا تھا۔

"تم انتہائی گھٹیا سوچ کی مالک ہو......" وہ کلس کے رہ گیا۔

رمشاء کے اندر ایک دم ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑے تھے۔

"شکریہ نوازش...... ویسے تمہاری نویرہ آپی بڑا پوچھ رہی تھیں تمہارا...... کہہ رہی تھیں کہ تم ان کے گھر کا راستہ ہی بھول گئے ہو۔ کسی دن چکر لگا لینا...... جواب تو میرے پاس بڑا زبردست تھا لیکن پھر خاموش رہی کہ کہیں تمہاری نویرہ آپی کی توہین نہ ہو جائے اور تم میرے سر ڈنڈے بجانے بیٹھ جاؤ۔"

وہ واپس اپنی جون میں لوٹ چکی تھی۔ رضا نے تاسف بھری نظروں سے لب بھینچے اور رخ موڑ لیا۔

"پھپھو کہہ رہی تھیں کہ کسی دن شاپنگ کے لئے چلیں گے ظاہر ہے نویرہ آپی کی شادی ہے تم بے شک غم مناؤ مگر میرے لئے تو خوشی کا مقام ہے۔ پھر شادی تو ایک دفعہ زندگی میں ہوتی ہے کونسا نویرہ

آپی کی بار بار ہوگی۔ زبردست طریقے سے شادی میں شرکت کرنے کا ارادہ ہے۔ وہ بھی نواز بھائی کی طرف سے۔ حمیرا اور میرا ارادہ ایک ہی طرح کی ڈریسنگ کرنے کا ہے۔ ویسے تم اپنی نویرہ آپی کو کیا گفٹ دو گے؟ چھوٹے سے دوست جیسے بھائی ہو تم ان کے۔" وہ جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام بخوبی جانتی تھی۔

رضا حمید تو اس کی عام سی بات پر بھڑک اٹھتا تھا یہ تو پھر واضح طنز تھا۔

"شٹ اپ' دفعہ ہو جاؤ یہاں سے...... اتنی دیر سے میں تمہیں برداشت کر رہا ہوں۔ اب تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں ہاتھ اٹھانے سے گریز نہیں کروں گا۔" رضا حمید کے ضبط کا مظاہرہ صرف یہیں تک تھا بھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم چاہے کچھ بھی کہہ لو......" جواباً وہ بھی کھڑی ہوئی۔

"رمشاء......"

"میرا ہی دماغ خراب ہے جو ہر دفعہ انتہائی تذلیل کے بعد پھر ذلیل ہونے آ جاتی ہوں۔ تم جیسے شخص سے تو کلام بھی کرنا نہیں چاہیے۔ تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ کوئی محبت سے پیش آئے۔"

"تو پھر کیوں اتنی دیر سے ٹائم ویسٹ کر رہی ہو' جاؤ تمہیں خود سے کلام کرنے کا انوی ٹیشن تو نہیں بھیجا تھا میں نے۔" ٹھنڈا ٹھار لہجہ سراسر تمسخرانہ تھا۔ رمشاء نے بھنا کر اسے پھر سینٹرل ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا اور مسکراتی نظروں سے اس کو سلگتے دیکھنے لگا۔

"ویسے اپنے بارے میں تم نے بالکل درست کہا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی اس قدر عزت افزائی پر اب تک ڈوب کر مر چکا ہوتا۔" وہ ڈبو ڈبو کر مار رہا تھا۔

"دراصل اس میں بھی تمہارا کوئی قصور نہیں...... نویرہ کے سلسلے میں تم خود کو جتنا بھی ڈی گریڈ کرو اتنا ہی کم ہے۔ نویرہ سے جلنے یا حسد کرنے کے بجائے اپنے اندر اس جیسی صفات پیدا کرو تو ہو سکتا ہے میں تمہیں گھاس ڈال ہی لوں۔" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں اس نے رمشاء کو غصے کے گراف کو آسمان پر لے جانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"اس کی صفات اپناتی ہے میری جوتی...... میں جو ہوں' جیسی ہوں کی بنیاد پر بالکل درست ہوں۔ نویرہ سے میں جلتی ہوں' حماقت ہے تمہاری۔ دنیا بھر کی خوبیاں تمہیں اور تمہاری نویرہ بی بی کو ہی مبارک ہوں۔"

رضا حمید کی توقع کے عین مطابق رمشاء کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔ غصے سے سرخ انار چہرہ۔ تمسخر اڑاتے تیور اور لب ولہجہ۔ وہ کھل کر ہنسا...... اتنی دیر سے وہ سلگ رہا تھا اب اسے سلگتے دیکھنے کا اپنا ہی مزہ تھا۔

رضا کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اپنی آگ کی تپش دوسروں کی طرف منتقل کرنا کتنا دلچسپ کھیل ہے۔ بلکہ انتقامی کھیل۔

"تمہارا کیا خیال ہے جس طرح تم مجھے زچ کرنے آتی ہو میں تمہاری ان حرکتوں سے خائف ہو کر

نویرہ کو بھول جاؤں گا۔ بھول ہے تمہاری' اپنے چھوٹے سے دماغ کو بھی استعمال کرنا بھی سیکھ لو۔ نویرہ بے شک میری قسمت میں نہیں لیکن میری زندگی میں تمہارا بھی کہیں کوئی نام نہیں ہے۔ زبردستی رشتہ بنانے اور لوگوں کو باور کرانے سے کوئی آپ کا ہمسفر نہیں بن جاتا۔"

اس قدر صاف اور دو ٹوک لب ولہجے پر وہ چند پل پتھر کی طرح ساکت وجامد رہی تھی پھر ایک دم چیخی۔

"پتھر ہو تم...... انتہائی سنگدل اور کٹھور...... اللہ کرے...... اللہ کرے......"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ آنکھوں میں آ جانے والی نمی اور رندھے گلے نے کچھ کہنے ہی نہ دیا۔

"دیکھ لوں گی تمہیں بھی اور تمہاری نویرہ آپا کو بھی۔" غصے سے کہتی' ایک شاکی' اذیت بھری ملامتی نظر ڈال کر وہ تیزی سے نکل گئی تھی۔

رضا حمید نے انتہائی کرب سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے پھر سر جھٹکا۔

* * *

فرح اور زرش کے ٹیسٹ شروع ہو چکے تھے۔ مسعود احمد صاحب کی بھی طبیعت ایک دو دن میں سنبھل گئی تھی۔ وہ آفس بھی جانے لگ گئے تھے مگر سعید احمد اور سمعان احمد کوئی کام نہیں کرنے دیتے تھے۔ مین آفس چونکہ ایک ہی تھا' تینوں کے علیحدہ علیحدہ روم اور کام تھے' اس لئے مسعود احمد کا سارا کام سمعان اور سعید احمد پر آ پڑا تھا۔ زرش اور فرح سنجیدگی سے اپنے دسمبر ٹیسٹ میں مصروف تھیں۔ دونوں ہی کالج کی نہایت ذمہ دار اور لائق طلبا میں سرفہرست تھیں۔ تمام اساتذہ کی خصوصی توجہ سے فیض یاب رہتی تھیں۔

آج زرش کا فرح کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کا ارادہ تھا۔ ٹیسٹ کے بعد وہ گھر آ گئی تھی۔ نوشی ابھی کالج سے نہیں لوٹی تھی۔ آج اس کا کوئی پریکٹیکل تھا' وہ لیٹ تھی' کھانے کے بعد زرش نے شائستہ بیگم کو فرح کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کرنے کا بتا کر اجازت چاہی تھی کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے خصوصی ہدایت کے ساتھ اجازت دے دی تھی۔

دو بجے کے قریب وہ تایا کے ہاں پہنچی تھی۔ جس دن تایا ابو اسے اور نوشی کو لے کر آئے تھے اس کے بعد آج وہ آئی تھی۔ ڈرائیور کو چلتا کر کے اندر چلی آئی تھی۔

"نہیں آپا! بہت مشکل ہے۔ سعید احمد کبھی نہیں ماننے والے۔"

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو طاہرہ بیگم کو فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر رک گئی۔ ان کی پشت داخلی دروازے کی طرف تھی اس لئے زرش کی آمد سے قطعی بے خبر تھیں۔ زرش سوچ میں پڑ گئی کہ انہیں متوجہ کرے کہ نہ کرے۔

"بہت مشکل ہے' چلیں میں سمعان کی خواہش کو اہمیت ہی نہیں دیتی لیکن سعید احمد مجھے یوں تن تنہا فیصلہ کر لینے پر سولی پر ہی لٹکا دیں گے۔"

تائی امی کہہ رہی تھیں زرش کے کچھ پلے نہ پڑا تھا کہ گفتگو کا اصل موضوع کیا ہے۔

"ہونہہ...... ساری عمر یونہی زندگی نہیں رہتی اگر شائستہ کی ہی حکمرانی کروانی ہے مجھے اس گھر میں تو اسے یہاں سے نکلوایا کیوں تھا۔" انتہائی نخوت بھرا تمسخرانہ انداز تھا۔ زرش الجھ گئی۔

"آپ کچھ بھی کہیں آپا...... دولت کی مجھے پروا نہیں...... سعود احمد کی ساری جائیداد ظاہر ہے اس کی بیٹیوں کے نام ہی تو ہے۔ سنا ہے میں نے ہادیہ کے نام کے شیئرز وہ وقار کے نام منتقل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔"

طاہرہ بیگم کی باتیں زرش کے دماغ میں واقعی نہیں بیٹھ رہی تھیں لیکن موضوع گفتگو ان کی ذات تھی تو وہ چپ سادھے سنتی گئی۔

"تو تم کو بھی دے دلا کے ہی رخصت کریں گے دونوں میاں بیوی۔ رہ گئی زرش سنا ہے اس کے نام بھی اچھی خاصی جائیداد ہے۔ یہ "احمد منزل" کا سعود احمد والا پورشن اور مری والا کاٹیج کے علاوہ لاہور والا گھر زرش کے نام ہے۔"

زرش حیران ہو کر سن رہی تھی۔ اتنی معلومات تو اسے بھی نہیں تھیں۔ جبکہ طاہرہ بیگم اور بھی بہت کچھ گنوا رہی تھیں۔

"بزنس میں نفیسہ آپا کے علاوہ دونوں بھائیوں کا جو حصہ بنتا ہے اس میں بھی سعود احمد کا سارا کاروبار ظاہر ہے، اس کی بیٹیوں کے نام ہی ہے۔ رہ گئی شائستہ تو جس گھر میں رہ رہے ہیں وہ اسی کے نام ہے۔ "احمد گارمنٹس" تو سمعان کے نام ہے جبکہ باقی کاروبار عثمان سمعان علی، فرح کے حصے پر سعید احمد چلا رہے ہیں۔ یہ سارا اثاثہ بچوں کا ہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ میرے بچوں کا مستقبل محفوظ ہے۔ فوزیہ اپنی بیٹی ہے، میری زوباریہ کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی مضبوط ہے۔ مگر وہ سب لوگ گارمنٹ یا بزنس جائیداد کے معاملے میں ہمارے ہم پلہ تو نہیں مگر حیثیت والے ہیں۔"

گھر میں بالکل خاموشی تھی اس خاموشی میں دھیمے سے گفتگو کرتی طاہرہ بیگم کا ایک ایک لفظ زرش کے اندر حیرت کی دنیا آباد کر رہا تھا۔

"آپا! دل تو میرا بھی خون کے آنسو روتا ہے...... فوزیہ کے لیے میں نے کس کس کی مخالفت مول نہیں لی۔ ایک دفعہ پھر اپنی گھر ہستی داؤ پر لگا رہی ہوں مگر کیا فائدہ...... آپ کے شکوے بجا ہیں...... لیکن میری بھی تو سنیں جو بھی باہر سے آئے گی راج کرے گی۔ عثمان کا تو کاروبار میں صرف حصہ ہے، سمعان احمد جتنی محنت کرتا ہے سعید احمد اس کے عوض اس کے لئے علیحدہ کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں۔ فوزیہ آتی تو دل کو سکون رہتا نجانے آنے والی کیسی ہوگی۔ زوباریہ فطرت کی اچھی ہے، ورنہ عثمان دور پردیس میں ہیں میرے تو دل کو ہول اٹھتا ہے، کچھ کہوں تو مجھے ہی الزام دینے لگتے ہیں سب......" آخر میں ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

"نہیں آپا یہ کبھی نہیں ہو سکتا...... مر کر بھی نہیں...... اگر ایسا ہوا تو سعید احمد کچھ بھی کر لیں پر میرا فیصلہ نہیں بدلے گا...... اپنی ساری اولاد میں مجھے سمعان احمد سب سے زیادہ عزیز ہے اور اس کے لئے وہی کلموہی رہ گئی ہے۔"

نجانے وہ اب کس کو کوس رہی تھیں زرش کے تو کچھ پلے نہ پڑا۔

"سمعان کو میں جانتی ہوں وہ میری مرضی کے بغیر باپ کی بھی نہیں مانے گا اور سعید احمد نے کہا ہے کہ وہ کچھ عرصہ سمعان کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ میں چپ ہو گئی ہوں کہ ان کے اندر بھائی کی محبت کا جو طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہے ذرا تھم لے پھر سوچوں گی، کیا کرنا ہے۔"

زرش الجھ گئی تھی دونوں میں ہونے والی یہ گفتگو کم ہی پلے پڑ رہی تھی۔

"ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔ بلکہ سعید احمد اور سمعان احمد دونوں نے ہی کہا تھا کہ میں چلوں عیادت کرا آؤں مگر آپا آپ جانتی ہیں، سعید احمد کے طعنوں کے بعد انتہائی ذلیل کر کے گھر سے نکالے کے بعد میں اس شخص کی شکل بھی دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ بھائیوں اور ماں باپ کی ضد کے سامنے ہار گئی پھر آپ نے سمجھایا تو دوبارہ یہاں چلی آئی ورنہ دل سے تو ابھی بھی دھواں اٹھتا ہے۔ آج تک سعید احمد کا رویہ تکلیف دیتا ہے۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ دیواروں سے سر پھوڑ پھوڑ کر روؤں۔ میں نے اس کٹھور سنگدل شخص پر اعتبار کیا تھا۔ بھول کس سے نہیں ہوتی مگر بھول تو وقتی تھی کوئی میرے دل میں جھانک کر نہیں دیکھتا یہاں کیسی آگ لگی ہوئی ہے۔ ساری عمر گزر گئی ایک رات بھی سکون سے نہیں سو پائی ہوں۔ اتنی ذلت، کاش آپا میرے بس میں ہو تو میں اس عورت کا منہ نوچ لوں۔ کتنی خوش ہے میرے گھر میں آگ لگا کر۔ کتنا چیخی تھی میں سعید احمد کے سامنے، اعتبار، قسمیں، دلائل، ثبوت کیا نہیں میں نے اس سنگدل شخص کے سامنے پیش کیا مگر اس کے دل میں پتھر فٹ ہو گیا تھا۔ آپ بھی تو گواہ ہیں کیسے مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا۔ اپنے بچوں کے لئے آج یہاں ہوں ورنہ......"

طاہرہ بیگم اب رو رہی تھیں، ان کی سسکیاں زرش کے دل کو عجیب سے درد سے دوچار کر رہی تھیں۔

"ہاں...... یہ نفرت میرے اندر زہر بن کر دوڑتی ہے۔ دونوں میاں بیوی کا نام بھی سنوں تو دل چاہتا ہے آگ لگا دوں اور اب ساری عمر گنوا کے، اعتبار مجروح کروا کے بے اعتباری کی زندگی جی کے پھر اس عورت کی بیٹی گھر لے آؤں، نہیں آپا! فوزیہ کا نام اس لیے لیتی ہوں کہ آپ کے مجھ پر بڑے احسان ہیں، جب ذلیل کر کے اس گھر سے نکالی گئی تھی تو آپ نے رہنے کو چھت دی تھی۔ جب سب بہن بھائیوں نے ساتھ چھوڑا تھا، آپ سہارا بنی تھیں۔ احسان فراموش نہیں ہوں مگر مجبور ہوں میں، سعید احمد کے سامنے فوزیہ کے لئے نہیں لڑ سکتی۔ وہ شخص ساری عمر کا انعام "طلاق" کی صورت بھی دینے سے گریز نہیں کرے گا...... آپ کچھ بھی کہہ لیں، خود غرض احسان فراموش مگر اب اس عمر میں یہ خاک سر میں نہیں ڈلوا سکتی۔ میں نے سب کچھ کر دیکھا ہے مگر سعید احمد کے سامنے ہار گئی ہوں۔"

وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

زرش ساکت کھڑی تھی۔

طاہرہ بیگم کی باتیں، گریہ وزاری اس سے یہ گتھی نہیں سلجھنے والی تھی۔

"ہاں ایک دفعہ پھر دیکھوں گی مگر ابھی نہیں...... کچھ عرصہ ٹھہر جائیں، آپ کو جلدی کس بات کی ہے۔ نہ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں اور نہ ہی سمعان احمد۔ یہ جو زرش والا معاملے ذرا ٹھپ

ہو جائے...... دھول بیٹھ جائے' چند ماہ انتظار کر لیں پھر انشاء اللہ میں کوشش کروں گی وعدہ نہیں کرتی' یہ نہ ہو کہ میرے زور دینے پر سمعان بھی وہی کام کر بیٹھے جو عثمان نے کیا تھا مگر امید تو نہیں...... سمعان احمد کا اندازہ ہے مجھے اس کے اندر عثمان والی سرکشی نہیں ہے۔ وہ مجھے میری رائے کو اہمیت دیتا ہے۔ اب کی بار سعید احمد پر پریشر ڈالنے کے بجائے سمعان پر ڈالوں گی۔ جذباتی طور پر مجبور کروں گی۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔" وہ اپنے آنسو صاف کر کے پھر کہہ رہی تھیں۔

"نہیں آپا ابھی نہیں...... ابھی سمعان احمد والا معاملہ تو دیکھ لیں کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے' پھر فرح کا نام چھیڑئے گا۔ اللہ رکھے میری اکلوتی بیٹی ہے' تین بھائیوں کی اکلوتی بہن' جو کچھ بھی نام کریں کم ہے۔ دولت' جائیداد' بینک بیلنس سب کچھ تو اسی کے نام ہے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ ابھی وہ بچی ہے اس کی عمر ہی کیا ہے۔ پھر سعید تو میرے منہ سے فرح کے لیے امجد کا نام سن کر ہی بھڑک اٹھیں گے۔ آہستہ آہستہ گھر میں ذکر کروں گی' امید نہیں دلاتی۔"

زرش بے حد حیرت سے سب سن رہی تھی۔

یہ ذکر کس سلسلے میں ہے اسے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا مگر کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ خاص طور پر سمعان کے سلسلے میں اپنا نام سن کر وہ الجھ سی گئی تھی۔

"اچھا آپا فرح سوئی ہوئی ہے' اٹھنے والی ہے پھر بھی کال کروں گی۔ آپ فکر نہیں کریں' کسی دن آؤں گی پھر سوچیں گے ابھی وقت نہیں ہے ان باتوں کا' یقین کریں مجھ پر اپنی بات سے نہیں پھرنے والی۔ سمعان کے معاملے میں سعید احمد اس قدر برہم ہے فرح کے معاملے میں نہ جانے کیا کہیں۔"

زرش فوراً دروازے کی اوٹ میں ہوئی تھی۔

امجد قیصرہ خالہ کا بیٹا تھا۔ فوزیہ کے برعکس وہ کافی سلجھا ہوا تھا مگر اب طاہرہ کے منہ سے فرح کے لئے امجد کا نام سن کر زرش کچھ حیران سی رہ گئی تھی۔

"اچھا پھر ٹھیک ہے۔ میں دو تین دن میں چکر لگاؤں گی...... فرح کو بھی دسمبر کی چھٹیاں ہوں گی اگر سعید احمد مانے تو شاید رہنے کو بھیجوں...... پھر اللہ حافظ۔"

انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ زرش ایکدم باہر نکل گئی تھی۔ اسے یوں ایکدم اپنے سامنے دیکھ کر نجانے طاہرہ بیگم کا کیا ری ایکشن ہوتا اس لئے فوراً ان کا سامنا کرنے سے گریز کیا تھا۔

یوں کسی کی باتیں سننا اگرچہ غیر اخلاقی حرکت تھی مگر زرش خود کو یہ سب سننے سے نہیں روک پائی تھی۔ پھر گفتگو میں جو باتیں نمایاں تھیں انہوں نے زرش کے اندر کے تجسس کو ایک نئی ہوا دی تھی۔ وہ اندر جانے کے بجائے اپنے والے پورشن میں نکل آئی۔ یہ بھی ان کے زیر استعمال تھا مگر اب یہ حصہ بند تھا۔

وہ آہستگی سے چلتی لان کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی' سارا پورشن لاکڈ تھا۔ وہ سیڑھیوں پر بیٹھی کاریڈور کو دیکھے گئی۔

وہ ان راہداریوں میں پلی بڑھی تھی۔

یہ گھر ان کا تھا' بائیں طرف کا کمرہ اس کا تھا۔ اسے اکیلے سونے میں اکثر ڈر لگتا تھا اسی لئے روزانہ فرح کو اپنے پاس بلا لیتی تھی اور اب......

زرش کی آنکھوں میں نمی سی سمٹ آئی۔

یہ گھر دادا ابو احمد صاحب نے خود بنوایا تھا' بہت ارمانوں اور خواہش کے ساتھ وہ سعید احمد کے لئے طاہرہ اور سعود کے لئے شائستہ کو بیاہ کر لائے تھے۔ شائستہ دادی کی بھانجی تھیں۔ انہوں نے نفیسہ آپا کی شادی اپنی سالی کے بیٹے سے کی تھی اور جواباً ان کی بیٹی اپنے چھوٹے بیٹے کی خواہش پر مانگ لی تھی۔ شائستہ بیگم خالص سعود احمد کی پسند تھیں۔ شائستہ کی کزن طاہرہ بھی تھیں جو سعید احمد کو اپنی لاپروائی اور معصومیت کی بدولت بے حد پسند آئی تھیں' اس طرح دونوں بھائیوں کی شادی ایک ہی دن ایک ہی گھر میں ہوئی تھی۔ اوپر تلے گھر تھے' شروع میں طاہرہ ایڈجسٹ نہیں کر پائی تھی یا نجانے کیا وجہ تھی کہ پھر ان کے ہاں عثمان کی پیدائش ہوئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد عثمان نے پوری "احمد منزل" میں خوشی کی نوید سی بھر دی تھی۔ عثمان کے دو سال بعد سمعان پیدا ہوا تھا اور سمعان کے ایک سال بعد سعود احمد کے ہاں بادیہ۔

اور پھر نجانے کیا ہوا' کیسی ہوا چلی تھی کہ سمعان احمد کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی طاہرہ روٹھ کر قیصرہ کے پاس چلی گئی تھیں۔ سعید احمد نے سمعان کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ روتے بلکتے سمعان احمد کو شائستہ بیگم نے حقیقی بیٹے کی طرح سمیٹ لیا تھا اور پھر وقت گزرنے لگا تھا۔ طاہرہ بیگم کے روٹھ کر اپنی بہن کے ہاں جا کر بیٹھ جانے کے سلسلے میں چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ ایک کان سے دوسرے کان تک اور پھر بات پھیلتی چلی گئی۔ احمد صاحب ابھی حیات تھے' دونوں خاندانوں کی عزت کا جنازہ نکلتے دیکھ رہے تھے' انہوں نے سعید احمد پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا کہ وہ طاہرہ کو لے آئیں۔ اپنے بچوں کے لئے ہی مگر ان کی ناں' نہیں ٹوٹی تھی۔ پھر ایک دن وہ خود ہی اپنی بیوی کے ساتھ جا کر طاہرہ کو لے آئے تھے' کیسے لائے یہ الگ کہانی تھی۔ طاہرہ کی آمد نے پورے گھر کو ایک نئی ٹینشن سے دوچار کر دیا تھا۔ طاہرہ اور سعید احمد کے درمیان حائل ہونے والی خلیج ایسی تھی کہ وقت بھی اسے نہ پاٹ سکا۔ شائستہ کے ہاں نوشین نے جنم لیا تھا اور پھر دو سال بعد طاہرہ کے ہاں فرح نے۔ نوشین کی پیدائش کے بعد شائستہ بیگم کو بیٹے کی بڑی خواہش تھی لیکن نوشین کی پیدائش کے تین سال بعد ان کی گود میں زرش چلی آئی تھی۔ سنہرے بالوں والی' ہیروں کی طرح جگمگاتی آنکھوں والی گڑیا کا سب نے ہی بڑے پرجوش انداز میں خیر مقدم کیا تھا۔ زرش کا نام سمعان نے رکھا تھا۔ زرش سمعان کے اسکول میں اس کی ٹیچر تھی جو اسے بہت پسند تھی۔ اور پھر جیسے زرش سمعان احمد کی زندگی کے معاملے میں شامل ہوتی چلی گئی۔ فرح اور زرش دونوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ عام بچوں سے ہٹ کر تھا۔ اپنی پڑھائی کے بعد کا سارا وقت وہ ان دونوں کو دیتا تھا اور پھر وقت بیتنے لگا۔

زرش کی پیدائش کے ایک سال بعد طاہرہ نے پھر ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جو علی تھا۔ شائستہ بیگم کی زرش کے بعد بڑی خواہش تھی کہ ان کے ہاں بھی بیٹا ہو مگر شاید قدرت کو ان کا صبر مطلوب تھا ان کی

خواہش کبھی پوری نہ ہو سکی۔ انہوں نے بیٹے کے لئے دل میں موجود ساری محبت، ساری ممتا عثمان علی اور خاص طور پر سمعان پر لٹادی۔

وقت آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔

پہلے احمد صاحب کا انتقال ہوا اور پھر اس گھر کا بٹوارا...... طاہرہ اس گھر میں رہنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کی ضد تھی کہ یا شائستہ لوگوں کو علیحدہ کریں یا وہ اس گھر میں رہیں گی۔ نفیسہ آپا نے دونوں پورشنز میں دیوار کر لینے کو کہا تھا مگر سعود احمد کو بھی ایک ضد سی بندھ گئی تھی۔ انہوں نے وہ گھر چھوڑ دیا تھا نہ صرف وہ گھر چھوڑا سب تعلق بھی چھوٹ گئے۔ بچے تو مل لیتے تھے مگر بڑوں کی کشیدگی ایسی تھی کہ ملنا ملانا نہ ہونے کے برابر تھا پھر جب دادی جان کا انتقال ہوا تو دونوں بھائیوں کے درمیان کشیدگی بھی ختم ہوگئی۔ لیکن طاہرہ بیگم کی انا برقرار رہی۔ ادھر سعود احمد کی۔ دونوں ایک دوسرے کے گھروں میں نہ آئے نہ گئے۔ دونوں گھروں کے بچے عجیب سی کشیدگی کی زد میں تھے' اس سارے قصے کا پس منظر کیا تھا کوئی بتانے پر آمادہ نہ تھا۔

وقت اپنے اثرات چھوڑتا کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ دونوں گھروں میں بچوں کی شادیوں کی باتیں ہونے لگیں مگر جھگڑے کی صورت میں۔

سعید احمد اور سعود نے مرتی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ دونوں بھائی اپنی اولاد کے معاملے میں ضرور کچھ سوچیں گے۔ پرانے تعلق نئے رشتوں کی بنیاد بنیں گے مگر کیا ہوا سعود احمد سعید احمد کے گھر کے جھگڑے سے خائف ہو کر نفیسہ آپا کے بیٹے وقار کے لئے ہاں کر بیٹھے۔ سعید احمد بہت برہم ہوئے۔ پھر راضی ہوگئے۔ عثمان نے زوباریہ کو پسند کر کے ان کی ساری برہمی دور کر دی۔ دونوں کی شادی کے بعد ان کا ارادہ سمعان احمد کے لئے نوشین کو مانگنے کا تھا۔ انہوں نے اشاروں میں سعود سے بات بھی کی تھی مگر انہوں نے اس سے پہلے کہ وہ اپنی خواہش کا باقاعدہ اظہار کرتے' اپنے دوست کے بیٹے سے نوشی کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ سعید احمد ہکا بکا رہ گئے تھے لیکن اب کے انہوں نے دل کی بات کہنے میں دیر نہیں کی تھی۔ سمعان کے لئے زرش کو مانگ کر انہوں نے سعود احمد کو حفاظتی اقدامات کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا تھا۔ مجبوراً انہیں ہامی بھرنا پڑی تھی لیکن اب طاہرہ بیگم کے رویّے نے انہیں الجھا دیا تھا۔ دوسری طرف سعود احمد بھی سمعان کے متبادل ڈھونڈ رہے تھے۔ سعید احمد اس بات سے بے خبر تھے مگر وقت کب اور کیسے کس طرف رخ موڑتا ہے کوئی نہیں جانتا۔

زرش سمعان سے متعلق رشتے والی ہر بات سے بے خبر تھی اور یہ بے خبری سب کی دانستہ کوششوں سے تھی۔ وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ یہ گھر یہ ”احمد منزل“ کہ جسے دادا جان نے اپنی اولاد کے لئے بڑے ارمانوں سے بنوایا تھا' اس کا ایک حصہ تو آباد تھا مگر دوسرا لاک تھا۔ اس حصے کی صفائی سعید احمد ہر ہفتے اپنی نگرانی میں کرواتے رہتے تھے مگر جب مکین نہ ہوں تو خالی دیواروں کے گھر گھر نہیں بنتے۔

* * *

لان کی سب سے اوپری سیڑھی پر کاریڈور کے ستون سے ٹیک لگائے وہ نجانے کب کی سو چکی تھی۔

نہ جانے کیا کچھ یاد کرتے' بیتے لمحوں کے نقش پا ڈھونڈتے وہ کب تک موتی بہاتی رہی تھی۔

آنسوؤں کے نشان اس کے رخساروں پر تھے۔

گھٹنوں میں سر دیئے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔

نزدیک ہی اس کا بیگ نوٹ بک اور کتابیں دھری ہوئی تھیں۔

سمعان احمد گاڑی اندر لا کے' پارک کر کے اپنے پورشن کی طرف بڑھ رہا تھا جب اچانک نگاہ اس پورشن کی طرف اٹھ گئی تھی۔ سمعان احمد کو سیڑھیوں پر بیٹھے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیئے' وجود پر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ آج وہ جلدی اٹھ آیا تھا' کل صبح اسے لاہور ایک ارجنٹ کام سے جانا تھا۔ اس کے لئے اسے ضروری تیاری کرنا تھی۔ تمام ضروری امور اس نے اپنے pc پر نوٹ کر لئے تھے اب صرف پرنٹ نکالنے تھے۔ اسی لئے جلدی لوٹ آیا تھا کہ فریش ہو کر کچھ دیر آرام کر کے وہ کمپیوٹر پر کام کرے گا۔ مگر اب زرش کو دیکھ کر وہ اپنا بیگ اور چابی مجمل پر رکھ کر اسی طرف چلا آیا۔

”زرش......!“ سمعان نے اسے آواز دی تھی مگر اس کے وجود میں جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔

یہ آج یہاں کیسے' اور یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہے۔ کہیں امی سے کوئی جھگڑا وگڑا نہیں ہوگیا۔ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے سمعان پنجوں کے بل اوپری سیڑھی پر آ بیٹھا تھا۔

”زرش......“ سمعان احمد نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

”زری!“ وہ بہت گہری نیند میں تھی شاید...... سمعان کو اب تشویش لاحق ہوئی۔

زرش کا گھٹنوں کے گرد لپٹا بازو زور سے ہلا دیا۔

وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ حیران ہو کر اپنے سامنے گرے کوٹ سوٹ میں پنجوں کے بل بیٹھے سمعان احمد کو دیکھا۔

”آپ......“ وہ الجھی سی گئی۔ وہ تو شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ حیران ہو کر ارد گرد دیکھنے لگی۔

”میں یہاں کیسے آ گئی؟“ اس کا ذہن ابھی بھی بیدار نہیں ہوا تھا۔

سمعان احمد اس کے چہرے پر آنسوؤں کے مٹے نشان' بھیگی پلکیں اور چہرہ بدلتے رنگ پر بغور نظریں جمائے ہوئے تھا۔

دونوں ہاتھوں سے پیشانی کو تھامتے زرش کے ذہن میں ایکدم جھماکا ہوا تھا۔ وہ فرح کے ساتھ کمبائنڈ اسٹڈی کے لئے آئی تھی۔ فرح نے آنے کی خاص تاکید کی تھی۔ مگر تائی کی باتیں سن کر وہ ادھر آ نکلی تھی اور گزری باتوں' بیتے لمحوں کو یاد کرتے آنسو بہاتے نجانے کب آنکھ لگ گئی۔

”کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ اسے یوں بے حواس الجھا الجھا دیکھ کر سمعان احمد کو تشویش لاحق ہوگئی تھی۔

”جی میں ٹھیک ہوں' آپ کب آئے“

سمعان احمد اس کو بغور دیکھ رہا تھا وہ نظریں چرا گئی تھی۔ سیدھی ہو کر کتابیں اٹھاتے پوچھا تھا۔

”زرش...... میری طرف دیکھو......“ وہ کتابیں اٹھا رہی تھی جب سمعان نے اس کے ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا تھا۔ زرش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”کیا بات ہے...... امی وغیرہ نے کچھ کہا ہے؟“ اس کے لہجے میں بے حد تشویش تھی۔ وہ ہنس دی۔

”نہیں...... بھائی...... بھلا تائی جان مجھے کیوں کچھ کہیں گی...... میرا اور فرح کا آج کمبائنڈ اسٹڈی کا پروگرام تھا‘ اسی لئے میں آئی تھی مگر یہاں آ کر اس طرف چلی آئی اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس پورشن میں آ کر میری کیفیت کیا ہوتی ہے اور میں کن احساسات کا شکار ہوتی ہوں۔“

سمعان احمد نے اس کی بات پر گہری سانس لی ورنہ وہ اندر سے ٹھٹک گیا تھا کہ کہیں آج پھر اس کی امی جان سے کوئی تلخ کلامی نہ ہوگئی ہو۔

”تم روئی ہو......“ سمعان کے تفہیمی انداز پر وہ شرمندگی سے سر جھکا گئی۔

”بس آنسو نکل آئے۔“

”تمہاری جذباتیت نہیں جائے گی۔ حقیقت کو فیس کرو یہ اسی طرح ہونا تھا۔ تم لوگ یہاں سے نہ جاتے تو ان دونوں حصوں میں دیوار ہوتی۔“ سمعان کا لہجہ انتہائی رسانیت لئے ہوئے تھا‘ وہ الجھ گئی۔

”کیوں؟ بچپن میں بھی تو تائی امی کا یہی رویہ تھا‘ تب تو ایسی کوئی صورتحال نہ تھی۔ دادا جان کے انتقال کے فوراً بعد ایسی کیا صورتحال ہوگئی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا؟“ وہ جرح پر اتر آئی تھی۔

سمعان خاموشی سے لب بھینچ گیا۔

”سمعان بھائی مجھے بتائیں‘ ورنہ کسی دن یہ سب سوچتے میری شریانیں پھٹ جائیں گی۔ جب ہم لوگ اس گھر سے گئے تھے تو میں بہت چھوٹی تھی مگر آپ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے‘ ماما‘ پاپا‘ تایا ابو اور تائی امی کے درمیان ہونے والا وہ جھگڑا جس کی وجہ سے ہم بے گھر ہوئے تھے‘ مجھے اچھی طرح یاد نہیں مگر جہاں تک خیال پڑتا ہے آپ سمعان بھائی اور ہادیہ آپی صورتحال کی سنگینی اور اصل نوعیت سے باخبر تھے۔“

سمعان کا وہی ہاتھ جو اس کے ہاتھ کے اوپر تھا اس نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ سمعان لب بھینچ کر دیکھے گیا۔

”زرش! یہاں جو مہین سا پردہ حائل ہے اسے اسی طرح رہنے دو۔ ورنہ تم اس سے زیادہ الجھو گی۔ وقت بہت بڑا استاد ہے وہ سب بتا دے گا۔ صبر کرو۔“

سمعان اس کی گرفت سے ہاتھ نکال کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زرش نے سر اٹھا کر شکایتی نظروں سے سمعان کو دیکھا۔ اپنے دراز قد سمیت زرش کو وہ اس سمے کسی ماورائی کہانی کے کردار شہزادے سے کم نہیں لگا تھا۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو...... اٹھو اندر چلو...... وہاں تو شاید کسی کو تمہاری آمد کی خبر بھی نہیں۔“ سمعان کی بات پر اس نے سر جھٹکا۔

”بس بات نہیں کریں مجھ سے...... جب آپ مجھے اس طرح ٹالتے ہیں تو بہت برے لگتے ہیں۔

کسی شہزادے کی کہانی کے دیو سے بھی برے۔“ منہ پھلا کر کہا گیا تھا۔

سمعان اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ وہ مزید برہم ہوئی۔

”واقعی پاگل ہوں میں...... ہر دفعہ علم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں بتائیں گے پھر بھی میں بات کہہ کر گنوانے کو پوچھ لیتی ہوں۔ ہر کوئی مجھ سے کچھ نہ کچھ چھپا ہی رہا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں ایسے کیا اسرار ہیں جو کھلنے میں ہی نہیں آتے۔“

وہ اب خود سے الجھ رہی تھی۔ سمعان مسکراتی مچلتی نگاہوں سے دیکھے گیا۔ ہلکے فیروزی شیڈ کے سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ لئے‘ حد سے زیادہ جاذب نظر لگ رہی تھی۔ اس کا انداز لاپروا ہوتا تھا مگر ایک بلور کا سا نازک پن تھا۔ دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمایا ہوا تھا۔ چہرے پر بکھرتی سختی خفگی کی اوٹ میں چھپی دھنک آنکھوں کے بلوریں کانچ سے چھلکتی ناراضگی‘ لاپروائی و بے نیازی اور سب سے بڑھ کر اپنی ذات کی سحر انگیزی سے بے خبر معصومیت و بھولا پن......

سمعان کے مسکراتے لبوں کی رعنائی یکدم بڑھ گئی۔

آنکھوں کی ضوفشانی میں ان گنت جذبے کروٹ لینے لگے۔

”لاؤ یہ مجھے پکڑاؤ......“ بھاری کتابوں کا پلندہ تھام رکھا تھا سمعان نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بے پناہ خفگی سے ان کی سمت دیکھا۔

سمعان کی آنکھوں کے رنگ اس وقت اتنے گہرے تھے کہ ایک لمحے کو زرش کچھ کہہ بھی نہ سکی۔

”نہیں رہنے دیں‘ اٹھا لوں گی میں خود ہی۔“ اس نے سمعان سے بری طرح ناراض ہونے کا سوچ لیا تھا۔ فوراً عمل بھی کیا۔ کالج بیگ کندھے پر ڈال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی تبھی ہاتھ میں پکڑی کتاب سب سے نچلی سیڑھی پر جا گری۔

”اوف......“ وہ کوفت کا شکار ہوئی۔ دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگ کر زرش کتاب اٹھانے کو جھکی تو دوپٹہ سر سے سرک کر کندھوں پر آ ٹھہرا۔

”یا اللہ اب نئی مصیبت......“ وہ آتے ہوئے نہا کر آئی تھی۔ سنہری سلکی بال اگرچہ بہت لمبے نہیں تھے مگر خوبصورت بے پناہ تھے۔ جھٹکے سے آگے آگئے۔

سمعان احمد کے لئے یہ منظر پہلے سے زیادہ دلکش تھا۔

مہکتے گھنے سنہری بالوں کے ہالے میں اس کا سرخ قندھاری انار کی طرح دہکتا چہرہ ہیروں کی چمک لیے ہوئے تھا۔ سمعان احمد کو اس لمحے اپنا آپ بے بس ہوتا محسوس ہوا۔

”زری......“ وہ کتاب اٹھا کر سیدھی ہوئی تو جھٹکے سے بالوں کو پیچھے کر کے سمعان کو دیکھا۔

”ناراض ہوگئی ہو“ بہت محبت سے دریافت کیا تھا۔

وہ محسوس کرتی تو پتہ چلتا اس لہجے کے رچاؤ میں کیسے جذبے بول رہے ہیں۔ ان آنکھوں کے والہانہ پن میں کونسے احساسات چھپے بیٹھے ہیں۔

”مگر آپ کو میری ناراضی کی کیا پروا؟ ہٹیں سامنے سے مجھے اندر جانا ہے۔ فرح انتظار کر رہی

ہو گی۔"

سمعان اس کے سامنے دیوار کی طرح ایستادہ تھا۔ لمبا دراز قد سمعان کے مقابلے میں وہ بالکل گڑیا ہی لگ رہی تھی۔ چھوٹی سی نازک سی' سمعان احمد دھیمے سروں میں ہنس دیا۔

"اب ایسا بھی کچھ نہیں۔ جتنی تمہاری ناراضگی کی پروا مجھے ہوتی ہے شاید ہی کسی اور کو ہو۔" اس نے چہرہ پھیر کر سمعان کو دیکھا پھر طنزیہ ہنسی۔

"شکریہ نوازش......" سمعان کی گہری جائزہ لیتی نظروں میں ایک بھرپور عکس تھا۔ جھلملاتا' مسکراتا' وہ کھلی۔

سمعان نے ہاتھ بڑھا کر اس سے کتابیں لے لی تھیں پھر سامنے سے ہٹ گیا۔

"چچی جان نے آنے کی اجازت باآسانی دے دی تھی؟" ساتھ چلتے اس سے پوچھا تو اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"ہمارے اس پورشن کے لان کی مالی دیکھ بھال نہیں کرتا' کتنا رف ہو رہا ہے سارا لان' چلیں گھاس تو ٹھیک ہے مگر پودے دیکھیں ذرا......" ارد گرد جائزہ لیتے وہ رک گئی تھی۔ پھر گلاب کے پودے کی طرف چلی آئی جس پر سرخ پھول تھے مگر پودے کی حالت انتہائی خستہ تھی۔

"اوف......سب پودوں کا ستیاناس ہو رہا ہے۔ کسی دن میں مالی بابا کو لیکر اتوار کو چکر لگاؤں گی سارے لان کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔"

سمعان اسی طرح کھڑے مسکراتے دیکھتا رہا۔

وہ گلاب کے پودے سے پھول توڑ رہی تھی جبکہ کانٹا اس کی انگلی میں چبھ گیا تھا۔

"سی" اس نے فوراً ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا۔

"کیا ہوا؟" سمعان فوراً اس کی طرف آیا تھا۔

"کچھ نہیں کانٹا چبھ گیا ہے۔" دوسرے ہاتھ سے انگلی کو دباتے وہ پھونک مار رہی تھی۔ اس کی انگلی پر سرخ خون کی بوندیں نمایاں تھیں۔ سمعان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بلیڈنگ ہونے لگی ہے۔" سمعان نے ہاتھ کی نرماہٹ اچھی طرح محسوس کی تھی۔ صاف شفاف مخروطی انگلیوں سے سجا روئی کی طرح نرم ہاتھ تھا۔ جسے چھونے سے ہی اس کے وجود کی نزاکت کا احساس پوری طرح اجاگر ہو جاتا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ ظاہر ہے جہاں پھول ہوں گے وہاں کانٹے بھی ہوں گے اور جب بندہ پھولوں سے چھیڑ خانی کرے گا تو یقینی طور پر کانٹے بھی چبھیں گے۔ یہ نارمل سا چبھا ہے۔" انگلی کو جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"پکڑو ان کو......" سمعان نے کتابیں اس کے دوسرے ہاتھ میں تھمائی تھیں۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکالا اور پھر اس کی انگلی صاف کی۔

زرش ہنس دی۔

"آپ تو سیریس ہو گئے ہیں چھوٹا سا زخم ہے۔"

"زخم چھوٹا ہو یا بڑا......وہ زخم ہوتا ہے اور زخم کی ہر حال میں پروا کرنی چاہیے ورنہ ناسور بن سکتا ہے۔"

بہت سنجیدہ لہجہ تھا' زرش کی ہنسی تھم گئی۔

"اندر چل کر فرح سے کوئی دوا لے کر لگاؤ۔ زخم چھوٹا ہو یا بڑا نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ پھر ہنس دی تھی۔ سمعان اس کی جتنی کیئر کرتا تھا وہ خود پر مغرور ہونے لگتی تھی۔ اب بھی اسے خود پر رشک آیا۔

"ماما سچ کہتی ہیں مجھے بگاڑنے بلکہ لاڈ اٹھا اٹھا کر ضدی بنانے میں سب سے زیادہ ہاتھ آپ کا ہے۔"

اس کی ناراضی ایسی ہی تھی منٹوں میں ختم ہونے والی۔ اس بات پر سمعان احمد بھی مسکرا دیا۔

"زیادہ اتھلانے کی ضرورت نہیں...... میں لاڈ بھی ایک حد تک اٹھاتا ہوں اور ناجائز بات پر خفا بھی بری طرح ہوتا ہوں۔" سمعان احمد نے اسے ڈرانا چاہا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ صاف شفاف ہنسی سمعان احمد کے اندر گھنٹیاں سی بجاتی چلی گئی۔

"اوکے مائی لارڈ......کوئی پروا نہیں......آپ کی ہر خفگی سر آنکھوں پہ۔" برجستہ انداز میں بھرپور کوشش تھی سمعان احمد یک ٹک دیکھے گیا۔

"میں اب اندر چلوں یہ نہ ہو کہ فرح گھر فون کر کے ماما سے پوچھ رہی ہو اور گھر جا کر سر منڈواتے ہی اولے پڑنے والی صورتحال ہو۔" وہ ہنستی مسکراتی اندر بڑھ گئی تھی۔

سمعان احمد کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ وہ ان کے پورشن کی سیڑھیوں کو عبور کرتی اندر غائب ہو گئی تھی۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لیتے ہاتھ میں پکڑے رومال کو دیکھا۔ رومال پر کئی جگہ سرخ بوندوں کے نشان سمعان احمد کے اندر ایک انوکھا احساس جگا گئے تھے۔

* * *

آفس میں وہ مصروف تھا جب اس کے سیکریٹری نے کسی ملاقاتی کی اطلاع دی تھی۔

"کون ہے؟"

"سر پتہ نہیں۔ میں نے نام پوچھا تھا مگر وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ سے خود ملنا ہے۔ آپ کو ہی اپنے بارے میں بتائیں گی۔" سیکریٹری کی اطلاع پر شارق زمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے بھیج دیں۔" وہ ابھی بھی فائل کھولے مصروف تھا جب دستک کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔ شارق زمان کو سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسے زمین و آسمان گھومتے محسوس ہوئے۔ برسوں بعد ہی نہیں شاید زندگی میں وہ پہلی بار اس چہرے کو پورے ہوش و حواس میں اپنے روبرو دیکھ رہا تھا۔

اسے یوں لگا وہ بالکل ساکت ہو گیا ہے۔

"السلام علیکم۔"

یہ آواز ہتھوڑے کی صورت میں شارق زمان کو اپنے حواسوں پر لگتی محسوس ہوئی۔ اذیت کی اک لہر اٹھی رگ وپے میں دور تلک سرائیت کرتی چلی گئی۔

"بیٹھنے کو نہیں کہو گے۔"

وہ پتھر کا شاید بن چکا تھا۔ بغیر پلکیں جھپکائے دیکھے جا رہا تھا جب دروازے میں ایستادہ وجود اندر چلا آیا تھا اور اسکے سامنے کھڑا مسکرا کر مخاطب تھا۔

"بدر آرا بیگم۔" شارق زمان کے ہونٹوں پر بے آواز جنبش ہوئی تھی۔

یہ عورت کبھی اس کی ماں تھی مگر......

وہ نہیں جانتا تھا کہ ممتا کا ذائقہ کیا ہوتا ہے۔

اسے اس عورت کی گود کی گرمی......

محبت کی نرمی......

ممتا کی شدت نصیب نہیں ہوئی تھی۔

اس کے سامنے ہلکے سبز لباس میں ملبوس زیورات سے سجی میک اپ سے آراستہ عورت کھڑی تھی۔ جس میں اسے کہیں بھی اپنی "ماں" کی پرچھائیں دکھائی نہ دی تھی۔ اسے یہ عورت صرف "بدر آراء بیگم" دکھائی دی تھی۔

"آفس تو بڑا خوبصورت بنایا ہوا ہے۔ لگتا ہے باپ کا سارا پیسہ تم نے اسی پریس خانے کو اسٹیبلش کرنے میں لگا دیا ہے۔ بڑا زبردست ہے میگزین اکثر پڑھتی رہتی ہوں میں۔"

بدر آرا بیگم کو شاید توقع تھی کہ وہ اسی طرح پتھر ہو جائے گا اسی لئے بغیر اس کے کسی ردعمل کا انتظار کیے کرسی گھسیٹ کر نہ صرف بیٹھ چکی تھی بلکہ ناقدانہ وسراہتی نگاہوں سے آفس کا بھی جائزہ لیا تھا۔

شارق زمان کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تھی۔

اشتعال انگیزی کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔

اس نے کرسی کی ہتھیوں کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔

دانتوں تلے لب دبا لئے۔

"شہوار نے ذکر کیا تھا تمہارا...... دل تو میرا تم سے ملنے کو ہر وقت بے تاب رہتا ہے مگر جب سے یہ میگزین پڑھنا شروع کیا ہے ہر وقت تمہارے پاس پہنچنے کو دل کرتا ہے۔ ہر دفعہ دل کو مار لیتی تھی کہ شاید تم کیا ردعمل ظاہر کرو۔ فون پر تو تم نے بے عزت کر دیا تھا لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود کو یہاں آنے سے نہ روک پائی۔ میں تمہاری ماں ہوں' ایسے کیوں دیکھ رہے ہو۔ پہچان تو لیا ہوگا تم نے...... ہے نا......"

پتہ نہیں ماں کا یہ کونسا روپ تھا اس کے گھر میں جو ماں تھی' وہ تو اس عورت کے بالکل برعکس تھی پھر یہ عورت اور اس کی یہ گلفشانی...... شارق زمان کے اندر لاوا پک رہا تھا۔ نجانے وہ خود پر کیسے کنٹرول کر رہا تھا۔

آواز میں مضبوطی' رقت آمیزی طاری کئے وہ عورت اسے صرف ایک طوائف لگی تھی اور کچھ نہیں۔

یہ عورت اسے صرف جنم دینے کا سبب بنی تھی اور اس کے والد کی زندگی میں صرف اپنے نفس کی بھوک مٹانے آئی تھی۔ دولت پر لٹو ہو جانے والی عورت بیٹی کو لے کر بھاگ جانے والی عورت اس کی ماں کیسے ہو سکتی تھی۔

نجانے وہ اپنے آپ پر کیسے کنٹرول کر رہا تھا وہ خود بھی حیران تھا۔

اس عورت کو ملیا میٹ کر دینا اپنے جنون کے ہاتھوں تباہ و برباد کر دینا اس کا خواب تھا اور اب یہ سامنا بھی ہوا تو کس موڑ پر......

"کیوں آئی ہو تم یہاں بدر آرا بیگم......"

وہ جب بولا تو اس کا لہجہ انتہائی سرد، سفاک اور جامد تھا۔

ٹھٹھرا دینے والا سرد پن تھا۔

ایک لمحے کو اس کے لہجے کی چٹانی سختی پر بدر آراء بیگم بھی خائف ہوئی تھی۔

"میں تم سے ملنے...... میرا دل......"

"شٹ اپ......" لاوا ایکدم پھٹ پڑا تھا۔

اس نے ہاتھ مار کر ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے پرے پھینک دی تھی۔

فائلیں دور جا گری تھیں۔

بدر آرا بیگم تو ایک لمحے کو ڈر سی گئی تھی۔ ادھورے لفظ حلق میں ہی کہیں اٹک گئے۔

"تم جیسی کاروباری ذہنیت رکھنے والی عورت کیا جانے کہ دل کیا ہوتا ہے؟ رشتے کیا ہیں؟ ماں کیا ہوتی ہے؟ تم بدر آراء بیگم مطلب کی بات کرو' برسوں بعد شاید زندگی میں پہلی بار تم میرے سامنے آئی ہو۔ کونسی مطلب براری ہے جو تمہیں یہاں تک کھینچ لائی ہے وہ بولو......"

گرجتا برستا پھنکارتا لہجہ تھا' بدر آرا بیگم تو ششدر رہ گئی۔

اتنی نفرت' اتنی تذلیل وہ شاید کسی اور ہی تصور میں یہاں تک چلی آئی تھی مگر اب......

"میرا باپ ایک شریف' عزت دار آدمی تھا۔ اس کی بدقسمتی کہ بیوی ہونے کے باوجود تم جیسی بدچلن' بدکردار طوائف عورت کے چنگل میں پھنس گیا۔ تم نے اس کی محبت' وفاداری' شریف النفسی کا کیا خوب تحفہ دیا کہ اس کے خاندان کی عزت کو چوروں کی طرح چرا کر لے گئی۔ مجھے اس لئے چھوڑ گئی کہ میں تمہارے دھندے پر پورا نہیں اترتا تھا اور شاید اس میں بھی تمہاری کوئی پلاننگ تھی۔ تمہارے بڑھاپے کے لئے شاید واپسی کی راہ کھلی رہنے کی ایک امید---- یا شاید میرے باپ کی جائیداد کا لالچ...... شاید بلیک میلنگ کا کوئی ذریعہ...... مگر افسوس میں نے تمہاری جیسی عورت کے پیٹ سے جنم ضرور لیا ہے مگر میری ماں میرے گھر میں ہے جس کی عزت' وفاداری' پاکبازی کی قسم ایک زمانہ کھاتا ہے جس کا چہرہ غیر محرم کی نظروں سے اس طرح پاک صاف ہے جس طرح وہ ہونا چاہئے۔ میں شکر ادا

کرتا ہوں مجھے تربیت دینے والے ہاتھ تمہارے نہیں' اس ماں کے تھے جو کھانے کے لقمے بنا کر میرے منہ میں ڈالتے ہوئے بھی قرآن کی آیتوں کا ورد کرتی تھی اور تم...... حقیقت کیا ہے تمہاری...... تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا میں تم پر اور تمہاری بے حیا بیٹی پر...... میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا میرے سامنے کبھی مت آنا...... دفعہ ہو جاؤ یہاں سے...... دفعہ ہو جاؤ۔" ادھر سے ادھر چکر لگاتے چیختے چلاتے اپنے اندر کے لاوے کو وہ باہر نکال رہا تھا۔

بدرآراء بیگم شاید یہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

اس قدر تذلیل کا شاید اسے امکان نہیں تھا۔

"شارق زمان......" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"خبردار...... تمہاری غلیظ زبان سے میں اپنا نام سنا بھی پسند نہیں کرتا۔ تم یہاں سے چلی جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہاری طرح کمینگی کے مظاہرے پر اتر آؤں۔ تم جیسی عورت مجھے جنم دینے کا سبب ضرور بنی ہے مگر میری رگوں میں جس عزت دار شریف گھرانے کا خون ہے وہ مجھ سے جو تقاضا کرتا ہے یہ نہ ہو کہ میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھوں۔ وہ کام جو میرا باپ نہ کر سکا میں کر دکھاؤں۔ تم یہاں سے چلی جاؤ...... ابھی اسی وقت...... فوراً......"

اذیت' شدت پسندی غیظ بھرے لہجے کا مظاہرہ کرتے وہ واقعی ہوش وحواس کھونے کو تھا۔

بدرآراء بیگم ڈر گئی کہ کہیں واقعی وہ اسے کچھ کہہ نہ دے۔

"میں تم سے بات......"

"دفعہ ہو جاؤ...... آئی سے گیٹ لاسٹ۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر شارق زمان پھٹ پڑا تھا۔

بدرآراء بیگم خوفزدہ ہو کر باہر بھاگ گئی تھی۔ اگر وہ ایک لمحہ بھی مزید وہاں ٹھہرتی' شارق زمان اپنے ہاتھوں سے اس کا گلہ دبانے میں قطعی دیر نہ لگاتا۔ اس کے تیور بھی بتا رہے تھے۔

"آئی ہیٹ یو...... گو ٹو ہیل......"

دروازے کو زور سے بند کرتے وہ چیخا تھا' پوری قوت سے' کمرے میں اس کی آواز گونج اٹھی تھی۔

وہ درد وہ شدت پسندی اور اشتعال انگیزی جس کے مظاہرے سے وہ خود کو ہر بار روکتا تھا' بڑی مشکل سے خود کو سمجھا بجھا کر راضی کرتا تھا۔ ایک دم اس نے اسے بے حواس کر دیا تھا۔ وہ ٹوٹے ہوئے اعصاب لئے سائیڈ پر رکھے صوفے پر گر گیا تھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

◆

فرح اور زرش کے دسمبر ٹیسٹ کے سلسلے میں صرف دو پیپرز باقی تھے۔ سعود احمد نے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ کچھ اپنی طبیعت کی وجہ سے ڈاکٹر کے مشورے پر اور کچھ عثمان ہادیہ کے بار بار فون پر ان کے ہاں آنے کی دعوت پر انہیں اپنا پروگرام سیٹ کرنا ہی پڑا تھا کہ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور طبیعت بھی سیٹ ہو جائے گی۔ زرش کے ٹیسٹ ختم ہوتے ہی اگلے دن روانگی کا پروگرام تھا۔

توشین اور زرش بہت زیادہ ایکسائٹڈ تھیں' کتنے عرصے بعد یوں کہیں جانے کا پروگرام بنا تھا۔ بچپن میں وہ ہر سال مری' لاہور وغیرہ کا ایک چکر ضرور لگاتے تھے مگر پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ کم ہوتا چلا گیا تھا۔ اب بھی تقریباً ایک دو سال بعد یہ پروگرام بنا تھا۔ زرش نے فون کر کے ہادیہ کو بتایا تو اس نے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔

نفیسہ پھپھو کو اب اکثر جوڑوں کا درد لاحق رہنے لگا تھا۔ اکثر رات کو ان کی تکلیف بڑھ جاتی تھی۔ بیٹیاں ان کی ساری بیاہی جا چکی تھیں۔ گھر میں صرف ہادیہ ہی ہوتی تھی۔ سعد امریکہ میں اور جمال ماموں اور وقار بھائی سارا دن آفس میں' ایسے میں ہادیہ آپا کا دل پھپھو کو تنہا چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہتا تھا۔

شائستہ بیگم اس کی مجبوری سمجھتی تھیں' اسی لئے انہوں نے توشی اور زرش کو خود ہی منع کر دیا تھا کہ وہ ہادیہ کو ساتھ چلنے پر مجبور نہ کریں۔ دونوں کے دل مرجھا سے گئے تھے۔ ان کے ہر پروگرام میں ہادیہ ضرور شامل ہوتی تھی مگر اس دفعہ......

عفان سے زرش نے بات کی تو اس نے بھی معذرت کر لی کہ ان دنوں اسے اپنے کام کے سلسلے میں چند دنوں کے لئے آؤٹ آف سٹی جانا تھا۔ زرش منہ بنا کر رہ گئی۔

فرح اور علی تیار تھے تایا ابو سے اس نے بات کر لی تھی۔ وہ خود تو نہیں جا سکتے تھے کہ سعود احمد کے بعد سارا کام انہیں دیکھنا تھا۔ طاہرہ بیگم تو ویسے ہی نہیں جاتا تھا۔ البتہ انہوں نے فرح علی اور سمعان کے سلسلے میں اجازت دے دی تھی۔ سمعان احمد بزنس کے کام کے سلسلے میں دو دن کے لئے لاہور گیا تھا مگر وہاں جا کر اسے دو کے بجائے پانچ دن لگ گئے۔ زرش شدت سے منتظر تھی کہ سمعان واپس آئے تو ان سے بات کرے کہ وہ بھی ان کے ساتھ اسلام آباد چلیں مگر سمعان کی واپسی ممکن ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے یار! خدا خدا کر کے بڑی مشکلوں سے ایک عرصے بعد پروگرام بنا ہے۔ سوائے فرح اور علی کے ہمارے ساتھ کوئی اور چلنے کو راضی ہی نہیں ہے۔"

وہ پیپر دے کر کالج سے لوٹی تھی۔ کھانا کھا کر اس نے یونہی سمعان کا نمبر ملایا تھا۔ مگر اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ان کے گھر کے نمبر سے کی جانے والی سمعان کال ڈراپ کر دے۔ اس نے آفس کا نمبر ملایا۔ سمعان کسی میٹنگ میں تھا اس نے لاہور آفس کے سیکریٹری کو سمعان سے بات کروانے کو کہا تھا۔ سمعان نے کال ریسیو بھی کر لی تھی مگر جب زرش کی آواز سنی تو فوراً ڈانٹ دیا تھا۔

"تمہیں سکون نہیں ہے...... میں اس وقت اتنا مصروف ہوں فی الحال وقت نہیں ہے میرے پاس...... تھوڑی دیر بعد فارغ ہو کر بات کروں گا۔"

زرش سے اس لہجے میں سمعان نے کبھی بات نہیں کی تھی۔ مگر اب سمعان احمد کے لہجے پر غصہ آ رہا تھا ریسیور پٹخ کر اس نے غصے سے کہا تو نوشی حیران ہوئی۔

"خیریت......؟"

"سمعان بھائی لاہور جا کر بیٹھ گئے ہیں۔ پتہ نہیں ایسے کون سے کام ہیں جو ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہے۔ ابھی کال کی ہے میں نے سوچا کہ ان سے بات کر لوں وہ بھی ہمارے ساتھ جا رہے ہیں کہ نہیں مگر ڈانٹ کے رکھ دیا ہے کہ بہت مصروف ہوں فرصت نہیں ہے میرے پاس...... تھوڑی دیر بعد بات کروں گا۔"

اس نے باقاعدہ سمعان کے لہجے کی نقل اتاری تھی۔ نوشین ہنس دی۔

"تمہیں غصہ نہیں آ رہا ہے، ہادی آپا بھی نہیں جا رہیں۔ عفان بھائی نے بھی منع کر دیا ہے بس فرح اور علی تیار ہوئے ہیں۔ سمعان بھائی کا کچھ پتا ہی نہیں ہے۔"

وہ دونوں اس وقت لاؤنج میں تھیں اور ماما کمرے میں جبکہ پاپا آفس میں۔ طبیعت تو ان کی نارمل ہی تھی۔ آفس بھی جا رہے تھے مگر ڈاکٹر نے زیادہ کام کرنے سے منع کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے اس دفعہ سمعان بھائی ہمارے کسی پروگرام میں شریک نہ ہوں۔ تایا ابو تو آفس کا کام سنبھالتے ہیں، باقی سارے جھمیلے میٹنگز ملاقات وغیرہ سب کچھ وہی ہینڈل کرتے ہیں۔ اس آفس سے اس آفس تک سارا دن ان کی ورزش ہوتی ہے۔ پاپا کے جانے کے بعد تایا ابو اکیلے شاید نہ سنبھال پائیں ہو سکتا ہے سمعان بھائی اس دفعہ نہ جا سکیں۔"

نوشی نے آرام سے بتایا تھا۔

"نہیں...... سمعان بھائی کے بغیر بھلا کوئی مزہ آئے گا۔ ہمیں اکیلے جا کے بھی پھر کیا کرنا ہے۔ رہنے دیتے ہیں۔ ہادی آپا سمعان بھائی کے بغیر بھلا کچھ اچھا لگے گا۔"

وہ الجھ گئی تھی نوشی چپ ہی رہی۔ اگلے ایک گھنٹے تک وہ پیپر کی تیاری کے بجائے نوشی کا دماغ ہی چاٹتی رہی تھی۔

سہ پہر ڈھل رہی تھی جب سارا دن کڑھتے اس کی ذرا آنکھ لگی تھی۔ سرہانے رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ پر فون کی تیز بزر نے اسے ہڑبڑا کر اٹھا دیا تھا۔

"لاحول ولاقوۃ" بمشکل ہی تو سو پائی تھی سمعان سے بات نہ کرنے کا تناؤ تھا کہ پیپر بھی اچھی طرح یاد نہیں کر پا رہی تھی۔ اور اب یہ فون......

اس نے فون کو گھورا۔

اٹھ کر سی ایل آئی پر جگمگاتے نمبر کو دیکھا تو ساری کلفت ایک دم چھو ہو گئی۔ لاہور آفس کا نمبر تھا۔

اس نے فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟" سمعان کی آواز سن کر اس کا پچھلا رویہ یاد آ گیا۔

"بڑی جلدی یاد آ گیا پوچھنا۔ آپ تو بڑے مصروف تھے۔ وقت نہیں تھا آپ کے پاس، ہم سے بات کرنے کو...... اس نمبر پہ بات کرنے کی اب فرصت کیسے مل گئی آپ کو۔" اس کے طنزیہ لہجے پر سمعان احمد ہنس دیا۔

"بہت مصروف تھا یار! بہت اہم میٹنگ تھی۔ یوں سمجھو کچھ کھلے تھے، مارکیٹنگ منیجر سے ڈسکشن کر رہا تھا۔ موڈ بہت خراب ہو رہا تھا میرا اس وقت، اوپر سے تمہاری کال شاید کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا میں...... خیریت تھی نا......" سمعان احمد جیسے بہت سہولت اور فرصت سے بات کر رہا تھا۔ آخر میں اس کے استفسار پر اس کے اندر کوفت کا سارا غبار چھٹ گیا تھا۔

"بالکل خیریت نہیں تھی۔ اب بھی آپ کال نہ کرتے تو پانی پت کی لڑائی سے بھی شدید جھڑپ ہوتی۔ جب سے کالج سے لوٹی ہوں آپ کا نمبر ملا کر میری انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اوپر سے آپ کا بیزار ڈانٹنے والا انداز...... دل چاہ رہا تھا کہ میرے سامنے ہوں تو......"

"تو" کے آگے اس کی سوچ ہی نہیں جا سکی تھی۔

"تو کیا کرتی......؟"

"تو بہت زیادہ لڑتی آپ سے۔" اس نے فوراً کہا تھا۔ "پانچ دن ہو گئے ہیں آپ کو لاہور جا کر ڈیرے جمائے ہوئے۔"

"آیا تو واقعی میں دو دن کے لیے تھا مگر یہاں آ کر ایسا الجھا کہ فرصت ہی نہیں مل پا رہی۔ اس دفعہ لاہور کا وزٹ لمبا ہو گیا تھا۔ پچھلے وزٹ میں مارکیٹنگ اور اکاؤنٹ منیجر کا سلیکشن کر کے میں کراچی آیا تھا لیکن اس دفعہ ان دونوں بندوں نے ملی بھگت سے ایسے گھپلے کیے ہوئے ہیں کہ میں حقیقت میں چکرا کر رہ گیا ہوں۔ چچا جان کو پچھلے دنوں یہاں سے مسلسل بے شک مل رہی تھی۔ ان کے علم میں یہ بات تھی شاید اس مسئلے کی انہوں نے ٹینشن لی تھی کہ طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ اسی لیے مجھے خود آنا پڑا تھا۔ معاملہ اچھا خاصا سلجھ گیا ہے۔ شاید کل تک میں واپس آ جاؤں۔"

سمعان کی بات پر وہ خاموش ہی رہی کہ بزنس کے جھمیلوں میں اس کی معلومات صرف کتابی حد تک

تھی۔ اس کی خاموشی پر سمعان کو احساس ہوا تو خود ہی بات پلٹ دی۔

"کال کیوں کی تھی۔ خیریت تھی نا۔"

"پاپا کچھ دنوں کے لئے آؤٹ آف سٹی جانے پر راضی ہو گئے ہیں۔ پتا ہے سمعان بھائی پاپا نے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ پرسوں روانہ ہو رہے ہیں۔ ہم لوگ کل ہمارا لاسٹ پیپر ہے۔"

زرش کو بھی یاد آیا تو فوراً اصل بات بتائی۔

"ہاں جانتا ہوں میں۔ چچا جان تو شاید جانے کو راضی ہی نہیں تھے مگر عثمان بھائی اور ابو کے اصرار پر انہیں بمشکل آمادہ کر پایا ہوں میں۔ اچھا ہے کچھ دنوں اسلام آباد رہ آئیں طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔ یہاں کے کام میں اور ابو دیکھ لیں گے۔"

"تو کیا آپ نہیں جا رہے ہمارے ساتھ؟" سمعان کی بات پر وہ ایکدم متفکر ہوئی تھی۔

"نہیں..... ان دنوں تو بالکل فرصت نہیں ہے۔ کل کراچی پہنچوں گا تو شام کو ہی کچھ لوگوں سے ملنا ہے۔ بہت سے کام جو میرے ذمے ہیں ادھورے پڑے ہیں۔ پھر چچا جان کی غیر موجودگی میں ابو پر بہت بوجھ آ پڑے گا۔"

سمعان نے سلیقے سے اپنی مصروفیات کی فہرست گنوائی تھی۔

"کوئی نہیں..... آپ جا رہے ہیں ہمارے ساتھ۔ یہاں کے کام ہو جائیں گے۔ اتنے ورکرز ہیں کسی بھی اسپلائرز کو کہئے گا وہ کر لے گا۔ آپ بس ہمارے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔"

"سوری یار..... میرے پاس بالکل فرصت نہیں ہے۔ تم جانتی تو ہو کہ....." سمعان نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس نے ایکدم برہمی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"بہانے نہیں بنائیں میرے سامنے..... اتنے عرصے بعد یہ پروگرام بنا ہے۔ اگر آپ نہیں جا رہے تو میں پاپا کو کہہ دیتی ہوں وہ ماما کے ساتھ چلے جائیں، ہم نہیں جاتے۔ ہادیہ آپا کی اپنی مصروفیات ہیں، عفان بھائی بھی منع کر چکے ہیں اور آپ بھی..... یوں کہیں آپ تائی امی کی وجہ سے ہمارے ساتھ جانا نہیں چاہتے۔" انتہائی ناراضگی سے اس نے بات مکمل کی تھی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو۔ ہر معاملے میں ضد اچھی نہیں ہوتی۔ امی کا اس پروگرام سے بھلا کیا ذکر، پہلے بھی تو تم لوگوں کے ہر پروگرام میں جاتا رہا ہوں انہوں نے کبھی منع نہیں کیا، اس دفعہ مصروف ہوں۔ فرصت ہوتی تو ضرور چلتا۔" سمعان نے رسانیت سے کہا تھا۔ زرش نے خفگی سے سر جھٹکا۔

"آپ کسے بہلا رہے ہیں مجھے یا اپنے آپ کو..... بات فرصت کی نہیں بات یہ ہے کہ آپ خود بھی جانا نہیں چاہ رہے۔ پہلے بات اور تھی آپ کی شادی کا ایشو نہیں چل رہا تھا، اب بات اور ہے اور یقیناً ہمارے ساتھ جائیں گے تو تائی امی ناراض ہوں گی، پہلے بھی تو آپ ہماری خاطر ہر مصروفیت کو پس پشت ڈال لیتے تھے جب کہ اب....." خفگی سے وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

دوسری طرف سمعان بالکل خاموش تھا۔

"اس پروگرام سے میری شادی کے ایشو کا بھلا کیا تعلق؟"

"یہ تو آپ اپنی والدہ ماجدہ سے ہی پوچھیں تو بہتر ہے۔ میرے علم میں تو اب اور بھی بہت کچھ ہے۔ بڑی لمبی سوچ میں ہیں تائی امی..... قیصرہ خالہ کی نظر آپ پہ ہو یا نہ ہو تایا ابو کی جائیداد پر ضرور ہے۔ آپ نہ سہی فرح تو ہے ناں۔ ویسے امجد بھائی فوزیہ آپی کے مقابلے میں خاصے ڈیسنٹ اور معاملہ فہم ہیں۔ نجانے قیصرہ خالہ کے ہاں ایسا شخص کیسے پیدا ہو گیا تھا۔"

اس دن تائی امی کی گفتگو گھر آ کر یاد کرتے بہت سے پوائنٹس اس کی ناقص عقل میں آئے تھے۔ اپنے بارے میں وہ ابھی بھی گو مگو کی کیفیت میں تھی لیکن قیصرہ خالہ کی سمعان احمد کے لئے فوزیہ کے رشتے کے سلسلے میں دلچسپی اور فرح کا نام کسی لالچ کی عکاسی کر رہا تھا کسی کو بھی صاف دکھائی دے رہا تھا اس نے اس گفتگو کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا مگر اب جذباتی لہجے میں وہ سب کہہ گئی اور پھر زبان دانتوں تلے دبالی۔

دوسری طرف سمعان کا ری ایکشن اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ زری..... کیسی جائیداد..... یہ فرح اور امجد کی کیا بات ہے؟" اپنے معاملے میں وہ زرش سے کیا کبھی ترشی سے بات کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا لیکن فرح کے معاملے میں فوراً سنجیدہ ہوا۔

"کچھ نہیں بس یونہی زبان پھسل گئی۔"

زرش کہہ کر پچھتائی کہ اصل صورتحال سے وہ خود بھی بے بہرہ تھی۔ وہ اسے بھلا کیا بتاتی؟ یکطرفہ گفتگو سے اسے جو سمجھ آ رہا تھا ہو سکتا ہے معاملہ اس کے برعکس ہو۔

"کچھ بھی نہیں..... مذاق کر رہی تھی میں۔" اس نے فوراً ٹالا۔

"زرش....." سمعان نے ٹوکا تھا۔ "مجھے اصل بات بتاؤ..... یہ فرح اور امجد کا کیا قصہ ہے۔"

سمعان احمد بالکل سنجیدہ تھا۔ زرش کو ہنسی آ گئی۔ اسے ایک دم سمعان کو زچ کرنے کو شرارت سوجھی تو کہہ دیا۔

"کوئی قصہ وصہ نہیں ہے۔ میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔ آپ بتائیں، ہمارے ساتھ جا رہے ہیں کہ نہیں۔" ہنسی دبا کر اس نے دوبارہ پوچھا تو دوسری طرف چند ثانئے کو بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

"میں نے اسی لئے کال کی تھی۔ علی اور فرح تو جا رہے ہیں، تایا ابو سے آپ تینوں کی اجازت مل چکی ہے مجھے، اگر آپ نہ گئے نا تو پھر دیکھئے گا میں کیا کرتی ہوں۔ مجھ سے بھی کلام کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں فرصت کا کہہ کر آپ مجھے بہلا لیں گے۔ کیا میں آپ کو نہیں جانتی، آپ کو نہیں سمجھتی۔ اب میں اتنی بچی بھی نہیں ہوں کہ معاملے کی اصل نوعیت نہ جان سکوں۔"

دوسری طرف سمعان نے گہری سانس لی تھی۔

"تم اپنی سوچ میں آزاد ہو، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اسلام آباد جانے کا میرے پاس ابھی تو وقت نہیں

ہے۔ کل کراچی آ رہا ہوں ابھی تو بہت سے کام باقی ہیں۔ پھر تم سے تفصیلی بات ہوگی اور ذرا یہ جو بات یونہی کہہ دی ہے۔ فرح اور واجد کے سلسلے میں جو زبان پھسلی ہے کوئی کہانی گڑ لینا۔ آؤں گا تو تفصیل سنوں گا۔ فی الحال اللہ حافظ۔"

دوسری طرف سبحان احمد نے فون بند کر دیا تھا وہ ریسیور کو گھورتے کلس کر رہ گئی۔

"سبحان بھائی آپ کو ہر حال میں جانا ہوگا اگر نہ گئے تو پھر دیکھئے گا میں کیا کرتی ہوں۔"

ریسیور واپس کریڈل پر جماتے وہ پرسوچ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

کل پیپر تھا ابھی اسے اچھی خاصی تیاری بھی کرنی تھی۔

* * *

رات کے کسی پہر واجدہ خالہ واش روم سے گر گئی تھیں۔ شاکرہ جو اس رات شارق زمان کے گھر نہ آنے کی وجہ سے ان کے کمرے میں ہی تھی پریشان ہو گئی تھی۔ واجدہ بیگم بے ہوش ہو چکی تھیں۔ شاکرہ نے شارق کا موبائل نمبر ملایا تھا مگر وہ آف تھا' پھر اس نے ظہور بابا کو بلوایا انہوں نے فون کر کے نواز کو واجدہ بیگم کے گرنے اور مسلسل بے ہوشی کی اطلاع دی تھی۔ نواز کال سنتے ہی چلا آیا تھا۔ واجدہ بیگم کی طبیعت سیریس تھی۔ شاید دوسری ٹانگ میں بھی کوئی فریکچر کا مسئلہ ہو گیا تھا۔ وہ مسلسل ہوش و خرد سے بے گانہ تھیں۔ نواز نے انہیں فوراً ہاسپٹل پہنچایا تھا۔

نواز نے شارق کے نمبر پر کئی بار کال کی تھی مگر کوئی رسپانس ہی نہ ملا۔ تنگ آ کر اس نے خالدہ چچی کے ہاں نمبر ملایا اور نبیل کو واجدہ بیگم کی ساری کنڈیشن بتا کر فوراً ہاسپٹل پہنچنے کو کہا تھا۔

نبیل کے ساتھ خالدہ بیگم اور نویرہ بھی ہاسپٹل پہنچے تھے۔ واجدہ بیگم رات کے کسی پہر واش روم میں گئی اور وہیل چیئر الٹ گئی تھی کچھ گرنے اور اپنے وجود کے دباؤ کی وجہ سے ان کی دوسری ٹانگ بھی فریکچر ہو چکی تھی۔

ایک گھنٹے بعد ان کو ہوش آ گیا تھا مگر ٹانگ کے فریکچر کی تکلیف ان سے برداشت کرنا ممکن نہ تھا ڈاکٹرز نے ان کو دوبارہ ٹرینکولائزر کے زیر اثر ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا۔

نویرہ اور خالدہ بیگم متفکر آنسو بہاتے ان کی صحت یابی کی مسلسل دعائیں مانگتی رہیں جبکہ نبیل اور نواز ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔

ساری رات گزر گئی صبح تک ان کی ٹانگ کی سرجری ہو چکی تھی۔ وہ ابھی بھی ہوش و حواس سے بے گانہ تھیں۔ سرجری کے بعد ڈاکٹرز نے انہیں روم میں شفٹ کر دیا۔ شارق ابھی لاپتہ تھا' نبیل اور نواز کو رہ رہ کر شارق کی لاپروائی غیر ذمے داری پر تاؤ آ رہا تھا۔ اس کی عادات و روٹین سے وہ بے خبر تھے مگر اماں کے سلسلے میں وہ اس حد تک غیر ذمہ دار ہوگا انہیں اندازہ نہیں تھا اگر شاکرہ واجدہ بیگم کے پاس نہ ہوتی تو نجانے اب تک کیا ہو چکا ہوتا۔ وہ دونوں ہی اس "کیا ہو چکا ہوتا" کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

واجدہ خالہ کے روم میں منتقلی کے بعد خالدہ بیگم اور نویرہ دونوں ان کے پاس چلی آئیں۔

خالدہ بیگم بہن کو چت لیٹے سفید چادر میں چھپے وجود کو دیکھ کر رو دیں۔ ان کی یہ بہن بے انتہا

صبر والی شاکر خاتون تھیں۔ کیا کچھ نہیں سہا تھا انہوں نے۔ شوہر کی بے وفائی و کج ادائی' غیر عورت کی تحقیر و ذلت اور سب سے بڑھ کر اولاد نرینہ سے محرومی۔

"امی حوصلہ کریں۔ میری نبیل بھائی سے بات ہوئی ہے۔ کہہ رہے تھے کہ فکر والی زیادہ بات نہیں' بس گھٹنے کے اوپر سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹی ہے سرجری ہو گئی ہے' انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

خالہ اماں کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا اپنا دل بھی بھر آنے کو تھا مگر خود پر صبر کر کے ماں کو سمجھایا۔

"صبر ہی تو کر رہی ہوں اب تک...... آپا کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی مجھ سے۔ میری اتنی صابر' گنوں والی آپا کے ساتھ یہ سب بھی ہونا تھا۔ ساری عمر شارق کے لئے انہوں نے اپنا آپ مار ڈالا مگر نتیجہ کیا نکلا ہے۔ اس شخص کو پرواہ ہی نہیں۔ پتہ نہیں کہاں ہے؟ سوتیلی ہی ماں تو تھی۔ کچھ تو خیال کیا ہوتا اس نے۔" وہ دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

نویرہ خاموشی سے سنتی رہی کہ وہ سچ کہہ رہی تھیں' اس کا اپنا دل اس وقت چاہ رہا تھا کہ کہیں سے شارق زمان کو ڈھونڈ لائے اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالے آخر کس جرم کی سزا وہ بڑی اماں کو دے رہا تھا۔ اس نے آنکھوں میں آئی نمی پوروں سے صاف کی۔

اماں کو وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر آئی تو سائیڈ کی چیئر پر نبیل اور نواز دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ دو فرد کمرے میں جا سکتے تھے اسی لئے وہ دونوں باہر تھے۔

نواز نے اسے دیکھا دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے کافی پژمردہ سی دکھائی دی۔

"دیکھ لیا بڑی اماں کو......" نبیل کے استفسار پر اس نے سر ہلایا۔

"نبیل بھائی اماں بہت پریشان ہو رہی ہیں' آپ ایسا کریں انہیں لے کر گھر چلے جائیں یہاں وہ خالہ امی کو دیکھ کر متفکر ہی ہوتی رہیں گی۔" دوپٹے سے سرخ ناک رگڑتے ہوئے اس نے کہا تو نبیل کو بھی یاد آیا اور اس نے پلٹ کر نواز کو دیکھا۔

ٹوٹے بکھرے اعصاب' گزری رات کی خستہ حالی و پریشانی۔

وہ واجدہ خالہ کی وجہ سے بڑا خوار ہوا تھا۔

"ہاں صحیح ہے نواز یار تم ایسا کرو اماں کو لے کر گھر چلے جاؤ' انہیں ہمارے ہاں چھوڑ دینا یہاں میں اور نویرہ ہیں۔ ساری رات تم پریشان ہوتے رہے ہو جا کر تھوڑا سا ریسٹ کر لو ویسے بھی اب صبح ہو چکی ہے اماں کی خراب طبیعت کا سن کر یہاں کوئی نہ کوئی آ ہی جائے گا۔" نویرہ نے خاموشی سے نواز کو دیکھا' واقعی رات جس طرح وہ بڑی اماں کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا تھا' وہ لوگ تو کافی بعد میں یہاں پہنچے تھے۔ نجانے وہ اماں کو لے کر یہاں کیسے پہنچا تھا اگر کچھ دیر ہو جاتی تو نجانے ان پر کیا بیتتی۔

نویرہ کے دل میں نواز کے لئے موجود احترام مزید گہرا ہوا۔

"ہاں تھوڑی دیر بعد چلا جاتا ہوں ابھی ہلکا ہلکا اندھیرا باقی ہے۔"

شب خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں بالوں کو انگلیوں سے بکھیرتے اس نے یونہی سامنے نظر اٹھائی تو شارق کو آتے دیکھ کر رک گیا۔ نبیل اور نویرہ نے بھی اس کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ تیز تیز قدم

اٹھاتا شارق زمان سیڑھیاں چڑھتا اوپر ہی آ رہا تھا۔

نویرہ نے لب بھینچ لیے۔

"میں دیکھوں اماں کیا کر رہی ہیں۔" وہ منظر سے ہٹ گئی تھی۔

"کیا حال ہے اماں کا......"

دونوں لب بھینچے اسے صرف گھور رہے تھے۔ شارق الجھا۔

"تم دونوں جواب کیوں نہیں دے رہے۔ میں پوچھ رہا ہوں اماں کیسی ہیں۔" اس نے پہلے سے زیادہ پریشانی سے پوچھا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ گھر پہنچا تھا۔ شاکرہ سے ساری صورتحال کا علم ہوا تھا۔ نواز شاکرہ کو ہاسپٹل کا پتا کرا آیا تھا وہ فوراً یہاں بھاگا تھا مگر اب ان دونوں کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

"تم کون ہوتے ہو یہ سوال کرنے والے' تمہاری بلا سے وہ جائیں بھاڑ میں۔" نبیل جو شارق زمان کی اس غیر ذمہ داری پر تپا بیٹھا تھا۔ ایک دم طیش میں آ گیا۔

"تم......" شارق کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ انتہائی طیش بھرا روکھا غصیلہ لہجہ تھا۔ وہ سختی سے لب بھینچ گیا۔

وہ پہلے ہی حد سے زیادہ ٹینشن میں تھا اوپر سے نبیل کا رویہ۔

"تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔ کوئی افلاطون سی چیز...... تمہارا کیا خیال ہے بڑی اماں کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے' تم بھلا انہیں کیا سہارا فراہم کر سکتے ہو۔ کس چیز کا بدلا تم ان سے لے رہے ہو۔ وہ معذور' تنہا' بے بس لاچار عورت اب اتنی بھی بے سہارا نہیں ہے' ہم تمہاری محبت میں تمہیں کچھ نہیں کہتے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اب ہم اماں کو تمہارے سہارے مرنے کے لیے نہیں چھوڑیں گے۔ تم اپنی ذات کو نجانے کس گنبد میں بند کر کے ان رشتوں کا ماتم کر رہے ہو جو کبھی تمہیں میسر آئے ہی نہیں اور جو میسر ہیں ان کو تم اپنی حماقتوں و نادانیوں سے گنوا دو گے سن لو مجھ سے۔"

واجدہ اماں کی اس ساری حالت کا ذمہ دار انہیں شارق زمان ہی لگ رہا تھا۔ اسی لیے نبیل کے جی میں جو آیا اس نے کہہ دیا۔

شارق زمان لب بھینچے کشیدہ اعصاب لیے صرف سن رہا تھا۔

"ویسے بھی تم نے بڑی اماں کو کونسا سگی ماں مانا ہے۔ انہوں نے تمہاری خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ کاش تم میں احساس و مروت ہوتا تو ان کی ممتا' ان کی تربیت کی ہی لاج رکھ لی ہوتی۔ ساری ساری رات تمہاری خیر خواہی کے لیے پریشان ہونے والے وجود سے بھلا تمہیں کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ تمہیں تو سوائے اپنے احساسات' محرومیوں و کمزوریوں کے علاوہ کوئی اور دکھائی کب دیتا ہے تم تو......"

"نبیل......" شارق نہایت خاموشی سے نبیل کی ساری بکواس سن رہا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ کسی بھی لمحے پھٹ پڑے گا۔ اس کا چہرہ ہتک و ذلت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ کسی بھی لمحے اس کا ضبط چھلک جانے کو بے تاب تھا۔ نواز جو بغور شارق پر نظریں جمائے ہوئے تھا وہ یکدم اس کے چہرے سے اندرونی

حالت کا اندازہ لگا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ نبیل کچھ مزید سخت سست کہتا اس نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر اسے چپ رہنے کا اشارہ دیا تھا۔

"اماں کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا ہے۔ گھٹنے کے اوپر سے ٹانگ ٹوٹی ہے۔ جب شاکرہ نے مجھے کال کی تو میں فوراً پہنچا تھا' وہ بے ہوش تھیں ابھی تک بے ہوش ہیں۔ ڈاکٹرز نے ٹیسٹ وغیرہ کے بعد سرجری کر دی ہے۔ فی الحال تو وہ ٹرینکولائزر کے زیر اثر ہیں ہوش آتا ہے تو کچھ کہا جا سکتا ہے۔"

نبیل نواز کا ہاتھ جھٹک کر کمرے میں چلا گیا تھا۔ نواز نے آہستگی سے بتایا تو شارق کے اندر ندامت کا ایک سمندر موجزن ہو گیا۔

بغیر نواز کو دیکھے وہ اسی کمرے کی طرف بڑھا جدھر نبیل داخل ہوا تھا۔

خالدہ بیگم نے شارق کو دیکھ کر اپنی بہتی آنکھیں صاف کیں۔

نویرہ نے بھی ایک نظر ڈال کر دوبارہ خالہ کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

وہ خاموشی سے چلتا اماں کے بستر کے قریب آیا۔

اماں کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔ جیسے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

کل سے بدر آراء بیگم سے سامنے کے بعد وہ تو اس دنیا سے کیا اپنے آپ سے روٹھا بیٹھا تھا۔ نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ کب شام ہوئی' کب رات گزری اسے تو کسی بات کا ہوش ہی نہ تھا۔ اب بھی ساری دنیا سے کٹ کر وہ واپس گھر کے راستے پر پلٹا تھا مگر گھر میں داخل ہوتے ہی شاکرہ کی زبانی یہ روح فرسا خبر سنی۔

"صاحب جی میں نے آپ کے موبائل پر رابطہ کرنے کی بڑی کوشش کی مگر آپ کا موبائل بند تھا۔" شاکرہ نے ساری صورتحال بتا کر کہا تو دل پر منوں بوجھ آ گرا۔ وہ اماں کو اپنی طرف سے کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا مگر ہر دفعہ دل پر منوں بوجھ آ گرتا اور یہاں آتے ہی نبیل کی ساری بکواس سن کر شارق زمان کو اپنے اوپر سے اختیار اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔

"فکر نہیں کرو یار...... بڑی اماں اب ٹھیک ہیں' اصل کنڈیشن کا علم تو ان کے ہوش میں آنے یا پھر سرجری کے بعد ہی ہو گا تاہم ڈاکٹرز وغیرہ اطمینان دلا رہے تھے۔" نبیل شارق پر اچھا خاصا برس چکا تھا جواباً شارق نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

وہ اتنی باتیں سن کر خاموش رہنے والا انسان نہیں تھا۔ لاوے کی طرح پھٹ پڑنے والا شخص تھا۔ نبیل کو اپنے رویے کا یکدم احساس ہوا تو بغیر کچھ مزید کہے یا جتائے اسے بتانے لگا۔

شارق کے ہونٹوں پر ایک مجروح سی مسکراہٹ آ بکھری۔

سر اٹھا کر نبیل کو دیکھا وہ تسلی آمیز انداز میں مسکرایا تو نگاہ نبیل کے ساتھ کھڑی نویرہ پر ٹک گئی۔

بڑی سی چادر میں وہ خاصی مختلف لگی۔ شارق کے دیکھنے پر وہ اپنی جگہ سے ہلی اور خاموشی سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

شارق نے دروازے تک اس کے قدموں کا تعاقب کیا۔

"اماں آئیں آپ گھر چلیں۔ نواز ساری رات کا جاگا ہوا ہے وہ بھی جا کر تھوڑا سا آرام کرلے۔ شارق ابھی یہیں ہے پھر نویرہ کو بھی یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ جا کر تھوڑا سا آرام کرلیں تب تک اماں کو بھی ہوش آجائے گا تو پھر لے آؤں گا۔" خاموشی سے مسلسل آنسو بہاتی خالدہ بیگم کو نبیل نے کہا تو وہ سر ہلاتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

واجدہ بیگم کے ہوش میں آنے میں خاصی دیر تھی۔ ان کا اپنا دل بھی بہن کو اس حالت میں دیکھ کر ضبط کھو رہا تھا اس لئے انہوں نے نبیل کی بات پر سر ہلایا تھا۔ بہن کو دیکھ کر وہ کمرے سے نکل آئیں۔ نویرہ ان کو باہر آتے دیکھ کر فوراً ان کی طرف لپکی۔ نواز اردگرد کہیں بھی نہیں تھا۔

"کیا ہوا آپ باہر کیوں آگئیں؟ خالہ جان ٹھیک تو ہیں نا۔"

"ہوں......" انہوں نے سر ہلایا۔

"گھر جارہی ہوں۔ آپا کو دیکھ دیکھ اپنی طبیعت بھی خراب ہورہی ہے۔ نبیلہ بھی گھر پر اکیلی ہے۔ شارق آگیا ہے۔ یہ نواز کدھر گیا ہے۔"

اسے بتاتے اردگرد دیکھتے انہوں نے پوچھا تو اس نے لاعلمی میں کندھے اچکائے۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں یا......" بات ادھوری چھوڑ کر اماں کو دیکھا۔

"نہیں تم ٹھہر جاؤ...... کھانا وغیرہ تیار کروا کر نبیل کو بھیجتی ہوں پھر نبیل کے ساتھ گھر آجانا نبیلہ رک جائے گی۔ میں بھی جاؤں گی تو سہولت رہے گی۔"

اس نے سر ہلایا، نبیل بھی باہر آیا تو نواز کو نہ پا کر پوچھنے لگا۔

"نواز کہاں ہے؟"

"پتا نہیں، جب میں باہر آئی تھی تو کہیں بھی نہیں تھے۔ ہوسکتا ہے گھر چلے گئے ہوں۔" اس کے جواب پر نبیل نے سر ہلایا تھا۔

"ہم لوگ جارہے ہیں، تم خالہ اماں کا خیال رکھنا۔ ویسے اب شارق آگیا ہے فکر والی کوئی بات نہیں مگر تم بھی خیال رکھنا۔"

دونوں اسے تاکید کرکے چلے گئے تھے۔

وہ کچھ دیر کمرے سے باہر رہی تھی مگر اب صبح ہونے کی وجہ سے راہداری میں آمدورفت بڑھ چکی تھی۔ وہ وہاں رکنے کے بجائے کمرے میں چلی آئی۔ شارق خالہ اماں کے قریب ہی سرہانے کھڑا تھا۔ بازو سینے پر لپیٹے، کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ نویرہ کو دیکھ کر بھی اس کے انداز میں فرق نہیں آیا تھا۔

"تم لوگ کب آئے تھے؟" کچھ دیر بعد شارق کی آواز پر نویرہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"رات دو بجے کے قریب نواز کی کال آئی تھی نبیل بھائی کے نمبر پر......" مختصراً جواب ملا تھا۔

"آپ کہاں تھے......؟ نبیل بھائی، نواز سب نے آپ کے موبائل پر بار بار رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر......" دوائیوں کی شیشیوں کی ترتیب درست کرتے اس نے پوچھا تھا۔

شارق کو یاد آیا موبائل تو اس نے آفس سے نکلتے ہی بیل ہونے پر غصے سے آف کرکے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پھینک دیا تھا۔ وہ آن ہوتا تو کوئی اطلاع ملتی۔

"نواز چلا گیا؟" اس کو بغیر جواب دیئے شارق نے مزید پوچھا تو نویرہ نے سخت نظروں سے دیکھا۔

وہ ادھر ہی متوجہ تھا۔ سادہ سی نظریں تھیں وہ فوراً رخ موڑ گئی۔

وہ جب سے شارق زمان کی طرف سے بدظن ہوئی تھی ان کے دل و دماغ میں اس کے متعلق خطرے کا الارم بجا تھا۔ وہ اس سے یونہی کترانے لگی تھی مگر اب۔

"پتا نہیں......"

وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

تبھی نواز دروازہ دھکیلتا اندر آیا۔

اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چینی کے بھاپ اڑاتے کپ تھے۔

"ساری رات کی بھاگ دوڑ میں میرے اعصاب شل ہوگئے تھے سوچا چائے ہی پی جائے...... یہ چچی جان اور نبیل کہاں ہیں۔"

ٹرے دوائیوں والی ٹیبل پر رکھ کر وہ سیدھا ہوا تو دونوں کو نہ پا کر پوچھا۔

"اماں اور بھائی گھر چلے گئے ہیں۔" ٹرے میں پانچ کپ تھے یقیناً وہ سب کے لئے چائے تیار کروا کر لایا تھا۔ نویرہ کی بات پر اس نے سر ہلایا۔

"لیں چائے پئیں۔" اس نے کپ اٹھا کر اسے تھما دیا تھا جو نویرہ نے خاموشی سے پکڑ لیا۔ شارق اور نواز دونوں ہی چائے پی رہے تھے۔ چائے بہت مزیدار نہیں مگر اچھی تھی۔

"ہاسپٹل کی کینٹین سے بنوا کر لایا ہوں، اتنی اچھی ہے نہیں گزارے لائق ہے۔"

وہ شارق زمان سے کہہ رہا تھا، نویرہ نے محسوس کیا جیسے وہ شارق کو بولنے پر آمادہ کرنا چاہ رہا ہو جبکہ وہ مسلسل خاموش تھا۔

"ویسے بھائی تم تھے کہاں؟"

وہی سوال جو نویرہ نے کیا تھا مگر وہ ٹال گیا اب نواز کے لبوں پر تھا۔

"اسی دنیا میں تھا۔" تلخ سا جواب دیا نویرہ دیکھ کر رہ گئی۔

"وہ تو مجھے بھی پتہ ہے اگر اسی دنیا میں نہ ہوتے تو یہاں کیا کرتے۔ کھانا کب سے کھایا ہے، ویسے بھوک وغیرہ تو لگی ہوگی۔"

نویرہ نواز کے رویئے پر حیران ہوئی۔

بڑی اماں کی اس وقت کی حالت کا ذمہ دار سراسر شارق زمان تھا اس کے باوجود نواز اس کے لئے متفکر ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں اک گرہ سی پڑی۔

اپنی اتنی اچھی جان چھڑکنے والی خالہ سے اس قدر غیر ذمہ داری کا سلوک کرنے پر اس کا جی چاہ

رہا تھا کہ وہ شارق زمان کو صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دے۔

”تم چپ نہیں رہ سکتے؟“ جواب بے انتہا تلخ تھا۔ نویرہ نے تعجب سے دیکھا۔

”یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔“ وہ سر جھٹک گئی۔

”رہ سکتا ہوں مگر مجھے اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے ساتھ کس قسم کا سلوک کروں۔ نبیل کی طرح اپنے اندر پنپنے والے غصے کا اظہار کروں یا تمہاری یہ مجروح‘ خستہ حالت دیکھ کر تم سے دردمندی کا اظہار کروں۔ کیا ہو گیا ہے یار تمہیں۔ تم کیوں کر رہے ہو ایسا‘ کاش تم جان سکو ہم سب تم سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور بڑی اماں ان کی محبت کا کوئی نعم البدل ہی نہیں ہے۔ اس وقت یہ جو اس طرح اس بستر پہ پڑی ہوئی ہیں تو تمہاری وجہ سے ہیں‘ کچھ احساس ہے تمہیں۔“

نواز نے کچھ دھیمے کچھ پرجوش انداز میں اسے باور کرانا چاہا تو وہ لب بھینچے انتہائی غصیلے انداز میں نواز کو دیکھنے لگا۔

”تم نے اگر یہی سب بکواس کرنی ہے تو بے شک یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اس وقت تمہاری کسی بھی قسم کی سخت یا ہمدردانہ گفتگو کا متحمل نہیں ہوں۔ میں اس وقت جس ذہنی خلفشار اور خلجان سے گزر رہا ہوں کاش تم جان سکو..... تمہاری کوئی بھی الٹی سیدھی بات پہ ایسا ہو کہ میرا ہاتھ اٹھ جائے۔“

بہت تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اپنا نچلا ہونٹ‘ دانتوں تلے دبائے سرد غصیلی نگاہوں سے گھورتے اس نبیل کی بھی چپ کر کے پی جانے والی بکواس کا جواب دیا تھا۔ چہرہ الگ جذبات کی حکمرانی سے آگ اگل رہا تھا۔

نواز نے بغور دیکھا۔ اس وقت وہ اس قدر شکست و ریخت کا شکار محسوس ہوا کہ اسے خود اندازہ ہوا کہ وہ غلط موقع پر اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ گیا ہے۔ اس نے ایک خاموش نگاہ نویرہ پہ ڈالی جو بالکل خاموش تماشائی کا کردار نبھا رہی تھی۔

”ہم سب تمہارے خیر خواہ ہیں۔ تم ہاتھ اٹھانے کی بات کرتے ہو‘ تم قتل بھی کر دو گے تو اف نہیں کروں گا مگر میرے دوست تم خود ذرا سوچو یوں انتہائی جذباتی‘ شدت پسند طبیعت کا مظاہرہ کر کے نہ صرف اپنے ساتھ دشمنی کر رہے ہو بلکہ ان رشتوں کے ساتھ بھی جو تمہارے اردگرد تمہاری ڈھال بنے ہوئے ہیں۔ کبھی اندازہ تو لگاؤ۔ اپنی ذات کے گنبد سے نکل کر ان رشتوں کی لذت بھی محسوس کر کے دیکھو ہر دکھ ہر پریشانی پہ جذباتی دھچکا کم لگنے لگے گا۔ بلیو می۔“

بہت رسان سے بہت محبت سے وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

نویرہ کے لئے یہ سب نیا تھا وہ حیرت سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

سخت بھینچے ہوئے تیور لئے کشیدہ اعصاب کے مالک شارق زمان کو اور دھیمے ٹھنڈے پرسکون لہجے میں سمجھاتے نواز فاروق کو۔

”آپ غلط موقع پہ غلط انسان پر اپنی کوشش ضائع کر رہے ہیں۔ جو انسان خود ہی اپنی کمزوریوں کو اپنے اوپر حاوی کر کے اپنی تباہی کا سبب بنانے پہ تل جائے تو اسے ہم یا آپ کیسے بچا سکتے ہیں۔ یہ ماشاء اللہ خود صاحب عقل ہیں۔ اپنے نفع و نقصان کا اندازہ لگانے والے ہیں انہیں خود احساس ہونا چاہئے کہ اپنی جذباتی شدت پسند طبیعت کے ہاتھوں وہ کیا کچھ گنوانے پہ تلے ہوئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہمارے کہنے پر انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہو۔ یہ صاحب ذمہ دار ہیں۔“

خالی مگ واپس ٹرے پر رکھ کر یونہی کچھ طنز سے کہتے نویرہ احسان نے اپنے اندر کی ساری کڑواہٹ باہر نکالی تھی......

شارق تو ایک طرف نواز نے بھی چونک کر نویرہ کو دیکھا۔

نویرہ کے چہرے پہ صرف برہمی کے ہی آثار نہ تھے اور بھی کئی ناقابل فہم سے تاثرات تھے‘ نواز کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

”نواز صاحب ان کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ان سے سب ہی محبت کرتے ہیں اور یہ ان کی محبتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا خوب جانتے ہیں۔ خاص طور پہ خالہ اماں کی محبت کا......“ اتنی تلخی تھی کہ شارق بغیر کچھ کہے گھورے گیا۔

”انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو ایک بند گلی کے سرے پہ کھڑا کر لیا ہے۔ ہوش و خرد کے مالک صاحب عقل انسان ہیں انسان کے جذبات کو خود پہ کبھی سوار نہ ہونے دیتے مگر یہ چاہیں تب نا...... انسان کو اللہ نے اتنی طاقت ضرور دی ہے کہ وہ خود کو غلط راہ سے بچا سکے۔ بہرحال یہ اپنے اچھے برے کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ آپ کی کسی بات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ اس وقت غصے کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اپنا وقت ضائع نہ ہی کیا جائے۔“

اس نے کتنی آسانی سے شارق زمان کے سامنے بڑے اعتماد سے اس کی ذات کا تجزیہ کیا تھا۔

شارق نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے خالی کپ ٹرے میں پٹختے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔ نویرہ تاسف سے اس کو جاتا دیکھتی رہی۔

* * *

زرش کا خیال تھا کہ سمعان کراچی آتے ہی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا آخر کو اس نے فرح اور امجد سے متعلق بات ہی ایسی کی تھی مگر اگلے دن آخری پیپر دے کر وہ گھر آئی تو سمعان احمد کا کہیں وجود نہ تھا۔ اس نے کئی بار کال کرنے کی کوشش کی تو کوئی رابطہ ہی نہ تھا۔ اب زرش کو پکا یقین ہو چکا تھا کہ سمعان ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتا اس لیے اس کو اگنور کر رہا ہے۔

ان لوگوں کی سب تیاری مکمل تھی۔ پروگرام کے مطابق کل صبح ان سب کو فرح اور علی کے ساتھ نکلنا تھا۔ فرح اور علی کو صبح سمعان احمد یا پھر تایا جان چھوڑ جائیں گے۔ اس ساری صورتحال سے وہ خاصی الجھ گئی تھی۔ نوشین بھی حیران تھی کہ ان کے ہر ہر پروگرام میں شریک ہونے والا سمعان احمد اس دفعہ ان کے ساتھ نہیں جا رہا ہے۔

اس نے فرح کے ہاں کال کی تو علم ہوا کہ تائی امی اپنے بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہیں‘ سمعان احمد ابھی گھر لوٹا تھا۔ شام کے بعد اسے شاید پھر کسی میٹنگ میں جانا تھا۔ زرش کے لیے یہ اچھا موقع تھا اس

نے فوراً سمعان احمد سے بات کرنے کی ٹھانی۔

اجازت لینے کو شائستہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

وہ پیکنگ میں مصروف تھیں۔ کل صبح نکلنا تھا اس لیے وہ رات کو ہی سب کام ختم کر لینا چاہتی تھیں۔

"ماما! وہ ابھی فرح کی کال آئی تھی اس نے ایمرجنسی میں بلایا ہے۔ چلی جاؤں۔"

"کیوں؟" پیکنگ سے ہاتھ روک کر انہوں نے اسے دیکھا وہ کنفیوز ہوئی۔

"پتا نہیں کہہ رہی تھی کہ پیکنگ کروادوں آ کر اس کے ساتھ...... چلی جاؤں پلیز۔"

ایمرجنسی کی وضاحت پر شائستہ نے زرش کو گھورنا چاہا تھا مگر اس کے انداز میں اتنی لجاجت تھی کہ انہوں نے چہرہ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"وہ بچی نہیں ہے' خود پیکنگ کر لے گی۔" انہوں نے ٹالا۔

"مگر مجھ سے پوچھ کر تو نہیں کرے گی نا...... میں نے اسے اس...... قسم کے ڈریس رکھنے کو کہا ہے' فوٹوگراف اچھی آئے گی مگر دیکھ لیجیے گا وہ یونہی عام سے ہی کپڑے اٹھا کر لے جائے گی اور پھر وہاں جا کر روئے گی...... پھر ہمارے کپڑوں پہ ہاتھ صاف کرے گی۔"

شائستہ زرش کے انداز پہ سمجھ گئیں کہ وہ جتنا بھی ٹال دیں وہ جان نہیں چھوڑے گی ان کا سر کھاتی رہے گی حتیٰ کہ اجازت نہ لے لے۔

"ٹھیک ہے چلی جاؤ...... میرا دماغ نہیں کھاؤ' ابھی تمہارے پاپا کی بھی پیکنگ کرنی ہے۔ یہ نوشی کہاں ہے اسے بھیجو میرا ہاتھ بٹانے اور ہاں جلدی آنا۔"

وہ سر ہلاتی کمرے سے نکل آئی تھی نوشی کو ماما کا پیغام دے کر ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہا تھا۔

وہ وہاں پہنچی تو فرح اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تمہیں چین نہیں ابھی تو تم سے فون پہ بات ہوئی تھی۔"

"سمعان بھائی کہاں ہیں؟" اس کی حیرانگی کو قطعی نظرانداز کرتے عجلت میں کہا۔

"کمرے میں ابھی کھانا کھا کر لیٹے ہیں مگر......"

وہ پیچھے نجانے کیا کہہ رہی تھی وہ تیزی سے کمرے کا دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہو گئی تھی۔ سمعان احمد ابھی لیٹا ہی تھا ابھی شاید آنکھ لگی تھی اس دھاڑ سے دروازہ کھولنے پر اٹھ بیٹھا۔

زرش کو دیکھ کر حیران ہوا۔

"تم؟" سمعان سیدھا ہوا تھا۔

"ہاں میں...... آپ مجھے اس طرح نظرانداز کیوں کر رہے ہیں۔ میں مسلسل آپ سے رابطے کی کوشش میں ہوں مگر آپ کال ریسیو ہی نہیں کر رہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ یہاں آتے ہی مجھ سے ملیں گے مگر آپ یوں اطمینان سے ہیں' مجھے بتائیے آپ جان بوجھ کر مجھے نظرانداز کر رہے ہیں۔ صرف اس لیے کہ آپ کو ہمارے ساتھ اسلام آباد جانا نہ پڑے۔"

ایک تو اس کی آندھی طوفان کی طرح آمد اوپر سے یوں نان اسٹاپ بولنا۔ سمعان دلچسپی سے دیکھے گیا۔

فرح بھی کمرے میں آ گئی تھی۔

"یہ تو خاصی عقلمند ہو گئی ہے۔ کیوں فرح؟" سمعان کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ زرش جو پہلے ہی چڑی ہوئی تھی مزید چڑھ گئی۔

"دیکھ لیا تم نے اپنے بھائی کو...... اب یہ میرا مذاق اڑائیں گے۔"

فرح مسکرا رہی تھی۔ وہ صوفے پر جا بیٹھی تو فرح بھی ساتھ آ بیٹھی۔

"سمعان بھائی سنجیدگی سے بتائیں آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں جا رہے۔ یہ پروگرام آپ نے ہی بنایا تھا۔ سب کو آپ نے راضی کیا تھا' اب آپ ہی نہیں جا رہے یہ کیا بات ہوئی بھلا۔" فرح کی بات پر زرش نے بھی سر ہلایا۔

"تو اور کیا......"

"یہاں مجھے بہت کام ہے' آج ہی یہاں پہنچا ہوں' جب سے آیا ہوں مصروف ہوں۔ شام کو پھر میٹنگ ہے۔ دو تین گھنٹے وہاں لگ جائیں گے۔ کل بھی یہی روٹین ہے۔ کھانے پینے تک کا وقت نہیں ملتا۔ ابو پر پہلے ہی بہت بوجھ ہے اگر میں بھی چلا گیا تو پھر وہ اکیلے یہ سارا کام کیسے سنبھالیں گے۔"

"بہانے بنا رہے ہیں صرف......" فرح بھائی کی بات پر فوراً ایمان لے آئی تھی۔ زرش نے سر جھٹکا۔ سمعان نے بے چارگی سے دیکھا۔ زرش کی ضد کبھی کبھار اس کے لیے سخت مشکل کا باعث بن جاتی تھی۔

"یہاں ایک سو ایک نہایت وفادار اور ایماندار ایمپلائز موجود ہیں۔ چند دن آپ نہیں ہوں گے تو کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔ آپ کل ہمارے ساتھ جا رہے ہیں یہ ڈن ہے' میں کوئی "ناں" نہیں سنوں گی۔" اپنی بات منوانے کا یہ انداز زرش کو بعض اوقات ضدی بنا دیتا تھا اسے کوئی پروا بھی نہ تھی سو مخصوص انداز لیے ہوئے تھی۔

"مگر مالک اور ایمپلائز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جہاں میری موجودگی لازمی ہے وہاں ایمپلائز بھلا کیا کر سکتا ہے۔" سمعان نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ زرش چپ چاپ دیکھے گئی' پھر غصے سے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"آپ کے یہ لنگڑے لولے عذر میری سمجھ میں نہیں آنے والے' یا تو صاف صاف انکار کر دیں یا پھر اصل وجہ بتائیں میں ایسے ٹلنے والی نہیں۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

سمعان نے فرح کو دیکھا وہ بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ آپ خود ہی اس سے نمٹ لیں تو بہتر ہے۔ میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ زرش سے دماغ کھپانے کے بعد آپ کو یقیناً اس کی ضرورت پڑے گی۔" وہ چھیڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

فرح کے جانے کے بعد سمعان نے بغور جائزہ لیا۔ سرخ قندھاری لباس میں وہ اپنی تمام تر دلکشی

کے ساتھ نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ سمعان کے دل کے تاروں کو کوئی جیسے بہت ہولے سے چھیڑ گیا تھا۔

وہ اسی طرح ایک ٹانگ کو جھلاتے دوسری پر وزن ڈالے ناراض کمسن بچے کی طرح اپنی ضد منوا لینے کے اعتماد سمیت کھڑی تھی۔

"ہاں اب کہو...... کیا کہہ رہی تھی تم؟" بیڈ کے کراؤن سے پشت ٹکائے نیم وا آنکھوں سے دیکھتے اسے چھیڑا۔

"آپ کل جا رہے ہیں ہمارے ساتھ۔" ناراض ضدی انداز تھا۔

"نہیں......" وہ چند ثانیے سمعان کو دیکھے گئی۔ ایک دم لاکٹ پر گرفت سخت ہوئی تھی۔

"کیوں؟"

"وجہ میں ابھی بتا چکا ہوں۔" سمعان نے دھیمے سے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔ غصے سے ہاتھ جھٹکا تو زنجیر سمیت پینڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔

"آپ میری بات بھی نہیں مانیں گے' آپ کے بغیر قسم سے بالکل مزہ نہیں آئے گا۔" لاکٹ مٹھی میں دبائے اس کا انداز اب رام کرنے والا تھا۔ سمعان اس کے سارے انداز جانتا تھا۔ بے چارگی کے اس مظاہرے پر ہونٹ صرف مسکرائے تھے۔

"تم خوامخواہ ضد کر رہی ہو...... میری یہاں موجودگی بہت اہم ہے۔"

زرش کو ایک دم تپ چڑھی۔

"میں آخری دفعہ پوچھ رہی ہوں...... آپ ہمارے ساتھ جائیں گے یا نہیں۔" اگلے ہی پل غصے سے چیختے اس نے پھر وہی ضدی جارحانہ انداز اپنایا تھا۔

"نہیں......" سمعان کے معاملے میں اسے کبھی ضد نہیں کرنا پڑی تھی مگر اب وہ ایک دو منٹ لب بھینچے سمعان کو دیکھے گئی۔

"میرا خیال تھا کہ تائی امی کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں جا رہے مگر اب......" وہ سختی سے لب دانتوں تلے دبا گئی۔ "ٹھیک ہے...... نہیں تو نہ سہی...... مگر اب خیال رکھیے گا میں بھی زرش ہوں آپ کو ہماری پروا نہیں مجھے بھی نہیں...... آئندہ مجھ سے کلام کرنے یا کبھی میرے سامنے آنے کی بھی کوشش مت کیجیے گا۔ بہت برا کروں گی میں۔" غصے سے کہتی وہ پلٹی تھی۔

"زری......" سمعان نے پکارا تھا مگر وہ بغیر رکے، پلٹ کر دیکھے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"کیا ہوا زری...... سمعان بھائی مان گئے؟" وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھی فرح کی آواز پہ رک گئی۔ وہ کچن سے نکل آئی تھی۔

اپنی مٹھی سامنے کی وہ خالی تھی' پھر ایک نظر فرح کو دیکھا۔ نجانے دل میں کیا ہوا' آنکھوں میں نمی تھی۔

"وہ نہیں مانے اور نہ ہی کبھی مانیں گے۔" غصے سے کہتے وہ پلٹی تھی۔

"مگر تم کہاں جا رہی ہو؟" اسے باہر کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

"جہنم میں۔" پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔ پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ پاؤں پٹختے وہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ ڈرائیور موجود تھا' اس کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

زرش کا غصہ اب ملال میں بدلنے لگ گیا۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ مجھے پتا تھا سمعان بھائی آپ نہیں جائیں گے پھر بھی...... پھر بھی میں اپنی بات کنوانے کو آ گئی۔ میرا سارا مان ٹوٹ گیا۔ میری ساری ضد ختم ہو گئی۔

پتا نہیں کیوں اب آپ بدلنے لگ گئے ہیں۔ بہت بدل گئے ہیں۔ میری ناراضی کی بھی پروا نہیں آپ کو۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے وہ سمعان احمد کے تصور سے نجانے کونسے شکوے کر رہی تھی۔ آنکھوں میں نمی سی آ ٹھہری تھی کہ زندگی میں پہلا پروگرام اس کے بغیر طے ہوا تھا۔

جانے کی ساری تیاری مکمل تھی۔ سامان گاڑی میں رکھوایا جا چکا تھا۔ آفس کی ذاتی ٹیوٹا گاڑی میں وہ لوگ اسلام آباد جا رہے تھے۔ ڈرائیور ان کا اپنا ہی تھا۔ لوشی خوب چہک رہی تھی جبکہ زرش خاصی پژمردہ تھی۔ کچھ سمعان کا رویہ اور کچھ اپنی حماقت' وہ خوش نہیں ہو پا رہی تھی۔ سب ہی تیار بیٹھے تھے۔ فرح اور علی کا انتظار تھا' جنہیں پروگرام کے مطابق ان کے ساتھ آنا تھا۔ اور اکٹھے ہی گاڑی میں اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔

پندرہ بیس منٹ کے انتظار کے بعد سمعان کے ساتھ دونوں بہن بھائی تھے۔ سمعان ان کو چھوڑنے آیا تھا۔ زرش نے سمعان کو دیکھ کر رخ موڑ لیا۔ سمعان نے بھی محسوس کر لیا تھا' وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اب اس سے سخت قسم کی ناراض ہو چکی ہے۔ وہ لوگ لان میں ہی ان کے منتظر تھے۔

"اچھا سمعان بیٹا! یہاں کا خیال رکھنا' ادھر گھر پہ بھی چکر لگا لینا۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے شائستہ بیگم نے سمعان کو تاکید کی تو اس نے سر ہلایا۔ باقی بھی گاڑی میں بیٹھنے لگے تھے۔

"سمعان بھائی آپ بھی چلتے تو اچھا لگتا...... آپ کے بغیر پہلی دفعہ کہیں جا رہے ہیں یقیناً بہت مس کریں گے آپ کو۔" لوشی یقین کہہ رہی تھی۔ سمعان نے زرش کو دیکھا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنا بیگ کھولے نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

"اچھا سمعان بیٹا یہاں آفس کا کام ختم ہوتے ہی آنے کی کوشش کرنا ورنہ ہم سب ہی تمہیں مس کریں گے۔" شائستہ بیگم کی آواز پر اس نے مسکرا کر سر ہلایا

"جی بہتر۔" سمعان نے کن انکھیوں سے زرش کی طرف دیکھا۔ بیگ بند کر کے وہ اب باہر دیکھ رہی تھی۔ یعنی مکمل لاتعلقی کا اظہار تھا۔ اس کے اس انداز پر سمعان احمد کے سینے کے اندر کوئی چیز ٹوٹ کر گری تھی۔ فرح اور علی کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے بھی اپنی سیٹ سنبھالی تھی۔

پچھلی دو سیٹوں پر لوشی' زرش اگلی پر فرح اور علی تھے جبکہ درمیانی دو سیٹوں پر شائستہ اور مسعود صاحب تھے۔ ڈرائیور اکیلے ہی تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی سمعان پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"آنے کی کوشش کرنا بیٹا۔" مسعود احمد نے بھی کہا تھا وہ ہنس دیا۔ سمعان نے ہاتھ ہلا کر ان کو

خداحافظ کہا تو جواباً سب نے ہی ہاتھ ہلایا تھا سوائے زرش کے۔ سمعان احمد کے دل کو پھر کسی نے زور سے بھینچ دیا تھا۔ گاڑی گیٹ سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی تھی۔ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو سرخ ہتھیلی پہ دھرا لاکٹ بمعہ زنجیر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ z.s کے الفاظ اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے تھے۔ کل شام زرش کے جانے کے بعد وہ تیار ہو رہا تھا جب ننگے پاؤں قالین پہ چلتے صوفے کے قریب سے گزرتے اس کے پاؤں کے نیچے کوئی چیز چبھ گئی تھی فوراً پاؤں ہٹایا تو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ یہ وہی لاکٹ تو تھا جو اس نے زرش کو دیا تھا۔ کتنی چاہ، محبت و اپنائیت سے اسے دیا تھا اور اس نے اس کا دیا تحفہ اتنی خاموشی کے ساتھ یہاں گرا دیا تھا۔

زرش ناراض ہو کر گئی تھی۔ وہ اپنی ضدی طبیعت کے باوجود اس دفعہ سمعان کو راضی نہ کر پائی تھی۔ وہ ناراض ہو کر جا رہی تھی تو سمعان کو اپنا دل اپنے اختیار سے باہر ہوتا محسوس ہوا تھا۔ دل چاہا تھا کہ اسے روک لے۔ اس کی بات مان لے اسے مت جانے دے۔ اسے آواز دی تھی مگر وہ بغیر پلٹے دیکھے چلی گئی تھی۔

اور اب یہ لاکٹ……!

کتنی دیر وہ حیران لاکٹ مٹھی میں دبائے بے چین رہا تھا۔

لاکٹ کی زنجیر بڑی بے دردی سے توڑی گئی تھی۔ اتنی مضبوط زنجیر ٹوٹی تھی دل کو تکلیف کیوں نہ ہوتی۔ بات سچے اور اس کے قیمتی ہونے کی بھی نہیں ہوتی، بات تو اس کی نیت چاہ، محبت اور اٹوٹ تعلق کی تھی جو اس نے اپنے سب جذبوں میں لپیٹ کر شدتوں کی اس زنجیر میں پرو کر اپنی ساری چاہت کا عنوان بنایا تھا اور یہ ”عنوان“۔

سمعان احمد نے مٹھی بند کر لی تھی۔

وہ یہ لاکٹ لے کر آج آیا تا کہ اسے واپس دے گا۔ اس کی ناراضی ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر اسے منا لے گا مگر یہاں آ کر زرش کے تیور لاتعلقی کا بھرپور انداز دیکھ کر سمعان کو اس احساس نے شدت سے جکڑ لیا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہو گئی تھی۔

تم بھی خفا، لوگ بھی برہم ہیں دوستو
اب ہو چلا یقین کہ برے ہم ہیں دوستو

ایک مجروح سی مسکراہٹ سمعان احمد کے ہونٹوں پہ ٹھہر کر دم توڑ گئی تھی۔

”صاحب جی…… گیٹ بند کر دوں یا آپ کو جانا ہے؟“ چوکیدار کی آواز پہ وہ خود فراموشی کی کیفیت سے چونکا تھا۔ چوکیدار ابھی تک منتظر تھا سمعان نے سر ہلا کر اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے چوکیدار کو ہدایات دے کر اس نے گاڑی وہاں سے نکال لی تھی۔

⁂

نبیل بھائی صبح ہاسپٹل کے لیے ناشتہ لے کر نکلے تو نوریہ بھی ساتھ ہو لی۔ واجدہ خالہ کو تیسرا دن تھا

ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے۔ سارا خاندان دو دو دفعہ جا کر ان کی عیادت کر چکا تھا۔ نوریہ بھی تین دفعہ جا چکی تھی۔ نبیل کے ساتھ وہ ہاسپٹل پہنچی تو رضیہ چچی وہیں تھیں۔ سلام دعا کے بعد نبیل چلا گیا تو نوریہ نے کمرے پہ نظر ڈالی ہاسپٹل کا کمرہ خاصا وسیع تھا۔ ڈبل بیڈ روم تھا۔ رضیہ چچی کے علاوہ نرس پاس تھی۔

”خالہ جان! رات کون تھا آپ کے پاس؟“ دوائیوں کو چیک کرتے اس نے پوچھا۔

”شارق رات یہیں تھا۔ صبح رضیہ آئی ہے تو گھر چلا گیا ہے۔ ابھی نکلا ہی ہے۔“ واجدہ خالہ نے بتایا تو وہ مسکرا کر ان کے پاس ہی کرسی پہ آ بیٹھی۔

”طبیعت خراب تو نہیں ہوئی، کوئی درد وغیرہ۔“ واجدہ بیگم مسکرا دیں۔

”ہاں درد تو ہوتا ہے۔ ایک ہی کروٹ پہ لیٹے لیٹے جسم ٹوٹنے لگا ہے۔“

”ہاں یہ تو ہوگا ہی آپ فکر نہیں کریں آپا! انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نواز بتا رہا تھا کہ اس نے ڈاکٹر سے بات کی ہے۔ ذرا ٹانگ کا فریکچر ٹھیک ہو جائے تو مصنوعی ٹانگ لگ جائے گی۔“ نوریہ کے بجائے رضیہ چچی نے کہا تو وہ اذیت سے سر ہلا گئیں۔

نوریہ نے بغور دیکھا۔

”رفعت باجی نے کوئی کال کی؟“ ان کا موڈ بدلنے کو اس نے پوچھا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

”ہاں! دن میں دو دو تین تین دفعہ کرتی ہے۔ بڑی پریشان ہو رہی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ وہ پاکستان آنے کی کوشش کرے گی۔“

”اچھا یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“ رفعت نے پچھلے سال پاکستان کا چکر لگایا تھا۔ نوریہ سن کر خوش ہوئی۔

”ناشتہ لے کر آئی تھی میں…… سسٹر آپ خالہ کا منہ ہاتھ دھلوا دیں میں ناشتہ کرواتی ہوں۔“

چند مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اسے خیال آیا تو فوراً ناشتے کا ٹفن کھولنے لگی۔

”چچی جان آپ کے لیے بھی کھانا نکالوں۔“

واجدہ خالہ کے پرہیزی کھانے کے علاوہ شارق وغیرہ کے لیے بھی کھانا تھا اب وہ یہاں تھا نہیں۔

”نہیں…… گھر سے نکلتے وقت میں ناشتہ کر کے چلی تھی۔ نواز کو یونیورسٹی کے لیے نکلنا تھا۔ وہی مجھے چھوڑ کر گیا ہے۔ تم آپا کو ناشتہ کرواؤ۔“ برتنوں میں کھانا نکال کر ٹرے میں سیٹ کر کے وہ خالہ واجدہ کو ناشتہ کروانے لگی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد خالہ کا دھیان بٹاتی رہی تھی۔

بارہ بجے کے قریب رضیہ چچی چلی گئیں تو خالہ جان بھی سو گئیں۔ نرس اسے کمرے میں موجود پا کر کافی دیر سے کمرے سے جا چکی تھی۔ وہ کرسی پہ بیٹھی واجدہ خالہ کے متعلق ہی سوچ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

”السلام علیکم!“ اپنی عادت کے مطابق اس نے فوراً سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام کون؟ نوریہ؟“ دوسری طرف شارق تھا۔ نوریہ اگر اس کی آواز پہچان گئی تھی تو وہ بھی

پہچان گیا تھا۔

"جی......امی......"

"تم کب آئیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جی صبح نبیل بھائی کے ساتھ ناشتہ لے کر...... جب آپ نکلے تھے تھوڑی دیر بعد ہی۔"

"اچھا کیا تم آ گئیں۔ میں آفس میں ہوں' یہاں کوئی کام تھا سو آنا پڑا۔ میں اماں کی وجہ سے پریشان تھا لیکن اطمینان تھا کہ چچی جان ان کے پاس ہیں۔ فارغ ہوتے ہی کال کر رہا ہوں۔ کیا کر رہی ہیں اب اماں؟" شارق زمان خلاف معمول سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"سو رہی ہیں۔ میڈیسن لی تھی انہوں نے۔" اس نے مختصراً بتایا۔

"اور چچی جان؟"

"وہ گھر چلی گئی ہیں۔" اس نے بھی اسی کے لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا...... اکیلی گئی تھیں کہ نواز آیا تھا انہیں لینے؟" وہ پوچھ رہا تھا نوریہ کو اس کا یہ سوال اور لہجے کی سنجیدگی کچھ عجیب سی لگی۔

"اکیلی گئی تھیں۔"

"اوہ......" دوسری طرف سے گہرا سانس لیا گیا تھا۔ نوریہ چپ ہی رہی۔

پھر شارق زمان نے مزید ایک دو منٹ باتیں کر کے فون بند کر دیا تھا۔ ان سے بات کر کے نوریہ پھر سے عجیب سے احساسات کا شکار ہو گئی۔ شارق زمان کے گزشتہ رویے' نگاہوں کی حرکتیں' وہ خالہ جان کے اس حادثے میں بھول چکی تھی مگر اب شارق زمان کی آواز سن کر پھر سب باتیں یاد آتی چلی گئیں۔ شارق زمان کا اسے عجیب الجھی نظروں سے دیکھنا اس کے دیکھنے پر کبھی تو نظریں چرا لینا اور کبھی دیکھتے رہنا۔ وہ ایک دفعہ پھر الجھ گئی۔

خالہ جان ابھی تک دوا کے زیر اثر تھیں۔ انہیں دو تین گھنٹے مزید سونا تھا۔ جب بھی درد ہوتا تھا نرس ان کو یہ گولی دے دیتی تھی۔

وہ یونہی ٹہلتی رہی۔ ظہر کی اذان ہوئی تو وہ کمرے میں ملحقہ باتھ روم میں گھس گئی۔ وضو کر کے دوسرے بستر کی پائنتی کی طرف سے چادر اٹھا کر زمین پر بچھائی' وہ نماز ادا کر رہی تھی چار سنتیں ادا کر کے وہ فرض ادا کر رہی تھی جب ایکدم دروازہ کھول کر شارق زمان اندر داخل ہوا تھا۔ نوریہ کو کونے میں نماز میں مصروف دیکھ کر وہ ایک پل کو رکا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈالی جب رکوع میں تھی۔ دوسری اماں پر' وہ گہری نیند میں تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے دوسرے بستر کے سرہانے آ بیٹھا۔ رات وہ یہیں تھا صبح رضیہ چچی کے آنے پر وہ گھر گیا تھا۔ پھر آفس چلا گیا۔ وہاں وہ مصروف ہو گیا لیکن خیال تھا کہ چچی اماں کے پاس ہوں گی گمان نہیں تھا کہ یہ یہاں ہو گی۔ ورنہ صبح کا کھانا روزانہ نبیل لے کر آتا تھا۔ کبھی خالدہ چچی ساتھ ہوتی تھیں تو کبھی بھائی اور اب...... فون پر اس کی آواز سن کر شارق زمان کے اندر ایکدم اسے دیکھنے کی طلب سر ابھارنے لگی تھی۔ وہ جب بھی اماں کو دیکھنے ہاسپٹل آئی تھی وہ کبھی گھر چلا گیا ہوتا تھا یا

کبھی کسی ڈاکٹر کے پاس وہ پھر زیادہ دیر رکتی بھی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی جاتی تھی۔ آج وہ سارا دن کے لیے آئی تھی۔ نبیل کے ساتھ آنے کا سن کر اس نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا۔

الجھے ہوئے دل و دماغ اس کی ہر حرکت پر مزید الجھ جاتے تھے۔

یہ لڑکی ہر روپ میں اس کی توجہ کھینچ لیتی تھی۔ اس کا ہر روپ دل موہ لینے والا ہوتا تھا۔ ہر انداز دل میں نیا احساس پیدا کرتا تھا اور آج اسے نماز کی حالت میں دیکھ کر شارق کے اندر عجیب سے احساسات پیدا ہونے لگے تھے۔

نوریہ نے سلام پھیر کر شارق کی طرف دیکھا۔ اس کی مکمل توجہ اس کی طرف تھی۔ نوریہ کے دیکھنے پر وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔

"السلام علیکم......" نوریہ نے آہستہ سے سر ہلا کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" پرجوش جواب ملا تھا۔ نوریہ جو کچھ دیر پہلے اسے ہی سوچ رہی تھی۔ اب اسے یوں کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیسی ہو؟" نوریہ کی نماز ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی مگر شارق زمان کی موجودگی میں اس سے مکمل یکسوئی سے ادا بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ نماز ہمیشہ تنہائی میں ادا کرتی تھی اور اب......

"ٹھیک ہوں۔" سارا وجود سر چہرہ بڑی سی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ نماز کے اسٹائل میں لپٹی چادر نوریہ کے خوبصورت صحت مند چہرے کو مزید پررونق بنا رہی تھی۔ شارق زمان سے نظریں چرانا مشکل ہو گیا۔ اس کی نظریں نوریہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"شارق بھائی ابھی میری نماز مکمل نہیں ہوئی' پلیز آپ کچھ دیر کے لیے باہر چلے جائیں۔" نوریہ نے دل و دماغ میں جو بات اٹکی تھی بلا جھجک کہہ دی۔

شارق زمان کے صرف چہرے کا رنگ ہی نہیں تیور بھی بدلے تھے۔

"کیوں......؟" ایکدم وہ سرد سی کیفیت کی لپیٹ میں آیا تھا۔ نوریہ کا اسے یوں منہ اٹھا کر کمرے سے چلے جانے کا حکم بہت گراں گزرا۔

"پلیز مائنڈ نہیں کیجیے گا' مجھے بالکل تنہائی میں نماز ادا کرنے کی عادت ہے۔ کسی کی موجودگی میں یکسوئی نہیں رہ پاتی۔ ابھی آپ کمرے میں داخل ہوئے تھے تو میرا دھیان بٹ گیا تھا۔ پلیز۔" مختصراً اس نے سنجیدگی سے وضاحت کر دی تھی۔ شارق زمان نے گہری سانس لی۔

"اوکے تم نماز ادا کرو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ لنچ کرو گی۔" وہ رسٹ واچ دیکھتے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نوریہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں لنچ کا ٹائم تو ہے؟" شارق کو بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ ایکدم اس نے سوچا تھا کہ اپنے اور نوریہ کے لیے کسی بھی نزدیکی ریسٹورنٹ سے کھانا پیک کروا لائے گا اب اس کا انکار......

"صبح میں کھانا لے کر آئی تھی۔ کافی سارا ٹفن میں موجود ہے۔ اگر آپ کو بھوک لگی ہے تو لے لیں بلکہ ہاسپٹل کی کینٹین سے گرم کروا لائیں۔ صبح کا تیار کیا ہوا ہے' اب تو ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔"

"کیا ہے؟" مزید چند پل اسے دیکھتے رہنے کو دل نے اکسایا تو اس نے ٹفن ٹیبل سے اٹھالیا۔

"بریانی' ساتھ میں چنے کا سالن اور چھلکے ہیں۔"

"تم اماں کے لیے صبح یہ لے کر آئی تھیں؟" ٹفن کھول کر ڈبے دیکھتے اس نے نویرہ کا چہرہ دیکھا۔

اماں کو چونکہ باتھ روم کے استعمال میں ابھی مسئلہ تھا تو ان کو ڈاکٹرز کی ہدایت پر ہلکی پھلکی غذا استعمال کروائی جارہی تھی۔ اس لیے اس نے پوچھا تھا۔

"نہیں...... ان کے لیے علیحدہ کھانا تھا' وہ نچلی دراز میں ہاٹ پاٹ میں ہے۔" شارق زمان نے دوبارہ ٹیبل کی نچلی دراز کی طرف دیکھا۔ سرخ رنگ کا ہاٹ پاٹ رکھا ہوا تھا۔

"او کے میں یہ گرم کروا کر لاتا ہوں۔ ویسے برتن ہیں کہ...... لے آؤں۔"

"نہیں یہ شاپر میں رکھے ہوئے ہیں گھر سے لے کر آئی تھی۔" اس کے بتانے پر اب شارق کے پاس یہاں رکنے کا مزید کوئی جواز نہیں رہا تھا۔ سو ٹفن اٹھا کر چلا گیا تھا۔ نویرہ جو اتنی دیر سے بمشکل خود کو کنٹرول کر رہی تھی' اس نے ایک تلخ سی نظر دروازے پر ڈالی۔ شارق زمان کی اپنے اوپر ڈالی جانے والی ایک عام سی نظر بھی اسے اچھی طرح محسوس ہو جاتی تھی اور اب تو پھر......

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ان کو...... اللہ ہدایت دے۔" دوبارہ نیت باندھنے سے پہلے اس نے سوچا تھا۔

نماز ادا کر کے تسبیح کر رہی تھی' جب دروازہ کھلا تھا۔ نویرہ نے پلٹ کر دیکھا' شارق کے ساتھ رضا کو دیکھ کر نویرہ کے چہرے پر ایک دم تازگی سی آگئی تھی۔

"رضا! تم......؟" وہ فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم......"

شارق نے آگے بڑھ کر برتن ٹیبل پر رکھے تھے۔ جبکہ رضا نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" نویرہ جو تنہا شارق کی وجہ سے الجھی ہوئی تھی نرس بھی نہیں تھی اماں بھی سوئی ہوئی تھیں۔ اندر ایک چیز اس کا دل کاٹ رہی تھی اب رضا کو دیکھ کر وہ جیسے جی اٹھی تھی۔ یوں جیسے اجنبی لوگوں میں کوئی اپنا مل گیا ہو۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا یہ تم ہو......" وہ کہے بغیر نہیں رہی تھی۔ اس کے لہجے میں ایسی بات ضرور تھی کہ رضا تو ایک طرف شارق نے بھی تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ دھیمے انداز میں رہنے والی سلجھی سی طبیعت کی مالک لڑکی تھی۔ اس کی طبیعت کی ذرا سی بے تابی دونوں نے شدت سے محسوس کی۔ شارق نویرہ کے چہرے کی کھلتی رنگت کو ہی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ شارق کی موجودگی میں وہ ہمیشہ گم صم' چپ چاپ لاپروا سنجیدہ سی لڑکی بنی رہتی تھی اور اب...... ایک واضح تغیر شارق زمان نے اچھی طرح محسوس کیا۔

"میں تائی امی کی طبیعت معلوم کرنے آیا تھا...... کالج سے سیدھا آیا ہوں۔ کیسی ہیں اب بڑی اماں......؟" وہ کالج یونیفارم میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں بکس' نویرہ کو وہ کالج یونیفارم میں ہمیشہ سے زیادہ اچھا سنجیدہ اور سلجھا ہوا لگا۔

"ظاہر ہے ٹانگ کا مسئلہ ہے فریکچر ہوئی ہے' اب آہستہ آہستہ ہی آرام آئے گا۔ تم کھڑے کیوں ہو بیٹھو نا۔"

اس نے فوراً اس کے قریب کرسی کھسکائی۔

شارق زمان کے لیے رضا کے لیے نویرہ کی یہ اپنائیت اور بے تکلفی نہ صرف نئی تھی بلکہ حیران کن بھی تھی۔ رضا خاموشی سے کرسی پر ٹک گیا۔

"چچی جان کیسی ہیں...... اور رمشا کہاں ہے؟ اسے کہنا کسی دن ہمارے ہاں چکر ہی لگا لے۔ اتنی بے مروت ہے وہ لڑکی کہ خود سے کبھی نہیں آتی ہر بار مجھے اصرار کر کے بلوانا پڑتا ہے۔"

شارق زمان اسے دیکھتے دوسرے بیڈ کے سرہانے والی سائیڈ پر ٹک گیا تھا۔

"امی ٹھیک ہیں...... رمشا یہاں نہیں ہے' وہ آج صبح ہی اپنے کالج کی طرف سے حمیرا وغیرہ کے ساتھ ٹرپ پر گئی ہے۔ ان کے کالج کا ٹرپ مری کی سائیڈ نکل گیا ہے۔"

"اوہ...... آئی سی......" نویرہ نے سر ہلایا' پھر چادر ڈھیلی کرتے وہ بھی دوسری کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"تم ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟" ہاتھ بڑھا کر بڑی اماں کے بستر کی چادر درست کرتے وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا حمید حسن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ نویرہ یہاں ہوگی۔ اگر علم میں ہوتا تو شاید کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ اب دل مسوس کر لب کاٹ رہا تھا۔ نویرہ کا انداز وہی تھا' بلکہ پہلے سے زیادہ اپنائیت بھرا تھا مگر وہ اب خوش فہمیوں سے نکل آیا تھا۔ وہ اسے ایک چھوٹا سا بچہ' بھائی یا پھر دوست سمجھ کر...... رکھتی ہے۔ وہ اچھی طرح جان چکا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا' تم کیوں نہیں ہمارے ہاں آتے۔" وہ اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی کی انگوٹھی اتارتے چڑھاتے پوچھ رہی تھی۔ نویرہ کے ہاتھوں کی حرکت اور انگوٹھی پر رضا اور شارق دونوں کی نظر پڑی تھی۔ دونوں کے احساسات نے عجیب سے انداز میں کروٹ بدلی تھی۔

ایک کے اندر اذیت و تکلیف کے ساتھ نارسائی کا جذبہ تھا۔

تو دوسرے کے اندر ہیجان' جذباتیت کا لاوا برپا ہوا تھا۔

ایک کا جی چاہا کہ اسے اس حرکت سے منع کر دے۔

دوسرے کا جی چاہا کہ اس کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر دور پھینک دے۔

ایک اپنے جذبوں سے گھبرا کر فوراً سر جھکا گیا تھا۔

تو دوسرا غم و غصے کے لاوے کو یکدم پھٹنے سے روکنے کے لیے فوراً اٹھ کر نویرہ کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

نویرہ نے چونک کر شارق زمان کو دیکھا۔

"تم رضا سے پھر انوسٹی گیشن کر لینا' مجھے بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے۔ کھانا میں گرم کروا لایا ہوں۔ اس سے پہلے کہ مزید ٹھنڈا ہو برتنوں میں نکالو۔" تحکم بھرے انداز میں جتاتے ہوئے

بھی شارق زمان کے اندر کی کھولن باہر آ گئی تھی۔ نویرہ نے اس کا لہجہ اور تحکمانہ انداز صاف محسوس کیا تھا تاہم کچھ کہنے کے بجائے وہ خاموشی سے اٹھ کر برتنوں میں کھانا نکالنے لگی تھی۔

برتنوں میں کھانا نکال کر اس نے اخبار بستر پر بچھا کر کھانا چن دیا تھا۔

"آپ دونوں کھانا کھا لیں مجھے بھوک نہیں، میں بعد میں کھا لوں گی۔" برتن صرف دو افراد کے لیے تھے جو اس نے لگا دیئے تھے۔ رضا کو بھی اس نے کہا تھا وہ جو ابھی تک سر جھکائے نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا، نویرہ کے کہنے پر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"نہیں، میں کھانا گھر جا کر کھاؤں گا۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" اس نے عذر تراشا تھا۔

"کوئی نہیں...... اتنی جلدی میں جانے نہیں دوں گی۔ تھوڑی دیر رکو پھر چلے جانا۔ بلکہ کھانا کھاؤ...... ہاتھ دھو آؤ جاؤ شاباش۔" وہ اسے اب بھی کم عمر کزن کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی۔ رضا کے اندر ملال کی ایک لہر تیزی سے اٹھی اور تن من بھگو گئی۔

"تم بھی کھاؤ میں اور رضا ایک ہی برتن میں کھا لیتے ہیں تم یہ لے لو۔" وہ جو سمجھا تھا کہ وہ صرف برتنوں کی وجہ سے ان کے ساتھ شامل نہیں ہو رہی اس نے فوراً آفر کی تھی۔

"نہیں...... میں نے کہا نا مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے ایک دم سختی سے انکار کر دیا تھا۔ رضا کے معاملے میں جو لہجہ انتہائی نرم وگداز اور اپنائیت بھرا تھا۔

شارق زمان نے اس کے لہجے کی تبدیلی صاف محسوس کی تھی۔ پھر باقی وقت دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد نویرہ نے برتن سمیٹ کر بیگ میں ڈالے تھے۔ خالہ ابھی تک نہیں اٹھی تھیں۔ جبکہ اب انہیں اٹھ جانا چاہیے تھا۔

رضا گھر جانے کے لیے اٹھا تو نویرہ نے اسے فوراً روکا۔

"رضا! ایک منٹ!" وہ رک گیا تھا۔ نویرہ بجائے اسے کچھ کہتی شارق زمان کی طرف پلٹی تھی۔

"شارق بھائی آپ شام تک یہیں ہیں نا۔" وہ پوچھ رہی تھی اس نے سر ہلایا۔

"تو پلیز جب خالہ جان اٹھ جائیں تو ان کو یہ کھانا کھلا دیجئے گا، بلکہ نرس کو بلوا لیجیے گا وہ کھانا اور میڈیسن دونوں کھلا دے گی۔" شارق کو کہہ کر وہ رضا کی طرف پلٹی تھی۔ "تم گھر تو جا ہی رہے ہو ہمارے روڈ سے گزرتے ہوئے مجھے گھر چھوڑ دینا۔"

شارق نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نبیل کے آنے تک رکے گی۔

"مگر تمہیں تو نبیل لینے آئے گا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جی...... شارق بھائی، میں ضرور نبیل بھائی کے ساتھ جاتی مگر دراصل میری ایک دوست کو آنا تھا میں بھول گئی تھی۔ وہ تو تھوڑی دیر پہلے مجھے اچانک یاد آیا ہے۔ وہ بس آنے والی ہوگی، پرسوں اس نے فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔ پلیز آپ خالہ جان کو بتا دیجئے گا۔ چلیں رضا۔" شارق کو بتا کر وہ برتنوں والا شاپر (بیگ) اٹھا کر بالکل تیار تھی۔

رضا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ماضی میں وہ اس سے لاکھ بے تکلف سہی مگر اس کے ساتھ کہیں آئی گئی نہیں تھی۔ نویرہ نبیل کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کہیں نہیں جاتی تھی اور نویرہ نے کبھی مصلحتاً بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اب وہ یہ کام کر رہی تھی۔ رضا حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جس نے چادر سے نہ صرف اپنے وجود کو اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا بلکہ چہرہ بھی اس کی اوٹ میں آ گیا تھا۔

"مگر میں تو بائیک پر جاؤں گا۔ آپ کو مسئلہ تو نہیں ہوگا۔" حیرت کے سمندر سے باہر نکل کر اس نے نویرہ سے کہا۔ شارق زمان لب بھینچے دونوں کو گھور رہا تھا۔ وہ نویرہ کا جھوٹ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ نویرہ ایسے کیوں جا رہی ہے۔

نماز کے لیے جب اس نے اسے کمرے سے نکل جانے کو کہا تھا تو شارق زمان کو برا نہیں لگا تھا مگر اب اس کا رضا کے ساتھ اس کی بائیک پہ جانا بہت برا لگ رہا تھا۔ وہ صاف اور واضح انداز میں اسے نظر انداز کر کے رضا کو اہمیت دے رہی تھی۔ شارق کو یہ اہمیت، نویرہ کا اپنائیت بھرا یہ لہجہ بہت ناگوار گزر رہا تھا مگر وہ خاموش تھا۔ اور اب شارق زمان کو ایکدم احساس ہوا کہ نویرہ نے رضا کو اہمیت دے کر اس کی ہتک کی ہے۔ اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ وہ مٹھیاں بھینچے غصے سے کھولتے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

رضا نے نویرہ کے ہاتھ سے بیگ لے لیا تھا۔ وہ دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

"آئی ڈیم اٹ۔" شارق کا جی چاہا تھا کہ وہ کمرے میں موجود ہر چیز کو تہس نہس کر دے۔ اپنے وجود سمیت ہر چیز۔ اس کے اندر ایکدم ایسا ہی اضطراب اٹھا تھا۔ "نویرہ......" نویرہ نے اسے ناقابل اعتبار قرار دے کر جو طمانچہ مارا تھا اس کی شدت سے وہ بلبلا اٹھا تھا۔

"آئی ول کل یو رضا...... آئی ول کل یو۔" اس وقت رضا اسے دنیا کا سب سے برا انسان محسوس ہوا۔ وہ رضا جو اس کے نزدیک ایک کم عمر لڑکے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا، آج اسے وہ اپنے روبرو کھڑا محسوس ہوا۔ جسے نویرہ نے اہمیت دی تھی اسے طمانچہ مار کر۔

* * *

سمعان نے اسلام آباد عثمان کے گھر والے نمبر پہ کال کی تو ملازمہ سے پتا چلا کہ وہ سب لوگ تین دن پہلے مری جا چکے تھے۔ مری والے گھر کا نمبر ملایا تو زوباریہ نے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ کون؟ سمعان؟" انہوں نے فوراً آواز پہچانی۔

"جی۔"

"کیسے ہو؟" انہوں نے پوچھا تو مسکرا دیا۔

"بالکل اے ون...... آپ سنائیں؟ خوب تفریح ہو رہی ہے پھر؟"

وہ اس وقت آفس میں تھا، دو تین دن وہ مسلسل مصروف رہا تھا۔ آج اس نے ارادہ کیا تھا کہ کال کر کے وہاں سب کی خیر خیریت دریافت کرے گا۔

"بالکل...... ویسے تم سے میں بہت سخت ناراض ہوں۔" ان کے لہجے میں ایک دم شکوہ در آیا تھا

سمعان ہنس دیا۔

"وہ کیوں بھلا؟ مجھ ناچیز سے ایسی کیا خطا سرزد ہو گئی؟"

"تم آئے کیوں نہیں...... میں نے بابا کو کال کی تھی کہہ رہے تھے کہ اب تقریباً تم فارغ ہی ہو وہ تمہیں آج کل میں بھیج دیں گے مگر تم......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئیں۔

"آپ کے بابا کو کیا پتا ان کے علاوہ بھی چچا جان کے آفس کا بھی بہت سا کام ہے جو مجھ پر آ پڑا ہے۔ اب سب کچھ میں ابو پر اکیلے چھوڑ کر تفریح کرنے چلا جاؤں کیا بھلا اچھا لگتا۔" زوباریہ کے ناراض لہجے پر اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ایک دو دن کی بات ہے صرف...... اتنا وقت تو تم نکال ہی سکتے ہو نا۔"

باقی سب کو پانچ دن ہو گئے تھے وہاں گئے ہوئے۔ شروع دو تین دن سمعان احمد نے مسلسل رابطہ رکھا تھا۔ درمیان میں دو دن کوئی کال نہیں آئی تھی، صرف اسی لیے کہ ادھر سے فوراً سب کچھ چھوڑ کر چلے آنے پر زور دیا جائے گا مگر اب زوباریہ کے مسلسل ایک ہی لہجے میں بات کرنے پر سمعان الجھ کر رہ گیا۔

"بات وقت کی نہیں ہے، یہاں امی ابو کو تنہا چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا۔ آپ کو ہمارے گھر کے حالات کا اچھی طرح علم ہے امی ابو کے درمیان کسی بھی وقت کوئی بھی بات ایشو بن کر حد کراس کر سکتی ہے۔ امی ابو کو بس موقع چاہیے ہوتا ہے۔ اگر ہم بہن بھائی ان کے سامنے نہ ہوں تو نجانے اب تک کیا ہو چکا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میری غیر موجودگی میں وہ لوگ آپس میں الجھیں اور بات حد سے بڑھے۔ پلیز بھابی سمجھنے کی کوشش کرو۔"

سمعان کی بات پر دوسری طرف شکوہ کرتی زوباریہ یکدم ندامت سے دوچار ہوئی۔

"سوری...... میرا اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں، میرا جانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے، جتنا امی بنا لیں گی۔ بزنس کے علاوہ میری کوشش ہوتی ہے کہ میں کہیں نہ جاؤں یا پھر فرح یا علی امی ابو کے پاس ہوں۔ ان کی موجودگی میں امی ابو تھوڑا بہت خود پر کنٹرول کر لیتے ہیں لیکن جب ہم سب منظر سے غائب ہوں تو امی کا پارہ ہائی ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر چچا جان کی فیملی کے ساتھ وہ تو خواب میں بھی گوارہ نہ کریں گی اور آپ جانتی ہیں میں کم از کم امی کو اپنی طرف سے کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

اتنے دنوں کی اندر کی گھٹن سمعان احمد نے زوباریہ کے سامنے نکالی تھی۔ ورنہ وہ گھر سے آفس، آفس سے گھر کے معاملات میں خود کو بری طرح الجھا چکا تھا مگر ذہن کتنا بھی الجھا ہوا کیوں نہ ہو، جب دل الجھا ہو تو ہر مصروفیت انسان کو اذیت و تکلیف سے دوچار کر دیتی ہے۔ اپنے آپ کو بے پناہ مصروف کرنے کے باوجود وہ خود کو تنہائی کے احساس سے نہ بچا پایا تھا۔ گھر میں فرح اور علی کے جانے سے پہلے ہی ہلکی سی چپقلش امی ابو کے درمیان ہو چکی تھی اور اب سمعان احمد اپنی طرف سے امی کو مزید ٹینشن میں مبتلا نہیں کر سکتا تھا۔

"چھوڑیں ان باتوں کو آپ بتائیں خوب انجوائے ہو رہا ہے۔"

"ہوں...... بہت مزہ آ رہا ہے، ہم سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں مگر خیر تقریباً روز کہیں نہ کہیں گھومنے نکلتے ہیں۔" انہوں نے موڈ بدلتے ہنس کر بتایا تھا۔

"آج کہیں نہیں گئے تھے؟"

"نہیں...... نتھیا گلی گئے ہوئے تھے مگر جلدی لوٹ آئے، زرش کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسلام آباد میں تو وہ ٹھیک ہی تھی مگر مری آتے ہی اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ بخار سے مسلسل تپ رہی ہے۔ آج ہمارے ساتھ چچی جان اور زرش نہیں گئی تھیں باقی ہم سب ہی گئے تھے۔"

انہوں نے یونہی تفصیلی بتایا تھا۔ زرش کی طبیعت کا سن کر ہی سمعان احمد پریشان ہو اٹھا تھا۔

"خیریت ہے نا...... زیادہ تو طبیعت خراب نہیں ہو گئی۔ کوئی میڈیسن یا ٹریٹمنٹ وغیرہ کروا لیا......" فوراً تشویش سے پوچھا تھا۔

"ہوں...... ہر روز صبح شام ڈاکٹر چیک کر رہا ہے۔ میڈیسن بھی لے رہی ہے لیکن کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا۔" انہوں نے بتایا تو سمعان احمد کے دل کو کوئی عجیب سے انداز میں چھو گیا۔

"کہاں ہے وہ اس وقت؟" وہ اس سے ناراض تھی، سمعان احمد کی تقریباً شروع کے دو تین دن سب سے بات ہوتی رہی تھی سوائے اس کے اور اب اس کی بیماری کا سن کر سمعان سے رہا نہ گیا۔ فوراً پوچھا۔ سمعان کے لہجے سے زرش کے لیے اتنی تشویش خصوصی طور پر نوٹ کی جا سکتی تھی۔

"کمرے میں ہے...... بستر میں لیٹی ہوئی تھی۔"

"بات ہو سکتی ہے میری اس سے۔" سمعان کا دل ایکدم اس کی آواز سننے کو مچل گیا تھا۔ سو فوراً کہہ بھی دیا تھا۔

"ٹھہرو ایک منٹ میں دیکھتی ہوں...... میں یہ کارڈلیس اسے دیتی ہوں اگر سو نہ گئی ہو تو بات کر لینا......" بھابی اسے کہہ کر چلی گئی تھیں، سمعان ریسیور کان سے لگائے متوجہ تھا۔

"زرش؟" دور سے بھابی کی آواز سنائی دی۔

"ہوں......" یہ زرش تھی۔ سمعان پوری طرح متوجہ ہوا۔

"زرش...... یہ تمہاری کال ہے۔"

"کس کی ہے؟" انتہائی ہلکی آواز تھی۔ سمعان اگر پوری طرح متوجہ نہ ہوتا تو شاید سمجھ بھی نہ پاتا۔

"سمعان ہے...... میں نے تمہاری طبیعت کا ذکر کیا ہے تو بات کرنا چاہتا ہے۔"

"کہہ دیں...... سو گئی ہوں...... مجھے نہیں کسی سے بات کرنی...... پلیز منع کر دیں۔" انتہائی چڑچڑی تلخ سی آواز تھی۔ سمعان زرش کی ناراضی کا تصور کر کے ہی پریشان ہو گیا...... (ابھی تک یہ لڑکی ناراض تھی)

"زرش...... کتنی بری بات ہے...... اتنی دور سے سمعان نے صرف تمہارے لیے کال کی ہے۔ تمہاری طبیعت کا سن کر اتنا پریشان ہو رہا ہے...... آرام سے بات کرو۔" بھابی نے اسے شاید ڈانٹا

تھا۔ "لو بات کرو۔"

"بھابی...... پلیز...... منع کر دیں۔" اس کی انکاری آواز بہت واضح تھی۔

"زرش......" انہوں نے شاید ٹوکا تھا۔

"لائیں دیں......" ناراضی سے اس نے شاید کارڈلیس تھام لیا تھا۔

"ہیلو......" وہی ناراضی، بے پناہ خفگی، چڑچڑاہٹ کا واضح تاثر تھا۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی۔

"زرش......" سمعان نے بہت محبت و توجہ سے پکارا تھا۔ یوں لگا جیسے اس پکار میں دل کے سارے جذبے بندھ گئے ہوں۔

"ہیلو...... ہیلو......" دوسری طرف صرف یہی آواز آ رہی تھی۔

"زری! یہ میں ہوں سمعان! آواز آ رہی ہے تمہیں۔" اس کے "ہیلو ہیلو" کہنے پر سمعان نے تیزی سے کہا تھا مگر دوسری طرف زرش کی آواز سن کر سمعان بالکل چپ سادھ گیا۔

"ہیلو...... ہیلو...... بھابی لائن کلیئر نہیں ہے۔ پکڑیں اس کو۔ اب کال آئے نا تو مجھے ڈسٹرب نہیں کیجیے گا۔ سونا چاہتی ہوں اب میں۔ پلیز۔" سمعان کو اس کا ایک ایک لفظ بہت واضح اور صاف سنائی دے رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ لائن کلیئر نہیں ہے۔ سمعان نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اتنی شدت، محبت اور اپنائیت سے پکارنے کے باوجود اس نے سمعان کی پکار کو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا۔

وہ جو کہتی تھی کہ سمعان بھائی میں آپ سے نہ ملوں تو مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، وہ سمعان سے ناراض تھی اور اس قدر ناراض کہ اب سے بات کرنا تو دور کی بات فون سننا بھی گوارا نہیں کر رہی تھی۔

"ہیلو......" بھابی کی آواز ماؤتھ پیس سے ابھری تو سمعان نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

وہ ناراض ہے۔ وہ بخار میں پھنک رہی ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سمعان احمد کا ذہن صرف انہی تین باتوں کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ اس نے کتنے مان اور یقین سے سمعان کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا اور سمعان کے انکار پر نہ صرف وہ اس سے بری طرح ناراض ہو چکی تھی بلکہ وہ سمعان کا تحفہ بھی اس کے کمرے میں ہی خاموشی سے گرا گئی تھی۔

سمعان احمد کا دل زرش کی خرابی طبیعت کا سن کر ایک دم سب کچھ یہیں چھوڑ کر مری اڑ کر چلے جانے کو اکسانے لگا۔

بہت ضدی ہو تم زرش...... بہت ضدی......! سمعان احمد کو لگ رہا تھا کہ یہ چھوٹی سی لڑکی اسے بری طرح ہار جانے پر مجبور کر رہی ہے۔

زرش کا بخار کچھ کم ہوا تو وہ شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر کمرے سے نکل آئی۔ مری میں آج ان کا چوتھا دن تھا۔ آج برف باری بند تھی موسم تھوڑا سا بدلا تھا۔ سورج بھی شکل دکھا کر کسی بدلی کی اوٹ میں جا چھپتا تھا۔ اس وقت وہ سب اس چھوٹے سے لکڑی کے بنے کاٹیج کے لان میں بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے۔ زرش نے لکڑی کی بنی اس بالکنی سے نیچے جھانکا کتنا مکمل منظر تھا۔ سب کتنے خوش تھے، پاپا یہاں آ کر بہت فریش ہو گئے تھے اور وہ خود بیمار ہو کر رہ گئی تھی۔ کراچی سے نکلتے وقت وہ سمعان احمد کے رویے اور انکار کی وجہ سے بدظن تھی مگر اسلام آباد آنے کے بعد بھی زرش کا موڈ نہیں بدلا تھا۔ کوئی چیز اسے اندر ہی اندر کلک کرتی رہی تھی وہاں گزارے تین دن وہ سخت اذیت میں گرفتار رہی تھی۔ سمعان کی کال آئی تو وہ ادھر ادھر ہو جاتی تھی۔ اس نے ہر پل ہر لمحہ ہر سیکنڈ سمعان احمد کو مس کیا تھا، اور اپنے اس طرز عمل بلکہ رویے پر وہ خود بھی حیران ہو گئی تھی۔ سمعان سے اس کی لاکھ انسیت و محبت سہی مگر ایسی کیفیت اس کی زندگی میں پہلی بار ہو رہی تھی اور جب بھی اپنی اس کیفیت کا احساس ہوتا تو وہ خود سے الجھ پڑتی تھی۔ "میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟" وہ خود سے پوچھ پوچھ ہاری تھی۔

سمعان احمد ان کے لیے بہت خاص تھا اس کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا ان کی فیملی کے لیے لازم و ملزوم تھا مگر ایسا بھی کیا کہ وہ صرف ایک انسان کو اپنے دل و دماغ پر اس طرح حاوی کر لے کہ بیمار ہو کر رہ جائے۔ مری آنے کے بعد سے لے کر وہ اب تک یہی سوچ سوچ کر الجھی اور الجھ الجھ کر مزید خود سے ناراضی کا اظہار کرنے لگی تھی۔

سمعان بھائی کو ہماری پروا نہیں تو پھر مجھے بھی نہیں۔" ہر لمحہ ہر پل اس نے یہ کہہ کر خود کو بہلایا تھا مگر......

"ہیلو زرش...... نیچے آ جاؤ...... بہت مزہ آ رہا ہے۔ یہ دیکھو ہم جیت رہے ہیں۔" بھابی کی نظر اچانک بالکنی میں کھڑی زرش پر پڑی تو اسے پکارا وہ اپنی سوچوں سے نکل کر مسکرائی۔ سبھی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

زرش کمرے سے کیوں نکلیں۔ جاؤ شاباش کمرے میں یہاں تو بہت ٹھنڈ ہے۔" ماما کی بھی نظر اس پر پڑی تو فوراً ہدایت دی تھی۔ وہ مسکرا کر رہ گئی۔

"کچھ نہیں ہوتا ماما! مجھے یہاں کھڑا ہونا بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا تو پاپا نے اپنی اس چہیتی بیٹی کو ذرا غور سے دیکھا جس قدر ضد کر کے سب کو راضی کر کے اس نے یہ پروگرام ترتیب دیا تھا وہ یہاں آنے کے خیال سے جس قدر خوش تھی، یہاں آ کر وہ خوش نہیں تھی۔ ہر وقت مرجھائی مرجھائی اور افسردہ سی دکھائی دی تھی۔ اور پھر اس کی اس بیماری نے سعود احمد کو مزید الجھا دیا تھا۔

"ادھر آ جاؤ...... میرے پاس۔" انہوں نے اشارہ کیا تو وہ گردن ہلاتی نیچے اتر آئی۔ نیچے اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔ لان میں قدم رکھتے ہی تیز سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے وجود کو چھوا تھا۔ زرش نے کپکپا کر شال مزید مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹی۔

پاپا کے پاس پہنچی تو انہوں نے بازو وا کر لیا تو وہ ان کی کرسی کے بازو پر ٹک گئی۔

"اب کیسا فیل کر رہا ہے ہمارا بیٹا!" اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے سہلاتے انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ زرش ہنس دی۔

سعود احمد کو اندازہ ہوا کہ کراچی سے آنے کے بعد وہ پہلی دفعہ یوں کھل کر ہنسی ہے۔

"فائن پاپا...... آپ خود دیکھ لیں اب تو مجھے ٹمپریچر بھی نہیں ہے۔ پہلے سے بہت بہتر ہوں۔" ان کے ہاتھ میں اپنی کلائی دیتے وہ واقعی پچھلے دنوں سے بہت بہتر خوش اور قدرے ہشاش بشاش دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مسکرائے...... بہت محبت سے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"السلام علیکم......" علی کی بات پر وہ سب ہنس ہی رہے تھے کہ اس پکار پر سب ہی پلٹے۔

"سمعان بھائی۔" فرح اور علی کی خوشی نما چیخ سب سے نمایاں تھی۔ سمعان ہاتھ میں بیگ تھامے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ زرش بھی پلٹی اور ساکت ہوگئی۔

"سمعان!" سعود احمد بھی فوراً اٹھے تھے۔

سمعان احمد مسکرا کر سب کو دیکھ رہا تھا۔ علی فرح' توشی' بھابی' عثمان بھائی' چچا جان' شائستہ بیگم اور سعود احمد کی کرسی کے بازو پر حیرت سے دیکھتی زرش کو۔

"تمہارا تو کوئی پروگرام نہیں تھا آنے کا۔ اس وقت اچانک کہاں سے ٹپک پڑے۔" سب کا ہی حیرت سے برا حال تھا۔ عثمان نے ہی اس حیرت کو توڑا تو سمعان احمد آگے بڑھ کر عثمان کے گلے لگ گیا۔

"بس اچانک ہی پروگرام بنالیا۔" وہ اب سب سے مل رہا تھا۔

شائستہ بیگم سے پیار لے کر وہ اب سعود احمد صاحب کے گلے لگا تھا۔

زرش جو ابھی تک کرسی کے بازو پر ٹکی حیرت سے یک ٹک سمعان احمد کو دیکھے جا رہی تھی اسے یوں پاپا کے قریب دیکھ کر چونکی پھر فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

"کیسی ہو تم؟" چچا سے ملنے کے بعد سمعان نے اب اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ کزن سے مصافحہ کرنا ان کے ہاں عام سی بات تھی' علی' سمعان' عثمان' وقار بھائی سعد وغیرہ سبھی سے وہ ہاتھ ملاتی تھیں مگر اب سمعان کے استفسار پر وہ پزل سی ہوئی تھی۔ اس نے جواباً صرف سر ہلایا تھا۔

سمعان نے بہت گہری نظر سے زرش کے حیران مگر گھبرائے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

اس کا پزل ہونا بہت اچھی طرح محسوس کیا۔ پیلا زرد چہرہ واقعی بتا رہا تھا کہ وہ گزشتہ دنوں کس تکلیف سے دوچار رہی ہوگی۔ وہ پہلے بھی بخار میں مبتلا ہوتی رہتی تھی مگر اتنی پیلی زرد اور آنکھوں کے نیچے حلقے کبھی واضح نہیں ہوئے تھے۔ سمعان نے ہلکے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا تھا۔

"جیسے ہی کام سے فارغ ہوا فوراً چلا آیا پھر بہت سے لوگ ناراض تھے سوچا نامہ اعمال اب اتنا برا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ فوراً رخت سفر باندھا اور آپ سب کے سامنے ہوں کیوں خوشی نہیں ہو رہی یا اچانک دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں۔" سب کی طرف مسکرا کر دیکھتے ایک نظر زرش کو جتاتے اس نے پوچھا تو سب ہنس دیے۔ زرش کا سر جھکا۔

"نہیں...... تمہارا سرپرائز بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بہت اچھا کیا تم آگئے۔ تمہیں تو ہم سب نے بہت مس کیا ہے۔" سعود احمد نے مسکرا کر سمعان کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ سمعان نے داد طلب نظروں سے زرش کی طرف دیکھا تو وہ سنجیدگی سے رخ موڑ گئی۔ (یعنی کہ ابھی بھی معافی نہیں ملنے والی)

کن انکھیوں سے اسے دیکھتے سمعان دوسروں کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

زرش کی طبیعت کی خرابی اور پھر اس کا کال ریسیو نہ کرنا بلکہ اس سے بات نہ کرنا، نے سمعان کو یہاں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ہر چیز برداشت کر سکتا تھا مگر زرش کی ناراضی نہیں۔ اس کی طبیعت کا سن کر تو وہ خود کو عجیب سا بے بس محسوس کرنے لگا تھا اور اب اسے دیکھ کر ایک طمانیت کا احساس رگ و پے میں اترتا چلا گیا تھا۔ تاہم زرش کا سنجیدگی سے رخ موڑ لینا واضح کر گیا تھا کہ وہ ابھی تک ناراض ہے۔

"تم آئے کیسے...... کل کی برف باری سے رستہ تو خراب ہے؟" وہ سب اندر چلے آئے تھے۔ عثمان نے پوچھا تو باقی سب بھی متوجہ ہوئے۔

"سیدھا ایئرپورٹ سے ہی آیا تھا۔ ٹیکسی ہائر کی تھی' راستہ خراب تھا ڈرائیور نے کافی دور اتار دیا تھا پیدل چل کر آیا ہوں۔"

"تم کال کر دیتے میں گاڑی لے کر آجاتا۔" عثمان نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"اگر کال کر دیتا تو سرپرائز نہ رہتا۔"

"ہوں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے سمعان...... سمعان کو سامنے دیکھ کر تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔" چچی کی آواز پر وہ کھل کر ہنسا تھا۔

زرش جو فوراً اندر اپنے کمرے میں آگئی تھی اب باہر اس چھوٹے سے کاٹیج کے چھوٹے سے لاؤنج میں گونجتی آوازوں کو سن کر عجیب سے محسوسات کا شکار ہو رہی تھی۔ سمعان احمد کی اچانک آمد نے اسے بھی حیرت اور پھر خوشی سے دوچار کیا تھا۔ سمعان سے لاکھ ناراضی کا اظہار سہی مگر دل اندر ہی اندر خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ وہ اپنی کیفیت میں مزید الجھنے کے بجائے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند گئی تھی۔

رات کا کھانا جلدی کھالیا گیا تھا۔ میڈیسن کا اثر تھا کہ کیا تھا زرش فوراً بے خبر ہوگئی تھی۔ رات کو دوبارہ برف باری کا سلسلہ تو شروع نہیں ہوا تھا مگر دھند بہت بڑھ گئی تھی جس کی وجہ سے سردی بھی شدید تھی۔ دس بجے تک چھوٹے سے لاؤنج میں بیٹھے سبھی خوش گپیوں میں مصروف رہے تھے۔ آتش دان کے آگے بیٹھے خشک میوہ جات سے انصاف کرتے جیسے کسی کو کوئی فکر ٹینشن ہی نہ تھی۔ سعود احمد سونے کے لیے اٹھے تو لڑکیاں بھی اٹھ گئیں۔ اس کاٹیج میں دو کمرے تھے اور ایک لاؤنج' کچن سیڑھیاں چڑھ کر اوپر بالکنی کے ساتھ تھا۔ یہ کاٹیج سعود احمد نے خریدا تھا۔ جب بھی ان لوگوں کا یہاں آنے کا پروگرام بنتا تھا وہ لوگ اسی کاٹیج میں ٹھہرتے تھے۔ بہت خوبصورت اور سجاوٹ سے بھرپور تھا۔ لکڑی کا دیدہ زیب کام اس کی خوبصورتی بڑھاتا تھا۔ سعود احمد اور شائستہ ایک کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے زرش' توشین' فرح اور زوباریہ حمزہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھیں جبکہ علی اور عثمان لاؤنج میں

میٹرس پر ہوتے تھے آج چونکہ ان کے ساتھ سمعان بھی تھا تو تینوں لڑکیوں کے جانے کے بعد بھی کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے پھر یونہی باتیں کرتے کرتے جانے کب آنکھ لگی تھی۔

سوتے سوتے اچانک زرش کو حبس کا احساس ہوا تھا' وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی سے کمرہ بھرا ہوا تھا۔ وہ ساکت سی چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کھانا کھاتے ہی وہ میڈیسن لے کر سوگئی تھی کچھ میڈیسن کی تلخی اور کچھ اپنے ساتھ سوتی نوشین اور فرح کے جسموں کی حرارت زرش کو ٹھنڈے پسینے آتے محسوس ہوئے۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے لحاف ہٹا کر بستر سے باہر ٹانگیں نکال لیں۔ شال کے لیے ادھر ادھر ہاتھ مارا مگر کچھ نہ ملا تو فرح کا دوپٹہ ہی اٹھا کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ لاؤنج کی لائٹ روشن تھی۔ وہ تینوں باتیں کرتے سوئے تھے۔ لائٹ آف کرنا کسی کو یاد نہ رہا تھا۔ زرش کی نظر میٹرس پر لیٹے وجود پر پڑی۔ علی اور عثمان اکٹھے ہی تھے لحاف اوڑھ رکھا تھا مگر سوتے میں وہ ان کے جسم سے اتر چکا تھا وہ مسکرا کر آگے بڑھی، جھک کر دونوں پر لحاف درست کیا سیدھی ہوئی تو نظر سیدھی کاؤچ پر لیٹے وجود پر پڑی۔ بغیر کسی گرم کپڑے کے صرف اونی چادر اوڑھے سمعان احمد مکمل نیند میں تھا۔ سمعان کو اپنے سامنے یہاں دیکھ کر وہ جس احساس سے دوچار ہوئی تھی ایکدم پھر اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ سمعان احمد سے وہ خفا تھی اور مزید رہنے کا بھی ارادہ تھا مگر یوں لاتعلقی اختیار کرنا اسے جتنا بے بس کر رہا تھا وہ صرف خود جانتی تھی۔

وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آئی' الماری سے گرم کمبل نکال کر واپس لاؤنج میں آ گئی۔ بہت آہستگی سے غیر محسوس انداز میں اس نے کمبل گہری نیند سوئے وجود پر ڈال دیا تھا۔ ناراضی اور غصہ اپنی جگہ مگر وہ خود کو ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ پائی تھی۔

لاؤنج کی لائٹ آف کر کے وہ اوپن کچن میں چلی آئی تھی۔ پانی کا ایک گلاس پی کر وہ کچن سے نکلی تو ٹھنڈے سرد جھونکے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی اتر گئی' ایک کپکپی رگ و پے میں اتر گئی تھی۔ فرح کا دوپٹہ اس تیز سرد جھونکوں کے سامنے کچھ بھی نہ تھا۔ میڈیسن کی وجہ سے وہ نیند پوری کر چکی تھی۔ یونہی بالکنی میں آ کھڑی ہوئی۔ اطراف میں ہر چیز گہری دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ سردی اوس اور تیز جھونکوں نے ماحول کو عجیب سا پراسرار بنا دیا تھا۔ زرش کے اندر ایک دم خوف کی لہر اٹھی تو وہ پلٹی مگر اپنے سامنے سیڑھیوں کے پاس کھڑے وجود کو دیکھ کر وہ پھر ساکت ہو گئی۔ سردی سے کپکپاتے وجود سمیت وہ فوراً نظر پھیر گئی۔

"آ...... آپ......" اگلے ہی لمحے وہ سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔ ایکدم یاد آیا کہ وہ اس سے سختی سے خفا ہے۔

"تم اس وقت اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہی ہو۔ مرنے کا ارادہ ہے کیا؟" آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے سمعان احمد اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ زرش خاموش ہی رہی۔

"کوئی احمق ہی ہو گا جو اس موسم میں اس طرح آدھی رات کو سردی انجوائے کرنے یہاں آ نکلے۔ چلو نیچے پہلے ہی بیماری سے آدھی ہو رہی ہو۔" سرمئی گرم چادر اپنے گرد لپیٹے سمعان نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا تو زرش نے بے پناہ خفگی سے انہیں دیکھا۔

"میں مروں یا جیوں' آپ جائیں یہاں سے میں نے دعوت نہیں دی آپ کو۔" وہی خفا انداز۔ خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا تھا۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی۔ سخت خفگی بھرے جھنجلائے لہجے پر وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

سردی سے زرش کا کانپتا وجود صاف محسوس ہو رہا تھا۔ کانپ وہ رہی تھی سمعان کو اپنے وجود میں کپکپی سی محسوس ہوئی۔

"ہر وقت احمقوں کی طرح ضد اچھی نہیں ہوتی...... چلو شاباش نیچے ایسی سردی ہڈیوں میں بیٹھ جاتی ہے پہلے ہی کافی بیمار ہو۔" آرام سے اسے کہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ جائیں۔" سردی سے بجتے دانت' سمعان نے اسے گھورا مگر اسے اثر کہاں تھا۔

"ناراضی اور غصہ اپنی جگہ...... چلو نیچے......" سمعان احمد اسے اڑیل ٹٹو کی طرح اپنی جگہ پر کھڑے دیکھ کر آگے بڑھا تھا۔ ہاتھ تھام کر غصے سے کہا تو زرش بھی ایک لمحہ کو جھجکی۔

"میں خود چلی جاتی ہوں' ہاتھ چھوڑیں میرا۔" سختی سے کہہ کر اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر سمعان احمد کی گرفت سخت تھی۔

"سمعان بھائی پلیز......" اس نے بے چارگی سے سمعان کو دیکھا۔

"ابھی تک ناراض ہو...... میرا نہ آنا تمہارے غصے کا سبب تھا اب تو یہاں ہوں پھر کیوں ایسا کر رہی ہو؟" سمعان احمد کو ایک دم لگا تھا کہ وہ اندھیرے میں ہیروں کی طرح چمکتی اس لڑکی کی آنکھوں کے سامنے ہار جائے گا اور پھر بہت ہار کر اس نے زرش کو دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آئیں یا نہ آئیں۔ آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں۔" اسی خفگی سے وہ اپنی جگہ جمی ہوئی تھی۔

"کل بات کیوں نہیں کی تھی تم نے مجھ سے۔" یہ جگہ ان باتوں کی باز پرس کے لیے مناسب نہ تھی مگر زرش کا ضدی انداز دیکھ کر سمعان احمد خود کو نہیں روک پایا تھا۔

"میری مرضی میں بات کروں یا نہ کروں۔ آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟ آپ کو بھلا کیا فرق پڑتا ہے اور اب کیوں آئے ہیں وہیں اپنا کام نمٹاتے۔ ہم تو ویسے بھی پرسوں واپس جا رہے ہیں۔" سمعان کے پوچھنے پر زرش بھی اپنی ناراضی ظاہر کیے بغیر نہ رہی تھی جو دل میں تھا کہہ دیا۔ سمعان نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"بہت ضدی ہو تم...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس حد تک بھی جا سکتی ہو۔" اس کا ہاتھ چھوڑ کر سمعان کو اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ بجائے اس کی پرابلم سمجھنے کے، وہ خود اس کے لیے مسئلہ بن رہی تھی۔ زرش کا وجود سردی سے کپکپا رہا تھا' دوبارہ بیمار پڑ جانے کے خوف کے باوجود صرف سمعان کے سامنے مزید اپنے ضدی انداز کو لیے وہ ریلنگ کے پاس آ گئی تھی۔ تیز جھونکوں نے اس کے وجود کو چھوا

تو اس نے سختی سے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے دانتوں کو میوزک شروع کرنے سے بچایا۔ سمعان نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔ اگر اس کے بیمار پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو آدھی رات کو اس اندھیرے میں کھڑا اپنا وقت اور نیند خراب نہ کر رہا ہوتا۔

بہت آہستگی سے اپنے وجود سے گرم چادر ہٹا کر اس کے قریب آیا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ گرم کپڑے کو اپنے وجود کے گرد لپٹتا دیکھ کر پلٹی تھی۔

"مجھے نہیں لینی یہ چادر۔ پلیز......" اس سے پہلے کہ وہ چادر اتارتی سمعان نے سختی سے اس کا بازو اپنی گرفت میں لیا تھا۔ سمعان کے اس جارحانہ انداز پر اس کے اندر کی ساری مزاحمت وہیں ڈھے گئی۔

سمعان نے غصے سے اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"تم خود کو سمجھ کیا رہی ہو...... مجھ جیسے اچھے بھلے انسان کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے...... صرف تمہارے غصے اور ضدی انداز کی وجہ سے میں یہاں ہوں۔ امی ابو کے درمیان سخت کشیدگی کی فضا چل رہی ہے۔ ہماری وجہ سے وہ صرف خود پر کنٹرول کر رہے تھے میں ان کو یوں لڑتا جھگڑتا چھوڑ کر یہاں آ کر مزے کرتا۔ تم نے مجھے اتنا ہی بے ضمیر سمجھ رکھا ہے نا...... صرف اور صرف تمہاری ناراضی کا احساس تھا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور تم ہو کہ......"

سمعان ایکدم آؤٹ ہوا تھا۔ سخت غصے اور اشتعال سے کہا تو زرش سہم سی گئی۔

اس کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی وہ تو صرف سمجھ رہی تھی کہ سمعان صرف ٹالنے کو انکار کر رہا ہے۔

"تم بجائے سچویشن سمجھنے کے، اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو لازمی بات ہے کہ سامنے والے بندے کا بھی ٹمپرامنٹ لوز ہو گا۔" سمعان کو خود بھی ایکدم احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ سختی اور اونچی آواز میں محو کلام ہے تو فوراً خود پر کنٹرول کیا۔

"تم فی الحال اس کو اوڑھے رکھو، یہ تم کو کاٹ نہیں کھائے گی۔ بے شک اس کے ساتھ بھی تم وہی حشر کرنا جو تم لاکٹ کے ساتھ کر چکی ہو...... مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہارے نزدیک میرے دیے گئے تحفے کی یہ ویلیو ہے۔" سمعان احمد نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر بیٹھا۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی۔

ایک دم ندامت و شرمندگی کا احساس ہوا۔ اپنی ضدی فطرت بہت بری لگی۔ اسے سمعان احمد کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مارے شرمندگی کے سر نہ اٹھایا گیا۔

سمعان احمد نے بن کہے ہمیشہ اس کے مسائل کو سمجھا تھا تو پھر وہ کیوں اتنی ناسمجھ رہی؟ وہ بے بسی سے انگلیاں چٹخا کر رہ گئی۔

"سوری...... آپ مجھے یہ سب پہلے بھی تو بتا سکتے تھے۔ میں نے کتنی دفعہ پوچھا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ کتنی دفعہ میں نے کہا تھا کہ جب تک آپ مجھے اصل وجہ نہیں بتائیں گے میں انکار ماننے والی نہیں...... مجھے دکھ تھا کہ جب سارا پروگرام آپ نے سیٹ کیا' ماما پاپا کو راضی کیا تو پھر خود ساتھ چلتے ہوئے کیوں کترا رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ تائی امی کی ناراضی کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں آ رہے اور آپ یہ بات مجھے بتا نہیں رہے۔ مجھے آپ کے نہ بتانے پر غصہ آیا تھا۔ بات انکار کی نہیں ہے بات آپ کے پرابلم کو سمجھنے کی بھی نہیں ہے ناراضی اور غصہ تو مجھے اس بات پر تھا کہ آپ مجھے بھلا رہے ہیں جو بات اب بتا رہے ہیں وہ پہلے ہی کہی ہوتی تو میں اس طرح ری ایکٹ نہ کرتی۔ سارا قصور آپ کا ہے تو پھر مجھ پر ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا مجھے آپ سے اس طرح ناراض ہونے کا حق نہیں ہے کہ جب آپ ہماری سب خوشیوں میں لازم ہیں پھر اب کیوں نہیں۔ یہ تو پھر چھوٹی سی تفریح تھی۔"

بہت دھیمے سے وہ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال گئی اور پھر اس کے جواب کی منتظر تھی۔

سمعان احمد دھیمے سے مسکرا دیا۔

"ہاں حق ہے...... مگر...... چھوڑو اس بات کو یہ بھی سچ ہے کہ میں امی کی وجہ سے بھی نہیں آنا چاہ رہا تھا۔ چچا وغیرہ کے ساتھ یوں تفریح پر آنا انہیں بہت ناگوار گزرتا۔ یوں بھی میں اس وقت یہاں ہوں یہ بھی ان کے نالج میں نہیں ہے۔ صرف ابو جانتے ہیں' امی کو میں بزنس میٹنگ کا کہہ کر ہی آیا تھا۔ تاہم میرے بعد امی ابو کے درمیان کوئی کشیدگی نہ ہو بس یہی فکر ہے۔"

"سوری...... مجھے صورتحال کا اندازہ ہوتا تو یہ سچویشن ہی نہ ہوتی۔ بہرحال' رئیلی سوری۔"

سمعان ہلکے سے مسکرا دیا۔ زرش کی یہی عادت اسے بہت بھاتی تھی کہ وہ اصل صورتحال جاننے کے بعد فوراً اپنی غلطی مان لیتی تھی۔

اصل بات سامنے آئی تھی تو زرش کو لگا وہ ایکدم ہلکی پھلکی ہو گئی ہے۔ بہت طمانیت سے اس نے چادر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹی تھی۔ اس کی ناراضی بھی ایسی ہی ہوتی تھی اور صلح بھی' وہ دل میں بات نہیں رکھتی تھی۔ ورنہ......!

گرم چادر کی وجہ سے زرش کو اپنے وجود کی کپکپاہٹ کم ہوتی محسوس ہوئی۔ چادر سے آتی مردانہ کلون کی مہک...... زرش نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اپنی اس حرکت پر فوراً سمعان کو دیکھا کہ کہیں اس نے اس کی یہ حرکت نوٹ نہ کی ہو۔ سمعان نے نوٹ تو نہیں کی تھی زرش کے دیکھنے پر کھل کر مسکرا دیا تھا۔

"اب کیا خیال ہے ناراضی مزید چلے گی یا......" بات ادھوری چھوڑ کر سمعان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ ہنس دی۔

صاف نکھری اجلی ہنسی کا تاثر جیسے سرد فضا میں ٹھہر سا گیا۔ سمعان احمد کو اپنے اندر ارتعاش سا پیدا ہوتا محسوس ہوا۔ دل تھم تھم کر رکنے لگا۔

"نہیں...... میں ناراض نہیں تھی مگر آپ کے انکار نے مجھے بہت تکلیف دی تھی۔ آپ جانتے ہیں آپ سب کے لیے میں کتنی پوزیسو ہوں۔ آپ میں سے کسی کے بھی رویے میں کوئی تبدیلی آئے مجھے کتنا ہرٹ کرتی ہے۔" ایسے جملے وہ اکثر اور بارہا کہتی تھی مگر یہ جملے سمعان کے اندر کس انداز میں اثر پذیر ہوتے تھے وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ اندر کی دنیا سمعان احمد کی بدلی تھی زرش کی نہیں۔ وہ جیسی شروع سے تھی ویسی ہی تھی۔ اندر باہر سے تو صرف سمعان احمد بدلا تھا۔ سمعان اب بھی اس کی بات کے زیر اثر اسے دیکھے گیا۔

"میں یہاں صرف پانی پینے آئی تھی مگر......" وہ پھر ہنس دی تھی۔ اس کا چہرہ اس کی آنکھوں کا خاص تاثر اس کی پیشانی پہ موجود دونوں بھنوؤں کے درمیان تل ہر چیز تو اس کی ہنسی کے تابع مسکرا اٹھی تھی۔

سمعان کا دل اس کی طرف جھکنے لگا تھا۔

"ماما پاپا میں سے کوئی اٹھ گیا اور مجھے یہاں دیکھ لیا تو سمجھو کہ جوتے پکے ہیں۔ اس سے پہلے کہ دوبارہ بیمار پڑوں نیچے چلتے ہیں۔"

اس کے اندر کا موسم کیا ہلکا پھلکا ہوا تھا وہ خود بھی ہلکی پھلکی ہوتی چلی گئی تھی۔

"زرش......" وہ نیچے جانے کو پلٹی تھی' آواز تھی کہ اس کے پیروں پہ کوئی زنجیر پڑی تھی۔ ایک لمحے کو تو اس پکار پر زرش بھی ساکت رہ گئی تھی۔

وہ پلٹی تھی' سمعان کے دیکھنے کا انداز' وہ الجھی تھی۔

"جی......" سمعان احمد مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"یہ لو اپنی امانت......" سمعان احمد نے بند مٹھی اس کے سامنے کی تھی۔ اس نے انتہائی تعجب اور حیرانی سے پہلے بند مٹھی کو اور پھر سمعان کو دیکھا۔ اس سے سمعان احمد اسے ناقابل فہم محسوس ہوا۔ جیسے کوئی پہیلی...... یا چھپا کوئی راز......

"میری...... امانت......" وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی۔

سمعان نے مسکرا کر سر ہلاتے مٹھی کھول دی تھی۔

"اوہ میرے اللہ......" خوشی و تعجب سے وہ ہلکی سی چیخی تھی۔ پھر سمعان کو دیکھا وہ صرف زرش کے چہرے کی روشنی دیکھ رہا تھا۔ اس کے تاثرات جانچ رہا تھا۔ زرش نے اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا ابھی اس نے سمعان کی ہتھیلی پہ رکھے لاکٹ کو اپنی انگلیوں سے چھوا ہی تھا کہ سمعان احمد نے مٹھی بند کرلی۔ زرش کا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔ زرش نے مزید حیرت سے دیکھا۔

"آ...... پ......"

"تم نے یہ کیوں اتارا؟" سمعان پوچھ رہا تھا۔ زرش کا شرمندگی سے برا حال ہوا۔

"تمہارے نزدیک میرے تحفے کی یہ قدر تھی۔ اس کو اس طرح یوں بے دردی سے زنجیر توڑ کر وہی میرے کمرے میں پھینک آنا...... مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اس کا تو یہی مطلب ہوا نا کہ یا تو میں اچھا نہیں یا میرا تحفہ......" سمعان نے بہت سنجیدگی سے شکوہ کیا تھا۔ زرش سے سر نہ اٹھایا گیا۔ یہاں وہ غلط تھی۔ اور اپنی غلطی وہ مانتی بھی تھی۔

اس وقت سمعان نے جب انکار کیا تو اس نے زنجیر کو جھٹکا دیا تھا اور پھر زنجیر ٹوٹ گئی۔ سمعان کے انکار نے اتنی تکلیف دی تھی کہ اسے خود بھی سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرچکی ہے۔ لاکٹ مٹھی سے نیچے گراتے واپس غصے سے گھر آتے اور اب تک ناراضی کا اظہار کرتے ہر پل ہر لمحہ اسے لاکٹ کا خیال آیا تھا اور اب......

"ایم سوری...... آپ کو پتا ہے میں غصے میں ہر بات بھول جاتی ہوں۔ آپ کے گھر صرف آپ کو

منانے گئی تھی، جواباً آپ کا صاف انکار سن کر مجھے بھی غصہ آیا تھا۔ یہ تو یونہی زنجیر ٹوٹ گئی اور پھر......" وہ پھر ندامت سے سر جھکا گئی۔

"بات زرش! زنجیر توڑ دینے یا لاکٹ بے دردی سے پھینک دینے کی نہیں تھی بات تو......" سمعان کچھ مزید کہتے کہتے ایکدم لب بھینچ گیا۔ زرش نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سمعان کے لہجے اور آنکھوں میں نجانے کیا خاص بات تھی کہ وہ ایکدم پزل ہوئی۔ وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"سوری......" سمعان نے ایک گہری سانس لیتے اپنے ہاتھ میں دبے زرش کے ہاتھ کو دیکھا۔ سرد یخ انگلیاں سمعان کو پوری شدت سے ان کی نرماہٹ اور ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

سمعان نے گرفت کھولی تو زرش نے لاکٹ اٹھالیا۔

"اب دوبارہ اس کے ساتھ وہی حشر کرنا ہے تو مجھے ابھی سے بتادو۔"

لاک کھولتے زرش ہنس دی تھی۔ پھر چادر تھوڑی سی سر سے سرکا کر اس نے وہیں کھڑے لاکٹ پہنا تھا' سمعان احمد اسے دلچسپی سے دیکھے گیا۔

زرش کے گلے میں لاکٹ دیکھ کر سمعان احمد کے سارے وجود میں ایک طمانیت بھرا احساس گردش کرتا چلا گیا تھا۔

"آئندہ آپ کو یہ کہنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ اب ہر بار صرف ایک ہی چیز غصے کا نشانہ تو بنتے سے رہی ہو سکتا ہے اگلی دفعہ......"

"زرش......" سمعان نے اسے شرارت سے کچھ کہتے ٹوک دیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ جیسے فضا کی ہر چیز گنگنا اٹھی ہو۔

"اوکے...... تھینکس ورنہ اس بات کے غم سے تو میں بیمار ہی پڑ گئی تھی۔ یہی سوچ سوچ کر کے غصے میں پھینک کیوں آئی اگر گم ہوگیا تو...... کسی کو بتا بھی نہیں سکتی جو خاطر ہوتی وہ علیحدہ...... ابھی تک کسی کی نظر میرے گلے پہ نہیں پڑی تھی ورنہ......" وہ خود ہی ہنس کر پلٹ گئی تھی پھر رکی اور سمعان کی طرف آئی تھی۔

"آپ کی یہ چادر......" چادر اتار کر اس نے آگے بڑھائی تو سمعان نے مسکرا کر تھام لی۔ وہ واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"اب آپ بھی نیچے آجائیں۔ یہ نہ ہو کہ کل مجھے الزام دے رہے ہوں کہ تمہاری وجہ سے میں بھی......" شرارت سے کہتی وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

سمعان نے اوپر کھڑے اسے مسلسل مسکراتے غائب ہوتے دیکھا تھا۔

* * *

وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ بچوں کی وجہ سے گھر میں رونق رہتی تھی مگر آج کل تو گھر خالی خالی لگنے لگا تھا۔ پہلے فرح اور علی گئے تھے تو وہ سارا دن ادھر سے ادھر چکراتی پھرتی تھیں۔ رات کو سمعان اور سعید احمد آجاتے تو کچھ تنہائی کا احساس کم ہوتا تھا مگر دو دن ہوئے تھے سمعان بھی میٹنگ کا

کہہ کر گیا تھا وہ اکثر لاہور جاتا رہتا۔ ایک دو دفعہ اس نے کال بھی کی تھی' طاہرہ بیگم کو کچھ سکون رہا تھا۔ فرح اور علی کو وہ بہت مس کر رہی تھیں۔ سمعان یہاں تھا تو ایک دو دفعہ اس نے ان دونوں سے بات بھی کروادی تھی خود سے وہ کال نہیں کرتی تھیں کہ وہ ان دونوں کے چچا کی فیملی کے ساتھ جانے کے حق میں نہ تھیں۔ سعید احمد اور سمعان نے ان کو بھیجا تھا' اندر سے وہ راضی نہ تھیں۔ سعید احمد کے سامنے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وہ کسی بھی قسم کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور اب سمعان بھی نہیں تھا۔ سعید احمد سارا دن باہر گزار کر رات گئے لوٹتے بھی تو فوراً کھانا کھا کر سو جاتے تھے۔ ایسے میں طاہرہ بیگم کو تنہائی کا احساس مزید...... ہو رہا تھا۔

ٹی وی دیکھتے ہوئے بھی ان کی ذہنی رو فرح علی اور سمعان کی طرف ہی بھٹکی ہوئی تھی۔ ٹی وی دیکھتے اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی تھی۔ انہوں نے ٹی وی بند کر کے ریسیور اٹھایا۔

”السلام علیکم......“ اجنبی آواز تھی وہ چونکیں۔

”وعلیکم السلام...... کون......؟“ دوسری طرف سے فوراً تعارف کروایا گیا تھا۔

”اچھا تم...... کیسے ہو بیٹا؟“ انہوں نے خوش دلی سے پوچھا۔

”اللہ کا شکر ہے آنٹی آپ سنائیں؟“

”کیا سنانا ہے بیٹا...... اکیلی بیٹھی بچوں کو یاد کر رہی ہوں۔“ وہ تنہائی کے احساس سے گھبرائی ہوئی تھیں۔ کوئی بات کرنے کو ملا تو فوراً دلی کیفیت کا اظہار کر دیا۔

”کیوں خیریت؟ کہاں ہیں سب لوگ؟“

”فرح اور علی تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ عثمان کی طرف...... اور سمعان کا تمہیں پتا ہی ہو گا۔ دو دن سے وہ بھی آفس کے کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا ہے۔“ انہوں نے تفصیلاً بتایا تھا۔

”اچھا...... سمعان لاہور میں ہے' کتنے دن ہو گئے ہیں میری اس سے بات ہوئے۔ آج ابھی کال کی تھی میں نے مگر اس کا نمبر آف تھا۔ اسی لیے گھر کال کر رہا ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ آؤٹ آف اسٹیشن ہے۔“

”ہو سکتا ہے' وہ کسی میٹنگ میں مصروف ہو۔ ورنہ تو اس کا نمبر آن ہی ہوتا ہے۔“

”اچھا پھر آنٹی میں پھر ٹرائی کرتا ہوں آپ بھی کوشش کیجیے گا اگر اس کا نمبر آن ہوا تو مجھے بتا دیجیے گا مجھے اس سے ضروری بات کرنی تھی۔“

”ٹھیک ہے میں دیکھتی ہوں پھر کال کرتی ہوں۔ تم بھی کوشش کرنا۔“

”جی آنٹی ضرور...... او کے پھر اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“

ڈاکٹر ظفر کے فون کرتے ہی انہوں نے سمعان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ وہ آف تھا۔ انہیں حیرت ہوئی' سمعان عموماً نمبر آف تو نہیں رکھتا تھا۔ پھر وہ مسلسل نمبر ٹرائی کرتی رہی تھیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ان کی کوشش کامیاب ہو گئی تھی' سمعان کے موبائل نمبر پہ کال جا رہی تھی۔

”ہیلو......“ دوسری طرف سے سمعان کے بجائے کوئی بوجھل سی نسوانی آواز سنائی دی تو طاہرہ بیگم الجھ گئیں۔

”سمعان......“ سمعان کا نمبر کوئی اور ریسیو کرے' انہیں حیرت سے دوچار کر دیا تھا۔

”تم کون ہو اور سمعان کہاں ہے؟“ انہوں نے کچھ سختی سے پوچھا تھا۔

”وہ تو سو گئے ہیں بلکہ سبھی سو گئے ہیں۔ ابھی وہ لوگ لوٹے تھے آتے ہی سو گئے۔ یہ تو موبائل کی آواز سے میری آنکھ کھلی ہے۔ آپ کہتی ہیں تو میں سمعان صاحب کو اٹھا دیتی ہوں۔“ ملازمہ ٹائپ لہجہ تھا۔ طاہرہ بیگم کچھ اخذ نہ کر سکیں۔

”تم کون ہو؟“

”جی میں یہاں کام کرتی ہوں؟“

”کہاں؟“ سمعان کہاں ہیں وہ تو لاہور میں تھا تو پھر...... وہ مزید الجھیں۔

”یہاں صاحب جی کے ہاں...... اتنے دن ہو گئے تھے' سب لوگ مری گئے ہوئے تھے۔ آج ہی لوٹے ہیں۔ آپ کون ہیں مجھے بتا دیں' چھوٹے صاحب اٹھتے ہیں تو بتا دوں گی۔“

”مری...... چھوٹے صاحب' آج ہی لوٹے ہیں۔“ طاہرہ بیگم کا دماغ الجھ گیا۔ ”تمہارے صاحب کا کوئی نام بھی تو ہے...... کیا نام ہے جن کے ہاں تم کام کرتی ہو۔“ انہوں نے اب کے کچھ ڈانٹ کر پوچھا تھا۔

”عثمان صاحب' وہی جن کی بیگم ڈاکٹر ہیں۔ یہ لوگ کتنے دن سے اپنے چچا کی فیملی کے ساتھ گھومنے پھرنے مری گئے ہوئے تھے۔ آج ہی آئے ہیں۔ چھوٹے صاحب بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ ان کا موبائل یہاں ٹی وی کے پاس ہی پڑا رہ گیا ہے وہ خود سو گئے ہیں۔“

”عثمان!“ طاہرہ بیگم کو تو پہلے کچھ بھی نہ سمجھ آیا پھر جب ذہن نے کام کیا تو غصے سے ان کا برا حال ہونے لگا۔

”تو سمعان احمد مجھ سے لاہور کا کہہ کر خود چچا کی فیملی کے ساتھ ہے۔“ صدمے' غم و غصے سے ان کی ذہنی حالت ایکدم خراب ہوئی۔

”میں سمعان صاحب کو اٹھا دوں؟“ دوسری طرف سے ملازمہ پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ لاؤنج میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگیں۔

سمعان احمد نے آج تک ان سے جھوٹ نہیں بولا تھا مگر...... آج سمعان کی وجہ سے ان کا دل سخت تکلیف سے دوچار ہوا تھا۔

”تو دو دن سے سمعان احمد مری میں ہے اور آج اسلام آباد میں۔“ وہ جوں جوں سوچتی جا رہی تھیں غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

”میری اولاد اب مجھ سے جھوٹ بھی بولنے لگی ہے اولاد بھی سمعان احمد۔“ انہیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تبھی سعید احمد اتنے مطمئن ہیں۔" اب ان کے غصے کا رخ دوسری طرف ہو گیا تھا۔

"یہ سب یہی شخص کر رہا ہے صرف اور صرف مجھے جلانے کو۔ مجھے اذیت دینے کو۔" غصے سے وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"بس سعید احمد یہ آخری بازی سمجھ لو۔ سمعان احمد جو چاہ رہا ہے وہ میں مر کر بھی ہونے نہیں دوں گی۔ جو تمہاری خواہش ہے وہ میرے جیتے جی تو پوری نہیں ہو گی۔ زرش اس گھر میں کبھی نہیں آئے گی۔ میرے ہوتے ہوئے تو کبھی نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو......" وہ غصے اور انتقام سے سب کچھ بھول رہی تھیں۔

"سعید احمد اور کتنی دیر یہ سب کرو گے دیکھنا تم' میں کیا کرتی ہوں۔ جو میں کروں گی تم وہ بھی دیکھنا...... اگر میں خوش نہیں تو پھر شائستہ اور اس کی اولاد بھی نہیں......"

تفکر سے سوچتے وہ یہ سب بھول چکی تھیں کہ کسی کی اولاد کی خوشی سے ہی ان کی اپنی اولاد کی خوشی وابستہ ہے۔

* * *

سمعان سو کر اٹھا تو زوباریہ کی ملازمہ اس کا موبائل لے کر آ گئی۔

زوباریہ کی یہ ملازمہ کافی پرانی تھی۔

"چھوٹے صاحب جی...... آپ کا یہ موبائل ٹی وی کے قریب پڑا ہوا تھا۔" وہ جو اپنے بیگ سے کپڑے نکال کر باتھ لینے کی تیاری میں تھا۔ سر اٹھا کر ملازمہ کو دیکھا۔ پھر موبائل اس کے ہاتھ سے تھام لیا۔

"صاحب جی ایک کال آئی تھی۔ کوئی عورت تھی آپ کا پوچھ رہی تھی۔" جھجکتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔

سمعان نے تعجب سے اسے دیکھا پھر موبائل کو۔ کل سے اس نے آف کیا ہوا تھا۔ اسلام آباد آتے ہی آن کیا تھا اور اب یہ کال' نمبر دیکھا تو گھر کا تھا۔ سمعان کے ہوش اڑ گئے۔

"یہ تو گھر کی کال ہے...... امی نے کال کی ہو گی...... کیا کہا انہوں نے؟"

"جی کچھ بھی نہیں' آپ کا پوچھا تو میں نے کہہ دیا سو گئے ہیں...... اور......"

"اور...... پھر......" سمعان کو لگ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے۔

"پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟" سمعان کے تیوروں سے وہ ڈر گئی تھی۔ جھجکتے ہوئے بتایا۔

"تو تم نے کیا کہا؟"

"میں نے بتا دیا کہ میں عثمان صاحب اور ڈاکٹر صاحبہ کے گھر کام کرتی ہوں۔" سمعان کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"پھر؟ اور کیا بتایا تم نے؟"

"میں نے اور تو کچھ بھی نہیں بتایا صرف یہی کہا کہ آپ لوگ تھوڑی دیر پہلے مری سے آئے ہیں اب سب سو گئے ہیں۔"

سمعان نے عجیب نظروں سے ملازمہ کو گھورا۔

وہ کہہ رہی تھی کہ اور تو کچھ بھی نہیں بتایا' اور کیا رہ جاتا ہے بتانے کو۔ سب کچھ ہی تو بتا چکی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ...... اور ہاں بھابی کو بھیجو۔"

نہانے کا ارادہ ملتوی کر کے وہ وہیں بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ دوسری طرف علی ابھی بھی بے خبر تھا۔ دونوں ایک ہی کمرے میں تھے تھکن کی وجہ سے آتے ہی سب ہی لیٹ گئے تھے۔

"تم نے بلوایا سمعان؟" زوباریہ فوراً چلی آئی تھیں۔

"جی......"

پھر سمعان نے زوباریہ کو ساری بات بتائی تو وہ بھی چپ رہ گئیں۔

"اب کیا کروں؟ وہاں تو امی جان کا غصے سے برا حال ہو رہا ہو گا۔ کال کروں یا نہیں۔"

"نہیں تم بات مت کرو' اس طرح تو وہ بہت بگڑیں گی۔ ایسا کرو پاپا کو کال کر کے بتا دو وہ خود ہی ہینڈل کر لیں گے۔"

"نہیں اس طرح تو وہی صورتحال ہو گی یعنی لڑائی...... جس سے میں بچنا چاہتا ہوں۔" زوباریہ کے مشورے پر فوراً نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں کچھ ہوتا' لاؤ میں پاپا سے بات کر کے آرام سے انہیں سمجھا دوں گی اور کہہ بھی دوں گی کہ وہ اس مسئلے میں ماما سے نہ الجھیں' کل تو تم لوگ ویسے بھی جا ہی رہے ہو۔ جا کر خود ہی ہینڈل کر لینا۔"

انہوں نے آرام سے مسئلے کا حل نکالا تو سمعان چپ رہا۔ اس وقت وہ خود بھی امی ابو دونوں میں سے کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا' سو خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"آپ بات کر کے دیکھ لیں پلیز ابو کو اس طرح سمجھائیے کہ اگر امی ان سے پوچھیں تو وہ الجھیں نہ کل اگر سب لوگ نہ بھی گئے تو میں چلا جاؤں گا۔ اس وقت میں باتھ لے لوں۔ آپ بات کر لیں۔"

موبائل زوباریہ کو تھما کر وہ خود باتھ روم میں گھس گیا تھا۔

* * *

وہ سب تو دس بجے کے قریب اسلام آباد پہنچے تھے۔ آج کا دن یہاں گزارنے کا تھا اور پھر کل کا ارادہ سب کا واپس کراچی روانہ ہونے کا تھا۔

زوباریہ نے سعید احمد سے بات کر کے ساری وجہ سمجھا اور طاہرہ بیگم سے نہ الجھنے کا وعدہ لے کر سکون کا سانس لیا تھا۔

دو بجے کے قریب سب ہی اٹھ چکے تھے۔ عثمان اور زوباریہ ان لوگوں کی وجہ سے چھٹی پر تھے۔ کل سے دوبارہ جاب پر جا رہے تھے۔ اس لیے کھانے کے بعد عثمان کا ان لوگوں کو "چھتر پارک" کی سیر کرانے کا ارادہ تھا۔ اسلام آباد میں آج موسم خاصا خوشگوار تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی بلکہ اب تو دو بجے کے بعد سہ پہر کی وجہ سے دھوپ کی تمازت بھی کم پڑ چکی تھی۔ چھتر پارک عثمان کے گھر سے ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔ وہ لوگ جب بھی اسلام آباد آتے یہاں ضرور آتے تھے۔

تین بجے کے قریب وہ لوگ گھر سے نکلے تھے۔ عثمان اپنی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور فرح نوشین

وغیرہ جس ٹیوٹا میں تھی اس کو سمعان احمد ڈرائیو کر رہا تھا۔ سعید احمد شائستہ بیگم زوباریہ کی ملازمہ اور ڈرائیور عثمان کے ساتھ جیپ کہ فرح، نوشین، زرش، زوباریہ، حمزہ سب ہی ٹیوٹا میں تھے۔

راستے میں ان لوگوں نے کھانے پینے کا سامان خریدا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے تھیں۔

زرش کی طبیعت پچھلے دو دن سے خاصی سنبھل چکی تھی۔ اندرونی و بیرونی طور سے وہ بہت فریش تھی۔ گاڑی میں ان سب نے ادھم مچا رکھا تھا۔

پارک میں دونوں گاڑیاں آگے پیچھے رکی تھیں۔ ٹکٹ لے کر وہ پارک میں چلے آئے تھے۔

ملازمہ نے پارک میں گھاس پہ چٹائی بچھا دی تھی۔ ماما، پاپا ادھر بیٹھ گئے تھے۔ وہ چاروں ان کے پاس آ گئیں۔ زوباریہ بھابی ملازمہ کو کھانے پینے کی چیزیں ایک طرف رکھنے کی ہدایت دے رہی تھیں۔

"ماما! ہم ندی کی طرف جائیں۔" زرش نے شائستہ سے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

"مگر دھیان سے...... علی تم ان تینوں کے ساتھ رہنا۔ لگتا ہے دو تین کالجز کے ٹرپ آئے ہوئے ہیں۔ یہ نہ ہو ہجوم میں ڈھونڈتے پھریں ان کو...... اور ہاں زرش تم پانی میں مت جانا ورنہ پھر بیمار ہو جاؤ گی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اجازت دیتے ہوئے بھی انہوں نے حد بندی کر دی تھی۔ زرش نے بے چارگی سے منہ بسورا۔ علی منہ چڑا رہا تھا تو وہ دل ہی دل میں اسے کوسنے لگی۔

"جی ماما!"

شائستہ ہنس دیں۔ جانتی تھیں وہ جب بھی اسلام آباد آتی صرف پارک میں ندی سے چھیڑ چھاڑ کرنے ہی تو آتی تھی۔

"آپ نہیں آئیں گے......" نوشین نے ان پانچوں سے پوچھا۔

"نہیں تم لوگ جاؤ ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔" عثمان بھائی کے کہنے پر وہ تو تینوں علی کے ہمراہ ندی کی طرف چلی آئی تھیں۔ پہلے کی نسبت اب ندی کافی خشک ہو چکی تھی۔ پتھروں سے بہتا پانی اب صرف تھوڑے ہی رقبے پر محیط تھا۔ وہ چاروں بڑے بڑے پتھروں پہ پاؤں جمائے عین درمیان میں ایک بڑے سے پتھر پر آ بیٹھی تھی۔ علی بھی ساتھ تھا۔

"وہ دیکھو۔ دو لڑکیاں کافی دیر سے ہمیں دیکھ رہی ہیں۔ میں جب سے پارک سے نکلی ہوں نوٹ کر رہی ہوں۔" نوشین جو پانی کے بجائے ارد گرد کو زیادہ آبزرو کر رہی تھی، نے تینوں کو متوجہ کیا۔

زرش نے بھی سر اٹھا کر ادھر دیکھا جدھر نوشین دیکھ رہی تھی۔

"کون سی......؟ وہاں کتنی لڑکیاں ہیں۔ کتنی تو ہمیں بھی دیکھ رہی ہیں۔" علی بھی متوجہ ہوا تھا۔

"وہی جو بے پناہ ہنس رہی ہیں۔ وہ جو دو اکٹھی کھڑی ہیں۔ جس کے ایک ہاتھ میں شاید کیمرہ ہے۔ دوسری کے ہاتھ میں براؤن بیگ...... نظر آیا......" وہ لڑکیاں بھی سمجھ چکی تھیں کہ یہ لوگ ان کی توجہ محسوس کر چکے ہیں تو رخ موڑ گئی تھیں۔

"زبردست...... لڑکیاں تو بڑی پیاری ہیں۔"

نوشین جو برملا خوب صورتی کی تعریف کرنے کی عادی تھی، نے کھلے دل سے ان کی تعریف کی۔

"ہاں۔ ریڈ سوٹ والی کچھ زیادہ ہی پیاری ہے۔ کیا خیال ہے......" علی نے بھی شرارت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ان کو چھیڑا۔ تینوں نے گھورا۔

"خیال کچھ برا بھی نہیں ہے مگر ان سے جو جوتے تمہیں کھانے ہیں وہ ہم سے کھا لو تو شاید ذلت سے بچ جاؤ۔"

زرش نے دوسرے پتھر پہ پڑے اپنے جوتے کی طرف اشارہ کیا تو وہ کھل کر ہنسا۔

"ویسے علی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ریڈ سوٹ والی تو دور سے ہی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ ذرا غور تو کرو ارد گرد کئی لڑکے متوجہ ہیں اس کی طرف۔"

"چھوڑو بھی کیا ایک ہی لڑکی حسین ہے۔ ہم سا کوئی ہو تو سامنے آئے۔" زرش نے نوشین کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

"لو آ گئے۔ اب بولو......" فرح نے جو سمعان احمد کو کچھ فاصلے سے اپنی طرف آتا دیکھ چکی تھی، نے شرارت سے کہا۔

"کیا مطلب......" اس نے فرح کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں کے تعاقب میں سمعان کو آتے دیکھ کر ہنس دی۔

"ہاں اس معاملے میں تو ہم بھی متفق ہیں کہ سمعان بھائی جیسا کوئی اور نہیں...... جو زرش کے مقابلے میں آئے۔" علی برجستہ گویا ہوا تھا۔ زرش جھینپ کر رہ گئی۔

"بکو نہیں۔ خبردار اب بکواس کی تو...... وہ تو میرے بھائی ہیں۔" جھنجل سا ہو کر اس نے علی کو ٹوک دیا۔ سمعان احمد اب نزدیک آ چکا تھا۔ علی نے زرش کے "وہ تو میرے بھائی ہیں" کے جواب میں کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ پھر لب بھینچ لیے۔ سمعان پتھروں کو پھلانگتا ان کے پاس ہی دوسرے پتھر پہ آ بیٹھا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے......؟" علی کی گود سے حمزہ کو لے کر اچھالتے ہوئے انہوں نے تینوں لڑکیوں کو دیکھا۔

"آپ کی برائیاں ہو رہی ہیں۔" زرش نے چھیڑنا چاہا۔

"ناٹ بیڈ۔ یقیناً تعریفی انداز ہی ہوگا۔" وہ بھی مذاق سمجھ چکے تھے۔

"اسے کہتے ہیں اپنے منہ میاں مٹھو بننا۔ کیا خوش فہمی ہے......" علی نے تو بات ہی الٹا دی تھی۔ سمعان نے گھورا۔ تینوں لڑکیاں ہنس دیں۔

"ہاں تو ہم سمعان بھائی کی تعریف ہی کر رہے تھے۔" فرح کو علی کا بولنا بالکل اچھا نہ لگا فوراً سمعان بھائی کی حمایت میں اور پھر شرارت سے بولی۔

"ہمارے سمعان بھائی جیسا کوئی ہے تو سامنے آئے۔"

شرارت سے سمعان کے بالکل مقابل بیٹھی زرش کو کندھوں سے چھوا تو زرش پھر پزل ہو گئی۔

"تم مجھ سے پٹو گی۔ میں پہلے ہی بیان جاری کر چکی ہوں۔" اس کے جھنجل ہونے اور پھر صفائی دیتے

والے انداز پر علی، فرح اور توشین کے بلند بانگ قہقہے گونج اٹھے تھے۔

"سمعان بھائی پلیز! ان کو سمجھائیں۔" زرش جو اپنی ہی بات میں پھنس گئی تھی، نے فوراً سمعان کو درمیان میں گھسیٹا۔

"معاملہ کیا ہے؟" باری باری تینوں کی شرارتی مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ زرش کا دعویٰ ہے کہ ان سا کوئی ہے تو سامنے آئے۔ جواباً فرح نے آپ کو نامزد کیا ہے اور یہ محترمہ کہہ رہی ہیں کہ آپ ان کے سگے...... سگے......"

"علی کے بچے......" زرش نے دوسرے پتھر پر پڑا جوتا اٹھا کر مارا تھا۔

"اوئی میری ماں...... سمعان بھائی سوچ لیں...... اتنی جلاد صفت لڑکی...... آپ کی شہ پر اتنی اکڑتی ہے یہ...... ورنہ......"

"علی......" سمعان کی ایک سخت تنبیہ پر علی فوراً ساری لن ترانی بھول گیا۔

"تم مائنڈ نہ کرو۔ بکواس کر رہا ہے یہ......" سمعان نے زرش کو کہا تو وہ کھا جانے والی نظروں سے علی کو اپنی شامت یاد رکھنے کی وارننگ دینے لگی اور علی اس کی وارننگ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں نظرانداز کرتا رفوچکر ہو گیا تھا۔

"ماما، پاپا اور بھیا، بھابی کہاں ہیں؟" توشین نے سمعان سے پوچھا۔

"بھیا، بھابی شاید دوسری طرف نکل گئے ہیں۔ چچا جان اور چچی جان وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے تھوڑی دیر میں وہ بھی ادھر آ رہے ہیں۔"

"ہوں۔"

"تم لوگ ادھر ہی آ کر بیٹھ گئی ہو...... گھومو پھرو......" علی جو سمعان کے ٹوکنے پر فوراً رفوچکر ہوا تھا اب کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔

* * *

"حمیرا دیکھو وہی لڑکی۔ جسے تم نے "فیری لینڈ کی پری" کہا تھا۔

"ارے ہاں یہ تو وہی ہے مگر وہ اس کے ساتھ پرنس چارمنگ کون ہے؟" حمیرا بھی فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

"یار وہی ہے جو گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جسے میں نے اپالو کا مجسمہ کہا تھا۔"

"ہاں وہی ہے۔ جب ہم نے اپنی بس سے اسے دیکھا تھا تو مجھے صرف سائیڈ نظر آئی تھی۔ یار واقعی یہ کسی اپالو کے مجسمے سے کم نہیں ہے کچھ زیادہ ہی ہے۔"

وہ لوگ اپنے کالج ٹرپ کے ساتھ اسلام آباد آئی ہوئی تھیں۔ پچھلے دنوں وہ مری میں تھیں۔ کل مری میں ان کا آخری دن تھا اور وہیں سڑک پر گاڑی کو اوورٹیک کرتے ان کی اس لڑکی بلکہ پوری گاڑی پر نظر پڑی تھی۔

اور آج اس پارک میں ان کو دوبارہ دیکھ کر وہ دونوں نہ صرف حیران ہوئی تھیں بلکہ محظوظ بھی ہوئی

تھیں۔ کل بھی یہ لڑکی گاڑی میں بیٹھی باقی دونوں لڑکیوں کے ساتھ مصروف تھی اور آج بھی وہ سب اکٹھی ہی تھیں۔ وہ بار بار ان کو پلٹ پلٹ کر دیکھ چکی تھیں مگر اب صرف یہ لڑکی اور لڑکا تنہا تھے۔

"یار کتنا پیارا بے بی ہے ان کا......" رمشا کو تو بچے بہت اچھے لگتے تھے۔ ایک دم چہکی۔ حمزہ بڑی شرافت سے سمعان کی گود میں تھا۔

"بالکل اپنے ماں باپ پر گیا ہے۔ یار لڑکی کے چہرے پر کتنی معصومیت ہے۔ اتنی نرمی اور آنکھوں کو دیکھو جیسے ہیروں کی طرح جگمگا رہی ہوں۔ حمیرا سیڑھیوں پر بیٹھے سمعان احمد اور زرش کے متعلق کہہ رہی تھی۔

"ویسے حمیرا لگتا تو نہیں یہ لڑکی اس بچے کی مدر ہے۔ اتنی ینگ اور کم عمر ہے مجھے تو یہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ بھی نہیں لگ رہی۔"

"بعض لڑکیوں کی لک ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنی عمر سے کئی سال کم دکھائی دیتی ہیں۔" حمیرا نے بڑی دادی اماں کی طرح جواب دیا تھا۔ رمشا نے اسے گھورا۔

"سنو...... اس کپل کی تصویر کھینچیں۔ کتنی پیاری کیوٹ اور معصوم سی لڑکی ہے اور اس وقت نجانے اسے کیا ہوا ہے۔ لگتا ہے بیمار ہے مگر تھوڑی دیر پہلے دوسری لڑکیوں اور لڑکے کے ساتھ تو مسکرا رہی تھی۔"

"مرواؤ گی۔ کوئی تصویر نہیں کھینچنی۔ تمہیں تو آج کل گدھی بھی خوب صورت لگ رہی ہے۔ ویسے خیریت ہے نا کہیں رضا صاحب سے تو فون پر ہیلو ہائے نہیں ہو رہی۔" حمیرا نے اسے رضا کے نام پر چھیڑا تو وہ جھینپ کر رہ گئی۔

"کیا حرج ہے۔ تصویر کھینچ لیتے ہیں۔ ایمان سے میں نے اتنا مکمل حسن وہ بھی اس قدر پرسوز آج تک نہیں دیکھا۔ اتنا مکمل کپل تو کہیں نہیں ہوگا۔ والدین تو ایک طرف اتنا کیوٹ سا بے بی...... اوہو۔" اس نے دور سے ہی حمزہ کو پیار کیا تھا۔ حمیرا نے اسے ہاتھ مارا۔

"کوئی نہیں چلو یہاں سے۔ وہ مرد اب ہمیں بار بار دیکھ رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ شرافت سے ہمیں نو دو گیارہ کریں ہمیں خود ہی چلے جانا چاہیے۔" حمیرا اس کا بازو پکڑ کر دوسری طرف چلی گئی تھی۔

سمعان احمد جو ان دونوں لڑکیوں کو کافی دیر سے دھیمے سروں میں بار بار اپنی طرف متوجہ پا کر گفتگو کرتے دیکھ رہا تھا۔ ان کو دوسری طرف جاتے دیکھا۔

"چلو اب ادھر سے چلیں۔ سورج غروب ہونے والا ہے اٹھو۔" سمعان نے کہا اور حمزہ کو بازو میں اٹھائے ہاتھ سے اسے سہارا دے کر اپنے مقابل کھڑا کیا۔

"جھولے پر بیٹھو گی......؟" سمعان نے پوچھا تو وہ پہلے تو انکار کرنے کے خیال سے گردن ہلانے لگی تو پھر سمعان کی اپنی ذات کے لیے اتنی فکرمندی محسوس کر کے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"زبردست۔ یہ رنجیدہ سی لڑکی مسکراتے ہوئے کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" دور کھڑی رمشا کی چونچ پھر ہلی تھی۔ آواز کافی بلند تھی جو سمعان اور زرش تک بھی پہنچی تھی۔ الفاظ واضح نہ تھے البتہ دونوں نے

ضرور دیکھا تھا۔

زرش دیکھ کر حیران ہوئی۔

یہ وہی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک ریڈ سوٹ والی اور دوسری اسکن شیڈ میں ملبوس تھی۔ زرش کے دیکھنے پر وہ ریڈ سوٹ والی لڑکی قریب چلی آئی۔

"السلام علیکم۔" حمیرا کا گھورنے کے باوجود اس نے قریب آ کر سلیقے سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" سمعان نے تعجب سے لڑکی کو دیکھا۔ زرش نے خیر سگالی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا رکھی تھی۔

"جی میرا نام رمشا جاوید ہے اور یہ میری کزن، میری کلاس فیلو اور بہت اچھی دوست حمیرا فاروق ہے۔ ادھر آؤ نا۔" اس نے بڑے اعتماد سے اپنا تعارف کروا کر اپنے سے دور کھڑی حمیرا کو بھی درمیان میں گھسیٹا۔ وہ اندر ہی اندر رمشا کی اس دیدہ دلیری پر اسے گھورتے لعنت ملامت کرتے پاس آئی۔

"السلام علیکم۔" گھور کر رمشا کو دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔

"ہم لاہور سے اپنے گروپ کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ پچھلے دنوں ہم مری میں تھے۔ اس سے پہلے ہم ناردرن ایریاز میں بھی دو دن رہ کر آئے ہیں۔"

سمعان نے ناسمجھی سے دونوں لڑکیوں اور پھر زرش کو دیکھا۔ اس سارے تعارف کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ سمعان اندازہ نہیں کر پا رہا تھا۔

"کل ہم نے مری سے واپسی پر اپنی بس سے آپ لوگوں کی گاڑی دیکھی تھی۔"

سمعان کو حیرت کے ساتھ یہ دونوں لڑکیاں اب مشکوک بھی لگیں۔

"تو پھر......؟" اب کے سمعان کے ہونٹوں سے یہ ضرور نکلا تھا۔

"آپ کی مسز بہت پیاری ہیں۔ بہت معصوم کیوٹ اور اور......" رمشا کو تعریف کے لیے مزید الفاظ نہ ملے تو چپ ہو گئی۔

"جی...... ای......" سمعان نے عجیب نظروں سے ان لڑکیوں کو دیکھا۔ یہ لڑکی سمعان کو کچھ کھسکی ہوئی لگی...... ادھر زرش کو جو خود بھی محظوظ ہو رہی تھی۔

"پلیز! آپ ڈائریکٹ اپنی آمد کا مقصد بیان کریں۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی گوہر افشانی کرتی۔ وہ اور زرش ایک دوسرے کے سامنے شرمندہ ہوتے۔ اس نے سامنے کھڑی لڑکی کو ٹوک دیا۔

"میں وہی بیان کرنے لگی تھی لیکن سوچا آپ ناراض نہ ہوں تو یہ ساری تمہید باندھی ہے۔ ویسے تمہید بھی کیا۔ ہم دونوں آپ دونوں سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔" اب کے زرش کو بھی سامنے کھڑی یہ لڑکی کافی دلچسپ لگی۔

"حمیرا کا خیال ہے کہ آپ فیری لینڈ کی باسی 'کوئی پری' ہیں جو بھول کر ہماری زمین پر آ گئی ہیں۔ آپ کی صورت چہرے کا معصوم سا تاثر اور آنکھوں کی جگمگاہٹ...... ہماری دنیا کی کسی باسی کی یہ

خصوصیات نہیں ہو سکتیں اور میرا خیال ہے کہ آپ کسی اپالو سے کم نہیں بلکہ اس سے سو (۱۰۰) نہیں تو (۹۹) نمبر زیادہ ہی ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے نے حمیرا آپ کو پرنس چارمنگ کا خطاب دیا ہے جو کہ میرے نزدیک بالکل درست ہے۔"

اب کے سمعان اور زرش دونوں حیران ہو کر اس مسلسل بولتی رمشا کو گھور رہے تھے۔

"رمشا کی بچی...... بکواس بند کرو......" حمیرا اسے مسلسل ٹوک رہی تھی مگر اسے پروا ہی نہیں تھی۔

"اس ساری تعریفی گفتگو کا مقصد......" اب کے سمعان احمد سے رہا نہیں گیا تھا۔

"جی وہی تو میں بتا رہی ہوں...... وہ دراصل......" وہ چپ ہو گئی تھی۔

سمعان نے الجھ کر زرش کو دیکھا۔

"وہ دراصل ہمیں آپ کا کپل بہت اچھا لگا ہے۔ آپ کا یہ بے بی بھی بہت پیارا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ......"

"کیا آپ ہوش میں تو ہیں......" ایک لمحے کو تو سمعان احمد بھی چکرا گیا تھا۔ زرش فوراً ہوش میں آئی تھی۔

"جی بالکل۔ اسی لیے تو میں آپ دونوں کی ایک اور آپ کے بے بی کی تصویر لینا چاہتی ہوں۔"

"کیا......؟" زرش کا منہ کھلا رہ گیا۔

"دیکھیں۔ آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں ہم......" سمعان نے ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ وہ پھر نان اسٹاپ شروع ہو گئی۔

"پلیز انکار نہ کریں۔ ہم صرف تصویر لیں گی۔ ہم ایسی ویسی لڑکیاں نہیں ہیں۔ آپ ہم سے ہمارا فون نمبر لے لیں۔ حمیرا کو فوٹو گرافک کا جنون ہے۔ اس نے اس میں باقاعدہ ڈپلومہ کیا ہوا ہے۔ یہ بہت اچھی تصویر بناتی ہے۔ ہم آپ کے علاوہ بھی بہت سے اچھے چہروں کی تصویریں لے چکے ہیں۔ ہم تصویریں ڈیولپ کروا کے آپ کو بھیج دیں گی۔ پلیز انکار نہ کریں۔"

سمعان کی بات کو کاٹ کر وہ پھر اپنی ہی ہانکنے لگی۔ سمعان نے زرش کو دیکھا۔ وہ سرخ چہرہ لیے شرمندگی سے نظریں چرا رہی تھی۔

اس لڑکی کی یہ بکواس اسے بہت گراں گزری تھی۔

"دیکھئے۔ آپ نے جو بھی کہا ہے صحیح ہو گا...... لیکن آپ جو بھی سمجھی ہیں وہ غلط ہے۔ ہمارا آپس میں جو رشتہ ہے وہ......" سمعان نے پھر کہنا چاہا تھا مگر وہ پھر بولی۔

"دیکھیں۔ ہمیں کسی کے سامنے اتنی لمبی تمہید باندھ کر کسی کو منت کرنا نہیں پڑی۔ صرف ایک تصویر لیں گے۔ پلیز انکار نہ کریں۔" اب کے حمیرا نے اصرار کیا تو سمعان نے کوفت سے زرش کو دیکھا۔ وہ ان لڑکیوں کو غصے سے دیکھ رہی تھی۔ سمعان کو لگا وہ جیسے بمشکل خود پر کنٹرول کر رہی ہو جیسے موقع ملتے ہی وہ ان سے الجھ پڑے گی جو سمعان کی بات سننے کو آمادہ ہی نہ تھیں۔

"او کے آپ لے لیں تصویر...... زرش کم آن۔"

اس سے پہلے کہ صورت حال مزید بگڑتی سمعان نے ان لڑکیوں کو ٹالنے کو رضامندی دے دی تھی۔ زرش کو امید نہ تھی۔ حیران ہو کر سمعان کو دیکھا۔

”آپ......؟“ وہ ہونق سی گئی۔ اگلے ہی پل وہ بپھر گئی۔

”آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟ بجائے اس کے کہ آپ ان کو ڈانٹیں۔ ان کی غلط فہمی دور کریں۔ آپ خود بھی...... مجھے نہیں بنوانی کوئی تصویر......“ اس کا سارا غصہ سمعان پر نکلا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ غصے سے وہاں سے چلی جاتی۔ سمعان نے اس کی کلائی تھام لی۔ رمشا اور حمیرا چپ چاپ دونوں کو دیکھے گئیں۔

”اب تم ان کی طرح بی ہیو مت کرو۔ چلو سمجھو ایک مذاق ہے۔ انجوائے منٹ ہی سہی...... کم آن پلیز......“

سمعان نے جو پہلے تو کچھ ایموشنل ہوا تھا مگر اب ان لڑکیوں کی باتیں اس کے دل کو چھو رہی تھیں۔ وہ چند سیکنڈ کے لیے یہ انجوائے منٹ چاہتا تھا۔

”مجھے نہیں پتا...... آپ ان کو بتائیں نا...... یوں اچھا نہیں لگتا۔ ان کو بتائیں ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے۔“ وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔ رمشا اور حمیرا کچھ نہ سمجھ سکیں۔

”یہ لوگ تفریح کے لیے آئی ہیں۔ ان کی ایک چھوٹی سی خواہش ہے۔ پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

”تو کریں آپ پوری۔ آپ اپنے ساتھ کسی کو بھی کھڑا کر لیں مجھے نہیں۔ آپ کے لیے کسی کی بھی فرمائش پر تصویر بنوا لینا عام سی بات ہے لیکن میرے لیے نہیں۔“ غصے اور تلخی سے وہ بھول گئی تھی کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

”زری...... زرش......“ غصے سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر سمعان دنگ رہ گیا۔

رمشا اور حمیرا کو اندازہ نہ تھا کہ بظاہر اتنی معصوم اور بھولی بھالی نظر آنے والی لڑکی اندر سے اتنی سخت اور گہری ہو گی۔

”اوکے پلیز آپس دونوں آپ میں نہ الجھیں۔ ہم تو صرف اپنے شوق کی تسکین کے لیے تصویر لینا چاہ رہی تھیں۔ اگر آپ کو برا لگتا ہے یا آپ کی مسز کو ہمارے اس فعل میں کوئی غلط بات دکھائی دے رہی ہے تو اوکے جیسے آپ کی مرضی......“

دونوں کو الجھتے دیکھ کر حمیرا نے بات ختم کرنا چاہی تھی۔ آخر میں بے پروائی سے کندھے اچکائے تو زرش نے اسے ”آپ کی مسز“ کہنے کے جرم میں کینہ توز نظروں سے گھورا۔

سمعان نے کن اکھیوں سے زرش کے تاثرات جانچے۔

”نہیں آپ تصویر بنائیں۔ زرش کوئی حرج نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ سمعان نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے قریب کیا تھا۔ زرش جو پہلے ہی غصے سے کھول رہی تھی۔ اب ضبط کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

”آپ لیں تصویر......“ سمعان کی آفر پر حمیرا نے فوراً اپنا کیمرہ سیدھا کیا۔

”پلیز! آپ ذرا سائیڈ پر ہو جائیں۔ بیک میں جو منظر ہے بہت اچھی تصویر آئے گی۔“ زرش کا غصے اور ضبط سے برا حال تھا۔ سمعان کی پروا نہ ہوتی تو وہ ایک منٹ یہاں نہ رکتی۔ لڑکی کی ہدایت پہ دونوں نے سائیڈ بدلی تھی۔

حمیرا نے ایک کے بجائے دو تصویریں کھینچی تھیں۔ حمزہ کو سمعان نے ہی اٹھائے رکھا تھا۔ تصویر اتروا تے ہی زرش نے آہستگی سے سمعان کی گرفت سے اپنا بازو نکالا تھا اور بے پروائی سے دونوں لڑکیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جھولے پہ جا بیٹھی۔

سمعان نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

زرش کا یہ عمل مکمل لاتعلقی اور سخت ناراضی کا اظہار تھا۔

”آپ کا بہت بہت شکریہ۔ یہ ہے ہمارا فون نمبر اور ایڈریس۔ آپ کا ایڈریس اس لیے نہیں لے رہی کہ آپ کی مسز پہلے ہی ہم پہ شک کر چکی ہیں۔ ہم نے صرف تصویر لی ہے۔ ڈیولپ کروا کر آپ کو بھیجیں گی۔ ویسے آپ کا کپل بلکہ فیملی بہت پیاری ہے۔ لگتا ہے آپ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ویسے وہ ہیں بھی بہت پیاری۔ ہماری وجہ سے آپ سے الجھ پڑیں۔ تھوڑی سی مغرور ہیں مگر جہاں اتنی ساری خوبیاں ہوں وہاں تھوڑی بہت اکڑ چلتی ہے۔“

وہ پھر سے نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔ زرش جھولے پہ بیٹھی رمشا کو قتل کر دینے کے ارادے سے گھور رہی تھی۔

پھر وہ دونوں اللہ حافظ کہہ کر چلی گئی تھیں۔ سمعان نے ان کا دیا ہوا ایڈریس اپنی جیب میں ڈالا اور پھر زرش کی طرف قدم بڑھائے۔

زرش نے سمعان کو دیکھا اور سخت غصے کے اظہار کے طور پہ چہرہ موڑ لیا۔

”بہت دیر ہو گئی ہے۔ سورج ڈوب چکا ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے کیا خیال ہے......؟“ زرش نے کھا جانے والی نظروں سے سمعان کو دیکھا۔ سمعان ہنس دیا۔

”اس طرح گھورو گی تو چڑیل ہو سکتی ہو۔ ذرا بھی اچھی نہیں لگ رہی۔ وہ دونوں اتنی تعریفیں کر کے گئی ہیں تمہاری اور اب تم وہ تعریفیں کنویں میں ڈال رہی ہو۔“ سمعان کا مذاق زرش کو بہت برا لگ رہا تھا۔

”آپ نے ان کو اصل بات کیوں نہیں بتائی......؟“ اسے یہ بات ہی چبھ رہی تھی۔ باقی سب تو نظر انداز کیا جا سکتا تھا مگر......

”تمہارے سامنے ہی کتنی دفعہ بتانے کی کوشش کی۔ کیا انہوں نے سنا......؟“ سمعان نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ سر جھٹک گئی۔

”آپ زبردستی بتا دیتے۔“

”کیسے......؟ وہ مہلت دیتیں تو بتاتا نا......“

”ویسے ہی جیسے مجھے زبردستی تصویر بنوانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اسی طرح انہیں بھی مجبور کر دیتے کہ وہ

آپ کی بات سنیں۔ ‘‘سمعان کی اس کی بچکانہ بات پر ہنسی آ گئی۔

’’اوہ میری کم عقل کزن! تمہیں میں جانتا ہوں۔ سمجھتا ہوں۔ تم سے میرا بے تکلفی اور اپنائیت کا رشتہ ہے جب کہ وہ انجان واجنبی لڑکیاں۔ انہیں میں کیسے مجبور کرتا...... اور اگر کوئی انسان ہم سے ہمارے کسی عمل سے خوش ہوتا ہے تو خوش ہونے دیا جائے۔ آخر کیا حرج ہے......‘‘ آخر میں سمعان نے شرارت سے اس کا چہرہ دیکھا مگر غصہ کم نہ ہوا۔

’’چاہے اس عمل سے ہمارا امیج ہی خراب ہو۔‘‘ شکوہ لبوں پر آ گیا۔

’’کوئی نہیں ہوتا۔ یہ لڑکیاں ہمیں زندگی میں پہلی دفعہ ملی ہیں اور شاید آخری بار بھی......‘‘ سمعان کی بات پر وہ خاموش رہی۔

جو شرمندگی وندامت ہو رہی تھی وہ کیسے ختم ہوتی۔

سمعان احمد سے نظریں ملانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

لڑکیوں کی باتوں پر نجانے سمعان دل میں کیا سوچے اسے یہی فکر ستا رہی تھی۔

’’چلیں اب......‘‘ سمعان کے کہنے پر خاموشی سے اٹھ کر ساتھ چل دی۔

لکڑی کے پل سے گزر کر واپس جانا تھا۔ نیچے جھیل میں بڑے بڑے پتھر تھے اور پانی بہہ رہا تھا اور یہ لکڑی کا پل تھا۔ زرش کی جان ایک دفعہ پھر ہوا ہونے لگی۔ بلندی سے ڈھلوان کی طرف پل تھا۔ زرش کا پل پر پاؤں رکھتے ہی سانس اٹکنے لگا۔ فوراً بے اختیار سمعان کا بازو تھاما۔

’’مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔‘‘ خوف سے کانپتی آواز میں اس نے کہا۔ سمعان احمد نے فوراً اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

بمشکل وہ پل کراس کر پائی تھی۔ زمین پر آتے ہی سمعان کا بازو ہٹاتے وہ بھاگی تھی۔ ان چند لمحوں میں نجانے وہ کن محسوسات کا شکار ہوئی تھی۔ ان لڑکیوں کی گفتگو...... سمعان کا بے پروا انداز میں تصویر بنوا لینا اور پھر اب پل عبور کرنا۔ وہ ہر لمحہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔

تھوڑی دور ہی علی فرح اور نوشی اسے مل گئی تھیں۔ وہ تینوں ان کی تلاش میں ہی نکلے تھے۔

’’تم اکیلی...... سمعان بھائی کہاں ہیں......؟ اور اتنی دیر کہاں لگا دی......؟‘‘

ایک دفعہ پھر پل سے گزرتے ہوئے اس کی رنگت پیلی زرد ہو چکی تھی۔ اس کی طرف تشویش سے دیکھتے ہوئے علی نے پوچھا تھا۔

’’وہ پیچھے آ رہے ہیں۔‘‘

’’تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔‘‘

اسے پھر اسی طرح زرد کملایا ہوا دیکھ کر نوشین کو بھی تشویش ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے سر ہلا کر آگے بڑھ گئی تو تینوں اس کے پیچھے لپکے۔

* * *

شام کے قریب رمشا اور حمیرا کے کالج کا ٹرپ واپس لوٹا تھا۔ حمیرا نے گھر فون کر کے نواز کو بلا لیا تھا۔ وہ اپنی گاڑی میں دونوں کو لینے آیا تھا۔

’’السلام علیکم۔‘‘ دونوں نے مشترکہ سلام کیا تھا۔

’’وعلیکم السلام! کیسی ہو تم دونوں؟‘‘

پورے ایک ہفتے بعد نواز دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ مسکرا کر دونوں سے پوچھا۔

’’بالکل اے ون۔ آپ سنائیں کیا حال چال ہے سب کا؟‘‘

نواز نے دونوں کے لیے دروازے وا کر دیے تھے۔

حمیرا نواز کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ رمشا پچھلی سیٹ پر تھی۔

’’سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ تم سناؤ کیسا رہا ٹرپ......؟‘‘

’’بہت اچھا۔ بہت انجوائے کیا۔ قسم سے بھائی اتنا مزہ آیا کہ بتا نہیں سکتی۔‘‘ نواز نے ڈرائیونگ کرتے حمیرا کا جھلملاتا چہرہ دیکھا۔ وہ خاصی فریش لگ رہی تھی۔

’’ہاں یاد آیا۔ اب بڑی اماں کا کیا حال ہے؟ مجھے ان کی وہاں کافی یاد آتی رہی۔ اب تو پہلے سے بہتر ہوں گی نا......؟‘‘ حمیرا نے نواز سے پوچھا۔

’’ہاں۔ پہلے سے بہتر ہیں۔ صبح ڈسچارج ہو کر گھر جا چکی ہیں۔ ڈاکٹرز کہہ رہے تھے کہ ہفتے بعد پلاسٹر کھول دیا جائے گا۔‘‘

’’گھر کیوں شفٹ ہوئیں...... ٹانگ کا معاملہ ہے۔ ہاسپٹل میں بہتر ٹریٹمنٹ ہوتا۔ پلاسٹر اترنے تک وہیں رکھتے......‘‘ رمشا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

’’شارق کو مسئلہ ہو رہا تھا۔ گھر سے آفس، آفس سے ہاسپٹل۔ ویسے گھر میں بھی وہی ٹریٹمنٹ دیا جا رہا ہے جو ہاسپٹل میں دستیاب تھا۔ شاکرہ کو پہلے ہی مکمل طور پر بڑی اماں کی خدمت کے لیے شارق نے رکھا ہوا تھا۔ صبح سے خالدہ چچی بھی وہیں تھیں۔ کہہ رہی تھیں چند دن وہ وہاں رہیں گی۔ جب تک پلاسٹر نہیں اترتا...‘‘

’’اچھا یہ تو اچھی بات ہے۔ خالدہ چچی تو بڑی اماں کے لیے سب سے بہتر ہیں۔ ویسے نویرہ آپی کا کیا حال ہے؟ مری سے کال کی تھی میں نے ان کو پھر بعد میں بات ہی نہیں ہوئی۔‘‘ حمیرا کو اب نویرہ کا

خیال آیا۔

نواز نویرہ کے ذکر پر ہنس دیا۔

"یہ تو وہی بتا سکتی ہے وہ کیسی ہے؟ پہلے دن ہاسپٹل میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد نہ میں نے دیکھا ہے اور نہ میری موجودگی میں وہ زیادہ ہاسپٹل آئی ہے۔ پچھلے چند دن تو وہ ہاسپٹل گئی ہی نہیں۔"

رمشا خاموشی سے دونوں بہن بھائیوں کو سنتی رہی۔ نویرہ کے ذکر پر کوفت کا شکار ہو گئی مگر چپ رہی۔

"اور شادی کی تیاری کیسی جا رہی ہے۔ ذرا آپی وغیرہ نے کوئی چکر لگایا۔"

"ہاں امی کے ساتھ بازار گئی تھی زارا۔ ایک دفعہ امی نویرہ کو لے کر گئی تھیں۔ مزید تفصیل تم گھر جا کر امی سے خود پوچھ لینا۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔ میرا زیادہ وقت یونیورسٹی سے ہاسپٹل اور پھر اکیڈمی میں ہی گزرتا رہا۔"

"نواز بھائی مجھے پہلے میرے گھر چھوڑ دیجیے گا۔" مین روڈ سے گاڑی جیسے ہی سنگل روڈ پر آئی تو رمشا نے نواز کو کہا۔

"کیا بات ہے تم بڑی خاموش ہو؟" نواز نے بیک مرر سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کو سن رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا حمیرا یاد سے کل پہلی فرصت میں تصاویر ڈیولپ کروا لینا۔" گھر نزدیک آ چکا تھا۔ رمشا نے حمیرا کو یاددہانی کروائی تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔

"اور تم سناؤ کل کالج جانا ہے یا ریسٹ کرنا ہے......"

"نہیں۔ میرا دو دن تک کالج جانے کا قطعی موڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی تمام لڑکیاں ٹرپ کی تھکن اتاریں گی، کم ہی جائیں گی۔ دو دن بعد دیکھیں گے۔" حمیرا کے پوچھنے پر رمشا نے انکار کیا تھا۔ نواز نے گاڑی ان کے گھر کے گیٹ کے سامنے روک کر بیل بجانا شروع کر دی تھی۔

جتنی دیر میں رمشا نے اپنا سامان سے بھرا بیگ اور دیگر چیزیں نیچے اتاری تھیں حمید صاحب نے گیٹ کھول کر باہر جھانکا تھا۔ رمشا اور پھر نواز کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

"اسلام علیکم انکل۔"

رمشا نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا تھا۔ وہ اس کے سر پہ پیار کر کے نواز سے علیک سلیک کرنے لگ گئے تھے۔ رمشا نے کالج پہنچتے ہی اطلاع کر دی تھی۔ زبیدہ بیگم کو پتا تھا کہ نواز حمیرا کو لینے جائے گا تو وہ اسے بھی چھوڑ دے گا۔ باقی گھر میں کسی کو بھی اس کی آمد کی خبر نہ تھی۔ اس لیے حمید صاحب حیران تھے۔ نواز باہر سے گاڑی واپس لے گیا تھا۔ حمید صاحب نے اسے اندر آنے کو کہا بھی تھا مگر وہ اندھیرا بڑھ جانے کی وجہ سے پھر کبھی پہ ٹال کر نکل گیا تھا۔ رمشا اندر چلی گئی تھی۔ حمید صاحب بھی اس کا بیگ لیے اندر آ گئے۔

زبیدہ بیگم کچن میں تھیں۔ رمشا سیدھی ان کے پاس گئی تھی انہوں نے گلے لگا کر خوب پیار کیا ایک ہفتے کے ٹور نے رمشا کی رنگت پر اچھا خاصا اثر ڈالا تھا۔ وہ خاصی فریش اور تر و تازہ لگ رہی تھی۔ زبیدہ نے چائے کے ساتھ اس کی آؤ بھگت کی تھی۔

"رضا کہاں ہے؟ کہیں نظر نہیں آ رہا......؟" گھوم پھر کر سارا گھر دیکھ کر اسے نہ پا کر وہ واپس زبیدہ کے پاس چلی آئی۔

"باہر نکلا تھا تھوڑی دیر پہلے آتا ہی ہو گا۔ تم نہا دھو کر فریش ہو لو۔ میں اتنی دیر میں کھانا تیار کرتی ہوں۔ تب تک رضا بھی آ جائے گا تو مل کر کھائیں گے۔" ان کی بات پر سر ہلاتے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ نہا کر لباس بدل کر وہ خاصی فریش تھی۔ نہانے کے بعد بیگ سے کپڑے نکال کر ان کی جگہ پر رکھے۔ دھونے والے ایک جگہ اکٹھے کیے۔ جرسیاں' سویٹر سب نکال کر ایک طرف دھونے کے لیے الگ کیے۔ کل وہ یہ سب دھونے کا کام نمٹائے گی۔ وہ مکمل ارادہ کرتے ہوئے کمرے پہ طائرانہ نگاہ ڈالے باہر نکل آئی تھی۔ اچانک اسے اسلام آباد میں "پارک" میں کی گئی اپنی حماقت یاد آ گئی تو ہنسی آ گئی۔ ان دونوں نے کیسے اس لڑکے اور لڑکی کو مجبور کر دیا تھا۔ ان دونوں کو تصویر بنوانا ہی پڑی۔

اپنی ہی جون میں ہنستے ہوئے اس نے کچن کے دروازے سے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ اندر سے باہر آتے رضا سے بری طرح ٹکرا گئی

"اوف......" رمشا کی آنکھوں کے سامنے تارے آ گئے اس کا سر رضا سے بری طرح ٹکرایا تھا۔

رضا بھی حیران رہ گیا۔ اپنا سر پکڑتا پیچھے ہٹا۔ بے یقینی سے رمشا کو دیکھا۔ گیلے بال پشت پہ پڑے ہوئے تھے۔ دوپٹہ گلے میں لٹک رہا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں وہ کافی مطمئن اور آسودہ تھا اور اب وہ ایک دم نجانے کہاں سے آ ٹپکی تھی......

"اندھے تھے کیا...... تمہیں پانچ فٹ دو انچ کی لڑکی نظر نہ آئی......" پیشانی کو سہلاتے ہوئے اس نے غصے سے رضا کو دیکھا۔ پورے ایک ہفتے بعد وہ نظر آ رہا تھا۔ دل ایک دم تمام حدیں توڑ کر باہر آنے کو مچلنے لگا تو وہ اس پر برس پڑی۔

"یہی خیال میرا بھی تمہارے بارے میں ہے۔ چلتے ہوئے تم بھی آنکھیں گروی رکھ دیتی ہو شاید۔" بے یقینی کی کیفیت سے نکل کر رمشا کا وجود مکمل ثبوت بنا اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا تو وہ بھی اپنی جون میں لوٹ آیا۔

"پیچھے ہٹو...... رستہ دو مجھے......" ایک ہفتے بعد بھی وہی طنزیہ لہجہ سننے کو ملا تھا۔ وہ کلس کر رہ گئی۔ "یہ شخص کبھی بھی محبت سے بات نہیں کر سکتا۔"

"مجھے بھی شوق نہیں ہے تمہارے راستے میں آنے کا......" اس نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تھا۔ غصے سے اسے ایک طرف دھکیل کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ وہ غصے سے کھولتی اندر بڑھی۔ زبیدہ بیگم کچن میں نہیں تھیں۔

"اجڈ...... جاہل...... ایک ہفتے بعد سامنا ہوا ہے تو وہی انداز...... بدتمیز......" غصے سے اس نے برتنوں میں جھانکنا شروع کر دیا تھا۔ زبیدہ بیگم نے پالک گوشت پکایا تھا۔ ساتھ میں چاول اور پھلکے تھے۔ چاول ابھی دم پہ تھے۔ پھلکے تیار ہاٹ پاٹ میں تھے۔ رمشا کی بھوک ایک دم چمک اٹھی۔ مینو اس

کے حسب خواہش تھا۔

رات کا کھانا سب نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔ زبیدہ بیگم اور حمید صاحب دونوں ہی اس سے ٹرپ کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ وہ انہیں مسکرا کر کھانا کھاتے ٹرپ کی مکمل روداد سنا رہی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے زبیدہ بیگم کو کچھ بھی نہیں کرنے دیا تھا۔ برتن سمیٹ کر دھو کر اس نے چائے بنائی تھی۔

زبیدہ بیگم اور حمید صاحب ٹی وی دیکھتے باتیں کر رہے تھے۔ وہ سب کی چائے ادھر ہی لے آئی تھی۔ رضا نہیں تھا۔

"تم رضا کو کمرے میں ہی چائے دے کر آ جاؤ۔ وہ شاید پڑھائی میں مصروف ہے۔" زبیدہ بیگم نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر کہا تو وہ سر ہلا کر رضا کا کپ لے کر اس کے کمرے سے چلی گئی۔ کمپیوٹر آن تھا۔ وہ کمپیوٹر چیئر پر بڑے ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمپیوٹر اسکرین پر شاید کوئی فلم چل رہی تھی۔ دروازے پر کھڑے اندر جھانکتے ہوئے وہ یہی اندازہ لگا سکی تھی۔

"یہ چائے......" وہ خاموشی سے اندر آئی تھی یا پھر رضا بری طرح فلم میں مصروف تھا۔ اس نے کپ کی بورڈ کے پاس رکھا تو وہ چونکا۔

"تم......" رمشا پر نظر پڑی تو انتہائی ناگواری سے دیکھا۔ رمشا چائے کا کپ رکھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ پچھلے آٹھ دنوں سے کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی تھی سوائے رضا کے۔ کمرے کا جائزہ لے کر اس نے رضا کو دیکھا۔

وہ اب پھر کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جما گیا تھا۔ جیسے رمشا کا اس وقت ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہو۔ رمشا کو آگ سی لگ گئی۔

رضا کے مسکراتے ہونٹ...... جگمگاتی آنکھیں...... مسلسل مونیٹر کی اسکرین کو گھورنا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

"پھپھو تو کہہ رہی تھیں کہ تم پڑھائی میں مصروف ہو مگر کیا زبردست مصروفیت ڈھونڈی ہے تم نے۔ ویسے یہ کون سی فلم ہے؟"

کوئی انگلش موی تھی اردو ڈبنگ میں۔ رضا نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تم سے مطلب...... تم چائے دے چکی ہو تو اب جا سکتی ہو۔" رمشا کے لہجے پر وہ خود پر نہ پہلے بھی کنٹرول کرتا تھا اور نہ ہی اب ضرورت سمجھی تھی۔

"میرے بعد ایسا کیا ہوا کہ یہ شخص اتنا بدلا ہوا ہے......؟" رضا کی مسلسل جگمگاتی آنکھوں اور چہرے کے تاثر سے وہ کچھ بھی اخذ نہ کر پائی تھی۔

"بہت خوش ہو......؟" اس سے رہا نہ گیا تو پوچھ لیا۔

رضا نے اسے مسلسل سر پہ جمے دیکھ کر کمپیوٹر آف کر دیا تھا۔

"تم سے مطلب......؟" چیئر سے اٹھ کر وہ سیدھا ہو کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اونچا لمبا قد۔ متناسب سراپا وہ اپنی عمر سے کافی بڑا اور صحت مند لگتا تھا۔ رمشا اپنے نازک سے سراپا سمیت اس کے سامنے کچھ بھی نہ تھی۔ اس کا قد تو رضا سے چار پانچ انچ کم ہی تھا جب کہ رضا کا قد پانچ فٹ چھ انچ تھا اور اس جسامت کی وجہ سے لمبا بھی لگتا تھا۔

"تم بھول رہے ہو۔ تمہاری ذات سے سارے مطلب اب میرے ہی ہیں۔" رضا نے کافی رکھائی سے رمشا کا چہرہ دیکھا۔ اس ٹرپ نے اس کی شخصیت پر خاصا خوشگوار اثر چھوڑا تھا۔ وہ پہلے سے کافی نکھری نکھری محسوس ہوئی۔

"یا شٹ اپ۔ وہ سارے مطلب میرے قبول کرنے یا انکار کرنے پر انحصار کرتے ہیں۔" اس نے بھی دوبدو جواب دیا تھا۔

"میں اس وجہ کی تبدیلی دریافت کر سکتی ہوں......؟ آٹھ دن پہلے تو تم نویرہ کے غم میں مبتلا اس کی شادی کی فکر میں دبلے پتلے ہو رہے تھے۔ اب ان آٹھ دنوں میں ایسا کیا ہو گیا کہ تم مسکرانے بھی لگے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہاری نویرہ آپی کی شادی رک گئی ہو۔ اگر تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو تو واپسی پر نواز بھائی کے ساتھ ہی آئی ہوں۔ ان کی باتوں سے ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں ہوا۔"

رمشا کے اندر شاید کوئی اور خوبی تھی کہ نہیں جلتی پر تیل کا کام کرنا خوب جانتی تھی بلکہ رضا کے اچھے خاصے موڈ کو غارت کرنا کوئی اس سے سیکھتا۔

"شٹ اپ...... تم پوری فتنہ ہو......" رضا کو پتہ نہیں تھا کہ یہ آتے ہی اس سے محاذ آرائی پر تل جائے گی۔

"ٹھیک ہے مجھے نہیں پتا تھا۔" وہ جو اس کا جواب سن کر ہمیشہ بھڑک اٹھتی تھی۔ اب کی بار کورنش بجا لائی۔ رضا مزید جل بھن گیا۔ اندر ہی اندر حیران بھی ہوا کہ رمشا کی آبزرویشن اتنی ٹھیک کیسے ہے...... وہ تو واقعی آج کل خوش تھا...... ہواؤں میں اڑ رہا تھا...... مگر...... اس نے لب بھینچ کر اپنے سامنے کھڑی رمشا کو نفرت سے دیکھا۔

"ایسا کیا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ مجھے نہیں بتاؤ گے......؟"

ایک پل کے لیے رضا کے چہرے پر ٹھہر جانے والا تاثر رمشا کی تیز نگاہ سے بھلا کیسے بچ سکتا تھا۔ فوراً پوچھا۔

"میں اگر کہوں کہ...... محبت...... تو......" رضا کو بھی اسے جلانے کا خیال آیا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر کہا۔

رمشا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"کیا......؟" اس کے ذہن و دل میں نویرہ کا سراپا گھوم کر رہ گیا۔

"یہ کب اور کیسے ہو گیا......؟" اس کے دل و دماغ میں یہ سوال چکرانے لگا۔

"کیا مطلب......؟" اس نے پوچھا بھی تو کیا...... رضا کھل کر ہنسا۔

"اتنی عقل مند بنتی ہو تو وجہ بھی دریافت کر لو۔ مجھ سے کیا پوچھتی ہو......" اگلے ہی لمحے اسے جلا بھنا چھوڑ کر وہ یکسر لاتعلقی سے دوبارہ کمپیوٹر کرسی پر جا بیٹھا۔

"رضا..... تم آرام سے مجھے بتاؤ تمہاری اس بکواس کا مطلب......؟" اگلے ہی لمحے وہ غصے سے اس کی طرف گھومی۔ وہ ہنسنے لگا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ میں اتنا خوش ہوں...... یا مجھے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ ویسے اطلاع دینے کا شکریہ...... بعض اوقات انسان کو خود بھی پتا نہیں چلتا کہ اسے کوئی خزانہ مل گیا ہے جب تک دوسروں کی نظریں احساس نہ دلائیں۔" عجیب خود سے بیگانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ پھر ہنسا۔ رمشا ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"کہیں یہ نویرہ کے سامنے دل کی بات تو نہیں کہہ آیا۔"

رمشا کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی تھی۔ خوف سے اسے دیکھا جو مسرور سا واقعی خوش لگ رہا تھا...... جیسے ساری دنیا کی دولت سے بھی بڑھ کر کوئی چیز اسے مل گئی ہو۔ رمشا نے اس کی آنکھوں میں زندگی ہار جانے کی تڑپ و مایوسی دیکھی تھی اور اب...... یہ سب کچھ پا لینے کی خوشی کہاں سے آ گئی تھی۔

وہ تو اس لڑکے کی آنکھوں کا رنگ دیکھ کر اس کے اندر کی کیفیت کا اندازہ لگا لیتی تھی اور اب......

"رضا! نویرہ کی شادی قریب ہے...... اگر تم نے کوئی ایسی ویسی حماقت کی تو دیکھنا پھر میں کیا کرتی ہوں......" اس سے کچھ نہ بن پڑا تو دھمکی پر اتر آئی۔ رضا نے انتہائی تاسف سے اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ تڑپ ظاہری کے ساتھ ساتھ اندرونی طور پر بھی تم پر اچھا خاصا اثر انداز ہو گا مگر...... افسوس...... بیمار ذہنیت لوگ ہمیشہ بیمار ہی رہتے ہیں۔ اب تمہاری انویسٹی گیشن ختم ہو چکی ہو تو پلیز تم جا سکتی ہو۔ میرا تم سے دماغ کھپانے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

اس نے قطعیت سے کہتے ہوئے رمشا کو چلے جانے کو کہا تھا۔

رمشا غصے سے اسے گھورتی رہی پھر تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ رضا نے انتہائی تاسف سے گردن ہلائی پھر رمشا کی اپنے متعلق اتنی درست آبزرویشن پر حیران بھی ہوا۔

وہ واقعی بدلا بدلا تھا۔

مگر رمشا نے کیسے آتے ہی اس کے اندر کی کیفیت پڑھ لی۔ وہ تو خود بھی نہیں جانتا تھا کہ کیا بات اس کی خوشی کا سبب بنی ہے مگر وہ خوش تھا...... بہت زیادہ خوش۔ رضا کو اپنی یہ کیفیت اس دن سے محسوس ہو رہی تھی جب وہ بڑی امی کی عیادت کے لیے امی کے باربار کے اصرار پر ہاسپٹل گیا تھا۔ وہاں نویرہ تھی۔ پہلے تو اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ اذیت سے دوچار ہوا تھا اور پھر نویرہ کا مسلسل اپنائیت بھرا رویہ دیکھ کر پھر سے جی اٹھا تھا اور پھر جب وہ واپسی پر اس کے ساتھ اپنے گھر جا رہی تھی تو رضا گم صم سا ہو گیا تھا۔ نویرہ کبھی بھی اس کے ساتھ بائیک پر کہیں نہیں گئی تھی اور تب وہ اس کے ساتھ بائیک پر جانے پر رضامند تھی۔

بائیک پر بیٹھتے ہوئے لمحہ بھر کو وہ جب رضا کا کندھا تھام کر پیچھے بیٹھی تھی۔ رضا کو وہ لمحے زندگی کا حاصل لگے تھے۔ اس نے بائیک اسٹارٹ ہونے کے بعد ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا مگر اس کا لمس جیسے رضا

کے کندھے پر ثبت ہو چکا تھا...... ٹھہر گیا تھا۔

وہ اس کے پیچھے بیٹھی رضا کی کیفیت کو عجیب سے احساسات سے دوچار کرتی رہی تھی۔ اپنے گھر کے سامنے اتر کر اس نے رضا کو اپنے گھر اندر چلنے کو کہا تھا۔ اندر جا کر اس کے ہاتھ کی چائے پی۔ اس کے ساتھ خوش گپیاں لگائیں۔ رضا واپس اسی جون میں آ چکا تھا جس پر وہ کبھی تھا اور یہ کیفیت اس دن سے تھی۔ نویرہ کے ساتھ گزارے وہ چند گھنٹے رضا کو متاع حیات سے بھی بڑھ کر لگ رہے تھے۔ وہ تو ابھی تک ان لمحوں کی کیفیت میں مست تھا۔ وہ تو بھول ہی چکا تھا کہ نویرہ کی شادی بھی ہو گی۔ نواز بھی کہیں ہے۔ رمشا کا وجود اس کی ذات کے ساتھ کہیں نتھی ہے۔ وہ تو سب کچھ فراموش کیے ہوئے تھا۔

رمشا نے آتے ہی اسے دوبارہ حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا تھا۔

سب کچھ پا کر ہار جانے کی کیفیت نے ایک دم رضا کے وجود کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

* * *

اگلے دن وہ سب لوگ اکٹھے ہی گھر لوٹے تھے۔ سمعان فرح اور علی کے ساتھ گھر آیا تو شام گہری ہو چکی تھی۔ سعید احمد کو ان لوگوں کے آنے کی اطلاع سمعان کے فون کے ذریعے پہلے ہی تھی سو وہ ان کی آمد سے پہلے ہی گھر پر موجود تھے۔ اس کے پیچھے طاہرہ بیگم کو سمعان کی اسلام آباد میں موجودگی کا علم ہوتے ہی وہ سعید احمد سے الجھ پڑی تھیں۔ جواباً وہ بھی دوبدو ہوئے تھے تب تو طاہرہ بیگم خاموش ہو گئی تھیں مگر اب تینوں بچوں کو دیکھ کر انہیں پھر سے غصہ آنے لگا۔ علی اور فرح کے سلام کا جواب تو سر کے اشارے سے دے دیا مگر جب سمعان نے سلام کیا تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔

سمعان نے کن انکھیوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے اپنے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے آنکھ کے اشارے سے پروا نہ کرو کہا تو سمعان نے بے چارگی سے دوبارہ ماں کو دیکھا جو میگزین تھامے اس کی ورق گردانی میں مصروف تھیں۔

"امی! بہت بھوک لگی ہے۔ ویسے کھانے میں کیا ہے؟" علی جو طاہرہ بیگم کے تیور نوٹ تو کر چکا تھا پھر بھی پوچھا تو طاہرہ بیگم نے غصے سے گھورا۔

"میرا کلیجہ ہے......" جی تو چاہا ان کا کہ صاف کہہ دیں مگر سامنے بیٹھے شوہر کا لحاظ آ گیا جو ہمیشہ انہیں بے بس کر دیتے تھے۔

"پتا نہیں۔ ماجدہ سے پوچھ لو کچن میں ہی ہو گی۔" انہوں نے رکھائی سے کہا تو علی نے فرح کو دیکھا۔

طاہرہ بیگم پہلے صرف اپنے بچوں کے لیے کچن میں کام کرتی تھیں۔ اب بچے نہیں تھے تو انہوں نے کچن میں جھانکنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ماجدہ نے جو پکا دیا کھا لیا مگر اب کی بار تو سعید احمد کی بھی انہوں نے پروا نہ کی تھی۔ انہوں نے بھی طاہرہ بیگم کو نہیں ٹوکا تھا۔ جانتے تھے کہ بچوں کے آتے ہی وہ روٹین پر آ جائیں گی۔

وہ تینوں ماں کے رونے سے بدظن ہو کر اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے تھے۔ ماجدہ نے کھانا لگایا

تو سب کو اطلاع دی۔ کھانے کے بعد فرح نے چائے بنائی تھی۔ آج کتنے دنوں بعد طاہرہ بیگم کو اپنے گھر کا ماحول میں پھر سے زندگی کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ سعید احمد کو بھی یہی محسوس ہوا مگر دونوں ایک دوسرے سے انتہائی ضرورت کے تحت کبھی بات کرنا تو دور کی بات کبھی دیکھتے بھی نہ تھے مگر گھر کی رونق بحال ہوتے دیکھ کر دونوں کے محسوسات ایک سے تھے۔

علی اور فرح نے ماں باپ کے لیے کئی تحفے خریدے تھے۔ چائے پیتے ہوئے علی نے ماں کو بتایا تھا۔

طاہرہ بیگم اندر سے ان سے چچا کی فیملی کے ساتھ جانے پر کتنی ہی خفا تھیں مگر فرح اور علی کے قصے سنانے پر پوری طرح متوجہ تھیں۔

"ہم آپ کے لیے بہت سے تحفے لائے ہیں۔ میں لے کر آتی ہوں۔" فرح فوراً چلی گئی تھی پھر ایک بیگ لے کر آ گئی۔

دونوں نے کئی خوب صورت چیزیں لی تھیں۔ گھریلو آرٹیفشل چیزیں...... سوٹ...... جیولری وغیرہ۔

طاہرہ بیگم علی اور فرح کے لائے ہوئے تحفے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"یہ جوتے میں نے نتھیا گلی سے آپ کے لیے لیے تھے۔ مجھے یہ فلیٹ سے بہت اچھے لگے تھے۔ ایڑی والے آپ پہنتی تو نہیں ہیں۔ میں نے یہ لے لیے۔"

فرح نے براؤن فلیٹ مگر کالے خوب صورت جوتوں کا جوڑا طاہرہ بیگم کے سامنے رکھا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

ان کی اولاد ان سے بہت محبت کرتی تھی۔ انہیں ایک دم احساس ہوا لیکن انہوں نے کہا کچھ نہیں۔

"اچھے ہیں نا......؟" فرح بڑی آس سے ماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔

"بہت اچھے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو فرح خوش ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب طاہرہ بیگم ان سے ناراض نہیں تھیں۔

"میرا اور آپ کا ایک ہی ناپ ہے۔ بس تھوڑے سے کھلے لیے ہیں۔ آپ کو بالکل فٹ رہیں گے۔" طاہرہ نے پہن کر دیکھے جو واقعی فٹ تھے۔

"یہ میں نے ابو کے لیے کتابیں، بال پین اور ٹائی لی ہے۔" اس نے سعید احمد کی چیزیں نکال کر انہیں تھمائیں تو وہ نہال ہو گئے۔

"میری بیٹی میرے لیے اتنا کچھ لے آئی۔ بیٹا بہت پیارا ہے سب کچھ......" انہوں نے اسے محبت سے ساتھ لگا کر کہا تھا۔ وہ خوشی سے ایک دم جی اٹھی۔ اس کے بعد علی ماں باپ کو اپنی لائی گئی چیزیں دکھا رہا تھا۔

"سمعان! تم کچھ نہیں لائے ہمارے لیے......؟" سمعان جو خاموشی سے فرح اور علی کو مسکراتے دیکھ رہا تھا، نے پہلے باپ کے پوچھنے پر انہیں مسکرا کر دیکھا پھر ماں کو ان کا مسکراتا چہرہ ایک دم سنجیدہ لگا۔

"لایا تو ہوں۔ اسی بیگ میں ہیں۔ پتا نہیں آپ کو پسند بھی آتی ہیں کہ نہیں......" ماں کے رویے سے وہ کچھ بجھ کر رہ گیا تھا۔ کچھ بھی نہ کرتے ہوئے بھی اسے گناہ گار ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

"یار! دکھاؤ گے تو پتا چلے گا کہ کیا لائے ہو؟"

انہوں نے اس کی خاموشی ختم کرنا چاہی تھی۔ سمعان ہنس کر آگے بڑھا تھا۔ بیگ سے ایک شال اور خوب صورت پتھر کے بنے کنگن نکال کر طاہرہ بیگم کی طرف بڑھائے تھے۔

"یہ آپ کے لیے لایا ہوں۔"

طاہرہ، سمعان کے جھوٹ پر اس سے اس قدر خفا تھیں کہ ایک دم جی چاہا کچھ بھی لینے سے انکار کر دیں مگر پھر ہاتھ بڑھا کر چیزیں تھام لیں۔

"یہ چشمے کا فریم اور والٹ آپ کے لیے ہے۔" سمعان نے دونوں چیزیں باپ کو دیں تو انہوں نے خوش دلی سے تھام لیں۔

"بہت پیاری ہیں۔ تم تینوں بہن بھائیوں کی چوائس تو بہت عمدہ ہے۔" انہوں نے برملا سراہا تھا۔

"بس آپ کو پسند آ گئیں ہمارے لیے یہ کافی ہے۔" باپ کی تعریف پر فرح پھولے نہیں سما رہی تھی۔

وہ تینوں کافی دیر تک ماں باپ کے ساتھ بیٹھے گزرے دنوں کا احوال سناتے رہے تھے۔ رات گیارہ بجے کے قریب سعید احمد لیٹ ہونے کا کہہ کر سونے اٹھے تو طاہرہ بیگم، علی اور فرح کو بھی سونے کا کہنے لگیں۔

"تھکن ہو گئی ہو گی تم لوگوں کو۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔" انہوں نے کہا تو فرح اور علی شرافت سے چلے گئے۔ سمعان بھی اٹھ کر جانے لگا تو انہوں نے روک لیا۔

"تم بیٹھو۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

سمعان نے ماں کے رویے سے ان کے موڈ کا اندازہ لگانا چاہا۔

"جی۔ خیریت......؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا کہنے والی ہوں......" انہوں نے غصے سے ٹوکا تو سمعان ایک دو پل کو چپ ہو گیا۔

"آپ کو فرح اور علی کا چچا کی فیملی کے ساتھ جانا اچھا نہیں لگا تھا۔ آپ ان دونوں سے ناراض تھیں۔ میں صرف آپ کی وجہ سے سب کے ساتھ نہیں گیا تھا مگر عثمان اور بھابی کے روزانہ فون آ رہے تھے۔ مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا تھا۔"

"تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا......" انہوں نے سخت خفگی سے جتایا۔

"جی۔ صرف آپ کی ناراضگی کی وجہ سے۔" سمعان نے انتہائی سعادت مندی سے کہا تو طاہرہ کا ٹمپرامنٹ لوز ہونے لگا۔

"جب تمہیں علم ہو گیا تھا کہ مجھے پتا چل گیا ہے تو پھر تم نے کال کیوں نہیں کی......" انہیں اب مزید غصہ آ رہا تھا۔

"آپ تب بھی اتنا ہی ناراض ہوتیں......" مختصراً سمعان نے کہا تو انہوں نے غصے سے سمعان احمد کو چند لمحے دیکھا۔

سمعان احمد انہیں اپنی ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

"اب تو میں بہت خوش ہوں نا......" انہوں نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"مجھے آپ کے اس رویے کی وجہ کبھی سمجھ نہیں آئی۔ ہم آپ کی اولاد ہیں مگر ہمیں ہر وقت آپ کی ناراضی کا خوف لاحق رہتا ہے۔ میں نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ صرف آپ کی ناراضی کے سبب آپ کو اصل وجہ نہ بتا سکا۔ ابو تو اچھی طرح جانتے تھے کہ میں اسلام آباد جا رہا ہوں اور اصل بات تو یہ ہے کہ انہوں نے ہی بہت اصرار سے مجھے بھیجا تھا۔" سمعان نے صاف اور سیدھی بات کی۔

"یوں کہو کہ تم اپنے باپ کی مان کر مجھے نیچا دکھانا چاہتے تھے۔" انہوں نے تو بدگمانی کی حد ہی کر دی تھی۔

"امی پلیز! آپ ہر وقت یوں منفی مت سوچتی رہا کریں۔ ہم بھلا آپ کو کیوں نیچا دکھائیں گے۔ آپ ہماری ماں ہیں۔ ہمارے لیے قابلِ احترام ہیں۔ اس طرح تو آپ ہماری محبت پر کھلم کھلا شک کر رہی ہیں۔"

انہوں نے سمعان کو غصے سے دیکھا۔ سمعان کچھ بھی ہو جائے ان سے دوبدو کبھی کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ ان کا بہت احترام کرتا تھا مگر اب......

"بہت خوب۔ تم رہ گئے تھے تمہارے منہ میں بھی باپ والی زبان آ گئی ہے۔ میں تو سچ کہتی ہوں۔ یہ سب شائستہ جیسی عورت کا جادو ہے جو بھی ایک دفعہ اس کے سائے میں بیٹھتا ہے مجھے ایسے ہی آنکھیں دکھاتا ہے۔ آج تم بولے ہو کل تمہاری کوئی بہن بھی بولنے لگ جائے گی۔ علی کو تو پہلے ہی میرا ادب لحاظ نہیں...... خوب اس چلتر باز عورت نے ان تین چار دنوں میں تمہیں تربیت دی ہے۔" طاہرہ بیگم نے بھی بدگمانی کی حد کر دی تھی۔

سمعان تاسف و بے بسی سے دیکھے گیا کہ یہ واقعی اس کی ماں ہے......

"امی پلیز! آپ حد سے گزر رہی ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی سمعان احمد کو کہنا پڑا تھا۔

"ہاں یہی کسر رہ گئی تھی تم بھی مجھے ہی سناؤ۔ چل گیا ہے اس عورت اور اس کی مکار چالاک جادوگرنیوں کا جادو۔ اب تمہیں ماں حد سے گزری ہوئی ہی لگے گی۔" انہوں نے غصے سے کہا تو سمعان نے غصے سے سر کو جھٹکا۔

"حد ہوتی ہے بدگمانی کی بھی۔ آپ کو تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔" ماں کے سامنے تو وہ ویسے ہی بولنے کے حق میں نہ تھا۔ اب بھی طاہرہ بیگم خود کو روکتی تو کبھی ان کے سامنے یوں آؤٹ نہ ہوتا۔ غصے سے کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

طاہرہ بیگم کی باتیں رہ رہ کر یاد آتی رہیں اور سمعان احمد ساری رات سلگتا رہا۔

* * *

خالدہ بچی جو کہ واجدہ بیگم کے پاس ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہاں وہ بہن کی وقت بے وقت کی تکلیف سے خود بھی اذیت سے دوچار ہو گئی تھیں۔ شاکرہ ہر وقت واجدہ بیگم کے ساتھ ہی ہوتی تھی مگر رات کو بھی تکلیف سے یا پھر خود ہی آنکھ کھلنے پر وہ خالدہ بیگم اور واجدہ آپا کے ساتھ اٹھ جاتی تھیں۔ وہ تو پہلے بھی گھر کی چار دیواری میں مقید تھیں اب تو مزید بستر کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ دن تو جیسے تیسے ان کا گزر جاتا تھا رات گزارنا واجدہ آپا کے لیے بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ ایسے میں ان کے لیے پورا ایک بندہ چاہیے تھا، جو ان کے ساتھ وقت بے وقت جاگے بلکہ ان کی تکلیف اپنی باتوں سے بھی کم کرے۔ خالدہ خاتون تو دو راتوں میں جاگ کر ہی بیمار پڑ گئی تھیں۔ تیسرے دن دوپہر کے وقت نبیل گھر سے نکل کر خالدہ کے گھر گیا تو ماں کو بخار میں مبتلا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"یہ کیا حالت کر لی ہے اپنی......؟ آپ کو بخار تھا تو مجھے اطلاع کر دی ہوتی۔ میں آ جاتا یا پھر نویرہ آ جاتی......"

"میں نے کتنی دفعہ کہا تھا شاکرہ کو بھی کہا تھا کہ تمہیں فون کر دے مگر خالدہ مانتی ہی نہیں۔" واجدہ آپا کو بھی بہن کی طبیعت خراب ہونے کا ملال تھا۔

"رات دیر تک جاگنے سے طبیعت بگڑ گئی ہے۔ تم جانتے ہو دن سارا دن میں جتنا مرضی تھک جاؤں رات کبھی نہیں جاگی۔ بس تھکن سی ہو گئی ہے۔ آرام کر رہی ہوں۔ شام تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔" بیٹے اور بہن کو پریشان دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر ٹالا تو وہ قطعی نہ مانا۔

"بالکل نہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے...... آپ گھر چلیں۔"

"تو یہاں آپا کے ساتھ کون ہو گا......؟" بیٹے کے دوٹوک انداز پر انہوں نے بستر پر موجود دوسروں کے رحم و کرم پر پڑی بہن کو دیکھا۔ واجدہ آپا مسکرائیں۔

"میری فکر نہیں کرو۔ جب تک پلاسٹر نہیں اترتا، پریشانی تو ہے پھر شاکرہ بھی ہے۔ تم گھر جا کر آرام کرو۔ یہ نہ ہو کہ طبیعت زیادہ خراب ہو جائے۔" انہوں نے بہن کو تسلی دی تھی مگر ان کا دل نہ مانا۔

"میں نویرہ کو چھوڑ جاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" نبیل نے ماں اور خالہ دونوں کو تسلی دی۔

"رہنے دو بیٹا! وہ کہاں ان دنوں پریشان ہو گی۔ شادی کے دن اب دور نہیں ہیں۔ گھروں میں سو کام ہوتے ہیں۔ بچیوں کے اپنے ہی شوق پورے نہیں ہوتے۔ وہ میری وجہ سے یوں خوار ہوں گی۔ آرام سے اپنے کام نمٹائے۔"

واجدہ آپا نے منع کر دیا تو خالدہ نے بہن کو دیکھا۔ اس حالت میں صرف ملازمہ کے سر پر بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ جدہ سے رفعت بھی نہیں آ سکتی تھی کہ اس کے بچوں کی تعلیم اور میاں کی جاب کا مسئلہ تھا۔

"آپا! چند دنوں کی بات ہے۔ نویرہ نے ویسے بھی اچھی خاصی تیاری کی ہوئی ہے۔ جب تک آپ کا پلاسٹر اترتا ہے وہ آ جائے گی ہے۔ دن میں تو آپ ٹھیک ہی رہتی ہیں۔ زیادہ بات ہوئی تو نبیلہ بھی آ جایا کرے گی۔ رات کو نویرہ یہیں رہ لے گی۔ ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے۔ پھر اللہ مالک ہے۔ نبیلہ

بچی والی ہے پھر گھر کا سارا انتظام اسی نے سنبھالا ہوا ہے ورنہ میں اسے بھیج دیتی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں تو بچی کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔ بے چاری شادی کی تیاریوں میں الجھی ہوئی ہے۔ کہاں گھر سے نکلنے کا وقت ہوگا......"

"آپ اس بات کی بالکل فکر نہ کریں۔ نبیلہ پیچھے سے سب سنبھال لے گی۔ زیادہ فکر ہوئی تو دونوں ہی دن آپ کے پاس گزار لیا کریں گی۔ زیادہ شاپنگ وغیرہ کا ہی مسئلہ ہے نبیلہ یہاں آجایا کرے گی۔ دونوں دن میں جاکر کرلیا کریں گی۔ رات کو نویرہ بھی ادھر ہوگی۔"

نبیل کو بھی ماں کی بات اچھی لگی تھی۔ خالہ کو کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔ پھر مزید تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ ماں کو لے کر گھر آگیا تھا۔ نویرہ سلائی مشین رکھے مصروف تھی تو نبیلہ ڈھیروں سامان پھیلائے پیکنگ کر رہی تھی۔

ماں کو نبیل کے ساتھ آتے دیکھ کر نویرہ حیران ہوئی۔

"امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہی تھی میں گھر لے آیا ہوں۔" نبیل نے بیوی اور بہن کو بتایا تو دونوں پاس آبیٹھیں۔

"خدا خیر کرے۔ زیادہ طبیعت تو نہیں بگڑ گئی......"

خالدہ بیگم ویسے بھی بہن کی تکلیف پر بہت دکھی تھیں۔ بہن کی تکلیف کا دکھ اندر ہی اندر انہیں کھائے جا رہا تھا۔ اولاد کے سامنے کچھ بھی کہہ نہیں سکتی تھیں۔

"نہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ بس رات کا جاگنا ہوتا ہے۔"

"تو اب خالہ امی کے پاس کون ہے......؟" نویرہ نے ہی پوچھا تھا۔

"کوئی بھی نہیں...... میں سوچ رہی ہوں کہ تمہیں بھیج دوں۔ آپا کے پاس رہو گی تو دل بہلا رہے گا ان کا۔"

"جی امی۔" وہ امی کی بات پر حیران ہوئی۔

"مگر میں کیسے جا سکتی ہوں...... ادھر یہ جو اتنے کام پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سلائی کا ہی اتنا کام ہے۔" اس نے ادھر ادھر پھیلے پھیلاوے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہو جائے گا۔ میں احمد کو کہوں گی وہ ساجدہ کو بھیج دے۔ اگلے ہفتے ڈیڑھ میں ساجد بھی بیوی بچوں سمیت دوبئی سے آجائے گا تو سب کچھ خود ہی ہو جائے گا۔ سلائی کا کام تم نے خود ہی اپنے ذمے لے لیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ درزی کو دو ختم کرو یہ مشقت۔ باقی کام دیکھو۔"

"مگر آپ کو پتا ہے کہ میں درزی کے کام سے مطمئن نہیں ہوتی۔ وہ میری مرضی کے مطابق کام نہیں کرتا۔"

"تو شہر میں درزی مر گئے ہیں۔ کسی اور کو دیکھ لیتے ہیں۔"

"پتا نہیں کوئی کیسا کام کرے۔ میں خود ہی کرلوں گی۔" اس نے فوراً منع کر دیا۔

"پتا نہیں تمہارا کیا بنے گا۔ سارا دن مشین کے سامنے بیٹھ کر اپنی سی صورت نکل آئی ہے۔ ان دنوں لڑکیوں کو اپنے آپ کو سنوارنے بنانے سے فرصت نہیں ہوتی اور تمہیں کوئی پروا ہی نہیں ہے۔"

انہوں نے اب نویرہ کو بغور دیکھا تو غصہ آنے لگا۔ کام کے چکروں میں وہ ہمیشہ خود کو بھول جاتی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔ اچھی خاصی صورت ہے میری۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے ماں کو ٹالا۔

"اچھا پھر میں کیا کروں؟ میں خالہ کو کہہ آیا ہوں کہ میں نویرہ کو چھوڑ جاتا ہوں اب......؟" اس نے سوالیہ نظروں سے پہلے ماں اور پھر بہن کو دیکھا۔ نویرہ نظریں چرا گئی۔

اسے واجدہ خالہ سے بہت محبت تھی مگر شارق کی وجہ سے وہ بہت محتاط ہوگئی تھی۔ اب بھی دل نہیں مانتا تھا۔ وہاں جانے کو ان کاموں میں وہ خالہ کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتی تھی۔

"چلی جائے گی نویرہ۔ ان کپڑوں کا مسئلہ ہے تو ساتھ لے جائے۔ دن میں خالہ کے پاس بیٹھ کر کام کرلیا کرے۔ ان کا بھی دل بہلا رہے گا۔ رات میں ان کے پاس ہی آرام کرلیا کرے۔ اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے......" نبیلہ بھابی نے بھی مشورہ دیا تو نویرہ کلس کر رہ گئی۔

"ہاں۔ نبیلہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ وہاں سے تو فارغ بیٹھے بھی وقت نہیں گزرتا۔ شاکرہ پھر بھی ملازمہ ہی ہے۔ ملازم لاکھ اعتبار والے ہوں، جو پروا اپنوں کو ہوتی ہے وہ ملازموں کو کہاں...... میرا تو آپا کو بے یارومددگار چھوڑ کر آنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ ادھر گھر کی بھی فکر تھی۔ یہاں بھی تیاریوں کے سو کام سو جھمیلے...... تم دونوں اکیلی تھیں۔ ذہن ادھر ہی الجھا ہوا تھا...... شادی والا گھر ہے لوگوں کا کیا بھروسہ......؟" بہن کی طرف سے آبدیدہ انہوں نے آنسو صاف کیے تو سدا کی نرم دل نویرہ احسان ایک دم ان کے آنسوؤں سے پگھل گئی۔

"اچھا روئیں نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ اپنے کپڑے تو میں خود ہی سلائی کروں گی۔ آج جا کر وہاں کی روٹین دیکھتی ہوں۔ اگر وقت ہوا تو ادھر سے آکر سلائی کے لیے کپڑے لے جاؤں گی۔ باقی کپڑے بھابی آپ کسی درزی کو دے دیں۔ اب اتنا ہی ہوسکتا ہے مجھ سے صرف۔" بھابی نے اس کی بات پر سر ہلایا تھا۔

"جیتی رہو۔ خوش رہو۔ اللہ تمہیں شاد و آباد رکھے۔ مجھے پتا تھا میری بیٹی انکار نہیں کرنے کی۔ ان دنوں تو بچیوں کو گھر سے نکالنا ہی نہیں چاہیے۔ بہن کی محبت رلاتی ہے مجبور ہوں ورنہ کبھی نہ بھیجتی بچی۔ شارق کی طرف سے تو میرا اپنا دل بڑا کھٹا ہو گیا ہے۔ ماں گھر میں مفلوج دوسروں کے رحم و کرم پر ہے اپنے عیش کے لیے اس نے ماں کو ہسپتال سے گھر لا بٹھایا ہے۔ کیا تھا چند دن تکلیف سہہ لیتا...... اب بھی کون سا پہاڑ توڑ رہا ہے۔ رات گئے لوٹ رہا ہے۔ مجھے تو اس کی سرگرمیوں سے ہی الجھن ہونے لگی ہے۔ آپا تو پھر ماں ہیں سچ کہتی ہوں۔ آپا کی بیماری کا ذمہ دار بھی شارق ہی ہے۔"

وہ ماں تھیں۔ بیٹی کی پہلو تہی ان سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔ خود بھی دل کھٹا ہوا تھا سو دل کی بھڑاس نکال لی۔ نویرہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

"جاؤ کپڑے بدل کر تیار ہو لو۔ ایک دو جوڑے اور دوسری چیزیں ساتھ رکھ لو۔ کسی اور چیز کی ضرورت پڑے تو بعد میں آ کر لے جانا۔ نبیل کو کام پر بھی جانا ہے جلدی کرو۔ آپا کی اب نجانے کیا حالت ہوگی۔ میری موجودگی میں سارا دن شاکرہ آپا کے پاس ہی ہوتی تھی۔ اب خدا خیر کرے۔" ایک وقت میں انہیں کئی فکریں تھیں۔

نویرہ خاموشی سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ ماں کو وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ وہ پہلے ہی دکھی تھیں۔ بہن کا دکھ ان کے اندر کو کاٹ رہا تھا۔ اب چند دنوں میں بہن کی تکلیف کے احساس میں مبتلا وہ خود آدھی ہو کر رہ گئی تھیں اور ایسے میں وہ خود بھی ان کی تکلیف میں اضافہ کرتی۔

"کیا کر لیں گے شارق بھائی بھی۔ باہر ان کی سرگرمیاں کیسی بھی سہی۔ گھر کی خواتین کے بارے میں تھوڑا بہت لحاظ تو ہوتا ہی ہے نا۔ اب میں اتنی گری پڑی بھی نہیں ہوں۔ زیادہ گھورا تو صاف بات کر لوں گی۔ کہہ دوں گی مجھے یہ سب حرکتیں پسند نہیں۔ اپنے اوپر کنٹرول کریں۔ میرے ٹوکنے پر کم از کم حیا تو آئے گی ہی نا......" چیزیں سمیٹ کر اپنے کمرے میں آتے اس نے مصمم ارادہ کیا تھا۔ تیار ہو کر دو تین جوڑے اور ضروری استعمال کی چیزیں بیگ میں لے کر نیچے آئی تو نبیل بھائی اس کے منتظر تھے۔

"دھیان سے رہنا۔ فکر نہیں کرنا...... اپنا گھر ہے۔ بس چند دنوں کی بات ہے آپا کا پلاسٹر اتر جائے تب تک شاید رفعت بھی آنے کے قابل ہو جائے۔ وہاں دور پردیس میں بیٹھی ماں کی اذیت پر روتی رہتی ہے۔ نبیلہ چکر لگاتی رہے گی پھر خاندان کے دیگر لوگ بھی آپا کی عیادت کو آتے جاتے رہیں گے۔ سارا دن ان ہی کاموں سے فرصت نہیں ملے گی۔ بس آپا کا خیال رکھنا۔ میں نہیں چاہتی میری طرف سے کوئی کوتاہی ہو۔" انہوں نے نویرہ کا منہ چوم کر ہدایت خاص دی تھیں۔ وہ خاموشی سے خدا حافظ کہہ کر نبیل کے ساتھ نکل آئی۔

* * *

زیبا کیانی نے شارق زمان کو اپنے گھر دعوت پر انوائٹ کیا تھا۔ وہاں کلب کے کئی اور ممبرز بھی تھے۔ زیبا کیانی نے یہ دعوت اپنے ماں باپ کی ویڈنگ اینورسری" کے طور پر دی تھی۔

شارق زمان کے ہر طرح کے بیزار رویے کے باوجود زیبا کیانی کی دلچسپی شارق زماں کی ذات میں بڑھتی ہی گئی۔ شارق زمان پچھلے تین چار دنوں سے گھر لیٹ جا رہا تھا۔ اماں کی بیماری کی وجہ سے وہ پچھلے دنوں ہر طرح کی سرگرمی سے دور رہا تھا مگر جیسے ہی اماں گھر شفٹ ہوئی تھیں۔ وہ کتنے دنوں بعد کلب گیا تھا۔ وہی پرانے ممبرز اور دوستوں سے ملنے جلنے میں وقت کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ اگلے دن زیبا کیانی سے سرِ راہ ملاقات ہو گئی تھی تو وہ اسے زبردستی ساتھ لے گئی تھی۔ کچھ خالدہ چچی کی وجہ سے وہ اماں کی طرف سے بے پروا بھی تھا اور ویسے وہ گھر سے پہلے ہی کی طرح غافل ہوا تھا اور آج زیبا کیانی کی یہ دعوت اسے گھر سے مکمل طور پر غافل کر چکی تھی۔ یہاں آتے ہی اس کی ملاقات وہاں موجود کلب کے تمام ممبرز سے ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جب لالہ منصور پر شارق زماں کی نگاہ پڑی تو وہ نظر بچا گیا۔ زیبا کیانی نے اسے اپنے والد سے ملوایا تھا اور مسٹر کیانی کافی سرد انداز میں شارق سے ملا تھا۔ شارق زمان کو زیبا کیانی کی گرم جوشی اور باپ کی سرد مہری پر اندر ہی اندر ہنسی تو خوب ہی آئی۔ اس کا باپ جہاں اٹھیں کا شخص تھا وہاں وہ لوگوں کے شجرۂ نسب کی بھی پوری خبر رکھتا تھا۔ اپنے سے کم بندے سے اس کا رویہ ہمیشہ بہت سرد ہو جاتا تھا۔ یہاں آ کر شارق زمان ایک دم بوریت سے دوچار ہوا تھا۔ وہ چند لمحے کلب کے دوستوں میں آ بیٹھا تھا۔

"مسٹر کیانی حد سے زیادہ خود پسند ہیں۔" اس کے ایک ساتھی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے مسٹر کیانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں......؟ تمہیں اس کی خود پسندی سے کیا لینا دینا......؟" اس نے مسکرا کر حاضرین پر نظریں جمائے اپنے دوست کو سلگایا۔

"ہونہہ۔ اس جیسے شخص سے تو میں کلام نہیں کرتا۔ یہ تو تمہاری وجہ سے یہاں موجود ہوں ورنہ......"

"یہ انسان کی ایک فطرت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ اس کی فطرت ہو۔" اس نے مسکرا کر مسٹر کیانی کا تجزیہ کیا۔

"خیر فطرت تو نہیں البتہ اپنی دولت پر حد سے زیادہ غرور ہے اس شخص کو۔"

"ہوں یہ بھی ہے......" اس نے کندھے اچکائے۔

"خیریت...... تم بڑے مطمئن ہو۔ ویسے اس کی بیٹی تو آج کل بڑی آگے پیچھے پھر رہی ہے تمہارے...... آخر معاملہ کیا ہے؟"

"تم اس سے خود پوچھ لو۔ آخر معاملہ کیا ہے...... میں کیا جانوں؟ جس طرح اس نے تمہیں انوائٹ کیا ہے مجھے بھی کیا ہے جس طرح اس کا باپ تم سے ملا ہے مجھ سے بھی ملا ہے۔ رہ گئی اس کی بیٹی کو تو وہ کھڑی ہے جا کر پوچھ لو......" اس طرح لاپروا انداز میں اس نے کہا تو اس کا دوست ہنس دیا۔

"تمہارا ابھی کوئی جواب نہیں۔ اس کی بیٹی تم سے کیا چاہتی ہے یہ میں کیا کلب میں موجود ہر شخص سمجھ رہا ہے...... اور تم ہو کہ...... ویسے مجھ سے رازداری برت کے اچھا نہیں کر رہے۔" یہ لڑکا وسیم اس کا پرانا دوست تھا۔ یہیں کلب میں اس سے دوستی ہو گئی تھی۔ باہر کی دوستیاں تو اپنی جگہ مگر کلب کے اندر بھی لڑکے اس سے دوستی کو بے چین رہتے تھے۔

"اچھا کیا رازداری برتی ہے میں نے تم سے......؟" اس نے چمکیلی نظروں سے وسیم کو گھورا

"یہ رازداری کیا کم ہے کہ تمہارا زیبا کیانی سے باقاعدہ چکر چل رہا ہے اور تم منہ سے بھاپ نہیں نکال رہے۔"

"شٹ اپ یار! تم اچھی طرح جانتے ہو میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتا۔ یہ زیبا کیانی کیا میں تو کلب میں بہت سوں سے ہیلو ہائے کرتا ہوں۔ اب ان سب سے تم چکر چلانے کی بات کرو گے۔" اس نے تلخی سے کہا تو وسیم بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر آج تم اس دعوت میں کیوں ہو؟ تم اپنے مزاج کے علاوہ تو کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے پھر زیبا کیانی کو اتنی اہمیت......؟ اس سے پہلے تو کسی لڑکی کو تم نے اتنی اہمیت نہیں دی۔" وسیم نے الجھ کر

کہا تو شارق ہنس دیا۔

"بہت دن ہو گئے تھے دوستوں میں گھلے ملے سوچا آج تھوڑی سی تفریح بھی ہو جائے۔ ویسے بھی گھر میں اماں کی وجہ سے طبیعت اکتائی رہتی ہے۔ باہر کم از کم تھوڑا بہت سکون تو ہے۔" اس نے کہا تو وسیم خاموش ہو گیا۔

"ارے شارق صاحب! آپ بھی یہاں ہیں۔ بہت خوب...... کیسے ہیں......؟ مزاج بخیر ہیں......"

وہ جس شخص سے نظر بچا کر اس جگہ آ بیٹھا تھا وہی اسے دیکھ کر قریب آ گیا تھا۔ شارق کے تیور بدلنے لگے۔

لالہ منصور سے شہوانہ والے معاملے میں جو ڈیل تھی اس کے بعد تو وہ اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ بگڑے زاویوں سے لالہ منصور کی گرمجوشی کو نظر انداز کیا۔

"جی اتفاقاً یہاں ہوں۔ شاید آپ سے ملنا تھا؟" تلخی سے اس نے جتایا تھا۔ جواباً لالہ منصور کا بے ہنگم قہقہہ پرسکون ماحول کے لیے خاصا ناگوار تھا۔

"بہت خوب۔ بہت اچھا مذاق کر لیتے ہو۔ میں ایسے حاضر جواب لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔" مسکرا کر شارق زمان کا کندھا تھپکتے ہوئے وہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ مسٹر کیانی سے کوئی دوستی وستی ہے؟" اپنے خاص انداز میں اس نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"جی نہیں۔ میں دولت جیسی بے مایا شے پر فخر کرنے والے لوگوں سے کبھی دوستی نہیں کرتا۔"

وہی کٹیلا طنزیہ انداز تھا۔ لالہ منصور نے سراہتی نگاہوں سے دیکھا۔

"پھر......؟" وہ شاید اس کی آمد کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

"ان کی بیٹی کے مدعوئین میں سے ہیں ہم لوگ۔" اس نے اپنے اور وسیم کی طرف اشارہ کیا تو وہ اپنے بھاری جسم پر بھاری سر ہلانے لگا۔

"اچھا اچھا......" وہ یوں سر ہلا رہا تھا جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو۔

"بس تم سے ملنے آج کل میں تمہارے آفس آنے والا تھا۔ اچھا ہوا تم سے یہاں ملاقات ہو گئی۔" لالہ منصور نے وسیم کو نظر انداز کرتے ہوئے بات کی تو شارق نے تعجب سے دیکھا۔

"کیوں......؟"

"تمہاری بہن......" شارق زمان کے تیور ایک دم بدلے تھے۔ وہ شاید بھی ضرب لگانا چاہتا تھا فوراً کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے...... شہوانہ زمان کے سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔"

"کیوں......؟ میرا اس سے کیا تعلق؟" یکسر سرد مہری اور اجنبی لہجے میں رکھائی سے پوچھا تو ایک پل کو لالہ منصور بھی اس کے طرزِ عمل پر خائف ہوا۔

"خیر تعلق سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ شہوانہ کی ماں بدر آرا کس قماش کی عورت ہے تم سے بہتر بھلا کون جانتا ہو گا......"

شارق کو لگا "قماش" کے لفظ میں لپیٹ کر لالہ منصور نے اسے گالی دی ہو۔

"شٹ اپ۔" وہ ایک دم ٹمپرامنٹ لوز کر گیا تھا۔

خونخوار کھا جانے والی نظروں سے لالہ منصور کو دیکھا۔

"تم غصہ کرنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ شہوانہ زمان اسی ہفتے میں شاید کسی دن احسان سے نکاح کر رہی ہے۔ وہ شاید میرے اثر و رسوخ سے بے خبر ہے مگر میں کیسے اسے سمجھاتا۔ احسان منصور میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کی ضد کے سامنے بے بس ہوں ورنہ اس جیسی عورتوں کو مسلنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چٹکی بجاتے ہی ایسی عورتوں کا کام کرتا ہوں میں۔"

اس نے چٹکی بجا کر جتاتے ہوئے شارق زمان کی خون چھلکاتی آنکھوں میں دیکھا۔

"غیرت مند ہو۔ تمہارا باپ بھی بڑا غیرت مند تھا مگر ایسی عورتوں کو اپنی عزت بے عزتی کی پروا نہیں ہوتی۔ انہیں مردوں کی جیب سے فکر ہوتی ہے۔ نوٹ دیکھا کر موڈ بنانے والی بات کرتی ہیں۔ میں صرف خاموش ہوں تو اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا میرے مقابل آ کھڑا ہو جب کہ بدر آرا بیگم ایسا چاہتی ہے۔ تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم پچھتاؤ۔"

وہ شارق کو سنا کر چلا بھی گیا تھا۔ شارق زمان اپنے آپ پر بمشکل بند باندھ رہا تھا۔ وسیم جو ساری گفتگو سن چکا تھا اس نے خوفزدہ نظروں سے شارق زمان کی آنکھوں میں در آنے والی درندگی محسوس کی تھی۔

شارق زمان نے اسے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا تھا مگر کلب میں موجود ہر شخص شارق زمان سے متعلق ایک مختلف کہانی ضرور سناتا تھا۔ ان کہانیوں میں کتنی سچائی تھی وہ نہیں جانتا تھا مگر جب سے اس نے شارق زمان کے میگزین میں شائع ہونے والی شہوانہ اور بدر آرا کی رپورٹ پڑھی تھی وہ بہت کچھ جان گیا تھا۔

شارق زمان تیزی سے اٹھا تھا۔ وسیم بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" شارق زمان کے تیور اچھے نہ تھے۔ وسیم نے ڈر کر پوچھا۔

"اس شخص نے گالی دی ہے مجھے۔ میں بے غیرت نہیں ہوں اور نہ ہی میرا باپ تھا۔ بتانا چاہتا ہوں میں اس ذلیل شخص کو۔" وہ غصے سے پھنکارا تھا۔ وسیم نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"یہاں تماشا مت بنواؤ اپنا۔ چلو یہاں سے۔ یہاں بہت سے لوگ تمہارے جاننے والے ہیں۔ خوامخواہ بات بڑھے گی اور تمہاری اپنی ہی ساکھ خراب ہو گی۔" اس نے دھیرے سے سمجھایا تو شارق نے غصے اور تنفر سے وسیم کو دیکھا۔

"اس شخص کی گالی سن کر میں آرام سے چلا جاؤں گا۔ اتنا بے ضمیر سمجھ رہے ہو تم مجھے......" شارق زمان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر لالہ منصور کا گریبان جا کر پکڑ لے۔

"آرام سے۔ تم بعد میں ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر اس شخص کو جواب دینا۔ اس وقت کچھ بھی مناسب نہیں۔ چلو چلیں یہاں سے......"

اس نے سختی سے شارق کا بازو پکڑ کر اسے کوئی بھی سنگین قدم اٹھانے سے منع کر دیا۔

"کیا ہوا...... جا رہے ہو تم لوگ......؟" زیبا کیانی دونوں کو کھڑا دیکھ کر فوراً ان کی طرف آئی تھی۔

شارق زمان نے چبھتی نظروں سے اپنے سامنے کھڑی زیبا کو دیکھا۔

"کیا ہوا......؟" اس نے شارق کے تیوروں سے اندازہ لگا لیا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ اس کی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ گھر سے فون آیا ہے۔ ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"مگر ابھی تو کھانا لگنا ہے...... اتنی جلدی......؟" وسیم کی بات پر اس نے کہا تو شارق نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"پلیز زیبا! تم نے انوائٹ کیا بہت شکریہ پھر کبھی سہی۔ چلو وسیم۔"

وہ وسیم کو کہہ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور زیبا حیرت سے کھڑی اس پل پل بدلتے تیوروں والے شخص کو سوچے گئی۔

وہ شخص اسے ہمیشہ سے زیادہ ناقابلِ رسائی اور ناقابلِ فہم لگا۔

* * *

نویرہ یہاں آئی تو مجبوری میں تھی لیکن خالہ کی مجبوری اور گھر کی حالت دیکھ کر وہ اپنی جگہ کڑھ کر رہ گئی۔ ہر طرف بکھری بے ترتیبی اور گندگی گرد دھول وغیرہ ہر شے پہ موجود تھی۔ خالہ امی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ انہیں اپنی یہ بھانجی بہت عزیز اور پسند بھی تھی۔ ان کے دل میں اس کے لیے بہت سی خواہشیں تھیں مگر اپنی کم مائیگی اور شارق زمان کی سرگرمیاں دیکھ کر وہ اپنی ساری خواہشیں دل میں ہی دبا گئی تھیں۔ اگر بہن کے سامنے جھولی پھیلاتیں تو کیا مشکل تھا کہ ان کی بہن ان کی مشکل سمجھ کر اپنا یہ ہیرا ان کی جھولی میں نہ ڈالتیں مگر وہ خودغرض نہ تھیں۔ نویرہ تو جس گھر میں جاتی روشنی سی بکھیر دیتی۔ شارق کی سرگرمیوں پہ وہ دل مسوس کر رہ جاتی تھیں اور اب تو نویرہ کسی کی امانت تھی۔ کسی کے نام سے منسوب۔ بس چند دن ہی تو رہ گئے تھے اسے کسی کے نام سے ہمیشہ کے لیے منسوب ہوتے میں۔ ایسے میں وہ سب کچھ چھوڑ کر صرف ان کے لیے یہاں آئی تھی۔ ان کا دل نویرہ اور بہن کی محبت کے بوجھ سے زیر بار تھا۔

نویرہ نے یہاں آتے ہی شاکرہ کو گھر کی طرف مصروف کروایا تھا اور خود ان کی خدمت میں لگ گئی تھی۔ گاہے بگاہے وہ شاکرہ کو بھی دیکھ لیتی تھی، جسے اس نے گھر کی صفائی ستھرائی پہ مامور کیا تھا۔ شام تک گھر کی حالت اچھی خاصی نکھر چکی تھی......

نویرہ نے سارا دن خالہ امی کو سونے نہیں دیا تھا۔ اپنی باتوں سے اخبار سے انہیں متوجہ رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دن کو سو گئیں تو ساری رات بے چین رہیں گی۔ وہ اگر دن کو جاگ لیا کریں تو ان کی رات پرسکون گزرے گی۔ رات کا کھانا انہوں نے آٹھ بجے کھایا تھا۔ شارق کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ رات کا کھانا لگاتے ہی نویرہ نے خالہ کو میڈیسن کھلا دی تھی۔ دونوں نے مل کر نیوز دیکھی تھیں۔ نویرہ نے ٹی وی اماں کے کمرے میں رکھوا لیا تھا۔ اس طرح ان کا دل بہلا رہے گا سو دس کے قریب اماں سو گئیں تو نویرہ کا بھی نیند سے برا حال ہونے لگا۔ شاکرہ کو وہیں اماں کے کمرے میں ہی اس نے سونے کی ہدایت کی تھی۔ عشا کی نماز ادا کر کے وہ اماں کے پاس ہی بیڈ پہ دوسرا کمبل لے کر لیٹ گئی تھی۔ شاکرہ کو اس نے ہدایت کی تھی کہ شارق زمان اگر جلدی آ گیا تو اسے مت اٹھائے۔ سارے دن کی تھکن سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ شاکرہ سارے گھر کے لاک چیک کر کے اماں کے کمرے میں موجود صوفے پہ لیٹ گئی تھی۔ نویرہ سو گئی تو شارق زمان کا انتظار کرتے کرتے شاکرہ کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔

دو بجے کے قریب شارق زمان کی واپسی ہوئی تھی۔ بیرونی گیٹ تو ظہور بابا نے کھول دیا تھا۔ اندرونی دروازہ لاک تھا۔ شارق زمان کو پہلے ہی نجانے کس کس چیز کا ابال اٹھا ہوا تھا ایک دم بھنا اٹھا۔ غصے سے دروازہ پیٹ ڈالا۔ ظہور بابا اس کے غصے سے ایک دم ڈر کر آئے تھے۔

"صاحب جی! میں دروازہ کھول دیتا ہوں۔ میرے پاس چابی ہوتی ہے۔ اندر شاید شاکرہ سو گئی ہے۔"

ظہور بابا نے اپنی جیب سے چابی نکال کر لاک کھولا تو آٹومیٹک لاک کھل گیا۔

"نان سینس شاکرہ۔" اندر گھپ اندھیرا تھا۔ کوئی بھی نہ تھا۔ اماں کی وجہ سے شاکرہ اب ان کے کمرے میں ہی ہوتی تھی۔ اس وقت شارق شاکرہ کو آوازیں دیتے اپنے گھر میں خالدہ چچی کی موجودگی کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا، جو پچھلے دو تین دنوں سے یہاں تھیں۔ شاکرہ بے چاری سارا دن کی بھاگ دوڑ سے اور پھر نویرہ کے حکم پہ گھر کی ازسرِنو تفصیلی صفائی دھلائی سے اب اتنی تھک چکی تھی کہ دروازہ مسلسل پیٹنے اور شاکرہ کی پکار پہ بھی نہ اٹھی تھی۔

"نان سینس۔ ایک تو یہ ملازم بھی سر چڑھے ہوتے ہیں۔ ذرا ڈھیل دی تو اپنا رنگ دکھانے لگ جاتے ہیں۔" اندازے سے برآمدے کی روشنی آن کر کے وہ غصے سے بڑبڑاتا اماں کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

زیبا کیانی کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ اپنے چند دوستوں کی طرف وسیم کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس کے ایسے دوست اس کے کسی ایسے ہی وقت میں کام آتے تھے۔ ان کے ساتھ وقت گزارتے پتا ہی نہ چلا تھا کہ کتنا وقت بیت چکا ہے۔ ادھر جب وسیم گھر کے لیے اٹھا تو وہ بھی نکل آیا۔ اگرچہ اس کی حالت گھر جانے والی نہ تھی۔ ایسی حالت میں وہ کبھی گھر نہیں آتا تھا۔ سیدھا آفس چلا جاتا تھا مگر نجانے آج کیا بات تھی کہ وہ سب کچھ فراموش کیے ہوئے تھا۔ سب احتیاطیں...... سب تدبیریں...... بس صرف اتنا معلوم تھا کہ اس کے اندر آگ جل رہی ہے۔ انتقام و نفرت کی۔ اپنے آپ سے...... اپنے سے متعلقہ تمام لوگوں سے...... اس سے تو اسے اماں اور ان کی بیماری تک بھول چکی تھی۔ بس اپنی نفرت یاد تھی جو ہمیشہ اپنی ماں کا نام سن کر ہی اس کے اندر زہر کی طرح سرایت کر جاتی تھی۔

اماں کے کمرے کی ہلکی روشنی تھی۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو اس کی ٹانگوں میں ایک واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔

"شا...... کر...... ہ......" وہ جو غصے سے شاکرہ پر چیخنا چاہتا تھا۔ اماں کے بیڈ کے دوسری طرف لیٹے وجود پر نظر پڑی تو اپنی ہی آواز اسے گلے میں گھٹتی محسوس ہوئی۔

"نویرہ......؟" انتہائی استعجاب اس کی آنکھوں سے چھلکا تھا۔

"یہ یہاں کیسے اور کب آئی؟" ایک دم اس کا ذہن ہوش کی دنیا میں آیا۔ سر جھٹک کر اس نے آنکھیں ہاتھوں سے رگڑیں۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ اس کا وہم وگمان ہی نہ ہو۔ پچھلے دنوں سے وہ اس کو بہت سوچ رہا تھا۔ ہر لمحہ، ہر وقت، ہر پل اور اب وہ مجسم تھی۔ اسے وہ دھوکا ہی لگی تھی مگر آنکھیں ملنے کے باوجود وہ اسی طرح تھی بستر پہ لیٹی...... کمبل اس کے آدھے وجود پر تھا۔ اس کی چوٹی بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی۔ ایک بازو سینے پر تھا تو دوسرا دائیں طرف بستر پر تھا۔ اس کے چہرے کی تمام تر خوب صورتی ان لمحوں میں شارق زمان کے حواسوں پر بری طرح سوار ہوئی تھی۔

"نویرہ...... نویرہ......" وہ بے قرار ہو بیٹھا تھا۔

اس دن وہ ہاسپٹل سے چلی گئی تھی اور شارق زمان کی روح میں ایک شگاف ڈال گئی تھی۔ وہ جتنا اپنے آپ کو کوستا تھا اتنا ہی وہ یاد آتی تھی۔

نویرہ کی نظروں کی ناگواری ہر لمحہ اس کے ذہن کے پردے پر تازہ رہتی۔ اس کے دل ودماغ پہ تازیانے لگاتی رہتی تھی۔

وہ ہر لمحہ کلستا رہتا تھا۔ اس دن کے بعد وہ اسے نظر نہیں آئی تھی اور کتنی بار وہ اس کے گھر کے دروازے پر جا کر واپس لوٹ آیا تھا۔

اسے ایک نظر بار بار دیکھنے کی خواہش نجانے کیسی تھی کہ اس کے اندر کی آگ کو ہر لمحہ بھڑکاتی رہتی تھی۔ نویرہ کا نام، اس کے اطوار، اس کا وجود گویا ہر چیز اس کے ذہن پہ ٹھہر گئی تھی۔

نویرہ طلب بن کر اس کے اندر جاگ رہی تھی۔

نویرہ کو چھو کر اس کی موجودگی کا یقین خود کو دلانے کی خواہش ایسی ابھری کہ وہ بے اختیار سا اس کی طرف بڑھا تھا۔

وہ اس سے بھول چکا تھا کہ اس کی اس وقت کنڈیشن کیا ہے۔ وہ اس وقت کس کے کمرے میں ہے...... اس وقت اس کمرے میں اس کے علاوہ اور کون کون ہیں...... بس اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ نویرہ اس کے سامنے ہے۔ وہ نویرہ جو طلب بن کر اس کے اندر جاگ رہی تھی۔

وہ نویرہ جو کبھی اس کے لیے نہیں تھی مگر اسے اس وقت اپنی دسترس میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نویرہ کی موجودگی محسوس کرنے کے لیے اس کا چہرہ چھونا چاہا تھا کہ اسی پل اس نے کروٹ بدلی تھی۔ سینے پہ دھرا بازو پہلو میں آ گیا تھا۔ کمبل مزید سینے سے سرک گیا تھا۔ اس کا خوب صورت سراپا اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت شارق زمان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

شارق زمان جس نے اسے ہمیشہ ڈھکے چھپے حلیے میں دیکھا تھا۔ کبھی بغیر دوپٹے کے نظر نہ آئی تھی صرف ایک دفعہ نواز کے ساتھ ان کے ہاں گیا تھا تو وہ وہاں بغیر دوپٹے کے دکھائی دی تھی مگر پھر وہ

نظروں کے سامنے سے ہٹ گئی تھی اور اب وہ گویا نگاہوں میں جم سی گئی تھی...... وہ گویا اسے اس سے جیتی جاگتی قیامت دکھائی دی۔ ایسی قیامت جو اس کے اندر تباہی مچا رہی تھی...... اس کی طلب کے سمندر میں تلاطم برپا کر رہی تھی...... اس کے وجود کو چنگاریوں سے بھر رہی تھی

اور وہ...... مچل اٹھا تھا...... بے قرار ہو گیا تھا۔

اس سے شارق زمان کی تمام حسیں شاید مردہ ہو چکی تھیں یا پھر...... اس کے اندر سے احساس مر چکا تھا۔

شارق زمان نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامنا ہی چاہی تھی کہ شارق کی جیب میں پڑا موبائل ایک دم بج اٹھا تھا اور وہ ہڑبڑا کر ہوش کی دنیا میں آیا تھا۔ ایک دم کئی قدم پیچھے ہٹا تھا۔ موبائل کی بیپ مسلسل بج رہی تھی۔ جب تک شارق زمان موبائل جیب سے نکال کر اس کا گلا دباتا تب تک نہ صرف نویرہ کی آنکھ کھل چکی تھی بلکہ شاکرہ بھی ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔

"آپ...... آپ......" دونوں ایک دم اٹھی تھیں۔

شارق زمان جو ابھی کنویں کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا جس نے ابھی اپنی طلب کا کاسہ بھرا ہی تھا مگر کاسہ بن پیئے ہی ہونٹوں سے ہٹانا پڑا تھا۔ اس کی حالت اس سے اتنی بے چارگی لیے ہوئے تھی کہ وہ غصے سے واپس پلٹا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ سمجھتیں وہ یک دم دروازہ پار کر گیا تھا۔ شاکرہ تو کچھ نہیں سمجھی تھی اور نویرہ جو خود گہری نیند سے ایک دم موبائل کی بیپ سے بیدار ہوئی تھی وہ عجیب سی بے چینی کا شکار ہو گئی۔

"یہ شارق بھائی کب آئے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے شاکرہ کو دیکھا جو شارق کا انتظار کرتے کرتے صوفے پر لیٹی تھی۔ اب کمر دکھ رہی تھی۔ اٹھ کر وہ زمین پر پڑے میٹرس پر لیٹ رہی تھی۔

"پتا نہیں...... شاید ابھی آئے ہوں......" شاکرہ نے لیٹتے ہوئے نویرہ کے سوال پر کہا تو وہ الجھی۔

"تو تم نے دروازہ نہیں کھولا......؟"

شاکرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم سے میں نے کہا تھا کہ اندرونی دروازہ لاک کر آؤ پھر وہ کیسے اندر آ گئے...... دروازہ کس نے کھولا......؟" وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"پتا نہیں جی شاید ظہور بابا نے کھولا ہو۔ رات جب بھی صاحب دیر سے آتے ہیں تو ان کے پاس دوسری چابی ہے۔ ظہور بابا اسی سے صاحب کے لیے دروازہ کھول دیتے ہیں۔" شاکرہ نے اس کی پریشانی سمجھے بغیر تفصیلی جواب سے نوازا۔

"اچھا......" نویرہ الجھتے ہوئے دوبارہ بستر پر لیٹ گئی مگر اب کی بار اس کے اندر بے چینی تھی کہ بہت چاہنے اور کوشش کے باوجود اسے دوبارہ نیند نہیں آئی تھی۔ سوتی جاگتی کیفیت میں وہ ساری رات جاگتی رہی تھی حتیٰ کہ صبح فجر کی اذانیں ہونے لگیں اور نویرہ کی بے چینی ختم ہو گئی۔

............*

زرش کی کالج فیلو جو کہ گریجویشن کی طالبات تھیں اکنامکس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتی تھیں' کو اپنے سروے کے سلسلے میں کچھ کمپنیز اور فرمز سے متعلق ڈیٹا اکٹھا کر رہی تھیں۔ انہیں مختلف فرمز میں جا کر وہاں کام کرتے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا تھیں۔ اس سلسلے میں زرش نے ان کو اپنی فرم میں چلنے کی دعوت دی تھی چونکہ یہ طالبات زرش سے سینئر تھیں مگر کالج اور ٹیچرز کی ہر دلعزیز اسٹوڈنٹ ہونے کی وجہ سے زرش کی سینئرز سے بھی کافی علیک سلیک تھی اور انہوں نے اس کی آفر کو قبول بھی کر لیا تھا۔

سعود احمد نے اپنے منیجر کو بلا کر ان طالبات کو ہر طرح کا ڈیٹا فراہم کرنے کی ہدایت دی تھی۔ سعود احمد کا منیجر ان سب کو لے کر سارا آفس دکھا چکا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے ان کو وہاں لگ گئے تھے۔ زرش ان کے ساتھ ساتھ ہی رہی تھی۔ واپسی سے پہلے سعود احمد نے ان کو ریفریشمنٹ بھی دیا تھا۔ چونکہ یہ زرش کے حوالے سے آئی تھیں اور زرش ان کو لے کر آئی تھیں۔ سارا عملہ خاصا مستعد رہا تھا۔ زرش جب آفس آئی تھی تو سمعان احمد اپنے آفس میں نہیں تھا۔ سعید احمد تھے۔ زرش ان کے پاس بھی سب کو لے کر گئی تھی۔ انہوں نے بھی پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔

”زبردست زرش! تم لوگوں کا آفس بہت زبردست ہے۔ یہاں کا ماحول' کام کرنے کا انداز ہر چیز بہت پرفیکٹ ہے۔“ فضا نے ریمارکس دیا تو وہ مسکرا دی۔ اس وقت وہ سب پاپا کے آفس میں ہی سائیڈ صوفوں پر بیٹھی ریفریشمنٹ کے نام پر لنچ اڑا رہی تھیں جو کہ ڈبوں میں بند بریانی اور کوک کی صورت میں تھیں۔

”اور یہ سب ہونا بھی چاہیے کہ ہمارے پاپا' تایا ابو اور ہمارے سمعان بھائی بہت محنت کرتے ہیں۔ اپنے ایمپلائرز کو بہت اہمیت اور عزت دیتے ہیں۔ تم لوگوں نے دیکھا بھی ہے کہ یہاں کام کرنے والی خواتین کو کس طرح کا ماحول میسر ہے۔ دراصل پاپا اور تایا ابو کا کام کرنے اور کروانے کا خاص انداز ہے۔ وہ اپنے ورکرز کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔“

”ہوں۔ یہ تو ہے۔“ فضا نے سر ہلایا۔

”چلو فضا! باقی ڈسکس کل کر لیں گے۔ اب چلنا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ میری امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔“ شائزہ نے کہا تو فضا نے بھی اپنی گھڑی دیکھی۔

”واقعی ٹائم بہت ہو گیا ہے۔ اب چلنا چاہیے۔“ وہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

”تھینکس زرش! تم نے ہماری اتنی مدد کی ورنہ اب تک ہم جو ایک دو فرمز میں گئے ہیں بہت برا رویہ تھا لوگوں کا جیسے ہم ان کے اندرونی بھید ہی تو حاصل کر لیں گے۔“ ان کی تیسری ساتھی شفق نے بھی کہا تو وہ ہنس دی۔

”شکریہ کس بات کا یہ تو اچھی بات ہے کہ تم لوگوں کے کام آئی۔ ویسے تم لوگ واپس کیسے جاؤ گی؟“ انہیں تیار کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

”کوئی سواری دیکھ لیں گے۔ ہم تینوں کا ایک ہی روٹ ہے۔ یہاں سے ہمارے روٹ کی کوئی بس مل ہی جائے گی۔“ سائرہ نے کہا تو فضا اور شفق نے بھی سر ہلایا۔

”میں پاپا سے کہہ کر تم تینوں کو ڈراپ کروانے کا انتظام کر دیتی ہوں ورنہ اپنے ڈرائیور کو کہتی ہوں وہ چھوڑ آتا ہے۔“

”تم نے پہلے اتنی مدد کی ہے جو ڈیٹا پچھلے تمام دس سالوں کا تم لوگوں نے فراہم کیا ہے۔ ہمارا پروجیکٹ بہت اچھا تیار ہو گا۔ اس کے لیے اتنی مدد ہی کافی ہے۔ ہم روٹ بسوں کے عادی ہیں تم فکر نہ کرو۔“ شفق نے انکار کر دیا تھا۔ زرش نے بھی مزید اصرار نہ کیا۔

وہ تینوں چلی گئیں تو سعود احمد بھی آفس میں آ گئے۔ وہ ان لوگوں کی وجہ سے باہر چلے گئے تھے کہ وہ اطمینان سے بیٹھ کر لنچ کریں۔

”چلی گئیں تمہاری سہیلیاں؟“ اپنی چیئر پر بیٹھتے انہوں نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”جی! پاپا سمعان بھائی میٹنگ سے واپس آ گئے ہیں یا ابھی نہیں......؟“

”میرا خیال ہے آ گیا ہو گا۔ ایک منٹ میں پتا کرتا ہوں۔“ انہوں نے انٹرکام اٹھا لیا تھا۔

”سمعان آ گیا ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔ ”او کے ٹھیک ہے۔“ انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

”آ گیا ہے۔ اپنے آفس میں ہے۔ کیوں خیریت؟“ انہوں نے سفید یونیفارم میں ملبوس اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ وہ ہنس دی۔ اس کے مسکرانے سے اس چہرے کا تاثر بہت بھلا لگنے لگا تھا۔ اس لباس میں وہ اپنی عمر سے بہت کم کوئی نوعمر کم سن سی بچی ہی تو لگ رہی تھی۔

”جی بالکل۔ دو تین دن ہو گئے ہیں ان سے ملے ہوئے۔ ان سے مل آؤں؟“ مسکرا کر وہ پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائیں۔

زرش انہیں بہت عزیز تھی تو سمعان اور عزیز مگر...... ان کی ذہنی رو بھٹکنے لگی۔

”ہوں۔ جلدی تمہاری ماما کا فون آ چکا ہے۔ پوچھ رہی تھیں کہ تم کب تک گھر پہنچ رہی ہو......“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتے یا ذہنی اذیت کا شکار ہوتے' انہوں نے سر جھٹک کر مسکرا کر بیٹی کو دیکھا تو وہ ہنس دی۔

”ابھی مل کر آتی ہوں۔ آپ ماما کو بتا دیں کہ میں آپ کے پاس ہوں۔ ویسے آتے ہی میں نے ان کو فون تو کر دیا تھا۔“ اپنا بیگ ٹیبل پر رکھتے وہ پلٹی تھی۔ وہ اسے دیکھتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کمرے سے نکل گئی۔

سمعان بھائی اندر ہیں۔“ خوب صورت' ویل آف اور ایگزیکٹو سیکرٹری کے پاس رک کر زرش نے پوچھا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

”یس میم!“ زرش سعود احمد کی بیٹی تھی۔ وہ یہاں کبھی کبھار آتی رہتی تھی۔ سعود احمد' سعید احمد اور سمعان احمد اسے بہت اہمیت دیتے تھے۔ سو سارا اسٹاف اسے اہمیت دیتا تھا۔

”بزی ہیں یا پھر......؟“ اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

”میں پتا کر دیتی ہوں۔“ لڑکی نے فوراً انٹرکام اٹھایا تھا۔

”رہنے دیں میں خود دیکھ لیتی ہوں۔“ اسے منع کر کے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

"مے آئی کم ان سر......" دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔ سمعان احمد کمپیوٹر پہ کچھ کام کر رہا تھا۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پہ تیزی سے متحرک تھیں۔ زرش کی شرارتی آواز پہ فوراً انگلیاں ساکت ہوئی تھیں۔ ایک دم گردن موڑ کر زرش کو دیکھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ چہرے پہ شرارتی مسکراہٹ لیے کھڑی وہ منتظر تھی۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد وہ اسے آج دیکھ رہا تھا۔ ایک دم حیران ہو گیا۔

زرش اور یہاں......؟

"تم......؟" سمعان احمد نے اپنی چیئر مکمل طور پر اس کی جانب گھمائی تھی

"یس سر میں...... آپ تو شاید بھول گئے ہیں ہمیں مگر دیکھ لیں آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں یہاں چلی آئی ہوں۔" مسکراتی دروازہ بند کر کے آگے بڑھ آئی تھی۔ سفید یونیفارم پہ نگاہ ٹکتے ہی سمعان احمد نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہوں۔" ٹیبل کے پاس آگے کو جھکتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" سمعان ابھی تک اسے اپنے آفس میں دیکھ کر متحیر تھا۔ اسے یوں ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر مزید ہو گیا۔ بہر حال زرش ان سے ہاتھ ملانے میں کبھی پہل نہیں کرتی تھیں۔ ہمیشہ ان سب کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو تھاما تھا اور اب...... سمعان احمد نے زرش کے ہاتھ کی نرماہٹ کو پوری شدت سے محسوس کیا۔ آج سمعان نے اسے بہت سوچا تھا بہت زیادہ...... اب اسے سامنے دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔

"بیٹھو۔" سمعان نے کہا تو وہ بیٹھ گئی۔

"کیا کر رہے تھے؟" کمپیوٹر کی طرف نگاہ کرتے اس نے سرسری پوچھا تھا۔

"کچھ آفیشل ورک تھا۔ تم سناؤ آج یہاں کیسے؟" دوبارہ کمپیوٹر کی طرف رخ کرتے تیزی سے انگلیاں چلاتے سمعان نے پوچھا تھا۔

"میری کالج فیلوز کو کچھ ڈیٹا درکار تھا۔ میں نے یہاں آنے کی آفر کی تو وہ چلی آئیں۔ میں ایک بجے سے آفس آئی ہوئی تھی۔ آپ کے پاس میں آئی تو باہر بیٹھی "دربان" صاحبہ نے کہا کہ آپ میٹنگ میں مصروف ہیں۔ ابھی میری سہیلیاں واپس گئی ہیں۔" تفصیلی جواب ملا۔ دربان صاحبہ کے الفاظ پہ سمعان مسکرایا تھا۔

"اچھا اپنا یہ رخ تو میری طرف کریں۔ میں آپ سے ملنے آئی ہوں اور آپ ہیں کہ اس کو چپکے ہوئے ہیں۔" اس نے اکتا کر کہا تو سمعان نے اسے دیکھا۔ سفید لباس میں وہ حد سے زیادہ لاابالی دکھائی دی۔ سمعان کی مسکراہٹ مزید تیز ہو گئی۔

"جسٹ ٹو منٹ۔ بس میں کور کرنے والا ہوں۔ تم باتیں کرو میں سن رہا ہوں۔" دوبارہ مونیٹر کو دیکھتے سمعان نے کہا تو زرش نے برا سا منہ بنایا۔

"خاک باتیں کروں۔ سچی اتنی بوریت ہو رہی ہے آج کل کالج سے آنے کے بعد ماما کہیں بھی جانے نہیں دیتیں۔ آپ کے ہاں آنے پہ بھی منع کر رہی ہیں کہ اب سیریس بلکہ سنجیدہ ہو کر پڑھائی کروں۔ فرح سے بھی صرف کالج میں یہ بات ہوتی ہے۔ کوئی ایکٹوٹی نہیں ہے۔ میں نے کل ماما سے کہا کہ ہادیہ آپا کے ہاں چلتے ہیں مگر انہوں نے ڈانٹ دیا۔ عثمان بھائی کی فیملی بھی کوئی چکر نہیں لگا رہی۔ آپ بھی نہیں آ رہے۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد آج دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ بھی میری کوشش سے۔" وہ بلا تکان بول رہی تھی۔ سمعان مسکراتے ہوئے مسلسل اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔

"اچھا اس کو تو اب چھوڑ دیں۔" وہ اٹھ کر آفس کو دیکھ رہی تھی۔ سمعان احمد نے حال ہی میں آفس کا فرنیچر اور کلر اسکیم چینج کروائی تھی۔ آفس خاصا خوب صورت لگ رہا تھا۔ ستائشی انداز میں دیکھتے ہوئے اس نے سمعان کو بھی ٹوکا۔

سمعان نے چند سیکنڈ میں ہی کام کور کرتے ہوئے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا تھا۔

"ہاں اب بولو۔"

"آپ کا آفس بہت زبردست لگ رہا ہے۔ یہ چینج اچھا لگ رہا ہے ناں۔" کمرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ سمعان کی طرف پلٹی تھی۔ "کب کروائی یہ چینجنگ......؟"

"ہوں پچھلے ہفتے میں یہ کام کروایا ہے۔ تمہیں پسند آیا؟"

"بہت زیادہ......" وہ دوبارہ کرسی پہ آ بیٹھی تھی۔

"کیا کھاؤ گی؟" سمعان احمد اب بالکل فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دم اس کی تواضع کرنے کا خیال آیا تو فوراً پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ پاپا نے مجھے اور میری فیلوز کو زبردست سا لنچ کروایا ہے۔ اب تو قطعی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر آئس کریم مل جائے تو......" سمعان نے سر ہلا کر انٹر کام پہ آئس کریم کا آرڈر دیا تھا۔

"اور سناؤ اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟" ریسیور واپس رکھ کر وہ اب پوری طرح زرش کی طرف متوجہ تھا۔

"کہیں چل دل نہیں رہی۔ ہر چیز محنت اور توجہ مانگتی ہے۔ محنت تو کر رہی ہوں۔ انشاء اللہ رزلٹ بھی اچھا آئے گا۔" وہ بہت مطمئن تھی۔

"انشاء اللہ۔"

"آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں آ رہے تھے؟"

"بس ان چند دنوں میں کافی مصروفیت رہی تھی۔ خیر آج میرا تم لوگوں کی طرف چکر لگانے کا ارادہ تھا۔ تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔" سمعان کا انداز کافی سنجیدہ اور پر سوچ تھا۔ زرش چونکی۔ غور سے سمعان احمد کو دیکھا۔ آف وائٹ شرٹ میں تر و تازہ چہرے سمیت کافی گریس فل اور معتبر شخصیت لگ رہے تھے۔ زرش نے دل ہی دل میں ان کی وجاہت کو سراہا۔

"خیریت؟" سمعان احمد کے سنجیدہ انداز پہ وہ بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"ہوں۔" سمعان نے ایک نظر زرش کی منتظر متجسس آنکھوں میں دیکھا اور پھر اپنے سامنے پڑا

بیپرویٹ اٹھالیا۔

"تم نے مجھ سے فون پر امجد کا ذکر کیا تھا۔ بعد میں ایسی صورت حال ہوئی کہ مجھے اس موضوع پر فرصت سے گفتگو کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یہ کیا معاملہ ہے...... تم نے فرح کے ساتھ امجد کا نام کیوں لیا؟"

"وہ...... امجد والی بات......" زرش کو ایک دم طاہرہ بیگم کی فون والی تمام گفتگو یاد آتی چلی گئی۔

"وہ تو میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا۔" وہ نظریں جھکا گئی کہ اگر وہ امجد والی بات بتاتی تو اپنی غیر اخلاقی حرکت بھی ڈسکس کرنا پڑتی اور فی الحال وہ سمعان احمد سے کسی بھی قسم کی جھاڑ سننے کے موڈ میں نہ تھی۔ قوی امکان تھا کہ ساری بات سننے کے بعد سمعان احمد اسے اس کی اس غیر اخلاقی حرکت پہ ضرور ڈانٹ دیتا۔

"زرش......" سمعان نے سنجیدگی سے ٹوک دیا تو وہ بے چارگی سے دیکھ کر رہ گئی۔

"آرام سے مجھے ساری بات بتاؤ۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ امجد کے متعلق تم اس طرح ذکر نہیں کر سکتی۔ ہری اپ۔"

"میں آپ کے لاہور جانے والے دن جب آپ کے ہاں گئی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا جب میں اپنے پورشن میں چلی گئی تھی اور سو گئی تھی۔" سمعان کے ٹوکنے پر وہ آرام سے بتانے لگی تھی۔ سمعان کو یاد آیا۔ اس دن وہ روئی بھی تھی۔ سمعان کو خدشہ تھا کہ امی سے جھڑپ ہوئی ہوگی مگر زرش نے تردید کر دی تھی اور اب...... سمعان الجھ کر اسے دیکھے گیا۔

"اس دن جب میں آپ کے ہاں گئی تو تائی امی فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ گفتگو سے مجھے تو قیصرہ خالہ کا اندازہ ہی ہوا تھا۔ آپ کے رشتے کے متعلق بات ہو رہی تھی۔" سمعان ایک دم چونک کر سیدھا ہو کر ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکا کر آگے کو جھکا تھا۔

"پھر......"

"کہیں کہیں آپ، تایا ابو، ماما کا بھی ذکر ہو رہا تھا۔ ایک دو جگہ انھوں نے میرا نام بھی لیا تھا۔ ساری بات تو سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہاں اتنا پتا چلا تھا کہ تائی امی قیصرہ خالہ کو پاپا کی اور آپ کی یعنی تایا ابو کی تمام پراپرٹی کی تفصیل بتا رہی تھیں۔" سمعان حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھے ساری بات تفصیل سے بتاؤ۔" پراپرٹی کے نام پر سمعان نے فوراً اس کے رک جانے پر ٹوکا تھا۔

"تائی امی یہ کہہ رہی تھیں کہ......" اس نے جو سنا تھا اس کی ناقص عقل میں جو بھی آیا تھا اس نے ایک ایک کر کے ساری بات بتا دی۔

سمعان صرف چپ چاپ زرش کو دیکھ رہا تھا۔

"قیصرہ خالہ کی فطرت کچھ زیادہ ہی لالچی واقع ہوئی ہے۔ آپ کو بے شک غصہ آئے مگر میری تو یہی سمجھ میں آئی ہے کہ پہلے تو فرح آپی کا رشتہ آپ سے اس لیے کرنا چاہ رہی تھیں کہ جائیداد وغیرہ کی

سکیورٹی رہے گی اور اب فرح کے سلسلے میں امجد بھائی کی بات کرنا۔ مجھے تو یہی سمجھ میں آیا تھا جو میں نے کہہ دیا۔" سمعان کو بتاتے اس نے آخر میں کندھے اچکائے تھے۔

سمعان زرش کو دیکھے گیا۔

ان حالات سے قیصرہ خالہ کی لالچی فطرت سے تو وہ کیا ہر کوئی آگاہ تھا۔ سوائے طاہرہ بیگم کے اور اب قیصرہ خالہ کا فرح کے ذکر پر وہ کم از کم فرح کے سلسلے میں تو یہ گیم کھیلنے نہیں دے گا۔ امی یا قیصرہ خالہ کو......

سمعان احمد کے دل و دماغ میں ایک طوفان سا برپا ہو چکا تھا۔ تاہم چہرے پر اندرونی کیفیات کا عکس نہیں آنے دیا تھا۔

"آپ کو یہ سب برا لگ رہا ہے۔ یقین کریں میں نے یہ باتیں جان بوجھ کر نہیں سنی تھیں۔ فرح سو رہی تھی اور تائی امی فون پہ یہ گفتگو کر رہی تھیں۔ موضوع ہی ایسا تھا کہ میں سننے لگی...... ارادتاً میں نے یہ سب نہیں کیا تھا۔" زرش کا انداز وضاحتی تھا۔ سمعان احمد کے مسلسل خاموش انداز پر وہ متوحش ہو چکی تھی کہ کہیں وہ انھیں برا نہ لگا ہو۔ اس کی وضاحت پر سمعان مسکرا دیا تھا۔ اندرونی کیفیت کیسی بھی ہو رہی تھی مگر زرش سے وہ کبھی بدظن نہیں ہو سکتا تھا۔ اتنا تو وہ جانتا تھا۔

"تمھیں اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں قیصرہ خالہ کی فطرت سے واقف ہوں۔ ایک طرف سے مایوس ہو کر وہ اب دوسرا کارڈ کھیلنے کے چکر میں ہیں۔ ابھی ابو کو علم نہیں ہے روشہ...... چھوڑو اس ذکر کو تم سناؤ نوشی اور چچی جان کیسی ہیں؟"

نائک کر کے ملازم آئس کریم کے کپ ٹرے میں سجائے چلا آیا تھا سو سمعان نے ذکر ہی بدل دیا تھا۔

"ماما اور نوشی دونوں ٹھیک ہیں۔ روز آپ کا ذکر کرتی ہیں اور ہاں یاد آیا میری اسلام آباد کی تصویریں ڈیولپ کروائی ہیں۔ بہت اچھی آئی ہیں۔ آج آیئے گا ہمارے ہاں دیکھئے گا کمال کا رزلٹ ہے۔" آئس کریم کا کپ تھام کر وہ شروع ہو چکی تھی۔

سمعان کا ذہن ابھی تک امجد والی بات میں الجھا ہوا تھا۔ زرش کی بات پر صرف مسکرایا تھا۔

"سمعان بھائی! آپ نے ان لڑکیوں سے رابطہ کیا؟" ایک دم اس نے پوچھا تھا۔ سمعان جو کہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا چونک کر زرش کو دیکھا۔

"کن لڑکیوں سے......؟" سمعان نے اپنا آئس کریم والا کپ تھام لیا۔

"وہی لڑکیاں...... جو ہمیں چھتر پارک میں ملی تھیں۔ وہی جنھوں نے ہماری تصویریں لی تھیں۔" تصویروں کا ذکر کرتے اسے اور بھی بہت کچھ یاد آیا تو چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

سمعان نے زرش کے رنگ بدلتے چہرے کو بھی دیکھا اور اس کا ایک دم نظر چرانا بھی۔ سمعان ہولے سے مسکرا دیا۔ یوں جیسے کوئی بہت لطیف ہوا کا جھونکا دل کو چھو گیا ہو۔

"ہوں۔ رابطہ کیا تھا۔ اسلام آباد سے آتے ہی ان سے رابطہ کیا تھا۔ کل ہی تصویریں مجھے مل گئی تھیں۔"

"کیا...... واقعی......؟" ایک دم وہ پرجوش ہوئی تھی۔ "کیسی ہیں تصویریں......؟" ایک دم وہ سب بھول گئی کہ وہ ایک پل پہلے خوامخواہ شرم سے سر جھکائے نظریں چرا رہی تھی۔

"اچھی ہیں۔" زرش کے پرجوش بے تابانہ انداز پر سمعان صرف مسکرایا ہی تھا۔

"ویسے مجھے یقین نہیں آ رہا۔ میں اب تک سمجھ رہی تھی کہ وہ لڑکیاں کوئی فراڈ ہی ہوں گی۔ ویسے آپ نے ان سے رابطہ کیا اور اتنی جلدی تصویریں کیسے پہنچ گئیں آپ کے پاس......؟"

وہ کچھ دیر قبل کی تمام شرم و جھجک بھلائے صرف وہی زرش تھی۔

بے پروا، بے وقوف اور معصوم......

"انہوں نے مجھے اپنا رابطہ نمبر دیا تھا۔ میں نے آتے ہی کال کی تھی۔ ان میں سے ایک لڑکی کا نام حمیرا تھا اس کے گھر کا نمبر تھا۔ میرے تعارف اور تصویریں طلب کرنے پر اس نے کل تصویریں بھجوا دی تھیں۔ میں نے ایڈریس لکھوا دیا تھا۔ کل ہی آفس کے ایڈریس پر مل گئی تھیں۔"

"شکر ہے اللہ کا۔" اس نے اپنا پیالہ خالی کر کے ٹرے پر رکھا تھا۔

"دیکھو گی تصویریں؟" سمعان نے پوچھا تھا۔

"ہیں...... اس وقت آپ کے پاس ہیں؟" وہ حیران ہو کر سمعان کو دیکھنے لگی۔ سمعان احمد نے بجائے جواب دینے کے ٹیبل کی سائیڈ دراز کھول کر ایک لفافہ نکال کر زرش کی طرف بڑھایا تھا۔ زرش نے انتہائی بے تابی سے لفافہ کھولا تھا۔ تصویریں اس کے ہاتھوں میں تھیں۔

زرش کی نظریں اپنے ہاتھ میں تھامی تصویر پر گویا جم سی گئی تھیں۔

اونچے لمبے حسن و وجاہت کے شاہکار کے ساتھ کھڑی وہ ایک چھوٹی سی لڑکی ہی لگ رہی تھی۔ سمعان احمد نے حمزہ کو بازو میں اٹھایا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں زرش کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ تصویر کافی قریب سے لی گئی تھی۔ چہرے کے خدوخال بہت نمایاں تھے۔

زرش کے چہرے کا ایک ایک تاثر بول رہا تھا کہ اس وقت وہ مارے بندھے خفگی کے آثار لیے سمعان کے ساتھ کھڑی تھی اور یہ تاثرات کیمرے کی آنکھ نے بھی چرائے تھے۔

ایک دم زرش پر وہ کیفیت طاری ہوئی تھی جو تصویر ہونے کے بعد اس پر ایک دم وارد ہوئی تھی۔

وہ سمعان احمد کے قریب کھڑی تھی۔ سمعان نے اس کا بازو تھام رکھا تھا۔ حمزہ ان کے ساتھ تھا۔ تصویر میں موجود کپل بہت مکمل اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ زرش ایک دم گھبرا سی گئی۔

اسے نہ صرف اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں لرزش اترتی محسوس ہوئی تھی بلکہ گھنی پلکوں پر بھی ایک بوجھ آ پڑا تھا۔ زرش اپنی ہی کیفیت سے پریشان ہو گئی۔ ایک دم گھبرا کر سمعان کو دیکھا۔

سمعان احمد اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے بہت محویت سے نہ صرف اسے دیکھ رہا تھا بلکہ زرش کے چہرے کا ایک ایک تاثر نوٹ کر رہا تھا۔ زرش کو اپنا چہرہ سرخ ہوتا محسوس ہوا۔

"کیسی لگی تصویر......؟" سمعان نے مسکرا کر پوچھا تو وہ جھینپ گئی۔

"اچھی ہیں۔" دوبارہ سر جھکا کر وہ دوسری تصویر دیکھ رہی تھی۔

وہ قدرے فاصلے سے لی گئی تھی۔ اس تصویر میں وہ پورے قد سے نمایاں تھے۔ سمعان کے ہونٹوں پر بہت خوب صورت مسکان سجی ہوئی تھی اور جب کہ وہ خود سختی سے لب بھینچے ہوئے تھی جیسے جبراً خود کو کنٹرول کر رہی ہو۔ یہ تاثر کتنا نمایاں تھا۔ تصویر کھینچنے والے کا کمال تھا یا کیمرے کا...... دونوں تصویریں بہت کمال کی تھیں۔

زرش کی نگاہیں اپنے گلے میں پڑے لاکٹ پر ٹک گئی تھیں۔ Z.S کے الفاظ جنہیں اس نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔ کیمرے کی آنکھ نے انہیں اتنا واضح کر دیا تھا کہ زرش خالی دماغ لیے دیکھے گئی۔ اس کے چہرے پر سرخی کی جگہ ایک ناقابلِ فہم سا تاثر ابھرا تھا۔

"کیا ہوا......؟" سمعان احمد جو اسی پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا، ایک دم پوچھا۔

زرش نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا اور پھر تصویر کو۔ اس کے سامنے بیٹھے سمعان کی نگاہوں میں جو تاثر تھا۔ وہی تاثر تصویر میں اپنے ساتھ کھڑے اونچے لمبے خوب صورت سراپا کی نگاہوں میں دیکھ رہی تھی۔

زرش کے اندر ایک دم "کچھ غلط ہے" کا سائرن بجنے لگا۔

"کیا بات ہے......؟" وہ ایک ٹک تصویر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب عجیب و غریب سے تاثرات تھے۔ سمعان فوراً اپنی سیٹ چھوڑ کر اس کی طرف آیا تھا۔

زرش نے خاموشی سے تصویریں میز کی چکنی سطح پر رکھ دی تھیں۔ اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ کیا کرے......

"تصویریں بہت اچھی آئی ہیں۔" زرش کو اپنی آواز بھی اجنبی سی لگی۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ اسے ایک پل میں اچانک کیا ہوا ہے......

"زرش! کیا ہوا؟ کچھ پریشان ہو......" سمعان نے اس کی کرسی کی بیک گھما کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا تھا۔ وہ اب براہِ راست سمعان کی نگاہوں میں تھی۔ زرش نے سمعان کو دیکھا۔ وہ اسے بغور دیکھتا کچھ فکرمند تھا۔ اس نے گردن گھما کر تصویر کو دیکھا۔

"نہیں......" وہ مسکرائی تھی۔ سمعان کو اس کی مسکراہٹ عجیب سی لگی۔

"تصویریں اچھی نہیں لگیں؟" سمعان نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل سے تصویریں اٹھائی تھیں۔ بغور دونوں تصویریں دیکھنے لگا تھا۔

"آپ نے یہ تصویریں کیوں اتروائیں؟" یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ اسے ہونٹوں پر لانے میں اس نے دیر نہیں کی تھی۔ سمعان نے بغور زرش کو دیکھا۔ وہ متفکر تھی۔

"تم ساتھ ہی تھیں۔ یاد ہو گا تمہیں یہ تصویریں ان دونوں لڑکیوں نے ضد کر کے بنائی تھیں۔" سمعان نے سرسری انداز میں کہا تھا۔ اس کے اندر کی چھٹی حس نے اسے الارم دیا تھا۔ وہ ایک دم سمعان سے برملا کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ بے تکلفی اور اپنائیت اپنی جگہ مگر وہ سمعان کا صرف احترام ہی نہیں کرتی تھی۔ وہ دل و جان سے اس کی عزت بھی کرتی تھی اور اس عزت کی وجہ سے وہ اس سے ڈرتی بھی تھی۔ وہی ڈر جو بڑے بھائیوں سے چھوٹی بہنوں کو ہوتا ہے مگر اس وقت اس کے اندر جو کیفیت

ابھری تھی وہ کچھ اور ہی تھی۔ وہ براہِ راست سمعان سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ سمعان کے سرسری انداز پر وہ صرف دیکھے گئی۔

"آپ کو یہ تصویریں کیسی لگی ہیں؟" کچھ توقف کے بعد اس نے پھر پوچھا تھا۔

"بہت اچھی...... حمزہ کافی کیوٹ لگ رہا ہے اس میں...... ہے نا......" سمعان اس سے تائید چاہ رہا تھا۔ وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ سمعان کے انداز واطوار سے کچھ بھی اخذ کرنے سے قاصر رہی تھی۔ اسے بہت مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر کرسی چھوڑ دی تھی۔

"ہوسکتا ہے مجھے کچھ وہم ہوا ہو......" اس نے اپنی کیفیت کو جھٹلا دیا تھا۔

"کیا ہوا...... اٹھ کیوں گئیں؟" دونوں تصویریں لفافے میں ڈالتے ہوئے سمعان احمد نے زرش کو دیکھا۔ وہ ہنس دی۔

"بہت وقت ہوگیا ہے مجھے...... ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔ ویسے تو میں نے فون کر دیا تھا پھر بھی اب مجھے چلنا چاہیے۔ گھر ضرور آیئے گا۔" اپنے تمام خیالات کو جھٹکتے وہ پھر پہلے والے موڈ میں آ چکی تھی۔

"ٹھہرو...... میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ کام تو تقریباً ختم کر چکا ہوں۔ رات کو کسی پارٹی سے ملنا ہے سوچ رہا تھا گھر جا کر شام تک فریش ہو لوں...... تمہیں گھر ڈراپ کر کے چچی جان سے بھی مل لوں گا۔" سمعان نے ایک دم پروگرام بنایا تھا۔ زرش نے کچھ کہنا چاہا پھر چپ ہوگئی۔

"میں پاپا کو بتا کر نیچے آتی ہوں۔ آپ چلیں......" وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ سمعان کی نگاہوں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

زرش تصویریں دیکھنے کے بعد کچھ الجھی سی گئی تھی۔ سمعان کو ایک دم محسوس ہوا تھا۔ زرش کی کیفیت اس کی آنکھوں کی تحریر...... وہ تو اسے اس کے چہرے کی کیفیت سے ہی اس کے اندر کا احوال جان لیتا تھا اب کیسے نہ جان لیتا...... زرش بالکل اسی طرح الجھی تھی جس طرح تصویریں بنوانے کے بعد تھی۔ تب وہ اس سے پہلو بچا رہی تھی اور اب......

سمعان کا ابھی چچی کے ہاں جانے کا کوئی پروگرام نہ تھا مگر اب زرش کا انداز دیکھ کر اس نے ایک منٹ میں فیصلہ کیا تھا۔

زرش اس کی طرف سے بدگمان تھی۔ زرش کی آنکھوں میں سمعان نے پڑھ لیا تھا اور اب وہ اسے تب تک تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا جب تک اس کی بدگمانی ختم نہ ہو جاتی اور سمعان احمد کو پتا تھا زرش کو کس طرح بہلانا ہے......

* * *

رضیہ چچی اور فاروق چچا نواز کے ساتھ واجدہ خالہ کی عیادت کو آئے تھے۔ ان کی آمد کے تھوڑی دیر بعد ہی احمد صاحب، زبیدہ چچی اور رمشاء بھی آگئے تھے۔ نوریہ جو چچی چچا کے ساتھ نواز کو موجود دیکھ کر کچھ گھبرا گئی تھی۔ رمشاء وغیرہ کو دیکھ کر کچھ بحال ہوئی۔

"میں کل آپ کے ہاں گئی تھی مگر وہاں جا کر پتا چلا کہ آپ ادھر ہیں۔ اسی لیے پھپھو وغیرہ کے ساتھ ادھر آگئی ہوں پھر میں بڑی اماں کی ایک دفعہ بھی طبیعت پوچھنے نہیں آئی تھی۔ پہلے ٹرپ پر چلے گئے اور پھر واپس آ کر کالج وغیرہ۔" چائے پیتے رمشاء نوریہ کے پوچھنے پر کہ آج وہ کیسے چلی آئی...... کے جواب میں کہہ رہی تھی۔ نوریہ مسکرا کر خالہ کی طرف متوجہ ہوئی، جنہیں وہ گا ہے بگا ہے کوئی نہ کوئی چیز کھانے کو دے رہی تھی۔

"نہیں۔ ابھی دل نہیں چاہ رہا۔ تھوڑی دیر پہلے کھانا کھایا تھا۔ اب تو رات کو ہی کچھ کھاؤں گی۔ یہ چائے کافی ہے۔" انہوں نے منع کر دیا تھا۔

"نوریہ بیٹا! جاؤ شاکرہ کو کہو وہ شارق کو فون تو کرے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ کب تک آ رہا ہے......؟"

"جی اچھا۔" نوریہ اٹھ گئی تھی۔

"میں گئی تھی کل شام خالدہ کے ہاں۔ وہ تو بخار سے تپ رہی تھی۔ دراصل شادی کے کپڑے وغیرہ پوچھنے تھے۔ نبیلہ کے گھر پر ہی تھی۔ بتا رہی تھی کہ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ نبیل گیا تو اماں کو لے آیا۔ آپ اکیلی نہ رہیں نوریہ کو آپ کے پاس چھوڑ گیا تھا۔" نوریہ کے باہر چلے جانے کے بعد رضیہ چچی نے کہا تو واجدہ آپا متفکر ہوئیں۔

"کیا خالدہ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے؟"

"زیادہ تو نہیں...... بلڈ پریشر کا مسئلہ ہو رہا تھا اور ساتھ میں بخار تھا۔"

"میں نے تو کہا بھی تھا خالدہ کو کہ چلی جاؤ پھر شادی بھی نزدیک ہے۔ شادی والے گھر میں سو کام اور بکھیڑے ہوتے ہیں۔ نوریہ کو بھی منع کیا تھا کہ مت بھیجنا۔ شاکرہ دن رات تو یہیں ہوتی ہے مگر نبیل چھوڑ گیا تھا نوریہ کو۔ اللہ اجر دے اپنی اولاد تو دور پردیس میں ہے۔ شارق بھی کب تک سب کام دھندے چھوڑ چھاڑ کر میرے ساتھ پٹی سے لگا بیٹھا رہے...... قسمت میں بیماری تھی۔ اللہ نے دی ہے تو

برداشت کا مادہ بھی دے رہا ہے۔ ایک دو دن میں نویرہ کو بھی بھیج دوں گی گھر......"

رمشاء خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی آئی تھی۔ اندر باقی سب باتوں میں مصروف تھے۔ وہ ادھر ادھر جھانکتی نویرہ کو دیکھتی کچن میں چلی آئی تھی۔ شاکرہ اور نویرہ دونوں رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ شارق کو فون کر کے وہ کچن میں آ گئی تھی کہ شاکرہ کے کام میں کچھ مدد ہی کر دے۔ رمشاء کو دیکھ کر مسکرائی۔

"اور سناؤ...... پھر کیسا رہا ٹرپ......؟" کچن ٹیبل پر بیٹھی اپنے سامنے رکھے مٹر چھیلتے اس نے رمشاء کو بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"بہت اچھا۔ آپ گئی ہیں کبھی مضافات کی طرف......؟"

نویرہ کو گھومنے پھرنے کا شوق نہ تھا۔ اس کی طبیعت سے سب ہی واقف تھے۔ رمشاء بھی اس کے ساتھ مٹر چھیلنے لگی تھی۔

"ہوں۔ ایک دو دفعہ اسکول یا کالج کے ٹرپ کے ساتھ ہی اسلام آباد یا مری جانے کا موقع ملا تھا۔ ہاں کالج کے ٹرپ کے ساتھ ایک دفعہ سات دن کے لیے سوات گئی تھی۔ اس کے بعد کہیں نہیں...... اچھے علاقے ہیں یہ سارے...... خوب انجوائے کیا ہو گا تم لوگوں نے دوستوں کے ساتھ ٹرپ انجوائے کرنے کا تو اپنا ہی مزہ ہوتا ہے نا......"

"بہت زیادہ۔ پہلے بھی ہر سال جاتے رہے ہیں ٹرپ کے ساتھ مگر اس دفعہ جانے کا جو مزہ آیا ہے وہ پہلے کبھی نہیں آیا...... بڑی یادگار حکایتیں ہیں۔ سنیں گی تو ہنس ہنس کے برا حال ہو گا۔"

"شاکرہ! جاؤ دیکھو مہمانوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور پتا تو کرو شارق بھائی پہنچ گئے ہیں یا نہیں۔ کال تو میں نے کر دی تھی۔ ان کے سیکرٹری نے ریسیو کی تھی۔ تم ان کے موبائل پر ٹرائی کرو۔ جاؤ شاباش......" رات کے لیے وہ آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی تو نویرہ کے حکم پہ باہر نکل گئی۔

رمشاء نے نویرہ کا انداز خاص طور پہ نوٹ کیا۔

مالکانہ تاثر نہیں......

پر اعتماد' سلجھا ہوا انداز گفتگو تھا۔

اتنے آرام اور سکون سے مصروف تھی جیسے اپنے گھر کے کچن میں بیٹھی ہو۔ ذرا بھی اجنبیت یا بیگانگی نہ تھی۔ پُر خلوص اور محبت کرنے والا مزاج تھا۔ شاکرہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی طبیعت کی نرمی قائم تھی۔

نویرہ کو اس نے بہت کم اس گھر میں دیکھا تھا مگر جب بھی دیکھا تھا۔ ایک خاص مالکانہ انداز ہوتا تھا۔ جیسے یہ گھر اس کا ہی ہو۔

ہر وقت مصروف' چلتی پھرتی' حکم دیتی' بڑی اماں یا شارق کی طرف سے متفکر جیسے یہ گھر واقعی اسی کا ہو...... جب کہ ان کے ہاں آنے پہ نویرہ کا انداز ایسا نہیں ہوتا تھا۔ وہ مہمانوں کی طرح ہوتی تھی۔ اس سے یا زبیدہ بیگم سے تکلف واپنائیت کا اظہار کرتی تھی۔ وہ صرف مہمان بن کر رہتی تھی اور اب......

اسے ایک واضح تغیر محسوس ہوا تھا۔

وہ نویرہ سے باتوں میں مصروف رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں شارق بھی آ گیا تھا۔ کچھ دیر اماں اور دیگر لوگوں میں بیٹھ کر وہ کپڑے چینج کرنے اٹھ گیا تھا۔ نواز جو اتنی دیر سے بڑوں میں بیٹھا بور ہو رہا تھا وہ بھی ساتھ ہو لیا۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے نویرہ اور رمشاء کو کسی بات پر کھلکھلا کر ہنستے سن کر وہ دونوں ہی رکے تھے۔ شاکرہ چولہے پہ ہنڈیا چڑھانے میں مصروف تھی۔ رمشاء کے آگے چاولوں والی ڈش تھی جو وہ شاید چن رہی تھی جب کہ نویرہ پیاز چھیلتے مسلسل مسکرا رہی تھی۔

اپنی رات گئے والی کیفیت کے بعد وہ دوبارہ نویرہ کے سامنے نہیں آیا تھا۔ صبح معمول کے مطابق اٹھ کر تیار ہو کر بغیر ناشتہ کیے آفس کے لیے روانہ ہوا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ خود سے شرمندہ تھا مگر رات خود پر طاری ہونے والی کیفیت پر وہ خوش بھی نہیں تھا۔ اندرونی جذبات کی تبدیلی پر اگر وہ قابو نہیں کر پا رہا تھا تو ان کو ختم کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

وہ یہاں کیوں آئی تھی؟ صبح شاکرہ سے پتا تو چل گیا تھا مگر رات کے بعد وہ اسے اب دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہنستی کھلکھلاتی صورت دیکھ کر دل مچل اٹھا تھا۔ مسرت بھری چہکتی ہوئی زندگی کا احساس جگاتی آواز ان کے اندر کی شوریدہ سری کو ایک تلاطم خیز طوفان سے ہمکنار کرنے لگی تھی۔

"تم دونوں کا بھی کوئی جواب نہیں۔ توبہ ایسے بھی کسی کو زچ کرتے ہیں...... ہو سکتا ہے وہ کپل واقعی میرڈ ہو۔ بقول تمہارے لڑکی اتنی ینگ تھی تو پھر اتنی ینگ لڑکی کا شادی شدہ ہونا ہضم نہیں ہو رہا......"

کھنکتی ہنسی کے بیچ مدھر جیسی جھنکار شارق زمان کے دل پر ہی نہیں نواز فاروق کی سماعتوں پر بھی اثر انداز ہوئی تھی۔ وہ بھی گویا دہلیز پر اٹک گئے تھے۔ رمشاء کی بے تحاشا ہنسی اور نویرہ کی اندلی ہنسی نے دھنک سی بکھیر دی تھی۔ دل و دماغ کے اطراف میں گویا لالہ گل دہک اٹھے تھے۔

"یقین کریں آپی! اس میں ہمارا کوئی دوش نہیں۔ تصویریں حمیرا کی بچی نے اتنی ایمانداری کے ساتھ بھیج دی ہیں درت دکھاتی کیا کمال کی جوڑی تھی۔ وہ لڑکا اور کیوٹ سا بے بی قسم سے دل خود بخود پلٹ پلٹ کر دونوں کو دیکھنے کو مچل رہا تھا اور آپ کو پتا ہے اچھے چہرے ہماری کمزوری ہیں۔"

پیاز کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے پانی بھی بہنے لگا تھا۔ ایک ہاتھ سے "سوں سوں" کی بدولت آنکھوں میں بھر آنے والے آنسو صاف کرتے وہ تیزی سے پیاز کاٹ رہی تھی۔

"اب تو مجھے بھی تجسس ہو رہا ہے وہ کپل دیکھنے کا...... خیر تم دونوں نے ان کو زچ خوب کیا۔ کیا سوچتے ہوں گے دونوں میاں بیوی۔"

"ویسے لڑکی کچھ سست اور بیمار سی لگ رہی تھی۔ اگر وہ نارمل ہوتی تو قیامت لگتی۔ زندگی میں پہلی دفعہ میں نے جیتی جاگتی قیامت دیکھی تھی۔"

"جیتی جاگتی قیامت...... اتنے بناوٹی دور میں جیتی جاگتی قیامت کہاں......" اس نے رمشاء کو چھیڑا تھا۔ اس کا قہقہہ بھرپور تھا۔

"آپ یقین نہ کریں مگر آپ نے اگر انہیں دیکھا ہوتا تو ایمان لے آتیں۔ خیر جیتی جاگتی قیامت تو آپ بھی ہیں...... نواز بھائی کی تو خیر قسمت میں یہ قیامت لکھی ہوئی ہے مگر اس وقت میرے دل پر بھی بجلیاں گرا رہی ہیں۔"

آج رمشاء کا موڈ خطرناک حد تک خوش گوار تھا۔ اس کی اس بات پر جہاں نوریہ کے چہرے پہ دھنک رنگ پھیلے تھے۔ وہیں نواز بھی رمشاء کے اس تبصرے پر سٹپٹایا تھا۔

"خدا کو مانو لڑکی۔ کیوں جھوٹی تعریفوں کے پل باندھ رہی ہو؟" اپنی گھبراہٹ پر شفق بکھیرتے لالہ گل کے عکس مٹانے کو اس نے رمشاء کو ہی ٹوک دیا تھا۔

اس کی پیاز ختم ہو گئی تھی۔ ہاتھ سے چھری رکھ کر وہ پلٹی تھی تب ہی دروازے کی دہلیز پر ایستادہ شارق زمان اور نواز کو کھڑے پا کر سٹپٹا سی گئی۔

خاص طور پر نواز کے چہرے پہ کھلتی خوب صورت دھیمی نرم و ملائم مسکراہٹ......

"اف...... یہ کیا ہو گیا......؟ یقیناً نواز نے رمشاء کی ساری بکواس سنی ہو گی۔" بہت چاہنے کے باوجود وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ پا سکی تھی۔ شارق زمان کے کیا تاثرات ہیں وہ نہ جان پائی تھی اور نہ ہی جاننے کی جستجو تھی۔ نواز کیا سوچتا ہو گا۔ وہ صرف یہی سوچ پائی تھی۔ نوریہ کے یوں گھبرا کر رخ موڑنے پر رمشاء نے بھی پلٹ کر دیکھا تھا۔

"ارے آپ......؟" وہ بھی ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ایک کی آنکھوں میں بڑا سلگتا سا جذبہ تھا جب کہ دوسرے کی آنکھوں میں رگ و پے میں طمانیت بن کر اتر جانے والی سرخوشی تھی' اپنائیت تھی' محبت تھی' ٹھاٹھیں مارتے جذبوں کا سمندر موجزن تھا۔ نوریہ سنک کے پاس جا کر نل کھول کر ٹوکری پانی کی تیز دھار کے نیچے رکھ چکی تھی۔

"السلام علیکم شارق بھائی! کیسے ہیں آپ؟" کچھ پل قبل شوخ و شریر سی رمشاء ایک پل میں مؤدب بن گئی تھی۔ نوریہ سے شوخی ایک طرف' وہ ان دونوں کی بڑائی سے خائف رہتی تھی۔ دونوں کا ہی بڑے بھائیوں والا یہ رویہ اسے دونوں سے خاص لسٹ میں رہنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ خاص طور پر شارق زمان کا لیا دیا سا انداز...... وہ اب بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔" شارق زمان کی بار بار اٹھتی گرتی نظر کا محور وہی وجود تھا جس کی مدھر جھنکار اپنے پر سمیٹ چکی تھی جو رخ موڑے یکسر لاتعلق بن چکی تھی۔ اس کا بدلا روپ پہلی دفعہ دیکھنے کو ملا تھا جو یکسر حیران کن تھا۔

"رضا کیسا ہے؟" برائے گفتگو شارق نے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ جب ہم آئے تھے۔ اکیڈمی جا چکا تھا۔ آپ آئیں بیٹھیں نا......" نواز اب بھی گاہے بگاہے نوریہ پر نگاہ کرم کر رہا تھا جسے رمشاء نے بھی دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ پھر مچلی تھی۔

"نہیں۔ ابھی مجھے کپڑے چینج کرنے ہیں۔" اپنے اسی سنجیدہ انداز میں وہ کہہ کر پلٹا تھا پھر رکا۔

"نوریہ! ایک کپ چائے کا مل جائے گا۔" نوریہ کے یکسر لاتعلق و اجنبی بننے کی ساری کارروائی اسی ایک جملے نے ملیامیٹ کر دی تھی۔

"جی۔" نل بند کر کے پیاز دھو کر اس نے سائیڈ پر رکھا۔

"بہت طلب ہو رہی ہے۔ شاکرہ سے مت بنوانا۔ روزانہ اسی کے ہاتھ کی پیتا ہوں۔ تمہاری چائے اچھی ہوتی ہے۔ خود بنانا۔" وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔ نوریہ لق و دق رہ گئی۔ بظاہر بڑے عام سے فقرے تھے مگر لہجہ عام نہ تھا۔ اس کے دل میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ نواز بھی اس کے سائیڈ سے نظر آتے چہرے پر ایک مسکراتی نظر صرف کرتے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

ان کے جانے کے بعد نوریہ نے کب کی رکی سانس بحال کی مگر دل کی حالت معمول پر آنے کے بجائے ایک عجیب سے احساس میں گھر گئی۔

"تمہارا بھی کوئی جواب نہیں رمشا...... سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ پتا نہیں کب سے کھڑے تھے دونوں نے کیا کچھ سنا ہو گا۔" اپنی خفت مٹانے کو اس نے رمشاء کو ہی ٹوک دیا۔ رمشاء جو خود بھی دونوں سے خائف رہتی تھی۔ اب ہنس دی۔

"شارق بھائی کا میں کہہ نہیں سکتی البتہ نواز بھائی کے اندر کی سرخوشی ان کے چہرے سے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ پلٹ کر دیکھتی تو سہی۔" چاول اس کے صاف ہو چکے تھے۔ ٹرے ایک طرف کھسکا کر وہ چھیڑ رہی تھی۔

"بکو نہیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے دیکھنے کی......" سر جھٹکتے وہ فریج کی طرف بڑھ گئی تھی تاکہ دودھ نکال کر چائے بنائے۔ اسپتال کے بعد نواز اور نوریہ اب روبرو تھے مگر نوریہ کے اندر احساس چٹکیاں بھرنے لگے تھے۔ خاندان کا سب سے سلجھا' باادب لڑکا اس کا نصیب بن رہا تھا۔ یہ احساس ہی اتنا قوی تھا کہ خود بخود اندر تک مطمئن ہوتی چلی گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے کی اضطراری کیفیت بھی پل کو معدوم ہو گئی...... اک تفاخر' اک مان' اک سرور رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔

رمشاء مسکرا کر دیکھتی رہی۔

اپنی حاسد کیفیت سے نکل کر وہ نوریہ کو جج کرتی تو نوریہ اسے اتنی اچھی لگتی کہ اسے نوریہ سے کبھی کوئی پرخاش ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

نوریہ سے اس کی بدظنی کی وجہ صرف رضا تھا اور اب رضا اس حقیقت کو قبول کرتا یا نہ کرتا۔ جیسے جیسے نوریہ کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ وہ ہلکی پھلکی ہوتی جا رہی تھی۔ رضا اس کا تھا۔ اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اتنے رشتوں کی موجودگی میں رضا اس سے کبھی منہ موڑ نہیں سکتا۔ رضا کہیں بھی نکل جائے۔ دل و دماغ کوئی بھی منزل طے کر لے آخر کار اسے پلٹ کر رمشاء تک ہی آنا تھا۔ یہ احساس' یہ یقین بے گمان رمشاء کو پھر سے زندگی بخش گیا تھا۔ اسے طاقت ور اور مضبوط بنا گیا تھا۔ اتنا مضبوط' حقیقت پسند اور روشن دماغ کہ اسے نوریہ پہلی دفعہ اپنی تمام تر خوبیوں سمیت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اتنی اچھی کہ اپنی نوریہ سے رقابت بھی کہیں جا سوئی تھی۔

نویرہ نے چائے تیار کی تھی۔ کپ میں انڈیل رہی تھی جب ٹیلی فون کی بیل ہوئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" شاکرہ جتنی اس گھر سے باخبر تھی اتنی تو وہ کبھی بھی نہ ہو سکتی تھی اسی لیے زیادہ تر کالز وہی ریسیو کرتی تھی۔

شاکرہ کے جانے کے بعد اس نے کپ ٹرے میں رکھا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ چائے کے ساتھ اس نے دیگر لوازمات بھی سیٹ کیے تھے۔ رمشاء اس کے چائے بنانے کے دوران ہی کچن سے چلی گئی تھی۔ یقیناً وہ بڑی اماں کے روم میں تھی۔

وہ ٹرے بنا کر شاکرہ کا انتظار کرنے لگی تھی کہ اسے بھیج دے اور خود کچھ پکا لے مگر دو تین منٹ انتظار کے بعد بھی وہ نہ آئی تو نویرہ کو خود ہی زحمت کرنا پڑی ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جاتی...... اور دوبارہ گرم کرنے کا قطعی موڈ نہ تھا۔ شارق زمان کے کمرے کی طرف جاتے اسے قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک تو شارق کو اسے بطور خاص خود سے چائے بنانے کا کہنا اوپر سے نواز کا اس کے ساتھ ہونا...... رات گئے شارق زمان جس حالت میں گھر آیا تھا وہ الجھ گئی تھی۔ یہ اس کے گھر کے متعلقین کے لیے عام سی بات ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے یہ عام سی بات نہ تھی۔ وہ کردار پر مر مٹنے والی لڑکی تھی۔ اپنے کردار پر ایک انگلی بھی اٹھتے نہیں دیکھ سکتی تھی مگر اب لگ رہا تھا کہ شارق زمان کے انداز و اطوار کوئی گل کھلانے والے ہیں۔

رات گئے ان کا گھر آنا اور پھر اماں کے کمرے میں اس کے پاس آنا۔

باقی رات اس کی آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ سارا دن وہ ان سے سامنے آنے سے کتراتی رہی تھی اور اب...... اسے نہ جانے کب کا پڑھا شعر ایک دم یاد آنے لگا۔

درد کا کہنا چیخ ہی اٹھو دل کا کہنا وضع نبھاؤ
سب کچھ سہنا، چپ چاپ رہنا، کام ہے عزت داروں کا

شارق زمان اس کے سگے تایا زاد نہ ہوتے، یا خالہ سے اتنا گہرا رشتہ نہ ہوتا تو وہ کب کی انہیں ٹوک چکی ہوتی۔ ان کی نگاہ و نظر کی وارفتگیاں اس کے دل و دماغ کو سن کر رہی تھیں، اگر خالہ سے گہری وابستگی نہ ہوتی تو کبھی یہاں آنے کی غلطی نہ کرتی۔ لمحوں میں جانے وہ خیالات کی دنیا میں کھو گئی تھی۔ شارق زمان کے دروازے کو ہولے سے ٹرے سے ناک کر کے وہ رکی تھی۔

"آ جائیے۔" نواز اس کے گمان کو ثابت کر گیا تھا کہ وہ یہیں تھا۔

نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔ اسے اپنے آپ کو مزید سنبھالنے کے لیے ایک دو پل لگے تھے مگر اک سکون تھا کہ وہ اس وقت اکیلی نہ ہوگی۔

نواز بے پروائی سے بے تکلف انداز میں کوئی پرانا اخبار دیکھ رہا تھا۔ نویرہ کو دیکھ کر فوراً نشست پکڑی تھی۔

"یہ چائے......" بغیر ادھر ادھر دیکھے نویرہ نے کہا تھا۔

"ادھر رکھ دیں۔ شارق تو شاور لے رہا ہے۔ تقریباً لے چکا ہے۔ نکلنے ہی والا ہے۔ آؤ بیٹھو۔" اس نے سینٹرل ٹیبل پر ٹرے رکھ دی تھی۔ نواز کی آفر پر صرف سر ہلایا تھا۔ وہ واپسی کے لیے پلٹی تھی۔

"بیٹھ جاؤ بھئی! ہر وقت مصروف رہتی ہو۔ اپنے گھر کے علاوہ کہیں دکھائی دے جاؤ تو یہی حال ہوتا ہے۔ ہر وقت مصروفیت...... تم تھکتی نہیں......" آواز کا نارمل اپنائیت بھرا لہجہ تھا۔ رخ موڑ کر اس نے نواز کو دیکھا۔ وہ پوری طرح متوجہ تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ دراصل مجھے فارغ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ تو روٹین کا کام ہوتا ہے پھر تھکن کیسی......" اپنے اسی دھیمے سلجھے متین انداز میں اس نے بات مکمل کی تھی۔ نواز کی نگاہوں نے اس کے چہرے کے خدوخال پر پہرے بٹھائے تھے۔

منگنی کے بعد وہ اب آہستہ آہستہ اس رشتے کے حوالے سے بہت کانشس ہو رہا تھا۔ دل میں خود بخود ہی جذبے سر ابھار رہے تھے۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ نواز کو اپنے احساسات نئی ڈگر پر سرگرداں دکھائی دے رہے تھے۔

مہکتے بہکتے ارمان اور رات سوتے وقت آنکھوں میں بسیرا کرتے دل و ذہن کو سرور کرتے تھے

"امی سے پتا چلا تھا کہ محترمہ یہاں ہیں۔ امی ابو آ رہے تھے سوچا تھا کہ ہم بھی شرف ملاقات سے فیض یاب ہو ہی جائیں گے مگر آپ تو سامنے ہی نہیں آ رہیں۔" بستر سے اتر کر نواز فاروق پل میں نویرہ کے مقابل تھے۔

"جی......" نویرہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایک دم موڈ بدل لیں گے۔ حقیقتاً نویرہ کو اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑتے محسوس ہوئے۔

"میں چلتی ہوں۔ ابھی کھانے پکانے کا بھی بہت کام ہے۔" اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ میں جو والہانہ پن جو پیام تھے ان سے گھبرا کر نویرہ نے فرار ہونے کو قدم ہی بڑھائے تھے کہ اگلے ہی پل اس کا ہاتھ نواز کی گرفت میں تھا۔

"رکو تو......" بالکل لاشعوری طور پر نواز سے جسارت سرزد ہوئی تھی۔ نویرہ تو ہکا بکا دیکھے گئی۔ اس کی زندگی میں کبھی ایسا موڑ ہی نہیں آیا تھا کہ وہ ان جذبات کو محسوس کرتی۔ وہ تو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانے والی لڑکی تھی۔ اپنے وقار اپنی آن پر مر مٹنے والی تھی۔ نواز نے پہلی دفعہ یہ حرکت کی تھی۔ اسے اگر بری نہیں لگی تھی تو اچھی بھی نہیں لگی تھی۔

"یار یہ کیا کمرے میں بوریت پھیلا رکھی ہے۔ کم از کم سی ڈی پلیئر ہی آن......" تولیے سے سر رگڑتے شارق باتھ روم سے برآمد ہوا تھا۔ جسم پر صرف ٹراؤزر کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ اپنی رو میں کچھ وہ نویرہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ نویرہ کی بھی پہلی نگاہ پڑی تھی۔ اس نے جلدی سے چہرہ موڑتے نواز کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ شارق زمان نویرہ کی اپنے کمرے میں موجودگی کے بجائے نواز کے ہاتھ میں دبے اس کے ہاتھ کو دیکھ کر اور پھر نویرہ کو تیزی سے ہاتھ کھینچتے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

نویرہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"بڑے غلط وقت میں انٹری دی تم نے......" وہ پلٹ کر اب شارق زمان سے مخاطب تھا۔ لہجے میں

زمانے بھر کی شوخیاں اور مسرتیں پنہاں تھیں جیسے ہفت اقلیم مل گیا ہو۔

شارق زمان کو اپنا دماغ سن ہوتا محسوس ہوا۔ گمان ایک پل میں کئی حدیں پار کر آیا۔

”پہلی دفعہ میں کوئی ڈائیلاگ بولنے کے چکر میں تھا۔ تم نے وہ موقع گنوا دیا۔“ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر شارق زمان تولیہ ایک طرف اچھال کر برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا۔ نواز کی یہ مسرتوں سے لبریز آواز اس کے دل میں چبھتی محسوس ہوئی۔

”کیا بات ہے؟ اتنے چپ کیوں ہو؟ میں محسوس کر رہا ہوں تمہارا رویہ کچھ سرد سا ہے۔ کیا بات ہے یار کوئی مسئلہ ہو گیا ہے......؟“ آئینے کے سامنے سے ہٹ کر وہ اب شرٹ پہن رہا تھا۔ نواز کو اس کی مسلسل چپ‘ بے نیاز اور گم صم انداز پر تشویش ہوئی۔ فوراً پوچھ ہی لیا۔

شارق نے ایک مجروح سی نگاہ نواز پر ڈالی تھی۔ اس وقت دل کی جو حالت تھی وہ قطعی ناقابل بیان تھی۔ جیسے وحشتوں نے ایک دم دل میں بسیرا کیا ہو۔ ہر طرف تباہی کا عالم ہو۔ اس سے نواز بھی اسے بہت برا لگ رہا تھا۔ اپنی کل رات کی کیفیت سے وہ سارا دن لڑا تھا۔ اندر تو جو شوریدہ سری تھی وہ تو کسی کے بھی اختیار میں نہ تھی۔

”شارق!“ نواز کو اب گہری تشویش لاحق ہو چکی تھی۔

”کچھ نہیں ہوا۔ ایک تو تمہارا ہر وقت پولیس والوں کی طرح کا تفتیشی انداز...... مجھے کچھ نہ ہو گا تم کچھ کروا ڈالو گے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اندر کی کھولن سرد لب و لہجے کی صورت میں نکالتے اس نے شارق نواز کو بری طرح ٹوک دیا تھا۔ نواز کو ایک دو پل دیکھے گیا۔

یہ لب و لہجہ...... یہ انداز......

”خدا نہ کرے میں تو ہر وقت تمہاری فلاح و بھلائی کے لیے سرگرداں رہتا ہوں۔ تمہیں گرم ہوا بھی چھو جائے میں یہ کیسے گوارا کر سکتا ہوں۔ تم میرے تایازاد ہی نہیں میرے ہمزاد بھی ہو۔ میں تو تمہیں ذرا سا رنجیدہ و افسردہ دیکھ کر ملال میں گھرنے لگتا ہوں۔ کہ کاش میں تمہارے دکھ سمیٹ سکتا۔ تمہیں خوشیاں دے سکتا۔“ ایک دم گہری رنجیدگی کا مظاہرہ کرتے نواز نے شارق کو دیکھا تھا۔

اتنی محبت!
اتنا خلوص
یہ چاہتوں و شدتوں کے سلسلے
وہ تو ان کا حق دار کہاں تھا
وہ تو نفرتوں کا حق دار تھا
اور یہ نواز......

نورہ کو جب سے دل میں بسایا تھا یہ سچ تھا کہ وہ نواز کو الٹا سیدھا کہنے لگا تھا۔ نواز کے سامنے کبھی برملا اظہار نہ کیا ہو مگر وہ اسے دل ہی دل میں کوس دیتا تھا۔ رقیبانہ سی سوچ دل و ذہن کو الجھا دیتی تھی اور نواز......

وہ اس کے لیے کس قدر مخلص تھا یہ تو وہ نواز کے لہجے سے ہی محسوس کر سکتا تھا۔ اچھے دوست بھی خدا کا کتنا بڑا عطیہ ہوتے ہیں کاش وہ سمجھ سکتا۔

”سوری یار! میں کچھ زیادہ بول گیا۔ تمہاری محبت‘ تمہارے خلوص کا تو میں دل سے قدر دان ہوں۔ بس تمہارے تفتیشی انداز نے ذہن گرم کر دیا۔ سوری۔“ ایک دم اپنا رویہ اسے متاسف کر گیا تو برملا اپنی غلطی کا اظہار بھی کر دیا۔ نواز نے سکھ کا سانس لیا۔

”شکر ہے۔ میں تو سمجھا کہ شاید تم پر پھر کوئی دورہ پڑ چکا ہے۔“ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں ضرور چھیڑا تھا۔ شارق ہنس دیا۔ نواز کے کندھے پر پیار سے دھپ لگائی۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

وہ چائے کی طرف متوجہ ہوا جو کہ اتنے عرصے میں ٹھنڈا شربت بن چکی تھی۔

* * *

سمعان ابھی گھر لوٹے تھے۔ چچی کے ہاں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ اب گھر آ کر فریش ہو کر میٹنگ کے لیے پہنچنے کی جلدی تھی۔ جلدی سے سمعان اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جب مسلسل بجتے ٹیلی فون کی طرف دھیان گیا تھا۔ سمعان نے لاؤنج میں رکھے اسٹینڈ کا ریسیور اٹھا لیا تھا۔

”ہیلو......“ سمعان نے ابھی کہنا ہی چاہا تھا کہ ایکسٹینشن سے فرح کال ریسیو کر چکی تھی۔ اس کی آواز سن کر سمعان نے ریسیور سے کان ہٹانا چاہا تھا جب دوسری طرف سے آتی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔

”فرح پلیز! کال بند نہیں کرنا۔ پلیز میری بات سن لو...... ورنہ تب تک تمہارا فون بجتا رہے گا جب تک تم کال سننے پہ آمادہ نہیں ہو جاتی۔“ دوسری طرف انتہائی دھمکی آمیز انداز میں کوئی کہہ رہا تھا۔

سمعان ششدر رہ گیا۔

”نہیں سنوں گی میں۔ میں تمہیں جانتی نہیں۔ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو میرے...... اپنے ملک میں لڑکیاں نہیں ملی تھیں جو تم نے یہاں ہی میرے گھر کا انتخاب کیا......“ فرح کی آواز رو دینے والی تھی۔

سمعان کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا...... اسے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

”اچھا تو تمہیں پتہ چل گیا میرے ملک کا......“ دوسری طرف سے بڑے آرام سے کہا گیا تھا۔

سمعان اس رام کہانی میں الجھ گیا۔

”میں کیا کوئی بھی عقل کا اندھا ہو تو وہ بھی سی ایل آئی پر آنے والے نمبر کو دیکھ کر ملک کا پتہ چلا سکتا ہے۔“ فرح کی نہایت تلخ آواز تھی۔ سمعان نے فوراً سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھا۔ سمعان کو اپنے چودہ طبق روشن ہوتے محسوس ہوتے۔ یہ کیا کہانی ہے...... سمعان کے کچھ پلے نہ پڑا۔

”ایک تو تم اتنے دن اسلام آباد وغیرہ لگا آئی اوپر سے اب تم کال ہی ریسیو نہیں کرتی۔ جانتی ہو اتنے دن تمہاری آواز سننے کو نہیں ملی۔ کیا حالت ہوئی ہے میری پچھلے دنوں۔ تمہاری طرح تمہاری آواز بھی اتنی خوب صورت و مدھ بھری ہے کہ میں تو ہوش و حواس سے بھی بیگانہ ہو گیا ہوں۔“

سمعان کو ایک پل لگا تھا کہ جیسے دماغ خالی ہو گیا ہو مگر دوسرے ہی لمحے غم و غصے نے پورے وجود کو

اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

”خدا کے لیے پیچھا چھوڑ دو میرا..... میری ایک چھوٹی سی بھول کو میری عمر بھر کی سزا مت بناؤ..... کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا.....؟“ فرح اب رو رہی تھی۔

سمعان کو فرح کے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے۔

”روؤ تو نہیں۔ میرا مقصد تمہاری آواز سننا تھا۔ تم سے بات کرنا ہے۔ پلیز روؤ نہیں اور نہ ہی مجھے غلط سمجھو“ فرح کے رونے کا اثر دوسری طرف فوراً ہوا تھا۔ بہت نرم وحلاوت آمیز لہجے میں کہا گیا تھا۔

”تم کون ہو؟“ اب ٹھہرے ہوئے مگر نم ناک لہجے میں وہ پوچھ رہی تھی۔

”تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا۔ میری امی تمہاری طرف آئیں گی۔“

”کیوں.....؟“ فرح نے پوچھا۔

”میرا رشتہ لے کر.....“ دوسری طرف مزے سے بتایا گیا تھا۔ سمعان احمد نے لب بھینچے۔

”کیا.....؟“ فرح کی چیخ نما آواز بہت نمایاں تھی۔ ”مگر میں تو تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی..... تم کون ہو کیسے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کچھ بھی تو نہیں.....“ فرح کی الجھی آواز سمعان نے بھی بخوبی محسوس کی۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا تھا۔ سمعان صرف خاموشی سے دونوں طرف ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔

”جاننے سے کیا ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو برسوں ساتھ رہنے والے بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے' جاننے کے لیے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔ کیا یہ بات تمہارے لیے کافی نہیں کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں' محبت کرتا ہوں۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ صرف باتیں نہیں بلکہ عملی مظاہرے کے طور پر اپنی امی کو تمہارے والدین کے پاس باقاعدہ بھیجنا چاہتا ہوں۔“ سمعان نے سختی سے اپنی مٹھی بند کی۔ بمشکل اپنے کھلتے لبوں کو دانتوں تلے دبایا۔

”نہیں پلیز! ایسا کبھی مت کرنا۔ میرے والدین تو مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں اور میرے بھائی جان چھڑکتے ہیں مجھ پر..... وہ کیا سوچیں گے میرے بارے میں۔ پلیز نہیں..... آپ اگر واقعی مجھے پسند کرتے ہیں' محبت کرتے ہیں تو پلیز یہاں کال نہ کیا کریں۔ آپ کو کیا پتا مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے ای میل کا سلسلہ بھی بند کر دیا ہے۔ اب آپ یہ سلسلہ بھی بند کریں۔“

فرح کا ملتجی انداز آخر میں وہ رو دی تھی۔ سمعان کے کانوں میں اس کی سسکیاں عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

”فرح! بات سنو میری..... فرح..... پلیز.....“

”نہیں..... اب نہیں..... خبردار اگر کال کی تو ورنہ میں اپنے بھائی کو بتا دوں گی۔“ روتے روتے فرح کا انداز دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔

”تم اس وقت کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں ہو۔ کال بھی لمبی ہو رہی ہے۔ میں پھر کال کروں گا۔ اپنا خیال رکھنا میرے لیے۔ او کے ٹیک کیئر اللہ حافظ“ دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ ٹیلی فون

کی لائن بے جان ہو گئی تھی۔

سمعان نے ایک دم ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا۔ نجانے طاہرہ بیگم کہاں تھیں..... سمعان کو اپنا دماغ سنسناتا ہوا محسوس ہوا۔ آندھی طوفان کی طرح وہ بغیر ادھر ادھر دیکھے فرح کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ زور سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

فرح جو کال بند ہونے پر اس پر سر ٹکائے رو رہی تھی۔ دھماکے سے دروازہ کھلنے پر چونک کر دیکھا۔ سمعان کو دیکھ کر وہ لمحوں میں سیدھی ہوئی تھی۔ آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ سمعان اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فرح کا دل دھڑکا۔ اس نے تیزی سے اپنے رخسار رگڑے۔

”آپ.....“ لرزتی آواز پر فرح کو اپنے اعصاب ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”وہ شخص کب سے تمہیں تنگ کر رہا ہے؟“ انتہائی سخت پتھریلا لہجہ اس سمعان سے قطعی مختلف تھا جسے وہ برسوں سے جانتی آ رہی تھی۔ فرح کے آنسو بھی ٹھہر گئے۔

”فرح! بتاؤ مجھے' کب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے؟“ فرح کے پاس آ کر اس کا بازو سختی سے اپنی گرفت میں لیتے سمعان احمد نے گویا اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ سمعان احمد کو یہ سب کیسے پتا چلا..... یہ سوال اس کے ذہن میں چکرا کر رہ گیا۔

”فرح.....“ سمعان کے تفتیشی انداز میں پہلے سے زیادہ سختی تھی۔

”مجھے کچھ نہیں چھپانا۔ اگر بھائی کو پتا چل ہی گیا ہے تو ابھی ساری بات بتا دینی چاہیے ورنہ ساری عمر یوں ہی روتی رہوں گی۔“ لمحوں میں اس نے فیصلہ کیا تھا۔

”بھائی.....“ فیصلہ کر لینے کے بعد وہ سمعان کو دیکھ کر پھر رو دی۔ بھائی.....“ سمعان کا بازو تھام کر وہ اس کے ساتھ جا لگی تھی۔ ”بھائی قسم لے لیں۔ میں بے قصور ہوں۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میں خود آپ کو بتانا چاہتی تھی۔“

سمعان احمد نے ہولے سے اس کا سر تھپتھپایا۔

”میں ایکس ٹینشن سے سب سن چکا ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کب سے یہ سب چل رہا ہے؟ وہ شخص تمہیں کب سے تنگ کر رہا ہے؟“

فرح کے پھوٹ پھوٹ کر رونے سے سمعان کو بھی احساس ہوا کہ اس پر سختی کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے خود بخود لہجہ نرمی اختیار کرتا چلا گیا۔

روتے ہوئے فرح نے ای میل سے شروع کی گئی حماقت سے لے کر اب تک آنے والی کالز' کارڈ' پھول اور وہ نظم جو اس نے بھیجی تھی۔ سب بتاتی چلی گئی بغیر کچھ چھپائے ہر چیز' ہر لفظ' ہر بات.....

سمعان احمد خاموشی سے ایک ایک لفظ سنتا گہرے اضطراب کی زد پر تھا۔

* * *

حمید چچا اور فاروق چچا وغیرہ کو سی آف کر کے شارق زمان اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے

لان میں ٹہلنے لگا تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔

شاکرہ تیزی سے باہر آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موبائل تھا جو بج رہا تھا جسے وہ اندر ہی شاید بھول آیا تھا۔

”صاحب جی! آپ کا فون......“ اس نے موبائل شارق کو تھمایا تھا۔ شارق نے سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھا۔ نمبر اس کے لیے اجنبی تھا۔

”ہیلو......“ یس کر کے اس نے کان سے لگالیا تھا۔

”لالہ منصور بات کر رہا ہوں۔“ دوسری طرف چھوٹتے ہی تعارف کروایا گیا تھا۔ گزشتہ رات کی تلخی پورے وجود سمیت آن کھڑی ہوئی۔

”جی فرمایئے۔“ کل رات کی اذیت وہ بھولا تو نہیں تھا اور اب پھر یہ شخص اس کا ضبط آزمانے کو آگیا تھا۔

”فرما ہی رہا ہوں۔ تمہاری بہن نے احسان منصور سے آج شام نکاح کر لیا ہے۔“

ایک لمحے کو تو شارق زمان کا دماغ ہی ماؤف ہو گیا مگر دوسرے ہی پل سر جھٹکا۔

”تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ تمہارے بیٹے کا معاملہ ہے ویسے اطلاع دینے کا شکریہ۔“ آرام سے وہ لالہ منصور کو سلگا رہا تھا۔ وہ واقعی بھڑک گیا۔

”میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس کتیا اور اس کی ماں کو......“ اس نے گالی بکی تھی۔ شارق زمان کو اپنے اعصاب زبردست تحریک کی زد پر مشتعل ہوتے محسوس ہوئے۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کر خود کو کسی بھی قسم کی اشتعال انگیزی سے روکا۔

”ضرور۔ یہ تمہارا ذاتی فعل ہو گا۔ میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔“ جب بولا تو لہجہ اتنا ہی سفاک اور ٹھنڈا تھا جو کسی بھی شخص کو دماغ خراب کرنے پر اکسا دے۔

”تمہیں میں نے خبردار کیا تھا شارق زمان پھر بھی......“ وہ زخمی شیر کی طرح چنگھاڑ رہا تھا۔ شارق نے مطلق پرواہ کی۔

”تمہارے بیٹے نے نکاح کیا ہے۔ اس میں تم مجھے کیوں دوش دے رہے ہو؟ خدانخواستہ میں نے تو زبردستی اس کا نکاح نہیں کروایا...... پھر یہ تمہارے بیٹے کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں کسی کی ذاتیات میں دخل دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس ملک میں ہزاروں جوڑے گھر سے بھاگ کر باہر اپنی مرضی سے نکاح کرتے ہیں۔ تمہارا بیٹا بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ اس میں مجھے دھمکیاں دینے یا بتانے سے کیا حاصل......؟“ شارق زمان نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

”میں دیکھ لوں گا تمہیں بھی...... اور تمہاری طوائف ماں کو بھی یاد رکھنا شارق زمان۔ مجھ سے دشمنی لینے والا قبر کی تاریکیوں میں بھی جا سوئے اسے بخشتا نہیں ہوں۔“ وہ زخمی شیر کی طرح بول رہا تھا۔ شارق زمان نے اس کی بات پر نجانے کیسے خود پر قابو کر پایا تھا۔

”بصد شوق...... تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے لالہ منصور کہ میری ماں میرے گھر میں بستر علالت

پر پڑی ہوئی ہے۔ جس طوائف کا نام تم لے رہے ہو، تم جیسے لوگوں کی ہوس پوری کرنے کے لیے ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ رہ گئی تمہارے بیٹے کی منکوحہ تو جب تم اسے قتل کروا دو تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ میں اظہار تعزیت کے لیے ضرور آؤں گا۔ آخر کو تمہارے بیٹے نے بھی ایک طوائف زادی سے نکاح کیا ہے جو نجانے کتنوں کی ہوس پوری کر چکی ہے۔ اگر پولیس وغیرہ کوئی مسئلہ کری ایٹ کرے تو مجھے انفارم کرنا۔ پولیس سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ کیس حل کروانے میں مدد ملے گی۔ ہاں ایسا وکیل کرنا جو کیس جیتے اس کے عوض میں تمہیں منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہوں۔ میرے باپ کی جائیداد اتنی ضرور ہے کہ میں ایک طوائف اور طوائف زادی کو عبرت ناک انجام سے دوچار کروانے کو استعمال کر سکوں۔ مشورہ تمہارے فائدے کا ہے۔ غور ضرور کرنا۔ شہوانہ احسان معذرت کے ساتھ اب تمہاری بہو ہے تو میں اسے شہوانہ احسان ہی کہوں گا چونکہ قبر کی تاریکیوں میں سلانے کا میرا بھی دیرینہ خواب ہے اگر پورا کر دو تو ساری عمر تمہارا دوست بن کر ممنون رہوں گا۔“

یہ قصہ شارق زمان کی زندگی کا ایک ناسور بن چکا تھا۔ ایک رستا ہوا ناسور...... جو اسے نہ ہی تو نارمل زندگی جینے دیتا تھا اور نہ ہی حد سے گزرنے...... وہ دوہری اذیت کا مسافر تھا جس کے لیے اگر آگے بڑھنا محال تھا تو واپس پلٹنا زیادہ مشکل۔

لالہ منصور کی اس کے والد زمان حسین سے پرانی رنجش چلتی آ رہی تھی۔ وہ تو سرے سے اس قصے سے ہی لاعلم تھا مگر جوں جوں لالہ منصور کے ساتھ تعلقات کی نوعیت میں اضافہ ہوا تھا۔ اسے لالہ منصور کی فطرت اس کمینگی کا پتا چلتا گیا تھا۔ لالہ منصور اس کی ماں بہن کا حوالہ دے کر اسے جس حد تک تکلیف دے سکتا تھا وہ دے رہا تھا اور شارق زمان اپنی کم فہمی و جذباتی فطرت کی بدولت جس حد تک اس کی مطلب براری پر پورا اتر سکتا تھا اتر رہا تھا۔

غصے سے اس نے کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کی باتوں سے لالہ منصور کس حد تک غضب ناک ہو سکتا ہے اور کیا کر سکتا ہے......

شارق زمان نے کچھ سوچتے ہوئے کچھ نمبر ملائے تھے۔

”ہاں عمر، شارق بول رہا ہوں۔“ رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا تھا۔ ”ایک کام ہے ذرا دھیان سے سنو۔ لالہ منصور کے بیٹے احسان منصور نے شہوانہ سے نکاح کر لیا ہے۔ میرے خیال میں یہ ساری کارروائی چھپ کر عمل میں لائی گئی ہے ورنہ لالہ منصور کبھی یہ سب نہ ہونے دیتا۔ تم ایسا کرو کہ سارے معاملے کی اصل رپورٹ حاصل کرو۔ لالہ منصور کے جس بندے کا میں نے تمہیں نمبر دیا تھا اسی سے رابطہ کرو۔ وہ تمہیں احسان منصور کے اصل ٹھکانے کا بتا دے گا۔ مجھے لالہ منصور کے تیور اچھے نہیں لگ رہے۔ وہ ضرور کچھ کرے گا۔ تم ایس پی انجم خان سے بھی رابطہ کر لینا۔ لالہ منصور بچ نہ پائے خیال رکھنا۔ باقی سب تم سمجھ ہی گئے ہو گے۔ فلاسنگ قسم کی رپورٹ ہونی چاہیے۔ او کے بعد میں رابطہ کرتا ہوں۔ تم جلدی سے یہ سب کام کرو اور ہاں افتخار کو کال کر کے احسان منصور تک بھیج دو۔ اسے کہنا تصاویر رنگین ہونی چاہئیں۔“ اس نے ساری ہدایات دے کر کال بند کر دی۔ اندرونی اضطراب جو تھا سو

تھا مگر بیرونی کیفیات بھی کچھ مختلف نہ تھیں۔ ادھر سے ادھر ٹہلتے اس نے تقریباً آدھا گھنٹہ گزارا تھا۔ ٹانگیں شل ہونے لگیں تو وہ اندر چلا آیا۔

لاؤنج میں ٹی وی آن تھا۔ نویرہ صوفے پر بیٹھی نیوز چینل لگائے نیوز سن رہی تھی جب کہ شاکرہ اس کے قریب ہی کشن پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ شارق وہیں چلا آیا۔

نویرہ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ الجھا الجھا سا کچھ پُرسوچ انداز لیے وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم یہاں بیٹھے بیٹھے کیوں اونگھ رہی ہو؟ جاؤ جا کر سکون سے سوؤ۔" شارق کی نظر شاکرہ پر پڑی تو وہ ٹوک گیا۔

وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ فوراً نویرہ کو دیکھا جس نے اسے اپنے پاس رہنے کو کہا تھا۔

"اب کیا دیکھ رہی ہو۔ جاؤ اندر اور ہاں اماں سو گئیں......؟" اس کے تحکم سے کہنے پر شاکرہ فوراً کھڑی ہوگئی تھی۔

"جی۔"

"ایک گلاس پانی لا دو۔"

نویرہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ شاکرہ شارق کے حکم پر فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔

"نیوز دیکھی جا رہی ہیں...... اس کا مطلب ہے تمہیں نیوز سے بھی دلچسپی ہے۔" صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے وہ اب نویرہ کو دیکھ رہا تھا۔ نویرہ نے صرف مڑ کر دیکھا تھا۔

"جی...... "نیوز دلچسپ مراحل میں تھیں۔ یوں ہی چھوڑ کر جانے کو دل نہ چاہا۔ اسے ٹی وی میں ایک نیوز ہی تو اچھی لگتی تھیں اور ٹائم نکال کر وہ اکثر اوقات ضرور دیکھتی تھی۔

شاکرہ پانی لے آئی تھی۔ شارق کو گلاس تھما کر اس نے نویرہ کو دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہو کہ اب جاؤں یا بیٹھوں؟ ویسے تو تھکن سے برا حال ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک منٹ ضائع کیے بغیر فوراً بستر پر جا لیٹے۔ صرف نویرہ کی وجہ سے رکی ہوئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔ یہ تھوڑی سی نیوز رہ گئی ہیں پھر چلتے ہیں اندر۔" نویرہ کے کہنے پر شارق زمان نے پانی پیتے حیرت سے نویرہ کو دیکھا۔

شاکرہ کے لیے اس کا یہ حکم اسے بڑا عجیب سا لگا۔ شاکرہ فوراً بیٹھ گئی تھی۔ شارق زمان کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ اگر وہ حقیقتاً پریشان نہ ہوتا تو ضرور نویرہ کے اس رویے پر غور کرتا۔

وہ سر جھٹک کر اپنی جیب سے چند ایک کارڈ نکال کر دیکھنے لگا۔ ایک کارڈ پر درج موبائل نمبر وہ اپنے سیل پر ڈائل کرنے لگ گیا تھا۔

ایس پی انجم سے رابطہ ہوتے ہی وہ بات کرنے لگا۔

"انجم! میں شارق بول رہا ہوں۔"

نیوز سنتے نویرہ کو شارق زمان کی آواز بڑی ڈسٹربنگ لگی۔ ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ہاں یار سب خیریت ہے...... ہاں اسی لیے کال کی ہے۔ عمران نے بتا دیا ہوگا۔ بس کیا بتاؤں یار یہ اال منصور بھی گلے کی ہڈی بنتا جا رہا ہے۔ نظر رکھو اس پر...... ہاں اسی لیے کال کی ہے۔ بڑے لمبے ہاتھ ہیں اس کے...... سیاسی اثر و رسوخ کی بدولت ہمیشہ بچ جاتا ہے۔ تم فکر نہیں کرو۔ انشاء اللہ اس قصے سمیت بہت جلد میرے میگزین میں بڑی فنٹاسٹک رپورٹ شائع ہوگی۔ کتے کی طرح بھونکنا صرف اس کو آتا ہے۔ بس خیال رکھنا ہوگا مجھے الجھانے کے چکر میں ہے۔ ہاں اس وقت میں اپنے گھر میں ہوں۔ میرے فیملی ممبرز میرے گھر پر موجودگی کے گواہ ہوں گے۔ او کے پھر میں منتظر ہوں۔ تم پتا کر کے اطلاع کر دینا...... او کے اللہ حافظ۔"

نویرہ کو وہ بھی ایک خبر کی طرح لگا۔ کال بند کر کے وہ کچھ ریلیکس ہو گیا تھا۔ کارڈ جیب میں ڈال کر وہ اب اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

نویرہ کا دھیان اب بھی ٹی وی کی طرف تھا۔

آف وائٹ ریشمی ملبوس میں اچھی طرح شال اوڑھے وہ یکسر لاتعلقی کا مظاہرہ پیش کر رہی تھی۔ شارق کو پوری شدت سے اپنی گزشتہ رات کی کیفیت یاد آنے لگی۔

وہ باقی رات کیسے خود سے لڑا تھا اور یہ لڑکی...... کسی کو بھی ہوش و حواس سے بے گانہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ بقول رمشاء کے جیتی جاگتی قیامت تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ اس وقت نویرہ کو قطعی نہیں سوچنا چاہتا تھا مگر وہ خوش رنگ خواب کی طرح اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی اور وہ بے دھیانی سے اسے یک ٹک دیکھے گیا۔ تب ہی نویرہ نیوز دیکھنا موقوف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شارق زمان کی موجودگی میں پرسکون کیفیت میں خبریں دیکھنا ممکن ہی کہاں تھا؟ غصے و جھنجلاہٹ کا ایک طوفان بپا تھا نویرہ کے اندر اٹھا تھا۔ وہ دیکھے بغیر ہی شارق زمان کی توجہ کا مرکز خود کو بنا محسوس کر سکتی تھی۔ لب بھینچے اس نے شارق زمان کو دیکھا...... کتنی ناگواری تھی اس وقت اس کی آنکھوں میں۔ کاش وہ اندازہ کر سکتا......

"تم نے ٹی وی کیوں آف کر دیا۔ لگا رہنے دو......"

اس کے دیکھتے پر وہ بھی جیسے خواب سے چونک گیا تھا۔ نویرہ نے ٹی وی آن کر دیا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر شاکرہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کہاں چل دیں بیٹھو۔" شارق کی نگاہیں اس کے صبیح پر رونق چہرے پر ٹک سی گئیں۔ گویا کہہ رہی ہوں اب اس چہرے سے ہٹنا گوارا نہیں۔

"نہیں۔ مجھے ابھی نماز بھی ادا کرنی ہے آپ دیکھیں۔ چلو شاکرہ۔" وہ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ شارق زمان کی نگاہوں نے اماں کے کمرے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

شارق زمان گہری سانس لے کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوا۔ نویرہ کا یہ انداز و اطوار شارق زمان کے ضبط کے لیے بہت زیادہ ثابت ہو رہا تھا۔ شارق زمان نے اپنی توجہ نیوز کی طرف مبذول کرنا چاہی مگر لگتا تھا کہ جیسے نویرہ کا خیال کسی آسیب کی طرح دماغ سے چمٹ گیا تھا۔ خود کو پرسکون کرنے کو اس نے سگریٹ نکال لیا تھا۔

بہت ریلیکس ہو کر تھری سیٹڈ صوفے پر دراز ہوتے ہوئے اس کے دل و دماغ پر ایک واضح تصور اتر آیا تھا۔ نگاہیں ٹی وی اسکرین پر منجمد تھیں مگر ذہن کے پردے پر جو عکس لہرا رہا تھا وہ ہر احساس بھلا دینے کو کافی تھا۔

……

سمعان احمد کو سب بتا کر اپنے نام آنے والا وہ لفافہ جس میں اسے بہ زبانِ شاعری نادر خیالات موصول ہوئے تھے۔

لاکھ پردوں میں رہوں بھید میرے کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

اسے حقیقتاً مطمئن اور پرسکون ہو جانا چاہیے تھا مگر ساری حقیقت الف سے "ے" تک سمعان احمد کے گوش گزار کر کے وہ مزید الجھ گئی تھی۔

اس کا ڈپریشن انتہا کو پہنچ چکا تھا۔
دل کو گویا پتنگے سے لگ گئے تھے۔

سمعان احمد ساری حقیقت جانتے ہوئے ازحد سنجیدہ اور پتھریلے تاثرات لیے ہمہ تن گوش رہے تھے مگر وہ جانتی تھی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ کس طرح سمعان احمد نے خود کو کسی بھی قسم کی جذباتیت سے روکا ہوگا۔

سمعان احمد کے اندر ایسے الاؤ آگ دہکاتے ہوں گے۔ وہ صرف سمعان احمد کے لیے ایک بہن ہی نہیں بہت اہم ہستی تھی۔ آنے والے حالات کا خوف فرح سعید احمد کے اندر چٹکیاں کاٹ رہا تھا۔ نجانے سمعان احمد اب کیا کریں؟ وہ سوچ سوچ کر الجھی تھی اور الجھ الجھ کر رو دی تھی۔

اعصاب ٹوٹنے بکھرنے کے صبر آزما مراحل سے گزر کر آخر کار اس کے وجود کو توڑ پھوڑ گئے تھے۔

سمعان احمد کی مسلسل چپ اور پھر اپنی اہم میٹنگ کا کہہ کر چلے جانا اس کے اندر مزید ہراس جگانے کا سبب بن گیا تھا۔ سمعان احمد بھائی تھے اور کوئی بھی بھائی بہنوں کے معاملے میں اس انتہا کی برداشت کا قطعی مظاہرہ نہیں کرتے۔ سمعان احمد کے بھینچے ہونٹ اور تنے اعصاب یاد کر کے وہ ہول رہی تھی۔

"تم قطعی فکرمند نہیں ہونا۔ تمہیں یہ بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ تاہم اب یہ تمہارا نہیں میرا دردِ سر ہے۔ یہ کون شخص ہے میں بہت جلد پتا چلا لوں گا۔ وہ ہمارے متعلق بہت گہری معلومات رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ ہم سے اجنبی نہیں ہے۔ اب یہ میرا مسئلہ ہے اس شخص سے کیسے نپٹنا ہے...... تمہیں آئندہ سے وہ تنگ نہیں کرے گا۔"

رات کو کھانے کے لیے اسے ماجدہ بلانے آئی تھی مگر اسے بستر پر بے سدھ پڑے دیکھ کر وہ الٹے پیروں واپس پلٹی تھی۔

"بیگم صاحبہ! فرح بی بی تو بخار سے تپ رہی ہیں۔ میں نے آوازیں بھی دیں مگر وہ تو ہوش میں ہی

نہیں ہیں۔"

ماجدہ کے حواس باختہ انداز پر سعید احمد نے چونک کر دیکھا۔

"ہیں...... کیا کہہ رہی ہو تم؟ شام سے پہلے تک تو وہ اچھی بھلی تھی۔"

طاہرہ بیگم بھی متفکر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ تیزی سے فرح کے کمرے میں آئی تھیں۔ سعید احمد، علی اور ماجدہ بھی پیچھے چلے آئے تھے۔

"فرح...... فرحی کیا ہوا ہے۔" فرح کے بستر پر بیٹھ کر انہوں نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔ ان کے آوازیں دینے پر فرح نے آنکھ کھولی تھی مگر نقاہت اور بخار کی حدت سے وہ فوراً آنکھیں بند کر گئی تھی۔

"اوہ میرے اللہ...... اسے تو بڑا تیز بخار ہے۔" طاہرہ بیگم نے جیسے اس کی پیشانی چھوئی تو لگا تپتی ریت کو چھو لیا ہو۔ سعید احمد بھی آگے بڑھے تھے۔ فرح کی کلائی تھامی تھی۔ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ ہاتھ نے گویا آگ کو چھو لیا ہو۔

"کب سے ہے اس کی یہ حالت......؟"

سعید احمد کے تیز اور سرد انداز پر طاہرہ بیگم فوراً چونکیں۔ حیران ہو کر دیکھا۔ آنکھوں میں سرد سی لپک محسوس ہوئی۔

"اب اس شخص کو مجھ سے بدظن ہونے کا نیا موقع مل جائے گا۔" طاہرہ بیگم نے دل میں سوچا۔

"مجھے نہیں پتا۔ کالج سے تو اچھی بھلی آئی تھی۔ سہ پہر کی چائے میں نے علی اور فرح نے اکٹھے ہی پی تھی۔ شام سے پہلے تک تو یہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ علی سے پوچھ لیں۔ اس کے ساتھ لڈو کھیل رہی تھی پھر میں کچن میں مصروف ہو گئی تھی۔ یہ اپنے کمرے میں تھی۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ پڑھائی میں مصروف ہو گی۔" سعید احمد کے مشکوک انداز پر انہوں نے فوراً وضاحت پیش کی تھی۔ اس ڈر سے کہ فرح کی بیماری میں بھی ان کے نام کوئی فردِ جرم عائد نہ ہو جائے۔

"علی! ڈاکٹر مرتضیٰ کو کال کرو۔" انہوں نے علی کو کہا تو وہ فوراً ٹیلی فون کی طرف بڑھا تھا۔

"ماجدہ پانی اور پٹیاں لے آؤ۔ بہت تیز بخار ہے۔ جب تک ڈاکٹر آتا ہے میں اس کے سر پہ پٹیاں رکھتی ہوں۔" طاہرہ بیگم نے ماجدہ کو کہا تو وہ فوراً باہر بھاگی تھی۔

"ابھی پٹیاں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر آتا ہے تو پوچھ کر رکھنا اور علی، سمعان کا پتا کرو کب تک گھر پہنچ رہا ہے؟ اب تک تو فارغ ہو جانا چاہیے تھا اسے۔" طاہرہ بیگم کو منع کر کے انہوں نے علی کو بھی کہا تھا وہ جو ڈاکٹر مرتضیٰ کو کال کر کے ریسیور رکھ رہا تھا پھر سے سمعان کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

سعید احمد خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بستر کے پاس بیٹھ گئے۔

"سمعان بھائی کا نمبر بند ہے مل نہیں رہا۔"

نیم غنودگی کی کیفیت میں طاہرہ بیگم کے لمس کو محسوس کر کے اپنے حواسوں کو یکجا کرتی فرح کے کانوں میں یہ الفاظ گونجے تھے۔

"یا اللہ......" فرح کو اپنے اعصاب جواب دیتے محسوس ہوئے۔ اس کے اندر پیدا ہونے والا ہراس

اسے مزید متوحش اور خوفزدہ کر گیا۔ اپنے ڈوبتے ذہن سے وہ آخری سوچ یہی سوچ سکی کہ ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے سمعان بھائی کسی حد سے گزر گیا ہو

※……※……※

وہ گہری نیند میں تھی۔ عجیب سے احساس سے ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ فوراً اٹھنے کے بعد وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی پھر آہستہ آہستہ ذہن معمول پر آیا تھا۔ خالہ جان بستر پر گہری نیند میں غرق تھیں۔ فرش پر میٹرس پر شاکرہ دنیا ومافیہا سے بے خبر تھی اور وہ خود عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جائے نماز پر ہی سجدے کی حالت میں نجانے کب سے سوئی تھی۔

نویرہ نے اپنی کلائی سیدھی کر کے وقت دیکھنا چاہا مگر ٹیلی فون کی تیز آواز نے اس کے اعصاب منتشر کر دیے۔ اسی آواز نے اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔ نویرہ نے حیرانی سے کلائی دیکھی۔ ڈھائی بج رہے تھے۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ نجانے اس وقت کون تھا۔ سارے دن کی تھکی ہاری شاکرہ اس تیز آواز سے بے خبر مزے سے سو رہی تھی۔ جانے کب سے فون بج رہا تھا۔ بیل ختم ہو گئی تھی۔ نویرہ نے جائے نماز تہہ کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ شاید تھکن تھی کہ وہ جائے نماز پر ہی سو گئی تھی۔

لائٹ آن تھی۔ وہ لائٹ بند کرنے کے خیال سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی تھی کہ پھر فون کی بیل ہونے لگی تھی۔

"کون ہو سکتا ہے اس وقت......؟" فون لاؤنج میں رکھا ہوا تھا۔ اماں کے ڈسٹرب ہونے کے احساس سے ایکس ٹینشن یہاں سے ہٹا دیا تھا۔ نویرہ چادر لپیٹ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ کھول کر راہداری عبور کر کے وہ لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ جب بڑے صوفے سے اٹھتے شارق زمان کو تیزی سے فون اسٹینڈ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ شارق زمان مسلسل ہونے والی بیل کی آواز سے ہی بیدار ہوا تھا۔ نویرہ نے اطراف میں دیکھا۔ لائٹ روشن تھی، ٹی وی بھی چل رہا تھا۔

"یہ ساری رات یہیں تھے......" شارق زمان نے کال ریسیو کی تھی۔ نویرہ نے حیرت سے شارق کو دیکھا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"جی چچی جان! میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں۔ طبیعت کیسی ہے بخار اترا کہ نہیں؟" نویرہ پلٹنے کو تھی مگر شارق زمان کی آواز سن کر فوراً رکی تھی۔ بخار تو اماں کو تھا...... نویرہ کو اپنا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔

"کہیں گھر سے فون تو نہیں...... خدا خیر کرے......" وہ پلٹنے کے بجائے تیزی سے اندر چلی گئی۔

"نویرہ جی وہ بالکل ٹھیک ہے۔ جی وہ تو شاید سو گئی ہے۔ اچھا آپ صبح کال......" نویرہ پر نظر پڑتے ہی باقی الفاظ شارق کے منہ میں ہی رہ گئے تھے۔

"کون ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"خالہ چچی ہیں۔ تمہارا پوچھ رہی ہیں۔" شارق نے آرام سے کہا تھا۔

"امی ہیں...... اس وقت...... خیریت ہے نا؟" تردد فوراً زبان پر آیا تھا۔

"ہوں......" شارق نے مختصراً کہتے ہوئے ریسیور اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"السلام علیکم امی! کیسی ہیں؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں..... خیریت ہے نا...... اس وقت کال کیوں کی؟" اس کا ننھا سا دل ابھی بھی گھبرا رہا تھا۔

"پتا نہیں کیوں نویرہ میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے۔ میں نے بڑا عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ تمہارے متعلق بڑا برا خیال تھا۔ میرے دل کو پتنگے لگے ہوئے ہیں۔ تم مجھے چیخ چیخ کر پکار رہی تھیں۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ کتنی دفعہ کال ملائی ہے۔ خدا خیر کرے۔ اللہ تمہیں خیر و عافیت میں رکھے۔ تمہارا نگہبان ہے۔ مجھے بڑے برے وہم ستا رہے ہیں۔" بہت گھبرائی پریشان آواز میں وہ کہہ رہی تھیں۔ نویرہ حیرت کے سمندر میں جا ڈوبی۔ بے اختیار نظر سیدھی شارق زمان پر جا ٹھہری جو بہت اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظر سے نظر ملی تھی۔ شارق نے نگاہیں بدل لی تھیں۔ وہاں سے ہٹ کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے پہلے ٹی وی بند کیا تھا اور پھر سلیپر پہن کر اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

شارق زمان کو اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر نویرہ کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا...... خواب تو بس خواب ہوتے ہیں۔ بس آپ بخار میں ہیں ڈر گئی ہوں گی فکر نہ کریں۔ آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر پھونکیں اور تصور میں میرا خیال کر کے مجھ پر بھی پھونکیں۔ انشاءاللہ ساری گھبراہٹ و پریشانی ختم ہو جائے گی۔" اس نے رسانیت و حلاوت سے ماں کو تسلی دی۔

"ہوں۔ اپنا خیال رکھنا۔ بس ایک دو دن مزید رہ لو۔ میں پھر تمہیں نبیل کو بھیج کر واپس بلوا لوں گی۔ نجانے کیوں میرا دل اتنا ڈر رہا ہے؟" وہ ابھی بھی فکرمند تھیں۔ نویرہ ہنس دی۔

"کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ بس آپ بغیر کچھ سوچے آنکھیں بند کر کے سو جائیں۔ زیادہ گھبراہٹ ہو رہی ہے تو کوئی سورۃ جو زبانی آتی ہے پڑھ لیں۔ درود ابراہیمی اور آیۃ الکرسی زیادہ مناسب ہیں۔ ساری گھبراہٹ ختم ہو جائے گی۔" اس نے بہت اچھا مشورہ دیا تھا۔ مزید دو تین باتیں کر کے انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

وہ اماں کے رویے اور خواب کو سوچتی پلٹنے ہی والی تھی کہ دوبارہ بیل ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"اب کون ہے؟" سی ایل آئی پر آنے والا نمبر ان کے گھر کا نہیں تھا۔ کوئی موبائل نمبر تھا۔ بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ شارق زمان کمرے سے باہر آتا اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو......"

"نویرہ......" دوسری طرف اس کے صرف ہیلو پر ہی بہت بے ساختگی اور تڑپ کر کہا گیا تھا۔ نویرہ

حیران رہ گئی۔

"نویرہ بول رہی ہیں......" دوسری طرف اب پہلے سے زیادہ شدت سے پوچھا گیا تھا۔

"ہوں۔ مگر آپ کون......؟" وہ الجھ کر رہ گئی۔

"میں رضا ہوں۔" فوراً تعارف کروایا تھا۔ نویرہ کو اپنے اعصاب پرسکون ہوتے ہوئے اگلے ہی لمحے پھر کشمکش کی زد پر محسوس ہوئے۔

"رضا! تم...... خیریت تو ہے نا......؟"

پہلے امی کی کال اب رضا کی...... نویرہ کے دل کو پتنگے لگ گئے۔

"ہاں ویسے تو خیریت ہے مگر......" وہ الجھ کر بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔ شاید نویرہ کو اپنے اعصاب طوفانوں سے نبرد آزما محسوس ہوئے۔

"کیا بات ہے؟ اس وقت تم نے کال کیوں کی؟ گھر میں سب خیریت تو ہے......؟"

"بالکل ہر طرح سے خیریت ہے۔ بس ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے عجیب سے وہم ستا رہے تھے۔ میرا دل گھبرا رہا تھا۔ میں نے نیند میں بڑا عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں...... سوچا آپ سے بات کرلوں۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔" دوسری طرف وہ کہہ رہا تھا۔ نویرہ حیران وششدر اسے سن رہی تھی۔

"میں بتا نہیں سکتا کتنا بُرا خواب تھا۔ اللہ کرے سب جھوٹ ہو۔"

"رضا!" نویرہ کے ہونٹ کپکپا اٹھے تھے۔ "ابھی امی کی کال آئی تھی۔ وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ انہیں میرے متعلق کوئی بُرا خواب آیا ہے اور تم بھی......" نویرہ کا دل خوف سے بند ہونے لگا تھا۔

"تائی امی نے کال کی تھی؟"

"ہاں۔ ابھی......"

"میں آ رہا ہوں آپ کے پاس۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کچھ ہونے والا ہے۔ میں بس آنے لگا ہوں۔" نویرہ کو رضا ایک دم بدحواس سا محسوس ہوا۔ نویرہ گھبرا گئی۔

"نہیں رضا! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تم سے بات کر رہی ہوں اور بھلا مجھے یہاں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے...... فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی بالکل گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں۔ چچا جان سے جوتیاں کھانی ہیں۔ صبح آرام سے آنا...... پھر بات ہوگی۔ اس نے اپنے آپ کو بحال کرتے ہوئے اسے بھی ٹالا تھا پھر مزید چند باتیں کر کے اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

"اب کس کی کال تھی؟" وہ پلٹی تھی۔ شارق کو قدرے فاصلے پر دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"رضا کی۔" اس نے مختصراً کہا۔

"رضا کی......؟ کیوں......؟ اس وقت...... یہاں؟" شارق بھی حیران ہوا تھا۔

"کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی بات کرنا چاہتا تھا۔" نویرہ نے ٹالا تھا۔

شارق زمان نے بغور اسے دیکھا۔ گرم شال اچھی طرح اوڑھے کافی بے تکلے انداز میں مخاطب

تھی۔

مگر کچھ الجھی ہوئی بھی تھی۔

شارق زمان کو ہمیشہ کی طرح اب بھی اس وجود میں بے پناہ کشش سی محسوس ہوئی۔ شارق زمان کے اندر اس پل اک عجیب سے احساس نے کروٹ لی تھی۔ نویرہ اپنے آپ سے الجھی ہوئی تھی۔ وہ شارق زمان کی نگاہوں کے زاویے نہ دیکھ پائی تھی۔ وہ اماں اور رضا کی کال پر پریشان تھی۔

دونوں کو بیک وقت ایک جیسا ہی خواب آیا تھا۔

دونوں پریشان تھے۔

دونوں نے فوراً کال کی تھی اور خود بھی حیران تھی۔ اماں کی پریشانی فطری تھی مگر رضا حمید...... اس کی پریشانی اس کا تردد اس کا اضطراب...... وہ اس وقت سخت اذیت میں گرفتار نظر آ رہی تھی۔ اتنی زیادہ کہ اپنے گرد و پیش کو قطعی فراموش کیے ہوئے تھی۔

شارق زمان کی موجودگی اس کی نگاہوں کی تپش ہر چیز بھول گئی تھی اور شاید یہی بھول اس کی زندگی پر گھات لگانے کو بالکل مستعد تھی۔

"اس وقت ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" رات گئے شارق زمان کی فرمائش پر نویرہ نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا۔

"اس وقت......" اس کے ہونٹوں سے بے اختیار پھسلا تھا۔

"اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو...... ورنہ کوئی بات نہیں۔"

شارق اپنے ہی اندر کی آوازوں سے گھبرا کر فوراً ٹوک بھی گیا تھا۔

"نہیں میں بنا دیتی ہوں۔" نویرہ کو اب یوں منع کرنا بھی اچھا نہ لگا۔ دماغ تو پہلے ہی اچھا خاصا الجھا ہوا تھا۔ پہلے اماں کے فون نے اور پھر رضا کی گفتگو نے اچھا خاصا اثر ڈالا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ گویا دماغ بالکل مفلوج ہو گیا ہو۔

بغیر سوچے سمجھے وہ ہاں کر بیٹھی تھی۔

نویرہ کا یوں بلاتردد مان جانا شارق زمان کے لیے حیران کن ہی تھا۔

"میں اپنے کمرے میں ہوں۔" اسے کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔

نویرہ کچن میں چلی آئی تھی۔ چائے کا برتن چولہے پر چڑھا کر وہ پھر خود سے الجھنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"میں کل گھر کا چکر ضرور لگاؤں گی۔ اماں کا بخار سے برا حال ہے۔ نجانے طبیعت کتنی خراب ہے۔ تب ہی الٹے سیدھے وہموں سے گھبرا گئی ہیں۔"

چائے تیار کرتے ہوئے وہ مسلسل خود سے نبرد آزما تھی۔ اس کی سوچ کا محور صرف اماں تھیں۔ رات کے اس پہر شارق زمان کے لیے چائے تیار کرتے اس کی سوچ صرف اس بھنور میں الجھ گئی تھی۔

چائے تیار کرتے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ اپنی سوچوں میں الجھی اس نے کپ تیار کیا تھا۔

چائے کا کپ شارق کے کمرے کی طرف لے جاتی وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گئی تھی۔

”رات کے اس پہر شارق کے کمرے میں جانا مناسب بھی ہے یا نہیں۔“ وہ جیسے کسی خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ شارق زمان کے دروازے کے سامنے اس کے قدم ساکت ہو گئے تھے۔ وہ تو دن کے اجالے میں بھی اس شخص کی طرف سے نہایت بدگمان رہتی تھی اور اب رات کے اندھیرے میں وہ اس کے در پر کیسے دستک دے سکتی۔

شارق کی نظروں کی تحریر

آنکھوں کے پیام

ہر چیز روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔

حیرت ہے۔ نویرہ حیران تھی کہ وہ چائے تیار کرنے کے لیے کیسے مان گئی تھی۔ اسے اپنی گزشتہ کیفیت ایک دم یاد آنے لگی۔

”اندر جاؤں کہ نا.....؟“

اس کے اندر زبردست تحریک برپا ہو چکی تھی۔

جو اسے اندر جانے سے بری طرح روک رہی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے۔ کھا تو نہیں جائیں گے مجھے۔ اب تو ذمہ داری لے لی۔ چائے پکڑاتے ہی واپس ہو لوں گی۔“ اپنے ہی احساسات سے گھبرا کر اس نے خود کو ڈانٹ دیا بلکہ اس نے اپنے آپ کو بہلایا تھا۔ دل کو حوصلہ دیا۔

اپنے ساکت قدموں کو طاقت فراہم کی تھی

کانپتے وجود کو عذر پیش کیا۔

دھیرے سے دروازے پر دستک دی۔

”آجاؤ.....“ بھاری گمبھیر آواز نویرہ کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ دھکیلا تھا۔

شارق زمان اسے کمرے میں دکھائی نہ دیا۔ اس نے تعجب و تجسس سے اطراف میں نگاہ کی۔ شارق زمان ڈریسنگ روم کے دروازے سے باہر آیا تھا۔ کچھ دیر قبل لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ اس وقت اس کے جسم پر صرف ٹراؤزر اور بنیان تھی۔

”بن گئی چائے؟“ وہ اس کے قریب آ ٹھہرا تھا۔ نویرہ کی نگاہیں خود بخود جھکتی چلی گئیں۔

”دہشت، غصہ، خجالت..... نجانے کس کس احساس نے ایک دم اس کے اعصاب کو جھنجوڑ دیا تھا۔ اسے شارق زمان کے وجود سے انتہائی ناگواری محسوس ہوئی۔ دروازے پر دستک دینے کا مطلب ہی یہی تھا کہ اس نے اسے اپنی آمد سے آگاہ کیا تھا۔ اس کی اجازت سے اندر داخل ہوئی تھی پھر بھی شارق زمان اس حلیے میں تھا جس میں کبھی اس کے بھائی اسے دکھائی نہ دیے تھے۔ نویرہ کے اعصاب زبردست تحریک کی زد میں آ گئے۔

”جی۔“ جواب میں صرف یہی کہہ سکی۔

شارق نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کپ لیا بغور اس کا جھکا سر دیکھا۔

”بیٹھو۔“ وہ واپسی کے لیے پلٹی تھی اس آواز پر ٹھہر سی گئی۔

”جی شکریہ۔ نیند آ رہی ہے۔ رات گئے تک میں کبھی نہیں جاگی۔ صبح اٹھنے میں دقت ہوتی ہے۔“ اپنی طرف سے اس نے دھیمے اپنے مخصوص ٹھہرے لہجے میں انکار کر دیا تھا مگر شارق زمان نجانے کیا سوچے ہوئے تھا فوراً بولا۔

”کچھ دیر بیٹھو تو سہی۔ نیوز سنتے وہیں صوفے پر ہی آنکھ لگ گئی تھی۔ اب تو نیند مشکل سے ہی آئے گی۔“

چائے کے سپ لیتے شارق کے اصرار پر نویرہ کو مزید کوفت ہوئی۔ وہ یہاں ایک منٹ مزید ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی کجا کہ بیٹھنا..... وہ مڑے بغیر رکی ہوئی تھی۔

”میں چلتی ہوں۔“ اس نے ابھی قدم اٹھائے ہی تھے کہ شارق زمان فوراً اس کے راستے میں حائل ہوا تھا۔

”اتنی جلدی بھی کیا ہے..... کچھ دیر ٹھہرو تو سہی۔ ہر وقت کھنچی کھنچی سی رہتی ہو۔ ایسی بھی کیا ناراضی.....؟“

رات کے اس پہر شارق زمان نویرہ کو اپنے روم میں دیکھ کر جیسے ہر بات بھول چکا تھا۔

ہر احساس، ہر رشتہ.....

بس ایک ہی کیفیت اس کو چاروں طرف سے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی کہ.....

نویرہ اس کے سامنے تھی۔

اس کے کمرے میں اس کے پاس تھی۔

جیسے اس نے پہروں سوچا تھا۔

وہ آج روبرو تھی۔

مزید کوئی بندش، کوئی رشتہ، کوئی بات یاد نہ تھی۔

اور نہ ہی وہ کچھ اور یاد رکھنا چاہتا تھا۔

”جی.....“ نویرہ ہکا بکا اپنے سامنے کھڑے شارق زمان کو دیکھ رہی تھی جو اسے کچھ عجیب سا ناقابل فہم لگا۔

نویرہ کو اپنا دماغ سرسراتا محسوس ہوا۔

شارق زمان نے مسکرا کر پیچھے ہٹتے ہاتھ کی پشت سے کمرے کے دروازے کو بند کر دیا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں دروازہ کھولیں.....“

نویرہ کو اپنے اعصاب جھنجلاتے محسوس ہوئے۔ وہ لمحوں میں چیخی۔

شارق زمان نے اس کے غصے سے کہے الفاظ کی پروا کیے بغیر دروازے کا بولٹ چڑھا دیا تھا۔

نویرہ کو اپنے حلق میں اپنا سانس اٹکتا محسوس ہوا۔

"شارق بھائی......" اسے اپنی آواز بھی قطعی اجنبی لگی۔ "یہ...... یہ...... کیا ہے......؟"

ناقابلِ بیان تفکرات واوہام کے ناگ ایک دم نویرہ کے دماغ میں پھن پھیلائے آٹھہرے۔ پھنسی پھنسی آواز میں وہ بمشکل اپنے حواس قابو میں کر پائی۔

"بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے۔ کل کی رات تمہیں چھوئے بغیر ہی پلٹ آیا۔ کل کی کیفیت خود سے لڑنا۔ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا او وہ فواز اس نے تمہارا ہاتھ تھاما تھا۔ جی چاہ رہا تھا اس کے ہاتھ توڑ دوں۔ تم بہت اچھی ہو۔ تمہیں کوئی اور دیکھے بھی تو رقابت محسوس ہونے لگتی ہے۔ تم نے رضا سے کیا بات کی......؟ کیا کہہ رہا تھا وہ چھوٹا سا ہے مگر بڑا تیز ہے...... بچ کر رہنا اور تم مجھ سے یہ کھنچی کھنچی کیوں رہتی ہو......؟ اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے......؟ میں تو......" ایک دو گھونٹ میں ہی چائے ختم کر کے کپ سائیڈ میں پڑے ٹیبل پر رکھتا وہ نویرہ سے مخاطب تھا اور نویرہ......

اس کی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔

بالکل گم صم...... بے حواس وہ شارق زمان کو دیکھ رہی تھی۔

بلکہ صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کے سامنے جو شارق کھڑا تھا نجانے کون تھا اور جس شارق زمان کو وہ برسوں سے جانتی تھی وہ پتا نہیں کہاں تھا۔

یہ الجھا الجھا سا لہجہ...... بکھرا حال اور وحشی نظریں......

نویرہ کا پورا بدن پسینے سے نہا گیا۔

خوف نے پورے وجود پر اپنے خونی پنجے گاڑ دیے۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ...... ہوش میں تو ہیں؟" نویرہ کو اپنی پھٹی پھٹی آواز خود بھی اجنبی لگی......

لاشعوری طور پر دو تین قدم پیچھے ہٹی۔ اسے شارق زمان سے اس سے بہت خوف محسوس ہوا۔

"ہوش......" شارق زمان نے قہقہہ لگایا تھا۔ نویرہ کی آنکھیں بھی پھٹی پھٹی تھیں۔ "نہیں میری جان! تم جیسی جیتی جاگتی قیامت کو سامنے دیکھ کر کون کافر ہوش میں رہ سکتا ہے...... کتنی معصوم ہو تم...... خود ہی میرے آتشِ شوق کو بڑھا کر پوچھ رہی ہو کہ ہوش میں تو ہوں...... (قہقہہ) واہ کیا کہنے معصومیت کے......"

نویرہ ایک دم حواس میں لوٹی تھی۔

لمحوں میں صدیوں کا فاصلہ اس کے ادراک کی گہرائیوں نے ناپا تھا۔ وہ اس وقت کس مشکل گھڑی سے دوچار ہو چکی تھی اسے آنے والے حالات کی سنگینی کا ایک دم احساس ہوا تھا۔

اپنی بے یقینی کی کیفیت سے نکل کر اس نے صرف اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھا تھا جس پر شیطانیت پوری طرح قبضہ جما چکی تھی۔

مگر نویرہ کی عقل کام کرنے سے قاصر تھی کہ وہ ان لمحوں سے کیسے بچے......

"پلیز شارق بھائی! مجھے جانے دیں...... دروازہ کھولیں۔"

شارق زمان کو قدم بہ قدم اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ خوف ودہشت سے چیخی تھی۔

"ہوں...... جانے دوں گا...... ابھی نہیں...... پہلے میری حکایتِ دل تو سن لو۔ بڑا ارمان تھا اپنے اس کمرے میں کسی اور روایتی موقع پر تم سے بہت کچھ کہنے کا۔ خیر بُرا موقع تو یہ بھی نہیں۔ بس وہ سنو جو میں کہہ رہا ہوں۔ باقی سب بھول جاؤ۔ صرف مجھے سنو...... صرف مجھے۔"

نویرہ پیچھے دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔

خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔

"یا اللہ...... ہائے اماں......"

بے اختیار اس کے ہونٹوں سے الفاظ بکھرے تھے اور آنکھوں سے آنسو۔

شارق زمان نے بہت سرعت سے دیوار کے دونوں طرف اپنے مضبوط ہاتھ ٹکائے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

رضا کی کال......

اماں کی باتیں......

بیک وقت کئی چیزیں نویرہ کے ذہن کی اسکرین پر جگمگائے تھے۔ شارق زمان اس پر جھکا تھا جب کہ ایک دم نویرہ کو اپنے حواس برف کے تودے میں مقید محسوس ہوئے۔

❖

یہ چراغ بے نظر ہے' یہ ستارہ بے زباں ہے
ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے
کبھی پا کے تجھ کو کھونا' کبھی کھو کے تجھ کو پانا
یہ جنم جنم کا رشتہ تیرے میرے درمیاں ہے

گلوکار کی آواز دلکش تھی کہ اس کے اندر اک طغیانی سی تھی۔ رضا حمید کو اپنی آنکھیں بھیگتی محسوس ہوئیں۔ بعض اوقات شاعر حضرات بھی کیسے کیسے دل کی بات لفظوں میں کہہ جاتے ہیں۔

کرسی پر جھولتے ہوئے وہ اپنے تخیل کی وادیوں میں الجھتے ہوئے نہ جانے کہاں جا بھٹکا تھا' جہاں خوشیاں تھیں' قہقہے تھے' خواب تھے' ارمان تھے اور نوریہ احسان تھی۔

"تو یہ طے ہے نوریہ احسان! تم اب ہمیشہ کے لیے میری زندگی کا ایک ناسور بن جاؤ گی۔ ایک رستا ہوا ناسور...... میں تو تمہیں اپنا حال دل کہہ بھی نہیں سکتا۔ کاش میں کچھ کہہ دیتا مگر اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ نوریہ احسان تم تو نواز فاروق کی قسمت کا درخشاں ستارہ ہو۔ میں نے امی کے سامنے اپنے راز دل کی افشانی ہے اگر خوش نہیں ہوں تو نادم بھی نہیں ہوں۔ تمہیں پانا میرے اختیار میں نہیں مگر میری دعا ہے نواز فاروق اللہ تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تمہیں دامن تنگ پڑتا محسوس ہو...... تم نے شاید مجھے کبھی ایک کزن' ایک چھوٹے بھائی کے علاوہ کوئی اہمیت نہ دی ہو مگر میرا دل تو تمہاری دھڑکنوں کے یقین کا خواہاں ہے۔ پتا نہیں کیوں میرے دل کا تمہارے دل سے ایسا ربط بندھ گیا ہے کہ اگر تمہیں کچھ ہو تو میری روح تک تڑپ اٹھتی ہے۔ یہ محبت ہے یا احساس کا جاوداں تخیل جو تمہاری ذات سے وابستہ ہو چکا ہے۔

نرمی سے اپنی دائیں آنکھ کی نمی انگلی سے جھاڑتے ہوئے اس نے اپنے خیالات کے تسلسل کو بھی ریزہ ریزہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے رضا حیدر اسی طرح کرسی پر پاؤں پھیلائے دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے آپ سے ہی نبرد آزما تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ سو چکا تھا' گہری نیند میں تھا۔ وہ خواب تھا یا کوئی وہم۔ سوتے میں اسے بری طرح جگا گیا تھا۔ وہ تو کبھی بھول کر بھی نوریہ کا برا نہیں چاہ سکتا تھا پھر خواب کیسا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ موسم ٹھنڈا ہونے کے باوجود اسے اپنے جسم سے پسینے چھوٹتے محسوس ہوئے تھے اور پھر بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے بڑی اماں کے ہاں کال ملا دی تھی۔ امی سے ہی پتا چلا تھا کہ نوریہ ادھر ہے اور کال نوریہ نے ہی ریسیو کی تھی۔ اس سے بات کرنے کے بعد اسے مطمئن و پرسکون ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ نہیں ہو پایا تھا اور اس کے بعد وہ سو بھی نہیں سکا تھا۔ دل کو گویا پتنگے سے لگے ہوئے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر نوریہ احسان تک جا پہنچے۔ اسے اپنے دل کی بے قراری بتائے۔ اپنے دل کے تمام رازوں کو اس پر آشکار کر دے مگر وہ مجبور تھا بہت زیادہ۔

کمرے کے زیرو پاور کے بلب کی سبز روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' دل کی وحشت کا عجیب عالم تھا۔

نوریہ احسان تمہیں تو شاید گمان بھی نہ ہو یہاں کسی کی زندگی کن طوفانوں کی زد پر ہے۔ کوئی کیسے جیتا ہے اور کیسے دل کو بہلاتا ہے۔ کاش محبت کرنا میرے اختیار میں ہوتا۔ وہ بلک اٹھا تھا۔ کیا دل کے زخموں سے خون رسنے لگا ہو۔

یہ رات رضا حمید پر بہت بھاری تھی۔ دل نے جس کی چاہ کی تھی' وقت گزرا تو دل کی چوری بھی کھلی اور تب کچھ بھی اختیار میں نہیں تھا۔ وہ نارسائی کا غم نہیں سہنا چاہتا تھا مگر یہ یاد بھی کیسے کیسے انسان کو دیوانہ بناتی ہے۔ ہوش و خرد سے بیگانہ انسان مجنوں بن جاتا ہے۔ فرہاد کا لقب پا لیتا ہے۔ ہائے انسان...... رضا نے خاموشی سے اٹھ کر ریکارڈر بند کیا تھا۔ بھیگے چہرے سمیت کر وہ واش روم میں گھس گیا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دیکھا۔ بھیگی مترنم آنکھیں۔ رضا کی پلکیں پھر بوجھل ہونے لگیں۔

"یا اللہ میں سب کچھ مان چکا ہوں۔ میں نے اپنے دل کا اختیار تجھے سونپا' بس تو مجھے رسوا نہ کرنا۔ مجھے اپنی فکر نہیں۔ فکر ہے نوریہ احسان کی۔ وہ دودھ کی طرح پاک صاف لڑکی میری نارسائیوں میں' میری رسوائیوں کی حقدار نہیں۔ بس مجھے تھوڑا صبر دے۔ حوصلہ دے۔ مجھے اتنی استقامت بخش کہ اپنے نفس کے عذاب میں تنہا جھیل سکوں۔"

منہ دھوتے' وضو کرتے اس کے ہونٹوں پر التجائیں تھیں' صدائیں تھیں' خاموش دعائیں تھیں۔

ماں کو اپنی کیفیت بتا چکا تھا۔ اس ماں کے اختیار میں اب کچھ بھی نہ تھا۔ اب اس کا درد سننے والا صرف اللہ تھا جس کے اختیار میں سب کچھ تھا۔ بے شک وہ برحق کہتا ہے۔

"بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس نے جاء نماز بچھائی تھی۔

بڑے خشوع و خضوع سے رکوع و سجود کرتے اس کے دل و دماغ کا غبار چھٹتا چلا گیا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کے اندر ایک سکون کی کیفیت اترتی رہی۔ دل مطمئن ہوتا چلا گیا۔

دل کی وحشت و بے سکونی ایک مسحور کن ٹھہراؤ سے دوچار ہوتی چلی گئی۔

روح و قلب میں اطمینان کی صدائیں گونجنے لگیں۔

خدا کا کلام برحق ہے۔

اللہ نے سچ فرمایا ہے۔

"اے ایمان والو! نماز اور صبر سے سہارا حاصل کرو۔"

مومن کی تو نشانی ہی یہی ہے کہ وہ ہر حال میں خدا کو پکارے۔ صرف اسی کے سامنے دستِ دراز ہو۔ خدا کے حضور سر جھکائے لرزتے دل، کانپتے ہونٹوں سے ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کے ہونٹوں پر صرف یہی دعا تھی۔

"یااللہ...... نویرہ احسان کو ساری زندگی کی خوشیاں دے دے۔ میرے مقدر کی خوشیاں بھی اس کے نام لکھ دے۔ اسے ہر غم، ہر تکلیف، ہر ذلت و شرمندگی سے بچالے...... بچالے پروردگار! اسے ہر غم و تکلیف سے بچالے۔ اور مجھے صبر و سکون دے۔ میرے دل کی آگ بجھادے۔ بے شک ہر چیز پر تو قادر ہے۔ میری ذات پر تیرا ہی اختیار ہے۔ بے شک تو رات کی تاریکیوں میں مانگی گئی دعائیں ضرور قبول کرتا ہے۔"

اس کے لب ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ اس کا دل عرش کی طرف محوِ پرواز تھا۔ رگ و پے میں ایک سکون و اطمینان کی کیفیت اترتی چلی گئی تھی۔

بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب ضرور دوں گا۔"

* * *

نویرہ احسان کو اپنے اعصاب اپنے بس سے باہر ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ شارق زمان اس پر جھکا تھا۔ نویرہ احسان اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے کچھ سمجھنے کی پوزیشن میں بالکل بے سدھ کھڑی تھی۔ پیچھے دیوار تھی۔ دائیں بائیں فرار کی تمام راہیں مسدود تھیں اور سامنے وہی تھا۔

اعتبار اس طرح بھی مجروح ہوتا ہے اسے کبھی گمان بھی نہ تھا۔

اپنے یوں بھی نقب زنی کرنے چلے آتے ہیں۔

نویرہ کی پلکوں سے آنسو بہتے چلے گئے۔

"کیوں روتی ہو...... اتنے اہم ہیں یہ موتی...... اتنی بے دردی سے بہاؤ گی تو باقی کیا رہ جائے گا۔ ویسے بھی مجھے عورتوں کا آنسو بہانا زہر لگتا ہے مگر اس وقت تم پر پیار آرہا ہے۔ نویرہ احسان میرے سامنے میرے یوں اتنے قریب ہے۔ میں اسے چھو سکتا ہوں، محسوس کرسکتا ہوں۔"

وہ واقعی ہوش میں نہیں تھا۔ شارق زمان اگر ہوش میں ہوتا تو اسے احساس ہوتا کہ وہ کیا کررہا ہے، کیا کہہ رہا ہے اور سب سے بڑھ کر کس کے سامنے کہہ رہا ہے۔ شارق زمان نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

نویرہ کو لگا جیسے کسی نے آگ میں جھونک دیا ہو۔ پورا بدن جل اٹھا۔

وہ تڑپ اٹھی۔

شارق زمان کی آہنی گرفت میں مچل مچل گئی۔

"چھوڑو...... مجھے...... خدا کے لیے چھوڑ دو؟"

بڑی شدید مزاحمت لیے وہ اس کی آہنی گرفت سے اپنا آپ چھڑانے کو تڑپ رہی تھی۔

مگر شارق زمان پر اس کے رونے، گڑگڑانے، مچلنے تڑپنے، کسی بھی عمل کا اثر نہ ہوا تھا۔ نویرہ کی چادر اس کے کندھوں سے گر کر قالین پر اپنے ہی پیروں تلے الجھ گئی تھی۔

"خدا کے لیے شارق بھائی...... اتنا ظلم نہ کریں...... چھوڑیں مجھے...... کچھ تو خیال کریں، میں آپ کی عزت ہوں۔ اس خاندان کی بیٹی ہوں......"

نویرہ کے حواس آہستہ آہستہ بحال ہورہے تھے۔

وہ چیخ رہی تھی مگر دوسری طرف اس وقت انسان نہیں کوئی جلاد صفت شیطان تھا جس پر اس کی کسی بھی چیخ و پکار کا قطعی اثر نہ تھا۔

رونا گڑگڑانا قطعی بے سود تھا۔

"اتنا شور کیوں کررہی ہو۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ تمہیں شاید علم ہو کہ میرا یہ روم ساؤنڈ پروف ہے۔ پھر اماں میڈیسن لے کر سوئی ہیں اتنی جلدی نہیں اٹھیں گی۔" اس کے چیخنے چلانے پر شارق زمان نے برہمی سے اسے جھڑک دیا تھا۔

"چھوڑیں مجھے...... مجھے نہیں اندازہ تھا آپ اتنے گھٹیا ہوسکتے ہیں۔ میری اماں اتنا اعتبار کرتی تھیں آپ پر۔ خدا کے لیے اتنا تو سوچیں میں کوئی غیر نہیں، سگی چچا زاد ہوں آپ کی...... نبیل بھائی، نواز اماں کسی کا تو خیال کریں۔"

اس کی گرفت میں وہ بھرپور مزاحمت کررہی تھی۔

"نویرہ! مجھے مجبور نہ کرو کہ تم پہ ہاتھ اٹھاؤں۔"

اسے کسی بھی طرح قابو میں نہ آتا دیکھ کر شارق زمان پھنکارا تھا۔ اس کی پھنکار میں نویرہ کو اژدھوں کی سی لپک محسوس ہوئی۔

"ویسے اتنی نازک سی تو ہو...... یہ قیامت کی سی مزاحمت کہاں سے آگئی تمہارے اندر۔" دوسرے ہی لمحے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"خدا کے لیے مجھ پر ترس کھائیں...... چھوڑیں مجھے......" نویرہ کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہورہی تھی۔ بس لگ رہا تھا کہ کسی بھی پل روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ جائے گی۔

"تم مجھ پر رحم کھاؤ...... تمہیں واقعی مجھ پر ترس نہیں آرہا...... یقین کرو کبھی میں نے کسی عورت کو اپنے اتنا قریب نہیں کیا۔ ہزاروں سے دوستی ہے، حسن بہت ہے مگر اندر سے سب خالی ہیں اور تم......"

اس نے نویرہ کی آنسوؤں سے لبریز نگاہوں کو بغور دیکھا تھا پھر مسکرایا تھا۔ "اور تم ان سب سے مختلف ہو۔ پہلی دفعہ تمہارے اسی ڈھکے چھپے انداز نے مجھے تمہاری طرف راغب کیا تھا۔ ایسی عورت بہت بڑا راز ہوتی ہے۔ تم میرے دل کے اندر زخم کرتی گئی ہو۔ تم جانتی ہی نہیں ہو تم کیا ہو......"

نویرہ کا دل رو دیا۔ ایک دم اللہ سے دل سے موت کی دعا مانگی۔

ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں...... بے ضمیر...... گھٹیا۔"

نویرہ احسان جو ہمیشہ اپنے آپ کو بچتی سنبھالتی آئی تھی۔ اسکول و کالج کے دوران ہزار ہا والہانہ نگاہوں نے پیام دیے تھے مگر کبھی نگاہ اٹھا کے نہ دی۔ صرف اس لیے نہیں کہ اسے یہ پسند نہیں تھا صرف اس لیے کہ اس کے مذہب میں اس کی گنجائش نہیں۔ اس کی تربیت میں یہ اثر نہیں اور یہ شخص نہ جانے اس کے کن گناہوں کا ثمر تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

انتہائی کیفیت میں اس نے شارق زمان کا چہرہ، گریبان نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔ نہ جانے اس کے اندر اتنی طاقت ایک دم کہاں سے آ ٹھہری تھی۔ شارق زمان اسے بازو کی گرفت میں لیے مسلسل اس کے ہاتھ روکنے کی کوشش میں تھا مگر وہ قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ شارق زمان نے بازو اس کی کمر سے ہٹا کر اسے دونوں ہاتھوں سے تھامنا چاہا تھا تبھی وہ اسے پیچھے دھکیلتی بستر سے اتر کر بھاگی تھی۔ آٹومیٹک دروازے کا بولٹ گھبراہٹ و افراتفری میں اس سے کھل نہیں رہا تھا۔ لمحوں میں شارق زمان اس کے سر پہ تھا۔

"نویرہ تم خوامخواہ اپنا بھی وقت ضائع کر رہی ہو اور میرا بھی۔" اسے بازو سے پکڑ کر اس نے غصے سے جھڑکا تھا۔

نویرہ نے نفرت سے اس کے منہ پہ تھوک دیا۔

"تمہاری اوقات اس سے زیادہ میری نظر میں نہیں ہے سمجھے تم۔" نفرت، غم، بے بسی کیا کچھ نہیں تھا اس وقت نویرہ کے لہجے میں۔

"تم...... تم نے مجھ پہ تھوکا ہے......" شارق زمان نے غصے سے اسے ایک دم جھنجوڑ ڈالا تھا۔

ایک تھپڑ کھینچ کے اس کے رخسار پہ مارا تھا۔ اتنا زوردار تھپڑ تھا کہ نویرہ کو اپنے سامنے تارے سے ناچتے محسوس ہوئے۔

"بہت لحاظ کر رہا ہوں میں تمہارا...... اب نہیں...... تم میری خواب گاہ میں ہو۔ اب میری مرضی سے ہی باہر نکل سکتی ہو۔" اس کے وحشی لہجے کی پھنکاریں ایک پل کو نویرہ کے اعصاب کو سہما گئی تھیں مگر اگلے ہی لمحے وہ بپھر گئی تھی۔

"میں مر جاؤں گی شارق زمان مگر تمہارے ناپاک ارادے پورے نہیں ہونے دوں گی۔" وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔ اپنے قدموں پہ وہ ایک دم مضبوط ہوئی تھی۔ جیسے موت سے لڑتا انسان آخری پل زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا پھر موت کے احساس سے بے نیاز شخص ہر چیز بھول جاتا ہے۔

وہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔

اس کے گلے کی زنجیر ٹوٹ کر گری تھی۔ شارق زمان کے سخت پتھریلے ہاتھوں سے نویرہ کا دوپٹہ چھنتا چلا گیا تھا۔ نویرہ کو کچھ سمجھ نہ آئی تو اس نے پوری قوت سے شارق زمان کو پیچھے کی طرف دھکیلا تھا۔ لڑکھڑاتی چال سمیت شارق دیوار کے ساتھ جا لگا تھا۔ نویرہ نے زور سے اس کا سر پوری قوت سے دیوار کے ساتھ مارا تھا۔ اس وقت اس کے سر پہ اپنے آپ کو بچانے کا سودا سوار تھا چاہے کچھ بھی ہو۔ ایک لمحے کو تو شارق زمان بھی بے حواس ہوا تھا۔ ہاتھوں کی گرفت خود بخود ڈھیلی ہوئی تھی۔ نویرہ نے

اس لمحے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ فوراً دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ ہینڈل گھمایا مگر دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔ شارق زمان سنبھل رہا تھا۔ اپنے سر کو تھامتے وہ حرکت کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ نویرہ کے قریب پہنچتا نویرہ نے انتہائی بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھا تھا اور پھر باتھ روم کی طرف۔ اس کی آنکھوں میں چمک آئی تھی۔

باتھ روم میں گھس کر اس نے نہ صرف دروازہ لاک کیا تھا بلکہ چٹخنی بھی چڑھا دی تھی۔ دروازے کے ساتھ لگ کر وہ تھر تھر کانپنے لگی تھی۔

"دروازہ کھولو نویرہ...... دروازہ کھولو......" شارق زمان دروازے کو ٹھوکریں مار رہا تھا مگر نویرہ پوری قوت سے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی رہی۔ وہ تو بمشکل بچ پائی تھی۔ اب کیسے اس قید سے نکلتی۔ جوتے وہیں کہیں رہ گئے تھے۔ ٹھنڈا فرش اس موسم میں اس کے وجود کو نقصان پہنچا سکتا تھا مگر جب انسان ہر احساس سے بیگانہ ہو جائے تو پھر دوسری حاجات بہت بے معنی سی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

دروازہ زور زور سے دھکیلا جا رہا تھا۔ نویرہ کو محسوس ہوا کہ کہیں وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل نہ ہو جائے۔ اس کے دل کا خوف بڑھا تھا۔ وہ ایک دم دروازے سے ہٹ کر چاروں طرف دیکھنے لگی تھی۔ باتھ روم میں صرف یہی ایک دروازہ تھا۔ ایک روشن دان تھا مگر وہ بہت اونچا تھا۔ وہاں تک وہ پہنچ بھی جاتی تو باہر نکلنا ناممکن تھا کیونکہ وہ روشن دان گھر کے عقب میں نہ جانے کس طرف کھلتا تھا۔

اب صرف ایک ہی صورت رہ جاتی تھی کہ وہ اسی قید خانے میں رہ کر اپنے بچاؤ کا سامان کرتی۔

واش بیسن کے اوپر لگے شیشے کے اوپر شیو کا سارا سامان رکھا ہوا تھا۔ شیمپو، برش ہر چیز تھی۔ نویرہ کا ذہن لمحوں میں ہر نفع و نقصان سے آزاد ہوا تھا۔ شیونگ سامان میں پڑا ہوا بلیڈ کا پیکٹ اس نے تھام لیا تھا۔ باہر ابھی بھی دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ شارق زمان ابھی بھی چیخ رہا تھا۔ ایک نظر دروازے کو دیکھتے اس نے پیکٹ میں سے ایک بلیڈ نکال لیا تھا۔ باقی پیکٹ مٹھی میں دبائے اس نے وہ بلیڈ اپنی انگلیوں میں کھڑا کیا تھا۔

یا تو مر جاؤں گی یا مار ڈالوں گی۔

اس کی آنکھوں میں ایک عزم سا پیدا ہوا تھا۔

سارا ڈر خوف و ہراس اپنے پاؤں پہ سر رکھے بھاگ نکلا تھا۔

* * *

علی نے کال کر کے ڈاکٹر مرتضیٰ کو بلایا تھا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی چیک اپ کے بعد ایک انجکشن لگایا تھا۔

"ڈاکٹر کوئی پریشانی والی بات تو نہیں......"

سعید احمد کافی متفکر تھے۔ طاہرہ بیگم بھی پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔

"نہیں...... بس موسمی اٹیک لگ رہا ہے۔ فزیکلی تو بچی نارمل ہی محسوس ہو رہی ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کوئی ذہنی ٹینشن ہو۔"

انہوں نے دونوں میاں بیوی کو دیکھا تھا اور سعید احمد نے طاہرہ کو، وہ خود بھی حیران تھیں۔ فرح کو

بیٹھے بٹھائے کس ٹینشن نے آلیا کہ وہ منٹوں میں غافل ہوگئی۔

"نہیں ٹینشن تو کوئی نہیں۔ اچھی بھلی رہی تھی سارا دن...... ہاں موسمی اٹیک ہوسکتا ہے۔" انہوں نے فوراً تردید کی تھی۔

ڈاکٹر نے سر ہلاتے پیڈ پر کچھ میڈیسن لکھ دی تھیں۔

"سعید صاحب یہ منگوالیں۔ اوپر درج ہدایت کے مطابق یوز کروائیں انشاء اللہ صبح تک بچی کی طبیعت بحال ہوجائے گی۔"

سعید صاحب نے پرچا تھام لیا تھا۔ چند ہدایات کے بعد ڈاکٹر صاحب رخصت ہوگئے تھے

فرح ابھی بھی غنودگی کی کیفیت میں تھی۔ علی خاموشی سے بستر کی دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا۔ فرح ان سب کی لاڈلی ہی نہیں' چہیتی بھی تھی۔ نہایت حساس اور سمجھ داری بہن تینوں بھائیوں کی جان تھی اور سعید احمد تو اس سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ بیٹی رحمت ہوتی ہے۔ فرح کی پیدائش پر سب سے زیادہ وہی خوش ہوئے تھے۔ بیٹی کا خاص خیال بھی رکھتے تھے۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ تو بڑی سے بڑی بات پر بھی کبھی بیمار نہیں ہوئی تھی۔ بہت کم اسے بخار ہوا تھا مگر آج...... وہ۔ فزیکلی ہمیشہ سے بہت مضبوط رہی تھی۔

"کیا ٹینشن لی ہوگی اس نے؟" چوکیدار کے بیٹے کو میڈیسن لانے کو بھیج کر وہ مسلسل یہی سوچتے رہے تھے۔

انجکشن کا اثر تھا کہ گھنٹے بعد فرح کی غنودگی کم ہونا شروع ہوگئی تھی۔ طاہرہ بیگم نے اسے کھانا کھلا کر میڈیسن دی تھی۔ علی اور سعید احمد نے بھی اسے حواس میں آتے دیکھ کر کھانا کھایا تھا۔ طاہرہ بیگم فرح کے سرہانے بیٹھی اس کا سر دباتی رہی تھیں۔ دس بجے کے قریب سمعان کی واپسی ہوئی تھی۔

علی سے بھی فرح کی خراب طبیعت کا سن کر فوراً اس کے کمرے کی طرف آیا تھا۔

"کیا ہوا...... کیسے ہوگئی طبیعت خراب؟"

وہ شاید میڈیسن کی وجہ سے سوچکی تھی۔ طاہرہ بیگم اس کا سر دبارہی تھیں۔ پریشانی سے دریافت کرتے فرح کا چہرہ دیکھتے وہ اس کے پاس ہی بستر کے کنارے پر ٹک گیا تھا۔

"پتا نہیں...... ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ شاید کوئی ٹینشن لی ہے اس نے۔ بھلا ایسی کیا ٹینشن لے لی اس نے۔ اس گھر میں تو چوبیس گھنٹے ٹینشن کی فضا برقرار رہتی ہے۔ ایسے ماحول میں تو انسان بڑی سے بڑی ٹینشن میں بھی بحال رہتا ہے۔ میرا خیال ہے موسمی اٹیک ہے اور کچھ نہیں۔ ٹینشن کے تو اب اس گھر میں سبھی عادی ہیں۔"

سمعان احمد نے صرف ماں کی صورت دیکھی تھی۔ دل تو چاہا کہ کہہ دے۔ آپ بیٹی کی ماں ہوکر اتنی غافل کیسے رہ گئیں کہ بیٹی انجان شخص کی دھمکیوں سے خود ہی لڑتی رہی۔ سب سے زیادہ گھر میں فرح کے ساتھ ان کا اور علی کا ہی وقت گزرتا تھا۔ ایسے میں فون کالز کا سلسلہ شروع ہوا اور طاہرہ بیگم بے خبر ہوں' سمعان کو ہضم نہیں ہورہا تھا۔ وہ تو اولاد کے سلسلے میں کافی تیز نگاہی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ پھر اس

معاملے میں ان سے کیسے چوک ہوگئی۔ کیسے کوتاہی ہوگئی کہ فرح اس حد تک چلی گئی۔ بلکہ اس شخص کے فریب میں پھنس گئی۔

"تمہارا نمبر بند تھا۔ علی نے کتنی دفعہ نمبر ملایا تھا۔ اب اکثر تم نمبر بند کرنے لگ گئے ہو۔ خیریت......" شکی انداز میں وہ تفتیش کررہی تھیں۔

وہی شکی انداز جو اگر والدین کی طرف سے ہو تو اولاد کے سینے میں گہرا شگاف ڈال دیتا ہے۔ اس سے سمعان احمد نے خود کو خاصا بے بس محسوس کیا۔

"کیا مطلب......؟" ایک لمحے کی تلخی پورے وجود میں سرایت کرگئی۔

"صاف واضح سا سوال ہے۔ ظاہر ہے تمہارا نمبر بند تھا۔ تمہارے والد صاحب خاصے متفکر تھے۔ مجھے تم میٹنگ میں کہہ کر گئے تھے۔ اب میں کیا جانوں تم کہاں تھے۔ نمبر کیوں بند کیا' پریشانی تو فطری سی بات ہے۔"

سمعان احمد کے اندر شدید مزاحمت انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ اسلام آباد والی حرکت کے بعد طاہرہ بیگم اب سمعان احمد کی ہر حرکت کو مشکوک نظروں سے جانچ رہی تھیں۔ سمعان اچھی طرح سمجھ رہا تھا مگر کچھ بھی کہنے سے قاصر تھا کہ مقابل اس کی ماں تھی۔ وہ رشتوں کو اہمیت دینے والا' ان کی قدر کرنے والا انسان تھا۔ ماں کی طرف سے اس قدر بے یقینی و شدید بے اعتباری کی وجہ سے سمعان خود کو کچھ بھی کہنے سے بمشکل روک پایا کہ رشتوں کا احترام وہ ہر حال میں کرنے والا انسان تھا۔ حالات کچھ بھی ہوں اس نے اپنی ماں کی ہر موقع پر عزت کی تھی۔

"میٹنگ کے دوران ڈسٹربنس کی وجہ سے نمبر آف کیا تھا اور کوئی بات نہیں۔ مزید آپ جو بھی سوچیں یہ آپ کی ذہنی اختراع ہے۔ ہر انسان اپنے سوچنے سمجھنے میں آزاد ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی نوک زبان پر در آئی تھی۔ طاہرہ بیگم نے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

"میڈیسن لی؟ ڈاکٹر کو دکھایا؟" قبل اس کے کہ وہ بھی جواباً ٹمپرامنٹ لوز کرتیں' سمعان نے بات ہی بدل دی تھی۔

"ہاں! ڈاکٹر مرتضیٰ آکر دیکھ گئے تھے۔ انجکشن لگایا تھا۔ میڈیسن بھی کھلادی ہے۔" انہوں نے بھی خود کو نارمل کرتے فرح کی طرف توجہ دی۔

"یہ سوچکی ہے...... میرا خیال ہے اب صبح تک اس کی آنکھ نہیں کھلے گی۔ آپ بھی آرام کریں۔" فرح کی پیشانی چھو کر حرارت چیک کرتے سمعان نے انہیں گویا تسلی دی تھی۔ بہرحال وہ ماں تھیں۔ نظریاتی اختلافات ایک طرف مگر وہ بلا کی انا پرست بھی تھیں۔ یہ انا کی جنگ ہی تو تھی کہ ان کے والدین اپنی اولاد کی طرف سے غفلت برت رہے تھے۔ فرح نہ جانے کب اور کیسے والدین کی اندرونی چپقلش سے فرار حاصل کرتے ہوئے نیٹ چیٹنگ کی طرف مصروف ہوئی تھی اور کب اس کی ذات کے اندر شکستگی کی فضا پروان چڑھنا شروع ہوئی۔

لڑکے تو اپنا وقت باہر آنے جانے میں کیسے بھی صرف کرلیتے ہیں' ایسے حالات میں جب والدین

اپنی اپنی جنگ انا کے پرچم بلند کیے اپنے اپنے مفادات کو اہمیت دینے لگیں تو خصوصاً بیٹیاں ضرور اثر پذیر ہوتی ہیں۔

سمعان کے اندر تو رنج کی فضا گہری ہوتی چلی گئی۔ بہت محبت و نرمی سے فرح کا ہاتھ تھام لیا۔

"سارا دن مصروف رہی ہوں۔ تھکن ہوگئی ہے۔ میں ادھر اس کے پاس ہی سو جاتی ہوں۔ بخار میں انسان ویسے بھی خاصا حساس ہو جاتا ہے۔ نہ جانے رات کب آنکھ کھلے۔ تم فکر نہ کرو۔ جا کر آرام کرو اور ہاں کھانا کھاؤ گے یا کھا کر آئے ہو......"

سمعان کی آنکھوں سے بہن کے لیے چھلکتی محبت و چاہت محسوس کر کے وہ بھی فوراً نرم ہوئی تھیں۔ فرح کی پیشانی چومتے اسے بھی ہدایت کرتے آخر میں پوچھا تھا۔

"ہاں کھا لیا ہے۔ چائے کی طلب ہو رہی ہے۔"

"میں بنا دیتی ہوں۔" رات کی چائے ہمیشہ فرح ہی بناتی تھی اور سمعان چاہے رات کو کتنا ہی لیٹ آئے یا طاہرہ بیگم سو جائیں' فرح جاگ کر اس کا انتظار ضرور کرتی تھی۔ کھانے چائے کا پوچھتی تھی۔ وہ ان سب بھائیوں سے کتنی محبت کرتی تھی کوئی ان سے پوچھتا۔

"رہنے دیں۔ آپ پہلے ہی تھک گئی ہوں گی۔ میں ساجدہ سے کہتا ہوں۔" سمعان کو رات کے اس پہر اپنے لیے ماں سے کچھ کروانا اچھا نہ لگا۔ فوراً منع کیا۔

"ماجدہ تو اپنے کوارٹر میں چلی گئی ہے۔ برتن دھوتے ہی میں نے اسے بھیج دیا تھا۔"

"میں خود بنا لیتا ہوں' آپ فکر نہ کریں۔"

سمعان کمرے سے نکل کر اپنے بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔ کپڑے چینج کر کے کچن میں آ کر اس نے اپنے لیے چائے بنائی تھی۔ علی اور سعید احمد اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ سمعان احمد چائے کا مگ لیے بیرونی تمام لائٹس آف کرتے' لاک چیک کرنے کے بعد اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا۔ آج سارا دن بہت مصروفیت اور بھاگ دوڑ میں گزرا تھا۔ صوفے پر بیٹھ کر چائے پیتے سمعان احمد کو اپنے جسم کی تھکاوٹ کا احساس ہوا۔

پہلے آفس' شام سے پہلے چچی کے ہاں جانا' وہاں سے واپسی پر گھر آنا' فرح سے ساری تفصیل جاننا' پھر واپس میٹنگ کے لیے جانا اور اب پھر گھر آنا اور فرح کی یہ کنڈیشن۔ آج کا دن صرف جسمانی ہی نہیں' ذہنی مشقت میں بھی بہت بھاری رہا تھا۔ چائے پیتے سمعان احمد کے ذہن میں بھی ایک کشمکش برپا تھی۔

فرح کو پہلے ای میلو کرنے والا' پھر پھول کارڈ' خط بھیجنے والا اور اب کالز کے ذریعے تنگ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

سمعان جتنا بھی سوچ رہا تھا' اتنا ہی الجھ رہا تھا۔ سمعان نے چائے ختم کر کے اپنا موبائل نکالا تھا۔ سی ایل آئی پر درج نمبر سمعان احمد کے حافظے میں فیڈ ہو چکا تھا۔

سمعان نے فوراً نمبر ملایا تھا۔ سمعان کے پاس اتنا کریڈٹ ضرور تھا کہ وہ آرام سے تفصیلی طور پر تنگ کرنے والے کو اپنے موبائل سے چیک کرتا۔

پانچویں بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو......" بہت فریش' بھاری مردانہ آواز تھی۔ آواز اتنی جانی پہچانی محسوس ہوئی کہ سمعان ایک سیکنڈ کو کچھ بھی نہ سوچ سکا۔

"ہیلو' سمعان احمد...... یار کال کی ہے تو بول کیوں نہیں رہے۔ خیریت ہے نا' ہیلو...... ہیلو...... سمعان بولو یار......"

سمعان کو اپنے دائیں کان میں گونجنے والی آواز اپنے ذہن پر کسی ہتھوڑے کی مانند برستی محسوس ہوئی تھی۔

سمعان احمد کو ایک لمحے کو محسوس ہوا تھا کہ اس نے غلط نمبر ڈائل کیے ہیں۔ جلدی سے اسکرین دیکھی مگر نمبر وہی تھے' مگر آواز......

"ہیلو...... یہ تمہارا نمبر ہے......" سمعان کو اپنی آواز بھی اجنبی محسوس ہوئی۔

"ہاں یہ میرا ہی نمبر ہے۔" دوسری طرف سے تصدیق کی گئی تھی۔

"دوسرا نمبر پھر کس کا ہے؟" سمعان نے دوبارہ پوچھا تھا۔ اب اس کے لہجے میں صاف اور واضح تلخی تھی۔

"وہ بھی میرا ہی ہے۔ دراصل یہ نمبر بہت کم یوز کرتا ہوں۔ چند ایک کو پتا ہے یہ نمبر۔ ویسے تمہیں یہ نمبر کہاں سے ملا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ سمعان کو لگا اپنے اعصاب پر جذبات کا دورہ پڑتا محسوس ہوا ورنہ وہ تو خاصے ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کا مالک تھا مگر لگتا تھا کہ اس آواز نے اس کے اندر کی ساری سوجھ بوجھ ختم کر دی تھی۔

"فرح سے......" سمعان احمد کو اپنی ہی آواز اجنبی اور سرد سی محسوس ہوئی۔

دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

"اور وجہ کیا ہے؟ یقیناً سمجھ گئے ہو گے......"

"تمہیں شرم تو نہ آئی یہ سب کرتے ہوئے۔ یہ کھیل کھیلتے ہوئے اتنا تو سوچا ہوتا کہ تمہارا ہم سے کیا رشتہ ہے۔ فرح اتنی بھی ناسمجھ نہیں تھی جسے تم نے اپنی مطلب براری کے لیے منتخب کیا۔ کیا بگاڑا تھا اس نے تمہارا۔ بولو' جواب دو۔ کیا مقصد تھا تمہارا اس سارے ڈرامے سے۔"

سمعان احمد کو اول تو غصہ نہیں آتا تھا مگر جب آتا تھا بلا کا آتا تھا۔ اس وقت بھی گرجتے برستے سمعان احمد اور دھیمے سلجھے ہوئے سمعان احمد میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ دوسری طرف موجود شخصیت بالکل خاموش تھی۔

"سمعان میں......" اس نے کچھ توقف سے اپنے آپ کو بحال کرتے لب کشائی کی بھی تو زبان سمعان کے نام پر ہی ساتھ چھوڑ گئی۔

"شٹ اپ...... نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے تم سے۔ یہ گھٹیا حرکت تو ایک کچے ناسمجھ ذہن کی

مرہون منت ہی ہو سکتی ہے۔ تم جیسے چھچھورے شخص سے میں یہ توقع نہیں کر سکتا۔ کیا حق حاصل ہے تمہیں میری بہن کے جذبات و احساسات سے کھیلنے کا۔ اتنا تنہا اور لاوارث سمجھ رکھا ہے تم نے اسے جو کچھ بھی کرتے پھرو کسی کو خبر بھی نہیں ہو سکتی۔ تمہاری ایک حرکت کی بدولت وہ اس وقت سب سے نظریں چرانے پر مجبور ہے۔ کاش تم اندازہ لگا سکتے۔ تم سے بات کرنے کے بعد وہ کیسے ہوش و حواس سے بیگانہ بخار سے تپ رہی ہے۔"

"سمعان میں تو مذاق......"

"بکواس نہیں کرو......" سمعان نے انتہائی غم و غصے سے مغلوب اسے اپنی بات مکمل ہی نہیں کرنے دی تھی۔ "تمہارے لیے یہ مذاق تھا۔ واہ! کیا بے نیازی ہے۔ کسی کی جان گئی اور آپ کی ادا ٹھہری۔ شیم آن یو۔ آئندہ میرے گھر کے نمبر پر کال کرنے سے پہلے سو بار سوچنا۔ یہ تمہارا امریکا نہیں پاکستان ہے اور تمہیں یہ گھٹیا کھیل کھیلنے کے لیے وہیں ایسی لڑکیوں کی خاصی تعداد مل جائے گی۔"

غصے سے پھنکارتے سمعان احمد نے کال ڈس کنکٹ کر دی تھی۔

غصے سے موبائل بستر پر پٹخ کر سمعان نے اضطرابی انداز میں کمرے میں چکر لگانا شروع کر دیے تھے۔

"او مائی گاڈ! اتنا بڑا دھوکا۔" غصے سے ٹہلتے سمعان کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ یوں جیسے خون کی جگہ بارود بھر گیا ہو رگوں میں۔

ادھر سے ادھر ٹہلتے موبائل پھر بج اٹھا تھا۔

سمعان نے قدم روک کر بستر کی طرف دیکھا تھا۔ قریب آ کر موبائل اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پر جگمگانے والا نمبر دیکھ کر سمعان احمد کا غصہ پھر سوا نیزے پر جا پہنچا۔

"ایڈیٹ......"

سمعان نے کال ڈس کنکٹ کر دی تھی۔ ایک سیکنڈ بعد پھر موبائل بج رہا تھا۔

سمعان نے انتہائی غصے سے موبائل آف کر کے سرہانے پھینک دیا تھا۔ سمعان احمد کو دوبارہ اپنی نارمل کیفیت میں آنے کے لیے اچھی خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی ورنہ اعصاب تو یوں بکھرے تھے گویا کوئی لاوا پھٹا ہو۔

اتنا بڑا دھوکا۔ اتنا سنگین مذاق۔ اتنا لاابالی پن۔

سمعان جوں جوں سوچ رہا تھا سلگ رہا تھا۔

کسی کے لیے شاید یہ سب ذہنی تسکین تھی مگر سمعان احمد کو اس جرأت پر اپنی ہی رگوں میں خون کی جگہ شرارے دوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔

فرح ان کی نہایت سلجھی ہوئی سمجھدار بہن تھی۔ ماں باپ کی اندرونی چپقلش نے اسے وقت سے پہلے بڑا کر دیا تھا۔ فرح کے آنسو سمعان کو ایک دفعہ پھر اپنے سینے پر گرتے شعلوں کو ہوا دیتے محسوس ہوئے تو سمعان نے انتہائی طیش و غضب سے اپنی مٹھی اپنے بائیں ہاتھ پر ماری تھی۔

⁂

مسلسل ہوتی بیل سے اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ انتہائی ناگواری سے شارق زمان نے اطراف میں دیکھا تھا۔ سرہانے پڑا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اپنی نیند میں یہ خلل اسے بہت گراں گزرا تھا۔ تاہم نیند ٹوٹ چکی تھی۔ کہنیوں کے بل تھوڑا سا اوپر کھسکتے اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو......"

"سر...... صبح فجر کے قریب احسان منصور پرل کانٹی نینٹل ہوٹل سے اپنی بیگم شہوانہ اور اپنی ساس کو لے کر اپنے فلیٹ میں واپس جا رہا تھا کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے ان کی گاڑی پر فائرنگ کر دی تھی۔ احسان منصور کا ڈرائیور تو موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا تھا تاہم باقی تینوں شدید زخمی ہیں۔ بلکہ احسان منصور کو تو سرے سے کچھ ہوا ہی نہیں، صرف گولی اس کے بازو کو چھوتے ہوئے گئی تھی۔ لگتا ہے فائرنگ کرنے والوں کا ہدف وہ تھا بھی نہیں۔ شہوانہ اور اس کی ماں کی حالت کافی سیریس ہے۔ اسپتال میں فوری ریسکیو سروس نے پہنچایا تھا۔ ایس پی انجم خان اطلاع ملتے ہی فوراً اسپتال پہنچے تھے۔ افتخار تو جیسے ہی مجھے پتا چلا تھا کہ احسان منصور نے نکاح کی ساری کارروائی پرل کانٹی نینٹل کے ایک کمرے میں سرانجام دی ہے تو فوراً اسے آگاہ کیا تھا۔ وہ وہاں چلا گیا تھا۔ اس سے رابطہ ہوا ہے۔ وہ بھی اسپتال پہنچ چکا ہے۔ اب آپ بتائیں ہم کیا کریں۔ ایس پی انجم خان بار بار آپ کا پوچھ رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے سنائی دی جانے والی خبر سے شارق زمان کی ساری ناگواری پل میں ختم ہوئی تھی۔ وہ لمحوں میں حواس میں لوٹا تھا۔

"تم لوگ ادھر ہی رہو۔ ابھی میں نہیں آ سکتا مگر تم مجھے مسلسل اطلاع دیتے رہو۔ ویسے ایس پی انجم خان کو کہہ دینا ساری کارروائی کا پتا چلائے۔ اب مزا آئے گا لالہ منصور سے مقابلہ کرنے کا۔ بڑا آیا تھا مجھے دھمکیاں دینے والا۔ تمہارا کیا خیال ہے اس سارے عمل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"سر! صاف نظر آ رہا ہے یہ لالہ منصور کی ہی حرکت ہو سکتی ہے۔ جس طرح گولی نے صرف ان کے بیٹے کو چھوا ہے صاف پتا چل رہا ہے۔" عمران نے آرام سے تجزیہ کیا تھا۔

"ہوں...... اور شہوانہ اور اس کی ماں...... ان کی کنڈیشن کیسی ہے۔ کیا خیال ہے بچ پائیں گی یا نہیں؟" پرسوچ انداز تھا بلکہ کسی حد تک سفاک بھی۔

"سر مشکل سے ہی۔ دراصل ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ خون بہت بہہ چکا ہے۔ ریسکیو ٹیم موقع پر ہی پہنچ گئی تھی ورنہ شاید جائے وقوعہ پر ہی دونوں دم توڑ دیتیں۔"

"اچھا تھا ختم ہو جائیں۔ کم از کم ایک زمانہ ان دونوں کے شر سے تو بچا رہتا۔" نفرت و حقارت سے اس نے اپنے اندر کا غبار نکالا تھا۔

"ویسے ریسکیو کو کس نے کال کی تھی یا وہ خود ہی پہنچ گئے تھے خدائی فوجدار بن کے یہ ریسکیو والے......"

"سر احسان منصور نے ہی کال کی تھی۔ اس وقت وہی ہوش میں تھا۔ ریسکیو والوں سے تو یہی اطلاع

ملی تھی باقی واللہ اعلم۔"

"اوکے ٹھیک ہے۔ مجھے ایک ایک پل کی اطلاع دو۔ افتخار کو کہنا ایک لمحہ کو بھی وہاں سے نہ ہٹے۔ میں اگر مناسب سمجھا تو اسپتال کا چکر لگاؤں گا ورنہ معذرت۔" اس نے یہ کہتے کال بند کر دی تھی۔ عمران سے جس قدر سکون سے وہ بات کر رہا تھا حقیقتاً میں ایسا بالکل نہ تھا۔ اس خبر نے اس کے اعصاب کو منتشر کر دیا تھا۔ بلکہ اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا۔ موبائل اس نے بے پروائی سے سائیڈ میں پھینکا تھا۔

گزری شب کا ایک ایک لمحہ اس کے دل و دماغ پر پرچھائیں کی طرح چھوا تھا۔ اپنی تمام جسارتیں، نویرہ کا رونا، گڑگڑانا، التجائیں کرنا، مزاحمتی انداز، قسمیں واسطے دینا۔ شارق زمان کے چہرے کا ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ اپنی شخصیت کا یہ دوہرا پن خود اس کے اپنے لیے بھی نہایت اذیت ہی نہیں تکلیف دہ بھی تھا۔ باتھ روم کے دروازے کی طرف لپکتے اس کے پیروں میں نویرہ کی شال الجھی تھی۔ وہ فوراً ٹھہر گیا تھا۔ ایک ہاتھ میں کلپ تھا تو دوسرے ہاتھ سے اس نے جھک کر سرخ شال اٹھائی۔

چادر صوفے پہ ڈالتے دوبارہ باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا۔ نہ جانے وہ اندر کس حال میں تھی۔ اسے ایک دم تشویش لاحق ہوئی۔ رات نویرہ کا انداز مر مٹنے والا تھا۔

گھڑی کی طرف نگاہ کی۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔ شارق زمان نے اپنے کمرے پہ نگاہ ڈالی۔ کمرہ تو جوں کا توں تھا مگر قالین پہ جگہ جگہ ٹوٹی چوڑیاں بکھری پڑی تھیں۔ شارق زمان کو اپنا جسم جھٹکوں کی زد پہ محسوس ہوا۔ دروازے کے پاس آ کر اس نے ہینڈل گھمایا تھا مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔ شارق نے دروازے پہ دستک دی تھی۔

"نویرہ......" ساتھ میں آواز بھی دی تھی۔ مگر کوئی ردعمل نہ تھا۔

"نویرہ پلیز! دروازہ کھولو......" پہلے سے زیادہ سختی سے اس نے دروازہ پیٹا تھا۔

پانچ چھ منٹ انتظار کیا تھا۔

"نویرہ پلیز! دروازہ کھولو ورنہ میں دروازہ توڑ دوں گا......"

جوں جوں ایک ایک پل گزر رہا تھا، شارق زمان کے اندر وحشتیں پھر جنوں خیزی کا لبادہ اوڑھنے لگی تھیں۔

"نویرہ دروازہ کھولو...... پلیز دروازہ کھولو......" اس کی برداشت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ یوں جیسے کوئی لمحہ بہ لمحہ اسے برف کے برادے میں دھکیلتا جا رہا ہو۔ وہ چیخ اٹھا تھا۔

اتنی سختی سے دروازے کو ٹھوکریں مارتے، ہینڈل کو مروڑتے وہ بس دروازہ توڑ دینے کو تھا جب ایک دم سے دوسری طرف کھٹکا ہوا تھا۔ یوں جیسے دوسری طرف چٹخنی گرائی گئی ہو۔ شارق زمان فوراً پیچھے ہٹا تھا۔

نویرہ نے دروازہ کھول دیا تھا۔

شارق زمان کی نگاہیں بے اختیار اس پہ اٹھی تھیں مگر اس پر زیادہ دیر ٹھہر نہ سکیں۔

گزری رات کی ساری وحشتیں نویرہ کے وجود سے چھلکتی اسے نظریں جھکانے پہ مجبور کر گئی تھیں۔ روتی سوجی آنکھیں، سوجا چہرہ، بکھرے بال۔ مگر نویرہ کا وجود چیخ چیخ کر اپنے اوپر رات گزرنے والی

قیامت بتا رہا تھا۔

"نویرہ......" اس نے پکارا تھا۔ احساسِ جرم تھا یا کیا تھا آواز خود بخود پست تھی۔

"خبردار! تم نے ایک لفظ بھی کہا۔ میں تمہاری وحشت کی بھینٹ چڑھ جاؤں، تمہاری بھول ہے۔ مجھے یہاں سے جانا ہے، اسی لیے دروازہ کھولا ہے۔ اگر تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو پھر بہت برا کر دوں گی۔ اپنے ساتھ ساتھ میں تمہاری جان بھی لے لوں گی۔" ساری رات کی اذیت، ٹھنڈے یخ فرش پہ ننگے پاؤں کانپتے لرزتے جسم سمیت وہ ایک ایسی قیامت سے گزری تھی جو اسے بہت بہادر بنا چکی تھی۔ وہ وحشی زخمی شیرنی کی طرح جھپٹنے کو تیار تھی۔ ہر حد سے گزر جانے کو۔

"رات جو بھی ہوا...... میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں میری سوچ یا میری ذات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے مگر یہ سچ ہے تمہیں چائے کا کہتے ہوئے میری نیت بالکل صاف تھی۔" اسے بالکل صحیح سلامت سامنے پا کر کچھ پرسکون ہوتے ہوئے وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ نویرہ نے کچھ الجھ کر اسے دیکھا۔ اس کا وضاحتی انداز ایک بناوٹ لگا۔ شارق کے الفاظ، اس کا پیچھے ہٹنا، اسے ڈرامہ محسوس ہوا۔ شارق زمان نے صوفے پہ پڑی چادر اٹھا کر اس کی طرف اچھالی تھی جو نویرہ کے اوپر جا گری تھی۔ نویرہ نے چادر سمیٹتے حیران ہو کر شارق زمان کو دیکھا اور پھر چادر اپنے وجود پر لپیٹ لی۔ گزری شب کے اثرات کچھ حد تک چھپ گئے تھے۔

"میں بالکل اچھا نہیں ہوں۔ میری صحبت، میری عادات بھی ٹھیک نہیں۔ مگر میں قسم کھاتا ہوں میں نے تمہیں اس انداز میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں، پتا نہیں اپنے اندر کے جنونی پن میں، میں رات کیا کر بیٹھا مگر جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔"

"ہونہہ...... بھول جاؤ......" نویرہ نے نفرت سے ٹوک دیا۔ نفرت کے اس قدر شدید مظاہرے پہ شارق زمان خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"آپ کے لیے بھول جاؤں کہنا آسان ہے مگر میرے لیے بھولنا بہت مشکل ہے۔ بہت برا کیا آپ نے میرے ساتھ۔ میں تو آپ کے خاندان کی ہی بیٹی تھی۔ اپنی ہی عزت پہ ہاتھ ڈالتے ہوئے کچھ تو سوچا ہوتا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ رو دی۔

شارق زمان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"تم جا سکتی ہو اب......" دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اس کو کہا تھا۔ نویرہ کو اب بھی حیرت و تعجب کا دورہ پڑا۔ آنسو ٹھہر گئے۔ یہ شخص اتنی جلدی ہاتھ میں آیا شکار جانے دے رہا ہے یا اس کے اندر انسانیت واقعی جاگ گئی ہے یا پھر یہ بھی کوئی چال تھی۔

مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے قالین پہ بکھرے اپنے جوتے پہنتے وہ مسلسل بے یقین تھی۔ اٹھتے قدموں چلتے دروازے کے قریب پہنچتے ہوئے بھی وہ خوف زدہ تھی کہ کسی بھی لمحے یہ شیطان اسے پھر دھوکا نہ دے دے۔

کمرے سے نکلی تو پیچھے بہت زور سے دروازہ بند ہوا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر دروازے کو دیکھا اور پھر خود کو۔ وہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی۔ وہ زندہ اور باعصمت واپس آ گئی تھی۔ ایک قیامت کی رات

گزری تھی جس کے آثار اس کے وجود پر تھے جنہیں اس کی شال نے چھپا دیا تھا مگر ایک قیامت اس کے اندر برپا ہوئی تھی۔ نویرہ کے آنسو زار و قطار بہتے چلے گئے۔

"یا اللہ!" اسے یقین آتا چلا گیا کہ اللہ نے اس کی سن لی ہے۔

باتھ روم کے ٹھنڈے یخ فرش پر اس نے ساری رات صرف اس ایک ذات کو پکارا تھا۔ شیطان کی شیطانیت نے دم توڑا تھا یا شارق کے اندر انسانیت نے انگڑائی لی تھی۔ وہ تو صرف اللہ کی رحمت سے فیض یاب ہوئی تھی۔

نفرت سے ہاتھ میں پکڑا بلیڈ اور مٹھی میں دبا بلیڈ والا پیکٹ اس نے کمرے کے دروازے پر ہی پھینک دیا تھا۔ دوڑتے ہوئے وہ اماں کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ شاکرہ ابھی بھی سو رہی تھی اور اماں بھی۔ اس نے الماری سے اپنا بیگ نکال کر کپڑے نکالے تھے۔ باتھ لے کر وہ باہر نکلی تو ساڑھے چھ ہو رہے تھے۔ اس نے جائے نماز بچھالی تھی۔ اللہ نے اسے انتہائی ذلت و رسوائی سے بچایا تھا۔ اس پر اللہ کا شکر واجب تھا۔ رو رو کر رکوع و سجود کرتے اسے نہیں پتا چلا تھا کہ ساری رات اپنے حواس کو قابو میں رکھتے وہ کب بے حواس ہو کر زمین پر گری تھی۔

* * *

صبح ناشتے کی ٹیبل پر سبھی تھے۔

"تم کالج نہیں جا رہے۔" اسے اسی طرح گھریلو حلیے میں دیکھ کر حمید صاحب نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی نہیں جاؤں گا۔ دس بجے کے قریب جاؤں گا۔ آج پیریڈ لیٹ ہوں گے۔" آرام سے چائے پیتے اس نے کہا تھا۔ رمشا نے ناشتا کرتے ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ آج کل وہ کچھ ٹھنڈا ٹھار یا پھر بڑا سنجیدہ محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر ایسا کرو رمشا کو اس کے کالج چھوڑ دو۔ مجھے ابھی ایک ڈیلر سے ملنا ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے کی ٹائمنگ ہے۔ تم گھر پر ہی ہو تو یہ کام کر لو۔" حمید صاحب پراپرٹی ڈیلنگ کا کام کرتے تھے۔ اچھا خاصا کاروبار تھا۔ اپنی طبیعت اور فطرت سے ہٹ کر فاروق بھائی یا دیگر کے ساتھ کاروبار شیئر کرنے کے بجائے اپنے حصے کی پراپرٹی سے انہوں نے اپنا یہ ذاتی کاروبار شروع کیا تھا جو اب رفتہ رفتہ خاصے وسیع پیمانے پر پھیلتا جا رہا تھا۔

دراصل جب نیت صاف ہو اور محنت کرنے کا جذبہ ہو، خوب سے خوب تر کی جستجو ہو تو پھر ترقی کرنا کچھ ناممکن بھی نہیں ہوتا اور یہی وہ کر رہے تھے۔

"جی اچھا۔" خلافِ توقع بغیر بھویں اچکائے یا چہرے پر بل لائے اس نے ہامی بھر لی تھی۔ رمشا کے اندر کھد بدی ہونے لگی۔ اتنا نارمل رویہ۔

اسے قطعی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ رضا حمید نے بائیک نکالی تو وہ بھی چادر اوڑھے بیگ لیے چلی آئی۔ رضا نے گیٹ کے سامنے بائیک اسٹارٹ کی تو رمشا اچک کر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

"تمہیں غصہ نہیں آ رہا؟" بائیک جیسے ہی مین روڈ پر چڑھی، رمشا نے پوچھ لیا۔

"کس بات کا غصہ؟" دوسری طرف خاصا تعجب تھا۔

"یہی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مجھے کالج چھوڑنے جا رہے ہو۔"

دوسری طرف رضا بالکل چپ رہا تھا۔ رمشا کو قطعی ناکامی ہوئی تھی۔ وہ کلس کر رہ گئی۔ وہ جذباتی سی لڑکی تھی۔ ہر چیز کو انتہا پر جا کر سوچتی تھی۔ اب بھی جذباتیت کی زد پر آ گئی۔

اب بھی رضا کی چپ سے اسے لاتعلقی کا واضح اظہار محسوس ہوا۔ اپنے وجود کی واضح نفی۔

"نہ جانے کیا سمجھتا ہے یہ طرم خان خود کو؟ جیسے کسی ریاست کا نواب ہے۔ مجھے بھی شوق چڑھا ہوا ہے اس الو کو سر آنکھوں پر بٹھانے کا۔ دماغ خراب ہے میرا، عقل گم ہو گئی ہے میری۔" وہ سارا راستہ جلتی بھنتی رہی۔ منہ میں ہی بڑبڑاتی رہی۔

رضا نے اس کے کالج کے سامنے بائیک روکی تو وہ بھی چونکی۔ وہ خیالوں میں اتنی مگن تھی کہ پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب کالج آیا تھا۔

آج تو بڑی شرافت سے رضا نے اسے کالج پہنچایا تھا بغیر تیز رفتار کے۔ اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"واپسی پر کون لینے آئے گا؟" اتر کر سامنے آتے اس نے رضا کو دیکھا۔

سادہ رات والے سوٹ میں بھی وہ اچھا خاصا گڈ لکنگ اور ہیرو ٹائپ لگ رہا تھا۔ گیٹ سے گزرتی کتنی لڑکیوں نے مڑ کر دیکھا تو فرحت و انبساط کے ساتھ ملکیت و فخر کے احساس نے بھی رمشا کے اندر پھواری بکھیر دی۔

"پتا نہیں۔ شاید ابو بھی آ گئیں۔ میں تو یونیورسٹی چلا جاؤں گا۔" آج تو رضا کی طرف سے اچھی خاصی شرافت تھی۔ نویرہ کو پھر جھٹکا سا لگا۔

دونوں ہی حالت جنگ میں رہنے والے تھے مگر کسی ایک کی پسپائی دوسرے کو اب خوشی کے گہرے جذبے کے بجائے حیرانگی و تفکر کے احساس سے دوچار کر رہی تھی۔

"اب یہیں کھڑے رہنا ہے یا پھر اندر بھی جانا ہے۔"

رمشا وہیں کھڑی تھی کہ جب قریب سے گزرتے کسی منچلے نے بھرپور وسلنگ کی تھی جسے دونوں نے دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ رضا کے چہرے کی سرخی ایک دم بڑھی تھی۔ سختی سے اسے ٹوک دیا تھا۔ رمشا اپنی جگہ خجل ہوتے فوراً گیٹ سے اندر گھس چکی تھی۔

"اسٹوپڈ۔" سر جھٹکتے اس نے دوبارہ بائیک اسٹارٹ کر لی تھی۔ گھر جانے کے بجائے اس نے بائیک کو شارق زمان کے گھر کی طرف موڑ لیا تھا۔

رات رکوع و سجود کرتے ہوئے وہ روحانی طور پر پرسکون ہو گیا تھا۔ مگر نویرہ احسان کی طرف سے ایک غیر محسوس سی خلش، فکرمندی کی لہر اس کو پریشان کرتی رہی تھی۔ یونیورسٹی لیٹ جانے کا شیڈول طے کرتے اس نے پکا ارادہ کیا تھا کہ یونیورسٹی جانے سے قبل وہ نویرہ سے ضرور ملے گا ورنہ اسے یقین تھا وہاں جا کے بھی سارا وقت وہ خدشات و تفکرات میں گھرا رہے گا۔

چوکیدار بابا نے اسے سلام کرتے گیٹ کھول دیا تھا۔ رضا بائیک اندر لے آیا تھا۔ اندر آتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی' نو بج رہے تھے۔ سارے گھر میں بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے یہاں کسی انسان کا وجود ہی نہ ہو۔ راہداری سے گزرتے ادھر ادھر دیکھتے وہ بڑی اماں کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ اندر کا منظر دیکھتے وہ دروازے پر ہی ٹھٹک گیا تھا۔

بستر پر پڑا وجود اور نوریہ کی کلائی چیک کرتے شارق زمان کو دیکھ کر رضا کو اپنے وجود میں جھٹکے سے محسوس ہوئے۔

تو نوریہ ٹھیک نہیں۔ میرا دل مجھے درست سائن دے رہا تھا۔ نوریہ کے بے سدھ سراپا اور زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ فوراً اندر بڑھا تھا۔

''السلام علیکم...... کیا ہوا؟'' بستر کے کنارے ٹکے نوریہ کی کلائی تھامے شارق زمان نے ہی نہیں' واجدہ بیگم اور شاکرہ نے بھی اسے دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام...... آؤ بیٹا۔ پتا نہیں کیا ہوا ہے اسے۔ رات تو اچھی بھلی تھی۔ صبح میری آنکھ کھلی تو یہ جائے نماز پر الٹی گری تھی۔ میری تو چیخیں نکل گئیں۔ شاکرہ کو اٹھایا تو یہ خود اسے اس حال میں دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ اللہ کا شکر ہے شارق اپنے کمرے میں تھا' فوراً اٹھا کر بستر پر ڈالا' ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ ابھی چیک کرکے گیا ہے۔ انجکشن لگا گیا ہے کہہ رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں ہوش آجائے گا۔''

اماں اسے تفصیل بتارہی تھیں۔ وہ لب بھینچے سب سنتے نوریہ کے زرد چہرے کو دیکھے گیا۔

''کوئی چینج نہیں' اماں میرا خیال ہے اسپتال لے جانا چاہئے۔ اس کی ہارٹ بیٹ نارمل نہیں ہے۔ ہر دوسری بیٹ مس ہورہی ہے۔'' نوریہ کی کلائی چھوڑ کر وہ کنارے سے اٹھتے ہوئے بہت سنجیدگی بلکہ ستے ہوئے چہرے سے کہہ رہا تھا۔ رضا تو شارق کے الفاظ سن کر گنگ رہ گیا تھا۔

''ہائے اللہ! یہ کیا ہوگیا' بیٹھے بٹھائے بچی پر کیا قیامت آپڑی کہ دل کی دھڑکن نارمل نہیں ہورہی۔ ڈاکٹر تو کہہ رہا تھا سنبھل جائے گی۔'' اماں نے فوراً اپنا کلیجہ تھاما تھا۔

''ڈاکٹر تو یہ بھی کہہ گیا ہے کہ اگر اگلے آدھ گھنٹے میں ہارٹ بیٹ نارمل نہ ہوئی تو فوراً اسپتال منتقل کریں۔ طبی امداد ملنا بہت ضروری ہے ورنہ سیریس کنڈیشن بھی ہوسکتی ہے۔ آپ دیکھ نہیں رہیں کوئی امپرومنٹ تو ہو نہیں رہی۔'' ایک دم وہ تلخ ہوا تھا۔ جھنجلاتے ہوئے اس نے اندر کی اذیت باہر منتقل کی تھی۔

''شاکرہ! جاؤ لاؤنج میں ٹی وی کے پاس میری گاڑی کی چابی ہے' لے کر آؤ۔'' دوبارہ بے سدھ پڑے وجود کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

اندر آندھی طوفان کا موسم تھا۔

شاکرہ کو ایک دم پہیے لگے تھے' اگلے ہی سیکنڈ وہ چابی لے آئی تھی۔

''رضا تم گاڑی ڈرائیو کرلیتے ہو۔''

''جی......'' رضا جو ابھی تک صورت حال سمجھنے کی کوشش کررہا تھا' ایک دم الرٹ ہوا۔

''تو گاڑی اسٹارٹ کرو' میں اسے لاتا ہوں۔'' اسے گاڑی کی چابی تھما کر وہ نوریہ کی طرف جھکا تھا۔

''اماں آپ فکر نہیں کریں۔ یہ ٹھیک ہوجائیں گی۔ میں کال کروں گا۔ شاکرہ! میرے بیڈ پر میرا موبائل اور والٹ ہے' اٹھا لاؤ۔ ہری اپ۔'' نوریہ کو بازوؤں میں اٹھائے وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ جو کرچکا تھا اس کا خمیازہ اب اسے ساری عمر بھگتنا تھا۔ ستے ہوئے ذہن سے وہ بھی سوچ رہا تھا۔ احساسِ ندامت ایسا تھا کہ جس کا سفر شاید ہی ختم ہوتا۔ اب ساری زندگی اسی ندامت سمیت گزارنی تھی یا پھر ایک قطعی قدم اٹھانا تھا۔

ذہن کی بے چارگی نہ جانے کس کس رخ پر محو پرواز تھی۔

انہیں اسپتال پہنچنے میں قطعی دیر نہ ہوئی تھی' نو بجے کے بعد اسکول و کالج کا زور کم ہوجاتا تھا۔ کام دھندے پر بھی نکلنے والے کب کے نکل چکے تھے۔ سڑکیں پرسکون تھیں' پھر نوریہ کی کنڈیشن کے پیش نظر رضا نے گاڑی بھی کافی تیز رفتاری سے ڈرائیو کی تھی۔

نوریہ کو فوراً آئی سی یو میں لے جایا گیا تھا۔ شارق زمان ذاتی مراسم والے اسپتال میں لایا تھا۔ یہاں کے ڈاکٹرز سے اس کے خاص تعلقات تھے۔ فوری ٹریٹمنٹ دیا گیا تھا۔

''مریضہ کو لگتا ہے کوئی گہرا شدید صدمہ پہنچا ہے۔ ہارٹ کنڈیشن نارمل نہیں ہورہی' بلڈ پریشر لو ہے شدید خطرناک حد تک۔ جب تک دل کوئی امپرومنٹ نہیں دکھاتا' کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ آپ دعا کریں۔ مریضہ کا بلڈ نارمل کنڈیشن میں پاور کرے جب تک بلڈ ریز نہیں کرے گا کچھ بھی کہنا بعید از وقت ہے۔''

رضا' شارق کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس کے پوچھنے پر کہ ''وہ کیسی ہے'' ڈاکٹر نے بتایا تھا۔ رضا کو اپنا چہرہ فق ہوتا محسوس ہوا۔ ڈاکٹر اس کا فق چہرہ دیکھ کر ہمدردی سے کندھا تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے تھے۔

''شارق بھائی! ایسی کیا بات ہوئی۔ رات تو میری بات ہوئی تھی ان سے۔ وہ اچھی بھلی تھیں۔ یہ بیٹھے بٹھائے انہوں نے کیا ٹینشن لے لی جو اس شدید ٹینشن کا باعث بنی ہے۔ وہ تو بالکل صحت مند نارمل تھیں۔'' رضا اپنے اندر کے اضطراب کو بالکل نہیں چھپا پایا تھا۔ بالکل فطری ردعمل تھا۔

''مجھے نہیں پتا۔ میں ڈاکٹر کے پاس ہوں' تم نبیل کو کال کرکے اصل صورت حال سے باخبر کراؤ۔'' اپنے سرد سپاٹ بے تاثر چہرے سمیت رضا کے جواب میں شارق زمان جیب سے موبائل نکال کر اسے تھماتے آگے بڑھ گیا تھا۔

رضا نے ناسمجھ انداز میں شارق زمان کے انداز و اطوار اور رویے کو جانچا۔

کہیں کوئی چیز غلط تھی۔

کیا...... وہ شدید کشمکش کا شکار ہوچکا تھا۔ وہ اس کی وجہ کو سمجھنے سے بالکل قاصر تھا۔ خاموشی سے اس نے کال کرکے نبیل کو اطلاع کردی تھی۔ نبیل آفس کے لیے نکل چکا تھا۔ نوریہ کی کنڈیشن سن کر فوراً آنے کو کہا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے اور پھر فاروق چچا کے ہاں اطلاع دی تھی۔

نوریہ کی شدید بلکہ سیریس حالت اب ہر کسی کے علم میں آنا لازمی تھا۔ موبائل بند کرکے وہ بے بسی و بے چارگی سے گلاس وال کو دیکھے گیا جس کے پار وہ ڈاکٹروں کی ٹیم کے رحم و کرم' مشینوں میں جکڑی گویا ساری دنیا سے بے نیاز ہوچکی تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر نوریہ کی طبیعت کا سن کر سبھی بھاگے چلے آئے تھے۔ وہاں آنے والوں میں سب سے پہلے نبیل بھائی تھے پھر نواز فاروق تھے جن کے موبائل نمبر پر رضا نے اطلاع دی تھی۔ گھر سے رضیہ بیگم چلی آئی تھیں کہ فاروق صاحب کام پر نکل چکے تھے۔ حمید صاحب بھی چلے گئے تھے۔ زبیدہ بیگم خبر پاتے ہی تنہا آئی تھیں جب کہ نبیلہ بھابی اور اماں دونوں آئی تھیں۔ نوریہ کی کنڈیشن جوں کی توں تھی۔

بلڈ پریشر کی حالت نارمل نہیں ہو رہی تھی۔ ہارٹ بیٹ کی بھی وہی حالت تھی۔ خالدہ بیگم کا تو رو رو کر برا حال تھا۔

نہ جانے کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ رات دیکھا گیا بھیانک خواب سچ ہو گیا۔ نبیل خود ادھر سے ادھر ٹہلتے' ہونٹ کچلتے سخت اضطراب میں تھا۔ نواز فاروق حیران تھا کہ کل تک تو وہ ہنستی مسکراتی لڑکی زندگی کی تمام دلکشیاں سمیٹے آن ہی آن میں کیونکر اس بستر پر آلیٹی تھی اور حالت بھی ایسی تھی کہ گویا پورے عالم سے ناراض ہو گئی ہو۔ جیسے ہم جی چکے اور جینے کی چاہت نہیں رہی۔ سبھی ایک دوسرے کو تسلیاں دے رہے تھے۔ مرد حضرات سرگرم عمل تھے۔ ادھر سے ادھر بھاگتے' دوڑتے اصل صورت حال کی پل پل رپورٹ مل رہی تھی۔

"ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ مزید وہ ایک گھنٹہ اس حالت میں رہی تو خدانخواستہ اس کا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا ہے۔ بی پی بہت لو ہے۔ ای سی جی مسلسل کام کر رہی ہے۔ ڈاکٹر خود بھی مصروف ہیں۔ دعا کریں۔"

نبیل ڈاکٹر سے ساری صورت حال جان کر اماں کے پاس آکر بتا رہا تھا۔ ان کا دل پھٹنے کو تھا' بس پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ نبیلہ گاہے بگاہے تسلیاں دیتی رہیں۔ زبیدہ بیگم' رضیہ بیگم سب ہی غمزدہ' دلگیر نم آنکھوں سے اس کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ اماں نے کونے میں چادر بچھا کر نماز حاجت کی نیت باندھ لی۔

نواز ادھر سے ادھر ٹہلتے گلاس وال کے پاس آ کھڑا ہوا جس کے پار وہ خود تھی۔ شارق زمان نے صرف ایک لمحہ کو نواز فاروق کو دیکھا تھا پھر رخ بدل لیا۔ وہ سائیڈ بینچ پر بیٹھا بالکل گم صم اور مہر بہ لب تھا۔

"کچھ بھی نہیں پتا تمہیں اسے ہوا کیا تھا۔ کل تک تو نارمل تھی یہ اچانک ایسی کیا مصیبت آپڑی کہ دل کا عارضہ لاحق ہو گیا۔" کتنی ہی دیر دوسری طرف خالی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد وہاں سے ہٹ کر وہ شارق کے پاس بینچ پر آ بیٹھا تھا۔ شارق زمان کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ احساس ندامت نے ایک اور چوٹ لگائی تھی۔ وہ اسی طرح ساکن و جامد سر جھکائے بیٹھا رہا۔

نواز اس کی طرف سے کچھ پل جواب کا منتظر رہا تھا پھر خود ہی کہنے لگا۔

"رضا کے کال کرنے پر تو میں حیران رہ گیا تھا۔ نوریہ اس طرح اسپتال میں ہو' ناممکن۔ مگر یہاں آکر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا۔"

"میں ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ چلو گے تم دونوں؟" نبیل بھائی دونوں کے پاس آ ٹھہرے تھے۔

دونوں کو کیا تھا' شارق زمان' نواز کو اٹھتے دیکھ کر خود بھی اٹھ گیا۔

"مریضہ کا دل خون پاور کرنے میں دقت پیش کر رہا ہے۔ کیا انہیں پہلے بھی ایسا کوئی اٹیک ہوا ہے؟" ڈاکٹر شعیب نے ان سے پوچھا تھا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب! میری بہن تو بہت پرفیکٹ فزیک کی مالک رہی ہے۔ بڑے سے بڑے صدمے میں بھی یہ نارمل رہی ہے۔ شاید ہی سالوں بعد بخار میں مبتلا ہوئی ہو تو موسمی نزلہ زکام بھی بہت کم رہا ہے اس کو۔ ہمارے تو خاندان میں بھی کسی کو دل کا عارضہ لاحق نہیں رہا۔ پھر بھلا وہ کیسے اس مرض کا شکار ہو سکتی ہے۔"

"اس مرض کا تعلق ضروری نہیں موروثی ہی ہو۔ بعض اوقات انسان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ بھی برداشت سے زیادہ پڑے تو دل کی دھڑکن متاثر ہوتی ہے۔ کوئی صدمہ' کوئی ٹینشن؟ پلیز ہم سے کچھ نہ چھپایئے۔ ہمیں لگ رہا ہے کہ مریضہ کے نروِنہ پر بھی اثر ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا دل زیادہ متاثر ہوا ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب! خدانخواستہ ایسی کوئی صورت حال پیش نہیں آئی۔ یہ تو غموں میں بھی مصلحت تلاش کرنے والی لڑکی ہے۔ تاریکی میں بھی روشن پہلو نکال لیتی ہے۔ خاندان میں بھی دور دور تک کسی فوری صدمے یا ٹینشن والی بات نہیں ہوئی۔ چند دنوں بعد اس کی شادی ہے۔ یہ تو بہت خوش تھی۔" نبیل کی وضاحت پر ڈاکٹر نے سر ہلایا تھا۔

"او کے! آپ لوگ حوصلہ رکھیں۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ دل کی حالت قدرے سنبھلتی ہے تو ان شاء اللہ پھر زندگی کے بہت امکانات ہوں گے۔" ڈاکٹر انہیں تسلی دے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

"نواز یہ کیا ہو رہا ہے' میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ دعا کرو وہ بچ جائے۔" نبیل نے آگے بڑھ کر نواز کا سہارا لیا تھا۔ نواز نے دھیرے سے اسے سینے سے لگا لیا۔

"حوصلہ رکھو...... وہ بچ جائے گی ان شاء اللہ' اسے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر تم بھی حوصلہ ہار دو گے تو اماں اور بھابی کو کیسے حوصلہ دو گے۔ پلیز بی بریو۔" بہت اپنائیت سے سمجھاتے نبیل بھائی کی پشت نواز نے تھپکی تھی۔

شارق خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

مزید تین چار جان لیوا گھنٹوں کے انتظار اور ڈاکٹروں کی انتھک کوششوں سے نوریہ کا بی پی اپ ہونا شروع ہوا تھا۔ ای سی جی مشین کی کنڈیشن قدرے بہتر تھی۔ ڈاکٹر بہت پرامید تھے۔ ہارٹ بیٹ اب پہلے کی طرح مس نہیں ہو رہی تھی۔ خون کی آمد و رفت بھی نارمل ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مریضہ کا اعصابی نظام شدید کشمکش سے باہر آرہا تھا۔ نروِنہ سسٹم کی حالت بہتر ہونے کی دیر تھی کہ اگلے گھنٹے تک نوریہ کا بی پی خاصی حد تک امپروو ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے ان سب کو مریضہ کی بہتر کنڈیشن میں امپروو کرنے کی خوشخبری سنائی تھی۔ نوریہ کو کسی بھی لمحے ہوش آسکتا تھا تاہم نروِنہ سسٹم ابھی بحال نہ ہوا تھا۔ اسے کچھ گھنٹوں تک مکمل پرسکون رکھنے کی ضرورت تھی۔

خبر کیا تھی گویا نئی زندگی ملی تھی سب کو۔ اماں نے وہیں بچھی چادر پر نفل کی نیت باندھ لی تھی۔

اس کی کنڈیشن کے باعث ڈاکٹرز نے اسے ابھی تک انتہائی نگہداشت کے روم میں ہی رکھا ہوا تھا۔ جب تک وہ خود سے ہوش میں نہ آجاتی اسی طرح مشینوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ سب کے لیے فی الحال یہی بہت تھا کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔ نوریہ کی طبیعت کا سن کر فاروق چچا بھی آ گئے تھے۔ دوپہر تک حمید صاحب بھی چلے آئے تھے۔

شام کا وقت قریب تھا۔ دونوں وقت مل رہے تھے جب نوریہ کی پلکوں نے جنبش کی تھی۔ وہاں موجود نرس نے فوراً ڈاکٹر شعیب کو بلا لیا تھا۔ وہ فوراً نوریہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

باقی سب ڈاکٹر کو تیزی سے اندر جاتے دیکھ کر گلاس وال سے اندر دیکھنے میں مصروف تھے۔

"اللہ تیرا شکر....." نوریہ کو پلکیں کھولتے دیکھ کر اماں رو دی تھیں۔

آدھے گھنٹے بعد نوریہ کی حالت پہلے سے بہتر تھی۔ وہ بات کر سکتی تھی۔ اماں کو یاد کر رہی تھی۔

ڈاکٹر شعیب نے اماں کو اندر بھیجنے کو کہا تھا۔

"اماں....." ماجدہ بیگم کو دیکھ کر وہ سسک اٹھی۔ اس کے ہاتھ پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ ای سی جی مشین کو ہٹا دیا گیا تھا مگر دیگر مشینیں ابھی بھی کام کر رہی تھیں۔

"میری بچی..... میری جان..... میری چندا....." اماں کے لبوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے تھے۔ وہ انہیں کتنی عزیز تھی۔ نیک' سعادت مند اولاد ماں باپ کے سینے کو کیسے ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے ان کے دل سے اس کی خوشیوں کے لیے دعائیں نکلتی تھیں۔ کوئی ان کے دل کو چیر کر دیکھتا وہ اس وقت بیٹی کی اس تکلیف پر کیسے رو رہی تھیں۔

"رونا نہیں میری جان..... بالکل نہیں رونا..... ابھی خدا خدا کر کے طبیعت سنبھلی ہے پھر بگڑ جائے گی۔ اپنے دل کو مضبوط رکھو۔ میری بچی تو بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ اب بھی مطمئن رہو۔ فکر نہ کرو چھوٹی سی تکلیف تھی ختم ہو جائے گی۔" اس کی پیشانی کا بوسہ لیتے اس کے ہاتھ چومتے وہ اسے والہانہ پیار کرتے پچکار رہی تھیں۔

نوریہ کے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے۔ سسک سسک کر بلک بلک کر سسکی۔ حتیٰ کہ اس کی سانس پھر اکھڑنے لگی۔

"اماں جی! پلیز آپ باہر چلی جائیں۔" نرس نے فوراً اماں کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ ڈاکٹر شعیب فوراً نوریہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

باقی سب اسے دوبارہ ڈاکٹرز کے رحم و کرم میں دیکھ کر بس آنسو بہا کر رہ گئے۔

وہ ان سب کے دلوں میں دھڑکن بن کر جی رہی تھی' سو آنسو نکلنا لازمی تھے۔

* * *

زرش کالج گئی تو فرح نہیں آئی تھی۔ سارا دن اس نے بڑی کوفت اور فرح کو لعنت ملامت کرتے گزار دیا تھا۔ دونوں کا یہ اصول تھا کہ اگر چھٹی کرنی ہے تو دونوں نے ایک ساتھ کرنی ہے ورنہ چھٹی نہیں کرنی۔ آج سارا دن فرح کے بغیر بہت بور ہوئی تھی۔

گھر آتے ہی اس نے بیگ صوفے پر پٹختے ریسیور تھاما تھا۔

"یہ گھر آتے ہی کس کی شامت آ گئی ہے۔ نہ کپڑے چینج کیے نہ منہ دھویا اور آتے ہی فون سے چمٹ گئی۔" شائستہ بیگم کو اس کا بیگ پٹخنا اور پھر فوراً فون کے ساتھ مصروف ہونا ایک آنکھ نہ بھایا تھا سو فوراً ڈپٹ دیا۔

"تایا ابو کے ہاں کر رہی ہوں۔ فرح آج کالج نہیں گئی۔ وہ بغیر بتائے کبھی چھٹی نہیں کرتی اس لیے کال کر رہی ہوں۔"

شائستہ بیگم نے ہاتھ میں پکڑا میگزین ایک طرف رکھ دیا۔

"السلام علیکم تائی امی۔" طاہرہ بیگم کے کال ریسیو کرنے پر اس نے فوراً سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام..... ہاں کہو..... کیا بات ہے؟" زرش کی آواز سن کر انہوں نے اپنے اسی سرد بے تاثر انداز میں پوچھا تھا۔ زرش جز بز ہوئی۔ اسلام آباد جانے سے پہلے فون پر ان کی آواز سنی تھی اور اب سن رہی تھی۔ کن انکھیوں سے ماں کو دیکھا جو پوری طرح متوجہ تھیں۔

"وہ فرح سے بات کرنی ہے۔" تھوک نگلتے اس نے کہا تھا۔

"کیوں؟" وہی انداز تھا۔ زرش کا ایک دم پارہ ہائی ہونے لگا۔

"وہ آج کالج نہیں گئی تھی۔ میں نے سوچا کہ پتا کروں' خیریت تو ہے نا؟" دل ہی دل میں ان کے تفتیشی انداز کو کوستے سامنے بیٹھی شائستہ بیگم کی نگاہوں سے خائف ہوتے اس نے بظاہر آرام سے کہا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ خیریت ہے۔" وہی سرد برفیلا لہجہ۔ زرش سے اب صبر نہ ہوا۔

"پلیز اس سے بات کروا دیں۔" لہجے کی تلخی کچھ حد تک واضح تھی۔

"وہ سو رہی ہے۔" انہوں نے اسے ٹالا تھا۔ زرش کا بی پی بڑھنے لگا۔ کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا؟ بات نہیں کروائی تمہاری تائی نے اس سے۔" شائستہ بیگم جو بغور دیکھ اور سن رہی تھیں'

زرش کے چہرے کی سرخی کو جانچا۔

"نہیں...... اور ماما یہ تائی امی کیا چیز ہیں، خود کو کیا سمجھتی ہیں؟" طاہرہ بیگم کے سرد بے لچک انداز نے زرش کو کافی صدمہ پہنچایا تھا۔

"بری بات۔ وہ بڑی ہیں تم سے۔ اس طرح ذکر نہیں کرتے۔" ماما نے فوراً ٹوک دیا تھا۔ زرش کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

"ماما! آپ کی اخلاقیات کی مجھے سمجھ نہیں آتی۔ سارے سبق ہمارے لیے اور وہ خود کچھ بھی کرتی پھریں۔ ایسا ہی سبق آپ نے تائی امی کو بھی پڑھا دیا ہوتا۔ آخر کو آپ کی کزن رہ چکی ہیں اتفاق سے۔"

شائستہ بیگم نے اسے گھورا تھا۔

"فضول باتوں کی نہیں ہو رہی زرش۔ بہت فضول گو ہوتی جا رہی ہو تم۔ ہر انسان اپنے ظرف کا بندہ ہوتا ہے۔ انسان کا اخلاق اس کے کردار کا عکاس ہوتا ہے۔ بڑے آخر بڑے ہوتے ہیں، غلطیاں بھی کرتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے ان کو یوں کہیں۔ یہ سب باتیں تربیت میں شمار ہوتی ہیں اور تربیت سے ہی سیرت و کردار نکھرتے ہیں۔ عقل و فہم میں شعور آتا ہے۔ ادراک کا پہلو روشن ہوتا ہے۔ عقل کی باتیں نظر انداز کرنے کی نہیں۔ جو بات میں اپنے لیے ناپسند کرتی ہوں، میں کیسے پسند کر لوں کہ میری اولاد اس کو اپنی طبیعت میں ڈھالے یا عادت بنائے۔"

شائستہ بیگم کی باتوں پر زرش خاموشی سے وہاں سے اپنا بیگ اٹھا کر کھسک لی۔ باقی سارا وقت وہ طاہرہ بیگم کے رویے پر جلتی بھنتی رہی۔ رہ رہ کر فرح کی یاد ستاتی رہی۔

تین بجے تو اسے اپنی برداشت جواب دیتی محسوس ہوئی۔ کتنے دن ہو گئے تھے تایا کے ہاں گئے ہوئے۔ شائستہ بیگم نوشی سے اپنے سر میں تیل ڈلوا رہی تھیں۔ وہ سیدھی ان کے پاس آ بیٹھی۔

"ماما!" اس نے اٹھلا کر ان کے دو زانو پر اپنا سر رکھا تو وہ سمجھ گئیں کہ اب ان کی چہیتی ضرور کوئی فرمائش جڑے گی۔

"ہوں۔" نوشی تیل لگا رہی تھی۔ انہوں نے صرف 'ہوں' پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"وہ میں تایا ابو کے ہاں چلی جاؤں؟"

شائستہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔ جانتی تھیں کہ کچھ ایسی ہی فرمائش ہو گی۔

"کیوں۔ فون پر تائی سے عزت کروا چکی ہو، کافی نہیں؟"

"میں کون سا تائی امی سے ملنے جا رہی ہوں۔ فرح سے ملنا ہے۔ جی ماما فرح یونہی چھٹی نہیں کرتی، ضرور کوئی بات ہو گی۔ پلیز! چلی جاؤں۔" ان کے گھٹنوں کو دباتے وہ ملتجی ہوئی تھی۔

"زرش تنگ نہ کرو۔ ہر روز ایک ہی ضد۔ کب تک بچی بنی رہو گی۔ اگر ان کے گھر میں کوئی بات ضرور ہو گی تو ان کے گھر کا مسئلہ ہے، تمہیں کیا ضرورت ہے پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی۔ بہت ہو گیا میں تمہیں اب ان کے ہاں قطعی جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔" زرش کے ملتجی انداز پر انہوں نے سختی سے ٹوک دیا تھا۔

زرش بری طرح ہرٹ ہوئی۔ آنکھوں میں نمکین پانی آ بسا۔ انتہائی خفگی سے ماما کو دیکھا۔

"آپ اچھا نہیں کر رہیں۔ مجھے وہاں جانا ہے۔ پلیز۔" رندھے گلے اور نم آنکھوں سے کہتی وہ شائستہ بیگم کا ضبط آزما گئی تھی۔

"بہت ضدی ہوتی جا رہی ہو تم۔ ایک دفعہ کیا سمجھ نہیں آتا تمہیں۔" انہیں اس کے آنسو تکلیف پہنچانے لگے تھے مگر لہجے کی سختی برقرار رکھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں اکیلی نہیں جاتی، نوشی بھی میرے ساتھ جائے گی۔ اسے تو تائی امی کچھ نہیں کہتیں۔ اب تو اجازت دے دیں۔"

وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔ شائستہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔ مجال ہے جو لہجے کی سختی کا ذرا بھی اثر لیا ہو زرش نے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ دماغ نہیں کھاؤ میرا۔ نوشی فارغ نہیں ہے۔ کل کو ایگزام کے بعد شادی کر رہے ہیں اس کی۔ گھرداری سیکھے گی تو سسرال میں کام آئے گی اور تم بھی اب اپنا یہ بچپنا چھوڑ دو۔ بہت بچی بن لیا تم نے۔ اب ہوش کے ناخن لو۔" اسے اجازت دیتے ہوئے انہوں نے ڈانٹنا ضروری سمجھا تھا۔

"اچھا لے لوں گی...... آپ خان بابا کو کہیں گاڑی نکالیں۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ ایک دم اپنے تمام آنسو صاف کیے یہ جا وہ جا تھی۔ شائستہ کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ نہ جانے کب عقل آئے گی اس لڑکی کو۔ وہ متفکر تھیں۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی۔" نوشی نے سکون سے کہا تھا۔

"اچھا بس کرو۔ جاؤ خان بابا کو کہو گاڑی نکالیں۔" تیل کی شیشی بند کر کے اپنے بالوں کا جوڑا بناتے انہوں نے نوشی کو کہا تو وہ چلی گئی۔

خان بابا کو باہر سے ہی رخصت کر کے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی سیڑھیاں طے کر کے اندر داخل ہونے کو تھی جب باہر آتے کسی وجود سے بری طرح ٹکراتے وہ پیچھے سیڑھیوں سے نیچے گرتے بال بال بچی تھی۔ مقابل نے فوراً حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے اس کے بازو کو تھام لیا تھا۔

"اوف...... اندھے ہو کر چل رہے تھے۔" اپنے چکراتے سر کو تھامے، بغیر دیکھے اس نے کہنا لازمی سمجھا تھا۔

"میرا بھی آپ کے بارے میں یہی خیال ہے۔" دوسری طرف سے بہت سنجیدگی سے جوابی کارروائی ہوئی تھی۔ زرش نے ہاتھ ہٹا کر سامنے والے وجود کو دیکھا۔

"ہائے ستارہ آپی آپ...... خیریت، آپ یہاں......؟" پل میں وہ ساری تکلیف بھول بھال چکی تھی۔

"بالکل...... تم سناؤ تم کیسی ہو؟" ستارہ نے اسے گلے لگاتے بہت محبت سے اس کے رخسار پہ بوسہ دیتے پیار سے اسے دیکھا تھا۔

”بالکل اے ون..... کس کے ساتھ آئی ہیں۔“

”قادر کے ساتھ آئی ہوں۔ امی پہلے ہی آئی بیٹھی ہیں۔ اندر ہی ہیں۔“

”ہیں..... پھپھو بھی ہیں۔ یہ آج سورج کس سمت سے نکلا ہے۔“ اس نے پیچھے مڑ کر سورج دیکھنا چاہا تھا۔ ستارہ کھلکھلائی۔

”بہت بدتمیز ہو تم۔ فرح کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ صبح میں نے کال کی تھی۔ علی نے بتایا تھا۔ میں نے امی کو فون کر کے اطلاع دے دی تھی۔ اب سوچا خود جا کر عیادت کر آؤں۔ میں تو یونہی باہر نکلی تھی۔ اندر دل گھبرا رہا تھا۔ امی وغیرہ بھی اندر ہیں اور ہاں قیصرہ خالہ بھی اپنی آل اولاد کے ساتھ موجود ہیں۔ ذرا دھیان سے رہنا۔“

”اب کیسی ہے؟ اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں۔ میں یونہی چلی آئی۔ لو میں اگر نہ آتی تو بھلا مجھے کیسے پتا چلتا۔“ اسے فرح کی طبیعت کا جان کر بہت دکھ ہوا۔

وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی۔ لاؤنج میں قیصرہ خالہ‘ ان کی بیٹیاں اور امجد بھائی بھی براجمان تھے۔

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔ تم بھی چلی آئیں۔ مل گئی اطلاع تمہیں بھی۔ خیر سے اکیلی آئی ہو یا کوئی اور بھی ساتھ ہے۔“ قیصرہ خالہ نے دیکھتے ہی تیر چھوڑا تھا۔ زرش جز بز ہوگئی۔ دوسری طرف صوفے پر پھپھو بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اس کا سانس کچھ بحال ہوا۔

”السلام علیکم پھپھو کیسی ہیں آپ.....؟ اتنے سارے لوگوں میں قادر بھائی اور پھوپھی ہی شناسا لگی تھیں۔ وہ فوراً ان کی پناہ میں چلی آئی۔ سلام پیار کے بعد وہ قادر سے حال احوال دریافت کرنے لگ گئی۔

”فرح کدھر ہے؟“ اس نے علی کو دیکھا جو امجد بھائی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

”اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی ہے۔“

وہ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر فرح کے کمرے میں چلی آئی۔

”بڑی بے مروّت ہو تم۔ اتنا نہ ہوا کہ علی کو کہہ دیتی ایک کال کر دے۔ وہ تو کالج نہیں آئی ہوئی تھی۔ تمہیں سارا دن کوستی رہتی۔ گھر آتے ہی کال کی‘ تمہاری والدہ ماجدہ سے بات ہوئی‘ وہ تو تمہیں پتا ہی ہے کہ میری آواز سن کر ان کا لہجہ سرد ہو جاتا ہے یا مستقل ہی زاویہ ہے۔ ”فرح سو رہی ہے“ (اس نے تائی کے لہجے کی بھرپور نقل اتاری) فرح مسکرا دی۔ ”اب ایسی بھی کیا بے مروّتی کہ بندہ کسی کی خراب طبیعت کی اطلاع بھی نہ دے۔“ دھپ سے فرح کے بستر پر گرتے وہ شروع ہو چکی تھی۔

فرح کو اتنے لوگوں میں بطور خاص زرش کو دیکھ کر پہلی دفعہ تازگی و اپنائیت کا احساس جاگا۔

بہت محبت و مان سے زرش کے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کرتے چہرے کو دیکھا۔

”دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اب تم خود سوچو اگر تمہیں اطلاع مل جاتی تو ایسی حالت میں تمہیں

ملتی۔“ بہت نقاہت کے باوجود اس نے زندہ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

”بکو نہیں..... بخار تو نارمل ہی ہے۔ ویسے یہ طبیعت کی ناسازی کس سلسلے میں ہے؟“ اس کی پیشانی چیک کرتے اس نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ فرح کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ گزر گیا۔ پل میں رنگت متغیر ہوئی۔

”احمق ہو تم بھی‘ بھلا طبیعت کی ناسازی بتا کر تھوڑی ہوتی ہے۔ بس اچانک ہو جاتی ہے۔“

”ہاں وہی تو پوچھ رہی ہوں۔ یہ اچانک کیوں تھا۔ کل تک تو اچھی بھلی تھیں۔ کالج کینٹین سے دہی بھلے لے کر کھا رہی تھیں۔ آئس کریم کے دور چل رہے تھے اور اب یہ طبیعت۔“

”میں اب بھی اچھی بھلی ہوں بلکہ ہلکی سی حرارت برقرار ہے۔“ اس نے مسکرا کر زرش کی بات ٹال دی تو زرش سنجیدگی سے دیکھے گئی۔

”کوئی بات ہے ضرور۔ خیر تم نہ بھی بتاؤ میں پتا تو ضرور لگا لوں گی۔“ اس نے فوراً کندھے اچکائے تو فرح الجھی۔

”خدا کو مانو لڑکی۔ اب اپنا یہ منہ بند رکھنا۔ قیصرہ خالہ ادھر ہی ہیں۔ شام تک ان میں سے کسی کا بھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہاں تو ”منہ سے نکلی کوٹھوں چڑھی“ والا حال ہے۔ ان کی زبان کے سامنے پوری توپ فٹ ہے۔ قسم سے عیادت کرنے آئی ہیں‘ بول بول کر میرا دماغ پلپلا کر دیا ہے۔ انہوں نے وہ تو خیر ہوئی کہ پہلے ستارہ آپی اور پھر پھپھو چلی آئیں اور بچت ہوگئی۔ تم کچھ نہ بولنا۔ ”بد سے بدنام برا“ والا حال ہوگا۔“

اس نے فوراً ٹوک دیا تھا۔ زرش ہنس دی۔

”اب اتنی احمق بھی نہیں ہوں۔ ویسے بھی اب پتا ضرور کروں گی یہ قیصرہ خالہ آخر چیز کیا ہیں۔ ہر کوئی ان کی تعریف میں رطب اللسان اب میں ان سے اچھی خاصی متاثر ہو چکی ہوں یار!“

زرش کے اس بے پروا انداز پر فرح نے گھورنا چاہا تھا مگر زرش کے چہرے پر موجود مسکراہٹ اور بہت عرصے بعد اس کی طبیعت کی وہی جولانی اچھی لگی تھی جو بچپن سے اس کی طبیعت کا خاصا تھی۔

”ویسے یہ قیصرہ خالہ ہیں کس خیال میں۔ کبھی غور تو کرو۔“ اس نے اس کے قریب کھسکتے کافی رازداری سے کہا تھا۔

فرح الجھی۔

”مطلب!“

”بہت واضح اور صاف۔ تم نے وہ ساڑھے چھ فٹ مطلب اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں۔ وہی جو قیصرہ خالہ اپنی دختران نیک اختران کے ساتھ باندھ کر لائی ہیں۔ بہت ماسٹر مائنڈ کی مالک ہیں۔ وہ پہلے بساط بچھائی تھیں اب وہ پیادے دوڑا رہی ہیں۔“ زرش کا وہی چنچل شوخ انداز۔ فرح کے خاک پلے نہ پڑا۔

”میں امجد بھائی کی بات کر رہی ہوں۔ احمق عظیم۔ خالہ تمہاری ہیں اور خبر مجھے رکھنا پڑ رہی ہے۔“

فرح کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ زرش کی بکواس بالکل سر سے گزر گئی۔

"کیوں پہیلیاں بوجھوا رہی ہو۔ صاف بات کرو۔" اس نے ٹوک دیا۔ ابھی بیماری کی حالت میں تھی۔ سوچنا سمجھنا بحال نہ ہوا تھا۔

"صاف بات تو قیصرہ خالہ خود کریں گی۔ وہ بھی تمہارے والدِ محترم' میرا مطلب ہے ہمارے محترم تایا جان سعید احمد صاحب سے۔ بچ کے رہنا کہیں وہ تمہاری عیادت کے بہانے پکا کام ہی نہ کر جائیں۔" فرح کی بھویں تن گئیں۔

"زرش...... یہ کیا بکواس ہے؟" اس نے ناگواری سے ٹوکا۔

"بکواس نہیں' ہنڈرڈ پرسنٹ سچ ہے۔ قیصرہ خالہ ویسے جائیداد کے چکر وکر میں ہیں۔ پہلے سمعان بھائی کے لیے فوزیہ آپی کے رشتے کا شوشا چھوڑا تھا۔ وہ تو خیر ہو کہ ان کی بٹی صاحبہ ہی کوئی سرا پکڑانے کے چکر میں نہیں تھیں۔ محترمہ کی اپنے کسی کولیگ یا شاید کلاس فیلو کے ساتھ کمٹمنٹ تھی۔ اب قیصرہ خالہ کیسے اپنے منہ سے اپنی بہن صاحبہ کو انکار کر دیتیں۔ اتنا واویلا جو خاندان بھر میں مچا رکھا تھا وہ کیا ہوتا۔ اس رشتے کے پیچھے انہوں نے کیا کچھ نہ کیا تھا۔ کیا کیا ڈرامے اسٹیج نہ کیے تھے۔ اب اتنی جلدی اچھے ہی منہ سے اپنی بہن کو انکار کر کے بہن کو بھی اپنی طرف سے بدظن کر دیتیں اور لوگوں کو بھی۔ انہوں نے دوہری چال چلی۔ سمعان بھائی کا معاملہ اسی طرح چھوڑتے انہوں نے اسجد بھائی کے لیے تمہاری بات چھیڑ دی ہے۔"

"نہیں...... کیا...... واقعی؟" فرح کے ہاتھوں کے چڑیا طوطے سب اڑ گئے۔ بے پناہ استعجاب انگیز نگاہوں سے زرش کا چمکتا دمکتا چہرہ دیکھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اصل چکر تو جائیداد کا ہے۔ تائی امی نے ان کو اپنے گھر کی ساری تفصیل بتا رکھی ہے۔ بابا' تایا جان' سمعان بھائی اور دادا جان کی چھوڑی ساری جائیداد کی تفصیل۔ انہوں نے یونہی خاموشی اختیار نہیں کی۔ اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی ہے جو تائی امی وقت آنے پر سب کو چکھائیں گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی بربادی کا موسم ہے۔"

اپنے اسی شوخ انداز میں زرش نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے فرح کے بستر پہ پاؤں پسارے تھے۔ فرح کو اپنا دماغ سنسناتا محسوس ہوا۔

"تمہیں یہ ساری تفصیلات کہاں سے ملیں؟" فرح نے مشکوک نظروں سے زرش کو دیکھا تو وہ کھلکھلائی۔ بڑی چمک تھی اس وقت زرش کے چہرے پہ۔

"اب تمہاری طرح کان بند تو نہیں رکھتی۔ ساری خبر رکھتی ہوں۔ یوں کہو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں۔ تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں۔" اچانک کہتے کہتے وہ کچھ سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ فرح نے لرزتی پلکوں سے دیکھا۔ نہ جانے اب زرش صاحبہ کی زنبیل سے کیا نکلنے والا تھا۔ اللہ خیر کرے۔ وہ دہل گئی۔

"ہوں۔"

"سمعان بھائی لگتا ہے کسی بڑے چکر میں ہیں۔"

"ہیں؟ کیا مطلب؟" فرح پہ لگتا تھا آج "کیا مطلب" کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ فوراً سیدھی ہوئی۔ آنکھوں میں بے پناہ استعجاب لیے زرش کو دیکھا جو واقعی آج موڈ میں تھی۔

"بہت بدھو ہو تم۔ میرا مطلب ہے میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کسی کو ضرور پسند کرتے ہیں۔ میں نے چند ایک بار پوچھا بھی تھا مگر وہ مجھے ہر بار طرح دے جاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ٹال جاتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

فرح نے ایک گہری سانس خارج کی تاہم جگمگاتی نگاہوں سے زرش کو دیکھا۔ نرم و نازک پیاری سی یہ لڑکی کس قدر بے ریا اور معصوم تھی اور سب سے بڑھ کر اس کے جان سے پیارے بھائی جان کے دل کی خواہش تھی۔ جب سے سمعان کی خواہش کا علم ہوا تھا یہ اسے اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔

"کوئی خیال وبال نہیں ہے۔ تمہارا دماغ خراب ہے بس۔"

"دیکھنا کسی دن میں ثبوت کے ساتھ تمہارے سامنے اس حقیقت کو لاؤں گی تب مجھے ٹالنا۔" فرح کے رد کرنے پر اس نے بھی فوراً چیلنج کیا تھا۔

"خدا کو مانو لڑکی' کیوں سمعان بھائی سے پٹنے کا ارادہ ہے۔" اس نے اس کے ارادوں سے ڈرتے اسے دہلانا چاہا تھا۔ اس نے ہاتھ جھٹکا۔

"اتنی محبت کرتے ہیں وہ مجھ سے' اتنا خیال رکھتے ہیں وہ میرا' مجھے کبھی مار ہی نہیں سکتے۔ بس تم دیکھتی جاؤ میں کیا کرتی ہوں۔" اس نے چٹکی بجائی تھی۔ فرح نے سر تاسف سے ہلاتے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ تم لاعلاج ہو۔

"اور تم ذرا یہ اپنے اسجد بھائی صاحب سے بچ کے رہنا۔ ویسے وہ تو اچھے خاصے پرسنالٹی وائز سراہے جانے کے قابل ہیں۔ جاب بھی اچھی ہے۔ کوالیفکیشن ایم بی اے قابلِ تعریف ہے۔ کسی ہیرو سے کم نہیں۔ خوبصورت اور سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ بس ایک خامی ہے کہ قیصرہ خالہ کے بیٹے ہیں۔ کیا خیال ہے۔ چلیں گے کہ نہیں۔" اس نے شرارتی نگاہوں سے فرح کو دیکھا تو اس نے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"تمہارے دماغ کا خناس ہے اور کچھ نہیں۔"

"میں ذرا باہر کا بھی درجہ حرارت چیک کر آؤں کہ موسم کیسا ہے۔ کچھ ارد گرد کے لوگوں کے مزاج کی بھی خبر لینی چاہیے کہ یہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں اور نہیں تو پھپھو وغیرہ سے ہی لاڈ کرتی ہوں۔ سچ سچ تمہاری سڑیل خالہ تو جل بھن جائیں گی۔" وہ اسی طرح مزے سے کہتی جھپاک سے بستر سے اتر کر یہ جا وہ جا تھی۔

فرح ہونٹوں پر دھیمی مسکان لیے مسکراتی سوچتی رہی۔ یہ پیاری سی لڑکی اپنے اسی خاص انداز سمیت سب کے دلوں میں تھی۔ ہنستی' کھلکھلاتی' مسکراتی۔ بڑی سے بڑی بات کو بھی بالکل نارمل انداز میں لینے والی۔

سمعان احمد اور تایا جان آگے پیچھے ہی گھر لوٹے تھے۔ مہمانوں کی آمد کی اطلاع علی نے انہیں دے

دی تھی۔

شام کی چائے پر سبھی براجمان تھے۔ سعید احمد کے لیے طاہرہ بیگم کی فیملی سمیت آمد مزاج پر گراں گزری تھی تاہم انہوں نے بروقت خود کو سنبھالا دے کر اپنے مزاج کو قابو میں کرلیا تھا کہ گھر آئے مہمانوں کی عزت تواضع کبھی ان کے خاندان کی خاص الخاص روایت رہی تھی۔ انہوں نے سب سے خندہ پیشانی سے سلام دعا کرتے اسجد میاں سے باقاعدہ گفتگو کرنا شروع کردی تھی۔

اس دوران سمعان احمد بھی لباس تبدیل کرکے ادھر آ گیا تھا۔ قادر، اسجد، علی، سمعان چاروں باتوں میں مصروف ہوئے تو سعید احمد صاحب بھی لباس تبدیل کرنے کو چلے گئے۔ ستارہ آپی فرح کو کمرے سے باہر نکال لائی تھیں۔ وہ لاؤنج میں سبھی کے درمیان بیٹھی خوب محظوظ ہورہی تھی۔

"ایم کام کی اس دور میں بہت ڈیمانڈ ہے۔ ایم بی اے تو اب سبھی کررہے ہیں مگر اس طرف کم ہی اسٹوڈنٹ آتے ہیں۔ پھر میرا خاص انٹرسٹ بھی اسی فیلڈ میں تھا تو میں نے اسی کو منتخب کیا۔"

ستارہ کے فوزیہ سے "تعلیم کیسی چل رہی ہے" پوچھنے پر بڑے بناوٹی انداز میں جواب موصول ہوا تھا۔

"خدا محفوظ رکھے۔ ابھی بھی دیدہ سوائی نہیں ہوئی کہ ایم کام کے بارے میں ایسے نادر خیالات سننے کو ملیں۔" زرش ستارہ کے کان میں منمنائی تھی۔ یہ نادر خیالات فرح کے کانوں میں بھی بخوبی پہنچے تھے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ویسے فوزیہ آپی آپ ایم بی اے کے بارے میں ایسی رائے تو نہیں دے سکتیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج کے دور میں ہر کوئی اب اسی فیلڈ میں آرہا ہے مگر ابھی اس کی بھی بڑی مانگ رہی ہے۔ خاص طور پر اسجد بھائی تو ہیں ہی ایم بی اے۔ اچھی خاصی پوسٹ پر فائز ہیں۔ اس ڈگری کی کوئی ویلیو ہے تو وہ اس فیلڈ میں ہیں۔"

زرش کو فوزیہ کا بناوٹی انداز ہضم نہیں ہوا تھا سو اس نے تبصرہ لازمی سمجھا تھا۔ فوزیہ اپنی ہی بات میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ بھنا کر زرش کو دیکھا۔ آنکھوں میں ڈھیروں چمک لیے چہرے پر شریر مسکراہٹ سجائے وہ انہیں کچھ چبھو سی گئی۔

"میں سب کی بات نہیں کررہی۔ میں تو یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ ان دو تین سالوں میں لوگ زیادہ ہی اس فیلڈ میں آرہے ہیں۔ اب یہ فیلڈ ایسی تو نہیں کہ ریوڑیاں بانٹنے والا حال ہوجائے۔ جس یونیورسٹی کو دیکھو وہ ایم بی اے کروا رہی ہے۔"

"دراصل ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ یہ جو پڑھ رہی ہیں وہ سب سے اعلیٰ ہے۔" زرش کے کمنٹس پر ستارہ کو اپنا قہقہہ روکنا محال ہوگیا تو اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ فوزیہ جسے زرش کی آواز تو سنائی دی تھی الفاظ آواز دھیمی ہونے کی بدولت سر کے اوپر سے گزر چکے تھے۔ ستارہ کو ہنسی ضبط کرتے دیکھ کر فوراً چہرہ سرخ ہوا تھا۔ اسے زرش پہلی بار ناقابلِ برداشت لگی اور شاید آخری بار بھی۔

"ایم بی اے تو ان شاء اللہ میں بھی کروں گی۔ سمعان بھائی بی بی اے کے بعد امریکہ سے ایم بی اے

کرکے آئے تھے۔ آج اپنی پوری فرم کو ہیچ کیے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے میں بیرون ملک نہیں جاؤں گی مگر میرا ارادہ ان شاء اللہ اسی فیلڈ میں نام کمانے کا ہے۔"

فوزیہ کی طرح زرش نے بھی اٹھلا کر کہا تھا۔

"اور تجل تم کہاں ہوتی ہو؟ کالج میں کہیں دکھائی نہیں دیتیں؟" اچانک زرش کا رخ قیصرہ خالہ کی سب سے چھوٹی بیٹی تجل کی طرف ہوا تھا۔ وہ فوراً گڑبڑائی۔ اسے اپنی شامت آتی محسوس ہوئی۔

"نہیں، کالج میں ہی ہوتی ہوں۔ میرے اور تمہارے اختیاری مضامین مختلف ہیں۔ پھر ازلی میں بھی ہمارا سیکشن چینج ہے۔ میں تو خود بھی تم لوگوں کو بہت کم دیکھتی ہوں۔" ہڑبڑا کر اس نے فوراً وضاحت دی تھی۔ زرش ہنس دی۔

تجل ان کے کالج میں ہی ایڈمٹ تھی۔ پڑھائی سے جان چھڑانے والی یہ بدھو سی تجل اندر سے چیز بڑی اعلیٰ تھی۔

"رابعہ باجی تو سینٹر میں اکثر دکھائی دیتی رہتی ہیں۔ دراصل ڈرامیٹک سوسائٹی کی چیئرمین یہی ہیں۔ اس فیلڈ میں یہ بہت آگے جاسکتی ہیں۔ ویسے رابعہ آپی آپ کسی پروڈیوسر وغیرہ سے رابطہ کیوں نہیں کرتیں۔ ایکٹنگ کے بڑے گٹس ہیں آپ میں۔" زرش کو بڑے عرصے بعد صحیح مزہ آرہا تھا ان کو چھیڑنے کا اس لیے ایک کے بعد ایک کو کھنگال رہی تھی۔

"تم نے ڈرامیٹک سوسائٹی کی چیئرمین شپ چھوڑی نہیں۔" اسجد جس کی توجہ گاہے بگاہے اسی طرف ہورہی تھی، اس نے پلٹ کر اپنی بہن کو کڑی نظروں سے دیکھا۔

"اب آئے گا مزہ۔" زرش نے فرح کے کان میں سرگوشی کی۔ رابعہ اپنے بھائی کو اپنی طرف متوجہ پاکر بری طرح گڑبڑا گئی۔

"نہیں بھائی۔ چھوڑ دی ہے۔" وہ فوراً صفائی میں بولی تھی۔

"اچھا..... مگر رابعہ باجی پچھلے دنوں ایگزیمز سے پہلے جو ہمارے کالج میں پورے ایک ہفتے آپ کی نگرانی میں ادبی پروگرام منعقد ہوئے تھے وہ کیا تھے۔ میں تو یہی سمجھی تھی کہ آپ ابھی بھی اسی عہدے پر کام کررہی ہیں۔"

رابعہ، فوزیہ سے چھوٹی اسی کالج سے پوسٹ گریجویٹ کررہی تھی جدھر زرش اور فرح تھیں۔ رابعہ نے دانت چباتے گھور کر زرش کو دیکھا جس نے خاصی بلند آواز میں اس کا بھانڈا پھوڑا تھا۔ قیصرہ بیگم بھی خصوصی طور پر متوجہ ہوئیں۔

"ہاں تو وہ سب میری نگرانی میں ہی ہوئے تھے مگر چھٹیوں کے بعد میں نے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔" سڑیل مگر کھا جانے والی نظروں سے زرش کو دیکھتے اپنے بھائی کو بتا رہی تھی۔

"میں گھر جاکر ساری تفصیل سنوں گا۔" اسجد نے دوبارہ قادر کی طرف رخ کرلیا تھا مگر اس کی آواز میں جو تنبیہ تھی اس کی وجہ سے رابعہ زرش کو گھورے گئی۔

قیصرہ بیگم کو ان سب کے درمیان کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ رابعہ کے بگڑے تیور اور اسجد کا سنجیدہ

انداز۔ انہوں نے بغور سب کو دیکھا۔

ہنستی کھلکھلاتی زرش اب ستارہ سے باتوں میں مصروف تھی۔ ان کے دل پر سانپ سے لوٹنے لگے۔ رابعہ جو کالج میں ڈرامیٹک سوسائٹی کی چیئرمین تھی' کالج پروگرام ترتیب دیتی رہتی تھی۔ انہی پروگرام کے دوران اس کی ایک پروڈیوسر سے بھی ملاقات ہوئی تھی جن حضرت نے رابعہ صاحبہ کو اپنے کسی ڈرامے میں کام کرنے کی آفر کی تھی اور تب سے ہی امجد اور رابعہ کے درمیان ایک سرد سی فضا تن چکی تھی۔ رابعہ ٹی وی ڈرامہ کرنا چاہتی تھی اور امجد منع کر رہا تھا اور یہ شاید اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھی جو زرش نے مزے سے بیان کی تھی بلکہ آگ لگائی تھی۔ وہ کینہ توز نظروں سے زرش کو دیکھے گئی۔

زرش کی چونکہ اپنی کچھ سینئرز سے اچھی خاصی علیک سلیک تھی۔ انہوں نے زرش کو رابعہ کے متعلق یہ ساری بات بتائی تھی۔ اس کے اور فرح کے درمیان کافی بات چیت بھی ہوئی تھی اس موضوع سے متعلق۔ اب تو اس نے یونہی چھیڑنے کو ذکر کیا تھا مگر تیر نشانے پر لگا تھا اور وہ ان کو چھیڑ کر مسرور سی اپنی باتوں میں مگن ہو چکی تھی۔

قیصرہ خالہ کی پانچ اولادیں تھیں۔ بڑی صباحت باجی تھیں جن کی اپنے شہر میں ہی شادی ہو چکی تھی' پھر امجد بھائی تھے۔ اس کے بعد فوزیہ تھی' فوزیہ کے بعد رابعہ اور کنول تھیں۔

"آپ نے سعد کے بارے میں بھی کچھ سوچا' سنا ہے۔ اگلے ایک دو مہینوں میں پاکستان آ رہا ہے۔"

قیصرہ خالہ کو غصہ جتنا بھی ہو' مطلب کی بات پر فوراً شیر و شکر ہو جاتی تھیں۔ فرح سے بات کرتی زرش کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا؟" فرح نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ ذرا ادھر کی خبر لے لوں' پھر ادھر کی سنتی ہوں۔" وہ علی کے پاس جا بیٹھی تھی جہاں سے پھپھو اور قیصرہ خالہ کی گفتگو آرام سے سنائی دے سکتی تھی۔

"ماشاء اللہ سے ڈاکٹری کی تعلیم مکمل ہو چکی ہے۔ بس یونہی رکا ہوا ہے۔ جیسے ہی پاکستان آئے گا اس کا گھر بسانے کا کروں گی۔"

پھپھو نے بڑے دھیمے انداز میں بتایا تھا۔ طاہرہ بیگم نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔

"کوئی لڑکی بھی دیکھی ہے یا نہیں۔"

قیصرہ خالہ آخر لڑکیوں کی ماں تھیں' وہ بھی خوبصورت بیٹیوں کی۔ خاندان بھر کے ہونہار' صاحب جائیداد لڑکوں پر ان کی نظریں تھیں۔ وقت آنے پر تو لوگ گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت ان کے لہجے کی شیرینی دیکھنے کے قابل تھی۔ یوں مخاطب تھیں جیسے واقعی پھوپی جان سے بڑے دوستانہ و محبت بھرے تعلقات رہ چکے ہوں۔

زرش کو ان کی پالیسی پر رہ رہ کر تاؤ آیا۔

"نہیں..... ابھی نہیں دیکھی۔ دراصل آج کل کے لڑکے پسند کی شادی کو اہمیت دیتے ہیں۔ میں

رکی ہوئی ہوں کہ پاکستان آ جائے۔ اپنا کلینک جو بھی سیٹ کرتا ہے' خیر سے جما لے تو پھر اگر اس کی پسند ہے تو وہیں بارات لے جاؤں گی ورنہ اپنی مرضی تو کروں گی ہی۔" انہوں نے اسی رسانیت سے جواب دیا تھا۔

"اچھا! میں نے تو سنا ہے کہ آپ کا ارادہ مسعود کے ہاں بات چلانے کا ہے۔" زرش تو چونکی ہی' طاہرہ اور نفیسہ بیگم بھی حیران ہوئیں۔ انہیں واقعی ساری خبریں تھیں۔

"یہ تو بچوں کی قسمت ہے کہ کہاں جوڑ بنتا ہے۔ آپ کو غلط خبر ملی ہے۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ہاں اگر ایسی بات ہو بھی جائے تو مضائقہ کیا ہے۔ میرے بھائی کی بچیاں ہیں' میرے لیے تو ساری دنیا سے زیادہ ہیں۔ خدا میرے بھائیوں کو سلامت رکھے' صحت دے' اپنے بچوں کی خوشیاں دکھائے۔ سعد کا رجحان اس طرف نہیں پھر بھی اگر آپ کے علم میں بات آئی ہے تو یقیناً کہیں نہ کہیں سے بات چلی ہی ہے۔ بیٹی کا معاملہ ہے۔ میں کیوں غلط بات کروں۔ جب بھی کوئی ایسی بات ہوئی باقاعدہ رشتہ ڈالوں گی۔ یوں کسی کی بیٹی سے متعلق ایسے فوراً کچھ نہیں کہہ دیتے۔ ہماری اپنی بھی بچیاں ہیں۔" انہوں نے سنجیدگی سے ٹوک دیا تھا۔

قیصرہ خالہ اک ادا سے مسکرا دی تھیں۔

زرش کو اپنے اعصاب جھنجھناتے محسوس ہوئے۔

"میں بھی بچیوں کے بارے میں خاصی فکر مند رہتی ہوں۔ اللہ نے نہ جانے کہاں جوڑ بنائے ہیں۔ ساتھ خیریت کے سامنے لائے۔" انہوں نے فوراً بات بدلی تھی۔

طاہرہ بیگم خود بھی چہرہ موڑ گئیں۔ اچھی طرح قیصرہ کا مطلب سمجھ رہی تھیں مگر وہ کچھ بھی کہنے سننے سے قاصر تھیں۔ سعید احمد تو کمرے میں جا کر بند ہو گئے تھے۔ قیصرہ کی موجودگی میں ان کا یہ طرز عمل ہمیشہ سے رہا تھا۔ پھر وہ کوئی امید کیسے دلاتیں۔

باہر مغرب کی اذانیں شروع ہوئیں تو زرش کو وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

"اُف..... اتنی دیر ہو گئی۔ ماما کا غصہ تو سوا نیزے پر پہنچ گیا ہو گا۔" گھڑی دیکھتے وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

سمعان نے اسے کھڑے ہوتے دیکھ کر سوالیہ دیکھا۔

"چلنا چاہیے' بہت دیر ہو گئی ہے۔" سمعان کی سوالیہ نگاہوں کا جواب اس نے زبان سے دیا تھا۔

"مگر ڈرائیور تو آیا نہیں۔" علی نے فوراً کہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ..... ہم لوگ تھوڑی دیر میں نکلنے والے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہی چلنا۔" ستارہ آپی نے فرح سے بات کرتے اسے بھی ٹوکا تھا۔ وہ ان کے پاس دوبارہ جا بیٹھی اور پھر اپنی طبیعت کے مطابق شروع ہو چکی تھی۔

فوزیہ اس کی نان اسٹاپ چلتی زبان پر جزبز ہی ہوتی رہی۔

* * *

تین دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد وہ گھر آ چکی تھی۔

تین دنوں میں وہ نارمل نہیں ہوئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک وہ بالکل گم صم حواس باختہ سی تھی۔ وہ جن حالات سے گزر رہی تھی۔ اس نے جن لمحوں کا عذاب اپنی روح پر جھیلا تھا۔ ان کے تصور سے ہی اس کی نبضیں ڈوبنے لگتی تھیں۔

”اگر واقعی شارق زمان اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتا تو......؟“ اس تصور سے ہی وہ لرز اٹھتی تھی۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اس پر تو گویا سکتے کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

اس کی کنڈیشن سب کو ہی نظر آ رہی تھی۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ پر الجھ چکے تھے مگر نویرہ تھی کہ اس کی چپ ہی نہیں ٹوٹ رہی تھی۔

ہاسپٹل سے آنے کے بعد سے وہ مسلسل کمرے میں بند تھی۔

”کیا ہوا ہے؟ کس چیز کی اس نے ٹینشن لی ہے؟“ خالدہ بیگم اسے پوچھ پوچھ کر تھکی جا رہی تھیں لیکن لگتا تھا نویرہ پر کوئی سایہ سا ہو گیا ہے۔ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

دل چاہ رہا تھا کہ دل کھول کر رونے مگر کہنے کو لفظ ہی نہیں مل پا رہے تھے۔ اعتماد ٹوٹا تھا اس کا۔ وہ تو ذلت کی کھائی میں گرتے گرتے بچی تھی۔ جس تجربے سے وہ گزر رہی تھی اس کا تصور ہی اس کو حواس باختہ کر دیتا تھا۔ شادی کا گھر عیادت والا گھر بن چکا تھا۔ دبئی سے ساجد بھائی بیوی بچوں سمیت شادی میں شرکت کے لیے ایک دن پہلے ہی پہنچے تھے۔ یہاں آ کر بہن کی حالت دیکھ کر متفکر سے ہو گئے تھے۔

ان تین دنوں میں وہ زرد کملا کر رہ گئی تھی۔

دوپہر میں میڈیسن دے کر نبیلہ بھابی نے اسے سلا دیا تھا۔ اس وقت وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ آنکھ کھلی تو وہ کئی ثانیے یک ٹک چھت کو گھورے گئی۔

گزرے واقعات کسی فلم کی طرح دماغ میں گردش کرتے چلے گئے۔

ہاسپٹل میں اسے صرف ایک دفعہ شارق زمان دکھائی دیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی نویرہ کو اپنی نبض ڈوبتی محسوس ہوئی تھی۔ دل پر اختیار ختم ہوتا محسوس ہوا تو اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لی تھیں اور پھر ان تین دنوں میں وہ اسے دوبارہ دکھائی نہیں دیا تھا اور وہ دوبارہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

نویرہ کو ان لمحوں کو یاد کر کے ہی جان جسم کا ساتھ چھوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

ایک گہری سانس خارج کرتے بستر سے اترتے وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر تولیے سے چہرہ صاف کرتے وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ رخسار پر تولیہ پھیرتے نویرہ کو اپنا رخسار جلتا محسوس ہوا۔

”یا اللہ......“ اس کے وجود پر کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔ بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

وہ سسک اٹھی۔

اندر تو ایک قیامت برپا تھی

وہ کس کو بتاتی' کس سے کہتی۔

شارق زمان کے تیوروں سے وہ آگاہ تھی مگر اس حد تک وہ چلا جائے گا اس کے دماغ کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہ تھی۔ نہ جانے اس سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔ کہاں وہ چوک گئی تھی' کب اس نے ایک مرد پر اعتبار کر کے اس کے کمرے کی دہلیز پار کر لی تھی۔ وہ جوں جوں سوچتی اسے اپنا دماغ سنسناتا محسوس ہوتا۔

اسے اپنا آپ بچا کر اس کمرے سے باہر نکل آنا ایک خواب ہی تو لگ رہا تھا۔

ایک بھیانک خواب......

نویرہ کو اپنا آپ ایک طوفان میں گھرا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

معاً دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ نویرہ کی ساری حسیات ایک دم الرٹ ہوئیں۔ اس نے فوراً تولیے سے چہرہ صاف کیا۔

”کون......؟“ مرجھائی لرزتی آواز تھی۔ جواباً دروازہ کھل گیا تھا۔ نویرہ خاموشی سے آنے والے کو دیکھنے لگی۔

”السلام علیکم......“ نواز نے اندر داخل ہوتے مسکرا کر اسے دیکھا تو نویرہ ایک دم چہرہ پھیر گئی۔ اچھی طرح چہرہ صاف کیا۔

”وعلیکم......“ وہ خاموشی سے اپنے بستر پر آ بیٹھی۔

جبکہ نواز سائیڈ کرسی پر۔

”کیسی ہیں؟“ نواز نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

”ٹھیک ہوں......“ اس کی گم صم کیفیت تقریباً ختم ہو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ بحال ہو رہی تھی۔ نواز نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

زرد پیلا مرجھایا چہرہ تھا۔

وہ کسی بھی زاویے سے نہیں لگ رہی تھی کہ آٹھ دس دن بعد اس کی شادی ہے۔

”میں گزر رہا تھا ادھر سے' سوچا خیریت پوچھتا چلوں۔ بہت پریشان کر کے رکھ دیا ہے نویرہ آپ نے سب کو......“ وہ بغور نویرہ کے جھکے سر کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔ نویرہ اس شکوے پر سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

نواز کو ایک پل کو اس کی نگاہوں کا تاثر عجیب سا لگا۔

”میں نے ......میں نے کیا کیا ہے؟“ کچھ دیر پہلے وہ ایک طوفان میں گھری ہوئی تھی اب ایک دم کیسے وہ خود کو بحال کر لیتی۔ بھیگی آواز تھی۔ نواز نے یوں دیکھا جیسے اس کی بھیگی آواز کا پس منظر کھوج

لینا چاہتا ہو۔

”نویرہ! کیا بات ہے۔ اس دن بڑی اماں کے ہاں تم ایسی تو نہ تھیں۔ کیا مسئلہ ہے' کس چیز کی ٹینشن لی ہے تم نے؟“

اماں کے سوال اب نواز کی زبان پر آ گئے تھے۔ پچھلے تین دنوں میں وہ مسلسل اسپتال کئی کئی گھنٹے رہا تھا۔ نویرہ کے گم صم انداز پر وہ بارہا چونکا تھا۔ مگر اس کا ذہن کچھ نہیں سوچ پا رہا تھا بلکہ وہ الجھ گیا تھا۔ نویرہ کی یہ حالت کیوں ہے۔

نواز کے سوال پر نویرہ کو اپنے اوپر کنٹرول ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اگلے ہی پل وہ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی۔

”نویرہ!...... نویرہ!...... پلیز......“

نواز اس کے اس طرح ٹوٹ کر رونے پر ہی حواس باختہ ہو گیا تھا۔ ایک دم ہی سیٹ چھوڑ کر اس کے قریب آ گیا تھا۔

اسے رونے سے باز رکھنے کے لیے نواز نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا سر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ نویرہ تو ان لمحوں میں بری طرح بکھری تھی۔ اس کے اندر جو آگ لگی ہوئی تھی وہ اس کی تپش کس کو بتاتی' کیسے خود کو سنبھالتی۔ وہ جس اذیت سے گزر رہی تھی وہ کیفیت کس سے کہتی۔ ان لمحوں میں تو اسے اپنا بھی ہوش نہ تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ کس کے سامنے کر رہی ہے۔

”نویرہ' پلیز' کیا ہوا ہے؟“ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا نواز فاروق بہت پریشان ہو رہا تھا' حد درجہ پریشان۔

نویرہ جیسی لڑکی کا اس طرح بیمار ہونا اور اب یہ رویہ...... اس طرح ٹوٹ کر بکھرنا' وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔ یہ سب ایک معمہ ہی تو تھا۔

نواز نے اس کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ کسی بھی قیامت سے کم نہ تھا۔ نواز کو اپنے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگزیں ہوتا محسوس ہوا۔

”کیا ہوا ہے' نویرہ!“ بہت حلاوت و نرمی سے نواز نے پوچھا تو نویرہ چونکی تھی۔ ایک دم احساس ہوا کہ وہ کیا حماقت کر چکی ہے اور کیا کرنے جا رہی ہے۔ اس نے ایک دم ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ نواز نے ایک گہری سانس خارج کرتے نویرہ کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا۔

”کچھ بھی نہیں...... بس یونہی دل بھر آیا......“ اپنی بھیگی آنکھیں سختی سے ہاتھ سے رگڑیں۔ مگر آنسو تھے کہ بہتے چلے آ رہے تھے گویا بند کا منہ ٹوٹ گیا تھا۔

”میں وجہ نہیں پوچھوں گا پھر بھی اگر اعتبار کرو تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی ہو۔ بلیو می میں ایک اچھا کزن ثابت ہو سکتا ہوں۔ اگر تم اس شادی سے اپ سیٹ ہو' یا شادی پر اعتراض ہے تو پلیز کہہ دو۔ میں مائنڈ نہیں کروں گا۔“

نواز کی بات پر نویرہ نے صرف سر ہلایا تھا۔

”نہیں......“

یہ پہلا موقع تھا کہ شادی سے متعلق دونوں کے درمیان کوئی بات ہو رہی تھی۔

”میں بہت محسوس کر رہا ہوں اس چیز کو' تم خوش نہیں ہو......“

”پلیز آپ چیئر پر بیٹھیں......“ نویرہ کو نواز کی قربت کا احساس ہوا تو ٹوک دیا کہ بہرحال ان میں کبھی اتنی بے تکلفی نہیں رہی تھی۔

”میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے......“ کرسی پر بیٹھ کر انہوں نے نویرہ کو ٹوکا۔

”ایسی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے والدین سے بچھڑنا کوئی آسان مرحلہ تو نہیں ہوتا۔ میری تو اس تصور سے ہی نبض ڈوبنے لگتی ہے کہ اب کچھ دن بعد امی' ابو' بہن' بھائیوں' سب کو چھوڑنا پڑے گا۔“ نویرہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

اب رونے کا کچھ تو سبب بیان کرنا ہی تھا۔

پلکیں اٹھا کر نواز کو دیکھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ نویرہ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس وقت کئی کیفیات میں گھری طوفانوں کی زد پر تھی۔

کبھی دل چاہتا کہ سارے عالم کو خود پر بیتنے والی قیامت بتا دے مگر......

”یقین کریں...... میری طبیعت یونہی خراب ہو گئی تھی۔ شادی سے متعلق تو کوئی بات ہی نہیں۔ یہ رشتہ میری امی' بہن' بھائیوں نے مل کر بڑی خوشی سے طے کیا تھا۔“ نواز کی سنجیدگی سے وہ ایک دم خوفزدہ ہو گئی تھی۔ جو منہ میں آیا بول دیا۔

”اور تمہاری خوشی کہاں ہے......؟“ نواز کی سنجیدگی ابھی نہیں ٹوٹی تھی۔

”میں والدین کے فیصلے کو اہمیت و عزت دینے والی لڑکی ہوں۔ پلیز آپ مجھ سے اس طرح کے سوال نہ کریں۔ مجھے لگ رہا ہے گویا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ میرے والدین کی خوشی ہی میری خوشی ہے' یقین کریں۔ پلیز......“ آخر میں اس کی آواز پھر رندھ گئی۔

اس کی ذات بے اعتباری کی زد پر آ چکی تھی۔

نواز کے اس طرح کے سوالوں سے وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

یہ سوال اگر نواز کے لبوں پر تھے تو یقیناً بہت سوں کے ذہنوں میں بھی ہوں گے۔ نویرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اپنی ذات کا دفاع کرے۔ اس حادثے نے تو اس کی خود اعتمادی تک نچوڑ لی تھی۔

وہ پھر شدت سے رو دی۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے۔

نواز چپ چاپ دیکھے گیا۔

نویرہ کے یوں ری ایکٹ کرنے پر خود الجھ گیا تھا۔

”ارے......! کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو؟“ نبیلہ بھابی جو اندر کی ہی خیر خبر لینے آئی تھیں' کمرے میں داخل ہوتے ہی نویرہ کو شدت سے روتے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"کیا ہوا......؟" کچھ الجھ کر تجسس نظروں سے نواز فاروق کو بھی دیکھا۔

نواز نوریہ کے اس ردعمل پر خود بری طرح الجھ چکا تھا۔ نبیلہ کی موجودگی میں وہ ایک دم شرمندگی سے دوچار ہو گیا تھا۔

"آخر ہوا کیا ہے...... بتاتی کیوں نہیں......" نوریہ کے آنسو رکنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ نبیلہ کا مارے پریشانی سے برا حال ہونے لگا۔ گم صم چپ چاپ سے نواز کو بھی بغور دیکھا۔

کل شام نواز کی کال آئی تھی۔ وہ نوریہ سے ملنا چاہتا تھا' اسپتال میں وہ مسلسل وہیں رہا تھا مگر گھر میں ملنا وہ بھی ان دنوں جب کہ شادی بالکل نزدیک تھی' خاندان بھر میں خاصا معیوب سمجھا جاتا۔ مگر نواز کے سنجیدہ انداز پر نبیلہ نے ہامی بھر لی تھی۔ آج جب صبح کی بھابی کو شاپنگ کے لیے جانا تھا تو اماں کو بھی کچھ ضروری چیزیں لینا تھیں۔ نوریہ کی پریشانی میں بہت کچھ الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ آج نوریہ کی طبیعت قدرے بہتر تھی تو دونوں بجیلہ باجی کے ہمراہ بازار کے لیے نکلی تھیں۔ نبیلہ بھابی نے موقع دیکھ کر نواز کو بلا لیا تھا۔

نہ جانے دونوں میں کیا بات ہوئی تھی کہ نوریہ یوں ری ایکٹ کر رہی تھی۔

"آپ نے کچھ کہا ہے......؟" نوریہ کے آنسو صاف کرتے نبیلہ بھابی نے نواز کو دیکھا۔

"بخدا...... بالکل نہیں...... میں تو ویسے ہی ملنا چاہ رہا تھا......"

"بھابی پلیز! آپ ان کو کلیئر کر دیں۔ یہ جو سوچ رہے ہیں' ایسا بالکل بھی نہیں۔ میں بھی انسان ہوں۔ عام انسانوں کی طرح۔ کیا میں بیمار نہیں پڑ سکتی۔ کیا ضروری ہے کہ میری بیماری کے پیچھے شادی سے ناپسندیدگی کے متعلق ہی کوئی وجہ ہو۔"

نبیلہ بھابی کا آسرا تھا کہ نوریہ نے اگلے ہی لمحوں میں خود کو سنبھال لیا تھا۔ نبیلہ کے خاک پلے نہ پڑا...... الجھ کر دونوں کو دیکھا۔

"نوریہ! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ یہ نیچرل سی بات ہے۔ چند دن بعد ہم لوگ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے ہیں۔ آپ کو شاید علم نہیں کہ خاندان میں لوگ آپ کے یوں اسپتال پہنچنے پر کس کس طرح کی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ ابھی تک کوئی بات پہنچی ہے تو میں یہاں تک آیا ہوں۔ مجھے آپ پر بہت بھروسہ ہے مگر آپ جس طرح اسپتال میں پہنچی ہیں' ایک پل کو تو میرے دل میں بھی خیال آیا تھا کہ خدانخواستہ کہیں آپ ناخوش تو نہیں......"

نبیلہ بھابی منٹوں میں ساری بات سمجھی تھیں۔

بہت دکھ سے نوریہ اور نواز کو دیکھا۔

"خدا کے لیے نواز کیسی باتیں کر رہے ہیں...... نوریہ بہت خوش ہے۔ میں نوریہ کی بھابی ہی نہیں' بہن جیسی ہوں۔ نوریہ کی فیلنگز مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔" انہوں نے فوراً کہا تھا۔ نواز ہلکا سا مسکرا دیا۔

"میں جانتا ہوں......" نوریہ کی طرف دیکھتے ہوئے نواز نے کہا تھا مگر نوریہ کے چہرے پر کوئی تاثر

نہیں ابھرا تھا۔

"ہمارا تو کہیں آنے جانے' کسی سے ملنے ملانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ہاں خاندان کے دیگر لوگ' رشتہ دار نوریہ کی عیادت کو آ رہے ہیں۔ اب خدا جانے لوگوں کو کیا تکلیف ہے۔ بیمار تو کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری تو نہیں ہر بیماری کے پیچھے کوئی وجہ ہو۔ لوگوں کو تو یوں بھی رائی کا پہاڑ بنانے کی عادت ہے۔ ہمارے خاندان کے لوگ تو یوں بھی "پر کا کوا" بنانے کے ماہر ہیں۔" انہوں نے تلخی سے کہا تھا۔

"ایم سوری نوریہ! میں تو صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ آپ کہیں ناخوش تو نہیں...... میں زندگی کو باہمی خوشی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں جس میں دونوں فریقین اپنا اپنا خاص امیج برقرار رکھیں۔ خوشی و رضا سے آگے بڑھ کر زندگی سے قدم سے قدم ملا کر چلنے کو میں زندگی سمجھتا ہوں۔ خدانخواستہ کسی پر جبر یا زبردستی کا کبھی میں نے سوچا بھی نہیں۔ میں جب اپنی فیملی کے ہر فرد کی رائے کو اہمیت دیتا ہوں تو زندگی کے اس اہم موڑ پر آپ کی حیثیت کو کیسے نظر انداز کرتا۔ آپ میری ہونے والی شریک حیات ہیں اسی لیے میں آپ سے یہ بات ابھی کلیئر کر لینا چاہتا تھا۔ پلیز نوریہ! اس کو غلط مت سمجھیے گا۔ یہ قدرتی بات ہے۔"

اپنے اسی دھیمے سلجھے ہوئے انداز میں نواز نے اپنا مطمح نظر واضح کر دیا تھا۔ نوریہ نے آنکھیں صاف کرتے سر اٹھا کر نواز کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ بالکل درست تھا۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یقیناً یہی سوچتا۔ اپنی شخصیت کے بھرپور تاثر سمیت وہ اب بھی وہی نواز تھا۔ دھیمی سی مسکراہٹ لیے۔ ایک لمحے کو اس کے دل کو سکون ملا مگر اگلے ہی لمحے پھر کوئی گزرا لمحہ سائے کی طرح اس کے ذہن کو چھو گیا۔

"اگر نواز کو کبھی شارق زمان کی حرکت کے متعلق پتا چل گیا تو......"

یہ خیال اتنا زور آور اور تکلیف دہ تھا کہ نوریہ کو اپنے سینے میں پھر درد ہوتا محسوس ہوا۔ وہ نہ صرف مضبوط دل اور اعصاب کی مالک تھی بلکہ بڑی سے بڑی بات پر بھی کمال ضبط کا مظاہرہ کر جاتی تھی مگر اب کی بار جو دھچکا اس کی ذات کو لگا تھا وہ اس کے اندرونی نظام کو بالکل ہی مفلوج کر گیا تھا۔

اپنی ذات کی اس لحظہ رسوائی اسے کبھی گوارہ نہ تھی۔

وہ اندرونی تکلیف کو دباتے بمشکل اپنے آپ کو سنبھال پا رہی تھی۔

"بھابی پلیز' مجھے آرام کرنے دیں...... مجھے میڈیسن لا دیں۔"

اندرونی تکلیف آہستہ آہستہ اس پر حاوی ہونا شروع ہو چکی تھی جس کے اثرات اس کی آواز کے ساتھ ساتھ چہرے پر بھی تھے۔ نبیلہ بھابی تو ایک دم پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا......؟"

نوریہ آہستگی سے بستر پر دراز ہو چکی تھی۔ نبیلہ نے فوراً دراز سے اس کی میڈیسن نکالی۔

"اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کو......"

"نہیں...... مجھے بس آرام کرنے دیں۔"

ایک دم زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر نواز نے کہا تو نوریہ نے اس کی بات کاٹ کر قطعی لہجے میں انکار

کرتے آنکھیں بند کرلیں۔

* * *

آج کل سمعان مسلسل مصروف تھا۔ رات گئے واپسی ہوتی تھی۔ آج بھی گھر لوٹتے بارہ بج گئے تھے۔ گھر کے باقی افراد اپنے اپنے کمروں میں جاچکے تھے۔ فرح جاگ رہی تھی۔ گزشتہ دنوں کے برعکس وہ کافی بہتر اور نارمل تھی۔ کالج بھی جارہی تھی۔ سمعان کو کھانا اس نے نکال کر دیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد سمعان احمد اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

فرح نے خاموشی سے برتن سمیٹے تھے۔ چائے کا پانی چڑھا کر وہ چائے تیار کرنے لگی تھی۔ سمعان احمد اگرچہ اسے چائے بنانے سے منع کرچکا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ سونے سے پہلے چائے پینا سمعان احمد کی عادت ہے۔

اس دن کے بعد سمعان نے اس کال سے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی فرح کی ہمت ہوئی تھی کہ وہ خود سے کچھ بتاتی یا پوچھتی۔ ایک جھجک سی تھی جو اسے سمعان سے نگاہیں چرانے پر مجبور کردیتی تھی۔ سمعان احمد کا رویہ وہی تھی۔ محبت آمیز پیار بھرا' شفقت سے بھرپور مگر فرح کو اندر سے ایک خیال ہمہ وقت پریشان رکھتا تھا کہ نہ جانے سمعان نے اس معاملے سے کیسے نپٹا ہوگا۔ اس دن کے بعد سے کوئی کال نہیں آرہی تھی جب کہ لاشعوری طور پر وہ ہر گھنٹی پر منتظر ہوتی تھی۔ چونک کر رہ جاتی تھی۔ چائے تیار کرکے کپ میں نکال کر وہ سمعان احمد کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ کچھ دیر سمعان احمد کے ساتھ وقت بتانے کا موڈ ہورہا تھا۔

"تم مان کیوں نہیں لیتے کہ تم نے غلط حرکت کی ہے......"

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو سمعان احمد موبائل کان سے لگائے خاصی سنجیدگی اور خفگی سے کہہ رہا تھا۔ فرح کو دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ فرح نے چھوٹی تپائی پر ٹرے رکھی۔

"شرم سے ڈوب مرو...... اب بھی وہی تکرار ہے......" سمعان نے فرح کو صوفے پر بیٹھتے دیکھا تو آواز خاصی دھیمی کرلی۔

"یار اب بحث کو چھوڑو۔ ستارہ سے میری بات ہوچکی ہے۔ ہاں اسی دن جب فرح کی عیادت کو دونوں آئے تھے۔ تمہیں فی الحال پھپھو سے بات نہیں ہوئی۔ اگر تمہاری کال پر کال نہ آتی تو میں واقعی پھوپھا جان سے ڈائریکٹ تمہاری شکایت کردیتا...... وہ تو خیر مانو کہ ستارہ نے خود ہی بات کرکے ساری بات کلیئر کرلی ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اپنی کرنی کا بھگتان بھگت رہا ہوتا......"

اب سمعان احمد کے لہجے میں خاصی شگفتگی اور تروتازگی تھی۔ فرح خاموشی سے دیکھے گئی۔ نیند اسے نہیں آرہی تھی۔ ٹی وی میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ جب تک سمعان جاگ رہا تھا' وہ اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھی مگر سمعان کو موبائل سے ہی فرصت نہیں تھی۔

پھپھو' ستارہ اور پھوپھا جان کے ذکر سے وہ یہی سمجھ پائی تھی کہ دوسری طرف یقیناً پھپھو کے گھر کا کوئی فرد ہوگا۔

"خیر معاف تو تمہیں میں کسی صورت نہیں کروں گا......" ایک بھرپور قہقہے کے ساتھ سمعان نے فرح کو دیکھا جو ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ سمعان کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھر آئی تھی۔

"اب زیادہ شیخیاں بھگارنے کی ضرورت نہیں۔" فرح کے خوبصورت ملیح چہرے سے نظر ہٹا کر سمعان نے چائے کا مگ اٹھالیا تھا۔

"کس سے بات کررہے ہیں......؟" فرح کو آخر پوچھنا پڑا تھا۔ سمعان احمد بہت کم اس انداز میں کسی سے بے تکلف ہوتا تھا۔

"سعد سے......" سمعان نے سپ لیتے دوسرے ہاتھ سے موبائل کان سے لگاتے فرح کو بھی بتایا تھا۔

سعد کی کال بہت کم آتی تھی۔ جب بھی آتی تھی سلام دعا کے بعد وہ ریسیور امی کو تھما دیتی تھی۔ اب بھی صرف سر ہلایا۔

"فرح تھی...... پوچھ رہی تھی کس کی کال ہے......"

دوسری طرف سعد نے سن لیا تھا سو سمعان وضاحت کررہا تھا۔

"شرافت سے بیٹھے رہو...... تم بھول رہے ہو کہ میں فرح کا بھائی ہوں......" سمعان کا انداز اگرچہ سنجیدہ تھا مگر ایک بھرپور شرارت آمیز تاثر موجود تھا۔

"او کے...... اب یہ دھمکیوں میں تمہیں بند کرو...... کروا دیتا ہوں......" سمعان احمد کو بھی جیسے ترس آیا تھا۔ دوسری طرف سے نہ جانے کیا کیا کہا جارہا تھا۔ سمعان احمد مسلسل ہنس رہا تھا۔ پھر فرح کے قریب آگیا۔

"لو فرح بات کرو...... سعد تم سے بات کرنا چاہتا ہے......" سمعان نے خاموش اپنی طرف متوجہ فرح کو موبائل تھمایا تھا۔

"بھائی میں......؟ میں بھلا کیا بات کروں گی...... نہیں...... بالکل نہیں......" سعد جمال سے فرح کی گفتگو بس برائے نام ہی ہوتی تھی۔ جس انسان سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی اس سے وہ اسی طرح لاتعلق رہتی تھی۔ مگر یہ بھی نہیں تھا کہ سعد جمال اسے ناپسند تھا' اس کا پھوپھی زاد تھا۔ بہت گہرا اور قریبی تعلق تھا مگر بے تکلفی تو کبھی تھی ہی نہیں۔ اب بھی بات کرنے سے گھبرا گئی۔

"تم بات کرو...... اتنی دیر میں' میں ذرا اپنا کمپیوٹر دیکھ لوں...... ایک ضروری ای میل آنی تھی' تب تک میں دیکھ لوں۔" اس کے شپٹا کر انکار کرنے پر سمعان نے مسکرا کر موبائل اس کو تھما کر ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھائے تھے جو ان کا اسٹڈی روم بھی تھا۔

"السلام علیکم......" جھجکتے ہوئے فرح نے موبائل کان سے لگالیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسی ہو فرح؟"

دوسری طرف سے بھرپور گرمجوشی کا مظاہرہ ہوا تھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں؟" سعد کی آواز سن کر وہ ایک پل کو الجھ گئی تھی۔ یہ آواز اتنی جانی پہچانی تھی کہ ایک سیکنڈ کو فرح سعید احمد کو اپنے اندر سناٹا سا اترتا محسوس ہوا تھا۔ مگر دوسری طرف سعد تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال کر پوچھ رہی تھی۔ جواباً وہ ہنسا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے..... تمہارے بارے میں پتا چلا تھا کہ تم بیمار رہی ہو۔"

"نہیں اب تو ٹھیک ہوں..... بس ہلکا پھلکا بخار تھا۔"

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی تھی۔ بلکہ ایک معاملہ کلیئر کرنا تھا....." سعد جمال فوراً مطلب پر آ گیا تھا۔ سعد جمال کے الفاظ پر فرح چونکی۔

"جی مجھ سے.....؟"

"ہاں تم سے....." "تم" پر زور دیا گیا تھا۔

"جی کہیے....."

"تمہارے لیے یہ انکشاف حیرت کے ساتھ شاید شاک زدہ بھی ہو لیکن اب میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتا۔ پہلے بھی میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا۔ بس تمہیں تھوڑا سا تنگ کرتا تھا مگر بات اس نہج پر آ جائے گی، مجھے قطعی اندازہ نہ تھا....."

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں.....؟" فرح نے اس تمہید سے الجھ کر اس کی بات ہی کاٹ دی تھی۔

"وہی بتا رہا ہوں..... سمعان سے میری بات کلیئر ہو چکی ہے۔ تم سکون سے سننا اور پلیز کچھ غلط مت سوچنا۔"

فرح الجھ کر رہ گئی..... بھلا ایسی کیا بات ہو سکتی ہے۔ آواز کی اتنی مشابہت دوسرا اس سعد کی گفتگو۔

"یہ ان دنوں کی بات ہے جب طیب پیدا ہوا تھا۔ ہادیہ بھابی نے مجھے طیب کے عقیقے والے دن کی اور فیملی کے دیگر لوگوں کی تصاویر بھجوائی تھیں۔ ان تصویروں میں دو تین جگہ پر زرش وغیرہ کے ساتھ تم بھی تھیں....."

"تو.....؟" فرح الجھ گئی۔ ان سب کا مطلب؟

"تو یہ کہ مجھے نہیں پتا چلا کہ ان تصویروں میں موجود لڑکی میں ایسی کیا خصوصیت ہے کہ وہ مجھے بری طرح متاثر کر گئی تھی۔"

فرح نے ایک دم گھبرا کر موبائل کان سے ہٹایا۔ ایک لمحے کو تو ہاتھ پاؤں سن سے ہو گئے۔

"تو سعد جمال ہی....." اس سے آگے اس کی سوچ کی پرواز نہ تھی۔ اس نے دوبارہ موبائل کان سے لگا لیا۔

"تم کچھ بھی کہو..... مگر یہ سچ ہے، تمہیں ان تصویروں میں دیکھ کر ایسا ہی لگا کہ جیسے پہلی دفعہ تمہیں دیکھ رہا ہوں اور واقعی اس دن میں تمہیں پہلی دفعہ ہی دیکھ رہا تھا۔" فرح کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیوں کہہ رہا ہے۔ اسے ہر چیز گڈمڈ ہوتی محسوس ہوئی۔

یہ آواز، یہ الفاظ، یہ لب و لہجہ۔

"میں نے ستارہ سے بات کی تو وہ خوب ہنسی مگر میں سیریس تھا۔ میرے اصرار پر اس نے زرش سے تمہارا ای میل ایڈریس حاصل کیا تھا..... اور گھر کا نمبر تو پہلے ہی میرے پاس تھا۔"

فرح کے اعصاب بالکل جواب دے گئے تھے۔ وہ جو اتنی دیر سے سب سن رہی تھی، ایک دم پھٹ پڑی، بلکہ چیخ اٹھی۔

"تو وہ آپ تھے..... مجھے یقین نہیں آ رہا مجھے اس طرح تنگ کرنے والے آپ تھے۔"

"یقین مانو میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ بس تمہیں یونہی تنگ کر رہا تھا۔ صرف تم سے رابطے میں رہنے کے لیے..... تمہارے بارے میں جاننے کے لیے۔ تم سے باتیں کرنے کے لیے....."

اس کے یوں بری طرح پھٹ پڑنے پر سعد جمال نے فوراً صفائی پیش کی تھی۔ مگر فرح پر ہونے والا انکشاف ہی ایسا تھا کہ کسی بھی طرح سنبھل نہ پائی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا..... وہ آپ تھے..... نفیسہ پھپھو کے بیٹے سعد جمال جن سے کبھی سلام دعا سے آگے کبھی بات تک نہ کی، وہ آپ تھے۔" ایک دم فرح کی آواز رندھ گئی۔ وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"بات سنو فرح! میں صرف تم سے رابطے میں رہنا چاہتا تھا۔ میرا شروع میں تمہیں تنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن ای میل کا سلسلہ جب چل نکلا تو پھر بات بڑھتی چلی گئی۔ میرے ہی کہنے پر ستارہ نے تمہیں ایک دو دفعہ کچھ پھول اور کارڈز وغیرہ بھجوائے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ فوراً پاکستان پہنچ کر تم سے ساری بات کلیئر کر لوں گا۔ پھر امی کو ماموں جان کے پاس بھیجوں گا تاکہ تمہیں میرے لیے مانگ سکیں۔ مگر اس سے پہلے ہی سمعان کو تم نے بتا دیا اور سمعان نے میرے اس نمبر پر رابطہ کیا جس سے تمہیں کال کرتا تھا۔ میں تو صرف تمہیں تنگ کر رہا تھا ورنہ تمہیں تکلیف دینے کا میرا مقصد نہ تھا۔"

وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ فرح نے لائن کاٹ دی اور ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

اتنا بڑا دھوکا..... اس قدر تذلیل..... وہ سسک اٹھی۔

پہلے سعد جمال اور اب سمعان اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ سعد جمال کا انکشاف اور سمعان احمد کا رویہ.....

"کیا ہوا..... رو کیوں رہی ہو..... کیا کہا سعد نے.....؟" سمعان جو منتظر ہی تھا، فوراً کمرے میں آیا تھا۔

"میں نے آپ پر اعتماد کیا تھا، مگر آپ نے بھی....." سمعان احمد کی آواز سن کر اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا۔ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اس نے سمعان احمد کو جن نظروں سے دیکھا، سمعان احمد ایک دم گھبرا گیا تھا۔

"کیا ہوا گڑیا..... کیا کیا ہے میں نے....." سمعان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ سمعان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ سعد نے فرح سے کیا کہا ہوگا۔

"آپ جانتے تھے کہ مجھے تنگ کرنے والا شخص یہی سعد بھائی ہیں......" آنکھوں میں آنسو لیے وہ پوچھ رہی تھی بلکہ برہم و شاکی لہجے میں استفسار کر رہی تھی۔

"نہیں...... اس دن رات کو میں نے تمہارے بتائے گئے نمبر پہ کال کر کے پتہ کیا تو علم ہوا کہ یہ سعد ہے۔ یقین مانوں میں خود بہت شاک میں آ گیا۔ سعد جمال ہماری پھپھو کا بیٹا تمہارے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔ میں یقین کرنے پہ تیار ہی نہ تھا لیکن پھر ماننا پڑا۔ میں سعد پہ بری طرح برس پڑا تھا۔ بہت برا بھلا کہا تھا اسے...... لعن طعن کی--- کیا کچھ نہیں کہا تھا میں نے اسے اور پھر اگلے دن ستارہ چلی آئی۔ ستارہ اور قادر دونوں نے سعد کا دفاع اس انداز میں کیا کہ مجھے سعد سے رابطہ کرنا پڑا اور پھر اس نے مجھ سے معافی مانگی۔ قسمیں وعدے دلائل...... وہ ان دنوں صرف یہی کام کر رہا ہے۔ وہ تم سے بات کرنے پہ اصرار کر رہا تھا سو مجھے مجبوراً تم سے بات کروانا پڑی۔ میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ کلیئر ہونا چاہیے۔ تم جس قدر تکلیف اور پریشانی میں مبتلا رہی ہو بلکہ اب بھی ہو تو مجھے اس کا صرف یہی ایک حل لگا کہ تم خود سعد کی باتیں سنو، سمجھو اور کوئی فیصلہ کرو۔ سعد برا شخص نہیں ہے۔ ہاں! اس کا طریق کار غلط تھا اور ہے۔ بہرحال سعد کا عمل قابل مذمت ہے اس پہ اسے کوئی معافی نہیں۔ فیصلے کا اختیار ہر حال میں تمہارے پاس ہے اور میں تمہارے ساتھ ہوں......" سبحان احمد یہ کہہ رہا تھا اور فرح خالی آنکھیں لیے دیکھے گئی۔

* * *

واجدہ بیگم نے جدہ میں رفعت کو فون کر کے شارق زمان کے متعلق سب بتا دیا تھا۔ رفعت باجی اماں کے منہ سے سب سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔ اماں نے انہیں ایک دو دن میں جیسے بھی ہو، پاکستان پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ رفعت باجی، اماں کی بیماری کی وجہ سے ویسے بھی آنا چاہ رہی تھیں، پھر خاندان میں نواز اور نویرہ کی شادی بھی تھی سو انہوں نے پہلے ہی آج کل میں آنے کا انتظام کر رکھا تھا لیکن اب جیسے ہی اماں نے شارق کی ضد بلکہ دھمکی کے متعلق رو رو کر بتایا تھا، رفعت باجی نے ایک دو دن میں ہی پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔

اماں کی بیماری کی وجہ سے کاغذات پہلے ہی تیار کروا لیے تھے۔ اماں سے بات کرنے کے فوراً بعد ہی رفعت باجی نے جدہ سے لاہور کی فلائٹ پکڑی تھی۔ فی الحال وہ تنہا ہی آئی تھیں۔ بچے اور میاں وہیں تھے۔ ایمرجنسی آنے پہ باقی لوگوں خصوصاً اپنے ساتھ اپنے دونوں بیٹوں کو ساتھ لانا ان کے لیے خاصا مشکل تھا۔ اماں کی فکرمندی، بیماری اور اب شارق کی ضد کا احساس نہ ہوتا تو شاید وہ چند دن مزید تاخیر کر لیتیں۔

شارق زمان ہی ان کو ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے گیا تھا۔ سارا راستہ سلام دعا، حال چال، دیگر رشتے داروں کی ہی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ شارق زمان رفعت باجی سے خوش دلی سے ملا تھا۔ گھر آ کر اماں سے مل کر ان کی حالت دیکھ کر رفعت باجی نے خوب آنسو بہائے تھے۔ ایک عرصے بعد اماں سے ملاقات ہو رہی تھی۔ دونوں طرف کہنے سننے کو ہزاروں قصے کہانیاں تھیں۔

شارق زمان کو ضروری کام تھا۔ رفعت کو چھوڑ کر وہ چلا گیا تو پھر رات گئے گھر لوٹا۔ اب تو شارق زمان کا اپنے گھر لوٹنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ بس اندر سے ایسی کیفیت ہوتی جا رہی تھی کہ بقول شاعر

کہیں تو کاروانِ درد کی منزل ٹھہر جائے
کنارے آ لگے زندگی یا دل بھر جائے

اماں کے سامنے دل کی خواہش بیان کر دینے پر بھی کچھ سکون نہ تھا۔ پھر اماں کا سامنا کرنا جبکہ نویرہ اور نواز کی شادی میں چند دن رہ گئے تھے۔

ایک لمحے کو شارق کا دل چاہتا کہ ہر چیز کو آگ لگا دے۔ اپنے وجود سمیت ہر چیز تہس نہس کر دے یا پھر دل کے لوتھڑے کو سینے سے نکال کر کہیں دفن کر دے۔

کبھی کبھار تو شارق زمان کو گزرے لمحوں کے تصور سے ہی اپنا آپ اذیت کی آخری حد پہ محسوس ہوتا۔ وہ گزری رت شارق زمان کو اپنی زندگی کی بھیانک غلطی محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہوش و خرد کا مالک انسان تھا۔ انتہائی حالت میں بھی کبھی خرد کا دامن نہ چھوڑا تھا۔ نہ جانے اس رات نفس کا بے لگام گھوڑا کیسے منہ زوری پہ اتر آیا تھا اور پھر حد تو یہ ہو گئی کہ دل بھی صرف ایک ہی تکرار پہ اتر آیا تھا۔

"مجھے صرف نویرہ چاہیے......"

نویرہ تو اس کی لمحاتی طلب ہو سکتی تھی، یہ روحانی اور مستقل طلب نہ جانے کب بن گئی تھی۔ یہ طلب اس رات کی دین تھی یا پھر گزرے دنوں کا کرشمہ تھا۔

اب جب کہ وہ دل کی خواہش اماں کے سامنے کر بیٹھا تھا تو پیچھے ہٹنے کا قطعی ارادہ نہ تھا۔ وہ اب اس طلب کے حصول کے لیے سب کچھ کر گزرنے کی کیفیت سے نبرد آزما تھا۔ اس کے ارد گرد رشتوں کی ایک لاانتہائی زنجیر تھی۔

اسے باپ کے نام کا پاس تھا ورنہ نویرہ دسترس سے دور نہ تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر کپڑے چینج کر کے شارق زمان ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ شارق زمان نے دروازہ کھولا تو سامنے شاکرہ کھڑی تھی۔

"بڑی اماں بلا رہی ہیں آپ کو......"

اس کا مطلب تھا کہ اماں جاگ رہی تھیں اور یقیناً رفعت باجی بھی۔ رات کے اس پہر اس بلاوے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ شارق زمان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

اماں کے کمرے میں آیا تو اماں آنسو بہانے میں مصروف تھیں جب کہ رفعت باجی ان کے بستر پہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ شارق زمان کمرے میں داخل ہوا تو وہ خاموشی سے دیکھتی رہیں۔ اماں نے چہرہ صاف کیا۔

"کیا ہوا...... خیریت......؟" صوفے پہ بیٹھتے شارق نے دونوں کو دیکھا۔

"اتنی ایمرجنسی میں رفعت کو میں نے اسی لیے بلوایا ہے۔ اب بتاؤ کیا چاہتے ہو تم۔" جواباً اماں نے کہا تھا۔ آواز رندھی ہوئی تھی۔

بغیر کسی تمہید کے انہوں نے آغاز کیا تھا۔ بلکہ بلاوے کا مقصد واضح کیا تھا۔

"آپ کو میں صاف کہہ تو چکا ہوں' آپ خالدہ چچی کے ہاں جائیں۔۔۔۔۔" شارق کا وہی دوٹوک قطعی انداز تھا۔ اماں نے بے چارگی سے رفعت کو دیکھا۔ انہوں نے تنبیہی نظروں سے دیکھتے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

"شارق! ہوش کے ناخن لو۔۔۔۔۔ اب جب کہ نواز اور نویرہ کی شادی میں صرف چند دن رہ گئے ہیں اور تم یہ ضد کر بیٹھے ہو۔ اماں اس حالت میں خوار ہوں جب کہ وہ تو اپنے گھر میں بھی معذوروں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ تمہیں ترس نہیں آتا۔۔۔۔۔"

"میں نے ان کے ہاں جانے پر زور نہیں دیا۔ فاروق چچا سے فون پر بھی بات کر کے معاملات طے کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔" اتنا بے پروا انداز تھا کہ رفعت باجی کو ایک لمحے کے لیے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔

"تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہی اس کی شادی طے ہے اور تم چلے ہو رنگ میں بھنگ ڈالنے۔" وہ اگلے ہی لمحے غصے سے بھڑک گئیں۔

"تو کیا ہوا۔۔۔۔۔ شادی ہی طے ہے نا۔ بات ختم بھی ہو سکتی ہے' نکاح تک ٹوٹ جاتے ہیں ابھی تو صرف دن طے ہوئے ہیں۔"

وہی قطعیت سے بھرپور بے پروا کچھ حد تک خشک و سنگ دل لہجہ تھا۔

"خدا کو مانو شارق۔۔۔۔۔ شریف خاندان میں بات ختم ہونا بھی موت کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ جو ذلت۔۔۔۔۔ وہ علیحدہ۔۔۔۔۔ تمہیں شرم کیوں نہیں آتی یہ سوچتے ہوئے بھی۔" اماں' شارق کے اس لہجے و تیور پر غصے سے بولیں۔

"اماں طعنے نہیں۔۔۔۔۔ صاف بات کی ہے۔ میرے پاس دوسرے بہت سے طریقے ہیں لیکن سیدھے راستے سے دل کی بات آپ تک پہنچائی ہے۔ میں نویرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور ہر حال میں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ بتائیں آپ فاروق چچا سے بات کر کے نواز والا معاملہ ختم کروا سکتی ہیں یا نہیں۔۔۔۔۔"

ایک دم بے لحاظ انداز میں شارق زمان نے بے مروتی سے کہا تھا۔ اماں نے بے چارگی سے رفعت کو دیکھا۔

"شارق! تم معاملے کو سمجھو۔ اب ممکن نہیں ہے یہ۔۔۔۔۔" رفعت باجی نے بے چارگی سے کہا۔

شارق زمان ضدور اصول کا کس حد تک پکا تھا' اس سے بہتر بھلا کون جان سکتا تھا۔ اس کے سامنے غصے سے پیش آنا یا لعنت ملامت کرنا اس کی ضد کو پختہ کرنے کے مترادف تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ نویرہ کی شادی اب صرف مجھ سے ہی ہوگی' یہ بات طے ہے۔ آپ دونوں سوچ لیں۔ کل تک آپ چچا سے بات کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ کو پتا ہے جو میں ایک دفعہ طے کرتا ہوں وہ میں کرتا بھی ہوں۔ آپ میری مدد کر سکتی ہیں تو ٹھیک' اسی لیے آپ کو بلوایا ہے ورنہ پھر میں خود نواز وغیرہ سے معاملات طے کر لوں گا۔"

رفعت باجی نے بے بسی سے اپنے سامنے صوفے پر بیٹھے خوش شکل' نہایت وجیہ و پُررعب و شاندار شخص کو دیکھا۔

شارق زمان نے شادی کے معاملے میں ہمیشہ پہلوتہی برتی تھی۔ وہ شادی کے سلسلے میں ہمیشہ غیر سنجیدگی دکھاتا تھا مگر اب اچانک یوں شادی پر نہ صرف زور دینا بلکہ نویرہ سے شادی پر ضدی انداز انہیں سخت حیران و پریشان کر گیا تھا۔ وہ رشتوں کے معاملے میں ہمیشہ سے غیر سنجیدہ و بے پروا رہا تھا مگر ان سے اور اماں سے ہمیشہ اچھے انداز میں مخاطب ہوتا تھا لیکن اب شارق زمان کے تیور کچھ اور ہی بتا رہے تھے۔ نہایت بے مروت و خود سرانہ انداز لیے مخاطب تھا۔

"اگر ایسی ہی کوئی بات تھی تو تم پہلے کہتے' اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔" انہوں نے اسے سمجھانا چاہا تو شارق زمان فوراً بات کاٹ گیا۔

"یہ تو مت کہیں کچھ بھی نہیں ہو سکتا" صاف صاف بتائیں آپ کل چچا فاروق کے ہاں جا رہی ہیں کہ نہیں۔۔۔۔۔ تاکہ میں بعد کی حکمت عملی ترتیب دے سکوں۔" بے مروتی کی حد تھی۔ روکھا سا انداز تھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ خالدہ کے سامنے میں ساری عمر منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی۔ سارے خاندان میں جو مٹی پلید ہوگی وہ علیحدہ۔۔۔۔۔" رفعت باجی کے بجائے اماں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں خود نواز سے بات کر لوں گا۔ بلکہ اس کے بعد خالدہ چچی اور دیگر لوگوں سے بھی نپٹ لوں گا۔ آپ کو بلوانے کا مجھے تو کوئی فائدہ نہ ہوا' رفعت باجی۔۔۔۔۔" برہمی سے کہتے غصے سے دونوں کو دیکھتے وہاں سے اٹھ گیا۔

"شارق رکو تو۔۔۔۔۔ سنو تو۔۔۔۔۔ اس طرح جذبات سے کام نہ لو' تم خود سوچو اب کچھ بھی ممکن نہیں۔۔۔۔۔" اس کے جارحانہ تیوروں سے خائف رفعت نے اسے باہر نکلتے دیکھ کر فوراً کہا تھا۔

"میری ڈکشنری میں کبھی ناممکن کا لفظ نہیں آیا۔۔۔۔۔ آپ شاید نہیں سمجھ سکتیں میں کس الاؤ میں جھلس رہا ہوں۔ نویرہ کی شادی کسی سے بھی ہوتی مجھے کبھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا مگر اب بہت پڑتا ہے۔ میں نے کبھی ایسی بات منہ سے نہیں نکالی جو میری طلب' میری دسترس سے باہر ہو مگر میں بہت آگے جا چکا ہوں۔۔۔۔۔ نویرہ کا حصول میرے لیے زندگی و موت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں زندہ سلامت رہوں تو مجھے اسے حاصل کرنے دیں ورنہ آپ سب پچھتائیں گے۔۔۔۔۔" وہ اپنا سنا کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ گیا ہے۔۔۔۔۔" اماں اور رفعت ناسمجھی میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"اماں! یہ شارق دل کی راہ پر کب سے چلنا شروع ہو گیا۔ نویرہ کا حصول زندگی و موت کا مسئلہ کیونکر بن گیا۔۔۔۔۔ وہ تو شادی کے لفظ سے ہی بگڑ جاتا تھا۔" رفعت جو یہ سوچ کر آئی تھیں کہ شارق کو سمجھا بجھا کر رام کر لیں گی مگر اب سب کچھ اختیار سے باہر دیکھ کر وہ اماں سے ہی استفسار کر بیٹھیں۔

"خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ تمہیں اب کیا بتاؤں۔ جن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے نہ جانے کیسے بے ضمیر ہیں' پلا دیا ہوگا کچھ گھول کر۔ ایسا بے لحاظ تو کبھی بھی نہ تھا۔"

"اللہ نہ کرے..... مگر اماں! یہ شارق ایسا بھی بے مروت نہیں تھا۔ میرا اور آپ کا بڑا لحاظ کرتا تھا۔

"خدا جانے..... یہ خون کا اثر ہے یا پھر میری تربیت کا۔ مجھے تو بڑا لحاظ آ رہا ہے۔ کیونکر میں خالدہ سے نظر ملا پاؤں گی۔ یوں کسی کی بیٹی کا نام زبان سے نکال لینا..... شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے میرے لیے۔ ساری برادری اکٹھی ہو کر ناطقہ بند کر دے گی میرا..... اگر کسی کو بھنک بھی پڑ گئی۔ نویرہ غیر تھوڑی ہے۔ رشتے میں بھانجی بنے گی اس کی۔ نہ جانے اب دل میں کیا سمائی ہے۔ میری ستا ہی کب ہے اپنے مشاغل ختم ہوں تو ماں نظر آئے۔ سوتیلی سہی ہوں تو ماں ہی۔ پالا پوسا ہے حق رکھتی ہوں مگر مانے تو۔"

انہوں نے آنکھیں مسلیں۔

رفعت خالی آنکھوں سے ماں کو آنسو بہاتے دیکھے گئیں۔

نہ جانے اب یہ طوفان کس سمت تباہی لانے والا تھا۔

یہ شارق اب کیا چاہ رہا تھا۔ کیا وجہ تھی دل کے معاملے میں وہ کبھی نہ پڑا تھا۔ ان کے ہاں جذبات کا طوفان ہر بار کوئی بڑی تباہی لاتا تھا۔ اب نہ جانے یہ تباہی کس کا آنگن تباہ کروائے گی۔

زمان حسین کی جذباتیت و دیوانگی ایک مثال عبرت تھی۔

⁂

شائستہ بیگم، ہادیہ آپی کے ہمراہ ہارون آغا کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ چھٹی کا دن تھا، گھر پہ وہ اور نوشی کے علاوہ مسعود احمد بھی تھے۔ اگلے دن زرش کا ٹیسٹ تھا۔ بارہ بجے کے قریب وہ کتابیں لے کر بیٹھی تو نہ جانے دل میں کیا سمائی کہ فرح کے ساتھ مل کر تیاری کرنے کو دل مچلنے لگا۔ کچھ فرح کالج میں گم صم رہتی تھی اس سے مل بیٹھ کر تفصیلی گفتگو کرنے کا بھی ارادہ تھا۔

مسعود احمد سے اجازت لینا کون سا مشکل تھا۔ شائستہ ہوتیں تو ٹوک دیتیں کہ آرام سے گھر میں ہی بیٹھ کر تیاری کرو۔ مسعود احمد نے خوش دلی سے تایا کے ہاں چلے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

ایک بجے کے قریب وہ ادھر پہنچی تو سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

"گھر والے کدھر ہیں؟" چوکیدار سے پوچھا تھا۔

"بڑی بیگم کے ساتھ چھوٹی بی بی اور علی صاحب اپنے بڑے ماموں کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ آپ کے آنے سے کوئی گھنٹہ پہلے ہی گئے ہیں۔"

"ہیں..... مجھے نہیں بتا سکتے تھے جب میں اندر گئی تھی۔ خوامخواہ ہی باہر سے ہی ڈرائیور کو بھی بھیج دیا۔" وہ کلسی۔ چوکیدار خاموش رہا۔

"تایا ابو اور سمعان بھائی تو گھر میں ہوں گے.....؟"

کمروں کے اندر وہ نہیں گئی تھی اسی لیے تصدیق چاہی۔

"نہیں..... سمعان صاحب تو ڈاکٹر اظہر آئے تھے، ان کے ساتھ ہی نکل گئے تھے۔ بڑے صاحب ہیں گھر میں، شاید کمرے میں سو گئے ہیں۔"

وہ سر ہلاتی اندر آ گئی۔ سب جگہ دیکھتی وہ تایا جان کے کمرے کی طرف آ گئی۔ وہ بستر پہ لیٹے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھے۔ وہ دروازہ دھکیلتی اندر چلی آئی:

"السلام علیکم تایا ابو....."

"وعلیکم السلام....." زرش کو دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھے تھے۔ "ہماری زری بیٹی آئی ہے....." انہوں نے اس کے جھکے سر پہ پیار کرتے اسے پاس بستر پہ بٹھا لیا تھا۔

"گھر میں کوئی بھی نہیں ہے.....؟"

"ہاں..... تمہاری تائی اور بچے دونوں ماموں کے ہاں گھومنے پھرنے گئے ہیں۔ سمعان بھی دوست

کے ساتھ نکل لیا ہے۔ ایک ہی چھٹی کا دن ملتا ہے، بھی نکل گئے ہیں۔“

”اور آپ کیوں نہیں گئے؟“ تایا جان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ زرش کے لیے ان کے چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ ہوتی تھی۔ مگر زرش اس چہرے کی مسکراہٹ کا پھیکا پن ہمیشہ محسوس کر کے الجھ جاتی تھی۔

اب بھی بھید بھری نظروں سے ان کا چہرہ جانچا۔

”اگر میں بھی چلا جاتا تو تمہارے آنے پر تمہیں کمپنی کون دیتا۔ ویسے آئی کس کے ساتھ ہو......؟“

وہ بڑی صفائی سے اسے ٹال گئے تھے۔

زرش ایک دم دکھی ہوئی۔

نہ جانے کیوں ہر کوئی اسے احمق، معصوم یا کم عمر سمجھ کر ٹال جاتا تھا۔

اور اب وہ یہ بات بڑی شدت سے محسوس کرنے لگی تھی۔

”ڈرائیور کے ساتھ..... ماما اور ہادی آپی عفنان بھائی کے پاس گئے تھے۔ پاپا، نوشی اور میں گھر پر ہی تھے۔ کل ہمارا ٹیسٹ تھا۔ میں نے سوچا کہ فرح اور میں مل کر ٹوپک ڈسکس کر لیں گے مگر خیر!! آپ بتائیں، کتاب پڑھی جا رہی تھی۔“ اس نے تایا کے ہاتھ میں موجود ”شہاب نامے“ پر ایک نظر ڈالی تھی۔

”کتاب کیا پڑھنی..... فارغ تھا، فرصت کے اوقات کا مصرف ڈھونڈ رہا تھا۔ خیر اب تم آ گئی ہو۔ خوب مل کر باتیں کریں گے۔ چلو لاؤنج میں چلتے ہیں۔ چائے کی طلب ہو رہی ہے۔ فرح اچھی بناتی ہے۔ ماجدہ کو کہنے کو دل ہی نہیں مانا۔ اب تم بتاؤ، تمہاری چائے بھی اچھی ہوتی ہے۔ مل کر پئیں گے۔“

انہیں کافی دیر سے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اب زرش کو دیکھ کر وہ ایک دم ہشاش بشاش ہو گئے تھے۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی کے آنگن کا یہ پھول حد سے زیادہ عزیز تھا۔ اسی لیے اس کے ساتھ لہجہ بھی خاص ہو جاتا تھا۔

زرش نے چائے بنائی تھی۔ دونوں نے مل کر پی تھی۔ تائی امی کھانا تیار کر کے گئی تھیں۔ دو بجے کے قریب دونوں نے مل کر لنچ کیا تھا۔ پھر ٹی وی لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ ایک عرصے بعد زرش، تایا کے گھر ایک مالکانہ استحقاق لیے گھوم پھر رہی تھی۔ کبھی یہ ان کا بھی گھر تھا مگر اب زمانہ رفتہ تھا۔

زرش نے ڈرائیور کو چار یا پانچ بجے پہنچنے کو کہا تھا۔ لاؤنج میں ہی ٹی وی کے سامنے قالین پر وہ کشن پھیلائے نیم دراز ہو گئی تھی۔ ٹی وی دیکھتے تایا جان سے باتیں کرتے اس گھر کی خاموشی میں نہ جانے کب آنکھ لگ گئی تھی اور وہ کب غافل ہوئی تھی، کچھ پتا نہ چلا تھا۔

سعید احمد نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ قالین پر پڑی بے توازن سی تھی۔ انہوں نے اس کا سر کشن پر رکھ کر اسے سونے دیا تھا۔ ٹی وی بند کر کے وہ باہر نکل گئے تھے۔ انہیں تین بجے کسی سے ملنا تھا۔ صرف زرش کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ چوکیدار اور ماجدہ کو گھر سے متعلق خاص ہدایت دے کر وہ چلے گئے تھے۔ تین بجے کے قریب سمعان احمد کی واپسی ہوئی تھی۔ آج کافی عرصے بعد ڈاکٹر ظفر کے ساتھ چھٹی کا دن گزارنے کو ملا تھا۔ خاصے خوشگوار تروتازہ اور مطمئن موڈ کے ساتھ گھر آمد ہوئی تھی۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی پہلی نگاہ جس وجود پر ٹھہری تھی، کئی ثانیے تک پلٹنا بھول گئی۔ آج ڈاکٹر ظفر سے گفتگو کے دوران زیادہ موضوعِ سخن یہی ذات رہی تھی۔ زرش کو دیکھنا گویا دل کی مراد بر آئی تھی۔

دل کو دل سے راہ ہوئی۔

جذبوں نے ایک خوبصورت انگڑائی لی تھی۔

ہلکے ملگجے اندھیرے میں قالین پر دراز وہ محوِ خواب تھی۔ سمعان احمد کے دل نے ایک بھرپور انگڑائی لی۔ جذبوں نے شدتوں کا پیرہن اوڑھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ دھیرے سے قدم اٹھاتا آگے بڑھا تو ٹھٹک گیا۔ کونے میں قالین پر بیٹھی ماجدہ اونگھ رہی تھی۔

”ماجدہ.....“ سمعان نے اسے آواز دی تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

”جی سمعان صاحب جی.....“ وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

”گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے۔ باقی سب کہاں ہیں؟“

سمعان جب گھر سے نکلا تھا تو سبھی گھر پر تھے۔ گھر کی خاموشی بطورِ خاص محسوس کرتے سمعان نے پوچھا تھا۔

”بیگم صاحبہ، علی صاحب اور فرح بی بی کے ساتھ آپ کے ماموں کے ہاں گئی ہیں۔ صاحب جی تھوڑی دیر پہلے کسی سے ملنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ میں ادھر ہی رہوں جب تک زرش بی بی ہیں۔ جب ان کا ڈرائیور ان کو لینے آئے تو میں اپنے کوارٹر میں چلی جاؤں۔“

ادھر سے تفصیلی جواب ملا تھا۔ سمعان احمد نے سر ہلایا۔

”زرش کب آئی تھی؟“ نظر زرش پر ڈالی تھی۔ جواب بھی بے خبر تھی۔ کتنی مطمئن نیند تھی اس کی۔

”پتا نہیں..... ایک دو بجے......“

”او کے، تم جاؤ.....“ سمعان نے اسے ٹالا تھا۔ وہ تو پہلے ہی اونگھ رہی تھی سو فوراً رفوچکر ہوئی۔

سمعان احمد صوفے پر آ بیٹھا۔

نظر بار بار پلٹ کر اسی چہرے کے طواف کو مچل رہی تھی۔

سمعان اپنے آپ کو لمحوں کی گرفت میں آنے سے بمشکل روک رہا تھا۔ زرش صرف اس کی محبت ہی نہیں، سگی عم زاد بھی تھی۔ اسی تعلق کے حوالے سے بہت محترم تھی۔ اسی لیے وہ ہمیشہ اپنی نگاہ کی گستاخی پر قابو پا لیتا تھا مگر آج جذبے بے لگام سے ہو رہے تھے۔ دل کے تقاضے کچھ اور ہی رنگ اوڑھ رہے تھے۔

سمعان کی نگاہوں کی وارفتگی تھی یا پھر نیند ٹوٹی تھی۔ ایک عجیب سا احساس اسے گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔ نیند سے بوجھل آنکھیں کھولتے ہی سیدھی نگاہ سمعان احمد پر پڑی تھی۔ سمعان احمد کے جذبوں کی شدت تھی یا نگاہ کا کوئی رنگ تھا۔

نہ جانے کیا تھا اس سے ان آنکھوں میں۔

کچھ نئے رنگ۔

آگہی کے در وا کرتے پل۔

الوہی سے جذبے۔

کچھ تو تھا کہ ہمیشہ اپنی ذات میں مگن اپنی معصومیت کے حصار میں مقید زرش مسعود احمد بری طرح چونک کر ٹھٹک گئی تھی۔

اس کی آنکھیں ایک دم پھیلی تھیں۔

انجانے جذبوں سے تپتا چہرہ اور لودیتی آنکھیں۔

زرش کے متوجہ ہوتے پر سمعان احمد نے نگاہوں کا رخ بدل لیا تھا۔

نہ جانے کیوں زرش کو اپنا دل دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔

چہرہ لودینے لگا تھا اور پلکیں جھک گئی تھیں۔

اس کی سمعان احمد سے بے پناہ بے تکلفی تھی۔ بارہا اس نے اپنی معصومیت و بھولپن سے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے سمعان احمد کا ہاتھ پکڑا تھا۔ لاڈ سے ضد منوائی تھی۔ مان سے فرمائشیں کی تھیں مگر اس وقت نہ جانے دل کی حالت کیوں بدلی تھی۔

وہ لاکھ نادان سہی پر تھی تو ایک لڑکی۔

محبت و وفا کی مٹی سے گندھا ہوا انمول تراشا ہوا پیکر۔

ایک پل میں سمعان احمد کی لودیتی نگاہیں اُسے کسی حسین عبارت کا موضوع سے آگہی دے گئی تھی۔

اس کی چھٹی حس نے پہلی دفعہ اسے سمعان احمد سے متعلق کوئی سگنل دے دیا تھا۔ وہ سمعان احمد کو ہمیشہ سمعان بھائی کہتی آئی تھی اور اب دل کی یہ لے نہ جانے کیا کہہ رہی تھی' وہ خود حیران تھی۔ سمعان احمد کا یوں نظریں چرا کر خفیف سا مسکرا دینا اسے حقیقتاً الجھا گیا تھا۔

وہ ان نگاہوں کی حدت سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

”السلام علیکم......“ گھبراہٹ سے بھرپور انداز تھا۔ سمعان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”وعلیکم السلام......“

”آپ کب آئے......؟“ پہلی دفعہ وہ سمعان بھائی کے سامنے گھبرا رہی تھی۔ قالین پر گرا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ سٹپٹائی تھی۔

”ابھی آیا ہوں...... تم سناؤ۔ بہت نیند آرہی ہے تو فرح کے کمرے میں چلی جاؤ۔ آرام سے لیٹو......“ لمحوں میں سمعان نے خود پر قابو پالیا تھا۔ اب اپنی مخصوص دھیمی سلجھی مسکراہٹ لیے گویا ہوئے تھے۔

سابقہ انداز فوراً عود کر آیا تھا مگر ان لفظوں میں بھی محسوس کی جانے والی چاشنی تھی۔ محبت و خلوص کا رچاؤ تھا جسے زرش جیسی حساس لڑکی نظر انداز نہ کرپائی تھی۔ ”نہیں...... میں تو تایا ابو کے ساتھ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے کب آنکھ لگ گئی۔ تایا ابو کدھر گئے؟“

اپنے اردگرد دیکھتے اس نے کہا تھا۔

”میں جب گھر لوٹا تو وہ گھر پر نہیں تھے۔ ”ناجدہ بتا رہی تھی کوئی کام تھا' کسی سے ملنا تھا۔“ سمعان احمد نے پرسکون انداز میں بتایا۔ وہ صرف سر ہلا گئی۔

درحقیقت اندرونی طور پر وہ خاصی کنفیوژ ہو چکی تھی۔ آج کل نہ جانے کیوں سمعان احمد کی طرف سے اس کا دل کھٹک رہا تھا۔ جب سے وہ تصویر والا معاملہ درپیش آیا تھا' اکثر اس کا دل و دماغ بری طرح الجھ پڑتا تھا۔ آج تو ایک واضح تاثر تھا۔ زرش نے کن انکھیوں سے سمعان احمد کو دیکھا۔

”آج تمہاری تشریف آوری کیسے ہوگئی' خیریت ہے نا...... چچی جان نے آسانی سے آنے کی اجازت دے دی......“ وہ پوچھ رہے تھے۔ زرش نے خود کو سنبھالتے ہوئے صرف سر ہلایا۔ سمعان احمد کو اس کی خاموشی ایک دم محسوس ہوئی تو ذرا دھیان سے دیکھا۔ نیچی نظریں کیے وہ قالین سے اٹھ کر سامنے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔ چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا۔ ہونٹوں کو دانتوں تلے کچلتے وہ الجھی محسوس ہوئی۔ سمعان احمد تو اس کے چہرے سے ہی اس کے اندر کا سارا احوال پڑھ لیتا تھا' اب بھلا کیوں نہ چونکتا۔ ایک دم سنبھالا دیا تھا۔

یہ لڑکی انہیں اپنے جذبات سے بڑھ کر عزیز تھی۔

کچھ دیر پہلے والی اپنی وارفتگی پر دل میں ایک بوجھ سا آن پڑا۔ یہ جذبے بھی انسان کو کیسے کیسے خوار کرتے ہیں۔ اچھے خاصے انسان کو لمحوں میں زیر کر لیتے ہیں۔

”خیریت...... کیا ہوا...... اتنی چپ چاپ کیوں ہو؟“ بہت اپنائیت بھرا نارمل انداز تھا جس کی زرش ہمیشہ سے عادی بھی تھی۔ اپنے آپ کو ٹیک اپ کرتے انہوں نے پوچھا تھا۔ زرش جھینپی سی ہنسی ہنس دی۔

”جی خیریت ہی ہے۔ دراصل میرا فرح کے ساتھ کل کا ٹیسٹ ڈسکس کرنے کا موڈ تھا اس لیے آئی تھی مگر یہاں آکر علم ہوا کہ محترمہ بڑے ماموں کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ ڈرائیور کو میں نے چار پانچ کا ٹائم دیا تھا۔ سونے کا موڈ تو نہیں تھا۔ پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔“

سمعان کے خصوصی انداز پر وہ بھی اپنے آپ کو سنبھال کر مخاطب تھی۔

”اگر ٹیسٹ میں کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے ہیلپ لے لو۔ فرح تو شاید رات کو ہی آئے۔“ سنجیدہ انداز تھا' زرش مکمل طور پر متوجہ ہوئی۔ کچھ دیر قبل والا کوئی تاثر اب نہ تھا۔

”نہیں ٹیسٹ تو میرا تیار ہے۔ بس چند ایک پوائنٹس تھے جو کلیئر کرنے والے تھے۔ خیال تھا کہ فرح سے ڈسکس کروں گی تو کلیئر ہو جائیں گے۔ کچھ خاص ہیلپ کی تو ضرورت نہیں ہے۔ توجہ سے اسٹڈی کروں گی تو سمجھ میں آجائیں گے۔“

”پھر بھی لاؤ' مجھے بتاؤ میں سمجھا دیتا ہوں۔“ سمعان کا وہی ہمیشہ والا منکسر انداز تھا۔ زرش انکار کرتے کرتے رک گئی۔

”اچھا میں بکس لے آؤں......“ بکس وہ تایا جان کے کمرے میں ہی رکھ آئی تھی۔ سمعان کو کہہ کر وہ اندر چلی گئی تھی۔

سونے کی وجہ سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ منہ ہاتھ دھو کر کتابیں نوٹ بک لے کر لوٹی تو سمعان احمد منتظر تھا۔

پندرہ منٹ میں سمعان نے سارا Concept کلیئر کر دیا تھا۔ زرش ذہین تھی' ہر بات کو بہت جلدی پک کر لیتی تھی۔ سمعان احمد کے سمجھائے جانے والے نکات اس نے منٹوں میں پک کیے تھے۔

اس کے بعد سمعان احمد اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے تھے۔ زرش جو تھوڑی بہت بدگمان ہوئی بھی تھی' ہر بدگمانی بھلائے سمعان کی باتوں میں بہل گئی تھی۔ زرش کو اپنی اصل حالت میں واپس آتے دیکھ کر سمعان احمد نے ایک پرسکون سی سانس فضا میں شامل کی تھی۔ زرش انہیں اس حد تک عزیز تھی کہ اس کی نگاہ کا بدلتا رنگ بھی سمعان کو گوارا نہ تھا۔ کاش سمعان احمد اسے بتا سکتے کہ اس کی ایک پل کی اجنبیت ان کی روح پہ کیسے بوجھ بن جاتی تھی۔

"اوکے' تم بیٹھو..... ٹی وی دیکھو۔ میں ذرا اپنے کمرے میں آرام کر لوں۔ آج کافی دنوں بعد ظفر سے ملنا ہوا تھا۔ صبح دس بجے گھر آ کر لے گیا تھا۔ اتوار کا ایک ہی دن ملتا ہے آرام کو وہ بھی قسمت سے شاید ہی میسر ہو۔ تم ابھی یہیں ہونا۔ جب ڈرائیور آئے تو مجھے بتا کر جانا۔ فی الحال میں اپنے کمرے میں ہوں۔"

زرش کے انداز میں ایک صاف و واضح محتاط پن محسوس کرتے سمعان احمد نے منظر سے ہٹ جانے کو ترجیح دی تھی۔ زرش کو مطمئن تو کر ہی دیا تھا اب سنبھلنے کا موقع دینے کو سمعان احمد نے اپنے کمرے کی طرف رخ کیا تھا۔

زرش خاموشی سے انہیں اپنے کمرے میں جاتا دیکھتی رہی۔ کچھ دیر قبل خود پہ طاری ہونے والی کیفیت ایسی تھی کہ زرش اسے بھول کر بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو خود کو مصروف رکھنے کو اس نے ٹی وی آن کر لیا تھا۔ چار بجے تک ڈرائیور کا انتظار کیا تھا پھر اس نے گھر کال کر کے نوشی سے ڈرائیور کو بھیجنے کو کہا تھا۔ ماما ابھی تک نہیں لوٹی تھیں سو وہ ماما کی آمد سے پہلے ہی گھر پہنچ جانا چاہتی تھی ورنہ پھر شامت پکی تھی۔ ویسے یہاں آ کر بھی وہ بور ہی ہو رہی تھی۔ فرح تھی نہیں' جس مقصد کے لیے آئی تھی وہ تو بیکار ہی گیا تھا۔ ڈرائیور کے آنے میں پندرہ منٹ تھے تب تک ادھر ادھر ٹہلتی رہی تھی۔ ماجدہ اسے ٹہلتے دیکھ کر آ گئی تھی۔ اس وقت وہ کچن میں کوئی نہ کوئی کام کر رہی ہوتی تھی مگر آج مکین نہیں تھے تو وہ بھی فارغ تھی۔

"آپ کے لیے چائے بناؤں؟" اسے لان میں دیکھ کر ماجدہ نے پوچھا تھا۔

"میرے لیے؟" وہ اس وقت بہت کم چائے پیتی تھی اسی لیے ماجدہ کو دیکھا۔

"جی اس وقت گھر میں سبھی چائے پیتے ہیں۔ چھٹی والے دن جب سبھی جمع ہوتے ہیں تو بیگم صاحبہ خصوصی اہتمام کرواتی ہیں۔ اگر آپ کہتی ہیں تو آپ کے لیے کباب تل لیتی ہوں' تیار کر کے رکھے ہوئے ہیں' صرف تلنے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جب تک ڈرائیور آتا ہے چائے ہی پی لیتے ہیں۔ تم ایسا کرو کباب تل لو میں چائے بنا لیتی ہوں۔ سمعان بھائی بھی اپنے روم میں ہیں' اگر جاگ رہے ہیں تو ان سے بھی پوچھ لیتے ہیں۔"

چائے تیار کر کے اس نے ماجدہ کو کہا تو وہ کچن سے نکل گئی تھی۔ زرش نے فرائی پین سے تلے ہوئے کباب پلیٹ میں نکالے جو ماجدہ تل چکی تھی۔ ماجدہ فوراً پلٹ آئی۔

"میں نے ان کے کمرے میں جھانکا تھا۔ وہ جاگ رہے تھے۔ کچھ لکھ رہے تھے۔ میں نے انہیں چائے کا کہہ دیا تو وہ کمرے میں ہی لانے کو کہہ رہے تھے۔ چائے اگر وہ گھر میں ہوں تو اپنے کمرے میں ہی پیتے ہیں۔ ماجدہ کے بتانے پر زرش نے سر ہلا دیا تھا۔

سمعان کے لیے ٹرے تیار کرتے اس نے اپنے حصے کا کپ بھی ٹرے میں رکھ لیا تھا۔ جب تک ڈرائیور آتا وہ سمعان احمد سے چند ایک باتیں کر لیتی۔

"ڈرائیور آئے تو مجھے بتا دینا---" ماجدہ کو ہدایت دے کر وہ ٹرے لیے سمعان احمد کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ٹرے تھامی تھی سو بغیر دستک کے ہی اندر داخل ہو گئی تھی۔ سمعان کمرے میں کہیں نہیں تھا۔ اس نے کھڑے کھڑے ہی اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ بستر پہ بکھرے کاغذات بتا رہے تھے کہ چند لمحے قبل وہ یہیں تھے۔

بستر پہ بلیک رنگ کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ اطراف میں کئی کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ ایک دو ڈائریز تھیں۔

زرش نے سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھ دی۔

باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نہ جانے سمعان کہاں تھے۔ اس نے متجسس نگاہوں سے ڈریسنگ روم کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ نہ جانے وہ اندر تھے بھی کہ نہیں...... اندازہ لگانے کی کوشش کی اور پھر وہ بستر کے کنارے تک گئی تھی۔

بستر پہ بکھرے کاغذات پر نظر ڈالتے اس نے ایک صفحہ اٹھا لیا تھا۔ انتہائی خوبصورت لکھائی میں کوئی نظم درج تھی شاید۔ زرش کو شعر و شاعری سے کوئی خاص شغف نہ تھا سو سرسری نظر ڈالی تھی مگر نگاہ ٹھہر سی گئی تھی۔

"میں اسے واقف الفت نہ کروں"

عنوان اچھا تھا اور دلفریب بھی۔

زرش کی نظریں کاغذ پر پھسلتی چلی گئیں۔

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
روح کو اس کی اسیر غم الفت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں
واقف مصیبت نہ کروں

موتی موتی پروئی لکھائی۔ ایک ایک لفظ واضح اور روشن تھا۔

سوچتا ہوں کہ ابھی رنج سے آزاد ہے وہ
واقفِ درد نہیں
خوگرِ آرام نہیں
سحرِ عشق میں اس کی اکثر شام نہیں
زندگی اس کے لیے زہر بھرا جام نہیں

زرش کے اعصاب پر یہ الفاظ بہت بری طرح اثر انداز ہوئے تھے۔

اک بے چینی نے اس کے وجود کے اندر سر ابھارا تھا۔

سوچتا ہوں کہ محبت ہے جوانی کی خزاں
اس نے دیکھا نہیں دنیا میں بہاروں کے سوا
نکہت و نور سے لبریز نظاروں کے سوا
سوچتا ہوں کہ غمِ دل نہ سناؤں اس کو
سامنے اس کے کبھی راز عریاں نہ کروں
خلشِ دل سے اس کو دست و گریباں نہ کروں
اس کے جذبات کو میں مشغلہ بداماں نہ کروں

نظم تھی کہ جذبات کا ایک تلاطم تھا۔

شدتوں کا ایک ریلا تھا یا پھر محسوسات کا ایک خوش کن جزیرہ تھا۔

زرش کو اپنے اندر بہت کچھ ہوتا محسوس ہوا تھا۔

سوچتا ہوں کہ جلا دے گی محبت اس کو
وہ محبت کی بھلا تاب کہاں لائے گی
خود تو وہ آتشِ جذبات میں جل جائے گی
اور دنیا کو اس انجام پہ تڑپائے گی
سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ

بے شک انتخاب بہت شاندار تھا۔ زرش سراہے بغیر نہ رہ سکی اور انتخاب کرنے والا اس سے زیادہ شاندار اور باذوق تھا۔ وہ معترف تھی۔

سمعان بھائی ایسی شاعری بھی زیرِ مطالعہ رکھتے ہیں۔ زرش کو سمعان احمد کی لطیف حس سے ابھی آگاہی ملی تھی۔ زرش کو خاصا تعجب ہو رہا تھا۔ سمعان احمد کا جو تاثر قائم تھا اس سے ہٹ کر یہ اشعار خاصے معنی خیز تھے۔ ایک نئی کہانی سناتے ہوئے۔

"سمعان احمد کا مخاطب کون تھا؟"

زرش کے اندر اس سوال نے بری طرح شور مچایا تھا۔

کاغذات کو ترتیب سے رکھتے وہ پھر چونکی تھی۔

"My Personels"

"سمعان احمد" کا نام درج تھا۔ زرش نے وہ ڈائری اٹھالی۔

زرش کے ہاتھ میں گرے ڈائری تھی تو دل میں "سمعان احمد کا مخاطب کون تھا؟" کا بھرپور شور تھا۔

اس نے وہیں سے ڈائری کھول لی جہاں قلم رکھا ہوا تھا۔

شاید سمعان احمد اسے ہی لکھتے لکھتے چھوڑ کر گیا تھا۔

کسی کی پرسنل چیز کو چھیڑنا خاصا غیر اخلاقی فعل تھا مگر زرش کا تجسس عروج پر تھا۔

"سمعان احمد ڈائری بھی لکھتے ہیں۔" اسے یہ فرح نے بتایا تھا مگر اس نے کبھی دھیان نہیں دیا تھا کہ یہ خاصا زنانہ کام ہے اور سمعان احمد جیسے مصروف پریکٹیکل بندے کے پاس بھلا اتنا وقت کہاں کہ وہ ڈائری وغیرہ لکھتے پھریں۔

زرش نے وہیں سے پڑھنا شروع کیا تھا جہاں قلم رکھا ہوا تھا۔

پہلی ہی لائن پر زرش کا دل اچھل کر گویا حلق میں آ اٹکا تھا۔ اعصاب جھنجنا اٹھے تو ہاتھوں میں ایک واضح لرزش تھی۔

"میری عقل حیران ہے۔ میں فیصلے کا اختیار نہ کبھی پہلے اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور نہ ہی امی ابو کی اس سرد جنگ میں کبھی میرا ہاتھ ہوگا۔ زرش صرف میری اولین چاہت ہی نہیں میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔ ایسا سچ جو مجھ سے اپنا آپ منوا چکا ہے۔ میں اگر امی ابو کی اس آپس کی سرد جنگ میں اپنے حق سے دستبردار بھی ہو جاؤں یا دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں سرینڈر بھی کر دوں تو بھی دل کی خوشی کہیں نہیں ہوگی۔"

زرش سعود احمد کو اپنے اعصاب ساتھ چھوڑتے محسوس ہوئے۔ لفظ سادہ اور عام فہم تھے مگر ادراک اسے زلزلوں کی زد پر لے آیا تھا۔ گویا پوری ذات ہی ہل گئی تھی۔

"کبھی کبھی جذبات کا ریلا بھی انسان کو کیسے بے بس سا کر دیتا ہے۔ زرش پر نظر پڑتی ہے تو دل چاہتا ہے بس حد سے گزر جاؤں اور شاید میں گزر بھی جاؤں مگر طبیعت گوارہ نہیں کرتی۔ سب سے بڑھ کر تو یہ میں اس معصوم اور اچھی سی لڑکی کے اعتماد کو ریزہ ریزہ کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتا۔ مجھے اب محسوس ہو رہا ہے زرش میری طرف سے الجھنا شروع ہو گئی ہے مگر میں کیا کروں۔ ہزار چاہوں بھی تو اپنی بے اختیاریوں پر قابو پانا قطعی مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو ضبط کے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے کاش میں بتا سکتا......"

اور بھی نہ جانے کیا کیا درج تھا۔ زرش سن دماغ لیے پڑھ رہی تھی۔ جبھی عقب سے ہاتھ بڑھا کر تیزی سے ڈائری جھپٹ لی گئی تھی۔

وہ تیزی سے پلٹی تھی۔

اپنے سامنے سمعان احمد کو دیکھ کر اس کے اعصاب پھر زبردست تحریک کی زد پر تھے۔

"آپ......" وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔

یہ شخص اس کے لیے کیا تھا۔

اس شخص کو اس نے کیا مقام کیا رتبہ دیا ہوا تھا۔

اور یہ شخص کیا نکلا تھا۔

وہ کچھ کہنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہوتے ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کے بھروسے اور اعتماد کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے۔

سمعان احمد جو ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا' ڈریسنگ روم میں کمپیوٹر پر وہ کچھ میٹریل سرچ کر رہا تھا' سارا کچھ یونہی بکھرا ہوا چھوڑ کر۔ خیال ہی نہیں تھا کہ زرش اندر آ سکتی ہے۔ گمان تو یہی تھا کہ وہ چلی گئی ہوگی مگر جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تھا اسے دیکھ کر سمعان کو ایک پل کو تو کچھ بھی نہیں سمجھ پایا تھا اور جب حواس بحال ہوئے تو فوراً آگے بڑھ کر ڈائری چھین لی تھی مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

جس راز کو وہ چھپانا چاہتے تھے وہ ایک ذرا سی کوتاہی سے عریاں ہو چکا تھا۔ وہ زرش کو جس دکھ' جس اذیت سے بچانا چاہتے تھے وہ نادانستگی میں ہی اسے فراہم کر چکے تھے۔

زرش کو پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر سمعان احمد بے قرار سے آگے بڑھے۔

"زرش! پلیز ایک منٹ میری بات سنو...... پلیز روؤ نہیں......"

زرش کے آنسوؤں کی شدت میں جو اذیت تھی وہ صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

"زرش بات سنو میری......" اسے شدت سے روتے دیکھ کر سمعان نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اس کے چہرے سے ہٹانا چاہے کہ زرش نے بری طرح ہاتھ جھٹک دیے۔ اتنی نفرت تھی اس جھٹکے میں کہ حد نہیں۔ سمعان احمد گم صم رہ گیا۔

"آپ...... آپ...... میرے اعتماد کو اس طرح پارہ پارہ کر سکتے ہیں۔ آئی ڈونٹ بلیو اٹ......"

آنکھوں میں آنسو لیے' بھیگے چہرے سے گردن شدت سے نفی میں ہلاتے اس کے لہجے میں ایسی بات ضرور تھی کہ سمعان احمد بوکھلا گئے۔

"زرش تم......"

"خبردار مجھے بہلایا تو...... مجھے بارہا ایسا محسوس ہوا مگر مجھے آپ پر یقین تھا' اپنی ذات سے بھی بڑھ کر۔ میں نے آپ کو سمعان بھائی نہیں' اپنا بھائی سمجھا اور آپ کیا نکلے...... میں تو آپ کی بڑی عزت کرتی تھی۔ حقیقی بھائی کا مقام دیا تھا......" وہ پھر رو دی۔

اس کے بکھرتے لہجے میں ٹوٹے اعتماد کی کرچیاں تھیں۔ سمعان احمد پریشان ہو گیا۔

"زری! کچھ غلط مت سوچنا' پہلے میری بات سنو......"

سمعان احمد نے ایسا تو کبھی چاہا ہی نہ تھا۔ ایک افتادی آن پڑی تھی۔

گویا سب کچھ تہس نہس ہونے والا تھا۔

"ہرگز نہیں...... آئندہ میرے سامنے آئیں تو حد سے گزر جاؤں گی۔ سب سمجھتی ہوں میں۔ اب اتنی بچی بھی نہیں ہوں۔ میرے اعتماد کو توڑا ہے آپ نے۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ کسی بھی طور پر اب بہلنے والی نہیں تھی۔

غصے سے کہتے وہ بھاگی تھی۔

"زرش...... زری...... بات تو سنو......" سمعان احمد پیچھے لپکا تھا۔

لاؤنج میں آ کر وہ اپنی کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ سمعان کو بری طرح نظر انداز کر دیا۔ سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ سمعان کو زرش کے رونے سے بڑی تکلیف پہنچی تھی۔

"زرش بی بی! آپ کی گاڑی آ گئی ہے۔" ماجدہ بھی اسی لمحے لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ زرش کتابیں اٹھا رہی تھی ورنہ اسے روتے دیکھ کر ضرور چونکتی۔

کتابیں کاپیاں سمیٹ کر زرش نے دوپٹہ سیدھا کیا تھا۔ یکسر بے پروا انداز تھا بلکہ قطع تعلقی والا...... اتنا سرد کہ حد نہیں۔ سمعان نے اسے اس طرح بی ہیو کرنے پر غصے سے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیتے اپنے سامنے کیا تو ہاتھ میں پکڑی کتابیں قالین پر گر گئیں۔

"تم میری بات سنو......" غصے سے کہتے سمعان نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کر لیا تھا۔ اس قدر خوفناک انداز تھا کہ ایک لمحے کو زرش بھی ششدر رہ گئی تھی مگر اگلے ہی پل بری طرح بپھر گئی۔

"حد میں رہیں آپ اپنی......" وہ لمحوں میں اجنبی بن گئی تھی۔ بڑی بری طرح بھڑک گئی۔ سمعان احمد کو احساس ہوا اب صرف وہ زرش نہیں کچھ اور حق رکھنے لگی ہے۔ سمعان کے اندر تاسف نے سر ابھارا۔

"تم غلط سوچ رہی ہو...... ہاں میں محبت کرتا ہوں تم سے...... مگر میری محبت کو غلط نہ سمجھو...... میں نے کبھی تمہارے اعتماد کو توڑنے کی کوشش نہیں کی...... یقین کرو مجھ پر......" سمعان احمد اس چھوٹی سی لڑکی کے سامنے بری طرح ٹوٹے تھے بلکہ ہار سے گئے۔ وہ سب برداشت کر سکتے تھے مگر زرش مسعود احمد کی بد اعتمادی نہیں۔ مر کے بھی نہیں۔ سمعان احمد کے اس قدر واضح اظہار محبت پر زرش بھی سٹپٹا گئی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے پھر ڈٹ گئی۔

"مجھے چھوڑیں...... میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ ہٹ جائیں میرے راستے سے۔" اس کے لہجے میں اس قدر ناگواری و کراہیت تھی کہ سمعان احمد دیکھتے رہ گئے۔

حالات اس رخ بھی کروٹ بدل سکتے ہیں۔ پل میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ سمعان احمد خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اپنے بازو اپنے پہلو میں گرا لیے تھے۔

زرش بری طرح نیر بہاتے اپنی بکھری کتابیں دوبارہ سمیٹ رہی تھی۔ کتابیں سمیٹ کر وہ پلٹی تھی۔ دروازے کے پاس جا کر رکی تھی اور پلٹے بغیر بولی تھی۔

"میں نے آپ کو ایک دیوتا سے بڑھ کر مان' محبت' چاہت دی تھی۔ میری چاہت تو بے ریا تھی۔ بغیر کسی ملاوٹ کے میں نے آپ سے رشتہ بنایا تھا۔ میری بے تکلفی کو بڑا غلط رنگ دیا آپ نے سمعان بھائی...... مجھ سے میرا اعتماد چھین لیا ہے آپ نے۔ مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا ہے۔ کبھی معاف

نہیں کروں گی آپ کو' سمجھے' کبھی نہیں......"

* * *

اپنے آپ سے مسلسل نبرد آزما رہنے کے بعد ایک مسلسل اندرونی جنگ سے برسرِ پیکار ہوتے اور اندرونی جمع وتفریق کے حساب کے بعد شارق زمان نے ایک انتہائی قدم اٹھانے کا قطعی فیصلہ کرتے ہوئے نواز فاروق سے ملنے کی ٹھانی تھی۔ اگلے دن دوپہر تین بجے کے قریب شارق زمان' نواز سے ملنے اس کے گھر چلا آیا تھا۔ وہ فاروق چچا کے ہاں بہت کم آتا تھا۔ نواز یونیورسٹی سے آنے کے بعد آرام کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے اکیڈمی کے لیے نکلنا تھا۔ شارق کو دیکھ کر حیران ہوا تھا اور پھر شارق زمان کے کہنے پر وہ اس کے ہمراہ چلا آیا تھا۔

"یار بتاتے کیوں نہیں۔ اب تو مجھے پریشانی بھی ہونے لگی ہے۔ آخر وہ کون سی بات ہے جو تم گھر پر نہیں کر سکتے تھے۔ اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟"

شارق زمان' نواز کو بس یہ کہہ کر لایا تھا کہ اسے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے' وہ بھی اکیلے میں۔ اسی لیے وہ فوراً ہمراہ آ گیا تھا مگر اب شارق زمان کے تیور اور خاموش سنجیدہ انداز دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

"کچھ دیر صبر کر لو...... ابھی پتا چل جائے گا...... جلدی کس بات کی ہے۔" ایک ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی پارک کرتے شارق کا انداز پہلے سے بھی زیادہ سرد تھا۔ نواز نے پرتشویش نظروں سے دیکھا۔

شارق کا یہ لب ولہجہ اور تیور کسی ناگہانی کی نشاندہی کر رہے تھے۔ اس نے بارہا شارق کو اس روپ میں دیکھا تھا مگر آج کوئی نئی بات تھی۔ ٹیبل منتخب کرتے' چائے کا آرڈر دیتے ہوئے بھی شارق زمان کے تیور نہیں بدلے تھے۔

"یار اب بول بھی چکو...... کیا بات ہے۔ میرے صبر کا اس سے زیادہ امتحان مت لو۔ مجھے خوامخواہ گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

ویٹر چائے کے مگ رکھ گیا تھا۔ شارق زمان نے خاموشی سے مگ لبوں سے لگا لیا۔ آخر کار نواز فاروق کو اسے ٹوکنا پڑا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" شارق زمان کے لیے نواز کے سامنے براہِ راست گفتگو کرنا ایک دم مشکل لگنے لگا تھا سو تمہیدی انداز تھا۔

"کچھ نہیں...... یونیورسٹی جا رہا ہوں۔ اس کے بعد اکیڈمی۔ شادی کے دن قریب ہیں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ چھٹیاں لے لوں مگر ابھی میں یونیورسٹی سے چھٹی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ شادی کی بس دو تین چھٹیاں کروں گا۔ اس کے بعد لانگ لیو لوں گا ہنی مون کے سلسلے میں۔ ہاں رات کو مصروفیت کافی خوشگوار ہوتی ہے۔ شادی کے سلسلے میں ساری بہنیں آ چکی ہیں۔ کافی رونق ہوتی ہے۔ خوب انجوائے ہو رہا ہے' بس......"

شارق نے ایک نظر نواز کے چہرے کو دیکھا۔ شادی کا ذکر کرتے وہ کافی خوش محسوس ہوا تھا۔ شارق زمان کو اک جلن سی محسوس ہوئی۔

"تم کیا کہنا چاہتے تھے......؟" چپ چاپ اپنا جائزہ لیتے شارق زمان کو نواز فاروق نے ٹوک دیا تھا۔

"میں نویرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اسی سرد اور مخصوص لہجے وانداز میں آخر کار شارق زمان نے دل کی بات کہہ ہی دی تھی۔ گویا بم پھوڑا تھا۔

"کیا......؟" نواز فاروق پہلے تو ایک دم چیخا تھا۔ پھر حیران وششدر شارق زمان کو دیکھنے لگا جو اس کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے مگ کو گھور رہا تھا۔ اتنی بڑی بات کس قدر آسانی سے پرسکون لہجے میں اس نے کہہ دی تھی۔ نواز فاروق کو ایک لمحے کو لگا کہ اس کی سماعتوں نے غلط سنا ہے۔ ہو سکتا ہے شارق زمان نے کسی اور کا نام لیا ہو۔

"کیا...... کیا...... کہہ رہے ہو تم......؟" وہ ابھی بھی بے یقین تھا۔

"میں نویرہ احسان سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم شادی سے انکار کر دو۔" وہی مخصوص سپاٹ انداز۔

"شارق......" نواز فاروق غم وغصے سے اپنے لہجے کو بمشکل کنٹرول کر سکا۔ "تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ بولا بھی تو لہجے میں تپش تھی۔

"ہوں! بہت اچھی طرح......" بے خوف انداز تھا۔ نواز کی ناپیے بے یقینی سے شارق کی آنکھوں میں دیکھے گیا۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ چند دن بعد ہماری شادی ہے۔" نواز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح کا ردعمل ظاہر کرے۔ غم وغصے سے شارق زمان کو ٹوک دے یا پھر اسے لعنت ملامت اور چیخ وپکار کرے جو اس کی طبیعت کا خاصہ نہ تھا۔

"ہاں...... یہ جانتے ہوئے بھی......" وہی مختصر جواب تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا...... تم مذاق کر رہے ہو نا......"

شارق زمان نے نواز فاروق کو دیکھا۔ وہ جیسے منتظر تھا کہ شارق ابھی کہے گا کہ ہاں میں مذاق کر رہا تھا' میرا مقصد تمہیں محض ستانا تھا۔ مگر وہ بولا بھی تو کیا۔

"نہیں...... میں سنجیدہ ہوں......"

نواز کو اب حقیقتاً لگا کہ شارق زمان نے کھولتا ہوا پانی اس پر انڈیل دیا ہو۔

"تمہاری اس ساری بکواس کی میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" اگلے ہی لمحے وہ اپنے لب ولہجے پر بغیر کنٹرول کیے غم وغصے سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں! مگر مجھ سے نہیں' نویرہ سے پوچھنا کہ وہ اسپتال کیوں پہنچی۔"

اسی پرسکون لہجے میں اس نے پھر نواز فاروق کے اعتماد کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ نواز کا جی چاہا کہ

شارق زمان کا منہ توڑ دے مگر اس بات نے اسے پھر گنگ کر دیا تھا۔

"نوریہ ہمارے ہاں ٹھہری ہوئی تھی۔ جس رات تم لوگ مل کر گئے تھے وہ اچھی بھلی تھی۔ ایک دم سے کیا ہوا کہ اگلے ہی دن وہ انتہائی نازک حالت میں اسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ کوئی تو وجہ ہوگی۔ تم نے نوریہ سے پوچھا نہیں؟"

نواز اب کے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ حیرت سے دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں بکھری، ٹوٹی پھوٹی، ہاری ہوئی نوریہ احسان کا سراپا در آیا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ صاف بات کرو...... پہیلیاں مت بجھواؤ۔" نواز کا لہجہ بہت زہریلا ہوگیا تھا۔ بغیر کسی لحاظ و مروت کے۔ نوریہ کا ایک دم رونا، پھر اسے یقین دلانا اور آخر میں طبیعت خراب ہوجانا۔ نواز فاروق کو اپنا دماغ سنسناتا محسوس ہوا۔ جی چاہا کہ ساری بکواس کرتے شارق کو اپنی نظروں کے سامنے سے ہٹا دے یا اپنے آپ کو کچھ کر لے کہ معاملہ غیرت کا تھا۔ نوریہ صرف منگیتر ہی نہیں، سگی عمزاد بھی تھی۔ برسوں کی شناسائی تھی۔ دیکھی بھالی پرکھی لڑکی تھی۔ مگر اب...... یہ شارق زمان اب جو کہانی سنا رہا تھا، جن لمحوں کا حوالہ دے رہا تھا اس سے نوریہ کی ذات مشکوک ہوکر رہ گئی تھی اور نواز فاروق کردار پر مرمٹنے والا شخص تھا۔

"تم صاف بات سننے کے بجائے مجھے اتنا بتا دو تم نوریہ سے شادی سے انکار کر رہے ہو کہ نہیں......" شارق نے نواز فاروق کے تاثرات سے اندازہ لگایا تھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ وہ اب جدھر چاہے کھیل کا رخ بدل سکتا ہے۔ سو بہت اطمینان سے کہا تھا۔

"نہیں...... جب تک تم مجھے اپنے اس رویے کی اصل وجہ نہیں بتاتے میں تمہاری بات بھی نہیں سننا چاہتا......" غصے سے کہتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شارق زمان نے تیزی سے اس کا بازو تھاما۔

"تم بیٹھو تو......"

"نہیں...... تمہیں اندازہ ہے کہ تم ایک لڑکی کی ذات کو انوالو کر رہے ہو اور لڑکی بھی وہ جس کے کردار کی گواہی سارا خاندان آنکھیں بند کرکے دیتا ہے۔"

"تم آرام سے، سکون سے میری بات سنو......" نواز کے غصے سے پھٹ پڑتے پر اس نے اسی تحمل سے کہا تھا۔ نواز فاروق کو لامحالہ بیٹھنا پڑا تھا کہ ساری صورت حال صرف شارق زمان ہی کلیئر کر سکتا تھا۔

"نوریہ نے کیا کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا کہ اس کی اس شدید بیماری کی وجہ کیا تھی؟" اس نے نواز کو کریدنا چاہا تھا۔ نواز نے سرخ آنکھوں سے دیکھا۔ لاوا بس پھٹنے کو تھا۔ وہ ضبط کی انتہائی منزل پر تھا۔

"نہیں؟"

"نوریہ نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس بات کو بلکہ اس حادثے کو چھپانا چاہتی ہے۔" سرگوشی نما انداز پر نواز فاروق چونک کر شارق زمان کو دیکھنے لگا۔ شارق کے انداز میں کوئی بات

ضرور تھی۔ وہ بری طرح ٹھٹکا۔

"کیا مطلب...... کیسا حادثہ...... کیسی بات؟"

"میں اس بات کو چھپا جاتا۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر تم سے میرا جو تعلق ہے، تم نے ہر اچھے برے وقت میں جس طرح اخلاقی طور پر مجھے سپورٹ کیا ہے اس صورت حال میں تم سے کچھ بھی چھپانا میرے ضمیر کو گوارہ نہیں ہے۔ تم چاہے کچھ بھی سمجھو مگر میں اپنے غلط اقدام کی سزا جھیلنے کو تیار ہوں۔ اس رات تم لوگوں کے چلے جانے کے بعد مجھے خبر ملی تھی کہ شہوانہ نے احسان منصور سے شادی کرلی ہے۔"

"تو......؟" نواز الجھ گیا۔ یہ خبر تو وہ شارق کے میگزین میں اگلے دن شہوانہ، اس کی ماں اور شوہر پر قاتلانہ حملے کی خبر کے ساتھ پڑھ چکا تھا۔

"اس واقعے کا نوریہ سے کیا تعلق؟" وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

"میں اس رات بہت الجھا ہوا تھا اور تب میں نے ہمیشہ کی طرح اپنی الجھنوں کا چھٹکارا ڈھونڈا تھا۔ میں تو کبھی دیوانہ ہوا تھا لیکن اس رات نوریہ کو دیکھ کر ہوگیا تھا......" وہ کہہ رہا تھا اور مزید بھی بہت کچھ بتا رہا تھا مگر نواز فاروق گم صم حواس گم انداز میں شارق زمان کے صرف ہلتے لب دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندر بم بلاسٹ ہونے کے بعد کی کیفیت ابھری تھی۔

نوریہ کی اچانک بیماری فطری نہیں اس حادثے کی دین تھی جو اس رات نوریہ پر ٹوٹا تھا۔ نواز فاروق سر جھکائے اپنے جرم کا اقرار کرتے شارق زمان کو دیکھنے لگا۔ یقین نہ آیا کہ شارق زمان اس حد تک گر سکتا ہے۔

اس میں بھلا نوریہ فاروق کا قصور کیا تھا۔

شارق کی بات سنتے اس کے ذہن میں محاذ آرائی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی اور جو قصوروار تھا وہ اپنی سزا کا تعین کر چکا تھا۔ بغیر کسی آمادگی و رغبت کے صرف سزا جھیلنے کو...... کیا یہ سب واقعی سچ تھا یا محض خواب تھا۔

نواز فاروق کو لگا اس کے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔ اس نے سر اپنے دونوں ہاتھوں پر گرا لیا۔ اس کے استفسار پر نوریہ کا یوں ری ایکٹ کرنا، شدت سے ٹوٹ کر رونا اور پھر طبیعت خراب ہونا بے معنی تو نہ تھا۔

اس کے پیچھے اصل وجہ یہ تھی۔ وہ ششدر تھا۔ یہ تمام تو ذہن کے کسی دریچے میں بھی نہ تھا۔

"میں اپنا جرم قبول کرتا ہوں۔ میں نوریہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور پلیز تم اس معاملے کو اپنے تک رکھو گے۔ بولو تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو......؟"

شارق زمان کہہ رہا تھا اور نواز فاروق خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔

ساری رات خود سے لڑتے، سوچتے، الجھتے صبح کی سپیدی پھوٹنے سے پہلے تک ایک گرداب مسلسل سے نکلنے میں نواز فاروق نے اپنی جان پر جو عذاب جھیلے تھے یہ صرف وہی جانتا تھا۔ فیصلہ تو ہوگیا تھا

مگر جسم و روح جان کنی کے عمل سے گزر چکے تھے۔

یہ رشتے ایسے تو نہیں تھے کہ آن واحد میں جڑ سے اکھاڑ پھینکے جاتے۔ ان رشتوں کی پرورش برسوں ہوئی تھی۔ تبھی ان کا یہ خاندان ایک مٹھی کی طرح تھا۔ مگر اب نواز فاروق کو لگ رہا تھا کہ اس خاندان کی بنیادیں ہلنے کو ہیں۔

شارق زمان کا کیا جانے والا انکشاف اتنا ہی جان لیوا تھا کہ نواز فاروق کو اپنا آپ برف کی سل میں ڈھلا محسوس ہو رہا تھا اور کبھی لگتا تھا پورے وجود میں خون کی جگہ شرارے دوڑ رہے ہوں۔ شعلے بھڑک اٹھے ہوں۔

یہ سچ تھا کہ نویرہ احسان کو انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اپنانے کی کوشش کی تھی مگر اب شارق کی بات سن کر وہ ششدر تھا۔

نویرہ کو صرف ایک کزن سمجھ کر بھی سوچا جاتا تو بھی اذیت کے کئی پہلو نکلتے تھے۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ مرد کچھ بھی کرنے سرخرو رہتا ہے۔ ایک دفعہ عورت کی کلائی تھام کر اسے بے بس کر سکتا ہے اور پھر نئے جہان دریافت کرنے بھی نکل جائے تو اس کی راہیں روشن کی روشن رہتی ہیں۔ شجاعت و طاقت کے مظاہرے کی دین عورت کے مقدر میں صرف رسوائی ہی آتی ہے۔ نسلوں کا افتخار مٹی میں مل جاتا ہے۔ چاہے خوشی سے مجبوری ہو یا زبردستی سے۔ رسوا تو ہو ہی جاتی ہے اور یہ رسوائی ساری زندگی آسیب کی طرح اس کے ساتھ چپٹی رہتی ہے۔

لمحہ لمحہ اسے تڑپاتی ہے۔ اسے بھیانک لمحوں کا احساس دلاتی ہے۔

نواز فاروق کو رہ رہ کر ان لمحوں کا کرب بے چین کر رہا تھا جن لمحوں میں اپنے وجود سے بے پروا ہوش و حواس سے بیگانہ نویرہ احسان اسپتال کے کمرے میں تھی۔ وہ لمحے جیسے کہ آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔

قیامت زمین پر آئے یا کسی وجود پر آثار واضح ضرور ہوتے ہیں۔ دیر یا بدیر ایک رنگ ضرور دکھاتے ہیں۔

طوفان چاہے جذبوں کا ہو یا پانی کا' بہت کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔

کبھی زمین کو بنجر کرتا ہے تو کبھی وجود کو۔

تباہی کے بعد کا منظر بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے۔ ہر چیز واضح اور صاف ہوتی ہے۔ کھیتی ہری بھری ہو تو اس پر ویرانی و بربادی کے اثرات بھی بڑے واضح اور بھیانک ہوتے ہیں۔

ایک نقصان عمر کا ہوتا ہے۔

ایک خسارہ تا زیست مقدر میں لکھا جاتا ہے۔

اور نویرہ احسان کسی خوشحال ہری بھری کھیتی سے کسی طور کم نہ تھی بلکہ کھیتی سے بڑھ کر ہی تھی۔ نواز فاروق نے آہستگی سے تصویر دراز میں ڈال دی تھی۔

یہ تصویر نویرہ کے گھر منگنی والے دن کی تھی۔

اور مستقبل اس کے پاس ہی تھی۔

نویرہ اسے پسند تھی۔ ایک کزن کی حیثیت سے اسے ہمیشہ اچھی لگی تھی۔

اکثر وہ تمیرا وغیرہ کو اس کے رکھ رکھاؤ اور سلجھی طبیعت کی مثال دیا کرتا تھا اور پھر جب ابو کی طرف سے نویرہ کا نام اپنے لیے سنا تو دل کو ایک خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ پہلا خیال ہی دل و دماغ کو منور کر گیا تھا کہ اگر یہ سلجھی ہوئی حسین سی رکھ رکھاؤ والی لڑکی زندگی بھر ساتھ نبھائے تو زندگی اچھی گزر سکتی ہے اور پھر یہ خیال مستحکم ہوتا چلا گیا تھا۔

پسندیدگی "دل کی لگی" اور "لگی" پھر "الفت" میں کیسے بدلی تھی وہ پچھلے کسی بھی واقعے کا تجزیہ کرتا بھی تو بہت سے واقعات راہ روکے کھڑے تھے۔

اور فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

اندرونی شکستگی نے جسم سے جان تک نچوڑ لی تھی۔

بے شک اس سارے عمل میں نویرہ احسان کا کوئی قصور نہ تھا۔

بے شک شارق زمان نے جو بھی بتایا تھا اس سارے کا لب لباب یہی تھا کہ نویرہ احسان قطعی بے قصور تھی مگر وہ اب اپنی طبیعت کا کیا کرتا۔

کیا اس کے اندر اتنا حوصلہ و ضبط تھا کہ ساری زندگی اس پھانس کے ساتھ گزار لے کہ نویرہ احسان کبھی شکار ہوئی تھی۔

ساری رات وہ یہی خود سے پوچھتا رہا تھا۔

پوچھ پوچھ کر ہارا تھا۔

کیا وہ اسے پہلے جیسا عزت و مقام دے سکے گا؟

اس کا دل اب بھی اسی طرح جلا ہے کہ نہیں؟

کیا اسے شارق کی بات مان لینی چاہیے؟

کیا واقعی اسے اپنی راہ الگ کر لینی چاہیے؟

مگر اس میں رسوائی کس کی تھی۔

نواز فاروق کو لگا جیسے شارق اپنے گناہ میں اسے شریک کر گیا ہو۔

عمر بھر کا خسارہ اس کی زندگی میں لکھ گیا ہو۔

قصور کس کا تھا' سزا کسے مل رہی تھی۔

وہ انکار کر بھی دیتا تو نویرہ احسان کی مجروح نسوانیت تو بحال نہیں ہو سکتی تھی یا مجرم اپنے جرم کی نوعیت جان سکتا تھا۔

اور نواز جو کرے گا وہ کس کھاتے میں جائے گا۔

شادی کے اتنے قریب کیا انکار نویرہ کے مقدر میں رسوائیاں نہیں لکھ جائے گا؟

مگر وہ اپنے اندر یہ سب جھیل جانے کا پہاڑ کا سا حوصلہ کہاں سے لاتا؟

کہاں سے دل کو اپنے ہی ہاتھوں برباد کر لینے کا ضبط آزمالیتا......

مگر اسے کرنا تھا اپنے لیے نہیں تو نویرہ احسان کے لیے کہ وہ عزیز تر تھی۔

شارق زمان کو احساس ہونا چاہیے تھا کہ وہ کیا کر چکا ہے اور اس کے اثرات کتنے بھیانک ہو سکتے ہیں اور نواز فاروق کے اندر ان اثرات کو اپنے حصے میں لکھوانے کا اگر حوصلہ تھا بھی تو ہمت ناپید تھی۔

وہ تو کردار کو فوقیت دیتا تھا۔

نویرہ ابھی بھی باکردار تھی تو جو قیامت اس پر بیتی تھی وہ اسے ساری عمر ایک دوسرے سے نظریں چرانے پر مجبور رکھنے والی تھی۔

نواز فاروق نے کل شب سے لے کر اب تک صرف سوچا تھا۔

شارق زمان سے ملاقات کے بعد وہ صرف اس ایک بات کو سوچ رہا تھا مگر......

فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا اور وہ خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتا تھا کہ نویرہ احسان کو ساری عمر ایک سزا کے طور پر اپنے ساتھ باندھے رکھے جب کہ دل اب صرف اس کے تصور سے آباد تھا۔

انگلیوں سے اپنی کنپٹیوں کو مسلتے نواز فاروق نے باتھ روم کی طرف رخ کیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ آئینے کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

سرخ و بھاری پپوٹوں سے سجی آنکھیں گزری رات کی اذیت آشکار کر رہی تھیں۔

”مجھے معاف کر دینا نویرہ احسان! یہ صرف ہماری زندگی میں ایک نئی نسل کی بقا کا سہرا ہے‘ ہم دونوں کے سر...... ہم ایک نئی نسل کی بنیاد بنیں گے۔ مرد کچھ بھی کر لیں معاشرے میں کہیں نہ کہیں فٹ رہتا ہے‘ عورت چاہے مظلوم ہو‘ دھتکاری ہی جاتی ہے۔ شارق زمان اپنے جرم کا اقرار کر رہا ہے۔ وہ تم سے ایک رشتہ بنانا چاہتا ہے۔ ابھی اس کا ضمیر کسی حد تک مردہ نہیں ہوا۔ وہ تمہاری بقا کا ضامن بننا چاہتا ہے۔ یہ طے ہے کہ تم پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس کے اثرات بہت دور تک ہوں گے اور میں تمہیں ابھی رسوائیوں سے بچانا چاہتا ہوں۔ اسے میری بھول کا قصور جانو یا میری خود غرضی‘ میں اس حالت میں تم سے دستبردار ہوتا ہوں۔“

آئینے کے سامنے کھڑے اپنے اندر کے طوفانوں سے نواز فاروق خود ہی برسرِ پیکار تھا۔

فیصلہ کرنا اتنا آسان تو نہ تھا مگر وہ یہ مشکل کر گیا تھا۔ ضبط کی کن گہرائیوں سے نبرد آزما ہوتے اس نے دل کی طرف سے نگاہ پھیر لی تھی۔

دل کا کیا ہے۔ یہ تو کھیلنے کو چاند بھی مانگ لیتا ہے۔ اب کون سمجھائے کہ چاند کے حصول میں اپنا آپ بھسم بھی کروانا پڑتا ہے۔

وہ خیالات کے بھنور سے نکلنے میں کسی حد تک کامیاب ٹھہرا تھا۔

یا پھر مزید پھنسا تھا۔

آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اس نے کراچی ڈاکٹر ظفر (اپنے ماموں زاد) کے موبائل کا نمبر ملایا تھا۔

صبح صبح اسے ڈسٹرب کرنے پر وہ کچھ پریشان بھی ہو گیا تھا۔ مگر نواز فاروق کا ٹھہرا ہوا لہجہ اسے بہت کچھ سمجھانے لگا تھا اور پھر اس سے ہر طرح کا تعاون و مدد کا وعدہ کر کے نواز فاروق نے کال ڈس کنکٹ کر دی تھی۔

کچھ حد تک دل کو اطمینان سا ہوا تھا۔

آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیتے وہ اپنے معمول کے امور نمٹانے میں لگ گیا تھا۔ یونیورسٹی اپنے طے شدہ وقت پر ہی نکلنا تھا۔ پیریڈ لینے کے بعد اس نے چیئرمین صاحب کے سامنے اپنا استعفیٰ رکھا تھا۔

چیئرمین تو حیران رہ گئے تھے۔ وجہ پوچھتے رہ گئے مگر وہ وجہ کیا بتاتا۔

بربادیٔ دل یا پھر بربادیٔ مقدر...... وہ صرف دیکھے گیا۔

چیئرمین صاحب نے اس کا فیصلہ قبول نہیں کیا تھا۔

”فی الحال تم کو لانگ لیو پر یونیورسٹی سے آف کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ میرے ادارے کے دروازے تم جیسے لائق استاد کے لیے ہر وقت کھلے رہیں گے۔ جب بھی ارادہ ہوا تو ضرور آنا۔“ ان کے الفاظ پر نواز خوشدلی سے مسکرا دیا تھا۔ تاہم ان سے وعدہ کر کے لوٹ آیا۔

اکیڈمی کی ذمہ داری اس نے اپنے کولیگ کے سپرد کی تھی۔ حالات جو بھی تھے‘ کبھی اس نے بڑے شوق جذب سے یہ اکیڈمی شروع کی تھی۔ اپنا اچھا خاصا سرمایہ اس میں انویسٹ کیا تھا۔ اب ایک دم سب کچھ اکھاڑ پھینکنا کہاں کی عقل مندی تھی۔ کراچی بیٹھ کر وہ لاہور میں اکیڈمی کو اگر چلا نہیں سکتا تھا تو ہر طرح کی خیر خبر تو رکھ سکتا تھا۔ یہ کون سا مشکل کام تھا۔ نگران کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ وہ کون سا یہاں سے ہر طرح کا تعلق توڑ رہا تھا۔ فی الحال مقصد صرف منظر سے ہٹنا تھا۔ اکیڈمی سے متعلق تمام ضروری امور نمٹانے کے بعد وہ گھر چلا آیا تھا۔

ابھی ایک اور بہت بڑا طوفان تھا جو منہ کھولے کھڑا تھا۔

گھر والوں کو قائل کرنا آسان تو نہ تھا۔

وہ ضبط کی انتہا پر تھا مگر ہوش مندی کا تقاضا تھا کہ وہ ابھی تک سنبھلے ہوئے تھا اور اپنے آپ کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے اپنی تمام ضروری چیزیں سمیٹی تھیں۔

اپنے والدین کے سامنے اسے کیا توجیہہ پیش کرنی تھی‘ وہ ذہنی طور پر خود کو تیار کرنے لگا تھا۔

چیزیں سمیٹ کر اس نے نمبر ملایا تھا۔ اب اس نمبر پر بات کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ شارق زمان نے پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی تھی۔

”ہیلو...... نواز......“ دوسری طرف کی بے تابی عروج پر تھی۔ جیسے اسے صرف اسی نمبر کا انتظار تھا۔ یقیناً شارق زمان اس کے فیصلے کا منتظر تھا۔

نواز فاروق کو کچھ پل کے لیے اپنا آپ سنبھالنا مشکل محسوس ہوا۔ جی چاہا کہ اس غاصب و بے رحم کو برا بھلا کہتے صاف انکار کر دے۔ اپنے فیصلے سے مکر جائے مگر دل کی مان تو لیتا اپنے ذہن کا کیا کرتا جس میں نویرہ احسان پر پڑنے والی افتاد کا لفظ چمٹ کر رہ گیا تھا۔

وہ ہاتھ صاف کی ہوئی چیزوں کو کبھی یوز نہیں کرتا تھا اور اب...... ذہن کو جھٹکتے اس نے دوسری طرف توجہ دی۔

”نواز! پلیز بولو...... چپ کیوں ہو؟ تم کیا جانو میں کس عذاب سے گزر رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے...... پلیز نواز کچھ تو کہو۔“

دوسری طرف کا اضطراب حد سے بڑھا ہوا تھا۔ نواز فاروق کی ایک لمحے کی چپ گراں گزر رہی تھی۔ بے چینی و بے قراری حد سے سوا تھی۔

”میں امی ابو کے سامنے آج انکار کر دوں گا...... میں کراچی جا رہا ہوں۔ میرے انکار پر جو صورت حال ہوگی وہ میری برداشت سے باہر ہوگی۔ میں بزدل نہیں ہوں مگر میں کچھ بھی جھیل نہیں پاؤں گا۔ آگے کی صورت حال جو بھی ہوگی وہ تمہیں خود سنبھالنا ہوگی۔“ شارق زمان سے گفتگو کرتے ہوئے خود بخود اس کا لہجہ سرد و سپاٹ ہو گیا تھا۔ یہ شخص جسے اس نے ہمیشہ سگے بھائی کی طرح سمجھا۔ اس کے لیے کس طرح شدید نقصان کا سبب بنا تھا۔ کاش وہ ضبط کر سکتا یا پھر محاسبہ کر سکتا۔ جھنجوڑ کر برا بھلا کہہ سکتا۔

”کیا...... واقعی......“ وہ بے یقین تھا اور نواز فاروق کے اندر نفرت نے ایک دم سر ابھارا تھا۔ تختی سے ہونٹ بھینچے کال کاٹ دی تھی۔

”کیا واقعی......“ کیسی خوشی سے بھرپور آواز تھی اور نواز کن عذابوں میں گھر گیا تھا۔

دوسری طرف شاید پرواہ نہ تھی۔ اس کے جذبات کا قطعی پاس نہ تھا۔

غصے سے موبائل بستر پر پٹختے وہ خود بھی بستر پر گرا تھا۔

مگر اب ضبط جواب دے رہا تھا۔

سارا وجود شل ہو رہا تھا۔

ایک پل کو لگا جیسے صدیوں کی مسافت طے کی ہو...... وہ سختی سے آنکھیں میچ گیا۔

⁂

”زرش! کیا بات ہے؟ میں مسلسل دیکھ رہی ہوں تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو...... اینی پرابلم......؟ کیا کسی سے جھگڑا وغیرہ ہو گیا ہے یا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟“

ماما، پاپا اپنے روم میں سونے کو جا چکے تھے۔ زرش ٹی وی لگائے بظاہر مصروف تھی مگر وہ ذہنی طور سے وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔ نوشین جو رات کے اس پہر اپنے سامنے اپنی بکس اور جرنل پھیلائے بظاہر مصروف تھی لیکن گاہے بگاہے زرش کا بھی بغور جائزہ لے رہی تھی۔ زرش کی یہ کنڈیشن وہ گزشتہ دو دن سے دیکھ رہی تھی۔

پرسوں اتوار تھا، کل سوموار تھا مگر زرش کالج نہیں گئی تھی۔ وہ کبھی بلاوجہ چھٹی نہیں کرتی تھی مگر اب اس نے کی تھی۔ آج وہ گئی تھی مگر زرش کا گم صم انداز جوں کا توں برقرار تھا۔ شائستہ بیگم کا اسے اندازہ نہیں تھا مگر خود نوشین نے بڑی شدت سے زرش کی مسلسل چپ بلکہ ”صم بکم“ والی کیفیت نوٹ کی تھی

اور اب ٹوک گئی تھی۔

”ہوں...... کیا کہہ رہی ہو تم......؟“ نوشین کے استفسار پر وہ ایک دم اسے دیکھے گئی تھی۔

نوشین کو زرش کی آنکھوں میں موجود نمی دیکھ کر ایک لمحے کو دھچکا لگا۔

”زرش! کیا بات ہے......؟“ اگلے ہی لمحے وہ سب کچھ ایک طرف ہٹا کر اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ زرش مسکرائی پھر فوراً نگاہیں پھیر گئی۔

”کچھ بھی نہیں یار! بس ٹی وی دیکھ رہی ہوں۔ یہ سیریل اچھا ہے، کافی دلچسپ......“ اس نے بات اڑانا چاہی تھی جسے وہ صاف محسوس بھی کر گئی تھی۔

نوشی نے کھوجتی نگاہوں سے زرش کے چہرے کا حصار باندھ لیا۔

زرش الجھ کر رہ گئی۔

”پتا نہیں مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تم کچھ الجھی ہوئی ہو۔ کوئی بات ہے جو تمہیں اندر ہی اندر تکلیف دے رہی ہے۔ ایسی بات، جو تم مجھ سے بھی شیئر نہیں کر پا رہی......“

زرش کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول لے کر اس نے آواز دھیمی کر کے کہا تو زرش لب بھینچ کر متحرک اسکرین کو گھورے گئی۔ اس سمے اسے اپنے چہرے کو بے تاثر رکھنے کے لیے کافی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ ایک عجیب سے عذاب سے گزر رہی تھی۔

”وہم ہے تمہارا اور کچھ نہیں......“ وہ کھل کر ہنسی تھی۔ نوشی کو اس کی ہنسی کا کھوکھلا پن شدت سے محسوس ہوا۔

”میرا نہیں خیال کہ ہم بہنوں میں ایسے حالات کبھی رہے ہوں کہ ہم کسی سے کچھ چھپائیں۔ مجھے لگتا ہے تم بہت زیادہ ڈس ہارٹ ہوئی ہو کسی بات سے۔ ہر وقت تمہاری آنکھوں میں، میں نے ایک نمی دیکھی ہے۔ تم اسے میرا وہم کہہ کر مت ٹالو۔ ہم دونوں آپس میں اتنی بے تکلف تو ہیں نا کہ ہر بات کھل کر ایک دوسرے سے کر سکیں۔ آرام سے مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے آخر......؟“ اس نے زرش کی ہنسی کے کھوکھلے پن کو اپنے دل میں محسوس کیا تھا۔ نوشین کو زرش کا یہ انداز بہت تکلیف دے رہا تھا۔ تبھی وہ خود کو باز پرس سے نہ روک پائی تھی۔ زرش کی آنکھوں میں نمی ایک دم عود کر آئی تھی۔ اعتبار ٹوٹا تھا یا اپنا آپ بے وقوف بنائے جانے کا ملال تھا۔ آنکھیں تھیں کہ مسلسل نمی سے دوچار تھیں اور وہ اپنے آپ کو اس گرداب میں پھنسنے سے بچا نہیں پا رہی تھی۔

”زرش پلیز! مجھے بتاؤ ورنہ میں ماما کو بلا لوں گی......“

زرش لاکھ بے پروا سہی مگر وہ حساس بھی حد سے بڑھ کر تھی اور نوشین سے بڑھ کر اسے بھلا کون جانتا تھا، وہ ماں جائی تھی اس کی۔ یہ اس کی حساسیت ہی تو تھی کہ وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو شدت سے محسوس کر جاتی تھی۔ یہ بھی سچ تھا کہ یہ زرش خاندان بھر کی چہیتی اور لاڈلی تھی۔ کوئی اس کی آنکھ میں آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کجا کہ دو دن سے اس کی آنکھوں میں مسلسل نمی سی تھی۔ نوشین کو لگا زرش کی یہ کیفیت اسے کسی گہرے ملال سے دوچار کر رہی ہے۔

"زرش! مجھے بھی نہیں بتاؤ گی۔ کیا تائی جان سے اتوار والے روز کوئی تلخ کلامی ہوئی تھی؟" زرش کو آنکھوں کی نمی چھپتے دیکھ کر اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ زرش نے نفی میں سر ہلایا۔ نوشین کے استفسار پر وہ خود کو رنجیدہ ہونے سے نہیں روک پا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ اندر کا سارا غبار آنسوؤں میں بہا دے۔ نوشین کو سب بتا دے اس پر کیا قیامت گزری ہے۔ سمعان احمد کی ذات سے متعلق انکشاف نے اسے کس برزخ میں لا پھینکا تھا۔ رشتوں کا وقار مجروح ہوا تھا یا اعتبار کا خون' نقصان دونوں ہی عمر بھر کا خسارہ جھولی میں ڈال گئے تھے۔

وہ نوشین کی جھولی میں سر رکھ کر رو دی' پھوٹ پھوٹ کر۔ یوں جیسے کوئی عمر بھر کے نقصان پر روتا ہے۔ یا پھر کسی بہت پیارے کے چھن جانے کے غم میں مچلتا ہے۔

"نوشی......" نوشین کا نام اس کے ہونٹوں پر مچل کر رہ گیا۔

نوشین کا ہاتھ اس کے سر پر ساکت رہ گیا۔

زرش چھوٹی موٹی بات پر کبھی اس طرح ری ایکٹ نہیں کرتی تھی۔ ضرور کوئی بہت بڑی بات تھی مگر معاملہ کیا تھا' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ زرش کا بلکنا سوچ کو کسی مقام پر ٹھہرنے نہیں دے رہا تھا۔

"زرش......! زری...... کیا بات ہے' پلیز! اعتبار کرو مجھ پر۔ بہن سے بڑھ کر کوئی دم ساز اور ہمراز نہیں ہوتا۔ بتاؤ مجھے' کیا بات ہے جس نے میری پیاری سی مسکراتی' ہنستی کھیلتی گڑیا کی آنکھوں میں نمی بھر دی ہے۔ مجھے بتاؤ' جی میں اسے چھوڑوں گی نہیں......"

زرش کی حالت دیکھ کر نوشین نے ایک دم زرش کو بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔ زرش کا ہچکولے کھاتا جسم کچھ پرسکون ہوا۔ اسے ایک دم احساس ہوا کہ وہ کیا کر چکی ہے اور کس حماقت کا مظاہرہ کرنے جا رہی ہے۔

ماما' پاپا کا کمرہ لاؤنج کے قریب ہی تھا۔ کسی بھی لمحے دونوں میں کوئی بھی اس کے رونے کی آواز سن کر ادھر آ سکتا تھا۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا۔ نوشین کی گود سے سر نکال کر اسے دیکھا۔ وہ بے حد پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ ایک گہرا تفکر اس کی زرد نگاہوں سے ہویدا تھا۔

"اب بتاؤ کیا بات ہے......؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

نوشین کا جی چاہا اسے اندر ہی اندر گھلنے پر اس کا سر پھاڑ دے۔

"تو پھر اس ڈرامے کو میں کیا نام دوں......؟" نوشین کے خشمگیں انداز پر بھی زرش مہر بہ لب رہی تھی۔

"ٹھیک ہے...... تم مجھے نہیں بتانا چاہتی نہ سہی۔ جب سے تم تایا ابو کے ہاں سے لوٹی ہو تمہاری یہی حالت ہے۔ پرسوں رات میں اسٹڈی کے بعد اپنے کمرے میں گئی تو تمہارے روم کے پاس سے گزرتے ہوئے تمہاری سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے اپنا وہم جانا مگر تمہارا اب یہ ڈرامہ کسی طور پر بھی ہضم نہیں ہو رہا۔ میں ماما کو بلاتی ہوں۔ تم ماما پاپا سے تو کچھ بھی نہ چھپاؤ گی۔" وہ دھمکی آمیز انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

زرش نے ایک دم بوکھلا کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"نوشی! پلیز!" وہ اپنے گھٹنوں میں منہ چھپا کر پھر رو دی۔

نوشی کو احساس ہوا کہ بات چھوٹی موٹی نہیں ہے۔ یقیناً بہت بڑا حادثہ تھا گزر گیا۔

"میں خود بھی نہیں جانتی کیا ہوا ہے...... بس مجھے تو لگ رہا ہے میں اپنا تمام تر غرور' اپنی ساری ہستی کا افتخار' عمر بھر کا مان کھو آئی ہوں۔ میں تو ابھی تک اپنے نقصان کا اندازہ نہیں کر پائی' تمہیں کیا بتاؤں مجھے کیا ہوا ہے...... کس عذاب سے دوچار ہوں......" رندھی آواز میں ایسا ملال' ایسا دکھ پنہاں تھا کہ نوشین چپ چاپ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے ٹک گئی۔

"پھر بھی کہنے سننے سے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو سکتا ہے......" اس نے اسے تسلی دی۔

"ہاں! مگر کیا کہوں؟ بے وقوف تو میں خود ہی تھی جو چیز بار ہا محسوس کی' جو بات ہزار بار دل پہ کلک کرتی گئی اسی کی طرف سے بے پروا رہی۔ احمق تو میں خود ہوں۔ شاید احمق عظیم۔ اب سوچتی ہوں گزرے لمحوں کو انگلیوں پر گنتی ہوں تو اندازہ ہو رہا ہے مجھ سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی احمق و بے وقوف نہیں...... عمر بھر کا نقصان کھوایا ہے۔ اتنا انمول رشتہ کھو دیا ہے جس کو میں نے آکاش سمجھا وہی زمین نکلے یا میری بیوقوفی نے مجھے اس نقصان عظیم سے دوچار کیا...... کیا بتاؤں......؟" ملال و دکھ سے بھری آواز۔ نوشین کا دل کٹ سا گیا۔ زرش پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ بہت نرمی سے ہاتھ تھام کر سہلاتی گئی۔

"تم ساری بات بتاؤ پھر فیصلہ کروں گی تم بے وقوف ہو یا واقعی نقصان عظیم ہوا ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے مگر سنجیدہ انداز میں زرش کو اس بھنور سے نکالنا چاہا جس میں وہ دو دن سے مسلسل الجھی ہوئی تھی بلکہ گھری ہوئی تھی۔

زرش نے ایک گہری سانس کھینچتے اسے اتوار والے روز کا سارا قصہ کہہ سنایا۔ نوشین حیرانی سے ساری روداد سنتی گئی۔

"او مائی گاڈ' زرش! تم نے سمعان بھائی کو یہ سب کہہ دیا......"

"سب سننے کے بعد اس نے لب کشائی کی بھی تو کیا......" زرش نے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں انہیں قتل کر دوں......" وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ نوشین نے دہل کر زرش کا چہرہ دیکھا جس پر غصے کی لالی جوبن پر تھی بلکہ کرب' اذیت' بے یقینی سبھی کچھ تھا غصے و غم سمیت۔

"نہیں زرش' سمعان بھائی غلط ہرگز نہیں ہو سکتے۔ وہ تمہیں حقیقتاً پسند کرتے ہیں' یقین کرو۔"

سمعان سے متعلق اس انکشاف کے بعد نوشین نے زرش کے خیالات اور تیور کو سمجھ کر فوراً سمعان کے حق میں بولنا چاہا تو زرش بری طرح بھڑک اٹھی۔

"میں ان کا نام بھی نہیں سننا چاہتی...... نفرت سی محسوس ہو رہی ہے مجھے ان کے تصور سے ہی۔ انہوں نے میری کم عقلی یا میری بیوقوفی کو کیا سمجھا تھا۔ اتنی احمق ہوں کہ میں ان کی کسی انہونی خواہش کی

تکمیل کروں۔ کم از کم انہیں اپنے منصب کا ہی اندازہ لگالینا چاہیے تھا۔ ٹھیک ہے میری طبیعت میں لاابالی پن ہے' میں ہزار چاہوں بھی تو اپنی طبیعت کے اس رنگ کو سنجیدگی میں نہیں ڈھال پا رہی مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں کسی کی غلط سوچ کا محور بنوں۔ انہوں نے اتنی گھٹیا بات سوچی کیسے۔ وہ بھی میرے بارے میں.....'' وہ ایک دم آتش فشاں کی طرح پھٹی اور پھر کہتی چلی گئی۔ نوشین کو اس لمحے زرش پر بے پناہ ترس محسوس ہوا۔

''ہمارے لیے تو یہ کچھ بھی نیا نہیں ہے۔ ہاں مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ شاید تمہیں سمعان بھائی کے جذبات کا تھوڑا بہت اندازہ ہو' آخر کو لڑکی ذات ہو اور عورت تو اپنی طرف اٹھنے والی مرد کی ایک نگاہ سے ہی پہچان جاتی ہے کہ مقابل اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے تمہیں ذرا بھی اندازہ نہ ہوا۔'' اب کے بار چونکنے کی باری زرش کی تھی۔

''تم جانتی تھیں...... کیسے......؟''

''پھپھو کے ہاں ایک دفعہ گئی تھی۔ تمہیں یاد ہوگا جن دنوں سمعان بھائی کے ہاں ان کی اور فوزیہ آپی کی شادی کا قصہ چل رہا تھا۔ ایک دن قیصرہ خالہ' پھپھو سے ملنے آئیں تو بات چلی تھی۔ اندازہ ہوا کہ سمعان بھائی کی کیا خواہش ہے اور تایا ابو کیا چاہتے ہیں بلکہ کچھ حد تک تو ماما' پاپا بھی یہی چاہتے ہیں کہ تمہاری بات سمعان بھائی سے طے کریں مگر تائی امی کے رویے کی وجہ سے وہ انکاری ہیں اور تم تو یہ بھی نہیں جانتیں کہ تایا ابو نے پاپا سے تمہارے اور سمعان بھائی کے رشتے کی بارہا بات کی ہے مگر پاپا ہر بار ٹال جاتے ہیں۔ دراصل وہ درست وقت کا انتظار کررہے ہیں۔''

وہ انکشاف پر انکشاف کررہی تھی اور زرش کی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا......؟'' اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

''ہادی آپا نے......'' زرش جتنی بے یقین تھی نوشی اتنی ہی مطمئن و پرسکون تھی۔

''اتنا کچھ ہو چکا ہے اور مجھے تم نے بتایا تک نہیں۔'' شکوے کے ساتھ آنسو بھی بہہ نکلے۔

''رشتے وغیرہ سے متعلق تو یقین تھا کہ یہ بات ہادی آپا نے بتائی ہے' جھوٹ نہیں ہوسکتا مگر سمعان بھائی سے متعلق میں خود بھی بے یقین تھی۔ قوی گمان یہی تھا کہ یہ قیصرہ خالہ کی ''ہوائی'' ہوگی جو وہ ہماری مخالفت میں انہوں نے اڑائی ہوگی۔ پھر سمعان بھائی کا انداز بھی تمہارے ساتھ ایسا رہا کہ ایک لمحے کو یقین پختہ ہوجاتا تھا تو دوسرے لمحے ان کا قطعی سنجیدہ انداز دیکھ کر غلط فہمی کا گمان ہوتا تھا۔ پھر سمعان بھائی ایک معتبر شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے یا کہنے سے بھی احتراز برتتی رہی کہ ہوسکتا ہے کہ میرا وہم ہو...... صرف قیصرہ خالہ کی ''اڑائی'' ہو۔''

نوشین کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ زرش کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ اپنا آپ اس وقت بہت احمق لگ رہا تھا۔ یعنی کہ صرف وہی بے خبر تھی۔

''سمعان بھائی بہت اچھے' سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ خاندان کی ہردلعزیز اور معتبر شخصیت۔ قیصرہ خالہ اور تائی امی کی مخالفت و رویے سے ہٹ کر دیکھا جائے تو سمعان بھائی سے بڑھ کر تمہارے لیے

کوئی اور مناسب نہ ہوگا' مگر......'' زرش نے ایک دم تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔ نوشی مسکرادی۔

''اتنا زیادہ زود رنج ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم نے انہیں ہمیشہ ایک بڑے بھائی کی نظر سے دیکھا بلکہ سگے بھائی کا مقام دیا لیکن یہ بھی سچ ہے سمعان بھائی کی شخصیت مسلم ہے۔ ان سے نظر بچانا ناممکن ہے۔ ہزاروں لڑکیاں ہوں گی مگر وہ تمہاری طرف متوجہ ہیں۔ ضرور دل کا معاملہ ہوگا پھر ان کی شخصیت کو یہ قطعی زیب نہیں دیتا کہ وہ تمہارے یا کسی بھی لڑکی کے متعلق کوئی بات کہہ دیتے یا لکھ دیتے...... اپنے دل و دماغ کی گرہیں کھولو...... انہیں قبول کرنا یا رد کرنا دوسرا معاملہ ہے فی الحال تو تم ان کی پوری ذات کی نفی کررہی ہو۔ ان کے کردار پر انگلی اٹھا رہی ہو...... وہ تم سے دل سے انوالو ہیں' یہ کیوں نہیں سوچتیں...... اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ صنف نازک سمجھ کر وہ تمہاری طرف متوجہ ہوئے ہیں تو تم غلط ہو۔ وہ بھرپور پارسائی رکھتے ہیں۔''

''مجھے نہیں پتا تم کیا کہہ رہی ہو...... مجھے تو یہ دل ول' یہ سب بکواس لگتا ہے۔ فلمی سچویشن' حقیقت سے قطعی لاتعلق۔ میں تو اتنا سمجھ رہی ہوں انہوں نے میرے ساتھ غلط کیا ہے۔ اگر وہ اس طرح انوالو تھے تو انہوں نے مجھے اس طرح دھوکا دینے کی کوشش کیوں کی؟ کیوں مجھے بے وقوف بناتے رہے؟ نوشی مجھے بارہا ان کی باتوں سے' ان کے رویوں سے اندازہ ہوا کہ ان کا رویہ میرے ساتھ اپنائیت سے بڑھ کر ہے مگر خدا کی قسم میں نے کبھی اس طرف دھیان ہی نہ دیا کہ وہ اس طرح بھی سوچ سکتے ہیں یا شاید میں نے انہیں جو مقام' جو رتبہ دیا تھا' میں نے اس مقام و مرتبے سے ہٹ کر انہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ میری بیوقوفی ہے۔ میں نے انہیں ہمیشہ صرف ''سمعان بھائی'' ہی سمجھا تھا۔ ہمارا بھائی نہیں ہے' انہیں بھائی کا مقام میں نے دل سے دیا تھا بلکہ ہر لمحہ اس مقام کی پاسداری بھی کی تھی۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ اس حد تک چلے جائیں گے تو بخدا میں کبھی ان سے اتنی بے تکلف نہ ہوتی۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں میرا نقصان کتنا شدید ہے۔ میں نے صرف سمعان احمد کو نہیں کھویا بلکہ محبت و اعتماد کی ڈور میں لپٹا ''بھائی'' کا رشتہ کھو دیا ہے۔ کاش میرے دکھ کا کوئی اندازہ کرسکے۔ میرا مان میرا اعتبار کوئی لوٹا سکے۔''

وہ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ اس کا نقصان واقعی شدید ترین تھا۔ نوشی چپ چاپ دیکھے گئی۔ زرش کے بے ریا آنسو اس کی سمعان احمد سے بے ریا محبت کے گواہ تھے۔ وہ محبت جو ایک مقدس رشتے سے لپٹی ہوئی تھی۔

وہ خاموشی سے زرش کی کمر سہلاتی رہی کہ زرش سے فی الحال سمعان احمد سے متعلق کچھ بھی کہنا سننا بے کار تھا۔

زرش کے بے لچک انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ جو ٹھان چکی ہے' جو سوچ چکی ہے اب اسی سوچ پر کاربند رہے گی...... اور ہر حال میں رہے گی۔

⁂

رات کے کھانے کے بعد سبھی لاؤنج میں براجمان تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ شادی کے دن قریب تھے تو ہر طرف تیاریوں کے نظارے دکھائی دے رہے تھے۔

نواز فاروق کی سبھی بہنیں براجمان تھیں' ثناء' شائلہ' زارا' حمیرا۔

نواز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ امی ابو کو کس طرح صورت حال سے آگاہ کرے۔ اپنے آپ سے مسلسل جھگڑتے ایک فیصلہ تو کر لیا تھا' اب اس پر عمل درآمد کے آخری مرحلے میں قدم ڈگمگا رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ اپنے فیصلے سے ایک دم منکر ہو جائے۔ شارق زمان کو کہہ دے اپنا بھگتان خود بھگتے۔ اس بھگتان میں اس کا قطعی کوئی حصہ نہیں مگر نویرہ فاروق اور آنے والے حالات کا تجزیہ کرتے جب نواز فاروق نے اپنے متوقع ردعمل کا جائزہ لیا تو اسے صرف ایک ہی صورت نظر آ رہی تھی۔

انکار...... صاف انکار...... مگر کیسے......؟ وہ مسلسل الجھن کا شکار تھے۔

چائے سے فارغ ہونے کے بعد نواز نے بہت آہستگی سے امی ابو کے سامنے ذکر چھیڑ دیا تھا۔ وہ تو یونہی متوجہ ہوئے تھے مگر جب نواز نے شادی سے انکار کا ذکر کیا تو دونوں میاں بیوی ہی نہیں' لاؤنج میں موجود ہر فرد اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔ حمیرا کے ساتھ باقی تینوں بہنیں بھی متوجہ ہوئی تھیں۔

”تم ہوش میں تو ہو' جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟“ نواز فاروق کے انکار نے فاروق صاحب کو ایک دم مشتعل کر دیا تھا۔

”جی بہت اچھی طرح......“ اسی سعادت مندانہ دھیمے انداز میں جھکے سر سے گویا تھا۔ وہ ہکا بکا دیکھے گئے۔ ساری بہنیں سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ کر ماں باپ کے گرد جمع ہو گئی تھیں۔

”نواز! یہ کیا مذاق ہے؟“ رضیہ بیگم تو ابھی تک بے یقین تھیں۔

”یہ مذاق نہیں' سچ ہے۔ میں نویرہ سے شادی نہیں کر رہا۔ ایم سوری!“ سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔ دو ٹوک لہجہ تھا جس میں کسی احساس کی کوئی رمق نہ تھی۔

”وجہ......؟“ فاروق صاحب کا غصیلہ لہجہ ایک دم عود کر آیا تھا۔

نواز فاروق اسی طرح سر جھکائے خاموش رہا تو فاروق صاحب کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

”رضیہ! اس سے پوچھو...... اس بیہودگی کا مقصد کیا ہے؟ اب جب کہ شادی میں تین چار دن باقی ہیں یہ کیا کہہ رہا ہے کہ یہ نویرہ سے شادی نہیں کر رہا۔“ دکھ' تاسف' غم و غصہ' اشتعال نہ جانے کیا کچھ نہ تھا ان کے لہجے میں۔

نواز فاروق بے تاثر چہرے سمیت لاؤنج کے قالین کو گھورے گیا۔

”نواز بھائی! یہ کیا مذاق ہے؟“ بڑی بہن نے فوراً نواز کا کندھا ہلایا تھا۔

”میں کہہ چکا ہوں یہ مذاق نہیں ہے۔ آپ لوگ سنجیدگی سے میری بات پر غور کریں۔ میں کبھی بھی نویرہ سے شادی نہیں کروں گا......“

”وجہ......؟“ اب کے بے یقین آواز رضیہ بیگم کی تھی۔

نواز نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

جو وجہ وہ اگر یہاں بیان کر دیتا تو سارا خاندان شارق زمان سمیت نویرہ کو سنگسار کر دیتا اور نویرہ جیسی صاف شفاف لڑکی کی رسوائی اسے کبھی گوارہ نہ تھی۔ کیسی خندق تھی جو اس کے آگے کھود دی گئی تھی۔

وہ پسند ہی نہیں' دل کی مکین بھی بن گئی تھی۔

اور جو دل کے مکین ہوں انہیں بے آبرو ہوتے کبھی دیکھا نہیں جا سکتا۔ نواز فاروق کو اپنے ضبط پر کنٹرول کرنا مشکل ہونے لگا۔

”میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں......“ الفاظ تھے کہ بم۔

”کیا......!“ سبھی اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔

سبھی کے منہ کھلے تھے۔ نواز اور کسی اور سے شادی...... قطعی جھوٹ تھا۔ ناقابلِ یقین۔

”کون ہے وہ......؟“ فاروق صاحب کے لہجے میں سختی تھی۔ نواز خاموش رہا کہ بے اختیاری میں جو الفاظ منہ سے نکل گئے تھے اب اپنے الفاظ کو کیسے سنبھالنا تھا۔ خاصا وقت طلب مرحلہ تھا۔ گویا جان کنی کے عمل سے گزر رہے تھے۔ اپنے منہ سے نکلے بے اختیاری کے الفاظ اب ساری عمر نبھانے بھی تھے۔

”رضیہ! پوچھو اس سے' یہ کس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایسی کون سی اعلیٰ نسب کی مالک ہے جس کے لیے وہ نویرہ جیسی ہیرا صفت لڑکی کو ٹھکرا رہا ہے۔ پوچھو اس سے وہ کون ہے جس کے لیے یہ ہم پر اتنی بڑی قیامت ڈھا رہا ہے؟“

فاروق صاحب چند لمحے نواز کی طرف سے جواب کے منتظر اسے دیکھتے رہے تھے مگر دوسری طرف مسلسل خاموشی تھی۔ فاروق صاحب کے لیے ضبط روح پر بوجھ تھا۔ وہ کیسے اتنی بڑی بات برداشت کر لیتے۔

نواز فاروق ان کا اکلوتا ہی نہیں' لاڈلا اور قابلِ رشک بیٹا رہا تھا۔ انہیں اس پر ہمیشہ فخر محسوس ہوا تھا۔ انتہائی سلجھا ہوا اور فرمانبردار بیٹا۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتے تھے۔ نواز فاروق نے زندگی کے کسی معاملے میں کبھی ان کے سامنے ناں نہیں کی تھی۔ کبھی ان سے بحث نہیں کی تھی۔ ہمیشہ ان سے سر جھکا کر بات کی تھی۔ سر تو ابھی بھی جھکا ہوا تھا مگر لہجے اور انداز میں جو سرد مہری تھی وہ آج پہلی دفعہ دکھائی دے رہی تھی۔ گویا نواز قطعی فیصلے کے بعد بغیر نفع نقصان کی پروا کیے اس کارزارِ عمل میں کودا تھا۔

”نواز! کیوں ہمیں رسوا کروانے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسی کوئی بات تھی تو پہلے بتایا ہوتا۔ تم سے پوچھ کر

تمہاری رائے کو مقدم جانتے ہوئے یہ رشتہ طے کیا تھا ورنہ تم جانتے تھے کہ میری کیا خواہش ہے۔ مگر میں نے اپنی خواہش کو ٹال کر تمہاری رائے کو اولیت دی اور اب تم کہہ رہے ہو کہ تم نویرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے جبکہ شادی میں بھی چند دن باقی ہیں۔ وہ بچی تو معتوب ٹھہرادی جائے گی۔ بے قصور ماری جائے گی۔ عمر بھر کی ذلت علیحدہ۔ اسے کس قصور کی سزا دے رہے ہو۔ ہم تو ماں باپ ہیں' بھگت لیں گے مگر وہ......"

"یہاں ہر کوئی بے قصور ہی مارا جاتا ہے۔ میری اپنی بھی کوئی خواہش ہے' ذاتی پسند ناپسند۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر معاملے میں آپ کے سامنے سر جھکاتے جھکاتے زندگی کے اس اہم معاملے پر بھی وہی روش اختیار کروں۔ میری بھی کچھ ذاتی اینج منٹ ہیں۔ آپ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے۔"

وہ ماں کو اہمیت دینے والا آدمی تھا مگر اب ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا۔ سب حیرت زدہ رہ گئے۔

یہ نواز کا کون سا روپ تھا۔

"میں سب سمجھ رہا ہوں۔ اس خاندان میں برسوں پہلے زمان بھائی کے اندر بھی ایسی ہی جوانی کا ابال اٹھا تھا جو اس خاندان کی برسوں کی عزت و آبرو بہا کر لے گیا تھا۔ آج تک اس کا خراج ادا کر رہے ہیں ہم لوگ۔ پہلے شارق زمان کی صورت میں اور اب ان کی بیٹی شیوانہ کی صورت میں۔ جیسی عورت کے لیے انہوں نے ماں باپ کے سامنے ٹکر لی تھی' پرکھوں کی عزت کو روندا تھا اب برسوں بعد یہ بھی وہی کرنا چاہتا ہے۔"

غم و غصے' طیش و غضب سے کہتے انہوں نے نواز کو گھورا تھا۔

نواز کے اندر سخت تحریک برپا ہوئی تھی مگر ضبط کمال کا تھا۔

"آپ کچھ بھی سمجھئے' میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکا ہوں۔ شادی میں وہیں کروں گا جہاں میری کمٹمنٹ ہے۔ آپ پر منحصر ہے کہ آپ میرا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں۔ رہ گئی نویرہ کی بات! وہ اچھی لڑکی ہے۔ اسے بہت سے رشتے مل جائیں گے۔ مگر میں نے ایک دفعہ موقع گنوا دیا تو پھر مجھے اپنی پسندیدہ لڑکی نہیں ملے گی......"

ماں باپ کے سامنے جس قدر ادب و لحاظ کا مظاہرہ کرتا تھا اسی قدر بے باکی سے اس نے اپنی بات واضح کی تھی۔ فاروق صاحب ایک دفعہ پھر شاک میں رہ گئے۔

"کیا واقعی یہ میرا وہی فرمانبردار بیٹا ہے؟" وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"ہرگز نہیں' یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس گھر میں صرف نویرہ آئے گی۔" انہوں نے سختی سے ٹوک دیا تو نواز فاروق آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو ٹھیک ہے۔ آپ بے شک اس گھر میں نویرہ کیا کسی بھی ایکس وائی کو لاتے رہیں۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا پھر جو مرضی کیجئے گا۔"

انداز دھمکی آمیز تھا۔

رضیہ بیگم اور ساری لڑکیاں حیرت سے گنگ نواز فاروق کو دیکھ رہی تھیں۔

انتہائی بے لحاظ' بے مروت اور دو ٹوک انداز تھا۔ جیسے اس کا ان سے کوئی بھی خونی تعلق نہ تھا۔ صرف ایک لڑکی کے لیے وہ آج اپنے والدین کے سامنے ڈٹ گیا تھا۔ ان والدین کے سامنے جن کے سامنے وہ ہمیشہ نظریں نیچی رکھے ہم کلام رہا تھا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو......؟" فاروق زمان فوراً نواز کے سامنے آ ٹھہرے تھے۔ رضیہ بیگم اور لڑکیاں ڈر کر فوراً آگے بڑھی تھیں۔

"آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔ میں نے تو فی الحال شادی سے انکار کیا ہے......"

انتہائی سفاک انداز تھا۔ اس انداز نے فاروق صاحب کے اندر کے لاوے کو ایک دم اشتعال کے رنگ میں باہر اچھالا تھا۔

"بکواس بند کرو...... شرم کرو تم باپ کے سامنے کھڑے ہو......" ان کا ہاتھ اٹھا تھا مگر طمانچہ مارنے کے بجائے وہ غصے سے مٹھی بھینچ کر اسے تنبیہ کر رہے تھے۔ نواز فاروق سپاٹ چہرے سے دیکھے گیا۔

ساری بہنیں اور ماں خوفزدہ سی آگے بڑھی تھیں۔

"دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے...... کان کھول کر سن لو تمہاری شادی صرف نویرہ سے ہی ہوگی۔ وہ بھی اسی طے شدہ ڈیٹ پر ورنہ تم اس گھر سے نکل جانا' میں سمجھوں گا میرا کوئی بیٹا ہی نہیں۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لو تم میری یہ بات۔ اس ذلت سے میں موت کو گلے لگانا بہتر سمجھوں گا۔"

نواز خاموشی سے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد رضیہ بیگم اور ساری بہنیں آ گئی تھیں۔ نہ جانے کس کس طرح اسے سمجھاتی بہلاتی رہی تھیں۔ قسمیں' واسطے' دلائل نہ جانے کیا کیا عہد و پیماں باندھتی رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے سب کی سنے گیا۔ سب سمجھتی رہیں کہ جیسے وہ قائل ہو گیا ہے مگر وہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ اب فیصلے پر عملدرآمد کر چکا تھا۔ اب رد و بدل کی قطعی گنجائش نہ تھی۔ ماں کے آنسو' بہنوں کی التجائیں' وہ خالی الذہن سے دیکھے اور سنے گیا۔ ایک بجے کے قریب وہ سب چلی گئیں تو باقی کی رات نواز کو کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ یوں لگا گویا بستر پر کانٹے اگ آئے ہوں۔

اذیت ہی اذیت تھی۔

اگلی صبح تک وہ اپنے فیصلے پر مضبوطی سے ڈٹا ہوا تھا۔ اپنی طرف سے دیر سے کمرے سے نکلا تھا۔ لاؤنج میں آیا تو فاروق صاحب اور ماں کو باہم گفتگو کرتے پایا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر چپ ہو گئے تھے۔ فاروق صاحب نے غصے سے منہ پھیر لیا۔

"ناشتہ تیار کرواؤں......؟" پورے گھر میں محسوس کن خاموشی تھی۔ نواز نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر آہستگی سے باپ کے سامنے صوفے پر آ بیٹھا۔

کتنے پل خاموشی سے سرک گئے۔

"تم نے کیا سوچا ہے...... میرا خیال ہے کہ تمہارے دماغ کی جو پھرکی گھومی ہے وہ اب واپس اپنی

جگہ پر آ چکی ہوگی۔ شادی سے انکار کرنا اتنا آسان نہیں اور وہ بھی نویرہ جیسی لڑکی کے ساتھ.....“ اس خاموشی کے طویل دورانیے کو آخر کار فاروق صاحب کی بے لچک آواز نے ہی توڑا تھا۔ نواز نے خاموشی سے باپ کو دیکھا۔

”میرا فیصلہ ہنوز وہی ہے۔“

”نواز.....“ رضیہ بیگم نے شاک سے دیکھا۔ رات جس طرح انہوں نے اسے سمجھایا بجھایا تھا‘ ان کو یقین تھا کہ وہ راضی ہو گیا ہوگا مگر اب پھر وہی ضد۔

”رضیہ! اسے کہو فوراً اس گھر سے چلا جائے۔ میں اب ایک لمحہ بھی اسے اپنے گھر میں نہیں دیکھ سکتا۔ ایسی ناہنجار‘ ناخلف اولاد کی میرے گھر میں کوئی ضرورت نہیں..... یہ ہمیں جس ذلت سے دوچار کر رہا ہے وہ ہمارا مقدر سہی۔ میں بھی صبر کے گھونٹ پی لوں گا کہ اللہ نے مجھے کوئی بیٹا دیا ہی نہیں تھا۔ لوگوں کے بیٹے مر جاتے ہیں‘ میں سمجھوں گا میرا بھی مر گیا ہے۔“

اتنے سخت الفاظ‘ اتنا سخت انداز۔ رضیہ بیگم تڑپ کر رہ گئیں۔

باپ کی گرجدار آواز سن کر نہ جانے کن کونوں کھدروں سے ساری بہنیں نکل آئی تھیں۔

”خدا کے لیے..... ٹھنڈے دماغ سے بات کریں۔ غصہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ پیار سے سمجھائیں۔ جوان اولاد کے سامنے یہ بات کرنے کا کون سا انداز ہے۔“ رضیہ بیگم بے چارگی سے کہہ رہی تھیں۔

انہوں نے غصے سے نواز فاروق کو دیکھا۔

”ایسی اولاد سے ماں باپ ایسی ہی بات کرتے ہیں۔ یہ میرا بیٹا ہے‘ باپ نہیں کہ آرام سے بات کروں۔“

ان کا غصہ کسی طور بھی کم ہونے والا نہ تھا۔

”گستاخی معاف‘ ابو جان! اپنی پسند سے شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔“ اپنے اسی مخصوص دھیمے انداز میں نواز نے لب کشائی کی تھی۔

”دیکھ رہی ہو تم‘ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ ابھی تم کہہ رہی ہو کہ میں اس کے ساتھ سکون سے بات کروں۔“ انہوں نے طیش میں بیوی کو ڈانٹا۔ ”اسے پہلے ہوش نہیں تھا۔ پہلے منہ سے پھوٹا ہوتا‘ بھاپ نکالی ہوتی کہ یہ چاہتا ہے۔ اب جبکہ چند دن باقی ہیں یہ کہہ رہا ہے کہ شادی نہیں کرنا چاہتا..... میں قتل کر دوں گا اسے اگر اس نے بات بھی کی تو۔“

”خدا کے لیے ابو جی..... یہ کیا کر رہے ہیں آپ.....“ وہ غصے سے آگے بڑھے تبھی شائلہ آپی نے فوراً دوڑ کر ان کا راستہ روکا تھا۔

”میرے راستے سے ہٹو۔ اپنی عزت سے کھیلنے والے کو میں ایک سیکنڈ بھی معاف نہیں کروں گا۔ سمجھ کیا رکھا ہے اس نے۔ اسے میں اپنی من مانی کرنے دوں گا‘ ہرگز نہیں۔“

وہ غصے سے مزید آگے بڑھے تو زارا بھی بھاگ کر ان کی راہ میں حائل ہو گئی تھی۔

”نہیں ابو جی۔ ہوش کریں۔“

رضیہ بیگم‘ باپ بیٹے کو مقابل دیکھ کر گویا ادھ موئی ہو رہی تھیں۔ حمیرا نے ماں کی دگرگوں حالت ہوتے دیکھ کر انہیں سہارا دے کر صوفے پر بٹھا دیا۔

”میں خود بھی یہاں نہیں رہنا چاہتا۔ ٹھیک ہے آپ جو جی چاہے کریں مگر میرے جانے کے بعد۔“ نواز نے بھی غصے سے کہہ کر باہر قدم نکالے تھے۔

ثنا اس کے پیچھے بھاگی تھی مگر اسے تو جیسے کسی کی پروا ہی نہ رہی تھی۔

پتھر بنا لیا تھا اس نے خود کو۔

اپنے کمرے میں آ کر بستر کے نیچے سے اپنا تمام سامان جو وہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا‘ نکالنے لگ گیا تھا۔

”بھائی! خدا کے لیے کیا کرتے ہیں۔ کیوں ضد کر رہے ہیں۔ امی کا ہی احساس کریں۔ ہم کیسے جئیں گے۔ اتنے کٹھور تو نہ بنیں۔“

اسے اپنی مطلوبہ تمام چیزیں سمیٹتے دیکھ کر ثنا رو دی تھی جب کہ دوسری طرف مطلق اثر نہ ہوا تھا۔ اسی طرح اپنا سامان سمیٹنے میں لگا رہا تھا۔ تبھی رضیہ بیگم بھی چلی آئی تھیں۔

”نواز! کیوں ماں باپ کے دل سے کھیلتے ہو۔ تم تو خود بھی اس رشتے سے خوش تھے۔ تمہاری رضامندی پر یہاں بات طے کی تھی۔ اب انکاری کیوں ہو۔ خاندانی لوگوں کے لیے یہ تو ذلت سے مر جانے کا مقام ہے۔“ ان کے آنسو بے اختیار تھے۔ نواز کے دل پر پتھر سے گرنے لگے۔ بمشکل ضبط کر پایا۔

محبت کرنے والی ماں کی طرف سے پشت پھیر لی۔ لاڈلا ہونے کی وجہ سے وہ عزیز تر بھی تو بہت تھا۔

”نواز! جو تم کہو گے میں کروں گی۔ تمہارے باپ کو راضی کر لوں گی‘ تم نہ جاؤ۔ ہم لوگوں کو خاندان والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ یوں نہیں کرو..... ہماری محبت کا امتحان نہ لو۔ میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔“ اس کی پشت سے سر ٹکائے وہ شدت سے رو دیں۔ نواز کو لگا وہ پل پل پگھل رہا ہے۔ ماں کی محبت اسے مجبور کر رہی ہے۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رہی ہے مگر..... نویرہ کو وہ کیسے قبول کر لیتا۔ اس کا ظرف اس درجے کا نہ تھا۔

وہ کوئی فرشتہ تو تھا نہیں کہ سب کچھ نظر انداز کر کے نویرہ کو اپنا لیتا اور ساری عمر اس پر پردہ ڈالے رکھتا۔ نہ جانے کب ضبط چھلک پڑتا‘ نہ جانے کب زبان راز افشا کر جاتی اور پھر اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ وہ نویرہ کو بیوی کی حیثیت سے قبول بھی کر لیتا اس کی مردانگی پر یہ ایک گہری چوٹ تھی۔ وہ اپنی بشری کمزوریوں کے سامنے ہار گیا تھا مگر اب ماں کے آنسوؤں سے نہیں ہارنا چاہتا تھا۔ وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچ گیا۔ آہستگی سے ماں کو اپنے سے دور ہٹایا۔

وہ یہ گھر‘ یہ جنت‘ یہ رشتے چھوڑ کر جا رہا تھا‘ نہ جانے کب تک..... یہ سزا اس کی اپنی تجویز کردہ تھی۔ ایک ناقابل معلوم مدت تک۔ اس نے خاموشی سے تمام سامان کے بیگ اٹھائے تھے۔

ساری بہنیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ماں کا برا حال تھا۔ وہ نگاہیں پھیر گیا۔

کمرے سے نکل کر وہ لاؤنج کے دروازے پر رکا تھا۔

فاروق صاحب دہلیز پر ہی کھڑے تھے۔

اسے سامان سمیت دیکھ کر ان کے اندر دکھ، ملال، اضطراب، غم و غصہ نہ جانے کس کس جذبے نے دم توڑا تھا۔ بے یقینی کی تہہ سب سے بڑھ کر تھی۔

"نواز! خدا کے لیے رک جاؤ...... یہ دیکھو میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ ماں ہوں تمہاری، حق رکھتی ہوں مگر مجبور ہوں۔ رک جاؤ...... نہ جاؤ۔ ایک ہماری بات کا بھرم رکھ لو۔ نویرہ مر جائے گی، ہم جیتے جی مر جائیں گے۔" ماں کی آہ و زاری اور آنسوؤں سے وہ نہیں پگھلا تھا مگر ماں کو اپنے سامنے ہاتھ جوڑتے دیکھ کر وہ لرز اٹھا تھا۔

ایک دم سب چیزیں چھوڑ کر ماں کے ہاتھ تھامے تھے۔

"امی خدا کے لیے...... پلیز نہیں...... ٹھیک ہے میں نہیں جاتا......" بے حد بے چارگی سے کہا گیا تھا۔

رضیہ بیگم تو جیسے دوبارہ جی اٹھی تھیں۔

"تم نویرہ سے شادی بھی کرو گے نا؟" وہ جیسے ابھی سب کچھ منوا لینا چاہتی تھیں۔

"نہیں۔" اگلے ہی پل وہ پھر پتھر ہوا تھا۔

"رضیہ! اسے کچھ بھی کہنا فضول ہے۔ جانے دو اسے۔ جب باہر کے دھکے کھائے گا تو عقل ٹھکانے آ جائے گی۔ باپ کے مال پر عیش کرتے ہوئے یہ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا ہے۔ دو دن زمانے کی ٹھوکروں پر رہے گا تو پتا چل جائے گا۔ کنگال سے کوئی عشق نہیں کرتا۔ جس کے لیے ماں باپ کو ٹھوکر مار کر جا رہا ہے وہ ایسے خالی ہاتھ لوگوں کے کام نہیں آتے۔"

وہی سخت پتھریلا انداز۔ نواز نے خاموشی سے باپ کو دیکھا تھا۔

"نہیں...... یہ نویرہ سے شادی کرے گا۔ میں کہوں گی تو کرے گا۔ میری بات یہ نہیں ٹالے گا...... ہماری عزت کا سوال ہے۔ نواز دیکھو انکار نہیں کرنا......"

وہ منت سماجت پر اتر آئی تھیں۔

نواز کے اندر طوفان برپا ہو گیا۔ اس ماں کی آنکھوں میں اس کی وجہ سے آنسو تھے جس کو اس نے کبھی رلایا نہ تھا۔

"ٹھیک ہے...... میں نویرہ سے شادی بھی کر لیتا ہوں مگر آپ کو بھی میری ماننا ہو گی۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اتنی جلدی وہ مان جائے گا۔ خوشی کے ساتھ شرط کی بندش کا اضطراب بھی چہرے پر در آیا۔

"کیسی شرط......؟" ماں خوف کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

"میں صرف آپ لوگوں اور اس خاندان کی عزت کے لیے شادی کر لیتا ہوں مگر میں نویرہ کو کبھی نہیں

رکھوں گا۔ جیسے ہی یہ تقریب کے ہنگامے سرد ہوئے میں اسے چھوڑ دوں گا۔ ہمیشہ کے لیے، طلاق دے کر......"

"نواز!" ماں کی محبت طمانچہ بن کر اس کے منہ پر پڑی تھی۔ نواز نے گال پر ہاتھ رکھے ماں کو دیکھا جو پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

"تم نے مجھے اتنا خود غرض سمجھا ہوا ہے۔ تم خود کیا ہو...... نویرہ جیسی لڑکی کے لیے تم جیسے دس نواز بھی کچھ نہیں۔ تم اس کے قابل ہی کہاں ہو۔ چلے جاؤ، مجھے نہیں پتا تھا جس بیٹے کو ارمانوں، محبتوں کی چھاؤں میں پروان چڑھا رہی ہوں اس کی سوچ اتنی گندی ہو گی۔ اپنی مطلب براری کے لیے طلاق تک پہنچ جائے گا۔ چلے جاؤ یہاں سے...... دفع ہو جاؤ...... ساری عمر مجھے اپنی صورت نہ دکھانا......"

"امی......!" وہ تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔ اپنے الفاظ کی تلخی و سنگینی کا احساس ایک دم ابال کی صورت اٹھا تھا۔

"مت کہو مجھے امی...... نہیں ہوں میں تمہاری امی...... چلے جاؤ یہاں سے۔" انہوں نے اسے غصے سے باہر کی طرف دھکیلا تھا۔

فاروق صاحب خاموش تماشائی تھے۔ نگاہوں میں دکھ و تاسف درج تھا۔

"امی! کیا کرتی ہیں...... یہ ہمارے بھائی ہیں......" شمائلہ نے ماں کو ٹوکا تھا۔ وہ اس کے کندھے پر سر رکھے رو دیں۔

نواز خاموشی سے بیگ اور دیگر چیزیں سنبھالے وہاں سے نکل گیا تھا۔

"ابو جان! بھائی کو روکیں۔ مت جانے دیں۔" حمیرا نے فاروق صاحب کا بازو جھنجھوڑا تھا۔

"اس کا چلے جانا ہی بہتر ہے اور تم بھی خاموش رہو۔ جو بھی اس کے لیے روئے گا میں اسے بھی اس کے پیچھے ہی چلتا کر دوں گا......" وہ غصے سے کہتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

رضیہ بیگم لہرا کر گر سی گئی تھیں۔ شمائلہ نے تھاما نہ ہوتا تو سیدھی زمین پر گرتیں۔

"ارے امی...... امی...... امی کو دیکھو کیا ہو گیا ہے انہیں۔" شمائلہ کی چیخ و پکار پر فاروق صاحب کے قدم رکے تھے۔

* * *

وہ فرح کے ساتھ ہی مسکراتی ہوئی کالج گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ علی فرح کو لینے آتا تھا اور جب علی نہیں آتا تھا یا لیٹ ہوتا تھا تو زرش اسے ڈراپ کرتی تھی۔ آج علی کے انتظار میں آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ اسے شاید نہیں آنا تھا۔ وہ فرح کو لیے باہر نکلی تھی۔ ڈرائیور کب کا موجود تھا۔ دو دفعہ چوکیدار اسے اطلاع دے چکا تھا۔ وہ دونوں بہت سہولت سے گیٹ سے باہر نکلی تھیں۔ اپنی آفس کی گاڑی جو کہ پاپا ان کے پک اینڈ ڈراپ کے لیے آفس سے بھجواتے تھے، کے ساتھ ڈرائیور کی جگہ سعان احمد کو دیکھ کر اس کا رنگ پہلے تو متغیر ہوا پھر اس پر سرخی غالب آتی چلی گئی۔ وہ ایک دم رکی تھی۔ یقیناً وہ آفس پاپا کو بتا کر انہیں لینے آئے تھے۔ اس دن کے بعد وہ تین دفعہ ان کے ہاں آ چکے تھے مگر زرش ان کے سامنے

ہی نہیں آئی تھی۔ ماما سے طبیعت کی خرابی یا اسٹڈی کا بہانہ کیے وہ کمرہ لاک کیے پڑی رہی تھی۔ سمعان احمد کا فون بارہا آ چکا تھا مگر زرش فون اٹینڈ کرنا بھول گئی تھی۔ نوشین ساری صورت حال سے باخبر تھی سو وہ اسے کال اٹینڈ کرنے پر مجبور نہیں کرتی تھی اور ماما کی موجودگی میں وہ مصروفیت کا کہہ کر ٹال جاتی تھی۔ شائستہ بیگم نے ابھی تک زرش کا رویہ نوٹ نہیں کیا تھا جبھی ابھی تک بازپرس کی نوبت نہیں آئی تھی مگر کب تک۔ شاید اسی لیے سمعان احمد نے آج یہ درمیانی راہ نکالی تھی۔

زرش کلس کر رہ گئی۔ قدم اٹھنے سے انکاری ہو گئے۔

سمعان احمد کی نگاہ دونوں پر ہی تھی۔ اسے ایک دم رکتے دیکھ کر وہ سیدھے ہوئے تھے۔

"ارے سمعان بھائی...... ! زرش! دیکھو آج سمعان بھائی آئے ہیں......" فرح کی نگاہ اب سمعان پر پڑی تھی۔ زرش نے مطلق پروا نہ کی۔ فرح سے اس نے کسی بھی قسم کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک دو دن وہ اس کی طرف سے پریشان اور فکرمند رہی تھی پھر زرش نے فرح سے اپنا رویہ معمول پر کر لیا تھا مگر اب سمعان کی آمد سب کچھ تہس نہس کر رہی تھی۔

سمعان احمد نے تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے ان کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"السلام علیکم۔" اپنے مخصوص بارعب متین سلجھے انداز سے مخاطب تھی۔ زرش نے نگاہ پھیر لی۔ وہ ان کی شکل دوبارہ کبھی نہ دیکھنے کی ٹھان چکی تھی۔

"وعلیکم السلام! آپ یہاں کیسے؟" فرح نے ہی جواب دیا تھا۔

"بس فارغ ہی تھا...... اور تم سناؤ زرش! کیسی ہو؟" انہوں نے اسے جواب دیتے زرش کے رویے کو بالکل ہی غیر اہم بنا دیا تھا۔ وہ پچھاڑ کھانے والے انداز میں غصے سے سمعان کی طرف پلٹی تھی۔ ایک غصیلی ملامت آمیز نگاہ ان کی جانب کی۔

اس وقت یہاں فرح نہ ہوتی تو وہ نہ جانے کیا کرتی۔ وہ بمشکل اپنے اوپر قابو کر پائی۔

ایک تلخ سی نگاہ ڈال کر دوبارہ منہ پھیر لیا۔

فرح نے زرش کے رویے کو بطور خاص نوٹ کیا۔ پھر سمعان کو دیکھا۔ وہ بغور زرش کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ زرش کے رویے' سمعان کے ذکر پر پہلوتہی برتنا۔ وہ الجھ تو گئی تھی مگر سرا کوئی ہاتھ نہیں لگ رہا تھا سو خاموش تھی۔ اب بھی دونوں کو دیکھ کر وہ بہت کچھ محسوس کر گئی تھی۔

ایک انجانی سی بات دونوں کے رویوں سے ظاہر تھی۔

"چلیں......" سمعان احمد نے دونوں کو دیکھا تو فرح نے سر ہلا کر قدم بڑھائے مگر زرش اسی طرح منہ پھیرے کھڑی رہی۔ فرح نے ٹھٹک کر قدم روکے۔ یقیناً بات سنگین تر تھی۔

"زرش آؤ...... رک کیوں گئی ہو؟" اس نے اسے ٹوکا تھا۔

"نہیں' تم جاؤ...... میں چلی جاؤں گی......" سمعان احمد کی طرف اس نے دوسری نگاہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ فرح کو صاف انکار کیا تھا۔ سمعان نے بغور دیکھا۔ سرخ جھلملاتے چہرے پر خفگی و ناراضگی کے اثرات حد درجہ غالب تھے۔ نگاہ پھیرے گویا کبھی نہ دیکھنے کی قسم کھا چکی تھی۔

"کیسے......؟ سمعان بھائی ہمیں لینے آئے ہیں۔ بے وقوف مت بنو' چلو آؤ۔"

"تو تم جاؤ۔ میں چلی جاؤں گی...... میری فکر مت کرو......" اسی ضدی انداز میں اس نے صرف فرح کو دیکھا تھا۔ سمعان احمد کے اندر کسی ابال نے سر اٹھایا تھا۔

"زرش...... کیا بچپنا ہے...... آرام سے بیٹھو...... میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں۔" آہستگی سے ڈانٹنے والا انداز تھا۔ زرش نے بھنا کر دیکھا۔

"میرے ساتھ کلام کرنے کی قطعی ضرورت نہیں' سمجھے آپ......" غم و غصہ' تنبیہ' نہ جانے کیا کچھ تھا لہجے میں کہ ایک پل کو سمعان احمد بھونچکا رہ گئے۔

یہ لڑکی ان سے جس قدر محبت وخلوص اور اپنائیت سے بات کرتی تھی اس سے قطعی مختلف انداز تھا۔ سمعان کے اندر کے اشتعال نے سر اٹھایا تھا۔

"زرش......" سختی سے ٹوک دیا۔ وہ سر جھٹک کر دوسری طرف منہ موڑ گئی۔

"تم بیٹھو گاڑی میں' ہم آتے ہیں......"

فرح حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ سمعان کی آواز پر تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔

"میرا خیال تھا کہ وقتی ابال ہے' عقل مندی سے سوچو گی تو اپنے رویے پر افسوس کرو گی۔ میرے متعلق انکشاف صرف تمہارے علاوہ کسی کے لیے کوئی انکشاف نہیں تھا۔ صرف تمہارے علاوہ ہر کوئی کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت باخبر ہی تھا حتیٰ کہ فرح کے علاوہ چچی جان اور چچا جان بھی......" انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے اسے غصے سے کہا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

یعنی کے باقی سب ماما' پاپا بھی باخبر تھے۔

وہ بے یقین تھی۔

"تم جب تک ساری صورت حال سے آگہی حاصل نہیں کرو گی اسی طرح اپنے مفروضوں پر کاربند' اپنے علاوہ میرے ساتھ بھی غلط کرو گی۔ اپنے متعلق انکشاف پر میں نہ ہی نادم ہوں اور نہ ہی شرمندہ۔"

زرش کی آنکھوں میں آنسو آ ٹھہرے۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں نے آپ کو کیا سمجھا اور آپ کیا نکلے...... آپ نے میرا اعتماد توڑا ہے۔ بھلے اب آپ کچھ بھی کہتے پھریں۔"

یہ جگہ نہ ہی رونے کے لیے مناسب تھی اور نہ ہی ان باتوں کے لیے مگر زرش کے انداز پر سمعان خود پہ بمشکل کنٹرول کر رہا تھا۔

"گاڑی میں چل کر بیٹھو...... آرام سے بات کرتے ہیں۔" اس کے صاف شفاف آنسو گالوں پہ لڑھکتے دیکھ کر انہوں نے کہا تھا مگر وہ سختی سے کہہ گئی۔

"ہرگز نہیں...... آپ نے مجھے جتنا بے وقوف بنانا تھا' بنا لیا۔ میری ہی بھول تھی جو میں نے آپ کو اتنی عزت دی۔ اتنا مان محبت دی۔ اب میں مزید بے وقوف نہیں بنوں گی۔ میں آپ کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔ چلے جائیں یہاں سے۔" وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔ سختی سے کہتے بیدردی سے رخسار

رگڑتے وہ واپس پلٹی تھی۔ اس سے پہلے کہ سمعان احمد کچھ سمجھتا وہ تیزی سے کالج گیٹ سے اندر چلی گئی تھی۔

یہ اس بات کا واضح اظہار تھا کہ وہ سمعان احمد سے کس حد تک متنفر ہو چکی ہے۔ سمعان احمد نے تاسف سے گیٹ کو دیکھا۔

* * *

رضیہ بیگم اور فاروق صاحب دونوں آئے تھے۔ نواز فاروق کا انکار بتاتے دونوں کے سر جھکے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

”نواز کسی اور کو پسند کرتا تھا۔ وہ نویرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اسی لیے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“

فاروق کے الفاظ پورے گھرانے پر قیامت کے زلزلوں سے کم نہ تھے۔ جو جہاں تھا وہیں ڈھے گیا۔ خالدہ بیگم کی حالت ایسی بگڑی کہ نویرہ اپنے حواسوں کو بمشکل بحال کرتے اماں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

نبیل بھائی، ساجد بھائی، شجی بھائی، نبیلہ بھابی، احمد بھائی اور ساجدہ باجی بھی موجود تھے۔ یہ انکشاف کسی آتش فشاں سے کم نہ تھا۔ ہر کوئی گم صم ہو گیا تھا۔

نویرہ جو ان دنوں میں خود کو سنبھال چکی تھی بلکہ کافی حد تک بحال بھی کر چکی تھی، ماں کو اس طرح دیکھ کر خود بھی ٹوٹنے لگی۔

نہ جانے یہ اس کی سیاہ بختی تھی یا ستم ظریفی۔

پہلے شارق زمان کا بھیانک روپ اسے بکھیر گیا تھا اور اب نواز فاروق کا یہ تازیانہ پہلے سے بڑھ کر جا ہی مچا گیا تھا۔ اسے لگا کہ وہ لمحوں میں ٹوٹ کر بکھری ہے۔

رضیہ بیگم اور فاروق چچا مجرم بنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اپنا جرم بیان کر کے سزا سننے کے منتظر تھے مگر کسی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے لیے کیا سزا تجویز کریں۔ دونوں بھائی نبیل اور ساجد حیران و پریشان تھے۔ احمد بھائی (ساجدہ کے شوہر (بہنوئی) خود معاملے کی سنگینی میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ نبیلہ اور شجی بھابی بڑے حوصلے سے اس صورت حال سے نبرد آزما تھیں۔

ساجدہ باجی نویرہ کو بازو میں لیے مسلسل نیر بہا رہی تھیں اور نویرہ گم صم کیفیت میں اپنے درد کا اندازہ کر رہی تھی یا سیاہ بختی کا اور اماں اس انکشاف کے بعد جو تیورا کر گری تھیں، ابھی تک بیہوش تھیں۔ ڈاکٹر کو بلوا کر دکھایا تھا۔ وہ سخت صدمے اور شاک کا کہہ کر انجکشن وغیرہ لگا کر چلا گیا تھا تب سے اب تک ایک ہی فضا قائم تھی۔

نبیل نے فون کر کے چچی اور حمید چچا کو جلد پہنچنے کا کہا تھا۔ اب یہ بات یقیناً بہت آگے تک جانی تھی۔ شادی والا گھر ماتم کدہ بن کر رہ گیا تھا۔

ذلت و رسوائی کا ایک ناگ پھن پھیلائے کھڑا تھا۔

ساجدہ آپی اماں کے ہوش میں آنے کے بعد نویرہ کو وہاں سے ہٹا کر اس کے کمرے میں لے آئی

تھیں کہ اماں نویرہ کو دیکھ کر خود سے لپٹا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں۔

نویرہ کو دیکھ دیکھ کر وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ نویرہ کو نبیل بھائی نے منظر سے ہٹا دینے کو کہا تھا کہ اماں کی طبیعت کچھ تو سنبھلے۔ بات چھوٹی نہ تھی۔ شادی کے قریب اس طرح انکار ہوا تھا کہ کسی کو الزام بھی نہیں دے سکتے تھے۔ لعنت و ملامت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

طعنے تشنے نہیں دے سکتے تھے کہ مقابل ان کا اپنا خون تھا۔ سر جھکائے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے اپنے ہی رشتے تھے۔

ساجد بھائی جو دبئی سے بڑے ارمانوں سے یہاں لوٹے تھے اب یہاں کی دم بدم بدلتی کیفیت دیکھ کر حیران تھے۔

نویرہ ان سب کے لیے دل تھی جو ان سب کے سینے میں دھڑکتی تھی۔ اب اس کی ذات کو پہنچنے والا یہ دکھ سب کو دکھی اور غمزدہ کر گیا تھا۔ وہ سب نویرہ سے نگاہیں چرانے پر مجبور تھے جو پہلے ہی اپنی بیماری سے لڑ کر زندگی سے جیتی تھی۔ ان کا کوئی بھی لفظ ضبط کا ہلکا سا بھی بے توازن جھٹکا اسے بری طرح بکھیر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید چچا بھی پہنچ گئے تھے۔ زبیدہ چچی اور رضا ہمراہ ہی تھے، پریشان و متفکر سے۔ نبیل نے انہیں بلایا ہی اس انداز میں تھا کہ وہ پریشانی سے بھاگے چلے آئے تھے مگر یہاں آ کر جو اصل صورت حال معلوم ہوئی، سب کے پیروں سے زمین نکلتی چلی گئی۔

زبیدہ چچی ایسی گم صم ہوئیں کہ کوئی سوال جواب کرنا ہی بھول گئیں۔ بس خاموشی سے نڈھال سی خالدہ بیگم کے گلے سے لپٹ گئیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

”میرے ہنستے بستے گھر کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے۔ مجھے روز بڑے بڑے خواب ستا رہے تھے، پہلے نویرہ بیمار ہوئی۔ میری بچی موت سے بچ کر آئی تو میں نے شکر کیا مگر کیا پتا تھا اتنی بڑی ذلت نے اسے موت کے منہ سے بچا لیا تھا۔ اسی وقت مر جاتی تو صبر آ جاتا مگر اب تو سینہ چھلنی ہو رہا ہے۔ ہائے اللہ! کیسے صبر کروں...... میری بے داغ بچی...... عمر بھر کا داغ لگ گیا میری معصوم بچی کو......“ ان کی آہ و زاری کسی طور کم نہ ہو رہی تھی۔

زبیدہ بیگم دھیرے سے پشت سہلاتی رہیں۔

رضا، باپ کے پیچھے کھڑا دم بخود تھا۔ وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ وہ تو اپنے نصیب پر شاکر ہو چکا تھا۔ نویرہ کی دائمی خوشیوں کی دعائیں مانگ رہا تھا مگر اب تو سارا منظر نامہ ہی بدل چکا تھا۔

”حوصلہ کریں بھابی...... رضیہ بھابی کچھ پتا بھی ہے نواز گیا کہاں ہے؟“ انہوں نے اماں کو حوصلہ دے کر سر جھکائے بیٹھی بڑی بھاوج کو دیکھا۔ انہوں نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”مجرم ہیں ہم، جو سزا دیں گے قبول کریں گے۔ آخر کو نواز ہمارا خون ہی تھا۔ وہ بے شک یہاں سے چلا گیا مگر اس کا بھگتان تو بھگتنے والے ہیں نا...... لعنت ملامت جو جی چاہے کہیں، ہم حق دار ہیں۔“

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

نبیل اور ساجد بھائی نے ضبط سے ہونٹ کچلے۔ عمر بھر کا نقصان قسمت میں لکھا گیا تھا وہ کس سے شکوہ کرتے۔ اس روتی بلکتی ماں سے یا سر جھکائے اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا سننے والے باپ سے۔

"آپ کا کیا قصور چچی جان...... یقیناً یہ سب قسمت میں نہ تھا۔" ساجدہ باجی نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا بھی تو کیا۔

"اب یہ دیکھنا ہے کہ ہم کیا کریں۔ دعوت نامے بانٹے جا چکے ہیں۔ آج کل سے مہمان آنا شروع ہو جائیں گے درمیان میں شادی کے تین چار دن ہی تو باقی ہیں۔ ہم لوگوں کو کیا کیا وضاحتیں دیتے پھریں گے۔ ہماری نویرہ تو موتی کی طرح صاف و پاک تھی مگر لوگ یہ کب دیکھتے ہیں اور خاندان بھر کی جگ ہنسائی علیحدہ۔"

ساجدہ باجی کی بات پر اماں کے رکے آنسو پھر بہہ نکلے۔ زبیدہ چچی نے بہت محبت سے سمیٹ لیے۔

"نویرہ ہے کہاں؟" رضا کے دل کی بات زبیدہ بیگم کے لبوں سے ادا ہوئی تھی۔

"اماں کو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ پہلے ہی بیماری سے اٹھی ہے۔ میں کمرے میں چھوڑ آئی ہوں۔ ذرا سی ٹینشن سے اچھی بھلی سنبھلی طبیعت پھر بگڑ سکتی ہے۔ اپنی ذات پر یوں انگلی اٹھتا کہاں برداشت کر پائے گی وہ......" ساجدہ باجی نے کہتے کہتے دوپٹے سے چہرہ صاف کیا۔

زبیدہ چچی اٹھیں تو رضا بھی ساتھ ہو لیا۔

دستک پر نویرہ نے دروازہ کھولا تھا۔ پھر سامنے چچی اور رضا کو دیکھ کر گم صم انداز میں دیکھے گئی۔ ہزار چاہنے کے باوجود آنکھیں نہیں بھیگی تھیں۔ ایسے جیسے کلیجہ پتھر کا ہو گیا تھا۔ چچی نے آگے بڑھ کر بہت محبت سے ساتھ بھینچ لیا۔ اتنی وارفتگی اور گرمجوشی پر بھی نویرہ کو اپنے اندر کی برف پگھلتی محسوس نہ ہوئی۔ اسی طرح چچی سے جدا ہو کر بستر پر بیٹھ کر اپنے ناخنوں سے کھیلنے لگی۔

رضا چپ چاپ انداز میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نویرہ دوبارہ سر جھکا گئی۔

"تم پریشان نہیں ہونا...... اچھا برا وقت آتا رہتا ہے۔ تمہیں تو سارا خاندان جانتا ہے، سمجھتا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ بس اپنی اماں کو حوصلہ دو۔ ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ظاہر ہے صدمہ ہی اتنا بڑا ہے۔ پتھر سے پتھر دل بھی پگھل جائے۔" ان کی آواز رندھی تو انہوں نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں۔

"فکر نہ کرو...... اللہ بہتر کرے گا......" وہ مزید کہہ رہی تھیں مگر نویرہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ مزید چند منٹ بیٹھی تھیں پھر رضا کو اس کے ساتھ بات کرنے اسے بولنے پر اکسانے کا اشارہ کرتے وہ باہر نکل گئی تھیں۔

رضا جو ابھی تک کھڑا ہی تھا، چیئر اٹھا کر بستر کے پاس آ بیٹھا۔

"؟" اس نے پوچھا بھی تو کیا تھا۔

نویرہ کو لگا وہ جیسے اس کی دکھتی رگ کو چھو گیا ہو۔ عمر بھر کی ذلت و رسوائی کا سامان ہو گیا تھا اور وہ دکھ کا پوچھ رہا تھا۔ وہ طنزیہ ہنسی تو رضا کو اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"سوری...... مگر یہ نیچرل سی بات ہے۔ ظاہر ہے شادی اتنی قریب ہو اور اب یہ انکار۔ نواز بھائی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ خدا کی قسم مجھے پتا چل جائے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں میں انہیں زندہ نہ چھوڑوں۔ انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا اپنی خوشیوں کے لیے آپ کی زندگی کو یوں داؤ پر لگانے کا......" وہ طیش و جوش سے کہہ رہا تھا۔ نویرہ خاموش ہی رہی۔

"پلیز! آپ خاموش کیوں ہیں۔ مجھ سے بات کریں، اپنی فیلنگز مجھ سے شیئر کریں۔ بخدا آپ مجھے ایک کزن ہی نہیں ایک اچھا غم ساز بھی پائیں گی...... بلیو می...... پلیز مجھ سے بات کریں......" اسے اس طرح گم صم دیکھ کر وہ کہہ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں بہت خلوص تھا، بے پناہ چاہت تھی، بہت کرب تھا، بہت مان تھا۔ وہ محسوس کرتی تو پتا چلتا وہ اس کی تکلیف پر کس اذیت میں تھا مگر وہ اب کچھ بھی محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی طرح گم صم انداز میں بیٹھی رہی۔

رضا کے لیے نویرہ کا یہ انداز بہت اذیت ناک تھا۔ اس کے اندر کرب کا تلاطم برپا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے جذبوں کے سامنے ہار کر اس کے سامنے کچھ کہتا، اپنے راز کو عریاں کرتا، اپنے ضبط کو لگام ڈال کر وہ تیزی سے اٹھ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁

رضا حمید ایک دفعہ پھر ماں کے سامنے مچل گیا تھا۔ جھولی پھیلائی تھی، آنسوؤں سے ماں کا سینہ پگھلانے کی کوشش کی تھی۔

"امی! ابو سے بات کریں۔ وہ اب یقیناً مان جائیں گے...... میں نویرہ کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا۔ پلیز آپ بات کر کے دیکھیں۔ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو میں دوبارہ نویرہ کا نام لبوں پر نہیں لاؤں گا مگر اب ان حالات میں نویرہ کو میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا، پلیز......!"

وہ خاموشی سے دیکھے گئی تھیں جیسے کہنے کو کچھ بھی نہیں مگر جب کی تو صرف ایک ہی بات تھی۔

"رمشا کا کیا ہوگا......؟"

"اماں! رمشا کو یقیناً کہیں نہ کہیں مجھ سے بہتر لڑکا مل جائے گا۔ آپ دیر نہ کریں۔ پلیز! ابو سے بات کریں۔ مجھے نویرہ چاہئے۔ ہر حال میں چاہئے۔ اگر قسمت سے وہ مجھے مل رہی ہے تو پلیز انکار نہ کریں۔ میں مر جاؤں گا اس کے بغیر ادھورا ہوں۔ پلیز مجھ پر ترس کھائیں۔"

ماں کی گود میں سر رکھ کر وہ رو دیا تھا۔

رات گئے وہ گھر لوٹے تھے۔ رمشا نے ہی دروازہ کھولا تھا مگر انہوں نے اسے کچھ بتانے سے گریز کیا تھا۔ وہ خیر خیریت پوچھ کر دوبارہ اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھی۔ وہ تینوں کتنی دیر بیٹھے اس واقعے کو ڈسکس کرتے رہے تھے۔ حمید صاحب چند لمحے پہلے ہی اٹھ کر گئے تھے اور رضا تو جیسے ان کے منظر سے ہٹنے کا منتظر ہی تھا۔ فوراً ماں سے دل کی بات کہہ دی تھی اور زبیدہ بیگم پہلے کی طرح اس بار

صاف انکار نہ کر سکی تھیں۔

بیٹے کو جھڑک کر اپنے اوپر قابو پانے کا نہ کہہ سکی تھیں۔ صرف سوچوں کے گرداب میں الجھی رہی تھیں۔

"میں تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں......" انہوں نے گویا رضا کو ہفت اقلیم کا خزانہ دے دیا تھا۔ وہ ایک دم خوشی سے مچل اٹھا تھا۔ والہانہ پن سے ماں کے ہاتھ منہ چوم رہا تھا۔ زبیدہ بیگم کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔

"واقعی اولاد کی محبت انسان کو جائز و ناجائز پر مجبور کر دیتی ہے۔ انہیں رمشا کا خیال ستا رہا تھا۔

"ابو مان جائیں گے نا......؟" کیسی آس تھی اس کے لہجے میں۔ انہوں نے نگاہ پھیر لی۔

"میں کوشش کروں گی۔ اب تم جا کر سو جاؤ...... تھک گئے ہو گے۔" وہ اسے تسلی دے کر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔ حمید صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے کروٹ بدلنے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ سوئے نہیں ہیں۔ زبیدہ بیگم نے اپنے اندر ہمت پیدا کی۔ سرخروئی سے اس مسئلے سے نمٹنے کی دعا مانگی۔

اب بات اپنے بیٹے کی خوشیوں کی ہی نہیں' ایک لڑکی کی زندگی کی بھی تھی۔ انہوں نے حمید صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دی تھیں۔ نویرہ کا ذکر چھیڑتے انہوں نے تمہید باندھی تھی۔

"اب کیا ہو گا...... ظاہر ہے نواز تو گھر چھوڑ کر گیا ہے۔ بھابی اور بھائی صاحب اب کبھی اسے گھر میں نہیں گھسنے دیں گے۔ اگر وہ آج کل میں لوٹ بھی آئے تو نبیل وغیرہ اب اپنی بہن ایسے شخص کے ساتھ کبھی رخصت نہیں کریں گے جو کسی اور کے لیے اسے ایک بار ٹھکرا چکا ہے۔ اتنی جلدی نواز کا متبادل کہاں سے آئے گا...... یہ بھی تو سوچنے کی بات ہے۔ دن ٹلے ہے' شادی قریب ہے۔" وہ متفکر وابھی ہوئی ہی نہیں بلکہ حد سے زیادہ پریشان بھی تھیں۔

"میں بھی یہی سوچ سوچ کر الجھا ہوں۔ اب کیا ہو گا۔ ابھی تو بات ہم تینوں گھروں میں ہے۔ بڑی بھابی یا شارق وغیرہ کو بھی ابھی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ لوگوں سے کب تک چھپے گی بات۔ شادی میں دن ہی کتنے ہیں۔ صرف یہی تین چار۔ ساری دنیا جانتی ہے نواز نویرہ کو بیاہنے آئے گا۔ اب یہ انکار سن کر جو ذلت و رسوائی ہو گی وہ علیحدہ۔ لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے۔ بچی تو بے موت ماری جا رہی ہے۔" وہ بھی دکھی اور رنجیدہ تھے۔

"میں ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانیں گے؟" زبیدہ بیگم نے شوہر کے مزاج کو دیکھ کر گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"ہاں کہو۔" انہوں نے حوصلہ بڑھایا تھا۔

"آپ آپا سے بات کر کے دیکھیں رضا کے لیے۔ ایسی بری گھڑی میں تو بیگانے بھی ساتھ دیتے ہیں' ہم تو پھر اپنے ہیں۔ خدانخواستہ ہماری کوئی بیٹی ہوتی اس پہ ایسی بری گھڑی آتی تو نہ جانے کیا ہوتا۔" انہوں نے بہت سادہ اور صاف سلجھے ہوئے لفظوں میں حکایت دل آشکار کر دی تھیں۔

حمید صاحب حیرت سے دیکھے گئے پھر دکھی ہنسی ہنس دیے۔ بات ان کے دل کو لگی تھی مگر......

"مجھے اعتراض تو کوئی نہیں۔ یقیناً ایسے برے وقت میں اپنے ہی سہارا بنتے ہیں مگر سوچ لو۔ نویرہ میری بھتیجی ہے اور رمشا تمہاری اور رمشا کی رضا سے انوالمنٹ کے بارے میں نہ تم بے خبر ہو نہ میں۔ اس کو کس کھاتے میں ڈالو گی۔ یہ خیال مجھے بھی کتنی دفعہ آ چکا ہے مگر رمشا کا سوچ کر میں چپ ہو جاتا ہوں کہ کہیں رمشا کی حق تلفی نہ ہو جائے۔"

"اس کا بھی اللہ مالک ہے۔ خوش شکل' خوش لباس اور تعلیم یافتہ ہے۔ اس کے مقدر میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی جوڑ لکھا ہی ہو گا۔ ابھی تو آپا مشکل وقت میں ہیں' ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان لوگوں کو اس بھنور سے کیسے نکالیں۔ نویرہ خوبصورت' سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اس جیسی لڑکی خاندان بھر میں کہیں نہیں۔ عمر میں رضا سے چند سال بڑی ہے تو کیا ہوا' یہاں تو دس سال بڑی بھی میاں کے برابر کی لگتی ہے۔" اپنی طرف سے انہوں نے شوہر کو قائل کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ بیوی کی اس قربانی اور دریا دلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

"ٹھیک ہے۔ کل آپا سے بات کریں گے۔ نبیل لوگوں سے دیکھتے ہیں وہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو رشتہ دینا ہے' اب قبول کرنا یا نہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے بلکہ مرضی ہے۔ دعا کرو خدا بہتر ہی کرے۔"

"اللہ بہتر کرے گا۔ ہماری نیت صاف ہے۔ ہم اولاد کی خوشی دیکھ رہے ہیں۔ انشاء اللہ بہتر ہی ہو گا۔ شاید یہ حالات اللہ کی طرف سے پیدا کردہ ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی ایسا چاہ رہا ہو......" حمید صاحب نے بیوی کی بات پر صرف گردن ہلائی تھی۔

* * *

وہ کالج سے لوٹی تو کھانا کھا کر سو گئی تھی۔ عصر کے قریب اٹھی تو نہا دھو کر نماز پڑھ کر ہی کمرے سے نکلی تھی۔

رات کو عفان بھائی کی امی نے کال کی تھی۔ وہ اور ستارہ باجی شاپنگ کے لیے جانا چاہ رہی تھیں' ساتھ میں ماما اور نوشی کو بھی لے جانے کا ارادہ تھا۔ ماما نے عصر کے قریب کا وقت دیا تھا۔ وہ آ بیٹھی تھیں۔ سلام دعا کے بعد وہ کتنی دیر ان دونوں سے باتیں کرتی رہی تھی۔ تب تک ماما اور نوشی جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔

تم بھی چلتیں' مزا رہتا......" ستارہ آپی نے اٹھتے ہوئے اسے بھی کہا تھا۔ زرش ہنس دی۔

"ماما ہیں نا۔ وہ بہت اچھی شاپنگ کرتی ہیں۔ پھر میرا اتوار ہونے کا قطعی ارادہ نہیں ہے۔" عفان بھائی کی امی بھی مسکرا دی تھیں۔ وہ ٹیلی فون اسٹینڈ کے قریبی صوفے پر ہی ٹکی ہوئی تھی۔ بیل بجی تو اس نے فوراً ہاتھ بڑھا کر تھام لیا۔ آج بڑے دنوں بعد وہ کال اٹینڈ کر رہی تھی۔ وہ بھی سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھے بغیر۔ "ہیلو......"

"زرش......" دوسری طرف سے فوراً پہچان کے مراحل طے ہوئے تھے۔ سمعان احمد کی آواز سن کر اس نے فوراً سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھا تھا۔ سمعان احمد کے ذاتی سیل کا نمبر تھا۔

"سوری! رانگ نمبر......" اس نے کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔

"کیا ہوا' کس کا نمبر تھا؟" ماما نے پوچھا۔ زرش نے فوراً خود کو سنبھالا دیا۔

"پتا نہیں' شاید کوئی رانگ نمبر تھا۔" اگلے ہی پل وہ ٹیلی فون اسٹینڈ سے دور ہٹ گئی تھی۔

"ہاں اب تو سیل پر بھی ایسے نمبر تنگ کرنے سے نہیں چوکتے۔" ستارہ آپی نے فوراً کہا تھا۔ تبھی دوبارہ بیل ہوئی تھی۔ زرش نے انتہائی گھبرا کر فون کی طرف دیکھا تھا۔ دل اچھل کر گویا حلق میں آ نکا تھا۔ شائستہ بیگم نے فوراً آگے بڑھ کر کال اٹینڈ کی تھی۔ "ہیلو......"

"وعلیکم السلام...... سمعان بیٹے کیسے ہو؟"

زرش خاموشی سے منہ پھیر گئی تھی۔ اب یہ نام اس کے اندر اضطراب بکھیر دیتا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے...... ہاں مصروف ہوں۔ عفان کی امی وغیرہ آئی ہوئی ہیں۔ انہیں شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ میں اور نوشی بھی ساتھ جا رہے ہیں۔" ستارہ سے محو گفتگو ہونے کے باوجود زرش کے کان ادھر ہی تھے۔

"ہاں زرش گھر پر ہی ہے۔ تمہیں علم تو ہے اس کی عادت کا۔ وہ شاپنگ وغیرہ سے کتنی الرجک ہوتی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھیں۔

زرش کو کوفت ہونے لگی۔ غصے سے بھنا کر نوشی کو دیکھا۔ وہ محظوظ ہونے والے انداز میں ہنس دی تھی۔ زرش کے اندر کئی تار جھنجنا اٹھے۔ کوفت اذیت سے برا حال ہونے لگا۔

"ہاں۔ گھر پر رات کو ہوں گے تب آ جانا......"

"نہیں...... وہ گھر پر ہی ٹھہرے گی......"

نہ جانے دوسری طرف کیا گفتگو ہو رہی تھی۔ زرش نے اپنی تمام تر توجہ ستارہ کی طرف مبذول کرنی چاہی۔

"اچھا پھر ٹھیک ہے۔ زرش گھر پر ہی ہوگی......" شائستہ بیگم کا اختتامی جملہ اس کے کان میں پڑا تھا۔ وہ سر جھٹک گئی۔

پرسوں کالج سے واپسی ٹیکسی پر ہوئی تھی اور پہلی دفعہ اس نے کسی انجان ٹیکسی ڈرائیور پر بھروسہ کیا تھا۔ ذاتی سواری کے بجائے گاڑی ہائر کی تھی اور سارا راستہ وہ سمعان احمد کو کوستی رہی تھی۔ اندر کا ابال گھر آ کر نوشی پر نکالا تھا۔ نوشی اسے نہ جانے کیا کیا سمجھاتی رہی تھی۔ اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے کی نصیحت کرتی رہی تھی مگر زرش کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"بس اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ سمعان احمد نے اس کے اعتماد کو توڑا ہے۔ وہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی......"

اور اب ان کی یہ کال۔ کال سے فارغ ہونے کے بعد ماما ان تینوں کے ساتھ اسے چند خاص ہدایات دے کر چلی گئی تھیں۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ وہ کچن میں چلی آئی۔ اپنے لیے چائے تیار کی۔ ہلکے ہلکے سپ لیتی اپنے کمرے سے برش اٹھا کر وہ باہر لان میں چلی آئی۔ نہانے کے بعد بال نہیں سلجھائے تھے۔ ابھی تک الجھے ہوئے تھے۔ باہر کا موسم اچھا ہو رہا تھا۔ وہ لان چیئر پر آ بیٹھی۔ بالوں کو سلجھاتے اس نے چائے کا کپ ختم کیا تھا۔ کرسی کی بیک سے سر ٹکائے وہ آنکھیں بند کر کے گزرے لمحوں کا اعادہ کرنے لگی تھی۔

سمعان احمد کی سوچ کو اس نے دانستہ اپنے خیالوں میں آنے سے گریز کیا تھا۔ اسی طرح الجھے اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تھی۔ وہ سو کر اٹھی تھی اور اچھی نیند لی تھی مگر اب پھر پلکیں خود بخود بند ہو رہی تھیں۔ وہ عجیب سی سستی و کاہلی کا شکار ہو رہی تھی آج کل۔ اس نے دوسری چیئر پر پاؤں ٹکائے اور ایزی ہو کر پلکیں موند لی تھیں۔ وہ صرف چند لمحوں کو ہی غافل ہو پائی تھی۔ ایک نامانوس سے شور سے اس نے فوراً پلکیں وا کی تھیں۔ گردن گھما کر دیکھا' سمعان احمد گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔

سمعان احمد کی آمد' وہ بھی اس وقت جب کہ اسے علم تھا کہ گھر پر اس کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ زرش کو قطعی امید نہ تھی۔ سمعان احمد اپنی ذاتی گاڑی پر آیا تھا۔ گاڑی باہر ہی کھڑی کی تھی۔ شاید گاڑی کے ہارن سے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔

وہ جب تک منظر سے ہٹتی سمعان احمد اس تک پہنچ گیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی سمعان نے اسے چیئر پر بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے سیدھا ادھر ہی آیا تھا۔

"السلام علیکم......" سمعان احمد کا وہی مخصوص انداز تھا۔

زرش چڑ سی گئی تھی۔ وہ سمعان احمد کو نہ دیکھنے نہ ملنے کا جو بھی ارادہ باندھ چکی تھی' سمعان احمد اس کے ہر ارادے کو ڈانواں ڈول کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی۔ اسی لیے بجائے سلام کا جواب دینے کے اس نے کپ اور برش اٹھا کر سلیپر پہن کر وہاں سے ہٹنا چاہا تھا۔

"زرش! ایک منٹ' بھاگنے سے پہلے میری بات سن کر جانا......" سمعان احمد نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا۔ زرش نے غصے سے گھورا۔ اپنا راستہ روکے جانے پر اندر سے اشتعال کی شدید لہر ابھری تھی۔

"مگر میں آپ کی کوئی بات نہیں سننا چاہتی......" زرش کے انداز میں وہی بے لچک ضدی اکھڑپن تھا۔ سمعان احمد کا جی چاہا کہ اس کی اس حد درجہ ہٹ دھرمی پر اسے جھنجوڑ کر رکھ دے۔ کتنے دن ہو گئے تھے انہیں اس کے اس ضدی انداز کو برداشت کرتے ہوئے۔

"کہنے سننے سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔" سمعان احمد کا انداز مفاہمت آمیز تھا۔

"میرے اور آپ کے درمیان ایسے کوئی مسئلے درپیش نہیں جنہیں بحث و مباحثے کی ضرورت ہے یا جن کا حل طلب ہونا بہت ضروری ہے۔" وہی مخصوص بے لچک انداز' بھرپور کڑواہٹ کے رنگ میں ترشی لیے ہوئے تھا۔

سمعان نے گہرے ملال سے اسے دیکھتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ یہ چھوٹی سی لڑکی کبھی انہیں بہت اہمیت دیتی تھی' ان کی ہر بات کو فوقیت دینے والی اب اس درجہ گستاخی پر اتری ہوئی تھی کہ کسی بھی طرح لحاظ کرنے یا کہنے سننے پر آمادہ نہیں تھی۔

"چچی جان اور نوشی شاپنگ کے لیے چلی گئی ہیں۔" سمعان احمد نے بات پلٹ دی تھی۔ زرش انہیں غصے سے دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔ سمعان احمد نے راستہ چھوڑ دیا تھا۔

وہ سیدھی کچن میں گئی تھی۔ کپ رکھ کر برش ڈائننگ ٹیبل پر پٹخا۔

"یار ایک کپ چائے تو پلوا دو...... بڑے دن ہوئے ہیں تمہارے ہاتھ کی چائے پیئے ہوئے۔"

اس کے تیور کتنے ہی خطرناک تھے مگر جیسے سمعان احمد کو قطعی پروا نہ تھی۔ زرش نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔ وہ انتہائی سنجیدہ تھے۔ اس کے اندر کا ابال گہرا ہوا۔ وہ اس کے تعاقب میں کچن میں ہی چلے آئے تھے۔

"مجھے چائے بنانا نہیں آتی۔ اگر زیادہ ہی دل چاہ رہا ہے تو یاسمین کو بلوا کر بنوا لیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ ماما یا نوشی آئیں تو بتا دوں گی آپ کی آمد کا۔"

خدا خدا کر کے اس کا کفر ٹوٹا تھا۔ غیر متعلقہ بات پر ہی سہی۔ اس نے رد عمل دیا تھا۔ سمعان کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"تم ہی بنا دو۔ اب میں یاسمین کو کیا تکلیف دوں۔ سیدھا آفس سے اٹھ کر آیا ہوں۔ مصروفیت بہت تھی۔ لنچ بھی گول کر دیا تھا۔ اب تو بھوک سے برا حال ہے۔ ویسے پکایا کیا ہے تم لوگوں نے؟"

سمعان کی بے تکلفی عروج پر تھی۔ زرش کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ وہ جتنا سمعان کو سنجیدگی سے لے رہی تھی سمعان اتنا ہی اسے لائٹ لے رہا تھا بلکہ اس کے غصے کو اہمیت ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ غصے سے ایک دم ان کی طرف پلٹی تھی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" دو ٹوک انداز تھا۔ تیور انتہائی خطرناک تھے۔ وہ اکھڑ انداز لیے وہ مخاطب تھی۔ جیسے ابھی لڑ پڑے گی۔

"بہت سمپل۔" بھوک بہت لگی ہے۔ پہلے تو کھانا کھاؤں گا' پھر تم مجھے چائے بنا کر پلاؤ گی اور اس کے بعد تمہاری برین واشنگ کروں گا۔" آرام سے کرسی گھسیٹ کر سمعان احمد نے نشست جمائی تھی۔

زرش حیرانگی سے دیکھے گئی۔

سمعان کا یہ کون سا روپ تھا' وہ سمجھنے سے قطعی قاصر تھی۔ وہ سمعان احمد سے کبھی بات نہ کرنے کی ٹھان چکی تھی مگر سمعان احمد کی ساری پیش قدمیوں کے سامنے اسے اپنے ارادے راکھ کا ڈھیر محسوس ہو رہے تھے۔

نہ جانے وہ کیا سوچ بیٹھے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ سمعان سے دوبارہ لڑ پڑے یا پھر ہمیشہ کے لیے دل میں بدگمانی لیے ایک طرف پڑی کڑھتی رہے۔ اپنے ہی مفروضوں میں الجھتی سلگتی رہے۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں...... جب میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آپ سے سامنا کرنے کی بھی روادار نہیں ہوں تو پھر آپ کیوں بار بار میرے سامنے آ رہے ہیں۔ کیوں مجھے زچ کر رہے ہیں؟" اپنے آپ سے لڑتے ان پر الٹ پڑی تھی۔ سمعان نے بغور اسے دیکھا۔ آنکھوں

میں نمی لیے وہ جواب کی منتظر تھی۔

"وہی تو تمہیں بتانا چاہتا ہوں مگر تم کچھ سننے کو تیار ہی نہیں۔ اگر تم ایک پل کو آرام و سکون سے میری بات سن لو تو نہ تم اتنی تکلیف سے دوچار رہو گی اور نہ میری ذات مشکوک ٹھہرے گی۔ اپنے سب جرم قبول کر لوں گا اور اقرار بھی کروں گا۔ تم سکون سے میری بھی تو سنو...... سنو تو سہی میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔" اپنے اسی دھیمے سلجھے انداز میں سمعان نے اپنا مطمع نظر واضح کر دیا تھا۔ زرش لب بھینچ گئی۔ ابھی لمحوں سے تو وہ بھاگنا چاہ رہی تھی بلکہ بھاگ رہی تھی۔

"میں اس سلسلے میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔" اگلے ہی لمحے وہ پھر اپنی ذات کے گنبد میں قید ہو گئی تھی۔ سمعان کا جی چاہا کہ اسے سختی سے جھنجھوڑ دیں۔ اسے اس حد تک بے مروتی برتنے پر سختی سے ٹوک دیں۔

"تم اس سارے واقعے کو لے کر حد سے زیادہ اموشنل ہو رہی ہو۔ اگر دیکھا جائے تو بات بہت سمپل اور نارمل سی ہے۔ مگر تم اپنی منفی سوچ کی بدولت نہ صرف خود الجھ رہی ہو بلکہ مجھے بھی اذیت سے دوچار کر رہی ہو......"

"میں نے کہا نا کہ میں اس سلسلے میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔ ماما وغیرہ کوئی بھی گھر پر نہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں آپ آئے۔ بہت بہت شکریہ۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں آپ کو یہاں برداشت نہیں کر سکتی۔"

سمعان نے غصے سے زرش کو دیکھا تھا مگر اسے جیسے پروا ہی نہ تھی۔

"مجھے پتا ہے' میں چچی جان سے بات کر کے بلکہ اجازت لے کر ہی آیا ہوں۔ انہیں علم ہے کہ اس وقت ان کی غیر موجودگی میں' میں ادھر ہوں اور تم اپنے دماغ کا علاج کرواؤ۔ دن بدن بددماغ ہوتی جا رہی ہو۔ بے وقوف ہی نہیں احمق عظیم بھی ہو۔" سمعان کے لہجے میں بھرپور ملامت تھی۔

زرش غصے سے پاؤں پٹختی وہاں سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ سمعان احمد کی موجودگی میں وہ اپنے کمرے میں بھی نہیں جا سکتی تھی۔ کیا مجبوری تھی' وہ کلس کر رہ گئی۔ سمعان احمد کی آمد اور اب باتیں اسے سخت اشتعال میں مبتلا کر رہی تھیں۔ جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

ٹی وی آن کر کے اونچی آواز میں لگاتے اس نے اندر کی گھٹن سے فرار چاہا تھا مگر اندر اٹھنے والا طوفان بہت شدید تھا۔ آنکھیں بھر بھر آئیں۔ دل دکھی ہونے لگا۔

سمعان احمد کو اس کی تکلیف کا احساس ہی نہیں تھا۔ اس کے نقصان کا اندازہ ہی نہیں تھا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"رونے سے اگر مسائل حل ہو جاتے تو آدمی سے زیادہ دنیا آنسو بہا رہی ہوتی۔ تم نہ کچھ سننے پر آمادہ ہو اور نہ ہی صفائی کا موقع دے رہی ہو۔ پھر بتاؤ تمہیں مطمئن کروں بھی تو کیسے؟"

سمعان احمد کی آواز پر وہ گھٹنوں میں سر دیے ساکت سی ہو گئی۔

سسکیوں کی آواز برقرار تھی۔ سمعان نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کیا۔ سمعان احمد ایک دو پل

اس کی طرف سے منتظر رہا کہ شاید وہ کوئی ردعمل ظاہر کرے۔ کم از کم سر اٹھا کر ہی دیکھ لے مگر قطعی بے سود تھا۔

سمعان خاموشی سے اسی ٹو سیٹڈ صوفے پر بیٹھ گیا تھا جس کے دوسرے کونے میں وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ سمعان کے بیٹھنے پر وہ فوراً سیدھی ہوگئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کرتی' سمعان نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس صوفے میں دھکیلا تھا۔

”آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو..... اور خبردار تم یہاں سے ہلی بھی اور جب تک میں ساری بات کلیئر نہ کرلوں تم یہاں سے نہیں جاؤ گی۔ تماشا بنالیا ہے تم نے خود کو بھی اور مجھے بھی.....“ غصے سے سمعان نے اسے بری طرح ڈپٹ دیا تھا۔ زرش سمعان احمد کے غصے سے ایک دم خائف ہوئی تھی۔ سمعان کا انداز نہ صرف سختی لیے ہوئے تھے بلکہ جارحانہ بھی تھا۔ زرش کو ساری جبلی مزاحمتیں دم توڑتی محسوس ہوئیں۔ سمعان کے اس رویے سے وہ ہمیشہ ڈر جاتی تھی۔ اب بھی اندر سے خوفزدہ ہوگئی۔

”آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ پر اس طرح سختی کرنے کا۔“ خائف ہونے کے باوجود وہ کہنے سے باز نہیں آئی تھی۔

”حق کی تو بات ہی نہ کرو۔ دل کی بات تو ایک طرف' چچازاد کی حیثیت سے بھی تم پر اس سے زیادہ زبردستی کرنے کا حقدار ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔“

زرش کے آنسو ٹھٹھر گئے۔ بے یقینی سے دیکھا۔ یہ سمعان احمد اس سمعان احمد سے قطعی مختلف تھے جن کو وہ ایک عرصے سے جانتی تھی۔ گو ان کی دلنشین مسکراہٹ اور مدھر لہجے کی حلاوت و چاشنی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر جس طرح وہ لفظوں میں اس کے سامنے اتنی بڑی بات کہہ گئے تھے' زرش ساکت رہ گئی تھی۔

”میں ایسا بھی کوئی حق تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں اور دھوکے بازوں سے تو کبھی مر کر بھی بات نہیں کروں گی..... آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے اس طرح زبردستی اپنی بات سنانے پر مجبور کرلیں گے۔“

”شٹ اپ..... زرش! میں جس قدر نرمی برت رہا ہوں تم اتنی ہی حد سے بڑھ رہی ہو۔ احمقوں کی طرح ایک ہی بات سوچ کر اس سوچ پر جم سی گئی ہو۔ اپنے ذہن کی گرہیں کھولو تو اندازہ ہو صورت حال کیا ہے۔“ سمعان نے اگلے ہی پل اسی مخصوص مدھر دھیمے لہجے میں بات مکمل کی تھی۔

”بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ صاف بات ہے۔ دھوکا دیا ہے آپ نے مجھے۔ کتنی عزت کرتی تھی میں آپ کی۔ میں نے ہمیشہ آپ کو سمعان بھائی سمجھا اور آپ.....“ وہ بغیر جملہ مکمل کیے گھٹنوں میں سر دیے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ سمعان خاموشی سے اس کے ہلتے وجود کو دیکھے گیا۔ جواب بہت سے تھے' دلائل کی کمی نہ تھی مگر اس سے اس چھوٹی سی لڑکی کو سمجھانا دنیا کا مشکل ترین امر لگ رہا تھا۔

”کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا؟ کیا بگاڑا تھا میں نے آپ کا؟ بولیں' جواب دیں.....“

سمعان نے اسے رونے دیا تھا اور وہ خوب روئی بھی تھی۔ جی ہلکا ہوا تو سر اٹھا کر سمعان احمد کو دیکھا جو دھیمی سی مسکراہٹ سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”میں نے کچھ غلط نہیں کیا..... ہاں میں اپنا آپ تم پر آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کم از کم تب تک جب تک تم کسی مقام پر نہ پہنچ جاتیں اور پھر سب سے بڑی ٹینشن امی کی طرف سے تھی۔ وہ تمہیں کبھی بھی کسی بھی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کریں گی۔ میرا خیال تھا کہ جب تک وہ آمادہ ہوں گی تب تک میں تم سے اپنے جذبات مخفی رکھنے میں کامیاب رہوں گا۔ اگر اس دن کا واقعہ رونما نہ ہوتا تو شاید تم اب بھی بے خبر ہی رہتیں۔“ سمعان احمد نے اسی دھیمے انداز میں لب کشائی کی تھی۔

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ بتائیں کیا آپ جب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے بھی تھے کہ میرے آپ سے متعلق کیا جذبات' احساسات ہیں پھر بھی آپ نے میرے متعلق ایسی بات سوچی جس کا تصور ہی مجھے کسی گناہ سے کم نہیں لگ رہا.....“

”میرے نزدیک یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ جذبے دلوں میں خدا کی طرف سے ودیعت کیے جاتے ہیں۔ تم ہمیشہ مجھے عزیز رہی ہو۔ پہلے پہل چچازاد کی حیثیت سے اور پھر صرف زرش کی حیثیت سے۔ ٹھیک ہے احساسات بدلتے ہیں' جذبات بے لگام ہوتے ہیں مگر تم ایمانداری سے تجزیہ کرو' کیا کبھی میں نے تمہارے اعتماد کو توڑنے کی کوشش کی ہے' کبھی تمہاری معصومیت کو داغدار کیا ہے؟ بولو! جواب دو.....“ سمعان احمد اس کے دل و دماغ کی گرہیں کھولنا چاہتا تھا۔ بات کھلی تھی تو اب وہ مکمل طور پر زرش کے سامنے اپنا آپ منوانا چاہتا تھا تاکہ بعد میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ان کے سوالیہ دیکھنے پر وہ نظریں پھیر گئی۔ ایک دم شرم سی بھی محسوس ہوئی۔ گفتگو کا پیرایہ نظر انداز کیے جانے والا نہ تھا۔

”نہیں.....“ دل ایمانداری سے کہہ اٹھا تھا اس نے صرف گردن ہلائی تھی۔ ”مگر آپ نے میرا اعتماد توڑا ہے.....“ ادھر مرغے کی وہی ایک ٹانگ تھی۔

سمعان نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔ یعنی کہ سب لاحاصل تھا۔

”کیسے.....؟“ سمعان کے لہجے میں چنگاریاں سی در آئی تھیں۔

”آپ نے مجھے کبھی محسوس ہی نہیں ہونے دیا.....“ کیا معقول وجہ تھی۔

”اُوف.....“ سمعان نے اپنا سر تھاما اور تاسف سے اسے دیکھا۔ ”کہہ تو رہا ہوں میں تمہیں کسی قسم کی ٹینشن میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شروع میں تو میں خود بھی اپنے آپ سے بے خبر تھا اور جب علم ہوا تو میری پوری کوشش رہی کہ تم بے خبر رہو۔ نہ جانے حالات کس رخ پر کروٹ بدلتے ہیں۔ امی ابو کے درمیانی حالات اس نہج پر نہیں کہ وہ کوئی ایک متفقہ فیصلہ کریں۔ ایسے میں سارے عالم میں' میں تمہارے متعلق ڈھنڈورا پیٹتا تو بتاؤ سب سے زیادہ نقصان کس کا ہوتا۔ کم عقل لڑکی! آگہی اگرچہ بہت بڑی نعمت ہے مگر بعض اوقات آگہی نقصان بھی پہنچاتی ہے۔ جیسے اب سب علم میں آنے کے بعد تم اپنے مفروضوں پر قائم ہو تو بھی یہ تمہاری عقل مندی کا ثبوت ہے۔ تب پتا چلتا تو نہ جانے کیا کارنامے سرانجام دیتیں' محترمہ.....!“ طنزیہ لب و لہجے میں خوب عزت افزائی ہوئی تھی۔ زرش کو مزید رونا آیا۔ یعنی کہ وہ اس کے اعتراض کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہے تھے۔

”بس مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ جو بھی ہیں' جیسے بھی ہیں' کوئی ضرورت نہیں

مجھے وضاحتیں دینے کی۔ جائیں یہاں سے......" وہ پھر اپنے خول میں بند ہو چکی تھی بلکہ مکمل بے اعتنائی سے رد کیا تھا۔

"میرے نقصان کا آپ کو اندازہ ہی نہیں۔ مجھے تو اس تصور سے ہی خلجان ہو رہا ہے۔ آپ کو بس میں نے ہمیشہ بڑا بھائی سمجھا ہی نہیں، مانا بھی تھا اور آپ......"

"اوف...... کم عقل لڑکی...... اب بھی تایا زاد بھائی ہی ہوں، ہاں۔ رشتے بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح تم میری چچا زاد ہو۔ کہنے سننے والا تو چچا زاد بہن ہی کہے گا۔ بات ماننے یا تسلیم کرنے کی ہوتی ہے۔ تم اپنے دماغ کی چولیں ہلاؤ تو سہی، عقل میں بات گھسنے تو دو۔ ایک ہی رٹ ہے "بھائی سمجھا ہے میں نے" مگر میں نے تمہیں صرف چچا زاد سمجھا ہے۔ کبھی بہن نہیں سمجھا تو پھر کیا کر لو گی تم...... ہیں...... بولو......"

اچھے خاصے سمعان احمد کا دماغ خراب ہونے لگا تھا۔ سمعان زرش پر بری طرح برہم ہوا تھا۔

زرش سمعان کو اپنے اوپر گرجتے برستے دیکھ کر پھر آنسو بہانے لگی۔

"بات سنو میری......" سمعان نے اسے روتے دیکھ کر غصے سے اس کا بازو پکڑا تھا مگر وہ ایکدم ہاتھ جھٹک گئی۔

"نہیں سنوں گی میں کوئی بھی بات...... آپ مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے۔ کتنی تکلیف ہو رہی ہے مجھے آپ کو اس انداز میں دیکھ کر۔ کاش آپ اندازہ کر سکیں میری اس اذیت کا...... تو شاید ایک لفظ بھی نہ کہیں......"

"میں مانتا ہوں۔ سب کچھ سمجھ رہا ہوں اسی لیے تو یہاں آیا ہوں مگر تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آ رہی۔ ایک ہی نقطے پر ذہن کو منجمد کر کے تم کچھ اور سمجھنے پر آمادہ ہی نہیں۔"

"بس اب آپ چلے جائیں۔ مجھے مزید کچھ نہیں سننا......" وہ بولی بھی تو کیا۔ سمعان احمد خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ہمیشہ اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی اب کی بار بری طرح بگڑی تھی۔

"چچی جان خیرہ کب تک لوٹیں گی......؟" رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا۔ کافی وقت بیت چکا تھا۔ لاؤنج میں اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ صرف ایک لائٹ روشن تھی۔ اطراف میں نگاہ ڈالتے دوبارہ اسی وجود کو دیکھا جو بجائے جواب دینے کے گھٹنوں میں سر دیے اپنے شغل میں مصروف تھی۔

"سنو زرش......" سمعان نے ایک دم اس کا بازو تھام کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ چاہنے کے باوجود زرش ہاتھ نہ جھٹک سکی۔

"تم میرے بارے میں کوئی بھی رائے رکھو، کچھ بھی سوچو، تم آزاد ہو۔ میری محبت یا میرے جذبات کو کوئی غلط نام مت دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا کہ تم میری محبت کو قبول کرو یا رد کیونکہ میں حقیقت پسند انسان ہوں۔ میں خود بھی چاہتا ہوں کہ تم بغیر کسی غلط فہمی کو ذہن میں جگہ دیے صرف یہی سوچو کہ میں وہی سمعان ہوں۔ میں نے تمہارے اعتماد کو نہیں توڑا۔ تمہارے بھروسے کا قتل نہیں کیا۔ کبھی تمہیں غلط نگاہ سے نہیں دیکھا۔ میں نے محبت سے پہلے تمہاری عزت کی ہے۔ تمہاری کم عمری یا معصومیت کو غلط

انداز میں کبھی نہیں دیکھا۔ تم میرے لیے کتنی محترم ہو، کاش تم اندازہ لگا سکو۔ اگر تم یہ کہو گی کہ میں نے تمہارے اعتماد کو توڑا ہے یا تمہارا نقصان کیا ہے تو پھر تم غلط کرو گی۔ میں نے اپنے آپ کو چھپایا ضرور، صرف اور صرف تمہارے ذہن کو آلودگی سے بچانے کے لیے۔ تمہاری کم عمری و معصومیت کو داغدار ہونے سے بچانے کے لیے، غلط لوگوں کی باتوں سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے۔ میرے لیے کوئی مشکل نہیں کہ ببانگ دہل اعلان کروں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں اگر اعلان کرتا ہوں اور کروں گا بھی جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ میرے لفظ تمہاری رسوائی کا سبب نہیں بنیں گے۔ میرے والدین منظم طور پر تمہاری چاہ کریں گے...... سمجھیں تم...... کبھی میری محبت کو غلط نگاہ سے نہ دیکھنا۔ میں اپنے لفظوں میں سچا ہوں۔ میں اپنے وعدوں میں سچا ہوں۔ تمہیں مجبور نہیں کر رہا مگر میری شخصیت و کردار کو غلط نگاہ سے نہ دیکھو۔" انہوں نے بغیر رکے سب کہہ دیا۔

زرش جوان کا لفظ لفظ اپنے اندر اتار رہی تھی، خاموشی سے سر جھکا گئی۔

"تم پر زبردستی نہیں۔ میں نے تمہارے اعتبار یا اعتماد کا کوئی خون نہیں کیا۔ تم نے مجھے بھائی یا کزن جس کا بھی مان دیا میں نے اس رشتے کی آخری حد تک پاسداری کی ہے۔ کبھی تنہائی میں بھی اپنے جذبات کو حاوی نہیں ہونے دیا۔ بولو، کیا ایسا ہوا؟"

زرش بے اختیار نفی میں گردن ہلا گئی۔

"تو پھر میری شخصیت ایک دم تمہاری نگاہوں میں کیوں داغ دار ہو گئی ہے۔ اب بھی یقین کرو، اب بھی اعتماد کرو۔ میں پہلے تمہارا تایا زاد ہوں پھر کچھ اور ہوں۔ دماغ کی اس گرہ کو کھولو۔ تمہیں یہ سمجھانا اسی مقصد کے لیے ہے۔ مجھے اندازہ ہے میری ذات سے متعلق اس انکشاف پر تم کس حد تک کس اذیت میں مبتلا ہو۔ میں اسی اذیت کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم تعاون کرو تو......"

سمعان احمد کے لہجے خلوص و چاہت کی خوشبو میں مہکتے خفگی و ناراضگی کے تاثر سے بھرپور یقین و جھنجلاہٹ کا ایک حسین امتزاج تھا کہ زرش بے اختیار ہو کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔

اور اس دفعہ سمعان احمد کو اس کے رونے سے تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کا پھوٹ پھوٹ کر رونا دل پر بوجھ نہیں بنا تھا بلکہ طمانیت کا ایک احساس جاگا تھا۔ بہت آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے تسلی دینا چاہی تھی مگر درحقیقت خود کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ اگر ان کی طرف سے مطمئن نہیں بھی ہوئی تو بھی اب بدظن نہیں ہو گی۔

یہ یقین راسخ تھا جوان کے اندر اطمینان بکھیرتا چلا گیا تھا۔ بمشکل ہی سہی وہ زرش کا ذہن بدلنے میں کامیاب ٹھہرے تھے۔

* * *

زبیدہ بیگم اور حمید صاحب اگلے دن رضا کے لیے آئے تھے مگر بات کرنے پر پتا چلا کہ ان سے پہلے رفعت آپا آ کر شارق کا رشتہ ڈال گئی تھیں۔

نویرہ کے گھر والے عجیب شش و پنج میں مبتلا ہو گئے تھے۔

زبیدہ بیگم گم صم ہو گئی تھیں۔

رہ رہ کر ان کی نگاہوں میں رضا کا چہرہ گھومتا رہا۔ باپ کے مان جانے کی خوشی سے وہ کیسے جی اٹھا تھا مگر اب...... وہ افسردہ سی ہو گئیں۔

بہر حال شارق اپنی جگہ مگر رضا کی حیثیت بھی تسلیم تھی۔

نواز کے انکار کے بعد جب سب طرف سے صرف اندھیرا ہی دکھائی دے رہا تھا تو یہ دو دو متبادل سب کو ہی حیران کر گئے تھے۔ خالدہ بیگم نے تو گویا نئی زندگی پائی تھی۔ نئے سرے سے جی اٹھی تھیں۔ انہوں نے دونوں کو سوچ کر جواب دینے کو کہا تھا۔ نبیل اور ساجد دونوں نے فیصلہ اماں پر چھوڑ دیا تھا اور اماں نے نبیلہ کی مدد چاہی تھی۔

انہوں نے نبیلہ کو بلا کر ساری بات بتا کر اس کی رائے لینے کو کہا تھا۔ وقت کم تھا اور فیصلہ فوری کرنا تھا۔

نوریہ گم صم انداز میں کمرے میں اندھیرا کیے پڑی ہوئی تھی جب نبیلہ بھابی نے اندر داخل ہو کر لائٹ آن کی تو وہ اٹھ بیٹھی۔ خاموشی سے بھابی کو دیکھا۔ نبیلہ مسکرا دیں۔ کل سے لے کر اب تک یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو نوریہ' نواز کے انکار کے بعد گھر کے کسی فرد کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔ وہ فوراً چونکی تھی۔ نبیلہ کے انداز میں کوئی عجیب سی بات تھی۔

"خیریت......؟" اب تو پتہ بھی سرکتا تھا تو وہ ڈر جاتی تھی کہ نہ جانے کون سی قیامت آنے کو ہے۔

"ہوں...... یوں سمجھو قسمت کھل گئی ہے تمہاری......" وہ کھل کر مسکرائی تھیں۔ نوریہ کو ان کی بات میں طنز سا محسوس ہوا۔

"اب آپ مجھ پر طنز کریں گی......"

"اللہ نہ کرے...... میں تو تمہاری خوش قسمتی کو کہہ رہی ہوں۔ جو بات میں تم سے کرنے والی ہوں' دل تھام کر سننا......" اس کی بات پر برا مان کر پھر محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"میں اتنی خوش قسمت کہاں؟ خیر آپ کہیں' اب کیا ہوا ہے......؟ ایسی کون سی انہونی ہو گئی ہے۔"

"تمہارے لیے زبیدہ چچی نے رضا کا رشتہ ڈالا ہے......" انہوں نے گویا انکشاف کیا تھا۔

"کیا......" نوریہ حیران رہ گئی۔

"دوسری طرف رفعت باجی بھی آئی تھیں۔ واجدہ خالہ کا فون بھی آیا تھا' وہ بھی تمہارے لیے شارق کی بات کر رہی تھیں۔"

"جی...... ای......" اب کی بار نوریہ حقیقتاً زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔

شارق کا پرپوزل...... اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود۔

"اماں نے مجھے بھیجا ہے کہ میں تمہاری رائے لے لوں...... وقت بہت کم ہے۔ ابھی جواب دینا ہے۔ نبیل اور ساجد بھائی کا خیال ہے کہ اسی طے شدہ تاریخ پر شادی ہو۔" وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

نوریہ کے تو شارق کا نام سن کر حواس گم ہونے لگے تھے۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ......" وہ بے یقین تھی۔ نبیلہ مسکرائیں۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا...... ہمیں تو عزت کے لالے پڑ گئے تھے مگر اللہ نے کیا خوب بندوبست کیا ہے۔ رضا اور شارق دونوں ہی خاندان کے اچھے لڑکے ہیں۔ رضا کم عمر اور ابھی زیرِ تعلیم ہے اور سب سے بڑی بات کہ رمشا سے منسوب ہے۔ اس کے باوجود چچا جان اور چچی نے اس برے وقت میں ہمارا خیال کیا ہے۔ جب کہ شارق بھائی کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ اپنی زندگی میں سیٹل ہیں۔ رفعت باجی بتا رہی تھیں کہ شارق نے خود رشتے کے لیے کہا ہے۔ فیصلہ تم پر چھوڑا گیا ہے۔ تم بتاؤ کیا کہتی ہو......؟"

نوریہ خالی الذہنی کیفیت لیے انہیں دیکھے گئی۔ کل سے اس نے ایک آنسو نہیں بہایا تھا مگر اب پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ وقت و حالات اس کے ساتھ کیسی چال چل رہے تھے۔ شارق زمان کے تصور سے ہی اس کے روم روم میں نفرت کا طوفان برپا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی بیماری کی وجہ سب سے چھپا گئی تھی۔ شارق زمان کی حرکت خود تک محدود رکھے ہوئے تھی مگر اب انہیں اتنی ڈھیل مل گئی تھی کہ وہ حد سے گزر رہے تھے۔

"تم ان سب سے مختلف ہو۔ پہلی دفعہ تمہارے اس ڈھکے چھپے انداز نے مجھے تمہاری طرف راغب کیا تھا۔ ایسی عورت بہت بڑا ناز ہوتی ہے۔ تم میرے دل کے اندر زخم کرتی گئی ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ تم کیا ہو......"

شارق زمان کی آواز اس کے کانوں میں ہتھوڑے برسانے لگی تھی۔ اس نے سختی سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"پلیز بھابی...... انکار کر دیں۔ مجھے نہیں کرنی کسی سے شادی۔ نفرت ہے مجھے سب سے۔ نواز' شارق' رضا' کسی سے بھی نہیں۔ پلیز کہہ دیں جا کر کسی سے بھی نہیں۔" وہ شدت سے اپنے نقصان پر رونے لگی تھی۔ نبیلہ کو تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ کل سے وہ نہیں روئی تھی مگر اب وہ کیا نہیں جانتی تھیں کہ وہ کس کس نقصان پر تڑپ رہی تھی۔

انہوں نے فوراً اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"اماں کی پریشانی کو دیکھو۔ ایک دن میں ہی وہ بستر سے جا لگی ہیں۔ تمہارا دکھ انہیں مارے دے رہا ہے۔ پلیز! اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں جانتی ہوں تم نواز کو پسند کرنے لگی تھیں مگر وہی تمہارے قابل نہ تھا۔ بھول جاؤ اسے۔ بس یاد رکھو اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ یقیناً اس نے تمہارے لیے بہترین کا انتخاب کیا ہو گا۔" انہوں نے اپنے مخصوص محبت بھرے انداز سے اسے سمجھانا چاہا تو وہ بلک گئی۔

"ہرگز نہیں...... شارق زمان کے کیریکٹر کے بارے میں آپ مجھے کیا گارنٹی دے سکتی ہیں اور رضا سے تو میں نے ہمیشہ چھوٹے بھائی کے علاوہ کچھ اور سمجھا ہی نہیں۔ وہ کم عمر جذباتی و لاابالی سا لڑکا میرے تو کسی وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ پلیز' اماں کو صاف انکار کر دیں۔ مجھے ہر طرح کی ذلت قبول

ہے مگر اب شادی نہیں کروں گی۔ بالکل نہیں کروں گی اور کوئی مجھے مجبور بھی نہ کرے۔"

وہی اٹل انداز تھا۔ نبیلہ نے کچھ کہنے کو ہونٹ وا کیے تو پھر بھینچ لیے۔ نویرہ کا نفرت انگیز دوٹوک انداز انہیں کچھ بھی مزید کہنے سے روک گیا تھا۔

* * *

وہ بے چینی سے منتظر تھا۔ ان چند دنوں میں حالات جس قدر تیزی سے بدلے تھے وہ پل پل بدلتے لمحوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

رفعت باجی کے لوٹنے اور نویرہ کے انکار کا سن کر شارق زمان گم صم ہو گیا تھا۔ نویرہ اس کے لیے بھی اقرار نہیں کرے گی' دل و ذہن اس بات سے آگاہ تھے مگر اب انکار شارق زمان کو کچھ پل کے لیے ششدر کر گیا تھا۔

ذہن کو دھچکا ضرور لگا تھا۔ نواز کو آمادہ کرنے کے بعد یہ انکار بہت پریشان کن تھا۔

"میں پاؤں پڑ کر بھی خالہ اماں کو منا لیتی کہ تمہاری خواہش ہے مگر حمید چچا نے سارا کام خراب کیا ہے۔ انہوں نے رضا کا پرپوزل دیا ہے۔ سارا خاندان جانتا ہے کہ رضا' رمشا سے منسوب ہے' اس کے باوجود...... مگر نبیل اور ساجد کی مرضی نہ جانے کیا ہے۔ نویرہ سے تو نبیلہ نے فوراً پوچھا تھا۔ اس نے تو فوراً انکار کر دیا۔ میں نے بھی بات کی مگر وہ تو تمہارا نام بھی سننا نہیں چاہتی...... پھر چچی نے رضا کے لیے بات کی' سب نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ تو رضا کیا' کسی کا نام بھی سننا نہیں چاہتی۔"

وہ اماں اور شارق کو بتا رہی تھیں۔ شارق زمان رضا سے متعلق سن کر الجھن سے دوچار ہوا۔ نواز کو اس نے کیسے قائل کیا تھا۔ ایک نویرہ کے حصول کے لیے وہ کیا کیا نہیں کر رہا تھا۔ کیسے کیسے پاپڑ نہیں بیل رہا تھا مگر اب یہ رضا کا پرپوزل اس کے اندر رقیبانہ سی نفرت پیدا کرنے لگا تھا۔

وہ ایک دم اشتعال کے گہرے کرب سے دوچار ہوا۔

"نویرہ کو اب کوئی شہزادہ عالم بیاہنے نہیں آئے گا۔ خالدہ چچی کس انتظار میں ہیں کیا آپ کو اسی لیے بھیجا تھا کہ انکار سن کر چپ چاپ اٹھ آئیں۔"

وہ غصے سے پھنکارا تو رفعت نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تو کیا کرتی۔ زبردستی ہاں کرواتی۔" شارق کی بات ذرا اچھی نہ لگی تھی۔

"تو کیا حرج ہے۔ بہنیں تو اس سے زیادہ کر لیتی ہیں اگر واقعی دل میں بھائیوں کے لیے جگہ ہو تو۔"

اس نے فوراً جوابی کارروائی کی تھی۔ رفعت کو جو دکھ ہوا سو ہوا۔

اب کے واجدہ بیگم نے بھی تاسف سے اسے دیکھا۔

"ایک تو تم نے نہ جانے نواز سے ایسی کیا بات کی ہے کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر بھاگا ہے اوپر سے تم دل جلانے والی باتیں کر رہے ہو۔ رشتے ناتے' عزت داروں میں یونہی طے نہیں ہوتے۔ ناک رگڑنا پڑتی ہے' جوتیاں گھسائی جاتی ہیں اور پھر بھی دوسرے فریق کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ قبول کرے یا رد۔ اب تو صورت حال ہی دوسری ہے۔ صبر و برداشت سے کام لو۔"

وہ ماں تھیں' نواز کو ہٹانے کی دھمکی انہیں یاد تھی۔ وہ جانتی تھیں شارق زمان جس چیز کی ٹھان لے اس کے فائدے یا نقصان کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے۔ کیا تھا انہوں نے صرف جنم نہیں دیا تھا' پالا پوسا تھا' اس کی فطرت و طبیعت سے بخوبی آگاہ تھیں۔ سبھی رنگوں کا شعور تھا' بخوبی آگاہ تھیں۔

"آپ سے تو یہ کام کبھی ہونا ہی نہیں ہے۔ ناحق میں نے آپ کو پاکستان بلوایا۔ مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اماں نے دہل کر رفعت کی شکل دیکھی۔

"اب کیا کرو گے......؟ ہر طرف تو نویرہ کو بدنام کروانے کو ڈھنڈیا پٹوا دی ہے۔ اب اس معصوم بچی پر کیا قیامت ڈھاؤ گے؟"

"رفعت باجی! آپ پھر جائیں اور نویرہ کو آمادہ کریں۔ اسے کہیں وہ راضی ہو جائے۔ بے شک نواز سے متعلق اسے سب کچھ بتا دیں مگر انکار نہیں سنوں گا۔ عزت سے ابھی دنوں شادی کروں گا ورنہ جو میں کروں گا وہ سارا خاندان یاد رکھے گا۔" ادھر سے ادھر ٹہلتے ایک دم رک کر اس نے رفعت باجی کی شکل دیکھی تھی۔

"خدا کو مانو شارق! اب وہ نہیں مان رہی تو زبردستی ہے کیا۔"

"ہاں یہ بھی کر لوں گا...... اگر وہ نہ مانی تو......"

نہایت سفاک انداز تھا۔ رفعت نے گہرے ملال سے اسے دیکھا جس کی وجاہت دیکھنے، سراہنے کے قابل تھی مگر......

"ایسی کیا بات ہے نویرہ میں؟" انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"یہ سوال نویرہ پوچھے گی تو ضرور بتاؤں گا' ہر کسی کو بتانے والا نہیں......"

ادھر سے کیا شان استغنا تھا۔ ہاتھ اٹھا کر بے پروائی سے کہا گیا تھا۔

"پہلے بھی تو یہی نویرہ تھی' تمہیں یاد ہو گا ایک دفعہ میں نے ذکر کیا تھا تو تم نے انکار کر دیا تھا کہ تم فی الحال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہو۔ اب ایسی کیا انہونی ہو گئی کہ تم یکایک نہ صرف راضی ہوئے بلکہ شادی تک رکوا دی ہے اور اب یہ نئی ضد...... سچ سچ بتاؤ واقعی دل آیا ہے یا پھر......"

اماں نے غصے سے شارق کو دیکھا جو ان کی کچھ ماننے کو تیار ہی نہ تھا بلکہ کچھ بھی کہنے سننے پر تیار نہ تھا۔

"کہا نا یہ بات آپ کو بتانے والی نہیں...... نویرہ پوچھے گی تو اسے بتاؤں گا۔" دوٹوک انکار ہوا تھا۔

"اچھا! پھر آپ جا رہی ہیں......؟" اماں کو صاف جواب دے کر وہ رفعت آپا کی طرف مڑا۔

"ابھی تو آئی ہوں...... تم چپ کر کے صبر کر لو۔ نویرہ نہیں ماننے والی۔ ہو سکتا ہے خالہ جان کی مرضی رضا کی طرف ہو......" انہوں نے اپنی طرف سے قائل کرنا چاہا تھا مگر وہ تو ایک دم بھڑک اٹھا۔ رضا کا نام ہی اس کے اشتعال کو ہوا دینے کو کافی تھا۔

"ایسی کی تیسی رضا کی۔ جان سے مار دوں گا اگر کسی نے نویرہ کے لیے اس کا نام بھی لیا تو۔ چچی کو اچھی طرح باور کرا دیں' اگر آپ کو یہ کام مشکل لگ رہا ہے تو انکار کر دیں' میں خود سب ہینڈل

کرلوں گا۔"

واجدہ بیگم نے رفعت کی صورت دیکھی۔

شارق کا نویرہ کے لیے اس قدر اموشنل ہونا خاصا غیر یقینی تھا۔

وہ کہاں عورت سے نفرت کرنے والا' شادی کے نام سے بھاگنے والا...... اور سب سے بڑھ کر عورت کی مکاری و چالاکی سے نفرت کرنے والا اس وقت ایک عورت کی طلب کر رہا تھا اور اس حد تک اس طلب میں آگے بڑھ چکا تھا کہ اس کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز کی بھی پروا نہیں کر رہا تھا۔

نواز کا عین شادی کے دنوں انکار واضح ثبوت تھا۔

"میں انکار نہیں کر رہی۔ مجھے اندازہ ہے وہ لوگ نہیں مانیں گے۔"

"ٹھیک ہے' آپ بیٹھی رہیں یہاں' اب جو بھی کرنا ہوگا میں خود ہی کرلوں گا۔"

اس کے لہجے کا سرد پن ایک دم سفاکیت کی حد کو چھو گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے...... کیا کرو گے تم......" اماں نے اس کے تیور دیکھ کر دہل کر پوچھا۔

"میں خالدہ چچی کے ہاں جا رہا ہوں۔ اگر اب بھی انکار ہوا تو میں نویرہ کو اٹھا لوں گا۔ یہ ذہن میں رکھیے گا۔ نواز کے انکار کے بعد اب وہ صرف میرے گھر آئے گی......"

وہ غصے سے کہتا باہر نکل گیا تھا اور واجدہ بیگم نے خوف سے لرز کر اپنا دل تھام لیا تھا۔

* * *

سمعان احمد کے سمجھانے بجھانے کے باوجود زرش خود کو دوبارہ تایا کے ہاں جانے پر آمادہ نہ کر پائی تھی۔ سمعان احمد کی یقین دہانیاں' سمجھانے کا سلجھا ہوا انداز بھی اسے قائل نہ کر پایا۔ وہ تو سمعان احمد کو اس نئے انداز میں دیکھ کر ہی سخت اذیت سے دوچار ہوگئی تھی۔ اگرچہ اب سمعان احمد کی جانب سے پہلے کی سی بدگمانی یا غلط فہمی برقرار نہ تھی مگر وہ خود کو پہلے کی طرح سمعان احمد کی طرف متوجہ نہ کر پائی تھی۔ نہ ہی اپنا دل ان کی طرف سے صاف کر پائی تھی۔ بول چال تو ایک طرف وہ سمعان احمد سے پہلو بچانے لگی تھی۔ ان کی اپنے ہاں آمد پر بھی اپنے کمرے سے نکلنا چھوڑ دیتی تھی۔ تعلیمی سرگرمی معقول بہانہ تھی۔ پھر وہ پہلے سے خود کو خاصا سنجیدہ بنانے کی کوشش میں بھی تھی کہ شائستہ بیگم اس کی طرف سے کھٹکی ضرور مگر زرش کا سب کے ساتھ نارمل رویہ دیکھ کر مطمئن بھی تھیں۔

فرح وغیرہ کے ساتھ بھی وہ نارمل ہی تھی۔ بس سمعان احمد کی طرف سے ہی وہ محتاط ہوگئی تھی۔

سمعان احمد اس کے رویوں کو دیکھ بھی رہا تھا اور محسوس بھی کر رہا تھا مگر کچھ کہنے یا سمجھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس دن زرش کو اچھا خاصا سمجھا چکا تھا۔ اب مزید کچھ کہنا اپنے آپ کو نظروں سے گرانے والا عمل تھا۔

فرح جو سعد والے معاملے میں خود بھی الجھی ہوئی تھی مگر سمعان احمد اور زرش کے درمیان تعلقات کو محسوس کرکے بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

سمعان احمد نے زرش سے متعلق اپنی دلچسپی یا پسند کا اظہار کبھی بھی کھلے عام نہیں کیا تھا۔ بس والدین کی آپس کی گفتگو اور خاندان بھر میں ہونے والے پروپیگنڈے نے ہی فرح اور علی کو اس جانب سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر سمعان کا زرش کی طرف غیر محسوس جھکاؤ دیکھ کر خوش بھی ہوئی تھی۔ والدین کی جو بھی خواہش تھی' طاہرہ بیگم اور سعود احمد کی فیملی کے تعلقات جس نوعیت پر بھی تھے مگر فرح سعید احمد' سمعان احمد کے دل کی خواہش پوری ہونے کی سچے دل سے دعا کرتی تھی۔

فرح نے کالج میں ایک دو دفعہ زرش سے سمعان احمد سے متعلق بات کرنا چاہی تھی مگر زرش ہر بار اسے بری طرح ٹوک گئی تھی۔

"پلیز فرح! میں اس جانب سے کچھ بھی نہیں سنوں گی۔ تمہارے لیے یہ کافی ہونا چاہیے کہ اس انکشاف کے بعد میں نے سمعان بھائی سے قطع تعلقی اختیار نہیں کی اگر تم یہ توقع کرو کہ میں یہ جانتے

کے بعد خوشیاں مناؤں تو تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں تو سمعان بھائی کو ابھی اس نئے انداز سے بھی قبول نہیں کر پائی اور سب سے اہم بات یہ کہ میں تائی امی کا سامنا کرنے سے قاصر ہوں۔ میں نے اب تک بہت خلوص اور محبت سے تم لوگوں سے جو رشتہ نبھایا ہے اسے ہی برقرار رہنے دو تو بہتر ہے ورنہ میں تمہاری دوستی سے بھی ہاتھ کھینچ لوں گی...... کہ بہرحال کزن کی حیثیت ہمارے درمیان مسلّم ہے۔“

اتنی سختی تھی لہجے میں کہ وہ زرش کے قطعی انداز کو کئی ثانیے تک دیکھے گئی تھی اور پھر اس نے اس کے بعد زرش سے اس موضوع پر گفتگو نہیں کی تھی۔

زرش ان کے ہاں آنا چھوڑ چکی تھی۔ یہ بات سعید احمد اور علی کے ساتھ ساتھ طاہرہ بیگم نے بھی محسوس کی تھی اور فرح کو باتوں ہی باتوں میں جتا بھی چکی تھی۔ چونکہ وہ سعود احمد کی فیملی سے متعلق کوئی بھی بات صاف لفظوں میں گھر کے کسی فرد کے سامنے نہیں کرتی تھیں مگر بلاواسطہ ضرور جتا دیتی تھیں۔

بات علی نے کی تھی۔ زرش کی اتنے دنوں کی غیر موجودگی اس نے سب کے سامنے ڈسکس کی تھی۔ جواباً طاہرہ بیگم نے بھی طنزیہ انداز اختیار کیا تھا۔ رات گئے لاؤنج میں سمعان کے علاوہ سبھی تھے جب علی نے اچانک کہا تھا۔

”فرح! حیرت ہے نا' زرش کتنے دن ہو گئے ہیں' آ نہیں رہی۔“ اس نے فرح سے پوچھا تھا۔

”ہاں' خیریت ہی ہے۔ بس وہ آج کل اسٹڈی میں مصروف رہتی ہے۔ پھر چچی جان بھی اسٹڈی کی طرف سے اس پر سختی کر رہی ہیں۔“ اپنی طرف سے تو اس نے مسکرا کر ہی جواب دیا تھا مگر طاہرہ بیگم کہاں چوکنے والی تھیں۔ فوراً کہنے لگیں۔

”شکر ہے' میرے گھر میں بھی چند دن سکون کے گزر رہے ہیں ورنہ ہر روز جاسوسی کی ٹوہ لیے خطرے کی طرح تلوار سر پر ہی لٹکی رہتی تھی۔“

فرح اور علی نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

رات کے وقت سمعان احمد کے علاوہ سبھی لاؤنج میں ہی تھے۔ سعید احمد کے تاثرات بدلے تھے۔ فرح ڈر گئی کہ ابھی معرکہ شروع ہوا مگر خیریت رہی تھی۔ وہ چپ رہے تھے اور آنے والی مصیبت ٹل گئی تھی۔ طاہرہ بیگم تو کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ علی کے چلے جانے کے بعد فرح بھی اٹھنے لگی تو سعید صاحب نے اسے روک لیا۔

”بیٹھو تم......“ کافی پرسوچ انداز تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔

”زرش کیوں نہیں آ رہی؟“ انہوں نے بغور بیٹی کا چہرہ دیکھا جو پل بھر میں متغیر ہوا تھا۔ وہ چہرہ جھکا گئی۔

”وہ مصروف ہوتی ہے۔“

”لاسٹ ٹائم کب آئی تھی؟“

”لاسٹ سنڈے...... جس دن میں' علی اور امی بڑے ماموں کے ہاں گئے تھے۔ ہماری غیر موجودگی میں ہی آئی تھی۔ آپ نے اور ماجدہ نے ہی بتایا تھا۔“

”اس دن کے بعد بھی آئی کہ نہیں؟“

”نہیں......“

”کہیں تمہاری غیر موجودگی میں وہ آئی ہو اور تمہاری والدہ نے اس کی عزت افزائی کی ہو......؟“

ساری پوچھ گچھ کا لب لباب یہی تھا۔ فرح نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی تھی۔

”نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے اس دوران کوئی چکر نہیں لگایا۔“

”تو پھر وہ کیوں نہیں آ رہی؟“

”یہ تو آپ اسی سے پوچھیں۔ مجھے تو یہی کہتی ہے کہ پڑھائی سے فرصت نہیں ملتی جب کہ میں جب بھی ان کے ہاں جاتی ہوں فارغ ہی ہوتی ہے۔“

واپسی پر زرش کا ڈرائیور پہلے زرش کو چھوڑتا تھا تو پھر اس کو۔ ایسے میں وہ اکثر اس کے ہاں رک جاتی تھی۔ زرش کا گریز صاف لفظوں میں کہنے کے بجائے اس نے ٹالا تھا۔

”ہوں...... ٹھیک ہے' تم جاؤ۔“

فرح خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

سعید احمد کا پرسوچ اور مبہم سا انداز اسے متجسس کر رہا تھا مگر وہ سر جھٹک گئی تھی۔

اگلے دن وہ آفس سے ذرا جلدی اٹھ گئے تھے۔ زرش کی اتنے دنوں کی غیر حاضری انہیں بھی متجسس کر رہی تھی۔

آخر وہ کیوں نہیں آ رہی؟ کہیں طاہرہ کی طرف سے کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ طاہرہ بیگم کا طنزیہ انداز انہیں اندر ہی اندر سلگا رہا تھا۔ وہ بہت چاہنے کے باوجود ان کے رویّے کو نظر انداز نہیں کر پا رہے تھے۔ سعود احمد کے ہاں سبھی بہت خوش ہو کر ملے تھے۔ زرش کے وہی انداز تھے۔ تایا کو دیکھ کر چہکنے لگی تھی۔ زرش کا خوشگوار نارمل موڈ دیکھ کر سعید احمد صاحب کے اندر طاہرہ بیگم کے الفاظ کی تلخی کم ہونے لگی تھی۔

وہ کافی دیر وہاں ٹھہرے تھے۔ مغرب کے بعد سعود احمد بھی چلے آئے تھے۔ انہوں نے سعود احمد سے زرش کو اپنے ہاں ایک دو دن کے لیے لے جانے کی بات کی تھی۔

”ضرور...... زرش کی ماما سے پوچھ لیں' مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔“ انہوں نے ہنس کر اجازت دی تھی۔ زرش کچن میں تھی ورنہ فوراً انکار کرتی۔ شائستہ پاس ہی براجمان تھیں' مسکرائیں۔

”زرش کی اسٹڈی کا حرج ہو گا۔“ انہوں نے ٹالنا چاہا۔

”پہلے بھی وہ آتی جاتی رہتی ہے۔ فرح وہیں ہے۔ وہیں سے کالج چلی جایا کرے گی۔ ایک دو دن کی تو بات ہے۔ پھر بیگ اور بکس ساتھ لے جائے گی۔“ انہوں نے ان کے اعتراض کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ جیسے گھر سے ہی طے کر کے چلے تھے۔

سعود احمد خاموش ہی رہے مگر شائستہ بیگم ضرور کہنے لگیں۔

”صاف بات ہے بھائی جان' زرش کبھی کبھار جائے تو اور بات ہے یوں ایک دو دن مسلسل رہنے کے لیے جانا...... شاید طاہرہ کو اچھا نہ لگے۔“ انہوں نے خدشے کا اظہار کر دیا تھا۔ سعید احمد ایک دم

سنجیدہ ہوگئے۔

"طاہرہ کو اوّل تو ایسا کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ زرش کو کوئی بات کہے' دوسرا زرش کسی غیر کے ہاں نہیں جائے گی' اپنے گھر جائے گی۔ ہم سے زیادہ تم لوگ اس گھر پر حق رکھتے ہو۔ وہ تم لوگوں کا اپنا گھر ہے۔" انہوں نے اپنے پر زور دیا تھا۔ شائستہ کے اندر تکلیف کا احساس جاگا۔

"اپنا گھر......! یہی تو دکھ ہے وہ اب اپنا گھر نہیں رہا۔ اپنے گھر میں کبھی اپنی بیٹیوں پر انگلی نہیں اٹھائی جاتی۔" ان کے لہجے میں گزرے لمحوں کا درد تھا' اذیت تھی۔

سعید احمد تو ایک طرف سعود صاحب بھی گم صم ہوگئے تھے۔

"شائستہ! گزری باتوں کا تذکرہ کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اگر فائدہ دیتا تو ان لمحوں پر سب سے زیادہ میں ماتم کرتا۔ بہرحال سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے۔"

"آپ بھی تو گزری باتوں کو ذہن میں جگہ دیے ہوئے ہیں۔ سچ بتائیں کیا آپ گزرے لمحوں کو فراموش کرگئے ہیں۔" شائستہ نے سعید احمد کو ایک دم کٹہرے میں لاکھڑا کیا تھا۔ ان کا چہرہ متغیر ہوا تھا اور ہونٹ بھینچ گئے تھے۔ سعود احمد کو تاسف نے آگھیرا۔

"شائستہ!" انہوں نے بیگم کو ٹوکا تو شائستہ کو بھی اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا' بلکہ اپنے رونے پر ملال سا ہوا۔

"آپ زرش کو لے جائیں...... ایک دو دن رہ لے پھر چھوڑ جایئے گا۔" انہوں نے اجازت دیتے ہوئے وہاں سے جگہ چھوڑ دی تھی۔ انہوں نے زرش کو تیار ہونے اور بیگ میں کتابیں اور کپڑے رکھنے کا کہا تو وہ چونکی۔

"کیوں...... مجھے کہاں جانا ہے؟"

"تمہارے تایا ابو تمہیں ایک دو دن کے لیے لینے آئے ہیں۔"

"کیوں......؟" وہ حیران ہوئی۔

"زیادہ سوال جواب نہ کیا کرو...... جو کہا ہے وہ کرو۔ جاؤ تیار ہوجاؤ۔"

سعید احمد سے کہے اپنے سنگین الفاظ کا احساس انہیں اب اذیت دے رہا تھا۔ اسی لیے زرش کو ٹوک دیا۔

"یونہی تیار ہوجاؤں...... میں نہیں جارہی۔" وہ جو تایا کے ہاں ہر وقت جانے کو تیار رہتی تھی' ایک دم انکار کرگئی۔

شائستہ نے حیران ہوکر دیکھا۔ اتنا دو ٹوک انکار۔

"کیا بات ہے؟ میں نوٹ کررہی ہوں تم وہاں مسلسل نہیں جارہی اور اب تمہیں بھائی صاحب لینے آئے ہیں' کیوں؟"

زرش کے ایک ہی انکار نے انہیں اس کی طرف بری طرح متوجہ کیا تھا۔ زرش جھنجلا گئی۔

"کیا مصیبت ہے۔ جب میں وہاں جاتی تھی تو سب سے زیادہ شکایت بھی آپ کو ہی تھی اور اب انکاری ہوں تو فوراً تفتیش شروع ہوگئی ہے۔"

"ہاں تو تفتیش نہ کروں۔ طاہرہ نے کچھ کہا ہے تم سے یا پھر تم نے کوئی حماقت سرانجام دی ہے؟"

انہوں نے مشکوک نظروں سے زرش کا چہرہ جانچا۔

زرش کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ یعنی کہ اتنی بے اعتباری۔

"ایک تو آپ کو مجھ پر ہر وقت شک ہی رہتا ہے۔ چلی جاتی ہوں مگر کل ہی واپس آجاؤں گی۔ چند گھنٹوں کے لیے ان کے ہاں جانا اور بات ہے اور اب روز منہ اٹھا کر چلی جایا کروں...... وہ بھی رہنے کو......" وہ منہ پھلا کر کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

شائستہ بیگم پرسوچ نگاہوں سے کتنی دیر اپنی جگہ گم صم رہی تھیں۔

* * *

نواز سے رشتہ ختم ہونے کی بات پورے خاندان میں پھیل گئی تھی۔ قریبی رشتے دار تو فوراً "اظہار افسوس" کے لیے پہنچے تھے۔ جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔ دور کے رشتہ داروں کو بھی ایک دوسرے سے خبر ملتی جارہی تھی۔

کال کا سلسلہ شروع ہوا تو شام گئے تک چلتا رہا۔ نبیل بھائی نے غصے سے ریسیور کریڈل سے ہٹا دیا تھا مگر اذیت دینے والے لوگ کہاں چوکتے ہیں۔ موبائل نمبرز بھی کے ہر کسی کے پاس ہی ہوتے تھے۔ ساجد بھائی دوپہر کو ہی ضحیٰ بھابی کو لے کر ان کے میکے روانہ ہوئے تھے کہ جب سے بھابی آئی تھیں میکے ملنے نہیں گئی تھیں۔ ساجدہ باجی احمد بھائی کے آنے پر صبح ہی چلی گئی تھیں کہ اپنے گھر میں بچے ساس کے پاس چھوڑے ہوئے تھے۔

اس وقت اماں میڈیسن لے کر لیٹی تھیں۔ مسلسل آنے والے لوگوں اور ان کی بھانت بھانت کی باتوں سے انہوں نے بہت ٹینشن لی تھی۔ نویرہ مسلسل اپنے کمرے میں مقید تھی۔ وہ آنے والوں سے ملنے کو بھی کمرے سے نہیں نکلی تھی لیکن رشتہ دار پہنچ جاتے تھے۔ نبیلہ ہر ایک کو ہینڈل کررہی تھیں۔ اس وقت بھی محلے کی ایک جاننے والی کو خدا حافظ کہہ کر وہ گیٹ بند کرنے کو آئی تھیں تبھی شارق زمان کی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی تھی۔ انہیں تعجب ہوا تھا۔ کل رفعت باجی رشتے کی بات کرکے گئی تھیں اور آج شارق زمان یہاں تھے۔

"السلام علیکم!" گاڑی وہیں کھڑی کرکے شارق زمان گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔ نبیلہ نے صرف سر ہلایا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"نبیل گھر پر ہی ہے؟"

"ہوں......"

"اور نویرہ؟" شارق زمان کے پراعتماد انداز میں کوئی بات ضرور تھی کہ نبیلہ چونکی تھیں۔ بغور شارق

زمان کو دیکھا۔ پُراعتماد مطمئن انداز۔

"کمرے میں لیٹی ہوئی ہے۔"

"چچی جان کیسی ہیں؟" نبیلہ کے ہمراہ اندر کی طرف بڑھتے مسلسل سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا۔

"ٹھیک ہیں۔ کمرے میں لیٹی ہوئی ہیں بلکہ میڈیسن دے کر لٹایا ہے۔"

وہ شارق زمان کو لاؤنج کی طرف لے کر بڑھنے کو تھیں جب کہ شارق زمان دروازے پر ہی رک گیا۔

"میں نویرہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟" ایک دم نبیلہ کے لبوں سے پھسلا تھا۔

"میرے پروپوزل سے انکار کیوں کیا اس نے؟"

"اس نے صرف آپ کے ہی نہیں' رضا کے پروپوزل سے بھی انکار کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ بالکل درست ہے۔ نواز نے اس کے ساتھ جو بھی کیا ہم جلد بازی میں اب اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ نواز کے اس عمل سے وہ کیا پورا خاندان سوالیہ نشان بن کر رہ گیا ہے۔ وہ پہلے ہی کرائسس سے گزر رہی ہے۔ ایسے میں اگر آپ اس سے اس سلسلے میں کوئی بات کرنا چاہیں گے تو وہ ہرٹ ہوگی۔" نبیلہ نے اپنے اسی مخصوص انداز میں باور کروایا تھا۔ شارق مسکرا دیا۔

"مگر میں پھر بھی اس سے ضرور ملنا چاہتا ہوں۔" اسپتال کے بعد شارق زمان نے دوبارہ نویرہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو اماں' رفعت اور نواز کو قائل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اب ان تینوں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اس طرف آیا تھا۔

"نویرہ شاید اچھا محسوس نہ کرے۔" نبیلہ ہچکچائی تھی۔

"میں یہ سمجھوں کہ آپ مجھے اس سے ملنے نہیں دے رہیں۔ اس پروپوزل کے علاوہ بھی ہمارا رشتہ ہے' آپ شاید بھول رہی ہیں۔" نبیلہ کے انکار پر شارق نے کچھ برہمی سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اس کے کمرے میں چلے جائیں مگر میری ذمہ داری پر نہیں۔"

سر ہلاتے شارق زمان نے نویرہ کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ آج کتنے دنوں بعد آنکھوں کو اس کے چہرے کا دیدار ہونے جا رہا تھا جس کے تصور میں وہ ہر کام بھولے صرف اس کے حصول کے جتن کر رہا تھا۔ اس کی چال میں خوف تھا اور اعتماد بھی۔ سرشاری بھی تھی اور بے حسی بھی۔

اس نے ہولے سے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آجائیں......" اس رات کے بعد طلوع ہونے والی صبح میں نویرہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔ اب پھر اسی آواز نے شارق زمان کے دل و دماغ میں اک ہلچل سی مچا دی تھی۔ اپنا جرم کچھ کم اذیت ناک لگا تھا۔ کچھ قابلِ معافی محسوس ہوا تھا۔

شارق نے قدم اندر بڑھائے تھے۔ وہ قرآن پاک کو الماری میں رکھ کر پلٹ رہی تھی۔

"آ...... آپ!" شارق زمان کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔ اس کا چہرہ پل میں کئی رنگ بدل رہا

تھا۔ ایک دم نفرت کے ریلے نے اس کے اندر تلاطم برپا کیا تھا۔

"کیوں آئے ہیں؟" وہ ایک دم پھنکاری تھی۔ ایک دم ہوش میں آ کر وہ شارق کو اپنے سامنے دیکھ کر ساکت ہوگئی تھی۔ وہ اس چہرے کو' مکروہ چہرے کو عمر بھر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"نویرہ......!" شارق زمان اس کی اس درجہ نفرت دیکھ کر ایک پل کو اپنی جگہ منجمد ہوا تھا مگر پھر سر جھٹک کر اس نے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

"خبردار! میرا نام لینے کی کوشش مت کیجیے گا۔ نکل جائیں میرے کمرے سے ورنہ میں چیخ چیخ کر سارے گھر والوں کو اکٹھا کرلوں گی۔ میرا کمرہ آپ کے گھر کے کمروں کی طرح ساؤنڈ پروف نہیں ہے۔" وہ ایک دم ہر حد سے گزر جانے کو تیار تھی۔ شارق زمان کو لگا اگر اس نے ایک قدم بھی مزید بڑھایا تو وہ واقعی اپنے کہے پر عمل کردے گی۔ وہ وہیں رک گیا تھا۔

"تم سکون سے بیٹھ کر میری بات سن لو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔"

"بکواس نہیں...... نکل جائیں میرے کمرے سے۔ میں بڑی حیا کر رہی ہوں تمہاری جو تمہاری کرتوتوں سے ابھی تک سب بے خبر ہیں۔ یہ نہ ہو کہ میں خاندان کی عزت و وقار کو بھول جاؤں۔ ایک منٹ میں اپنی شکل گم کریں۔" نفرت ہی نفرت تھی۔ نویرہ کے لیے قتل کرنا جائز ہوتا تو ایک منٹ ضائع کیے بغیر اس شخص کو قتل کردیتی۔ وہ اس وقت مجبور ہی نہیں بے بس بھی تھی۔

"نویرہ! تمہیں میری بات سننا ہوگی۔" اپنے جذبات کے سامنے شارق زمان کو نویرہ کی یہ جذباتیت محض حماقت ہی محسوس ہوئی تھی اس لیے کچھ سختی سے اسے ٹوکا تھا۔ بلکہ اس کی طرف قدم بھی بڑھائے تھے۔ نویرہ پل میں ٹھٹکی تھی۔ اس شخص پر کسی چیز کا اثر ہی نہ تھا۔

"خبردار! پیچھے ہٹ جائیں۔ میں کہہ رہی ہوں دفع ہوجائیں۔ آپ میرے سگے تایا کے بیٹے ہیں' مجھے خالہ اماں کی محبت مار رہی ہے ورنہ میرے ساتھ آپ نے جو کیا ہے' جو کرنے کی کوشش کی ہے وہ چیخ چیخ کر سب کو بتاتی۔"

"تم میرے کمرے سے باعصمت واپس لوٹی ہو۔" شارق نے اسے غصے سے کہا تھا۔

"شاید خوش قسمتی سے یا اپنی ماں کی دعاؤں سے ورنہ آپ نے تو مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"نویرہ! مجھے جھٹلاؤ نہیں۔ میں تمہاری طرف بہت فیئر ہو کر بڑھا ہوں۔ میں اپنے جذبات سے مجبور ہوں' تم ایک دفعہ مجھے سن لو۔"

نویرہ کی رندھی آواز کا اثر تھا کہ رک کر شارق زمان نے دھیمے سے کہا تھا۔

"ہرگز نہیں...... آپ چلے جائیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں ساری عمر کسی سے آپ کے متعلق کچھ نہیں کہوں گی کہ اس میں میری بھی ذلت ہے۔ مجھے معاف کردیں' میں نے آپ کو کبھی اچھا انسان سمجھا تھا' میری بھول تھی۔ مجھے معاف کردیں۔ مجھے نہیں پتا تھا مکروہ انسان آپ جیسے خوبصورت چہروں میں چھپے ہوتے ہیں۔" وہ کچھ بھی سننے پر آمادہ نہ تھی۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی...... اور خوب

رونی۔ شارق زمان کے اندر ایک زبردست تحریک برپا ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو مظلوم اور حق پہ سمجھ رہا تھا۔ نویرہ کا یوں رونا اسے بجائے ملامت زدہ کرنے کے اشتعال میں مبتلا کر گیا تھا۔ دو قدم کا فاصلہ ایک ہی جست میں طے کیا تھا۔

"میری بات سن لو نویرہ! میں سب کشتیاں جلا کر تمہاری طرف بڑھا ہوں۔ ساری عمر اپنے کیے کا بھگتان بھگتوں گا۔ اگر تم مجھے یوں جلاؤ گی یا مجھے یوں شرمندہ کرنے کی کوشش کرو گی تو لاحاصل ہے۔ میں اپنا وہ ضمیر اسی صبح مار چکا ہوں۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ صرف حاصل کرنا ہی مقصد نہیں ہے۔ بات وجود کی نہیں' تمہاری ہے۔ وجود تو کہیں بھی کسی سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر محبت کا کیا کروں جو تم سے ہو گئی ہے۔ تمہیں برا لگے یا نفرت کرو' مجھے پروا نہیں۔ میں اپنا آپ کبھی نہ کبھی تم سے منوا ہی لوں گا۔ تم انکار نہیں کرو گی۔ تمہیں مجھ سے شادی کرنا ہو گی۔ تمہارے پاس اب کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ نواز کے بعد بالکل بھی نہیں۔" اس کے پاس رک کر اس کے چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹا کر اس نے غصے سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

نویرہ تو شارق زمان کی اس جسارت پہ ہی ہکا بکا تھی سختی سے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس کے منہ پہ دے مارا تھا۔ بہت بھرپور پرطاقت طمانچہ تھا۔

"میری نفرت کا یہ جواب ہے۔" وہ غصے سے پھنکاری تھی۔ نازک سے وجود میں برق سی لہر دوڑ گئی تھی۔ نہ جانے اتنی ہمت و طاقت کہاں سے آ سمائی تھی کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے شارق زمان کو دیکھا تھا۔ شارق زمان ایک پل کو تھما تھا۔ اس کے اندر مزاحمت غضب کی تھی۔

"نویرہ!" اس نے جواباً ہاتھ اٹھانا چاہا تھا مگر درمیان میں ہی رک گیا تھا۔ "تم میرے جذبوں کی توہین کر رہی ہو۔" وہ جیسے خود سے ہی ہارا تھا۔

"میں ایسے جذبوں پہ تھوکتی بھی نہیں ہوں۔" جواب دوبدو تھا۔ "ایسے گھٹیا مکروہ جذبوں کو محبت کا نام مت دو جس میں انسان' انسانیت سے ہی گر جائے۔ لعنت بھیجتی ہوں میں تم پہ۔ تھوکنا بھی گوارہ نہیں ہے مجھے تم پہ۔ دفع ہو جاؤ' شکل گم کرو اپنی۔ یہ نہ ہو کہ میں ہر لحاظ و مروت بالائے طاق رکھ دوں۔" وہ جیسے ان لمحوں میں کندن بن کر نکھری تھی۔ شارق زمان لب بھینچ گیا۔ ایسی ذلت' ایسی دھتکار نہیں دیکھی تھی۔ وہ تو سر آنکھوں پہ بٹھایا گیا تھا۔ جہاں بھی گیا تھا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ صرف اندر کے کمپلیکس تھے جو اسے جینے نہیں دیتے تھے اور اب یہ لڑکی......

"میں رفعت باجی کو پھر بھیج رہا ہوں۔ تم انکار نہیں کرو گی۔" اپنے اندر اٹھنے والے غیظ و غضب کے طوفان کو دباتے ہوئے اس نے اپنے موڈ اور مزاج کے قطعی برخلاف بہت سکون سے کہا تھا۔

"تم ساری عمر بھیجتے رہو۔ میرا یہی جواب ہو گا۔" وہ سب لحاظ و مروت پل میں فراموش کر گئی تھی۔

"تو پھر سن لو میں بھی بہت برا کروں گا۔" غصے سے وہ پھر ضبط کھو گیا تھا۔

"میری بلا سے...... جو کر چکے ہو وہ کیا کم اچھا تھا۔" طنز بھرپور تھا۔ "اور میں کیا ساری عمر یہاں بیٹھی رہوں گی۔"

"نواز کی طرح ساری دنیا عقل مند نہیں ہوتی۔ نواز تو میری ساری بات سن کر خاموشی سے راستہ صاف کر گیا مگر آئندہ کوئی بھی چپ چاپ انکار نہیں کرے گا۔ ابھی تو صرف نواز برا بن رہا ہے پھر تم بھی انوالو ہو گی۔ کیا برداشت کر لو گی اپنی ذات کی اس درجہ ذلت و رسوائی۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات پہ کیچڑ برداشت کرو گی؟" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں گویا انکشاف ہوا تھا۔ اپنی جگہ مضبوطی سے جمی نویرہ ششدر رہ گئی۔

"کیا...... کیا بتایا نواز کو؟" اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔ شارق زمان کو کچھ درجے سکون ہوا۔ چلو اندر کی تپش کچھ حد تک ادھر بھی منتقل تو ہو۔

"وہی جو اس رات ہمارے درمیان ہوا تھا...... اور کوئی بھی غیرت مند انسان ایک ایسی لڑکی کو اپنانے کی کبھی غلطی نہیں کرتا۔ نواز نے بہت عقلمندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اب میرے علاوہ تمہیں کوئی نہیں اپنائے گا...... اور یہی میرا مقصد تھا۔" الفاظ تھے یا ایٹم بم۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے دیکھے گئی۔ اس کے دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگا تھا۔ اسے لگا جیسے شارق نے اسے آگ میں دھکیل دیا ہو۔ اس سے پہلے کہ اس انکشاف پہ اس کے حواس شل ہوتے اور وہ تیورا کر گرتی' دھڑام سے دروازہ کھلا تھا۔

"شارق......" آنے والا غصے سے پھنکارا تھا۔

* * *

وہ تایا کے ساتھ آ تو گئی تھی مگر اس دفعہ پہلے کی طرح خود کو اس گھر میں سیٹ نہ کر پائی تھی۔ علی اور فرح کے ساتھ رویہ نارمل ہی تھا۔ تایا جان بھی بھرپور محبت سے پیش آتے تھے۔ طاہرہ کے انداز و اطوار بھی وہی تھے۔ شوہر کی وجہ سے زرش کا وجود برداشت کرنے پہ مجبور تھیں مگر اندر ہی اندر خون کھول رہا تھا۔ ہر پل دل چاہتا تھا کہ کچھ کر گزریں۔ اس عمر میں گزرے لمحوں کا حساب بے باق کر دیں۔ اسی طرح جس طرح شائستہ نے ان کی ہنستی مسکراتی زندگی میں آگ لگائی تھی اور اس آگ کی چنگاریاں اب بھی ان کا دامن جھلساتی تھیں۔ وہ روز مر مر کر جیتی تھیں اور جی جی کر مرتی تھیں مگر بے بس تھیں۔ سعید احمد صرف شوہر ہی نہیں ان کے بچوں کے باپ ہی نہیں' کبھی محبوب شوہر بھی تھے اور اب......

جیسے جیسے شائستہ کی لڑکی کا تصور کرتیں' بدن سلگنے لگتا تھا۔ خون انتقام پہ اتر آتا تھا اور وہ بے بس ہو جاتی تھیں کہ اس عمر میں ملال بڑھنے لگے تھے۔ کم عمری کی حماقت دل کا درد بن کر زخم زخم کرتی رہتی تھی۔ اپنے ملال دل دکھانے لگتے تھے۔ وہ ہر لمحے آبلہ پائی سے گزر رہی تھیں کہ سعید احمد نے انہیں اپنا کر دھتکارا ہی نہیں عمر بھر کے لیے بے حیثیت بھی کر دیا تھا۔ یہ نقصان انہیں سکون نہیں لینے دیتا تھا۔

زرش رات کو آئی تھی۔ صبح ناشتے پر اس کی سمعان احمد سے سلام دعا ہوئی تھی کہ رات سمعان کسی میٹنگ میں مصروف تھا اور رات لیٹ گھر آیا تھا۔

سمعان تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ بھی نظریں چرا گئی تھی۔ کالج جانا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر تایا کے ساتھ دونوں کالج کو نکلی تھیں۔ کالج سے واپسی پر سعید احمد نے ڈرائیور بھیج دیا تھا۔ ہنستی مسکراتی زرش کو فرح کے ساتھ واپس آتے دیکھ کر طاہرہ بیگم کا دل جھلسا گئی تھی۔ وہ سارا دن

کمرے میں بند رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر پھر بند ہوگئیں۔ علی کی آمد پر تینوں بہت عرصے بعد دل کر خوش ہوئے تھے۔

شام کے سائے پھیلنے لگے تو سمعان اور سعید احمد دونوں خلاف روٹین کچھ جلدی گھر لوٹ آئے تھے۔ سعید احمد آئس کریم کا بڑا پیک لائے تھے۔ فرح تو دیکھ کر خوش ہو اٹھی تھی۔ فوراً زرش کے ساتھ مل کر آئس کریم کپوں میں نکالنے لگی۔ طاہرہ بیگم ابھی تک کمرے میں بند تھیں۔

"تمہاری ماں کہاں ہیں؟" سب کو آئس کریم کے کپ تھماتی فرح کو دیکھا۔

"کمرے میں ہیں۔"

"کیوں......؟ آج کھانا پکانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے؟"

"پتا نہیں' آج ان کا موڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا بھی تھا' ڈانٹ دیا تھا۔"

فرح کے جواب پر سعید احمد چپ رہ گئے۔ صاف سمجھ رہے تھے کہ یہ زرش کی آمد پر خاموش احتجاج ہے۔ وہ سر جھٹک گئے تھے۔

"ماجدہ کو کہو کھانا تیار کرے۔"

ماجدہ کے ساتھ مل کر فرح اور زرش نے کھانا تیار کیا تھا۔ زرش کے گریز کو محسوس کرتے ہوئے سمعان نے زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارا تھا۔ کھانا تیار کر کے فرح اور زرش نے ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ طاہرہ بیگم کھانے کے بلاوے پر بھی کمرے سے نہیں نکلی تھیں۔ سمعان سمیت سب نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔

زرش یہ سب صرف دیکھ ہی نہیں' بہت کچھ محسوس بھی کر رہی تھی۔ اب وہ صرف دیکھنے اور کڑھنے کے بجائے کھلی آنکھوں سے حقیقت پرکھنے کی کوشش میں تھی کہ پہلے ہی اپنی حماقت سے وہ بہت کچھ سہہ رہی تھی۔ طاہرہ بیگم کا یہ رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سوال نے اس کے اندر اودھم مچا رکھا تھا۔ کھانے کے بعد اسی نے چائے تیار کی تھی۔ چائے سرو کرنے کی ذمہ داری اس نے فرح کے سپرد کی تھی۔ فرح سب کو چائے سرو کر کے طاہرہ بیگم کی طرف چائے کھانے کی ٹرے کی طرح ان کے کمرے میں پہنچا آئی تھی کہ ایسے مزاج میں ان کا کھانا پینا سب کمرے میں ہوتا تھا۔ فرح اور زرش اپنے اپنے کپ لیے لان میں چلی آئی تھیں۔

"تائی امی کا رویہ صرف ہماری ہی فیملی کے ساتھ ایسا کیوں ہے؟" چائے پیتے ہوئے وہ فرح سے پوچھنے سے خود کو باز نہ رکھ پائی تھی۔

"تم لوگوں کے ساتھ کیا ان کا اپنی فیملی کے ساتھ بھی یہی رویہ ہے۔ چھوڑو اس ٹاپک کو' کوئی اور بات کرو۔"

"پھر بھی کوئی تو وجہ ہوگی ہی۔ اتنی شدید نفرت' ایسا کیا جرم سرزد ہوگیا ہے ہمارے بڑوں سے کہ ان کی خطا تائی امی معاف کرنے میں ہی نہیں آ رہیں۔"

"یہ بڑے ہی بہتر جانتے ہیں۔ تم سناؤ' تم سمعان بھائی سے کیوں گریز کر رہی ہو۔" اس نے بات ٹال دی تھی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ہمارے درمیان اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں ہوگی۔" زرش نے اسے فوراً یاد دلایا تھا۔ بلکہ کچھ حد تک تلخی و سرد مہری تھی لہجے میں۔

"کیوں...... آخر کیا برائی ہے سمعان بھائی میں......؟" وہ آج زرش سے اس ٹاپک پر تفصیلی بحث کرنے کے موڈ میں تھی۔

"فرح پلیز! وہ تمہارے بھائی ہیں مگر میں اپنی ذات میں خود مختار ہوں۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں میرا کتنا نقصان ہوا ہے۔ وہ تو اپنی بات واضح کر کے مطمئن ہیں جبکہ میں کن عذابوں میں مبتلا ہوں' کاش تم اندازہ لگا سکو۔"

"اسی مسئلے کو حل کرنا چاہتی ہوں۔ تایا زاد تو ایک طرف' سمعان بھائی کے حوالے سے بھی تم مجھے کس حد تک عزیز ہو' تمہیں شاید یقین نہ آئے۔"

"اسی لیے تمہیں منع کر رہی ہوں۔ سمعان بھائی صرف تایا زاد ہی نہیں' کزن اور سب سے بڑھ کر ایک بھائی کے رشتے سے معتبر ترین حیثیت میں رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے جو اپنائیت' محبت و بے تکلفی کا رشتہ بنایا تھا اس رشتے نے ہر پل مجھے صرف سگے رشتوں کا احساس دلایا تھا۔ اب ایک دم یہ بدلتی حیثیت میں کیسے قبول کر لوں کہ سمعان بھائی بدل گئے ہیں' ان کا مقام و مرتبہ بدل گیا ہے۔ میں لاکھ چاہوں بھی تو ان سے خفا نہیں رہ سکتی کہ ان سے خفا ہونا میرے بس میں نہیں مگر میں اپنی ذات کا دفاع کرنے میں حق بجانب ہوں۔ تائی امی کی نفرت اب میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ ان کی کبھی کی کہی بہت سی باتیں جو مجھے الجھائے رکھتی تھیں' اب میری عقل کی گرہیں کھول رہی ہیں۔ انہیں جو خوف ہے' وہ جس طرح میری آمد پر کمرہ نشین ہوگئی ہیں' کیا میں صورت حال کا درست سمت تعین نہیں کر رہی۔ کیا اب بھی تم یہ کہو گی کہ میرا رویہ' میرا احتجاج غلط ہے اور سمعان بھائی کا یہ انداز کیا بڑا خوش امید ہے؟"

زرش نے بہت سنجیدگی سے فرح پر اپنی بات واضح کی تھی۔

"پھر بھی سمعان بھائی تم سے کس قدر فیئر ہیں۔ ان جیسے پریکٹیکل انسان سے کسی غیر جذباتی اقدام کی توقع محض حماقت ہے۔ تم سے وہ بہت مخلص ہیں اور پھر ابو بھی یہی چاہتے ہیں۔ تمہیں شاید علم نہیں انہوں نے چچا جان سے تمہارے متعلق بارہا بات کی ہے اور چچا جان محض امی کی وجہ سے چپ ہیں اور ابو خوف زدہ۔ ورنہ اب تک تمہاری اور سمعان بھائی کی نسبت کا اعلان پورے خاندان میں ہو چکا ہوتا اور قیصرہ خالہ جیسے لوگوں کا منہ بند ہو چکا ہوتا۔ سمعان بھائی نے منع کر رکھا ہے محض امی کی ضد کی وجہ سے۔"

"میں تایا ابو اور ماما کے اصرار پر آئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ یہ چند دن پرسکون اور آرام سے بسر ہو جائیں۔ یہ ہمارے درمیان اس ٹاپک پر آخری گفتگو ہے۔ اس کے متعلق اب ہمارے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔ سمعان بھائی سے اس ٹاپک پر بات ہو چکی ہے۔ وہ اپنی بات کہہ چکے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں انہیں رد کروں یا قبول مگر ان سے بدظن نہ رہوں۔ میں ان کی طرف سے دل صاف کر چکی ہوں مگر اپنے رویے اب نارمل نہیں کر پاؤں گی۔ اگر وہ اپنے جذبات میں بے بس ہیں تو

میں بھی اپنی فیلنگز میں مجبور ہوں۔ وہ میرے لیے اب بھی وہی سمعان بھائی ہیں۔ ہاں بے تکلفی کا رشتہ وہ خود اپنے اقرار سے ختم کر چکے ہیں۔ عزت میں ان کی ساری عمر کروں گی مگر "سمعان بھائی" سے ہٹ کر انہیں کسی اور نگاہ سے دیکھنا بھی میرے لیے ممکن نہیں ہے' اور بس......"

"فرح......!" سمعان احمد کی پکار پر دونوں ہی چونکی تھیں۔ نہ جانے وہ کب سے کھڑے تھے۔

اپنے عقب میں سے سمعان احمد کو آتے دیکھ کر زرش ٹھٹکی تھی۔ بغور سمعان احمد کو دیکھا مگر کچھ بھی اخذ نہ کر پائی۔

"تمہیں ابو بلا رہے ہیں۔" انہوں نے فرح کو پیغام دیا تھا۔ وہ فوراً الرٹ ہو گئی۔

"خیریت......؟"

"ہوں۔" وہ کرسی پر ٹک گئے تھے۔ دوسری طرف زرش تھی۔

فرح جلدی سے اٹھی تھی۔ زرش چونک کر سیدھی ہوئی۔ تیزی سے اٹھ کر اس نے فرح کے عقب میں جانا چاہا تھا مگر جھٹکے سے رک گئی تھی۔ سمعان احمد نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی پیش قدمی کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔

"رکو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس کے تیزی سے پلٹ کر دیکھنے پر سمعان نے وضاحت کی تھی۔

فرح جا چکی تھی۔ زرش نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھ کر جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمارے درمیان اچھی خاصی بات چیت ہو چکی ہے۔ اب کچھ بھی کہنا فضول ہے۔" بہت رکھائی سے اس نے کندھے اچکائے تھے۔ سمعان احمد نے بغور دیکھا۔ اپنی ذات پر بہت پراعتماد انداز تھا۔ سمعان احمد متاثر ہوا۔

"بیٹھو تو سہی......" اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر سمعان احمد نے نرمی سے کہا تھا۔ سمعان احمد کے لہجے کی نرمی محسوس کر کے وہ خاموشی سے کرسی پر ٹک گئی کہ بہر حال سمعان احمد سے اتنی حیا تو تھی ہی۔

"جی کہیے۔" انداز ایسا تھا کہ جیسے اگلے ہی پل اٹھ کر بھاگ جائے گی۔ سمعان احمد مسکرا دیا تھا۔

"مجھے علم نہیں تھا کہ میری ذات سے متعلق یہ انکشاف تمہاری اندرونی و بیرونی صفات کو اس قدر خیرہ کن کر دے گا۔ عقل پر کافی خوشگوار اثر ہوا ہے۔ آئی لائیک اٹ۔"

زرش تو بھک سے اڑ گئی۔ خفا ہو کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان احمد کے چہرے کی دلنشین بھرپور مسکراہٹ اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہی تھی۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی۔

"مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔" وہ حقیقتاً برا مان گئی تھی۔

"بالکل نہیں۔ تمہیں سراہ رہا ہوں۔ ویسے عقل کے علاوہ اور کیا کیا نکھرا ہے؟" انداز ذرا بھی سنجیدہ نہ تھا۔ زرش نے شاکی انداز میں سمعان کی طرف دیکھا۔ اسے مکمل یقین ہو گیا تھا کہ سمعان احمد نے اس کی فرح سے گفتگو سن لی ہے۔

"آپ کو اندازہ ہے' تائی امی کو جب علم ہو گا وہ کس قدر برہم ہوں گی۔ فوراً میرا داخلہ اس گھر میں بند کر دیں گی۔ پہلے ہی میری ذات ان کے لیے وجہ تنازعہ رہتی ہے اور اب وہ جو بھی کریں وہ کم ہو گا۔" سمعان احمد کی غیر سنجیدگی اسے سخت اذیت سے دوچار کر گئی تھی اسی لیے تلخی سے باور کرانے کی کوشش کی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میری سب طرف نگاہ ہے۔ امی کے مزاج اور ارادوں سے بہر طور باخبر ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میں ان دو محاذوں پر لڑنے کے بجائے پہلے تمہیں قائل کروں اور پھر امی کو۔ کچھ غلط فہمیاں ہیں جنہوں نے ان رنجشوں کو بڑھاوا دیا ہے ورنہ وہ دل کی بری تو کبھی بھی نہیں ہیں۔ انا و خودداری کے مسئلے ہیں جنہوں نے امی ابو کو اپنی اپنی بات پر قائم رہنے پر مجبور کیا ہوا ہے ورنہ قیصرہ خالہ جیسے لوگ اتنے پاور فل نہیں ہوتے کہ گھر بکھر جائیں۔ جہاں تک امی کے رویے کا سوال ہے اس جانب تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔ میں دونوں خاندانوں میں حائل رنجشوں کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا مدد نہیں کرو گی میری......؟"

"ضرور کروں گی مگر اس طرح کبھی نہیں جس طرح آپ چاہتے ہیں۔" سر جھکائے کرسی کے بازو پہ انگلی پھیرتے اس نے کہا تھا۔

"میرے لیے تمہارا مان جانا ہی کافی ہے۔ میں اپنے جذبوں میں سچا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ صبح ضرور طلوع ہو گی جب دلوں میں رنجشوں کے بجائے محبتوں کے سمندر موجزن ہوں گے۔ رہا تمہارے مجھے رد یا قبول کرنے کا سوال تو مجھے یقین ہے میں بہت جلد تمہارے دل تک رسائی حاصل کر ہی لوں گا۔" سمعان کی اس قدر واضح براہ راست گفتگو سے وہ سٹپٹا گئی تھی۔ اس نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔

"بھول ہے آپ کی......" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

سمعان احمد نے رات کے اندھیرے میں لان میں جلتی ہوئی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھنا چاہا تھا مگر وہ فوراً چہرہ موڑ گئی تھی۔

"سنو!" وہ بھاگنے کو تھی جب پکارنے پر رک سی گئی تھی۔

"بھول نہیں' یقین راسخ ہے۔ پہلے تو تم لاعلم تھیں تو میری پوری کوشش رہی تھی کہ تم لاعلم ہی رہو مگر اب بات کھل گئی ہے تو میں وقت و حالات کو اپنے بس میں کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ بس آج کل میں ابو سے صاف بات کرنے والا ہوں۔" زرش نے بے حد گھبرا کر پلٹ کر سمعان کی شکل دیکھی۔

"اور میرا نہیں خیال کہ چچا جان کو کوئی اعتراض ہو گا۔ اگر ایسا کوئی اعتراض ہے بھی تو انہیں قائل کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ رہا امی کا سوال تو اک عمر پڑی ہے ان کو راضی کرنے کے لیے۔ وہ میری ماں ہیں اور ماں کبھی اولاد کی خوشی کا قتل نہیں کرتی۔ میرا خیال ہے تم اب اپنا مائنڈ تبدیل کرنا شروع کر لو تو سہولت رہے گی۔" سمعان اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو وہ بے یقینی سے دیکھے گئی۔

"نہیں' آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔" سمعان احمد کی باتوں نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔ فوراً انکاری ہوئی۔

"کیوں؟ میں ساری عمر تمہارے راضی ہونے کا انتظار نہیں کروں گا۔ تمہیں راضی کرنے، منانے کو عمر پڑی ہے۔ اصل مسئلہ تو امی کا ہے اور میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔"

"پلیز نہیں...... آپ ایسا نہیں کریں گے۔" سمعان احمد کے دوٹوک انداز پر زرش کو رونا آنے لگا تھا۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے...... میں نے آپ کو ہمیشہ سمعان بھائی ہی سمجھا ہے۔ کبھی کسی اور نگاہ سے دیکھا ہی نہیں۔" وہ بس رو دینے کو تھی۔ سمعان نے مسکرا کر ایک قدم مزید بڑھایا تھا۔

"تو اب دیکھ لو۔ ٹھیک ہے دلوں کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں مگر تمہارے دل میں میرے لیے گنجائش تو ہے نا، بس رشتہ بدلنے کی دیر ہے اور میرا خیال ہے رشتہ بدلنے سے تمہیں، مجھے سمعان احمد کی نگاہ سے دیکھنے میں کافی سہولت ہوگی۔" زرش کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ وہ سمعان احمد کو اپنا نقطہ نظر سمجھانے سے قاصر تھی۔

"مجھے مجبور نہ کریں...... میں بے بس ہوں۔ بہت تکلیف ہو رہی ہے مجھے آپ کے الفاظ سے۔" رندھی آواز میں اس نے کہا تو سمعان احمد نے بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بائیں ہاتھ سے اس کے ہاتھوں کو چہرے سے ہٹا دیا تھا۔ روتا چہرہ رات کے اس پہر مدھم روشنی میں دل پر قیامتیں برپا کر گیا تھا۔

پہلے تو زرش کی لاعلمی کی وجہ سے سمعان نے خود کو کبھی بے بس نہیں ہونے دیا تھا مگر اب دل کو کیا کچھ نہ ہوا تھا۔

"مگر میں مجبور ہوں، زرش! میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ حالات میرے حق میں نہیں ہیں مگر اس سے پہلے کہ حالات بس سے باہر ہوں میں کوئی تدبیر کرنا چاہتا ہوں۔ تم پر زبردستی نہیں ہے۔ آخری فیصلہ تمہارا ہی مقدم ہوگا مگر مجھے رد نہیں کرنا۔ جذبے انسان کو ہراتے ہیں، تم اپنے دل کو سمجھاؤ تو۔ یہ اتنا مشکل امر نہیں۔ میں زندگی کے ہر موڑ پر تمہاری ڈھال بنوں گا۔ مجھ پر یقین کرو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ امی کی ناپسندیدگی وقتی ہے۔ انشاء اللہ ان کو قائل کرلوں گا۔ تم مجھے اذن سفر دو تو سہی۔ مجھ پر اعتبار تو کرو۔ میرا وعدہ ہے تم کبھی ناامید نہیں ہوگی......" سمعان احمد اپنے اسی مخصوص بردبار متحمل مزاج لیے اسے قائل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے اور زرش رونا دھونا بھول کر خالی الذہن سے سمعان کی طرف دیکھ رہی تھی...... ان کی باتوں کا متن سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

* * *

نبیل کو غصے سے شارق زمان کی طرف بڑھتے دیکھ کر نویرہ کے مختل حواس مزید بے قابو ہوئے تھے۔

"نبیل بھائی!" وہ حلق پھاڑ کے چیخی تھی مگر نبیل نے ایک ہی جست میں شارق کا گریبان تھاما تھا۔

"تم اتنے گھٹیا ذلیل ہو سکتے ہو، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

نبیل بھائی شارق زمان پر پل پڑے تھے۔

"نبیل...... حد میں رہو...... ہاتھ میں بھی اٹھا سکتا ہوں۔" گریبان جھنجوڑنے پر شارق بھی آپے سے باہر ہوا تھا۔

"اٹھاؤ ہاتھ...... اٹھاتے کیوں نہیں...... میری بہن کوئی بے سہارا لڑکی نہ تھی۔ اتنا کچھ اس کے ساتھ کر کے اب میرے ہی گھر میں کھڑے دھمکیاں دے رہے ہو۔ میں قتل کر دوں گا تمہیں۔" نبیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ واقعی شارق زمان کا گلا دبا دے۔ بری طرح اس کا گریبان کھینچا تھا۔ شارق جیسا مضبوط ڈیل ڈول والا انسان لڑکھڑا گیا تھا۔ وہ تو نبیلہ نے اطلاع دی تھی کہ شارق نویرہ سے ملنے آیا ہے۔ وہ فوراً کمرے سے نویرہ کے کمرے کی طرف آئے تھے مگر یہاں تمام حقیقت سے آگاہی کے بعد نبیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کھڑے کھڑے شارق زمان کو زندہ درگور کر دے۔

نویرہ جو پہلے ہی حواس کھو رہی تھی دونوں کو گتھم گتھا دیکھ کر آگے بڑھی تھی۔

"نبیل بھائی......" آواز کہیں حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔ نویرہ تیورا کر فرش پر گری تھی۔

"نویرہ......" نویرہ کو گرتے دیکھ کر نبیل، شارق کو وہیں چھوڑ کر اس کی طرف لپکا تھا۔ وہ منہ کے بل گری تھی۔ ہونٹ پھٹا تھا۔ پورا چہرہ خون سے رنگین ہونے لگا تھا۔ شارق سب دیکھ رہا تھا۔ نبیل نے نویرہ کو سیدھا کیا تو خون دیکھ کر حواس بے قابو ہونے لگے۔

"نویرہ!...... نویرہ......!" اس نے بے ہوش وجود کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"نبیلہ بھابی......" حلق کے بل چیخا تھا۔ نبیلہ بھابی بھاگی آئیں مگر اندر کی صورت حال دیکھ کر تو ان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔

"کیا ہوا ہے اس کو؟"

نبیل نے قہر آلود نگاہ شارق پر ڈالی جو خود گم صم انداز میں نویرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نبیلہ اسے کہو...... یہاں سے چلا جائے ورنہ ایک منٹ کی دیر کیے بغیر میں اسے قتل کر دوں گا۔ نویرہ کوئی بے سہارا کمزور لڑکی نہیں تھی۔ اب یہ بات خاندانی عزت کی ہے۔ نواز سے تو نمٹ لوں گا سب سے پہلے اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

نویرہ کو اٹھا کر بستر پر ڈالتے نبیل کے اندر غیظ و غضب کے ابال اٹھ رہے تھے۔ غیرت پر بن آئی تھی۔ بات کوئی چھوٹی نہ تھی۔

"ہیں...... کیا ہوا ہے......" نبیلہ جو اصل صورت حال سے بے خبر تھی، ہکا بکا رہ گئی۔

"عزت پر تو جانیں قربان کر دی جاتی ہیں...... اور یہ شخص اپنے ہی خاندان کی عزت کو برباد کر رہا ہے۔ لعنت ہے تم پر...... دفع ہو جاؤ...... ورنہ میں تمہیں مار دوں گا......"

نبیل نے اشتعال سے آگے بڑھ کر شارق زمان کو باہر کی طرف دھکیلا تھا۔ نبیلہ تو نبیل کے الفاظ سن کر ہی گم صم ہو گئیں اور نبیل کے ساتھ شارق زمان کا رویہ دیکھ کر ششدر ہو گئیں۔ نویرہ کی بے ہوشی، نبیل کے تیور اور شارق کا انداز۔ وہ تو کچھ بھی نہ سمجھ کر بہت کچھ سمجھ رہی تھیں۔

"نبیل......! تم اچھا نہیں کر رہے۔ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔" اس قدر ذلت پر شارق زمان بھی بے قابو ہوا تھا۔ انگلی اٹھا کر دھمکی دی تھی۔

"شکر کرو زندہ سلامت تمہیں دفع کر رہا ہوں ورنہ گلا دبا دوں تمہارا تو وہ بھی کم ہے۔"

نبیلہ آگے بڑھ کر نوریہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔

"دیکھ لوں گا تمہیں اور تمہاری بہن کو بھی...... نوریہ احسان اب صرف میری ہے۔ سن لو تم......" غصے سے پھنکارتے وہ تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔ نبیل نے انتہائی بے بسی و تکلیف سے دیوار پہ مکا مارا تھا۔

* * *

سمعان احمد کی باتوں سے ذہنی خلفشار ایک دم بڑھا تھا۔ عقل کے معاملے میں وہ پہلے ہی خاصی کم رہی تھی اوپر سے سمعان احمد کی باتیں اسے ذہنی کچوکے لگاتی رہی تھیں۔ وہ گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔ تایا کے ہاں آئے پانچواں دن تھا۔ اس نے بارہا جانے کی کوشش کی تھی مگر تایا جان ہر بار منع کر دیتے تھے۔

دوسری طرف شائستہ بیگم فون پر فون کر رہی تھیں مگر سعید احمد ہر بار ٹال جاتے تھے۔

سمعان احمد کی طرف سے وہ اب خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہ تو تائی امی کی کڑی نگاہوں سے ہمہ وقت خائف رہتی تھی۔ وہ کھلنڈری سی شوخ چنچل زرش کہیں کھو سی گئی تھی۔

اتوار کا روز تھا۔ اس کو یقین تھا کہ آج تایا جان اسے واپس جانے دیں گے۔ اس نے اپنا بیگ تیار کر کے رکھ لیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اب مزید یہاں ٹھہرنے والی نہیں۔ طاہرہ بیگم کے تیور اب اسے مزید کسی بھی طرح برداشت کرنے والے نہ تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ابھی معمولات شروع بھی نہیں ہوئے تھے کہ صبح صبح قیصرہ خالہ آ گئی تھیں۔ زرش کو دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔ باتوں ہی باتوں میں ہزارہا طنز پروئے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو زرش دوبدو جواب دیتی مگر بغیر کسی بدمزگی کے وہ خاموشی سے فرح کے ساتھ مل کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

سمعان احمد ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں بند تھے جب کہ سعید احمد ناشتے کے بعد کہیں باہر نکل گئے تھے۔ انہیں دراصل صبح صبح قیصرہ بیگم کی آمد ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ یہ عورت کچھ کہنے سے کبھی باز نہیں آئے گی۔ جواباً وہ بھی برہم ہوں گے۔ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر منظر سے ہی غائب ہو گئے تھے۔

فرح نے اسے لاؤنج سے کچھ پینٹنگز لانے کو کہا تھا جو اس نے کل ہی علی کے ہاتھ منگوائی تھیں۔ لاؤنج میں ہی ایک کونے میں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ان کو اپنے اور علی کے کمروں میں سجانا چاہتی تھی۔

"تمہاری بھی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ آگ اور پانی کا کھیل شروع کر رکھا ہے گھر میں۔ تم ساری عمر عقل سے کام نہ لو گی۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ پہلی فرصت میں اس چھٹانک بھر کی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر چلتا کرتیں۔"

قیصرہ بیگم کی پاٹ دار آواز نے زرش کے قدموں میں زنجیر ڈالی تھی۔

"تو کیا کروں۔ میری جان مصیبت میں ہے۔ سعید احمد تو جان بوجھ کر مجھے ضد دلا رہے ہیں۔ جان بوجھ کر اسے لائے تھے اور اب انہیں پتا ہے میں ناراض ہوں مگر واپس نہیں بھیج رہے۔

اپنے بہن بھائیوں سے متعلق سعید احمد کا رویہ تو ساری عمر یہی رہا ہے۔ تم ہی جم جایا کرو۔ جوان اولاد کی ماں ہو۔ ایک بچہ مرد کو دے کر عورت قدم جما لیتی ہے اور تم ابھی تک اسی حال میں...... ساری عمر پھونک دی تم نے ایک مرد قابو میں نہ ہوا تمہارے۔" قیصرہ خاتون کا انتہائی برہم ہتک آمیز انداز بہت توہین آمیز تھا۔

زرش گم صم سی رہ گئی۔

"تو کیا کروں، بچھ جاؤں اس مرد کے قدموں میں۔ میں تو یہ بھی کر لوں اگر یقین ہو کہ وہ میرے لیے عام معافی کا اعلان کر دیں گے۔ رات تو انہوں نے حد کر دی۔ صاف کہہ دیا کہ میں ان کے ساتھ جا کر مسعود احمد سے رشتے کی بات کروں۔ لڑکی یہاں بٹھا رکھی ہے اور رشتہ اس کے ماں باپ سے ناک رگڑ کر مانگوں......"

زرش کو اپنے اعصاب سخت مزاحمت کا شکار ہوتے محسوس ہوئے۔

تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔

"ہیں...... اتنا کچھ ہو رہا ہے اور تم نے مجھے فون تک نہ کیا......؟" قیصرہ خالہ حیران تھیں۔

"فرح اور علی اب بہت نوٹ کرنے لگ گئے ہیں۔ اسی لیے کال نہ کر سکی۔ پھر میں آپ سے روبرو بات کرنا چاہتی تھی اسی لیے آج آپ کو بلایا ہے۔"

'اچھا...... اور یہ سمعان کیا کہتا ہے۔ کافی عرصے سے تم نے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ دماغ سے اس کے عشق کا بھوت اترا ہے کہ نہیں...... یا پھر یہ نیا شوشہ صرف سعید احمد کا چھیڑا ہوا ہے۔"

"یہی تو بتانا چاہ رہی ہوں آپ کو۔ اب کے یہ سارا کھڑاک ہی سمعان احمد کا پھیلایا ہوا ہے۔ زرش یہاں ہے، میں سائے کی طرح اس کے پیچھے ہوں۔ سمعان بہت زیادہ سنجیدہ ہے۔ اس نے شاید کل پرسوں باپ سے بات کی تھی۔ اس کی شہ کا نتیجہ ہے کہ سعید احمد مجھ پر زور دے رہے ہیں۔"

"ہیں...... سمعان اس حد تک چلا گیا ہے اور زرش کیا کہتی ہے؟" تعجب آمیز انداز میں سوال ہوا تھا۔

"جھوٹ کیوں کہوں، غصہ اور ناراضی ایک طرف، زرش تو سمعان کی پیش قدمیوں پر مسلسل انکاری ہی ہے مگر کب تک...... جب سعید احمد اس کے باپ کو مجبور کریں گے اور ماں باپ راضی ہوں گے تو لڑکی کیسے نہیں مانے گی اور لڑکا بھی اگر میرے سمعان جیسا ہیرا ہو تو......"

"یہ خوب بتا رہی ہو تم...... نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے اور میرا کیا ہوگا، تم نے تو مجھے زبان دے رکھی تھی۔ فوزیہ کے ابا تو اپنی بہن کی محبت میں دبلے ہو رہے ہیں۔ میں ہی زور دے رہی ہوں۔ وہ تو اب راضی تھے اور تم نے یہ خوب کہی...... میں تو ذلیل ہو جاؤں گی ساری سسرال میں......" ان کے لہجے میں زمانے بھر کی بے چارگی در آئی تھی۔

"تو آپ ہی بتائیں کیا کروں۔ میں تو سوچ سوچ کر ہاری ہوں۔ مجھے تو لگتا ہے یہ مسئلہ گلے کی ہڈی بنتا جا رہا ہے جو نہ نگلی جا رہی ہے اور نہ ہی اگلی......" طاہرہ بیگم رونے لگ گئی تھیں۔

"رونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ عقل کا استعمال کرو...... اچھا یہ تو بتاؤ سمعان کا زرش سے رویہ

کیا ہے۔ میرا مطلب ہے لڑکی لڑکا آمنے سامنے ہوں' جوان ہوں تو ہزارہا قصے کہانیاں بننے کو تیار ہوتی ہیں۔ تم کہہ رہی ہونا کہ تم سائے کی طرح زرش کی نگرانی کررہی ہو۔ کچھ تو دیکھا اور محسوس کیا ہوگا......؟"

زرش کا جی چاہا وہ ایک سیکنڈ کی تاخیر کیے بغیر اندر جائے اور قیصرہ بیگم کا منہ نوچ لے۔ اتنی گھٹیا بات۔ اس کا شرم سے مرنے کو جی چاہا۔ وہ کم عقل ضرور تھی مگر اب اتنی بچی بھی نہ تھی کہ گفتگو کا یہ متن نہ سمجھ پاتی۔

"آپا خدا کو مانیں۔ سمعان' زرش کی طرف انوالو ضرور ہے مگر میرا بیٹا ہے۔ حد درجہ اخلاقیات کی پاسداری کرنے والا ہے۔ جیسا آپ سوچ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں...... اور جہاں تک زرش کی بات ہے وہ کم عمری لڑکی ہے۔ جس طرح سمعان اسے قائل کرنے میں لگا ہوا ہے کسی کچے ذہن کی مالک ہوتی تو اب تک قائل ہوچکی ہوتی...... پھر آپ شائستہ کو جانتی نہیں' بیٹیاں ماں کا پرتو ہوتی ہیں۔ ہادیہ اور نوشی کو دیکھا نہیں آپ نے۔"

"پھر بھی تمہیں چاہیے کہ نگاہ رکھو......" طاہرہ بیگم کے بھرپور دفاع پر انہوں نے کھسیا کر تاکید کی تھی۔

"ہاں' نگاہ تو رکھ رہی ہوں۔ آپا کوئی حل بتائیں' یہ سارا قصہ بھی نپٹ جائے اور بات بھی بنی رہے۔ یہ طے ہے میں جیتے جی شائستہ کی اولاد کے لیے کبھی ہاں کہنے والی نہیں۔"

زرش جو اپنے متعلق ان کی کچھ مثبت سوچ سن کر پرسکون ہوئی تھی ان کے لہجے کی تلخی و نفرت محسوس کرکے پھر رنجیدہ ہونے لگی۔

"تو صحیح ہے نا' تم ہاں بھی کیوں کہو...... سعید احمد کو احساس کرنا چاہیے اب تمہارا۔ اس عمر میں یہ ضد' یہ انا جچتی نہیں اسے۔ سنو طاہرہ! تم اب بھی وہی کرو جو شائستہ کو اس گھر سے نکالنے کے لیے تم نے کیا تھا۔ سارا خاندان تو نہیں مگر بہت سے لوگ سعود احمد کے علیحدہ ہونے کی وجہ جانتے تو ہیں نا۔ کون اصل حقیقت جانتا ہے۔ جو میں' تم بتائیں گے وہی سمجھیں گے نا...... تم ساری عمر بھی انکار کرو تو سعید احمد کی ضد نہیں ٹوٹنے والی۔ جبکہ سمعان بھی راضی ہے۔ تم خاموشی سے وہی کھیل کھیلو۔ سعید احمد کی ضد ٹوٹے یا نہ ٹوٹے سعود احمد کبھی سمعان کے لیے ہاں نہیں کرے گا۔ اتنی انا ہے اس شخص میں اور بیوی بھی اکڑ جائے گی۔ ہادیہ والا معاملہ تو تم اچھی طرح جانتی ہی ہونا......"

اب کے زرش کے کچھ پلے نہیں پڑا تھا تاہم وہ الجھ ضرور گئی تھی۔

"خدا کے لیے آپا اب میں ایسے کسی بھی مشورے پر عمل نہیں کرنے والی۔ عثمان تو ایسا خفا ہے مجھ سے کہ اسلام آباد جا بسا۔ میرا تو دل جل گیا ہے۔ سعید احمد جو فرح اور علی کی پیدائش کے بعد تھوڑا بہت دھیان دینے لگے تھے اس سے بھی گئی۔ پھر یہ تو بہتان ہوگا کوئی اور حل نکالیں۔"

"تو تمہارا بھی کوئی جواب نہیں۔ دیورانی سے الجھی بیٹھی ہو اور مجھے کہتی ہو ایسے مشورے پر عمل نہیں کروں گی۔ تو پھر کاہے کو اعتراض ہے زرش کے لیے۔ سیدھے سے جاؤ' ناک رگڑ کر معافی مانگ کر

دیور سے رشتہ مانگو شاید اس عمر میں ہی سہی' سعید احمد کو بھی رحم آجائے تم پر......" وہ طنز کرنے سے باز نہ آئی تھیں۔

"آپا! خدا کے لیے طنز نہ کریں۔ اس برے وقت میں ایک آپ ہی تو آسرا ہیں۔ کس سے اپنا دکھ کہوں' جس سے بھی بات کرتی ہوں سب کہتے ہیں میرا اپنا قصور ہے اور اب آپ بھی مجھے ہی جتا رہی ہیں۔ پہلے بھی تو آپ نے ہی مشورہ دیا تھا۔ کیا فائدہ شائستہ لوگوں کے جانے کا۔ میری اپنی اولاد ہی مجھ سے بدظن ہوگئی۔ اب سمعان کا ردعمل میں سہہ نہیں سکوں گی۔" طاہرہ بیگم باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"دیکھو طاہرہ! یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ اپنا مطلب نکالنے والی۔ تم بھول گئی ہو وہ وقت جب شائستہ کی الزام تراشیاں سن کر سعید احمد نے تمہیں گھر سے نکالا تھا۔ بچے تک چھین لیے تھے۔ سمعان چھوٹا سا تھا تب بھی شائستہ سب کی آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔ اس وقت جو شائستہ نے کیا تھا وہ بہتان نہیں تھا کیا۔ تم تو رہنے ہی دو۔ اب کے میں بولوں گی موقع ملنے دو۔ برے کو برا ہی انجام ملتا ہے۔ پھر کاہے کو فکرمندی۔ تب شائستہ کو حیا نہ آئی تھی جو اب تم اس کی بچیوں کی حیا کروگی۔ یہ دنیا مطلب کی ہے۔ اپنا مطلب نکالو۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔ کچھ نہیں کرے گا سمعان احمد۔ وہ عثمان کی طرح نہیں۔ اسے تمہارا بڑا خیال ہے۔ رہ گئی سعید احمد کی بات۔ وہ پہلے کون سا تمہیں سکھی رکھ رہا ہے جو اب تمہاری طرف ملتفت ہوتا۔"

نہ جانے کیا بات تھی' بہت کوشش کے باوجود زرش نہ سمجھ پائی تھی۔ اندر اب دھیمے سروں میں گفتگو ہورہی تھی۔ زرش کوشش کے باوجود ایک لفظ تک رسائی حاصل نہ کرپائی تھی۔ وہ انتہائی ملال اور اذیت کا احساس لیے بغیر اندر واپس پلٹی تھی مگر فرح کو اپنے عقب میں کھڑے دیکھ کر رک گئی۔

"تم......"

فرح کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے کھڑی تھی اور بہت کچھ سن چکی تھی۔

"ہاں تمہارا انتظار کرتے تمہیں ہی تلاش کرنے نکلی تھی۔" وہ اسے جواب دے کر اندر چلی گئی تھی۔

تصاویر لے کر وہ واپس آئی تو زرش وہیں کھڑی تھی۔

فرح کا چہرہ سرخ انگارہ دھواں دھواں ہورہا تھا۔

"سنو زرش! تمہیں علیحدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ کمرے میں چلو۔ میرے ساتھ ہی رہنا۔ ابو آتے ہیں تو ان کے ساتھ واپس چلی جانا۔"

زرش اس ہدایت نامے پر ٹھٹکی۔

"کیوں......؟ خیریت......! تم نے بھی اندر کی باتیں سنی ہیں؟"

"ہاں...... اور پلیز اب یہاں سے ہٹو۔ قیصرہ خالہ کے سامنے جانے کی ضرورت بھی نہیں...... چلو میرے ساتھ......"

وہ اسے لیے اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ کمرہ نئے سرے سے ترتیب دیا جاچکا تھا۔ وہ فرح کے ساتھ دوبارہ ہاتھ بٹاتی رہی تھی مگر وہ جو کچھ بھی سن چکی تھی وہ اسے مسلسل الجھائے دے رہا تھا۔ فرح

بہت گم صم اور خاموش تھی۔ زرش کا کئی بار جی چاہا کہ اس سے پوچھے بات کرے۔ ایسا کیا کرنا چاہتی تھیں قیصرہ خالہ جو پہلے بھی کیا جا چکا تھا۔ وہ بہت ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ قیصرہ خالہ کے شیطانی دماغ تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر تھی۔

طاہرہ بیگم کی چند باتیں اس کے دل و دماغ کو کلک کر رہی تھیں۔

قیصرہ بیگم سے اچھائی کی توقع عبث تھی۔ وہ ان عورتوں میں شامل تھیں جو دوسروں کا گھر برباد کرنے میں ماہر تھیں۔ باقی وقت وہ فرح کے ساتھ ہی لگی رہی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ دوپہر کو گھر چلی جائے گی مگر تایا ابو واپس نہیں لوٹے تھے۔ جانے کو وہ علی کے ساتھ بھی جا سکتی تھی مگر وہ سعید احمد کی اجازت سے جانا چاہتی تھی۔ دوپہر کا کھانا طاہرہ بیگم نے ہی تیار کیا تھا۔

فرح اپنے کمرے میں سارا وقت رہی تھی اور اس نے زرش کو بھی کمرے سے نکلنے سے منع کر دیا تھا۔

”کیوں......؟“ دونوں کھانے کے بعد کمرے میں آئی تھیں اب کے زرش گھر فون کر کے ماما سے بات کرنا چاہتی تھی اسی لیے اس نے باہر نکلنا چاہا تھا۔ فرح کے کمرے میں جو ایکسٹینشن ہوتا تھا وہ اب غائب تھا۔ وہ لاؤنج میں جا کر کال کرنا چاہتی تھی مگر فرح نے روک دیا تھا۔

”امی اور خالہ کی باتیں تم نے بھی سنی ہیں اور اپنی خالہ کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ شیطانی ذہن کی مالک ہیں وہ۔ مجھے نہیں پتا انہوں نے یا امی نے اس سے پہلے حنان بھائی یا چچی جان کے ساتھ ایسا کیا کیا کہ نوبت یہاں تک پہنچی ہے مگر اپنی ماں کو میں بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ قیصرہ خالہ کا انہیں اپنے کسی بھی گھٹیا پلان میں شامل کرنا اور ذہنی طور پر تیار کرنا بائیں ہاتھ کا کام ہے اور ہماری امی قیصرہ خالہ کی ہر بات پر (جائز و ناجائز) آنکھیں بند کر کے عمل کرتی ہیں چاہے اس سے نقصان ان کی اپنی اولاد کو ہی کیوں نہ پہنچے۔“ بہت زہر خند اور تلخ لہجہ تھا۔

”پھر بھی وہ زیادہ سے زیادہ کیا کریں گی؟ مجھ سے الجھ پڑیں گی۔ برا بھلا کہہ لیں گی۔ اس سے زیادہ وہ کیا کر لیں گی۔“

”تمہیں زیادہ ہی شوق ہے خود کو تجربوں کی بھینٹ چڑھانے کا تو بصد شوق باہر جاؤ پھر مجھے نہ کہنا کہ میں نے سمجھایا نہیں تھا۔ اپنی ماں اور خالہ کی فطرت سے اچھی طرح سے واقف ہوں۔ ان سے کسی بھلائی یا اچھائی کی توقع عبث ہے۔ قیصرہ خالہ کسی کی بربادی کا تو سوچ سکتی ہیں مگر کسی کے فائدے کا نہیں۔ وہ ماسٹر مائنڈ ہیں اور امی کے لیے کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں۔“

زرش خاموشی سے واپس بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

تین بجے تک قیصرہ بیگم کی واپسی اور سعید احمد کی آمد کے کوئی امکان نہ تھے۔ کمرے میں بند رہ رہ کر زرش اکتا گئی تھی۔

چار بجے کے قریب فرح شام کی چائے کا اہتمام کرنے کمرے سے باہر نکلی تھی تو وہ بھی ساتھ ہو لی۔ چائے دم پر ہی تھی جب سعید احمد کی آمد ہوئی تھی۔ زرش نے ان سے واپسی کی بات کی تھی۔ خلافِ معمول وہ مان بھی گئے تھے۔ انہوں نے مغرب کے بعد چلنے کا کہا تھا۔ زرش نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ وہ ایک دم جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

وہ زندگی میں پہلی دفعہ اس گھر سے گھبرا رہی تھی ورنہ اس گھر میں آ کر تو اس کی روح کو قرار آتا تھا۔ سعید احمد اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ واپس کچن کی طرف جانے کو تھی جب قیصرہ خالہ کو دیکھ کر اس کے قدم تھمے۔ اس کے اندر ایک نفرت سی سر اٹھانے لگی تھی۔

”سنو...... ذرا سمعان کو اس کے کمرے سے بلا دو۔ میں واپس جا رہی ہوں، مجھے چھوڑ آئے۔“

زرش کے چہرے پر برہمی کے اثرات بہت واضح تھے۔ اس کے باوجود قیصرہ خاتون نے اسے حکم دیا تھا۔ زرش کا جی چاہا کہ ترنخ کر انکار کر دے۔ وہ تو مر کر بھی ایسے لوگوں سے لحاظ و مروت کی قائل نہ تھی۔ نہ جانے اتنا کچھ سننے کے باوجود کیسے اب تک چپ تھی۔

”تو یہ بات آپ ان سے خود بھی کہہ سکتی ہیں۔“ وہ اپنے گھر واپس جا رہی تھی اور واپس جا کر اسے سب سے پہلے شائستہ بیگم کو ساری صورت حال سے باخبر کرنا تھا۔ وہ دل میں یہ تہیہ کر چکی تھی اسی لیے وہ قدرے مطمئن اور پرسکون تھی۔ پر اعتماد انداز تھا۔

قیصرہ بیگم نے بغور اسے دیکھا۔

”تم کہہ دو گی تو کیا فرق پڑے گا۔ جاؤ شاباش! اسے بلا دو۔ ویسے میں کہہ تو چکی ہوں۔ وہ کپڑے چینج کرنے کا کہہ کر گیا تھا۔ ابھی تک نہیں لوٹا۔ جاؤ اسے کہہ دو میں انتظار کر رہی ہوں۔“ خلافِ معمول وہ بغیر برا مانے کچھ محبت و نرمی سے مخاطب تھیں۔

زرش الجھ گئی۔ وہ اس عورت کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ یہ روپ کسی سلسلے کی کڑی تھا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی ایک بار بھی سمعان کے کمرے میں نہیں گئی تھی اور اب...... وہ جھجک سی گئی۔

”جاؤ...... اسے بلا دو۔ دیر ہو رہی ہے۔ گھر سے کال پہ کال آ رہی ہے۔“ اپنے موبائل کو دیکھتے انہوں نے اسے پھر ٹوک دیا تھا۔

زرش شش و پنج میں پڑ گئی۔ جانے سے پہلے وہ خود بھی سمعان احمد کو جتا دینا چاہتی تھی کہ جو وہ چاہتے ہیں وہ کبھی ممکن نہیں۔ پہلے شاید ماما پاپا کے اقرار پر وہ بھی مان جاتی مگر اب قیصرہ خالہ اور طاہرہ بیگم کی گفتگو سننے کے بعد ایسا ممکن نہ تھا۔ یہ اس کا قطعی فیصلہ تھا۔ قیصرہ خالہ اس کے چہرے کے تاثرات پہ نظر رکھے ہوئے تھیں۔ زرش انہیں نظر انداز کیے سمعان احمد کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ نہ ہی یہ گھر اس کے لیے اجنبی تھا اور نہ ہی سمعان احمد۔ سب سے بڑھ کر وہ اپنی ذات پہ اعتماد کرنے والی لڑکی تھی۔ پہلے بھی سمعان کی یہی ذات تھی اور اب بھی۔ فرق صرف ایک اقرار سے پڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ مضبوط تھی۔

یہ اطمینان اس کے قدموں کو مضبوطی دے رہا تھا۔

"مجھے کسی سے بھی ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

دروازے کے پاس رک کر اس نے خود کو حوصلہ دیا تھا اور پھر پلٹ کر دیکھا۔ راہداری میں کھڑی قیصرہ بیگم ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس نے طنز سے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے دستک دینے کو ہاتھ اٹھایا تھا مگر صرف قیصرہ بیگم کو چڑانے کے لیے اس نے بغیر دستک دیے اندر قدم بڑھا دیئے تھے۔ اگلے ہی لمحے اسے دستک نہ دینے کی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑ گیا تھا۔ باتھ روم سے نکلتا سمعان احمد تولیے سے جسم رگڑتا کمرے کے وسط میں ہی رک گیا تھا۔

زرش کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ اس پر منوں بوجھ آ پڑا تھا۔ سمعان احمد سے لاکھ بے تکلفی سہی مگر کبھی ایسی نوبت نہ آئی تھی۔ شرمندگی و خجالت سے برا حال تھا۔

"ایم سوری وہ میں......" انگلیاں چٹخاتی وہ سر جھکا گئی۔ نادانستہ پڑ جانے والی نگاہ کے بعد اس نے دوبارہ نگاہ نہیں کی تھی۔ پلکوں کی چلمن سرخ رخساروں پر جھک گئی تھی۔

"ٹھہرو......" سمعان کی آواز نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈالی تھی۔

وہ پلٹے بغیر رک گئی تھی۔ سمعان احمد خود اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھا مگر قیصرہ خالہ کی اچانک آمد نے سارا پروگرام برباد کر دیا تھا۔ صرف طاہرہ اور قیصرہ کی نگاہوں سے بچنے کے لیے سارا دن کمرے میں بند رہ کر گزارنا پڑا تھا کہ وہ اپنی ماں کو پہلے ہی کچھ کانشس محسوس کر چکا تھا۔ اب کے وہ کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ سمعان نے بستر پر پڑی بنیان اٹھا کر تیزی سے پہنتے تولیہ دونوں کندھوں پر پھیلا کر اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"خیریت!" اتنا تو وہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس صورت حال میں زرش خود سے کبھی بھی اس کے کمرے میں آنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گی۔

"جی...... وہ آپ کی خالہ بلا رہی تھیں۔ انہوں نے ہی بلانے کو بھیجا تھا۔" جھکے سر سے ہی اس نے بات مکمل کی تھی۔

"اوہ...... اچھا......" سمعان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ سرخ چہرے پر خفت و شرمندگی کے آثار ابھی بھی واضح تھے۔ ہیروں کی طرح دمکتی نگاہوں پر کالی جھالر کا پہرہ تھا۔ ہلکے آف وائٹ سوٹ میں ملبوس وہ نگاہوں کو خیرہ کن کر رہی تھی۔

سمعان احمد کے دل کو بہت ہولے سے کوئی چھو گیا تھا۔

"فرح بتا رہی تھی کہ تم آج واپس جا رہی ہو۔" مکمل استحقاق سے نگاہیں جمائے سمعان احمد نے اس کے وجود کی نیرنگیوں سے نگاہوں کو خیرہ کن کیا تھا۔

"جی...... تایا ابو سے بات کی تھی۔ وہ مغرب کے بعد چلنے کا کہہ رہے تھے۔" انداز وہی تھا۔

شرم و حیا کا خوب صورت امتزاج تھا۔

ہمیشہ سمعان احمد سے بے تکلفی سے گفتگو کرنے والی نگاہیں چرائے ہوئے تھی۔ وہ سمعان احمد کی نگاہوں کی حدت سے ہی سٹپٹا رہی تھی۔ وہ بڑے اعتماد سے کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر سارا اعتماد تو ڈانواں ڈول ہو چکا تھا۔

"میں ابو سے بات کر چکا ہوں۔ انہوں نے کل چچا جان سے بات کی تھی۔"

"کیا......؟"

زرش نے گھبرا کر سر اٹھایا تھا۔ سمعان کی توجہ بھرپور تھی۔ نگاہوں سے نگاہیں ملی تھیں۔ گویا کوندا سا لپکا تھا۔ وہ فوراً چہرہ جھکا گئی۔

"چچا جان راضی ہو گئے ہیں مگر اس شرط پر کہ امی خود چل کر باقاعدہ رشتے کی بات کریں۔" سمعان احمد نے بہت دھیمے انداز میں مزید بتایا تھا۔ زرش حواس باختہ سی دیکھے گئی۔

"ہو سکتا ہے چچی جان تم سے عندیہ لیں۔ تم انکار نہیں کرو گی۔ ابو امی کو چلنے پر آمادہ کر لیں گے بس تم انکار نہیں کرو گی۔"

وہ گم صم انداز میں دیکھے گئی۔ سمعان نے اس کو ایک دم گم صم ہوتے دیکھ کر اس کے کندھوں کو ہولے سے تھاما تھا۔

"تمہارا انکار میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تم پر زبردستی نہیں ہے مگر تمہارے انکار سے سب سے زیادہ ہم دونوں کی ذات موضوع سخن بن سکتی ہے۔ قیصرہ خالہ کی آمد بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے۔ میری تم سے دلچسپی امی کے ذریعے ان تک مکمل تفصیلات کے ساتھ پہنچ چکی ہو گی بلکہ پہنچ چکی ہے۔ ایسے میں اپنی ذات کے موضوع بننے سے زیادہ مجھے تمہاری فکر ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔"

زرش کو محسوس ہوا جس انکار کو وہ انتہائی آسان سمجھ رہی تھی وہ کس قدر رسوا کن تھا۔

"قیصرہ خالہ سے اچھائی کی امید نہیں۔ یقیناً اپنی ناکامی پر وہ خاصے وسیع پیمانے پر احتجاج بھی کریں گی۔ ہم دونوں کو انوالو کرنے کی کوشش بھی کریں گی۔ میں صبر کر لیتا کوئی انتہائی قدم نہ اٹھاتا مگر امی کے تیور کسی مثبت رخ کی طرف نشاندہی نہیں کر رہے تھے۔ چچا جان پہلے تو آمادہ ہی نہ تھے۔ عمروں کے ڈیفرنس کا انہوں نے اعتراض کیا تھا مگر ابو ٹال گئے تھے اور تم کو صرف اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ کہیں تم بنا بنایا کھیل نہ بگاڑ دو۔ سمجھ رہی ہو نا......"

اندر انکار و احتجاج کے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ سمعان مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا اور زرش حیران و پریشان سمعان احمد کو سن رہی تھی۔ ایسے میں دونوں کو علم ہی نہ ہو سکا کہ کب قیصرہ بیگم نے اندر جھانکا تھا اور کب بہت خاموشی سے دروازہ لاک کیا تھا۔

طاہرہ بیگم اس قسم کے کسی بھی کھیل میں ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھیں۔ اب انہیں جو بھی کرنا تھا، تنہا کرنا تھا۔ وہ صرف سعید احمد کی واپسی کی منتظر تھیں۔

وہ جیسے ہی گھر لوٹے تھے وہ سمعان کے پاس آئی تھیں۔ سمعان احمد سارا دن کمرے میں بند کمپیوٹر پر مصروف رہا تھا۔ انہوں نے سمعان کو گھر چھوڑ دینے کو کہا تھا۔ سمعان احمد کو خالہ سے لاکھ اختلاف سہی مگر ان کے اصرار پر انکار نہ کر سکا تھا۔ وہ جو سوچ چکی تھیں اس پر انہوں نے فوراً عملدرآمد بھی کیا تھا۔ سمعان نے باتھ لینے اور کپڑے چینج کرنے کا کہا تھا...... کچھ توقف کے بعد انہوں نے زرش کی

تلاش شروع کردی تھی۔

سارا دن زرش کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ وہ تایا سے بات کر کے پلٹی تو انہوں نے اسے روک لیا تھا۔

زرش کے پر اعتماد انداز پر وہ خوفزدہ بھی تھیں مگر اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ بھی تھا۔

زرش کو سمعان کو بلانے کا کہا تھا۔

ڈر تھا کہ کہیں انکار نہ کرے۔ زرش سے کچھ بھی توقع تھی مگر وہ چلی گئی تھی۔ زرش اس معاملے میں بیوقوف ثابت ہوئی تھی۔ انہیں حیرت ہوئی تھی۔

سعید احمد اور طاہرہ لاؤنج میں تھے۔ فرح کچن میں ماجدہ کے ساتھ شام کی چائے کا اہتمام کر رہی تھی۔ صورت حال ان کے حق میں تھی۔ وہ طاہرہ کو سمعان کو بلانے کا کہہ کر زرش کے پیچھے ہی چلی آئی تھیں۔ سمعان احمد' زرش کو سمجھا رہا تھا۔ وہ دل کو تسلی دے کر آگے بڑھی تھیں۔

سمعان کی تمام گفتگو سے انہوں نے بڑے مسرور انداز میں پانسہ پلٹنا چاہا تھا۔

"طاہرہ......" ان کی پاٹ دار آواز پر لاؤنج میں موجود تینوں نفوس چونکے تھے' خاص طور پر طاہرہ بیگم۔

"کچھ اندازہ بھی ہے کہ سمعان اور زرش کہاں ہیں؟" سعید احمد چونکے تھے۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے فوراً ناگواری سے پوچھا تھا۔ ورنہ وہ اس عورت سے کلام کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

"مطلب تو آپ کو ان کے کمرے میں چل کر پتا چلے گا۔ میں کچھ کہوں گی تو کہیں گے میری سازش ہے۔" طاہرہ نے بے یقینی سے بہن کو دیکھا۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی اپنی پلاننگ پر عمل بھی کر بیٹھیں گی۔

"آپا!" طاہرہ نے انہیں تلخی سے ٹوکنا چاہا تھا مگر وہ تو دو دھاری تلوار بنی ہوئی تھیں۔

"میں نے تو سمعان سے مجھے واپس چھوڑنے کو کہا تھا۔ زرش کو بھیجا تھا کہ سمعان کو بلا دو۔ کافی انتظار کے بعد وہ نہیں لوٹی تو میں خود گئی ہوں مگر کمرہ بند کیے دونوں نہ جانے کن راز و نیاز میں مصروف تھے۔ آواز باہر تک آ رہی ہے۔ یقین نہیں آتا تو خود چل کر دیکھ لو۔"

"طاہرہ اپنی بہن کو روک لو...... میری اولاد کے متعلق ایسی واہیات گفتگو میں کبھی برداشت نہیں کروں گا۔"

انہوں نے غصے سے فوراً طاہرہ کو دیکھا تو جو غم و غصے سے بہن کو دیکھ رہی تھیں۔ پہلی دفعہ انہیں بہن پر غصہ آ رہا تھا مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب بہن کا ساتھ دیئے بنا کوئی چارہ نہ تھا کہ مخالف ہستی ان کے مخالف کی بیٹی تھی۔

"غصہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپا نے کوئی بات دیکھی ہے تو کہہ رہی ہیں...... چلیں آپا میں دیکھتی ہوں کیا ہو رہا ہے۔"

سعید احمد غصے سے تلملا اٹھے تھے مگر کچھ کہنے سے قاصر تھے کہ وہ اصل معاملے سے لاعلم و بے خبر

تھے۔ طاہرہ اور قیصرہ کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ بھی لپکے تھے۔

"دروازہ کھولو...... سمعان دروازہ کھولو......" قیصرہ بیگم اب خاموش تھیں۔ طاہرہ بیگم نے دروازہ پیٹا تھا۔ زرش جو سمعان کے سمجھانے پر خاموش آنسو بہا رہی تھی ایک دم چونکی تھی۔ سمعان نے بھی آواز پر پلٹ کر دروازے کو دیکھا۔ دروازہ تو ان لاک تھا پھر لاک کیسے ہو گیا؟

دوسری طرف سے اب مسلسل دروازہ بجایا جا رہا تھا۔

سمعان نے اپنے اوپر ایک نگاہ ڈالی تھی۔

زرش کی موجودگی اپنے کمرے میں ایک دم اس کے دل و دماغ میں سائرن بجا گئی تھی۔

جبکہ زرش چہرہ صاف کرتے گھبرائی ضرور تھی مگر خوفزدہ نہ تھی' پر اعتماد تھی۔ سمعان کو آگے بڑھ کر الماری سے شرٹ نکال کر پہننے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ دروازہ مسلسل پیٹا جا رہا تھا۔ گویا توڑ دینے کا ارادہ تھا۔ اس نے تیزی سے دروازہ ان لاک کیا تھا۔

سب سے پہلے اندر داخل ہونے والی طاہرہ بیگم تھیں' پھر قیصرہ اور عقب میں سعید احمد اور علی۔

زرش اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر سٹپٹائی تھی تاہم ذہن کے کسی گوشے میں بھی کوئی خیال نہ تھا۔ بس اپنے متورم چہرے پر خائف ہو رہی تھی۔

"دروازہ کیوں بند کیا ہوا تھا؟" طاہرہ بیگم پھنکاری تھیں۔ کینہ توز نظروں سے زرش کو گھورا تھا۔

سمعان کی حالت اور زرش کا متورم چہرہ ان کے اعصاب پر بہت گراں گزرا تھا۔

"دیکھ لیا آپ نے؟ بڑے دعوے تھے آپ کو...... پوچھیں اس سے کیا کر رہی ہے یہ یہاں...... میں کچھ کہوں گی تو مجھے گھر سے نکل جانے کی دھمکی اور یہ لوگ کچھ بھی کرتے پھریں۔ میری اولاد کو گمراہ کریں اور میں خاموش رہوں۔" طاہرہ بیگم اونچی آواز میں باقی کی کارروائی سرانجام دے رہی تھیں۔

سمعان احمد اس اچانک آپڑنے والی افتاد پر ششدر و حیران تھا۔ حیران ہو کر اونچی آواز میں چیختی چلاتی ماں کو دیکھا اور پھر باپ کو۔

ان کی نگاہوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ وہ بھی اس حالت میں زرش کی موجودگی پر حیران تھے۔

سمعان احمد پوری ذات سے ہلا تھا تو زرش مسعود احمد بھی طاہرہ بیگم کے واویلے اور چیخ و پکار پر لرز گئی تھی۔

"کیا بکواس ہے......؟"

وہ فوراً بولی تھی۔ پھر ایک دم قیصرہ خالہ کو دیکھ کر غصے سے پلٹی تھی۔

"پوچھیں اپنی بہن سے۔ انہوں نے مجھے سمعان بھائی کو بلانے کو بھیجا تھا...... مجھ پر آپ کو کسی بھی قسم کی الزام تراشی کا کوئی حق نہیں۔"

سمعان احمد بے یقینی سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی طرف سے خاموشی محسوس کر کے زرش فوراً چیخ گئی تھی۔

"انہوں نے تو تمہیں بھیجنے کی غلطی کی مگر تم نے بھی تو خوب موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

"پلیز بند کریں اپنی یہ الزام تراشی۔ سمعان بھائی! بتائیں انہیں کیا میں آپ کو بلانے نہیں آئی تھی۔"

روکا تو آپ نے تھا' بتائیں انہیں۔" وہ فوراً سمعان کے سامنے آ ٹھہری تھی۔ سمعان کی بے یقینی ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی کہ اس طرح کی الزام تراشی کرتی زبان طاہرہ بیگم کی ہے' اس کی ماں کی۔

"اب تم تو ایسا کہو گی ہی۔ میں دیکھ رہی تھی اتنے دنوں سے تم کیسے سمعان کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ جادو چل گیا ہے تمہارا سمعان پر...... جادوگرنی......" انہوں نے اب باقاعدہ واویلا کیا تھا۔

ایسی زبان استعمال کی تھی کہ زرش کا ڈوب مرنے کو جی چاہا۔

"چپ کرو تم......" سعید صاحب ایک دم دہاڑے تھے اور غصے سے طاہرہ کو گھور کر سمعان کو دیکھا۔

"یہ سب کیا ہے سمعان! یہ کیا ڈرامہ ہے۔ اسے میں کیا نام دوں؟" انہوں نے بجائے زرش کو کچھ کہنے کے بیٹے سے باز پرس کی تھی۔

انہیں سمعان سے تو کسی غلط امر کی توقع نہ تھی کجا کہ یہ حماقت۔

"مجھے کیا پتا یہ کیا ہے...... جنہوں نے یہ ڈرامہ اسٹیج کیا ہے ان سے پوچھیں۔ مجھے تو اتنا پتا تھا کہ دروازہ ان لاک تھا۔ یہ لاک کیسے ہوگیا؟ اور رہ گئی زرش کی موجودگی کی بات' یہ آپ کو بتا چکی ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے پہلے اسے کمرے میں بھیج کر اب یہ ڈرامہ کیا جارہا ہے۔ امی مجھے آپ سے اس قدر گھٹیا پن کی توقع نہ تھی۔ کچھ تو سوچ لیا ہوتا کسی کی اولاد کو زک پہنچاتے آپ اپنی اولاد کی نظروں سے بھی گر رہی ہیں۔"

سمعان کے الفاظ کی سنگینی ایسی تھی کہ طاہرہ بیگم حواس باختہ ہوگئی تھیں۔ اسی لیے تو انہوں نے منع کیا تھا قیصرہ آپا کو مگر اب کے انہوں نے مدد طلب نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ دیا تھا۔

"سمعان! تم اپنی ماں کو جھٹلاؤ گے جب کہ میں نے خود اپنے کانوں سے تمہیں اس کے ساتھ گفتگو کرتے سنا ہے۔"

قیصرہ' بہن کو دھیما پڑتے دیکھ کر فوراً میدان میں اتری تھیں۔

"آپ واقعی سن سکتی ہیں۔ آپ سارے ڈرامے کی ڈائریکٹر جو ہوئیں۔" سمعان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر گزرے۔

"سمعان! تمیز سے بات کرو۔ کیا میں نہیں جانتی شائستہ اور اس کی اولاد کو۔ شائستہ جیسی تھی ویسی چلتر باز بیٹیاں بھی ہیں اور یہ تو سب سے بڑھ کر ہے۔ اگر اتنی ہی پاکباز ہے تو تمہارے اس حالت میں تمہارے کمرے میں کیا کر رہی تھی؟" الفاظ تھے یا بم بلاسٹ ہوا تھا۔ زرش منہ پھاڑے دیکھ رہی تھی۔

ایک دم اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

معاملے کی سنگینی کا احساس شدید تر تھا۔

اس کی ذات الزام کی زد پر ہی نہیں کردار پر انگلی اٹھائی جارہی تھی۔ منہ پر ہاتھ رکھے وہ پیچھے ہٹی تھی۔

فرح جو شور شرابے کی آواز سن کر کچن سے بھاگی تھی' اندر کی صورت حال دیکھ کر دروازے پر ہی ساکت ہوئی تھی۔

"جھوٹ بولتی ہیں یہ...... قسم لے لیں تایا ابو انہوں نے مجھے خود بھیجا تھا۔ تائی امی جھوٹ بولتی ہیں۔ سمعان بھائی سے پوچھ لیں' انہوں نے خود مجھے روکا تھا' صرف بات کرنے کو۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کا اعتماد و ضبط صرف یہیں تک تھا۔ گویا سارے اعتماد و ضبط کی دھجیاں بکھر گئی تھیں۔

فرح نے تڑپ کر آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

وہ صورت حال سے بے خبر تھی۔

"ہاں' ہمیں تو سب ہی کہیں گے...... اللہ معاف کرے' ایسی بھی کیا بے شرمی کہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر بھی منکر گناہ ہو رہی ہے۔" طاہرہ بیگم تو خاموش تھیں' قیصرہ بیگم ہی بول رہی تھیں۔

"بکواس ہے یہ سب......" زرش' فرح کو دھکیل کر زور سے چیخی تھی۔ جی چاہا کہ فوراً سے پیشتر اس عورت کا گلا دبا دے۔ اتنی گھٹیا بات۔

"تایا ابو! یقین کریں یہ سب جھوٹ ہے...... پلیز یقین کریں......" علی تو گم صم تھا ہی' سعید احمد بھی بے چارگی سے تڑپ اٹھے۔

یہ لڑکی انہیں عزیز ترین تھی۔ مگر حالات کی زد پر سہم سی گئی تھی۔

"ہونہہ! اب اداکاری کر رہی ہے۔" طاہرہ بیگم کی آواز پر سمعان نے تاسف سے ماں کو دیکھا تھا۔

"سارا زمانہ کچھ بھی کہہ لیتا مجھے دکھ نہ ہوتا مگر آپ کے منہ سے یہ سب سن کر بہت دکھ ہو رہا ہے۔ ماں اولاد کو اس سے زیادہ جانتی ہے۔ کیا آپ کو نہیں علم کہ میں کس قماش کا انسان ہوں۔ ابو کیا آپ کو شک ہے کہ میں زرش کے ساتھ کوئی ایسی ویسی حرکت کرسکتا ہوں؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ معاملے کو جو رخ یہ دے رہی ہیں وہ درست ہے۔ کم از کم آپ تو اپنی اولاد پر کیچڑ نہ اچھالتیں' زمانہ کچھ بھی کرتا۔"

زرش تو پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی' سمعان احمد کے لہجے میں بہت کچھ بکھرا تھا۔ اعتماد' اعتبار' یقین' نہ جانے کیا کچھ۔

سعید احمد نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کرتے ہوئے زرش کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے ساتھ لگا لیا۔ وہ ان لمحوں میں خاصے بے بس سے ہوگئے تھے۔ زرش تو ایسی بکھری کہ تایا کے بازوؤں میں ہی جھول گئی۔

زرش...... زرش...... زری......"

وہ چیختے ہوئے اسے سنبھالتے ہی رہ گئے تھے۔ زرش کا ردعمل بہت شدید تھا۔

◆

نویرہ کے ہوش میں آنے اور تمام حقیقت آشکار کرنے کے بعد نبیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شارق زمان کو قتل کر دے۔

نبیلہ، نبیل بھائی کے تیوروں سے سخت خوفزدہ ہوئی تھیں۔ اماں کے بیدار ہونے پر انھوں نے ساری حقیقت ان کے سامنے بیان کردی تھیں وہ تو دنگ رہ گئی تھیں۔ اتنا کچھ ہوگیا اور نویرہ نے منہ سے ایک لفظ نہ نکالا تھا۔ ان کی طبیعت تو پہلے ہی خراب تھی۔ اس انکشاف سے وہ ڈھے گئی تھیں۔ رو رو کر برا حشر کرلیا تھا۔ نویرہ تو مجرموں کی طرح منہ چھپائے ہوئے تھی۔ اماں کی طبیعت مزید بگڑتے دیکھ کر خود بھی متوحش و ہراساں ہوگئی تھی۔

شارق زمان کا اس قدر دیدہ دلیری سے ان کے ہاں آنا اور دھمکیاں دینا۔ نبیل تو مرنے مارنے پر تلا بیٹھا تھا۔ اماں اور نویرہ دہل رہی تھیں۔ نبیلہ بمشکل سمجھا بجھا کر انہیں ٹھنڈا کر پائی تھیں مگر نبیل کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔ وہ شارق زمان کو معاف کرنے والا نہ تھا' نہ ہی اس کی حرکت نظر انداز کیے جانے والی تھی۔

ساری رات اماں کی طبیعت بہت خراب رہی تھی۔ صبح تک وہ ہاتھ پیر چھوڑ چکی تھیں۔ نبیل گھر پر ہی تھا۔ فوراً اماں کو اسپتال لے گیا تھا۔ نویرہ بہت خوفزدہ ہوگئی تھی۔ ان پے درپے حادثات نے اس کا سارا اعتماد نچوڑ لیا تھا۔ وہ خود بھی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ گلابی رخساروں میں زردیاں سی گھل گئی تھیں۔ نین کٹورے ہمہ وقت پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ نبیلہ اسے تسلیاں دے رہی تھیں مگر اسے کسی پل قرار نہ تھا۔

دوپہر کے بعد نبیل کا فون آیا تھا کہ اماں اب قدرے بہتر تھیں۔ ایک دو گھنٹوں میں وہ گھر آرہے تھے۔ نویرہ کو سکون ملا تھا۔

ساجد بھائی اور بھابی ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ نویرہ انہیں کال کرکے بلانا چاہتی تھی مگر نبیلہ بھابی نے انہیں پریشان کرنے سے منع کردیا تھا۔

تین چار دن سے وہ ایک ہی جوڑے میں تھی۔ گلٹیے لباس اور الجھے بالوں سے وہ کافی خستہ حال لگ رہی تھی اور رتجگوں نے اسے نچوڑ لیا تھا۔ نبیلہ نے اسے زبردستی باتھ روم میں دھکیلا تھا ورنہ نویرہ کو لگ رہا تھا دل مرجھا گیا ہے۔ نواز نے ستم ہی ایسا توڑا تھا۔ ستم کیا دل ہی توڑ دیا تھا۔ وہ تو اپنے ہونے والے شوہر کی حیثیت سے قبول کرچکی تھی مگر اب...... شارق زمان کے انکشاف نے نویرہ کی ساری

قوت سلب کرلی تھی۔

ساری رات وہ روتی رہی تھی۔ نواز فاروق کے انکار نے اسے اتنی اذیت نہیں دی تھی جس قدر اذیت شارق زمان کے انکشاف نے دی تھی۔ اسے شارق زمان کے ساتھ ساتھ نواز فاروق سے بھی نفرت ہورہی تھی۔ نواز اسے محض اس لیے چھوڑ گیا تھا کہ (شارق کے جھوٹ پر)۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ایک دفعہ نواز فاروق اس کے سامنے آئے تو وہ بھرپور نفرت سے اس کے منہ پر تھوک دے۔ اس کی ذات اشتہار سی بن گئی تھی شارق زمان نے اور نواز فاروق نے اس کو مار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

نہا کر نکلی تو نبیلہ بھابی نے اس کے لمبے بالوں کو بہت محبت سے سلجھایا تھا۔ ادھر ادھر کی باتوں سے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی تھی۔ نویرہ کا خاموش پژمردہ سا انداز انہیں دکھی کر رہا تھا۔ دل ہی دل میں وہ بھی شارق زمان اور نواز کو کوس رہی تھیں۔

ساجدہ باجی نے فون کیا تھا۔ یہاں کی خیریت دریافت کررہی تھیں۔ نبیلہ نے ہی کال ریسیو کی تھی۔

نویرہ انہیں فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

راہداری سے گزرتے وہ باہر صحن کی سیڑھیوں پر آبیٹھی۔ دل بہت گھبرا رہا تھا۔ جیسے ابھی کچھ اور ہونے والا ہے۔ وہ اماں کی صحت یابی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔ کال بیل ہوئی تو وہ چونکی تھی۔ نبیلہ شاید ابھی تک کال میں مصروف تھیں ورنہ وہ اسے اکیلا صحن میں نہ نکلنے دیتی۔ سر ڈھانپ کر وہ گیٹ کے پاس آئی تھی۔

''جی کون......؟'' عادتاً اس نے پوچھا تھا۔

''یہ نبیل صاحب کا ہی گھر ہے نا......'' دوسری طرف اجنبی مردانہ آواز تھی۔ نویرہ نے چونک کر چھوٹا سا گیٹ کھول کر باہر جھانکا تھا۔ درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ نیلو گاڑی گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

''جی......''

''نبیل صاحب ضروری کام سے راستے میں اتر گئے تھے۔ ان کی والدہ گاڑی میں ہیں۔ مجھے ایڈریس سمجھا کر بخیریت پہنچانے کا کہا تھا۔ آپ براہِ مہربانی ان کو گاڑی سے باہر نکلنے میں مدد کریں۔ کافی کمزور ہیں وہ۔'' اماں کا سن کر نویرہ فوراً گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ وہ آدمی شاید ڈرائیور تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ادھر ہیں......'' نویرہ نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اس سے پہلے کہ وہ جھک کر اماں کو دیکھتی۔ پچھلی نشست پہ دراز وجود ایک دم الرٹ ہوا تھا۔ نویرہ ابھی کچھ سمجھ ہی نہ پائی تھی کہ سیاہ چادر میں لپٹے وجود نے اسے اندر کھینچ لیا تھا۔ نویرہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ پیر مارتی' کلوروفام سے بھیگا رومال اس کے منہ پر رکھ دیا گیا تھا۔

''جلدی کرو' گاڑی چلاؤ۔ اس سے پہلے کہ کوئی ادھر آئے' نکلو یہاں سے۔'' تاریک ہوتے ذہن کے باوجود وہ یہ آواز پہچان گئی تھی۔ اس کے دماغ پہ ہتھوڑے سے برسے تھے۔

"شارق زمان......"

اگلے ہی لمحے اس کا ذہن مکمل تاریکی میں تھا۔

✿......❀......✿

نبیلہ بھابی کا رو رو کے برا حال تھا اور نبیل بھائی کا غیض و غضب سے۔ وہ ہر جگہ فون کر کے رابطہ کر چکے تھے مگر ہر کوشش ناکام تھی۔ اماں تو پتھرا سی گئی تھیں۔ آنسو ان کی آنکھوں میں جم گئے تھے۔ اتنا بڑا حادثہ! اس کے باوجود وہ زندہ تھیں۔ وہ حیران تھیں۔ ساجدہ باجی فوراً فون سنتے ہی آگئی تھیں۔ فیصی بھابی میکے میں رک گئی تھیں جبکہ ساجد بھائی ابھی لوٹے تھے اور یہاں آکر جو سنا اس نے ان کے قدموں تلے زمین نکال دی تھی۔

"اتنا کچھ ہو چکا تھا اور انہیں کسی نے بتانے کی کوشش نہیں کی تھی۔" وہ شکوہ کناں تھے مگر نبیل تو بھرا بیٹھا تھا۔ نبیلہ بے چاری تو صفائیاں پیش کرتی رہ گئی تھیں مگر وہ معاف کرنے والے نہ تھے۔

کال بیل کی آواز پر نبیلہ بھی چونکی تھیں۔ ساجدہ باجی سے گفتگو سمیٹ کر خدا حافظ کہہ کر وہ جب باہر نکلی تھیں' نوریہ کہیں بھی نہ تھی۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ وہ تو نوریہ کی چیخ گیٹ کے باہر سے سن کر بھاگی تھیں۔ صحن میں ہی تو کھڑی تھیں' آواز بخوبی پہچان گئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتیں' نیلو گاڑی تیزی سے موڑ کاٹ گئی تھی۔

وہ چیختی رہ گئی تھیں' کوئی اس سنسان سڑک پر ہوتا تو مدد کو آتا۔ انہوں نے فوراً نبیل کو کال کی تھی اور نبیل نے شارق کے نمبر پر..... نمبر بند تھا۔ انہیں شک تھا کہ یہ کارروائی صرف وہ ہی گھٹیا شخص کر سکتا ہے۔

اماں کو لے کر وہ فوراً گھر آئے تھے۔ نبیلہ پہلے ہی ساجدہ کو فون کر کے آنے کا کہہ چکی تھی۔

وہ لوگ اکٹھے ہی گھر آئے تھے۔ نبیل مسلسل رابطوں میں مصروف تھا۔ دو گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد شارق زمان کی کال آگئی تھی۔

"شارق! تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں حوالات میں بند کروا دوں گا۔" غم و غصے سے نبیل کا توازن بگڑنے والا تھا۔ چھوٹتے ہی اس نے دھمکی دی تھی۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ میں نے اچھا کیا یا برا۔ یہ انتہائی قدم اٹھانے پر تم نے اور تمہاری بہن نے مجھے مجبور کیا ہے۔ کال اس لیے کر رہا ہوں کہ تمہیں علم ہو جائے کہ نوریہ میرے پاس ہے۔ بالکل محفوظ۔ فون پر تم سے رابطہ رکھوں گا۔ ہاں روبرو ملاقات اب تبھی ہو گی جب نوریہ مسز شارق زمان بن گئی ہو گی۔ تب تک کے لیے تم مجھے حوالات میں بند کرنے کا خواب بھول جاؤ..... اللہ حافظ۔" ساتھ ہی رابطہ منقطع کر چکا تھا۔ نبیل کا مارے طیش کے خود کو شوٹ کر دینے والا انداز تھا۔

"نبیل! اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ہماری بہن معصوم و پاک تھی مگر وہ شخص اب کچھ بھی کر سکتا ہے اس کے ساتھ۔ ابھی بات صرف ہم لوگوں میں ہی ہے۔ تحمل و سکون سے معاملہ سلجھانا ہو گا۔ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا ہے۔ شارق جیسے جذباتی انسان سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ نواز کے انکار نے پہلے

ہی خاندان بھر میں بدنام کر دیا۔ اب یہ رسوائی..... ضبط سے کام لو۔ کوئی تدبیر کرتے ہیں۔" ساجد بھائی نے تحمل و ضبط سے نبیل کو سمجھایا تھا۔

نبیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"ساجد ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اماں کے پتھرائے وجود میں جیسے حرکت ہوئی۔ نبیل غصے سے کمرے سے نکل گیا۔

"تم شارق کا نمبر ملاؤ۔ میں بات کرتی ہوں اس سے۔" اماں کی بات پر ساجد بھائی نے کئی بار کوشش کی مگر نمبر آف تھا۔

"نہ جانے وہ نوریہ کو کہاں لے گیا ہو گا۔ ہائے میری بدقسمت بچی۔"

اماں اب نارمل ہو رہی تھیں۔ نبیلہ نے انہیں ساتھ لگا لیا۔ ساجدہ باجی تو گم صم بیٹھیں صرف آنسو ہی بہا رہی تھیں۔ زبان بالکل گنگ تھی۔

"اماں! میں نبیل کو لے کر خالہ جان کے ہاں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے پتا چل جائے کہ اس نے نوریہ کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ گھر میں تو لے کر نہیں گیا ہو گا....."

"نو ریسپانس" دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

نبیل کے بجائے وہ خاصے معاملہ فہم تھے۔ حالات کو سمجھنے والے۔ حالات کو اپنی گرفت میں کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اماں کو ڈھارس ہوئی۔

✿......❀......✿

ہوش میں آنے کے بعد سعید احمد خود اسے اس کے گھر چھوڑ گئے تھے۔

وہ ذہنی ہی نہیں جسمانی طور پر بھی اتنی نڈھال تھی کہ اس پر بیتنے والی قیامت صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ سارا راستہ سعید احمد اسے سمجھاتے رہے تھے۔ طاہرہ اور قیصرہ کی فطرت سے آگاہ کرتے رہے تھے۔ اسے سب بھول جانے اور ماما' پاپا کسی سے بھی تذکرہ نہ کرنے کی تاکید کرتے رہے تھے۔

گھر میں داخل ہوئی تو پہلے ہی قدم پر لڑکھڑا گئی۔ وہ تو زندگی کو خوش دلی اور تمام رنگوں سے جینے والی لڑکی تھی۔ اذیت ناک زندگی کا یہ رخ اس کے اندر سے ساری شادابی چھین لینے والا تھا۔ وہ تو ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔

ذہن کئی حصوں میں بٹ چکا تھا۔ وہ بہت کچھ کھو کر آئی تھی۔ رشتوں کا مان..... یقین اعتماد اور سب سے بڑھ کر حقیقی رشتوں کی یہ سرد مہری و بے رحمی اسے اندرونی طور پر شل کر گئی تھی۔

شائستہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ نڈھال' اجڑی بکھری زرش ان کی بیٹی کہیں سے بھی نہیں لگ رہی تھی۔

"دو دن سے بیمار تھی۔ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو واپس آنے کی ضد کرنے لگی تھی۔ اب بہتر ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

ماما پاپا نوشی تینوں ہی اس کی کنڈیشن دیکھ کر گھبرا گئے تھے۔

اتنی پژمردہ وخستہ حال تو کبھی بھی نہ رہی تھی۔

تایا جان نے سب کو تسلی دی تھی مگر زرش نے ان کی آواز کا کھوکھلا پن شدت سے محسوس کیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

سعید احمد کافی دیر بیٹھ کر گئے تھے۔ جاتے جاتے بھی اسے کسی سے کچھ بھی ذکر نہ کرنے کا کہہ گئے تھے۔ ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ماما کی شفیق ومہربان آغوش میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور دل کا درد بتا دے۔ بتائے کہ اس پر کیا بیتی ہے......

اعتراف کرے کہ ان کا مشاہدہ وتجربہ درست تھا۔ وہ غلط تھی۔ وہ طاہرہ بیگم کو غلط سمجھتی تھی۔ اپنی حماقت کا اعتراف کرے مگر اس کے ذہن پر ایسا بوجھ تھا کہ خاموشی سے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

اگلی صبح تک وہ شدید بخار میں مبتلا تھی۔ مسلسل ذہنی ٹینشن اور شدید صدمے نے اس کے اعصاب پر اثر کیا تھا۔ نیم غنودگی کی کیفیت میں غرق بخار سے پھنک رہی تھی۔

اسے اس حالت میں دیکھ کر شائستہ پریشان ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر کو بلا کر چیک اپ کروایا تھا۔

اگلے دو دن تک وہ کچھ حد تک سنبھل چکی تھی مگر اس کی ذہنی کنڈیشن نارمل نہ تھی۔ اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ جب شائستہ یا دیگر لوگوں کو اصل بات کا علم ہوگا تو ان کا کیا ردعمل ہوگا...... کہ بہر حال قیصرہ خاتون نے اتنا بڑا الزام اپنی ذات تک محدود کر لینے کو نہیں لگایا تھا۔ وہ تو چلتا پرزہ تھیں۔ شیطانی ذہن کی مالک...... خاندان بھر میں لگائی بجھائی کی ماہر وہ تو ابھی تک شاک میں تھی کہ اسے منسوب بھی کیا جا رہا تھا تو کس سے...... سمعان احمد سے...... جن کی وہ دل سے عزت کرتی تھی۔

پیش رفت کے باوجود وہ انکاری تھی۔

سمعان احمد خود ماں کے رویے سے شاک میں تھا۔ وہ تو طاہرہ بیگم کے اس گیم سے دبک سا گیا تھا۔

اور زرش، وہ مسلسل کرب سے گزر رہی تھی۔ اس واقعہ کو یاد کرتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

”زرش سو گئی ہو کیا......؟“ آنکھوں پر بازو رکھے وہ ابھی تک ان ہی لمحوں پر ماتم کناں تھیں۔ نوشی کی آواز پر فوراً پلکوں پر اٹکے آنسو بازو پر رگڑے۔

”زرش۔“ اسے اس طرح دراز دیکھ کر نوشی نے اس کا بازو ہٹایا تھا۔ وہ فوراً اس کی نگاہوں میں آنے کے بجائے کروٹ بدل گئی۔

”کیا ہے؟“

بھیگی آواز تھی۔ نوشی ٹھٹک گئی۔

پچھلے دو دن سے زرش نے بستر سنبھالا ہوا تھا۔ پہلے بھی وہ بارہا بیمار پڑتی تھی مگر اتنی گم صم چپ چاپ اور غمگین تو کبھی نہیں رہی تھی۔

”کیا بات ہے رو رہی تھیں تم......؟“ اس نے فوراً اس کے بستر پر بیٹھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا تھا۔

”نہیں تو...... بس سر میں درد ہو رہا ہے۔“ مردہ مرجھائی سی آواز میں اس نے کہتے ہوئے مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی مگر یہ مصنوعی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی محسوس ہوئی۔ بھیگی پلکیں بہت سے راز کھول رہی تھیں۔ وہ الجھ گئی۔

”تو ٹیبلٹ لے لیتی...... مجھے یا ماما کو بتاتی میں سر دبا دیتی۔“ وہ انتہائی متفکر تھی۔ زرش کی اس بھرپور توجہ پر آنکھیں بھر آئیں۔ آج کل وہ بہت زیادہ حساس ہو رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی بات کو محسوس کر رہی تھی۔

”نہیں۔ ایسا بھی درد نہیں ہو رہا۔ تم بتاؤ کیوں بلا رہی تھیں؟“

”ہاں میں بتانے آئی تھی کہ تایا ابو پھپھو اور تائی امی آئی ہیں۔“ نوشی بھرپور مسرت سے بتا رہی تھی۔

”کیا......؟“ زرش کے اعصاب پر نوشی کے الفاظ نے آتش فشاں کا کام کیا تھا۔

”طاہرہ بیگم اور ان کے ہاں آمد...... قطعی ناقابل یقین......“

”یقین نہیں آ رہا۔ مجھے بھی ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ ماما بھی حیران ہیں اور تو اور پھوپھو بھی...... جو ان کے ساتھ مل کر آئی ہیں۔ یقیناً کوئی بڑی بات ہے۔“ نوشین اس کی حیرت محسوس کر کے کہہ رہی تھی۔

زرش نے اتنی سختی سے ہونٹ بھینچے کہ جبڑے تک بھینچ گئے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھتی۔ سارے گھر میں ناچتی پھرتی مگر اس کا دل انجانے خوف سے سمٹنے لگا۔ دل کے اندر تلاطم برپا ہو گیا تھا یک دم...... خوف وہراس کے ناگوں نے اس کی آنکھوں میں پھن پھیلائے تھے۔

طاہرہ بیگم کی آمد یوں ہی تو نہ تھی۔

”تمہیں خوشی نہیں ہوئی......“ اس کے ایک دم زرد پڑتے چہرے کو دیکھتے نوشی نے پوچھا تھا۔

”کب آئے یہ لوگ......؟“ زرش کو اپنی آواز بھی اجنبی لگی۔ بالکل بے جان سی۔

”کافی دیر سے۔“

”پھپھو ان کے ساتھ آئی تھیں یا علیحدہ......؟“ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

”تایا ابو وغیرہ کے ساتھ ہی آئی تھیں۔ ماما نے چائے وغیرہ پلائی ہے۔ کھانے کا آرڈر دیا ہے مجھے۔ میں کئی دفعہ کمرے میں آئی تھی مگر تم شاید سو رہی تھیں۔ کھانا تقریباً تیار ہے۔ ماما وغیرہ تو سب ہی لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔“

”تائی امی کیوں آئی ہیں؟“

”یہ تو مجھے بھی علم نہیں مگر جہاں تک مجھے اندازہ ہے آج کل ماما پاپا سے تایا ابو نے شاید سمعان بھائی کے لیے بات کی تھی۔ اب تائی امی کی آمد شاید اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ویسے تائی امی کی آمد خاصی خوش آئند ہے۔ تمہیں کیا فیل ہو رہا ہے......“

زرش ایک بار پھر گم صم ہو گئی تھی۔

سمعان بھائی نے بتایا تھا کہ پاپا نے تائی امی کے خود آ کر رشتہ مانگنے کی شرط رکھی تھی اور اگر پاپا نے ہاں کر دی تو......؟ اس خیال سے ہی زرش کو اپنا وجود کسی گہرے کھڈ میں غرق ہوتا محسوس ہوا۔ ماما، پاپا ایک دفعہ اس سے پوچھنا تو چاہیں گے تو وہ کیا کہے گی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔

"چلو آؤ باہر نکلو۔ تم تو کمرے کی ہی ہو کر رہ گئی ہو۔ پھپھو اور تایا ابو کئی بار تمہارا پوچھ چکے ہیں۔" محبت سے زرش کا ہاتھ تھام کر وہ کھڑا کرنے لگی تھی۔ زرش اتنی گم صم ہو چکی تھی کہ اسے انکار بھی نہ کر سکی۔ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی ہمت ناپید ہو چکی تھی۔

"اتنا کچھ کرنے کے بعد تائی امی رشتہ لینے آئی ہیں۔" ناقابل یقین تھا سمجھ سے باہر...... اتنے رکیک الزام کے بعد ان کی یہ آمد...... زرش کو اپنے اعصاب پر تازیانہ سی محسوس ہوئی رہی تھی۔

"کپڑے تبدیل کر لو کتنے میلے ہو رہے ہیں اور بال بھی کتنے رف ہو رہے ہیں۔ دو تین دن سے سنوارے تک نہیں۔" اسے کھڑا کر کے نوشی نے اس پر ناقدانہ سی نگاہ ڈالی تھی۔

زرش جو ابھی تک بخار محسوس کر رہی تھی' اس کے تیور بگڑنے لگے۔ بمشکل خود پر جبر کر پائی تھی۔ نوشی نے اسے آئینے کے سامنے کیا تو بلاارادہ ہی زرش کی نگاہ اپنے وجود پر اٹھی تھی۔

"دیکھو تو سہی...... اتنی سی شکل نکل آئی ہے تمہاری۔ سب کو پریشان کر کے رکھا ہوا ہے تم نے۔ ہادیہ آپی کا فون آیا تھا۔ میں نے انہیں تمہارے متعلق بتایا تو فکرمند ہو رہی تھیں اور سمعان بھائی کی بھی کال آئی تھی۔ تمہاری طبیعت دریافت کر رہے تھے۔ تمہارا خیال رکھنے کی خاص تاکید کی تھی۔ اب تمہیں اپنے لیے نہ سہی سمعان بھائی کے لیے ہی اپنا خیال رکھنا ہو گا۔ ماما پاپا کے ارادے کچھ اچھے نہیں۔"

نوشین اسے سمعان احمد کے نام پر چھیڑ رہی تھی۔ زرش جھنجلا سی گئی۔

"پلیز نوشی! میں ایسا مذاق قطعی برداشت نہیں کروں گی۔" اس کے انداز سے بھرپور مزاحمت ہوئی تھی۔

"واہ بھئی کیوں؟ ماما پاپا تو تمہارے اعتراض کو بھی نہیں ماننے والے......"

"تم چپ نہیں رہ سکتیں۔" وہ سختی سے ٹوک گئی تو نوشی نے بغور دیکھا۔ چہرے پر برہمی کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ فوراً بات ٹال گئی۔ سمعان سے متعلق اس کے جذبات سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ تو بس چھیڑنے کو کہہ دیا تھا۔ اب تاسف ہوا۔

"اوکے۔ اچھا تم اپنا حلیہ تو درست کرو۔" اسے زبردستی آئینے کے سامنے کھڑا کر کے اس نے زرش کا دھیان بٹایا اور اس کے ہاتھ میں برش پکڑایا تھا۔

"تمہارے بال بہت رف ہو رہے ہیں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں سلجھے نہیں......"

زرش ایک گہری سانس لیے برش بالوں میں چلانے لگی۔ بال کچھ الجھے ہوئے تھے۔ اس نے اندرونی خلفشار کے دباؤ میں بے ترتیبی سے برش بالوں پر پھیرا تھا۔ گلے میں پڑی بے ترتیب سی زنجیر برش کے دندانوں میں پھنس گئی تھی۔

"اف۔" اسے کوفت ہوئی۔ پینڈل بالکل گردن کے ساتھ چپٹ گیا تھا۔ پھندا سا بنا تھا۔

"کیا ہوا......؟" نوشی نے پوچھا تھا۔

"بالوں کے ساتھ الجھ کر زنجیر برش میں پھنس گئی ہے۔ نکل نہیں رہی دھیان سے نکال دو۔ ٹوٹ نہ جائے۔"

"زرش! تم نے نوٹ نہیں کیا سمعان بھائی نے تمہیں یہ لاکٹ کیوں گفٹ کیا؟"

زرش نے چونک کر نوشی کی صورت دیکھی تھی جو زنجیر بالوں سمیت بڑے آرام سے نکال کر پینڈل پر انگلی پھیرتے کہہ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا بکواس ہے...... انہوں نے صرف مجھے ہی نہیں تمہیں اور فرح کو بھی ایسے ہی لاکٹ گفٹ کیے تھے۔"

"مگر ہارٹ شیپ تو صرف اسی پینڈل کی ہے نا۔" شوخ سے لہجے پر وہ بری طرح ٹھٹک گئی۔

"اور Z-S سے زرش سعود احمد کے بجائے زرش سمعان احمد بھی ہو سکتا ہے نا۔" نوشی کی نشاندہی پر زرش ایک دفعہ پھر گم صم ہو گئی تھی۔ واقعی وہ سچ کہہ رہی تھی۔ زیڈ۔ ایس سے زرش سمعان احمد بھی تو بن سکتا ہے۔ کتنی احمق تھی وہ سامنے کی بات نہ سمجھ پائی تھی۔

اس کا جی چاہا اپنے نقصان پر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس نے آئینے میں اپنی گردن میں لپٹے لاکٹ اور زنجیر کو دیکھا۔ دل چاہا کہ نوچ کر لاکٹ کو پھینک دے۔ نوشی اسے بالکل چپ چاپ دیکھ کر برش سے اس کے بال سلجھانے لگی۔

"چلو اب۔" اسے اسی طرح آئینے کے سامنے کھڑے دیکھ کر نوشی نے ٹوکا تو وہ بے چارگی سے اسے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لے کر اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

وہ طاہرہ بیگم کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر اپنے والدین کو کیسے مطمئن کرتی......

"تم نے جواب نہیں دیا سعود! میں باقاعدہ اسی لیے آیا ہوں۔ اپنا گھر ہے سمعان کوئی انجان لڑکا نہیں کہ سوچو پھر بات پہلے سے تمہارے کانوں میں اسی لیے ڈال دی تھی کہ تم غور کر لو۔ اب ہمیں ہاں کہو۔ میں انکار نہیں سنوں گا۔ ویسے بھی یہ بات تو طے ہے۔ زرش میرے ہی گھر آئے گی۔" تایا ابو کی آواز پر وہ دونوں رک گئی تھیں۔ اندر بڑھتے قدم ان کے وہیں منجمد ہوئے تھے۔ سعید احمد نے اپنے مخصوص سلجھے اور اپنائیت سے لبریز لہجے میں دست سوال دراز کیا تھا۔ زرش نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ آپا کو میں اسی لیے ساتھ لایا ہوں کہ ہم دونوں بھائیوں میں بھی بڑی ہیں۔ اماں اور ابا جی کے بعد ہماری سربراہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تم یقیناً ان کے سوال کو تو نہیں ٹالو گے کیوں آپا؟"

نوشی نے معنی خیز نظروں سے زرش کو دیکھا تھا۔ زرش سپاٹ چہرہ لیے کھڑی رہی۔

"آپ کی سب باتیں ٹھیک ہیں مگر میں نے آپ کو اس دن بھی کہا تھا کہ زرش ابھی کم عمر اور لاابالی سی ہے۔ اتنی بڑی ذمہ داری وہ بھلا کہاں گھرداری کے امور سنبھال پائے گی پھر میں اسے پڑھانا چاہتا ہوں۔ نوشی اور ہادیہ کی بات دوسری تھی۔ زرش ابھی زمانے کی اونچ نیچ سے قطعی نابلد ہے۔"

"اس کا جواب میں نے تمہیں اس دن دے تو دیا تھا۔ فی الحال رشتہ طے کر لیتے ہیں۔ منگنی یا نکاح وغیرہ کی تقریب کر لیں گے۔ کیوں شائستہ تم کیا چاہتی ہو؟" انہوں نے اب کے خاموش شائستہ کو بھی درمیان میں گھسیٹا تھا۔

"میں کیا کہوں۔ یہ تو ان پر منحصر ہے۔" وہ فوراً دامن بچا گئی تھیں۔

"مسعود! تم دونوں ٹال رہے ہو۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔ صاف جواب چاہیے مجھے۔"

"بھائی جان! میں بھلا کیوں ٹالوں گا۔ سمعان بے شک اپنا بیٹا سہی مگر میں بھی بیٹی کا باپ ہوں۔ ہر طرح سے سوچ بچار کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹی اچھے گھر میں جائے۔ نیک اور سلجھا ہوا جیون ساتھی ملے اسے۔ زرش تو ہماری سب سے لاڈلی بیٹی ہے۔ اس کے لیے میں اتنی جلدی ہاں کیسے کر دوں جب کہ یہ بات بھابی کو کرنی چاہیے تھی۔ سمعان صرف آپ کا ہی نہیں بھابی بیگم کا بھی بیٹا ہے۔ صرف آپ ہی سمعان پر حق نہیں رکھتے۔ یہ بھی برابر کی شریک ہیں اور شادی بیاہ کے معاملات فریق واحد کی خواہش پر ترتیب نہیں دیے جاتے۔ سارا خاندان دیکھا جاتا ہے۔ برا مت مانیے گا بھابی اگر آ گئی ہیں تو خاموش رہ کر سننے کے بجائے باقاعدہ بات چیت کریں۔ مجھ پر بیٹی بھاری نہیں ہے اور بیٹیاں تو بادشاہ بھی بیاہتے ہیں مگر اچھے مستقبل کی آس میں۔"

مسلسل خاموش بگڑے تیوروں سے براجمان طاہرہ بیگم کے رویے اور تیوروں کو نوٹ کرتے مسعود احمد نے آخر کہہ ہی دیا۔

سعید احمد نے بے حد غصے سے طاہرہ بیگم کو دیکھا تھا جو ان کی دھمکی پر آ تو گئی تھیں مگر ان کا ہر انداز چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ جبراً لائی گئی ہیں۔

"مسعود صحیح کہہ رہا ہے سعید احمد! بیٹیوں کے معاملے فوراً طے نہیں ہو جاتے۔ طاہرہ نے اگر یہاں آ کر پرانی رنجشوں کو بھلانے میں پہل کی ہے تو دل سے کرے اس طرح بیٹھنے سے کیا حاصل؟" نفیسہ آپا نے بھی ٹوک دیا۔ انہیں طاہرہ بیگم کے انداز و اطوار بالکل اچھے نہ لگے تھے۔

"مجھے انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں ان کے ساتھ نہیں آئی تو بے شک کہیں بھی چلی جاؤں۔ میں آ گئی ہوں اس سے زیادہ آپ کیا چاہتے ہیں؟" اتنی دیر سے برداشت کرتی طاہرہ بیگم ایک دم چیخ گئی تھیں۔ خاصے بدلحاظ انداز میں جوابی کارروائی ہوئی تھی۔ سب ہکا بکا رہ گئے۔

"طاہرہ۔" سعید احمد فوراً برہم ہوئے تھے۔

"بھائی جان پلیز! رشتے کے معاملات اس طرح جبر سے طے نہیں ہوتے۔ اگر طاہرہ بھابی رضامند نہیں تو آپ کیوں ضد کر رہے ہیں؟" سعید احمد کا طاہرہ بیگم پر گرجنا شائستہ بیگم کو ذرا اچھا نہ لگا تھا تو انہوں نے فوراً کہہ دیا۔

"میں ضد نہیں کر رہا۔ اس میں میرے بیٹے کی بھی خوشی ہے جسے یہ کم عقل عورت اپنی بہن کے اشاروں پر ناچتے ہوئے ملیامیٹ کرنے کی کوشش میں ہے۔ ضد اس نے باندھی ہوئی ہے میں نے نہیں۔" غم و غصے، تاسف و ملامت آمیز نگاہوں سے انہوں نے طاہرہ کو دیکھا تھا۔

"آپ مجھے اس طرح اس گھر میں لا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح مجھے برا بھلا کہہ کر قائل کر لیں گے تو یہ بھول ہے آپ کی۔ سمعان کی پسند اتنی گھٹیا ہو ہی نہیں سکتی۔ میرے بیٹے کو ورغلایا ہے پہلے اس عورت نے اور اب اس کی پاکباز بیٹی نے۔" الفاظ تھے کہ زہر میں بجھے تیر......

زرش کا چہرہ تاریک تر ہو گیا تھا۔

"طاہرہ۔"

"بھابی بیگم! ہوش میں رہ کر بات کریں۔" مسعود احمد، طاہرہ بیگم کی زبان کے جوہر دیکھ کر ایک دم دھاڑے تھے۔ زرش اور بیوی سے متعلق ایک بات بھی نہیں سن سکتے تھے۔

"کیوں اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ بتایا تو ہوگا تمہیں بھی کیا کارنامے سرانجام دے کر آئی ہے میرے گھر میں۔"

"طاہرہ...... زبان کو لگام دو۔" سعید احمد دھاڑے تھے۔

زرش کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔

طاہرہ بیگم بس بم پھوڑنے کو تھیں۔

اس کا جی چاہا بس اسی لمحے اسے موت آ جائے یا پھر زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"ہر کوئی میری زبان کو لگام دیتا ہے۔ اپنے کرتوت کوئی نہیں دیکھتا۔ ہر دفعہ میں ہی کیوں ہار مانوں۔ کبھی یہ لوگ بھی تو جھکتے...... ہر دفعہ آپ نے ان لوگوں کے کہنے پر مجھے ان کے سامنے ذلیل کیا ہے۔ میری اولاد تک کو مجھ سے متنفر کر دیا ہے۔ انہوں نے شرط باندھی کہ میں آ کر رشتہ مانگوں۔ ہاں میں آئی ہوں مگر شائستہ کو یہ بتانے کہ میں تھوکتی بھی نہیں ہوں ایسی لڑکی پر جو شادی سے پہلے ہی بغیر کسی رشتے کے ہی ہر حد پار کر جائے۔ بہو بنانا تو دور کی بات ہے۔"

کوئی بم تھا جو وہاں موجود ہر فرد کے اعصاب پر پھوڑا گیا تھا۔

زرش لڑکھڑا سی گئی۔ نوشی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندر کا منظر دیکھے گئی۔

"طاہرہ۔" سعید احمد بے بسی کی انتہا پر تھے۔

باقی سب بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔

سب سے بری حالت شائستہ اور مسعود احمد کی تھی۔

"آپ مجھ پر گرج برس کر میری زبان کو روک نہیں سکتے جو سچ ہے وہ سچ ہے۔ آپ نے بھی تو دیکھا تھا زرش کو سمعان کے ساتھ پھر کیوں پردہ ڈال رہے ہیں؟" طاہرہ بیگم پر کسی چیز کا بھی اثر نہ تھا، نہ غصے کا اور نہ ہی تنبیہ کا۔ مسعود اور شائستہ تو گنگ سے تھے۔

"بکواس بند کرو۔" سعید احمد جو بمشکل خود پر ضبط کر رہے تھے طاہرہ بیگم کے ان الفاظ نے ان پر آتش فشاں کی طرح کام کیا تھا۔ وہ جو کبھی ہاتھ اٹھانے کے قائل نہ تھے ان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ ان کا ہاتھ طاہرہ بیگم کے چہرے پر اٹھا تھا۔

"سعید...... بھائی جان۔" نفیسہ آپا اور شائستہ دہل کر کھڑی ہوئی تھیں۔ طاہرہ بیگم چپ ہو گئی تھیں۔ غصے سے سعید احمد کو دیکھا جو پھٹ پڑنے کو تھے۔ زرش کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا۔ نوشی بھی ڈر گئی۔

"تمہیں عزت راس ہی نہیں۔ میں ہمیشہ درگزر کرتا رہا ہوں۔ اپنے بچوں کی خاطر ہمیشہ سمجھوتہ کیا

ہے مگر آج تو حد کر دی ہے تم نے۔ اپنی اولاد پر بہتان لگاتے ہوئے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا۔ کچھ تو شرم آئی ہوتی تمھیں...... کیسی عورت ہو تم......؟ یہ فطرت تو سانپ کی ہے۔ اپنے ہی بچوں کو کھا جانے والی۔“

”مجھ پر اس طرح چیخ چلا کر میری زبان کو روک لیں گے مگر حقیقت خود اپنا آپ منوا رہی ہے۔ اگر یہ سچ نہیں تو پھر آپ کیوں تیار ہو رہے ہیں اس قدر جلدی شادی کے لیے......“

وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی تھیں۔ اگلے ہی پل پھر دوبدو تھیں۔

سعود احمد کو اپنے سینے کے بائیں طرف درد اٹھتا محسوس ہوا تھا۔

یہ سب کیا تھا...... وہ کیا سن رہے تھے...... یہ کیسا بہتان تھا......؟

انھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے؟

کیا ایک دفعہ پھر ان کی اولاد کسی الزام کی زد پر آنے کو تھی۔ بادیہ کے بعد زرش بھی...... یہ رشتے ناتے طے کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

انھوں نے ہاتھ اٹھا کر اپنا سینہ مسلا مگر درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ناقابلِ برداشت حد تک......

”اگر مجھے علم ہوتا کہ تم یہ سب کرو گی تو میں کبھی یہاں آنے کی غلطی نہ کرتا۔“ سعید احمد کے لہجے کی شکستگی ایک دم گہری ہوئی۔

”سعید اور طاہرہ اس طرح لڑنے جھگڑنے کے بجائے آرام سے بات کرو۔ کیا معاملہ ہے......؟ طاہرہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے؟“ نفیسہ آپا نے ٹوکا تھا۔

ان کی تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ طاہرہ کیا کہہ رہی ہیں۔

”بکواس کرتی ہے یہ عورت۔“ وہ نفرت سے پھنکارے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس عورت کا گلا دبا دیتے۔

”ہاں میں بکواس کرتی ہوں۔ تم سعود احمد بیٹی کو بلوا کر پوچھ لو۔ میں کیا بکواس کر رہی ہوں۔ بتایا تو نہیں ہوگا تمھیں تمھاری بیٹی نے۔ آخر کو اتنی دیدہ دلیری سے ماں باپ کو اپنے کارنامے کون بتائے گا؟“ وہ وار کرنے سے پھر بھی نہیں چوکی تھیں۔ شائستہ تو ساکت رہ گئی تھیں۔ سعود احمد کے اندر اشتعال برپا ہوا تھا۔

”پہیلیاں بجھوانے کے بجائے صاف بات کریں۔“ سینے کا درد نظر انداز کرتے ہوئے انھوں نے سختی سے کہا تھا۔ طاہرہ بیگم طنزیہ ہنسیں۔

”بیٹی کو بلوالو پوچھ لو۔ صاف پتہ چل جائے گا۔“ اس جواب پر سعود احمد کا دماغ گھوم گیا تھا۔ ایک دم لگا طاہرہ نے زمانے کی کیچڑ ان پر اچھال دی ہو۔

”زرش......“ سعود احمد کی گرج دار آواز گونجی تو سب سنتی زرش چونکی۔ نوشی نے فوراً بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ طاہرہ کی ساری بکواس دونوں نے سنی تھی۔ دونوں اس بکواس کا مفہوم اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ نوشی نے الجھ کر اسے دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

”زرش۔“ اس دوبارہ پڑنے والی پکار پر وہ کانپ سی گئی تھی۔ باپ کے سامنے جانے کی شرم ہی ایسی تھی کہ اسے اپنے وجود سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ طاہرہ کے اس قدر رکیک الزامات نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ ایسی گھٹیا ذہنیت بھی رکھتی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح گیم کھیل کر اسے اس کے اپنے ہی گھر میں اپنے والدین کے سامنے ذلیل کر سکتی ہیں۔

مردہ قدموں اور بند ہوتے دل کے ساتھ وہ آگے بڑھی تھی جب کہ طاہرہ کی اس اوپری چال سے ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

”زرش! بتاؤ مجھے۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا کر چکی ہو تم......؟ بتاؤ......“ وہ گرجے تھے۔ دل کا درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پاپا کا یہ غصہ، ایسا جلال اور آنکھوں سے نکلتی نفرت و اذیت کی بجلیاں اس نے پہلی بار ان آنکھوں میں دیکھی تھیں۔ سعود احمد کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ایک ہاتھ سینے پر تھا، دل کو بری طرح مسل رہے تھے۔ اس نے تو ان کو ہمیشہ حلیم و شفیق اور مہربان روپ میں دیکھا تھا۔ اس انداز میں پہلی بار نظر آ رہے تھے۔ اپنے ناکردہ گناہوں پر آنسو تمام حدیں پار کر گئے۔ صورت حال ایسی ہی تھی کہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ ہی نہ سکی پھر بتاتی بھی کیا......؟ شرم سے مر جانے کو اس کا جی چاہا۔

”سعود! تم زرش کو کیوں گھسیٹ رہے ہو۔ جو بھی پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو۔ اس میں اس بیچاری کا کیا قصور......؟ اسے کیا سمجھ؟ پھر بہتان کا کوئی سر پیر ہو تو بات ہے۔“

”نہیں بھائی صاحب۔ اسے بتانے دیں۔ اس کے متعلق اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کیسے کہہ دی گئی؟“

”جواب دو زرش۔“ شائستہ بیگم بھی پھنکاریں تو وہ چونک گئی۔

یہ اس کے والدین کے تیور تھے۔ اسے اندر تک پڑھ لینے والے والدین کے...... زرش کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔ اسے لگا کہ...... اگر اس نے آج اپنے حق میں کچھ نہ کہا تو پھر ساری عمر زبان پر قفل لگا لے گی۔ وہ ماں باپ کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لیے گر جائے گی۔

آنکھوں میں برسات جاری تھی۔ دل میں درد ہلکورے کھا رہے تھے۔ انتہائی بے بسی سے سعید اور طاہرہ بیگم کو دیکھا۔ طاہرہ بیگم نفرت سے چہرہ موڑ گئی اور سعید احمد شرمندگی و ندامت سے سر جھکا گئے۔ سعود احمد اپنا سینہ مسلسل مسل رہے تھے۔ زرش کو اپنا وجود پارہ پارہ ہوتا محسوس ہوا۔

”پاپا!“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ضبط کھو گئی۔ نفیسہ پھپھو نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا۔

”زرش! بتاؤ کیا بات ہے؟“ انھوں نے حوصلہ دیا۔

”پلیز پاپا ماما۔ مجھ پر یقین رکھیں۔ یہ سب جھوٹ ہے، بکواس ہے ان کی۔ میرے اور آپ کے خلاف سازش ہے۔ بھلا آپ کی بیٹی ایسی ہو سکتی ہے...... خدا کی قسم سمعان بھائی میرے بھائی ہیں۔ وہ کچھ بھی سوچیں، کچھ بھی کہیں میں نے انھیں ہمیشہ اپنا بھائی سمجھا ہے۔ یقین کریں یہ سب بہتان ہے۔

مجھ پہ اعتماد کریں۔“

سعود احمد کو لگا ان کی تکلیف ایک دم بڑھ گئی ہے۔ زرش کی صفائی ان کے اندر سکون بن کر اتری تھی مگر ساتھ ہی درد بھی تھا یعنی طاہرہ ایک دفعہ پھر جیت گئی تھیں۔ ان پہ لگنے والا یہ وار پہلے کی نسبت اب زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اپنی محرومیوں کا بدلہ اس طرح لے رہی تھیں۔ نارسائی کا بدلہ......

ان کی حالت ایک دم بگڑی تھی۔ سینے کے اندر اٹھتی درد کی ٹیسیں ناقابل برداشت تھیں۔ وہ صوفے پہ بیٹھ گئے تھے۔

”سعود!“ کئی آوازیں ابھری تھیں۔

”پاپا!“ زرش لپک کر ان تک پہنچی تھی۔ ان کے ہاتھ تھام لیے۔

”سعود کیا ہوا آنکھیں کھولو......؟“

ان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سختی سے سینہ مسل رہے تھے۔ درد لمحہ بہ لمحہ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ نوشی، شائستہ بیگم اور زرش تو بلک بلک کر رونے لگیں۔

”سعود......“ ان کے ہاتھ پاؤں سن ہو رہے تھے۔ سعید احمد نے اس طرح بگڑتی حالت دیکھتے ملال سے پُر نظروں سے طاہرہ بیگم کو دیکھا وہ بھی کچھ خفت سے دوچار ہو رہی تھیں۔ یہ صورت حال ان کے لیے بھی کچھ نئی تھی۔

”سعود ہوش کریں۔ پلیز بھائی جان کچھ کریں۔ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔ ہم تو لٹ جائیں گے اگر انہیں کچھ ہو گیا تو......“

سعود احمد بے ہوش ہو چکے تھے۔ شائستہ بیگم بلک رہی تھیں۔ دونوں بچیاں رو رہی تھیں۔

”اگر سعود کو کچھ ہوا تو میں اب کے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ طاہرہ پہ اپنی نفرت وحقارت سے بھری نگاہ ڈالتے وہ آگے بڑھے تھے۔

ایک لمحے کو طاہرہ بھی ان کی سرد نفرت بھری نگاہ سے خائف ہوئی تھیں مگر پھر سر جھٹک گئیں۔

سعید احمد تیزی سے سعود احمد کو اٹھا کر باہر کی طرف لپکے تھے۔

❖......❖......❖

آنکھ کھلنے پر وہ کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ آنکھوں میں کوئی منظر نہ دل میں کوئی خیال تھا۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے چھت کو دیکھے گئی...... تب ہی اپنے قریب ہونے والی آہٹ پر اس کی پلکیں حرکت میں آئیں۔

”تھینک گاڈ تمہیں ہوش تو آیا۔“ شارق زمان اس پہ جھکا تھا۔

وہ بس دیکھے گئی۔ یہ کون سی جگہ تھی...... وہ کہاں تھی؟ نگاہیں ابھی تک بے تاثر تھیں۔

”لگتا ہے ابھی تک تم کلوروفارم کے زیر اثر ہو۔ یار اب ہوش میں آ جاؤ۔ اس سے زیادہ بے ہوشی میں افورڈ نہیں کر سکتا ادھر تمہارے غیرت مند بھائی میرے تعاقب میں ہر جگہ چھاپے مار رہے ہیں مگر بے سود ہے۔ تم اس وقت محفوظ جگہ پہ ہو۔ یہاں تو تمہارے بھائی تو کیا کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔“

شارق زمان کے لہجے کی کھلکھلاہٹ وشوخی عروج پہ تھی۔

نویرہ کو اپنے دل ودماغ پہ دھماکے سے محسوس ہوئے۔ ایک ایک کر کے کئی مناظر نگاہوں کے سامنے آتے چلے گئے۔ دل ودماغ کی گرہیں کھلتی چلی گئیں۔

نویرہ کی پھٹی پھٹی نگاہیں خود پہ جھکے شارق زمان پہ ٹھہری گئی تھیں۔

وہ بے یقین سی تھی۔

زبان گویا گویائی سے محروم ہو چکی تھی۔ وہ اس شخص سے ہر قسم کی توقع کر سکتی تھی مگر یہ اقدام اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہ تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنے جسم کا بوجھ خود پہ بھاری پڑنے لگا۔

”ایزی۔ تم پورے دو گھنٹے بے ہوش رہی ہو۔ اس دوران میں اپنے چند امور میں مبتلا رہا تھا۔ ایک گھنٹے پہلے ہی یہاں پہنچا ہوں۔ تمہاری طویل بے ہوشی اب پریشان کر رہی تھی۔ ویسے اب کیسا فیل کر رہی ہو تم؟“

نویرہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اپنی بے بسی پہ پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہا۔ وہ اس شخص کے منہ پہ نفرت سے تھوک دینا چاہتی تھی مگر وہ بے بسی سے منہ پھیر کر رو دی۔ کچھ بھی تو اب اختیار میں نہ تھا۔

”اف۔ ایک تو تم عورتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں گی۔ ہر بات پہ رونا لازمی ہے کیا......؟ مجھے جتنی ان آنسوؤں سے نفرت ہے تم اتنا ہی ان کو بہاتی ہو۔“ وہ اس کے قریب بستر پہ بیٹھ گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا تھا۔ شارق زمان کا لمس کرنٹ بن کر اس کے وجود کو چھو گیا تھا۔

”ہاتھ نہ لگاؤ مجھے گھٹیا ذلیل انسان۔“ اس نے اس کے ہاتھ بری طرح جھٹک دیے۔ نفرت کے ریلے نے بھرپور انداز میں سر ابھارا تھا۔

”کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا...... کیا قصور تھا میرا......؟ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟“

”تمہارا یہ رونا دھونا سب بے کار ہے۔ اتنا بڑا قدم میں نے محض انجوائے منٹ یا تھرل کے لیے نہیں اٹھایا۔ باقاعدہ پرپوزل بھیجا تھا۔ شادی کرنا چاہتا تھا تم سے اور اگر تم تعاون کرتیں تو کل کے دن تمہارے گھر بارات لے کر سب کچھ قاعدے قانون کے تحت کرتا۔ خیر اب تو جو ہو چکا وہ ایک طرف خوشی سے یا ناخوشی سے تمہیں اب ہر حال میں مجھے ہی قبول کرنا ہو گا۔“

نویرہ دکھ سے دیکھ کر رہ گئی۔ کل کا دن شدت سے یاد آنے لگا۔ آنے والا کل اس کی زندگی میں کیا کچھ لانے والا تھا مگر صرف اس ایک شخص کی وجہ سے وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔

”قبول کرنا تو ایک طرف نفرت کے قابل بھی نہیں ہو تم۔“ وہ پھنکاری تھی۔ شارق زمان نے نویرہ کے چہرے پہ چھائے نفرت کے اثرات بغور پڑھے تھے۔

”اوکے جیسی تمہاری مرضی۔ واپسی کے راستے اب بند ہو چکے ہیں۔ تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی۔ اگر تعاون کرو گی تو تمہیں بھی فائدہ ہو گا ورنہ تم میری دسترس میں ہو۔ میرے پاس ہو میرے لیے یہی کافی ہے۔ تمہیں کسی اور کا بنتے دیکھنا میرے ضبط کو گوارا نہ تھا۔ خاندان کی عزت کو پاؤں تلے

روند کر اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے تو واپس پلٹنے کے لیے نہیں۔"

نویرہ کے اندر دکھ‘ بے بسی‘ غم و غصے کی لہر اٹھی تھی مگر وہ ضبط سے لب بھینچ گئی۔

"نبیل اور ساجد اماں کے پاس آئے تھے۔ اماں نے فون پر رابطہ کیا تھا۔ تمہارے بھائی میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کرو گی اپنے بھائی سے بات؟"

نویرہ نے چونک کر شارق زمان کو دیکھا۔ اس وقت یہ شخص اسے ناقابلِ برداشت لگا۔

آخر یہ شخص چاہتا کیا ہے۔

"ویسے تو میری اس سے مسلسل بات ہو رہی ہے۔ منظر سے غائب ضرور ہوا ہوں دنیا سے تو نہیں۔ تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ ذرا اپنے بھائی کی برین واشنگ کرو۔ سمجھا دینا تم جس بند گلی میں آ گئی ہو وہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔"

شارق زمان نے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کیے تھے۔

"کیسے ہو نبیل؟" رابطہ ہوتے ہی وہ پوچھ رہا تھا۔ نویرہ فوراً آنسو پونچھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔ شارق کی طرف توجہ دی۔

"میں تو تمہاری دعاؤں سے بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔ دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ کھل کر ہنسا تھا۔

نویرہ کے اندر تکلیف بڑھ گئی۔

"اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہوں۔ خیر تم اپنا شوق بھی پورا کر لو۔ پولیس وغیرہ کونسا ہم سے ناواقف ہے۔ یوں سمجھو اپنی جیب میں ہے۔ آج تم کچھ بھی کہہ لو برا نہیں مانوں گا۔ فون اس لیے کیا تھا کہ تمہاری بہن تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ کرو گے بات......؟"

نویرہ کے آنسو پھر بہہ نکلے۔

"ہائے میرے بھائی۔" دل پہ ہاتھ رکھ کر وہ بے چارگی سے اس شخص کو دیکھا۔ دل کا درد بڑھا تو آنکھوں کی روانی میں بھی تیزی آ گئی۔

وہ کیسے اپنے ماں جائے سے بات کرے گی......

شرم و حیا جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔

"لو بات کرو۔" شارق زمان نے اسپیکر آن کر کے موبائل اس کی طرف بڑھایا تو اس نے تیزی سے جھپٹ لیا۔

"نبیل بھائی۔" وہ روئی۔

"نویرہ۔" دوسری طرف نبیل کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔

اس کے رونے سسکنے پر اس کی آواز بھی لڑکھڑا گئی تھی۔

"نبیل بھائی پلیز! مجھے یہاں سے لے جائیں۔ میں مر جاؤں گی پلیز۔"

بھائی کی بکھری ٹوٹی آواز سن کر ہی وہ بکھر گئی تھی۔ شارق زمان اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے وہ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"نویرہ! یہ شخص ہماری عزت سے کھیل رہا ہے۔ ذلیل کر رہا ہے ہمیں۔ ایک دفعہ میرے ہاتھ لگ جائے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" نبیل کا غصے سے برا حال تھا۔ "بہت برا کیا ہے شارق نے ہمارے ساتھ۔ ہمیں رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ اماں کا برا حال ہے۔ واجدہ خالہ تو ابھی تک بے یقین ہیں کہ شارق ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔ کہاں ہو تم ٹھیک تو ہو نا؟"

بے بسی‘ اذیت اور آخر میں کرب کی گہری پرچھائیں جو نبیل کے لہجے سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھری تھیں۔ نویرہ نبیل کے سوال پر لب بھینچ گئی۔

شارق زمان نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ شارق زمان نے اسپیکر آف کر کے موبائل کان سے لگایا۔

"سنو۔ ہاں ہو گئی بہن سے بات‘ ہو گئی تسلی......؟ بے فکر رہو اتنا بڑا قدم بے خوف و خطر اٹھایا ہے تو سارے قاعدے قانون پورے کروں گا۔ اب تم سے تب ہی ملاقات ہو گی جب نویرہ احسان کو مسز شارق زمان بنا کر تمہارے سامنے لاؤں گا۔ تمہیں بھی تو بہن کو دیکھنے‘ ملنے کی بڑی جلدی ہے‘ تھوڑا سا صبر کر لو۔ آج کی رات یہ انتظام بھی ہو جائے گا۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔"

شارق زمان نے موبائل آف کیا تو نویرہ بل کھا کر رہ گئی۔

"نویرہ احسان ابھی اتنی ارزاں نہیں ہوئی کہ تم اسے ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے مجبور کر لو۔ مجھ سے شادی کرنا تمہاری بھول ہے۔ میں ایسا کوئی لمحہ آنے سے پہلے موت کو گلے لگانا زیادہ بہتر سمجھوں گی۔" نفرت سے کہتے وہ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی۔ ان لمحوں میں یہ الفاظ‘ یہ ردعمل فطری تھا ورنہ تو مر جانے کو جی چاہ رہا تھا۔ نجانے اس کی ماں پر کیا بیتی تھی۔ رہ رہ کر اماں کا دھیان آ رہا تھا۔ "ہائے اماں۔"

"نویرہ ضد نہ دلاؤ۔ مجھ سے پہلے ایک غلطی ہوئی تھی۔ بندہ بشر ہوں کوئی فرشتہ نہیں۔ اللہ کا شکر کہ اس نے مجھے کسی غلط عمل سے بچا لیا مگر اب میں سب کچھ داؤ پر لگا کر تمہاری طرف بڑھا ہوں۔ ہاں اب کے میں غلط ہوں مگر یہ تو دیکھو یہ سب کچھ میں تمہاری محبت میں‘ تمہارے لیے کر رہا ہوں۔ صرف تمہیں پانے کو‘ تمہیں اپنانے کو‘ میری محبت‘ میرے جنوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ بس مجھے واپس چھوڑ دیں پلیز۔" شارق زمان کو دھیما پڑتے دیکھ کر نویرہ نے سختی سے انکار کرتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھ پر میرے گھر والوں پر رحم کھائیں۔ چھوڑ دیں مجھے۔ پلیز چھوڑ دیں۔" شارق جو اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ نویرہ اس جسارت پر تڑپ سی گئی۔ اپنے ہاتھ چھڑانے چاہے مگر گرفت انتہا کی سخت تھی۔

"جانتی ہو۔ میں تم سے اتنی محبت کیوں کرنے لگا ہوں؟"

نویرہ نے روتی آنکھوں سے لرزتی پلکیں اٹھائے اسے دیکھا جس کے وجود کی قربت اس کے تن من کو جھلسائے دے رہی تھی۔

ہاتھ جل اٹھے تھے۔

شارق زمان دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"مجھے تمہاری حیا مار گئی ہے۔"

اس کے نظریں جھکانے پر وہ بولا تھا۔

"میں نے عورت کے ایسے ایسے روپ دیکھے ہیں کہ مجھے عورت کے نام سے ہی گھن آتی تھی۔ اپنی ماں اور بہن کا حوالہ میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ میں نے عورت کے نام کو اپنے وقار، اپنی عزت وغیرت سے کھیلتے دیکھا ہے۔ ایسے میں تمہارا وجود اپنے نفس کو قابو میں رکھتے، اپنے ایمان کی حفاظت کرنا، شروع میں تمہاری طرف مجھے ایک کشش نے متوجہ کیا تھا اور پھر جب تمہیں بغور دیکھا۔ تمہیں پرکھا تو تمہارا وجود میرے لیے کسی روشن مینار سے کم نہ تھا۔ تمہاری شرم وحیا نے مجھے تمہاری طرف راغب کیا ہے۔ ٹھیک ہے یہ سچ بھی ہے۔ میں نے تمہیں ہمیشہ صرف اور صرف ایک مرد کی نگاہ سے دیکھا۔ مجھے ہر بار نواز کی قسمت پر رشک آتا اور حسد سا محسوس ہوتا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں سب کچھ تہس نہس کر دوں۔ میرے اندر برداشت بہت کم ہے۔ اپنے آپ سے لڑنا بھی سیکھا ہی نہیں ہے جب بھی تم پر نگاہ ڈالی تمہیں حاصل کرنے کی تڑپ بڑھتی ہی چلی گئی۔ نواز کو بھلا کر ہر چیز کو فراموش کر کے صرف تمہیں پانے کی طلب اتنی شدید تھی کہ مجھے خود پر بھی اختیار ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا اور اس رات بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ اپنے آپ سے لڑتے میں وہ سب کچھ کر گیا تھا اور جب حواس بحال ہوئے تو ندامت نے آگھیرا مگر اب میری گرفت میں کچھ بھی نہ تھا۔"

نویرہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ شارق زمان کا کون سا روپ تھا؟ یہ کوئی چال تھی یا اسے شیشے میں اتارنے کا کوئی منتر......

"میں ان دنوں اپنے آپ سے بھی ناراض بہت کچھ طے کر رہا تھا۔ ایک فیصلہ کرتا تھا اور پھر میں نے یہ سب کیا ہے...... نواز سے لے کر تمہیں یہاں لانے تک۔ میری طلب وقتی نہیں ہے۔ اس جذبے نے مجھ سے اپنا آپ منوایا ہے۔ میں اپنے جذبوں کے سامنے ہارا ہوں۔ میری جنوں خیزی نے مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد اب واپسی کے راستے بند کر کے یہاں تک آیا ہوں۔ تم انکار کرو یا اقرار، خوشی سے یا زبردستی سے اب تمہارے پاس کوئی چوائس نہیں۔"

نویرہ جو بڑے ضبط سے اسے سن رہی تھی آخری الفاظ پر بری طرح چیخی۔

"اپنی یہ چالیں کسی اور پہ چلانا۔ میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کرنے والی۔ تم نے اعتبار ہی نہیں، رشتوں کا تقدس و مان بھی توڑا ہے۔ کبھی معاف نہیں کروں گی میں تمہیں۔ چاہے کچھ بھی کہتے پھرو، چھوڑو مجھے...... نفرت ہے مجھے تم سے نفرت ہے۔"

وہ وقتی طور پر ابھی تھمی تھی مگر اگلے ہی پل پھر بپھر گئی تھی۔

یہ شخص اسے دنیا کا سب سے بڑا فراڈ لگ رہا تھا۔

وہ اس قدر احمق نہیں تھی کہ اس قدر آسانی سے اس کے جال میں پھنس جاتی۔

"نویرہ!" نفرت کی انتہا تھی شارق زمان جو بڑے خلوص سے اپنے جذبات سے آگاہ کر رہا تھا۔ تڑپ کر رہ گیا۔ غصے سے اسے دیکھا۔

"میں مر بھی جاؤں تو بھی تم پہ یقین نہیں کرنے والی۔ تم نئے بن کر بھی آجاؤ تو میرا ٹوٹا اعتبار جڑ نہیں سکتا۔ میں بڑی عزت کرتی تھی تمہاری۔ تم نے خود کو خود ہی میری نگاہوں سے گرایا ہے۔ اب یہ جھوٹی کہانیاں کسی اور کو سنانا مجھے نہیں۔ چھوڑو میرے ہاتھ، میں کہتی ہوں۔ چھوڑو مجھے ورنہ......"

نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو قتل کر دے۔ شاید وہ ایسا کرنے سے گریز نہ کرتی اگر اس کی مضبوط گرفت میں نہ ہوتی۔

"نویرہ!" نویرہ کے یوں چیخنے پر وہ اس سے زیادہ سختی سے دھاڑا تھا۔ "تمہیں چھوڑنا ہی ہوتا تو اتنی مصیبتیں مول لے کر تمہیں حاصل نہ کرتا۔ یقین واعتبار کا کیا ہے۔ ایک دفعہ زندگی میں شامل ہو جاؤ۔ ساری عمر پڑی ہے اعتبار ویقین قائم کرنے کو۔ ابھی تو اس بات کی سرشاری ختم نہیں ہو رہی کہ نویرہ احسان میرے پاس ہے۔ میری دسترس میں۔" نویرہ کی بھرپور مزاحمت پر اس نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ نویرہ اس کی فولادی گرفت میں تڑپ تڑپ گئی۔

"چھوڑو مجھے...... چھوڑو......" بے بسی کی انتہا تھی۔ فولادی گرفت سے اس جیسے عصفور کی طرح نازک وجود کا نکلنا محال تھا۔ آنسو شدت سے بہتے چلے گئے۔

"سنو۔ اپنے آنسوؤں کو کنٹرول کرو ورنہ میں خود پر ضبط قائم رکھنے کی گارنٹی نہیں دوں گا۔"

جذبات سے بوجھل لہجہ نویرہ کو نہ صرف ساکت کر گیا تھا بلکہ اس کے آنسو بھی ٹھٹھر گئے تھے۔

"تم میرے پاس ہو۔ میرے اختیار میں، مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں اپنے احساسات کا اظہار کس طرح کروں۔ تم نفرت سے دھتکار دو یا نگاہ پھیر لو میرے لیے تو تمہارا پاس ہونا ہی کافی ہے۔" وہ بوجھل آواز سے کہہ رہا تھا۔ نویرہ کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔

یہ ظالم وخود سر شخص جس طرح اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ مزید کچھ بھی کر لیتا تو وہ کیا کر لیتی...... اگر وہ شیطانیت پر اتر آیا تو وہ کیسے اس کے شر سے بچ پائے گی؟ کیسے اس کی وحشت کی نذر ہونے سے خود کو بچائے گی......؟ خوف نے اس کے اعصاب کو بری طرح اپنے جال میں جکڑا تھا۔

"یہ خوب صورتی تو تمہاری اضافی خوبی ہے۔ عورت اگر باحیا وباکردار ہو تو مرد کے دل پہ راج کرتی ہے اور اگر وہ خوب صورت بھی ہو تو سدا مرد کے دل میں رہتی ہے۔ اس کا جادو ساری عمر سر چڑھ کر بولتا ہے۔ تم میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں۔ پوری جادوگرنی ہو تم۔"

نویرہ کے اعصاب ٹھٹھر کر رہ گئے تھے۔

گرفت ڈھیلی تھی مگر ہمت ناپید ہو چکی تھی۔

"تم میری ہو۔ دل نے یہ صرف مانا ہی نہیں دن رات ورد کرتا ہے کہ نویرہ صرف میری ہے۔ تمہیں

کسی اور کا ہوتے کیسے دیکھ لیتا۔ میری محبت کی انتہا ہے یہ۔"

"چھوڑو مجھے۔ میں مر جاؤں گی شارق زمان مگر تمہارے کسی مکروہ کھیل کا حصہ نہیں بنوں گی۔" ڈھیلی پڑتی گرفت کے حصار سے نکل کر وہ دور ہٹ گئی تھی۔

شارق زمان ہنس دیا۔

"بڑی بے وقوف ہو۔ تمہیں اسی لیے تو نہیں لایا۔ باقاعدہ قانون قاعدے پورے کر کے تم سے شادی کروں گا۔"

"بھول ہے تمہاری۔" زہر خند لہجے میں پھنکاری تھی۔

وہ مسکرایا تب ہی اس کا موبائل بجا تھا۔

"دیکھ لیتے ہیں۔ ویسے وکیل صاحب کو کاغذات تیار کرنے کو کہہ دیا ہے۔ رات تک نکاح کی کارروائی مکمل ہو جائے گی پھر تفصیلی بات ہوگی۔ حسن اگر شعلہ بیان ہو تو ڈبل مارکس حاصل کرتا ہے۔ تمہاری یہی خوبی تو متاثر کرتی ہے۔ تمہیں بڑی سے بڑی ترغیب کمزور نہیں بناتی۔ آئی لائیک اٹ۔"

نویرہ کا دماغ سن سا ہو گیا۔ شارق کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ وہ ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے نکلتے ہی آٹو میٹک لاک خود بخود بند ہو گیا تھا۔ نویرہ بے جان سی کارپٹ پر ڈھے سی گئی تھی۔ چکراتے سر کو تھام کر وہ آنے والے حالات میں گم ہو گئی تھی جو ناقابلِ فہم تھے۔

* * *

اس انکشاف نے سعود احمد کی ذات کو ہی نہیں ان کے ذہن کو بھی بری طرح متاثر کیا تھا۔ وہ تین دن ہاسپٹل رہے تھے۔ انتہائی نگہداشت والے روم میں اور پھر گھر شفٹ ہو گئے تھے۔ ان کی طبیعت ابھی بھی تسلی بخش نہ تھی۔ وہ پہلے ہی ہارٹ پیشنٹ تھے۔ اس انکشاف نے ان کی ذات کو بری طرح مجروح کر دیا تھا۔ یہ دوسرا اٹیک تھا۔ نجانے کن نیکیوں کا صلہ تھا جو بچ گئے۔

زرش تو ان چند دنوں میں نچڑ کر رہ گئی تھی۔ دن رات کی مسلسل ٹینشن نے اس کے اعصاب پر ہی نہیں جسم پر بھی اثر کیا تھا۔ وہ سوکھی شاخ کی طرح ٹوٹ گئی تھی۔ ایک مکمل بھرپور خوشیوں اور مسرت بھری زندگی گزارتے اچانک زندگی کا یہ موڑ کسی بدہیت و بھیانک حادثے سے کم نہ تھا۔

شائستہ نے اس کی حالت دیکھتے اس سے باز پرس نہ کی تھی کہ وہ پہلے ہی سعود احمد کی حالت کی ذمہ دار خود کو سمجھ رہی تھی مگر انہوں نے قصداً اسے بلانا' بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ زرش ان سے اتنا کچھ چھپا گئی تھی۔ یہ ایسا صدمہ تھا جو کسی طور پر بھی کم ہونے والا نہ تھا۔ زرش ان کے رویے سے مزید ٹوٹ گئی تھی۔ سعود احمد کی بے ہوشی کے عالم میں وہ بارہا ان کے پاس گئی تھی مگر ہوش میں آنے کے بعد اس کے اندر ان کے سامنے جانے' ان سے آنکھیں ملانے کی ہمت ہی نہ رہی تھی۔ وہ مجرم نہیں تھی مگر مجرم بن گئی تھی۔ اس کی ذات اشتہار بن کر رہ گئی تھی۔ خاندان بھر میں اس قصے نے خوب شہرت حاصل کی تھی۔ کچھ قیصرہ کی زبانی اور کچھ سعود احمد پر بیتنے والی قیامت نے لوگوں کو متجسس کر دیا تھا۔ بات پھیلی تھی اور جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ وہ تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔

آنے والے بظاہر عیادت کو آتے تھے مگر ہر کوئی نشتر چھوڑنے سے باز نہیں رہتا تھا۔ زرش کا بارہا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ کر لے۔ جذباتی تو وہ شروع سے ہی تھی۔ سوچ کی انتہا کا کوئی عالم نہ تھا۔

سمعان احمد صرف ایک دفعہ ہاسپٹل گیا تھا۔ سعود احمد بے ہوش اور شائستہ بیگم خاموش...... سمعان کے اندر کی شکستگی بڑھ گئی تھی۔ احساس جرم نے دوبارہ جانے کی ہمت چھین لی تھی۔ سمعان دوبارہ عیادت کو نہیں آیا تھا۔ بال علی اور فرح مسلسل آ رہے تھے۔

سعید احمد تو ہمہ وقت سعود کے ساتھ ہی تھے مگر گھر آتے ہی شائستہ نے انہیں آنے سے منع کر دیا تھا۔ بہت قطعی انداز تھا۔

"کیوں؟" ان کا احتجاج بھرپور تھا۔

"اتنا کچھ ہونے کے باوجود آپ یہ بات کہہ رہے ہیں؟ اب تو کیوں کا سوال ہی نہیں رہا......"

وہ شرمندہ ہو گئے تھے۔ سمجھانے کو لب کھولے تو شائستہ نے وہاں سے قدم ہٹا لیے اور وہ کتنی دیر تک گم صم رہے۔ اب اس گھر کے دروازے بھی ان پر بند ہو رہے تھے۔ اس احساس نے دل پر ضرب لگائی تھی۔ ان سے یہ رشتہ چھوٹ رہا تھا۔ بھائی کا رشتہ اب ہمیشہ کے لیے چھوٹ رہا تھا...... انہیں لگا کہ کسی نے کند چھری ان کے گلے پر پھیر دی ہو۔ وہ اس رشتے کو بچانے کے لیے ہی اس قدر کوشش کر رہے تھے مگر ہر کوشش لاحاصل ٹھہری تھی۔ احساس زیاں نے کمر توڑ ڈالی تھی۔

صرف ایک عورت کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔ ایک کمزور سی عورت اتنا کچھ کر گئی تھی۔ ان کے اندر کی بھڑکتی آگ جنہیں وہ اپنے گھر کی ناموس اور بچوں کی بقا کے لیے ٹھنڈا کر رہے تھے یک دم شعلے بن کر چار سو پھیل گئی تھی۔

سعود احمد کو گھر آئے دو دن ہو گئے تھے۔ پہلے ان کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ بادیہ آپی طیب کے ساتھ یہیں تھیں۔ پھپھو اور ماموں روزانہ چکر لگا رہے تھے۔

زرش مسلسل کمرے میں بند تھی۔ کالج تو اس پریشانی کی وجہ سے وہ جا نہیں رہی تھی مگر وہ کمرے سے نکلنا بھی بند کر چکی تھی۔

سعود احمد اس کی طرف سے بالکل خاموش تھے اور شائستہ نظر انداز کرنے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھیں۔

شائستہ سعود احمد کو میڈیسن دے کر انہیں آرام کرتا دیکھ کر کمرے سے باہر نکلیں تو نوشی نے روک لیا۔

"ماما!"

"ہوں۔" شائستہ بیگم نے جواب دیا۔

"زرش کو سمجھائیں۔ وہ نہ کچھ کھا رہی ہے نہ پی رہی ہے۔ کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔ بہت ضد کرنے پر چند نوالے کھا لیتی ہے۔ اتنے دنوں سے ایسے ہی کر رہی ہے۔ صرف دودھ کے گلاس پر گزارہ کر رہی ہے یا پھر میرے اصرار پر چند لقمے لے لیتی ہے۔"

وہ چونک کر رک گئی تھیں۔ وہ نظر انداز اسے ضرور کر رہی تھیں مگر اتنی غفلت تو کبھی نہ کی تھی۔

”کب سے ایسا کر رہی ہے؟“ انہوں نے متفکر ہو کر نوشی سے پوچھا۔ زرش ان کی بھی چہیتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ اس کو پہنچنے والی تکلیف ان کے لیے بھی ناقابل برداشت تھی۔

”جب سے وہ تایا ابو کے گھر سے آئی ہے۔ پہلے تو بخار کی وجہ سے مگر اب تو وہ کمرے میں بند ہو گئی ہے۔ آپ نے بھی اس پر توجہ نہیں دی۔ ایک دو دفعہ ہاسپٹل گئی ہے۔ اس کے بعد تو وہ کمرے سے نکلنے سے بھی گئی۔ میں نے ایک دو دفعہ کہا بھی کہ کالج چلی جاؤ مگر وہ جیسے ساری دنیا سے کٹ گئی ہے۔“ نوشی کی آواز بھیگ گئی تھی۔ شائستہ بیگم کو تشویش لاحق ہوئی۔

”اچھا تم ہادیہ کو دیکھو کیا کر رہی ہے۔ میں اسے دیکھتی ہوں۔“ وہ بیٹی تھی کب تک اسے نظر انداز کرتیں......

زرش کو اس طرح خود کو سزا دیتے سن کر وہ کانپ گئی تھیں۔ فوراً چہیتی بیٹی کے کمرے میں پہنچی تھیں۔ دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی سجدے کی حالت میں تھی۔ انہیں حیرت تو ہوئی مگر دکھ بھی ہوا۔ اپنی غفلت پر ندامت نے آ لیا۔

زرش نماز کی اتنی پابند نہ تھی۔ ان کے ٹوکنے پر ہی یا کبھی کبھار خود سے نماز ادا کرتی تھی۔ وہ آگے بڑھیں تو محسوس ہوا کہ زرش رو رہی ہے۔ ہچکیوں سے روتی زرش ان کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ مار دیا تھا۔ انہوں نے تو کبھی خود سے اسے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ ان کے دل میں شگاف سا پڑ گیا۔ یہ لڑکی تو ان کا دل تھی، پھر تکلیف کیسے نہ ہوتی......

”زرش......“ انہوں نے آواز دی تھی۔ ان کے لایعنی رونے نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کے دل سے گویا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا تھا۔

اس کی پکار پر زرش فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ منہ صاف کر کے فوراً آ لپٹی تھی۔ شائستہ کو اتنے دنوں بعد اپنے کمرے میں دیکھ کر چونکی تھی۔

”ماما! آپ......“ اس کی حیرت بالکل بجا تھی۔ شائستہ بیگم کو ندامت نے آ گھیرا۔ سعید احمد انہیں سب کچھ بتا چکے تھے۔ فرح بھی ان سے بہت کچھ کہہ کر گئی تھی۔

ہاں سبحان احمد بالکل خاموش رہا تھا۔ اس نے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہ کہا تھا سوائے اس کے......

”چچی جان مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میری ذات آپ اور زرش کی اس درجہ ہتک و ذلت کا باعث بنی۔ بخدا میرا مقصد یہ کبھی نہ تھا۔ میں نے تو محبت سے بھی بڑھ کر زرش کا احترام کیا ہے پھر میں اسے کیسے رسوا کرنے کا سوچ بھی لیتا...... ہر چند کہ میری ہر ممکن کوشش یہی رہی کہ زرش بے خبر ہی رہے مگر جب ایسا ممکن نہ رہا تو میں نے مزید پیش رفت کی تھی۔ میں نے آنے والے حالات کو سنوارنا چاہا تھا مگر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی اور زرش کی بربادی کا سامان کر بیٹھا۔ مجھے معاف کر دیجیے گا۔ ہر چند کہ میری ذات سے لگنے والا یہ بہتان مجھے قابلِ معافی نہیں ٹھہراتا۔“

اور اس کے بعد سبحان چلا گیا تھا۔ سبحان نے ان کے سامنے دوبارہ آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ تو خود بھی ان حالات سے اور سب سے بڑھ کر مسعود احمد کی بیماری نے انہیں متوحش کر دیا تھا۔

”زرش۔“ انہوں نے آگے بڑھ کر زرش کو تھام لیا تھا۔ اس سارے قصے میں بھلا زرش بے چاری کا قصور کہاں تھا......؟ اسے تو بے قصور سزا مل رہی تھی۔

زرش اولاً تو شائستہ کو اس قدر رنجیدگی کے بعد اپنے سامنے دیکھ کر ہی حیران تھی۔ ان کے ہاتھ تھامنے پر بکھر ہی گئی تھی۔

”ماما!“ وہ تو جیسے سہارے کی ہی منتظر تھی۔ اس کے اندر کی طغیانی ٹوٹتا ہوا بند ثابت ہوئی تھی۔ وہ بکھر بکھر گئی تھی۔ رسوائی کوئی بھی ہو...... خون کے آنسو رلاتی ہے۔ بچی کے اس دکھ پہ ان کی آنکھیں بھی جل تھل ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اسے تھام کر صوفے پر بٹھا لی تھی۔

زرش قالین پر بیٹھی ان کی گود میں سر رکھے پھوٹ کر روئی تھی۔ خود پر بیتنے والی قیامت حرف بہ حرف بتائی تھی۔ اس طرح تو وہ کبھی نہ روئی تھی۔ زرش کا رونا‘ گریہ وزاری شائستہ کے اندر زخم کرتی جا رہی تھی۔

”زرش! میرے بیٹے بس کرو۔“ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تو انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے سمیٹا۔

”ماما! آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ یقین کریں میں بے قصور ہوں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ مجھے اندر باہر سے آپ جانتی ہیں۔ تائی امی جو بھی کہہ رہی تھیں جھوٹ ہے‘ بکواس ہے۔ میں ایسی گری ہوئی حرکت کر ہی نہیں سکتی۔“

”چپ اب بس کرو۔ میں سب جانتی ہوں۔ بھائی صاحب کہہ چکے ہیں۔“

”تو...... پھر آپ مجھ سے ناراض کیوں تھیں؟“ اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

”ہاں ناراض تو میں تھی اس لیے نہیں بلکہ دکھ تو یہ تھا کہ اتنی بڑی بات ہو گئی اور تم نے ہوا تک نہ لگنے دی۔ تمہیں بخار ہو گیا تم اتنا بیمار ہو گئیں اور میں جان ہی نہ پائی۔ کیا تمہیں مجھ سے ایسی بات چھپانا چاہیے تھی؟“

”مجھے تایا ابو نے آپ سے کچھ بھی کہنے سے منع کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ خود ہی آپ سے بات کریں گے۔ سلیقے سے سمجھا لیں گے۔“ زرش سچ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے اپنا چہرہ صاف کیا اور بغور زرش کا جائزہ لیا۔ کمزور و نحیف وجود انہیں پھر شرمسار کر گیا۔

”اٹھو پانی پی کر آؤ۔“ انہوں نے اسے بھیجا تھا۔ وہ پانی پی کر آئی تو پھر ان کی گود میں سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

”ماما! پاپا مجھ سے ناراض ہیں؟“
مضمحل اور یاس میں ڈوبی نگاہیں تھیں۔ انہیں زرش پر بہت ترس آیا۔

”نہیں۔ تم خود ہی ان کے پاس نہیں جا رہیں ورنہ کئی بار تمہارا پوچھ چکے ہیں۔“

"انہیں اصل حقیقت کا پتہ ہے؟"

"ہوں بھائی صاحب نے مجھے سب بتایا تو پھر میں نے ان سے بات کی تھی پھر خاندان بھر میں بات پھیلی ہے تو انہیں بھی حالات کی سنگینی کا احساس ہو رہا ہے۔ نفیسہ آپا نے بات کی تھی ان سے۔"

"آپ کو مجھ پر اعتماد ہے نا؟" وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔ اس حادثے نے اسے بے اعتماد کر دیا تھا۔ شائستہ کو دکھ نے شکستگی سے دوچار کر دیا۔ بہت محبت سے زرش کی پیشانی چومی اور اس کے بال سمیٹے۔ اس نے کئی دنوں سے لباس نہیں بدلا تھا۔ ملگجا سا حلیہ تھا انہیں نکھری نکھری خوشبوؤں میں نہائی زرش کہیں کھوئی ہوئی محسوس ہوئی۔ ان کا دل کانپ گیا۔ اس تصور سے ہی کہ ان کی زرش کھو گئی ہے......

"ہاں اعتماد ہے۔ اپنے سے بھی بڑھ کر۔"

زرش جیسے اس اقرار کی ہی منتظر تھی۔ گویا وہ جی اٹھی تھی۔

✿......✿......✿

سعید احمد طاہرہ پر بری طرح گرج برس رہے تھے۔ طاہرہ بھی دو دھاری تلوار بنی ہوئی تھیں۔ فرح اور علی سب سن کر بہرے بنے ہوئے تھے۔

مگر کب تک......؟

وہ پہلے ہی ماں باپ سے خائف رہتے تھے مگر اب اپنی ماں کا یہ روپ دیکھ کر دونوں ہی ان سے لاشعوری طور پر اجتناب برت رہے تھے۔

ماں باپ کی اندرونی چپقلش کا انجام تو دیکھ رہے تھے مگر اچنبا کیا تھی وہ بے خبر تھے۔ سمعان احمد اس واقعے کے بعد گھر سے گویا کٹ کر رہ گیا تھا۔ صبح صبح بغیر ناشتے کے جو نکلتا تھا تو رات گئے دو ڈھائی بجے واپسی ہوتی تھی اور پھر بغیر کسی سے کلام کیے کمرہ لاک کیے وہ وقت گزارتا تھا۔

علی غصے سے ہول کر چیخ کر اپنی بھڑاس نکال رہا تھا مگر فرح سب کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سعید احمد طاہرہ بیگم سے بری طرح الجھے تھے۔ طاہرہ بیگم کو وہ گھر چھوڑ کر نکل جانے پر زور دے رہے تھے اور یہ گھر نہ چھوڑنے پر مصر...... بات بات پر گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی دینے والی طاہرہ اس دفعہ بڑے اعتماد سے اپنی جگہ پر مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھیں۔

علی ماں باپ کو الجھتے دیکھ کر غصے سے اپنی بائیک لے کر گھر سے نکل گیا تھا۔

فرح بری طرح خوفزدہ تھی۔ اسے باپ کے تیوروں سے کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

سعید احمد کے کمرے سے دونوں کے بولنے کی اونچی اونچی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ وہ اندر جا نہیں سکتی تھی اور دروازے کے قریب کھڑی ہول رہی تھی۔

"تم نے جو کرنا تھا کر لیا۔ تمہیں میں کہہ رہا ہوں میرے گھر میں تم جیسی عورت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تم نے میری جتنی رسوائی و ذلت کروانا تھی وہ کرا لی۔ اب یہ قصہ ختم کرو۔ یہ میری اولاد ہے میری نسل۔ تم سے کوئی تعلق نہیں میری اولاد کا۔ جس بہن کی شہ پر اتنا اکڑ رہی ہو چلی جاؤ اس کے پاس۔ اب قطعی برداشت نہیں کروں گا۔ جو لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ۔ جس دولت جائیداد کا تمہاری بہن کو لالچ ہے اسے کہو مجھ سے بلینک چیک لے۔ جتنی مرضی بھر لے مگر خدارا مجھے سکھ سے جی لینے دے۔ میں ایسی عورت سے باز آیا۔ میں تمہیں ساری عمر برداشت کرتا رہا اور بھی برداشت کر لیتا اگر بات میری اولاد کی نہ ہوتی۔ لوگوں نے مجھ پر جتنا تھوکنا تھا تھوک چکے۔ بہت سہہ لی یہ جگ ہنسائی...... اب تم مجھے معاف کرو۔ نکل جاؤ میری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ تم جو فیصلہ چاہو گی میں بھجوا دوں گا۔"

فرح کے قدم دہلیز پر ہی ٹھٹک گئے تھے۔ اتنا قطعی انداز...... غصے سے بپھرے لہجے میں وہ محو کلام تھے۔ صورت حال سنگین تر تھی۔

فرح لرز اٹھی۔

ان کے گھر کا بکھرا ہوا شیرازہ۔ اب تنکا تنکا ہونے کو تھا۔ وہ فوراً دہلیز پار کر گئی تھی کہ اب مداخلت ناگزیر ہو چکی تھی۔

"امی...... ابو۔" وہ کبھی بھی ماں باپ کے معاملے میں نہیں آئی تھی مگر اب مجبور ہو گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو......؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

وہ بے بسی سے صرف دونوں کو دیکھ پائی تھی۔ مسلسل آنسو بہاتی گریہ وزاری کرتی طاہرہ اور غصے سے کمرے میں ٹہلتے سعید احمد دونوں نے اسے دیکھا تھا۔

"پتہ نہیں کیسے ماں باپ ہیں آپ۔ خود غرض...... کچھ تو احساس کریں۔ اپنا نہیں تو ہمارا ہی کر لیں۔ دنیا کی نظر میں ہم لوگ تماشا بن گئے ہیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سعید احمد تڑپ اٹھے۔

"فرح بیٹا! تم جاؤ یہ تمہارا معاملہ نہیں۔" وہ حیرت زدہ بھی تھے۔ ان کی خاموش طبع بیٹی اس طرح کہہ رہی تھی۔

"کیوں نہیں ہے یہ ہمارا معاملہ؟ کیا آپ ہمارے والدین نہیں ہیں؟" وہ سوالیہ دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں چرا گئے۔ "کتنی آسانی سے کہہ رہے ہیں ہمارا معاملہ نہیں۔ پلیز ابو جی ہماری خاطر ہی سمجھوتہ کر لیں۔ امی خدا کے لیے کچھ تو خیال کریں۔ آپ کی بھی بیٹی ہے۔ آپ کا کیا دھرا میرے آگے بھی آ سکتا ہے۔ کوئی مجھے بھی اس طرح ذلیل کر سکتا ہے۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔"

سعید احمد تو تڑپ کر آگے بڑھے تھے۔

"فرح!" انہوں نے روتی بیٹی کو تھامنا چاہا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"بخش دیں ہمیں۔ ذہنی مریض بنا رہے ہیں آپ لوگ اپنی اولاد کو۔ خدا کے لیے ابو جی ہمیں تماشہ نہ بنائیں۔" اس نے باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ لیے تھے۔ سعید احمد کو لگا کسی نے انہیں منہ کے بل گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو۔ وہ منہ کے بل ہی تو گرے تھے۔ ان کی بیٹی ان کے سامنے اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھی۔

"فرح۔" انہوں نے فرح کو ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"آپ وعدہ کریں۔ آپ امی کو نہیں جانے دیں گے۔ پلیز ابو جی میرے لیے مان جائیں...... سمعان بھائی کے لیے پلیز۔"

طاہرہ تو ویسے ہی بیٹھی ہوئی تھیں مگر سعید احمد نے فوراً کہا تھا۔

"فرحی بیٹا! اب یہ ممکن نہیں۔"

"کیوں؟ اس ذلت سے تنہا آپ تو نہیں گزر رہے...... ہم سب گزر رہے ہیں۔ چچا جان کی فیملی گزر رہی ہے۔ ہم بھی تو برداشت کر رہے ہیں۔ آپ بھی کر لیں۔ مان کیوں نہیں لیتے جو امی چاہتی ہیں۔ یہ چچا کی فیملی کو ناپسند کرتی ہیں تو مان لیں۔ ضد والی کون سی بات ہے...... ختم کر دیں سب تعلق..... توڑ دیں ہماری خاطر...... ہماری بقا کے لیے۔"

وہ ماں باپ کے ٹوٹے رشتے کو ہر حال میں جوڑے رکھنا چاہتی تھی چاہے کیسے بھی سہی۔

"تم کچھ نہیں جانتیں ضد نہیں کرو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے آپ دونوں اپنی اپنی ضد پر قائم رہیں۔ بکھر جائے گی آپ کی اولاد۔ اس سے پہلے کہ آپ لوگوں کے کیے کا بھگتان آپ کی اولاد بھگتے کچھ تو سوچ لیں ورنہ کچھ کھلا کر ہمیں مار دیں۔ پلیز مار دیں ہمیں تاکہ اس روز روز کی ذلت سے تو چھٹکارا مل جائے۔"

وہ شدت سے رو رہی تھی اور سعید احمد گنگ رہ گئے تھے۔ یہ فرح کیا کہہ رہی تھی۔ ہذیانی انداز میں وہ چیخی تھی۔ ان کے اعصاب شل ہو گئے۔ فرح ان سے اتنی بڑی بات کہہ گئی تھی۔ انہوں نے بے بسی سے روتی ہوئی فرح کو دیکھا اور دور بیٹھی طاہرہ بیگم کو پھر آہستگی سے فرح کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ خاموشی سے اسے ساتھ لیے باہر نکل آئے تھے۔

سعید احمد فرح کے رونے پر چپ ہو کر سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ان کی زندگی تو برباد ہو گئی تھی۔ اب ان کی اولاد تماشا بن رہی تھی۔ عثمان سب سے دور اسلام آباد جا بسا تھا۔ وہ زبان سے کہتا نہیں تھا مگر وہ جانتے تھے کہ اس کے رونے کی وجہ کیا ہے......؟ علی کا مزاج ہی نرالا تھا۔ ماں سے فوراً بدظن ہو جانے والا...... سمعان احمد ان کی اولاد ہی نہیں سب سے دھیمے اور ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا اور پھر فرح تھی ان کی چہیتی اور لاڈلی بیٹی مگر طاہرہ کی نفرت نے ان کی اولاد کو بکھیر دیا تھا۔

وہ گم صم ہو گئے تھے۔

وہ ایک انتہائی فیصلہ کر چکے تھے مگر فرح کا یہ ہذیانی انداز دیکھ کر مجبور ہو گئے تھے۔ دل اندر سے جل رہا تھا مگر وہ بیٹی کی خاطر سب برداشت کر گئے تھے۔

رات تک فرح خود کو بحال کر چکی تھی۔ اپنی جذباتیت پر رہ رہ کر افسوس ہوا۔ طاہرہ ابھی تک کمرے میں بند تھیں۔ علی واپس آ گیا تھا۔ گھر کا ماحول ہی ایسا تھا کہ سب افراد کھانے کی ٹیبل پر بھی دکھائی نہ دیتے تھے۔

سعید احمد اسٹڈی روم میں بند تھے۔ رات کے کھانے سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ علی اور اس نے برائے نام ہی کھایا تھا۔ سمعان احمد کی تو رات گئے سے پہلے واپسی ممکن نہ تھی۔

سارا دن وقفے وقفے سے فرح کی آنکھیں جل تھل ہوتی رہی تھیں۔

علی کمرے میں چلا گیا تو وہ ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔

گھر میں سناٹے اور جامد خاموشی کا راج اسے اندر سے کاٹ کھا رہا تھا۔

گھر کا سکوت توڑنے کو اس نے آواز بلند کر لی تھی۔

ٹیلی فون کی بیل پر وہ متوجہ ہوئی تھی۔

سعد جمال کے انکشاف کے بعد وہ اتنی ڈس ہارٹ ہوئی تھی کہ اس نے کال تک ریسیو کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی بلا سے فون بجتا رہے۔ وہ سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر لائن کاٹ دیتی تھی۔ کتنا تنگ کیا تھا اس شخص نے اسے...... وہ کس قدر دکھ و اذیت سے دوچار رہی تھی۔ یقین و مان بکھرا تھا...... سعد جمال ایک معتبر ہستی کی حیثیت رکھتا تھا۔ کبھی بے تکلفی کا رشتہ نہ تھا۔ وہ تو تکلف کی حد تک بھی اس شخص سے محوِ کلام نہ ہوئی تھی پھر یہ سب کیسے قبول کر لیتی؟

اس نے اپنے کمرے سے بھی فون ہٹا دیا تھا۔ وہ اس شخص کا تصور ذہن کے دریچے سے بھی مٹا دینا چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کی آواز بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

سعد جمال کی دن میں کئی کئی کالیں آتی تھیں۔ وہ ہر بار بہری بن جاتی تھی۔ اس نے اس طرف سے نگاہیں بند کر لی تھیں مگر اب سی ایل آئی پر جگمگاتے نمبر کو دیکھ کر وہ گم صم ہو گئی تھی۔ بیل مسلسل بج رہی تھی۔ گھر کے سکوت میں بیل کی آواز صورِ اسرافیل سے کم نہ تھی۔ مجبوراً کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔

"ہیلو۔"

"فرح۔" دوسری طرف فوراً پہچانا گیا تھا۔ مضمحل سی فرح مزید مضمحل ہو گئی۔

"جی فرمایئے۔" لہجے کی تلخی بھرپور تھی۔

"شکر ہے کفر ٹوٹا۔ تم کال ریسیو کیوں نہیں کر رہی تھیں؟ تمہیں پتا ہے میں کتنا پریشان ہوں۔ کس قدر......؟" ہمیشہ سنائی دینے والی زندگی و شوخی سے بھرپور آواز اس دفعہ مرجھائی اور بے تاب سنائی دی تھی۔

"تو میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟ اس دنیا میں کون ایسا شخص ہے جو پریشان نہیں؟"

اس شخص نے اسے اتنی اذیت دی تھی کہ وہ اسے کبھی معاف کرنے والی نہ تھی۔ تلخی سے بھرپور انداز تھا۔

"فرح۔" اس قدر بے مروت رویے پر بے بسی سے پکار پڑی تھی۔ فرح کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔

"کیوں کال کی؟ اب کون ہے اس گھر میں جسے بے وقوف بنانا لازم ہے؟" تندی و تیزی سے اس نے خاصی ترشی سے کہا تھا۔

"پلیز فرح! مجھے اندازہ ہے تمہیں غصہ ہے۔ ناراض ہو مجھ پر پھر مجھے ایسی اخلاق سوز حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں تم سے شرمندہ ہوں مگر تمہارا رویہ بھی بجا نہیں۔"

"تو پھر کیا کروں......؟ آپ کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لوں تو بھول ہے سعد جمال

صاحب آپ کی۔ آپ نے غلط لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ جائیے اپنا ٹائم ضائع مت کریں۔ آپ کو اسی ملک میں اس مقصد کے لیے بہت سی مل جائیں گی۔ آپ نے غلط انسان کا انتخاب کیا ہے۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ کسی کے احساسات وجذبات سے کھیلتے ہوئے کچھ تو خوف خدا کیا ہوتا۔ کم از کم ماموں زاد سمجھ کر ہی لحاظ کرلیا ہوتا......"

گھریلو حالات وواقعات اور پے در پے حادثات نے اس کے اندر اتنی تلخی بھر دی تھی کہ وہ لمحوں میں جذباتیت پر اتر آئی تھی ورنہ طبیعت کا یہ رنگ تو کبھی بھی نہ رہا تھا۔

"فرح پلیز۔"

"کیوں کال کی؟" وہ بدلحاظی و بے مروتی پر اتر آئی۔

"میں امی کو بھیجنا چاہتا ہوں مگر وہ آنے پر راضی نہیں۔ انہیں ممانی جان سے ہزاروں شکوے ہیں۔ مجھے پاکستان کے حالات کی کوئی خبر نہیں۔ پلیز مجھے بتاؤ یہاں ایسی کیا بات ہوگئی ہے کہ امی جو ماموں جان سے خود بات کرنے کو آنا چاہ رہی تھیں۔ اب ایک دم انکاری ہوگئی ہیں۔ کیا پھر ممانی جان سے ان کی کسی بات سے تلخ کلامی ہوگئی ہے۔ وہاں کی صورت حال کیا ہے؟"

فرح سختی سے لب بھینچ گئی۔

سعد جمال اپنی جذباتی واحمقانہ حرکتوں کی وجہ سے پہلے ہی اس کے دل میں کوئی جگہ حاصل نہ کر پایا تھا۔ اس انکشاف پر وہ کٹ کر رہ گئی۔ وہ بہت پریکٹیکل سوچ رکھنے والی لڑکی تھی۔ والدین کی اندرونی چپقلش نے اسے وقت سے پہلے ہی بڑا کر دیا تھا مگر تھی تو عام سی لڑکی ہی...... سعد جمال کی گفتگو اس کے دل پر وار کرتی گئی تھی۔ اسے لگا جیسے کسی نے روح کو شیشے سے ریزہ ریزہ کر ڈالا ہو۔

ماں اولاد کے لیے باعث فخر ہوتی ہے مگر وہ تو ندامت سے دوچار ہوگئی تھی۔ طاہرہ نے زرش کے ساتھ جو کیا تھا نفیسہ بیگم تو ایسا خار کھائی تھیں کہ انہوں نے طاہرہ بیگم سے دوبارہ کلام کرنا گوارا نہ کیا تھا۔

"تم میری خواہش تھیں اس سے پہلے امی کی خواہش زرش تھی۔" سعد جمال بتا رہا تھا اور فرح چونک گئی۔ "مجھے علم ہوا کہ امی ایسا چاہتی ہیں تو میں نے ستارہ کے ذریعے امی کو باور کروا دیا تھا کہ وہ زرش کا خیال چھوڑ دیں۔ زرش اور تم ان کے لیے ایک جیسی ہی اہمیت کی حامل تھیں۔ تمہارے بارے میں میرے جذبات سے آگاہی کے بعد وہ خود ہی ماموں جان سے رشتے کی بات کرنا چاہ رہی تھیں۔ میں تو خود ہی انہیں منع کر رہا تھا۔ میں فارغ ہوکر پاکستان آنا چاہ رہا تھا۔ تب تک میں تم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا مگر کل امی کی کال آئی تھی۔ وہ بتا رہی تھیں کہ وہ اور ابو چھوٹے ماموں (مسعود احمد) کے ہاں زرش کے رشتے کے لیے جا رہے ہیں۔"

"کیا......؟" فرح کو لگا جیسے اس کے اعصاب پر دھماکہ سا ہوا ہے۔ اس کے پورے وجود کے چیتھڑے اڑے تھے۔ ریسیور ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" فرح کے ہوش وحواس تک ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

"میں خود پریشان ہوں۔ جی چاہ رہا ہے کہ اڑ کر پاکستان پہنچوں۔ میں نے سمعان سے بات کی

ہے مگر وہ بھی بالکل خاموش ہے۔ مجھے تم پلیز بتاؤ کیا امی اور ممانی جان کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے جو وہ اس قدر شدید فیصلہ کن سوچ رہی ہیں۔ امی میری بات سننے پر آمادہ نہیں۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ ایسا کیا معاملہ ہے جو مجھ سے چھپایا جا رہا ہے؟ سمعان بھی میری کال ریسیو نہیں کرتا...... ستارہ تک خاموش ہے کچھ تو بتاؤ مجھے......؟"

فرح نے ہونٹ اتنی سختی سے دانتوں تلے دبا لیے کہ تکلیف سے کراہ کر رہ گئی۔ آنکھیں جھل تھل ہو گئی تھیں۔

زرش اور سعد...... سعد اور زرش......

اسے اپنے دل ودماغ میں ہتھوڑے برستے محسوس ہو رہے تھے۔

"فرح ہیلو فرح سن رہی ہو نا...... پلیز کچھ تو بولو...... مجھے جواب دو فرح۔" فرح نے آہستگی سے ریسیور سائیڈ پر رکھ دیا۔

انکشاف ایسا جان لیوا تھا کہ اس نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔

بس دماغ کی رگیں پھٹ جانے کو تھیں...... وہ زلزلوں کی زد پر تھی۔ تو گویا سمعان احمد کو خبر ہو چکی تھی...... سمعان کے دکھ پر اس کی آنکھیں گریہ زاری پر اتر آئیں۔

جی چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے...... ان کی ماں کی کرنی سامنے آ رہی تھی۔ سمعان کا دکھ اسے مارے دے رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اٹھ کر ماں کے پاس جائے اور پوچھے کیوں انہوں نے اپنی اولاد کے دل اجاڑ دیے...... کیوں کیا ایسا؟ نفرت تو انہیں کسی اور سے تھی اپنی اولاد کا قصور کیا تھا......

ان کی ضد اور انا ان کی اولاد کو مار گئی ہے کیوں......؟

وہ بے بسی سے گھٹنوں میں سر دیے کر شدت سے رو دی کہ اب اختیار میں صرف یہ گریہ زاری ہی تھی۔ اب صرف اور گریہ نصیباں تھا۔

* * *

نجانے اپنے نصیب پر روتے کتنا وقت بیتا تھا۔ وہ تو بے جان وجود لیے قالین پر بیٹھی سسک رہی تھی۔ نجانے ایسا کیا گناہ ہو گیا تھا کہ جس کی سزا مل رہی تھی۔

"کلک" کی آواز پر نویرہ چونک کر دروازے کو دیکھنے لگی۔ آنے والے سے اسے نیک توقعات وابستہ نہ تھیں مگر پھر بھی وہ اس کی منتظر تھی جو اس کو کمرے میں بند کر کے بھول گیا تھا۔

دروازہ کھلنے پر جو چہرہ اسے نظر آیا تھا۔ نویرہ اسے دیکھ کر پتھر بن گئی۔

ایک پل کو لگا کہ جیسے وہ نیند میں ہے۔ وہ خواب دیکھ رہی ہے جیسے......

"نویرہ۔" رفعت باجی اسے پتھر بنے دیکھ کر فوراً آگے بڑھی تھیں۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی عقب میں دروازہ دوبارہ لاک ہو گیا تھا۔

"آپی۔" انہیں اپنے قریب دیکھ کر وہ ہوش میں آئی تھی۔ سسک کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ رفعت باجی نے اسے بازوؤں میں یوں سمیٹا جیسے کسی چھوٹے بچے کو جو میلے میں کھو گیا ہو، ملنے پر ماں آغوش میں سمیٹ لیتی ہے کہ کہیں پھر نہ کھو جائے۔ بے قراری سے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

نویرہ تو یوں روئی جیسے سارے ضبط کے بند ٹوٹ گئے ہوں۔

یا جیسے کوئی کسی کی مرگ پر روتا ہے

"بس کرو...... چپ کرو...... اب نہیں رونا...... میں آ گئی ہوں نا...... بس اب نہیں۔" انہوں نے اس کے لمبے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے پچکارا تھا۔ ساتھ ساتھ اپنی آنکھیں بھی صاف کیں۔ انہوں نے اسے خود سے جدا کر کے بغور دیکھا۔ حسن گہنا گیا تھا، زرد مرجھایا چہرہ، مسلسل گریہ وزاری سے سرخ آنکھیں، کپکپاتے ہونٹ، بکھرا وجود...... انہوں نے پھر زور سے ساتھ لگا لیا۔

"مجھے یہاں سے لے جائیں آپی۔ میں مر جاؤں گی۔" پر اعتمادی نویرہ کے لہجے میں زمانے بھر کا خوف تھا۔ انہوں نے آہستگی سے سر ہلایا۔

"اٹھو شاباش بستر پر بیٹھو۔" کمرے میں اس وقت صرف وہ دونوں ہی تھیں۔

"نہیں۔" اس نے گردن نفی میں ہلائی تو رفعت باجی نے خود ہی اسے سہارا دے کر اٹھانا چاہا تو نویرہ پہلے قدم پر ہی لڑکھڑا گئی۔ خود پر بیتنے والی قیامت نے اس کے اندر سے ساری قوتیں چھین لی تھیں۔ نجانے کب کی بھوکی تھی...... بھوک، پیاس، نیند، ذہنی جھٹکوں نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ رفعت نے

اسے بمشکل سنبھالتے ہوئے بستر پر لٹایا تھا۔

"نویرہ!" نویرہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے انہوں نے آواز دی تو مسلسل بہتی آنکھیں کھول کر اس نے انہیں دیکھا۔

"ہوش کرو میری جان...... اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ دو گی تو بہت مشکل ہو گی۔ کمرے میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے کیا......؟ کیسی زرد ہو رہی ہو تم...... ٹھہرو میں پانی دیکھتی ہوں۔" انہوں نے اطراف میں نگاہ ڈالتے کونے میں پڑے روم فریج کو دیکھا۔ وہ تلخی سے ہنس دی۔

"اغوا شدہ لوگوں پر زندگی کے دروازے بند کیے جاتے ہیں، کھولے نہیں۔ میرے سامنے کوئی من وسلویٰ بھی ڈھیر کر دے تو میں کیا کروں...... مجھے تو میری ماں اور بھائیوں کو میری وجہ سے برداشت کی جانے والی ذلت مارے دے رہی ہے۔ مجھے بتائیں کیا حال ہے ان کا......؟ کیسے آئی ہیں آپ؟ یہاں کون لایا ہے آپ کو؟"

بستر پر لیٹنے کے بعد وہ اپنے اعصاب بحال کر رہی تھی پھر رفعت کو دیکھنے سے بھی تسلی ہوئی تھی تو دل ودماغ کچھ کام کرنے لگے تھے۔

"شارق کا دوست۔ ایس پی انجم گھر آیا تھا۔ اسی کے ساتھ آئی ہوں۔ شارق نے بلوایا تھا۔ یہ شاید اسی دوست کا بنگلہ ہے دونوں باہر ہی ہیں۔ مجھے اندر بھیج دیا تھا۔" نویرہ اذیت سے دیکھنے لگی۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ واقعی لمبے ہوتے ہیں۔ پولیس تک ملی ہوئی ہے ان کے ساتھ۔ اسے لگا جیسے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

"نبیل اور ساجد ہمارے ہاں آئے تھے پھر ان کے ساتھ ہی تمہارے ہاں گئی تھی۔ ظاہر ہے خالہ ماں میں...... ذلت و رسوائی گھر کے دروازے پر کھڑی ہو تو کیا حالت ہوتی ہے نہ کوئی مرتا ہے نہ جیتا ہے...... دکھ ہو رہا ہے شارق پر وہ اتنا کچھ کر گزرے گا۔ تم پر اتنی بڑی قیامت بیت گئی اور تم نے کسی کو بتایا تک نہیں۔ کچھ کہا ہوتا...... خاموش ہی سہی کوئی راہ تو نکالی جاتی۔ کم از کم اس ذلت سے تو بچ جاتے۔" انہیں شاید سب خبر مل گئی تھی۔ نویرہ تلخی سے آنکھیں بند کر گئی۔

رفعت باجی نے اٹھ کر فریج کھولا۔ فریج بھرا ہوا تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں سے فروٹس اور دیگر اشیا سے۔ انہوں نے سیب نکال لیے تھے۔ چھری تلاش کے باوجود کہیں سے نہ مل سکی تھی۔ وہ ویسے ہی بستر پر آ بیٹھیں۔ وہ نویرہ کو سیب کھانے پر آمادہ کر رہی تھیں جب کہ وہ مسلسل انکاری تھی۔

"نہیں آپی! ضد نہ کریں۔ مرجانے کے علاوہ کچھ بھی جی نہیں چاہ رہا۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ انہوں نے سیب کی ٹوکری ٹیبل پر رکھ دی۔ کمرے کا جائزہ لیا۔ لگژری آسائشات سے سجا کمرہ اپنے مالک کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جب دوبارہ دروازہ کھلا تھا۔

شارق زمان کو آتے دیکھ کر رفعت نے غصے سے دیکھا۔ جی چاہا کہ آگے بڑھ کر اس خوبرو بھائی کا منہ طمانچوں سے سرخ کر دیں مگر وہ اندر کا ابال اندر ہی دباتے پر مجبور تھیں۔

"مل لیا نویرہ سے...... ہو گئی تسلی؟" وہ بستر پر دراز نویرہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر ان سے پوچھ رہا

تھا۔ انہوں نے اپنے ضبط پر بمشکل کنٹرول کیا۔

"خدا کا خوف کرو شارق۔ کیا بگاڑا ہے اس بے چاری نے تمہارا؟ کیوں مارنے پر تلے ہوئے ہو تم اسے..... حالت دیکھو اس کی اس سے بری حالت اس کی ماں کی ہے..... آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں۔ کیسی تڑپ رہی ہیں وہ بیٹی کے لیے..... کوئی پتھر بھی ہو تو دیکھ کر موم ہو جائے۔" ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

"آپ کو میں نے نصیحتوں کے لیے نہیں بلوایا۔ نویرہ کے لیے ہی بلوایا ہے۔ سمجھائیں اس کو اب جو ہو چکا بھول جائے۔ میں آخری قدم اٹھا چکا ہوں۔ واپسی کا راستہ نہ اس کے پاس ہے اور میرے پاس تو پہلے بھی نہیں تھا۔ کچھ کھلائیں پلائیں رات تک بحال کریں اس کو۔ رات کو تقریب طے ہے۔ فون پہ سارا کچھ بتا تو چکا ہوں۔"

نویرہ اٹھ کر بستر پہ بیٹھ گئی۔ پتھرائی نگاہوں سے شارق زمان کو دیکھے گئی۔ ٹانگیں بستر سے نیچے لٹکائے وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

رفعت کی آمد سے وہ کچھ پرامید ہوئی تھی کہ اب زندان سے واپسی کی کوشش ہو گی مگر یہ صیاد تو سب راستے ہی بند کر چکا تھا۔ بھلا ظالم سے بھی رحم کی توقع کی جا سکتی تھی۔

"شارق! ایسے کیسے ہو سکتا ہے یہ سب..... خاندان کا معاملہ ہے۔ بات بہت بڑھ جائے گی۔ ہم درمیانی راہ بھی تو نکال سکتے ہیں۔ ٹھیک ہے تم نے یہ انتہائی قدم اٹھا لیا ہے مگر یہ اٹھا ہوا قدم واپس بھی تو جا سکتا ہے۔"

"مثلاً کیسے؟" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔

"میں نویرہ اور خالہ جان سب کو سمجھاؤں گی۔ فاروق چچا کو درمیان میں لاؤں گی۔ اس طرح تو صرف ذلت و رسوائی ہی ہے۔ بات سلیقے سے نبٹ جائے گی۔ خالہ جان کو مجبور کروں گی کہ وہ نویرہ کو تمہارے ساتھ رخصت کریں۔"

"اور آپ کے کہنے پر وہ ایسا کر لیں گے.....؟"

"تو اور کیا؟"

شارق زمان کا جی چاہا ان کی عقل پہ ماتم کرے۔

"بڑی خوش فہم ہیں آپ۔ اس کے بھائی مجھے دیکھ کر گولیاں مار دینے کو تو تیار ہوں گے۔ اسے میرے ساتھ رخصت کرنے کو نہیں۔ آپ اپنی احمقوں کی جنت سے باہر نکل آئیں۔ میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنے لیے خود موت کا پھندا تیار کروں۔ مجھے سمجھانے سے بہتر ہے جس کام کے لیے آپ کو بلوایا ہے وہ سرانجام دیں۔" وہ طنز سے ہنستا صوفے پہ جا بیٹھا تھا۔

نویرہ تو پتھر بنی دونوں بہن بھائی کے مکالمے سن رہی تھی۔

"تمہیں زبردستی سے کیا حاصل ہوگا؟ اس کی حالت دیکھ کر کم از کم اس پہ ہی ترس کھا لو۔" رفعت باجی اب سخت جھنجلاہٹ و غصے کا شکار ہوئی تھیں۔

شارق زمان نے نویرہ کو دیکھا تو وہ نگاہیں پھیر گئی۔ ہمیشہ ترتیب سے رہنے والا دوپٹہ اس وقت کندھے پر تھا۔ پشت پہ کالے سیاہ بالوں کا آبشار اس زرد مترنم چہرے کو عجیب سوگوار حسن عطا کر رہا تھا۔

وہ مبہوت سا ہوا تھا۔

گود میں ہاتھ رکھے وہ ہونٹ کچل رہی تھی۔

"مجبوری ہے۔ یہ چھوٹی سی ننھی بچی نہیں ہے کہ ایک مرد کے تقاضوں کو نہ سمجھ سکے۔ مجھے اگر فراڈ ہی کرنا ہوتا تو یہ سارا کھڑاک نہ پالتا۔ جان کی بازی لگا رہا ہوں تو صرف اس کے لیے۔ ایک عورت کو ایک مرد کی محبت چاہیے ہوتی ہے۔ کیا نہیں ہے میرے پاس..... دولت، جائیداد، تعلیم، اعلیٰ پرسنالٹی اور اس کی محبت کا دعوے دار دل۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہیے اسے..... نواز ہوتا تو وہ بھی شاید اتنی محبت نہ دیتا۔ سر آنکھوں پہ بٹھاؤں گا۔ ہر طرح کے ناز نخرے سہنے کو تیار ہوں کہ یہ دل کی آواز ہے ورنہ عورتوں کی کمی تو نہیں مجھے۔"

نویرہ کا جی چاہا کہ اس محبت کے دعوے دار کا منہ نوچ لے۔ مار مار کر اس کا منہ سرخ کر دے اور کہے۔

"عورت کی طلب صرف اتنی نہیں ہوتی۔ اس جیسی باکردار باحیا عورت کی طلب اتنی سطحی نہیں ہوتی۔ اسے صرف دولت مند خوب صورت مرد کی طلب نہیں ہوتی۔ اسے تو مرد کے خوب صورت کردار و سیرت کی طلب ہوتی ہے اور اگر ایسا مرد محبت کا دعویٰ کرے تو عورت اس پہ سب کچھ وار دیتی ہے اور اگر مرد ایسی عورت کی پاکبازی و باحیائی کی تعریف کرے تو وہ خود کو ہی اس پہ دان کر دیتی ہے مگر اس جیسا سطحی مرد بھلا کیا جانتا تھا۔ محبت کیا تھی۔ چار دیواری میں اپنے نفس کی حفاظت کرنے والی شرم و حیا کی پابند اپنی نسوانیت و پندار کا خیال رکھنے والی عورت کی طلب۔" چار دیواری سے باہر رنگ و بو کی محفلیں لوٹنے والا مرد بھلا کہاں جان سکتا ہے۔ وہ کیسے اسے سمجھ سکتا تھا۔ اس سے محبت کا دعوے دار اس کی طلب سے ہی بے خبر تھا۔

"آپی اس کو کہیں یہ یہاں سے چلا جائے۔ مجھے اس کی شکل سے بھی نفرت ہے۔ یہ جو چاہتا ہے وہ قیامت تک بھی نہیں ہوگا۔ یہ کیا جانے محبت کیا ہے۔ اس جیسے رات کی تاریکی میں گھات لگانے والے گدھ بھلا کیا جانیں کہ عورت کی پاکبازی و بے حیائی کیا ہوتی ہے جو شرم و حیا کی مالک اپنی نسوانیت کی پاسداری کرنے والی عورت کی چادر تار تار کرتے ہیں۔ میں اس کا یہ جرم مر کر بھی معاف نہیں کروں گی کہ اس نے مجھ پہ ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔" نفرت ہی نفرت تھی اس کے لہجے میں.....

کچھ دیر قبل کی کم ہمتی اس لمحے جوش و غصہ سے کہیں دب گئی تھی۔ ڈھال وجود اس سے منتشر سامان تھا۔

"مجھے واپس نہ چھوڑ کر آئے۔ ساری عمر ایڑیاں رگڑنے کو قید کر دے تب بھی میں اسے قبول نہیں کروں گی۔" پوری قوت سے اس نے شارق زمان کو رد کیا تھا۔

شارق زمان پیچ و تاب کھا کر انتہائی مشتعل ہو کر آگے بڑھا تھا۔ ٹانگیں لٹکائے بیٹھی نویرہ کا بازو پکڑ کر مقابل کھڑا کر دیا تھا۔

"بکواس بند کرو آپی۔" وہ پھنکارا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر گزرے۔ رفعت باجی امی کے تیور دیکھ کر دہل گئیں۔

"شارق! چھوڑو تم کیا کرتے ہو؟" شارق نے رفعت باجی کی طرف مطلق دھیان نہ دیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے تم اس وقت باعزت کھڑی ہو تو کوئی تمہارا کمال ہے۔ بھول ہے تمہاری۔ مرد جتنا بھی بدکردار کسی بھی فطرت کا حامل ہو وہ اپنے لیے عورت ہمیشہ پاکباز ہی چاہتا تھا۔ میں جو ہوں جیسا ہوں۔ مجھے علم ہے اچھا یا برا...... میں ایک غلط قدم کا مرتکب ہوا ہوں اور اس کا بھگتان بھگتنے کو تیار اتنے گھنٹے ہو گئے ہیں تم میرے پاس ہو۔ غلطی ایک دفعہ ہوئی ہے بار بار نہیں۔ اگر میں اس وقت بھی محض دل کے بہلاوے یا شیطان کے بہکاوے میں ہوتا تو اب تک تم اپنا منہ چھپا رہی ہوتیں۔ سمجھیں احمق بے وقوف لڑکی۔ مرد اپنی غلطی سنوارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ تمہیں سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی۔"

رفعت تو ایک طرف نویرہ تک اس کی گرفت سے خائف ہو گئی تھی۔

"میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرنے والی۔" بھرپور مزاحمت کر کے اس نے بازو چھڑانا چاہا تھا مگر ادھر تو فولادی گرفت تھی۔

"اور میں کہے پر عمل کرنے والا ہوں۔"

وہ تو خود ایک سیکنڈ میں ہی نڈھال ہونے لگی تھی۔ اس پھنکار پر وہ بے جان سی ہونے لگی تھی۔

"شارق کیا بدتمیزی ہے۔ کچھ تو شرم و حیا کرو۔ یا ساری گھول کر پی چکے ہو۔" رفعت باجی نویرہ کو بے جان ہوتے دیکھ کر پکاری تھیں

"آپ باہر جا کر بیٹھیں۔ مجھے اس سے تھوڑا بہت حساب کتاب کرنا ہے۔ سمجھانا ہے' آپ تو کسی کام کی نہیں' غلطی کی بلوانے کی' الٹا یہ منہ کو آ رہی ہے۔"

اسی طرح نویرہ کا بازو دبوچے اس نے انہیں چلے جانے کا حکم دیا تھا۔

"آپی۔" نویرہ مچل اٹھی۔

"میں نہیں جا رہی تم نکلو۔ خوامخواہ بے چاری کو تنگ کر رہے ہو۔ اس کی حالت دیکھو۔" انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا شارق کو کیسے سمجھائیں......

"اور اس بے چاری نے جو مجھے تنگ کیا ہوا ہے وہ......؟"

شارق کے تیور دیکھ کر وہ چڑ سی گئی تھیں۔

"انجم۔" اگلے ہی پل شارق نے کسی کو آواز دی تھی۔ اس کا دوست انجم فوراً اندر چلا آیا۔

"تم آپی کو باہر لے جاؤ۔ ان کی تواضع کراؤ۔ میں ایک دو منٹ میں آتا ہوں۔"

رفعت آپی تو گنگ سی رہ گئی تھیں۔ پھر اگلے ہی پل اندازہ لگا لیا کہ ان کا للکارنا شارق کو ضد دلا سکتا ہے۔

"شارق پلیز! اس بے چاری پر رحم کھاؤ۔ ٹھیک ہے میں باہر چلی جاتی ہوں مگر اس کو تنگ نہیں کرنا۔ پہلے ہی بری حالت ہو رہی ہے اس کی۔ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرنا۔" انہوں نے تنبیہ کی تھی وہ کھل کر ہنسا۔

"کاش میں کوئی ایسی ویسی ہی حرکت کر سکتا۔" پھر بولا۔ "اطمینان رکھیے اب ایسی ویسی حرکت باقاعدہ قانونی کارروائی پورے کر کے ہی کروں گا۔"

اس کا موڈ پل میں بدلا تھا۔ جھلملاتی نگاہوں سے نویرہ کو دیکھا۔ وہ اپنا بازو چھڑانے کو بھرپور مچل رہی تھی۔ رفعت باجی کے باہر نکلتے ہی انجم نے اس کے اشارے پر دروازہ بند کر لیا تھا۔ اب کمرے میں صرف وہ دونوں تھے۔

"ہاں اب بولو بڑی زبان کے جوہر دکھا رہی تھیں تم مجھے بھی تو پتا چلے کیسی ہوتی ہے پاکباز عورت اور مجھ جیسے کرپٹ انسان۔" جھٹکا دے کر اسے بازوؤں کی گرفت میں لیے وہ خاصی سنجیدگی سے بولا تھا۔

نویرہ جو پہلے ہی نڈھال تھی اس کے تیور دیکھ کر سہم گئی۔

سہمی ہرنی جیسی کالی سیاہ آنکھیں ٹپاٹپ برسنے لگیں۔

"بولو اب چپ کیوں ہو؟ روک سکتی ہو میرے ہاتھ بولو......؟" نرم گوشت پر اس کے آہنی ہاتھوں کی گرفت ہی ایسی تھی کہ وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

"چھوڑو مجھے۔ پلیز چھوڑ دو۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے ہونٹوں سے نکلے تھے۔ ڈوپٹہ تو نجانے کب کا قدموں میں جا گرا تھا۔ پشت پر بکھرے کالے سیاہ آبشار نے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ شارق چند ثانیے اسے بغور دیکھتا رہا تھا۔

اس کا سسک سسک کر بلکنا دل میں شگاف ڈالتا چلا گیا تھا۔

"نویرہ! مجھے غلط سمجھو گی تو میرے اندر کی وحشت کو آواز دو گی۔ مرد کتنا بھی برا ہو وہ اپنی عورت کے منہ سے اپنے لیے ہمیشہ اچھائی سننا چاہتا ہے۔ تم کیا جانو میرے لیے کیا ہو...... آگ کا سمندر طے کیا ہے تمہارے لیے پاگل لڑکی۔ میرے پاگل پن کو غلط نگاہ سے دیکھو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔ تمہیں دل نے صرف اپنا ہی نہیں مانا خود کو بھی تمہارا بنایا ہے۔ میں کل کیا تھا' مجھے نہیں پتا ہاں تمہیں زندگی میں شامل کرنے کے بعد صرف تمہارا بن کر رہوں گا۔ یقین کرو بے اعتبار لڑکی۔ تمہارا حصول میرے لیے قطعی مشکل نہ تھا۔ نہ کل اور نہ آج۔"

وہ آنکھیں بند کیے محو کلام تھا۔

نویرہ کسمسائی تو وہ جیسے ہوش میں آیا۔ لچکیلی شاخ کی طرح اس کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی۔

"نویرہ......" اس کے اعصاب اتنا بوجھ سہہ نہیں پائے تھے۔ اسے حواس کھوتے دیکھ کر پکارا تھا مگر نویرہ تو شارق کے خوف سے ایسی بے خود ہوئی تھی کہ پکارنے کے باوجود پلکیں وا کرنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔

* * *

کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا
کہیں زمیں تو کہیں آسماں نہیں ملتا
بجھا سکا ہے بھلا کون وقت کے شعلے
یہ ایسی آگ ہے جس میں دھواں نہیں ملتا
تیرے جہاں میں ایسا نہیں کہ پیار نہ ہو
جہاں امید ہو اس کی وہاں نہیں ملتا

نویرہ کے انکار کے بعد تو رضا حمید تو جیسے سارے حوصلے ہار گیا تھا۔ دکھ یہ نہیں تھا کہ جذبوں کو پذیرائی نہیں ملی تھی...... دکھ تو یہ تھا کہ بہت چاہنے کے باوجود وہ نویرہ کے سامنے جا کر راز دل عریاں نہ کر سکا تھا۔

دکھ یہ نہیں تھا کہ اس کے لیے بیک وقت شارق زمان کا پروپوزل آیا تھا دکھ تو یہ تھا کہ وہ اسے ایک کزن/ ایک بھائی سے بڑھ کر کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔ ایسے حالات میں جبکہ اسے نویرہ کا حصول بہت آسان لگا تھا۔ نویرہ کے انکار نے اس کو اندر سے توڑ دیا تھا۔

وہ گم صم سا ہو گیا تھا۔

دوسری طرف رمشاء جاوید کو اگلے دن ہی نویرہ کے انکار کا سن کر دھچکا لگا۔ رضا کے حوالے سے نویرہ سے لاکھ بیر خاص سہی دل میں بغض سہی مگر اس نے اس کی بربادی کا کبھی سوچا نہ تھا۔

حمیرا کو فون کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ اس کے آنسو اس کے دل کا بوجھ بڑھا گئے تھے۔

نجانے نویرہ کی کیا حالت ہو گی۔ وہ سوچ سوچ کر ہاری تھی۔

خاندان بھر میں جو شادی کے ہنگامے تھے سرد پڑ چکے تھے۔ ہر کوئی دم سادھ گیا تھا۔ وہ دو دن اسی غم میں مبتلا رہی تھی۔ رضا حمید پہ نظر پڑی تو وہ نگاہ پھیر لیتی مگر اس وقت تو حد ہو گئی تھی۔

اس نے حمیرا کو کال کی تھی۔ اردگرد کے حالات سے آگاہی کے لیے مگر حمیرا نے تو اس کے اعصاب پہ بم پھوڑا تھا۔

"تمہیں علم ہی نہیں اور اتنا کچھ ہو گیا ہے۔ چچی جان نے رضا کا پروپوزل دیا ہے۔ دوسری طرف نویرہ آپی کے لیے شارق بھائی کا پروپوزل آیا تھا مگر نویرہ آپی نے تو سرے سے ہی انکار کر دیا۔ وہ تو دونوں کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تمہیں علم ہی نہیں۔ دو دن پہلے کی بات ہے اور تم اتنی بے خبر ہو۔ شکر کرو نویرہ آپی نے تمہیں بنیاد بنا کر انکار کیا ہے ورنہ صرف شارق بھائی کے پروپوزل کا انکار ہوتا تو یہ پروپوزل ہر صورت قبول ہوتا۔" وہ اور بھی نجانے کیا کچھ بتاتی رہی تھی اور رمشاء کا تو وہ حال تھا کہ "کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔" بے شک اسے دیر سے علم ہوا تھا جب کہ انکار تک ہوئے دو دن گزر چکے تھے مگر شاک میں تھی۔ رضا سے زیادہ اسے پھوپی اور حمید صاحب پہ حیرت ہو رہی تھی۔ وہ بھلا اس کے رشتے کو جانتے بوجھتے کیسے توڑ سکتے تھے......

اسے پھوپی کی اپنی طرف سے کی جانے والی حق تلفی نے ششدر کر دیا تھا۔ وہ مسلسل گم صم سی کمرے میں بند تھی۔ گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو گئی تھیں۔

"اگر نویرہ سچ مچ ہاں کر دیتی تو......؟" اس خیال سے اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھرا تھا۔ آنکھیں جل تھل ہو گئیں تو احساس ہوا کہ رضا کی محبت اس کے وجود کو کیسے گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

شام تک وہ اس انکشاف پر حیرت زدہ رہی تھی۔ آنے والا کل اس کے ذہن میں دستک دینے لگا۔

ان کے ہاں مہندی مایوں کی رسمیں غیر اسلامی اور فضولیات شمار کر کے ادا نہیں کی جاتی تھیں' ہاں شادی کی تقریب خاصے وسیع پیمانے پر ادا کی جاتی تھی کہ لوگوں کے سامنے یہ شرعی عمل سرانجام دیا جائے۔ ولیمہ بھی دلہا والے خاصے وسیع پیمانے پر ارینج کرتے تھے۔

آج رات اگر نویرہ ہوتی تو مایوں کی تقریب ہونا تھی جو کہ وہ لوگ کبھی کرتے نہ تھے۔ تاہم مہمانوں کا اجتماع اور کھانے پینے کا اہتمام ضرور کیا جاتا تھا۔ اگر نویرہ مان جاتی تو اس وقت نجانے اس گھر میں کیا قیامت برپا ہوئی ہوتی......

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نویرہ کے خاندان پہ ٹوٹنے والی قیامت پر دکھ منائے یا نویرہ کا رضا کے لیے انکار کر دینے پر خوش ہو۔ شام کے سائے گہرے ہوئے تو حمید صاحب اور زبیدہ بیگم خالدہ بیگم کے ہاں چکر لگانے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

رضا نجانے کہاں نکلا ہوا تھا۔ پچھلے دنوں سے وہ خاصا ڈسٹرب رہا تھا۔ وہ تو صرف یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ نویرہ کے انکار کا دکھ منا رہا ہے مگر کیا پتا تھا کہ اس کی وجہ ہو گی۔

وہ خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھی آنے والے حالات کا تجزیہ کرتی رہی تھی۔

کال بیل کی آواز پر اس نے جا کر دروازہ کھولا تو رضا تھا۔

"امی ابو کہاں ہیں؟" گھر میں خاموشی محسوس کرتے اس نے رمشا کو دیکھا۔

"خالدہ چچی کے ہاں گئے ہیں۔ شاید ان کی طبیعت خراب ہے اور پھر آج تو ویسے بھی سارے خاندان کے بزرگ ان کے ہاں اکٹھے ہو رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے شادی سے انکار وہ بھی عین شادی کے قریب کسی قیامت سے کم تو نہیں۔"

وہ مضمحل و پر ملال سی بتا رہی تھی۔ رضا نے کچھ تعجب سے اسے دیکھا۔

وہ حقیقتاً رنجیدہ تھی۔

اس کے دل میں غم و اضطراب کروٹیں لینے لگا۔

نویرہ کی ذات کا اس طرح تشہیر پر اس کا ضبط طوفانوں سے دوچار تھا۔ مزید اس کا انکار کسی خنجر سے کم نہ تھا جو اس کے دل کو گاہے بگاہے زخم زخم کر رہا تھا۔

رضا تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گرا تو رمشا نے اسے ترحم نگاہوں سے دیکھا۔ سیاہ شرٹ اور گرے پینٹ میں وہ نڈھال سا کافی بکھرا بکھرا محسوس ہوا تھا۔

وہ بھی خاموشی سے اس کے مقابل صوفے پر ٹک گئی۔

"کسی نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ پھپھو اور انکل نے تمہارا پروپوزل نویرہ آپی کے لیے پیش کیا

تھا......"

دکھ تو تھا مگر لہجے کی آنچ میں سلگتا تاثر رضا نے غور سے اسے دیکھا تو گویا اسے علم ہو گیا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

اس کے ماں باپ نے حتی المقدور رمشا سے اس بات کی پردہ پوشی کی کوشش کی تھی۔ انکار تو وہ تھا جو ہو چکا تھا۔ خوامخواہ اس کا دل خراب ہوتا مگر وہ حقیقت جان چکی تھی۔

"جس نے تمہیں یہ بتایا ہے اس نے اور کچھ نہیں بتایا؟"

نویرہ کے انکار کا دکھ تلخی بن کر اس کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔

"ہاں پتا چل گیا ہے مجھے مگر نویرہ آپی سچ سچ اقرار کر دیتی تو میرا کیا ہوتا...... پھپھو سے مجھے ایسی امید نہ ہوتی جب وہ میرے جذبات و احساسات سے باخبر ہیں تو پھر انہوں نے ایسا قدم کیوں اٹھایا......؟"

"وقت و حالات کا تقاضا بھی تھا۔ ایسے وقت میں تو دشمن بھی ساتھ دے جاتے ہیں۔ امی تو پھر چچی جان کا اپنا خون ہیں۔"

"ہاں تم تو یوں کہو گے ہی تمہاری مطلب براری" جو ہو رہی تھی۔ تم ان کے اقدام کو نہیں سراہو گے تو پھر کون سراہے گا......"

آہستہ آہستہ رمشاء کے اندر حسد و جلن کے شعلے بلند ہونا شروع ہو گئے تھے۔ زبان کی تلخی گواہ تھی۔

رضا نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"ہاں تو پھر......؟" پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔

اس کا دل پہلے ہی رستا ہوا پھوڑا بنا ہوا تھا۔ ایسے میں رمشا کی ضرب انتہائی تکلیف کا باعث بنی تھی۔ کینہ توز نگاہوں سے رمشا کو دیکھا۔

"بہر حال نواز بھائی نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے رہ رہ کر نویرہ آپی کا خیال آ رہا ہے بے چاری۔" وہ پھر رنجیدہ ہوئی تو رضا نے سر جھٹک دیا۔

وہ اس وقت اس لڑکی سے اچھی بری کسی بھی قسم کی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ آنکھوں پہ بازو رکھ کر صوفے پہ کشن درست کر کے نیم دراز ہوا تھا۔

"بہت دکھ ہوا ہو گا تمہیں نویرہ آپی کے انکار پہ......"

اسے شاید چنگاریوں کو ہوا دینے کی عادت تھی۔

اس کا نڈھال مضمحل انداز دیکھ کر ہمدردی بھی طنز کے رنگ میں کی گئی تھی۔

رضا نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کچھ بھی کہنے سے خود کو باز رکھا۔

رمشاء نے انتہائی بے بسی سے نیم دراز وجود کو گھورا۔

جی چاہا کہ جھنجوڑ کر اس بے حس شخص کے احساس کو جگا دے۔ اسے خود ساختہ و یک طرفہ محبت کا سوگ منانے سے روک دے۔

تلخی سے لڑ پڑے یا پھر اس کی دلجوئی کرے۔

مگر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔

اس وقت وہ اپنے جذبات سمجھنے سے بھی قاصر تھی کہ جن میں ایک طرف نویرہ کے دکھ پہ غم سے دل پھٹا جا رہا تھا تو دوسری طرف اپنی حق تلفی ہونے کے خدشے سے خوف سے دل دوچار ہو گیا تھا۔

اس نے بے بسی سے رضا کو دیکھا جو آنکھ پہ بازو رکھے اسے مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

✲......✲......✲

ایس پی انجم کی بیگم ارم جو ہر کام میں پیش پیش تھیں مگر نویرہ کی ضد نہ ٹوٹتے دیکھ کر بہت بے چارگی سے دوچار ہو کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

رفعت آپی تو دہرے عذاب سے دوچار تھیں۔

ایک طرف عزیز ترین خالہ زادی تھی تو دوسری طرف سوتیلا ہی سہی مگر بھائی تھا۔ جس طرح شارق نے انہیں یہاں بلوا کر نویرہ کو راضی کرنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ بے بس ہو کر رہ گئی تھیں۔

وہ ابھی باہر کا چکر لگا کر آئی تھی۔ دوست احباب کی اچھی خاصی گیدرنگ شارق زمان اکٹھی کر چکا تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ شارق کے مجبور کرنے پر انجم کی بیگم ارم کے ساتھ جا کر نویرہ کے لیے لباس اور دیگر زیورات و لوازمات لے کر آئی تھیں۔

انہوں نے کئی بار نویرہ کو کہا تھا کہ وہ کپڑے چینج کر کے یا تھ لے لے مگر نویرہ تو مرنے مارنے پر تلی ہوئی تھی۔

وہ تو شارق زمان کی کوئی خواہش پوری کرنے کے بجائے مر جانے کی دعا کر رہی تھی۔

"نویرہ میری پیاری بہن! ضد کا کوئی فائدہ نہیں۔ مردوں کے اس معاشرے میں ہمیشہ عورت ہی ہارتی آئی ہے۔ ماں 'بہن' بیوی ہر رشتے میں وہ اپنا آپ مار کر مرد کی ضد کو پورا کرنے پر مجبور ہوئی ہے۔ ہمارے بابا کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ اس کہانی سے بے خبر تو نہیں' کیسے انہوں نے خاندان بھر کی ٹکر لے کر شارق کی ماں سے شادی کی تھی مگر کیا فائدہ ہوا......؟ یہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ عورت اور مرد کی جنگ میں جیت ہمیشہ اسی کے مقدر میں رہی ہے۔ شارق زمان تو تم سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ صرف ضد ہی نہیں پوری کر رہا عمر بھر کے لیے اپنے گھر کی زینت بنانا چاہتا ہے۔ اپنے آپ کو سمجھاؤ کیا فائدہ ہوا ہے اس ضد کا...... اپنے گھر والوں سے دور تن تنہا یہاں ہو۔" انہوں نے ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا تھا۔ نویرہ نے سختی سے ہاتھ جھٹک دیے۔

"مر جاؤں تو بھی اس کی بات نہیں مانوں گی۔ کتنی آسانی سے آپ کہہ رہی ہیں کہ میں مان جاؤں اور جو یہ شخص میرے ساتھ کر چکا ہے وہ...... اس نے مجھے غلط نگاہ سے دیکھا' میں نظر انداز کر گئی۔ میں اپنی زبان سی گئی۔ کسی سے ذکر تک نہ کیا اور اب تو حد ہو گئی ہے اور کیا برداشت کروں......؟ میرے بھائیوں کی عزت مٹی میں مل گئی ہے۔ میری ماں نجانے کس حالت میں ہو گی اور کس طرح مان جاؤں

کبھی نہیں۔ میں کچھ کھا کر مر جاؤں گی یا پھر اپنی نبض کاٹ لوں گی اگر کسی نے مجھے مجبور کیا تو میں اتنی بے بس نہیں ہوں جتنا یہ شخص مجھے سمجھ رہا ہے۔"

"جانتا ہوں میں تم کیا کر سکتی ہو!" رفعت باجی نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ دروازے میں ایستادہ شارق زمان خاصے بگڑے تیور لیے کھڑا تھا۔

"آپا! مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ آپ کو اسی لیے بلوایا تھا کہ بیٹھ کر وقت ضائع کریں۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ باہر لوگوں کو بلوا کر بٹھایا ہوا ہے۔ اسے تیار کروائیں۔" وہ اندر بڑھ آیا تھا۔

رفعت باجی کو ایک دم غصہ آیا۔

"تمہارا بھی کوئی جواب نہیں۔ شاید ہی کوئی بھائی اپنے جرم میں بہنوں کو استعمال کرتا ہو۔ غیرت مر گئی ہے تمہاری۔"

"آپا پلیز!" اس نے انہیں سختی سے ٹوک کر نوریہ کو دیکھا جو بے تاثر چہرہ لیے دیوار پر نظریں گاڑھے ہوئے تھی۔ اس قدر لاتعلقی شارق زمان کو طیش میں مبتلا کرنے لگی تھی۔

"سنو نوریہ! یہ نکاح فارمیلٹی ہے محض تمہاری تسلی کے لیے ورنہ تم میرے پاس آ چکی ہو اور یہ تسلی میرے لیے کافی ہے۔ تم مان جاؤ تو بہتر ہے ورنہ زبردستی کرنا بھی خوب آتی ہے مجھے۔"

شارق زمان کے اس زعم پر نوریہ کا جی چاہا کہ منہ نوچ ڈالے اس غرور کے پیکر کا۔

"پھر شاید تمہیں بن کر کچھ سکون حاصل ہو۔ خالدہ چچی کو میں نے کال کی تھی۔ بات کر چکا ہوں ان سے تمہارے غیرت مند بھائی میری ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔ اس شرط پر کہ تمہیں واپس بھیج دوں۔ تمہارا کیا خیال ہے واپس جاؤ گی یا پھر......؟"

نوریہ کو لگا جیسے شارق زمان اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہو۔

رفعت آپا نے بھی شارق زمان کو دیکھا۔

تمسخرانہ مگر پر اعتماد انداز کسی بھی طرح جھوٹ کے عنصر سے مارو تھا۔

"شارق! یہ کیا مذاق ہے؟" انہوں نے ٹوک دیا تھا۔

"مذاق نہیں حقیقت ہے۔ یقین نہیں آتا تو لیں بات کر لیں بلکہ نوریہ کی بھی کروا دیں۔ ابھی پتا چل جاتا ہے۔" شارق نے فوراً موبائل نکال کر نمبرز ملائے تھے اور ساتھ ہی اسپیکر بھی آن کر دیا۔

نوریہ دل پہ ہاتھ رکھے شارق زمان کو دیکھنے لگی۔

"السلام علیکم۔" شارق زمان نے کال ریسیو کرنے پر کہا تھا۔ دونوں پوری جان سے اسے دیکھے گئیں۔

"جی میں تو تیار ہوں مگر آپ سنائیں۔ میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ لوگ جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہوگا......؟" نوریہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"شارق بکواس نہیں کرو۔ یہاں ہماری جان پر بنی ہوئی ہے۔ سارا خاندان جمع ہے ہمارے ہاں۔ بے شک ہمارے اور تمہارے گھر کے علاوہ نوریہ کی گمشدگی سے متعلق کوئی بھی باخبر نہیں مگر کب تک......

تم نوریہ کو واپس بھیج دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔" ساجد بھائی بے انتہا بے چارگی سے گویا تھے۔

"اور نبیل...... میں کیسے یقین کر لوں؟"

"تم نبیل کی فکر مت کرو۔ لو تم اماں سے بات کر لو۔"

ساجد بھائی نے موبائل اماں کو تھما دیا۔

"شارق! مجھے میری بیٹی دے جاؤ۔ ابھی تو کوئی بھی نہیں جانتا اس سے پہلے کہ بات پھیلے ہم آپس میں ہی معاملہ طے کر لیتے ہیں۔ مجھے تمہارے رشتے سے کوئی اعتراض نہیں۔ میں باقی سب کو بھی منا لوں گی۔"

بے چارگی ہی بے چارگی تھی۔ بے بسی کی انتہا تھی۔

ایک لمحے کو تو شارق کو بھی جھٹکا لگا تھا۔ وہ تو کچھ اور طے کیے ہوئے تھا مگر سب کچھ ایک دم بدلا تھا۔

"معاملہ مجھے نہیں طے کرنا۔ آپ کی بیٹی کو طے کرنا ہے۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ میں آپ سے کس حد تک تعاون کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ ہرگز نہیں۔"

نوریہ اور رفعت باجی جو بغور دیکھ اور سن رہی تھیں چونکیں۔

شارق نے رفعت باجی کی طرف موبائل بڑھایا۔

"لیں بات کر لیں اور اس کی بھی کروائیں۔ تب تک میں باہر کا چکر لگا لوں۔ دیکھوں وکیل صاحب اور مولوی صاحب آ چکے ہیں کہ نہیں......"

نوریہ کی طرف ایک اچٹتی نگاہ ڈالتے وہ باہر نکل گیا تو وہ گم صم ہو گئی۔

نجانے یہ شخص اب کیا طے کیے ہوئے تھا۔

"السلام علیکم خالہ جی!" رفعت باجی کی آنکھیں بھر آئیں۔

"جی میں رفعت ہوں۔ شارق نے بلوایا تھا۔"

"شکر اللہ کا ورنہ نوریہ کے خیال سے دل ہول رہا تھا۔ کیسی ہے وہ بدنصیب......؟"

دوسری طرف خالدہ بیگم بھی رونے لگیں۔

"خالہ جان پلیز! ضد نہ کریں۔ نبیل بھائی اور ساجد کو کہیں مان جائیں۔ شاید کوئی عزت کی راہ نکل آئے ورنہ شارق تو نکاح کا سارا انتظام کیے ہوئے ہے۔ بس نوریہ ہی ڈٹی ہوئی ہے۔"

"جانتی ہوں۔ بتا چکا ہے مجھے سب۔ نبیل اور ساجد جو میں کہوں گی وہ کریں گے۔ اپنے خاندان کی عزت کے لیے یہ کڑوا گھونٹ بھر رہی ہوں ورنہ میری ہیرے جیسی بیٹی کو رول دیا شارق نے اسے اب کون بیاہنے آئے گا اسے......"

وہ آب دیدہ ہو گئیں۔

"خالہ جان پلیز! حوصلہ رکھیں۔"

"ہم نے کبھی شارق کا برا نہ چاہا۔ ہمیشہ اسے میں نے نبیل اور ساجد کی سی اہمیت دی ہے مگر......

اس وقت سارا خاندان جمع ہے۔ وہ رشتے دار بھی جو ابھی تک نواز سے رشتہ ختم ہو جانے سے بے خبر تھے۔ شادی اٹینڈ کرنے آچکے ہیں' فاروق' رضیہ' زبیدہ' حمید سب ہیں۔ نویرہ کا بار بار پوچھ رہے ہیں۔ میں کیا بتاؤں ان کو...... نبیلہ نے بھی کہا ہے کہ تحفی کے ساتھ اس کے میکے گئی ہے۔ صبح تک آجائے گی مگر کیا کروں ساری عمر کیسے جھوٹ بولیں گے ہم......"

* * *

"شارق سے کہو ہمیں اس کی ہر شرط منظور ہے۔ وہ جس قسم کے اسٹامپ پیپر پر جو بھی لکھوانا چاہتا ہے' جیسا بھی کہے گا ہم لکھ دیں گے مگر ہمیں رسوا نہ کرے یا پھر میری بیٹی کو مار کر اس کی لاش بھیج دے میں صبر کرلوں گی۔"

"خالہ جان......"

رفعت آپی نے دہل کر کہتے ہوئے نویرہ کو دیکھا۔ جو لب بھینچے بڑے صبر سے دیکھ رہی تھی۔

"نویرہ کہاں ہے' اس سے بات کرواؤ...... میں سمجھاتی ہوں اسے' ضد چھوڑ دے۔ ایک اغوا شدہ لڑکی کے مقدر میں شاید ایسے ہی مرد لکھے ہوتے ہیں۔" پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے انہوں نے گویا رفعت باجی کے دل پر گھونسا مارا تھا۔

"شارق! تمہیں خدا سمجھے۔ ناحق غضب کمایا تم نے۔" بہتے آنسوؤں سے انہوں نے موبائل نویرہ کو تھما دیا۔

نویرہ نے جھپٹ کر موبائل کان سے لگایا تھا۔

"اماں......" روتی بلکتی آواز سمیت وہ لڑکھڑا سی گئی تھی۔ رفعت آپی نے سہارا دے کر بستر پر بٹھا دیا۔

"اماں......" ماں کو روتے سن کر وہ سارے ضبط کھو گئی تھی۔ "اماں! خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکلوائیں۔ اماں......!" وہ گویا خود پر اختیار ہی کھو گئی تھی۔

"نویرہ! میری بچی' رونا نہیں' صبر کرو...... اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کر کے اسے تسلی دی مگر اسے قرار کہاں تھا۔

"کہاں سے کروں صبر اماں...... مر رہی ہوں میں یہاں پل پل......"

رفعت باجی نے اسے محبت سے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

"اماں! بھلا کیا بگاڑا تھا میں نے اس شخص کا...... کیوں پیچھے پڑ گیا ہے میرے۔" وہ بلک ہی تو گئی تھی۔ دوسری طرف اماں مشکل میں گھر گئیں۔

"عورت بہت بڑا فتنہ ہوتی ہے جیسے دولت اور حسن ہوتا ہے۔ مرد اپنی کرنی پر آئے تو کچھ نہیں دیکھتا۔ خاندانی نجابت وعزت و آبرو تک ملیا میٹ ہو جاتی ہے۔ میں تو خود بھی جرم پوچھ پوچھ کر تھکی ہوں' وہ کہتا ہے وہ صرف تمہاری محبت میں ایسا کر رہا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے دلوں کے حال وہی جانتا ہے' یہ محبت ہے یا وقتی کشش' اللہ تمہارا مقدر اچھا کرے۔ ایک داغ لگ گیا ہے ساری عمر کے لیے۔"

اماں کی آواز کی شکست و ریخت اسے توڑ پھوڑ گئی تھی۔

"نویرہ! دھیان سے میری بات سنو۔" اگلے ہی پل اماں کا مضبوط لہجہ اسے خود کو سنبھالنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"ساجد اور نبیل انتقام میں اندھے ہو رہے ہیں۔ تمہیں تو میں کھو ہی چکی ہوں' اب اپنے گھر میں مزید آگ لگتے نہیں دیکھ سکتی۔ ایسی صورت میں کہ جب رکھوالا ہی چور نکل آئے تو۔ نبیل اور ساجد کو قسموں' وعدوں سے میں نے مجبور کرلیا ہے۔ شارق زبان سے بھی کہہ چکی ہوں۔ کل تمہاری نواز انکار کر کے نہ بھاگتا تو بھی' رخصتی کرنا ہی تھی۔ شارق اس حد تک چلا گیا ہے تو اب کوئی راہ نہیں بچی۔ شارق کو میں نے راضی کرلیا ہے۔ نکاح وہ تم سے وہیں کرے گا پھر تمہیں ہمارے پاس بھیج دے گا۔ کل سارے خاندان کے سامنے میں تمہیں اس کے ساتھ رخصت کرنے کا وعدہ کر چکی ہوں۔"

"اماں!" نویرہ کی چیخ اس کے حلق ہی میں کہیں گھٹ گئی۔

"میں مجبور ہوں۔" ابھی تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ زبیدہ اور فاروق وغیرہ سے بھی چھپا لیا ہے۔ آپا کو بھی منع کر چکی ہوں۔ صرف شارق اور رفعت ہیں یا ہمارے گھر کے افراد' اپنے سر پر مٹی کون نہیں ڈالے گا۔ شارق ضد پر ہے۔ ابھی وہ تمہیں اپنانے کو تیار ہے۔ کل کلاں کو کوئی بات نکل گئی تو میں کیا لوگوں کو کہتی پھروں گی۔ لوگ نہیں دیکھتے کہ قصور کس کا ہے۔ لوگ تو صرف موضوع دیکھتے ہیں۔ تم میری لاڈلی چہیتی بیٹی ہو' تمہاری ذلت میں کیسے برداشت کرلوں۔ ابھی ماں کی مجبوری سمجھو۔ جیسا شارق کہے' کرلو۔"

"اماں! میں مر جاؤں گی۔"

"مر تو ہم بھی گئے ہیں...... جیتے جی۔" اماں اب کھل کر رو رہی تھیں۔ "عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ شارق ہر حد پار کر گیا ہے۔ اسے سمجھانا بجھانا بے کار ہے۔ تم ہی عقل سے کام لو' میری بچی! اپنی ماں کو جیتے جی مت مارو۔ اس کی طرف سے تم بدگمان تھی یا اس نے تمہارے اوپر جب ہاتھ ڈالا تھا تو ذکر کرتی' ہم کوئی سدباب کرتے۔ اب تو طوفان آچکا ہے۔ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ اب تو صرف نقصان کے تخمینہ لگانے کا وقت ہے۔ کل پونجی لٹ چکی ہے اب کیا کروں؟" اماں نے روتے ہوئے کال بند کر دی تھی گویا۔

نویرہ موبائل بستر پر پھینکتے رفعت باجی کے گلے لگ کر ایسے روئی تھی جیسے کوئی اپنی موت سے پہلے روتا ہے۔ شاید پہلی اور آخری دفعہ کا رونا تھا' یا پھر ساری عمر کا۔

* * *

خالدہ بیگم سے بات کرنے کے بعد وہ ایسی گم صم ہوئی تھی کہ مزاحمت' انکار سب بھول بھال گئی تھی۔

رفعت باجی اور ایس پی انجم کی بیگم ارم نے مل کر اسے تیار کیا تھا۔

نکاح سے پندرہ منٹ قبل نویرہ اپنے سامنے ساجد بھائی' اماں اور ساجدہ باجی کو دیکھ کر بھونچکا رہ گئی۔

"نوریہ....." اماں نے اسے گلے لگا کر جو پیار کیا تو نوریہ جو خود کو بمشکل سنبھال رہی تھی' پھر ٹوٹ گئی۔ وہ لڑکی ہی تو تھی۔ ایک عام و کمزور سی مخلوق۔ بھلا ان متواتر ہونے والے حادثات سے بکھرتی نہ تو کیا کرتی۔ اس کے ضبط کے لیے یہ کڑا امتحان تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ بس موت آ جائے یا دل بند ہو جائے۔

"آپ لوگ کیسے آئے؟"

"شارق کا ہی کوئی آدمی گیا تھا لینے' شاید کوئی دوست تھا۔"

اماں نے سجی سنوری نوریہ کو دیکھ کر نظریں چرائیں تو نوریہ کے دل سے ہوک اٹھی۔

"اماں! ایسے کیوں ہو رہا ہے۔ دعا کریں بس مجھے موت آ جائے۔"

ساجدہ باجی نے تڑپ کر اسے دیکھا تو اماں نے اسے یوں بازوؤں میں سمیٹ لیا جیسے کسی ناگہانی سے بچانے کو ماں بچوں کو سمیٹ لیتی ہے۔

"بس اب نہیں رونا۔ صبر سے' حوصلے سے۔ دیکھو مجھے میں بھی تو برداشت کر رہی ہوں۔ اپنی بیٹی پر اختیار نہیں رہا میرا۔ میرے دکھ کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ تواز کالک مل گیا ہے ہماری پیشانیوں پر' پھر بھی عزت کی گرتی عمارت کو سنبھالنے کی تگ و دو میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہی ہوں۔"

ساجدہ باجی نے اس کے ہاتھ تھام کر اسے ضبط کرنے کا اشارہ کیا تو وہ اماں کے سینے میں سر دیے آنسو بہاتی رہی۔

کچھ دیر بعد ارم' اس کا شوہر اور ساجد بھائی نکاح خواں کے ہمراہ چلے آئے تھے۔ ایجاب و قبول کے مراحل سے گزرتے ہوئے وہ لڑکھڑا گئی تھی۔

جس شخص کی صورت سے بھی نفرت محسوس ہوتی تھی عمر بھر کے لیے اس کے نام پر مصلوب ٹھہری تھی۔

رجسٹر پر سائن کرتے ہوئے قلم کئی بار لڑکھڑایا تھا۔

ساجد بھائی لب بھینچے ساری کارروائی دیکھتے رہے تھے۔

نکاح خواں کے جاتے ہی انہوں نے نوریہ کو ساتھ لگا لیا۔

"شارق نے اس قابل تو نہیں چھوڑا مگر تمہارے لیے دعا ہے' خوش رہو۔" کیسا ہارا ٹوٹا لہجہ تھا۔

وہ اماں کے سینے میں منہ چھپا کر ایسے روئی تھی کہ کمرے میں موجود ہر آنکھ اشکبار ہو گئی۔ رونے سے سارا میک اپ ڈھل چکا تھا۔ ارم نے سارا میک اپ دوبارہ سنوارا اور پھر اسے تھام کر باہر لے آئیں اور وہ بت بنی ان کے احکامات پر عمل کرتی رہی۔

اماں نے ایک گہری سانس خارج کر کے اس کے ساتھ قدم بڑھائے تھے۔

شارق زمان اس وقت اپنے دوست ایس پی انجم کے فراہم کردہ گھر میں تھا۔ دوست احباب سب وہیں مدعو تھے۔ اس نے یہ ساری کارروائی اچھی خاصی گیدرنگ اکٹھی کر کے سرانجام دلوائی تھی۔

نکاح ہونے تک وہ نوریہ کی طرف سے خوفزدہ تھا۔ اب جب کہ نکاح ہو چکا تھا' سجی سنوری نوریہ کو صوفے پر لا بٹھایا گیا تھا تو وہ بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ ایس پی انجم نے اسے بھی نوریہ کے پہلو میں لا بٹھایا تھا۔ فوٹو گرافر دھڑا دھڑ تصاویر لینے لگا تھا۔

اماں اور ساجدہ باجی کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔ کس قدر اہتمام سے ان کی ذلت و رسوائی کا بندوبست کیا گیا تھا۔ شارق زمان نے ان کے ساتھ جو کیا تھا ساری عمر کا گھاؤ تھا جو شاید ہی بھرتا۔ اپنی عزت و وقار کا پاس تھا کہ وہ چپ تھے مگر اندر تو قیامت کی سی مزاحمت تھی۔ تصاویر کے سلسلے کے بعد کھانے کا دور چلا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

ایس پی انجم اور اس کی بیگم تمام مہمانوں کو دوسرے کمرے میں جہاں کھانے کا اہتمام تھا لے گئی تھے۔ بصد اصرار وہ رفعت باجی' ساجدہ اور اماں کو بھی لے گئی تھیں۔ اس وقت کمرے میں دونوں ہی تھے۔

شارق زمان نے جھکے سر کو اوپر اٹھاتے بھرپور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو نوریہ نے ایک دم نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اندر مر جانے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ ہونٹ کچل کر رہ گئی۔ یہ شخص اس کی حیات کی سب سے بڑی آزمائش تھا شاید۔

"ہاتھ جھٹک دینے سے تم میرے اس اختیار سے باہر نہیں ہو جاؤ گی جو کچھ دیر قبل کے نکاح نامے سے میں یہ اختیار حاصل کر چکا ہوں۔"

"بھول ہے تمہاری..... میں اتنی سستی نہیں ہوں۔" غضب کی پھنکار تھی۔

شارق زمان نے شدت سے محسوس کیا۔ پھر ہنس دیا۔ نوریہ کے جگمگ جگمگ کرتے سراپا نے آنکھوں کو جگمگا دیا تھا۔

"اب تو ایسے مت کہو۔ مسز شارق بن چکی ہو۔"

نوریہ بے بسی سے رو دی۔ دونوں ساتھ ساتھ صوفے پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایک درمیانے درجے کا کمرہ تھا' جہاں مہمانوں کا انتظام کیا گیا تھا مگر اب کمرہ خالی تھا۔

شارق زمان کو اس کے وجود سے قسمتیں پھوٹتی محسوس ہوئیں۔ اس وقت تو کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ من چاہی دولت مل رہی تھی۔ نگاہیں خیرہ کن ہو رہی تھیں۔ دل الوہی ترانے گانے کو مچل رہا تھا۔ فتح سے مسرور' شاداں و رقصاں۔

"جانتی ہو میں اس وقت کتنا خوش ہوں۔ کاش تم اندازہ لگا سکو۔ مجھ جیسا عاشق صادق تو تمہیں زمانے بھر میں کہیں نہ ملتا۔ تمہارے لیے آگ کا دریا پار کیا ہے۔ داد نہیں دو گی میرے حوصلے کی۔ ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ دیکھا کیسے تمہاری اماں' بھائی' بہن اس نکاح کو کامیاب بنانے کے لیے چلے آئے ہیں۔"

نوریہ نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

وہ اس وقت اس شقی القلب کی روداد سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اپنی شکست سن کر رہے سہے اوسان

بھی خفا ہونے کو تھے۔

"ظالم ہمیشہ ظلم کر کے خوش ہی ہوتا ہے۔" پھوٹ پھوٹ کر رونے کی خواہش میں اس نے کہا تھا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا ہم ظالم ہیں کہ مظلوم۔ فی الحال تو مجھے اپنا آپ اس عاشق صادق کی مانند لگ رہا ہے جس کی محبت باریاب ٹھہری ہے۔"

ادھر تو سرشاری کا عالم تھا۔ کچھ اثر ہی نہ تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ نویرہ نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ کیا فائدہ اس دیوار سے سر پھوڑنے کا۔

"کھانے کے بعد مہمان رخصت ہو جائیں گے اور خالدہ چچی وغیرہ تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں۔ میں ساجد اور چچی سے تحریر لکھوا چکا ہوں' تمہیں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچایا انہوں نے یا تمہیں میرے ساتھ رخصت کرنے میں کوئی وعدہ خلافی کی تو میں عدالت تک چلا جاؤں گا۔ میں سر دھڑ کی بازی لگا کر اس میدان میں کودا ہوں۔ تمہارے بھائی اور والدہ کو باور کروا چکا ہوں اب تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ اپنی جذباتیت کے ہاتھوں کہیں تم خود کو کچھ نقصان نہ پہنچا لو۔ اگر تم نے ایسی کسی حماقت کی کوشش کی تو میں تمہارے خاندان کو زندہ درگور کر دوں گا' سمجھ رہی ہو نا تم؟"

نویرہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی بکواس سنتے گئی۔

کس قدر قصاب تھا یہ انسان۔

"کل تمہاری رخصتی طے ہے۔ اگر تمہاری فیملی تعاون کرے گی تو تمہاری گمشدگی اور اس نکاح کی ساری کارروائی خفیہ رہے گی ورنہ پھر جو بھی ہو گا اس کی ذمہ دار صرف تم ہو گی۔"

"فیملی کی طرف سے مجھے خوف ہے مگر مجھے کوئی پروا نہیں۔ یہ نکاح کی ساری کارروائی قانون قواعد کے تحت وقوع پذیر ہوئی ہے۔ ایس پی انجم تمہارے بھائیوں پر مکمل گرفت رکھے ہوئے ہے۔ اگر انہوں نے کوئی چالبازی کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا اس طرف سے بھی عملی کارروائی ہو گی۔ اپنی بیوی کو حبس بے جا میں رکھنے کے جرم میں سیدھا جیل میں بھجوا دوں گا۔" وہ حیرت سے خون سفید ہوتے دیکھ رہی تھی۔

"یہ وکیل اور نکاح خواں کوئی چھوٹے موٹے لوگ نہیں ہیں۔ تم سے رشتہ قائم کرنا میرے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ ان لوگوں کا تعاون میرے لیے تشکر کا باعث ہے کہ کل کلاں کو کوئی مسئلہ اٹھا بھی تو میری حیثیت مضبوط ہو گی۔ یہ فوٹو گرافز' یہ تصاویر تمہارے بھائی' ماں اور بہن کی موجودگی۔ کوئی چیز بھی میرے خلاف نہیں جا سکتی۔ اب تو میں تمہیں جانے دے رہا ہوں کہ یہ سب میرے اور تمہاری فیملی کے درمیان طے ہوا ہے مگر کل تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے آؤں گا۔ یہ ذہن میں رکھنا۔"

یہ ساری دھمکی آمیز گفتگو نویرہ کے اعصاب پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی۔ وہ نارمل اعصاب کی مالک نہ ہوتی تو بھی یہ سب اس کے اعصاب کو توڑ پھوڑ دیتا۔ وہ تو پہلے ہی ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ ان دھمکی آمیز ہدایتوں پر وہ سسکی بھرتے صوفے کی پشت گاہ پر سر ٹکا کر آنکھیں موند گئی۔

"نویرہ!" شارق کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ اس کے اعصاب پر کچھ زیادہ ہی بوجھ ڈال گیا ہے۔

اس نے اگلے ہی پل ٹون بدل کر پکارا تو نویرہ نے نفرت سے مزید آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس شخص کی آواز بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو یوں ہی بے حواس پڑے رہنے دیا۔

"یا اللہ! بس مجھے موت آ جائے۔" بڑی شدت سے اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا۔

* * *

"ماما! تائی جان کے اس سارے طرز عمل و شدید رد عمل کے پیچھے کیا محرکات کارفرما ہیں۔ ایسی کیا بات ہے جس نے ان کے دل میں موجود ہمارے خلاف نفرت کے زہر کو اس انداز میں ہم پر اچھالا ہے۔ ایسا کیا کیا آپ نے ان کے ساتھ کہ آج آپ کی اولاد بھی زیر عتاب آ چکی ہے؟"

زرش......!" زرش کے اس استفسار پر شائستہ حیران رہ گئی تھیں۔

"گستاخی معاف! مگر مجھے علم ہونا چاہیے۔ آپ نے مجھے ہمیشہ منع کیا ہے کہ میں تایا ابو کے ہاں نہ جاؤں۔ آپ نے ہر بار مجھے تائی امی کے طرز عمل کا حوالہ دیا اور سختی کی مگر کیا ہوا میں ہر بار آپ کے ہزار منع کرنے کے باوجود وہاں گئی کہ مجھے اگر ایک طرف وہاں کی محبتیں اپنی طرف کھینچتی تھیں تو دوسری طرف تائی امی کے رویے کی وجہ کیا ہے' آپ مجھے صاف بات بتانے کے بجائے مختلف بہانوں سے وہاں جانے کو کیوں منع کرتی ہیں۔ آپ نے مجھے اشاروں میں سمجھایا' کبھی اصل وجہ نہ بتائی اگر اس سب میں میری حماقتوں کا ہاتھ ہے تو آپ بتائیں باقی سب کس کھاتے میں جاتا ہے۔"

شائستہ حیران و ششدر دیکھے گئیں۔ وہ اسے ابھی تک کم عمر' نا سمجھ سی بچی سمجھ کر نظر انداز کر رہی تھیں۔ اپنی طرف سے مکمل احتیاط برتی تھی مگر زرش اس انداز میں ان کے ان اعمال کو محسوس کرے گی' ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"اتنا کچھ سہہ کر بھی تو مجھے عقل آئی ہے۔ کیا تھا آپ مجھے بھی وہ ساری کتھا پہلے کہہ دیتیں جو ہادی آپا اور کچھ حد تک توشی بھی جانتی ہیں۔" ان کے قدموں میں بیٹھی ان کے ہاتھ تھامے اس نے بہت خفا انداز سے انہیں دیکھتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" انہوں نے ٹالنا چاہا تھا مگر وہ اتنی ہی سختی سے بول اٹھی۔

"ہرگز نہیں ماما! آپ کی بیٹی پر کوئی جھوٹا الزام نہیں لگا۔ اتنا بڑا بہتان' میرے لیے تو مر جانے کا مقام ہے۔ بتائیں مجھے ایسی کیا بات ہے جو ہادی آپا کی ذات کے بعد اب مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں۔"

اب کی بار شائستہ بیگم انکار نہیں کر سکی تھیں۔ حیرت سے زرش کو دیکھتے نگاہیں چرا گئی تھیں۔

"والدین اگر بچوں سے کچھ چھپاتے ہیں تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی پردہ داری کرتے ہیں۔ پھر تم میری نظر میں ابھی بھی کم عمر جذباتی سی بچی ہو۔ تمہیں کچھ کہہ سن کر تمہیں رشتوں سے متنفر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تم تایا کی فیملی سے جس قدر اٹیچ تھی' میرا نہیں خیال تھا کہ تمہیں ذہنی طور پر پریشان کروں اگر مجھے علم ہوتا یہ سب بھی ہوتا ہے تو ہادی کے بعد تمہاری طرف سے بھی غفلت نہ برتی۔ ہر چند کہ میں نے اپنی

طرف سے بھرپور کوشش کی کہ ایسی کوئی صورت حال نہ ہو جو طاہرہ کو گھٹیا پن دکھانے پر مجبور کرے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہادی کے معاملے میں تو بات گھر میں ہی دب گئی تھی۔ وہ تمہاری ذات کے پرخچے اڑاتی اس طرح طشت از بام ہوسکتی تھی۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو آٹھہرے تو زرش نے محبت سے ان کے ہاتھ مضبوطی سے گرفت میں جکڑ لیے۔

''میں نے تو طاہرہ کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ مگر قصوروار ٹھہرا دی گئی۔'' آبدیدہ لہجے میں انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے۔

''تم نے معراج بھائی کا گھر دیکھا ہے۔'' انہوں نے طاہرہ کے سب سے بڑے بھائی کا نام لیا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے گفتگو آگے بڑھائی۔

''یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم اور ہمارے تایا یعنی ظہیر الدین صاحب اکٹھے ہی ایک ہی گھر میں اوپر تلے رہائش پذیر تھے۔ تایا کی کل چھ اولادیں معراج بھائی' صابر بھائی' قیصرہ' منصور' قمر النساء اور سب سے چھوٹی طاہرہ تھیں۔ ہمارے ابا جی کے ہاں صرف ہم دو بہن بھائی ہی پیدا ہوئے تھے۔ ابا جی اور تایا جان اکٹھے ہی کاروبار کرتے تھے۔'' شائستہ بیگم دور کہیں خلاؤں میں کھوتے ساری کتھا سنا رہی تھیں۔ زرش یہ سب جانتی تھی۔ بڑے صبر سے وہ ایک ایک لفظ سماعت میں اتار رہی تھی۔

''ابا جی کو ان کے کسی دوست نے اپنے ساتھ شراکت داری میں بزنس کرنے کو کہا تھا۔ اس زمانے میں تایا اور ابا جی درمیانے درجے کی آمدنی کے مالک تھے۔ ابا جی نے تمہارے دادا اور ہمارے خالو احمد صاحب سے قرض لیا تھا اور پھر کاروبار شروع کر دیا۔ قسمت اچھی تھی' خوب محنت رنگ لانے لگی۔ سالوں میں ہمارے دن پھرے تھے۔ ابا جی نے تایا کو سارا کاروبار سونپ کر اپنا علیحدہ سے بزنس شروع کرلیا تھا۔ ہمارے خالو شروع سے ہی رئیس انسان تھے۔ دولت کی فراوانی ان کے ہاں شروع سے ہی رہی تھی۔ لحاظ و مروت والے انسان تھے۔ ابا جی نے کچھ ہی عرصے میں ان کا قرض واپس کر دیا تھا۔

طاہرہ مجھ سے عمر میں ایک ڈیڑھ سال چھوٹی تھی۔ جمال بھائی کی ولادت کے کئی سالوں بعد میں پیدا ہوئی تھی۔ میں اور طاہرہ ایک ہی کلاس میں ایک ہی تعلیمی ادارے سے تعلیمی مدارج طے کرتے آگے بڑھتے رہے۔ طاہرہ سے میری شروع میں اچھی دوستی تھی' خوب پیار ہوتا تھا ہم دونوں میں۔

معراج بھائی کی شادی تایا جان نے ہماری کم عمری میں ہی کر دی تھی البتہ ہم دونوں ایف ایس سی میں تھیں جب صابر بھائی کی شادی ہوئی تھی۔

قیصرہ آپا کی طبیعت شروع سے ہی عجیب تھی۔ حرص و طمع سے بھرپور۔ انہیں مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہوتا تھا۔ میں والدین کی اکلوتی ہی نہیں خاندان بھر کی لاڈلی چہیتی بیٹی تھی۔ تایا کی تینوں بیٹیوں کی نسبت ہر کوئی مجھے فوقیت دیتا تھا اور قیصرہ آپا کو یہ بات بڑی کھٹکتی تھی۔ شروع شروع میں انہوں نے صرف میری باتوں' میرے کپڑوں پر تنقید شروع کی تھی مگر یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا تو انہوں نے میری تعلیم سے لے کر میرے کہیں آنے جانے' کسی سے ملنے ملانے پر بھی تنقید کرنا شروع کر دی۔ ہمارے تایا جان تو ایسی طبیعت کے مالک نہ تھے اور نہ ہی ایسی حاسدانہ فطرت ہماری تائی مرحوم کی تھی۔ نہ جانے وہ کس پہ

چلی گئی تھیں۔ معراج بھائی سے لے کر طاہرہ تک کوئی بھی قیصرہ آپا کے طور طریقوں کو پسند نہ کرتا تھا۔ انہیں اپنی من مانی کرنے کی عادت تھی۔ اپنے سے چھوٹی قمر النساء اور پھر طاہرہ پر خصوصی رعب رکھتی تھیں۔ یہ دونوں ان سے دبتی بھی تھیں۔ انہیں بندے کو اپنے زیر کرنے کا فن آتا تھا۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ ہمارے ابا جی کی حیثیت خاصی مستحکم ہوگئی تو ابا جی نے اسی گھر میں اپنے حصے پر نئے جدید طرز کا بنگلہ تعمیر کروالیا۔ ہمارے اس اقدام سے تایا کی پوری فیملی ایک عجیب سے کمپلیکس کا شکار ہوگئی تھی۔ ابا جی نے بڑی کوشش کی کہ تایا جان ان کے ساتھ مل کر کام کریں مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر تمہیں میرے ساتھ مل کر کام کرنا ہی ہوتا تو تم علیحدہ کاروبار شروع ہی کیوں کرتے۔ ان کے دل میں کدورت آچکی تھی اور ابا جی انہیں سمجھاتے رہ گئے کہ اس کام میں ترقی کے مدارج نہ تھے۔ سو انہوں نے دوسرا کام شروع کیا تھا۔ اب جب کہ وہ اپنے قدم جما چکے ہیں تو اب دونوں کے مل کر کام کرنے میں کیا حرج ہے۔ مگر تایا جان بڑے انا پرست تھے۔ انہوں نے ابا جی کی بات قطعی نہ مانی اور دلوں میں میل آنا شروع ہوگیا۔

وقت گزرنے کا نام ہے سو گزرتا رہا۔ جمال بھائی جو صابر بھائی کے ہم عمر تھے۔ ان کا رشتہ ہم نے نفیسہ آپا سے طے کیا تو سعید بھائی' تمہارے پاپا اور خالو جان وغیرہ کی آمد و رفت ہمارے ہاں خاصی بڑھ گئی۔ پہلے وہ بہت کم آتے تھے۔ کسی فنکشن یا دعوت وغیرہ پر ہی آنا ہوتا تھا وہ بھی صرف خالہ اور خالو یا کبھی کبھار نفیسہ آپا بھی آتی تھیں۔ تمہارے تایا اور پاپا اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے کم ہی کہیں آتے جاتے تھے۔ نفیسہ آپا کا رشتہ طے ہونے کے بعد آمد و رفت بڑھی تو مجھے اندازہ ہوا کہ مسعود احمد کی دلچسپی میری ذات میں کچھ بڑھنے لگ گئی ہے۔ انہوں نے کبھی اظہار تو نہ کیا بس ان کے رویوں سے ہی مجھے اندازہ ہوتا رہا۔ اس راز سے صرف میں یا تمہارے پاپا باخبر تھے مگر نہ جانے کب اور کیسے قیصرہ آپا اس راز کو پا گئیں اور انہوں نے میری زندگی اجیرن کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آتے جاتے معنی خیز باتیں' طنزیہ جملے۔ میں بہت تحمل و شرافت سے انہیں برداشت کرتی رہی کہ یہاں تک کہ نفیسہ آپا بیاہ کر ہمارے گھر چلی آئیں۔''

وہ تسلسل سے بولتے بولتے رک گئی تھیں۔ زرش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

زرش کی بے تابی عروج پر تھی۔ ''ماما جان! پھر کیا ہوا؟؟''

''قیصرہ آپا حاسد فطرت کے ساتھ ساتھ بڑی سطحی سوچ کی مالک واقع ہوئی تھیں۔ انہوں نے میرے ساتھ ساتھ نفیسہ آپا سے بھی بیر باندھ لیا تھا۔ آپا تو حیران رہتیں کہ قیصرہ ان سے اتنی خار کیوں کھاتی ہیں مگر ہر بار ہم قیصرہ کی عادت کہہ کر انہیں ٹال جاتے تھے۔ صرف ہم ہی لوگ نہیں' قیصرہ کی فطرت سے تایا کی پوری فیملی بھی بخوبی آگاہ تھی اور اکثر اوقات اس کے انداز و اطوار سے ہر کوئی نالاں رہتا تھا۔ قیصرہ کی کچھ فطرت ایسی تھی کہ وہ ہر اچھی اور دل پسند چیز کو صرف اپنے قبضے میں' اپنے زیر تسلط دیکھنا چاہتی تھیں۔ نفیسہ آپا کی شادی سے سعید بھائی اور مسعود احمد ہمارے ہاں اکثر آنے لگے تھے۔ وہ لوگ جب بھی آتے قیصرہ آپا ہمارے ہاں مستقل آدھمکتیں۔ شروع میں تو ہم نے بہت نظر

انداز کیا مگر جب سعید بھائی نے نفیسہ آپا سے قیصرہ کی چالاک فطرت کی طرف سے ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ قیصرہ آپا کیا چاہتی ہیں۔ دراصل وہ قسمت پر شاکر رہنے والی انسان نہ تھیں اور سعید بھائی اپنی تمام تر مردانہ وجاہت، سلجھے ہوئے انداز و اطوار سمیت کسی کو بھی متاثر کرسکنے کی صلاحیت کے مالک تھے۔ قیصرہ ان کی ہر بار ہمارے ہاں آمد پر کچھ ایسی حرکت کرجاتیں کہ وہ زچ ہوجاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے نفیسہ آپا سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ اس لڑکی کو سمجھائیں ورنہ وہ کسی قسم کی رشتہ داری کا لحاظ نہیں رکھیں گے۔ آپا کے استفسار اور کرید پر انہوں نے انکشاف کیا کہ قیصرہ آپا نے ان سے کھلے عام اظہار محبت فرمایا ہے۔ آپا نے اماں سے بات کرنے کے بجائے مجھ سے بات کی اور کہا کہ میں قیصرہ سے بات کروں اور جب میں نے قیصرہ سے بات کی تو وہ مجھ سے ہی اکھڑ گئیں۔ میری جو عزت افزائی انہوں نے کی وہ علیحدہ۔ انہوں نے تو نفیسہ آپا اور سعید بھائی کو بھی نہ بخشا۔ مجھے ابھی بھی یہ الفاظ نہیں بھولتے۔

"سعید احمد کس زعم میں ہے۔ مجھ پر الزام لگانے کی جرأت کیسے کی اس نے۔ اتنی بے وقعت نہیں ہوں، سعید احمد کو کس چیز کا غرور ہے۔ مٹی میں نہ ملادیا اس کا غرور تو کہے۔"

اس دھمکی کو میں وقتی اشتعال کا سبب سمجھی تھی مگر آنے والے حالات و واقعات نے ثابت کردکھایا کہ یہ محض دھمکی نہ تھی تباہی کا ایک ریلا تھا جو صرف ہماری ہی نہیں سعید بھائی کی زندگی کی تمام خوشیوں کو بھی خاکستر کرگیا تھا۔"

شائستہ بیگم نے پرملال انداز میں کہتے اپنی بھیگی پلکوں کو صاف کیا۔

"پھر قیصرہ آپا کے دل کی کدورت مزید بڑھی۔ ہاں طاہرہ کا رویّہ میرے ساتھ بہت اچھا ہوتا تھا۔ طاہرہ کم گو دھیمے مزاج کی مالک لڑکی تھی اور قیصرہ آپا کا اس پر مکمل کنٹرول تھا۔ چونکہ گھر بھر میں سب سے چھوٹی تھی۔ تایا اور تائی کی وہ توجہ اور محبت اسے کبھی میسر نہ آسکی جو قیصرہ آپا یا دیگر بہن بھائیوں کو ملی تھی۔ جواباً وہ اپنی ذات میں سمٹی سمٹائی لڑکی کے روپ میں سب کے سامنے آئی تھی۔ ہمہ وقت دوسروں کے اشارے پر سر جھکانے والی، ماں بہن، بھائیوں کی جی حضوری کرنے والی، ہر کوئی اس پر رعب رکھتا تھا۔ چھوٹی سی بات پر بری طرح ڈانٹ دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر کمپلیکس پیدا ہوتا چلا گیا کہ وہ غیر اہم ہے۔ ہاں گھر سے ہٹ کر اسکول و کالج میں بالکل مختلف طاہرہ کے روپ میں نظر آتی تھی۔ وہ ذہین تھی۔ اس کے اساتذہ اس کی ذہانت کی تعریفیں کرتے تھے تو وہ خوش ہوتی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے گھر کی جانب سے اپنے غیر اہم ہونے کا ملال مٹنے لگا ہو مگر وہ ذہین ہونے کے باوجود گھریلو سطح پر بدھو و احمق ہی مشہور تھی۔ جس نے جو کہا، کردیا۔ جس نے جدھر چلایا، چل دی۔ خاص طور پر قیصرہ، جن کی فطرت میں دوسروں پر حکمرانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا، انہوں نے اسے کبھی کسی لائق ہی نہ سمجھا تھا اور طاہرہ ہمیشہ اُن کے زیر اثر رہتی تھی۔ ان سے خائف، ان کے ہر حکم پر فرمانبرداری سے سر جھکانے والی جی حضور لڑکی۔

قیصرہ آپا کا رشتہ آیا تو انہوں نے خوب واویلا مچایا مگر ہمارے تایا جان بڑے اصول پرست انسان

تھے۔ بیٹی کی فطرت سے آگاہ بھی تھے۔ انہوں نے اس کے کسی اعتراض کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس طرح قیصرہ آپا بیاہ کر سسرال چلی گئیں۔ میں نے اور نفیسہ آپا نے ان کی شادی ہونے پر خصوصی شکر کیا تھا۔ قیصرہ آپا کی خوش قسمتی کہہ لیں یا بدقسمتی۔ ان کو سسرال بھی ویسی ہی مطلب پرست اور حاسد فطرت کی حامل ملی۔ ان کے شوہر تو ہوبہو انہی کی فطرت کے مالک تھے۔ قیصرہ آپا جو روتے دھوتے رخصت ہوئی تھیں چند ہی دنوں میں ساری سسرال پر چھا گئی تھیں۔ میاں پوری طرح ان کی مٹھی میں تھے۔ سسرال نزدیک ہی تھی اس لیے ہر دوسرے دن میکے کا چکر لگانا وہ اپنا فرض اولین سمجھتی تھیں۔

احمد خالو سعید بھائی کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ پہلے تعلیم اور پھر بزنس کے جھمیلوں میں وہ شادی کا پروگرام ملتوی کررہے تھے۔ سعید بھائی اب سیٹل تھے تو خالو جان اور خالہ جان ہمارے ہاں آئے تھے، ان کے لیے میرا ہاتھ مانگنے......"

"کیا......" بڑے صبر سے سنتی زرش کی چیخ ہی نکل گئی تھی۔ بے حد حیرانگی سے شائستہ کو دیکھا۔

"پھر......؟"

"خالہ، خالو بے خبر تھے مگر نفیسہ آپا تمہارے پاپا کی میرے متعلق پسندیدگی سے بے خبر نہ تھیں۔ ٹھیک ہے تمہارے پاپا اور ہمارے درمیان کبھی اس سلسلے میں بات چیت نہ ہوئی تھی مگر اک خاموش تعلق تو تھا ہی۔ سعید بھائی کے اس رشتے سے متعلق کیا جذبات تھے میں قطعی لاعلم تھی۔ اماں اور ابا جی نے سوچ کر جواب دینے کو کہا تھا۔"

"تو پھر ماما، پاپا سے آپ کا رشتہ کیسے طے ہوا؟" زرش کے لیے یہ سب کچھ انکشاف سے کم نہ تھا۔ اس کی حیرانگی قابل دید تھی۔

"اگلے دن ہی سعید بھائی ہمارے ہاں چلے آئے تھے۔ وہ کچھ پریشان و متفکر تھے میں جو خود بھی الجھی ہوئی تھی ان کو دیکھ کر نظریں چرا گئی۔ ایسے وقت میں جب کہ رشتے کی بات چل رہی تھی ان کی آمد کچھ تعجب آمیز بھی تھی۔ جب انہوں نے گم صم و قطعی لاتعلقی سے بھرپور انداز اپنایا تو مجھے بھی کھٹک سی ہونے لگی۔ وہ میرے ساتھ بڑے حلیم و شفیق رہے تھے۔ ایسا رویہ تو کبھی تھا ہی نہیں۔ میں پریشان بھی ہوگئی تھی مگر میری پریشانی کا حل تب ملا جب انہوں نے مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کرتے انہوں نے رشتے سے انکار کیا تھا بلکہ مجھ سے شادی سے انکار کیا تھا۔"

زرش کی توجہ کا خاص ہی عالم تھا۔ فوراً چونکی۔ "انہوں نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"انہوں نے اس دن مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔ میں ان کے لیے نفیسہ آپا کی طرح ہوں۔ انہوں نے مجھے ہمیشہ چھوٹی بہن سمجھا ہے۔ ہاں انہوں نے یہ بتایا کہ وہ کسی کو پسند کرتے ہیں اور صرف اسی سے شادی کریں گے۔"

"ماما......" زرش کے لیے یہ انکشاف کسی ایٹم بم سے کم نہ تھا۔"

"کون تھی وہ؟"

"طاہرہ......" زرش کو لگا اس کے دماغ کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔

''جی.....ای.....'' اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

''ہاں وہ طاہرہ تھی' جسے وہ دل و جان سے پسند کرتے تھے اور طاہرہ چونکہ فیملی میں سب سے چھوٹی تھی اور طاہرہ سے بڑے دو بہن بھائی تھے جو ابھی غیر شادی شدہ تھے اور سعید بھائی طاہرہ کی باری آنے کے انتظار میں اپنے گھر والوں کو نہ جانے کب سے ٹال رہے تھے۔''

''تلخی سے بتاتے انہوں نے زرش کو دیکھا تو زرش نے اپنے چٹختے اعصاب پر بمشکل قابو پاتے سختی سے منہ بند کر لیا۔ یہ انکشاف سب پر بھاری تھا۔

* * *

''شارق اور نویرہ کی شادی۔''

جس نے بھی سنا انگشت بدنداں رہ گیا۔

فاروق صاحب اور حمید صاحب دونوں فیملیوں کے لیے اگلے دن نبیل کے فون سے ملنے والی یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔

''آج ہی رخصتی ہے۔ ہاں دور کے مہمان جو رات کو ہی آ چکے تھے' نواز اور نویرہ کی شادی سمجھ کر اس کے علاوہ نزدیکی تمام مہمانوں کو بھی مدعو کرنا ہے فون کر کے۔ پہلے سے طے شدہ انتظامات کے تحت ہی یہ شادی ہو رہی ہے۔'' حمید صاحب نے سنا تو انہیں خود پر کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔

ابھی رات کی ہی تو بات تھی جب وہ سارا خاندان برادری وہاں موجود تھے مگر اس خبر کا دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا اور صبح سویرے یہ خبر کسی ایٹم بم سے کم نہ تھی۔

صبح صبح رضا سو رہا تھا۔ حمید صاحب نے رمشا اور زبیدہ بیگم کو بتا کر فوراً احسان صاحب کے گھر کی راہ لی تھی۔ فاروق چچا اپنی ساری فیملی کے ساتھ وہاں چند منٹ پہلے ہی پہنچے تھے۔ ان کی بھی کم و بیش وہی حالت تھی' جو حمید صاحب کی تھی۔

''کل بھی تو کرنی تھی۔ نویرہ پہلے تو نہیں مانی تھی مگر جب میں نے سمجھایا تو میری بچی نے انکار نہیں کیا۔ اللہ اسے اجر دے۔ شادی طے تھی۔ سارا کچھ تو طے تھا۔ خاندان گھر کی بات تھی' رات ہی فیصلہ کیا تھا ورنہ پہلے اطلاع دیتے ہم۔'' خالدہ بیگم خود کو خاصا سنبھال چکی تھیں۔ ان کے پیش نظر اس اقدام سے صرف بیٹی کی بچا نہ تھی بلکہ خاندانوں کی بقا تھی۔ وہ اگر شارق کی بات نہ مانتیں تو عمر بھر کی دشمنی چل نکلتی۔ نبیل تو ابھی تک ناراض تھا۔ قسمیں' دھمکے نہ جانے کیا کیا کہہ کر انہوں نے اسے روکا ہوا تھا ورنہ وہ تو شارق زمان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔

ضحیٰ بھابی کا میکہ لاہور میں ہی آباد تھا۔ رات میں ساجد بھائی نے اطلاع دے دی تھی۔ وہ تو سارے حادثے سے بے خبر تھیں۔ رات سے کال سنتے ہی دونوں بچوں کو لیے بھائی کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

رات کو بھی جو مہمان آئے ہوئے تھے دونوں بھابیاں اور ساجدہ باجی مل کر ہینڈل کر رہی تھیں۔

''ادھر سے کیا انتظامات ہیں۔ ایسی بھی کیا پردہ داری۔ شارق وغیرہ میں سے کسی نے ذکر تک نہیں

کیا۔''

''عجلت میں فیصلہ کیا ہے۔ رات رفعت کہہ تو رہی تھی کہ صبح وہ آپ دونوں کے ہاں آئے گی۔'' حمید صاحب کے شکوے پر بہت متانت سے انہوں نے جواب دیا تھا۔

فاروق صاحب گم صم سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔

نواز نے جو کہا تھا عمر بھر کے لیے سر جھکا دیا تھا۔ وہ کچھ بھی کہنے کے قابل کہاں رہے تھے۔ شرمندگی و خجالت سے نگاہیں ملانے کا یارا نہ تھا۔

دوپہر تک نزدیکی تمام مہمان آ چکے تھے۔ نبیل نے شادی کے لیے پہلے ہی ہوٹل بک کروایا ہوا تھا مگر نواز کے انکار نے سب کچھ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ اپنی پے در پے آنے والی پریشانیوں میں وہ نواز کے انکار کے بعد ہوٹل کی انتظامیہ سے معذرت بھی نہ کر پائے تھے اور اب یہی بکنگ ان کے کام آ رہی تھی۔

بے شک ان کے گھر کا کوئی بھی فرد خوش نہ تھا۔ ہر کوئی آنکھوں میں آنسو لیے مصروف عمل تھا لیکن اپنی عزت کے خیال سے ہر کوئی ضبط کی سل اٹھائے برداشت کرنے پر مجبور تھا کہ مقابل شارق زمان ہی نہیں' نویرہ تھی۔ ان کی عزیز ترین بہن' ان کے خاندان کی عزت و وقار۔

وہ اپنی بہن کے لیے شارق زمان کے نام کا کڑوا گھونٹ بھرنے پر مجبور تھے۔ اس سارے عمل میں سب سے خراب کنڈیشن نویرہ کی ہو رہی تھی جو بھائیوں سے نظریں چرانے پر مجبور تھی۔ زندگی نے ایک دم رخ بدلا تھا۔ پل پل مرنے جینے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ شارق زمان ایام گزشتہ میں جو کر چکا تھا اور اب جو کرنے جا رہا تھا وہ کسی امتحان سے کم نہ تھا۔

نویرہ اپنے اوپر ضبط کی چٹان اٹھائے اپنی بھینٹ دینے پر مجبور تھی۔

دوپہر ڈھلنے لگی تو نبیلہ' نویرہ کو پارلر لے جانے کو چلی آئیں۔ ساتھ میں اماں بھی تھیں۔

''مجھے نہیں جانا۔''

''کیوں.....؟'' ضحیٰ کو تو کسی نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ نویرہ کا اغوا اور نکاح کی کارروائی سب اپنے اندر ہی چھپا گئے تھے مگر نبیلہ جو اس دم بدم بدلتی صورت حال سے شدید ڈپریشن کا شکار ہو چکی تھیں اس نے تلخی سے نویرہ کو دیکھا۔

''خدا کے لیے اگر میرا تماشا ہی لگانا ہے تو جان سے مار ڈالیں۔ یوں میرے ضبط کا امتحان تو نہ لیں۔ تماشا بن کر رہ گئی ہوں میں تو صرف......''

وہ اماں سے بری طرح خفا تھی۔ اماں کے کہنے پر وہ وقتی طور پر شارق سے نکاح پر آمادہ ہو گئی تھی مگر گھر واپس آنے کے بعد وہ تو ہر خوف' اضطراب سے آزاد ہو گئی تھی۔ اماں سے خفگی کا اظہار اتنا واضح تھا کہ رات سے اس نے ان سے کیا' کسی سے بھی بات نہ کی تھی۔ بارہا کوشش کے باوجود اب اس کے ضبط کی آخری حد تھی کہ وہ پھٹ پڑی تھی۔

''نویرہ!'' اماں نے نبیلہ کو باہر جانے کا اشارہ کرتے اس کے پاس جگہ پکڑی۔ ان کی طبیعت بڑی خراب تھی مگر بیٹی کی عزت کے لیے وہ گویا اپنی لاش گھسیٹ رہی تھیں۔

"نویرہ، میری بچی! اپنی ماں کو اب مزید کسی امتحان میں مت ڈال۔ جذبات بپھرے ہوئے اژدھے ہوتے ہیں جو سب ڈس لیتے ہیں۔ ساجد اور نبیل ایسے جذبات کا شکار ہیں۔ میرے گھر کے یہ دو ہی سہارے ہیں، ساجد اور نبیل، یہ اتنے بے غیرت نہیں ہیں کہ اتنا کچھ سہہ جائیں۔ میرے ہاتھ جوڑنے پر سب سہہ رہے ہیں۔ میری قسموں پر زبانوں پر قفل لگا لیے ہیں انہوں نے۔ نواز نے جو کیا وہ اس کا ظرف تھا۔ شارق جو کر رہا ہے اللہ اسے ہدایت دے کہ تمہارے حوالے سے اب ساری زندگی وہ جیسا بھی ہے، تلخ کڑوا گھونٹ بھرنا ہے۔ میں تمہارے آگے بھی ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میری عزت کی چادر تار تار ہونے سے بچا لو۔"

اماں نے روتے ہوئے نویرہ کے سامنے ہاتھ باندھے تو نویرہ نے تڑپ کر لرزتے بے قراری سے دونوں ہاتھ تھام کر سینے سے لگا لیے تھے۔

"اماں نہیں۔" اگلے ہی پل وہ ان کے ساتھ لپٹ کر بے بس ہو گئی تھی۔

"بس..... آج جتنا رونا ہے رو لو..... شارق ٹھیک ہے، کردار کے حوالے سے کچھ خرابیاں ہیں اس میں۔ اس نے جو بھی کیا قابل مذمت ہے مگر اب وہ تمہارا شوہر ہے۔ اچھا یا برا، قبول کرو۔ آپا کی تربیت کا رنگ کسی نہ کسی موڑ پر سامنے آئے گا ہی۔ پھر وہ اپنے باپ کا خون ہے۔ غصے، ضد، انتقام میں جو بھی کیا یہ تسلی تو ہے کہ وہ تمہارے ساتھ مخلص ہے۔ بس تم ذہن کو یکسو کرو۔ دنیا تو تماشا دیکھنے کو کھڑی ہے۔ کم از کم تم تو میری عزت کا خیال کر لو۔ اپنے دل و دماغ کو نارمل کرو۔ حقیقت کو قبول کرنے کی کوشش کرو۔"

اس کے سر کو تھپتھپاتے انہوں نے سمجھایا تو نویرہ کے دل پہ گویا منوں بوجھ آ ٹھہرا۔

"شارق سے دشمنی لے لیں تو یہ بات نسلوں تک جائے گی۔ عورت کی عزت ایک تنہا عورت نہیں رہتی۔ نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔ آباد رکھے۔ شارق کو تمہارے حق میں مبارک ثابت کرے۔ عورت ایک دفعہ برباد ہو جائے، مرد کی نظر سے اتر جاتی ہے۔ مگر وہ تیرا دعویدار ہے۔ اٹھو شاباش! نہا دھو لو پھر بھابی کے ساتھ پارلر چلی جانا۔ اس نے فون کر کے ٹائم لیا تھا۔"

اس کے آنسو صاف کر کے پیشانی چوم کر انہوں نے کہا تو نویرہ بے بسی سے سر جھکا گئی۔

◆

چاہت بھری یہ داستان ابھی جاری ہے۔
بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کیجئے۔

یہ چاہتیں یہ شدتیں

سمیرا شریف طور

دوم

”طاہرہ، بھائی صاحب کی پسندیدگی سے لاعلم تھی۔ میں نے نفیسہ آپا سے بات کی تو وہ بھی حیران ہوئیں۔ طاہرہ جیسی کم گو، دبو سی لڑکی کو سعید احمد جیسے شخص، وجاہت و خوبصورتی کے شاہکار پسند کرلیں۔ حیرت کی بات ہی تو تھی۔“

وہ تلخی سے ہنسیں تو زرش کو ان کی تلخی عجیب سی لگی۔

”ماما! تائی جان تو بہت خوبصورت ہیں۔ اٹھنے بیٹھنے، ملنے ملانے ہر طرح کا سلیقہ ہے ان میں۔ پھر وہ تو گھر داری میں بھی ماہر ہیں۔ ہو سکتا ہے تایا جان کو یہی بات اٹریکٹ کر گئی ہو۔“

”ہاں، ہو سکتا ہے۔ مگر سعید بھائی کو طاہرہ کی صرف یہ ادا اچھی لگی کہ وہ کسی کے معاملے میں انٹرفیئر نہیں کرتی تھی۔ صرف اپنی ذات میں گم رہنے والی لڑکی ہے۔ ایسے لوگ اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ بڑے فیئر ہوتے ہیں۔ یہ ان کا نظریہ تھا۔“

اب کی بار شائستہ کے لہجے میں تلخی کے ساتھ طنز بھی تھا۔ زرش چپ رہی۔

”طاہرہ میری بہت اچھی دوست تھی، بارہا میرا جی چاہا کہ اسے حقیقت بتاؤں۔ وہ جو گھر والوں کی طرف سے نظرانداز کیے جانے کے کمپلیکس میں مبتلا ہے اس کا احساس کمتری ختم ہو جائے۔ اسے بھی تو پتا چلے اپنی فیملی سے ہٹ کر وہ کسی اور کے لیے کتنی اہم ہے۔ مگر سعید بھائی نے مجھے سختی سے منع کر دیا۔ ان کا میرے ساتھ رویہ ہمیشہ سے بڑے بھائیوں والا رہا تھا۔ شاید اس بے تکلفی کی وجہ سے انہوں نے نہ صرف مجھ سے اپنے دل کی بات شیئر کی تھی بلکہ مجھ سے اکثر و بیشتر طاہرہ سے متعلق گفتگو بھی کرنے لگے تھے۔ سعید بھائی نے خالہ جان اور خالو جان سے بھی میرے لیے انکار کر دیا تھا۔ ہمارے ہاں ابا جی اور اماں جی کو دکھ تو ہوا مگر وہ ٹال گئے کہ رشتہ ہونا یا نہ ہونا مقدروں کی بات ہے۔

تمہارے پاپا اس رشتے والی بات سے بے خبر تھے کیونکہ رشتہ وغیرہ کا سلسلہ صرف بڑوں تک ہی رہا تھا۔ بہت کم لوگوں کو علم ہوا تھا سو جس طرح بات شروع ہوئی ختم بھی ہو گئی۔

قیصرہ آپا کے ہاں پہلی بچی کی آمد تھی۔ وہ تایا جان کے ہاں آئی ہوئی تھیں۔ شادی تو انہوں نے کروالی تھی مگر مجھ سے آپا سے اور سعید بھائی سے متعلق ان کی کدورت و نفرت جوں کی توں تھی۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اگرچہ پورشن علیحدہ تھے، آتے جاتے بارہا آمنا سامنا ہو جاتا تھا، وہ کوئی نہ کوئی ایسی بات کر جاتیں کہ میں سلگتی رہ جاتی تھی۔

یہ ان ہی دنوں کی بات تھی۔ میں اور طاہرہ بیٹھی یونہی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں جب وہ چلی آئی تھیں۔ انہوں نے طاہرہ کے لیے اپنے لیے چائے بنانے کا کہا تھا۔ شادی کے بعد بھی ان کا طاہرہ پر مکمل کنٹرول تھا۔ طاہرہ فوراً حکم کی تعمیل میں کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں نے سنا ہے سعید احمد کا تمہارے لیے رشتہ آیا تھا؟" طنزیہ لب و لہجے پر میں صرف دیکھ کر رہ گئی۔ اماں جی نے یقیناً تائی جی سے ذکر کیا ہوگا ورنہ یہ بات ہمارے گھر سے نکلنے والی نہ تھی۔

"تو پھر......؟" مجھے ان کے طنز نے سخت اشتعال دلا دیا تھا۔

"پھر انکار کیوں ہوا؟" ان کے لہجے کے تجسس پر میں بھی ہنس دی۔

"جہاں سے آپ کو یہ انفارمیشن ملی ہے وہاں سے انکار کی وجہ بھی معلوم کر لیتیں۔ ویسے بھی اب ایسی جاسوسی کا کوئی فائدہ تو نہیں۔ ہاں پرانے زخم بھولنے سے بھولتے ہیں۔ آپ تو پرانے زخموں کو سینت سینت کر رکھنے والی انسان ہیں۔" اس لمحے مجھے ان کی کرید بہت بری لگی تھی سو میری زبان بھی تلخ ہو گئی تھی۔

"تمیز سے بات کرو، شائستہ۔" وہ ایک دم آپے سے باہر ہو گئی تھیں۔ پھر اگلے ہی پل خود پر قابو پاتے کہنے لگیں۔

"خیر پرانے زخم تو میں ویسے ہی نہیں بھولتی۔ لگتا ہے تمہیں رشتے سے انکار نے بڑی تکلیف دی ہے۔ کیا مسعود احمد نے صاف جھنڈی دکھا دی تھی جو اب سعید احمد کو قابو کرنے میں تھی مگر افسوس وہ تمہاری ٹائپ کا بندہ نہ تھا۔" ان کی اس قدر گھٹیا گفتگو پر میرا ضبط سے برا حال ہونے لگا۔

"بہتان بازی تو آپ کی پرانی عادت ہے۔ نہ مسعود احمد سے مجھے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی سعید احمد سے۔ وہ میرے سگے خالہ زاد ہیں۔ آپا کے بھائی' میرے لیے صد ہا محترم۔ یہ آپ کے ذہن کا گھٹیا پن ہے جو اس درجہ گراوٹ پر اتر آیا ہے۔ سعید بھائی نے خود اگر اس رشتے سے انکار کیا ہے تو وجہ میری ذات نہیں' طاہرہ ہے۔ شاید آپ کو یہ سب سن کر شاک لگے کہ سعید احمد' جنہوں نے آپ کی کھلی آفر کو ٹھکرا دیا تھا' وہ آپ کی مطیع و فرمانبردار دیوی بہن پر دل و جان سے فریفتہ ہو چکے ہیں۔ طاہرہ کے حسن ہی نے نہیں بلکہ اس کی کم گو طبیعت نے بھی ان کے مزاج پر اثر ڈالا ہے۔ ان کے نزدیک ایسی لڑکیاں بڑی ایماندار اور شوہر سے وفا نبھانے والی ہوتی ہیں جو کہ آپ میں قطعی نہیں ہے۔"

اس وقت مجھے نہ جانے کیا ہوا تھا' جو جی میں آیا کہتی چلی گئی۔ مقصد صرف اینٹ کا جواب پتھر سے دینا تھا۔ میرے انکشافات پر قیصرہ گنگ ہی رہ گئیں اور میں انہیں سب سنا کر اپنی طرف سے انہیں انتہائی شکست سے دوچار کر کے وہاں سے آ گئی تھی مگر یہ میری زندگی کی پہلی سب سے بڑی اور سنگین غلطی تھی جو صرف ہماری ہی نہیں' سعید بھائی کی زندگی میں بھی عمر بھر کا خسارہ لکھ گئی تھی۔

قیصرہ آپا اپنی یہ ذلت و توہین برداشت نہ کر پائی تھیں۔ طاہرہ کے متعلق اس انکشاف نے انہیں زخمی ناگن بنا دیا تھا۔ پھر میرے اس طعنے نے کہ "ایسی لڑکیاں بڑی ایماندار اور شوہر سے وفا نبھانے والی ہوتی ہیں جو کہ آپ میں قطعی نہیں ہے" انہیں انتقام پر لے آئی تھی۔

وہ سناتے سناتے رک گئیں کہ جیسے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ زرش نے انہیں بے چارگی سے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں گہرا ملال و اضطراب رقم تھا۔

"ماما! پھر کیا ہوا؟" خاموشی کا وقفہ گہرا ہوا تو زرش نے بے قراری سے ٹوک دیا۔

"پھر کیا ہوتا تھا۔ قیصرہ آپا نے اپنی گندی فطرت کا عین ثبوت دیا تھا۔ انہوں نے وہ گھٹیا پن دکھایا کہ آج بھی سوچتی ہوں تو دکھ ہوتا ہے کہ کاش اس لمحے میں اپنی زبان کو روک لیتی۔ کاش طاہرہ سے متعلق کوئی بات نہ کہتی۔ کم از کم طاہرہ تو پاکباز و وفا نبھانے والی ہی رہتی۔ وہ قیصرہ کی چالباز فطرت کو نہ سمجھ سکی اور میں سمجھ کے بھی کچھ نہ کر پائی۔"

زرش نا سمجھی سے انہیں دیکھے گئی۔

"قیصرہ آپا کے ہاں بیٹی ہوئی تھی۔ تایا جان نے اپنے ہاں ہی وسیع پیمانے پر مہمانوں کو مدعو کر کے تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ ہمارے علاوہ خالہ کی بھی فیملی مدعو تھی۔ تمہارے پاپا اور سعید بھائی بھی آئے تھے اور اس ساری تقریب میں ایک بات مجھے بری طرح محسوس ہوتی رہی اور میں نظر انداز کرتی گئی لیکن میرے شک کی تصدیق تب ہوئی جب تقریب کے اختتام پر میں قیصرہ آپا کے پاس سے اٹھ کر اپنے گھر آنے والی تھی۔

"سنو شائستہ۔" میں رک گئی تھی اس دن کی چپقلش کے بعد ہماری گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ مکمل لاتعلقی تھی۔ وہ نفرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"بڑا دعویٰ کیا تھا تم نے کہ طاہرہ جیسی لڑکیاں باکباز' ایماندار اور وفا نبھانے والی ہوتی ہیں۔ آج میں تمہیں چیلنج کرتی ہوں میں پتہ پھینک چکی ہوں۔ تم اگر طاہرہ کو اس گراوٹ سے بچا سکتی ہو تو بچا لینا۔ طاہرہ میرے مکمل زیر اثر ہے۔ میں دیکھتی ہوں تمہاری دوستی کس حد تک اسے سعید کی نظروں سے گرنے سے بچا سکتی ہے۔ آج سے کھیل شروع۔" وہ یوں گویا تھیں جیسے ان کی سگی بہن کی نہیں کسی تیسرے غیر متعلقہ فرد کی بات ہو۔ میں تو دہل کر رہ گئی اور پھر میں دیکھتی رہ گئی ہر گزرتے دن نے مجھے یہ باور کرا دیا کہ قیصرہ نے جو کھیل شروع کیا ہے اس میں ان کی گرفت پوری طرح مضبوط ہے۔ طاہرہ ان کی مکمل گرفت میں تھی۔ انہوں نے اسے جدھر چلایا' وہ چل دی۔ انہوں نے اسے جو خواب دکھائے' وہ دیکھتی چلی گئی اور میں گم صم پانی سر سے گزرتے تباہی کے انتظار میں کھڑی رہ گئی۔"

آنسو دھیرے دھیرے ان کے ہاتھوں پر گر رہے تھے اور زرش کی سمجھ نہ آئی کہ کیا کرے۔ وہ تو خود الجھ گئی تھی۔

"ماما! قیصرہ خالہ نے تائی کے ساتھ ایسا کیا کر دیا تھا۔"

"انہوں نے جو کیا سو کیا' مجھے تو طاہرہ کی عقل پر حیرت ہوتی ہے۔ اس نے اپنی کم عقلی کا ثبوت دیا کہ میرے لاکھ سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ اپنے آپ کو قیصرہ کے تیار کیے گئے گڑھے میں گراتی چلی گئی۔ میں تو نہ ہی مسعود احمد سے تذکرہ کرنے کے قابل رہی تھی اور نہ ہی سعید بھائی کو سمجھانے کہ طاہرہ اب ایماندار' وفا کرنے والی لڑکی نہیں رہی۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح کانوں کی کچی اور آنکھوں کی اندھی ثابت ہوئی تھی۔" ان کے لہجے میں عجب شکستگی در آئی تھی۔

"جانتی ہو قیصرہ نے کیا چال چلی تھی؟" انہوں نے زرش کو دیکھتے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔ "انہوں نے سعید بھائی کی نفرت میں طاہرہ کو تمہارے پاپا یعنی مسعود احمد کی طرف راغب کر دیا تھا۔"

"جی......" زرش کو لگا جیسے اس کے دل و دماغ پر بم پھوڑ دیے گئے ہوں۔ جیسے کمرے کی چھت اس پر آ گئی ہو۔ بے یقینی سے ماما کو دیکھنے لگی۔

"ماما......" ابھی زرش اس جملے سے سنبھلی بھی نہ تھی کہ ہادیہ کی پکار پر دونوں پلٹی تھیں۔

"ماما! پھپھو، ماموں اور باقی سب لوگ آ گئے ہیں۔"

زرش کا دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اس نے خالی نظروں سے ہادیہ آپا کو دیکھا۔ شائستہ ہادیہ کے بلاوے پر فوراً چہرہ صاف کرتے ہادیہ کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھیں۔

"تائی امی، پاپا یعنی مسعود احمد میں انوالو ہو گئی تھیں......"

اس کے دماغ میں ہتھوڑے برس رہے تھے۔ زرش کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہ تھی۔ تائی سے متعلق وہ ہر بات برداشت کر سکتی تھی مگر ان کے کردار کا یہ کمزور پہلو بھی سامنے آ سکتا ہے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

* * *

فاروق چچا کی فیملی اور حمید صاحب کی فیملی دونوں شارق کی بارات کے ہمراہ آئی تھیں۔ ایسے عالم میں جب کہ نواز سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا گیا تھا۔ فاروق صاحب کو شارق کا اقدام بہت مناسب، بروقت اور موقع محل کے مطابق درست لگ رہا تھا۔ بے شک شارق کو سب لوگ اس کی چند خامیوں کی بنا پر ناپسند کرتے تھے مگر ایسے نازک موقع پر انہیں شارق کا فیصلہ کسی ڈوبتے کو سہارا دینے کے مترادف لگ رہا تھا جہاں وہ نواز کی طرف سے غمزدہ تھے تو شارق کی جانب سے خوش تھے۔

رضیہ چچی نے تو نویرہ کے لیے تیار کی گئی بری بھی چڑھانے کو کہا تھا مگر شارق نے قطعی انکار کر دیا۔

"اس عنایت کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی بیوی کو یہ لے کر دینے کی اہلیت اور حیثیت رکھتا ہوں۔ آپ کا شکریہ۔"

اتنا قطعی انداز رضیہ چچی کا دل زخمی کر گیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گئیں۔ واجدہ بیگم اپنی ٹانگ کی وجہ سے گھر پر ہی رکی تھیں۔ رفعت آپی، زبیدہ چچی اور رضیہ چچی پیش پیش تھیں۔ بارات کے ساتھ آنے والوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ خاندان کے مہمان دونوں طرف سے ہی مدعو تھے۔

اس قدر ایمرجنسی میں ہونے والی رخصتی میں شرکت کرتے بھی اچھی خاصی گیدرنگ ہو چکی تھی۔

نکاح کی کارروائی پہلے سرانجام دی جا چکی تھی۔ تمام قانون قواعد و ضوابط کے تحت جس کی قانونی حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا مگر نبیل اور ساجد نے لوگوں میں بات پھیل جانے کے ڈر سے دوبارہ نکاح پڑھانے کی بات کی تھی۔ شارق نے خاموشی سے کندھے اچکا دیے۔ نویرہ پہلے ہی قانونی طور پر اس کی بیوی تھی اب یہ فارملٹی محض دنیا دکھاوا ہی تو تھا۔ محض اپنی گرتی ساکھ و عزت کو بحال کرنے کا طریقہ۔

نکاح نئے سرے سے سرانجام دیا گیا تھا۔

نبیل و ساجد کا ضبط کئی مواقع پر لڑکھڑایا تھا۔

شارق کے مطمئن و شادماں چہرے کو دیکھ کر اندر کے موسم نے تیور بدلے تھے۔ اگر اماں کے واسطوں، منتوں کا احساس نہ ہوتا تو نہ جانے کیا کر ڈالتے۔ ہر قدم پر آنکھیں بھر آنے کو تھیں۔ ضبط چھلکنے کو بے تاب۔ اپنی عزت کا پاس تھا ورنہ یہیں معرکہ ہو جاتا۔

دونوں بھائیوں کو شارق سے نفرت محسوس ہو رہی تھی مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ کھانے کے بعد نبیلہ بھابی اور ضحی بھابی نے نویرہ کو اسٹیج پر لا بٹھایا تھا۔ حسین تو وہ پہلے ہی تھی مگر بیوٹیشن کی مہارت نے اس کے خدوخال کو اک نیا روپ دیا تھا۔

شارق زمان کی نگاہیں اس پر گویا جم کر رہ گئی تھیں۔ نویرہ احسان کا عروسی حسن صرف شارق زمان کے دل پر ہی بجلی بن کر قیامت برپا نہیں کر رہا تھا بلکہ قدرے اندھیرے میں بیٹھے رضا حمید کے وجود پر بھی بجلی بن کر گرا تھا۔

رات تک نویرہ کی شادی کا دور تک کوئی امکان نہ تھا مگر صبح یہ ناگہانی خبر سن کر وہ سکتے میں آ گیا تھا۔

"نواز کے بعد اگر نویرہ، شارق زمان کی ہو سکتی تھی تو اس کی کیوں نہیں۔" اس خیال نے اس کے اندر اودھم مچا دیا تھا۔ اندر کی دنیا بکھر کر رہ گئی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔ وہ تو یہاں آنے پر بھی تیار نہ تھا۔ زبیدہ کے واسطوں، منتوں سے ہار کے وہ اپنی بے بسی کو آزمانے آ گیا تھا مگر اب ضبط جواب دے گیا تھا۔

نویرہ کے جگر جگر کرتے سراپا نے اس کی بصارت ہی چھین لی تھی۔ وہ یک ٹک ساکت و جامد شارق زمان کے پہلو میں بیٹھے وجود کو دیکھے گیا۔

"آج میں ہار گیا نویرہ! اپنے آپ سے۔ نواز سے تمہاری شادی ہو جاتی تو میں کہتا کہ تم میرے اختیار سے باہر تھیں مگر اب سارے قصور اپنے کھاتے میں پڑے لگ رہے ہیں۔ میں نے کوشش کی مگر مقدمہ جیت نہ سکا اور تمہیں کھو دیا۔ شارق زمان نے کوشش کی مقدمہ جیت گیا اور نتیجتاً تمہیں ہمیشہ کے لیے پا لیا۔ میں نے تمہیں کھو دیا نویرہ...... کھو دیا۔" وہ غائب دماغی سے اٹھا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے وہ اس ہجوم بیکراں سے بہت دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو۔ جہاں نویرہ کا عکس نہ ہو۔ دل کی بربادی کا ماتم نہ ہو۔ اندر یہ خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھا نکلتے اپنی بائیک اسٹارٹ کر کے ہال سے نکل گیا تھا۔

رخصتی کے وقت ماحول خود بخود ہی سوگوار اور اشکبار ہو گیا تھا۔ نواز کا زخم تھا یا نویرہ کی بے بسی۔ ہر کوئی رو رہا تھا۔

فاروق صاحب یہ ہیرا ہمیشہ کے لیے چھن جانے اور بیٹے کی نافرمانی کا دکھ رو رہے تھے۔ رضیہ بیگم ناتمام حسرتوں کا ماتم کر رہی تھیں۔

زبیدہ بیگم بیٹے کی خواہش کے تشنہ رہ جانے کا دکھ رو رہی تھیں۔

حمید صاحب بھتیجی پر ٹوٹنے والی آفت کے بعد ملنے والی خوشی کے آنسو بہا رہے تھے۔

اماں، نبیل، ساجد، نبیلہ، ضحیٰ اور ساجدہ باجی اس دکھ کو رو رہے تھے جو کسی کو بھی نہیں پتا تھا مگر بہت سے دل دوسروں کو روتے دیکھ کر اشک بار تھے۔

"شارق جیسا بھی ہے اب تمہارا شوہر ہے۔ تمہیں اس نے اتنی صعوبتیں جھیل کر حاصل کیا ہے تو تمہاری قدر بھی کرے گا۔ خوش رہنا۔" اماں نے گلے ملتے اسے نصیحت کی تھی۔

نویرہ تو گم صم سی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ سب کی طرح وہ بھی دھاڑیں مار مار کر روئے مگر لگتا اپنے گھر میں ہی اماں کے سامنے ہی سارے آنسو بہاتے خود کو پتھر کر بیٹھی تھی۔ اب رونے پر بھی آنسو نہ نکل رہے تھے۔ اس وقت بے حسی کی کیفیت طاری تھی اور نویرہ اپنی اس کیفیت سے خود بھی خوفزدہ تھی۔ اماں کی نصیحت اسے گالی بن کر لگی تھی۔ وہ لب بھینچ کر روبوٹ کی طرف اسی طرف گھسٹتی چلی گئی جہاں سب گھسیٹ رہے تھے۔

* * *

چھوٹو ماموں، وقار بھائی کے علاوہ وہ پھپھو کی بڑی دونوں بیٹیاں جو معراج ماموں (طاہرہ کا بڑا بھائی) کے ہاں بیاہی ہوئی تھیں ان دونوں کے میاں مصطفیٰ بھائی اور مرتضیٰ بھائی، ستارہ اور قادر بھی آئے ہوئے تھے۔

آج زرش کتنے دنوں بعد اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ پاپا نے اسے دیکھا تو اپنے پاس بلا کر پیار کیا۔ اس کی صحت کی طرف سے تشویش کا اظہار کیا تو وہ رو دی۔ وہ تو محبتوں میں پروان چڑھایا گیا پھول تھا۔ نفرت کے اس الاؤ نے اسے مرجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اسے بہلاتے رہے تھے، سمجھاتے رہے تھے، ادھر ادھر کی بے شمار باتیں کیں مگر سبحان احمد یا طاہرہ بیگم کے متعلق ایک بات نہ کی۔

وہ پہلو تہی کر رہے تھے تو وہ بھی اس تکلیف دہ موضوع کو سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ پھپھو کی فیملی اپنے ساتھ مٹھائی لے کر آئی تھیں۔ یہ بڑے بڑے مٹھائی کے ٹوکرے کس سلسلے میں تھے وہ پوچھ کر تھک گئی تھی مگر جیسے ہر کوئی سسپنس پھیلانے پر بضد تھا۔

"آرام سے، صبر سے، بیٹھی رہو۔ کچھ دیر میں خود پتا چل جائے گا۔"

اس نے تیسری بار زویا باجی سے پوچھا تو انہوں نے مسکرا کر ٹال دیا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

رات کے کھانے پر بہت دنوں بعد وہ سب کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ پاپا ابھی تک پرہیزی کھانوں پر تھے مگر شائستہ اور مسعود دونوں کو زرش کو گاہے بگاہے اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانے کی ہدایات دیتے رہے تھے۔

ان کا وہی پرانا مشفق، محبت بھرا انداز تھا۔ زرش کے اندر کھد بدی ہونے لگی۔ کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ باہر اچھا خاصا ماحول تھا مگر ان سب میں اسے کچھ خاص لوگوں کی بہت کمی محسوس ہوئی تو وہ خود کو اتنے ہجوم میں ایک دم اکیلا محسوس کرنے لگی۔

کمرے میں آ کر آنکھیں خواہ مخواہ بھیگتی چلی گئیں۔

تائی نے جو بہتان باندھا تھا اس نے تو اس کے اندر مدافعت کی ساری صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ رہی سہی کسر شائستہ کی زبان سے طاہرہ بیگم کے کردار کا کمزور پہلو سن کر اس کا دل نفرت سے بھرنے لگا تھا۔

کوئی شخصیت اس قدر دوہرے پن سے بھی دوچار ہو سکتی ہے، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تنہا بیٹھی گزرے لمحوں پر ماتم کناں تھی۔ آنکھیں ایک دم نیر بہانے پر آمادہ۔

"زرش......" نہ جانے وہ کب تک اسی افسردہ ماتم کناں کیفیت لیے بیٹھی رہتی۔ ہادی آپا کی آواز پر اس نے فوراً اپنے رخسار رگڑے۔

"جی آپا۔" اس نے سر اٹھا کر آپا کو دیکھا۔ سرخ متورم آنکھیں گریہ وزاری کی گواہ تھیں۔

ہادیہ کے دل کو گویا کسی نے مٹھی میں لے کر بہت زور سے مسلا تھا۔

"عقل مند وہ ہے زرش، جو گزرے لمحوں سے سبق حاصل کرے نہ کہ وہ جو گریہ وزاری پہ کمربستہ ہو جائے۔ جو ہو گیا اسے بھولنے کی کوشش کرو۔" ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ انہوں نے ایک طرف رکھ کر اس کا ہاتھ تھاما تو اپنے آنسو ضبط کرتی زرش پھر رو دی۔

"صبر نہیں ہوتا آپا...... بہت مشکل ہے...... اتنا بڑا الزام، میں مر کیوں نہیں گئی۔ میں تو بہت اچھا سمجھتی تھی تائی جان کو مگر وہ تو......"

ہادیہ نے آہستگی سے اسے ساتھ لگا لیا۔ زرش نے دل کھول کر دل کا درد بہایا۔

"اب بس کرو...... میں تو تمہیں خوشخبری سنانے آئی تھی۔" ہادیہ آپی کی پکار پر وہ سیدھی ہوئی۔ آنکھیں صاف کرتے انہیں دیکھا۔

"خوشخبری! وہ بھی ہمارے گھر میں۔ اتنا بڑا سانحہ گزرنے کے باوجود کسی خوشخبری کی گنجائش ہے۔"

"ہاں خوشخبری اور خوشی کی گنجائش تو انسان کو آخری لمحوں تک رہتی ہے۔ یہ خوش امیدی ہی تو ہے جو مرتے شخص کو بھی خوش گمان بنائے رکھتی ہے۔ وجہ خوشخبری دریافت نہیں کرو گی؟" انہوں نے ماحول بدلنے کو مسکرا کر اس کی ٹھوڑی تھام کر چہرہ اوپر اٹھاتے مسکرا کر لب کشائی کی تھی۔

"پتا نہیں، آپ ہی بتا دیں۔" زرش اپنے آپ کو بحال کرتے مسکرائی تو انہوں نے سائیڈ پر رکھا مٹھائی کا ڈبہ تھام لیا۔

"ابھی بتاتی ہوں، پہلے یہ مٹھائی کھاؤ۔" انہوں نے ڈبہ کھول کر اس کے سامنے کیا تو وہ حیران ہوئی۔

"ہیں...... یہ مٹھائی کس سلسلے میں ہے؟" مٹھائی پہ نظر ڈالتے وہ رس گلے دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ رس گلے کا ٹکڑا اٹھاتی، ہادیہ کے الفاظ نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

"ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔"

زرش کو لگا جیسے یہ الفاظ نہیں، بم کے ٹکڑے ہوں۔

"آپا......" وہ گنگ رہ گئی تھی۔ اس نے ایک دم ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا۔ "یہ کیسا مذاق ہے؟" وہ سخت اشتعال میں آ گئی تھی۔

"مذاق نہیں، اٹل حقیقت۔" ہادیہ کے لہجے میں بلا کی مضبوطی تھی۔ "جس طرح تائی جان نے گھٹیا الزام تراشی کی تھی اور خاندان بھر میں جو کھچڑی پک چکی ہے اس کے بعد یہ بہت ضروری ہو گیا تھا کہ تمہاری ذات سے متعلق تائی کے الزامات کو غلط ثابت کر دیا جائے۔" بلا کا تحمل تھا ان کے لہجے میں۔

بے شک وہ حالات و واقعات کا بہت گہرائی سے تجزیہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی مگر اتنی کم فہم بھی نہ تھی کہ ایک دم یہ سب ہو جاتا۔

"کون ہے وہ؟" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"سعد......"

"جی......" اب کی بار تو زرش ہلنے کے قابل بھی نہ رہی تھی۔

"آپ کا مطلب ہے کہ سعد بھائی۔" وہ بے یقینی سے دیکھے گئی۔ ہادیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"او مائی گاڈ......" اس نے سر تھاما جیسے چکرا گئی ہو۔ "یہ کیسے ممکن ہے......تو...... تو......" زبردست احتجاج ہوا تھا۔

"کیوں ممکن نہیں...... کیا کمی ہے سعد میں' ماشاء اللہ اسپیشلسٹ ہے پاکستان لوٹنے والا ہے۔ مگر صرف چند مصروفیات کی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ جیسے ہی پاکستان آئے گا روشن مستقبل اس کا منتظر ہوگا۔ پھپھو نے اتنی محبت و چاہت سے تمہیں مانگا ہے۔ ہاں' ابو امی کو اعتراض تھا مگر یہ جو حالات ہیں ان کی روشنی میں ابو کا فیصلہ بہت عقلمندانہ ہے۔ تائی نے جو گھٹیا چال چلی ہے اس کو ناکام بنانے کے لیے یہ از حد ضروری تھا۔ اس طرح ان تمام لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے جو تمہارے یا سمعان بھائی کے متعلق غلط قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ اس گھٹیا پروپیگنڈے کا صرف یہی ایک حل تھا۔" انہوں نے زرش کے زبردست احتجاج پر فوراً ناگواری سے کہا تھا۔

وہ لب بھینچ گئی۔

"پھر بھی آپ ماما پاپا کو منع کر دیں۔" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

"کیوں؟" انہوں نے ناراضگی سے زرش کو دیکھا۔

زرش خاموش رہی۔

"کہیں اس انکار کی وجہ سمعان احمد تو نہیں۔"

یہ سوال تھا کہ تازیانہ۔ زرش نے ایک دم ہادیہ کو دیکھا۔ کیا کچھ نہ تھا اس کی آنکھوں میں۔ دکھ و تاسف' ناراضگی' ملال اور سب سے بڑھ کر خود کو نہ سمجھنے کا دکھ اور ایک دم بہہ جانے والے آنسو۔

"دیکھو' تمہارے اس انکار سے سب کے ذہنوں میں سب سے پہلے یہی بات آئے گی کہ ہو نہ ہو تم بھی سمعان بھائی کو پسند کرتی ہو۔ حقیقت کیا ہے ہم اچھی طرح باخبر ہیں مگر دوسرا بندہ تو آزاد ہے۔ وہ کچھ بھی سوچ سکتا ہے۔ یہ دفاعی حکمت عملی اس لیے بھی تھی کہ اس غلط پروپیگنڈے کا خاتمہ کیا جا سکے۔"

"خدا کی قسم آپا' سمعان بھائی کے متعلق سب کچھ جاننے کے باوجود میرا دل ان کی طرف آمادہ نہیں ہوا۔ انہوں نے اتنی دفعہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کی اور ہر دفعہ میں نے انکار کر دیا۔ مجھے تو تائی امی کی گندی ذہنیت کا اندازہ ہی نہ تھا۔ وہ اس قدر گھٹیا پن پر اتر آئیں گی' میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ سمعان بھائی کی میں عزت کرتی ہوں' دل و جان سے۔ ایک ساتھ بچپن گزرا ہے۔ انہوں نے جس طرح مجھ سے شفیق و مہربان رویہ رکھا لازمی طور پر ان کی جانب رجحان ہو جاتا تھا۔ پھر ہمارے درمیان اتنا

ڈیزرلیس۔ میں ان کی شخصیت سے متاثر ہوں مگر اس سارے عمل میں کہیں بھی میرا ذہن پراگندا نہیں ہوا۔ میں نے تو انہیں صرف سمعان بھائی ہی سمجھا تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ رشتہ' یہ حوالہ مجھے یوں سنگسار بھی کر دے گا۔ کم از کم آپ تو سنگ باری کرنے والوں میں شامل نہ ہوں۔"

روتے ہوئے اس نے اپنا دل کھولا تھا۔ ہادیہ کو اپنے سوال پر دکھ ہوا۔

"سوری۔" "مگر تم بھی سمجھنے کی کوشش کرو' ماما پاپا نے خوشی سے ہاں نہیں کی۔ سمعان بھائی سے متعلق ماما نے کیا کچھ نہ سوچا تھا مگر اب خاندان بھر میں ہونے والے پروپیگنڈے کا بھی کوئی حل نکالنا ہے اور یہ رشتہ طے ہونا ہی سب سے بڑا حل ہے۔ سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ تم دیکھنا تائی امی اور ان کی بہن صاحبہ کیسے منہ کی کھاتی ہیں۔"

ہادیہ نے پیار سے اسے ساتھ لگا کر قائل کرنا چاہا تو وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی۔ ہاتھ بے اختیار گلے میں موجود لاکٹ کو چھو گیا۔

"آپا......" اگلے ہی پل وہ بری طرح سسکنے لگی تھی۔ لاکٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹا تو اسے لگا جیسے سب کچھ وہ کھو چکی ہے۔ حتیٰ کہ انکار کا حق بھی۔ اس کی گریہ وزاری میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔ ہادیہ نے بہت محبت سے اس بکھری زرش کو سمیٹ لیا۔

* * *

رفعت باجی اور چند اور کزنز لڑکیاں اسے کمرے میں بٹھا گئی تھیں۔ چند لمحے بیٹھی گم صم کیفیت میں رہی پھر ایک دم ذہن میں کسی خیال سے جھماکا ہوا تو وہ تیزی سے اٹھ کر بستر سے اتر گئی۔

تازہ سرخ پھولوں سے سجا کمرہ اسے کسی سیج سے کم قبر سے زیادہ مشابہ لگ رہا تھا۔ جس قسم کا سلوک شارق زمان نے اس کے ساتھ کیا تھا وہ اس کا انتظار کرتی...... مر کر بھی ایسی توقع کرنا عبث تھا۔

اسی کمرے میں اس ظالم و سفاک شخص کی شخصیت کا بت پاش پاش ہوا تھا۔ اس نے نفرت انگیز نگاہ سجے سجائے کمرے پر ڈالی۔

یہ کمرہ شارق زمان کے لیے آرزوؤں و امنگوں کا مرکز تو ہو سکتا تھا مگر اس کے لیے جہنم سے کم نہ تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے روپ سروپ پر نگاہ ڈالی۔

آئینے میں دکھائی دینے والی شبیہ ایسی حسین مورت کی تھی جو نویرہ نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

وہ تلخی سے ہنسی۔

بیوٹیشن نے کتنا زور دیا تھا کہ وہ ایک بار ہی آئینے میں اپنا آپ دیکھ لے مگر دل میں تو کوئی امنگ ہی نہ تھی۔ مر گیا تھا دل گویا اب تو صرف نفرت و انتقام کے جذبات تھے۔

جس قدر شارق زمان نے اسے تڑپایا تھا' بے بس کیا تھا' وہ بھی اسے اسی قدر بے بس و مجبور کر دینا چاہتی تھی۔

اندر سے جوابی انتقام کی لہر بہت زور آور تھی۔

وہ تو سخت تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنے والی تھی مگر اس وقت انتہائی طیش سے اس نے سارا زیور

نوچ ڈالا۔

رفعت باجی باتھ روم میں اس کا لباس لٹکا گئی تھیں۔

زیور اسی طرح ڈریسنگ پر پٹخے وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ وہ اس شخص کے سارے ارمانوں کو ملیا میٹ کرنے کا سوچے ہوئے تھی۔ وہ اس کی سب آرزوؤں کو چکنا چور کر دینا چاہتی تھی۔ اسے اپنی ماں اور بھائیوں کی بے بسی و لاچاری رہ رہ کر طیش دلا رہی تھی۔ کیسے اپنی عزت کی خاطر وہ زہر کا پیالہ پینے پر مجبور ہوئے تھے۔ اپنی عزت کے ڈاکو کو سر آنکھوں پر بٹھانے پر مجبور تھے۔

لباس بدل کر وہ کمرے میں آئی تو غصے سے عروسی لباس صوفے پر پٹخ دیا۔ یہ لباس اس نے اور نبیلہ بھابی نے بڑے ارمانوں سے خریدا تھا مگر اب یہی لباس اسے کسی سانپ بچھو سے کم نہ لگ رہا تھا۔ بالوں میں دو تین بل ڈال کر وہ الماری کی طرف چلی آئی۔ اس کے تیور انتہائی جارحانہ تھے۔ نا قابل فہم۔ الماری ان لاک تھی۔ دو تین درازیں کھنگالتے ادھر ادھر ہاتھ مارتے اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی تھی۔

”میرے سرہانے بیٹھ کر شارق زمان ماتم کرنا۔ اتنی آسانی سے تو تمہیں کبھی ملنے والی نہیں ہوں۔ اپنی ماں کی خاطر بے بس و مجبور ہوئی ہوں مگر دیکھنا تمہیں تمہارے رویوں کا احساس نہ دلایا تو میرا نام نوریہ نہیں ہے۔ جتنا میں تڑپی ہوں تم بھی تڑپنا۔ میں بدکردار نہیں تھی کہ تم سا بے حیا بدکردار میرا شریک حیات بنتا۔“

شیشی کھولتے اس نے بیڈ کی طرف دیکھا۔ رفعت باجی اس کی بھوک کے احساس سے پھل، پانی اور دودھ کا گلاس رکھ گئی تھیں۔ پانی کا جگ تھا مگر گلاس ندارد۔ اس نے وہی دودھ کا گلاس تھام لیا۔

دو گولیاں نکال کر اس نے شیشی ادھر ادھر دیکھا کہ کہاں چھپائے۔ اسے اندازہ تھا کہ آج رات کی حرکت کے بعد شارق زمان ایسی کوئی ”غلطی“ کمرے میں نہیں رہنے دے گا۔ وہ بستر کی کراؤن کے پیچھے چلی آئی۔ گدے اور لکڑی کی کراؤن کے نیچے اتنی جگہ تو تھی کہ وہ یہ چھوٹی سی شیشی اندر چھپا سکتی۔ شیشی چھپا کر وہ ہاتھ جھاڑتی طنزیہ ہنس دی۔

”بڑا شوق ہے مجھے اپنانے کا۔ اب پورے کرنا اپنے شوق۔ میں بھی کوئی عام لڑکی نہیں ہوں شارق زمان۔ وقتی طور پر کمزور ہوئی ہوں مگر تمہیں دنیا والوں کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف نہ کروایا تو نوریہ نام بدل دینا۔“

باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھو کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔

سارے دن کے واقعات کسی فلم کی طرح ذہن میں گردش کرنے لگے تو وہ سر جھٹک کر بستر پر لیٹ کر سر تک کمبل تان گئی۔

یہ سب کچھ اس نے ”پری پلان“ کے تحت تو نہیں کیا تھا، ہاں اچانک ذہن میں خیال آیا تھا۔ ایک دفعہ جب شارق کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تبھی وہ اس کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کی الماری سے کپڑے نکالتے بہت سی شیشیوں کے ساتھ اسے یہ چھوٹی سی شیشی بھی دکھائی دی تھی اور اب وہ اپنے ذہن میں آنے والے فوری خیال پر نہ صرف عملدرآمد کر چکی تھی بلکہ شارق زمان کو اچھی طرح سبق سکھانے کا ارادہ بھی باندھ چکی تھی۔

دل میں امنگوں و جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے انوکھے و روپہلے خوابوں کا گلشن سمیٹے فاتح چال چلتے اپنی کامیابی پر نازاں شارق احمد نے جب حجلۂ عروسی میں قدم رکھا تو پہلی نگاہ ہی سیج کی طرف اٹھی تھی۔

کمبل میں لپٹے وجود کو دیکھ کر ذہن ایک لمحے کو متحیر تو ہوا تھا تاہم دھچکا نہیں لگا تھا۔

وہ اب تک نوریہ کے ساتھ جو کچھ کر چکا تھا یہ ردعمل تو کچھ بھی نہ تھا۔ وہ تو نوریہ کی طرف سے شدید ردعمل کے انتظار میں تھا مگر جس طرح خاموشی سے بغیر کوئی رکاوٹ پیدا کیے دونوں جانب سے رخصتی کے مراحل طے ہوئے تھے وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش فہمی سے بھی دوچار ہوا تھا۔

نوریہ کمبل تانے پڑی ہوئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ دروازہ لاک کر کے وہ آگے بڑھا تو صوفے پر پڑے عروسی لباس نے اسے دوسرا جھٹکا دیا تھا۔ اس نے ایک تیز نگاہ کمبل میں لپٹے وجود پر ڈالی۔ جی چاہا ایک لمحے میں جھنجھوڑ کر رکھ دے مگر اب تک وہ نوریہ کے ساتھ جو بھی کر چکا تھا مزید زبردستی موافق نہ تھی۔

نگاہوں میں بار بار نوریہ کا عروسی روپ آ کر دل میں ادھم مچا رہا تھا۔ کل سے لے کر اب تک نوریہ اس کے نام ہو چکی تھی اس کے باوجود اس نے صبر کیا تھا مگر اب صبر کی ساری دیواریں کچی مٹی کا ڈھیر ثابت ہو رہی تھیں۔

کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکاتے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ بستر کی طرف آیا تھا۔ وہ تو اسی وقت کمرے میں آنے کو بے تاب تھا جب رفعت باجی نوریا کو کمرے میں چھوڑ کر گئی تھیں مگر بہت سے مہمانوں کی موجودگی اور دوست احباب کی وجہ سے رکا تھا۔ تاخیر زیادہ تو نہ ہوئی تھی مگر نوریہ کا ردعمل عین توقع کے مطابق تھا۔

”نوریہ......“ اس کے قریب بیٹھ کر اس نے کمبل اس کے وجود سے کھینچ لیا تھا۔

مگر نوریہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔

اتنے کم وقت میں اتنی گہری نیند۔

وہ مسکرا دیا۔

سوتی سلیپنگ سوٹ میں وہ اپنی تمام تر سادگی کے ساتھ سامنے تھی۔

دھلا ہوا میک اپ، مٹے مٹے نقوش، ہونٹوں کا کٹیلا پن۔

اس کے اس روپ نے شارق زمان کو مدہوش کر دیا تھا۔

نہایت بے تابانہ انداز میں اس نے اس کا کندھا تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔

بازو کے گھیرے میں لیے زور سے خود میں بھینچا۔

”نوریہ......“ جذبوں سے بھری آواز تھی۔ نوریہ ہوش میں ہوتی تو اسے خود کو کبھی چھونے بھی نہ دیتی۔

”نوریہ مادام! اٹھیے۔ آپ کو اتنی گہری نیند لینے کو یہاں اتنے پاپڑ بیل کر نہیں لایا گیا۔ اٹھو، بندہ تمام تر عقیدت سمیت آپ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کو تیار ہے۔ نوریہ......“

اسے بازو کے گھیرے میں لیے دوسرے ہاتھ سے رخسار تھپتھپاتے شارق نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا مگر

نویرہ پر کوئی اثر ہی نہ تھا۔ وہ حقیقتاً الجھا۔

ڈھیلے ڈھالے اعصاب سمیت وہ مکمل اس کی گرفت میں تھی۔

اس کے سنگلاخ بازوؤں کے حصار میں مقید۔

"کہیں اس نے خود کو کچھ کر تو نہیں لیا۔"

ایک دم نویرہ کی دھمکی آمیز باتیں ذہن کے گنبد میں گونجیں تو وہ پریشان ہو گیا۔

"نویرہ......" اس نے بری طرح اس کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

مگر وہ تو جیسے کبھی ہوش میں نہ آنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی۔

اس نے کچھ بے یقینی سے گرفت چھوڑی تو وہ دوبارہ بستر پر لڑھک گئی۔

اب شارق زمان کے ہاتھوں کے حقیقتاً طوطے اڑے تھے۔ چہرے پر تفکر و تشویش کے سائے لہرائے۔

"نویرہ......نویرہ......" اس نے اس کے رخسار تھپتھپائے تو بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ ایک دم گھبرا کر اس کی نبض چیک کی۔ بالکل نارمل تھی۔ دل کی دھڑکن بھی ٹھیک تھی۔ سانس کی آمد و رفت اتنی ہی معمول پر تھی جس قدر کسی بھی نارمل آدمی کی نیند میں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب تھا وہ نیند میں تھی مگر یہ اٹھ کیوں نہیں رہی۔

شارق زمان کی نگاہوں میں اب الجھن در آئی تھی۔

ایک پل کو لگا کہ جیسے یہ کوئی ڈرامہ ہو جو نویرہ نیند کا بہانہ کر کے اس سے بچنے کے لیے کر رہی ہے مگر اگلے ہی پل شارق زمان نے اپنے ہی خیال کی نفی کر دی تھی۔ اتنی کامیاب نیند کی ایکٹنگ تو نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اتنی گہری نیند کی وجہ کیا تھی۔ ایک گہری نظر سے نویرہ کو دیکھتے ہوئے وہ اس کے سرہانے سے اٹھ گیا تھا۔ اس وقت اس کے ضبط پر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔ جی چاہا کہ فی الفور جھنجوڑ کر بٹھا دے۔ اندر دل میں جذبات کا بپھرا طوفان ایسا ہی تلاطم مچائے ہوئے تھا۔ بے بسی کی انتہا تھی' کنواں سامنے تھا' پینے کی ہمت و طاقت بھی تھی مگر جام ہونٹوں تک لے جا نہیں سکتا تھا۔ کسی ایسے فرد کی شکست اور کیفیت کا اندازہ صرف وہی شخص لگا سکتا ہے جو دن رات اپنی ذات کی' ہر آسائش' ہر آرام و سکون بھلائے نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر اپنی جان چلی جانے کے خوف سے بے نیاز ہو کر آگ کے دریا میں کود کر گوہر نایاب حاصل کر پایا ہو اور نویرہ کسی گوہر نایاب سے کم بھی نہ تھی بلکہ گوہر نایاب سے بڑھ کر قیمتی تھی جس کے حصول کے لیے اس نے سب کچھ تیاگ دیا تھا۔ برسوں کی محبتیں' عمر بھر کی پونجی (عزت و وقار' رکھ رکھاؤ کی صورت میں) ماں کی نافرمانی تک کا مرتکب ہوا تھا۔ بہن کا دل ہی نہیں دکھایا تھا' بہت سے رشتوں کا وقار مسخ کر دیا تھا' صرف اس ایک وجود کے لیے اور اب بھی وجود بے سدھ پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔

"بڑا شوق تھا مجھے اپنی دسترس میں کرنے کا۔ لو اب میں تمہاری تحویل میں ہوں۔ اب اپنی طاقت کا مظاہرہ دکھاؤ۔ وجود تو خریدے جا سکتے ہیں' روحیں نہیں' تم میری روح کو خرید کر دکھاتا۔"

نہایت اشتعال سے شارق زمان نے ڈریسنگ پر پڑا ہوا برش اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔ ڈریسنگ پہ پڑے بکھرے زیور اس کی شکست کے اس مظاہرے پر قہقہے بکھیر رہے تھے۔ انتہائی بے بسی سے شارق نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔

* * *

سارے گھر میں ایک عجیب سی ماتمی فضا طاری تھی۔

سعید احمد اپنے کمرے میں بند تھے۔ علی اپنے کمرے میں۔ سمعان کا آج کل کوئی پتا ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ کہاں پایا جاتا ہے۔ ہاں آفس کے بعد وہ کب گھر آتا تھا' بعض اوقات تو فرح بھی حساب بھول جاتی تھی۔ انتظار کرتے کرتے نہ جانے کب سوتی تھی اور کب سمعان احمد گھر میں داخل ہوتا تھا۔ ہاں اس گھر میں اگر آج کل مطمئن و پرسکون تھیں تو طاہرہ بیگم تھیں۔ سب کو بے سکون کر کے وہ سکون سے تھیں۔ فرح کو تو ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔ اسے حیرت بھی ہوتی تھی۔

یہ ماں کی کون سی قسم تھی؟

کیا اس ماں میں ممتا نام کی کوئی چیز نہ تھی؟

کیا اس ماں کو اپنی اولاد کی زندگی میں لگی آگ کا اندازہ نہیں ہو رہا؟

کیا اس ماں کو اولاد کی تکلیف بے کل نہیں کر رہی؟

فرح حیرت سے ششدر تھی۔

اس نے ماں کا جو بھی روپ دیکھا تھا یہاں اس روپ سے قطعی مختلف خود غرض اور قابل نفرت تھی۔ اس نے کیا' گھر کے ہر فرد نے ان سے کلام کرنا بند کیا ہوا تھا۔ سعید احمد نہ جانے کب آفس جاتے تھے اور کب آتے تھے' کسی کو پتا ہی نہ چلتا تھا۔ علی کب کالج کو نکلتا تھا اور کب واپس آنے کے بعد دوبارہ گھر کی مار دینے والی خاموشی و سناٹوں سے گھبرا کر نکلتا تو رات گئے لوٹتا تھا۔ نہ کوئی پوچھنے والا تھا اور نہ ہی کوئی ٹوکنے والا۔

اور فرح کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کہاں جائے' کس کونے میں منہ چھپائے۔ وہ اپنے گھر کو بکھرتا دیکھ رہی تھی۔ بارہا جی چاہا کہ اسلام آباد بھائی کو فون کر کے بلا لے۔ شاید حالات میں بہتری کی کوئی گنجائش نکل ہی آئے مگر پھر ٹال جاتی تھی لیکن آج تو جو ہوا تھا اس سانحے نے گھر کے مکینوں کو برف کے لبادے میں دفنا دیا تھا' ماسوائے طاہرہ بیگم کے۔

اتوار کا دن تھا۔ معمول کے مطابق سبھی لوگ گھر پر ہی ہونے چاہیے تھے مگر آج سمعان صبح نو بجے ہی گاڑی کی چابی لے کر نکل گیا تھا۔ علی بھی جانے لگا تو سعید احمد نے منع کر دیا۔ آج وہ گھر پہ تھے۔ گھر پہ جو سناٹوں کا راج تھا وہ بھی دیکھ رہے تھے۔ دس بجے کے قریب نفیسہ پھپھو چلی آئی تھیں۔

فرح تو پہلے ہی سعد کے فون سے پریشان تھی۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ سمعان سے کس طرح بات کرے۔ پھپھو کو دیکھ کر ڈر گئی تھی اور پھر اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ لائی ہوئی مٹھائی دیتے ہوئے جو انکشاف کیا تھا وہ سب کو بت بنا گیا تھا۔

"میں نے سعد کا رشتہ زرش سے طے کر دیا ہے۔"

ایک لمحے کو تو طاہرہ بھی پتھر بنی تھیں پھر فوراً سنبھل بھی گئیں مگر کسی اور میں تو بعد میں بھی سنبھلنے کی ہمت نہ رہی تھی۔

سعید احمد کچھ نہیں بولے تھے' صرف خاموشی سے اٹھے تھے۔

نہ کوئی شکوہ نہ شکایت' انتہائی بے چارگی سے اپنی بہن اور سامنے رکھے ڈبے کو دیکھتے وہ منظر سے نکلتے چلے گئے تھے۔

”سعید..... رکو بات سنو..... سعید..... سعید.....“

انہوں نے کئی آوازیں دی تھیں' پیچھے تک گئی تھیں مگر انہوں نے گویا خود کو پتھر بنالیا تھا۔

ہر طرف سے کان بند کیے وہ گھر سے ہی نکل گئے تھے۔

علی کمرے میں بند ہوا تو وہ پھپھو کے سینے سے لگ کر خوب روئی تھی۔

طاہرہ بیگم تو سعید احمد کے گھر سے نکلنے کے بعد طنزیہ ہنستی اپنے کمرے میں گئیں تو تب تک باہر نہ نکلیں جب تک نفیسہ پھپھو سعید احمد کی واپسی سے مایوس ہو کر چلی نہ گئی تھیں۔

اس وقت رات کے بارہ بجے وہ تن تنہا بیٹھی سمعان احمد کی منتظر تھی۔

سمعان صبح کا گھر سے نکلا تھا۔ ابھی تک واپسی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی طرف سے خوفزدہ خیریت کی دعائیں مانگتی وہ نہ جانے کب تک ہولتی رہی تھی کہ گاڑی کے ہارن پر فوراً چونکی۔

”سمعان بھائی آگئے.....“ وہ فوراً اٹھی تھی مگر پھر سمعان کے سامنے جانے کا خیال اسے خوفزدہ کر گیا تو وہ منہ دھونے کمرے میں چلی آئی۔ اچھی طرح منہ دھو کر باہر آئی تو سمعان اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ گیٹ چوکیدار نے کھولا تھا شاید۔ وہ لاؤنج سے ہو کر سمعان احمد کے کمرے کی طرف جانے کو بڑھی تو ٹیبل پر پڑے مٹھائی کے ڈبے کو دیکھ کر رک گئی۔ اس ڈبے کو کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ اس نے جھک کر ڈبہ تھام لیا۔

ہونٹوں میں بڑی تلخ سی مسکراہٹ در آئی۔

اس نے سمعان احمد کے دروازے پر دستک دی۔

”یس' کم ان۔“ فرح کو حیرت ہوئی۔ اتنے دنوں بعد سمعان کی آواز میں قدرے بشاشت تھی۔

وہ اندر داخل ہوئی تو سمعان تولیے سے منہ صاف کرتا اسے سرسری نظروں سے دیکھتے آئینے کے سامنے جا ٹھہرا۔

اسے یقین تھا اس وقت صرف فرح ہی جاگ رہی ہوگی۔

”ہاں بولو فرح! سوئی نہیں تم ابھی تک۔“ پچھلے تمام دنوں سے ہٹ کر لہجہ بھی نارمل تھا۔

فرح نے بغور دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔ برش تھامے بال بنا رہے تھے۔

”میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ کہاں تھے آپ؟ سارا دن گھر سے باہر رہے۔“ اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔ سمعان مسکرایا تاہم دیکھنے سے ابھی بھی گریز کیا۔

”ظفر کے ساتھ تھا۔ ظفر کا ایک کزن لاہور سے آیا ہوا ہے۔ نواز فاروق بڑا اچھا لڑکا ہے۔ پہلی دفعہ ملاقات ہوئی۔ یوں لگا جیسے برسوں کا یارانہ ہے۔ بس سارا دن اسی کے ساتھ نکل گیا۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔“ مسکرا کر بتاتا سمعان احمد الماری کی طرف بڑھا۔ رات پہنے جانے والا لباس نکال کر پلٹا اور فرح کو دیکھ کر مسکرایا۔

”کھانا لاؤں آپ کے لیے؟“ دوپٹے میں چھپے ڈبے کو مضبوطی سے پکڑے اس نے پوچھا تو سمعان نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں ڈیئر..... ظفر کے ہاں ہی کھانا کھا لیا تھا۔“ وہ پلٹ کر باتھ روم میں چلے گئے تھے۔

سمعان کے اتنے نارمل انداز کو دیکھ کر وہ منوں بوجھ تلے جا دبی۔

ڈبہ ٹیبل پر رکھ کر وہ بستر کے کنارے بیٹھ کر سمعان کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ سمعان کپڑے چینج کر کے باتھ روم سے نکلا تو اسے بیٹھے دیکھ کر رکا۔

”کیا بات ہے۔ کوئی پریشانی ہے۔“ سمعان کی نگاہ مٹھائی کے ڈبے کی طرف نہیں گئی تھی۔

فرح انگلیاں مروڑنے لگی۔

”آپ کو ایک بات بتانی تھی۔“ اس نے ہمت کی۔ سمعان نے انتہائی تعجب سے دیکھا۔

”کیا.....؟“

”آج پھپھو آئی تھیں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تو.....“ سمعان نے اسے دیکھا۔

فرح کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

”کچھ نہیں..... بس آپ کو یہ مٹھائی کھلانا چاہ رہی تھی۔“ فوراً بتانے کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر ڈبہ تھام لیا۔

سمعان کی حیرت دوچند تھی۔

”یہ ڈبہ کس سلسلے میں؟“

”خوشخبری کہہ لیجیے۔ آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔“

آنکھوں میں نمی لیے لبوں پہ مسکراہٹ سجائے اس نے گویا اپنا ہی مذاق اڑایا تھا۔ سمعان کو فرح کا رویہ کچھ سمجھ نہ آیا۔

”چھوڑو ہمارے گھر میں کسی خوشی کا کیا کام۔ صاف بات کہو۔ میں پہلے ہی بہت تھکا ہوا ہوں۔“

فرح نے خاموشی سے ڈبہ کھول کر سمعان کے سامنے کیا۔

”آپ مٹھائی تو چکھیں پھر وجہ خوشخبری بھی سن لیجیے گا۔“

سمعان نے بغور فرح کو دیکھا۔ وہ اس وقت ناقابل فہم لگی۔ مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر کے سمعان نے ڈبے میں سے گلاب جامن کا ٹکڑا پکڑ لیا۔ اس وقت وہ بہت تھکن محسوس کر رہا تھا۔ بس فوراً سونے کا ارادہ تھا شاید اس لیے مزید کچھ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں کی تھی۔ خاموشی سے ٹکڑا منہ میں رکھا۔

”اب بتا بھی دو..... کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔“ فرح کو بالکل گم صم دیکھ کر سمعان نے آدھا ٹکڑا نگلتے ہوئے ٹوکا۔

”آپ کو کچھ بھی اندازہ نہیں کہ یہ مٹھائی کس سلسلے میں ہو سکتی ہے۔“

ابھی پھپھو کی آمد کا بھی بتا چکی تھی۔

"فرح!" سمعان نے تادبی نگاہوں سے دیکھا تو وہ گویا پھٹ پڑی۔

"آج دس بجے کے قریب پھپھو آئی تھیں یہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر یہ بتانے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سعد جمال کی منگنی زرش سے کر دی ہے۔ شادی تب ہو گی جب سعد پاکستان آ جائے گا۔"

وہ ڈبہ ٹیبل پر پٹخ کر ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا کہہ رہی ہو تم......" ہاتھ میں پکڑا آدھا ٹکڑا ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ کھایا ہوا ٹکڑا کہیں حلق میں ہی اٹک گیا تھا۔ آنکھیں پھیلائے حیرانگی سے روتی دھوتی فرح کو دیکھے گئے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم...... یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ مذاق ہے یہ؟"

وہ ہونقوں کی طرح نفی میں سر ہلاتے چلے گئے۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ جب ایک ماں اپنی نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کے لیے دوسروں سے محض انتقام لینے کی خاطر اپنی سگی اولاد پر الزام تراشی کر سکتی ہے تو اس دنیا میں سبھی کچھ ممکن ہے۔ آپ کو تو سعد نے بتایا ہو گا کہ کس طرح پھپھو نے امی کے رویے کے ردعمل کے طور پر یہ قدم اٹھایا ہے۔" وہ تو ضبط ہار گئی تھی۔

سمعان کے ہاتھ اپنے پہلو میں گر گئے۔

"اوہ...... تو یہ بھی ہو گیا۔"

"ابو تو سنتے ہی گھر سے نکل گئے تھے اور علی...... وہ کمرے میں بند ہو گیا ہے۔ رات کو واپس آئے تھے ابو اور اب کمرہ بند کیے پڑے ہوئے ہیں اور......"

"امی......!"

اس نے بے تاثر چہرے والے سمعان احمد کی طرف دیکھا۔ ہاتھ سے اپنے آنسو رگڑے۔

"اور امی...... پتا ہے انہوں نے کیا کہا ہے......" وہ پھر رکی تھی۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ "انہوں نے پھپھو کے جاتے ہی قیصرہ خالہ کو کال کی تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ وہ ان سے کہہ رہی تھیں کہ ان کے تیار کردہ پلان پر عمل کرتے ہوئے بادیہ آپا کی طرح زرش کا پتہ بھی ہمیشہ کے لیے صاف ہو گیا۔ وہ اپنی گھٹیا چال پر خوش ہو رہی تھیں۔ انہیں اپنی جیت پر ناز تھا کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی اور میرا یعنی فرح کا رستہ بھی ہموار ہو گیا۔ بھائی! میں تو سمجھتی تھی کہ امی سعد بھائی کی کالز سے بے خبر ہیں مگر آج پتا چلا وہ باخبر تھیں۔ وہ صرف نظر انداز کر رہی تھیں' صرف سعد جمال کے معاملے کو ہوا دینے کے لیے۔"

سمعان کو لگا جیسے وجود میں کھڑے رہنے کی سکت ہی ختم ہو گئی ہو۔ وہ بستر کے کنارے گر گیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا بھائی' یہ ہماری ماں ہیں۔ مائیں ایسی ہوتی ہیں۔ وہ پتا نہیں مجھے چیک کر رہی تھیں یا سعد جمال کو مگر اتنا ہوا ہے کہ ان کے قیصرہ خالہ کے سامنے کیے گئے انکشاف سے میرا ان کی ذات پر اولاد کا کیے جانے والا انحصار ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔"

سمعان بے تاثر چہرے سمیت خاموشی سے دیکھے گیا۔ دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے مگر چہرہ

اسی طرح بے تاثر تھا۔

سمعان کو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ فرح کے دکھ پر ششدر ہو یا اپنی کم نصیبی کا ماتم منائے۔

"چپ کرو فرح! شاید یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔ بس چپ کر جاؤ۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمعان نے لب کشائی کی تھی۔

فرح نے تڑپ کر اس ٹھہری ہوئی آواز کو دیکھا۔ وہ مرد تھے' حوصلہ کر سکتے تھے لیکن وہ تو لڑکی ذات تھی۔ پتا نہیں اعتماد ٹوٹا تھا یا دل کی نگری لٹی تھی۔ نقصان دونوں ہی شدید ترین تھے۔ سمعان نے نہایت بے چارگی سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا۔ اپنا دکھ بہت کم لگنے لگا۔

سعد جمال کے انکشاف کے بعد تو سمعان خود بھی خفا ہوا تھا۔ اسے برا بھلا کہا تھا لیکن وہ ان کا کزن تھا۔ سگا پھوپی زاد' حیثیت و رشتہ مسلم تھا۔ ناراضگی سے ہٹ کر سوچا تو فرح کے لیے سعد جمال نہایت موزوں اور پرفیکٹ لگا۔ وقتی ابال کے بعد ان کی سوچ بہت مثبت رخ کی جانب رہنمائی کر گئی تھی اور اسی خیال کے تحت انہوں نے دونوں کی بات کروائی تھی۔ وہ تو کچھ ماننے پر بھی آمادہ نہ تھی اور وہ چپ چاپ رہ گئے تھے کہ وقت کے ساتھ رشتے اور جذبات اپنا آپ منوا لیتے ہیں' مگر کیا ہوا۔ دونوں ہی مبتلائے درد رہ گئے تھے۔

سمعان کو اس محبت کا انجام اس دیے کی لو کی مانند لگا جسے دیوار کی منڈیر پر باد صرصر کے حوالے کر دیا گیا ہو اور ہوا کا کوئی بھی جھونکا اس دہکتے انگارے کا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ بس کوئی بھی دیے کی لو بجھا دینے والا تھا یا واقعی بجھ گیا تھا۔

"بھائی! امی کا دل کیا واقعی نہیں تڑپا ہو گا دوسروں کو نفرت کی آگ میں جھلساتے جھلساتے وہ اپنی اولاد کو ہی نذر آتش کر بیٹھی ہیں۔ بھائی! کیا مائیں ایسی ہوتی ہیں۔ وہ تو اولاد کی نظر تک پڑھ لینے والی ہوتی ہیں۔ ان کے دل کے تمام راز ماں پر آشکار ہو جاتے ہیں۔ وہ تو ہر لمحہ اولاد کی طرف رخ کیے رکھتی ہیں۔ کہیں ان کی اولاد کو ذرا سی ٹھیس نہ پہنچے۔ کہیں تیز دھوپ کی تمازت ان کا تن بدن نہ جھلسا دے۔ ہماری ماں کا یہ کون سا روپ ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ اپنی ساری اولاد کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تیز جھلستی دھوپ میں دھکیل دیا ہے۔ سمعان بھائی کے بعد آپ' زرش اور پھر میں...... کیوں کیا انہوں نے ایسا' کیوں......"

سمعان اس کی گریہ وزاری پر تڑپ اٹھا تھا۔ بہت سمیٹ کر اسے ساتھ لگا لیا۔ وہ تو انہیں عزیز تر تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اس کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھا تھا۔ ہمیشہ اپنے بڑے بھائی ہونے کا مان دیا تھا تو آج اگر وہ چوٹ لگنے پر بلبلا رہی تھی تو بھی انہیں اس کی اذیت کاٹے جا رہی تھی۔

سمعان نے اسے ٹوکا نہیں تھا۔ وہ روتے چلی گئی تھی اور جب اس کا جی ہلکا ہو گیا تو وہ خود ہی آنسو صاف کر کے ان سے علیحدہ ہو گئی۔

"اچھا! جو ہونا تھا وہ ہو چکا...... ٹینشن لینے یا اب رونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اپنے کمرے میں جاؤ' سو جاؤ...... مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" اسے بہت مطمئن انداز میں تسلی دی تو وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ کیا واقعی وہ اتنے ہی نارمل تھے یا نارمل ہونے کی کوشش کی تھی۔

''بھائی!''

''مائیں کیسی ہوتی ہیں؟ اس پر بعد میں ریسرچ کرلیں گے۔ ہماری ماں کا ایک دن کا ساتھ نہ تھا کہ ہم ان کی فطرت کو نہ سمجھ سکتے۔ غلطی ہماری ہے۔ ہم ان کے بارے میں غلط اندازہ لگا کر ان کی محبت کو آزما بیٹھے۔ وہ ہماری ماں ہیں' یہ اٹل حقیقت ہے مگر ان کے دل میں ہمارے لیے کوئی جذبہ نہیں' یہ اس سے زیادہ اٹل حقیقت ہے۔ وہ صرف نفرت کرنا جانتی ہیں' یہ مت بھولو اور اب ریلیکس ہو کر رہو۔ اب تو ہمیں اپنی ماں کو اسی انداز میں قبول کرنا ہوگا پھر رونے کا فائدہ۔''

فرح نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ آنکھیں بھیگ گئی' رات کافی زیادہ ہوگئی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ لے جاؤ۔'' سمعان نے ڈبے کی طرف اشارہ کیا تو وہ مرے قدموں سے ڈبا اٹھائے باہر نکل گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد سمعان اپنے بستر پر گر گیا۔ سعد کی کال پر پھپھو کے ردعمل کے بارے میں سمعان کو خبر تو ملی تھی مگر علم نہ تھا کہ یہ انتہائی فیصلہ اس قدر عجلت میں ہوگا۔

فرح کے سامنے ضبط کی حد سے گزر گئے تھے مگر اب جی چاہ رہا تھا کہ ہر حد سے گزر جائیں مگر ان کی طبیعت کو یہ ہلکا پن گوارا نہ تھا۔ ان کے اندر قیامت کی سی تباہی تھی۔

زرش ان کے اولین جذبوں کا ترجمان رہی تھی۔ انہوں نے اس ایک خواب کے حوالے سے کئی خواب کھلی آنکھوں سے دیکھ ڈالے تھے مگر اب جس طرح حالات و واقعات نے تبدیلی کی ردا اوڑھی تھی وہ تو اپنی نظروں سے ہی گر گئے تھے۔ زرش سے سامنا کرنے کی ہمت ناپید ہو چکی تھی۔

بہت دعووں سے انہوں نے اسے قائل کرنا چاہا تھا مگر وہ مسلسل انکاری تھی۔ اچھا ہی ہوا تھا جو اس نے ان کے سامنے اقرار نہیں کیا تھا۔ جس اذیت میں وہ مسلسل گھرے ہوئے تھے کم از کم وہ اس دکھ سے تو آزاد تھی۔ آج وہ فاصلوں پر تھی پھر بھی تو احساس جرم کسی حد تک کم بھی تھا۔ کالی سیاہ ٹھٹھرتی رات بے خوابی میں کٹتی رہی۔ اندر کی گھٹن حد سے بڑھی تو وہ کمرے سے باہر نکل آئے۔

لاؤنج میں آ کر انہوں نے لائٹ آن کیے بغیر ٹی وی آن کرلیا۔ اندر کے حبس کی نکاسی کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نظر نہ آیا تھا۔

مقدر کو دوش دے کر انسان کس قدر آسانی سے اپنے ہر فعل کا الزام مقدر کو ٹھہرائے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ کیا واقعی مقدر کو الزام دے کر بہلنا اتنا آسان ہے۔

مسلسل بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے منتشر خیالات کے ہجوم بیکراں میں غرق تھا۔ سوچ کی پروازیں نہ جانے کہاں کہاں سرگرداں تھیں۔

دکھ' اذیت' تکلیف' غم' بے بسی و بے چارگی' پے در پے کئی کیفیات نے دل و دماغ کو حصار میں لیا تھا۔ سمعان احمد نے خود کو انتہائی بے بس محسوس کیا تھا اس لمحے۔

* * *

بیدار ہونے کے بعد وہ گم صم بیٹھی رہی تھی۔ اس وقت وہ کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ وال کلاک کی

طرف دیکھا۔ دن کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

گولیوں کا اثر تھا کہ وہ اتنی دیر سوئی تھی۔ اسے ندامت سی ہوئی۔ کل مغرب کے ساتھ ساتھ عشاء اور صبح فجر کی نماز بھی گئی تھی۔

رات نہ جانے شارق زمان کا کیا ردعمل رہا ہوگا۔ اسے اتنی گہری نیند میں دیکھ کر یقیناً اسے غصہ تو بہت آیا ہوگا۔ نویرہ نے اس کے جذبات و خوابوں کو راکھ کر دیا تھا۔ اس سوچ پر وہ تلخی سے ہنس دی۔ دوپٹہ سنبھالتی وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ اتنی راتوں کے بعد اس نے اتنی بھرپور نیند لی تھی۔

نیند بے شک گولیوں کے زیر اثر تھی مگر وہ اس وقت ذہنی طور پر مطمئن تھی۔ یوں جیسے پچھلی تمام پریشانیوں کا حل نکل آیا ہو۔

اپنے اس عمل پر نہ کوئی ندامت تھی اور نہ ہی کوئی دکھ۔ ایسے کرپٹ لوگوں کے ساتھ یونہی کریکشن چلتی ہے۔ وہ آسودہ تھی۔ وہ شارق زمان کو اتنی ہی تکلیف سے دوچار کرنا چاہتی تھی جتنی اس نے اور اس کی فیملی نے برداشت کی تھی۔ چاہے اس کے لیے اسے کسی بھی حد سے گزرنا پڑے۔ چاہے اب نقصان اپنے ہی حصے میں کیوں نہ آئے۔

باتھ لے کر وہ باہر نکلی تو پہلی نگاہ صوفے پر پڑے ریلیکس موڈ میں بیٹھے وجود پر پڑی۔ اس کے اندر ناگواری کی شدید لہر اٹھی تو خود بخود چہرے کے عضلات تناؤ کا شکار ہو گئے۔

شارق زمان نے بھی بغور دیکھا تھا۔ دھلا دھلایا سراپا رات کی تلخی بھلانے میں معاون ثابت ہوا تھا۔

نویرہ شارق کی موجودگی کو قطعی نظر انداز کرتے آگے بڑھی۔ شارق کو گویا ایک دھچکا سا لگا تھا۔ اب ساری عمر اس شخص کی معیت میں گزارنا تھی' چاہے روتے ہوئے یا خوشی سے مگر اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی وہ کبھی معاف کرنے والی نہ تھی۔ زندگی کی آخری سانس تک وہ اس شخص کی زندگی کو اجیرن کر دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔ وہ اسے اس کی غلطی کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

آئینے کے سامنے جا کر اس نے بالوں سے لپٹا تولیہ ہٹا کر تولیے سے بالوں کو خشک کر کے تولیہ دوبارہ کمر کے گرد لپیٹ کر لمبے بالوں کی آبشار کو جھٹکے سے پیچھے ڈالا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے کئی قطرے نزدیکی صوفے پر براجمان وجود کے اندر ہلچل مچا گئے تھے۔ اسے اپنے اندر بھڑکتی آگ ٹھنڈی پڑتی محسوس ہوئی تھی۔

شارق زمان کو نویرہ کے اس قدر نارمل اور مکمل پُر اعتماد انداز' مطمئن رویے نے جھٹکے سے دوچار ضرور کیا تھا۔ اس نے یکسر طور پر اس کی موجودگی کو نظر انداز کر کے ثابت کر دیا تھا کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لیے ایک برابر ہے۔

''رات کی تمہاری اس حرکت کا کیا مطلب سمجھوں؟'' گفتگو کا آغاز تو بہرحال کرنا ہی تھا۔ آر یا پار۔ وہ اٹھ کر اس کے عقب میں چلا آیا۔ بالوں کو برش سے سلجھاتے نویرہ کے ہاتھ رک گئے تھے۔ پھر روانی سے چلنے لگے۔ ہونٹوں پر سختی سے قفل جما لیے۔ وہ اس شخص سے بات بھی کرنے کی روادار نہ تھی۔

''تمہارا یہ ردعمل اب حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ میں تمہیں سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں لایا ہوں اگر زبردستی بھی لاتا تو بھی تمہیں اس حرکت کی اجازت کبھی نہ دیتا کہ میں نے یہ بندھن ساری رات جاگتے

کے لیے نہیں باندھا تھا۔

نویرہ کے اس انداز نے اس کے اندر کی آتش کو گویا ہوا دی تھی۔ ساری نرمی، تلخی میں بدل گئی تھی۔ نویرہ کو اس کا رویہ بہت برا لگ رہا تھا۔ بجائے جوابی کارروائی کرنے کے اس نے اس کے سامنے سے ہٹنے کی نیت سے قدم بڑھایا ہی تھا کہ نہایت برہمی سے شارق نے اس کا گداز مومی بازو گرفت میں لے لیا تھا۔

"تم مجھے اس طرح نظر انداز نہیں کر سکتیں...... سمجھیں تم......" غصے سے بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ نویرہ جو توقع نہ کر رہی تھی بے توازن ہو کر اس کی گرفت میں پچک گئی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ چھوڑو مجھے...... زر خرید لونڈی نہیں ہوں تمہاری۔ میرے ساتھ حد میں رہ کر بات کرنا، شارق زمان اور نہ میں ہر حد کراس کر جاؤں گی۔ میں ہر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اس میدان میں اتری ہوں۔ مجھے مت چھیڑو۔" شارق کی اس جسارت پر وہ دہک اٹھی تھی۔

شارق نے مسکرا کر اس کا مومی وجود باہوں میں لے کر گرفت سخت کی تو وہ مچل اٹھی۔

"شارق زمان، چھوڑ دو مجھے...... میں کہہ رہی ہوں چھوڑ دو مجھے۔ اپنے ناپاک ہاتھ اپنے تک محدود رکھو...... چھوڑو......" وہ بلبلا رہی تھی۔ شدید مزاحمت تھی۔

"نہیں چھوڑتا، بولو کیا کرلوگی......" نویرہ کے تیوروں نے شارق زمان کے اندر شوخی سی بھر دی تھی۔ اتنا حسین وجود سامنے ہو مکمل اختیار میں ہو تو کون کافر ہے جو نگاہ بچائے۔ شارق زمان تو ان لمحوں میں مکمل طور پر بے خود ہوا تھا۔

حق ملکیت کے احساس نے ایک شوخ جسارت پر آمادہ کر دیا تھا۔

نویرہ تو کوئلوں پر جا بیٹھی۔ وہ تو سرے سے کوئی حق ماننے کو ہی آمادہ نہ تھی۔ ان جسارتوں کی تاب کہاں سے لاتی۔

"شارق زمان! میں کہتی ہوں حد رہو اپنی۔" وہ سانپ کی طرح پھنکاری تھی۔ شارق زمان قطعی متاثر نہ ہوا تھا۔

"حد میں ہی تو ہوں میری جان۔ اتنی خوبصورت قیامت سامنے ہو تو کون کافر ہے جو صبر کرے۔"

نویرہ کی تو جان پر بن گئی تھی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے شارق زمان کے بازو میں اپنے دانت گاڑ دیئے تھے۔ اس وقت اس کے سر میں جنون سوار تھا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

"اوف......" شارق زمان نے جھٹکے سے گرفت ڈھیلی کی تھی۔ وہ سرعت سے نکلی تھی۔ شارق نے انتہائی غیض بھری نگاہوں سے اسے دیکھا جس کی آنکھوں میں کوئی بھی لحاظ و مروت نہ تھا بلکہ مرنے یا مار دینے والی کیفیت تھی۔

"پوری جنگلی بلی ہو تم...... مجھے نہیں پتا تھا تمہارے اندر ایسی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ شوہر ہوں تمہارا۔ چوری کے مال پہ ہاتھ صاف نہیں کرتا میں۔" دوسرے ہاتھ سے دائیں بازو کی آستین اونچی کر کے اپنے بازو کا جائزہ لیتے اسے گھورا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا...... چوری کا مال سمجھ کر ہی تم نے پہلی دفعہ مجھ پہ ہاتھ ڈالا تھا اور چوری کا مال سمجھ کر ہی تم نے مجھے اس مقام تک آنے پر مجبور کیا ہے۔ میں نے تمہیں تنبیہ کی تھی، شارق زمان! مجھ سے دور رہو ورنہ میں کچھ بھی کر جاؤں گی۔ تمہاری اوقات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرا منہ نہ ہی کھلواؤ تو بہتر ہے۔"

اس کی پھنکار میں اژدھوں کی سی لپک تھی۔

شارق زمان نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا۔ ایسی مزاحمت تو وہاں ہونی چاہیے تھی جہاں سرے سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔ جس نویرہ کو وہ ایک عرصے سے جانتا رہا تھا اس سے قطعی مختلف روپ میں نظر آ رہی تھی۔

"میں کوئی گری پڑی لڑکی نہیں ہوں۔ خاندانی لڑکی ہوں۔ میں اپنی عزت کی حفاظت کرنا ہی نہیں جانتی بلکہ اپنے اوپر ہاتھ ڈالنے والے کے ہاتھ بھی توڑ سکتی ہوں۔ بے شک آزما لینا۔"

دوپٹے کو کندھوں پر درست کرتے وہ بے لحاظی سے گویا تھی۔

نویرہ کے لب و لہجے نے شارق کے اندر دوڑتے خون کو نقطہ ابال پر پہنچا دیا تھا۔

"تمہیں میں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس لیے حاصل نہیں کیا کہ ایک طرف ناکام عاشقوں کی طرح بیٹھا آہیں بھروں۔ نکاح کروا کر لایا ہوں۔ مجھے چیلنج نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔ تمہیں صرف نکاح میں نہیں لایا بلکہ اپنے گھر میں بھی آباد کرنا چاہتا ہوں۔ احمق، کم عقل لڑکی۔ شادی صرف میری نہیں تمہاری بھی مجبوری تھی ورنہ تم میرے جذبات سے بے خبر نہ تھیں۔"

نویرہ کے چیلنجنگ انداز نے اسے بھی غصے سے دوچار کر دیا تھا۔ بازو پر امڈ آنے والی خون کی بوندوں کو انگلی سے صاف کرتے اس نے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"تمہارے انکار کی تو ایسی کی تیسی...... تم خاندانی ہو تو میں بھی کوئی راہ چلتا نہیں ہوں۔ تمہیں اس طریقے سے حاصل کرنا میری مجبوری ٹھہری تھی کہ اگر میں سب نہ کرتا تو تمہاری فیملی قطعی نہ مانتی اور جب حالات میرے حق میں ہو گئے تو میں نے تمہاری فیملی کے ساتھ مکمل تعاون کیا تھا۔ وہی راستہ استعمال کیا ہے جو عزت داروں کا ہوتا ہے۔"

غصے سے نویرہ کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ اس سے پہلے کہ نویرہ کچھ کرتی، بچاؤ کو ہاتھ پاؤں مارتی، دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"اب کون آ گیا؟" انتہائی طیش سے دروازے کو گھورتے اس نے نویرہ کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ نویرہ نے اس بروقت مداخلت پر تشکر کا سانس لیا ورنہ رہائی کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔ اتنا تو طے تھا۔

شارق زمان اسے غصے سے دیکھتے پیچھے ہٹا تھا۔

"بہت کم عقل ہو تم...... ایسے ہتھکنڈوں سے تم مجھ سے دور رہ لوگی، بھول ہے تمہاری۔ سارا عالم جانتا ہے تم بیوی ہو میری۔ ڈنکے کی چوٹ پر تمہیں اپنے ساتھ رخصت کروا کر لایا ہوں۔"

"ہاں! میرے بھائیوں کے سر جھکا کر اور میری ماں کو سلگتے کوئلوں پر گھسیٹ کر صرف اپنے جذبات کی تکمیل کی خاطر اپنی ضد پوری کرنے کو......" وہ اس سے زیادہ تلخی سے بولی تھی۔ دروازے پر ہونے والی

دھنک زور پکڑ چکی تھی۔

شارق نے اسے گھور کر دروازے کی طرف پیش قدمی کی۔ نوریہ نے غصے سے سر جھٹکتے ہاتھ سے چھوٹ جانے والا برش دوبارہ اٹھا کر الجھے بالوں میں پھیرنا شروع کر دیا تھا۔

دروازہ کھولنے پر رفعت باجی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"اٹھ گئیں نوریہ!" انہوں نے دریافت کیا تو شارق زمان نے ان کو راستہ چھوڑ کر اندر آنے کی جگہ دی۔ نوریہ کو دیکھ کر ان کی آنکھوں کی نرمی دوچند ہوئی تھی۔

نوریہ اس گھر میں بہو بن کر آتی کبھی' ان کا بھی خواب تھا جو اب شرمندۂ تعبیر بن چکا تھا مگر ساتھ میں دل میں ایک پھانس بھی چبھا گیا تھا۔

"شکر ہے تمہاری صورت تو دیکھنے کو ملی...... قسم سے صبح سے کوئی بیس چکر لگا چکی ہوں۔" انہوں نے پیار سے کہتے اسے بازوؤں میں لے کر ساتھ لگا کر اس کا چہرہ تھام کر چوم لیا۔

"اللہ تمہیں سدا آباد رکھے' خوش رکھے۔ سدا سہاگن رہو۔"

نوریہ ان دعاؤں پہ کنفیوژ ہوگئی تھی۔ زندگی کا پہلا تجربہ تھا اور خاصا غیر یقینی بھی۔ ناقابل قبول و برداشت بھی۔ شارق زمان سامنے ہی تو تھا' چہرہ ایک دم رنگ بدل گیا۔

وہ تلخی سے ہنس کر رخ موڑ گیا۔

"بڑی دیر سوئیں تم؟" اس سوال پر وہ پہلے سے زیادہ سٹپٹائی۔ ایک دم نگاہ شارق زمان کی نگاہ سے الجھی تو وہ فوراً سر جھکا گئی۔

شارق زمان بڑے ریلیکس موڈ میں بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا۔

"بس یونہی......" انہوں نے مسکرا کر نکھرا نکھرا وجود دیکھا۔ کاٹن کے سادہ سوٹ میں نئی دلہن کے وجود کی خوشبو برقرار تھی انہوں نے کہنیوں تک لگی مہندی کے گہرے رنگ کو دیکھا۔ کتنا گہرا رنگ تھا اس کی مہندی کا۔ سارے وجود میں صرف یہی تبدیلی اسے نئی دلہن بتا رہی تھی ورنہ وہ تو اس وقت مکمل سادہ روپ میں تھی۔

"تم نے تو سب کچھ ہی اتار دیا ہے۔ نہ ہاتھوں میں کوئی رنگ' نہ کانوں میں بندے اور گلے میں بھی کچھ نہیں۔ کم از کم کانچ کی چوڑیاں تو رہنے دیتیں۔ بے شک ہم شادی عجلت میں کر رہے ہیں مگر ان شاء اللہ ولیمہ آج ہی ہوگا۔ خاندان کی بات ہے۔ اتنے مہمان باہر بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کچھ تو ہار سنگھار ہو۔"

نوریہ نے برہمی سے رفعت آپا کو دیکھا۔ وہ جن حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی وہ بے خبر تو نہ تھیں۔

رفعت اس کی نگاہوں کی برہمی پڑھنے کے باوجود نظر انداز کر گئیں۔

اب وہ صرف نوریہ نہیں تھی۔ اس گھر کی نئی نویلی بہو تھی اور ان کے خاندان میں بہوؤں کو کیسے رکھا جاتا ہے وہ لاعلم تو نہ تھیں۔

انہوں نے اس کے ہاتھ سے برش لے کر اس کے بال سلجھائے تھے۔ پھر الماری سے ایک جوڑا نکال کر اسے تھمایا۔

"شارٹ ٹائم میں صرف ایک دو جوڑے ہی خرید پائی ہوں۔ وہ بھی کل ارم کے ساتھ جا کر لیے تھے۔ فی الحال تو گزارا کرو۔ انشاء اللہ ایک دو دن میں سب بندوبست کر لی ہوں۔"

پیچ لباس اس کے ہاتھوں میں تھما کر انہوں نے وضاحت کی تھی۔

"پلیز...... آپ رہنے دیں۔ میں ٹھیک ہوں اسی حلیے میں اور پھر مردوں کو کفن تو پہنائے جاتے ہیں' ایسے لباس نہیں۔" اس کے اندر کی برہمی مکمل طور پہ ابھر آئی تھی۔ وہ کسی کی خاطر اپنی جان ہلکان کرتی۔ خود غرضی سے وہ سوچ رہی تھی اور اپنی سوچ کے حوالے سے تلخی سے جواب دیا تھا۔

"ہیں...... دماغ تو ٹھیک ہے نا۔ چلو اگر یہ جوڑا نہیں پسند تو نبیلہ نے جو سوٹ کیس رات کو ساتھ دیا تھا اس میں سے دیکھ لو۔ دیکھو چندا! اب جو ہو چکا اسے بھول جاؤ' اسی میں ہم سب کی بقا ہے۔ گھر میں دونوں اطراف کے مہمان جمع ہیں۔ صبح سے نبیلہ کے کئی فون آ چکے ہیں۔ وہ تو ناشتہ لے کر آنا چاہتے ہیں تمہاری وجہ سے میں نے منع کر رکھا تھا۔ اس حلیے میں دیکھ کر سب کیا سوچیں گے۔ تم شارق سے ناراض ہو تو ضرور رہو۔ تمہارا حق ہے' میں منع نہیں کروں گی مگر پلیز جلدی سے کپڑے چینج کر کے آؤ۔ اماں بھی کئی بار پوچھ چکی ہیں۔ وہ اگر چل سکتیں تو اب تک خود آ چکی ہوتیں۔"

رفعت باجی کے لب و لہجے نے متاثر کیا تھا یا پھر خالہ اماں کا ذکر سن کر وہ موم ہوئی تھی۔ خاموشی سے لباس لے کر وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔

لباس بدل کر لوٹی تو رفعت منتظر تھی۔ کمرے میں رفعت کے علاوہ فاروق چچا کی ثنا آپی اور شمائلہ بھی تھیں۔ ان کو دیکھ کر نوریہ لب بھینچ گئی۔ یہ رشتے اسے اب ساری عمر نبھانے تھے۔

حالات ایسے رہے تھے کہ انہوں نے نوریہ سے روایتی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی' ہاں آپس میں باتیں کرتی مسکراتی رہی تھیں۔ شمائلہ نے اسے تیار کیا تھا۔ رفعت باجی نے کل نبیلہ بھابی کے ساتھ بھیجے سوٹ کیس سے اس کے لیے جیولری نکال لی تھی۔ کچھ زیورات انہوں نے گھر سے در آمد کیے تھے۔ شارق زمان کی دلہن کے لیے اماں نے وقتاً فوقتاً بنوا کر رکھے ہوئے تھے۔

"ولیمہ آج رات ہی ہوگا۔ دونوں طرف کے مہمان ایک ہیں۔ اب دوبارہ سے شور شرابے کا کیا فائدہ؟ بہتر ہے آج کا کام آج ہی نمٹ جائے۔ پھر میں بھی اپنے گھر جانے والی ہوں۔ وہاں میاں' بچوں کو چھوڑ رکھا ہے۔ نہ جانے گھر بار کا کیا حال ہوگا۔ اماں کی طرف سے تو فکر ختم ہوئی۔"

زیورات پہناتے رفعت باجی اسے بولنے پہ آمادہ کرنے کو تیار ہی تھیں مگر نوریہ کے ہونٹوں کے قفل نہ ٹوٹے تھے۔

* * *

یہ سب کچھ کیسا جان لیوا تھا۔ سب سے کم نہ لگ رہا تھا۔

شارق نے گفٹ کیا دیا ہے؟" ثنا باجی کو نویرہ کی چپ غیر معمولی محسوس ہوئی تو رونمائی سے متعلق دریافت کرنے لگی۔

نویرہ تو شارق کے نام سے ہی خار کھائے بیٹھی تھی' کلس کر رہ گئی۔

"انہوں نے جو گفٹ مجھے دیے ہیں وہی کافی ہیں۔ اب کسی گفٹ کی کسر رہتی ہے؟" جواب تھا کہ کمان سے نکلا ہوا تیر' دونوں بہنیں تو ششدر رہ گئیں۔

نواز کے حوالے سے وہ پہلے ہی دکھی تھیں۔ اس جواب نے زخموں کو ادھیڑ دیا تھا۔ ایسے لب و لہجے کی نویرہ کبھی عادی نہ تھی۔ وہ تو حلیم و مہربان گفتگو کی قائل تھی۔ کیا نواز کے فرار نے اسے ایسے رویے پر مجبور کیا ہے جو وہ اس درجہ تلخی پر اتر آئی ہے......

دونوں نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ رفعت باجی نے دونوں کو چپ رہنے کا اشارہ دیا تو وہ دونوں ہی خاموش ہو گئیں مگر اندر تو سوالات کی دنیا آباد ہو گئی تھی۔ نویرہ کے رویے اور جواب نے دونوں کو محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

خالہ امی سے ملنے کے بعد رفعت اسے دوبارہ کمرے میں لے آئی تھیں۔ اس دوران ضحیٰ بھابی اور ساجد بھائی ناشتہ لے آئے تھے۔ اپنے بھائی کو دیکھ کر وہ ضبط کھو گئی تھی۔ ساجد بھائی کے کندھے سے لگ کر خوب نیر بہائے۔

"گڑیا! اب بس کرو۔ جو گزر گئے وہ پل اب لوٹنے والے نہیں۔ اب تمہیں ساری عمر اس رشتے کو نبھانا ہے۔ ہماری عزت کی خاطر' جس طرح حالات بدلے ہیں' نواز کے فرار نے لوگوں کو جس طرح زبان دی ہے' بہت سے سوال بہت عرصہ تک تمہارا پیچھا کریں گے۔ جرم صرف ایک فرد کا ہے مگر اس کا بھگتان نسلوں تک بھگتنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی نظریں تمہارے اوپر ہیں۔ شارق مرد ہے اس کی فطرت و عادات سے بہت سے لوگ واقف ہیں جب کہ تمہارے مزاج کی ذرا سی تبدیلی بہت سوں کو تمہاری طرف متجسس کر سکتی ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ ماتم کا وقت گزر گیا۔ اب عملی زندگی کے آغاز کا وقت ہے۔ ہم تو تمہیں خوش اور شارق کے لیے ہدایت کی دعا کر سکتے ہیں۔" اس کے سر کو تھپتھپاتے ساجد بھائی نے ایسی نصیحت کی کہ نویرہ کو اپنا دل ایک مرکز پر ٹھہرتا ہوا محسوس ہوا۔ اپنوں کی زبان سے نکلے تسلی کے چند لفظ ہی انسان کے اندر آبِ حیات کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ بھائی کو دیکھ کر تو وہ ویسے ہی پرسکون ہو گئی تھی۔ ان کے لفظوں نے وقتی طور پر اسے سب کچھ فراموش کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

ناشتے کے بعد ساجد بھائی اور بھابی اسے ساتھ گھر لے گئے تھے۔ اماں سے مل کر وہ جیسے شانت ہو گئی تھی۔ ہر دکھ' ہر تکلیف ان کے چہرے پر سکون دیکھ کر کہیں جا سوئی تھی۔ وہ وقتی طور پر بہل گئی تھی۔

ولیمے کی تقریب شام کے بعد تھی سو وہ آرام سے لیٹ گئی۔ اپنا گھر' اپنا بستر اسے ایک رات میں ہی پرایا پرایا سا لگنے لگا تھا۔

نجانے آگے زندگی میں کیا تھا مگر وہ اب اپنی جنگ خود لڑنا چاہتی تھی۔ اپنے بہن بھائیوں اور ماں کو بغیر کسی تکلیف سے دوچار کیے وہ اس شخص کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ غلط تھا۔ اس کا طریقہ غلط تھا...... اس کی محبت کے دعوے غلط تھے...... چاہے اسے یہ جنگ زندگی کی آخری سانس تک لڑنا پڑے۔ وہ اسے احساس دلائے بغیر تو ہارے گی نہیں' بے شک وہ اسے دنیا کی نظر میں جیت چکا تھا۔

ڈھلتی سہ پہر میں نبیلہ بھابی نے اسے اٹھایا تھا۔ رفعت باجی اسے لینے آ چکی تھیں۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر کوئی راہ فرار نہ تھی۔ وہ بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ولیمے کی تقریب بڑی شاندار رہی تھی۔ سب کچھ اگرچہ ہنگامی طور پر ارینج کیا گیا تھا حتیٰ کہ کھانا بھی ریڈی میڈ تھا مگر سب ہی مطمئن تھے۔ بھولے سے بھی کوئی نواز کے فرار ہونے اور اس قدر عجلت میں شادی کا تذکرہ نہیں کر رہا تھا۔

شارق کا دوست ایس پی انجم ہر کام میں پیش پیش رہا تھا اور اس کی بیوی ارم تو رفعت باجی کے ساتھ مکمل تعاون کر رہی تھیں۔ جس طرح واجدہ بیگم بستر علالت پر تھی' ارم نے ہر طرح کا ساتھ دیا تھا۔ فاروق چچا کی ساری بیٹیاں بھی اپنے بھائی کی طرف سے کی جانے والی زیادتی پر نادم' ازالے کو پیش پیش تھیں۔

کل کی نسبت نویرہ آج زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔

کئی نگاہیں رشک سے جھپکنا بھول گئی تھیں۔ کئی نگاہوں میں نارسائی کے دکھ نے آنسو بھر دیے تھے اور کئی نگاہیں اس دکھ پر ہی بھیگ گئی تھیں کہ وہ نویرہ کی خوش قسمتی کا جشن منائیں یا اس کی بدقسمتی کا ماتم کریں...... رضا ولیمے میں نہیں آیا تھا۔ زبیدہ کے بار بار اصرار پر بھی اس کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ دل کی بربادی کا تماشا دیکھتا رہتا...... رمشاء اس کے رویے پر کلس کر رہ گئی تھی۔ زبیدہ وغیرہ کے ساتھ وہ یہیں آ گئی تھی۔

نویرہ کو شارق کے ساتھ دیکھ کر اسے کیسی سی خوشی حاصل ہو رہی تھی۔ نواز کے عمل سے جو وقتی دکھ کی کیفیت میں مبتلا ہوئی تھی' اس کا اثر اب رفتہ رفتہ زائل ہوتا جا رہا تھا۔ اب تو وہ صرف اپنے اور رضا کے رشتے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نجانے خدا نے کس نیکی کے عوض اس کا رشتہ بچایا تھا ورنہ پھوپی نے تو اسے ڈبونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

حمیرا وغیرہ رنجیدہ تھیں۔ رقیہ بیگم' ان کی سب بہنوں کی آنکھیں بار ہا گیلی ہوتی رہی تھیں اور ہر بار وہ نویرہ کی خوش قسمتی کی دعا مانگتے پونچھ لیتی تھیں۔

ولیمے کی تقریب اختتام کے مراحل پر تھی۔ سب ہی رشتہ دار تھے۔ کچھ دور کے مہمان یہیں ٹھہر گئے تھے اور چند ایک خالدہ بیگم ضمیر صاحب اور فاروق صاحب کے ہاں روانہ ہو گئے تھے۔ نزدیکی مہمان گاہے بگاہے رخصت ہو رہے تھے۔ نویرہ مسلسل ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھے بیٹھے اپنی کمر تختہ بنتے محسوس کر رہی تھی۔ چند ایک مہمانوں کے علاوہ سب ہی رخصت ہو رہے تھے۔ گھر میں آہستہ آہستہ ہجوم کم ہو رہا تھا۔ اس وقت صرف نویرہ کے میکے کے لوگ تھے یا پھر چند ایک دور کے رشتہ دار......

شادی بہرحال جیسے بھی ہوئی تھی رسم کے مطابق نویرہ کو اپنی فیملی کے ساتھ چلنا تھا۔ سب ہی جانے کو تیار تھے۔ واجدہ بیگم سے اجازت لے لی تھی...... مگر شارق نہیں مان رہا تھا۔

"میں صبح نویرہ کو خود چھوڑ جاؤں گا مگر یہ رات یہیں رہے گی۔" رفعت باجی کے بارہا سمجھانے پر بھی وہی انداز تھا۔ اس کا انکار آہستہ آہستہ سب تک پہنچ گیا تھا۔

نویرہ کو پتا چلا تو کلس کر رہ گئی۔ اتنے نارمل حالات میں اسے شارق زمان کا یہ نیا ڈرامہ پھر غضب سے دوچار کر گیا تھا۔

"شارق! یہ تو رسم ہے۔ خاندان کی بہو بیٹیاں سب ہی رسم کے تحت میکے آ جاتی ہیں۔ بے شک کل آ کے لے جانا۔" خالدہ بیگم رفعت کو اسے مسلسل قائل کرتے دیکھ کر خود بھی اس کے قریب چلی آئیں۔

"خاندان کی جو بھی رسم ہے مجھے کوئی غرض نہیں۔ بس میں نے کہہ دیا کہ نویرہ نہیں جائے گی۔ وہ میری بیوی ہے اور میری اجازت کے بغیر آپ اسے کہیں نہیں لے جا سکتے۔ ہاں کل میں چھوڑ آؤں گا لیکن یہ طے ہے اس کا وہاں قیام صرف دن تک ہوگا۔ رات کو وہ میرے گھر کی چاردیواری میں ہوگی۔"

خالدہ بیگم نے عجیب بے چارگی سے اس بددماغ، سرپھرے شخص کو دیکھا جو بدقسمتی سے ساری عمر کے لیے ان کی پھولوں سی بیٹی کا زبردستی نصیب بن بیٹھا تھا۔

"شارق! تم یہ مت بھولو کہ یہ شادی کن حالات میں ہوئی ہے۔ ہم نے نویرہ کو کس دل سے تمہارے ساتھ رخصت کیا ہے......؟" ان کا غصہ ایک دم ظاہر ہوا تھا۔

"ہاں تو آپ کا کیا بھروسہ، وہاں لے جا کر صاف آنکھیں پھیر لیں۔"

تنگ نظری کی بھی کوئی حد تھی انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"اتنے ہی بے ایمان ہوتے تو کل رات ہی اسے تمہارے ساتھ رخصت نہ کرتے بلکہ جس طرح تم ہماری عزت سے کھیلے ہو، نویرہ جیسی لڑکی تو تمہارے قابل ہی نہیں ہے۔"

"میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ یہ طے ہے کہ نویرہ آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جائے گی۔" قطعی انداز میں کہتے وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

خالدہ بیگم نے انتہائی بے بسی سے رفعت کو دیکھا۔ اس کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ ناچار ان سب کو نویرہ کے بغیر ہی لوٹنا پڑا تھا۔ نویرہ کا تو ضبط کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ اپنے بھائیوں کے جھکے سر اور غیظ و غضب سے بھری نگاہیں اسے بھی اشتعال سے دوچار کر رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے شارق زمان صرف اور صرف کل رات کی اپنی شکست کا بدلہ لے رہا ہے۔

"بڑا شوق ہے تمہیں مجھے آج رات رکھنے کا...... سب شوق مٹی میں نہ ملا دیے تو کہنا۔" وہ تو بپھرا طوفان ثابت ہو رہی تھی۔ کمرے میں آتے ہی وہ رفعت باجی کی بھی پروا کیے بغیر ہر چیز نوچ نوچ کر پھینکنے لگی تھی۔

"نہیں...... نہیں......" وہ تو منع کرتی رہ گئی تھیں۔

"نویرہ! بات تو سنو...... نویرہ......" نویرہ کے تیور انہیں ہولائے دے رہے تھے۔ سارے زیور بستر پر پٹخنے کے علاوہ وہ لباس بدلنے کی نیت سے باتھ روم کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ انہوں نے بازو تھاما۔

"ہرگز نہیں۔ یہ شخص خود کو سمجھتا کیا ہے...... سارا غرور مٹی میں ملا دوں گی۔ میں مٹی کا مادھو یا پتھر کی مورت نہیں ہوں۔ میں سب برداشت کر سکتی ہوں۔ اپنے خاندان کی توہین نہیں...... ذرا تمیز نہیں اس شخص کو کہ بڑوں سے کیسے بات کرتے ہیں......؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔

رفعت باجی نرم مزاج طبیعت کی مالک نویرہ کا یہ روپ دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"اب تو کوئی فائدہ نہیں۔ دیکھ تو چکی ہو شارق کیا طے کیے ہوئے ہے۔ تم ہی اس کی مان لو۔ اس طرح تو دونوں ضد پر اڑے رہے تو پھر گھر نہیں بستے۔"

"تو یہاں کسے چاہ ہے گھر بسانے کی...... ساری عمر اسے نہ رلایا تو کہیے...... گن گن کے بدلے لوں گی۔" اس نے اپنے عزائم سے آگاہ کیا تھا۔

آپا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

تب ہی کمرے کا دروازہ دھکیلتا شارق اندر داخل ہوا تھا...... اسے دیکھ کر نویرہ نے نفرت سے منہ موڑا تو رفعت باجی نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ نویرہ کے تیوروں نے تو انہیں دہلا دیا تھا۔ انہیں شارق کی آمد بھلی لگی...... کچھ نہیں تو کم از کم شوہر کے سامنے عورت لاکھ بپھری ہو تو بھی ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ سمندر کی طرح لاکھ شوریدہ سر عورت کو بھی مرد رام کرنے کا فن جانتا ہے۔ یہ ان کا تجربہ تھا۔

انہوں نے سارا زیور سمیٹ کر دراز میں ڈالا تو بھی نویرہ نے رخ نہ بدلا۔ اسی طرح کھڑی رہی۔ بے لچک انداز میں......

"کچھ کھاؤ پیو گے تم دونوں......؟" کمرے سے نکلنے سے پہلے انہوں نے پوچھا تھا۔ شارق نے کوٹ اتارتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ نویرہ سے تو جواب کی توقع بھی نہ تھی۔ اس وقت وہ اتنی ہی متنفر کھڑی تھی۔

"دودھ بھیجوں......؟"

"اف نہیں۔ پہلے ہی اوور ایٹنگ ہو گیا ہوں۔ ہاں نویرہ سے پوچھ لیں...... کیوں نویرہ بھجوا دیں آپا؟" اس نے نویرہ کے روٹھنے کو یکسر غیر اہم قرار دے دیا تھا۔ وہ خونخوار نگاہوں سے دیکھ کر رخ موڑ گئی۔

"رہنے دیں آپا......"

رفعت آپا انکار پر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ شارق نے بڑے اطمینان سے آف وائٹ اور گولڈن کمبی نیشن کے لہنگا سوٹ میں ملبوس وجود پر بھرپور نگاہ ڈالی۔ پورے قد سے کھڑی وہ مکمل لاتعلق تھی۔ جیسے اس کے علاوہ کمرے میں کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔

"کیا فرما رہی تھیں تم...... شاید کوئی گن گن کر بدلے لینے کی بات ہو رہی تھی رفعت باجی سے......" دروازہ بند کر کے پلٹا تو سیدھا اس کی طرف آیا تھا۔ نویرہ نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"تم سے مطلب......؟" وہی انداز تھا۔ شارق ہنس دیا۔ حشر ساماں وجود پر بڑی استحقاق بھری نگاہ ڈالی۔

"اجی ہم سے مطلب نہیں تو پھر کس سے ہے...... نواز فاروق سے تو نہیں ہو سکتا اور میرا خیال ہے رضا حمید بھی تمہارے لیول کا نہیں پھر میں ہی رہ جاتا ہوں۔"

وہ تو بت کی طرح ساکت رہ گئی...... اسے یوں لگا جیسے شارق زمان نے نواز کا نام لے کر سینے میں خنجر اتار دیا ہو۔ ایک دم زخموں سے خون رسنے لگا۔

"شارق زمان! حد میں رہو تم؟" وہ پھنکاری تھی۔

شارق زمان کو اس کا رویہ سخت ناگوار گزرا۔

"حد کا کیا کہتی ہو۔ ابھی تک تو حد میں ہوں۔" ایک دم جھٹکے سے بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ جو بہت سہولت سے کھڑی تھی سنبھل ہی نہ سکی۔ مضبوط بازوؤں کی گرفت نے نرم وجود کو اپنے حصار میں جکڑا تو وہ لرز اٹھی۔

"شارق چھوڑو مجھے۔" وہ چیخی تو شارق نے بہت خاموشی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی بولتی بند کر دی تھی۔ یعنی فرار کی ساری راہیں بند ہو گئی تھیں۔ موٹی موٹی ساحر آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ عجب سحر طاری کر دینے والے تھے۔ شارق زمان تو بے بس ہی ہو گیا تھا۔ بے خودی نے پورے وجود کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

"آج مجھے سنو صرف مجھے۔ ماضی سب بھول جاؤ۔ میں اپنی سب غلطیاں بھی تسلیم کروں گا جو بھی سزا دو گی قبول بھی کروں گا مگر آج صرف مجھے سنو۔ مجرم کو ایک دفعہ صفائی کا موقع تو دیا ہی جاتا ہے۔"

عجب مسحور کن لہجے میں کہتے ہوئے وہ جیسے نویرہ کو مکمل بے بس کر گیا تھا۔ شارق زمان کے وجود کی قربت ان لمحوں کا دلفریب سحر بری طرح حاوی ہوا تھا۔ وہ اس فولادی گرفت میں مزاحمت کرتے کرتے بے بس ہو گئی تھی۔ ساری طاقت فولادی وجود میں دم توڑ گئی تھی۔

* * *

ولیمے سے واپسی پر وہ خاصی خوش تھی۔ پچھلے چند دنوں نویرہ اور نواز کو دیکھ کر وہ جتنی پریشان رہی تھی۔ شارق کے ساتھ نویرہ کو بیٹھے دیکھ کر اسی قدر شانت ہو گئی تھی۔ اس پر خود ترسی، دکھ اور غم کے جو جذبات چھائے تھے ان کی کیفیت یکسر بدل چکی تھی۔

واپسی پر ان کے ساتھ چند مہمان آ گئے تھے۔ ان کے سونے کا بندوبست کر کے وہ اور زبیدہ فارغ ہوئیں تو وہ اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ سارے دن کی تھکن سے جسم ٹوٹ رہا تھا بس ایک بھرپور نیند کی طلب ہو رہی تھی۔

رضا حمید کے کمرے کے دروازے پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔ زبیدہ تو سونے کو جا چکی تھی۔ مہمان بھی کمروں میں بند ہو چکے تھے مگر...... کل سے لے کر اب تک مسلسل رضا حمید اپنے کمرے میں بند تھا۔ یہ بات اسے کل سے چبھ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بمشکل کنٹرول کر رہی تھی مگر اب جی چاہا کہ دیکھے تو سہی وہ کیا کر رہا ہے...... پوچھے تو سہی ایسی ماتمی حالت کب تک رہے گی......؟ اس کے دل میں زبردست پکڑ دھکڑ ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا...... ورنہ کل سے بند تھا مسلسل۔ ایک دو دفعہ زبیدہ بیگم نے منتیں کر کے دروازہ کھلوایا تھا تو کھلا تھا...... اس نے اندر قدم رکھا تو سینے کے بل بستر پر لیٹا دکھائی دیا۔

آتشی گلابی لباس پر اپلیکس کا خوب صورت کام ہوا تھا۔ گھر آنے کے باوجود اسے ابھی تک منہ ہاتھ دھونے کی فرصت نہیں ملی تھی۔ ہلکے پھلکے میک اپ اور جیولری میں وہ اس وقت بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

اس وقت وہ رضا کے کمرے میں کھڑی فیصلہ نہ کر پائی کہ وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے...... یا پھر واپس پلٹ جائے......

رضا آج کل زبان سے تو نہیں بول رہا تھا مگر اس کی ایک نگاہ ہی رمشاہ کو اندر سے ڈرا دیتی تھی۔ بظاہر وہ بہادر بنی ڈٹی رہتی تھی مگر اندر سے وہ بھی اس کے رویوں سے خائف ہو چکی تھی۔

کمرے میں زیرو وولٹ کے بلب کی سبز روشنی ناکافی ثابت ہو رہی تھی۔ ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔

"رضا!" اس کے قریب پہنچ کر اسے دیکھا۔ مدہم روشنی میں اندازہ ہی نہ ہوا کہ وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے...... اس نے آواز دی تو بھی جواب ندارد تھا۔ یقیناً وہ سو رہا تھا۔ اسے ناکامی ہوئی ورنہ اس کا ارادہ اس سے منہ ماری کرنے کا ضرور تھا۔ وہ واپس پلٹنے کو تھی جب ایک دم جھٹکے پر رکی تھی۔ رضا حمید نے بہت بے رحمی سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"رضا!" رضا کو جاگتے دیکھ کر وہ پلٹی تھی۔ حیرت سے دیکھ کر کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ رضا نے جھٹکا دیا تھا۔

"بڑا شوق ہے تمہیں میرے کمرے میں آنے کا۔" رضا کی پھنکار پر وہ ڈر گئی تھی۔

"نن...... نہ...... نہیں تو......" اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ تو حواس ہی کھو بیٹھا تھا۔ رمشاہ لرز اٹھی۔

"تو پھر کیوں آئی ہو اس وقت میرے کمرے میں جب کہ میں بارہا تمہیں اس وقت آنے سے منع کر چکا ہوں۔" رضا کا مارے طیش کے برا حال تھا۔

"وہ میں تو بس تمہیں دیکھنے......"

"کیا دیکھنے......؟ بولو......" وہ غصے سے گرجا تو اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"سوری۔" وہ لاکھ بے باک سہی۔ رضا سے لاکھ بیر سہی مگر ایسی صورت حال تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچی تھی۔ اس وقت اسے یہ رضا وہ والا رضا نہیں لگ رہا تھا جس سے وہ جو جی چاہے کہہ دیتی تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی تھا۔ ہر لحاظ و مروت فراموش کیے گرجتا برستا رضا اسے حیرت ہو رہی تھی۔

"آئندہ میرے سامنے آنے یا مجھ سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ گلا دبا دوں گا......"

"اف۔" اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

"بڑا شوق ہے تمہیں میرے کمرے میں آنے کا...... کسی دن میں حد سے گزر گیا تو مجھے الزام مت دینا احمق لڑکی۔"

کانوں پہ ہاتھ رکھے وہ مسلسل لرز رہی تھی۔ رضا کی اس قدر قربت اس کی برداشت سے باہر تھی۔ صرف ہاتھ بھر کا ہی تو فاصلہ تھا۔

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" اس پھنکار پر وہ یوں سرپٹ بھاگی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔

اپنے پیچھے اسے دروازہ بڑے دھماکے سے بند ہوتا سنائی دیا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اف اللہ۔" رضا کا یہ روپ اس کے چودہ طبق روشن کر دینے کو کافی تھا۔ اسے اپنا وجود ابھی تک لرزتا محسوس ہو رہا تھا۔ پل بھر کی قربت ہی اسے نڈھال کر گئی تھی اور اگر وہ کسی شوخ جسارت پر آمادہ ہو جاتا تو......؟ اس خیال سے ہی رمشاء کو اپنی ہڈیوں میں سرسراہٹ ہوتی محسوس ہوئی تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کو روکے ایک دم ندامت سے پانی پانی ہو گئی تھی کہ غلطی بہرحال اس کی تھی۔

……

فجر کی پہلی اذان پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ دائیں طرف کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جو آواز آ رہی تھی ورنہ اس ساؤنڈ پروف کمرے میں باہر کی آواز بھلا کہاں سے آتی تھی۔ فجر کی اذان کی آواز پر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

نائٹ بلب کی مدہم روشنی میں اس نے اپنے دائیں طرف نگاہ ڈالی۔ شارق زمان ابھی تک گہری نیند میں تھا۔ وہ چند ثانیے بغور اسے دیکھے گئی۔

قسمت نے اسے اس مقام پہ لا پٹخا تھا کہ وہ بے بس ہو گئی تھی۔ رات گئے مقابل کی فراہم کی گئی وہ قربتیں یقین دہانیاں' بے تابیوں' وارفتگیوں کے مظاہرے' جسارتیں کسی پرچھائیں کی مانند ذہن کو چھو گئی تھیں۔ اس کے اندر کن من سی ہونے لگی۔ اسے ایک دم لگا کہ جیسے کوئی ابر ٹوٹ کر برسا تھا جو اسے جل تھل کر گیا تھا۔ رات شارق زمان کا جو عکس نظر آیا تھا وہ اسے حیران و پریشان کر گیا تھا اور اس کی باتیں...... اس کے دل و دماغ میں تلاطم برپا کر رہی تھیں۔

"میں نے عورت کی وفا نہیں دیکھی۔ ماں کا رشتہ دنیا میں سب سے مقدس اور معتبر ہوتا ہے اور مجھے اسی رشتے نے اس نام سے نفرت کرنے پر اکسایا تھا۔ اماں' رفعت باجی نے بارہا تمہارا نام لیا تھا اور میں ہر بار نفرت سے انکار کر جاتا تھا مگر مجھے پتا ہی نہ چلا کب میں خود ہی تمہاری ذات کے سحر میں گرفتار ہوتا چلا گیا۔ میں نے باہر عورت کے اتنے روپ دیکھے ہیں کہ مجھے اس نام سے وفا کی امید ہی ختم ہو گئی تھی پھر میری ماں کا معتبر حوالہ ہر دم مجھے اس رشتے سے بدگمانی کا احساس دلاتا رہتا تھا...... تمہیں یقین نہیں آتا مگر یہ سچ ہے۔ مجھے تمہاری شرم و حیا نے پابند کیا تھا۔ میری نظر تمہارے وجود میں بھٹک کر رہ گئی تھی۔ تم جس طرح ہر رشتے کو اس کے مقام پر رکھ کر عزت کا مقام دے رہی تھی مجھے تمہاری یہ ادا پسند آ گئی تھی جس پر

میری نظر کی ذرا سی گستاخی بھی تمہیں بری لگتی تھی اور تمہاری ناگواری صاف تمہارے چہرے سے پڑھی جاتی تھی۔ مجھے تمہاری اس سلجھی فطرت نے مسحور کیا تھا۔ نویرہ یقین جانو میں نے بے شک شروع میں بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں کیں مگر میری فطرت کی جستجو مجھے سب سے بدظن کر دیتی تھیں۔ میں نے وہ مقام کسی کو نہ دیا جو میری بیوی کا حق تھا کہ ان میں کوئی ایسی نہ تھی۔ کبھی نہیں جو میرے دل کو کلک کرتی۔ باوجود اس کے کہ بہت سی لڑکیاں میری طرف مائل ہوئیں مگر میری حیثیت...... میرے خاندانی پس منظر نے سب کو واپس پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس بات نے مجھے عورت نام سے اور نفرت دلائی تھی۔

پہلی دفعہ تمہاری طرف میں نواز اور تمہاری منگنی والے دن متوجہ ہوا تھا۔ تمہارا وہ ادب کئی دن تک میری نگاہوں میں جھلملاتا رہا تھا اور پھر جب بھی سامنا ہوا میرا دل ہر بار مجھے دھوکہ دیتا چلا گیا۔ میں نے خود کو بہت سمجھایا تم نواز کے لیے ہو مگر دل مانتا ہی نہ تھا۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے میری خلش بڑھتی جا رہی تھی۔ میں تمہیں کیسے کھو دیتا۔ اس رات بھی ایسا ہی ہوا تھا شاید میں صرف اپنے جذبوں سے نہیں ہارا تھا خود اپنی نظروں سے بھی گرا تھا اور پھر تم جب اسپتال میں تھیں تو صرف ایک ہی خیال مجھے ستا رہا تھا کہ یہ میں کیا کر چکا ہوں۔ تم جیسی لڑکی اس رویئے کے قابل نہیں تھی اور پھر احساس گناہ کے بعد کفارے کا وقت تھا اور میں نے وہ سب کیا جو کسی بھی طرح مجھے زیب نہیں دیتا تھا لیکن میں مجبور تھا۔ تمہیں کھو دیتا تو اپنا آپ ختم کر لیتا...... عورت کی سب سے قیمتی متاع اس کی نسوانیت ہوتی ہے اور تمہاری بھی اپنی نسوانیت کی پاسداری کی ادا نے مجھے گھائل کر دیا تھا۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا......" اس کے نپے تلے انداز پر وہ زچ ہو گیا تھا۔

اور اس کا زچ ہو جانا ہی نویرہ کے اندر کی لڑکی کو جھکا گیا تھا۔ صرف ایک لمحے کو...... اور نویرہ تب سے ششدر تھی۔

عورت اس مرد پر اپنا سب کچھ وار دیتی ہے جو اس کی پاکبازی و وفاداری کو تسلیم کرے اسے سراہے اور نویرہ اس شخص کے منہ سے اپنے لیے نیک پارسا عورت کے الفاظ سن کر ہار گئی تھی۔ وقتی طور پر وہ ایک مرد کے سامنے جھک گئی تھی اور مرد بھی وہ تھا جو زبردستی شوہر کے رشتے پر فائز ہوا تھا جس سے اس نے نفرت کا رشتہ جوڑا تھا پھر گنجائش کہاں سے نکل آئی تھی مگر وہ اس کے منہ زور جذبوں کے سامنے بے بس ہو گئی تھی۔

مسلسل شارق زمان کی طرف دیکھتے اسے احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔

"تم وعدہ کرو تم میری وفادار بن کر رہو گی۔ نواز کون تھا...... اس کا بھی تم سے کیا رشتہ تھا۔ میں بھول چکا ہوں۔ تم اسے میری تنگ نظری کہہ لو یا کچھ بھی...... میں صرف تمہیں اپنی ذات تک محدود دیکھنا چاہتا ہوں۔ اتنا تو مجھے اندازہ ہے کہ تم نواز کے ساتھ بہت انوالو نہیں ہوئی ہو مگر پھر بھی اب تم میری بیوی ہو۔ پچھلی باتوں' خوابوں کو بھولنے کی کوشش کرنا۔"

وہ تب بھی خاموش رہی تھی اور اب بھی خاموش تھی۔ اس شخص کے نجانے کتنے روپ تھے۔ پل میں تولہ...... پل میں ماشہ والا انسان تھا...... پیاز کی طرح پرت در پرت لپٹا ہوا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ نہا کر وضو کر کے اس نے جائے نماز بچھائی۔ نماز ادا کر

ناول ٹائم

کے دعا مانگتے ہوئے کئی آنسو بہہ نکلے۔

وہ مسلسل عذاب میں تھی۔ شارق زمان تو اپنے دل کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال کر جیسے ہر فکر سے آزاد ہو گیا تھا اور وہ مسلسل گرداب میں پھنس گئی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے گزرے لمحوں کو بھی فراموش کر جاتی تو بھی یہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی کہ شارق کی وجہ سے اس کی فیملی نے عذاب سہا تھا اور وہ خود...... عزت کی موت اس پر تنگ پڑ چکی تھی اور اس نے اللہ سے موت کی دعائیں مانگی تھیں۔ وجہ کوئی بھی تھی۔ مقصد جو بھی تھا...... وہ تو بے قصور ماری گئی اور اس کی ذات کے حوالے سے جو جھوٹ شارق نے نواز سے بول کر رشتہ ختم کروایا تھا وہ کیسے نظر انداز کر دیتی......

وہ ساری زندگی اس کی تابع بن کر گزار تو سکتی تھی مگر اپنے دل کو اس کی طرف سے صاف کرنا اتنی جلدی اس کے بس کی بات نہ تھی۔

دعا مانگ کر جائے نماز لپیٹ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ باہر ہر طرف خاموشی تھی۔ وہ داخلی جالی دار دروازہ کھول کر باہر لان میں نکل آئی۔ گھر کے اندر کے مکین ابھی تک بے خبر تھے جب کہ وہ تو صبح خیزی کی عادی تھی۔ صبح کا اجالا آہستہ آہستہ ہر چیز کو اپنے حصار میں لے رہا تھا۔ تاریکی چھٹتی جا رہی تھی۔ وہ گھاس پر جوتے اتار کر بیٹھ گئی۔ دل کو بڑا سکون حاصل ہوا تھا۔ وہ نجانے کب تک اس کیفیت میں مست رہتی۔ شاکرہ کی آواز پر پلٹی تھی۔

"السلام علیکم۔" نویرہ نے مسکرا کر جواب دیا تو وہ بڑے شوق سے دیکھنے لگی۔

"آپ اتنی جلدی اٹھ گئی ہیں۔ ابھی تک اندر سب سو رہے ہیں؟" نہایت اشتیاق سے اس کے مہندی سے رچے ہاتھ اور دلہناپے کی خوشبو بکھیرتے سراپا کو تکتے پوچھا تھا۔

"تمہیں میری عادت کا اندازہ تو ہے۔ فجر کی نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ جلدی سوتی ہوں تو اٹھ بھی جاتی ہوں۔"

"ہاں جی۔ ویسے مجھے بڑا دکھ بھی ہوا تھا۔ نواز صاحب بڑے مطلبی نکلے۔ اللہ شارق صاحب کو لمبی زندگی دے۔ انہوں نے مشکل وقت میں آپ لوگوں کا ساتھ دیا۔ صاحب جی غصے کے تیز سہی پر دل کے بڑے اچھے ہیں۔" وہ بڑے مدبرانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ نویرہ کے مسکراتے لب سمٹ گئے۔ کیا نواز کا طعنہ اب ساری عمر ساتھ چلے گا......

"آپ بڑی خوب صورت لگ رہی تھیں دلہن بن کر......" نویرہ تب بھی اسی طرح رہی

"اللہ آپ کو خوش رکھے اور ہزاروں خوشیاں دکھائے۔ اچھا جی میں اندر چلتی ہوں۔ بڑی بیگم صاحبہ کو دیکھوں۔ اتنے مہمان جمع ہیں۔ رفعت باجی نے بھی صبح صبح کچن دیکھنے کو کہا تھا۔"

وہ اپنے کوارٹر سے نکل کر آئی تھی۔ نویرہ اسے خاموشی سے جاتا دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ کر واجدہ خالہ کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اٹھ چکی تھیں۔ شاکرہ ان کا منہ دھلوا رہی تھی۔

"السلام علیکم خالہ جان۔" وہ تولیے سے ہاتھ منہ صاف کر کے فارغ ہوئیں تو نویرہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"جیتی رہو، خوش رہو، آباد رہو۔" اس کی پیشانی چومتے ہوئے انہوں نے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا

ناول ٹائم

تھا۔ "بڑی جلدی اٹھ گئیں۔" محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"بس جلدی آنکھ کھل گئی۔ رفعت باجی کہاں ہیں؟" اطراف میں رفعت کو نہ پا کر اس نے پوچھا۔

شاکرہ باہر جا چکی تھی۔ کمرے میں وہ دونوں ہی تھیں۔

"ابھی اٹھ کر باہر نکلی ہیں۔ مہمان جمع ہیں تو سو ذمے داریاں ہیں۔ اللہ رفعت کو اجر دے۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ خیر سے تم آ گئی ہو۔ گھر کی طرف سے تو میری فکر ختم ہی ہو گئی۔ میرے گھر کی اصل مالک تو اب تم ہی ہو۔ بیٹیاں تو مہمان ہوتی ہیں۔ پرایا دھن...... شادی کے بعد تو صرف مہمان بن کر آتی اور چلی جاتی ہیں۔"

نویرہ اپنے ناخنوں کو دیکھنے لگی۔ اسے اس ذکر سے تکلیف ہو رہی تھی مگر وہ خالہ جی کو منع نہیں کر سکتی تھی۔

"شارق بھی اٹھ گیا ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری بڑی خواہش ہے وہ بھی کبھی صبح سویرے اٹھ کر نماز ادا کرے۔ خیر سے تم آ گئی ہو تو تم ہی اسے آمادہ کرنا۔ میری تو سن کر ٹال جاتا ہے۔ شاید تمہاری ہی مان جائے۔"

نویرہ نے ضبط سے ہونٹ بھینچے...... شارق کے حوالے سے وہ خود الجھی ہوئی تھی۔ اماں کی باتیں مزید الجھانے لگی تھیں۔

وہ کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں آ گئی تو شارق سر تک کمبل لپیٹے پڑا سو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے بستر کے کنارے پر ٹک گئی۔

رات وہ سو نہیں پائی تھی۔ فجر کے قریب آنکھ لگی بھی تو اذان کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اب آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ بھی آہستگی سے کمبل میں دبک گئی۔

وہ نجانے کب تک سوئی تھی اور شاید کب تک پڑی سوتی رہتی۔ ایک نامانوس سے لمس کے احساس نے اس کی نیند اچک لی تھی۔ احساس گہرا ہوا تو اس نے فوراً پلکیں وا کر دیں۔ چند ثانیے تو وہ نظروں کے سامنے اپنے اوپر جھکے سر کو دیکھے گئی پھر جیسے ایک دم ہوش آیا تو احساس ہوا شارق زمان کے ہاتھوں کے لمس نے اس کی نیند توڑ دی تھی۔

"اوں۔ ہوں۔" اس نے سرعت سے سیدھا ہونا چاہا تو شارق زمان نے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر روک دیا تھا۔ خوشبوؤں میں نہایا ٹپ ٹاپ سادہ شلوار قمیص میں ملبوس وجود اس کے حواس جھنجھوڑ گیا تھا۔

"بارہ بج رہے ہیں مادام۔ بڑی گہری نیند تھی تمہاری جو ٹوٹنے میں ہی نہیں آ رہی۔ کافی دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔" وارفتہ نگاہوں سے اس کے ملیح خوب صورت چہرے کو نگاہوں میں جذب کر کے وہ اس پر جھکے کہہ رہا تھا۔ نویرہ "بارہ بجے" کا سن کر چونکی۔ اسے حیرت ہوئی وہ اتنی دیر سوئی تھی۔

"لگتا ہے آج رات بھی میرے سونے کے بعد کل والی روٹین اپنائی تھی تم نے...... مگر شاکرہ اور اماں تو کچھ اور کہہ رہی تھیں۔" نویرہ کو اس کے الفاظ نے تلخ ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے چہرے کے اعصاب کشیدگی سے دوچار ہوئے تھے۔ رات والی اپنی بے بسی پر اسے رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔ اس سے اسے اس شخص سے عجیب طرح کی حیا آ رہی تھی۔ ساتھ ہی خود پر غصہ بھی...... دو طرفہ احساسات کا شکار وہ

خود سے ہی الجھ رہی تھی۔

پلکیں جھپکاتے اس نے چہرے کا رخ موڑنا چاہا تو شارق نے دوبارہ چہرہ اپنی طرف کر لیا۔ بغور اسے دیکھتے وہ اس پہ جھکا تھا۔

نویرہ...... وہ بت بنی رہ گئی تھی۔ محبت سے تھامے جانے والے ہاتھ کو اس نے سختی سے جھٹک دیا۔ یہ صاف احتجاج تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آتے چلے گئے۔ شارق نے مسکرا کر اسے کندھوں سے تھام کر اپنے برابر کیا تھا۔

"چھوڑیں مجھے۔" وہ آہستہ آہستہ اپنی سابقہ کیفیت میں لوٹ رہی تھی...... بھرپور مزاحمت کرتے ہوئے اس نے شارق کے ہاتھ جھٹک دیے۔ وہ کھل کر ہنسا۔

"زبردست۔ دھان پان سے وجود میں اتنی طاقت...... چھوڑنا ہی ہوتا تو اتنے پاپڑ بیل کر تمہیں اپنایا ہی کیوں تھا...... اتنی کم عمر بچی تو نہیں ہو کہ میاں بیوی کے تعلق کے تقاضے کو نہ سمجھ سکو...... یہ احتجاج' یہ مزاحمت بچکانہ پن ہی تو ہے۔ پڑھی لکھی ہو مجھ سے بہتر دین کو سمجھتی ہو پھر یہ آنسو کیوں؟" چند لفظوں میں ہی اس نے اسے بے حیثیت کر دیا تھا۔ نویرہ کو وہ رو کر گزرے لمحوں میں اپنی کمزوری یاد آنے لگی۔

"بس۔ آپ اپنی ضد جیت گئے۔ مجھے جس طرح بے بس کرنا تھا کر چکے۔ اب میری جان چھوڑ دیں۔ جائیں یہاں سے...... تنگ نہ کریں مجھے۔" پلکیں جھپکتی چلی گئی۔ اس کے لہجے میں واضح بے بسی سی در آئی تھی۔ شارق کے ہاتھ جھٹک کر وہ بستر سے اتر گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں آئی تو شارق کو اسی طرح بیٹھے پایا۔ وہ اسے نظرانداز کیے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ اب اس شخص کے سامنے مزید کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اس کی انا سربلند ہو گئی تھی۔ ان تین چار دنوں میں بالوں کی طرف سے وہ بے پروا رہی تھی۔ بال یوں ہی ہمہ وقت پشت پہ بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے آگے ڈال کر برش اٹھایا۔

شارق نے بڑے اشتیاق سے لمبی کالی گھٹا کو دیکھا۔ اسے خود پہ حیرت ہوئی۔ کبھی یہ سب کچھ اسے بہت برا لگتا تھا مگر اب یہی کچھ اسے اٹریکٹ کر رہا تھا۔ کتنی بڑی تبدیلی آ چکی تھی اس کے اندر...... وہ صرف ایک عورت کے حصول کے لیے اتنا کچھ کر چکا تھا۔ یہ سب اس عورت کا اعزاز تھا کہ پتھر میں جونک لگی تھی۔

"بڑے پیارے بال ہیں تمہارے بہت لمبے گھنے۔" وہ اٹھ کر اس کے عقب میں چلا آیا تھا۔ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو نویرہ نے قدم آگے بڑھا لیے۔ اس سے اس شخص کا لمس بچھو بن کر ڈس رہا تھا۔

"تیار ہو جاؤ میں تمہیں شاپنگ پہ لے چلتا ہوں۔" بہت نرمی سے کہا۔

"مجھے کچھ نہیں لینا۔" ادھر سے تلخی سے بھرپور تھی۔

"مگر مجھے تو لینا ہے۔ تمہیں اپنے لیے شاید ضرورت نہ ہو مگر مجھے اپنی بیوی کے لیے شاپنگ کرنی ہے۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ بارہ بج رہے ہیں۔ ناشتہ تو تم گول کر چکی ہو ناں لنچ باہر ہی کریں گے پھر میں تمہیں تمہاری امی کے ہاں لے چلوں گا۔" اس کے تیوروں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو امی کے ذکر پر وہ بے یقینی سے دیکھے گئی۔

"رات نہیں رکنا...... صرف شام تک ٹھہرنا۔ یہ طے ہے تمہیں رات صرف اس گھر میں میرے ساتھ

گزارنی ہے۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ پھر نکلتے ہیں۔ کچھ وقت تو شاپنگ میں بھی لگے گا۔" وہ کہہ کر پلٹا تھا۔ نویرہ نے غصے سے دیکھا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا...... اگر جانا ہے تو رات رہوں گی ورنہ نہیں۔" وہ اس مشروط اجازت پر بھی لق و دق رہ گئی فوراً انکار کیا تھا۔ شارق زمان نے پلٹ کر اس کے تیور جانچے پھر کندھے اچکا دیے۔

"او کے۔ جیسے تمہاری مرضی۔ تم نہیں جانا چاہتیں تو نہ سہی مگر رات رکنے والی بات طے ہے۔ چاہے تمہیں اچھا لگے یا برا...... ہاں شاپنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تھوڑی دیر میں نکلتے ہیں۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو وہ غصے سے اپنی جگہ جمی رہ گئی۔

رات کے شارق اور اب کے شارق میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس نے برش ٹیبل پر پٹخ کر بستر پہ بیٹھ کر سر تھام لیا کہ یہ شخص اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

وہ شاپنگ پہ نہیں جانا چاہتی تھی مگر اس کی شارق کے سامنے ایک نہ چلی تھی۔ اس کی انا بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ اس شخص کو صرف اپنے جذبات کی پروا تھی۔ کسی اور کے احساسات کی قطعی فکر نہ تھی۔
رفعت باجی اور اماں کے اصرار پر وہ اماں کے ہاں جانے مگر اس سے پہلے شارق کے پروگرام کے تحت شاپنگ پہ جانے پہ تیار ہوئی تھی پھر اماں کے بھی کئی فون آ چکے تھے۔ رفعت باجی اسے خود گاڑی تک چھوڑنے آئی تھیں۔ شارق فرنٹ سیٹ کا ڈور کھولے منتظر تھا۔ سجے سنورے وجود پہ کالی چادر میں ڈھانپے وہ اس کے برابر گئی تو شارق نے اس کا چہرہ دیکھا۔ ناراضگی و ضبط کا عکس چہرہ اس کے اندر کے موسم کا ترجمان تھا۔

"شارق ضد نہیں کرتا اگر خالہ وغیرہ روکیں تو رک جانا یا نویرہ کو ہی رات رکنے دینا۔" رفعت باجی کی نصیحت پر بھی اس نے بغیر کچھ کہے گاڑی گیٹ سے نکالی تھی۔

نویرہ قطعی لاتعلقی سے ونڈ اسکرین کے شیشے پہ نظریں گاڑھے ہوئے تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس شخص کی معیت میں زندگی کیسے گزرنے والی ہے...... اپنی انا کو مار کر اس کی ہر بات پر جی حضوری کرتے ہوئے۔ اس کے اندر طوفان برپا تھے...... ذہنی طور پہ وہ بہت اپ سیٹ ہو چکی تھی۔

رات کو جس طرح شارق زمان نے اپنے رشتے کا استحقاق استعمال کیا تھا۔ وہ ابھی تک ششدر تھی۔ وہ اتنی کمزور کیوں پڑ گئی۔ اس کا ذہن اسے مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔

شارق زمان نے کئی بار اس کی طرف دیکھا۔ وہ مکمل لاتعلقی لیے ہوئے تھی۔

وہ مبہم سا مسکرا دیا۔

شاپنگ کے دوران بھی نویرہ کی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اسے ساتھ لیے ادھر سے ادھر گھومتا رہا تھا۔ نجانے کیا کچھ خریدتا رہا تھا۔ لیڈیز شاپنگ کے متعلق شارق کی معلومات بڑی اپ ٹو ڈیٹ تھیں۔ نویرہ ہر موڑ پہ نئے سرے سے حیرت سے دوچار ہوئی تھی۔ شارق زمان جیسے آج ہی سب کچھ خرید لینا چاہتا تھا۔ کپڑے' جیولری میچنگ' شالیں' چادریں' بیگز' شوز' تین سے چار گھنٹے وہ اس کے ساتھ خوار ہوئی تھی۔
شارق زمان نے اپنے لیے بھی چند ایک چیزیں لی تھیں۔ زیادہ تر چیزیں نویرہ کے لیے ہی لی تھیں۔

"پلیز! میں اب تھک گئی ہوں۔ اب مجھے کہیں نہیں جانا۔"

شارق زمان اپنے لیے نجانے کہاں جانے والا تھا' وہ ایک دم رک گئی۔ اس سارے عرصے میں "ہوں ہاں" کے علاوہ پہلا باقاعدہ جملہ تھا جو اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ شارق زمان نے بغور دیکھا۔

"اوکے چلو۔ کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے ہیں۔" اس نے بھی مزید خریداری کا ارادہ فوراً ترک کیا تھا۔ نویرہ نے فوراً نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں پلیز! اب واپس چلیں۔ میں کسی ریسٹورنٹ میں نہیں جاؤں گی۔ میں نہ پہلے ایسی جگہوں پر گئی ہوں اور نہ ہی ایسا کوئی شوق ہے۔" اس کے لہجے کی تلخی واضح تھی' چہرہ اچھا خاصا چادر میں لپٹا ہوا تھا ورنہ وہ اس کے تاثرات ضرور نوٹ کرتا۔

"مگر میرا بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔ میں تمہیں فیملی کیبن میں لے جاؤں گا۔ کسی چھوٹے موٹے ریسٹورنٹ میں نہیں لے جا رہا۔ تم کو بھی اندر کا ماحول اچھا لگے گا چلو تو سہی۔" شارق نے اب بھی اپنی ہی کہی تھی۔ نویرہ کلس کر رہ گئی۔ اب بولنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

ریسٹورنٹ کا اندرونی ماحول خاصا اچھا تھا۔ وہ اسے فیملی کیبن میں لے آیا تھا۔ نویرہ اس کے ساتھ گھسٹنے پر مجبور تھی۔ آرڈر دے کر اس نے نویرہ کو دیکھا۔ چادر ابھی تک اسی طرح چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی جس طرح وہ شاپنگ کے دوران رہی تھی۔

"اب تو ریلیکس ہو کر بیٹھو اور یہ چادر پیچھے کرو۔ چہرہ تو دیکھنے دو۔" زبان کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ کو بھی حرکت دی تھی۔ چادر چہرے سے پیچھے سرکائی تو نویرہ نے سٹپٹا کر خود ہی چادر کا پلو پیچھے کر لیا۔

"اتنے خوب صورت چہرے پر اتنی ناراضگی اچھی نہیں۔ یار مسکراؤ تو سہی..... یوں لگ رہا ہے جیسے میں تمہیں مار کر لایا ہوں۔"

نویرہ نے برہمی سے دیکھا۔ شارق زمان نے مسکرا کر نویرہ کا ہاتھ تھام لیا۔ نویرہ کی سانسیں اٹکنے لگیں۔

"ابھی تک ناراض ہو..... اب تو ناراضگی کا کوئی جواز نہیں رہا۔ سب کچھ تو بتا چکا ہوں تمہیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ابھی تک کہ میرے پاس ہو۔ میں تمہیں چھو سکتا ہوں۔ لگتا ہے یہ سب خواب ہے۔ میں گہری نیند میں ہوں۔ میں آنکھیں کھولوں گا تو تم غائب ہو گی۔ تمہارے گھر والے تمہیں مجھ سے چھین لیں گے۔ نویرہ اب تو لگتا ہے تمہارے بغیر سانس بھی لوں گا تو مر جاؤں گا۔"

جذبوں سے بوجھل خمار آلود لہجہ ہوٹل کے اس فسوں خیز ماحول میں اور بوجھل اور بھاری ہو گیا تھا۔ نویرہ کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ شرم و حیا نے بیک وقت حملہ کیا تھا۔

اتنی وارفتگی..... اس قدر والہانہ پن۔

محبتوں کا عروج تھا یا جذبوں کی شدتیں۔

وہ دم بخود رہ گئی۔

یہ سچ تھا یا دھوکہ.....

وہ جو بیت گیا تھا تو وہ پھر کیا تھا؟

وہ جس طرح اسے حاصل کرنے کے اقدامات کر چکا تھا وہ کس زمرے میں تھے؟

جس سے محبت ہوتی ہے ان کو یوں خوار نہیں کیا جاتا.....

دوسروں کی نظروں سے گرایا نہیں جاتا۔

ایک محبت کرنے والا ہی محبوب کے جذبوں کی قدر کرتا ہے۔

اس کی عزت نفس کو کچلتا نہیں۔ اس کی انا کی حفاظت کرتا ہے مگر یہاں اس شخص نے اسے ہر جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا۔

اس کی ذات نواز فاروق کی نظروں سے گرائی تھی اور نواز فاروق..... اس نام کے ساتھ وہ پتھر بن گئی۔ اس کی سوچ تک زہریلی ہو گئی تھی۔ وہ سب معاف کر دیتی مگر یہ جرم کبھی معاف کرنے والا نہ تھا۔ اسے اپنے لیے شارق کے منہ سے نکلا ہوا "ریپ" کا لفظ بھولا ہی نہ تھا۔ اس کی ذات کانٹوں پر لے آتا تھا۔ وہ کانٹوں پر لوٹ رہی تھی اور یہ شخص کتنا مطمئن تھا۔

محبت کر کے..... محبت کے نام پر رسوا کر کے کیسے فاتح بنا اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا۔

اسے ایک عورت کی پارسائی نے مجبور کیا تھا تو وہ اس عورت کی پارسائی کو کسی اور کی نگاہوں میں داغ دار کر گیا تھا..... صرف اپنے فائدے کے لیے..... اس کے بھائی سر جھکانے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس کی ماں کی آنکھوں کی گریہ زاری کا کوئی حساب نہ تھا اور یہ شخص اپنی فتح کے نشے میں غرق صرف ایک عورت کے حصول پر نازاں تھا۔

نویرہ کا روم روم نفرت سے جلنے لگا تھا۔ جی چاہا وہ اس گھٹیا دھوکے باز کا منہ نوچ لے مگر وہ ضبط کر گئی۔ وہ اس طاقت ور و توانا وجود کے سامنے بے بس تھی۔ وہ مان گئی تھی صرف ایک رات میں قطعی بے بس ہو گئی تھی۔

"میرا خیال ہے اب اتنی بے اختیاری نہیں ہونی چاہیے۔ میرے والدین اور بھائی وعدہ خلاف نہیں۔ وہ عزت کے لیے سر جھکا سکتے ہیں تو عزت کے لیے نفرت کے باوجود برداشت بھی کر سکتے ہیں۔ اب بات صرف انفرادی وجود کی نہیں خاندانی بقا کی ہے۔ نسلوں کے افتخار کی ہے جسے آپ کیا جانیں۔" وہ بولی تھی تو تلخی سے بھرپور وار تھا۔

"نویرہ۔"

"میں' میری ماں یا بھائی آپ جیسی سطحی سوچ نہیں رکھتے۔ آپ کیا جانیں عورت کی پاکیزگی اور وفاداری کیا ہے؟ آپ گارنٹی دے سکتے ہیں کہ میں ساری عمر آپ کے ساتھ وفادار رہوں گی۔ ہے آپ کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب؟" نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالتی۔

"نویرہ! تم..... حد سے گزر رہی ہو۔" شارق لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ طنزیہ ہنسی۔

"ابھی کہاں شارق صاحب۔ ابھی تو آغاز ہے۔" وہ ہنسی۔ "کتنا اذیت ناک المیہ ہے کہ ایک مرد اپنے لیے ایک پاکباز وفادار عورت کی ڈیمانڈ کرتا ہے اور کیا ایک عورت کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ اس کی زندگی کا شریک سفر بھی ایسی خصوصیات سے آراستہ ہو۔" اس نے طنزیہ نگاہ اس خاموش وجود پر ڈالی۔

"جس طرح میری ذات کو آپ نے نواز فاروق کے سامنے ذلیل کیا ہے میں بھی معاف نہیں کروں

گی۔ اپنی ماں کے بہائے گئے آنسو معاف کرسکتی ہوں۔ اپنے بھائیوں کے جھکے سروں کو بھی بھول سکتی ہوں مگر اپنی نسوانیت پر لگنے والا یہ دھبہ کبھی نہیں بھولوں گی۔ کتنے افسوس کی بات ہے جس نسوانیت کی پاسداری کی صفت آپ مجھ میں دیکھ کر مرتے ہیں۔ میری اسی نسوانیت کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے تار تار کیا ہے اور عورت سب کچھ معاف کرسکتی ہے مگر اپنی نسوانیت کے لیٹرے کو کبھی نہیں۔'' اسے موقع ملا تھا دل کھول کر اندر کی بھڑاس نکالنے کا۔

''میں اپنے ریپ کا لفظ کبھی معاف نہیں کروں گی۔ سنا آپ نے......؟'' شارق زمان کا ضبط کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ حقیقت تلخ تھی مگر جھوٹ نہ تھا۔ نویرہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ویٹر کو اندر آتے دیکھ کر لب بھینچ گئی۔ کھانا بہت ہی خاموش ماحول میں کھایا گیا تھا۔

شارق زمان کے تیور بگڑ گئے تھے تو نویرہ کے اندر کمینی سی خوشی ابھری۔

''اچھا ہے میرے اندر کی آگ ادھر بھی تو منتقل ہو۔ پتا تو چلے کسی کو اذیت کیسی تکلیف پہنچاتی ہے؟ میری اذیت کا اندازہ اس وجود کو بھی تو ہو۔'' وہ خودغرضی کی انتہا پر تھی۔

کھانا ختم ہوتے ہی وہ دونوں وہاں سے نکل آئے تھے۔

''ارے شارق تم......'' ہوٹل کی سیڑھیاں اترتے دونوں ہی رک گئے تھے۔

نویرہ نے اس قدر پرجوش آواز کی طرف دیکھا تو نگاہیں جھکنا بھول گئیں۔ اسکائی بلو گھٹنوں سے اوپر شرٹ کے ساتھ کھلے پائنچوں والا ٹراؤزر پہنے گلے میں اسکارف ڈالے سر پر گاگلز ٹکائے تمتماتے چہرے کے ساتھ وہ نویرہ کے اعصاب پر قیامت بن کر گری تھی۔

''زیبا تم......؟'' شارق کے رکنے پر وہ بھی رک گئی۔ اچنبھے سے دونوں کو دیکھا۔

ہوش ربا سراپا سمیت وہ لڑکی نگاہوں میں کھب رہی تھی۔ بنانے والے نے بھی اسے کیا خوب بنایا تھا۔ یوں جیسے دنیا کا حسن یکجا کر دیا ہو۔ آنکھیں پھاڑے پلکیں جھپکائے وہ اسے دیکھے گئے۔

''کیسے ہو؟'' پرجوش انداز میں شارق زمان کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے وہ بہت لگاوٹ کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

نویرہ نے نہ ایسی بے تکلفی دیکھی نہ سنی تھی۔ بڑا عجیب لگا تھا۔

''فائن۔ تم سناؤ کیسی ہو۔ سنا ہے دبئی کے ٹرپ پر تھی......''

''ہاں ڈیئر کیا بتاؤں۔ پارٹی کے اگلے دن ہی پاپا مجھے زبردستی اپنے ساتھ دبئی لے گئے۔ پرسوں واپس لوٹی ہوں۔ کئی دفعہ تم سے رابطہ کیا مگر تم تو کہیں دستیاب ہی نہ تھے...... اور میری کالز بھی اگنور کر رہے تھے خیریت......؟''

''اف یہ شناسائی اور شناسائیوں کے یہ لگاوٹ بھرے مظاہرے نویرہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''بس اچھا ہوا تھا کہیں۔'' دونوں اس وقت نویرہ کی موجودگی کو یکسر بھولے ہوئے تھے۔

زیبا کیانی کی نگاہ شارق زمان سے قدرے فاصلے پر سیاہ بڑی چادر میں لپٹے وجود پر پڑی تو تعجب سے بغور دیکھا۔ چادر میں چہرہ چھپا ہوا تھا۔ اس نے شارق کو دیکھا۔

''ہواز شی؟'' نویرہ کے ڈھکے چھپے سراپا پر تمسخرانہ نگاہ ڈالے وہ خاصے مغرورانہ لہجے میں استفسار ہوا تھا۔ نویرہ کو اس ہتک آمیز انداز نے سلگایا۔

''مائی وائف۔'' اسی ریلیکس انداز میں جواب دیا گیا تھا۔

''کیا......؟'' زیبا تو مارے حیرت کے وہیں جم گئی۔ ''تم نے شادی کرلی؟'' اس کا حیرت سے برا حال تھا۔ نویرہ سر جھٹکتے دونوں کو وہیں چھوڑے سیڑھیاں اترنے لگی۔

''بس کل ہمارا ولیمہ تھا۔''

''تم نے مجھے چیٹ کیا۔'' شارق نے نویرہ کو اترتے دیکھ کر زیبا کے الفاظ پر اسے گھورا۔

''کیوں......؟ میں تمہیں کیوں چیٹ کروں گا؟ میں نے کون سے تم سے وعدے کیے تھے؟ تمہارے اپنے ذہن کی اختراع تھی۔ تمہاری دعوت پر میں تمہارے والد بزرگوار سے بھی ملا تھا مگر انہیں اپنی دولت پر بڑا ناز تھا اور میں ایسے لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ تم سے پرانی شناسائی ہے تو سر راہ ملنے پر رک گیا ہوں ورنہ میں ایسے شخص سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جو میرے خاندان پر طنز کرے۔''

نویرہ پارکنگ میں کھڑی گاڑی کے پاس کھڑی شارق کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے بے بسی سے سنا کر تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھا۔

نویرہ بری طرح سلگ رہی تھی......

''تم نے مجھے چیٹ کیا۔'' یہ الفاظ اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ اس شخص کو اپنا کردار نظر نہیں آتا۔ ایک میں ہی ملی تھی زندگی تباہ کرنے کے لیے۔ یہ قیامت کیوں نہ نظر آئی...... کیا کمی تھی اس میں؟'' زیبا کیانی کا ہوشربا حسن اس کے دل پر ضربیں لگا رہا تھا۔

اس نے سلگتی نگاہوں سے شارق زمان کو سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھا۔

⁂

سعد جمال سے رشتہ طے ہوئے کئی دن بعد بھی وہ سنبھل نہیں پائی تھی۔ وہ کالج جا رہی تھی۔ کالج سے فرح کے ساتھ وہ پہلے کی طرح اپنا رویہ برقرار نہ رکھ پائی تھی۔ ایک دم صدیوں کا فاصلہ درمیان میں آیا تھا۔ وہ تو مجبور تھی...... اس کے ساتھ جو گزرا تھا وہ چاہتی بھی تو بھول نہ پاتی جبکہ فرح بھی غیر محسوس انداز میں اس سے دور ہو گئی تھی۔ ایک صاف خلیج درمیان حائل ہو چکی تھی۔ ایک جھجک، ندامت کی صورت میں...... فرح نے بارہا اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی اور زرش ہر بار رک جاتی تھی۔ وہ اس راستے سے ہر قدم رکھنا بھول گئی تھی جہاں فرح کی موجودگی کا امکان ہوتا تھا۔

کلاس میں دونوں پہلے کی طرح ساتھ نہ تھیں۔ ان دونوں کا رویہ ان کی بہت سی کلاس فیلوز کے ساتھ ٹیچرز نے بھی نوٹ کیا تھا...... جس طرح زرش پچھلے دنوں مسلسل غیر حاضر رہی تھی۔ زرش کے گریز اور فرح کی چپ سب کو متوجہ کر رہی تھی اور زرش بہت چاہنے کے باوجود خود کو نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔

ان ہی گزرتے روز و شب میں شائستہ کو زرش کی چپ اور سنجیدگی بہت متفکر کر گئی تھی۔ وہ نہ ہی تو پہلے کی طرح سب کے ساتھ بیٹھتی تھی اور نہ ہی اس کا مزاج اپنی پرانی جون میں لوٹا تھا۔ وہ اپنی ذات کے

حصار میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ گھر کا ہر فرد نوٹ کر رہا تھا مگر علاج اختیار سے باہر تھا۔

اس رات بھی وہ کھانا کھانے کے بعد کمرے میں بند ہو چکی تھی۔ الگ تھلگ رہنا جیسے اس کی آہستہ آہستہ عادت بنتی جا رہی تھی۔ شائستہ دن بدن تشویش میں مبتلا ہو رہی تھیں۔ انہوں نے سعود احمد کو میڈیسن دی تھی۔ وہ ابھی تک آفس نہیں جا رہے تھے' گھر پر ہی ریسٹ کر رہے تھے۔ دوسرا وہ زرش کا رشتہ اس قدر عجلت میں سعد سے طے کر دینے کے بعد سعید احمد سے سامنا کرنے سے بھی پہلو تہی کر رہے تھے۔ وہ پہلے سے کافی حد تک بہتر تھے۔

سعود احمد کے سو جانے کے بعد شائستہ بیگم زرش کے کمرے کی طرف چلی آئیں۔ ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا تھا۔ زرش اسٹڈی ٹیبل پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی۔ کمپیوٹر آن تھا۔ کوئی پروگرام فیڈ کیا جا رہا تھا۔ شائستہ کی آمد کی اسے خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح جھکی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کے قریب آ کر اسے دیکھا۔

"زرش۔" اس پکار پر وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ شائستہ کو دیکھ کر مسکرائی۔

"ماما! آپ اس وقت کوئی کام تھا؟ مجھے آواز دے لی ہوتی۔" وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔ شائستہ نے اس کے سامنے دھری نوٹ بک پر نگاہ ڈالی۔ آڑی ترچھی لکیروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ کتابیں اردگرد بے ترتیب بکھری ہوئی تھیں اور ایسی ہی بے ترتیبی پورے کمرے اور زرش کی اپنی ذات میں بھی نمایاں تھی۔ ملگجا لباس' رف بال' خشک ہونٹ' بجھی آنکھیں...... ان کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچا تھا۔

"ماما! کیا بات ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں......؟ پاپا تو ٹھیک ہیں ناں؟" ماما کے یوں دیکھنے پر وہ فوراً خوف زدہ ہو گئی تھی۔ پہلا خیال ہی سعود احمد کی طرف گیا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔

"ہوں۔ ابھی میڈیسن دے کر آئی ہوں۔ اب سو رہے ہیں۔ تم تو ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہو۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تم کو ہی دیکھ لوں۔ تمہارے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اسی لیے۔"

زرش نے سکون کا سانس لیا۔

"پڑھائی ہو رہی تھی۔"

"ہاں...... آپ...... آپ بیٹھیں میں بس سب سمیٹنے ہی والی تھی۔" اس نے فوراً ٹیبل پر بکھری کتابیں سمیٹ کر کمپیوٹر آف کیا اور پھر شائستہ کے پاس بستر پر آ بیٹھی۔

شائستہ نے دیکھا وہ پہلے سے زیادہ کمزور اور خستہ حال دکھائی دی۔

"تو کیا زرش اس رشتے سے خوش نہیں؟" ان کے دل میں پھر دھکڑ شروع ہو چکی تھی۔ ہادیہ نے تو سب ٹھیک ہے کہا تھا۔ زرش نے بھی زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کی خاموشی کو ہی رضامندی سمجھ کر مطمئن تھیں۔

"کمرہ بہت بکھرا ہوا ہے۔ یاسمین سے کہہ کر صفائی کرواؤ۔" انہوں نے کمرے کی طرف توجہ دی۔

زرش کے ہونٹوں پر بڑی پھیکی سی ہنسی تھی جو اندر سے بکھر جاتیں۔ انہیں شاید باہر کی بے ترتیبی نظر نہیں آتی۔

"جی اچھا۔ بس خیال ہی نہیں رہتا۔"

"زرش! تم خوش ہو ناں؟" زرش کی پھیکی ہنسی ان کے دل پر نشتر چبھو گئی تھی۔ وہ استفہامی انداز میں ماما کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپا نے یوں ہی رشتے کی بات کی تھی پھر تو انہوں نے باقاعدہ چکر لگانے شروع کر دیے تھے۔ مجھے اندازہ ہے تم جن کرائسس سے گزر آئی ہو۔ ابھی ان حالات میں ایسا کوئی بھی قدم اٹھانا تمہاری طبیعت ومزاج پر گراں گزر سکتا تھا مگر تمہارے پاپا اور تمہاری آپا کا خیال تھا کہ طاہرہ کے گھٹیا پروپیگنڈے کا صرف یہی حل ہے۔ سمعان کی طرف تو ان حالات کے بعد اب خیال جا ہی نہیں سکتا تھا کہ اسی میں تمہاری اور سمعان کی بقا تھی لیکن صرف مفروضوں کی بنا پر اتنا بڑا رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ میں نے ہادیہ سے کہا تھا کہ تمہاری رضامندی لے لے۔ اس نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا تھا مگر اب تمہاری چپ مجھے وہموں وسوسوں سے دوچار کر رہی ہے۔" شائستہ بیگم صرف پریشان ہی نہیں ازحد ڈسٹرب بھی تھیں۔ زرش نے خاموشی سے ان کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی۔

"آپ کو میری طرف سے کسی قسم کی شکایت نہیں ملے گی۔ آپ میرے والدین ہیں۔ میرے لیے آپ نے کچھ بہتر سوچا ہے۔ بس ابھی یہ سب کچھ نیا نیا ہے۔ ذہن مشکل سے قبول کر رہا ہے مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آپ کے فیصلے پر ناراض تو نہیں ہوں' بس اپنی حماقتیں یاد آتی ہیں تو مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔" اس نے دل کی بات فوراً کہہ دی تھی۔ وہ خود بھی اب اس بوجھ سے آزاد ہونا چاہتی تھی۔ یہ بوجھ مسلسل عذاب بن کر اس کو اندر ہی اندر کاٹ رہا تھا۔

"سعد بہت اچھا لڑکا ہے۔ ہارٹ اسپشلسٹ...... اس مقصد کے لیے اس نے اتنی جدوجہد کی ہے تب جا کر اس اسپشلسٹ ہونے کا وقت آنے کو ہے۔ آپا تو بہت مطمئن اور خوش ہیں پھر بہت محبت سے انہوں نے یہ رشتہ طے کیا ہے۔ آپا کہہ رہی تھیں کہ اسے وہاں کچھ آفرز مل رہی ہیں' وہ شاید انٹرسٹڈ بھی ہیں۔ پہلے تو آپا کہہ رہی تھیں کہ وہ فوراً پاکستان آئے۔ وہ خود بھی فوراً آنے والا تھا مگر اب وہ رک گیا ہے۔ آپا نے آج ہی میرے فون کرنے پر بتایا تھا کہ وہ وہاں کچھ عرصہ رکنا چاہتا ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ رک جائے تب تک تم بھی اپنی تعلیم جاری رکھ سکو گی۔ ہاں یہ طے ہے وہ جب بھی پاکستان آیا' آپا لوگ شادی کی جلدی کریں گے۔ میرا ارادہ ہے کہ خوشی کے ساتھ تمہیں بھی رخصت کر دوں۔"

زرش غیر دلچسپی سے یہ سب سن رہی تھی۔ اب اسے اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ سعد جمال صرف اس کا کزن تھا۔ طبیعت اور مزاج کا اچھا انسان تھا۔ اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے وہ ہمہ وقت مصروف رہتا تھا۔ کم ہی اس سے بے تکلف ہونے کا موقع ملا تھا۔ جب کہ وہ تو بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی پھر وہ ہمیشہ بڑے پن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ وہ تو فرح بھی اس سے خاصا خائف رہتی تھی۔ کبھی وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ اس سے ایسا کوئی رشتہ بھی بن سکتا ہے۔

"ماما! ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں۔"

"اس دن آپ مجھے تائی کے متعلق کچھ بتا رہی تھیں۔ میرا مطلب ہے ان کے ماضی کے متعلق لیکن پھپھو لوگوں کی آمد کی وجہ سے بات ادھوری رہ گئی۔ تائی امی کی آپ اور پاپا سے نفرت کیا اسی وجہ سے ہے؟ اگر وہ اسی طرح انوالو ہو بھی گئی تھیں تو پھر انہوں نے تایا ابو سے شادی کیسے کر لی؟" جھجکتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ شائستہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

"کاش یہ بات صرف طاہرہ کی انوالمنٹ تک رہتی تو ٹھیک تھا مگر بات بہت آگے تک گئی تھی۔ طاہرہ کی نفرت کی وجہ صرف میری ذات ہی نہیں اور بھی کچھ ہے۔"

"پھر کیا ہوا تھا؟" زرش کے اندر پھر سے تجسس ابھر آیا تھا۔

"پتا نہیں قیصرہ کی برین واشنگ تھی یا پھر طاہرہ کے اندر ہمیشہ سے ہی کوئی کمزور پہلو چھپا ہوا تھا جو ذرا سی پھونک مارنے پر فوراً شعلہ بن گیا تھا۔ طاہرہ اس کے بعد ہر اس واقعے پر تمہارے پاپا کی راہوں میں آنے لگی تھی جب بھی ملاقات کا موقع ملتا' تمہارے پاپا نے ان دنوں بھائی صاحب کے ساتھ مل کر کاروبار میں ابھی ہاتھ بٹانا ہی شروع کیا تھا۔ وہ بھی اس شہر گئے ہوتے تو کبھی اس شہر..... جن دنوں بھائی صاحب کا رشتہ میرے لیے آیا تھا وہ ملک سے باہر تھے۔ چند ماہ بعد پاکستان آئے' رشتے پر انکار کی خبر ملی تو پریشان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر ہمارے ہی گھر کے چکر لگانے لگے۔ ویسے ہی طاہرہ ہر وقت ان کے سامنے ہی رہتی۔ وہ جو بڑے شوق سے ملنے آتے تھے' چڑ کر چلے جاتے۔ وہ مجھ سے بدگمان رہنے لگے کہ میں جان بوجھ کر طاہرہ کو درمیان میں لا رہی ہوں اور میں حیرت سے دیکھتی رہ جاتی۔ مجھے ان دنوں کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کروں؟ کیسے اس آنے والے طوفان کو روکوں مگر میں نے طاہرہ کو باتوں ہی باتوں میں سمجھانا چاہا تو وہ میرے خلاف ہو گئی۔ اس کے نزدیک سعود احمد اس میں دلچسپی لے رہے ہیں اور یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی اور میں اس کے حسن و خوب صورتی سے خائف ہوں۔ اسی لیے دونوں کے درمیان آ رہی ہوں۔ میرا جی چاہتا کہ میں طاہرہ کی ان خوش فہمیوں پر قہقہے لگاؤں مگر میں پتھر کی بنی سب کچھ دیکھ رہی تھی اور پھر میں نے تھک ہار کر سب کچھ حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

ان ہی دنوں ہم دونوں کا سمسٹر ختم ہو رہا تھا۔ پیپرز دے رہی تھیں جب تمہارے پاپا نے ایک دن مجھے سختی سے کہہ دیا کہ میں طاہرہ کی خوش فہمیاں بلکہ غلط فہمیاں دور کر دوں ورنہ وہ اس سے خود بری طرح پیش آئیں گے۔ چونکہ یہ ہمارے خاندان کی بات تھی۔ میں نے تھک ہار کر نفیسہ آپا کو سب بتا دیا۔ انہوں نے مجھے تسلی دی اور پھر جب طاہرہ کی غلط فہمیاں حد سے بڑھنے لگیں تو انہوں نے خالہ اماں کو درمیان میں لائے بغیر اماں ابا تک میرے رشتے کی بات کر دی۔

سعید بھائی صاحب کے انکار کے بعد ابا جی میرے لیے باہر رشتے دیکھ رہے تھے۔ اب اس رشتے پہ الجھ گئے تھے۔ نفیسہ آپا اس موقع پر بھی بڑی معاون ثابت ہوئیں۔ انہوں نے اماں ابا جی کو منا کر ہی دم لیا اور اس طرح بزرگوں میں رشتہ طے ہو گیا۔ طاہرہ کو پتا چلا تو اس نے مجھے بہت برا بھلا کہا۔ مجھے غاصب' دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والی قرار دیا اور قیصرہ آپا اس کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی بجائے بڑھاتی ہی چلی گئیں۔

ایگزام دے کر فارغ ہوئیں تو خالہ جی سعید بھائی کا رشتہ طاہرہ کے لیے لینے چلی آئیں۔ میرا جی چاہتا کہ میں ایک دفعہ بھائی صاحب کو قیصرہ کی اصلیت کا بتا کر طاہرہ سے متعلق ان کو آگاہ کر دوں۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ تھا۔ صرف محبت کی بنیاد پر ہی زندگی نہیں گزاری جا سکتی تھی مگر میرے اندر ان کا دل برباد کرنے کی ہمت پیدا نہ ہو سکی۔ میں نے سعود احمد سے بات کی تو انہوں نے بھی چپ رہنے کا کہا۔ اب میں کیا کر سکتی تھی۔ چپ چاپ حالات کا تجزیہ کرتی چلی گئی۔ تائی امی کے طاہرہ کے لیے سعید بھائی کا رشتہ کسی دولت سے کم نہ تھا پھر وہ ہمارے رشتے دار تھے۔ اماں جی اور ابا جی آپس میں بالکل غیر تھے۔ تایا جی نے تو فوراً ہاں کہہ دی۔ ان ہی دنوں قمر النساء اور منصور بھائی کا بھی رشتہ طے ہو چکا تھا۔ طاہرہ نے لاکھ انکار کیا۔ بھوک ہڑتال' ضد ہر حربہ استعمال کر ڈالا مگر تایا جان اس کے انکار کو اہمیت دینے والے ہی نہ تھے۔

اور پھر ان ہی دنوں شادی بھی طے ہو گئی۔ سعید بھائی اور سعود احمد کی بارات ایک دن آئی تھی۔ طاہرہ خوشی یا نہ خوشی سے بیاہ کر میرے ساتھ ہی "احمد ولا" چلی آئیں۔

زرش گنگ سی سب سن رہی تھی۔ ماں کے چپ ہونے پر فوراً ان کا چہرہ دیکھا۔

بھائی صاحب اور طاہرہ کی اندرونی چپقلش ان دنوں تک ہی محدود رہی۔ طاہرہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر اس گھر میں آ تو گئی تھی مگر اس نے گھر کو اپنا گھر کبھی نہ سمجھا۔ سعید بھائی خاصی پریکٹیکل سوچ رکھنے والے انسان تھے۔ وہ الجھ کر رہ گئے مگر وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے کہ طاہرہ صرف ان کی ذاتی خواہش پر' اس گھر میں آئی تھی۔ خالہ جی کو بھی تایا جی کی بیٹیوں کے طور طریقے پسند نہ آئے تھے اور جب انہوں نے اماں جی سے رشتہ مانگنے کو کہا تھا تو نفیسہ آپا نے بھی سمجھانا چاہا تھا۔ تب تو وہ ٹال گئے تھے مگر اب چپ تھے۔ شاید انہیں اب افسوس بھی ہو رہا تھا۔

طاہرہ زندگی کے ہر معاملے میں میری برابری کرتی تھیں۔ مجھ سے اور سعود احمد سے اس نے خدا واسطے کا بیر باندھ لیا تھا۔ ہاں اگر وہ اس گھر میں صرف کسی سے ڈرتی تھیں تو وہ دو انسان تھے۔ سعید بھائی اور خالو جان۔ ان کے علاوہ وہ ہر کسی کو جوتے کی نوک پر رکھتی تھی پھر قیصرہ آپا کی ہدایتیں' نصیحتیں اس کے شامل حال تھیں۔ وہ آنکھیں بند کیے ان پر عمل پیرا رہیں۔ شادی کے سال بعد ہی ان کے ہاں عثمان پیدا ہو گیا تو طاہرہ کی زندگی میں کچھ ٹھہراؤ سا آنے لگا۔ آہستہ آہستہ بھائی صاحب بھی مطمئن ہونے لگے تھے لیکن یہ ٹھہراؤ بہت کم عرصے پر محیط تھا۔ اس ٹھہراؤ کی مدت صرف دو سال رہی اور دو سال بعد پھر وہی طاہرہ بن گئی جس نے سب کو جوتے کی نوک پر رکھا ہوا تھا۔ عثمان کے دو سال بعد سمعان پیدا ہوا تھا۔ اولاد کے معاملے میں طاہرہ بہت لکی تھی۔ عثمان کے بعد سمعان احمد وہ تو جیسے ساری دنیا ہی بھول گئی تھی اور "احمد منزل" میں ساری چہکاروں کی وجہ تھی۔ اس کے اندر اس بات کا زعم ابھرنے لگا تو وہ اٹھتے بیٹھتے مجھے "بانجھ" کے طعنے دینے لگی۔

"ماما!" شائستہ کی آواز رندھ گئی تو زرش نے بہت شدت سے انہیں ساتھ لگا لیا۔

"تمہارے پاپا یا دیگر لوگوں کا آسرا نہ ہوتا تو میں پاگل ہو جاتی۔ سمعان کی پیدائش کے بعد تو بھائی

صاحب اس کی اور پروا کرنے لگے تھے۔ خالہ جی نے اسے ہاتھ کا چھالا بنا لیا تھا۔ ایسے میں ہر کسی کو میری سونی گود کا بہت احساس ہونے لگا۔ یہ ان ہی دنوں کی بات تھی۔ مردوں میں سے کوئی بھی گھر پر نہ تھا۔ شام کا وقت تھا۔ نفیسہ آپا آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا اور اس دن میں ڈاکٹر سے چیک اپ کروا کر لوٹی تھی۔ ڈاکٹر نے بڑی امید دلائی تھی۔ نفیسہ آپا مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تو خالہ جی مجھ سے تفصیل پوچھنے لگیں۔ تب ہی قیصرہ نے بڑے طنزیہ و تمسخرانہ انداز میں کہا

"جو دوسروں کے حق پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ اللہ ان کو ایسے ہی محروم رکھتا ہے۔ کھیتی میں کچھ ہو تو فصل اگتی ہے۔ بانجھ بھی کبھی ماں بنی ہے۔" میں نے ہر بار طاہرہ کا طنز برداشت کر جاتی تھی مگر ان لمحوں میں نجانے مجھے کیا ہوا تھا۔ میں آج بھی وہ لمحے یاد کرتی ہوں تو افسوس ہوتا ہے کہ کاش میں ان لمحوں میں اپنے غصے پر قابو پا لیتی لیکن سچ ہے غصہ عقل کو کھا جاتا ہے اور طاہرہ نے مجھے جو طعنہ دیا تھا وہ شاید کوئی عورت اگر میری جگہ ہوتی تو کبھی برداشت نہ کر پاتی۔

"طاہرہ زبان سنبھال کر بات کرو۔" میرا غصے سے برا حال تھا اور پھر بات بہت بڑھتی چلی گئی۔ نہ میں چپ ہو رہی تھی اور نہ ہی طاہرہ...... خالہ جی حیران و پریشان دیکھتی رہ گئیں۔ اور تب ہی ان ہی لمحوں میں غصے سے وہ سب کہہ گئی جو مجھے کبھی نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں نے خالہ امی کے سامنے طاہرہ کے سعود احمد سے متعلق کارنامے بیان کیے تھے۔ خالہ تو دل تھام کر بیٹھ گئیں اور طاہرہ اپنی پول کھلنے پر مجھ پر چڑھ دوڑیں۔ وہ ایک دم انکاری ہو گئی۔ مجھے برا بھلا کہنے لگی۔ اسی دوران پہلے خالو جان گھر آئے اور پھر بھائی صاحب، سعود احمد ان دنوں بزنس ٹرپ پر تھے۔ دونوں نے اپنے کانوں سے سب کچھ سنا اور پھر قیامت ہی تو آ گئی۔"

زرش کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"بھائی صاحب کے لیے طاہرہ کی یہ بے وفائی تھی۔ مرد ہر چیز برداشت کر سکتا ہے مگر عورت کی بے وفائی نہیں اور عورت بھی وہ جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا۔ بھائی صاحب کے اندر جیسے ہر جذبہ مر گیا تھا۔ انہوں نے طاہرہ کو رکھنے سے انکار کر دیا۔ خالہ جی اور خالو جی سمجھاتے رہ گئے۔ انہوں نے مجھے بلا کر سب سچ سچ بتانے کو کہا۔ بات منہ سے نکل چکی تھی۔ اب انکار کرتی تو نظروں سے گرتی جو مجھے علم تھا سب کہہ دیا اور بھائی صاحب...... انہوں نے تو گویا لب سی لیے۔ صرف ایک بات کہی۔

"اماں جی طاہرہ سے کہیے یہ چلی جائے۔ میں نے ایک ایمان دار عورت کے دھوکے میں جذبات کی ماری عورت کو لانے کی غلطی کی ہے اور مجھے اس کی سزا ملنی چاہیے کہ سب کے جذبات کی پروا کیے بغیر میں نے اپنی ضد پوری کی تھی۔ میں تو سمجھا تھا کہ شاید میں ہی اس کی توقعات پر پورا نہیں اترا مگر علم نہ تھا۔ یہ عورت میرے ہی گھر میں رہتے ہوئے میرے ہی بھائی کے متعلق جذبات آلود کرتی رہی ہے۔ میں اپنی اولاد کو ایسی ماں نہیں دوں گا جو جذبات کی ماری ہو۔ یہ میرے بچے ہیں اور میرے ہی پاس رہیں گے۔ اسے کہیں یہ چلی جائے۔" انہوں نے گویا فیصلہ سنا دیا تھا۔ اور ان کا فیصلہ پتھر پر گویا لکیر تھا۔

طاہرہ مجھے کوسنے دیتی رہی۔ بددعائیں، طعنے، تشنے...... میں تو ڈر گئی۔

"اللہ کرے شائستہ تم بانجھ ہی رہو۔ جس طرح تم نے میرا گھر اجاڑا ہے تمہاری بھی گود اسی طرح اجڑی رہے۔ ایک ماں کی آہ لے رہی ہو تم نے مجھے برباد کر دیا خوش تم بھی نہیں رہو گی۔"

معاملہ حد سے بڑھا تو طاہرہ نے قیصرہ کو بلوا لیا تھا۔ سعید بھائی کے دو ٹوک فیصلے پر وہ بددعائیں کوسنے دیتی رخصت ہوئی تھی۔

وہ رو رہی تھیں۔ زرش کو شائستہ کے آنسوؤں سے بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔

"تمہارے پاپا آ گئے۔ انہیں بھی سارے معاملے کا علم ہوا تو برہم ہوئے پھر مجھے حوصلہ دیتے رہے کہ کچھ نہیں ہوتا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اماں جی، ابا جی، تایا جان، تائی امی معراج بھائی سب نے بارہا کوشش کی کہ بھائی کی ضد ٹوٹ جائے مگر ان کی ناں ہاں میں نہ بدلی اور طاہرہ ماں باپ کے ہاں جانے کی بجائے قیصرہ کے ساتھ گئی تھی۔ بھائی صاحب کے عتاب کی یہ ایک اور وجہ ٹھہری تھی۔

ان دنوں عثمان اور سمعان کو میں نے حقیقی ماں کی طرح سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ بھائی صاحب دونوں بچوں سے بڑا پیار کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی مجھ سے شکوہ نہ کیا مگر میں خود ہی ندامت سے دوچار رہتی۔ دو ماہ بعد کی بات ہے ڈاکٹر نے مجھے خوشخبری سنائی تو میں حیران رہ گئی۔ دراصل میں طاہرہ کی بددعاؤں سے ڈر گئی تھی۔ مجھے اللہ سے خوف آنے لگا تھا کہ کہیں مجھے محروم ہی نہ رکھے مگر اس کی مہربانی تھی۔ وقت گزرنے لگا تھا۔ سمعان ایک سال کا تھا جب میرے ہاں ہادیہ کی پیدائش ہوئی تھی۔ بھائی صاحب نے ہادیہ کو اٹھا کر ایک بات کہی تو میں چپ رہ گئی اور پھر یہ بات اماں جی ابا جی اور سعود تک پہنچی تو انہوں نے وقت پر ڈال دیا۔"

"انہوں نے کیا کہا تھا؟" زرش پوچھے بغیر نہ رہی تھی۔

"انہوں نے عثمان یا سمعان دونوں میں سے کسی ایک بیٹے کے لیے ہادیہ کو مانگا تھا۔"

"پھر......؟" زرش کو حیرت ہوئی۔ اس کے علم میں یہ بات نہ تھی۔

"پھر تمہارے پاپا نہ مانے۔ ان کے نزدیک یہ قبل از وقت بات تھی۔ میری مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ عثمان، سمعان احمد کی ذمے داری کے ساتھ ساتھ ہادیہ کو بھی سنبھالنا۔ وقت گزرنے لگا تھا۔ اس دوران خالو جی نے کئی بار بھائی صاحب پر دباؤ ڈالا کہ وہ طاہرہ کو لے آئیں مگر ان کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ فیصلہ تو بدلوا سکتے ہیں مگر اس دھوکے باز عورت کو اب کبھی اپنے گھر میں نہیں بسائیں گے۔ بھائی صاحب کی زندگی کی بربادی مجھے اپنا قصور لگنے لگا تھا۔ میں ان سے نادم رہنے لگی تھی۔ بارہا انہیں سمجھایا مگر وہ مانے ہی نہیں۔ خاندان بھر میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ بہت سی باتیں سننے کو ملیں جتنے منہ اتنی باتیں...... تایا جی بیٹی کا غم لیے قبر میں جا اترے تو تائی امی بے حیثیت ہو کر رہ گئیں۔ طاہرہ، قیصرہ کے پاس تھی اور قیصرہ اس کی خیرخواہ بھی نہ رہی تھی۔ اس نے بھی طاہرہ کو پکا کر دیا کہ سعید احمد معافی مانگ کر لے جائے تو جانا ورنہ نہیں...... خالہ جی، خالو جی بارہا گئے مگر طاہرہ نہ مانی اور پھر ان ہی دنوں بھائی صاحب نے دوسری شادی کی بات کی۔ خالو جی کو بڑا غصہ آیا۔ ان کے خاندان میں نہ ایسے پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ ہی ہونا تھا۔ انہوں نے خالہ جی کو ساتھ لیا اور قیصرہ کے گھر چلے گئے۔ بھائی معراج، ابا جی، اماں جی، منصور، صابر سب ہی کو لے

کر...... ایسے میں قیصرہ کی کوئی چال نہ کامیاب ہو سکی اور طاہرہ کو اسے لوگوں کی بات ماننا پڑی اور پھر وہ خالہ جی اور خالو جی کے ساتھ آ گئی۔"

"اور تایا جی ان کا کیا ردعمل تھا؟"

"وہ کئی ماہ تک خفا رہے۔ طاہرہ ان سے برگشتہ اور وہ اس کے وجود سے ہی نالاں' خالہ اماں اور خالو جی نے لاکھ سمجھایا بجھایا مگر ان کی ایک ہی ضد تھی۔

"آپ اس عورت کو اپنی مرضی پر لے آئے ہیں۔ یہ آپ کی بہو ہے۔ مجھ سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھیں۔"

ہادیہ کے پورے دو سال بعد اللہ نے مجھے پھر بیٹی دی۔ نوشی کی آمد پر بھی طاہرہ نے جو نشتر چلائے مجھے آج بھی دکھ دیتے ہیں۔"

"تم لاکھ چالیں چل لو مگر منہ کے بل ہی گرو گی۔ اللہ نے تمہارے مقدر میں اولاد تو لکھ دی جس طرح تم نے میرے گھر میں آگ لگا کر مجھے میرے بیٹوں سے جدا کیا تھا اللہ تمہیں بھی بیٹوں کے لیے ترسائے۔۔۔۔ یہ ایک ماں کی آہ ہے۔"

وہ اب رو رہی تھیں۔ انہیں بیٹے کی کتنی خواہش تھیں۔ کیا وہ نہیں جانتی تھیں۔ عثمان' سبحان کی موجودگی کے باوجود ان تینوں نے حقیقی بھائی کی کمی تو ہر موڑ پر محسوس کی تھی۔

"بھائی صاحب اور طاہرہ کے درمیان کی خلیج ایسی تھی کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی اور پھر ایسے طعنے تو وہ اکثر و بیشتر دینے لگی۔ اٹھتے بیٹھتے میں اب بہت تحمل سے سب برداشت کر لیتی تھی کہ میری کم عقلی نے بھائی صاحب کی زندگی میں پہلے ہی بہت خسارہ ڈالا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا۔ کچھ بچوں کی وجہ سے اور کچھ خالہ جی کے بار بار سمجھانے پر بھائی صاحب طاہرہ کا خیال رکھنے لگے۔ نوشی اور ہادیہ کے ساتھ میں بھی مصروف ہو گئی تھی۔ خالہ جی نے طاہرہ کے تیور دیکھتے ہی ہمیں اس گھر میں الگ پورشن بنوا کر اس طرف کر دیا تھا۔ کھانا اکٹھے ہی ہوتا تھا۔ ٹی وی لاؤنج اور ڈرائنگ روم ایک ہی تھے۔ کچن بھی کمبائنڈ تھا مگر کمرے علیحدہ ہو گئے تھے۔

بھائی صاحب کی تھوڑی سی توجہ سے طاہرہ بدلنے لگی تھی۔ یہ خوش آئند بات تھی۔ شاید بھائی صاحب بھی تھک گئے تھے۔ حالات نارمل ہو رہے تھے۔ طاہرہ کے ہاں نوشی کے دو سال بعد فرح کی آمد ہوئی تھی۔ بھائی صاحب بہت خوش تھے۔ ان کی فیملی مکمل ہو چکی تھی۔ وہ بیٹی سے بڑی محبت کرتے تھے جب کہ طاہرہ کے احساسات نارمل ہی تھے۔ تینوں بچوں میں اس کا زیادہ لگاؤ سبحان احمد سے ہوتا تھا اور پھر فرح کے سال بعد تم ہماری زندگی میں چلی آئیں۔ تم نوشین کے تین سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ ہماری بڑی خواہش تھی کہ اس دفعہ بیٹا ہو مگر تمہیں دیکھ کر خوش ہو گئے کہ شاید اسی میں اللہ کی رضا تھی۔ تم سے سال بعد طاہرہ کے ہاں علی ہوا جو فرح سے دو سال بعد ہوا تھا۔ اس کے بعد زندگی معمول پر آتی چلی گئی۔ تلخیاں' لڑائی جھگڑے سب چلتا رہا۔ کبھی خواہش ہی نہ ہوئی کہ علیحدہ گھر لے کر رہیں۔

تمہاری پیدائش کے بعد میں نے اللہ سے بڑی دعائیں مانگیں کہ اللہ ایک بیٹا دے مگر وہ نجانے کس

بات میں خوش تھا اور پھر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ صبر آتا چلا گیا۔" انہوں نے مسکرا کر زرش کو دیکھا۔

"ماما! جب حالات نارمل ہو چکے تھے تو پھر دوبارہ کیوں ایسے حالات ہوئے کہ آپ کو وہ گھر چھوڑنا پڑا......؟"

"بچے آہستہ آہستہ بڑے ہو رہے تھے۔ بھائی صاحب اور طاہرہ میں اب بھی جھگڑے چلتے تھے مگر وہ بچوں کا خیال کر کے ٹال جاتے تھے۔ بھائی صاحب بچوں کو ایک مکمل پر تحفظ ماحول فراہم کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے طاہرہ کو شہ ملتی چلی گئی۔ عثمان ایف ایس سی کر رہا تھا۔ ہادیہ ابھی جونیئر میں تھی۔ وہ اکثر اسٹڈی میں عثمان سے ہیلپ لے لیا کرتی تھی تو کبھی سبحان سے۔ ان ہی دنوں خالو جی کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ وہ مسعود احمد اور سعید احمد کے درمیان حالات دیکھ رہے تھے۔ مستقبل میں کیا ہو گا انہیں اندازہ ہو رہا تھا اور تب ہی انہوں نے وہ خواہش کی جو ہادیہ کی پیدائش پر بھائی صاحب نے بھی کی تھی۔

"ٹھیک ہے ابا جی جیسے آپ کی مرضی مگر خیال رہے بات صرف بڑوں میں رہے گی۔ بچے ابھی کم عمر ہیں۔ خوامخواہ ذہن خراب ہوں گے۔"

تمہارے پاپا مان گئے تھے اور میں ان کے مان جانے پر حیران تھی۔ طاہرہ تک بات پہنچی تو انہوں نے زمین آسمان ایک کر دیا۔

"یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں دشمن کی بیٹی کو بہو بناؤں۔" وہ انکاری تھیں اور بھائی صاحب نے غصے سے انہیں چپ کرا دیا تھا۔ یہ اعتراض اگر ابا جی تک پہنچا بھی تو انہوں نے نظر انداز کر دیا کہ زبردستی لازم ہو گئی تھی۔ ان کی زندگی ہی اتنی لکھی تھی کہ چند دن بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بزنس تو پہلے ہی اکٹھا تھا' گھر بھی ایک ہی تھا۔ اس کے علاوہ جائیداد کے بٹوارے کا تذکرہ کرنے لگی اور اماں جی خاموشی سے ٹال جاتیں۔ ابا جی کے گزرنے کے پانچ چھ ماہ بعد ہی طاہرہ اپنی اصلیت پر اتر آئی تھی۔ اس نے وہ گھاؤ لگایا کہ آج تک خون رستا ہے۔"

وہ چپ ہوئیں تو زرش چپ چاپ دیکھے گئی۔

"بھائی صاحب بزنس ٹور پر تھے۔ یہ دونوں بھائیوں کی عادت تھی۔ اگر ایک بھائی کاروبار کے سلسلے میں کہیں گیا ہے تو دوسرا گھر پر رہے گا۔ ابا جی تھے تو دوسری بات تھی مگر اب صورت حال مختلف تھی۔ طاہرہ ہادیہ کے رشتے کی بات پر ناخوش تھی۔ اس نے اپنی بہن قیصرہ سے تذکرہ کیا تو وہ پہلے ہی حسد کی ماری ہوئی طاہرہ کی زندگی میں زہر گھول رہی تھی۔ سعید احمد کی موجودگی میں وہ بہت کم آتی تھی مگر غیر موجودگی میں ہر روز چلی آتی تھیں۔ ان دنوں بھی وہ روز چلی آتیں اور ایسا ہی جلاتی رہتی کہ میں اور خالہ اماں جی چپ چاپ دیکھتی رہتیں۔ اس رات تو حد ہی ہو گئی تھی۔ ہادیہ عثمان کے کمرے میں سوال حل کروانے گئی تھی۔ یہ تو اکثر ہوتا رہتا تھا۔ عام سی بات تھی مگر طاہرہ اور قیصر نے مل کر ایسا واویلا مچایا کہ میں اور اماں جی حق دق رہ گئیں۔ کم عمر بچے تو اس واویلے پر صرف پریشان ہی ہو سکتے تھے۔ اماں جی نے قیصرہ کو چپ کروا کر طاہرہ کو ڈانٹا تو وہ کوسنوں پر اتر آئی اور اسی دوران مسعود چلے آئے۔ ساری صورت حال ان کے سامنے تھی جو علم نہیں تھا وہ طاہرہ کی زبان سے پتا چل گیا۔ ان کا مارے غصے کے برا حال ہونے لگا۔

"جو عورت اپنے کم عمر بچوں کو نہیں بخش رہی، وہ کسی کی عزت کا خاص پاس کرے گی۔ بس اماں جی بہت ہو چکا۔ جب تک بات ہماری ذات تک تھی ہم نے برداشت کیا اور شاید کرتے بھی مگر بھابی صاحبہ کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بھی نہیں بخش رہیں۔ میں سب برداشت کر رہا ہوں۔ اپنی بچیوں پر اٹھنے والی ایک انگلی بھی برداشت نہیں کروں گا۔ میں باز آیا ایسی رشتہ داری سے۔ میری بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں ہو گی۔ بس یہ گھر چھوڑ رہا ہوں یا پھر آپ کچھ سوچ لیں۔"

دوسری طرف طاہرہ نے ضد باندھ لی کہ یا تو وہ اس گھر میں رہے گی یا ہم لوگ۔ اس دوران بھائی صاحب بھی چلے آئے۔ صورت حال کو اس قدر بگڑے دیکھ کر وہ بھی ششدر رہ گئے۔ انہوں نے سعود احمد کو بہت سمجھایا مگر ان کی ایک ہی ضد تھی۔

"اب ہم اس گھر میں نہیں رہیں گے۔"

"اور پھر ہم نے وہ گھر چھوڑ دیا اور اس کے بعد اماں جی چند سال ہی جی پائیں کہ اولاد کی زندگی کی ناآسودگیوں نے انہیں جیتے جی مار ڈالا تھا۔

اور اس کے بعد کیا ہوا تھا زرش جانتی تھی۔ اس نے بہت محبت سے ماں کے آنسو صاف کیے۔

"عثمان ماں سے ایسا ناراض ہوا کہ اپنی تعلیم مکمل کرتے ہی وہ اسلام آباد چلا گیا۔ اس نے آرمی جوائن کر لی اور ہم نے ہادیہ کی منگنی آپا کے رشتہ مانگنے پر وقار سے کر دی۔ بھائی صاحب بہت ناراض ہوئے مگر تمہارے پاپا نے انہیں منا لیا اور پھر سب نارمل ہو گیا۔ اتنے سال گزرنے کے باوجود میں بھول گئی کہ طاہرہ کی فطرت پھر کوئی ایسی گھٹیا چال چل سکتی ہے۔ ہادیہ تو کم عمر تھی۔ اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ کیا ہوا ہے مگر تم اتنی کم عمر نہیں تھیں، تمہارے ساتھ پیش آنے والے حادثے نے تمہارے پاپا کو توڑ دیا ہے۔ وہ اندر سے ٹوٹ گئے ہیں پھر ان کی بیماری نے بھی انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اتنا بڑا فیصلہ کر جاتے۔"

"ایم سوری ماما! مجھے حالات کا ادراک ہی نہ تھا اور پھر ہر ایک نے مجھ سے چھپانے کی ہی کوشش کی۔ میرے تو فرشتوں کو بھی نہیں علم کہ تائی امی ایسی گھٹیا حرکت کر سکتی ہیں۔"

"اندازہ تو کسی کو بھی نہ تھا مگر کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ دکھ بھی شاید قسمت میں تھا۔" انہوں نے اپنا چہرہ صاف کیا۔ "نفیسہ ہر اچھے برے وقت میں کام آتی ہیں۔ ہادیہ کی دفعہ بھی انہوں نے ہمیں بھائی صاحب کے سامنے مجبور ہونے سے بچا لیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی ہیں۔ طاہرہ کس حد تک گر سکتی ہے۔ انہوں نے ہر موقع پر اپنا کہا پورا بھی کیا ہے۔ اللہ ان کو اجر دے۔ اس دفعہ بھی انہوں نے ذلیل ہونے سے بچا لیا ورنہ طاہرہ اور قیصرہ نے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔"

زرش کا سر خود بخود جھک گیا۔ اب سب کچھ اس کے سامنے تھا۔ اس کی ماں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں. اسے یقین تھا شائستہ نے جو بھی کہا ہے ایک ایک لفظ سچ کہا ہے۔

* * *

عثمان نے فون کیا تو علی نے جذباتیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سب کہہ سنایا۔ طاہرہ بیگم کی حرکت اور زرش کی منگنی سمیت سب...... عثمان کتنی دیر تک گم صم رہے...... اندرونی طور پر وہ شکست و ریخت سے دو چار ہو گئے۔ اگلے ہی دن انہوں نے سیدھے کراچی کی پرواز پکڑی تھی۔

شام کا وقت تھا۔ سعید صاحب اور سمعان ابھی گھر لوٹے ہی تھے۔ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ طاہرہ کچن میں اور علی ٹی وی لاؤنج کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جب کہ فرح کمرے میں تھی۔ واچ مین نے گیٹ کھولا تھا۔

وہ خاموشی سے اندر داخل ہوئے تھے۔ پورے گھر کی فضا میں خاموشی کا ایک عجب سا سکوت تھا جو چھایا ہوا تھا۔

"السلام علیکم۔" لاؤنج میں سیدھے آئے کیونکہ ٹی وی کی ہلکی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ علی نے پلٹ کر دیکھا اور عثمان احمد کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"بھائی جان!" حسرت آمیز تحیر سے وہ فوراً ان کے کندھے سے آ لگا تھا۔

"کیسے ہو؟" محبت سے بھائی کو خود سے جدا کر کے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ اس قدر اچانک......"

"ہوں...... تمہیں ملنے چلا آیا۔ باقی سب کدھر ہیں؟" کسی کو بھی موجود نہ پا کر استفسار کیا۔ علی کے چہرے پر تلخی سی چھا گئی۔

کتنے دن ہو گئے تھے زرش کی منگنی ہوئے مگر لگتا تھا ان کے گھر کوئی موت ہو گئی تھی۔ ہر کوئی اپنے گنبد میں محصور ہو کر رہ گیا تھا۔ عجیب ماتمی سا ماحول ہو چکا تھا اس گھر کا...... ایسے میں علی کا جی چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر اندر کا غبار نکالے یا پھر...... اس ماتمی ماحول سے کہیں فرار حاصل کر لے۔ بھاگ جائے کہ اس گھر کے مکینوں کو اپنے رویوں کا احساس ہو......

"آپ بیٹھیں۔ میں سب کو اطلاع دیتا ہوں۔" وہ اندر چلا گیا تھا۔

عثمان کی آمد سب کے لیے ایک خوشگوار جھونکا ثابت ہوئی تھی جو سب ہی کمروں سے نکل آئے تھے۔ اگلے پانچ منٹوں میں سب ہی عثمان کے گرد جمع ہوئے تھے۔ سعید احمد بیٹے کو سامنے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ سمعان بھی کتنے دنوں کی قید سے نکلا تھا۔ فرح بھی چند دنوں سے صرف کمرے کی ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بھی بھائی سے جڑی بیٹھی تھی اور طاہرہ بیگم جو خوش تھیں مگر ایک ندامت لیے انہیں زیادہ دیر تک عثمان کے سامنے ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔ سلام دعا کے بعد عثمان دیگر لوگوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ انہیں یوں ہی لگا کہ عثمان نے جیسے نظر انداز کیا ہو...... نظر انداز تو وہ ان کو بہت پہلے سے کرتا آ رہا تھا مگر شادی کے بعد وہ ان سے کچھ حد تک بے تکلف ہوا تھا لیکن اس کی یہ سرد مہری انہیں بڑی شدت سے محسوس ہوئی۔ وہ خاموشی سے واپس کچن میں چلی گئی تھیں۔ عثمان کے لیے کھانے پر خصوصی اہتمام بھی کروانا تھا۔ انہوں نے ماجدہ کو خصوصی ہدایات دیں اور اپنی توجہ رات کے مینو پر لگا لی تھی۔

گھر کا کوئی بھی فرد ان سے کلام نہیں کرتا تھا۔ سعید احمد، سمعان، علی اور فرح چاروں ہی ان کو نظر انداز کر رہے تھے مگر اب عثمان کا رویہ ان کے دل پر تازیانے کی مانند لگا تھا۔

کھانا تیار کر کے میز سجا کر انہوں نے ماجدہ کو سب کو بلانے کے لیے بھیج دیا تھا ورنہ کتنے دن ہو گئے

تھے ان کے گھر میں کہ سب نے مل کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ آج کل وہ ماجدہ کے ذریعے ہی سب کو پیغامات کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں۔

کھانا بہت خاموشی سے کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد فرح نے سب کے لیے چائے تیار کی تھی۔ رات گئے تک باتیں ہوتی رہی تھیں پھر سب ہی سونے کے لیے چل دیے۔

عثمان کا کمرہ سمعان کے کمرے کے ساتھ ہی تھا۔ وہ اپنے کمروں میں جانے کے لیے ایک ساتھ ہی اٹھے تھے۔ عثمان' سمعان کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ وہ سارے حالات سے مکمل آگاہی چاہتے تھے۔ ابھی تک اس موضوع سے متعلق کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا تھا۔ عثمان احمد منتظر تھے کہ کوئی خود ہی موضوع چھیڑ دے مگر اب سب جس طرح اپنے کمروں کو روانہ ہوئے تھے وہ مایوس ہو کر سمعان احمد سے ہی سارے حالات جاننے پر مجبور ہو گئے تھے۔

سمعان' عثمان کو اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران تو ہوا تھا پھر کپڑے چینج کر کے آیا تو عثمان بڑے ریلیکس موڈ میں ان کے بستر پر دراز تھے۔

"نیند نہیں آ رہی کیا؟" سمعان احمد نے مسکرا کر پوچھا تو عثمان احمد نے بغور دیکھا۔ چہرے کے تاثرات اور آواز کا تاثر بہت نارمل تھا۔

"ہوں۔ میں جس گرداب میں الجھا ہوا ہوں۔ اب شاید ہی نیند آئے۔ کل بھی نہ سو پایا تھا۔ آج تو کانٹوں پہ لوٹ رہا ہوں۔" بہت سنجیدگی سے انہوں نے لب کشائی کی تھی۔ ایک پل کو سمعان کی پوری ذات ہل کر رہ گئی تھی مگر اگلے ہی پل خود کو سنبھال کر لبوں پہ مسکراہٹ سجالی۔

"خیریت...... ایسی کیا بات ہو گئی؟" ان کے ساتھ ہی بستر پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم نہیں جانتے میں کس وجہ سے پریشان ہوں؟" انہوں نے براہ راست سمعان احمد کی نگاہوں میں جھانکا۔

"میں حیران ہوں جس وجہ سے میں بھاگم بھاگ یہاں آیا ہوں۔ سب ہی اسی موضوع پہ گفتگو کرنے سے کترا رہے ہیں۔ میں دور ضرور ہوا ہوں مگر تم لوگوں نے تو مجھ سے بالکل غیریت واجنبیت کا مظاہرہ کر دیا ہے۔ کیا کبھی ہماری خوشیاں علیحدہ رہی ہیں جو ان دکھ کے لمحوں میں مجھ سے کوئی اپنا دکھ شیئر کرنے کے قابل ہی نہیں جان رہا۔ اتنے دن گزر گئے اس سانحے کو اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔" بہت سنجیدگی سے انہوں نے کہا تو سمعان نے لب بھینچ لیے۔

"سانحہ تو آتا ہی گزر جانے کے لیے ہے پھر آپ سے کیا ذکر کرتے...... ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کی زیارت کے سوا اب یہاں بچا ہی کیا ہے؟"

بہت دکھ سے عثمان احمد نے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

"مجھے ساری تفصیل بتاؤ۔ میں امی ابو اور چچا جان سب سے بات کروں گا۔ اس طرح زندگیوں سے کھیلنا کہاں کی عقل مندی ہے...... امی نے بہت کچھ کر لیا اب ان کا اختیار ختم ہونا چاہیے۔ ایک ہی ڈرامہ نئے انداز و نئے طریقے سے ہر بار دہرایا جائے کیوں؟"

کندھے پہ ہاتھ رکھ کر عثمان نے تسلی دیتے ہوئے کہا تو سمعان کو اپنے اعصاب' اپنا حوصلہ تنگ پڑتا محسوس ہوا۔ سمعان احمد برداشت کرتے کرتے تھکنے لگا تھا۔ وہ بھی دل کی بھڑاس نکالنے کو ایک کندھا چاہتا تھا۔ سمعان نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو دل پہ بوجھ بن گیا تھا۔ وہ سب کچھ جو عثمان احمد' علی کی زبانی بھی سن چکے تھے۔ وہ ساری تکلیفیں جو طاہرہ بیگم کے ایک حسد کا نتیجہ تھیں۔

عثمان احمد نے بہت تحمل سے سب کچھ سنا تھا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اس قدر ذلالت کے بعد تو میں اب کبھی بھی زرش کے لیے آمادہ ہونا گوارہ نہ کرتا۔ ہاں چچی جان کا اقدام بھی قابل تحسین ہے۔ وقت وحالات کا یہی تقاضا تھا۔ ہم لوگ ان سے شکوے یا اعتراض کا حق نہیں رکھتے۔ ابو نے بتایا تھا کہ چچی جان نے انہیں اپنے ہاں آنے سے صاف منع کر دیا ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہاں بہت کچھ بدل چکا ہے اور وہ جو نہیں بدلا وہ تبدیلی کے مراحل میں ہے۔ ایسے میں آپ کا کسی سے بھی اس سلسلے میں کچھ بھی کہنا سمجھانا بجھانا بے معنی ہوگا۔ ہاں امی ابو کو سمجھا سکتے ہیں کہ دونوں اب اپنی عمر کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنی جذباتیت پہ قابو پانے کی کوشش کریں۔ آپ کے بعد میں' میرے بعد فرح کیا ان کی ساری اولاد ان کی نام نہاد نفرت کی بھینٹ چڑھتی رہے گی۔ کبھی تو ہو کہ ہم بھی ان کو احساس دلائیں۔"

عثمان احمد سمعان احمد کی بات پہ کئی ثانیے تک ساکن رہ گیا تھا۔

"ہاں میں بھی اب سوچ رہا ہوں۔ اس سارے معاملے کا اب اختتام ہونا چاہیے۔ میری دفعہ تو بات کچھ بھی نہ تھی پھر چچا جان نے جس طرح یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا اس نے حالات کو تھوڑا بہت سہارا دیا تھا مگر اب تو کنڈیشن بہت سیریس ہے۔ بات خاندانی تنازعے کی نہیں ہمارے گھر کے بکھرے شیرازے کی ہے۔ بچپن سے لے کر اب تک ہم اس ایک محرومی کے ساتھ جیتے آ رہے ہیں مگر کوئی فیصلہ...... کوئی اختتام ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔ اب لازمی طور پہ کوئی واضح حل ہو جانا چاہیے۔"

عثمان احمد کا لہجہ حتمی تھا۔ سمعان خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"میں کل چچی جان کے ہاں ضرور جاؤں گا۔ پھپھو کے ہاں بھی چکر لگاؤں گا۔ یہ صرف خاندانی انا اور غیریت کی ہی نہیں بلکہ زندگیوں کی بات ہے۔ اس دفعہ کوئی حق تلفی نہیں ہوگی۔ میں بات کروں گا۔"

"پلیز عثمان بھائی! پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے ہمارا۔ اب مزید کچھ نہیں۔ آپ کس سے شکوہ کریں گے...... جب کہ اس سارے خرابے کی اصل وجہ بلکہ بنیاد ہمارا اپنا ہی گھر ہے۔ میں تو کسی کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں رہا۔ امی کو الزام نہیں دے رہا مگر یہ سچ ہے یہ سب ان ہی کا کیا دھرا ہے۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ کوئی ایسا گیم بھی کھیل سکتی ہیں۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا تو میں کبھی امی ابو کے سامنے زرش کا نام نہ لیتا۔ میں ہر طرح کے حق سے دستبردار ہونا زیادہ بہتر سمجھتا...... مجھے ابھی تک یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ جب سارے حالات میرے سامنے تھے تو پھر میں کیوں زرش کے سامنے بھرم نہ رکھ پایا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا سب حالات بس میں کر لوں گا مگر وہ جو بس میں تھے وہ حالات بھی اختیار سے ایسے نکلے کہ میں ششدر دیکھتا رہ گیا۔ میں جھوٹا اور ناکام ثابت ہی نہ ہوا...... اس کی ذلت کا بھی باعث بنا۔"

عثمان احمد نے بے چارگی سے بھائی کو دیکھا۔ سمعان احمد کا دکھ دل پر بوجھ بنتا چلا گیا۔

"آپ امی ابو سے بات کریں مگر اب اس تذکرے میں زرش یا چچی وغیرہ کا ذکر نہ ہو۔ خواب دیکھنے اور اچھی امید رکھنے کا حق ہر انسان کو ہے۔ ضروری نہیں ہر خواب پورا بھی ہو۔ حقیقت پسندی کا تقاضا یہی ہے کہ آپ صرف امی ابو کے درمیان تنازعے کو سامنے لانے کی کوشش کریں۔ وقت و حالات نے بہت کچھ باور کروایا ہے مگر اس کے باوجود ہم خاموش ہیں تو کیوں صرف اپنے والدین کا بھرم رکھنے کے لیے۔ امی نے اتنا کچھ کرلیا۔ میں نے کنارہ کشی اختیار کرلی کہ اب کوئی فائدہ نہیں...... کوئی راہ نہیں ہاں آپ اپنے گھر کی ابتدا کرچکے ہیں۔ آپ کچھ بھی کہہ لیں گے یا امی ابو کو سمجھائیں گے تو شاید انہیں برا نہ لگے۔ ہم میں سے کوئی بھی ان سے جو بھی بات چھیڑے گا امی اپنی توہین سمجھیں گی اور بجائے اصل صورت حال سمجھنے کے چچی لوگوں کا قصور قرار دے دیں گی۔"

"ہاں میں بھی اب یہی سوچ رہا ہوں۔ امی ابو نے کچھ نہ بتایا تو پھر مجھے کسی اور سے اصل حقائق کی نشاندہی کروانا پڑے گی۔" پرسوچ انداز میں عثمان احمد نے سر ہلایا تھا۔

"اس حادثے کے بعد تمہاری زرش سے ملاقات ہوئی؟ اس کا تمہارے لیے کیا ردعمل ہے......؟ امی کا لگایا الزام تمہاری ذات کے متعلق اس کی نگاہوں میں کوئی نہ کوئی احساس تو بیدار کر گیا ہوگا۔"

سمعان احمد تلخی سے ہنس دیا۔

"نہیں۔ میرا اس دن کے بعد اس سے سامنا نہیں ہوا۔ میرا تو یہ سوچ کر ہی دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ اگر اس سے کبھی سامنا ہوگیا اور اس نے اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی کا حساب مانگ لیا تو میں کیا کروں گا...... یقین مانیں عثمان بھائی میں سوچ سوچ کے ہارا ہوں۔ میری اذیت کا کوئی عالم نہیں۔ بڑی راتیں ہوگئی ہیں مجھے نیند لیے ہوئے۔ آنکھ بند کرتا ہوں تو وہ سارا گھٹیا ڈرامہ نگاہوں میں آ کر سارا سکون اطمینان درہم برہم کر جاتا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی میں امی یا قیصرہ خالہ کی کسی ایسی سازش کا شکار بھی ہو جاؤں گا۔ خود سے بڑھ کر اپنے جذبوں پر اعتماد تھا مگر اب کیا ہوا...... ہر رات کانٹوں پر گھسیٹ آئی ہے۔ کسی پل قرار نہیں۔" شدتِ اضطراب کے اس مظاہرے نے عثمان احمد کو سختی سے لب دانتوں تلے دبا رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ایک پل کو جی چاہتا ہے کہ بس حد سے گزر جاؤں۔ امی سے حساب مانگ لوں یا پھر ہمیشہ کے لیے خود کو ان کی نگاہوں سے دور کر لوں۔"

جذباتیت کی انتہا تھی۔ عثمان احمد نے فوراً کندھے پر ہاتھ رکھ کر ضبط کرنے کا اشارہ دیا تھا۔

"مگر میں بے بس ہوں۔ دور جانے لگتا ہوں تو سب کے چہرے نگاہوں میں آ جاتے ہیں...... ابو علی اور سب سے بڑھ کر قرح...... وہ تو مر جائے گی۔ کاش امی سمجھ سکتیں۔ وہ اپنی نفرت میں اپنی اولاد کو اپنی کل پونجی کو آگ لگا رہی ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

دل کی بھڑاس نکالتے سمعان احمد کی آنکھوں میں پردہ سا حائل ہو گیا تھا۔

* * *

شارق زمان جو اسے وہاں رات چھوڑنے پر ہی سرے سے راضی نہ تھا۔ وہ اسے چھوڑ گیا بھی تو پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ رات جو گزری سو گزری مزید چار دن گزر گئے۔ پانچویں روز رفعت باجی رضیہ چچی کے ہمراہ اسے لینے آگئیں۔

شارق کے میگزین میں "اعلیٰ حکام" سے متعلق کچھ خصوصی رپورٹ شائع ہوئی تھی جس نے پچھلے دنوں باقی کی گرما گرمی دکھائی تھی۔ نتیجتاً اس کے میگزین کے خلاف کارروائی کی گئی۔ بات میگزین بند کرنے تک پہنچ گئی تھی۔ شارق زمان ان ہی جھمیلوں میں الجھا ہوا تھا۔ دو دن سے وہ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

رفعت باجی اور چچی اسے لینے آئیں تو خالدہ بیگم نے بغیر کچھ کہے نویرہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ درحقیقت سب ہی شارق کی ان تین چار دنوں کی نویرہ سے متعلق لاتعلقی سے خائف ہوگئے تھے۔ نویرہ خود بھی پریشان ہوئی تھی۔ کہاں وہ اسے چھوڑنے پر راضی نہ تھا اور جب شاپنگ کے بعد اسے باہر گیٹ سے ہی اتار کر گیا تو پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔

وہ خاموشی سے رفعت باجی کے ہمراہ چلی آئی تھی۔ رات کو فاروق چچا آئے تو گھر میں کچھ رونق ہوگئی تھی۔ فاروق چچا اور چچی کے چلے جانے کے بعد وہ خالہ امی کے پاس ہی بیٹھی رہی تھیں۔

جب وہ سو گئیں تو رفعت باجی نے اسے بھی کمرے میں بھیج دیا۔ کمرے میں آ کر اس کے اندر عجیب بے چینی کروٹ لینے لگی۔

یہ زندگی......
یہ لوگ......
یہ گھر......

اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی اس رخ سے بھی آزمائے گی۔

نواز کے انکار نے اس کے دل میں کوئی جذبہ نہیں رہنے دیا تھا کہ وہ اسے اچھے لفظوں میں یاد رکھتی مگر وہ شخص تنہائی میں اچانک اس کے تصور میں کبھی ضرور آتا تھا اور نویرہ ہر بار چیخ جاتی تھی۔ بری طرح تکلیف سے دوچار ہوتی تھی۔

"نواز فاروق میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تمہیں کس نے حق دیا تھا کہ تم میری پارسائی پر "ریپ" ہونے کی مہر ثبت کرتے۔ تم دو مردوں نے مجھے کاٹھ کا الو سمجھ لیا تھا۔ کاش تم ایک دفعہ آ کر مجھ سے وضاحت تو مانگتے...... اپنی تنگ نظری کا ثبوت فراہم کرتے بزدلوں کی طرح کبھی نہ بھاگتے تو میں خود تم سے شادی سے انکار کرتی۔" اس وقت بھی کمرے کی تنہائی میں اسے یہ دو شخص بری طرح اذیت میں مبتلا کر رہے تھے۔ شارق کی طرف تو نجانے کون کون سے حساب نکلتے تھے مگر نواز کی پسپائی نے بھی اسے مجبور کر دیا تھا کہ اگر کبھی سامنا ہوا تو وہ اسے بری طرح نفرت سے دھتکار دے گی۔

عشاء کی نماز ادا کر کے وہ لیٹ گئی تھی۔

فون کی تیز بیپ نے اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔ اس نے ناگواری سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ سونا چاہا مگر اب شاید یہ ممکن نہ تھا۔ جھنجلا کر اس نے پلکیں وا کی تھیں۔ کمرے میں تیز روشنی تھی اور موبائل

اس کے سرہانے پڑا مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر غصے سے موبائل ہاتھ میں لے کر پہلے اس کا گلا گھونٹا پھر اطراف میں نگاہ کی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا البتہ ڈریسنگ روم کا دروازہ بند تھا۔

موبائل کو گھورتے اس نے ایک غضب بھری نگاہ بند دروازے پر ڈالی۔ یقیناً شارق زمان آ چکا تھا۔ اسے اپنا گہری نیند سے اٹھایا جانا بڑا برا لگا۔ جی چاہا موبائل اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارے۔ وہ اس شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

نویرہ لب بھینچے دروازے کو گھور رہی تھی کہ ایک خیال سے فوراً چونکی۔ اس کا چہرہ فوراً چمک اٹھا تھا۔ یوں جیسے قیدی کو قید خانے میں روشنی کی کرن دکھائی دے گئی ہو۔ شارق زمان کسی بھی وقت کمرے میں آ سکتا تھا۔ اس نے فوراً سر تکیے سے نہ ہٹا کر بستر کے گدے سے شیشی برآمد کی تھی۔ وہ اس شخص کو فتح مندی کا کوئی اور موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کو ایسے ہی سلگانا چاہتی تھی جیسے وہ خود سلگ رہی تھی۔ شیشی کھولے اس نے کمرے میں نگاہ ڈالی۔ گلاس کہیں بھی نہ تھا۔ وہ تیزی سے بستر سے اتر کر ننگے پاؤں بغیر دوپٹے کے غسل خانے کی طرف بھاگی تھی۔ اس نے گولی منہ میں رکھی اور نل کھول کر ہتھیلی کی مدد سے پانی پیتے ہوئے گولی نگل لی۔

"اٹھ گئیں تم؟" وہ آستین سے منہ صاف کر رہی تھی' عقب میں آواز سن کر پلٹی۔ وہ باتھ روم کے دروازے پر سلیپنگ سوٹ میں ملبوس کھڑا بڑی وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ نویرہ جل بھن گئی۔

"ظاہر ہے ایسے والیوم اگر مُردوں کے سرہانے بھی بجائے جائیں تو وہ بھی قبر سے اٹھ بیٹھیں۔" کافی جل کر جواب ملا تھا۔

شارق زمان جو بڑی دلچسپی سے اس کے بغیر دوپٹے کے خوب صورت لباس میں ملبوس وجود کو دیکھ رہا تھا کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" نویرہ شارق کی نگاہوں سے پل میں کنفیوژ ہونے لگی تھی۔

"اچھا راستہ دیں۔" وہ دروازے پر اس طرح ایستادہ تھا کہ جب تک وہ ایک طرف نہ ہوتا وہ نکل ہی نہ...... شارق نے ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا تو وہ باہر نکل آئی۔ اس سے پہلے کہ بستر کی طرف آتی شارق نے بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ جھنجلا گئی تو شارق ہنس دیا۔

"مصیبت نہیں مادام! اسے محبت کہتے ہیں۔ پورے پانچ دن کی چھوٹ دی ہے میں نے تمہیں اور اپنے اوپر جو ضبط کیا ہے اس کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ ادھر تو چہرہ کرو۔ بغور دیکھ تو لوں یہ وہی میری نویرہ ہے یا بدل گئی ہے......" کمر کے گرد بازو حمائل کر کے چہرہ اپنی طرف پھیر کر وہ مخمور سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ نویرہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ قربت بلا کی تھی اور ضبط......

"میں کہیں بھاگ نہیں جا رہی۔ اگر بھاگنا ہی ہوتا تو اس عقوبت خانے میں آتی ہی کیوں؟ چھوڑ دیں مجھے...... آرام سے بات کریں۔"

کچھ گولی کا اثر ہو رہا تھا اور کچھ شارق زمان کی قربت کا...... اس نے پورا زور لگا کر اپنا آپ چھڑوا لیا۔

شارق جب گھر میں داخل ہوا تھا تو رفعت باجی نے بتا دیا تھا کہ وہ اور چچی جا کر نویرہ کو لے آئی تھیں۔ اسے ایک گونہ سکون ملا تھا۔ جی چاہا تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی پچھلے پانچ دنوں سے باندھے بند کھول دے گا مگر نویرہ کی نیند نے اسے ضبط کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب اس کا ٹوکنا...... وہ دوپٹہ لے کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ نویرہ کا نخرہ برداشت کر گیا۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد تو برداشت کرنا ہی تھا۔

اسلام آباد گئے تھے۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ نیند کا غلبہ پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا مگر اس کی پوری کوشش تھی کہ شارق زمان کی توجہ اپنی جانب مبذول نہ ہونے دے۔

"ہوں۔" شارق آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کیوں؟" وہ بال بنا رہا تھا۔ برش رکھ کر پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔ اس نے جلدی سے دوسرا سوال پوچھا کہ کہیں اس کی توجہ پھر اس کی طرف مبذول نہ ہو جائے۔

"کچھ بیکری پرابلمز تھیں۔ چھوڑو ان باتوں کو تم بتاؤ کیسے گزارے یہ دن اپنی اماں کے ہاں......؟"

پرفیوم کی شیشی واپس رکھ کر وہ اس کے پاس ہی بستر پر آ بیٹھا تھا۔ نیند کا غلبہ ایسا تھا کہ وہ بمشکل اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ گولی زود اثر تھی جی چاہ رہا تھا کہ فوراً پڑ جائے۔ شارق کے قریب بیٹھنے پر اس نے بے بسی سے دیکھا۔ کاش وہ اس شخص کو بتا سکتی کہ اس کی قربت اسے کس اذیت میں مبتلا کر دیتی تھی۔

"ٹھیک ہی تھے۔" اب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا دوسری طرف کھسک کر لیٹی تو شارق نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"خیریت؟" وہ کمبل سر پر تاننے ہی والی تھی جب شارق نے سنجیدگی سے کمبل کا کونا تھام لیا۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔

"ہاں۔ نیند آ رہی ہے۔ سونے دیں مجھے۔" بے بسی کی انتہا تھی۔

"تم ایسے کیسے سو سکتی ہو؟" نویرہ کروٹ بدل رہی تھی جب اس نے فوراً اس کا رخ اپنی طرف کر لیا تھا۔

"کیوں نہیں سو سکتی۔ چھوڑیں مجھے۔" اس نے بے بسی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"نویرہ۔" وہ ایک دو پل دیکھتا رہا۔ یہ جھٹکا بڑا شدید تھا۔

"میں نے تمہیں اتنے دن اسی لیے دیے تھے کہ ان چار پانچ دنوں میں تمہارا دماغ درست ہو گیا ہوگا۔" اس نے غصے سے کہا تو نویرہ نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

"میرا دماغ کبھی خراب نہیں تھا شارق صاحب۔" وہ نیند سے بوجھل آنکھیں لیے طنزیہ ہنسی۔ آواز کی لڑکھڑاہٹ بڑی واضح تھی۔

"ہاں ان دنوں میں یہ ضرور ہوا ہے کہ مجھے زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دینے کو کچھ وقت مل گیا تھا۔ مجھے تنگ نہ کریں۔ آرام سے سو جائیں۔ اسی میں آپ کی بھی فلاح ہے اور میری بھی۔" آخر میں اس کا لہجہ اتنا مدھم ہو گیا تھا کہ اگر شارق پوری طرح متوجہ نہ ہوتا تو شاید سن ہی نہ پاتا۔

"میں آپ کے پاس ہوں خوشی سے یا نہ خوشی سے...... اگر مجھے آپ سے بھاگنا ہی ہوتا تو کبھی یہاں نہ آتی۔ میری بدقسمتی کہ ہر بار مجھے آپ کے سامنے لاتی ہے اور اپنی قسمت سے سمجھوتہ کر چکی ہوں۔

مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں فی الحال۔ آپ کا کچھ نہیں جائے گا مگر مجھے اپنی نسوانیت کی دھجیاں بکھیرنے والے سے گھن آتی ہے۔ جب وہ میرے کردار کی گواہی بھی دیتا ہے اور اس پر الزام لگانے سے بھی نہیں چوکتا...... اپنے اس ضمیر کو سلانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ جب میں سمجھوتہ کر رہی ہوں تو پھر آپ بھی صبر کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں آپ کی بیوی بن چکی ہوں تو ساری عمر میں ہی رہوں گی۔ ابھی سونے دیں۔ جائیں آپ بھی سو جائیں۔ تنگ کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔" آواز مدھم ہوتے ہوتے آخر میں بڑبڑاہٹ ہی باقی تھی۔

شارق زمان غصے سے گھور گیا۔ جی چاہا کہ اسے جھنجوڑ کر بٹھا دے۔ اس کا ایک ایک لفظ اس کی سماعتوں میں صاف اترا تھا۔ اس کی آواز کی لڑکھڑاہٹ اسے اپنی جگہ منجمد کر گئی تھی۔ نوریہ کی آنکھوں میں ڈولتا نیند سے زیادہ مدہوشی کا خمار اسے ساکن کر گیا تھا۔ نوریہ اس حد تک چلی جائے گی اسے گمان بھی نہ تھا۔

شادی کی رات آنکھوں میں سمائی تو اس نے مٹھیاں بھینچ لی۔ نوریہ کی فرار کے پیچھے موجود ردعمل اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

* * *

آج کئی دنوں بعد سمعان احمد نے اسی گھر کے سامنے گاڑی روکی تھی جہاں کبھی آنے سے پہلے اس کو سوچنا نہیں پڑتا تھا۔ اس راستے کی طرف قدم خود بخود اٹھتے چلے جاتے تھے۔ اعتماد اور یقین سے دل معمور ہوتا تو سر بھی اک جذبے و احساس سے اٹھا ہوتا تھا جب کہ آج ایسا کچھ بھی نہ تھا۔

"یہاں تک آئے ہو تو تھوڑی سی ہمت مزید کر لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس گھر سے ہمارا رشتہ بہت مضبوط ہے۔ اپنے آپ کو مضبوط کرو یار۔" عثمان نے سمعان احمد کے کندھے پر تھپکی دی تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ کبھی نہ کبھی تو اس ساری صورت حال کا سامنا کرنا ہی تھا۔

چوکیدار ہمیشہ کی طرح سمعان کو دیکھ کر گیٹ کھول چکا تھا۔ سمعان نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا لی۔ گاڑی کی آواز سن کر شائستہ باہر نکل آئی تھیں لیکن جب سمعان احمد کی گاڑی کو رکتے دیکھا تو وہ وہیں سیڑھیوں پر ہی کھڑی رہ گئی تھیں۔ دل میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ انہیں لگا ان کا پورا وجود ڈول گیا ہو۔ جب سمعان احمد کے ساتھ عثمان کو بھی گاڑی سے نکلتے دیکھا تو وہ کئی ثانیے بے حس و حرکت کھڑی رہ گئیں۔ حتیٰ کہ دونوں سست روی سے چلتے ہوئے ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم۔" ان کا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگا۔

"عثمان۔" انہوں نے والہانہ پن میں عثمان کا چہرہ تھام کر فراخ پیشانی چوم لی تھی۔ وہ کیسے بتاتیں کہ کیسے یہ ان دونوں نے ایسے عالم میں ان کی جذباتی تسکین کا سامان فراہم کیا تھا جب کہ ان کی ممتا امتحان کی زد پہ تھی۔ ہادیہ تو بعد میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ دونوں ہی تو تھے جنہوں نے ان کی سونی گود کو آباد کیا تھا۔ انہوں نے ان کو اپنے حقیقی بیٹوں سے بڑھ کر چاہا تھا۔ ان کے دل میں ان دونوں کے لیے کیسے کیسے ارمان پل رہے تھے۔ وقت نے بس ایک آن میں سب کچھ خاکستر کر دیا تھا۔

عثمان کی پیشانی چوم کر وہ رو رہی تھیں۔ عثمان نے بہت ضبط سے انہیں ساتھ لگا کر جذباتی سہارا دیا تھا۔ سمعان احمد لب بھینچے کھڑے سارے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ شائستہ بیگم تو عثمان کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر یوں بکھری تھیں جیسے طوفان کے بعد نقصان پر ماتم ہر ماں بیٹے کے سامنے گریہ زاری کرتی ہے۔ عثمان خاموشی سے انہیں سہارا دیے لاؤنج میں چلے آئے تھے۔

"بڑی دیر کر دی عثمان بیٹا آنے میں۔ یہاں سب کچھ بکھر چکا ہے۔ رشتے ناتے اعتماد سب کچھ......"

عثمان نے انہیں خاموشی سے صوفے پر بٹھایا تو سمعان احمد نے بے بسی سے دیکھا۔ وہ جانتا تھا ایسی ہی صورت حال ہوگی۔ اسی لیے وہ فرار چاہ رہا تھا مگر عثمان کے اصرار پر یہاں آنا ہی پڑا تھا۔

یہاں تو سب کچھ بہت پہلے سے بکھر چکا تھا۔ اب تو خالی خولی عمارت زمین بوس ہوتی ہے۔

"پلیز حوصلہ کریں۔" عثمان نے پاس بیٹھ کر تسلی دی تو انہوں نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے سر ہلایا۔

"ہاں اب تو حوصلہ کرنا ہی ہے۔ اعتماد بڑی مشکلوں سے قائم ہوتا ہے اور رشتے بنانے میں ساری زندگی لگا دی جائے تو جڑتے ہیں مگر ایک پل کی لغزش توڑنے میں دیر نہیں لگاتے۔ میرا تو گھر بکھر کر سمٹا ہے خدانخواستہ تمہارے چچا کو کچھ ہو جاتا تو ہم تو گویا جیتے جی ہی مر گئے تھے۔" گزرے دنوں پر وہ پہلی بار کسی کے سامنے رو رہی تھیں۔ یوں آبدیدہ ہو رہی تھیں۔ پھر ضبط سے آنسو صاف کر کے سمعان کو دیکھا۔ سمعان احمد خاموشی مہر بہ لب قدرے فاصلے پر ایستادہ تھا۔ اسپتال میں ایک دو مرتبہ کے بعد سمعان سے دوبارہ سامنا نہیں ہوا تھا اور اس لیے ان کے دل سے ہوک اٹھی۔ طاہرہ کی ضد نے کیسی بھرپور جوانیوں کو کھا لیا تھا۔ ایسے شیر جوان بیٹوں پر تو فخر کیا جاتا ہے۔ مان و اعتماد دیا جاتا ہے جب کہ طاہرہ اپنی ہی نادانی میں اپنے ہی آشیانے کو بکھیر بیٹھی ہے۔ جذبوں سے بھرپور دل ویران کر دیے تھے۔ ان کا دل بھر بھر آنے لگا۔

"ادھر آؤ سمعان کھڑے کیوں ہو؟" انہوں نے خود کو سنبھال کر سمعان کو دیکھا تو سمعان احمد آہستگی سے ان کے پاس ہی گھٹنوں کے بل قالین پر ٹک گیا تھا۔ عجیب سی پژمردگی سے شائستہ کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے تھے۔

"ایم سوری چچی جان۔" اندر کا کرب سمعان احمد کے لہجے میں بکھر کر شائستہ بیگم کا دل چیر گیا تھا۔

"میں آپ کا گناہ گار ہوں۔ آپ مجھے الزام دیں۔ برا بھلا کہیں، حق رکھتی ہیں۔" سمعان ضبط سے کہہ رہا تھا۔ انہوں نے تڑپ کر سمعان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر سر چوم لیا۔

"نہیں سمعان! یہ شاید سب قسمت میں تھا۔ تمہارا کیا قصور......؟ خواہشیں پالنے خواب دیکھنے کا تو ہر کسی کو حق حاصل ہے پھر تم نے کون سی ناجائز راہ اختیار کی تھی۔ یہ درد دیکھنے سننے والوں کی کم فہمی تھی جنہوں نے رائی کو پہاڑ بنا کر ترتیب داستان بنا ڈالا ورنہ میں تم لوگوں کو نہیں جانتیں.... بے شک طاہرہ نے تم دونوں کو جنم دیا ہے مگر تم لوگ میرے ہاتھوں سے سینچے پودے ہو۔ میرے سامنے پرورش پائی ہے تم دونوں نے۔ آنکھ بدلنے سے پہلے میں تم لوگوں کے اندر کا احوال جان سکتی ہوں پھر بھلا اس سارے قصے میں تمہارا دوش ہی کیا جب ماں ہی اولاد کے جذبات کو نہ سمجھ سکے۔" انہوں نے اپنے آنسو سمیٹے۔ ہاتھ

سے پکڑ کر عثمان کو ساتھ بٹھایا۔

"نوشی اور زرش کالج گئی ہیں۔" عثمان احمد نے اطراف کا جائزہ لیتے دریافت کیا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں۔"

"میں آفس گیا تھا تو چچا جان سے ملاقات ہوئی تھی۔" عثمان نے ماحول کا سوز ختم کرنے کو موضوع بدلا۔

"ہاں بیماری کے بعد پہلے دن گئے ہیں آج۔ میں بھی کتنی کم عقل ہوں۔ آتے ہی تمہیں پریشان کر دیا۔ کچھ پوچھا ہی نہیں۔ کب آئے......؟ اور حمزہ زوبار یہ کیسے ہیں؟"

"بس رات کو ہی پہنچا تھا۔ حمزہ اور زوبار یہ دونوں ٹھیک ہیں۔ چھٹی کا مسئلہ تھا اکیلے آنا پڑا ورنہ شاید اکٹھے ہی آتے۔"

"تم دونوں بیٹھو میں کچھ یاسمین سے کہتی ہوں کہ کھانے پینے کا بندوبست کرے۔ بچیاں کالج سے تھوڑی دیر میں لوٹنے والی ہیں۔ یاسمین سے کھانا بنوا رہی تھی ذرا دیکھ لوں۔" وہ اٹھنے لگیں تو سمعان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دل میں اک تشنگی سی لیے اس نے چچی کا چہرہ دیکھا تو وہ نظریں پھیر گئیں۔

"میں چلتا ہوں۔ آپ رکیں گے نا؟" سمعان نے عثمان کو دیکھا تو شائستہ نے فوراً سمعان کی طرف نگاہ کی۔ ذہانت سے چمکتی بھرپور نگاہیں بجھی بجھی سی تھیں۔

"رکو سمعان! کھانا کھا کر جانا۔" عثمان سے پہلے انہوں نے کہا تھا۔

"نہیں چچی جان! پھر کبھی سہی۔ دراصل مجھے میٹنگ کے لیے نکلنا تھا۔ عثمان بھائی نے کہا کہ آپ کے ہاں ڈراپ کر دوں تو چلا آیا۔"

انہوں نے خاموشی سے سمعان کو دیکھا۔ کچھ کہنے کو لب وا کیے تو پھر بھینچ لیے پھر خاموشی سے سر ہلا دیا۔

سمعان جب وہاں سے نکلا تو دل پر منوں بوجھ تھا۔

وہ یہاں نہیں آنا چاہتا تھا مگر عثمان کے سامنے ہار گیا تھا۔ اب جب کہ وہ اس کے گھر سے واپس جا رہا تھا تو بے بسی کا اک اور ہی عالم تھا۔ سمعان نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ ڈرائیور نے گیٹ کھولا تو گاڑی زن سے باہر نکلی تھی مگر تھوڑی دور ہی سمعان کو بریک لگانا پڑ گئی تھی۔ دوسری گاڑی کو دیکھ کر سمعان نے خود پر بڑی بری طرح ضبط کیا تھا۔ کالج یونیفارم میں ملبوس وجود پر سمعان کی نگاہ چپک گئی تھی اور تب ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھی زرش نے بھی سائیڈ پر اچانک رک جانے والی گاڑی اور اس میں موجود شخص کو دیکھا تھا۔

"سمعان بھائی!" اس کے ہونٹ نیم وا رہ گئے تھے۔

⁂

شارق زمان کے میگزین کا مسئلہ درمیان میں ہی الجھ کر رہ گیا تھا کہ اماں کی ٹانگ کا پلستر اترنا تھا۔ انہیں اگلے دن ہی اسپتال ایڈمٹ کروانا پڑا تھا۔ رفعت باجی کے اصرار پر دوسری ٹانگ کے لیے مصنوعی ٹانگ کا بندوبست کرنا پڑ گیا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ اماں پہلے اچھی طرح صحت یاب ہو جائیں تو پھر

مصنوعی ٹانگ لگوائیں گے مگر رفعت باجی بھی بضد تھیں کہ ان کی موجودگی میں ہی یہ نیک کام ہو جائے تو بہتر ہے سو شارق زمان کو بھاگ دوڑ کرنا پڑ گئی تھی۔ دائیں ٹانگ سے پلستر اترا تو ایکسرے وغیرہ کے رزلٹ سے سب کو تسلی ہوئی کہ ٹانگ کی ہڈی درست حالت میں آچکی تھی۔ اب کچھ احتیاط اور وقت درکار تھا جب اماں مکمل طور پر صحت یاب ہوئیں اسی لیے شارق نے رفعت باجی کی بات مان لی تھی۔

بائیں ٹانگ کے اوپر کے حصے کا آپریشن کر کے راڈ ڈال کر مصنوعی ٹانگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اماں کو اسپتال ایڈمٹ ہوئے تیسرا دن تھا۔ شارق زمان کچھ آفس کی مصروفیات اور کچھ اسپتال کے چکروں میں تقریباً کافی حد تک مصروف ہی تھا۔ دن میں تو رفعت باجی اسپتال میں رہ لیتی تھیں پھر سارا دن کوئی نہ کوئی اسپتال کا چکر لگا لیتا تھا مگر رات میں شارق زمان کو ہی رکنا پڑتا تھا۔

خالدہ بیگم اور ساجد بھائی روزانہ ہی چکر لگا رہے تھے جب کہ نبیل بھائی کا دل ابھی تک اپنی تذلیل پر کھول رہا تھا۔ اماں کی وجہ سے وہ نویرہ کی شادی سے لے کر اب تک مہر بہ لب تھا مگر اندر سے تو لاوا پھٹ پڑنے کو تھا۔ بے شک نویرہ شارق زمان کے گھر آباد ہو چکی تھی مگر اپنی ذلت نہیں بھول رہا تھا۔ شاید اسی لیے وہ اسپتال بھی نہ جا سکا تھا کہ خوامخواہ شارق زمان کو دیکھ کر اپنا ضبط کھو بیٹھے گا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

دو تین دن کی مسلسل بھاگ دوڑ سے اس کا میگزین دوبارہ سے اپنا کام شروع کر چکا تھا۔ اس دن وہ آفس میں سب کو پہلے ہی کی طرح کام میں منہمک دیکھ کر بڑے اطمینان سے ہاسپٹل چلا آیا تھا۔ رضیہ چچی رفعت باجی کے پاس ہی تھیں۔ ایک دو گھنٹے وہاں رک کر وہ گھر چلا آیا تھا۔

آج طبیعت بڑی ہلکی پھلکی تھی۔ میگزین پر لگی پابندی اب واپس لے لی گئی تھی۔ گویا اس کی ٹینشن ختم ہو گئی تھی۔

شارق زمان کی گاڑی کی آواز سن کر ڈرائنگ روم کے صوفے پر دراز نویرہ نے ایک دم لب بھینچ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد سے اب تک وہ شارق زمان کو نظر انداز کر رہی تھی پھر وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے گھر میں تک بھی کم رہا تھا۔ اک طرح سے نویرہ کو اپنے آپ کو سنبھالنے بلکہ اپنے رویوں پر استقامت سے ڈٹے رہنے کا حوصلہ مل گیا تھا۔ وہ اس شخص کو آخری حد تک مزا چکھانے کا تہیہ کیے ہوئے تھی اور اپنے رویوں میں وہ خود کو حق بجانب بھی سمجھتی تھی۔

شارق زمان اسے ہی دیکھتا شاکرہ سے پوچھتا۔ ڈرائنگ روم میں ہی چلا آیا تھا۔ آج مزاج میں جولانی سی تھی مگر نویرہ کو صوفے پر دراز آنکھوں پر بازو رکھے محو خواب دیکھا تو وہ رک گیا تھا۔ وہ نویرہ کے رویوں اور ان کا پس منظر بخوبی سمجھ رہا تھا شاید اسی لیے وہ گھر آنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ اپنی تمام تر زیادتیوں سے باخبر تھا۔ اسی لیے نویرہ کو سنبھلنے کا موقع دے رہا تھا مگر نویرہ کے تیور تو کچھ اور ہی بگڑتے جا رہے تھے۔

"نویرہ!" اس نے قریب آ کر اسے آواز دی مگر کوشش ناکام ہی رہی۔

شارق کے اندر ایک دم جھنجوڑ کر نویرہ کو ایک پل میں اپنے سامنے کھڑا کر دینے کی تحریک بے پا ہوئی تھی۔

"میں آپ کے پاس ہوں خوشی سے یا نہ خوشی سے اگر مجھے آپ سے بھاگنا ہی ہوتا تو کبھی یہاں نہ آتی۔ میری بدقسمتی ہر بار مجھے آپ کے سامنے لاتی ہے اور اپنی قسمت سے میں سمجھوتہ کر چکی ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں فی الحال۔ آپ کا کچھ نہیں جائے گا مگر مجھے اپنی نسوانیت کی دھجیاں بکھیرنے والے سے گھن آتی ہے جب وہ میرے کردار کی گواہی بھی دیتا ہے اور اس پر الزام بھی لگانے سے نہیں چوکتا۔ اپنے اس ضمیر کو سلانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ جب میں سمجھوتہ کر رہی ہوں تو پھر آپ بھی صبر کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کی بیوی بن چکی ہوں تو پھر ساری عمر یہیں رہوں گی۔"

نیند سے بوجھل آواز نے شارق زمان کے ہاتھ کو رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اسے وقت ہی اسی لیے دے رہا تھا کہ وہ اب اس حقیقت کو قبول کرلے مگر اب جب بھی نوریہ پر نظر پڑتی تھی نوریہ گویا ہر بار پہلے سے زیادہ مضبوط دکھائی دی تھی اور اس کی یہی مضبوطی شارق زمان کو اپنے اوپر ضبط کر لینے پر مجبور کر رہی تھی ورنہ......

شارق زمان نے ایک نگاہ سوتے وجود پر ڈالی تھی پھر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اس کے وہاں سے ہٹتے ہی نوریہ نے آنکھوں سے بازو ہٹا لیا تھا۔ وہ بڑی دیر تک اسی طرح لیٹی رہی۔

وہ اس شخص کو اتنی جلدی کیسے معاف کر دیتی۔ اس کے اندر گھن سی برسنے لگی تھی۔ پڑوسیوں کے مالی کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اٹھ کر لان میں چلی آئی۔ کل ہی لان کی حالت دیکھتے ہوئے اس نے چوکیدار بابا سے کہا تھا کہ پڑوسیوں کے مالی کو کہہ کر اس کا حلیہ سنواریں۔ یہاں تو صرف گھاس پھونس ہی نظر آ رہی تھی۔ شاکرہ سے شارق کے متعلق دریافت کیا تو اسے تسلی ہوئی۔

شارق کھانا کھا کر کمرے میں جا کر سو چکا تھا۔

وہ آرام سے اپنے ساتھ شاکرہ کو ملائے مالی کو ہدایات دیتے لان کی ناگفتہ بہ حالت سنوارنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔ لان کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا گیا تھا اسی لیے پودے برباد ہو چکے تھے۔ اب تو ان کا صرف نام و نشان ہی تھا۔

شاکرہ کو شارق کی پکار سنائی دی تو کیاری میں مٹی کھودتی نوریہ ایک پل کو رکی۔

"صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔" اگلے ہی پل شاکرہ پیغام لیے موجود تھی۔

نوریہ نے گہری سانس لیے ہاتھ میں پکڑی کھرپی سے تھمائی۔

"مالی سے پوچھ کر اس کیاری کی مٹی نرم کرو۔ پودے میں منگوا دیتی ہوں۔ ایک دو دن میں لگوا لیں گے۔ میں ابھی آتی ہوں۔" ہاتھوں میں مٹی کو جھاڑتے وہ اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ شارق کے کمرے کی دہلیز پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔ اماں گھر پر نہیں تھیں۔ رفعت باجی بھی رات کو تھکن کی وجہ سے کہیں جا لیٹی تھیں اور وہ بھی ان کے ساتھ کہیں بھی جا پڑتی تھی۔ اس کمرے میں شارق کی موجودگی میں غلطی سے بھی داخل نہیں ہو رہی تھی مگر اب...... اس کے اندر اپنی تذلیل کا زہر پھر سرایت کرنے لگا تو وہ دروازے دھکیلتے اندر داخل ہو گئی کہ آخر کب تک وہ اس شخص سے آنکھ مچولی کھیل سکتی تھی۔

شارق زمان بستر پر دراز شاید اسی کا منتظر تھا۔ پہلی نگاہ نوریہ کے بے تاثر چہرے پر پڑی تو ساری خوش

فہمیوں کی تتلیاں اڑتی چلی گئیں۔

"آپ نے بلوایا تھا۔" بڑے اکھڑے کھردرے لہجے میں کھڑے کھڑے دریافت کر رہی تھی۔

"ہوں...... تم تو یہاں آ کر یوں مصروف ہو گئی ہو کہ ڈھونڈنے پر بھی نظر نہیں آتیں۔" مسکرا کر گویا اس کے لہجے کے تاثر کو ختم کرنا چاہا تھا۔

"کوئی کام ہے تو بتائیں۔ فارغ نہیں ہوں۔" گویا جتا دیا تھا۔ شارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا بھرپور نگاہوں سے قدرے فاصلے پر کھڑے وجود کو دیکھا۔ نوریہ ایک لمحے کو پزل سی ہو گئی تھی۔ ایسی بے باک نگاہیں وہ ان کی عادی کب تھی۔

"کام ہی ہے تو بلوایا ہے۔ مجھے بھی پتا ہے۔ پرائم منسٹر کی جانشین تو تم ہی ہو۔ سارا ملک آخر کو تمہارے ناتواں کندھوں پر ہے۔" نوریہ نے غصے سے دیکھا۔ شارق بستر سے اتر کر اس کے مقابل آ ٹھہرا۔

"اوہ۔ ہوں...... کیا کر رہی تھی۔ بڑے گندے ہاتھ کیے ہوئے ہیں۔" مٹی سے اٹے ہاتھ تھامے شارق رک گیا تھا۔ نوریہ کو بڑی تقویت ملی تھی۔ اپنے ہاتھوں کا گندہ ہونا بڑا غنیمت لگا۔

"آپ کام بتائیں۔ مجھے باہر بڑا کام ہے۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"تم نے خود پر غور کیا ہے۔ کتنا بدل گئی ہو تم......؟" ہاتھ تو نہیں کندھوں پر اپنے بھاری ہاتھ جمائے شارق نے کہا تو نوریہ کھول کر رہ گئی۔

"جاؤ ہاتھ دھو کر آؤ۔ آج میں نے اسپیشلی تمہارے لیے ٹائم نکالا ہے مگر تم موڈ خراب کر رہی ہو؟"

"میں فارغ نہیں ہوں۔" اس نے غصے سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"شوہر کی دلجوئی سے بڑھ کر ایک بیوی کے لیے کوئی اور کام اہم نہیں ہونا چاہیے۔ جاؤ شاباش ہاتھ دھو کر آؤ۔" مجبوراً اسے باتھ روم کا رخ کرنا پڑا تھا۔ ہاتھ دھو کر آئی تو شارق منتظر ہی تھا۔ ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بستر پر ہی بٹھا لیا۔ "ایسا کب تک چلے گا؟" اسی طرح بے تاثر چہرے کو دیکھتے شارق نے کہا تو وہ سر اٹھا کر شارق زمان کو دیکھنے لگی۔

"میں اپنی غلطی کا اعتراف تمہارے سامنے کر چکا ہوں۔ میں تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ میں تم سے یہ سب اسی طرح کرنے پر مجبور تھا ورنہ میں رفعت باجی کو اتنی ایمرجنسی میں نہ بلواتا۔ میں نے حالات کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کی تھی۔ مثبت انداز میں مگر تم نے اور نبیل نے ساری بات ہی بگاڑ دی تھی۔ اب تو تمہاری یہ ناراضگی، یہ رویے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

نوریہ نے بڑے ضبط سے ساری بات اپنے نزدیک سنی تھی۔

"میں یہ سب سن چکی ہوں۔ آپ کو کچھ اور کہنا ہے تو ٹھیک ورنہ۔" وہ اٹھنے لگی تھی۔ شارق نے سختی سے ہاتھ پکڑ کر اسے سامنے دوبارہ بٹھا لیا تھا۔

"اٹ از اینف نوریہ۔"

"اور جو آپ میرے میری فیملی کے ساتھ کر چکے ہیں وہ کیا تھا؟ اتنی تذلیل اتنی رسوائی آپ نے تو یہ بھی نہ سوچا کہ لوگ میرے کردار پر کیسے کیسے انگلیاں اٹھائیں گے۔ آپ نے صرف اپنی خواہشوں کو اہمیت

دی۔ "ایک پل میں ہی وہ ساری مضبوطی بھلائے ضبط کھو بیٹھی تھی۔

"صرف تمہارے لیے۔"

"نہیں۔ اپنے لیے۔ اپنی خواہش کے لیے۔" وہ ایک دم بپھری تھی۔

"نویرہ۔"

"نام بھی نہ لیں۔ یہ جنگ تو ساری زندگی چلے گی۔ میں اپنے بھائیوں کے سامنے ساری عمر کے لیے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی۔ صرف آپ کے لیے آپ کی وجہ سے نبیل بھائی مجھ سے بات کرنے کے روادار نہیں۔" دل کا دکھ زبان پر آ گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ سب کچھ قانون وضوابط کے تحت کیا ہے۔"

"کسی کی بہن کو اغوا کرنا قانون وضوابط کے تحت ہے۔ کسی کی عزت پر رات کی تاریکی میں ہاتھ ڈالنا آپ کے نزدیک قانون ہے۔ کسی کے کردار کو کسی کی آنکھوں میں مشکوک ٹھہرا کر رشتہ ختم کروانا آپ کے خیال میں ضابطے کی کارروائی تھی۔ بڑی اعلیٰ سوچ ہے آپ کی شارق زمان صاحب۔ کوئی آپ کی بہن کے ساتھ ایسا کرے تو کتنی تکلیف ہوگی آپ کو کوئی آپ کو آپ کی ماں کا حوالہ دے۔ آپ کا جی چاہتا ہے۔ اسے قتل کر دیں اور کسی کی غیرت کا جنازہ نکال کر آپ مجھے قانون وضوابط سنا رہے ہیں۔" وہ تو جیسے سارے حواس کھو کر بے تقط بولی تھی۔

"نویرہ۔" شارق کا ضبط کے مارے برا حال ہوا۔

"نام نہ لیں میرا۔ سچ کہتی ہے دنیا ماں باپ پر ہی اولاد جاتی ہے۔ بڑی اماں کی تربیت بھلا کہاں کام آتی۔ جب ماں باپ کا خون ہی اتنا پراثر ہو۔ جیسی ماں ویسا بیٹا۔ جیسی بہن ویسا بھائی۔"

"نویرہ! بس..... اب ایک لفظ بھی تم نے زبان نکالا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" غصہ سے اسے پیچھے دھکیلتے شارق زمان کا ضبط کے مارے برا حال ہوا تھا۔

"ماں باپ کا کردار اولاد کی کردار سازی میں بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔ آپ جیسی شخصیت شکست وریخت کے کردار کے حامل شخص سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کی بھی بیٹی کو اغوا کروا لے اور اسے حق بجانب بھی سمجھے۔" وہ بے خوفی سے کہتے آخر میں تمسخرانہ انداز میں ہنسی تو شارق نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے آپ کو روکا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ.....

"جس کی ماں اسپتالوں میں رل جائے اس جیسے شخص سے یہی توقع کی جا سکتی ہے جس کے نزدیک صرف اپنے احساسات اہم ہوں۔ اس سے مزید کیا امید....."

"نویرہ! بس بہت کر لی تم نے بکواس....." غصے سے شارق نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ کچھ بعید بھی نہ تھا یہ ہاتھ اس کے رخسار پر بھی نقش انگار بنا سکتا تھا۔

"بہت سن لی میں نے تمہاری تلخ کلامی۔ میں تمہیں وقت دے رہا تھا کہ تم اب خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کر لو مگر اب نہیں۔ میں نے یہ سب اس لیے نہیں کہا تھا کہ میں ایک طرف بیٹھا تمہارے راضی ہونے کا منتظر رہوں۔ اگر تم یہ سب مجھے اس لیے دے رہی ہو کہ میں غلط ہوں تو تم انرجی ویسٹ کر رہی

ہوئی نارمل۔"

بڑے ضبط سے شارق زمان نے اپنے آپ کو نارمل کیا تھا۔ نویرہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

شارق زمان نے اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر اپنے قریب کیا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"تمہیں پانے کی خوشی میں اپنے آپ کو بھی اگر ہارنا پڑتا تو غم نہیں تھا۔"

اگلے ہی پل وہ بالکل نارمل تھا۔ جیسے چند پل پہلے اسے غصہ آیا ہی نہ ہو۔

"اماں گھر آ جاتی ہیں تو پھر ہنی مون کے ٹرپ کے لیے نکلتے ہیں۔ ویسے کہاں چلو گی تم؟"

"جہنم میں....." زہر سے بھرے جملے تھے۔ شارق زمان کھل کر ہنسا۔

اسے جھٹکا دے کر مزید قریب کیا۔

"جہنم میں کیوں۔ جنت میں کیوں نہیں۔ تمہیں پا کر تو لگتا ہے زندگی جنت بن گئی ہے۔ اب تو غصہ بھی نہیں آتا۔ اتنی گالیاں کھا کر غالب چچا بدمزہ نہ ہوئے تھے میں تو پھر..... کیا خیال ہے..... چلو گی جنت میں؟" نویرہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اور ہاں اب یہ سلیپنگ پلز کھانے کی حماقت مت کرنا۔ میں ہر بار کی طرح اب بھی شرافت کا مظاہرہ کروں یہ گارنٹی نہیں دوں گا۔"

نویرہ کو پہلی بار محسوس ہوا کہ اس شخص کی مسکراہٹ کتنی خوب صورت ہے۔ وہ فوراً چہرہ جھکا گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ میں اتنا بے وقوف یا احمق ہوں جو تمہارے فرار کا مطلب نہ سمجھ سکوں۔ یہ پلز تو کبھی نیند نہ آنے پر استعمال کرنا پڑتی تھیں مگر تم..... خبردار اگر تم نے دوبارہ ان کو ہاتھ بھی لگایا تو....." اسے خود سے پرے کر کے دراز سے شیشی نکال کر شارق نے اس کے سامنے کی تھی۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے اسے دیکھے گئی۔ یہ وہی شیشی تھی مگر شارق کو کیسے مل گئی۔ وہ اندر ہی اندر الجھی تھی۔

"جاؤ اپنا حلیہ درست کرو۔ کتنی پیلی ہو رہی ہو تم۔ کہیں سے بھی نہیں لگ رہی کہ نئی نویلی دلہن ہو تم۔" شارق کے اس نئے حکم پر وہ کلس کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہوں میں۔" اس نے اپنے کپڑوں کی طرف نگاہ کی۔ پرسوں ہی تو پہنے تھے۔

"ہم اماں کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ کپڑے چینج کر لو پھر چلتے ہیں۔" اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر شارق کو ٹوکنا پڑا تو اسے بھی یاد آیا کہ اماں اسپتال میں ہیں۔

"کیسی ہیں بڑی امی اب؟"

"بڑی جلدی خیال آ گیا تمہیں۔ ویسے تو اماں سے محبت کے بڑے دعوے ہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ زچ ہو گئی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ جھوٹے دعوے نہیں۔ نہ ہی سر پہ بڑا بوجھ بنا رہی ہوں۔ آپ نے جو کیا وہ ایک طرف..... وہ میری خالہ ہیں اور ان سے محبت ایک طرف....." وہ الماری کی طرف بڑھ آئی تھی۔ شارق نے اس کے دراز سراپا کو بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔

"محبت تو میں بھی اماں سے کرتا ہوں۔" نویرہ نے پلٹ کر دیکھا۔ پوری طرح متوجہ تھا وہ پل بھر کو پزل

ہوئی۔ چہرے پہ سرخی سی پھیل گئی۔

"یہ سوٹ نکال لو۔" وہ آف وائٹ سوٹ نکال رہی تھی۔ جب شارق کے کہنے پر اس نے پرپل اینڈ پنک شیڈ کے خوب صورت سوٹ پر نظر ڈالی۔ شارق اس کے پیچھے ہی آ کھڑا ہوا تھا۔ اس پر گھبراہٹ سی طاری ہونے لگی۔ اس نے بغیر بحث کیے وہی سوٹ کھینچ لیا۔ اب زندگی اس شخص کے ساتھ گزارنی تھی۔ کب اور کہاں تک وہ بحث کرتی۔ وہ نہا کر لباس بدل کر نکلی تو شارق ریڈی تھا۔

نویرہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔ اس پرپل اینڈ پنک شیڈ میں اس کا وجود قیامت ڈھا رہا تھا۔ شارق کی نگاہوں کا والہانہ پن نویرہ کو بے کل کرنے لگا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ بالوں میں برش کر رہی تھی جب شارق نے اس کا رخ کندھوں سے تھام کر اپنی طرف کر لیا تھا۔

"اگر اسی طرح ساری باتیں مانتی جاؤ گی تو زندگی کتنی خوب صورت ہو جائے گی۔ تازہ شیمپو کی خوشبو گیلے بالوں کی نمی میں بہت مسحور کن لگ رہی تھی۔ نویرہ کو شارق کے والہانہ پن پر وحشت ہونے لگی۔

"میں اتنی خود غرض نہیں ہوں۔ میری زندگی پر صرف میرا یا آپ کا حق تو نہیں۔ اس سے پہلے میرے والدین کا بھی ہے۔ کبھی سوچا ہے آپ نے جو کیا ہے اس سے وہ کن عذابوں کو جھیل رہے ہیں......" اس کی آواز میں نمی اتر آئی تھی۔ شارق پر اس نمی نے بھرپور جادو سا کیا تھا۔ بے اختیار اسے خود میں سمیٹ لیا۔ نویرہ خود بھی زرد ہو رہی تھی۔ اس کی پناہ میں اس کے قلم پر پھوٹ کر روئی۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اس نے باور کروا دیا تھا۔

"میں ان سب سے معافی مانگ لوں گا۔ تم کہو تو پیروں میں جھک جاؤں گا۔"

"آپ نے میرے کردار پر انگلی اٹھائی تھی۔ ہر کسی کی نظروں میں مجھے بدکردار کہلوایا۔"

"میں ہی اب سارے حالات سنوار لوں گا۔" اس لیے اس کا رونا دیکھا نہیں گیا تھا۔ اور پھر وہ روتی رہی۔ اس کا ایک ایک ظلم گنواتی رہی اور وہ ہر ظلم پہ سر تسلیم خم کرتے ازالے کے سدباب بتاتا چلا گیا اور نویرہ حیرت زدہ رہ گئی......

* * *

عثمان بھائی کا خیال تھا کہ وہ یہاں آ کر حالات کو اپنے حق میں موافق کر لیں گے مگر سمعان سے مل کر سب کچھ جاننے کے بعد جب چچا، چچی سے ملاقات ہوئی تو احساس ندامت نے عثمان احمد کے اندر شگاف سے ڈال دیے تھے۔ وہ تو ان سے بات کرنے آئے تھے، اپنا حق مانگنے آئے تھے مگر چچی کی محبت و گریہ زاری نے زبان سے گویا قوت گویائی چھین لی تھی اور پھر رہی سہی کسر نفیسہ پھپھو کے ہاں جا کر پوری ہو گئی تھی۔

پھپھو تو بھری بیٹھی تھی۔ ان کے ذرا سا زور دینے پر انہوں نے ان تمام رازوں سے بھی پردہ اٹھا دیا جو ساری عمر ان کے والدین چھپاتے رہے تھے۔ وہ تو کئی ثانیے تک ششدر رہ گئے تھے۔

ماں چاہے کیسی بھی ہو اولاد کے لیے ماڈل ہوتی ہے، وہ تو بہت کچھ سمجھنے کے باوجود کبھی سوچ نہ پائے

تھے کہ والدین کی زندگی میں کبھی ایسا مقام بھی آیا ہوگا۔ عثمان کے جھکے سر کو دیکھ کر نفیسہ آپا کو ندامت نے گھیر لیا۔ انہوں نے اپنے تئیں بہت سمجھایا بجھایا مگر عثمان کے خاموش لبوں پر دوبارہ گویائی نہ آ پائی تھی۔ بجھی آنکھوں میں تیرتی نمی سخت اضطراب و برداشت کی گواہ تھی۔ وہ کہہ کر پچھتائیں۔

پھر وہ وہاں سے چلے آئے تھے بغیر کچھ مزید کہے سنے۔ سمعان احمد کے سامنے بیٹھ کر انہوں نے اپنے دل کا غبار نکالا تھا۔ اذیت و تکلیف سے تو سمعان احمد بھی دوچار ہوا تھا مگر اس قدر نہیں جتنا عثمان احمد تھے۔ عثمان نے تو ہادیہ والے واقعے کے بعد گھر سے فرار اختیار کر لی تھی۔ ماں باپ سے متنفر ہو گئے جبکہ سمعان احمد کا والدین کے ساتھ چوبیس گھنٹوں کا ساتھ تھا۔ بے شک کسی نے بطور خاص کچھ نہیں بتایا تھا مگر والدین کے روز بروز کے جھگڑوں سے کیا وہ اس مسلسل چپقلش کی اصل وجہ اخذ نہ کر سکتے تھے؟ بہت کچھ نہ ہی جانتے تھے مگر کچھ نہ کچھ تو علم ہی تھا۔

"چھوڑیں عثمان بھائی! اب پریشان ہونے یا افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ مجھے تو پہلے ہی اندازہ تھا بلکہ علم تھا کہ ایسی ہی کوئی بات ہوگی۔" سمعان احمد نے خود کو نارمل کر کے تسلی دی تھی اور عثمان نے حیرت سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔ سمعان کی برداشت قابل رشک تھی۔

"میرا خیال ہے فرح اور علی بھی بہت حد تک تو نہیں مگر بہت کچھ تو جانتے ہی ہوں گے۔ بے شک ابو نے ہمیشہ امی سے متعلق چپقلش کو چھپانے کی کوشش کی ہے مگر کب تک؟ یہ جو ہمارے گھر میں آئے دن نت نئے ڈرامے ہوتے ہیں، یہ کافی ہیں ہمیں باور کروانے کو کہ ہم اصل میں کیا ہیں۔" عثمان احمد نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔ سمعان احمد کی استہزائیہ ہنسی بہت تکلیف دہ تھی۔ بہت زیادہ اندر تک چبھتی ہوئی۔

"میں کل واپس جا رہا ہوں۔" بہت دیر بعد عثمان احمد نے کچھ کہا تھا۔

"اچھی بات ہے...... بھابی اکیلی ہوں گی۔"

"نہیں میں نے زوباریہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ انکل کے پاس چلی جائیں۔"

"پلیز عثمان بھائی، یہ جو انکشاف ہے اس کو صرف انکشاف ہی رہنے دیں۔ اپنے آپ کو سنبھالیں، ہماری زندگی کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔ بے شک امی ہماری ماں ہیں، مگر یہ بھی سچ ہے کہ ابو بھی اپنی جگہ درست ہیں۔ اگر کہیں ایسی کوئی بات تھی تو امی کو ابو کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا چاہیے تھا اور ابو کو انہیں سمجھنا چاہیے تھا۔ میں یہاں امی ابو دونوں کو قصوروار سمجھتا ہوں۔ ابو نے اگر ہمارے لیے سمجھوتہ کیا بھی تھا تو اس کو نبھاتے بھی۔ میاں بیوی میں سے کسی ایک کو یہ قربانی دینا پڑتی ہے۔ امی نہیں تو ابو کو یہی برداشت کرنا چاہیے تھا۔"

"نہیں سمعان، ہم ابو کے احساسات نہیں سمجھ سکتے۔ ابو کیا، کوئی بھی شخص نہیں برداشت کر سکتا کہ جس شریک حیات کو وہ اتنی محبت سے اعلیٰ مقام سے نواز رہا ہے وہ اپنے دل میں ان کے لیے سرے سے کوئی جذبات ہی نہیں رکھتا۔ ابو کے لیے یہ زیادہ تکلیف کی بات تھی کہ وہ کوئی اور شخص نہیں ان کا بھائی ہے۔"

"جو بھی ہے...... میرا نہیں خیال کہ ہمیں اس موضوع پہ بات کرنا چاہیے۔ ہم نے جو بھی سنا یا دیکھا وہ ہمارا صرف تجزیہ ہو سکتا ہے۔ پھپھو نے آپ کو جو بھی بتایا یا سنایا وہ ان کا تجزیہ ہے۔ ہم نے لوگوں کی صرف

باتیں سنیں' ہمیں نہیں پتا وہ کونسی وجوہات ہیں جو ہمارے والدین کو اس مقام پر لے آئی ہیں اور نہ ہی ہمارے والدین نے ہمارے سامنے ان وجوہات کا کبھی ذکر کیا ہے۔ پھر اپنے تئیں کچھ بھی اخذ کر لینا قبل از وقت ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں سرے سے اس واقعے کو ہی فراموش کرنا ہوگا ورنہ زندگی بہت مشکل ہو سکتی ہے۔ ہم تنہا کچھ بھی نہیں۔ ہمیں قدم قدم پر نہ چاہتے ہوئے بھی امی ابو دونوں کی ضرورت رہے گی۔ بے شک امی جو بھی کر چکی ہیں پھر بھی ان کی حیثیت مسلم ہے۔ ان کو اس طرح ڈسکس کرنا' مجھے بڑی اذیت ہو رہی ہے۔"

عثمان احمد نے خاموشی سے سمعان احمد کے تاثرات نوٹ کیے تھے اور پھر آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔ سمعان احمد سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔ یہ موضوع سوائے اذیت کے اور کچھ نہیں دے سکتا۔

"میں پھر بھی ابو سے ضرور بات کروں گا۔" عثمان احمد کا ارادہ مضبوط تھا۔

"پلیز عثمان بھائی! ان سب حالات نے ابو کو اندرونی طور پر پہلے ہی بہت توڑ دیا ہے۔ امی کو شاید اس بات سے کوئی فرق نہ پڑے مگر ابو کو بہت پڑے گا۔ وہ کبھی ہم سے نظر ملا کر بات نہ کر سکیں گے۔ میں انہیں جانتا ہوں وہ جو ہمارے معاملے میں اس قدر ہی حساس ہیں۔ وہ تو اس واقعے سے ہی مجھ سے کترانے لگے ہیں اور میں ان سے۔ یہ نہ ہو ہمارا رہا سہا بھرم بھی ختم ہو جائے۔ امی ابو سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ بے خبر ہیں انہیں یہی سوچنے دیں کم از کم وہ شرمندہ تو نہ ہوں گے۔"

سمعان احمد کا موقف درست تھا۔ عثمان احمد نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"عثمان بھائی' وعدہ کریں یہ بات ہمارے درمیان رہے گی۔ کسی اور کے سامنے آپ ذکر نہیں کریں گے حتیٰ کہ بھابی سے بھی نہیں۔"

"بے فکر رہو یار! اتنا تو میں بھی جانتا ہوں۔ یہ بہت نازک موضوع ہے۔ ہماری اپنی ذات ہی ڈسکس ہوگی اور زوباریہ سے بھی نہیں کروں گا۔ وہ سمجھتی ہے کہ امی ابو کے درمیان چپقلش نظریاتی اور خاندانی بنیادوں پر ہے۔ یہ اسے میں نے ہی باور کروایا تھا۔ اب میں اپنے ہی منہ سے اپنے والدین کی زندگی کے ان گوشوں کو کیسے بے نقاب کر سکتا ہوں۔"

سمعان احمد نے پرسکون سانس لی۔ ورنہ یہی خدشہ تھا کہ کہیں عثمان جذبات میں کسی اور سے ذکر نہ کر بیٹھیں۔ خاص طور پر امی ابو سے۔

⁂

نفیسہ بیگم نے سعد جمال کے منع کرنے کے باوجود مسعود کے سامنے نہ صرف رشتہ ڈالا تھا بلکہ آناً فاناً بات بھی طے کر دی تھی۔ وہ اپنے اس فیصلے پر پچھتا تو نہیں رہی تھیں مگر جس طرح سعد جمال نے لاتعلقی کا مظاہرہ کر رکھا تھا وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ کہیں زرش کو سعد سے منسوب کر کے انہوں نے غلطی تو نہیں کی۔ سعد جمال جو فوراً آنے پر آمادہ تھا۔ جس نے خود اپنے منہ سے بارہا فرح کے لیے ماموں سے بات کرنے کو کہا تھا اور وہ راضی بھی تھیں۔ انہیں فرح دل و جان سے پسند تھی مگر جس طرح طاہرہ نے زرش پر الزام تراشی کی تھی اس نے انہیں یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ مگر اب سعد ناراض تھا' وہ جو آنے

کی تمام تیاریاں کر چکا تھا اس نے پاکستان نہ آنے کا کہہ کر ان سے قطعی لاتعلقی کا گویا اظہار کر ڈالا تھا۔ وہ مسلسل پریشان تھیں۔ بے شک ہادیہ سے انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے سعد کے راضی نہ ہونے کی بات اس سے چھپائی تھی مگر کب تک؟

انہوں نے ستارہ سے بات کی تھی۔ ستارہ اور سعد کی تو بہت دوستی تھی۔ وہ بے شک ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ وہ خود امریکہ کال کرتیں بھی تو وہ ریسیو نہیں کرتا تھا۔ مگر ستارہ کے ذریعے وہ اسے راضی کر سکتی تھیں مگر یہ کوششیں بھی ناکام ٹھہری تھیں۔

دن اتنی تیزی سے گزر رہے تھے کہ انہیں کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا تھا۔ نوشی کے سسرال والے نوشی کے امتحانات کے فوراً بعد شادی کی تاریخ کی بات کر رہے تھے جو کہ پہلے ہی طے تھا۔

سعد احمد معمول کے مطابق ہی آفس جا رہے تھے سعید احمد سے تعلقات پہلے جیسے ہی ہو چکے تھے۔ بے شک دونوں گھروں کی ایک دوسرے کے ہاں آمدورفت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ اس واقعے کے بعد فرح اور علی نے صرف ایک بار ہی چکر لگایا تھا۔ وہ بھی زرش کا لاتعلق انداز دیکھ کر فرح کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ کتنی دوستی اور محبت تھی دونوں میں مگر حالات نے کیا سے کیا کر ڈالا تھا۔

کالج میں فرح کے رویّے پر زرش اپنے اوپر ضبط کر جاتی تھی۔ پہلے کی طرح ایک دم لاتعلق تو نہیں رہی تھی مگر وہ پہلے کی طرح فرح سے بے تکلف بھی نہ رہی تھی۔ سمعان احمد تو گویا اس گھر کو بھول گیا تھا۔ وہ اس گھر کا کیا لگتا تھا۔ اپنے گھر کو بھی بھول گیا تھا۔ وہ اپنا سارا وقت بزنس میں لگا دیتا تھا۔ ہر وقت متحرک ومصروف۔ ایسے میں کبھی چچا سے سامنا ہو جاتا تو سر خود بخود جھک جاتا تھا۔ احساس ندامت سے وہ ان کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہیں پاتا تھا۔ ایک خلیج سی درمیان میں حائل ہو گئی تھی جسے ہر کوئی محسوس کر رہا تھا مگر کچھ بھی کرنے سے قاصر تھا۔ وقت کا کام ہے چلتے رہنا' وہ کب کسی کی مرضی کے تابع رہا ہے۔ ہر ایک کو اس مختصر سی زندگی میں اپنی بساط کے مطابق ہی ملا ہے۔ سو زرش نے بھی جینا سیکھ لیا تھا۔ اتنی بڑی ٹھوکر کھا کر بھی نہ سیکھتی تو پھر ساری عمر بے عقل ہی رہتی۔ اس نے ان کی باتوں پر دھیان دینا شروع کر دیا تھا۔ نوشی کے ساتھ مل کر گھر پر توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ ساری بے پروائی و بچپنا تو بھول بھال گئی تھی۔ اب تو صرف یہی یاد تھا کہ وہ بچی نہیں رہی۔ ساری بے پروائیاں اور نالائقیاں بھول کر زندگی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔

طاہرہ بیگم کی نفرت کا اصل مقصد جان کر تو وہ اور محتاط ہو گئی تھی۔ اس کہانی سے اسے بہت کچھ سیکھنے کو ملا تھا۔ زندگی کے بہت سے رنگ دیکھنے اور سوچنے کا موقع ملا تھا۔ بے شک پہلے کی طرح اس کا اعتماد بحال نہیں ہوا تھا مگر اسے زندگی کو اس کے اصل معنوں میں جاننے کا موقع ملا تھا۔

سمعان احمد سے متعلق اس کے جو بھی احساسات تھے وہ اتنے ہی پاکیزہ و شفاف تھے جتنی کہ وہ خود تھی۔ سعد جمال سے نسبت طے پانے کے باوجود وہ اس رشتے کو قبول نہ کر پا رہی تھی۔ سعد جمال کا تصور بھی اس کے ذہن کو نہ بدل پایا تھا بلکہ وہ تو الجھ گئی تھی۔ ایسے کسی بھی رشتے میں بندھ جانا' یوں اچانک حادثاتی طور پر۔ وہ ابھی بے یقین تھی۔ اگرچہ اب تو کافی دن بیت چکے تھے۔ خاندان بھر کو اس رشتے کے

طے ہو جانے کی خبر مل چکی تھی۔ نفیسہ پھپھو نے خاندان بھر میں باقاعدہ مٹھائی تقسیم کر کے دونوں کی نسبت کا اعلان کیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سعد جمال کے نام کی انگوٹھی پہنا کر اپنی طرف سے انہوں نے طاہرہ اور اس کی بہن قیصرہ بیگم کی گھٹیا چال کو ناکام بنا دیا تھا مگر زرش کو لگتا تھا کہ بہت کچھ غلط ہو چکا ہے۔

سعد جمال کو تو اس نے کبھی کزن کی حیثیت سے بھی اتنی اہمیت نہ دی تھی' اب کہاں ساری عمر کا ساتھ نبھانا تھا۔ ہاں وہ مطمئن تھی کہ اس رشتے کے طے پا جانے سے اس کے والدین خوش ہیں۔ اس کے والدین کا اعتماد اس کی ذات پر اسی طرح برقرار ہے۔

پھپھو نے جس طرح اس آڑے وقت میں ان کا ساتھ دیا تھا اور جس طرح ماما پاپا ان کے مشکور تھے اس طرز عمل نے اسے اس رشتے کو قبول کرنے پر اکسایا تھا۔ بے شک وہ لاچار تھی مگر جب بھی ماما پاپا کے حوالے سے اس نسبت سے متعلق سوچتی' یک گونہ سکون حاصل ہوتا لیکن دوسرے ہی لمحے کسی کونے سے کئی چہرے سامنے آ کر اس کے اطمینان کو ملیامیٹ کر دیتے تھے اور وہ صرف ذہنی خلفشار سے ہی دوچار نہ ہوتی تھی بلکہ دلی طور پر بھی بے سکون ہو جاتی تھی۔ ایسے میں اس کی پناہ گاہ صرف کتابیں ہوتی تھیں۔ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح سے اپنی اسٹڈی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ٹھہری تھی۔

پھر گھر میں نوشی کی شادی کی بات چلنے لگی تو اس کا اسٹڈی کے بعد کا سارا وقت نوشی کے ساتھ ہی گزرنے لگا۔ ہارون انکل شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے جبکہ ماما پاپا ٹال رہے تھے کہ نوشی آرام و سکون سے اپنے ایگزام کلیئر کر لے پھر شادی کے ہنگاموں کا سوچیں گے۔ مگر وہ لوگ بضد تھے کہ دن طے کر لیتے ہیں ایگزامز کے فوراً بعد شادی رکھ لیتے ہیں۔ گھر میں آج کل یہ ایشو زور و شور سے چل رہا تھا۔ تقریباً روز ہی ہارون انکل اور آنٹی چلے آتے تھے۔

* * *

زرش دو دن کالج سے غیر حاضر تھی۔ ویسے بھی آج کل کالج میں مختلف فنکشنز ہو رہے تھے سو وہاں جا کر ٹائم ضائع کرنے کی بجائے وہ گھر رہ کر ہی اسٹڈی پر توجہ دے رہی تھی۔

رات کو سب اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھی کتابوں میں مصروف تھی۔

"زرش کیا کر رہی ہو......؟" نوشی کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں بس پڑھ رہی تھی' خیریت......؟"

"ہاں......" وہ اس کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گئی تھی۔ زرش نے محسوس کیا وہ کچھ الجھی ہوئی ہے۔ آج اسے ماما اور پاپا کے حوالے سے بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا مگر وہ ٹال گئی تھی مگر اب نوشی کو ہاتھ مسلتے دیکھ کر ضرور چونکی۔

"کیا ہوا۔ تم پریشان ہو۔ کچھ کہنا ہے؟"

"ہوں......" وہ رکی' زرش کو دیکھا۔ "آج پھپھو کا فون آیا تھا۔"

"تو؟" وہ حیران ہوئی۔ بھلا اس میں کون سی نئی بات ہے' پھپھو کا فون تو روزانہ ہی آتا رہتا ہے۔

"انہوں نے ماما سے شادی کی بات کی ہے۔"

زرش حیرت سے دیکھے گئی۔

"ماما' پاپا بھی پریشان ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ کم از کم ایک ڈیڑھ سال تک تو تمہاری منگنی رکھیں گے مگر پھپھو کہہ رہی تھیں کہ سعد بھائی شاید چکر لگائیں' اسی لیے وہ ان کے آتے ہی فوراً شادی کرنا چاہ رہی ہیں کیونکہ سعد بھائی نے وہاں جاب کر لی ہے۔ وہ آنا ہی نہیں چاہ رہے تھے مگر پھپھو کے زور دینے پر آنے کا کہا تھا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ ٹھہریں گے نہیں۔ دوبارہ آنے میں انہیں عرصہ لگ سکتا ہے اس لیے پھپھو نے ماما سے بات کی ہے کہ سعد بھائی جیسے ہی پاکستان آئے وہ تاریخ طے کر دیں گی۔" نوشی نے تفصیلاً بتایا تو زرش کا سکتہ ٹوٹا۔

"یہ کیا تماشا ہے؟ پھپھو نے یہ سوچ بھی کیسے لیا؟ ابھی تو مجھے پڑھنا ہے اور ماما نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔" وہ ایک دم روہانسی ہو گئی تھی۔

"کہا تو ہے' ماما نے تقریباً انکار ہی کیا ہے کہ کم از کم دو سال تک شادی کا سوچیں بھی مت مگر پھپھو بضد ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ہارون انکل وغیرہ دن طے کریں تو اس مسئلے کو بھی زیر غور رکھیں۔"

"تو میرا کیا ہوگا؟ میری پڑھائی......؟"

"وہی تو ماما نے پاپا سے بات کی ہے۔ وہ بھی الجھ گئے ہیں۔ پھپھو کا انداز حتمی ہے۔ جس طرح اچانک یہ رشتے کی بات چلی ہے اور اب اچانک شادی کی بات۔ سچ بتاؤں میں تو خود الجھ گئی ہوں۔"

"منع کر دو ماما کو۔ اس طرح سوچیں بھی مت۔ ابھی تک میں اس اینگیجمنٹ کو قبول نہیں کر پائی' کہاں شادی۔" زرش کو ہول اٹھا۔ "ہرگز نہیں! ماما پاپا کو خود احساس ہونا چاہیے۔ ابھی تو میری ایج ہی کیا ہے۔ پھر سعد بھائی' امپاسبل۔ مجھے ابھی اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرنی ہے۔ کم از کم ماسٹر تو ہوتا۔"

"ہوں' میرا بھی یہی خیال تھا۔ خیر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ سچ بتاؤں ماما پاپا اس حادثے کے بعد بہت محتاط ہو گئے ہیں۔ سعدان بھائی کے ساتھ جس طرح تمہارا نام اچھالا گیا ہے' یہ منگنی بھی صرف ایک ضابطے کی کارروائی تھی۔ پاپا تو سرے سے اس رشتے کو قبول کرنے پر بھی راضی نہ تھے مگر پھپھو کے سمجھانے پر وہ مانے تھے۔ بظاہر لوگوں کی زبانیں تو بند ہو گئی ہیں مگر جب تک باقاعدہ شادی طے نہیں ہو جاتی' ماما پاپا اس طرح شش و پنج میں مبتلا رہیں گے۔ ہو سکتا ہے پھپھو کے دباؤ ڈالنے پر ماما پاپا مان بھی جائیں کہ اب بات صرف تمہاری کم عمری یا اسٹڈی ان کمپلیٹ رہنے کی نہیں۔ لوگوں کی گندی سوچ کو بدلنے کی ہے۔ اس سارے پروپیگنڈے کا جواب دینے کی ہے۔ ایک ضابطہ کارروائی سے ثابت کر کے۔ ایک شرعی و قانونی تعلق جوڑ کر۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں سزا دی جا رہی ہے؟" وہ رو ہی تو دی تھی۔

"زرش پلیز! ابھی تو نہ جانے کیا کچھ سہنا پڑے زندگی میں۔ تمہیں یہ سب اسی لیے بتا رہی ہوں کہ تم ابھی سے ذہنی طور پر تیار رہو۔ تمہیں کوئی ذہنی دھچکا نہ لگے۔ یہ صرف الٹی میٹم ہے۔ ماما پاپا جس طرح الجھ گئے ہیں' یہ ظاہر کرتا ہے وہ بھی پھپھو کی سوچ کو کسی حد تک درست سمجھ رہے ہیں۔"

زرش کچھ نہیں بولی تھی' اسی طرح نیر بہاتی رہی۔

نوشی کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی اسے تسلی دلاسے دیتی رہی تھی۔ نوشی تو سونے چلی گئی تھی مگر وہ ساری رات سو نہ سکی تھی۔

اگلے دن کالج جانا تھا۔ دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ بڑی پژمردگی سے تیار ہوئی تھی۔ کالج میں سارا دن بڑا عجیب گزرا تھا۔ الجھتے ہوئے، اپنے آپ سے لڑتے ہوئے۔ فرح سے کئی بار سامنا ہوا اور ہر بار وہ اسے نظر انداز کر کے گزر گئی تھی۔ ایسا تو کب سے چل رہا تھا مگر فرح کے سلام دعا کے علاوہ جو بھی بات کرتی تھی وہ جواب ضرور دیتی تھی۔ چند دن سے وہ فرح کے ساتھ نارمل بی ہیو کر رہی تھی مگر اب اچانک رات کی بات سن کر وہ پھر سے اسی اذیت سے دوچار ہوئی تھی جو صرف ایک حادثے کی وجہ سے تھی جس نے پوری زندگی کا منظر نامہ بدل دیا تھا۔

آخری پیریڈ فری تھا۔ وہ کالج کے لان کے قدرے الگ تھلگ کونے میں آ بیٹھی۔ وہ اتنی قنوطیت پسند نہیں تھی مگر اب دل چاہتا تھا کہ کسی کونے کھدرے میں جا چھپے جہاں سے وہ کسی کو نظر نہ آئے۔

بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گئی تھی۔ ماما پاپا کے لیے ایک مسلسل ٹینشن کا سبب۔

"زرش......" فرح اسے ڈھونڈتے سارے کالج کا چکر لگا چکی تھی۔ اسے یہاں بیٹھے دیکھ کر وہ اس کی بھرپور لاتعلقی کے باوجود بھی خود کو اس سے کلام کرنے سے نہ روک پائی تھی۔

زرش نے صرف ایک نگاہ کی تھی۔ دکھ' اذیت' ملال' بے بسی' کیا کچھ نہ تھا ان آنکھوں میں۔ فرح کا دل کٹ سا گیا۔ وہ اس کے قریب ہی گھاس پہ بیٹھ گئی۔

"پریشان ہو؟" جھجکتے ہوئے سوال کیا تھا۔

زرش نے اپنے سامنے کھلی فائل بند کر دی۔ مگر بولی نہیں تھی اسی طرح لاتعلق رہی۔

"پلیز زرش! مجھ سے اس طرح بی ہیو مت کرو۔ ہم تو کزنز سے بڑھ کر دوست تھیں۔ کیا تم مجھے بھی سزا دو گی اس جرم کی جو میں نے کیا ہی نہیں۔"

آج سارا دن وہ زرش کے پرملال انداز کا جائزہ لیتے اب تو اندر سے شل ہو چکی تھی۔

"اور جو سزا میں جھیل رہی ہوں وہ؟" تلخی سے بھرپور آواز تھی۔ فرح کا دل غم سے پھٹنے کو تھا۔ "میں نے تو کبھی زندگی میں غم کی بات کی ہی نہ تھی۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ اذیت کسے کہتے ہیں مگر تمہاری والدہ نے میرے ساتھ جو کر دیا ہے وہ ساری عمر مجھے اذیت کی بھٹی میں جھونک دینے کو کافی ہے۔ ندامت و شرمندگی ہونے لگتی ہے مجھے خود پہ۔ میں کیا تھی' کیا ہو کر رہ گئی ہوں۔ کاش یہ آگاہی جو مجھے اب ملی ہے یہ اس بڑے نقصان سے پہلے مل چکی ہوتی تو اذیت اتنی زیادہ نہ ہوتی۔"

اس کے اندر تو غبار بھرا ہوا تھا۔ تند و تیز موجوں سے بپھرا طوفان تھا جو اسے ضبط کی ہر حد کراس کر جانے کو اکسا رہا تھا۔

"زرش پلیز! میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔" فرح کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سارے دکھ لے کر اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجا دے۔

"تمہارے معافی مانگنے سے کیا ہوگا بھلا۔ تمہاری والدہ بھی آ کر اپنے جرم کی تلافی کی کوشش کر لیں جو کہ قیامت تک ممکن نہیں' تب بھی میرے کردار' میری ذات پر اچھالا گیا کیچڑ میری پاک دامنی سے کیسے صاف ہوگا؟" زرش کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔

"زرش! سمعان بھائی بہت سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ کام' کام' کام۔ انہوں نے خود کو مشین بنا لیا ہے۔ امی سے وہ بات نہیں کرتے اور گھر میں تو شاید سنڈے کو ہی نظر آ جائیں تو بڑی بات ہے۔ ہمارا گھر ایک ایک کر کے بکھر رہا ہے۔ میں کس کس نقصان پر روؤں۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ زرش نے کچھ خفا نظروں سے اسے دیکھا۔ اس سارے حادثے کے بعد پہلی مرتبہ فرح' سمعان کا ذکر اس کے سامنے کر رہی تھی۔ زرش کو اپنے زخم ہرے ہوتے محسوس ہوئے۔

"پلیز...... اگر تم مجھ سے رابطہ رکھنا چاہتی ہو تو پھر آئندہ کبھی میرے سامنے یہ نام مت لینا۔ نفرت سی محسوس ہونے لگی ہے اب اس نام سے بھی۔ کتنا منع کیا تھا میں نے ان کو مگر وہ تو مجھے رسوا کرنے پہ تلے ہوئے تھے۔ اب تو انہیں خوش ہونا چاہیے۔ میں کتنی کم عقل واقع ہوئی اور ان کی چال میں آ گئی۔ یہ سب ان کا قصور ہے۔ اب تک یہ جو کچھ بھی ہو چکا ہے سب کے ذمہ دار وہ ہیں۔ انہیں محبت سوجھی ہوئی تھی۔ میں رسوا ہو کر رہ گئی ہوں۔"

فرح نے تڑپ کر زرش کو دیکھا۔ سمعان احمد کی دیوانی کتنا بدل چکی تھی۔ صرف ایک حادثے نے اس کو سرتاپا بدل دیا تھا۔ وہ اذیت سے ہونٹ کچل گئی۔

پھر باقی وقت دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ کالج آف ہوتے ہی زرش نے اپنی چیزیں سمیٹی تھیں۔ ایک نظر سر جھکاتے گھاس کے تنکے توڑتی فرح کو دیکھا۔ دل کے اندر اپنی ترش روی کا ملال جاگا مگر وہ سختی سے منہ بند کر گئی۔ فرح سے زیادہ نقصان اس کا تھا پھر وہ کیوں نادم ہوتی۔

کبھی کیسی دوستی و چاہت تھی۔ محبت و خلوص کے کیسے جذبات تھے۔ مگر اب...... آنکھ سے آنکھ ملانا مشکل ہو چکا تھا۔ نگاہیں چار ہوتی تھیں تو دل میں تکلیف کے کھنڈر آباد ہو جاتے تھے۔ وہ خاموشی سے پرنم آنکھ کو صاف کرتے وہاں سے نکل آئی تھی۔ ڈرائیور گاڑی سمیت موجود تھا۔

"زرش!" اپنے نام پر وہ چونکی تھی۔ اس کی کلاس فیلو اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"زرش! آج میری گاڑی لینے نہیں آئے گی۔ تم بھی ہمارے روڈ سے ہی گزرو گی۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ڈراپ کر دو گی؟" سائرہ نے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"حد کرتی ہو تم بھی تکلف کی۔ ضرور...... تکلیف کیسی اس میں بھلا۔ پلیز آؤ۔" اس نے مسکرا کر کہا تو وہ تشکر بجا لائی۔

سائرہ اس کی کلاس فیلو تھی۔ ان چند دنوں میں فرح کے بعد غیر محسوس انداز میں وہ اس سے مانوس ہوئی تھی۔ بے تکلفی بڑھی تھی۔ پھر سائرہ کون سا انجان تھی۔ پاپا کے کسی فرینڈ کی بیٹی تھی۔ سو فرح کے بعد وہ اس کی طرف توجہ مبذول کرنے میں ہچکچائی نہیں تھی کہ یہ لڑکی ڈاکٹر ظفر کی چچازاد بھی تھی۔ راستے میں سائرہ نے ایک اکیڈمی کے سامنے گاڑی روکنے کو کہا تھا۔

"ایم سوری یار! تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ دراصل اس اکیڈمی میں میرے ایک کزن ہوتے ہیں۔ انہیں میں نے کچھ نوٹس کا کہا ہوا تھا مجھے اشد ضرورت ہے۔ صبح فون پر کہہ رہے تھے میں واپسی پر اکیڈمی کا چکر لگاتے لے جاؤں۔" ڈرائیور کے گاڑی روکنے پر وہ شرمندہ سی وضاحت دے رہی تھی۔

"تم تو خوامخواہ شرمندہ ہو رہی ہو۔ تم جا کر نوٹس لے آؤ میں انتظار کر لیتی ہوں۔"

"نہیں' میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ تم بھی ساتھ چلو۔"

زرش نے انکار کرنا چاہا مگر پھر بدتمیزی کا سوچتے راضی ہو گئی۔ اکیڈمی بہت شاندار تھی۔ انٹرنس سے ہی سائرہ اپنے کزن کا پوچھتی اندر چلی آئی تھی۔ راہداری میں کئی چیئرز دیوار کے ساتھ سیٹ تھیں۔

"تم اپنے کزن کا پتا کر لو۔ میں ادھر بیٹھتی ہوں۔" زرش ادھر ہی ٹک گئی تھی۔ سائرہ سر ہلاتی اندر چلی گئی تھی۔

وہ خاموشی سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد سائرہ ایک خاصے خوش شکل ہینڈسم سے لڑکے کے ساتھ آتی دکھائی دی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سوری زرش! تمہیں ویٹ کرنا پڑا۔" اس کے قریب پہنچتے ہی وہ فوراً اسٹارٹ ہوئی تھی۔ "ویسے ان سے ملو۔ یہ میری پھپھو کے بیٹے ہیں' نواز بھائی۔" اس نے مسکرا کر اپنے کزن کا تعارف کروایا۔

"اور نواز بھائی' یہ زرش ہے۔ جس کی میں آپ کو باتیں بتاتی ہوں۔ ہمارے کالج کی جینئس ترین لڑکی ہے یہ۔" اس نے خاصے فخریہ سے زرش کو دیکھ کر کہا تو زرش جھینپ سی گئی۔ ایک پل کو مقابل ساکت ہوا تھا۔

"اسلام علیکم!" زرش نے اخلاق نبھایا تو سائرہ کے کزن کا سکتہ ٹوٹا۔ اس شخص نے صرف گردن ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ اس کی نگاہیں ابھی بھی زرش پر تھیں۔

"چلیں سائرہ!" وہ اپنے اردگرد سے یکسر بے نیاز سائرہ کی طرف متوجہ تھی۔ سر کو براؤن اسکارف سے جکڑے کندھوں پر کالج کا دوپٹہ اوڑھے کالج یونیفارم میں وہ اتنی ہی دلکش اور بھیگی پلکوں کی نمی سمیت اتنی ساحر لگ رہی تھی کہ مقابل ٹھٹک سا گیا تھا۔

زرش کے روپ میں اس کے سامنے کوئی جیتا جاگتا وجود آ کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا...... نواز بھائی! تھینکس! جی! مجھے ان نوٹس کی اشد ضرورت تھی۔ میں انشاء اللہ کل ہی واپس کر دوں گی۔" سائرہ کے کہنے پر اس شخص نے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔ مگر اندر تو بے چینی نے سر ابھارا تھا۔

یادوں نے ایسی کروٹ لی تھی کہ دل ایک آن میں غم سے پھٹ پڑنے کو تھا۔ وہ دونوں جا چکی تھیں۔ شیشے کے اس پار وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں مگر نواز فاروق تو اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔

زرش کے روپ میں اسے جو چہرہ یاد آیا تھا' اسے وہ خود ٹھکرا کر آیا تھا۔ اسی چہرے کو جو دل میں بستا تھا۔ اس وجود کو جو آج بھی بھولنے پر بھی بھولا نہیں تھا۔ زرش کی آواز' اس کا بے پروا انداز اور سب سے بڑھ کر چہرے کا تاثر اسے نویرہ احسان کی ذات کو یاد دلا گیا تھا۔

* * *

ادھر نوشی کی شادی کے دن طے ہوئے تو ادھر نفیسہ بیگم مسلسل اذیت کا شکار ہونے لگیں۔

سعد نے مسلسل رابطہ ختم کیا ہوا تھا۔ وہ صرف اسی صورت پاکستان آنے پر آمادہ تھا کہ اگر وہ زرش سے رشتہ ختم کر کے فرح کے لیے بات کریں تو۔ وہ دوسری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہ تھا۔ پاکستان میں جو کچھ ہو چکا تھا وہ سعد کو بتانے والا تو نہ تھا۔ پھر سعد طبیعت کا کچھ مختلف تھا۔ اپنی ذات کے لیے بڑا پوزیسو تھا۔ وقار اگر دھیمے مزاج کا صابر انسان تھا تو وہ خود پسند' اپنی خواہشوں کو فوقیت دینے والا انسان تھا۔ گھر بھر کا لاڈلا ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی خودسر اور ضدی بھی ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس کی اب تک ہر ضد مانی تھی۔ ہر بات' ہر خواہش پوری کی تھی مگر اب کی بار وہ جو کچھ مانگ رہا تھا وہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مگر وہ کچھ بھی سمجھنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔ صرف ایک ہی ضد تھی۔

"فرح کے لیے بلائیں گی تو واپس آؤں گا ورنہ نہیں۔"

ہادیہ دو دن سے مسعود احمد کے ہاں تھی۔ انہوں نے کئی بار سعد کے نمبر پر کال کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہر بار کال ڈس کنکٹ کر دیتا تھا۔ اب کی بار انہوں نے کوشش کی تو کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" روٹھا' ناراضگی سے بھرا لہجہ تھا۔ نفیسہ بیگم کے دل کو کچھ ہوا مگر ساتھ تسلی بھی کہ وہ بات کرنے پر آمادہ تو ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے بہت محبت سے کہا۔

"خیریت؟" اکھڑ لہجہ دل تڑپا گیا۔

"تم کال ریسیو ہی نہیں کرتے اور کرتے بھی ہو تو اتنا اجنبی لہجہ۔ ماں ہوں تمہاری۔ اتنی دور پردیس میں بیٹھے ہو۔ ہر وقت دل تمہاری طرف ہی لگا رہتا ہے۔ پھر بھی اجنبیوں کی طرح بات کرتے ہو۔" ان کی آواز بھرا گئی تو خاموش ہو گئیں۔

"امی پلیز!" دوسری طرف سے سعد پر آواز کا اثر ہوا تھا۔ فوراً لہجہ بدلا تھا۔

"کب آ رہے ہو پاکستان؟"

"بتایا تو ہے۔ جاب شروع کر لی ہے میں نے۔ ابھی کوئی ارادہ نہیں۔"

"تو کب ارادہ بنے گا؟ دیکھو سعد' میں بہت پریشان ہوں۔ مسعود نے نوشی کے دن طے کر دیے ہیں۔ اپنی طرف سے میں نے مسعود سے کہہ دیا ہے کہ تم پاکستان لوٹ رہے ہو اور میں جلد از جلد زرش کو اپنے گھر لانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے اپنے آپ کو مضبوط کر کے سعد کو اطلاع دی تھی مگر وہ تو سنتے ہی پھٹ پڑا۔

"امی خدا کے لیے۔ کیا کر دیا ہے آپ نے۔ میں نہیں آؤں گا۔ مجھ پر اس طرح دباؤ مت ڈالیں۔ میں فرح کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔" وہ غصے سے بولا تھا۔ نفیسہ بیگم کے اندر اشتعال بکھرا۔

"سعد! مجھے مت تکلیف دو۔ میں زبان دے چکی ہوں اور فرح کے لیے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر زرش کا معاملہ نہ ہوتا تب بھی طاہرہ کبھی نہ مانتی اس رشتے پر۔ معراج بھائی سے پتا چلا تھا کہ طاہرہ کا ارادہ قیصرہ کے ہاں امجد سے فرح کا رشتہ طے کرنے کا ہے اور تم جانتے ہو ایسے معاملوں میں جیت ہمیشہ طاہرہ کی ہی

ہوئی ہے۔"

"تو آپ نے کب کوشش کی ہے۔ ایک دفعہ ان کے ہاں جائیں تو سہی۔"

"میں گئی تھی۔ تمہیں شاید یاد ہو' ایک دن جب فرح کو بخار وغیرہ تھا' میں گئی تھی۔ سعید احمد سے بات کی تھی۔ اس نے ٹال دیا تھا کہ ابھی فرح اسٹڈی میں مصروف ہے۔ بیٹوں کی بات دوسری ہے مگر بیٹی کا رشتہ وہ اتنی جلدی طے نہیں کرے گا۔"

"آپ زور تو دیتیں۔ کوشش تو کرتیں مگر آپ نے کچھ بھی نہ کیا۔"

"میں اس کے بعد جب بھی سعید احمد سے ملی یہی بات کی مگر اس نے ہر بار ابھی چپ رہنے کو کہا۔"

"تو انتظار کر لیتے۔ میں کون سا بوڑھا ہو رہا تھا اور زرش تو ابھی ان میچور سی ہے۔ اسے میں ابھی تک ایک بچی تصور کرتا ہوں اور آپ نے فیصلہ تک کر لیا۔"

"سعد! میں مجبور تھی۔" وہ زچ ہو گئی تھیں۔ زرش کے حوالے سے انہوں نے سعد کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ اپنے بیٹے کی عادت سے باخبر تھیں۔ یقین تھا کہ سمعان کی پسندیدگی کا سن کر تو وہ کبھی ماننے کا ہی نہیں۔

"کیا مجبوری تھی کہ اس قدر آناً فاناً یہ سب طے کر لیا اور میرے کسی فیصلے کو اہمیت ہی نہ دی۔"

"تم جانتے تو ہو طاہرہ کو اس کی عادت کو۔ سعید احمد کی خواہش سے بھی باخبر ہو کہ وہ سمعان کے لیے زرش کا رشتہ کئی بار سعود احمد سے مانگ چکا تھا۔"

"ہاں تو پھر؟" دوسری طرف سعد الجھا۔ یہ تو وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

"طاہرہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف قیصرہ کی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی فوزیہ سمعان کے لیے آئے۔ بس یہاں تو ہر روز نیا ڈرامہ ہوتا تھا۔ طاہرہ تو سب کچھ بھول بیٹھی ہے' جو بہن کہتی ہے کرتی ہے۔ وہ زرش کے رشتے نہ لینے کی مخالفت میں تھی جب کہ سعید احمد ضد میں تھا۔ پھر سمعان نے بھی باپ کی بات مانی تو طاہرہ نے غصے میں آ کر وہی گھٹیا چال چلی جو وہ ہادیہ کے سلسلے میں کر چکی تھی۔"

"او مائی گاڈ۔" خاموشی سے سنتا سعد ایک دم ششدر رہ گیا۔ اس کے اعصاب پر ایک بم پھٹا تھا گویا۔

"ویری سیڈ۔"

"سعود احمد نے بہت اثر لیا ہے اس واقعے کا۔ زرش کی طبیعت بھی تم جانتے ہو۔ تایا اور اس کی فیملی سے کس قدر اٹیچ ہے۔ سمعان سے اس کی بے تکلفی کو طاہرہ اور قیصرہ نے مل کر غلط رنگ دیا ہے۔ سعود کو جب ساری صورت حال کا علم ہوا تو انجائنا کا اٹیک ہوا۔ بڑی مشکل سے حالات سنبھلے ہیں۔ کئی دن سعود احمد اسپتال رہا۔ اس دوران قیصرہ کی زبانی خاندان بھر میں زرش کے حوالے سے جو چرچا ہوا وہ علیحدہ اور سعود کی عیادت کو کیا آتے تھے جگر چھلنی کر جاتے تھے۔ ایسے حالات میں تم ہی بتاؤ میں کیا کرتی۔ میرے لیے تو میری بھتیجیاں ہی اہم ہیں۔ فرح تو میری بھی خواہش تھی اور زرش' وہ تو جیتے جی مار دینے والی بات ہے۔ ایسے عالم میں بھائی کا سہارا نہ بنتی تو کیا کرتی۔ ہادیہ کی بات دوسری تھی کہ رشتہ وغیرہ بڑوں میں طے تھا مگر یہاں تو سرے سے کچھ تھا ہی نہیں۔ لوگوں میں جو "شوشا" ہوئی ہے وہ علیحدہ۔ سعود تو موت کے منہ سے سمجھو واپس آیا ہے۔"

وہ رو رہی تھیں۔ دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

سعد جو بھرا بیٹھا تھا سب کچھ سن کر حیران رہ گیا تھا۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا وہاں اور وہ بے خبر تھا۔

"میں زبان دے کر اب واپس لے لوں۔ یوں کہو اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی کو قبر میں اتار دوں۔ مجھ سے یہ سب نہیں ہو رہا۔ اپنی ماں کی مجبوری سمجھو۔ اگر ایسے عالم میں' میں بھی خود غرض بن جاتی تو پھر رشتوں کا مان بھی ٹوٹ جاتا۔ سعید احمد تو خود نادم ہیں اپنی بیوی اب اس کے بس کی بات نہیں۔ طاہرہ اب سمجھانے بجھانے والی حد سے نکل چکی ہے۔ تم ہی بتاؤ میں کس منہ سے سعود کو منع کر کے فرح کا ہاتھ مانگوں کہ میں نے طاہرہ اور قیصرہ کی سازش کو غلط قرار دینے کے لیے اپنے ہاتھوں سے تمہارے نام کی انگوٹھی زرش کو پہنائی ہے۔ خاندان بھر میں مٹھائی بانٹی کہ لوگوں کے ذہنوں میں کوئی بات نہ رہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"آپ نے مجھے یہ سب کچھ پہلے کیوں نہیں بتایا؟" کئی ثانیوں بعد تھکی تھکی سی آواز سنائی دی۔

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم جذباتی ہو کر کوئی انتہائی فیصلہ نہ کر لو۔"

"ماموں جان کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے اللہ کا بڑا کرم ہے۔ شروع میں کافی سیریس کنڈیشن رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوتا گیا ہے۔ سعود آفس جاتا ہے۔ اب تو نوشی کی بات بھی طے ہو گئی ہے۔ دونوں بہنوں کے ایگزامز ہو رہے ہیں۔ ایگزامز کے فوراً بعد نوشی کی شادی کی تاریخ رکھی ہے۔ اپنی بیماری کی وجہ سے سعود اب جلد از جلد نوشی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔ سعد! سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے تمہیں سب بتا دیا ہے۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے ضرور سوچو مگر یہ خیال رکھنا تمہاری ماں کی عزت کا سوال ہے۔ فرح تو میری بھی خواہش تھی مگر زرش کو بھی تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی کہ وہ بھی میرے دل کا ٹکڑا ہے۔" آخر میں ان کی آواز نم آلود ہو گئی تھی۔

"تم یہاں نہیں ہو۔ تم یہاں ہوتے' سب حالات آنکھوں سے دیکھتے تو تمہارا بھی یہی فیصلہ ہوتا۔ تمہاری بہنوں' بہنوئیوں' باپ' بھائی سب کے مشورے پر یہ رشتہ طے کیا ہے۔ سب کچھ سوچ سمجھ کر صرف جذباتیت میں بھائی کے سامنے جھولی نہیں پھیلائی تھی۔ سب حالات کا تجزیہ کیا تھا۔ تمہاری خواہش' تمہارے احساسات کا بھی سوچا تھا' میری جان۔"

ان کی آواز میں آنسوؤں کی لرزش تھی۔ دوسری طرف موجود سعد کے دل پر بڑے عجیب انداز میں اثر ہوا تھا۔

"امی جان! پلیز روئیں نہیں۔ میری خواہش' میرے احساسات آپ سے بڑھ کر تو نہیں۔ پلیز روئیں نہیں۔"

وہ جتنا بھی اکھڑ مزاج اور ضدی ہو مگر ماں کو روتے نہیں دیکھ سکتا تھا اور ماں بھی وہ جس نے ہمیشہ ہر جائز ناجائز میں ساتھ دیا تھا۔ ایسے عالم میں وہ کیسے اپنی ضد پر قائم رہ پاتا جب کہ اب تو ماں کی زبان' اس کی عزت کا سوال تھا۔

"امی پلیز! روئیں نہیں۔ آپ مجھے یہ سب پہلے بتا دیتیں تو میں یوں ری ایکٹ ہی نہ کرتا۔ بہرحال مجھے کچھ وقت دیں سنبھلنے کے لیے۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے۔ ابھی یہ سب کچھ بہت تکلیف دہ ہے۔"

"میں سعود سے شادی کی بات کر چکی ہوں' سعد۔" سعد کا ایک دم تھکا تھکا انداز انہیں تڑپا گیا تھا۔

"امی پلیز' آپ ابھی مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کریں تو بہتر ہے۔" اس نے فوراً ٹوک دیا تھا۔

"اچھا نہیں کرتی مگر یہ تو بتاؤ کہ پاکستان کب آ رہے ہو؟"

"ابھی جاب شروع کی ہے۔ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" انداز صاف ٹالنے والا تھا۔ کہاں وہ آنے کو ان کن رہا تھا اور اب کہاں ٹالتا انداز۔ نفیسہ بیگم کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔

"تم تو پاکستان آ کر اپنا کلینک اسٹارٹ کرنا چاہتے تھے۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں دیکھے ہوئے۔ اس فیصلے کی سزا اب مجھے یوں تو نہ دو۔ بس واپس آ جاؤ۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔"

"امی جان' پلیز! ابھی میں واپس نہیں آنا چاہتا۔ میرے لیے یہ سب کچھ ایک دم برداشت کر لینا بہت مشکل ہے۔ پھر بھی میں سوچوں گا۔ واپس تو مجھے پاکستان ہی آنا ہے۔ یہاں کیا ہے میرا اپنا۔ آپ لوگ میرے اپنے سب وہیں تو ہیں۔ آپ لوگوں سے میں بھلا کٹ کر رہ سکتا ہوں؟" سعد کے ان جذباتی لفظوں سے نفیسہ بیگم کے دل کو بڑی تقویت حاصل ہوئی تھی۔

ایک دم یقین مستحکم ہوا تھا کہ اب کچھ بھی ہو ان کا بیٹا ابھی بھی ان کی مانتا ہے۔ ان کو اہمیت دیتا ہے۔ دل خوشی سے سرشار ہوا تھا۔

* * *

واجدہ بیگم چند دن اسپتال میں رہی تھیں۔ بے شک انہوں نے ابھی چلنا پھرنا شروع نہیں کیا تھا مگر مصنوعی ٹانگ کے سہارے وہ اب بغیر کسی کے سہارے اٹھ کر بستر پر بیٹھ جاتی تھیں۔ یہ اچھی خاصی امپروومنٹ تھی۔ رفعت باجی ابھی تک رکی ہوئی تھیں۔ اماں گھر منتقل ہوئیں تو شارق نے ان کے لیے فی میل نرس کا بندوبست کر دیا جو نہ صرف ان کی ضروری حاجات میں مدد کرتی تھی بلکہ روز چلنے کی پریکٹس بھی کرواتی تھی۔ پھر رفعت باجی اور نویرہ دونوں خود بھی اماں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اماں تو اتنی ساری محبت و توجہ پا کر دنوں میں تندرست ہو رہی تھیں۔ شارق زمان نے بے شک ظلم کیا تھا مگر وہ ان کے حق میں نویرہ کو اس گھر میں لا کر نیکی ہی کر گیا تھا۔ وہ تو گویا ساری زندگی کی فکروں سے آزاد ہو کر ہر وقت اپنے بچوں کے لیے دعاؤں میں کوشاں رہتی تھیں۔

شارق ہنی مون ٹرپ کے لیے دبئی جانا چاہتا تھا مگر نویرہ نہیں مانی تھی۔ اماں' رفعت باجی دونوں نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ چلی جائے مگر ہمیشہ شارق کے سامنے اپنی انا کو جھکا دینے والی نویرہ نے ان کی یہ بات نہیں مانی تھی۔ مجبوراً شارق کو کہیں جانے کا پروگرام ہی کینسل کرنا پڑا تھا۔ نویرہ کو شارق کی اس پسپائی سے بڑی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ تھی تو یہ بھی ایک خود غرضی ہی مگر وہ مطمئن ہی تھی۔ بے شک وہ شارق کے گھر آباد ہو چکی تھی' بے شک وہ اسے اپنا شوہر تسلیم کر چکی تھی مگر وہ اس کی دھاندلی' اس کے ظلم کو نہ بھولی تھی۔

شارق کے ساتھ اس کا رویہ ویسا ہی تھا' کبھی مصلحت آمیز اور کبھی ڈٹ جانے والا۔ اوّل روز سے اس نے جو اسے اپنے برے رویے کا احساس دلانے کا تہیہ کیا ہوا تھا اس پر قائم تھی۔

تین دن سے وہ اماں کے ہاں آئی ہوئی تھی۔ اماں اسے کچھ کہنے کے بجائے ہر بار شارق کے ساتھ نباہ کرنے کی صلاح ضرور دیتی تھیں۔ نبیلہ بھابی بھی کچھ نہ کچھ نصیحت ہی کرتی تھیں مگر نبیل بھائی اس گھر میں وہ واحد شخص تھے جو اسے دیکھ کر کچھ نہیں کہتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے مخاطب بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کے دل میں ابھی تک شارق زمان کو مزا چکھانے کی آگ دہک رہی تھی۔

ساجد بھائی اور فضی بھابی پچھلے ہفتے ہی واپس چلے گئے تھے۔ وہ صرف شادی میں شرکت کے لیے پاکستان آئے تھے۔ اب تو شادی کے ہنگامے سرد پڑے بھی کئی دن گزر چکے تھے۔

دوپہر کو رفعت باجی کا فون آیا تھا۔ انہوں نے اسے واپس آنے کو کہا تھا۔ وہ ابھی چند دن قیام کرنا چاہتی تھی مگر سہ پہر میں شارق کا بھی فون آیا تو اسے ماننا ہی پڑی۔

ہمیشہ کی طرح شارق زمان نے اسے صرف حکم دیا تھا۔ اس کے نزدیک یہ تین دن اماں کے ہاں رہنے کو کافی تھے۔ وہ شام کو لینے آ رہا تھا۔ اماں اور بھابی کو بتا کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ تیار ہونے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر اس گھر میں شارق زمان کے علاوہ واجدہ بیگم اور رفعت باجی بھی تھیں۔ تیار ہو کر وہ نکلی تو بھابی نے اسے زبیدہ چچی وغیرہ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"اماں کہہ رہی تھیں محتاط رہنا۔ چچی کچھ پوچھیں تو بات سنبھال لینا۔" نصیحت کے ساتھ وہ اسے سمجھا کر کمرے سے نکل گئیں تو نویرہ کا کوفت سے برا حال ہونے لگا۔ شادی کے بعد سے ہر ایک کی زبان پر صرف ایک ہی سوال ہوتا تھا۔

"خوش تو ہو؟ شارق کیسا شوہر ہے؟ نواز کے حوالے سے کچھ کہتا تو نہیں؟" اور وہ ہر بار ایک نئی اذیت سے دوچار ہو جاتی تھی۔ چچی کے ساتھ رمشا اور رضا بھی تھا۔ وہ سب سے خوش دلی سے ملی تھی۔

"تم کہاں ہوتے ہو رضا۔ کبھی نظر ہی نہیں آتے؟"

واجدہ اماں کے اسپتال ایڈمٹ ہونے کے دوران سب سے ہی ملاقات ہوتی رہتی تھی سوائے رضا کے۔ اب بھی سب سے سلام دعا کے بعد وہ رضا کے سامنے ہی کشن پر بیٹھ گئی تھی۔ رضا نے ایک نگاہ ڈالی تھی۔ پنک لباس میں نکھری نکھری سی نویرہ نے اس کے احساسات کو بڑی بری طرح مجروح کیا تھا۔

"میں تو اسی شہر میں ہی ہوتا ہوں' آپ ہی شاید کچھ مصروف ہو گئی ہیں۔" ایک شکوہ سا تھا۔

"اچھا۔" وہ ہنس دی تھی۔ نویرہ کی یہ مدھر ہنسی اس کے اعصاب پر ایک بوجھ ثابت ہوئی تھی۔

"بڑے کمزور لگ رہے ہو۔ خیریت ہے نا' کہیں پیار و بیمار تو نہیں ہو گئے؟" بڑے غور سے رضا کو دیکھا۔ رمشا کو بڑی تپش کا احساس ہوا۔ وہ رضا کے معاملے میں بھلا کہاں چونکنے والی تھی۔ ایک جلن کا احساس پیدا ہوا تھا۔

"نہیں' ٹھیک ہوں میں۔" رضا فوراً سنبھلا تھا۔ رمشا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ مچلی تو رضا اپنا پہلو بدل کر رہ گیا۔

"آپ سنائیں کیا ہو رہا ہے آج کل؟" رمشا کو نظر انداز کرتے اس نے نویرہ کی خود سے توجہ ہٹانی چاہی۔ یہ بھی بڑے دل گردے کا کام تھا۔ وہ تو یونہی امی اور رمشا کے ساتھ ان کو چھوڑنے چلا آیا تھا۔ یہیں آ کر علم ہوا تھا کہ نویرہ بھی ادھر ہی ہے۔ وہ تو فوراً چھوڑ کر جانے کو تھا' نویرہ کا نام سن کر دل دیکھنے کو مچل اٹھا تھا اور اب دیکھ لینے کے بعد دل کی وحشتوں میں اور ہی اضافہ ہوا تھا۔

"کیا ہونا ہے' سارا دن گھرداری اور بڑی اماں کی دیکھ بھال میں گزر جاتا ہے۔ آج کل ادھر ہوں تو فراغت ہی ہے۔"

چچی زبیدہ' اماں سے باتوں میں مصروف رہی تھیں۔ اماں کے اشارہ کرنے پر وہ اٹھ کر کچن میں بھابی کا ہاتھ بٹانے آ گئی تھی۔ اماں اسے کسی رشتہ دار کے پاس کم ہی بیٹھنے دیتی تھیں کہ خوامخواہ ہی کوئی بات نکل گئی تو دل خراب ہوں گے۔ نواز کا انکار ایک دم یوں شارق کے ساتھ رخصتی کچھ بھی تو بھلانے والا نہ تھا۔ چاہے کوئی کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو یہ ذکر ضرور چلتا تھا اور اس ذکر میں سوائے اذیت و تکلیف کے اور تھا ہی کیا اور اماں کی پوری کوشش تھی کہ پچھلے تمام حالات و واقعات کو بھلا کر نویرہ شارق کی موجودہ حیثیت کو قبول کرے کہ اب ساری عمر اسی کے ساتھ ہی تو رہنا تھا پھر کچھ کہہ کر کچھ پوچھ کر خوامخواہ نویرہ کا دل کیوں خراب کیا جائے۔

مغرب سے کچھ پہلے نبیل بھائی بھی گھر آ گئے تھے اور جب شارق کے آنے کا پتا چلا تو ان کا غصہ حد سے بڑھا تھا۔ شادی کے بعد پہلی دفعہ شارق ان کے ہاں آ رہا تھا۔

"تم فون کر کے اس شخص کو منع کر دو کہ وہ یہاں نہ آئے۔ اگر اس نے ہمارے گھر کی دہلیز بھی پار کی تو میں اسے شوٹ کر دوں گا۔"

وہ کچن میں ہی تھی جب غصے سے کھولتے نبیل نے اس کا بازو پکڑ کر اسے وارن کیا تھا۔

"کیا کرتے ہیں نبیل' پلیز آہستہ بولئے۔ چچی وغیرہ سب باہر ہیں۔ آپ کو اس لیے تو نہیں بتایا کہ اس بے چاری کی شامت لے آئیں۔" نبیلہ بھابی فوراً درمیان میں بولی تھیں۔

"اگر یہ اسے منع نہیں کر سکتی تو یہ بھی مت آیا کرے۔ اسے دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے ہر حد سے گزر جاؤں۔" نویرہ تو ششدر رہ گئی۔ اتنا غصہ' اتنی نفرت۔

"پلیز نبیل بھائی' میں خود اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ آپ لوگوں نے مجھے اس کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اب مجھ کو الزام کیوں دے رہے ہیں۔"

"سارا قصور تمہارا ہے۔" بے دھڑک کہا گیا۔

"نبیل!" بھابی نے غصے سے ٹوکا تو نویرہ دھک رہ گئی۔

"نبیل بھائی……!"

آج نبیل کی خاموشی ٹوٹی تھی۔ اس کے اندر کے غبار نے راہ پائی تھی۔

"یہ اس شخص کی طرف سے مشکوک تھی۔ اس نے اپنے گھر میں اس کے ساتھ جو بھی کرنا چاہا ہمیں بتاتی' ہم مر نہیں گئے تھے۔ اس کی چپ' اس کی شہ نے اسے ہر حد پار کرنے پر اکسایا تھا اور ہم اتنے بے غیرت تھے کہ اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتے چلے گئے۔ جی چاہتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی گولی سے اڑا لوں۔"

نبیل کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ نویرہ بے یقینی سے منہ پہ ہاتھ رکھے دیکھے گئی۔ یہ سارے الزام بھی سہنے تھے۔ بھائی کی بے اعتنائی بھی دیکھنی تھی۔

"نبیل! کیا بات ہے؟" اماں کی آواز پر نویرہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ بے یقینی سے نبیل کو دیکھتی اماں کو دیکھنے لگی جو شاید نبیل کی آواز سن کر ہی اندر آئی تھیں۔

"اماں! شارق کو کہیں وہ یہاں نہ آئے۔ اگر اس نے ہمارے گھر کی دہلیز بھی پار کی تو میں اسے گولی سے اڑا دوں گا۔"

نویرہ کو دیکھا جو آنسو روکنے کی کوشش میں تھی۔

"نبیل' آہستہ بولو۔ اب جو ہو چکا اس پہ ماتم کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اپنے جذبات پر کنٹرول کرو۔ اب یہ مت بھولو شارق تمہارا بہنوئی بھی ہے۔ جیسا بھی ہے' جو بھی کر چکا ہے اب ہمیں حالات کے مطابق چلنا ہو گا۔" انہوں نے دھیمی آواز میں سمجھایا تو وہ بھڑک اٹھے۔

"نہیں اماں! میں آپ کی سب قسموں کو توڑ دوں گا۔ اگر اس نے یہاں قدم بھی رکھا تو یہ سمجھا دیں اس کو بھی۔"

نویرہ کی طرف اشارہ کرتے وہ غصے سے پیر پٹختے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔ کتنی اجنبیت اور بے حسی تھی نبیل کے لہجے میں۔ نویرہ تو ابھی تک سکتے میں تھی۔

شارق زمان کو نبیل بھلے کچھ بھی کہہ لیتا مگر اس کو جو مورد الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ کٹ سی گئی۔ وہ تیزی سے منہ پہ ہاتھ رکھے کچن سے باہر بھاگی۔

"نویرہ!" اماں تو اس صورت حال سے گھبرا گئی تھیں۔ نویرہ کو پکارا مگر وہ کچھ سنتی تو رکتی بھی۔ اس کا رخ باہر کی طرف تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلی تھی مگر اسے ٹھٹک جانا پڑا تھا۔ کچن کی باہر صحن کی طرف کھلتی کھڑکی کے پاس کھڑا رضا حمید ساکت رہ گیا تھا۔

پتا نہیں وہ کیا کچھ سن چکا تھا۔ وہ ساکت سا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر ضرور تھا کہ نویرہ چونکی تھی۔

"نبیل بھائی کیا کہہ رہے تھے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

نویرہ کو لگا جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ لرز گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی' فضا میں بکھرتی گاڑی کے تیز ہارن کی آواز اسے متوحش کر گئی تھی۔

اتنے سارے لوگوں میں تماشا بن جانے کے احساس نے ہی اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر دی تھیں۔

شارق زمان آ چکا تھا۔ اس کی گاڑی کا ہارن گیٹ کھلنے کا منتظر تھا۔ ہارن کی آواز سن کر نہ صرف نبیل باہر نکل آیا تھا بلکہ اماں اور نبیلہ بھابی بھی ہراساں سی چلی آئی تھیں۔

"نبیل! بات سنو۔ تم اندر چلو۔ کوئی ضرورت نہیں باہر جانے کی۔ میں خود دیکھ لوں گی۔" اماں نے اندرونی خوف پر قابو پاتے نبیل کو روکا تھا۔

"تو پھر آپ اسے منع کر دیں' وہ اندر نہیں آئے گا۔" وہی اکھڑا بے لحاظ انداز۔

اماں نے بے بسی سے رضا کو دیکھا جو ناسمجھی میں سب کو دیکھ رہا تھا۔

"رضا! تم نبیل کو لے کر اس کے کمرے میں چلو۔ جاؤ' نویرہ تم بھی اندر۔ نبیلہ تم کچن دیکھو۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔" اماں نے سختی سے سب کو حکم سنایا تھا۔

"اماں!" نبیل نے کچھ کہنا چاہا تو اماں نے ٹوک دیا۔

"تم میرا تماشا بنوانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے جاؤ گیٹ کھولو۔ میں بھی تو دیکھوں میرے بیٹے کو میری زبان کا کتنا پاس ہے۔ جاؤ کھولو گیٹ۔" اتنی سختی سے اماں نے کہا کہ نبیل غصے سے لب بھینچ گیا۔

"آئندہ اسے سمجھا دیں وہ یہاں نہیں آئے گا۔ چاہے مجھے نویرہ سے ہی تعلق توڑنا پڑے۔ میں لحاظ نہیں کروں گا۔" نبیل نے غصے سے پاؤں پٹختے اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

رضا تو لحہ بہ لحہ حیرت سے دوچار ہو رہا تھا۔ یہ سب کیا تھا۔ اسے یہ معمہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر ان سب کا مقصد کیا تھا؟ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے نویرہ کو دیکھا جو ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ البتہ نبیلہ جا چکی تھیں۔

"رضا' جاؤ گیٹ کھولو۔ شارق ہو گا اسے لاؤنج میں ہی لے آنا۔" اماں نے رضا سے کہا تو وہ گیٹ کی طرف چلا گیا تھا۔ نویرہ ویسے ہی کھڑی رہی۔ دل تو ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔ نہ جانے اگلے لمحے کیا ہونے والا تھا۔

بے شک اماں کے اندر معاملے کو سلجھا لینے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی مگر وہ مسلسل خوفزدہ تھی۔ شارق اندر چلا آیا تھا' رضا کے ساتھ قدم سے قدم ملاتا۔ نویرہ کا اس لمحے بس نہیں چلا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

کیا ہر بار ہی اس گھر میں آنے پر وہ ایسی ہی اذیت سہا کرے گی؟ اس سوال نے اس کے اندر اودھم مچا رکھا تھا۔

اماں کے اشارہ کرنے پر وہ مردہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف ہو لی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر بھی اس کا دل ہول رہا تھا۔ نبیل کا آج کا رویہ اسے اپنی ہی نظروں سے گرا گیا تھا۔ بہنیں تو بھائیوں سے ہمیشہ ہی خائف رہتی ہیں پھر وہ شارق سے متعلق نبیل کو بتاتی بھی تو کیا؟ اس کے لیے شرم سے مر جانے کا مقام تھا۔ وہ خود شارق کی طرف سے بدظن تھی یا شارق نے اس رات اپنے گھر میں جو بھی کیا تھا کیا وہ بتانے والا تھا۔ وہ تو خود ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گئی تھی اور ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ نبیل خود ہی باخبر ہو گیا تھا۔ پھر وہ کب اور کیونکر بتاتی۔ کیونکر؟ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

گھر میں اس وقت چچی' رمشا اور رضا بھی تھے۔ اگر نبیل واقعی اپنی کرنی پر آ جاتے تو؟ تماشا تو پہلے ہی بن چکی تھی رہی سہی کسر اب پوری ہو جائے گی۔ وہ تو اپنوں کی نظروں سے ہی گر جائے گی۔ پتا نہیں باہر کی صورت حال کیا تھی۔ باہر کیا ہو رہا تھا۔ وہ تو اندر اپنے ہی خوف میں مبتلا یہ مشکل وقت نکل جانے کے لیے

دعا گو تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونکی تھی۔ گھبرا کر دروازے کو دیکھا۔ رضا حمید کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنے رخسار رگڑے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ نبیل بھائی ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" جو سوال اسے الجھا رہے تھے' کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے لب کشائی کی تھی۔

"کچھ نہیں...... بس نبیل بھائی اور شارق کا آپس میں تھوڑا بہت کلیش ہو گیا ہے' بس اسی لیے۔" نظریں چراتے اس نے اسے ٹالنا چاہا تھا۔

"کوئی سیریس بات ہے؟" وہ بہت متفکر تھا۔ نویرہ نے پھر چونک کر دیکھا۔ رضا پوری طرح متوجہ تھا۔ ایک پل کو وہ ٹھٹکی تھی۔ یہ پریشانی' یہ متفکر انداز کچھ بے جا تو نہ تھا۔ تواز کے انکار کے بعد رضا کا رشتہ بھی آیا تھا اور یقیناً یہ ساری کارروائی اس کی مرضی سے ہی ہوئی ہوگی۔ پہلی دفعہ نویرہ کے ذہن میں اس خیال نے گردش کی تھی۔ اس نے بغور دیکھا۔ اونچا لمبا کسرتی جسم کا مالک' ڈیل ڈول میں نبیل یا شارق سے کسی طور بھی کم نہ تھا۔ وہ تو اسے ہمیشہ ایک کم عمر چچازاد سمجھ کر ڈیل کرتی رہی تھی۔ پھر ایج ڈیفرنس اور اپنی بڑائی کا خیال ہمیشہ رہا تھا کہ کبھی ایسا ویسا خیال ذہن کو نہیں چھوا تھا مگر اب رضا کا متفکر انداز اسے چونکا گیا تھا۔

"ہوں' بس نارمل سی بات ہے۔" وہ بستر سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

رضا نے صاف محسوس کیا کہ نویرہ اس سے کچھ بھی ڈسکس کرنا نہیں چاہتی۔ اس کے اندر اذیت کی لہر اٹھی تھی۔ منہ دھو کر کمرے میں لوٹی تو وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

"رضا!" نویرہ نے پکارا تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ "پلیز! تم اس سب واقعے کا ذکر کسی سے بھی نہیں کرو گے پلیز۔" وہ ہاتھوں کو مسلتی اس کے سامنے تھی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ آپ سے متعلق بات تو میں پہلے بھی کبھی کسی سے نہیں کرتا اب بھلا کیوں کروں گا۔" وہ تو اس پر خوش ہو گیا تھا کہ نویرہ نے اسے کسی قابل تو جانا۔

"چچا جان اور رمشا سے بھی نہیں۔" اس نے مزید تاکید کی۔

"آپ نے اعتماد کیا ہے تو مکمل کریں۔" جواباً بڑے خلوص سے کہا تھا۔ نویرہ کو اپنے کندھوں سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"تھینکس۔ تم بہت اچھے ہو۔" وہ اب مسکرائی تھی۔ اس سے پہلے کہ جواباً رضا کچھ کہتا' شارق زمان کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ کو رضا کو نویرہ کے کمرے میں دیکھ کر چونکا تھا پھر سر جھٹکا۔

"السلام علیکم۔" نویرہ کو دیکھتے قدم بڑھائے تھے۔

نویرہ جو پہلے ہی ایک عذاب سے گزر رہی تھی' شارق زمان کو دیکھ کر پھر بکھر گئی۔ بجائے سلام کا جواب دینے کو اس نے سختی سے ہونٹ بھینچے تھے۔ ساتھ ہی رخ بھی بدلا۔ رضا نے دونوں کے درمیان موجود رنجش بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔ خاص طور پر نویرہ کے چہرے پر بکھر جانے والے ناگواری و نفرت کے تاثرات۔

"کیا ہو رہا ہے؟" محسوس تو شارق بھی کر چکا تھا مگر پچھلے تاثر کو زائل کرنے کو اس نے خوش اخلاقی سے

رضا کو دیکھا۔

”کچھ خاص نہیں۔ یونہی بات چیت ہو رہی تھی۔“ نویرہ ریک میں رکھے بیگ کو کھول کر کچھ تلاش کرنے لگی تو رضا نے جواب دیا تھا۔ اسے دونوں میاں بیوی کا انداز بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ پھر نویرہ کے ساتھ شارق زمان کو دیکھتے ہی ایک تکلیف کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ یہ جلن نہیں تھی‘ نہ ہی حسد تھا۔ بس اپنے ہار جانے کی اذیت تھی۔ یہ احساس گہرا ہوا تو فوراً گھبرا گیا۔

”میں چلتا ہوں۔ دیکھوں امی وغیرہ واپسی کے لیے تیار ہوئی ہیں یا نہیں۔“ وہ فوراً اس ماحول سے نکل گیا تھا۔

”کیا بات ہے‘ تمہارا موڈ کس لیے خراب ہے؟“ رضا کے جاتے ہی شارق نے نویرہ کو دیکھا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر گھور کر شارق زمان کو دیکھا۔ جی چاہا کہ ایک لمحے میں سارے حساب بے باق کر لے۔ روئی سوجھی آنکھیں۔ شارق تو ٹھٹک ہی گیا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔ یہ چہرہ کیوں خراب کیا ہوا ہے؟“ وہ فوراً اس کے قریب آیا تھا۔ اس کے چہرے پہ ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے سختی سے جھٹک دیا۔ بپھرے انداز میں پیچھے ہٹی تھی۔

”ہاتھ نہ لگاؤ مجھے۔“ انداز اس سے بھی زیادہ مشتعل تھا۔

”کیوں! ایسا کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے کہ ہاتھ نہ لگانے کی دفعہ عائد کر رہی ہو؟“

”جرم...... شارق زمان‘ جو کچھ آپ کر چکے ہیں اس کے لیے تو پھانسی کی سزا بھی کم ہے۔“

”کم عقل بیگم صاحبہ! آپ کو زندگی میں شامل کر کے سزا بھگت تو رہے ہیں۔ اس سزا کے سامنے تو پھانسی کی سزا بھی کم ہے۔“ ہنستے ہوئے نویرہ کے زہرخند لہجے کو اگنور کیا گیا تھا۔

”میرے ساتھ یہ ڈرامے بازیاں نہیں چلیں گی۔ کان کھول کر سن لیں‘ شارق صاحب۔“ شارق کی ہنسی نے جلتی پہ تیل کا کام کیا تھا۔ وہ تو فوراً بھڑک اٹھی تھی۔

”اوکے! نہیں کرتے ڈرامے بازیاں‘ حقیقت میں رومانس لڑا لیتے ہیں۔ ادھر آؤ تو‘ دور سے یہ تیکھا زہریلا انداز ہضم نہیں ہو رہا۔“ بازو سے پکڑ کر فوراً اپنے قریب کیا۔

نویرہ تو مچل اٹھی تھی۔ ”چھوڑیں مجھے۔ گھن آتی ہے مجھے آپ سے۔“ اس کی نفرت کا وہی عالم تھا۔

”نویرہ۔“ وہ شارق زمان کے حصار سے نکلنے کی کوشش میں تھی۔ ان الفاظ پہ اس نے سختی سے ٹوک دیا۔ اس سختی سے ٹوکنے پہ اپنے آپ کو سنبھالتی نویرہ پھر رو دی۔ نبیل کے الفاظ نے اسے بڑا کم حوصلہ کر دیا تھا۔ بات بے بات آنکھیں بہنے کو بے تاب تھیں۔

”آخر کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے۔ رو رو کر ان خوبصورت آنکھوں کا ستیاناس کیوں کر رہی ہو۔“ شارق زمان حیران ہوا تھا۔

وہ جتنا خود پہ کنٹرول کرنے کی کوشش میں تھی‘ آنسو بہتے چلے آ رہے تھے۔

”یار چپ بھی کرو یا کوئی وجہ تو بتاؤ۔“ اسے کسی بھی طرح خاموش ہوتے نہ دیکھ کر وہ جھنجلا گیا تھا۔

”تم خاموش ہوتی ہو یا میں باہر جا کر کسی سے پوچھوں؟“ اب کی بار سختی سے ٹوکا تو نویرہ نے بڑی

شاکی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ اپنے گرد پھیلے بازوؤں کا حصار توڑتے میز پہ جا بیٹھی۔

”کیا ہوا تھا؟“ وہ بھی مقابل بیٹھا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ میز پہ نگاہیں جمائے اپنے مخصوص لاتعلق والے انداز میں لوٹ گئی تھی۔ شارق زمان چند پل اسے دیکھتا رہا تھا۔

”اوکے! جب کچھ نہیں ہوا تو پھر رونا دھونا بھی بند کرو۔ تیار ہو جاؤ۔ چچی جان سے میں کہہ چکا ہوں۔ بس چلنے کی کرو۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نویرہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ اس شخص کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی مگر وہ کتنی مجبور تھی۔ رہی سہی کسر نبیل کے رویے نے پوری کر دی تھی۔ ایک پل کو جی چاہا کہ جانے سے صاف انکار کر دے۔

”اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ جلدی کرو۔ ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔ چند دوستوں کی مکس گیدرنگ ہے۔ مجھے وہاں بھی جانا ہے۔“ اسے اسی طرح بیٹھے دیکھ کر شارق زمان نے سنجیدگی سے ٹوکا تو وہ پھٹ پڑی۔

”تو کس نے کہا تھا مجھے لینے آنے کو۔ جہاں جانا ہے آپ چلے جائیں۔ مجھے نہیں جانا آج۔“ اس شخص کی وجہ سے وہ کیا سے کیا بن گئی تھی۔ اپنا آپ مارنا پڑ رہا تھا۔ رشتے ناتے سب ایک ایک کر کے یہ شخص چھینتا جا رہا تھا۔

”نویرہ!“ نویرہ کے یوں بے دھڑک انکار پہ شارق زمان نے سختی سے ٹوکا۔ ”اس سب کا مقصد کیا ہے؟“ اب کی بار غصے سے گھورا۔

”آپ کو بھی اتنی ہی تکلیف سے دوچار کرنا جس قدر میں سہہ رہی ہوں۔ آج صرف اور صرف آپ کی وجہ سے میرا بھائی مجھ سے ہر ناتہ توڑنے کی بات کر رہا ہے۔ صرف آپ کی وجہ سے۔ نبیل بھائی کو آپ کا وجود اس گھر میں گوارا نہیں اور آپ کی وجہ سے میں......“ نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حد سے گزر جائے۔ ایک لمحے کو شارق زمان کو خاموشی کی ردا نے اپنے حصار میں لیا تھا۔

”اوہ آئی سی۔ اس بات پہ اتنا رونا دھونا مچا ہوا ہے۔ میں سمجھا نہ جانے ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو محترمہ ایسا بی ہیو کر رہی ہیں۔“

”یہ اتنی سی بات نہیں ہے‘ شارق زمان صاحب۔ صاف مجھ کو رگیدا جا رہا ہے اور صرف آپ کی وجہ سے۔ آج نبیل بھائی صرف آپ کی وجہ سے منع کر رہے ہیں۔ کل کو ہر رشتہ ناتہ توڑ دیا تو میں کیا کروں گی۔ آپ کے لیے یہ ذرا سی بات ہے‘ میرے لیے مر جانے کا مقام ہے۔“ وہ شارق زمان کے نارمل انداز پہ فوراً چیخی تھی۔

”آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا سب سے اپنے رویے کی معافی مانگنے کا۔ اماں‘ نبیل بھائی‘ ساجد بھائی وغیرہ سب سے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ اپنی ہر غلطی قبول کریں گے۔ جو کچھ بھی کر چکے ہیں آپ اس کی معافی مانگیں گے۔“ وہ ہر لحاظ بھلائے نہایت بے مروتی سے گویا تھی۔ شارق زمان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تو میں کب انکاری ہوں' میری جان۔ جو کچھ میں کر چکا ہوں مجھے پتا ہے۔ وہ کسی بھی لحاظ سے سوٹ ایبل نہ تھا مگر تب تمہارے حصول کے لیے مجھے اس سے بہتر کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اگر میں یہ سب نہ کرتا تو آج تم میرے سامنے نہ ہوتیں۔ تم میری غلطیوں پر نظر رکھے ہوئے ہو۔ میری محبت کی انتہا بھی تو دیکھو۔ تمہارے لیے سارے خاندان سے ٹکر لی ہے۔ گویا موت کے منہ میں ہاتھ ڈالا تھا۔ تمہاری خاطر تو سب سے معافی کیا پیر بھی چھونے پڑے تو کر لوں گا' مگر آج نہیں۔ آج میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ تم بس تیار ہونے کی کرو۔ ہری اپ یار۔"

"تو ٹھیک ہے۔ جب آپ کے پاس فرصت ہو۔ وقت ہو' آ جائیے گا۔ میں بھی چلنے کو تیار رہوں گی۔" نویرہ نے صاف رکھائی سے جواب دیتے چہرہ بھی موڑا تو شارق زمان کا غصے سے برا حال ہوا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا اور کچھ نہیں۔ نویرہ' یہاں بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال میرے ساتھ چلو۔ ہم پھر آ جائیں گے۔" نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے اسے سمجھانا چاہا تو نویرہ نے ایک دم بات کاٹ دی۔

"ہرگز نہیں۔ آپ چلے جائیں۔ میں اسی صورت میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اگر میری فیملی آپ کو معاف کرتی ہے ورنہ نہیں۔ خاص طور پر نبیل بھائی۔ اپنے بھائی کی نظروں میں میرا جو مقام تھا وہ برقرار رکھنا ہوگا آپ کو ورنہ آپ مجھے جانتے نہیں۔ اگر میں آپ کے گھر کو آباد کر سکتی ہوں تو برحد بھی کراس کر سکتی ہوں۔ پھر مجھے الزام مت دیجیے گا' شارق صاحب۔"

شارق زمان نے چند پل صرف نویرہ کے تیوروں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ وہ کس حد تک اپنی بات پر عمل کرنے والی ہے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم آرام سے ساتھ چلنے والی نہیں ہو۔"

"جی نہیں' میں آرام سے ساتھ چلی جاؤں گی اگر آپ کو نبیل بھائی اس گھر میں آنے کی اجازت دے دیں تو۔" رو دھو کر وہ اپنے اندر کا غبار نکال چکی تھی۔ اب پھر وہی سختی لہجے میں در آئی تھی جو شارق زمان کے لیے اس کے دل و دماغ میں برقرار تھی۔ جو شارق زمان کی انتھک محنت اور محبت بھی ختم نہ کر پائی تھی۔

"ایسی کی تیسی نبیل کی۔ نبیل اگر اس معاملے کو بگاڑنا چاہتا ہے تو بہت غلط کرے گا اور تم بھی کان کھول کر سن لو اگر اس معاملے کو ایشو بنا کر تم نبیل یا کسی بھی تھرڈ پرسن کا ساتھ دو گی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"تو کیا کریں گے آپ...... ہیں' بولیں' جواب دیں۔ میں ساتھ دوں گی کیونکہ آپ غلط تھے' ہیں اور میں کیوں جھکوں یا ڈروں۔ اگر آپ مجھے پریشرائز کرنے کی کوشش کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ میں اتنی آسانی سے سب بھول جانے والی نہیں ہوں۔" اس نے بھی دو بدو جواب دیا تھا۔ شارق زمان کا ضبط سے برا حال ہوا۔

"نویرہ۔" سختی سے ٹوکا۔

"نویرہ' تم تیار ہو جاؤ۔" اس سے پہلے کہ نویرہ کے بے لچک انداز پر شارق زمان بھی کوئی سختی کرتا' خالدہ بیگم نے فوراً کمرے میں قدم رکھا تھا۔ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر دونوں کو سنتے انہوں نے دونوں کے تیور بھی ملاحظہ کیے تھے۔ اب کے مداخلت ناگزیر ہو گئی تھی سو انہیں اندر قدم رکھنا ہی پڑے تھے۔

"مگر اماں۔" نویرہ ان کو دیکھ کر اور پھر ان کے اس حکم پر فوراً چیخ گئی تھی۔

"شارق' تم باہر چل کر بیٹھو میں نویرہ کو تیار کرواتی ہوں۔" انہوں نے نویرہ کی بات کاٹ کر شارق کی طرف رخ کر کے کہا۔ شارق زمان غصے سے نویرہ کو دیکھ رہا تھا۔ اماں کے کہنے پر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"اماں! میں نہیں جاؤں گی۔"

"تم دونوں بہن بھائیوں نے طے کر لیا ہے کہ مجھے زمانے بھر میں بے عزت کرواؤ گے۔" نویرہ کے انکار پر انہوں نے غصے سے دیکھا۔

"اور جو شارق زمان کر چکا ہے وہ......" وہ تنفر سے گویا تھی۔

"اب تم اس کی بیوی ہو۔ وہ تم پر ہر طرح کا حق رکھتا ہے اور زور زبردستی وہ جب چاہے تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر لے جا سکتا ہے۔"

"اماں! میں ایک الزام لے کر نہیں جی سکتی۔ دل پر جبر کر کے اسے قبول تو کر سکتی ہوں مگر ساری عمر اس الزام کے ساتھ نہیں جی سکتی جو الزام مجھے نبیل بھائی دے رہے ہیں۔ صرف اور صرف اس شخص کی وجہ سے۔" وہ پھر رو دی تھی۔ اماں نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما۔

"تمہیں جینا ہوگا۔ یہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ یہاں مرد سب کچھ کر کے بھی فاتح ٹھہرتا ہے کہ حکمرانی اس کی ہے۔ نبیل تمہاری مجبوری نہیں سمجھ سکتا۔ اسے اپنی بے عزتی نہیں بھولتی۔ اب بات صرف تمہاری یا نبیل کی نہیں' دونوں خاندانوں کی بقا کی ہے۔ وہ قصہ جو ہم بڑی صفائی سے چھپا گئے تھے' لوگوں کی زبان پر ایک دفعہ آ گیا تو آنے والی نسلیں بھی مورد الزام ٹھہرا دی جائیں گی۔ نواز نے جو کیا وہ کھاؤ کم تھا' بے شک وہ شارق کی بات کا یقین کرتا مگر ایک دفعہ تم سے بھی پوچھتا مگر مرد کے دل میں ایک دفعہ بال آ جائے تو ساری عمر نہیں جاتا۔ اچھا ہوا وہ یہ تعلق ہی توڑ گیا۔ شارق اپنے کیے کا بھگتان بھگتنے کو تیار ہے تو تم بھی خاموش ہو جاؤ۔ میں نبیل کو سمجھا لوں گی۔ مرد سب کچھ کر کے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے۔ شارق اتنی آسانی سے معافی نہیں مانگنے والا اور اگر وہ مانگ بھی لے تو کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرے گا اور نہ ہی ہمارا نقصان پورا ہوگا۔ سو مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کی مرضی پر عمل کرو۔ اب وہی تمہارا سب کچھ ہے۔ بھائیوں کی باتوں میں آ کر گھر خراب کرو گی تو حماقت کرو گی اور میں جانتی ہوں میری بیٹی کم عقل اور احمق نہیں۔ سمجھ رہی ہو نا۔"

اماں اسے پیار سے' آرام سے رام کر رہی تھیں۔ وہ بے بسی سے انہیں دیکھے گئی۔ کہنے کو بہت کچھ تھا۔ بہت سے الفاظ' بہت سی دلیلیں مگر اماں کے یقین پر لب جیسے سل گئے تھے۔

اماں کی آنکھوں میں "میری گرتی عزت کی ساکھ بحال رہنے دو" کی جو خاموش التجا تھی' اسے سختی سے لب بھینچ لینے پر مجبور کر گئی تھی۔

* * *

سمعان احمد آفس میں تھا جب فرح کی کال آئی تھی کہ وہ اور علی شاپنگ پر جا رہے ہیں سو سمعان احمد بھی آ جائیں۔ سمعان نے انکار کرنا چاہا تو پھر ارادہ بدل دیا۔ فرح بہت کم ایسی کسی ایکٹویٹی میں ملوث ہوتی تھی اور اگر کبھی کہیں آتی جاتی تھی بھی تو بہت مجبوری میں۔ یقیناً اسے کچھ ضروری شاپنگ ہی کرنا تھی جو اسے کال کر رہی تھی ورنہ اس کام کے لیے امی تھیں مگر جب سے انہوں نے زرش کے ساتھ یہ ڈرامہ کیا تھا گھر کا کوئی بھی مرد ان سے مخاطب نہیں ہوتا تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے خول میں بند زندگی گزار رہا تھا۔ ایسے میں فرح کا بلاوا کچھ خوش آئند ہی تھا۔ سمعان احمد نے تمام ضروری امور کل پر ٹالے تھے۔ گھر پہنچنے پر فرح اور علی تیار ہی بیٹھے تھے۔

سمعان احمد ان کو لے کر جب شاپنگ سینٹر پہنچا تو گھڑی تین بجا رہی تھی۔ نوشی کی شادی طے تھی۔ فرح زیادہ شاپنگ اسی لیے کرنا چاہتی تھی۔ حالات جو بھی تھے مگر نوشی کی شادی میں شرکت لازمی تھی۔ اگرچہ دونوں گھرانوں میں اب وہ پہلے والی آمد و رفت نہ رہی تھی مگر اتنا تو یقین تھا کہ سعود احمد ان لوگوں کو شادی میں سب سے پہلے انوائٹ کریں گے۔ فرح ابھی سے ہی شاپنگ سے فارغ ہونا چاہتی تھی۔ پھر ایگزامز کی وجہ سے گھر سے نکلنے کی شاید فرصت بھی نہ ملتی۔

گھر کی چار دیواری سے باہر کی دنیا کی گہما گہمی وہی تھی۔ وہی رونقیں‘ وہی زندگی کی جولانیوں سے بھرپور تھیں۔ اگر کہیں زندگی ٹھہر گئی تھی تو صرف ان کے اندر سے۔ باہر تو سب کچھ وہی تھا۔

فرح کے اندر یاسیت سر ابھارنے لگی تو اس نے خود کو شاپنگ میں مصروف کر لیا۔ علی اور سمعان اس کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ بہت عرصے بعد وہ بھی زندگی سے بھرپور سانس لے رہے تھے۔ یوں جیسے کہیں کوئی خلا نہیں تھا۔ زندگی کبھی رکی نہ تھی۔ فرح اور علی دونوں کو وہیں چھوڑ کر سمعان اپنی کچھ شاپنگ کے لیے جینٹس شاپس کی طرف چلا آیا تھا۔ اس بڑے سے شاپنگ پلازہ میں ہر طرح کی ورائٹی دستیاب تھی۔

اپنے لیے مختلف چیزوں کی سلیکشن کرتے سمعان احمد کی نگاہ ایک پل کے لیے ٹھٹک سی گئی تھی۔ لائٹ ریڈ کلر اس کے سوٹ میں ملبوس ہم رنگ دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے سر کو ریڈ ہی اسکارف سے ڈھانپے کچھ فاصلے پر کھڑی زرش سعود احمد‘ سمعان احمد کو کئی ثانیے کے لیے ارد گرد سے فراموش کر گئی تھی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ نوشی‘ نفیسہ پھپھو کی ستارہ‘ مسز ہارون آغا اور ان کا بیٹا عثمان بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وہ لوگ شاپ

شاپنگ کے لیے آئے تھے۔ جس طرح وہ مختلف شاپنگ بیگ تھامے ہوئے تھے سمعان کو یہی اندازہ ہوا تھا۔ اس چہرے کو بھلانے کے سمعان احمد نے کئی جتن کیے تھے مگر وہ ملا بھی تو سب وعدے توڑتا نے مصداق دل ایک دم بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس ایک چہرے کے حوالے سے کیا کیا خواب آنکھوں نے نہ سجائے تھے۔ اس ایک وجود کے لیے دل میں کیا کیا ارمان نہ پلے تھے۔ سمعان احمد کے اندر تکلیف کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔ زرش کا سامنا ہو جانے کی شرمندگی ہی ایسی تھی کہ کبھی پلٹ کر اس راستے پر قدم نہ رکھے تھے کہ جہاں گمان ہو کہ وہ مل سکتی ہے اور اب...... ”وہ بھیڑ میں اک اجنبی کا سامنا اچھا لگا“ کے مصداق دل سب حدیں فراموش کر بیٹھا تھا۔ دل چاہا کہ لمحوں میں اپنے اور اس کے درمیان حائل فاصلوں کو سمیٹ لے۔ مگر کیا ان فاصلوں کا سمیٹ لینا واقعی اتنا آسان تھا؟

گزرے کئی واقعات نگاہوں میں گھوم گئے۔ دل و نظر کو بے قابو سا کر گئے تھے۔

نہیں زرش! تمہیں بھول جانا بہت مشکل ہے۔ مگر اب تمہیں کسی اور آزمائش میں نہیں ڈالوں گا۔ کتنا یقین تھا مجھے اپنے آپ پر...... اپنی محبت کی طاقت پر مگر کیا ہوا۔ میرے سامنے میرے ہی حوالے سے تم ہمیشہ کے لیے مورد الزام ٹھہرا دی گئیں اور میں کچھ نہ کر پایا۔ حیران و ششدر دیکھتا رہ گیا۔

یہ سچ ہے زرش! یہ محبتیں بہت بڑی قربانی مانگتی ہیں اور میں نے اپنے دل کے تمام جذبوں کو کسی کال کوٹھری میں دفنا دیا ہے۔ تمام ارمان سب خوابوں کو کہیں پھینک دیا ہے۔ میں سب برداشت کر لیتا اگر بات صرف میری ذات تک رہتی۔ تمہاری رسوائی کیسے برداشت کرتا اور پھر کہنے سننے کو بچا بھی کیا تھا۔ حد بھی تو ہو گئی تھی۔

سمعان احمد نے سختی سے لب بھینچ کر اپنے اندر اٹھنے والے جوار بھاٹے کی شدت کو کنٹرول کیا ورنہ دل تو یہ چند قدموں کا فاصلہ ایک پل میں سمیٹ لینے کو مچل رہا تھا۔

وہ لوگ اپنی ہی خوش گپیوں میں مصروف ہینگرز میں لٹکے ملبوسات کو دیکھتے آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔

سمعان احمد کی نگاہ نے دور تک سرخ لباس میں ملبوس وجود کا پیچھا کیا تھا۔ وہ لوگ نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو دل میں اودھم مچاتے طوفان نے بڑے ماتمی انداز میں اطراف میں نگاہ ڈالی تھی۔

”کیا ہوا بھائی! خیریت؟“ علی کی پرتشویش آواز اپنے عقب سے سنائی دی تو سمعان احمد چونکا۔ کئی پل گزر جانے کے باوجود سمعان احمد کی نگاہیں اس منظر میں شاید کھو گئی تھیں۔

”اوہ...... آ گئے تم لوگ۔“ سمعان نے اپنے آپ کو سنبھالتے مسکرا کر پوچھا تو فرح نے بغور دیکھا۔ زرش وغیرہ کو پلازہ سے نکلتے‘ اندر داخل ہوتے انہوں نے بھی دیکھا تھا بلکہ ایک دو پل کو رک کر سلام دعا بھی کی تھی۔ کیا سمعان احمد نے نہ دیکھا ہوگا۔ اس نے سمعان احمد کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا مگر وہاں وہی تاثرات تھے‘ سنجیدہ سے۔ وہ الجھ سی گئی۔

زرش سعود احمد کو دیکھ کر اسے اتنی تکلیف ہوئی تھی تو کیا سمعان کو نہ ہوئی ہوگی۔

”کر لی خریداری؟“ علی‘ سمعان سے پوچھ رہا تھا۔ سمعان نے صرف سر ہلا کر چند چیزیں جو وہ پہلے ہی سلیکٹ کر چکا تھا‘ تھامے کاؤنٹر کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"بھائی! نوشی اور زرش بھی شاپنگ کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ ساتھ میں عثمان بھائی اور ستارہ آپی بھی تھیں۔ آپ نے دیکھا؟" علی سے ہضم نہیں ہوا تھا۔ شاپنگ پلازہ سے نکلتے اس نے سمعان سے پوچھ ہی لیا تھا۔

"اچھا! میں نے نہیں دیکھا۔" اپنے وہی مخصوص سنجیدہ انداز میں سمعان نے کہا تو فرح نے بغور دیکھا۔ نہ چونکنا، نہ حیرت کا اظہار آرام سے انکار۔ کیا واقعی سمعان اندر سے بھی اتنا ہی نارمل تھا؟

"حیرت ہے۔ یہیں سے نکل کر وہ لوگ نیچے گئے ہیں۔ ہماری تو سلام دعا بھی ہوئی ہے۔" فرح کا جی چاہا علی کو خاموش کروا دے۔ پتا نہیں سمعان کو تکلیف ہوئی تھی کہ نہیں مگر اسے بہت ہو رہی تھی۔ خاص طور پر زرش کے لیے دیے سے انداز پر۔

"علی! اب نیچے چلتے ہیں، جلدی کرو اور یہ چیزیں پکڑو۔ مجھ سے نہیں اٹھائی جاتیں۔" اس سے پہلے کہ علی کچھ اور بھی کہہ کر سمعان کو اذیت بخشتا، فرح نے فوراً اسے ٹوکا تھا۔ بلکہ ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز بھی اسی کو تھمائے تھے۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

* * *

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ فارغ تھی۔ یونہی فارغ بیٹھنے سے اکتاہٹ ہونے لگی تو وہ شاکرہ کے ساتھ لگ کر اپنے کمرے کی ترتیب پھر سے بدلنے میں مصروف ہو گئی۔ صفائی ستھرائی تو روز ہی کرواتی تھی۔ کام والی کے سر پہ کھڑے ہو کر کرواتی تھی پھر شاکرہ اور خود بھی سارے گھر کی صفائی کا خیال رکھتی تھی۔ ڈھونڈنے سے بھی کہیں گرد یا بے ترتیبی دکھائی نہ دیتی تھی۔ ہفتوں میں یہ گھر ایک ترتیب میں سمٹتا چلا گیا تھا۔ اگر کہیں بے ترتیبی تھی تو صرف شارق زمان کی زندگی میں ورنہ تو اب سب کچھ نارمل تھا۔

"شاکرہ! یہ صوفہ ادھر دائیں طرف دیوار کے ساتھ گھسیٹ دو۔" دو گھنٹوں کی محنت سے کمرہ تو نکھر گیا تھا مگر وہ خود خاصی نڈھال ہو گئی تھی۔ کچھ بھاری سامان گھسیٹنے، کھینچنے سے بھی تھکن ہو گئی تھی۔ شاکرہ کو ہدایت دیتے وہ اپنا لباس لے کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ چند دن سے طبیعت بڑی بوجھل بوجھل ہو رہی تھی۔ سارا دن شاکرہ کام کرتی تھی وہ تو صرف اس کے ساتھ لگی رہتی تھی مگر اس کے باوجود تھکن سے برا حال ہونے لگتا تھا۔ یوں جیسے میلوں کا سفر طے کیا ہو۔ باتھ لے کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ اماں اپنے کمرے میں تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھ کر بال سلجھائے تھے۔ بال سلجھا کر وہ اماں کے کمرے میں جانے کو اٹھی تھی مگر ایک دم سے اسے بڑا زبردست چکر آیا تھا۔

"اماں...... شاکرہ......" خلا میں سہارے کو ہاتھ مارتے وہ وہیں لاؤنج میں قالین پر گری تھی۔ ہاتھ لگنے سے ٹیبل پر پڑا گلدان نیچے جا گرا تھا۔ لاؤنج میں کچھ گرنے اور پھر چھن کی آواز پر شاکرہ بھاگی آئی تھی مگر نویرہ کو بے حواس زمین پر اوندھے منہ گرے دیکھ کر اس کی تو چیخ ہی نکل گئی تھی۔ بھاگ کر نویرہ کو سیدھا کیا۔ آوازیں دیں مگر بے سود تھا۔ وہ ایک دم گھبرا اٹھی۔

واجدہ بیگم اپنے کمرے میں تھوڑی دیر پہلے ہی کھانا کھا کر لیٹی تھیں۔ اب سو رہی تھیں۔ انہیں بتاتی تو وہ پریشان ہو جاتیں۔ گھر میں اس وقت اماں کے علاوہ وہ دونوں ہی تھیں۔ رفعت باجی کو مہینہ ہوا واپس جدہ

گئے ہوئے۔ پتا نہیں اچانک کیا ہوا تھا جو نویرہ ایسے پڑی ہوئی تھی۔ شارق زمان کو پتا چل جائے تو وہ تو اس کو جان سے ہی مار ڈالے۔ وہ شارق کے غصے سے اتنی ہی خائف رہتی تھی۔ بھاگ کر پانی لے آئی۔ چھینٹے مارے مگر بے سود تھا۔ کشن لے کر نویرہ کے سر کے نیچے رکھا۔

"یا اللہ! کسی طرح بی بی کو ہوش آ جائے۔ اچھی بھلی تو تھیں۔" وہ روہانسی ہونے کو تھی۔ اب اماں کو بتانا ضروری ہو گیا تھا۔ اماں کو اٹھا کر بتایا تو وہ پریشان ہو گئیں۔ اب وہ آہستہ آہستہ سہارے اور مصنوعی ٹانگ کی مدد سے چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ شاکرہ کے سہارے چلتی فوراً لاؤنج میں آ گئیں۔ نویرہ کو یوں پڑے دیکھ کر ان کا دل لرزنے لگا۔

"جاؤ شاکرہ، ساتھ والی جو منصور کی ماں ہیں ان کی چھوٹی بہو ڈاکٹر ہے۔ وہی جو دو مہینے پہلے بیاہ کر آئی ہے۔ اسے بلا لاؤ۔ وہ کچھ کرے، یہ ہوش میں تو آئے۔" نویرہ کے ہاتھ سہلاتے، گال تھپتھپاتے وہ خود پریشان ہو چکی تھیں۔

شاکرہ کو تو پیر لگے تھے۔ شاکرہ کے ساتھ ڈاکٹر فیروزہ فوراً چلی آئی تھیں، اپنے فرسٹ ایڈ باکس کے ہمراہ۔ نویرہ کی بیہوشی کی وجہ پوچھی۔ شاکرہ کو جو علم تھا بتا دیا۔ چند اور سوال کرتی رہی۔ اماں اور شاکرہ جواب دیتی رہیں۔ تھوڑی دیر میں نویرہ کو ہوش آ گیا تھا۔

"آہ......" اس نے کراہ کر آنکھ کھولی۔

"نویرہ! کیا ہوا تھا......" اماں نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔ نویرہ نا سمجھی میں اپنے اوپر جھکے سروں کو دیکھے گئی اور پھر ایک دم یاد آ گیا کہ اسے بڑے زور کا چکر آیا تھا اور پھر گر گئی تھی۔ شاید بیہوش ہو گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا مگر جسم ایسا ہو رہا تھا کہ جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

"پتا نہیں۔ چکر سا آ گیا تھا۔" شاکرہ کے سہارے وہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔ چہرے پہ ایک دم زردی سی چھا گئی تھی۔

"کب سے ایسی طبیعت ہے؟" ڈاکٹر فیروزہ نے پوچھا تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ڈاکٹر فیروزہ ہوں۔ گائناکالوجسٹ ہوں۔ ویسے آپ کے ہمسائے میں ہی ہوتی ہوں۔ نئی نئی بیاہ کر آئی ہوں نا۔" نویرہ نے سر ہلا دیا تھا۔

"طبیعت تو میری خراب نہیں تھی۔ ہاں چند دن سے تھکن بہت زیادہ ہو رہی تھی۔ طبیعت بے سبب ہی بوجھل ہو رہی تھی۔ چکر تو صرف آج ہی آیا ہے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے شادی کو؟"

اس سوال پر وہ چونکی سی تھی۔ اماں نے بھی ڈاکٹر کو دیکھا۔

"زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا۔ صرف چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔" نویرہ کی بجائے اماں نے ہی جواب دیا تھا۔

"آئی تھنک یو آر ریلیکٹ، پھر بھی چیک اپ کروا لیں۔"

نویرہ پہلے تو ہکا بکا دیکھتی رہی پھر چہرے پر ایک دم سرخی سی چھائی تھی۔

"کسی اسپیشلسٹ کو چیک کروا لیں۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو میں بھی چیک کر سکتی ہوں۔" ڈاکٹر فیروزہ

نے مسکرا کر کہا تھا۔ نوریہ تو سر نہ اٹھا سکی۔ پتا نہیں شرم کا احساس تھا یا کیا۔ وہ سمجھ نہ پائی۔

"شاکرہ پانی پلاؤ۔" ایک دم حلق خشک سا ہو گیا تھا۔

پانی پی کر تھوڑا سا سکون ملا تھا۔ جسم میں اٹھنے کی طاقت بحال ہوئی تو وہ اٹھ کر اماں کے ساتھ ہی ان کے کمرے میں آ لیٹی۔

ڈاکٹر فیروزہ نے باقاعدہ چیک اپ کے بعد تصدیق کر دی تھی۔

واجدہ بیگم کا خوشی سے برا حال ہو رہا تھا۔ ایک عرصے بعد انہیں خوشیاں مل رہی تھیں۔ بے شک نوریہ جیسے بھی ان کے آنگن کو آباد کرنے آئی تھی مگر نوریہ کو اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر وہ شانت ہو جاتی تھیں۔ ان کے تو گویا سارے غم دور ہو گئے تھے۔

نوریہ گم صم کیفیت میں تھی۔ ایک عورت شادی کے بعد اس خوشخبری کا پل پل انتظار کرتی ہے' دعائیں مانگتی ہے۔ ایک عورت کے وجود کی تکمیل ہی اولاد سے ہوتی ہے جب کہ وہ گم صم حالت میں تھی۔ وہ کچھ بھی سوچ نہیں رہی تھی۔ بس اس کے ذہن کی اسکرین پر گزرے تمام واقعات ایک کے بعد ایک جلوہ افروز ہوتے جا رہے تھے۔

وہ خوش نہیں تھی۔ اس نے بحالت مجبوری شارق زمان کو قبول کیا تھا۔ وہ مجبوری کی حالت میں حقوق و فرائض کی اس جنگ میں اس کے ساتھ تھی جب کہ یہ تعلق تو دل سے نبھانے والے ہوتے ہیں۔ مرد کو اولاد تو کوئی بھی عورت دے سکتی ہے۔ بچے تو خانہ بدوش بھی پیدا کر لیتی ہیں مگر اس تخلیق کے عمل سے گزرتے ہوئے عورت جو خوشی محسوس کرتی ہے وہ صرف روحانی تعلق سے ہی نہیں ہوتی دلی رغبت سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک عورت مرد کی قربت برداشت ہی اس لیے کرتی ہے کہ اس کے وجود کی تکمیل ہو جب کہ یہاں نہ کسی کی خوشی کا احساس تھا نہ کسی کی روحانی تسکین کا۔ یہاں تو صرف جبر کا تعلق تھا جو وہ نبھا رہی تھی۔

پہلی دفعہ وہ شارق زمان کے منہ سے اپنے لیے پاک دامن' باحیا' پاکباز عورت کے الفاظ سن کر لرزا تھی اور پھر یہ بار اس کی مجبوری بنتی چلی گئی تھی۔ کبھی وہ غصے سے بڑھتے ہاتھوں کو جھٹک دیتی تھی اور کبھی چپ چاپ مصلوب ہو جاتی تھی۔ اس سارے عمل میں اس کی اپنی ذاتی خوشی' دل کی خوشی' روحانی تسکین کہاں تھی۔ صرف ایک زور وزبردستی کا راستہ اور بس۔

وہ شام تک اماں کے بستر پر آنکھوں پہ بازو رکھے پڑی رہی۔ دوپہر کو نہا کر اس نے لباس بدلا تھا۔ تھوڑی دیر میں مغرب کے بعد شارق کو آ جانا تھا۔ اس کا جی اٹھنے کا نہ چاہا۔ اسی طرح سر پہ کمبل لپیٹے پڑی رہی۔

اماں کو جو خوشی تھی سو تھی مگر نوریہ کی خاموشی دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گئی تھیں۔ نوریہ ان سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ شارق زمان سے متعلق اس کا یہ رویہ' ہر رد عمل ان کے سامنے تھا۔ نوریہ کے یوں منہ سر لپیٹ پڑے رہنے پر ان کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی مگر انہوں نے ٹوکا نہ تھا۔ نوریہ سمجھ دار تھی۔ جس طرح شوہر کو سمجھ کر چپ تھی اس حقیقت کو بھی قبول کر لے گی۔ انہیں یقین تھا۔

رات کے کھانے کی تیاری شاکرہ کر رہی تھی ورنہ اس وقت کچن میں نوریہ اس کے ساتھ مصروف ہوتی تھی۔ جب سے نوریہ اس گھر میں آئی تھی' شارق ایک دو دفعہ ہی رات کو لیٹ آیا تھا ورنہ وہ نو بجے تک ضرور گھر لوٹ آتا تھا۔

نو بجے تک شارق نہ آیا تو نوریہ نے شاکرہ کو کھانا لگانے کو کہا تھا ورنہ اب اماں' شارق کے جلد آنے کی وجہ سے اس کے ساتھ ہی ٹیبل پر کھانا کھاتی تھیں۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

واجدہ بیگم نے اس کا رویا متورم چہرہ دیکھا تو سینے سے ایک ٹھنڈی سانس خارج ہوئی۔

"آئیں اماں' کھانا کھا لیں۔"

شاکرہ کو کھانا لاؤنج میں ہی لگانے کو کہا تھا۔ وہ اماں کے سامنے ہی صوفے پر آ بیٹھی تھی۔

"شارق بھی آ جاتا تو اکٹھے ہی مل کر کھا لیتے۔"

"آ جائیں گے وہ بھی۔ آپ تو کھانا کھائیں۔ آپ کو میڈیسن بھی لینی ہوتی ہے۔ اتنی لیٹ کھانا کھائیں گی تو رات سونا مشکل ہوگا۔" اس نے ذرا توجہ نہ دی تھی۔ اماں خاموشی سے کھانا کھانے لگیں۔

کھانے کے برتن اس نے شاکرہ کے ساتھ مل کر اٹھائے تھے۔ اماں کو میڈیسن کھلا کر انہیں نماز پڑھ کر سو جانے کی تلقین کرتی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وضو کر کے نماز ادا کر کے وہ کتنی دیر تک خالی ہاتھ اٹھائے اپنی صاف شفاف ہتھیلیوں کو دیکھتی رہی۔

ایک عورت کی خواہش' خوبصورت' تعلیم یافتہ اور امیر شریک حیات ہی ہوتا ہے۔ شارق زمان بھی تو ایسا ہی تھا پھر وہ کیوں ایک کمی سی محسوس کرتی تھی۔ وہ کیوں نہیں ابھی تک مطمئن ہو رہی تھی۔ ٹوٹ کر چاہ رہا تھا۔ اس کے لیے ہر حد کراس کر گیا تھا۔ پھر بھی وہ غیر مطمئن تھی۔ کیوں.....؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تو منہ پر ہاتھ پھیرتے وہ بستر پہ چلی آئی۔ گھڑی گیارہ بجا رہی تھی مگر وہ ابھی نہیں آیا تھا۔ آج پہلی دفعہ اسے شارق زمان کی غیر موجودگی کا احساس کمرے کی تنہائی میں شکوے کرتا دکھائی دیا۔

شارق زمان پر اس خبر کا کیا ری ایکشن ہوگا۔ وہ سوچتی الجھتی رہی۔

سوئی گیارہ کے ہندسے کو کراس کرتے سوا گیارہ اور پھر ساڑھے گیارہ تک آ گئی تو نوریہ کو اپنے کروٹیں بدلتے بدن میں دکھن کا احساس ہونے لگا۔

"کہاں رہ گیا ہے یہ شخص؟"

وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر جیسے سوچ اسی ایک سوال کے ساتھ چمٹ کر رہ گئی تھی۔

"میں باہر ہوتا ہوں تو ہر وقت ذہن تمہاری طرف ہی الجھا رہتا ہے۔ میرے اختیار میں ہو تو دنیا کے سارے کام ایک طرف چھوڑ کر ملکہ عالیہ کے چرنوں میں زندگی گزار دوں۔"

قربتوں کے عالم میں نہایت شوخی سے کہا گیا یہ جملہ اس وقت تو نہیں مگر اب نوریہ کے وجود پر چرکے لگا رہا تھا۔

"پچھتاؤ گی بیوی! ایک دن پچھتاؤ گی۔ اتنی محبت کرنے والا شوہر کہیں سے ڈھونڈ کر دکھا دو تو مان

جاؤں۔" کمرے کے سناٹے میں گھڑی کی ٹک ٹک نو کا ہندسہ بھی کراس کر گئی تھی۔ کروٹ پہ کروٹ بدلتے اپنے وجود پر کانٹے اگتے محسوس کیے تو وہ اٹھ بیٹھی۔ سرہانے رکھا موبائل اٹھا لیا۔ یہ موبائل چند پہلے ہی شارق زمان نے اسے دلایا تھا۔ وہ ضد میں استعمال نہیں کرتی تھی مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا ہمیشہ دن میں دس دس بار اسی نمبر پہ کال کر کے اسے زچ کرتا تھا۔ ایسے میں وہ کتنی بے بس ہو جاتی تھی۔ شارق زمان کا نمبر ملا کر موبائل کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ بیل مسلسل جا رہی تھی مگر کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔

نوریہ نے ایک دفعہ پھر نمبر ملائے تھے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔

گھڑی پورے بارہ بجا رہی تھی۔ اس نے دس منٹ بعد پھر کال ملائی تھی۔

"ہیلو......" تیسری بیل پہ کسی انجانی نسوانی آواز کو سن کر نوریہ چونکی تھی۔

"ہیلو...... جی کون......" نوریہ نے پوچھا تھا۔

"آپ کون؟" جواباً سوال دہرایا گیا تھا۔

"یہ شارق صاحب کا نمبر ہے نا؟"

"آف کورس۔" دوسری طرف سے کھلکھلاتا لہجہ تھا۔ نوریہ کے تن بدن میں آگ سی لگی۔ کون ہو سکتی ہے شارق کا نمبر ریسیو کرنے والی۔

"مجھے ان سے بات کرنی ہے۔ وہ کیوں نہیں کال ریسیو کر رہے۔ کہاں ہیں؟ بات کروائیں میری ان سے۔"

"وہ اس وقت پیراڈائز کی سیر کو نکلے ہیں۔ ہمارے ہاتھ نہیں آ رہے محترم تو آپ کی بات کیا کراؤں۔ ہاہاہا۔" نوریہ کا تو دماغ چٹخ گیا تھا۔ ایسا بے ہنگم قہقہہ اس کے اعصاب پہ بڑا گراں گزرا تھا۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا عورتیں یوں بے باک قہقہے بھی لگا سکتی ہیں۔

"کیا بکواس ہے۔ آپ ان سے بات کروائیں۔ کہیں ان کی مسز بات کر رہی ہیں۔" اپنی دماغی کنڈیشن پر کنٹرول کرتے اس نے تحکم بھرے انداز میں کہا تھا۔

"اوہ تو تم اس کی مسز ہو۔" فوراً استفسار ہوا تھا۔

"تمہیں کوئی شک ہے؟" پتا نہیں کون پاگل تھی۔ نوریہ کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

"ہونہہ شک...... ایسا کیا ہے تم میں جو مجھ میں نہیں۔ تم نے شارق زمان کو مجھ سے چھینا ہے۔ دیکھنا تمہارا بھی نہیں رہے گا۔ میں اسے اس قابل ہی نہیں رہنے دوں گی کہ یہ تمہارا نام بھی لے۔ سنا تم نے زیبا کیانی ہے نام میرا۔ میں بڑے بڑوں کو گھاس نہیں ڈالتی اور یہ شخص مجھے ریجیکٹ کرے ناممکن۔" پتا نہیں وہ کیا بکواس کر رہی تھی۔ نوریہ تو ششدر رہ گئی تھی۔

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ نوریہ تو کوئلوں پر لوٹنے لگی تھی۔ شارق زمان کا ذاتی موبائل اس کے بجائے یہ عورت کیوں استعمال کر رہی تھی۔ نوریہ کا دماغ بس پھٹ جانے کو تھا۔

جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اس پہ وہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی مگر یقین نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھوڑے کی طرح دکھتے اپنے سر کو اس نے دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔

* * *

تین بجے کے قریب شارق زمان گھر میں داخل ہوا تھا۔ گاڑی کے ہارن اور پھر گیٹ کھلنے کی آواز وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔ نوریہ کی ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ وہ جتنا بھی حوصلے کا مظاہرہ کرتی، جتنی بھی بے پروائی و بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتی مگر اس بات پر ابھی تک ششدر تھی کہ شارق زمان اس کی بجائے ساری رات کسی غیر عورت کے پاس گزار کر آ رہا ہے۔

شارق زمان نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا وہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔

"ارے تم جاگ رہی ہو؟" جیسے ہی شارق زمان نے کمرے کی لائٹ روشن کی تھی سامنے ہی پہلی نگاہ اس پر اٹھی تھی۔ اسے بستر کے کنارے بیٹھے دیکھ کر وہ رکا تھا۔

"کہاں تھے اب تک؟" وہ گزشتہ چند گھنٹوں سے جس اذیت و کرب سے گزر چکی تھی اب اس کا ضبط بس جواب دینے کو تھا۔ لہجے میں واضح تپش تھی۔ اس پہ عزت کی زندگی تنگ کر دینے والا کیسے عیاشیوں میں مصروف تھا۔ اسے یہ بات کسی طور پہ ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"کچھ دوستوں کے ساتھ کلب چلا گیا تھا۔ بس واپسی میں دیر ہو گئی۔" اپنے نارمل انداز میں کہتے کوٹ اور ٹائی اتارتے بتایا گیا تھا۔ نوریہ سلگ اٹھی۔

"دوستوں کے ساتھ یا زیبا کیانی کے ساتھ؟" وہ پھنکاری تھی۔ شارق زمان صوفے پہ بیٹھ کر شوز اتار رہا تھا۔ اس کے ہاتھ تھمے۔ سر اٹھا کر اپنی طرف بے لحاظی سے دیکھتی نوریہ کو دیکھا۔

"میں نے دوستوں کا کہا ہے اور دوستوں میں ضروری نہیں صرف میل ہی ہوں۔" بے پروائی سے جواب دیتا شارق زمان دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوا تھا۔

"تو پھر اس جگہ میں کیا کر رہی ہوں؟ اسی عورت کو لے آتے جس کے ساتھ ساری رات گزار کر آ رہے ہیں۔" وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ شارق زمان نے قدرے اچنبھے سے نوریہ کو دیکھا۔ نوریہ کے تیور حیران کن ہی تو تھے۔

"اگر آپ کو شارق صاحب! یہ سب عیاشیاں ہی کرنی تھیں تو پھر مجھ پر عزت کی یہ زندگی حرام کیوں کی؟ اچھی بھلی گزر رہی تھی میری۔ کیوں میرے ساتھ میرے والدین کو اذیت کے اس جہنم میں لا پھینکا؟ ایک بات کان کھول کر سن لیں شارق صاحب! میں سب کچھ برداشت کر لوں گی مگر اپنی حق تلفی نہیں۔ اگر میں نے آپ کے ساتھ سمجھوتے جیسا قدم اٹھایا ہے تو پھر آپ کو بھی میرے ساتھ تعاون کرنا ہو گا۔ ورنہ میں یہ نہیں دیکھوں گی کہ لوگ میری ذات کو ڈسکس کرتے ہیں یا نہیں۔ میں ہر حد پار کر جاؤں گی۔" وہ غصے سے بپھری بیٹھی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے کھڑے شخص کا حشر کر دے۔

"شٹ اپ نوریہ۔ دوستوں کی گیدرنگ تھی بس۔ شادی کے بعد پہلی دفعہ وہاں جانا ہوا تھا۔ بس باتوں

دوئم

میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور تم یہ بات کلیئر کرلو اگر مجھے کسی اور کو ہی اپنی زندگی میں اتنی امپورٹنس دینی ہوتی تو تم اس وقت میرے بیڈروم میں نہ ہوتیں۔"

"ہاں تو پھر آپ وہاں کیوں گئے تھے۔ میں نے سو مرتبہ کال کی ہے۔ ریسیو کیوں نہیں کی گئی تھی اور پھر اگر ریسیو کی بھی گئی تو آپ کی اس چہیتی زیبا کیانی نے۔ وہ مجھے کس بات کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ کیا جتانا چاہ رہی تھی" وہ شارق زمان کے کسی بھی ایکسیوز کو ماننے والی نہ تھی۔ اسی طرح بگڑے تیور لیے مخاطب تھی۔

"تم نے کال کی تھی؟" دوسری طرف حیرانگی تھی۔

"جھوٹ نہیں بولتی میں۔ یقین نہیں آتا تو لیں چیک کرلیں۔ یقیناً اس میں ابھی تک ڈائل نمبرز باقی ہیں۔" اس نے سرہانے پڑا موبائل اٹھا کر شارق زمان کی طرف اچھالا۔ شارق نے دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

موبائل چیک کرکے اپنی جیب سے سیل نکال کر چیک کرتے اس نے نویرہ کو دیکھا۔

"مگر اس میں تو کوئی کال ریسیو نہیں ہوئی۔" اپنا موبائل اسے دکھایا۔

"تو پھر میرے فرشتوں نے مجھے خبردار کیا تھا کہ محترم شارق زمان صاحب، محترمہ زیبا کیانی کے ساتھ رات گزار کر آرہے ہیں؟"

طنز ایسا تھا کہ شارق زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔ نویرہ شارق کی مسکراہٹ دیکھ کر مزید تلملا گئی۔

"اس وقت تم حقیقت میں مسز شارق زمان لگ رہی ہو۔ بالکل وہی روپ جس میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"

شرٹ اتار کر صوفے پر ڈالتے مسکرا کر نویرہ کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"ویسے کچھ جلنے کی بو نہیں آرہی؟" اس کے قریب جاکر کندھوں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے مسکرا کر شرارت سے دیکھا۔ نویرہ تو جل بھن ہی گئی۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" اس نے سختی سے شارق زمان کے دونوں ہاتھ جھٹکے اور پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے دونوں کے درمیان فاصلہ حائل کیا تھا۔

"اف...... خالص بیویوں والا ڈائیلاگ ہے۔" مسکرا کر کہا پھر نویرہ کے پیچھے ہٹنے پر اسے گھورا تھا۔

"مجھے شیشے میں اتارنے یا بہلانے کی ضرورت نہیں۔ جب تک سارا معاملہ صاف نہیں ہوگا مجھ سے کلام کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔" نویرہ کے لہجے کی سختی و بے مروتی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"کون ہے یہ زیبا کیانی؟" نویرہ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ شارق نے گہرا سانس لیا۔

"دوست ہے، بلکہ تھی۔" شارق نے ٹالنا چاہا تھا۔

"وہی جو ایک دفعہ ریسٹورنٹ کی انٹرنس میں ملی تھی؟" نویرہ کا انداز تھانیداروں والا تھا۔ صاف جرح کرتا ہوا۔ شارق جو کبھی کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا، اسے برداشت کر رہا تھا اور اپنی برداشت پر اسے

دوئم

حیرت بھی ہو رہی تھی اور نویرہ کے انداز پر عجیب سی خوشی بھی۔

"جب وہ بی بی آپ کے لیے اتنے قیمتی جذبات رکھتی ہے بقول محترمہ کے کہ ایسا کیا ہے تم میں جو مجھ میں نہیں۔ تم نے شارق زمان کو مجھ سے چھینا ہے۔ جب کہ اسے خبر نہیں شارق زمان نے مجھے میرے ماں باپ سے چھینا ہے۔ بڑے دھڑلے سے محترمہ فرما رہی تھیں کہ دیکھنا تمہارا بھی نہیں رہے گا۔ میں اسے اس قابل ہی نہیں رہنے دوں گی کہ یہ تمہارا نام بھی لے۔ تو میری زندگی برباد کیوں کی۔ آپ اس عورت کے پاس وقت گزار کر آرہے ہیں تو جائیے اس کے پاس۔ دور کریں اس کی تنہائیاں۔ خبردار! اگر مجھے جھوٹے بہلاوں سے بہلانے کی کوشش کی تو۔"

شارق زمان نے کچھ تعجب سے اسے دیکھا۔ یہ صرف رقابت ہی نہیں تھی، کوئی اور بھی احساس تھا۔

"تو کون بہلا رہا ہے تمہیں۔ ایمان سے آج تم نے دل خوش کردیا ہے۔ اب تک تو لگ رہا تھا کہ جیسے زبردستی کا رشتہ نبھا رہا ہوں۔ آج حقیقت میں لگ رہا ہے مسز شارق زمان ہو۔" آگے بڑھ کر تیزی سے جھپٹتے نویرہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ نویرہ تو اس سخت گرفت میں مچل سی اٹھی

"چھوڑیں مجھے۔ ہاتھ نہیں لگائیں۔ میں شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی آپ کی۔ جائیں اسی عورت کے پاس۔" وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

"تم نے غور کیا ہے کتنی خودسر اور منہ پھٹ ہوتی جارہی ہو۔ خاندان میں سے کوئی تمہیں اس طرح زبان درازی کرتے دیکھ لے تو عش عش کر اٹھے۔" شارق نے شرارت سے کہا۔

"کرم نوازی ہے آپ کی ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔"

"تو پھر مانتی ہو نا۔" شرارت سے نویرہ کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا۔

"ہاں اور ساری زندگی مانوں گی۔ ایک بات شارق زمان آپ سن لیں۔ مجھ سے دھوکہ دہی کی کوشش کی تو میں ہر حد کراس کرجاؤں گی۔ میں آپ کو بدلنے پر مجبور نہیں کر رہی۔ آپ کی جو بھی ایکٹیویٹی ہیں وہ ایک طرف۔ اگر مجھ سے جھوٹ بولا تو میں بھی گارنٹی نہیں دوں گی کہ میں بھی ہمیشہ آپ کی وفادار رہوں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں پچھلے تمام حوالوں کو بھلا کر آپ کی مرضی کے تابع رہوں تو پھر آپ کو بھی میری پسند ناپسند کا خیال رکھنا ہوگا ورنہ......"

"اوکے میڈم صاحبہ، اور کوئی حکم؟"

نویرہ کا یہ انداز تو شارق زمان کے اندر خوشی کی پھلجھڑیاں بکھیرتا جا رہا تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک پہلی بار نویرہ کا یہ روپ دیکھنے کو مل رہا تھا۔

"آپ کا موبائل اس کے پاس کیا کر رہا تھا؟" اس نے نیا کھاتا کھولا تھا۔

"یار! غلطی سے اس کی ٹیبل پر رہ گیا تھا۔ چند دوستوں میں کھو کر میں بھول گیا تھا۔ ہوسکتا ہے جب تم نے کال کی ہوں تب زیبا نے ریسیو کی ہو۔ واپسی پر اس نے مجھے تھمایا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تو نہیں اور نہ ہی میں نے خود موبائل چیک کیا ہے۔ اس نے نمبر ڈیلیٹ کردیا ہے اس سے ضرور پوچھوں گا۔ تم تو اپنا موڈ درست کرو۔"

"جھوٹ بول رہے ہیں؟" نویرہ نے مشکوک نظروں سے شارق کا چہرہ جانچنا چاہا تو وہ زچ ہو گیا۔

"بڑی بے اعتبار عورت ہو۔ تم سے جھوٹ بول کر میں کیا کروں گا۔ میرا زیبا کیانی سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں کبھی اچھے تعلقات تھے جو اب قصہ پارینہ ہو چکے ہیں۔ زیبا کیانی کا تعارف بس اتنا ہے کہ وہ کلب کی ممبر شپ رکھتی ہے۔ وہیں دوستی ہوئی اور پھر وہ مجھے پسند کرنے لگ گئی اور میں بھی کچھ حد تک انوالو ہوا مگر اس کی فطرت اور طبیعت ایسی تھی کہ میرا دل اچاٹ ہو گیا۔ تمہیں میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں رہی ہیں میری۔ شادی صرف تم سے کی ہے۔ اگر مجھے کوئی اور پسند ہوتی تو کون روک سکتا تھا اس کو اس گھر میں لانے تک۔ زیبا کیانی نے کچھ زیادہ ہی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ میری شادی کے انکشاف نے اس کی توقعات پر پانی پھیر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے تم سے جو بکواس کی ہے اسی سلسلے میں ہو مگر میں اس کی پروا نہیں کرتا۔" قطعی انداز تھا۔ نویرہ نے ایک دو پل کو شارق کا چہرہ دیکھا۔ پھر کشیدہ اعصاب کچھ نارمل ہونے لگے تو شارق کا حصار توڑ کر بستر پر جا لیٹی۔

"اتنی لیٹ آنے کی وجہ تو ہو گی؟" انداز اسی طرح تیکھا تھا۔ شارق زمان نے اب کے بری طرح گھورا۔ کب کسی کو اتنی جرأت تھی کہ اس کے معمولات کے متعلق باز پرس کرتا۔

"بتا تو چکا ہوں۔ دوستوں میں الجھ کر وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔" اب کے تلخی سے جواب دیا تھا۔ نویرہ کو بڑا سکون حاصل ہوا۔

"تین بجے واپسی ہو رہی ہے حیرت ہے' کیسے دوست تھے جنہیں اپنے گھروں میں واپسی کی ذرا فکر نہ تھی۔"

"نویرہ! اب کے اگر تم نے کچھ اور کہا تو......"

"تو کیا کریں گے آپ؟" نویرہ نے اس کا جملہ مکمل ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ "ذہن میں رکھیں شارق صاحب' میں آپ کے ساتھ بھاگ کر نہیں آئی تھی۔ بقول آپ کے جان کی بازی لگا کر مجھے یہاں تک لائے ہیں تو برداشت بھی کریں۔ آپ کی شادی سے پہلے جو بھی روٹین تھی' اماں آپ کو روکتی تھیں یا نہیں مگر میں برداشت نہیں کروں گی۔"

شارق بس دیکھ کر رہ گیا۔

"میں آپ کو روکوں گی بھی اور یہ بھی ذہن میں رکھیے گا اگر آئندہ کبھی بغیر کسی معقول وجہ کے بغیر بتائے لیٹ ہوئے تو میں چوکیدار بابا کو کہہ دوں گی رات کو ہرگز گیٹ کھولنے کی ضرورت نہیں۔" ایک اور دفعہ عائد ہوئی تھی۔

شارق زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

"بس یا اور کچھ......؟" مسکراتے ہوئے شارق زمان نے بھی نویرہ کے سامنے بستر پر جگہ سنبھالی تھی۔

"میں بڑا حیران ہو رہا ہوں۔ اتنی بڑی تبدیلی...... خیریت ہے نا؟" شرارت سے پوچھا تھا۔ "مجھ سے سچ مچ کا عشق ہو گیا ہے یا اپنی مخالفت کا یہ نیا انداز اپنایا ہے۔"

"احمق اور بے وقوف نہیں ہوں۔" نویرہ فوراً برا مان گئی تھی۔ "میں آپ کے ساتھ پوری ایمانداری کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ آج سارا دن سوچتے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ ٹھیک ہے آپ نے جو کیا وہ بھولنے والا نہیں اور یاد رکھنا اس سے بھی مشکل ہے مگر اب جو بھی ہے میں آپ کو شوہر کی حیثیت سے قبول کر چکی ہوں۔ وجہ کوئی بھی ہو۔ مگر یہ طے ہے میں اپنے بچے کو ایسا ماحول نہیں دینا چاہتی۔"

شارق زمان نے ایک دم حیران ہو کر اسے دیکھا۔ نویرہ اپنا ہاتھ کھینچ کر دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے سر جھکا گئی تھی۔

"کیا مطلب......؟" شارق زمان کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

نویرہ نے اضطرابیت سے ہاتھ مسلے۔ شرم و جھجک سے زبان اظہار کرنے کا موقع دینے سے قاصر تھی۔

"ہماری اماں نے ہمیں ایسا ماحول دیا ہے کہ کبھی ذہن آلودہ ہی نہیں ہوا۔ اماں کی تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج سچ جھوٹ' حلال حرام کی پہچان ہے۔ اماں نے جو ایک بات کہہ دی وہ ہمارے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔"

"نویرہ۔" شارق نے فوراً اسے ٹوک دیا تھا۔ "مجھے صاف صاف بات بتاؤ۔" اس کا ذہن ابھی تک پچھلی بات میں ہی الجھا ہوا تھا۔

"آئی ایم پریگنینٹ......" اسی طرح سر جھکائے شرم و جھجک سے ٹھہر ٹھہر کر انکشاف کر ہی گئی تھی۔

"کیا؟" شارق تو حیران رہ گیا۔ "کیا کہہ رہی ہو......؟" وہ ابھی تک حیرت زدہ تھا۔

"آج ڈاکٹر کو چیک کروایا تھا تو اس نے بتایا تھا۔"

"ارے...... واقعی......" حیرت اب خوشی میں بدل چکی تھی۔ نویرہ نے صرف سر ہلایا۔ شارق زمان نے والہانہ پن سے نویرہ کو کندھوں سے تھام کر اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

"اوہ رئیلی یار...... اٹس اے سرپرائز...... آئی ایم ویری ہیپی...... ویری ہیپی......" ایکسائٹمنٹ سے شارق زمان کا لہجہ ایک دم پرجوش ہو چکا تھا۔

"اتنی اچھی خوشخبری تم اب سنا رہی ہو۔" بے قراری سے پوچھا تھا۔ جبکہ نویرہ اسی طرح نارمل تھی۔

"آپ آئے بھی تو لیٹ تھے۔ پھر میں نے کئی فون کیے تھے۔"

"سوری ڈیئر! آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اتنی بڑی خوشخبری سنا رہی ہو۔ اس موقع پر جان بھی مانگو تو حاضر کر دوں۔"

نویرہ نے ایک سنجیدہ نگاہ شارق زمان کے بے پایاں خوشی سے تمتماتے چہرے پر ڈال کر نگاہیں جھکا لیں۔ اس کے اندر ایک دم بے چینی بڑھ گئی تھی۔

* * *

نوشین کے ایگزیمز ختم ہوتے ہی شادی کی تیاریاں تیز تر ہوتی چلی گئی تھیں۔ زرش بھی شاپنگ وغیرہ میں نوشین کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ کالج ٹیسٹ چل رہے تھے۔ وہ کالج سے آف کر لیتی تھی۔ اکثر پھپھو اور ہادی آپا بھی چلی آتیں تو رونق ہو جاتی تھی۔

دو تین دن سے پھپھو مسلسل چکر لگا رہی تھیں' ماموں بھی ساتھ ہوتے تھے۔ امی ابو سے نجانے کن کن موضوعات پہ بحث چھڑی ہوئی تھی۔ اس دن بھی آئے تو ان کے ساتھ ہادی آپی کے علاوہ مصطفیٰ بھائی اور ہارون انکل کی فیملی بھی تھی۔ وہ اور نوشین یاسمین کے ساتھ مل کر کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگیں۔ پھپھو کا بار بار چکر لگانا' زرش اور نوشی دونوں ہی سمجھ رہی تھیں۔

زرش متفکر بھی تھی۔ مگر اسے یہ بھی یقین تھا کہ پھپھو کے زور دینے کے باوجود ماما' پاپا اتنی جلدی پھپھو کی بات مان کر اس کی شادی کی تاریخ طے نہیں کریں گے۔

کھانے کے بعد ایک دفعہ پھر پھپھو وغیرہ ماما' پاپا پر نوشین کے ساتھ ہی زرش کی شادی کر دینے کا معاملہ چھیڑ چکی تھیں۔

"آپا! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' یہ ممکن نہیں مجھے مجبور نہ کریں۔"

معاملہ ایسا تھا کہ زرش خود کو برآمدے میں آ کر کھڑکی کے پاس کھڑے ہونے سے نہ روک سکی تھی۔

"حرج تو کوئی نہیں مسعود احمد' گھر کی بات ہے۔ سعد اگر پاکستان آ رہا ہے تو تم بھی دیر نہ کرو' وہ صرف چند ماہ کے لیے ہی تو آ رہا ہے۔ آپا بیگم کی خواہش پر عمل درآمد میں حرج تو نہیں۔" یہ ہارون انکل تھے۔

"آپ کی بات بھی بجا ہے۔ سعد آئے سو بار آئے' خوشی کی بات ہے میں تو خود بھی چاہتا ہوں کہ وہ دوبارہ واپس جانے کے بجائے یہیں سیٹل ہونے کی کوشش کرے۔ ایک اور سال زیادہ تو نہیں تب تک زرش کا کم از کم گریجویشن تو ہو جائے۔ ابھی تو تعلیم کا آغاز ہے اور عمر بھی کم سی۔ بہت مشکل ہو جائے گی۔"

"تو زرش کون سا غیر کے گھر جائے گی۔ تعلیم ہوتی رہے گی۔ ہادیہ نے بھی تو بعد میں گریجویشن مکمل کیا تھا۔ سعد خود تعلیم کو اہمیت دینے والا انسان ہے۔ ہماری طرف سے کبھی دباؤ نہیں ہوگا' یہ ہادیہ کتنی خوش ہے۔ بیٹی سے زیادہ عزت' محبت' مان دیا ہے۔ ہم نے اسے زرش تو پھر ہماری لاڈلی ہے۔" ماموں جان کی آواز پر زرش نے لب بھینچے۔

"بھائی جان! سب باتیں درست ہیں مگر اتنی جلدی نہیں۔" ماما نے بھی انکار کیا تو چند پل کو فضا میں ایک خاموشی سی طاری رہی تھی۔

نفیسہ پھپھو کا چہرہ ایک دم اتر گیا تھا۔ ان کا بس چلتا تو شادی کی تاریخ طے کروا کر اٹھتیں۔ مگر کوئی بھی ان کی بات سمجھنے کو تیار نہ تھا۔

"اور سعد۔" ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے اسے سمعان احمد کے جذبات سے متعلق نہیں بتایا تھا' نجانے کیسے اسے اس بات کی خبر ہوئی تھی۔ وہ جو سعد سے بات کر کے اسے یہاں کے سب حالات بتا کر مطمئن ہو چکی تھیں۔ ایک دفعہ پھر سب بکھرتا محسوس ہوا تھا۔

"آپ نے مجھے اصل وجہ کیوں نہ بتائی۔ آپ نے مجھ سے یہ کیوں چھپایا کہ زرش سے رشتہ طے کرنا صرف ماموں جان کی خواہش نہ تھی بلکہ سمعان احمد بھی ایسا چاہتا تھا۔" اگلے چند دن بعد اس کی آنے والی کال نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ وہ سمجھتی رہی تھیں۔ ٹالتی رہی تھیں۔ مگر وہ تو ایسا بدظن ہوا تھا کہ ان کی کوئی بھی وضاحت کام نہ آئی تھی۔

اور پھر انہوں نے ایک دم یہ فیصلہ کیا تھا۔ سعد کو واپس کیسے بلوانا تھا' وہ بعد کی بات تھی اصل مسئلہ تو شادی طے کروانا تھا۔

شادی طے ہو جائے گی تو انہیں سعد کو بلوانا آسان رہے گا مگر یہاں تو سرے سے کوئی ان کی بات سمجھنا ہی نہ چاہتا تھا۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھیں۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے شرمندہ ہو جانے کا خوف مارے دے رہا تھا۔ خاندان بھر میں جھوٹا پڑ جانے کا خوف انہیں یہاں بار بار آنے اور شادی طے کروانے پر مجبور کر رہا تھا۔

ابھی تو سعد قطعی مان نہیں رہا تھا مگر ایک بار شادی طے ہو جائے تو سعد کو منانا آسان رہے گا۔ اس کی ضد کو ختم کیسے کرنا ہے؟ انہیں شادی طے کروانے کے سوا' کوئی اور راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ بس آناً فاناً سب طے ہو جائے تو پھر سعد کا انکار بھی ختم ہو جائے گا کہ پھر انکار کی گنجائش ہی کہاں ہوگی۔ وہ اسے اپنی محبت اپنی عزت کا کہہ کر مجبور کر لیں گی۔ مگر یہاں کوئی ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ انہوں نے جس بات کا ذکر ہادیہ تک آنے نہ دیا تھا۔ اسے کیسے کھلنے دیتی کہ خواہ مخواہ رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی تھیں۔

"مسعود! تمہیں اعتبار نہیں ہے مجھ پر اپنی بہن پر؟ سعد کو واپس بلوایا ہے میں نے' بس آج میں شادی کی تاریخ لے کر ہی جاؤں گی۔" بھیگی آواز سے آخر میں انہوں نے اپنے بڑے ہونے کا حق استعمال کیا تھا۔ مسعود احمد نے خاصی بے بسی سی محسوس کی تھی۔ آپا کا کبھی کوئی حکم انہوں نے ٹالا نہ تھا اب اچانک شادی۔

"آپا! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ صرف یہی سوچ ہے کہ زرش کی پڑھائی وغیرہ کا حرج ہوگا۔" انہوں نے خاصی بے بسی سے کہا تھا۔

"تو بسم اللہ' یہاں کون پڑھائی سے انکار کر رہا ہے۔ زرش کو ہم خود آگے پڑھائیں گے۔ ان شاء اللہ شادی کے بعد جہاں تک جی چاہے وہ پڑھے۔" اب کے بار شائستہ بیگم بھی چپ رہ گئی تھیں۔ یہ لوگ تو گویا ٹھان کر گھر سے چلے تھے کہ آج بات منوا کر ہی اٹھنا ہے۔

"اچھا آپا! جیسا آپ چاہیں۔ دل تو نہیں مان رہا مگر اب آپ کو انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔" مسعود احمد نے بے بسی سے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"مبارک ہو آپا!" ہر طرف سے مبارک' سلامت کا شور اٹھا تو زرش ششدر رہ گئی۔ پاپا اتنی جلدی مان جائیں گے وہ بے یقین تھی۔ وہ سکتے کی کیفیت لیے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اتنی جلد یہ سب کیسے ممکن تھا۔ ابھی اس کی ایج ہی کیا تھی اور سعد جمال' سمعان احمد سے ایک دو سال عمر کے فرق میں تھا۔ لیکن وہ تو اس کے مقابلے میں خاصی نوعمری تھی۔

اپنے بستر پہ بیٹھ کر خوب روئی۔ نوشی لاؤنج میں ہی تھی' بات طے ہونے پر تیزی سے زرش کو بتانے آئی تھی۔ سامنے اسے روتے دیکھ کر سمجھ گئی کہ اسے علم ہو چکا ہے۔

"زرش!" وہ اس کے برابر ہی آ بیٹھی۔

"نوشی پلیز ماما' پاپا کو منع کر دو۔ اتنی جلدی یہ سب نہیں۔ میرا فیوچر میرے پلانز' میری ایجوکیشن' میرے سب خواب مر جائیں گے۔ پلیز۔"

"اب تو کچھ نہیں ہو سکتا تمہارے سامنے ہی تو سارا معاملہ ہے۔ ماما' پاپا کب اتنی جلدی یہ سب چاہ رہے تھے۔ پھپھو وغیرہ ہی زور دے رہے تھے۔ اب بھی پھپھو جذباتی نہ ہوتیں تو ماما' پاپا کب ہاں کرتے۔"

"اور میری ایجوکیشن؟" اس کا ذہن ابھی تک اسی میں الجھا ہوا تھا۔

"پھپھو کہہ تو رہی ہیں کہ بعد میں کمپلیٹ کروا لیں گی۔"

"مجھے نہیں پتا' میں کچھ نہیں جانتی' اتنی محنت کر رہی ہوں میں ایگزیم کے لیے۔ سب ملیامیٹ ہو جائے گا۔" اس کے آنسو پھر زور و شور سے بہنے لگے۔

"اتنے لوگوں میں پاپا نے ہاں کی ہے اب تو انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس طرح پھپھو روزانہ چکر لگا رہی تھیں۔ تمہیں پہلے ہی اپنے طور پر تیار رہنا چاہیے تھا کہ یہ "ہاں" تو ہونی ہی تھی۔ اب کی بار تو ہارون انکل اور آنٹی بھی پھپھو کے ساتھ مل کر آئے تھے۔ پھر انکار کیسے ہوتا۔"

"تو پھر تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔ جاؤ جا کر سب کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔ مستقبل تو میرا برباد ہو رہا ہے تم لوگوں کو کیا؟" وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر پھپھک پھپھک کر روئی تو نوشی خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

* * *

وہ تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو اس کالی بلی نے رستہ کاٹا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اسے سامنے دیکھ کر رضا کے تیور بگڑے' اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس ہوا تھا۔

"تم سے مطلب۔"

"اب تو تمہارے سارے مطلب میری ذات تک ہی ہوں گے۔ ویسے جا کہاں رہے ہو؟" رضا نے اسے گھورا۔

"جہنم میں۔" اسے وہیں چھوڑ کر وہ آگے بڑھا تھا۔

"تو پھر مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ دونوں مل کر جہنم کی گرمی کے مزے لوٹیں گے۔" رضا غصے سے پلٹا تھا۔

"تم۔" کچھ کہنے کی کوشش میں لب بھینچ گیا۔

"یقیناً اچھی لگ رہی ہوں گی۔ نیا سوٹ ہے پہلی دفعہ پہنا ہے۔" وہ پوری طرح اس کے سامنے آئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی رضا نے اسے دیکھا تھا۔ اورنج کلر کے سوٹ میں وہ اپنی سرخ و سفید رنگت لیے اچھی خاصی جگر جگر کر رہی تھی۔ یقیناً رضا کو روکنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ آنکھوں میں کاجل ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائے نظروں کے سامنے تھی۔ رضا کو رمشا کی یہ حرکت ایک آنکھ نہ بھائی۔

"تو؟"

"باہر ہی جا رہے ہو تو مجھے بھی لے چلو۔ شارق بھائی کے ہاں جانا ہے۔ رستے میں اتار دینا۔" اس نے فوراً پروگرام بتایا تھا۔

"شکریہ! میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" نکلا تو وہ بھی اکیڈمی کے لیے ہی تھا۔ کبھی کبھار وہ اکیڈمی کا چکر لگا لیتا تھا۔ شارق بھائی کا گھر رستے میں ہی پڑتا تھا مگر وہ وہاں جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اور یہ لڑکی پوری ڈرامہ تھی۔

"کیوں اپنی تو یہ آپی سے بھی ملنے کا ٹائم نہیں ہے۔ ملاقات کا اہتمام کروا رہی ہوں' تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔" وہ اپنی اوقات دکھانے سے باز نہیں آئی تھی۔ رضا کی آنکھیں لہو رنگ ہوئی تھیں۔

"لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر اور تمہاری گھٹیا سوچ پر' رشتوں کا تمہیں ذرا بھی احساس' پاس چھو کر بھی نہیں گزرا۔"

"تم سے زیادہ اچھی طرح لحاظ ہے رشتوں کا' تم بتاؤ مجھے ساتھ لے کر جا رہے ہو کہ نہیں؟" حق جتاتا انداز تھا۔ وہ اور سلگا۔

"نہیں۔" اس نے صاف انکار کر کے قدم آگے بڑھائے تھے۔

"ٹھیک ہے مت لے جاؤ۔ آج پھوپھا جان گھر پر ہی ہیں انہوں نے ہی کہا تھا رضا کو لے جاؤ' کہہ دیتی ہوں تم انکار کر رہے ہو۔" وہ پوری فتنی تھی۔ رضا نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ آج واقعی حمید صاحب گھر پر ہی تھے۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی اسی لیے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔

رضا اچھی طرح جانتا تھا ان تک بات پہنچنے کا مطلب ہے اپنی شامت بلانا۔ وہ ذرا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے کہ اکلوتا بیٹا ہے' اور رمشا کے معاملے میں تو وہ اسے اور بھی ذلیل کر دیتے تھے۔ اس نے کینہ توز نظروں سے رمشا کو دیکھا۔ جو اس کو مسکراتی نگاہوں سے جانچ رہی تھی۔ ایک دم جی چاہا کہ اس کے مسکراتے چہرے پر تیزاب انڈیل دے۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے جذبات پر قابو پایا تھا۔

"چلو۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔

رمشا پھپھو کو بتا کر بڑی مسروری اس کے پیچھے بائیک پر آ بیٹھی تھی۔ اس کی زندگی کا ایسا ناسور تھا جسے وہ چاہ کر بھی اپنے آپ سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ کتنا بے بس تھا۔ سارا رستہ وہ جلتا بھنتا رہا۔

بڑی اماں کے گھر کے سامنے اس نے بائیک روکی تھی۔ ہارن کی آواز پر چوکیدار بابا نے گیٹ کھولا تھا۔ اس نے دوبارہ بائیک اسٹارٹ کی۔

"تم اندر نہیں آ رہے؟"

"نہیں۔"

"آ جاؤ بھئی۔ پھر نہ کہنا کہ ملاقات کا موقع نہیں دیا۔" وہی طنزیہ انداز' رضا نے غصے سے بائیک اڑائی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اپنا غصہ کنٹرول کرتا رہا تھا۔ نہ جانے رمشا کی فطرت ہی ایسی تھی یا پھر اس میں ضبط و برداشت کا مادہ نہ تھا۔ وہ کتنی دیر تک یونہی بے مقصد سڑکوں پر بائیک گھماتا رہا۔ تھک ہار کر اس نے بائیک اکیڈمی کی جانب موڑی۔ اکیڈمی کے اندر آیا تو پہلی خبر جو منتظر تھی اس نے اسے سُن کر دیا تھا۔

"سر نواز آئے ہوئے ہیں۔" کوئی اسٹوڈنٹ اسے خبر سنا کر کسی کمرے میں غائب ہو گیا تھا اور وہ

راہداری میں ہی کھڑا رہ گیا۔ نواز فاروق کی یہ ذاتی اکیڈمی تھی بے شک اس کا انتظام فی الحال کسی دوست کے سپرد کیا ہوا تھا۔ مگر وہ ایک بار خود بھی چکر لگا چکا تھا۔ ملاقات تو نہیں ہوئی تھی مگر پتا چلتا رہتا تھا شروع میں تو نواز کے پس منظر سے غائب ہونے پر کسی کو بھی علم نہ تھا کہ وہ کہاں گیا ہے مگر پھر رفتہ رفتہ سب ہی کے علم میں آتا چلا گیا تھا' کہ وہ کراچی اپنے ماموؤں کے پاس ہے۔ فاروق صاحب نے اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کیا ہوا تھا۔ مگر وہ اکیڈمی کا چکر ضرور لگاتا تھا۔

رضا نے اپنے آپ کو ہک اپ کیا تھا۔

''نواز بھائی کدھر ہیں؟'' ادھر سے گزرتے کسی لڑکے سے پوچھا تھا۔

''ادھر آفس میں۔''

وہ سیدھا ادھر چلا آیا تھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ابھی ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے آتی آواز نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈالی تھی۔

''بہت برا کیا تم نے نواز! ہم تو خاندان بھر میں سر اٹھا کر جینے کے قابل نہیں رہے۔ نویرہ کو دیکھتی ہوں تو دل چھلنی ہوتا ہے۔ خالدہ کو اسے کہیں نہ کہیں تو بیاہنا ہی تھا۔ شارق کے ساتھ آباد ہے۔ اللہ اسے آباد ہی رکھے۔ کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے میں نے تم دونوں کے حوالے سے مگر.....'' یہ رضیہ چچی تھیں۔ نواز کو گھر میں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی تو رضیہ چچی شاید نواز سے ملنے آئی تھیں۔

''کوئی یوں بھی کرتا ہے۔ تم ایک ہی بیٹے تھے میرے تم نے بھی یہ دن دکھایا مجھے۔ ماں ہوں۔ دل تمہاری طرح پتھر نہیں کر سکتی جو تمہاری آمد کا سن کر سب بھلا کے چلی آئی ہوں۔''

چچی بیگم کی گریہ وزاری ایسی تھی کہ رضا کو اپنا دل پگھلتا محسوس ہوا۔

''یقین تو مجھے تب بھی نہیں آیا تھا۔ اب بھی نہیں ہے۔ اب تو بتا دو تم نے نویرہ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟ مجھے وہ وجہ نہ بتانا جو پہلے کہہ چکے ہو۔ میں ماں ہوں میرا دل ان جھوٹے بہلاوؤں سے بہلنے والا نہیں۔ اب تو بتا دو ایسی کیا مجبوری تھی جس کی وجہ سے یہ بن باس کاٹ رہے ہو۔'' رضا جو اندر قدم رکھنے والا تھا ایک دفعہ پھر رک گیا۔

نہ جانے نواز فاروق کیا کہنے والا تھا۔ یہ تو وہ بھی یقین کرنے والا نہ تھا کہ نواز فاروق نے کسی لڑکی کے لیے نویرہ احسان کو ٹھکرایا ہو۔ دل میں یہ بات تو ابھی بھی کھبی ہوئی تھی نواز نے ایسا کیوں کیا؟

''کیا بتاؤں آپ کو؟ کچھ ہے ہی نہیں بتانے والا جو پہلے کہا تھا وہی سچ تھا۔ یقین کریں۔'' ٹھہری ہوئی پر ملال سی آواز تھی۔

''کیسے یقین کر لوں؟ اگر وہ سچ تھا تو پھر تمہارا لہجہ کیوں جھوٹ بولتا ہے بڑی بھاوج نے فون پہ بتایا تھا وجہ کوئی اور ہے۔ یونہی نہیں تم رات رات بھر جاگتے رہتے۔ میں دور ضرور بیٹھی ہوں مگر سب خبر ہے۔ نویرہ کی تو شادی ہو چکی ہے۔ آباد ہے آ کر بتا رہی تھیں۔ اب تو ماشاء اللہ سے وہ دوسرے جی سے ہے۔ چند ماہ گزریں گے تو بیٹا یا بیٹی جیسی نعمت اس کی گود میں ہوگی اور تم نے۔ خوش کیوں نہیں ہو تم؟ ماں باپ' بہنیں' خاندان سب کو چھوڑا کیوں؟ بہت برا کیا تم نے بہت برا۔ اپنے ساتھ ہی نہیں ہمارے ساتھ

بھی۔'' چچی بیگم ایک دفعہ پھر رو رہی تھیں۔ رضا' چچی کے منہ سے ایک نیا انکشاف سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اسے اپنا وجود ایک پل کو ہوا میں معلق محسوس ہوا تھا۔

''یہ تو ہونا ہی تھا۔'' نواز کا لہجہ ایک دم شکست خوردہ ہوا تھا۔

''یہ سب کچھ تو تمہارے دم سے بھی ہو سکتا تھا۔ اگر تم انکار نہ کرتے تو۔'' چچی بیگم کا شکوہ ایسا تھا کہ نواز فاروق کی تانیوں تک مہر بہ لب رہا تھا۔

''ہاں اگر شارق زمان نویرہ کے ساتھ وہ سب نہ کرتا تو۔'' برداشت کرتے کرتے تنہا الزام سہتے سہتے نواز فاروق بھی ضبط کھو گیا تھا۔ ویسے بھی پہلے ہی کون سا وہ بہت اعلیٰ ضبط کا مالک تھا اور وہ الزام جو اپنی مرضی سے اپنے ذمے لیا تھا' اس کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے شانے شل ہونے لگے تھے۔ ضبط جواب دے رہا تھا۔ ماں کے اس طرح الزام دینے نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

وہ بھی کسی کے سامنے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ کوئی تو ہو جو اسے الزام دینے کے بجائے حوصلہ دے۔ اسے سمجھے اس کے موقف کو درست مانے۔ ماں سے بڑھ کر بھلا کون ہے جو اولاد کو سمجھ سکتا ہو۔ نواز کا دل ماں کے سامنے راز عریاں کر دینے کو چاہ رہا تھا۔ اور پھر الفاظ خود بخود ہونٹوں سے پھسلتے چلے گئے تھے۔

رضا جو نویرہ سے متعلق انکشاف سن کر واپس پلٹ رہا تھا۔ پھر رک گیا تھا۔ نواز کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ دل ایک دم دھڑک اٹھا تھا۔ مزید نہ جانے اب کیا سننے کو ملنے والا تھا۔

''امی! وعدہ کریں آپ کسی کے سامنے اس واقعے کا ذکر نہیں کریں گی۔ میں آپ کو کبھی کچھ نہ بتاتا۔ ساری عمر انکار کا الزام اپنے سر لیے اسی طرح زندگی گزار دیتا' اگر آپ مجھے ذمہ دار نہ سمجھتیں تو۔ نویرہ کی میں نے دل سے عزت کی ہے۔ جب پہلے الزام اپنے سر لیا تھا تو اب بھی اس کو کبھی ذلیل نہیں ہونے دوں گا۔ بس آپ وعدہ کریں کسی سے ذکر نہیں کریں گی۔ میری طرح ہر بات دل میں ہی رکھیں گی۔ کم از کم کوئی تو ایک ایسا ہو جو مجھے سمجھے بجائے الزام دینے کے میرا دکھ بھی سمجھے۔ امی میں نے بھی نویرہ کو دل کی تمام تر چاہتوں سمیت اپنانا چاہا تھا اپنے سارے جذبے اس کے نام کیے تھے۔'' رضا تو اپنے جذبوں سے باخبر تھا نواز کے الفاظ نے اسے سن کر دیا تھا۔

''نواز میرا دل بند ہونے والا ہے بتاؤ کیا بات ہے؟'' رضیہ چچی تو نواز کے الفاظ سے ہی خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

''آپ وعدہ کریں کسی سے بھی ذکر نہیں کریں گی۔''

''تم بتاؤ تو سہی۔'' نواز کے انداز نے ان کا دل لرزا دیا تھا۔

''آپ کو نویرہ کے ہسپتال پہنچنے سے متعلق علم ہوگا ہی نا۔''

''ہاں تو۔''

رضا خود الجھا' بھلا یہ واقعہ بھولنے والا تھا۔

''امی! شارق زمان نویرہ کو پسند کرنے لگا تھا اور یہ بات نویرہ بھی جانتی تھی۔''

"کیا کہنا چاہتے ہو تم...... اس بات کا مطلب کیا ہے؟"

"امی یہ ان دنوں کی بات ہے جب بڑی امی کی ٹانگ کا فریکچر ہوا تھا اور نویرہ ان کے ہاں ٹھہری ہوئی تھی۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ نویرہ دل کی تکلیف کی وجہ سے ہسپتال نہیں پہنچی تھی بلکہ اسے ہسپتال پہنچانے والا شارق خود تھا۔ شارق نے اس کے ساتھ۔" نہ جانے نواز اندر کیا کچھ کہہ رہا تھا۔

رضا کو لگا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ اپنے اردگرد اسے دھماکے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ اعصاب بکھر کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔ رضا نے دیوار سے ٹیک لگا کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"نواز؟" رضیہ بیگم ششدر تھیں۔

"امی میں جھوٹ نہیں کہتا۔ خدا کی قسم...... یہ سب شارق نے خود مجھے اپنے منہ سے بتایا تھا۔ میں نے بہت سوچا تھا۔ میں نویرہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر شارق ایسا چاہتا تھا۔ وہ اپنے کیے کا بھگتان بھگتنے کو تیار تھا۔ وہ اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر آپ بتائیں میں ایسے میں کیا کرتا میں سوچ سوچ کر ہارا تھا۔ نویرہ سے متعلق کیا کچھ نہ سوچا تھا اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے سب ختم کرنا امی جان! کوئی آسان کام نہ تھا۔ میں نویرہ کو اپنا بھی لیتا۔ شارق کی کسی بکواس کو اہمیت نہ دیتا! اس کی غلطی کو نظر انداز کر دیتا مگر امی شارق کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ صبر کرنے والا انسان نہیں ہے۔ اگر اس نے میرے اور نویرہ کے رشتے بلکہ شادی کے قریب یہ حرکت کی تھی۔ تو وہ نہ جانے بعد میں کیا کچھ کرتا میں نے ہر پہلو سے سوچا تھا۔ وہ نویرہ کو بدنام کرتا نجانے کیا کچھ کر دیتا۔ میں ڈر گیا تھا۔ امی وہ بعد کی بدنامی کون برداشت کرتا میں یہ سب بھی کر لیتا مگر شارق کو کون سمجھاتا۔ میں شارق کے تیور پہچان چکا تھا' وہ رشتہ داری کا لحاظ بھی نہ کرتا اگر میں درمیان سے نہ ہٹتا۔" نواز نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ رضیہ بیگم بھری آنکھوں سے دیکھے گئیں۔

"اتنا کچھ ہو گیا اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ میں تو سمجھی تھی تمہارے جانے کے بعد شارق کا رشتہ آیا تھا تب میں کیا ہر کوئی یہی سمجھ رہا تھا۔ برے وقت میں شارق نے اپنا ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ہائے بہت برا کیا شارق نے نویرہ کے ساتھ۔ وہ تو دودھ کی طرح پاک صاف لڑکی تھی۔ اس کی گواہی سارا خاندان دینے کو تیار ہوتا تم ایک دفعہ کہتے تو سہی ہم خود نویرہ سے ساری بات کلیئر کرتے۔" وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"کیا فائدہ ہوتا کہنے کا۔ نویرہ تو بدنام ہو جاتی۔ میں نے تو یہی سوچا تھا کہ شارق کو اپنی غلطی کا احساس ہے وہ ازالہ کرنا چاہتا ہے اور پھر عورت پر انگلی اٹھنا کوئی چھوٹی موٹی بات تو نہیں پوری نسل کی بنیاد ہوتی ہے ایک عورت۔ شارق کا ضمیر زندہ تھا جو اس نے اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے بجائے اسے قبول کرنا چاہا تھا۔"

"ہاہ...... ہاہ...... پتا نہیں اچھا کیا کہ برا۔ مگر بچی تو رل گئی نا۔" رضیہ بیگم کا دکھ ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"اللہ بہتر کرے گا۔ میری نیت بہت صاف تھی۔ میں نے دل کی تمام گہرائیوں سے اگر نویرہ کو اپنانا چاہا

تھا تو اسے دل کی تمام گہرائیوں سے شارق کو سونپا تھا۔ شارق میں چند خامیاں ہیں۔ نویرہ کا کردار ایسا ہے کہ اگر شارق متاثر ہو کر اسے اپنا چکا ہے تو ان شاء اللہ نویرہ کے کردار کا کچھ نہ کچھ اثر اس پر بھی ہوگا۔ میں نے پہلے بھی صرف نویرہ کی بہتری سوچی تھی اور اب بھی اس کے حق میں دعا ہی کر رہا ہوں۔"

"آمین۔" رضیہ بیگم کی سسکی صاف تھی۔

رضا بہت آہستگی سے وہاں سے ہٹا تھا۔ لرزتے قدموں سے وہ اکیڈمی سے نکلا تھا۔ اتنے بڑے انکشاف نے اس کو پوری ذات سمیت ہلا دیا تھا۔

شارق زمان اتنا کچھ کر چکا تھا۔ وہ بے یقین تھا۔

اور نویرہ۔

اس پر کیا کچھ نہ بیتی ہوگی۔

وہ جوں جوں سوچتا جا رہا تھا۔ اضطراب کے گہرے سمندر میں غرق ہوتا جا رہا تھا۔

❁……❁……❁

سعد جمال کو اپنی شادی طے کر دینے کی خبر ملی تو وہ ایک دم پھٹ پڑا تھا۔

"یہ کیا کر دیا آپ نے؟ حد ہوتی ہے کسی چیز کی بھی میں ابھی تک اس رشتے کے لیے ہی آمادہ نہیں اور آپ لوگوں نے شادی تک طے کر دی۔ میری مرضی' میری رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں آپ کے نزدیک۔" آتش فشاں انداز تھا۔

یہ خوشخبری سنانے والے جمال صاحب تھے۔ رات کے وقت نفیسہ بیگم اور وہ سعد کو کال کر رہے تھے۔ وہ لوگ اپنے کمرے میں تھے اور ہادی وغیرہ اپنے کمرے میں۔

"تمیز سے بات کرو سعد! میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ جو تمہارے لہجے کی عادی ہے۔ وہ تمہارے نخرے برداشت کر سکتی ہیں' میں نہیں۔ تمہیں اطلاع دے رہا ہوں۔ تمہاری رائے یا مرضی نہیں مانگی۔ کب تک آ رہے ہو۔"

ان کے انداز نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ سعد کے انکار وغیرہ سے وہ بخوبی واقف تھے مگر اس رشتے سے متعلق اس سے پہلی دفعہ بات کر رہے تھے۔

"ابو جان پلیز! اتنا بڑا فیصلہ اس قدر اچانک۔"

"اچانک کیسے تمہاری ماں تمہارے کان میں یہ بات ڈال چکی تھیں۔ کہ ہم لوگ فوراً شادی چاہ رہے تھے۔"

"مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔" دوسری طرف سعد کچھ سخت لہجے میں بولا تھا۔

"صاف بات کرو۔ میں یہی سمجھوں کہ تم سرے سے انکار کر رہے ہو۔"

"ابو جان پلیز! اتنی جلدی کیسے ممکن ہے؟"

"سب ممکن ہے۔ تم مجھے اپنے آنے کی کنفرم ڈیٹ بتاؤ۔" ان کا انداز ذرا بھی رعایت دینے والا نہ۔

"دیکھو برخوردار! یہاں ہم نے اس یقین پر تاریخ تک طے کر دی ہے کہ فرمانبردار اولاد والدین کی

رائے کو اہمیت دینے والی ہوتی ہے۔ توشی کے ساتھ ہی زرش کی بھی رخصتی ہے۔ بات طے ہے۔ ملنا ہ
ہے تم کل تک فون کر کے اپنے آنے کے یا نہ آنے دونوں کے متعلق بتا دینا۔ ایک دن کا وقت دے رہا
ہوں مگر یہ سوچ کر انکار کرنا کہ اس انکار کے بعد تمہیں یہاں ہم سے سب تعلق ہی ختم کرنا ہوں گے۔ عق
مندی سے سوچنا اور عقل مندوں والا فیصلہ کرنا۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔ کل رات اسی وقت تمہار
کال کا انتظار کروں گا۔" انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

نفیسہ بیگم متفکر سی شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"ٹال رہا ہے ناہنجار میں تمہیں منع کر چکا تھا کہ اتنی جلدی شادی طے مت کرو۔ اس کے تیور مجھے ٹھ
نہیں لگ رہے۔ مگر تمہاری بھی یہی ضد تھی۔ کیا کر لیتا زیادہ سے زیادہ انکار کر دیتا۔ مگر اب اگر اس نے ا
کیا تو بہت برا کرے گا۔ میری بہن کا گھر ہے وہ پہلے ہی اس گھر میں بڑے دکھ دیکھ چکی ہے۔ زرش ک
چھوٹی موٹی لڑکی نہیں ہے اگر سعد نے انکار کیا تو میں اسے عاق کر دوں گا۔"

"اللہ خیر کرے آپ ٹینشن کیوں لیتے ہیں۔ کچھ نہیں کرے گا۔ میں خود سمجھاؤں گی۔" ان کے
برہم ہونے پر انہوں نے سمجھاؤ سے کہا۔

"لگتا تو نہیں بات کرنے کا انداز ایسا تھا" کہ جیسے میں نہیں وہ میرا باپ ہے۔"

"کہا ہے نا فکر نہیں کریں۔ میں سمجھا دوں گی۔" انہوں نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔ "میں اسے فون کر
دیکھوں؟"

"رہنے دو۔"

"میں اس کی رائے جاننے کی کوشش کرتی ہوں۔ کچھ نہ ہوا تو سمجھاؤں گی ہی۔"

"کہا ہے نا رہنے دو۔ اسے خود سے سوچنے دو۔ کل میں خود ہی بات کروں گا۔ دعا کرو مان جائے۔"

"اللہ کرے۔" انہوں نے دعا کی تھی۔

"ہادیہ سے تو ذکر نہیں کیا؟"

"نہیں۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کرنا بھی نہیں خوامخواہ پریشان ہوگی۔ کل کال کروں گا۔ پھر ہی کوئی بات کرنا۔"

"اگر سعد نے انکار کر دیا تو؟" ان کے اندر کا ڈر ان کی زبان پر آ گیا تھا۔

"تو پھر اسے اس گھر کا رستہ ہمیشہ کے لیے بھولنا ہوگا۔ ساری زندگی اس کی ہر بات مانی ہے۔ یہ با
تو اسے ماننا ہوگی۔"

نفیسہ بیگم چپ چاپ شوہر کو دیکھے گئیں۔ جو واقعی ہٹ کے پکے تھے۔

"اگر ایسا ہو گیا تو؟" ان کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

* * *

ڈاکٹر ظفر کی کال آئی تھی۔ وہ سمعان احمد سے ملنا چاہتا تھا۔ بہت دن ہوئے تھے دونوں کی ملا

دونوں

ہوئے۔

سمعان احمد کو اس کے ساتھ رات ڈنر کا پروگرام بنانا پڑا تھا۔ آفس سے جلدی گھر آ کر فریش ہونے کے بعد سمعان احمد نے ڈاکٹر ظفر کو اس کے کلینک سے پک کیا تھا۔ شکوے شکایت کے درمیان دونوں ہوٹل چلے آئے تھے۔

کچھ عرصے سے سمعان احمد اپنی ذات کو گویا بھول چکا تھا۔ بڑے دنوں بعد ڈاکٹر ظفر کی بھرپور رفاقت نے اندرونی و بیرونی طور پر بڑا خوشگوار تاثر چھوڑا تھا۔

"اب کہاں کا ارادہ ہے؟" کھانے سے فارغ ہو کر سمعان نے ڈاکٹر ظفر سے کہا تھا۔

"سی ویو چلیں کیا خیال ہے؟"

"ناٹ بیڈ آئیڈیا۔"

"چلو پھر چلتے ہیں بڑا عرصہ ہوا ہے۔ دونوں نے مل کر ساحل سمندر کی ریت کو روندا نہیں۔" سمعان احمد دھیمے سے مسکرایا تھا۔

وہ دونوں جب وہاں پہنچے تھے رات کے نو بج رہے تھے۔

"سمعان! آج تمہارے چچا سے ملاقات ہوئی تھی۔" چلتے چلتے باتوں کے دوران اچانک ڈاکٹر ظفر نے کہا تھا۔

"کس سے چچا جان سے؟"

"تمہارے ایک ہی تو چچا جان ہیں انہی سے ہوئی ہے۔"

سمعان کے قدم غیر محسوس انداز میں سست پڑے تھے۔

"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اپنے ڈاکٹر کے پاس آئے تھے میرا بھی اچانک سامنا ہو گیا تو سلام دعا ہو گئی۔"

"اچھا زیادہ طبیعت خراب تو نہیں تھی۔"

"نہیں ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ بتا رہے تھے یونہی ای سی جی کروانے آئے تھے۔"

"ای سی جی پہ۔" سمعان احمد کی پیشانی پہ تفکر کی لکیریں ابھریں۔

"میرے سامنے ہی انہوں نے ای سی جی کروائی تھی۔ ان کے دل کی پاور کچھ پرابلم کری ایٹ کر رہی ہے یار۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ وہ ٹینشن نہ لیں ورنہ ان کے دل پہ بوجھ بڑھے گا جو کہ ہارٹ ورکنگ کے لیے نقصان دہ بھی ہے۔"

"اچھا کل میں پوچھوں گا ان سے۔"

"واپسی پر اپنے کلینک میں ان کی گاڑی میں ہی لوٹا تھا۔ خوش مزاج انسان ہیں ویسے پاپا وغیرہ سے ان کے اچھے خاصے تعلقات ہیں۔ بزنس پیسس پر میری فیلڈ ٹوٹلی میڈیسن کی ہے سو مجھے نہیں پتا چلتا پاپا کے جاننے والوں کا انکل تو سب کو ہی جانتے تھے۔ پاپا، چچا، بھائی وغیرہ سب کو۔"

"سمعان زرش کی شادی ہو رہی ہے۔" ڈاکٹر ظفر کی بات سنتے ہی سمعان ایک دم چونک گیا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"سعود انکل نے۔" ڈاکٹر ظفر کا انداز ایسا ملامتی تھا کہ سمعان نے نگاہوں کا رخ پھیر لیا۔

جب سے ان کے منہ سے ان کی دونوں بیٹیوں کی شادی کا سنا ہے۔ میں پریشان ہو گیا تھا۔ میں نے زرش کے نام کی وضاحت چاہی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی شادی اپنی بہن کے ہاں کر رہے ہیں۔

"سمعان تم نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی اگر انہیں زرش کی شادی ہی کرنی تھی تو تم میں کیا کمی تھی۔ بقول ان کے کہ وہ عجلت میں شادی کر رہے ہیں۔"

شکوہ بھرا انداز ایسا دکھی تھا کہ سمعان احمد ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھے گیا۔

"سمعان مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں یار! یوں سمجھو کہ قسمت میں بعض رشتے نہیں ہوتے۔"

"یہ سب کیا ہوا؟" دونوں چلتے چلتے رک گئے تھے ڈاکٹر ظفر نے بالکل سامنے کھڑے ہو کر سمعان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"پتا نہیں۔ اب تو سب کچھ سیٹل ہو چکا ہے۔"

"تم مجھ سے ذکر تو کرتے؟" وہ بڑی دل گرفتگی سے کہہ رہا تھا۔

"تو پھر کیا ہو جاتا؟" بہت سنجیدگی سے پوچھا گیا تھا۔ چہرے پہ بلا کا سکون رقم تھا۔ ڈاکٹر ظفر کا دل چاہا کہ کھینچ کر سمعان کو سینے سے لگا لے اور کہے اپنے اندر کا سارا درد بہا دو۔ سمعان کے سچے جذبوں سے آگاہی نہ ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ سمعان کو کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر اب۔

"تمہارے دل کا درد بانٹنے کی کوشش کرتا" پاگل۔

"میں نارمل ہوں یار تم فکر نہیں کرو میں پہلے ہی ذہنی طور پر تیار تھا۔ یہ سب تو ہونا ہی تھا" سمعان نے مسکرا کر ظفر کو تسلی دی تھی مگر وہ مزید دکھی ہوا۔

"اور زرش؟ اس کا کیا ری ایکشن ہے؟"

"معلوم نہیں اصل میں یہ سب اتنا آناً فاناً ہوا ہے کہ میرا وہاں جانا ہی نہیں ہوا۔"

"اور زرش بھی تم لوگوں کے ہاں نہیں آتی؟" ڈاکٹر ظفر نے کریدا سمعان خاموش ہی رہا۔

"سمعان! ادھر دیکھو مجھے سب بتاؤ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں تمہارے چچا تمہارے ہوتے ہوئے کسی اور سے اپنی بیٹی کی شادی کر دیں ناممکن۔ ایسی تو کوئی بات ہوئی ہوگی جو نوبت یہاں تک پہنچی ہے۔ بتا رہے تھے چچا' ابھی زرش کے ایگزیم باقی ہیں مگر شادی کی تاریخ رکھنا پڑ گئی ہے۔"

دونوں نیچے ریت پر ہی ٹک گئے تھے۔ گویا اب بتانا ناگزیر ہو چکا تھا۔ سمعان احمد نے بڑی سفر کے ساتھ مختصراً بہت سی باتوں کو بیان کیے بغیر امی کی الزام تراشیاں اور دیگر باتوں کو سامنے لائے بغیر چیدہ چیدہ سارا ماجرا کہہ سنایا تھا۔

ڈاکٹر ظفر دکھ، تاسف و ملال کے ساتھ سب سنتا گیا۔

❋ …… ❋ …… ❋

اگلے دن فون کر کے انہوں نے سعد کی رائے جاننا چاہی تھی۔ سعد نے پانچ دن بعد واپسی کی ٹکٹ کنفرم کروانے کی جو خبر سنائی تو نفیسہ بیگم کا خوشی کے مارے برا حال ہونے لگا تھا۔ جمال صاحب بھی سعد کا فیصلہ جان کر ایک دم مطمئن سے ہو گئے تھے۔ انہیں یقین تھا سعد یہی فیصلہ کرے گا۔ دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔

نوشین کے سلسلے میں تقریباً ساری تیاری مکمل ہی تھی جبکہ زرش کے سلسلے میں صرف شادی کی حد تک کر رہے تھے باقی تو بعد میں بھی ہوتا رہتا تھا۔ سعود احمد کا سب کچھ ان بچیوں کا ہی تو تھا سو وہ کوئی کمی نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔

شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں بازار وغیرہ کا سارا کام شائستہ بیگم نے ہی سنبھالا ہوا تھا مگر دیگر کاموں کا سارا بار سعود احمد کے کندھوں پہ تھا۔ ایسے موقعوں پر انہیں حقیقی بیٹے کی کمی کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا تھا۔ سعید احمد کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھا تھا۔ سمعان علی عثمان نے کبھی بیٹے کی کمی محسوس ہی نہیں ہونے دی تھی۔ حالات کچھ بھی رہے ہوں مگر اب سمعان نے جب سے ان سے شرمندہ ہونا شروع کیا تھا انہیں بہت کچھ ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس دن آفس میں ان کی طبیعت کچھ خراب سی ہو گئی تھی۔ سعید احمد آفس میں تھے سمعان کو اطلاع ملی تو فوراً ان کے روم میں آیا تھا۔

"کیا ہوا چچا جان؟" وہ سائیڈ کے صوفوں پہ تھے۔

"کچھ نہیں بیٹا! یونہی درد سا ہونے لگا تھا۔ میڈیسن لی ہے۔ افاقہ ہو جاتا ہے ابھی۔"

"ڈاکٹر کو بلواؤں؟" سمعان احمد پریشانی سے ان کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں یار اب اتنی زیادہ بھی طبیعت خراب نہیں ہوئی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا مگر ان کے چہرے کے تاثر نے ان کی مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

"آپ کو اگنور نہیں کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں خدانخواستہ یہ ہلکا سا درد زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ آفس کے کام تو چلتے رہیں گے آپ اٹھیں ڈاکٹر کو دکھا کر گھر چل کر آرام کریں۔"

"رہنے دو یار! اس عمر میں درد تو چلتے ہی رہتے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر ٹالا تھا مگر سمعان احمد نے ان کے ٹالنے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی تھی۔ سب کچھ وہیں چھوڑ کر ان کو ساتھ لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے آئے تھے۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد تسلی دی تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ ٹینشن نہ لیں۔

"یار! ٹینشن تو اس زندگی کا حصہ ہے۔ جس انسان کو ٹینشن نہ ہو اسے نہ ہونے کی ٹینشن ہوتی ہے۔ اب انسان بے چارہ کیا کرے۔" ان کا حوصلہ کمال تھا۔ سمعان مسکرا دیا تھا۔

"کوئی سیریس بات تو نہیں ڈاکٹر؟" سمعان نے علیحدہ سے پوچھا تھا۔

"نہیں کوئی خاص تو نہیں۔ میرا خیال ہے سعود احمد اپنی بچیوں کی شادی کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی برڈن محسوس کر رہے ہیں جو ان کی ذہنی ٹینشن کا سبب بن رہا ہے اگر یہ پازیٹو سوچیں تو بالکل نارمل رہ سکتے

ہیں۔"

"انہوں نے کچھ میڈیسن تجویز کی تھیں ساتھ میں ریسٹ بھی۔

"سعود احمد کا ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ دونوں پچھلی سیٹ پر تھے۔ سمعان کا ارادہ ان کو گھر چھوڑ کر خود آفس جانے کا تھا۔

"سمعان!"

"جی چچا جان!"

"ناراض ہو ہم سے۔" انہوں نے محبت سے سمعان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"نہیں تو۔ آپ نے ایسا کیوں سوچا؟" سمعان نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"سمعان تم سے بڑھ کر میرے لیے کون اہم ہوگا۔ میں نے اور شائستہ نے تمہیں حقیقی بیٹے کی طرح ہی ہمیشہ چاہا ہے۔ تم تو ہمارے گھر کا رستہ ہی بھول گئے ہو۔ رشتہ ہونا یا نہ ہونا قسمت کی بات تھی۔ تم جب مجھ سے نگاہیں چراتے ہو تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔" انہوں نے دل کا بوجھ اتارا تھا۔ سمعان احمد نے محبت سے ان کے ہاتھ تھامے۔

"سوری چچا جان! میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو۔ ہاں میں آپ سے شرمندہ ہوں مگر میں آپ سے کوئی رشتہ نہیں بھولا۔ آپ کا ہم پر حق ہے۔ آپ حکم کریں۔"

"تمہاری چچی بھی تمہارا روز پوچھتی ہیں۔ گھر آتے ہی نہیں ہو تم۔"

"آپ کے سامنے ہی سارے کام ہیں۔ سارا دن فرصت ہی نہیں ملتی۔" سمعان کے جواز پر وہ ہلکے سے مسکرا دیے تھے۔

"پہلے بھی تو یہی کام تھے۔" شکوہ لبوں سے پھسل گیا تھا۔

"میں چکر لگانے کی کوشش کروں گا۔" سمعان نے ٹالا تھا۔ ان کے دل کو اک تکلیف سی ہوئی تھی۔ کتنے فاصلے آگئے تھے درمیان میں۔

وہ چاہ کر بھی اسے اپنے گھر لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے۔

"میرے ساتھ چل تو رہے ہو۔ چچی سے بھی مل لینا بڑی خوش ہوں گی تم سے مل کر۔"

سمعان نے خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ کتنی آس تھی آنکھوں میں۔ کتنا یقین تھا۔ سمعان احمد نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

عصر کے قریب کا وقت تھا۔ یقیناً اس وقت سبھی گھر پر ہی ہوں گے۔ سمعان کی سوچیں عجیب سی کروٹیں لینے لگی تھیں۔ دھیان کے پردے میں اک عکس بننے ابھرنے لگا تھا۔ سمعان احمد نے بروقت خود کو سنبھالا تھا۔ گاڑی سیدھی پورچ میں جا کر رکی تھی، ایک لمحے کو سمعان احمد کے دل کی دھڑکن بڑھی تھی دل چاہا تھا کہ واپس لوٹ جائے اندر نہ جائے مگر پھر اپنے آپ کو سنبھال لیا کہ یہ مشکل مرحلہ زندگی میں کبھی آنا تھا ہی۔ تو اب کیوں نہیں۔

"چلو سمعان احمد! لگے ہاتھوں تم اپنی برداشت کو بھی آزما لو۔" سمعان نے خود کو تھپکی دی تھی۔

ٹی وی لاؤنج سے ملی جلی آوازوں نے انہیں وہیں کا رخ کرنے دیا تھا۔

"السلام علیکم۔"

کئی چہروں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ ہادیہ، ستارہ، نفیسہ پھپھو، نوشین چچی اور ان سب کے درمیان قالین پہ بیٹھی ڈھیروں زیور سجائے سب کی توجہ کا مرکز بنی زرش نے۔

"وعلیکم السلام۔ ارے سمعان آیا ہے۔" شائستہ بیگم تو سمعان کو دیکھ کر ایک دم سب چھوڑ کر اٹھی تھیں۔ سمعان نے مسکرا کر انہیں پھر سلام کیا تھا۔ انہوں نے والہانہ پن سے دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھام کر پیشانی چومی تھی۔

"تم کو آج ہماری یاد کیسے آگئی؟" ان کا شکوہ بجا تھا۔ سعود احمد مسکرائے۔

"اس کو اندر تو جانے دیں۔" دونوں ابھی تک دروازے میں رکے ہوئے تھے۔ شائستہ نے فوراً رستہ دیا تھا۔

زرش اس دوران سارے زیور اتار کر پھپھو کی جھولی میں ڈال چکی تھی۔ سر پر دوپٹہ اوڑھ کر ایک دم رخ بھی بدلا تھا۔

"السلام علیکم پھپھو جان۔ کیسی ہیں؟"

"وعلیکم السلام تم سناؤ؟"

"اللہ کا شکر ہے۔" پھپھو کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"بھائی صاحب کیسے ہیں؟ علی فرح۔" شائستہ اور سعود صاحب ساتھ ہی آ بیٹھے تھے۔

"ٹھیک ہیں۔"

"آج آپ آفس سے اتنی جلدی آگئے ہیں؟"

"کیوں آپ کو ہمارا جلدی گھر آنا اچھا نہیں لگا۔" سعود احمد نے مسکرا کر کہا تو سبھی ہنس دیے۔ شائستہ بیگم جھینپ گئی تھیں۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں طبیعت کا پوچھ رہی ہوں خیریت ہے نا؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔" ان کا اشارہ اردگرد موجود پھیلاوے کی طرف تھا۔

"کچھ نہیں۔ میں اور ستارہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں کچھ کپڑے اور زیور لیے تھے سوچا زرش کو بھی دکھا لوں کہ کیسا ہے۔ پسند بھی ہے یا نہیں۔"

سمعان نے ایک غیر ارادی نگاہ زرش کی طرف کی۔ ستارہ کے ساتھ بہت دھیمے لہجے میں محو گفتگو تھی بے شک اس کی طرف پشت تھی مگر سائیڈ سے چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ زیور لیا ہے۔ صبح فون کر کے زرش سے کہا بھی تھا کہ ساتھ چل کے پسند کر لے مگر یہ مانی ہی نہیں۔ میں ہادیہ اور ستارہ گئی تھیں۔" وہ اب سعود احمد کو زیور دکھا رہی تھیں۔

"بہت اچھا ہے۔ بہت بھاری بھی۔" سعود احمد نے تعریف کی تھی۔

"ارمانوں سے خرید رہی ہوں اللہ پہننا نصیب کرے۔"

ذولم

"آمین۔" شائستہ بیگم نے خاموش اپنے ہاتھوں کو دیکھتے سمعان کو دیکھا تو ان کے دل میں اک لہر سی اٹھی تھی۔

"ہادیہ بیٹا۔ یہ سارا سامان تو سمیٹو۔ توشین! اٹھو بھائی کے لیے کچھ کھانے پینے کے لیے لاؤ۔"

"نہیں چچی جان! کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سیدھا آفس سے اٹھ کر آیا ہوں' چچا جان سے پوچھ لیں۔ واپس آفس جانا ہے۔ پھر کبھی سہی۔" سمعان احمد کا انداز وہی تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی زرش نے اس قدر مطمئن آواز کی طرف دیکھا۔ اس کی زندگی کو بے آرام کر کے سمعان احمد کیسے مطمئن ہو سکتا ہے۔ اس کی سوچ تک میں کڑواہٹ گھلی تھی۔ اسی لمحے سمعان کی بھی نگاہ اٹھی تھی۔ زرش نے جو بڑے عجیب انداز میں دیکھ رہی تھی تیزی سے رخ موڑ لیا تھا۔ اک واضح تنفر تھا اس کے انداز میں۔ سمعان کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی۔

بس وہ اسی لمحے سے بھاگ رہا تھا۔ زرش کی اس اک نگاہ میں کیا کچھ نہ تھا۔ دکھ' اذیت' ملال' شکوہ اور سب سے بڑھ کر الزام دیتی نگاہ میں مجرم قرار دیتا احساس تھا۔ جو بہت ہی تلخ اور نفرت بھرا تھا۔

"تو کیا زرش مجھ سے نفرت کرنے لگی ہے؟" یہ سوال ایسا تھا کہ سمعان بے اختیار اٹھ بیٹھا تھا۔

"بیٹھو سمعان! کھڑے کیوں ہو گئے ہو۔ کچھ کھائے پیے بغیر تو جانے نہیں دوں گی۔ اتنے دنوں بعد آئے ہو۔" چچی کی محبت کا وہی عالم تھا مگر سمعان احمد کے لیے اب ایک پل بھی مزید وہاں ٹھہرنا ناممکن تھا۔

"پھر سہی۔ ابھی جانے دیں۔ آفس کے بہت سے کام ادھورے چھوڑ کر آیا ہوں۔ چچا جان نے آنے کا کہا تو انکار نہیں کر سکا۔ پلیز۔" سمعان کا انداز ایسا تھا کہ شائستہ بیگم خاموش ہو گئی تھیں مگر دل چاہ رہا تھا اسے ابھی مت جانے دیں۔

کچھ دیر تو ٹھہرے
کچھ اس کی سنیں
کچھ اپنے دل کی سنائیں
مگر جانے والوں کو کب کوئی روک سکا ہے۔

اور اب

سمعان سب کو خدا حافظ کہتا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

سمعان کے نکلتے ہی زرش بھی اٹھی تھی۔

"ایک منٹ میں پانی پی کر آتی ہوں۔" ستارہ کو کہہ کر وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ اتنی تیزی سے کہ جوتا پہننا بھول گئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر اسٹڈ دراز کھول کر کچھ نکالا تھا۔ اور پھر اسی تیز رفتاری سے باہر کی طرف بھاگی تھی۔

"سنیے۔" سست قدموں سے جاتا سمعان احمد بس گیٹ سے نکلنے ہی والا تھا اس پکار نے قدموں میں زنجیر ڈال دی تھی۔

ذولم

سمعان فوراً پلٹا تھا۔

زرش اس کے سامنے تھی۔ ننگے پاؤں' پھولی سانسوں سمیت۔

ایک پل کو ٹھہر کر اس نے اپنی سانس ہموار کی تھی۔

سمعان جو اس کی اک نفرت بھری نگاہ کے الزام کا بار اٹھائے چل رہا تھا۔ یوں پکارے جانے پر حیران سا تھا۔

"تم؟" کچھ کہنے کی کوشش میں لب صرف پھڑپھڑا ہی سکے تھے۔

"سوری مجھے آپ کو روکنا تو نہیں چاہیے تھا مگر کیا کرتی پھر شاید موقع نہ ملتا۔" وہ اپنی سانس ہموار کر کے سپاٹ چہرہ لیے مخاطب تھی۔

"آپ کی ایک امانت تھی میرے پاس۔" اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ سمعان احمد کی طرف بڑھا کر اس کے سامنے بند مٹھی کھول دی تھی۔ گداز مرمریں ہاتھ کی گلابی ہتھیلی پہ دھرا لاکٹ سمعان احمد کا منہ چڑا رہا تھا۔

"یہ آپ کا دیا ہوا لاکٹ...... میں واقعی بڑی احمق ہوں جو آپ کے اس تحفے کا مطلب نہ سمجھ سکی اور جو آپ چاہتے تھے وہ تو ہو گیا۔ اب اس تحفے کا میرے پاس رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ پلیز لے جائیں اس کو۔" کتنا سخت' اذیت سے بھرا' کسی بھی احساس سے عاری لہجہ تھا۔

سمعان کے اندر شدید احتجاج نے سر اٹھایا تھا۔ بہت بےبسی سے اپنے جذبوں کی اس طرح توہین کرتے وجود کو دیکھا۔

"میری سوچ غلط یا گھٹیا نہیں تھی ٹھیک ہے حالات میرے حق میں سازگار نہیں رہے تھے۔ مگر تم مجھے الزام نہیں دے سکتیں۔"

"تو میں آپ کو الزام کب دے رہی ہوں۔ میں کہہ تو رہی ہوں میں احمق تھی۔ اور پلیز میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے سوچا تھا میں کبھی آپ سے سامنا نہیں کروں گی مگر مجھے آپ سے نہ صرف سامنا کرنا پڑ رہا ہے بلکہ بات بھی کر رہی ہوں۔ اس تحفے کے ساتھ آپ اور آپ کی والدہ کی بڑی مشکور ہوں۔ جنہوں نے مجھے ایسی آگہی دی ہے جو شاید ساری زندگی کی ٹھوکروں سے بھی مجھے حاصل نہ ہو پاتی۔ میں نے ہمیشہ رشتوں کی پاکیزگی کا خیال رکھا تھا۔ مگر میری قسمت' پلیز آپ یہ لے لیں۔ میں مزید آپ کے نام کا کوئی الزام نہیں سہہ سکتی۔" اس نے ہتھیلی بدستور سمعان کی طرف پھیلائے رکھی تھی۔ سمعان احمد چند پل اسے دیکھے گیا تھا۔

بغیر کوئی لحاظ و مروت کے وہ لاکٹ اٹھائے جانے کی منتظر تھی۔ اس کی نگاہوں میں شدید ملامت کا احساس تھا۔ پچھلے کسی حوالے کا رشتہ داری و مروت کا شائبہ تک نہ تھا۔ سمعان احمد کے نام کی مالا جپنے والی نہایت تلخ الفاظ بول رہی تھی۔ سمعان احمد کی دیوانی سرتا پا بدل گئی تھی۔ وہ اس سارے واقعے کا الزام سمعان احمد کو دے رہی تھی۔ سمعان کے اندر جیسے طوفان برپا ہوا تھا۔

تند و تیز سیل رواں نے منہ پھاڑا تھا مگر ضبط کمال کا تھا۔

"میں تحفہ دے کر واپس لینے والوں میں نہیں ہوں۔"

زرش نے غصے سے دیکھا۔ "یہ تمہاری چیز ہے اگر تم اپنی سوچ میں آزاد ہو تو اپنے ہر عمل بھی ہو۔ بے شک کہیں پھینک دو۔ میں یہ واپس نہیں لوں گا۔ میں جھوٹا نہیں تھا۔ حالات نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ مجھے قسمت کو بدلنا آتا ہے مگر میں اپنے رشتوں سے ہار گیا۔ تم اپنی سوچ میں آزاد ہو جو مرضی سوچو جو مرضی کہو تم اس وقت حق پر ہو۔ سعد کے ساتھ شادی مبارک ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ حافظ۔"

"رکیے سمعان بھائی! پلیز یہ لے جائیں۔" سمعان نے جانے کو قدم اٹھائے ہی تھے کہ وہ فوراً سامنے آ گئی تھی۔ آواز میں التجا در آئی تھی۔

"مجھے آپ کے نام کی کوئی بھی چیز نہیں رکھنا۔ لے جائیں اس کو۔"

سمعان نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا۔ وہ بے لچک انداز لیے ہوئے تھی۔

"جب تمہارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تو پھر میں اس کا کیا کروں گا۔" سمعان نے وہ لاکٹ پکڑ لیا تھا۔ زرش نے سکھ کا سانس لیا مگر اگلا پل اس کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

"زبردستی نام لکھوا لینے سے قسمت بدل نہیں جاتی' ہے نا زرش سعود احمد۔" سمعان نے وہ لاکٹ تیزی سے گیٹ کے پاس پڑے ڈسٹ بن میں ڈال رہا تھا۔

"اب مطمئن ہو جاؤ میرے نام کی کوئی بھی چیز تمہارے پاس نہیں۔" سمعان جذباتیت کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت یہ حرکت خود بخود اس سے سرزد ہوئی تھی۔

زرش منہ پر ہاتھ رکھے ششدر کھڑی رہ گئی تھی۔

سمعان یہ حرکت بھی کر سکتا ہے اسے توقع نہ تھی۔

سمعان نے ایک نگاہ ششدر کھڑے وجود پر ڈالی اور پھر تیزی سے قدم باہر کی طرف بڑھا لیے تھے۔

سمعان کے باہر نکلتے ہی اس کی آنکھیں ایک دم برسنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈسٹ بن میں جھانکا کچرے کے اوپر گرا لاکٹ جھلملاتی نگاہوں سے بھی نظر آ گیا تھا۔

◆

سعد جمال پاکستان آ چکا تھا۔ فرح نے ایک دن پہلے علی سے سعد کی آمد کی خبر سنی تھی۔ تب سے وہ جلے پیر کی بلی بنی ہوئی تھی۔ احساسات ایسے ہو رہے تھے کہ کسی پل چین نہ آ رہا تھا۔

وہ کالج مسلسل جا رہی تھی۔ زرش شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد مسلسل تو نہیں مگر ایک دو دن بعد ضرور جا رہی تھی۔ آج بھی زرش کالج گئی تھی دونوں ساتھ ساتھ ہی رہی تھیں مگر اجنبیوں کی طرح اور زرش کا یہ اجنبیوں والا رویہ اس کا دل مزید چھلنی کر رہا تھا۔

گھر آ کر لباس بدل کر اس کے لیے ماجدہ کا پیغام تھا کہ کھانا کھا لے۔ وہ ٹیبل پر پہنچی تو حیرت ہوئی آج سبھی گھر میں تھے۔ ابو بھائی' علی تو کالج سے لوٹا تھا اور امی بھی۔ اب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا بہت ہی کم نصیب ہوتا تھا۔ کھانے کے دوران پاپا اور سمعان میٹنگ کی ہی باتیں کرتے رہے تھے۔ وہ خاموشی سے کھاتی رہی۔

کال بیل کی تیز آواز نے سب کو متوجہ کیا تھا۔

کھانا کھا کر وہ چائے بنا کر لائی تھی۔ اس وقت لاؤنج میں سبھی تھے سوائے طاہرہ بیگم کے۔

"علی دیکھو کون ہے؟" علی قالین پر بیٹھا ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ سعد صاحب کے کہنے پر اٹھنے لگا۔

"میں دیکھتی ہوں۔" فرح ٹرے رکھ کر باہر نکل آئی تھی۔ گیٹ کھولنے پر اسے جو شخصیت سامنے نظر آئی تھی اسے دیکھ کر وہ کئی ثانیے کو ساکت رہ گئی تھی۔

"سعد جمال۔" بہت عرصے بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ پورا وجود گویا پتھر بن گیا تھا۔ پاکستان آنے کے دو دن بعد وہ ان کے ہاں آیا تھا۔

"اسلام علیکم۔" وہ چونکی تھی۔ گزرے بہت سے لمحے یاد آتے چلے گئے۔ آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔

"اندر آنے نہیں دو گی۔" وہ دروازے پر ایستادہ تھی جیسے اس کا رستہ روکے ہوئے ہو۔ اندر کے ابال کو پلکیں جھپک کر روکتے ہوئے وہ سائیڈ پر ہو گئی تھی۔

"ناراض ہو۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ فرح سختی سے لب دبائے آگے بڑھتی رہی تھی۔

"فرح!..... فرحی! پلیز..... کچھ تو کہو۔" وہ اس کے سامنے آیا تھا۔ فرح نے سر اٹھا کر ملامتی انداز سے اسے دیکھا۔

"سوری۔" وہ سائیڈ پر ہو گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔

سعد نے عجیب پژمردہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ ایک طویل سانس فضا میں شامل کرتے ہوئے اس نے اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"اسلام علیکم۔"

اس آواز پر کسی فائل پر ڈسکشن کرتے دونوں باپ بیٹا ہی نہ صرف متوجہ ہوئے تھے بلکہ علی کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول بھی چھوٹا تھا۔

"سعد" سب کے لب ہلے تھے اور پھر سب ہی اذیت سے دوچار ہوئے تھے۔

"کیسے ہیں ماموں جان!" آگے بڑھ کر وہ ماموں کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے بڑی محبت و گرمجوشی سے سینے سے لگا لیا کہ بہرحال وہ ان کا بھانجا پہلے تھا۔

سمعان بہت ہی نارمل انداز سے گلے ملا تھا۔ علی کا انداز کچھ ڈسٹربنگ تھا وہ ملتے ہی باہر نکل گیا تھا۔ فرح اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ طاہرہ بیگم کو سعد کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ بھی فوراً اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں۔

ان سے سلام دعا کرتے سعد کا انداز پھیکا سا تھا۔

سعید احمد سعد سے ان کی تعلیم' مصروفیات اور امریکہ کے قیام سے متعلق ہی استفسار کرتے رہے تھے۔ انہیں کہیں میٹنگ پہ جانا تھا۔ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔ سمعان احمد نے ہی سعد کو کمپنی دی تھی۔

دونوں کے درمیان دو تین سالوں کا فرق تھا مگر ہم عمر ہونے کی وجہ سے بھی بڑی بے تکلفی تھی۔ سمعان تعلیم مکمل کرتے ہی بزنس میں انوالو ہو گیا تھا تو سعد اپنی ہاؤس جاب مکمل کرتے ہی مزید تعلیم کے لیے باہر چلا گیا تھا۔ دوران تعلیم وہ چکر لگاتا رہا تھا۔ مگر اب کے پورے ڈیڑھ سال بعد پاکستان آنا ہوا تھا۔ مگر یہاں بہت کچھ بدلا ہوا تھا۔ نہ صرف سعد کی بے تکلفی بلکہ سمعان احمد کے انداز میں بھی بلا کی جھجک تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے مخاطب' بار بار رک جاتے تھے نگاہیں پھیر لیتے تھے۔

ماجدہ نے چائے بنا کر پیش کی تھی چائے پی کر سعد سمعان کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا گیا تو طاہرہ بیگم سب کے رویوں پر کڑھنے لگیں۔

اپنے ہی گھر میں وہ اجنبی بن کر رہ گئی تھیں۔

فرح علی سمعان کبھی ان سے کلام نہیں کرتے تھے اور سعید احمد ان کے چپ کی مار سب پہ بھاری تھی۔

اپنے گھر کے سناٹوں سے گھبرا کر کبھی دل اتنا گھبراتا کہ ایک دم وحشت زدہ ہو جاتیں' ایسے میں جی چاہتا تھا کہ اپنے گھر سمیت ہر چیز کو آگ لگا دیں۔

فرح اپنے کمرے میں آ کر خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ذہن کسی بھی نقطے پر نہیں ٹھہر رہا تھا۔

اضطراب' وحشت' دکھ' ان احساسات سے اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ اس نے اس شخص کو کبھی

دانستہ نہیں سوچا تھا۔ مگر نادانستگی میں ہی اس شخص کو لعنت' ملامت کرتے اس نے پہروں سوچا تھا۔ اس شخص کی آنے والی گمنام کال نے اس کی توجہ میں اپنا حصہ ڈالا تھا۔ اس کے جذبوں کو عجیب احساس آگہی دیا اور پھر جب سمعان کے کہنے پر اس شخص سے بات کی تو سب نقش' پانی کے ثابت ہوئے تھے۔ دل کی بستی میں ابھی کونپل نے اپنے ہونے کا پتہ بھی نہیں دیا تھا کہ ختم ہونے کے دکھ میں مبتلا کر دیا تھا۔ ماں' باپ کے حالات نے ایسی سمجھداری دی تھی کہ آنکھوں نے کم سنی سے ہی خوابوں سے تعلق توڑ لیا تھا۔ مگر گمنام آواز اس کی آنکھوں میں رنگ ضرور بکھیر دیتی تھی۔ دل میں جہاں وحشتوں کا راج ہونے لگتا تھا وہاں اک میٹھا سا احساس بھی کروٹ لینے لگتا تھا۔ آنکھیں تو فوراً دیے جلا دیتی ہیں۔ انجان شاعرانہ لفظوں نے آنکھوں کے پار بڑی خاموشی سے رازداری کا مظاہرہ کرتے ڈر و خوف کے جھولے میں جھولتے دیپ جلا لیے تھے مگر بادِ صرصر وہ دیپ بجھا چکی تھی۔

وہ کس کس چیز کا ماتم کرتی۔

سمعان احمد کے دل کی بربادی کا۔

زرش کی بے گناہی کا۔

ماں کے ظالمانہ سلوک کا یا پھر اپنے اندر رہنے والی لڑکی کے احساسات کے کچلنے کا۔

وہ سعد جمال سے ناراض نہیں تھی۔

وہ اس کے ڈرامے پر اس سے خفا تھی مگر ناراض نہیں تھی۔ سمعان کے سمجھانے پر اس کا دل سعد جمال کا گرویدہ ہونے کو ہی تھا کہ سارا منظر بدل گیا تھا۔ مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ گریہ وزاری نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ زرش کے حق میں اس شخص کے لیے دعا مانگنے کی کوشش میں بلک بلک کر رو دی تھی۔

بڑے برے وقت میں آ کر اسے اپنے لٹنے کا احساس ہو رہا تھا۔

پہلے سمعان کا دکھ رلاتا تھا' مگر اب اپنی آگہی کا دکھ خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر رہا تھا۔

نہ جانے کتنا وقت بیتا تھا۔

آنے والا نہ جانے گیا تھا کہ نہیں۔

وہ اپنا چہرہ صاف کرنے باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔

طوفان پانی کا ہو یا آنسوؤں کا تباہی کے اثرات شدید ترین ہوتے ہیں اس نے اپنی نم سوجی آنکھوں کو مسلا۔ چہرے پر کولڈ کریم لگا کر چہرے کی سرخی کم کرنا چاہی تھی مگر آنکھوں کی سرخی جوں کی توں تھی۔

"سعد بھائی چلے گئے۔" کچن میں کام کرتی ماجدہ سے آ کر پوچھا۔

"جی سمعان صاحب کے ساتھ چلے گئے تھے۔"

فرح نے سکھ کا سانس لیا

ایک کپ چائے بنا کر لان میں دے جاؤ۔ میں ادھر ہی ہوں۔" ماجدہ سے کہہ کر وہ لان میں آ بیٹھی تھی۔ لان ہرا بھرا تھا پھول کھلے ہوئے تھے مگر اسے لگ رہا تھا کہ جیسے ان کے گھر کے اندر اک خزاں ٹھہر

گئی ہے۔ جس کا نہ جانے کوئی اختتام بھی تھا کہ نہیں۔

ماجدہ چائے تیار کر کے دے گئی تھی۔

دوپہر ڈھلتی شام کی آہٹوں کا پتا دے رہی تھی۔

سمعان احمد نے گیٹ سے اندر گاڑی بڑھائی تو پہلی نگاہ اسی پر ہی پڑی تھی وہ بھی متوجہ تھی۔ سمعان نے وہیں گاڑی روک کر اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ آج سمعان جلدی گھر آ گیا تھا۔ ارادہ فرح اور علی کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام تھا مگر سعد جمال کی آمد نے سارا پروگرام لیٹ کر دیا تھا۔

''اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ علی کہاں ہے؟'' اس کے قریب پہنچ کر پہلی نگاہ اس کے چہرے پہ پڑی تو ٹھٹک گیا تھا۔ بھیگی نم آلود سوجی آنکھیں سرخ چہرہ۔

ٹیس سی اٹھی تھی دل کے اندر

''علی باہر نکل گیا تھا' ابھی تک نہیں لوٹا۔'' سمعان کو حیرت ہوئی۔

''کافی دیر ہو گئی ہے۔ شام ہونے والی ہے اب تک تو گھر میں آ جانا چاہیے اسے۔'' سمعان نے گھڑی دیکھی تھی۔

''آپ کو اس پہ چیک رکھنا چاہیے بھائی' امی کی تو وہ کوئی بات سنتا ہی نہیں میں کچھ کہوں تو مجھے بھی ڈانٹ دیتا ہے۔ آپ سے اور ابو سے ڈرتا ہے' آپ ہی سمجھائیں' اتنی دیر گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے تفکر سے ہنکارا بھرا۔ ''امی کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں۔ شاید اپنے کمرے ہی میں۔''

''فارغ ہو؟''

''کیوں؟'' اس نے سمعان کا چہرہ دیکھا۔

''چلو آؤ باہر چلتے ہیں' تھوڑی سی آؤٹنگ ہی ہو جائے گی۔''

''کہاں؟''

''پارک چلتے ہیں یا سی سائیڈ کیا خیال ہے؟''

''پارک ہی چلتے ہیں بڑا عرصہ ہوا ہے کہیں پارک کا چکر لگائے ہوئے۔''

''اٹھو پھر۔'' سمعان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ جس دکھ میں مبتلا تھی اس سے خود بھی نکلنا چاہتی تھی سو فوراً جانے کو تیار ہو گئی تھی۔ سمعان اس کو ''الہ دین'' پارک لے کر آیا تھا۔ یہ ان کے گھر سے خاصا دور تھا مگر چھوٹے بچوں کی تفریح کے لیے خاصا موزوں تھا۔ وہ سمعان کے ساتھ واکنگ ٹریک پر چل رہی تھی۔ سمعان اس کا گم صم انداز محسوس کر کے مسلسل کوئی نہ کوئی بات چھیڑ کر اس کا دھیان بٹا رہا تھا۔ کتنے دنوں بعد سمعان احمد کی یہ بے تکلفی دیکھنے کو مل رہی تھی مگر اس کا دل خوش ہونے کے بجائے گہرے غم میں غرق ہوتا جا رہا تھا۔

سینے کے اندر سناٹے سے اتر رہے تھے۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' اسے مسلسل سر جھکائے چلتے دیکھ کر سمعان نے پوچھا اس نے یونہی سر ہلا دیا۔

''ادھر بیٹھو میں آئس کریم لے کر آتا ہوں گھبرانا نہیں۔'' سمعان نے قریبی درخت کے نیچے بنی سنگی بنچ کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے ادھر جا بیٹھی۔ ارد گرد بہت سے لوگ تھے زندگی کی گہما گہمی تھی۔ ہنستے مسکراتے چہرے معصوم بچے خوبصورت کپلز۔ وہ دلچسپی سے اطراف میں دیکھنے لگی۔

چونکی تو اس وقت جب کوئی خاموشی سے اس کے برابر آ کر بیٹھا تھا۔

''ارے بھائی آپ اتنی جلدی.....'' باقی کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ اس کے برابر آ کر بیٹھنے والا سمعان احمد نہیں سعد جمال تھا۔

''آپ؟'' حیرت کا شدید جھٹکا تھا۔ سعد بھلا ادھر کیا کر رہا تھا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ بات کرنا چاہتا ہوں مگر تمہارے گھر میں یہ ممکن نہ تھا۔'' سعد جمال نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چونکی یعنی سمعان احمد سعد جمال کی اطلاع پر اسے یہاں لائے تھے۔

اس کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

اگر سمعان اسے کچھ بتاتے تو وہ کبھی نہ آتی۔

''مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' سارا معاملہ کلیئر ہوتے ہی وہ غصے سے کہہ کر فوراً اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے قدم اٹھاتی سعد جمال نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''فرح پلیز! میری بات سن لو۔ پلیز۔'' ملتجی انداز تھا۔

''کیوں؟ اب کون سا نیا ڈرامہ رچانا چاہتے ہیں آپ؟ آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کی بات سن لوں گی۔ خام خیالی ہے آپ کی اب کوئی نیا کھیل شروع کرنے سے پہلے ضرور سوچ لیجیے گا کہ آپ کی شادی زرش سعود احمد سے طے ہے۔''

''فرح پلیز! ہم کزن بھی ہیں۔'' سعد زچ ہوا تھا۔ فرح نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''ہماری اس حوالے سے بھی کبھی بے تکلفی نہیں رہی۔'' ادھر رکھائی کا وہی عالم تھا۔

''پلیز فرح! میں اپنے ہر مذاق کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں مجھے پتا ہے تم مجھ سے بدگمان ہو۔ ناراض ہو بیٹھ کر میری بات سن لو۔''

''سعد بھائی پلیز! آپ ہماری پھپھو کے بیٹے ہیں' میرے لیے بڑے قابل احترام ہیں۔ آپ نے جو بھی کیا آپ کا ذاتی فعل ہے' ہاں مجھے ہرٹ ضرور ہوئی تھی مگر مجھے کسی بھی قسم کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ آپ پہلے ہی اس سارے مذاق نما ڈرامے کا محرک پیش کر چکے ہیں۔ اب بار بار وضاحت کیوں؟''

وہ اسی طرح سرد تاثرات لیے کھڑی تھی۔ سعد کے ساتھ بھائی کا حوالہ دے کر اس نے گویا صاف واضح کر دیا تھا کہ وہ اسے کیا حیثیت دیتی ہے۔

''فرح پلیز! میں ذہنی طور پہ بہت اپ سیٹ ہوں' پلیز اگر تم آرام سے میری بات سن لو تو۔'' اس کی آواز میں عاجزی در آئی تھی۔ فرح کو نہ چاہتے ہوئے بھی واپس اسی بنچ کے دوسرے کنارے پر ٹکنا پڑا تھا۔ سمعان کے بغیر وہ واپس بھی نہیں جا سکتی تھی اور یہاں سے ہٹ کر وہ جاتی بھی کہاں سمعان احمد اگر اسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا تو اتنی جلدی آمد نہیں ہوتی تھی جب تک سمعان آتا! یہ سعد کو برداشت کرنا تھا۔

وہ بینچ پر بیٹھ تو گئی تھی مگر بولی کچھ بھی نہیں۔ سامنے ٹریک پر نگاہیں جمائے کس نادیدہ نقطے کو گھورتی رہی۔

”تم سے متعلق میرے جذبات نہ ہی وقت گزاری کے لیے رچایا گیا کوئی ڈرامہ تھا نہ ہی جھوٹ۔ ہاں ایک مذاق ضرور کیا تھا مگر تمہارے جذبات سے کھیلنا کبھی مقصود نہ تھا۔ میں تو بہت مطمئن تھا کہ تمہارا حصول بہت آسان ہے۔ میرے دلی جذبات سے امی ابو اور ستارہ تینوں آگاہ تھے اس کے باوجود زرش سے فاناً یوں رشتہ طے ہو جانا تم شاید یقین نہ کرو میرے لیے کسی شاک سے کم نہ تھا میں دنوں بے یقین ہوں۔ امی ابو کو قائل کرتا رہا ہوں اپنے جذبات واضح کیے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ الٹا امی نے یہاں کے حالات بتائے اس سے میں خود دوہری کیفیت کا شکار ہو چکا تھا۔“ اسے بالکل خاموش دیکھ کر سعد بلال نے خود ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

”تمہیں شاید یقین نہ آئے مگر یہ سچ ہے، امی زرش سے رشتہ طے کرنے سے پہلے ماموں سے کئی بار تمہارے میرے رشتہ کی بات کر چکی تھیں۔“

”کیا؟“ فرح کے لیے یہ انکشاف تھا۔ خاصی حیرانی سے سعد کو دیکھا۔

”اور ماموں نے ہر بار ٹال دیا تھا۔ وہ شاید وقت کا انتظار کر رہے تھے مگر وقت سب کے ساتھ نجانے کب اور کہاں کیا ’کھیل‘ کھیل جائے۔ کوئی نہیں جانتا۔“

وہ اب اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ فرح کے اندر سعد کے لہجے پر اک نمی سی بکھر گئی۔

”میں تو سرے سے زرش سے رشتے سے ہی انکاری تھا مگر یہاں تو امی ابو نے شادی تک طے کر دی۔ مجھ سے پوچھے بغیر میری مرضی کے بغیر۔“ امی جان سے یہاں کے سارے بدلتے حالات سے باخبر ہونے کے بعد میں نے ایک دن یونہی تم لوگوں کے ہاں کال کی تھی اور علی سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے قطعاً نہیں بتایا تھا کہ سمعان احمد زرش میں انوالو ہے، انہوں نے یہی تاثر دیا کہ اس سارے تنازعے کی ذمہ دار صرف مامی جان ہیں اور علی سے بات کرنے پر اس سے سمعان احمد اور زرش کی پسندیدگی کا بتا کر میں حیران رہ گیا تھا۔“

فرح ابھی ’سمعان احمد کی پسندیدگی تو ٹھیک مگر زرش‘ اس نے کچھ کہنا چاہا کہ سعد نے ٹوک دیا۔ بلکہ ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

”اگر تم اس بات سے انکار کر رہی ہو تو فضول ہے۔ میں خود بھی علی کی بات سن کر حیران رہا تھا۔ میں یقین کر ہی نہیں سکتا تھا۔ سمعان احمد اور زرش میں ایج ڈیفرنس ایسا ہے کہ مانا ہی نہیں جا سکتا تھا اور دوسرا سمعان احمد کا رویہ زرش کے ساتھ ہمیشہ سے برادرانہ ہی رہا تھا۔ مجھے یقین کرنے میں تامل ہوا تھا اور پھر جب میں نے عثمان بھائی کے ہاں کال کر کے حالات سے متعلق جاننا چاہا تو انہوں نے بھی سب کہہ دیا۔ مجھے بڑا دکھ ہوا تھا۔ امی نے مجھ سے یہ ساری بات کیوں چھپائی۔ سمعان احمد تو مجھے وقار بھائی سے بڑھ کر عزیز ہے، بھلا اس کے جذبات سے متعلق جان کر بھی رشتہ قبول کر لینا ناممکن تھا۔

”فرح لب بھینچے سن رہی تھی۔“

”میں نے مسعود ماموں کو فون کر کے حالات کے متعلق جاننا چاہا تو پتا چلا کہ امی نے ان سے میرے رشتے کی طرف سے انکار کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ مجھے بڑا دکھ ہوا تھا۔ میں نے امی ابو سے پوچھا تو انہوں نے صاف ٹالا تھا۔ سمعان کی پسندیدگی سے انکار کیا تھا۔ پھر بھی میں انکاری رہا تو انہوں نے آناً فاناً شادی کی تاریخ طے کر کے فوراً پانچ دنوں کے اندر پاکستان پہنچنے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا۔ میرے پاس اب کوئی راستہ نہیں بچا تھا مگر یہ شادی بھی قبول کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے میں سمعان سے ملا ہوں، بے شک میری اس سے براہ راست اس موضوع پر بات نہیں ہوئی مگر بہت اچھی طرح جان چکا ہوں کہ سمعان احمد زرش کے لیے کس حد تک انوالو ہو چکا ہے۔“

ان آخری الفاظ پر فرح کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔ وہ سمعان احمد کے تمام جذبوں کی گواہ تھی۔ سمعان احمد کا دکھ تو اسے خون کے آنسو رلاتا تھا۔ اب بھی آنسو بہتے چلے گئے۔

”ابھی آپ نے کہا کہ سمعان احمد اور زرش کی پسندیدگی۔“ یہ صرف سمعان بھائی کے جذبات تھے۔ زرش تو سرے سے ناواقف تھی اور جب اسے علم ہوا تو وہ سمعان بھائی کے ہر جذبے سے انکاری تھی۔ اگر ہم میں سے کوئی اسے سمعان بھائی کے ساتھ انوالو قرار دے تو یہ سراسر بہتان ہوگا۔ زرش تو قطعی بے قصور ہے۔ قصور تو بھائی کا بھی نہ تھا۔ مگر حالات پر کس کا بس چلتا ہے امی اور خالہ کی نفرت اس قدر زور آور تھی کہ دونوں نے ذرا بھی نہ سوچا کہ وہ چچا کی فیملی کو نقصان پہنچاتے پہنچاتے اپنی فیملی کو بھی نہیں بخش رہیں۔ میں جانتی ہوں امی کے ایک بہتان سے کیسا کیسا طوفان نہیں آیا۔ سمعان بھائی کی ذات کیسے بکھری ہے۔ ان کے رت جگوں کی میں گواہ ہوں۔ مگر قطعی بے بس ہوں کہ اپنے بھائی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

”سمعان بھائی نے کبھی کسی سے شکوہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی کو الزام نہیں دیا۔ دکھ تو یہ ہے کہ دکھ دینے والی کوئی اور ذات نہیں، ہماری اپنی جنم دینے والی ماں ہے۔“

”فرح! میری ایک بات مانو گی۔“ سعد اسے اسی طرح روتے دیکھتا رہا تھا۔ وہ خود ہی چپ ہو گئی تو اس نے کہا تھا فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا سعد جمال کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

”اگر سمعان سے متعلق مجھے علم نہ ہوتا تو میں آسانی سے امی ابو کی بلیک میلنگ کا شکار ہو جاتا۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو۔“ وہ رک گیا تھا۔

”میں زرش سے شادی سے انکار کر کے سمعان اور زرش کی شادی پر زور دوں گا۔“

”کیا؟“ فرح کو جھٹکا سا لگا تھا۔ ”ک..... کیا..... مطلب ہے آپ کا؟“ اس کی زبان ہکلا گئی تھی۔

”امی ابو میرے کسی انکار، کسی جواز کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں ان سے بات کر کے ہارا ہوں اب صرف میرے پاس ایک ہی راہ ہے میں مسعود ماموں کے سامنے انکار کر دوں۔“ فرح کو لگا جیسے اس کے اطراف میں بم پھٹ گیا ہو۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ..... ہرگز نہیں..... ایسا کبھی مت کیجیے گا۔ ہم اتنے خود غرض نہیں ہیں ہمارے لیے اس سارے الزام کے بعد زرش کو حاصل کرنا مشکل تو نہیں تھا مگر ہم کس منہ سے دوبارہ یہ رشتہ مانگتے

اورنہ ہی چچا جان اس اسٹیج پر ہیں کہ انہیں اب انکار کرکے صدمہ پہنچا سکیں۔ پہلے ہی وہ انجائنا کے شکار ہوچکے ہیں۔ بال بال بچے تھے۔ اب تو شاید (میرے منہ میں خاک) اگر ان کو کچھ ہوگیا تو ایسا سوچئے گا بھی مت۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔ صرف یہی ایک راہ مجھے دکھائی دیتی ہے' چلو میں تمہارا نام ہی نہیں لیتا۔ جذبات کو سرے سے کچھ اہمیت ہی نہیں دیتا مگر سمعان سے متعلق اتنی بڑی زیادتی مجھ سے نہیں ہو سکتی نہیں۔"

"تو پھر کیا کریں گے آپ؟"

"تم میرا ساتھ دو پلیز سعود ماموں کو تو میں بڑے آرام سے قائل کرلوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ تو سرے سے ہی بھڑک اٹھی تھی۔ "میرے متعلق ایسی بات سوچئے گا بھی نہیں۔" اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے۔ ہم لوگوں میں ان کو قائل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یا ہم لوگوں نے ان سے بات نہ کی ہوگی۔ اگر بات قائل کرنے کی ہے تو سمعان بھائی اور ابو جان سے بڑھ کر کون اہم ہو ہے۔ چچا جان کے لیے اس سارے قصے کے باوجود چچا جان کی محبت و شفقت میں ذرا فرق نہیں آیا۔ یہ ہماری شرمندگی ہے جو ہم اپنے حق سے دستبردار ہوچکے ہیں ورنہ امی کے بہتان کا جواب دینا کوئی مشکل تھا۔" اس کے لہجے میں تندی و تیزی تھی۔

"اور میرے متعلق یا میرا نام لے کر آپ نے اگر کسی سے انکار کیا تو یاد رکھیے گا میں آپ کو اس زندگی پر کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ سمعان بھائی کو لے کر اتنے کانشش ہو رہے ہیں تو غلط کر رہے ہیں۔ سمعان بھائی اتنے کم ظرف یا خود غرض نہیں ہیں' کہ وہ یہ سارا الزام سہہ کر بھی زرش کو دوبارہ ماحول میں آنے پر مجبور کریں۔ سمعان بھائی اگر اکیلے میں مجھے آپ سے بات کرنے کے لیے موقع دے رہے ہیں تو ان کی فطرت کا اندازہ لگالیں آپ' وہ اس خاندان کی عزت و وقار کی سرخروئی کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" فرح کے صاف اور واضح الفاظ نے سعد جمال کو کئی ثانیوں تک خاموش کردیا تھا۔

"میرا آپ کو مشورہ ہے سعد بھائی۔ سمعان بھائی کو بنیاد بنا کر کوئی بھی انتہائی قدم مت اٹھائیے کیونکہ بعض جذباتی فیصلے سوچنے میں بڑے آسان ہوتے ہیں مگر عمل میں انتہائی مشکل ثابت ہوتے ہیں۔ زرش سے شادی سے انکار صرف آپ کا ذاتی عمل نہیں ہوگا بلکہ تین گھرانے متاثر ہوں گے اور نے کبھی بھی آپ کی حوصلہ افزائی نہیں کی' اور یہ میرا صائب مشورہ ہے آپ کو زرش کم عمر ضرور ہے حالات و واقعات نے اسے اب جو آگہی دی ہے اگر آپ نے بھی اس سے زیادتی کرنا چاہی تو پھر اسے کوئی بھی بکھرنے سے نہیں روک پائے گا' اور چچا جان اس کنڈیشن میں نہیں ہیں کہ اتنا بڑا صدمہ سکیں۔ جبکہ شادی بھی قریب ہے۔"

سعد جمال نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔ امی ابو ستارہ اور فرح سب ہی سمجھا رہے تھے اس کا دل کچھ بھی ماننے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا۔

اگر ایک طرف اپنے مجبور پر جوش جذبات تھے تو دوسری طرف سمعان احمد کا خیال۔

سعد نے بہت بے بس ہوکر اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ فرح کو سمجھا لینا اپنا ہم نوا بنالینا اس نے کس قدر آسان سمجھ رکھا تھا مگر اب لگ رہا تھا کہ جو کچھ طے کرکے وہ واپس پاکستان لوٹا تھا وہ سب تو عملی طور پر سرانجام دینا خاصا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

* * *

نوریہ سے متعلق نئی خوشخبری سن کر تقریباً سبھی باری باری آکر طبیعت دریافت کرکے بڑی اماں کو مبارک باد دے کر گئے تھے۔ جمیلہ آپا' اماں' نبیلہ بھابی' زبیدہ چچی اور رقیہ چچی بھی بڑی دونوں بیٹیوں کے ساتھ آئی تھیں۔

دوبئی سے سجاد بھائی تو اکثر کال کرکے پوچھتے رہتے تھے۔ صبحی بھابی نے بطور خاص اماں سے سن کر فون کیا تھا۔ رفعت باجی بھی بہت خوش تھیں۔ اس سب کے باوجود نوریہ کو شارق زمان کی زیادتی نہیں بھولتی تھی۔ اس کی قسمت میں یہ سب کچھ تھا وہ مان چکی تھی مگر شارق زمان اگر دھاندلی کے بجائے صلح صفائی کی کوئی راہ اپناتا تو شاید نبیل بھائی کو اپنی غیرت پر لگنے والی چوٹ اتنی شدید محسوس نہ ہوتی۔ سوائے نبیل بھائی کے باقی سبھی نارمل ہی تھے رفعت باجی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا۔

"میں تو بہت خوش ہوں نوریہ! ایک نیک باکردار عورت کی اولاد ہماری نسل ہوگی۔ اگر شارق کسی ایسی ویسی عورت کو گھر لے آتا تو ہم کیا کرلیتے۔ شارق کو اپنی ماں کی بجائے اماں کی گود نصیب ہوئی تھی شاید اسی لیے اس کی فطرت میں تھوڑی بہت مروت باقی ہے۔ اپنی ماں بہن کی روش پر نہیں چلا۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی کہ اس نے تم جیسی لڑکی سے ہمیں نوازا۔ اب اتنی جلدی یہ نعمت۔ اللہ کا بہت کرم ہے تم پر نوریہ دیکھنا ایک دن ایسا آئے گا کہ شارق زمان کے اندر کوئی خامی نہیں رہے گی اور تم اس رشتے پر فخر کرو گی۔" کتنا مان تھا ان کے لہجے میں' مگر وہ وقتی طور پر متاثر ہوئی تھی اس کے بعد وہ پھر بے حس ہوگئی تھی۔

وہ چاہتی بھی تو اتنی بڑی زیادتی بھلا نہیں سکتی تھی۔

دوپہر کے قریب گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہوکر وہ اماں کے پاس بیٹھی ہلکی پھلکی باتیں کررہی تھی کہ فون کی بیل بجنے لگی تھی۔

"دیکھنا ذرا شاکرہ کون ہے؟"

"انسپکٹر انجم ہیں کوئی کہہ رہے تھے وہ شارق صاحب کے دوست ہیں۔ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

شاکرہ کے کہنے پر وہ حیران ہوئی اماں نے بھی دھیان دیا۔ نوریہ نے اٹھ کر ریسیور تھاما۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! نوریہ بھابی بات کررہی ہیں۔" دوسری طرف سے استفسار ہوا۔

"جی۔"

"آپ کو ایک اطلاع دینی تھی' لالہ منصور کو جانتی ہیں۔"

"کون لالہ منصور؟" اس کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا۔

"اچھا آسان لفظوں میں یہ ہے کہ شہوانہ زمان جو کہ شارق کی بہن ہے' اس نے جس شخص سے شاد کی تھی۔ اس کا والد لالہ منصور ہے۔ احسان منصور اس کا بیٹا ہے۔

"اچھا۔" اچھا نویرہ کے دماغ میں جھماکا ہوا تھا۔ "تو آپ یہ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟"

"آج شارق کے دفتر میں لالہ منصور اور شارق کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"تو۔"

"دونوں کے درمیان کافی شدید جھگڑا ہوا ہے۔ گولی بھی چلی ہے۔ لالہ منصور تو فرار ہو گیا مگر شارق کے بازو پر گولی لگی ہے۔ وہ اس وقت ہاسپٹل میں ہے۔"

"کیا؟" اس کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔ اماں اور شاکرہ دونوں ہی متوجہ تھیں۔

"کیا ہوا نویرہ؟" اماں نے پریشان ہو کر پوچھا تھا۔

"پلیز پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ صبح دس بجے یہ حادثہ ہوا تھا۔ شارق کو فوراً ہاسپٹل منتقل کیا گ تھا۔ گولی نکال دی گئی ہے۔ خون کافی بہا ہے اب وہ خطرے سے باہر ہے۔"

نویرہ کو اپنے اعصاب سن ہوتے محسوس ہوئے۔ اس شخص سے اختلاف سہی' مگر یہ طے تھا اب یہ شخص عمر بھر کا ساتھی تھا' اور جس کے ساتھ رہا جائے اس کے دکھ درد سے لاکھ نفرت کے باوجود رشتہ جاتا ہے۔

"لالہ منصور روپوش ہو گیا ہے۔ مگر ان شاء اللہ شام تک گرفتار ہو جائے گا۔ آپ زیادہ فکرمند نہ ہوں۔ اطلاع دی ہے۔ اگر ہاسپٹل کا چکر لگانا چاہیں تو ایڈریس لکھ لیں۔" خبر ایسی پریشان کن تھی کہ اس نے ہوتے حواس کے ساتھ ایڈریس سنا تھا۔

"کیا ہوا ہے نویرہ؟" ریسیور کریڈل پر رکھ کر پلٹی تو منتظر اماں نے متوجہ کر لیا۔

"اماں شارق کو گولی لگی ہے...... ہاسپٹل میں ہے اس وقت۔"

"ہائے اللہ! کیسے؟" اماں کی تو چیخ ہی نکل گئی۔ ایک دم رونے لگیں۔ نویرہ آہستگی سے انجم کی بات کہ سنائی۔

"نویرہ ابھی لے چلو مجھے۔ نجانے وہ کس حال میں ہوگا۔ خدا غارت کرے اس منحوس کو' ہم سے کیا لینے آ جاتا ہے۔ میرے بچے کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ جس نے اس کے بیٹے سے بیاہ رچایا ہے' اسے پکڑے اس کے حلق میں گولی اتارے۔" اماں کی گریہ وزاری شروع ہو چکی تھی۔

"اماں! کیا کیسے لے چلوں آپ کو سہارے سے چلتی ہیں آپ اس وقت کیسے کہوں؟"

"نبیل کو فون کر کے بلا لو۔" اماں نے اپنے تئیں راہ دکھائی۔

نبیل کا غصہ دل و دماغ میں روشن تھا مگر ایسے عالم میں اس کے علاوہ کس کو بلاتی۔ نبیل کے نمبر کال کی تھی۔

"السلام علیکم نبیل بھائی میں نویرہ۔" وہ جھجک گئی تھی۔

"ہاں بولو۔" روکھا پھیکا انداز اس کے دل سے اک ہوک اٹھی۔

"نبیل بھائی! شارق کا کسی لالہ منصور نامی شخص سے جھگڑا ہو گیا ہے گولی لگی ہے۔ اس وقت ہاسپٹل میں ہیں۔ اگر آپ آ جائیں تو۔" بھائی کی بے رخی تھی کچھ پہلے ہی ملنے والی خبر نے کم حوصلہ کر دیا تھا کہ آواز خود بخود لڑکھڑا گئی تھی۔

"اچھا ہوا ہے۔ ایسے کرپٹ لوگوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ افسوس کچھ نہیں کر سکتا...... کسی اور کو بلا لو...... بڑے ہمدرد ہیں اُس کے اس شہر میں' ہاں اگر اس کی موت کی خبر پہنچے تو ضرور بلانا میں تب ضرور آؤں گا۔" انتہا سفاکانہ انداز نویرہ کا دل کانپ گیا۔ اتنی نفرت' اتنا غصہ وہ تو پتھر کی بن گئی تھی۔

کسی بے بس انسان کا مذاق اڑانا' کہاں کی عقلمندی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

نبیل نے کال ڈراپ کر دی تھی۔ اس نے خاموشی سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"کچھ نہیں۔ میں فاروق چچا کو دیکھتی ہوں۔" اس نے دوبارہ ریسیور تھاما تھا۔ آنسو صاف کر کے اس نے دوبارہ نمبر ملائے تھے۔

فاروق چچا ساری بات سن کر متفکر ہو گئے تھے۔ انہوں نے فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ گھر آ گئے تھے۔ اماں کا ابھی اتنا چلنا پھرنا کہاں مناسب تھا۔ وہیل چیئر پر انہیں ہاسپٹل لایا گیا تھا۔ نویرہ ساتھ ہی تھی۔

انسپکٹر انجم انہیں اور کئی لوگوں کے ہمراہ کاریڈور میں ہی مل گئے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے شارق کی۔"

"اللہ کا بڑا کرم ہے۔ گولی جس اینگل سے بازو میں لگی ہے اگر تھوڑی بھی گڑبڑ ہو جاتی تو سیدھی سینے پر جا لگتی۔ خون خاصا بہہ گیا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ حادثہ دفتر میں ہوا۔ عملہ فوراً متحرک ہو گیا تھا۔ پہلی فرصت میں نزدیکی ہاسپٹل منتقل کیا تھا۔ فوراً آپریشن کر کے گولی نکالی گئی ہے۔" چچا کے پوچھتے ہی انسپکٹر انجم نے تفصیل سے بتایا تھا۔

"اللہ میرے بچے پر اپنا کرم رکھے۔ اگر خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو۔" اماں کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔ نویرہ جو ان کی کرسی دھکیل رہی تھی اس نے گہرا سانس لیا۔

"ملنے کی اجازت ہے کہ نہیں؟"

"شارق اندر بے ہوش ہے۔ دیکھ لیں آپ لوگ' ڈاکٹر سے میں پوچھ لیتا ہوں۔" وہ ایک طرف چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر سے اجازت لے کر ان کو اندر چلے جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔ چچا کے ہمراہ وہ اماں کی کرسی دھکیلتی انہیں اندر لے آئی تھی۔ شارق زمان بستر پر چت لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں بند' دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ بازو پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ جس سے قطرہ قطرہ خون شارق زمان کی رگوں میں منتقل ہو رہا تھا۔

نویرہ کے اندر شارق کو اس طرح پڑے دیکھ کر بے بسی و بے چارگی کا ایک گہرا احساس جاگا تھا۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ اس کا اس شخص سے رشتہ بہت گہرا تھا۔ شوہر سے پہلے وہ تایا زاد تھا۔ اور اب......

نویرہ کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔

اماں بستر کے قریب ہو کر شارق کے چہرے پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

* * *

شارق زمان کو جب ہوش آیا تو اس کے پاس سب ہی تھے۔ فاروق چچا نے فون کر کے سب کو اطلاع کر دی تھی۔ حمید چچا، زبیدہ چچی اور اماں پہنچ گئے تھے۔ شام تک شارق زمان کے دوست احباب کی آمد و رفت بڑھی تو اس نے اماں اور نویرہ کو گھر چلے جانے کا کہا تھا۔ فاروق چچا وہیں تھے۔ البتہ حمید چچا اس کو گھر چھوڑنے آئے تھے۔ اماں وہیں سے واپس چلی گئی تھیں۔ گھر آ کر بھی نویرہ کا ذہن الجھا رہا۔ خون بہنے سے شارق زمان کی اندرونی کمزوری اس کے چہرے سے صاف دکھائی دی تھی مگر ہوش میں آنے کے بعد سے وہ مسلسل منصور اور اس کے بیٹے کو مزہ چکھانے کے مصمم ارادے ظاہر کرتا رہا تھا۔ گولی کا اثر تو ذرا بھی نہ ہوا تھا۔ اماں تو مسلسل روتی رہی تھیں مگر اسے پروا کب تھی۔

"جتنا میرا خون بہا ہے۔ اتنا ہی اس شخص کا بہاؤں گا۔ لالہ منصور سمجھ لے کہ کس سے دشمنی لی ہے؟" وہ اپنے ارادوں میں اٹل تھا۔

اگلے دن دس بجے کے قریب وہ اور اماں اسپتال پہنچی تھیں۔ شارق زمان کے لیے کھانا لے کر۔ رات فاروق چچا وہاں رکے تھے۔ ان کے اسپتال آنے پر وہ گھر چلے گئے تھے۔

"کیا حال ہے؟" ٹرے میں کھانا چن کر جب وہ بیڈ کے قریب آئی تو پوچھا تھا ورنہ جب سے آئی تھی مہر بہ لب تھی۔

"تمہیں فرصت مل گئی میرا حال پوچھنے کی؟"

"کیا مطلب؟" اماں دیوار کے پاس رکھے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ نویرہ نے تعجب سے شارق زمان کو دیکھا۔

"محترمہ! کل بھی تشریف لائی تھیں اور آج بھی۔ کل تو توفیق نہ ہوئی تھی کہ جھوٹے منہ سے ہی پوچھ لیا جائے کہ مر گیا ہوں کہ زندہ ہوں۔ چلو حال احوال پوچھنا تو دور کی بات انسان پریشانی و تفکر کا ہی اظہار کر دیتا ہے مگر وہ بھی ندارد۔ افسوس تو بڑا ہوگا کہ کیا تھا یہ گولی بازو کی بجائے سینے پر لگی ہوتی۔ کم از کم ناپسندیدہ انسان سے جان چھوٹ جاتی۔"

نویرہ نے تاسف سے اسے دیکھا تھا اور پھر اماں کو۔ اماں جو پوری طرح متوجہ تھیں مگر شارق زمان کی آواز دھیمی ہونے کی وجہ سے پتا نہیں انہوں نے کچھ سنا بھی تھا کہ نہیں......

"خیر کیا کہہ سکتی ہوں۔ نظر شناسی بلکہ مردم شناسی ہے آپ کی اور کسی انسان کی موت سے مجھے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوگی۔ اتنی ظالم نہیں ہوں میں۔" غصے سے جواب دے کر اس نے بیڈ کی سائیڈ پر ٹرے رکھی تھی۔

"تم کتنی رحم دل ہو۔ کاش کوئی مجھ سے پوچھے۔" شارق زمان کا انداز خاصا فریش تھا۔ نویرہ نے تعجب سے شارق زمان کا چہرہ دیکھا۔ یہ مسکراہٹ مردانہ خد و خال کو دل کھینچ لینے والی اٹریکشن دے رہی تھی۔

"ایک گولی کھا کر اثر نہیں ہوا......" اس نے دانت پیسے تھے۔

"تمہارے ہاتھوں سے پوری چھ کی چھ گولیاں کھا سکتا ہوں۔ ٹرائی تو کرو۔" انداز ہنوز شوخی پر مائل تھا۔ نویرہ غصے سے تھوڑی واپس پلٹی مگر شارق نے آزاد ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اماں کے سامنے شارق زمان کی یہ حرکت اسے بڑی کوفت سے دوچار کر گئی تھی۔

"کیا ہے؟" انداز کھا جانے والا تھا۔ شارق زمان نے بھرپور حظ اٹھایا تھا۔

"یار ناشتہ کرواؤ۔ کل سے جوس وغیرہ پر گزارا کر رہا ہوں۔ کم بخت ڈاکٹروں نے بھی اس ہاتھ کو مسلسل تختہ مشق بنایا ہوا ہے۔ ایک ہاتھ سے اب خود تو کچھ کھانے سے رہا۔"

نویرہ نے شارق زمان کے اس ہاتھ کو دیکھا جو مسلسل ڈرپ اور مختلف سوئیوں سے جکڑا ہوا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں نرس کو بلوا لیتی ہوں۔ وہ کھلا دے گی۔" وہ تو کمرے کی تنہائی میں بھی شارق کے قریب خود نہیں بڑھتی تھی۔ اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا۔ شارق زمان کی ہی پیش رفت کا ہی نتیجہ تھا اور اب یوں اماں کے سامنے کھانا کھلانا۔ اسے حیا سی آئی تھی۔

ہاتھ کو مسلتے اس نے شارق زمان سے نظر بچائی۔ دوسرا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔

"نرس، نرس ہی رہے گی۔ بیوی نہیں بن جائے گی۔ بیٹھو ادھر۔" حکم آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر اسے بھی بستر پر بٹھا لیا تھا۔ نویرہ کا کوفت سے برا حال ہوا۔ جی چاہا سامنے پڑی ٹرے اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

"شارق! کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ صبح صبح اٹھ کر نویرہ تیار کرنے لگ گئی تھی۔ صرف میری وجہ سے ہم لیٹ آئے ہیں ورنہ صبح صبح کھانا بھیج دیتی۔ اب کھا لو۔ کل سے تم نے پتا نہیں کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔" صوفے پر بیٹھی اماں نے پتا نہیں ان کی گفتگو سنی تھی یا نہیں البتہ انداز ضرور نوٹ کیے تھے۔ اسی لیے شارق کو کہا تھا۔

"بتا تو رہا ہوں اسے کل سے جوس پر گزارہ کر رہا ہوں۔ بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔ ہاتھ بھی بندھا ہوا ہے اور یہ کچھ کھلانے پر آمادہ ہی نہیں۔" نویرہ پر نظر ڈال کر اماں کو با آواز بلند جواب دیا تھا۔ نویرہ نے غصے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"نویرہ کیوں انکار کرے گی۔ صبح سے ہلکان ہو رہی تھی۔ اب تم بیماری میں بھی چھوٹا موٹا کھانا تو کھاتے نہیں ہو۔ میرے کہنے پر ہی مرغی کا سالن اور چاول بنائے تھے۔ ساتھ میں پھلکے ہیں۔ جو جی چاہے کھانا کھاؤ۔ نویرہ بیٹا کھانا کھلاؤ۔ گیارہ بج رہے ہیں۔ بھوک تو صبح سویرے ہی لگ جاتی ہے۔" اماں کے حکم نے نویرہ کو لب بھینچ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ شارق کے ہونٹوں پر بڑی دلآویز مسکراہٹ چمکی تھی۔ نویرہ نے ٹرے میں چاول، سالن کے ساتھ پھلکے بھی نکال لیے تھے کہ جو جی چاہے کھا لے گا مگر اب غصے کو اندر ہی اندر کنٹرول کرتے ہوئے اس نے چاولوں والی پلیٹ اٹھائی تھی۔

"آپ لوگ آئے کیسے؟" اماں سے پھر پوچھا تھا۔ "مجھے روٹی کھانی ہے۔ یہ چاول رہنے دو۔" اماں سے سوال کرتے اسے بھی ٹوکا تھا۔ نویرہ جو اسپون میں چاول بھر رہی تھی۔ اس شاہی آرڈر پر کلس کر رہ گئی۔

"مجھے نہیں پتا۔ کھالیں خود ہی۔" وہ بڑبڑائی تھی۔ اماں کا لحاظ تھا ورنہ جواب تو ایسا دیتی کہ موصوف کے ہوش ٹھکانے آجاتے۔ چاول تو چمچ سے کھلا دیتی مگر روٹی۔

"چوکیدار کو کہہ کر ٹیکسی منگوائی تھی۔ تمہیں پتا تو ہے باہر نکلتے ہوئے وہیل چیئر استعمال کرتی ہوں۔ اس کے بغیر طبیعت باہر نکلنے کو تیار نہیں ہوتی۔ ڈر ہی لگا رہتا ہے کہ کہیں گر گئی تو کوئی ہڈی پھر نہ ٹوٹ جائے پہلے ہی مشکل سے چلنا ہو رہا ہے۔ وہ تو شکر ہے وہیل کرسی فولڈ ہونے والی ہے۔ باہر نکلنے میں آسانی رہتی ہے۔" اماں جواب دے رہی تھیں۔ شارق نے نویرہ کو گھورا تھا۔

"میرا آج بھوکا رہنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ محترمہ آپ کے رحم و کرم پہ ہیں، کھلا دیں۔" آواز خاصی بلند تھی۔ نویرہ نے بڑے برے انداز میں دوبارہ پلیٹ تھامی تھی۔

"یہ چاول ہی کھلاؤں گی۔ منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اماں کو کہہ دیتی ہوں۔ کھانا تو وہ آرام سے کھلائیں گی۔"

"یہ چاول کیا تم اپنے ہاتھوں سے زہر بھی پلاؤ گی وہ بھی آنکھیں بند کر کے پی لوں گا۔" شرارت انداز تھی۔ نویرہ نے بڑی خفا نظر ہونٹ دبا کر مسکراتے چہرے پر ڈالی تھی۔

"زہر میں کیا پلاؤں گی۔ آپ کی جو حرکتیں ہیں وہ اس بستر تک تو لے ہی آئی ہیں۔ قبر کون سی دور ہے۔ ایک مومن کو دن میں ہر پل قبر کو یاد رکھنا چاہیے۔ اچھی بات ہے۔" تلخی سے تگڑے جواب سے نوازا تھا۔ اسپون میں چاول بھر کر اس نے اپنے اسی تلخ انداز میں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"زندگی آپ کو موقع دے گئی ہے۔ خوش قسمت ہیں جو یہ گولی بازو پہ لگی ہے۔ اب بھی اپنا مواخذہ کریں۔ موت لفظ کہنا آسان ہے۔ جھیلنا بہت مشکل۔" خاص طور پر جتایا تھا۔ اسی دم کوئی تیزی سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا۔ کمرے میں موجود تینوں نفوس آنے والے کو دیکھ کر متوجہ ہوئے تھے۔

"ہائے شارق!" گھٹنوں سے اونچی پینٹ پنک ٹی شرٹ گلے میں برائے نام اسکارف ڈالے ہونٹوں پر ہلکی نیچرل لپ اسٹک لگائے، سر پہ گلاسز جمائے، ایک کندھے پر جھولتے براؤن بیگ اور پیروں میں نفیس چپل پہنے آنے والی اتنی دلکش تھی کہ نویرہ کو ایک پل کو لگا کہ اطراف میں خوشبو کے جھونکے بکھر گئے ہوں۔ شارق زمان کو کھانا کھلانے کے لیے بڑھتا ہاتھ ساکن ہوا تھا۔

"زیبا کیانی!" اس کے ہونٹوں نے نیم سرگوشی کی تھی۔ گو وہ اس سے صرف ایک بار ملی تھی۔ سرسری سا وہ ملاقات اس کے ذہن و دل میں آج بھی روشن تھی۔ زیبا کیانی کا توبہ شکن حسن آنکھوں کو خیرہ کرتا ہوا نویرہ کے اندر اک تلاطم برپا کر گیا تھا۔

بڑے والہانہ انداز میں وہ شارق کی طرف بڑھی تھی۔ "شارق! بلیوی مجھے تو پتا ہی نہیں چلا اس سارے واقعے کا۔ آج ہی تمہارے آفس فون کیا تو تمہارے کسی ملازم نے بتایا۔ میری تو سمجھو حالت ہی بری ہو گئی تھی۔ سنتے ہی بھاگی چلی آئی ہوں۔" محبت و لگاوٹ کا یہ خاص مظاہرہ اور پھر جس طرح اس نے

آگے بڑھ کر کمرے میں موجود دونوں خواتین کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شارق کے بیڈ کے دوسرے سرے پہ بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ نویرہ تو اش اش کر اٹھی۔

"ویسے یہ سب ہوا کیسے؟" اپنے دونوں ہاتھوں میں شارق کے دوسرے ہاتھ کو سمیٹے وہ بڑی محبت سے استفسار کر رہی تھی۔ نویرہ تو جل بھن گئی تھی۔ نہایت کوفت سے اس نے چاولوں سے بھرا اسپون پلیٹ میں پٹخا تھا۔

"بس معمولی سا جھگڑا تھا۔" شارق نے نویرہ کے تیور دیکھے تھے۔

"کھانا کھالیں۔ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔" جس طرح زیبا نے دونوں خواتین کو نظر انداز کیا تھا اسی طرح نویرہ نے بھی جتایا تھا۔

"اوہ تم ناشتا کر رہے تھے۔ میں تو بغیر ناشتا کیے ہی چلی آئی ہوں۔" نویرہ کے ٹوکنے پر اس نے اب اسے بڑی توجہ سے دیکھا تھا۔ براؤن بڑی سی چادر اپنے وجود کے اطراف میں اچھی طرح لپیٹے اپنے خوب صورت پرکشش چہرے کی تمام تر سادگی کے باوجود وہ ماحول میں نمایاں محسوس ہوئی تھی اور شاید کچھ چھائی ہوئی بھی۔

یہ شارق زمان کی بیوی تھی۔ نویرہ کو دیکھتے ہوئے اس کے باوقار انداز میں ٹوکنے سے اسے ایک چنک سے دوچار کیا تھا۔

"یہ بچی کون ہے شارق؟" اماں جو مسلسل خاموش بیٹھی تھیں۔ وہ اس طرح کی چہکتی دمکتی لڑکی کو دیکھ کر بھانپ گئی تھیں کہ یقیناً شارق کی کوئی جاننے والی ہی ہو گی مگر جس طرح وہ شارق کے قریب بیٹھی تھی انہیں برا محسوس ہوا تھا۔

"ہیلو آنٹی! میں شارق کی فرینڈ ہوں۔ آپ یقیناً اس کی امی ہیں۔" شارق سے پہلے ہی وہ بول پڑی تھی۔

"ہوں۔" اماں نے بغور دیکھا۔ حسن و خوب صورتی میں یکتا و بے مثال۔ کسی بھی چیز کی کمی نہ تھی اس میں۔ نویرہ کے مقابلے میں تو کہیں بڑھ کر تھی مگر پھر بھی انہیں اس کے اندر شدید کمی محسوس ہوئی۔ شرم و حیا کی کمی تھی شاید۔

"تمہاری بیوی تو شاید مجھے کبھی ناشتے کو نہ کہے مگر تم تو ناشتے کا کہہ دو۔"

"وائے ناٹ۔ نویرہ! زیبا کے لیے بھی کھانا نکال دو۔" نویرہ کے لیے شارق کا یہ حکم نامہ بڑا گراں تھا۔

"میرا خیال ہے یہ چل کر صوفے پہ بیٹھیں۔ رہی ناشتے کی بات تو نرس کو بلوا کر سرو کروا دیجیے۔ کافی کھانا موجود ہے ہاٹ پاٹ میں۔ پھر میں ہر ایرے غیرے کی خدمت کے لیے مامور نہیں ہوں۔" اندر کی کھولن لفظوں کی صورت صاف ظاہر تھی۔ بغیر کوئی لحاظ و مروت دکھائے۔ اس نے برملا زیبا کیانی کو اس کی اوقات یاد کرانے کی کوشش کی تھی۔

"نویرہ! یہ اس وقت مہمان ہیں۔" شارق نے ٹوکا تو نویرہ ایک دم کہہ اٹھی۔

"صرف آپ کی۔ میرا ایسے لوگوں سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔"

"شٹ اپ۔" زیبا کیانی ایک لمحے میں آؤٹ ہوئی تھی۔ نوریہ کو دیکھ کر رقیبانہ و حاسدانہ احساسات فوراً اُمڈے تھے مگر نوریہ کے ہتک آمیز انداز نے اسے سلگا دیا تھا۔

"یو شٹ اپ۔" نوریہ کا انداز اس سے بھی جارحانہ تھا۔

"نوریہ!" شارق نے سختی سے ٹوکا تو اس نے غصے سے شارق کو دیکھا۔

"خبردار! مجھے ٹوکا تو۔ شارق زمان! میں آپ کو صاف اور واضح انداز میں باور کروا چکی تھی کہ اگر مجھ سے کوئی تعلق رکھنا ہے تو پھر آپ کو ایسی ساری سرگرمیوں کو ترک کرنا ہوگا۔" غصے سے اس نے زیبا کیانی کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔ "ورنہ پھر جو ہوگا۔ اس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ میں ایسی چلتی سرگرمیوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ مجھے بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں۔" وہ غصے سے ایک دم ہی بپھر گئی تھی۔ اس کے انداز و تیور اور بطور خاص لب و لہجہ کو دیکھ کر اماں بھی حیران رہ گئی تھیں۔

"کتنی جاہل اور غیر مہذب ہے تمہاری بیوی۔ بالکل دقیانوسی سی۔" نوریہ بستر سے اتر کر پیچھے ہٹی تو زیبا نے استہزائیہ انداز میں کہتے اس کے سر سے پاؤں تک براؤن چادر میں چھپے وجود کو دیکھا۔

"شٹ اپ زیبا!" شارق کو زیبا کی بات ناگوار گزری تو فوراً ٹوکا تھا پھر نوریہ کو گھورا جو غیظ و غضب سے زیبا کو دیکھ رہی تھی۔

"نوریہ! بے وقوفی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ شی از جسٹ اے گیسٹ میری عیادت کو آئی ہے۔"

"ہونہہ۔ گیسٹ...... ایسی نہ جانے کتنی ہوں گی جو چکر لگائیں گی۔ کس کس کی پردہ پوشی کریں گے آپ......؟ ایسے لوگوں کی موجودگی میں یا تو یہ رہیں گی یا میں...... چلیں اماں گھر چلتے ہیں۔ خوامخواہ مجھ پر عزت کی زندگی تنگ کی ہے۔ اپنے بھائیوں کی نگاہوں سے گرایا مگر بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ماں اور بیوی کی موجودگی میں "دوستیاں" نبھائی جا رہی ہیں۔" غصے سے کہتے اس نے اپنے وجود کے گرد لپٹی چادر درست کی۔

"سکون سے نوریہ بچے! وہ چلی جائے گی' تمہاری جگہ مضبوط ہے۔ حوصلہ کرو۔ یہ تو عام سی بات ہے۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"نہیں ہوتا مجھ سے حوصلہ۔ انتہائی حالت میں مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ یہی سوچ کر میں اس شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں مگر اب نہیں کروں گی۔ مجھے یہ قبول ہی نہیں کہ مجھے چھونے والا ایسی عورتوں سے ہاتھ ملا کر میری طرف آیا ہو۔ میں اگر اس کے ساتھ نبھا کرنے پر مجبور ہوں تو اسے میری مجبوری نہ بنائیں۔ اسے یا تو ان عورتوں سے تعلق ختم کرنا ہوگا یا مجھ سے......" شارق کا زیبا کو "گیسٹ" کا درجہ دینا ہی غضب ہو گیا تھا۔

"نوریہ بکواس نہیں کرو۔" نوریہ کے ان الفاظ نے شارق کو بھی طیش دلا دیا تھا۔ وہ کون سا زیبا کیانی پر مر رہا تھا۔ یہ زیبا ہی تھی جو اس کی شادی سے متعلق جانتے ہوئے بھی اس کے پیچھے پروانہ وار نثار ہو رہی تھی مگر نوریہ کو کون سمجھاتا' وہ تو شارق کے ساتھ زیبا کی یہ بے تکلفی دیکھ کر ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی اور زیبا کے سامنے نفرت کے اس بھرپور اظہار نے شارق کو بھی سلگا دیا تھا۔ دل چاہا ایک دم ساری احتیاطیں بھلا کے

مگر زیبا کیانی کے سامنے اسے خود پر جبر کرنا پڑا تھا اور یہ اس کے لیے بڑی اذیت کی بات تھی۔

"اماں! اب جا رہی ہوں۔ میں شاکرہ کو چوکیدار کے ہمراہ بھیجوں گی یا حمید چچا کو فون کروں گی۔ آپ رہیں ادھر ہی۔ شام کو واپس آ جائیے گا۔"

شارق نے غصے سے اس خود سری نوریہ کو دیکھا۔ نوریہ کا انداز پہلے نفی کرتا تھا مگر اب برابر کی چوٹ کا تھا۔ جب سے یہ پریگنینسی کی خبر ملی تھی وہ حد سے زیادہ بے باک اور بے خوف ہو گئی تھی۔ شارق کو نوریہ کا یہ پروگرام طے کرنا انتہائی زہر لگا۔

"اکیلے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر میں اماں کے ساتھ چلی جانا۔" زیبا کے سامنے اپنے اُٹھتے اشتعال کو دبا کر اس نے ٹوکا تھا۔

"نہیں۔ جب تک آپ کی یہ چہیتی ادھر ہے۔ اب ایک پل بھی نہیں رکوں گی۔ رہ گئی بات اکیلے جانے کی فکر نہیں کریں۔ آپ جیسے بے خوف شخص کے ساتھ رہنے کا کچھ اثر تو ہونا تھا ہے۔ کم از کم دنیا کے چال چلن ہی سیکھنے کو مل گئے ہیں۔ اماں خیال نہ کیجیے گا۔ میں آرام سے چلی جاؤں گی اللہ حافظ۔" چادر منہ کے گرد لپیٹ کر مستحکم لہجے میں کہا۔

دونوں کو ایک ہی جواب میں نمٹاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا تو دیوار کے قریب کھڑے انسان کو دیکھ کر وہ چند ثانیے کو ساکت ہوئی تھی۔ نجانے وہ کیا کچھ سن چکا تھا مگر میری بلا سے اس نے کندھے اچکائے۔

"رضا! تم......" اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا۔

رضا نے براؤن چادر میں لپٹے چہرے سمیت پورے وجود کو دیکھا اور اک گہری سانس لے کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! عیادت کو آئے تھے۔"

"جی۔ آپ گھر جا رہی ہیں؟" رضا نے نوریہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ نجانے کیوں نوریہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ کچھ تھا رضا کی نگاہوں میں۔

"ہوں۔"

"آیئے۔ میں چھوڑ دیتا ہوں۔ میرے پاس بائیک ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔"

اسے کسی رکشے والے یا ٹیکسی ڈرائیور پر بھی تو اعتماد کرنا تھا تو پھر رضا کیا برا تھا۔ اسے ایک پل کو سوچنا پڑا تھا۔ "چلو۔"

* * *

چونکہ نوشین اور زرش کی شادی ایک ہی دن طے تھی مگر ہارون انکل کی فیملی نوشین کا نکاح پہلے کرنے کے حق میں تھی۔ سعد احمد اور شائستہ بیگم کو بھی بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ شادی طے تھی' نکاح شادی سے قبل ہو یا شادی والے دن ایک ہی بات تھی۔ شادی سے ہفتہ قبل انہوں نے نکاح کا دن رکھ لیا تھا۔ اس

سلسلے میں دونوں جانب خوب تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ہادیہ آپی آ کر دونوں کو ایک دوبار پارلر لے کر جا چکی تھیں۔ دونوں ہی ماشاءاللہ خوب صورت چہرے کی مالک تھیں۔ نوشی کا چہرہ تھوڑا سا سانولا تھا مگر بلا کا خوب صورت اور تیکھے نقوش سے مزین تھا جب کہ زرش کا سفید دودھیا حسن گلابی چھلکاتے رخساروں' گھنی پلکوں اور ہیروں کی طرح دمکتی نگاہوں سے ایسا شعلہ تھا جو اپنی معصومیت اور کم عمری سے کسی کا بھی دل لوٹ سکتا تھا۔ خدا کی طرف سے دیا گیا یہ حسن دونوں کی تیتوں کو نمایاں کرتا تھا۔ ہادیہ تو خیر سے گھربار والی تھیں جب کہ باقی یہ دونوں بھی اپنے فطری حسن و خوب صورتی میں بے مثال تھیں۔

آپا کے اصرار پر ہی زرش پارلر جانے پر راضی ہوئی تھی ورنہ خود کو سنوارنے' اجاگر کرنے کی اسے ضرورت ہی نہ تھی۔ خدا کا ودیعت کیا گیا حسن ایسا ہی تھا کہ کچھ مصنوعی سہاروں کی ضرورت بھی نہیں آئی تھی۔ بیوٹیشن نے اس کا چہرہ دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ صرف گھر میں تیار کیا گیا ابٹن ہی روزانہ ہاتھ پیروں اور چہرے پر مل لیا جائے یہی کافی ہے۔ اب نوشی کے ساتھ اس کی بھی شامت آئی ہوئی تھی۔ ماما نے یاسمین کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ روز سونے سے پہلے دونوں بہنوں کو ابٹن ملا جائے۔

زرش جو سرے سے اس قدر عجلت میں شادی پر رضامند ہی نہ تھی' دل میں لاکھوں اعتراضات اور انکار کے جواز موجود تھے مگر ماما پاپا کو دیکھ کر انکار کرنے کی جرأت نہ تھی۔ پہلے ہی ماما پاپا اس کی وجہ سے بمشکل ہی حالات کو ہموار کر پائے تھے۔ خدا خدا کر کے سنبھلے تھے۔ وہ انکار کرتی تو کتنا دکھ ہوتا۔

وہ سارا دن سب کی خواہش پر شادی کی تیاری میں مصروف رہتی تھی مگر رات کی تنہائی میں موقع ملتے ہی کمرے کی خاموشی میں اپنی بے اختیار ہو جانے والی سسکیوں کو نہ روک پاتی تھی۔

ہادیہ آپا روزانہ چلی آتی تھیں اور اسے نجانے کن کن الفاظ میں شادی کے بعد کی ذمہ داریاں' شوہر کے حقوق و فرائض سمجھاتی رہتیں تو وہ سرخ چہرے کے ساتھ لب بستہ سر جھکائے سنتی رہتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا یہ بہت بڑا امتحان ہے قبل از وقت۔ یہ سب اس کی برداشت اور عمر سے بہت زیادہ تھا۔ ماما پاپا اسے کم از کم دو سال تو مزید دیتے مگر پھپھو کو نجانے کس بات کی جلدی تھی۔ اب تو سعد جمال بھی پاکستان آ چکا تھا۔ ان کے ہاں بھی آیا تھا۔ پہلے سے زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ گو کہ اس نے سرسری سلام دعا اور حال چال کے بعد زیادہ کلام نہیں کیا تھا مگر اس کے انداز میں ایسی بات ضرور تھی کہ زرش چونک گئی تھی۔

سعد جمال کا ماما پاپا سب کے ساتھ رویہ بھی بڑا لیا دیا سا تھا تو وہ پھپھو اور ماموں جان کے ساتھ تھا مگر جس طرح سارے عرصے میں وہ چپ چاپ گم صم رہا۔ زرش الجھتی رہی۔ سبحان احمد کی محبت کے بھرپور چاہت اور وارفتگی کے مشاہدے کے بعد سعد جمال کا یہ گم صم خاموش لیا دیا انداز زرش کے اندر کا چین مسلسل چھین رہا تھا۔

وہ ہفتے میں تین دن کالج جا رہی تھی۔ کالج میں اس نے بطور خاص کسی سے شادی کا ذکر نہیں کیا تھا مگر کیا کیا جائے قیصرہ خالہ کی نگل اور رابعہ دونوں اسی کالج میں ہی تھیں۔ خاص طور پر نگل کے ذریعے قریبی دوستوں کو تھوڑی بہت بھنک پڑ ہی گئی تھی۔ چونکہ یہ شادی جس طرح طے پائی تھی اور جس قدر جلد

میں ہو رہی تھی۔ زرش کی کوشش تھی کہ جاننے والی لڑکیوں کو مدعو ہی نہ کرنا پڑے۔ اگرچہ کسی نے بھی منہ ورنہ صاف پوچھا نہ تھا مگر وہ خود ہی احتیاط برت رہی تھی۔

ماما تو کہہ چکی تھیں کہ چند دن کی چھٹیاں لے لو۔ پاپا بھی کہہ رہے تھے کہ کالج نہ جاؤ۔ پرنسپل سے وہ خود ہی جا کر بات کر لیں گے۔ سو وہ مطمئن تھی کہ اگلے چند دن میں وہ کالج جانے اور دوستوں کے سامنے سے بچ گئی تھی مگر اس دوران پڑھائی کا حرج ہوتا تھا۔ وہ ابھی سے فکرمند تھی۔ یہ طے تھا کہ اسے اپنی تعلیم میں فرق نہیں آنے دینا تھا۔

ہادیہ آپا کے سمجھانے بجھانے پر اس نے اور بھی بہت کچھ سوچا تھا کہ سعد کا مزاج دیکھ کر اسے قائل کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ اسے کم از کم دو سال تک ریلیف دے کہ وہ کم از کم گزارہ لائق تعلیم تو حاصل کر سکے۔ دو سال بعد حالات مناسب ہوئے تو وہ سعد کو کسی نہ کسی طرح مزید تعلیم کے لیے قائل کر لے گی کہ اسے کم از کم ایم بی اے تو کرنے دے اور اس کے بعد اگر اسے مکمل گھریلو لڑکی بن کر زندگی گزارنا پڑی تو وہ اس مقام پر تو ہو گی کہ ذہنی و جسمانی لحاظ سے وہ مکمل طور پر تمام ذمہ داریوں کو بااحسن نبھا سکے ورنہ شاید کچھ بھی ممکن نہ تھا کہ جب تک سعد جمال تعاون نہ کرے۔

وہ یہ سب خود ہی سوچ رہی تھی۔ سعد جمال کیا سوچے گا۔ اس کا کیا ردعمل ہو گا۔ وہ فی الحال کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بڑوں کے عجلت بھرے فیصلے میں اپنا مستقبل تباہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر سعد تعاون کرے تو سب کچھ ممکن تھا ورنہ نہیں۔ شادی تو ہو ہی رہی تھی۔ وہ مجبور بھی تھی مگر شادی کے بعد وہ خود کچھ حد تک فیصلہ کرنے کا حق تو رکھے گی۔

اس نے یہ سب طے کر کے ہی شائستہ کے سامنے شادی سے انکار نہیں کیا تھا۔ یہ سب سوچنے اور طے کرنے کے بعد ہی اس نے بہت سے دیگر رشتوں کو بھی نارمل لینے کی کوشش کی تھی جن میں اب سعد کا اور سبحان احمد کا تعلق تھا لیکن اب جب سے سعد سے ملاقات ہوئی تھی وہ الجھ گئی تھی۔ اس کے رویئے نے اسے بے چین کر دیا تھا چلو اس کے ساتھ اک نیا تعلق بنا تھا۔ وہ کم عمر تھی مگر ماما پاپا کے ساتھ اس کا لیا دیا انداز اسے ہضم نہ ہوا تھا۔

سعد ان سب حالات سے باخبر ہے ہادیہ آپا بتا چکی تھیں مگر اس کا سرد رویہ کیوں تھا؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

نکاح کی تقریب گھر پر ہی طے تھی۔ ہاں البتہ کھانا ریڈی میڈ تھا۔ شام ہوتے ہی مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ سعود احمد نے اس تقریب میں قریبی تمام عزیز و اقارب کو بمعہ اہل و عیال مدعو کیا تھا۔ البتہ اسلام آباد سے صرف عثمان بھائی آئے تھے۔ ہادیہ آپا رات میں ہی آ گئی تھیں۔ وہ عصر کے قریب ہی دونوں کو پارلر چھوڑ گئی تھیں۔ گھر کافی کام تھا' ماما تنہا تھیں۔ بے شک پھپھو کی بڑی دونوں بیٹیاں آ چکی تھیں' ہاتھ بٹا رہی تھیں مگر ان کی ذمہ داری ڈبل تھی۔

نوشی کے لیے ولیمے کا آف وائٹ فراک اور پاجامہ تیار کروایا گیا تھا۔ بے شک وہ باقاعدہ تمام زیور کے اہتمام سے تیار نہیں ہوئی تھی۔ ماتھے پر بندیا اور بازوؤں میں چوڑیوں کے علاوہ گلے میں ہلکا سا

لاکٹ پہنا تھا۔ باقی سارا زیور پھولوں کے گہنے تھے۔ نوشی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"قسم سے نوشی تم تو قیامت لگ رہی ہو آدھی دلہن بن کر۔ عفان بھائی کی خیر نہیں۔ یہ نہ ہو وہ نکاح کے ساتھ ڈائریکٹ رخصتی ہی کی بات کریں۔" زرش نے اس کو چھیڑا تھا۔ عفان کے نام پر وہ ایک دم شرمائی تھی۔

"کچھ نہیں۔ خیر تم تو ان سادہ کپڑوں میں بھی غضب ڈھا رہی ہو۔ سعد بھائی کا خیال رکھنا بلکہ ان سے نظر اتروا لینا۔" زرش کے رخسار سرخ ہو گئے تھے۔

"جوابی تعریف کی نہیں ہو رہی۔" جھینپے انداز میں اس نے ٹوکا تھا۔

ہلکے پنک کلر کے بالکل سادہ سوٹ میں بغیر کسی آرائش کے بھی وہ دمک رہی تھی اور دل مل کر لگائے گئے ابٹن کی سوندھی سوندھی مہک اور گجروں کی مہک نے اسے بڑا پاکیزہ سا سنگھار عطا کیا تھا۔

شادی تک ہر چیز منع تھی بلکہ آپا تو یہاں تک تاکید کر رہی تھیں کہ روزانہ لباس ہرگز بدلنے کی ضرورت نہیں۔ شادی کے قریب پورا ہفتہ ایک ہی لباس رکھنے سے نکھار زیادہ آتا ہے۔ خیر یہ تو ان کی منطق تھی مگر جس طرح گھریلو مصروفیات تھیں۔ زرش کچھ خود بھی پہننے اوڑھنے سے غافل ہو چکی تھی۔

پارلر سے انہیں وقار بھائی لینے آئے تھے۔ تیار تو صرف نوشی ہی ہوئی تھی۔ وہ تو ساتھ آئی تھی جب وہ دونوں گھر پہنچیں۔ دونوں اطراف کے تقریباً سب ہی مہمان آ چکے تھے۔ زرش اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

"تم ذرا ایزی ہو کر بیٹھو۔ ابھی یہاں رش لگ جائے گا۔ میں ذرا دولہا بھائی کو دیکھ آؤں۔" اسے مسکرا کر کہتے وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ چونکہ سارے قریبی ہی مہمان تھے اسی لیے عورتوں اور مردوں کے لیے علیحدہ سیٹنگ ارینج منٹ نہیں کیا گیا تھا۔

پھپھو کی فیملی کے ساتھ سعد کو دیکھ کر وہ کچھ مطمئن ہوئی تھی ورنہ نجانے کیوں گمان ہو رہا تھا کہ شاید وہ نہ آئے۔ تایا کی فیملی میں فرح علی اور عثمان بھائی ہی دکھائی دیے تھے اور حمزہ اور زوبار یہ بھائی کو شادی سے تین دن پہلے ہی آنا تھا۔ اس نے ہر ایک کو دیکھا تھا مگر اس کی نگاہیں پھر بھی بھٹک رہی تھیں۔

قیصرہ اور طاہرہ کے سب ہی بہن بھائی تھے۔ دوہری رشتہ داریاں تھیں سو سب ہی آئے تھے سوائے قیصرہ بیگم کے۔ ان کے ہاں پاپا نے ان کو کارڈ ضرور بھیجا تھا مگر صرف شادی کا نکاح کا نہیں۔ وہ آئیں یا نہ آئیں۔ یہ ان کی مرضی تھی۔ یہ پاپا کی فراخ دلی تھی مگر زرش ہرٹ ہوئی تھی۔ وہ اس عورت کو کبھی بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے اردگرد دیکھا تھا۔ ہال میں ٹی وی لاؤنج میں ڈرائنگ روم میں مگر اس کی نگاہیں اسی طرح بے چین رہی تھیں۔ اس نے لاشعوری طور پر گلے میں پڑے ہار کو مٹھی میں دبا لیا تھا۔ عثمان بھائی اس سے بہت شفقت سے ملے تھے۔ یہی حال فرح اور علی کا بھی تھا۔ فرح کچھ جھجک رہی تھی مگر زرش اس سے نارمل ہی ملی تھی۔ سب سے ملنے اور سلام دعا کرنے کے بعد وہ واپس نوشی کے پاس جانے کو اٹھی تھی۔

عفان بھائی تھری پیس سوٹ میں واقعی دولہا لگ رہے تھے۔ ابھی صرف نکاح ہی تھا مگر وہ خصوصاً دونوں اہتمام سے تیار ہوئے تھے۔ ایک طرح سے یہ شادی کی ریہرسل ہی ہو گئی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی لاؤنج سے نکلی تھی۔ آج کے دن وہ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ کچھ بھی نہیں مگر اس کے دل میں غیر محسوس انداز میں سناٹے میں گونجنا شروع ہو گئے تھے۔

اتنے شور و پر ہجوم فضا میں زرش اندر کا ماحول محسوس کر کے خود ہی گھبرا گئی تھی۔ وہ اندر کمروں کی جانب جانے کی بجائے چند پل کھلی فضا میں گہرے گہرے سانس لینے کی نیت سے باہر لان کی طرف بڑھی تھی۔ راہداری سے نکل کر وہ اندرونی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ سر جھکائے اپنی ہی سوچوں میں گم عجلت میں اندر داخل ہوتے وجود سے تصادم دونوں کو نہ صرف چونکا گیا تھا بلکہ اپنی اپنی جگہ ساکن کر گیا تھا۔ آنے والے وجود نے اس کے وجود کو گرنے سے بچانے کو بازوؤں میں سمیٹا تھا اور پھر دونوں ہی ساکن ہو گئے تھے۔

زرش کے اندر کے سناٹوں میں ایک دم ہلچل سی گونج اٹھی تھی۔ زرش حیران رہ گئی تھی۔ وہ اس چہرے کو اتنی دیر سے ڈھونڈ رہی تھی اور نہ پا کر اس کے اندر کے سناٹے گہرے ہو گئے تھے کہ ان کی کوئی بھی خوشی اس وجود کے بغیر کبھی بھی ناممکن تھی اور اب سمعان احمد کی نگاہیں اس کے وجود پر گویا تھم سی گئی تھیں۔ وہ حسین تو پہلے ہی تھی مگر اس وقت اس کا چہرہ ایسے چمک رہا تھا گویا ہر طرف روشنیاں بکھری ہوں۔ بغیر کسی آرائش سادہ سے حسن اور لباس میں جو سمعان احمد کے دل کا قرار لوٹ گئی تھی۔

"زری!" بے آواز سرگوشی زرش کے ساکن وجود میں جان ڈال گئی تھی۔ اسے صورت حال اور مقام کا احساس ہوا تو فوراً نظریں جھکا کر پیچھے ہٹی تھی۔ ان کے ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹنے پر سمعان نے بڑی بے قرار نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ یہ وجود یہ حسن یہ چاند چہرہ ان کے مقدر میں بھی ہو سکتا تھا مگر...... ان کے جذبات میں ہلچل سی ہوئی تھی۔

"کیسی ہو؟" سمعان کے لب ہلے تھے۔

"ٹھیک ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ سمعان کے اندر دکھ کے بادل گہرے ہونے لگے۔

"پیاری لگ رہی ہو۔" سمعان دل کی بات زبان پر لانے سے نہ روک پایا تھا۔ زرش نے بے اختیار سر اٹھا کر پانی سے اٹی نگاہوں سے انہیں یوں دیکھا تھا کہ جیسے سرزنش کرنا چاہ رہی ہو۔

"آپ......" کچھ کہتے کہتے وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔ "پیچھے ہٹیں مجھے باہر جانا ہے۔" اس کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔

"زرش! کیا ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ بھول جائیں۔ درمیانی عرصے میں جو بھی ہوا۔ فراموش کر دیں۔ ہم آپس میں پہلے کزن تھے۔ باقی رشتے بعد میں آتے ہیں۔"

"پلیز چپ ہو جائیں۔ کہنا بہت آسان ہے مگر عمل کرنا بہت مشکل۔ آپ کس قدر آسانی سے کہہ رہے تھا۔ فراموش کر دوں...... کیا آپ میرا وہ یقین وہ اعتبار دلا سکتے ہیں جو آپ پر تھا۔ بولیں جواب دیں۔"

سمعان احمد کے ایک طرف ہٹنے پر وہ آگے بڑھی وہ چلتے چلتے ایک دم رک گئی تھی۔ انتہائی غصے سے

انہیں دیکھا۔ وہ خاموش تھے۔

"نہیں۔ دلا سکتے آپ مجھے میرا وہ اعتبار...... بہت غلط کھیلا کھیلا ہے آپ نے میرے ساتھ۔ آپ میرے تایا کے بیٹے تھے' ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا' ماما پاپا نے بیٹے کی کمی قدم قدم پر محسوس کی تھی اور ہم بہنوں نے بھائیوں کی اور میں نے تو آپ کو حقیقی بھائی سمجھا تھا مگر آپ نے کیا کیا۔ نہ صرف میرا اعتبار توڑا بلکہ مجھے ذلیل بھی کیا۔ میرے اوپر بہتان بازی کی میری محبت' میری چاہت کو غلط رنگ دیا۔"

"زرش پلیز۔" وہ بلک بلک کر رونے لگی تو سمعان کے اندر ندامت کے ناگ اٹھنے لگے۔ "میں گناہ گار ہوں تمہارا مگر جتنی تم بے قصور ہو اتنا ہی میں بھی۔"

"چلے جائیں میرے سامنے سے۔ مت آیا کریں میرے سامنے۔ نفرت سی محسوس ہوتی ہے مجھے آپ سے۔" سمعان دکھائی نہیں دیا تھا تو وہ بے چین سی ہو کر رو دینے کو تھی اور اب دکھائی دیا تو آنکھیں ساون بھادوں بنی ہوئی تھیں۔

سمعان نے چند پل اسے دیکھا تھا۔ زرش کا انداز حد سے زیادہ دل شکن تھا جب کہ اس کا رونا دل پر قیامت بن رہا تھا۔ بڑی بے بسی سے سمعان نے دوبارہ دروازے کی جانب قدم بڑھائے تھے مگر وہاں سعد جمال کو دیکھ کر ٹھٹک جانا پڑا۔ نجانے اس نے کیا دیکھا...... کیا سنا تھا؟ سمعان کے اندر بے چینی سی ابھرنے لگی۔

"السلام علیکم۔" اسی چپ چاپ انداز میں زرش کو دیکھ کر سعد نے سمعان کو دیکھ کر مسکرا کر جو سلام کیا تھا۔ زرش نے آواز پر فوراً پلٹ کر دیکھا۔ سمعان سے ہاتھ ملاتا سعد بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً پلٹ کر چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔

"بہت لیٹ آئے تم۔" زرش تیزی سے دوپٹے سے رخسار رگڑتے دوسرے دروازے سے واپس اندر چلی گئی تھی۔

"ہاں بس آفس کا کام تھا۔ چچا جان اور ابو کی غیر موجودگی میں لازمی کرنا تھا۔" اپنے عقب میں سمعان کی آواز سنائی دی تھی

* * *

نکاح کی تقریب ہوتے ہی ہادیہ آپا کے کہنے پر وہ نوشی کو وہیں لاؤنج میں لے آئی تھی۔ عثمان بھائی اور دیگر مرد حضرات کے بیٹھنے کا انتظام ڈرائنگ روم میں تھا۔ عثمان بھائی کی ماما نوشی کے واری صدقے جا رہی تھیں۔ لاؤنج میں قریبی رشتے کے مرد حضرات کے سوا سب ہی خواتین ہی تھیں۔ ہنسی مذاق باتیں آوازیں اس قدر پر شور ہنگاموں کے باوجود سعد جمال اس طرح گم صم تھا۔ بظاہر اس کی نگاہیں نوشی کے ساتھ بیٹھی مسکراتی زرش پر تھیں مگر ذہن پر ان گنت خیالات کی فلم سی چل رہی تھی۔

سمعان احمد کا زرش کو گرنے سے بچانا۔ اس کی تعریف کرنا' زرش کا اندر رونا اور پھر سمعان احمد کو چلے جانے کا کہہ دینا جب کہ اس سب کے برعکس سمعان احمد کا وہی نارمل انداز برقرار تھا۔ یہ سب اسے بہت الجھا چکا تھا فیصلہ بہت مشکل تھا اور ایسے عالم میں فرح کا سامنا ہوتا۔

بے شک فرح سعید احمد اس سے بالکل نارمل ہی ملی تھی۔ ایک کزن کی ہی حیثیت سے مگر سعد جمال جو خود کو بہلا پھسلا کر حالات کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اب پھر گم صم ہو گیا تھا۔ اسے کیا کرنا چاہیے۔ کس طرح امی ابو سے بات کرے کہ وہ اس کے احساسات و جذبات کو سمجھ لیں۔

"زرش!" زرش نوشی کے قریب سے اٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل آئی تھی۔ سعد جو ایک کونے میں بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

"جی...... آپ......؟" اسے حیرت ہوئی۔ ساتھ میں تھوڑی سی کنفیوز بھی ہوئی۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" سعد کا انداز از حد سنجیدہ تھا۔ زرش نے دھیان سے دیکھا۔

"جی کہیے۔" ارد گرد دیکھتے اس نے اپنی اندرونی گھبراہٹ پر قابو پاتے نارمل انداز میں کہا تھا۔

"ادھر نہیں۔ میرا مطلب ہے یوں کھڑے کھڑے تو بات نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی سمعان آ رہا ہے ہیں۔ یہ بات کرنے کی مناسب جگہ نہیں۔ اگر تم کہیں بیٹھ کر میری بات سن لو تو......؟"

زرش اب حقیقت میں الجھی تھی۔ سعد جب سے پاکستان لوٹا تھا اس کا انداز یہی تھا۔

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہوں۔"

"اچھا آپ ادھر نوشی کے کمرے میں چلیں۔ میں آتی ہوں۔"

سعد کے جانے کے بعد وہ کچن میں چلی آئی تھی۔ پہلے پانی پی کر اپنی گھبراہٹ ختم کرنا چاہی۔ پتا نہیں سعد کو کیا کہنا تھا۔ ایسے عالم میں کہ جب شادی میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا۔ نجانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ کر الجھ کر رہ گئی تھی۔

وہ نوشی کے کمرے میں آئی تو سعد نوشی کی اسٹڈی ٹیبل کے پاس کھڑا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کتاب رکھ دی تھی۔

"بیٹھو" سعد نے بستر کی طرف اشارہ کیا تھا وہ کھڑی رہی۔

"آپ پلیز بات کیجیے۔ میں سن رہی ہوں۔"

"تم اپنی شادی سے خوش ہو؟" سوال ایسا تھا کہ زرش کا چہرہ سرخ رنگ ہوا تھا۔

"جی......؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"میرا مطلب ہے تم اس شادی پر راضی ہو یا نہیں؟" اس کے حیران ہونے پر سعد نے وضاحت کی تھی۔

"یہ سراسر ماما پاپا کا فیصلہ ہے۔ میں تو پڑھنا چاہتی ہوں مگر......" وہ سعد پر ابھی سے واضح کر دینا چاہتی تھی کہ شادی کی وجہ سے اس کی تعلیم متاثر ہو رہی تھی۔ یہ موقع اچھا تھا اس نے فوراً کہہ بھی دیا تھا۔

"اگر میں انکار کر دوں تو؟"

"جی؟" زرش نے چونک کر سعد کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ واقعی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"میں سمعان احمد کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔ ایسے عالم میں کہ جب سب نے اسی کے

ساتھ زیادتی کی ہو۔"

زرش کے اعصاب پر گویا بم پھوڑا گیا تھا۔ وہ تحیر سے دیکھے گئی۔

"تم مجھے غلط نہیں سمجھنا۔ مجھے کوئی بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ امی ابو بھائی کوئی بھی نہیں۔ سب کو ماموں جان کی بیماری کی فکر ہے اور یہاں اس عجلت بھرے فیصلے کی وجہ سے جو اتنی زندگیاں برباد ہو رہیں۔ ان کو کوئی نہیں دیکھ رہا۔ خاص طور پر سمعان احمد اس کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی...... تو اگر میرا ساتھ دو تو میں امی ابو سب کو راضی کر لوں گا۔ شادی رکوا لوں گا۔ ٹھیک ہے رشتہ یوں ہی برقرار رہے گا تب تک میں حالات کو سنوارنے کی حتی المقدور سعی نہ کر لوں۔"

زرش بے حس و حرکت سعد کو دیکھے جا رہی تھی۔ پتا نہیں الفاظ اجنبی تھے یا اس کی سماعت کمزور تھی یا نا سمجھی سے ساکن تھی۔ سمعان احمد کے حوالے سے ایک اور الزام اس کے سر تھا۔ سمعان احمد کی ذات ایک اور شخص کی نظروں میں اسے گرا گئی تھی۔ مارے صدمے کے وہ کسی بھی قسم کی تردید کے قابل بھی نہ رہی تھی۔

"زرش! تم سن رہی ہو میری بات۔ خدا کی قسم مجھے سمعان احمد سے متعلق کچھ علم نہ تھا اور جب علم ہوا ہے دل چاہ رہا ہے سب کچھ ملیامیٹ کر دوں۔"

"پلیز! چپ ہو جائیں۔ میرا سمعان بھائی سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ کتنی تردید کروں میں کہ سب کو یقین آ جائے۔ نہیں ہے میرا ان سے کوئی تعلق جو کچھ بھی تھا ان کی طرف سے تھا' جو بھی تھے ان کے یکطرفہ احساسات تھے۔ آپ یقین کریں میرا۔ دوسروں کی طرح آپ تو کم از کم مجھے الزام نہ دیں۔" اگلے ہی پل وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

سعد نے عجیب بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہا اور میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں مگر بات تو ساری یہ ہے کہ اس سارے قصے میں سب سے زیادہ نقصان صرف سمعان احمد ہی اٹھا رہا ہے۔ یہ خاندانی چپقلش صرف ذاتی مفاد اور حسد کی بنا پر کی جانے والی سازش ہیں۔ وہ حق رکھنے کے باوجود اپنے حق سے دستبردار ہو چکا ہے۔"

"آپ میرے سامنے ان کا نام بھی نہ لیں۔ اس سارے قصے کے ذمہ دار وہی ہیں۔ تایا ابو کیا جانیں مجھے وہ ایک طرف نانی امی کی حیثیت بھی مسلم تھی جب انہوں نے ایک دفعہ ہادیہ آپا کے لیے کھل کر انکار کر دیا تو پھر ساری بات ہی ختم تھی۔ ایسے عالم میں سمعان بھائی کے احساسات و جذبات کو صرف جانتے ہی قرار دوں گی۔ اپنے ساتھ کی جانے یا ہونے والی زیادتی کے سراسر ذمے دار صرف وہ خود ہیں۔ آپ مجھے نہیں انہیں جا کر باور کروائیں۔" اپنے آپ کو سنبھال کر اس نے سختی سے کہا تھا۔ سعد نے چونک کر اسے بغور دیکھا۔ اس کے الفاظ اتنے کم زور بھی نہ تھے اس کی اپنی ذات کے برعکس۔

"زرش تم......"

"پلیز آپ جو بھی کہنا چاہتے ہیں کھل کر کہیں۔ سمعان بھائی کا قصہ نہ چھیڑیں۔ یہ شادی اب فقط "قصہ پارینہ" بنانے کے لیے ہی طے ہوئی تھی۔ اگر آپ کو میں اس سارے الزام وغیرہ سمیت قبول نہیں تو صاف بات کریں۔ اگر انکار کرنا چاہتے ہیں تو مجھے باور کروانے یا میرے جذبات جاننے کی بجائے کر اپنے بڑوں سے انکار کریں۔" اگلے ہی پل وہ خاصی تلخ ہو چکی تھی۔ سعد نے خاصی حیرت سے اسے دیکھا۔ ساڑھے پانچ فٹ سے بھی نکلتا قد مناسب سراپا دلکش چہرے کی خوب صورتی سمیت وہ حد سے زیادہ دلکش تھی۔ ایسے میں اس کی گفتگو۔

"اگر میں سچ مچ انکار کر دوں تو......؟"

زرش کا دل کانپ اٹھا۔ "تو میں سمجھوں گی مجھ پر الزام لگانے والوں میں ایک فرد کا اضافہ اور ہو گیا۔" اگلے ہی پل وہ تنفر سے گویا ہوئی تھی۔

"زرش تم......"

"بات سنیے میری سعد جمال! یہ میرے والدین کا فیصلہ ہے۔ انکار کرنا ہوتا تو میں خود سو طریقوں سے کرتی مگر میں ایک الزام کندھوں پر لادے ساری عمر ایک بوجھ کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ سمعان بھائی کیا تھے؟ ان کے جذبات کیا ہیں؟ وہ کون ہیں؟ ان کے گھر سے ایک الزام لے کر نکلنے کے بعد میں ہر بات بھول گئی ہوں۔ اگر آپ ان کے لیے مجھے چھوڑیں گے یا الزام دیں گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہاں ہمارے بڑوں کو ضرور پڑے گا۔ آپ مجھے قائل کرنے کی بجائے اپنے والدین کو قائل کریں تو شاید کوئی راہ نکل آئے۔" غصے سے کہہ کر وہ پلٹی تھی۔ آنکھوں میں نمی سی تھی مگر مضبوطی سے ضبط کر رہی تھی۔

"زرش! رکو تو......"

"اب بھی کوئی بات رہ گئی ہے کہنے کو......؟" نمی کو انگلی سے صاف کیا۔

"زرش! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ تمہیں الزام نہیں دے رہا۔ سمعان احمد کے متعلق......"

"پلیز! چپ ہو جائیں۔ نفرت سی ہو چلی ہے مجھے اس نام سے۔ بات ہو چکی ہے آپ واضح کر چکے ہیں۔ شادی میں ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔ میں سب برداشت کر لوں گی مگر میرے والدین شاید یہ برداشت نہ کر سکیں۔" زرش کا جی چاہا کہ شدت سے روئے۔

سعد نے لب بھینچ لیے۔

"آپ انکار کر رہے ہیں۔ یہی بتانا چاہتے ہیں نا آپ جائیں کر لیں مگر یاد رکھیے گا۔ اس کے بعد کبھی ہمارے سامنے نہ آئیے گا ورنہ ایسا نہ ہو میں نفرت میں ہر حد سے گزر جاؤں۔" غصے سے کہتی ہوئی وہ دروازے کی دہلیز پار کر گئی تھی۔ سعد جمال نے بے بسی سے ہلتے پردے کو دیکھا تھا۔ اس کی بے بسی میں ایک دم کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔

اس چھوٹی سی لڑکی کو قائل کر لینا کتنا آسان سمجھ لیا تھا۔ اس نے مگر اب پچھلی تمام ناکامیوں کے بعد اس محاذ سے بھی ناکام ہونا پڑا تھا۔ بری طرح شکست سے دوچار ہو گیا تھا۔

ایک پل کو سعد جمال کو لگا جیسے وہ ایک بند گلی میں آ کھڑا ہوا ہے۔ جس کے آگے کوئی راستہ نہیں۔ مجبوراً اسے وہاں ٹھہرنا تھا۔ اپنے لیے نہیں تو اور بہت سے لوگوں کے لیے ہی سہی۔

* * *

شام کے قریب دو دن بعد شارق زمان کو اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ نویرہ دوبارہ اسپتال نہیں گئی تھی۔ فاروق چچا کے ساتھ ہی شارق واپس گھر آیا تھا۔ وہ کچن میں رات کے کھانے کا اہتمام کر رہی تھی جب ان کی واپسی ہوئی تھی۔ سرسری سلام دعا اور حال چال کی پرسش کے بعد وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

شارق کے گھر آ جانے کا سن کر حمید چچا اور چچی چلی آئی تھیں۔ شام کے بعد خاندان کے چند اور لوگ بھی عیادت کو آ گئے تو کام بڑھ گیا تھا۔ مہمانوں کی تواضع اور کھانا پینا، نویرہ تو اس میں مصروف رہی تھی۔ شاکرہ ساتھ تھی سو سہولت رہی تھی۔ دس بجے کے قریب مہمانوں کی واپسی ہوئی تو وہ دونوں بھی کچن کے کاموں سے فارغ ہو گئی تھیں۔

شارق زمان گھر آنے کے بعد صرف کمرے میں لباس تبدیل کرنے کو گیا تھا۔ مہمانوں کی وجہ سے مسلسل لاؤنج میں ہی ٹی وی لگائے بیٹھا رہا تھا۔

شاکرہ کو اماں کے پاس بھیج کر نویرہ نے لاؤنج میں جھانکا تھا۔ صوفے پر دراز دایاں بازو گلے میں موجود پھندے میں ڈالے وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اندر جانے کی بجائے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ عجب سی بے حسی اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ نماز ادا کر کے وہ دعا مانگ کر اٹھی تو رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

اماں مہمانوں کے جاتے ہی کمرے میں چلی گئی تھیں۔ میڈیسن کھاتے ہی وہ سونے لیٹ گئی تھیں۔ اماں کے کمرے میں جھانکا۔ شاکرہ بھی لائٹ آف کیے سو رہی تھی۔ باقی گھر کے بھی سارے دروازے لاک چیک کر کے لائٹس آف کرتے وہ لاؤنج میں چلی آئی جہاں ٹی وی کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔

شارق زمان لیٹے لیٹے سو چکا تھا۔ شاید نویرہ نے ایک پل کو دیکھا شاید کوئی ردعمل ہو مگر وہ واقعی سو چکا تھا۔ دایاں ہاتھ سینے پر تھا۔ بائیں ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول جکڑے پہلو میں تھا۔ ٹی وی آف کرنے کو ریموٹ کنٹرول لینے کو جھکی تو شارق نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

”تمہارا تو مجھ سے پردہ چل رہا تھا شاید۔“ لیٹے لیٹے سیدھی آنکھیں نویرہ کے چہرے پر گاڑی تھیں۔ نویرہ نے سیدھے ہو کر گہری سانس لی۔ اس کا طنز صاف سمجھ گئی تھی۔

”خیر اب ایسی بھی بات نہیں جب پردہ کرنا چاہیے تھا تب آپ نے ایسا کچھ ہونے نہ دیا تھا اب کہاں کا پردہ؟“ نویرہ کا انداز بڑا سنجیدہ تھا بلکہ کچھ طنز آمیز بھی تھا۔

”تو پھر تمہارے اس رویے کو کیا سمجھوں؟“ غصے سے اُسے دیکھتے ہوئے شارق زمان اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ٹی وی آف کر کے ریموٹ کنٹرول سائیڈ پر پھینکا تھا۔

”جوابی کارروائی۔“ بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہتی وہ وہاں سے ہٹنے کو تھی جب شارق نے غصے سے ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے پاس ہی صوفے پر گرا لیا تھا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے؟“

”یہی تو۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسی جوابی کارروائی؟“ سنبھل کر بیٹھتے اس نے شارق کو دیکھا تو اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

”ہونہہ مذاق تو نہیں؟ جب سب سمجھ رہے ہیں تو پہیلیاں بجھوانے کا فائدہ؟“ وہ شارق کے قریب سے اٹھنا چاہتی تھی مگر اس نے بازو پکڑ کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔

”مائنڈ یور لینگویج نویرہ!“ نویرہ کے اب و لہجے پر درشتگی سے ٹوک دیا گیا تھا۔ ”مجھے سمجھ نہیں آ رہا تمہیں غصہ کس بات کا ہے۔ پرسوں تم اکیلی اسپتال سے چلی آئیں۔ وہ تو بعد میں رضا نے بتایا کہ وہ تمہیں گھر چھوڑ کر آ رہا ہے۔ اس کے بعد تم آئی ہی نہیں۔ میں نے سو بار فون کیا۔ تم نے ریسیو نہیں کیا اور اب شام سے میں آیا ہوں۔ تم منہ ہی سیدھا نہیں کر رہی ہو۔“

”تو کیا فرق پڑتا ہے آپ کو۔ آپ کو تو اپنی اسی خوشی میں مست رہنا چاہیے کہ میں آپ کے گھر میں ہوں۔ آپ کے نام سے وابستہ۔“ طنزیہ لہجے میں فوراً کہا گیا تھا۔ شارق نے غصے سے چند پل اسے دیکھا تھا۔

”میرا خیال ہے تمہارا اب اس انداز میں اری ٹیٹ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور جس بات کو وجہ بنا کر تم یہ ناراضی دکھا رہی ہو میرے نزدیک اس وجہ کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ تم میرے بچے کی ماں بننے جا رہی ہو۔ میری زندگی میں اگر ایسی ویسی کسی عورت کی کوئی اہمیت ہوتی تو کون تھا مجھے روکنے والا......؟ خوامخواہ اپنی انرجی ویسٹ نہ کرو۔ زیبا صرف عیادت کرنے آئی تھی۔ اگر تم اس کی مہمان نوازی کر دیتیں تو کوئی فرق نہیں پڑ جاتا۔ البتہ تم اس کے سامنے کیا کچھ نہ کہہ گئی تھیں اور پھر ایسے ہی چلی آئیں۔ باہر کی عورت باہر کی عورت ہی رہے گی۔ بیوی نہیں بن جائے گی بیگم صاحبہ۔ اس نکتے پر غور کریں۔“ خاصے غصے سے باور کروایا گیا تھا۔ نویرہ نے غصے سے بازو کھینچ لیا۔

”میں نے آپ سے وضاحت نہیں مانگی۔“ وہی بے لحاظ انداز تھا۔

”پھر موڈ کیوں خراب ہے؟“

”خوش ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔“ خاصا جلا کٹا انداز تھا۔

”خیر اب یہ تو نہیں کہہ سکتی۔ مرتے مرتے بچا ہے تمہارا شوہر۔ اگر خوشی مناؤ تو خاصی بڑی وجہ ہے۔“ نویرہ نے شارق کے الفاظ پر اسے صرف دیکھا تھا۔ بے اثر چہرہ لیے بیٹھی رہی۔

”نماز پڑھ لی یا ابھی پڑھنی ہے؟“

”پڑھ چکی ہوں۔“ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے دس بجا رہی تھی۔

”چچا بتا رہے تھے لالہ منصور گرفتار ہو گیا تھا۔ کل ہی شاید گرفتار ہوا تھا۔“ اچانک خیال آیا تو اس نے شارق کو دیکھا۔

”ضمانت بھی ہو چکی ہے۔ ایسے لوگ ایسے کام کرنے سے پہلے ضمانت کرواتے ہیں۔ انجم میرا اوپر سے رابطہ تھا ورنہ وہ چھوڑتا نہیں تمہیں۔ خیر اسے چھوڑوں گا میں بھی نہیں۔ میں بڑا لحاظ کرتا رہا ہوں اس شخص کا۔ اب کے دشمنی کی بنیاد اس کی طرف سے ہوئی ہے۔ ساری عمر یاد رکھے گا کس سے الجھا ہے وہ......“

"کیا کریں گے آپ؟" شارق کے تیور دیکھ کر پوچھا۔

"کم از کم اس کے حلق میں گولی اتارنے سے کم بھی نہیں کروں گا۔" لہجہ بڑا پرعزم تھا۔

"اس کے حلق میں گولی اتار کر آپ کو کیا حاصل ہوگا؟" کچھ تلخی سے اس سے پوچھا۔

"میرا خون اتنا سستا نہیں تھا۔ شہوانہ کون ہے میری بلا سے اس کے بیٹے نے کس قماش کی عورت سے شادی کی یہ اس کا مسئلہ تھا۔ یہ معاملہ اگر میں اچھالتا تو بہت پہلے یہ کر چکا ہوتا۔ وہ شخص جان بوجھ کر دوسرے دن مجھے تکلیف دینے آ پہنچا تھا۔ یہ جھگڑا طول نہ پکڑتا اگر وہ جان سے مارنے کی دھمکی نہ دیتا۔ اگر وہ ایسی دھمکیاں آزمائے گا تو چوڑیاں میں نے بھی نہیں پہنیں۔"

"تو فائدہ کیا ہوا ہے اس سارے جھگڑے کا...... وہ جرم کر کے بھی آزاد ہے اور آپ ہسپتال کا قیام بھی بھگت چکے ہیں۔ انسان کو اتنا جذباتی بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے لوگوں سے پہلو تہی بھی تو کی جا سکتی تھی۔"

"وہ مجھے میرے سامنے ماں بہن کی گالیاں بکتا رہے اور میں چپ کر کے سنتا رہوں۔ اتنا ہی بے غیرت سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟" اس نے غصے سے نویرہ کو دیکھا۔ نویرہ کے چہرے پر بڑی استہزائیہ مسکراہٹ چمکی تھی۔

"خیر میں کیا سمجھوں گی۔ کوئی انسان کیا ہے اس کے اعمال ثابت کر ہی دیتے ہیں۔ اپنی ماں بہن کی گالی تو ہر کسی کو بری لگتی ہے چاہے وہ کسی کی بہن بیٹی پر رات کی تاریکی میں ہاتھ ڈالنے والا ہی کیوں نہ ہو۔"

"نویرہ۔" نویرہ کا یہ وار رائیگاں نہیں گیا تھا۔ شارق زمان نے بڑے غصے سے اسے ٹوکا تھا۔ "میں تمہیں اپنے اس عمل کی وضاحت دے چکا ہوں۔ ازالے کے طور پر تم ادھر ہو اس گھر میں۔ میری بیوی کی حیثیت سے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔ انسان ہوں فرشتہ نہیں۔ غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ انسان ہی بھٹکتے ہیں آسمانوں سے فرشتے نہیں اترتے گناہ سرانجام دینے۔" نویرہ کے طعنے نے اسے بری طرح مشتعل کر دیا تھا۔

"اپنے عمل کی کیا توجیہہ پیش کی ہے اور ازالہ بھی خوب کیا ہے۔ زندہ انسانوں کے احساسات تو ایک طرف ان کی زندگیوں سے کھیلا ہے آپ نے۔ جسے آپ ازالہ کہتے ہیں وہ موت ہے۔ اس سے بہتر تو بدنامی کا طوق گلے میں ڈال کر زندگی بسر ہو جاتی۔ یہ ازالہ؟ عمر بھر کا طوق گلے میں ڈال دیا ہے آپ نے۔" تنفر سے کہتے وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "جمیل بھائی کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ آپ کے ساتھ ہونے والا حادثہ جان کر بھی انسانیت کے ناتے نہ آ سکیں اور میں! مجھ سے تو خیر ان کو سو گلے ہیں۔ شارق زمان میری بات یاد رکھیے گا۔ اگر میں اپنے بھائیوں کی نظروں سے گری ہوں تو آپ کو بھی مجھے اپنے گھر میں آباد کر کے کوئی خوشی حاصل نہ ہوگی۔ ہاں میں آپ کے ساتھ آخری حد تک کمپرومائز ضرور کروں گی کہ اب یہ میری مجبوری ہے۔ پہلے میرے والدین تھے اور اب آپ کی اولاد۔"

اپنے اندر کی بھڑاس نکال کر وہ بغیر پلٹ کر دیکھے لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

◆

نفیسہ پھپھو فرح کو اپنے گھر لے جانے کے لیے آئی تھیں۔ سعید احمد سعد کا رشتہ اور پھر شادی طے کر دینے کے فیصلے سے ان سے ناراض تھے۔ انہوں نے ان سے بات کی تھی۔ اپنا مؤقف سمجھایا تھا۔ سعید احمد سمجھے تھے یا نہیں ہاں البتہ انہوں نے فرح کو ان کے ساتھ شادی کے لیے چلے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ تیاری تو پہلے بھی وہ کر چکی تھی۔ ابو کی اجازت پا کر وہ ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اسلام آباد سے زروباریہ بھابی بھی آ چکی تھیں۔ ایک دن انہوں نے "احمد لاج" میں گزارنے کے بعد چچا کے ہاں قیام کیا تھا۔ زیادہ رشتہ دار سب ہی تقریباً اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ دونوں طرف کے مہمان وغیرہ ملتے جلتے ہی تھے۔ اسی لیے مہمان جو چند آ چکے تھے۔ کبھی پھپھو کے ہاں رہتے تھے اور کبھی سعود احمد کے ہاں چلے جاتے تھے۔

کل نوشی کی مہندی تھی اور پرسوں زرش کی۔ دونوں طرف کا فنکشن ہوٹل میں ایک ساتھ ہی طے تھا۔ پھپھو کے ہاں ان کی ساری آل اولاد جمع ہو چکی تھی سوائے ستارہ باجی کے جو کہ اپنے گھر میں تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ہادیہ آپا بھی مسلسل گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ صبح کے وقت وہ ادھر تھیں تو شام کو وہ ماما وغیرہ کے پاس چلی جاتی تھیں کہ دونوں طرف کی تیاریوں میں وہ برابر ہاتھ بٹا رہی تھیں۔

یہ سب لوگ اگرچہ اپنے آپ کو اچھی طرح کمپوز کر چکے تھے۔ اس حقیقت کو مان چکے تھے مگر دل میں جو درد تھا وہ گاہے بگاہے تکلیف ضرور دے رہا تھا۔ علی روز کالج سے واپسی پر چچا کے ہاں ہی چلا جاتا تھا۔ اگر دل کیا تو رات کو واپس آ گیا ورنہ فون کر کے وہیں رک جانے کی اطلاع کر دیتا تھا۔ سعید احمد بھی روز ہی چکر لگا رہے تھے مگر دل میں سب ہی افسردہ سے تھے۔ آنکھوں میں اچانک پانی جمع ہونے لگتا تو فوراً ذہن کو کسی اور جانب مصروف کر لیتے تھے گویا سب کے دلوں کو ایک مستقل روگ آ لگا تھا۔

پھپھو کے ہاں آئے اسے دوسرا دن تھا۔ اس سارے عرصے میں اس کا سعد جمال سے صرف ایک دفعہ ہی سامنا ہو پایا تھا۔ عجب بے چارگی سے بھری نگاہ اس کی طرف اٹھی تھی اور فرح نے خاموشی سے سر جھکا کر نگاہ پھیر لی تھی۔ سعد جمال اگر اس کے سامنے آنے سے اجتناب کر رہا تھا وہ خود بھی بچ رہی تھی۔ زروبیہ آپی اسے زرش کے لیے تیار کردہ ملبوسات دکھا رہی تھیں۔ اس وقت لاؤنج میں پھپھو، ماریہ باجی کے علاوہ دیگر مہمان خواتین بھی تھیں۔ ہادیہ آپی ماما کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ طیب کو بھی پھپھو کے پاس ہی چھوڑ گئی تھیں۔

"بہت پیارے ہیں کپڑے۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔" ہر لباس پر نگاہ پڑتے ہی وہ تعریف کر رہی تھی۔

سمعان بھائی اور نرمین کی شادی سے متعلق خیالات کی اڑان کہاں تک نہ پہنچی تھی مگر خواب تو صرف خواب ہی ہوتے ہیں۔ کب حقیقت کا روپ دھارتے ہیں۔ زیور دیکھتے اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ ٹھہری تھی۔ یہ سب سمعان بھائی کے حوالے سے بھی تو ہو سکتا تھا۔ یہ سب اہتمام وہ لوگ بھی تو کر سکتے تھے مگر وہ کس سے شکوہ کرتی۔ وہ دھواں دھواں چہرہ لیے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"آپا! ایک کپ چائے پلوا دیں۔"

ماریہ آپا نے سعد کی طرف دیکھا۔ الجھا الجھا حلیہ اور تھکن سے بھرپور سراپا تھا۔ سعد کی آواز سن کر بھی فرح نے سر نہ اٹھایا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" پھپھو نے بھی سعد کو دیکھا۔ وہ کافی مضمحل سا لگ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" ادھر بیزاری کا وہی عالم تھا۔ وہ آج کل سب ہی سے ناراض تھا۔ سب سے بول چال بند تھی۔ سارا سارا وقت گھر سے باہر یا کمرے میں بند رہ کر گزار رہا تھا کسی کو بات کرنے، کچھ سمجھانے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ نفیسہ بیگم کے دل میں ملال جاگا۔ سعد جمال نے جو ایک سرسری نگاہ سر جھکائے وجود پر ڈالی تھی۔ اس میں کیا کیا جذبے کار فرما تھے۔ ان کی تیز نگاہی سے نہ چھپ سکے تھے۔

"طبیعت ٹھیک نہیں لگتی مجھے تمہاری۔" انہوں نے تفکر سے اسے دیکھا تھا۔ ستارہ سے عمر میں بڑا ہی تھا مگر گھر بھر کا لاڈلا اور چہیتا بیٹا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک ہر جائز و ناجائز اس کی پوری ہوتی تھی مگر اب کی بار اس کی خواہش وہ کیسے پوری کر دیتیں۔ ان کے دل کا ملال بڑھنے لگا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔ آپا ایک کپ چائے بنوا کر میرے کمرے میں بھیج دیجئے گا اور کوئی مجھے تنگ نہ کرے۔ سونا چاہتا ہوں میں۔" اسی بیزار انداز میں کہہ کر وہ پلٹا تھا۔

"سعد کہاں تھے سارا دن صبح کے گئے ہوئے تھے؟ تمہارے ابو کتنی دفعہ پوچھ چکے ہیں؟"

"یہیں تھا۔" مختصراً کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔

فرح نے سر اٹھا کر سکون کا سانس لیا۔

"جاؤ ماریہ چائے بنا کر دے دو۔ نجانے کچھ کھایا پیا بھی ہے یا نہیں رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ صبح ناشتہ بغیر کچھ کھائے پیئے نکل گیا تھا اور اب شکل دکھا رہا ہے۔ نجانے کہاں خوار ہو کر آیا ہے۔" سوٹ کیس میں ملبوسات اور زیورات کو رکھتے انہوں نے بیٹی سے کہا تو ماریہ باجی اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ پھپھو سامان سمیٹ کر زوبیہ باجی کے ساتھ سوٹ کیس اٹھوا کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ وہ بھی اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ پیاس لگی تھی۔ ماریہ باجی چائے بنا کر کپ میں ڈال چکی تھیں۔

"فرح! یہ چائے تم ذرا سعد کو دے آؤ۔ انیس (ان کا بیٹا) رو رہا ہے۔ دیکھوں کیا ہوا ہے اسے......"

"میں آپا؟" وہ جھجک گئی تھی۔

"ہاں دے آؤ اسے۔" وہ کہہ کر عجلت میں کچن سے نکل گئی تھیں کہ ان کے بیٹے کے رونے کی آواز بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے کپ تھام لیا تھا۔

نجانے زندگی بار بار ان ہی رستوں پر کیوں لے آتی ہے جہاں انسان چلنا نہیں چاہتا۔ یہی حال اس کا

دو قدم کے ساتھ تھا۔ وہ پھپھو کے ہاں آنا نہیں چاہتی تھی مگر ابو کے کہنے پر انکار نہ کر سکی تھی۔ بڑی دقتوں سے اس نے سعد کے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آجائیں۔" اس نے کمرے میں قدم رکھا تو سعد نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بستر پر دراز تھا۔ کمبل گردن تک تانے اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

وہ آہستہ سے قدم اٹھاتے جھجکتے الجھتے اس کی طرف چلی آئی تھی۔ سعد جمال یک ٹک اسے دیکھے گیا تھا۔ یہ اس کی نظروں کا وہم تھا یا حقیقت تھی...... ایسے ان گنت خواب اس نے جاگتی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ فرح سعید احمد اس کے پاس ہو۔ اس کے ارد گرد نگاہوں کے سامنے چلتی پھرتی اسے ایک خواب سا محسوس ہوا تھا۔

"یہ چائے......" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ والہانہ نگاہوں سے نگاہیں بچاتے اس نے کپ بڑھایا تھا۔ سعد جمال کو لگا جیسے طلسم ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے کپ تھام لیا تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ انکار میں سر ہلا گئی۔

"نہیں چلتی ہوں۔" وہ پلٹی تھی۔

"فرح!" بے چین بے قرار آواز پیروں میں زنجیر بن کر لپٹی تھی۔ وہ پلٹے بغیر وہیں تھم گئی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا یہ سب غلط ہو رہا ہے؟" وہ بستر سے اتر کر اس کے مقابل آٹھہرا تھا۔

"شاید حالات کا یہی تقاضا تھا۔" اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"ہونہہ حالات...... صرف ایک فرد کی غلطی کی سزا چار انسانوں کی زندگیاں برباد کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟" تلخی سے اس نے فرح کو دیکھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں؟" اس نے سعد جمال کو دیکھا بڑھی ہوئی شیو الجھے حلیے اور بے ترتیب لباس میں وہ اس سعد سے بالکل مختلف تھا، جسے وہ جانتی تھی۔

"فرح! تم تو کم از کم میرا ساتھ دو۔ میں سب کے سامنے ڈٹ جاؤں گا۔ پلیز تم مجھے سپورٹ کرو۔"

ایک دم ملتجی لہجے میں سعد نے فرح کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ ششدر رہ گئی۔

"نہیں یہ سوچئے گا بھی نہیں۔ دو دن بعد شادی طے ہے آپ کی۔ میں آپ کے کسی بھی عمل میں شریک نہیں ہوں گی۔ سوری......" اس نے سختی سے انکار کیا تھا۔

سعد جمال نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔

"فرح! میں تمہاری آس پر اتنی دور سے آیا ہوں۔ تم تو کم از کم مجھے ناامید نہ کرو۔"

"میں نے آپ کو کبھی آس نہیں دلائی تھی۔" ادھر وہی انداز تھا۔

"تمہیں میری حالت کا احساس نہیں ہو رہا کیا؟" سعد کے لہجے میں بے چارگی سی اتر آئی تھی۔ فرح کے اندر عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔

سعد کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا۔ سعد کے ہاتھ کے گرم لمس نے اس کو چونکایا تھا۔

"آپ کو بخار ہے؟" اس نے تشویش سے سعد کو دیکھا۔

"مر رہا ہوں میں اور کسی کو احساس ہی نہیں۔"

فرح نے صرف سعد جمال کو دیکھا تھا۔

"مجھے صرف ٹینشن ہے بخار نہیں۔" اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر ضرور تھا کہ سعد نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"آپ کوئی میڈیسن وغیرہ لے لیتے۔" اس نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا۔

"میری دوا تم ہو۔ تم مان جاؤ تو میں ہر طوفان سے ٹکرانے کو تیار ہوں۔"

"سوری۔ میں اتنی خودغرض نہیں ہوں۔" سختی سے کہہ کر سعد جمال کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔ سعد جمال کو واقعی خاصی حرارت تھی۔

اس کا ذہن بار بار ادھر ہی بھٹک رہا تھا۔ باقی سارا دن سعد جمال کے کمرے کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔ صرف ایک دفعہ پھپھو اندر گئی تھیں۔ ان کی کمرے سے واپسی پر سعد جمال بھی نہ صرف کمرے سے نکل آیا تھا بلکہ گھر سے بھی نکل گیا تھا۔

اس نے کئی بار خاموشی سے پھپھو کو آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ یہاں آ کر اس کے دل و دماغ کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ سعد جمال کی باتیں بار بار دل و دماغ پر دستک دیتیں تو وہ خود کو کسی نہ کسی کے ساتھ باتوں میں الجھا لیتی تھی۔

رات گئے تک ڈھولک کا اہتمام تھا۔ کھانے پینے کے بعد سب ہی خواتین کزنز لاؤنج میں ہی جمع ہو گئی تھیں۔ رات بارہ بجے کے قریب سعد گھر آیا تو اس نئے ہنگامے نے اسے مزید مشتعل کیا تھا۔ طاہرہ بیگم کے سب ہی بہن بھائی سوائے قیصرہ بیگم کے ادھر ہی جمع تھے۔ آل اولاد سمیت کہ جمال صاحب کی برادری (چچا سے نسبت رشتہ داری) یہی لوگ تھے۔ سوائے طاہرہ کے باقی سب ہی قیصرہ بیگم سے بدظن ہی رہے تھے بلکہ ملنا ملانا بھی سرسری سا ہی تھا۔

رات ایک بجے کے قریب قریب یہ ڈھولک کا پروگرام چلا تھا۔ اس کے بعد جس کو جہاں جگہ ملی تھی جا پڑا تھا۔

صبح سارے گھر میں بڑی خوشگوار سی ہلچل تھی۔ رات لیٹ سونے کی وجہ سے سوائے چند ایک کے باقی سب ہی لیٹ ہی اٹھے تھے۔ ناشتے وغیرہ کا سلسلہ دس بجے تک چلا تھا۔ آج رات نوشی کے سسرال والے مہندی لے کر آ رہے تھے۔ کل ان لوگوں نے زرش کی مہندی لے کر جانا تھی۔ ناشتے کے بعد سارے گھر میں اسی سلسلے میں تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔

فرح کو مہندی اچھی لگانی آتی تھی۔ نوشی کی مہندی کی شرکت کے لیے ہر کوئی اس سے مہندی لگانے کا اصرار کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ جو بھی کہہ رہا تھا مہندی لگا رہی تھی۔ زوبیہ باجی کو ابھی مہندی لگا رہی تھی کہ سعد جمال چلا آیا تھا۔

"آپا! وہ ریڈ شرٹ اور اس کی ہم رنگ ٹائی کہاں ہے؟ مجھے مل نہیں رہی؟" آواز پر مہندی لگاتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تازہ تازہ شیو کے بعد کندھے پر تولیہ ڈالے وہ زوبیہ باجی سے مخاطب تھا۔ فرح کے دیکھنے پر بڑی ناراض نگاہ ڈالی تھی۔

"ادھر الماری میں ہی ہوگی اور یہ کیا تم نے شیو کر ڈالا ہے۔ منع بھی کیا تھا رہنے دیتے۔ کل مہندی تھی پرسوں شیو کروا لیتے۔ بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ مہندی کی ویڈیو اتنی اچھی آتی ہے۔ دو دن کا انتظار نہیں ہو سکا تم سے۔"

"واقعی صحیح کہہ رہی ہیں بھابی۔" فرح کی کزن عروبہ نے کہا۔

"آپ سے جو پوچھا ہے وہ بتائیں۔" اس نے زوبیہ باجی سے کہا۔

"الماری میں ہی ہوگی۔ یہ تم جا کہاں رہے ہو؟ کہاں کی تیاری ہے؟" انہیں اچانک یاد آیا تو پوچھا۔

فرح سر جھکائے بدستور مہندی لگاتی رہی۔

"بتایا تو تھا آپ کو۔ ایاز کو تو جانتی ہیں نا آپ۔ وہی جو میرے ساتھ یو کے میں تھا۔ وہ آج پاکستان آ رہا ہے۔ اسے ریسیو کرنا ہے اور ساتھ میں اس کا کچھ سامان بھی ہے جو اس نے میرے ہاتھ گھر والوں کے لیے بھجوایا تھا مگر مجھے اس کے گھر جا کر دینے کا موقع ہی نہیں ملا۔ پلیز جلدی سے شرٹ ڈھونڈ دیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ کہہ کر نکل گیا۔

"جاؤ عروبہ! تم سعد کی الماری میں دیکھ دو۔ میں نے الماری کے پہلے خانے میں رکھی تھی۔ تم نکال دو۔ میرے ہاتھوں پر تو مہندی لگی ہے۔"

عروبہ چلی گئی تھی۔ آپا کے بعد اس کی باری تھی مہندی لگوانے کی۔

"باجی! آپ کو سعد بھائی بلا رہے ہیں۔" شادی کے لیے رکھی جانے والی کام والی کا آٹھ دس سال کا بیٹا پیغام لیے چلا آیا تھا جو وہ مہندی لگا کر ابھی لاؤنج کے صوفے پر لیٹی تھی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"کسے بلا رہے ہیں؟"

"فرح باجی کو؟ آپ کا نام باجی ہی ہے نا۔" وہ لڑکا اس کے پوچھنے پر کنفیوز ہو گیا تھا۔ وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں ہیں وہ؟"

"اپنے کمرے میں۔" وہ جواب دے کر ایک طرف بھاگ گیا تھا۔ اس نے سعد کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ نک سک سے تیار بستر پر پڑا بریف کیس کھولے کچھ دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے بلوایا تھا؟"

فرح کو دیکھ کر اس نے بریف کیس سیدھا کیا تھا۔

"ہاں۔ امی کہاں ہیں؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"پھپھو تو ہاجرہ آپی کے ساتھ چچا جان کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔ ناشتے کے بعد ہی چلی گئی تھیں۔"

"اچھا کب تک آ جائیں گی؟"

"پتا نہیں۔" اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

سعد نے ایک دو پل کو اسے دیکھا۔ فرح اس کے مسلسل دیکھنے پر کنفیوز ہوئی تھی۔ اس نے پہلو بدلا۔

"آپ کو کوئی کام تھا؟" اس کی آواز پر وہ گھبرا گئی تھی۔

"ہاں کام ہی تو تھا۔"

"کیا؟"

"فرح!" سرگوشی نما آواز پہ اس نے صرف پلکیں ہی اٹھائی تھیں۔ "سچ سچ بتانا۔ یہ جو کچھ بھی ہونے جا رہا ہے۔ تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سوال ایسا تھا کہ فرح ہل سی گئی تھی۔ دل درد سے بوجھل ہونے لگا۔ دل چاہا کہ ایک ہی پل میں چیخ اٹھے اور کہہ دے۔

"ہاں فرق پڑتا ہے بہت زیادہ۔" ابھی تو اس نے خواب بھی دیکھنے شروع نہیں کیے تھے کہ ضبط کے اس کڑے امتحان سے گزرنے کا مرحلہ آ پہنچا تھا مگر وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔ بعض اوقات بغیر کچھ کہے بھی انسان بہت کچھ کہہ دیتا ہے۔ کمرے کی خاموشی میں دونوں ہی کچھ کہے کچھ سنے بغیر ہی بہت کچھ کہہ اور سن گئے تھے۔ فرح کے اندر کا ابال آنسوؤں کی صورت بہنے کو بے تاب تھا مگر وہ لب بھینچے کڑے ضبط سے دوچار تھی۔ چہرہ سرخ رنگ ہو چکا تھا۔ سعد جو اسے پل پل رنگ بدلتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"فرح!" بڑے جذباتی انداز میں اس کمزور وجود کو کندھوں سے تھاما تھا۔ اسے لگا اس کی ذات کی پوری عمارت ہل گئی ہے۔

"آپ......" آنسو رخساروں پہ بہہ نکلے تو اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہا۔ سعد نے بہت آہستگی سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔

فرح جو خود کو بمشکل سنبھال رہی تھی اس نئی افتاد پر بکھر سی گئی تھی۔ بڑا کٹھن ہوتا ہے خود پر قابو پانا۔ وہ تو ریزہ ریزہ ہوئی تھی۔ اس کے آنسوؤں کی نمی سے سعد جمال کا کندھا بھیگتا رہا۔ بہت نرمی سے ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمائل کیے دوسرے ہاتھ سے اس کا سر تھپتھپا کے سعد جمال نے اس کمزور سی لڑکی کو سہارا دیا تھا۔

رو دھو کر دل کا غبار نکلا تو فرح کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا۔ وہ شرم کے مارے ہل بھی نہ سکی۔ کہاں وہ کوئی "آس" بھی دلانے کو تیار نہ تھی اور اب کیسے مکمل یقین سونپ دیا تھا اسے۔ فرح سعید احمد کو اپنے ان لمحوں کی بے اختیاری پہ رہ رہ کر ملال جاگا۔

"سوری۔" سعد کے بازو کا حصار توڑ کر پیچھے ہٹتے اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا تھا۔ سعد نے جیب سے ایک رومال نکال کر اسے دیا تو اس نے اسی طرح سر جھکائے چہرہ رومال سے صاف کر لیا تھا۔

کمرے کی خاموشی میں کئی پل بغیر کچھ کہے سنے گزر گئے تھے۔

"یقین کرو فرح سعید احمد تمہارا یہ خاموشی سے سونپا جانے والا اعتبار ہمیشہ میرے ہمقدم رہے گا۔ اب کوئی ملال نہیں رہا۔ زندگی کے بڑے سے بڑے طوفان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کر لوں گا اگر تمہارا اعتبار شامل حال رہے تو......" سعد جمال نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ فرح کے اندر ملال سمٹنے لگا کہ وہ کیوں کمزور پڑ گئی تھی۔

"جب بچھڑنا طے ہے تو کیوں نہ مسکراتے ہوئے بچھڑیں کیا خیال ہے؟"

فرح نے پھر سر جھکا لیا تھا۔ سعد جمال نے اس کے ہاتھ سے آنسوؤں سے بھیگا رومال لے لیا تھا۔

"تمہارا یہ پہلا اور آخری تحفہ ہمیشہ یاد رہے گا۔" فرح مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ اس کا دل بڑی بری طرح ڈوبا تھا۔ کتنا مشکل ہو جاتا ہے بعض اوقات خود پر قابو پانا۔ وہ پھر وہاں ٹھہری نہیں تھی۔ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ زوباریہ باجی والے کمرے میں آ کر باتھ روم بند کر کے خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

دوپہر کے قریب پھپھو گھر آ گئی تھیں۔ ہادیہ آپا وہیں ٹھہر گئی تھیں۔ سارا دن وہ عجیب کیفیت میں گھری رہی۔ اس کے کمرے سے نکل آنے کے کچھ دیر بعد ہی سعد زوباریہ باجی کو بتا کر اپنے دوست کو ریسیو کرنے چلا گیا تھا۔ وہ رات کو لیٹ ہو سکتا تھا کہ ہو سکتا تھا وہ دوست کے گھر چلا جائے۔ وہ زوبیہ کے پاس ہی تھی جب وہ کہہ کر گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد اس کے اندر گویا سناٹا سا اتر گیا تھا۔

شام کے بعد سب ہی مہندی میں شرکت کے لیے تیار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مہندی کا فنکشن تو دس بجے کے درمیان تھا۔ ہوٹل کی بکنگ تھی۔ مسعود احمد نے فون کر کے سب کو وقت پر پہنچنے کا کہا تھا۔

وہ بڑی بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ نجانے کیوں دل بری طرح خوفزدہ ہو رہا تھا۔ پیلے لباس میں ہلکی پھلکی آرائش کے ساتھ وہ زوبیہ آپی کے کمرے سے تیار ہو کر باہر نکلی تو اچھے خاصے مہمان مسعود احمد کے ہاں جا چکے تھے۔ وہیں سے انہوں ہوٹل جانا تھا۔ صرف گھر کی فیملی رہ گئی تھی یا عروبہ وغیرہ۔ ان کا ارادہ سیدھے ہوٹل پہنچنے کا تھا۔

"فرح! غضب ہو گیا۔" تیزی سے اپنی طرف آتی عروبہ کی بدحواسی دیکھ کر وہ چونکی تھی۔ وہ کمرے میں تھی جب کہ عروبہ پھپھو وغیرہ کے پاس۔

"کیا ہوا؟" اس کے بدحواس انداز سے متوحش کر چکے تھے۔

"سعد بھائی گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔"

"کیا......؟" فرح کے اعصاب پہ یہ بوجھ بہت گراں گزرا تھا۔ وہ ششدر کھڑی رہ گئی۔

"ان کی آج بارہ بجے کے بعد امریکہ کی فلائٹ تھی۔ وہ جب اپنے دوست کا کہہ کر گھر سے نکلے تھے دراصل ان کی اپنی فلائٹ تھی۔ بریف کیس وغیرہ لے کر گئے تھے۔ سب کو دوست کا کہہ کر گئے تھے کہ کسی کو شک بھی نہ ہو۔"

وہ بتا رہی تھی اور فرح خالی دماغ لیے سن کھڑی تھی۔

سعد کے کمرے میں اس کا انداز کچھ بھی نظر انداز کیے جانے والا نہ تھا پھر وہ کہاں چوک گئی تھی...... اسے تو اسی وقت سمجھ لینا چاہیے تھا۔

"چچی جان کی طبیعت بڑی خراب ہو رہی ہے۔" وہ نجیبہ پھپھو کا کہہ رہی تھیں۔ فرح نے اسے دیکھا۔

"ہو سکتا ہے جھوٹ ہو۔ وہ واقعی دوست کے پاس ہوں۔" اس نے خود کو تسلی دینا چاہی تھی۔

"نہیں سعد بھائی نفیسہ چچی کے کمرے میں خط چھوڑ کر گئے ہیں ان کی دراز میں ڈال کر گئے تھے۔ وہ تو اب تیار ہوتے ہوئے انہیں نظر آیا تو چچا جان نے پڑھا۔ بہت برا ہوا۔ بہت برا کیا سعد بھائی نے۔

شائستہ پھپھو اور انکل کا نجانے کیا ردعمل ہو اور زرش بے چاری تو بے موت ماری گئی۔ کل مہندی کی رسم تھی اور سعد بھائی آج بغیر بتائے چلے گئے۔" وہ کفِ افسوس مل رہی تھی اور فرح کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے وہ پھپھو کے کمرے میں آئی تھی۔ پھپھو بستر پر دراز تھیں اور ان کے اردگرد سب ہی گھر والے جمع تھے۔

"مجھے اس کے تیور دہلائے دے رہے تھے۔ وہ بار بار واپس چلے جانے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ میں نے منتیں کی تھیں، واسطے دیے تھے مگر وہ پھر بھی چلا گیا۔ میرے سعود کا کیا حال ہوگا...... ان پر تو قیامت کی گھڑی ہے۔ جاؤ وقار کہیں سے اسے لے کر آؤ۔ ایک دفعہ آ جائے ورنہ میرا سعود جی نہ پائے گا۔ جائیں کچھ کریں۔" پھپھو کی گریہ زاری سے سب ساکت کھڑے تھے۔

"اماں! میں پتا کر چکا ہوں۔ یو کے جانے والی فلائٹ کی لسٹ میں اس کا نام بھی شامل تھا بلکہ انکوائری آپریٹر بتا رہی تھی کہ پاکستان آتے ہی واپسی کا ٹکٹ کنفرم کروا کر آیا تھا۔"

"جمال! یہ کیا ہو گیا...... اب میں کیا منہ لے کر جاؤں گی بھائی کے پاس؟"

خاموشی سے سنتی فرح نے سب کو دیکھا۔ دونوں بہنیں رو رہی تھیں۔ اتنی بڑی بات تھی۔ رونا لازمی تھا۔

"اب جو بھی ہو چکا ہے فیس تو کرنا ہی ہے۔ اتنا بڑا نقصان ہے جتنا بھی ماتم کریں کم ہے مگر ماتم کرنے کا وقت نہیں۔ وقار اپنی ماں کو سنبھالو اور خبردار کسی نے سعود کو بتایا تو...... شکر ہے سارے مہمان ابھی جا چکے ہیں۔ حوصلے سے سکون سے سوچتا ہوں۔ اطلاع تو دینی ہی ہے۔ مرتضیٰ بیٹا تم سعد سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔ ابھی ایک دن باقی ہے۔ خدا کرے کوئی سبیل نکل آئے۔" وہ بڑے حوصلے سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔ مرتضیٰ نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر موبائل آف تھا۔ انہوں نے یو کے فون کر کے سعد کی رہائش والے نمبر پر اطلاع دے دی تھی کہ وہ جیسے ہی وہاں آئے فوراً کال کرے۔ یہ مبہم سی کوشش تھی۔ اگر اسے کال کرنا ہی ہوتی تو جاتا کیوں......؟

فرح کو اپنا آپ بڑا چور سا محسوس ہوا۔

دس بجے کے بعد سے سعود احمد، ہادیہ آپی کی کالز آنا شروع ہو گئی تھیں کہ وہ لوگ کب پہنچ رہے ہیں؟ نفیسہ بیگم تو گویا بے جان سی ہو گئی تھیں۔ وقار بھائی اور جمال صاحب لگے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح سعد جمال کو راستے سے ہی واپس آنے پر مجبور کر لیا جائے مگر اب یہ ناممکن تھا۔ کوئی راہ نہیں بچی تھی۔ پی آئی اے سروس بھی ان کی مدد کرنے سے قاصر تھی کہ پی آئی اے کی فلائٹ سے ہی سعد امریکا جا رہا تھا۔

گیارہ بجے کے قریب پھپھو اپنے آپ کو بحال کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ سعود احمد کی کالز مسلسل آ رہی تھیں۔ عفان کی فیملی بھی پہنچ چکی تھی۔ صرف یہ لوگ ہی نہیں تھے۔

"کب تک منہ چھپا سکتی ہوں۔ خدا گواہ ہے میری نیت صاف تھی۔ میں نے نیک نیتی سے یہ رشتہ جوڑا تھا۔ یہی کہوں گی کہ زرش جیسی لڑکی کے سعد جمال قابل کہاں تھا...... روتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ پھوپھا جان کا ضبط سے برا حال تھا۔ ہر کوشش ناکام رہی تھی۔

"سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں۔ اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے بھی سعد کی پردہ پوشی کر کے نقصان اٹھایا ہے۔ صرف کل کا دن تھا اور پرسوں بارات۔ صرف ایک بچی کا معاملہ نہیں ہے۔ دو بیٹیوں کا معاملہ ہے۔ دوسری تو پھر غیروں میں جا رہی ہے۔ اللہ ہی اب حالات سنوارے تو سنوارے۔" جمال صاحب سب کو تیار ہونے کا کہہ کر باہر نکل گئے تھے کہ اب ہوٹل پہنچنا ضروری ہو گیا تھا۔

ہوٹل جانے کے لیے وہ سب لوگ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ وہ بھی وقار بھائی کے کہنے پر گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تو کام والی چلی آئی۔

"یہ سعد صاحب دے گئے تھے کہ جب آپ ہوٹل کے لیے جائیں تو آپ کو دے دوں۔" اس نے ایک لفافہ فرح کو تھمایا تھا۔ اس نے حیران ہو کر لفافے کو دیکھا۔

"کب دے کر گئے تھے؟"

"جب وہ تیار ہو کر گھر سے گئے تھے۔"

فرح نے خاموشی سے لفافے کو دیکھا۔ نجانے اب اندر کیا تھا۔ پھپھو نے بے شک منہ سے کچھ نہیں کہا تھا مگر وہ جانتی تھیں۔ سعد کے اس فرار کی ایک وجہ وہ خود بھی ہے۔

عروبہ پیچھے چلی آ رہی تھی۔ اس نے دیکھے بغیر لفافہ بیگ میں رکھ لیا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی ہادیہ آپی ان لوگوں کو دیکھ کر فوراً پاس آ گئی تھیں۔

"اتنی دیر لگا دی آپ لوگوں نے۔"

وقار بھائی کی گاڑی میں وہ اور پھپھو کے ساتھ عروبہ بھی تھی۔ دونوں نے پھپھو کو سہارا دے کر گاڑی سے نکالا تھا۔

"بس امی کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔"

"کیا ہوا پھپھو کو؟" ہادیہ آپا فوراً پریشان ہوئی تھیں۔

"کچھ نہیں۔ بس بی پی لو ہو گیا تھا۔" ہادیہ پھپھو کو سہارا دے کر اندر لے گئی تھی۔

جمال صاحب نے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی کچھ نہیں بتائے گا۔ عفان وغیرہ کی فیملی سکون سے رسم وغیرہ کر لیں۔ مہمان واپس چلے جائیں تو وہ خود سکون سے بات کریں گے تب تک سب کو چپ رہنا ہے۔

کھانے کے بعد رسم شروع ہو گئی تھی۔ فرح اندر آتے ہی اپنی ماں کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ پتا نہیں یہ ابو کا دباؤ تھا یا طاہرہ بیگم کا اپنا ارادہ وہ قیصرہ خالہ کے ساتھ بیٹھی اسے حیران کر گئی تھیں۔ سعود احمد نے رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں بھی انوائیٹ کیا تھا مگر یقین نہیں تھا کہ قیصرہ بیگم بھی بمعہ فیملی آ جائیں گی۔ فرح کیا سب ہی حیران تھے ان کے آنے پر۔

فرح نے ہوٹل آ کر سبحان بھائی کو فوراً تلاش کیا تھا۔ قادر بھائی کے ساتھ کھڑے دیکھ کر اسے تھوڑا سکون ملا تھا مگر اندر سے وہ سخت نڈھال سی تھی۔ زرش پیلے سوٹ میں دونوں ہاتھوں میں گجرے پہنے بغیر کسی میک اپ اور دیگر آرائش کے جگمگ کر رہی تھی۔ زرش کو دیکھ کر اس کے آنسو بہنے کو تھے۔

زرش اور عفان کو اکٹھے بٹھا کر رسم انجام دی جا رہی تھی۔ مہمان اسٹیج کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ قصداً

لفافہ

پرسکون گوشے کی طرف چلی آئی۔ بیگ سے لفافہ نکال کر دیکھا۔ لفافہ کھلا ہوا تھا۔ بس ٹیپ کے ساتھ بند کیا گیا تھا۔ اس نے ٹیپ اکھاڑ دی لفافے سے۔ دو تہہ شدہ کاغذ پھسل کر نکلے تھے۔ ایک سفید کاغذ کی پہلی تہہ پہ "فرح" کے جلی حروف تھے۔ اس نے دوسرا کاغذ واپس لفافے میں ڈال کر اسے کھول لیا تھا۔

"فرح جان عزیز!

آغاز ایسا تھا کہ فرح سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔

تم اس حوالے سے بے شک کتنا ہی ناراض نہ ہو مگر اس سے مناسب حوالہ تمہارے لیے میری زندگی میں نہیں۔ میں نے تم سے محبت کی تھی کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا مگر امی اور باقی سب اس کو کھیل ہی سمجھ رہے تھے۔ تم مجھ سے بہت ناراض ہوگی اور یقیناً ہونا ہی چاہیے۔ میرا اقدام قابلِ مذمت تو ہو سکتا ہے مگر بدلا نہیں جا سکتا۔ میں خود غرض ہو کر بھی سوچوں تو خود کو زرش اور سمعان کے ساتھ زیادتی کرنے کے قابل نہیں پاتا ہوں۔ میں زرش کو اپنا کر بھی اسے کبھی نہ اپنا پاتا۔ میں نے بہت سوچا۔ پاگل پن کی حد تک مگر زیادتی تھی اور ایسی ہی زیادتی سمعان کے ساتھ بھی ہو رہی تھی۔ اپنی جگہ اس کو رکھ کر سوچتا ہوں تو خود کو مجرم سمجھتا ہوں۔ تمہارا یقین میرے ساتھ ہے۔ مجھے پتا ہے میں کیا کر چکا ہوں۔ اپنی واپسی کے تمام راستے بند کر چکا ہوں۔ میں نے سب سے بات کی ہے حتیٰ کہ سمعان اور زرش سے بھی۔ کوئی مجھے سمجھتا ہی نہیں تھا اور ماموں جان سے انکار کرنے کی ہمت نہ تھی۔ میں جا رہا ہوں۔ میں آخری سانس تک خود کو تمہارا مقروض سمجھوں گا۔ بس تم ایک کام کرنا یہ یقین جو جاتے سے تم نے مجھے دیا ہے اس کی حفاظت کرنا۔ میں واپس آؤں گا۔ میرا یقین ہے ان شاء اللہ یہاں کے حالات سنور جائیں گے۔ اب ماموں جان کے پاس سوائے سمعان کے لیے ہاں کہنے کے کوئی اور راہ نہیں رہتی۔ سمعان کو اپنی محبت مل جائے گی۔ مجھے یقین ہے ایسا ہوگا۔ بظاہر سب کو میرا اقدام بہت غلط لگ رہا ہوگا مگر جب آہستہ آہستہ حالات سنورتے جائیں گے تو سب کو میرا اٹھایا گیا قدم درست لگے گا کہ میں نے یہ قدم نیک نیتی سے اٹھایا ہے۔ صرف ذاتی غرض نہ تھی۔ چار زندگیوں کی بقا کا سوال تھا۔

اپنا خیال رکھنا اور یہ دوسرا خط زرش کے نام ہے۔ تم سے بہتر کوئی اور مجھے نہیں لگا تھا جو زرش تک اس خط کو پہنچاتا۔ دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ حافظ۔"

فقط

سعد جمال

مہندی کی رسم بڑے آرام و پرسکون ماحول میں اختتام تک پہنچی تھی۔ رات کے ایک بجے تک فارغ ہوئے تھے۔ سو فوراً گھروں کی طرف روانگی شروع ہو گئی تھی۔ اس دوران کسی نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ سمعان احمد بارہ بجے ہی رخصت ہو گئے تھے کہ طاہرہ بیگم کہنے کو آ تو گئی تھیں مگر انہوں نے فوراً گھر جانے کی ٹھانی تھی۔ علی تو گھر جانے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ عثمان بھائی کو انہوں نے گھر چھوڑنے کا کہا تو انہوں نے سمعان احمد کے سر پہ ذمہ داری ڈال دی تھی کہ ایسے عالم میں وہ بھی ماں سے بچ رہے تھے۔

طاہرہ بیگم کے روانہ ہوتے ہی قیصرہ بیگم بھی شوہر اور بیٹے کے ساتھ روانہ ہو گئی تھیں۔ ساتھ میں ان کی

دونوں

چھوٹی دونوں بیٹیاں بھی تھیں۔ سعود احمد نے ان لوگوں کو خود ڈراپ کرنے کی آفر کی تھی مگر امجد میاں نے اپنی گاڑی کا کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ عفان بھائی کی فیملی کے رخصت ہوتے ہی باقی مہمان ایک ایک کر کے گاڑیوں میں "سعود منزل" کی طرف روانہ ہوئے تھے کہ ان مہمانوں کے لانے اور لے جانے کے لیے فیملی کی گاڑیوں کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔ آخر میں وہ لوگ خود گھر پہنچے تھے۔ پھپھو کی ساری فیملی ادھر ہی آ گئی تھی۔

گھر آتے ہی زرش کا تھکن سے برا حال تھا۔ آج سارا دن مصروف گزرا تھا۔ اتنی افراتفری میں کہ درمیان میں صرف صبح کے ناشتے اور وقفے وقفے سے چائے کے ایک دو کپ کے علاوہ کچھ کھانے کی مہلت بھی نہ ملی تھی۔ کہنے کو تو اس کی اپنی شادی تھی مگر نوشی کی وجہ سے جو بھاگ دوڑ تھی اس نے اپنی شادی کے جھنجٹ کو فی الحال ذہن سے اگر محسوس کیا تھا تو وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

نوشی کے نکاح والے دن سعد جمال کا انداز اس کی گفتگو نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ وہ مختلف انداز میں اس واقعہ کو سوچ چکی تھی مگر وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ سعد جمال صرف سمعان احمد کو بنیاد بنا کر اسے انکار کرنے کا تو نہیں کہہ سکتے تو پھر اصل وجہ کیا تھی؟ وہ سوچ سوچ کر الجھی تھی۔

اب بھی گھر آتے ہی اس نے یاسمین کو کچھ کھانے کو دینے کو کہا تھا۔ ہوٹل میں بھی چلتے پھرتے ایک دو لقمے ہی لے پائی تھی۔ اب بھوک سے برا حال تھا۔ سب گھر والے اور دیگر مہمان لاؤنج میں تھے۔ وہ یاسمین کو کھانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا پرسکون آرام دہ نیند لیے ہوئے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا سراپا دیکھا۔ پیلے لباس میں آرائش کے نام پر صرف گجرے پہنے وہ اس سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ قدم قدم پہ وہ نظروں سے سراہی گئی تھی۔ خاص طور پر سمعان احمد کی نگاہوں نے اس کے چہرے کا طواف کیا تھا۔ وہ قدم قدم پہ لڑکھڑا گئی تھی۔ بے شک وہ سوشل نہیں رہی تھی۔ سارا وقت نوشی کے ساتھ ہی رہی تھی مگر بار بار وہ ان کی نظروں کی تپش سے خائف ہوئی تھی۔ اب اس سب کا کچھ حاصل نہیں تھا مگر وہ ان کو کہنے سے قاصر تھی۔

طاہرہ بیگم اور قیصرہ کی فیملی کو دیکھ کر وہ کن مراحل سے گزری تھی یہ صرف وہی جانتی تھی۔ یہ اگر اس کے بابا کی "صلہ رحمی" کے تحت مدعو کیے گئے مہمانوں میں سے نہ ہوتے تو شاید وہ لمحوں میں سارے حساب بے باق کر لیتی۔ اس کے اندر نفرت کا احساس بڑا گہرا ہوا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر گزرے لمحوں کو یاد کرتے اچانک اس کی نگاہ اپنی گردن پہ ٹھہری تھی۔ لاکٹ پہ انگلیاں پھیرتے وہ بڑے تکلیف دہ احساسات سے دوچار ہوئی تھی۔ اس دن کچرے کے ڈھیر سے لاکٹ اٹھا کر دوبارہ گلے میں پہنتے ہوئے اسے تکلیف تو بڑی ہوئی تھی مگر اس نے اس نیت سے پہن لیا تھا کہ جب بھی موقع ملا وہ سمعان احمد کو فوراً لوٹا دے گی۔ نوشی کے نکاح کے بعد آج بارہا چاہا تھا کہ وہ ان تک یہ لاکٹ پہنچا دے مگر ان کی اس دن پھینک دینے والی حرکت نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ غصہ اپنی جگہ مگر یہ لاکٹ قیمتی بھی بہت تھا۔

وہ ابھی لاکٹ پہ انگلیاں ہی پھیر رہی تھی کہ باہر سے ایک دم اونچی اونچی آوازیں آنا شروع ہو گئی

تھیں۔ زرش پہلے تو کچھ نہیں سمجھی تھی مگر جب کان میں شدید قسم کی گریہ زاری گونجی تو وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔ ایک نہیں بہت سی آوازیں تھیں۔ عجلت بھرے جملے چیخ و پکار۔ زرش کا دل لرز اٹھا۔

"الٰہی خیر۔" وہ فوراً باہر کی طرف لپکی تھی۔ راہداری میں بڑی تیزی سے وقار بھائی بھاگے گئے تھے اور ان کے پیچھے بہت سے لوگ۔

"کیا ہوا؟" مگر کسی نے کوئی توجہ ہی نہ دی تھی۔ سب ہی باہر نکلے تھے پھر ایک دم گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر باہر لان کی طرف بھاگی تھی مگر وہاں صرف مہمان ہی تھے۔ ماما، پاپا، نوشی سب نجانے کہاں تھے۔

ہادیہ آپا اور بھابی پر نظر پڑی تو وہ فوراً ان کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا ہوا......؟ یہ کون رو رہا تھا؟" ہادیہ آپا بری طرح رو رہی تھیں۔ زوباریہ بھابی انہیں سنبھال رہی تھیں۔ زرش کو دیکھ کر انہوں نے ایک دم بھابی کو ہٹا کر زرش کو اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"زرش! پاپا کو اٹیک ہوا ہے۔ بڑی بری طرح طبیعت خراب ہوئی ہے۔"

زرش تو ساکت رہ گئی تھی۔

"ہادیہ کیا کرتی ہو...... بجائے اسے سنبھالنے کے تم خود بچی بن رہی ہو۔" بھابی نے دونوں کو علیحدہ کیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا زرش چچا جان کو۔ بس ہلکا سا درد ہوا تھا انہیں۔ تمہارے بھائی اسپتال لے کر گئے ہیں۔ کچھ نہیں ہوا۔"

وہ ایک دم بالکل زرد ہو گئی تھی۔

"ہادیہ! ہوش کرو نوشی کو دیکھو۔ اندر اس کی خود طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ اپنی ماما کو دیکھو ان کو ہوش نہیں آ رہا۔ زوباریہ تم جا کر دیکھو شائستہ کو۔" نفیسہ پھپھو کی پکار پر بھابی فوراً دونوں کو وہیں چھوڑ کر اندر بھاگی تھیں۔ ایک دم یہ کیا ہو گیا تھا۔ زرش سمجھنے سے قاصر تھی۔ ابھی تو ہنستے مسکراتے سب کو چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں گئی تھی۔ تایا ابو، پاپا، ماما، پھپھو، ماموں سب ان کے کمرے میں تھے جب کہ باقی سب بھی مختلف کمروں اور لاؤنج میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ یہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔

عروبہ نے ہادیہ آپا کو سہارا دیا تو فرح نے سکتے کی کیفیت میں کھڑی زرش کو تھام لیا۔

"اندر چلو۔" دونوں ماما کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ انہیں ہوش آ گیا تھا۔ نوشی ان کے پاس ان کا ہاتھ تھامے بیٹھی ہوئی تھیں جب کہ ماما مسلسل رو رہی تھیں۔ کوئی بھی کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

"آپا! یہ کیسے ہوا؟ پاپا تو بالکل ٹھیک ٹھاک فریش تھے......"

"مجھے خود نہیں پتا یہاں کمرے میں پھپھو، ماموں، ماما پاپا ہی تھے یا پھر عثمان بھائی اور وقار تھے۔ باقی باہر مہمانوں میں مصروف تھی۔"

"ماما کو کیا ہوا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟" زرش ماما کے پاس بیٹھی تھی۔ انہوں نے زرش کو دیکھا تو کلیجہ کو تھا۔ نوشی کے ہاتھ چھوڑ کر انہوں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

"ہائے میری بچی! اتنا بڑا روگ لگا دیا۔ سعد تمہیں خدا سمجھے۔" ان کی گریہ وزاری ایسی تھی کہ ہر کوئی اپنی جگہ ساکن ہو گیا تھا۔

"شائستہ حوصلہ کرو۔ یہ پریشان ہو رہی ہے۔" پھپھو نے ان کا کندھا تھاما تو وہ مزید رو دی تھیں۔

"آپا! آپ سے مجھے یہ امید نہ تھی۔" ماما کو روتے دیکھ کر زرش کو خود رونا آ رہا تھا۔ بڑی سے بڑی بات پر بھی ماما نے کبھی حوصلہ نہ ہارا تھا۔ نجانے کیا بات ہوئی تھی جو ان کی گریہ زاری ہی کم نہ ہو رہی تھی۔

"شائستہ! صورت حال سمجھو۔ سارے مہمان جمع ہیں۔ مسعود کی صحت کے لیے دعا مانگو۔ اللہ میرے بھائی کو زندگی دے۔" پھپھو خود رونے لگ گئی تھیں۔ سوائے عروبہ اور فرح کے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کمرے میں گھر کے مکینوں پر کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔

زوباریہ بھابی سب کو سنبھال رہی تھیں۔ شائستہ بیگم کو خیال آیا تو انہوں نے اٹھ کر وضو کیا تھا۔

"نوشی زرش۔ اٹھو شاباش اپنے ابو کی صحت کے لیے دعا مانگو۔ بہت بڑی آزمائش ہے۔ اے میرے مالک!" وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی باتھ روم کی طرف چلی گئی تھیں۔

وضو کر کے انہوں نے جائے نماز بچھائی تھی۔ ان تینوں بہنوں نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔

"بھابی! بھائی کے نمبر پر کال کر کے پتا کریں۔ چچا جان کی حالت اب کیسی ہے؟" فرح نے پھپھو کو دلاسہ دیتی بھابی سے کہا تھا۔

"ہاں زوباریہ! پتا کرو۔ خدا میرے بھائی کو سلامت رکھے۔" انہوں نے اپنے موبائل سے کال ملائی تھی۔ عثمان بھائی نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب چچا جان کی؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا زوباریہ...... آئی سی یو میں رکھا گیا ہے دعا کرو۔" عثمان کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

زوباریہ بھابی ساکت رہ گئیں۔

"کون کون ہے آپ کے ساتھ؟"

"چچا جان کی طبیعت اچانک ہی خراب ہوئی ہے۔ میں وقار اور پھوپھا جان تھے ساتھ ہی ابو بھی۔ بس فوراً لے کر نکلے ہیں۔ سمعان کو میں نے کال کر دی ہے۔ وہ فوراً چچا کے ہاں آ رہا ہے۔ چچی جان کو سمعان کے ساتھ بھیج دینا۔ لڑکیوں میں سے کسی کو مت بھیجنا۔" انہوں نے چند اور ہدایات دے کر کال بند کر دی تھی۔ پھپھو کو بتا کر انہوں نے دعا مانگنے کو کہا تھا۔

"فرح! یہ کیا کہانی ہے چچا جان کی اس طبیعت کی اور چچی جان سعد کو الزام کیوں دے رہی تھیں؟" وہ خود بھی الجھی ہوئی تھی۔

"ایک تو ان لوگوں کا ہوٹل لیٹ پہنچنا، سعد کا نہ آنا، سب کا گم صم انداز پھر واپسی پر ان کے ساتھ ادھر آ جانا۔ چچا جان کے کمرے میں خفیہ میٹنگ ہونا انہیں یہی لگ رہا تھا کہ سب معاملہ پھپھو کے گھر سے شروع ہوا ہے اور صورت حال سنگین تر ہے۔

"ادھر آؤ، میں بتاتی ہوں۔" وہ ان کو لے کر ایک طرف چلی آئی تھی اور پھر اس نے ساری بات

بتائی۔ سعد کے فرار اور انکار سمیت۔

”ہائے یہ تو بہت برا ہوا۔ بہت برا...... پہلے ہی زرش کی وجہ سے چچا جان کو اٹیک ہوا تھا اب پھر اٹیک۔ اللہ چچا جان کی زندگی کی حفاظت کرے۔ پھپھو لوگوں کو سعد کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہیے تھی اگر وہ راضی نہیں تھا تو یہ آناً فاناً شادی طے کر دینے کی بھلا کیا تک تھی......“ وہ کف افسوس مل رہی تھی۔ انہوں نے اس کی ذات کو ڈسکس نہیں کیا تھا مگر فرح اندر ہی اندر چور بن گئی تھی۔ بظاہر پھپھو وغیرہ میں سے کسی نے اسے الزام نہیں دیا تھا مگر وہ بہت زیادہ کانشس ہو گئی تھی۔

سمعان لینے آیا تو شائستہ بیگم اپنے آپ کو سنبھال چکی تھیں۔ قیامت تو آ ہی چکی تھی۔ اب وہ کتنا ہی روئیں اس کے اثرات کم نہیں ہونے تھے جو طے تھا وہ ہو کے رہنا تھا۔ وہ خاموشی سے جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔

”ماما! ہم بھی جائیں گے۔“ نوشی کی آواز پر انہوں نے دیکھا۔ نوشی، ہادیہ، زرش تینوں آس بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

”تم لوگ گھر میں رہ کر اپنے پاپا کی زندگی کی دعا مانگو۔ چلو سمعان۔“ وہ ان کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ ان کے ساتھ نفیسہ پھپھو بھی تھیں۔ وہ آئی۔ سی۔ یو میں ہی تھے۔ ڈاکٹرز مسلسل کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ یہ شدید صدمہ تھا جس نے براہ راست ان کے دل پر کام کیا تھا۔ دل تو پہلے ہی کمزور تھا۔ سنتے ہی انہوں نے حواس کھوئے تھے اور ان کو حواس کھوتے دیکھ کر شائستہ بیگم خود بے حواس ہوئی تھیں۔ نفیسہ کے پکارنے پر سب سے پہلے وہاں ہادیہ، نوشی اور زوباریہ ہی پہنچی تھیں۔ زوباریہ نے ایک دو منٹ چچا کی حالت درست ہونے کا انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ حالت سنبھلنے کی بجائے مزید بگڑ رہی ہے تو انہوں نے عثمان وغیرہ سے انہیں فوراً اسپتال منتقل کرنے کو کہا تھا اور اب...... زوباریہ بھابی گھر میں سب کو دیکھ رہی تھیں۔ ہادیہ تو رو کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں جب کہ وہ دونوں خاموشی سے ”کلام پاک“ پڑھتے اللہ سے پاپا کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔

فجر کے بعد جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ یہاں سب کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اسپتال سے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ صبح آٹھ بجے کے قریب زرش کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

شائستہ بیگم کا اسے ساتھ لگا کر سعد جمال کا نام لے کر رونا اسے ٹھٹکا گیا تھا۔ اگر سعد جمال سے براہ راست بات نہ ہوئی ہوتی تو وہ کچھ بھی نہ سمجھ پاتی مگر ماما کے ان چند الفاظ نے ہی اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ تب سے وہ چپ چاپ ساکت سی تھی۔ صرف نماز دعا سے پاپا کی زندگی کی التجا کرتی رہی تھی مگر اب ضبط سے بے ضبط ہو گیا تھا۔

”علی! ہمیں اسپتال لے چلو۔“ علی کمرے میں آیا تو اس نے کہا وہ اسے دیکھ کر نظریں پھیر گیا تھا۔ [illegible] کے قریب وہ اسپتال گیا تھا۔ ابھی لوٹا تھا چچا کی طبیعت جوں کی توں تھی مگر وہ اسے دلاسے میں کچھ نہ کہہ سکا۔ ہادیہ آپا کو چھوڑ کر وہ آیا تھا اور اب یہ زرش......

نو بجے کے قریب وہ اور نوشی علی کے ساتھ بائیک پر اسپتال پہنچی تھیں۔ ماما جو مسلسل تسبیح میں مصروف

تھیں وہ نم تھیں۔ دونوں کی سوجی آنکھیں مسلسل گریہ زاری سے سرخ چہرے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں رلا سا دیا تھا۔

عثمان بھائی نے اگر نوشی کو ساتھ لگا کر تسلی دی تھی تو تایا ابو نے زرش کو بازو کے گھیرے میں لے کر حوصلہ و ضبط کرنے کی تلقین کی تھی۔

تھوڑی دیر میں عفان بھائی اور ان کے امی ابو کے ساتھ ستارہ آپی اور قادر بھائی بھی آ گئے تھے۔ کسی نے ان کو اطلاع دی تھی۔ وہ سنتے ہی اسپتال پہنچے تھے۔

تایا جان اور پھوپا جان انکل اور دیگر لوگوں کو لیے ایک طرف کھڑے سعود احمد کی طبیعت سے متعلق بتاتے رہے تھے۔ ستارہ باجی کو صورت حال کا علم تو نہیں تھا مگر اندازہ تھا لیکن موقع ملتے ہی نفیسہ بیگم سے سعد کے جانے کا سن کر ششدر رہ گئی تھی۔

”ابھی میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا کہ سعد فرح کی وجہ سے گھر چھوڑ کر گیا ہے۔ صرف یہی کہا ہے سعد نے کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا سمعان اور زرش کے معاملے کو لے کر شادی سے انکار کیا ہے۔ ہادیہ کو تو سرے سے اس معاملے کا علم ہی نہیں ہونے دیا۔ تم بھی ذکر مت کرنا باقی لوگوں کو بھی منع کر چکی ہوں۔ زرش بے چاری تو سہہ رہی ہے۔ دونوں ہی میری بھتیجیاں ہیں۔ ایک کے لیے دوسری کی زندگی کیوں برباد کروں۔ میں نے تو اچھا ہی سوچا تھا مگر...... فرح کا نام مت لینا اور نہ اس کے سامنے ذکر کرنا۔ اسے تو شاید خبر بھی نہیں کہ سعد اس کی وجہ سے گھر چھوڑ کر گیا ہے۔“ انہوں نے ساری صورت حال بتا کر آخر میں سمجھایا تھا۔ ستارہ گم صم سی بیٹھی رہی تھیں۔

یہ معاملہ بڑا گمبھیر ہو چکا تھا۔ کتنی زندگیاں داؤ پر لگ چکی تھیں۔ سعد نہیں مان رہا تھا تو بھی دل دکھی تھا۔ وہ گم صم اور چپ تھا تو اس کے احساسات کا سوچتے ہوئے دل غمزدہ تھا اور اب وہ چلا گیا تھا تو بھی دل میں تکلیف ہو رہی تھی۔

گیارہ بجے کے قریب مانیٹرنگ مشین (ای سی جی) کی ریڈنگ بدلی تو اسپتال کے ڈاکٹرز میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ ڈاکٹرز روم میں جمع ہو چکے تھے۔ سب کے دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گئے تھے۔

ادھر پھر آہستہ آہستہ مشین کی ریڈنگ بہتر ہونے لگی تو ڈاکٹرز نے بڑی امید دلائی کہ مریض کے ہوش میں آنے کے چانسز پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے لیے گویا یہ ایک نئی زندگی تھی۔

بارہ بجے کے قریب سعود احمد کی کنڈیشن خطرے سے باہر بتا کر گویا ڈاکٹرز نے سب کو زندگی کی نوید سنا دی تھی۔ پھر جو جہاں تھا وہیں تشکر بجا لایا تھا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ بعد ان کو ہوش آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے اپنی اچھی طرح تسلی کے بعد مریض سے ملنے کی اجازت دے دی تھی مگر ایک ایک کر کے...... ماما، نوشی، ہادیہ آپا سب ہی ایک ایک کر کے اندر جا کر واپس آ رہے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی تھی۔ کسی نے ابھی تک ذکر نہیں کیا تھا مگر اسے یقین تھا پاپا کی اس کنڈیشن کی ذمہ دار کہیں نہ کہیں اس کی ذات ہی ہے۔

سعد جمال کا رویہ زہر تھا اور ماما کے الفاظ بھی......

"زرش! پاپا بلا رہے ہیں۔ پاپا سے ملنا نہیں......" نوشی کے کندھا ہلانے پر اس نے عجب بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اک خوف تھا کہ اگر وہ پاپا کے سامنے گئی تو کہیں ان کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہو جائے۔

"زری بیٹا! مسعود بلا رہے ہیں تمہیں۔ آؤ اپنے پاپا سے مل لو۔" تایا ابو بھی اس کے پاس چلے آئے تھے۔

"تایا ابو! وہ پاپا مجھے دیکھ کر۔"

"اوں ہوں۔ کچھ نہیں سوچنا۔ چلو آؤ میرے ساتھ۔" انہوں نے محبت سے تنبیہ کی تھی پھر اسے بازو کے حصار میں لے کر وہ آئی۔ سی۔ یو میں چلے آئے تھے۔

پاپا کے پاس نرس کے علاوہ سمعان احمد بھی تھے۔ سمعان نے صرف ایک نگاہ ڈالی تھی۔ زرد پیلے لباس میں روئے بکھرے خستہ حال وجود کے ساتھ وہ رات کی زرش سے قطعی مختلف تھی جس کی سادگی میں بھی ایسا حسن تھا کہ نگاہیں پلٹنا بھول گئی تھیں اور اب۔ عثمان بھائی اور پاپا نے چچا کے اٹیک کی جو وجہ بیان کی تھی۔ سمعان تو خود ششدر رہ گیا تھا۔ سعد کو کتنا سمجھایا تھا۔ اپنی طرف سے مطمئن کرنا چاہا تھا مگر اس کے ذہن کو بدلنے سے قاصر رہا تھا۔ یہ لڑکی ایک بار پھر اس کے حوالے سے موردِ الزام ٹھہرائی گئی تھی۔

مسعود احمد زرش کو تایا کے ساتھ آتا دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔ یہ بیٹی انہیں اپنے آپ سے بڑھ کر عزیز تھی۔ اس بیٹی کو اک ذرا سی تکلیف پہنچی تھی تو ان کا دل کام کرنا بھول گیا تھا۔ اس بیٹی کو ہر غم سے بچانے دنیا کے ہر سرد و گرم سے دور رکھنے کے لیے انہوں نے دل کے فیصلے کو رد کرتے ہوئے نفیسہ آپا کی بات مانی تھی۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے دل کا کیا فیصلہ تھا۔ سمعان احمد انہیں کس قدر عزیز تھا۔ زرش کے حوالے سے انہوں نے سمعان احمد کے لیے کیا کچھ نہ سوچا تھا مگر صرف اپنی بیٹی کے اچھے مستقبل کے لیے یہ جوا کھیلا تھا اور اب کیا ہوا تھا؟

ان کا دل یہ فیصلہ کر کے بھی مطمئن نہ تھا۔ ہر وقت مبتلائے درد رہتا تھا۔ وہ ہر دوسرے روز ڈاکٹر کو دکھا رہے تھے۔ ڈاکٹرز ڈپریشن اور ٹینشن بتا رہے تھے اور جب سے سعد جمال پاکستان آیا تھا۔ سعد جمال کے انداز و اطوار دیکھ کر ان کا دل انجانے وسوسوں سے دوچار تھا مگر سعد اس حد تک بھی چلا جائے گا...... وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے اور سب سے بڑی تکلیف وہ بات یہ تھی کہ نفیسہ آپا نے ان سے یہ سب کچھ چھپایا تھا۔ اگر وہ اشارہ بھی کر دیتیں تو شاید وہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لیتے مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اپنے غلط فیصلے کا بھگتان وہ بھگت رہے تھے۔

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بے قرار ہو کر ان کے کندھے پر پیشانی ٹکا کر بے حال ہو گئی تھی۔

"زرش بیٹا! حوصلے سے۔ پاپا کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" تایا ابو کا ہاتھ اس کے سر پر مسلسل تھا۔ پاپا ٹیوبوں اور ڈرپس سے جکڑے ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتے رہے تھے۔ ان کے آنسو ان کے چہرے کو بھگوتے رہے تھے۔

"بھائی صاحب! میرا فیصلہ غلط تھا۔ جلد بازی میں طے کیے فیصلے اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں میری بیٹی کا خیال رکھئے گا۔"

"مسعود! حوصلہ کرو۔ دھیرج سے یار۔ کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سعد اگر چلا گیا ہے تو کیا ہوا۔ تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے۔ یہ میری بیٹیاں ہیں۔ ان کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" تایا ابو نے نہ صرف اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا بلکہ پاپا کا ہاتھ تھام کر انہیں بھی تسلی دی تھی۔ ان سے زیادہ باتیں کرنا مناسب نہ تھا سو ایک دو منٹ بعد تایا ابو اسے باہر لے آئے تھے۔

ڈاکٹرز نے مسعود احمد کو انجکشن لگا کر کچھ دیر کے لیے اعصابی سکون فراہم کرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ پاپا خطرے سے باہر تھے مگر حالت تسلی بخش نہ تھی۔ تایا ابو نے کچھ دیر بعد ماما سمیت ان سب کو زبردستی گھر جانے پر راضی کر لیا تھا۔

گھر میں زوباریہ بھابی کے علاوہ مہمان ہی تھے۔ ماما کو گھر کا بھی خیال تھا۔ سعد جمال اس طرح نہ کرتا تو آج زرش کی مہندی کا فنکشن ہوتا۔ گھر آ کر اعصاب پرسکون ہوئے تو انہوں نے ہادیہ اور نوشی کو بتایا تھا وہ تو سن کر پتھر بن گئی تھیں جب کہ زرش اسی طرح بے تاثر بیٹھی رہی تھی۔

"سعد کے رویوں سے تو میں بھی ٹھٹک گئی تھی مگر وجہ یہ ہو گی مجھے یقین نہیں آ رہا۔ پھپھو وغیرہ نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی۔ وقار نے بھی پتا نہ چلنے دیا۔" ہادیہ آپا کا شاک سے برا حال تھا۔

"اب کیا ہو گا...... ساری دنیا جانتی ہے کل نوشی کے ساتھ زرش کی بھی شادی ہے۔ یہ سعد نے کیا کر دیا؟" نوشی تو کچھ بولنے سے ہی گئی تھی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ تم لوگ جاؤ مہمانوں کو دیکھو۔ بھائی صاحب اور لڑکے بھی پہنچ جاتے ہیں۔ رات سے مہمانوں کو دیکھا نہیں۔ دوپہر ڈھل رہی ہے۔ کھانے پینے کا ہی اہتمام ہو۔ آفتیں کتنی بھی ٹوٹ پڑیں۔ زندہ رہنے کے لیے کھانا تو پڑتا ہے۔"

رات گئے تک فنکشن اور پھر اس نئی آفت نے ان کو ادھ موا کر دیا تھا۔ ذہنی و جسمانی مشقت سے پہلے ہی برا حال تھا۔ اب تو اعصابی توڑ پھوڑ بھی نڈھال کر چکی تھی۔

"ماما! آپ آرام کریں۔ ہم دیکھ لیں گے۔" زوباریہ، زوبیہ اور ماریہ کے علاوہ اور لڑکیاں بھی ہیں۔ سب کر لیں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔ ان شاء اللہ اب تو پاپا کی طبیعت بھی خطرے سے باہر ہے۔ شام کو جا کر ایک چکر لگا لیں گے۔" ہادیہ آپا نے خود کو سنبھال کر بڑے ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

"ہوں۔" وہ بستر پر دراز ہو گئی تھیں۔

"زرش! تم میرے پاس ادھر آؤ۔ نوشی بیٹا دروازہ بند کرنے سے پہلے لائٹ آف کر دینا۔" زرش ان کے قریب آ بیٹھی تھی۔

"تمہیں علم تھا زرش سعد کی اس حرکت کے بارے میں؟" جس طرح ان کے بتانے پر زرش بے تاثر رہی تھی انہیں ایسا شک ہوا تھا۔

"نہیں...... اندازہ تھا۔"

"کیوں؟"

اس نے نوشی کے نکاح کے روز والا سارا قصہ کہہ سنایا۔

”تم ہمیں اسی دن بتاتی۔ ہم کم از کم یہ شادی تو ملتوی کر دیتے۔ کچھ نہ کچھ کرتے۔ سعد جمال سے بات کر کے معاملہ درست کر لیتے۔ آپا سے بازپرس کرتے۔ تم نے اپنے آپ تک بات رکھ کر بہت غلط کیا۔“ ماما کے آنسو پھر بہہ نکلے تھے۔

”سوری۔ مجھے کیا علم تھا وہ اس حد تک چلے جائیں گے۔“

”آپا بھی یہی کہہ رہی ہیں مگر وہ سب کچھ کر چکا ہے۔“ ضبط سے ان کی آواز پھٹ پڑی تھی۔

”اب لوگوں کو کیسے سمجھائیں گے...... اللہ اللہ کر کے تمہارے پاپا کی طبیعت سنبھلی ہے مگر بدنامی کا خوف سر پہ ہے سمجھو کیا کروں؟ کس طرح حالات بدلوں......؟“ انہوں نے اپنا سر تھاما تھا۔

زرش آہستگی سے ان کے کندھے پر سر رکھ کر سسک اٹھی تھی۔

اس کی ذات اس کے والدین کے لیے کس درجہ اذیت کا باعث بن چکی تھی۔ کاش وہ خود کو ختم کر کے والدین کو خوشیاں دلا سکتی۔

شائستہ نے بھی اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

❋......❋......❋

ابھی فرح اس کے پاس تھی۔ کمرے میں وہ تنہا تھی جب جاتے ہوئے اس نے اس کو لفافہ تھمایا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ اپنی روئی سوجی سرخ آنکھوں سے فرح کو دیکھا، وہ نظروں چرا گئی تھی۔

”پتا نہیں۔“

”مگر یہ کیا...... میرے لیے کیوں؟“ اب کے اس کی سرخی مائل آنکھوں میں حیرانی بھی تھی۔

”یہ سعد بھائی تمہارے لیے دے گئے تھے۔“

اسے ناچاہ کر بھی بتانا پڑا تھا۔ اب تو بات کھل گئی تھی، ہر مہمان، ہر شخص کو پتا چل گیا تھا کہ اچانک سعد احمد کو اٹیک کیوں ہوا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ کوئی سعد کے فرار پر مذمت کر رہا تھا، تو کوئی ان حالات کو ڈسکس کر رہا تھا۔ جن کی بنا پر نہ صرف یہ رشتہ طے ہوا تھا بلکہ عجلت میں شادی بھی ہو رہی تھی۔

”تمہیں؟“ فرح تو پہلے ہی منہ چھپا رہی تھی۔ یہ سچ تھا، پھپھو لوگوں نے کسی کے سامنے بھی سعد کی ناپسندیدگی کا ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ سرے سے اس کا نام چھپا گئی تھیں، ان کی فیملی کے دیگر لوگوں کا بھی یہی ردعمل تھا جبکہ وہ تو اپنی جگہ شرمندہ تھی۔ سعد کے اس فرار میں، کچھ قصور اس کے نام کے بھی تھے وہ جانتی بھی تھی اور سمجھتی بھی، سو اسی لیے زرش کے سامنے سر جھکا ہوا تھا۔

”نہیں۔ سعد بھائی اپنے گھر ملازمہ کو یہ لفافہ دے گئے تھے، اس نے بھی مجھے دیا تھا کہ تم کو دے دوں۔“ نظریں چراتے اس نے وضاحت کی تھی۔

”اب اس میں کیا ہے؟ جو کرنا تھا وہ کر چکے۔ اب کون سی کسر باقی رہ گئی تھی۔“ جذبات سے بوجھل آواز میں وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔

”تم دیکھ لو۔“ وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

زرش نے جھلائی نگاہوں سے اس لفافے کو دیکھا۔ ایک پل کو جی چاہا کہ اس لفافے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے مگر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس نے لفافہ کھول لیا۔ اس کے اندر موجود کاغذ پھسل کر اس کے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔ نجانے اب اس میں کیا تھا۔

ماما کی حالت، پاپا کی کنڈیشن، گھر والوں کی اذیت، مہمانوں کا ردعمل دیکھ کر وہ اس قدر جذباتی ہو رہی تھی کہ اگر اس کا بس چلتا تو ایک پل میں کچھ کھا کر سو جاتی۔ اتنی سی عمر میں کیا کچھ نہ دیکھ لیا تھا۔ اب کس چیز کی کسر رہ گئی تھی! آنکھوں کو دوپٹے سے رگڑتے اس نے کاغذ کھول لیا تھا۔

”ڈیئر زرش!

سلام بخیر!

میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ تم سے بذریعہ قلم کبھی کلام کرنے کی نوبت آ جائے گی۔ حقیقت میں تمہارا مجرم ہوں تمہارا ہی نہیں ماموں جان اور پورے خاندان کا بھی، مگر میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں کچھ غلط نہیں کر رہا۔ میرا دل مطمئن ہے۔ میں نے تم سے بات کی، تمہیں اپنے انکار کا کہا مگر وجہ نہ بتا سکا۔ لیکن اب تم سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا۔ میں فرح کو پسند کرتا ہوں۔“

زرش ششدر سی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں موجود کاغذ لرز رہا تھا اور الفاظ گڈمڈ تھے۔ ”سعد فرح کو پسند کرتا ہے۔“

وہ بے یقین تھی۔

”میں فرح کو پسند کرتا ہوں۔“ اس نے کئی بار یہ جملہ پڑھا تھا۔

”اب سے نہیں بہت پہلے سے، میری پسندیدگی سے میری تمام فیملی (ماسوائے بھائی ہادیہ کے) بھی باخبر تھے، ماموں کی فیملی سے سمعان اور فرح اور کچھ حد تک ممانی اور ماموں بھی باخبر تھے۔ امی نے صرف بڑی ممانی کی فطرت کو دیکھتے ہوئے انہیں ان کے غلط رویے کا احساس دلانے کو یہ رشتہ باندھا تھا۔ میری مرضی اور پسند کے بغیر۔ اگر بات صرف میری پسند کی ہوتی تو میں سمجھوتہ کر لیتا اور میں کر بھی رہا تھا اگر مجھے سمعان کا تم سے متعلق پسندیدگی کا علم نہ ہوتا۔ میں خود کو سمعان کی جگہ پر رکھ کر سوچتا ہوں تو اپنا آپ مجرم لگتا ہے۔ میں نے امی ابو، بھائی بہن سب کو حتیٰ کہ سمعان سے بھی بات کر کے دیکھ لی، مگر کوئی مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا۔ تمہیں میں اپنی زندگی میں شامل بھی کر لوں تو تمہیں کبھی وہ خوشی، وہ مقام نہ دے پاتا جو میرے دل میں فرح کے لیے تھا۔ تو پھر خود ہی بتاؤ تم سے اتنی بڑی بے ایمانی کیسے کر لیتا۔ ابھی تم کو میرا یہ اقدام سراسر بے انصافی پر مبنی لگے گا مگر مجھے یقین ہے یہ حالات بہت جلد رخ بدلیں گے۔ اب ماموں کے پاس صرف ایک ہی راہ رہ جاتی ہے، سمعان احمد کو قبول کرنے کی۔ مجھے یقین ہے سمعان کے ساتھ تم بہت خوش رہو گی۔ سمعان تو پہلے ہی تمہارا طلب گار تھا اور یقیناً تم بھی ان کو پسند کرتی ہو گی۔ گزشتہ حالات کو دیکھوں تو ان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی سوائے اس ایک الزام کے جو بڑی ممانی نے لگایا اور جتنا تم اس قصے میں بے قصور ہو ایمانداری سے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو سمعان احمد بھی بے قصور

ہے۔ پھر اکیلا سمعان سزا کیوں جھیلے۔ امی کے صرف ایک جذباتی فیصلے سے چار زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں۔ (میری، تمہاری، سمعان اور فرح کی) میں امی ابو کو بتائے بغیر جا رہا ہوں مگر امید ہے میرے بعد یہاں کے حالات سازگار ہو جائیں گے۔ میری تمام دعائیں تم دونوں کے حق میں ہوں گی۔ جب بھی واپس پاکستان آنے کا موقع ملا۔ تم کو سمعان کے ساتھ دیکھ کر بڑی خوشی ہوگی۔ زندگی میں گنجائش ہو تو دل میں بھی گنجائش نکل آتی ہے، یوں سمجھ لینا اوپر والے نے میرا اور تمہارا ساتھ نہیں لکھا تھا، ہمیشہ خوش رہنا اور ہو سکے تو معاف کر دینا۔

فقط
سعد جمال

خط کے اختتام تک آتے آتے وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ سعد جمال اس کے سامنے ہو اور وہ اس شخص کا حلیہ بگاڑ دے۔ وہ شخص اسے ایک الزام کی بنیاد پر چھوڑ گیا تھا۔ صرف اور صرف سمعان احمد کے لیے۔ فرح کی خاطر۔ یہ دونوں بہن بھائی اس کی زندگی کا ناسور بن گئے تھے۔

"زرش کیا ہوا؟ یہ کیا ہے؟" وہ قالین پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کہ نوشی گھبرا کر اندر آئی تھی اور پھر اس کے پاس زمین پر گرے کاغذ کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

پاپا کے پاس سے آنے کے بعد ماما کی زبان سے سعد سے متعلق انکشاف سن کر وہ خود بھی شاک میں تھی۔ زرش کو مسلسل روتے دیکھ کر اس نے کاغذ اٹھا لیا تھا۔

"زرش نہیں کرو۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ شکر ہے پاپا کی زندگی بچ گئی ہے۔ سعد نے جو کیا وہ اچھا یا برا ایک طرف، تم شکر کرو کہ آنے والی زندگی کے ایک تکلیف دہ امتحان سے بچ گئی ہو۔ اللہ نے ان شاء اللہ بہتری سوچا ہوگا۔" خط پڑھ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا اس نے زرش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہی تھی۔

"میرے ساتھ ہی کیوں؟ کیوں ہو رہا ہے یہ سب میرے ساتھ، کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں؟" جذباتیت کی انتہا پر تھی۔

"اچھا چپ کرو...... پلیز...... چپ ہو جاؤ۔" نوشی نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ نوشی کی پناہ پا کر وہ پھر بکھر گئی تھی اور اتنی بکھری تھی کہ نوشی کے چپ کرانے پر بھی چپ نہ ہوئی تھی۔

اس کو لگنے والی چوٹ بہت شدید تھی شاید رو لینے سے اذیت کم ہو جائے۔ نوشی گم صم ہو کر اسے بلکتے دیکھتی جا رہی تھی۔

* * *

"کیسی طبیعت ہے اب انکل کی؟" سمعان آئی سی یو سے باہر نکلا تو پہلا سامنا ہی ڈاکٹر ظفر سے ہو گیا تھا۔ ہاتھ ملاتے ہی پوچھا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ پہلے سے بہتر ہے، مگر طبیعت بحال نہیں ہو رہی۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ ان کے دل

پر بہت دباؤ ہے۔ شدید ڈپریشن کا شکار ہو رہے ہیں ان کے اعصاب۔"

"ہوں۔ کل تو شادی تھی، ان کی بیٹیوں کی، اس طرح اچانک کیسی؟" سمعان نے نظر چرائی کہ اس نئی صورت حال میں اس کی ذات بھی انوالو ہو رہی تھی، سارا مسئلہ ہی ان کی ذات سے متعلق تھا۔

"تمہیں کس نے اطلاع دی تھی؟" سمعان ڈاکٹر ظفر کے ساتھ ویٹنگ روم کی طرف چلا آیا۔

"میری ڈیوٹی ٹائمنگ یہی ہے آج کل اس اسپتال میں شام کے بعد اپنے کلینک میں ہوتا ہوں یہاں آیا تو عثمان بھائی انکل اور دیگر لوگوں کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ تبھی عثمان بھائی نے بتایا۔"

وہ دونوں ویٹنگ روم میں آئے تو وہاں جمال صاحب سعید احمد، عثمان اور دیگر لوگ کسی مسئلے پر الجھے ہوئے تھے، ان دونوں کو آتے دیکھ کر روم میں خاموشی چھا گئی تھی۔ چچا جان دواؤں کے زیر اثر غافل تھے، وقار بھائی ان کے پاس ہی تھے۔ ڈاکٹر ظفر نے سعید احمد سے بھی سعود احمد کے اٹیک کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے صاف بات کہہ دی۔ ڈاکٹر ظفر کئی ثانیے تک ساکت رہ گئے تھے۔

"اب کیا ہوگا؟ بہت برا ہوا یہ۔ کل شادی ہے؟ کس طرح ہینڈل کریں گے یہ لوگ؟" ان کا صدمے سے برا حال تھا۔

"سعود سے میری بات ہو چکی ہے۔ ان حالات میں ایک ہی حل ہے مگر سمعان کسی طور پر نہیں مان رہا۔" سعید احمد کی بجائے جمال صاحب نے ڈاکٹر ظفر سے کہا تھا۔

"مطلب...... کل سمعان اور زرش؟" ڈاکٹر ظفر نے سمعان کو دیکھا، جو بے تاثر چہرے سمیت دیوار کو گھور رہا تھا۔

"ہوں، یہ میری ہی نہیں سعود کی بھی ایماء ہے، اس سے بات کر کے ہی اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔ تم ہی سمجھاؤ اسے یہ خوامخواہ جذباتی ہو رہا ہے میں بھی فون کر کے تمہیں بلانے والا تھا۔ اچھا کیا تم خود ہی آ گئے۔" سعید احمد نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ سمعان احمد کے چہرے پر ناگواری چھانے لگی۔

"ابو پلیز! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں یہ ممکن نہیں۔ مجھے مجبور مت کریں۔"

"سمعان بیٹا! حالات کو سمجھو۔ ہم بھی مجبور ہوئے ہیں۔ کیا سعد اور کیا تم۔ ہم نے پہلے بھی حالات کو سہارا دینا چاہا تھا، کسی کی دل آزاری یا نیچا دکھانا مقصود نہ تھا۔" سمعان کے ایک دم انکار کرنے پر جمال صاحب نے آہستگی سے کہا تو سمعان نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ ڈاکٹر ظفر خاموشی سے سمعان کا چہرہ دیکھے گیا۔ اس وقت سمعان کے احساسات کیا ہو سکتے تھے وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ مگر باقی لوگوں کے فیصلے کو بھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔

"جمال بھائی! آپ اسے سمجھائیں...... میں اپنے بھائی کو موت کے منہ میں جاتے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ طے ہے جناب کل بارات آئے گی اگر یہ نہیں تو کوئی اور سہی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ متبادل تو کہیں سے بھی مل سکتا ہے۔ آپ دیکھ لیں۔ سوری مجھ سے یہ امید مت کریں۔ اللہ چچا جان کو زندگی دے۔ مگر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا شخص کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا کہاں کا اصول ہے۔" سمعان کے لہجے میں ایک دم تلخی اتری تھی۔ ڈاکٹر ظفر نے بڑی خاموشی سے سب کو

ناولیم

دیکھا۔

"ہم کسی کی بے بسی سے فائدہ نہیں اٹھا رہے' سعود کی صرف ایک بیٹی ہی کل بیاہنے نہیں جا رہی' [illegible] توشی کو بیاہنے والے لاکھ اچھے لوگ سہی' مگر لوگوں کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔ شادی سے صرف دو دن پہلے شادی سے انکار کا مطلب سمجھتے ہو۔" سعید احمد سمعان کے ایک ہی انداز سے ایک دم برہم ہوئے تھے۔

"سب سمجھتا ہوں مگر یہ سب بھی مجھے قبول نہیں۔" ادھر وہی انکار تھا۔

"دیکھ رہے ہو عثمان۔ پہلے اس کی ماں نے مجھے خاندان بھر میں ذلیل کروایا ہے اور اب یہ..... اسے سمجھاؤ....." خاموشی سے سب کو سنتے عثمان بھائی نے بھی سمعان کے چہرے اور کشیدہ اعصاب کو دیکھا اور پھر باپ کو۔

"ابو جی! مجبور مت کریں۔ جبر کا انجام آپ دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح تو یہ بات سچ ثابت ہوگی' جس کو غلط قرار دینے کو تو یہ سب کچھ فیصلے ہوئے تھے اس عجلت بھری شادی سے کچھ سبق نہیں سیکھ رہے یہ لوگ اور اب اور غلط فیصلہ۔"

سعید احمد کے یوں تلخ ہونے پر سمعان احمد کی بھی تلخی بڑھی تھی۔

"غلط نہیں..... یوں کہیں تم زرش کو اپنانا ہی نہیں چاہتے۔"

عثمان نے باپ کی دم بدم بڑھتی برہمی کو خائف انداز میں دیکھا اور سمعان کے تیور بھی۔ نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔

"ابو جی! آرام سے بھی یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ سمعان تم سکون سے بیٹھ کر بات کرو۔ جذباتی ہونے یا تلخ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

زرش کے نام پر سمعان کے چہرے کی سرخی جس طرح بڑھی تھی' عثمان بھائی کو فوراً مداخلت کرنا پڑی تھی۔

"کیا بات کریں۔ میری زندگی میں' ساری عمر بہن بھائیوں کے سامنے خوار ہوتے' شرمندگی اٹھانے کا مقام ہی تو رہ گیا ہے۔ صرف آخری بار پوچھ رہا ہوں سمعان تمہیں میرا فیصلہ قبول ہے یا نہیں۔" سعید احمد فوراً سے پیشتر جذباتی ہوئے تھے۔ سمعان نے عجیب سے انداز میں انہیں دیکھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھے تو پھر کیا اب نہ سمجھتے کہ ایسی حالت میں تو وہ اپنا ذاتی حق بھی چھوڑ دیتا' کسی کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا وہ کب گوارا کر لیتا۔

"ابو! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ دنیا میں صرف ایک میں ہی تو نہیں رہ گیا اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔"

"سعد! تمہاری وجہ سے اس بے قصور کو دنیا کے سامنے خوار ہوتے' ذلت اٹھانے کو چھوڑ کر گیا ہے۔ کیا تمہاری غیرت گوارا کرے گی کہ تمہارے نام پہ بدنام ہونے والی لڑکی دنیا کی ٹھوکروں پہ آ جائے۔" انہوں نے بات ہی ایسی کی تھی کہ ڈاکٹر ظفر نے سمعان کو ایک دم پلٹ کر باہر نکلتے دیکھا۔

"رکو سمعان! شام قریب ہے۔ زرش کی مہندی کا فنکشن آج ہی ہوگا۔ تم ہاں یا ناں میں صاف جواب دے دو' اس کے بعد میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

ذونیم

سمعان دروازے پہ ہی رک گیا تھا۔ پلٹ کر باپ کو دیکھا۔ سعید احمد کے تاثرات بڑے ناقابل فہم تھے۔ بڑے اٹل اور فیصلہ کن۔

"سوری۔"

"ٹھیک ہے۔ عثمان! تم علی کو فون کر کے بلواؤ۔" ان کا انداز ایک دم بڑا فیصلہ کن تھا۔ سمعان نے چونک کر باپ کو دیکھا۔

"سعود کو میں زبان دے چکا ہوں۔ سمعان نے صاف انکار کر دیا ہے اب اسے کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ تم علی کو بلواؤ' اس سے بھی بات کر کے دیکھ لوں۔ اگر اس نے بھی انکار کیا تو پھر مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ اس اولاد کے لیے میں نے ایک مشکل ترین زندگی گزاری ہے۔ ایک ایسی عورت کو برداشت کیا جس نے قدم قدم پہ مجھے ذلیل کروایا۔ صرف اولاد کی خاطر اس عورت کو اب بھی اپنے گھر میں برداشت کر رہا ہوں۔ اس کے بغیر میری زندگی میں کسی کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ عثمان! کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو کرو فون علی کو۔ ابھی سب صاف ہوگا۔" جذباتی انداز میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ ڈاکٹر ظفر کے سامنے سعید احمد کا یہ انداز یہ الفاظ سمعان کا ضبط سے برا حال ہوا تھا۔

"سعید! جذباتی فیصلے مت کرو۔ علی بہت چھوٹا ہے۔ وہ تو زرش سے بھی ایک سال چھوٹا ہے۔ یہ نامناسب ہے۔" جمال صاحب بھی ان کی جذباتیت پہ ٹھٹک گئے تھے۔

"تو پھر کیا کروں؟"

"ابو جان..... یہ نامناسب ہے۔ علی اور زرش..... ناممکن۔" عثمان نے بھی اپنی بے بسی و بے چارگی پہ تلملاتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہی سمعان نہیں مان رہا۔ علی کے لیے نامناسب ہے۔ تم تو سمجھدار ہو۔ سب حالات سمجھتے ہو۔ تم ہاں کر دو۔"

وہاں موجود ہر فرد کو لگا جیسے اس کے سر پہ کمرے کی چھت آ گری ہو۔

"ابو....." عثمان پہ حیرت سے سکتہ ہو گیا تھا۔

"ابو جی پلیز....." سمعان احمد ضبط سے چیخ پڑا تھا۔

"تمہاری بات نہیں ہو رہی' تم اپنا فیصلہ سنا چکے ہو۔ تم جا سکتے ہو۔" ان کے انداز میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔ "عثمان! دیکھ کیا رہے ہو؟ علی کو فون کرو' تم تو مانو گے نہیں کہ تم پہلے ہی بیوی بچے والے ہو۔ علی کو منانا ہوگا۔ بہرحال میں۔ بلاؤ اسے۔"

"سعید! سکون سے' آرام سے' اس طرح تو نقصان ہی ہاتھ آتا ہے۔" ان کے یوں جذباتی انداز پہ جمال صاحب نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"نہیں ہو رہا مجھ سے سکون۔ زرش کو میں نے فرح سے کبھی کم نہیں سمجھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا ہے اندر آئی سی یو میں لیٹے وجود پہ کیا قیامت ٹوٹی ہے' کسی کی بیٹی پہ اتنا بڑا الزام لگ جائے' تہمت لگ جائے اس باپ کا کیا حال ہوگا۔ اپنی کم عمر بیٹی کا آناً فاناً رشتہ طے کرتے ہی شادی کر دینا' جسے پڑھانے' کسی مقام پہ

پہنچانے کے جس باپ نے کئی خواب دیکھے ہوں۔ وہ سہہ سکتا ہے اپنی بیٹی پر اتنی بڑی تہمت؟ اور یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ صرف اس کی وجہ سے' صرف تنہا وہ کیوں سزا بھگتے' یہ بھی کیوں نہیں۔ سمعان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا اندز بڑا برہم تھا۔ سمعان بہت کچھ بتا چکا تھا مگر یہ سب نہیں۔ کیسی تہمت کیسا الزام؟ ڈاکٹر ظفر نے حیرانی سے سب کو دیکھا۔

سمعان نے نظریں چرالی تھیں۔

”مجھے ڈر ہے میں بھی بیٹی والا ہوں۔ ان ماں بیٹے کا کیا میری بیٹی کے سامنے نہ آئے۔ اگر ایسا ہوا تو خدا کی قسم کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ نہ ہی یہ رشتے اور نہ ہی یہ انسان۔“ وہ اس وقت جذباتیت کے اس مقام پر تھے کہ جہاں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ اسی جذباتی پن نے ان کی ساری زندگی کی خوشیوں و آسودگیوں کو نگل لیا تھا اور المیہ یہ تھا کہ ان کو ہم سفر بھی ویسا ہی جذباتی ملا تو جس کا نتیجہ آج ان کے سامنے تھا۔

”ایک غیرت مند انسان وہی ہوتا ہے جو اپنے حصے کا بھگتان بھگتے۔ غلطی جس کی ہے وہ سزا بھی بھگتے۔ مگر سمعان تمہیں مان رہا تو پروا نہیں۔ آج میں دیکھ لیتا ہوں میرے باقی دونوں بیٹوں میں سے کون میری بات کا مان رکھتا ہے۔“

سمعان بے بس ہو گیا تھا۔

”ابو جی یہ ناانصافی ہے۔“

”اور جو زرش کے ساتھ ہو رہا ہے کیا وہ بڑا انصاف ہے؟“

سمعان کا چہرہ جو سرخی مائل تھا۔ ایک دم زرد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ظفر جس کی نظریں پل پل رنگ بدلتے چہرے پر تھیں اس نے سمعان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ سمعان نے ڈاکٹر ظفر کو دیکھا۔ ڈاکٹر ظفر نے دیکھا سمعان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ بے بسی کی ایک انتہا تھی۔ ڈاکٹر ظفر نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ دیا تھا۔

”آپ کو کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہے جیسا آپ چاہتے ہیں وہی ہوگا۔“

نہایت سپاٹ لہجے میں کہتے سمعان باہر نکل گیا تھا۔

سمعان کے اقرار پر سب گم صم ہو گئے تھے۔ خاص طور پر سعید احمد صاحب۔

”میں سمعان کو دیکھتا ہوں۔“ ڈاکٹر ظفر باہر نکلے تو سعید صاحب نے گہری سانس لی۔ وہ سمعان کی رگ رگ سے واقف تھے اچھی طرح جانتے تھے' ایسی حالت میں وہ کبھی نہیں مانے گا۔ قدرت نے انہیں ایک موقع دیا تھا۔ بھائی کی موت کو شکست دے کر زندگی کی طرف موڑا تھا۔ بھتیجی کے مستقبل کا سوال تو تھا خاص طور پر بیٹے کی زندگی کا۔ وہ یہ جوا کھیلنا چاہتے تھے اور ہر حال میں اور نتیجہ ان کی سوچ کے مطابق تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی تلخ کلامی اور ناروا الفاظ کے ازالے کو عثمان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو عثمان نے بڑی بے بسی سے انہیں دیکھا تھا۔

* * *

نوریہ اماں سے ملنے آئی تھی۔ صبح اس کے کہنے پر شارق زمان اسے ادھر چھوڑ گیا تھا۔ نبیل بھائی آفس جا چکے تھے' وہاں اماں اور نبیلہ بھابی بہت محبت سے ملی تھیں۔ شارق زمان کے بازو کا زخم مندمل ہو چکا تھا۔ دو دن سے وہ آفس بھی جا رہا تھا۔ لالہ منصور سے اس کی چپقلش اسی طرح برقرار تھی مگر چونکہ کیس کو انسپکٹر انجم بذات خود دیکھ رہا تھا تو شارق زمان خود سے کوئی بھی قدم اٹھانے کی غلطی نہیں کر رہا تھا ورنہ جس طرح وہ اندر ہی اندر سے گولی کھا کر بپھرا ہوا تھا' بس نہیں چلتا تھا کہ فوراً کچھ کر ڈالے۔

واپسی کا پروگرام رات کا تھا۔ صبح ہی صبح وہ چلی آئی تھی' بھابی گھر کے کاموں سے فارغ ہوئیں تو اس نے ان کے ساتھ مل کر چچی زبیدہ کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ فاروق چچا کے ہاں تو وہ پہلے بھی کم ہی جاتی تھی۔ پھر رشتہ طے ہو جانے سے تو آنا جانا ہی ختم ہو گیا تھا اور شادی کے بعد تو وہ خود ہی رشتہ داروں سے پہلو بچاتی تھی کہ کوئی پرانے زخموں کو نہ چھیڑ بیٹھے اب جبکہ وہ اک نئی زندگی شروع کر چکی تھی' ذہنی طور پر ایک سوچ پختہ ہو چکی تھی تو شارق زمان کی زیادتی اور نواز کے فرار کا معاملہ ذہن میں اب ثانوی تو نہیں مگر پہلے سے کچھ کم حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ دوپہر کے قریب وہ دونوں گڑیا کو ساتھ لیے وہاں چلی آئی تھیں۔ چچی نوریہ کو اپنے گھر دیکھ کر ہی خوش ہو گئی تھیں۔ شادی کے بعد پہلی بار وہ ان کے ہاں آئی تھی' ان کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔ دو بجے کے قریب رمشاء بھی کالج سے لوٹ آئی تھی اور اس کے بعد رضا بھی۔

نوریہ کو جہاں اپنے گھر دیکھ کر خوشی ہوئی تھی وہاں کچھ تکلیف کے احساس نے بھی چھوا تھا۔ کتنی کوشش کرتا تھا کہ وہ نوریہ کو بھول جائے۔ اپنے دل کو سمجھاتے' اب وہ کسی اور کی نہ صرف بیوی تھی بلکہ مکمل طور پر کسی اور شخص کا گھر آباد کر چکی تھی' ایسے میں اسے کوئی حق حاصل نہ تھا کہ اس کو سوچتا اس تک نارسائی کا غم مناتا مگر یہ کم بخت دل بھی کبھی سنبھلا ہے۔

جب سے نواز فاروق کے منہ سے شارق زمان سے متعلق انکشاف سنا تھا وہ تو ہر پل اک اذیت کی بھٹی میں سلگتے گزارتا تھا۔ اس نے تو محبت میں بھی پاکیزگی کا خیال رکھا تھا۔ نوریہ کو سوچا بھی تھا تو صرف اس انداز میں کہ گویا کوئی عبادت کی ہو۔ اتنی محبت سے نام لیا کہ ”نام“ کو اپنے ہونے پر فخر محسوس ہو۔ اس نے تو انتہا کی تھی مگر شارق زمان کی زیادتی کا جان کر ہر آن' ہر پل دل شعلے کی مانند بھڑک اٹھتا تھا۔ کاش اسے اختیار حاصل ہوتا تو وہ شارق زمان سے احتساب مانگتا مگر نوریہ کو دیکھ کر سلام دعا کرتے ہوئے پھر اس کے اندر دکھ ہوا تھا۔

”بڑے کمزور ہوتے جا رہے ہو تم۔ کیا کرتے رہتے ہو سارا دن۔“ وہ نوریہ کے سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس سوال پر اس کے ہونٹوں پر بڑی اذیت بھری مسکراہٹ چمکی تھی۔ سلام دعا کے بعد وہ پوچھ رہی تھی۔

”کچھ خاص نہیں لاسٹ سمسٹر ہے' بس تیاریوں میں لگا ہوا ہوں۔“

”ایگزیمز کے بعد کے کیا ارادے ہیں۔“ نبیل بھائی کی گڑیا اس کی گود میں چڑھی بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں کو چھیڑتے اس نے پوچھا۔

”ایم بی اے کرنے کا ارادہ ہے ”ملس“ سے۔ دعا کریں رزلٹ اچھا آ جائے تو داخلہ با آسانی مل جائے گا۔“

نویرہ

"ان شاء اللہ...... انسان محنت کرے تو اللہ پھل ضرور دیتا ہے۔"

"واقعی؟" رضا نے اطراف میں دیکھا۔

زبیدہ چچی کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ رمشاء بھی ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ بھابی نماز پڑھنے کمرے میں گئی تھیں' اس وقت وہ دونوں ہی تھے' یا پھر نویرہ کی گود میں گڑیا تھی۔

"آپ خوش ہیں؟" اس نے نویرہ کے چمکتے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" مسکرا کر الٹا سوال دہرایا گیا تھا۔

نویرہ کی مسکراہٹ نے اس کے دل پر گویا بجلی گرائی تھی۔ جذبات میں ایک دم ہلچل برپا ہوئی تو اس نے فوراً گھبرا کر نگاہوں کا رخ بدلا۔

"نہیں...... آپ خوش نہیں ہیں۔"

"اچھا......" نویرہ نے حیران ہو کر رضا کے سنجیدہ سے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہہ دیا؟"

"آپ کے چہرے پر لکھا ہے؟" اس نے ایک نگاہ پھر نویرہ کی حیران چہرے پر ڈالی۔

"اوہو۔ تو تمہیں چہرے پڑھنے کا فن بھی آ گیا ہے۔" نویرہ نے مذاق میں بات اڑانا چاہی تھی مگر سنجیدہ تھا۔

"ہاں۔ جب چہرے کچھ چھپانے میں ناکام رہ جائیں تو ان کے اندر کا حال خود بخود آنکھوں سے چھلکنے لگتا ہے۔ آپ کی آنکھیں تو ایک طرف آپ کی زبان بھی آپ کا ساتھ نہیں دے رہی۔ آپ جھوٹ جچتا نہیں۔ بڑی بچی ہیں اس معاملے میں' کسے دھوکا دے رہی ہیں' خود کو یا اوروں کو۔"

نویرہ کے رویے نے اسے ایک دم ہرٹ کیا تو اس نے بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔

"رضا' بی سیریس۔" نویرہ نے فوراً سنجیدہ ہو کر اسے ڈپٹا۔ انداز چھوٹے بچوں کو ڈانٹنے والا تھا۔

"آپ مجھ سے چھوٹے بچوں کی طرح بی ہیو مت کیا کریں۔ آپ سے عمر میں صرف چند سال کا فرق ہے۔ جھولے میں کھیلنے والا بچہ نہیں ہوں میں۔ آپ کا یہ انداز مجھے بڑا زہر لگتا ہے۔" اس نے فوراً برا لیا تھا۔

ایک دم اس کے انداز پر نویرہ کو ہنسی آ گئی۔

"کتنے بھی بڑے بن جاؤ' میرے لیے تو کم عمر ہی رہو گے' اب تو رشتے میں بھابی ہوں تمہاری' بھائی کی بیوی کی حیثیت سے' احترام' عزت کی مستحق ہوں۔"

"حیرت ہے جو شخص دوسروں کی عزت سے کھیلتا ہو آپ اس کی بیوی ہونے پر فخر محسوس کر رہی ہیں۔"

"رضا......" نویرہ نے فوراً چونک کر ٹوکا۔

رضا کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔

"اس بات سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کچھ خاص نہیں۔" فوراً بے پروائی سے کندھے اچکائے تو نویرہ چند پل بغور دیکھے گئی۔

نویرہ

"تمہیں مذاق میں بھی ایسی کوئی بات کہنے کا حق نہیں دوں گی۔" اگلے ہی پل نویرہ نے اسے برہمی سے جتا دیا تھا۔

"مذاق کیوں۔ حقیقت' حقیقت ہے۔ کیا آپ ان کی سرگرمیوں سے انکاری ہو سکتی ہیں؟" نجانے کیوں رضا حمید اس ٹاپک کو طول دے رہا تھا۔ نویرہ کو الجھن ہونے لگی۔

"انتہائی مشکل حالات میں انہوں نے مجھے اپنایا ہے رضا' ان کی جو بھی سرگرمیاں ہیں' جیسے بھی ہیں' کم از کم تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم ان کی ذات پر انگلی اٹھاؤ......" تلخی سے نویرہ نے ٹوکا تو رضا ہنس دیا تھا۔ بڑی طنزیہ ہنسی تھی نویرہ لب بھینچ گئی۔

"کم از کم آپ تو اتنا بڑا جھوٹ نہ بولیں۔"

"رضا صاف بات کرو۔ پہیلیاں مت بجھواؤ۔" ایک دم نویرہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"سوری! میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" نویرہ کے لہجے میں ترشی و تیزی نے اسے ایک دم احساس دلایا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا فوراً معذرت کی تھی۔ نویرہ کشیدہ اعصاب لیے اسے دیکھے گئی۔

"سوری۔ یونہی سب منہ سے نکل گیا۔ کوئی خاص مقصد نہ تھا۔ نویرہ کے چہرے کے تنے اعصاب مزید کشیدگی کا شکار ہوئے تھے۔ رضا کا اس ساری بکواس سے کیا مطلب تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ رضا نے نویرہ کو دیکھا تو اسے اس پر ترس آیا۔

بھلا شارق نے جو کچھ بھی کیا تھا اس میں اس کا قصور کہاں سے نکل آتا تھا۔ خوامخواہ وہ اس کو اتنا کچھ سنا چکا تھا۔ اس کے اندر ندامت کا احساس گہرا ہونے لگا۔ کسی کا غصہ کسی اور پر اتارنے کا بھلا کہاں کا اصول تھا۔

"کیا کوئی بات ہو رہی ہے یا خاموشی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔"

دونوں مسلسل خاموش تھے اس خاموشی کو رمشاء کی تیز آواز نے توڑا تو نویرہ نے رضا کے رویے کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس کو دیکھا۔

"کھانا تیار ہے بھابی کہاں ہیں؟" وہ شیلہ کی بابت پوچھ رہی تھی۔

"نماز پڑھنے گئی تھیں۔"

"چلیں کھانا تیار ہے' ٹیبل سیٹ کر کے آئی ہوں' میں بھابی کو دیکھتی ہوں۔"

نویرہ رمشاء کے کہنے پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم بھی کپڑے چینج کر لو اب۔ کافی دیر سے آئے ہو۔ باقی باتیں کھانے کی ٹیبل پر کر لینا۔" رمشاء کا انداز ایسا تھا کہ نویرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ رضا حمید کو بڑی طنزیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی' جواباً رضا نے جن کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ چونکانے والا تھا۔

"تم دونوں میں کوئی لڑائی چل رہی ہے؟" اس نے بے ساختگی سے پوچھا تھا۔

"ہمارے درمیان کبھی سرے سے کچھ چل ہی نہیں سکتا" آپ لڑائی کی بات کرتی ہیں۔ لڑائی وہاں ہوتی ہے جہاں دل میں کوئی جگہ ہو۔ جبکہ یہاں تو...... ایکسکیوزمی...... میں ذرا کپڑے چینج کر لوں۔"

نویرہ کو جواب دے کر وہ رمشاء کو استہزائیہ دیکھتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ نویرہ نے اس کے جواب پر خاموشی سے رمشاء کو دیکھا۔ اس کا چہرہ نویرہ کے سامنے اس واضح توہین پر سرخ انگارہ ہو چکا تھا۔

نویرہ نے اسے کچھ کہنا چاہا مگر وہ سرخ چہرہ لیے غصے سے وہاں سے نکل گئی تھی نویرہ کو اس کا ردعمل بڑا عجیب لگا۔ رضا کے طنز میں بھلا اس کا کیا قصور کھانے کی ٹیبل پر بھی رمشاء کے چہرے کا تناؤ برقرار رہا جبکہ اس کے برعکس رضا حمید جان بوجھ کر محض رمشاء کو نظر انداز کرنے کو نویرہ سے مسلسل کوئی نہ کوئی بات چھیڑے ہوئے تھا۔ اس کی خوش اخلاقی عروج پر تھی۔ نویرہ کو تو محسوس نہ ہوا کہ دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے اور کیوں مگر رمشاء کے چہرے کی تلخی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

کھانے کے بعد اس نے رمشاء کے ساتھ مل کر ہی ٹیبل سمیٹی تھی مگر رمشاء کا موڈ بحال نہیں ہوا تھا۔ بھابی ثریا کو لے کر چچی کے ساتھ لاؤنج میں جا بیٹھیں تو وہ رمشاء کے ساتھ کچن میں چلی آئی جو برتن سمیٹ کر چائے بنانے لگی تھی۔

”چچی جان بتا رہی تھیں کہ ان کا ارادہ تم دونوں کی باقاعدہ انگیجمنٹ کر دینے کا ہے؟“ رمشاء کا موڈ دیکھتے اس نے یہی بات چھیڑی تھی۔

”ارادے تو ان کے اور بھی بہت سے ہیں مگر کیا کریں بیچاری پھپھو بیٹے کے سامنے کوئی چلتی کہاں ہے؟“ اسی تلخی سے اس نے جواب دیا تھا۔

”اب اتنی بھی ناامیدی اچھی نہیں ہوتی۔ رضا کی کیا مجال ہے جو اتنی اچھی پیاری لڑکی کو جھٹلائے۔ بلکہ خود بھی خوش ہو رہی تھی یہ سن کر اچھی بات ہے باقاعدہ رشتہ طے ہو جائے گا تو اس کا انکار بھی ختم ہو گا۔ تم کا کو فکر کرتی ہو ڈیئر۔ بہت مضبوط رشتہ ہے تمہارا۔ اس کے اعتراض اس رشتے کو زک نہیں پہنچا سکتے۔“

”اور رضا کی ناخوشی؟“ نویرہ کے خلوص سے وہ ایک دم متاثر ہوئی تھی فوراً موڈ بحال کرتے ہوئے سوالیہ دیکھا۔

”وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ تم مجھے اور شارق کو ہی دیکھ لو۔ کتنا تضاد ہے ہم دونوں کا مگر پھر بھی نبھاہ رہی ہوں۔ مجبوری ایک طرف، چچی جان تو پھر اتنی خوشی و محبت سے یہ رشتہ جوڑ رہی تھیں گیا رضا، کیا کمی ہے تم میں۔ جب شادی ہو جائے گی تو سارے اعتراض ختم ہو جائیں گے۔“ اس نے رسان سے سمجھایا تو رمشاء نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں تو سمجھ ہی لوں گی۔ بس سب آپ رضا کو بھی تو سمجھائیں۔ دماغ خراب ہوا ہے اس کا۔“ نویرہ سے رضا کے حوالے سے جھلن اور ناراضگی ایک طرف مگر وہ نویرہ کے خلوص اور نیک نیتی کی بھی قائل تھی۔ اتنا موڈ خراب ہونے کے باوجود وہ پل میں مائل بہ کرم ہو گئی تھی۔

”ان شاء اللہ بہتر ہی ہو گا۔ فکر نہیں کرتے۔ میں اسے سمجھانے کی ضرور کوشش کروں گی۔“ چائے تیار تھی۔ کپ میں انڈیل کر رمشاء نے اسے کپ تھمایا تو نویرہ نے بھرپور تسلی دی تھی۔

◆

وہ ماما کے ساتھ دوبارہ پاپا سے ملنے گئی تھی۔ وہ ابھی تک آئی سی یو میں ہی تھے۔ ہاں حالت پہلے سے بہتر تھی۔ وہ جتنا عرصہ بھی وہاں ٹھہریں پاپا دوائیوں کے زیر اثر غنودگی میں ہی رہے تھے۔ وہ رات کو پاپا کے پاس ہی ٹھہرنا چاہتی تھی مگر عثمان بھائی اور تایا ابو اسے زبردستی ماما کے ساتھ واپس گھر لے آئے تھے۔ اب پاپا کے پاس جمال ماموں اور منصور ماموں رکے ہوئے تھے۔

گھر آئی تو بھابی زبردستی اس کے لیے کھانا لے آئی تھیں۔ اس حالت میں کہ جب ہر طرف سوگ کی کیفیت تھی۔ نوالہ تو ایک طرف حلق سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں اتر رہا تھا۔ نوشی اور بھابی کے اصرار کے باوجود اس نے صرف ایک دو نوالے ہی کھائے تھے۔ بھوک نیند اور اعصابی توڑ پھوڑ سے برا حال تھا۔ مگر حلق سے کچھ اترنے کو تیار ہی نہ تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ذہن سعد جمال کی حرکت کی طرف جا رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے فوری طور پر اس شادی سے متعلق کچھ نہ کچھ سوچا تھا۔ سعد جمال سے متعلق جذبات نے بہت لمبی اڑان نہیں بھری تھی مگر رشتہ طے ہوتے ہی یہ نام اس کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا تھا اور اب آن کی آن میں سب بدل گیا تھا۔ کل شادی تھی اور آج گھر میں سناٹا گونج رہا تھا۔ جو مہمان تھے وہ شام کے بعد نجانے کہاں چلے گئے تھے۔ اس نے ہادیہ آپا سے پوچھا تھا تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ پھپھو کے ہاں چلے گئے ہیں۔ یہاں تو صرف چند ایک ہی مہمان رہ گئے تھے۔ البتہ بھابی اور ہادیہ آپا مسلسل ادھر ہی تھیں۔ وہ کمرہ بند کیے پڑی ہوئی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے جب ہادیہ آپا کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اندر چلی آئی تھیں۔ وہ جو نیند اور اعصابی توڑ پھوڑ کا شکار جسم لیے پڑی ہوئی تھی، انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ آپا جس طرح عجلت میں اندر داخل ہوئی تھیں اور پھر انہوں نے اسے آوازیں دیتے ہوئے لائٹ آن کی تھی۔ ناگہانی کے خوف سے زرش کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

”زرش اٹھو نا فٹ۔“

”کیا ہوا؟“ وہ سہم کر انہیں دیکھنے لگی۔ کل سے لے کر اب تک دل اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ آہٹ پر بھی لرز اٹھتا تھا۔

”کچھ نہیں۔ بس تم کپڑے بدلو؟ اٹھو شاباش جلدی کرو۔“ انہوں نے ہاتھ میں تھاما شاپنگ بیگ اس کے سامنے رکھ دیا تو وہ الجھی۔

"مگر کیوں؟" پاپا کی طرف سے ایسی ویسی کوئی خبر نہ تھی اسے کچھ سکون حاصل ہوا، مگر الجھن کا شکار تھی۔

"اٹھو نا، ٹائم بہت کم ہے۔ وہ سب لوگ پہنچنے والے ہیں۔ جلدی کرو۔" انہوں نے آگے بڑھ کر نہ صرف عجلت دکھائی تھی بلکہ ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا تھا۔

"کون؟" "کس کی بات کر رہی ہیں؟" آپا شاپنگ بیگ سے سب چیزیں نکال نکال کر بستر پر ڈھیر کرتی جا رہی تھیں۔ زرش چیزوں کو دیکھتے مزید الجھی۔

"مہمانوں کی بات کر رہی ہوں۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ بہت پرسکون، متحمل مزاج۔

"آپا پلیز! یہ کیا ہے سب؟ یہ لباس، چوڑیاں، پھولوں کے گجرے اور جوتا وغیرہ۔ یہ سب وہ چیزیں تھیں جو پھپھو کل دوپہر میں ہادیہ آپا کے ساتھ آ کر اس کے لیے دے کر گئی تھیں۔ صرف پھولوں اور گجروں کا اضافہ تھا۔ باقی تو سب وہی تھا۔

"تم پہلے کپڑے بدل لو پھر آرام سے سکون سے بتاتی ہوں۔" ان کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔

"ہرگز نہیں۔ آپ پہلے مجھے بتائیں، یہ سب کیا ہے؟ اب کون سا نیا تماشا ہونے والا ہے میرے" اس کی زبان میں بلا کی تلخی سمٹ آئی تھی۔ آپا فوراً آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھاما تھا۔

"دھیرج سے، سکون سے میری جان۔ یوں سمجھو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ پھپھو اور تایا وغیرہ بارات لے کر آ رہے ہیں، اسی لیے مہمان ادھر چلے گئے تھے۔ تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تم پریشان نہ ہو۔"

"مگر کس کے لیے۔ سعد تو چلا گیا ہے؟" اس کی آنکھوں میں الجھن گہری ہو چکی تھی۔ جیسے وہ اس ساری صورت حال کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

"ہاں سعد تو چلا گیا ہے، مگر سعد پر تو دنیا ختم نہیں ہوتی۔ قسمت سب سے بڑی زور آور ہے۔ انسان لاکھ سر پٹخے، ہر تدبیر کر لے مگر ہوتا وہی ہے جو رب تعالیٰ نے روزِ ازل سے انسان کی تقدیر میں لکھ دیا۔ سعد تمہاری قسمت میں تھا ہی نہیں۔ جو تمہاری قسمت میں تھا، اللہ نے اس کے لیے خود ایسے حالات بنا دیے کہ کسی کی بھی مخالفت کام نہیں کر سکی۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا-----" وہ واقعی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"بتاتی ہوں ابھی، تم کپڑے چینج کر لو۔ میں طیب کو دیکھ لوں یاسمین کو پکڑا کر آئی ہوں۔ ابھی اسے بھی کپڑے چینج کرنے ہیں، تم پلیز ذہن پر بوجھ نہیں ڈالو۔ کپڑے چینج کر لو میں آتی ہوں۔" آپا تو یہ کہہ کر نکل گئی تھیں، وہ نا سمجھی سے دیکھے گئی، پہلے جھلملاتے خوب صورت سوٹ کو دیکھنے لگی۔ ذہن میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

اب کیا ہونے والا تھا۔ کیوں؟ کس کے لیے؟ اس کے دماغ کی شریانیں پھٹنے کو تھیں۔ وہ منہ کے بل بستر پر گر گئی تھی۔

آپا واپس آئیں تو وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے خاموشی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو

اس نے برستی نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"آپا! مجھ سے کچھ نہیں چھپائیں۔ پلیز مجھے صاف صاف بتائیں، کون ہے وہ؟" وہ بلک اٹھی تھی۔ آپا نے اسے ساتھ لگا کر جذباتی سہارا فراہم کیا تھا۔

"آپا! میں پہلے ہی تماشا بن کر رہ گئی ہوں، صاف بتا دیں کون ہے وہ؟"

"سبحان احمد!" ان کے الفاظ اسے کئی ثانیے تک ساکن کر گئے تھے۔

"آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔ کہہ دیں مذاق ہے یہ۔" اس نے بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا۔

"زرش..... آپا نے اس کا کندھا تھامنا چاہا تو وہ سرعت سے پیچھے ہٹی۔

"پلیز آپا! کہہ دیں یہ جھوٹ ہے، سبحان بھائی۔ نہیں۔"

"یہ سچ ہے زرش۔ ایسے عالم میں کہ پاپا موت اور زیست کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ سعد ہمیں تماشا بنا کر جا چکا ہے۔ تایا ابو اپنے ہمارے سر پہ ہیں۔ ہمارے پاس کوئی اور راہ نہ تھی۔ پاپا نے تایا ابو سے صرف اتنا کہا تھا کہ ان کا انتخاب غلط ہے۔ تایا ابو نے خود ماما سے بات کر کے یہ سب طے کیا ہے۔ ماما کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ کل صرف تمہاری ہی بارات نہیں آ رہی تھی، نوشی کی بھی آ رہی تھی، ایسے عالم میں ہم کیا کرتے۔ ہم مجبور تھے زرش!

"آپا..... بہت غلط کیا آپ نے بہت غلط، او میرے اللہ اس طرح تو تائی کا الزام سچ ثابت ہو گیا۔ یہ کیا کر دیا آپ نے؟" اس نے اپنا چکراتا سر تھاما تھا۔ وہ پرسکون کب تھی۔

"آپا....." اس کے لبوں سے صرف کراہ ہی نکلی تھی۔ آپا اگر اسے بروقت تھام نہ لیتیں تو وہ منہ کے بل زمین پر جا گرتی۔

"زرش..... زرش..... زرش کو حواس کھوتے دیکھ کر وہ چیخ ہی اٹھی تھیں۔ نڈھال تو وہ پہلے ہی تھی اس خبر نے اس کے رہے سہے حواس بھی چھین لیے تھے۔ آپا کے پکارنے پر نوشی فوراً بھاگی چلی آئی تھی۔ دونوں کی کوشش سے زرش کو پانچ منٹ بعد ہوش تو آ گیا تھا مگر وہ گم صم ہو چکی تھی۔

شائستہ بیگم کو اس کی طبیعت کا علم ہوا تو فوراً اس کے پاس آئی تھیں۔

"زرش! میری جان کیا ہوا؟" اسے گم صم دیکھ کر انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چونک اٹھی تھی پھر ایک دم ان کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔

"ماما! میرے ساتھ ایسا نہیں کریں۔ مت تماشا بنائیں مجھے۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیں۔ مگر یوں نہ کریں۔" وہ بلک رہی تھی، رو رہی تھی، وہ تینوں ہی رو دیں۔

"زرش خاموشی سے میری طرف دیکھو۔ وہ کسی بھی طرح ان سے سنبھل نہیں رہی تھی تو انہوں نے سختی سے اپنا چہرہ صاف کر کے اسے پکارا۔" وہ ماں کی سختی پہ انہیں سہم کر دیکھنے لگی۔

"تم اپنے پاپا کی کنڈیشن تو دیکھ چکی ہو؟"

"ہوں....." اس نے صرف گردن ہلائی تھی۔

"بس پھر چپ کر کے جو ہو رہا ہے اسے قبول کرو۔ ہم بھی کر رہے ہیں۔ تمہارے پاپا اس کنڈیشن میں

نہیں کہ انہیں اتنا بڑا صدمہ دیا جائے۔ کل سمعان کے ساتھ تمہیں دیکھ کر وہ سنبھل جائیں گے۔ مگر تمہارا غم کر سہہ نہیں پائیں گے۔ اپنے پاپا کے لیے ہمارے لیے اس گھر کی عزت کے لیے ایک لفظ بھی نہ کہنا میری بات سمجھ رہی ہو نا۔" آخر میں ان کی آواز رندھ گئی تھی۔ زرش نے سسکتے ہوئے ان کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔

"میری بیٹی بہت اچھی اور حالات کو سمجھنے والی ہے۔ اپنے پاپا کی کنڈیشن کا سوچو۔ ہادیہ انہیں تیار کرواؤ۔ بس چھوٹی سی رسم ہوگی وہ لوگ بس رستے میں ہی ہیں۔ میں باہر کا بھی انتظام دیکھوں' وقار بھائی نے ہوٹل کی سروس بلا لی تھی۔ دیکھوں کہاں تک انتظام وغیرہ ہوا ہے۔" انہوں نے اپنا چہرہ صاف کرتے زرش کی پیشانی چومتے اس کو ہادیہ کے حوالے کیا تھا۔

* * *

ایک وقت تھا کہ مسعود احمد کا رشتہ سمعان سے طے کرنے پر راضی ہوئے تو بھی طاہرہ بیگم کے خود آ کر رشتہ مانگنے کی بات رکھی تھی۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا تھا اور اب یہ وقت تھا کہ حالات نے سب کو جھکا دیا تھا۔ طاہرہ بیگم سب کے ساتھ نہیں آئی تھیں۔ سمعان احمد بھی رسم کرنے کے لیے آنے والوں کے ہمراہ نہیں تھا۔ رسم کا سارا انتظام نفیسہ پھپھو نے پہلے ہی کیا ہوا تھا۔ وہی بری' وہی ملبوسات' وہی انتظام فرق صرف یہ تھا کہ پہلے وہ سب سعد جمال کے نام سے تھا اور اب سمعان احمد کے۔

اس قدر عجلت میں کچھ بھی تیار کروانا ممکن نہ تھا' سو سعید احمد' سمعان احمد کے راضی ہوتے ہی نفیسہ آپا سے بات کر کے بے منت کرنے کی شرط پر ان سے وہ سارا ساز و سامان لے لیا تھا۔ نفیسہ بیگم بھائی کو سب دیتے ہوئے رنجیدہ بھی تھیں' روئی بھی تھیں مگر سمعان بھی سعد سے کم عزیز نہ تھا۔ سو اندر کا دکھ اندر دبا گئی تھیں۔ مہندی کی رسم انہوں نے اپنے گھر سے لے کر جانے کو کہا تھا' سعید احمد جان بھی گئے تھے انہوں نے طاہرہ بیگم سے چلنے کو کہا تھا مگر ان کا ری ایکشن اتنا شدید تھا کہ انہوں نے دوبارہ طاہرہ بیگم کا سامنا کرنے سے ہی پرہیز کیا تھا۔ ایسے موقعے پر وہ اب طاہرہ بیگم کی طرف سے کوئی بدمزگی نہیں چاہتے تھے کہ یہ جو پہلے ہی ہو چکا تھا انہی کی بدولت تھا۔ اس سارے قصے کی ذمہ داران کے نزدیک صرف طاہرہ بیگم ہی تھیں۔

مہندی لے کر آنے والوں میں ہارون آغا کی فیملی کے ساتھ ساتھ نفیسہ بیگم اور مسعود احمد کے مدعو کیے گئے تمام مہمان تھے۔

سوجی آنکھوں سمیت روئی دھوئی زرش کو رسم کے لیے لا کر بٹھایا گیا تو فرح نے سب سے پہلے اس کے دونوں ہاتھوں میں گجرے پہنا کر رسم کا آغاز کیا تھا۔ وہ کل سے لے کر اب تک اتنا رو چکی تھی کہ رسم کے لیے لا کر بٹھاتے ہوئے زرش کو اپنے سارے احساسات برف کی طرح سرد ہوتے محسوس ہوئے۔ اس کے اندر شدید قسم کا نفرت بھرا احساس جاگا تھا اور فرح نے جیسے ہی گجرے پہنانے کو ہاتھ تھاما تو ایک پل کو جی چاہا تھا کہ ابھی ہاتھ اٹھا کر فرح کو نفرت سے پیچھے دھکیل دے۔ ان لوگوں کو کیا حق حاصل تھا کہ اس کی ذات کو یوں سرِ عام تماشا بنا کر رکھ دیں۔ ماما اس کو اس قدر سمجھا چکی تھیں کہ ان کی باتیں اس کے اندر ان لوگوں کے لیے نفرت بھرا احساس اجاگر کر رہی تھیں۔

ماما پاپا کی بے بسی اور سب سے بڑھ کر اپنا یوں تماشا بن جانا۔ اس کے اندر یہ احساس' خون کا آخری قطرہ تک نچوڑے دے رہا تھا کہ وہ مجبور ہو گئی ہے۔

نجانے کیا کیا رسمیں ہوئی تھیں۔ مہندی سے لے کر ڈھولک تک زوباریہ بھابی اور فرح ہر رسم میں پیش پیش تھیں۔ اتنے دنوں کی ٹینشن' بھاگ دوڑ اور کل سے مسلسل رونے دھونے کی وجہ سے اب زرش کی طبیعت اس قدر بگڑ چکی تھی کہ بمشکل بیٹھی ہوئی تھی۔ تھکن سے جسم نڈھال ہی نہیں تھا بلکہ ٹینشن نے اندرونی نظام پر اس قدر اثر ڈالا تھا کہ جسم حرارت سے بھی دوچار تھا۔

نوشی اور ہادیہ آپا کو اس کی مسلسل فکر ہو رہی تھی۔ انہوں نے زوباریہ بھابی اور دیگر لوگوں سے زیادہ ہنگامہ کرنے سے منع کر دیا تھا بلکہ رسم ہوتے ہی ہادیہ اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لے آئی تھیں۔

وہ جو بمشکل خود پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی' کمرے میں آتے ہی پھٹ پڑی تھی۔

"مت بنائیں میرا تماشا آپا۔ منع کر دیں سب کو' پلیز۔" دوپٹہ اتار کر ایک طرف پھینکتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے فرح کے بے پناہ محبت سے بنائے گئے گجرے نوچ کر پھینکتے' اس کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔

"زرش' بچوں کی طرح ردعمل ظاہر مت کرو۔ حالات کو فیس کرو۔ صرف تمہاری ذات اکیلی تماشا نہیں بن رہی' ہمارا سارا خاندان تماشا بن رہا ہے۔ اس وقت بات انفرادی بقاء کی نہیں' خاندانی بقا کی ہے۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔" آپا نے کندھوں سے تھام کر اسے دلاسہ دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"نہیں سمجھ میں آ رہی کچھ بھی۔ آپ کسی بھی شخص کے ساتھ چلتا کر دیں۔ مگر سمعان بھائی کے ساتھ نہیں۔ آپا اتنا بڑا ظلم مت کریں۔ مر جاؤں گی میں۔" وہ بکھر ہی تو گئی تھی۔ اس کے احساسات و جذبات کو سخت ٹھیس لگی تھی۔

"آپا! لوگ مجھ پر باتیں بنا رہے ہیں۔ سب کے شکوک و شبہات سچ ہو جائیں گے۔ تائی کے بہتان کو سب سچا سمجھیں گے۔" اس کے ذہن کی یہ گرہ کھل ہی نہیں رہی تھی۔ ہادیہ نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ زرش کی حساسیت بے جا نہ تھی۔ مگر ان کے پاس اس کی تسلی و تشفی کے لیے الفاظ نہ تھے۔

"تمہیں بخار تیز ہوتا جا رہا ہے۔ میں یاسمین کو کہتی ہوں کچھ کھانے کو لائے' کھا کر میڈیسن لے لو۔ نیند کی گولی دیتی ہوں۔ اتنی راتوں سے مسلسل جاگ رہی ہو۔ ایک بھرپور نیند لے لو تو کل شام تک فریش ہو جاؤ گی۔" انہوں نے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا۔

"ہاں دے دیں نیند کی کوئی' جان چھوٹے میری اس زندگی سے۔" وہ جذباتیت کے آخری اسٹیج پر تھی' ہادیہ بول ہی تو اٹھی تھی۔

"شٹ اپ..... خبردار ایسا سوچا بھی۔ پاپا کا ہی کچھ خیال کر لو۔ وہ تمہیں اس حالت میں دیکھ لیں تو ان پر کیا بیتے گی۔ تمہارا وجود ان کے لیے اس وقت زندگی اور موت کی نوید ہے۔ اپنے آپ کو کمپوز کرو۔ پاپا کے لیے ہی سہی پلیز۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

نیند کی گولی کا اثر تھا کہ وہ کئی گھنٹے سوئی تھی۔ رات بہت شاندار، فنکشن اور پھر سوتے سوتے بھی تو ساڑھے تین بج گئے تھے۔ آپا کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ہاں دودھ کے گلا ساتھ گولی نگل لی تھی، کہ وہ خود بھی کچھ دیر کے لیے، کچھ کھا کر سو جانا چاہتی تھی۔

نوشی کے اٹھانے پر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" اس وقت اس کا ذہن بالکل صاف تھا اسی لیے لہجہ بھی پر سکون تھا۔

"دس بج رہے ہیں۔ اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو پھر کھانا کھا لینا۔" نوشی نے بڑی محبت سے اپنے مہندی سجے ہاتھوں سے اس کے بالوں کو چہرے سے ہٹا کر کہا تو زرش کو اپنے حلیے کی طرف دیکھتے بہت غصہ آتا چلا گیا۔ پہلا لباس جوں کا توں پہنا ہوا تھا۔ رات اتنی نڈھال تھی کہ اتار بھی نہ پائی تھی اور اب اٹھ اس نے تعجب سے اپنے ہاتھ پاؤں دیکھے، نوشی بھی دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے سوکھی مہندی سے اکڑی اسکن والے ہاتھ پاؤں نوشی کے سامنے کیے۔ مسکرا دی تھی۔ زرش کے ہاتھوں سے کہیں کہیں سوکھنے پر مہندی جھڑ چکی تھی۔ سرخی مائل گہرا رنگ بڑا بھلا لگ رہا تھا۔

"مہندی ہے، تمہاری طبیعت بے شک خراب ہے، مگر دلہن کے لیے مہندی تو لازمی ہونی چاہیے۔ تمہارے سونے کے بعد بھابی نے تمہارے ہاتھ تھامے تھے، فرح نے مہندی لگا دی تھی۔ ویسے رنگ بہت گہرا آیا ہے۔ دھونے پر تو اور بھی نکھر آئے گا۔" زرش نے غصے سے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو دیکھا۔ کہنیوں سے اوپر تک جاتے مہندی کے نقش و نگار اس کے گورے سفید صحت مند ہاتھوں اور بازوؤں پر بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

"کیا تماشا ہے یہ..... کیا تم لوگوں کے لیے کافی نہیں تھا کہ میں رات کے فنکشن کے لیے چپ چاپ مان گئی تھی، اب اور کتنا تماشا بنانا ہے میرا۔ کیوں لگوائی مہندی، وہ بھی فرح سے۔ جو سارے معاملے کے بگاڑ کا سبب ہے؟" وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔

"زرش! پلیز کول ڈاؤن! تم بھول رہی ہو بابا ہمارے اسپتال میں ہیں۔ بے شک ڈاکٹر انہیں خطرے سے باہر بتا رہے ہیں مگر ان کی طبیعت کسی بھی لمحے بگڑ سکتی ہے۔ سمعان بھائی کے لیے اچانک یہ فیصلہ کرنا، صرف حالات میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کے لیے ہی نہ تھا بلکہ زندگی کی طرف لوٹتے پاپا کی، تایا جان سے پہلی خواہش ہی یہی تھی کہ تایا ابو تمہارا خیال کریں اور سمعان بھائی سے بڑھ کر اس حالت میں کوئی بھی اہم نہیں تھا، سو بابا کو یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔"

"کیا سمجھوں؟ ان سب کی ذمہ دار تایا کی فیملی ہے ان کی بیوی اور اولاد، مجھے نفرت سی ہو رہی ہے ان لوگوں کے ظلم سے بھی۔ اپنی خواہش کی تکمیل میں وہ لوگ ہماری نہ صرف عزت سے کھیلے ہیں بلکہ پاپا کی زندگی سے بھی۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں۔" غصے سے کہہ کر وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ نوشی نے متفکر انداز میں اسے دیکھا تھا۔ زرش کا انداز بڑا پریشان کن تھا جارحانہ بھی۔

بارات کے ساتھ قیصرہ بیگم اور ان کی فیملی نہ تھی، ہاں ان کا بیٹا امجد ضرور تھا۔ طاہرہ بیگم کل رات

کی طرح اب بارات کے ساتھ بھی جانے پر راضی نہ تھیں۔ سعید احمد نے بھی ان سے جان کر نہیں کہا تھا۔ عمر ثنان اور زوباریہ نے ان سے طویل بحث و تکرار کے بعد انہیں ساتھ چلنے پر آمادہ کر ہی لیا تھا۔ جہاں ان کا مان جانا کئی لوگوں کے لیے سکون کا باعث بنا تھا وہاں سعید احمد کو یہ خدشہ بھی لاحق ہو چکا تھا کہ کہیں عین وقت پر یہ عورت کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔ کہ وہ اس عورت کے ساتھ اک عمر گزار چکے تھے۔ اب طاہرہ بیگم کے تیوروں کو سمجھنے لگے تھے۔ ان کا انکار اگر اقرار میں بدلا ہے تو پیچھے ضرور کوئی سازش ہی ہو گی۔ اسی لیے انہوں نے زوباریہ بھابی کو بلوا کر ہر وقت طاہرہ بیگم کے ساتھ رہنے کی تاکید کی تھی۔ عجلت میں ہی انہوں نے فون پر ہی جس جس سے بھی رابطہ ممکن ہو سکا تھا۔ دوست احباب کو مدعو کیا تھا کہ رشتے دار پہلے ہی آیا اور سعود احمد کی طرف مدعو ہی تھے۔ شادی کے سارے انتظامات پہلے ہی ہوٹل میں ہی طے تھے۔ وقار بھائی، مصطفیٰ اور دیگر لڑکوں نے مل کر ساری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ پھپھو اسپتال میں سعود احمد کے پاس چلی گئی تھیں۔ باقی سب لوگ شادی میں مصروف تھے۔

شام نو بجے بارات ہوٹل پہنچی تھی۔ عفان بھائی کی بارات بھی آ چکی تھی۔ دونوں باراتیں ایک ساتھ ریسیو کی گئی تھیں۔

سعود احمد کی طبیعت کی وجہ سے سب کام سادگی سے ہی سرانجام دیے جا رہے تھے۔

عفان بھائی کریم کلر کی شیروانی اور پاجامے کے ساتھ سر پہ پگڑی پہنے بہت جچ رہے تھے۔ جبکہ سمعان احمد بلیک کوٹ سوٹ میں سنجیدہ تاثرات سمیت اپنی پرسنالٹی کی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ بڑی پر وقار شخصیت لگ رہے تھے۔ عجلت اور ایمرجنسی میں بنائے گئے دولہا تھے۔ مگر اس کے باوجود سمعان احمد کی شخصیت کا جادو برقرار تھا۔

نکاح اور کھانے کے بعد دونوں دلہنوں کو ان کے پہلو میں لا بٹھایا تھا۔ خوب صورت تو وہ دونوں ہی تھیں مگر اس وقت جیسے ہر نگاہ ان دونوں دلہنوں پہ جم سی گئی تھی۔ بیوٹیشن کے ہاتھ کا کمال اور لباس و زیورات کے استعمال نے دونوں کو ایک الوہی حسن عطا کیا تھا کہ جو نگاہ بھی اٹھی تھی جھکنا بھول گئی تھی۔

ایک پل کو تو سمعان احمد بھی سب کچھ فراموش کر کے ساکن ہوا تھا۔ اس وجود کو اپنانے کو کہاں کہاں خواب نہ دیکھے تھے مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا تھا اور اب قسمت اس قدر مہربان ہوئی تھی کہ دل میں محبت کی تمام تر سچائی کے باوجود احساس پشیمانی آ بیٹھا تھا۔ یہ لڑکی اس کی محبت کی وجہ سے رسوا ہو رہی تھی۔ اس کے نام پہ سعد اسے چھوڑ گیا تھا۔ اپنی تمام تر سچائی کے باوجود اس وقت سمعان احمد اس لڑکی کے سامنے شرمندہ ہونے پر مجبور تھا کہ یہ اب صرف کزن ہی نہیں بیوی بن چکی تھی۔

سمعان احمد کے یک ٹک دیکھنے پر کئی طرف سے شوخ سیٹیاں گونجیں تو سمعان احمد نے فوراً نگاہوں کا رخ بدل لیا۔ بجائے دل میں شوخ دھڑکنوں کے ارتعاش کے بڑا دردِ احساس جاگا تھا کہ اس وقت زرش کن احساسات کا شکار ہو گی۔ سمعان کے اندر بڑی شدید بے چینی سی پھیلی تھی۔ گزرے ہوئے زرش کے [illegible] یاد آئے تھے۔ وہ اس کا مجرم تھا، طاہرہ بیگم نے جو بھی سلوک کیا تھا اس میں وہ بھی شریک تھا کہ وہ طاہرہ بیگم کا بیٹا تھا اور زرش سے محبت کا دعوے دار.....؟ اور اب رہی سہی کسر سعد جمال پوری کر گیا تھا۔

سعید احمد کا انداز اگر ایک دم جارحانہ نہ ہو جاتا اور وہ علی اور عثمان بھائی کو انوالو نہ کرتے تو شاید وہ کبھی ہاں نہ کرتا۔ مگر اب بات آن کی تھی۔ زرش اس کی وجہ سے معتوب ٹھہرائی جا رہی تھی۔ اس کے باوجود سمعان احمد کے اندر ایک جنگ سی چھڑ چکی تھی۔

تمام رسوم کے بعد رخصتی کا وقت آیا تو دونوں بہنیں ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ ماما نے بڑے حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا۔ دونوں کو چپ ہونے کی تلقین کرتی رہی تھیں۔ رخصتی کے بعد دونوں بہنوں کی گاڑیاں اسپتال کی طرف روانہ ہوئی تھیں کہ سعود احمد تاکید کی تھی کہ رخصتی کے بعد وہ دونوں ملنے اسپتال ضرور آئیں۔

سعود احمد کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی۔ ڈاکٹر سے ملنے کی پرمیشن مل گئی تھی۔ سعود احمد سے ملتے وقت دونوں نہ صرف خود پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں بلکہ ان کے ساتھ دیگر لوگوں کی بھی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

”زرش بس کرو۔ انکل کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ چند لمحے بعد نوشی تو سعود احمد سے جدا ہو کر چپ ہو گئی تھی مگر زرش کی گریہ وزاری اسی طرح برقرار تھی۔ زوباریہ بھابی جو اس کے ساتھ ہی گاڑی میں تھیں انہوں نے کندھوں سے تھام کر زبردستی ان سے جدا کیا تھا۔

”سمعان! ادھر آؤ......“ بستر پر لیٹے لیٹے ہی انہوں نے اشارہ کیا تھا۔ سمعان احمد جو اس ساری صورت حال کو دیکھ کر پہلے ہی گم صم تھا۔ ایک گہرا سانس لے کر ان کے پاس بستر پر جا بیٹھا۔ دوسری طرف زرش تھی۔

”جی چچا جان!“

”سمعان! زرش کا خیال رکھنا۔ میری اس بچی کو دنیا داری کا کچھ پتا نہیں۔ یہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اس کو ذرا سی تکلیف ہو تو میرا دل کام کرنا بھول جاتا ہے۔ پچھلی باتوں کو بھلا دینا۔ خیال رکھنا زرش کا۔“

”پاپا......“ زرش تو مزید بکھری تھی۔ ان کے کندھے پہ دوبارہ سر رکھ دیا تھا۔ انہوں نے محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ آہستہ آہستہ ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔

”آپ ٹینشن نہ لیں چچا جان...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اب جو بھی ہو چکا تھا وہ ایک طرف اب ان حالات کو تو فیس کرنا ہی تھا۔

”جیتے رہو۔ آباد رہو۔ عفان بیٹا تم بھی ادھر آؤ۔“ انہوں نے سمعان کے عقب میں خاموشی سے کھڑے عفان کو بھی دیکھا تو وہ بھی قریب چلے آئے تھے۔ ان کے اشارہ کرنے پر وہ جھکے تو انہوں نے ان کی پیشانی چوم کر ڈھیروں خوشیوں کی دعائیں دی تھیں۔

”کچھ دیر بعد وہ لوگ تو چلے گئے تھے نوشی کے ہمراہ مگر وہ لوگ مزید کچھ دیر وہاں ٹھہرے تھے۔ رو دھو کر زرش کی پہلے سے ہی خراب طبیعت مزید خراب ہوئی تھی۔ رونے کی وجہ سے میک اپ تو سارا دھل گیا تھا۔ اسپتال سے واپسی پر بھی زرش کی سسکیاں گاڑی میں گونجتی رہی تھیں۔ زوباریہ بھابی اسے بازو کے حصار میں لیے سارا راستہ اس کا سر تھپکتی رہی تھیں۔ انہیں ساتھ ہی ساتھ سخت تشویش بھی لاحق ہوئی تھی کہ زرش بخار کی وجہ سے سخت تپ رہی تھی۔ باقی لوگ تو رخصت ہوتے ہی گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے عفان کی (دولہا کی) گاڑی اور سمعان احمد کی گاڑی ہی اسپتال گئی تھیں۔ شادی کی تقریب تو بخیر و عافیت گزر چکی تھی۔ ان لوگوں کے ہزار ہا خدشات کے باوجود اور سب نے شکر ادا کیا تھا۔

بارات کے گھر آتے ہی طاہرہ بیگم تو کمرے میں جا گھسی تھیں۔ وہ ایک بہت بڑی شکست سے دوچار ہوئی تھیں۔ اسی شکست سے جس نے ان کے پرانوں زخموں کو پھر سے تازہ کر دیا تھا۔ سمعان وغیرہ کی گاڑی گھر آئی تو بھی وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھیں۔ ان کی ساری بھابیاں ان کے بچے اور بہن (قیصرہ آپا تو آئی ہی نہیں تھیں) سب بہنیں آ چکی تھیں گھر بھرا پڑا تھا۔ زرش کو فرح اور زوباریہ بھابی دونوں نے مل کر گاڑی سے نکالا تھا۔ عجلت میں بھی علی نے ویڈیو بنانے کا انتظام کروالیا تھا۔ طاہرہ بیگم کسی بھی رسم میں شریک نہ ہوئی تھیں۔ زوباریہ اور ممانیاں ہی سب کچھ کر رہی تھیں۔ طاہرہ بیگم کا رویہ محسوس تو سب کو ہی ہو رہا تھا مگر بھی خاموش تھے کہ اسی خاموشی میں ہی عافیت تھی۔

گھر آتے ہی زوباریہ بھابی نے زرش کا میک اپ درست کیا تھا مگر اس کے آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔ تصویروں اور مووی کے سیشن کے بعد زوباریہ زرش کو سمعان احمد کے کمرے میں لے آئی تھیں۔ سب کی کوشش کے باوجود سمعان نے اپنے کمرے کی سجاوٹ سے منع کر دیا تھا۔ اس وقت کمرے میں قالین اور بیڈ پر سرخ پھولوں کی پتیاں بچھی ہوئی تھیں۔

”زرش اب بس بھی کرو۔ طبیعت تمہاری پہلے ہی خراب ہے۔ بخار تیز ہوتا جا رہا ہے تمہارا۔ اس طرح تو اور بگڑ جائے گی۔“

”بھابی پلیز! مجھے بابا کے پاس چھوڑ آئیں۔ میرے گھر، نہیں رہنا مجھے یہاں۔ میں نے اس گھر سے نکلتے ہوئے قسم کھائی تھی کبھی اس گھر میں نہیں آؤں گی مگر۔ نہیں جیا جاتا مجھ سے ایسے الزام لے کر۔“ اس کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور اوپر سے اس کی گریہ وزاری۔

”بی بریو زرش!“ انہوں نے محبت سے ساتھ لگا کر سر تھپکا تھا۔ ”کچھ کھاؤ پیو گی؟“ ہادیہ نے رخصتی کے وقت زوباریہ کو خاص تاکید کی تھی کہ اسے کچھ کھلا پلا دیں وہ پچھلے کئی دنوں سے صرف برائے نام ہی کھا پی رہی تھی۔

”نہیں......“

”دودھ؟“

”کچھ بھی نہیں...... مر جانے کے علاوہ کچھ بھی کرنے، کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔“ بھابی نے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی چومی تھی۔ انہیں اس وقت زرش پر بڑا ترس آ رہا تھا۔ اس سارے واقعے میں سب سے زیادہ خسارہ اسی کے حصے میں تو آیا تھا۔

سمعان احمد جس طرح آمادہ ہوئے تھے عثمان احمد بتا چکے تھے۔ سمعان کا موقف بھی غلط نہ تھا مگر جس طرح سعید احمد نے سمعان کے جذبات کی پروا کرتے اپنا فیصلہ سنایا تھا انہیں بڑا دکھ ہوا تھا۔ یہ سچ تھا سعید احمد کا فیصلہ اس وقت حالات کے متقاضی اور بالکل درست تھا مگر سمعان سے دھمکی آمیز انداز کی بجائے وہ پیار سے بھی موقف سمجھا کر راضی کر سکتے تھے۔ سمعان احمد کی مسلسل خاموشی اور گم صم انداز اور رویے سے

طاہرہ بیگم کا رویہ یہ سب زوبار یہ بھابی کو اندر ہی اندر رولا رہے تھے۔

وہ کچھ دیر زرش کے پاس بیٹھ کر اسے تسلی دلاسہ دیتی رہی تھیں۔ پھر دیگر گھر والوں کو دیکھنے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔ اس وقت وہ مکمل طور پر اس گھر کی بڑی بہو کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے وقت سرگرداں تھیں۔

سب مہمانوں کے لیے سونے کا انتظام کرواتے فرح کے ساتھ وہ کافی مصروف تھیں۔ کچھ مہمان تو آتے ہی مل کر رخصت ہو چکے تھے۔ اس وقت چند ہی مہمان تھے۔ ادھر سے فارغ ہو کر وہ واپس میں آئیں تو سمعان احمد کو بالکل تنہا گم صم بیٹھے پایا تھا۔ انہوں نے وقت دیکھا، رات کے ڈھائی بج رہے تھیں۔ نائٹ فنکشن تھا مگر رخصتی جلدی ہونے کے باوجود ان کا کچھ وقت اسپتال میں لگ گیا تھا۔ آتے ہی زرش کی خراب طبیعت کی وجہ سے انہوں نے اسے زیادہ ہجوم میں رہنے نہ دیا تھا اور اب تو دیر ہو رہی تھی۔ زرش جس قدر جذباتی ہو رہی تھیں۔ اس وقت اسے ایک سہارے، ایک کندھے کی ضرورت تھی اور سمعان سے بہتر کون اس کا درد سمجھ سکتا تھا۔

"سمعان......" انہوں نے پکارا تو سمعان احمد نے چونک کر انہیں دیکھا۔ بہت گہری سوچ تھی جو مسلسل ٹوٹا تھا۔

"کمرے میں نہیں جانا...... رات کافی ہو رہی ہے۔ سارے مہمان سونے کو جا چکے ہیں۔ تم اٹھو......" سمعان نے نگاہ پھیر لی تھی۔

اپنے کمرے میں جانا آج زندگی کا سب سے مشکل ترین لمحہ لگ رہا تھا۔ ایسے لمحے کے لیے انہوں نے کئی حسین خواب دیکھے تھے مگر اس خواب کی تعبیر کے لیے ان کا کیا کچھ داؤ پر لگ گیا تھا۔ ان کا اذیت کی سخت لہر اٹھی تھی۔ مگر وہ کب تک زرش کی الزام دیتی نگاہوں اور شکوہ کرتے لہجے سے بچ تھے۔ انہوں نے گہرا سانس فضا میں خارج کیا تھا۔

"سمعان! زرش کا خیال رکھنا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ بہت تیز بخار ہے اسے۔ بار یہ بخار کچھ کھا پی بھی نہیں رہی۔ بہت جذباتی ہو رہی ہے وہ اس وقت۔ اس کی فیلنگز سمجھنے کی کوشش کرنا بیٹے، تمہارے کسی بھی سخت رویے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ پلیز خیال رکھنا۔"

سمعان سے نگاہیں چراتے ڈھکے چھپے لفظوں میں انہوں نے اس سے ایسی بات ضرور کی تھی کہ سمعان کے اندر بڑا شدید احتجاج پیدا ہوا تھا۔ بھلا زرش کو ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ وہ تو اس کے چہرے ان کے اندر کو پڑھ لینے کا یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے سختی سے لب بھینچ لیے کہ مبادا کچھ سخت نہ کہہ مگر بھابی کے الفاظ نے انہیں ہرٹ کیا تھا۔ وہ اتنے سطحی تو نہیں تھے۔ نہ ہی جذبات کے مارے شکوہ کس سے کرتے۔ حالات نے انہیں اس مقام پر لا پہنچا تھا کہ ہزار چاہنے کے باوجود زبان کھولنے کی اجازت نہ تھی۔

اپنے کمرے میں داخل ہونے پر انہیں سسکیوں کی آواز نے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ ہوٹل میں ایک دفعہ کے بعد سمعان نے دوبارہ اسے نہیں دیکھا تھا۔ اور اب۔

سمعان کے دروازہ بند کرنے پر وہ چونک کر ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔ فوراً سمعان کو دیکھا۔ سمعان کی بھی نگاہ اٹھی تھی۔ زرش کی اس اک نگاہ میں کیا کچھ نہ تھا۔

سمعان احمد نے فوراً نگاہ چراتے ہوئے وارڈ روب کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ لباس لے کر وہ ڈریسنگ روم میں چلے گئے تھے۔

زرش کی سسکیاں ایک دم تیز ہوئی تھیں۔ ایک دم جی چاہا کہ اپنے وجود سمیت اس سارے کمرے کو آگ لگا دے۔ وہ اسی کمرے میں بری طرح رسوا کی گئی تھی اور اب یہی کمرہ اس کے ارمانوں کا خون کر رہا تھا۔ اس کے اندر بری طرح جذباتی کیفیت نے حملہ کیا تھا۔ اپنا آپ سخت مظلوم اور یہ لوگ ساری کائنات سے بڑھ کر ظالم لگ رہے تھے۔ خاص طور پر سمعان احمد۔ وہ اس نام پر رسوا کی گئی تھی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

سمعان لباس بدل کر کمرے میں آیا تو وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔ پورا وجود ہل رہا تھا۔ سمعان کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ لیا تھا۔ وہ بستر پر بیٹھا تو بھی زرش کی حالت میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"زرش......!" سمعان نے پکارا بھی تو ذرا فرق نہ پڑا تھا۔

"زری!" سمعان سب برداشت کر سکتا تھا مگر زرش کا رونا نہیں۔ سمعان کو پہلی دفعہ احساس ہو رہا تھا کہ زرش کی محبت کتنی گہری ہو چکی ہے اس کے دل میں۔ اگر قسمت مہربان نہ ہوتی اور وہ اسے کھوتا تو۔ اب ایک دم یہ تصور ہی سوہانِ روح لگا تھا۔

"زری۔" سمعان نے اس کے کندھے پر نرم دباؤ ڈالا تھا مگر دوسری طرف تو آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔

"ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے...... خبردار اگر مجھے چھوا بھی تو......" اس کے لہجے میں اس کے اندر کی ساری تلخی تھی۔

سمعان کے اندر ایک ہی پل میں زرش کے اس قدر بیگانہ انداز سے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

"زرش......" سمعان نے پکارا تو وہ غصے سے پیچھے ہٹی تھی۔

"نفرت ہو رہی ہے مجھے آپ سے۔ سنا آپ نے۔ بڑی محبت کی تھی میں نے آپ سے۔ میری دنیا آپ پہ آ کر ختم ہوئی تھی۔ اتنا اعتبار تو میں نے اپنی ذات پر بھی نہیں کیا جتنا آپ پر تھا۔ کس نے حق دیا تھا آپ کو میرا اعتبار توڑنے کا۔ میری ذات کو ذروں سے حقیر کرنے کا۔ بتائیں، بولیں، کس نے حق دیا تھا آپ کو یہ سارا گھٹیا کھیل کھیلنے کا۔"

"جتنی تم بے قصور ہو اتنا ہی میں بھی۔ میں نے تمہارے ساتھ کی خواہش ضرور کی تھی مگر ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔" سمعان نے پھر بھی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی تھی۔

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔ اب آپ کی کسی بات کا اعتبار نہیں کروں گی۔ سعد کے ساتھ مل کر آپ نے اور فرح نے یہ گھٹیا پلان تیار کیا۔ کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا۔ میرے پاپا کا کیا قصور تھا۔ انہیں کس جرم کی سزا ملی ہے۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ضبط کھو گئی تھی۔ سمعان کے پاس زرش کی ان غلط فہمیوں کے سارے جواب تھے مگر اس وقت کچھ بھی کہنا بے اثر تھا۔ سمعان نے تشویش سے اسے دیکھا۔ بھابی بتا چکی تھی کہ اسے تیز بخار ہے۔ ایسے میں یہ جذباتیت اور مسلسل گریہ وزاری نقصان دہ بھی تھی۔

"آپ چلے جائیں میرے سامنے سے۔ آپ ہمارے گھرانے کو پہنچنے والے شدید نقصان کے ذمہ دار ہیں۔ کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔" روتے کے ساتھ ساتھ وہ دل کی بھڑاس بھی نکال رہی تھی۔

"زرش! پلیز رونا بند کرو۔ تم بہت جذباتی ہو رہی ہو۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی خراب ہے۔" سمعان نے بہت تحمل سے اس کے سارے الزامات کو سنتے، صرف نظر کرتے پھر اس کے مسلسل جلتے وجود کو تھامنا چاہا مگر اب کی بار زرش بپھر ہی گئی تھی۔

"خبردار...... کہا ہے نا...... ہاتھ نہیں لگانا مجھے۔ ورنہ میں کسی بھی حد سے گزر جاؤں گی۔" سمعان کے ہاتھوں کو جھٹکتے وہ بستر سے اترنے لگی تو سمعان نے کچھ برہمی سے اسے دیکھا۔ زرش ہمیشہ ادب سے بات کرتی تھی مگر اس وقت وہ سب لحاظ بالائے طاق رکھے بے لحاظی سے مخاطب تھی۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟ آرام سے ادھر بیٹھو۔ پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے۔" سمعان نے ذرا برہمی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے بستر سے اترنے سے باز رکھنا چاہا تھا مگر زرش کے اوپر سمعان احمد کی برہمی واستحقاقانہ انداز نے بڑا برا اثر ڈالا تھا۔

"آپ مجھ پر کسی بھی سختی کا حق نہیں رکھتے۔ میں کسی بھی حق کو قبول نہیں کرتی۔ یہ صرف مجبوری کا، اپنے پاپا کی زندگی کے لیے پی جانے والا کڑوا گھونٹ۔ آپ نے جس طرح ہمارے گھرانے کا انجام کیا ہے۔ اس نے میرے دل میں آپ کے لیے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ بڑا شوق تھا آپ کو مجھے پانے کا مگر یاد رکھیے گا۔ آپ مجھے پا کر بھی اس دھاندلی کے باوجود کبھی مجھے پا نہیں سکیں گے۔"

وہ جذباتیت کی انتہا پر تھی۔ سمعان نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اس وقت اپنے حق میں کچھ بھی کہنا فضول تھا۔ سمعان کے بازو کو جھٹکتے وہ بستر سے اتری تھی۔ بخار کی وجہ سے اس کا وجود خاصا کمزور اور نڈھال ہو رہا تھا مگر اس پر تو اک جنون سا طاری تھا۔ سب ملیامیٹ کر دینے کا۔ سمعان نے غائر نظروں سے دیکھا تھا۔ رونے کی وجہ سے میک اپ تو پہلے ہی بہہ چکا تھا۔ بس اثرات باقی تھے۔

بستر سے اترتے ہی اس نے جیسے تیسے پنیں اکھاڑ کر دوپٹہ نوچ کر صوفے پر پھینکا تھا۔ سمعان نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ لیے۔ گجرے نوچ کر پھینکتے ہوئے وہ ایک ایک کر کے سارا ہار سنگھار اجاڑتی گئی تھی۔ زیورات بڑی بے دردی سے اتارے گئے تھے۔

سمعان کی نفیس طبیعت پر زرش کا یہ انداز بڑا گراں گزرا تھا۔ ایک بازو میں سونے کی چوڑیاں اور کڑے تھے جو آسانی سے اتر گئے تھے۔ مگر دوسرے بازو پر کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ جو خاصی تنگ تھیں، جنہیں بڑے آرام سے اتارنے کی ضرورت تھی۔ زرش کے سابقہ انداز میں ہی اتارنے پر دو تین ٹوٹ گئی تھیں بلکہ کانچ کا کوئی ٹکڑا اس کے ہاتھ کی کسی نس میں جا لگا تھا۔ ایک دم پتلی خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ اب سمعان خاموش تماشائی بنا نہیں رہ سکا تھا۔ ایک دم اٹھ کر اس کی طرف آیا تھا۔

"زرش ہوش کرو۔ اس طرح اتارنے سے تمہارا ہاتھ زخمی ہو رہا ہے۔ آرام سے بھی اتاری جا سکتی ہیں۔"

تکلیف کے شدید احساس کے باوجود اس نے مزید چوڑیاں اتارنا چاہیں تو سمعان نے ٹوک دیا۔

"خبردار! میرے معاملے میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" بدتمیزی کی حد تھی۔ زرش کے اندر کی وحشت اس کی جنونیت کا روپ دھار چکی تھی۔

"زرش! تمہارا ہاتھ زخمی ہو چکا ہے۔" سمعان کی نگاہ اس کے ہاتھ پر تھی۔ خون بہنے سے اس کا دوسرا ہاتھ بھی بھیگ رہا تھا۔

"ادھر ہاتھ دو۔ میں دیکھتا ہوں۔ زخم گہرا ہے۔" سمعان نے ہاتھ پکڑا تھا مگر وہ تو مچل ہی گئی تھی۔

"نہیں۔ چھوڑو مجھے کہا ہے نا۔ نفرت ہوتی ہے مجھے تم سے۔ چھوڑو۔" سختی سے ہاتھ کھینچ کر وہ دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

"میں پل پل مر رہی ہوں۔ آپا کا سونپا گیا الزام اب ساری زندگی میرا تعاقب کرے گا اور ہٹ جائیں میرے سامنے سے ورنہ میں آپ کا لحاظ نہیں کروں گی۔" وہ سوچ سمجھنے کی صلاحیت سے ماورا ہو چکی تھی۔ اس وقت اس پر صرف وحشت سوار تھی۔

"بڑی تکلیف ہو رہی ہے آپ کو مجھے اس حال میں دیکھ کر۔ اب ساری عمر یہ تکلیف سہیے گا۔ میں اگر اذیت میں رہوں گی تو خوش آپ بھی نہیں رہیں گے۔ مجھے حاصل کر کے یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

رہی سہی چوڑیاں اس نے دیوار پر ہاتھ مار کر توڑ دی تھیں۔ نجانے بازو میں کہاں کہاں کانچ چبھے تھے۔ کئی جگہ سے خون کی بوندیں بہہ نکلی تھیں مگر اسے تو جیسے کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔

زرش کا رویہ اور انداز حیرت ناک ہی نہیں، اذیت ناک بھی تھا۔ زرش کی نفرت کی حد تھی۔ سمعان احمد کا ذہن ماؤف سا ہونے لگا تھا۔ اگر وہ اسے مزید روکتا تو وہ مزید ایسی حرکت کرتی۔ زرش کے اندر کی وحشت سے وہ اندازہ لگا چکا تھا۔ سمعان خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

باہر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سارے گھر والے اور مہمان وغیرہ شاید سو چکے تھے۔ کچھ دیر سمعان لاؤنج کے صوفے پر بیٹھا رہا تھا۔ جب ایک دم لاؤنج کی لائٹ آن ہوئی تھیں۔ سمعان نے فوراً آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا، عثمان بھائی تھے۔ وہ بھی سمعان کو دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔ ان کے کندھے سے حمزہ لگا ہوا تھا۔ جو سسک رہا تھا۔

"سمعان تم...... تم اپنے کمرے میں نہیں گئے؟"

ان کا سوال ایسا تھا کہ سمعان نے فوراً نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

"کمرے میں ہی تھا ابھی آیا ہوں۔"

"خیریت...... زرش اب کیسی ہے؟ آئی مین بخار وغیرہ۔" اگلا سوال ان کے لبوں پر تھا، سمعان نے گہرا سانس لیا۔

"ویسی ہی ہے۔" (یا شاید مجھے دیکھ کر مزید خراب ہوئی ہے)۔

"نمرہ سو گئی ہے کیا؟"

"ہوں۔" سمعان نے وضاحت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ "آپ سوئے نہیں؟"

"میں سو گیا تھا۔ حمزہ رو رہا تھا میں اٹھا کر باہر لے آیا۔"

"بھابی سو گئی ہیں؟"

"ہوں۔"

سمعان اٹھ کھڑا ہوا۔ اب یہاں رکنے کا جواز نہیں رہا تھا۔ عثمان نے سمعان کے انداز سے بہت کچھ کیا تھا مگر خاموش رہے۔ سمعان کمرے میں لوٹا تو پہلی نگاہ اطراف میں اٹھی۔ وہ صوفے کے قریب قالین پر ہی دراز تھی۔ خاصا بے ترتیب انداز تھا۔ بکھرا ہوا حلیہ، قالین پر بچھی پھولوں کی پتیاں بڑی بری طرح مسلی گئی تھیں۔ زیورات بکھرے پڑے تھے جبکہ وہ خود اردگرد کے ماحول سے بے نیاز سو چکی تھی۔

سمعان کی نگاہ اس کے بازو پر اٹھی تھی۔ جو قالین پر پہلو میں تھا۔ خون رک چکا تھا مگر بازو پر رچی مہندی کے نقش و نگار میں ایک جیسا ہی تاثر دے رہے تھے۔ سمعان نے بکھرے زیورات دراز میں دیئے تھے۔

لاکھ جذباتی سہی مگر وہ انہیں عزیز تر تھی۔ وقت حالات نے اسے اتنا ڈسٹرب کر دیا تھا تو کیا ان کی محبت میں اتنا دم تو تھا کہ اس کے بکھرے وجود کو سمیٹ لینے کی صلاحت رکھتے۔ اسے اپنی محبت کی سچائی سے اس کی بے اعتباری ختم کر سکتے۔ ان کے اندر اک عزم نے سر اٹھایا تھا۔ سوچ مثبت رخ کی طرف مڑ گئی تھی۔ قالین پر پھینکے گئے گجرے اٹھا کر انہوں نے بستر پر ڈال دیئے تھے۔ کمرے کی بے ترتیبی دور کر کے سمعان نے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ ابھی رات کے دو تین گھنٹے باقی تھے۔ اسے یونہی نہیں جا سکتا تھا۔

زرش کو سمعان نے قریب جھک کر اسے آواز دی تھی مگر کوئی فرق نہ پڑا تھا وہ اسی طرح ساکن تھی، اس کا سر صوفے کی سیٹ پر تھا۔ سمعان نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا چاہا بھی تو اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ سمعان کو تشویش سی ہونے لگی۔ زرش کا جذباتی انداز پوری آب و تاب کے ساتھ ذہن کی سطح پر چمکا تو دل کی دھڑکن ایک دم تیز ترین ہوئی تھی۔ وہ جذباتی تھی۔ پہلے ہی بیمار اور نڈھال تھی کہیں اس نے خود سے کچھ کر لیا تو۔ اسی سوچ نے سمعان کو پورا ہلا دیا تھا۔

"زری....." سمعان نے ایک دم اسے جھنجوڑا تھا۔ وہ لڑھک کر ان کے بازوؤں میں آ رکی تھی۔ وہ ساکت سا رہ گیا تھا۔

"زری اٹھو، ہوش کرو۔" سمعان کے اندر کا اضطراب دو چند تھا۔ زرش پر اپنی کسی بھی پکار کا کوئی اثر نہ دیکھ کر سمعان نے اسے فوراً اٹھا کر بستر پر ڈالا تھا۔ زرش کے ساتھ جو کچھ ہو چکا تھا وہ کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔ سمعان نے نبض چیک کی، رفتار بہت سلو تھی۔ سمعان نے فوراً کمرے سے نکلے تھے۔ عثمان بھائی ابھی لاؤنج میں تھے۔ حمزہ کو سلاتے وہ خود بھی نیم غنودگی میں تھے۔

"بھائی، بھابی کو فوراً لے کر میرے کمرے میں آئیں۔ زرش کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" [illegible]

دونوں سمعان کے عجلت میں اٹھانے پر وہ حیران رہ گئے تھے۔ سمعان کہہ کر واپس چلا بھی گیا تو وہ فوراً اپنے کمرے میں بھاگے تھے۔

جب تک بھابی اور عثمان بھائی آئے تھے، سمعان زرش کے چہرے اور ہاتھوں سے جمے خون کو گیلے تولیے سے صاف کر چکا تھا۔

"کیا ہوا؟" سمعان نے بستر سے اٹھ کے بھابی کو جگہ دی تھی۔

"پتا نہیں۔"

"لگتا ہے بے ہوش ہو گئی ہے۔ فرسٹ ایڈ باکس تو ہو گا گھر میں۔" بھابی نے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد عثمان کو دیکھا۔

"ہوں، کچن میں ہے۔" سمعان کی نگاہیں زرش کے چہرے پر ہی تھیں جو زردی مائل ہو چکا تھا۔

"میں لا دیتا ہوں۔" عثمان بھائی چلے گئے تھے۔

"کیا ہوا؟ خیریت ہے نا۔" سمعان احمد کی تشویش بجا تھی۔

"ہوں۔ لگتا ہے بخار کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے۔ بخار بھی تو اتنا تیز ہے۔ پھر ہادیہ بتا رہی تھی یہ نہ کچھ کھا رہی ہے نہ پی رہی تھی۔ ویک نیس بھی ہو گی۔"

عثمان بھائی باکس لے آئے تو بھابی اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگیں۔ پانچ منٹ بعد وہ ہوش میں آ گئی تھی مگر غنودگی کی کیفیت میں۔

"ماما....." اس کی کراہ پر سمعان نے سکون کا سانس لیا، ورنہ زرش کی جذباتیت نے خوفزدہ ہی کر ڈالا تھا۔

بھابی نے کچھ دیر اس کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی تھیں۔ زرش کو ہوش تو آ گیا تھا مگر کمزوری اور بخار کی وجہ سے غنودگی برقرار تھی۔ بھابی نے دودھ کے ایک گلاس کے ساتھ اسے غنودگی کے ہی عالم میں ایک دو گولیاں دی تھیں۔

"فکر نہیں کرو۔ بخار کا اثر ہے۔ اتنے دنوں کی ٹینشن کو کوئی رنگ تو دکھانا ہی تھا۔ پھر یہ ہے بھی بڑی حساس۔ شکر ہے صرف بخار ہے ورنہ۔" بھابی نے مسکرا کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان مسکرا بھی نہ سکا۔

"تم دیکھتے رہنا اسے۔ اگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو بلا لینا۔ ویسے امید ہے ان گولیوں سے کچھ افاقہ ہو گا۔ اگر بخار کم نہ ہوا تو۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ لینا یا پھر ڈاکٹر بلوا لینا۔" کل ساری رات جاگ کر گزاری تھی اور کل کا سارا دن بھی بھاگ دوڑ میں گزر گیا تھا۔ تھکن تو بھابی کو بھی بے حد ہو رہی تھی پہلے حمزہ نے نیند خراب کی تھی تو عثمان اٹھا کر باہر لے گئے تھے اور اب زرش کی وجہ سے ڈسٹرب ہو گئی تھیں۔

"آپ فکر نہیں کریں، میں دیکھ لوں گا۔" زرش کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

سمعان دروازہ لاک کر کے زرش کے قریب ہی چلے آئے تھے۔ وہ نیم غنودگی میں کبھی کبھی کراہ رہی تھی۔ بخار کا زور کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ سمعان نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ اسی طرح جل رہی تھی۔

سمعان نے اس کا سر سرہانے سے اٹھا کر اپنی جھولی میں رکھ لیا تھا۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں

سمعان کے اندر اس کے لیے محبت کا اک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"ماما......" سمعان احمد کراہ پر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی ذہنی کنڈیشن کا سمعان احمد اندازہ لگا سکتا تھا

"پاپا......" اس کی کراہیں کم نہیں ہو رہی تھیں۔

"زری......" ہاتھ روک کر سمعان نے اس کا ہاتھ تھاما تو ذرا کی ذرا اس نے پلکیں کھول کر سمعان کو دیکھا۔

"آپ؟" اس کی صرف لب ہلے تھے۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟"

"پاپا...... پاپا کہاں ہیں؟ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔"

سمعان نے ایک گہری سانس لے کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

"صبح چلیں گے۔"

"ماما کو بلا دیں۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ میرا سر پھٹ رہا ہے۔" وہ درد سے کراہ رہی تھی۔ اسے بھی علم نہ تھا وہ کیا کہہ رہی ہے۔ سمعان نے آہستگی سے اس کا سر دبانا شروع کر دیا تھا۔

* * *

نویرہ رات کو زبیدہ چچی کے ہاں ہی رک گئی تھی۔ شارق زمان کو کال کر کے اس نے اسے لینے سے منع کر دیا تھا۔ نویرہ کا موڈ جو آج کل تھا' شارق زمان نے اسے منع نہیں کیا تھا کہ شاید اسی طرح اس کا موڈ بہتر ہو جائے۔ شارق زمان کو اس نے صرف آنے سے منع کیا تھا' یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ چچا کے ہاں رکی ہوئی ہے۔ اگلے دن وہ رضا کے کالج سے آنے کے بعد اماں کے ہاں چلی آئی تھی۔ بھائی تو کل شام بھی۔ رضا چھوڑ گیا تھا۔ آج اسے چھوڑنے آیا تھا۔ کچھ دیر اس کے کہنے پر وہ رک گیا تھا۔

نبیل گھر پر ہی تھا (صرف سلام دعا کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی دونوں کے مابین) اب بھی سلام دعا کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی تو نویرہ کا دل بھر آیا۔ ایک شخص کی وجہ سے وہ اپنوں سے دور ہو گئی تھی۔ یہ سوچ کر آئی تھی کہ کل شارق کو فون پر کہہ دے گی کہ آفس سے واپسی پر اسے لیتا جائے۔ نبیل کے رویے سے دل اتنی دل برداشتہ ہوئی تھی کہ وہ خاموشی سے اپنا بیگ لیے اماں کو خدا حافظ کہہ کر رضا کے ہمراہ گھر سے نکل آئی تھی' اماں نے روکا تھا کہ شام ہونے والی ہے شارق کا انتظار کر لے مگر وہ رکی نہیں تھی۔ خوامخواہ نبیل اور شارق کا سامنا ہوتا تو بات بڑھتی۔

رضا' نویرہ کے رویے کو نوٹ کر چکا تھا۔ وجہ بھی سمجھ رہا تھا مگر نویرہ کی سارے رستے برقرار رہنے والی خاموشی نہ توڑ سکا تھا۔

"اندر آؤ میں اچھی سی چائے بنا کر پلاتی ہوں۔" گھر آنے پر وہ ویسے ہی جانے لگا تو نویرہ نے روک لیا تھا۔

"نہیں چلتا ہوں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔"

"تم آؤ اندر......" وہ اس کے انکار کو اہمیت دیے بغیر اندر بڑھ گئی تھی۔ نتیجتاً رضا کو بائیک اندر لے جانا پڑی تھی۔

"ارے شارق گھر پر ہیں۔" اندر گاڑی کھڑی دیکھ کر نویرہ ٹھہری تھی۔

نبیل کے رویے نے اسے بڑی بری طرح ہرٹ کیا تھا وہ اپنے ہی خیالوں میں غرق تھی' جب سیڑھیاں چڑھتے اس کا پاؤں مڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ منہ کے بل گرتی پیچھے سے آتے رضا نے بھاگ کر اس کا بازو پکڑ کر اسے سہارا دیا تھا۔

"بھیا...... سے ابھی گر جاتیں تو......"

نویرہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پاؤں مڑ گیا تھا۔ سنبھلنے کی کوشش میں اسے اپنا توازن بحال کرنے میں چند پل لگ گئے۔ رضا کے بازو اس کے گرد تھے' سنبھل کر اپنے وزن پر کھڑے ہوتے اچانک اس کی نگاہ اٹھی تھی۔ اندرونی دروازے کی چوکھٹ پر شارق زمان کھڑا تھا۔ نویرہ کے متوجہ ہونے پر رضا نے بھی دیکھا تھا۔ نویرہ سنبھل کر کھڑی ہوئی تھی تو اس نے اپنے بازو ہٹا لیے تھے۔ شارق کے تاثرات بڑے عجیب سے تھے۔ نویرہ تو نہ سمجھی تھی البتہ رضا ٹھٹک گیا تھا۔ اسی لمحے شارق تیزی سے پلٹ کر واپس اندر چلا گیا تھا۔

رضا نے نویرہ کو دیکھا' اس پر شارق کے پلٹ جانے سے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ نویرہ تو نبیل کی طرف سے ہرٹ ہو کر آئی تھی' ایسے میں شارق زمان سے سامنا اس کے جذبوں کو عجیب سا سرد پن عطا کر گیا تھا۔

"تم لاؤنج میں جا کر بیٹھو میں ذرا چادر اتار آؤں۔" اسے وہیں سے کہہ کر وہ اندر لاؤنج کی طرف جانے کی بجائے راہداری سے ہوتی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ شارق کمرے میں نہیں تھا' اس نے چادر اتار کر الماری میں لٹکائی' بیگ ڈریسنگ پر رکھتے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک رات کی غیر حاضری سے کمرا بکھرا پڑا تھا۔ اس کی طبیعت پر یہ پھیلاوا بڑا گراں گزرا تھا۔ اس وقت موڈ اتنا خراب ہو رہا تھا کہ وہ ایک ناقدانہ نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

"السلام علیکم......" اماں' شارق اور رضا تینوں موجود تھے اس نے جھک کر اماں سے پیار لیا تھا۔

"آ گئی خیر سے...... شارق تھوڑی دیر پہلے ہی گھر آیا تھا۔ تمہیں لینے کے لیے جانے ہی والا تھا۔ اچھا کیا تم آ گئیں۔" نویرہ نے شارق کو دیکھا وہ مکمل بے اعتنائی سے ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔

نویرہ کو بھی رضا اس کا رویہ کچھ عجیب سے لگا تھا۔ شارق نے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک رہی نا...... میڈیسن لی۔ شاکرہ سے مالش کروائی؟" اس نے اماں کی طرف [illegible]

"ہاں سارا کچھ ہی کروا لیا تھا۔ بس اب تمہاری عادت ہو گئی ہے نا تو تمہاری غیر موجودگی بڑی محسوس ہوئی۔"

رکنے کا ارادہ نہیں تھا۔ بھائی کے ساتھ چچا جان کے ہاں چلی گئی تھی۔ زبیدہ چچی نے رات کو روک لیا

تھا۔ اسی لیے آنے سے منع کر دیا تھا‘ آج ہی ادھر سے گھر گئی تھی اور پھر رضا کے ساتھ ہی ادھر آ گئی۔ اماں نے تفصیلاً بتایا تو شارق زمان نے پلٹ کر نوریہ کو دیکھا۔ وہ مکمل اماں کی طرف متوجہ تھی مگر اس کے بدلتے تیور دیکھنے پر رضا نے ضرور دیکھا تھا۔

"کل جب بات ہو رہی تھی‘ تم نے ذکر تو نہیں کیا تھا کہ تم چچا کے ہاں ہو۔" شارق کے انداز میں برہمی سی تھی۔

"خیال نہیں رہا ہوگا۔" نوریہ کا انداز لاپروا تھا۔

"یہ ایسی بات تو نہیں تھی کہ خیال نہ رہتا۔ مجھ سے تم اپنی اماں کے ہاں رہنے کی اجازت لے کر گئی تھی۔ پھر وہاں سے ادھر جانے کی کیا تک تھی۔ مجھے کیا ہوتا میں سیدھا وہیں اتار دیتا۔" شارق کے لہجے میں صاف تپش تھی۔

وہاں موجود تینوں نفوس ہی چونکے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" نوریہ بھی برہم ہوئی تھی۔

"کچھ خاص نہیں۔ اگر تم وہاں جانا چاہ رہی تھیں تو مجھ سے کہا ہوتا۔"

"میرا ادھر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ تو اماں کے ہاں جا کر بھابی کے کہنے پر یہ پروگرام بن گیا اور اس میں مضائقہ بھی کیا ہے۔ کیا آپ مجھ پر خاندان والوں سے ملنے پر پابندی لگائیں گے۔"

"پابندی کیسی؟ صاف اور اصولی بات ہے۔ چچا کے ہاں جانا تھا تو ملاقات کا سیدھا راستہ اپناتی یوں چکروں میں تو نہ الجھتی۔"

"مطلب؟"

رضا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے تیور بدلتے جا رہے تھے۔

"مطلب تم اپنے آپ سے پوچھو۔ یا رضا سے پوچھ لو۔" ان کا انداز اور الفاظ ایسے تھے کہ نوریہ ثانیے کو حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" غصے سے نوریہ کے بھی تیور بدلے تھے۔ وہ بھول گئی تھی رضا ان کے درمیان ہے۔ وہی رضا‘ جس کے سامنے کل اس نے اپنا شارق کے ہمراہ خوش ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو..... ایک چھوٹی سی بات کو الجھا رہے ہو۔ شارق تم چپ رہو۔ خوامخواہ پریشان کر رہے ہو۔ جاؤ نوریہ رضا کے لیے چائے بنا کر لے کر آؤ۔ شاکرہ کو میں نے بازار بھیجا تھا ہوتی تو اب تک چائے بن گئی ہوتی۔" بات بڑھتے دیکھ کر اماں نے فوراً مداخلت کی تھی۔ نوریہ نے غصے سے لب بھینچ لیے۔ شارق بھی ریموٹ صوفے پر پھینک کر وہاں سے نکل گیا۔ نوریہ کو رضا کے سامنے شارق کا یہ انداز بڑا ہتک آمیز محسوس ہوا۔ نوریہ زیبا کیانی والے واقعے کو لے کر ابھی تک شارق سے برگشتہ تھی۔ تو کیا شارق زمان نے رضا کے حوالے سے اس پر چوٹ کر کے اسے کچھ باور کرایا ہے۔ وہ الجھ گئی تھی۔

"میں چلتا ہوں۔" رضا کو اندازہ نہیں تھا کہ شارق ایسا رویہ رکھے گا وہ کیوں ایک دم غصے میں آ گیا تھا؟ سمجھ رہا تھا مگر نوریہ نہیں۔ اس سے پہلے کہ بات بڑھتے تو فوراً اصرار کیا۔

"نہیں میں چلتا ہوں۔ آج اکیڈمی جانے کا بھی ارادہ ہے۔ ایگزیمز کی تیاری کر رہا ہوں تو اکثر چکر لگا رہا ہوں۔"

"تھوڑی دیر رک جاؤ نوریہ چائے بنا لاتی ہے۔" اماں نے بھی کہا تو وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ نوریہ نے چائے بنا کر اماں اور اسے دی تھی چائے پی کر وہ رخصت ہوا تو مغرب کی اذانیں ہونے لگیں۔ وہ مغرب کی نماز ادا کر کے کچن میں چلی آئی۔ شاکرہ نماز پڑھنے کے دوران آ چکی تھی‘ کچن کا سامان لائی تھی۔

اسے شارق زمان کی بات پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ اتنی گھٹیا بات کی تھی شارق نے۔ نجانے رضا کیا سوچتا ہوگا۔ دونوں نے مل کر کھانا تیار کیا تھا۔

ٹیبل سیٹ کر کے اس نے شاکرہ کو کمرے میں بھیجا تھا کہ وہ شارق کو بلا لائے کھانے کی ٹیبل پر بھی شارق کا موڈ خراب رہا تھا۔ اس نے بھی ذرا توجہ نہ دی۔ اماں کے ساتھ باتوں میں مصروف رہی۔ شارق کا غصہ نوریہ کے اس رویے کو اور بڑھا دیا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ نوریہ اس سے اس کے اس رویے کی وضاحت مانگے گی‘ مگر نوریہ نے سرے سے توجہ ہی نہ دی تھی۔ کھانا کھا کر وہ غصے سے چابی اٹھا کر گھر سے گاڑی نکال کر چلا گیا۔

رات کے اس وقت شارق کا گھر سے جانا‘ نوریہ نے لب بھینچ لیے۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ شارق کو رضا کے سامنے برتے جانے والے اپنے رویے پر شرمندگی ہوگی تو وضاحت کرے گا۔ مگر یہاں تو الٹا ہوا تھا۔

عشاء کی نماز پڑھ کر اماں کو دوا کھلا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ کمرے کی حالت دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہوئی۔ ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی۔ یوں جیسے سارا غصہ انہی چیزوں پر اتارا گیا ہو۔

آدھا گھنٹہ لگا تھا اسے کمرہ ترتیب دینے میں۔ بستر پر لیٹی تو نبیل کے رویے نے پھر سے رنجیدہ کر دیا۔ نبیل سب سمجھتا تھا اسے ساری حقیقت بتا دی تھی پھر بھی وہ اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتا تھا۔ بقول اس کے اس نے ان سے یہ سب چھپا کر شارق زمان کو یہ سب کرنے کی شہہ دی تھی۔ اگر وہ پہلے ہی قدم پر شارق کے رویوں کا ذکر کر دیتی تو شارق اس حد تک نہ جاتا۔ وہ لوگ کوئی سدِباب کرتے۔

وہ عجیب دو پاٹوں میں پھنس رہی تھی۔ شارق زمان سے نباہ کرنا مشکل تر تھا تو واپس پلٹنا اس سے بھی زیادہ اذیت ناک۔

وہ گہری نیند میں تھی جب کسی چیز کے سختی سے بجنے کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کون ہے؟ کیا ہوا؟"

کمرہ روشن تھا۔ نجانے کیا چیز گری تھی یا گرائی گئی تھی وہ شارق زمان کو دیکھ کر چپ ہو گئی۔ شارق لباس بدلنے کی بجائے بستر پر آ بیٹھا تو اس نے بغور دیکھا۔ شارق کے رویے میں کوئی بات تھی مگر کیا۔ اس کا ذہن اخذ نہ کر پایا تھا۔

"لباس تو بدل لیں۔" اس کی کمر کے پیچھے سے تکیہ کھینچ کر دراز ہونے پر اس نے ٹوکا تھا۔ شارق نے اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھورا تو ایک پل کو نوریہ کا دل کانپا تھا۔ شارق نے اسے بھی

اس انداز میں نہیں دیکھا تھا۔

"کہاں تھے؟ رات کے تین بج رہے ہیں۔ یہ گھر آنے کا وقت ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

"تم کل سے کہاں تھی میں نے پوچھا تھا؟" بڑا ہی سرد انداز تھا' نوریہ ایک پل کو ساکن ہو گئی تھی۔

"تم کل سارا دن کہاں تھیں؟ آج کہاں تھیں۔ رضا کے ساتھ کیوں آئیں؟" میں نے کچھ پوچھا ہے؟

"آپ بات کو بڑھا رہے ہیں شارق زمان......" نوریہ ایک دم غصے سے بولی تھی۔

"چلو نہیں بڑھاتے۔ تم بات کی وضاحت کر دو۔" وہی سرد انداز تھا۔

"میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا جو وضاحت کرتی پھروں۔ یہ صرف آپ کی ذہنی اختراع ہے۔" اس نے غصے سے چیختے ہوئے کہا تو شارق زمان نے ایک دم اس کا بازو کھینچ کر اپنے پہلو میں گرا لیا تھا۔

"یہ میری ذہنی اختراع نہیں۔ آنکھوں دیکھی بات ہے۔ تم رضا کی بانہوں میں کیا کرتی پھر رہی تھیں؟"

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" نوریہ نے تڑپ کر شارق کو دیکھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ شارق یہ بات کہہ سکتا ہے۔

"شک کرنے کا موقع بھی تم خود ہی دے رہی ہو۔ کل سے مجھے بغیر بتائے تم ان کے ہاں کیا کر رہی تھیں اور بقول آپ کی اپنے گھر سے آئی تھیں تو پھر رضا کے ساتھ کیوں؟"

"اس لیے کہ نبیل بھائی آپ کو گھر میں دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے اور میں نہیں چاہتی تھی کہ بات بڑھے۔"

"وضاحت اچھی ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسا تو نوریہ گم صم دیکھے گئی۔

یہ شخص اس کی پاک دامنی پر مرمٹا تھا اور اب یہی شخص اس پر کیچڑ اچھالنے والوں میں سب سے پہلے تھا۔

ایک ایک کر کے اس کے آنسو گرتے چلے گئے تھے۔ وہ جتنی بھی وضاحت کر لیتی شارق زمان کے دل میں بال آ چکا تھا۔ وہ اس کا یقین کیسے کرتا؟

اس نے شارق کا بازو ہٹا کر اس کے پہلو سے اٹھنا چاہا۔ تو غصے سے شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم اپنی جگہ خود خالی کر رہی ہو۔ یاد رکھو جو عورت ایک دفعہ اپنے مرد کے دل سے اتر جائے تو وہ اپنا مقام حاصل نہیں کر پاتی۔ میں نے تمہیں قسمت سے لڑ کر حاصل کیا تھا۔ ذہنی و جسمانی سکون کے لیے تم میرے دل کی اولین خواہش تھیں۔ مجھ سے جھوٹ بول کر سب چھپا کر اچھا نہیں کیا۔ تمہیں بتانا چاہیے تھا کہ رضا حمید تم میں انٹرسٹڈ ہے۔ یا تم اس میں......؟"

"شٹ اپ...... شارق زمان۔ بس ایک اور لفظ بھی نہیں۔" وہ ایک دم غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں مجھ پر الزام لگانے کا۔" وہ رو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کیسے کلیئر کرے؟

"شام سے پہلے کے واقعے کو تو نہیں جھٹلا سکتیں تم۔"

"بعض اوقات آنکھوں دیکھی بات بھی جھوٹ ہوتی ہے۔"

"چلو مان لیتا ہوں مگر یہ کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی وضاحت ہو گی تمہارے پاس؟" غصے سے اٹھ کر شارق زمان نے ڈریسنگ پہ پڑا لفافہ اٹھا کر اس کے قریب بستر پہ پٹخ دیا۔ نوریہ حیران ہو کر لفافے کو دیکھے گئی۔

"کیا ہے یہ؟" وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"کچھ خاص نہیں۔ چند تصویریں ہیں تمہاری...... اور یہ ڈائری۔" شارق نے الٹی پڑی ڈائری اٹھا کر وہ بھی اس کی گود میں اچھال دی تھی۔

"میرا اس سے کیا تعلق؟"

"بہت گہرا...... میں بہت صاف اور کھرا انسان ہوں۔ تمہارے اچھے کردار نے مجھے متاثر کیا تھا اور میں نے ہر حد پار کر دی۔ اب بھی فیصلہ تم پہ ہے۔ مگر مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔ جو کہو گی میں فیصلہ کروں گا۔" غصے سے کہہ کر شارق زمان کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

یہ سب کیا تھا۔ قسمت اس پر کیا وار کرنے والی تھی' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ یہ شارق زمان کی محبتوں کی شدتیں تھی۔

اس کی چاہتوں کی اپنی شدتوں نے آج اس کو اپنی ہی نظروں سے گرا دیا تھا۔ نوریہ کو ایک دم لگا جیسے ارد گرد زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے وہ لفافہ تھاما تھا۔

کئی تصویریں اس کے ہاتھوں میں تھیں۔ اس کے بچپن سے لے کر جوانی' اسکول کالج اور پھر خاندان کے مختلف فنکشن میں اتاری گئی یہ تصاویر یہ سب اس کی تھیں۔ مگر شارق اسے کیا باور کرانا چاہتا تھا۔ مختلف تصویروں میں مختلف پوز تھے۔ کبھی سنجیدہ کبھی ہنستے' مسکراتے اور ایک تصویر نے اسے ٹھٹکا دیا تھا۔ یہ تصویر اس کی منگنی کے فنکشن کی تھی۔ مگر اس کے ساتھ رضا حمید تھا۔ سنجیدہ تاثرات لیے بیٹھا رضا حمید۔ بظاہر عام کی تصویر تھی مگر شارق زمان اسے کیا سمجھانا چاہتا تھا اور یہ تصویریں بے شک اس کی تھیں مگر وہ ان کو دیکھ پہلی بار رہی تھی تو کیا یہ رضا کے پاس تھیں' اگر تھیں تو پھر شارق کے پاس کیسے پہنچیں؟ اور کیوں؟

کیا رضا حمید واقعی اس میں انٹرسٹڈ تھا؟

نوریہ کا دماغ گھوم رہا تھا۔

اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا مگر اس آخری سوچ نے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی چادر تان دی تھی۔

بند ہوتی آنکھوں سے اسے صرف اتنا محسوس ہوا تھا کہ تمام تصویریں اس کے ہاتھوں سے پھسلتی چلی گئی تھیں۔

* * *

آنکھ کھلنے پر وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں چھت کو دیکھے گئی۔ نظروں کا زاویہ بدلا تو پہچان کے رنگ

واضح ہوئے۔ وہ ایک دم بستر پر اٹھ بیٹھی۔ بوجھل جلتی آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔

"یہ اس کا کمرہ نہ تھا اور وہ تو......" پرواز ایک دم رک گئی تھی۔ ساتھ ہی ذہن کی بہت سی گرہیں کھل گئی تھیں بہت سے واقعات فلم کی مانند ذہن کی اسکرین پر واضح ہوتے چلے گئے تھے۔

اس کے دل و دماغ میں تلخی سی اترتی چلی گئی۔ غصے سے کمبل اپنے اوپر سے ہٹا کر وہ تیزی سے بستر سے اتری تھی مگر ایک قدم بھی نہ اٹھا پائی۔ اپنے لباس کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا تو توجہ اپنے پاؤں میں موجود زیور کے بجنے میں الجھ گئی تھی۔ رات دیوانگی میں زیورات اتارتے ہوئے شاید پاؤں کی پازیب اتارنا بھول گئی تھی۔

وہ ابھی تک عروسی لباس میں تھی۔ ہاں دوپٹہ غائب تھا۔ دوپٹے کی تلاش میں اس نے اطراف میں نظریں گھمائیں تو دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھے سمعان احمد پر ساکن ہو گئیں۔ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک ہاتھ میں چائے کا مگ لیے دوسرے میں اخبار تھامے سمعان احمد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس کے ذہن میں گزری رات، پرچھائیں کی مانند چھو گئی تھی۔ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں سمعان احمد کی توجہ، اس کا بہلانا، پیشانی پر پٹیاں رکھنا۔ اس کے اندر بڑا عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک دم جھکا گئی تھی۔ رخ بدل کر وہ واپس بستر کے کنارے ٹک گئی بغیر دوپٹے کے یوں اس حلیے میں سمعان احمد کے سامنے آنا، اس کا ذہن بخار ہونے کے باوجود رات کے اپنے بکھرے انداز کے برعکس مثبت انداز میں سوچ رہا تھا۔ شرمندگی سے دونوں پاؤں بستر کے اوپر کر لیے۔ اس نے پہلے پاؤں کو زیور سے آزاد کیا تھا اور پھر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے۔

سمعان احمد اسے رخ موڑ کر بیٹھتے دیکھ کر مگ ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟"

زرش نے نگاہ اٹھا کر سمعان احمد کو دیکھا۔ پچھلے دنوں کی تلخی اس کی آنکھوں میں آ ٹھہری۔ پاپا کی بیماری، ان کی انتہائی خراب کنڈیشن سمعان احمد کا بھاگنا اور سب سے بڑھ کر سمعان احمد کی ذات کا الزام اس کے اندر کا غبار پھر گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔

"وہ کیوں یہاں آئی تھی؟ اس نے یہاں کبھی نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔" اس کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر روئے۔ اپنے نقصان پر شدید ماتم کرے، چیخے چلائے۔ یہ شخص اس کے لیے کتنے بڑے نقصان کا باعث تھا۔

"بخار اترا یا نہیں؟" اس کے قریب آ کر سمعان نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا کہ زرش نے ایک دم تنفر سے سمعان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"کوئی پروا نہیں ہونی چاہیے...... میں مروں یا جیوں؟ خبردار مجھے ہاتھ لگایا تو......" وہ ایک دم بدلحاظی پر اتر آئی تھی۔ بالکل رات والا انداز لوٹ آیا تھا۔

سمعان نے اسے بغور دیکھا۔ زرش کی نگاہوں میں کوئی لحاظ مروت نہ تھا۔ بیماری و بخار کے باوجود تلخی برقرار تھی۔ گزشتہ رات وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہی رہی تھی اور اب حواس میں لوٹتے ہی اس کا

بپھرا انداز تھا۔

"رات تمہاری طبیعت کافی خراب تھی، غصہ اپنی جگہ مگر......"

"پلیز آپ چلے جائیں۔ میرے سامنے سے۔ میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" اس کی نفرت کا دیدنی عالم تھا۔ سمعان کی بات کاٹ کر اس نے کہا تو سمعان نے لب بھینچ لیے۔ اس کے نفرت انگیز انداز نے روح میں گویا شگوف ڈال دیے تھے۔

اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ سمعان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا۔ زوباریہ بھابی تھیں۔

"اٹھ گئیں تمہاری بیگم صاحب......؟" انہوں نے سمعان کے دروازے پر رکھے بازو کے اوپر سے اندر جھانکتے زرش کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر چھیڑا تھا۔ جواباً سمعان نے انہیں بازو ہٹا کر اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

"شکر ہے تم اٹھ گئیں۔ میں صبح سے کئی چکر لگا چکی ہوں۔ کیسی طبیعت ہے اب؟ رات تو بڑا بخار تھا؟ بے ہوش ہو گئی تھیں تم......" اس کے قریب آ کر بستر پر بیٹھتے انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ زرش نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"زندہ ہوں۔ افسوس......" بھابی ایک پل کو چپ رہ گئی تھیں۔

"کپڑے بدل لو۔ ہادیہ، ماریہ اور وقار بھائی آئے ہوئے ہیں ناشتہ لے کر...... صبح صبح وہ نوشی کے ہاں گئے تھے ادھر ناشتہ دے کر ادھر آ گئے۔ تم اٹھ کے منہ ہاتھ دھو لو، کپڑے چینج کر لو۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

زرش کے انداز کو دیکھ کر انہوں نے بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔ زرش لب بھینچ کر بستر سے اتر گئی۔

"بخار تو ابھی بھی تمہیں بہت تیز ہے۔ ناشتہ کر لو۔ میں میڈیسن دیتی ہوں۔ پاپا کہہ رہے تھے کہ تم کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں یا ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروا لیں۔ رات تو تم نے ڈرا کر رکھ دیا تھا۔"

سمعان کمرے سے نکل کر جا چکا تھا۔ بھابی کی باتوں پر بھی وہ چپ رہی تھی۔ بھابی نے اسے ٹوکا تو نہیں البتہ الماری سے اس کا لباس نکال کر اسے تھمایا تو وہ خاموشی سے واش روم میں گھس گئی تھی۔

جسم نقاہت اور بخار سے بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ جسم میں گویا آگ سی پھوٹی ہوئی تھی۔ بھابی کے منع کرنے کے باوجود اس نے ہاتھ لیا تھا۔ وہ نہا کر باہر نکلی تو کمرے میں بھابی کے ساتھ ہادیہ آپا اور ماریہ باجی کو دیکھ کر وہ فوراً ان کی طرف لپکی۔

"آپا......"

"زرنی!" انہوں نے فوراً اٹھ کر اسے خود سے لگا لیا تھا۔

ہادیہ سے ملتے ہی وہ ایک دم رو دی تھی۔ ہادیہ کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔

"چپ...... اب نہیں رونا۔" انہوں نے بمشکل اسے خود سے جدا کرتے اس کے آنسو صاف کیے۔

"پاپا کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہیں پہلے سے۔ صبح فون پر میری ان سے بات ہوئی تھی۔ تمہارا پوچھ رہے

تھے۔ نوشی کو بھی تمہاری ہی فکر ہو رہی تھی۔" انہوں نے اسے سنبھالا تو آنسو ضبط کر کے ماریہ باجی بیٹھ گئی۔

"تم آرام کرو۔ پہلے ہی اتنی خراب تھی تمہاری طبیعت؟" زوباریہ بھابی نے تشویش سے اسے دیکھا۔ وہ چپ ہی رہی بلکہ خاموشی سے بستر پر بیٹھ گئی تو آپا برش لے کر اس کے بال سلجھانے لگیں۔

"یہ تمہارے بازو پر کیا ہوا ہے؟" زرش کے بالوں کو سلجھاتے ہوئے اچانک ان کی نگاہ مہندی کے گہرے نقش ونگار سے سجے بازو پر پڑی تو انہوں نے ہاتھ روک کر اس کا بازو تھاما۔

"یہ کیا ہے؟" انہیں تشویش ہوئی تھی۔ کل تک تو کوئی زخم نہ تھا۔

"کچھ نہیں۔ چوڑیاں اتارتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔" بھابی نے خاموشی سے زرش کو دیکھا۔ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کمرے میں اچھی خاصی گیدرنگ ہو چکی تھی۔ طاہرہ بیگم کی بھابیاں ان کے بچے بہوئیں ان کی اولاد وغیرہ، رشتہ داری تو ایسی تھی کہ کسی طرف سے چھوٹ نہ تھی مگر اس وقت زرش کو ان سب کو دیکھ کر وحشت سی ہو رہی تھی۔

وہ کیوں یہاں آ گئی تھی...... وہ کیوں کمزور لمحوں کا شکار ہو کے اس شادی پر آمادہ ہو گئی تھی۔ وہ انکار کیوں نہیں کر پائی تھی۔ اسے اپنی شکست وحشت زدہ کر رہی تھی۔

زرش کو لگا جیسے اس کے اندر شدید گھٹن پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ وہ نارمل رہنا چاہتی تھی مگر یہ شدت پسند سوچ اس کے جذبات پر حاوی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہادیہ آپا، ماریہ باجی اور وقار بھائی اس سے مل کر چلے گئے تھے بھابی کے ٹوکنے پر آہستہ آہستہ کر کے کمرہ خالی ہوا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

زوباریہ بھابی فرح کو ساتھ ملائے ناشتے کی سجی سجائی ٹرالی لیے چلی آئیں تو دیکھتی گئی۔

"کافی دیر سے ناشتہ آیا ہوا ہے۔ صرف تمہارے اٹھنے کا انتظار ہو رہا تھا۔ ناشتہ کر لو پھر میں تم کو تیار کر دیتی ہوں۔ سمعان کے ساتھ چچا جان کو دیکھنے ہاسپٹل چلی جانا۔"

فرح جھجک رہی تھی تو زرش نے بھی اس کی جانب دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ صرف ایک دن کے میلوں کے فاصلوں نے سب کچھ ختم کر ڈالا تھا۔ زرش کا اجنبیوں والا انداز دیکھ کر فرح دل مسوس کر رہ گئی۔ برتن رکھ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی کہ یہ سب اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھا۔

"میں سمعان کو بھیجتی ہوں۔" وہ ٹرالی سیٹ کر کے برتن سجا کر باہر نکل گئی تھیں۔ بخار سے جسم ابھی بھی تپ رہا تھا مگر زرش کو پہلی بار پچھلے دو دنوں سے اپنے بھوکے ہونے کا احساس ہوا۔ خالی پیٹ تو نفرت بھی نہیں ہوتی۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ خاموشی سے ٹرالی کو دیکھا۔ کھانے کی کتنی اقسام تھیں مگر اس نے پلیٹ میں تھوڑا سا حلوہ ڈال کر پوری تھام لی تھی۔ ابھی وہ چند لقمے ہی کھا پائی تھی کہ سمعان احمد کو آتے دیکھ کر اس کی بھوک ایک دم مٹ گئی تھی۔ ایک دم جی چاہا کہ ہر چیز الٹ پلٹ دے مگر وہ بڑی مشکل سے خود پر کنٹرول کر پائی تھی۔

بھابی بستر کے کنارے ٹرالی اس طرح سیٹ کر کے گئی تھیں کہ وہ سرہانے کی طرف بیٹھی پاؤں لٹکائے ناشتہ کھا رہی تھی۔ سمعان نے زرش کو بغور دیکھا۔ ایک نگاہ ڈال کر بے شک وہ نگاہ پھیر چکی تھی مگر سمعان کی موجودگی اسے ڈسٹرب کر رہی تھی۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

گزری تمام رات میں سمعان نے اس لڑکی کی ساری نفرت ساری تلخی اور اذیت کو پوری گہرائی سے محسوس کیا تھا۔ زرش کے دکھ کا اچھی طرح اندازہ تھا مگر اب سوائے مداوے کے کچھ بھی نہ تھا۔ سمعان احمد ساری رات سوچتے ہوئے اس رشتے کو قبول کر چکا تھا کہ یہی سچ تھا مگر زرش کس مقام پر تھی اس کا بھی اندازہ ہو رہا تھا۔ سمعان زرش کے دل کو اپنی طرف پہلے کی طرح نہیں پھیر سکتا تھا مگر اپنی طرف سے کوئی امکان نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اپنی غلطیاں اپنے قصور واضح کرنے کا حق تو تھا نا۔

سمعان ہاتھ دھو کر آیا تو زرش ادھ کھائی پوری وہیں رکھے گم صم بیٹھی تھی۔ ایک نظر اس کے گم صم انداز کو دیکھتے ہوئے سمعان احمد اس کے قریب بیٹھا تو وہ لب بھینچے پیچھے ہٹی تھی مگر سمعان نے ہاتھ تھام کر روکا تھا۔

"زرش!" سمعان نے پہل کی تھی مگر ادھر تو جذبات کا طوفان امڈ آیا تھا۔

"خبردار! ہاتھ نہ لگانا مجھے۔" وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔ انداز ایسا تضحیک آمیز تھا کہ سمعان ششدر رہ گیا تھا۔ رات وہ غصے میں تھی پھر بخار کی حالت میں تھی جب کہ اب تو اسے نارمل ہونا چاہیے تھا۔

"اوکے نہیں لگاتا۔ تم ناشتہ تو کر لو۔" سمعان نے اپنے اندر اٹھتے تلخ جذبات کو قابو کیا کہ بہر حال وہ حق پر تھی۔

"مجھے نہیں کرنا۔" ادھر تنفر کا وہی عالم تھا۔

"اوکے پھر ایک کپ چائے تو نکال دو۔" سمعان نے اسے پھر بھی بہلانا چاہا تھا مگر وہ لب بھینچے بیٹھی تھی۔

"زرش!" سمعان نے پھر کوشش کی۔

"میں [illegible] نہیں ہوں اور نہ ہی آپ کی ملازمہ ہوں اور نہ ہی آپ کے ہاتھ ٹوٹے ہیں۔" الفاظ تھے کہ بدتمیزی کی حد تھی۔ سمعان کا ضبط بس یہیں تک تھا۔

"شٹ اپ۔ سوچ سمجھ کر بولو۔" سمعان ٹمپرامنٹ لوز نہیں کرنا چاہتا تھا مگر زرش کے الفاظ نے ایک دم مجبور کیا تھا۔ "اپنے رویے پر غور کرو۔" اگلے ہی لمحے سمعان نے اپنے لہجے پر قابو پایا تھا۔

"اور جو آپ لوگوں کا رویہ ہے وہ کیا ہے؟ وہ کسی شرافت کے زمرے میں آتا ہے؟ بڑے پارسا بنے پھرتے ہیں آپ اصلیت کیا ہے آپ لوگوں کی سب سمجھ گئی ہوں میں۔" وہ بھی پھٹ پڑی تھی۔ وہ جو نقصان بھگت چکی تھی۔ عمر بھر کے لیے جو خسارہ قسمت میں لکھا گیا تھا وہ کس کس کا ماتم کرتی۔

"چلے جائیں آپ میرے سامنے سے۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو مجھے اپنے شدید نقصان کا احساس ہوتا ہے۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ سمعان صرف دانتوں پر دانت جمائے اسے دیکھے گیا۔

"تم آرام اور سکون سے بات کر سکتی ہو۔ اس طرح ہذیانی انداز اختیار کرنے سے بھلا کیا فائدہ بلکہ الٹا

نقصان ہی ہے۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی مضمحل ہے۔'' سمعان نے اپنے جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے دھیمے انداز میں کہا تو وہ نظر انداز کیے بستر سے اترنے لگی۔

''آپ نہیں جاتے تو میں چلی جاتی ہوں۔''

''زرش! تم سے کچھ کہا ہے میں نے.....'' سمعان نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ ایک پل بھی سمعان کے سامنے نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی۔ سمعان کا سامنے سے ہٹنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا سو وہ خود ہی یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

''زرش۔'' سمعان نے اس کا بازو پکڑا تھا۔ ''پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے۔ آرام سے بیٹھو۔ یہ ایک پل کا ساتھ نہیں عمر بھر کا ہے جو ہو چکا ہے وہ مٹ نہیں جائے گا۔''

''یہ تماشا میں نے نہیں بنوایا۔ آپ لوگوں کی عنایت ہے اور رہی بات ساتھ کی تو جب میں کسی رشتے کو سرے سے مانتی ہی نہیں تو پھر کہاں کا ساتھ؟'' زرش کے الفاظ نے سمعان احمد کے اوپر بری طرح اثر کیا تھا۔

''اب تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے جو حقیقت ہے وہ حقیقت ہے۔'' سمعان نے اس دفعہ اس پر چوٹ کی تھی جواباً زرش نے غصے سے مضبوط گرفت سے بازو کھینچنے کی کوشش کی تھی مگر سمعان کے ذرا سے جھٹکے سے وہ بے توازن سی منہ کے بل بستر پر گری تھی۔

''آرام سے بیٹھو ادھر۔''

''آپ کے اس طرح کرنے سے میرے دل میں نفرت تو بڑھے گی لیکن محبت نہیں یاد رکھیے گا۔'' سمعان کے ہاتھ میں پکڑا اس کا بازو تڑپ رہا تھا۔ سمعان نے ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

وہ بستر پر گرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''میں نے کیا بگاڑا تھا آپ لوگوں کا؟ ساری دنیا میں تباہ کرنے کو ایک میں ہی ملی تھی آپ کو۔ کیا قصور تھا میرا جو آپ کی ماں نے یہ کھیل کھیلا؟ پہلے پاپا کی زندگی سے کھیلا اور اب میں.....؟ مجھے مجبور مت کریں کہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھاؤں۔ اس مجبوری کے رشتے کے طعنے مت دیں۔ میں نے اگر اپنے لیے یہ کڑوا گھونٹ پیا ہے تو آپ لوگوں سے نفرت میں کسی بھی حد تک چلی جاؤں گی مت بھولیے گا۔''

روتے ہوئے وہ اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔ سمعان کا مقصد اسے حقیقت باور کرانا تھا نہ کہ اذیت سے دوچار کر دینا۔ سمعان نے ایک نگاہ اس کے روتے ہوئے وجود پر ڈالی اور پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔

زرش غلط نہیں تھی ہاں اس کا غم گہرا ضرور تھا مگر وہ بے حد جذباتیت کا شکار ہو رہی تھی۔

''مرنا میرے اختیار میں نہیں۔ اگر ہوتا تو اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھتی۔ اس گھر میں آپ کے ہاتھوں سے اٹھائی گئی ذلت میں کبھی بھول نہیں سکتی۔'' اس کے الفاظ سمعان کو کسی قدر اذیت سے دوچار کر گئے تھے۔ سمعان نے اس کی طرف سے مکمل پشت کر لی مگر اندر تو اذیت کا اور ہی عالم تھا۔ جیسے طوفان بھرا

لاوا تھا۔

''میرے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اور اس قدر مہارت سے کھیلا ہے کہ ہر طرف سے جیت آپ کی ہے۔ مجھے اتنا بزدل نہ سمجھیں۔ مجھے اگر آزمائیں گے تو ساری عمر پچھتائیں گے۔''

سمعان احمد کے عمر بھر کے ساتھ کے الفاظ نے اسے آتش فشاں بنا ڈالا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ایک پل کی تاخیر کیے بغیر کچھ کر بیٹھے۔ کسی انتہائی حد سے گزر جائے۔ اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو چکی تھیں پھر وہ کیوں سوچتی کونسا کسی نے اس کے بارے میں سوچا تھا؟ کس نے اس کی سنی تھی..... سب نے اپنی کی تھی..... کھانے کی ٹرالی جوں کی توں پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

زرش کی آواز بند ہو چکی تھی۔ البتہ اس کی سسکیاں برقرار تھیں۔

''ایسے زندگی کیسے گزرے گی؟'' سمعان کی سوچ الجھ کر رہ گئی تھی۔ ایک دو پل بعد سمعان پلٹا تو شدید جھٹکا لگا۔

''زرش! یہ کیا پکڑا ہے؟'' سمعان نے اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے ہوا میں معلق کر دیا تھا۔ ''یہ کیا حماقت ہے احمق لڑکی.....'' انتہائی غصے اور جھنجلاہٹ سے سمعان نے اس کے ہاتھ میں دبی چھری لینا چاہی تو زرش نے چھری کی دھار پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔

''کون ہوتے ہو تم لوگ میرے.....؟ چھوڑو مجھے..... بڑا شوق تھا مجھے حاصل کرنے کا؟'' زوباریہ بھابی ٹرالی کے اوپر پھلوں کی ٹوکری کے ساتھ سیب کاٹنے کے لیے چھری رکھ گئی تھیں۔ سمعان کو امید نہ تھی کہ زرش یہ پاگل پن بھی دکھا سکتی ہے۔ سمعان کے اصل میں رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اگر ایک پل کی بھی تاخیر ہو جاتی تو..... تو نجانے زرش کیا کر ڈالتی۔

''پاگل پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے زرش..... چھوڑو اسے۔'' انتہائی غصے سے اس کی کلائی کو جکڑے سختی سے کہا مگر وہ تو چیخ ہی اٹھی تھی۔

''کیوں چھوڑوں؟ کون ہوتے ہیں آپ مجھے روکنے والے؟ نہیں زندہ رہنا چاہتی میں..... ساری زندگی آپ کے ساتھ ایک الزام کی طرح زندگی گزارنے سے بہتر ہے ابھی مر جاؤں۔'' بہت بدتمیزی سے چیختی وہ اپنا ہاتھ چھڑا رہی تھی۔

''شٹ اپ۔ احمق..... ایڈیٹ.....'' زرش کی اس حرکت نے سمعان کو ایک دم آتش فشاں بنا دیا تھا۔ وہ کسی بھی طرح چھری نہیں چھوڑ رہی تھی بلکہ تیز دھار نے اس کی ہتھیلی پر کٹ لگا دیا تھا۔ خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ غصے سے اس کے منہ پر سمعان نے تھپڑ کھینچ مارا تھا۔ زرش کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ ہتھیلی خود بخود ڈھیلی سی پڑ گئی تھی۔ سمعان نے چھری نکال کر دور پھینکی۔ زخم سے سرخ خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ سمعان نے تاسف سے بلک کر روتے وجود کو دیکھا۔

سمعان احمد کی انگلیوں کے نشان اس کے نرم و نازک رخسار پر چھپ سے گئے تھے۔ وہ پہلے تو تھپڑ لگنے پر ہکا بکا سی سمعان کو دیکھے گئی تھی پھر ایک دم سمعان کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''آپ نے مجھے تھپڑ مارا ہے؟'' جسے کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا وہ اس وقت بے

یقین تھی۔ سمعان کا سارا اشتعال بہہ نکلا تھا۔

"زری.....!" سمعان نے اس کے دونوں کندھوں کو تھاما تھا تو وہ بلک اٹھی۔

"مجھے نہیں زندہ رہنا۔ نہیں رہنا ادھر..... چھوڑیں مجھے۔ آپ بہت برے ہیں آئی ہیٹ یو۔" سمعان کے مضبوط بازوؤں میں مچلتی وہ شدت سے رو رہی تھی۔ سمعان نے لب بھینچے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اس کا بولنا بند ہو گیا۔

زرش کی اس انتہائی حرکت نے انہیں ششدر کر دیا تھا۔ زرش اس وقت جس توڑ پھوڑ کا سمعان نے اسے بستر پر لا بٹھایا۔ اس کی مضبوط گرفت میں گرم وجود اور سانسوں کی آمدورفت سے کی خراب طبیعت کی شدت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ سمعان نے گلاس میں پانی ڈال کر اس کے ہونٹوں سے لگایا تو وہ گلاس ایک طرف ہٹا گئی۔

"پانی پی لو سانس بحال ہو جائے گی۔" روتے روتے سانس غیر ہموار ہو گئی تھی ہلکی ہچکی بندھ گئی تھی سمعان کے دو تین بار کہنے پر وہ ایک دو گھونٹ پی پائی تھی۔ گلاس ایک طرف رکھ کر سمعان نے اس ہاتھ تھاما۔ مہندی سے سجی ہتھیلی میں لگا گہرا کٹ سارا ہاتھ سرخ خون سے تر تھا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے اب بھی رو رہی تھی۔ سمعان نے سائیڈ دراز سے فرسٹ ایڈ باکس نکالا۔ زخم سے خون صاف کر کے سمعان نے بینڈیج کی تب بھی وہ گھٹنوں میں سر دیے سسکتی رہی۔

"زری.....!" سمعان نے اس کے مسلسل جلتے وجود کو بڑی ترحم بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔ بڑی اپنائیت سے پکارا بھی تو اس کے شغل میں کوئی فرق نہ آیا۔ سمعان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کا وجود ساکن ہو گیا تھا۔

"آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں پلیز۔" کافی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا بھی تو کیا..... سمعان نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ اس وقت جس ذہنی حالت سے گزر رہی تھی اس کو ایک پل کے لیے بھی تنہا چھوڑنا کسی بڑے خطرے سے کم نہ تھا۔

"میں بھابی کو بھیجتا ہوں۔ تم تیار ہو جاؤ پھر ہاسپٹل چلتے ہیں۔" سمعان نے بستر سے اترتے ہوئے اپنے اوپر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی تھی۔ ٹی شرٹ پر جابجا خون کے دھبے تھے۔ سمعان نے الماری سے کپڑے نکال کر وہیں کھڑے کھڑے تبدیل کی تھی۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے سمعان نے قالین پر پڑی چھری اٹھا لی تھی۔

* * *

رات کیسے گزری تھی وہ خود بھی بے خبر تھی۔

اک شاک کی کیفیت تھی۔

اک چھوٹا سا واقعہ اتنا بڑا طوفان لا سکتا ہے وہ حیرت زدہ تھی۔

یہ تصویریں بے شک اس کی تھیں مگر وہ اصل کہانی سے بے خبر تھی۔

صبح ہو چکی تھی مگر اس کو لگ رہا تھا کہ اس کی قسمت پر رات کی تاریکی چھا گئی ہے۔ شارق زما

اسے جھکنے سے بھی ہلکا کر گیا تھا۔ اس کے پاس تھا ہی کیا..... کردار و وقار ہی تو تھا اور ساری عمر اس کی حفاظت کی تھی۔ ساری عمر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس شے کی حفاظت کی تھی حتیٰ کہ نواز سے بات طے ہو جانے پر بھی اس نے اپنے جذبوں کو سنبھال سنبھال کر رکھا تھا اور پھر قسمت نے جو بھی کیا تھا وہ کمپرومائز کرنے پر تیار تو ہو گئی تھی۔ صرف نبیل بھائی کی وجہ سے دل دکھتا تھا لیکن اب حالات نے جو کروٹ لی تھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ بس ڈھے جائے گی۔

اب ہمت ختم ہونے کو تھی۔

شارق زمان کمرے میں داخل ہوا تو وہ بستر پر بیٹھی گم صم سی کیفیت میں تھی۔ شاک ہی اتنا بڑا تھا کہ وہ کسی بھی طرح سنبھل نہ پا رہی تھی۔ شارق زمان کا دل بھر گیا تھا۔ اتنی جلدی یا پھر واقعی یہ رضا کی کوئی حرکت تھی۔ وہ ابھی تک کشش و پنج میں تھی۔

اردگرد تصویریں بکھری پڑی تھیں۔

شارق کے داخل ہونے پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ شارق کے چہرے کے تاثرات انتہائی بے تاثر تھے بلکہ اس کے دیکھنے پر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا تھا۔

نوریہ کو رونا آنے لگا۔

وہ مسلسل رو رہی تھی۔

ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ فجر کی نماز بھی ادا نہ کی تھی۔

شاکرہ دوبارہ آ کر دروازہ کھٹکھٹا کر جا چکی تھی مگر اس کے اندر اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی سکت نہیں تھی۔

شارق الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں چلا گیا تو نوریہ کے اندر جیسے ہلچل سی اٹھی تھی۔

وہ کیوں ایک الزام لے کر جیے..... ابھی قصہ صاف ہوگا۔ ابھی فوراً اسے شارق سے اتنے بڑے الزام پر پوچھ گچھ کا حق تھا وہ کیوں بلاوجہ الزام سہے جب اس کا قصور ہی نہیں.....

اس کے اندر بلا کی تحریک برپا ہوئی تھی۔ بستر سے اتر کر وہ کمرے میں ٹہلنے لگی تھی۔ شارق زمان باتھ لے کر لباس بدل کر نکلا تو اسے دیکھ کر رکا پھر سر جھٹک کر تولیے سے سر خشک کرتے وہ آئینے کے سامنے جا رکا۔ نوریہ کے اندر شدید احتجاج نے سر اٹھایا تھا۔

"ان تصویروں سے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟" ساری تصویریں لا کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخی تھیں۔

"میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتا۔ یہ تصویریں تمہارے سامنے ہیں کیا تمہیں انکار ہے کہ یہ تمہاری تصویریں نہیں ہیں؟" ہاتھ روک کر نوریہ کو دیکھا۔ نوریہ کو لگا وہ آگ کے دہانے پر جا بیٹھی ہے۔

"ایسی تو کئی تصویریں میری بہت سے دوسرے کزنز کے پاس بھی ہوں گی۔ ان کے بارے میں کیا کہنا ہے؟"

"مگر ان میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ اتنا قریب نہیں ہوگا جتنا یہ رضا ہے۔ میں آج تک اسے کزن کی حیثیت سے ہی سمجھتا رہا تھا مگر علم نہ تھا۔ اندر ہی اندر یہ کھیل بھی کھیلا جا رہا تھا۔"

"شارق زمان! حد میں رہیں۔" نوریہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھے......

"بڑی اعلیٰ محبت ہے آپ کی۔ بڑے عظیم دعوے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ آپ سے ساری بات کروں گی مگر اب نہیں۔ میں کیوں وضاحتیں پیش کروں...... رضا سے متعلق اگر آپ کو کوئی غلط فہمی ہے تو یہ آپ کا ذہنی کمپلیکس ہوگا۔ میرے لیے وہ ایک چچا زاد ہی تھا اور ہے اور رہے گا...... وہ کیا سوچتا ہے اس کے پاس یہ تصویریں کیوں ہیں اس کا جواب اس کے پاس تلاش کریں۔ مجھ پر الزام لگانے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔" وہ کیوں یہ سب سہتی...... وہ کیوں مجبور ہوتی؟ یہ شخص پہلے اس کا مجرم تھا اور اب اس کے جذبات کا قاتل...... اس نے دوبدو جواب دیا تھا۔

"ہاں جاؤں گا اس کے پاس جواب لینے مگر اس سے پہلے تم سے پوچھنا تھا۔" تولیہ بستر پر اچھالتے ہوئے شارق نے بڑے غصے سے کہا تھا۔

"پوچھا نہیں الزام لگایا تھا وہ بھی اپنی گندی سوچ کے مطابق......"

"اپنی سوچ کے مطابق نہیں یہ ثبوت تمہارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے...... کیا انکار کرو گی اس ڈائری سے بھی......؟" بستر پر ایک طرف رکھی ڈائری اٹھا کر شارق نے اس کے سامنے لہرائی تو وہ استہزائیہ دیکھے گئی۔

"پڑھ چکی ہوں میں اس کو بھی...... اس میں رضا نے اپنی فیلنگ شیئر کی ہیں۔ وہ کیا سوچتا ہے اس کا قصور ہے میرا حصہ کہاں ہے...... مجھے یہ بتائیں؟ مجھ پر الزام تراشی کیوں؟"

"کوئی بھی مرد ایسے نہیں بہک جاتا۔ عورت کا حصہ کہیں نہ کہیں ہوتا ہے۔ رضا تم سے کم عمر تھا اس کے دل میں یہ احساس کیونکر پیدا ہوا؟ ترغیب زورآور ہو تو جذبے منہ زور ہوتے ہیں۔ اس سے کیا انکاری ہو تم؟" نوریہ کئی پل شارق کو دیکھے گئی۔

"ہاں سچ کہتے ہیں آپ۔ کوئی بھی مرد ایسے تو نہیں بہک جاتا۔ عورت کا حصہ ضرور کہیں نہ کہیں ہوتا ہے جیسے آپ کو ترغیب دینے میں میرا ہاتھ تھا۔ آپ یوں تو نہیں بہکے تھے؟ آپ کو بھی تو میں نے ترغیب دی تھی پھر تو آپ کو نواز فاروق کے سلسلے میں بھی مجھ پر الزام لگانا چاہیے کہ اس کے ساتھ بھی ایک رشتہ تھا جو آپ اور رضا سے بھی مضبوط تھا۔ نواز کیونکر آپ کی باتوں میں آ کر مجھے چھوڑ گیا...... نے رضا کو ترغیب دی تھی کون تھا مجھے روکنے والا...... نواز کے انکار کے بعد میں اس کے لیے آزاد تھی...... واقعی میں نے اُسے ترغیب جو دی تھی۔" آخر میں اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ مسلسل آنسو بہانے سے آنکھیں پہلے ہی سوج چکی تھیں۔ اب پھر آنکھوں میں کیا مرچیں لگنا شروع ہو گئی تھیں۔

"مجھے ان دونوں کے ساتھ نتھی مت کرو۔ میں باکردار عورت کے دھوکے میں یہ تمہارے نیک کردار نے مجھے ترغیب دی تھی۔ میں نے ہر حد پار کی تھی مگر دھوکے باز عورت نہیں۔"

"میں دھوکے باز نہیں ہوں شارق زمان! آپ جیسے شخص ایسے ہی ہوتے ہیں کلی کلی منڈلانے

والے تم جانے نیک اور با کردار عورت کسے کہتے ہیں...... اگر آپ کو نیک اور با کردار عورت کی پہچان ہوتی تو آج میرے سامنے کھڑے اپنے پورے قد سے نہ گر رہے ہوتے۔ مجھ سے بازپرس کرنے سے پہلے معاملے کی چھان بین کرتے مگر......" وہ رک کر آنسو پینے لگی۔ "آپ کے دل میں اب بال آچکا ہے۔ اب میں لاکھ یقین بھی دلاؤں تو بھی خود کو حق پر ثابت نہیں کر سکوں گی۔ میری ذات کے بخیے اُدھیڑنے سے بہتر ہے کہ آپ اپنے دل کی بات کریں کہ یقیناً آپ فیصلہ کر چکے ہیں۔ آپ فیصلے کا کہہ رہے ہیں۔ اب سب کلیئر ہو جائے۔ آپ کریں فیصلہ...... میں بھی آپ جیسے شخص کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ مجھ کو بدکردار ثابت کرنے سے پہلے آپ اپنا کردار بھی دیکھ لیجیے گا۔ مجھے کوئی ملال نہیں ہوگا بلکہ میرے لیے یہ عین خوشی کا مقام ہوگا کہ آپ جیسے ذہنی کمپلیکس کے شکار شخص کو ساری عمر صفائیاں دینے سے بہتر ہے کہ آج ہی فیصلہ ہو جائے۔" اپنی تمام تر کمزوری پر قابو پا کر اس نے بھی دوٹوک بات کی تھی۔

شارق نے اسے کئی پل خاموشی سے دیکھا تھا۔

یہ اس کی شدید محبت کا انجام تھا......

یا اس کی جذباتیت کا......

محبت اسے تھی

نوریہ کو نہیں......

اس نے ایک باوفا' نیک عورت ہی تو مانگی تھی اور قسمت نے اسے کیا دیا تھا...... شارق کو لگا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

"ہاں واقعی اب تو فیصلہ ہوگا اور ضرور ہوگا مگر چھپ چھپا کے نہیں...... پہلے ہر بات واضح ہوگی پھر میں فیصلہ کروں گا مگر یاد رکھنا نوریہ۔ میری اولاد صرف میری ہوگی۔ تم مجھے میری اولاد دینا اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی جانا۔ میں جیسا بھی ہوں مگر بدکردار نہیں ہوں۔ کلی کلی منڈلانے والا ہوں یا نہیں یہ میرا معاملہ ہے مگر جو تمہارا حق تھا وہ تمہیں دیا تھا کسی اور کو نہیں......"

غصے سے کہتے شارق نے ایک طرف پڑے بریف کیس کو اٹھایا تھا اور چپ چاپ کھڑی نوریہ کو دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔

کیا واقعی فیصلہ ہو گیا تھا۔ اتنی جلدی سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ اس شخص سے لاکھ بیزار تھی مگر اس انتہا پر جا کر نہیں سوچا تھا۔

اسے لگا اب اس کے وجود میں موت در آئی ہو۔ آنکھوں میں بہتے آنسو لیے وہ قالین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

◆

زوبار یہ بھابی نے اسے تیار کر دیا تھا۔ اب وہ سمعان احمد کے ساتھ ہاسپٹل جا رہی تھی۔ سارا وہ خاموش رہی تھی۔ ڈرائیونگ کرتے سمعان احمد نے کئی بار اسے دیکھا تھا۔ کئی بار سمعان کی نگاہ اس ہاتھ کی ڈریسنگ پہ پڑی تھی۔ اچانک سمعان کو خیال آیا تو وہ موبائل نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"السلام علیکم......" زرش نے سمعان کو بات کرتے دیکھا اور پھر باہر دیکھنے لگی۔ "ظفر کہاں ہو وقت؟"

"ہاسپٹل؟"

"او کے پھر ٹھیک ہے۔ تمہیں یہی کنفرم کرنا تھا۔ تمہیں ملنے آ رہا ہوں۔ چچا جان کی عیادت کے لیے۔ اچھا باقی باتیں آ کر ہوں گی۔ اللہ حافظ۔"

ہاسپٹل قریب آ چکا تھا۔ سمعان نے موبائل آف کر کے ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا تھا۔ ہاسپٹل قریب آ دیکھ کر زرش ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" سمعان نے دیکھا وہ زخمی ہاتھ پہ لگی پٹی اتار رہی تھی۔ بجائے جواب دینے اس نے پٹی اتار کر شیشے سے باہر اچھال دی تھی۔

"تمہارا زخم کافی گہرا ہے۔ کافی گہرا کٹ تھا۔ بے پروائی سے زخم بگڑ بھی سکتا ہے۔" زرش اب چپ رہی تھی۔

ہاسپٹل آ چکا تھا۔

سمعان نے اس کی چپ پر گہرا سانس لیا۔ یعنی اسے کچھ بھی کہنا سمجھانا فضول تھا۔ گاڑی پارک ہ پر نکلنے سے پہلے زرش نے ٹشو باکس سے کئی لیف نکال کر زخمی مٹھی میں دبالی تھیں۔

سمعان کے ہمراہ جب وہ پاپا کے روم میں داخل ہوئی تو اس وقت ماما ان کے پاس تھیں۔

"السلام علیکم۔" وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" ماما سے یوں ملی گویا برسوں سے بچھڑی ہوئی تھی۔

ماما سے ملتے ہوئے وہ پھر رو دی تھی۔ دھیرے دھیرے آنسو بہتے رہے تھے۔ ماما بڑے ضبط سر سہلاتی رہی تھیں۔

"خوشی کے موقعے پر نہیں روتے بیٹا۔ اب بس کرو۔" ماما نے اسے بڑے سکون سے خود سے

ڈاؤنم

ار پیشانی چومی تھی۔

"خوش رہو آباد رہو۔ اللہ ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔" پاپا لیٹے ہوئے تھے اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھے تھے۔

و ان کے سینے سے جا لگی۔

"خوش ہو نا؟" سمعان کو ساتھ لگا کر پیار کرتی شائستہ بیگم نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ سمعان احمد دھیرے سے مسکرا دیا۔

"بس آپ کی دعائیں ہیں۔"

"جیتے رہو۔"

"کیسے ہیں آپ چچا جان؟" دوسری طرف وہ آ گیا تھا۔ ان کے دائیں کندھے سے زرش لگی بیٹھی رہی تھی۔ بائیں طرف وہ بیٹھا تو سعود احمد نے اسے بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"بہت بہتر ہوں اب تو...... ڈاکٹرز کا ٹریٹمنٹ کافی اچھا ہے پھر تم لوگوں کو دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔ صبح ثنا اور عثمان بھی آ کر مل گئے تھے۔" وہ کافی بشاش تھے۔ زرش نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ان کے سینے سے سر اٹھایا۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"کہہ رہے تھے کہ پرسوں تک فارغ کر دیں گے۔ آگے اللہ کی مرضی......"

"ان شاء اللہ ڈاکٹرز کے ٹریٹمنٹ سے تو میں بھی مطمئن ہوں۔ رات سے ظفر آپ کے پاس ہی تھا۔ پل پل کی رپورٹ دے رہا تھا۔"

"ہاں خاصا مددگار ہے یہ لڑکا بھی۔ ادھر ہی تھا ابھی باہر نکلا ہے۔ تمہاری چچی کہہ رہی تھیں کھانا کھا لیتا مگر کہہ رہا تھا کہ ڈیوٹی شروع ہونے والی ہے۔ تمہاری چچی نے وارڈ بوائے کے ہاتھ ابھی کھانا بھجوایا ہے۔"

زرش کے اندر سکون سا اترتا چلا گیا پاپا کو اس طرح مسلسل بولتے دیکھ کر۔ وہ بہتر تھے اور اب خطرے سے باہر تھے۔ نارمل انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

"شائستہ! بچوں کو کچھ کھانے پینے کو دو۔" باتیں کرتے اچانک خیال آیا تو بیگم سے کہا۔

"کھانا کھاؤ گے یا چائے پیو گے؟" شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

"زرش نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ کھانا کھلا دیں اسے۔" سمعان نے کہا تو زرش نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ پاپا اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہاں بادیہ بتا رہی تھی۔ کافی طبیعت خراب رہی ہے تمہاری۔ اب کیسی ہے؟ بخار تو اب بھی لگ رہا ہے۔" شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"لگ تو نہیں رہا کوئی میڈیسن لی سمعان اس نے؟" سعود احمد بھی متفکر ہوئے تھے۔

"کوئی خاص نہیں۔" زرش نے غصے سے سمعان کو دیکھا۔

"یہ کچھ کھا پی بھی نہیں رہی۔ چچی جان آپ اسے کچھ کھلا دیں پھر کسی ڈاکٹر سے چیک اپ کروا لیتے ہیں۔ اچھا خاصا بخار ہے۔"

"کیا ہے ٹھیک تو ہوں میں۔" اس کی آواز میں خفگی نمایاں تھی۔ دونوں میاں بیوی نے بغور دیکھا تھا۔ سعود احمد نے کچھ کہنا چاہا تو شائستہ بیگم نے منہ پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش کرا دیا تھا۔

"کھانا کھا لو۔ آ جاؤ ادھر۔" انہوں نے ٹرے میں کھانا نکال کر اسے دیا تو بادل نخواستہ اسے اٹھانا پڑا۔

"سمعان! تم بھی آ جاؤ۔" شائستہ بیگم نے کہا۔

"آپ لوگ کھائیں۔"

"چائے دوں؟"

سمعان نے سر ہلا دیا تھا۔ انہوں نے فلاسک سے چائے نکال کر اسے دی تھی۔ زرش کو شائستہ بیگم نے زبردستی کھانا کھلایا تھا۔ کھانے کے بعد انہوں نے سیب کاٹ کر زبردستی کھلائے تو زرش کے منہ کے زاویے بگڑنے لگے تھے۔ سمعان گاہے بگاہے اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کھانا کھا کر فارغ ہوئی تو سمعان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلیں......؟"

زرش نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کہاں......؟"

"گھر......" گھر کا سن کر زرش کا چہرہ ایک دم زرد ہوا تھا۔

"مگر مجھے نہیں جانا ابھی تو......"

"زرش جاؤ گھر شاباش۔ تمہارے پاپا اب بالکل ٹھیک ہیں کیوں سعود؟" شائستہ بیگم نے زرش کی بات کاٹ کر اسے جانے کا حکم دے دیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی وہ تو مطمئن تھی کہ اب وہ اس گھر سے آئی ہے۔ دوبارہ ادھر نہیں جانا پڑے گا مگر......

"ہاں اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ سمعان زرش کا خیال رکھنا۔ ڈاکٹر کو دکھا لینا۔"

"جی ضرور...... آپ بے فکر رہیں۔" سمعان کا وہی پرانا مطمئن پرسکون انداز تھا۔

زرش کے اندر آگ لگی تھی۔ اسے آگ کی وادیوں میں دھکیل کر یہ شخص اتنا پرسکون کیوں ہے بھلا!! ان کے سامنے اس کی ایک بھی نہ چلی تھی۔ ان کے روم سے نکلتے ہوئے اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ کمرے سے نکلتے ہی اس کے ہاتھ میں پکڑے ٹشو جو خون دوبارہ رسنے سے بھیگ چکے تھے۔ ایک طرف پھینکے تھے۔ اس وقت اس کے اندر سب کچھ تہس نہس کر دینے کی تحریک اٹھ رہی تھی۔ سمعان اس کے آگے چل رہا تھا۔ براؤن چادر میں وہ اس کے پیچھے جا رہی تھی۔ اس وقت زرش کا جی چاہ رہا تھا کہ کہیں بھی غائب ہو جائے کہ اسے دوبارہ اس گھر میں نہ جانا پڑے۔

راہداری کے اختتام پر سمعان رک گیا تھا۔ جواباً زرش کو بھی رکنا پڑا تھا۔

"ظفر اپنے روم میں ہی ہے۔ چلو آؤ چیک اپ کروا لیتے ہیں۔"

"مگر مجھے نہیں کروانا۔"

"بری بات۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت خاصی خراب ہو چکی ہے۔" سمعان کا پرسکون انداز ایسا تھا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

"میں نے آپ سے کہا ہے ناں کہ میری پرواہ مت کریں میں......"

"چلو آؤ۔" سمعان نے اس کی بات مکمل ہی نہیں ہونے دی تھی۔ ہاتھ تھام کر چلنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ مجھے نہیں جانا کسی کے پاس۔"

راہداری میں گزرتے کئی لوگوں نے پلٹ کر دونوں کو دیکھا تھا مگر سمعان احمد کو جیسے پرواہ ہی نہ تھی۔

ڈاکٹر ظفر کے روم کے سامنے جا کر ہی دم لیا تھا۔

زرش کو رونا آنے لگا۔

"السلام علیکم۔" اندر داخل ہو کر سمعان نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

ڈاکٹر ظفر دونوں کو دیکھ کر فوراً آگے بڑھا تھا۔ (سب چھوڑ چھاڑ کر)

"وعلیکم السلام! ویری گڈ زرش بھابی بھی ہیں۔ کیسی ہیں آپ؟"

زرش غصے سے ویسے ہی اکڑی رہی۔

"انکل سے ملنے آئے تھے تم لوگ؟" زرش کی طرف سے جواب نہ پا کر اس نے سمعان سے پوچھا تھا۔

"ہوں...... زرش کی طبیعت خراب ہے۔ ذرا چیک کر لو بخار ہے۔"

"اوہ۔ کیا ہوا؟ زیادہ تو خراب نہیں۔" اس نے فوراً زرش کو دیکھا۔ "آئیں ادھر بیٹھیں۔" ڈاکٹر ظفر نے مریضوں والی مخصوص چیئر کی طرف اشارہ کیا تو وہ بادل نخواستہ جا بیٹھی۔

ٹمپریچر اور بی پی چیک کر کے اس نے میڈیسن تجویز کر دی تھی۔

"ٹینشن اور کمزوری ہے بس۔ میڈیسن لیں دودھ وغیرہ استعمال کریں۔ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" وہ لب بھینچے اس کی ہدایت سنتی گئی تھی۔

"ذرا ذرا ہاتھ بھی چیک کر لو۔" ٹیبل کے دوسری جانب رکھی چیئر پر بیٹھے سمعان نے کہا تو زرش نے گھورا۔

"کیا ہوا ہے؟" ڈاکٹر ظفر نے سمعان کو دیکھا اور پھر اسے۔

"کچھ نہیں ہوا۔" خفگی بھرپور تھی مگر سمعان کی طرح ڈاکٹر ظفر کو بھی پرواہ نہیں تھی۔

"بھئی ہاتھ دکھائیں۔" مجبوراً اسے اپنا بایاں ہاتھ اس کے سامنے کرنا پڑا تھا۔

"ارے یہ تو بڑا گہرا کٹ ہے۔ کیسے لگ گیا؟" اس نے زرش کے ساتھ ساتھ سمعان کو بھی دیکھا۔

"ہو گیا تھا...... بس ویسے ہی لگ گیا تھا۔ تم ڈریسنگ کروا دو ذرا۔" سمعان کے کہنے پر ڈاکٹر ظفر نے نرس بلوائی تھی۔

لنونم

"ان کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دیں۔ ذرا دھیان سے۔"

"آیئے۔" وہ اسے پردے کے دوسری طرف رکھے بینچ پر لے گئی تھی۔

"زرش کا کیا ری ایکشن ہے؟" ڈاکٹر ظفر نے سعمان کا سنجیدہ و پرسکون چہرہ دیکھا۔

"جیسا ان حالات میں ہونا چاہیے۔ حیرت تو مجھے تب ہوتی اگر اس کے برعکس وہ پرسکون انداز اپنا
کرتی۔ بالکل حالات پر مبنی نیچرل انسانوں والا ری ایکشن ہے۔" سعمان کے انداز میں فرق نہیں آیا تو

"اور تمہارا......؟" جس طرح سعمان نے بمشکل رضامندی دی تھی اس سے بھی ڈاکٹر ظفر کچھ مطمئن نہ
تھا مگر اب زرش کے ساتھ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ اتنا مطمئن و پرسکون انداز......؟

"کیسا لگ رہا ہے؟" الٹا سعمان نے سوال کر ڈالا تھا۔

"بہت اچھا۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ ان شاء اللہ سب حالات سنور جائیں گے۔ میں تو سعد کو دعائیں دیتا
ہوں۔ تمہاری تو سن لی گئی ہے۔" وہ اب مذاق کر رہا تھا۔ ڈریسنگ کروا کر قریب آتی زرش نے ڈاکٹر ظفر کا
جملہ سنا تھا۔ اس کے اندر آگ پھر بھڑک اٹھی تھی۔

"ہو گئی ڈریسنگ؟" زرش چپ ہی رہی تھی۔

"اوکے یار چلتا ہوں۔ رات کو ملاقات ہوگی۔ ضرور آنا فنکشن میں۔" سعمان اٹھ کھڑا ہوا تو ظفر
کھڑا ہو گیا۔

"کیا ولیمہ کی تقریب آج ہی ہے؟"

"نہیں۔ فی الحال تو نہیں۔ ہاں خوشی کا ولیمہ طے ہے۔ ضرور آنا پھر بات ہوگی۔" زرش سعمان کا انتظار
کیے بغیر باہر نکل گئی تھی۔

واپسی کے راستے میں وہی خاموشی تھی۔ ہاں البتہ جیسے ہی مین روڈ سے گاڑی ٹرن لینے لگی تھی وہ
الرٹ ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے گھر جانا ہے۔"

"ہم گھر ہی جا رہے ہیں۔"

"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔"

"تو کون کہتا ہے وہ تمہارا گھر نہیں؟"

"پلیز! مجھے آپ کے ہاں نہیں جانا۔ ماما کے ہاں جانا ہے۔ آپ مجھے ادھر لے کر جائیں۔ مجھے
نہیں جانا۔" سعمان نے گہری سانس لی تھی۔

"اگر میں نہ لے کر جاؤں تو......؟" سعمان نے اسے دیکھا۔ بھابی کے میک اپ کرنے کے با
اس کے بائیں رخسار پر ان کی انگلیوں کے نشان کی سرخی برقرار تھی۔ براؤن چادر میں لپٹی خوب
چہرے پر میک اپ کی تہہ اور بخار کی سرخی نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا۔

"تو پھر آپ گاڑی روکیں میں خود چلی جاؤں گی۔" اس کا انداز اٹل تھا۔ سعمان نے گہرا سانس لیا

دوئم

تھوڑا سا آگے جا کر گاڑی کو ٹرن بیک دیا تھا۔ اپنے گھر کی طرف گاڑی جاتے دیکھ کر وہ اندر ہی اندر
مطمئن ہو گئی تھی۔ گاڑی جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوئی تھی وہ تیزی سے دروازہ کھول کر نکلی تھی۔ بھاگتے
ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ قید سے چھوٹی ہے۔

"آپا...... ہادیہ آپا...... یاسمین۔" اس کی آوازوں پر سب فوراً سامنے آ گئے تھے۔ ہادیہ کے ساتھ پھپھو
ادھر ہی تھیں۔

"ارے زری تم......"

"آپا......" وہ بھاگ کر ان سے لپٹی تھی۔ "مجھے گھر یاد آ رہا تھا۔" آپا کے بعد پھپھو سے ملتے وہ ایک دم
پرسکون ہو گئی تھی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟" ہادیہ کے سوال پر جواب کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ سعمان کو اندر داخل
ہوتے دیکھ کر لب سی گئی تھی۔

سعمان کو سب سے ملتے دیکھ کر وہ چپکے سے وہاں سے نکلی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر اپنے بستر کو دیکھ کر
اس کا جی چاہا کہ لمبی تان کر سو جائے۔ بڑے دنوں کی نیند ایک بار ہی لے لے یا پھر ہمیشہ کی نیند...... چادر
بستر پر ڈال کر وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ فیروزی لباس میں اس کا خوب صورت تراشا ہوا سراپا
مزید اجاگر ہو گیا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ اور جیولری میں چہرہ دمک رہا تھا۔ اس نے تو دونوں سے اپنے
آپ کو آئینے میں دیکھا تک نہ تھا۔ کل بیوٹیشن نے تیار کرتے وقت کتنا کہا تھا مگر جی ہی مر گیا تھا۔ کل کے
واقعات کو یاد کر کے اس کی آنکھیں پھر گیلی ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ لائٹ آف کر کے بستر پر آ لیٹی تھی۔
بائیں ہاتھ میں کتنا درد ہو رہا تھا مگر وہ چپ چاپ لیٹی رہی۔ آنکھوں پر بازو رکھے چت انداز میں......
کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا تو نیند میں ڈوبا اس کا ذہن الجھا۔ کلون کی مخصوص خوشبو اسے وحشت
زدہ سی کرنے لگی تھی مگر وہ لب بھینچے ایک دم اذیت سے آنکھوں میں آ جانے والی نمی اور سسکیوں کو روکتے
آنکھوں پر بازو رکھے سونے کا تاثر دیتی پڑی رہی تھی۔

سعمان احمد نے چند پل اسے دیکھا۔ وہ بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی مگر پاؤں کی جنبش صاف بتا رہی
تھی کہ کیا ارادہ ہے...... سعمان نے تاریکی میں آہستہ سے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ بستر پر اس کے
قریب بیٹھ کر سعمان نے ایک دو پل اسے دیکھا۔

"زری......" اس پکار میں دل کی تمام شدتیں در آئی تھیں۔ تمام جذبے سمٹ آئے تھے۔ سعمان نے
آہستگی سے اس کا بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا تو اس کی بھیگی آنکھیں، کاجل کی دھار کی لیے ہیروں کی
طرح دمکتی نگاہیں سعمان کی نگاہوں سے ٹکرا کر پلٹ گئی تھیں۔ گویا سعمان احمد کے دل کی دنیا ہی پلٹ گئی
تھی۔

"زری......" اس نے کروٹ بدل کر اٹھنا چاہا تھا مگر سعمان نے اس کے دوسری طرف ہاتھ رکھ کر اس
کی فرار کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی...... سعمان احمد کے جذبوں نے اسے سنبھلنے
کا نہ دیا تھا۔ جھک کر اس کی صبیح پیشانی کو چھوا تھا۔ سعمان نے اپنا استحقاق جما دیا تھا۔ وہ تو کئی پل تک

ششدر سی پڑی رہ گئی تھی۔

سمعان نے اس کے چہرے پر اپنی انگلیاں پھیریں تو وہ ہوش میں آئی تھی۔ ایک دم سمعان کے بازو ہٹاتے ہوئے وہ دوسری سائیڈ سے بستر سے اتر گئی تھی۔ اس کی آواز گنگ ہو گئی تھی۔ بستر پہ پڑی چادر اٹھا کر اپنے کندھوں پر ڈالی۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رخ موڑ کر کھڑی وہ سسک اٹھی تھی۔

"زری......" اٹھ کر سمعان اس کی طرف آیا بھی تو وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"آپ چلے جائیں پلیز۔ مجھے نہیں جانا آپ کے اس گھر میں۔ اگر آپ نے میرے ساتھ کوئی سختی کی تو میں اپنی جان دے دوں گی مگر وہاں نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں......" رونے کے باوجود اس کے لہجے کی سختی برقرار تھی۔

"اب وہی تمہارا گھر ہے۔" سمعان نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"میں نہیں مانتی۔" وہ چیخی تھی۔ سمعان نے بغور اسے دیکھا۔ وہ اٹل ارادے لیے کھڑی تھی۔ سمعان کی پیش قدمی بھی بے کار گئی تھی۔ اپنے رشتے کا خوب صورت استحقاق بھی کسی کام نہ آیا تھا۔ سمعان سختی سے اسے لے جا سکتا تھا۔ کوئی مشکل نہ تھی مگر سمعان احمد کو سختی کرنا زیب نہ تھا۔

"او کے ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو۔ میں ہادیہ کو کہہ دیتا ہوں۔ وہ تمہیں میڈیسن کھلا دے گی۔ میں شام کو آؤں گا۔ نوشی کے ولیمے کے لیے چلنا ہوگا۔" وہ چپ رہی تھی۔ سمعان نے اس کے چہرے پر اک بھرپور نگاہ ڈالی تھی۔ سمعان کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کیا تھا۔ دوبارہ بستر پر گرتے ہی اس کے آنسو پھر بہہ نکلے تھے۔

* * *

وہ نوریہ کو چھوڑ کر گھر آیا تو بہت الجھا ہوا تھا۔

نواز فاروق کے منہ سے شارق کے متعلق سب جان کر بھی وہ اپنی آنکھوں سے شارق کا نوریہ کے ساتھ رویہ دیکھ کر شاک میں آ گیا تھا۔ دل کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ شارق زمان ذہنی طور پر اس قدر قدامت پرست اور بیمار سوچ کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا تھا' اسے غلط سوچا تھا۔ رضا حمید کی نوریہ کے گھر میں اس کے ساتھ موجودگی نوریہ کی زندگی مشکل بنانے والی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ اگر جانتا ہوتا تو کبھی وہاں نہ جاتا۔ نوریہ کو خالدہ چچی کے ہاں ہی چھوڑ کر آ جاتا۔ شارق کے رویے اور پھر اس کی گھٹیا سوچ نے اسے بڑا دل گرفتہ بنا دیا تھا۔ نوریہ جیسی اعلیٰ اوصاف و کردار کی مالک لڑکی رُل گئی تھی۔ اس کے دل کا ملال بڑا گہرا تھا۔

وہ ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا مگر گھر میں قدم رکھتے ہی پہلا سامنا رمشاء سے ہوا تھا۔

"اتنی دیر لگا دی۔ تم تو نوریہ جی کو چھوڑنے گئے تھے۔" اس نے راہداری میں ہی اسے روک لیا تھا۔

"تم سے مطلب......؟"

"تم جتنے بھی ہاتھ پاؤں مار لو مگر افسوس تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آنے والا۔ یہ مت بھولو نوریہ اب کسی اور کی بیوی ہے۔" وہ استہزائیہ دیکھتے باور کروا رہی تھی۔ نوریہ کے معاملے میں کتنا حساس تھا اب بھی ایک پل میں بھڑک اٹھا تھا۔

"تم اپنی بکواس بند کرو۔ نوریہ کا نام مت لیا کرو۔"

"کیوں...... اتنی تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ وہ تمہاری جاگیر تو نہیں جو اس کا نام لینا منع ہے۔ سچ کہتی ہوں تو تکلیف ہوتی ہے تمہیں۔ اب بھی اس کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اب بھی تمہیں اپنی اس آپا کے درد اٹھتے ہیں اور وہ کیوں ہمارے گھر آئی تھی۔ میں اب تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ صرف تمہیں ہی اس کا درد مار رہا ہے مگر علم نہ تھا وہ نیک نامی کا کھیل رچائے تمہیں الو بنا رہی ہے۔" وہ بغیر کوئی لحاظ و مروت کیے غصے سے گویا تھی۔

"شٹ اپ۔" رضا کا جی چاہا کہ پل میں اسے ختم کر دے۔ "اب تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔ ایک دم آواز خاصی اونچی ہو گئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ......؟ کیوں شور کر رہے ہو تم دونوں؟" زبیدہ بیگم فوراً وہاں آئی تھیں۔ انہوں نے ناسمجھی میں دونوں کو دیکھا۔

"کچھ نہیں دماغ خراب ہو رہا ہے۔ اس کا اور کچھ نہیں۔" اس نے غصے سے کھا جانے والی نگاہوں سے رمشاء کو دیکھا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہوا تمہارا اور تمہاری اس پاک دامن آپا کا خراب ہوا ہے۔ ایک شوہر کم تھا اسے جو تمہیں بھی اپنی اداؤں سے الجھا رہی ہے۔" وہ بھی دوٹوک بولی تھی۔

"بکواس بند کرو۔" ماں کے سامنے رمشاء کی یہ گوہر افشانی' اس نے طیش سے اسے تھپڑ کھینچ مارا تھا۔

"رضا!" زبیدہ بیگم نے ششدر انداز میں اسے ٹوکا۔

"امی اسے باز رکھیں ورنہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔" اس کا انداز ایک دم بپھرا ہوا تھا۔

"کیوں سچ اتنا کڑوا لگ رہا ہے تمہیں۔ تم تو اسے صرف خالدہ چچی کے ہاں چھوڑنے گئے تھے پھر وہاں سے اس کے گھر کیا لینے گئے تھے۔ اتنی دیر لگا کر اس کے ساتھ وقت گزار کر نہیں آ رہے۔ کیا جھوٹ ہے یہ۔" بغیر ڈرے بلکہ تھپڑ کھا کر مزید آتش فشاں ہو گئی تھی۔

"میں منہ توڑ دوں گا تمہارا۔" وہ طیش سے اس کی طرف بڑھا مگر زبیدہ بیگم نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے تم دونوں کو؟ کیوں پاگلوں کی طرح لڑ رہے ہو؟"

"اسی سے پوچھیں اپنی اس لاڈلی بھتیجی سے؟"

"رمشاء! کیا بات ہے؟" انہوں نے اب رمشاء کو دیکھا جو سرخ رخسار پہ ہاتھ رکھے کینہ توز نظروں سے رضا حمید کو گھور رہی تھی۔

"بات بہت صاف اور واضح ہے۔ نوریہ اس گھر میں کیوں آئی تھی۔ وہ شادی شدہ ہو کر اسے بے وقوف بنا رہی ہے۔ میں نے صرف اتنا ہی کہا ہے اور یہ مجھے مرنے مارنے پر تل آیا ہے۔"

"امی...... امی! اسے کہیں کہ اپنا منہ بند رکھے۔" وہ پھر بپھر اٹھا۔

”رمشاء! نویرہ کے بارے میں تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔“ انہوں نے اسے ہی ٹوکا تھا۔

”چاہے وہ سچ ہی کیوں نہ ہو......“ رمشاء کا انداز زہرخند تھا۔

”دیکھا امی! یہ بکواس کر رہی ہے مسلسل...... جان بوجھ کر بیان بازی......“

”اچھا چپ کرو۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔ وہ کم عقلی کر رہی ہے تو تم تو ہوش کے ناخن لو۔ خوامخواہ کا ایشو بنا رہے ہو۔“ امی کے بار بار کہنے پر وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

نجانے انہوں نے کیا سمجھایا تھا کہ کھانے کے بعد زبیدہ بیگم البتہ اس کے پاس ٹی وی لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ حمید صاحب گھر پر نہیں تھے۔ وہ اپنے کسی دوست کے پاس سرگودھا گئے تھے۔

”نویرہ کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ ہے؟“ انہوں نے بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔

”امی! آپ بھی اس کم عقل کی باتوں میں آ گئی ہیں۔“ وہ بے یقین تھا۔

”نہیں میں کیوں آنے لگی۔ وہ مسلسل ایک ہی بات کہہ رہی ہے کہ نویرہ تمہیں بہکا رہی ہے۔ نویرہ کس مزاج کی ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں مگر رمشاء کو کیسے سمجھاؤں؟ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے۔ نویرہ اب تنہا نہیں' شادی شدہ زندگی گزار رہی ہے۔ کل کو بچہ اس کی گود میں ہو گا۔ تم سے کھل کر یہ بات اس لیے کر رہی ہوں کہ خدانخواستہ رمشاء کسی اور کے سامنے غصے میں ایسی کوئی بھی بات کہہ دے تو کوئی اونچ نیچ بھی ہو سکتی ہے۔ شارق کس مزاج کا انسان ہے وہ بھی تم سے چھپا نہیں ہے۔ اپنی ماں اور بہنوں کی زندگیوں سے وہ بڑا ادھار کھاتا ہے۔ غصے کا تیز ہے اور جذباتی بھی اور بیوی سے متعلق کوئی بھی شخص ایسی ویسی کوئی بات نہیں سنتا۔ بہتر ہے تم اپنے آپ کو بدلو سمجھاؤ خود کو۔ رمشاء سے تمہارا جو رشتہ ہے اسے قبول کرو۔“ انہوں نے ٹھنڈے انداز میں اسے سمجھانا چاہا تھا۔ ان کی آخری بات پر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

”ہرگز نہیں۔ نویرہ سے متعلق میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ شادی شدہ ہیں۔ یہ رمشاء کا ذہنی کمپلیکس ہے جو وہ بات کو غلط رخ دے رہی ہے۔ محض اپنی ذہنی گندگی کی وجہ سے اور یہ امید مت رکھیے گا کہ میرا اس سے کوئی رشتہ ہے۔ میں مر کر بھی اسے اپنی زندگی میں شامل نہیں کروں گا۔“ اس نے اٹل انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

”تو رمشاء بھی بڑی ضدی اور جذباتی ہے۔ اس نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ اگر کبھی اس نے کسی اور کے سامنے ایسی ویسی کوئی بات کہہ دی تو نویرہ بے چاری تو بے موت ماری گئی نا؟“

”دماغ خراب ہے اس کا اور کچھ نہیں......“

”جذباتیت سے مت سوچو۔ میں چاہ رہی ہوں کہ یہ منگنی باقاعدہ ہو جائے تو رمشاء کا دماغ بھی پرسکون ہو جائے گا۔“

”ہرگز نہیں۔ ایسا سوچیے گا بھی نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔“ اس نے دھمکی دی تھی۔

”تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ تمہاری جذباتیت نویرہ کو رسوا کر دے گی۔ رمشاء نے بھی بتا دیا ہے کہ اگر تم نے اس رشتے سے انکار کیا تو وہ شارق زمان کو تمہارے بارے میں سب بتا دے گی۔“

امی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر پہلے تو وہ چپ چاپ دیکھے گیا پھر غصے سے اٹھ کر وہ کمرے سے نکلنے لگا تو اس کے تیور اتنے جارحانہ تھے کہ زبیدہ بیگم نے دہل کر اس کا راستہ روکا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

”آپ راستے سے ہٹیں۔ یہیں ابھی کلیئر کروں گا اس سے اس سارے ڈرامے کا مقصد کیا ہے آخر؟ ہائے تو بھی کسی دن میں گلا دبا دوں گا اس کا۔“

”اف رضا! تمہارا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے اور اس کا بھی۔ چپ کر کے ادھر بیٹھو میں اسے خود دیکھ لوں گی۔“ انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے دوبارہ صوفے پر دھکیلا تھا۔

”پھپھو اسے سمجھا دیں اگر اس نے رشتے سے انکار کیا تو خدا کی قسم میں پھر جو کروں گی یہ خود دیکھے گا۔“ رمشاء ایک دم لاؤنج میں آ کر بولی تھی۔ رو رو کر آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

”جاؤ جو بھی کرنا ہے کر لو۔ میں بھی دیکھتا ہوں تمہاری گھٹیا سوچ کہاں تک جاتی ہے۔ رہی نویرہ کی بات تو اب میرا تم سے وعدہ ہے۔ وہ اب اس گھر میں آئے گی میری بیوی کی حیثیت سے دیکھنا تم......“

وہ بھی غصے سے گویا تھا۔ جذبات میں یہ بھی ہوش نہ تھا کہ وہ کیا کہہ چکا ہے۔ ہوش تو تب آیا جب زبیدہ بیگم کا بھرپور تھپڑ اس کے گال پر پڑا تھا۔

”تمہیں شرم نہیں آئی یہ بات کہتے ہوئے۔ وہ کسی کی بیوی ہے ہوش کرو تم۔“ غصے اور صدمے سے ان کی آواز پھٹ گئی تھی۔

”اس انتہائی سوچ تک مجھے یہ لے کر گئی ہے۔ اسے ہوش کروائیں۔ اب تو یہ ہو گا جس نے جو بھی کرنا ہے وہ کرے۔ نویرہ کو درمیان میں لائی ہے۔ وہ اب ساری عمر درمیان میں رہے گی۔“ جذباتیت کی انتہا تھی۔ زبیدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ رمشاء بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی تو رضا اسے کینہ توز نظروں سے گھورتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

اسے رہ رہ کر رمشاء کے الفاظ یاد آ رہے تھے اور جواباً اپنا شدید ردعمل بھی۔

”رمشا بی بی! تم نویرہ کو درمیان میں لا کر اچھا نہیں کر رہیں اب دیکھنا میں نویرہ کو اپنی زندگی میں کیسے شامل کرتا ہوں۔ میرا وعدہ ہے تم سے۔ اسے نویرہ رضا حمید کے طور پر تمہارے سامنے نہ لایا تو کہنا۔“

جلا بھنا سوچ رہا تھا اس کے ذہن کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

نہایت دیوانگی میں اس نے اپنی اسٹڈی دراز سے اپنی ڈائری نکالی تھی۔ اس ڈائری میں اس نے اپنی جذباتی کیفیت کے ایک ایک لمحے کو رقم کیا تھا۔ نویرہ کے تصور سے لپٹ کر کئی خوابوں کو روشن کیا تھا۔ کئی عہد کیے تھے اور کئی ایفاء ہوئے تھے۔ نویرہ کی اتنی تصویریں اس ڈائری میں جمع تھیں مگر اب اس کا ذہن جو سوچ رہا تھا اس پر عمل کرنا قطعی مشکل نہ تھا۔

اس نے جو بھی پلان کیا تھا وہ انتہائی گھٹیا تھا مگر وہ رمشاء کی نفرت میں اب کسی بھی حد تک جائے گا۔ یہ اس نے اب سے طے کر لیا تھا۔

اس کی آنکھ سے ایک آنسو چپکے سے بہہ نکلا تو اس نے انگلی سے جھٹک دیا کہ اب اپنا دل پتھر بنانا تو طے تھا۔

* * *

ہادیہ آپا نے اسے میڈیسن کھلا کر سلا دیا تھا۔ عصر کے قریب انہوں نے ہی آ کر اسے اٹھایا تو اس کی آنکھ کھلی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا کر ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ آپا اسے بیوٹیشن کے پاس لے جانے کو کھڑی تھیں۔ رات نوشی کے ولیمے کا فنکشن تھا۔ سارا خاندان مدعو تھا۔ ماما گھر آ چکی تھیں۔ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی گو براہِ راست اس سے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کے زخمی ہاتھ کو دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔

"یہ زخم کیسے لگا؟ پٹی کیوں کروائی ہوئی ہے؟" انہوں نے پوچھا تھا۔

"بس ویسے ہی۔" وہ نگاہیں چرا گئی تھی۔

"زرش! ادھر میری طرف دیکھو۔ تم نے کوئی جذباتیت تو نہیں دکھائی۔" انہیں اس کی جذباتیت پہ شاید امید تھی۔

"کہا نا پھل کاٹتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔"

انہوں نے ایک دو پل اسے دیکھا تو وہ پزل ہونے لگی۔

"اتنا گہرا زخم نہیں ہلکا سا ہے۔" اس نے مزید کہا تو انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"ادھر کیوں آئی تھیں؟ سمعان کے ساتھ گھر کیوں نہیں گئیں؟" اب کے انہوں نے براہِ راست پوچھا تو وہ چپ رہ گئی۔

"میرا دل نہیں چاہا وہاں جانے کو......"

"زرش! جو ہو چکا ہے اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ میرے بچے اس طرح زندگی نہیں گزرتی۔ بلکہ مشکل ہو جائے گی۔ ہم بھی تو برداشت کر رہے ہیں۔ اس انتہا پر آ کر رشتہ قبول کرنا تمہاری شادی کا ہمارے دل پر گزری ہے۔ کوئی نہیں جانتا مگر دل میں اب پچھلی باتوں کے حوالے رکھے تو پھر زندگی نہیں گزرنے والی۔ میرا بیٹا تمہیں سب بھولنا ہوگا۔ اپنے لیے ہمارے لیے۔" ان کے دھیمے لہجے پر وہ نروس ہو گئی تھی۔

"بہت مشکل ہے ماما یہ برداشت کر لینا۔ کچھ بھی نہیں بھولتا جس گھر میں مجھ پہ بہتان بازی کی گئی ہو جس شخص کے حوالے سے اس کے نام پر دوبارہ اس گھر میں جانا برداشت نہیں ہو رہا۔ دل چاہ رہا ہے موت آ جائے۔" وہ پل میں جذباتی ہو گئی تھی۔ شائستہ بیگم کی گود میں سر رکھے وہ خوب روئی تھی۔

شائستہ بیگم اسے کئی طرح سے سمجھاتی رہی تھیں۔ زندگی کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتی رہی تھیں۔ اتنا رشتے کے حوالے سے اسے سب برداشت کرنے کی تلقین کرتی رہی تھیں۔ وہ آنسو بہاتی سب سنتی رہی مگر دل کچھ بھی ماننے کو تیار نہ تھا۔

ہادیہ آپا اسے پارلر لے گئی تھیں۔ وہیں سے انہیں سیدھا ہوٹل پہنچنا تھا۔ پارلر سے انہیں طاہر بھائی نے پک کیا تھا۔ ولیمے کی تقریب کافی شاندار رہی تھی۔ نوشی عفان کے ساتھ کافی خوش لگ رہی تھی۔

نگاہ جب بھی نوشی کے چمکتے مسکراتے چہرے پر پڑی اس کے دل سے اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا نکلی تھی۔ وہ سارا وقت ماما کے ساتھ ہی بیٹھی رہی تھی۔ تایا ابو کی ساری فیملی شامل تھی۔ سوائے طاہرہ کے۔ سارے وقت میں اسے سمعان ایک دو دفعہ ہی نظر آیا تھا۔ ایک دفعہ ڈاکٹر ظفر کے ساتھ تو دوسری دفعہ عفان بھائی کے ہمراہ۔ سعود احمد کی طبیعت کل سے بہتر تھی سو ڈاکٹر نے انہیں کچھ وقت کے لیے ولیمے میں شرکت کی اجازت دے دی تھی۔ جمال ماموں کے ہمراہ وہ وہاں آئے تھے۔ پاپا کے کہنے پر وہ بھی نوشی کے ساتھ اسٹیج پر آ بیٹھی۔

"سمعان کدھر ہے؟ مجھے ملا نہیں...... کیا وہ نہیں آیا؟" ان کی نگاہیں سارے ہال میں گردش کر رہی تھیں۔ آخر نہ پا کر انہوں نے عثمان بھائی سے پوچھا۔

"باہر ہے بلواتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد ہی سمعان چلا آیا تھا۔ بلیک کوٹ سوٹ میں اپنی شخصیت کی تمام تر وجاہت سمیٹے وہ نمایاں تھا۔ چچا سے بڑی گرمجوشی سے ملا تھا۔

وہ نوشی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ سعود احمد انہوں نے ایک طرف ہو کر سمعان کو زرش کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ دی تھی۔ اپنی دونوں بیٹیوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر بڑا اطمینان سا تھا۔ پچھلے دو دن جس طرح قیامت خیز تھے ان کے برعکس اس وقت وہ بڑے ہی پرسکون اور مطمئن تھے۔

کھانے کے بعد فوٹو سیشن چلا تو بھی سعود احمد بڑے پرسکون تھے۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" فوٹو سیشن کے بعد ذرا اسٹیج پر رش کم ہوا تو سمعان نے اسے دیکھا۔

آف وائٹ اور گولڈن کام سے مزین فراک اور پاجامے میں خصوصی آرائش و زیبائش لیے آنکھوں کو کافی خیرہ کن لگ رہی تھی۔ صبح کے برعکس اس وقت کافی کمال لگ رہی تھی۔ سمعان کو تو یہی لگا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس کے دوسری طرف نوشی اور ساتھ ہی عفان تھے۔ باقی سب ارد گرد تھے۔ اس وقت اسٹیج پر وہ چاروں ہی تھے۔ سعود احمد جمال ماموں کے سہارے اسٹیج سے اتر کر دیگر مہمانوں سے مل رہے تھے۔

"پیاری لگ رہی ہو۔" دھیمے لب و لہجے میں کہی گئی اس تعریف پر اس کے رخسار سرخ ہوئے تھے۔ سمعان احمد کے ساتھ رشتہ بدلا تھا۔ وہ لاکھ نہ مانتی مگر یہ اٹل حقیقت تھی جسے اب کوئی جھٹلا نہیں سکتا تھا۔

"ہاتھ کا زخم اب کیسا ہے؟" سمعان نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ پٹی اب پھر اتر چکی تھی۔ ہاں زخم کی جگہ ضرور دبا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" مختصر جواب تھا۔ اتنے مہمانوں کی نگاہیں ان پر تھیں۔ جواب دینا مجبوری تھی۔

"کیا بات ہو رہی ہے؟" نوشی نے ان دونوں کو دیکھا تو مسکرا کر پوچھا۔

"تمہاری تعریف کر رہے ہیں۔" سمعان کے برجستہ انداز پر وہ جھینپی تھی۔

"عفان کے ساتھ جوڑی کافی سیٹ ہے۔"

"نظر نہ لگا دینا۔" عفان بھائی فوراً بولے تو زرش کے ہونٹ بھی مسکرا اٹھے تھے۔

"میری نظر کسی کو نہیں لگتی۔ بے فکر رہو۔"

"خیر جوڑی تو تم دونوں کی بھی بڑی پرفیکٹ اور پیاری لگ رہی ہے۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ دولہا دلہن ہم نہیں تم دونوں ہو۔ دیکھ نہیں رہے کیسے سب مہمان صرف تم دونوں کو ہی دیکھ رہے ہیں۔ بے شک یہ ولیمے کی تقریب ہم دونوں کے اعزاز میں ہے۔" عفان بھائی کے تبصرے پر وہ چاروں ہنس دیے تھے۔

"بڑی ہنسی نکل رہی ہے دیور جی۔ خیریت ہے نا۔" ستارہ باجی کہاں چوکنے والی تھیں۔ فوراً [illegible] تھیں۔

"آپ کی برائیاں ہو رہی تھیں۔"

"تم سے مجھے اس سے بہتر کی امید بھی نہیں۔" عفان کے چڑانے پر وہ چڑ بھی گئی تھیں۔

"مذاق کر رہے ہیں۔" توشی فوراً صفائی میں بولی تو ستارہ کے ساتھ عفان اور سمحان دونوں ہی ہنس دیے تھے۔

"جانتی ہوں۔"

"دیکھ لیں۔ کیسی اپنی دیورانی ڈھونڈی ہے۔ ابھی سے آپ کے حق میں ہے۔ ہمارا تو اللہ ہی حافظ ہے۔" عفان کا انداز دہائی دینے والا تھا۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ ہر طرح کی لگائی بجھائی سے پاک دیورانی ہے میری۔ ایسی کوئی اور لڑکی کہیں سے ڈھونڈ کر لاتے۔"

"ہاں تو اسی لیے فوراً شادی کروالی ہے۔" ان دونوں کی نوک جھونک سے زرش مسکراتی رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پاپا ماموں کے ساتھ واپس ہاسپٹل چلے گئے تھے۔ رات بارہ بجے کے قریب مہمان رخصت ہونا شروع ہو گئے۔ توشی اور عفان نے رسم کے تحت شائستہ بیگم کے ساتھ جانا تھا۔ تایا کی فیملی بھی جانے کو تیار تھی۔

"چلو زرش بھائی صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ رات کافی ہو رہی ہے۔ اب چلنا چاہیے۔"

"مگر مجھے ادھر نہیں جانا۔" جھٹکے سر سے اس نے سختی سے انکار کیا تو شائستہ بیگم نے اسے بغور دیکھا۔

"شادی کے بعد سسرال کا گھر ہی اس کا اصل گھر ہوتا ہے۔ ولیمے کی ابھی کوئی باقاعدہ رسم نہیں ہوئی تب تک تمہیں ادھر ہی رہنا ہوگا۔" انہوں نے سمجھانا چاہا تھا۔

"آپ منع کر دیں۔ وہ چلے جائیں میں ادھر نہیں جاؤں گی۔"

"زرش! بچوں والی باتیں مت کرو۔ میں نے تمہیں کتنا سمجھایا ہے پھر وہی بات......"

"آپ مجھے مجبور مت کریں پلیز ماما۔" اس نے التجائیہ آنکھوں سے شائستہ کو دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے شائستہ اور یہ زرش کیوں رو رہی ہے؟ کیا ہوا ہے زری بیٹا؟" تایا ابو چلے آئے تھے۔

"کچھ نہیں میں بس زرش کو لے کر آتے ہی والی تھی؟" انہوں نے ٹالا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی ماما! آپ مجھے مجبور مت کریں۔" آنکھیں صاف کر کے اس نے

نم آواز میں کہا تو سعید احمد نے اسے دیکھا۔ زرش رو رہی تھی۔ انہیں بظاہر کوئی اعتراض نہ تھا مگر اب زرش کا انداز دیکھ کر وہ چونکے تھے۔

"تو کیا زرش ابھی تک راضی نہیں ہوئی؟" فرح علی اور باقی سب کے ساتھ زرش کا رویہ بڑا سرد سا تھا۔ اس سارے عرصے میں وہ دیکھ کر بھی نظر انداز کر گئے تھے مگر اب سب واضح تھا۔

"بھائی صاحب! آپ بے فکر رہیں۔ زرش آپ کے ساتھ جائے گی۔" انہوں نے زرش کے ضدی لہجے کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"ماما میں اس شادی کے لیے مجبور تھی مگر اب مجھے کوئی مجبوری نہیں۔ پلیز مجھے زبردستی مت بھیجیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔" اس کا انکار نہیں بدلا تھا۔

"ٹھیک ہے شائستہ! زرش کو مت مجبور کرو۔ ابھی وہیں چلی جائے۔ بعد میں کل میں آ کر لے جاؤں گا۔ اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ ماں باپ کے گھروں میں بیٹیاں تو آتی جاتی رہتی ہیں۔" تایا ابو نے بروقت مداخلت کر کے بات کو یکسر غیر اہم قرار دے دیا تھا مگر شائستہ بیگم کو تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ اس وقت ان کے نزدیک زرش صرف جذباتی ہو رہی تھی اور کچھ بھی نہیں تھا۔ زرش کو وہ رخصت کر چکے تھے۔ اب زرش کی یہ ضد انہیں وہم میں مبتلا کر رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی صاحب مگر سمحان......"

"سمحان انکار نہیں کرے گا۔ زرش بیٹا جاؤ ماما کے ساتھ۔ کل ان شاء اللہ لینے آؤں گا۔" انہوں نے اجازت دینے کے ساتھ ساتھ اپنے آئندہ ارادے سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

زرش نے ایک گہرا اطمینان بھرا سانس لیا تھا۔ وہ بس ایک دفعہ اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔ بعد کے حالات میں کیا ہوتا ہے۔ وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ اسے ابھی اس گھر میں جانا نہیں پڑے گا۔

* * *

وہ انتہائی غصے سے گھر سے نکلا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو اس وقت؟" زبیدہ بیگم اس کے تیوروں سے دہل گئی تھیں۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ اب وہ کہاں جا رہا تھا۔ اس وقت حمید صاحب بھی نہیں تھے۔ وہ ہوتے تو شاید بات اتنی نہ بڑھتی۔ رضا کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ وہ کچھ اخذ نہ کر پا رہی تھیں۔

"کہیں بھی! آپ جا کر سو جائیں۔ آ جاؤں گا میں۔" کھلے دروازے سے اس نے بائیک باہر نکالی تھی۔

"رضا...... رکو تو......" انہوں نے کئی آوازیں دی تھیں مگر لگتا تھا کہ وہ اپنے کان بند کر چکا ہے۔

"دروازہ بند کر لیں۔" زن سے وہ گاڑی بھگا لے گیا تھا۔ زبیدہ بیگم کا دل لرزنے لگا تھا۔ رضا کے تیور انہیں بڑے خطرناک لگ رہے تھے۔

"نجانے اب کیا کرنے والا ہے یہ لڑکا؟" دروازہ بند کر کے وہ اندر چلی آئی تھیں۔ انہیں رہ رہ کر یاد آ

رہا تھا کہ رضا کے غصے سے کمرے میں چل دینے پر انہوں نے جب رمشاء کو ٹھنڈا کرنا چاہا تو وہ بھی پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

"وہ آپ کا بیٹا ہے ناں میں تو پھر غیر ہوں۔ وہ کچھ بھی کرے آپ کے لیے وہ بیٹا ہی رہے گا خامی نظر ہی نہ آئے گی مگر میں جانتی ہوں وہ نویرہ کے ساتھ مل کر کیا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ میں اسے کوئی بھی زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ سمجھا دیجیے گا اسے بھی۔ اگر اس نے نویرہ کا نام بھی لیا تو میں سب اگل دوں گی۔ اس سارے خاندان کو بتا دوں گی کہ یہ نیک پروین کیا ہے......" نفرت سے کہتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ رضا کے کمرے میں اسے سمجھانے کی نیت سے آئیں تو وہ کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا۔

"آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں یا نہیں؟" وہ بڑے غصے سے کسی سے مخاطب تھا۔

"آپ ہی کا فائدہ ہے ظاہر ہے۔" اس کا انداز طنزیہ تھا۔ "مجھے کچھ چیزیں پہنچانی ہیں آپ کو۔ ابھی اسی وقت...... کل صبح اگر مل لیں تو...... ٹھیک ہے میں آ جاتا ہوں۔" وہ فون بند کر کے سیدھا ہوا تو ماں کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹکا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

دراز سے لفافہ نکال کر وہ تصویریں اس میں ڈال رہا تھا۔ ایک تصویر نیچے گری تو ان کی نگاہ پڑی۔ سجی بنی نویرہ کی تصویر تھی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ جھک کر تصویر اٹھا چکا تھا۔ تصویر لفافے میں ڈال کر اس نے شاپر میں ڈائری اور لفافہ دونوں ڈالے تھے۔

"رضا میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" وہ بالکل چپ تھا۔ وہ غصے سے پھٹ پڑی تھیں۔

"کچھ نہیں ہے۔" تنفر بھرا انداز تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ رضا نے ان سے کبھی اس انداز میں کلام کیا تھا۔

وہ بائیک کی چابی لے کر کمرے سے نکلا تو وہ بھی پیچھے پیچھے آئی تھیں۔

"رکو تو...... بتاؤ تو سہی...... کیا کرنے والے ہو تم؟" وہ پوچھ رہی تھیں مگر وہ کچھ بھی بتائے بغیر باہر نکل گیا۔ اس وقت وہ بیٹھی رو رہی تھیں۔ رمشاء اگر ضدی تھی تو وہ ضدی ترین تھا۔ انہیں رہ رہ کر نویرہ کی تصویر یاد آ رہی تھی۔

"ہائے اللہ کہیں یہ نویرہ کے ہاں تو نہیں چلا گیا۔" "یا اللہ خیر رکھنا۔ پتا نہیں کیا ارادے ہیں اس لڑکے کے۔ ایک ہی اولاد دی وہ بھی آزمائش بنا رہا ہے۔ کیا کروں میں؟ کس کو بتاؤں؟ باپ دوسرے شہر میں ہے۔ کسی کا ڈر خوف نہیں۔ باپ کو پتا چلا تو مجھے تو لمحوں میں بے حیثیت کر دے گا۔" ان کا رونا [illegible] ہو رہا تھا۔ اب کے دل کو جو خوف لاحق ہوا تھا۔ اس نے ان کا قرار سکون سب لوٹ لیا تھا۔ بیٹے کی بازپرس سب پر حاوی تھی۔

"یا اللہ رضا کو ہدایت دے۔" وہ شدت سے روئی تھیں۔

[illegible]

* * *

رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔

شارق زمان تو اپنا فیصلہ سنا کر جا چکا تھا اور وہ اپنی نظروں میں ہی گر گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے...... اسی گھر میں رہ کر فیصلے کی اس گھڑی کا انتظار کرے جس گھڑی کا وہ صبح کہہ کر گیا تھا یا پھر چپ چاپ اماں کے ہاں چلی جائے۔

دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ چکی تھی۔ کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک دم ذہن نے راہ دکھائی تو اس نے موبائل اٹھا لیا۔

رضا نے اگر یہ سب کیا تھا تو کیوں؟ اسے پوچھنا چاہیے تھا۔ اسے آزمائش میں دھکیلنے والا اگر وہ تھا تو وجہ بھی دریافت کرنا اس کا حق تھا۔

"ہیلو۔"

"رضا!" دوسری طرف رضا ہی تھا۔ نویرہ کو رونا آنے لگا۔ اس کو اس نے کیا سمجھا تھا۔ اک چھوٹا سا بھائی سمجھتی رہی تھی اور یہ شخص کیا نکلا تھا۔ اس کے ذہن میں رات پڑھے جانے والے الفاظ گھوم گئے تھے۔

"نویرہ! میری روح ہے۔ وہ جانتی ہی نہیں۔ اس دل میں اس کا کیا مقام ہے؟ قسمت کیوں نہیں مجھ پر مہربان ہو رہی ہے۔ کاش مجھے موقع ملے میں قسمت سے لڑ کر اسے جیت لوں۔ اسے بتاؤں کوئی اس کے لیے کتنا پاگل ہو رہا ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتی......؟ کیوں میرے سامنے آ کر مجھے آزماتی ہے......؟ اسے میری تڑپ میری لگن کا اندازہ کیوں نہیں ہو رہا...... کیوں نہیں؟"

اور اب اس کی آواز سن کر اس کے اندر شدید نقصان کا احساس اجاگر ہو گیا تھا۔

"نویرہ۔" وہ حیرت زدہ تھا یا گم صم......

"تم اس وقت میرے گھر آ سکتے ہو؟" اپنے جذبات پر قابو پاتے ہی اس نے کہا۔

"اس وقت......؟" صبح کے دس بج رہے تھے۔

"ہاں فوراً۔"

"او کے میں آتا ہوں۔"

"میں انتظار کر رہی ہوں۔" موبائل بند کر کے وہ پھر رو رہی تھی۔ وہ آج کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اس کے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر اماں اندر داخل ہوئی تھیں۔

"نویرہ! کیا بات ہے؟ تم آج باہر کیوں نہیں نکلی؟" ان کی نگاہ اندھیرے کی وجہ سے اس کے آنسوؤں پر نہیں پڑی تھی ورنہ ضرور ٹھٹکتیں۔ انہوں نے لائٹ آن کی تو پہلی نگاہ نویرہ کو دیکھ کر وہ ساکت ہو گئی تھیں۔

"نویرہ...... کیا ہوا ہے؟" وہ گھبرا کر اس کے پاس ہی بستر پر آ بیٹھیں۔ "کیا بات ہے؟ جلدی بولو...... میرا دل بند ہو جائے گا۔" ان کا گھبراہٹ سے بی پی شوٹ کرنے لگا تھا۔

"بڑی اماں!" وہ شدت سے روتی ان سے لپٹ گئی تھی۔

"نویرہ! میرا دل بند ہونے لگا ہے۔ میری بچی بتاؤ کیا بات ہے؟"

"اماں! سب ختم ہو گیا ہے کچھ بھی نہیں رہا۔"

"کچھ بتاؤ بھی تو......"

روتے ہوئے اس نے وہ سب کہہ سنایا۔ اماں پر گویا سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

"رضا نے یہ کیا کر ڈالا اور شارق...... اس کی عقل کیا گھاس چرنے چلی گئی ہے؟ کیا وہ تمہیں جانتا نہیں جو یہ بہتان لگا رہا ہے۔"

"اماں خدا گواہ ہے مجھے کبھی اندازہ ہی نہ ہوا کہ رضا میرے متعلق ایسا بھی سوچتا ہے۔ میں نے تو اسے ہمیشہ نبیل بھائی کی ہی طرح سمجھا تھا۔ غلطی میری صرف اتنی ہے کہ میں اس کے دل کی برائی نہ تھی۔"

"بہت برا ہوا یہ سب......؟ شارق کو یہ سب پتا کیسے چلا؟"

"پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے رضا نے ہی بتایا ہو۔" نویرہ نے اپنے آنسو صاف کیے۔ "تم مجھے رات بتاتی۔ ناحق اپنی جان پر اتنا بڑا ظلم سہا۔ صبح سے رو رہی ہو۔ اکیلی پڑی سہہ رہی ہو۔ اٹھو باہر چل کر کچھ کھاؤ پیو۔ اس طرح تو مر جاؤ گی۔"

"میرے کردار پر انگلی اٹھ رہی ہے اماں! اور وہ کوئی اور نہیں میرا اپنا شوہر میرے خلاف بول رہا ہے۔ شارق کبھی میرا کردار دیکھ کر مجھے باکردار کہنے والا اب مجھے بدکردار کہہ رہا ہے۔ ایک عورت کا دکھ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ وہ تو فیصلے تک کی بات کر گیا ہے اور میں...... میں تو مر بھی نہیں سکتی۔"

"ہائے میری بچی!" اماں نے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ ان کے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔ تھوڑی دیر بعد شاکرہ نے بتایا کہ رضا آیا ہے۔

"یہ کیوں آیا ہے اب؟"

"میں نے بلوایا ہے؟ پوچھوں تو سہی کیا برائی کی تھی میں نے اس کے ساتھ جو وہ میرے ساتھ یہ کھیل کھیلنے والا ہے۔"

اماں کے ساتھ وہ باہر نکل آئی تھی۔ رضا صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اور اماں کو آتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ نے بلوایا؟" نویرہ نے کیوں بلوایا تھا۔ وہ جانتا تو تھا ہی مگر پوچھنے کی دیر تھی۔ نویرہ نے ہاتھ میں پکڑی تصویریں اور ڈائری کھینچ کر اس کے منہ پر دے ماری تھیں۔

"یہ کیا ڈرامہ ہے؟" وہ غصے سے پھنکاری تو اماں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"دھیرے سے۔ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ سکون سے بیٹھ کر بات کرو۔" انہوں نے اسے بٹھانا چاہا تو وہ پھٹ پڑی۔

"نہیں سکون ہو رہا مجھ سے۔ میرے کردار کو مشکوک بنا دیا ہے اس شخص نے۔ بولو کوئی ہے تمہارے پاس جواب دو۔ کیوں کیا تم نے یہ سب؟ یہ تمہاری چیزیں تھیں۔ تم نے شارق کو کیا کیا؟" وہ پوچھ رہی تھی اور وہ سر جھکا کر کھڑا تھا۔ اس کی خاموشی اسے مجرم قرار دے رہی تھی۔ نویرہ نے

ایک دم آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"شارق کے پاس یہ کیسے پہنچیں؟ بولو؟"

"رات میری ان سے ملاقات ہوئی تو......"

"کمینے ذلیل۔ تم نے میری محبت کو غلط رنگ دیا۔" اس نے کھینچ کھینچ کر اس کے دونوں گالوں پر تھپڑ مارے تھے۔

"چٹاخ...... چٹاخ......"

وہ پھر بھی سر جھکائے کھڑا رہا تھا۔

"نویرہ......" اماں دہل اٹھی تھیں۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا؟" اس کا گریبان جھنجوڑتے وہ شدت سے روئی تو اماں نے اس کے ہاتھوں سے رضا کی قمیص چھڑا کے اسے بازوؤں سمیت لیا۔ وہ تو بکھر ہی گئی تھی۔

"اماں! پوچھیں اس سے کیوں کیا اس نے ایسا؟ میں نے تو اس کو کبھی نبیل بھائی سے کم نہ سمجھا تھا۔ یہ مجھے برائی کی نظر سے دیکھتا رہا اور میں کم عقل سمجھ ہی نہ پائی۔ مجھے شارق کی برائی نظر آ گئی اور...... اور اس کو میں نے کم عمر چچازاد سمجھ کر ہمیشہ پیار دیا۔ چھوٹے بھائیوں والا دوستوں کی طرح ٹریٹ کیا اور یہ میرے سامنے مجھے گندی سوچ لیے گندی نظروں سے دیکھتا رہا۔"

"پلیز! آپ مجھے گندی سوچ کا طعنہ نہ دیں۔ میں نے کبھی آپ کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھا۔" اس نے پہلی دفعہ سر اٹھا کر نویرہ سے کہا۔

"شٹ اپ۔ اس سے بڑھ کر اور سوچ کی غلاظت کیا ہو گی کہ تم نے شارق کو یہ سب دیا۔"

"وہ آپ کے قابل نہیں۔ جو شخص آپ کے قابل نہیں۔ وہ آپ کے ساتھ کیوں رہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہ کرنے میں دیر ہو گئی اگر مجھے علم ہوتا تو یہ سب بہت پہلے کر لیتا۔" ادھر ذرا بھی شرمندگی نہ تھی۔

"اماں نے تاسف سے اسے دیکھا۔ نویرہ نے غم و غصے سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ وہ میرے قابل نہیں اور تم کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے۔" نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا خوبرو منہ نوچ لے۔

"انہوں نے آپ کے ساتھ جو کیا میں سب جانتا ہوں۔ انہوں نے کیسے نواز بھائی کو بھگا کر آپ سے زبردستی شادی کی۔ مجھے سب علم ہے۔"

نویرہ اس انکشاف پر حیرت زدہ رہ گئی۔

"کیسے علم ہوا تمہیں؟"

"جیسے بھی مگر اب یہ طے ہے اگر آپ کی شادی نواز بھائی یا کسی سے بھی ہوتی میں برداشت کر لیتا لیکن اب نہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ غصے سے پھر چیخ اٹھی تھی۔

"تم جتنے گھٹیا انسان ہو میں نے ایسا انسان زندگی بھر نہیں دیکھا۔ شارق نے اگر میرے ساتھ بدلحاظی بھی کی تھی تو اس نے تلافی کی کوشش بھی کر دی تھی اور تم...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تمہاری سوچ کی گراوٹ اس حد تک بھی ہو سکتی ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ شاید یہ سب غلط ہو۔ شارق کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔ غلطی سے سب چیزیں اس کے ہاتھ لگ گئی ہوں مگر نہیں......" وہ تاسف سے سر ہلانے لگی تھی۔

"رضا! تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمہیں پتا بھی نہیں شارق کس سوچ کا مالک ہے اس نے نویرہ سے شادی ہی اس لیے کی تھی کہ اسے نویرہ کا کردار پسند آیا تھا اور تو نے یہ چیزیں دے کر نویرہ کے خلاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا بھی خیال نہ آیا۔ خاندان بھر میں عزت کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا۔" اماں آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ رضا نے سر جھکا لیا۔

"میں نے ان کی عزت ہمیشہ کی ہے۔ کبھی ان کی ذلت کا نہیں سوچا۔ میں نے ہمیشہ ان سے محبت کی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس کا انداز بڑا مطمئن تھا۔ نویرہ گم صم اسے دیکھے گئی۔ رضا کو ذرا بھی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے ذلت کی گہرائیوں میں دھکیل کر وہ کیسا مطمئن تھا۔ اس کی آنکھوں میں کیسا اٹل پن تھا۔

"جن کی عزت کرتے ہیں ان کو یوں ذلیل نہیں کرتے۔" اماں ابھی تاسف سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تمہیں اندازہ ہی نہیں تم کیا کر چکے ہو...... شارق اب کس حد تک جا سکتا ہے وہ نویرہ کو چھوڑ بھی سکتا ہے۔ مرد یہ نہیں دیکھتا اس کا اپنا کردار کیا ہے...... اسے بس عورت ہر طرح سے پاک صاف چاہیے اور تم نے نویرہ کو اس کی نظروں سے گرانے کی کوشش کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں نے شارق بھائی کو ان کے متعلق بالکل سچ بتایا ہے کہ انہوں نے کبھی میری حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس ڈائری میں، میں نے ایسا کچھ بھی نہیں لکھا کہ کوئی ان کے کردار پر انگلی اٹھائے۔ اپنے جذبات کو اپنی غلطی کہا ہے۔ اب یہ ان کی ذہنی اختراع ہے۔ وہ کس رنگ میں بات کو لیتے ہیں......" وہ اب بھی مطمئن تھا۔ نویرہ کا دل ڈوبنے لگا۔

"وہ اب نویرہ کو نہیں رکھنے والا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے۔" اماں نے دہائی دی تھی۔

"انہیں ایسے مرد کے ساتھ رہنا بھی نہیں چاہیے جو کسی اور کی باتوں میں آ کر ان کو چھوڑنے کی بات کرے۔"

"رضا!" وہ اماں کے حصار سے نکل کر غصے سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ "نکل جاؤ یہاں سے تمہارے گھٹیا پن کا اندازہ مجھے ہو گیا ہے۔ دفعہ ہو جاؤ۔ اب تم کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ یہ نہ ہو میں غصے سے تم پر تھوک دوں۔" اس کے لب و لہجے میں رضا کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔ پہلی دفعہ رضا کے چہرے کا اطمینان رخصت ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا تھا۔

"میں نے آپ سے حقیقی، سچی محبت کی ہے نویرہ۔" پہلی دفعہ اس نے نویرہ کو پکارا تھا (اس کا نام لے کر)۔ نویرہ ششدر رہ گئی تھی۔ اس کا ہاتھ ایک بار پھر پوری طاقت سے اس کے چہرے پر اٹھا تھا۔

"دفع ہو جاؤ۔ مجھے کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ تم میں رشتوں کا تقدس و انسانیت مر گئی ہے تمہاری آنکھوں میں ایک پل میں ہی میں نے وہ غلاظت دیکھی ہے جو آج تک مجھے دکھائی نہ دی۔ کاش یہ غلاظت مجھے پہلے ہی نظر آ جاتی۔ دفعہ ہو جاؤ۔ نکل جاؤ......"

اب کی بار اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے باہر کی طرف دھکیلا تھا۔

* * *

اگلے دن عصر کے بعد بھائی بھابی اور تایا ابو اسے لینے کو آ گئے تھے۔ شائستہ بیگم ہاسپٹل گئی ہوئی تھیں۔ پھوپو صبح گھر چلی گئی تھیں۔ دور و نزدیک کے سب ہی مہمان کل اور صبح تک اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو چکے تھے۔ اس وقت گھر میں وہ تینوں بیٹوں کے علاوہ عفان اور وقار بھائی ہی تھے۔ ان لوگوں نے آتے ہی اپنی آمد کا مقصد واضح کر دیا تھا۔ زرش جو کل رات سے یہاں آ کر پرسکون تھی کہ اب ادھر جانے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ ایک بار پھر ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ اسے ادھر نہیں جانا۔ یہ طے تھا مگر ان لوگوں کو کیسے سمجھائے...... ہادیہ آپا تو ان لوگوں کے آتے ہی بہن کے ساتھ مل کر کھانے پینے کا انتظام کرنے لگ گئی تھیں۔

نوشی نے اسے تیار ہونے کا کہا تو وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ ایسا کیا کرے کہ اسے انکار بھی نہ کرنا پڑے اور یہ سب لوگ بھی سمجھ جائیں۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" زوباریہ بھابی کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "زرش! ناراض ہو؟" اس کی خاموشی پر وہ اس کے پاس ہی بستر پر آ بیٹھی تھیں۔ "چلو دوسروں سے تمہیں گلے ہو سکتے ہیں مگر مجھ سے کس بات کی ناراضگی میں تو تم دونوں بہنوں کی شادی میں شرکت کو ہی آئی تھی وہ اور بات تھی کہ تمہاری شادی سعد کی بجائے سمعان سے ہو گئی۔"

"نام نہ لیں میرے سامنے اس شخص کا۔" اس کا اشارہ سعد کی طرف تھا۔

"دیکھو حالات کا یہی تقاضا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بہت کچھ بگڑ جاتا۔ کیا تم چچا جان کو موت کی طرف جاتے برداشت کر لیتیں؟" انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ سسک اٹھی۔

"یہی بات تھی جس نے مجھے مجبور کیا ورنہ بھابی میں نے قسم کھائی تھی۔ میں دوبارہ اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی جس گھر میں مجھے ذلیل و خوار کیا گیا تھا۔ میرا کیا قصور تھا بھابی......؟ مجھے سزا کیوں دی گئی؟ تائی امی کا ماما پاپا سے جو بھی اختلاف تھا وہ ان سے بغض رکھتیں۔ جب ان کو علم تھا کہ میں کیا سوچتی ہوں ان لوگوں سے متعلق میرے جذبات کیا ہیں تو پھر انہوں نے وہ سارا کھیل کیوں رچایا؟ مجھے خاندان بھر میں بدنام کیا۔ ماما پاپا کو اس قدر مجبور کیا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سعد کا رشتہ قبول کرنے پر راضی ہوئے تھے اور پھر اس قدر عجلت میں شادی......؟ یہ سارا نقصان تو میرے حصے میں آیا۔ سعد نے انکار کیا اور پھپھو نے ہمدردی کرنا چاہی۔ آپ کو تو شاید یہ بھی علم نہ ہو کہ سعد اصل میں فرح کو پسند کرتا تھا۔ اس نے یہ خط میرے نام فرح کے ذریعے بھجوایا تھا۔ میرا تو اعتبار ہی اٹھ گیا ہے ان رشتوں سے۔ فرح کو میں نے ان حالات میں بھی دوستی سے کم اہمیت نہ دی تھی اور اس نے اس موڑ پر آ کر میرا اعتبار مجروح کیا پھر بھی سب کہتے ہیں کہ میرا ردعمل محض جذباتیت ہیں تو...... جذباتیت ہی سہی مگر یہ طے ہے اب اس گھر میں مجھے نہیں

جانا۔" اس نے دراز سے خط نکال کر انہیں تھما دیا تھا۔ یہ خط اس کے اور فرح نوشی کے علاوہ ماما نے بھی پڑھا تھا اور اب بھابی پڑھ رہی تھیں۔ بھابی نے خط پڑھ کر اسے دیکھا وہ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"اب یہ تو سب ہو چکا ہے۔ جو کچھ سہنا تھا وہ تو سہہ لیا۔ اب حالات نے یہ سب رنجشیں دور کرنے کی راہ دکھائی ہے تو پھر تم بھی اپنا حصہ ڈالو اس میں۔ ماضی پہ ماتم کرتے رہنا کیا عقل مندی ہے۔ اگر لوگ غلط یا برے تھے تو تمہیں اب اپنا ظرف بڑا کرنا ہوگا۔ گھر بسانے کے لیے بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں زرش۔" انہوں نے اسے جذباتی سہارا دینے کو سمجھایا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں بھابی! اب اور نہیں۔ میں اپنے حصے کی قربانیاں دے چکی ہوں۔ میں کم عقل تھی مگر اب نہیں۔ مجھے یہاں گھر بسانے سے کوئی سروکار نہیں۔ گھر تو تب بسے گا جب تائی خود آ کر اپنی غلطی کا اعتراف کریں گی۔ مجھے صرف تایا بیاہ کر لے گئے ہیں۔ میری ذات پہ لگے الزام نہیں ختم ہوئے بلکہ تائی کے لگائے گئے الزامات کی تصدیق ہوئی کہ میں سمعان احمد کے ساتھ انوالو تھی۔ میں نے سارے فنکشن میں بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں لکھی یہ تحریریں پڑھی ہیں۔ اس گھر میں اب قدم تب ہی رکھوں گی جب تائی اپنے سارے الزام قبول کریں گی۔ اپنے غلط رویے کی معافی ماما پاپا سے مانگیں گی ورنہ زندگی گزر رہی ہے گزر ہی جائے گی...... مگر یہ طے ہے اب اس گھر میں نہیں جانا۔"

زوباریہ نے حیران ہو کر اٹل ارادوں کی مالک زرش کو دیکھا۔

"اور سمعان احمد اس سارے قصے میں اس کا کیا قصور ہے؟ جتنی تم قصوروار تھیں اتنا ہی وہ بھی ہے۔ اس کے بارے میں بھی سوچو......"

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اب تک ان کا سراسر قصوروار میں انہیں ہی ٹھہراؤں گی۔ ان کی ذات سے متعلق مجھے جب انکشاف ہوا تو میں نے اپنے قدم روک لیے تھے مگر انہیں محبت سوجھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اتنے دعوے کیے عمر بھر ساتھ دینے' عزت وقار دینے کی بات کی تب بھی میں نہیں مانی تھی۔ یہ ان کا قصور ہے۔ اس دن اگر وہ مجھے نہ روکتے اور میں اس قدر جذباتی نہ ہوتی تو کیا مجال تھی ان کی خالہ کی... کہ وہ ڈرامہ تشکیل دیتیں۔ اگر دیا بھی تھا تو وہ کامیاب بھی ہوتا۔ اور بات یہاں تک ہی رہتی تو بھی مان لیتی کہ میری طرح وہ بھی ماں اور خالہ کی سازش کا شکار ہو گئے۔ اگر سعد کا یہ قصہ نہ ہوتا اور سعد بھائی پاکستان آ کر واپس نہ جاتا۔ نہیں کیسے مان لوں کہ وہ بے قصور ہیں کیا یہ غلط ہے کہ وہ سعد جمال سے ملتے رہے تھے۔ وجہ کوئی بھی ہو وہ ملتے تو رہے تھے نا۔ وہ سعد کو راضی کرتے انہیں تو موقع ملا تھا مگر افسوس وہ مجھے حاصل کر کے بھی کچھ حاصل نہیں کر پائیں گے۔"

زوباریہ کو بہت سی باتوں کا قطعی علم نہ تھا۔ وہ سمعان کے حق میں کچھ بھی نہ کہہ سکی تھیں۔

"چلیں میں سب برداشت کر لیتی ہوں مگر سعد کے انکار کے بعد یہ سمعان احمد ہی کیوں تھے...... کیا دنیا میں اور لڑکے مر گئے تھے؟ کوئی بھی ہو سکتا تھا...... میں خوشی سے قبول کر لیتی مگر انہوں نے مجھ سے شادی کیوں کی؟"

"عثمان بتا رہے تھے کہ جب چچا جان کی کنڈیشن بہت خراب ہو گئی تھی اور ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے تمہاری طرف سے پوچھا تو پاپا نے انہیں سب ٹھیک ہو گیا ہے کہہ کر تسلی دی تھی۔ تب انہوں نے سمعان احمد سے بات کی تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ وہ تو راضی ہی نہ تھا پہلے کیا تو چچا جان رو پڑے تھے۔ اگر پاپا اسے دھمکی نہ دیتے۔"

"کیسی دھمکی......؟" اس کے پوچھنے پر انہوں نے نگاہیں چرا لی تھیں۔

"انہوں نے تمہارے لیے علی کو منتخب کیا تھا۔"

"کیا......؟" وہ منہ پہ ہاتھ رکھے ہکا بکا رہ گئی تھی۔ "او مائی گاڈ۔"

"ساتھ میں پاپا نے یہ بھی دھمکی دی تھی کہ اگر علی انکار کرے گا تو وہ عثمان سے کہیں گے۔"

"بس کریں بھابی بس۔" وہ ایک دم رو دی تھی۔ کانوں پہ ہاتھ رکھے۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تایا ابو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔" وہ بے یقین تھی۔

"مجبوراً سمعان کو راضی ہونا پڑا تھا۔ پاپا بھی غلط نہ تھے۔ ان کے سامنے اجڑتی بھتیجی اور موت کے منہ میں جاتا بھائی تھا۔ انہوں نے جو بھی طریقہ آزمایا محض تمہاری بھلائی کے لیے تھا۔ بعد میں انہوں نے عثمان سے سوری کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اگر وہ سمعان کو اس طرح جذباتی نہ کرتے تو وہ کبھی راضی نہ ہوتا۔" یہ دھمکی صرف سمعان کو راضی کرنے کے لیے تھی۔

وہ گھٹنوں میں سر دیے روتی رہی تھی۔

"سمعان کا صرف اتنا قصور ہے کہ اس نے تم سے محبت کی تھی۔ یہ تم دونوں کی بدقسمتی تھی کہ ماما نے وہ سارا ڈرامہ کیا مگر اب تو یہ سب ہو چکا ہے۔ تمہیں اب بڑے حوصلے سے یہ سب فیس کرنا ہے۔ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں۔ جذباتیت سے صرف نقصان ہوتا ہے۔" انہوں نے اسے ساتھ لگا کر سمجھایا تھا۔

"نہیں بھابی! اس سلسلے میں اب کمپرومائز نہیں ہوگا۔ میں اب اس گھر میں نہیں جاؤں گی اور ایک الزام لے کر ساری زندگی سمعان احمد کے ساتھ بھی نہیں گزاروں گی۔ یا تو تائی کو سارے خاندان کے سامنے اپنے لگائے گئے بہتان کا اقرار کرنا ہوگا اور ماما پاپا سے معافی مانگنا ہوگی یا پھر آپ لوگ اس رشتے کو بھول جائیں۔ یہ طے ہے اب کچھ بھی ہو جائے میں اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔"

اب کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ بھابی چپ چاپ اسے دیکھے گئیں۔ وہ اپنی سی پوری کوشش کر چکی تھیں۔

وہ لوگ زرش کے بغیر واپس آ گئے تھے۔ فرح اور علی جو شدت سے زرش کے منتظر تھے۔ صرف بھائی اور باپ کو آتے دیکھ کر گم صم ہو گئے تھے۔

"تو کیا زرش نہیں آئی؟" ان کے اندر دکھ کی لہر سرایت کر گئی۔ سمعان نے دونوں بہن بھائیوں کو دیکھا۔

جب سے ابو وغیرہ چچا کے ہاں گئے تھے۔ وہ دونوں کتنے پرجوش تھے۔ سمعان کے کمرے کو کیسے انہوں نے سنوارا تھا۔ سارے کمرے میں پھول بچھائے تھے۔ اب ان کے چہرے بجھ گئے تھے۔ دوسری طرف طاہرہ بیگم ان کو تنہا آتے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ ان کے اندر اطمینان سرایت کر گیا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ زرش ضدی وجذباتی ہے۔ وہ نہیں آئے گی مگر جس طرح یہ شادی ہوئی تھی اندر سے وہ خوفزدہ بھی

تھیں کہ وہ آ جائے۔

"بھابی! زرش کیوں نہیں آئی؟" فرح ابو کے کہنے پر چائے بنانے آئی تھی۔ بھابی پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

"وہ آنا نہیں چاہتی۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"کیوں......؟ شادی تو ہو چکی ہے...... اب انکار کی وجہ......؟"

"یہ شادی جن حالات میں ہوئی ہے۔ اس سے تم انکار نہیں کرو گی۔"

"چچی جان نے کچھ نہیں کہا؟"

"کہا ہو گا" انہوں نے دھیرے دھیرے اسے ساری بات کہہ سنائی۔ آخر میں زرش کی بکی گئی بڑ سمیت۔

"امی کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کریں گی۔ وہ کبھی چچا اور چچی سے معافی نہیں مانگیں گی اور زرش بھی ضدی ہے وہ بھی اپنی ضد نہیں توڑے گی۔"

وہ متفکر ہو گئی تھیں۔

زوباریہ بھابی نے زرش سے تفصیلی بات کرنے کے بعد اور اس کا جواب پا کر علیحدہ جا کر سعید احمد کو سب کہہ دیا تھا۔ انہوں نے پھر زرش کو اپنے ساتھ چلنے کی بات نہیں کی تھی بلکہ مغرب کے بعد چچی ہاجلہ سے گھر آ گئی تھیں۔ کھانے کے بعد انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو چچی نے خود ہی زرش کو ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ تب بھی زرش کا وہی انکار تھا اور پھر سعید احمد نے علیحدہ جا کر شائستہ بیگم سے نجانے کیا بات کی تھی کہ وہ متفکر ہو گئی تھیں۔ وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے مگر سعید احمد کی خاموشی برقرار تھی۔

فرح چائے بنا کر لاؤنج میں لے آئی تو وہاں ابو اور سمعان بزنس کی باتوں میں مصروف تھے۔

"سمعان! وہ اسلام آباد والے آفس کی اسٹیبلشمنٹ کا کیا بنا؟" اچانک چائے پیتے انہوں نے سمعان سے پوچھا۔

"تقریباً سب ریڈی ہے۔ ورکرز کی سلیکشن ہو چکی ہے۔ سوچ رہا ہوں دو تین دن میں چکر لگاؤں۔ صرف منیجر کی سلیکشن رہ گئی ہے۔ اس سلسلے میں چچا جان سے بھی بات کی تھی۔ ان کی رائے ہے کہ کسی نئے منیجر کا انتخاب کرنے کی بجائے یہیں سے کسی قابل بھروسہ اور تجربہ کار بندے کو سلیکٹ کیا جائے۔"

"ہوں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ یہاں تو میں اور مسعود ہیں۔ سب دیکھ رہے ہیں۔ نیا آفس اور نئے علاقے میں کام شروع کرنے کے لیے کسی قابل بھروسہ بندے کی ضرورت ہے۔ کیا خیال ہے کر لو گے وہاں کے آفس کو ٹیک......؟"

"میں......؟" چائے پیتے سمعان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"ہاں تم......؟" ان سے ناراض علیحدہ بیٹھی طاہرہ بیگم بھی متوجہ ہوئیں۔ باقی سب تو متوجہ تھے ہی۔

"میرا خیال ہے میری ضرورت یہاں زیادہ ہے۔"

"وہاں بھی ضرورت زیادہ ہے۔ میں خود یہی چاہ رہا ہوں کہ تم بذات خود اس آفس کو ہینڈل کرو۔ سعود صحت یاب ہو کر جب تک آفس کو دوبارہ دیکھے گا تب تک میں اور باقی ورکرز ہیں جو ہینڈل کریں گے۔"

"اس اچانک فیصلے کی وجہ......؟" سمعان احمد نے سعید احمد کے سنجیدہ انداز کو دیکھتے ہوئے پوچھے بغیر نہ رہ پایا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔ عثمان وہاں پہلے ہی سیٹل ہے۔ اپنا گھر ہے۔ وہاں رہو۔ جب تک زرش اپنے ایگزامز وغیرہ سے فارغ ہوتی ہے۔ تب تک تم وہاں کے آفس کو اچھی طرح سیٹ کر لو پھر زرش کو وہیں لے جانا۔"

گویا دھماکہ ہوا تھا وہاں موجود ہر انسان چونکا تھا۔

"کیوں سمعان کیوں جائے؟ سمعان علیحدہ نہیں رہے گا۔" طاہرہ بیگم نے ایک دم کہا تو سعید احمد نے چبھتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تم سے کسی نے نہیں پوچھا۔" ان کا انداز ساری اولاد کے سامنے ایسا تھا کہ طاہرہ بیگم کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ اپنے ہی گھر میں وہ بے حیثیت ہو کر رہ گئی تھیں۔ بے کار شے بن گئی تھیں۔ زرش سے شادی طے کرنے پر انہوں نے کیا کچھ نہ کیا تھا مگر کوئی سننے والا ہی نہ تھا۔ اولاد علیحدہ ان سے متنفر اور نالاں رہتی تھی۔ بس ایک گھر میں ایک چھت تلے رہتے تھے۔ اس کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔

"آپ زرش کو اس گھر میں بھی تو لا سکتے ہیں۔" عثمان نے کہا تھا۔

"نہیں۔ میں زرش کو اس گھر میں نہیں لانا چاہتا۔ وہ اس گھر میں نہیں آئے گی۔" ان کا لہجہ بڑا اٹل لیے ہوئے تھا۔ عثمان نے پھر کچھ کہنا چاہا تو زوباریہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں سمعان......؟" انہوں نے سمعان کو دیکھا۔ "اور کوئی اعتراض ہونا بھی نہیں چاہیے۔ میں یہ فیصلہ کیوں کر رہا ہوں۔ تم سمجھ چکے ہو گے۔" سمعان نے لب بھینچ لیے۔

یہ زندگی کا بڑا تلخ باب تھا۔ اپنی ہی نظروں میں گرا دینے والا......

"سعود سے میں خود بات کر لوں گا۔ فی الحال تم چند دن بعد اسلام آباد سیٹل ہونے کی بات کرو۔"

سمعان تب بھی چپ رہا تھا۔ وہ بول کر کرتا بھی کیا...... اسے گمان تو تھا کہ زرش نہیں آئے گی زرش کے رویے کو وہ سمجھ چکا تھا اور اب سعید احمد کے فیصلے نے اسے سخت مضطرب کر دیا تھا۔ بظاہر وہ گم صم بیٹھا رہا تھا۔ اس کے بعد بھابی نے کوئی اور ٹاپک چھیڑ دیا تھا۔ چائے ختم کرتے ہی سمعان اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

تازہ پھولوں کی پتیوں کی سجاوٹ و خوشبو نے سمعان کے اندر بے کلی سی پھیلا دی تھی۔ پرسوں رات زرش اس کمرے میں تھی۔ اس کے پاس اس کی دسترس میں...... اس کی زندگی میں ایسی رات آ کر چپکے سے گزر گئی تھی جس کے لوگ خواب دیکھتے ہیں۔ ہزاروں خواب سجاتے ہیں اور اس نے وہ رات بیمار زرش کے سرہانے بیٹھ کر اس کی تیمارداری کرتے گزاری تھی اور آج کی رات...... سمعان کپڑے بدل کر بستر پر آیا تو دل و دماغ میں لاتعداد سوچیں تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو سمعان اٹھ بیٹھا۔

"کون......؟" دروازہ لاک نہیں تھا۔ سمعان کے پوچھنے پر ہینڈل دباتے بھابی اندر چلی گئی تھیں۔

"بھابی! آپ...... آیئے......"

"میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

"نہیں۔ پلیز! بیٹھیے۔" سمعان نے شائستگی سے کہا تو بھابی کے دل میں اک ہوک سی اٹھی کاش وہ سمعان کے لیے کچھ کرسکیں۔

"سمعان! مجھے لگتا ہے ماما تم لوگوں کے اسلام آباد سیٹل ہونے پر شاید راضی نہ ہوں۔" وہ سامنے بیٹھ گئی تھیں۔

"اب میں کیا کرسکتا ہوں یہ ابو کا فیصلہ ہے......؟ اس سلسلے میں انکار یا اقرار دونوں کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ پہلے ہی شادی سے انکار کرنے کا تجربہ سہہ چکا ہوں کہ ابو کس حد تک جاسکتے ہیں۔"

"ابھی یہ قصہ تازہ ہے اسی لیے وہ زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں۔ دیکھو سمعان یہ میاں بیوی کا رشتہ نازک ہے۔ محبت اپنی جگہ لیکن پریکٹیکل لائف میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ زرش ابھی کم عمر اور ابھی زیر تعلیم بھی۔ وہ جتنا کچھ سہہ چکی ہے۔ اس تجربے کے زیر اثر وہ کچھ بھی کر جائے گی تمہیں برداشت کرنا ہوگا کہ بہرحال زیادتی ہماری طرف سے ہوئی ہے۔"

سمعان نے لب بھینچ لیے تھے۔

"آج کیا ہوا تھا؟ کیا زرش نے آنے سے انکار کردیا تھا یا پھر یہ ابو کا ذاتی فیصلہ ہے؟" کچھ دیر کے بعد سمعان نے بھابی کا چہرہ دیکھا۔

انہوں نے زرش سے ہونے والی اپنی ساری گفتگو حرف بہ حرف کہہ سنائی۔ سمعان خاموشی سے رہا۔ بغیر اپنی کوئی رائے دیے۔

"زرش کا مطالبہ اتنا ناجائز نہیں ہے سمعان۔ وہ کیا ہر عورت کی یہ ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ وہ جس گھر بھی جائے پوری عزت واحترام سے جائے جبکہ ماما اس کے ساتھ جو کرچکی ہیں وہ بہت غلط ہے یہ بھی سچ ہے لوگوں نے اس شادی میں بظاہر شرکت کرکے بڑی تلخ باتیں بھی کی ہیں۔ سعد کے فرار بے شک حالات درست ہوئے ہیں مگر بہت سی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوچکی ہیں۔ زرش کی یہ بات بالکل ہے کہ لوگ تو اب بھی کہیں گے کہ سعد جمال کے فرار کے پیچھے ہم دونوں کا ہاتھ ہے۔" "سمعان زرش زیادہ جذباتی ہو رہی ہے۔ اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ اس کو کچھ عرصے کے لیے اس کے حال پر دیا جائے۔ حالات و واقعات انسان کو سب سکھا دیتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ حالات کو فیس کرنا سیکھ جائے گی تو اس رشتے کی گہرائی کو بھی جان لے گی مگر اس وقت اس سے کچھ ڈیمانڈ کرنا سراسر غلط ہے کے اندر کی زخمی لڑکی کی عزت نفس مجروح کرنے والی بات ہے۔"

بھابی نے تفصیلاً کہا تو سمعان نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ یہ سب تو وہ خود بھی سمجھ رہا تھا۔ اگر بابا نارمل ہوتے اور امی وہ سب ڈرامہ نہ کرتیں تو بھی سمعان کو کبھی اتنی جلدی شادی نہیں کرنا تھی۔ کم از تین سال اس کی تعلیم مکمل کرنے کا اسے موقع ضرور دیتا تھا اور اب آنا فانا سب ہوچکا تھا تو بہت تھا اب اسے......

لاؤنج

"میں بس یہی کہنے آئی تھی۔ ہم لوگ تو شاید پرسوں تک واپس چلے جائیں گے مگر تم زرش سے رابطے میں ضرور رہنا۔ وہ نہ بھی ملنا چاہے تو ماننا۔ وہ اس وقت اس مقام پر ہے کہ اس کا اعتبار رشتوں سے اٹھ چکا ہے۔ سعد کے فرار کا ذمہ دار بھی وہ تم ہی لوگوں کو سمجھتی ہے۔ سعد فرح کو پسند کرتا تھا۔ تمہیں شاید علم نہ ہو۔"

انہوں نے اپنی طرف سے انکشاف کیا تھا۔

"جانتا ہوں میں......"

"یہ بات زرش بھی جانتی ہے۔ سعد نے اس کے نام جو خط لکھا تھا اس میں اس نے یہ لکھا تھا۔ آج جب میری اس سے بات ہو رہی تھی تو اس نے یہ خط دیا تھا۔ اسے واپس دینا یاد ہی نہیں رہا پھر سوچا تمہیں دوں گی۔ زرش سعد کے فرار کو لے کر جن غلط فہمیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ تمہیں علم ہونا چاہیے۔ تاکہ تم سدباب کرسکو۔"

انہوں نے اٹھ کر قریب آکے مٹھی میں دبا لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"کیسی ہے اب وہ...... طبیعت کچھ سنبھلی کہ نہیں!؟" لفافہ کھول کر سب پڑھ کر دوبارہ لفافے میں خط ڈال کر سمعان نے بھابی سے پوچھا بھی تو کیا۔

"ٹھیک ہے وہ۔ پہلے سے کافی بہتر ہے۔ کل جا کر دیکھ لینا۔ ہاں یاد آیا چچی بتا رہی تھیں کہ کل صبح ڈاکٹرز کہہ رہے تھے کہ چچا جان کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔" ان حالات میں بھی سمعان کا اعتماد قابل رشک تھا۔ وہ دل ہی دل میں سراہنے لگیں۔

"آج میں گیا تھا۔ کافی بہتر ہیں۔ میں کل جاؤں گا۔ صبح ظفر کو اطلاع کر دیتا ہوں۔ وہ سارے معاملات دیکھ لے گا۔ اس وقت ہاسپٹل میں کون تھا؟"

"چچی جان کہہ رہی تھیں کہ جمال انکل چلے گئے تھے۔ صبح تک وہیں رہیں گے۔ ویسے پاپا کہہ رہے تھے کہ صبح وہ خود ہاسپٹل جائیں گے اور چچا جان کو ساتھ لے کر گھر آئیں گے۔"

سمعان نے سر ہلایا تو وہ پلٹیں۔

"او کے تم شاید سونے لگے تھے۔ میں چلتی ہوں۔"

"بھابی!"

وہ جاتے جاتے پلٹی تھیں۔

"تھینکس فار ایوری تھنگ۔"

"نو فارمیلٹی۔ دس از مائی ڈیوٹی۔ بس تمہیں یہی سمجھانا تھا۔ ماشاء اللہ تم خود خاصے سمجھدار ہو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا اور پھر کمرے سے چلی گئی تھیں۔

◆

صبح کے دس بج رہے تھے جب وہ لوگ مسعود احمد کے ساتھ گھر آئے تھے۔ رات سے ہی ڈاکٹرز نے کہہ دیا تھا کہ صبح ان کو گھر جانے کی اجازت مل جائے گی۔ عثمان' سعید احمد اور سمعان اکٹھے ہی ان کو ہاسپٹل گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی گھر آئے تھے۔ پھپھو اور جمال ماموں ان کے آنے سے پہلے آ چکے تھے۔ بڑے پرجوش انداز میں ان کا خیر مقدم ہوا تھا۔

نوشی اور عثمان یہیں تھے انہیں کل روانہ ہونا تھا اپنے گھر میں۔

سب سے ملنے کے بعد مسعود احمد نے اطراف میں دیکھا۔ زرش کہیں نہیں تھی' یہ تو انہیں رات ہی بتا گئی تھی کہ سعید احمد کے ساتھ وہ نہیں گئی۔ ان کا دل دکھی ہوا تھا مگر اب اپنے استقبال کو بھی موجود نہ پا کر چونکے تھے۔

"زرش کہاں ہے؟" وہ سب لوگ لاؤنج میں ہی تھے۔ بڑے عرصے بعد ان کے گھر میں [illegible] تھی۔ مگر ایسے میں زرش کی غیر موجودگی...... انہوں نے ہادیہ سے پوچھا۔

"سو رہی ہے۔"

"اس وقت؟" انہوں نے وقت دیکھا انہیں گھر آئے بھی ایک گھنٹہ ہو رہا تھا۔ تقریباً گیارہ بج رہے تھے۔

"جی...... پچھلے چند دن سے نہ وہ ٹھیک سے سوئی تھی اور پھر بخار بھی تھا۔ رات بھی ہم لوگ دیر تک جاگتے رہے تھے' اسے ہلکی سی حرارت ہو رہی تھی تو میں نے میڈیسن دے کر سلا دیا تھا۔ میں دیکھتی ہوں شاید اٹھ گئی ہو۔" وہ اٹھنے لگی تھیں تو انہوں نے منع کر دیا۔

"رہنے دو سونے دو اسے۔ اچھا ہے فریش ہو جائے گی۔"

سمعان نے انہیں دیکھا' یہ سوال تو اس کے ذہن میں بھی کافی دیر سے تھا' کچھ دیر بعد سمعان [illegible] تو عثمان نے کہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ عثمان' عفان اکٹھے ہی بیٹھے تھے۔

"یہیں ہوں۔ آتا ہوں ابھی۔" وہ لاؤنج سے نکل آئے تھے۔

نہ ہی یہ گھر نیا تھا اور نہ ہی یہ لوگ...... مگر رشتہ ضرور بدل چکا تھا' زرش کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے سمعان کو اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ کمرے میں قدم رکھا تو نگاہ بے خبر بستر پر

وجود میں الجھی تھی۔ وہ بے خبر گہری نیند میں تھی۔ سینے تک کمبل لیے...... بازو کمبل سے باہر تھے۔ سمعان احمد کے احساسات میں بڑی روانی سی آئی تھی۔ ذہن و دل کو اک لطیف سے احساس نے چھو لیا تھا گویا نگاہیں بے تابانہ سوتے وجود کا طواف کرنے لگی تھیں۔

وہ محبت و اعتبار کی حدوں سے دور جا چکی تھی کیا وہ سمعان احمد کی بے ریا پر خلوص شدید محبت کا کبھی اعتبار بھی کر پائے گی؟ یہ سوال سمعان احمد کے ذہن میں مچل کر رہ گیا تھا۔

جس طرح غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے اس نے سارا الزام ان کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے ان کے ہاں آنے سے انکار کیا تھا کیا آئندہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کے دل میں ان لوگوں سے متعلق وہی احساسات و جذبات پروان پا جائیں گے جو کبھی اس بے ریا لڑکی کی فطرت کا حصہ تھے۔ جتنی گہری چوٹ ہو نقصان انتہائی شدید ہوتا ہے۔ نقصان تو دونوں ہی اٹھا چکے تھے بلکہ دونوں کہاں سارا خاندان' مگر وہ مرد تھے حالات کو برداشت کرنے کی قوتِ مدافعت رکھتے تھے اور زرش...... ان کے ذہن میں اس کی جذباتی کیفیت در آئی۔

ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سمعان احمد نے بستر کے کنارے جگہ پکڑی تھی۔ دھیرے سے اس کا بایاں بازو تھاما تھا۔ انداز ایسا تھا کہ کہیں اس کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے۔ ہاتھ کی ہتھیلی پر زخم کا گہرا کٹ پہلے سے کافی مندمل تھا۔ مہندی کے نقش و نگار پہلے سے کچھ مدھم ضرور تھے مگر اس کے خوب صورت مومی ہاتھوں کو بڑی خوبصورتی عطا کر رہے تھے۔

پھر سمعان احمد کے اندر بڑے خوب صورت سے جذبے سر ابھارنے لگے تھے۔

نیند ٹوٹی تھی' زرش نے ایک دم آنکھیں کھول دی تھیں۔ سمعان احمد کو بستر کے کنارے دیکھ کر پہلے تو وہ کچھ بھی نہیں سمجھی تھی۔

سمعان احمد کا والہانہ پن سے اسے دیکھنا...... اگلے ہی پل وہ گویا مکمل حواس میں تھی۔ سمعان کے ہاتھ کی گرفت میں اس کا ہاتھ تھا' اسے گویا کرنٹ چھو گیا تھا۔ پورے وجود میں اک آگ سی دہک اٹھی تھی۔ اس نے سرعت سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

"آ...آپ......" اسے سمجھ نہ آئی کہ کس قسم کا ردعمل ظاہر کرے۔ غصے سے ان کی اس درجہ جسارت پر الٹ پڑے یا پھر...... کمبل ہٹاتے وہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ "آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟" ایک دم آ پڑنے والی افتاد تھی۔ وہ کنفیوژ سی ہو گئی تھی۔ یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اس وقت کس حلیے میں ہے۔ سمعان احمد نے بڑے استحقاق سے اس کے خوب صورت سراپا پر نگاہ ڈالی۔ بے بی پنک سلیپنگ سوٹ میں بغیر دوپٹے کے وہ بستر سے اتری تھی۔ ہاف سلیولیس میں کھلے بالوں سمیت نگاہوں کو اچھا خاصا خیرہ کر رہی تھی۔ سمعان کی نگاہوں نے اسے فوراً اپنے حلیے کا احساس فراہم کیا تھا۔ وہ خجل سی ہو گئی تھی۔ بستر سے اتر کر اس نے ارد گرد نگاہ ڈالی دوپٹہ جانے کہاں تھا۔ سمعان احمد کی مسلسل جمی نگاہوں نے اسے سراپا گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ لاکھ انکار کرتی مگر اک واضح تبدیلی آ چکی تھی۔ رویوں میں بھی اور شاید سوچ میں بھی۔ دوپٹا تلاش کرنے کی بجائے اس نے الماری کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ الماری کھولتے

ہی جو بھی چادر ہاتھ لگی تھی اس نے نکال لی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب......؟" سمعان کی آواز پر اس نے الماری کا پٹ بند کیا تھا۔

ایک دو پل لگے تھے اسے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے میں۔

"آپ کیوں آئے ہیں؟" پلٹ کر اس نے تلخی سے پوچھا تھا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں۔" سمعان نے مسکرا کر اپنی بھرپور چمکتی دل کش نگاہیں اس کے چہرے پر جما دی تھیں۔ زرش تو ایک پل میں ہی پزل ہو گئی تھی۔ وہ سمعان احمد کی ان نگاہوں اور رویوں کی بھلا کہاں عادی تھی۔ اس نے سمعان احمد کو کوئی اور ہی رشتہ دے رکھا تھا اور اب...... اس کے اندر زبردست جنگ شروع ہو گئی تھی۔ وہ سمعان احمد کو کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی مگر کچھ بھی کہا نہیں جا رہا تھا۔

"بخار تو نہیں لگ رہا۔ نبض میں چیک کر چکا ہوں۔ ہاں مزاج کچھ برہم سے ہیں۔" سمعان کی کھنکتی دل کش آواز زرش کو لگا اس کے حواس گم ہو جائیں گے۔

"ہاتھ کا زخم اب کیسا ہے......؟" سمعان احمد اسی طرح بستر کے کنارے ٹکا پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے...... پلیز آپ جائیں یہاں سے۔" اندر کی تلخی اور بیرونی گھبراہٹ نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ ہاتھوں کو آپس میں مسلتے اس نے سمعان احمد کو دیکھا۔

"پہلے اس میں اک ادا تھی' ناز تھا' انداز تھا
روٹھنا اب تو تیری عادت میں شامل ہو گیا۔"

یہ بھاری دل کش لہجہ زرش کی سماعتوں کو بری طرح جھنجوڑ گیا تھا۔

"پلیز جائیں آپ......؟ پلیز......" اس کی پلکیں نم ہو گئی تھیں۔ "مت آیا کریں میرے سامنے مجھے اپنا آپ گناہ کی دلدل میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔" غم کی شدت سے اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔ "میں سارے خسارے بھگت چکی ہوں۔ اپنے حصے کی سزا ابھی تجویز کر چکی ہوں کہ بہرحال آپ لوگوں سے تعلق داری کا خمیازہ تو بھگتنا ہے مجھے۔ مگر آپ کو کوئی حق نہیں کہ یوں آ کر میری ذلت کا تماشا دیکھیں، تماشا بنا کر دل نہیں بھرا آپ کا......؟" دل کا غبار فوراً نکلنے کو بے تاب تھا۔ سمعان گہرا سانس لیتے ہوئے بستر سے اٹھا تھا۔

"زرش! میرے خلوص' میری محبت کو غلط نگاہ سے نہ دیکھو۔ نقصان صرف تمہارا ہی نہیں میرا بھی ہے۔ تمہارا اعتبار کھو دینا کیا یہ نقصان کم ہے۔" اس کے قریب آ کر سامنے کھڑے ہو کر سمعان نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"نام نہ لیں میرے سامنے کسی محبت' کسی خلوص کا۔ سب جھوٹ تھا' فراڈ تھا۔ رشتوں کے نام پر آپ نے میرے جذبوں سے صرف کھیلا ہے۔" الزام ایسا تھا کہ سمعان احمد نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں مجھ پر اس حوالے سے الزام لگانے کا کوئی حق نہیں۔" برہمی سے کہا تو وہ مزید بپھر گئی تھی۔

"ہاں سارے حق تو آپ کو اور آپ کی فیملی کو حاصل ہیں۔ دوسروں کو رسوا کرنے' برباد کرنے کے...... آپ کو کب برا لگے گا' دوسروں کی زندگیوں' احساسات سے کھیل جانا بڑی عام سی بات ٹھہری آپ کے لیے تو۔"

"زرش......" جوابی تلخی اتنی بھرپور تھی کہ سمعان نے سختی سے ٹوکتے ہوئے اس کا بازو پکڑا تھا۔ "غلط فہمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم سب کو ایک ہی تناظر سے دیکھ رہی ہو۔ اپنے ذہن کو غلط فہمیوں کی آماجگاہ مت بناؤ۔ پرسکون ہو کر سوچو تمہیں حالات کا درست اندازہ ہوگا۔"

"نہیں پرسکون ہوا جاتا مجھ سے۔ آگ سی لگی ہوئی ہے میرے اندر۔ جی چاہ رہا ہے ہر چیز تہس نہس کر دوں۔ ہر طرف آگ لگا دوں۔ میں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔ نہیں ہوں میں......" سمعان کے الفاظ پر وہ پھٹ پڑی تھی۔ اگر سمعان نے اس کا بازو نہ پکڑا ہوتا تو شاید غصے سے سمعان کو پیچھے دھکیل دیتی۔ وہ اس وقت اتنی ہی بپھری ہوئی تھی۔

"زری......! کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں...... یوں ایک دم ٹمپرامنٹ لوز کرنا...... ہوش کرو......" سمعان نے اس کا دوسرا بازو بھی تھاما تھا۔

"ڈونٹ ٹچ می...... سمجھے' آپ مت آیا کریں میرے سامنے ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" سمعان اس کی پہلے ہی ایک حماقت بھگت چکا تھا۔ تاسف سے اسے دیکھا۔ وہ غصے سے سمعان کی مضبوط گرفت سے بازو چھڑا رہی تھی۔

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے بھی ہمارے درمیان ایک بڑا گہرا اور مضبوط رشتہ ہے اس سے کیونکر انکاری ہو سکتی ہو تم۔"

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں......؟" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"نہیں سمجھا رہا ہوں۔" سمعان نے اس کے بپھرے انداز و اطوار پر خود کو پرسکون کرتے مسکرا کر کہا۔

"مجھے آپ کی کسی سمجھ کی کوئی ضرورت نہیں۔ چھوڑیں مجھے۔" سمعان کے ہاتھوں کی حدت سے اسے بڑا عجیب سا احساس رگ و پے میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ سختی سے ہاتھ جھٹکنا چاہے تھے۔

"یہ ساتھ چھوڑنے کے لیے تو نہیں باندھا تھا۔" سمعان نے اسے موم کرنا چاہا تھا۔ مسکرا کر کندھوں پر ہاتھ رکھے تو زرش بپھر ہی گئی تھی۔

"اب کون سی کسر رہ گئی ہے۔ میں سب سمجھ چکی ہوں' آپ کے ان انداز و اطوار سے آپ کے متعلق میرے دل میں نفرت تو پیدا ہو سکتی ہے بجائے محبت کے' آپ کا امیج ہی خراب ہو رہا ہے اور کچھ نہیں ہے۔" غصے سے کہتے اس نے سمعان کے ہاتھوں کو جھٹکنا چاہا تھا مگر سمعان نے خود ہی ہاتھ اٹھا لیے تھے۔

"تم اپنے ان الفاظ کی وضاحت کر دو تو بہتر ہوگا۔" سمعان کا انداز یک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ اس کے الفاظ ایسے تھے کہ سمعان کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔

"کہا جو کہہ چکی ہوں' آپ سمجھ چکے ہیں۔ آپ اپنا حق جتا کر میرے ساتھ اس طرح کے گھٹیا ڈائیلاگ بولیں گے تو صرف میرے دل میں نفرت کا احساس ہی پیدا کریں گے اور کچھ بھی نہیں......" وہ

غصے سے کہتی سمعان کے قریب سے گزرتی باتھ روم میں جا کر بند ہو گئی تھی۔

سمعان احمد کتنی دیر تک اس کے الفاظ میں موجود ''سطحی'' کے مفہوم کو کھوجتا ہی کھڑا رہا تھا۔

* * *

نویرہ گھر جانا چاہتی تھی' اماں نے اسے بڑی مشکلوں سے سمجھا کر روکا ہوا تھا۔ وہ اب شارق زمان جیسے کانوں کے کچے شخص کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر اماں کو کون سمجھاتا جنہیں نویرہ کا چلے جانے کا فیصلہ بھی کم عقلی لگ رہا تھا۔ تھک ہار کر انہوں نے زبیدہ چچی کو بلوا لیا تھا۔

رات بھر سے تو وہ پہلے ہی انجانے وسوسوں اور رضا کے انداز سے خوفزدہ روتی رہی تھیں یہاں آ کر بھی سننے کو ملا' ان پر گویا سکتہ سا طاری ہو گیا تھا اور پھر جب ان کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو بڑی شدت سے رو دیں۔

''آپا بیگم معاف کر دیں مجھے۔ گناہ گار ہوں آپ کی۔ میں اب تک یہی سمجھتی تھی کہ رضا لاابالی پن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ وقت کے ساتھ سنبھل جائے گا مگر...... ہائے رضا! کیا کر دیا تو نے یہ...... کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے۔'' نویرہ ان کے پاس ہی تھی ان کی گریہ وزاری پر اس کا بھی دل لہولہان ہو رہا تھا۔

''شارق کا موبائل بند ہے آفس وہ گیا نہیں۔ نجانے کہاں ہے؟ اور یہ بھی جانے پر تلی ہوئی ہے۔ بستا گھر اجڑ رہا ہے میرا؟'' اماں نے چادر کے پلو سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

''آپ شارق کو بلوائیں۔ میں اسے سمجھاتی ہوں۔ بھلا اس میں نویرہ کا کیا قصور؟''

''نہیں چچی جان...... اب میں اس شخص کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ یہ کسی بھی شخص کی بات پر کر کے میرے کردار کو داغدار کر چکا ہے۔ اب یہ شخص معافی بھی مانگ لے تو میں اس کے ساتھ نہیں گی۔ آپ کا کیا قصور؟ میں نے ہمیشہ محرم نامحرم کا خیال رکھا...... کزنز سے بھی فری نہ ہوئی مگر رضا کو نے محرم و نامحرم کے زمرے سے نکال دیا تھا۔ نتیجتاً ایسا ہونا ہی تھا۔ مجھے عقل کرنی چاہیے تھی اس تکلف ہوتے ہوئے احساس رکھنا چاہیے تھا وہ کم عمر تھا اور میں اسے بھائی سمجھ کر کم عمر سمجھ کر نجانے کیا رہی اور وہ......'' نویرہ کی آواز رندھ گئی تھی۔

''تم خود کو کیوں قصور وار سمجھ رہی ہو۔ یوں سمجھو میری ہی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ ورنہ سوچا بھی کیوں؟'' چچی نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''زبیدہ اسے سمجھاؤ...... مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ گھر بنانے کو عورت بڑا کچھ برداشت کرتی ہے نے بھی تو کیا تھا...... سوتیلا ہی سہی ہمیشہ اپنا بیٹا ہی سمجھا۔ سوکن برداشت کی۔ شوہر کا ہرجائی پن سہا''

''مگر آپ نے بدکردار عورت کا طعنہ تو نہیں سہا۔ نہیں بڑی اماں عورت سب برداشت کر لیتی ہے بدکرداری نہیں...... میں نباہ کر رہی تھی اور کرتی بھی مگر اب نہیں...... مجھے مجبور نہیں کریں پلیز مجھے جانے دیں۔ مت روکیں مجھے۔'' وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اماں کی نگاہ اس کے سراپے پر جا ٹکی چادر دائیں کندھے پر تھی۔ اس کا خوب صورت متناسب بھرا بھرا سراپا کتنا دلکش لگ رہا تھا۔ کہتے ہیں عورت جب ماں بنتی ہے اس پر بڑا خصوصی روپ آ جاتا ہے' اور نویرہ تو ویسے ہی ماں بننے کے اعزاز نے اسے اور نکھار دیا تھا۔ اماں کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

''اس بچے کا ہی تو کچھ سوچو...... جذبات سے نہیں ہوش سے کام لو۔ شارق غلطی کر رہا ہے تو تم تو نہ غلطی کرو...... اپنے بچے کے لیے ہی سہی صبر کر لو۔''

''ہاں اماں اسی لیے تو کہہ رہی ہوں...... کل کو شارق نے اس بچے سے بھی انکار کر دیا کہ وہ اس کا نہیں تو......'' وہ اتنی بڑی بات کہتے کہتے ایک دم لب بھینچ کر سسک اٹھی تھی۔

اماں اور چچی زبیدہ دونوں کا دل کانپ گیا تھا۔

''اللہ نہ کرے...... اب وہ اتنا بھی کم عقل نہیں...... جذباتی ہے۔ جذبات میں سو غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پھر دیکھو وہ تم سے محبت بھی تو کرتا ہے۔'' اماں نے پھر اسے سمجھانا چاہا تھا مگر نویرہ خاموشی سے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اسے اب کوئی دلیل سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال نکال کر سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ جب چچی زبیدہ اندر آ گئی تھیں۔

''نویرہ! میری بیٹی...... یہ دیکھ میرے ہاتھوں کو...... نہیں کرو ایسا...... گھروں میں سو باتیں ہو جاتی ہیں۔ رضا کو میں سمجھا لوں گی۔ وہ شارق کی غلط فہمی دور کر دے گا' اسے کرنا پڑے گی اگر ایسا اس نے نہ کیا تو میرا وعدہ ہے میں اسے گھر سے نکال دوں گی...... میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ اس وقت میرا خیال کرو...... تمہارے چچا شارق کی طرح ہی جذباتی ہیں' انہیں بھنک بھی پڑ گئی تو وہ مجھے کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیں گے۔'' وہ ہاتھ جوڑے اس کے سامنے کھڑی تھیں اور نویرہ اتنی بے ضمیر بھی نہ تھی کہ ان کا کوئی ادب لحاظ نہ کرتی۔ ان کے ہاتھ تھام کر ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''چچی! بہت مشکل ہو گئی ہے زندگی...... جیتے جی مر جانے والی بات ہے یہ تو...... نواز کا طعنہ ہی میرے لیے کافی تھا اور اب رضا کی یہ حرکت...... میں تو بدنام ہو گئی نا۔''

''اللہ نہ کرے......'' وہ دہل کر رہ گئی تھیں۔

''ابھی بات اسی گھر کے اندر ہے۔ میں شارق کو سمجھاؤں گی...... واسطہ دوں گی اسے' وہ اتنا پتھر دل کہ ماں کی بات نہ سمجھے۔ رضا کو مجبور کروں گی کہ وہ اسے یقین دلائے کہ تم بے قصور ہو۔'' انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے تھے مگر نویرہ کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ منہ زور طوفان کی مانند بہتے ہی چلے آ رہے تھے۔

* * *

اگلی شام ہارون کی فیملی نوشی کو لینے آئی تھی۔

سعود احمد نے نفیسہ پھپھو اور سعید احمد دونوں گھروں کو بھی ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔ ہادیہ آپا تو آج کل ادھر ہی تھیں۔ مغرب کے وقت وقار بھائی' جمال ماموں اور پھپھو بھی آ گئے تھے۔ سعید احمد کے ساتھ ارسل' علی اور سعید احمد خود تھے۔

سمعان میٹنگ میں مصروف تھا وہ نہیں آ سکا تھا۔ زرش نے سن کر ایک گونہ سکون کا سانس لیا تھا۔ کل ہارون اور عثمان بھائی کو واپس چلے جانا تھا۔ سو وہ صبح سے چچی کی دعوت پر ادھر ہی تھے۔

"سعود ولا" میں اچھی خاصی رونق ہوگئی تھی۔ زرش ابھی تک نارمل نہیں ہوسکی تھی مگر یہ بھی تھا کہ پچھلے دنوں کے برعکس وہ سب سے لاتعلق بھی نہیں رہ پائی تھی پھر تایا کی ہدایتیں اور نصیحتیں تھیں کہ وہ سب مہمانوں کے درمیان اٹھنے بیٹھنے پر مجبور تھی۔ ماما اور بھابی کے اصرار پر وہ پرپل اور پنک شیڈ کے ہلکے پھلکے کام سے مزین سوٹ کے ساتھ لائٹ سے میک اپ میں اپنا لاتعلق سا انداز بھول کر اندر کی گھٹن کو بھلانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ وہ کچن میں ہادیہ آپا کے کہنے پر یاسمین اور اس کی ماں کو (جو شادی کی وجہ سے آج کل ادھر ہی تھیں آج مہمانوں کی وجہ سے کھانا پکانے کی ساری ذمے داری انہی پر تھی) دیکھنے آئی تھی کہ کام کہاں تک پہنچا ہے۔ سب ریڈی دیکھ کر وہ مطمئن ہوگئی تھی۔

باہر سب ہی تھے مگر اس کا دل ان سب میں جا کر بیٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے زینے طے کرتے اوپر ٹیرس پہ چلی آئی۔ زندگی ایک دم بدل گئی تھی۔ ان چند ماہ میں کیا کچھ نہ بدلا تھا۔ سمعان احمد کے رویے سے لے کر اس سے موجودہ رشتے تک ہر چیز، ہر تعلق بدل گیا تھا اور زرش جیسی لڑکی کے لیے ان سب کو قبول کر لینا بہت مشکل تھا۔

"ناراض ہو زرش......؟" وہ ریلنگ پہ جھکی نیچے اندھیرے میں نجانے کیا گھور رہی تھی جب اس آواز پہ پلٹ کر دیکھا۔ دو تین قدموں کے فاصلے پہ فرح کھڑی تھی۔ زرش کے چہرے کے زاویے بدلے تھے سب کے سامنے ملنا بات کرنا مجبوری تھی مگر اب......

"بہت ناراض ہو مجھ سے؟ اتنی کہ مجھے دیکھتے ہی تم چہرہ پھیر لیتی ہو۔"

زرش نے چہرہ پھیر لیا تھا۔" وہ اس کے قریب چلی آئی تھی۔ زرش کے دل سے اک ہوک اٹھی تھی، بہت سے گزرے دن، لمحے نگاہوں کے سامنے آتے چلے گئے تھے۔

"کسی اور کی مجرم ہوں کہ نہیں مگر تمہاری تو ہوں مگر اتنی بھی نہیں کہ تم مجھے دیکھ کر چہرہ ہی نفرت سے پھیر لو۔" زرش نے چہرہ پھیرا تو وہ تڑپ کر اس کے سامنے آگئی تھی۔

"کیا چاہتی ہو تم......؟" زرش کی آواز میں اک عجیب سا سرد پن تھا، بے گانگی واجنبیت کا بھرپور تاثر...... فرح کا دل یکلخت کئی ٹکڑوں میں بٹا تھا۔

"زرش پلیز ہم کزنز ہی نہیں کبھی اچھی دوست بھی تھیں۔" وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

"یہ اس دور کا قصہ ہے جب میں تم لوگوں کے ڈراموں اور محبت کے جھوٹے مظاہروں سے بے خبر تھی۔ میں نے تم لوگوں سے متعلق ہر رشتے، ہر احساس کو اسی دن اپنے دل سے نکال دیا تھا جب اک الزام لے کر تم لوگوں کے گھر سے نکلی۔ زبردستی کے تعلق سے رشتے بن نہیں جاتے، ہاں ٹوٹ ضرور جاتے ہیں۔ زبردستی نفرت تو پیدا کر سکتی ہے محبت نہیں۔" وہ فرح کو بھی اسی تناظر سے دیکھ رہی تھی۔

"کسی کی مجبوری سے کھیلنے والے غاصب لوگ ہو تم...... جیسی فطرت تم لوگوں کی ماں کی ویسی ہی تم لوگوں کی ہے۔ محبت کے جواب میں ڈسنے والی...... استحصال پسند ماں کی اولاد سے ایسے ہی رویے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ہاں ایک احسان ضرور کیا ہے تم لوگوں نے مجھ پر، مجھے وہ "سعود ولا" تک پہنچا دیا جو شاید برسوں کی ٹھوکروں سے بھی نہ ملتی۔ آئندہ میرے سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا، میرا ظرف بہت

کی طرح آسمان جیسا نہیں ہے، نفرت کرتی ہوں میں تم لوگوں سے سنا تم نے۔ ہمارے درمیان اب صرف ایک رشتہ ہے صرف نفرت کا اور بس۔"

فرح ششدر سی دیکھے گئی تھی۔ کیا یہ وہی زرش تھی جو ان کے نام کا دم بھرتی تھی۔ جس کی صبح ان کے نام سے ہوتی تھی اور شام ان کے نام سے اور اب نفرت کا یہ عالم تھا۔

"زرش تم......" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"نہیں فرح...... اگر تم چاہتی ہو کہ میں خاموش رہوں تو آئندہ میرے سامنے آکر یہ مت پوچھنا کہ میں ناراض ہوں یا نہیں۔ تم لوگ میرے درد کا اندازہ کرو تو شاید اپنا سوال بھول جاؤ۔" فرح کی آنکھوں سے بہہ جانے والے آنسو تھے کہ زرش ایک دم کچھ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

فرح چند پل اسے رخ موڑ کر کھڑی دیکھتی رہی تھی اور پھر اپنی سسکیاں دباتی تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

کھانا لگنے تک وہ اوپر ٹیرس پہ ہی رہی تھی اور پھر بھابی کے بار بار پکارنے پہ وہ نیچے آئی تھی۔ نوشی اور عنان بھائی تو آج رخصت ہو رہے تھے ماما اور ہادیہ آپا کے ساتھ مل کر اس نے کھانا لگوایا تھا۔ مردوں کے لیے لاؤنج میں ہی انتظام کر دیا تھا جبکہ خواتین کی نشست ڈائننگ روم میں تھی۔ ابھی کھانے کا دور چل رہا تھا کہ سمعان احمد کی آمد ہوئی تھی۔ سعود احمد کو سب کی موجودگی میں سمعان کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ باپ اور چچا کی غیر موجودگی میں ان حالات میں بھی کاروبار کی طرف بھرپور توجہ دے رہا تھا۔ میٹنگ کا سن کر انہوں نے فوراً اسے فون کیا تھا۔ میٹنگ ختم ہوتے ہی اسے فوراً پہنچنے کو کہا تھا اور اب سمعان سامنے تھا۔ سمعان سیدھا لاؤنج میں ہی آیا تھا۔

زرش نوشی کے روم میں اسے تیار ہونے میں مدد دے رہی تھی جب کھانا ختم کرتے ہی بھابی اور ستارہ آپی سمعان احمد کی آمد کی خبر لیے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"زرش بی بی! نوشی کی تیاری کی فکر چھوڑو اپنی تیاری کی فکر کرو۔ سمعان احمد کو ماموں جان نے بلوا لیا ہے۔ لگتا ہے نوشی کے ساتھ تمہیں بھی چلتا کر رہے ہیں وہ۔" ستارہ آپی کی چہکتی آواز پہ وہ ساکن ہوئی تھی۔

"کیا مطلب......؟"

"یہ تو تم اپنے چچا جان سے پوچھو۔"

زرش نوشی کی کلائیوں میں گجرے سجا رہی تھی جب ستارہ نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھاما گجرا لے کر اسی کی کلائی میں سجا دیا تھا۔ زرش لب بھینچ کر کھڑی ہوگئی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ماما کو میں صاف کہہ چکی ہوں، مجھے اس گھر میں نہیں جانا پھر اب میرے ساتھ کسی زبردستی کی تو......"

"زرش!" وہ ایک دم غصے سے بولی تو نوشی نے فوراً اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں۔" بھابی نے بھی آگے بڑھ کر اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

"پاگل ہوگئی ہوں میں..... بھابی! نوشی جا کر سب کو بتا دیں مجھے کہیں نہیں جانا..... یہ شادی میرے گلے کا طوق تھی بحالت مجبوری پیا جانے والا زہر تھا اسے میرے لیے پھانسی کا پھندا مت بنائیں ورنہ سب پچھتائیں گے۔ میں صاف کہہ رہی ہوں۔ نہیں جانا مجھے اس گھر میں۔ مر کر بھی نہیں۔" ہاتھوں میں منہ چھپا کر وہ ایک دم رو دی تو ستارہ کو ندامت ہوئی۔ یہ تو صرف ان خواتین کا خیال تھا خوامخواہ اس نے بات کی تھی۔ سعد جو کر چکا تھا اور زرش کے ساتھ (پیچھے) جو کچھ ہو چکا تھا زرش جیسی جذباتی لڑکی کا ردعمل بالکل فطری سا تھا۔

"سوری یار! تم تو سنجیدہ ہوگئی ہو..... ہو سکتا ہے چچا جان نے ویسے ہی بلوایا ہو۔" ستارہ نے تسلی دی مگر زرش نارمل نہیں ہوئی تھی۔ طاہرہ بیگم کے گھر میں اس کا سامنا کرنے کے تصور سے ہی زرش کو اپنی سانسیں حلق میں اٹکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اسے اس گھر میں مر کر بھی نہیں جانا تھا۔ یہ طے تھا۔ ماما تک کو وہ اپنے خیالات پہنچا چکی تھی اس کا خیال تھا کہ ماما پاپا کو بھی آگاہ کر چکی ہوں گی مگر اب ستارہ کی گل افشانی نے اسے کولوں پر جا بٹھایا تھا۔ وہ بمشکل حصار توڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ کہیں بھی جانے کی بجائے وہ باہر لان میں چلی آئی۔ کھانے کے بعد اندر برتن سمیٹے جا چکے تھے کچھ دیر بعد نوشی اور عفان لوگوں کی رخصتی کا شور اٹھ جانا تھا اور اگر پاپا نے اسے بھی آج ہی سمعان کی ساتھ اس سے پوچھے بغیر رخصت کر دیا تو..... ادھر سے اُدھر چکر لگاتے وہ بے دم سی ہوگئی تو خاموشی سے اندر چلی آئی۔ زینہ طے کرتے وہ ٹیرس پر اسی جگہ آ رکی جہاں فرح کی آمد سے پہلے کھڑی تھی۔

وہ کیا کرے؟ وہ کیسے اس طوفان کو روکے؟ کیسے اس ناگہانی سے بچے.....؟

"کیا ہو رہا ہے؟"

اس آواز نے اس کے اعصاب ٹھہرا دیے تھے۔

وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔ اسی طرح رخ موڑے کھڑی رہی تھی۔

کیا واقعی سمعان اسے لے جائے گا..... اس پل وہ مزید خوفزدہ ہوگئی تھی۔

"زرش....." بہت ہولے سے اس کے قریب آ کر پکارا گیا تھا۔ زرش دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔

"ارے..... زرش..... زری! کیا ہوا ہے..... زری؟" سمعان احمد تو بوکھلا ہی گیا تھا وہ تو اسے سب گھر میں دیکھتا نہ پا کر ادھر چلا آیا تھا مگر کیا خبر تھی کہ وہ اس طرح کا ردعمل ظاہر کرے گی۔

"زرش..... زری..... زری.....!"

وہ بڑی شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بڑی بے قراری سے پکارتے سمعان احمد نے اسے کندھوں سے تھاما تھا۔ رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"واٹ ہیپنڈ....." مٹے مٹے میک اپ اور آنکھوں میں کاجل کی پھیلی لکیر زرش نے سمعان احمد کو دیکھا۔

"آپ مجھے لینے آئے ہیں۔ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ سمعان نے نہ سمجھی سے اسے دیکھا۔

"آپ کو پاپا نے بلوایا ہے۔ پاپا چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ چلی جاؤں مگر مجھے نہیں جانا..... آپ کے ساتھ نہیں جانا۔ آپ کے گھر نہیں جانا..... مجھے مجبور مت کریں۔ نہیں جاؤں گی میں۔" کچھ عجیب سے انداز میں اس نے سمعان احمد کے ہاتھ اپنے کندھوں سے جھٹک دیے تھے۔

سمعان کو ایک پل لگا تھا سب سمجھنے میں..... چچا جان نے اس کے ساتھ تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی اور فرد نے جبکہ زرش کا رونا۔

"تمہیں کس نے کہا ہے؟ چچا اور چچی میں سے کسی نے؟" بڑی سنجیدگی سے اسے گریہ وزاری کرتے دیکھا تھا۔

"نہیں..... ستارہ آپی نے۔" روتے ہوئے بتایا گیا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" رونے سے نہ صرف اس کی آنکھیں بلکہ ناک اور رخسار بھی سرخ ہو چکے تھے۔ سمعان نے بڑی تفصیلی نگاہ ڈالی تھی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" سمعان احمد کی تفصیلی نگاہ پر توجہ دیے بغیر بے دردی سے چہرہ رگڑتے ہوئے سمعان کو دیکھا تھا۔

"اوکے..... ٹھیک ہے..... تمہیں کوئی مجبور بھی نہیں کرے گا۔ اگر چچا جان اور چچی جان کا ایسا کوئی ارادہ ہے بھی تو میں ان کو سمجھا لوں گا۔"

"سچ۔" رونا دھونا بھول کر اس نے سمعان کو دیکھا جس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ بڑا نارمل پُرسکون انداز تھا۔ یوں جیسے کوئی عام سی کسی تھرڈ پرسن کی یا پھر کاروباری بات ہو رہی ہو۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" وہ بے یقین ہوئی تھی۔

"تمہیں شک نہیں ہونا چاہیے.....؟" زرش سے صرف دو قدم کے فاصلے پر کھڑا وجود اتنا ہی سنجیدہ تھا جتنا کہ اس کا لہجہ تھا۔

"اگر کسی نے مجھے مجبور کیا تو.....؟" وہ ہر طرح کی تسلی کر لینا چاہتی تھی۔ اتنا تو یقین تھا کہ اگر سمعان انکار کرے گا تو سچ ہی ہوگا۔

"تو بھی تمہیں میری طرف سے اطمینان ہونا چاہیے۔ فی الحال میں خود بھی نہیں چاہتا کہ تم وہاں جاؤ۔" زرش خاموشی سے دیکھے گئی۔ سمعان احمد کا انداز مکمل طور پر نارمل اور سنجیدہ تھا۔ سمعان قریب ہی رکھی کرسی پہ بیٹھا تو زرش کو دیکھا جو شش و پنج میں تھی۔

"آؤ ادھر بیٹھو....." سمعان نے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ جھجک گئی تھی۔ "مجھے تم سے اسی سلسلے میں بات کرنی ہے۔ آرام سے سکون سے بیٹھ کر بات سن لو۔" سمعان احمد کے لہجے کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ پڑا تھا۔

وہ خاموشی سے کرسی پر ٹک گئی تھی۔ مگر انداز ایسا تھا کہ کسی بھی پل اٹھ کھڑی ہوگی۔ پلکوں پہ ٹھہر جانے

والی نمی کو پلو سے صاف کر کے سمعان کو دیکھا۔

"جو بھی حالات ہیں' امی کے رویے سے لے کر اب تک' ہر چیز' ہر بات واضح ہے۔ میں تمہیں یہی کہہ رہا کہ تم اپنی سوچ بدلو۔ اس سارے قصے میں یقیناً سب سے زیادہ نقصان تمہارا ہی ہوا ہے اور یہ سچ ہے۔ ہماری شرمندگی سے کچھ نہیں ہونے والا۔ تم اس گھر میں جانا نہیں چاہتیں اور امی تمہیں وہاں دیکھ نہیں سکتیں۔" طاہرہ بیگم کے ذکر پر زرش کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔ "رہ گئی میری بات تو میں بھی نہیں چاہتا کہ تم اُدھر جاؤ' ابو نے اس سلسلے میں اک نئی پیشکش رکھی ہے۔" سمعان نے زرش کو دیکھا جو الجھ گئی تھی۔

"کیسی پیشکش؟" اس کے چہرے پر لکھا تھا (زبان سے زیادہ)۔

"ابو چاہتے ہیں کہ میں تمہیں لے کر اسلام آباد شفٹ ہو جاؤں عثمان بھائی کے ساتھ۔"

"کیا......؟" زرش حیران ہو کر دیکھے گئی۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ایکدم کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سمعان نے اسے دیکھا وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"کیوں......؟ تم اس گھر میں جانا نہیں چاہتیں' اس کے علاوہ تمہیں کہیں بھی رکھا جائے تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" اس کے ایک دم انکار نے سمعان کو تھوڑا سا گرم کیا تھا۔

"کیوں نہیں اعتراض ہونا چاہیے۔ میں آپ کے ساتھ بھاگی نہیں تھی اور نہ ہی میرا آپ کے ساتھ کوئی لمبا چوڑا افیئر تھا۔"

"زرش......" سمعان کے گرم ہونے پر وہ جواباً دگنا زیادہ گرمی سے بولی تھی۔

سمعان نے فوراً اسے ڈپٹا تو وہ چپ ہو گئی۔ سمعان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ کرسی کی طرف دھکیل دیا۔

"آرام سے بیٹھ کر بات سنو۔ ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔"

"مجھے آپ کی کوئی بے تکی بات نہیں سننی......اور میں کیوں چوروں کی طرح چھپ کر زندگی گزاروں......؟ قصور آپ کا ہے' غلطی آپ لوگوں کی ہے تو اصلاح بھی آپ کریں۔ میں آپ کے ساتھ یہ گھر تو ایک طرف اسلام آباد تک میں نہیں جاؤں گی۔ ایک الزام لے کر میں زندگی نہیں گزاروں گی۔ اس بات سے کم پر تو کبھی سوچئے گا بھی نہیں کہ جب تک آپ کی والدہ صاحبہ اپنی غلط بیانی اور الزام تراشی کا اقرار نہیں کریں گی اور انہیں اقرار کرنا ہوگا' اسی خاندان کے سامنے جس کے سامنے وہ مجھے ذلیل کرنے میں پیش پیش تھیں۔"

سمعان کے کرسی پر دوبارہ دھکیلنے اور تحکم سے کہنے نے الٹا ہی اثر کیا تھا۔ وہ تو بھڑک ہی گئی تھی۔ بغیر رکے محو کلام تھی۔

"ایسا امی کبھی بھی نہیں کریں گی۔ انہیں اپنا بیان واپس ہی لینا ہوتا تو یہ سارا ڈرامہ اسٹیج ہی کیوں کیا جاتا۔ تمہارے سامنے آپشن ہے' اور زندگی ایک دو گھنٹے کا کھیل نہیں کہ جسے ضد اور انا میں ضائع کر دیا جائے۔"

"یہ ضد نہیں اور نہ ہی انا ہے۔ حق کی بات ہے اور یہ طے ہے میں پورے عزت و وقار کے ساتھ جینا چاہتی ہوں' اگر کسی نے مجھے مجبور کیا تو وہ نتائج کے ذمہ دار خود ہوں گے۔ میں اب وہ پہلے والی زرش سعود نہیں رہی۔ یہ یاد رکھئے گا۔"

سمعان نے لب بھینچ لیے۔ زرش کا روز بروز اک نیا روپ سامنے آ رہا تھا۔ واقعی حالات و واقعات انسان کی خفیہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں خاصے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زرش کو اک کم عمر لاابالی سی لڑکی ہی سمجھ رہے تھے مگر وہ جس بات کے لیے ڈٹ گئی تھی وہ عام نہ تھی۔ کردار کی بات تھی اور کردار پر ایک دفعہ انگلی اٹھ جائے تو بات نسلوں تک جاتی ہے اور وہ دونوں آنے والی نسلوں کے امین تھے (جیسا کہ ان کی والدین تھے مگر ان کے والدین کی باہمی زندگی نے کیسا انتشار اور بکھراؤ پیدا کیا تھا کہ لاکھ جتن کرنے کے باوجود کچھ بھی درست نہیں ہو پا رہا تھا)

"دیکھیں سمعان بھا......ئی۔" وہ روانی میں کہتے کہتے ایک دم منہ پہ ہاتھ رکھتے اپنی زبان روک گئی تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار نام لے کر مخاطب کر رہی تھی۔ سمعان کے ساتھ بھائی کا حوالہ لگانے کی عادت اتنی پختہ تھی کہ اب مشکل سے ہی چھوٹی تھی۔ زرش کے یوں ایک دم منہ پہ ہاتھ رکھ لینے پر سمعان کے تنے اعصاب ایک دم ڈھیلے ہوئے تھے۔ لبوں پر تبسم سا بکھر گیا تھا۔

"مائنڈ اٹ......شوہر کو بھائی کہنے سے نکاح ٹوٹ بھی سکتا ہے۔" زرش کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ وہ جو سمعان سے موجودہ رشتے کو محسوس کیے بغیر الجھ رہی تھی۔ اب یوں گھبرائی گھبرائی خاصی منفرد سی لگ رہی تھی۔ اتنی تلخ گفتگو میں بھی سمعان کے دل و دماغ پر اس چھوٹی سی بات نے بھرپور انداز میں اثر کیا تھا۔ بڑے برجستہ انداز میں اسے باور کروایا تو وہ سمعان کی اس شرارت پر اور سرخ پڑ گئی تھی۔ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا تھا۔ سمعان کو اس کا یوں پزل ہونا اور بھی لطف دے گیا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔" اتنی دیر سے سمعان کے ساتھ الجھتے' لڑتے جھگڑتے پہلی بار احساس ہوا کہ ان کے درمیان بڑا خوبصورت سا رشتہ بھی ہے جسے وہ سرے سے محسوس ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"یوں درمیان میں ہی ساری بات چھوڑ کر......" عقب سے سمعان کی آواز سن کر وہ رک گئی تھی۔

"بات بہت واضح اور صاف ہے۔ آپ کی والدہ جب تک خود آ کر ساری غلطیوں کو تسلیم نہیں کریں گی یہ سلسلہ اب ایسے ہی رہے گا۔ آپ کے ساتھ ساری عمر گالی بن کر جینے سے بہتر ہے کہ میں ساری عمر پاپا کے اس گھر میں ہی بیٹھی رہوں۔ فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ مجھے ایک عزت اور وقار سے اٹھے سر اور مکمل مان بھری زندگی دیتے ہیں کہ جس کا وعدہ اگر آپ کو یاد ہو تو آپ نے کبھی بھولے سے کیا تھا۔ یا پھر ایک ذلت بھری زندگی کہ جس کے پیچھے آپ کی والدہ کی الزام تراشی تھی۔ یہ بھی طے ہے میرے دل میں آپ کے لیے جو جذبات تھے وہ بالکل بے ریا تھے۔ اگر آپ کو منظور ہے تو ٹھیک ورنہ میرا اب فیصلہ یہی ہے جو کبھی بدلے گا نہیں۔" وہ دوٹوک انداز میں کہتی پلٹ کر دیکھے بغیر سرعت سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

* * *

گھر کے سامنے گاڑی روک کر ہارن دیا تو چند منٹ بعد گیٹ کھل گیا تھا چوکیدار بابا آج گیٹ پر ہی بیٹھے تھے۔ بڑی اماں کی ہدایت پر اس کے انتظار میں جاگ رہے تھے ورنہ رات کے اڑھائی بجے وہ ادھر کہاں ہوتے تھے تالا لگا کر اپنے کوارٹر میں چلے جاتے تھے۔

آج بڑے عرصے بعد شارق لیٹ آیا تھا۔ شارق گاڑی اندر لے آیا تھا۔

اندرونی حصے میں سوائے اماں کے کمرے کے باقی سارے گھر کی لائٹس آف تھیں۔ یعنی اماں جاگ رہی تھیں۔

پہلے اماں کے کمرے میں جانے کا سوچا مگر پھر ارادہ بدلتے وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوا تو سیدھی نگاہ بستر پہ پڑے سوٹ کیس اور بستر پہ بکھرے کپڑوں پر پڑی تھی۔ شارق زمان کو لگا اس کے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ وہ نوریہ کو سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر دل و دماغ پر صرف ایک خیال ہی چھٹ کر رہ گیا تھا اور اب اس کی کمرے میں غیر موجودگی...... انتہائی طیش میں بستر پر پڑے سوٹ کیس کو ہاتھ مار کر دور جا گرایا تھا۔ سوٹ کیس میں رکھے کپڑے ادرگرد بکھر گئے تھے۔ صرف کپڑے ہی نہیں بکھرے تھے اور بھی بہت کچھ بکھر گیا تھا شاید پوری زندگی ہی۔

"ڈیم اٹ......" جی چاہا کہ کمرے کے در و دیوار ہلا دے۔ غصے سے بہت سی چیزیں ادھر سے ادھر پھینک کر بھی اندر کا اشتعال کم نہ ہوا تو کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ لباس بدل کر باہر آیا تو کمرے میں اماں کو بیٹھے دیکھ کر رک گیا۔

اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اور اماں کا تو قطعی نہیں۔

"بڑی دیر سے گھر آئے ہو؟" وہ خاموشی سے بستر پر ٹک گیا۔ کمرے کی پھیلی بے ترتیبی پر اماں نے بغور نگاہ کی۔ "شارق...... کھانا کھاؤ گے؟" اسے بالکل خاموش بیٹھے دیکھ کر انہوں نے پھر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نوریہ کا نہیں پوچھو گے؟" کچھ دیر بعد انہوں نے پھر پوچھا تھا گویا زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا۔

"اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ سارا دن نہ کچھ کھایا نہ پیا؟ شام کے بعد سے تو قے کرنے لگی تھی میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ ساتھ والی ڈاکٹر کو بلوایا تو وہ چیک کر کے دوائی دے گئی ہے۔ تو وہ دوا کھا کر سو گئی ہے۔ ادھر میرے کمرے میں ہی ہے۔" اماں کی بات پر بھی وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ نہ سوال نہ کوئی رد عمل۔

"شارق! یہ کیا ہو رہا ہے؟ بڑے ارمانوں سے تم سب سے لڑ کر اسے اس گھر میں لائے تھے اور اب اتنی جلدی دل بھر گیا ہے تمہارا اس سے۔ گھر بکھر رہا ہے۔ نوریہ تو جا رہی تھی میں نے بڑی مشکل سے روکا ہے۔ زبیدہ کو بھی بلوایا تھا اور رضا کو بھی سارا دن تمہیں کال کرواتی رہی ہوں نہ آفس میں تھے نہ موبائل آن تھا کہاں تھے تم؟"

"آپ نے خوامخواہ اسے روکا...... جانے دیا ہوتا۔" وہ بولا بھی تو کیا۔

"ایسے کیسے جانے دیتی اسے۔ خدا جوڑی سلامت رکھے وہ اس گھر کی بہو ہے۔ تمہارے ہونے والے بچے کی ماں۔ ازدواجی زندگی میں اونچ نیچ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ رضا کم عمر جذباتی لڑکا ہے۔ آرام سے بیٹھ کر مسئلہ حل کیا جا سکتا تھا تم نے تو حد ہی کر دی۔ نوریہ کو اس گھر سے نکالنے کا سوچنا بھی نہیں...... تمہارا دل بھر گیا ہے تو اور بات ورنہ اس کے کردار کی گواہی تو سارا خاندان دینے کو تیار ہے۔"

"ہاں کبھی میں بھی یہ سوچتا تھا مگر اب نہیں...... رضا کم عمر جذباتی لڑکا تھا مگر وہ اس حد تک کیوں آیا ہے۔ نوریہ غیر شادی شدہ تو نہیں تھی۔ اتنی بڑی بات کہ میں نوریہ کو چھوڑ دوں اور وہ اس کو اپنانا چاہتا ہے۔ اماں آپ اسے عام سی بات کہہ رہی ہیں۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ قتل کر دوں رضا کو اور پھر ساری کی ساری گولیاں اپنے حلق میں اتار لوں۔ جو نوریہ جیسی لڑکی کو سمجھ نہ سکا۔ نوریہ وہ لڑکی ہے جو میری نگاہ بدل جانے کو محسوس کر گئی تھی میں کیسے یقین کر لوں کہ ایسے میں رضا کی بدلتی نگاہ اور سوچ کا علم نہ ہوا ہو۔"

وہ تو پھٹ ہی پڑا تھا۔ اشتعال بھرا تھا اس کے اندر تو۔

"اماں میں نے قسمت سے کچھ نہیں مانگا تھا صرف باکردار باحیا اور پاکباز بیوی کی طلب کی تھی کہ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد ایک باکردار عورت کی کوکھ سے ہو۔ مجھے نہیں علم تھا کہ نوریہ مجھے دھوکہ دے گی۔ میں نواز فاروق تک سے خائف نہیں تھا کہ نوریہ کا اس سے ایک رشتہ تھا لکھنے کو کہنے کو سو جوڑ تھے مگر وہاں میرا دل مطمئن تھا اور یہاں اماں رضا کے معاملے میں مجھے ہمیشہ کھٹک رہی تھی۔ نوریہ کا رویہ اس سے کزن سے بڑھ کر تھا۔ پھر بھی آپ کہتی ہیں کہ نوریہ کا کوئی قصور نہیں۔ رضا کو اس مقام تک لانے والی ہی نوریہ ہے۔ کوئی بھی مرد ایسے نہیں پھسل جاتا اور شادی شدہ عورت سے متعلق بات کہہ دیتا کہ میں اس کو اپنانا چاہتا ہوں۔ اماں یہ عام بات نہیں ہے۔" وہ رکا تھا۔

"اگر مجھے کسی ایسی ویسی عورت سے ہی شادی کرنا ہوتی تو اماں اب تک نجانے اس گھر میں کتنی آ چکی ہوتیں۔ مجھے ایسی عورت چاہیے جس پر نسلیں فخر کر سکیں۔ میری ماں کی فطرت کا ازالہ کر سکے کہ شارق زمان کا خون اتنا گندا بھی نہیں ہے مگر اب نہیں...... اماں! اب کچھ بھی نہیں رہا۔ میں نوریہ کو فیصلہ سنا چکا اماں اگر آپ اس کی کسی بھی قسم کی طرفداری کے لیے آئی ہیں تو میں معذرت کرتا ہوں۔ میرے حوالے سے وہ جو بھی نقصان اٹھا چکی ہے میں اس کی تلافی کرنے کو تیار ہوں۔ میں سارے خاندان کے سامنے نواز کے فرار کے پیچھے چھپا مفہوم بھی واضح کرنے کو تیار ہوں۔ سارے خاندان کے سامنے نوریہ کے ساتھ کی جانے والی زبردستی بتانے کو بھی تیار ہوں مگر اسے کہیں وہ یہاں سے چلی جائے۔ یہ نہ ہو میں بھول بیٹھوں۔"

وہ واقعی سخت مشتعل تھا۔ اماں کا دل لرز اٹھا۔ چٹانوں کی سی سختی تھی لہجے میں۔ یعنی کوئی لچک نہ تھی۔

"اسے کہیں وہ یہاں سے چلی جائے۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ میں نے اسے کیوں چھوڑا ہے۔ اگر میری بات پر یقین نہیں آتا تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔ اس کی نیک نامی اور کردار پر کوئی حرف نہیں آئے گا مگر اب میں اس پر اعتبار نہیں کر پاؤں گا۔ اپنی آنکھوں سے اسے رضا کے ساتھ دیکھ لینے کے بعد اب یہ ممکن نہیں۔" اس نے گویا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"شارق وہ بے قصور ہے۔" اماں بے قرار سی ہو گئی تھیں۔

[illegible]

"تو میرا ابھی کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے بھی تو صرف اس سے ایک وعدہ لیا تھا کہ ہمیشہ میری لاڈلی بن کر رہے۔ شادی سے پہلے اگر رضا سے متعلق جو بھی تعلق تھا مگر شادی کے بعد تو وہ سب ختم کر دے گی کم از کم جیسے میں نے اس کے لیے سب سرگرمیاں چھوڑ دی تھیں مگر اماں اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس رات بارہ بجے وہ مجھ کو سخت سست سنا کر رضا کے ساتھ گھر آئی اور پھر اس کے بعد یہ سارا قصہ۔"

"بعض اوقات آنکھوں دیکھی بھی غلط ہو جاتی ہے شارق۔" اماں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے سمجھائیں۔

"ہاں، میں نے بھی یہ سوچا تھا مگر کل رات اگر رضا پورے یقین سے میرے سامنے کھڑا ہو کر سب نہ کہہ رہا ہوتا، میں نے انجانے میں غلطی سے نوریہ کے ساتھ جو بھی کرنا چاہا تھا وہ صرف چند لوگوں کے علم میں تھا۔ نواز کو میں نے وہی بتایا جو میرے دل نے کہا تھا اور نوریہ، نبیل اور چچی کی ساری فیملی ان کے بعد فوزیہ آپ یا رفعت باجی اس قصے کو جانتی تھیں پھر رضا کو کیسے علم ہوا......؟" وہ مکمل طور پر نوریہ سے بدظن ہو چکا تھا۔ اماں بے بسی سے اسے دیکھے گئیں۔

"اماں! وہ اتنے یقین سے وہ سب کہہ رہا تھا کہ اسے یہ سب نوریہ نے بتایا ہے اور نوریہ..... الٹا نبیل، نوریہ سے اس بات پر خفا ہے کہ اسے پہلے کیوں نہ سب بتایا گیا تو پھر رضا کو کیسے علم ہو گیا؟"

"ہو سکتا ہے خالہ وغیرہ میں سے کسی نے ذکر کر دیا ہو؟" اماں کی غیر متزلزل آواز پر وہ طنزیہ ہنسی ہنس دیا تھا۔

"دل کے بہلانے کو اماں یہ خیال اچھا ہے۔"

"شارق! تمہاری غلط فہمیاں ایک طرف مگر اس بچے کا بھی تو سوچو۔" اماں نے سب سے اہم مسئلے پر توجہ دلائی تھی۔

"ہاں وہ میری اولاد ہے۔ نوریہ کو کہہ دیجئے گا میں بڑی خاموشی کے ساتھ یہ سارا قصہ ہی ختم کر دوں گا۔ بس میری اولاد بحفاظت مجھ تک پہنچا دے۔ اس کے بعد وہ جیسا چاہے گی فیصلہ کر دوں گا۔" اماں خالی آنکھوں سے دیکھے گئیں۔

نوریہ جیسی مضبوط اعصاب کی مالک لڑکی آج سارا دن ایسے ہی نہیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ شارق کا کہا فیصلہ اسے توڑ پھوڑ گیا تھا۔ کیسے آناً فاناً میں سب ختم کر گیا تھا۔ جسے حاصل کرنے کو وہ آگ کے دریا کو کودا تھا۔

"شارق ایک دفعہ پھر سوچ لو۔ یہ دیکھو میرے بوڑھے ہاتھوں کو، غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔ مل بیٹھ کے حل نکل آتا ہے تم نوریہ سے......"

"نہیں اماں...... اب مفاہمت کی کوئی راہ نہیں بچی۔ آپ کو پتا ہے میری عادت کا، میں نے ہمیشہ خالص چیز پسند کی ہے۔ جس چیز میں ذرا بھی نقص آ جائے چاہے وہ مجھے کتنی ہی محبوب ہو میں اسے پھینک دیتا ہوں۔" اماں کا دل چاہا اسے جھنجوڑ دیں۔

"چیزوں اور انسانوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" مگر وہ کہہ نہ سکی تھیں۔

"تو تم نبیل اس سے ناراض ہے وہ اسے کیسے برداشت کرے گا۔" انہوں نے کہا بھی تو کیا۔ وہ ہنس دیا۔

"یہ آپ کا مسئلہ نہیں، میں نبیل سے معافی مانگ لوں گا وہ کرے گا برداشت۔" وہ ویسے ہی بے تاثر چہرہ لیے کہہ رہا تھا۔

"شارق اچھا نہیں کر رہے تم۔" وہ آخر میں رو دی تھیں۔ انہوں نے نوریہ کو ٹھنڈا کر لیا تھا، سمجھا لیا تھا اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب شارق کا بے لچک انداز اور فیصلہ کن رویہ۔

"شارق! سارا خاندان بکھر جائے گا۔"

"پہلے کون سا جڑا ہوا ہے؟"

"نوریہ تو جیتے جی مر جائے گی۔"

"اچھا......" استہزائیہ ہنسی پر اماں کے آنسو بے اختیار ہوتے چلے گئے تھے۔

"نوریہ بے قصور ہے، یہ کیسی محبت ہے تمہاری؟"

"اماں میں نے نوریہ سے محبت نہیں کی تھی، میں نے اس کے کردار سے محبت کی تھی۔ اس کے کردار پہ داغ لگ چکا ہے اور میری محبت بھی ختم۔"

"شارق......" اماں کی یہ آخری سسکاری تھی جو نوریہ کے دفاع میں تھی۔ اماں کی سسکاری نے ان کے لبوں پر دم توڑا تو باہر دروازے کے قریب کھڑی سب سنتی نوریہ اپنے وجود کو پتھر ہوتے محسوس کر رہی تھی۔ یعنی سب ختم......

* * *

شادی کے بعد وہ پہلی بار کالج آئی تھی۔ شادی سے ہفتہ پہلے ہی اس نے چھٹیاں کرنا شروع کر دی تھیں اور اب شادی کے چھ دن بعد وہ آ رہی تھی۔ جو بھی لڑکی ملی تھی اس کا پہلا سوال یہی تھا۔

"سنا ہے زرش تمہاری شادی ہو گئی ہے۔" اس ذکر سے اس کے زخم کیسے ہرے ہو رہے تھے کوئی نہیں جانتا تھا وہ قدم قدم پہ ہرٹ ہوئی تھی۔

* * *

باقی ماندہ رات کوئی بھی نہیں سو سکا تھا۔

نہ نوریہ، نہ اماں اور شاید شارق زمان بھی۔

نوریہ اب یہاں ایک پل بھی نہیں رکنا چاہتی تھی، صبح آٹھ بجے تک اس نے بمشکل انتظار کیا تھا کہ شارق زمان اپنے کمرے سے باہر نکلے اور وہ وہاں جا کر اپنا سوٹ کیس لے جو زبیدہ چچی کی گریہ وزاری کے بعد وہ جوں کا توں بستر پر پڑا چھوڑ آئی تھی۔

آٹھ بجے کے بعد وہ مزید انتظار نہ کر سکی تھی، باقی ماندہ رات اماں کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ دروازہ کھول کر کمرے میں چلی آئی تھی۔ شارق زمان جاگ رہا تھا مگر بستر پر دراز تھا۔ پہلی نگاہ کے بعد انہوں نے تنفر سے نگاہوں کے زاویے بدل لیے تھے۔ سارا کمرہ بکھرا پڑا تھا، کرسٹل کے ٹکڑے جا بجا قالین پر بکھرے پڑے تھے اور سوٹ کیس سمیت تمام کپڑے قالین پر یہاں وہاں پڑے تھے۔ نوریہ نے

اک تاسف بھری نگاہ سوٹ کیس پر ڈالی۔

چیزیں تو ایک طرف وہ شاید زندہ انسانوں سے بھی یہی سلوک کرتا تھا۔ جب تک دل چاہا اچھالا اکتا گیا تو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ آگے بڑھ کر نویرہ نے سوٹ کیس سیدھا کیا تھا۔ ایک ایک کر کے کپڑے اکٹھے کیے تھے۔ بڑے سکون سے تہہ کر کے بریف کیس میں رکھ رہی تھی۔ اس کی ہر حرکت میں بلا کا اطمینان و سکون تھا۔ اس کا ضمیر مطمئن تھا اس کا کردار بے داغ تھا تو پھر وہ کیوں ڈرتی۔ وہ دور گزر گیا جب شوہر کے پاکباز بیوی کو بدکردار کہنے پر شرعی حدود کا نفاذ ہوتا تھا اب تو صرف وقت گزارا جاتا ہے چاہے جیسے بھی ہو۔

پانچ چھ جوڑے رکھنے کے بعد وہ الماری کھول کر چند چیزیں لے کر پلٹی تھی۔ اسی دوران بڑی اماں چہرے پر آنسو لیے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ شارق زمان بستر پر نیم دراز سب دیکھ رہا تھا۔

"اماں یہ دیکھ لیں! میں کچھ بھی نہیں لے کر جا رہی تاکہ بعد میں میرے اوپر ایک اور الزام ہو۔ وہ زیور ہے جو اماں نے مجھے دیا تھا۔ اور یہ وہ زیور ہے جو آپ نے پہنایا تھا میں اماں والا زیور لے کر جا رہی ہوں اور یہ چند روپے ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنے گھر سے رخصت کرتے وقت اماں دے دیتی تھیں۔ آپ لوگ جو بھی دیتے تھے وہ سب کچھ ادھر لاکر میں پڑا ہوا ہے۔ کھانے پینے کا میں حساب نہیں چکا سکتی کہ نکاح کے عوض شاید یہ حلال ہو۔" اس کے ہر ہر لفظ میں زہر تھا۔ اماں تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"نبیل بھائی کی ناراضگی کے باوجود اماں نے دنیا دکھاوے کو جو کچھ بھی دیا ان میں یہ چند جوڑے ہیں۔ لے کر جا رہی ہوں آپ دیکھ لیں۔ بے شک تلاشی کروا لیں۔"

"اماں اسے کہیں جو بھی لے کر جانا چاہتی ہے لے جائے جو ایک بار دے دیا تو پھر دے دیا۔"

شارق زمان کے کہنے پر ایک چھوٹے سے ہینڈ بیگ میں مختصر سے پیسوں کے ساتھ اماں کا دیا زیور رکھتے نویرہ نے سر گھما کر شارق زمان کو دیکھا۔

"قیمت چکانا مرد کی فطرت جو ٹھہری۔" وہ زہر سے بھری ہوئی تھی مگر آواز اتنی ہی پرسکون تھی۔ ہینڈ بیگ کپڑوں کے ساتھ سوٹ کیس میں رکھتے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ میں سونے کے کڑے اور دوسرے میں چوڑیاں تھیں دونوں ہاتھوں میں پانچ چھ انگوٹھیاں تھیں گلے میں شارق کے نام کا چھوٹا لاکٹ جو اس نے ولیمے سے اگلے دن اسے اپنے ساتھ لے جا کر دلایا تھا رونمائی کے تحفے کے طور پر۔ کانوں میں ٹاپس اور بندے اس نے ایک ایک کر کے سب کچھ اتار کر اماں کے ہاتھوں میں ڈال دیا تھا۔

"نویرہ یہ کیا کر رہی ہو یہ تو......"

"اماں! کل جب میں جا رہی تھی تو مجھے گمان تھا کہ مجھے واپس یہیں آنا ہے' اس لیے کچھ نہیں اتارا مگر اب طے ہے کہ مجھے واپس نہیں آنا تو پھر میں یہ نہیں لے جا سکتی۔ ویسے بھی ان سب کی قیمت حاصل کر ہی چکی ہوں۔ رہ گئی بچے کی بات تو جب وہ پیدا ہوگا تو بات کیجیے گا۔ یہ واحد وہ چیز نہیں بلکہ ہوگا جو میں آپ لوگوں کو نہیں دوں گی۔"

"تم کون ہوتی ہو میری اولاد کو لینے والی۔ وہ میری اولاد ہے اور مجھے ملے گی ورنہ میں کسی بھی عدالت میں چلا جاؤں گا۔" شارق زمان تو ایک دم بپھر کر سیدھا ہوا تھا۔ نویرہ نے استہزائیہ دیکھا۔

"ہاں تم جیسے مرد کس حد تک جا سکتے ہیں جان گئی ہوں۔ مجھے یہ دھمکیاں مت دو۔ بدکردار تو مجھے کہہ ہی چکے ہو مگر تمہارے پاس کیا گارنٹی ہے کہ یہ اولاد تمہاری ہے؟" نویرہ چہرے سے ہی نہیں لہجے سے بھی اتنی پرسکون تھی۔ شارق زمان اپنی جگہ منجمد ہو گیا تھا۔

نویرہ نے استہزائیہ دیکھا۔ شارق کے پاس شاید کوئی جواب نہ تھا۔

"تم ثابت کروا لینا کہ وہ تمہاری اولاد ہے مگر پھر میرے بدکردار ہونے کا فیصلہ بھی واپس لے لینا لیکن شارق زمان یاد رکھنا وہ میری اولاد ہے اور میرے پاس ہی رہے گی چاہے اس بار تم دنیا کا کوئی بھی حربہ استعمال کر لو۔ دنیا کی کسی بھی عدالت میں مجھے بدکردار ثابت کروانے اور اس اولاد کو اپنی اولاد کہنے کو چلے جانا مگر فیصلہ تو تب ہوگا جب میں گارنٹی دوں گی کہ یہ تمہاری اولاد ہے یا نہیں۔"

"نویرہ......" وہ چیخ کر بستر سے اترا تھا۔

"چلاؤ مت شارق زمان...... میرا تمہارا اب کوئی لین دین نہیں رہا۔"

وہ جتنا مشتعل ہوا تھا وہ اتنی ہی پرسکون تھی۔

اماں نے دہل کر نویرہ کا بازو پکڑا تھا۔

"اماں...... میرا ضمیر مطمئن ہے اسی لیے میں پرسکون رہوں گی۔ مگر یہ شخص مجھے اس مقام تک لا کر اس قدر ذلیل و رسوا کر کے کبھی سکون سے نہیں جی پائے گا۔"

"نویرہ۔" وہ مشتعل ہو کر آگے بڑھا تھا مگر اماں نے فوراً درمیان میں آ کر اس کا راستہ روک لیا تھا۔

"کیا کرتے ہو؟ جا تو وہ رہی ہے؟" روتے ہوئے اماں نے کہا تو وہ غصے سے پاگل ہوا تھا۔

"تو پھر بکواس بند کر کے جائے۔"

"چ...... چ...... اتنا بھی حوصلہ نہیں کہ اپنی اصل شکل آئینے میں دیکھ سکو۔ جس شخص کو اپنی ماں بہن کا نام گالی لگتا ہو جو اپنی اصلیت سے مفرور ہو حیرت کی بات ہے اس کے منہ سے اپنے لیے باکردار بیوی کی بات ناگوار ہوتی ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

"اماں اسے یہاں سے دفع کریں...... ورنہ میں......"

"چلو نویرہ......" اماں نے شارق کے غصے سے ڈر کر نویرہ کا بازو پکڑا تھا۔ جس کی آنکھوں میں شارق زمان کے لیے بلا کی نفرت تھی۔

"جا تو رہی ہوں اماں مگر یہ واضح کر دوں شارق صاحب میں یہ تصویریں اور ڈائری ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر ڈریسنگ پر رکھی دونوں چیزیں اٹھالی تھیں۔

"تم لوگوں کو بتاتے ہو یا نہیں میں ضرور بتاؤں گی کہ میرے شوہر نے مجھے بدکردار کہہ کر گھر سے نکال دیا ہے۔ یہ تصویریں اور ڈائری تمہارے نزدیک ثبوت ہیں مگر میرے نزدیک سچائی ہیں۔ تمہارے کردار کو آئینے کی شکل میں پرکھنے کی۔ تمہارا اصل روپ جان کر مجھے کل تک بڑی تکلیف ہوتی تھی اب وہ بھی نہیں

رہی۔ دراصل جو نفسیاتی طور پر بیمار ذہنیت کے حامل لوگ ہوتے ہیں ان کی سوچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جو انسان اپنے وجود کی حقیقت سے باخبر نہیں وہ میرے بدکردار ہونے پر کیسے مہر ثبت کر سکتا ہے؟ میرا کردار سارے خاندان کے سامنے ہے۔ مجھے پرکھنے والے اپنے وجود کی حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں وہ میرے کردار کو بالکل ایسے ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ لوگ اپنی اصل شناخت کو جانتے ہیں۔ ہاں تم جیسے لوگ ضرور رشک کی دہلیز پر کھڑے ہر کسی کو اپنی سوچ کے زاویوں سے پرکھتے رہتے ہیں۔"

نوریہ نے ایک آخری کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ جو غیظ بھری نگاہوں سے اسے گھورا دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک سوٹ لے کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔ اماں کی سسکیاں سارے کمرے میں گونج رہی تھیں۔ نوریہ کے لفظ شارق زمان کے ذہن پر ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے۔

اماں کو دیکھ کر اور رونا آیا' نوریہ نے اس گھر سے ایک جوڑا کیا ایک جوتا تک نہ لیا تھا' یہ سب وہ خالہ بیگم کی وقتاً فوقتاً دی گئی عنایتیں تھیں جو اب اس کے کام آرہی تھیں۔

"اچھا اماں! چوکیدار بابا کو کہا تھا ٹیکسی لے آئے اب تو ٹیکسی والا بھی انتظار کر کر کے تھک گیا ہوگا۔ اگر آپ کی خدمت میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو معاف کیجئے گا۔"

"نوریہ! تم......" اماں نے روتے ہوئے اسے اپنے سے لگا لیا تھا۔ شارق زمان بے تاثر چہرہ لیے کھڑا رہا۔

"اماں! دعا کیجئے گا میں اس آزمائش میں سرخرو رہوں۔" نوریہ کی آواز میں ہلکی سی نمی در آئی تو اس نے سختی سے خود کو اماں سے علیحدہ کر لیا۔ وہ ثابت قدم رہنا چاہتی تھی ہر حال میں۔ جبکہ اماں کے آنسو اسے کمزور کر رہے تھے۔

"میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

"رہنے دیں اماں! خوامخواہ سب پریشان ہوں گے میں خود ہی ہینڈل کر لوں گی۔ آخر کو بدکرداری کا الزام لے کر جا رہی ہوں۔" اس نے سوٹ کیس تھام لیا تھا۔

اماں کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

جب محبتوں میں شدت آجائے اور شدتیں حد سے بڑھ جائیں تو چاہتوں کو زوال آ ہی جاتا ہے۔

یہ شارق زمان کی چاہتیں تھیں۔

اس کی شدتوں کی یہ حد تھی۔

محبت ہمیشہ اعتدال کے پلڑے میں زندہ رہتی ہے۔

وہ ہمیشہ اعتدال کا ضامن مانگتی ہے۔

ہر رشتہ ایک خاص مقام میں زندہ رہتا ہے۔

ہر رشتے کا ایک مدار ہے۔ وہ مدار سے ہٹ جائے تو فنا ہو جاتا ہے۔

جب "مطلوبہ مقدار" کم ہو یا بڑھ جائے تو نقصان ہی ہمیشہ سامنے آتا ہے۔

اس گھر سے نکلتے' ٹیکسی میں بیٹھتے' ایک ضدی آنسو اس کی پلکوں کی باڑ پر آ ٹھہرا تھا نوریہ نے تب بھی [illegible] دیا کہ وہ اس گھر سے سونپی گئی ہر کمزوری یہاں ہی چھوڑ کر جانا چاہتی تھی۔ آگے اس کے سامنے ایک بہت بڑا امتحان تھا جہاں اس کے قدموں کی ذرا سی کمزوری و لغزش اسے رسوا کر سکتی تھی۔ اور وہ بدکردار کہے جانے کے باوجود رسوا نہیں ہونا چاہتی تھی۔

* * *

وہ پچھلے دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی۔ اس کا کالج جانے اور لڑکیوں کی آنکھوں میں ان گنت سوالوں کا سامنا کرنے کا دل ہی نہیں چاہا تھا۔ شائستہ بیگم نے ایک دوبار کہا بھی تھا مگر وہ ٹال گئی تھی۔ تعلیم اس کا خواب تھا مگر اب اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ ایسے حالات میں وہ کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

سارا دن سو کر اٹھی تو طبیعت عجیب بوجھل سی ہو رہی تھی۔ روزانہ نوشی اور عفان شام کے بعد ضرور چکر لگا لیتے تھے۔ پاپا بھی پہلے سے کچھ بہتر تھے تاہم وہ گھر پر ہی بیڈ ریسٹ پر تھے۔ وہ نہا کر لباس بدل کر کچن میں چلی آئی تھی۔ اس نے ماما پاپا سے چائے کا پوچھا تو دونوں نے انکار کر دیا تھا۔ اپنے لیے چائے بنا کر وہ لاؤنج میں آ بیٹھی ٹی وی لگا کر مصروف تھی کہ علی چلا آیا۔

"السلام علیکم' کیا ہو رہا ہے بھائی صاحب!" وہ خاصا پرجوش اور خوش نظر آرہا تھا۔ زرش نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ اس کا رویہ آج کل سب کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ خاص طور پر تایا لوگوں کے ساتھ مگر علی تو روزانہ آرہا تھا۔ دو دن سے سمعان احمد نہیں آرہا تھا' اس نے علی سے ہی سنا تھا کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں آؤٹ آف اسٹیشن ہے۔

"حال چال نہ سہی مگر سلام کا جواب دینا تو مسلمان پر فرض ہے۔" اس کے یوں خاموشی سے دیکھنے پر اس نے ٹوکا تو وہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"چھوڑو ٹی وی کو یہ دیکھو میں کیا لایا ہوں۔" اس نے ایک شاپنگ بیگ لہرا کر اسے دکھایا تھا۔ ساتھ ہی ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بھی آف کر دیا تھا۔

"کیا ہے......؟" بادل نخواستہ اسے پوچھنا پڑا تھا۔

"بوجھو تو جانیں۔"

"مجھے پزل کھیلنے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے علی کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر دوبارہ ٹی وی آن کر لیا تھا۔

"توبہ کتنی سڑیل ہو تم...... سمعان بھائی کو نجانے تم میں کیا نظر آیا تھا۔" کہنے کو تو اس نے مذاق میں کہا تھا مگر زرش کو لگا اس نے اسے ذلیل کر دیا ہو۔

"شٹ اپ۔"

"سوری یار...... میں نے تو مذاق کیا تھا۔"

"مگر میرا تم سے مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔"

"نہ بتاؤ مگر دیور بھابی کے رشتے سے انکار نہیں کر دو گی۔" اس نے پھر شرارت سے کہا تھا۔ "اچھا چلو یہ

دیکھو میں کیا لے کر آیا ہوں۔“ اس کے ایک دم چپ چاپ دیکھنے پر علی نے بات ہی پلٹ دی تھی۔ شاپنگ بیگ سے بڑا سا البم نکال کر اسے تھمایا تھا۔

”بڑی زبردست تصویریں آئی ہیں۔ مجھے اتنی ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے کہ حد نہیں..... تم بھی دیکھو حیران رہ جاؤ گی۔ آج ہی ابھی لے کر آیا ہوں۔ سیدھا یہیں آیا ہوں ویسے تو فوٹو گرافر کو دو دو کاپی کروانے کو کہا ہے مگر فی الحال یہ ایک البم ہی تیار ہوا ہے۔ تم دیکھو تو سہی۔“ اس نے تصویروں والا البم کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر کھول لیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی زرش کی نگاہ پہلی تصویر پر ٹھہر گئی تھی۔ لباس میں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کے دائیں بائیں عثمان بھائی اور زوباریہ بھابی تھے۔ ان سب نے بھینچ لیے تھے۔

علی ایک ایک تصویر پر تبصرہ کرتا نان اسٹاپ بول رہا تھا۔ ہر تصویر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ خوب صورت و دل کش انداز میں کھینچے گئے پوز اور اوپر سے فوٹو گرافر کی مہارت۔ مہندی، شادی، ولیمے اور پھر نوشی کے مکلاوے والے دن کی سب تصویریں بڑی زبردست تھیں۔

”ارے علی آیا ہوا ہے۔“ ماما کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا وہ اندر روم میں تھیں پاس۔ اب ادھر آ گئی تھیں۔

”ارے تصویریں آ گئی ہیں۔ نوشی نے بھی فون کیا تھا کہ ادھر کی بھی تصویریں اور مووی دونوں آ ہیں۔“ وہ اس کے پاس ہی آ بیٹھی تھیں۔ زرش چند منٹ بعد خاموشی سے اٹھ گئی۔ اسے اب وحشت ہونے لگی تھی۔

”چائے پیو گے۔“ اپنا خالی کپ اٹھا کر اسے دیکھا۔

”نہیں۔“

”چچی امی میں زری کو لینے آیا تھا۔“ اس نے زرش کو دیکھ کر ماما سے کہا تھا۔

”کیوں؟“ زرش نے ہی پوچھا تھا۔

”میرا آج آؤٹنگ کا موڈ ہو رہا تھا۔ فرح کو کہا تو وہ نہیں مانی تھی۔ میں نے سوچا چلو زری کو چلتا ہوں۔ سی سائیڈ چلیں گے۔“

”نہیں مجھے نہیں کہیں جانا۔“ اس نے فوراً انکار کیا تھا۔

”چلی جاؤ زرش۔ تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے گی تم تو بالکل کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہو۔ کالج بھی نہیں جا رہی ہو۔“ ماما نے اس کے انکار پر کہا تھا۔

”کالج کیوں نہیں جا رہیں۔“

”پتا نہیں۔“ ماما نے اسے دیکھا وہ سرخ چہرہ لیے کھڑی تھی اب بات بات پر وہ غصے میں آ جاتی زرش ایسی تو نہ تھی۔ ان کا دل دکھا۔

”مجھے نہیں جانا کہیں۔“

”زرش بری بات بیٹا..... علی تمہارے لیے وقت نکال کر آیا ہے۔ ایسے بی ہیو نہیں کرتے۔

جاؤ چادر لے آؤ۔“ شائستہ بیگم نے اب کے کچھ بے لچک انداز میں کہا تو وہ خاموشی سے اندر ہی کوئی چادر لے کر آ گئی۔

سمندر کے کنارے آ کر بھی اس کے اندر کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا۔ وہ علی کے ساتھ بائیک پر آئی تھی۔ سارے راستے خاموش رہی تھی اور اب بھی علی کے ساتھ گیلی ریت پر چلتے اس کے دل کی زمین گیلی ہو رہی تھی۔

”زرش! بہت ناراض ہو ہم سے۔ مجھ سے بھی۔ میں تو تمہارا بھائی ہوں۔ کیا بھائیوں سے بھی ناراض رہا جاتا ہے۔“ چلتے چلتے رک کر اس نے اسے دیکھا۔ تو زرش کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ وہ قطعی بے بس تھی اپنے جذبات میں۔ اپنے احساسات میں، وہ نارمل ہونا بھی چاہتی تو قطعی بے سود تھا۔

”پلیز..... ادھر بیٹھو جو دل میں ہے کہہ دو..... جتنا غبار ہے بہا دو۔ مجھے تمہارا ہنستا مسکراتا چہرہ چاہیے..... پلیز جو بھی گلے ہیں کہہ دو۔“ اس نے اسے ایک چھوٹے سے پتھر پر لا بٹھایا تھا اور پھر خود بھی ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

”علی! میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں..... ہر آن، ہر پل میرے دل میں صرف یہی خیال آتا ہے، کہ اپنی زندگی کو خود سے دور کر لوں۔“ اس نے اس کے کندھے پر سر رکھا تو پھر دل کا درد بہاتی چلی گئی تھی۔

”علی! میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ کسی نے بھی اچھا نہیں کیا۔“ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

”اور کالج کیوں نہیں جا رہی ہو؟“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تو اس نے وہ سب کہہ سنایا۔

”لڑکیاں بار بار شادی کا حال پوچھتی ہیں۔“

”تم دفع کرو ایسے لوگوں کو..... لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے ایسی بکواس کرنے کی۔“

”نہیں علی..... اب میں وہ پہلے والی زرش نہیں رہی۔ مجھے لوگوں سے خوف آنے لگا ہے، میں اب ان کا سامنا نہیں کر سکتی، مجھے ڈر لگنے لگا ہے لوگوں سے ان کے لہجوں سے، ان کی باتوں سے، میں نہیں برداشت کر سکتی۔“ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ ”اس واقعے نے میری خود اعتمادی چھین لی ہے، میں ایک دم کسی کو بھی کچھ بھی کہہ دیتی تھی مگر اب لگتا ہے میری گویائی چھین لی گئی ہے، گونگا بنا دیا ہے مجھے اس واقعے نے۔“

علی نے بڑی خاموشی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسا دیا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

”اندھیرا کافی ہو گیا ہے۔“ اس نے اطراف میں نگاہ کی، شام کے سائے پھیل رہے تھے۔

”آئس کریم کھاؤ گی؟“ علی کے پوچھنے پر اس نے سر ہلا دیا تھا۔

”تم بیٹھو میں آتا ہوں لے کر۔“ وہ چلا گیا تھا وہ اسی پتھر پر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے گھٹنوں پر سر رکھے سمندر کی متلاطم خیز موجوں میں بپھرے طوفان کو دیکھ رہی تھی۔

”السلام علیکم.....“ انجان اجنبی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑے شخص کے چہرے کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

”وعلیکم السلام۔“ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"ہونہہ...... ساری عمر یونہی زندگی نہیں رہتی اگر شائستہ کی ہی حکمرانی کروانی ہے مجھے اس گھر میں تو اسے یہاں سے نکلوایا کیوں تھا۔" انتہائی نخوت بھرا تمسخرانہ انداز تھا۔ زرش الجھ گئی۔

"آپ کچھ بھی کہیں آپا...... دولت کی مجھے پروا نہیں...... سعود احمد کی ساری جائیداد ظاہر ہے اس کی بیٹیوں کے نام ہی تو ہے۔ سنا ہے میں نے ہادیہ کے نام کے شیئرز وہ وقار کے نام منتقل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔"

طاہرہ بیگم کی باتیں زرش کے دماغ میں واقعی نہیں بیٹھ رہی تھیں لیکن موضوع گفتگو ان کی ذات تھی تو وہ چپ سادھے سنتی گئی۔

"تو تم کو بھی دے دلا کے ہی رخصت کریں گے دونوں میاں بیوی۔ رہ گئی زرش سنا ہے اس کے نام بھی اچھی خاصی جائیداد ہے۔ یہ "احمد منزل" کا سعود احمد والا پورشن اور مری والا کاٹیج کے علاوہ لاہور والا گھر زرش کے نام ہے۔"

زرش حیران ہو کر سن رہی تھی۔ اتنی معلومات تو اسے بھی نہیں تھیں۔ جبکہ طاہرہ بیگم اور بھی بہت کچھ گنوا رہی تھیں۔

"بزنس میں نفیسہ آپا کے علاوہ دونوں بھائیوں کا جو حصہ بنتا ہے اس میں بھی سعود احمد کا سارا کاروبار ظاہر ہے' اس کی بیٹیوں کے نام ہی ہے۔ رہ گئی شائستہ تو جس گھر میں رہ رہے ہیں وہ اسی کے نام ہے۔ "احمد گارمنٹس" تو سمعان کے نام ہے جبکہ باقی کاروبار عثمان سمعان علی' فرح کے حصے پر سعید احمد چلا رہے ہیں۔ یہ سارا اثاثہ بچوں کا ہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ میرے بچوں کا مستقبل محفوظ ہے۔ فوزیہ اپنی بیٹی ہے' میری زوباریہ کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی مضبوط ہے۔ مگر وہ سب لوگ گارمنٹ یا بزنس جائیداد کے معاملے میں ہمارے ہم پلہ تو نہیں مگر حیثیت والے ہیں۔"

گھر میں بالکل خاموشی تھی اس خاموشی میں دھیمے سے گفتگو کرتی طاہرہ بیگم کا ایک ایک لفظ زرش کے اندر حیرت کی دنیا آباد کر رہا تھا۔

"آپا! دل تو میرا بھی خون کے آنسو روتا ہے...... فوزیہ کے لیے میں نے کس کس کی مخالفت مول نہیں لی۔ ایک دفعہ پھر اپنی گھر ہستی داؤ پر لگا رہی ہوں مگر کیا فائدہ...... آپ کے شکوے بجا ہیں...... لیکن میری بھی تو سنیں جو بھی باہر سے آئے گی راج کرے گی۔ عثمان کا تو کاروبار میں صرف حصہ ہے' سمعان احمد جتنی محنت کرتا ہے سعید احمد اس کے عوض اس کے لئے علیحدہ کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں۔ فوزیہ آتی تو دل کو سکون رہتا نجانے آنے والی کیسی ہوگی۔ زوباریہ فطرت کی اچھی ہے' ورنہ عثمان دور پردیس میں ہیں میرے تو دل کو ہول اٹھتا ہے' پر کچھ کہوں تو مجھے ہی الزام دینے لگتے ہیں سب......" آخر میں ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

"نہیں آپا! یہ کبھی نہیں ہو سکتا...... مر کر بھی نہیں...... اگر ایسا ہوا تو سعید احمد کچھ بھی کر لیں پر میرا فیصلہ نہیں بدلے گا...... اپنی ساری اولاد میں مجھے سمعان احمد سب سے زیادہ عزیز ہے اور اس کے لئے وہی کلموہی رہ گئی ہے۔"

نجانے وہ اب کس کو کوس رہی تھیں زرش کے تو کچھ پلے نہ پڑا۔

"سمعان کو میں جانتی ہوں وہ میری مرضی کے بغیر باپ کی بھی نہیں مانے گا اور سعید احمد نے کہا ہے کہ وہ کچھ عرصہ سمعان کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ میں چپ ہو گئی ہوں کہ ان کے اندر بھائی کی محبت کا جو طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہے ذرا تھم لے پھر سوچوں گی' کیا کرنا ہے۔"

زرش الجھ گئی تھی دونوں میں ہونے والی یہ گفتگو کم ہی پلے پڑ رہی تھی۔

"ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔ بلکہ سعید احمد اور سمعان احمد دونوں نے ہی کہا تھا کہ میں چلوں عیادت کرا آؤں مگر آپا آپ جانتی ہیں' سعید احمد کے طعنوں کے بعد انتہائی ذلیل کر کے گھر سے نکالے کے بعد میں اس شخص کی شکل بھی، دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ بھائیوں اور ماں باپ کی ضد کے سامنے ہار گئی پھر آپ نے سمجھایا تو دوبارہ یہاں چلی آئی ورنہ دل سے تو ابھی بھی دھواں اٹھتا ہے۔ آج تک سعید احمد کا رویہ تکلیف دیتا ہے۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ دیواروں سے سر پھوڑ پھوڑ کر روؤں۔ میں نے اس کٹھور سنگدل شخص پر اعتبار کیا تھا۔ بھول کس سے نہیں ہوتی مگر بھول تو وقتی تھی کوئی میرے دل میں جھانک کر نہیں دیکھتا یہاں کیسی آگ لگی ہوئی ہے۔ ساری عمر گزر گئی ایک رات بھی سکون سے نہیں سو پائی ہوں۔ اتنی ذلت' کاش آپا میرے بس میں ہو تو میں اس عورت کا منہ نوچ لوں۔ کتنی خوش ہے میرے گھر میں آگ لگا کر۔ کتنا چیخی تھی میں سعید احمد کے سامنے' اعتبار' قسمیں' دلائل' ثبوت کیا نہیں میں نے اس سنگدل شخص کے سامنے پیش کیا مگر اس کے دل میں پتھر فٹ ہو گیا تھا۔ آپ بھی تو گواہ ہیں کیسے مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا۔ اپنے بچوں کے لئے آج یہاں ہوں ورنہ......"

طاہرہ بیگم اب رو رہی تھیں' ان کی سسکیاں زرش کے دل کو عجیب سے درد سے دوچار کر رہی تھیں۔

"ہاں...... یہ نفرت میرے اندر زہر بن کر دوڑتی ہے۔ دونوں میاں بیوی کا نام بھی سنوں تو دل چاہتا ہے آگ لگا دوں اور اب ساری عمر گنوا کے اعتبار مجروح کروا کے بے اعتباری کی زندگی جی کے پھر اس عورت کی بیٹی گھر لے آؤں' نہیں آپا! فوزیہ کا نام اس لیے لیتی ہوں کہ آپ کے مجھ پر بڑے احسان ہیں' جب ذلیل کر کے اس گھر سے نکالی گئی تھی تو آپ نے رہنے کو چھت دی تھی۔ جب سب بہن بھائیوں نے ساتھ چھوڑا تھا' آپ سہارا بنی تھیں۔ احسان فراموش نہیں ہوں مگر مجبور ہوں میں' سعید احمد کے سامنے فوزیہ کے لئے نہیں لڑ سکتی۔ وہ شخص ساری عمر کا انجام "طلاق" کی صورت بھی دینے سے گریز نہیں کرے گا...... آپ کچھ بھی کہہ لیں' خود غرض احسان فراموش مگر اب اس عمر میں یہ خاک سر میں نہیں ڈلوا سکتی۔ میں نے سب کچھ کر دیکھا ہے مگر سعید احمد کے سامنے ہار گئی ہوں۔"

وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

زرش ساکت کھڑی تھی۔

طاہرہ بیگم کی باتیں' گریہ وزاری اس سے یہ گتھی نہیں سلجھنے والی تھی۔

"ہاں ایک دفعہ پھر دیکھوں گی مگر ابھی نہیں...... کچھ عرصہ ٹھہر جائیں' آپ کو جلدی کس بات کی ہے۔ نہ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں اور نہ ہی سمعان احمد۔ یہ جو زرش والا معاملے ذرا ٹھپ

"آپ زرش ہیں؟" پوچھنے والے کے لہجے میں یقین تھا۔ وہ چونک کر بغور دیکھنے لگی۔ بظاہر پرسنالٹی سے چھچھورا انسان تو نہیں لگتا تھا اور نہ ہی آنکھوں کا تاثر ایسا تھا مگر تھا کون؟ اسے یہ چہرہ دیکھا بھالا سا لگا مگر یاد نہیں آ رہا تھا۔

"آپ کون؟"

"میں نواز فاروق ہوں۔ سائرہ کا کزن۔ آپ کو یاد ہوگا ایک بار آپ اکیڈمی آئی تھیں۔"

"جی...... یاد آ گیا۔ سوری مجھے چہرہ بھول گیا تھا۔ کہیے کیسے ہیں آپ۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ دراصل میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں کافی دیر سے آیا ہوا ہوں۔ آپ کو روتے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا' پھر یاد کرنے پر پتا چلا کہ آپ کون ہیں اس وقت آپ اکیلی کیوں ہیں آپ کے ساتھ لڑکا تھا۔" بات ادھوری چھوڑ کر نواز فاروق نے اسے دیکھا۔ چادر کو اپنے گرد لپیٹے وہ اس سے خائف لگی تھی۔

"میرے ساتھ میرا بھائی ہے وہ آئس کریم لینے گیا ہے۔"

"اوہ......" زرش نے دیکھا نواز فاروق کچھ پرسکون ہوا تھا۔

"آپ رو کیوں رہی تھیں؟" اس نے پوچھا تھا۔

"بس ویسے ہی۔" اس نے ٹال دیا تھا تو نواز فاروق نے جرح نہیں کی تھی۔

زرش کو پہلی بار دیکھ کر وہ چونکا تھا زرش کے چہرے میں اسے نویرہ یاد آئی تھی اور آج پھر وہ چونک گیا تھا' پچھلے چند دنوں سے وہ بہت پریشان تھا۔ نجانے کیوں نویرہ کا خیال بار بار دل و دماغ پر حاوی ہوئے تھا اور ایسے میں زرش کو دیکھنا' وہ اپنے آپ کو اس سے بات کرنے سے روک نہیں پایا تھا۔

"کیسی چل رہی ہے آپ کی اکیڈمی۔" زرش نے برائے بات پوچھا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ پھر ایگزامز کے دنوں میں اسٹوڈنٹ کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ آئیے گا آپ کسی دن چکر لگائیے گا۔"

"جی ضرور......" زرش نے بھی اخلاق نبھایا تھا۔

پھر نواز نے چند باتیں اور کی تھیں اور رخصت لی تھی۔

نواز کے رخصت ہونے کے دو تین منٹ بعد علی آئسکریم لے آیا تھا۔

دونوں نے سمندر کی ریت پر چلتے آئس کریم ختم کی تھی۔ زرش نے اسے مسٹر نواز فاروق کے بارے میں بتایا تھا۔ ریت پر چلتے وہ دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے جب علی کے موبائل پہ بیپ ہونے لگی۔

"السلام علیکم بھائی...... کیسے ہیں؟"

زرش رک گئی تھی۔

"ٹھیک ہوں...... گھر میں بھی سب خیریت ہے۔"

"جی اللہ کا شکر ہے ادھر بھی سب ٹھیک ہے' چچا جان بھی کافی بہتر ہیں۔" دوسری طرف نجانے عثمان بھائی تھے یا سمعان احمد' زرش چلتے چلتے کئی قدم آگے بڑھ آئی تھی۔ پانی میں چلتے اس نے مڑ کر دیکھا علی پیچھے ہی رک کر موبائل پہ مصروف تھا۔

"زرش......" سمندر کی پرشور لہروں میں تیزی سے اپنی طرف بھاگ کر آتے علی نے اسے موبائل تھمایا تھا۔

"بھائی ہیں...... بات کرنا چاہتے ہیں تم سے۔"

"کون؟"

"تم بات کرو میں آتا ہوں۔" وہ اسے موبائل تھما کر یہ جا وہ جا۔

"ہیلو......"

"السلام علیکم۔" دوسری طرف سمعان احمد تھا۔ زرش نے ایک گہری سانس لی۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" آہستہ آہستہ چلتے وہ آگے بڑھ آئی تھی۔ پانی اب گھٹنوں کو چھو رہا تھا۔

"کالج نہیں جا رہیں؟" اس سوال نے زرش کے اندر ایک تلاطم برپا کر دیا تھا۔

"آپ کو میرے کہیں آنے جانے سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔" تلخی خودبخود اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔

"تحریم نے فون کیا تھا مجھے آج...... اس طرح تو تم اپنا نقصان کرو گی۔ تمہارے ایگزامز کی ڈیٹ شیٹ آنے والی ہے۔ پہلے ہی کافی چھٹیاں کر چکی ہو۔ کل سے تم کالج جاؤ۔"

سمعان نے دوسری طرف سے کہا تو زرش کو لگا جیسے اس تحکم بھرے انداز نے اس کے اندر آگ سی لگا دی ہو۔

"نہیں جانا مجھے کالج۔ چھوڑ چکی ہوں کالج...... مجھ سے نہیں برداشت ہوتیں گھٹیا لڑکیوں کی گھٹیا باتیں۔"

"چچی جان کو علم ہے؟" دوسری طرف سے سمعان نے بڑی تشویش سے پوچھا تھا۔

"بتا دوں گی ان کو بھی۔"

"تمہارے ایگزامز ہونے والے ہیں۔ اس طرح تو تمہارا حرج ہوگا۔"

"ہونے دیں' آپ کو پروا نہیں ہونی چاہیے۔" دوسری طرف سے سمعان خاموش ہو گیا تھا۔ زرش سے الجھنا اپنا دماغ خراب کرنے والا حال تھا۔

"علی کہاں ہے؟"

"پتا نہیں؟" زرش نے اطراف میں دیکھا وہ چلتے ہوئے کافی گہرے پانی میں آ گئی تھی۔ پاؤں کے نیچے موجود ریت پر اب پاؤں کسی بھی لمحے پھسل سکتے تھے۔ اگر کوئی بپھری لہر اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئی تو۔ اک خوف نے اسے اطراف میں جکڑا تھا۔ اندھیرے میں اس نے کنارے کی طرف دیکھا۔ نجانے علی کہاں تھا۔

"کیا مطلب ہے؟ علی کو فون دو اور اس وقت تم ہو کہاں؟"

"ہم سی سائیڈ آئے تھے، میں آگے آ گئی ہوں وہ پتا نہیں کدھر گیا ہے۔ موبائل دے کر گیا ہے [illegible] نہیں آ رہا کہیں بھی۔" اب کے اس نے کچھ آرام سے کہا تھا۔

"پاگل ہو گیا ہے کیا وہ...... اکیلے کیوں چھوڑ کر گیا ہے وہ؟" دوسری طرف سمعان احمد فوراً غصے میں آیا تھا۔ زرش متوحش سی واپس پلٹی تھی۔ گہرے پانی میں اطراف میں دیکھتے وہ اندھیرے میں کھوج رہی تھی کہ کہیں سے علی نکل آئے۔ اتنا کم عقل تو وہ نہیں تھا مگر نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ نجانے کہاں گیا تھا۔

"نظر آیا علی کہ نہیں؟"

"نہیں۔"

"اس وقت کس سائیڈ پہ ہو؟"

"پتا نہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"وہ چلتے کافی آگے نکل آئے تھے۔ یہاں بہت کم لوگ ہیں چند ایک ہی مگر اب تو مکمل اندھیرا ہو چکا ہے۔"

"نان سنس۔" سمعان خاصا برہم ہوا تھا اور پھر کال بند کر دی تھی۔

زرش نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ ساحل پر آ کر اس نے اطراف میں دیکھا نجانے علی کہاں گیا تھا اسے اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔

"علی......" کنارے پر کھڑے اس نے اردگرد آواز لگائی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل ایک دفعہ پھر بیپ دے رہا تھا۔ سمعان کی کال تھی۔

"علی آیا ہے یا نہیں؟" سمعان پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ اب سچ مچ رو دینے کو تھی۔

"اچھا رونا شروع نہ کر دینا۔ اتنا کم عقل نہیں ہے وہ کہ یوں ایک دم منہ اٹھائے کہیں چل دے۔ تم ایسا کرو باہر آؤ میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ موبائل تو پاس ہی ہے تم کسی سے سائیڈ پوچھ کر کال کر دینا میں آتا ہوں۔"

"مگر آپ تو یہاں نہیں ہیں؟"

"ابھی لوٹا ہوں۔ ایئرپورٹ سے سیدھا گھر جا رہا تھا کہ علی کو کال کی تھی اب ادھر ہی آ رہا ہوں۔ پہنچنے والا ہوں۔"

"اچھا۔"

ابھی وہ ادھر اُدھر کھڑی دیکھ ہی رہی تھی کہ اسے کنارے پر بڑی چٹان کے عقب میں بیٹھے دونوں دکھائی دیے تھے۔

"علی......" اس کا غصہ یکدم بڑھا تھا۔ اس کا ہم عمر ایک اور لڑکا ہمراہ تھا۔

وہ بھاگ کر اس کی طرف آئی تھی۔ علی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"علی، تم اتنی دیر سے ادھر بیٹھے گپیں ہانک رہے ہو اور میرا ڈر ڈر کر برا حال ہو گیا تھا۔"

"دیکھ رہا تھا۔ ادھر ہی تھا۔ یہ میرا دوست ہے فراز۔ بس اس کو دیکھ کر ادھر آ بیٹھا تھا۔" علی کے دوست کو دیکھ کر وہ اپنا غصہ پی گئی تھی۔

"جلدی آؤ......" وہ اسے کہہ کر آگے بڑھ آئی تھی وہ فوراً دوست کو خدا حافظ کہتا پیچھے بھاگا تھا۔

"یار خفا کیوں ہو رہی ہو۔ میں تمہیں دیکھ تو رہا تھا۔ بے شک تمہاری نظروں سے اوجھل تھا مگر تمہاری جانب متوجہ تو تھا نا۔" وہ پھر بھی خاموش رہی تھی۔

سمعان کی کال آنے لگی تو اس نے خاموشی سے اسے موبائل تھما دیا۔

"ارے سمعان بھائی ہیں۔ کہیں تم نے شکایت تو نہیں کر دی ان سے میری۔" علی کی آواز سنتے ہی سمعان اس پہ بڑی بری طرح برسا تھا۔ اسے غیر ذمہ دار اور بھی نجانے کیا کچھ کہہ سنایا تھا۔

"آئندہ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔" کال بند ہوتے ہی اس نے علی کو کہہ دیا تھا۔ علی کا منہ لٹکنے والا تھا۔

"سمعان بھائی آ گئے ہیں، چلو بیٹھو وہ تمہیں گھر چھوڑ کر آئیں گے۔ انہیں اب مجھ پہ اعتبار نہیں۔ وہ روڈ پہ انتظار کر رہے ہیں۔"

اس نے بائیک اسٹارٹ کی تھی وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ پتا تھا علی کو اب سمعان سے اور بھی سننے کو ملنے والی تھیں۔

✲ ✲ ✲

وہ گھر آیا تو سامنے زبیدہ بیگم بڑی شدت سے رو رہی تھیں۔ آج کل تو زبیدہ کیا اس گھر کا ہر فرد ہی رو رہا تھا سوائے حمید صاحب کے یا اس کے اپنے علاوہ۔

"کیا ہوا ہے؟" زبیدہ اس سے ناراض تھیں مگر وہ پھر بھی پوچھ بیٹھا تھا۔

"ثوبیہ کو شارق نے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ صبح سے خالدہ آپا کے ہاں آئی ہوئی ہے۔" رضا کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا تھا۔

"تمہارے باپ سے میں چھپا گئی ہوں اب کیسے چھپاؤں گی۔ جی چاہ رہا ہے کچھ کھا کر پڑ جاؤں۔ اس وقت کے لیے لوگ نیک اولاد کی دعا مانگتے ہیں۔ ایک ہی اولاد تھی وہ بھی......"

"تم سب نے کچھ نہیں کیا......؟" وحشت کا یہ عالم تھا۔ زبیدہ بیگم کا جی چاہا کہ کسی دیوار پر جا کر اپنا سر مار لیں۔

"رضا! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔ تم نے مجھے ذلت کے جن گڑھوں میں لا پھینکا ہے اب شاید ہی عمر بھر سر اٹھانے کا موقع ملے۔ تمہارا بھگتان بھگتنا ہے اب ساری عمر۔ خاندان تو ایک طرف تمہارا باپ ہی کسی طور کم نہیں۔"

ان کی مسلسل گریہ وزاری پر اپنے کمرے سے رمشا بھی نکل آئی تھی۔ رضا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی

تپش شعلے اگلنے لگی تھی۔

"اس سب کا الزام آپ مجھے نہ دیں اس سب کی قصوروار یہ ہے۔" رضا کا انداز ایسا تھا جیسے ان کے لیے یہ بالکل عام سی بات ہو۔

"تم دونوں میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" انہوں نے قطعیت سے کہا تھا۔ "تم دونوں اب کچھ بھی کرو..... گھر برباد کرو یا آباد میں تم دونوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گی۔ چلے جاؤ میرے سامنے سے۔ میرے نصیبوں کا رونا تھا جسے میں رو رہی ہوں۔" وہ اور شدت سے رو رہی تھیں۔

"وہ تو بھائی کی بیٹی تھی تم تو میری اولاد تھے جب تمہیں ہی ماں باپ' خاندان کی عزت کا خیال نہ آیا پھر اس سے میں کیا گلہ کروں۔ میں تمہارے کسی بھی عمل کی ذمہ دار نہیں۔ اب اپنے باپ کو خود ہی کہنا نوریہ خالدہ بھائی کے ہاں جا چکی ہے اور شارق جیسا مرد اب اسے دوبارہ اپنے گھر میں بسانے والا نہیں اور تمہارے جیسے لوگوں کو نبیل جیسے غیرت مند بھائی چھوڑتے نہیں۔ تین گھر برباد ہو رہے ہیں تمہاری ذرا سی ضد اور رمشاء کی بے صبری نے کسی با کردار عورت کو بدکردار کہلوا ڈالا ہے اور اوپر سے یہ عالم ہے کہ شرمندگی تک نہیں۔ لاکھ دفعہ کہہ چکی ہوں تم شارق کو سمجھاؤ اپنی غلطی کا اعتراف کر لو۔ ہو سکتا ہے اسے نوریہ پر اعتبار آ جائے مگر اس خاندان کے مردوں کی عقل ان کے جذبات کے تابع ہے۔ سارے خسارے تو ہم عورتوں کے حصے میں آتے ہیں۔ ایک اور سہی۔"

رضا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ رمشاء خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ رضا کو دھمکا دینا اور بات تھی مگر حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں کرنے والی تھی۔ اس کی جذباتی اور بے صبری فطرت نے نوریہ کو برباد کر ڈالا تھا۔

"تم ادھر کیوں بیٹھی ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔ یا پھر جا کر رضا سے لڑو جھگڑو اب کیوں چپ کر کے بیٹھی ہوئی ہو۔ تمہیں میں نے کبھی بھتیجی نہ سمجھا' رضا سے بڑھ کر چاہت دی' محبت دی مگر سچ کہتے ہیں جب اپنا اپنا نہیں بن سکے تو پھر پرائے بھی نہیں بنتے۔ جاؤ چلی جاؤ تم بھی..... اور جا کر نوریہ کے بعد اب میری بربادی کی دعائیں کرو...... جاؤ۔" زبیدہ بیگم کا انداز بڑا جارحانہ تھا وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی۔

رضا نے حد کر دی تھی اور عالم یہ تھا کہ اسے اپنے کیے پر ذرا بھی تاسف نہ تھا' نوریہ اس کے نام پر برباد ہوئی تھی اور وہ مطمئن تھا۔

⁂

سمعان احمد کے ساتھ گھر جاتے بالکل خاموش رہی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔ علی وہیں سے واپس اپنے گھر چلا گیا تھا جبکہ سمعان اسے چھوڑنے گھر آیا تھا۔

ٹیکسی کے رکتے ہی وہ فوراً باہر نکلی تھی' چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ لان میں ماما ادھر سے اُدھر ٹہل رہی تھیں۔

"السلام علیکم ماما کیا ہوا!؟ ادھر کیوں کھڑی ہیں؟" وہ فوراً ماما کے پاس آئی تھی۔ کچھ پریشانی سے انہیں کہا۔ پاپا کی طرف سے تو ہر وقت اسے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا اب بھی یہی حال ہوا تھا۔

"بہت دیر لگا دی تم نے آنے میں بیٹا۔ میں پریشان ہو رہی تھی' علی کے نمبر پر کال بھی کی تھی مگر نمبر بزی تھا۔" وہ ابھی بات ہی کر رہی تھیں کہ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر کے سمعان بھی اندر آ گیا تھا۔

"ارے سمعان..... سمعان تمہارے ساتھ آیا ہے' بات روک کر انہوں نے پہلے سمعان کو دیکھا اور پھر سمعان ان کے قریب آ گیا تھا۔ زرش نے صرف سر ہی ہلایا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے سمعان کے سر جھکانے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ "تم تو اسلام آباد گئے ہوئے تھے!؟"

"بس ابھی لوٹا ہوں؟" مگر شائستہ بیگم کی الجھن نہیں گئی تھی۔

"میں نے زرش کو رستے میں پک کیا تھا۔ آپ سنائیں کیسی ہیں اور چچا جان!؟"

"اچھا میں بھی حیران ہو رہی تھی کہ زرش تمہارے ساتھ کیسے آئی ہے۔ میں ٹھیک ہوں' اور تمہارے چچا جان بھی۔ آؤ اندر چلو۔" اگلے ہی لمحے وہ مطمئن ہو گئی تھیں۔

سمعان لاؤنج کی طرف چلا گیا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ چادر الماری میں رکھ کر سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے سنہرے بالوں کو کیچر میں جکڑتی وہ کچن میں چلی آئی تھی۔ یاسمین کو شائستہ نے چائے بنانے کو ہی کچن میں بھیجا تھا۔

"تم رہنے دو میں بناتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں جا کر بھی کیا کرتی اس نے خود کو کچن میں ہی مصروف کرنے کا سوچا تھا۔ اس نے چائے تیار کی تو یاسمین نے ٹرالی بھر لی تھی۔

"تم لے جاؤ..... ماما میرا پوچھیں تو کہہ دینا پڑھ رہی ہوں۔"

وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی اس کی غیر موجودگی میں ماما نے تصاویر والا البم اس کے سرہانے رکھ دیا تھا۔ البم اس نے بے دلی سے پرے کھسکاتے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا لی تھی۔

کورس کی کتاب لے کر اسٹڈی کرتے ہوئے بھی ذہن بار بار الجھ رہا تھا۔ شادی کے بعد وہ چاہنے کے باوجود بھی اپنے ذہن کو نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اچھی خاصی ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسے عالم میں کچھ بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی اس دن لڑکیوں کی گفتگو کے بعد اس نے کالج چھوڑ دینے کا سوچا تھا مگر ایگزامز دینے تھے۔ وہ اچھی خاصی تیاری کر چکی تھی۔ بے شک شادی کی وجہ سے ان دنوں میں حرج ہوا تھا مگر اس نے سوچا تھا کہ وہ سب کمپلیٹ کر لے گی۔ لیکن شادی کے دوران جو بھی واقعات رونما ہوئے تھے اس سب نے اسے ڈسٹرب کر کے رکھ دیا تھا اور اب رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی۔ کتاب ہاتھ میں پکڑے نجانے کن کن وسوسوں میں گم تھی کہ سمعان نے آہستگی سے دروازہ کھولتے اندر قدم رکھا تھا۔

وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" سمعان نے مسکرا کر دریافت کیا تھا۔ زرش نے جواب نہیں دیا تھا۔ بستر سے اتر کر اسٹڈی ٹیبل کے پاس آ رکی تھی۔ اسے سمعان کا اپنے کمرے میں آنا اچھا نہیں لگا تھا مگر وہ کہہ نہیں سکی تھی۔

"ناراضگی اپنی جگہ مگر کسی کے سوال کا جواب دینا بھی اخلاقیات میں آتا ہے۔" سمعان نے مسکرا کر کہا تھا۔ زرش نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ سمعان کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا جو اس نے بیڈ پر رکھ دیا تھا۔ زرش نے نظر انداز کر دیا۔ خوامخواہ کتابوں کی ترتیب درست کرنے لگی۔ سمعان بستر کے سرہانے اسی جگہ جا بیٹھا جہاں سے وہ اٹھی تھی۔

"اسٹڈی ہو رہی ہے؟" وہ چپ ہی رہی تھی۔ "کالج چھوڑنے سے متعلق کسی کو بتایا بھی ہے یا نہیں؟" زرش اب بھی نہیں بولی تھی۔ سمعان نے بڑے ضبط سے اسے دیکھا وہ اس کی طرف سے پشت کیے خوامخواہ کتابوں سے الجھی ہوئی تھی۔

سمعان نے ایک گہری سانس خارج کر کے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا تھا۔ تکیے کے نیچے رکھا سرخ البم سامنے تھا۔ سمعان نے اٹھا لیا تھا۔ ایک نظر اسے دیکھا اور پھر البم کو۔

"یہ تصویریں علی دے کر گیا تھا؟" سمعان نے البم کھولتے پوچھا تو وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"ہوں۔" اسے افسوس ہوا کہ خوامخواہ البم بیڈ پر رہنے دیا تھا۔ اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیتی۔ اب نجانے سمعان کیا سوچے گا۔ وہ کون سا دیکھ رہی تھی۔

"بتا رہا تھا علی کہ تصویریں آ گئی ہیں کیسا ہے رزلٹ؟" سمعان نے اس کے ہوں پر سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ کچھ پزل سی ہو گئی تھی۔

"تصویریں تو اچھی ہیں۔" سمعان ایک ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ "میرا تو خیال تھا کہ رونا دھونا چہرہ آئے گا مگر فوٹوگرافر کا کمال کہوں گا' اچھا خاصا رزلٹ ہے۔" سمعان اس کی ایک ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ مسکراہٹ کسی بھی تصویر پہ نہ تھی۔ جھکے سر اور چھلکتی آنکھوں کے باوجود فوٹوگرافر کی مہارت نے ہر تصویر موجود چہرے کے تاثر کو اس انداز میں نمایاں کیا تھا کہ سنجیدہ چہرے کا تاثر بڑا بھلا اور اٹریکٹو لگ رہا تھا۔

سمعان نے البم بند کر کے اسے دیکھا تو وہ چہرہ موڑ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"زرش....." اپنے عقب سے آتی آواز اور سانسوں کی تپش پر وہ بے اختیار نروس ہو چکی تھی۔

"زری....." اس پکار میں دل کی تمام شدتیں پنہاں تھیں' زرش کو اپنی دونوں ہتھیلیاں تک گیلی ہوتی محسوس ہوئیں۔ سمعان نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ مزید کنفیوز ہو گئی۔ وہ سمعان احمد سے جی بھر کر نفرت کرنا چاہتی تھی بدتمیزی کی حد تک برا سلوک کرنا چاہتی تھی مگر سمعان کے انداز میں نا جانے ایسی کیا بات تھی کہ اس کے ہونٹ کچھ تلخ کہتے کہتے سل جاتے تھے' وہ جارحانہ انداز اپناتے اپناتے ساکن ہو جاتی تھی۔ ان دو تین دنوں میں اس نے اس رشتے اور سمعان احمد کی ذات کو اتنا سوچا تھا کہ اب سمعان کا خیال آنے سے ہی وہ گھبرا جاتی تھی۔

ان کے درمیان ایک اٹل حقیقی و شرعی رشتہ تھا۔ اتنا مضبوط کہ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اسے توڑ نہیں سکتی تھی۔ دل میں بے پناہ نفرت سہی مگر کبھی اس نے اس شخص کو چاہا تھا بڑا مان دیا تھا' عزت دی تھی اور......!

سمعان کی پکار پر اس کی آنکھوں کی زمین گیلی ہوتی گئی تھی۔ اس کی ذات مجروح ہوئی تھی۔

بڑی آہستگی سے اس نے سمعان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

اب نفرت کے بعد اس کے انداز میں بڑا عجیب سا گریز اور تلخی در آئی تھی۔ چیخنے چلانے سے وہ اپنی اندر کی بھڑاس نکال لیتی تھی جبکہ وہ اب.....

"زرش.....!" سمعان کو اس کے اس انداز نے بڑی اذیت دی تھی۔ بازو پکڑ کر رخ پھیر کر اپنے سامنے کر لیا تھا۔

"جو بھی غصہ یا تلخی ہے وہ مجھ پر نکالو اس طرح رخ موڑ کر چپ چاپ کھڑے ہو جانا تمہاری عادت نہیں۔" سمعان نے مسکرا کر اسے اکسایا تھا وہ ایک لمحے کو ہی سمعان کے مسکراتے چہرے کو دیکھ پائی تھی۔ اگلے ہی پل سمعان کے مضبوط ہاتھ کی گرفت سے اپنا بازو نکال کر وہ اسٹڈی ٹیبل کے سامنے دھری چیئر پہ جا بیٹھی تھی۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی اور نہ ہی سننی ہے آپ چلے جائیں۔" کی بورڈ پر انگلیاں مارتے اس نے کہا تو سمعان نے ایک گہری سانس خارج کرتے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"کل کالج جا رہی ہو؟" کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ ٹکائے سمعان اس کی طرف جھکا تھا۔ گرم سانسوں کی تپش نے اس کے چہرے کو چھوا تو وہ گھبرا کر تھوڑا سا آگے کو ہو گئی تھی۔

"آپ جائیں پلیز۔" اس نے ان گزرے دنوں میں اس رشتے کو اتنا سوچا تھا کہ اب یہ تعلق ایک کھلی حقیقت لیے اس کے سامنے تھا وہ لاکھ انکار کرتی' رد کرتی' مگر حقیقت یہی تھی کہ اس کا سمعان احمد کے ساتھ بڑا گہرا اور مضبوط تعلق ہے۔ جسے وہ چاہ کر بھی جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ انکار کرنا تو ایک طرف۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔" سمعان احمد نے ریوالونگ چیئر کو اپنی طرف گھما کر بڑی سنجیدگی سے کرسی کے دونوں بازوؤں پر اپنی ہتھیلیاں دھر دی تھیں۔ زرش اس حملے کے لیے تیار نہ تھی۔ پزل سی ہو کر

سمعان کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خوف سا آ ٹھہرا تھا۔

"کل سے تم کالج جا رہی ہو۔ جب تک ڈیٹ شیٹ نہیں آ جاتی۔ اس طرح تم اپنا ہی حرج کر رہی ہو۔"

"مجھے نہیں جانا۔" اب کے اس نے بڑی تلخی سے کہا تھا۔

"زرش......" سمعان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

"نہیں جانا مجھے وہاں؟ آپ لوگ ایک الزام لے کر جی سکتے ہیں میں نہیں۔ نہیں سامنا کر سکتی ان گھٹیا لوگوں کا۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"اس سے کیا ہو گا؟ یہ تو فرار ہوا نا...... انہی لوگوں میں رہ کر ہی تو حقیقت منوانا اصل ضبط اور بہادری ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"ہاں آپ کے لیے تو یہ کوئی بات نہیں، دوسرے چاہے ضبط کرتے جان سے گزر جائیں۔" چہرہ صاف کرتے اس نے تلخی سے جوابی کارروائی کی تھی۔

سمعان احمد صرف مسکرایا تھا۔ بہت دھیرے سے اس کے رخسار پر ٹھہرے آنسو اپنی پوروں پر چن لیے تھے۔

"آپ......" وہ کنفیوز سی کرسی کی پشت گاہ سے لگ گئی تھی۔ سمعان کی انگلیوں کے لمس نے اس کے اندر اک آگ سی بھر دی تھی۔

"یہ مسئلے کا حل نہیں۔"

"بس میں نے کہہ دیا ہے میں نہیں جا رہی۔" اپنے چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتے اس نے نگاہیں چرائی تھیں۔ سمعان کی قربت اس کے حواس کو جھنجوڑ رہی تھی۔ اب کے اس نے ہٹیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ اندر کے امڈتے خوف کو اس نے اس انداز میں چھپایا تھا۔

"چچی جان اور چچا جان کو کیا جواب دو گی......؟" سمعان سیدھا ہو کر کھڑا ہوا تو وہ تیزی سے کرسی چھوڑ کر دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

"یہ آپ کا دردِ سر نہیں، جب وہ پوچھیں گے تو بات کر لوں گی۔"

سمعان نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا۔ سمعان کی نگاہوں کے ارتکاز سے وہ کنفیوز ہونے لگی تھی۔ سمعان کی مسلسل موجودگی اس کو متوحش کر رہی تھی۔ اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔

"تمہیں علم ہے میں اسلام آباد کیوں گیا تھا؟" سمعان کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا، باہر کی طرف دیکھتے سوال کیا تھا۔ زرش نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"کسی میٹنگ میں گئے ہوں گے۔"

"ہاں گیا تو میں آفیشل کام سے ہی تھا مگر ابو کی خصوصی ہدایت بھی تھی کہ وہاں عثمان بھائی کی رہائش میں کنسٹرکشن کا کام بھی دیکھ لوں۔ اسی ماہ کے اندر اندر سارا کام کمپلیٹ ہو جائے تو پھر وہاں شفٹنگ کا پروسیس بھی مکمل ہو جائے گا۔"

"آپ سب اسلام آباد شفٹ ہو رہے ہیں؟" زرش کے لیے یہ نئی ہی نہیں حیرت انگیز خبر تھی۔ [illegible]

[illegible] ہو کر سمعان کو دیکھا۔

"ہم سب نہیں، صرف میں اور تم۔ وہ بھی تمہارے ایگزامز کے بعد ہاں اس سے پہلے مجھے وہاں کے آفس کا چارج سنبھالنا ہو گا۔" اس کے قریب آ کر سمعان نے یہ انکشاف کیا تھا وہ حیرت سے دیکھے گئی۔ سمعان آگاہ تو کر چکا تھا مگر وہ سمجھی تھی کہ بات آئی گئی ہو گئی ہے اور اب۔

"مطلب؟"

"تمہیں خبر تو ہے۔"

"آپ سے کہہ چکی تھی کہ مجھے کہیں نہیں جانا۔ اس سلسلے میں آپ سے تفصیلی بات ہو چکی ہے آپ میرے فیصلے سے آگاہ ہیں پھر بھی۔" وہ بڑی برہمی سے گویا تھی۔

"ضروری نہیں تمہارے ہر بیوقوفی پر مبنی فیصلے کو مانا بھی جائے۔" سمعان کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"آپ مجھ پر زبردستی کریں گے؟" وہ اچھی خاصی تلخی سے گویا تھی۔

"اگر تم آرام سے نہ مانیں تو پھر شاید یہ بھی ناگزیر ہو جائے۔"

زرش نے لب بھینچ لیے تھے۔ سمعان کی ٹون ہی بدل گئی تھی انتہائی سنجیدہ انداز۔

"دیکھو زرش! جیسا تم چاہتی ہو ویسا کبھی نہیں ہونے والا۔ اول تو امی کبھی بھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کریں گی اور اگر کر بھی لیں تو بھی اقرار نہیں کریں گی۔

"تم آرام سے اپنے ایگزامز دو، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ میں تمہیں کبھی مزید تعلیم سے نہیں روکوں گا۔ میری ہر ممکن کوشش ہو گی کہ تم ہر حال میں اپنی ایجوکیشن مکمل کرو۔ میرا ہر طرح کا تعاون تمہارے ساتھ رہے گا۔"

"مجھے نہ یہاں اور نہ ہی اسلام آباد کہیں نہیں جانا، کبھی نہیں۔" اب کے اس نے ہٹیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔

"زرش!" سمعان نے تادیبی نگاہوں سے گھورا۔

"زبردستی کی تو بات ہی رہنے دیں۔ میں کسی بھی زبردستی کو نہیں مانتی۔ زبردستی بھی وہاں مانی جاتی ہے جہاں کوئی کسی کی تعلق کسی حق کو مانے جب کہ میں......"

"گہرا تعلق ہے ہمارا تمہارا رد کرنے یا جھٹلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔" سمعان نے ایکدم اس کی بات کاٹ دی تھی۔ "اور رہی حق کی بات تو تم میری بیوی ہو...... میرے نکاح میں ہو ہر طرح کا حق حاصل ہے مجھے زبردستی تو بہت عام سی بات ہے۔" زرش کو سمعان سے اس رویے کی امید نہ تھی جس طرح پچھلے (ان کے ہاں نہ جانے کے) فیصلے کو سب نے خاموشی سے قبول کر لیا تھا۔ وہ مطمئن تھی کہ اسے کوئی اب اس کے فیصلے سے نہیں ہٹائے گا مگر اب سمعان کا انداز و تیور۔ سمعان کی بات پر اس کے چہرے کا رنگ سرخی میں بدل گیا تھا۔

"مجھے آپ سے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی آپ پلیز چلے جائیں۔"

اپنی خجالت اس نے تلخی کے لبادے میں لپیٹی تھی۔ غصے سے کہہ کر اس کا ارادہ وہاں سے واک آؤٹ کرنے کا تھا جب ہی سمعان نے اس کا ہاتھ تھام کر ہلکا سا دباؤ ڈالتے اپنی طرف اسے کھینچ لیا تھا۔ وہ اس افتاد کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔ سیدھی سمعان کے کشادہ سینے سے جا لگی تھی۔

"آپ......" اس نے بڑی سختی سے کچھ کہنا چاہا تھا مگر سمعان کے مضبوط بازو کے حصار نے اس کی بولتی بند کروا دی تھی۔

"کیا کرتے ہیں آپ...... چھوڑیں مجھے۔" اگلے ہی پل شدید مزاحمت کی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ میں کہتی ہوں چھوڑیں مجھے۔" سمعان احمد کا گرم تنفس اس کے رخسار سے کیا چھوا وہ مچل اٹھی تھی۔ سمعان کی گرفت میں بھرپور مزاحمت کی تھی۔

"زرش جان! ابھی تو میں نے اپنے حقوق کا ایک فیصد بھی استعمال نہیں کیا۔" زرش کی یہ بھرپور شدید مزاحمت "مچلنا" سمعان نے بڑی شرارت سے اسے دیکھا۔

"آپ پلیز مجھے چھوڑیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔ سمعان نے اپنے بازو کا حصار ہٹالیا تھا مگر دوسرے ہاتھ کی گرفت اس کے بازو پر جوں کی توں تھی۔

"میں تمہارے لیے ایک گفٹ لایا ہوں۔ چاہے اسے رونمائی گفٹ کہہ لو یا پھر......" سمعان نے زرش کے کھلے سر کو بغور دیکھا اور پھر اسے اپنے ساتھ بستر پر لا بٹھایا بستر پر رکھے شاپنگ بیگ میں سے سرخ مخملیں کیس نکال لیا تھا۔ کیس (ڈبا) کھولا تو اس کے اندر بڑے خوب صورت دو کنگن تھے سمعان نے کنگن نکال کر اس کے دائیں ہاتھ میں ڈال دیے تھے۔

"کیسے ہیں؟"

"پتا نہیں۔" اس نے صرف ایک نظر کلائی میں جگمگاتے کنگنوں کو دیکھا تھا۔

"یہ تو تمہارا رونمائی کا گفٹ تھا جو مجھ پر ادھار تھا۔ مگر تمہارے لیے اسلام آباد سے میں یہ لے کر آیا ہوں۔"

سمعان نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

"میرے لیے مگر کیوں؟ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اگر مجھے موبائل چاہیے ہوتا تو میں بابا سے کہہ کر منگوا لیتی۔"

"تمہیں نہیں تو کیا ہوا مجھے تو ضرورت ہے۔ کبھی کبھار جی چاہتا ہے اپنی بیوی سے بات کرنے کو۔ اب تم میکے میں بیٹھی ہوئی ہو جب تک تم میرے گھر نہیں چلی آتیں میں نہیں چاہتا کہ خوامخواہ پی ٹی سی ایل پر کال کر کرکے سب کو عاجز کر دوں۔ محترمہ یہ میں نے اپنی سہولت کے لیے لیا ہے۔"

سمعان کا انداز ایسا تھا گویا وہ کسی نا سمجھ بچے کو بریفنگ دے رہا ہو۔ غیر سنجیدہ انداز میں بھی بڑی سنجیدگی تھی۔ اور کچھ شرارت بھی۔

"مگر پھر بھی مجھے یہ نہیں چاہیے۔"

"سم وغیرہ میں ڈال چکا ہوں۔ یہ تمہارے پاس ہی ہر وقت رہے گا اس کو استعمال کرنا ہے نمبرز وغیرہ میں نے فیڈ کر دیے ہیں۔"

سمعان نے جیسے اس کا انکار سنا ہی نہیں تھا۔ زرش کا جی چاہا موبائل دیوار پر دے مارے وہ اس شخص سے کچھ بھی نہیں لینا چاہتی تھی مگر سمعان کے آگے اس کی ایک بھی نہیں چلی تھی۔ سمعان کی گرفت اس کے ہاتھ پر کمزور ہوئی تو وہ ہاتھ کھینچ کر کنگن اتار کر بستر پر پٹختے ہوئے بغیر کچھ کہے کمرے سے نکل گئی تھی...... سمعان سے بچنے کے لیے اسے یہی ایک راہ دکھائی دی تھی۔

* * *

اس نے سوچا تھا کہ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں چھپائے گی۔ سب کچھ بتا دے گی۔ اماں بھابی اور نبیل بھائی کو سب کچھ۔ مگر اس گھر میں آ کر جیسے اس کی زبان پر قفل لگ گئے تھے۔

وہ گھر آئی تو پتا چلا کہ اماں رات سے ہی ساجدہ باجی کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔

جس وقت وہ گھر پہنچی تھی، نبیل بھائی آفس جا چکے تھے اور بھابی گھر کی صفائی میں مصروف تھیں۔ نویرہ کو یوں صبح سویرے بریف کیس سمیت آتے دیکھ کر وہ الجھی تھیں۔ سلام، دعا اور حال چال کے بعد نویرہ تھوڑی دیر ان کے ساتھ باتیں کرتی رہی تھی۔ بظاہر تو نبیلہ بھابی کو کوئی خاص بات دکھائی نہ دی تھی مگر نویرہ کا بات کرتے ہوئے گم صم انداز اور ٹوٹتا تسلسل انہیں ٹھٹکا گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ نویرہ خود ذکر کرے گی مگر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ خود سے پوچھنا انہیں بھی اچھا نہ لگا۔ اماں گھر پر ہوتیں تو اور بات تھی۔ اماں کو آپا کے ہاں چار دن لگ گئے تھے۔ پانچویں دن گھر آئیں تو نویرہ کو یہاں دیکھ کر وہ بھی اتنے دن سے آئی جان کر حیران ہوئیں۔ نبیل بھائی نے بظاہر کچھ نہیں کہا، نہ پوچھا تھا نویرہ بھی ان کے سامنے کم ہی پڑتی تھی کہ خوامخواہ بات بڑھے گی۔ وہ بس اماں کے آنے کی منتظر تھی۔

"خیریت سے آئی ہو نا؟" نویرہ کے گم صم انداز انہیں بھی متوحش کر گئے تھے۔

وہ چپ رہی تھی۔

"شارق نے اتنے دن رہنے پر کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟"

"اماں......" وہ صرف یہی کہہ سکی تھی۔ وہ اماں کی آغوش میں سر رکھ کر اپنے اوپر ہونے والی قیامت کا ذکر کھل کر کرنا چاہتی تھی۔ ان پانچ دنوں میں زبیدہ چچی اور بڑی اماں کے کتنے ہی فون آ گئے تھے۔ حتیٰ کہ لاہور سے رفعت باجی نے کال کر کے دکھ کا اظہار کیا تھا۔ یقیناً انہیں اماں نے ہی آگاہ کیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد وہ نماز ادا کر کے جائے نماز لپیٹ رہی تھی۔ جب اماں کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"اماں آپ...... آئیں بیٹھیں......" چادر اتار کر ڈوپٹہ اوڑھتے ہوئے اس نے اماں کو بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بستر پر بیٹھ گئی تھیں۔

"خوشی سے آئی ہو نا؟" نبیلہ بھابی کی فراہم کی گئی معلومات اور نویرہ کے انداز دیکھ کر وہ خاصی پریشان ہو چکی تھیں۔ اس وقت ان کا ارادہ نویرہ سے تفصیلی بات کرنے کا تھا۔

نویرہ [illegible] ان کے سامنے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں آئی نہیں مجھے نکالا گیا ہے اماں۔"

"نویرہ......" اماں ششدر رہ گئی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ اس نے تجھے بڑی مشکلوں سے حاصل کیا تھا' اتنی جلدی۔" اماں بے یقین تھیں۔

"اماں! مجھے بھی یہی دعویٰ تھا مگر......" وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو تو جیسے پہلے سے منتظر تھے آہستہ سے گالوں پر لڑھکتے چلے آئے تھے' پھر اس نے دیر نہیں کی تھی۔ اتنے دنوں سے سہہ رہی تھی' دل پھوڑا بن گیا تھا' دکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا' ہر بات بتا دی تھی۔

"ہائے رضا...... یہ اس نے کیا کر دیا۔ ہائے ہائے میری معصوم بچی رسوا کر دی۔" اماں کا دل ڈوب کر ٹھہر رہا تھا۔ بڑی شدت سے رو دی تھیں۔

"لوگ بیٹیوں کے سکھ اور اچھے مقدر کی دعا مانگتے ہیں۔ نویرہ تو میرے ہاتھوں میں دعا بن کر آئی تھی' کہاں غلطی ہو گئی ہم سے' جس کا بھگتان تجھے بھگتنا پڑ رہا ہے۔" اماں کی گریہ زاری نے نویرہ کو شدت سے رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

"شارق نے تیرے ساتھ اتنا کچھ کر دیا میں نے صبر کر لیا' دل سخت کر لیا۔ تیرے بھائی بپھرے بیٹھے تھے انتقام لینے کے لیے۔ میں نے سمجھایا تو ساجد سمجھ گیا تھا مگر نبیل' وہ تو اب یہ سن کر ہی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تجھ پر تو میں نے صبر کر لیا تھا مگر اب بیٹوں پر کیسے کروں۔ ہم تو رسوا ہو گئے۔ وہ شارق کو اب نہیں چھوڑنے والا۔ نویرہ سن لے وہ نہیں سنبھلنے والا۔" اماں کا دل شدتِ غم سے پھٹ پڑنے کو تھا۔ "تو نے ابا یا کسی سے ابھی ذکر نہیں کیا۔ بڑی آپا سمجھدار ہیں اور زبیدہ بھی۔ تو بالکل چپ رہنا' نبیل کو ہوا بھی نہ لگنے دینا ورنہ مار ڈالے گا شارق اور رضا دونوں کو۔" اماں کو آنے والے وقت کے ہول اٹھنے لگے تھے۔

"اماں! میں کیسے جی لوں گی اتنا بڑا الزام لے کر' سیدھا سادا میرے کردار پر حملہ ہوا ہے۔ وہ شخص مجھے دیکھنے کا روادار نہیں رہا اور میں اب اس کے گھر نہیں جاؤں گی۔" وہ اماں کا بیان سن کر ہی اکھڑ گئی تھی۔

"تو کیا کرے گی...... رسوا ہو جائیں گے ہم' تو اڑ بھاگ گیا ہم نے صبر کر لیا۔ شارق نے زیادتی کی' میں نے بیٹوں کو سمجھا لیا اور اب یہ معاملہ' مرد اس معاملے پر بڑے غیرت مند ہوتے ہیں۔ نبیل کے غصے کو تو جانتی ہے' وہ شارق سے کسی طور پر کم نہیں وہ مار ڈالے گا تو یہ بھی تو سمجھ۔"

نویرہ خاموشی سے اماں کو دیکھے گئی۔

"تو چپ رہے گی...... نبیل سے بھی ذکر نہیں کرے گی' میں سنبھال لوں گی' زبیدہ کے پاس جاؤں گی' بات کروں گی' حمید سے کہ وہ بیٹے کو سمجھائے' تینوں (ماں باپ اور رضا) کو لے کر جاؤں گی شارق کے پاس۔ ہمیشہ سے الٹی مت والا ہے۔ خدا عقل دے اب ایسی بھی کیا کم عقلی کہ گھر سے [illegible] رہے۔" اماں کے اب حواس سنبھل رہے تھے' انہیں آنے والے وقت کی فکر ہو رہی تھی۔

"اماں میں اب اس شخص کے گھر نہیں جاؤں گی۔ وہ مجھے ایک دفعہ نکال چکا ہے' اس نے پہلے بھی میرے ساتھ جو بھی کیا میں نے برداشت کر لیا۔ اک سمجھوتہ کرتے ہوئے خود کو اس کی بیوی بنا لیا۔ غصہ اپنا بھی کبھی بددیانتی کا سوچا بھی نہیں اور اب اس نے صاف میرے کردار پہ چوٹ لگائی ہے۔ رضا نے بھی دو نمبر یا نہیں کہ وہ بہک گیا ہے مگر شارق اماں اس نے مجھے بدکردار تک کہا ہے اور میں یہ نہیں برداشت کر سکتی۔" نویرہ کے لہجے میں بڑی سختی تھی۔ اماں نے سنبھل کر اسے دیکھا۔

بیٹی رسوائی و بربادی ان کے گھر پہ آنے والی تھی۔

"نہیں نویرہ' تو چپ رہے گی۔ یہ دیکھ میرے ہاتھوں کو' تو نہیں بولے گی۔" نویرہ اماں کی آغوش میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"جہاں اتنے دن صبر کیا ہے وہاں چند دن اور صبر کر لے' میں بات کروں گی' سمجھاؤں گی رضا اور شارق دونوں کو۔"

اماں کو اک موہوم سی امید تھی' نویرہ نے سسکتے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ وہ یوں ہی ٹوٹ کر نہیں بکھری تھی' اک موہوم سی آس ہوتی تو وہ گھر کبھی نہ چھوڑتی۔ شارق سے لاکھ اختلاف و بغض سہی مگر اس صورت میں تو کبھی بھی نہیں کہ یہ اس کے کردار کا سوال تھا مگر اماں کو کیسے سمجھاتی کہ اماں کو نجانے کون سی "موہوم آس" تھی لیکن وہ ہر آس توڑ کر یہاں تک پہنچی تھی۔

"تم اکیلی ذات ہوتیں تو شاید میں سوچتی بھی۔ اس بچے کے ہوتے ہوئے اب بہت سی باتوں کا خیال کرنا پڑے گا۔" "نویرہ تم ابھی جذباتی ہو رہی ہو۔ ٹھنڈے دل سے سوچو' یہ بچے کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہونے والی بات ہے۔ لوگ کبھی حقیقت نہیں دیکھتے وہ بات کرتے ہیں چاہے اس الزام سے کسی کا خون ہو جائے۔"

"اماں! بہت مشکل ہے' اب نباہ کرنا۔ میں ساری کشتیاں جلا کر آئی ہوں' اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا۔"

"تو پھر اس بچے کو کیا نام دو گی۔ اگر شارق نے اس بچے سے بھی انکار کر دیا تو۔"

"نہیں اماں! شارق بچے کی حقیقت کو مانتا ہے' شک تو میرے کردار پہ ہوا ہے۔ مگر میں اسے اپنا بچہ نہیں دوں گی۔ بیٹا ہو یا بیٹی' میں اسے نہیں دوں گی' میں اس کے گھر نہیں جاؤں گی۔ بھلے وہ ساری عمر مجھے نہ چھوڑے۔ آپ آزاد ہیں آپ کو جو کرنا ہے کر لیں اور اگر شارق نہ مانا تو پھر کوئی بھی مجھے اس کے گھر جانے پر مجبور نہیں کرے گا۔ میں نہیں جاؤں گی وہاں۔"

"میں کل ہی زبیدہ کے پاس جاؤں گی۔" اماں نے جیسے اس کے فیصلے کو کوئی اہمیت ہی نہ دی تھی۔

نویرہ نے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کیے۔ وہ جانتی تھی' شارق زمان پتھر بن چکا ہے' پتھر کب پگھلتے ہیں بھلا؟ اور رضا۔ رضا کے تصور سے ہی اسے اپنا پورا وجود نفرت کی شدت سے تپل وشل ہوتا محسوس ہوا۔

* * *

بابا نے سنبھلنے کے بعد اسے اپنے پاس بلوا کر اس کا آئندہ کا پروگرام پوچھا تھا۔ وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی اور اپنے فیصلے پر قائم بھی تھی۔ اس نے مسعود احمد اور شائستہ کے سامنے بھی وہی باتیں دہرا دی تھیں جو وہ [illegible] بھابی اور سبحان احمد کے سامنے کہہ چکی تھی۔ شائستہ کو زویش کی یہ بے وقوفی لگ رہی تھی مگر مسعود احمد

نے ان کو خاموش کروا کر زرش کو خوش رہنے کی تاکید کی تھی۔ اس یقین و بھروسے کے ساتھ کہ اس کے فیصلے کو اہمیت دی جائے گی۔ سمعان احمد سے متعلق اس پر کسی بھی قسم کی زبردستی نہیں کی جائے گی۔

کالج سے مسلسل غیر حاضر ہونے اور کالج چھوڑنے کا فیصلہ بھی اس نے ان کے سامنے رکھ دیا تھا، اس پر سعود احمد کو اعتراض ہوا تھا۔ اس میں انہیں زرش کی حماقت دکھائی دی تھی مگر زرش نے ان کو منا کر ہی دم لیا تھا۔ اس نے کالج چھوڑ کر اکیڈمی جوائن کرنے کی فرمائش کی تھی۔ لاچار سعود احمد کو یہ بات بھی ماننا پڑی تھی۔ کہ ایک غلط فیصلے کے بعد وہ اب اپنی طرف سے زرش کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سعد کے ساتھ رشتہ طے کرنے کے بعد وہ اب کوئی ایسی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ تین بیٹیاں ہی تو ان کی کل کائنات تھیں، سرمایہ زندگی تھیں۔ زرش کے ساتھ اب تک جو بھی ہو چکا تھا اور اب جو اس کا جو ردعمل تھا ان سب کو برداشت کرنا تھا۔

اس نے پاپا سے اجازت ملتے ہی سارہ کو کال کی تھی۔ اس کے ریفرنس سے نواز فاروق سے بات کر کے اس نے اکیڈمی جوائن کرنے کی بات کی تھی۔ سارہ اس کے بارے میں کسی حد تک باخبر تھی۔ زرش کو کالج چھوڑ کر ان دنوں اکیڈمی جوائن کر لینے پر اس نے زیادہ کریدا تھا ویسے بھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی۔ تاہم زرش نے اسے سر نواز یا اکیڈمی کے کسی اور فرد سے اس کی شادی کا ذکر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے مسکرا کر ہامی بھر لی تھی۔

ماما پاپا سے بات کرنے کے دو دن بعد ہی اس نے اکیڈمی جوائن کر لی تھی۔ سمعان احمد اور فرح کو پتا چلا تو دونوں ہی چپ ہو گئے تھے۔ فرح تو ایک طرف زرش نے سمعان سے ذکر تک کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یک طرفہ سارے فیصلے کر لینا۔ سمعان احمد کو دکھ ہوا تھا مگر وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اسے روک ٹوک کرتا۔ سو خاموشی سے اس کے فیصلے کو اہمیت دی تھی کہ اب زرش کو کچھ بھی سمجھانا اور منوانا ناممکن ہو چکا تھا۔ صبح اور دوپہر کا سارا وقت وہ گھر میں ہی گزارتی تھی یا یاسمین سے کوئی کام کروا لیا یا اپنی اسٹڈی کر لی۔ آج کل پاپا آفس جا رہے تھے نوشی یا ہادیہ کا فون آ گیا تو گپ شپ لگا لی۔ تین بجے کے قریب ڈرائیور اسے اکیڈمی چھوڑ آتا تھا شام تک واپسی ہوتی تھی۔

اس دن وہ اکیڈمی سے گھر آئی تو ماما نے اسے تیار ہونے کا کہا تھا۔

''کیوں خیریت؟'' پنک ساڑھی، ہلکی پھلکی گولڈ کی جیولری میں ماما بڑی زبردست لگ رہی تھیں۔ ایسا خاص اہتمام کبھی کبھار ہی کرتی تھیں۔

''تمہیں بتایا تھا کہ زیدی صاحب کے صاحبزادے کی شادی ہے۔ آج دعوت ولیمہ ہے۔ پوری فیملی مدعو ہے کل تمہارے پاپا چلے گئے تھے مگر آج مجھے اور تمہیں بھی چلنے کو کہہ رہے تھے اور جانا بھی چاہیے خاندان کا معاملہ ہے، چھوٹ تو کہیں بھی نہیں۔''

''اچھا.....'' زیدی صاحب ددھیالی رشتہ دار بھی تھے اور یہ اس کے تایا لگتے تھے۔ کارڈ تو کافی دن پہلے سے آیا ہوا تھا۔ کل بھی ماما نے ذکر کیا تھا مگر اس نے دھیان نہیں دیا تھا اور اب۔

''ماما میرا موڈ نہیں ہو رہا آپ لوگ چلے جائیں۔''

''بُری بات زرش بیٹا! جانا تو سبھی کو ہے نا۔ اس وقت فیملی میں تین ہی تو افراد ہیں۔''

''ماما میرا جانا اتنا لازمی نہیں ہے۔ پلیز مجھے فورس نہ کریں۔'' شائستہ نے اس کا چہرہ دیکھا وہ اکتاہٹ و بیزاری سے بھرپور تاثر لیے ہوئے تھی۔ وہ زندہ دل خوشی اور ہنگامے کے بہانے ڈھونڈنے والی زرش تو کہیں تھی ہی نہیں۔ ان کے اندر کا ملال گہرا ہوا۔ اک حادثے نے اسے کیا سے کیا بنا ڈالا تھا۔

''نہیں تم جا رہی ہو..... تیار ہو جاؤ..... میں دیکھتی ہوں تمہارے پاپا کو وہ تیار ہوئے ہیں کہ نہیں۔'' ان کا حکمیہ انداز پر وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

پہلے کی بات ہوتی، پاپا کے کسی فرینڈ کے بیٹے کی ہوتی تو وہ انکار نہ کرتی مگر اب خاندان میں سے تقریباً ہر کوئی جانے والا ہوگا۔ جتنے منہ اتنی باتیں یقیناً پھپھو اور تایا کی فیملی بھی مدعو ہوگی اور شاید قیصرہ بیگم کی بھی اس کے اندر کا تناؤ بہت بڑھ گیا تھا۔ پتا نہیں کیا کیا سننا پڑے گا۔

ماما پاپا کے ساتھ وہ میرج ہال پہنچی تھی۔ آج ڈرائیور کی بجائے پاپا کے کہنے پر اس نے خود کار ڈرائیو کی تھی۔ ڈرائیونگ اس نے لاسٹ ایئر سیکھی تھی مگر خود سے کار ڈرائیو کرنے کی پرمیشن ماما پاپا نے نہیں دی تھی۔ کبھی کبھار ہی وہ ڈرائیونگ کرنے کا موقع حاصل کر پاتی تھی۔ تو کافی محتاط اور دھیمی رفتار میں ڈرائیو کرتی تھی۔ آج بھی پاپا نے اس کا موڈ بحال کرنے کو اسے خود ڈرائیو کرنے کو کہا تھا اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر اس کا دھیان بٹاتے ڈرائیونگ کے رولز بتاتے رہے تھے جب کہ ماما پچھلی سیٹ پر تھیں۔

اور جب وہ لوگ میرج ہال پہنچے اس کا موڈ بہت فریش ہو چکا تھا یہ پاپا کے اعتماد اور گفتگو کا نتیجہ تھا۔ وہ اندر ہی اندر معترف ہوئی تھی۔ وہاں پھپھو، ہادیہ، آپا اور جمال ماموں تھے جب کہ وقار بھائی نہیں آئے تھے۔ وہ لاشعوری طور پر تایا کی فیملی کے افراد کو تلاش کرتی رہی تھی۔ مزید چند منٹ تک وہ لوگ دکھائی نہ دیے تو وہ کچھ ریلیکس ہوئی تھی۔ میرج ہال میں خاصی گہما گہمی تھی۔ ماما اور پاپا دیگر لوگوں سے ملنے کو چلے گئے تو وہ آپا کے پاس بیٹھ کر یونہی باتیں کرنے لگی تھی۔

''زرش! سعد کا فون آیا تھا۔'' اچانک باتوں کے دوران آپا نے کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''وہ اس گھر کا بیٹا ہے ایسا تعلق ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ ہر روز کال کر رہا ہے معافیاں مانگ رہا ہے مگر پھپھو اور ماموں اس سے کوئی بات نہیں کرتے۔ بے شک تمہاری شادی سمعان سے ہوگئی مگر اس کے فوراً بعد تم نے جو برداشت کیا ہے اس کو کیسے بھلا دیں۔'' آپا کا لہجہ آزردہ تھا وہ لب بھینچ گئی۔

''اب کیا فائدہ ان باتوں کا' چھوڑیں۔'' اپنے آپ کو بحال کرنے کے لیے اس نے کہا تھا۔

''وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے؟''

''مگر مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی اور پلیز اب آپ ایسا کوئی ذکر نہیں کریں گی۔ خاص طور پر اس کا تو بالکل نہیں۔'' زرش کا انداز دو ٹوک تھا آپا چپ چاپ زرش کے چہرے کو دیکھے گئیں۔

تھوڑی دیر بعد تایا کی فیملی ہال میں داخل ہوئی تو زرش کے اندر فرح اور علی کے ہمراہ اندر آتی طاہرہ بیگم کو دیکھ کر ایک سنسنی سی دوڑنے لگی تھی۔ تایا ابو اور سمعان احمد ساتھ ساتھ تھے۔ زرش نے رخ موڑ لیا تھا۔ اتنے عرصے گزر جانے کے باوجود یہ سب اب بھی ناقابل برداشت تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی حد سے گزر جائے۔

"السلام علیکم......" فرح اور علی کی آواز پر اس کا جھکا سر اٹھا تھا۔ اس نے بڑی زخمی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ گود میں دونوں ہاتھ رکھے اسی بے تاثر انداز میں بیٹھی رہی تو فرح کے اندر ملال کا ہونے لگا۔ ہاتھ ملانا تو ایک طرف زرش نے ان کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

"کیسی ہیں بھابی صاحبہ!" علی اس کے ساتھ والی چیئر پر آ بیٹھا تھا۔ اس نے اس کو صرف دیکھنے پر اکتفا کیا اور پھر اسٹیج پر براجمان دولہا دلہن پر نگاہیں جما دی تھیں۔

"اوہو...... بڑی سخت ناراضی لگ رہی ہے۔" اس نے کہا تو فرح نے اسے گھورا۔

"سنو...... سمعان بھائی بھی آ گئے ہیں۔ ادھر چچا جان کے پاس کھڑے ہیں دیکھو تو سہی۔"

"تم چپ نہیں بیٹھ سکتے۔" اس نے غصے سے علی کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"نہیں...... اٹھو یہاں بیٹھ کر بور ہو رہی ہو۔ چلو آؤ تمہیں کسی سے ملواتا ہوں۔" ہنس کر کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

"زرش، ناں...... ناں......" کرتی رہ گئی تھی مگر وہ بغیر اس کے سخت احتجاج اور غصے کی پروا کیے اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لایا تھا۔

"اچھا ان سے ملو یہ ہیں میرے پیارے سویٹ سے بھائی جان۔" علی کے انداز میں بلا کی شرارت تھی۔ اس کو بالکل سمعان احمد کے سامنے لا کر کھڑا کرتے ہوئے اس نے جس قدر شرارت سے کہا تھا اس کا جی چاہا علی کا حشر نشر کر کے رکھ دے۔

"السلام علیکم! سمعان نے علی کے انداز پر اسے گھور کر اور پھر زرش کو دیکھا، جو بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پا رہی تھی۔

"کیسی ہو......؟" سلام کا جواب نہ پا کر اگلا سوال کیا تھا۔

"ٹھیک ہوں......" لٹھ مار انداز تھا۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔ علی کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ جھکے سر سمیت وہ اپنا غصہ پی رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ڈال کر سمعان احمد کو دوبارہ نہیں دیکھا جب کہ سمعان احمد نے اس پر ذرا تفصیلی نگاہ ڈالی تھی۔ بلیک نگوں سے مرصع بڑا خوب صورت جھلملاتا پہنے لائٹ سے میک اپ کھلے بالوں اور ہلکی پھلکی جیولری میں وہ خاصی چمک دمک رہی تھی۔ سمعان کے اندر آسودگی کی لہریں پھیلی تھیں۔ خاص طور پر اس کے ہاتھ میں موجود اپنے دیے گئے کنگن دیکھ کر اسے خوشی کو اور حیرت ہوئی تھی۔ وہ لاکھ بے اعتنائی برتتی، مگر ایک بڑا گہرا اور واضح تعلق تھا وہ بظاہر ناراض تھی اور ضدی تھی مگر وہ ان کے دل میں بستی تھی۔ اپنے آداب و انداز لیے ان کی نگاہوں کو اچھی لگتی تھی۔ بڑا مضبوط رشتہ تھا، وہ کہاں تک انکار کرے گی۔

"جا رہی ہو کیڈی؟"

"ہوں......" سمعان کے استفسار پر اس نے سر اٹھا کر ارد گرد دیکھا تو علی وہاں سے کھسک چکا تھا۔ دونوں اس وقت ذرا ہٹ کر نسبتاً پر سکون گوشے میں کھڑے تھے۔ آمد و رفت تو تھی مگر رش کم تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تایا ابو، ماما، پاپا، پھپھو وغیرہ کی محفل پر نظر آ گئے تھے جب کہ فرح اور طاہرہ بیگم

دلہن کے قریب کچھ مہمانوں کے ساتھ براجمان تھیں۔ طاہرہ بیگم اسی جانب دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے نکلتی تپش زرش کے اندر کا اضطراب بڑھا گئی تھی۔

"کالج کا کیا رہا؟"

"پاپا نے پرنسپل سے بات کر لی تھی۔ اٹینڈنس کلیئر ہو جائے گی۔" تلخی سے بھرپور آواز میں زرش نے جواب دیا تھا۔

"اور ایگزیمز؟"

"جب ڈیٹ شیٹ آئے گی تو پھر دوں گی بھی۔"

"چلو ذرا ادھر بیٹھتے ہیں؟" سمعان نے قریبی ٹیبل کی طرف اشارہ کیا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں میں ماما پاپا کے پاس جا رہی ہوں۔"

"چلو میں بھی چلتا ہوں۔" سمعان نے اس کے ساتھ ہی قدم بڑھائے تھے۔ سمعان کے ہمراہ چلتے اسے کئی نگاہوں کا مسلسل اپنے اوپر ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"السلام علیکم! تایا ابو۔" قریب آ کر اس نے سلام کیا تو تایا ابو نے اسے بڑی محبت و شفقت سے ساتھ لگا کر جواب دیا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"جی بہتر ہوں۔" اس نے مختصر کہا تھا اور پھر بادیہ کے پاس خالی چیئر پر جا بیٹھی تھی۔ ماما، پاپا، پھپھو اور تایا کے درمیان خاندان کی باتیں زیر بحث تھیں۔

"خاندان کی تقریب میں ملنا ملانا تو رہتا ہی ہے ناں۔ غصہ اپنی جگہ مگر منہ سے سلام دعا کا دستور تو پرانا ہے۔ طاہرہ اگر ملنا نہیں چاہتی تو پھر ایسی جگہوں پر آیا بھی نہ کرے۔ سگی بھابی ہے یوں غیروں کی طرح جب سلوک کرتی ہے تو پھر دل دکھتا ہے۔" نجانے کیا بات چل رہی تھی کہ اچانک پھپھو نے بات کی تھی۔ زرش یک دم چونک کر متوجہ ہوئی۔

"چھوڑیں آپا! اب تو یہ قصہ بڑا پرانا ہو چکا ہے، اگر اس کے اندر دنیا داری کا اتنا ہی احساس ہوتا تو بات یہاں تک پہنچتی ہی کیوں۔" تایا ابو نے بڑی تلخی سے کہا تھا۔

"یہ تو ہم بھی مانتے ہیں۔ مگر سعود تم یہ بتاؤ زرش کب تک ادھر رہے گی، شادی کے بعد لڑکیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔" پھپھو کے ایک دم کہنے پر زرش نے گھبرا کر پہلے سب کو دیکھا اور پھر سمعان کو، سمعان بھی ادھر ہی متوجہ ہوا تھا۔ زرش نے فوراً نظریں چرا لیں۔

"ہماری طرف سے کوئی انکار نہیں، سمعان آپ کے سامنے ہیں پوچھ لیں اس سے۔ میں تو ہر طرح کا اطمینان دلا چکا ہوں۔ سعود سے بھی بات کر چکا ہوں۔ سمعان زرش کو اسلام آباد لے جائے۔ بے شک میری طرف سے کوئی دیر نہیں۔"

"یہ تو مسئلے کا کوئی حل نہ ہوا۔ اسلام آباد کیوں؟ یہاں اپنے گھر کیوں نہیں، تم ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں بیاہ کر لے گئے ہو۔ اصولی طور پر اب طاہرہ بیگم کو پچھلے حوالے بھلانے چاہیے تھے کہ

یہاں سب نے بھلا کر ہی زرش کو سمعان کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اکیلا ہی گھر بسانا ہوتا تو ہم اپنا خاندان میں کہیں اور دیکھ لیتے۔"

زرش نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ سب کی موجودگی میں پہلی دفعہ یہ موضوع چھڑا تھا وہ بھی ان دونوں کے سامنے۔

"تو پھر میں کیا کروں طاہرہ خود کبھی زرش کو لے جانے والی نہیں ہے اور نہ زرش اس گھر میں جانے پر آمادہ ہے پھر یہ درمیانی راہ ہی رہ جاتی ہے اور اس میں مضائقہ کوئی نہیں۔ ابھی مجھے فرح کی شادی کرانا ہے میں لگا ہوا ہوں کوئی اچھا رشتہ دیکھنے۔ اُدھر سے فارغ ہو کر پھر میں سارے مسئلے کا حل دیکھوں گا۔"

"تب تک زرش کا کیا بنے گا۔" سعود احمد اور شائستہ مسلسل خاموش تھے۔ پھپھو نے ہی سوال اٹھایا تو

"پھپھو! زرش پہلے ایگزیمز سے فارغ تو ہو لے پھر بعد میں دیکھا جائے گا۔" سمعان نے کہا تو وہ پل کو بھی خاموش ہو گئے تھے۔

"آپا! یہ کوئی مناسب جگہ نہیں اس قصے کو چھیڑنے کی۔ گھر جا کر بھی بات چیت ہو سکتی ہے۔" سعود نے زرش کے بھینچے ہونٹوں کو دیکھا تو سرے سے قصہ ہی ختم کرنا چاہا۔

"ہوں......" پھپھو نے بھی بات بدل دی تھی۔

اس کے بعد ان کے درمیان کوئی اور موضوع شروع ہو گیا تھا مگر زرش اس موضوع گفتگو سے جس اذیت کا شکار ہوئی تھی پھر دوبارہ پر سکون نہ ہو سکی تھی۔

تایا ابو اٹھے تھے تو باقی بزرگ بھی اِدھر اُدھر ملنے ملانے کو چل دیے۔ وہ اس ماحول سے سخت گھٹن سے دوچار ہو رہی تھی۔

"آپا! میں آتی ہوں ذرا۔" آپا کسی جاننے والی سے مصروف گفتگو ہو چکی تھیں انہوں نے صرف سر ہلایا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر ہال کی گلاس وال کی طرف چلی گئی۔ گلاس وال سے دوسری طرف بنے گارڈن کا منظر بڑا خوب صورت تھا۔

"کیا بنے گا اس سارے قصے کا۔ کیا ماما پاپا مجھے سب کے کہنے پر واقعی سمعان کے گھر رخصت کر دیں گے۔" اس سوال نے اس کے اندر اُودھم مچا رکھا تھا۔

"دیکھو ذرا یہ سعود احمد کی بیٹی ہے نا؟" اپنی آنکھوں کی نمی کو انگلیوں سے چھوتے وہ چونکی تھی ذرا سا ترچھا ہو کر دیکھا۔ ذرا فاصلے پہ ٹیبل کے گرد بیٹھی خواتین میں سے کسی کی آواز تھی۔

"ہاں وہی ہے۔" دوسری عورت نے تصدیق کی تھی۔ زرش کو یہ دیکھے بھالے چہرے لگے مگر وہ جانتی نہ تھی کہ کون خواتین ہیں۔

"وہی نا جو سعید احمد کے بیٹے سمعان کے ساتھ رخصت ہوئی ہے۔" زرش وہاں سے ہٹنے والی تھی مگر اس آواز نے قدم جکڑ لیے تھے۔

"ہاں وہی ہے۔ میں نے تو سنا تھا صرف رخصتی ہوئی ہے۔ ہمارے سامنے ہی شائستہ نے رخصت کیا تھا مگر بعد میں سسرال نہیں گئی۔"

"حالات بھی تو دیکھو۔ جن حالات میں رخصت ہوئی تھی نفیسہ آپا کے بیٹے نے جو کیا وہ کم تھا۔ وہ تو بڑے اچھے تھے جو مرتے بھائی کی عزت کو سہارا دیا۔ فوراً بیٹے کو پیش کر دیا۔ پھر دونوں کی ماؤں میں ساری زندگی اختلاف رہا ہے طاہرہ کے قصے کون نہیں جانتا جو شوہر کی نہ بنی وہ اولاد کو کیسے برداشت کرتی۔ بیٹے کی خواہش تھی مگر تم نے سنا نہیں تھا قیصرہ کی زبانی کیا کیا نہ کہہ رہی تھی سمعان اور زرش دونوں کے بارے میں۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو سعید احمد کی گھر کی خرابی کی ساری ذمہ دار بھی یہی قیصرہ ہے۔ ایسے میں کون خوشیوں کے ساتھ اولاد کو رسوائیوں میں دھکیلے؟" زرش ساکت سی کھڑی سن رہی تھیں۔

"مگر جو قصے قیصرہ آپا سنا رہی تھیں وہ بھی کسی نہ کسی حد تک سچے ہی ہوں گے۔ سعود احمد نے بھی اپنی اولاد کو ہلکا نہیں پڑنے دیا۔ نفیسہ آپا کا بیٹا عین شادی کے وقت کیوں بھاگا؟ اور پھر سعود احمد کا اسپتال میں زرش کو سمعان کے ساتھ رخصت کرنا؟ اب سارا قصور طاہرہ کا بھی نہیں ہو سکتا۔ ساری عمر ہی تو وہ غلط نہیں ہو سکتی۔ کوئی نہ کوئی بات تو دیکھی ہوگی جو اس نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی۔ بھلا اپنی اولاد کو بھی کوئی رسوا کرتا ہے کوئی تو وجہ ہوگی نا۔" دوسری عورت کہہ رہی تھی۔

زرش کو لگا پورے قد سمیت وہ زمین میں دفن ہو گئی ہے۔

"واللہ اعلم...... ہم کیوں کسی کی بیٹی پہ بحث کریں۔ مگر شائستہ کو جہاں تک جانتی ہوں اس کی اولاد بھی بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک ہے بالکل ماں کا پرتو۔ یہ لڑکی کچھ لاڈلی اور کم عمر ہے ہو سکتا ہے باتوں میں آ گئی ہو۔ مگر جو قصے قیصرہ سناتی ہے اس پہ یقین نہیں آتا۔" دوسری خاتون انکاری تھیں۔

"ہمیں کیا؟ خیر قیصرہ کی اپنی اولاد کون سا کم ہے۔ سنا ہے اپنی جس بیٹی کا رشتہ وہ سمعان سے کرنا چاہ رہی تھی وہ اپنے کسی کلاس فیلو کے لیے راضی ہے اور بیٹے کی تو ماں کے ساتھ کبھی بنی ہی نہیں۔" وہ اب قیصرہ کی ذات کو ڈسکس کرنا شروع ہو گئی تھیں۔ زرش نے آنکھوں میں آئی نمی کو جھٹکا مگر اندر جو جوار بھاٹا اٹھا تھا اس پر اختیار ختم ہو رہا تھا۔ اسے اپنا پورا وجود کسی طوفان کی زد میں گھرا محسوس ہو رہا تھا۔

"زرش......" بڑی محبت و توجہ سے دی جانے والی پکار پہ اس نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔ نجانے سمعان کب سے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔ موتیوں سے بھری آنکھیں سمعان کو لگا دل میں بوجھ سا بڑھ گیا ہو۔ بڑی تلخ سی نگاہ ان خواتین پر ڈالی تھی جو ہر طرف سے بے نیاز بڑی دلچسپی سے اس قصے کو چھیڑ بیٹھی تھیں۔

سمعان کے دل کا موسم عجیب خلفشار کا شکار ہوا تھا اوپر سے زرش کی شکوہ کناں سرد تلخ نگاہیں وہ سرعت سے پلٹی تھی اور وہاں سے بڑی تیزی سے چلی گئی تھی۔

"آپا! میں گھر جا رہی ہوں۔" وہ اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے نابلد ہو چکی تھی۔ آپا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

بوجھل بوجھل آنکھیں لیے وہ بڑی شکست خوردہ سی لگ رہی تھی۔

"کیوں خیریت؟"

"میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے ماما پاپا کو کہہ دیجیے گا۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" اس نے اپنا بیگ اٹھایا۔ گاڑی کی چابی اس کے پاس ہی تھی۔ اس نے بیگ سے گاڑی کی چابی نکالی تھی۔ وہ اس وقت

بغاوت پر آمادہ تھی۔

"اس وقت کیسے؟" "ٹھہرو میں ماما پاپا کو بلواتی ہوں۔" انہوں نے اٹھنا چاہا تو اس نے منع کر دیا۔

"میں گاڑی ڈرائیو کر لوں گی۔ رہنے دیں۔" وہ تیزی سے کہہ کر پلٹ گئی تھی۔

"زرش ٹھہرو...... رکو تو......" وہ آوازیں ہی دیتی رہ گئی تھیں مگر اس پر تو اس وقت جذباتیت کا دورہ پڑا تھا۔ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے نابلد ہو چکی تھی۔

"یا خدا!...... اس کو تو گاڑی بھی احتیاط سے چلانا نہیں آتی' کیسے کنٹرول کرے گی۔" وہ پریشان ہو گئی تھیں۔

* * *

شام کے قریب خالدہ بیگم حمید صاحب کے ہاں آ گئی تھیں۔ زبیدہ بیگم ان کی آمد سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ حمید صاحب گھر آئے تو خالدہ بیگم نے ساری بات ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ حمید صاحب پہلے تو سن کر ششدر رہ گئے تھے اور پھر ان کے اندر کا اشتعال اتنا بڑھا تھا کہ انہوں نے فوراً رضا کو فون کر کے گھر آنے کا کہا تھا۔ رضا گھر پر نہیں تھا۔ شام کے قریب وہ دوستوں کا کہہ کر نکلا تھا۔

زبیدہ بیگم شوہر کے تیور دیکھ کر ہراساں ہو گئی تھیں۔ وہ پہلے ہی رضا کی طرف سے ان سے سب چھپائے ہوئے تھیں۔ حمید صاحب نے سب سن کر انہیں کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کے انداز و تیور ایسے تھے کہ وہ دل میں سب خیریت رہے کی دعائیں کرتی جا رہی تھیں۔ رضا گھر آیا تو سامنے خالدہ بیگم کو دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ زبیدہ کا رونا' سرخ چہرہ' باپ کے تیور اور رمشا کی غیر موجودگی اسے معاملے کی نوعیت سمجھا دینے کو کافی تھی۔

"السلام علیکم! آپ نے بلوایا۔" مشترکہ سلام کے بعد اس نے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے غصے سے ٹیبل سے ڈائری اور تصویریں اٹھا کر اسے دکھائیں۔

"یہ سب کیا ہے؟"

رضا خاموش رہا۔ ماں کے سامنے دل کی خواہش بیان کرنا' نوریہ اور شارق کے سامنے حقیقت لانا ایک طرف اب باپ کے سامنے وہ جھجک گیا تھا۔ برملا کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔

"آپا! اچھا کیا آپ نے' کسی سے ذکر نہیں کیا۔ آپ بے فکر رہیں اب میں سب سنبھال لوں گا۔ رہ گئی شارق کی بات یہ رضا اس سے سارا معاملہ کلیئر کرے گا۔ نوریہ کوئی غیر نہیں میری اپنی بیٹی ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔" رضا کی خاموشی پر انہوں نے اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے خالدہ بیگم کو ریلیکس کیا تھا۔

"حمید! میری بیٹی کی عزت کا سوال ہے۔ ہم تو ابھی تک تواتر کے گھاؤ نہیں بھولے' یہ نئی تکلیف کیسے سہہ لیں۔؟ نبیل تو سن کر مجھ سے اکھڑ جائے گا۔ میں نے ابھی چھپا لیا ہے مگر خیال رکھنا میری بچی بیٹھے بٹھائے جائے گی۔ وہ بے چاری تو بے قصور ہے۔" خالدہ بیگم رو دی تھیں' جب کہ رضا خاموشی سے کھڑا تھا۔ زبیدہ بیگم نے ہاتھ تھام کر انہیں دلاسہ دیا تھا۔

"میں شارق سے بھی بات کروں گا۔ گھر ایسے تو بکھر جاتے ہیں۔ یہ جذباتی فیصلے سوائے نقصان کے کچھ نہیں دیتے۔ رضا کی غلطی ہے وہ قصوروار ہے تو پھر سزا بھی بھگتے گا مگر نوریہ نہیں۔" رضا کو غصے سے دیکھتے انہوں نے قریب بیٹھ کر انہیں دلاسا دیا تھا۔ خالدہ بیگم کے چلے جانے کے بعد انہوں نے رضا کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

"ہاں برخوردار اب بتاؤ۔ کیا قصہ ہے یہ۔" زبیدہ بیگم ان کے غصے سے جتنی خوف زدہ تھیں وہ اتنے ہی پرسکون ہو کر پوچھ رہے تھے۔

"آپ کے سامنے ہی تو ساری بات ہے۔" دوسری دفعہ سوال دہرائے جانے پر اس نے کہا تھا۔

"تمہیں یہ سب سوچتے شرم نہ آئی۔" اگلے ہی لمحے وہ اپنا ضبط کھو بیٹھے تھے۔

"میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔" انتہائی بے خوفی سے کہا تھا۔

"دیکھ رہی ہو تم۔ اتنا کچھ ہو چکا ہے اس گھر میں اور تم نے مجھے ہوا تک نہ لگنے دی۔" انہوں نے تلملا کر زبیدہ بیگم پر توپ داغ دی تھی۔

"اللہ نے ایک اولاد دی وہ بھی ایسی۔ اس سے بہتر تھا کہ اللہ بے اولاد رکھتا' کم از کم آج اس شرمندگی سے تو بچ گیا ہوتا۔" ان کا طیش سے برا حال تھا۔

"تم نے شارق سے کیا کہا تھا۔"

"یہی کہ میں نوریہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" جھکے سر سے اعتراف جرم ہوا تھا۔ حمید صاحب غم و غصے سے گنگ سے ہو گئے تھے۔

یہ اتنی چھوٹی بات نہ تھی' کوئی بھی آدمی کسی بھی شخص کے پاس جا کر کہے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے وہ ان سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس مرد کی غیرت کا کیا حال ہوگا اور اگر مرد شارق جیسے ہوں تو گھر تباہ ہو جاتے ہیں۔ حمید صاحب کے اندر آتش فشانی کی کیفیت ابھر آئی تھی۔ "شرم نہ آئی تمہیں' یہ سب کرتے' بے غیرت' بے حیا۔" ان کے بھاری ہاتھ کا تھپڑ رضا کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا۔

"تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟ میں جان نکال دوں گا تمہاری۔" حمید صاحب نے رضا کا گریبان پکڑ کے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ زبیدہ بیگم دہل کر رہ گئی تھی۔ حمید صاحب کی اونچی آواز پر مسلسل اپنے کمرے میں بند رمشا بھی ڈر کر باہر نکل آئی تھی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔"

حمید صاحب نے کینہ توز نظروں سے رضا کو گھورا۔ جی چاہ رہا تھا کہ بس سب کچھ تہس نہس کر دیں۔

"خبردار......" انہوں نے بڑے زور کا دھکا دیا تھا وہ دیوار کے ساتھ لڑکھڑاتا جا لگا تھا۔ "شادی تمہاری صرف رمشاء سے ہوگی کان کھول کر سن لو۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔" باپ کے تیوروں پر وہ بھی غصے میں آ گیا تھا۔

"اسی ہفتے میں تمہاری شادی رمشاء سے کر رہا ہوں۔" انہوں نے ایک دم غصے سے فیصلہ سنایا تھا۔

"ہرگز نہیں...... میں ایسے کسی فیصلے کو نہیں مانوں گا۔" بڑے بپھرے انداز میں اس نے انکار کیا تھا۔

"میں فیصلہ کر چکا ہوں مجھے نوریہ کا گھر بچانا ہے اور اس سے پہلے تمہاری شادی کروں گا اور تمہیں یہ ماننا ہوگی۔"

"میں گھر چھوڑ دوں گا۔"

"ہاں ضرور......" انہوں نے تمسخر سے اسے دیکھا وہ غصے سے بے قابو ہوتا ان کے کمرے سے نکل جانا چاہا۔

"مگر جانے سے پہلے اپنی ماں کو بھی ساتھ لیتے جانا۔" رضا حمید کے قدموں میں گویا زنجیر سی پڑ گئی۔ وہیں زبیدہ بیگم نے تڑپ کر بے تاثر چہرہ لیے کھڑے شوہر کو دیکھا۔ رمشاء بھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں نکال رہے ہیں۔" وہ تڑپ کر ان کے سامنے آئی تھیں انہیں اسی بات کا ڈر تھا اور یہ ہو گئی تھی۔

"میں صرف نکالوں گا ہی نہیں اپنے بیٹے کو بھی وہ اس گھر سے نکلنے کے عوض میں ہر تعلق ہی توڑ دوں گا، نوریہ برباد ہو گئی تو تمہیں بھی طلاق ہو گی۔"

زبیدہ بیگم کو لگا وہ لہرا کر ابھی گر جائیں گی۔ انہوں نے بے یقینی سے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ رضا نے لب بھینچ کر رخ بدل کر باپ کو دیکھا۔

"اس میں امی کا کوئی قصور نہیں۔"

"تو نوریہ کا بھی کوئی قصور نہیں۔" زبیدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں نوریہ کا خیال دل سے نکال دیتا ہوں مگر میں رمشاء کو کسی صورت بھی نہیں اپناؤں گا۔" باپ کی بلیک میلنگ پر وہ اپنے غصے وجذبات کے بپھرے طوفان کو روکتے گویا ہوا تھا۔

"تمہیں میری دونوں باتیں ماننا ہوں گی؟" ان کے لہجے اور انداز میں ذرا رعایت نہ آئی تھی۔

"ہرگز نہیں......" وہ پھر بپھر اٹھا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں حمید حسین اپنے پورے ہوش وحواس میں تمہاری ماں زبیدہ کو ط......"

"انکل پلیز......" رمشاء تیزی سے ان کے قریب آ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر سسک اٹھی تھی۔ حمید صاحب کے باقی الفاظ ان کے منہ میں ہی رہ گئے تھے۔

"نہیں پھوپھا جان نہیں......" وہ بری طرح رو پڑی تھی۔

زبیدہ بیگم کا وجود گویا پتھر کا بن گیا تھا۔ رضا حمید بے حواس ہوا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ حمید صاحب صرف دھمکی دے رہے ہیں جب کہ......

"انکل! مجھے رضا سے شادی نہیں کرنی...... میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ پھپھو کو کچھ نہ کہیں...... پلیز انکل...... پلیز۔" وہ روتے روتے ان کے قدموں میں گر گئی تھی۔ زبیدہ بیگم کے پتھر وجود نے بھی حرکت کی تو وہ زمین پر گرتی چلی گئی تھی۔

"پھپھو......"

"امی......" زبیدہ بیگم کو یوں حواس کھوتے دیکھ کر وہ دونوں ہی چیختے ہوئے ان کی طرف بڑھے تھے۔ حمید صاحب بھی ہارے ہوئے جواری کی طرح بستر کے کنارے ٹک گئے تھے۔

✻......✻......✻

ہادیہ نے سمعان کو بلوا کر بتایا کہ زرش گھر چلی گئی ہے رات کے اس پہر اس کا یوں گاڑی لے کر جانا سمعان کو بھی تشویش لاحق ہوئی تھی۔

"گاڑی کی چابی اسے کیوں دی تھی؟" سمعان نے برہمی سے کہا تھا۔

"آج گاڑی وہی ڈرائیو کر کے ماما پاپا کے ساتھ آئی تھی۔"

سمعان کو وہ رہ رہ کر اس کی آنسوؤں سے بھری شکوہ کناں نظریں یاد آتی رہیں۔ سمعان نے اس کے نمبر پر کال کی مگر اس نے ریسیو نہیں کی تھی۔ اس وقت وہ ٹیبل پر ہی بیٹھا تھا۔ کھانے کا دور چل رہا تھا۔ سعود احمد ہینڈ واش کرنے اٹھے تو ان کا موبائل بجنے لگا جو ٹیبل پر ہی تھا۔ سمعان نے اسکرین دیکھی تو زرش کا نام دیکھ کر فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"پاپا...... مجھ سے ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، پلیز جلدی سے آ جائیں۔" گھبرائی، روتی آواز سے سمعان ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ باقی لوگ بھی متوجہ ہوئے تھے۔ سمعان کو احساس ہوا تو مسکرا کر سب کو تسلی دیتے وہاں سے نکل آیا تھا۔

"کہاں ہو تم؟ اور کیسی ہو؟"

"گاڑی کی اسپیڈ زیادہ ہو گئی تھی مجھے پتا نہیں چلا، پلیز پاپا آ جائیں۔ یہ لوگ بہت بدتمیز ہیں پلیز پاپا۔ ورنہ یہ لوگ پولیس کو بلوا لیں گے۔" سمعان کو بری طرح روتی زرش کے علاوہ اور بہت سی آوازیں بھی سنائی دی تھیں یعنی صورت حال شدید نوعیت کی تھی۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

"آپ آ جائیں بس......" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"تم جائے وقوعہ بتاؤ میں بس آ رہا ہوں۔"

اس نے علاقے کا بتایا تو سمعان فوراً پلٹا تھا۔ چچا کو موبائل پکڑا دیا۔ صورت حال سمجھانے کا وقت نہیں تھا وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔ نجانے وہ احمق لڑکی کیا کر چکی تھی۔ سمعان نے بڑی رش ڈرائیونگ کی تھی۔ وہ دس منٹ میں جائے وقوعہ پر پہنچا تھا۔ ارد گرد بے پناہ ہجوم اکٹھا تھا۔ سمعان گاڑی کھڑی کرتے ہجوم کو چیرتے فوراً آگے بڑھا تھا۔

"امیر ہو گی تو اپنے گھر میں ہو گی۔ ایک گاڑی میں کیا بیٹھ جاتے ہیں دنیا کو روندنا حق سمجھ لیتے ہیں۔" وہ جو کوئی بھی تھا، انتہائی بدتمیزی سے مخاطب تھا۔ ڈری سہمی مسلسل روتی زرش گاڑی کے دروازوں کو لاک کیے شیشے چڑھائے اندر خوف زدہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"زرش......" شیشے بجانے پر اس نے سمعان کو دیکھا، وہ جیسے نئے سرے سے جی اٹھی تھی۔ ایک دم لاک کھول کر باہر نکلی تھی۔

"آپ...... پلیز مجھے بچا لیں یہ لوگ پولیس کے پاس لے جا رہے ہیں۔" اس نے روتے ہوئے سمعان کا بازو تھام لیا تھا۔ سمعان کا غصہ اس کی کنڈیشن دیکھ کر قدرے کم ہوا تھا۔

"ہم ایسے ہی نہیں چھوڑنے والے اس کو۔ امیر ہو گی تو اپنے گھر میں ہو گی، ایک تو اندھوں کی طرح گاڑی کے نیچے دے دیا اوپر سے کوئی پروا بھی نہیں، کال کی ہے میں نے پولیس کو۔ آ رہی ہے بس۔"

"شٹ اپ......" اتنے بدتمیز انداز پر سمعان نے غصے سے اس آدمی کو دیکھا۔ 35 سال کے لگ بھگ کا آدمی تھا۔ جس کے سر سے خون بہہ رہا تھا جب کہ اردگرد کسی شدید نقصان کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ سمعان سمجھا کہ ایکسیڈنٹ زیادہ شدید ہے۔ ہاں زمین پر پڑی بائیک اچھی خاصی متاثر ہوئی تھی اور شاید گاڑی بھی۔

"آپ کو خواتین سے بات کرنے کی تمیز نہیں۔"

"تم کون ہوتے ہو خدائی فوجدار۔" وہ مزید بدتمیزی سے بولا تھا۔ "کیا لگتی ہے تمہاری؟ بڑے آئے تمیز سکھانے والے۔"

"بکواس بند کرو۔ بیوی ہے میری۔ جو بھی ہرجانہ ہے میں ادا کرنے کو تیار ہوں مگر بات تمیز سے کرو۔" سمعان کے ایک دم غصے سے کہنے پر زرش مزید ڈر گئی تھی۔

"بیوی ہے تو گھر میں لگام ڈال کر رکھو۔" وہ کوئی سرپھرا شخص تھا۔

"او...... یو......" سمعان غصے سے آگے بڑھا تھا۔ زرش نے دہل کر سمعان کا بازو دبوچا۔

"نہیں پلیز...... نہیں......" اتنے ہجوم میں وہ بے حواس سمعان سے چپکی ہوئی تھی۔

"تم چل کر گاڑی میں بیٹھو میں دیکھ لیتا ہوں۔" سمعان نے اسے جھٹکا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔

"پولیس کے آنے سے پہلے تم ملزم کو کہیں نہیں بھگا سکتے۔" وہ شخص بپھرا ہوا تھا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا' اس کی سفید قمیص سرخ رنگ ہو چکی تھی۔ سمعان نے اپنے اوپر قابو پایا۔

"میں ہرجانہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔ اس کے باوجود اگر تم پولیس تک بات لے جانا چاہتے ہو تو ایز یو وش۔" سمعان نے اپنی جیب سے اپنا والٹ نکالا تھا۔ اس شخص کا نقصان ہوا تھا مگر اس کے بات کرنے کے انداز نے سمعان کو غصہ دلا دیا تھا۔

"پچاس ہزار کی گاڑی تھی میری۔" اس شخص نے کہا تو سمعان ہاتھ میں پکڑی اپنی گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھائی اور ساتھ ہی اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی اور چند نوٹ بھی۔ "وہ میری گاڑی کھڑی ہے نیا ماڈل ہے۔ کل اس ایڈریس پر آ جانا تمہیں بائیک مل جائے گی۔ تب تک ضمانت کے طور پہ گاڑی اپنے پاس رکھو اور یہ چند ہزار بھی ڈاکٹر کو دکھا دینا بلکہ میرے ساتھ چلو میں اسپتال لے چلتا ہوں۔" دھیمے انداز میں کہنے پر اس شخص نے غصے سے ہٹ کر سمعان کو دیکھا۔ وہ شاید حالات کا ستایا ہوا تھا' اپنی بائیک کے نقصان پر کچھ زیادہ ہی فرسٹریشن کا شکار ہو گیا تھا۔ سمعان کی بات اور آفر نے اسے اپنے اوپر قابو پانے پر مجبور کر دیا تھا۔ چند منٹ بحث مباحثے اور گفتگو کے بعد اردگرد موجود لوگ اس شخص کے دھیما پڑنے پر وہاں سے ہٹنا شروع ہو گئے تھے۔

"نہیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ مجھے بائیک کا دکھ ہو رہا ہے' قرضہ لے کر خریدی تھی۔" وہ شخص اب اپنی گاڑی کو سیدھا کرتے ایک طرف کر رہا تھا۔ سمعان نے اس شخص سے ہٹ کر زرش کو دیکھا تو زرش کی کلائی سے خون بہہ رہا تھا' بلکہ دایاں بازو بھی زخمی تھا۔ آستین پھٹی ہوئی تھی۔

"تم زخمی ہو؟" وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ سمعان نے تاسف سے اسے دیکھا۔

[illegible] سہارا دے کر اسے گاڑی تک لایا۔ کھڑی تو وہ تھی مگر چلنا محال تھا' شاید پاؤں میں بھی چوٹ آ گئی تھی۔ بٹھا کر اس آدمی کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ زرش کی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ اس کا فرنٹ سیٹ پر بیگ اور موبائل ویسے ہی پڑا تھا۔ ان دونوں چیزوں کو اٹھاتے سمعان کی نگاہ ڈیکس بورڈ کی طرف اٹھی تو ٹھٹک گیا۔ سمعان کے دیے گئے دونوں کنگن اور "Z ہے S" کے الفاظ سے مزین لاکٹ بڑی بے دردی سے پھینکے گئے تھے۔ سمعان نے اٹھا کر بیگ میں ڈالا۔ گاڑی ایک طرف پارک کر کے لاک کی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔

راستے میں ظفر کو فون کر کے اس کی کلینک میں موجودگی کنفرم کی تھی۔ باقی سارا راستہ وہ شخص خاموش رہا تھا۔ سمعان نے ہی اس سے چند سوال کیے تھے۔ ظفر اس کا منتظر تھا۔ سمعان نے ایکسیڈنٹ کا بتا کر ٹریٹمنٹ دینے کو کہا تھا۔ گاڑی کو جھٹکے لگنے سے گھبراہٹ میں ایکسیلیٹر دباتے زرش کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی جب کہ چوڑیوں کی وجہ سے کلائی زخمی ہوئی تھی اور دایاں بازو دروازے کے ساتھ لگنے سے کمر میں بھی درد فیل کر رہی تھی۔ مگر ڈاکٹر کو بتا نہ سکی۔ سر پھٹنے کے علاوہ اس شخص کو بھی اچھی خاصی اندرونی چوٹیں اور خراشیں آئی تھیں۔ جب تک اس شخص کی مرہم پٹی ہوئی تھی۔ سمعان نے فیکٹری کی گاڑی اور ڈرائیور کو بلوا لیا تھا۔

"سر کو گھر ڈراپ کر کے آنا ہے اور تم یہ کچھ روپے رکھ لو۔ میں کل تمہارے ہاں ضرور چکر لگاؤں گا۔ تمہارا جو بھی نقصان ہوا ہے اسے ان شاء اللہ پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔" سمعان کے اس قدر خلوص پر وہ شخص شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ سمعان کے بار بار کہنے پر اس نے وہ ہزار ہزار کے چند نوٹ رکھ لیے تھے۔

"تم صاحب کو چھوڑ کر گاڑی اور اسے ورکشاپ پہنچا دینا۔" ساتھ ڈرائیور کو ہدایت کی تھی۔ اس شخص کے جانے کے بعد سمعان بھی زرش کو لیے وہاں سے نکل آیا تھا۔

"کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟" سمعان نے پہلی بار اس سے دریافت کیا تھا۔ اس نے خوف زدہ سی نگاہوں سے سمعان کو دیکھا۔ وہ ابھی تک اس حادثے کے زیر اثر تھی۔ خوف زدہ ڈری سہمی سی۔

"اگر نقصان زیادہ ہو جاتا تو۔"

"پتا نہیں کیسے گاڑی کی رفتار کنٹرول نہیں ہوئی تھی۔ یہ شخص دوسری سڑک مڑنے پر عین سامنے آ گیا تھا۔ میں نے بڑی کوشش کی تھی بریک لگانے کی مگر......" آواز میں اب بھی آنسوؤں کی نمی تھی۔ بلکہ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ دھیمے دھیمے سسکاریاں بھرتی آنسو پونچھتی۔ فوری طور پر تو نہیں مگر اب اندرونی طور پر جسم میں کئی درد جاگ گئے تھے۔ کچھ تکلیف کا اثر تھا اور کچھ خوف کا۔ باقی سارا راستہ سمعان نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گھر پہنچ کر گاڑی اندر لا کر سمعان نے اسے گاڑی سے سہارا دے کر نکالا تھا۔ زرش کے پاؤں میں اب سوجن آ چکی تھی۔ جوتے سمیت چلنا اس کے لیے چلنا بڑا مشکل تھا۔ اندر آ کر سمعان اسے سیدھا اس کے روم میں لایا تھا۔

"لیٹ جاؤ......" سمعان کے سامنے جھجک سی گئی۔ لیکن وہ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

"دکھاؤ پاؤں......" سمعان نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا تو اس نے ایک دم پاؤں پیچھے کیا تھا۔ عجیب

سی شرم نے گھیر لیا تھا اس لمحے۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" ڈاکٹر نے کریم لگا دی تھی۔

"خاک ٹھیک ہو' چلا تو تم سے جا نہیں رہا۔" سمعان نے برہمی سے کہا تو زرش کی آنکھوں میں نمی آ ٹھہری۔ گزرے لمحے پھر یاد آ گئے۔ کلائی پر بینڈیج کی گئی تھی۔ سمعان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بایاں بازو تھام لیا تھا۔ زرش کے پورے وجود میں گویا کرنٹ سا دوڑ گیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ٹھیک ہوں۔" مگر سمعان نے دھیان ہی نہیں دیا۔ آستین ہٹا کر دیکھا تو کہنی سے اوپر کندھے تک اچھے خاصے گہرے نیل پڑے ہوئے تھے۔

"سی......" سمعان نے انگلی پھیری تو تکلیف سے رو دی۔

"بہت درد ہو رہا ہے؟" گمبھیر لہجے میں پوچھتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ہوں......" وہ اس وقت بے بس تھی۔

"مرہم لگا دوں؟" اس کے رونے نے سمعان پر بڑے عجیب سے انداز میں اثر کیا تھا۔ لہجے میں خود بہ خود جذبے گھل گئے تھے۔

"ہوں......" اس نے درد میں سر ہلایا تھا۔ "لگتا ہے مر جاؤں گی۔"

"ایسے کیسے مرنے دوں گا۔ تمہیں تو ہزاروں سال جینا ہے میرے لیے۔" سمعان کے جذبوں کا عجب عالم تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اندر کے غبار کو نکالنے کو اس نے سمعان کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے گریبان کو مٹھی میں جکڑے وہ سارا اعتماد کھو بیٹھی تھی۔ اس وقت تو اس کے ضبط کا یہ عالم تھا کہ اسے اردگرد کے ماحول کا کوئی ادراک نہ رہا تھا۔ شدت سے گریہ وزاری کرتے سمعان کے کشادہ سینے پر سر رکھے اس کی شرٹ بھگوتے وہ دل کھول کر رو رہی تھی۔ بلکہ اندر کا غبار نکال رہی تھی۔ دکھ کی لپٹوں میں لپٹے دل کو بہلا رہی تھی۔

اگر سمعان بروقت نہ پہنچتا تو نجانے وہ اس وقت کس صورت حال سے دوچار ہوتی۔ کچھ دیر بعد اندر کا غبار نکلا' دل ہلکا ہوا تو زرش کو احساس ہوا کہ وہ قربت کے کن قیامت خیز لمحوں میں جکڑی گئی ہے۔

"پلیز! میرا سانس بند ہو رہا ہے؟" رخساروں سے آنسو پونچھتے ہاتھ ٹھٹکے۔ اس التجا پر سمعان نے بغور اسے دیکھا وہ نظریں چراتی بازوؤں کا حصار توڑتے پیچھے ہٹی تھی۔

سمعان نے مسکرا کر شاپر سے اینٹی سیپٹک کریم نکال کر اس کا بازو تھاما تھا۔

"میں لگا لوں گی۔" کمزور لڑکھڑاتی آواز میں نظریں جھکائے گویا تھی' سمعان کی قربت کے یہ لمحات اس پر بڑے بھاری تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان قیامت خیز گھڑیوں سے کیسے نکلے۔

اس کے بازو پر کریم لگاتے سمعان نے اسے دیکھا۔ سرخ چہرے پر لرزتی پلکوں کا رقص بڑا ساحر کن تھا۔

"آپ کو پاپا نے بھیجا تھا؟" وہ ان کمزور لمحوں سے نکلنا چاہتی تھی۔ سمعان کی موجودگی کو یکسر غیر اہم قرار دے دینا چاہتی تھی۔ خود پر بمشکل قابو پاتے سمعان کو دیکھا۔ بلکہ سمعان احمد کے مچلتے جذبوں کے

آگے حد بندی کرنا چاہی تھی۔

"نہیں...... بلکہ چچا جان کا موبائل میں نے ریسیو کیا تھا۔" سمعان نے فوراً اس کا گریز پڑھا تھا' بڑی خوب صورت مسکان آ گئی تھی ہونٹوں پر۔

"آپ ڈرائیور کو بھیج دیں وہ ان کو لے آئیں۔" وہ مزید کنفیوژ ہو گئی۔ سمعان کو ہٹانے کا فوراً بہانہ سوچا۔

"میں ابو کو فون کر دیتا ہوں وہ چھوڑ دیں گے۔" سمعان کو بھی خیال آیا۔ سمعان نے اپنا موبائل نکال کر ان سے بات کی تھی۔ سعید احمد سے کہہ کر مسعود اور شائستہ بیگم کو گھر چھوڑنے کی بات کی تھی۔

"میرے بارے میں مت بتایئے گا۔" کال کے دوران زرش نے کہا۔ ان دو تین لمحوں میں اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"میں یاسمین کو کہتا ہوں۔ وہ کچھ کھانے پینے کو دے پھر میڈیسن لے لینا۔" وہ خاموش رہی تو سمعان نے یاسمین کو آواز دی۔

"اس کے علاوہ اور کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔" سمعان نے یاسمین کو پکارتے اس کو بھی پلٹ کر دیکھا۔ سمعان کے انداز میں اس کے لیے بڑی فکر تھی۔ زرش کا جی چاہا کمر میں دم بدم بڑھتے درد کا ذکر کر دے مگر وہ پھر جھجک گئی تھی۔ نفی میں سر ہلانے پر سمعان کمرے سے نکل گیا تھا۔

سمعان کے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے تکیے کے سہارے اپنی کمر سیدھی کی' اک ٹیس سی رگ و پے میں اترتی چلی گئی تھی۔

ماما پاپا فنکشن کے اختتام کے بعد پہنچنے والے تھے یوں اکیلے آنے پر باتیں سننے کو ملیں گی وہ ایک طرف' اس حادثے کا سن کر وہ دونوں یقیناً بڑا ناراض ہوں گے۔

تکیے پر سر رکھتے اس کو تفکر نے آ لیا تھا۔

✻ ...... ✻ ...... ✻

حمید صاحب نے اپنے تئیں پوری کوشش کر ڈالی تھی کہ شارق زمان کے دماغ میں اصل حقیقت ڈال سکیں مگر شارق تو کچھ سننے پر آمادہ ہی نہ ہوا تھا۔ وہ بارہا اس کے آفس' گھر کے چکر لگا چکے تھے' موبائل پر بات کر چکے تھے مگر جیسے ہی نویرہ کا نام آتا تھا' وہ ہر لحاظ بھول جاتا' پچھلے دو دن سے وہ اپنا ہر کام بھلائے اسی بات کے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا تھا۔ ان کی دھمکی پر رضا بالکل خاموش ہو گیا تھا شارق تو ان سے ملنے پر وہ ابھی آمادہ نہ ہوا تھا' وہ یہ بھی ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے بلکہ اس کا ابھی تک یہی موقف تھا کہ اس نے شارق کو اپنے جذبات سے متعلق آگاہ کیا تھا' نویرہ سے متعلق بدظن نہیں کیا تھا' یہ شارق کے اپنے ذہن کا فتور تھا اور یہ فتور کیوں برپا ہوا تھا وہ یہ ماننے پر آمادہ ہی نہ تھا وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا کہ اس نے کوئی غلط قدم اٹھایا ہے۔

وہ اس وقت بھی واجدہ بیگم کے ہاں آئے ہوئے تھے۔

"ابا! آپ میرے ساتھ چلیں' ہم نویرہ کو لے آتے ہیں۔ شارق آہستہ آہستہ ساری سچائی جان لے

گا۔ اب اسے کچھ بھی سمجھانا بے سود ہے۔ رہ گیا رضا تو میں نے فیصلہ کرلیا ہے اسی ماہ رمضان کے بعد نکاح کردوں گا جب یہ قصہ ہی ختم ہو جائے گا تو شارق کے شکوک وشبہات بھی دم توڑ جائیں گے۔"

"نویرہ نہیں مانے گی۔ بڑا بُرا کیا ہے اس کے ساتھ رضا اور شارق دونوں نے مل کر۔" حمید صاحب کی بات سن کر اماں آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ ماننا پڑے گی اسے یہ بات بھی۔ میں خالدہ آپا سے بات کروں گا وہ سمجھائیں گی۔ وہ نبیل تک سے بات چھپانا چاہتی ہیں اور یہ اس طور ممکن ہے ورنہ کچھ بھی بعید نہیں۔ آپ آج شام میرے ساتھ چلیں۔ نبیل آفس میں ہوگا اس کے آنے سے پہلے ہم جا کر نویرہ کو لے آتے ہیں۔"

"اور شارق......"

"آپ ماں بن کر اسے سمجھائیں۔ یوں ایک دم نویرہ کے خلاف ہو جانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں مان لیتا ہوں سارا قصور رضا کا ہے مگر کیا شارق کو نویرہ کی پچھلی زندگی کچھ بھی یاد نہیں۔ وہ دماغ خراب ہے اس کا اور کچھ نہیں۔"

"جب مرد کا دماغ خراب ہوتا ہو تو صرف ایک پل لگتا ہے۔ شارق کے سامنے تو پھر اپنی ماں کی بھی پوری زندگی ہے، نویرہ کے ساتھ ناحق ظلم ہو رہا ہے۔"

"آپ ماں بن کر شارق کو مجبور کریں اور خود جا کر لے آئیں اپنے ماں ہونے کا رعب رکھیں بیٹا غصے میں ہوگی تو وہ بھی دھیما پڑ جائے گا۔"

"چلو یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔" انہوں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"تم خالدہ سے جا کر بات کرلو میں بھی رات کو شارق سے بات کروں گی کوشش کرتی ہوں وہ ساتھ چلے اگر نہیں مانتا تو پھر کل تمہارے ساتھ جا کر لے آؤں گی۔ ناحق بچی کو برباد نہیں ہونے دوں گی۔"

"چلیں ٹھیک ہے آپ شارق سے بات کر کے مجھے آگاہ کر دیجئے گا۔" حمید صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ان شاء اللہ کل جا کر نویرہ کو لے آئیں گے۔" انداز حتمی تھا۔

* * *

"سمعان کل سے اسلام آباد والے آفس کا چارج سنبھال رہا ہے۔" میٹنگ کے دوران سعید احمد نے مسعود احمد سے ذکر کیا تھا اور ان کا ذہن باقی تمام باتوں کو بھول کر اسی نقطے پر اٹک گیا تھا۔ سمعان کے اسلام آباد جانے کا مطلب تھا زرش کا وہاں شفٹ ہونا۔

ایک انتشار پر مبنی بٹا ہوا خاندان اپنی سب سے لاڈلی چہیتی بیٹی کو دینے کا انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ ان کے دل میں دکھ و درد کی اک لہر سی اتری تھی۔ ایک بٹا ہوا خاندان ایک اور بٹے ہوئے خاندان کی بنیاد بنے گا۔

شکست وریخت کا یہ سلسلہ مزید آگے چلے گا۔

"کیا زرش ایک الزام لے کر ساری زندگی سمعان کے ساتھ خوش رہ سکے گی۔"

انہیں لگا اس سوال نے ان کے اندر اک طوفان اٹھا دیا ہے۔

"آج نہیں تو کل زرش کو سمعان کے ساتھ جانا ہی ہے تو کیا طاہرہ بیگم زرش کو قبول کریں گی۔" وہ اپنی ہی ابھی پریشان کن سوچیں لیے میٹنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں چلے آئے تھے۔

سمعان پر انہیں ہر حال میں اعتبار تھا مگر زرش۔ زرش کی جذباتی طبیعت بھی کسی طور چھپی نہ تھی اور اب زرش کا وہاں کبھی نہ جانے کا حتمی انداز بلکہ فیصلہ۔ کیا زرش ان کے مجبور کرنے پر اسلام آباد جانے پر آمادہ ہو جائے گی۔ مگر وہ خوش کبھی بھی نہ رہ پائے گی۔

انہیں لگا اس نقطے پر سوچتے سوچتے ان کے دل کا درد بڑھ جائے گا۔ یا دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔

"السلام علیکم چچا جان۔" انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا سمعان بڑی پُرتشویش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"کیا بات ہے؟ پریشان لگ رہے ہیں۔" سمعان نے کچھ پریشانی سے پوچھا تھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بیٹھو......" وہ سیدھے ہو گئے تھے۔

"میں دو تین چکر لگا چکا ہوں۔ آپ نے کسی کو بھی ڈسٹرب نہ کرنے کا کہہ رکھا تھا مجھے تشویش ہو رہی تھی۔ خیریت ہے نا؟" وہ سامنے ہی ٹک گئے تھے۔

"ہوں طبیعت کچھ بوجھل بوجھل سی ہو رہی تھی۔"

"ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں؟" ان کے بجھے بجھے انداز پر وہ مزید متفکر ہوا تھا۔

"نہیں اب ایسی بھی بات نہیں۔ یہ کیا ہے؟" انہوں نے سمعان کے ہاتھ میں موجود فائل کی طرف اشارہ کیا تو سمعان نے فائل ان کے سامنے رکھ دی۔

"یہ اسلام آباد آفس کی اسٹیبلشمنٹ کے کاغذات ہیں ایک کاپی ابو کے پاس ہے اور ایک آپ کے لیے۔ ان پر آپ کے دستخط چاہیے تھے پھر کچھ ڈسکشن بھی کرنا تھا۔"

"ہوں......؟" انہوں نے بے توجہی سے کاغذات الٹ پلٹ کیے۔

"کل اسلام آباد آفس کا چارج سنبھال رہے ہو۔" کاغذات پر بے دلی سے دستخط کرتے انہوں نے بظاہر سرسری انداز ہی اپنایا تھا۔

"جی......" سمعان نے بغور انہیں دیکھا۔ انہوں نے پیپر اسٹڈی کیے بغیر ہی دستخط کر دیے تھے جب کہ بعض پوائنٹس بہت غور طلب تھے اور سمعان انہی پوائنٹس پر ان کی رائے لینا چاہتا تھا مگر ان کی بے زاری دیکھ کر ٹال گیا۔

"رہائش عثمان کے ساتھ ہی ہوگی۔"

"جی......" سمعان کو اندازہ ہو رہا تھا انہیں کیا بات تکلیف دے رہی ہے۔

"زرش کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" انہوں نے سمعان کو دیکھا سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے سمعان سمجھ رہا تھا۔

"ہماری طرف سے اتنا کچھ ہو چکا ہے چچا جان کہ اب ہمارا کوئی بھی فیصلہ زرش کی [illegible] کو مجروح کرنے والا معاملہ ہوگا۔ سوچنا زرش کو ہے یا آپ لوگوں کو۔" سمعان کا انداز بڑا سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ سعود احمد نے اپنی کنپٹیاں سہلائیں۔ ان کے روبرو اس موضوع پر پہلی بار گفتگو ہو رہی تھی' سو دونوں کافی محتاط تھے۔ سوچ سوچ کر بول رہے تھے۔

"میں خود بھی مجبور ہوں۔ پہلے ہی میرے ایک غلط اور قبل از وقت فیصلے نے کئی زندگیوں کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ اب میں نہیں چاہتا کہ زرش ہمارے کسی فیصلے کو بہ حالت مجبوری قبول کرے۔ میں چاہتا ہوں تم زرش سے بات کرو' اسے قائل کرو۔ پیار و محبت سے جیسے بھی۔ تمہارا اس سے ایک واضح رشتہ ہے۔ جذباتیت سے گھر بنتے نہیں بگڑتے ہیں۔ بھابی بیگم کسی بھی طرح مفاہمت کی راہ نہیں اپنائیں گی اور میں زرش کو ساری عمر اپنے گھر بٹھانے والا نہیں اگرچہ زرش کی انا پرستی سوچ اس بات کی ترجمانی کر رہی ہے کہ وہ کبھی خوش نہیں رہ پائے گی مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ فیصلہ زرش خود کرے اور جذباتیت سے ہٹ کر کرے۔ حقیقت کو فیس کرتے ہوئے فیصلہ کرے۔" پیپر ویٹ کو انگلیوں سے گھماتے انہوں نے کہا تھا۔

"چچا جان! زرش کا موقف غلط نہیں۔ اب تک جو کچھ بھی ہو چکا ہے اس کی روشنی میں بڑی سے بڑی زیادتی بھی عام سی بات ہے کہ وہ اس وقت حق پر ہے۔ رہی رشتے کی بات تو' رشتے ماننے سے ہوتے ہیں وہ ہمارے گھر جانا نہیں چاہتی اور امی بھی مفاہمت پر راضی نہیں ہوں گی۔ اسلام آباد سیٹل ہونے کا آپشن بھی ابو کی طرف سے ہے۔ مگر جس طرح حالات بدلے ہیں اس میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فیصلہ کیا اثرات مرتب کرتا ہے کہ بہر حال شادی دو انسانوں کے ملاپ کا نام نہیں۔ یہ تعلق خاندانوں کا بقا کا ضامن ہے۔ میں پھر بھی کوشش کروں گا' زرش سے بات کروں گا مگر مجبور نہیں۔"

سمعان نے بھی کھل کر ان سے براہ راست بات کر لینا چاہی تھی۔ سعود احمد خاموشی سے سمعان کو دیکھے گئے۔

سمعان چند پل مزید وہاں ٹھہرا تھا اور پھر اس کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک الجھے رہے تھے۔

"اس مسئلے کا کیا حل ہوگا؟"

بارہ بجے کے قریب ان کی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ تھی۔ دوبارہ آفس جوائن کرنے کے بعد وہ دوسرے تیسرے دن چیک اپ ضرور کروا رہے تھے۔ وہ وہاں سے نکلے تو سمعان راستے میں مل گیا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" پارکنگ میں ہی آمنا سامنا ہوا تھا سو سمعان رک کر پوچھنے لگا۔

"ڈاکٹر کی طرف جانا ہے آج اپائنٹمنٹ ہے اور تم؟"

"اچھا! ہاں آپ نے ذکر تو کیا تھا' اکیلے جا رہے ہیں؟"

"ہوں......"

"میں گھر جا رہا تھا' کل اسلام آباد جانا تھا سوچا ضروری تیاری کر لوں گا۔ چلیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" سعود احمد نے انکار کرنا چاہا پھر چپ ہو گئے۔

سمعان ان کے ساتھ ہی ڈاکٹر کے پاس آیا تھا۔ چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے میڈیسن میں ترمیم کر [illegible] چند ہدایات اور وہی روٹین کی باتیں تھیں۔ سمعان ان کے ساتھ ہی گھر آیا تھا کہ سعود احمد دوبارہ آفس نہ جانا چاہتے تھے۔ وہ آرام سے سارے مسئلے کو سوچنا چاہتے تھے' کوئی حل نکالنا چاہتے تھے۔ وہ جب گھر آئے تو شائستہ بیگم گھر پر نہیں تھیں۔

"شائستہ کہاں ہیں؟" انہوں نے یاسمین سے پوچھا۔

"وہ نوشی باجی آئی تھیں' ان کے ساتھ بازار گئی ہیں۔"

"اور زرش......؟"

"وہ کچن میں ہیں۔"

ایک ہاتھ میں سالن والا چمچ پکڑے بغیر دوپٹے کے وہ سیدھی لاؤنج میں آئی تھی۔

"ارے پاپا' آپ......" پاپا اور سمعان کو دیکھ کر سٹپٹائی تھی۔ پاپا وہیں لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئے' جب کہ سمعان نے ان کی میڈیسن والا شاپر ٹیبل پر رکھا تھا۔

"آپ آج جلدی آ گئے ہیں۔ خیریت ہے نا؟" سٹپٹاتے انداز میں ہی اس نے سعود احمد سے پوچھا تھا۔

"ہوں......" زرش نے کچھ تشویش سے سمعان کو دیکھا۔ پاپا کا انداز بظاہر نارمل ہی تھا مگر سمعان کا پاپا کے ساتھ آنا۔

"چچا جان بالکل ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر کے ساتھ اپائنٹمنٹ تھا اسی لیے جلدی آ گئے ہیں۔"

"اوہ......" وہ کچھ ریلیکس ہوئی۔ وہ فوراً کچن کی طرف آئی تھی۔ کرسی پر پڑا دوپٹہ اس نے کندھوں پر پھیلا لیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو؟" سمعان کی آواز پر وہ اچھل ہی پڑی تھی۔ پلٹ کر سمعان کو غصے سے دیکھا۔

"[illegible]......" بڑی رکھائی سے جواب ملا تو سمعان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ آئی۔

"اسمیل تو بڑی اچھی آ رہی ہے۔ کوکنگ کا شوق ہو رہا ہے آج کل کیا؟" بڑی احتیاط سے پیڑا [illegible] رہی تھی۔ کچن کے معاملے میں اس کی کارکردگی کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ مسکرا کر پوچھا۔

"آپ سے مطلب......؟" اسے تین دن پہلے والی بے عزتی یاد آ گئی تھی۔ ایکسیڈنٹ والی رات جب ماما پاپا گھر آئے تھے اور اس کی حالت اور کارکردگی کا سن کر جو کچھ ماما نے اسے سنایا تھا وہ تو ایک طرف سمعان کے سامنے یوں بری طرح بے عزت ہونا۔ وہ سخت ناراض تھی۔ کیا ضرورت تھی ماما پاپا سے ذکر کرنے کی۔ سمعان کوئی بہانہ بھی تو کر سکتا تھا مگر۔

بازو کے زخم کچھ ٹھیک ہو چکے تھے۔ پاؤں کی موچ بھی اب نکل گئی تھی' ہاں کمر کی تکلیف برقرار تھی۔

"کیا بنایا ہے؟" سمعان اس کی خفگی کو کسی طور خاطر میں نہیں لایا تھا۔ ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔ قیمے کی خوشبو بڑی اچھی تھی۔

"قیمہ...... تمہیں کیسے پتا ہے میں آ رہا تھا؟" زرش نے روٹی توے پر ڈال کر سمعان کو گھورا۔

"یاسمین......" ساتھ ہی اس نے یاسمین کو بھی آواز لگائی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ چراغ کے جن کی طرح حاضر تھی۔ "یہ روٹی دیکھو...... میں پاپا کو دیکھ لوں اور ہاں ایک دو روٹیاں اور بنا لو شاید پاپا بھی کھائیں۔"

اسے کہہ کر وہ کچن سے لاؤنج میں چلی آئی۔

"پاپا..... کیا ہوا ہے؟" مسعود احمد ابھی تک صوفے پہ آرام دہ حالت میں بیٹھے ہوئے تھے آنکھیں موندے وہ ان کے پاس بیٹھی تو انہوں نے آنکھیں وا کر کے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں بیٹا....." انہوں نے مسکرا کر زرش کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"کھانا کھائیں گے....."

"نہیں..... ایک گلاس جوس کا پلا دو میں بس کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں' میں کمرے میں جا رہا ہوں سمعان کو کھانا کھائے بغیر نہ جانے دینا۔ لنچ ٹائم ہے اچھا نہیں لگتا۔" انہوں نے اسے کہہ کر ہدایت کرتے اپنے کمرے کی راہ لی تھی۔

وہ جب کچن میں لوٹی تو سمعان کوک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شاید یاسمین نے دی تھی۔

وہ فریج سے جوس نکال کر گلاس میں انڈیل کر پاپا کے پاس چلی آئی تھی۔ وہ پاپا سے چند باتیں کرنے لگ گئی تھی۔ جوس پی کر انہوں نے میڈیسن لی تھی۔ احتیاط سے انہیں میڈیسن دے کر کمرے کی لائٹ آف کرتے خالی گلاس لیے جب کچن میں لوٹی تو یاسمین نہ صرف روٹیاں بنا چکی تھی بلکہ کھانا بھی ٹیبل پہ لگا چکی تھی۔

"پاپا! کھانا نہیں کھائیں گے۔" ٹیبل ریڈی دیکھ کر اس نے یاسمین کو کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ..... ہم دونوں کھا رہے ہیں۔" سمعان کے کہنے پر زرش نے گھورا۔ یاسمین کچن سے چلی گئی تھی۔ زرش شش و پنج میں پڑ گئی۔ سمعان ہاتھ دھو کر ٹیبل کے گرد کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔ وہ کلس کر رہ گئی۔

"آؤ بھئی' کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"آپ کھائیں۔ مجھے بھوک نہیں۔" اتنی تگ و دو کے بعد اسے لگا جیسے اس کی بھوک مر گئی ہے۔

"انسانوں سے ناراضی جچتی ہے' کھانے سے نہیں' آ جاؤ....." سمعان نے اٹھ کر اس کے پاس آ کر نہ صرف کہا تھا بلکہ پکڑ کر اسے کرسی پہ بٹھا بھی دیا تھا۔

"میں نے کہا نا مجھے بھوک نہیں۔" وہ چیخی تھی' سمعان واپس اپنی سیٹ پہ بیٹھ چکا تھا۔

"کھانے سے پتا چلتا ہے کہ بھوک ہے یا نہیں' کھا کر دیکھو تو سہی؟" سمعان نے ایک پلیٹ میں [illegible] کا سالن نکال کر اس کے سامنے رکھا تھا۔

"آپ؟" وہ کچھ سخت کہنا چاہتی تھی مگر ضبط کر گئی۔ بھوک اسے لگی ہوئی تھی یہ اور بات تھی کہ سمعان کی موجودگی میں کھاتے ہوئے غصہ آ رہا تھا۔ اگر پاپا کی ہدایت نہ ہوتی تو وہ سمعان کو کھانے پہ نہ بیٹھنے دیتی۔

"آپ کھائیں..... میں بھی کھا لوں گی....." پاپا کا خیال آتے ہی وہ کچھ دھیمی پڑ گئی تھی۔

"توری کیسی ہے؟" کھانا کھاتے ہوئے سمعان نے اسے دیکھا جو سر جھکائے کھانے سے زیادہ خود [illegible] دو نیم ہی غرق تھی۔

"ٹھیک ہے۔"

"جاؤں گا میں آج ان کی طرف بھی..... کافی دن ہو گئے ہیں ملے ہوئے۔" سمعان نے کہا تو وہ چپ رہی۔ پھر دونوں نے کھانا خاموشی سے کھایا تھا۔

"چائے پئیں گے۔" کھانے کے بعد برتن سمیٹتے اس نے پوچھا۔

اسے یہ سب بڑا عجیب لگ رہا تھا مگر وہ مجبور تھی۔

"ہوں....." سمعان نے اسے بغور دیکھا گھریلو سادہ سوٹ اور حلیے میں وہ خاصی کم عمر لگ رہی تھی۔ ثنا کے مقابلے میں تو وہ خاصی ان میچور سی تھی۔

"آپ لاؤنج میں چل کر بیٹھیے میں بنا لاتی ہوں۔" سمعان کی نگاہوں سے وہ اگلے ہی پل پزل سی ہو گئی تھی۔ سمعان کی نگاہوں میں عجیب سی لپک تھی۔

"میں تمہارے روم میں جا رہا ہوں ادھر ہی آ جانا۔" اپنے روم کا سن کر وہ پلٹی تھی مگر سمعان کچن سے نکل گیا تھا۔ اس نے لب بھینچ لیے۔ یاسمین کو بلا کر اس نے برتن دھونے اور چیزیں سمیٹنے کو کہا تھا۔ جب تک چائے بنی تھی وہ خود سے ہی الجھتی رہی تھی۔ اب وہ چائے لے کر خود جائے یا یاسمین کو بھیج دے۔" وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ بڑی ہمت کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ دروازہ دھکیلا تو کمرے میں گھپ تاریکی نے استقبال کیا۔

"لائٹس آف ہی رہنے دو۔" آگے بڑھ کر اس نے لائٹس آن کرنا چاہی تھیں مگر ہاتھ سمعان کی پکار پہ رک گیا تھا۔ وہ بڑے مرے قدموں سے پلٹی تھی۔ سمعان بستر کے دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"بیٹھو....." سمعان نے اسے دیکھا وہ نظریں چراتی پلٹی تھی۔ آگے بڑھ کر کھڑکی کھول کر پردے ہٹا لیے تھے۔ اسے اندھیرے سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے کھڑی ہو گئی تھی۔

"زرش! ادھر آؤ' مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" سمعان کے بلانے پر وہ الجھی تھی۔

"آپ کہیے میں سن رہی ہوں۔" اس نے پلٹ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی اگر دیکھ لیتی تو کنفیوژ ہو جاتی سمعان کے ہونٹوں پر اس کے گریز پہ بڑی جان دار سی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔

"میں کل اسلام آباد جا رہا ہوں۔" سمعان چائے کا کپ لیے اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ نہ سمجھی اس اطلاع کا کیا مطلب بھلا؟ مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔

"چلو گی میرے ساتھ؟" اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر سمعان نے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا تھا۔ لہجے کی گرمی نے اس پہ برقی رو کا کام کیا تھا۔

"نن..... میں کیوں بھلا؟" وہ سمعان کی اس حرکت پہ سارا اعتماد بھول بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں ہراس ابھرا مگر کمرے کی تنہائی میں کمرے کی تاریکی نے اس کا سارا کانفیڈنس اڑا دیا تھا۔

"تمہارا ٹرپ ہو جائے گا۔ اگر اسلام آباد پسند نہیں تو کہیں اور چلے چلتے ہیں۔" سمعان کو ان لمحوں

میں گویا شرارت سوجھی تھی۔ وہ تو سر سے پیر تک کانپ اٹھی۔ ایسے بدک کر پیچھے ہٹی گویا سمعان اسے زبردستی لے جائے گا۔ سمعان ہنس دیا۔ آنکھیں چراتے کندھوں پر پھسلتا دوپٹہ درست کیا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"ہنی مون پر بھی نہیں۔" چائے کی چسکیاں لیتے سمعان اس کی طرف جھکا تھا۔

"پلیز......" زرش ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک اٹھی۔ اس کی برداشت بس یہیں تک تھی۔ سمعان نے چند پل اسے رونے دیا تھا۔ چائے کا کپ خالی کر کے ٹیبل پر رکھ کر اپنی مکمل توجہ اس کی طرف کی۔

"زرش ادھر دیکھو میری طرف۔" اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹا کر کہا تو اس نے بھیگی پلکوں سے سمعان کے دراز سراپا کو دیکھا۔

"آپ مجھ سے اس طرح کی گفتگو مت کریں۔" سمعان نے کچھ کہنا چاہا تھا اس نے پہلے ہی ٹوک دیا تھا۔ سمعان کھل کر ہنس دیا۔

"مثلاً کیسی کروں؟" سمعان نے اس کے رخسار پر لہراتی لٹ کو ہلکے سے جھٹکا تو وہ مزید کنفیوز ہو کر ایک دم پیچھے سرکی۔ سمعان بڑا محظوظ ہوا تھا۔

"یار بیوی ہو میری...... اتنی نا سمجھ نہیں ہو کم عمر سہی مگر میاں بیوی کے ایموشن کے تقاضے تو سمجھتی ہو نا۔" سمعان کے گمبھیر انداز نے اس کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ وہ تو کاٹو تو بدن میں خون نہیں والی کیفیت میں تھی۔

"اور اس وقت لگ بھی بڑی پیاری رہی ہو۔" اس کے کندھے سے پھسلتے دوپٹے کو دیکھتے سمعان نے اس کی گردن کے گرد لپٹے لاکٹ پر اپنی انگلی رکھی تھی۔ ایک دفعہ پھر لاکٹ اس کی گردن کے گرد لپٹے دیکھ کر اک سرور سا جاگا تھا۔

"آپ جائیں پلیز۔" اس نے ہاتھ جھٹک دینا چاہا تھا۔

"یہ لاکٹ اور کنگن تو تم نے بڑی بے دردی سے پھینک دیے تھے۔ اس رات تمہاری گاڑی میں ملے شاید۔" سمعان نے چین کو انگلی پر لپیٹا تھا۔

"بتایا نہیں تم نے چلو گی اسلام آباد؟" اس کے چپ رہنے پر پھر اسے ٹوکا۔

"نہیں......" اس نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

"ہنی مون پر بھی نہیں؟"

زرش کو لگا بس اس کا ضبط جواب دینے والا ہے۔ اس نے سمعان کی طرف دیکھا۔ سمعان کی آنکھوں سے نکلتی تپش اور جذبوں کی گرمی اس کے اندر طوفان برپا کر گئی تھی۔

"آپ مجھے تنگ کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔" بڑی بے اعتبار، خفا نگاہوں سے شکوہ کیا تو سمعان ہنس دیا۔

"نہیں...... آیا تو تھا میں چچا جان کو چھوڑنے مگر جانتی ہو چچا جان کی ہارٹ کنڈیشن آج [illegible] برڈن میں ہے۔ ان کے اعصاب نارمل ری ایکٹ نہیں کر رہے۔ وہ سخت ڈپریشن کا شکار ہو رہے ہیں

[illegible] لہجے سمعان احمد نے سنجیدگی سے اسے بتایا تھا۔

"نن؟" وہ سن کر ایک دم ہراساں ہوئی تھی۔

"آج کل ان کے ڈپریشن کی سب سے بڑی وجہ ہماری ذات ہے۔ یعنی ہم دونوں کی۔" سمعان نے ٹھہر کر اسے دیکھا، وہ نظریں چرا گئی تھی۔ "تمہارے فیصلے سے وہ سخت پریشان ہیں زرش۔" سمعان نے اسے بتایا تھا۔

"بابا کو درمیان میں مت لائیں، آپ اپنی بات کریں۔" اگلے ہی پل اس نے پھر خاصی تلخی سے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے ساتھ کل اسلام آباد چلنا چاہیے۔"

"میں اس موضوع پر آپ سے تفصیل سے بات کر چکی ہوں بلکہ فیصلہ کر چکی ہوں۔ آپ مجھے بور مت کریں۔"

سمعان نے چند پل اس کے تلخ تیوروں کو دیکھا تھا۔

"اور اگر میں تمہیں فورس کروں، کہ بہر حال تم میری بیوی ہو۔ میرے نکاح میں ہو، زبردستی کا حق رکھتا ہوں میں۔" زرش نے جھٹکے سے سر اٹھا کر بڑی برہمی سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔ سمعان کے ان الفاظ نے اس کو آگ کی لپٹوں میں دھکیل دیا تھا۔

"تب نقصان سراسر آپ کا ہوگا۔ نکاح ہو جانے اور دل سے مان لینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" زرش کے لہجے سے گویا چنگاریاں سی اڑ گئی تھیں۔ "مجھے بار بار یہ مت جتائیں کہ ہمارا کیا رشتہ ہے۔ جب سرے سے میں کسی تعلق کو مانتی ہی نہیں تو میں کسی کو زبردستی کا حق بھی نہیں دیتی۔" اس نے بڑے سخت انداز میں سرے سے اس تعلق کو ہی رد کر دیا تھا۔

"میں اسلام آباد تو کیا دنیا کے کسی بھی کونے میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ نہیں۔ بات اصول کی ہے۔ یہ لڑائی آپ کی والدہ نے شروع کی تھی اور ان کے الزام نے میری شخصیت میرے کردار کو داغ دار کیا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس نام نہاد تعلق سے آپ کا مجھ سے کوئی رشتہ بن گیا ہے تو خام خیالی ہے آپ کی۔ لوگ ہماری ذات کو کس طرح ڈسکس کرتے ہیں آپ بے خبر نہیں اور میں ایک الزام لے کر ساری زندگی نہیں جیوں گی۔" اس نے بڑی تلخی و کڑواہٹ سے یہ دہرایا تھا۔

"غلطی میں نہیں آپ کی والدہ ہیں۔ انہیں اپنی غلطی ماننا ہوگی۔ ہزاروں لوگوں میں انہوں نے مجھے تماشا بنایا تھا اور انہی لوگوں میں وہ اپنا جرم قبول کریں گی تو شاید میں ہر بات بھول جاؤں گی مگر اب نہیں۔ مجھے بار بار مجبور مت کریں۔ میرے سامنے بار بار آ کر اس نام نہاد رشتے کو میری مجبوری مت بنائیں۔"

زرش کے لہجے و انداز میں کسی بھی قسم کی غلطی کی کوئی لچک نہ تھی۔ سمعان نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

◆

شارق کے سامنے واجدہ بیگم نے بات کی تو اس نے دوٹوک کہہ دیا تھا۔

"میں اس چیپٹر کو کلوز کر چکا ہوں آپ بھی بھول جائیے کہ میری زندگی میں نوریہ نامی کوئی لڑکی بھی آئی تھی۔" قطعی انداز تھا۔

"ایسے کیسے بھول جاؤں' ابھی تو عرصہ ہی کتنا ہوا تھا پھر شارق بیٹے جذباتی ہو کر مت سوچو شادی شدہ زندگی میں بہت سی باتوں پر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ رضا کے معاملے میں نوریہ قطعی بے قصور ہے۔ اس کا کردار' اٹھنا بیٹھنا سب سامنے کی بات تھی۔ رضا نے بکواس کی اور تم نے سچ مان لی۔ یہ تو کوئی انصاف نہ ہوا۔"

"رضا نے جو بھی بکواس کی۔ وہ سب کسی کی شہ پر کی۔" "یقیناً نوریہ کی ہی اور نوریہ اتنی کم عمر بچی نہ تھی کہ وہ رضا کو نہ سمجھ سکی تھی۔ اماں اس سلسلے میں آپ بے شک لاکھ نصیحتیں دیں مگر میرا دل نہیں مانتا۔ میری بے لوث محبت اور توجہ بھی اس کے دماغ کی گرہ نہ کھول سکی۔ اس نے مجھے قبول ہی نہیں کیا۔ اس کی وجہ رضا بھی تو ہو سکتا ہے اور رضا کم عمر تھا ان میچور تھا وہ کیونکر نوریہ سے محبت کرنے لگا؟ اماں آپ مجھے تنگ نہ کریں' نوریہ جا چکی ہے' اگر وہ کہے گی تو میں اسے حتمی فیصلہ بھی پہنچا دوں گا مگر میری اولاد مجھے دینے کے بعد۔ واپسی کی اب کوئی راہ نہیں بچی۔ اگر وہ اتنی ہی بچی تھی تو یہ گھر چھوڑ کر ہی کیوں گئی۔ وہ اس وقت تنہا نہیں تھی رکنے کو اپنی آنے والی اولاد کا بہانہ کر سکتی تھی مگر اماں وہ خود بھی یہی چاہتی ہے۔ وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔" شارق کے بے لچک لہجے پر اماں نے اسے دیکھا۔

"میں اور حمید کل اسے لینے جا رہے ہیں۔" اماں کی بات پر اس نے غصے سے انہیں دیکھا تھا۔

"آپ کو میں ایک دفعہ کہہ چکا ہوں کہ میرا اب اس سے کوئی تعلق نہیں تو آپ کو میری بات سمجھ نہیں آ رہی۔ نہیں رکھوں گا میں اسے۔"

"تم بالکل اپنے باپ پر گئے ہو۔ اسی کی طرح جذباتی اس نے بھی ساری عمر جذباتی فیصلے کیے اور ساری عمر پچھتاوؤں کی نذر کر دی۔ تم بھی وہی روش اپنائے ہوئے ہو۔ اگر نوریہ کے ساتھ ہی سب کرنا تھا تو اسے اپنایا ہی کیوں۔ اس حد تک آئے ہی کیوں' وہ گھر چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ تمہاری جذباتی اور مشکوک فطرت نے اسے یہ گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس جیسی لڑکی تو ساری عمر بھی گزار دو تو نہیں ملنے والی۔ تم جذباتیت کا شکار ہو رہے ہو میں نہیں۔ میں کل ہر حال میں جا کر اسے لے آؤں گی۔ ابھی بات خالدہ اور حمید کے درمیان ہے یہ رشتہ صرف تم دونوں کے درمیان طے نہیں ہوا کہ تم نے فیصلہ کر دیا اور سب نے

ونہ ..... یہ خاندان کی عزت کا سوال ہے اور میں تمہیں کبھی اجازت نہیں دوں گی کہ تم اس کے ساتھ ایسا ک کرو۔ رضا کی پسندیدگی اس کا ذاتی فعل تھا نوریہ کو کوئی بھی الزام نہیں دے سکتا۔" واجدہ بیگم نے اسے غصے سے یہ سب کہا تھا۔

"تو پھر آپ اس کی اس گھر میں حیثیت کا تعین بھی کر لیجیے گا۔ ٹھیک ہے آپ کی ضد ہے تو ایسے ہی ہی۔ اس کی حیثیت اب اس گھر میں پڑے اس ناکارہ ساز و سامان سے زیادہ نہ ہوگی۔"

اماں نے دہل کر شارق زمان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔

"خدا نہ کرے۔ وہ مظلوم بچی ہے خدا کو مانو شارق۔ اپنی ہی عقل استعمال کرو۔ دماغ کو شکوک و شبہات سے پاک صاف کرو ورنہ یہ رشتہ کھو دو گے۔" بڑے دکھ سے کہا تھا۔

"رشتہ ہی کب ہوا تھا۔ زور و زبردستی سے حاصل کی گئی چیز رشتے نہیں بن جاتی۔ خیر دیر سے ہی یہ نکتہ تو سمجھ میں آ گیا ہے۔ آپ بھی سمجھ جائیں' بھول جائیں اب وہ اس گھر میں نہیں آنے والی۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اپنا گھر تباہ نہیں ہونے دوں گی۔ میں نے تم سے کبھی زندگی میں کچھ نہیں منوایا۔ یہ ایک التجا سمجھو میری کل میرے ساتھ چلنا اور ہم نوریہ کو لے آئیں گے۔"

"اماں..... یہ ممکن نہیں۔ کہہ چکا ہوں آپ کو۔" وہ زچ ہوا تھا۔

"سوتیلی ہی سہی تم مجھے ماں کہتے ہو نا۔" ان کا انداز اپنی منوانے والا تھا۔

"اماں میں نے ہمیشہ آپ کو ہی ماں سمجھا ہے سوتیلی کے لفظ کو تو رہنے ہی دیں۔ آپ میرے لیے حقیقی ماں سے بڑھ کر ہیں۔"

"تو پھر چپ رہنا اب کچھ نہیں بولنا' میں کل نوریہ کو لے کر آؤں گی۔ حمید کے ساتھ جا کر۔" فیصلہ کن انداز تھا۔

* * *

زبیدہ بیگم کی طبیعت سخت خراب تھی۔ دو دن سے وہ مسلسل بستر پر ہی تھیں۔ رمشاء نے ان کے کمرے میں جھانکا تو وہ گم صم چھت کو گھور رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل وہ ان کو میڈیسن کھلا کر اپنے کمرے میں گئی تھی۔

"اب طبیعت کیسی ہے پھپھو؟"

انہوں نے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا وہ ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے پھر نگاہیں ہٹا لی تھیں۔ ان کے اس مسلسل سرد انداز پر رمشاء کی ساری اکڑ مٹی کا ڈھیر بنتی چلی گئی تھی۔

ان چند دنوں میں جو کچھ بھی ہو چکا تھا۔ جواباً رضا کا رد عمل اور نوریہ کا گھر خراب ہونا۔ حمید صاحب کا ایک انتہائی فیصلہ کرنا' وہ تو منہ کے بل گری تھی۔ اسے صرف رضا سے ضد تھی' وہ صرف رضا کو جتانے کو وہ سب کہتی تھی مگر عملی طور پر کرنے کی کبھی ہمت ہی نہ ہوئی تھی اور اب۔

حمید صاحب نے رضا کے سارے قصور جس طرح زبیدہ بیگم کے کھاتے میں ڈالتے ہوئے ایک فیصلہ سنایا تھا وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔ اسے رہ رہ کر رضا سے نفرت سی ہو رہی تھی۔ اس نے تو صرف نفرت سے سوچا تھا مگر رضا نے جو کچھ کر ڈالا تھا اب بڑی مشکل تھا کہ شارق نوریہ کو اپنے گھر میں بسائے۔

شارق جیسے مرد ہمیشہ اپنی ضد وانا اور غرور کے حصار میں زندہ رہتے ہیں، جیسے حمید صاحب تھے۔ لازم

"پھپھو معاف کر دیں مجھے۔ میں نے صرف سوچا تھا ایسا کرنے کا کبھی خیال نہیں آیا۔ میں تو صرف رضا کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ وہ غلط ہے۔" ان کے ہاتھ تھام کر وہ سسک اٹھی تھی۔

انہوں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ کر آنکھیں موند لیں۔

ان کے گھر کو جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا تھا کیا رمشاء کے آنسو اس نقصان کی تلافی کر سکیں گے۔ ان کو اپنی آنکھیں بھیگتی محسوس ہوئیں۔ رمشاء اگر بے صبرا پن نہ دکھاتی تو رضا کچھ عرصہ بعد سنبھل ہی جاتا۔ رمشاء کو مجبوراً برداشت کر ہی لیتا اور اب شاید وہ کچھ بھی کرنے والا نہ تھا۔ حمید صاحب کی دھمکی کے باوجود۔

رمشاء بڑے مرے مرے قدموں سے چلتی باہر نکل آئی تھی۔ حمید صاحب کی دھمکی سن کر زبیدہ بیگم حواس چھوڑ چکی تھی اور پھر اس کے بعد وہ مسلسل بستر پر تھیں۔ ذہنی خلفشار اور بخار نے مل کر انہیں زبردست شکست و ریخت سے دوچار کر دیا تھا۔

حمید صاحب اور رضا کی بارہا بات چیت ہوتی رہی تھی مگر کوئی فیصلہ کن انداز سامنے نہیں آیا تھا۔

وہ لاؤنج میں بیٹھی اپنی ہی سوچوں میں الجھی تھی کہ اچانک ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اس نے فوراً شارق زمان کے نمبرز ملائے تھے۔

"ہیلو......" کئی بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے تھوک نگلا۔ دوسری طرف شارق زمان تھا۔

"کون رمشاء......" تصدیق چاہی تھی۔

"جی......"

"خیریت......؟" بڑی تلخی سے استفسار ہوا تھا۔ رمشاء نے لب بھینچ لیے۔

"شارق بھائی...... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے؟"

"کیسی بات......؟"

"نویرہ آپی کے سلسلے میں۔"

"مگر مجھے اس سلسلے میں کوئی بات......"

"پلیز شارق بھائی آپ میری بات سن لیں۔ نویرہ آپی قطعی بے قصور ہیں۔ یہ صرف رضا کی ضد تھی، وہ میری ضد میں یہ سب کر رہا ہے۔ پلیز یقین کریں نویرہ آپی کو خبر ہی نہیں تھی کہ رضا ایسا ویسا کچھ سوچ رہا ہے۔ یہ بہت پہلے کی بات ہے۔ مجھے صرف رضا پر غصہ تھا اور غصے میں میں نے نویرہ آپی کو بھی اغوا کرنا چاہا تو رضا نے صرف مجھے نیچا دکھانے کو یہ سب کر دکھایا۔ وہ مجھ سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتا اور اسی ضد میں اس نے آپ کو وہ کہا ہے۔" وہ کہتے کہتے آخر میں رو ہی دی تھی۔

"تمہیں کچھ اور بھی کہنا ہے یا بس۔" سپاٹ بے لچک انداز تھا۔

"پلیز شارق بھائی۔ ایسا نہ کریں آپ کو نہیں پتا اگر آپ نے کچھ ایسا ویسا کیا تو انکل پھپھو کو چھوڑ دیں گے۔"

بس اسی نکتے نے اس کی ساری اکڑ نکال دی تھی۔

"کیا مطلب......؟" دوسری طرف شارق واضح طور پر چونکا تھا۔ شارق کے چونکنے پر رمشاء نے وہ ساری بات کہہ سنائی کہ کیسے حمید صاحب زبیدہ بیگم کو طلاق دیتے دیتے رُکے تھے۔

"یقین مانیں شارق بھائی! رضا صرف ضد میں یہ سب کر رہا ہے ورنہ شاید نویرہ آپی کا گھر تباہ ہو وہ بھی کبھی نہ سوچتا۔ اگر آپ نے کوئی اسٹینڈ نہ لیا تو انکل پھپھو کو چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے رضا کو بھی دھمکی دیا کہ اگر نویرہ آپی آپ کے گھر میں دوبارہ نہ گئیں تو وہ نہ صرف پھپھو کو طلاق دیں گے بلکہ اپنی زندگی بھی ختم کر لیں گے۔ وہ ان دنوں بہت غصے میں ہیں، پلیز آپ کچھ کریں۔ پھپھو کی طبیعت بہت خراب ہے وہ تو شاید مر ہی جائیں گی۔"

اب کے وہ شدت سے رو رہی تھی

دوسری طرف سے شارق زمان نے کال بند کر دی تھی۔

* * *

نواز فاروق کلاس سے فارغ ہو کر اپنے کیبن سے نکلا تو گلاس وال سے سیدھی نگاہ کمپیوٹر لیب کی طرف اٹھی تھی۔ سائرہ کے ساتھ بیٹھی وہ نجانے کس بات پر مسکرائی تھی۔ اس کے افسردہ چہرے پر یہ مسکراہٹ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ یوں جیسے سورج کی کرنوں سے روشنی چھن کر نکلی ہو۔

نواز نے دانستہ کمپیوٹر لیب کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"السلام علیکم!" قریب پہنچ کر سلام کیا تھا۔ زرش نے چہرہ موڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ جب سے اکیڈمی آرہی تھی صرف ایک دو بار ہی سلام دعا ہوئی تھی جب کہ نواز فاروق دکھائی روزانہ ہی دیتے تھے۔ دراصل وہ بے حد ذمہ دار اور فعال قسم کے انسان تھے، ہر وقت مصروف متحرک دکھائی دینے پر بھی اس قدر عجلت میں ہوتے تھے کہ سلام دعا کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں نے مشترکہ سلام کیا تھا۔

"کیسی چل رہی ہے آپ کی اسٹڈی مس زرش۔"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"آپ نے کالج چھوڑ کر اکیڈمی کیوں جوائن کر لی؟ اچھی خاصی ذہین ہیں آپ تو۔ آپ کو تو اس اکیڈمی کی بھی شاید ضرورت نہ تھی۔"

"بس ویسے ہی، کالج چھوڑا تھوڑی ہے کبھی کبھار چکر لگا لیتی ہوں۔ کلیریکل آفس سے رابطہ تو رہتا ہے لیکن باقاعدہ کلاسز نہیں لے رہی، ویسے بھی بہت سے اسٹوڈنٹس امتحانات کے قریب کالج کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ گھر میں ٹائم ٹیبل مینج کرنا پڑتا تھا سو اکیڈمی جوائن کر لی۔"

"ہوں، اچھی بات ہے۔ یہاں کسی قسم کی کوئی دقت تو نہیں ہو رہی اسٹڈی کے معاملے میں۔"

زرش نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

نواز فاروق نے بغور دیکھا۔ براؤن اسکارف لیے کندھوں پر سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ ڈالے وہ خاصی

منفرد لگ رہی تھی۔

جب بھی نگاہ زرش کے چہرے پر ڈالی تھی نویرہ کا چہرہ نگاہوں میں آ جاتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا دل و ذہن میں اک ملال سا جاگا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا نویرہ کی کوئی خیر خبر معلوم کیے ہوئے۔ گھر والوں سے بات کیے ہوئے۔ حمیرا کی یاد شدت سے آئی۔ اب تو لاہور چکر لگانے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا پتا نہیں کیسی تھی وہ۔ اس کے گھر چھوڑ آنے کے بعد ابو خاصے اکیلے اور بیمار رہنے لگے تھے۔ وہ اپنی ضد پر قائم تھے اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا مگر اکلوتی اولاد کے لیے ان کا دل بھی دکھتا تھا

زرش کے چہرے کو دیکھتے نجانے کیا کیا کچھ یاد آیا تھا۔

”کسی بھی قسم کی پرابلم درپیش ہو تو براہ راست مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔“

”ضرور سر۔“ نواز فاروق کی آفر پر اس نے سر ہلایا تھا۔

”نواز بھائی۔ آپ جب فارغ ہوں تو مجھے اپنے ساتھ گھر لیتے جائیے گا۔“ سائرہ کے کہنے پر وہ سر ہلاتا چلا گیا تھا۔

”وہ دونوں کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ سائرہ اس کے متعلق بہت سی باتوں سے باخبر تھی مگر زرش اچھی تھی سو اس نے کبھی کسی بات میں کریدا نہ تھا اور پھر زرش کی یہ ہدایت بھی تھی کہ اس کے متعلق نہ تو کچھ ڈسکس کرے گی اور نہ ہی کسی اور فرد کو بتائے گی سو دونوں کے درمیان اچھی دوستانہ فضا قائم ہو گئی تھی۔

دونوں کو فارغ ہوتے ہوتے آج کچھ دیر ہو گئی تھی پھر آج ابھی تک ڈرائیور بھی نہیں لینے آیا تھا۔

”چلیں سائرہ!“ نواز فاروق سائرہ کے ہاں ہی رہتا تھا سو اکثر وہ نواز کے ساتھ ہی گھر چلی جاتی تھی۔

”آپ کا ڈرائیور آ گیا؟“ زرش کو موجود پا کر چونک کر پوچھا ورنہ اس وقت تک وہ چلی جاتی تھی۔

”نہیں سر۔ میں کال کر کے پتا کرتی ہوں پتا نہیں آج کیوں لیٹ ہو گیا ہے اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔“ اس نے بیگ سے موبائل نکالا تھا۔

”السلام علیکم ماما۔ ماما ڈرائیور کیوں نہیں پہنچا ابھی تک؟“

”گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے تم وہیں انتظار کرو کچھ دیر میں آ جاتا ہے میں نے دوسری گاڑی لے جانے کو کہا ہے۔“

”جی اچھا......“

”سر تھوڑی دیر میں آ جاتا ہے۔“

”ہمارے ساتھ چلو ہم ڈراپ کر دیں گے۔“ نواز کے اشارہ کرنے پر سائرہ نے اسے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں...... ڈرائیور آ جاتا ہے پھر مجھے گھر سے ایسی کوئی پرمیشن نہیں۔ ماما پاپا کو بتائے بغیر کسی کے ساتھ نہیں آتی جاتی۔“ اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

نواز فاروق کے اشارے کو وہ بھی دیکھ چکی تھی فوراً واضح کر دیا تھا۔

”تم پھر کچھ دیر زرش کے پاس بیٹھ کر ویٹ کر لو۔ جب تک ان کا ڈرائیور آتا ہے۔“

”زرش بی بی! آپ کا ڈرائیور آ گیا ہے۔“ چوکیدار نے اطلاع دی تو اس نے فوراً اپنی چیزیں سمیٹی تھیں۔

* * *

خالدہ بیگم کو واجدہ آپا نے رات ہی کال کر کے اپنے اور حمید صاحب کے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ انہوں نے مصلحتاً نویرہ سے ذکر نہیں کیا تھا۔ صبح نبیل بھائی آفس جانے کو نکلنے لگے تو انہوں نے نبیلہ بھابی کو آج کے دن میکے چلے جانے کا کہا تھا۔

”نویرہ میرے پاس ہی ہے۔ رات کو نبیل آتے ہوئے لے آئے گا۔ ہو آؤ کبھی پوچھ رہے تھے۔“

نبیلہ بھابی اس اجازت نامے پر فوراً جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔

ان میاں بیوی کے رخصت ہونے کے بعد نویرہ نے سارے گھر کی صفائی ستھرائی کی تھی۔ گھر کے کاموں سے فارغ ہوئی تو کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔ نہا کر لاؤنج میں آئی تو وہاں اماں کے ساتھ بڑی اماں اور حمید چچا کو دیکھ کر چونکی۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام......“ چچا نے سر پر پیار کیا تو اماں نے اٹھ کر گلے لگا لیا تھا۔

”کیسی ہو؟“ فون تو وہ روز ہی کر رہی تھی تین تین چار چار بار۔

”ٹھیک ہوں۔“ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

”نویرہ بیٹا پہلے کچھ کھانے پینے کو لے آؤ پھر آرام سے بیٹھنا۔“ اماں نے کہا تو اسے بھی خیال آیا۔ وہ فوراً اٹھ گئی تھی۔

مشروبات، نمکو، بسکٹ اور کباب لے کر وہ لاؤنج میں آئی تو اماں اسی کا قصہ چھیڑے بیٹھی تھی۔

”کس کا دل کرتا ہے۔ اپنا گھر برباد کرنے کا۔ نبیل سے ذکر نہیں کر سکتی۔ نبیلہ کو بھی بھیج دیا کہ خوامخواہ بات نہ نکلے۔“ اندر قدم رکھتے وہ ٹھٹکی تھی۔ ”تو کیا اماں ان کی آمد سے پہلے ہی باخبر تھی؟“

اماں اسے دیکھ کر چپ ہو گئی تھیں۔ بڑے خاموش ماحول میں مشروبات پی گئی تھیں۔

”نویرہ! بیٹا تیار ہو جاؤ ہم تمہیں لے جانے آئے ہیں۔“ کچھ توقف کے بعد حمید چچا نے لب کشائی کی تھی۔

”کیوں......؟“ اس نے سب کو دیکھا۔

”تمہارا گھر ہے بیٹا یوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر برباد نہیں ہوتے۔“ بڑی اماں نے جواب دیا تھا۔

”یہ چھوٹی بات نہیں تھی بڑی اماں......“ وہ دکھ سے گویا تھی۔

”ہم شارق سے بات کر کے ہی ادھر آئے ہیں۔“ حمید چچا نے بھی کہا تھا۔ وہ الجھ گئی۔

"اگر آپ شارق سے بات کر کے ہی ادھر آئے ہیں تو پھر آپ کے ہمراہ وہ کیوں نہیں کہ بہر حال مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دینے والا وہی شخص ہے۔ مجھے بدکرداری کا سرٹیفکیٹ دینے والا وہی تھا۔ پھر اس طرح تو میں کبھی نہیں جاؤں گی۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے اماں اور چچا کو دیکھا تھا۔

"وہ ضرور آتا مگر اسے کام تھا۔" بڑی اماں نے پست آواز میں کہا تو نویرہ طنزیہ ہنس دی۔

"کام تھا! اماں مجھے بہلائیں نہیں۔ یوں کہیں...... ایک حاکم، شکی مزاج مرد اپنی فطرت سے مجبور ہے اور میرا دماغ خراب نہیں کہ بار بار ڈسنے کے لیے ایک ہی بل میں ہاتھ دوں۔ میں جان گئی ہوں اس شخص کو کہ کس سوچ اور مزاج کا مالک ہے۔ ایسے کانوں کے کچے شخص کے ساتھ میرا گزارہ نہیں، بس۔" وہ جو کہہ رہی تھی وہ برحق تھی، سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"دیکھو بیٹا! عورت کو گھر بنانے کے لیے بڑا کچھ سہنا پڑتا ہے۔ بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ مرد اپنی من مانی کرتا ہے۔ وہ جذباتی انسان ہے، ابھی طوفان سر چڑھا ہوا ہے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کچھ نہیں ٹھیک ہوگا۔ وہ مجھے خود اپنے گھر سے نکال چکا ہے۔ اتنا بڑا الزام لگا کر میری پوری زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔ بدکرداری کا عذاب سہنا، اس شخص نے مجھے جیتے جی میری اپنی نگاہوں سے مار گرایا ہے۔ آنے والی نسلوں تک بات جائے گی۔" نویرہ دکھ سے ایک دم چپ ہو گئی۔

"یہ سب رضا کا کیا دھرا ہے۔ نویرہ! بچے فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ رضا کو بھی کہہ چکا ہوں اور آج شارق کو بھی فون کر کے بتا دیا ہے، اسی ماہ کے اندر اندر رمشاء اور رضا دونوں کی شادی کر رہا ہوں۔ اگر رضا انکار کرتا ہے تو بخوشی کرے مگر پھر رمشاء سمیت دونوں ماں بیٹے کی میرے گھر میں کوئی جگہ نہ ہوگی۔ رضا کو ساری عمر احساس دلاؤں گا کہ کسی کی زندگی برباد کیسے کی جاتی ہے۔ جب اپنی ماں کو اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتا دیکھے گا تو۔" ان کے لہجے میں بڑی حد تک سختی و سفاکیت تھی۔

"چچا جان......" جہاں نویرہ دہل کر پکاری تھی، وہاں دونوں خواتین بھی چونک گئی تھیں۔

"ہائے حمید یہ کیسا فیصلہ ہے تمہارا؟" وہ دونوں تڑپ ہی تو اٹھی تھیں۔

"بالکل برحق فیصلہ ہے اور بروقت۔ آپا میں مانتا ہوں زبیدہ کا کوئی قصور نہیں، بالکل اسی طرح نویرہ کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ہم پر بھی جوانی آئی تھی، ہمیں بھی جذبات نے پاگل کیا تھا مگر کسی کی عزت، کسی کے کردار سے نہیں کھیلے تھے۔ رضا نے کم عقلی کی اور شارق نے حد ہی کر دی۔ ان دونوں کو اسی طرح سزا دوں گا اگر نویرہ نہیں مانے گی۔" انہوں نے اب کے نویرہ کو دیکھا تھا۔

"پلیز چچا جان...... یہ تو ناانصافی ہوئی۔ وہ شخص مجھے اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا اور نہ میں اس کے گھر میں رہنا، تو پھر زبیدہ چچی کا قصور کہاں سے نکل آیا۔ سزا دینی ہے تو رضا کو دیں جو سارے معاملے بگاڑنے کا موجب ہے۔" وہ بڑی تلخی سے گویا تھی۔

"یہ سزا رضا کو ہی تو دوں گا۔ ساری عمر اپنی ماں کو روتے سسکتے دیکھے گا تو احساس ہوگا اپنی جذباتیت، ضد میں کس باکردار عورت کو داغ دار کر چکا ہے۔" ان کے لہجے کی سختی میں ذرا فرق نہ آیا تھا، ذرا لہجہ بدل کر بولے۔

"تم چلنے کی تیاری کرو۔ شارق کو ہم خود سمجھا لیں گے۔ نہ سمجھا تو نپٹ لیں گے اس سے۔ تم اپنی [illegible]

نہیں اٹھنے دوں گا چاہے پھر مجھے اپنا گھر برباد ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔"

ان کا فیصلہ کن انداز تھا۔ اس نے اماں کو دیکھا انہوں نے نگاہیں پھیر لیں۔ نویرہ کو بڑا دکھ ہوا۔ یعنی اماں خود چاہتی تھیں کہ وہ ان حالات میں اک الزام لیے اس شخص کے ساتھ زندگی گزار دے۔

"سوری چچا جان اب یہ ممکن نہیں۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ دکھ سے سینہ پھٹ پڑنے کو تھا۔

"وہ کیوں جاتی اگر ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو وہ وہاں سے قدم ہی کیوں نکالتی۔ لاکھ بیزار سہی مگر سمجھوتہ کرنے کو تو وہ تیار ہی تھی۔" اسے بری طرح رونا آ رہا تھا مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ اماں کے سامنے آنسو بہانے کے بعد اس نے دوبارہ آنسو نہیں بہائے تھے۔

دس منٹ بعد اماں آ گئی تھیں۔ اسے چپ چاپ بستر پر بیٹھے دیکھا تو اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"دیکھو نویرہ! تم سمجھدار ہو۔ تمہیں مجبور نہیں کر رہی مگر اپنی ماں کی بھی مجبوری سمجھو۔ ابھی حمید نے ساری ذمہ داری لی ہے، شارق کو سمجھانے کی، اس کے شک کو رفع کرنے کی، تو وہ اپنی ذمہ داری نبھائے گا بھی۔ رضا کو بھی قائل کرے، بیٹے کو بھی سمجھائے ان کا معاملہ ہے۔ نبیل بے خبر ہے، نبیلہ کو صبح میں نے اسی لیے بھیج دیا تھا کہ بات زیادہ نہ پھیلے۔ نبیل اب تک برداشت کیے ہوئے ہے مگر وہ یہ سب سن کر شاید ضبط نہ کر سکے۔ ساجد باہر ہے اور نبیل ہی میرے پاس ہے۔ اپنے بھائیوں کے لیے ہی سہی برداشت کر لو۔"

نویرہ نے بڑے دکھ سے اماں کو دیکھا۔ اماں کو بیٹوں کی اتنی پروا تھی اور بیٹی۔ بیٹی کے کردار کی بات تھی، شوہر رکھنے پر آمادہ نہ تھا اور وہ بے غیرتوں کی طرح منہ اٹھائے اسی کے پاس چلی جائے۔ یا پھانسی پر چڑھ جائے۔ اس کے دل میں اماں کی طرف سے بال آ گیا تھا۔ کوئی بھی اس کے احساسات کو سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ وہ کس سے کہتی؟ کس سے انصاف مانگتی؟

"اور شارق زمان؟" اس نے سپاٹ انداز میں اماں سے سوال کیا تھا۔

"مرد ہے، مرد عورت کی عزت نفس کو ایسے ہی روندتے ہیں۔ ہم نے بھی اک زندگی گزاری ہے پتا نہیں کس کس مقام پر اپنی انا، اپنی ضد، اپنی عزت کی قربانی دینی پڑی محض گھر بنانے کو۔ کم عقلی ہے آہستہ آہستہ حالات کا درست تجزیہ کرے گا تو سب کچھ سمجھ جائے گا، پھر جب رضا اور رمشاء کی شادی ہو جائے گی تو بات ہی ختم ہو جائے گی۔"

اماں پر امید تھیں اور وہ؟ نویرہ نے خاموشی سے ان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"تم اٹھو، کپڑے سمیٹو۔ نبیل کے آنے سے پہلے تم لوگ چلے جانا۔"

وہ پھر بھی مہر بہ لب رہی تھی۔

ان کی آنکھوں کی تحریر پڑھ لینے والی اس کی ماں اب محض بیٹوں کی ماں تھی۔ اس کی ماں کو اس کے جذبات و احساسات سے کوئی واسطہ نہ رہا تھا، وہ اسے محض شارق زمان کی بیوی اور اس کے بچے کی ماں کے تناظر میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے اس کے اندر کا حال جان لینے والی اس کی ماں کہاں گئی تھی؟

نویرہ کو لگا شدت غم سے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

اماں کے گھر میں اب اس کے لیے قطعی گنجائش نہ رہی تھی۔

شوہر کے گھر میں وہ پہلے ہی بدکردار ٹھہرا دی گئی تھی۔

نویرہ کے دل کا بوجھ اس قدر بڑھا کہ وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اماں نے اسے دیکھ کر لب بھینچ لیے۔ اس کی حالت بڑی آزردہ سی لگی تھی۔

"تم کپڑے سمیٹ لو میں آپا سے کچھ بات کر لوں۔" اماں نے الماری سے سوٹ کیس نکال کر اس کے سامنے رکھا تو وہ خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ جاننا نہیں چاہتی تھی وہ اماں کو اپنا فیصلہ سنا چکی تھی اس کے باوجود اماں اسے بھیجنے پر بضد تھیں۔ "کیوں؟"

نویرہ نے خاموشی سے خالی سوٹ کیس کو دیکھا جسے بھرنا تھا یا پھر......

* * *

وہ کالج سے گھر آئی تو طبیعت بوجھل بوجھل سی تھی۔

اب کالج جانے کو جی نہیں کرتا تھا۔ زرش کی غیر موجودگی میں کالج اب کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ سمعان بھائی اسلام آباد چلے گئے تھے۔ علی کالج سے گھر آنے کے بعد اکیڈمی چلا جاتا تھا اور ابو شام کے بعد گھر لوٹتے تھے ایسے میں خالی گھر اسے وحشت زدہ کر جاتا تھا۔

طاہرہ بیگم اپنی جگہ گم صم اور خاموش رہتی تھیں اور وہ اپنی جگہ دونوں میں ماں بیٹی کا رشتہ ہونے کے باوجود اک اجنبیت سی تھی۔ نہ انہوں نے اسے کبھی بلانے کی کوشش کی تھی اور وہ تو پہلے ہی ان سے بچی پھرتی تھی۔ سمعان بھائی کی شادی بھی اک حادثہ ٹھہری اور اب سمعان کا اسلام آباد چلے جانا اس سے بڑا حادثہ تھا۔

کھانا کھا کر وہ لیٹ گئی تھی مگر نیند بھی اب کہاں میسر تھی۔ وہ خاصی دیر تک بے سکون رہی تھی اور اٹھ بیٹھی۔ دل کے بہلانے کو اس نے سمعان کی شادی کی مووی لگائی تھی۔ طاہرہ بیگم اب اپنا زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتی تھیں یا پھر روز اپنے کسی نہ کسی بھائی یا بہن کے گھر کا چکر لگا لیا کرتی تھیں۔

"بند کرو اس کو...... جب دیکھو یہی تماشا ہو رہا ہے۔" ابھی مووی اسٹارٹ ہی ہوئی تھی کہ طاہرہ بیگم اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

فرح نے خاموشی سے انہیں دیکھا۔ سخت خفا انداز لیے کھڑی تھیں۔

"عاجز آ چکی ہوں میں اس تماشے سے۔" اپنی کنپٹیاں سہلاتی وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

فرح نے آواز دھیمی کر دی تھی۔ شاید ان کی طبیعت خراب تھی۔ اب تو یہ عالم تھا کہ خیر خیریت پوچھنا بھی گوارا نہ تھا۔ فرح نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا اور پھر مووی بند کرتے اس نے ٹی وی آف کر دیا تھا۔

"ماجدہ......" انہوں نے ماجدہ کو آواز دی تھی۔ "ایک کپ چائے بنا دو۔" ماجدہ کے آنے پر انہوں نے کہا تو فرح نے ایک گہری سانس خارج کی۔ یہی کام وہ اسے بھی کہہ سکتی تھیں۔ اس کا دل چاہا کہ خود جا کر چائے بنائے مگر پھر رک گئی نجانے کیا ردعمل ہو۔ شاید پیتیں ہی نہیں۔ چائے پی کر وہ پھر اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھیں۔

ان کے قریب آ کر اس نے ان کی پیشانی چھوئی تو ہلکی سی حرارت محسوس ہوئی تھی۔ فرح کا دل بھر آیا۔ اب سے پہلے ان کے رویوں میں ایسی اجنبیت کبھی نہیں آئی تھی۔ جیسی کہ اب تھی۔ اس کا جی چاہا کہ ان کے سرہانے بیٹھ کر ان کا سر دبائے مگر وہ لب بھینچ کر کچھ دیر کھڑی ان کو دیکھتی رہی پھر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

ٹی وی لاؤنج سے فون کی تیز آواز نے اسے متوجہ کیا تو وہ چونکی۔ سوائے سمعان یا عثمان کے فون کے اب کبھی گھنٹی نہ بجی تھی۔

اس سناٹے میں گونجتی فون کی گھنٹی اسے بڑی غنیمت لگی۔ طاہرہ بیگم ڈسٹرب نہ ہوں اس نے فوراً ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"السلام علیکم......"

"فرح......" دوسری طرف سے آنے والی آواز نے اسے منجمد کر دیا تھا۔

"آپ......" وہ ششدر رہ گئی تھی۔

"سعد بول رہا ہوں۔"

"کیوں کال کی آپ نے؟" وہ تو ابھی تک پہنچنے والے نقصان کو نہیں بھولی تھی کہ ایک دفعہ پھر یہ شخص آزمانے کو موجود تھا۔

"کیسی ہو......؟" اس کا وہی انداز تھا، فرح نے لب بھینچ لیے۔

"زندہ ہیں......"

"میں یہاں سب کو بہت مس کرتا ہوں۔" اس نے اپنے دل کا حال سنایا تھا۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا......؟" شکوہ سسکی کی صورت اس کے لبوں سے پھسل گیا تھا۔

"زرش اب سمعان کی بیوی ہے اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ کبھی نہ ہو پاتا جو آج ہے۔" سعد نے بڑی تحمل سے کہا تھا۔

"زرش مجھ سے بدظن ہے۔ وہ سمجھتی ہے یہ سب کچھ میرا پلان ہے اور اس کی سراسر ذمہ دار میں ہوں۔ میں نے سمعان بھائی کو اپنے ساتھ ملا کر آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

"تم خوش نہیں......؟" زرش میرے ساتھ رخصت ہوتی تو کبھی خوش نہ رہ پاتی۔

* * *

"وہ اب بھی خوش نہیں ہے۔ سمعان بھائی اسلام آباد چلے گئے ہیں زرش ہمارے گھر آنا نہیں چاہتی؟ امی ابو کے درمیان تعلقات اب اس مقام پر ہیں کہ اگر انہیں اپنی جوان اولاد کا احساس نہ ہوتا تو شاید کب کا کوئی فیصلہ کر چکے ہوتے۔" وہ رو دی تھی۔

"ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ پرامید تھا۔ فرح کو حیرت ہوئی۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد کیا کوئی امید کی جا سکتی تھی کہ سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔

"اب کچھ بھی ٹھیک ہونے والا نہیں۔" وہ نا امیدی کی انتہا پر تھی۔

"سائرہ سے سب کے حالات کی خبر ملتی رہتی ہے۔ میں لگا ہوا ہوں امی ابو کو قائل کرنے میں [illegible] کر وہ کسی طور میرے موقف کو درست مان لیں۔ میں تو کل شرمندہ تھا نہ آج شرمندہ ہوں۔ بلکہ اب ایک اطمینان ہے کہ بڑوں کے ایک غلط جذباتی اور قبل از وقت فیصلے سے کئی زندگیاں برباد ہونے سے بچ گئی ہیں۔ رہ گئی زرش تو یہ احتجاج اس کا حق ہے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ سمعان سے اس کا تعلق مسلّم ہے آہستہ آہستہ قبول کر لے گی۔"

"ان شاء اللہ۔"

فرح کو لگا سعد کی باتوں سے اس کے اندر نا امیدی کی دھند چھٹنے کو ہے۔

"تم خوش رہا کرو فرح، حالات تو بدلتے رہتے ہیں۔ موسم آتے جاتے ہیں۔ مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ جب تک امی ابو کو منا نہ لوں تم سے بات نہیں کروں گا، مگر دل کے مقابلے میں کبھی انسان کا اختیار چلا ہے، بے بس ہو کر تم سے بات کر رہا ہوں۔ فرح یاد رکھنا مجھے ہر حال میں تم تک پہنچنا ہے۔ تم سے میں کوئی وعدہ نہیں مانگ رہا، مگر ایک بات یاد رکھنا میں جلد لوٹوں گا تمہارے لیے، یہ ذہن میں رکھنا۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ خوش رہو۔ اللہ حافظ۔"

کال بند ہو چکی تھی، مگر فرح کو لگا فون کی بے جان تاروں میں امید کی کرن ابھی بھی جگمگا رہی ہے۔ اور جو کچھ دیر قبل بڑی اپ سیٹ تھی ایک دم پُرسکون ہو کر صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر ریلیکس ہو گئی۔

* * *

وہ روزانہ اکیڈمی آ رہی تھی۔ اب تو یہاں موجود اسٹوڈنٹس سے اس کی اچھی خاصی جان پہچان ہو گئی تھی۔ چند دن سے وہ ایک بات بڑی شدت سے محسوس کر رہی تھی، مگر اپنے محسوسات کو وہ کوئی نام دینے سے قاصر تھی۔ اگر وہ واقعہ رونما نہ ہو جاتا، اس دن سائرہ نہیں آئی تھی۔ دونوں کی اب اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ فرح کے بعد یہ پہلی لڑکی تھی جس سے زرش نے دوستی کی تھی۔ اس دن اسے سائرہ کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

ولید فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ جونیئر تھا سو اکثر وہ سائرہ اور اس سے نوٹس یا اسائنمنٹس کے سلسلے میں ہیلپ لے لیا کرتا تھا۔ اس دن بھی وہ اپنے میتھ کے اسائنمنٹ میں زرش سے ہیلپ لے رہا تھا۔ اچانک اسائنمنٹ سے ہٹ کر اس نے زرش سے پوچھا تھا۔

"آپ سرنواز فاروق کی کوئی رشتے دار ہیں؟"

"نہیں کیوں؟"

"جس طرح وہ آپ کی کیئر کرتے ہیں بات بات پر آپ کا خیال رکھتے ہیں میں سمجھا کہ شاید آپ کی کوئی ریلیٹو ہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تھا۔ زرش نے چونک کر اسے دیکھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں دراصل سائرہ ان کی کزن ہیں ماموں زاد وہ اس کا خیال رکھتے ہیں چونکہ میں ساتھ ہوتی ہوں تو مجھے بھی پوچھ لیتے ہیں۔"

"اچھا۔" ولید نے مسکرا کر بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی مسکراہٹ زرش کو ذرا بھی اچھی نہ لگی۔ اسے لگا کہ جیسے اس نے اس پر طنز کیا ہو۔

"مگر یہاں تو سب کچھ اور ہی محسوس کر رہے ہیں۔"

"کیا محسوس کر رہے ہیں؟" اس نے کچھ غصے سے پوچھا تو ولید کو احساس ہوا کہ وہ ناراض بھی ہو سکتی ہے۔ تو فوراً بات بدل گیا۔

"کچھ خاص نہیں۔ میں مذاق کر رہا تھا۔"

"میرا تم سے مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔" اس نے تلخی سے اسے جتایا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ زرش کو مزید غصہ آیا۔

"تم کچھ زیادہ اوور کانفیڈنٹ نہیں ہو رہے؟ تمہاری میں ہیلپ کر دیا کرتی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں خود سے فری ہونے کا موقع دے دوں آئندہ حد میں رہنا۔" خاصی تلخی و تندی سے اس نے جتایا تو اس نے زرش کو بغور دیکھا۔

"شاید آپ کا بھی لیا دیا سا انداز سرنواز فاروق کو اٹریکٹ کر گیا ہے۔ آپ پر کچھ خصوصی توجہ دے رہے تھے۔"

"ولید!" اب کے اس نے اس قدر سختی سے ٹوکا کہ وہ فوراً چپ ہو گیا تھا۔

"سوری۔" اگلے ہی پل اس نے معذرت کر لی تھی۔

"آئندہ مجھے تمہاری ہیلپ کرنے سے پہلے سو بار سوچنا ہوگا۔" وہ غصے سے کہہ کر اس کے کیبن سے نکل آئی تھی۔

باقی سارا وقت اسے یہ بات بری طرح پن کرتی رہی تھی اور لاشعوری طور پر وہ سرنواز فاروق کا جائزہ لیتی رہی تھی اور سارے دن کے تجزیے کے بعد اس پر جو انکشاف ہوا تھا اس نے اسے اگلے دن اکیڈمی جانے سے گھبرا دیا تھا۔

سرنواز فاروق ایک اچھے خاصے مہذب، سلجھے ہوئے، ایجوکیٹڈ پرسن تھے۔ وہ ان سے کسی بھی قسم کے گھٹیا پن کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ ان کا مزاج اور عادت ایسی تھی ہی نہیں۔ تو پھر دوسرا امکان بھی خاصا تشویش میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ یعنی وہ اگر سنجیدہ تھے تو ان کے لیے یہ خاصے نقصان کا باعث تھا۔ محض نظروں میں رکھنا، چھوٹی چھوٹی بات کی کیئر کرنا، آتے جاتے حال احوال دریافت کرنا، اسٹڈی کے ٹپس دیتے رہنا۔ یہ سب غیر معمولی ہی تو تھا جسے تقریباً سب نے ہی نوٹ کیا تھا۔ جبھی تو ولید نے یہ [illegible] وہ جونیئر تھا اسے اچھی بات کرنے یا موقع محل کا احساس کرنے کا خیال نہیں تھا جبھی جو چیز محسوس کی برملا کہہ دی، مگر اور لوگ نجانے کیا کچھ سوچتے ہوں گے۔ اگلے دو دن اس نے سوچتے، خود [illegible] گزارے تھے۔

آج بھی وہ بڑی مشکل سے اپنا ذہن بنا کر پڑھنے بیٹھی تھی کہ سائرہ کی کال آ گئی۔

"تم اکیڈمی کیوں نہیں آ رہیں؟" سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

"بس موڈ نہیں ہو رہا تھا۔"

"نواز بھائی بھی پوچھ رہے تھے۔ آج بھی بھائی کہہ رہے تھے کہ تم اس کو کال کر کے پتا کرو۔" اُن کا اشارہ نواز فاروق کی طرف تھا۔ زرش خاموش ہو گئی تھی۔

"کل آ رہی ہو نا؟"

"ہوں۔"

"ضرور آنا' مجھے تم سے چند پوائنٹس ڈسکس کرنے ہیں۔" چند باتوں کے بعد اس نے کال بند کر دی تھی۔ مگر اس کا تفکر مزید بڑھا تھا۔ سر نواز کے کہنے پر اس کا کال کرنا کیا سائرہ نے فیل نہیں کیا ہوگا۔ وہ اپنی فیملی کے علاوہ باہر ہر کسی کے ساتھ لیے دیے انداز میں ہی پیش آتی تھی۔ سر نواز سے اسٹڈی کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہوئی تھی پھر وہ کیسے مان لیتی کہ سر نواز اس پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ مگر یہ بات نوٹ کر چکی تھی اور اب اس سے مفر ممکن نہیں رہا تھا۔

اگلے دن وہ اکیڈمی ضرور آئی تھی مگر اس قدر لیے دیے انداز میں رہی کہ سائرہ سے بھی اس نے ضرورتاً گفتگو کرنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کی تھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" سائرہ اُٹھ کر ساتھ والے کیبن میں گئی تھی جب اچانک آ کر سر نواز نے سوال کیا تھا۔ زرش نے سر اٹھا کر بڑی سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔ آنکھوں میں تفکر لیے وہ خاصے سنجیدہ تھے ان کے کسی بھی انداز سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ محض وقت گزاری کو یہ سب کر رہے ہیں۔

"جی اللہ کا شکر ہے۔" زرش کو اپنی ہی آواز میں نیم کے پتوں کی مہک محسوس ہوئی تھی۔

نواز فاروق نے چونک کر اس کو دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر ضرور تھا کہ وہ ایک پل کو گھبرا گئے تھے۔

"میرا مطلب تھا کہ آپ دو دن غیر حاضر رہیں کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں تھا۔" انہوں نے وضاحت دی تھی۔

"طبیعت کی خرابی وغیرہ......؟"

"سائرہ نے آپ کو کال کرنے کا بتایا نہیں۔" اس کے لہجے میں تلخی پہلے سے بڑھ گئی تھی گویا اُن جتا دیا تھا کہ وہ بہت کچھ جان اور سمجھ گئی ہے۔

نواز فاروق نے بھی اس کے اس لب و لہجے پر اسے بغور دیکھا تھا۔

"آپ خفا ہیں مجھ سے؟" اب کے انہوں نے کچھ ریلیکس انداز میں دریافت کیا تھا۔

"سر! میں یہاں صرف پڑھنے آتی ہوں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔ استاد ہیں آپ ہمارے۔ کیا آپ کو لگتا ہے آپ مجھے خفا کر رہے ہیں۔ وہ بھی اپنی ایک جونیئر کم عمر اسٹوڈنٹ کو۔" اب کے اس کے لہجے میں واضح جتاتی ہوئی تلخی تھی۔ اپنی اور ان کی عمر کی طرف واضح اشارہ تھا۔

"زرش! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ آپ کی میں بھی بڑی عزت کرتا ہوں۔" انہوں نے فوراً وضاحت دی تھی۔

چند پل زرش خاموش رہی تھی پھر براہِ راست انہیں دیکھا تھا۔

"سر! ہو سکتا ہے اب میں اکیڈمی نہ آؤں۔" زرش نے ابھی سے کلیئر کر دینا چاہا تھا۔

"سر! میں موضوعِ سخن نہیں بننا چاہتی ابھی چند لوگوں نے بات کی ہے کل کو ساری اکیڈمی کے لوگ کچھ نہ کچھ کہیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ میں ابھی سے یہ جگہ چھوڑ دوں۔"

سر نواز نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ اپنی نگاہ کے بدلنے سے ابھی وہ خود بھی آگاہ نہیں ہو پائے تھے ان کی سوچ تو نوریہ اور زرش کے کردار کا موازنہ کرتے ابھی خلا میں معلق ہی تھی کہ لوگوں نے اس سوچ تک رسائی پا لی تھی۔

کیا ان کی نگاہ ان کی سوچ اور جذبے اتنے بے لگام ہو چکے تھے کہ بات لوگوں اور پھر زرش تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے تو اس وجود کو ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھا تھا پھر کہاں لغزش ہو گئی تھی کہ بات اس حد تک پہنچی تھی۔

وہ سر جھکائے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ سر پر اسکارف اوڑھے کندھوں پر دوپٹا پھیلائے اپنی اوّل روز والی کنڈیشن میں ہی تھی۔

"نواز بھائی آپ کو سر تیمور ڈھونڈ رہے تھے۔" زرش کے جواب میں نواز فاروق نے لب کشائی کرنا ہی چاہی تھی کہ سائرہ نے اندر آ کر نیا پیغام دیتے ہوئے ان کو چپ ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک نگاہ جھکے ہوئے سر پر ڈالی۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے نوٹ بک میں آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔

انہوں نے لمحوں میں ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

نوریہ کو وہ کھو چکے تھے اور زرش کیا وہ زرش کو بھی کھو دیں گے۔

ان کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا تھا۔

"زرش آپ واپسی پر مجھ سے مل کر جائیں گی۔ بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔" انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا تھا سر اٹھا کر زرش نے انہیں دیکھا وہ باہر نکل گئے تھے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" سائرہ نے اسے لب بھینچے دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ پھر اپنی فائل کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

* * *

رات گئے شارق زمان کی واپسی ہوئی تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ شارق اندر آیا تو شاکرہ شاید اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔

"کھانا کھائیں گے آپ؟"

"نہیں۔" شارق نے اطراف میں نگاہ ڈالی۔ سارے گھر کی لائٹس آف تھیں۔ صرف راہ داری کی لائٹ آن تھی۔ وہ بھی شاید اس کی آمد پر آن ہوئی تھی۔

"اماں سو گئی ہیں؟"

"جی۔" شاکرہ اس کے اگلے حکم کی منتظر تھی وہ نیند سے اٹھ کر آئی تھی۔ اب فوراً سونا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ دروازہ لاک کر لو۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

وہ حکم پا کر فوراً داخلی دروازہ لاک کرتے اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

شارق کمرے میں داخل ہوا تو لاشعوری طور پر اس نے خالی بیڈ کی طرف دیکھا تھا۔ نویرہ گھر پر نہیں تھی۔ دوپہر کو اماں نے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ وہ حمید چچا کے ساتھ جا کر نویرہ کو لا رہی ہیں پھر گھر آ کر بھی فون کیا تھا کہ وہ نویرہ کو اپنے ساتھ گھر میں لا چکی ہیں۔ اسی لیے وہ آج گھر نہیں آنا چاہتا تھا مگر طبیعت کچھ بوجھل بوجھل سی ہو رہی تھی۔ باہر کہاں خوار ہوتا مجبوراً رات گئے لوٹا تھا اور اب خالی کمرے نے شارق زمان کے اعصاب پر زبردست دباؤ ڈالا تھا۔ کوٹ بستر پر پھینکتے بریف کیس صوفے پر اچھالتے وہ بستر پر ٹک گیا تھا۔ وہ اپنے پاؤں کو جوتوں سے آزاد کرا رہا تھا کہ فون کی بیپ نے متوجہ کر لیا تھا۔

"ہیلو......"

"کیسے ہو ڈیئر۔" کھنکتی پُر جوش آواز شارق زمان کو لگا اس کے اعصاب کا تناؤ اس آواز نے کم کر دیا ہے یا پھر شاید مزید بڑھا دیا تھا۔

"ٹھیک ہوں خیریت اب کیسے کال کر لی ہے تمہارے پاس سے ہی تو اٹھ کر آ رہا ہوں۔" پاؤں اوپر کرتے اس نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائی تھی۔

"تمہارے بن اب چین نہیں آتا' ہر لمحہ تمہارے قریب رہنے کو دل مچلتا ہے۔" شارق زمان نے لمبی گہری سانس لی تھی۔

"بہت تھکن ہو رہی ہے یار' کام کی بات کرو۔" وہ بستر پر دراز ہوا تھا۔

"مجھ سے شادی کرو گے؟" وہ فوراً مطلب پر آئی تھی۔ شارق کے لبوں پر استہزائیہ تبسم رینگ گیا تھا۔ زیبا کیانی نے ان چند دنوں میں اسے جو ذہنی سہارا دیا تھا ایسے میں وہ سمجھ بیٹھی تھی کہ شارق زمان اس کی مٹھی میں آ گیا ہے۔ نویرہ کی طرف سے ملنے والے دھچکے نے اسے اتنا متنفر کر دیا تھا کہ وہ ایک بار کلب جانے پر اب پھر سے زیبا کیانی سے وہی پرانے مراسم استوار کر بیٹھا تھا۔

"ایک شادی شدہ سے شادی کی اجازت تمہارا کروڑ پتی باپ دے دے گا۔ ویسے بھی اسے اپنی دولت کا اتنا گھمنڈ ہے کہ دوسروں کو اپنے سامنے حقیر سمجھتا ہے۔ اپنے اعلیٰ حسب و نسب والے باپ سے اجازت تو لے لو۔" ایک دم شارق زمان کے استہزائیہ لہجے نے دوسری طرف زیبا کیانی پر خاصی چوٹ لگائی تھی۔

"شارق! تم بھی کبھار بڑی زیادتی کر جاتے ہو۔" بڑے ناز و انداز سے شکوہ کیا گیا تھا۔

"ایڈیٹ۔" شارق زمان نے زیر لب اسے نوازا تھا۔ ایک دم اس کا دل اس سے اچاٹ ہوا تھا۔

"کیسی زیادتی زیبا جی! اسی کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت پیدا کریں اور پھر میں شادی کیوں کروں گا۔ اگر شادی ہی کرنا ہوتی تو تم سے پہلے ہی کرتا مگر کیا کروں شادی کے لیے میری جو ڈیمانڈز ہیں پورا نہیں اترتیں۔"

"تمہاری بیوی اتر گئی تھی پورا یا پھر خانہ پری ہی کی تھی۔ میرے خیال میں وہ تمہاری کزن......؟"

شارق کو لگا جیسے اس نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا ہو۔ وہ تنفر سے لب دانتوں تلے دبا گیا تھا۔

"چھوڑو شادی میں کیا رکھا ہے' میرے لیے تو فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے بھولے نہیں۔ پرانی یار ہوں تمہاری۔ تم میری طرف پلٹ آئے ہو۔" شارق زمان کی خاموشی پر وہ یہی سمجھی تھی کہ بیوی کی بات پر وہ ناراض ہو گیا ہے سو فوراً بات بدل دی تھی مگر اب شارق کا موڈ ایک دم خراب ہو چکا تھا۔

"زیبا! میں بہت تھک گیا ہوں فی الحال ایک لمبی نیند لینا چاہتا ہوں۔ اوکے بائے۔"

"اوکے بائے۔" زیبا کی آواز نے اس کے حواسوں پر بڑی بری طرح اثر کیا تھا۔

"ولش نان سینس۔" غصے سے اس نے موبائل بیڈ کے سرہانے پٹخ دیا تھا۔

"نویرہ آ چکی ہے تو پھر کہاں ہے؟" اس سوال نے اس کے اعصاب پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ قمیص اتار کر صوفے کی پشت پر ڈالتے ہوئے وہ الماری کی طرف بڑھا تھا۔ الماری کے پٹ کھولے تو عجیب سا احساس ہوا۔ ہر چیز جوں کی توں تھی۔ کوئی فرق نہیں آیا تھا جب کہ نویرہ کی موجودگی میں ہر چیز سنور جاتی تھی۔ خالی الذہنی کیفیت میں اس نے بغیر کپڑے لیے دوبارہ الماری بند کر دی تھی۔ قمیص دوبارہ پہن کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ اماں کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا دھکیلنے پر کھل گیا تھا۔ بیڈ پر اماں سوئی تھیں جب کہ صوفے پر شاکرہ تھی۔

شارق زمان کی الجھن مزید بڑھی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ پلٹ آیا تھا۔ لاؤنج بھی خالی تھا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے وہ ایک پل ٹھٹکا تھا۔ لاؤنج سے متصل کمرے کے دروازے کا ہینڈل گھمانے پر دروازہ کھلتا گیا تھا یہ گیسٹ روم تھا کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی بکھری ہوئی تھی۔

……

نواز فاروق کے کہنے کے باوجود وہ پھر وہاں نہیں رکی تھی ڈرائیور کے آنے پر وہ فوراً گھر آ گئی تھی۔ اس کا ذہن سوچ سوچ کر پھٹ پڑنے کو تھا۔ سر نواز فاروق کا انداز فیصلہ کن تھا۔ وہ کیا کہنے والے تھے؟ اندازہ نہیں تھا' مگر وہ الجھ چکی تھی۔

اگلے دن وہ اکیڈمی نہیں گئی تھی۔

پھر اس سے اگلے دو دن بھی وہ نہیں جا سکی تھی۔ ایک دن تو وہ ماما کے ہمراہ نوشی کے ہاں چلی گئی تھی اور شام گئے واپسی ہوئی تھی جب کہ دوسرے دن اس نے خود وہاں نہ جانے کی ٹھانی تھی۔ اگلی شام بادیہ آپا آ گئیں تو انہوں نے فون کر کے نوشی اور عفان بھائی کو بھی بلوا لیا تھا۔ مغرب کے بعد وقار بھائی بھی سیدھا آفس سے ادھر ہی آ گئے تھے۔ گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی۔

ماما نے فون کر کے مسعود احمد کو جلد گھر آنے کا کہا تھا' عموماً وہ جلد ہی آ جاتے تھے' مگر جب سے سمعان اسلام آباد گیا تھا وہ اکثر لیٹ ہو جاتے تھے۔ سمعان احمد کے بعد اکثر میٹنگز انہیں ہی اٹینڈ کرنا پڑتی تھی۔

موسم ابر آلود تھا ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ٹیرس پر وہ سب بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے بلکہ موسم انجوائے کر رہے تھے۔ جب یاسمین اس کا فون ہے کا پیغام لیے چلی آئی تھی۔

"سمعان بھائی کی کال ہے' وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"موبائل کہاں ہے تمہارا؟" کال پی ٹی سی ایل پر آئی تھی اور کال سمعان کی تھی جبھی ماما نے فوراً اسے

دیکھا وہ تو پہلے ہی سمعان کے نام پر سرخ ہوتی تھی اوپر سے ماما کا پوچھنا۔

"چارجنگ پر لگایا تھا۔ کمرے میں ہے۔"

"جاؤ جا کر بات کرو۔" وہ فوراً وہاں سے نکل آئی تھی' سب کی موجودگی میں اطلاع ملی تھی کچھ بعید نہیں تھا کہ اس کا ریکارڈ عفان بھائی لگانا شروع کر دیتے وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔"

"کیسی ہو؟" بہت خاص توجہ سے دریافت کیا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ بے زاری سے صوفے پر ٹک گئی۔

"میں کافی دیر سے کال کر رہا تھا نمبر کیوں بند ہے؟"

"بیٹری آف ہوگئی تھی۔"

"آج اکیڈمی نہیں گئیں۔"

"نہیں۔" اس نے مختصراً کہا۔

"کیوں؟"

"آپا اور نوشی آگئی تھیں تو پھر جانے کو دل نہیں چاہا۔"

"ہیں اچھا چچا جان سے پتا چلا ہے عفان اور وقار بھی ہیں؟" وہ حیران ہوئی ہوسکتا ہے پاپا نے فون بتایا ہو۔

"جی۔"

"چلو ٹھیک ہے میں بھی آجاتا ہوں کیا خیال ہے؟" استفسار کیا تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ کنفیوز ہوگئی تھی۔ سمعان احمد کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی ایک دم گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

"ڈیٹ شیٹ آگئی ہے یا نہیں؟"

"ایک دو دن میں آنے والی ہے۔"

"چچی جان سے مجھے پتا چلا تھا کہ تم پچھلے دو دن سے اکیڈمی نہیں جا رہی ہو۔" بڑی سنجیدگی سے استفسار ہوا تھا۔

"یونہی موڈ نہیں ہو رہا۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔" وہ ایک دم تلخ ہوگئی تھی۔

وہ اب اس موضوع سے اُکتانے' اُلجھنے لگی تھی۔

"تم اپنے موڈ کی کچھ زیادہ نہیں مان رہیں۔ اپنی اسٹڈی کا حرج کر رہی ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ کی طرح اس دفعہ بھی تمہاری پوزیشن ہوگی' مگر میرا نہیں خیال کہ تمہارا ایسا کوئی ارادہ ہے۔"

"میری تیاری بہت اچھی ہے۔ مجھے کسی اکیڈمی یا ٹیوشن کی ضرورت نہیں ویسے بھی اکیڈمی میں نے کالج چھوڑنے کی وجہ سے جوائن کی تھی اب اس کی ضرورت نہیں سمجھتی میں۔"

"یعنی کہ تم اکیڈمی بھی چھوڑ چکی ہو۔" سمعان کا انداز بحث کرنے والا تھا۔ زرش نے اُلجھ کر ریسیور کو دیکھا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں کیا میں نے۔ ہاں کبھی کبھار ضرورت پڑی تو چکر لگا لوں گی۔" اس نے بڑے ضبط سے جواب دیا تھا ورنہ سمعان کے جرح کرنے والے انداز نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

"اوکے میں چکر لگاتا ہوں تو اس موضوع پر تفصیلی بات کروں گا۔ کالج کے بعد اکیڈمی بھی چھوڑ دینا کوئی عقل مندی نہیں۔ چند لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے ذہن فریش رہتا ہے جب کہ تم......"

"میں نے کہا نا میں نے اکیڈمی نہیں چھوڑی' اگر چھوڑ بھی دوں تو آپ کو اس موضوع کو ایشو بنانے کا کوئی حق نہیں۔ میں اپنے قول و فعل کی خود ذمہ دار ہوں۔ اگر کچھ حرج ہوا بھی تو نقصان بھی میرا ہی ہوگا آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔" بڑی تلخی سے اس نے جوابی کارروائی کی تھی۔

"زرش۔" سمعان نے ایک دم ٹوکا۔

"میں اب کوئی بات نہیں کروں گی۔ اس موضوع پر قطعی نہیں۔ اللہ حافظ۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کیا ہوا؟ سمعان بھائی سے لڑائی ہوگئی ہے؟" وہ پلٹی تو نوشی نے سوال کیا تھا جو نجانے کب کی آکھڑی ہوئی تھی۔

"صلح ہی کب تھی جو امکان ہوتا۔" زرش کا وہی بے لچک انداز تھا نوشی نے بغور دیکھا۔ زرش کے انداز میں کسی بھی قسم کی مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں تھی اس طرح تو وہ اپنا نقصان کرلے گی۔ نوشی کے اندر تشویش کی لہر اٹھی تھی۔ ماما' پاپا ہر لمحہ اس سلسلے میں پریشان رہتے تھے' مگر اسے کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ وہ دونوں چاہتے تھے کہ زرش خود سے حالات کا درست سمت تجزیہ کرے اور کوئی سعید فیصلہ کرے جب کہ زرش کے تیور کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔

"زرش اس طرح زندگی کیسے گزرے گی؟" اس کے انداز میں تشویش تھی۔

"چھوڑو! گزر ہی جائے گی نہ بھی گزری تو کم از کم کیا ہوگا؟" بڑی تلخی سے اس نے نوشی کو دیکھا۔

"تماشا تو میں بن ہی چکی ہوں۔ مزید کیا تماشا بنوں گی۔ بلکہ تماشا تو تائی بیگم کو بناؤں گی۔ انہیں اپنی غلطی کا اعتراف کرنا ہی ہوگا۔ اپنے سب الزام قبول کرنے ہوں گے تبھی میں سر اٹھا کر جینے کا سوچوں گی ورنہ زندگی ایسے ہی گزرے گی۔"

اس کا انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ نوشی نے گہرا سانس لیا۔

"ماما نے پاپا کو فون بھی کیا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ فون کرنے آئی تھی کہ کب تک وہ گھر پہنچ رہے ہیں۔ شام گہری ہو رہی ہے اب تک تو آجانا چاہیے تھا۔" نوشی نے موضوع ہی بدل دیا تھا۔

پاپا نے آدھے گھنٹہ میں گھر پہنچنے کا کہا تھا۔ تھوڑی دیر میں بارش کی رفتار میں بھی اضافہ ہی ہوا تھا۔ ماما

اور آپا کچن کی طرف چلی گئیں تو عفان بھائی وقار بھائی کے ساتھ لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ وہ نوشی کے ساتھ لان کا چکر لگانے باہر چلی آئی تھی۔ کاریڈور کے شیڈ کے نیچے دونوں چکر لگاتے باتوں کے ساتھ بارش کی پھوار سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

”پاپا آ گئے ہیں۔“ گاڑی کے ہارن پہ دونوں نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا گاڑی پورچ میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

”ارے سمعان بھائی۔“ پاپا کے ساتھ گاڑی سے برآمد ہونے والی دوسری شخصیت کو دیکھ کر جہاں نوشی چہکی تھی وہیں وہ بھی حیران کھڑی رہ گئی تھی۔

”یہ اسلام آباد سے کب لوٹے؟“ وہ صرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”السلام علیکم پاپا!“ تیز بارش میں بچتے بچاتے وہ دونوں ان کے قریب چلے آئے تھے۔ نوشی نے آگے بڑھ کر سلام کیا تھا۔ انہوں نے ساتھ لگا کر اسے پیار کیا تھا۔

”کیسی ہو؟“

”السلام علیکم!“ سمعان کے سلام پہ وہ نگاہ پھیرتے صرف سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

”آپ کیسے ہیں سمعان بھائی؟“ نوشی نے سلام دعا کے بعد سمعان کی طرف توجہ دی تھی۔

”اللہ کا شکر ہے تم سناؤ خوش ہو؟“ بڑے بھائیوں والا انداز تھا۔ نوشی ہنس دی۔

”الحمدللہ۔“

”آئیں اندر چلتے ہیں۔ سب کے لیے آپ کی آمد سرپرائز ہوگی' ویسے آپ تو اسلام آباد میں تھے ایک دم اچانک کیسے؟“ خاموش زرش نے بھی اس سوال پر سمعان کی طرف دیکھا۔

”آج ہی میٹنگ کے سلسلے میں آیا ہوں۔ سیدھا آفس گیا تھا۔ تم لوگوں کی آمد کا سن کر سوچا گھر کا چکر لگاتا جاؤں۔ سنا ہے یہ وقار اور عفان بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔“

”جی۔“

”تم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے کیا؟“ مسعود احمد اندر چلے گئے تھے۔ جب کہ سمعان ان کے پاس ہی ٹھہر گیا تھا۔ نوشی سے ہٹ کر زرش کو دیکھا۔

”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ سمعان کے سوال پہ نوشی کھلکھلا کر جہاں ہنسی تھی وہیں وہ تنک کر جواب دے کر پاؤں پٹختی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

”زرش رکو تو۔“ نوشی آوازیں دیتی رہ گئی تھی مگر وہ پھر وہاں ٹھہری نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ سیدھا اوپر ٹیرس پہ چلی آئی تھی۔ ماما اور باقی سب کے لیے سمعان احمد کی آمد کافی سرپرائزنگ تھی۔ شائستہ بیگم تو نہال ہو گئی تھیں۔ ان کی تینوں بیٹیاں' تینوں داماد ہنستے مسکراتے چہرے ایک رونق سی آ گئی تھی ان کے خاموش آنگن میں آج رات کھانے کی ٹیبل پہ اسپیشل اہتمام تھا۔

ماما کے ٹوکنے پہ وہ سب میں آ کر بیٹھ تو گئی تھی مگر سمعان کی آمد سے وہ اپنے خول میں بند ہو گئی تھی کھانے کی ٹیبل پہ بھی وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر پائی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے طیب' ہادیہ آپا کو مسلسل تنگ کر رہا تھا۔

[illegible]

”لائیں اسے مجھے دیں میں کھانا کھلاتی ہوں۔“

”تم کھانا تو کھالو۔ یہ ایسے ہی کرتا ہے۔“

”بس میں نے کھا لیا ہے۔ لائیں دیں مجھے۔“

سمعان نے ایک پل اس دیکھا تھا شائستہ بیگم بھی متوجہ تھیں' مگر ٹوکا نہیں کہ اب ہر بات پہ اسے کیا ٹوکتیں۔

”یاسمین پلیٹ میں چاول ڈال کر ادھر دے جاؤ میں لاؤنج میں ہوں۔ اسے کھلاتی ہوں۔“ وہ لاؤنج میں چلی گئی تھی۔ سب کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو وہ یاسمین کے ساتھ کچن سمیٹنے میں لگ گئی تھی۔

”زرش اب چائے کا کہہ رہے ہیں خود بنا کر لانا۔“ ہادیہ آپا چائے کا پیغام دے گئی تھیں لاؤنج میں خوب گپ شپ ہو رہی تھی آواز کچن تک آ رہی تھی۔ چائے بنا کر اس نے ٹیبل سیٹ کر دی تھی۔

”یہ تم لے جاؤ۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو لے جانا۔ میں اوپر جا رہی ہوں۔“

”چائے تو پی لیں۔“ یاسمین نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتی اوپر چلی گئی تھی۔

”زرش کہاں ہے؟“ زرش کے بجائے یاسمین کو چائے لاتے دیکھ کر شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

”وہ اوپر چلی گئی ہیں۔“

”چائے تو پی لیتی۔“

”رہنے دو موڈ نہیں ہو رہا ہوگا۔“ مسعود احمد نے دھیمے انداز میں کہا تھا۔

”ایک تو مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس کی ضد کی' انسانوں میں بیٹھنا تک چھوڑ دیا ہے' ایسی بھی کیا ضد ہے اب اوپر بارش میں بھیگ رہی ہوگی۔“ دھیمے لب و لہجے میں کہا تو مسعود احمد نے ایک خاموش نگاہ وقار اور عفان کے ساتھ باتوں میں مصروف وجود پر ڈالی۔ سمعان کا انداز کتنا مطمئن اور پرسکون تھا جب کہ زرش ہر وقت انسانوں' ہلا گلا میں رہنے والا وجود یوں اب الگ تھلگ رہنے لگا تھا۔ ہر وقت اپنے آپ سے نالاں یہ صورت حال تشویش ناک تھی۔ مگر مداوے کی کوئی راہ نہ تھی کہ اصلاح کیسے کی جاتی؟ ان کا دکھ بڑھتا تھا۔

”ٹھیک ہے سنبھل جائے گی۔“ انہوں نے اسی دھیمی آواز میں کہہ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

باتوں کے دوران سمعان نے ٹائم دیکھا رات کے دس بج رہے تھے۔ اب چلنا چاہیے تھا۔ انہوں نے باہر کی طرح اطراف میں نگاہ ڈالی' مگر وہ یہاں ہوتی تو دکھائی دیتی نجانے کہاں گئی تھی؟

”اب تو چلنا چاہیے کافی وقت ہو گیا ہے۔“

”رک جاؤ آج رات یہیں باہر مسلسل بارش ہو رہی ہے ایسے میں کہاں جاؤ گے۔ ہم دونوں بھی ادھر ٹھہرے ہیں۔ رات ٹھہر لیں گے تم بھی ٹھہر جاؤ۔“ وقار بھائی نے کہا تو سمعان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں چلتا ہوں گھر میں میری آمد کی اطلاع مل گئی ہوگی سب انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”آج رات یہیں ٹھہر جاؤ سمعان بیٹا۔ گھر فون کر کے اطلاع دے دو موسم خراب ہے صبح صبح چلے جانا۔“ شائستہ بیگم نے بھی کہا اور باقی لوگ بھی اصرار کرنے لگے۔ مجبوراً سمعان کو ماننا ہی پڑی۔

”او کے میں دیکھتا ہوں۔ گھر ابو کو فون کر دوں اور تو کوئی نہیں مگر وہ میری آمد سے باخبر ہیں پریشان ہو

رہے ہوں گے۔" سمعان موبائل لیے باہر نکل آیا تھا۔ ابو کے نمبر پر کال کر کے اپنی یہاں موجودگی اور رات ٹھہرنے کا بتایا تھا۔

"زرش کہاں ہے یاسمین؟" یاسمین پر نگاہ پڑی تو پوچھا۔

"وہ اُدھر ہیں۔" اس نے ٹیرس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اس بارش میں وہ اوپر کیا کر رہی ہے؟" سمعان خاموشی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا آیا تھا۔ ریلنگ پر جھکی وہ بارش کی پھوار میں مکمل طور پر بھیگی ہوئی تھی۔ بارش کی پھوار کا رخ اسی طرف تھا۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز بھیگ رہی تھی۔

"زرش۔" وہ اپنی سوچوں میں اس قدر غرق تھی کہ اس آواز پر بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

"زرش۔" اس پکار پر اس نے ایک دم چونک کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" سمعان نے تاحدِ نگاہ پھیلے اندھیرے کو دیکھتے مسکرا کر پوچھا۔ تو وہ خاموشی سے رخ موڑ گئی۔ سینے پر بازو لپیٹے اب کے وہ سیدھی کھڑی ہو کر سامنے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"کیا تمہیں میرا آنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا؟" بارش کی تیز پھوار نے سمعان کے وجود کو چھوا تو ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔

"آپ گئے نہیں؟" اس نے بہت سنجیدگی سے سمعان کو دیکھا تھا۔

"کیا تم میرے جانے کا انتظار کر رہی ہو؟" اسی سنجیدگی سے سمعان نے پوچھا تھا۔

"آپ چلے جائیں۔ تو آیا کریں یہاں؟"

"شکریہ۔" سمعان نے مسکرا کر ہاتھ اٹھا کر اس کے چہرے پر چپکی گیلی لٹ کو انگلی کی مدد سے پیچھے کیا تو زرش ایک دم پیچھے کھسک گئی تھی۔

"زرش! ایسا کب تک چلے گا؟"

اس نے پیچھے کھسک کر ایک دم رخ بدل لیا تھا۔ سمعان کو اس کے انداز نے بڑا آہرٹ کیا تھا۔

"آپ کو میں نے مجبور نہیں کیا۔ آپ فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں۔" لڑکھڑاتی آواز میں اس نے کہا تو سمعان نے ایک دم بازو سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"جو کہنا ہے میری طرف دیکھ کر کہو۔"

"کیا بدتمیزی ہے۔ چھوڑیں بازو میرا۔" سمعان کی جسارت پر وہ آتش فشاں بنی تھی۔ سختی سے اپنا بازو سمعان کی گرفت سے نکالا تھا۔

"میں اس سے زیادہ بدتمیزی کا اختیار رکھتا ہوں۔ تجربہ شرط ہے۔" سمعان کی چمکتی نگاہوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

"آپ مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں؟" سمعان کی آواز اور مسکراہٹ پر وہ خفت سے دوچار ہوتی چڑ کر بولی تھی۔

"نہیں! اپنے اختیارات کی درست سمت کی طرف نشاندہی کر رہا ہوں۔" سمعان کی آنکھوں کے تاثر نے ایک دم پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

"آپ چلے جائیں یہاں سے۔" زرش نے پست آواز میں کہا تو سمعان ہنس دیا۔

"میں چلا بھی جاؤں گا تو کیا فائدہ ہوگا؟"

"کم از کم میرے لیے اس فضا میں سانس لینا آسان ہو جائے گا۔ جو آپ نے اور آپ کے خاندان نے مشکل بنا دی ہے۔" وہ ایک پل میں انگاروں پر لوٹ گئی تھی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے ورنہ میری ہر ممکن کوشش ہے کہ بگڑے حالات سنواروں کم از کم اب میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جہاں تک ممکن ہو رہا ہے مجھ سے میں تعاون کر رہا ہوں پھر بھی یہ گلہ۔" سمعان کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا تھا۔ زرش جھنجلا اٹھی۔

"میں کچھ نہیں مانتی، میری ذات کو جو دھبا لگ چکا ہے اس کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ میں الزام بن کر یہ زندگی نہیں گزار سکتی۔ آپ کی آمد کے بعد میں کسی کے سامنے آنکھ اٹھا کر بات نہیں کر سکتی۔ جتنا میں خود کو سمیٹتی ہوں۔ کرچی کرچی جوڑتی ہوں مگر آپ ایک پل میں مجھے بکھیر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں ماما سے نظریں چراتی پھرتی ہوں۔" دکھ سے کہتے اس نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا تھا۔ ہچکیوں سے روتے لرزتے وجود سمیت سمعان کے سامنے کھڑی تھی۔ بھیگا سراپا۔ اس سے رات اندھیرے میں اطراف بارش کے پرشور سناٹے میں بڑا پراسرار لگا تھا۔

"زرش! یہ میرے لیے بڑے دکھ کی بات ہے۔ میں تمہیں اپنی ذات سے ہر ممکن تعاون فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، تم اب میری ذات سے منسلک ہو۔ میرے وجود کا حصہ، دلی تعلق تو ایک طرف چچا زاد کا تعلق بھی بہت گہرا ہے تم نے ایسی بات سوچی بھی کیسے؟ اعتماد کرنا سیکھو رشتوں پر اپنے آپ پر اپنی ذات پر۔"

"کیسے کروں اعتماد بولیں کیسے کروں؟" روتے روتے اس نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا تھا۔ بھیگی پلکوں اور آنکھوں سے بہتا درد آب، سمعان کو لگا دل پر شعلہ سا لپکا ہے۔ ایک دم درمیانی فاصلہ عبور کرتے لرزتے بھیگے کمزور وجود کو اپنے مضبوط ہاتھوں کا تحفظ فراہم کیا تھا۔

"مجھ پر اعتماد کرو میرا وعدہ ہے میں تمہاری ہر راہ کو آسان بنا دوں گا۔ ایک دفعہ اعتماد کر کے تو دیکھو۔ اس رشتے کو قبول کر کے تو دیکھو زندگی میں کبھی کمزور پڑنے نہیں دوں گا تمہیں۔"

ایک دو پل وہ سمعان کے مضبوط لہجے اور اس کی سچائی کو پرکھتی رہی تھی پھر سمعان کے ہاتھ جھٹکتے وہ پلٹ گئی تھی۔

"اب آپ کا یقین نہیں آتا۔ وہ زرش مر گئی جو آپ کی ہر بات پر آنکھیں بند کیے یقین کر لیتی تھی۔ پہلے میری ذات کو ہر الزام سے بالاتر کیجیے پھر میرے سامنے آئیے گا۔ ہو سکتا ہے تب مجھے یقین آ ہی جائے۔"

وہ کہہ کر سیڑھیاں اُتر گئی تھی۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیتے ریلنگ سے پشت ٹکائی تو بارش کی تیز پھوار نے اس کے وجود کو چھوا تھا۔

* * *

”کون ہو تم؟“ دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے پر نوریہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں وہ آنے والے کو واضح طور پر نہیں دیکھ پائی تھی۔

”میں پوچھتی ہوں کون ہو تم؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟“ آنے والا ابھی تک دروازے کی دہلیز پر کھڑا تھا۔ جہاں تک نائٹ بلب کی روشنی بہت کم تھی کہ خدوخال واضح نہیں ہو پائے تھے۔ وہ فوراً بستر سے اٹھ آئی تھی۔ آگے بڑھ کر لائٹ روشن کی تو شارق زمان کو دروازے کے قریب کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی۔

”اوہ تو آپ ہیں محترم شارق زمان صاحب۔“ شارق زمان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ قیامت کا اور سہہ گئی تھی۔ یہ شخص اس کے عظیم نقصان کا سبب بنا تھا اس کا روم روم نفرت سے نیلا ہوا تھا۔

”فرمایئے کیسے زحمت کی آپ نے؟“ بے ترتیب چادر اپنے وجود کے گرد لاشعوری طور پر درست کرتی وہ متقابل تھی۔

”کیوں آئی ہو تم یہاں؟“

”یہ تو آپ والدہ محترمہ اور چچا سے پوچھیے کیوں وہ مجھ جیسی لڑکی کو آپ جیسے باعزت لوگوں میں دوبارہ لے کر آئے ہیں۔“

”شٹ اپ۔“ تھکا تو تھا، وہ فوراً ٹمپرامنٹ لوز کر گیا تھا۔

”ہونہہ، آپ کب تک دوسروں کو بے بنیاد الزامات میں گھسیٹتے چپ کرواتے رہیں گے اپنے اندر کی غلاظت دوسروں کے سر تھوپتے خود ہر طرح عیاشیاں کرتے عورت کو اپنے پیر کی جوتی سمجھتے رہیں گے۔“

”بکواس نہیں کرو، جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو۔ کیوں آئی ہو تم یہاں؟“ وہ پھنکارا تھا۔ نوریہ نے بڑی سلگتی نظروں سے شارق زمان کے حلیے پر نگاہ ڈالی تھی۔

اس کے اندر کا اشتعال اور بڑھا تھا۔

”آپ کا مجھ پر کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی میں آپ کو جواب دینے کی پابند ہوں۔ مجھے یہاں لانے والے جو لوگ ہیں ان سے جا کر یہ سوال کریں، میرا آپ سے کوئی لینا دینا نہیں۔“

”تم......!“ شارق زمان غصے سے آگے بڑھا تھا، نوریہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

”شارق زمان خبردار آگے بڑھے تو۔ آرام سے یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہارے گھر میں یوں ذلیل و رسوا ہونے کے بعد واپس چلی آئی ہوں تو یہ میری مجبوری تھی۔ تم جیسے مردوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ عورت کو ذلیل کر کے مطلب پورا کرنے والی مگر مجھے گھن آتی ہے ایسے مردوں سے۔ تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد میرا تم سے ہر رشتہ ختم۔ دنیا داری کو میں یہاں ہوں، بھلے تو لمحوں میں تمہیں

[illegible] میرے لیے کہیں مسرت وخوشی کا مقام ہوگا کہ تم جیسے گندی ذہنیت اور بیمار سوچ کے حامل رذیل [illegible] سے جان چھوٹی، اگر تم کسی بھول میں اس کمرے تک آئے ہو تو اپنے پاؤں کو لگام دے لو وہ نوریہ تھی جو ذلیل ہونے کے باوجود تمہاری خلوت گاہ کی زینت بنی تھی، مگر اب کچھ نہیں، میں کیوں آئی یہ سوال اپنے بڑوں سے کرو اور بہتر ہے یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ......“

”نوریہ کی ایسی تلخ باتوں نے اس کا دماغ گھما دیا تھا۔ ”ورنہ کیا کر لوگی تم کوئی الزام نہیں [illegible] تم جیسی عورت صرف دھوکا دیتی ہے اور تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ تم سے میں نے صرف یہ چاہا تھا کہ میں ہر بات برداشت کر لوں گا، مگر تم ہر حال میں میری وفادار رہنا اور تم...... تم نے مجھے دھوکا دیا ہے مجھے۔“ وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ نوریہ نے انتہائی تنفر و بےزاری سے اسے دیکھا۔

”پھر تم یہاں اس پہر کیا کرنے آئے ہو؟ کسی پاک دامن باوفا عورت کے کمرے میں جاؤ شاید تمہاری کوئی مراد بر آئے۔“

”نوریہ تم حد سے گزر رہی ہو۔“

”ہونہہ، کیسی حد؟ کہاں کی حد؟ تمہارے نام پر دوبارہ اس گھر میں آنا میری مجبوری ٹھہری، مگر مجھے گوارا مت سمجھنا۔ تمہاری نظروں میں کچھ بھی سہی مگر میں اپنی نظروں میں سرخرو ہوں۔ مجھے کوئی پروا نہیں تم اب کچھ بھی کہتے پھرو مجھے اب کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔“

”تو پھر کیوں آئی ہو؟“

”کہا نا یہ اس کا جواب اپنی ماں سے حاصل کرو۔“

”گئی تو تم بڑے دعوے کے ساتھ تھیں اب کچھ بھی ثابت کیے بغیر ایسے ہی چلی آئیں حیرت ہے۔“ شارق زمان نے طنز کیا تھا۔ نوریہ کو لگا جیسے اس نے تخت اُبلتا پانی اس پر انڈیل دیا ہو۔

”میری مجبوری...... ثابت تو میں ایسا کرواتی کہ تم بھی ساری عمر یاد رکھتے۔“ نفرت سے وہ پھنکاری [illegible] وہ ہنس دیا۔

”پھر بھی ثابت نہ کروا سکی؟“ نوریہ چپ رہی تھی۔

”جب آ ہی گئی ہو تو پھر اب یہ جاہلی طعنہ اور انا کیسی؟ اس طرح الگ تھلگ گوشہ نشین ہو کر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تم بڑی اعلیٰ و ارفع شے ہو۔“

”میں تم پر کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہتی۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اس گھر میں آنا میری مجبوری سہی لیکن تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔ پر یہ تم پر منحصر ہے کہ تم مجھے کب تک لٹکاتے ہو۔ بے شک ساری عمر لٹکائے رکھو مگر ایک دفعہ بدکرداری کا طعنہ سننے کے بعد دوبارہ تم سے تعلق رکھنا مجھے گوارا نہیں۔“ بڑے صاف واضح اور دوٹوک انداز میں شارق زمان کی پوری ذات کی نفی کی گئی تھی۔ یعنی وہ سب کچھ کرنے کے باوجود خود کو حق پر سمجھ رہی تھی اور وہ...... اور نوریہ کا یہی اعتماد شارق زمان کے اندر طوفان برپا کر گیا تھا۔

”تم شاید بھول رہی ہو، تم اب بھی میرے نکاح میں ہو۔“ شارق زمان نہایت تنفر سے کہتا آگے

بڑھا تھا۔

"خبردار شارق زمان اب مجھے زیر کرنے کی غلطی نہ کرنا۔ تم مجھے کمزور مت سمجھو۔ میں اگر اس گھر میں آئی ہوں تو اپنا دفاع کرنا بھی جانتی ہوں۔"

مگر شارق زمان کو اپنی ذات کی نفی کر دینا بری طرح جھنجوڑ گیا تھا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں اس وقت مفلوج ہوئی تھیں۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس نے نوریہ کو خود اپنی زندگی سے نکال دینا چاہا تھا۔ اس نے نوریہ کا بازو پکڑا تھا۔

"چھوڑو شارق زمان! ورنہ نقصان اٹھاؤ گے مجھے اتنا کمزور مت سمجھو۔" وہ جواباً بڑی سختی سے بازو چھڑوانے کو مچلتی رہی تھی مگر شارق زمان کی مضبوط گرفت نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔

"اب کیسا نقصان؟ کس کا نقصان؟ اب تو صرف ضد کی بات آ گئی ہے تم نے میرے حق کی نفی کی ہے۔ تم بھول رہی ہو تم اب بھی میری بیوی ہو تم پہ لگا الزام اسی طرح مگر میرے حقوق اسی طرح واجب ہیں تم پہ۔" وہ اس وقت کوئی اور ہی شارق زمان تھا۔ وہ اس وقت صرف ایک مرد تھا۔ وہ قطعی بھول چکا تھا کہ نوریہ کون ہے؟ وہ اس وقت کس کنڈیشن میں ہے زور زبردستی اس کے لیے کسی نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔

اور نوریہ؟ اس کا تو وہ حال تھا کہ شارق زمان کے لمس نے اسے پاگل کر ڈالا تھا۔ وہ ایک پل کو اپنے ہر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ شارق زمان نے اسے دھکیلنا چاہا تھا اور جیسے ہی اس کی گرفت نرم ہوئی تھی نوریہ سرعت سے اس کی گرفت سے نکلی تھی۔ بک ریک پہ پڑا چاقو اس نے ایک ہی جست میں اپنی گرفت میں لیا تھا۔

"شارق زمان! میں تمہیں کہہ چکی تھی مجھے کمزور مت سمجھو نقصان تمہارا ہو یا میرا اب یہ نقصان لیے بیٹھ کر روتے رہنا ساری عمر اپنی اولاد کو میں تو مروں گی مگر تمہاری اولاد بھی زندہ نہیں رہے گی۔" مضبوط لب و لہجے پہ شارق زمان ٹھٹک گیا تھا۔

"بکواس نہیں کرو۔ مجھے روکنے والی تم کون ہوتی ہو۔ تم اب بھی میری بیوی ہو۔" غصے سے دھاڑتا گویا تھا۔

"ہاں بیوی تھی اب نہیں تم اپنے گندے ذہن میں میری ضد توڑنے کا جو بھی خیال لائے ہو اس سمیت یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میں تمہیں بتا چکی ہوں میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔"

"کیا کر لو گی تم؟"

"عمل کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گی۔"

"اچھا۔" وہ استہزائیہ ہنسا تھا۔ نوریہ گرفت میں چاقو پکڑے بغیر لحاظ و مروت لیے کھڑی تھی۔

"میں کوئی جرم نہیں کر رہا جو تم یوں چراغ پا ہو رہی ہو۔"

"تمہاری نظروں میں کردار کچھ بھی سہی مجھے اب کوئی پروا نہیں مگر یہ طے ہے تم سے میرا صرف ایک نام نہاد تعلق ہے اور بس چاہو تو ابھی ختم کر دو۔ مجھے دکھ نہیں ہوگا۔"

"اوف۔" شارق زمان کے پاؤں کو کوئی چیز بڑی بری طرح چبھی تھی وہ کراہ کر فوراً اپنے پاؤں کی طرف جھکا تھا۔ نوریہ نے تعجب سے اسے دیکھا جو اپنا پاؤں تھامے اس کے قریبی صوفے پہ بیٹھ رہا تھا دھیان سے اس کی نگاہ بھٹکی تھی۔ شارق زمان نے ایک ہی لمحے میں اس کا وہ ہاتھ جو چاقو پہ گرفت لیے ہوئے تھا اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

"اب بولو کس کا نقصان؟ کیسا نقصان؟" اس کے ہاتھ کی گرفت سے چاقو نکالنے کی کوشش میں وہ پکڑا تھا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ پچھتاؤ گے تم دھوکے باز مطلبی انسان۔" نوریہ نے چاقو پہ گرفت مزید سخت کی تھی۔ شارق نے اس کا ہاتھ کھولنا چاہا مگر ایک پل میں نوریہ نے چاقو کی نوک شارق زمان کے دائیں بازو میں کھبو دی تھی۔

"اوف!" ایک چیخ کے ساتھ شارق زمان کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔ نوریہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ چاقو شارق کے بازو میں تھا۔

نوریہ کو اپنا پورا وجود لرزتا محسوس ہوا۔ یہ سارا عمل لمحہ بھر کا تھا۔

شارق کے بازو سے خون کا ایک فوارا پھوٹ بہا تھا۔ نوریہ حق دق سی کھڑی تھی وہ تو یہ سب اپنے لیے سوچے ہوئے تھی کہ اپنی کلائی کاٹ لے گی یا پیٹ میں مار لے گی۔ اس شخص کے لیے تو اس نے نہیں سوچا تھا۔ شارق نے بڑے ضبط سے اپنے بازو سے چاقو نکال کر اس کے قدموں میں پھینکا تھا۔

خون دیکھ کر نوریہ کے سارے حواس گم ہو گئے تھے وہ بھاگ کر شارق کے قریب آئی تھی۔

"میں نے جان بوجھ کر نہیں مارا۔" خون دیکھ کر وہ سارے عزائم بھول بھال گئی تھی حتیٰ کہ ساری بغاوت بھی پس منظر میں چلی گئی تھی۔

شارق کا درد سے برا حال تھا...... نوریہ نے اردگرد دیکھا سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اپنی چادر کا پلو اس کے بازو پہ رکھ دیا لمحوں میں کپڑا خون سے تر ہوا تھا۔

"یہ تو بہت بلیڈنگ ہو رہی ہے۔ یہ تو رک نہیں رہا۔" نوریہ کو اپنا وجود کسی بھی لمحے میں زمین بوس ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"کوئی کپڑا باندھو اس کے اوپر۔" درد سے بے حال قالین پہ بیٹھے وہ گویا تھا۔

نوریہ نے بھاگ کر اپنے سرہانے پڑا اپنا دوپٹا پھاڑ کر اس کے بازو پہ باندھا تھا۔

"ڈاکٹر کے پاس چلے جاؤ۔ یہ خون نہیں رکنے والا بہت بہہ رہا ہے۔"

شارق نے ایک نظر اس کے وجود پہ ڈالی چادر سے بے نیاز وجود لیے وہ بڑی خوف زدہ کھڑی تھی کچھ لمحے پہلے والی تیزی و طراری بھاگ چکی تھی۔

"بازو میں چاقو اتارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تمہیں تو چاہیے تھا سیدھا حلق میں اتار دیتیں۔" [illegible] لہجہ تھا۔

"میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے میں نے منع کیا تھا بہرحال تم ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔" "یہ میں نے اپنے لیے رکھا تھا تمہارے لیے نہیں۔" اس نے چاقو اٹھا کر بستر پہ ڈال دیا تھا۔

شارق نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔

”میں چوکیدار کو کہتی ہوں اس کو ساتھ لے جانا اسپتال۔“

”رہنے دو اپنی یہ عنایتیں اپنے پاس رکھو۔ کرلوں گا میں کوئی نہ کوئی بندوبست اور تم یہ مت بھولنا کہ میں اپنا ارادہ بدل چکا ہوں' جا رہا ہوں میں۔“ غصے سے کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

ثوبیہ کچھ پل تو یونہی کھڑی رہی تھی پھر ایک دم خوف زدہ ہوتے اس نے تیزی سے دروازہ لاک کیا تھا۔ وہ کیا کر چکی تھی وہ خود بھی حیران تھی۔

* * *

زرش کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ آج رات سمعان ادھر ہی رکے گا اور پھر کچھ دیر سب کے درمیان بیٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ نیند سے برا حال تھا۔ لائٹ آف کیے وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

پتا نہیں وہ کتنی دیر سوئی تھی عجیب سے احساس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اپنے وجود کے گرد کسی کے بازو کا حصار محسوس ہو رہا تھا۔

نائٹ بلب کی روشنی میں سمعان احمد کو دیکھ کر وہ پتھر بن گئی تھی۔ سمعان احمد آج رات رک رہا تھا مگر قیام اس کے کمرے میں ہوگا اسے گمان بھی نہ تھا۔

کیا ماما' پاپا اور دیگر لوگوں کو علم ہے کہ سمعان اس کے پاس روم میں ہے۔ اس کی سوچیں نجانے کہاں کہاں محوِ پرواز ہوئی تھیں۔ اس کی نگاہیں سمعان احمد کے خوب صورت مردانہ خدوخال پر تھیں۔

وہ پورے ہوش و حواس میں پہلی بار رات کے اس پہر جس مرد کی قربت میں تھی' جس سے اس کا بڑا جائز اور شرعی رشتا تھا' مگر پھر یہ گھبراہٹ اور خوف کیوں؟ زرش کو لگا جیسے اس کے ہر مسام سے پسینہ بہہ نکلا ہو۔

سمعان گہری نیند میں تھا۔

سمعان احمد کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بالکل ساکت و جامد پوزیشن میں تھی۔ وہ اس خوف میں حرکت نہیں کر رہی تھی کہ کہیں اس کی حرکت سے سمعان کی آنکھ نہ کھل جائے اور اگر سمعان واقعی اٹھ گیا تو....!

اس ”تو“ کے بعد ایک بڑا واضح سوالیہ نشان تھا۔

اٹک اٹک کر سانس لیتے ہوئے اس نے خوف زدہ نظروں سے سمعان احمد کو دیکھا چوڑا مضبوط سراپا۔ وہ تو مقابل کچھ بھی نہ تھی۔ اس کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنے گرد لپٹا بازو ہٹا کر تھوڑا سا پیچھے ہو جائے۔ یا درمیان میں فاصلہ حائل کر لے۔

کچھ پل اسی طرح پڑے رہنے کے بعد اس آہستگی سے سمعان کا بازو اپنے گرد سے ہٹایا تھا۔ کھسک کر پیچھے ہوئی تو گلے میں جھولتے لاکٹ کی زنجیر سمعان احمد کی شرٹ کے بٹن میں الجھ گئی تھی۔ کھنچاؤ کے سبب وہ اپنی جگہ ساکت ہوئی تھی۔ نہایت خوف زدہ نظروں سے سمعان کو دیکھا۔ اور پھر گلے میں پڑی چین کو چین کا لاک کھلا ہوا تھا۔ شاید اسی لیے گلے سے اتر کر الجھ گئی تھی۔

”اُف...!“ وہ اب کے جھنجلائی تھی۔ یہ لاک کیسے کھل گیا تھا؟ کیا سمعان نے کھولا تھا؟

کے سامنے ایک سوالیہ نشان تھا۔

نیند کے عالم میں قربت کا کیا عالم تھا۔ اسے اپنا وجود لرزتا محسوس ہوا۔ ایک عجیب سا احساس میں اتر گیا تھا۔

اسی طرح چھوڑے بستر سے اتر گئی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا اس نے پہلے کچن میں جا کر اور پھر صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ کمرے میں ون اسٹینڈ صوفہ تھا۔ وہ اب کیا کرتی دوبارہ بیڈ پر ہمت نہیں تھی۔

نے اٹھ کر الماری سے چادر نکال کر اپنے وجود کے گرد لپیٹی تھی۔ دوبارہ صوفے پر آ کر بیٹھتے زدہ نظروں سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔ اب نیند کسے آنی تھی' مگر رات یوں بیٹھ کر بھی والی نہیں تھی۔ ابھی رات ڈھلنے میں دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔

بائل پر میسج کی بار بار بج اٹھنے والی بیپ نے سمعان احمد کو گہری نیند سے جگا دیا تھا۔

عان نے ذرا سا اٹھ کر سرہانے سے موبائل لیا تھا۔

ابرار کے میسج تھے وہ اکثر جب نائٹ ڈیوٹی پر ہوتا تھا تو میسج کرتا رہتا تھا۔ موبائل واپس رکھتے سمعان کو کچھ احساس ہوا تھا۔ ایک دم اپنے پہلو میں دیکھا زرش نہیں تھی۔

عان فوراً اٹھ بیٹھا تھا۔ زرش کو صوفے پر بیٹھے دیکھا تو بستر سے اتر آیا۔ زرش سمعان کو بستر سے کر ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔

”زرش! ادھر کیوں بیٹھی ہو؟“

نے خوف زدہ نظروں سے سمعان کو دیکھا۔

”آپ۔“ وہ اس وقت جس خوف کے زیرِ اثر تھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس قسم کا ری ایکشن ے۔

”کیا بات ہے پریشان ہو؟“ سمعان صوفے کے بازو پر بیٹھا تھا۔ نگاہ میں خاصی تشویش تھی۔ زرش سمعان کے چہرے سے پھسلتی گریبان کے کھلے دو بٹنوں اور پھر اوپر والے بٹن میں الجھی زنجیر پر ائی۔

”کیا ہوا ہے؟ کیا دیکھ رہی ہو؟“ سمعان نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں اپنی شرٹ کی طرف ا۔

سمعان نے ایک نظر زرش کے جھکے سر پر ڈالتے ہوئے بڑی احتیاط سے وہ زنجیر بٹن سے کی۔ ”کیا بات ہے؟“

”پاپا کو پتا ہے آپ ادھر کمرے میں ہیں؟“ جھکے سر سے اس نے سوال کیا تھا۔ سمعان نے ایک لیا۔ سمعان کی موجودگی سے وہ ڈسٹرب ہو چکی تھی۔ سمعان کے ہونٹوں پر بڑی خوب مسکراہٹ بکھری تھی۔

"چچی امی نے ہی مجھے کمرے میں رات گزارنے کو کہا تھا۔" سمعان نے مسکرا کر جواب دیا تو "زرش۔" چند پل سرکنے کے بعد سمعان نے اس کا ہاتھ تھاما تو زرش کو لگا سانس اس کے سینے میں اٹک گئی ہے۔

"خوف زدہ ہو؟" سمعان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ زرش کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے یا پھر کمرے سے باہر بھاگ جائے۔

"کیوں خوف زدہ ہو؟" اس سوال کا جواب وہ دینے سے قاصر تھی۔ "اٹھو ادھر آؤ۔ ایزی ہو کر یہاں بیٹھو پھر بات کرتے ہیں۔" سمعان نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ بغیر کوئی اعتراض کیے بستر پہ جا بیٹھی تھی۔ اس کی مزاحمت کی ساری حسیں اس پہر مردہ ہو چکی تھیں شاید۔

سمعان نے بھی اس کے پاس قریب ہی جگہ بنائی تھی۔ بازو کے حلقے میں لے کر اپنے مضبوط تحفظ کا احساس دلایا تھا۔

"لیٹ جاؤ۔" سمعان کے کہنے پر بھی بیٹھی رہی تھی۔ سمعان نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر دبایا تو زرش کے ہاتھ کی لرزش بڑی شدت سے محسوس ہوئی۔ اس کی معصوم لرزش اندر کے سارے بھید کھول رہی تھی۔

"دیکھو زرش! خوف زدہ ہو کر مجھ پہ بے اعتباری مت دکھاؤ۔ میں نے تم سے بڑی پاکیزہ محبت کی ہے اور اس سے پہلے دل کی گہرائیوں سے تمہارا احترام کیا ہے۔ میں نے تمہاری نیند سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ تم میرے سامنے تھیں میں چاہتا تو تمہیں نیند سے اٹھا لیتا مگر زرش جن سے محبت کی جاتی ہے ان کا ہر حال میں احترام کیا جاتا ہے۔ تمہارا گریز میرے سامنے ہے اور میں کوئی کم عمر نوجوان نہیں ہوں جو اس گریز کا مطلب سمجھ نہ پاؤں۔ تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کھل کر مجھ پہ اعتبار کرو۔ تمہاری اجازت کے بغیر میں اپنا کوئی حق استعمال نہیں کروں گا۔ کم از کم جب تک تم ایگزیمز سے فارغ نہیں ہو جاتیں، ایگزیمز کے بعد تمہاری رخصتی کنفرم ہے۔ ابو اور چچا کے درمیان اس موضوع پہ بات ہو چکی ہے۔ ایگزیمز کے بعد تمہیں میرے ساتھ اسلام آباد چلنا ہوگا اور رہی مجھ سے خوف زدہ ہونے کی بات تو میں بھی انسان ہوں بندہ بشر ہوں۔ مگر اپنے جذبات پہ کنٹرول رکھنا ہی اصل انسانیت ہے۔ جب تک تمہارا ذہن اس رشتے کو خود سے قبول نہیں کرے گا میں بھی کوئی پیش قدمی نہیں کروں گا۔ بے شک تم میرے ساتھ رخصت ہو کر اسلام آباد چلی چلو۔ کچھ سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"

سمعان نے تھوڑا سا جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ آنسو بہاتی دکھائی دی۔

سمعان سے براہ راست گفتگو نے اسے شرم سے نڈھال کر دیا تھا۔

"رات انگلی پہ لپٹنے سے لاک کھل گیا تھا۔ تمہاری نیند خراب نہ ہو میں نے لاک بند نہیں کیا۔ لاؤ پہنا دوں؟" سمعان نے مٹھی میں تھاما لاکٹ اور زنجیر اس کے سامنے کی تھی۔

"میں...... میں خود ہی پہن لوں گی۔" بڑی دقت سے یہ جملہ ادا کیا تھا۔

"میں پہنا دوں گا۔ اتنا تو حق دو نا۔" اس نے سمعان کو دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔ اس وقت اسے لگا

کہ وہ انکار کرنے کی بھی ہمت کھو چکی ہے۔ ان لمحوں میں سمعان کی موجودگی، اس کی قربت، ہاتھ کا لمس، آواز کا ردھم سب ایسا تھا کہ وہ حواس کھو رہی تھی۔ وہ مکمل طور پہ سمعان کے سحر میں جکڑی گئی تھی۔

سمعان احمد نے لاکٹ اس کی گردن میں پہنا دیا تھا۔

"اسے بے اعتمادی مت سمجھ لینا، اسے میری محبت بھی کہہ سکتی ہو۔ تم اگر میری محبت کی انتہا دیکھو تو شاید اپنے ہونے پہ فخر کرو۔" سمعان احمد کا خمار آلود لہجہ وہ تو پانی ہو رہی تھی۔ پتھر پگھل رہا تھا۔ چوٹ سیدھی دل پہ لگ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ......

"دل میں جتنے بھی گلے ہیں، شکوے ہیں، آج رات قدرت نے تمہیں موقع دیا ہے کہہ دو سب کہہ دو میرا سینہ اتنا کشادہ ہے کہ جو صرف تمہارے گلے شکووں کو اپنے اندر ہی نہیں اتارے گا بلکہ تمہارے ان قیمتی آنسوؤں کو بھی سمیٹ لے گا۔" سمعان کے اس محبت بھرے لہجے پہ وہ رو دی تو سمعان نے دھیمے لب و لہجے میں کہتے اس کے وجود کو بلور (کانچ) کی مانند اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا اور بالآخر پھر تو یہ رات اور سمعان کی قربت، اس کا دھیما لہجہ آواز کے زیر و بم نے ایسا اثر کیا تھا کہ وہ سمعان احمد کے کشادہ سینے میں منہ چھپائے ہر درد کہتی چلی گئی تھی۔

وہ روتی رہی، شکوے کرتی رہی، شکایتیں کرتی گئی اور سمعان احمد کا سینہ اس کے آنسوؤں سے بھیگتا تھا۔

سو تو وہ ساری رات ہی نہیں پائی تھی۔ دل کا درد بہا کر وہ بظاہر ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ صبح فجر کے بعد اٹھ کر نماز ادا کر کے کچھ دیر بستر پہ پڑے رہنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ ماما قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ وہ کچن میں آئی تو ہادیہ آپا اور نوشی ناشتے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ اس نے جھجکتے ہوئے کچن میں قدم رکھا تھا۔

نوشی نے اسے دیکھا تو شرارت سے مسکرا دی۔ اس کے تبسم نے اسے نروس کر دیا تھا۔

"تو لاکھ چلے رے گوری تھم تھم کے۔" اس نے گلاس میں دودھ ڈالا تو نوشی کی شرارتی آواز نے [illegible] کر دیا تھا۔ نجانے یہ لوگ کیا سمجھ رہی تھیں۔ ہادیہ آپا بھی نوشی کی شرارت پہ مسکرا دی تھیں۔

پیا سے مل کے آئی رے
جب سے نیند پرائی رے
تو دیکھے سپنے بالم کے

"نوشی۔" وہ بری طرح کنفیوژ ہو چکی تھی۔ بڑے شکایتی انداز میں اسے ٹوکا تھا۔ ہادیہ اور نوشی دونوں ہنس دیں۔

"کیسی گزری رات؟" ہادیہ آپا نے استفسار کیا تھا۔ لہجے میں بڑی شرارت بسی تھی۔ وہ مارے شرم کے سرخ ہوئی تھی۔

"آپی پلیز۔" وہ بری طرح ان دونوں سے خفا ہوئی۔ یہ بھلا ایسی باتیں کیوں کر رہی تھیں کیا دونوں [illegible] تھیں۔

"سمعان بھائی جاگ گئے ہیں یا ہنوز سو رہے ہیں؟" نوشی نے اس کا بلش چہرہ دیکھا تھا۔

"مجھے کیا پتا جا کے دیکھ لو۔"

"رات تمہارے ساتھ گزاری محترم نے ہم کیسے دیکھ لیں۔"

"آپا!" وہ روہانسی ہوگئی تھی' اگر علم ہوتا کہ یہ لوگ ایسی شرارت پر آمادہ ہیں تو کمرے سے نہ نکلتی۔ ابھی تو دیگر لوگوں کا بھی سامنا کرنا تھا۔ نجانے ماما' پاپا نے کیا سوچا ہوگا۔

"لگتا ہے سمعان بھائی کا رات ٹھہرنا بے کار گیا ہے؟" نوشی نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔ انداز سراسر طیش دلانے والا تھا۔

"لگ تو یہی رہا ہے۔" اس نے بادیہ آپا کی شکل دیکھی۔ بڑی بے چارگی کا عالم تھا۔

"مجھے رات کا سوچ سوچ کر ہنسی آرہی ہے۔ یہ محترمہ تو کچھ پل بیٹھ کر جا کر سو چکی تھیں۔ بے چارے سمعان بھائی باہر ہی تھے۔ آخر میں ہم لوگ یعنی میں اور عفان ہی اپنے کمرے میں گئے تھے۔ ماما پاپا تو پہلے ہی جا چکے تھے' مجبوراً مجھے اپنے کمرے میں جانے سے پہلے ماما کو بلوانا پڑا تھا کہ موصوف کو رات بسر کرنے کے لیے کمرے میں بھیج دیں ورنہ تو سمعان بھائی مروت میں ساری رات وہیں لاؤنج میں ہی گزار دیتے۔"

اس نے بڑی غیظ بھری نظروں سے نوشی کو دیکھا تھا۔

"سمعان بھائی سے پوچھ لو۔ ناشتے میں کیا لیں گے۔ تاکہ ان کی پسند کا ناشتا تیار کر دوں۔" بادیہ آپا نے کہا تو وہ دودھ کا گلاس ختم کر کے کچن سے نکل آئی تھی۔ لان میں آکر اس نے کچھ پھول اکٹھے کیے تھے۔ رات سے اس کی عجیب سی کیفیت تھی۔ سمعان کا محبت بھرا کیئرنگ انداز' محبت کے خوب صورت مظاہرے' پیار بھری یقین دہانیاں' فرصت کے وہ پل' وہ تو ابھی تک انہی لمحوں میں جی رہی تھی۔ پھول لے کر کمرے میں لوٹی تو بستر خالی تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ اس نے پھول گلدان میں سجا دیے تھے۔ بستر کی چادر درست کرتے بکھری چیزیں سمیٹتے اس کے ہاتھ تھمے تھے۔ سمعان احمد کا موبائل مسلسل بیپ دے رہا تھا۔ اس نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا اور پھر موبائل اٹھا لیا۔

"السلام علیکم!" نمبر دیکھے بغیر اس نے کال ریسو کی تھی۔

"وعلیکم السلام! کون ہو تم؟" دوسری طرف سے نسوانی آواز پر زرش چونکی۔

"میں جو بھی ہوں آپ کون ہیں؟"

"سمعان کہاں ہیں؟" اب کی بار زرش نے اسکرین دیکھی تھی۔ نمبر تایا کے گھر کا تھا۔ فرح کی آواز تو نہیں تھی اور شاید طاہرہ بیگم تھیں۔

"وہ جہاں بھی ہیں آپ سے مطلب؟" اس کے لہجے میں خود بخود تلخی اتر آئی تھی۔

"کون ہو تم؟ ذرا تمیز نہیں ہے بات کرنے کی۔ موبائل دو سمعان کو ماں ہوں میں اس کی۔"

"وہ اس وقت واش روم میں ہیں۔ انتظار کر لیں یا پھر نکلتے ہیں تو بات کر لیں۔" زرش کوئی بھی جوابی کارروائی کرنا چاہتی تھی مگر اپنے اوپر کنٹرول کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"تم کون ہو؟ سمعان تمہارے پاس کیا کر رہا ہے؟" ان کا لہجہ شکی تھا۔ زرش کہاں ان لہجوں کی عادی تھی بڑا عجیب سا لگا۔

"میں زرش ہوں۔ وہ رات سے یہیں ہیں کیوں ہیں؟ ان سے پوچھ لیجیے گا۔"

"کیا؟" دوسری طرف حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا شاید زرش کو بڑی خوشی ہوئی انہیں حیران کر کے۔

"سمعان تمہارے پاس ہے رات سے تمہیں ہمت کیسے ہوئی سمعان کو روکنے کی۔ سمعان سے شادی کروا کر دل نہیں بھرا تھا جو اب مجھ سے میرا بیٹا چھین رہی ہو۔ اپنی ماں کی طرح ادا دکھانا آئی ہیں تمہیں بھی۔ میری اولاد برباد کر دی ہے تم نے۔" وہ تو ایک پل میں شروع ہوئی تھیں۔ سارے لحاظ و مروت بھلائے گویا تھیں۔ ان کا ایسا گھٹیا لب و لہجہ سن کر زرش منٹوں میں آؤٹ ہو گئی تھی۔

"بس اب' بہت کہہ لیا آپ نے میں لحاظ کر رہی ہوں میں نے نہیں روکا آپ کے بیٹے کو وہ کوئی چھوٹے بچے نہیں ہیں جن کی انگلی تھام کر میں اپنے پیچھے لگا لوں۔ سوچ سمجھ کر بات کریں۔"

"تم کیا کچھ کر سکتی ہو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے۔ میرے گھر میں تم جو گل کھلا کر جا چکی ہو بھولی نہیں ہوں میں سارا خاندان جانتا ہے تمہیں۔ سب کو علم ہے تم کتنے پانی میں ہو۔" وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ صاف اس کے کردار پر کیچڑ اچھالا جا رہا تھا۔ رات بھر سمعان کی قربت میں رہتے اس کے اندر اپنی ذات پر اعتماد کرنے کا احساس پیدا ہوا تھا اور اب وہ اسی مقام پر تھی۔ ایک دھچکا لگا تھا اس کے احساسات کو۔

"بکواس نہیں' ایک لفظ بھی مت کہیے گا میرے بارے میں ورنہ میں کوئی لحاظ نہیں رکھوں گی۔" وہ تو لمحوں میں آؤٹ ہوئی تھی۔ سب لحاظ بھلا دیے تھے۔

سمعان احمد جو نہا کر واش روم سے نکلا تھا اسے یوں بری طرح چیختے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ "زرش۔"

"یہ سب آپ کا ڈرامہ تھا الزام تھا مجھ پر خبردار مجھے ایک لفظ بھی کہا تو۔" وہ رو دی تھی۔

"کیا ہوا ہے زرش؟" اس کے قریب آکر سمعان نے اس کا رخ اپنی طرف کیا تو وہ سمعان کو دیکھ کر پھوٹ پڑی۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ کیوں رات ٹھہرے آپ یہاں۔ آپ کی ماں کو مجھ پر الزام تراشی کا ایک اور بہانہ مل گیا ہے۔ میرے کردار پر وہ عورت کیچڑ اچھال رہی ہے اور آپ کہتے ہیں میں اعتماد کروں آپ پر' آپ کی ذات پر' اس رشتے کو قبول کروں۔ نہیں کروں گی میں قبول یہ رشتہ گالی ہے میرے لیے محض ایک گالی۔" غصے سے موبائل بستر پر پھینکتے اس نے اپنے اندر کا سارا ابال سمعان پر نکالا تھا۔

طاہرہ بیگم کی ایک کال نے ان کی ساری رات کی محنت پر پانی پھیر دیا تھا وہ پھر اسی مقام پر تھی یا پھر شاید اس سے بھی پیچھے تھی۔ سمعان نے موبائل تھاما تو دوسری طرف گھر کا نمبر تھا۔ کال ابھی تک جاری تھی مگر اب آواز نہیں ہوئی تھی۔

"ہیلو کون؟" زرش پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی سمعان نے اس کا بازو تھام کر اسے باہر کی طرف قدم بڑھانے سے روکا تھا۔ نظریں اس کے چھلکتے آنسوؤں پر تھیں۔

"سمعان! کہاں ہو تم؟" دوسری طرف سے طاہرہ بیگم نے خاصی برہمی و بے قراری سے استفسار کیا تھا۔ سمعان احمد نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ پل میں ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ زرش کا ایکسٹرا ری ایکٹ کرنا سمعان احمد کے احساسات پر اوس سی گرا گئی تھی۔

"آپ؟"

"تم فوراً گھر پہنچو، تم اسلام آباد سے کب آئے تھے اور ادھر کیوں ہو۔ گھر کیوں نہیں آئے؟ ایک لڑکی تمہارے لیے اپنے گھر سے زیادہ اہم ہو گئی ہے۔" طاہرہ بیگم نے سمعان کی بات کاٹ کر بڑی درشتی سے کہا تھا۔ سمعان نے کچھ سخت کہنے کو ہونٹ وا کیے مگر پھر لب بھینچ کر کال ڈراپ کر دی۔

جب سے یہ قصہ ہوا تھا سمعان نے پوری کوشش کی تھی کہ ان کی بڑی سے بڑی زیادتی پر بھی کچھ نہ کہے انہیں خود احساس ہو۔ وہ ماں تھیں بلند مرتبے پر فائز، قابلِ عزت و احترام وہ ہر حال ان کا لحاظ کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سے ان کے حق میں کوئی گستاخی ہو جائے اور اب ان کا رویہ۔۔۔

"آپ چلے جائیں یہاں سے۔" زرش نے تنفر سے اپنا بازو چھڑایا تھا

"زرش!" سمعان نے پکارا تو وہ پھٹ پڑی تھی۔

"نام نہ لیں میرا، کوئی تعلق نہیں ہے میرا آپ سے۔ آپ میرے لیے صرف ایک الزام ہیں، صرف اور صرف ایک الزام۔ آپ کے سب دعوے جھوٹے ہیں۔ صرف دھوکا ہیں آپ، نہیں دے سکتے آپ مجھے عزت کی زندگی۔ آپ تو اپنی ماں کو ان کی غلطی باور نہیں کروا سکتے آپ سے میں کیا امید رکھوں! رات میں سمجھی تھی کہ آپ پر اعتماد کر کے میں پھر سے سر اٹھا کر جی سکتی ہوں۔ مگر اب نہیں میں آپ کے کسی جھوٹ پر یقین نہیں کروں گی۔ جائیں چلے جائیں آپ اپنی ماں کے پاس میں آپ سے منسلک ہر رشتے ہر تعلق کو رد کرتی ہوں۔ سنا ہے آپ نے۔"

* * *

حمید چچا نے نویرہ کی بہتری کے لیے جو اقدامات کیے تھے ان میں آنے والے دنوں میں رضا اور رمشا کی باقاعدہ منگنی تھی۔ رضا مسلسل انکاری تھا، مگر انہوں نے اس کی کوئی بات ہی نہیں سنی تھی۔ منگنی خاصے وسیع پیمانے پر کی گئی تھی۔ دوست احباب کے علاوہ سب رشتے دار مدعو تھے۔ منگنی والے دن نویرہ نہیں گئی تھی شارق تو پہلے ہی نہیں جانے والا تھا۔ صرف واجدہ بیگم ہی گئی تھیں۔

اس کے بعد دن بڑی تیزی سے گزرنے لگے تھے۔

نویرہ تو دوبارہ اس گھر میں آ چکی تھی مگر اس کے اور شارق زمان کے درمیان حائل خلیج کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔ اس رات کے بعد شارق زمان اگر اس کی طرف نہیں بڑھا تھا۔ تو اس نے بھی پروا نہیں کی تھی اگر اماں کی طرف سے اس کے دل میں بال نہ آ چکا ہوتا تو وہ شاید اس گھر میں اب کبھی نہ ٹھہرتی مگر اس تجربے نے بھی یہ سبق سکھایا تھا کہ حق پر ہونے کے باوجود کیا کچھ نہیں سہنا پڑتا اور اگر مقابل مرد ہو تو عورت کو اپنی ہستی تک کی قربانی دینا پڑ جاتی ہے۔

اپنا آپ مار کر اپنی انا کو سرنگوں کرنا پڑتا ہے۔

نویرہ نے سوچ لیا تھا وہ سب کچھ اب برداشت کرے گی مگر اس مرد کے سامنے اپنی انا کو گروی نہیں رکھے گی۔ وہ شارق زمان کو احساس دلائے گی کہ وہ غلط تھا اور جو کچھ بھی کر چکا ہے سراسر زیادتی تھی، ایک ظلم تھا۔ چاہے اس عمل میں اسے اپنی سطح سے نیچے آنا پڑے اس ایک مرد کو سبق سکھانے کو وہ سب کچھ طے کیے ہوئے تھی۔

واجدہ بیگم کے سامنے ساری بات تھی۔

انہوں نے نویرہ کو سمجھانا چاہا تو نویرہ نے دوٹوک انداز میں ان کی بات کاٹ دی تھی۔

"اماں! مجھے کسی بات کے لیے مجبور نہ کریں۔ ظالم کو اس کے ظلم کا احساس نہ دلانے والا بھی ظالم ہوتا ہے۔ آپ اگر یہ چاہتی ہیں کہ میں اس گھر میں رہوں تو مجھے مجبور مت کریں۔ میں بدکردار نہیں تھی۔ میرا رضا سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا سوائے رشتے داری کے، مگر اس شخص نے مجھے میری اپنی نظروں میں گرا دیا ہے۔ مگر مجھ سے کوئی بھی امید مت رکھیں۔"

اور اس کے بعد اماں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں اس گھر میں دوبارہ آنا نویرہ کے لیے کس قدر اذیت ناک عمل تھا۔ اپنے آپ کو بے عزت کرنے والی بات تھی۔ نویرہ دوبارہ اس گھر میں پہلے کی ہی طرح سیٹ ہو چکی تھی مگر شارق زمان کی زندگی جو نویرہ سے شادی کے بعد کچھ ترتیب و تنظیم کی لڑی میں منسلک ہو رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر انتشار کا شکار ہوتی چلی گئی تھی۔ نویرہ کو اس کی پروا نہیں تھی اور اسے نویرہ کی اماں دیکھ دیکھ کر کڑھ رہی تھیں۔ ایسے میں رضا اور رمشاء کی منگنی کی تقریب نے بھی کوئی مثبت اثر نہ ڈالا تھا۔

رضا جو کر چکا تھا اور شارق نے ردِعمل دیا تھا۔ اب نویرہ دوبارہ اعتماد کرنے والی نہیں تھی اور اماں مجبور و بے بس تھیں۔

دن اپنی رفتار سے گزر رہے تھے۔ کبھی تیز رفتاری سے اور کبھی سبک انداز میں۔

نویرہ نے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر فیروزہ سے ٹائم لیا تھا۔ ڈاکٹر فیروزہ نے کلینک میں آنے کا کہا تھا۔ اس نے اماں سے چلنے کا کہا تو شش و پنج میں پڑ گئیں۔ وہ خاندان وغیرہ میں اب جانے لگی تھیں مگر باہر نکلتے ہوئے وہ اب بھی ہچکچاتی تھیں۔ ان کی مصنوعی ٹانگ سے چال میں لڑکھڑاہٹ سے انہیں تکلیف کا احساس ہوتا تھا۔ چلنے پھرنے کا کام وہ صرف اتنا کر لیتی تھیں کہ ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے میں چلی گئیں، اپنے گھر میں گھوم پھر لیا یا کسی عزیز کے ہاں انتہائی ضرورت کے تحت ہو آئیں۔

"تم شارق کے ساتھ جاؤ۔"

"اماں! کوئی اور بات کریں۔" نویرہ نے ناگواری سے کہا تو اماں نے صرف دیکھا، اسے مجبور نہیں کر سکتی تھیں مگر۔

"رضیہ کو فون کر کے بلوا لو۔ باہر آتے جاتے تکلیف سی ہوتی ہے مجھے، رشتے داری میں کہیں آنا جانا مجبوری ٹھہرا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون کر کے رضیہ چچی کو صورت حال بتا کر آنے کا کہا تو انہوں نے آدھے

گھنٹے میں پہنچنے کی ہامی بھر لی تھی۔

رضیہ چچی آئیں تو وہ تیار بیٹھی تھی۔

”میں بیگ لے آؤں پھر چلتے ہیں۔“ وہ سلام دعا کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شاکرہ کو ان کولڈرنک سرو کرنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ الماری کھول کر بیگ نکال کر دیکھا تو وہاں صرف چند نوٹ تھے۔ ان چند روپوں سے کب تک زندگی کی گاڑی چلے گی۔

وہ گم صم سی کھڑی رہی۔

اس نے اس گھر میں آنے کے بعد شارق زمان کو صرف انکار ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اس شخص سے متعلق ہر شے سے دستبرداری اختیار کی تھی۔ کھانے پینے کی وہ چور تھی مگر اس نے طے کیا تھا کہ اب اس شخص سے کوئی تعلق رکھنا کوئی احسان نہیں لینا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ کپڑوں کا اسے مسئلہ نہیں تھا کہ جہیز کے بہت سے سوٹ ایسے ہی پڑے ہوئے تھے۔ کھانے پینے میں مجبور تھی مگر یہ چند روپے کب تک سہارا بن سکتے ہیں۔ ایسے عالم میں کہ وہ اس شخص سے کچھ بھی لینے کی روادار نہیں تھی۔

گم صم انداز میں کھڑی سوچ رہی تھی کہ اچانک خیال آیا تو وہ بیگ اور چادر لیے گیسٹ روم سے نکل آئی۔ شارق زمان کے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر اس نے ایک پل کو سوچا تھا مگر پھر سر جھٹک کر اندر داخل ہو گئی۔ سارے کمرے میں بدنظمی سی پھیلی ہوئی تھی۔ نویرہ نے ناگواری سے کمرے کو دیکھا۔ یہاں دوبارہ آنے کے بعد وہ پہلی بار اس کمرے میں آئی تھی۔ یہ کمرہ اس نے اپنے لیے شجر ممنوعہ بنا رکھا تھا۔ اور اب ناگواری سے چاروں طرف دیکھتے وہ الماری کی طرف بڑھی چند درازیں کھولتے اور ادھر ادھر ہاتھ مارنے پر اسے گرین کلر کی چیک بک مل گئی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔ شادی کے بعد اماں نے اسے یہ چیک بک دی تھی۔ ابا نے اپنی زندگی میں ہی اپنی سب اولادوں کا اپنی جائیداد میں حصہ نکال دیا تھا۔ جو اماں نے ایک خاص وقت میں ایک ایک کر کے سب کو سونپ دیا تھا۔ اس کے حصے کی رقم اماں نے بینک میں رکھوا دی تھی وقتاً فوقتاً اماں اس میں رقم جمع کرواتی رہتی تھیں۔ اب تو یہ رقم لاکھوں تک تھی۔ اس نے چیک بک اپنے بیگ میں رکھ لی۔

اس کا ارادہ چیک اپ کے بعد بینک کا چکر لگانے کا تھا۔

”نواز تو آنے پر زور دے رہا ہے مگر فاروق کی ناراضگی ہی نہیں ختم ہوئی۔ سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں کہ سگا خون ہے ایک ہی بیٹا ہے اب ناراضی ختم کر دیں مگر اپنی ضد کے بڑے پکے ہیں۔“

رضیہ چچی کی گلوگیر آواز پر نویرہ تھم سی گئی تھی۔

”اللہ بہتر کرے گا۔ اپنے بھائیوں کو کہو شادی وادی کا سوچیں گھر سے دور رہے سو لوگ ہوتے ہیں اپنی راہ پر چلانے والے ماشاءاللہ نیک سلجھا ہوا ہے۔ تمہاری بھتیجی بھی تو ہے۔“

”ہوں بھائی تو کتنی دفعہ کہہ چکے ہیں روبیہ کے لیے۔ ظفر کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ چاہتے ہیں دونوں کو ہی نپٹا دیں۔ کتنی دفعہ فون پر سمجھا چکی ہوں کہتا ہے امی دل نہیں مانتا۔“ نواز کا ذکر بھی کسی نے ان کے سامنے نہیں کیا تھا۔ نویرہ سے فیصلہ نہ ہوا کہ اب کیا کرے چند پل یہیں کھڑی رہے یا اندر جائے۔

فون کیا تو کہنے لگا امی میں نے ایک لڑکی دیکھی ہے بہت اچھی ہے۔ بس کم عمر ہے پڑھ رہی ابھی ایگزیمز ہونے والے ہیں اس کے میں کراچی آؤں تو اس لڑکی کی فیملی سے ملوں لڑکی دیکھ آپ کو تو پتا ہے فاروق اب کراچی جانے نہیں دیتے مگر میں سوچ رہی ہوں کہ چکر لگاؤں نواز تو رل جاتا ہے اس کی طرف سے دل کو تسلی رہتی ہے مگر کب تک؟“

نواز کی شادی کی عمر ہے اور کتنا لیٹ کیا جائے جو ہونا تھا ہو گیا میں جب بھی ملتی ہوں سمجھاتی تو ہوں اب بھی ملاقات ہوئی تو بات کروں گی۔ جوان اولاد دوسروں کے گھر بھلے کب تک رہے گی واپس تو اسے یہیں آنا ہے۔ بھلا گوشت بھی ناخنوں سے جدا ہوا ہے۔“

”ابا دل بڑا دکھتا ہے نواز اب کسی بھی لڑکی کا نام لے میں اجازت دے دوں گی کہ بیاہ لائے اگر نے اجازت دی تو اپنے ہاتھوں سے سب کروں گی۔ نواز نے منع کر رکھا ہے مجھے ورنہ کیا میں جاتی کہ میرا بیٹا بلا وجہ کی سزا کاٹ رہا ہے۔“ وہ نم آواز میں بولی تھیں۔

نویرہ چونک اٹھی تھی۔

”تم جاتی ہو؟“

چونک تو واجدہ بیگم بھی گئی تھیں۔

”ہوں میں کیسے مان لیتی کہ نواز نویرہ کو چھوڑ سکتا ہے اس کی تو اپنی خواہش تھی۔ دل سے چاہتا تھا مگر شارق کی وجہ سے......“ باقی کے الفاظ ان کی سسکیوں میں دب گئے تھے اور نویرہ کو لگا اس کے ہونٹوں نے جکڑ لیے ہیں۔

”شارق نے کہا تھا کہ نویرہ کے لیے انکار کر دے میرے نواز نے سب کچھ سہہ لیا خود بخود وہ تو اب بھی جب ملتا ہے پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ نویرہ کیسی ہے؟ خوش ہے؟ اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مجھے اس نے قسم دے رکھی ہے کہ میں فاروق سے ذکر نہ کروں اپنے تک اس بات کو محدود رکھوں فاروق کی ضد تو کب کی ٹوٹ چکی ہوتی۔“

اپنے آنسو دوپٹے کی پلو سے صاف کرتے انہوں نے واجدہ بیگم کو دیکھا ان کے سینے سے ایک گہری سانس خارج ہوئی۔ سانس تو نویرہ کے حلق سے بھی خارج ہوئی تھی مگر وہ اندازہ نہ کر سکی کہ اس میں دکھ زیادہ ہے گہری اذیت ہے یا پچھتاوے کا زہر ہے۔

”شارق زمان تمہیں خدا سمجھے تمہارے جنون نے کتنی زندگیاں تباہ کی ہیں۔“ بڑی تلخی سے اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔

”چچی جان!“ اس نے قدم آگے بڑھاتے انہیں پکارا تھا۔

اور درست کرتے نویرہ کے چہرے کو دیکھتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ نویرہ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ ان کے دل سے ایک ہوک سی نکلی تھی۔ یہ لڑکی ان کے بیٹے کی خواہش تھی۔ ان کا بیٹا اس لڑکی کی در بدر تھا

اور اب......

نوید کا بھرا بھرا چادر میں لپٹا سراپا ان کے اندر ایک اور ملال جگا گیا تھا۔

* * *

سامنے نظر آنے والے منظر نے نواز فاروق کے دل کے اندر بھی ملال جگا دیا تھا۔ پورے تین بعد انہیں یہ چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کاؤنٹر پر رکھ دی تھی۔ زرش تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ اسی دن والا لڑکا تھا جسے وہ سمندر کے کنارے زرش کے ساتھ دیکھ چکے تھے جسے زرش نے اپنا بھائی کہا تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ادھر ادھر دیکھتے آگے بڑھ گئے تھے۔

انہوں نے اس دن زرش کو روکا بھی تھا' اسے کہا بھی تھا کہ وہ ان کی بات سن کر جائے مگر وہ نہیں رکی تھی۔ فوراً چلی گئی تھی اور اس کے بعد انہوں نے سائرہ کے ذریعے اس کے سیل نمبر پر کتنی دفعہ رابطہ کیا تھا اور ہر بار اس کا وہی جواب تھا کہ وہ اب اکیڈمی نہیں آرہی۔

زرش ایسا کیوں کر رہی تھی۔ انہیں اندازہ تھا مگر نہیں تھا کہ وہ ان کو یوں بری طرح رد کرے گی۔ نوید کے بعد اگر کسی کی طرف ان کا دل پسندیدگی کے جذبے سے دوچار ہوا تھا تو وہ بلاشبہ زرش ہی تھی۔ مگر اس کا ردعمل بہت شدید تھا۔

"یہ کتاب پیک کر دیں۔" وہ دونوں ریک میں رکھی کتابیں دیکھ رہے تھے۔

علی بکس دیکھتے ریک کی دوسری جانب چلا گیا تھا۔ نواز نے کاؤنٹر بوائے کو کتاب پکڑا کر زرش کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"السلام علیکم!" زرش فوراً چونکی تھی۔ سر اٹھا کر نواز فاروق کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

"وعلیکم السلام آپ......!"

"کچھ بکس خریدنی تھیں۔ آپ سنائیں کیسی ہیں آپ؟" انہوں نے اپنی یہاں موجودگی کا سبب بتایا تھا۔

"الحمدللہ۔" اس نے علی کو دیکھا وہ موجود نہیں تھا شاید دوسری طرف نکل گیا تھا۔ آج علی کے ساتھ وہ نوشی کے ہاں گئی تھی۔ واپسی پر علی کو کچھ بکس اور جرنلز خریدنے تھے سو وہ یہاں آ گئے تھے۔

"اکیڈمی کیوں نہیں آرہیں؟" جس کی اسے توقع تھی وہی سوال کیا گیا تھا۔

"میں ضرورت نہیں سمجھتی میں گھر رہ کر بہت اچھی تیاری کر رہی ہوں۔" زرش کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔ پراعتماد انداز میں نواز فاروق کو دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ اس دن بھی آپ میری کوئی بات سنے بغیر چلی گئی تھیں۔ اس وقت اگر آپ مجھے کچھ وقت دیں تو......!"

"سوری مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔" وہ کچھ تلخی سے گویا ہوئی تھی۔

"کیوں؟" نواز نے فوراً اس کو دیکھا۔

"کیوں کا جواب آپ بہتر جانتے ہوں گے' ایکسکیوز می۔" اس نے وہاں سے نکلنا چاہا تھا۔ اسے علی ریک کے دوسرے طرف نظر آ گیا تھا وہ فوراً یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

"زرش پلیز۔" انہوں نے اس کا راستہ روکا تھا۔ زرش نے بڑی ناگواری و برہمی سے انہیں دیکھا۔

"مہربانی، مگر میری بات سن لیں کہنے کو میں یہ بات سائرہ کے ذریعے بھی آپ تک پہنچا سکتا ہوں اور آپ کا سیل نمبر سائرہ سے لینا میرے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔" انہوں نے فوراً معذرت کرتے اسے کہا تھا۔ زرش ناگواری سے دیکھے گئی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے بہت سیریس بات ہے مگر مجھے لگتا ہے آپ مجھے کبھی موقع نہیں دیں گی اس لیے میں آپ کو ڈائریکٹ پرپوز کرتا ہوں۔ شادی کریں گی مجھ سے......؟"

زرش کو لگا یک شاپ کی چھت اس کے سر پر آ گری ہے۔

اس کو نواز فاروق کے بارے میں گمان تو تھا مگر اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ شادی کی بات کریں گے۔

"کیا......!"

* * *

"آپ ہوش میں تو ہیں سر! آپ کو علم ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" انکشاف ایسا تھا کہ وہ ششدر رہ گئی تھی اور پھر جب سنبھلی تو سر نواز فاروق پر الٹ پڑی تھی۔

"میں نے اتنی نازیبا بات نہیں کی۔ بجائے اس کے کہ میں اپنا اور آپ کا قیمتی وقت ضائع کروں سیدھا سیدھا اپنا پروپوزل دے رہا ہوں۔ اگر آپ کی رضامندی ہوئی تو بات آپ کے بڑوں تک پہنچا دوں گا۔" وہی ٹھہرا پرسکون لہجہ جو نواز فاروق کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ زرش کے اندر ابال اتر آیا۔

"آئی ایم سوری سر مگر آپ کو بتا دینا میں ضروری سمجھتی ہوں کہ میں شادی شدہ ہوں۔ غیر شادی شدہ نہیں۔"

اب کے زلزلوں کی زد میں آنے والی ذات نواز فاروق کی تھی۔ تحیر سے زرش کے طنزیہ چہرے کے تاثرات دیکھے۔ ایک پل کو یوں لگا ان کے اعصاب پر کوئی بم سا پھٹا ہے۔

"کیا......؟ یہ کیسے ممکن ہے؟" زرش کی جسمانی فزیک اور پھر کم عمری' انہیں یقین کرنے میں مانع ہوا۔

"زرش کیا بات ہے؟" علی کے آجانے پر وہ فوراً پلٹی۔

"کچھ نہیں یہ ہمارے اکیڈمی کے سر ہیں' سر نواز۔"

"السلام علیکم!" علی نے فوراً ہاتھ ملایا تھا۔ علی سے ہاتھ ملاتے وہ بری طرح ڈسٹرب تھی۔ زرش نے ترحم بھری نگاہوں سے ان کے چہرے کو دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھے۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

"سائرہ میری کلاس فیلو ہے۔ وہ بہت زیادہ تو نہیں مگر کچھ حد تک وہ باخبر ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ ایسا سوچ سکتے ہیں۔ تاہم سائرہ سے پوچھ لیجیے گا۔ اگر اس کی فراہم کردہ معلومات ناکافی ہوں تو فراز مظفر سے رابطہ کر لیجیے گا۔ وہ میرے ہسبینڈ کے بڑے قریبی دوست ہیں۔ سمعان احمد نام ہے میرے ہسبینڈ کا۔"

ڈاکٹر ظفر کے نام پر نواز پھر چونکا تھا اور سمعان کے نام پر تو بڑی حیرانی سے اسے دیکھا۔ ڈاکٹر ظفر کی بدولت سمعان احمد کے نام سے آگاہی تو تھی ہی' مگر ملاقات صرف ایک دفعہ ہی ہوئی تھی۔ نواز فاروق کی نگاہوں میں سمعان احمد کا دراز بلند قامت خوب صورت سراپا در آیا تو نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔

"میں چلتی ہوں سر! اللہ حافظ۔" وہ علی کے ساتھ واپس چلی گئی تھی اور نواز فاروق کو لگا نویرہ کے بعد وہ اب سب کچھ کھو چکا ہے۔ یہ لڑکی انہیں نویرہ کا ہی پرتو لگی تھی۔ اس کی ذات میں انہیں نویرہ کی شبیہ دکھائی دی تھی مگر اس ہونے والے انکشاف نے ان کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

⁂

"شاکرہ' شاکرہ۔"

وہ اماں کی ٹانگ کی مالش کر رہی تھی۔ جب سارے گھر میں گونجتی "شاکرہ" کی پکار سنائی دی۔

"شارق کیوں بول رہا ہے۔" اماں نے نویرہ کو دیکھا۔ وہ بھلا کیا کہتی آج موصوف گھر پر ہی تھے۔ تین چار دن سے اماں کی ٹانگ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے آج سوچا تھا کہ مالش کر دے گی مگر اب لگ رہا ہے کہ سکون سے یہ کام ہونے والا نہیں تھا۔

"اماں' شاکرہ کہاں ہے؟ کتنی دیر سے بلا رہا ہوں۔" اس نے اماں کے کمرے میں جھانکا وہاں نویرہ کو دیکھ کر اس کے تیور اور بگڑے تھے۔

"صبح اس کی ماں آئی تھی۔ چھٹی لے کر گئی ہے کہہ رہی تھی کل آ جائے گی۔"

"اُف کیا مصیبت ہے؟" اماں کے جواب پر وہ سخت کوفت سے دوچار ہوا تھا۔ اندر کی تلخی اور بڑھی تھی۔ خاص طور پر اماں کے کمرے میں اس کے وجود سے یکسر لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے نویرہ کو دیکھتے تو ایک پل کو خون کھول اٹھا تھا۔

"کوئی کام تھا؟" ایک تو وہ بے وقت دوپہر گھر آیا تھا دوسرے عجلت بھرا انداز نویرہ تو اسی انداز میں تھی مگر انہوں نے پوچھا تھا۔

"کیا کرتیں ماں تھیں نویرہ کی طرح ہر تعلق توڑنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں۔"

"کل میں نے شاکرہ کو کہا تھا کہ میرے کپڑے دھلنے چاہئیں۔ مجھے کسی سے ضروری ملنا ہے' مگر مجال ہے کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر مل رہی ہو۔" کوفت و بے زاری سے برا حال تھا۔

"دھو تو دیے تھے اس نے اِدھر کمرے میں ہیں دیکھو ہو سکتا ہے کہیں رکھ دیے ہوں۔"

"نہیں مل رہے ہر جگہ دیکھ لیے ہیں۔"

"الماری......"

"دیکھ چکا ہوں۔"

اماں نے اب کے نویرہ کو دیکھا جو زیتون کے تیل کی شیشی کا ڈھکن کھولتی بند کرتی ان کے مرے شارق کی طرف پشت کیے یکسر لاتعلق بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"اچھا تم چلو میں دیکھتی ہوں۔" نویرہ کو کہتیں تو اس نے قطعی نہیں جانا تھا' سو انہوں نے فوراً ہی اٹھا

اچھا۔ شارق واپس پلٹ گیا تھا۔

"آپ کیوں جا رہی ہیں؟ ٹانگ میں اتنا درد ہے آپ کی' آپ سے چلا نہیں جا رہا کوئی ضرورت نہیں جانے کی۔ جب اپنی چیزیں سارے کمرے میں پھیلائی جا سکتی ہیں تو ڈھونڈی بھی جا سکتی ہیں۔" انہیں بستر سے اترتے دیکھ کر ناگواری سے کہا تھا۔

"کیا کروں شاکرہ تو ہے نہیں اور خود سے اسے کوئی چیز ملنے والی نہیں۔ چاہے وہ آنکھوں کے سامنے ہی کیوں نہ پڑی ہو۔" مصنوعی ٹانگ کا سہارا لے کر وہ اٹھی تھیں۔ دوسری ٹانگ میں درد کی لہر اٹھی تھی۔ ان کے لبوں سے ایک کراہ نکل گئی۔

"اماں! رہنے دیں آپ ادھر لیٹیں' اتنی تکلیف ہے آپ کو۔ بجائے اس کے کہ آپ کی خیریت کی جاتی بستر پر کیوں لیٹی ہیں پوچھتے۔ الٹا حکم دے کر چلے گئے ہیں۔ آپ بس بیٹھیں یہاں کوئی ضرورت نہیں جانے کی خوامخواہ سر پہ چڑھانے کی۔" نویرہ نے بڑے غصے سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے نہیں جا رہی تم جا کر ذرا دیکھ دو۔ خوامخواہ سارا کمرہ خراب کر دے گا۔ چیزیں توڑے گا۔" "ٹھاہ" کی آواز آئی تو انہوں نے اسے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ آپ مجھے دوبارہ ایسا مت کہیے گا۔" اس نے بڑی ناگواری سے کہا تھا۔

"زبردستی تو نہیں میں خود ہی جاتی ہوں۔" وہ پھر اٹھی تھیں۔ مگر اب کی بار اٹھنے سے ٹانگ کا درد اتنا شدید تھا کہ وہ کراہ کر دوبارہ بستر پہ بیٹھ گئیں۔ انہوں نے جن نظروں سے نویرہ کو دیکھا وہ کوفت کا شکار ہوا۔

"آپ بیٹھیں میں دیکھتی ہوں' مگر اماں آپ اسے اچھی طرح سمجھا دیں اپنا کمرہ صاف ستھرا اور سنبھال کر رکھا کرے' شاکرہ روز شکایت کرتی ہے۔ کمرہ صاف ہوگا تو چیزیں بھی ملیں گی نا۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ گئی۔

نویرہ کا یوں مان جانا اماں کے لیے بڑی خوش آئند بات تھی۔ انہوں نے بڑی مسرت سے اسے دیکھا۔ وہ جو ناچتی چادر درست کرتی کمرے سے نکل گئی تھی۔ شارق زمان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی انا چیخی تھی۔ اندر کرب و اذیت کے ناگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس شخص کے گھر میں اس کے نام پر رہنا اس کی مجبوری تھی' مگر فی الحال وہ اس شخص کو آخری حد تک باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ [illegible] کیا ہے۔ اس کا اصل چہرہ اس کے روبرو لانا چاہتی تھی۔ مگر اماں کی یہ تکلیف۔

اس نے لب بھینچ کر دروازہ دھکیلا تھا۔ جو پہلے ہی ادھ کھلا تھا۔ کھلے دروازے سے اندر کا سارا منظر [illegible] تھا۔ سارا کمرہ بکھرا پڑا تھا۔ جا بجا قالین پر بکھرے پڑے کشنز' سرہانے بستر پہ الماری کی تمام اشیاء ڈھیر تھیں۔ نویرہ نے بڑے تاسف سے اطراف کا جائزہ لیا تھا۔

"کیا مصیبت ہے کوئی چیز ٹھکانے پر نہیں ہے۔ یہ شاکرہ کس مرض کی دوا ہے آ جائے ذرا حشر نشر [illegible] اس کا۔"

قالین پر ٹوٹے کانچ کے بکھرے ٹکڑے دیکھے نویرہ نے ایک دم قدم اندر کی طرف بڑھاتے ہوئے

الماری میں سر گھسیڑے جھکے وجود کو دیکھا۔

وہ نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا ایک ایک کرتا بغیر پیچھے دیکھے وہ ہر چیز بستر پر اچھال رہا تھا۔ اپنے ہاتھ میں ایک فائل لیے شارق زمان پلٹا تو سیدھی نگاہ کمرے کی دہلیز پر کھڑے وجود پر پڑی تھی۔ ایک لمحے کو حیرت سے دوچار ہوا تھا۔ نویرہ کا رویہ سب کے سامنے تھا۔ اس رات کے بعد اس نے اس کی جانب کوئی پیش قدمی نہیں کی تھی۔ نویرہ بھی اسے جہاں دیکھتی تھی آنکھوں میں ڈھیر ساری نفرت لیے وہاں سے ہٹ جاتی تھی۔ نویرہ نے اسے بری طرح انکار کیا تھا اور اب......

شارق زمان کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے تھے۔ ایک دم بپھرے انداز میں ہاتھ میں پکڑی فائل بستر پر اچھالی تھی۔ شارق زمان کو اپنی توہین نئے سرے سے ازبر ہوئی تھی۔ وہ پلٹ کر ڈریسنگ روم میں گھس گیا تھا۔

نویرہ نے اپنے اعصاب پر کنٹرول کرتے ہوئے قدم مزید بڑھائے تھے۔ کمرے کی حالت انتہائی بری ہو رہی تھی۔ خود سے اس نے اس کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا۔ ہاں شاکرہ اماں کے کہنے پر اس کے کمرے کی صفائی وغیرہ کرتی تھی مگر اب نویرہ کی صاف ستھری طبیعت پر یہ ابتری بڑی گراں گزرتی تھی۔ جی چاہا کہ شارق زمان کا حشر نشر کر دے۔ اگر اماں کی تکلیف کا احساس نہ ہوتا تو کبھی اس کمرے میں نہ آتی۔ اس شخص سے اسے اتنی نفرت ہو چکی تھی کہ وہ اس کی کسی چیز کو بھی ہاتھ لگانے کی روادار نہ تھی۔ جی تو چاہا کہ بغیر ایک منٹ ضائع کیے واپس پلٹ جائے مگر پھر اماں کی نظروں کی عاجزی یاد آ گئی۔ اماں اسے مجبور نہیں کرتی تھیں مگر وہ اماں کی تکلیف کا احساس کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

شارق زمان کمرے میں لوٹا تو وہ کمرے کے عین وسط میں ہر چیز کو بڑی ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔

"اماں نے مجھے بھیجا ہے۔ کیا چاہیے تھا۔" وہ بولی تو لگا انگارے چبا رکھے تھے۔

شارق نے اسے استہزائیہ نظروں سے دیکھا۔

"اماں کا نام تو یونہی بدنام کر رہی ہو پہلے اس گھر میں دوبارہ آنے پر اور اب کمرے میں......؟" انداز ایسا تضحیک آمیز تھا اوپر سے شارق زمان کی بے باک چبھتی نگاہیں، نویرہ تو پورے وجود سمیت سلگ اٹھی۔

"شٹ اپ۔"

"یو شٹ اپ۔" شارق زمان اس سے زیادہ غصے میں دہاڑا تھا۔ "تمہارا خیال ہے میں تمہارے لیے مر رہا ہوں۔ تم نے جتنا مجھے ذلیل کرنا تھا کر چکی ہو۔ تم جیسی عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ نیک ذاتی کا چولا پہن کر دوسروں کو ورغلانے والی' بظاہر پاک باز مومنہ کا روپ دھارے۔"

"شٹ اپ۔ آئی سے شٹ اپ۔"

شارق زمان کی اس درجہ گھٹیا جملوں پر وہ ایک دم اشتعال میں آ گئی تھی۔ "میں جو بھی ہوں تم سے بہتر ہوں۔ تم جیسے گھٹیا بے حس انسان سے بہتر ہوں۔ جس کے دل میں کھوٹ ہو اسے خوف محسوس ہوتا ہے باز پرس کا۔ مجھے کوئی خوف نہیں۔ تم دس لوگوں کو اکٹھا کر لو۔ مجھے تب بھی خوف نہیں۔ تمہارے گھر میں واپس آنا میری مجبوری ہے' مگر تم سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ تم مجھے بھلے کچھ بھی سمجھو۔ آوارہ' بدکردار' جو بھی۔ میری بلا سے۔ یہ تمہارے گھٹیا ذہن کا صرف گھٹیا پن ہے۔ جو اندر سے کھوکھلے بے نام ونشان ہوتے ہیں وہی اوروں پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔"

"بکواس نہیں کرو۔" شارق زمان کی چنگھاڑ نے نویرہ کو خاموش کر دیا تھا۔

"خبردار جو تم نے مجھے ایسا کوئی طعنہ دیا تو۔" اس نے بپھرے انداز میں اس کی طرف قدم بڑھائے۔

"بزدلی کا طعنہ ہزار بار دوں گی۔ مجھے کوئی مصلحت نہیں روکے گی اب۔ تم بے نام ونشان انسان جس کا اپنی ماں کی کوئی اصلیت نہیں وہ کیسے مجھے بدکردار ثابت کر سکتا ہے۔ تم ثابت کرو شارق زمان۔ میری بدکرداری کا ثبوت دنیا کے سامنے لاؤ میں مانوں گی۔"

"او یو۔" شارق زمان نے انتہائی بپھرے انداز میں اپنا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

"چٹاخ۔" غصہ و اشتعال سے بھری نویرہ لہرا کر بستر پر گری تھی۔ بھاری بھرکم فولادی ہاتھ کے طمانچے سے نویرہ کو اپنے اطراف میں تارے ناچتے محسوس ہوئے۔ وہ بلک بلک کر رو دی۔

"ثابت ہو چکا ہے اگر رضا حمید جھوٹا ہوتا تو یہ منگنی قطعی نہ ہوتی۔ اور تم جیسی عورتوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ دھوکے باز' فریبی تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میرے صاف سچے جذبوں کی توہین کی ہے۔ میں نے تم سے صرف اتنی توقع کی تھی کہ تم میری بن کر رہتا اور تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں مگر دھوکا نہیں۔"

"ہاں دھوکا دیا ہے میں نے۔ پھر کیا کر لو گے تم۔" روتے روتے وہ ایک دم سیدھی ہو کر پھنکاری تھی۔ صاف شفاف چہرے پر پھسلتے آنسو اور لڑکھڑاتی آواز۔

"تم میرے گھر سے چلی جاؤ۔"

"ہاں چلی جاؤں گی ایسی جاؤں گی کہ تم سب لوگ یاد رکھو گے۔ پچھتاؤ گے۔ نویرہ احسان کوئی بزدل نہیں تھی اور تم نے مجھے اب باور کروا دیا ہے اور میں تمہیں شارق زمان دکھاؤں گی کہ بدکرداری کسے کہتے ہیں۔ جو تمہاری ماں اور بہن کر رہی ہیں۔ وہ بدکرداری ہے یا جو میں کروں گی وہ بدکرداری ہے۔ اپنے زخم نہ چاٹو تو مجھے کہنا۔ تم نے میری مصلحت آمیزی کو غلط رنگ دیا۔ میری طبیعت میں تم نے نفرت کے شرارے بھر دیے ہیں اور ان شراروں سے میں نے اگر تمہارے وجود کو خاکستر نہ کیا تو کہنا۔"

بستر پر سیدھے ہو کر اپنے آنسو صاف کر کے اس نے کہا تو شارق کا دل چاہا ایک منٹ ضائع کیے بغیر اس کے تمام دانت توڑ کر دے۔

"دفع ہو جاؤ۔" وہ غصے سے چیخا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک پل میں کوئی انتہائی قدم اٹھا جائے گا اگر نویرہ اس کے سامنے سے نہ ہٹی تو۔

"جاؤں گی تو میں ایسی ہوں گی کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔" وہ طنز سے ہنسی۔ آنسوؤں کے درمیان یہ طنزیہ انداز بھی بڑا عجیب سا ارتعاش پیدا ہوا تھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں تمہاری مکروہ صورت دیکھنے کا۔ میں صرف وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔ اور جو بھی کروں گی ڈنکے کی چوٹ پر کروں گی۔ میں اپنے بھائیوں کی نظروں سے گری ہوں۔ میری ماں

مجھے اس گھر میں رہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ میرے اپنے مجھ سے چھین گئے صرف اور صرف تمہارا نام نواز تم سے۔ تم دیکھنا میں تم سب کو بتاؤں گی میں کیا ہوں۔"

نوریہ کے اندر طوفان سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جو جی میں آیا کہہ رہی تھی۔

"بڑا شوق ہے تمھیں اپنی اولاد کا۔ بیٹھ کر رونا ساری عمر شارق زمان مجھے بھی اور اپنی اولاد کو بھی تم جیسے بے نام ونشان کی اولاد بھی بے نام ونشان رہ گئی تو مجھے کہنا؟"

وہ غصے سے اپنے اندر کا اُبال نکال رہی تھی۔ شارق زمان چونک کر متوجہ ہوا۔ غصے سے بھڑک کر نوریہ کو دیکھا۔ اس کے الفاظ کچھ نا قابل فہم تو نہ تھے۔

بڑی سختی سے رخساروں کو صاف کرتے وہ بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جذباتیت میں یہ سب کہہ گئی تھی۔ یا سنجیدگی میں وہ اندازہ نہیں کر پایا تھا۔

"کیا کرو گی تم میرے بچے کے ساتھ؟" نوریہ کا بازو پکڑ کر اس نے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ تمہارا بچہ نہیں ہے وہ صرف میرا ہے۔ تمہارا تو تب ہوگا جب تم ثابت کرو گے۔" بڑی بے خوفی سے اس نے شارق زمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

شارق زمان کو اپنے وجود میں فولاد اترتا محسوس ہوا۔

"ہے ہمت تم میں ثابت کرنے کی؟ اگر ہے ہمت تو پھر یہ بھی ثابت کرنا کہ تمہارے بچے کو جنم دینے والی عورت بھی بدکردار ہے۔ ورنہ بھول جاؤ۔ تمہاری کوئی اولاد نہیں ہوگی۔ ایسے ہی بے نام ونشان رہ گئے تم۔ ان شاء اللہ۔"

شارق زمان کے گرفت سے ہاتھ چھڑاتے وہ پھنکاری تھی۔

نوریہ کے الفاظ نے شارق زمان کو اتنا الجھا دیا کہ وہ صرف اسے دیکھے گیا تھا۔

"یہ میری تمہارے لیے بددعا ہے۔ مجھے تم سے کوئی لینا دینا نہیں۔ اس کمرے تک آنا بھی میری مجبوری تھی اب تم جو مرضی وہ ثابت کرو یا مہر ثبت کرو۔ میری بلا سے' مگر میری نفرت کو مت آواز دو۔ شارق زمان میں تو بدنام ہوں گی تمہاری نیک نامی بھی جائے گی۔ یاد رکھنا۔"

* * *

بساطِ جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب و روز پہ عتاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو روگ ہیں چھپے ہوئے ہیں جسم و جاں میں
تو یہ کس لیے
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا
یہ جو سنگ سا آ گرا ہے وجود میں

وہ
تو یہ کس لیے
یہ جو دل میں درد چھڑا ہے لطیف سا
تو یہ سب ہے کیا
یہ جو پلکوں میں عکس ہے کوئی خفیف سا
یہ سب ہے کیا
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انھیں کیا پتا انھیں کیا خبر
کبھی راہ کے کسی موڑ پر تو انھیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

وہ یونہی بیٹھے خود فراموشی کے عالم میں نجانے کتنے زمانے بیت گئے تھے۔ اپنے آپ سے لڑتے۔ اپنے دل کو بہلاتے اپنی لغزشوں پر پشیمان ہوتے نجانے کتنے لمحے فریب خوردہ ٹھہرے تھے۔

طوفان ہستی میں آئے یا بستی میں تباہی تو دونوں طرف ہوتی ہے۔ بس فرق یہ ہوتا ہے کہ بستی کی تباہی انسانوں کی نظر میں آتی ہے اور ہستی کی تباہی صرف اندرونِ جسم تک محدود رہ جاتی ہے۔ جذبے و احساسات کی موج تیز ہو تو طوفان بھی سنگین ہوتے ہیں۔ ایسے طوفانوں کا مداوا شاید وقت بھی نہیں کر پاتا۔ جو زخم حالات نے دیے تھے وہ تو شاید بھر جاتے مگر جو زخم اپنی لغزشوں سے انسان سہتا ہے وہ شاید ہی بھر پاتے ہیں۔ عمر بھر کا روگ ضرور بن جاتے ہیں۔ بالکل ویسے ہی کبھی عشق ہو تو پتا چلے۔

"نواز۔" بڑے دھیمے سروں میں کوئی پکارا تھا۔

اپنی محبت کی گہرائی میں ڈوبی بڑی جذب سے آمیز آواز تھی۔ نواز فاروق نے اپنی ذات کی تنہائیوں سے نکل کر اپنے سامنے کھڑے مجسم پیکر کو دیکھا۔

روبینہ تھی اپنی تمام تر شدتوں سمیت کھڑی تھی۔ بعض اوقات شدتیں بھی بہت بڑا امتحان بن جاتی ہیں۔ اس وقت بھی روبینہ کی آنکھوں کا لو دیتا تاثر۔ نواز نے ہمیشہ کی طرح نگاہیں چرالی تھیں۔

"روبینہ تم...... آؤ پلیز......!" اپنے بکھرے سراپے کو سمیٹے خوش دلی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

وہ جھجکتے قدم اٹھاتی اندر بڑھ آگئی تھی۔

نواز فاروق نے اٹھ کر کمرے کی لائٹس آن کردی تھیں' کھڑکیوں کے پردے ہٹاتے کھڑکیاں کھول دی تھیں۔

روبینہ نے بغور اونچے لانبے متناسب سراپے کو دیکھا۔ آنکھوں میں جذبے سے سر اٹھانے لگے تھے۔

"آپ کیسے ہیں؟" کمرے کی بوجھل فضا کو روبینہ کی آواز نے منتشر کردیا تھا۔

"میں کیسا ہوں۔" نواز نے باہر دیکھا ڈھلتی شام کا منظر بھرپور تھا۔

"آپ اداس لگ رہے ہیں؟"

روبینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے دیکھ رہی تھی' نواز کے

دیکھنے پر سر جھکا کر انگلیاں مسلنے لگی تھی۔ بڑی اضطراری حرکت تھی یہ اس کی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"میں کل بھی آئی تھی اور پرسوں بھی مگر آپ پچھلے تین دنوں سے صرف اپنے کمرے تک محدود ہیں۔ کیا بات ہے پلیز بتائیں۔" اپنے لہجے کے مکمل خلوص سے گویا تھی۔

نواز نے لب بھینچ لیے۔

"اوکے! آپ نہیں بتانا چاہتے تو رہنے دیں مگر اتنا تو بتا دیں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے کل سے لے کر اب تک کئی کالز کی ہیں مگر آپ نے ایک بھی ریسیو نہیں کی۔" شکوہ لبوں سے پھسلا تھا۔

نواز فاروق کو ندامت سی ہوئی۔

یہ لڑکی ان کے رویّے سے ہمیشہ ہرٹ ہو جاتی تھی۔ ہر بار وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہرٹ کر جاتے تھے۔ جب کہ یہ مخلص پرخلوص سی لڑکی ان کے لیے کتنا محبت بھرا دل رکھتی تھی۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے؟ مگر وہ نظر انداز کرنے پر مجبور تھے کہ ان کا دل ان کے بس میں نہیں تھا اور اب روبینہ کا یہ شکوہ انہیں شرمندہ کر گیا تھا۔

"سوری۔" ہمیشہ کی طرح نواز نے اب بھی اس سے اپنے رویّے کی معذرت کر لی تھی۔ روبینہ کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی۔ وہ اس شخص سے جی بھر کر لڑنا چاہتی تھی۔ اپنا حق جتانا چاہتی تھی۔ محبت اور مان کے مظاہرے کرنا چاہتی تھی مگر نواز فاروق کے اس عام سے رویّے نے اسے ہمیشہ دکھی کیا تھا۔

"کسی ایک نقطے پر ٹھہر جانا موت ہوتی ہے۔ ہر چیز کی تو یہ آخری حد تو نہیں تھی نواز۔" بڑے کرب سے وہ بولی تھی اور نواز نے لب بھینچ لیے تھے۔

"آپ مجھے اس طرح اگنور کرتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی کوئی نس کاٹ لوں۔ کیا میں بہت بری ہوں نواز اتنی بری کہ میں آپ کے رستے میں کہیں بھی نہیں ہوں۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ نواز نے دیکھا چھلکتی ساغر آنکھیں یاقوتی مرمریں لب اور ساحر مکھڑا۔ ایک مرد کی طلب اس قیامت خیز حسن سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

"میں محبتوں سے آپ کو جیتنا چاہتی ہوں نواز آج بتائیں میرے وجود میں ایسی کوئی بھی بات نہیں جو آپ کو متاثر کر جائے۔ کہتے ہیں جہاں محبتیں بے اثر ہوں وہاں وجود جل جاتے ہیں۔ کیا میرا وجود بھی آپ کی ٹھہری زندگی میں کوئی ہلچل لانے کوئی رونق پیدا کرنے سے قاصر ہے۔" رخساروں پر بکھرے آنسو۔ وہ تو پوری قیامت تھی ایک جیتی جاگتی قیامت مگر نواز کو تو محبت نے لوٹا تھا۔ دل بنجر تھا اور بنجر زمینیں ایسی زرخیز فصلوں کے قابل کہاں رہتی ہیں۔

"کیا میرے اندر کوئی کشش نہیں؟ لوگ کہتے ہیں میں بہت خوب صورت ہوں۔ کیا میری خوب صورتی کچھ بھی نہیں۔ آپ کیوں ڈسٹرب ہیں مجھے علم نہیں، مگر مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے میرا وجود آگ میں جل رہا ہے۔ محبت بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ آپ تو خود محبت کر چکے ہیں۔ پھر دوسروں کو کیوں آزمائش میں ڈالے ہوئے ہیں بولیں۔ جواب تو دیں۔"

نواز کو اپنا وجود سناٹوں کی زد میں آتا محسوس ہوا تھا۔ وہ یوں براہ راست کٹہرے میں گھسیٹ لے گی اندازہ نہ تھا۔ ان کی ذات تو پہلے ہی عذاب میں تھی اور اب نئی اور آزمائش؟

"روبینہ!" انہوں نے اس کے شکوے پر ٹوکا تھا۔

"نواز پلیز، مجھے اس انتظار سے نکال دیں۔ مر رہی ہوں میں۔ بھلے محبت نہ دیں مگر میری محبت کو تو ذلیل کریں، مجھے یوں مت دھتکاریں میں اپنی نظروں میں ہی گرنے لگی ہوں۔"

نواز کو اپنا آپ مجرم محسوس ہوا۔ آج سے پہلے روبینہ کی صرف آنکھیں بولتی تھیں اور آج اس کی زبان بول رہی تھی اور نواز کو اپنا آپ گہرے طوفان کی زد میں آتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تمہیں علم تو ہے۔ تم ہی وہ واحد ہستی ہو جس سے امی کے بعد میں نے اپنے دل کی کیفیت بتائی ہے۔ روبینہ میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں بہت زیادہ۔ میں تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں۔ مجھ پر اپنے جذبات کا اتنا بوجھ مت ڈالو۔ میں پہلے ہی بہت خستہ حال ہوں۔ میں کبھی بھی تمہارے ساتھ انصاف نہیں کر پاؤں گا۔" وہ آخر روبینہ کے جذبوں کے سامنے ہار ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بڑی بے چارگی تھی لہجے میں۔ بڑا اضطراب تھا آواز میں۔

"مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے نواز۔ آپ میرے سگے پھوپھی زاد ہیں۔ بڑا گہرا تعلق ہے ہمارا، مگر دل صرف اس تعلق پر انکساری کا اظہار نہیں کر پا رہا ہے۔ آپ کو کسی سے تو شادی کرنا ہی ہے نا تو پھر اس کی جگہ "میں" کیوں نہیں ہو سکتی؟"

"روبینہ؟" انہوں نے بڑے کرب سے اس کی ساحر آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ تو ابھی تک زرش کی طرف سے ہونے والے انکشاف پر ششدر تھے اور یہ نیا طوفان اٹھ آیا تھا۔

"پلیز سوچیے گا ضرور۔ ماما، پاپا آج کل بہت پرشوق ہو رہے ہیں۔ میں کہیں اور نہیں جانا چاہتی۔ مجھے آپ سے بھی بات کرنی تھی۔ میں بہت پہلے کر لیتی، مگر پرسوں میرے لیے آنے والے پرپوزل نے مجھے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ مجھے غلط نہیں سمجھئے گا۔ پلیز پھپھو سے ضرور بات کیجیے گا۔"

نواز نے لب بھینچ لیے۔

"میں بہت ڈسٹرب ہو کر آپ سے یہ کہہ رہی ہوں۔ ورنہ کبھی یہ قدم نہ اٹھاتی۔ مجھے غلط نہیں سمجھیے گا کیونکہ ایک بات کہوں کہ سیانے کہتے ہیں اگر محبت آپ سے چھن جائے تو اسے اپنا لو جو آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ کو زندگی سے محبت ہو جائے گی اور اگر ایک بار زندگی سے محبت ہو جائے تو پھر محبت دل کو تسخیر کر لیتی ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے آہستگی سے کمرے سے نکل گئی تھی اور نواز فاروق ششدر کھڑا رہ گیا تھا۔

* * *

لڑکی کی طبیعت خراب تھی۔ ماما کو پتا چلا تو زرش کو ہمراہ لیے اس کی عیادت کو گئی تھیں اور وہاں جا کر جو خوش خبری سننے کو ملی وہ [illegible] تھی کہ شائستہ تو ایک طرف زرش کی آنکھوں میں بھی خوشی تشکر کے آنسو سمٹ آئے تھے۔

وہ سارا دن نوشی کے ہاں بڑی تھی۔ اسے مختلف جملوں سے چھیڑتی رہی تھی۔ شرمائی لجائی نوشی کے چہرے پر جو روشنی تھی ایسی دل نشیں اور روح پرور تھی کہ زرش کو آنکھیں جھکانا مشکل لگ رہا تھا۔

شام کو واپسی پر زرش اصرار کر کے نوشی کو ہمراہ لے آئی تھی۔ وہ کل شام سے ادھر ہی تھی اور زرش کی شرارت بھری نگاہوں کے حصار اور جملوں سے سرخ انار بنی ہوئی تھی۔

"ہائے نوشی کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ میں جب بھی تصور کرتی ہوں کہ میں خالہ بننے والی ہوں تو دل چاہتا ہے کہ تمہیں بازوؤں میں لے کر جھوموں عفان بھائی اور آنٹی کتنے خوش ہیں۔ ہیں ناں۔"

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھی تھیں زرش کی بات پر وہ ہنس دی۔

"پہلی دفعہ تو خالہ نہیں بن رہی ہو تم۔" اس کے والہانہ پن پر اسے کہا تو وہ ہنس دی۔

"ہاں مگر تم تو اماں جان کے عہدے پر پہلی دفعہ جلوہ افروز ہو رہی ہو۔ [illegible] عفان بھائی سے [illegible] ہے۔ مگر تم کو کہنا ہے خود سے۔"

"میں نہیں کہوں گی خوامخواہ شرم آئے گی۔ تم کہنا باہر کسی ہوٹل سے رات کا ڈنر کریں گے۔"

"اچھا کہہ دوں گی۔ تم اب اس ٹاپک کو چھوڑو اپنی تیاری کرو۔ ڈیٹ شیٹ تو آ گئی ہے نا۔" اس نے زرش کی توجہ ارد گرد بکھری کتابوں اور نوٹس پر دلائی۔ زرش نے منہ بسورا۔

"تیاری میری اے ون ہے۔ بڑی زبردست۔ تم اپنا وعدہ یاد رکھو۔ آج عفان بھائی جب لینے آئیں گے تو ضرور کہنا ہے۔ بھولنا نہیں۔"

"او کے بابا کہہ دوں گی۔" وہ زچ ہو کر ہنس دی۔ بڑی پیار بھری نگاہ زرش کے چمکتے دمکتے چہرے پر ڈالی۔ خوشی سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

"زرش بی بی یہ آپ کے لیے آیا ہے۔" اسی دم چوکیدار ہاتھ میں ایک گفٹ پیک اٹھائے چلا آیا تھا۔

"میرے لیے؟" وہ حیران ہوئی نوشی کو دیکھا۔ "کون لے کر آیا ہے؟" پیکٹ پر اسلام آباد کا ایڈریس تھا۔ زرش نے لب بھینچ لیے۔

"کوئی ٹی سی ایس کا آدمی ہے۔ کہہ رہا تھا کہ یہاں سائن کر دیں۔" زرش نے خاموشی سے سائن کر کے چیٹ انہیں تھما کر گفٹ تھام لیا تھا۔

"سمعان بھائی نے بھیجا ہے۔" زرش کے چہرے کے تاثرات سے نوشی نے فوراً اندازہ لگایا تھا۔

"ہوں۔" اس نے بے دلی سے گفٹ قالین پر ڈال دیا۔

اس رات سمعان کے اس کے پاس ٹھہرنے کے بعد اگلی صبح ہونے والی طاہرہ بیگم سے بدکلامی نے اس کے دل سے ساری خوشی کو نوچ کر نکال پھینکا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ شادی کے بعد اس رشتے کے حوالے سے خاصی جذباتی تھی۔ سمعان احمد اور اپنے درمیان تعلق کو اتنا سوچا کہ دل میں ایک جگہ بننے لگی تھی اور اس صبح طاہرہ بیگم کی کال نے سمعان احمد کی ساری محنت نہ صرف ضائع کی تھی بلکہ زرش اس کے دل و دماغ کو سمعان سے اتنا متنفر کر دیا تھا کہ وہ اس دن کے بعد سمعان کے تصور سے بھی بچنے لگی تھی۔ وہ سمعان احمد سے سخت خفا تھی۔ سمعان نے اس کے بعد کئی کالز کی تھیں، مگر اس نے تو قسم کھالی

تھی کہ اب سمعان احمد سے بات نہیں کرنی۔ کبھی کوئی خوش فہمی نہیں پالنی سمعان کی کسی بات پر دھیان نہیں دینا۔ اور اب سمعان احمد کی طرف سے موصول ہونے والے اس پیکٹ نے اسے پھر متنفر کر دیا تھا۔

نوشی نے زرش کے تیور بغور ملاحظہ کیے تھے۔

"دیکھو تو سہی کیا بھیجا ہے سمعان بھائی نے۔" وہ صوفے سے اٹھ کر اس کے برابر ہی قالین پر آ بیٹھی تھی۔

"مجھے نہیں دیکھنا۔ مجھے جب ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تو پھر وہ ایسی چیپ حرکتیں بھی کیوں کرتے ہیں۔" وہ غصے سے بولی تو نوشی نے خاموشی سے اس کے غصیلے انداز کو دیکھا۔

"سمعان بھائی کے جذبے جھوٹے نہیں ہیں زرش۔ وہ تمہارے لیے ایک مضبوط پناہ اور باوقار سہارا ہیں۔ اپنے دل میں تھوڑی سی گنجائش تو پیدا کرو۔" اس نے زرش کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"نفرت ہے مجھے ان کے جذبوں سے جنہوں نے مجھے رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ مجھے کوئی سہارا کوئی پناہ نہیں دے سکتے۔ جو اپنی ماں کے الزام کو غلط نہیں باور کروا سکا وہ مجھے کیسے ایک باعزت باوقار زندگی دے سکتا ہے۔ مجھے ان سے کوئی امید کوئی توقع نہیں ہے۔ کچھ نہیں لینا دینا مجھے ان سے۔" زرش کا انداز بے لچک اور ہٹیلا تھا۔ نوشی نے خاموشی سے پیکٹ تھام لیا۔

"دیکھیں تو سہی کیا بھیجا ہے سمعان بھائی نے اپنی زوجہ محترمہ کے لیے۔" زرش کی نظروں کو نظر انداز کر کے اس نے مسکرا کر پیکنگ ہٹائی تھی۔

اندر کوئی گفٹ پیک تھا خوب صورت ریپر میں لپٹا ہوا۔ اس کے اوپر کارڈ رکھا ہوا تھا۔ نوشی نے اسے دیکھتے ہوئے کارڈ اٹھا لیا تھا۔ زرش لب بھینچے دیکھ رہی تھی۔

"تو کھولو۔" اس نے بند کارڈ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے گردن نفی میں ہلا دی۔

"زرش پلیز کھولو تو سہی۔"

"تم کھول لو۔"

"اجازت ہے نا۔ تمہارے میاں کا بھیجا کارڈ ہے پرسنل بھی ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے اندر سے خوشبوؤں سے بھرا کوئی خط وغیرہ نکلے۔ آخر کو تم جیسی ظالم محبوبہ کے شوہر ہیں تمہارے تیوروں سے ڈرتے ہوئے انہوں نے شاید کارڈ کی صورت میں اظہار محبت کیا ہو۔" نوشی کی شرارت بھری چھیڑ چھاڑ پر وہ ٹھس سی بیٹھی رہی۔

"ہائے حسرت ان غنچوں پہ۔" ایک مصنوعی سانس کھینچتے نوشی نے کارڈ کا ریپر پھاڑ دیا تھا۔ اندر سے ننھا پیارا کارڈ نکلا تھا۔ سرخ گلابوں سے سجا "آئی مس یو" کا بڑا زبردست کارڈ تھا۔ زرش کی نگاہیں بھی کارڈ پر ہی تھیں۔ نوشی نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا اور زیر لب مسکرا دی۔ کارڈ کھولا تو اندر گلابی صفحہ پر لکھا ہوا تھا۔

"ہوں.....ہوں۔" نوشی نے بڑی معنی خیز نظروں سے زرش کو دیکھا۔ پہلی دفعہ زرش کے چہرے پہ

سرخی کی لہر سرایت کرتی گئی تھی۔ تاہم وہ خود کو حس ثابت کیے بیٹھی رہی تھی۔

'' دیکھ لو کچھ پرسنل بھی ہو سکتا ہے۔'' اس نے گلابی صفحہ اس کی طرف بڑھایا۔

'' میرے لیے اس میں کچھ بھی پرسنل نہیں ہے۔ تم پڑھ لو اور بے شک ساری دنیا کو پڑھا دو۔'' وہ نخوت سے گویا تھی۔

نوشی نے ناچار گلابی کاغذ کی تہیں کھولی تھیں۔

'' بڑے برے پھنسے ہیں سمعان بھائی۔'' وہ ہنسی تھی۔

کہیں چاند راتوں میں کھو گیا کہیں چاندنی بھی بھٹک گئی
میں چراغ وہ بھی بجھا ہوا میری رات کیسے چمک گئی

اشعار کی صورت میں بڑا خوب صورت اظہار تھا۔

نوشی نے با آواز بلند دہرایا تو زرش کا دل بڑے عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

مری داستاں کا عروج تھا تری نرم پلکوں کی چھاؤں میں
مرے ساتھ تھا تجھے جاگنا تری آنکھ کیسے چھلک گئی

نوشی کا اشعار پڑھنے کا سلیقہ و انداز اتنا خوب صورت تھا کہ زرش نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ تھی۔

کبھی ہم ملے بھی تو کیا ملے وہی دوریاں وہی فاصلے
نہ کبھی ہمارے قدم بڑھے نہ کبھی تمہاری جھجک گئی

اوئے ہوئے۔'' زرش تو ایسی سرخ ہوئی کہ گویا قندھاری انار ہو۔ اوپر سے نوشی کی والہانہ معنی خیز نگاہوں کا تاثر۔

کبھی اُجلا اُجلا سا نام ہوں کبھی کھویا کھویا کلام ہوں
مجھے صبح کرنوں سے بھر گئی مجھے شام پھولوں سے ڈھک گئی
تجھے بھول جانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں
تری یاد شاخِ گلاب ہے جو ہوا چلی تو لچک گئی

'' سمعان بھائی نے گویا پوری داستانِ محبت سنا ڈالی ہے بزبان شاعری' اپنی ساری کیفیت بیان کر ڈالی ہے۔ ظالم لڑکی کچھ تو ترس کھاؤ ان بیچاروں پر۔ اب وہ اتنے بھی خطاوار نہیں۔ جتنی تم بے قصور ہو۔ وہ بھی اتنے ہی بے قصور ہیں۔ کچھ تو اپنے رویوں پر نظرثانی کرو۔ سوچو' سمجھو اس طرح تو تعلق ٹوٹ جاتے ہیں زری! کشیدگیاں سمت آتی ہے' قربت محبت کو جلا بخشتی ہے' غور تو کرو۔ ان کا قصور صرف محبت کرنا ٹھہرا ہے کیا؟'' زرش کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں کارڈ اور کاغذ دونوں رکھتے ہوئے اس نے کچھ شرارت اور پھر سنجیدگی سے کہا تھا۔

'' تم کچھ نہیں جانتی۔ تم مت بولو انہوں نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔ میں الزام بن کر نہیں جی سکتی تھی تمہیں۔''

سمعان کے جذبوں سے تو وہ بھی گھائل ہو گئی تھی۔ اور وہ ''رات''۔ جیسے اس کے دل میں ٹھہر گئی تھی۔ چوٹ آہستہ آہستہ دل پر لگ رہی تھی۔ بلکہ وہ پگھل رہی تھی۔ ایسی محبت ہو تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں۔ وہ تو ایک حساس سی نرم و نازک جذبات کی مالک لڑکی تھی۔ فوراً پسیجی تھی۔

'' زرش پلیز۔'' نوشی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی ہتھیلیوں میں جکڑ لیے تھے۔

'' اپنے اندر لچک پیدا کرو۔ میری طرف ہی دیکھو۔ ہم دونوں کی شادی ایک ساتھ ہی ہوتی ہے' میں ایڈجسٹ کر رہی ہوں اور تم زرش اس طرح اپنی زندگی ضائع مت کرو۔''

نوشی کے الفاظ پر اس نے اپنا چہرہ جھکاتے ہوئے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

'' اچھا یہ پیکٹ تو کھول اس میں دیکھو کیا ہے۔ سمعان بھائی جیسے نفیس شخص سے خاصی اچھے گفٹ کی ہی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ تم کھولو تو۔'' اس نے زبردستی زرش کے ہاتھ میں ریپر میں لپٹا پیکٹ تھما دیا تھا۔ زرش نے خاموشی سے ریپر اتار دیا تھا۔ اندر سے سرخ مخملیں کیس دیکھ کر اس نے بے اختیار نوشی کو دیکھا۔

'' لگتا ہے سمعان بھائی نے کوئی جیولری بھیجی ہے۔'' اس نے قیاس آرائی کی تھی۔

زرش نے آہستگی سے کیس کھولا تھا۔ اندر سے بہت پیاری جگر جگر کرتے ٹاپس کی جوڑی نظر آئی تھی۔

'' واؤ زبردست۔'' نوشی نے فوراً کیس تھاما تھا۔ '' ہائے اللہ کتنے پیارے ہیں۔ سمعان بھائی کی چوائس ہمیشہ زبردست ہوتی ہے۔'' ٹاپس دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو زرش کو اپنے دل میں عجیب سے احساسات پیدا ہوتے محسوس ہوئے۔ اتنی دور بیٹھے بھی وہ شخص جذبوں سے مالا مال اور وہ......''

'' لاؤ پہناؤں؟'' نوشی نے فوراً ٹاپس انگلیوں میں تھامے تھے۔

'' نہیں رہنے دو۔ وہ جھینپ گئی تھی۔ فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

'' زرش! ہر بات میں انکار اچھا نہیں ہوتا۔ آرام سے پہنانے دو ورنہ میں ماروں گی۔ سمعان بھائی نے نجانے کتنی محبت سے بھیجے ہوں گے۔ ان کی چوائس تو اتنی زبردست اور پرفیکٹ ہوتی ہے کہ رشک آتا ہے۔''

زرش خاموش ہو گئی تھی۔ نوشی نے اس کے کانوں میں ٹاپس پہنا دیے تھے۔ ان ٹاپس نے زرش کے چہرے کو بڑی پیاری لک دی تھی۔

'' زرش! ایمان سے بڑے پیارے لگ رہے ہیں۔ کتنے سج رہے ہیں تمہارے کانوں میں لگتا ہے سمعان بھائی نے اسپیشل تمہارے لیے ہی بنوائے ہیں۔''

زرش کو اپنے رخسار آگ کی مانند دہکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ جتنی بھی نفرت کا اظہار کرتی مگر یہ رشتے اسے ہر بار پسپا ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ خاص طور پر سمعان احمد کے حوالے سے وہ ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنے قدموں میں مضبوط اپنی انا کے حصار میں قید رہنا چاہتی تھی۔

'' زرش! ماما' پاپا کا خیال ہے کہ تمہارے ایگزیمز کے بعد تمہیں سمعان بھائی کے ساتھ ہی اسلام آباد بھیج دیں گے۔ یار! اپنے رویے میں تھوڑی بہت لچک پیدا کرو۔ اس طرح تو بڑی مشکل ہو جائے گی اب سمعان بھائی کا حوالہ ہی تمہاری اصل پہچان ہے۔''

"مگر نوشی میں ایسا نہیں چاہتی۔ میں کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔ تائی خود آ کر اپنے رویوں کی وضاحت کریں گی اپنے الزامات واپس لیں گی تو تب شاید کچھ ممکن ہو' مگر ایسے قطعی نہیں۔ تم نے نہیں سنا مگر میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے یہ لوگ رشتے دار میرے بارے میں کیا کیا گمان کرتے ہیں' کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ یہ رشتا میرے لیے صرف ایک الزام ہے اور کچھ نہیں میری روح زخمی ہوئی ہے۔ میرے احساسات میرے جذبات کا خون ہوا ہے۔ میں کیسے یہ سب سہہ لوں۔ برداشت کر لوں تمہیں نہیں پتا سمعان احمد کا صرف ایک رات ہمارے ہاں رکنا ان کی ماں کو مجھ پر کیچڑ اچھالنے کا کیا نادر موقع فراہم کر گیا تھا اور انہوں نے اپنی ماں کے غلط رویے پر انہیں ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔"

"تمہیں کس نے کہا ہے یہ سب؟" نوشی کے لیے یہ بات نئی تھی۔ اس نے حیران ہو کر زرش کو دیکھا۔

"اسی صبح ان کی والدہ کا فون آیا تھا۔ ان کے موبائل پر وہ باتھ روم میں تھے میں نے کال ریسیو کی تھی اور پھر......"

نوشی بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

"سمعان بھائی کو پتا ہے ان کی امی نے کال کی تھی؟"

"ہوں' انہوں نے سب سنا تھا' بجائے اپنی ماں کو غلط کہنے کے انہوں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ وہ مجھے عزت دینے کی بات کرتے ہیں' مگر اپنی ماں کے لیے ایک بھی غلط لفظ کو "غلط" ثابت نہیں کر سکے۔ ثابت کرنا تو ایک طرف انہوں نے شکوہ تک نہ کیا۔ کہ انہوں نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا ہے؟ تم کیسے کہہ سکتی ہو ان کے ہمراہ اسلام آباد جا کر میں کسی الزام کی زد میں نہ آؤں گی۔ بلکہ ان کا حوالہ یہ رشتہ ہی میرے لیے ایک الزام ہے' اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک جھٹکے میں اس رشتے کو توڑ دوں......"

"زرش......!" نوشی نے دہل کر اسے دیکھا۔ وہ اس قدر بھری بیٹھی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"پلیز مجھ سے اس سلسلے میں بات مت کیا کرو۔ میرے زخم نئے سرے سے تکلیف دینے لگتے ہیں۔ بڑی مشکل سے خود کو جوڑ پائی ہوں۔ کرچی کرچی خود کو جا کر سنبھالا ہے۔ ایسے میں تم لوگ یہ موضوع چھیڑ کر میرے زخموں کو ہوا دیتے ہو۔ کوئی تو ایسا ہو جو مجھے بھی سمجھے۔ میرے موقف کی حمایت کرے۔ میں اس رشتے کو ایسے ہی رہنے دینا چاہتی ہوں۔ بھول نہیں سکتے تم لوگ کہ ہم میں کوئی رشتہ نہیں۔ عام لوگوں کی طرح بھی تو زندگی گزر سکتی ہے نا۔"

نوشی بس خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ زرش غلط نہیں تھی' مگر اب وہ سمجھوتے کی راہ اپنانے کے بجائے ایک ضد پر ڈٹ گئی تھی۔ زرش کے ساتھ جو ہو چکا تھا وہ حق بہ جانب تھی' مگر سمعان بھائی کو ناحق سزا ملے یہ بھی تو ان کا دل گوارہ نہیں کر رہا تھا۔ زرش کی طرف دیکھتے ہوئے نوشی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کیسے سمجھائے کہ وہ حالات کا ادراک کر سکے۔ جو ہونا وہ تو ہو چکا یہ بچے کھچے رشتے کیسے بچانے تھے یہ زرش سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

* * *

سعید احمد فرح کے لیے کوئی مناسب رشتہ دیکھ رہے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے پرانے دوست جلال الدین سے بات کی تھی۔ جلال الدین گزشتہ کئی برسوں سے اپنی فیملی سمیت بیرون ملک مقیم تھے پچھلے سال وہ دوبارہ پاکستان سیٹل ہوئے تھے۔ ان کے تین بچے (دو بیٹیاں اور ایک بیٹا) تھے۔ سمعان کی شادی پر انہوں نے ان کو انوائٹ کیا تھا۔ تب صرف جلال الدین اور ان کی مسز ہی آ سکے تھے۔ سعید احمد نے جب جلال الدین صاحب سے کوئی اچھا اور مناسب رشتہ فرح لیے دکھانے کو کہا تو انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔

گھر جا کر انہوں نے اپنی مسز سے بات کی تھی۔ ان کا بیٹا ولید انٹیلی جنس میں چند ماہ پہلے ہی جاب حاصل کر پایا تھا۔ وہ دونوں بیٹیوں کی شادی کے بعد اب بیٹے کے لیے اچھے سے رشتے کی تلاش میں تھے۔ جلال الدین کی بات سن کر انہوں نے فرح کو دیکھ لینے کا مشورہ کیا تھا۔ جلال الدین صاحب کو بھی یہ بات اچھی لگی تھی۔

دو دن پہلے وہ دونوں میاں بیوی باقاعدہ رشتہ لے کر آئے تھے۔

سعید احمد' ولید سے مل چکے تھے۔ بڑا سلجھا ہوا ذہین نوجوان تھا۔ وہ خاصے متاثر ہوئے تھے اور اب جب ولید کے لیے فرح کی بات چلی تو وہ خاصے خوش ہوئے تھے۔ جلال الدین کی فیملی کو وہ بہت اچھی طرح اور گہرائی سے جانتے تھے۔ بے شک بہت سارا وقت ان لوگوں کا باہر گزرا تھا مگر سعید احمد کے رابطے میں یہ لوگ مسلسل تھے۔

سعید احمد نے دونوں میاں بیوی کو سوچ سمجھ کر جواب دینے کو کہا تھا۔

فرح کے لیے آنے والا یہ پہلا رشتہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے نفیسہ آپا نے سعد کے لیے بات کی تھی۔ وہ دل سے اس رشتے پر راضی بھی تھے' مگر بعد میں جو بھی حالات ہوئے تھے ان کی سوچ یکسر بدلی تھی۔ نبیرہ بیگم نے طاہرہ سے اپنے بیٹے امجد کے لیے بھی بارہا کہا تھا' مگر وہ انکاری تھے۔ خاندان میں ایک دو لوگوں سے اور بھی وقتاً فوقتاً انہیں پوچھا گیا تھا' مگر اب انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ فرح کی شادی خاندان میں نہیں کریں گے۔ اسی سوچ پر کاربند انہوں نے جلال الدین کو کوئی رشتہ دکھانے کو کہا تھا۔ وہ جتنی جلدی ممکن تھا فرح کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ ان کے اور طاہرہ بیگم کے بیچ (ازدواجی) حالات جس نہج پر تھے وہ ان حالات میں فرح کی طرف سے اب تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ خاندان میں رشتہ طے کر لینا اب قطعی ممکن نہ تھا۔ سعد کا زرش کے لیے انکار کرنا اور پھر پس منظر سے فرار اختیار کرنا سعد کی فرح کے لیے پسندیدگی کا علم ہونا (بے شک یہ بات آپا اور ان کی فیملی نے ہر لحاظ سے چھپانے کی کوشش کی تھی' مگر ایک ہی خاندان میں رہتے ہوئے انہیں بھی علم ہو ہی گیا تھا یہ کیسے علم ہوا؟ علیحدہ بات تھی)۔ وہ اب خاندان میں کسی جانب دیکھنے پر تیار نہ تھے۔ طاہرہ بیگم خود بھی الجھ گئی تھیں۔ بے شک جلال الدین صاحب نے رشتے کا ذکر صرف ان دونوں میاں بیوی کے سامنے ہی کیا تھا اور سعید احمد نے سوچ سمجھ کر جواب دینے کا کہا تھا' مگر وہ پریشان ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں نبیرہ آپا کو امجد کے لیے ہامی بھرنا اپنے آپ کو تباہ کرنے والا حال تھا۔

آپا نے جس طرح خاموشی اختیار کی تھی وہ بھی وہیں پڑ گئی تھیں' مگر معراج بھائی بھی اپنے بیٹے نوفل کے لیے کہہ چکے تھے۔ براہ راست سعید احمد سے بات کی تھی مگر اب سعید احمد کا یوں باہر رشتہ دیکھنا انہیں الجھا گیا تھا۔ تاہم وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھیں۔ سمعان کے بعد اب ایسا کوئی اختیار ان کے ہاتھ میں رہا بھی نہیں تھا۔

فرح بے خبر تھی اور انہوں نے اس کے علم میں بات لانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ ابھی تو صرف رشتہ ڈالا گیا تھا بات طے ہونے اور باقی معاملات نمٹانے میں کچھ وقت درکار تھا۔ اچھا تھا فرح آرام و سکون سے ایگزیمز دے لے۔ انہوں نے اسلام آباد عثمان کو فون کر کے رائے مانگی تھی۔ عثمان کو رشتہ مناسب لگا تھا۔ مگر وہ عجلت کے حق میں نہ تھے۔ ان کے خیال میں "خاندان وغیرہ میں بھی دیکھ لیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔" سعید احمد نے زیادہ اہمیت نہ دی تھی مگر جب سمعان احمد سے فون پر بات کی تو سمعان کی بھی یہی رائے تھی۔

"ابو جان! ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟ آرام سے فرح کو اسٹڈی کمپلیٹ کرنے دیں ایک دو سال بعد دیکھ لیں گے اور میرا خیال ہے خاندان سے باہر رشتہ دیکھنا کچھ ضروری تو نہیں۔" سمعان کا اشارہ جس جانب تھا انہیں سمجھنے میں ایک پل بھی نہ لگا تھا۔

"میں خاندان میں رشتہ کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔" انہوں نے دوٹوک کہا تھا۔

"کیوں......؟"

"ہمارے خاندانی حالات جس نہج پر ہیں میں نہیں چاہتا کہ میری اکلوتی بیٹی کسی بھی خاندانی رنجش کی بھینٹ چڑھ جائے۔"

"پھوپھو نے آپ سے سعد کے سلسلے میں بات تو کی تھی نا؟" سمعان نے اصل بات کہہ دینا ضروری سمجھا تھا۔

"ہاں مگر یہ تب کی بات ہے جب زرش کا رشتہ اس سے طے نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک نالائق' مفاد پرست اور بے اعتبار نوجوان ہے۔ جس کے نزدیک اپنے بزرگوں کی عزت بڑوں کے فیصلوں کی کوئی وقعت نہیں' وہ پلٹ بھی آئے تو میں بھی اس سے اپنی بیٹی کا نصیب نہیں جوڑوں گا۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ سمعان احمد خاموش ہو گیا تھا۔

سعد یہ سب کچھ فرح اور اس کے لیے چھوڑ کر گیا تھا' مگر اب اس کی اپنی پوزیشن خراب ہو چکی تھی۔ سمعان احمد کو سمجھ نہ آئی کہ باپ کے سامنے بات کیسے کلیئر کرے' اگر ساری بات کھولتا تو فرح کی ذات بھی ڈسکس ہو جاتی اور سمعان احمد ایسا قطعی نہیں چاہتا تھا۔

"پلیز ابو جی۔ ابھی رہنے دیں۔ فرح بھی شاید ابھی ذہنی طور پر تیار نہ ہو۔ کچھ عرصہ ویٹ کر لیں۔"

"میں اتنا اچھا رشتہ گنوانا نہیں چاہتا۔ تم ولید سے شاید ملے بھی ہو وہ بہت اچھا نوجوان ہے۔ اچھی جاب پر فائز ہے۔ جلال الدین بنک بیلنس والا خاصا اسٹیبلش انسان ہے۔ اقتصادی و اخلاقی دونوں لحاظ سے مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ رکھتا ہے۔ پھر وہ لوگ بڑی چاہ سے مانگ رہے ہیں۔ تم ایک دو دن

یہاں چکر تو لگاؤ پھر تفصیلی بات کرتے ہیں۔"

سعید احمد کے انداز سے واضح اظہار ہو رہا تھا کہ وہ مکمل طور پر اس رشتے پر آمادہ ہیں۔

سعید احمد سے بات کر کے سمعان پریشان ہو گیا تھا۔

سمعان احمد کے ذہن کی اسکرین پر فرح اور سعد کے چہرے گردش کرتے رہے تھے۔ سعد نے اگر ناکردہ الزام ٹھہرایا تھا تو کہیں نہ کہیں وجہ وہ دونوں بھی تو تھے۔ آج زرش ان کا نصیب تھی۔ ان کے جرم سے منسلک ان کی زندگی کا حصہ تھی' اگر سعد یہ قدم نہ اٹھاتا تو زرش آج کہاں ہوتی۔ سعد نے مستقبل کا بھی خیال نہ کیا تھا اور اب سمعان احمد ایسا احسان فراموش بھی نہ تھا کہ سعد کی اس عنایت اور احسان کو بھلا دیتا۔

سعید احمد محض جذباتی ہو رہے تھے مگر انہیں اتنے بڑے فیصلے سے کیسے روکتا تھا۔ سمعان احمد کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

سمعان کا دل چاہ رہا تھا کہ وقت ضائع کیے بغیر وہ امریکا سعد کو کال کریں اس سے رابطہ کریں اور پوچھیں اس کے ذہن میں اب کیا ہے۔ کیا وہ اب بھی فرح کے لیے وہی جذبات رکھتا ہے یا بدل چکا ہے؟"

چند دن پہلے سعد نے کال کی تھی اپنا کونٹیکٹ نمبر لکھوایا تھا۔ بہت سوچ و بچار کے بعد سمعان نے سعد کے نئے نمبر پر رابطہ کیا تھا۔

دوسری طرف سعد تھا۔ سلام دعا اور حال چال دریافت کرنے کے بعد سمعان نے براہ راست پوچھا تھا۔ "سعد تمہارا اب فرح کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"بہت واضح' فرح کے لیے آج کل ایک پروپوزل آیا ہوا ہے۔ ابو مکمل طور پر سنجیدہ ہیں تمہارا مجھ پر ایک بہت احسان ہے شاید اسی لیے تم سے رابطہ کر سکا ہوں۔ تم مجھے اپنی فیلنگز کا واضح اظہار دو تاکہ میں ابو کے سامنے اسٹینڈ لے سکوں۔ میں فرح کو ہر طرح کی خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔ وہ ساری خوشیاں جو ممکن نہیں مگر میں اپنی بہن کو ایک مکمل بھرپور آسودہ حال زندگی گزارتے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سمعان! میں کل بھی فرح کے ساتھ مخلص تھا اور آج بھی' میرے سارے جذبے فرح کے لیے ہی ہیں۔ جہاں اتنا بڑا قدم میں نے تمہاری اور زرش کی بھلائی کے لیے اٹھایا تھا۔ وہاں فرح کا وجود بھی بڑا معاون ثابت ہوا تھا۔ یہ فیصلہ کروانے میں۔ پلیز تم ماموں جان سے بات کرو۔ میں گھر بات کرتا ہوں۔ بے شک سب دل سے تمہاری اور زرش کی شادی کو قبول کر چکے ہیں مگر میرے اٹھائے گئے ایک قدم نے ان سب کو مجھ سے نالاں کر دیا ہے۔ امی ابو ان شاءاللہ مان جائیں گے مگر پلیز مجھے کچھ وقت دو۔"

"وقت نہیں ہے سعد۔"

"میں پاکستان آ جاتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے مگر مجھے نہیں لگتا ابو اب تمہارے لیے راضی ہوں۔"

"تم ماموں سے بات تو کرو۔ یا پھر میں انہیں فون کر لوں۔" وہ حقیقتاً پریشان ہو چکا تھا۔

"نہیں، تم رہنے دو۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ ابو کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن میں کراچی آؤں کل سنڈے ہے سوچ رہا ہوں آج کی ہی ٹکٹ کروا لاؤں گھر جا کر براہ راست ابو سے اچھی طرح بات ہو جائے گی۔ ویسے بھی مجھے یہاں آئے ہفتہ ہو گیا ہے۔" سمعان احمد کے تصور میں ناراض، خفا خفا سی زرش کا سراپا در آیا۔ وہ ان سے اس قدر ناراض تھی کہ ان کی کالز تک ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ اس کی ناراضگی ختم کرنے کو انہوں نے کارڈ اور تحفہ بھی بھیج دیا تھا۔ مگر ہنوز وہی ناراضگی تھی۔

"اسلام آباد ہوتے ہو۔"

"ہوں۔"

"ستارہ سے پتا چلا تھا زرش جذباتی ہو رہی ہے، تم کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لیتے۔"

اس کے مشورے پر سمعان ہنس دیا۔

"بھائی میرے! یہ محبتوں کی بات ہے۔ دوسری طرف وہ کسی جذبے کا اظہار تو کرے مجھے اندازہ تو ہو کہ میرا کوئی اسٹینڈ لینا اس کے خود ساختہ نفرت بھرے احساسات کو مجروح نہیں کراتا تو میں کوئی قدم بھی اٹھاؤں۔ محبت میں دل زبردستی تو نہیں ملتا اس طرح تو زندگی بہت مشکل ہو جائے گی سمعان احمد سے جو بن پڑا میں نے کیا اس جذباتی لڑکی کو سمجھانا اب تمہارا کام ہے۔" لڑکیاں تو ڈال کی طرح نازک ہوتی ہیں۔ جذبات کی ذرا سی آنچ سے پگھل جاتی ہیں تم دونوں کے درمیان تو پھر ایک خوب صورت سا تعلق ہے۔ اپنے تعلق کا استحقاق جتاؤ ورنہ یوں ضد و انا کے جھگڑوں میں لائف برباد ہو جائے گی کیا ماموں اور ممانی جان کی لائف سے تم نے کچھ نہیں سیکھا۔"

سعد کو سخت تشویش ہو رہی تھی۔

"سعد! یہی تو مسئلہ ہے میں اسے اپنی محبت کی شدت سے جیتنا چاہتا ہوں ایسے کہ اسے خود کھنچا آئے میری چاہتوں کا وہ خود اقرار کرے میرے ہونے کا، محبت زبردستی کروانے کا نام کب ہے یار اگر ایسا ہوتا تو شاید امی ابو کی لائف اتنی ڈسٹرب نہ ہوتی۔" یہ ٹاپک تو ان کی زندگی کا ناسور بن چکا ہے سمعان کے لہجے میں آخر میں تلخی سی اتر آئی تھی۔ سعد کو افسوس ہوا۔ اس نے ایسی بات ہی کیوں کی۔

"سوری یار! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔"

"اٹس او کے یار، میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں ان شاء اللہ ابو سے فیصلہ کن بات کروں گا۔ تم بس دعا کرنا۔"

"تھینک یو سو مچ! مجھے آگاہ کرتے رہنا پلیز۔"

"ان شاء اللہ۔ او کے ٹیک کیئر۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

کچھ پل سوچنے کے بعد سمعان نے اپنے سیکریٹری کو فون کر کے آج شام کی ٹکٹ بک کروانے کو کہا تھا۔

* * *

زرش کی ذات کے حوالے سے ہونے والے انکشاف اور پھر سائرہ کی حکایت کردہ باتیں نواز احمد کو لگا وہ اپنی ہی نگاہوں میں گر گئے ہیں۔ زرش ان کی نگاہ کو اچھی لگی تھی۔ ان کے دل کو متاثر کر گئی تھی۔ اور انہوں نے برسوں کی سوچ لمحوں میں طے کی تھی۔

چند پل لگے تھے ایک فیصلہ کرنے میں اور وہ مطمئن بھی تھے۔ اپنے فیصلے پر۔ وہ کوئی وقت پاس نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی کوئی رسک لینا چاہتے تھے اور شاید اسی لیے آناً فاناً دل کی بات زرش کے گوش گزار کر دی تھی جواباً زرش کے انکشاف نے ان کے اندر ندامت کا صحرا اُگا دیا تھا۔

گزشتہ چار دنوں سے ان کی ذات دوہرے عذاب سے دوچار تھی۔ پہلے زرش کی ذات سے متعلق ہونے والے انکشاف پر سائرہ کے بیان کیے گئے حقائق اور زرش کے ساتھ ہونے والے سانحے کا غم تو ایک طرف تھا۔ ان کے دل پر منوں کے حساب سے بوجھ بڑھانے والی ذات "رومینہ" کی تھی۔ وہ ان کی ذات کو طوفان سے روشناس کروا کے خود ایک طرف ہو گئی تھی اور وہ لمحہ بہ لمحہ اپنے ضمیر کی عدالت کے سامنے جواب دہ تھے۔

نویرہ سے لے کر زرش اور پھر رومینہ تک آتا۔ شادی تو انہیں کہیں نہ کہیں کرنا ہی تھی رومینہ ان کی امی کی بھی خواہش تھی، ماموں بھی یہ چاہتے تھے مگر نویرہ سے منگنی کے بعد تو وہ اس ٹاپک کو بھول بھال گئے تھے اور نویرہ سے ہر تعلق توڑنے کے بعد تو انہوں نے خود بخود سوچ لیا تھا کہ ان کا شکست خوردہ وجود بھلا رومینہ کے قابل ہی کہاں ہے۔ درمیان میں زرش کی ذات نے انہیں رومینہ کے وجود سے بھی غافل کر دیا تھا مگر اب گویا ہر منظر روشن ہو چکا تھا۔

"نجانے زرش ان کے بارے میں کیا سوچتی ہو گی؟"

"پتا نہیں وہ انہیں کس نیچر اور فطرت کا انسان گردانتی ہو گی؟"

وہ بڑی اذیت میں کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ذہن کبھی رومینہ کے الفاظ میں کھو جاتا تو کبھی سائرہ کے حقائق میں الجھ جاتا آخر میں اپنی جلد بازی رہ رہ کر یاد آ رہی تھی۔

"مجھے زرش سے معافی ضرور مانگنی چاہیے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ لاعلمی میں ہوا۔ اگر مجھے علم ہوتا تو کیا میں ایسا کوئی گھٹیا قدم اٹھاتا۔ مجھے اس سے بات کر کے معذرت کر لینا چاہیے شاید اسی طرح میرا گلٹ کم ہو جائے۔" پچھلی چار راتوں سے مسلسل سوچتے، جاگتے یہ فیصلہ کیا تھا زرش کا موبائل نمبر انہوں نے

سائرہ سے لیا تھا۔

رات کے نو بج رہے تھے کسی کے ذاتی نمبر پر اس وقت کال کرنا مناسب تو نہ تھا مگر وہ مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سیل سے زرش۔ کا سیل نمبر ملایا تھا۔

"السلام علیکم!" نمبر ملنے پر انہیں زرش کی آواز سنائی دی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیا زرش سے بات ہو سکتی ہے۔"

"جی بول رہی ہوں' مگر آپ کون؟"

"زرش میں نواز فاروق ہوں۔"

"سر آپ؟" دوسری طرف سے وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"زرش! مجھے آپ سے معذرت کرنا تھا' پلیز مائنڈ نہ کیجیے گا میری بات ضرور سن لیجیے گا۔" دوسری طرف سے بڑی عاجزی سے کہا گیا تھا۔

"کہیے سر میں سن رہی ہوں۔" زرش نے بات کرنے کی ہامی بھر لی تو ان کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

* * *

کراچی ائر پورٹ سے ٹیکسی لیتے ہوئے سمعان احمد کے ذہن میں کئی تفکرات نے ڈیرے جما رکھے تھے۔ سعد اور فرح کا معاملہ خاصا سنگین تھا مگر وہ اپنے بعد اپنی بہن وہ بھی چھوٹی عزیز از جان بہن کے جذبات کو کوئی ٹھیس پہنچنے نہیں دینا چاہتے تھے۔

زرش اس صبح سے ان سے ناراض تھی اس کے بعد اس سے ملاقات تو نہ ہو سکی تھی ہاں سمعان نے بار ہا فون کیے تھے۔ ذاتی نمبر پر بھی اور پی ٹی سی ایل پر بھی مگر وہ اس قدر متنفر ہو چکی تھی کہ ان سے سلام دعا کی بھی روادار نہ تھی زرش کی ناراضی وہ بھی بھرپور قسم کی اس کے دل میں رہ رہ کر ضربیں لگا رہی تھی۔

گاڑی سے باہر دیکھتے سمعان احمد نے سوچا کیوں نہ چچا کے گھر کا بھی ایک چکر لگا لے۔ کچھ نہیں تو زرش کی ناراضی و خفگی کی نوعیت و شدت کا ہی اندازہ ہو جائے گا۔

راستے میں فلاور شاپ دیکھ کر سمعان نے گاڑی رکوائی تھی۔ ناراض محبوبہ کو منانے کے لیے پھولوں سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہوتا۔ تھی تو وہ خاصی پتھر دل اور بے حس۔ ان کے یہ چھوٹے چھوٹے التفات بھی اب اس پر کوئی اثر نہیں چھوڑ رہے تھے مگر اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے انہوں نے ریڈ روز کا ایک خوب صورت بکے خریدا تھا۔ جب تک شاپ کیپر نے بکے تیار کرنا تھا سمعان نے شاپ کے دوسری جانب رکھے خوب صورت اور امپورٹڈ گفٹس دیکھنے شروع کر دیے تھے۔

شیشے سے بنا وہ خوب صورت سا تاج محل سمعان احمد کو اپنی نگاہیں اس پر ٹھہرتی محسوس ہوئی تھیں۔

"سر دکھاؤں؟" شاپ کیپر شاید سمعان احمد کی دلچسپی محسوس کر چکا تھا۔ فوراً قریب آیا تھا۔ سمعان نے گردن ہلا دی تو اس نے ریک سے وہ نازک سا تاج محل نکال کر سمعان کے ہاتھوں میں دیا تھا۔

"سر اگر آپ کسی لڑکی کو گفٹ دینا چاہتے ہیں تو بہت موزوں چیز ہے۔ مکمل کانچ سے بنا ہے۔ بہت نازک اور قیمتی بھی۔" کسٹمر کو قائل کرنے کا وہی پرانا انداز تھا سمعان احمد مسکرا دیا۔ "سر لینا ہے یا کوئی اور چیز دکھاؤں؟"

"اسے پیک کر دیں۔" سمعان نے وہ نازک سا پیس لڑکے کو تھما دیا تھا۔ دونوں چیزیں لیے سمعان واپس گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

گاڑی جب چچا کے گھر کے سامنے رکی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ سمعان کا زیادہ دیر ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور سے بات کر کے اسے آدھ گھنٹہ ٹھہرنے کا کہہ کر سمعان باہر نکل آیا تھا۔ چوکیدار باہر ہی تھا سمعان کو دیکھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"السلام علیکم صاحب!" یاسمین اسے لاؤنج میں ہی مل گئی تھی۔ باقی سارے گھر میں خاصی خاموشی تھی۔ سمعان کو تعجب ہوا۔

"وعلیکم السلام بھئی کدھر ہیں سب لوگ؟" سمعان کو کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"صاحب اور بیگم صاحبہ تو نوشی بی بی کے ہاں گئے ہیں۔ بس آنے ہی والے ہیں اور زرش بی بی اپنے کمرے میں ہیں۔"

"نوشی کے ہاں خیریت سے گئے ہیں؟" سمعان کے پوچھنے پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ نوشی اور زرش کی چھیڑ چھاڑ سے اسے بھی علم ہو گیا تھا۔ نوشی ایک رات رہ کر کل واپس گئی تھی اور آج شائستہ اور سعود اباکی خیریت ہی دریافت کرنے گئے تھے۔

"زرش بی بی کو بلاؤں؟"

"رہنے دو میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں۔" سمعان منع کر کے اس کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ ادھ کھلے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ سمعان نے قدم اندر بڑھانا چاہے تھے مگر زرش کے الفاظ نے گویا قدم زمین میں ہی جکڑ لیے تھے۔

"سر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یقین کریں میں نے برا نہیں مانا تھا۔ ہاں شروع میں مجھے برا لگا تھا مگر آپ بھی غلط نہ تھے مجھے جسٹی فائی کرنا چاہیے تھا۔" نجانے وہ کس سے بات کر رہی تھی۔ موضوع کیا تھا سمعان الجھا تھا۔ وہ اسٹڈی ٹیبل کے گرد کرسی پر بیٹھی بڑے اطمینان سے بات کر رہی تھی۔ کھلے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ سبز اور بلو سوٹ میں وہ خاصی دل کش لگ رہی تھی۔ سمعان کی نگاہ اس کے چہرے پر اٹکی تھی۔ مگر وہ سمعان کی موجودگی سے بے خبر موبائل پر بزی تھی۔

"سر میرے ساتھ جو بھی ہوا آپ کے سامنے ہے۔ سر میں اس شادی' اس رشتے کو کبھی قبول نہیں کر پاؤں گی۔ دوسرا میری ذات میرے کردار پر انگلی اٹھی تھی میں بھلا کیسے برداشت کر لیتی۔ سوری سر! تھوڑا ہارش (سخت) ہو گئی تھی۔ کسی کو پروپوزل دینا اتنا بھی معیوب نہیں۔ آپ نے پروپوزل دیا اور مجھے اپنی شادی کا بتا دیا۔ ورنہ یہ تعلق میرے لیے اتنا باعث ذلت ہے کہ میں کسی سے ذکر بھی نہیں کر سکتی۔" وہ سخت رنجیدہ تھی اور اس کے الفاظ سمعان احمد پر کس طرح اثر انداز ہو رہے تھے وہ قطعی

بے خبر تھی۔

"سر! میں آپ کو کبھی ناپسند نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو بہت لائک کرتی ہوں سر! بڑی عزت کرتی ہوں آپ کی، میری ذات آپ کے لیے دکھ کا باعث بنے مجھے یہ گوارا ہی نہیں۔" وہ اب کچھ مسکرا کر رہی تھی۔

"سر! آپ جب چاہیں رابطہ کر سکتے ہیں۔ پرپوزل والی بات دل پر مت لیں۔" وہ اب کے کھل کر ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی ہنسی کی کھنک نے سمعان احمد کے دل کو بڑے عجیب سے انداز میں چھو لیا تھا۔

"بہت کم دنوں میں آپ نے میرے دل و دماغ میں ایسا مقام بنایا ہے، سر آپ ویسے اچھے ہی بھی تو تھے، اگر دوسرا مسئلہ نہ ہوتا تو میں ضرور سوچتی۔" اس کی آواز کی کھنک، لہجے کا اتار چڑھاؤ ایسا تھا کہ سمعان احمد سے اب مزید ضبط نہ ہو سکا تھا۔

"زرش!" سمعان کو خود بھی محسوس ہوا کہ اچانک اس کی آواز میں تلخی و سرد مہری در آئی ہے۔

زرش تو یوں اچھلی گویا اسپرنگ نے اچھال دیا ہو۔ اپنے سامنے سمعان کو دیکھ کر پزل ہو گئی تھی۔

"آپ؟" سمعان احمد کی پکار اور لہجے کے تاثر نے اسے کنفیوز کر دیا تھا۔

"سر! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں، نہیں سر۔ او کے اللہ حافظ۔" اس نے فوراً کال ڈراپ کی تھی۔

"کون تھا؟" سمعان احمد کے انداز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ زرش نے جھٹکے سے سر اٹھا کر سمعان احمد کو دیکھا۔ بڑے سنجیدہ تاثرات میں جس میں سرد مہری کا عنصر غالب تھا، مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"آپ سے مطلب؟" زرش کو گزشتہ ملاقات اور اپنی ناراضگی یاد آئی تو فوراً کہا تھا، مگر سمعان خوشگوار تاثرات لیے متوجہ کب تھا۔ زرش کے جواب نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"شٹ اپ۔" سمعان نے ہاتھ میں پکڑا بیگ اور گفٹ دونوں اسٹڈی ٹیبل پر پٹخ دیے تھے۔ اس افتاد پر زرش حیران رہ گئی۔

"جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔ کس سے بات کر رہی تھیں؟"

"میں آپ کے سامنے کسی بھی عمل کی جواب دہ نہیں ہوں۔ کوئی بھی ہو، آپ سے مطلب؟" وہ بغیر کوئی لحاظ کیے مخاطب تھی۔

"زرش۔" سمعان نے بمشکل خود پر ضبط کیا تھا۔ "تم میری بیوی ہو تم اپنے ہر عمل، ہر بات کے لیے میرے سامنے جواب دہ ہو۔" سمعان احمد کا تحمل ایک دم رخصت ہوا تھا۔ خاصے غصے میں باور کروایا تھا۔ زرش کے لیے ایک تو سمعان احمد سے فوری سامنا اور پھر یہ باز پرس دونوں حیران کن تھے۔ خاص طور پر سمعان کا مشکوک انداز۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ صاف اور واضح الفاظ میں کہیں۔" وہ بھی منٹوں میں آؤٹ آف کنٹرول ہوئی تھی۔

"بولو! صاف اور واضح بات تو یہی کہ کون ہے وہ شخص جس سے اس قدر بے تکلفی ہے کہ بات پرپوزل تک آ پہنچی ہے۔" سمعان احمد کے انداز اور الفاظ نے زرش کو اس قدر حواس باختہ کیا تھا کہ وہ چند پل گم صم کھڑی سمعان احمد کو دیکھے گئی تھی۔

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" زرش کا اپنی ہی آواز لرزش کا شکار محسوس ہوئی۔

"فی الحال تو نہیں مگر وضاحت ضروری ہے۔" سمعان کا وہی بے لچک انداز تھا۔

زرش کو لگا اس کے اعصاب پر کوئی بم پھٹا ہو۔ وضاحت کی ضرورت تو وہاں پڑتی ہے جہاں اعتبار و یقین کا رشتہ نہ ہو۔ کیا سمعان احمد اسے نہیں جانتا تھا؟ کیا سمعان احمد اس کی فطرت اس کے مزاج کے بارے بے خبر تھا؟ اگر ایسا نہیں تھا تو سمعان احمد نے اسے "بے تکلفی" کا یہ طعنہ کیوں دیا تھا۔ وہ ششدر سی کھڑی تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ الٹ پڑی تھی۔

"میں کیوں دوں آپ کو کوئی وضاحت؟ کیا تعلق ہے میرا آپ سے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے میرا تم سے تمہارے رد کرنے یا جھٹلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ تم میرے نکاح میں ہو۔ میں چاہوں تو تمہاری یہ نام نہاد ضد کو پل میں توڑ کر اپنا استحقاق ثابت کر سکتا ہوں۔ کیا تم روک سکتی ہو مجھے میرے کسی عمل سے۔ آخر بیوی ہو میری۔ زور زبردستی سب اختیار میرے پاس ہیں۔" سمعان احمد کے اندر ایک دم اشتعال بڑھا تھا۔ چند قدم بڑھا کے زرش کا بازو تھام کر انتہائی سختی سے کہا تھا۔

زرش تو ہکا بکا رہ گئی۔

آج تو سمعان اس کے سارے خیالات کو باطل ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ خاص طور پر سمعان احمد کا جارحانہ اور مشتعل رویہ دیکھ کر وہ سدھ بدھ کھو بیٹھی تھی۔

"آپ نے ایسا کچھ کیا تو میں جان دے دوں گی۔" آنکھوں میں خوف لیے بے حد گھبرا کر اس نے اس کی سخت فولادی گرفت سے اپنا بازو چھڑوانا چاہا تھا مگر سمعان نے سختی سے اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کی تھی۔

"بتاؤ کون ہے وہ؟" اسے بے حد نزدیک کر کے سمعان نے پوچھا تو وہ رو دی۔

"[illegible] ہو۔ آپ ایسی گھٹیا سوچ بھی رکھتے ہیں میرے بارے میں! میں نہیں بتاؤں گی۔ کم از کم آپ جیسے دوغلے انسان تو نہیں۔ ظاہر کچھ باطن میں کچھ۔ چھوڑیں مجھے۔ ورنہ میں چیخ کر شور مچا دوں گی۔ نکاح نہیں مانتی میں۔ کوئی زبردستی نہیں۔"

"زرش!" سمعان نے نہایت کرختگی سے اسے کندھوں سے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ "یہ تعلق تمہارے لیے ذلت ہے۔ تم کسی سے بھی ذکر نہیں کر سکتی۔ کسی کا پرپوزل دینا تمہارے لیے کوئی معیوب بات نہیں۔ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔ کسی کے لیے تمہاری ذات دکھ کا باعث بنے تمہیں گوارا نہیں۔ ابھی کہہ رہی تھیں اگر ہمارے درمیان میں میری ذات نہ ہو تو تم ضرور سوچتی اس پرپوزل کے متعلق ہے نا یہی تھے

تمہارے الفاظ۔" سمعان نے ایک دم غصے سے کہتے اسے پیچھے دھکیلا تو وہ دیوار سے جا لگی۔ آنکھوں میں کرب سمیٹے بے حد حیرانی لیے سمعان احمد کے اس روپ کو دیکھ رہی تھی۔ جو نا قابل یقین تو تھا ہی نا قابل فہم بھی تھا۔

"آپ چلے جائیں میرے سامنے سے۔ آپ ایسے بھی ہو سکتے ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ہاں یہ سب میں نے کہا ہے۔ کرتی ہوں میں کسی اور کو پسند آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔ آپ اور آپ سے ہر منسلک تعلق میرے لیے صرف باعث ذلت ہے۔ چھٹکارا چاہتی ہوں میں اس تعلق سے آپ سے منسلک ہر تعلق سے۔"

سمعان کے رد عمل نے تو اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ غم و غصے سے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

"زرش۔" سمعان ششدر سا پکار کر رہ گیا۔

"خبردار میرا نام بھی لیا۔ بس ابھی فیصلہ کریں۔ نہیں رکھنا مجھے آپ سے کوئی نام نہاد تعلق۔ جان چھوڑیں میری۔ ختم کریں میری یہ اذیت و ذلت۔" پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

سمعان نہایت بپھر کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

"شٹ اپ۔" سمعان احمد کا بھاری ہاتھ زرش کے چہرے پر اپنے رنگ چھوڑ گیا تھا۔ زرش کے بہتے آنسو ٹھٹھر گئے۔

بے یقینی سے سمعان کو دیکھا۔

یہ دوسرا جھٹکا تھا جو آج سمعان کی طرف سے اس کو لگا تھا۔

اس پر یقین کی حد تک اعتماد کرنے والا سب سے پہلے اس پر انگلی اٹھائے کھڑا تھا۔

اس کے ہر ناز و انداز برداشت کرنے والا اس پر سب سے پہلے ہاتھ اٹھانے والا تھا۔

وہ چہرے پر ہاتھ رکھے ششدر تھی۔

یہ اس کے گمان کی غلطی نہ تھی نہایت سفاک حقیقت تھی۔

"آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" وہ ابھی بھی بے یقین تھی بلکہ یقین کرنے میں تامل ہوا تھا کہ خواب ہے یا حقیقت۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔ آئندہ ایسی بات کی تو میں تمہاری جان بھی لے لوں گا۔" سمعان کے انداز میں ذرا نرمی و ملائمت نہ تھی۔

"آپ چلے جائیں یہاں سے آئی ہیٹ یو۔ چلے جائیں یہاں سے۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اس کے سمعان احمد سے متعلق سارے گمان بھربھری ریت کی مانند ثابت ہوئے تھے۔ سمعان نے لب بھینچے ایک دو پل کھڑے اسے دیکھا اور پھر طوفانی رفتار سے باہر نکلا تھا۔

زرش ٹوٹے ہوئے شہتیر کی طرح قالین پر گر کے بلک اٹھی تھی۔

* * *

شائستہ بیگم اور مسعود احمد کی واپسی تک نجانے کیسے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا ورنہ جھٹکا ایسا تھا کہ لگ رہا تھا آج زندگی کی آخری رات ہے۔

وہ اذیت سے بھری طویل رات۔

ایسی اذیت۔

ایسی ذلت۔

ایسی بے اعتباری۔

اس کا مر جانے کو جی چاہ رہا تھا۔

اس کا دماغ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔

وہ ساری رات نہیں سو پائی تھی۔

سمعان احمد نے اسے چوٹ ہی ایسی لگائی تھی کہ اسے رہ رہ کر درد اٹھ رہا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ وہ قالین پہ بیٹھے بیٹھے نیر بہاتے تھک گئی تھی مگر ذہنی کنڈیشن اس نکتے پہ تھی جہاں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ رہ رہ کر سمعان احمد کا رویہ یاد آ رہا تھا۔

اس کی نظر اسٹڈی ٹیبل پہ پڑے بکے اور گفٹ پہ پڑی تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ کتنی چھوٹی سی بات تھی بظاہر کچھ بھی نہ تھا۔ سرنواز نے اس سے معافی مانگ کر اپنے رویوں کی صرف وضاحت کی تھی اور اس کی شادی کے حالات کو ڈسکس کیا تھا۔ آخری الفاظ تو اس نے ان کی شرمندگی کم کرنے کو مذاق میں کہے تھے اور سمعان احمد ان کو اپنے انداز میں لے گا اس کے تصور میں بھی یہ سچویشن نہیں تھی۔

بکے میں سجے ریڈ روز بظاہر جذبات کی عکاسی کر رہے تھے مگر زرش کو لگ رہا تھا کہ وہ بھی سمعان احمد کے ساتھ مل کر اس کی بے بسی پر ہنس رہے ہیں۔ زرش نے نہایت اشتعال میں سارے پھول مسل ڈالے تھے۔ پتی پتی بکھیر دی تھی۔ اس پر تو جنون سوار تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آج رات ہی طاہرہ بیگم نے اس کی ذات کو سنگسار کیا ہے۔

سمعان چند لمحے پہلے اس کی ذات کو تماشا بنا گیا ہے۔

ساری دنیا اس پر ہنس رہی ہے تضحیک بھرے جملے اچھال رہی ہے۔ پتھر اٹھائے کھڑی یہ دنیا اسے سنگسار کرنے کو تھی۔

بڑے برے انداز میں اس نے گفٹ کا ریپر پھاڑا تھا۔

اندر سے نکلنے والا نہایت خوب صورت کرسٹل کا "تاج محل" دیکھ کر اس کے جذبات نے عجب سا وحشیانہ روپ دھارا تھا۔

اس نے بلوریں (کانچ) نازک محبت کی نشانی کھینچ کر دیوار پر دے مارا تھا۔

چھن کی آواز کے ساتھ کانچ کے ٹکڑے قالین پر بکھرتے چلے گئے تھے۔

"آپ نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔" رات کی خاموشی میں اسے اپنی سرگوشی سنائی دی تو اپنے رخسار پہ بے اختیار ہاتھ رکھ لیا۔

ہر طرف سسکیاں بکھر گئی تھیں۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔ آئندہ ایسی بات کی تو میں تمہاری جان بھی لے لوں گا۔" کیسی بے رحم جذبات سے عاری آواز تھی۔ وہ بلک بلک کر سسک اٹھی۔ سمعان کا یہ روپ کتنا اذیت ناک تھا۔ یہ وہ سمعان احمد تو نہ تھا۔ جس سے برسوں کی شناسائی تھی۔

"آپ میری جان کیا لیں گے۔ میں ایسی ذلت بھری زندگی خود بھی نہیں جینا چاہتی۔ آج آپ الزام لگا رہے ہیں کل کو آپ اور نجانے کیا کریں گے۔ نہیں رکھنا سمعان احمد مجھے آپ سے کوئی تعلق۔" اردگرد بکھرے کانچ کے ٹکڑے دیکھتے وہ انتہائی جذباتی ہو رہی تھی۔ نجانے ذہن کس خیال میں تھا کہ اس نے انتہائی باریک کانچ کا ایک بڑا سا ٹکڑا تھام لیا تھا۔

"میں ساری دنیا کا الزام سہہ سکتی ہوں مگر سمعان آپ کا نہیں۔ مجھے واقعی مر جانا چاہیے۔" تیز دھار اپنی بائیں کلائی پر چبھونے اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلی تھیں مگر وہ دانت تلے ہونٹ جمائے ضبط کی آخری منزل پر کھڑی تھی۔ اس کی کلائی سے خون کی پھوار پھوٹ پڑی تھی اور وہ بے حس و حرکت بیٹھی بھل بھل بہتے خون کو دیکھ رہی تھی۔

* * *

آج بہت دنوں بعد وہ رات کے اس پہر اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ ورنہ وہ تو اپنے اندر سے اس قدر خوف زدہ تھی کہ کمرے کی چار دیواری میں خود کو مقید کر بیٹھی تھی۔ دل ہی نہیں چاہتا تھا کچھ کرنے کو۔ کسی سمت رخ کرنے کو۔

جب سے اس ایک شخص سے ناتا جڑا تھا لگتا تھا کہ زندگی قیامت بن گئی ہے۔ ہر لمحہ اذیت سے پر تھا۔ ہر آن قیامت کی گھڑی تھی اسے تو اب رضا حمید سے خوف آنے لگا تھا۔ اس کی اپنی فطرت کی ساری وحشت و جذباتی پن رضا حمید کی وحشتوں کی نذر ہو کر دم توڑ چکا تھا۔

یہ کیسی رسم دنیا تھی

لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھے بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے وہ اپنی انگلی میں موجود رنگ کو گھورے جا رہی تھی۔

حمید صاحب نے باپ ہونے کا مزاج حاصل کیا تھا۔ زبیدہ بیگم جیسی صابر و قانع عورت کی روح کو مسمار کرتے ہوئے یہ وہ تو صرف ضدی تھی۔

ضد تو صرف رضا حمید سے تھی۔

محبت جس سے ہو اس سے ضد کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ اپنی ذات منوانے اپنی محبت باور کروانے کو بھی جی چاہتا ہے مگر رضا ایسے جذبوں کو بھلا کہاں سمجھنے والا تھا۔

وہ صرف اس پر ایک نظر کرم کر لیتا تو وہ پتھر سے موم ہو جاتی اس کے ایک لفظ پر اپنا آپ نچھاور کر دیتی مگر اس نے ضد کی تو وہ انتہائی حد تک چلا گیا تھا۔ وہ غلط تھی مگر رضا حمید نے غلط ہونے کی حد کر دی تھی۔

نتیجہ کیا نکلا تھا۔

نویرہ کا گھر برباد ہوا تھا۔

رضا کے دل میں کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اگر جانتی تو کبھی لفظ منہ سے نہ نکالتی۔ اس نے تو شارق سے بھی معافی مانگ لی تھی۔ نویرہ دوبارہ اس گھر میں چلی گئی تھی مگر وہ اپنے مرکز پر نہ آسکی تھی۔ اس کی اس جذباتی فطرت نے کتنے لوگوں کو کتنا نقصان پہنچایا تھا۔

وہ روز اپنا محاسبہ کرتی تھی۔ نویرہ ان کی منگنی کی تقریب میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ اس نے سوچا تھا ایک دفعہ سامنے آئے گی تو اپنے کیے کی معافی مانگ لے گی مگر وہ سامنے کیا آتی وہ سرے سے تقریب میں ہی شریک نہیں ہوئی تھی۔

شارق برہان بھی نہیں آ رہا تھا اور اس کا احساس گناہ بڑھتا چلا گیا تھا۔ خود سے نویرہ کے گھر جانے کی ہمت ہی نہ تھی۔

وہ کس منہ سے اس کے پاس جاتی؟ کن لفظوں سے اپنی غلطی (سنگین غلطی) تسلیم کرتی؟ کیسے رضا کے قصور اپنے کھاتے میں ڈالتی؟

وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا سب اپنے کمروں میں شاید سو گئے تھے۔ کھٹکے کی آواز پر اس نے اپنا جھکا سر اٹھایا۔ رضا حمید کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ساکت ہوئی تھی۔ رضا اب جن نظروں سے دیکھ رہا تھا اسے لگا اس کی رگوں میں خون جم گیا ہے۔ وہ تو حتی المقدور کوشش کرتی تھی کہ رضا حمید سے سامنا نہ ہو۔ وہ گھر آتا تھا وہ کمرے کی چار دیواری میں بند ہو جاتی تھی۔ آج کئی دنوں بعد وہ نظر بھی آیا تو وہی نفرت زدہ نگاہیں لیے کھڑا تھا۔

وہ فوراً صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹی وی آف کرتے ہوئے اس کا ارادہ اپنے کمرے کی طرف جانے کا تھا۔ وہ دہلیز پر کھڑا تھا۔ اس کے قریب سے گزر کر باہر جانا تھا وہ جیسے ہی دہلیز سے گزری تھی۔ رضا نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سامنے جھٹکے سے کر لیا تھا۔ وہ اس جھٹکے کے لیے تیار نہ تھی۔ ایک دم اس کا دوسرا بازو تھام کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"اتنی تو ہمت تم میں ہونی چاہیے کہ میرا سامنا کر سکو۔ چوروں کی طرح یوں چھپ کیوں رہی ہو؟"

اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لہجے میں بھی ایسا پتھریلا پن تھا کہ رمشاء خوف سے لرز کر رہ گئی۔

"پلیز مجھے جانے دو۔" اس کی آنکھوں کی سرد مہری سے اسے اپنے اعصاب ٹھٹھرتے محسوس ہو رہے تھے۔

"اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھی ہو۔ بڑے دعوے کیے تھے تم نے۔ کہاں گئے تمہارے وہ دعوے؟ کہاں گئی تمہاری وہ تیزی و طراری؟ تم تو نویرہ احسان کو برباد کرنا چاہتی تھی جو کام تم کرنا چاہتی تھی۔ وہ میں نے کر دیا تو اب کس بات کا غم ہے تمہیں۔ بولو جواب دو۔" اس پر چیختا برستا رضا حمید رات کے اس پہر اسے کسی آسیب کی مانند ہی محسوس ہوا تھا۔ رمشاء کا خوف دو چند ہوا تھا۔

"رضا پلیز جانے دو۔" اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑاتے کی اس نے بڑی کوشش کی تھی مگر قطعی

بے سود تھا۔ نجانے وہ کیا ارادہ کیے ہوئے تھا۔

"رضا۔"

"بڑا شوق ہے مجھے حاصل کرنے کا۔ ہیں بولو۔" وہ اس کی طرف جھکا تھا۔ وہ فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

"نہیں۔" رضا کے تیور ایسے تھے کہ اسے اپنی جان جاتی محسوس ہوئی تھی۔

"اچھا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ "بڑی جلدی ہمت ہار گئی۔ محبت کے تو بڑے دعوے تھے۔" خوف سے بہتے آنسوؤں پر نگاہ جمائے دوسرے ہاتھ کی انگلی سے آنسو چھوا تو وہ لرز کر رہ گئی۔ اس کے سارے آنسو ٹھٹھر گئے تھے۔

"دنیا میں بے بس اور ذلیل ہوا ہوں۔ تمہیں بھی اتنا ہی ذلیل کروں گا میں نویرہ کی نظروں سے گرا ہوں تو تم کیسے پرسکون رہ سکتی ہو۔ میرے اندر تم نے ایک آگ بھڑکا دی ہے۔ تمہارے لیے مرد کی انا کو چھیڑنا بڑا تسکین طلب کام ہے اب کیوں چپ ہو۔ اب بھی میرا تماشا دیکھو۔ جس میں چنگاری ڈال کر تماشا دیکھنے کا تمہیں تو بڑا شوق ہے۔"

وہ جی بھر کر ذلیل کر رہا تھا رمشاء کی برداشت بس یہیں تک تھی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔ اپنے حصے کی غلطیاں میرے نام کیوں لکھتے ہو۔ میں صرف غصہ کرتی تھی یا دھمکیاں دیتی تھی آج تک نویرہ کو جا کر نہیں بتایا تھا کہ تم اصل میں کیا ہو جو بھی کیا تم نے خود کیا۔ اپنے ہر فعل کے ذمہ دار تم خود اپنے ضمیر کے سامنے ہو۔ مجھے الزام دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ نفرت کرتی ہوں میں تم سے اور اس نام نہاد رشتے سے۔ تم جیسے انسان کو قبول کرنا اپنے آپ کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔ لعنت بھیجتی ہوں میں اپنے جذبوں پر۔" رمشاء کو خود بھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ رضا کے سامنے یہ الفاظ ادا کر رہی ہے۔

"شٹ اپ۔" ایک بھرپور تھپڑ اس کے چہرے کی زینت بن گیا تھا۔

"میں برباد کر دوں گا تمہیں۔ اپنی صورت سے بھی وحشت ہونے لگے گی تمہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ میرے ماں باپ مجھ پر دباؤ ڈال کر تمہاری ذات مجھ سے منوا لیں گے۔ تھوکتا بھی نہیں ہوں میں تم پہ۔ اپنے ایک ایک پل اپنی لمحہ لمحہ کی اذیت کا حساب لوں گا تم سے۔"

رمشاء کے بولنے نے اسے ایک دم آؤٹ کیا تھا۔

رمشاء نے آنسو بہاتے اسے دیکھا۔ جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنا بازو نکال دیا۔

"تم گھٹیا انسان ہو۔ جسے صرف اپنے احساسات کی پروا ہے۔ جس کے دل و دماغ پر اپنے جذبات اس قدر حاوی ہیں کہ کسی کی عزت، بے عزتی کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا۔ میں نہیں جانتی تم نے نویرہ کو اتنا بدنام کیوں کیا مگر مجھے اتنا یقین ہے میری ذات اس فعل میں انوالو نہیں ہے۔ شارق زمان سے تمہیں ایسی کیا پرخاش تھی کہ تم نے یہ گھٹیا کھیل کھیلا۔ مگر اتنا جانتی ہوں پچھتاؤ گے تم۔ سب سے معافیاں مانگو گے مگر کوئی معاف کرنے والا نہیں ہوگا۔"

غصے سے کہتے وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آ کر دروازہ لاک کرتے ہی بستر پر گر گئی تھی۔

پچھتاوا ہونے لگا کہ وہ کیوں باہر نکلی تھی۔ خوامخواہ اس بدتمیز جنگلی سے الجھ بیٹھی تھی۔ جسے کا کوئی پاس نہیں تھا۔ جس کے لیے صرف اپنے جذبات اہم تھے۔

……

بہت رونے سے اسے اپنی جذباتیت پر پچھتاوا ہوا تھا۔ فجر کے قریب شائستہ بیگم کی آنکھ کھلی عموماً فجر کے قریب اُٹھ جاتی تھیں مگر آج آذان کے قریب ہی آنکھ کھل گئی تھی۔ دوبارہ سونے کو دل نہیں چاہا۔

سعود احمد سو رہے تھے انہوں نے واش روم میں جا کر وضو کیا تھا۔ سعود احمد کی نیند خراب نہ ہو وہ نماز کے لیے اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں۔ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے ان کی نگاہ زرش کے کمرے کی طرف اُٹھی تھی لائٹس آن دیکھ کر ان کے قدم رُکے تھے۔

اب سے زرش کی ڈیٹ شیٹ آئی تھی وہ رات گئے تک پڑھتی تھی وہ لاؤنج کی طرف جانے کے بجائے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں۔ دروازہ بند تھا انہوں نے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا تو دروازہ کھلتا گیا۔ کمرہ روشن تھا انہوں نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تھا ان کی آنکھیں اندر کا منظر دیکھ کر پھٹی پڑی تھیں۔

"زرش۔" ان کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی۔ قالین پر زرش کا بکھرا بے جان وجود انہیں ڈرا گیا اس کی کلائی سے بہتا خون قالین پہ جم چکا تھا اور گردو قالین پہ بکھری پھولوں کی پتیاں اور کانچ۔

"زرش۔" انہوں نے بھاگ کر اسے سیدھا کیا تھا۔

"زرش... ہوش میں آؤ...... زرش کیا ہوا ہے؟" انہوں نے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ مگر زرش کے وجود میں زندگی کے کوئی آثار نہ تھے یا شاید انہیں ہی ایسا لگا تھا۔ ان کا دل ڈوبنے لگا۔

"سعود...... سعود......" انہوں نے آوازیں دیں، مگر بے سود تھا وہ الٹے قدموں واپس کمرے کی طرف بھاگی تھیں۔ "سعود اٹھیں...... سعود! دیکھیں کیا ہو گیا ہے...... سعود۔" شائستہ بیگم نے انہیں جھنجوڑ ڈالا۔

سعود احمد فوراً اٹھے تھے۔

"کیا ہوا ہے شائستہ؟" روتی بلکتی بیوی کو دیکھ کر وہ کچھ نہ سمجھ پائے تھے۔

"زرش...... زرش کو دیکھیں۔ اسے کچھ ہو گیا ہے۔ وہ ہوش میں نہیں ہے......"

"کیا...؟" وہ تیزی سے زرش کے کمرے میں آئے تھے۔ زرش کو دیکھ کر وہ بھی لرز گئے تھے۔

"یہ کیسے ہوا ہے...... کب......؟"

"پتا نہیں میں تو ابھی نماز پڑھنے نکلی تھی۔"

انہوں نے زرش کو ہلایا جلایا مگر کوئی فائدہ نہ تھا۔

"کچھ کریں...... یہ مر جائے گی...... یہ ہل نہیں رہی...... اس کی سانس بھی نہیں چل رہی۔ خدا کے لیے اسے اسپتال لے چلیں۔" کبھی بیٹی کو جھنجوڑتے کبھی شوہر کو دیکھتے وہ بلکتی تھیں۔

"میں گاڑی نکالتا ہوں۔"

وہ فوراً باہر نکل گئے تھے۔

شائستہ نے زرش کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کا منہ چوما تھا۔ اس میں زندگی کی کوئی حرارت نہ تھی بے حس و حرکت تھی۔ پتا نہیں سانس بھی جسم میں تھی کہ نہیں۔ انہیں پندرہ منٹ لگے تھے اسپتال پہنچنے میں۔ خون اتنا بہہ چکا تھا کہ وہ دونوں میاں بیوی خود بھی نہیں جانتے تھے کہ زرش کے وجود میں سانس باقی بھی ہے یا نہیں۔ پرائیویٹ اسپتال تھا' زرش کو فوراً ایمرجنسی روم میں منتقل کیا گیا تھا۔

"سعود اس نے ایسا کیوں کیا...... وہ بچ جائے گی نا......؟" شائستہ کا سارا ضبط کھو گیا تھا۔ بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر وہ بکھر گئی تھیں جبکہ سعود احمد خود کو سنبھالے ہوئے تھے۔ بیوی کی تسلی کو ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر خود ڈاکٹروں کی طرف بڑھ گئے تھے۔

ڈاکٹر ظفر نائٹ ڈیوٹی کے بعد گھر جا رہے تھے دونوں میاں بیوی کو ایمرجنسی وارڈ میں دیکھ کر رک گئے تھے۔ فوراً سعود احمد کی طرف بڑھے تھے۔

"کیا ہوا خیریت...... کون ایڈمٹ ہے؟"

"زرش......"

"کیوں......؟" ڈاکٹر ظفر بے اختیار چونکا تھا۔

سعود کے لب بھینچ گئے تو شائستہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"تم ڈاکٹر سے پتا کرو کہ کیا کنڈیشن ہے؟"

"میں دیکھتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ حوصلہ کریں۔" وہ فوراً روم کی طرف بڑھے تھے چونکہ ڈاکٹر تھے سو ایمرجنسی روم میں چلے گئے تھے۔

کچھ دیر بعد روم سے باہر آئے تو چہرے پر خاصی تشویش تھی۔

"بلیڈنگ بہت ہو چکی ہے...... اسپتال سے متبادل گروپ نہیں مل رہا۔ خون کا بندوبست کرنا ہوگا۔"

"وقار اور علی کا گروپ ملتا ہے زرش سے' ان کو بلوا لیں۔" شائستہ نے فوراً کہا تو انہوں نے سر ہلایا۔

"انکل جلدی کریں...... سمعان کو اطلاع دی؟" ڈاکٹر ظفر جاتے جاتے پلٹے۔

"کسی کو بھی اطلاع نہیں دی۔"

"انکل! جلدی سے ان لوگوں کو بلوائیں۔ فوری خون چاہیے۔" وہ کہہ کر واپس روم میں چلے گئے تھے۔

سعود احمد نے خود پر ضبط کرتے وقار کے نمبر پر کال کی تھی اسے مختصراً بتا کر حادثے کو پریشان نہ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے بلا لیا تھا۔

اب ان کی انگلیاں سعید احمد کے گھر کے نمبرز ڈائل کر رہی تھیں۔

فرح نماز پڑھ کر کمرے سے نکلی تو دل بوجھل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے علی کے کمرے میں جھانکا تو دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا ہوا تھا۔ طاہرہ شاید اٹھ گئی تھیں مگر باہر نہیں نکلی تھیں ابھی تک۔ سمعان؟

خاصی سنجیدہ صورت لیے۔ سب سمعان کو اچانک دیکھ کر خوش ہوئے تھے مگر سمعان کے [illegible] کوئی خوشی نہ تھی۔ کھانا کھا کر کچھ وقت سب کے پاس بیٹھ کر سمعان اپنے کمرے میں چلا گیا [illegible] گئے جب فرح اسٹڈی سے فارغ ہو کر سونے کو پہنچی تھی تو اپنی کھڑکی سے سمعان کے کمرے [illegible] دیکھی تھی۔ دل چاہا کہ وہ جا کر دیکھے سمعان کیا کر رہا ہے مگر پھر سمعان کو ڈسٹرب کرنے [illegible] کے وہ لیٹ گئی تھی۔ الارم سیٹ کر کے سوئی تھی سو جلدی اٹھ گئی تھی تب بھی کھڑکی سے جھانکا [illegible] تھی اسے اب حیرت ہوئی تھی پھر خیال آیا کہ شاید سمعان لائٹ آف کیے بغیر ہی سو گئے [illegible]

نماز پڑھ کر وہ اب باہر نکلی تھی ارادہ سمعان کے کمرے میں جانے کا تھا کہ فون کی بیل نے اسے اپنی [illegible] متوجہ کر لیا تھا۔ پی ٹی سی ایل پہ آنے والا نمبر جانا پہچانا سا تھا۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام...... فرح بیٹی......؟" دوسری طرف چچا جان تھے' اسے حیرت ہوئی عرصے بعد ان کی آواز اپنے گھر میں کھڑی سن رہی تھی۔ شاید برسوں بعد۔

"جی چچا جان۔"

"علی کہاں ہے؟"

"وہ تو سو رہا ہے۔"

"اس کو کہو فوراً ڈاکٹر ظفر والے اسپتال پہنچے بہت جلدی اور اپنے ابو کو بھی اطلاع دے دینا۔ زرش کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔"

"کیا......" فرح تو حیران رہ گئی تھی۔

"اسے کہنا جلدی آئے...... علی کا بلڈ گروپ زرش سے میچ کرتا ہے اور ہمیں بلڈ کی اشد ضرورت [illegible]"

وہ یہ کہہ کر فون بند کر چکے تھے اور فرح کو لگا جیسے اس نے کوئی بھیانک خبر سن لی ہو' فوراً بھاگی تھی۔

"علی اٹھو...... جلدی کرو۔" وہ حواس باختہ سی تھی۔ اس کی آواز میں نجانے کیا تاثر تھا کہ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"زرش کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ اسپتال میں ہے چچا جان نے تمہیں بلایا ہے شاید بلڈ کی ضرورت ہے۔"

"کیا......" وہ فوراً بستر سے اٹھا تھا۔ "کیا ہوا ہے زرش کو؟"

"مجھے صرف اتنا ہی بتایا ہے انہوں نے۔ تم فوراً نکلو میں ابو اور سمعان بھائی کو بتاتی ہوں۔" وہ [illegible] بھاگی تھی۔

اگلے چند لمحوں میں سارے گھر والے حواس باختہ سے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے حتیٰ کہ طاہرہ

"زرش اسپتال میں ہے چچا کا فون آیا ہے' بلڈ کی ضرورت ہے علی کو بلوایا ہے۔" فرح کے منہ سے نکلنے والے یہ الفاظ سن کر ہی سمعان کو اپنا دل لرزتا محسوس ہوا۔

"زرش کو کیا ہوا ہے؟" سمعان کا ذہن الجھا تھا۔

"پتا نہیں......"

رات زرش کا جو ردعمل تھا اور اپنا جو رویہ تھا وہ فوراً یاد آیا۔ رات سے سمعان ڈسٹرب تھا۔ زرش نے پتا نہیں کیوں وہ سب کہہ دیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ زرش پر اعتبار نہیں تھا یا وہ اس پر کوئی شک کر رہا تھا مگر زرش کے منہ سے وہ الفاظ سن کر ان کو حقیقتاً تکلیف ہوئی تھی۔ غصے میں وہ سب کچھ کہہ دیا تھا جو سمعان کی طبیعت و فطرت کو زیب نہیں دیتا تھا اور جواباً زرش کا ردعمل۔ انہوں نے زرش پر ہاتھ اٹھایا تو رہ رہ کر اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ تو انتہائی حالت میں بھی اپنے جذبات پر کنٹرول کرنے کا ہنر رکھتے تھے تو پھر ان لمحات میں اتنا جذباتی رویہ کیوں "شو" کر دیا تھا۔ رہ رہ کر اپنے رویے اور الفاظ انداز پر تاسف ہو رہا تھا۔

زرش کا رونا' بے یقین نظروں سے ان کو دیکھنا۔ سمعان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت کا پہیہ الٹا دیں اور سب کچھ نارمل ہو جائے اور اب یہ اطلاع۔ سمعان کو رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس حد تک ان کے رویے کی وجہ سے پہنچی ہے۔

ساری رات الجھے شرمندہ ہوتے گزری تھی ایک پل کو بھی آنکھ نہیں لگی تھی اور اب یہ اطلاع۔

ان لوگوں کو وہاں پہنچنے میں تھوڑی دیر ہی لگی تھی۔ علی پہلے ہی بائیک لے کر نکل گیا تھا۔ وہ' سعید احمد اور فرح اکٹھے اسپتال پہنچے تھے۔

وہاں اسپتال میں وقار بھائی' جمال ماموں اور شائستہ کے علاوہ نڈھال سے شب خوابی کے لباس میں ملبوس مسعود احمد کھڑے تھے۔

"السلام علیکم......" سمعان کو دیکھ کر وہ سب چونکے تھے مگر کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ سعید احمد نے بھائی کو سہارا دیا تو وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

سمعان نے آگے بڑھ کر چچی کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

"سمعان' دعا کرو وہ بچ جائے۔ خون بہت بہہ چکا ہے۔ ڈاکٹر بہت نا اُمید ہیں۔ دعا کرو میری بچی بچ جائے۔"

ان کے آنسو سمعان احمد کے سینے پر آگ کے شعلوں کی مانند دہک رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔" سمعان نے بڑے ضبط سے کہا تھا۔

"ہوا کیا تھا؟" چچی جان کو پانی پلا کر بینچ پر بٹھاتے پوچھا تو انہوں نے سمعان کو دیکھا۔

"پتا نہیں...... کل ہم نوشی کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ رات گئے لوٹے تو وہ اپنے کمرے میں تھی وہ سو رہی تھی۔ میں دیکھ کر سونے چلی گئی تھی۔ صبح نماز پڑھنے اٹھی تھی۔ اس کے کمرے میں دیکھا تو بے حس پڑی ہوئی تھی۔ چاروں طرف خون جما ہوا تھا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں اس نے اپنی (کلائی) کاٹی ہے۔

انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ کس چیز کی کمی آنے دی ہے ہم نے اسے۔ جو کہتی ہے ہم مان رہے ہیں۔ اس نے ایسا قدم کیوں اُٹھایا کم از کم ہمارا خیال ہی کر لیتی' اپنے باپ کو ہی دیکھ لیتی' کیسے سانسیں ان کے سینے میں گھٹ گھٹ کر چل رہی ہیں۔"

سمعان کو اپنا ذہن خالی ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے جذباتیت میں اتنا بڑا قدم اُٹھایا تھا۔ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرنا آسان تھا کیا؟ وہ جذباتیت میں اتنا بڑا قدم اُٹھا لے گی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اور اس کے اس اقدام کا ذمہ دار کون ہے؟" سمعان نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ اچانک آنسو بہاتی شائستہ کو کچھ یاد آیا تھا۔

"تم کب آئے تھے؟"

"رات کو ہی آیا تھا۔" انہوں نے سمعان کے چہرے کو دیکھا تو اس نے سر جھکا لیا۔ کچھ خاص بات تھی اس چہرے میں' وہ چونک گئیں۔

"تم رات گھر آئے تھے؟" انہیں زرش کے کمرے میں بکھرے پھول اور چوڑیاں یاد آ گئیں تو سمعان سے پوچھا۔

"جی......" گویا اعتراف جرم ہوا تھا۔

"کیا تمہاری زرش سے کوئی بات ہوئی تھی۔ وہ شام تک تو بالکل ٹھیک تھی' خوش تھی۔ کیا تم دونوں کا کوئی جھگڑا ہوا تھا؟" ان کا دل انجانے وسوسوں سے ہول رہا تھا۔

سمعان نے سختی سے لب بھینچ کر چچی کو دیکھا۔

شائستہ بیگم نے دیکھا سمعان کی آنکھیں شدتِ ضبط سے سرخ انگارا ہو رہی تھیں۔

"سمعان......" انہوں نے سمعان کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو سمعان فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ذرا ڈاکٹر سے مل لوں۔" بڑے بڑے قدم اُٹھاتا سمعان احمد آگے بڑھ گیا تو وہ خالی نظروں سے سمعان کی چوڑی پشت کو دیکھے گئیں۔

"چچی جان......" فرح ان کے پاس بیٹھی تو انہوں نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر رو دیں... ان کی بیٹی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی ان کا دل ہی پھٹ پڑنے کو تھا۔

جوں جوں لمحے بیت رہے تھے سب کے دلوں کی دھڑکنیں انتشار کا شکار ہوتی جا رہی تھیں۔ علی خون دے کر واپس آیا تو وقار بھائی چلے گئے تھے۔

"علی وہ کیسی ہے؟"

"ڈاکٹرز لگے ہوئے ہیں۔" علی نے رنجیدہ غم زدہ چچی کے آنسو صاف کرتے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ اس وجود میں انہیں ماں کی محبت ملی تھی۔ ان سب بہن بھائیوں کی شفقتوں و محبتوں کا مرکز رہا تھا اور آج ان کی اپنی ممتا امتحان میں تھی۔

"تسلی رکھیں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہماری دعائیں اتنی بے اثر نہیں ہیں۔ اللہ اسے ہمارے لیے ضرور دے گا۔ آپ بس دعا کریں۔" بڑے مدبرانہ انداز میں اس نے شائستہ کو سنبھالا ہوا تھا۔

"ڈاکٹرز پُر امید ہیں۔ دراصل بلیڈنگ بہت ہوگئی ہے۔ نس کٹ گئی تھی۔ تو خون کا ضائع ہوجانا فطری بات تھی۔ شکر ہے آپ لوگ جلدی اسپتال لے آئے ورنہ دیر ہوجاتی تو..... اس "تو" نے ان کی سانسیں اٹکا دی تھیں۔

کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد ڈاکٹرز روم سے باہر آئے تو سبھی ان کی طرف بڑھے تھے۔

"ہم نے تو اپنی سی پوری کوشش کی ہے' زندگی اور شفا دینے والی ذات تو صرف اللہ کی ہے۔ بلڈ باڈی سے میچ کر گیا ہے۔ سانس کی آمد و رفت بہتر ہو رہی ہے۔ آپ دعا کریں اگر چند گھنٹوں میں اسے ہوش آ گیا تو پھر خطرے کی کوئی بات نہیں۔ کچھ دیر بعد اسے آئی سی یو میں منتقل کر دیا جائے گا۔" ڈاکٹر تسلیاں دے کر چلا گیا تھا اور اب وہ سب دعاؤں سے ناتا جوڑے بیٹھے تھے۔

ایمرجنسی روم سے آئی سی یو تک منتقلی کے دوران سمعان ڈاکٹر ظفر کے ساتھ ہی رہا تھا۔

"سمعان! زرش نے ایسا کیوں کیا ہے؟"

آئی سی یو میں ڈاکٹر ظفر کے ساتھ بھی۔ وہ مسلسل زرش کے خون سے نچڑے زرد چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ ظفر کے متوجہ کرنے پر اسے دیکھا اور پھر لب بھینچ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم اِدھر بیٹھ جاؤ۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" سمعان کی ضبط سے سرخ انگارہ آنکھیں دیکھ کر اس نے بھی دوبارہ استفسار نہیں کیا تھا۔ سمعان بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر ڈھے گیا۔ ضبط سے آنکھیں مسلتے اس نے بیڈ کے سرے پر پیشانی ٹکا دی تھی۔

بہت کڑی منزل تھی یہ۔

بہت جان لیوا امتحان تھا یہ۔

لمحہ بہ لمحہ جان کنی کے عمل سے گزرنا آسان کب ہوتا ہے؟

وہ بستر پہ بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور سمعان احمد کو یوں لگ رہا تھا گویا ان کی اپنی ذات موت و زیست کے درمیان معلق ہے۔

لمحے بہت طویل ہو گئے تھے۔

اگر انتظار تھا تو بہت جان لیوا تھا۔

زرش اس حال تک صرف اور صرف ان کی وجہ سے پہنچی تھی۔ احساس ندامت انہیں مسلسل جھنجوڑ رہا تھا۔

ان کی ایک پل کی لغزش برسوں کی ریاضت کو اکارت کر گئی تھی۔

سمعان احمد کے چند نامناسب الفاظ اسے زندگی سے دور لے گئے تھے۔ اچھی طرح پتا تھا وہ کس قدر جذباتی ہے۔

وہ جذباتی تو شروع سے ہی تھی مگر اپنے ضبط کے یوں چھلک جانے پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ جو بھی ہوا تھا اس کو اس نے زندگی و موت کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ عزت و بے عزتی کے معیاروں پر ذہن کو الجھا کر وہ سب سے متنفر اپنی ذات کو تنہا کیے ہوئے تھی اور ایسے میں یہ دھچکا اس کی روح کو

پامال کرنے لیے کافی تھا۔

سمعان نے اس کا چہرہ دیکھا' ای سی جی کے ذریعے سانس لیتا اس کا وجود ڈرپ اور خون کی بوتلوں میں جکڑا سراپا کیسا ندامت کا احساس دلا رہا تھا۔

پری ان کا دل تھی۔

ان کے جسم میں دوڑنے والا خون کا ایک قطرہ تھی۔

روح کی مانند ان کے پورے وجود میں حلول تھی وہ بھلا اس طرح زندگی سے کیوں کر روٹھ سکتی تھی۔

سمعان اسے کیونکر زندگی سے منہ موڑتے دیکھ سکتا تھا۔

سمعان نے بہت آہستگی سے اس کے بازو پر اپنی انگلیاں رکھ دی تھیں۔

"سوری..... ایم سوری مائی ڈیئر۔ رئیلی سوری..... میں جذباتی ہو گیا تھا۔" سمعان احمد نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھ پر رکھ لیا تھا مگر تلافی کا وقت گزر چکا تھا شاید۔ چند گھنٹے مزید سرکے تو سب کو تشویش لاحق ہوئی۔ ڈاکٹرز ہر دوسرے منٹ بعد چیک کر رہے تھے۔ ٹریٹمنٹ مسلسل مل رہا تھا مگر وہ ہوش میں نہیں آ رہی تھی۔

صبح سے دوپہر اور پھر دوپہر بھی ڈھلنے لگی تو سب ہی پریشان ہو گئے۔

زرش کو تو نہیں البتہ ہادیہ کو وقار بھائی نے فون کر کے بلوا لیا تھا وہ اور پھوپی بیگم یہیں تھیں شائستہ کی طبیعت الگ غم سے نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ سب اپنی جگہ مجبور تھے مگر کوئی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

شائستہ بیگم اس وقت آئی سی یو میں تھیں۔ مسلسل کچھ نہ کچھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ نرس پاس ہی تھی ڈاکٹرز ہر پل چیک کر رہے تھے۔

مانیٹرنگ مشین ہر سانس کی رپورٹ دے رہی تھی۔

اچانک زرش کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اس پہ نظریں جمائے بیٹھی شائستہ فوراً الرٹ ہوئی تھیں۔

زرش اپنا سر تکیے پر ادرگرد پٹخ رہی تھی۔

"زرش....." وہ فوراً اٹھ کر اس پر جھکی تھیں۔

زرش نے آنکھیں کھول کر اپنے اوپر جھکے وجود کو دیکھا اور پھر بے تاثر آنکھوں سے دیکھے گئی۔ وہ پہچان نہیں پا رہی تھی کہ وہ کہاں ہے؟ اس کے سامنے کون ہے؟ ذہن عجیب اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔

"زرش..... سسٹر زرش کو ہوش آ گیا ہے۔ ڈاکٹر کو بلواؤ۔" ڈاکٹر ابھی چیک کر کے باہر نکلے تھے نرس فوراً باہر بھاگی تھی۔ اگلے ہی پل ڈاکٹرز کمرے میں تھے۔

"آپ پلیز باہر چلی جائیں۔" زرش مسلسل تکیے پر سر پٹخ رہی تھی اس نے شائستہ کو بار بار پکارنے پر بھی نہیں پہچانا تھا۔ شائستہ بیگم باہر نکل آئی تھیں۔ سبھی ڈاکٹرز کے اندر جانے پر پریشان ہو چکے تھے۔

شائستہ کو باہر آتے دیکھ کر سب کے دل سہمے۔

"کیا ہوا.....؟" سب ان کی طرف لپکے تھے۔

"زرش نے آنکھیں کھولی ہیں، اسے ہوش آیا ہے مگر۔" اس ادھوری خبر پر سب کی ہی سانسیں رکی تھیں۔

"میں دیکھتا ہوں......" ڈاکٹر ظفر اور سمعان فوراً اندر چلے گئے تھے۔ زرش کو ہوش آ گیا تھا مگر ذہنی لحاظ سے وہ اس قدر ڈسٹرب تھی کہ کسی کو بھی پہچان نہیں پا رہی تھی۔ چند منٹ بعد ڈاکٹر نے چیک اپ کر کے اس کی کنڈیشن کو آبزرو کرتے ہوئے اسے ٹرینکولائزر کے ذریعے دوبارہ ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا تھا۔

"شی از ناؤ بیٹر...... اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔ چونکہ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب تھی اس لیے انجکشن دیا ہے۔ کل صبح تک نارمل ہو جائیں گی۔ ہوش میں آ جائیں گی۔ ای سی جی فی الحال اپنا کام کرے گی وقفے وقفے سے ہم دیکھتے رہیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں، وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔" ڈاکٹر ظفر نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ سمعان کے کندھے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھوں میں تشکر سے نمی سمٹ آئی تھی۔

⁂

وہ کچن سے برتن سمیٹ کر پلٹی تو شارق زمان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" ناگواری کی ایک تیز لہر نے اس کے چہرے کو سرخ کیا تھا۔ اس ٹکراؤ سے الجھا تو شارق زمان بھی تھا مگر وہ سنبھل چکا تھا۔ ایک گہری نگاہ نویرہ پر ڈالی بے نیازی سے دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ کھانے کے سارے برتن سنک میں ڈھیر کر رہی تھی، دھونے کا ارادہ تھا شاید۔ اس کا خوب صورت سراپا بھرے بھرے وجود میں تبدیل ہو چکا تھا۔

شارق زمان نے پہلی بار اسے یوں غور سے دیکھا۔

نویرہ پلٹ کر برتن دھونے لگی تھی۔

"کوئی کام تھا؟" بغیر کوئی تاثر چہرے پر لائے وہ شارق زمان کو مسلسل سر پر کھڑے دیکھ کر پلٹی تھی۔ بلانا ناگزیر ہو چکا تھا، سو مجبور تھی۔

"کام تو واقعی تھا مگر تم سے نہیں۔" اس کے وجود سے نظریں ہٹا کر شارق نے بھی تلخی سے کہا تھا۔

"شاکرہ......" وہیں کھڑے کھڑے شاکرہ کو پکارا تھا۔

"جی......" وہ اگلے ہی پل بھاگی آئی تھی۔

"تمہیں کس لیے رکھا ہوا ہے۔ برتن تم خود نہیں دھو سکتی۔"

نویرہ نے نہایت تعجب سے شارق کو دیکھا۔ برتن دھوتے ہاتھ تھم گئے۔

"میں دھونے والی تھی۔ نویرہ بی بی نے خود منع کر دیا تھا کہ میں بڑی بی بی کی ٹانگ کی مالش کروں۔" وہ فوراً وضاحت کرنے لگی تھی۔

"اچھا ایک کپ چائے بنا کر میرے کمرے میں بھیجو۔"

"جی اچھا......" شاکرہ فوراً چولہے کی طرف بڑھی تھی۔

نویرہ لب بھینچ کر شارق زمان کو جاتے دیکھتی رہی۔

شاکرہ چائے بنا کر لے گئی تھی۔ نویرہ بھی برتن دھو کر دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی لاؤنج میں آ بیٹھی۔

ایک دو دن سے شارق زمان کے تیور بدلے ہوئے تھے کیوں؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

اگر یہ عنایت تھی تو وجہ کیا تھی؟

وہ صوفے پر بیٹھی الجھ رہی تھی۔

"بی بی جی صاحب تو گھر پر ہی ہیں۔ تالے وغیرہ لگا دوں۔"

نجانے کتنی دیر وہ الجھتی رہی تھی شاکرہ کی آواز پر اسے دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔ "اماں کو میڈیسن کھلا دی ہے۔" شاکرہ واپس آئی تو نویرہ نے اٹھتے پوچھا۔

"جی......"

"اچھا کل کا یاد ہے نا...... بڑے دن ہو گئے ہیں تفصیلی صفائی کیے ہوئے کل سنڈے ہے۔ سارے گھر کی جھاڑ پونچھ کرنی ہے کچھ سیٹنگ بھی چینج کروں گی کچن کا کام صبح صبح خود ہی دیکھ لینا۔"

"جی اچھا......"

"اماں سو گئی ہیں کیا؟" جاتے جاتے پلٹی تھی۔

"نہیں، شارق صاحب سے باتیں کر رہی ہیں۔"

"حیرت ہے اس شخص کو آج ماں کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کا کہاں سے وقت مل گیا ہے۔" اس نے حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔ شاکرہ بھلا کیا کہتی خاموش رہی۔

"میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں اماں پوچھیں تو بتا دینا۔ اسے بتا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ سارا دن مصروفیت میں گزر جاتا تھا۔ اسے فارغ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھنے کی عادت ہی کب تھی۔ کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی تھی یہ بھی خود کو مصروف رکھنے کا ایک علاج تھا، انسان خود ساختہ سوچوں سے بچا رہتا ہے یہ اس کا خیال تھا۔ ذہنی خلجان سے دوچار نہیں ہوتا۔

ذہنی مشقت انسان کو وقت سے پہلے مار دیتی ہے۔

وہ پرسکون رہنا چاہتی تھی شارق زمان کی موجودگی میں یہ ممکن تو نہ تھا مگر اس نے خود کو یہ باور کرا لیا تھا اب ہر ناممکن کو ممکن بنانا ہے۔

سارے دن کی مصروفیت سے بدن دکھ رہا تھا۔ وہ وضو کر کے جائے نماز پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اپنے سارے دن کی پریشانیوں اور ذہنی تفکرات کو رات کے وقت اللہ کے سامنے بیان کرنے میں بھی ایک لطف تھا۔ بندہ رب کے نزدیک ہو جاتا ہے جب کہنے سننے والا کوئی نہ ہو۔ یہی وہ در ہے جہاں بندہ سر جھکانے کے بعد شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ سکون و تسکین کے خزانوں سے جھولی بھر کر اٹھتا ہے۔

نہایت خشوع و خضوع سے اس نے نماز ادا کی تھی ایک ایک حرکت میں عاجزی و انکساری جھلک رہی تھی۔ نماز ادا کر کے کتنی دیر وہ ہاتھ پھیلائے اپنے رب کے سامنے زیر لب سکھ، نیک نامی اور عزت

دوئم

کی زندگی مانگتی رہی تھی۔ صبر و ضبط سے یہ مشکل وقت جھیل جانے کی دعائیں کرتی رہی تھی۔

دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیر کر وہ جائے نماز لپیٹ کر پلٹی تو اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

اس کے بیڈ پر شارق زمان بڑے پُرسکون انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

"تم....."

شارق زمان نے اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں آئے ہو تم میرے کمرے میں؟" ایک دم وہ غصے میں آ گئی تھی وہ کمرے میں آنے کے بعد دروازہ ہمیشہ لاک کر دیتی تھی مگر ابھی وہ نماز پڑھ رہی تھی اور شارق زمان نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا تھا۔

"تمہارے کمرے میں آنے پر پابندی ہے کیا؟" اس کا انداز بڑا تضحیک آمیز تھا نویرہ سلگی۔

"پابندی ہی ہے۔ میں نے منع کیا تھا تمہیں شارق زمان۔ تمہیں کس نے اجازت دی یہاں گھسنے کی؟"

"کیا کسی وزیراعظم کی اجازت درکار ہوتی ہے؟" بڑا پُرسکون سلگا دینے والا انداز تھا۔ نویرہ نے غصے سے شارق زمان کے پُرسکون چہرے کو دیکھا۔

"ہونہہ..... وزیراعظم؟ کیا تمہیں میرے باکردار ہونے کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے۔ جو تمہاری غیرت نے میرے کمرے میں آنے کی زحمت گوارا کر لی ہے۔" جائے نماز ایک طرف رکھ کر وہ پھنکاری تھی۔

"نویرہ....." اس کے طعنے پر وہ فوراً بدکا تھا۔

"براہِ مہربانی شارق زمان صاحب! یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے تنفر سے کہا تھا۔ "میں اب بھی وہی نویرہ ہوں۔ نہ میری فطرت بدلی ہے نہ ہی میرا کردار۔ ہاں تمہاری اس طرح کی حرکتوں سے تمہارے کمزور نفس ہونے کا ضرور ثبوت مل رہا ہے۔" بڑی گہری چوٹ لگی تھی۔ شارق زمان ایک دم بستر سے اٹھا تھا۔

"تو پھر اس گھر میں کیوں ہو؟ چلی کیوں نہیں جاتی..... تم اب بھی میری بیوی ہو۔ میرے نکاح میں' میں کسی غیر عورت کے کمرے میں نہیں گھسا۔"

"اس گھر میں رہنا مجبوری ہے میری' بتا چکی ہوں پہلے بھی اور جب زندگی بڑی تنگ ہو گئی اور یہ چار دیواری مجھ پر کم پڑنے لگی تو یہاں سے بھی نکل جاؤں گی فکر نہ کریں شارق زمان صاحب۔" بغیر ڈرے لہجے میں کہا تھا۔

"ہونہہ..... تم سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے؟" شارق زمان استہزائیہ ہنسا تھا۔ نویرہ نے لب دانتوں تلے دبا کر خود پر ضبط کیا تھا۔

یہ شخص اس کی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھا۔ کاش وہ اس شخص کو شوٹ کر سکتی۔

اس کی اذیت کا ایک اور ہی عالم تھا۔

"براہِ مہربانی آپ یہاں سے چلے جائیں۔" بڑے ضبط سے کہا تھا۔

دوئم

"اگر نہ جاؤں تو؟" شارق زمان نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا' بڑا چیلنجنگ انداز تھا۔

نویرہ نے ایک دو بار اسے دیکھا تھا اور پھر پلٹی تھی اس سے پہلے کہ شارق زمان کچھ سمجھتا وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

شارق زمان فوراً پیچھے آیا تھا مگر تب تک وہ اماں کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی تھی۔

"شاکرہ دروازہ لاک کر دو میں اماں کے پاس ہی لیٹ رہی ہوں۔"

اماں سو چکی تھیں میڈیسن لے کر سوئی تھیں۔ سو ڈسٹرب نہیں ہوئی تھیں۔ جب کہ شاکرہ اچانک اس کے آنے اور اماں کے بستر پر چڑھتے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس افتاد کو سمجھ نہیں پائی تھی۔

شارق زمان نے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔ قدم دروازے میں ہی رک گئے تھے۔ اندر زبردست تحریک برپا ہوئی تھی۔

زبردستی تو بہت عام سی بات تھی۔

وہ تو..... شاکرہ کو دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔

لے جانے کو تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ہر طرح کے احتجاج کے باوجود اسے اپنے کمرے میں لے جا سکتا تھا کہ اماں اور شاکرہ بھی نہیں روک سکتی تھیں اور خود نویرہ بھی نہیں۔ اشتعال اس قدر بڑھ رہا تھا کہ سب کچھ ختم کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔

"کھڑی دیکھ کیا رہی ہو؟ سمجھ نہیں آ رہی کہ دروازہ بند کر دو میں اب اِدھر ہی سوؤں گی....." اس نے غصے سے اسے ٹوکا تھا۔ شارق زمان کی موجودگی کو بالکل نظر انداز کیا تھا۔

وہ آرام سے لیٹ چکی تھی اور شاکرہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ شارق زمان کے دروازے پر کھڑے ہونے پر دروازہ کیسے بند کر دے۔ اسے نویرہ کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

نہایت غصے سے شارق زمان پاؤں پٹختے پلٹا تو نویرہ استہزائیہ خالی دروازے کی چوکھٹ کو دیکھ گئی۔

"دروازہ بند کر دو....." چادر سر پر تانتے اس نے شاکرہ سے کہا تھا۔

✲ …… ✲ …… ✲

صبح کے وقت اسے مکمل طور پر ہوش آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد اسے مکمل طور پر نارمل قرار دے کر ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ سب سے پہلے شائستہ بیگم کمرے میں گئی تھیں۔

اپنی حرکت پر زرش خود بھی ششدر تھی۔ وہ جذبات میں اس قدر حواس باختہ ہو گئی تھی کہ کچھ بھی خیال نہ رہا تھا اور اس سارے قصے کی وجہ کیا تھی اس کا ذہن پھر ڈپریشن کا شکار ہوا تھا اور پھر شائستہ بیگم کو کمرے میں آتا دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ شرمندگی' بے چارگی نے اتنا بے بس کیا کہ بند آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔ وہ اپنے ماں باپ اور دوسرے لوگوں سے کیسے آنکھ ملائے گی۔ سب وجہ پوچھیں گے تو وہ کیا بتائے گی۔

"زرش....." شائستہ بیگم نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ اندر ہی اندر سسکی۔

"یا اللہ......" شائستہ بیگم نے اس کے چہرے پر پھیلتے آنسو دیکھے تھے۔ فوراً صاف کیے تھے۔

"زرش......"

مگر زرش نے آنکھیں وا نہیں کی تھیں وہ اپنے اندر کسی سے بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتی تھی۔ خاص طور پر اپنے ماں باپ کے سامنے تو کبھی نہیں۔ شائستہ بیگم کے دو تین بار پکارنے پر بھی اس نے آنکھیں نہ کھولیں تو انہوں نے آہستگی سے ڈرپ میں جکڑا اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"مجھے نہیں معلوم تم نے ایسا کیوں کیا؟ مگر تم نے ایک دفعہ بھی ہمارا نہ سوچا۔ تم جس عذاب سے گزر رہی ہو تم اکیلی تو اس تکلیف میں مبتلا نہیں ہو نا۔ ہم بھی برابر کے شریک ہیں پھر اکیلے اپنا ہی کیوں سوچا ہمارا بھی سوچتیں، ہم کیسے جیتے؟" شائستہ بیگم کی پر شکوہ نم آواز نے رہے سہے مجرم کو بھی فنا کر ڈالا تھا وہ ایک دم آنکھیں کھولتی سسک اٹھی تھی۔

"ماما......"

شائستہ نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی تھی پھر اس کا چہرہ صاف کر کے اسے بغور دیکھا وہ نگاہیں پھیر گئی تھی۔ ان کے لبوں پر نہیں مگر آنکھوں میں سوال تھا۔

"کیوں...... کیوں کیا؟ میں وجہ نہیں پوچھ رہی...... مگر اتنے سارے اور لوگوں کو کیا بتاؤ گی۔" اس کے نگاہیں چرانے نے انہیں دکھ دیا تھا۔ وہ پھر بھی چپ رہی تھی اور پھر شائستہ بیگم نے اسے زیادہ کچھ کہا بھی نہ تھا۔ بے شک وہ بچ گئی تھی مگر ابھی بھی بستر پر ہی تھی۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے کوئی نہ کوئی کمرے میں جاتا رہا تھا۔ نوشی کو بھی اطلاع مل گئی تھی وہ بھی پہنچ گئی تھی۔ شائستہ بیگم نے سب کو ہی منع کر دیا تھا کہ زرش سے بار بار وجہ پوچھ کر ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ کچھ زرش بھی زیادہ وقت آنکھیں بند کیے خاموش پڑی رہتی تھی۔

"سمعان زرش کے نارمل ہونے کی خبر سن کر کچھ دیر وہاں ٹھہرا تھا پھر سب اندر جاتے اور باہر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے تھے۔"

سمعان کے اندر یک گونہ سکون اترا۔ زرش کی جذباتیت نجانے اسے کہاں کہاں شرمندہ کرواتی مگر سہولت ہو گئی تھی کسی نے بھی اصل وجہ ڈسکس نہیں کی تھی مگر کب تک اس موضوع پر پردہ پڑے رہنا تھا۔

سمعان مزید دو گھنٹے وہاں رکا تھا۔

پوری رات جاگنے اور گزشتہ رات کا جگرتا اب جسمانی طور پر نڈھال کر رہا تھا۔ سمعان نے سب کو اپنی اپنی باتوں میں مصروف دیکھا تو خاموشی سے وہاں سے ہٹ آیا تھا۔

زرش کے پاس جانے کو دل بے قرار تو تھا مگر زرش کی آنکھوں میں چھپے سوالوں کا کیسے سامنا کیا جاتا؟

اس قدر شرمندگی تو اس وقت بھی نہیں ہوئی تھی جب ماں کے الزامات کا بوجھ اٹھائے دوبارہ پہلی بار زرش سے سامنا ہوا تھا۔

سمعان خاموشی سے گھر چلا آیا تھا۔ گاڑی گھر کے پورچ میں روکی تو طاہرہ بیگم فوراً اندر سے چلی آئی

"کیسی ہے وہ اب؟"

رات فرح اور علی گھر آ گئے تھے فرح نے بتایا تھا کہ صبح ہوش آئے گا تو پتا چلے گا آئی سی یو میں صبح وہ دونوں کھانا لے کر چلے گئے تھے اور اب سمعان کو دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" ماں کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر سمعان نے صرف سر ہلا دیا تھا۔

"ہوا کیا تھا اسے؟"

سمعان کے ساتھ ساتھ وہ بھی چلتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ سمعان نے صرف ایک خاموش نگاہ سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ بوجھل سی ہوئی تھیں۔

"میں کمرے میں جا رہا ہوں اگر زحمت نہ ہو تو ماجدہ سے کہہ کر کچھ کھانے کو منگوا دیں۔" اپنے کمرے کی طرف بڑھتے سمعان نے کہا تھا۔

سمعان کے یہ چند جملے بھی شائستہ بیگم کے لیے بڑے غنیمت تھے۔ اکیلے تنہا خاموش گھر میں جینے کا کیا اک پل ملا تھا ورنہ ماجدہ کے ساتھ یا پھر فرح سے ہی چند جملے بول پاتی تھیں۔ علی نے تو کبھی نگاہ بھر کر بات تک نہ کی تھی، پاس سے ایسے گزر جاتا تھا کہ گویا ماں نہ ہوئی کوئی اجنبی عورت ہو گئی۔ سعید کا تو رویہ ہی سب سے الگ تھا۔ انہیں جوان اولاد کا احساس نہ ہوتا تو شاید کب کے تین لفظ بول چکے ہوتے۔

کھانا لے کر وہ سمعان کے کمرے میں خود آئی تھیں۔ بڑی محبت سے ٹرے سجائی تھی۔ تیار تو سب کچھ تھا صرف چائے ہی تازہ بنائی تھی یا پھر پھلکے۔ سمعان واش روم سے نکلا تو ماں کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ بڑے عرصے بعد طاہرہ بیگم کو "ماں" کے روپ میں دیکھا تو آنکھوں کو یقین کرنے پر تامل ہوا تھا۔

"آپ...... ماجدہ کو بھیج دیتیں۔" سمعان کے تلخ لہجے پر انہوں نے ٹرے رکھ کر اسے دیکھا۔

سمعان پلٹ کر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ نہا کر کھڑا تھا، تولیے سے سر رگڑتے ماں کو نظر انداز کیا تھا۔ ان کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"تم نے بتایا نہیں ہوا کیا تھا اسے؟" سمعان نے آہستگی سے اسٹینڈ پر تولیہ ڈال دیا تھا۔

"آپ کو اسپتال جانا ہے؟" بجائے جواب دینے کے سمعان نے نہایت سنجیدگی سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

طاہرہ بیگم کے چہرے کے زاویے فوراً بدلے تھے۔

جن لوگوں سے ساری عمر نفرت کا برملا اظہار کیا ہو اب ان سے ایک دم ہمدردی کا اظہار کرنا۔ ان کے اندر نفرت کا خیال آتے ہی اک تلخی سے اترنے لگی تھی۔

سمعان کے تھکے وجود اور مضمحل اعصاب نے شاید ہمدردی برتنے پر مجبور کر دیا تھا یا پھر شاید انسانیت کے ناتے پوچھ لیا تھا۔ وہ بھی انسان تھیں۔

اپنے سینے میں انسان کا دل رکھتی تھیں کوئی پتھر نہیں۔

"نہیں......" اگلے ہی پل اپنے خول میں بند ہوئی تھیں سمعان نے خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر ٹرے اپنے آگے کھسکالی تھی۔

"تو پھر ان لوگوں کے بارے میں پوچھیں بھی نہ۔ آپ کی نفرت پر حرف آئے گا۔" بڑے ہی سنجیدہ لہجے میں ماں کو دیکھا تھا۔

"تم......"

"میں اس وقت آرام سے کھانا کھانا چاہتا ہوں اور پھر اس کے بعد آرام پلیز تنہا چھوڑ دیں مجھے۔" انہوں نے تلخی سے کچھ کہنے کو لب وا بھی کیے تو سمعان کے ٹوکنے پر فوراً بھینچ لیے تھے۔

سمعان نے بھی ان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ کیا کچھ نہ ہو چکا تھا۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ حتیٰ کہ شکوہ تک نہیں اور ایسے میں اب سمعان کا یہ سنجیدہ انداز طاہرہ بیگم خاموشی سے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

کھانا کھا کر سمعان بستر پہ لیٹ گیا تھا۔ تھکن، سفر اور دو راتوں کے رتجگوں نے نڈھال کر دیا تھا مگر پھر بھی نیند پلکوں سے روٹھی ہوئی تھی۔ ذہن کی سطح پہ خون سے نچڑا زرد وجود ہی چھایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں گویا صرف ایک ہی منظر چسپاں ہو گیا تھا۔ سمعان نے بڑی کوشش کی تھی سونے کی مگر بے چینی و بے بسی اس حد کی تھی کہ اکتا کر سمعان نے درازیں کھنگالی تھیں۔

ایک سلیپنگ پلز کی ڈوز لے کر سمعان نے آنکھیں موند لی تھی۔ سمعان نے پہلے کبھی ایسے مصنوعی سہاروں کی ضرورت محسوس نہ کی تھی مگر اب لگ رہا تھا کہ اس سہارے کے بغیر نیند آنے والی نہیں جب کہ سمعان کو ذہنی و جسمانی دونوں لحاظ سے سکون و آرام کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

نجانے کب تک آنکھ بند رہی تھی اور نجانے کب تک سویا رہا۔

"سمعان اٹھو......" اس پکار پر سمعان نے بمشکل آنکھ کھولی تھی۔ اپنے اوپر جھکے عثمان بھائی کے وجود کو دیکھ کر فوراً حواس بحال کیے تھے۔

"آپ...... یہاں......؟ خیریت......؟" سمعان نے فوراً اٹھ کر انہیں دیکھا وہ سیدھے ہو کر مسکرائے۔

"اللہ کا شکر ہے خیریت ہی ہے۔ اطمینان سے...... بڑی گہری نیند میں تھے۔" عثمان نے بغور دیکھا۔ سمعان مسکرا دیا۔

"ہوں...... کب آئے آپ؟"

رات ابو نے زرش کے بارے میں بتایا تھا۔ میں اور زوباریہ دوپہر کو آئے تھے، زوباریہ تو اسپتال میں رک گئی ہیں میں نے سوچا گھر کا چکر لگا لوں، گھر آئے بھی مجھے کافی دیر ہو گئی ہے۔ بڑی دیر تک سوئے تم......"

"ہاں دو تین دنوں کی مسلسل تھکن اور بھاگ دوڑ تھی پھر نیند بھی ٹھیک سے نہیں آئی تھی۔" سمعان بستر سے اتر چکا تھا۔

"میں اسپتال کا چکر لگانے والا تھا۔ رات ٹھہریں گے صبح چلے جائیں گے۔ فریش ہو لو پھر اکٹھے چلتے

ہیں، تم کیا خیال ہے۔"

سمعان نے ٹائم دیکھا شام کے چھ بج رہے تھے کئی گھنٹے سویا تھا۔ مگر اس کے باوجود ذہن و دل اسی پریشانی میں الجھے ہوئے تھے۔ گولی کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا سوائے گہری نیند کے۔

"علی اور فرح ادھر ہی ہیں کہ گھر آ گئے ہیں؟" اپنی وارڈ روب کھولتے بھائی کو دیکھا۔

"نہیں میں ابو، علی اور فرح اکٹھے ہی گھر آئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد ابو تو آفس چلے گئے تھے کہ کل سے چکر نہیں لگایا۔ زرش کے پاس پھپھو اور نوشی تھی۔ چچا اور چچی بھی تھکن محسوس کر رہے تھے، پھر عفان دونوں کو گھر لے گیا تھا۔"

"میں باتھ لے لوں، پھر چلتے ہیں۔" سمعان کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

جب سمعان اپنے کمرے سے نکلا تو طاہرہ بیگم کچن میں کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔ دونوں بیٹوں کو جاتے دیکھ کر فوراً کچن سے نکلی تھیں۔

"کہاں چل دیے تم لوگ؟" دونوں ہی رک گئے تھے۔

"اسپتال جا رہے ہیں۔" سمعان تو چپ ہی رہا عثمان بھائی کو ہی بولنا پڑا تھا۔

"اب کتنے دن چلے گا یہ تماشا؟" ایک دم تلخی سے کہا تھا۔

"امی پلیز......" صرف سمعان کے چہرے پر ہی سرخی نہیں چھائی تھی عثمان کو بھی ٹوکنا پڑا تھا۔ طاہرہ بیگم نے سر جھٹکا۔

اتنے دنوں بعد بیٹوں کو دیکھ رہی تھیں وہ چند پل کے بعد پھر غائب ہونے کو تھے۔ غصہ تو اس بات پر آ رہا تھا کہ زوباریہ نے گھر آنے تک کی زحمت گوارا نہ کی تھی وہیں رک گئی تھیں۔ جب کہ ان کا دل بیٹے کو دیکھنے کو کیسے مچل رہا تھا مگر کس منہ سے کہتیں۔ دل میں جو تھوڑی بہت ہمدردی پیدا ہوئی تھی وہ بھی اڑنچھو ہو گئی تھی۔ پھر سے انتقامی کیفیت اور نفرت کے جذبات نے دل پہ بسیرا کیا تھا۔

"میں کھانا تیار کر رہی ہوں۔" بیٹوں کے تیور دیکھ کر انہوں نے اپنی تلخی پہ قابو پایا تھا۔

"میں زوباریہ کو ہی پک کرنے جا رہا تھا ڈنر ہم گھر آ کر ہی کریں گے۔" جواباً عثمان کو تسلی دینا پڑی تھی۔ ماں کو تسلی دے کر وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ گاڑی سمعان ڈرائیو کر رہا تھا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے سمعان کہ زرش نے ایسی جذباتی حرکت کیوں کی؟" راستے میں عثمان احمد نے بڑی سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

"کیا زرش نے کچھ نہیں بتایا؟" عثمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ عثمان کے چہرے پر الجھن در آئی۔

"میرا خیال تھا کہ تمہیں علم ہو گا۔"

"مجھے الہام نہیں ہوتا۔" سمعان کے لہجے میں ایک دم تلخی ابھری مگر اگلے ہی پل خود کو کنٹرول کیا تھا۔

"مگر جس ڈگر پہ ہمارے خاندانی حالات، واقعات چل رہے ہیں ایسے میں کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے؟"

"ٹھیک ہے میں مانتا ہوں مگر زرش سے ایسی جذباتی توقع شروع میں ہو سکتی تھی مگر اب جبکہ حالات بہت بہتر ہو چکے تھے۔ ابو اور چچا کے درمیان اس کے ایگزیمز کے فوراً بعد رخصتی کا معاملہ کلیئر تھا۔ کیا اس نے اس بات پر ری ایکٹ کیا ہے۔ نوشی بتا رہی تھی کہ لاسٹ وزٹ جب تم کراچی آئے تھے تو چچا کے ہاں ٹھہرے تھے۔" سمعان نے الجھ کر عثمان کو دیکھا۔ زرش نے نوشی سے ہو سکتا ہے ذکر کیا ہو اور نوشی نے اب عثمان سے۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے نوشی کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ ڈیڑھ ہفتے پہلے میں یہاں آیا تھا وہ تب یہ ری ایکٹ کرتی۔"

"نوشی تو یہ بھی بتا رہی تھی کہ وہ تم سے امی کی کال کا کہہ کر خاصی ناراض تھی۔"

"ناراض ہونے اور ایسی جذباتی حرکت سرانجام دینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"یار کچھ تو وجہ بنی ہے نا۔"

"تو یہ آپ زرش سے پوچھیے۔"

"وہ اس کنڈیشن میں نہیں ہے کہ ہمارے کسی بھی قسم کے سوال و جواب کی متحمل ہو۔ پھر چچی نے بھی سختی سے تاکید کی تھی کہ اس سے وجہ نہ پوچھی جائے۔ وہ میڈیسن کے ہی زیر اثر ہے ابھی تک ہماری موجودگی میں تھوڑی دیر ہی ہوش و حواس میں رہی تھی۔"

اسپتال آ گیا تھا عثمان نے خاموشی ہی بہتر سمجھی تھی۔ وہ دونوں اکٹھے ہی اندر آئے تھے۔ وہ ابھی بھی غنودگی میں تھی۔ سمعان کے اندر ملال کے بادل گہرے ہونے لگے۔ زوباریہ کے علاوہ نوشی اور پھپھو تھیں۔ پھپھو تو ایک طرف صوفے پر بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ عثمان بھائی کچھ دیر ٹھہرے تھے پھر بھابی کو لے کر چلے گئے تھے۔

"یہ کب سے اس حالت میں ہے؟" کچھ دیر گزری تو نوشی سے پوچھا۔

"ابھی گھنٹہ ہی ہوا ہے۔"

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے تھے؟" پائنتی پر رکھی فائل اٹھا کر دیکھتے نوشی سے پوچھا۔

"ڈاکٹرز اطمینان کا اظہار کر رہے تھے۔ بس کلائی کا زخم ہی گہرا ہے اسے مندمل ہونے میں چند دن لگیں گے۔ اللہ کا شکر ہے کلائی کے علاوہ کہیں اور زخم نہیں ہے۔ ویسے سمعان بھائی آپ کو کیا لگتا ہے۔ زرش نے ایسا کیوں کیا؟" بتاتے بتاتے ایک دم سوال کیا تھا۔ سمعان نے لب بھینچ لیے۔

"یہ تو تم اسی سے پوچھنا۔" اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو نوشی چند پل سمعان احمد کو دیکھے گئی اور پھر گہری سانس خارج کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا باہر کا چکر لگا آؤں۔ ویسے ماما پہنچنے والی ہوں گی۔ عثمان نے بھی فون کیا تھا کہہ رہے تھے کہ واپسی پر لینے جائیں گے۔ ویسے آپ آج رکیں گے ادھر ہی یا پھر۔"

"ہوں۔" سمعان نے پھپھو کو دیکھا وہ تلاوت ختم کر کے قرآن پاک بند کر چکی تھیں۔ "دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ میں اور پھپھو ادھر ہی ہیں فی الحال' ویسے پھپھو آج رات رکیں گی یا گھر جائیں گی۔" سمعان نے پھپھو سے پوچھا تو انہوں نے قرآن دوائیوں کی ٹیبل کے ایک جانب رکھ کر سمعان کو دیکھا۔

"بیٹا! وقار چکر لگائے گا' گھر چلی جاؤں گی۔ ویٹنگ روم کے علاوہ کہیں رات گزارنے کا انتظام ہی نہیں۔ خوامخواہ الجھوں گی۔ ماشاءاللہ اب یہ بہتر ہے۔ اللہ مکمل صحت سے نوازے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر زرش پہ پھونک مار کر سمعان کو تفصیلی جواب دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شائستہ بیگم اور سعود احمد چلے آئے تھے اور پھر کچھ دیر کے بعد عفان بھائی اور وقار بھی۔ شائستہ بیگم تو کھانا لے کر آئی تھیں۔ کھانے کے کچھ دیر بعد پھپھو اور وقار چلے گئے تھے۔ عفان اور زوبی بھی جانے کو تیار تھے۔

"آپ دونوں گھر جا کر آرام کریں میں ادھر ہی ہوں۔" سمعان نے چچا اور چچی کو کہا تھا۔

"جی ماما! سمعان بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کل ساری رات آپ پریشان جاگتے رہے تھے پھر یہاں سونے کا کوئی انتظام نہیں ہے اس کمرے میں سوائے ایک صوفے اور کرسی کے کچھ ہے نہیں۔ گھر جا کر آرام کریں۔" نوشی کو بھی سمعان کی رائے سے اتفاق تھا۔

"گھر جا کر نیند کہاں آئے گی۔ ذہن تو اسی طرف اٹکا ہوا ہے۔ اپنے پاپا کو کہو یہ چلے جائیں۔ ویسے بھی انہیں آرام کی اشد ضرورت ہے۔ بی پی نارمل نہیں ہے ان کا۔" انہوں نے شوہر کو دیکھا جو ایک رات میں ہی خاصے بیمار لگ رہے تھے۔

"آپ دونوں کو آرام کی ضرورت ہے۔ ادھر کی فکر نہ کریں میں ادھر ہی ہوں۔ پھر ظفر بھی نائٹ ڈیوٹی پہ ہے۔ چکر لگاتا رہے گا' فون پر آپ سے رابطہ رکھوں گا۔ آپ نوشی وغیرہ کے ساتھ ہی چلے جائیں یہ گھر چھوڑ دیں گے۔" شائستہ نے شوہر کو دیکھا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے فون کرتے رہنا؟" انہوں نے آگے بڑھ کر زرش کی پیشانی چومی تھی۔ "کوئی مسئلہ ہو تو ضرور فون کر دینا۔ نیند تو آئے گی نہیں دل تو بس اسی میں اٹکا ہوا ہے۔" ان کی آواز بھرانے لگی تو انہوں نے فوراً خود کو سنبھالا۔ پھر کچھ دیر بعد عثمان اور نوشی کے ہمراہ وہ رخصت ہو گئے تھے۔

ان کو رخصت کر کے سمعان صوفے پر جا بیٹھا۔

کہیں چاند راہوں میں کھو گیا کہیں چاندنی بھی بھٹک گئی
میں چراغ وہ بھی بجھا ہوا' مری رات کیسے چمک گئی
مری داستاں کا عروج تھا تیری نرم پلکوں کی چھاؤں میں
مرے ساتھ تھا تجھے جاگنا' تیری آنکھ کیسے جھپک گئی

نظریں خود سے بھی بے خبر چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ سمعان کے اندر بڑی عجیب سی ہلچل ہونے لگی تھی۔ پرسوں کی رات بار بار یاد آنے لگی تو اس بے خبر وجود کی جذباتیت کا احساس جرم دل کے اندر اودھم مچانے لگا۔ وہ اگر اس بستر پہ تھی تو اذیت ادھر بھی کم نہ تھی۔ بس فرق یہ تھا وہ صنف نازک تھی حوصلہ ہار گئی تھی اور ادھر اپنے غلط رویے کا احساس مجرم ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اپنے آپ کو بہلانے کو سمعان احمد نے کمرے میں موجود اخبار اٹھا لیا تھا۔ نیند اب آئی نہیں تھی۔

کوئی دوسرا بیڈ بھی نہیں ایک صوفہ اور بستر کے قریب پڑی کرسی پر ہی گزارا کرتا تھا۔

"ماما......" سعان ایک دم چونکا تھا۔ فوراً اخبار صوفے پر رکھتے اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"زرش......" سعان نے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا تو اس نے فوراً پلکیں وا کی تھیں۔

"آپ......" اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے تھے۔ ایک دو پل یک ٹک دیکھتی رہی یوں جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو پھر اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کو اس حالت تک پہنچانے کا ذمہ دار سامنے کھڑا یہ شخص تھا۔ یہ احساس اتنا تکلیف دہ تھا کہ اس نے ایک دم پلکیں موند لی تھیں۔

"زرش......کیسی ہو......؟" ہوش میں آنے کے بعد اس کا ذہن صرف اسی ایک آواز کی بازگشت میں الجھا رہا اور اب......

کس قدر اذیت دی تھی اس شخص نے، جس پہ سب سے بڑھ کر اعتماد تھا۔ دنیا کچھ بھی کہتی مگر اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پہ یہ شخص اس پہ انگلی اٹھانے والوں میں شامل ہوگا۔ اسے ایک دم اپنے سلگتے رخسار کی اذیت و تکلیف یاد آئی۔ سعان احمد نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

اسے وہ لمحے یاد آئے جب بے حد جذباتیت کا شکار ہوتے اس نے اس کا خوب صورت نازک سا گفٹ توڑا تھا۔ پھولوں کی پتیوں کو مسل ڈالا تھا۔ مگر جنون کم ہی نہیں ہوا تھا بلکہ کانچ کا ٹکڑا پکڑتے اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ اندازہ تو تب ہوا جب تکلیف و اذیت سے بے حال ہونے پر اس نے بارہا اس شخص کو پکارا تھا۔ اس وقت دل میں کیسی حسرتیں جاگی تھیں دل کیسے کیسے نہ تڑپا تھا۔ جوں جوں آنکھوں میں اندھیرا چھاتا جا رہا تھا اس کے دل و دماغ میں اس شخص کا ہر نقش واضح ہوا تھا اور پھر سب کچھ دھندلا گیا تھا اور اب...... اس نے کرب سے آنکھیں کھول کر سعان احمد کو دیکھا۔ شرمندہ شرمندہ سا چہرہ، بھینچے لب لیے اس کے رخساروں پہ بہتے آنسوؤں کو صاف کیا جا رہا تھا۔ زرش کو لگا یہ لمس کرنٹ بن کر اس کے جسم میں دوڑ گیا ہے۔

"سوری......" سعان اس کے پاس ہی بستر کے کنارے پہ ٹک گیا تھا۔ "میں جانتا ہوں میرے الفاظ تمہارے درد کا مداوا نہیں کر سکتے مگر پھر بھی میں شرمندہ ہوں۔ میں نے تم پہ شک نہیں کیا بھلا کوئی اپنی ذات، اپنی روح، اپنے جسم کے کسی حصے پہ بھی شک کر سکتا ہے۔ مجھے بس وقتی غصہ آیا تھا، تمہارے الفاظ نے تکلیف دی تھی۔ تمہاری تذلیل کرنا یا تمہیں ہرٹ کرنا کبھی مقصد نہ تھا۔ خدا گواہ ہے میں تم پہ ہاتھ اٹھا کر خود بھی پچھتایا تھا۔ تم نے اس نام نہاد رشتے کو ختم کرنے کی بات کی تھی، مجھے لگا کسی نے کھولتا ہوا پانی مجھ پہ انڈیل دیا ہو۔ بس ایک پل لگا تھا، حواس کھوتے میں، تم پہ ہاتھ اٹھا کر میں خود اذیت کی بھٹی میں پل پل جلا ہوں۔ تمہاری بے اعتبار نگاہیں، بے یقین لہجہ مجھے احساس شرمندگی سے دوچار کر گیا تھا اور پھر تم نے جو کیا۔ گلہ مجھ سے تھا مجھے کہتیں خود کو کیوں اذیت دی تم نے۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے، اپنی جان پہ کھیلنا اتنا آسان تھا۔ ہم لوگ کیسے جیتے اگر تمہیں کچھ ہو جاتا، سوچا تم نے......" دھیما، جذبوں

لہجہ پھوار کی مانند برسا تھا۔ زرش بے یقین سی دیکھ رہی تھی۔

سعان احمد کے لہجے نے جس جادوئی انداز میں اثر کیا تھا وہ تو پلک جھپکنا ہی بھول گئی تھی۔ آنسو تھم گئے تھے۔

"میں کوئی بہت اعلیٰ و ارفع ہستی نہیں ہوں۔ ایک عام انسان ہوں۔ تمہاری گفتگو نے وقتی طور پر دل و دماغ پر اثر کیا تھا مگر ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ میں تم پہ شک کر رہا ہوں۔ مجھے تم پہ اتنا ہی مان ہے جتنا کہ خود پر بلکہ اپنے آپ سے بھی بڑھ کر۔"

اور زرش ساکت سی دیکھے جا رہی تھی۔ پرسوں رات میں سعان احمد سے واسطہ پڑا تھا تو پھر وہ کون تھا؟ یہ تو وہی شخص تھا، جس سے وہ برسوں سے آشنا تھی۔ جس کی وہ دیوانی تھی۔ جو اس کو کانچ کی طرح سنبھال کر رکھنے والا تھا۔ جو اس کے احساسات و جذبات کی بھی ایسے حفاظت کرتا تھا کہ گویا کانچ ہو ذرا سی ٹھیس سے بکھر نہ جائے اور اب۔

زرش کو لگا وہ پہلے خواب میں تھی، اب جاگی ہے گویا درمیان میں کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ سعان احمد اس سے ملنے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ پھولوں کا خوب صورت بکے تھا۔ ساتھ ہی ایک خوب صورت گفٹ تھا اور وہ سعان کو دیکھ کر کتنا حیران ہوئی تھی۔ اس کا دل لرزا تھا اور اب سعان احمد کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید اپنی والہانہ محبت کا اظہار یا پھر......

زرش نے دھیان دینا چاہا مگر لگا کہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدید ہے ایک پل کو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا یا حواس کھو گئے تھے۔

"سعان......" اسے نہیں پتا تھا کہ وہ ہوش و حواس میں ہے یا نہیں، بس وہ خود کو ایک دم سعان کے سامنے بکھرنے سے نہ روک پائی تھی۔

* * *

عثمان احمد نے زوباریہ بھابی کے ہمراہ واپس جانے کی بات کی تو سعید احمد نے شام تک روک لیا تھا۔ انہیں ولید والے پرپوزل کے متعلق ان سے ڈسکشن کرنا تھا۔ اگلی صبح سمعان بھی گھر آیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد انہوں نے عثمان، سمعان اور زوباریہ بھابی کو پاس بٹھا کر وہ ذکر چھیڑ دیا تھا جس کی وجہ سے سمعان سب کچھ چھوڑ چھاڑ فوراً کراچی آیا تھا مگر زرش کی وجہ سے اس طرف دھیان ہی نہیں آیا تھا کہ وہ کس کام سے یہاں آیا ہے۔

''ابو جی! میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب قبل از وقت ہے۔ آپ کا فیصلہ یقیناً اہم ہوگا' آپ نے کبھی ہمارے لیے غلط نہیں چاہا اور وہ لڑکا ولید بے شک بہت اچھا ہے' مگر میں نہیں سمجھتا کہ فرح کے لیے اتنا بڑا فیصلہ یوں عجلت میں کیا جائے۔ ہم کچھ عرصہ انتظار کر سکتے ہیں۔'' سمعان نے فوراً کہا تھا۔

''مگر میں انتظار کرنے کے قطعی حق میں نہیں ہوں۔ ولید بہت اچھا لڑکا ہے۔ میں فرح کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ میں صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ ان لوگوں کو کب باقاعدہ اپنے گھر انوائٹ کروں۔''

''جب آپ سب طے کیے ہوئے ہیں تو ہم لوگوں سے پوچھنے کی فارمیلٹی بھی کیوں نبھا رہے ہیں۔ جو جی میں آتا ہے کریں' یہی روٹین امی نے اپنا رکھی تھی اور اب آپ بھی۔'' سمعان ایک دم تلخ ہوا تھا۔ ٹمپرامنٹ فوراً لوز کیا تھا ورنہ یوں پل میں آؤٹ ہو جانا فطرت نہ تھی۔ شاید اندرونی ڈپریشن تھا! پھر..... سعید احمد اور عثمان دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''ویسے بھی فرح آپ کی بیٹی ہے' آپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں پھر ہم سے مشورے کی زحمت بھی کیوں؟'' سمعان کے لب و لہجے پہ بھابی نے بھی بغور دیکھا۔

''سمعان یہ کس انداز میں بات کر رہے ہو؟'' سمعان احمد کا اکھڑا لہجہ انہیں فوراً ٹوکنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''سوری.....'' سمعان کو فوراً احساس ہوا تو اگلے ہی پل معذرت کر لی مگر چہرے کے تنے اعصاب نارمل نہیں ہوئے تھے۔

پتا نہیں کیا وجہ تھی؟

خلفشار اندرونی تھا یا بیرونی زوباریہ بھابی اندازہ نہ کر پائی تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں اس رشتے پر اعتراض کیا ہے؟ اعتراض کی توقع مجھے جہاں تھی وہاں کوئی ردِعمل نہیں ہوا۔ ان کا اشارہ طاہرہ بیگم کی طرف تھا اور تم بغیر وجہ کے اعتراض کر رہے ہو۔''

آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیوں انکار کر رہا ہوں اور وجہ بھی کوئی غیر معقول نہیں ہے۔'' عثمان نے خاصے تعجب سے سمعان کو دیکھا۔

سعید احمد بھی ایک پل کو چپ رہ گئے تھے۔

''میں فرح کو آپ جیسی یا اپنے جیسی نامکمل محرومیوں سے بھری لائف نہیں دینا چاہتا۔ ہماری ایک ہی اکلوتی بہن ہے۔ اسے اپنی خوشیوں کے ہر طرح کے تحفظات کا حق حاصل ہے۔ ایک نامکمل ذہنی خلفشار سے بھری واہموں وسوسوں کی آماجگاہ سے مزین ایک بٹی ہوئی زندگی ہی وہ گزارے گی اگر آپ اس رشتے یا کسی بھی اور رشتے پر بضد رہے تو۔'' بڑے تحمل سے سمعان نے واضح کیا تھا۔

''فرح تمہاری بہن ہی نہیں میری بیٹی بھی ہے۔ مجھ سے زیادہ تم لوگوں کو اس کی خوشیوں کا احساس نہیں ہوگا۔'' انہوں نے غصے سے سمعان کو دیکھا۔ اندر سے حیرت زدہ بھی تھے کہ آج تک یہ سمعان کو ہو کیا گیا ہے۔ اتنا تردد اتنی بحث و تمحیص تو اس نے اپنی دفعہ بھی نہ کی تھی۔

''عثمان بھائی! آپ ہی ابو کو کچھ سمجھائیں۔ پلیز بھابی آپ تو ہر بات سے باخبر ہیں۔ آپ ہی کچھ کہیں۔'' سمعان نے دونوں خاموش بیٹھے میاں بیوی کو بھی گھسیٹا تھا۔

''سمعان! میں بھلا کیا کہوں۔ سعد یہاں پاکستان میں ہوتا یا پھپھو وغیرہ کی طرف سے کوئی ردِعمل ہوتا تو میں کوئی بات بھی کرتی۔'' بھابی نے سمعان کو دیکھتے ہوئے کہا تو سعید احمد چونکے۔

''کیا مطلب ہے؟ یہاں سعد کا کیا ذکر ہے؟ اگر تم فرح کی ذات کو پچھلے حوالوں کی وجہ سے سعد کے ساتھ منسلک کرنا چاہتے ہو تو سمعان میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گا۔ اگر حالات و واقعات اس قدر جلدی تبدیل نہ ہوتے تو شاید کچھ گنجائش نکل آتی۔ سعد زرش کو چھوڑ کر گیا تھا' اس کے بارے میں میں اب بھی اگر کچھ سوچوں تو پھر زرش' سعود اور شائستہ لوگوں کے جذبات سے کھیلنے والی بات ہوگی۔ بے شک سعد لاکھ اپنا ہے مگر یہ بات بھی تو بھلائی نہیں جائے گی کہ وہ عین شادی کے قریب اتنے نازک حالات میں فرار ہوا تھا۔'' سمعان نے لب بھینچ لیے۔

''ابو جان! اگر پھپھو لوگ ایسا کوئی خیال اب بھی رکھتے ہیں تو مضائقہ تو کوئی نہیں۔ وحید الدین انکل کی فیملی سے پھپھو کی فیملی لاکھ درجے بہتر ہے اور سعد کے بارے میں ہر طرح کی گارنٹی ہے۔'' عثمان بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''نہیں عثمان! تمہاری اور سمعان کی بات کے بعد میں اب فرح کی ذات کو کوئی متنازع قصہ نہیں بنانا چاہتا۔ لڑکیوں کے معاملات بہت نازک ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کے بارے میں کوئی کچھ کہے۔ سمعان کیوں زور دے رہا ہے' میں اتنا نا سمجھ نہیں ہوں مگر اب سعد کے بارے میں سوچنے کی بھی گنجائش نہیں بچتی۔'' بڑے تحمل سے انہوں نے رد کیا تھا۔ بلکہ اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

سمعان احمد کو لگا جیسے انہوں نے انتہائی فیصلہ سنا دیا ہو۔

سعد کے بارے میں گنجائش نہیں بچتی مگر فرح کے بارے میں تو نکالی جاسکتی ہے نا۔" سمعان کے اندر بڑی زبردست تحریک برپا ہوئی تھی۔ سمعان کے الفاظ ہی ایسے تھے کہ وہاں کمرے میں موجود ہر شخص ایک پل کو خاموش رہ گیا تھا۔

"سمعان! تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ کس کے متعلق کہہ رہے ہو۔" انہوں نے کچھ توقف کے بعد بڑی خفگی سے سمعان کو دیکھا تھا۔

"جی...... بہت اچھی طرح......" سمعان احمد نے فوراً سر ہلایا تھا۔ "آپ فرح کی اور میری اٹیچمنٹ سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کے اس قدر قریب کوئی بھی نہیں رہا حتیٰ کہ زرش بھی نہیں۔" سمعان کا انداز بڑا سنجیدہ تھا۔ سعید احمد کے چہرے پہ تفکر کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔ آپا کے بار بار زور دینے اور سعد کے شادی سے فرار نے انہیں یہ تو سمجھا دیا تھا کہ سعد کیوں بھاگا ہے مگر فرح کی ذات بھی انوالو ہوگی انہیں گمان نہ تھا۔

"ابو جی......! سعد صرف فرح کے لیے یہاں سے گیا تھا، ٹھیک ہے تب حالات کچھ ایسے تھے کہ اس نے جو بھی قدم اٹھایا مگر اس کی نیک نیتی شامل تھی اس میں۔ ہم اسے موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ با اس کی ذات کو ہائی لائٹ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ سعد سے میرا رابطہ ہے مسلسل۔ بے شک پھوپو لوگ ابھی ناراض ہیں مگر حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آپ کے مجبور کرنے پر ہی سہی مگر میں نے اس شادی کو نیک نیتی اور دل سے قبول کیا تھا۔ ٹھیک ہے زرش نے حالات کے مطابق فیصلہ کیا مگر...... آپ بھی سعد کے اس "تعاون نما احسان" سے انکاری نہیں ہوں گے۔ اگر سعد یہ قدم نہ اٹھاتا تو آج حالات یہ بھی نہ ہوتے۔" سمعان خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہم کچھ عرصہ انتظار کر سکتے ہیں۔ پھپھو لوگوں کی سعد سے ناراضگی ہمیشگی پہ محیط نہیں ہوگی، مجھے صرف فرح کے جذبات کا احساس ہے۔ آپ بھی ضرور سوچیے گا اگر میں نے کسی بھی معاملے میں گستاخی کی ہے تو اس کے لیے معذرت کہ بہرحال اس قصے پر میں کچھ تلخ ضرور ہوا ہوں۔"

سمعان نے سب پہ ایک بھرپور نگاہ ڈالی تھی اور پھر کمرے سے باہر کا رخ اختیار کیا تھا۔

سعید احمد نے خالی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

عثمان احمد اور زوباریہ بھابی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر لب بھینچ لیے۔ نجانے اب سعید احمد کیا فیصلہ کرنے والے تھے۔

* * *

اگلے دو تین دن لگے تھے اسے روبہ صحت ہونے میں۔ جسمانی طور پر کمزوری پہ قابو پایا گیا تو کلائی کا زخم بھی کچھ بہتر ہوا تھا۔ پانچویں دن اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔

پانچ دن بعد اس کا پہلا پیپر تھا۔

زرش نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔ سبھی بے خبر تھے۔ زرش گم صم ہی رہی تھی۔ صرف ٹھیک ہوں یا جی

نوشی کے علاوہ وہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی تھی۔ شائستہ بیگم اسے دیکھتیں تو دل ہولتا تھا۔ یہ پانچ دن سمعان نے اس کے پاس اسپتال میں گزارے تھے اور زرش کا سمعان کی موجودگی میں ہر وقت آنکھیں بند کیے پڑے رہنا۔ شائستہ بیگم کے اندر بہت سے سوال جاگ گیا تھا مگر نہ ہی وہ زرش سے پوچھنے کا رسک لے سکی تھیں اور نہ ہی سمعان احمد سے۔ مگر وہ محسوس کر چکی تھیں کہ زرش کی اس انتہائی جذباتی حرکت کے پیچھے سمعان احمد کا کوئی ردعمل ہی ہے مگر کیا؟

سمعان نے زرش کے گھر شفٹ ہونے پر کچھ ریلیکس محسوس کیا تھا۔ اسلام آباد کے کئی کام اٹکے ہوئے تھے۔ سمعان فوراً روانہ ہوا تھا۔ وہاں تو دن لگے تھے کچھ مصروفیات ایسی تھیں کہ صرف ایک دو بار ہی کال کر کے چچی سے زرش کی خیریت دریافت کی تھی۔

ادھر سے فراغت ملتے ہی سمعان واپس کراچی آیا تھا۔ دل و دماغ تو اسی جذباتی لڑکی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس رات وہ صرف ان کے سامنے ٹوٹ کر روئی ہی تھی، اس کا رونا ایسا تھا کہ سمعان کو ندامت نے آلیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ مسلسل سمعان کو نظر انداز کر رہی تھی۔ گم سم، چپ چاپ سب کے سامنے تھی۔ گھر جا کر فریش ہو کر سمعان چچا کے ہاں چلا آیا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ سبھی لاؤنج میں تھے سوائے زرش کے۔ نوشی ادھر ہی تھی، چند پل سمعان سب کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

"زرش کدھر ہے؟" نوشی سے پوچھا۔

"کمرے میں......؟"

"میں دیکھتا ہوں......"

سمعان خود ہی اٹھ گیا تھا۔ شائستہ نے خاموشی سے سمعان کو جاتے دیکھا، زرش تو کمرے میں بند بالکل ہی چپ چاپ ہو گئی تھی۔ عیادت کرنے والے بھی اس کی خاموشی صاف محسوس کر رہے تھے۔

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا
اب اس کا حال سنائیں کیا
کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں
پھر سچا شعر سنائیں کیا

سمعان کے قدم دروازے کی دہلیز پر ہی ٹھٹک گئے تھے۔

وہ کمپیوٹر کے سامنے ریوالونگ چیئر پہ بیٹھی بظاہر اسکرین پہ نظر گاڑے مگر وہ دراصل اپنے وجود سے بے خبر تھی۔ اس کی آنکھوں کی دمکتی چمکتی لہروں کی روشنی ماند پڑ چکی تھی۔ بے حس انداز میں وہ صرف سامنے دیکھ رہی تھی۔ دھیمی آواز میں بجتا میوزک بھی شاید اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کر پایا تھا۔

اک آگ غمِ تنہائی کی جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو
تو دامنِ دل کو بچائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا
اب اس کا حال بتائیں کیا

سمعان کو لگا جیسے وہ اپنے خول میں سمٹ گئی ہے۔ اپنی ذات کے گنبد میں قید لمحہ بہ لمحہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ بے پروائی سے دوپٹہ کندھے پہ تھا۔ پیلے لباس میں کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ زرد سرسوں کا پھول لگ رہی تھی۔ سنہرے ریشمی بال سائیڈ پہ تھے' بکھرے اُلجھے بے ترتیب سے انداز میں۔

سمعان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ اسے اس حال میں دیکھ کر دل تو لہو لہو ہو گیا تھا۔ سمعان کے ایک غیر جذباتی رویے نے اسے ایک طوفان سے آشنا کیا تھا جس کا اندازہ اب ہو رہا تھا۔

سمعان نے قدم اندر کی طرف بڑھا لیے تھے۔

وہ اپنے تصور میں اتنی مگن تھی کہ سمعان کی موجودگی بھی اثر انداز نہ ہو پائی تھی۔

"زرش......!"

پکار پہ ایک پل کو وہ ٹھٹکی تھی' نگاہوں کو جنبش دی تو نظریں سمعان کے چہرے پہ ایک پل کو جم ہی گئی تھیں۔ شرمندہ' افسردہ چہرہ سامنے تھا مگر اس کا نقصان پورا نہیں ہونے والا تھا اب اس کا اعتبار ٹوٹا تھا۔ اس کے اندر کی زرش کا قتل ہوا تھا وہ کیسے اب دوبارہ اپنے آپ کو بحال کرتی۔ اس رات سمعان اندر کی جذباتیت نے صرف چند الفاظ ہی ادا نہیں کیے تھے' اس کا اعتبار توڑا تھا۔ اس کے منہ پہ صرف ایک تھپڑ ہی نہیں پڑا تھا سمعان کی ذات پہ یقین رکھنے والی زرش کا قتل ہوا تھا اور اس کے بعد وہ اب کیسے جیتی۔ اس کی آنکھیں بے تاثر ہی رہی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔ سمعان کو سامنے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح گھبرائی نہیں تھی اور نہ ہی کمپیوٹر کی ڈی پلیئر آف کرنے کا خیال آیا تھا۔

یوں لگ رہا تھا کہ گویا وہ بے حس اور پتھر ہو چکی ہے۔ ہر احساس سے عاری...... ہر جذبے سے بدظن؟

"کیسی ہو؟"

زرش نے نگاہیں پھیر کر کمپیوٹر کی "کی بورڈ" پہ جما دیں۔

"زرش......" سمعان کے لیے اس کا یہ انداز بڑا اذیت ناک تھا۔ بڑے کرب سے پکارا تھا۔

"زرش پلیز......" سمعان نے ریوالونگ چیئر کا رُخ اپنی طرف کر لیا تھا۔ وہ سر اُٹھا کر سمعان کو دیکھنے لگی۔ سمعان نے پہلے کمپیوٹر آف کیا اور پھر اسے دیکھا۔ جو اس کو دیکھ ہی نہیں پا رہی تھی۔

"زرش! آئیم سوری یار...... مجھے اندازہ ہے میں نے تمہیں بڑی بُری طرح ہرٹ کیا ہے مگر یقین مانو وہ صرف وقتی کیفیت تھی۔ وقتی اُبال تھا میں نے کبھی غصے میں ایسا اظہار نہیں کیا مگر اس وقت نجانے کیا ہوا تھا۔ تم سے میں کیوں کر بدظن ہو سکتا ہوں۔ تم تو میری روح میں کھلنے والی کھڑکی ہو۔ اپنے آپ سے بھی کوئی ناراض ہو سکتا ہے بھلا' سزا دینا تھی تو مجھے دیتی ناں۔ خطاوار تو میں تھا اور نادم بھی ہوں۔ تم پہ ہاتھ اُٹھایا۔ تمہارے اعتبار کو مجروح کیا۔ پلیز کچھ تو کہو۔ بُرا بھلا...... لعنت ملامت کچھ بھی۔ پلیز یوں چپ نہ رہو۔" اس کی طرف جھکتے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر سمعان نے کہا تو زرش کو لگا ہو جیسے کسی نے بارش برسا دی ہو۔ جلتا دل ایک دم فنا ہوا تھا۔ یا پھر جل تھل۔ اندر کا سارا کرب اس کے دل پہ سمٹ آیا تھا۔ سمعان کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں اس کے لرزتے نازک ہاتھ اس کے چہرے پہ کے اندر ہلچل مچا گئے تھے۔

"آپ......" کچھ کہنے کی کوشش میں گلابی ہونٹ لرز اُٹھے تھے۔

"ہاں بولو...... پلیز کچھ تو بولو......" اس کے ہاتھوں کو دباتے اپنے والہانہ پن کا مظاہرہ کرتے اُکسایا تھا اور زرش کو لگا وہ اندر سے بالکل ٹوٹ گئی ہے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی' بکھرنا نہیں چاہتی تھی' اس کی ذات بڑی شکست سے دوچار تھی اور وہ اپنی شکست کا ماتم سمعان کے سامنے تو قطعی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر خود پہ بس کہاں تھا۔ سمعان کی آواز نے اس کے سب سوئے جذبوں کو جگا ڈالا تھا وہ تو مر کر جی گئی تھی۔

"آپ......" آنکھوں سے شدت سے آنسو بہہ نکلے تھے اور پھر وہ خود پہ بند نہیں باندھ سکی تھی۔ وہ بڑی کمزور اور عام سی لڑکی ہی تو تھی کیسے خود کو سنبھالتی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سمعان نے کرب سے ہونٹ کاٹ لیے۔ قالین کے ایک طرف رکھے کشن کو کھینچ کر اس پہ بیٹھے اس کا بازو بھی کھینچ کر خود میں سمیٹ لیا تھا۔ سمعان کا گریبان گرم آنسوؤں سے تر ہوتا رہا۔ وہ تو ہر طرح کے احساس سے بے خبر صرف اپنی شکست کا ماتم کر رہی تھی اور سمعان کے دل پہ جو قیامت برپا تھی اس کا اندازہ اسے نہ تھا۔

"آپ نے مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا۔ مجھ پہ شک کرتے' ہاتھ اُٹھاتے میرے دل میں اپنی محبت کی خوبرو کونپلیں نوچ ڈالیں۔ کیوں کیا آپ نے ایسا؟ میرا اعتبار ریزہ ریزہ کر ڈالا؟" بہت سا رونے کے بعد ایک دم سمعان کے سینے سے چہرہ اُٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ سرنواز فاروق تھے۔ مجھے نہیں پتا انہوں نے ایسا کیوں کیا مگر انہوں نے اپنا پروپوزل دیا تھا' وہ میرے بارے میں بے خبر تھے اور جب انہیں علم ہوا تو انہوں نے اس رات معذرت کرنے کو فون کیا تھا۔ میں نے تو وہ آخری الفاظ صرف مذاق میں کہے تھے اور آپ نے مجھے غلط سمجھا۔"

"نہیں...... با خدا نہیں...... وقتی طور پہ صرف غصہ تھا مگر ایسی بات قطعی نہ تھی۔" سمعان نے فوراً اسے اپنے جملوں کا اعتبار سونپنا چاہا تھا مگر وہ تو بے یقین تھی۔

"آپ نے مجھ پہ ہاتھ بھی تو اُٹھایا تھا؟" سمعان کی سنگین غلطی سامنے تھی۔

"پاگل پن تھا میرا...... بس تمہارے الفاظ نے غصہ دلا دیا تھا تم نے تعلق ختم کرنے کی بات کی تھی اور مجھے غصہ آ گیا تھا' بھلا میں ایسا کبھی کر سکتا ہوں میں نے تو تمہیں ابھی مکمل طور پہ پایا بھی نہیں پھر کھونے کی جسارت کیسے کر لوں؟ بھلا کوئی اپنی مرضی سے اپنے جسم سے اپنی روح کو نکلنے دیتا ہے؟"

اور زرش کو ایک دم لگا اس کے دل و دماغ پہ چھائی کہر سمٹنے لگی ہو جیسے۔ سمعان نے جھک کر بڑی محبت و نرمی سے اس کے رخساروں پہ بکھرے تمام آنسو چن لیے تھے۔

"مجھے تو فوراً ندامت کے احساس نے آ لیا تھا۔ رہ رہ کر خود پہ غصہ آ رہا تھا مگر تم نے ایسا کیوں کیا۔ اگر واقعی تمہیں کچھ ہو جاتا تو...... کوئی یوں بھی کرتا ہے؟" سمعان نے بڑی نرمی سے اس کا بایاں بازو

تھامتا تھا' وہ سسکی۔

”میں نے اگر غصے میں تعلق توڑنے کی بات کی تھی تو آپ غصے میں نہ آتے سامنے سے ہٹ جاتے بعد میں بات کلیئر کر لیتے مگر آپ کے جانے کے بعد لگا اب کچھ بھی باقی نہ رہا۔ میرا آپ سے بچپن کا ساتھ ہے آپ کا وہ رویہ رہ رہ کر دکھ میں مبتلا کرتا رہا اور اس وقت تو دل چاہ رہا تھا کہ سانس ابھی بند ہو جائے۔ یا پھر بیٹھے بیٹھے موت آ جائے۔“

سمعان کے اندر پھر سے ملال بکھرنے لگا۔ زندگی میں پہلی دفعہ اس قدر جذباتی پن کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کا خمیازہ بھی بھگت لیا تھا۔ ہمیشہ اپنے احساسات و جذبات پر مکمل کنٹرول رہا تھا نہایت ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کا مالک ہونے کے باوجود اس وقت نجانے کیوں ایسی ہی جذباتی کیفیت کا شکار ہوتا چلا گیا تھا۔

”آپ وعدہ کریں مجھ سے۔ آپ آئندہ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ مجھ پر مکمل اعتماد کریں گے' میں سب کی بے اعتباری سہہ سکتی ہوں مگر آپ کی نہیں' وعدہ کریں مجھ سے۔“ اس کے تو یقین و اعتماد کی دھجیاں بکھری تھیں کیسے ایک دم سنبھل جاتی۔ اس کا ذہن تو صرف ایک نقطے پہ جم گیا تھا گویا۔

”زرش...... زری...... میرا مقصد وہ سب نہیں تھا تم سمجھنے کی کوشش کرو یار......! میں بھلا کیوں بے یقینی یا بے اعتباری کا مظاہرہ کروں' کوئی اپنی ذات سے بھی بے اعتبار ہوا ہے کیا؟“

سمعان کی وہی یقین دہانیاں تھیں' وہی اول روز والے انداز تھے زرش نے سر اٹھا کر دیکھا۔

جو گزر گیا وہ پھر کیا تھا؟

سمعان نے اس کی آنکھوں کے تاثر کو پڑھا تو اندر کا ملال بڑھنے لگا۔ زرش لاکھ بدظن و ناراض سہی مگر اس طرح کی بے یقینی سمعان احمد کے معاملے میں اس نے کبھی نہیں دکھائی تھی۔

”یہ نظر کا دھوکا نہیں ہے زرش! یقین کرو مجھ پر۔ ہمارا آج کا ساتھ نہیں برسوں کا ساتھ ہے' غصہ جذباتیت ایک طرف مگر میں تم پر بے اعتباری کا مظاہرہ کرنے کا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔“ سمعان کے انداز میں ملال بکھرتا چلا گیا تھا' اپنے رویے پر' اپنی گزشتہ غلطی پر۔ اس وقت زرش کو اپنے دل کی کیفیت بتانا' دنیا جہاں کا مشکل امر محسوس ہوا تھا۔

دل کے جذبوں کی سچائی اور نیک نیتی آشکار کرنا بڑا مشکل طلب مرحلہ تھا۔ اگر دل چیر کر دکھانا ممکن ہوتا تو شاید یہ بھی کر جاتا۔ سمعان نے آہستگی سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

زرش کے ذہن میں ایک ہی بات جم گئی تھی اور سمعان کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے گزرے ناخوش گوار پل' وہ لمحے اس کے ذہن کی سلیٹ سے مٹا دے یا پھر کوئی جادوئی چھڑی ہو جس سے اس کی ذہنی کیفیت نارمل کی جا سکے۔

وہ جس بے اعتباری و بے یقینی کی فضا میں اُلجھ گئی ہے اس سے نکالا جائے۔

”کاش میں تمہیں اپنے جذبوں کی نیک نیتی کا یقین دلا سکتا؟“

سمعان نے بڑی آزردہ نگاہوں سے زرش کو دیکھا تھا۔

خاموشی و آہستگی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

معان ”زرش! کس انداز' کن الفاظ میں اپنی شرمساری کا اظہار اور قلبی کیفیت کو آشکار کروں کہ تمہارے ساری بے یقینیاں ختم ہو جائیں۔ تم نے اپنے ذہن کو ایک ہی نقطے پر جما لیا ہے نہ تم کچھ سمجھ رہی ہو نہ یقین۔ تم میری اوّلین محبت ہو میں کیونکر تم سے بدگمان ہونے لگا۔ ہاں چند کمزور لمحوں کی گرفت ایک کمزور انسان ہونے کا خراج ضرور وصول کیا تھا مگر دل کے کسی بھی گوشے میں یہ گمان پیدا نہ ہوا میں تم سے بدظن ہو چکا ہوں۔ گھر جا کر خود کو لعنت ملامت کرتے بھی یہ احساس نہ ہوا کہ میں بے ہوا ہوں بلکہ اپنے رویے و جذباتی پن پر اضطراب کا شکار رہا اور اب۔“

معان نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ گھٹنوں میں سر دیئے ابھی بھی سسک رہی تھی۔ سمعان نے اذیت و بیچارگی سے لب بھینچ لیے۔

”تمہارے ایگزیمز میں صرف تین چار دن باقی ہیں پلیز خود کو کمپوز کرو' بحال کرو اس طرح تو بکھر ؤ گی تم۔“ زرش نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا تو سمعان نے نگاہ پھیر لی۔

”مجھ سے اب ایگزیمز نہیں دیئے جائیں گے۔“ بڑی بے چارگی تھی اس کے انداز میں۔

”زرش پلیز...... میں ہر طرح کی سزا سہنے کو تیار ہوں۔ جو بھی کہو گی کروں گا مگر پلیز اپنا فیوچر مت تباہ رو۔ اپنی تعلیم کی طرف دھیان دو تمہارے اس انتہائی قدم سے پہلے ہی سب پریشان ہیں اب ہارے اس فیصلے سے سب نہیں تو کم از کم چچا اور چچی جان تو ضرور متاثر ہوں گے۔ پلیز کچھ سوچو و۔“

اس کے اس فیصلے نے سمعان کو مزید تکلیف میں دھکیل دیا تھا۔

”تو کیا کروں......؟ آپ نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ سب جذبے مر گئے ہیں۔ کیسے مان...... اب کچھ بھی نہیں سوچا جاتا۔“

ادھر دکھ عالم تھا سمعان نے بے حد اذیت سے اسے دیکھا تھا۔

……

سخت اذیت میں تو شائستہ بیگم کی بھی ذات آ چکی تھی۔ کمرے کی دوسری طرف ہونے والی باتیں ان کے وہم و گماں میں بھی نہ تھیں۔ سمعان احمد کی انتہائی بے چارگی اور زرش کا بُری طرح سسکنا رونا۔ نوازش نکالے! الفاظ سمعان کے جملے زرش کے الفاظ وہ عجیب اُلجھن میں گھر گئی تھیں۔ بہت سی باتیں سمجھنے میں ہونے کے باوجود بہت کچھ واضح ہو چکا تھا۔ وہ تو سمعان اور زرش کی موجودگی میں یونہی حالات کا جائزہ لینے ادھر آئی تھیں کہ دل میں سمعان کے رویے اور زرش کی مسلسل چپ نے یہ یقین تو دلا دیا تھا کہ جو بھی معاملہ ہوا تھا ان دونوں کی ذات کے درمیان میں ہی تھا مگر کیا؟

معان کا شرمسار معذرت خواہانہ لب و لہجہ اور زرش کا ہار جانے والا انداز وہ تو سب کچھ اور ہی اظہار کر رہا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ”یہ نواز فاروق کون تھا؟“ وہ اُلجھ کر رہ گئی تھی۔ اُلجھے دل کو ایک گونہ اطمینان تو حاصل ہوا تھا کہ اتنے دنوں سے زرش کے اس انتہائی قدم

کی وجہ تو سامنے آئی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ بات ان دونوں کی ہی ہے مگر معاملہ یہ ہوگا۔ وہ تکلیف سے دروازے سے ہٹ گئی تھیں۔ وہ اندر جانے کے بجائے لان میں آ بیٹھی تھیں۔

کچھ دیر بعد ان کی توقع کے مطابق سمعان آتا دکھائی دیا تو انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھا۔ بھینچے لب، پژمردہ انداز میں قدم اُٹھاتا وجود ان کے دل میں ملال جگا گیا۔

”سمعان.....“ اپنے ہی دھیان میں چلتے سمعان نے چونک کر آواز کے تعاقب میں دیکھا۔ چچی کو لان چیئر پر بیٹھے پایا تو اسی جانب آ گیا۔

”آپ اِدھر اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟“

”تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“

”خیریت.....؟“ سمعان نے چونک کر دیکھا وہ خود اُلجھی ہوئی تھیں۔

”ہوں.....بیٹھو.....“ سمعان سامنے رکھی کرسی پر ٹک گیا۔ ”میں تمہارے اور زرش کے مابین ہونے والی گفتگو سن چکی ہوں۔ ابھی دانستہ نہیں مگر تم سے ساری بات سننا چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ زرش نے یہ انتہائی قدم کیوں اُٹھایا؟“ سمعان کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہوا تھا۔

ماں جیسی چچی سے ایسی حیا آئی کہ نظریں خود بخود جھکتی چلی گئیں۔ انہوں نے بلاتمہید اصل بات کی تھی سمعان کو چند پل لگے تھے خود کو بحال کرتے میں۔ بہر حال ایک جگہ غلطی ہوئی تھی اس کی سزا تو بھگتنا تھی اب۔ آہستگی سے وہ گزری رات حرف بہ حرف بیان کر ڈالی۔

”یہ نواز کون ہے؟“ انہوں نے ساری بات سن کر پوچھا تو سمعان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”مجھے نہیں معلوم۔ جو زرش نے اب کہا ہے وہ بھی بتا دیا ہے، ہوسکتا ہے کوئی جاننے والوں میں سے ہوں مگر وہ سرنواز فاروق کہہ رہی تھی۔“

”کہیں اکیڈمی میں کوئی سر نہ ہوں، ویسے ایک دو دفعہ اس نے یہ نام پہلے بھی لیا ہے مگر خیال ہے اکیڈمی میں ہی ہے۔ چند دن ہی وہاں گئی تھی مگر پھر اچانک وہاں بھی جانا چھوڑ دیا تھا۔“ سمعان زیادہ نہیں جانتا تھا سو کچھ بھی نہ کہا۔

”میں زیادہ کرید اب نہیں کرتی کہ کہیں ناراض نہ ہو جائے گمان ہی نہ تھا کہ کوئی بات ایسی بھی ہوگی۔“ وہ رنجیدہ لہجے میں یوں بول رہی تھیں جیسے خود سے محو کلام ہوں۔

”میں زرش سے بات کروں گی ایگزیمز کی طرف مصروف کرتی ہوں ہو جائے گی ٹھیک آہستہ آہستہ پریشان مت ہو۔“ انہوں نے سمعان کا چہرہ دیکھا تو احساس ہوا کم تکلیف میں تو اس کی ذات بھی نہ تھی بلکہ جتنا زرش تکلیف میں تھی وہ بھی تھا۔ انہیں ایک دم ترس آیا تھا۔ سو فوراً دلاسہ بھی دے ڈالا تھا۔

”اس کا ذہن صرف ایک ہی نکتے پہ جم گیا ہے کہ میں نے بے اعتباری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اتنا کہنے سننے کے باوجود اس کا ذہن اسی مقام پہ ہے۔ میں غلطی پر ہوں مگر آپ بتائیں کیسے یقین دلاؤں کہ وہ صرف وقتی جذباتیت تھی درحقیقت ایسا کچھ نہ بھی نہ تھا۔“ سمعان نے دل کا بوجھ کہہ ڈالا تھا۔

”آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ بلکہ تمہارے لیے تو یہ خوش آئند بات ہونی چاہیے کہ

ہوئی؟ نبھانے ایک جذباتی قدم نے اس کی ذات میں دراڑ ڈالی ہے تو وہاں وہ تمہارے جذبوں کو بھی قبول کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ تم ٹینشن نہ لو جو ہونا تھا ہو چکا۔ بس اپنے قدموں کو پیچھے مت دھکیلنا وہ اس وقت جس جذباتی شکست و ریخت سے دوچار ہے تمہاری موجودگی اس کے لیے بڑی اہم ہے۔ رہا ایک نکتے پہ جم جانے یا یقین و اعتماد کی بات تو چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گی۔ میں دیکھ لوں گی۔“

سمعان کے چہرے پہ چھائی بے چارگی و شرمساری کے جذبات کے ہمراہ پریشانی کی اذیت دیکھ کر انہوں نے فوراً دلاسہ دیا تھا اور سمعان نے مسکرا کر چچی کو دیکھا تھا۔

زرش جس مقام پر تھی وہاں اب کچھ بھی کہنا یا دعویٰ کرنا فضول تھا۔“

سمعان یہ بات چچی سے نہیں کہہ پایا تھا۔

* * *

شائستہ بیگم کو زرش کو نارمل کرنے میں بڑی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ سمعان احمد مرد تھا اور بیوی کے مقابلے میں اچانک کسی بھی مرد کا ایسا ری ایکشن فطری تھا پھر سمعان کا یہ رویہ اسے الزام نہیں دیا جا سکتا تھا کہ زرش نے بھی سمعان کو اس رشتے کے حوالے سے قبول نہیں کیا تھا۔

دونوں کے درمیان اس رشتے کے حوالے سے جو اعتماد کی فضا ہونا چاہیے تھی وہ بالکل مفقود تھی پھر ایسا واقعہ رونما ہو جانا شائستہ بیگم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سمعان کو الزام دیں یا زرش کی جذباتیت کو مورد الزام ٹھہرائیں۔ بہر حال قصوروار انہیں زرش ہی لگ رہی تھی۔

زرش کے ایگزام قریب تھے ایسے میں اس کی یہ کنڈیشن اور یہ جذبات بھرا قدم انتہائی سنگین صورت حال اختیار کر گیا تھا۔ آنے والے دنوں میں انہیں زرش کو اس جذباتی دھچکے سے نکالنے کے لیے بڑی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی اور وہ اس کے لیے کوشاں بھی تھیں کہ وہ نارمل ہو۔

ایگزام شروع ہو گئے تو وہ مسلسل اس کے پاس جمی رہتی تھیں شروع میں تو وہ ایگزام دینے کی بھی روادار نہ تھی مگر ان کے سمجھانے، منانے اور بہلانے سے وہ آمادہ ہو گئی تھی مگر وہ سارا جوش جیسے ماند پڑ گیا تھا۔ شائستہ بیگم نے نوشین کو اِدھر ہی بلا لیا تھا خود سارا دن زرش کے آگے پیچھے رہتے ہوئے ان کا گھر ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ ایسے میں نوشین کا بڑا سہارا تھا۔ ان کی مسلسل محنت سے یہ ضرور ہوا تھا کہ وہ سب کچھ بھلا کر جذباتیت کے حصار سے نکل کر پوری توجہ سے ایگزام دے رہی تھی۔

شائستہ نے سمعان کو بار بار اِدھر آنے سے منع کر دیا تھا اس دن کے بعد صرف ایک چکر لگایا تھا اور پھر شائستہ کے منع کرنے پر اسلام آباد چلا گیا تھا۔ زرش کے موبائل پہ کال سے بھی ٹوک دیا تھا وہ چاہتی تھیں کہ وہ دھیان اور توجہ سے صرف ایگزام دے کسی طرف توجہ نہ دے اور آنے والے دنوں نے ثابت کر دیا تھا کہ ان کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔

اس سارے عرصے میں نوشین اِدھر ہی تھی ایک ایک کر کے زرش کا لاسٹ پیپر بھی ختم ہوا تو جہاں اس نے دن رات کی اس مشقت سے ریلیکس ہونے پہ شکر ادا کیا تھا وہیں شائستہ بیگم نے بھی شکر کا کلمہ

پڑھا کہ ایک بہت بڑا بوجھ کندھوں سے اترا تھا۔

شائستہ بیگم نے آنے والے وقت کے لیے زرش کی ذات کے حوالے سے جو بھی سوچ و بچار کی تھی۔ اس میں سرفہرست زرش کی رخصتی تھی۔ وہ راضی تھی یا نہیں انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اس کی رائے کو اہمیت نہیں دی جائے گی ہاں اسے سمجھائیں گی ضرور کہ وہ غلط کر رہی ہے۔

جس طرح زرش کی زندگی میں یہ جذباتی واقعہ رونما ہوا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ مزید وہ کوئی ایسی حماقت کر بیٹھے کہ جس کا مداوا صرف پچھتاوے کی صورت میں ہو۔

کل زرش کا لاسٹ پیپر تھا اور آج انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ زرش سے آج حتمی بات کر لیں گی۔ زرش فری ہو چکی تھی اب بات کرنے میں کوئی حرج بھی نہ تھا۔

فائنل اور آخری بات......

حتمی فیصلہ کن بات......

وہ زرش کے کمرے میں آئیں تو وہ نہا کر نکلی تھی۔ بالوں میں برش کر رہی تھی ماما کو دیکھ کر مسکرائی۔

"آئیے۔"

"کیا کر رہی تھیں؟"

"کچھ نہیں' پیپرز کی ٹینشن اتری ہے تو سوچا کمرے کا بھی حلیہ درست کر لوں۔ اب فارغ ہو کر باتھ لیا ہے۔"

شائستہ بیگم نے دیکھا کمرہ صاف اور سلیقے سے سیٹ تھا۔ بے ترتیبی تو پہلے بھی نہیں تھی مگر اسٹڈی ٹیبل ہر وقت بکھری رہتی تھی جو اب درست حالت میں تھی۔ کتابیں ترتیب سے ریک میں سجی ہوئی تھیں۔

"ہوں' ادھر آؤ۔ ادھر بیٹھو۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ چونکی ان کے سنجیدہ مزاج کو دیکھتے ان کے قریب ہی بستر پر آ بیٹھی تھی۔

"خیریت ماما؟"

"ہوں' ہاتھ کا زخم کیسا ہے اب؟" انہوں نے پوچھا تو زرش نے اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی کو دیکھا۔ زخم بھر چکا تھا۔ اب صرف نشان تھے۔ بایاں ہاتھ تھا اگر دایاں بازو ہوتا تو اگزام میں بہت مشکل ہو جاتی۔ وہ شاید کبھی پیپر نہ دے پاتی۔ اگزام کے دوران بھی مسلسل بینڈیج ہوتی رہی تھی۔ اب تو صرف نشان باقی تھے۔ نشان دیکھتے ہی اسے اور بھی بہت کچھ یاد آیا تو اس نے سر جھٹکا۔ وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ خاص کر اس تکلیف دہ واقعہ کو تو بالکل بھی نہیں۔

"ٹھیک ہے؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"درد تو نہیں ہوتا؟"

"نہیں۔"

"اگزام ہو چکے ہیں مزید کیا ارادہ ہے؟" انہوں نے پوچھا تو زرش نے انہیں دیکھا۔

بی بی اے کروں گی' رزلٹ کا مجھے یقین ہے ہمیشہ کی طرح ٹاپ کروں گی۔ سوچ رہی ہوں وقت ائع نہ کروں Aptitude Test (رجحان ٹیسٹ) کی تیاری شروع کر لوں۔ ماما اگر میں یونیورسٹی چینج کرنا چاہوں تو......؟"

"کیا مطلب؟"

"میں سوچ رہی ہوں اگر میں پنجاب کی کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہوں تو؟" جھجکتے ہوئے اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔ شائستہ بیگم نے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

مزید پڑھنے پر انہیں اعتراض نہ تھا وہ تو خود چاہتی تھیں کہ وہ تعلیم مکمل کرے۔ اپنی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانا ان کا خواب تھا مگر یہ یونیورسٹی چینج کرنے کا خیال انہیں بالکل نہ بھایا تھا۔

"کیوں؟"

"میں ماحول چینج کرنا چاہتی ہوں کچھ عرصہ کے لیے منظر سے ہٹنا چاہتی ہوں۔"

انہوں نے پریشانی سے زرش کا چہرہ دیکھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ زرش نارمل ہو چکی ہوگی' ذہنی طور پہ کچھ فرق آیا ہوگا مگر اس کی ذہنی کنڈیشن اسی مدار پہ مرکوز تھی بلکہ اب یہ فرار کا خیال سن کر ان کا دل خوف زدہ ہو گیا تھا۔

"اگر ماحول ہی چینج کرنا مقصد ہے تو اسلام آباد سے بہتر کوئی جگہ نہیں وہاں اچھے ادارے ہیں جو بی بی اے کروا رہے ہیں اور میں بھی سوچ رہی ہوں کہ اب تمہیں اسلام آباد رخصت کر دینا چاہیے۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں ابتداء کی۔

"نہیں ماما! میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ میں کراچی یا اسلام آباد سے ہٹ کر صوبہ پنجاب کے اداروں کی بات کر رہی ہوں۔" اس نے رخصت کر دینے والی بات کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"چلو یہ تو بعد کی بات ہے دیکھیں گے فی الحال میں جو تم سے کہنے آئی ہوں وہ غور سے سن لو۔"

زرش نے غور سے ماما کو دیکھا شاید کوئی سنجیدہ معاملہ تھا۔

"کل بھائی صاحب اور آپا لوگ آ رہے ہیں۔"

"اچھا' مگر کیوں؟ خیریت؟"

"ہمارے اور بھائی صاحب کے درمیان یہ بات طے تھی کہ اگزام کے فوراً بعد تمہیں اسلام آباد بھیج دیا جائے گا۔ رات تک عثمان اور زوباریہ بھی پہنچ جائیں گے اور کل سمعان بھی' ضروری میٹنگ تھی ورنہ وہ آج ہی چلا آتا۔ یہاں سے آپا کی فیملی نوشین کے سسرال والے اور بھائی صاحب لوگ ہوں گے ظاہرہ آئی ہے یا نہیں تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ ہمارا یعنی ہم سب لوگ بہ شمول تمہارے بابا' سب کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ کل تمہیں سمعان' زوباریہ اور عثمان کے ہمراہ اسلام آباد روانہ کر دیا جائے۔ بہت دن رہ لیا تم نے میکے میں اگر تمہاری تعلیم کا یہ سلسلہ نہ ہوتا تو ہم یہ قدم پہلے اٹھا لیتے تمہیں پہلے اس لیے نہ بتایا کہ تم ڈسٹرب نہ ہو۔ کل تک ذہنی طور پہ تیار ہو جاؤ۔ یہ رخصتی یقینی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" زرش جو حیرانی سے سن رہی تھی ایک دم انکاری ہوئی۔ "میں کہیں نہیں

جاؤں گی۔ آپ کو میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں مجھے کہیں نہیں جانا اور اسلام آباد تو قطعی نہیں۔" کہتے ہوئے وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی تو شائستہ بیگم نے برہمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھا لیا تھا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو زرش۔ اب تک جو ہو چکا ہے وہ کافی نہیں ہے کیا اور کتنا ذلیل کروانا ہے ہمیں۔" وہ پھٹ ہی تو پڑی تھیں۔

"ماما۔" زرش نے بے یقینی سے ان کے لب و لہجے اور الفاظ پر انہیں دیکھا۔ "آپ......آپ...... آپ میرے بارے میں ایسا سوچتی ہیں۔ میں نے بھلا کب ایسا سوچا ہے؟" وہ پل میں رو دی تھی۔

"سوچا نہیں۔ مگر تم نے اب جس طرح ضد پکڑ لی ہے اس سے ہم صرف ذلیل ہی ہو رہے ہیں۔ خاندان بھر میں جس کو دیکھو اسی قصے کو چھیڑے بیٹھا ہے۔ کیا بیٹیوں کی ماں ہونا میرے لیے جرم ہے۔ تم نے پہلے جذباتیت بھرا احماقت خیز جو قدم اٹھا لیا ہے وہ کم تھا کیا میرے لیے۔"

زرش نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ شائستہ بیگم کے تیور انتہائی جارحانہ تھے۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی بس صرف اتنی بات ضرور کہتی ہوں کہ اب جذباتیت کی عمر سے نکل آؤ۔ بڑے لوگ ہیں جنہیں ایسی زندگی جینا پڑتی ہے۔ رشتے ناتوں میں ایسی قربانیاں دینا پڑتی ہے۔ پھر تمہارے ساتھ سمعان احمد جیسا مضبوط محبت بھرا حوالہ ہے۔ ہر سرد و گرم میں تمہارا محافظ بنے گا۔ بعض کو تو یہ سہارا بھی میسر نہیں ہوتا کڑی دھوپ میں برہنہ پا چلنے کی سزا ساری عمر جھیلتے ہیں۔ ہماری طرف دیکھو ہمارا احساس کرو' پہلے ہی بہت کچھ برداشت کر چکے ہیں تمہارے پاپا' وہ کس اذیت میں ہیں۔ تمہیں یوں دیکھتے ہیں تو کیسے ان کا دل تڑپتا ہے کاش تم سمجھ سکتیں۔"

"ماما میں مر جاؤں گی مجھے ایسی سزا تو مت سنائیں۔ میں ساری عمر ایک الزام بن کر رہ جاؤں گی۔ وہ زندگی اس سے زیادہ مشکل ہو جائے گی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا کچھ عرصہ باتیں ہوں گی پھر معاملہ سلجھ جائے گا کبھی تو طاہرہ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوگا۔ تم ہمت نہ ہارو چھوڑ دو یہ ضد۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے خوشیوں کے دن ہیں جب وقت گزر جاتا ہے تو صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں بیٹا۔" انہوں نے اب کے تحمل اور محبت سے کہا تھا۔

زرش نے ماں کو دیکھا ان کے چہرے پر ان کہی التجا تھی۔

کیسا درد تھا؟

کیسا کرب تھا؟

وہ شدت سے رو دی۔

"ماما آپ کو نہیں پتا کچھ بھی نہیں پتا' انہوں نے (سمعان) نے مجھ پر کیسی بد اعتمادی کا اظہار کیا ہے۔ وہ مجھے کیسی لڑکی سمجھتے ہیں؟" وہ اب بھی کھل کر نہ کہہ سکی تھی مگر شائستہ سمجھ گئی تھیں۔

"مجھے سب علم ہے۔"

وہ حیران ہو کر ماما کو دیکھنے لگی۔ سمعان نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا اپنی ہر غلطی قبول کی ہے۔ پھر

رشتوں میں اتنی دوریاں ہوں دلوں میں اتنی غلط فہمیاں ہوں وہاں ایسی صورت حال پیدا ہو جانا کوئی غیر معمولی بات تو نہیں۔ سمعان بھی انسان ہے اور پھر تم دونوں کے درمیان جو رشتہ تھا وہاں کچھ تقاضے تھے باہمی اعتماد اور یقین کا ماحول اس پودے کو ملے تو یہ پنپتا' پھلتا' پھولتا ہے جب دل میں ہزار ہا غلط فہمیاں' شکوے' شکایتیں لیے بیٹھی ہو اور وہ وہاں۔ جھوٹ نہیں سامنے کی بات ہے تمہارے ہر طرح کے رویے کے باوجود سمعان نے کبھی تمہاری ذات کو ہلکا نہیں پڑنے دیا کبھی کسی کے سامنے ذکر نہیں کیا اور تم نے جو جذباتیت دکھائی۔ اپنی زندگی سے کھیل جانا بھی مسئلے کا حل تھا

"تو میں کیا کرتی؟ اس وقت تو دل صرف مر جانے کو چاہ رہا تھا۔" شائستہ بیگم کی تمام باتوں کے جواب میں وہ پھر سسک اٹھی تھی۔

"پھر جذباتیت زرش تمہارا سب سے بڑا پرابلم بھی یہی ہے۔ تم دل و دماغ کو جذباتیت کے ترازو میں تولتی ہو۔ اگر تم اسی طرح ضد پر قائم رہیں تو سمعان کے دل میں ابھی تمہارے لیے جو جذباتیت ہے وہ خود ہی تم ختم کر ڈالو گی۔ مرد محبت کرتا ہے تو جواباً اتنی ہی محبت اور توجہ مانگتا ہے اور جہاں اسے نہیں ملتی اس کی توجہ کا محور بھی بدل جاتا ہے۔ ابھی سمعان تمہارا دیوانہ ہے تمہارے نام کی مالا جپتا ہے خدانخواستہ کبھی تمہارے رویوں سے دل برداشتہ ہو کر اس نے اپنے قدم موڑ لیے یا کوئی انتہائی قدم اٹھا لیا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟"

زرش نے اپنے بہتے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑے۔

"مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے جس میں صرف ذلت و رسوائی ہو۔"

شائستہ بیگم کو لگا جیسے انہوں نے صرف اپنا وقت ضائع کیا ہے۔

"تمہارا جو رویہ ہے سمعان کے ساتھ اس سے وہ کیا میں بھی یہی کہوں گی کہ تم کسی اور وجہ کو سوچ رہی ہو۔"

"ماما۔" وہ ششدر سی رہ گئی۔

"آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔" لہجے میں ہزار ہا شکوے در آئے تھے۔

"میں نہیں مگر لوگوں کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔"

زرش نے بڑی ناراض نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اگر تمہاری زندگی میں کوئی ایسا شخص آیا ہے ایک پرپوزل ہی تو ہے تم شادی شدہ ہو مگر سوچو ذرا اگر تمہاری اور سمعان کی زندگی میں کوئی تیسرا انسان داخل ہو جائے تو......؟"

"ماما پلیز۔" اس نے اذیت سے ٹوک دیا تھا۔ اس کے لیے ایسا تصور بھی گناہ تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" قطعیت سے انکار کیا تھا۔

"کیا ہو جائے گا اگر تم اسی طرح ضد پر اڑی رہیں تو۔" ان کا لہجہ سختی لیے ہوئے تھا۔

"سمعان ایک مکمل نارمل انسان ہیں۔ شادی بیاہ کھیل نہیں ہوتے۔ نہ ہی دو افراد کے مابین طے

ہونے والا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ دو خاندانوں کی بقا کا سوال ہے۔ جس طرح تم ضد پر اڑی ہوئی ہو اگر تم خوش نہیں رہیں تو ٹھیک ہے ہم تم پر زبردستی نہیں کریں گے مگر ہم تمہیں ساری عمر جوگ لینے کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔ سمعان ہمیں لاکھ عزیز سہی مگر تمہاری زندگی تمہاری خوشی سے بڑھ کر نہیں۔ اسی سلسلے میں ہم کوئی حتمی فیصلہ ضرور کریں گے۔"

"کیسا فیصلہ؟" زرش نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"تم سمعان کے ساتھ جانے، رہنے پر راضی نہیں، سمعان بھی آخر انسان ہے وہ ایک دو دن انتظار کرے گا مگر کب تک پھر ہم بھی ایسا نہیں چاہیں گے تمہارے خیال میں یہ تعلق یہ رشتہ محض مجبوری کا سودا ہے تو پھر اسے توڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔ تمہارے حق میں بھی اور سمعان کے بھی۔"

"کیا؟" زرش نے اپنے حواس اڑتے محسوس کیے تھے۔ اس نے تو ایسا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" اس کی اپنی آواز ہی لڑکھڑا گئی تھی۔ "مگر میں نے ایسا نہیں سوچا۔" فوراً گھبرا کر ماں کو دیکھا۔

"مگر ہم سوچیں گے تمہیں ساری عمر اس حالت میں اپنے سامنے نہیں بٹھائے رکھنا۔ سمعان حالات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے گا، یہ قدم اس کے لیے مشکل ضرور ہوگا مگر ناممکن نہیں اور پھر تمہاری چچی کا بھی خیال ہے۔ ہم سمعان کو تمہارے لیے مجبور کریں گے کہ وہ باہمی رضامندی سے یہ رشتہ ختم کردے پھر ہمیں جو مناسب لگا وقت کے ساتھ فیصلہ کر کے تمہیں تمہارے گھر رخصت کریں گے۔ رہ گئی طاہرہ کی ذات تو سرے سے یہ قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ سمعان بھی وقت کے ساتھ سنبھل جائے گا۔ کیا پتا کہیں اللہ نے اس کے لیے بھی جوڑ بنایا ہوگا۔ ہمارا مذہب ہمیں اجازت دیتا ہے کہ جہاں دل و دماغ نہ ملتے ہوں فیصلہ کر لینا بہتر ہے۔ مگر زرش یاد رکھو محض ضد یا انا میں ایسے فیصلے کرنا گناہ ہے۔ سراسر گناہ تم ذمہ دار ہو اب بتاؤ کیا کہتی ہو۔"

زرش کو لگا شائستہ بیگم کی باتوں نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ وہ خالی نظروں سے ماں کو دیکھے گئی۔

"کل سب لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں اوّل مقصد تو یہی ہے کہ تمہاری رخصتی کا پروگرام ہے مگر ابھی تمہارے پاس وقت ہے کل تک سوچنا اچھی طرح پھر فیصلہ کر لینا تمہیں کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ آخری فیصلہ تمہارا ہوگا تم انکار کرتی ہو تو کل سب کی موجودگی میں ہی ہم نے سوچ لیا ہے کہ فیصلہ کر لیا جائے کہ یہ رشتہ ختم کر دیا جائے رہ گئی رشتے داری بات تو وہ بھی وقت کے ساتھ جو ہوگا دیکھ لیں گے۔"

"ماما۔" سسکی بھرتے اس نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

شائستہ کا اپنا دل بھر آیا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔ اپنے [illegible] بھینچے بے تاب آنسوؤں کو بمشکل پیچھے دھکیلا۔ ان کی ذرا سی ہمدردی زرش کو اپنی ضد پہ اڑے رہنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

"کوئی مجبوری نہیں صلح و صفائی افہام و تفہیم سے یہ رشتہ ختم ہو سکتا ہے ہمیں تمہاری خوشی سے بڑھ کر اب کچھ بھی نہیں چاہیے۔" زرش سسکتی رہی تھی۔

"فیصلہ تمہیں کرنا ہے وہ فیصلہ کرنا جس میں تمہاری بہتری ہو۔ تمہاری بہتری ہے تمہارا دل جس فیصلے [illegible] محض طاہرہ کی ضد اور اپنی انا کے زعم میں اپنا مستقبل برباد مت کرنا۔ طاہرہ بھی معافی مانگنے آ گئی۔ ایک عمر کا ساتھ ہے ہمارا میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں اور میری بیٹی اتنی نادان نہیں محض کسی کو فاتح ٹھہرانے کو اپنی زندگی ہی داؤ پر لگا دے۔ ہماری محبتیں تو فطری ہیں مگر تمہیں ہماری طرح کوئی نہیں چاہے گا۔ سمعان نے تم پر شک نہیں کیا تھا یہ تو ابتدا تھی اس رشتے کا تقاضا تھا اگر تم نہ سنبھلی تو سمعان کو تم خود بداعتمادی کا شکار ہونے پر مجبور کروگی۔"

شائستہ نے اسے دیکھا۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر پیشانی چومی تھی۔

"مرد کی زندگی میں دوسری عورت آنے میں دیر نہیں لگتی تم اِدھر ہو اور سمعان اُدھر ایسے اچھے لڑکے کو تو ایک پل میں اپنی گرفت میں کرنے کا سوچتی ہے۔ سمعان سے بہتر تمہیں کوئی نہیں سمجھے گا۔ بچپن کا ساتھ ہے تمہارا۔ یہ رشتہ ایک طرف جو انسیت اور چچا زاد ہونے کی حیثیت سے جو مقام اس کے دل میں تمہارا ہے وہ تمہیں کہیں اور میسر نہیں آئے گا۔ قسمت پر شاکر ہو جانے میں ہی ہماری بہتری ہے۔ اگر بہت سے لوگ طاہرہ کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ایک بہت بڑا حصہ ان لوگوں کا بھی ہے جو تم بہنوں کی حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہے۔ محض طاہرہ کی خاطر خود کو داؤ پر مت لگاؤ۔"

شائستہ بیگم کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ گم صم ہو گئی تھی۔ دماغ کا فیصلہ اور تھا اور دل کسی اور ہی کیفیت میں سوچ سوچ کر ہار گئی تو خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ سمعان کے ساتھ رخصت ہونے میں بے شک بہت اذیت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا مگر اس کی ذات سے ماما، پاپا کی جو الجھن تھی وہ ختم ہو سکتی تھی۔

خود آپ کو سمجھانے کو اسے یہی حیلہ ملا تھا۔

نہ ذہن مطمئن تھا اور نہ دل.....

یہ بندھن یہ رشتہ کیسے اس کے دل میں جگہ بنا رہا تھا وہ حیران تھی۔ یہ دل ہی تھا جو ہر جگہ رسوا اس کا دل عجیب کشمکش میں تھا۔ ہادیہ آپا آئیں تو ماما نے اسے ہادیہ کے ساتھ جا کر اپنی پسند کی چیزیں لینے کو کہا تھا۔

اس کا سب سامان جوں کا توں ہی پڑا ہوا تھا۔ کسی چیز کی ضرورت ہی نہ تھی۔ تاہم وہ ماما کے اصرار پر چلی گئی تھی ہادیہ کے ساتھ جا کر اس نے ضرورت کی چند چیزیں خریدی تھیں۔ پھر ہادیہ آپا اسے پارلر لے گئی تھیں۔

انہوں نے فیشل کروایا تھا۔ اسکن تو اس کی ماشاءاللہ پہلے سے ہی اچھی خاصی تھی۔ ذرا سی توجہ سے اور نکھر گئی تھی۔ فیشل کے بعد انہوں نے اس کے بالوں کی لیئر کٹنگ کروائی تھی۔ کافی عرصے سے

کٹنگ نہیں کروائی تھی۔ بال کمر سے نیچے آ رہے تھے۔ زرش کو بذات خود بھی لمبے بال پسند تھے اگر نہ توجہ دیتی تو خاصے بڑھ جاتے مگر وہ جب بھی بڑھتے تھے آدھے کٹوا لیتی تھی۔ اس دفعہ اس نے صرف ہلکی سی کٹنگ پر ہی اکتفا کیا تھا۔ آپا کے کہنے کے باوجود اس نے کچھ نہیں کروایا تھا۔ سوائے مہندی لگا کے گھر واپسی پر پھپھو لوگ آ چکے تھے اور پھر رات تک عثمان بھائی اور زوباریہ بھابی بھی اپنے بیٹے کے ہمراہ پہنچ گئے تھے۔

اگلے دن گھر میں خاصی چہل پہل تھی۔ وہ چپ چاپ سب کو دیکھتی رہی تھی۔ اسے کرنا ہی کچھ نہیں، بس اپنے کمرے میں ہی بند رہی تھی۔ شام تک عفان انکل کی فیملی اور تایا لوگ بھی پہنچ چکے تھے۔ سمعان احمد ان کے ہمراہ ہی تھا۔ جب کہ طاہرہ بیگم نہیں تھیں اور سب یوں مطمئن تھے جیسے اب ان کا کوئی فرق نہیں پڑتا اور زرش کے لیے طاہرہ بیگم کا نہ آنا بڑا اذیت ناک ہی تھا۔

اس نے تصور میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی وہ اس انداز میں رخصت ہوگی۔ طاہرہ بیگم نے جس طرح وہ سارا کھیل کھیلا تھا اس کی صرف ذات کی دھجیاں ہی نہیں بکھری تھیں بلکہ اس کے کردار اور عزت پر بھی حرف آیا تھا۔ وہ مکمل عزت اور آن کے ساتھ جینا چاہتی تھی مگر اب......

ہادیہ آپا اور نوشی دونوں نے ہی مل کر اسے تیار کیا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ اس نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ خوامخواہ کوئی بھی اس کے پاس آ کر اسے ڈسٹرب نہ کرے۔ اس کے اندر کسی کا بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد زوباریہ بھابی اور ہادیہ آپا اسے لاؤنج میں لے آئی تھیں۔ خوب صورت لباس اور زیورات کے ساتھ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

اسے سمعان احمد کے ساتھ بٹھایا گیا تو سمعان حیرت سے چونکا تھا۔ اسے اب تک یہ گمان تھا کہ زرش ضرور انکار کر دے گی مگر اب زرش کو اپنے پہلو میں بڑی خاموشی کے ساتھ بیٹھا دیکھا تو یقین کرنے میں تامل ہوا کہ یہ وہی زرش ہے یا بدل گئی ہے۔ اس وقت گزشتہ سب واقعات خواب و خیال سے محسوس ہوتے تھے۔

"السلام علیکم!" سمعان نے پہل کی تھی۔ دھیما سا لہجہ زرش کی سماعت سے ٹکرایا تو وہ لب بھینچ گئی۔ سمعان سے ناراضی تو اب بھی تھی۔ بدگمانی ایسی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" سمعان نے دوبارہ لب کشائی کی تو اس نے ذرا سی دیر سر اٹھا کر ایک نظر کی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" ارد گرد سبھی تھے۔ بے شک وہ روایتی دلہنوں والے اہتمام سے دور تھی مگر موقع ایسا تھا کہ اسے سمعان کی یہ بے تکلفی بڑی کھلی تھی۔

"پیپرز کیسے ہوئے؟" سب اطراف میں موجود تھے ہنسی مذاق باتوں میں لگے ہوئے تھے مگر گاہے بگاہے توجہ ادھر بھی تھی۔ مگر سمعان احمد کو جیسے پروا ہی نہ تھی زرش سے سب کے سامنے یوں کلام کرنا اور جواب دینا خاصا وقت طلب لگ رہا تھا۔

"اچھے ہو گئے تھے۔" اسی سرد لہجے سے لاتعلق انداز میں جواب ملا تو سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔

آئندہ پیش آنے والی صورت حال کیا ہو سکتی تھی۔ زرش کا آئندہ زندگی سے متعلق کیا لائحہ عمل ہو سکتا تھا۔ سمعان نے بڑی سنجیدگی سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا۔

"کیا زرش صرف کمپرومائز کر رہی ہے؟" سمعان کے اندر اس سوال نے بڑی شدت سے سر اٹھایا۔ ٹوٹ کر چاہے جانے کی آرزو تو ہر کسی کو ہوتی ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ کسی کے دل میں ہونا اپنی موجودگی کا احساس کسے برا لگتا ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ تو اس سے بڑھ کر تھا۔ اس رشتے کو باہمی محبت اور تعاون ہی کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے۔ جب کہ زرش کے لاتعلق مزاج و لہجے نے سمعان کے دل میں موجود ساری خوش فہمیوں کی تتلیوں کو جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا۔ ایسی زندگی تو سمعان احمد کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ دل میں افسردگی کا احساس چھایا ہوا تھا۔ سمعان آہستگی سے اس کے پہلو سے اٹھ گیا تھا اور زرش اس نے سمعان احمد کے خاموشی سے اٹھ جانے پر دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا تھا کہ مزید کسی سوال سے بچ گئی تھی۔

* * *

جوں جوں دن گزر رہے تھے نویرہ کو اپنا سراپا بڑا بے ڈول سا لگنے لگا تھا۔ آج کل وہ عجب دوراہے پر کھڑی تھی۔ واپسی کا کوئی رستا نہیں تھا اور آگے وہ بڑھنا نہیں چاہتی تھی۔

شارق زمان کے لیے وہ اب بھی وہی پتھر کی چٹان بنی ہوئی تھی۔ اب تو شارق زمان نے بھی گویا اسے بھول جانے کی قسم کھالی تھی۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے اس کی گھر میں آمد نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

نویرہ اور شارق کو یوں اپنی اپنی ضد اور انا میں زندگی برباد کرتے دیکھتے واجدہ بیگم کا دل ہر وقت جلتا رہتا تھا۔ نویرہ کا ہر ردعمل ان کے سامنے تھا اور اب شارق زمان کی بے تعلقی بھی۔ انہوں نے بار بار نویرہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نویرہ ہر بار انہیں اس سلسلے میں قطعی مداخلت نہ کرنے کا کہہ چپ کروا دیتی تھی اور اب تو انہوں نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

انہی دنوں اس نے نواز فاروق کی لاہور آمد اور ساتھ ہی ماموں زاد رومیشہ سے رشتہ طے ہو جانے کی خبر ملی تھی۔ خاندان بھر میں سب کو ہی حیرانی ہوئی تھی اس خبر سے کہ فاروق چچا نے نواز کو کیسے معاف کر دیا اور نہ صرف معاف کیا تھا بلکہ گھر میں جگہ بھی دے دی تھی۔ آج کل وہ دوبارہ لاہور اپنے گھر شفٹ ہو چکا تھا۔ ایک ماہ بعد اس کی شادی تھی۔ آج کل خاندان بھر میں نواز کی آمد اور شادی کا ہی چرچا ہو رہا تھا۔

اگلے دن اماں اس کی کیفیت کا پوچھنے چلی آئیں تو ان کے ساتھ نبیلہ بھابی بھی تھیں۔ ان کا زیادہ تر موضوع گفتگو نواز فاروق کی ذات اور شادی ہی رہا تھا۔ نویرہ چپ چاپ ہی رہی تھی۔ نواز فاروق لاہور دوبارہ آنے کے بعد ان کے ہاں نہیں آیا تھا مگر خالدہ بیگم کے ہاں جا چکا تھا۔ نبیل کا کیا ردعمل تھا اس سے لاعلم تھی، ہاں اماں اور بھابی کی زبانی ضرور علم ہو گیا تھا کہ نبیل کو بہت برا لگا تھا اور وہ نواز کے ساتھ

بڑی بری طرح پیش آیا تھا بلکہ سختی سے اسے آئندہ اپنے ہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔

نویرہ کے لیے یہ سب بے معنی سا تھا اس نے تب بھی دلچسپی ظاہر نہ کی تھی پھر وہ کیوں کرتی؟ شارق زمان تو ایک طرف اس سارے خسارے میں یہ شخص برابر کا شریک رہا تھا۔ وہ اسے کیونکر معاف کر سکتی تھی؟ کھانا کھا کر وہ اماں اور واجدہ بیگم کے پاس آ کر بیٹھی تو اماں نے اسے بغور دیکھا۔ جب سے انہوں نے واجدہ آپا اور حمید صاحب کے ساتھ بھیجا تھا۔ نویرہ کا رویہ ان سے بڑا سرد اور لاتعلق سا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے بعد ایک بار بھی ان کے ہاں نہیں آئی تھی۔ انہوں نے کئی فون کیے تھے ہر دوسرے دن فون پہ اس کی خیریت معلوم کرتی تھیں مگر نویرہ کا رویہ اس طرح برقرار تھا انہیں ہر بار نویرہ کے رویے سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ کئی بار انہوں نے خود آ کر اسے اپنے ہاں آنے کو چکر لگانے کو کہا تھا مگر وہ ہر بار ٹل جاتی تھی۔ خود سے تو اس نے کبھی فون کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

آج بھی وہ اسی سلسلے میں آئی تھیں وہ نبیلہ کو ساتھ لے کر شاہدہ بھابھی کے کہنے پہ ہی ان کے ساتھ چند دن رہنے کو چل دے پھر تو اس کی کنڈیشن ایسی ہو جائے کہ شاید کہیں آنا جانا ہی نہ ہو پاتا۔

"ہم تمہیں لینے آئے ہیں تم تو سسرال کو ایسے پیاری ہوئی ہو کہ میکے کو بھولتی ہی جا رہی ہو۔ چلو ہمارے ساتھ چند دن رہ لینا۔" اماں کے اشارہ کرنے پہ نبیلہ بھابی نے لب کشائی کی تھی۔

"کیوں؟" نویرہ کا وہی بڑا سنجیدہ انداز تھا۔ نبیلہ اندر کی بات سے بے خبر تھی۔ ہنس دی۔

"میکے میں بھلا کیوں لڑکیاں جاتی ہیں؟ چند دن کا کہہ رہی ہوں ہوا بدلی ہو جائے گی۔ ویسے بھی خالہ جان میں سوچ رہی ہوں ہم نویرہ کو ڈلیوری سے پہلے اپنے ہاں ہی لے جائیں گے۔ آپ کی طبیعت خراب رہتی ہے۔ شاکرہ بھی اتنا اچھی طرح خیال نہیں رکھ سکتی اب تو نویرہ کو انتہائی توجہ اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ شارق بھائی کی اپنی مصروفیات ہو سکتی ہیں۔ وہاں میں اور امی تو ہوں گی۔ کیا خیال ہے؟" انہوں نے بات کرتے حاضرین پہ نگاہ ڈالی تھی۔

واجدہ بیگم نے نویرہ کے چہرے پہ ناگواری چھائے دیکھی تو گہرا سانس لیا۔

"میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ خواہ مخواہ آپ لوگ بھی ڈسٹرب ہوں گے۔ رہ گئی چند دن جا کر رہنے کی بات؟ مجھے اس کی ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ میں ادھر مطمئن ہوں آپ لوگ بھی فون کر لیتے ہیں آ کر مل جاتے ہیں اتنا کافی ہے میرے لیے۔" وہی سنجیدہ انداز۔ اب کے کچھ الجھ کر نبیلہ بھابی نے بھی بغور نویرہ کو دیکھا۔ اس کے تاثرات ناقابل فہم لگے تھے۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ انہوں نے ٹھٹک کر ساس کو دیکھا وہ خود شش و پنج کی شکار بیٹی کے چہرے کے دو ٹوک سنجیدہ تاثرات کو دیکھ رہی تھیں۔

"ہم تو آ کر مل ہی جاتے ہیں۔ مگر تمہارے آنے کی تو اور ہی بات ہے۔"

"رہنے دیں بھابی! تکلف نہ کیا کریں۔ پھر نبیل بھائی کہاں برداشت کریں گے؟" اس نے ہنس کر طنز سے کہتے ہوئے انہیں دیکھا تو وہ نظریں چرا گئیں۔ نبیل ابھی تک کہاں معاف کرنے والا تھا۔ وہ اسی مقام پہ تھے اور نویرہ ناحق سزا کاٹ رہی تھی۔ بلکہ مردوں کے اس معاشرے میں سارا خسارہ آیا ہی

کے حصے میں تھا۔ ساجد بھائی سمجھدار تھے وہ برداشت کر گئے تھے مگر نبیل تو شارق کا ہی کزن تھا اس کی طرح جذباتی اور جوشیلا۔

"تم نبیل کی وجہ سے میکہ چھوڑ دو گی؟" انہوں نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"میکہ تو میں کب کا چھوڑ چکی ہوں۔ جانے دیں اس قصے کو کوئی اور بات کریں ہاں یاد آیا آپ بتائیں کہ آنٹی (نبیلہ بھابی کی والدہ) کی طبیعت پچھلے دنوں خراب تھی اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" نویرہ کے رویے پہ وہ گم صم ہو گئی تھیں۔ نویرہ انہیں بہنوں کی طرح عزیز تھی وہ نبیل کی وجہ سے ان کے ہاں نہیں آئی تھی اگر آ کر رکتی بھی تو بہت دنوں بعد۔ انہوں نے بڑے دکھ سے نویرہ کو دیکھا اور پھر لب بھینچ لیے۔

"اچھا آپ بیٹھیں اماں کے پاس جائیں میں شاکرہ سے چائے کا کہتی ہوں۔" وہ وہاں سے اٹھی تو انہوں نے بڑے دل گرفتہ انداز میں اس کی پشت پہ پھیلی لمبی کالے بالوں کی چوٹی کو لہراتے دیکھا تھا۔

"نویرہ۔" وہ شاکرہ سے چائے کا کہہ کر پلٹی تو اماں بھی وہاں چلی آئیں۔

"جی۔"

"کیوں سزا دے رہی ہو مجھے ماں کے دل کو مت آزماؤ۔ تم تو ہر ناتا توڑے بیٹھی ہو۔ کوئی اس طرح بھی کرتا ہے۔" انہوں نے اس کے باہر آنے پہ کہا تو نویرہ خاموشی سے دیکھنے لگیں۔

"میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ بچے کی پیدائش تک اب ادھر ہی رہنا۔ اس حالت میں اب تمہیں میں یہاں نہیں چھوڑنے والی۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ مجھے اماں بار بار مجبور نہ کیا کریں مجھے اس گھر میں جینے دیں۔ مجھے اس گھر سے کہیں نہیں جانا' رہ گئی ڈلیوری کی بات تو وہ اتنی اہم بات نہیں۔ ڈاکٹر سے ہر ماہ چیک اپ کروا رہی ہوں سب نارمل ہے ہو سکتا ہے گھر میں ہی ڈلیوری ہو جائے۔ اگر زیادہ پریشانی ہوئی تو ڈاکٹر فیروزہ کے کلینک چلی جاؤں گی۔ وہی مجھے اسسٹ کر رہی ہیں۔"

"تو کیا اب کبھی اس گھر میں نہیں آؤ گی۔"

"نہیں! آپ سے تعلق تو ہے اماں مجھے بار بار پریشان نہ کریں۔ بڑی مشکل اپنے آپ کو سمجھاتی ہوں اماں۔ آپ نے مجھے یہاں دوبارہ بھیجا ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ شخص۔" اس کے لہجے میں شارق کے لیے اتنی نفرت تھی کہ اماں دیکھتی رہ گئیں۔ "مجھے انتہائی ذلیل کر چکا ہے۔ وہ مجھے پہلے والی حیثیت دینے کا کہیں آپ نے یہ سوچے بغیر مجھے مجبور کیا یہاں آنے پہ میں نے آپ کی بات مان لی آپ مجبور ہیں۔ آپ کو بیٹوں کی پروا ہے اور بیٹی؟" وہ ایک پل کو چپ ہوئی تھی پھر اماں کو دیکھا تو سر جھکا۔

"اماں اب اس قصے کو ختم کریں۔ مجھے جتنا ذلیل ہونا تھا اس شخص کی نظروں میں ہو چکی ہوں۔ اماں ابھی زخم تازہ ہیں کچھ عرصہ مندمل ہونے دیں۔ شاید مجھے آپ کی مجبوری سمجھ میں آ جائے مگر اتنا تو میں سمجھ چکی ہوں۔ میرے لیے نہ ہی نبیل بھائی کے دل میں کوئی جگہ باقی رہی ہے اور نہ ہی آپ کے گھر میں۔ لاوارثوں کی طرح زندگی گزارنے کا فائدہ کم از کم اس گھر میں اپنی انا کو سلامت رکھے جی تو رہی

ہوں۔ آپ کی بہن کا گھر ہے سو بار آئیں مگر بیٹی کا گھر سمجھ کر کبھی آنے کی غلطی نہ کیجیے گا۔ اس گھر کو تحفظ میرے لیے بس اتنا ہے کہ اس نے مجھے چار دیواری فراہم کی ہے اور بس اور جس دن یہ چار دیواری بھی تنگ پڑ گئی تو کہیں نہ کہیں ٹھکانہ مل ہی جائے گا مگر اماں یہ طے ہے اب آپ کے گھر کبھی نہیں آنا۔ آپ کو اپنے بیٹوں کی عزت و آبرو مبارک ہو بیٹی جائے بھاڑ میں۔"

نویرہ نے اپنے کی دل بھڑاس نکالی تھی اور اماں حیران و پریشان کھڑی نویرہ کو دیکھ رہی تھیں۔

کیا یہ وہی نویرہ ہے؟

ان کی حلیم و شفیق بیٹی۔

یہ تو حالات کی ڈسی انتہائی زہریلے لہجے میں کلام کرتی کوئی اور ہی ہستی لگی تھی۔

نویرہ......" ان کے لبوں کی سسکاری کہیں اندر ہی دم توڑ گئی تھی۔

✵......✵......✵

وہ لوگ اسے لے کر سیدھے ائیر پورٹ ہی آئے تھے فلائٹ تیار تھی۔ وہ اسلام آباد میں تھے گھر پہنچتے پہنچتے ان کو بارہ بج گئے تھے۔

سمعان' زوبار یہ بھابی اور عثمان بھائی کے ساتھ زرش کے علاوہ فرح بھی تھی جس کا پہلے ہی ارادہ ان لوگوں کے ہمراہ اسلام آباد جانے کا تھا۔

کھانا وہ لوگ کراچی سے ہی کھا کر آئے تھے۔ بھابی کے کہنے پر ملازمہ نے فوراً چائے تیار کی تھی۔ چائے کے بعد بھابی اسے لیے سمعان احمد کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"یہ تمہارا اور سمعان کا کمرہ ہے۔ میں ہر چیز رکھوا تو چکی ہوں مگر پھر بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو سمعان سے کہہ دینا میں بندوبست کر دوں گی اور ہاں یہ تمہارا گھر ہے جس طرح میرا ہے۔ تم کسی اجنبی جگہ نہیں آئی ہو اس لیے پرسکون اور مطمئن ہو کر رہو۔"

بھابی نے مسکرا کر کہا تھا تو بھی زرش مسکرا نہ سکی۔

اتنی ذلت کے بعد بھی اپنا گھر کے لفظ اس کو بڑے اذیت ناک لگے تھے وہ کراچی سے اسلام آباد اور اب اس گھر تک مسلسل خاموش رہی تھی۔ "ہوں' ہاں' جی......" کے علاوہ اس نے زبان نہیں ہلائی تھی اور اب بھی زبان سے وہی نکلا تھا۔

"جی......" بھابی نے بغور دیکھا وہ ذرا بھی خوش نہیں لگ رہی تھی۔ خوب صورت لباس' ہلکی پھلکی جیولری اور میک اپ کے باوجود وہ بہت پژمردہ اور تھکن زدہ محسوس ہوئی تھی۔

وہ شخص جس نے برسوں من پسند منزل کے حصول کے لیے پاپیادہ سفر کیا ہو اور جب منزل پر پہنچے تو اس پر یہ انکشاف ہو کہ یہ تو وہ منزل ہی نہیں تھی جس کے لیے اس نے ہر توڑ کوشش کی تھی۔

اپنے سفر اور جدوجہد کے رائیگاں جانے کا احساس اس شخص کی توڑ پھوڑ کرنے کو کافی ہو سکتا ہے۔

زوبار یہ بھابی نے تاسف سے زرش کو دیکھا۔ انہیں اس شخص اور زرش میں فرق محسوس ہوا۔

"خوش رہو...... سمعان بہت اچھا انسان ہے۔ ابھی تو تمہیں میری بات پر یقین نہیں آئے گا مگر وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جاؤ گی۔ تمہاری یہاں آمد بہت ضروری تھی زرش۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر مسکرائی تھیں۔

"لگتا ہے بہت تھک گئی ہو۔ کپڑے چینج کر لو۔" ان کے کہنے پر زرش کو بھی بھرپور تھکن کا احساس ہوا تھا۔ ذہنی بھی اور جسمانی بھی۔ ذہن تھکا ہو تو جسم خود بخود تھکنے لگتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت وہ بھی محسوس کر رہی تھی۔ بھابی ایک دو اور باتیں کر کے چلی گئیں تو وہ اپنے بریف کیس سے اپنا لباس نکال کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

کپڑے چینج کر کے واپس کمرے میں آ کر اس نے لباس الماری میں لٹکایا تھا اور زیور دراز میں ڈال دیا تھا۔ کمرے کا اطراف میں جائزہ لیا۔ بہت خوب صورتی سے سجا صاف ستھرا اور ہوادار کمرہ تھا۔ دیوار پر الماری کے علاوہ بائیں جانب بکس ریک تھا اور اس کے ساتھ کمپیوٹر ٹیبل اور اس کے سامنے ریوالونگ چیئر تھی۔

بڑے بیڈ کے علاوہ بیڈ کے دائیں جانب ڈریسنگ ٹیبل اور اس کے ساتھ ٹو سیٹڈ صوفہ تھا۔ صوفے کے سامنے تپائی تھی۔ سارا کمرہ سفید اور نیلے کمبینیشن کی سجاوٹ سے پُر تھا کہیں کہیں ریڈ اور گہرے ریڈ کلر کا بھی استعمال تھا۔

ننگے پاؤں قالین پر چلتے وہ خاموشی سے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

آئندہ زندگی میں کیا ہونا تھا اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ پھر سوچنے کے لیے کچھ تھا بھی کیا؟ سر اٹھا کر پوری آن' عزت و وقار سے جینے کے سب دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ اب یہ سمجھوتے سے بھری زندگی کیسے گزرے گی؟

ابھی وہ اپنی خود ساختہ سوچوں میں الجھی ہوئی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔ اپنی شخصیت کی تمام تر وجاہت سمیٹے سمعان احمد اندر داخل ہوا تھا۔ زرش کو اپنے ہاتھوں میں پسینہ اترتا محسوس ہوا۔

اس سارے عرصے میں اسے پہلی بار اپنا آپ نروس ہوتا محسوس ہوا تھا۔ وہ نروس ہو رہی تھی۔ اسے اپنی فیلنگز پر خود ہی الجھن ہونے لگی۔ وہ فوراً نظریں چرا کر سیدھی ہوئی تھی۔

سمعان احمد نے اسے نظریں چراتے بغور دیکھا تھا۔

اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔

سمعان الماری کی طرف بڑھا تھا۔ اپنا لباس نکال کر پلٹا تو زرش پر نگاہ ڈالی وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتی عجیب کشمکش و پیچ میں تھی۔ دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑ رکھا تھا۔

سمعان لباس بدلنے چلا گیا بغیر کوئی بات کیے، واپس آیا تو وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی گم صم سی۔

"کیا بات ہے کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے چونک کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا مگر درحقیقت نظریں اس پر تھیں۔

"کچھ نہیں......"

سمعان برش ڈریسنگ پر رکھ کر اس کے پاس بستر پر آ کر بیٹھا تو وہ سمٹ کر سیدھی ہوئی تھی۔

"تم خوش نہیں یہاں آنے پر؟" زرش چپ رہی تھی صرف ایک پل سمعان کو دیکھا تھا۔

"تو کیا چچا جان اور چچی جان نے اب پھر تمہیں مجبور کیا ہے؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ سب لوگ یہی تو چاہتے تھے کہ میں اپنی ضد اور اَنا چھوڑ کر یہاں آ جاؤں۔"

"زرش......" سمعان نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ نے جس طرح اپنی بے اعتباری ظاہر کی ہے اس کا صرف یہی حل تھا کہ میں یہاں آ جاتی۔"

"زرش پلیز......" سمعان نے اسے ایک دم ٹوک دیا تھا۔ "میں اس سارے قصے میں خود کو کلیئر کر چکا ہوں۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا؟"

"میں نے اس گھر میں اس طرح کبھی نہیں آنا چاہا تھا۔ میری ذات پر لگایا گیا آپ کی والدہ کا الزام تو اسی طرح برقرار ہے نا۔ وہ ہٹ تو نہیں گیا۔"

"زرش! خود سوچو اگر مجھے وہ سب پھر سے قبول کرنا ہی ہوتا تو وہ الزام لگاتی ہی کیوں؟ انہوں نے سب پلان کے تحت کیا تھا۔ سب لوگ بے وقوف نہیں ہوتے۔ بہت سے لوگ فہم و شعور رکھتے ہیں الات کا درست تجزیہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ تم ایک ہی بات کو ذہن میں جگہ کیوں دیے وئے ہو۔ مثبت بھی تو سوچ سکتی ہو؟"

وہ چپ ہی رہی تھی۔ وہ پھر بول کر آتی بھی کیوں۔ ماما سے لے کر سمعان تک سب کے پاس اسے سمجھانے کو ہزار دلائل تھے بلیک میل کرنے کے سو حربے۔ مگر کوئی اس کی ذہنی حالت اور سوچ کو پڑھنے ی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس کو سمجھ لینے کا دعویدار سمعان احمد بھی نہیں۔

"مجھے نہیں پتا کیا مثبت ہے اور کیا منفی؟ بس مجھے خود پر لگا الزام جینے نہیں دیتا۔ میں چاہوں بھی تو ود کو ماما یا آپ کی سوچ کے مطابق نہیں ڈھال سکتی۔ ماما نے مجھے سمجھایا اور میں نے ان کی بات مان ا۔ وجہ کچھ بھی ہو مگر ماما نے کہا تھا کہ اگر میں آپ لوگوں کے ساتھ آج یہاں نہیں آنا چاہوں تو وہ پ سے یہ رشتہ ختم کرنے کی بات کریں گی۔"

سمعان احمد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ان کے علم میں ایسی کوئی بات نہ تھی بس پوچھنے پر چچی نے کہا ا کہ انہوں نے اسے سمجھا دیا ہے بس وہ کچھ پریشان ہے سونے سے پیار محبت سے ہینڈل کر لینا۔ ضدی ہے لاڈ پیار نے اس کی کچھ عادتیں بگاڑ بھی دی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو غلطی پر غلطی کرنے ں۔" اور اب جو زرش بتا رہی تھی سمعان نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

"مطلب......؟"

"جب ماما کو میری بے وقوفیوں کی سب فہرستیں ازبر ہیں تو یقیناً آپ بھی بے خبر نہیں ہوں گے؟" تلخی تھی اس کے لہجے میں۔ بلکہ طنزیہ انداز میں کہتی بڑی چبھتی نگاہوں سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں علم چچی جان نے تم سے کیا بات کی ہے اور کس انداز میں۔ بہرحال اگر تم نہیں آنا چاہتی تھیں یا مطمئن نہیں تھیں تو مجھ سے بات کر لیتیں یقیناً تمہیں یوں مجبور تو نہ کیا جاتا؟"

وہ سمعان کو مسلسل غلط سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی سمعان ایک دم سنجیدگی سے کہتے ہوئے بستر سے اٹھ گیا تھا۔

"رہ گئی یہاں آنے کی بات۔ تمہیں یاد ہو گا میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں ہر طرح سے سپورٹ کروں گا تم اپنی تعلیم مکمل کرو جس طرح کا بھی تم تعاون چاہو گی میں تمہیں فراہم کروں گا۔ چچی جان نے تمہیں کیا کہا مجھے قطعی علم نہیں ان کے کسی قول و فعل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہاں انہوں نے ضرور بتایا تھا کہ تم پڑھنا چاہتی ہو اور کراچی یا اسلام آباد سے ہٹ کر کسی ادارے میں داخلہ لینا چاہتی ہو۔ میرا نہیں خیال کہ اس میں کچھ حرج ہے، تم Aptitude Test کی تیاری شروع کر دو جہاں بھی کہیں داخلہ مل جائے گا۔" کھڑکی کے پاس جا کر کھڑے ہوتے ہوئے سمعان نے یہ سب کہا تھا۔

"جہاں تک ہمارے رشتے کی بات ہے تو بھی تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ میں اس رات کراچی میں تم لوگوں کے ہاں رات ٹھہرا تھا اس سلسلے میں تم سے تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ میں نے اس رات بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ میری طرف سے تم پر اس رشتے کی جانب سے کوئی دباؤ یا زبردستی نہیں ہو گی۔ جب تک تم یہ سادگی اور اطمینان محسوس نہیں کرو گی میری طرف سے کبھی پیش رفت نہیں ہو گی۔ بس شرط یہ ہے کہ تم اعتبار کرنا سیکھ جاؤ۔ اعتبار کرو مجھ پہ۔ میرے لیے تمہاری محبت' تمہارا وجود بہت اہم ہے اپنے ذہن کو ریلیکس کرو۔ تم یہاں ہو میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ کسی کے دل میں جگہ بنانے گھر کرنے محبت کی جوت جگانے میں برسوں لگ جاتے ہیں جب کہ نظروں سے گرنے میں ایک پل لگتا ہے۔ ہمارا رشتہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ بندہ بشر ہوں اور انسان ہی جذبات میں بہتا ہے مگر پھر بھی اتنا ضرور بتا دیتا ہوں کہ تمہیں بس کبھی اپنے رشتے سے متفق ہونے پر مجبور نہیں کروں گا۔ رات بہت ہو گئی ہے اور تھکن بھی بہت ہو رہی ہے کیا خیال ہے اب سونا چاہیے اگر پھر بھی کوئی بات ذہن کو مضطرب کر رہی ہے تو صبح بات کر لیں گے۔" زرش نے بہت حیران ہو کر سمعان کو دیکھا تھا۔

"میرے ساتھ بیڈ تو شیئر کر لو گی، مجبوری ہے۔" سمعان نے مسکرا کر کہا تو اس نے فوراً نظریں چرائی تھیں۔ بغیر کچھ کہے وہ سر ہلاتے ہوئے بستر پر دراز ہوئی تھی۔ سمعان نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا اور کچھ سوچ کر مطمئن ہوتے ہوئے لائٹ آف کر دی تھی۔

* * *

نواز فاروق کی شادی کا کارڈ آیا تھا۔ چونکہ بارات لاہور سے کراچی جانا تھی سو سارے خاندان سے ایک ایک فرد ہی انوائٹڈ تھا جب کہ ولیمہ میں سارا خاندان' برادری مدعو تھی۔ شارق زمان بارات کے ساتھ کراچی گیا تھا جب کہ تین دن بعد منعقد ہونے والے ولیمے میں جانے کے لیے اماں تو تیار تھیں زرش کو بھی ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھیں مگر وہ مسلسل ٹال رہی تھی۔

"اماں! میں بھلا کیا کروں گی وہاں جا کر وہ بھی اس حالت میں۔"

”باقی جو لوگ جا رہے ہیں تو وہ پاگل ہیں نا...... اور تمہاری حالت کو کیا ہوا ہے۔ اللہ کا کرم ہے۔ نصیبوں والیوں پہ یہ وقت آتا ہے۔“

”ہاہ...... نصیب......“ اس کے چہرے پہ طنز بکھر آیا تھا۔

”شاکرہ کو کہو کپڑے تیار کر دے تمہارے۔ شارق کو میں کہہ چکی ہوں ہال میں جانا ہے اس کے ساتھ، تم بھی جا رہی ہو میرے ساتھ۔“

مسئلہ صرف شارق کا نہیں تھا پورا خاندان وہاں اکٹھا ہوتا تھا۔ نجانے کیا کیا کچھ سننے کہنے کو ملتا تھا وہاں صرف چند لوگ ہی نہیں ہوتے۔ حمید چچا کی فیملی کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہوتے تھے اور وہ کسی سے بھی سامنا کرنے کے موڈ میں نہ تھی مگر اماں کو اس کی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی بعض اوقات وہ بلاوجہ ہی ضد پر اڑ جاتی تھیں۔ جیسا کہ اب......

”جاؤ شاباش شاکرہ کو ساتھ ملا کر تیاری کرو۔ اچھا سا کوئی سوٹ دیکھ لینا اور زیور وغیرہ بھی...... خاندان کی پہلی شادی ہے جو دیکھو گی۔“ اماں کی خاص ہدایت پر وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اب ایک اماں ہی تو رہ گئی تھیں اس کے دکھ درد کی ساتھی وہ اب ان سے بحث کر کے ان کو کیسے ناراض کر لیتی؟

لباس نکال کر اس نے شاکرہ کو دیا تھا وہ استری کرنے چل دی تو وہ نہانے باتھ روم میں گھس گئی۔

تیار ہو کر ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر وہ اماں کے کمرے میں آئی تو شاکرہ ان کو تیار کروا چکی تھی۔ اس وقت وہ ان کے بال بنا رہی تھی۔ سفید چکن دار لباس میں اماں کی شخصیت بڑی بارعب لگ رہی تھی۔

”بڑی پیاری لگ رہی ہیں اماں......“ اس کی تعریف پر اماں ہنس دی تھیں۔

”اور یہ کیا تم نے تو زیور پہنا ہی نہیں...... نہ گلے میں ہاتھ کان بھی خالی۔ ماشاءاللہ سے میکے سسرال دونوں طرف سے کتنا زیور ہے سنبھالنے کے لیے تو نہیں پہنایا ہم نے۔ شادی بیاہ پہ بھی نہیں پہنو گی تو کب پہنو گی؟“

”اماں! جانے بھی دیں اب یہ لباس دیکھ رہی ہیں بمشکل پورا آیا ہے۔ زیور پہن کر اور بھی عجیب لگوں گی، سب مڑ مڑ کر دیکھیں گے۔“

”شارق تیار ہو گیا ہے؟“ وہ آج گھر پر ہی تھا اماں نے شاکرہ سے پوچھا۔

”پتا نہیں اپنے کمرے میں ہوں گے۔“

”جاؤ دیکھ کر آؤ۔“ شاکرہ چلی گئی تو اماں نے اسے دیکھا۔ جہیز میں سے اس نے سوٹ پہنا تھا، اماں کے دل میں کئی بار خیال آیا تھا کہ شارق زمان کی لا کر دی گئی وہ کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی چاہے جوتا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ صرف اس گھر میں رہ رہی تھی۔ حتیٰ کہ ایک بار ڈاکٹر فیروزہ کی لکھ کر دی گئی میڈیسن ختم ہو گئی تھی نویرہ کے ذکر کرنے پر انہوں نے وہ نسخہ لے کر ملازم کو دیا تھا اس وقت شارق چلا آیا تھا وہ اماں کی دوائیوں کا نسخہ سمجھا تھا اسے کسی کام سے فوراً واپس بھی جانا تھا وہ نسخہ ملازم سے لیا تھا رات کو اس نے میڈیسن لا دی تھیں مگر نویرہ نے وہ میڈیسن استعمال نہیں کی تھی۔ اس نے خود سے منگوا کر میڈیسن استعمال کی تھی۔ کتنے دنوں بعد انہوں نے دراز کھولا تو وہاں میڈیسن کا شاپر جوں کا توں رکھا دیکھ کر انہیں بڑا دکھ ہوا تھا۔

”پھر زیور پہن لو۔ وہاں سب سوال کریں گے۔ کم از کم میری عزت کے لیے ہی پہن لو۔“

نویرہ نے بڑی بے چارگی سے اماں کو دیکھا تھا وہ کہہ نہیں سکتی کہ زیور پہننے میں اسے کوئی حرج نہیں مگر وہ سارا (زیور میکے اور ادھر کا سارا) شارق زمان کے کمرے میں اس کے پرسنل لاکر میں رکھا ہوا تھا وہ وہاں سے کیسے نکالتی۔ وہ تو کبھی اس کے کمرے کے قریب سے بھی گزرتی نہیں تھی کجا کہ اس کی پرسنل دراز میں سے زیور نکالنا۔

”اماں وہ سارا زیور شارق کے لاکر میں ہے۔ آپ لا دیں امی کی طرف کا۔ ادھر کا بہت بھاری ہے نہیں پہنوں گی۔ امی والا لا کر دے دیں۔“

اماں نے نویرہ کے رونے پر بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

”اچھا میں دیکھتی ہوں۔“ وہ مصنوعی ٹانگ سنبھالتی آہستہ آہستہ چلتی کمرے سے نکل گئیں تو اس نے گہرا سانس لیا۔

اماں زیور لے کر آئیں تو اس میں کچھ زیور ادھر کا بھی لے آئی تھیں۔

”یہ میں نے خود بنوایا تھا شارق کی دلہن کے لیے۔ یہ شارق کی کمائی کا نہیں ہے، اس کے ابا کی کمائی کا ہے اور یہ زیور میں نے اپنا زیور دے کر نیا بنوایا تھا پہن لو۔“

وہ اب بھلا کیا کہتی۔ تمام زیور اماں نے اسے اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔ ان کے اندر نویرہ کو ہر طرح اپنے ہاتھوں سے بنانے سنوارنے کے کتنے ارمان تھے۔

شارق نے گاڑی نکال کر ہارن دیا تو وہ اماں کو سہارا دیتے باہر نکل آئی۔ آج پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ اماں وہیل چیئر کے بغیر باہر جا رہی تھیں ورنہ وہ وہیل چیئر ضرور گاڑی میں رکھواتی تھیں۔ شارق زمان نے انتہائی حیران ہو کر نویرہ کو دیکھا۔ اماں کے ساتھ اسے دیکھ کر تعجب ہوا۔ وہ اس کی گاڑی میں بیٹھنے پر راضی کیسے ہو گئی تھی۔ اس نے ایک پل کو ضرور سوچا تھا۔

پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اماں کو بٹھا کر خود بھی ساتھ بیٹھتے ہوئے اس نے ایک بار بھی شارق زمان پر نگاہ ڈالنا گوارا نہ کی تھی۔ مکمل طور پر ان لمحوں میں اس نے شارق زمان کی نفی کی تھی۔ جیسے وہ ان کا شوفر ہی تو تھا۔

شارق زمان کے اندر ایک دم چبھن ہونے لگی تھی۔

وہ عورت ذات ہو کر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

کوئی اس کے اندر تلملایا تھا۔

سارا راستہ شارق زمان کے اندر اک ان دیکھی آگ جلتی رہی تھی۔ نویرہ کی کنڈیشن اور اپنی اولاد کا خیال نہ ہوتا تو شاید اب تک سارے حساب بے باق کر چکا ہوتا۔

وہ لوگ ہوٹل پہنچے تو چچا چچی نے بڑے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ نویرہ کو اماں کے

ساتھ دیکھ کر دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اک سکون سا اترا تھا۔

نواز فاروق کی شادی کر دینے کے باوجود نویرہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی اب بھی دل دکھاتی تھی مگر اب اماں اور ان کے پیچھے مطمئن سے شارق کو دیکھ کر اپنی زیادتی کا احساس کم سا ہونے لگا تھا بلکہ نویرہ کے ساتھ ساتھ انہیں نواز فاروق بھی بے قصور لگتا تھا۔

چچی نے بہت محبت سے گلے لگا کر پیشانی چومی تھی۔ وہ بھتیجی بیاہ کر لائی تھیں مگر نویرہ کو کھو دینے کا ملال اپنی جگہ تھا۔

ان کی باقی چاروں بیٹیاں بھی نویرہ کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہو گئی تھیں۔ جس طرح نویرہ نواز کے انکار کے بعد ان لوگوں سے ناراض ہوئی تھی ان کو یقین تھا کہ وہ اب شادی پر نہیں آئے گی مگر نویرہ نے آ کر بڑی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا تھا۔

وہ سب نویرہ کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔

وہ سب رشتہ داروں سے اماں کو ملوانے کے بعد ایک ٹیبل کے گرد آ بیٹھی تھی۔

تھوڑی دیر میں اماں اور نبیلہ بھابی وغیرہ بھی آ گئے تھے۔ نویرہ کے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ مرد و عورت کے لیے علیحدہ علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ درمیان میں پارٹیشن کا انتظام تھا سوائے چند قریبی احباب کے کوئی بھی خواتین والے حصے میں نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد نواز کی بہنیں بجی سجائی رومیسہ کو لیے اسٹیج پر آ بیٹھی تھیں۔ نویرہ نے بغور دیکھا۔ اچھی خاصی خوب صورت اور پیاری لڑکی تھی۔ زبیدہ چچی اور ریشماء بھی ان کے پاس ہی آ بیٹھیں تو کھانا کھانے تک وہ سب آپس میں ہی مصروف رہی تھیں۔ وہی خاندان کے قصے، نواز کا والدین کے پاس آ جانا اور ان کا خاص طور پر مان جانا اور یہ آناً فاناً شادی۔ ایک ماہ کے عرصے میں یہ سب ہوا تھا۔

کھانے کے بعد فوٹو سیشن کا سلسلہ چلا تھا نواز فاروق نے اپنی پوری فیملی کو اسٹیج پر بلا لیا تھا اس سارے عرصے میں نویرہ نے ایک عرصے بعد اس شخص کو دیکھا تھا۔ نواز نے جب شادی سے انکار کیا تھا تو کتنا دکھ ہوا تھا اور پھر جب شارق کی زبانی علم ہوا کہ وہ کیوں انکار کر کے چلا گیا ہے تو اس نے اس سے نفرت بھی کی تھی۔ یہ بھی سوچا تھا کہ زندگی بھر بھی سامنا نہیں کرنا اور اگر کبھی بدقسمتی سے سامنا بھی ہو گیا تو نفرت سے اپنے ساتھ کی جانے والی ناانصافی پہ اس کا گریبان جھنجھوڑ دے گی مگر اب وہ چپ چاپ بس اسٹیج پر بیٹھے دولہا دلہن کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ ایک بار بھی اٹھ کر ادھر ادھر نہیں ہوئی تھی جب سے آئی تھی اسی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

شارق زمان سے شادی کے بعد نبیل بھائی کی نفرت کے باوجود اس نے سمجھوتے کی راہ اپنائی تھی مگر رضا حمید کی جذباتیت نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ پھر وہ اکیلے نواز فاروق کو قصوروار کیوں ٹھہراتی، رضا حمید بھی اس کی بربادی میں برابر کا شریک تھا۔ اس نے زندگی بھر کسی سے نفرت نہیں کی تھی مگر اب لگتا تھا کہ شارق نواز اور حمید اس کی زندگی کی وہ مثلث ہیں، جنہوں نے نہ صرف اسے بدنام کر دیا تھا بلکہ اس کے اندر سے جینے کی آرزو تک چھین لی تھی۔ دل کے اندر کوئی جذبہ باقی نہیں رہا

تھا۔ لاشعوری طور پہ وہ مسلسل اسٹیج پر بیٹھے جوڑے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کا ارتکاز ہی تھا کہ نواز فاروق نے بے چین ہو کر اپنے اطراف میں نگاہ دوڑائی تھی۔ دائیں طرف تیسری ٹیبل کے گرد بیٹھی نویرہ پر نگاہ جم سی گئی تھی۔

"نویرہ......" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

وہ جب سے لاہور آیا تھا دل کی بے پناہ خواہش کے باوجود نویرہ سے سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا سکا تھا۔ بارہا شارق کے گھر کے گیٹ پہ جا کر پلٹ آیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کے ولیمے کی تقریب وہ اٹینڈ کرنے آئے گی۔ اب سامنا ہوا بھی تو نگاہیں ایک دم جھک گئی تھیں۔ احساس شرمندگی سے نظریں ملانے کا یارا نہ تھا۔

نویرہ نے نواز کے نظریں چرا لینے پر بڑے تمسخر سے اسے دیکھا تھا۔ "اونہہ...... یہ مرد حضرات......" وہ اندر ہی اندر جلی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب ساری عمر نواز فاروق اس کے سامنے آ جانے پر ایسے ہی نگاہیں چرائے گا۔ اس کی الزام دیتی تمسخرانہ نگاہوں سے چھپے گا۔ اس نے تو نویرہ احسان کو کھو دیا تھا۔ اب جو نویرہ تھی وہ اس نویرہ سے بہت مختلف تھی جسے حالات نے اپنی دانست میں شطرنج کے مہرے کی طرح بڑی بے دردی طرح پٹا دیا تھا۔

حیرا دو تین بار اس کے پاس بھی آئی تھی کہ وہ بھی رومیسہ کے ساتھ تصویر کھنچوا لے مگر اس نے سہولت سے انکار کر دیا تھا کہ وہ اس حال میں تصویریں بنواتی کہاں جچے گی۔

چند تصویریں بنوا کر نواز فاروق اسٹیج سے اترا تو بڑی اماں کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ جب سے آیا تھا دل کے ہزار بار چاہنے کے باوجود ان سے ملنے نہیں جا سکا تھا۔ احساس ندامت ہی ایسا تھا۔ خود میں کسی سے بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا تھا۔

"السلام علیکم! بڑی اماں......" وہ نویرہ کے بائیں جانب بیٹھی بڑی اماں کے پاس چلا آیا تھا۔ جھک کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسے ہو؟" بہت محبت و شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے دریافت کیا تھا۔

"اللہ کا کرم اور آپ کی دعائیں ہیں بس......" وہ عاجزی سے بولا تھا۔ ایک بار بھی اس نے دائیں جانب بیٹھی نویرہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہی نظریں چرانا شرمندہ سا انداز تھا۔

"جیتے رہو...... بڑی پیاری بیوی ہے تمہاری۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔" انہوں نے بڑے خلوص سے دعا دی تھی۔ نویرہ سر گھما کر باہر آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگی۔

"تم کیسی ہو نویرہ؟" نویرہ کو جو گمان تھا کہ وہ کبھی اس سے سامنا ہونے پر بھی اس سے کلام نہیں کرے گا بلکہ نگاہ چرا کر ندامت سے سر جھکائے گزر جائے گا ایک دم پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ چہرے سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کیسی لگتی ہوں میں۔۔۔؟" آپ جناب کے تکلفات کی پروا کیے بغیر اس نے بڑی بے لحاظی سے اسے گھورا تھا۔ اس کے لیے یہ بات شاک سے کم نہ تھی کہ نواز فاروق اسے خود سے مخاطب کرنے کی بھی جسارت بھی کرے گا۔

"بظاہر تو ٹھیک ہی لگ رہی ہو۔ اندرونی کیفیت تو تم خود ہی بتا سکتی ہو۔" بڑے بھرپور اعتماد سے وہ مخاطب تھا۔

نویرہ کا جی چاہا ایک دم اٹھے اور اس وجود کا اعتماد سے پُر چہرہ اپنے ہاتھوں کے تھپڑوں سے سرخ کر دے۔ اس کی زندگی کو رسوائی کی دلدل میں دھکیل کر جانے والا کیسے مطمئن و آسودہ زندگی گزار رہا تھا جب کہ وہ ہر رات انگاروں کے بستر پر لوٹتے گزار رہی تھی۔

"میری اندرونی و بیرونی کیفیت سے تمہیں مسٹر نواز فاروق کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ براہ کرم اپنا راستہ ناپیے اور ہاں آئندہ مجھ سے مخاطب ہونے کی غلطی مت کرنا۔ میں اپنی تذلیل و رسوائی بھولی نہیں۔ جو ذلت و ہتک میں نے تمہاری اور شارق زمان کی ملی بھگت سے اٹھائی تھی۔ آئندہ میرے سامنے بھی مت آنا ایسا نہ ہو کہ میں خود پر قابو نہ رکھ پاؤں اور نفرت سے تم پر تھوک دوں۔ تم میری روح کے قاتل ہو سمجھے تم۔" وہ صرف بولی نہیں بلکہ نفرت کی شدت سے پھنکاری تھی۔

اس کے لہجے میں نفرت کے شعلے دہک اُٹھے تھے۔ وہاں موجود ہر فرد صرف حیران و گم صم ہی نہیں ہوا تھا بلکہ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نویرہ ایسا ردعمل بھی ظاہر کر سکتی ہے اور نواز فاروق۔ اس کی وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔

اس نے اس ایک لمحے میں نویرہ کے اندر لمحہ بہ لمحہ چلنے والی ساری نفرت دیکھ لی تھی۔

وہ شارق کے ساتھ مطمئن و خوش نہیں! اس نے اس ایک لمحے میں ادراک حاصل کر لیا تھا اگر وہ خوش ہوتی تو شاید اسے بھی قابلِ معافی سمجھ لیتی یا خطا کار کی خطا جان کر نگاہ پھیر لیتی مگر اس کے لہجے میں صرف اور صرف نفرت کی آگ تھی۔ جو ہر چیز جلا کر بھسم کر دینے والی تھی۔

"نویرہ! آہستہ۔" اماں نے مخمل پر دھرے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے خود پر قابو پانے کا کہا تو وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔ زبیدہ چچی کے علاوہ رمشاہ بھی حیرت زدہ گم صم سی تھی۔

"جاؤ نواز! اپنا کام کرو۔ ابھی زخم ہرے ہیں وقت کے ساتھ ہی مندمل ہوں گے۔ اس تقریب میں شامل ہونا ہمارا فرض تھا کہ تم ہمارے سگے بیٹے کی طرح ہو۔ اپنا خون ہو مگر کوشش کرنا نویرہ سے سامنا نہ کرنا۔ جاؤ اب تم۔"

اماں کے کہنے پر وہ چپ تو ہو گئی تھی مگر نگاہوں کی نفرت اسی طرح برقرار تھی۔ اماں کے کہنے پر نواز فاروق بڑے بڑے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

⁂

اسلام آباد آنے کے بعد دن گزرنے کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ شروع کے چند دن اسے یہاں سیٹل ہونے اپنے آپ کو بہلانے میں لگ گئے تھے اور پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ بھابی اور فرح کی ہمدردی میں وہ اپنے خول سے باہر نکل آئی تھی۔ سب کے ساتھ مل جل کر بیٹھنے لگی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ فرح کے ساتھ اس کے تعلقات بتدریج استوار ہو رہے تھے۔

سمعان نے اسے اسلام آباد کی ایک جانی پہچانی اکیڈمی میں اس کا ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ جہاں اس نے بی اے کے لیے تیاری شروع کر دی تھی۔

اکیڈمی کی ٹائمنگ تین سے پانچ تک کی تھی۔ سو وہ آرام سے ایڈجسٹ کر گئی تھی چونکہ وہ اسلام آباد کے لیے نئی تھی تو سمعان نے اس کے لیے گاڑی بمع ڈرائیور کے بندوبست کر دیا تھا۔

شام کو وہ گھر آ کر بھابی (اگر وہ دن میں ڈیوٹی پر نہیں ہوتی تھیں تو) کی کچن میں ہیلپ کروا دیا کرتی تھی۔ فرح بھی ساتھ ہی ہوتی تھی اگر یوں کہا جائے کہ اس کے خول کو توڑنے واپس اس کے اعتماد کو بحال کرنے میں فرح اور بھابی کا سارا ہاتھ تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

اس کو آہستہ آہستہ بدلتے دیکھ کر سمعان احمد بھی مطمئن تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ وہ لوگوں کی پروا کرنے کے بجائے اپنی ذات کو اہمیت دے گی۔

اس دن وہ اکیڈمی گئی تھی مگر ایک گھنٹے بعد ہی واپس آ گئی تھی۔ اندر آئی تو گھر میں اچھی خاصی چہل پہل دکھائی دی۔ ملازمہ لاؤنج سے برتن اُٹھا کر کچن میں جاتی دکھائی دی تھی۔

"کوئی آیا ہے کیا؟" سر سے اسکارف اُتار کر دوپٹہ سجاتے اس سے پوچھا تو وہ سر ہلاتی کچن میں چلی گئی تھی۔

اندر داخل ہوئی تو پہلی نگاہ قالین پر حمزہ کے ساتھ کھیلتے علی پہ پڑی تھی۔ فرحت و حیرت کے ساتھ وہ ٹھہری۔

"السلام علیکم...... ارے علی آیا ہے؟" وہ مسکرا کر اندر داخل ہوئی تو دوسرے جھٹکے نے اس کے قدم وہیں جکڑ لیے تھے۔

"طاہرہ بیگم بڑے کروفر کے ساتھ اس کی طرف بڑی چبھتی نگاہوں سے دیکھتی بھابی کے ساتھ صوفے پر براجمان تھیں۔

علی کو دیکھ کر چہرے پہ جو مسکراہٹ بکھری تھی وہ ایک دم غائب ہوئی تھی۔ "یہ عورت یہاں اب کیا

لینے آئی ہے؟" اس نے بھی بڑی تلخی سے انہیں دیکھا تھا۔

لاؤنج میں اس وقت سمعان نہیں تھا، عثمان بھائی بھی لگتا تھا کہ جیسے ابھی فوراً گھر بلائے گئے تھے۔ یونیفارم میں تھے اور بھابی کے علاوہ فرح بھی زرش کو دیکھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگی تھیں کہ نجانے اب کیا ہو۔

طاہرہ بیگم کی اس طرح اچانک آمد سب کے لیے حیران کن ہی نہیں بلکہ پریشان کن بھی تھی کہ طاہرہ بیگم کے اس طرح یوں اچانک بیٹوں کے ہاں آمد میں بھی کسی کا "کارِ خیر" کی پلاننگ تو ضرور ہوگی۔

وہ کیا سوچ کر آئی تھیں وہ سب بے خبر تھے۔

ایسے موقع پر جب زرش آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر چھائی گرد اتر رہی تھی طاہرہ بیگم کی آمد بڑی اچانک اور تشویشناک تھی۔ فرح اور بھابی کے علاوہ عثمان بھائی نے بھی حیرت سے کھڑی زرش کو دیکھا تھا۔

"آؤ زرش بیٹھو......" عثمان بھائی کی پکار پر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ فوراً پلٹ کر بھاگتی وہاں سے نکل آئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر دروازہ لاک کر کے وہ بستر پر گر گئی تھی۔

"کیوں آ گئی ہے یہ عورت پھر سے یہاں، کیا اتنا رسوا کرنے کے باوجود دل نہیں بھرا اس عورت کا۔"

ایک دم جی چاہا کہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔

ان سب لوگوں نے مل کر اس کے ساتھ فراڈ کیا تھا۔ پہلے طے شدہ پروگرام کے تحت اسے یہاں لائے تھے اور اب یہ طاہرہ بیگم۔ کیسے مطمئن تھے سب جیسے یہ سب ان کے لیے عام سی بات تھی۔

اسے لگا وہ اذیت کے گہرے طوفان میں گھر گئی ہو۔

وہ باقی سارا وقت کمرے سے نہیں نکلی تھی۔

ملازمہ کھانے کے لیے بلانے آئی تھی تو اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

وہ اس عورت کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی کبھی بھی نہیں۔

سمعان کو آج لیٹ آنا تھا۔ وہ اکیڈمی میں تھی۔ جب اس نے فون کر کے اطلاع دی تھی۔ وہ جب سے کمرے میں بند تھی۔ سمعان کی تین چار کالز آ گئی تھیں۔ مگر وہ سب سے اس وقت متنفر ہو چکی تھی کہ اس نے سمعان کی کال ریسیو کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

اس وقت رات کے 9 بجے وہ کمپیوٹر کھولے اپنے ذہن کو مصروف رکھنے میں لگی تھی جب دروازہ ناک ہوا تھا۔

اس نے سپاٹ نظروں سے دروازے کو گھورا تھا۔ دو تین منٹ بعد بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

"زرش میں ہوں...... دروازہ کھولو۔"

اس کے سیل پر آنے والا SMS سمعان احمد کا تھا۔

"آر یو اوکے؟" یہ دوسرا میسج تھا۔ زرش نے ایک گہرا سانس لیا اب وہ کہاں تک جذباتیت کا مظاہرہ کرتی۔ ماما نے بھی یہی کہا تھا کہ اس کا سب سے بڑا پرابلم بھی یہی ہے کہ وہ ہر بات کو جذباتیت

کے بھوں میں لیتی ہے۔ ماما نے تو یہ بھی کہا تھا کہ اپنی جذباتیت کے ہاتھوں وہ شدید نقصان اٹھائے گی۔ سمعان احمد ابھی اس کے نام کی مالا جپتا ہے ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں سے ہی اپنی جذباتیت کی بدولت سمعان کو خود سے متنفر کر دے۔

اور اب......

وہ خاموشی سے اٹھی تھی۔

وہ سمعان احمد کو کھونے کا بھی رسک نہیں لے سکتی تھی ایسی صورت حال میں اس کے ساتھ زندگی گزارنا اگر مشکل تر تھا تو اسے چھوڑ دینا اس سے بھی زیادہ ناممکن تھا۔

دروازہ کھول کر آنے والے کو دیکھے بغیر وہ دوبارہ کرسی پر جا بیٹھی تھی۔

سمعان احمد اسے دیکھ کر ایک پل کو پُرسکون ہوا تھا۔

نجانے کیوں اب ہر وقت اس کی جذباتیت سے انہونی کا اک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ نجانے وہ کب کیا کر بیٹھے؟

"کیا بات ہے کمرے میں کیوں بند تھیں؟"

وہ مکمل طور پر مونیٹر کی طرف متوجہ تھی۔ سمعان کے سوال پر صرف اسے اک نگاہ دیکھا تھا۔

"زرش! میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کیوں پریشان کر کے رکھ دیا تھا تم نے سب کو یوں اکیلے کمرے میں بند دروازہ لاک کر کے حد ہوتی ہے کسی چیز کی۔ اتنی اہم میٹنگ تھی میری۔ بھابی نے فون کیا تو مسلسل کال کر رہا تھا اور تم نے ایک کال بھی ریسیو نہیں کی، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگا آیا ہوں۔"

سمعان برہم ہو رہا تھا، اس نے پھر بھی توجہ نہ دی تھی۔ وہ کیوں دیتی۔ سمعان کو اتنی پروا تھی کہ وہ کمرہ بند کیے بیٹھی ہے تو یہ پروا ہونی چاہیے تھی کہ اس کی ماں اس گھر میں کیوں آئی ہے جب کہ وہ الٹا اسی سے باز پرس کر رہا تھا۔

اسے سمعان احمد کا یہ رویہ بڑی بُری طرح کھلا تھا۔

"زرش! میں تم سے مخاطب ہوں۔" سمعان نے ایک دم ریوالونگ چیئر گھما کر رُخ اپنی طرف کر لیا تھا۔

"میں اس کمرے، ان دیواروں سے مخاطب نہیں ہوں تم سے بات کر رہا ہوں۔" سمعان کو اس کا یہ [illegible] بڑی بُری طرح کھلا تھا۔

"مجھے آپ میں سے کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنی۔ آپ سب لوگ جھوٹے، فراڈی اور دھوکے باز ہیں۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

"کیا دھوکے بازی کی گئی ہے تمہارے ساتھ ہماری طرف سے؟"

"سب لوگوں نے مجھے یہی یقین دلایا تھا کہ اس گھر میں، میں رہوں گی مجھے کہیں اور لے کر نہیں جایا جائے گا تو پھر اس گھر میں آپ کی ماں کیا کر رہی ہیں۔ کیوں آئی ہیں وہ یہاں؟"

سمعان احمد نے اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھا تھا اور پھر لب بھینچ لیے تھے۔

"تو پلیز جواب دیں وہ کیوں آئی ہیں یہاں؟"

سمعان کو یوں لب بھینچے دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

”ان کے بیٹے کا گھر ہے۔ مجھ سے پہلے یہ عثمان بھائی کا گھر ہے اور ان کی ملکیت ہے۔ اور اپنے بیٹے کے گھر آئی ہیں۔ وہ خود آئی ہیں انہیں کسی نے بلوایا نہیں۔ اب وہ آ گئی ہیں تو انہیں گھر سے کیسے نکالا جا سکتا ہے؟“ سمعان احمد نے نہایت تحمل سے جواب دیا تھا۔

اب تو سب بہتر ہو جانے کی امید بندھی تھی مگر طاہرہ بیگم کی یوں اچانک آمد اور زرش کے اس ری ایکشن نے گویا ساری محنت پر ایک دم پانی پھیر دیا تھا۔

”مجھے نہیں پتا ان کی موجودگی میں، میں یہاں نہیں رہوں گی یا تو وہ اس گھر میں رہیں گی یا میں۔ جب تک وہ یہاں ہیں آپ بے شک مجھے کراچی بھجوا دیں۔“

سمعان احمد نے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

”زرش! تم خواہ مخواہ اس بات کو اب ایشو بنا رہی ہو۔ اب یہ ساری عمر کا تعلق ہے۔ بہت سے موقعوں پر تم لوگوں کو اس طرح اکٹھا ہونا پڑے گا، میں نہ ان کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہی تمہیں، بہتر ہے کہ تم ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرو وہ صرف چند دن کے لیے آئی ہوں گی۔“

”وہ چند دن کے لیے آئی ہیں یا ساری عمر کے لیے ان کی موجودگی میں، میں یہاں نہیں رہوں گی اور یہ بات طے ہے آپ مجھے کراچی بھجوا دیں یا پھر میں پاپا کو فون کر کے کہہ دوں گی کہ وہ خود مجھے آ کر لے جائیں۔ میں صرف یہاں آ کر رہنے پر راضی ہوئی تھی ان کے ساتھ رہنے پر نہیں اور یہ بات فائنل ہے۔“

سمعان احمد کے غصے کی ذرہ برابر پروا کیے بغیر وہ دوبدو بولی تھی۔

”زرش پلیز......“ سمعان نے بڑی سختی سے اسے ٹوکا تھا۔ ”ایک بات یاد رکھنا زرش...... تمہیں ان کی موجودگی میں ہی یہاں رہنا ہوتا جب تک وہ یہاں ہیں کراچی بھیجنے والی بات آئندہ مت کرنا۔ امی جس مقصد کے تحت آئی ہیں وہ کبھی نہیں ہونے دوں گا تم کم عقلی دکھانے پر تلی ہوئی ہو، میں نہیں۔ امی بغیر اپنی بہن صاحبہ کی سپورٹ اور باہمی پلاننگ کے کوئی کام نہیں کرتیں۔ ان کی یہاں آمد کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ وہ کوئی کم عقل آدمی بھی سمجھ سکتا ہے جو کہ ان کو جانتا ہو گا۔ وہ محض یہاں آئی ہی اسی لیے ہیں کہ تمہیں یہاں سے نکالیں۔ تمہیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی؟“ اب کے زرش نے کچھ الجھ کر سمعان کو دیکھا تھا۔

طاہرہ بیگم کی آمد کے پس منظر میں یہ سازش بھی ہو سکتی تھی اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔ انتہائی غصے میں بھی وہ یہ بات سوچ نہیں سکتی تھی اور نہ سوچ پائی تھی۔

”ابو کے علم میں یہ بات نہیں ہے صرف علی کو لے کر وہ چلی آئی ہیں۔ علی کو بھی ایئرپورٹ پہنچ کر پتا چلا تھا کہ وہ یہاں آ رہی ہیں اور تب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اور عثمان بھائی انہیں گھر سے نہیں نکال سکتے اور اگر تم کراچی جانے کی ضد کرتی ہو تو ان کا مقصد ضرور پورا ہو گا اور مجھے افسوس ہو گا کہ دوسری بار بھی تم ان کی سازش کا شکار ہو گئی ہو۔“

کہتے سمعان نے اسے دیکھا تو پہلی بار اسے حالات کا درست انداز میں نہ انتہائی تاسف سے

بیٹے پر ندامت سی ہوئی تھی۔

”وہ کب تک رہیں گی؟“ کچھ توقف کے بعد سمعان سے پوچھا۔

”یہ تو تم ان سے ہی پوچھ لینا......؟“

”مجھے کوئی ضرورت نہیں ان سے بات کرنے کی۔“ اگلے ہی پل وہ ایک دم تلخ ہوئی تھی۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔

”یہ کرنا...... مگر اس وقت کپڑے تو نکال کر دے سکتی ہو مجھے کپڑے چینج کرنا ہے۔“ جب سے وہ یہاں آئی تھی پہلی بار اپنے ذاتی کام کے لیے کہا تو وہ چونکی۔

”جی......“ وہ الماری کی طرف بڑھی تو سمعان ایک طرف ہو گیا تھا۔ ارادہ اس کا دھیان بٹانے کا تھا۔

”کوئی شلوار قمیص نکالنا۔“ شرٹ کے بٹن کھولتے سمعان نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے الماری کھول کر کپڑے دیکھنے لگی تھی۔ سوٹ نکال کر وہ پلٹی تو جھجک گئی سمعان شرٹ اتار چکا تھا۔ اس کی موجودگی میں سمعان اس کے احساسات کا پورا خیال رکھتا تھا مگر آج......

”باتھ روم میں لٹکا دوں میں باتھ لوں گا اور پھر کھانا کھاؤں گا۔ میٹنگ ڈنر چھوڑ کر آیا ہوں صرف تمہاری وجہ سے۔“ سمعان کے کہنے پر وہ فوراً واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ اس کے لیے سمعان احمد کے ساتھ روم اور بستر شیئر کرنا ہی بڑا آزمائش طلب تھا کہ سمعان احمد کا اس حالت میں سامنا کرنا۔

آہستہ آہستہ اسے اپنے احساسات تبدیل ہوتے لگ رہے تھے مگر وہ مسلسل نظر انداز کر رہی تھی مگر اب...... طاہرہ بیگم کی اس آمد نے اسے پھر کشمکش و پیچ میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ خاموشی سے کپڑے لٹکا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

* * *

ڈاکٹر فیروزہ نے چیک اپ کر کے ایک ماہ بعد کی ڈیٹ دے دی تھی۔ اماں ان دنوں اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں۔ شاکرہ کے علاوہ ایک جز وقتی ملازمہ کا بندوبست کر لیا تھا۔

نوریہ کا آج کل سارا قیام اماں کے کمرے میں تھا۔ اماں بس چاہتی تھیں کہ نوریہ ساتھ خیریت سے فارغ ہو لیں تو پھر وہ اس مسئلے کا بھی کوئی حل سوچیں گی۔ شارق کے تیور کیا تھے انہیں اندازہ نہیں ہو رہا تھا اور نوریہ تب کیا طے کیے ہوئے تھے انہیں سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے تھے۔ مگر وہ وقت کا انتظار کر رہی تھیں۔

ڈلیوری سے آٹھ دن پہلے خالدہ بیگم نبیلہ بھابی کے ہمراہ اسے لینے آ گئی تھیں۔

”اماں! میں کہہ چکی ہوں مجھے نہیں جانا تو پھر مجھے بار بار مجبور مت کریں۔ میں مروں یا جیوں اب اسی گھر میں سب ہو گا۔ آپ بار بار فون کر کے یا خود آ کر مجھے مجبور نہ کریں۔“

اس وقت وہ دونوں ماں بیٹی اکیلی کمرے میں تھیں۔ جب انہوں نے اپنی آمد کا مقصد بتایا تھا۔

”اللہ نہ کرے نوریہ کیسے باتیں کرتی ہو۔ اللہ اپنی رحمت کرے ساتھ خیریت کے یہ دن لائے۔ یہ

دستور ہے ہمارے خاندان کا پہلا بچہ میکے میں ہی ہوتا ہے۔"

"میری منگنی، نکاح شادی رخصتی کون سا کام دستور کے تحت ہوا تھا۔ اماں آپ نے کہا شارق سے نکاح کرلو میں مجبور ہوگئی ورنہ میں مرجاتی اس کی بات نہ مانتی۔ اس حد تک ذلیل ہوچکی ہوں کہ برداشت سے باہر ہے۔ اماں مجھے اور مت آزمائیں، آپ نے ایک دفعہ اپنے گھر سے نکال دیا تو پھر نکال دیا اب میں اس گھر میں دوبارہ نہیں جاؤں گی۔"

انتہائی سختی سے محو کلام تھی۔ خالدہ بیگم دکھ سے دیکھے گئیں۔ ان کی نوریہ جو نرم خو اور صلح جو طبیعت کی مالک تھی نجانے کہاں گم ہوگئی تھی۔

"نوریہ! ضد نہیں کرتے۔ خاندان میں بات پھیل جائے گی۔ پہلے ہی لوگ تاک میں رہتے ہیں۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تم ایک دفعہ چلو۔" انہوں نے اصرار کیا تو اس نے عجیب نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"اماں آپ جانتی ہیں میرا اور شارق کا اب کس قسم کا رشتہ ہے؟" اماں نے حیران ہوکر اسے دیکھا تو وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"جس کمرے میں آپ اس وقت بیٹھی ہوئی ہیں یہاں میں رہتی ہوں اور وہ اپنے کمرے میں۔ وہ مجھے صرف ایک عورت جو اس کے نکاح میں ہے سمجھتا ہے اس سے بڑھ کر اس کے دل و دماغ میں میرے لیے کوئی عزت، کوئی وقعت نہیں۔ اس کے دل میں جو بال آچکا ہے وہ ابھی بھی برقرار ہے۔ انا پرست نہیں ہوں میں مگر اماں میرے کردار پر انگلی اٹھائی تھی اس شخص نے مجھ سے معذرت کرنا یا صفائی پیش کرنا اس کا حق تھا اگر وہ دل سے مجھے اپنے گھر میں بسانا چاہتا تو اس نے ایسا نہیں چاہا اور مجھے اس سے رغبت نہ رہی۔ اماں عورت پگھل جاتی ہے دو جملوں سے۔ میں سب بھول جاتی۔ اس اولاد کے لیے صبر کرلیتی مگر اس نے صرف شوہر ہونا ثابت کیا تھا اور مجھے اپنے کردار اپنے وجود کی اس قدر ارزانی گوارہ نہیں ہے۔ اماں آپ کو اس لیے بتارہی ہوں کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ہم دونوں اب اس مقام پر ہیں کہ ایک فیصلہ ہوجانا چاہیے۔ اماں بچے کی ولادت کے بعد یہ فیصلہ ضرور ہوگا میں اس شخص کو قبول نہیں کروں گی اور وہ مجھے۔ اگر آپ کو میں طلاق یافتہ کی صورت میں قبول ہوں تو اب مجھے اپنے ساتھ لے جائیں ورنہ بات یہیں ختم کردیں۔"

"نوریہ......" اماں ششدر سی اسے دیکھے گئیں۔

"اماں! آپ سمجھدار ہیں۔ ایک زندگی گزار چکی ہیں۔ میں ابھی نا سمجھ ہوں مگر اپنی انا اپنے کردار کی حفاظت میرا فرض ہے۔ مجھے ایسے شخص کے ساتھ ہرگز نہیں رہنا جو مجھ کو بدکردار بھی کہے اور بیوی کے طور پر حقوق و فرائض نبھانے کی ڈیمانڈ بھی کرے اور سب سے بڑھ کر اپنے عمل پر اسے کوئی شرمندگی بھی نہ ہو۔ مجھے ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔ اب آپ بتائیں۔ مجھے آپ کو ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے جانا ہوگا۔ کیا آپ ایسا کریں گی۔"

"نبیل نہیں پانے گا۔ وہ تو ابھی تک مجھ سے ناراض ہے کہ اگر میں کمزور نہ پڑتی تو شارق کی کیا

ہال تھی کہ تم سے یوں شادی کرتا۔"

نوریہ نے لب بھینچ لیے۔ پھر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"ٹھیک ہے اماں! آپ جائیں۔ آپ کو اپنے بیٹے عزیز ہیں اور رہیں گے مگر اماں سوچئے گا ضرور، کیا عورت ہونے کے ناتے میں نے غلط مطالبہ کیا تھا، اگر غلط مطالبہ ہے تو میں سزا بھگتنے کو تیار ہوں مگر پھر ان سب کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ میں بدکردار ہوں۔ پھر میں جب نہیں رہوں گی رضا سے لے کر نواز اور شارق سب کو کٹہرے میں کھڑا کرلوں گی۔" انتہائی سرد انداز میں اس نے کہا تھا۔

"آپ کے گھر میں میرے لیے گنجائش نہیں اور شارق سے علیحدگی ہوکر رہتی ہے۔ آپ مجھے قبول کریں یا نہیں۔ اماں بے شک ایک اکیلی عورت معاشرے میں نہیں جی سکتی مگر میں جی لوں گی۔ جب سب رشتے موجود ہونے کے باوجود مجرموں کی طرح زندگی گزار رہی ہوں تو آئندہ بھی جی لوں گی پھر یہ سمجھ لیجیے گا کہ کوئی تھی نوریہ نام کی بیٹی جو مر کھپ گئی۔ مگر میں اس شخص سے کمپرومائز نہیں کروں گی اپنی عزت و کردار پہ بھی نہیں۔" وہی دوٹوک انداز تھا اور وہ چپ ہوگئی تھیں کہ اب کہنے سننے کو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

⁂

طاہرہ بیگم کی آمد سے زرش اچھی خاصی ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ سب کا خیال تھا ہوسکتا ہے وہ ایک دو دن کے لیے آئی ہوں مگر جس طرح آکر وہ یہاں ٹھہری تھیں۔ اس سے سب نے اچھی طرح اندازہ لگالیا تھا کہ ان کی یہاں آمد کا مقصد صرف زرش اور سمعان احمد کی لائف ڈسٹرب کرنا ہے۔ شروع کے دو دن تو آرام سے گزر گئے تھے مگر اس کے بعد وہ بات بے بات جس طرح طنز و تمسخر کا مظاہرہ کررہی تھیں کبھی کبھار زرش کو لگتا تھا کہ اس کی برداشت بس ختم ہوجائے گی۔ سب کی خاص تاکید تھی کہ وہ بالکل چپ رہے آخر کتنے دن تک وہ سب چھوڑ چھاڑ یہاں محض زرش کی نفرت میں رہیں گی۔ سب کی سپورٹ تھی نجانے وہ کب کا ٹمپرامنٹ لوز کرچکی ہوتی۔ بھابی بھائی اور سمعان احمد مسلسل اسے سمجھا رہے تھے مگر اس کی بھی ایک ہی رٹ تھی کہ جتنے دن وہ یہاں ہیں، اسے کراچی بھجوادیں۔

اس دن وہ فجر کی نماز کے بعد سوگئی تھی وہ خاصی دیر سوئی تھی۔ سمعان نے اسے ایک دفعہ اٹھایا تو وہ نظرانداز کرکے پڑی رہی تھی وہ باہر جاکر کرلی بھی گیا۔ طاہرہ بیگم کی ساری توجہ ان دونوں پر ہی ہوتی تھی ایسے عالم میں سمعان احمد کی توجہ بڑھ جاتی تھی مگر زرش کو اس ماحول سے الجھن ہونے لگی تھی۔ ان کے سامنے سمعان احمد کی لگاوٹ و توجہ سے زرش کے اندر کا ابال اور بڑھنے لگتا تھا۔

وہ جس وقت سوکر اٹھی تھی سب جاچکے تھے گھر میں حمزہ، فرخ اور طاہرہ بیگم کے علاوہ وہ خود تھی۔

رات اسے فلو کی شکایت ہورہی تھی اور شاید اسی کی وجہ سے جسم گرم ہورہا تھا۔ عجیب کسلمندی طاری تھی اس پر۔ ناشتے کے لیے وہ کمرے سے باہر نکلی تو کچن میں چلی آئی مگر وہاں طاہرہ بیگم کو چائے بناتے دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی وہ بھی چونکی تھیں سوائے کھانے کی ٹیبل کے وہ ان کے سامنے آنے سے اجتناب کرتی تھی۔

لاونم

زرش کا ایک پل کو جی کیا کہ وہ کھائے بغیر پلٹ جائے مگر عقل نے سرزنش کی تھی۔ وہ ان کو مکمل نظر انداز کر کے فریج کی طرف بڑھی تھی۔ وہاں سے سلائس نکال کر اس نے گرم کیے تھے۔ طاہرہ بیگم چائے بنا کر باقی بچی ہوئی چائے اس طرح اَوون پر چھوڑ کر اپنا کپ لے کر باہر جانے کے بجائے ادھر ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھیں۔

زرش ان کی نظریں مسلسل محسوس کر رہی تھی۔ اسے بڑی اُلجھن ہو رہی تھی۔

”تمہاری اونچی ناک والی ماں نے کیسے گوارا کر لیا تھا تمہیں یہاں بھیجنا۔“ یہ براہِ راست پہلا جملہ تھا زرش اپنی جگہ ساکن سی ہو گئی تھی ورنہ اب تک تو بالواسطہ ہی سننے کو مل رہا تھا۔ اس کے لیے پلٹ کر مڑ کر دیکھنا عذاب لگ رہا تھا۔ سلیب کے سروں پر سختی سے ہاتھ جماتے اس نے اپنے اندر اُٹھتے غیظ و غضب کے طوفان پر بمشکل قابو پایا تھا۔

”بڑی ”دین“ تھی تمہاری ماں کی ساری عمر مجھے جلاتے جھلساتے گزار دی اس نے اس عمر میں بھی معاف نہ کیا۔ میرے بچے تک مجھ سے متنفر کر دیے ہیں۔“ وہ جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ زرش ایک دم پلٹی تھی۔

”کسی پر بہتان طرازی کرتے تو آپ کو تو ویسے بھی خدا کا خوف نہیں آتا۔ میری ماما کا مزاج آپ جیسا گھٹیا نہیں ہے۔ آپ کا اپنا بویا ملے جواب کاٹ رہی ہیں۔ پھر میری ماما کو الزام کیوں؟“

اسی وقت فرح کچن کے دروازے پر چلی آئی تھی۔ دونوں کو آمنے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

”کیا ہوا ہے؟“ اس نے باری باری دونوں کو دیکھتے اندر کی صورت حال کا اندازہ لگانا چاہا تھا۔

”جیسی ماں ویسی بیٹی...... میرا سمعان چھین لیا ہے تم نے مجھ سے۔“ زرش کے یوں صاف اور دو ٹوک جواب نے انہیں ایک دم غصے سے اُجاگر کیا تھا۔

”خبردار...... میری ماما کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو...... اور آپ کے بیٹے کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں کہ جس کو کوئی بھی چھین لے جیسا سلوک آپ ان سے کر چکی ہیں یہ بھی بڑی غنیمت ہے کہ وہ آپ کو اس گھر میں برداشت کر رہے ہیں۔“

ماما پر لگنے والے الزام نے اسے آگ بگولہ کر دیا تھا غصے سے پھنکاری تو فرح کو اندازہ ہوا کہ صورت حال کتنی سنگین ہے۔

”امی کیا کر رہی ہیں۔ چلو زرش تم باہر جاؤ میں ناشتہ لا دیتی ہوں۔“ اس نے ایک دم بگڑتی صورت حال کو کنٹرول کرنا چاہا تھا مگر......

”تم جاؤ یہاں سے......“ طاہرہ بیگم نے غصے سے اسے کہا تھا مگر وہ جانے کے بجائے زرش کے پاس آ کھڑی ہوئی جو سلیب پر ہاتھ جمائے بڑے غصے سے طاہرہ بیگم کو گھور رہی تھی۔

”زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف زبان ہی چلانا سکھایا ہے ماں نے تمہیں۔ نہیں رہنے دوں گی میں تمہیں اس گھر میں بھی۔ میں تمہیں یہاں سے نکلوا کر ہی جاؤں گی۔“ انہوں نے اپنے کردار کا اظہار کیا تھا اور فرح ششدر سی رہ گئی تھی۔

”امی پلیز...... خدا کے لیے، کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے ہمارا اب اور کیا

دوئم

بننا باقی ہے۔“

”تو تو بول درمیان میں...... تو آئی بڑی اس کی چہیتی۔“ انہوں نے لمحوں میں اسے بھی بے وقعت کیا تھا۔

”جو کرنا ہے کریں۔ میں بھی دیکھتی ہوں اب آپ کیا کر سکتی ہیں۔ گھٹیا پن تو ویسے بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ کا زرخیز ذہن کسی بھی وقت کوئی بھی گھٹیا چال چل سکتا ہے۔ آپ جیسی عورت سے کچھ بھی بعید نہیں۔ کم عقلی تھی میری کہ میں آپ کی اصلیت کو بہت بعد میں سمجھ پائی ہوں۔“

زرش کے جواب پر فرح نے خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا۔

”زرش پلیز! تم ہی برداشت کر لو۔ چلو باہر میں ناشتہ بنا دیتی ہوں، چائے بھی بنا دیتی ہوں۔“

”کیا...... کیا اصلیت تھی میری۔“ وہ ایک دم کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے آئی تھیں۔ فرح کو لگا وہ پل میں زرش پر جھپٹ پڑیں گی، اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ایک دم اپنے عقب میں کر لیا تھا۔

”ساری دنیا جانتی ہے۔ مجھ سے کیا سننا چاہتی ہیں اپنی اولاد سے پوچھ لیں۔“ زرش نے تمسخرانہ نظروں سے فرح کے عقب سے جوابی کارروائی کی تھی انداز ایسا تضحیک آمیز تھا کہ طاہرہ بیگم کو لگا کہ زرش نے ان کو اپنی اولاد کا کہہ کر ان کے منہ پر طمانچہ مار دیا ہے۔ انہوں نے غصے سے کپ سلیب پر پٹخا تھا مگر ہاتھ کے جھٹکے سے اوون پر پڑا ساس پین الٹ گیا تھا اس میں موجود چائے جھٹکے سے فرح اور زرش کے پاؤں پر آ گری تھی۔ چائے بنا کر انہوں نے چولہا بند کیا تھا ارادہ فرح کو چائے دینے کا تھا مگر زرش کو کچن میں دیکھ کر وہ ادھر ہی بیٹھ گئی تھی۔ گرم ابلتی چائے اس کے پاؤں پر پڑی تھی اور ساتھ کھڑی فرح کے پاؤں پر بھی نشان چھوڑ گئی تھی۔

”اُف...... اللہ......“ دونوں کی چیخیں بے ساختہ تھیں۔ طاہرہ بیگم ایک لمحے کو گھبرائی تھیں مگر زرش کو اپنے پاؤں پکڑتے دیکھ کر وہ پُرسکون ہو گئی تھیں، تاہم فرح کی طرف ضرور توجہ دی تھی۔

”زیادہ تو نہیں جل گیا۔“ زرش کے آگے وہ کھڑی تھی اس لیے زیادہ چائے اس کے پاؤں پر ہی گری تھی۔ فرح نے بڑے بے ضبط سے انہیں دیکھا تھا اور زرش وہ ایک دم وہاں سے نکلی تھی۔

چائے اس کے پاؤں پر کم ہی پڑی تھی مگر جلن ایسی تھی کہ آنسو ایک دم بہتے چلے گئے تھے۔ نجانے یہ جلن طاہرہ بیگم کی حرکت کی وجہ سے تھی یا ان کی باتوں کی۔

”زرش یہ پاؤں پر لگا لو۔“ وہ اپنے کمرے میں قالین پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی کہ فرح ہاتھ میں اینٹی بائیوٹک کریم لیے چلی آئی تھی۔

”امی کی باتوں کا بُرا مت ماننا وہ ایک دو دن میں چلی جائیں گی۔“ اس نے اس کے پاؤں پر مرہم لگانے کو ہاتھ بڑھایا تو اس نے پاؤں سمیٹ لیے۔

”تم جاؤ یہاں سے۔“ اس کی زبان میں شدید تلخی تھی۔

”زخم دے کر نمک پاشی کرنا تم لوگوں کی عادت ہو گئی ہے۔ نہیں رہنا مجھے یہاں بھی۔ جتنا میں کمپرومائز کرنے کی کوشش کرتی ہوں اتنا ہی تم لوگ مجھے آزماتے ہو۔“ اس کے ہاتھ جھٹک کر وہ الماری کی

طرف بڑھی تھی۔ چادر نکال کر اس نے اوڑھی تھی۔ ڈریسنگ کی دراز سے شولڈر بیگ نکال کر بستر پر پڑا موبائل اٹھا کر اس کے اندر ڈالا تھا۔

"انہیں کہنا خوش ہو جائیں، جا رہی ہوں میں۔" سینڈل اڑس کر وہ باہر کی طرف لپکی تو فرح حیرت سے تکتی تھی۔ بھاگ کر اس کے پیچھے ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو تم......؟"

"جہنم میں......" وہ راہداری میں ہی کھڑی تھیں ایک زہر بھری نگاہ ان پر ڈالتے وہ باہر نکلی تھی۔ فرح حواس باختہ سی اس کے پیچھے تھی۔

"زرش رکو تو...... بتاؤ تو سہی کہاں جا رہی ہو۔ سبحان بھائی یا بھابی سے ہی بات کر لو۔ رکو تو۔" آوازیں ہی دیتی رہ گئی تھی مگر وہ گیٹ پار کر گئی تھی۔

* * *

خالدہ بیگم کے بارہا اصرار کرنے کے باوجود نویرہ تب مانی تو وہ دو دن پہلے ہی ادھر آ گئی تھیں واجدہ آپا اپنی ٹانگ کی وجہ سے زیادہ بھاگ دوڑ تو کر نہیں سکتی تھیں، ایسے میں انہوں نے خود ہی آ جانا مناسب سمجھا تھا۔

ڈاکٹر فیروزہ سے اپائنٹمنٹ تو پہلے ہی طے تھی جیسے ہی نویرہ کی طبیعت بگڑی انہوں نے اسے ڈاکٹر فیروزہ کے کلینک منتقل کیا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ واجدہ بیگم تو گھر پر ہی رک گئی تھیں۔ خالدہ بیگم کے ساتھ شاکرہ اور شارق زمان تھے۔

ادھر سے ادھر ٹہلتے شارق زمان کے دل و دماغ میں عجیب سوچیں اور خیال آ جا رہے تھے کہ ڈاکٹر فیروزہ کی آمد نے اس کی سوچوں پر بند باندھ دیا تھا۔

"مبارک ہو بیٹا ہوا ہے۔" ڈاکٹر فیروزہ مسکراتے ہوئے خالدہ بیگم کو خوش خبری سنا رہی تھیں۔ شارق زمان کے اندر جیسے خوشی کا طوفان اٹھا تھا۔

باپ بننے کی خوشی وہ بھی بیٹے کی صورت...... شارق زمان کے اندر اک نئے احساس نے کروٹ لی تھی۔

"نویرہ کیسی ہے؟" اس نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔ وہ اسے درد سے بے حال جس حالت میں اسپتال لایا تھا۔ ذہن پر ابھی تک نویرہ کا وہی تکلیف سے زرد پڑتا چہرہ چھایا ہوا تھا۔

یہ استفسار فطری تھا۔

مگر خالدہ بیگم نے بڑی عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

شارق زمان ان کے ساتھ جو کچھ کر چکا تھا ان کا دل نہیں کرتا تھا اس سے مخاطب ہونے یا بلانے کو مگر نویرہ کی وجہ سے کیا کچھ نہیں برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

"وہ ٹھیک ہے، کچھ دیر بعد آپ مل لیجیے گا۔"

"اور بے بی......؟"

"وہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ آپا کو میں کہتی ہوں وہ لے آتی ہے، دیکھ لیں اسے۔ ویسے شارق صاحب بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔"

"تھینک یو......" خالدہ بیگم خاموش رہی تھیں۔

بیٹے کی خوشی انہیں بھی ہوئی تھی مگر بیٹی کی زندگی کو جو روگ لگ گیا تھا ایسے میں ان کا قطعی دل نہیں چاہا تھا کہ وہ شارق زمان کو مبارک باد دیں۔

وہ خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھ آئی تھیں۔

"نویرہ......"

ان کی پکار پر نویرہ نے پلکیں وا کر کے انہیں دیکھا۔

"بیٹا ہوا ہے مبارک ہو۔"

وہ مسکرا دی تھی اس کے چہرے پر ممتا کا عجیب سا نور تھا۔ تمکنت بھرا احساس تھا۔

"ہاں میں نے دیکھا ہے بہت پیارا ہے۔"

ان نے آپا کو دیکھا جو بچے کو اٹھائے کھڑی تھی۔ خالدہ بیگم نے آگے بڑھ کر بچے کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ ننھے سے کسمساتے وجود کو بغور دیکھا۔ بالکل شارق زمان کی کاپی تھا وہی ناک وہی نقش۔

"یہ تو بالکل شارق زمان پر گیا ہے۔"

نویرہ خاموش ہی رہی تھی۔

"اس کے باپ کو اندر بلا لو۔" بچہ رونے لگا تو اسے بازوؤں میں جھلاتے خالدہ بیگم نے آپا کو کہا تھا۔

شارق زمان اندر آیا تو نویرہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ انہوں نے بغیر کلام کیے بچہ شارق کو تھما دیا تھا۔

ننھے بچے کو بازوؤں میں سمیٹتے شارق زمان نے ایک سرخوشی کے احساس سے اسے چھوا تھا۔

"یہ تو بہت پیارا ہے۔" بچے کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا اور پھر نویرہ کی جانب دیکھا۔ وہ جو گھنٹے پہلے انتہائی اذیت میں تھی اس وقت پلکیں موندے پڑی ہوئی تھی۔ بڑے عرصے بعد اس کے اندر نویرہ کے لیے پرانے احساسات پیدا ہوئے تھے۔ وہی احساسات جنہوں نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہی جذبے جن کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے نویرہ کو حاصل کیا تھا اور

جیتنے

اس نے مسلسل گلا پھاڑ کر چلاتے بچے کو واپس خالدہ بیگم کے بازوؤں میں دے دیا تھا۔

"میں اماں کو اطلاع کر دوں وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ جیب سے موبائل نکال کر روم سے نکل گیا تھا۔

چونکہ کیس نارمل تھا۔ چند گھنٹے کلینک میں گزارنے کے بعد نویرہ کو چیک اپ کے بعد گھر لے جانے [illegible] تھا۔

آپا نے بچے کو سنبھالا ہوا تھا شاکرہ ساز و سامان سمیٹے ہوئے تھے جو وہ لوگ بچے کے لیے گھر سے

لے کر آئے تھے۔ نویرہ بستر سے اُترنے لگی تو شارق زمان نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

نویرہ اس کی جرأت پر حیران رہ گئی تھی۔

"گاڑی تک تم پیدل تو نہیں چل سکو گی اس حالت میں۔ یقیناً میرے سہارے کی ضرورت ہو گی۔"

"مجھے تمہارے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اماں اور شاکرہ دونوں ہی کمرے سے نکل گئی تھیں۔ اس وقت ان دونوں کے علاوہ آیا (میڈ) تھی۔ آیا کی وجہ سے اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"بیٹا دیا ہے تم نے مجھے، اتنے تو تمہارے ناز اٹھا ہی سکتا ہوں۔" اس کے کندھوں کے گرد بازو کا حصار بناتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا تھا اور نویرہ ایک دو پل حیران رہ گئی تھی۔ بڑے عرصے بعد اسے شارق زمان میں پرانا انداز دکھائی دیا تھا۔

کیا یہ سب بیٹے کی آمد کی وجہ سے ہے؟

"میں خود چل سکتی ہوں۔" اس نے اس کے بازو کا حصار توڑنا چاہا تھا مگر شارق زمان کے مضبوط بازو کو جھٹک نہ سکی تھی۔

"مگر میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔" آیا کی وجہ سے نویرہ لب بھینچ گئی تھی۔

شارق زمان کی قربت میں گاڑی تک آتے وہ پسینے میں نہا گئی تھی۔ جسمانی کمزوری نے اسے اس کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ۔ سارا رستہ وہ لب بھینچے پچھلی سیٹ پر لیٹی رہی تھی۔

* ..... * ..... *

گھر سے نکلتے وقت اس کے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ پہلے جی میں آیا کہ وہ سیدھی ائرپورٹ جائے اور کراچی کی فلائٹ لے مگر دماغ نے یہ بات نہ مانی تو وہ ٹیکسی میں سوار ہو گئی۔ بڑی دیر تک ٹیکسی ڈرائیور گاڑی اِدھر اُدھر گھماتا رہا۔ مگر وہ کہیں بھی نہیں تک رہی تھی آخر زچ ہو کر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"بی بی جی آپ کو آخر جانا کہاں ہے؟"

"چھتر پارک۔" تھک ہار کر اس نے کہہ ہی دیا۔ پاؤں میں اب بھی جلن ہو رہی تھی۔ فلو کی شکایت بڑھ جانے سے اور خالی معدے کی وجہ سے سر بھاری ہو رہا تھا۔ جسم کی حرارت میں بھی لگتا تھا کہ اضافہ ہی ہوا تھا۔

"چھتر پارک پہنچ کر ڈرائیور کو کرایہ دیتے اسے اندازہ ہوا کہ کم از کم گھر سے نکلنے سے پہلے ایک بار پرس ضرور چیک کر لینا چاہیے تھا۔ بیگ میں صرف چند سو روپے تھے جو اس نے ڈرائیور کو تھما دیے تھے۔ اب گھر واپسی کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

کرائے سے جو چند روپے بچے تھے وہ ٹکٹ لے کر پارک کے اندر آ گئی تھی۔ یہ جگہ اسے بہت پسند تھی جب بھی اسلام آباد آنا ہوتا تھا وہ ضد کر کے یہاں آتی تھی۔ جھیل سائیڈ والا حصہ اب اپنی خوب صورتی میں پہلے جیسا نہیں رہا تھا مگر پھر بھی یہاں آ کر اک عجیب سا سکون تھا۔

وہ خاموشی سے چلتی پانی میں پڑے ایک بڑے سے پتھر پر آ بیٹھی تھی۔ گھر سے نکلنے کے بعد فرح کی

کئی کالز آئی تھیں مگر اس نے موبائل آف کر دیا تھا اور اب موبائل آن کیا تو پہلی کال ہی بھابی کی تھی۔ اس نے لب بھینچے ریجیکٹ کر دی تھی اور پھر تو کالز کا سلسلہ بندھ گیا تھا۔ عثمان بھائی اور سمعان احمد کی کالز مسلسل آ رہی تھیں اس نے غصے سے پھر موبائل آف کر دیا تھا۔

اسے اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنی تھی۔

بھوک سے بُرا حال ہو رہا تھا مگر خالی بیگ منہ چڑا رہا تھا۔

وہ بہت دیر تک وہاں بیٹھی رہی حتیٰ کہ دوپہر کی چمکتی دھوپ اپنے آپ کو سمیٹنے لگی تو اس کے دل میں عجیب عجیب سے خیالات آنے لگے۔ آتے جاتے بہت سے لوگ اسے کتنی دیر سے ایک ہی پتھر پر بیٹھے دیکھ کر اب عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے تھے مگر اس نے توجہ نہ دی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر غم و غصے کا غبار چھایا ہوا تھا۔

وہ جب گھر سے نکلی تھی تو گیارہ کا ٹائم تھا اس پارک میں دو بجے داخل ہوئی تھی اب گھڑی دیکھی تو وہ پانچ بجا رہی تھی۔ شام قریب تھی مگر وہ بیٹھی رہی تھی۔ دل پھر خوب رونے کو چاہ رہا تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے موبائل آن کیا تو پھر کالز کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ جنہیں ریجیکٹ کرتے اس نے کراچی گھر کا نمبر ڈائل کیے تھے۔

اماں سے بات کرتے حال احوال پوچھتے اس کی آنکھیں بس بہنے کو بے تاب تھیں۔ جی چاہا کہ انہیں بتائے کہ طاہرہ بیگم یہاں ہیں اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہی ہیں مگر وہ پھر مصلحت کا دامن تھام کر چپ ہو گئی تھی۔

"کیا کر رہی تھیں؟"

"کچھ نہیں..... یہاں چھتر پارک میں آئی ہوئی ہوں۔"

"اچھا..... آؤٹنگ ہو رہی ہے۔ سمعان کے ساتھ ہو یا ساری فیملی آئی ہوئی ہے؟"

"آپ نے بتایا نہیں پھپھو لوگوں کا کیا حال ہے؟" اس نے بات ہی ٹال دی تھی۔ کیا فائدہ تھا بتانے کا بھی۔ اُلٹا انہوں نے اسے ہی سمجھانے بیٹھ جانا تھا۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ ہاں یاد آیا سعد پاکستان آ گیا ہے۔ کل شام آیا تھا مگر جمال بھائی نے اسے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ ہادیہ بتا رہی تھی کہ کل سے دوست کے ہاں ہے۔ کہہ رہی تھی میں تو تمہارے پاپا چکر لگائیں جمال بھائی کو سمجھائیں۔ جو ہونا تھا جو ہو چکا ویسے بھی تم اب اپنی لائف میں سمعان کے ساتھ سیٹ ہو چکی ہو۔ سعد نے بھی تم لوگوں کے لیے ہی تو یہ قدم اٹھایا تھا۔ بھائی کو سمجھاؤں کہ معاف کر دیں ناحق سزا جھیل رہا ہے وہ بھی۔"

"جی..... جی....." زرش کے لیے یہ دوسرا دھچکا تھا۔ سمعان احمد کے ساتھ رہنے کے باوجود اسے سعد کی زیادتی بھولی نہیں تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ اسے اب بھی معاف نہیں کرے گی۔ دو تین باتوں کے بعد اس نے کال بند کر دی تھی۔

کالز کا دوبارہ سلسلہ شروع ہوا تو اس نے پھر سیل آف کر دیا تھا۔ اس نے اپنی جلتی آنکھیں اپنے

گھٹنوں پر رکھ لی تھیں۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ پاؤں میں جلن ہو رہی تھی۔ جسم کی حرارت بڑھ چکی تھی۔ فلو کی وجہ سے اب اسے چھینکیں آنا شروع ہوگئی تھی۔

❀……❀……❀

فرح نے زرش کے گھر سے نکلنے کے ایک گھنٹے تک انتظار کیا تھا مگر پھر پریشان ہو کر اس نے بھابھی کو کال کر دی تھی وہ ڈیوٹی پر تھیں ساری صورت حال سن کر وہ بھی گھبرا گئی تھیں۔

فرح کو تسلی دے کر وہ کچھ دیر میں ہی گھر پہنچ گئی تھیں۔ پہلے تو وہ خود سے ہی زرش سے رابطہ کرنے کی کوشش میں رہی تھی مگر زرش کی کالز ریجیکٹ کر دیئے پر انہوں نے عثمان احمد کو کال کر کے صورت حال بتا دی تھی۔ اب چھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ نجانے وہ کہاں گئی تھی۔ عثمان بھائی نے سمعان احمد سے رابطہ کیا تھا۔ دونوں فوراً گھر آئے تھے علی جو گھومنے پھرنے نکلا ہوا تھا وہ بھی آ چکا تھا۔

زرش کہاں جا سکتی ہے سبھی فکر مند ہو گئے تھے۔

یہ صورت حال طاہرہ بیگم کے لیے بھی تشویشناک تھی۔ سب کو جمع ہوتے دیکھ کر وہ کمرے میں چلی گئی تھیں تاہم کسی نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا مگر سب کے دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔ خاص طور پر سمعان احمد کا ضبط سے برا حال تھا سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زرش کی بے وقوفی پر ماتم کرے یا اپنی ماں کی اس حرکت کو مورد الزام ٹھہرائے۔

دوپہر سے سہ پہر اور پھر جب سہ پہر بھی ڈھلنے لگی تو وہ سب لوگ اپنی سی کوشش کرنے کی جگہ دیکھ کر آ چکے تھے جہاں وہ جاتی تھی۔ اکیڈمی میں وہ آج گئی تھی وہاں سے بھی علی پتا کر آیا تھا۔

اچانک سمعان کے ذہن میں خیال آیا۔

"کہیں وہ کراچی تو نہیں چلی گئی۔"

میں انکوائری آپریٹر سے پتا کروا چکا ہوں کراچی جانے والی فلائٹس صبح دس کے بعد ابھی تک کوئی نہیں گئی۔ دوسری فلائٹ شام کی ہے، ہو سکتا ہے وہ ائیرپورٹ پر ہو۔"

"پتا کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔"

وہ دونوں اکٹھے ہی ائیرپورٹ پہنچے تھے مگر ہر طرف دیکھ لینے کے باوجود انہیں کہیں نہیں ملی تھی۔

تھک ہار کر وہ وہاں سے نکل آئے تھے۔

"کہاں جا سکتی ہے وہ آخر؟" سمعان احمد کو اس کی جذباتیت کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ دل میں عجیب سے وہم بھی آ رہے تھے مگر......

"ہو سکتا ہے وہ یہیں کہیں ہو۔ فلائٹ کے علاوہ وہ اتنی جلدی کراچی جا بھی نہیں سکتی۔ ریل گاڑی میں بھی نہیں۔" عثمان بھائی نے کہا۔

"پھر بھی میں فون کر کے پتا کرتا ہوں ہو سکتا ہے کوئی کلیو ہی مل جائے۔"

سمعان نے کراچی چچا کے گھر کے کال ملائی تھی۔ چچی جان سے سلام دعا کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہی ہوتی رہیں سمعان براہ راست ان سے پوچھ بھی نہیں سکتا ہے۔

"ابھی زرش کی بھی کال آئی تھی۔ شکر ہے وہ اپنے خول سے نکلی تو سہی۔ پچھلے دنوں تو بار بار یہ فون رکے اس کی کیفیت کا بتاتی تھی۔ تین چار دن سے کسی کا فون نہیں آیا میں خود بھی سوچ رہی تھی کہ آج یزوں کی اور تم دونوں نے کال کر لی۔ خوش رہو۔"

"کیا بات ہوئی آپ کی زرش سے۔"

"تمہارے سامنے ہی تو وہ بات کر رہی تھی۔ کیا تمہیں علم نہیں؟"

"جی...... علم ہے۔" سمعان نے فوراً بات بنائی تھی۔

"مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ وہ نارمل ہو رہی ہے۔ بتا رہی تھی کہ آؤٹنگ کو تم لوگ "چھتر پارک" ئے ہوئے ہو۔ ویسے بھی یہ جگہ ہے اسے بڑی پسند۔"

"تو کیا وہ ابھی تک چھتر پارک میں ہے۔" سمعان کے ذہن کو جھٹکا لگا۔

اس نے فوراً چچی سے خدا حافظ کہا تھا۔

"جلدی کریں وہ "چھتر پارک" میں ہے۔ چچی جان سے اس کی بات ہوئی ہے۔" عثمان بھائی نے ورا گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہونے کو تھے بڑی اسپیڈ سے وہ لوگ وہاں پہنچے تھے۔ پارک کے اندر وہ کہیں دکھائی نہ دی تھی۔

"وہ جھیل کی سائیڈ پہ نہ ہو کہیں۔"

"ہوں......"

عثمان بھائی کے کہنے پر وہ دونوں ادھر ہی چلے آئے تھے۔

سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر سمعان احمد نے دائیں سے بائیں نگاہ دوڑائی تھی اور پھر ایک منظر پر صرف سمعان کی ہی نہیں عثمان احمد کی بھی نظریں ساکت ہوئی تھیں۔

ننگے پاؤں اندھا دھند بھاگتی زرش نظر آ گئی تھی۔

"سمعان بھاگو......"

عثمان بھائی نے فوراً صورت حال بھانپی تھی۔ وہ دونوں بھاگتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔ اندھا دھند بھاگتی زرش سمعان کے سامنے آ جانے سے اس سے ٹکرا کر ایک دم چیخی تھی۔

سمعان احمد کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بے یقین ہوئی تھی، ایک پل کو اور پھر خوف سے اس نے سمعان احمد کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔

"سمعان...... سمعان......"

زرش کا بیگ وہیں گر گیا تھا عثمان بھائی نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔ سمعان احمد نے اسے خود سے علیحدہ کرتے بڑی کھولتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"یہ سب کیا ہے......؟" انتہائی برہم انداز تھا۔ پہلے سے ہی خوفزدہ زرش مزید سہم گئی تھی۔

"میں تو ادھر بیٹھی تھی۔"

"شٹ اپ......" سمعان پچھلے چھ گھنٹوں میں جس اذیت و پریشانی سے گزر چکا تھا اس نے ذہن

ایسا ماؤف کر دیا تھا کہ پتا ہی نہ چلا کہ کب اس کا ہاتھ زرش پر اٹھ گیا تھا۔

''سمعان......'' پہلے سے ہی خوف زدہ زرش اس تھپڑ پر ایک دم نڈھال ہوئی تھی۔ عثمان بھائی نے ٹوکا تو سمعان احمد نے خود پر سختی سے قابو کیا۔

''اس کی حالت دیکھو وہ پہلے ہی خوف زدہ ہے۔ اوپر سے تمہارا یہ رویہ۔ شرم کرو۔'' عثمان بھائی کو سمعان کا یوں ہاتھ اٹھانا بہت برا لگا تھا۔ زرش پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کو سہارا دیا تو وہ ان کے کندھے سے لگ کر سسک اٹھی۔

''تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ او مائی گاڈ...... سمعان اس کی حالت بہت خراب ہے......'' سمعان نے کچھ نہیں کہا تھا لب بھینچ کر اسے برہم نگاہوں سے دیکھتے بڑے بڑے ڈگ بھرتے وہاں سے نکل گیا تھا۔ عثمان بھائی کے سہارے وہ گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

اس کے ساتھ آج جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے بعد خود سے جو بھی حماقت کی تھی اور جو ہونے جا رہا تھا ان سب واقعات نے مل کر اسے اس طرح جھنجوڑا تھا کہ گھر جانے تک اس کے حواس ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

* * *

بیٹے کی ولادت نے نوریہ کو ایک دم سے بڑا اعتماد بخشا تھا۔ ایک ایسا بھرپور اعتماد کہ جیسے اسے اب کسی کی بھی پروا نہ رہی ہو۔

اس نے بیٹے کا نام مصعب رکھا تھا۔ شارق زمان کو پہلی بار احساس ہوا کہ اپنی اولاد کے معاملے میں وہ نوریہ کے سامنے یکسر غیر اہم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس نے بیٹے کا نام اسامہ رکھنا چاہا تھا مگر نوریہ کو مصعب کے نام پر ڈٹے دیکھ کر اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ان چند دنوں میں بہت غور و خوض کے بعد اک احساس شدت سے ہوا کہ نوریہ بہت بدل گئی ہے۔ کیسے وہ ''وجہ'' ڈھونڈنے میں لگا ہوا تھا مگر اپنا موقف غلط نہیں لگ رہا تھا۔

خالدہ بیگم ابھی تک ادھر ہی تھیں۔ رفعت باجی بھتیجے کی خوش خبری سن کر چند دنوں میں ہی پاکستان آ گئی تھیں۔ اکیلی آئی تھیں۔ شوہر اور بچے وہیں تھے، صرف چند دن کے لیے ہی آئی تھیں۔

ان کی آمد کے بعد شارق زمان نے عقیقے کی تقریب رکھ لی تھی۔ نوریہ سے لاکھ اختلاف سہی بیٹا تو اس کا اپنا تھا اور اپنے بیٹے کی آمد کی وہ بھرپور خوشی منانا چاہتا تھا۔

عقیقے کی تقریب میں پورا خاندان مدعو تھا۔ حمید چچا کی طرف سے رضا کے علاوہ وہ سب ہی آئے تھے جب کہ چچا فاروق کے ہاں سے نواز سمیت سبھی موجود تھے۔ ساجدہ باجی کی بھی ساری فیملی تھی اور اماں کے ہاں سے نبیل بھائی کے سوا بھائی اور اماں تھیں۔ نوریہ کا رویہ سب کے ساتھ بڑا نارمل رہا تھا۔ وہ سارا وقت بیٹے کو اٹھائے اماں کے کمرے میں بیٹھی رہی تھی۔ مہمانوں کو رفعت باجی، اماں اور خالدہ بیگم دیکھ رہی تھیں۔

''نوریہ آپی......!'' سب مہمان کھانے کے لیے باہر لان کی طرف چلے گئے تھے وہ اس وقت تنہا تھی جب رمشاء کھانا کھانے کے بجائے اس کے پاس چلی آئی تھی۔ اسے دیکھ کر نوریہ کے چہرے کے اعصاب کشیدگی کا شکار ہوئے تھے تاہم وہ خاموش رہی تھی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''

وہ سارا وقت صرف سلام دعا کے علاوہ اس سے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔ رمشاء کے دل و دماغ پر اک بوجھ سا بڑھ گیا تھا۔ ادھر رضا کا رویہ دن بدن بد سے بدترین ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے تو اسے حمید صاحب کی شفقت روکے رکھتی تھی مگر اب اس کا سارا غبار ادھی پر اترتا تھا۔ وہ بغیر لحاظ کے اپنے اندر کا ابال نکالتا تھا۔

''کیوں......؟'' نوریہ نے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھا وہ انگلیاں چٹخاتی بہت پریشان تھی۔

''رضا نے آپ کے معاملے میں شارق بھائی کے ساتھ جو بھی غلط بیانی کی اس کی کہیں نہ کہیں وجہ تو میں بھی ہوں۔ اگر میں رضا کو اس حد تک غصہ نہ دلاتی تو وہ شاید یہ قدم بھی نہ اٹھاتا۔''

آنسو بھری آنکھوں سے اس نے اقرار جرم کیا تھا۔

''جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ تم وجہ نہ بنتی کوئی اور وجہ بن جاتا۔ قصور تمہارا نہیں قصور میرا ہے کہ میں نے رضا کو سمجھنے میں غلطی کی۔ مجھے نہیں علم تھا کہ جسے میں چھوٹا بھائی سمجھ رہی ہوں وہ ذہنی طور پر اس قدر گراوٹ کا اظہار کرے گا۔ ایک طرح سے سوچوں تو لگتا ہے اچھا ہی ہوا مجھ پر شارق زمان کی بھی حقیقت کھل گئی ہے۔ میں جو ہوں مجھے پتا ہے۔ مجھے کسی کی معافی یا گواہی کی ضرورت نہیں۔ خوامخواہ تم نے زحمت کی۔''

نوریہ کے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں ایسا احساس تھا کہ رمشاء لب دانتوں تلے دبا گئی اور پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی، فوراً پلٹی تھی مگر دروازے کی دہلیز پر نواز فاروق اور اس کی بیگم کو کھڑے دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ نوریہ کی دروازے کی جانب پشت تھی اور وہ کب کا ان لوگوں کو دیکھ چکی ہوتی۔

وہ فوراً کمرے سے نکلی تو نواز روبینہ کو اندر جانے کا اشارہ کرتے خود اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''یہ سب کیا تھا رمشاء؟''

''مجھے نہیں پتا نواز بھائی پلیز' کوئی بات نہیں تھی یونہی بکواس کر رہی تھی میں۔'' چھلکتی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے کہا تو نواز نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا۔

''ادھر آؤ یہاں بیٹھ کر بتاؤ۔ ہو سکتا ہے کوئی معاملہ حل کر سکوں؟'' وہ اسے لیے ایک نسبتاً پرسکون گوشے میں آ بیٹھا تھا۔

نواز کے زور دینے پر رمشاء کچھ دیر کو چپ رہی پھر ایک ایک بات بتاتی چلی گئی اور نواز فاروق کے لیے یہ سب کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

''او مائی گاڈ یہاں کتنا کچھ ہو چکا ہے اور شارق زمان کیا اتنا احمق تھا کہ رضا کے ایک جھوٹ پر ایک انتہائی قدم اٹھا بیٹھا۔ نوریہ کے بارے میں کوئی قسم بھی اٹھائے میں یقین نہ کروں اور شارق اب کیا صورت حال ہے؟''

بے یقینی سے نکلنے کے بعد رمشاء کو دیکھا وہ دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے خالدہ آنٹی پھپھو سے بات کر رہی تھیں کہ نویرہ آپی کسی بھی طور اب شارق بھائی کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں اور شارق بھائی کا ذہن ابھی تک اسی مقام پہ ہے آنٹی یہ بھی بتا رہی تھیں کہ نویرہ آپی۔ اب ان سے علیحدگی کی بات کر رہی ہیں مگر خالدہ آنٹی نہیں مان رہیں۔"

"اوہ تو۔" نواز فاروق گم صم سا رہ گیا تھا نویرہ کو خود ہی خود یا صرف اور صرف شارق کی وجہ سے اور اب شارق صرف ایک جھوٹے الزام پہ یہ سب کر رہا تھا اسے یقین کرنے پر تامل ہوا۔

"میں تو اب تک سمجھ رہی تھی کہ نویرہ آپی اب یہاں ہیں سب کچھ بہتر ہو چکا ہے مگر مجھے اندازہ نہ تھا کہ اب بات اس قدر بڑھ جائے گی خالدہ آنٹی رو رہی تھیں کہ نویرہ آپی کسی طور بھی نہیں مان رہیں ان کی صرف ایک ہی ضد ہے یا تو وہ ان کو اپنے ہاں لے جائیں یا پھر وہ خود سمعان سے ہر تعلق توڑ لیں گی۔"

"نواز بھائی۔" اچانک اس نے گم صم سے نواز فاروق کو پکارا تھا۔

"آپ شارق بھائی سے بات تو کریں۔ ہو سکتا ہے کوئی بہتری کی راہ نکل آئے۔ آپ کو نہیں پتا رضا کس حد تک بدلحاظ اور جذباتیت کا شکار ہو چکا ہے۔ صرف اور صرف پھوپھا جان کی دھمکیوں کی وجہ سے کچھ لحاظ کر جاتا ہے ورنہ تو......!"

"اٹھو اب یہاں سے یہ رونا دھونا بند کرو۔ رونا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ کچھ حد تک تو غلطیاں تم بھی کرتی ہو مگر خیر۔ تمہیں علم تھا کہ رضا کے جذبات کا تو تم اسے بھڑکانے یا طیش دلانے کے بجائے آرام سے ہینڈل کرتیں۔ محبت سے سمجھاتیں۔ رمشاء محبت و نرمی سے سمجھانا وہ طاقت ہے جو برے سے برے شخص کو بھی راہِ راست پہ لے آتی ہے۔ غلطیاں تو تم کر چکی ہو بہتر تھا تم شروع میں ہی زبیدہ چچی یا نویرہ کو بتا دیتی بجائے خود بھی غصہ کرنے اور رضا کو بھی جلانے ستانے کے بجائے یہ حکمت عملی بہتر تھی۔ نویرہ سمجھدار لڑکی تھی تب کوئی نہ کوئی سدِ باب تو ضرور کرتی شادی کے بعد اس طرح اس کی زندگی خراب تو نہ ہوتی۔ بہت برا کیا تم دونوں نے مگر۔" نواز فاروق کو افسوس کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"تم اب اٹھو کھانا کھاؤ۔ میں جا کر شارق اور رضا دونوں کو بٹھا کر بات سلجھانے اور مسئلہ کلیئر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

رمشاء اس کے تسلی دینے پر اٹھ کر چلی گئی تھی مگر نواز فاروق خود کتنی دیر تک اپنی جگہ ہل تک نہ سکا تھا۔ نویرہ خوش نہیں تھی۔ ولیمے والے دن اسے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا مگر وجہ یہ ہو گی وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

شارق زمان کی جذباتیت پر بھی بے یقینی سی ہو رہی تھی۔ جس عورت کو وہ جان کی بازی لگا کر ہر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اس نے حاصل کیا تھا اور اب اسی عورت کے کردار کی طرف سے وہ مشکوک تھا۔

نواز فاروق کے اندر کی بے چینی اور احساسِ ندامت بڑھتا چلا گیا تھا۔

◆

زرش کی اس جذباتیت اور طاہرہ بیگم کے اس رویے سے سمعان احمد بہت ڈسٹرب ہو چکا تھا۔ زرش پہ ہاتھ اٹھانے کے باوجود زرش کی حمایت رہ رہ کر دل میں گھاؤ لگاتی رہی تھی۔ وہ اس سارے مسئلے کا حل چاہتا تھا۔ زرش نے اس قصے کو اس قدر سیریس لیا تھا کہ وہ دو روز سے مسلسل بخار میں پھنک رہی تھی۔

اور طاہرہ بیگم پرسکون تھیں۔

زوباریہ بھابی کو حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسی ماں ہیں جو بہو اور بیٹے کو اذیت دے کر پرسکون ہیں۔

انہوں نے عثمان اور سمعان دونوں کو چپ چاپ دیکھ کر خود ہی ہمت کی تھی کراچی فون کر کے انہوں نے سعید احمد کو ساری صورتِ حال بتا دی تھی اور سعید احمد اگلے ہی دن پہلی فلائٹ سے اسلام آباد چلے آئے تھے۔

آتے ہی انہوں نے طاہرہ بیگم کے ساتھ ساتھ فرح اور علی دونوں کو بھی روانگی کا حکم نامہ سنا دیا تھا۔

طاہرہ بیگم نے بولنا چاہا تو مگر ان کے دوٹوک انداز نے انہیں خاموش کروا دیا تھا۔

شام کی فلائٹ سے وہ لوگ روانہ ہوئے تو زوباریہ بھابی نے طاہرہ بیگم کے چلے جانے پر سکون کا سانس لیا تھا۔ ورنہ ان کی موجودگی تو مسلسل ڈپریشن کا سبب ہی بنی ہوئی تھی۔

پچھلے دو دنوں کی نسبت زرش کا بخار آج قدرے کم تھا۔ بھابی کے بار بار ٹوکنے پر وہ آج کمرے سے باہر ان کے ساتھ کچن میں دکھائی دے رہی تھی۔ عثمان اور سمعان لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"سمعان کے ساتھ تمہاری ناراضگی چل رہی ہے۔" شام کے وقت کھانا اگر وہ گھر میں ہوتو تو خود ہی لگاتی تھیں زرش نے انہیں صرف دیکھا۔ اسے چھتر پارک والا سارا واقعہ یاد آ گیا۔ اسے اپنا گال سنسناتا ہوا محسوس ہوا۔ سمعان اس سے ناراض تھا اور وہ اس سے پچھلے دو دن سے مسلسل کمرے میں بند تھی اور سمعان احمد کو جیسے کوئی پروا ہی نہ تھی۔ ایک دم خیال آنے پر اس کا دل بھر آیا۔

"میری کسی سے کوئی ناراضگی نہیں چل رہی۔" بڑا ناراض لہجہ تھا۔ بھابی کو ہنسی آ گئی۔

"صلح کرادوں؟" ان کا انداز معنی خیز تھا۔ وہ سرخ پڑ گئی۔

"مجھے نہیں کرنی صلح۔"

"تو پھر ٹھیک کیسے ہوگی۔ بخار تو اتر نہیں رہا تمہارا۔ میری ڈاکٹری بھی ضائع کر رہی ہو تم اور ہاں کب تک ایسے ہی رہنے کا ارادہ ہے۔ سمعان بے چارہ شریف سا بندہ ہے۔ بہت زیادہ نہیں آزما رہی تم اسے۔"

"بھائی ایک کپ چائے کا مل جائے گا۔"

سمعان کی آواز پر آرام سے کرسی پر بیٹھی زرش ایک دم اچھلی تھی۔ گھبرا کر سمعان کو دیکھا۔ وہی سنجیدہ انداز تھا۔

پتا نہیں کچھ سنا بھی تھا یا نہیں۔ اس نے گھبراہٹ سے بھابھی کو دیکھا وہ اپنی ہنسی روک رہی تھیں۔

"ضرور ملے گی، تمہاری یہ بیگم صاحبہ کس مرض کی دوا ہیں ابھی بنا کر دیتی ہے تم بیٹھو تو۔" انہوں نے شرارت سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ زرش نے انہیں گھورا۔

"نہیں، سر میں درد سا ہو رہا ہے لاؤنج میں ہوں ادھر ہی چائے بھیج دیجیے گا۔"

سمعان کہہ کر چلا بھی گیا تو زرش نے غصے سے بھابھی کو دیکھا۔

زرش کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ بھابی کا موڈ آج اسے بخشنے والا نہیں ہے۔ اس نے خاموشی سے چائے بنانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

وہ چائے بنا کر اور ساتھ میں ٹیبلٹ لے کر لاؤنج میں پہنچی تو سمعان وہاں نہیں تھا۔

"اپنے کمرے میں گیا ہے۔" عثمان بھائی کے بتانے پر وہ کمرے میں چلی آئی تھی۔

سمعان اسٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھا کوئی فائل کھولے مصروف تھا۔

کمپیوٹر چل رہا تھا۔

"یہ چائے......!" سمعان نے ایک نظر اسے دیکھا۔

پچھلے دو دن کے بخار نے اس کے چہرے پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ چہرہ زرد زرد سا ہو رہا تھا وہ ٹیبل پر چائے رکھ کر پلٹی تو سمعان نے پکار لیا۔

"زرش رکو۔" اس نے پلٹ کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان اس کے بجائے کمپیوٹر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"کل صبح کی فلائٹ سے تم میرے ساتھ لاہور چل رہی ہوں۔ وہاں مجھے ایک دو دن ضروری کام ہے پھر میں فری ہوں گا تم اپنی پیکنگ کرلو۔ ایک ہفتہ ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ یوں سمجھو چند دن آؤٹنگ کا پروگرام ہے۔" اسکرین سے نظریں ہٹا کر سمعان نے اسے دیکھا تو وہ فوراً نظریں جھکا گئی۔

سمعان احمد کے اس پروگرام نے اچھی خاصی حیرت سے دوچار کیا تھا۔

"میرا جانا اتنا ضروری تو نہیں۔" وہ پلٹ کر آگے بڑھی تو سمعان نے ایک دم اسے ٹوک دیا۔

"میں تم سے کوئی رائے نہیں مانگ رہا۔ میں فائنل کر چکا ہوں ٹکٹس کنفرم ہیں۔ تم تیاری کرلو اور ہاں تم ایڈمیشن کا سوچ چکی ہوگی کہ کہاں لینا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کا کنفرم کرلو، جہاں بھی لینا ہے۔ فیصلہ کرلو۔ انفارمیشن مل جائے گی۔ انسٹی ٹیوٹ میں خود جا کر کنفرم کرلینا۔ ٹیسٹ وغیرہ کا شیڈول بھی دیکھ لینا۔ رزلٹ آنے تک ٹیسٹ کا مسئلہ تو حل ہو چکا ہوگا۔"

اس نے خاموشی سے سمعان احمد کے سنجیدہ انداز کو دیکھا تھا۔

"اور اگر ماما وغیرہ نے وہاں ایڈمیشن کے لیے اعتراض کیا تو؟"

"تم ان کے پاس نہیں میرے پاس ہو جب مجھے اعتراض نہیں تو میرا نہیں خیال کہ وہ لوگ بھی اعتراض کریں۔ بخار اترا کہ نہیں، طبیعت کیسی ہے اب۔" اگرچہ گزشتہ دو دنوں میں یہ ان کے درمیان پہلی گفتگو تھی تو سمعان احمد نے طبیعت کے بارے میں بھی پہلی بار پوچھا تھا۔ زرش نے صرف خاموشی سے دیکھا۔ پلٹ کر باہر جانے کے بجائے الماری کی طرف بڑھ آئی۔

"بتایا نہیں کیسی طبیعت ہے اب۔" چائے کا مگ اٹھا کر دوسرے ہاتھ سے ٹیبلٹ اٹھائی پھر پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"بخار اترا۔"

"جی۔" سمعان نے بغور دیکھا تھا۔ اگر سمعان نے خود سے اسے مخاطب نہیں کیا ہوتا تو اس نے بھی پہل نہیں کرنا تھی۔ سمعان کو اگر اس کی جذباتیت پر غصہ تھا تو اسے بھی سمعان کے ہاتھ اٹھانے پر اس کی طرف سے شاکی کر دیا تھا۔

"بات سنو میری۔" الماری سے پیکنگ کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرتے وہ رکی تھی۔

"جی کہیے۔"

"ادھر آؤ۔" سمعان کے بلاوے پر ٹھٹکی تھی۔ ابھی وہ اس مقام پر نہیں پہنچی تھی کہ سمعان کی نگاہوں کے پیام کو سمجھ پاتی مگر آواز کی نرمی نے ضرور دل کی دھڑکن کو تیز کر دیا تھا۔

"کہیے میں سن رہی ہوں۔"

سمعان نے مگ واپس ٹرے میں رکھ دیا تھا۔ اٹھ کر الماری کے قریب چلا آیا تو زرش کے لیے سمعان کو نظر انداز کرنا مشکل ہوگیا۔ سر اٹھا کر لرزتی پلکوں سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔

"ناراض ہو؟" زردی میں ایکدم گھلتی سرخی اور عارضوں پر پلکوں کا کھلنا۔ سمعان نے بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"جی...... ای......"

"ہاتھ اٹھایا تھا نا میں نے تم پر۔" سمعان نے الماری کا پٹ بند کر دیا تھا۔ بند پٹ پر ہاتھ جما کر دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے پر ٹھہری سنہری لٹ کو چھوا تو زرش کو لگا اس کے بدن میں برقی رو سی دوڑ گئی ہے۔

"آپ۔" اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرے اس نے پیچھے کھسکنا چاہا تو سمعان نے دوسرا ہاتھ بھی دیوار پر رکھ کر فرار کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔

"آپ...... آپ...... کیا کرتے ہیں؟ راستہ دیں۔" وہ ایک پل میں ہی گھبرا گئی تھی۔ اس کمرے کی چار دیواری میں بارہا سمعان سے سامنا رہا تھا۔ مگر ایسی گھبراہٹ پہلے کبھی نہ تھی۔ سمعان کی یہ پیش قدمی اور اب تک تو سمعان احمد کی طرف سے ایسی کسی بھی پیش قدمی کا کھلا مظاہرہ نہیں ہوا تھا۔

”بخار تو ابھی بھی ہے۔“ دایاں ہاتھ اٹھا کر اس کی پیشانی اور گردن کو چھو کر دیکھا زرش کے اندر اس ہاتھ کے لمس نے اک آگ سی بکھیر دی تھی۔

”ٹھیک ہوں میں آپ پلیز راستہ دیں۔“

”ناراض تو نہیں ہو، نا۔“

اس نے ایک دم نفی میں سر ہلا دیا تو سمعان کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ بکھری تھی۔ اس کا گھبرایا گھبرایا انداز بڑا دل ربا سا تھا۔

سائیڈ سے نکلنا چاہا تھا مگر سمعان نے بازو پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا۔

”کہ...... کہ...... کیا کرتے ہیں۔ مجھے جانے دیں پلیز۔“ وہ ایک دم روہانسی ہوئی تھی۔ سخت گرفت سے نکلنے کو مچلی مگر یہ گرفت تو مزید گہری ہوئی تھی۔ سمعان احمد کا انداز شرارت آمیز تھا۔ زرش کا جی چاہا ابھی رو دے۔

”آپ نے وعدہ کیا تھا آپ مجھے تنگ نہیں کریں گے۔ جب تک میں نہیں چاہوں گی۔“ اس نے سمعان احمد کے جذبات پر بند باندھنا چاہا تھا۔

”تو......؟“ سمعان نے اس کی لرزتی پلکوں کی جھالر کو دیکھا۔ وہ صرف ایک لمحے کو سمعان احمد کی نگاہوں میں دیکھ پائی تھی۔

جذبوں کا اک جہاں آباد تھا ان نگاہوں میں۔

”مجھے ابھی ایجوکیشن مکمل کرنی ہے۔“ جھکی جھکی نگاہوں اور لرزتی آواز میں اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔ وہ ابھی سے سمعان احمد کے سامنے واضح کر دینا چاہتی تھی کہ آئندہ ایسی صورت حال درپیش نہ ہو۔

”تو مکمل کرو کون روک رہا ہے تمہیں بلکہ میں خود تمہیں سپورٹ کر رہا ہوں۔ مگر زندگی کی دیگر ترجیحات بھی ہیں۔ انہیں مت بھولو۔“

”آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے فورس نہیں کریں گے۔“ وہ رو دینے کو تھی۔

”تو اب بھی میں اپنے وعدے پہ قائم ہوں۔ تمہیں صرف احساس دلا رہا ہوں اور میرا خیال ہے تمہاری ایجوکیشن میں کوئی حرج نہیں آئے گا۔“ سمعان کا انداز سنجیدہ تھا۔

”بات ایجوکیشن کی نہیں ہے۔ جس طرح آپ کی امی یہاں آ کر میرے ساتھ جو سلوک کر کے گئی ہیں۔ میں کبھی برداشت نہیں کروں گی۔ آپ کے حوالے سے لگے الزامات سب اسی طرح ہیں۔ آپ مجھ سے اس وقت تک کسی بھی رویے کی توقع مت رکھیے جب تک وہ خود سے اس رشتے کو قبول نہیں کریں گی۔ وہ قبول کریں گی تو میں بھی اس رشتے کو مانوں گی ورنہ نہیں۔ جس یہاں ہوں کیا آپ سب لوگوں کے لیے اتنا کافی نہیں ہے؟“

سمعان نے خاموشی سے اس کی بات سنی تھی۔ طاہرہ بیگم کے لیے اس کے لہجے میں موجود تلخی کا

ازہ لگانا چاہا تھا۔

”زرش کہیں ایسا نہ ہو جب امی اپنے رویوں کو قبول کریں تب بہت دیر ہو چکی ہو۔ مجھے کوئی راض نہیں نہ پہلے نہ اب میں اپنے وعدے پہ قائم ہوں اور رہوں گا بھی۔ مقصد تم کو تصویر کا یہ رخ دکھانا تھا کہ آنے والے حالات میں اب تمہیں کس قسم کے سوالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ رہی امی کی ت وہ بھی اپنی غلطی قبول نہیں کریں گی اور اگر حقیقتاً ایسا ہو جائے تو کیا تمہیں یقین ہوگا کہ وقت تب ہاری گرفت میں ہوگا۔“

سمعان احمد نے اپنا حصار اس کے گرد سے ہٹا لیا تھا۔ دونوں بازو اپنے سینے پر لپیٹے اسے بغور دیکھا ا۔

زرش نے الجھ کر سمعان احمد کو دیکھا۔ وہ آخری جملہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ بلکہ سوال نے الجھا دیا تھا۔

”کیا مطلب؟“

”کچھ خاص نہیں۔ وقت کے ساتھ تم خود ہی سمجھ جاؤ گی۔ ڈونٹ وری۔ تم پیکنگ کرلو اپنے ساتھ ریا بھی اگر دل چاہے تو۔“ سمعان کہہ کر پلٹا تھا اور پھر سرعت سے کمرے سے نکل گیا تھا اور زرش کو یک دم اپنے اطراف میں سناٹا سا گونجتا محسوس ہوا تھا۔

* * *

رفعت باجی کے آنے کے چند دن بعد نویرہ کو اماں کے کمرے میں ڈیرے جمائے دیکھا تو یہی جھیں کہ بچے کی پیدائش کی وجہ سے وہ اس کمرے میں منتقل ہوئی ہے مگر معصب کے عقیقے کے بعد بھی نے دن تک نویرہ اسی کمرے میں رہی تو انہیں تعجب ہوا۔ پھر انہوں نے نوٹ بھی کیا کہ نویرہ اور شارق ں میں بات چیت بھی نہیں کرتے کئی بار تو انہوں نے خود دیکھا تھا کہ شارق آفس سے واپسی پہ ہر م کے لیے شاکرہ کو ہی آواز دیتا تھا حتیٰ کہ معصب کو بھی بلوانے کے لیے وہ شاکرہ کو کہتا کہ اس کے رے میں لے آئے۔

انہوں نے چند دن یہ صورت حال دیکھی مگر جب ضبط نہ ہوا تو اماں سے جا پوچھا اور انہوں نے جو ہانی سنائی اسے سن کر وہ بے یقینی سی بیٹھی رہ گئیں۔

”اماں اتنا سب کچھ ہوگیا۔ میں ہر دوسرے دن فون کرتی تھی آپ نے ایک دفعہ بھی ذکر نہیں کیا؟؟“

”میں کیا ذکر کرتی میں تو خود الجھ کر رہ گئی ہوں ان دونوں میں۔ شارق کے تیور دیکھتی ہوں تو دل تا ہے اور نویرہ کو کہتی ہوں کہ وہی کچھ مان لے مگر وہ تو مجھ سے ہی اکھڑ جاتی ہے کہ وہ شارق سے لگ تو لے سکتی ہے مگر ساتھ رہنا گوارا نہیں اس وقت تک جب ساری صورت حال واضح نہ ہوگی۔ بتاؤ میں کیا کروں؟“

نویرہ معصب کے چھوٹے موٹے کاموں میں الجھی ہوئی تھی۔ مغرب کا وقت تھا شاکرہ نے کچن سنبھالا ہوا تھا۔ خالدہ بیگم عقیقے کے بعد واپس چلی گئی تھیں۔ پھر انہیں یہ تسلی بھی تھی کہ رفعت باجی آ گئی ہیں اب وہ گھر سنبھال لیں گی جب وہ رخصت ہوں گی نویرہ تو ہوگی ہی۔

شارق مغرب کے ذرا بعد گھر آیا تھا۔ سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔ کپڑے چینج کر کے وہ لاؤنج میں آیا تو نویرہ صوفے پر معصب کو لیے بیٹھی ہوئی تھی۔ شارق کو آتے دیکھ کر اس نے پہلے تو نظر انداز کر دیا تھا مگر اسے وہیں سامنے صوفے پر بیٹھتا دیکھ کر اس نے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"معصب کو مجھے دے جاؤ۔" اس نے اسے روکا تھا۔

"کیوں؟" نویرہ نے تیکھے چتونوں سے اسے دیکھا۔ شارق کو بڑا برا لگا۔

بڑی بدلحاظ ہو گئی تھی نویرہ۔

"بیٹا ہے میرا سارا دن تمہاری گود میں ہی رہتا ہے تھوڑی دیر کے لیے میں اٹھا لوں گا تو قیامت نہیں آ جائے گی۔"

دو دن سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ نویرہ جب بھی وہ آتا تھا معصب کو سلا دیتی تھی۔ یا پھر اٹھا کر ادھر ادھر ہو جاتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے کہ وہ بچے کو نہ اٹھا سکے۔

"قیامت ہی تو آ جائے گی۔ پہلے ثابت تو کر لو یہ تمہارا ہی بیٹا ہے۔"

"نویرہ۔" وہ ایکدم بھڑک اٹھا تھا۔ "یہ میرا بیٹا ہے تم ایسی بکواس کر کے اسے مجھ سے دور نہیں رکھ سکتی۔"

"میں کیا کچھ کر سکتی ہوں مسٹر شارق زمان صاحب اب تک آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا۔" اس کا انداز بڑا ہی تضحیک آمیز تھا۔

شارق زمان کو لگا جیسے نویرہ نے اس پر گرم پانی انڈیل دیا ہوا۔

"میں تم سے کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ تم آرام سے معصب کو مجھے دے جاؤ۔ تھوڑی دیر میں یہ پھر تمہارے پاس ہی ہوگا۔" بچے کی خاطر اس نے خود پر ضبط کیا تھا تو نویرہ ہنس دی۔

"سویا ہوا ہے۔" ایک نظر بچے کو دیکھ کر اسے جتلایا تھا۔

"تم جان بوجھ کر اسے سلا دیتی ہو تا کہ میں اسے نہ اٹھا سکوں۔"

"ہاں تو۔" شارق زمان کا جی چاہا کہ ایک تھپڑ تو نویرہ کے رخسار پر ضرور جڑ دے مگر ضبط کر گیا۔

"میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے پر تمہارا سایہ پڑے یا اس کی معصوم شخصیت تمہاری طرح داغ دار ہو۔ یہ صرف میرا بیٹا ہے اسے تمہارے سائے سے بھی دور رکھنا چاہتی ہوں۔"

"شٹ اپ' یہ میرا بھی بیٹا ہے تم اسے اپنی ماں کے گھر سے لے کر نہیں آئی تھی۔"

"اچھا۔" نویرہ ہنس دی۔

تضحیک آمیز انداز نے شارق زمان کو بھڑکا دیا تھا۔ وہ ایک دم اٹھا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" اس کی برداشت صرف یہاں تک تھی۔

"علیحدگی۔" بڑے صاف اور واضح الفاظ میں نویرہ نے کہا تھا۔

"وہ تو تم ویسے ہی رہ رہی ہو اور کس قسم کی تمہیں علیحدگی چاہیے۔" وہ غصے سے بولا تھا۔ اس کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ اماں کے کمرے میں ان سے محو کلام رفعت آپا اونچی آواز سن کر فوراً وہاں پہنچی

"میں تم سے طلاق چاہتی ہوں۔"

آپا نے ایک دم سینے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ شارق زمان بھی ایک پل کو خاموش ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے تمہیں مل جائے گی۔ مگر معصب کو تمہیں میرے پاس چھوڑنا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں۔" نویرہ نے ایکدم بچے کو سینے سے لگا لیا تھا۔

"یہ صرف میرا بیٹا ہے۔ یہ میرے ساتھ جائے گا۔"

"میں اگر ثابت کر دوں کہ یہ میرا بھی بیٹا ہے تو؟"

"تو پھر تمہیں ساری دنیا کے سامنے یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ نویرہ احسان بدکردار نہیں تھی۔ رضا نے جھوٹ بولا تھا۔ تم نے مجھ پر بہتان لگایا تھا۔ صرف بہتان۔"

شارق زمان نے لب بھینچ لیے تھے۔

اتنے عرصے بعد نویرہ نے پہلی بار اس سے یہ شکایت کرنے کی بات کی تھی۔

"تم ثابت کر بھی لو تو میں تم جیسے شخص کے ساتھ رہنا گوارا نہیں کروں گی جو آنکھوں کا اندھا اور کانوں کا کچا ہوں۔ جو اپنی بیوی کے کردار کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھتا اور دوسروں کی زبان سے جانچتا ہو۔ ہونا تو یہ بھی چاہیے تھا کہ تم اس بچے کو بھی اپنا بچہ تسلیم نہ کرو۔ جب میں غلط ہوں تو مجھ سے منسلک ہر چیز غلط ہے پھر یہ بچہ تمہیں اپنا بچہ کیوں لگتا ہے؟؟ کٹہرے میں تو تمہاری اپنی ذات بھی کھڑی رہی ہے۔ تم گارنٹی دو۔ میں بھی مان جاؤں گی۔ مگر تم شارق زمان اس بھول میں نہ رہنا کہ میں تمہارے گھر سمجھوتہ کرنے آئی ہوں میں صرف یہ وقت گزارنے آئی تھی۔ میرا بیٹا میرے پاس ہے تم اسے چھوڑو گے یا نہیں مگر میں تمہیں ضرور چھوڑ دوں گی تم مجھے کیا ثابت کرو گے میں ثابت کروں گی کہ تم اصل میں کیا ہو تم نے مجھے کیسے حاصل کیا تم خود بتاؤ گے لوگوں کو۔"

وہ تو بھری بیٹھی تھی بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی تھی۔

اور نگہت باجی حیرت سے گم صم اسے بولتے دیکھ رہی تھیں۔

"شارق یہ کیا ہے؟ تم نے اس دن کے لیے اسے اتنا ذلیل کیا تا تم تو ہر نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر بیاہ لائے تھے۔ کہاں گئی تمہاری محبت؟ ایسی تھی تمہاری محبت جو چند دنوں میں ہی سامنے آ گئی تھی۔ ایسا کون سا کھول تم نے ہی ہمیں اپنی نظروں سے گرا دیا ہے۔ تمہارے دل میں کوئی بال آیا بھی تھا تو تم تحقیق کر لیتے یوں ایکدم فرد جرم تو عائد نہ کرتے اور اب اس بچے کا کیا مستقبل ہوگا۔"

وہ تو بدحال سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی تھیں جب کہ شارق زمان بے تاثر انداز میں کھڑا رہا تھا۔ نویرہ نے دونوں بہن بھائی کو باری باری دیکھا تھا پھر تمسخر بھری نگاہ شارق زمان پر ڈالی جو جوتے کی نوک سے قالین پر ٹھوکریں لگا رہا تھا۔

"آپا میرا ضمیر مطمئن ہے۔ مجھے کسی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ آپ اس شخص سے کہیں مجھے صلح طلاق سے فارغ کرے۔ رہ گئی بچے کی بات تو سات سال تک بچہ قانون و قواعد کے تحت ماں کی تحویل

میں رہے گا بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ اگر اسے بچہ چاہیے تو یہ قانون سے رجوع کرے وہاں پر سارا کھیل واضح ہوگا ہر بات، ہر الزام۔ نویرہ احسان کوئی عام سی ارزاں سی گری پڑی چیز نہ تھی کہ اس شخص کا دل آ گیا۔ زبردستی اپنے عقوبت خانے میں جگہ دی اور جب دل بھر گیا دل میں بال آ گیا تو پھینک دیا۔ آپا میری بھی ایک عزت نفس ہے۔ میں نے ساری زندگی صرف اپنے کردار کی ہی تو حفاظت کی ہے اور اب اس پر بدکرداری کا الزام کیسے سہہ لوں۔ مجھے کوئی سمجھوتے والی زندگی نہیں گزارنی۔ آر یا پار۔ کہیں آرام و سکون سے فیصلہ کرے بس۔"

نویرہ کے ان بے گانہ سے الفاظ نے شارق زمان کو اک طیش سے دوچار کیا تھا۔ اس نے بڑی تحقیر بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"پہلے تو شاید میں تمہیں چھوڑ دیتا اب کبھی نہیں۔ تمہیں جس عدالت میں جانا ہے چلی جاؤ تم میرے اس گھر میں ہو اور کس حیثیت سے ہو یہ تو تمہیں آنے والا وقت بتائے گا۔ اب بات ضد کی ہے اور میں تمہیں بتاؤں گا کہ سمجھوتہ کیسے کرتے ہیں۔"

غصے سے وہ کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

آپا نے حیران ہو کر پہلے نویرہ اور پھر ہلتے پردے کو دیکھا تھا۔

* * *

لاہور آنے پر شروع کے دو دن سمعان آفس کے کاموں میں ہی مصروف رہا تھا اور پھر ادھر سے فارغ ہو کر سمعان اور اس کا سارا وقت گھومنے پھرنے میں ہی گزر جاتا تھا۔

یہاں لاہور میں ان کا ذاتی گھر تھا۔ خاصا وسیع شاندار گھر تھا۔ آراستہ پیراستہ ایک فیملی سرونٹ کوارٹر میں رہائش پذیر تھی۔ جو ان کی غیر موجودگی میں گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔

ان لوگوں میں سے کسی کا بھی جب بھی لاہور آنا ہوتا تھا یہیں قیام کرتے تھے۔ وہ دونوں بھی یہیں ٹھہرے تھے۔ اس دن وہ دونوں شالیمار گارڈن میں آ گئے تھے۔ کافی دیر تک دونوں ادھر اُدھر گھومتے رہے تھے۔

"السلام علیکم!" وہ دونوں ابھی ایک درخت کے نیچے آ کر بیٹھے ہی تھے کہ آواز پر دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کافی خوش شکل پیاری سی لڑکی ہاتھ میں کیمرا پکڑے انہیں مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ جی فرمائیے؟" سمعان نے ہی پوچھا تھا زرش تو لڑکی کو دیکھ کر یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے یہ چہرہ کہاں دیکھا تھا۔

"میں آپ کی ایک تصویر لے لوں؟"

"جی۔" سمعان نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"کس خوشی میں؟" زرش نے الجھ کر دیکھا اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہ لڑکی پہلے بھی کہیں دیکھی تھی مگر کہاں؟

"اس پورے گارڈن میں یہ دوسرا کپل ہے جو سب سے پیارا لگ رہا ہے۔"

"پہلا کپل کون سا ہے؟"

"میرے بھائی اور بھاوج کا۔ وہ لوگ پچھلے حصے میں ہیں میں ان کو اوپر بلواتی ہوں پھر آپ لوگوں تصویر لوں گی۔"

"بات سنیں! آپ پہلے بھی ہماری تصویر لے چکی ہیں نا۔ ایک بار چھتر پارک میں ملے تھے ہم" زرش کو ایک دم یاد آیا تو فوراً پوچھا تو وہ لڑکی کھلکھلائی۔

"جی بڑی جلدی پہچانا آپ نے۔ ابھی آپ لوگ نیچے تھے جب میری نظر پڑی تھی میں نے فوراً پہچان لیا تھا۔ آپ کا بیٹا ساتھ نہیں بڑا کیوٹ سا بے بی تھا۔ آپ کی تصویر کی ایک کاپی اب بھی ہے البم میں محفوظ۔"

"اوہ۔" سمعان کو بھی یاد آ گیا تھا وہ سارا قصہ۔

"آپ لوگ اپنے بیٹے کو ساتھ نہیں لائے؟"

"وہ اپنے ماما پاپا کے پاس ہے۔" سمعان نے ایک نظر زرش کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے بتایا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ ماما اور پاپا تو سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"وہ میرا بھتیجا تھا۔"

"حیرت ہے تب تو آپ نے نہیں بتایا تھا۔"

"تب آپ نے موقع بھی نہیں دیا تھا۔"

"سوری۔"

"ایک بات اور کلیئر کر دوں تب ہماری شادی بھی نہیں ہوئی تھی یہ تب ہماری صرف چچا زاد ہی تھیں۔ ماشاءاللہ سے بیگم صاحبہ ہیں۔"

"اوہ۔" سمعان کے برجستہ انداز پر وہ ہنس دی تھی۔

"کافی کیوٹ ہیں آپ کی بیگم اور بیک سی بھی۔"

ہیں۔"

"مگر ابھی آئی آپ لوگ جائیے گا نہیں۔"

"کافی انٹرسٹنگ لڑکی ہے۔"

"ہاں۔" سمعان کے جواب میں وہ بس یہی کہہ سکی تھی۔

چند منٹ بعد وہ جن دو افراد کو اپنے ساتھ لیے چلی آئی تھی ان دونوں کو دیکھ کر وہ دونوں ہی ٹھٹکے تھے۔

اکثر ظفر کی بہن سے وہ ایک دو بار مل چکی تھی جب کہ سمعان احمد تو خاصا قریب سے جانتا تھا مگر ان کا ساتھ نواز فاروق کو دیکھ کر سمعان تو نہیں مگر وہ خود ضرور ڈسٹرب ہوگئی تھی۔

نواز فاروق اور رویسہ دونوں ہی پہچان گئے تھے۔ قریب آنے پر سلام دعا کے بعد نواز فاروق نے

بے ساختہ پوچھا تھا۔

"زرش آپ ادھر کیسے؟"

"یہ میرے ہزبینڈ ہیں ان کے ساتھ ہی آئی ہوں۔"

"اوہ۔"

"ارے آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" حمیرا نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

"بہت اچھی طرح۔ یہ سمعان بھائی ہیں ظفر بھائی کے دوست اور یہ ان کی مسز ہیں زرش سر نواز آپ کیسے جانتے ہیں زرش کو۔"

نواز کے نام پر سمعان نے چونک کر پہلے زرش اور پھر دونوں میاں بیوی کو دیکھا تھا۔

"میں جن دنوں کراچی اکیڈمی میں پڑھا رہا تھا تو یہ وہاں اسٹوڈنٹ رہ چکی ہیں۔"

اور باقی کی کہانی سمعان جانتا تھا اندازہ نہ تھا کہ جس سر نواز کا زرش نے بتایا تھا وہ ڈاکٹر غضنفر کا کزن ہو گا اور رویسہ کا شوہر۔

"سمعان بھائی آپ میری شادی میں نہیں آئے تھے نا۔" رویسہ نے شکوہ کیا تھا۔

"بس کچھ مصروفیت تھی۔ مگر میں نے تحفہ بھیجا تھا بعد میں ظفر سے مل کر ایکسکیوز بھی کر لیا تھا۔"

"ہاں بتایا تھا بھائی نے کہ آپ اسلام آباد میں بزی تھے۔"

"اور سمعان بھائی مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی ظفر بھائی سے جان کر کہ آپ کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی ہیں۔" اس کا اشارہ زرش کی طرف تھا۔ زرش خاموش ہی رہی۔

اگلے دس پندرہ منٹوں میں وہ پانچوں آپس میں کافی گھل مل چکے تھے۔ نواز فارق کا انداز ہی برا تھا مگر زرش محتاط سی تھی اسی طرح سمعان بھی نواز سے گفت و شنید میں کچھ جھجک محسوس کر رہا تھا۔

زرش کو اندازہ نہیں تھا کہ کبھی سمعان احمد کی موجودگی میں سر نواز سے سامنا ہو جائے گا۔ رویسہ اور حمیرا کے بار بار کے اصرار پر ان دونوں نے لنچ ان لوگوں کے ساتھ ہی کیا تھا۔ حمیرا نے ان لوگوں کی مختلف تصاویر لی تھیں۔

وہ لوگ وہاں چار بجے تک رہے تھے۔ واپسی تک یہ ضرور ہوا تھا کہ سمعان اور نواز فاروق دونوں کے درمیان تکلف کی دیوار گر گئی تھی۔

ڈاکٹر ظفر کے ہاں ایک دو بار ملاقات ہوئی تھی مگر اب ذرا فرصت اور سہولت سے ملنے کا موقع ملا تو ایک دوسرے سے متعلق بہت کچھ جاننے کو ملا تھا۔

"نواز فاروق کافی اچھا انسان ہے۔"

واپسی کے سفر میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سمعان نے تبصرہ کیا تھا۔ زرش خاموش رہی تھی۔ نواز فاروق کے حوالے سے وہ جو بھی عذاب جھیل چکی تھی اسے وہ اذیت بھولی نہ تھی بلکہ اب بھی تکلیف دیتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اسے چپ چاپ گم صم دیکھ کر سمعان نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ زندگی

بھی کیسے کیسے موڑ لے کر کس طرح مختلف متضاد لوگوں کو ملوا دیتی ہے۔ اس نے حیرت سے سوچا اور سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا۔

"تھک گئی ہو؟"

سمعان کے استفسار پر اس نے خاموشی سے پلکیں موند لی تھیں۔ وہ واقعی بہت تھک گئی تھی۔ آج اسے قدم قدم پر سمعان کے ساتھ چلتے احساس ہوا تھا کہ وہ بہت غلط کر رہی ہے سمعان کی محبت اور چاہت کو آزما رہی ہے اگر سمعان نے اپنی محبت و توجہ کے بادل سمیٹ لیے تو؟

اک خوف سے اس نے پلکیں کھول کر گھبرا کر سمعان احمد کو دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" سمعان نے بھی اسے گھبرا کر پلکیں وا کرتے دیکھا۔

"سمعان۔" یہ نام صرف لبوں سے ہی ادا نہیں ہوا تھا دریچہ دل کھلا تھا گویا اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی ایک پل میں براہ راست اس نے پہلی بار سمعان کو یوں بے قراری سے پکارا تھا۔

"کیا بات ہے زری۔" سمعان کو ایک دم اندازہ ہوا کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ سائیڈ میں گاڑی روک کر اس کی طرف دیکھا۔

زرش کی پلکوں کی نمی رخساروں پہ پھسل آئی تھی۔ گلاب کی طرح دہکتے رخساروں پہ نمی کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ سمعان کے اندر بے چینی سی پھیلنے لگی تھی۔ بے اختیار اس کا بازو تھام کر قریب کیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" محبت و لگاوٹ سے پوچھا۔

"سمعان! میں بہت تھک گئی ہوں بہت زیادہ۔" اور پہلی بار اس کا دل شرم و حیا کے بجائے سمعان احمد کی مضبوط پناہ گاہ کا متمنی ہوا تھا اور پھر اس نے جگہ اور وقت کی پروا کیے بغیر سمعان احمد کے کندھے پر سر رکھ کر سسکنا شروع کر دیا تھا۔

✿……✿……✿

پاکستان آنے کے بعد وہ گھر گیا تھا مگر جمال صاحب نے اسے دیکھتے ہی گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا اس نے ہزار دلائل دیے تھے مگر وہ ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تھے۔

وہ چند دن دوست کے ہاں رہا تھا اور جب ستارہ کو اس کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اسے اپنے گھر بلا لیا تھا۔ وہاں نوشین تھی۔ اس نے بجائے ماموں کی طرح غصہ کرنے کے، ساری صورت حال کا جائزہ لیا تھا۔ سعد کے چھوڑے گئے خط میں وہ اس کی فرح کے لیے پسندیدگی کا پڑھ چکی تھی۔ ستارہ نے ہر بات واضح کی تھی اس کے دل میں سعد کے خلاف شکوے شکایات کب کے ختم ہو چکے تھے۔ اب تو زرش اسلام آباد جا چکی تھی۔ سب آہستہ آہستہ اپنے مقام پہ آ رہا تھا تو ایسے عالم میں نام نہاد نفرت کا اظہار کیوں جاتا۔

اس نے سعد کی مدد کرنے کو کہا تھا۔

اور پھر ان سب کے سمجھانے پر سعد نے مسعود احمد سے ملنے کی ہمت کی تھی۔ ان سب کا خیال تھا کہ جمال صاحب سے معافی اسے اسی صورت مل سکتی ہے کہ وہ مسعود احمد کو قائل کر کے اپنے ہمراہ جمال

صاحب کے سامنے لے جائے اور وہ اس کی وکالت کریں۔

وہ جب مسعود احمد سے ملنے آیا تو عفنان اور نوشین اس کے ساتھ ہی تھے مسعود صاحب اور شائستہ بیگم نے کھلے دل سے سعد کو خوش آمدید کہا تھا۔

سعد نے ان سے معافی مانگی تو مسعود احمد کہنے لگے۔

"بیٹا یہ مقدر کی باتیں ہوتی ہیں۔ بھلا تمہارا کیا قصور۔ ہم جیسے نادان لوگ قسمت کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر منہ کے بل گرتے ہیں۔ تم چھوڑ کر گئے تو حقیقت کھلی کہ قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ سمعان کی قسمت زور آور تھی۔ وقت کے ہاتھ سے اپنا حصہ چھین لیا۔"

"میں سعد بھائی کو سمجھاؤں گا۔ وہ سمجھ جائیں گے۔ فکر نہ کرو تم ہمارے بیٹے ہو ہمارے خون کا حصہ ہو اپنی اولاد کو بھلا کون خود سے جدا کرتا ہے۔ جب تک جمال نہیں مانتا تم ادھر ہی رہو بلکہ زرش کے جانے کے بعد ہم لوگ تنہائی محسوس کرنے لگے ہیں تم ادھر ہی رک جاؤ۔ جمال بھائی کے پاس وقار ہے نا۔" انہوں نے بہت مان دیا تھا۔

اگلے دن وہ اس کے ساتھ جمال صاحب کے ہاں گئے تھے دونوں میاں بیوی ستارہ نے پہلے ہی فون پر رابطہ کرتے ہوئے سب بہن بھائیوں کو اکٹھا کر لیا تھا اور پھر جب معاملہ جمال صاحب کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے لاکھ اعتراض کیے غصے کا اظہار کیا مگر سب بہن بھائی سعد کا ساتھ دے رہے تھے حتیٰ کہ وقار اور ہادیہ بھی۔

"جمال بھائی! آپ نہ مانیں گے تو میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گا اپنا بیٹا بنا کر رکھوں گا اور سعید بھائی سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگوں گا اگر انہوں نے انکار کر دیا تو زبردستی ہاں کراؤں گا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ یہ پلا پلایا پڑھا لکھا ڈاکٹر بیٹا اپنے پاس رکھتے ہیں یا مجھے دے دیتے ہیں۔"

اور ان کی اس بات پر وہ بھی ہنس دیے تھے۔ جمال صاحب کے ہنسنے کی دیر تھی کہ سب بہن بھائیوں نے وہ ادھم مچایا کہ جمال صاحب نے بخوشی سعد کو مسعود احمد کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ انہیں جہاں زرش کے اپنے گھر میں آباد ہو جانے کی خوشی تھی۔ وہاں بہن کے اکیلے ہو جانے کا بھی احساس تھا۔

سعد نے پاکستان آنے کے بعد پہلی بار سعید احمد کے گھر کے نمبرز ملائے تھے۔ فون ریسیو کرنے والی ملازمہ تھی۔ اس نے اسے فرح سے بات کروانے کو کہا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ مسعود احمد کے گھر سے بات کر رہا تھا پی ٹی سی ایل سے اسی لیے فرح مطمئن سی لائن پر آئی تھی۔ مگر اندازہ نہ تھا دوسری طرف سعد ہو سکتا ہے۔

"فرح۔" اس نے پکارا تو دوسری طرف وہ ششدر سی رہ گئی تھی۔

"سعد۔"

"آپ سعد ہو نا سعد جمال۔"

"ہوں فرح سعد جمال ہی ہوں۔ تم بتاؤ کیسی ہو؟"

"سعد۔" دوسری طرف سے ایک دم رو پڑی تھی ایک عرصے بعد وہ اس کی آواز سن رہی تھی۔ خود پر ہو رہا تھا۔ نجانے خود کو اب تک کیسے سنبھالا ہوا تھا۔

"میں پاکستان آ چکا ہوں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں۔ اس وقت میں مسعود ماموں کے ہاں سے کال کر رہا ہوں۔ اتنے دن سے میں امی ابو کو منانے میں لگا ہوا تھا۔ چچا جان کی سفارش پر ان لوگوں نے معاف کیا ہے۔" وہ بتا رہا تھا اور فرح نے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"تم تو اسلام آباد گئی ہوئی تھیں نا؟"

"ہوں ابو لینے گئے تو ان کے ساتھ آ گئے تھے ہم لوگ۔"

"تمہارے لیے جو پروپوزل آیا ہے آپ کو کس نے بتایا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"سمعان سے علم ہوا تھا۔"

"میرے علم میں نہیں ہے۔" اس نے بتایا۔

"مسعود ماموں ہو سکتا ہے بڑے ماموں سے بات کریں رشتے کی۔ امی ابو اور ماموں لوگوں میں بھی فائنل ہوا ہے کہ وہ خود جا کر ماموں سے بات کریں گے۔ آج کل میں ماموں کے ہاں ہی ہوں۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر رکھا ہوا ہے۔"

"کیوں آپ اپنے گھر کیوں نہیں رہ رہے؟"

"زرش کے بعد ماموں اور پھپھو تنہا ہو گئے ہیں۔ ماموں کی طبیعت کا علم تو ہے تمہیں امی نے بھی کہا تاکہ کسی نہ کسی کو ان کے پاس ضرور ہونا چاہیے۔ اس لیے ان کے ہاں ہی ہوں۔ بات سنو۔ چند دن امی ابو اور دوسرے لوگ آ جائیں گے۔ ماموں جان کے ارادوں کا مجھے اندازہ نہیں مگر ممانی جان کی طبیعت کا علم ہے تم سے پوچھا جائے تو انکار مت کرنا۔ سن رہی ہو نا۔"

"جی۔" وہ صرف یہی کہہ سکی تھی۔

"میں پھر رابطہ کروں گا پریشان مت ہونا اور سنو میری غیر موجودگی میں مجھے کبھی یاد بھی کیا یا نہیں۔"

"جی۔"

"کیا جی۔"

"پتا نہیں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور سعد ہنس دیا تھا۔

* * *

زرش کا شاپنگ کا ارادہ تھا اس نے سمعان کو فون کیا تو پتا چلا کہ وہ کسی کام میں مصروف ہے۔ اگلے دنوں میں ان کا واپسی کا ارادہ تھا وہ آج شاپنگ کا کام ختم کر لینا چاہتی تھی۔

وہ گاڑی لے کر نکل آئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس طرح گاڑی نکالنے پر سمعان سے کچھ سخت ہی سننے کو ملنا ہے مگر وہ تنہائی سے بور ہی ہو رہی تھی۔ سڑکوں اور جگہوں کا اسے زیادہ اندازہ تو نہیں تھا مگر وہ آئی تھی۔ ایک دفعہ ایکسیڈنٹ کے بعد ماما پاپا نے اسے دوبارہ گاڑی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا تھا۔ آج ملا تھا تو اس نے فائدہ اٹھایا تھا۔ بڑے ہی محتاط انداز میں اور آہستہ روی سے وہ گاڑی ڈرائیو کر

رہی تھی مگر شاید قسمت خراب تھی کہ اچانک گاڑی سامنے آتی خواتین کو دیکھ کر بے قابو ہوگئی تھی۔ وہ بریک لگانے کے چکر میں اسپیڈ بڑھا گئی تھی اور نتیجہ یہ نکلا تھا کہ گاڑی سامنے والی خواتین کو ہٹ کر گئی تھی۔

بدحواسی میں اس نے بریک لگائے تھے۔ گاڑی اچھل کر سائیڈ میں ہوگئی تھی۔ ٹریفک ایک دم تھم گیا تھا۔ ان خواتین کے گرد لوگوں کا ہجوم بڑھا تو کچھ لوگوں نے اس کے گرد گھیرا بنا لیا کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔

اس کے تو اپنے حواس اڑ گئے تھے وہ بھلا بھاگ کہاں سکتی تھی۔

انتہائی خوف زدہ نظروں سے ہجوم کی طرف دیکھا۔ گاڑی جس عورت کو لگی تھی وہ نقاب میں تھی جب کہ دوسری خاتون نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کے بازوؤں میں بچہ تھا۔ وہ گاڑی سے نکل کر ان عورتوں کے پاس چلی گئی تھی۔

”آئی ایم سوری۔ آپ لوگ سامنے آگئیں تو گاڑی پر قابو نہیں رہا۔ پلیز سوری۔ زیادہ پریشانی والی اگر بات ہے تو میں اسپتال لے چلتی ہوں۔“

نقاب والی اب بری طرح کراہ رہی تھی۔ گاڑی سے ٹکرا کر وہ بری طرح پختہ سڑک پر گری تھی۔ نجانے کہاں کہاں چوٹ لگی تھی۔ دوسری خاتون نے کچھ غصے سے زرش کو دیکھا کچھ سخت کہنا چاہا مگر زرش کا حواس باختہ اڑا چہرہ دیکھ کر چپ ہوگئیں۔

”نوریہ۔“ اس نے کراہتی لڑکی کا بازو پکڑ کر پکارا۔ زیادہ چوٹ لگی ہے تو آؤ حوصلہ کرو بس تھوڑی سی ہمت۔ کلینک سامنے ہی ہے۔ ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔“

رفعت باجی نے سہارا دے کر اسے اٹھایا تو دوسری طرف سے زرش نے بھی سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔ گاڑی تو پہلے ہی سائیڈ پر تھی وہ لاک کر کے ان کے ساتھ ہی سامنے واقع کلینک میں چلی آئی تھی۔

معصب کو ہلکا سا ٹمپریچر تھا۔ وہ رفعت باجی کے ہمراہ ٹیکسی میں ادھر آئی تھی ڈاکٹر فیروزہ سے چیک کروانے وہ ان کے مشورے سے ہی کسی چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس جانا چاہتی تھی۔ مگر باہر نکل کر سامنے سے آتی اس گاڑی سے ٹکرا ہوگئی تھی۔

ڈاکٹر فیروزہ نے نوریہ کو اچھی طرح چیک کیا اس کے گھٹنے اور بازو چھل گئے تھے۔ اس کے علاوہ پاؤں میں بھی موچ آئی تھی جب کہ رفعت باجی صرف گری تھیں اور معصب بھی محفوظ ہی تھا۔ ڈاکٹر فیروزہ نے بینڈیج کر دی تھی۔ ہلکی پھلکی ڈریسنگ کر کے انہوں نے پین کلرز لکھ دی تھیں۔

زرش نے اندر ہی اندر شکر کا کلمہ پڑھا کہ زیادہ لمبا چوڑا معاملہ نہیں تھا۔ بچت ہوگئی تھی۔ زرش اس سارے وقت میں ان کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔

”آئی ایم سوری آپ لوگ اپنے دھیان میں تھیں اور آپ کو دیکھ کر میں گھبرا گئی تھی۔ مجھ سے گاڑی قابو میں نہیں ہو پائی۔ مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے ریئلی سوری۔“

نوریہ نے پہلی بار غور سے دیکھا کم عمر سی پیاری سی لڑکی تھی۔ اس ٹکراؤ سے خاصی گھبرا چکی تھی۔ نوریہ مسکرا دی۔

”آپ کا بھی بھلا کیا قصور ہمیں ہی دیکھ کر سڑک پار کرنی چاہیے تھی۔“ زرش نوریہ کی مسکراہٹ پر بحال ہوئی۔

”نام کیا ہے تمہارا؟“

”زرش.....زرش سمعان احمد۔“

”بہت پیارا نام ہے۔“

”میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔ دراصل میں یہاں کی رہنے والی نہیں ہوں کراچی کی ہوں اپنے ہزبینڈ کے ساتھ چند دن کے لیے یہاں آئی ہوئی ہوں۔ مجھے سڑکوں کا اندازہ نہیں ہے اس لیے بھی گھبرا گئی تھی۔“

”شادی شدہ ہو۔“ نوریہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ اس نے جھینپ کر سر ہلا دیا۔

”لگتی تو نہیں ہو۔“ رفعت باجی کو بھی حیرت ہوئی تھی۔ خاصی کم عمر لگی تھی انہیں یہ لڑکی۔

”یہ آپ کا بیٹا ہے۔“ اس نے کیوٹ سے سوئے ہوئے معصب کو دیکھا۔

”یہ نوریہ کا بیٹا ہے میرا بھتیجا ہے۔“

”بہت پیارا بیٹا ہے آپ کا۔“ زرش نے سوئے ہوئے بچے کا رخسار چھوا تھا۔

”آپ لوگوں کو میں ڈراپ کر دیتی ہوں پلیز آ جائیے۔“

”ہم چلے جائیں گے۔“

”پلیز شرمندہ نہ کریں میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ زرش نے مزید اصرار کیا تو وہ دونوں مان گئیں۔

وہ ان دونوں کو ڈراپ کر کے واپس جانا چاہتی تھی مگر نوریہ نے اسے بصد اصرار اندر بلا لیا تھا۔ زرش کے منع کرنے کے باوجود نوریہ کے کہنے پر چائے اور دیگر اشیاء کا اہتمام شاکرہ کرلائی تھی۔

وہ واجدہ بیگم سے بھی ملی اسے ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ اسے ایک گھنٹہ ان لوگوں کے ہاں لگ گیا تھا۔

”یہ میرے ہزبینڈ کا کارڈ ہے میں اپنا نمبر لکھ دیتی ہوں میں پھر چکر لگاؤں گی۔ آپ کی عیادت کرنے آؤں گی پلیز آپ اس نمبر پر رابطہ کر کے اپنی خیریت سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ مجھے پریشانی رہے گی یا پھر اپنا نمبر دے دیں میں خود ہی رابطہ کرلوں گی۔“ زرش نے سیل نمبر لکھ کر نوریہ کو تھما دیا تھا۔

”ڈونٹ وری میں کال کرلوں گی۔“

”تھینکس۔“

وہ ابھی راستے میں ہی تھی کہ سمعان کی کال آگئی تھی۔ وہ اس کے اکیلے جانے پر پریشان ہو رہے تھے اور پھر جب وہ گھر پہنچی تو سمعان گاڑی کی ٹوٹی ہوئی ہیڈ لائٹس دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

"ایکسیڈنٹ کر دیا ہے کیا تم نے؟"

"بس ہلکا سا۔" اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے ساری تفصیل سنادی تو سمعان خاموشی سے دیکھے گیا۔ اسے کچھ بھی سمجھانا فضول تھا کرنی تو اسے اپنی ہی مرضی تھی۔

اگلے دن وہ ایک بار پھر نویرہ کے ہاں گئی تھی۔ نویرہ بہتر تھی اور اس کا بیٹا بھی۔ اسے یہ فیملی بہت پسند آئی تھی۔ خاص طور پر نویرہ اور اس کا بیٹا۔ اس کی نویرہ کے شوہر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

اور پھر اس سے اگلے دن دونوں اسلام آباد پہنچ گئے تھے۔

* * *

وہ اسلام آباد سے واپس آئی تو پتا چلا کہ سعد باقاعدہ ان کے ہاں رہائش پذیر ہے بلکہ ماما پاپا خود جا کر تایا ابو کے پاس فرح کا ہاتھ بھی مانگ آئے ہیں اس کا ارادہ کراچی جانے کا تھا مگر سعد کا سن کر اس نے ارادہ بدل دیا تھا اور پھر دن اپنی رفتار سے گزرنے لگے تھے۔ سمعان کے ساتھ رہتے ہوئے وہ اکثر اپنے ہی جذبوں سے گھبرا کر اُلجھنے لگی تھی مگر کوئی جائے فرار نہ تھی۔

ایک دفعہ وہ پھر لاہور جا کر ٹیسٹ دے آئی تھی۔ ٹیسٹ اچھا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ میرٹ پر آ جائے گی۔ داخلہ آرام سے مل جائے گا۔ بھابی اور عثمان بھائی نے بظاہر لاہور جا کر داخلہ لینے پر اعتراض تو نہیں کیا تھا مگر یہ بھی ضرور کہا تھا کہ۔

"جب اسلام آباد میں ہر طرح کا ادارہ موجود ہے تو اتنی دور لاہور جانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"

وہ تب چپ رہی تھی اور پھر جب رزلٹ کی آمد آمد تھی تو ماما کی مسلسل کالز آنے لگی تھیں کہ وہ ایک بار کراچی کا بھی چکر لگا لے وہ صرف سعد کی وجہ سے رکی ہوئی تھی ورنہ اُڑ کر پہنچتی۔ شائستہ بیگم نے سمعان احمد سے زرش کو کراچی بھیجنے کی بات کی تو وہ فوراً رضامند ہو گیا تھا۔ بلکہ اسے چھوڑنے خود آیا تھا۔ ائرپورٹ سے انہیں ریسیو کرنے کو سعد آیا تھا اور سعد جمال کو دیکھ کر زرش پر عجیب سا اضطراب طاری ہوا تھا۔

"کیسی ہو......؟" سلام دعا کے بعد اس نے حال پوچھا تو وہ صرف گردن ہلا کر لاتعلق سی بن گئی تھی۔ سمعان نے زرش کا رویہ محسوس کیا تو سعد کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

گھر پہنچ کر بھی اس کا رویہ سعد کے ساتھ وہی تھا۔ سعد نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ جہاں سب نے معاف کر دیا تھا وہاں زرش کی اس لاتعلقی نے دل پر بڑا اثر کیا تھا۔

کھانے کے بعد سمعان اپنے گھر چلا گیا تو زرش بھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور شام کے وقت کچھ دیر آرام کے بعد کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ ماما پاپا کے ساتھ سعد وہیں موجود تھا۔ چند باتوں کے بعد ماما اُٹھ کر کچن دیکھنے چلی گئیں تو پاپا بھی کمرے میں چلے گئے تھے۔

"تم ناراض ہو مجھ سے......؟" سعد نے پوچھا تو زرش نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔ ٹھیک ہے وہ سمعان کے ساتھ اب ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ سعد جمال کی وجہ سے ایک عذاب جھیل چکی تھی وہ ان لمحوں کی اذیت فراموش نہیں کر سکتی تھی۔ سعد جمال کی نیت کچھ بھی ہو مگر

کی ذات اس کے پاپا کو زندگی اور موت کی کشمکش میں دھکیل گئی تھی۔

"کیوں......؟" وہی لاتعلق انداز۔

"زرش! میں نے وہ سب تمہارے اور سمعان کے لیے کیا تھا۔ خدا کی قسم میری نیت بالکل صاف تھی۔ اگر ماما کی وجہ سے صرف تمہیں قبول کرنے کی بات ہوتی تو میں کبھی پیچھے نہ ہٹتا بے شک میری ما سے اتنی منت کی تھی مگر میں نے یہ قدم صرف تمہاری اور سمعان احمد کی فلاح کے لیے ہی اُٹھایا تھا۔"

"میں آپ سے کچھ پوچھ نہیں رہی اور نہ ہی آپ سے کوئی گلہ شکوہ کر رہی ہوں۔ میں ایک اذیت سے گزر چکی ہوں سب کے نزدیک حالات نارمل ہو چکے ہیں مگر کسی کی نظروں سے گر کر جینا کیسے کہتے ہیں آپ میری اذیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے اس لیے آپ اس موضوع پر مجھ سے بات بھی نہ کریں۔ میں ماما پاپا کی وجہ سے اگر اسلام آباد میں ہوں تو اس بات کو ہی اہم سمجھیں اور آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے اس سے پرہیز کیجیے گا۔" تلخی سے اپنے اندر کا غبار سعد پر اُلٹ دیا تھا اور سعد کچھ کہنے کی کوشش میں لب بھینچ گیا تھا۔ وہ اُٹھ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

پھر اس کے بعد سعد نے کوشش کی تھی کہ اسے مخاطب نہ کرے اور زرش بھی اپنی ذات میں مگن رہتی تھی۔ سمعان اگلے دن ہی واپس اسلام آباد چلا گیا تھا، زرش کا ارادہ چند دن رہنے کا تھا۔ انہی چند دنوں میں اس کا رزلٹ آ گیا تھا پہلے ٹیسٹ کا رزلٹ اور اس کے بعد امتحان کا، دونوں میں وہ بڑے بھرپور انداز میں کامیاب رہی تھی۔ خاص طور پر امتحان کے رزلٹ میں اس کی پہلی پوزیشن رہی تھی۔ اس نے جس حالت میں اور جن دنوں ایگزیمز دیے تھے ایسے عالم میں ہمیشہ کی طرح ٹاپ کرنا سب کے لیے بڑا سرپرائزنگ رہا تھا۔ ہر کسی نے خود آ کر یا فون کے ذریعے وش کیا تھا۔ حتیٰ کہ فرح علی خود آ کر وش کر کے گئی تھی ماما پاپا نے نقد انعام دیا تھا۔ دو تین دن وہ بس رزلٹ کے سلسلے میں ہی مصروف رہی تھی۔ عثمان بھائی اور بھابی نے بھی کال کر کے وش کیا تھا۔ سمعان کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ کال تو تقریباً روز ہی کر لیتا تھا مگر جب سے رزلٹ اناؤنس ہوا تھا سمعان نے کال تک نہ کی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ سمعان کی طرف سے سب سے پہلے وش کیے جانے کی منتظر تھی مگر جوں جوں دن گزر رہے تھے اس کا دل بجھ گیا تھا۔

اسے بڑی شدت سے احساس ہوا کہ سمعان بدل رہا ہے۔ ورنہ اس سے متعلق ایک ایک بات کی خبر رکھنا سمعان اپنے لیے فرض سمجھتا تھا۔ اتنی بھرپور کامیابی کے باوجود اس کا دل بجھ گیا تھا۔ سب کی ستائش سب کا سراہنا والہانہ پن سمعان کے یوں نظر انداز کیے جانے پر اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

سارا دن سب کے ساتھ مصروف رہی تھی۔ توشی، عفان بھائی اور ہادیہ آپا وغیرہ چلے آئے تھے سب کے اصرار پر وہ ان کو باہر ڈنر پر لے گئی تھی ایک بھرپور وقت گزار کر گھر واپس آ کر بھی اس کا دل خوش نہیں ہو پا رہا تھا۔ اسے اپنی شاندار کامیابی انتہائی زہر لگ رہی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہوئے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

"سمعان......" اس کے لبوں سے سسکاری نکلی تھی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ کئی ثانیے تک نمبر

ملائے یا نہ ملائے کی تکرار میں اُلجھی رہتی تھی۔ اس نے خود سے کبھی سمعان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

اس نے سمعان کا نمبر ملایا تھا، کال جا رہی تھی، بیل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم......" سمعان احمد کی آواز سنائی دی تو ضبط کرتے کرتے بھی زرش کے لبوں سے سسکی برآمد ہوگئی تھی۔ اس نے ایک دم لائن ڈس کنکٹ کر دی تھی۔ اگلے ہی پل سمعان نے کال کر دی تھی۔

موبائل وائبریٹ کرتا رہا تھا اور وہ تکیے میں سر دیے اپنی جذباتیت کا گلا گھونٹنے میں لگی رہی تھی۔ مسلسل کوشش کے بعد سمعان نے کال کرنا بند کر دی تھی۔ تب تک زرش نے خود پر بھی قابو پا لیا تھا۔

اب رہ رہ کر اپنی جذباتیت یاد آ رہی تھی۔ نجانے سمعان نے کیا سمجھا ہوگا۔ کم از کم اسے خود پر قابو رکھنا چاہیے تھا سمعان کی کال ریسیو کرنی چاہیے تھی۔ اپنے آپ سے لڑتے نجانے کب آنکھ لگی تھی اور پھر عجیب سے احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

موبائل وائبریٹ کر رہا تھا۔

"سمعان" کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ سوئی جاگی کیفیت میں اس نے "یس" کا بٹن پش کر دیا تھا۔

"ہیلو......" نیند سے بوجھل آواز میں گویا تھی۔

"تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں، میرے دل سے بوجھ اُتار دو
میں بہت دنوں سے اُداس ہوں مجھے کوئی شام اُدھار دو"

سمعان کا بھاری گمبھیر لہجہ اس کی سماعت میں گونجا تو وہ ایک دم ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ کندھوں پر بکھرے بال ہاتھ سے پیچھے کرتے اس نے اپنی حواس باختگی پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"سمعان......" اس کے لبوں سے یہ نام اقرار بن کر پھسلا تھا۔ ایک ایسا اقرار جو اس کی بے قراری کا گواہ تھا۔ اس کی وحشت کا ترجمان تھا۔ اس کی چاہت کی اوس میں بھیگا لہجہ اس کی شدتوں کو آشکار کرنے کو بے چین تھا۔

مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خال وخد
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو، میرے سارے رنگ اُتار دو
کسی اور کو میرے حال سے نہ غرض ہے نہ کوئی واسط
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو، میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

ایسا گمبھیر جادو اثر لہجہ تھا کہ زرش کو لگا اس کی آواز گنگ ہوگئی ہے وہ اب بول نہیں پائے گی۔ سمعان سے خفا تھی، دل میں اس کے رابطہ نہ کرنے، وش نہ کرنے پر ہزاروں، بدگمانیاں اور شکوے در آئے تھے مگر سمعان کی اس شدت سے پُر آواز کے اُتار چڑھاؤ نے اس کی زبان سے سارے گلے شکوے چُن لیے تھے۔

"میری وحشتوں کو بڑھا دیا، جدائیوں کے عذاب نے
میرے دل پہ ہاتھ رکھو ذرا، میری دھڑکنوں کو قرار دو"

کیسی خواہش تھی لہجے میں کیسے جذبات بول رہے تھے۔ الفاظ کا انتخاب اور آواز کا اتار تیز بہاؤ' بالکل جذبات کے ہم آہنگ تھا۔ ایک ایک لفظ مکمل جذبیت لیے ہوئے تھا۔ اسے کبھی شعر و شاعری سے شغف نہ رہا تھا' مگر اب سمعان کی آواز میں یہ الفاظ سن کر اس کا دل گداز ہوا تھا۔ جذبوں کی لو بلند ہوئی تھی۔ سینے میں تلاطم برپا ہوا تھا۔

"کیسی ہو؟" اسی مخصوص محبت و توجہ سے پوچھا جا رہا تھا۔ وہ تو ابھی تک آواز کے زیروبم اور گمبھیرتا سے ہی نہیں نکل پائی تھی۔ اس سوال پر دل کا گداز ایک دم آنسوؤں میں تحلیل ہوا تھا۔

"آپ کو اس سے کیا؟ میں جیوں یا مروں۔" شکوہ لبوں پہ در آیا تھا۔

"زرش! ابھی بھی الزام لگانے میں بھی تم حد کر جاتی ہو۔" شکوہ اُدھر سے بھی لبوں پہ در آیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی۔

"کال کیوں کی تھی اور پھر بات کیے بغیر بند کیوں کر دی تھی؟ پر میں نے کئی کالز کیں اور تم نے ریسیو بھی نہ کی۔"

"دماغ خراب تھا میرا۔" وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بات کو کس طرح سنبھالے سمعان ہنس دیا تھا۔

"اس میں کوئی شک بھی نہیں۔ اگر دماغ خراب نہ ہوتا تو نہ اس وقت میں اتنی دور ہوں ورنہ تم دماغ خراب ہونے کا اعتراف کرتیں۔ سمعان کا لہجہ خاصا خوش گوار تھا۔ وہ چند پل چپ رہی تھی اور پھر بتایا۔

"میرا رزلٹ آ گیا ہے......"

"پتا ہے مجھے...... میں نے فون کیا تھا تو چچی جان نے بتایا تھا۔ فرسٹ پوزیشن مبارک ہو۔ اگر انسان نے محنت کی ہو تو اس کا اجر بھی ملتا ہے۔" بڑے سادہ سے انداز میں کہا گیا تھا زرش کے اندر کا سارا جوش، ساری خوشی ایک دم مر گئی تھی۔ اس کا دل چاہا ایک دم غصے سے فون پٹخ دے۔

"آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ سب نے مجھے وش کیا ہے سوائے آپ کے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں سے یہ الفاظ پھسل گئے تھے سمعان ہنس رہا تھا۔

"تم میرے وش کرنے کی منتظر تھیں؟"

"ظاہری بات ہے؟"

"میں نے سمجھا کہ جیسے ہمارا رشتہ ہے اس کی موجودگی میں میرا وش کرنا شاید اتنا امپورٹنس نہ رکھتا ہو۔ مجھے علم نہ تھا کہ تم منتظر ہو ورنہ سب سے پہلے میں ہی وش کرتا۔"

زرش نے اُلجھ کر موبائل کو دیکھا۔ آج سمعان کا انداز بدلا ہوا تھا۔ یا شاید اسے ہی لگا۔

"لاہور میں مزید کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے؟" زرش نے بات بدل دی تھی۔

"کل واپس آ رہا ہوں کام ختم ہو گیا ہے تقریباً۔"

"پھر واپسی پر کراچی آ جائیے گا۔ میں تیار رہوں گی۔" اس نے آناً فاناً پروگرام بنایا تھا۔

"مگر تمہارا تو کچھ دن رُکنے کا ارادہ تھا۔" دوسری طرف سمعان کو حیرت ہوئی تھی۔ ایک خوش گوار سی حیرت۔

"نہیں بہت رہ لی۔ پھر داخلے وغیرہ کے لیے لاہور کا بھی چکر لگانا ہوگا۔ ماما پوچھ رہی تھیں کہ کہاں داخلہ لینا ہے اگر ان کو علم ہوا تو وہ اعتراض کریں گی۔ میں نے ان کو نہیں بتایا جب ایڈمیشن ہو جائے گا تو دیکھ لوں گی۔ آپ کل آ رہے ہیں نا پھر؟"

"ہوں......" دوسری طرف سے سمعان کا سنجیدہ انداز سنائی دیا تو نجانے کیوں دل کو دھڑکا سا لگا۔ پھر وہ چپ سی ہو گئی تھی۔

"زرش ایک بات کہوں......؟"

"جی......"

"اُداس شامیں، اُجاڑ رستے، کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا
ابھی نئی وادیوں، نئے منظروں میں رہ لو مگر میری جان!
یہ سارے اک اک کر کے چھوڑ جائیں تو لوٹ آنا

سمعان کا وہی گمبھیر لہجہ گونجا تو وہ کئی ثانیے تک چپ سی رہ گئی تھی۔

"زرش تمہیں مجبوری نہیں مگر کبھی کبھار دل چاہتا ہے کہ جسے ہم اپنی جان سے بڑھ کر چاہتے ہیں وہ مارے قریب ہو، کچھ ہمارے بھی دل کی سنے، ہمیں سمجھے۔ زرش! تم دور تھیں تو اک احساس تھا کہ کبھی تو تمہیں میری محبت، اس کی شدت کا احساس ہوگا۔ مگر اس قدر قریب رہ کر بھی تم بے خبر جب رہتی ہو تو دل چاہتا ہے تمہیں جھنجوڑ دوں۔ پھر ایسا کر بھی گزروں مگر مزاج گوارا نہیں کرتا۔ تم پر کوئی مجبوری نہیں۔ مجبوری تو میری ہے جو تم سے دل لگا بیٹھا ہوں۔ مجبوری کے رشتے نبھانے بہت مشکل ہو جاتے ہیں زری! کبھی فرصت ملے تو سوچنا۔"

"ہم کو جدا نہ کر دے یہ ایک فرق ذرا سا
تم فاصلوں کے قائل، میں قربتوں کا پیاسا"

"سمعان......" زرش کے صرف ہونٹ ہی پھڑپھڑا سکے تھے۔ آواز حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔

"میں کل آ جاؤں گا...... تم اچھی طرح سوچ لو رزلٹ اتنا شاندار ہے پھر ٹیسٹ بھی کلیئر ہے ایڈمیشن رام سے ہو جائے گا۔ چچی اور باقی لوگوں کو میں فیس کر لوں گا۔ ڈونٹ وری یار!"

سمعان نے ایک لمحے میں ضبط کھویا تھا مگر اگلے ہی پل اپنے اس مخصوص بے پناہ کیئرنگ اور توجہ لیے انداز میں محوِ کلام تھا اور زرش اپنی جگہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کے دل کی حالت جو تھی سمعان بے خبر تو نہیں ہوگا مگر خود سے اپنی کیفیت بیان کرنا بھی اسے نہیں آتا تھا۔

سمعان کی شدت، محبت کی صورت اس کے وجود پر پہرا کر رہی تھی اور وہ بے بس تھی۔ آنسو آہستگی ے اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے تھے۔

"زرش......" سمعان نے پکارا تو اس نے لائن کاٹ دی تھی۔

اس نے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے اور شدت سے رو دی تھی۔ سمعان احمد کی محبت اس کے وجود پر ہی نہیں اس کے دل پر بھی پوری طرح قابض ہو چکی تھی اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اب۔

* * *

نواز شارق کے آفس گیا تھا۔ شارق اسی پرانے انداز میں ملا تھا مگر نواز نے جب رضا کے قصے کو چھیڑنا چاہا تو اس نے دوٹوک منع کر دیا تھا۔

"مائنڈ مت کرنا یہ میرا سراسر ذاتی معاملہ ہے میں اس میں کسی بھی تھرڈ پرسن کی مداخلت قطعی گوارا نہیں کرتا۔ تمہیں جن ریسورسز سے اس قصے کا علم ہوا ہے پہلے ان لوگوں کا دماغ کلیئر کرو کہ اب یہ قصہ صرف رضا اور نویرہ کا آپسی قصہ نہیں رہا۔ میری اور نویرہ کی آپسی جنگ ہے۔ میں اس کو کسی بھی طرح ہینڈل کروں۔ یہ میرا دردِ سر ہے۔" صاف، اکھڑ، دوٹوک انداز تھا اور پھر شارق نے اس موضوع پر اس سے بات نہیں کی تھی۔ ایک دو دفعہ بڑی اماں کے ہاں بھی جانا ہوا تھا مگر نویرہ تو اس کی آمد پر اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ اس نے کتنی دفعہ کوشش کی کہ کسی طرح اس سے سامنا ہو جائے مگر وہ تو اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ اب صرف رضا حمید رہ جاتا تھا نواز نے سوچا کہ اس سے بھی بات کر کے چیک کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

نواز نے اس کے موبائل پر کئی بار رابطہ کیا مگر وہ ملتا ہی نہ تھا اس دن نواز نے اس کے گھر جانے کو ہی بہتر سمجھا تھا۔ شام کے بعد سب گھر پر ہی تھے۔ حمید چچا اور چچی سے کچھ دیر بات چیت کے بعد وہ رضا کو لیے اس کے روم میں چلے آئے تھے۔

"کیا چل رہا ہے آج کل اسٹڈی کے علاوہ......؟" ٹیبل پر رکھی بکس کا جائزہ لیتے نواز نے پوچھا تو رضا نے کندھے اُچکا دیے۔

"کچھ خاص نہیں......"

"مزید کیا ارادے ہیں؟" نواز نے رضا کو دیکھا۔

"پتا نہیں...... ابھی کچھ پلان نہیں کیا۔"

"ہوں اچھی بات ہے۔ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی۔"

رضا نے چونک کر نواز کو دیکھا وہ سنجیدگی سے متوجہ تھا۔

"جی کہیے......" نواز کے چہرے سے کچھ بھی اندازہ نہ ہوا تو سر ہلا دیا۔

"تمہارا اور نویرہ کا یہ کیا قصہ ہے؟" نواز نے براہ راست رضا کی آنکھوں میں جھانکا تھا وہ ایک پل کو چونکا تھا اور پھر ایک دم تلخی سے لب بھینچ لیے۔

"آپ بہت ذاتی سوال پر نہیں اتر آئے؟" تلخی سے اس نے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں......" نواز نے فوراً انکار کیا تھا۔

"آپ سے اس سلسلے میں، میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"مگر میں کرنا چاہتا ہوں یہ صرف تمہارا ذاتی مسئلہ نہیں ہے اس سے نویرہ کی زندگی، زندگی بھر کی خوشیاں وابستہ ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ تم اس قدر خود غرض واقع ہوئے ہو کہ اس کی زندگی برباد کرنے

کا سبب ہو۔“

”میں نے کوئی زندگی برباد نہیں کی تھی۔ مگر صرف اپنی خواہش، اپنی فیلنگز کا اظہار کیا تھا۔“ وہ ایکدم تلخی سے پھٹا تھا۔

نواز نے بڑے سکون سے اسے دیکھا۔

”وہ بھی غلط انداز میں اور غلط انسان کے سامنے۔ تم جانتے ہو شارق نویرہ کے معاملے میں کس قدر جذباتی ہے، اگر تمہیں میرے نویرہ سے شادی سے انکار کی وجہ کا علم ہو جائے تو تمہیں شارق کے مقابلے میں اپنی فیلنگز محض حماقت محسوس ہوں۔“

”جانتا ہوں، میں سب کچھ۔“ وہ آتش فشاں کی طرح پھٹا تھا اور نواز حیران رہ گیا تھا۔

”مجھے سب پتا ہے آپ نے شادی سے انکار کیوں کیا تھا اور شارق زمان نے کس طرح ان کو ٹریپ کرنے کی کوشش کر کے یہ شادی ختم کروائی تھی۔“

”تمہیں کیسے علم ہوا...... کیا شارق یا نویرہ نے؟“ حیرت کے بعد استفسار ہوا تھا۔

”نہیں...... آپ کو علم ہوگا ایک دفعہ لاہور آئے تھے اور آپ کی امی آپ سے ملنے اکیڈمی گئی تھیں۔ اس دن میں بھی اکیڈمی چلا گیا تھا جب علم ہوا کہ آپ آئے ہوئے ہیں تو میں آپ سے ملنے آیا تھا اور پھر آپ کی اور چچی کی ساری گفتگو سن لی تھی۔“

”اوہ......“ نواز نے چند پل اسے دیکھا تھا۔ ”جب تمہیں سب علم ہو گیا تھا تو پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟“

سوال ایسا تھا کہ رضا کے اندر اضطراب بکھرتا چلا گیا تھا۔

”مجھے نویرہ کے لیے شارق زمان کی دھوکہ دہی اور کمینگی برداشت نہیں ہوئی تھی۔ میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں نویرہ کی زندگی سے شارق زمان کو نکال پھینکوں۔ میں نویرہ کو رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ان دنوں میرے ذہن و دل پر اک بھوت سوار تھا کہ کسی بھی طرح چاہے نویرہ سے بدظن کر کے ہی سہی میں شارق زمان کو اس سے علیحدہ کر دوں، ان جیسی پاک، صاف، اچھی لڑکی کے ساتھ ان جیسا کرپٹ آدمی کا تصور بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور ایسے عالم میں رمشاء کا رویہ وہ سب جانتی تھی مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے خود سے دور رکھنے اور نویرہ کو اپنی زندگی میں داخل کرنے کی خواہش میرے اندر کیسے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ مجھے غصہ دلاتی تھی تو مجھے اس سے نفرت ہوتی تھی پھر میں نے وہ سب کیا جو شارق زمان کو نویرہ سے متنفر کرنے کا سبب بن سکتا تھا۔ میں شارق زمان سے ملا انہیں اپنی فیلنگز بتائیں مگر وہ اس حد تک تنگ نظر واقع ہوں گے مجھے اندازہ نہ تھا۔ نتیجہ میری خواہش کے مطابق تھا مگر......“ وہ خاموش ہو گیا تھا اور نواز گم صم انداز میں اسے صرف سن رہا تھا۔

”نویرہ کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں ہر طرف آگ لگا دوں۔ میں اپنے ہی جذبات سمجھنے سے قاصر ہوں۔ نویرہ کو رسوا کروا کر میں اسے نہیں پا سکتا تھا۔ نویرہ نے جن نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا تھا ان کا ہاتھ میری طرف اٹھا تھا اس کے بعد میرے اندر سے ہر خواہش رخصت ہو گئی تھی۔ پھر تو بس ایک ضد اور انا برقرار تھی مگر اب لگتا ہے میں خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا ہوں۔ امی نویرہ کے بارے میں اکثر ذکر کرتی رہتی ہیں، اس کی بربادی کا ذمہ داری مجھے ٹھہراتی ہیں مگر۔“ وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گیا تھا۔

نواز نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

”اب اس سارے مسئلے کا حل بتاؤ......؟“ کچھ توقف کے بعد پوچھا تو وہ بھی سر ہلا گیا۔

”نویرہ تمہیں پتا ہے اب کس مقام پر ہے۔ وہ ہم سب سے نفرت کرنے لگ گئی ہے۔ شارق، مجھ سے اور تم سے ہی نہیں اس نے اپنی فیملی تک کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میری بڑی اماں سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ نویرہ طلاق کی بات کر رہی ہے۔ وہ شارق کے ساتھ کسی بھی قسم کی مصالحت کے حق میں نہیں اور شارق وہ نہ اسے چھوڑنے کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ ہی بسانے کا۔ تمہاری جذباتیت نے اس کی زندگی برباد کر دی ہے۔ میری طرف سے اسے جو دھچکا لگا جو بھی زیادتی ہوئی وہ سنبھل گئی تھی مگر تم نے تو اس کے اندر سے جینے کی امنگ تک چھین لی ہے۔ بہت برا کیا تم نے یار، کسی سے کہتے مجھ سے ہی رابطہ کرتے۔ میں کوئی بہتر سبیل نکالتا۔ کم از کم تم اس حماقت اور جذباتیت کا ثبوت تو نہ دیتے۔“ نواز فاروق نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

”اب اگر تم لاکھ بار بھی کہو کہ تم نے غلط کیا محض شارق سے نویرہ کو متنفر کرنے کا ارادہ تھا مگر شارق کے دماغ کو کلیئر کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ تم نے اس کی وہ جذباتیت نہیں دیکھی جو شادی سے پہلے وہ نویرہ کے لیے کر چکا ہے۔ تم نے تو محض سنا تھا میں نے دیکھا بھی اور سمجھا بھی۔ نویرہ جیسی لڑکی قسمت سے کسی کو ملتی ہے اور وہ مجھے مل رہی تھی میں مطمئن بھی تھا مگر مجھے انکار کرنا پڑا محض اس لیے نہیں کہ شارق کے منہ سے اس کے اعترافات سن کر میں نویرہ سے بدظن ہو گیا تھا بلکہ اس لیے کہ عورت ذات ایک نسل کی امین ہوتی ہے شارق نویرہ کے لیے جس حد تک جا چکا تھا۔ جس طرح اس نے آرام سے درمیان سے نکلنے کی مجھ سے درخواست کی تھی میں نے بہت سوچا اور نکل جانا ہی بہتر سمجھا کہ نویرہ کے لیے شارق زمان ایک بہت وفادار اور محبت کرنے والا جیون ساتھی ثابت ہوگا۔ شارق نویرہ کے لیے جو بھی قدم اٹھا چکا تھا اگر وہ سب جانتے بوجھتے بھی میں نویرہ سے شارق کے حق میں رہتا تو یقیناً شارق کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ اس نے جس طرح کی لائف گزاری ہے عورت سے متعلق اس کے دماغ میں جو تصور ہے اس کی موجودگی میں وہ نویرہ کے حصول کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا حتیٰ کہ خاندانی نجابت کو بھی کوئی اہمیت نہ دیتا اور میں نے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے منظر سے ہٹ جانا مناسب سمجھا تھا۔ میں اب لاہور واپس آیا تھا تو گمان بھی نہ تھا کہ ایسے حالات ہو چکے ہوں گے۔ ابو کو منانا بہت مشکل مرحلہ تھا۔ امی نے ابو کو ساری حقیقت بتا دی تھی میرے منع کرنے کے باوجود اور اس طرح مجھے معافی مل گئی۔ روحیہ بہت اچھی بیوی ہے ایک اچھی دوست ہے۔“

نواز نے چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رضا کو دیکھا تھا صرف ایک پل۔

”یار...... محبت صرف پا لینے کا نام ہی تو نہیں۔ دینے اور بانٹنے کا نام بھی محبت ہے۔ میں مانتا ہوں تم

جس اذیت میں ہو۔ میں تمہارے سب جذبوں کو قبول بھی کرتا ہوں مگر سچ سچ بتاؤ اگر تم زبردستی نویرہ کو شارق سے علیحدہ بھی کروا دو تو کیا نویرہ تمہیں کبھی قبول کرلے گی؟" رضا نے نواز کو دیکھا۔ آنکھوں میں ایک دم بے بسی اتر آئی تھی۔

"وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو شاید میرا وجود ہی اس دنیا سے مٹا دیں۔" صاف گوئی سے اعتراف کیا تھا۔

"تو پھر تمہیں کیا حاصل ہوا یہ سب کر کے؟ بہت غلط کیا تم نے۔ جس سے سچی، حقیقی محبت ہوا سے تو ذرا سی تکلیف دینا بھی دل گوارا نہیں کرتا تم نے کیسے گوارا کر لیا؟"

رضا کو لگا یہ آخری ضرب تھی جو اسے اپنی ہی نظروں سے مکمل طور پر گرا چکی تھی۔ اس سے پہلے وہ خود کو حق پر ہے کہہ کر کوئی نہ کوئی جھوٹی تسلی دے کر مطمئن کر دیتا تھا مگر اب نواز کی باتوں نے ضمیر کو ایک دم جھنجوڑ دیا تھا۔

"نویرہ تم سے کبھی محبت نہیں کرے گی۔ وہ کبھی تم سے بات تک کرنا گوارہ نہیں کرے گی۔ وہ جو پہلے تمہیں اہمیت دیتی تھی، تم سے محبت وانسیت کا مظاہرہ کزن ہونے کے، ناتے کرتی تھی وہ اب نفرت کا اظہار کرے گی۔ تم نے یہ سب کبھی نہیں سوچا کہ وہ کس اذیت میں ہے؟ شارق نے پوری دنیا سے لڑ کر اسے حاصل کیا تھا اس کے یوں متنفر ہو جانے سے اس کی ذہنی سطح کیا ہو گی؟ اس کا کیا فیصلہ ہو گا؟ جس طرح نبیل ناراض ہے اس کے گھر والے اسے قبول بھی کریں گے یا نہیں اور اگر نہیں کریں گے تو خاندان بھر میں اس کی ذات پر لوگ کیسے انگلیاں اٹھا سکتے ہیں؟ جس کا کردار بے داغ رہا ہو وہ کیسے اتنا بڑا الزام سہہ پائے گی۔ کچھ تو سوچا ہوتا تم نے......؟"

وہ اسی طرح مجرموں کی طرح گردن جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ نواز نے لوہا گرم دیکھ کر ابھی سے چوٹ لگانا بہتر سمجھا تھا۔ جو کاری رہی تھی۔

"تم اب شارق کو جا کر سب سچ بھی بتا دو۔" (حقیقتاً نواز ایسا ہی چاہتا تھا اب صرف یہی قدم شارق اور نویرہ کے الجھے معاملے کو سلجھا سکتا تھا) "اسے لاکھ یقین بھی دلا دو کہ تم نے نویرہ کے معاملے میں دروغ گوئی سے کام لیا تھا تمہارا مقصد محض اسے نویرہ سے دور کرنا تھا یا جو بھی تھا کیا شارق سب سچ مان لے گا۔ فرض کرو وہ سچ مان بھی لے تو کیا نویرہ اب اسے قبول کرے گی کیا وہ طلاق لینے کے مطالبے سے دستبردار ہو گی اور سارا خاندان کیا وہ نویرہ کی طلاق کے معاملے پر اصل وجہ جاننے کی کوشش نہیں کرے گا؟ اور جب سب کے علم میں تمہاری جذباتیت اور شارق زمان کا رویہ آئے گا تو سچ بتانا اپنی ہی نظروں سے کون گرے گا؟ لعنت وملامت کس کے حصے میں آئے گی؟ طلاق لینے کے بعد یقیناً نویرہ تمہارے لیے تو کبھی ہاں نہیں کہے گی اگر وہ دوسری شادی بھی کرے تو اس کی آئندہ زندگی پہ کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں کچھ تو سوچا ہوتا یار......؟"

وہ اسی طرح چپ چاپ سب سنتا رہا تھا۔

"پھر بھی میرا تمہیں مشورہ ہے۔ اگر واقعی تم نویرہ سے حقیقی محبت کے دعویدار ہو تو تم شارق کے پاس جاؤ اسے سب کلیئر کرو۔ اسے بتاؤ کہ تم کہاں کہاں غلط تھے اور کیا کیا بہتان باندھ چکے ہو۔ اگر وہ واقعی نویرہ سے محبت کرتا ہے تو وہ پہلے کی ہی طرح اس سے متعلق جذباتی ہو تو وہ کبھی بھی اپنا گھر مزید برباد کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر اصل صورت حال پر غور ضرور کرے گا کہ اب اس کے پاس اور آپشن بھی نہیں رہا سوائے مصالحت کے۔ رہ گئی نویرہ اصل فیصلہ اب اس کا ہے۔ اگر شارق نے مصالحت کی کوشش کی تو وہ کیا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے بارے میں مجھے ڈاؤٹ ہے۔ حالات انسان کو بہت تبدیل کرتے ہیں۔ ایک کمزور انسان کو بہت بہادر اور بہادر کو ڈرپوک بنا دیتے ہیں۔ آخری فیصلہ تو نویرہ ہی کرے گی کم از کم تمہاری ذات تو اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو ہو جائے گی کہ تم نے محض جذباتیت میں جو غلطیاں کی تھیں ان کو سنوارنے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔ باقی اللہ پر چھوڑ دو اور وہ سب سے بڑا کارساز ہے۔"

اس نے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دیتے اس سب کے لیے آمادہ کرتے کہا تو رضا نے بس خاموشی سے نواز فاروق کو دیکھا تھا۔

⁂

بچے کی پیدائش اور عقیقے کے بعد اماں دو تین بار اسے لینے آئی تھیں مگر وہ ضد پر قائم تھی کہ اگر لے جانا ہے تو ہمیشہ کے لیے لے جانا ہوگا ورنہ نہیں جانا اس دن بھی اماں لینے آئیں تو اس نے وہی ضد رکھی تھی۔ رفعت پہلے ہی شاکڈ اور اُلجھی بیٹھی تھیں۔ نویرہ اور شارق زمان کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں مگر مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل رہا تھا۔ نویرہ کی وہی ضد دیکھی تو غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا۔

شارق نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ”نویرہ جس بھی عدالت میں جانا چاہتی ہے، چلی جائے مگر وہ اسے طلاق نہیں دے گا، اب بات ضد کی ہے۔“

اور نویرہ اس نے بھی ضد پال رکھی تھی کہ ”وہ نہ چھوڑے مگر وہ بھی اسے مزا چکھا کر رہے گی۔ چاہے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑے وہ اب پروا نہیں کرے گی۔“

اماں لینے آئیں تو واجدہ بیگم اور رفعت دونوں نے اسے ان کے ساتھ چلے جانے پر زور دیا تھا نجانے اس کے دماغ میں کیا سمائی کہ اس نے ان کی بات مان لی تھی مگر ساتھ میں شرط بھی عائد کردی تھی۔

”ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں مگر یاد رکھیے گا اب میں اس مسئلے کو ضرور اٹھاؤں گی۔ نبیل بھائی اور ساجد بھائی کے سامنے رکھوں گی۔ تنہا میں ہی سزا کیوں جھیلوں جو مجرم ہے اسے بھی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ رہ گیا طلاق کا مسئلہ اگر شارق یوں نہیں مانتا تو ٹھیک ہے کورٹ عدالت ہی سہی مگر میں اب کسی کے کہنے پر اپنا آپ برباد نہیں کروں گی۔“

اماں نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ کتنا بدل گئی تھی نویرہ۔ ان کے آنکھ کے اشارے کو سمجھنے والی ان کی چہیتی بیٹی کیسے ضد پر اتری ہوئی تھی۔ نویرہ کی ضد کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بھی سوچا تھا کہ نبیل نہ سہی ساجد سے فون پر اس معاملے کو ضرور ڈسکس کریں گی۔ شاید وہ کوئی بہتر حل نکال لے۔ نویرہ کو سمجھا لے یا کم از کم پاکستان آکر حالات کا جائزہ لے کر کچھ کرلے۔ نبیل کی نسبت انہوں نے ساجد سے معاملہ بیان کرنے کا سوچا تھا اور اب...... نویرہ بچے کے ساتھ ان کے ہاں آگئی تھی۔ شارق گھر پر نہیں تھا ورنہ شاید وہ بچے کو لے جانے پر اعتراض ضرور کرتا۔ اس کی غیر موجودگی میں اماں آئی تھیں اور اب وہ ان کے ساتھ اپنے گھر پہ تھی۔

شام کے وقت نبیل گھر آیا تو چونکا تھا کافی عرصے بعد نویرہ ان کے ہاں آئی تھی۔ سلام دعا اور حال چال کے بعد اس نے زیادہ بات چیت تو نہ کی تھی مگر نویرہ کو دیکھ کر مطمئن بھی ہوا تھا۔ ورنہ نبیلہ ہر وقت احساس دلاتی رہتی تھی کہ نویرہ نے اس کی وجہ سے میکے کو چھوڑ دیا ہے وہ اِدھر چکر نہیں لگاتی۔

غصہ اور جھگڑا تو شارق سے تھا مگر اپنے اندر کی ساری بھڑاس وہ نویرہ پر نکالتا تھا اسے کچھ نہ کچھ کہہ کر۔ اب وہ اتنا عرصہ اِدھر نہیں آئی تھی تو احساس ہوا تھا کہ اس کے ساتھ کس قدر زیادتی ہورہی ہے۔ ہر طرف سے صرف نویرہ کی ہی ذات پس رہی تھی۔

اندرونی طور پر نویرہ کی آمد پر کچھ اطمینان سا محسوس ہوا تھا۔ ورنہ صرف طبیعت کا بوجھ ہی نہیں بڑھتا تھا بلکہ ذہن کا اضطراب اور خلفشار بھی بڑھ گیا تھا خوامخواہ طبیعت ہر ایک سے اُلجھنے لگی تھی اور اب نویرہ کو دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا تھا۔ ضمیر پر پڑا بوجھ ایک دم سرکنے لگا تھا۔

شام کے وقت وہ بچے کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی کہ کال آگئی تھی۔ اس نے ریسیو کی تو دوسری طرف شارق زمان تھا۔ وہ حیران ہوئی اس کی آواز سُن کر۔

”تم کس سے پوچھ کر گئی ہو......؟“ چھوٹتے ہی یہ سوال ہوا تھا اور نویرہ حیران رہ گئی تھی۔ اتنا کچھ ہوجانے کے باوجود اس شخص کے حوصلے بلند تھے کہ بجائے اپنے فعل پر شرمندہ ہونے کے اُلٹا اسی سے بازپرس کی جارہی تھی۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

”کیوں......؟“

”اس گھر میں آنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔“ اگلے ہی پل حیرت سے نکل کر اس نے غصے سے باور کروایا تھا۔

”نویرہ بیگم! یہ مت بھولو کہ تم ابھی بھی میری بیوی ہو۔ تمہیں کہیں بھی جانے آنے کے لیے میری اجازت درکار ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ سے پوچھے بغیر تم میری اولاد کو کیسے کہیں لے جاسکتی ہو؟“

”میں ایسے کسی بھی احمقانہ حق کو تسلیم نہیں کرتی۔ جب میں تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ اپنے نام سے جڑا تمہارا نام نہاد نام بھی اُتار دینا چاہتی ہوں تم کس حق کی بات کرتے ہو۔ رہ گئی بچے کی بات تو جہاں ماں جائے گی تو بچہ بھی ساتھ ہی رہے گا۔ میں ابھی اتنی مجبور بھی نہیں ہوئی کہ تمہارے ہر طرح کے سلوک کو برداشت کرتے، ہر الزام کو سہتے ہوئے بھی تمہارے گھر میں رہوں۔ جب تک مجھے مجبوری تھی میں نے رہ لیا اب مزید نہیں۔ رہ گئی طلاق کی بات تو وہ تو تمہیں مجھے ہر حال میں دینا ہوگی۔ اس طرح نہیں تو عدالت کے ذریعے ہی سہی۔ میں اب ڈرنے والی نہیں ہوں۔“

”تم مجھے دھمکیاں نہ دو۔ میں بھی دیکھ لوں گا تم کیا کچھ کرسکتی ہو؟ یہ عدالت کورٹ کچہری تمہارے بس کا کام نہیں۔ اب بات ضد کی ہے مجھے اپنے بچے سے بڑھ کر اب کوئی چیز عزیز نہیں۔ تم جس طرح گئی ہو خاموشی سے واپس آجاؤ۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے بچے کے لیے سب برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔“ شارق زمان کی بات نے نویرہ کو لگا کہ اس کے اندر اک آگ لگادی ہے، وہ چیخ سی گئی تھی۔

''ہاں میں نے بھی صرف اور صرف بچے کے لیے یہ ساری ذلت برداشت کی ہے ورنہ......''

''تم واپس آ رہی ہو یا نہیں......؟'' دوسری طرف سے بڑے تحکم سے پوچھا گیا تھا۔

''نہیں...... کبھی بھی نہیں۔ تم چاہے اب کوئی بھی چال چل لو۔ کچھ بھی کر لو، میں اب واپس نہیں آؤں گی۔''

''چلو دیکھ لیتے ہیں نویرہ بی بی۔ تمہاری یہ ضد بھی کہاں تک قائم رہتی ہے۔'' غصے و تنفر سے جتاتے اس نے کال بند کر دی تھی اور نویرہ کتنی دیر تک بے بسی سے اپنی جگہ جمی رہ گئی تھی۔

''کیا کر لے گا اب یہ شخص...... میں اب بھی وہی نویرہ ہوں...... بدل نہیں گئی...... میں بھی دیکھتی ہوں اس دفعہ اس کا ظرف میرے لیے کیا ڈرامہ کھیلتا ہے۔'' غصے سے سوچتے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر پلٹی تھی مگر اپنے سے ایک قدم کے فاصلے پر کھڑے وجود کو دیکھ کر اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔ نبیل بھائی غضب میں ہی کھڑے تھے ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے کھڑے تھے۔

''آپ......؟''

''یہ سب کیا معاملہ ہے......؟ اور طلاق کا کیا قصہ ہے؟'' نبیل کے تیوروں سے لگ رہا تھا کہ وہ نویرہ کی ساری گفتگو سن چکا تھا۔ وہ چپ رہی تھی وہ خود چاہتی تھی کہ نبیل وغیرہ کو اس معاملے میں انوالو کر کے یہ قصہ ختم کرے مگر نبیل کی جذباتیت نے اس لیے خوف زدہ کیا تھا اسے کچھ بھی کہنے کو روکا تھا۔

''تم کچھ بھی نہیں......'' اماں سے لاکھ ناراض سہی مگر خود بھی نبیل کو کچھ بھی بتانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

''تم شارق کا گھر چھوڑ آئی ہو؟'' بڑے یقین سے پوچھا گیا تھا۔

''ہوں......'' وہ صرف سر ہلا گئی۔

''کیوں......؟'' سوال ایسا تھا کہ اب کچھ کہے بنا چارہ نہ تھا۔

''وجہ اماں سے پوچھیں۔ وہ سارا قصہ جانتی ہیں۔ اب تو کافی دیر ہو چکی ہے وہ گھر تو میں بہت پہلے چھوڑ آئی تھی بلکہ نکال دیا گیا تھا۔ اب وہ شخص اپنے بچے کی وجہ سے کمپرومائز کرنا چاہتا ہے مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ ساری تفصیل اماں سے پوچھیں اب تک جو کچھ بھی ہو چکا ہے۔ ان کی مرضی سے ہی ہوا ہے۔'' وہ کہہ کر ایک دم وہاں سے نکل گئی تھی اور نبیل کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی مگر اتنا وہ سمجھ چکا تھا کہ شارق اور نویرہ کے درمیان صورت حال خاصی پیچیدہ ہے۔

✿......✿......✿

لاہور ایڈمیشن ہونے اور یہاں آ کر قیام کرنے کے معاملے میں ماما، پاپا سمیت سب نے ہی اعتراض کیا تھا مگر سمعان نے ہی سب کو ہینڈل کیا تھا اور اس طرح وہ لاہور چلی آئی تھی۔ سمعان اس کے ساتھ تھا۔

وہ لاہور اپنی ذاتی رہائش گاہ میں ہی ٹھہرے تھے۔ چوکیدار اور اس کی فیملی ساتھ ہوتی تھی۔ سمعان نے چند ہی دنوں میں ڈرائیور کا بندوبست کروا دیا تھا۔ کلاسز اسٹارٹ ہونے تک سمعان اس کے ساتھ

رہا تھا مگر پھر کام کے سلسلے میں وہ اسلام آباد چلا گیا تو پہلی دفعہ اپنی فیملی اور سمعان کے بغیر رہنے کا تجربہ اس کے لیے خاصا تکلیف دہ تھا مگر وہ خود کو ہر طرح سے اپنے فیصلے پر جمے رہنے پر مضبوط کرتی رہی تھی۔

چوکیدار کی بیوی اور بچے تو ہوتے تھے مگر وہ تنہائی محسوس کرتی تھی۔ یونیورسٹی سے آ کر اتنا بڑا گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ سمعان فون پر ہر وقت رابطے میں رہتا تھا مگر سمعان کی غیر موجودگی پھر بھی ہر وقت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے یونیورسٹی سے آ کر گھر فون کیا تو ماما نے خوش خبری سنائی کہ تایا جان سعد کے لیے فرح کے رشتے پر راضی ہو گئے ہیں۔ بات خوش کن تھی، خوشی تو اسے بھی ہوئی تھی یہ اور بات تھی کہ اس نے برملا اظہار نہ کیا تھا۔ سعد ابھی بھی سعود احمد کی طرف رہ رہا تھا۔ درحقیقت سعید احمد نے سعود احمد کے بار بار جانے پر ہاں کہہ دی تھی مگر بات ابھی ان لوگوں میں ہی تھی۔ زیادہ چرچا نہ ہوا تھا۔ شائستہ بیگم نے یہ بھی بتایا تھا کہ طاہرہ بیگم کسی طور بھی سعد اور فرح کے رشتے کے حق میں نہیں ہیں۔ سعید احمد نے خود سے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔

زرش کو یہ سن کر دکھ سا ہوا تھا۔ فرح سے اسے کوئی دشمنی نہ تھی۔ نوشی کی طرح عزیز تھی مگر صرف طاہرہ بیگم کی نفرت نے کتنا دور کر ڈالا تھا دونوں کو۔ سعد کو دیکھ کر دل میں جو غصہ امڈ آیا تھا اب تو وہ بھی نہیں رہا تھا بے شک خود سے سعد کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر اس رشتے کی طرف سے وہ بھی منتظر تھی کہ جواب مثبت ہی ہو گا۔

سب ہی سعد کے حق میں تھے سوائے طاہرہ بیگم کے اور اب؟

''مجھے فکر سی ہو رہی ہے۔ طاہرہ بیگم کے رویے سے۔ بھائی صاحب نے ہاں تو کہہ دی ہے مگر طاہرہ کے تیور اچھے نہیں تھے۔ ہم جتنی بار بھی گئے ہیں اس نے کمرے سے نکل کر سلام دعا تک کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ ''بچی کا معاملہ ہے اللہ خیر کرے۔'' ماما اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھیں اور زرش خاموش ہی رہی تھی۔

''ان شاء اللہ بہتر ہی ہو گا۔ آخر کب تک وہ ایک ہی گیم کھیلتی رہیں گی۔ کبھی تو انہیں احساس ہو گا کہ وہ غلط کر رہی ہیں۔ ہر بار ان کو تایا ابو برداشت کر لیں یہ بھی ناممکن ہے۔ تایا ابو نے اگر ہاں کہی ہے تو یقیناً ہر پہلو پر غور کر کے ہی ہاں کہی ہو گی۔ کوئی نہ کوئی حل تو نکالا ہی ہو گا انہوں نے۔'' ماں کے تفکر کے جواب میں اس نے دلاسا سا دیا تھا۔

''ہاں کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہو گا۔ دونوں بیٹے دور ہیں ان سے، ساری عمر انہی بچوں کے لیے تو وہ سب برداشت کرتے رہے ہیں۔ اب بیٹی کا معاملہ ہے۔ وہ طاہرہ کو کوئی اور کھیل کھیلنے نہیں دیں گے۔ اب بات ان کی اپنی بیٹی کی عزت کی ہے۔''

''فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اپنی طبیعت کے برعکس اس نے تسلی دی تھی۔ پھر اس کے بعد چند باتیں روزمرہ کی تھیں اور پھر فون بند کر دیا تھا۔

اس کے بعد وہ کافی دیر تک طاہرہ بیگم کی ذات کو بھی سوچتے الجھتی رہی تھی۔

* * *

نبیل اماں کے پاس چلا آیا تھا اور اماں سے سب اُگلوا کر ہی دم لیا تھا اور اس کے بعد غم و غصے سے اس کا بُرا حال تھا۔

"اماں! بہت غلطی کی آپ نے یہ سب چھپا کر۔ وہ اتنا کچھ سہہ کر چپ چاپ ہے اور آپ نے خبر تک نہ ہونے دی۔ اتنے بے غیرت نہیں تھے ہم کہ وہ ہماری عزت سے کھیلنے کے بعد یوں ذلیل کرنے پر اُتر آیا ہے۔ اماں! بہت بُرا کیا آپ نے۔ میں رضا اور شارق دونوں کو نہیں چھوڑوں گا۔" اور اماں اس کے غیظ و غضب کو دیکھ کر دہل سی گئی تھیں، دہل تو نویرہ اور نبیلہ بھی گئی تھیں۔

"میں اب عدالت میں اس کے خلاف خلع کا مقدمہ دائر کروں گا، دیکھتا ہوں وہ کیسے طلاق نہیں دیتا۔ اتنا بے غیرت سمجھ رکھا ہے اس نے ہمیں۔" یہ حتمی فیصلہ تھا۔ نویرہ نے سکھ کا سانس لیا۔ جذباتیت سے ہٹ کر وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ خلع کا مقدمہ آرام سے طے ہو جائے ورنہ وہ کس حد تک جا سکتی تھی اس نے سوچ تو لیا تھا۔

"اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو؟" اب اماں کے پاس اعتراض کا کوئی پہلو نہ رہا تھا۔ نویرہ کی ضد اور نبیل کے تیوروں سے انہوں نے اس درمیان کی راہ کے انتخاب کو قبول کر لیا تھا۔

"نہ مانے...... پھر وہ جس انداز سے مانے گا وہ اختیار کر لوں گا۔ ہماری شرافت سے وہ ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے اور رہ گیا رضا اس سے بھی اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ بے غیرت کمینہ انسان......" غصے سے وہ سنا کر گھر سے نکل گئے تھے۔

اماں نے نویرہ کو دیکھا تو وہ لب بھینچ کر ان کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ اماں کل سے اس سے سخت ناراض تھیں۔ اگلی صبح رفعت باجی چلی آئی تھیں۔

"شارق بہت ناراض ہو رہا تھا کہ یوں تمہیں یہاں آنے دیا ہے۔ رات نبیل کی بھی کال آئی تھی دونوں ایک دوسرے کو دھمکیاں دے رہے تھے اور پھر اماں کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ کہہ رہی تھیں کہ تمہیں لے آؤں۔ انہیں خوف ہے کہ کہیں شارق اور نبیل غصے میں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لیں۔" آتے ہی انہوں نے اماں اور بھابی کے سامنے سب کہہ سنایا تھا۔

"نہیں، میں نہیں جاؤں گی۔ میں وہاں سے سب سلسلے بہت پہلے توڑ کر نکلی تھی جب شارق نے خود مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا۔ دوبارہ اگر میں وہاں گئی بھی تھی تو یہ میری مجبوری تھی اب میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ رہ گئی نبیل بھائی کی بات تو میں انہیں سمجھاؤں گی۔ سیدھے سے خلع کا مقدمہ دائر کر کے علیحدگی اختیار کی جا سکتی ہے تو میں کیوں دوسرے بکھیڑوں میں اُلجھوں۔ آپ اماں کو جا کر کہہ دیں میں اب وہاں نہیں آؤں گی۔"

اس نے دوٹوک انداز میں انکار کر دیا تھا انہوں نے بڑی کوشش کی تھی بعد میں بھی اسے سمجھانے، قائل کرنے کی اپنا موقف سمجھانے کی، مگر نویرہ کی "ناں"، "ہاں" میں نہیں بدلی تھی اس طرح وہ نامراد ہی واپس لوٹی تھیں۔

شام کو نبیل بھائی آفس سے گھر لوٹے تو اس نے ان سے صاف بات کرنا چاہی تھی۔

"نبیل بھائی! میں شارق زمان سے خلع چاہتی ہوں صرف خلع۔ مجھے بڑی خواہش تھی کہ میں ساری دنیا کو بتاؤں کہ وہ کیسا خبیث انسان ہے مگر اب دل میں یہ حسرت بھی نہیں رہی۔ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا آپ بھی ایسا نہ کریں۔ اسے دھمکیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اس نے بے غیرتی کے نام پر جو تھپڑ ہمارے منہ پر مارا ہے چپ چاپ سہہ لیں؟" وہ جذباتی ہوا تھا۔

"تو کیا کریں گے آپ؟" اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں اسے مزا چکھاؤں گا اچھی طرح کہ کسی کی عزت سے کھیلنا کسے کہتے ہیں اور رہ گیا رضا گولی سے اُڑا دوں گا۔ میں اسے بھی آج گیا تھا میں ان کے ہاں اچھی طرح چچا اور چچی کو سنا کر آیا ہوں۔ کوئی لاوارث نہیں تھی تم، جو اماں نے یوں چوروں کی طرح واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا تمہیں۔"

"نبیل بھائی اماں ناراض ہیں۔ میں سوچ کر تو یہ آئی تھی کہ اگلے پچھلے سارے حساب کلیئر کرتے ہیں اب اس شخص کو معاف نہیں کرنا مگر اماں کی ناراضی کمزور کر رہی ہے۔ مجھے صرف خلع چاہیے اور بس...... کوئی بدلہ نہیں لینا اس سے...... اللہ پر چھوڑ دیا ہے سارا فیصلہ، وہ دونوں کو پوچھے گا۔"

"رات اچھی طرح اسے سنا دیا ہے خلع کا مقدمہ تو میں دائر کرواؤں گا ہی ساتھ ہی تمہیں اغواء کرنے اور زبردستی نکاح کر لینے کا بھی مقدمہ درج کرواؤں گا۔" اسی وقت اماں بھی ان دونوں کے پاس چلی آئی تھیں نبیل کے خیالات سن کر ان کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا۔

"کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ جو گزر گیا اس پر مٹی ڈالو۔ تم دونوں کچھ نہیں کرو گے۔ تم نے سوچا ہے طلاق لے کر یہ کیا کرے گی۔ اس بچے کے ساتھ کیسے رہے گی اور شارق وہ بچے کو لینے دے گا اسے۔"

"ہاں تو بچہ اس کا ہے وہ اپنے پاس رکھے ہمیں کیا کرنا ہے بچہ لے کر، جیسا باپ ویسا بیٹا ہوگا۔" نبیل بھائی نے تنفر سے کہا تو نویرہ کا دل کانپ گیا تھا۔

"میں بچہ کسی کو نہیں دوں گی۔"

"تم اچھی طرح سوچ لو بچہ لو گی، پھر ادھر نہیں رہنا۔" نویرہ کے یوں جذباتی ہونے پر اس نے اندر کا سارا اُبال اسی ایک جملے میں سمو کر اس پر انڈیل دیا تھا۔

"چلی جاؤ اسی کے پاس...... میں رات بھی اسے فون پر کلیئر کر چکا ہوں کہ اگر وہ کورٹ کچہری کے بکھیڑوں سے بچنا چاہتا ہے تو طلاق کے پیپرز بھیج دے ہم بچہ دے دیں گے۔ اگر تم نے بچے کو رکھنے کی ضد کی تو مجھے کوئی پروا نہیں مگر یاد رکھنا بچے کو میں اپنے گھر میں نہیں رکھوں گا۔"

وہ تو نبیل کو سمجھانے آئی تھی مگر ادھر تو ایک اور نیا مسئلہ نکل آیا تھا وہ لب بھینچ گئی۔

"پھر میں خلع بھی نہیں لوں گی۔ میں کوئی بے جان انسان نہیں ہوں کہ دوسروں کے لیے اپنی بھینٹ دیتی رہوں۔ معصب میرے پاس رہے گا۔ اماں کے لیے میں نے اس شادی کو قبول کر لیا۔ اماں کے کہنے پر میں دوبارہ اس گھر میں جانے پر مجبور ہوئی۔ اب میں کسی اور کے کہنے پر کچھ بھی نہیں کروں گی۔

اگر آپ کو میں بچے سمیت قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ زندگی میں اتنا کچھ دیکھ لیا ہے مزید کیا۔ رشتوں کی پہچان ہو رہی ہے مجھے اچھی طرح، یہ میری آزمائش ہے یا آپ لوگوں کی...... مجھے نہیں پتا۔" غصے سے کہتے کہتے ایک دم اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔ خلع کے بعد تمہیں بچے کے ساتھ کون قبول کرے گا۔" نبیل بھائی کے الفاظ پر وہ کئی ثانیے تک چپ چاپ انہیں دیکھے گئی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے آپ سب بھول بھال جائیں۔ کیسا خلع، کیسا بچہ میں جس حال میں ہوں مجھے جینے دیں۔ میں ایک بار اپنی زندگی کو برت چکی مزید کی نہ ہوس نہ خواہش۔ خدا کے لیے ایسا سوچیے گا بھی نہیں، اگر آپ لوگوں نے بچے سے دستبرداری کی بات کی تو میں یہ گھر بھی چھوڑ دوں گی۔" وہ غصے سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ معصب سو رہا تھا وہ اس کے پاس بیٹھ کر ہاتھ سے تھپتھپاتے ایک دم رو دی تھی۔ اگر شارق زمان کے رویے میں تھوڑی سی بھی ندامت شرمندگی اور پچھتاوے کا احساس ہوتا تو وہ جھک جاتی اپنی انا کو مار لیتی مگر اب وہ کیسے جی لیتی؟

اسے لگ رہا تھا کہ اس کا حوصلہ صبر و استحکام آہستہ آہستہ سب کمزور پڑ رہا ہے۔ ذہنی طور پر وہ کمزور ہو رہی ہے اور وہ شارق زمان کے معاملے میں کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی، کبھی بھی نہیں......

* * *

سعید احمد نے فرح کے رشتے کے لیے جب سے ہاں کی تھی طاہرہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح انکار کروا دیں۔ مگر کوئی راہ دکھائی نہ دے رہی تھی۔

اس دن بھی نفیسہ آپا اور جمال بھائی آئے تھے۔ وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی چائے، پانی کا ماجدہ نے ہی ان سے پوچھا تھا۔ سعید احمد کو غصہ تو بہت تھا مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش تھے۔

آپا لوگ باقاعدہ رسم کرنا چاہتے تھے، اسی سلسلے میں وہ دونوں میاں بیوی مشورے کے لیے آئے تھے۔ کچھ دیر تک تو نفیسہ آپا طاہرہ کی منتظر رہی تھیں مگر پھر وہ خود ہی اُٹھ کر طاہرہ کی جانب چلی آئی تھیں ان کے کمرے میں۔ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ اس بار طاہرہ دل سے یہ رشتہ قبول کرے محض سعید احمد کے دباؤ میں نہ آئیں۔

"طاہرہ بیگم نے انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو......؟" انہوں نے نظر انداز کرتے پہل کی تھی، آگے بڑھتے بستر پر بیٹھتے مسکرا کر پوچھا تھا۔ طاہرہ بیگم کی تیور بگڑے تھے۔

"ہم کب سے آئے بیٹھے ہیں۔ منگنی کا مشورہ کرنے آئے تھے مگر سعید چاہ رہا ہے کہ منگنی کے جھنجٹوں میں پڑنے کے بجائے ڈائریکٹ شادی ہو جائے تو بہتر ہے۔"

اس انکشاف نے طاہرہ کے اندر آگ لگا دی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ سعید احمد ایسا کیوں کر رہے ہیں۔

محض ان کی ضد میں۔

"تو پھر میں کیا کروں۔ جا کر مشورے کریں اپنے بھائی سے، یہاں کیا لینے آئی ہیں؟" غصے سے وہ بولی تھیں۔ نفیسہ آپا نے دُکھ سے انہیں دیکھا۔

"بیٹیوں کا معاملہ ایسے تن تنہا طے نہیں ہو جاتا۔ تم ماں ہو ماؤں والا حق جتاؤ۔" انہوں نے تحمل سے کہا تھا۔

"وہ شخص ہے نا سارے حق جتانے والا...... اور آپ مجھ سے یہ ہمدردیاں مت کیا کریں۔ نفرت ہو گئی ہے مجھے آپ لوگوں سے۔ برباد کر کے رکھ دیا ہے مجھے اور جب دل نہیں بھرا تو میری بیٹی کی باری آ گئی ہے۔" وہ ان کے عمل پر غصے سے بولیں تو نفیسہ آپا خاموش ہو گئی تھیں۔

"جائیں یہاں سے۔ میں اگر خاموش ہوں تو میری خاموشی کو میری مجبوری مت سمجھیں۔ وہ شخص مجھے طلاق کی دھمکی دیتا ہے۔ ورنہ ایسا سلوک کرتی کہ ساری عمر یاد رکھتیں۔" انہوں نے دل کا غبار نکالا تھا۔

"ساری عمر خود تو عیش سے گزار لی آپ نے بھی اور آپ کی چہیتی (شائستہ بیگم) نے بھی، ساری عمر مجھے دوزخ کی بھٹی میں جھلسایا ہے۔ غلطیاں انسان سے ہوتی ہیں مگر مجھے تو ان گناہوں کی بھی سزا ملی ہے جو میں نے کیے نہیں تو پھر میں کیوں آپ لوگوں کا لحاظ کروں۔ نکلیں یہاں سے۔ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔" غصے اور جذبات کی زیادتی سے انہوں نے بستر سے اتر کر نفیسہ آپا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھڑا کر دیا تھا۔

"طاہرہ...... اس سے پہلے کہ وہ انہیں کمرے سے باہر نکالتیں سعید احمد کی غضب بھری آواز پر رک گئی تھیں۔ وہ دروازے پر ہی ایستادہ تھے۔

"آپا کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ تم اس گھر میں ہو تو اس رعائیت کو ہی کافی سمجھو۔" وہ غصے سے کہتے اندر بڑھ آئے تھے۔

"سعید جانے دو...... اس نے تو مجھے کچھ نہیں کہا......" نفیسہ آپا نے سعید احمد کے غصے سے خائف ہو کر درمیان میں ٹوکنا چاہا تھا۔

"سب سُن چکا ہوں میں۔" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے طاہرہ بیگم کو دیکھا تھا۔

"شروع ہو گئی ہیں ڈرامے بازیاں...... آرام و سکون سے میرا بیٹھنا تو گوارا نہیں ہوتا اس خاندان کو آ گئے ہیں آگ لگانے۔"

"طاہرہ! میں کہہ رہا ہوں لگام دو اپنی زبان کو ورنہ......" وہ غصے سے طاہرہ کی طرف بڑھے تھے۔

"سعید احمد آپ......؟ ہر بار ایک ہی دھمکی۔ آج وہ بھی کر گزریں۔ میں بھی دیکھوں گی کہ کون سی قیامت آ جاتی ہے۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ آپ مجھے اس گھر سے کیا نکالیں گے میں خود بھی اب اس گھر میں نہیں رہنا چاہوں گی۔ کرتے رہو بیٹی کی شادی حاسدوں میں۔"

سعید احمد کے غصے نے تو بھس میں چنگاری والا کام کیا تھا۔

"بڑا شوق ہے تمہیں جانے کا جا کر بھی دیکھ لو۔ میری دھمکی صرف دھمکی نہیں یہ وہ طوق ہے جو ایک

عمر سے میں گلے میں لٹکائے شرم و دولت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ تم نے جو اوقات دکھائی تھی سمعان کی بار دکھالی۔ فرح میری بیٹی ہے اس کے لیے میں سب برداشت نہیں کروں گا۔ تم اگر گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی تو میرے لیے یہ عین مسرت کا مقام ہوگا کہ کم از کم تم جیسی بدنیت‘ دوغلی اور حاسد عورت سے جان چھوٹی میری۔“

یہ آخری کیل تھی جو طاہرہ بیگم کے ارادوں میں استحکام پیدا کر گئی تھی۔ نفیسہ آپا ڈر سی گئی تھیں۔

”ہاں چلی جاتی ہوں۔ میرے لیے بھی عین مسرت کا مقام ہے کہ ایک کانوں کے کچے اور شکی مزاج انسان سے جان چھوٹی۔ ساری عمر برباد کر دی میں نے اب مزید نہیں۔“ وہ روبرو بولی تھیں۔

”خوشی سے‘ مگر یاد رکھنا میرے گھر سے دولت‘ جائیداد کی صورت میں اب کچھ نہیں ملنے والا۔ تم نے اور تمہاری اس لالچی بہن نے جتنا لوٹنا تھا لوٹ لیا۔ میں بھی دیکھتا ہوں خالی ہاتھ تمہیں کون قبول کرتا ہے۔“ تمسخر سے وہ ہنسے تھے۔ طاہرہ بیگم کے اندر اک آگ سی لگ گئی تھی۔

”ہاں بڑا مان و غرور ہے۔ اپنی دولت و جائیداد پر میں تھوکتی بھی نہیں ہوں ایسی دولت پر‘ نہ ہی میری بہن کو ایسا کوئی لالچ ہے۔ خالی ہاتھ ہی جاؤں گی۔“

”طاہرہ! چھوڑو جانے دو اب اس عمر میں کہاں جاؤ گی اس طرح نہیں کرتے بچے کیا سوچیں گے۔“ نفیسہ آپا نے مداخلت کرنا چاہی تھی۔

”رہنے دیں آپا! آج یہ اپنا یہ شوق بھی پورا کر لے۔ خالی ہاتھ جب اپنی بہن کے پاس جائے گی تو پتا چل جائے گا وہ کتنے دن اسے اپنے گھر میں رکھے گی اب تو اسے فرح یا سمعان کی صورت کوئی اور نبیل بھی نہیں دولت سمیٹنے کی۔“

طاہرہ بیگم نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

”چلیں آپا! یہ روز کا معمول ہے کوئی نئی بات نہیں۔ گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی اب روٹین کا حصہ ہے۔ پریشان وہ ہو جو ان ڈراموں سے بے خبر ہو۔ آپ تو سب باتوں سے باخبر ہیں۔ چلیں باہر بھائی صاحب بلا رہے ہیں۔“ وہ آپا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔

طاہرہ بیگم نے آگے بڑھ کر انتہائی غصے سے دروازہ بند کیا تھا۔ انہوں نے سوچ لیا تھا اب کچھ بھی ہو وہ اب ضرور جائیں گی۔

کچھ دیر بعد انہوں نے بیگ میں ضرورت کی چند اشیاء اور کپڑے رکھے تھے۔ آپا لوگ چلے گئے تھے اور ان کے بعد سعید احمد بھی گھر سے نکل گئے تھے۔ علی گھر میں نہیں تھا اور فرح اپنے کمرے میں جب سے یہ رشتے والی بات چلی تھی وہ ماں کے سامنے نہیں آئی تھی‘ اگر غلطی سے سامنا ہو بھی جاتا تھا تو طاہرہ بیگم کی زبان کی کاٹ اسے فوراً منظر سے غائب ہو جانے پر مجبور کر دیتی تھی۔

رزلٹ آنے کے بعد اس نے کالج میں بی ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا تھا جب کہ سعید احمد کا ارادہ فوراً شادی کر دینے کا تھا۔ سعد کا کہنا تھا کہ وہ فی الحال اپنی تعلیم جاری رکھے بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ اسی لیے کالج سے آنے کے بعد پھپھو لوگوں سے مل کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

طاہرہ بیگم اپنا بیگ گھسیٹتے کمرے سے نکلیں تو وہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی انہیں دیکھ کر حیران ہوئی۔ اونچی آوازوں سے وہ صورت حال کا اندازہ تو لگا ہی چکی تھی مگر اندازہ نہ تھا کہ وہ حقیقت میں گھر چھوڑ دیں گی۔

”آپ کہاں جا رہی ہیں امی؟“ وہ راہ داری سے گزرتے اسے مکمل نظر انداز کرتی باہر کی طرف بڑھیں تو وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

”جہنم میں۔“ ان کا وہی غصیلا انداز تھا۔

”آپ گھر چھوڑ کر جا رہی ہیں؟“ فرح کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ انہوں نے ڈرائیور کو سامان گاڑی میں رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

”اپنے باپ کو سے کہنا صرف اس بیگ کے سوا کچھ نہیں اس کے گھر سے لے کر جا رہی ہوں۔ لاکرز الماری سب چیک کر لے۔ ہر چیز چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ ساری عمر اس بے حس‘ بے ضمیر شخص کے لیے میں نے رول دی۔ اب اس عمر میں الزام لگا رہا ہے مجھ پر بڑا گھمنڈ ہے دولت کا۔ چند جوڑے ہیں اس بیگ میں بے شک چیک کر لو باپ کو رپورٹ بھی تو دینا ہوگی۔ ہو نا اپنے باپ کی ہی اولاد۔“ غصے سے وہ بھول گئی تھیں کہ وہ کیا کیا کہہ رہی ہیں اور کس کے سامنے۔

فرح گم صم سی رہ گئی تھی۔

ڈرائیور کی موجودگی میں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی اور طاہرہ بیگم گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔ ڈرائیور نے گاڑی گیٹ سے باہر نکالی تو وہ چونکی تھی۔

* * *

نویرہ کی باتوں نے نبیل پر اور ہی انداز میں اثر کیا تھا۔ اس نے صاف صاف نویرہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ شارق زمان سے خلع لینا چاہتی ہے تو پھر بچہ واپس کرنا ہوگا اور نویرہ کا کسی بھی سلسلے میں قطعی ساتھ نہیں دے گا اس کے گھر میں صرف اس کی تو گنجائش تو نکل سکتی ہے‘ مگر بچے کی نہیں ہوگی۔

نبیل بھائی کے اس قسم کے رویے اور ضد کے بعد وہ گم صم سی ہوئی تھی۔ بچے کو وہ کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی تھی اور نبیل اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ایک فیصلہ کیا تھا ایک انتہائی حد سے گزر جانے کا۔

آنے والی زندگی میں اس کے لیے بہت سی آزمائشیں تھیں اس نے اپنے لیے آزمائش کا انتخاب خود کر لیا تھا۔ وہ دونوں (نبیل اور شارق) کو مزا چکھانا چاہتی تھی۔

وہ اگلے دن بینک چلی آئی تھی۔ اکاؤنٹ میں موجود رقم کا اندازہ لگایا تھا۔ چند ماہ تک یہ رقم اس کے کام آ سکتی تھی اور پھر زندگی کی گاڑی خود گھسیٹنا ہوگی۔

اس نے کچھ رقم نکلوائی تھی۔ واپسی پر اس نے ایک موبائل اور سم خریدی تھی۔ (شارق زمان کا دیا ہوا موبائل تو وہ کب کا اسی کے گھر میں چھوڑ چکی تھی)۔ معقب کے لیے کچھ کپڑے خریدنے تھے وہ مارکیٹ چلی آئی تھی۔ اپنے اور معقب کے لیے کپڑے اور دیگر ضرورت کی اشیا خریدنے کے بعد وہ

مارکیٹ کی سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ تیزی سے اوپر آتے وجود سے ٹکر ہو گئی تھی۔

"ایم سوری، ریئلی سوری۔" اس لڑکی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اسے گرنے سے بچا لیا تھا۔ اس وجود کے ساتھ ادھیڑ عمری خاتون نے نویرہ کے ہاتھ سے گر جانے والے شاپرز اٹھا کر اسے پکڑائے تھے۔

"ارے زرش ہو نا؟" سنبھلنے کے بعد نویرہ اس لڑکی کو دیکھ کر فوراً پہچانی تھی۔ نویرہ کا منہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ زرش نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"جی، مگر آپ کون؟"

"میں نویرہ ہوں؟"

"ارے آپ؟ کیسی ہیں آپ، میں نے کئی بار سوچا تھا کہ آپ سے مل آؤں مگر فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔"

زرش پہچان کر فوراً ایکسائٹمنٹ کا شکار ہوئی تھی۔

"آیئے کسی جگہ چل کر بیٹھتے ہیں۔" وہ سیڑھیوں میں کھڑی تھیں۔ زرش کے کہنے پر وہ دونوں مارکیٹ کے سامنے بنے چھوٹے سے کیفے میں چلی آئی تھیں۔

"بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔" وہ دونوں لیڈیز والے حصے میں آ بیٹھی تھیں۔ نویرہ نے چادر چہرے سے ہٹا دی تھی۔

"لاہور اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہو؟"

"نہیں، میں نے یہاں ایڈمیشن لیا ہوا ہے۔ اب ادھر ہی ہوں۔ سمعان تو اسلام آباد یا کراچی میں ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ہفتے میں ایک بار چکر لگا لیتے ہیں۔"

"اکیلی ہوتی ہو؟" نویرہ کو تعجب ہوا تھا۔

"نہیں، چوکیدار کی پوری فیملی میرے ساتھ ہوتی ہے میں آج کل کسی لڑکی یا آیا کی تلاش میں ہوں۔ جو یہاں کی ہی رہائشی ہو۔ سلجھی اور سمجھدار ہو۔ پڑھی لکھی ہو جو ہر وقت میرے ساتھ رہے۔ باہر آتے جاتے مجھے مشکل ہوتی ہے ڈرائیور کی موجودگی کے باوجود مجھے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ سمعان بھی کہہ رہے تھے کہ میں "آیا" دیکھ لوں وہ آجائیں گے تو فائنل کر لیں گے۔ آپ کے نالج میں اگر کوئی ایسی خاتون ہیں تو مجھے ضرور بتایئے گا۔"

"ضرور۔" نویرہ نے اخلاقاً ہامی بھر لی تھی۔ ان دونوں نے اس کیفے سے چائے پی تھی۔ زرش نے کچھ چیزیں لینی تھی۔ اس نے وہ لیں تو پھر واپسی پر وہ نویرہ کو خود چھوڑنے آئی تھی۔ سسرال کے بجائے میکے کا ایڈریس بتانے پر زرش حیران ہوئی تھی۔

"آپ نے رہائش چینج کر لی ہے کیا؟"

"نہیں امی کے ہاں ہوں۔"

نویرہ نے گھر پہنچ کر انہیں اندر آنے کا کہا تھا، مگر زرش پھر کبھی پر ٹال گئی تھی۔

"آپ کسی دن میرے گھر کا چکر لگایئے گا۔ آپ کو اگر سمجھ نہ آئے تو صرف فون کر دیجیے گا۔ میں فوراً آ کر لے جاؤں گی۔"

"کیوں نہیں ضرور۔" نویرہ ان کو رخصت کر کے اندر چلی آئی تھی۔ بھابی کچن میں تھیں اور اماں کمرے میں وہ معصب کو سلا کر گئی تھی۔ کمرے میں پہنچی تو ماں معصب کو بہلا رہی تھی۔

"آج شارق آیا تھا۔" کچھ دیر بعد وہ کھانا کھانے کچن میں آئی تو بھابی نے بتایا تھا۔

"کیوں؟" اس نے تلخی سے پوچھا۔

"معصب کو لینے۔" وہ چونک کر بھابی کو دیکھنے لگی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"اماں نے کہہ دیا کہ تم گھر پر نہیں ہو بازار گئی ہو معصب بھی ساتھ ہے۔ وہ غصے سے بولتا رہا تھا نبیل نے شاید فون کیا تھا اسے کہ اگر وہ آرام و سکون سے مسئلہ حل نہیں کرنا چاہتا تو وہ آکر تمہیں اور بچے کو لے جائے۔ اس گھر میں تمہارے لیے تو جگہ ہو سکتی ہے مگر بچے کے لیے نہیں۔ شارق بہت غصے میں تھا۔ دھمکیاں دے رہا تھا اماں سے ہی الجھتا رہا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ معصب سویا ہوا تھا ورنہ وہ اسے ضرور لے جاتا۔ کچھ دیر تمہارا انتظار کیا اور جب اسے یقین ہو گیا۔ کہ تم واقعی گھر پر نہیں ہو اور ہم سچ کہہ رہے ہیں تو پھر وہ چلا گیا تھا۔ مگر ساتھ میں یہ دھمکی بھی دے گیا تھا کہ وہ شام کو آئے گا معصب کو لینے۔"

یہ سب سن کر نویرہ کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہ چپ چاپ بغیر کچھ کھائے پیے وہاں سے نکل آئی تھی۔

شام ہونے میں دو تین گھنٹے تھے۔ شارق کو وہ جانتی نہ ہوتی تو اس کی دھمکی کو محض دھمکی ہی سمجھتی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ وہ شام کو ضرور آئے گا اور معصب کو لے کر ہی ٹلے گا۔ اسے کیا کرنا تھا سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ دعا مانگ رہی تھی کہ ایک خیال کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا تھا۔ فوراً اٹھ کر اس نے پرس کھنگالا تھا۔ وزیٹنگ کارڈ اس کے اندر ہی تھا ہینڈ رائٹنگ کے ساتھ لکھا ہوا نمبر اس نے فوراً ڈائل کیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہی نرم و ملائم شائستہ سی آواز سنائی دی تھی۔

"وعلیکم السلام، زرش ہو نا؟"

"جی بول رہی ہوں آپ کون؟" دوسری طرف تعجب سے پوچھا گیا تھا۔

"میں نویرہ ہوں کیا تم آدھے گھنٹے میں ادھر آسکتی ہو۔ جہاں مجھے ڈراپ کیا ہے ڈرائیور کے ساتھ۔"

"جی، مگر خیریت؟" وہ اس کی عجلت پر حیران ہوئی تھی۔

"تمہارے لیے ایک "آیا" کا بندوبست ہو گیا ہے بس اسی کو لے کر آرہی ہوں۔ تم جب ہمارے گھر کے قریب پہنچو گی تو بس مس کال دے دینا اسی نمبر پر۔ میں آجاؤں گی۔ بس آدھے گھنٹے میں۔"

"جی میں آجاتی ہوں ڈرائیور کو لے کر۔"

"تھینکس میں انتظار کر رہی ہوں۔" فون بند کر کے اس نے کمرے میں دیکھا۔ وقت کم تھا اس لیے فوراً پیکنگ شروع کر دی تھی۔ جو سامان خرید کر لائی تھی وہ اسی طرح شاپنگ بیگز میں موجود تھا۔ ضرورت کی ہر چیز سمیٹ کر اس نے ایک پُرسکون سانس لیا تھا۔

اب صرف ایک آخری مرحلہ رہتا تھا۔

کاغذ قلم سمیٹ کر وہ بستر پہ آ بیٹھی تھی۔ پانچ منٹ بعد زرش کو آ جانا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے اس آخری تحریر کو لکھ لینا چاہتی تھی۔

"السلام علیکم نبیل بھائی!

جب آپ کو یہ خط ملے گا اسی وقت میں آپ لوگوں کی دنیا سے بہت دور ہوں گی۔ (گھبرایئے نہیں خودکشی کا میرا قطعی ارادہ نہیں)۔ شارق زمان مجھے جس طرح آزما چکا ہے اب اس مقام پہ آ کر اس سے نباہ کرنا یہ میرے لیے ناممکن اور صرف مشکل ہی نہیں یہ میری انا اور وقار کی بھی توہین ہے۔ مجھے گمان تھا کہ سب حالات جان کر آپ ضرور میرے احساسات سمجھیں گے۔ مگر آپ تو اس بہانے پرانے حساب بے باق کرنے کے چکر میں الجھ گئے ہیں۔ مصعب کو چھوڑنا میرے بس کا کام نہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر آپ اپنی ضد پہ قائم رہے اور شارق زمان اپنی پر تو میں خاموشی سے یہ گھر بھی چھوڑ دوں گی کسی ہاسٹل یا ایک کمرے کے گھر میں گزارہ کر لوں گی۔ (ہے نا احمقانہ سوچ مگر میں یہ بھی کر گزرتی کہ اب میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں رہا)۔ مگر وہ کہتے ہیں نا اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ اس نے مجھے عزت کی زندگی گزارنے کا ایک رستہ دکھایا ہے۔ آپ اور شارق اب اپنی اپنی ضدیں نبھائیں اور اپنی اپنی خودغرضی کے حصار میں زندگی گزاریں۔ میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں، کہاں؟ (بے فکر رہیے گا جہاں بھی ہوں گی میں اور میرا بچہ آپ دونوں کی پہنچ سے دور ہوں گے۔ اور محفوظ بھی)۔

میں شارق زمان کو مزا چکھانا چاہتی ہوں اسے یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ بے بسی کی آخری انتہا کیا ہوتی ہے آپ بھی اس کے ساتھ مل کر محسوس کیجیے گا بے فکر رہیے میں کسی رضا کے ساتھ نہیں بھاگ رہی جہاں بھی جاؤں گی بہت عزت اور امان میں ہوں گی اور شارق زمان ساری عمر اپنے بیٹے کو یاد رکھے گا (اور اس کے بہانے شاید مجھے بھی)۔

آپ کے گھر میں جب میرے بچے کے لیے گنجائش نہیں تو پھر میں یہاں رہ کر کیا کروں گی۔ اللہ حافظ۔

فقط نوریہ

خط لکھ کر اس نے پرس میں ڈالا تھا۔

وہ نیچے آئی تو دیکھا اماں روٹین کے مطابق اس وقت اپنے کمرے میں نماز کے بعد وظائف میں مشغول تھیں اور بھابھی گڑیا کو لیے اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔ واپس کمرے میں آ کر اس نے سارا سامان صحن میں لا رکھا تھا۔ مصعب کو اٹھا کر وہ لان کی سیڑھیوں پہ آ بیٹھی تھی۔

یہ قدم اٹھاتے ہوئے اسے دکھ تو ہو رہا تھا مگر کوئی ندامت نہ تھی۔ کچھ دیر بعد زرش کی کال آنا شروع ہوئی تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔ بیگ سے خط نکال کر بھاگ کر لاؤنج میں آ کر اس نے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ اماں یا بھابھی کے آنے کا خدشہ تھا اس نے فوراً گیٹ کھول کر باہر آ کر ڈرائیور کو سارا سامان لا کر گاڑی میں رکھنے کو کہا تھا۔ ڈرائیور نے اس کی ہدایت پر بغیر آواز پیدا کیے سارا سامان لا کر گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ زرش خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

آہستگی سے دروازہ بند کر کے وہ زرش کے ساتھ ہی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

"جلدی سے گاڑی نکالو یہاں سے۔" اس نے ڈرائیور سے کہا تھا۔ ڈرائیور نے فوراً اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ نوریہ کے ہر انداز میں کچھ نہ کچھ ایسی بات تھی کہ زرش نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

"وہ آیا کہاں ہے؟" کچھ دور آ کر زرش نے پوچھ ہی لیا تھا۔

"تمہیں سب بتاتی ہوں۔" نوریہ نے اسے ریلیکس کیا تھا۔

باقی رستہ وہ خاموش رہی تھی۔

اپنے گھر میں لا کر نوریہ کو پانی پلا کر زرش نے بغور اسے دیکھا۔ اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔ مصعب دوبارہ سو چکا تھا۔ شام کا وقت قریب تھا۔ نوریہ کا ذہن بھٹک بھٹک کر بار بار اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ یقیناً اس کا خط بھابی اور اماں نے پڑھ لیا ہوگا اور شاید بھابی نے نبیل بھائی کو بھی کال کر کے بتایا ہوگا اور شام کے بعد جب شارق وہاں جائے تو کیا صورتِ حال ہوگی؟

"آپ پریشان ہیں؟" زرش کے سوال پر نوریہ کو اپنا ضبط کم پڑتا محسوس ہوا تھا۔

"تمہیں آپا کی ضرورت تھی کیا تم مجھے اپنی آپا کے طور پر اپنے گھر میں قبول کر لو گی؟" کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

"جی.....؟" نوریہ نے بات ہی ایسی کی تھی کہ وہ ششدر سی رہ گئی تھی اور پھر نوریہ اسے سب بتاتی چلی گئی تھی اپنی کتابِ زیست کا ورق ورق اس کے سامنے کھولتی چلی گئی تھی۔

وہ سمجھتی تھی کہ تائی اماں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے ایسا دکھ کبھی کسی کو نہ ملا ہوگا مگر نوریہ کی زبانی اس کی زیست کا احوال سن کر وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

"میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنے بچے کی جدائی نہیں۔ شارق نے صرف میرے کردار کو مسخ نہیں کیا اس نے میری نسوانیت اور انا کی بھی توہین کی تھی۔ میں کیسے معاف کر دوں اسے مجھے پتا ہے وہ مجھے اپنے گھر میں بسانا چاہتا ہے مگر اس نے اپنی شرمندگی یا پچھتاوے کا اظہار تک نہیں کیا۔ وہ مرد ہے نا ہر طرح سے اپنی مردانگی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ چاہے میری نسوانیت کا بھرم ختم ہو جائے۔ میں سب برداشت کر لیتی مگر اپنی اس قدر توہین برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ رضا اور شارق دونوں نے مل کر میری ذات کے بخیے اُدھیڑ دیے ہیں۔ تم بتاؤ میرا قصور کیا تھا جو نبیل بھائی میرے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہ رہے تھے۔"

اور زرش کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو خاموشی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

نوریہ نے سوچا تھا کہ آنسو انسان کو کمزور بنا دیتے ہیں وہ کبھی نہیں روئے گی مگر اس لمحے اپنوں کو چھوڑ

دینے اور عمر بھر کی اذیت سہنے کا کرب ایسا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

زرش نے اسے رونے دیا تھا۔ شاید رو کر ہی اس کا جی ہلکا ہو جائے۔

* * *

قیصرہ آپا کے ہاں آ کر بھی طاہرہ بیگم کے اندر اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ ان کو اپنی آمد کا سبب بتا سکیں۔ بس اتنا ہی کہا کہ فرح کے رشتے کی وجہ سے کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے خوش ہو کر کہا تھا اچھا کیا ہے سعید احمد اور دوسروں کو مسلسل اپنی ناراضگی اور راضی نہ ہونے کا احساس دلاتی رہو۔ پیچھے سے پلٹ کر کسی نے بھی رابطہ نہ کیا تھا اور وہ منتظر ہی رہی تھیں کہ سمعان نہ سہی عثمان ہی شاید فون کر کے وجہ پوچھ لے (خیر تو اسے مل ہی گئی ہوگی) مگر دو روز گزر جانے کے بعد بھی وہی مایوسی تھی۔

پہلے دن قیصرہ آپا نے خوشی کا اظہار کیا تھا، مگر دوسرے دن انہیں مسلسل خاموش دیکھ کر انہیں تشویش سی ہوئی تھی۔ انہوں نے کئی بار پوچھنا چاہا مگر نجانے کسی مصلحت کے تحت خاموش ہو جاتی تھیں۔ ان کی تینوں بیٹیاں بہت زیادہ تو نہیں مگر ان کو پوچھ ہی لیتی تھیں۔ خاص طور پر امجد آتے جاتے خالہ کی طبیعت پوچھ لیتا تھا۔ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا کہہ کر تسلی دے لیتا تھا۔ امجد ان سب سے ہٹ کر مختلف طبیعت کا مالک تھا بطورِ خاص انہیں پسند بھی بہت تھا۔ کتنی خواہش تھی فرح اور امجد کو ساتھ ساتھ دیکھنے کی مگر۔

تیسرے دن بھی پیچھے سے کسی نے رابطہ نہ کیا تو قیصرہ آپا کی تشویش میں اضافہ ہوا۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کہ طاہرہ ناراض ہو کر یہاں آئی بھی تھیں تو سعید احمد نہ سہی ان کی اولاد فون کر کے یا خود آ کر منا کر لے جاتی تھی۔ اس بار کسی نے بھی کوشش نہ کی تھی۔ انہوں نے طاہرہ سے پوچھنے کے بجائے بڑے بھائی کے ہاں رابطہ کیا تھا۔ اندازہ تھا کہ نفیسہ آپا نے ان سے ذکر تو کیا ہوگا آخر کو تیسرا دن تھا طاہرہ کو گھر سے نکلے ہوئے۔

اور بھائی صاحب نے چھوٹتے ہی قیصرہ آپا کو بے بھاؤ کی سنائی تھیں طاہرہ کی ساری زندگی کی بربادی کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتے غم و غصے سے فون بند کر دیا تھا۔ انہیں اندازہ ہو کہ اس دفعہ صورتِ حال خاصی سنگین ہے ساتھ میں غصہ بھی آیا کہ تیسرا دن ہے طاہرہ کو آئے مگر منہ سے بھاپ تک نہیں نکلنے دی۔

"بھائی صاحب نے فون کیا ہے۔ پتا چلا ہے سعید احمد کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آئی ہو۔" وہ لاؤنج میں بیٹھی نجانے کن خیالوں میں غرق تھیں کہ آتے ہی اس سوال پر چونک کر قیصرہ آپا کو دیکھا تھا۔

"چلیں اچھی بات ہے آپا کو خود ہی خبر ہو گئی۔" انہوں نے دل میں کہا اور پھر خاموشی سے سر جھکا لیا۔ قیصرہ آپا کا غصہ ایک دم بڑھا تھا۔

"خاموش بیٹھنے سے کوئی حل نہیں نکلنے والا۔ مجھے ساری بات بتاؤ۔ ادھر نفیسہ آپا سارے بھائیوں اور بہن کو ہمارے خلاف کرنے میں جت گئی ہوں گی، ساری عمر گزار دی مگر عقل نہیں آئی تمہیں۔ تیسرا دن ہے آئے ہوئے اور زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکالا۔"

"تو کیا بتاتی؟ وہاں اب ہے کیا ساری عمر پھونک دی اس پتھر کو موم کرنے میں مگر اس پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ ساری عمر نا کردہ گناہوں کی سزا جھیلی ہے میں نے۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

"نا کردہ تو نہ کہو۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ طاہرہ بیگم ایک دم چپ ہو گئی تھیں۔

"آپا۔" انہوں نے فوراً بہن کو ٹوکا۔ "آپ جانتی ہیں سعید احمد کے ساتھ میں کس قدر مخلص تھی۔ وہ سب کم عمری کی حماقت تھی دل سے میں نے ان کی نہ صرف عزت کی تھی بلکہ محبت کی تھی ان سے۔"

"ہاں تو جواب میں اس ناقدرے شخص نے کیا دیا تمہیں۔ میں تو اب بھی کہتی ہوں شائستہ کا جادو تھا اس پر اس کی کہی سنی ہے ساری عمر تمہاری تو کسی بات پر بھی اس نے اعتبار نہ کیا۔" انہوں نے زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا۔

"آپا! میں تنگ آ چکی ہوں اس اذیت سے۔ اب برداشت نہیں ہوتا۔ کتنی خواہش تھی فرح اور امجد کے لیے میری۔" یہ بات سیدھی قیصرہ آپا کے دل پر جا لگی تھی۔

"اب کیا بات ہوئی تھی۔" انہوں نے پوچھا تو طاہرہ بیگم نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

"اس روز روز کی چخ چخ سے بے زار ہو چکی ہوں میں۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آپا۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھے کبھی بھی روپے پیسے کا لالچ نہیں رہا۔ ہر بار وہ شخص یہی الزام دیتا ہے کہ پیسہ آپ پر لٹا رہی ہوں آپا اب تو وہ صاف الفاظ میں جتانے لگ گیا ہے کہ مجھے دولت کا لالچ ہے جو ادھر رہ رہی ہوں۔ میری برداشت بس یہیں تک تھی۔ میں سب چھوڑ کر آ گئی ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے اس شخص سے اب کچھ۔ ساری عمر جو ذلت و رسوائی سمیٹ لی ہے وہی کافی ہے۔"

"ہائیں یہ کیا کر دیا تم نے اور جو بینک بیلنس، جائیداد تمہارے نام تھی حق مہر کی صورت میں وہ سب کیا کیا اس کا؟" یہ انکشاف سن کر وہ ایک دم بوکھلا کر پوچھنے لگی تھیں۔

"سب چھوڑ آئی ہوں ایک پائی بھی نہیں لوں گی اس شخص کے پیسے سے میں اب۔ بڑے الزام سہہ لیے اب مزید نہیں۔" طاہرہ بیگم کا وہی انداز تھا برسوں پرانا۔

قیصرہ آپا کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لیں ساری عمر کی محنت اکارت گئی تھی اس پل۔

"طاہرہ، تم سا بھی کم عقل اور بے وقوف میں نے عمر بھر نہیں دیکھا۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہا کر بیٹھیں۔ "وہ لاکھوں نہیں کروڑوں بنتے ہیں۔ تم سب کچھ یونہی چھوڑ آئی۔ عجیب بے وقوف لبنت ہو تم۔ ایک شخص تم سے ساری عمر سنبھالا نہ گیا۔"

طاہرہ نے بدحواس ہو کر ناراض ہوتی بہن کو دیکھا۔ بھلا وہ کیوں ناراض ہو رہی تھیں۔

"آپا! جب ساری عمر گزار دی تو وہ شخص میرا نہیں بنا۔ اس کے دل و دماغ میں اول روز سے شک کی بنیاد پڑ گئی تھی وہ آج تک کھل نہ سکی۔ میری محبت، خلوص کو اس نے صرف شک کی نگاہ سے ہی دیکھا تو ایسے شخص کی دولت و جائیداد سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں ہے چاہے وہ میرا جائز حق ہی کیوں نہ ہو۔ بس اب مزید نہیں۔ محبت، دولت و جائیداد سے بڑھ کر ہوتی ہے اعتبار و احساس سب سے بڑھ کر ہے

ناولم

جب یہ سب نہیں ملا تو اب چاہے کوئی میرے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دے میں ان کا بھلا کیا کروں گی۔"

قیصرہ کا جی چاہا ان جذباتی باتوں پر طاہرہ کو ایک دو تھپڑ تو ضرور جڑ دیں۔ انہوں نے بڑی تحمل سے اپنا غصہ اندر دبایا تھا۔

"تو اب آگے کے کیا ارادے ہیں؟"

"میں ثبوت کے طور پر سعید احمد کی ٹیبل پر لکھ کر آئی ہوں کہ مجھے اس کی دولت و جائیداد سے کچھ نہیں چاہیے۔ حتیٰ کہ حق مہر کی صورت میں اپنے نام لکھی جائیداد بھی۔ دولت و جائیداد کا نام نہیں لیجیے گا۔ رہ گیا آئندہ زندگی کا سوال بہت تماشا بنالیا میں نے خود کو۔ دنیا کی ہی نہیں اپنی اولاد کی بھی نظروں سے بھی گر چکی ہوں وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑا ہے اب واپسی کا سوال ہی نہیں۔ چاہے اب وہ شخص کوئی بھی فیصلہ کرے۔"

طاہرہ کا انداز ایسا تھا کہ قیصرہ بیگم نے حیران ہو کر دیکھا تھا۔

مضبوط

اٹل

اور شاید اپنی لغزشوں پر پشیمان بھی تھیں۔

"عثمان دور ہے سمعان خفا ہے۔ علی نے کبھی تمیز سے بات نہیں کی اور فرح اس کے دل میں جو تھوڑا بہت احساس ہے وہ اب ختم ہو گیا ہوگا تو اس گھر میں ساری عمر بچوں کے لیے ہی تو سمجھوتہ کرتے زندگی گزار رہی تھی اب کس کے لیے وہاں رکتی؟"

…………*

نبیلہ بھابی مغرب سے کچھ پہلے اٹھ کر کمرے سے نکلی تھیں۔ نویرہ اپنے کمرے میں تھی اور اماں اپنے کمرے میں۔ انہوں نے اماں کے کمرے میں جھانکا وہ عصر سے مغرب تک وظیفہ کرتی تھیں آج کل وہ نویرہ کے لیے خصوصی وظیفے کر رہی تھی اس لیے ان کا اب زیادہ تر وقت جائے نماز پر ہی گزر رہا تھا۔ نبیل کے آفس سے آنے کا وقت ہو رہا تھا اور اگر شارق بھی آ گیا تو انہیں خوف سا محسوس ہونے لگا۔ دونوں ہی غصے کے تیز اور جذباتی تھے۔ نویرہ کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند تھی۔ وہ اس کمرے میں آ گئیں تو وہ کہیں بھی نہ تھی۔

"نویرہ......!" انہوں نے ایک دو آوازیں دیں مگر جواب ندارد تھا۔

"کہاں گئی ہے یہ؟" انہوں نے سارا گھر دیکھ لیا تھا۔ اب انہیں تشویش ہونے لگی تھی۔

"اماں نویرہ کا پتا ہے؟ دونوں ہاں بیٹا کمرے میں نہیں ہیں۔" وہ اماں کے پاس چلی آئی تھیں اماں نے تسبیح روک کر اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔

"باہر صحن میں ہوگی۔"

"میں سب جگہ دیکھ آئی ہوں۔ گیٹ کا دروازہ لاک کر کے میں لیٹی تھی مگر وہ کھلا ہوا ہے اور نویرہ کہیں بھی نہیں۔"

دوئم

اب کے اماں بھی پریشان ہو گئی تھیں۔

"کہاں جا سکتی ہے یہ اس وقت؟" نبیلہ نے چور نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اماں مجھ سے ایک غلطی ہو گئی آپ نے منع کیا تھا کہ اسے شارق کی آمد اور دھمکیوں کا نہ بتاؤں مگر میں بھول گئی تھی، اسے بتا دیا تھا اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا کمرے میں چلی گئی تھی میں سمجھی کہ سو گئی ہوگی مگر......!"

"ہائے...... اللہ......!" اماں لرزی گئی تھیں۔ "یہ کیا کر دیا تو نے" وہ جس طرح منہ پر اتری ہوئی تھی مجھے اس سے خوف ہی آ رہا تھا۔ رہی سہی کسر نبیل پوری کر رہا تھا۔ نجانے کہاں گئی ہوگی۔ شارق تو چھوڑے گا نہیں ہمیں۔" ان کا دل ہول رہا تھا۔

مغرب کی اذانیں شروع ہو گئی تھیں۔ پریشانی سے اماں کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تو وہ انہیں لیے لاؤنج میں آ گئی تھی۔ اماں کو صوفے پر لٹا کر سیدھی ہوئیں تو نگاہ ٹیبل پر پڑی تھی۔ پہلے تو نظر انداز کیا مگر ایک تجسس تھا کہ انہوں نے کاغذ اٹھا لیا تھا۔ کاغذ پر لکھی تحریر نے ان کے قدموں سے زمین کھینچ لی تھی۔

"یا اللہ!" کاغذ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہے؟" اماں نے نبیلہ بھابی کے سپید پڑتے چہرے کو پریشان دیکھا تھا۔

"اماں! نویرہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ نجانے کہاں۔" وہ رو رہی تھیں اماں تو ایک دو پل ششدر سی بیٹھی رہی تھیں اور پھر انہیں لگا تھا کہ ان کے ذہن و دل پر اک غبار سا چھا گیا ہے۔

"اماں......!" اماں کو حواس چھوڑتے دیکھ کر نبیلہ کے اپنے حواس ساتھ چھوڑنے کو تھے۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اوپر سے اماں کی بے ہوشی۔

"نبیل...... نبیل...... جلدی گھر آ جائیں۔ اماں کی طبیعت۔" انہوں نے فوراً نبیل کو فون کیا تھا اور ادھوری بات کر کے کال بند کر دی تھی۔

نبیل راستے میں ہی تھا۔ فوراً راستے میں ڈاکٹر کو لیے گھر پہنچا تھا اماں کو مسلسل بے ہوش دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

"ہائے میری بچی۔" ڈاکٹر کی تھوڑی تگ و دو کے بعد ان کو ہوش آیا بھی تو وہی غم انہیں پھر بے ہوشی کی کیفیت میں دھکیل گیا تھا۔ نبیل نے تعجب سے بیگم کو دیکھا اور اس نے خاموشی سے خط اسے تھما دیا تھا۔

اب بتائے بنا چارہ نہ تھا۔ خط پڑھتے ہی نبیل کے چہرے پر بھی وہی زلزلے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے اماں کو ایک دو انجکشن لگا دیے تھے۔ وہ صرف صدمے سے بے ہوش تھیں تاہم پریشانی والی بات نہ تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں میاں بیوی صدمے اور انجکشن کے زیر اثر لیٹی اماں کے ارد گرد پریشانی سے بیٹھے ہوئے تھے کہ شارق چلا آیا تھا۔ نبیل اسے دیکھ کر ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم...... کیا لینے آئے ہو تم یہاں؟"

"میں تو دوپہر کو بھی آیا تھا کیا تمہاری بیوی نے تمہیں یہ نہیں بتایا۔" شارق نے تمسخر سے اسے دیکھا تھا۔ "تم نے خود ہی تو فون کیا تھا کہ آ کر اپنا بچہ لے جاؤں رہ گئی خلع کی کارروائی تو وہ کورٹ میں دیکھ لو گے۔ دوپہر میں بچہ گھر پر نہیں تھا اب آیا ہوں لینے۔"

"شارق بھائی پلیز' نبیل کو آپ کی آمد کی خبر نہیں دی تھی اور اس وقت اماں کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں آپ دونوں آہستہ سے بیٹھ کر بات کریں۔" اس سے پہلے کہ نبیل غصے سے کچھ کہتا نبیلہ درمیان میں بول پڑی تھی۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا آپ منصب کو لا دیں میں فوراً چلا جاتا ہوں۔" اماں پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے اپنے اسی انداز میں کہا تھا۔ تو نبیل نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"شارق بھائی! آپ بیٹھیں آپ کو سب بتاتی ہوں پلیز۔" نبیل کو اشاروں ہی اشاروں میں خاموش رہنے کا کہہ کر اس نے شارق کی منت کی تھی۔

"دیکھیں بھائی! مجھے صرف اپنے بچے سے غرض ہے کسی سے کوئی لینا دینا نہیں۔ بیٹھنے کا کیا ہے میں بیٹھ جاتا ہوں مگر آپ ذرا جلدی کریں۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

نبیلہ نے خاموشی سے ایک نگاہ اپنے اوپر ضبط کرتے نبیل پر ڈالی تھی اور پھر ہاتھ میں پکڑا خط شارق کو تھما دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے تعجب سے دونوں میاں بیوی کو دیکھا تھا۔

"آپ پڑھ لیں۔" اور شارق کی بھی وہی کیفیت ہوئی تھی جو یہ لوگ جھیل رہے تھے۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" اس نے نبیلہ اور پھر نبیل کو دیکھا تھا۔

"میں سو رہی تھی اور اماں اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ پتا نہیں وہ کس وقت منصب کو لے کر چلی گئی ہمیں بالکل نہیں پتا چلا۔"

"ناممکن' وہ کیسے چلی گئی؟ وہ مکھی بن کر کہیں نکل گئی اور آپ لوگوں کو پتا تک نہ چلا۔ میرے ساتھ یہ ڈرامے بازیاں نہ کریں۔ میں آپ کے جھوٹ پر کبھی یقین نہیں کرنے والا۔ آپ لوگوں نے خود اسے کہیں غائب کیا ہے اور اب یہ خط دکھا کر مجھے الو بنا رہے ہیں لائیں اسے کہیں سے بھی ابھی اور اسی وقت۔"

شارق کا تو اس انکشاف نے برا حال کر دیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ بکواس کر رہے ہیں اماں صدمے سے اس حال میں ہیں۔ پریشانی سے ہمارا برا حال ہے اور تم کہہ رہے ہو ہم مذاق کر رہے ہیں۔ ہم نے خود غائب کیا ہے اسے؟" شارق کی باتوں نے نبیل کو بھی آؤٹ آف کنٹرول کیا تھا۔

"ہمارا دماغ خراب ہے کہ اپنی عزت خود اپنے ہاتھوں رولتے پھریں۔ وہ صرف تمہاری وجہ سے گئی ہے۔ تمہاری وجہ سے۔" نبیل نے شارق کو صاف سنایا تھا۔

نبیلہ' نبیل کے تیوروں سے خوف زدہ ہوتے دونوں کے درمیان آ گئی تھی۔

"پلیز شارق بھائی' خدا کی قسم یقین کریں ہم پر' ہم جھوٹ نہیں بول رہے ہیں ہمیں نہیں پتا چلا کہ وہ کب گئی ہے اور کہاں؟ یہ خط آپ کے سامنے ہے یہ توبیہ کی لکھائی ہے۔ جتنا قصور وار وہ آپ کو ٹھہرا رہی ہے اتنا ہی نبیل کو بھی۔ نجانے وہ کہاں گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم ایک دوسرے کو الزام دیں اسے ڈھونڈیں پلیز۔ شام گہری ہو رہی ہے نجانے وہ کہاں گئی ہے۔"

وہ رو رہی تھی اور شارق' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

"یقین تو نہیں آ رہا تھا مگر خالدہ بیگم کی حالت' نبیلہ کا رونا اور نبیل کا سب برداشت کر لینا۔ ایسی حقیقتیں تھیں کہ صاف بتا رہی تھیں کہ یہ لوگ بھی لاعلم تھے۔ بے قصور تھے تو پھر وہ کہاں گئی تھی۔ اگر سچ تھا تو انتہائی تشویشناک تھا۔

"دیکھ لوں گا میں سب کو۔" ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ دھمکیاں دیتا وہاں سے چلا گیا تھا اور نبیل نے لب بھینچ لیے تھے۔

* * *

رات تک قیصرہ آپا کا رویہ طاہرہ کے ساتھ کافی روکھا سا ہو گیا تھا۔ انہوں نے چند بار آپا سے بات کرنے کی کوشش کرنا بھی چاہی تو انہوں نے خود کو اتنا مصروف کر لیا کہ وہ چاہنے کے باوجود انہیں مخاطب نہ کر پائیں۔ رات خود ہی کچن کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانے کو ان کے پاس چلی آئیں تو انہوں نے وہی سوال کر ڈالا جس کی وجہ سے وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو چکی تھیں۔

"اگر تمہارے بچوں نے اسی طرح چپ سادھے رکھی تو تمہارے میاں نے آخری فیصلہ کر ڈالا تو کدھر جاؤ گی تم۔" بڑی سفا کی سے سوال کیا تھا طاہرہ نے بڑی خوف زدہ نظروں سے آپا کو دیکھا تھا۔ بڑا سپاٹ سا چہرہ تھا۔

"میں بھلا کدھر جاؤں گی آپ کے پاس ہی رہوں گی۔ ساری عمر آپ کے پاس ہی آئی ہوں۔ سب بہن بھائی اسی بات پہ ناراض رہتے تھے کہ آپ کو میں اہمیت دیتی ہوں۔" انہوں نے سادگی سے کہا تھا۔

"پہلے کی بات اور تھی اب بھلا تم میرے پاس کیوں رہو گی۔ بڑے بھائی صاحب ہیں اور بھی بہن بھائی ہیں کسی کے بھی پاس چلی جاؤ۔" انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ طاہرہ بیگم ششدر سی دیکھتی رہ گئی تھیں۔

قیصرہ آپا نے ان کے اس انداز پر اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔

طاہرہ بیگم ساری عمر گنوا کر بھی ان کا رویہ اور بدلتے تیور نہ سمجھ پائی تھی۔

"آپ کو پتا ہے کبھی کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ ہر کسی نے الزام مجھے ہی دیا ہے۔ اب بھلا وہ لوگ مجھے کیسے قبول کریں گے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔ ساری عمر اسی بہن کے ہی دماغ سے سوچا اور کیا تھا اب بھلا کیسے کسی اور کے پاس جانے کا سوچتیں۔

"تمہیں اپنے بہنوئی کا تو پتا ہے۔ کس دماغ کے انسان ہیں، اگر انہوں نے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا تو پھر مجھے نہ کہنا۔" وہ صاف لفظوں میں طاہرہ کو اپنے گھر سے چلے جانے کا کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ اس حالت میں بھی چاہتی تھی کہ طاہرہ خود ہی کچھ سوچ لیں اور ان کے اوپر الزام بھی نہ آئے۔

اگلے دو دن میں طاہرہ بیگم نے صاف محسوس کیا کہ آپا تو ایک طرف ان کے میاں اور تینوں بیٹیوں کا رویہ تک بدل گیا ہے۔ دو دن سے انہوں نے صرف ایک بار صبح کے وقت کھانا کھایا تھا کسی نے ان سے کھانے کا پوچھا تھا اور نہ ہی کھانے پہ بلایا تھا۔ صرف ایک امجد تھا جس کا رویہ ابھی تک نارمل تھا۔ پہلے جیسا ہی تھا۔ تیسرے دن بھوک، ٹینشن اور کمزوری کی وجہ سے انہیں بخار ہو گیا تھا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ ناراض ہو کر آپا کے ہاں آئی تھیں تو ان کی اولاد تو ایک طرف کسی بہن بھائی نے بھی پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ لعنت ملامت ہی سہی کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ اس وقت کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔

"خالہ جان۔" امجد کی آواز پر انہوں نے آنکھیں کھولنا چاہی تھیں مگر پانی کی وجہ سے سارا عکس دھندلا گیا تھا۔

"ارے خالہ جان، کیا ہوا؟ لیٹی کیوں ہیں؟" وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ طاہرہ کا ہاتھ تھاما تو چونکا۔

"ارے خالہ آپ کو تو بڑا تیز بخار ہے۔"

پانی پلکوں کی سرحد پار کرتے رخساروں پہ بہنے لگا تو امجد نے بڑی خاموشی سے انہیں دیکھا تھا۔ اس وقت خالہ پہ غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔ یہ بے یارو مددگار عورت ساری عمر اس کی ماں اور باپ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی رہی تھی۔ یہ معصوم سی عورت اپنی کم عقلی کے ہاتھوں ساری عمر بہن کے اشاروں پہ عمل کرتی، آج سب کچھ گنوا کر بے یارو مددگار بیٹھی حقیقی اور اعتبار کے رشتوں سے گندے چہروں سے اٹھتے نقاب دیکھ رہی تھی۔

"انہیں خالہ، اب رونے کا بھلا کیا فائدہ، ساری عمر گنوا کر اس عمر میں عقل بھی آجائے تو اس عقل کا بھلا کیا فائدہ۔ میں نے جب بھی آپ کو سمجھانا چاہا، امی اور ابو کی اصلیت بتانا چاہی آپ نے ہر بار مجھے ٹوک دیا، اگر تب میری کوئی بات سن لیتیں یا کسی اور کے کہے پہ عمل کر لیتیں تو آج اس حال میں نہ ہوتیں۔ آپ کی ذرا سی تکلیف پہ آپ کے گرد آپ کی ساری اولاد ہوتی۔ خالہ جان۔" خالہ کی حالت نے اسے اتنا غصہ دلایا تھا کہ وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا تھا۔

"میں سب دیکھ رہا ہوں۔ سمجھ رہا ہوں، مگر بے بس ہوں صرف آخری بار آپ کو سمجھانے آیا ہوں کہ خدارا ابھی بھی وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کی اولاد اور احمد فیملی کے دل بڑے وسیع ہیں وہ گزری بات کا حوالہ کبھی نہیں دیں گے۔ ایک دفعہ آپ کو ہمت کرنا ہو گی ہماری امی اور ہمارے ابو آپ کے ساتھ کبھی مخلص نہیں رہے، انہوں نے اپنے اپنے مطلب کے لیے آپ کو صرف استعمال کیا ہے، صرف استعمال۔ آپ کی حیثیت اس وقت کھوٹے سکے سے بھی کم ہے۔ آپ اب صرف خالی برتن ہیں جو اب ان کے لیے کسی فائدے کا نہیں رہا۔ اس لیے انہوں نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ آپ کو اپنے گھر سے نکالیں آپ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیں۔"

"امجد! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپا پر تو مجھے اپنی ذات سے بڑھ کر اعتبار تھا۔" امجد کے اس قدر ترش اور تلخ انداز و الفاظ پر انہوں نے اسے ٹوکا تھا۔

"حیرت ہے آپ کو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا۔ آپ اتنی کم عقل کیوں ہیں خالہ جان۔ ماں اور باپ

ان لوگوں کی کیٹیگری میں آتے ہیں جو رشتوں کو صرف ہوس، خود غرضی اور دولت کے ترازو میں تولتے اور محبت کو صرف اغراض کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ہماری امی کے اندر یہ خصوصیات کیسے پیدا ہوگئیں مجھے نہیں علم مگر وقت و حالات نے یہ ادراک ضرور دیا کہ انہیں اپنی ذات اور صلاحیتوں پر حد سے زیادہ گمان ہے۔ انہی صلاحیتوں کے بل بوتے پر انہوں نے آپ کے شوہر حضرت خالو صاحب کو اپنی طرف مبذول کرنا چاہا تھا۔ ہے تو شرم کی بات مگر کیا کریں آپ کو حقیقت کی تلخ دنیا دکھانے کے لیے یہ سب بتانا بھی ضروری ہے۔ مگر وہ عقل مند تھے جو ان کے جال میں نہ آئے۔ ان کا پلس پوائنٹ یہ تھا کہ دولت مند تھے اور دولت امی کی کمزوری ہے۔ وہ ان سے صرف بدظن ہی نہ ہوئے تھے خار بھی کھانے لگے تھے اور یہ بات امی کے لیے ناقابلِ قبول تھی۔ کوئی ان کے جال سے بچ نکلے یہ کیسے ممکن ہے انہوں نے ان سے دشمنی کا رشتہ بنا لیا تھا۔ صرف ان سے ہی نہیں شائستہ خالہ لوگوں سے بھی مگر افسوس خالو کا انتخاب آپ ٹھہریں اور امی کا انتقام۔“

”اسجد بس کرو...... بس۔“ انہوں نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ تمسخر سے ہنستے ایک پل رکا تھا اور پھر شروع ہو گیا تھا۔

”انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کو سعود انکل کی طرف راغب کیا......“

”اسجد بس کرو۔“ اسجد کے منہ سے یہ سب سن سن کر ان کا صرف سر ہی نہیں جھکا تھا وہ خود بھی اپنی نظروں سے گرنے لگی تھیں۔

”خالہ! مجھے آج بولنے دیں یہ برسوں کا غبار ہے جو میرے اندر اکٹھا ہو چکا ہے اگر آج بھی نہ نکالا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرح میں بھی امی کی صلاحیتوں کے زیرِ اثر رہا تھا اور پھر جب حقیقت کا پردہ ایک ایک کر کے مجھے اصل چہروں سے روشناس کرواتا گیا تو میرے اندر سے رشتوں کا رہا سہا بھرم بھی اٹھ گیا ہے۔ میں نے بارہا کوشش کی کہ آپ کو آنے والی تکلیف سے بچا لوں مگر افسوس میں ایسا نہ کر پایا۔“ وہ بڑے دکھ سے رکا تھا۔ ”امی سے برداشت ہی نہیں ہوا تھا کہ ایک دیوی، بے وقوف اور اپنی دنیا میں مگن رہنے والی ان کی بہن ان سے سبقت لے جائے۔ انہوں نے آپ کو سعود انکل کی طرف راغب کیا اور پھر شائستہ آنٹی کے دل میں یہ بات بھی ڈال دی۔ آپ کے جذبات کو وہ ہوا دیتی رہیں اور اُدھر شائستہ آنٹی کو جلاتی تھیں۔ آپ کی قسمت تھی کہ امی کی ہزار کوششوں اور آپ کی جذباتی حرکتوں کے باوجود سعید انکل سے آپ کی شادی ہو گئی تھی۔ آپ نے حالات کو قبول نہیں کیا تھا۔ مگر مجبوری نبھاہ رہی تھیں۔ ہیں نا۔“

”تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہے؟“ اسجد کے سوالیہ انداز پر انہوں نے غصے سے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

”حالات نے‘ خالہ جان! وقت و حالات نے سب بتا دیا کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ دولت اور خوب سے خوب تر کی جستجو کا لالچ صرف امی کی فطرت کا حصہ نہ تھا۔ بدقسمتی سے یہ ہمارے ابو کے خون میں وراثت کے طور پر شامل تھا۔ امی کے سسرال یعنی ہمارا ددھیال سعید انکل جیسی ٹھاٹھ باٹ کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا اور امی ابو کو ہر وقت اس بات کا احساس دلاتی رہتی تھیں اور ابو کی لالچی فطرت احساسِ کمتری کا شکار ہو کر انہیں دولت سمیٹنے کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتی تھی۔ ان دونوں نے مل کر آپ کے ذہن کو ساری عمر جکڑے رکھا۔ انہوں نے آپ کو خود سے کبھی سوچنے نہ دیا۔ مٹی کا مادھو بنا کر رکھ دیا آپ کو۔ آپ انکل کو شادی کے بعد قبول کر لیتیں مگر انہوں نے ایسا نہ ہونے دیا ہر وقت کوئی نہ کوئی ایسی بات چھیڑے رکھتیں کہ آپ کی شائستہ آنٹی سے نفرت انتہا کی حد تک پہنچ گئی۔“

اور یہ سچ تھا۔ طاہرہ کو اب بھی یاد تھا سعید احمد ان کے ساتھ کس قدر سچے تھے ان کے خلوص پر وہ خود سے شرمندہ ہو جاتی تھیں اور آپا ہر بار ان کی شرمندگی کو ختم کرنے کے لیے شائستہ کو درمیان میں لا کر نفرت کی وجہ بنا دیتی تھیں۔

”خالہ! وقت نے امی کی سوچ کو شکست دی تھی اور انکل کی محبت جیتی تھی۔ آپ کے دل میں گزشتہ جذبات پر ندامت کے ساتھ نئے احساس پیدا ہونے لگے تھے اور امی کی ہزار ہا کوششوں کے باوجود آپ سعید انکل سے ایک مخلص بیوی کا ثبوت دینے لگی تھیں اور امی کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ ایک خوش باش ٹھاٹھ باٹ والی زندگی گزاریں اور وہ آپ کے ہی ہر ماہ دیے گئے ہزاروں روپے پر زندگی گزاریں۔“

طاہرہ نے حیران ہو کر اسجد کو دیکھا واقعی ہر ماہ بہت چپکے سے سعید احمد ان کے ہاتھ میں جو بھی رکھتے تھے آدھے سے زیادہ آپا کو دے دیتی تھیں۔ بھائی صاحب شروع سے ہی فارغ البال تھے۔ ساری عمر نہ کوئی کام کیا نہ کوشش کی۔ باپ دادا کی جائیداد سے ان کے حصے میں ایک گھر اور کچھ دکانیں آئی تھیں۔ جن کا کرایہ ان کی کل آمدنی تھی۔ ایسے میں وہ ہر ماہ آپا کے ہاتھ پہ کچھ نہ کچھ ضرور رکھ دیتی تھیں اور آپا ہر بار حق سمجھ کر لیتی تھیں۔ بعض اوقات تو وہ خود سے کئی ہزار مانگ لیتی تھیں اور انہوں نے کبھی انکار نہ کیا تھا اور سعید احمد اچھی فطرت کے تھے کہ کبھی دے کر پوچھا نہ تھا کہ وہ روپیہ کہاں خرچ کر رہی ہیں۔

”آپ کی شائستہ آنٹی سے متعلق نفرت ختم ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کچھ عرصہ بعد حالات نارمل ہو جاتے اور اگر ایسا ہو جاتا تو سب کچھ ختم ہو جاتا امی نے ہمیشہ آپ کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے بہکانا شروع کر دیا تھا۔ آپ کو دو بیٹوں کی ماں ہونے کے اعزاز میں اس غرور و فخر میں مبتلا کر دیا تھا جو فرعون کے دماغ میں سمایا تو وہ فنا ہو گیا تھا اور آپ ان کی ہر بات پر عمل کرتی رہیں۔ انہوں نے انکل کے دل میں آپ کے خلاف شک پیدا کروایا۔ ان سب حالات کے ساتھ آپ کا اپنا قصور تھا کیوں ہر بات امی اور ابو کی مانی اپنی عقل استعمال کیوں نہ کی۔ کیوں ہماری زندگیوں کو ہمارے لیے طوق بناتی گئیں۔ یہ بے حس، بے ضمیر لوگ تھے کچھ ہمارا خیال کر لیا ہوتا۔ امی نے کبھی نہ سوچا کہ وہ جو گڑھا کسی کے لیے کھود رہی تھیں ان کی اپنی اولاد بھی اس میں گر سکتی ہے۔ خالہ کچھ تو سوچ لیا ہوتا۔“

”اسجد......!“ اسجد کے اس قسم کے رویے پر وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

"آپ نے اپنا گھر برباد کیا اور امی کے پاس آ گئیں۔ قصور شائستہ آنٹی کا نہ تھا۔ قصور آپ کا اپنا تھا۔ چند سال بعد انکل سے اگر آپ کی صلح ہو گئی تو آپ نے وہی روٹین رکھی۔ اگر ایمانداری سے اپنا گھر بساتیں تو امی کی کیا مجال تھی کہ آپ کو بہکائیں؟ آپ نے اس دور میں سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ عثمان اور ہادیہ کے معاملے میں امی کی باتوں پر عمل کیا اور انکل کے دل میں آپ کے لیے جو تھوڑا بہت احساس باقی تھا وہ بھی ختم کر دیا۔ آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے...... پھر شائستہ آنٹی یا ان کی بیٹیوں کو الزام کیوں؟"

وہ سراپا سوال بنا ہوا تھا اور طاہرہ لاجواب ہو کر سر جھکا گئی تھیں۔ ان کے سر جھکا لینے سے امجد کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ نے اپنے بچوں کو خود سے متنفر کر دیا۔ پہلے عثمان اور پھر سمعان اور اس کے بعد علی اور فرح آپ نے ایک ایک کر کے اپنی اولاد کو خود اپنے سے دور کیا ہے۔ آپ کو پتا ہے فوزیہ آپا نے خفیہ شادی کر رکھی ہے۔"

"کیا؟" انہیں لگا جیسے ان کے ارد گرد بم ہی تو پھٹا ہے۔

"جی ہاں انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ جس پیسے سے انسان کی تربیت ہوتی ہے اس روپے کی قیمت انسان کے کردار کو واضح کرتی ہے۔ فوزیہ نے شادی کر لی۔ رابعہ وہ فلمی دنیا کے خواب دیکھ رہی ہے۔ امی کے لیے یہ دونوں باتیں عام سی حقیقت رکھتی ہیں اور انہیں پیسہ چاہیے۔ چاہے وہ فوزیہ کے شوہر کو ہر ماہ بیوی سے ملنے کے لیے ایک معقول رقم کی صورت میں ان کے ہاتھ پر رکھنا پڑے۔ پیسہ کہاں سے آتا ہے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں بس پیسا ہونا چاہیے۔ امی کو سب پتا تھا کہ فوزیہ کیا کرتی ہے۔ کس سے ملتی ہے مگر انہوں نے آپ کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے آپ کو سمعان اور فوزیہ کے معاملے میں الجھائے رکھا اور جب دل چاہا لاکھوں مانگ لیے اور کبھی واپس نہ کیے۔ ایسا ہی کھیل وہ میرے اور فرح کے معاملے میں بھی کھیلنا چاہتی تھیں مگر قسمت سے بڑھ کر کوئی بھی زور آور نہیں۔ ان کو فرح سے زیادہ فرح کے نام کے شیئرز اور دولت' جائیداد اٹریکٹ کرتی تھی۔ خالہ کیا آپ نے خود سے کبھی نہ سوچا کہ یہ جو اتنے سارے لوگ ایک طرف ہیں اور امی ایک طرف اس میں سچ کیا ہے؟ کیا آپ کا کبھی دل نہ چاہا کہ ایک بار ہی سہی ان سارے لوگوں کی بات ہی مان کر دیکھ لوں صرف ایک امی ہی تو تھیں۔ اپنا گھر برباد کیا۔ اولاد آپ سے اور متنفر ہے۔ بہن' بھائی اب آپ کو آپ کے حالات پر چھوڑ چکے ہیں تو اس عالم میں بھی آپ نے گھر چھوڑ کر چلے آنے کی ایک انتہائی سنگین غلطی کی۔ کیوں خالہ؟ کیوں؟"

وہ اتنا بولا تھا کہ آخر میں ایک دم خالہ کے ہاتھ تھام کر سوالیہ نشان بن بیٹھا تھا۔

"آپا غلط نہیں ہو سکتیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ وہ کبھی میرے ساتھ غلط نہیں کر سکتیں۔" یہ پتا نہیں یقین اور اعتبار کی کون سی منزل تھی۔

امجد کو لگا اس کا سب کہنا فضول گیا ہے۔

"آپ کو ایسے یقین نہیں آئے گا چلیے میرے ساتھ۔" وہ انہیں اٹھا کر سہارا دے کر باہر لے آیا تھا۔

"کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے؟"

"ابھی سب حقیقت کی طرح واضح ہو جائے گا۔ بس آپ ادھر رکیں اس کھڑکی سے اندر کی ساری آواز آئے گی آپ نے دھیان سے سب سننا ہے۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ یہ آخری موقع ہے خالہ سنبھلنے کا۔ مجھے کیسے علم ہوا یہ وقت نے سکھایا ہے اب وقت آپ کو سکھانے والا ہے حوصلہ رکھیے گا ابھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے مگر یاد رکھیے گا کہ وقت نکل گیا تو پچھتاوہ بھی بے کار رہے گا۔"

وہ انہیں کھڑکی کے پاس کھڑا کر کے اندر چلا گیا تھا۔

"امی آپ کو پتا ہے خالہ کو کتنا تیز بخار ہے؟" یہ امجد تھا۔

"تو میں کیا کروں؟ مصیبت جان کو ہی آ گئی ہے اب تو۔" یہ بے زاریت لیے آواز قیصرہ آپا کی تھی۔ طاہرہ کو لگا جیسے چھن سے ان کے اندر کچھ ٹوٹنے کو ہے۔

"تمہیں ہی بڑا شوق ہو رہا تھا خیر سگالی کا میں تو پہلے دن ہی کہہ رہا تھا کہ اسے مت رکھو ابھی فارغ کرو مگر تم نے میری ایک نہ مانی۔" بہنوئی کی آواز پر چھن سے ان کے اندر پھر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

یہ اعتبار تھا۔

برسوں کا یقین تھا۔

جو آج ریزہ ریزہ ہوا تھا۔

"ہاں تو میں بھی کیا کرتی آپ کے سامنے ہی سب کچھ تھا۔ منہ سے وہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ رہی تھی پھر مجھے یہ بھی تھا کہ ناراض ہو کر ہی آئی ہے نا کیا پتا تھا سب ختم کر کے آئی ہے۔" طاہرہ کو آپا کی آواز بڑی اجنبی لگی تھی۔

"مجھے تو یہ تھا کہ ابھی بھی لاکھوں' کروڑوں کی مالک ہے۔ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے مگر کیا پتا تھا کہ بالکل ہاتھ خالی کر کے آئی ہے۔ بریف کیس چیک کیا تو سوائے چند جوڑوں کے زیور نام کی ایک چیز بھی نہیں جو پہنتی تھی وہ بھی اتار آئی احمق۔"

"ساری عمر کی وہ احمق اور بے وقوف رہی ہے دبو سی۔ اپنی تو عقل اس میں ہے ہی نہیں نام کی بھی' پاگل......!"

"میں آپ سے کیا بات کرنے آیا ہوں اور آپ کیا مسئلے لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ ساری عمر خالہ نے آپ لوگوں کو کھلایا ہی ہے۔ یہ عمارت یہ ٹھاٹھ باٹ سب انہی کی وجہ سے تو ہے ورنہ ابو دکانوں کے کرایہ سے ہم گزار چکے ہوتے زندگی۔"

امجد نے تلخی سے کہا تھا۔

"تمہیں بڑی اس کی سائیڈ آتی ہے۔ چند ہزار کیا کمانے لگے ہو خود کو بڑے افلاطون سمجھنے لگے ہو۔ چپ کر کے بیٹھو اور قیصرہ صاف سن لو اب اپنی بہن کو چلتا کرو کہیں بھی رہے ہماری بلا سے' ساری عمر ہم نے ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوا۔ بیٹا کہیں اور بیاہ دیا۔ بیٹی کہیں اور دے دی ہمارے ہاتھ کیا آیا وہی خیرات کے

ہر ماہ چند نوٹ۔ نکالو اس نحوست کو اب گھر سے۔ مجھ سے نہیں یہ مفت خوری کروائی جاتی۔"

کیسی سفاک آواز تھی۔

طاہرہ بیگم کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا تھا۔

"کہہ تو رہی ہوں بھائی صاحب کو بار بار فون، کہ آ کر اپنی بھتیجی کو لے جائیں، بڑے درد اٹھتے رہتے تھے ہر وقت سب کے پیٹ میں، اب وہ سب ختم کر رہی ہے تو کوئی خیر خبر لینے نہیں آیا۔ ورنہ سارا خاندان آگے پیچھے نصیحت ملامت کرنے پہنچ جاتا ہے۔"

یہ وہ آخری الفاظ تھے جو طاہرہ بیگم نے سنے تھے اور پھر ان کو لگا ان کے حواس ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

پہلے امجد کی باتیں اور اب یہ انکشاف۔

وہ لہرا کر گری تھیں۔

اور پھر ہر چیز ان کی بصارت سے اوجھل ہو گئی تھی۔

* * *

ہوش میں آنے کے بعد انہیں اول تو کچھ سمجھ نہ آئی اور جب انہیں جگہ اور صورت حال کا اندازہ ہوا تو ان کا دل پھر رونے لگا۔

"خالہ جان!"

"امجد!" امجد کو خود پر جھکے دیکھ کر وہ رو دی تھیں۔

"امجد کیوں کیا آپا نے میرے ساتھ ایسا...... میں نے تو کبھی ان کا برا نہ چاہا تھا؟" ان کے آنسو بے اختیار بہنے لگے تھے۔

"خالہ جان پلیز! خود کو سنبھالیں۔ آپ کی طبیعت نارمل نہیں ہے۔ آپ مسلسل دو گھنٹے بے ہوش رہی ہیں۔ اس وقت بھی اسپتال میں ہیں۔"

"امجد! میرے بچوں کو بلوا دو۔ ساری عمر میں نے انہیں کوئی سکھ نہ دیا۔ اب زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میں ایک بار تو ان سے معافی مانگ لوں اور سعید احمد......" سعید احمد کے تصور سے ہی ان کا پورا وجود کانپ اٹھا تھا۔

"خالہ جان پلیز! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کا بلڈ پریشر شوٹ کر چکا ہے۔ بمشکل ہوش آیا ہے آپ کو۔ پلیز کچھ نہ سوچیں۔ میں سب کو اطلاع کروں گا۔ آپ پہلے خود ٹھیک ہو جائیں۔"

"نہیں امجد! اب کچھ باقی نہیں رہا۔ سعید احمد کو بلوا دو۔ میرے بچوں کو بلوا دو پھر چاہے موت آ جائے۔ اب جینے کی چاہ نہیں رہی۔ اب کس منہ سے زندہ رہوں گی۔ تم دعا کرو رب مجھے موت دے دے۔"

"خالہ جان!" طاہرہ بیگم کی آہ و زاری پر امجد کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا تو اس نے ڈاکٹرز کو بلایا اور انہوں نے طاہرہ بیگم کو انجکشن لگا کر پر سکون نیند سلا دیا۔ انہیں بے سدھ بستر پر لیٹا دیکھ کر امجد

کے اندر کا اضطراب بڑھنے لگا تھا۔ ان کی اس حالت کے سب سے بڑے ذمہ دار اس کے اپنے والدین تھے۔ انہوں نے ان کے بے ہوش ہو جانے پر بجائے وجہ جاننے کے یا شرمندگی ظاہر کرنے کے جھلا کر کہا تھا۔

"اونہہ۔ یہ اور ڈرامے شروع ہو گئے۔ ساری عمر ڈرامے کرتے ہی گزار دی ہے۔ اب کیوں پیچھے رہتی بھلا۔" یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے اور وہ خاموشی سے انہیں اسپتال لے آیا تھا اور اب......

ان کے بچوں میں سے کسی نے بھی ماں سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک فون تک بھی نہیں کیا۔ کیا باقی ان لوگوں کے دلوں میں خالہ کے لیے اب کوئی گنجائش نہیں رہی......؟ خالہ کے زرد چہرے کو دیکھتے امجد کے اندر بڑی تکلیف دہ لہر اٹھی تھی۔ اپنے ماں باپ کے گناہوں کا کفارہ ہمیں ہی ادا کرنا ہے جیسے بھی ہو مجھے اب انکل اور باقی لوگوں سے رابطہ کرنا ہو گا۔ بہت سوچ بچار کے بعد امجد نے سعید احمد کے گھر فون کر کے خالہ کی طبیعت سے متعلق آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

* * *

نوریہ کی اس طرح گمشدگی جس نے بھی سنا اس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شارق اور نبیل اپنی اپنی جگہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح پتا لگا لیا جائے کہ نوریہ کہاں ہے اور نوریہ نے تو کوئی نشان بھی باقی نہیں چھوڑا تھا۔ انسپکٹر انجم کی بھی تمام کوششیں ناکام رہی تھیں۔ دو دن گزرے تو بات ان دونوں گھروں سے نکل کر خاندان کے باقی گھروں میں بھی پہنچ گئی تھی۔ نواز فاروق نے سنا تو کئی پل اپنی جگہ سے ہلنے کی سکت نہ رہی تھی۔ نوریہ کوئی ایسا انتہائی قدم بھی اٹھا سکتی ہے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور وجہ کیا تھی؟ چند لوگوں کے علاوہ باقی سب بے خبر ہی تھے۔

"یہ کیا کر دیا تم نے پاگل لڑکی؟" نواز کو لگا ذہن و دل نوریہ کی اس درجہ جذباتی حرکت کو قبول کرنے سے قطعی قاصر ہیں۔ نجانے وہ کس حال میں اور کن لوگوں میں ہو؟ اگلا تصور اس سے بھی زیادہ جان لیوا تھا۔

جب یہی خبر حمید صاحب کے ہاں پہنچی تو وہاں موجود ہر فرد کو لگا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ رضا نے تو کبھی ایسا گمان تک نہ کیا تھا کہ نوریہ کوئی ایسا قدم بھی اٹھا سکتی تھی۔ وہ تو ڈھے گیا تھا۔ زبیدہ چچی اور حمید صاحب دونوں گھروں میں گئے تھے اور واپس آ کر حمید صاحب کا جی چاہ رہا تھا کہ رضا کی گردن اڑا دیں۔

رفعت بائی، واجدہ بیگم اور پھر نبیل کے ہاں سے نبیلہ اور خالدہ بیگم کی زبان سے جو کچھ سننے کو ملا تھا، نوریہ اور شارق کے تعلقات اور نبیل کی ضد سمیت موجود انکشافات ہوئے تھے۔ انہوں نے زبیدہ بیگم کی قوت گویائی کو اگر سلب کر لیا تھا تو حمید صاحب کے اندر آتش فشاں بھڑکا دیا تھا۔ گھر آتے ہی وہ سیدھے رضا کے کمرے میں پہنچے تھے جو اس خبر کے بعد مسلسل کمرہ نشین ہو بیٹھا تھا۔

"ہو گئی تسلی تمہاری، مل گیا سکون تمہیں اس بچی کو برباد کر کے۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے اس کا گھر برباد ہوا ہے اور اسے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔ جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" وہ غصے

سے ایسے بچھڑے ہوئے تھے۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ رضا کے منہ پر دو تین تھپڑ رسید کر دیں اور اسے صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیں۔

"کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا تم نے مجھے۔ خاندان بھر میں رسوا کر کے رکھ دیا ہے تم نے۔ ایسی ناخلف اولاد کبھی کسی کی نہ ہوگی۔ بہتان باندھا تم نے ایک بچی پر' میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر دیں تم نے۔ کتنی دفعہ میں نے کہا کہ میرے ساتھ چلو اور شارق کے سامنے ساری بات کلیئر کر لیتے ہیں مگر تم نے ایک نہ مانی' اب انجام دیکھو...... نبیل اور شارق ضد پر آ گئے اور وہ بچی بے گھر ہو گئی۔ نجانے کس حال میں اور کہاں ہو گی؟

اسی تصور نے ان کو بالکل مفلوج کر دیا تھا اور وہ کرسی پر گر سے گئے تھے اور رضا چپ چاپ کھڑا ان کی ساری باتیں سن رہا تھا۔

"لوگوں کو کیا پتا اصل صورت حال کیا ہے؟ نویرہ اور شارق کے درمیان ناچاقی کی اصل وجہ کیا ہے مگر وہ بچی تو بدنام ہو گئی اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" رضا سر جھکائے کھڑا تھا۔ نواز کا سمجھانا تو ایک طرف' وہ تو ابھی تک خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا اور اب اس خبر نے گویا جسم سے جان کھینچ لینے کی کوشش کی تھی۔

"اگر نویرہ نہ ملی تو یاد رکھنا میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں گا۔ اسے برباد کر کے تمہیں بھی زندگی گزارنے کا کوئی حق نہیں' سنا تم نے۔" رضا کی مسلسل چپ نے ان کے اندر کی تپش کو مزید بڑھا دیا تھا۔ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔

* * *

نویرہ کی آمد کے تین دن بعد سمعان نے لاہور کا چکر لگایا تھا۔ شام کا وقت تھا جب وہ گھر آیا تھا۔ آفس کی گاڑی نے اسے گھر ڈراپ کر دیا تھا۔ وہ اندر آیا تو سارا گھر خالی تھا۔ چوکیدار کی بیوی کچن سے برآمد ہوئی۔

"السلام علیکم صاحب جی!"

"وعلیکم السلام! زرش کہاں ہیں؟" اطراف کا جائزہ لیا تھا۔

"کچن میں ہیں۔"

"اچھا۔" سمعان اسے بریف کیس تھما کر اندر رکھنے کا کہتے ہوئے کچن کی طرف ہی چلا آیا تھا۔

"زبردست نویرہ جی! اتنا زبردست ٹیسٹ ہے آپ کے ہاتھ میں مزہ آ گیا۔" زرش نے کسی بچے کو اٹھایا ہوا تھا۔ ساتھ ساتھ سلیب پر رکھی پلیٹ میں سے کچھ کھا رہی تھی جب کہ چولہے کے سامنے کھڑی لڑکی دیگچی کی طرف متوجہ تھی۔ سمعان کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔ اپنے گھر کے کچن میں ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"سمعان کو کڑاہی گوشت بہت پسند ہے۔ وہ بریانی بھی بہت شوق سے کھاتے ہیں' آپ مجھے یہ دونوں ڈشیں سکھا دیں' تھوڑا بہت تو آتا ہی ہے مگر آپ جیسا ذائقہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ ماما بھی بہت

اچھا پکاتی ہیں اور نوشی بھی مگر کچن کے معاملے میں خاصی پھوہڑ واقع ہوئی ہوں۔" اک اجنبی لڑکی کے ساتھ زرش کی اس قدر بے تکلفی سمعان کو اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ ہستی کون ہے......؟

"کوئی پرابلم نہیں۔ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دو تو ایک ماہ میں ہی سب سیکھ سکتی ہو' ذائقہ آہستہ آہستہ ہاتھ میں آ جاتا ہے۔" بڑے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"زرش۔" اس پکار پر زرش یک دم حیران ہو کر پلٹی تھی۔

"ارے آپ؟" سمعان کو دیکھ کر وہ ازحد حیران ہوئی تھی۔ سمعان بغیر کسی اطلاع کے آیا تھا۔ نویرہ نے بھی پلٹ کر دیکھا تو سمعان اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے فوراً چہرہ موڑ کر دوپٹہ درست کیا تھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! آپ کب آئے؟" زرش فوراً سمعان کی طرف بڑھی تھی۔ سمعان نے اس کے بازو میں اٹھائے بچے کو دیکھا۔ بچہ بہت پیارا اور صحت مند تھا۔

"ابھی آیا ہوں۔" سمعان نے بچے کا رخسار چھوا تو وہ کھلکھلا کر ہاتھ آگے بڑھانے لگا تھا۔

"کون ہے یہ؟" سمعان نے بہت آہستگی سے پوچھا تھا۔ ایک نظر رخ موڑے کھڑے وجود کو بھی دیکھا۔ زرش ایک دم پزل سی ہو گئی تھی۔ سمعان کو کیا بتانا ہے وہ سب طے کیے ہوئے تھی مگر اب اسے دیکھ کر اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔

"یہ نویرہ آپی ہیں اور نویرہ آپی یہ سمعان ہیں۔" نویرہ نے صرف پلٹ کر ایک نگاہ ڈالی تھی۔ غائبانہ تعارف تو تھا ہی سمعان کو سامنے دیکھ کر اسے زرش کے "وہ" ہونے کا احساس ہوا تھا۔ زرش نے ایک ہی جملے میں تعارف نمٹایا تھا۔ سمعان نے الجھ کر زرش کو دیکھا۔

"آئیں باہر چلتے ہیں۔" بچے کو نویرہ کی طرف بڑھا کر وہ سمعان کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

"یہ خاتون کون ہے اور یہ بچہ بھی......؟"

"ابھی بتاتی ہوں۔ آپ بتائیں کہاں سے آئے ہیں؟ کراچی سے یا اسلام آباد سے؟" دو دن پہلے سمعان سے بات ہوئی تھی تب سمعان کراچی میں تھا اور اب ادھر......

"میں آج کل کراچی میں ہی ہوں' ابو کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ چچا جان کے ساتھ کراچی میں ہی رہتا ہوں۔" دونوں بیڈروم میں چلے آئے تھے۔

"خیریت ہے نا؟" تایا ابو کی طبیعت کا سن کر وہ کچھ پریشان ہوئی تھی۔

"ہاں۔ بالکل خیریت ہے۔" سمعان کا انداز بڑا سنجیدہ تھا۔ زرش کو محسوس ہوا کہ کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے شاید۔ دو دن سے اس نے ماما کو بھی فون نہیں کیا تھا ورنہ ادھر کی صورت حال کا اندازہ رہتا۔ سمعان نے کوٹ اتار کر اسے تھمایا اور پھر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"تم نے بتایا نہیں یہ خاتون کون ہیں؟" بستر پر بیٹھتے سمعان نے پھر وہی سوال دہرایا تو زرش کنفیوز ہو گئی تھی۔ نجانے سمعان کا کیا ری ایکشن ہوتا۔

"آپ سے میں نے ایک آپا کی بات کی تھی نا اسی سلسلے میں ان کو رکھا ہے۔" جھجکتے ہوئے اس نے

کہہ دیا تھا اور سمعان نے بڑا حیران ہو کر زرش کا چہرہ دیکھا تھا۔ آنکھوں میں نوریہ کا چہرہ در آیا۔ وہ کہیں سے بھی آیا ٹائپ خاتون نہیں لگ رہی تھیں۔

"نوریہ آپی بہت اچھی ہیں پھر ضرورت مند بھی ہیں۔ مصعب ان کا بیٹا ہے۔ ان کا میاں اچھا نہیں ہے گھر سے نکال دیا تو وہ جاب کرنے لگ گئی ہیں۔"

"تمہیں کہاں ملی تھیں؟" سمعان کو کسی بھی طرح یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنی خوب صورتی کی مالک' اچھا لباس اور ناک میں چمکتی ہیرے کی لونگ سمعان ایک نظر میں جو بھی دیکھ پایا تھا کسی بھی طرح یقین کرنے والا نہ تھا۔

"امجد (ڈرائیور) کی رشتے میں کزن ہے۔ ماں باپ نہیں ہے عزیز واقارب ہیں مگر آج کے دور میں بھلا کوئی کسی کی کب ذمہ داری لیتا ہے۔ شوہر نے چھوڑ دیا تو امجد کے ہاں آ گئی تھی۔ آپ سے مشورے کے بعد میں نے ڈرائیور اور چوکی دار دونوں سے کسی "آیا" کا بندوبست کرنے کو کہا تھا تو امجد ان کو لے آیا۔ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ تین دن سے میرے پاس ہیں۔ پڑھی لکھی اور خوش اخلاق ہیں۔" اس نے سوچا سمجھا جواب دیا تو سمعان نے چند پل زرش کو بغور دیکھا تو وہ پزل ہونے لگی۔

"کیا بات ہے؟ میں نے کچھ غلط کیا ہے؟ میں امجد کو بلوا لیتی ہوں۔ بے شک اس سے پوچھ لیں۔ نوریہ آپی کے بارے میں زیادہ وہی جانتا ہے۔ ظاہر ہے اس کی کزن ہے جو اس نے مجھے بتایا میں نے آپ کو بتا دیا۔"

سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔ بات یقین کرنے والی تو نہ تھی مگر امجد کا حوالہ ایسا تھا کہ سمعان کو یقین کرنا پڑ رہا تھا۔ امجد پچھلے پندرہ سالوں سے ان کی فیکٹری میں ڈرائیور تھا۔ زرش کی وجہ سے انہوں نے اسے گھر پر رکھ لیا تھا۔ وہ قابل اعتماد تھا' کردار کے لحاظ سے بھی ابھی تک اس میں کوئی غلط بات نہ دیکھی گئی تھی اور زرش کے لیے وہ نیا کوئی ڈرائیور رکھنے کا رسک بھی نہیں لے سکتے تھے۔ بظاہر وہ لڑکی سلجھی ہوئی تھی مگر......

"اوکے۔ تم ملازمہ کو کہو امجد کو میرے پاس بھیجے۔ آج کل کے دور میں ملازم پر اعتبار نہیں کر لینا چاہیے پھر بھی میں امجد سے معلومات کر لیتا ہوں۔"

"کھانا کھائیں گے نا؟" اس نے پوچھا اور باہر نکل آئی۔ ملازمہ سے کہہ کر امجد کو کوارٹر سے بلوایا تھا اور پھر اسے ساری بات سمجھا کر سمعان کو مطمئن کرنے کا کہہ کر کمرے میں بھیجا تھا۔ نوریہ کچن کا کام ختم کر چکی تھی۔ اسے بڑی شرمندگی ہوئی۔ یہ سب ملازمہ کی ذمہ داری تھی مگر نوریہ فارغ بیٹھنے کے بجائے کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ نوریہ نے سمعان کا رویہ پوچھا تو اس نے سب بتا دیا۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"اگر تمہارے شوہر کو یقین نہ آیا اور اس نے خود سے پتا لگا لیا تو؟"

"کچھ نہیں ہو گا' امجد وہی کہے گا جو میں کہہ چکی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے ہر حال میں آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے تو بے فکر رہیں۔ اگر ان کو کسی نہ کسی طرح شک ہو ہی گیا تو میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ مطمئن تھی۔ دونوں نے مل کر ٹیبل سجائی تھی۔ نوریہ نے اپنے کمرے میں کھانا کھانے کو

ترجیح دی تھی۔ زرش کی ضد کے باوجود بھی وہ نہ مانی تھی۔

"تو کیا نام ہے ان کا؟ ہاں نوریہ' ان کو بھی کھانے پر بلا لو......" امجد سے بات کر کے سمعان مطمئن ہو گیا تھا۔ شاید اسی لیے نوریہ کی غیر موجودگی پر زرش سے کہا تھا۔

"میں نے ان کو کہا بھی تھا مگر انہوں نے منع کر دیا ہے۔ وہ کمرے میں ہی کھانا کھائیں گی۔" مکمل بریانی اور کڑاہی گوشت کے علاوہ روٹیاں سلاد اور فرنی تھی۔

"تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں نے آج آنا ہے؟" اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالتے سمعان نے زرش سے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"میں تو یوں ہی نوریہ آپی سے سیکھنے کو کہا تھا۔ انہوں نے ہی سب کچھ پکایا ہے۔ میں نے صرف ان کی مدد کی تھی۔ آپ کی آمد تو بس اتفاق ہے۔"

"کبھی تو خوش کر دیا کرو۔" سمعان کی بات پر وہ ایک دم جھینپ گئی تھی۔

"نوریہ آپی بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں۔" سمعان نے بغور اسے دیکھا۔ نوریہ کی آمد نے اس کے مزاج پر خاصا خوش گوار اثر ڈالا تھا۔ وہی پرانا' پراعتماد انداز لیے ہوئے تھی اور حد سے زیادہ مطمئن پرجوش...... مسلسل نوریہ کے نام کے گن گاتے ہوئے۔

"میں نے امجد سے پوچھا ہے۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی جو قابل گرفت ہو تاہم اجنبی خاتون ہیں۔ تم ان سے شناختی کارڈ کی کاپی لے لینا۔ ویسے امجد اس سے اچھی طرح واقف ہے' قابل اعتماد اور قابل بھروسہ آدمی ہے ہمارا۔ کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ اس کے بھروسے پر اس خاتون کو رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔" کھانا کھاتے ہوئے سمعان نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔ اندر ہی اندر خوشی سے نہال ہوا۔

"میں صبح چلا جاؤں گا۔ بس تمہاری طرف سے فکر مندی تھی کہ تم تنہا پریشان ہو رہی ہو گی۔ اب ان خاتون کو دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا ہے۔ لگتا ہے کافی بے تکلفی ہو گئی ہے تم لوگوں کی آپس میں......"

"آپ رکیں گے نہیں؟" اس نے کھانا چھوڑ کر سمعان کو دیکھا تھا۔

"نہیں۔"

"کیوں......؟" اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

"گھر میں فرح کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے دو دن سے مسلسل بخار کی حالت میں ہے۔ ابو اس کی وجہ سے پریشان ہیں۔ چچا جان اکیلے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں اور اسلام آباد تو منیجرز دیکھ لیتے ہیں مگر خود ہی سب دیکھنا پڑتا ہے۔"

"فرح کو کیا ہوا ہے؟" اس نے کچھ تشویش سے پوچھا تھا۔

"کا بخار ہے۔ تم چلو گی کراچی ایک دو دن کے لیے؟"

"نہیں۔ اس ہفتے تو ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ اگلی بار آپ کے ساتھ ہی چلوں گی۔" اس نے انکار کر دیا۔ سمعان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہوں۔ کسی قسم کی کوئی پریشانی تو نہیں؟"

"نہیں۔ پہلے اکیلے گھبراہٹ ہوتی تھی اب نویرہ آپی کی وجہ سے وہ بھی نہیں رہی۔"

"چلو اچھی بات ہے۔" باقی کا کھانا دونوں نے خاموشی سے کھایا تھا۔ کھانے کے بعد ملازمہ برتن سمیٹنے لگی تو وہ نویرہ کے روم میں چلی آئی تھی۔ پچھلے تین دن سے وہ نویرہ کے ساتھ اس کمرے میں ہی تھی۔ نویرہ کھانا کھانے کے بعد بچے کو سلا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"امجد کی باتوں سے سمعان مطمئن ہو گئے ہیں مگر انہوں نے آپ کا شناختی کارڈ مانگنے کو کہا ہے۔"

"ڈاکومنٹس تو میں ساتھ لے کر آئی ہوں۔ اس خیال سے کہ کبھی کسی جگہ جاب کرنے کی ضرورت پڑے تو مسئلہ نہ ہو مگر کارڈ کے ذریعے سے وہ کچھ معلوم نہ کروا لیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ صبح واپس جا رہے ہیں پھر چکر لگائیں گے تو دیکھ لیں گے۔ میں سنبھال لوں گی۔ بس آپ کو بتانا تھا کہ اگر وہ خود شناختی کارڈ کا پوچھیں تو کہہ دیجیے گا کہ میں دے دوں گی۔ باقی میں خود ہی دیکھ لوں گی۔"

"تھینک یو...... تم بہت اچھی ہو۔" نویرہ نے ممنونیت سے اسے دیکھا۔ اگر زرش اس کا ساتھ نہ دیتی تو نجانے اب تک وہ کہاں کہاں رل رہی ہوتی۔ شارق کے پاس دوبارہ جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"آپ خود بھی بہت اچھی ہیں۔"

"تمہارے ہسبینڈ کی پرسنالٹی بہت زبردست ہے۔ تم لوگوں کا کپل بہت پرفیکٹ اور شاندار ہے۔ کزن ہیں نا تمہارے؟"

"جی...... تایا کے بیٹے ہیں......" اس نے اپنے بارے میں نویرہ کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

"تم نے اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا؟"

"ہم صرف تین بہنیں ہی ہیں۔ ہادیہ آپی پھپھو کے بیٹے سے بیاہی گئی ہیں۔ نوشین کی بھی شادی ہو چکی ہے پھر میں ہوں۔ میرے بارے میں آپ کو علم ہے۔ ہمارے پاپا دو بھائی اور ایک بہن ہیں۔ تایا ابو کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ عثمان بھائی اور سمعان کے بعد فرح اور علی ہیں۔ فرح میری ہی ہم عمر ہے۔ اس کی منگنی ہادیہ آپا کے دیور اور پھپھو کے چھوٹے بیٹے سے ہو چکی ہے۔"

"ابھی تم پڑھ رہی تھیں تو اتنی جلدی یوں کم عمری میں تمہارے والدین نے تمہاری شادی کیوں کر دی؟" سوال ایسا تھا کہ زرش کو سمجھ نہ آئی کہ کیا جواب دے......

"بس پاپا کی طبیعت اکثر خراب رہتی ہے۔ آپ کو بتا چکی ہوں کہ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ نوشی کی شادی کر رہے تھے۔ تایا ابو کے کہنے پر میری بھی شادی کر دی۔ تعلیم میں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی تو سمعان نے مجھے یہاں ایڈمیشن دلا دیا۔" اس نے مسکرا کر چند لفظوں میں بات سمیٹ دی۔

"خوش قسمت ہو تم...... ورنہ شادی کے بعد شوہر بیوی کے اتنے لاڈ کہاں اٹھاتے ہیں......" مصعب سوچ چکا تھا۔ نویرہ کے کہنے پر وہ صرف مسکرا ہی سکی تھی۔

وہ اس مقام پر کیسے پہنچی تھی وہ نویرہ کو بتا کر دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اچھا تھا اک پردہ درمیان میں حائل ہی رہتا ورنہ اپنی ذات کو ڈسکس کرنے میں اذیت ہی ہوتی۔

یوں اپنے ماں باپ سب رشتہ داروں سے دور اجنبی شہر میں صرف تعلیم حاصل کرنے کے لیے رکنا۔ اگر طاہرہ بیگم نے وہ سب نہ کیا ہوتا تو اس وقت زندگی میں کچھ نہ کچھ خوش گوار یت ہوتی۔ وہ محض زندگی کو دھکا نہ لگاتی۔

* * *

نویرہ کا یوں گھر چھوڑ کر چلے جانا ایک ایسا دھچکا تھا کہ لگتا تھا سب کی زندگی میں اک قیامت سی آ گئی ہے۔ شارق زمان کے لیے نویرہ کا یہ قدم کسی شدید شاک سے کم نہ تھا۔ وہ اکیلی نہ تھی اس کے پاس مصعب بھی تھا۔

نجانے وہ کہاں تھی؟

کس حال میں تھی؟

یہ سوال ایسے تھے کہ کسی پل چین نہ تھا۔

ہر جگہ دیکھ ڈالا تھا۔ ایسی کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی جہاں اس کی تلاش میں ہر ممکن کوشش نہ کر ڈالی ہو۔ جب ہر طرف سے ناامیدی اور مایوسی ہی دیکھنے کو ملی تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے انسپکٹر انجم کی خدمات لینا پڑی تھیں مگر تاحال کامیابی کا کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تھا۔

نویرہ کی یوں گمشدگی بے شک حمید چچا اور فاروق چچا کے گھرانے کے علاوہ اور رشتے داروں کے علم میں یہ بات نہیں آئی تھی مگر کب تک اس خبر کو چھپایا جا سکتا تھا...... شارق زمان جس نے کبھی لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کی تھی پہلی بار اس سنگین صورت حال کا احساس ہوا تھا۔

"نویرہ نے یہ قدم کیوں اٹھایا؟" جو لوگ صورت حال سے بے خبر تھے ان کے سوال کسی برچھی یا تیز دھار آلے کی ضرب سے کم نہ تھا۔ اماں اور رفعت باجی ہر پل آئینہ دکھاتی تھیں۔ رفعت باجی نے واپس جانا تھا مگر اب سب کچھ بھلا کر اماں کو سنبھالے ہوئے تھیں کہ جن کی طبیعت روز بہ روز خراب ہوتی جا رہی تھی۔

مغرب کے وقت وہ انجم کے ساتھ سارا دن خوار ہو کے گھر آیا تو لاؤنج میں بیٹھے نواز فاروق کے ساتھ رضا حمید کو دیکھ کر شارق زمان کا فشار خون ایک دم تیز ہو گیا تھا۔ جی چاہا کہ پسٹل لے اور ساری کی ساری گولیاں رضا حمید کے حلق میں اتار دے۔

"تم......" انتہائی نفرت سے اسے دیکھا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اتنے دن خود سے لڑنے کے بعد آج اعتراف جرم کرنے کی ہمت ہوئی تھی۔

"شارق بیٹھ کر آرام سے بغیر غصہ کیے بات سن لو۔ رضا تم سے معافی مانگنے آیا ہے۔" اماں کے کہنے پر اس نے انتہائی غضب سے سب کو دیکھا تھا۔

"کیوں آیا ہے یہ یہاں...... دفع ہو جائے یہاں سے۔ مجھے اب اس جھوٹے گھٹیا انسان کی کوئی

بات نہیں سنتی۔" وہ سخت طیش کے عالم میں پھٹ پڑا تھا۔

"شارق! تحمل سے تم اس کی بات......"

"نہیں ہے تحمل مجھ میں......نہیں کچھ سننا مجھے کسی سے کچھ بھی نہیں......" اس نے غضب کے عالم میں اماں کی بات کاٹ دی تھی۔

"شارق' دوست غصے اور جذباتیت کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے ہی تم لوگوں کی جذباتیت کے ہاتھوں آج یہ صورت حال درپیش آئی ہے۔ تم بیٹھ کر سکون سے' ٹھنڈے دل و دماغ سے اصل حقائق سے شناسائی تو حاصل کرو پلیز یار۔" نواز اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے۔ اس کے کندھے پر اپنا بازو رکھ کر اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"تم اسے کیوں لے کر آئے ہو؟"

"وہ شرمندہ ہے' وہ اپنے سب گناہ قبول کرنے کو تیار ہے۔ اس سے غلطی ہو چکی ہے۔ وہ اس غلطی کا اقرار کرنا چاہتا ہے۔" شارق نے لب بھینچ لیے تھے۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد رضا حمید کو اب اپنی غلطی کی سنگینی یا اصلاح کا خیال آیا تھا۔

"ادھر بیٹھو۔ اب جذباتیت کا کوئی فائدہ نہیں۔ نوریہ ایک انتہائی قدم اٹھا چکی ہے۔ کوئی پتا نہیں چل رہا کہ وہ کہاں ہے؟ مگر جو غلطیاں ہو چکی ہیں ان کی اصلاح تو کی جا سکتی ہے......" نواز نے بازو سے پکڑ کر اسے سامنے صوفے پر بٹھا دیا تھا۔ شارق نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

"رضا کم عمر اور جذباتی تھا۔ اس سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ تمہیں معاف کرنے کا نہیں کہتا مگر اپنا دل و دماغ صاف کرو اور غلط فہمیاں دور کرو۔ پلیز یار یہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔" رضا اسی طرح خاموشی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"شارق بھائی! میں اپنے سب گناہ قبول کرتا ہوں۔ میں نے غلط بیانی کی مگر خدا کی قسم نوریہ آپی میرے بارے میں قطعی بے خبر تھیں۔ جو کچھ بھی تھا صرف اور صرف میری طرف سے تھا۔ سب یک طرفہ تھا۔ وہ سب میرے احساسات اور جذبات تھے' صرف میری جذباتی حماقتیں وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ شارق زمان جو اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

"شٹ اپ۔" اس کا ہاتھ اتنے بھرپور انداز میں رضا کے چہرے پر لگا تھا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا صوفے پر جا گرا تھا۔

"شارق......" اماں کی چیخ کے ساتھ رفعت باجی اور نواز بھی ایک دم آگے بڑھے مگر شارق زمان نے صوفے پر گرے رضا حمید کو گریبان سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا تھا۔

"تمہارے لیے یہ سب جذباتی حماقتیں تھیں۔ کسی کی زندگی سے کھیل گئے اور حماقت کا نام لیتے ہو۔" شارق زمان نے دوسرا تھپڑ مارا۔

"شارق! یہ کیا کر رہے ہو......چھوڑو اسے......؟" نواز نے آگے بڑھ کر شارق سے اس کا گریبان چھڑانا چاہا تھا مگر شارق نے اسے پرے دھکیل دیا تھا۔

"تم درمیان میں نہ بولو یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ میں اب تک کوشش کر رہا تھا کہ میرا اس سے سامنا نہ ہو۔ میں نے بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھالا ہوا تھا مگر اب یہ خود سامنے آیا ہے تو جان سے مار ڈالوں گا۔" اس نے اور سختی سے اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے شارق! جتنا قصور اس کا ہے اس سے زیادہ تمہارا اپنا ہے۔ اسے تو جان سے مار ڈالنے کی بات کرتے ہو......اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ تو پھر اپنے گناہ اپنی غلطیاں قبول کر رہا ہے تم سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکا...... بہت اچھا کیا نوریہ نے مگر اس سارے کیے کرائے کے تم خود ذمہ دار ہو...... چھوڑو اسے۔ نواز نے پوری قوت سے رضا کا گریبان چھڑا کر شارق کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا تھا اور شارق غضب سے نواز کو گھور رہا تھا۔

"ہاں میرا قصور ہے مگر اس سب کا ذمے دار صرف یہ انسان ہے۔ میں وقتی طور پر جذباتی ہوا تھا مگر آہستہ آہستہ نارمل ہوتے ہی میں نے اپنی غلطیاں قبول کر لیں۔ نوریہ کے گھر میں آنے پر چپ سادھ لی تھی۔ یہ نوریہ ہی تھی جس نے ہر مقام پر مجھے احساس دلایا کہ یہ شخص ہمارے درمیان کسی خلیج حائل کر چکا ہے......" وہ ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ یہ وہ سچ تھا جو وہ خود سے بھی نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اب انتہائی طیش میں وہ اپنے جذبات آشکار کر گیا تھا۔

"جب تم نے اپنی غلطیاں قبول کر لی تھیں تو پھر یہاں تک نوبت کیوں پہنچی؟ رضا نے اگر غلطی کی تھی تو تم تو عقل مند تھے' دانش مندی سے حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے......" نواز فاروق نے سختی سے اسے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا اور شارق زمان وہ سختی سے لب بھینچ گیا تھا۔

"رضا نے جو کیا سو کیا' حالات کو اس حد تک لانے کے ذمے دار سراسر تم خود ہو......تم خود۔" نواز کا لہجہ سچا تھا مگر بے انتہا کڑوا......اور شارق لب بھینچ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"شارق......شارق......" رفعت باجی گم صم کھڑی تھیں مگر شارق کو اس طرح منظر سے ہٹتے دیکھ کر گھبرا کر انہوں نے آوازیں دی تھیں مگر سب بے سود تھا۔ وہ غصے و طیش سے نہ صرف لاؤنج سے نکل گیا تھا بلکہ بڑے رش انداز میں گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے وہ گھر سے بھی نکل گیا تھا۔

* * *

وہ ساری رات اسپتال میں ایڈمٹ رہی تھیں۔ اگلی صبح تک وہ دوائیوں کے زیر اثر غافل رہیں مگر بارہ بجے کے بعد انہیں ہوش آیا تو ان کی وہی کنڈیشن تھی۔

"امجد! مجھے میرے بچوں کے پاس لے جاؤ۔ میں پاؤں میں گر کر سب سے معافی مانگ لوں گی' میں نے بہت غلطیاں کیں۔ بہت گناہ کیے' میں سب قبول کر لوں گی۔ ایک بار میرے بچوں کے پاس مجھے لے جاؤ یا ان کو بلوا دو۔" ان کی وہی حالت اور گریہ زاری تھی۔ ان کی اذیت و بے بسی محسوس کرتے ہوئے امجد نے "احمد لاج" کے مکینوں سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

احمد لاج فون کیا اور وہاں فرح کو طاہرہ بیگم کی کنڈیشن اور اسپتال کا نام بتا کر اس نے فون بند کر دیا مگر اس کے بعد امجد کے لیے لمحہ لمحہ اذیت بنتا چلا گیا تھا۔ خالہ کو تسلی دی تھی مگر وہ تو گویا سراپا انتظار بن

گئی تھیں۔

دو بجے کے قریب سمعان کے ہمراہ علی اور فرح کو دیکھ کر امجد کی سانس میں سانس آئی۔

"السلام علیکم!" وہ اسپتال کی راہداری میں ہی مل گیا تھا۔ علی اور سمعان سے مصافحے کے بعد فرح کو دیکھا۔ سوجی سرخ آنکھیں...... لگتا تھا کہ وہ بڑی دیر تک روتی رہی ہے۔

"کہاں ہیں امی؟" دونوں بھائی چپ ہی تھے فرح ہی بولی تھی۔

"آئیں......" وہ ان کو لے کر کمرے میں چلا آیا تھا۔ طاہرہ بیگم آنکھوں پہ بازو رکھے بستر پہ چت لیٹی ہوئی تھیں۔

"امی......" طاہرہ بیگم نے تڑپ کر بازو آنکھوں سے ہٹایا تھا۔ علی، فرح اور سمعان کو سامنے دیکھ کر ان کے بہتے آنسو تھم سے گئے تھے۔

"فرح......" وہ بستر سے اٹھ بیٹھی تھیں۔ فرح بے قراری سے ان سے لپٹ گئی تھی۔ وہ جو بھی تھیں مگر پہلے ماں تھیں۔ ان کی سب غلطیوں کو نظرانداز کیا جا سکتا تھا مگر ماں کی بیماری کو نہیں۔ سمعان نے لب بھینچ کر اپنی روتی بکھرتی ماں کو دیکھا۔ وہ سیدھا لاہور سے آیا تھا کہ فرح کو روتے دیکھ کر امجد کی کال کا علم ہوا تو اب وہ دونوں کے ساتھ یہاں تھا۔

وہ پچھلے دنوں سے مسلسل ادھر ہی تھا جب سے امی گھر چھوڑ کر گئی تھیں فرح بیمار تھی اور علی اپ سیٹ...... اظہار نہ کرتے مگر فرق تو پڑا تھا۔ ایسے عالم میں سمعان احمد کا وجود دونوں بہن بھائیوں کے لیے بہت معاون ثابت ہوا تھا جیسا کہ اب...... دل میں ہزار گلے شکوے سہی مگر ماں کی خراب طبیعت کا سن کر ان سے رہا نہیں گیا تھا۔ چپ چاپ دونوں کو لیے ادھر آ گیا تھا اور اب طاہرہ بیگم کی حالت دیکھ کر دل میں تاسف کے ساتھ اضمحلال بھی جاگا تھا۔ فرح انہیں چپ کرانے لگی تو امجد کے اشارہ کرنے پر وہ علی کو بھی وہیں آنے کا کہہ اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔

"کیا ہوا تھا امی کو؟"

"کچھ خاص نہیں...... بی پی نارمل نہیں تھا۔ اچانک طبیعت کافی خراب ہو گئی تو کل رات میں انہیں ادھر ہی لے آیا تھا۔ اب بہتر ہیں۔" اصل صورت حال کے بجائے امجد نے صرف یہی کہا تھا۔ نجانے ان لوگوں کا کیا ارادہ تھا۔ خالہ ان لوگوں کو اصل صورت حال بتاتی بھی ہیں یا نہیں...... اسی لیے وہ ٹال گیا تھا۔

"باقی لوگ کدھر ہیں؟" طاہرہ کو تنہا اور صرف امجد کو دیکھ کر سمعان نے سنجیدگی سے پوچھا تو امجد کے چہرے پہ بڑی زہریلی سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"خالہ کو میں اسپتال لے کر آیا تھا۔ باقی کوئی نہیں آیا۔ ہاں امی نے صبح فون کیا تھا۔ ویسے بھی خالہ کا اصل اور حقیقی رشتہ تو تم لوگوں سے ہے۔ تم لوگ آ گئے ہو میرا نہیں خیال کہ تم لوگوں سے بڑھ کر ان کا اور کوئی خیر خواہ ہو یا انہیں کسی اور کی ضرورت ہو؟" بات ایسی تھی سمعان کئی لمحے تک چپ رہا تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں؟ گھر لے جا سکتے ہیں کیا؟" سمعان نے مزید کچھ اور پوچھے بغیر بات

پلٹ دی تھی۔

"ہوں۔" سمعان امجد کے ساتھ جا کر ڈاکٹرز سے مل کر کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں تھی صرف ڈپریشن تھا۔ طاہرہ بیگم کی طبیعت ابھی تک نارمل نہیں تھی۔ فرح کو سامنے دیکھ کر علی کو گم صم اور سمعان کے انتہائی سنجیدہ انداز کو دیکھتے ان کے اندر پھر احساس نے اودھم مچا دیا تھا۔

یہ ان کے بچے تھے۔ ان کا رویہ اگر ایسا تھا تو سعید احمد کا کیسا ہوگا......؟

کیا وہ انہیں اب قبول کر لیں گے؟

اس حالت میں......

اس عالم میں......

جب ان کے ساتھ پچھتاووں کے سوا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ اپنی غلطیوں پہ ندامت کا بوجھ کندھوں پہ اٹھائے وہ واپس پلٹی تھیں۔

قیصرہ آپا پہ کتنا مان اور بھروسہ تھا؟ اور اب......؟ کچھ بھی باقی نہ بچا تھا...... گویا اپنی ہی نظروں سے گر گئی تھی۔

سمعان کی گاڑی میں گھر آتے ان کی طبیعت کئی بار بگڑی۔ فرح مسلسل ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے تھیں اور علی جو ہمیشہ ان سے خائف رہا تھا۔ بات بے بات الجھ پڑتا تھا انتہائی گم صم حالت میں ان کو بازو کے حصار میں لیے پچھلی سیٹ پہ ان کے ساتھ تھا اور سمعان...... اس نے ان سے براہ راست ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔ وہ ایک عرصہ سے ان سے محو کلام ہونا بھول گیا تھا۔ وہ بلاتیں یا پکارتیں بھی تو نظر جھکائے ایک دو لفظ سے زیادہ کبھی کوئی بات نہ کرتا تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ جو بھی کیا تھا مگر سمعان نے کبھی زبان سے انہیں کچھ جتایا نہیں تھا۔ ہاں سمعان کی خاموشی، ایک سنجیدہ نگاہ ہی ان کے اندر اپنے فعل پہ وحشت بھر دیتی تھی اور پھر ایک غلطی کرنے کے بعد بھی وہ آپا کے کہنے پہ غلطیوں پہ غلطیاں کرتی چلی گئی تھیں۔

سمعان کی شادی، زرش کی ضد، اس کا اس گھر میں نہ آنا، اسلام آباد چلے جانا اور پھر ان کا وہاں جا کر دونوں خصوصاً زرش کو زچ کرنا۔ وہ اپنی کن کن غلطیوں کو دہراتیں...... اس کے باوجود سمعان انہیں لینے آیا تھا۔ سارا راستہ ان کی آنکھیں برستی رہی تھیں۔ علی کے بازو کے حصار کا لمس بڑا پرسکون تھا مگر ان کی اپنی لغزشیں عمر بھر کی حماقتیں ان کے وجود کے اندر کانٹے بن گئی تھیں۔ وہ کیسے جئیں گی؟

ابھی تو سعید احمد کا سامنا بھی کرنا ہوگا...... عثمان، شائستہ، مسعود احمد اور خاص طور پہ زرش...... نفیسہ آپا اور اپنے سب بھائیوں کے وہ کسی کے سامنے بھی نگاہ اٹھا کر جینے کے قابل نہ رہی تھیں۔

"ہائے قیصرہ آپا کیا بگاڑا تھا میں نے آپ کا......؟ کس جرم کی سزا دی آپ نے مجھے......؟ بس میری غلطی یہ تھی کہ میں حد سے زیادہ بے وقوف تھی۔ سب کے سمجھانے بجھانے کے باوجود آپ کی ہر بات پہ سر جھکایا۔ ساری عمر گنوا دی میں نے اپنی غلطیوں، لغزشوں میں، رشتہ دار تو ایک طرف نہ شوہر رہا نہ اولاد اپنی......" گھر آ کر فرح اور علی کے سہارے سے اپنے کمرے میں آ کر بستر پہ لیٹتے ہوئے بھی

ان کی طبیعت کا وہی عالم تھا۔ وہی شکستگی تھی، وہی اضطراب و گریہ زاری برقرار تھی۔

وہ بچپن سے ہی کم گو دبوسی اور قیصرہ آپا کے زیر تسلط رہی تھیں۔ انہوں نے جو کہا فوراً مانا ہاں شائستہ سے دوستی تھی مگر قیصرہ آپا شائستہ کو ناپسند کرتی تھیں۔

قیصرہ آپا کی شادی ہوئی اور پھر بیٹی مگر ان کا اثر اس کی ذات پر اسی طرح قائم رہا۔ جب انہوں نے اٹھتے بیٹھتے بات بے بات سعود احمد کی طبیعت کا سلجھا پن، ان کی شخصیت کی دلکشی، گفتگو کے انداز وملنساری کو اس طرح سراہنا شروع کر دیا کہ وہ آپا کی باتوں کے سحر میں جکڑتی چلی گئیں۔ وہ خوب صورت تھیں۔ سلجھی طبیعت کی مالک تھیں مگر بداعتمادی کی کمی نے انہیں اس قدر بے اعتماد بنا دیا تھا کہ انہیں آپا کی ہر بات حرف آخر لگتی تھی۔ آپا جس کو پسند کر لیں اس کو پسند کرنا اس کی مجبوری تھی اور یہ مجبوری ایک "جھوٹے سحر" کی صورت طاہرہ کی شخصیت پر بھی حاوی ہوتی چلی گئی تھی۔

سعود اپنی خالہ سے ملنے آتا اور آپا کو خبر ہوتی تو وہ اسے ہر پل اس کے آگے پیچھے دوڑاتی پھرتیں اور وہ ان کی ہر بات پر ایمان لاتی گئیں۔ آپا نے اسے احساس دلایا کہ سعود احمد جیسے مرد بہت قسمت والیوں کو ملتے ہیں اگر ایسا نایاب گوہر طاہرہ کے حصے میں آجائے تو اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہو سکتا ہے اور پہلی بار طاہرہ کو احساس ہوا کہ آپا کیا چاہتی ہیں۔ انہیں آپا بڑی اچھی لگیں جو ان کے لیے اتنا اچھا سوچتی ہیں اور پھر اس نے سعود احمد کی نظروں میں اپنا مقام بنانے کے لیے اس نے سعود احمد کی نظروں میں وہ من چاہا مقام حاصل کرنے کے بجائے بری طرح گرتی چلی گئیں۔ شائستہ کے خلاف کدورت اور شدید نفرت نے جنم لیا اور یہ نفرت بجائے ختم ہونے کے ہر گزرتے دن کے ساتھ گہری ہی ہوتی چلی گئی۔

سعید احمد کا رشتہ ان کے لیے آیا۔ یہ اس کی فیملی کے ہر مرد کے لیے بڑے بخت بات تھی مگر آپا نے تب بھی احساس دلایا کہ یہ اچھا نہیں ہوا۔ اگر کبھی سعید احمد کو اس کے جذبات کا علم ہو گیا تو وہ کیسے زندگی گزار سکے گی۔ وہ اسے مختلف باتوں سے ڈراتی رہتیں اور وہ ڈرتی رہتیں۔ ان کے انکار کے باوجود یہ شادی ہوئی اور سعید احمد نے شادی کی اولین شب میں ہی ان کو جو اہم ہونے کا احساس دلایا تو بھی وہ اپنی ذات کی بداعتمادی کو ختم نہ کر پائیں۔ شاید سعید احمد کی بے پناہ محبت پا کر وہ اپنی ساری گزشتہ حماقتیں بھول جاتیں مگر قیصرہ آپا بھولنے دیتیں تو وہ بھول پاتیں نا۔ طاہرہ نے جب بھی خوش ہونا چاہا۔ قیصرہ آپا کی کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوتی کہ وہ شائستہ سعود سے خار کھانے کے ساتھ ساتھ سعید احمد سے الجھنے لگتی تھیں۔

عثمان کی پیدائش کے بعد وہ سنبھلنے لگی تھیں۔ عثمان کا وجود طاہرہ کو اپنے اور سعید احمد کے درمیان رشتے کی نوعیت سمجھانے میں کامیاب ہو رہا تھا اور پھر انہوں نے شعوری طور پر سعید احمد کی ذات میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ ان کی چھوٹی موٹی ہر ضرورت کا خیال رکھنے لگی تھیں۔ آہستہ آہستہ ان کی محبت طاہرہ کے دل میں جگہ بنا رہی تھیں۔ وہ نارمل ہو رہی تھیں کہ اللہ نے انہیں پھر سے خوشخبری سنا دی تھی۔ سعید احمد بھی طاہرہ کو نارمل ہوتے دیکھ کر پرسکون رہنے لگے تھے۔ عثمان کی دفعہ تو صرف ایک

مجبوری تھی مگر عثمان کی پیدائش نے انہیں حقیقتاً احساس دلایا کہ وہ بہت خاص ہیں۔ سعید احمد کے لیے اور ان کی ساری فیملی کے لیے بھی...... سعید احمد کی محبت نے طاہرہ کو اپنے حصار میں جکڑنا شروع کر دیا تھا اور طاہرہ نے بھی گزشتہ ساری باتوں کو بھلا کر سعید احمد کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دینا شروع کر دی تھی۔

زندگی کا وہ دور بڑا سکون بخش اور محبت بھرا دور تھا مگر قیصرہ آپا کی پھر سے بے جا مداخلت نے انہیں اپنے حصار میں لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ طاہرہ کی بدلتی کیفیت اور جذبات سے خود آگاہ ہوئی تھیں سو وہ کیسے گوارہ کر لیتیں۔ انہوں نے اٹھتے بیٹھتے ان کی گزشتہ حماقتیں یاد دلانا شروع کر دیں تو وہ خوف کا شکار ہونے لگیں۔

"اگر کسی دن سعید کو پتہ چل گیا کہ شادی سے پہلے وہ کیا سوچتی رہی ہیں تو نجانے کیا کریں......؟"

دو بیٹیوں کی ماں ہونا بھی اک فخر تھا۔

پھر آپا کی مسلسل برین واشنگ تھی کہ وہ شائستہ سے برملا نفرت کا اظہار کرنے لگی تھیں اور وہ دن بھی ایسا ہی تھا جب ان کے توہم اور طعنوں نے شائستہ کو بھی ظرف کا دامن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ ان سے پہلے وہ ہمیشہ پہلو تہی برت جاتی تھیں مگر اس دن وہ چپ نہ رہی تھیں اور ان دونوں کی لڑائی میں وہ راز آشکار ہوتا چلا گیا جو طاہرہ کے نزدیک اب سراسر ایک حماقت تھا۔

سعید احمد نے سب صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کے نزدیک طاہرہ کا یہ ایسا گناہ تھا جو وہ کبھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔ بات بگڑتی گئی تھی اور قیصرہ آپا کو اس نے بلوا کر معاملہ سلجھانے کا کہا تھا مگر آپا نے بات سلجھانے کے بجائے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی ضد پکڑ لی تھی۔ وہ کسی بھی صورت یہ گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھیں۔ سعید احمد کا دل صاف کرنا چاہتی تھیں مگر قیصرہ آپا ایسا نہ چاہتی تھی وہ اسے بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ سعید احمد نے بچوں کو زبردستی پاس رکھ لیا تھا۔ آپا کے ساتھ گزارے دن ان کی بے بسی اور اولاد کے بنا جھیلی جانے والی تڑپ کے گواہ تھے اور ان دنوں نے طاہرہ کے اندر سے ہر احساس کو نکال پھینکا تھا۔ ان کا گھر تباہ کرنے کا سبب صرف اور صرف شائستہ تھی۔

اور پھر بزرگوں کی مداخلت سے حالات بظاہر نارمل ہوئے تھے۔ وہ دوبارہ گھر میں آ گئی تھیں مگر سعید احمد کے لیے وہ ایک ناکارہ شے سے بھی کم حیثیت کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ ان کے دل سے اتر چکی تھیں۔ اب تو صرف بزرگوں اور اپنے بچوں کی وجہ سے وہ سمجھوتہ کر رہے تھے اور اس بات کا احساس انہوں نے طاہرہ کو ہر لمحے دلایا تھا۔ طاہرہ کے اندر کی عورت جو سب بھلا کر صرف بچوں کی وجہ سے آ گئی تھیں سعید احمد کا رویہ دیکھ کر پھر سے نفرت کا مجسمہ بن گئی تھیں۔ انہوں نے بھی سب لحاظ بالائے طاق رکھ دیے تھے۔ سعید احمد نے ان کی پوری زندگی کو شک کے ترازو میں تولنا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے ان کو اپنی محبت و وفاداری کا یقین دلانے کی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پہ تھے اور درمیان میں فاصلوں کی اک طویل خلیج تھی۔ وقت کچھ اور سرکا تھا۔ سعید احمد نے بھی شاید حالات

سے سمجھوتہ کرلیا تھا یا پھر یہ بھی ان کو اذیت دینے کا ایک اور انداز تھا۔ پہلے فرح اور پھر علی کی آمد نے طاہرہ کو بظاہر مضبوط کر دیا تھا مگر ان کے دل میں موجود شائستہ کے لیے نفرت نے اور ہی رخ اختیار کر لیا تھا۔

آہستہ آہستہ انہوں نے خود کو اس گھر میں ایڈجسٹ کر ہی لیا تھا۔ سعید احمد کی وہی لاتعلقی تھی مگر اپنے بچوں کی وجہ سے وہ کبھی کبھار انہیں بھی اہمیت دیے جاتے تھے مگر دل میں وہ پہلے والا مقام نہ دے پائے تھے۔ طاہرہ کے ماں باپ اور بہن بھائی سب سمجھاتے رہتے تھے مگر انہوں نے پہلے کون سا کسی کی مانی تھی۔ ان کا پورا کنٹرول تو قیصرہ آپا کے ہاتھ میں تھا اور پھر ساری عمر غلط فہمیاں ہی کی تھیں۔ پہلے ہادیہ اور عثمان کے معاملے میں اور پھر زرش اور سمعان کے معاملے میں۔ آج وہ جس مقام پہ تھیں وہاں کچھ بھی نہ بچا تھا' نہ محبت نہ نفرت...... صرف پچھتاوے تھے۔

قیصرہ آپا نے ان سے ہمیشہ اپنا مطلب پورا کیا تھا۔ امجد کی باتوں پہ نہ بھی یقین کرتیں مگر وہ پھر بھی سچ تھا۔ آپا نے ہر بار ان سے لاکھوں ہتھیائے تھے۔ کوئی نہ کوئی ضرورت ہے کا کہہ کر وہ کچھ نہ کچھ مانگتی رہتی تھیں۔ کبھی انہوں نے واپس نہ کیے اور نہ ہی انہوں نے لیے۔ سعید احمد نے نہ کبھی پوچھ گچھ کی جو دے دیا کبھی پلٹ کر حساب نہ کیا۔ وہ نفرت کی عینک اتار کر دیکھتیں تو شائستہ سے ذاتی طور پر کوئی پرخاش نہ تھی۔ ان کی تینوں بیٹیاں بھی سلجھی ہوئی ہمدرد طبیعت کی تھیں۔ اتنے سال نفرت کرتے گزار دیے تھے مگر آج دونوں ہاتھوں سے خالی تھیں۔ سارا الزام قیصرہ آپا پہ ڈال کر وہ خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتی تھیں۔

آج پچھتاوے تھے......
آنسو تھے......
ندامت تھی......
مگر محبت نہ تھی......

انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر محبت سے ان کا سر دباتی اکلوتی لاڈلی اور چہیتی بیٹی کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟" انہیں یک ٹک اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے خائف ہوتے ماں کو دیکھا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام کر والہانہ پن سے چومتے ہوئے وہ رو رہی تھیں۔

"امی! کیا بات ہے؟" فرح گھبرا گئی تھی۔ علی اور سمعان بھی کمرے سے باہر گئے تھے۔

"علی اور سمعان کہاں ہیں؟" فرح کو یوں پریشان دیکھ کر انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے پوچھا تھا۔ یہ وہ اولاد تھی جس کو وہ اپنی انا اور نفرت کی وجہ سے رد کرتی رہی تھیں۔

"علی اور بھائی باہر لگتے ہیں' بلواؤں ان کو......"

انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔ فرح باہر آئی تو سمعان گم صم انداز میں صوفے پر بیٹھے نجانے کن سوچوں میں گم تھا جب کہ علی غائب تھا۔

"بھائی!" سمعان نے اسے دیکھا۔

"علی کہاں ہے؟"

"کمرے میں گیا ہے کیوں خیریت......؟ امی کیسی ہیں؟"

"آپ کو بلوا رہی ہیں۔ میں ذرا علی کو دیکھ لوں۔" وہ سمعان کو کہہ کر خود علی کے کمرے کی طرف چل دی تھیں۔ سمعان جب کمرے میں پہنچا تو وہ آنکھوں پہ بازو رکھے شدت سے رو رہی تھیں۔

"امی!" سمعان فوراً ان کے پاس پہنچا تھا۔ "کیا ہوا ہے؟" ان کے پاس بیٹھ کر بازو تھامنا چاہا تھا مگر وہ تو گویا سارے ضبط ہی کھو بیٹھی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو۔ میں نے بہت غلط کیا۔ بہت دل دکھایا تم سب کا؟ نہ میں اچھی ماں بنی نہ اچھی بیوی ثابت ہوئی۔" ان کی گریہ زاری بڑی شدت لیے ہوئے تھی۔ سمعان نے بہت سبھاؤ سے انہیں بازو کے حصار میں لے کر خود سے لگا لیا تھا۔ انہیں یاد نہیں تھا کہ اپنی اولاد کو گلے سے لگایا ہو یا خود سے چمٹا کر کوئی محبت کی ہو۔ وہ آج سب فاصلے ختم کیے بڑی شدت سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر رہی تھیں۔

"میں غلط تھی۔ ہمیشہ سب سے نفرت کی' خود ساختہ مفروضوں پہ قائم رہی۔ کبھی اپنی نفرت کے حصار سے باہر نکل کر اصل چہرہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں سب کی گناہ گار ہوں۔ تم سب کی...... تمہارے باپ کی...... تمہاری......" آج اعترافات کا دن تھا۔

"میں نے اپنی اولاد کو بہت تکلیف دی اور سب سے بڑھ کر آپا کی سب باتوں کو مانتے اتنے گھٹیا الزامات پر اتر آئی ورنہ کیا میں نہیں جانتی تھی کہ میری اولاد کیسی ہے؟ تم پہ تو اپنی ذات سے بڑھ کر یقین تھا مجھے۔" اور سمعان گم صم سا ان کے اعترافات سن رہا تھا۔ یہ کس مقام پہ آکر وہ اعترافات کر رہی تھیں اور جب وہ چپ ہوئیں تو خود پہ ندامت کا ایسا حصار کھینچا کہ سمعان سے نظر ملانے کے قابل نہ رہیں۔

"آپ لیٹ جائیں۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ خود کو ریلیکس رکھیں۔" سمعان کا انداز بڑا نارمل تھا۔ طاہرہ بیگم نے بڑی بے چارگی سے اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا تو سمعان ہلکے سے مسکرا دیا۔ طاہرہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں دبائے انہیں ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

"سمعان تم کچھ نہیں کہوگے؟ مجھے برا بھلا...... اتنی زیادتیاں کی ہیں میں کیسی ماں تھی؟ کم از کم مجھے الزام ہی دو۔" وہ سمعان کے اطمینان پر اور شدت سے روئی تھیں۔

"غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ امی ٹھیک ہے جو بھی ہوا بہت غلط ہوا مگر اب پچھتانے یا غلطیوں کو دہرانے کا کیا فائدہ؟ ہاں جو ہوا اس کی اصلاح کی کوشش تو کی جا سکتی ہے اور میں آپ کو کیوں برا بھلا کہوں گا۔ آپ ہماری ماں ہیں۔ بہت اعلیٰ رتبہ اور مقام ہے آپ کا ہمارے نزدیک آپ ریلیکس رہیں۔ اگر میں آپ سے ناراض ہوتا تو اس وقت آپ کے پاس نہ ہوتا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ اپنی ذات سے بڑھ کر کسی چیز پہ اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ قیصرہ خالہ نے آپ کو صرف استعمال کیا۔ انہوں نے آپ کو نہ کبھی خوش رہنے دیا اور نہ کبھی آپ کو اپنے حصار

سے باہر نکلنے دیا۔ وہ مطلب پرست خاتون ہے۔ امجد سے تفصیلی بات ہو چکی ہے میری۔ اچھا ہوا خالہ کا اصلی چہرہ آپ کے سامنے آ گیا۔ اب گزرے وقت پر پچھتانے کا کوئی ملال نہ کریں۔ ہاں اگر آپ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتی ہیں تو ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کی اولاد ہمیشہ آپ کے ساتھ تھی ہے اور رہے گی بھی......" سمعان کا انداز بڑا سنجیدہ اور بردبار تھا۔ وہ اپنی کم فہمی اور نادانستگی میں کیسے انمول رشتوں اور جذبوں سے ساری عمر محروم رہی تھیں۔ ان کے اندر کے احساسِ زیاں نے اور شدت اختیار کی تھی۔

* * *

سارا دن ادھر سے ادھر خوار ہوتے وہ آج کل سوائے نویرہ کی تلاش کے ہر کام بھول بیٹھا تھا۔ اس وقت بھی وہ انجم سے مل کر انتہائی مایوس واپس لوٹ رہا تھا۔ وہ کہاں جا سکتی تھی...... اس کی تلاش کا ہر حربہ استعمال کر لیا تھا مگر اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے واجدہ بیگم کے ساتھ ساتھ خالدہ بیگم کی بھی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی۔ نبیل الگ پریشان تھا اور وہ خود رضا سے سامنا ہونے کے بعد عجیب سے احساسات کا شکار رہنے لگا تھا۔ قصور اس کا تھا بلکہ رضا کے بعد سب سے زیادہ قصوروار وہ خود تھا۔

دو دن پہلے وہ بینک گیا تھا۔ نویرہ کا اکاؤنٹ چیک کرنے تو اسے شدید شاک لگا۔ ایک دن پہلے بینک سے تمام رقم نکلوا لی گئی تھی اور وہ رقم نویرہ نے خود نکلوائی تھی۔ بینک میں جو رابطہ نمبر لکھوائے گئے تھے وہ سب خالدہ بیگم کے گھر کے اور نبیل کے نمبرز تھے۔ وہ باقاعدہ پلاننگ کر کے یہاں سے گئی تھی۔

وہ سڑکوں کی خاک چھان کر گھر جانے کا سوچ رہا تھا۔ بہت زیادہ ٹریفک کی وجہ سے رش کی وجہ سے دوسری طرف کی ٹریفک جوں کی توں رواں دواں تھی۔ شارق زمان الجھے ذہن و دل کے ساتھ اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجاتے رش کم ہونے کا انتظار کرتا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ جب اچانک نگاہ دوسری طرف رواں دواں ٹریفک پہ پڑی۔ بیکری شاپ کے سامنے کھڑی گاڑی میں دو لڑکیاں تھیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود لڑکی نے اسکارف اوڑھ رکھا تھا جب کہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر براجمان وجود نے شارق زمان کی توجہ پوری طرح اپنی طرف مبذول کرا لی تھی۔

اس کا چہرہ اگرچہ چادر میں لپٹا ہوا تھا مگر آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ واضح تھا۔ چادر کا ڈیزائن اور کلر...... شارق زمان کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھیں۔

"نویرہ......" شارق زمان ایک دم چونکا تھا۔ یہ اس کا گمان نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ اس کے ذہن نے پل میں شناسائی کی منزل پار کی تھی۔ ان کے ساتھ بچہ بھی تھا جو کہ نویرہ کے بازوؤں میں تھا۔

"مصعب......" شارق زمان نے بے قرار ہو کر گاڑی سے نکلنا چاہا تھا مگر اس کی گاڑی کے پیچھے موجود گاڑیوں نے ہارنز دینا شروع کر دیے تھے۔ ان دونوں نے بیکری سے شاید کچھ خریدا تھا۔ بیکری کے اندر سے لڑکے نے آ کر ان کو شاپر تھما کر رقم وصول کی تھی۔ شارق زمان فوراً گاڑی سے نکلا مگر تب تک گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ گاڑی ریورس ہو کر رفتار پکڑ چکی تھی۔ شارق زمان نے ڈرائیونگ سیٹ

موجود لڑکی کو دیکھا۔ وہ ٹریفک میں پھنسا جب تک دوسری جانب پہنچا تھا وہ گاڑی تیز رفتاری سے نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ شارق زمان کو یقین ہو گیا تھا کہ گاڑی سے نکلتے ان لوگوں نے اسے ضرور دیکھ لیا تھا تب ہی تو وہ لڑکی تیزی سے گاڑی وہاں سے نکال لے گئی تھی۔

"نویرہ......" شارق زمان کا اشتعال اس قدر تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔ اتنے دنوں بعد وہ نظر بھی آئی تھی تو کس عالم میں...... اسے سب سے زیادہ خود پہ غصہ آ رہا تھا کہ اتنی پریشانی میں وہ گاڑی کا نمبر نوٹ کرنا بھول گیا تھا۔ اگر نمبر نوٹ کر لیتا تو شاید اسے ڈھونڈنے میں آسانی ہو جاتی۔ وہ اپنی گاڑی بیچ سڑک میں چھوڑ کر نکلا تھا۔ دوسری طرف کا سارا ٹریفک رک گیا تھا۔ گاڑیوں کے ہارنز اور لوگوں کا غصہ......

وہ گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ اس نے چونک کر باہر دیکھا۔

"آپ ذرا باہر آئیں......" ٹریفک پولیس کا جوان اسے کہہ رہا تھا۔ اس کی غلطی کی وجہ سے سارا ٹریفک ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ باہر نکلنے سے انکار کر دے مگر وہ انتہائی تحمل سے گاڑی ایک طرف پارک کر کے اس کے ساتھ چل دیا تھا۔

* * *

"ٹھینک گاڈ......" گاڑی ایک پرسکون سڑک پر کھڑی کرتے زرش نے اپنے اعصاب کو نارمل کرنا چاہا تھا پھر آنکھیں کھول کر نویرہ کو دیکھا۔ وہ لب بھینچے زرد چہرہ لیے گم صم سی بیٹھی تھی۔ زرش نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"زرش...... وہ ہمارا پیچھا کر رہا ہوگا۔ وہ ایسے نہیں چھوڑنے والا۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ تم نے دیکھا وہ کیسے گاڑی کے پیچھے بھاگا تھا......" وہ ابھی تک خوف زدہ تھی۔ زرش نے تسلی بھرے انداز میں نویرہ کا ہاتھ دباتے اردگرد دیکھا۔ نجانے وہ کون سی جگہ تھی۔ ابھی تو اسے چند ایک سڑکوں کے علاوہ یہاں کا ٹھیک سے کچھ اندازہ بھی نہ تھا۔ نویرہ کو یوں ہی گھر میں گم صم ہر وقت بیٹھے دیکھ کر وہ آج یونیورسٹی کے بعد اسے لانگ ڈرائیونگ پہ لے آئی تھی۔ بیکری سے کھانے پینے کو کچھ لیا تھا جب اچانک نویرہ چلا اٹھی تھی۔

"شارق...... زرش! وہ شارق ہے۔ وہ ادھر ہی آرہا ہے۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ جلدی کرو گاڑی چلاؤ......" اور اس نے بوکھلا کر پہلے تیزی سے اپنی طرف آتے ایک مرد کو دیکھا تھا اور پھر بدحواسی سے گاڑی اسٹارٹ کر لی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ اس نے گاڑی بوکھلاہٹ میں کہیں نہ ماری تھی اور اسی بدحواسی میں اس نے گاڑی رش کا فائدہ اٹھا کر مین روڈ پہ ہی رکھنے کے بجائے کسی اندرونی سڑک میں گھسالی تھی اور اب وہ اندازہ لگا رہی تھی کہ کس طرف سے واپس مین روڈ کی طرف نکلے۔ وہ واپس اسی راستے سے جانے کا رسک تو نہیں لے سکتی تھی۔

"اچھا اب اس میں سے کچھ لے کر کھائیں پئیں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جب اتنا بڑا فیصلہ کر کے مطمئن ہیں تو ان چھوٹی موٹی باتوں سے گھبرانے سے آپ کا حوصلہ کم ہوگا بجائے بڑھنے کے...... اسی شہر میں رہتے ہوئے نجانے کتنی بار آپ کا ان لوگوں سے سامنا ہوگا اور اس صورت میں کہ صرف علاقے کا ہی ذرا سا ڈیفرنس ہے۔" شاپر میں سے برگر اور جوس کا پیک نکال کر اسے تھماتے اس نے بھرپور تسلی دی تو صرف سر ہلا گئی تھی۔ چند ایک لوگوں سے پوچھنے پر اسے درست راستے کی نشاندہی ہو جانے پر بڑی تیز رفتاری سے وہ گھر پہنچی تھی۔ سمعان رات گزار کر چلا گیا تھا۔ اسے وہ کافی پریشان لگا تھا۔ اس نے چند بار پوچھا بھی تو سمعان ٹال گیا۔ نویرہ گھر آنے کے بعد بھی گم صم سی تھی۔ زرش نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

کتنے دن ہو گئے تھے ماما سے تفصیلی بات نہیں ہوئی تھی۔ صرف چند ایک بات ہی ہو پائی تھی۔ ملازمہ کو کھانا تیار کرنے کا کہہ کر اس نے گھر کال کی تھی اور ادھر سے ماما نے تفصیلی انداز میں جو کچھ بتایا تھا اسے سن کر وہ کئی پل تک شش و پنج میں گھری رہی تھی۔ ماما اسے سمعان کے گھر کے بارے میں پوری تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ وہ حیران تھی۔ ظاہرہ بیگم بدل جائیں ناممکن...... مگر ماما کی باتوں پر اسے تعجب ہو رہا تھا۔

زرش اچھی خاصی الجھ چکی تھی۔ ماما کے گھر سے بھی کوئی ان کی عیادت کو نہیں گیا تھا تاہم پھپھو کے ہاں سے سب ہی رات جا کر ان کا حال احوال پوچھ آئے تھے۔

زرش کو بڑا دکھ سا ہوا۔ سمعان رات گزار کر گیا تھا۔ وہ پریشان تھا۔ اس نے کئی بار پریشانی کا سبب بھی پوچھا تھا مگر سمعان نے ہر بار ٹال دیا تھا۔

زرش کو رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ سمعان کے انداز میں وہ پہلے والی گرم جوشی اس بار مفقود تھی۔ اس کے اندر عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو اس نے سمعان کا نمبر ملا لیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام...... کیسی ہو زرش؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں۔"

"اللہ کا شکر ہے...... سب ٹھیک ہے نا؟ کوئی پرابلم تو نہیں؟"

"نہیں......" وہ چپ ہو کر سوچنے لگی کہ اب کیا بات کرے۔

"فرح کیسی ہے؟ طبیعت ٹھیک ہوئی اس کی؟"

"ہوں...... بہتر ہے وہ؟" سمعان کا وہی سنجیدہ انداز تھا۔ وہ چپ سی رہ گئی کہ اب کیا پوچھے؟

"آپ نے کل کراچی پہنچ کر کال نہیں کی تھی۔ میں پریشان ہوتی رہی تھی۔"

"اچھا......" دوسری طرف سمعان ہنس دیا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکی کہ یہ انداز طنزیہ ہے یا پھر......

"بس آتے ہی کچھ مصروف ہو گیا تھا پھر ذہن سے نکل گیا۔" پھر وہی وقفہ درمیان میں در آیا تھا۔ بڑا تکلیف دہ دورانیہ تھا۔ زرش کو لگا اس کے اندر سے جیسے کچھ ٹوٹ گیا ہے۔

"یونیورسٹی گئیں...... اسٹڈی ٹھیک ہو رہی ہے؟" اس کی طرف سے خاموشی محسوس کرتے سمعان نے خود ہی پوچھا تھا۔

"جی اسٹڈی ٹھیک ہے۔ ایک پروفیسر چینج ہو گئے ہیں۔ شاید ایک دو دن میں ان کی جگہ کوئی نئے پروفیسر آئیں۔" اس نے خود کو بحال کیا۔

"اچھی بات ہے...... کسی قسم کا کوئی مسئلہ ہو تو امجد سے کہہ دینا۔ وہ ہینڈل کر لے گا اور ہاں خود سے گاڑی لے کر کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ امجد کو اسی لیے رکھا ہوا ہے۔" سمعان کی اس تاکید پر وہ کچھ خائف سی ہو گئی۔ آج ہی تو وہ گاڑی لے کر گئی تھی۔

"اوکے زری! میں اس وقت کچھ مصروف ہوں پھر بات ہو گی۔" سمعان نے اجازت چاہی تھی۔

"کیا کر رہے تھے آپ؟"

"بس آفیشل کچھ کام ہے' او کے اپنا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔" سمعان نے کال بند کر دی تھی اور وہ گم صم سی کھڑی رہ گئی تھی۔ انتہائی مصروفیت یا پھر بہت پریشانی میں بھی سمعان احمد کا رویہ اس کے ساتھ کبھی ایسا نہ تھا اور اب...... اس کا جی پھر بھر آنے لگا۔ اسے غصہ آنے لگا کہ جب سمعان کو پروا نہیں تو اسے کیا ضرورت تھی۔ خود سے رابطہ کرنے کی۔ تاہم سمعان کے اس سنجیدہ گم صم انداز نے اس کے دل کو بڑا رنجیدہ سا کر دیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک اسی پہلو پر سوچتی رہی تھی اور اپنا دل جلاتی رہی تھی۔ وہ اپنی ہی الجھن میں ابھی نوریہ کی پریشانی کو فراموش کر گئی تھی اور کھانے کی ٹیبل پر نوریہ کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔ سرخ چہرہ لیے وہ چپ چاپ سی تھی۔

"نوریہ آپی! کیا آپ روتی رہی تھیں؟" وہ متفکر سی تھی۔

"ہوں...... بس اماں اور گھر والوں کا خیال آ گیا۔ خدا کی قسم اگر زندگی میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو ایسا قدم کبھی نہ اٹھاتی۔ شارق زمان کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرے گا۔" اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے گھر کال کر لیں۔ اپنی اماں کی طبیعت دریافت کر لیں۔" اس نے مشورہ دیا تھا۔

"نہیں اس طرح تو نمبرز وغیرہ کا انہیں پتا چل جائے گا اور آج کل فون کے ذریعے کسی بھی جگہ کہیں بھی موجودگی کا پتا کروانا کون سا مشکل کام ہے۔ شارق زمان یوں ہی چپ تو نہیں بیٹھا ہوگا۔ مجھے تلاش کرنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی ہوگی۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والا انسان نہیں ہے۔ اس صورت میں کہ مصعب بھی میرے پاس ہے۔"

"ہوں...... یہ بھی ہے مگر آپ کسی پی۔ سی۔ او سے بھی تو رابطہ کر سکتی ہیں۔ کل جب میں یونیورسٹی کے لیے نکلوں گی تو آپ میرے ساتھ ہی چلیے گا۔ امجد کو میں اچھی طرح سمجھا دوں گی۔ نقاب آپ ویسے ہی کرتی ہیں۔ چادر تبدیل کر لیں یا میرا کوئی اسکارف استعمال کر لیں۔ راستے میں گھر کال کر لیجیے گا۔ اس طرح علاقہ اور جگہ بھی تبدیل ہو جائے گی۔ اگر کسی نے نمبرز کے ذریعے پتا کروانے کی کوشش کی بھی تو آپ تب تک کال کر کے گھر پہنچ چکی ہوں گی۔" زرش کا مشورہ ایسا تھا کہ نوریہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"مصعب کو گھر ہی چھوڑ جایئے گا۔ ملازمہ تھوڑی دیر تک سنبھال لے گی۔" نوریہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔ اماں سے وہ بات کرنا چاہتی تھی۔ ایک بار پھر چاہے دوبارہ کبھی رابطہ نہ ہوتا مگر دل کو ایک تسلی تو دیتی۔ وہ گھر چھوڑ تو آئی تھی مگر اماں کا خیال مسلسل دل و دماغ کو پریشان کیے ہوئے تھا۔

* …… * …… *

جب سے نوریہ گئی تھی گھر میں ایک پراسرار سی خاموشی چھا گئی تھی۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے خالدہ بیگم کی طبیعت سنبھلنے کے بجائے مزید خراب ہوتی جا رہی تھی۔ نبیل سارا سارا دن مارا مارا پھرتا تھا جہاں تک ممکن تھا وہ نوریہ کی تلاش کی مسلسل کوشش کر رہا تھا مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ نبیل کو رہ رہ کر اپنے گزشتہ رویوں پر ندامت محسوس ہو رہی تھی کم از کم ایک بھائی ہونے کے ناتے اسے نوریہ کے احساسات کو سمجھنا چاہیے تھا۔

وہ شارق کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی' وہ بچے کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اس معاملے میں اسے اس کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ وہ بے قصور تھی مگر اب نجانے کہاں تھی؟ ہر کوئی اپنے تئیں معاملے کو سلجھانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا مگر تاحال ناامیدی کی فضا ہی چھائی ہوئی تھی۔

اس وقت ناشتے پر نبیلہ اور اماں کی موجودگی کے باوجود نبیل کو گھر میں سناٹے گونجتے محسوس ہوئے تھے۔ نو بجے کے قریب ٹیلی فون کی تیز آواز نے گھر کے سناٹے میں ارتعاش سا پیدا کر دیا تھا۔

"تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔" نبیلہ بھابی کو منع کر کے نبیل خود ہی اٹھ گیا تھا۔

"السلام علیکم!" ریسیور کے دوسری جانب شائستہ سی آواز سنائی دی تو نبیل چونکا۔ زنانہ آواز تھی مگر اجنبی......

"وعلیکم السلام!" نبیل نے سی ایل آئی پر جگمگاتے نمبرز کو دیکھا۔ اجنبی نمبر تھا شاید کسی پی۔ سی۔ او کا تھا۔

"جی آپ کون؟ کس سے بات کرنی ہے؟" دوسری طرف مردانہ آواز سن کر خاموشی چھا گئی تھی تو نبیل کو ہی ٹوکنا پڑا تھا۔

"نبیلہ بھابی یا آپ کی والدہ سے......" نبیل چونکا۔

"مگر آپ کون......؟"

"آپ کو بتاتی ہوں پہلے ان سے تو بات کروا دیں۔" نبیل نے الجھ کر نبیلہ کو دیکھا اور وہ ادھر ہی متوجہ تھی اشارے سے قریب بلوا لیا۔

"کوئی لڑکی ہے' تم سے یا اماں سے بات کروانے کو کہہ رہی ہے۔" نبیل کے کہنے پر الجھتے اس نے ریسیور تھام لیا تھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام...... نبیلہ بھابی بات کر رہی ہیں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"جی......" اگلی آواز نے نبیلہ کو چونکا دیا۔

"السلام علیکم! نبیلہ بھابی میں نوریہ ہوں۔" اگلے ہی پل نبیلہ کے حواسوں پہ گویا بم پھٹا تھا۔

"نوریہ...... تم نوریہ ہو......؟" ان کی آواز اتنی پرجوش اور اونچی تھی کہ واپس جاتا نبیل ایک دم پلٹا تھا بلکہ اماں بھی فوراً اٹھی تھیں۔

"تم کہاں ہو......؟ یہ کیا کیا تم نے؟" نبیل نے فوراً نبیلہ کے ہاتھوں سے ریسیور چھین لیا تھا۔

"میں جہاں بھی ہوں بہت اچھی اور خوش ہوں...... میں اماں کی طرف سے پریشان تھی۔ اسی لیے فون کیا ہے۔ وہ کیسی ہیں؟" نبیل بھائی کیسے ہیں؟ وہ تو بہت خوش ہوں گے کہ میں خود ہی اپنا بندوبست

کر گئی ہوں اور شارق اسے میں نے کل دیکھا تھا مگر بھائی میں اب واپس نہیں آؤں گی۔ مصعب میرے پاس ہے۔ آپ گھر والوں اور اماں کا سنائیں۔" نبیل بھائی ساکت سے کھڑے تھے۔ یہ واقعی نویرہ کی آواز تھی مگر پہلے آواز اور تھی۔

"نویرہ...... کہاں ہو تم؟ اور یہ کیا کیا تم نے...... اختلاف مجھ سے تھا مگر گھر کیوں چھوڑا...... کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟" دوسری طرف ایک دو پل کو خاموشی ہوئی تھی۔

"میں نے بہت اچھا کیا ہے۔ نبیل بھائی مجھے ایسا بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ بات اختلاف کی نہیں تھی آپ میری کردار کشی کر رہے تھے اور جو آپ چاہ رہے تھے ایسا کبھی نہ ہونے دیتی۔ میں ساری دنیا کو تو چھوڑ سکتی ہوں مگر اپنے بیٹے کو نہیں اور رہ گیا شارق اس کے ساتھ جب رہنا ہی نہیں تھا تو پھر اس کے حوالے مصعب بھی نہیں کرنا تھا جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔"

"اب تو تم نے بہت عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ سارا خاندان جان چکا ہے کہ تم گھر چھوڑ کر جا چکی ہو مگر کیوں؟"

"جہاں بھی ہوں عزت سے ہوں۔" دوسری طرف بھی تلخی تھی۔

"مجھے ایڈریس بتاؤ۔ میں لینے آ رہا ہوں۔ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔" نبیل نے اس کے تلخ رویے کو نظر انداز کرتے ذرا نرمی سے کہا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے گھر سے قدم واپس آنے کے لیے نہیں اٹھایا تھا۔ اماں کیسی ہیں؟ بات کروائیں میری ان سے......" نبیل نے ریسیور اماں کو تھما دیا تھا۔

"نویرہ......" وہ فوراً بے قرار ہوئی تھیں۔ نبیلہ نے بازو کا سہارا دیا۔

"نویرہ میرے بچے یہ کیا کر دیا تم نے؟ تم تو میری سب سے عقل مند بیٹی ہو۔ یہ کیا حرکت کی تم نے عورت ایک بار قدم گھر سے باہر نکال لے تو بات نسلوں تک پہنچ جاتی ہے' کچھ تو سوچا ہوتا۔ اپنی ماں کا ہی خیال کیا ہوتا۔"

"اماں! بہت سوچ لیا جب بات کردار اور انا کی ہوتی ہے تو بعض اوقات عقل سلب ہو جاتی ہے۔ میں کردار اور انا کا جوا تو ہار ہی گئی تھی۔ اب اولاد بھی ہار جاتی...... اماں میرے پاس تھا ہی کیا مجھے کیا دیا ان رشتوں نے؟ شارق اور نبیل بھائی کی اپنی جنگ شروع ہو گئی تھی۔ نواز یار رضا صاحب نے مجھے ہی نشانہ بنایا تھا۔ اماں میری بھی برداشت ایک حد تک تھی۔ میں یہ سب کہاں تک برداشت کرتی؟" وہ بھی دوسری طرف چیخ گئی تھی۔ اچانک نبیل بھائی کے ذہن میں خیال آیا تو انہوں نے فوراً موبائل نکال کر CLI پر روشن نمبر نوٹ کیا تھا۔

"اماں کو کہو۔ فون بند نہیں کرنا۔ نویرہ سے لمبی بات کریں۔ اسے باتوں میں الجھائیں۔ میں ذرا پتا کرواتا ہوں کہ یہ کہاں کا نمبر ہے؟" نبیلہ کو ہدایت دیتے نبیل ذرا ہٹ کر کسی سے بات کرنے لگا۔ نویرہ نے اماں سے تقریباً دس منٹ بات کی تھی تب تک نبیل نجانے کس کس کو کال کرتا رہا پھر باہر نکل گیا تھا۔ کال ختم ہوئی تو نبیلہ نے اماں کو دیکھا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟ کچھ بتایا کہ کہاں ہے؟ کیسی ہے کس حال میں ہے؟"

"ہاں کہہ رہی ہے اچھی ہے۔ اچھے لوگوں میں ہے۔ میں نے تمہارے سامنے ہی کتنی بار پوچھا ہے کہ کس جگہ پہ ہے مگر ٹال گئی اور نبیل کہاں گیا......؟" بات کرتے کرتے وہ مسلسل روتی رہی تھیں۔ اپنے چہرے کو صاف کرتے ارد گرد دیکھا۔

"پتا نہیں۔ فوراً گاڑی نکال کر چلے گئے۔ سی۔ ایل۔ آئی پہ آنے والے نمبر نوٹ کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کسی سے ملنے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس نمبر سے ہی اندازہ ہو جائے کہ وہ کہاں ہے؟"

"اللہ کرے۔" اماں نے دعا دی۔ ایک گھنٹے تک نبیل واپس نہ آیا تو اماں کو پریشانی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ آج کل تو بلاوجہ ہی تشویش لاحق ہو جاتی تھی۔

"بہو! نبیل کو فون تو کرو۔ پتا تو چلے کہاں گیا ہے؟"

"جی اچھا......" وہ کچن سمیٹ کر آئی تھیں۔ اماں کے کہنے پر اس نے کال ملائی تھی۔

"کہاں ہیں۔ اماں پریشان ہو رہی ہیں۔ کچھ بتائے بغیر ہی چلے گئے تھے۔"

"میں نویرہ کا پتا کرنے آیا تھا مگر جس نمبر سے اس نے کال کی ہے وہ تو پی۔ سی۔ او کا تھا اور ادھر آیا تو وہ جا چکی ہے۔ میں نے تم سے بھی کہا تھا کہ اسے باتوں میں الجھاؤ لمبی بات کرنا...... وہ کسی لڑکی کے ساتھ یہاں آئی تھی کسی گاڑی میں گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا۔ یہ پی۔ سی۔ او کے مالک نے بتایا ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ ہمارے آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ جا چکی تھیں...... کہاں پی۔ سی۔ او کا مالک قطعی لاعلم ہے۔"

"اوہ......" نبیلہ کو تاسف ہوا۔

"تم سے یا اماں سے اس نے ذکر کیا کہ وہ کہاں ہے؟ کن لوگوں میں ہے......؟ باتوں باتوں میں ہی کوئی اشارہ ملا ہو......"

"میری آپ کے سامنے ہی جو سلام دعا ہوئی ہے وہی ہے۔ اماں سے ہی زیادہ بات چیت ہوئی ہے مگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔ اماں کے پوچھنے پر بھی ٹال دیا تھا کہ وہ اچھے لوگوں میں ہے۔ عزت کرتے ہیں اس کی......" وہ نبیل سے بات ختم کر کے اماں کو ساری صورت حال بتا کر پھر سے گھر کے کاموں میں الجھ گئی تھی جب کہ اماں خاموشی سے آنسو بہاتے زیر لب نجانے کیا کیا ورد کرتی رہی تھیں۔

اپنے گھر والوں سے بات کرنے کے بعد وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ زرش کے سامنے ہی ساری بات ہوئی تھی۔ نویرہ گم صم سی تھی۔ زرش نے بھی قصداً خاموشی اختیار کر لی۔ اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ امجد نے پہلے زرش کو یونیورسٹی ڈراپ کیا تھا پھر نویرہ کو واپس گھر لے کر جانا تھا۔ امجد کو زرش نے ساری صورت حال بتا کر اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ یہ معاملہ ان کے درمیان میں رہے گا۔ سمعان کو علم نہ ہو۔ گاڑی یونیورسٹی سے واپس نکالتے وقت امجد کی ذرا سی غلطی سے گاڑی مخالف سمت سے آتی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"ذرا سنبھل کر...... احتیاط سے......" نوریہ نے ایک دم دہل کر امجد کو سرزنش کی تھی۔ اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتا تو تصادم یقینی تھا۔

"یس بی بی جی۔ غلطی ہو گئی۔"

"اب خیال رکھنا۔" نوریہ نے سر ہلا کر اب سامنے کی طرف دیکھا تو لگا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ہے...... نواز فاروق دوسری گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ اس نہ ہونے والے تصادم پر اس نے بھی گاڑی ایک دم روکی تھی۔

"امجد جلدی سے گاڑی نکالو یہاں سے۔ جلدی کرو۔" اچانک گھبرا کر وہ چیخی تھی۔ نواز نے اسے نہیں دیکھا تھا مگر وہ جلدی سے سر نیچے کر کے اپنا وجود چھپا گئی تھی۔

"سوری صاحب جی۔ غلطی ہو گئی۔" امجد کہہ رہا تھا۔ وہ زرش کے کہنے پر اس کا اسکارف اور چادر لیے ہوئے تھی مگر نواز یہاں کیا کر رہا تھا...... نوریہ کا دل لرز رہا تھا۔ امجد نے اس کے کہنے پر گاڑی فوراً وہاں سے نکالی تھی۔ کچھ دور آ کر نوریہ کی سانس بحال ہوئی تھی۔ جہاں تک اس کا علم تھا کراچی جانے سے پہلے نواز اسی یونیورسٹی میں تھا پھر جاب چھوڑ کر کراچی چلا گیا تھا۔ واپس آنے پر بھی اس نے دوبارہ یہ جاب جوائن نہیں کی تھی۔ اپنی اکیڈمی ہی چلا رہا تھا۔ اب ایک دم اس کا یہاں نظر آنا۔ ایک ہی شہر اور ذرا سے فاصلے پر رہتے ہوئے نجانے کتنی بار ان لوگوں سے سامنا ہوتا تھا۔ وہ فکر مند سی ہو گئی تھی۔

* * *

یونیورسٹی میں اپنے نئے پروفیسر کے روپ میں نواز فاروق کو دیکھ کر جہاں زرش سمعان احمد حیران رہ گئی تھی وہاں زرش کو پہلی نشست پر براجمان دیکھ کر نواز بھی چونکا تھا۔ دونوں کے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی مگر دونوں ہی اپنی اپنی حیرت چھپا گئے تھے جہاں نواز فاروق نے ایک دو پل کی حیرانگی کے بعد نارمل ہو کر اپنے تعارف کے بعد کلاس کا تعارف لینا شروع کر دیا تھا وہیں زرش بھی نارمل سے انداز میں باقی کلاس کی طرح اپنا تعارف کروا گئی تھی۔

زرش نے اول روز سے ہی ساری کلاس کے سامنے ایک ذہین اور خوب صورت اسٹوڈنٹ کے طور پر دھاک بٹھالی تھی۔ وہ ابھی تک مکمل طور پر ریگولر تھی اور صرف ریگولر ہی نہ تھی حاضر جواب اور ذہین بھی تھی۔ نواز نے بھی پہلے دن کے تعارف سے یہ بات نوٹ کر لی تھی۔ پیریڈ آف ہونے کے بعد زرش لاتعلق نہیں رہ سکی تھی۔ نواز فاروق باہر نکلا تو وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

"سر کیسے ہیں آپ؟ آپ کی مسز اور سسٹر کیسی ہیں؟" نواز فاروق اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں رومیسہ اکثر آپ کو یاد کرتی ہیں اور حمیرا بھی ٹھیک ہے۔ سمعان کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں وہ بھی۔" "آپ نے یہاں اتنی دور ایڈمیشن کیوں لیا جب کہ کراچی میں تو بہت اچھے انسٹی ٹیوٹ ہیں جب کہ آپ کا رزلٹ بھی اچھا خاصا تھا۔ پوزیشن تھی نا آپ کی......؟ سائرہ نے بتایا تھا۔"

"جی۔ فرسٹ پوزیشن تھی میری۔ بس یہاں ایڈمیشن لینا میری ضد تھی۔" اس نے مسکرا کر کہا تو نواز

فاروق نے بغور دیکھا۔ وہ جوں کی توں تھی۔ ذرا بھی نہ بدلی تھی۔ اسی طرح اسکارف سر پہ لپیٹے کندھوں پہ دوپٹہ پھیلائے بڑے باوقار انداز میں کھڑی تھی۔ زرش کو اب بھی بغور دیکھتے نوریہ یاد آئی تو دل سے اک ہوک سی اٹھی۔

"سمعان اور آپ کی فیملی نے کچھ نہ کہا...... میرا خیال ہے آپ رزلٹ آنے تک تو اسلام آباد میں تھیں۔" نواز فاروق کو ساری معلومات تھیں۔ زرش ہنس دی۔

"جی سمعان کی سپورٹ سے ہی ادھر ہوں۔"

"ہوسٹل میں ہیں؟"

"نہیں۔ اپنا گھر ہے ادھر۔" نواز کو تعجب ہوا۔

"اکیلی ہوتی ہیں؟"

"بظاہر تو اکیلی ہی ہوتی ہوں مگر واچ مین کی فیملی اور ایک آیا ساتھ ہوتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اسٹوڈنٹ کے روپ میں آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہمارے شہر میں ہیں۔ مہمان ہیں آپ ہماری۔ اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور کہیے گا۔" نواز کا انداز ایسا تھا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"آف کورس سر۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔ ایک دو مزید باتوں کے بعد نواز فاروق چیئرمین آفس کی طرف چل دیے تو وہ بھی مسکراتی اپنی کلاس فیلوز کی طرف پلٹ آئی تھی۔

* * *

آنے والے دو دن میں طاہرہ بیگم کی طبیعت خراب ہی رہی تھی۔ نفیسہ آپا کی فیملی کے علاوہ شائستہ اور ان کے اپنے بھائی بہن کی فیملیاں آ کر عیادت کر گئی تھیں۔ قیصرہ آپا نے آنے کی زحمت تو کیا ایک فون تک کرنا گوارہ نہیں کیا تھا اور طاہرہ بیگم مکمل طور پہ ڈھے گئی تھیں۔ ان دو تین دنوں میں ان کی اولاد حقیقی طور پہ ان کی غم گسار ثابت ہوئی تھی۔ اسلام آباد سے عثمان احمد بھی طاہرہ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر زوباریہ اور حمزہ کو لیے اگلے دن ہی چلا آیا تھا۔ ابھی وہ یہیں تھا۔ طاہرہ بیگم کا بی پی اور بخار نارمل نہیں ہو رہا تھا۔ زوباریہ اور فرح ہر وقت ان کے سرہانے بیٹھے رہتی تھیں۔ ایسے عالم میں کہ جب ان کی ساری خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کیے سب ارد گرد تھے۔

سعید احمد کی لاتعلقی جوں کی توں ہی تھی۔ تاہم انہوں نے ان سے براہِ راست کوئی بات نہ کی تھی۔ نہ ہی ان کا بڑے زعم سے جانے اور یوں بیمار حالت میں واپس آنے پر جتایا تھا۔ ان کے بچے اس معاملے میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

وہ سب سعید احمد کے رویے کو بدلنے سے قاصر تھے۔

وہ ماں کو واپس ہر حالت میں قبول کر سکتے تھے مگر سعید احمد کیا کرتے ہیں وہ لوگ بے یقین تھے۔ زوباریہ طاہرہ بیگم کو دوا کھلا کر ان کا بی پی چیک کر کے انہیں پرسکون رہنے اور کچھ نہ سوچنے کی تاکید کر کے کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج میں سعید احمد کو تنہا بیٹھے دیکھ کر رک گئیں۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ بظاہر ٹی وی دیکھ رہے تھے مگر ذہن کہیں اور تھا۔ زوباریہ پرسوں یہاں آئی تھی۔ تب سے وہ مسلسل طاہرہ بیگم کے پاس تھیں۔ مہمانوں کی وجہ سے زوباریہ نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا مگر وہ نوٹ کر چکی تھیں کہ سعید احمد کا رویہ طاہرہ بیگم کے ساتھ ابھی بھی پہلے کی طرح برقرار ہے۔ بے شک عثمان احمد نے اپنے ماں باپ کی زندگی کو بھی ڈسکس نہیں کیا تھا چیدہ چیدہ باتیں بتائی تھیں مگر وہ گزشتہ چند سالوں سے اس خاندان کا حصہ تھیں۔ خاندان کے بہت سے لوگوں سے بہت سی باتوں کا علم ہو چکا تھا اور پھر سمعان اور زرش کے رشتے سے لے کر شادی تک جو بھی حالات تھے وہ سب سامنے تھے۔

سعید احمد اور طاہرہ بیگم کے درمیان اصل وجہ تنازعہ کیا تھی وہ لاعلم تو نہ تھی۔ اب جب کہ فرح اور سعد کے رشتے کو ایشو بنا کر طاہرہ بیگم کا گھر چھوڑ کر جانا اور اب اس حالت میں واپس آنا۔

اپنی سب غلطیوں اور خطاؤں کو قبول کر رہی تھیں۔ تو سب نے کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ان کی سب خطاؤں کو بھی بھلا دیا تھا مگر طاہرہ بیگم اب بھی ڈپریشن میں تھیں۔ ان کا بی پی ہنوز اسی لیول پر تھا اور یہ کنڈیشن کسی طور پر بھی تسلی بخش نہ تھی۔ ان کے قریب رہنے پر انہوں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ جہاں سب کے نارمل رویوں کو وہ بمشکل قبول کر پا رہی تھیں وہیں ان کے بی پی شوٹ کر جانے اور ہنوز طبیعت کی یہ خرابی سعید احمد کے رویے کی وجہ سے بھی تھی۔ زوباریہ نے سوچا ایک دفعہ ان سے بات کر لینے میں کیا حرج ہے؟ ان کی اولاد اس معاملے میں بولنا نہیں چاہ رہی تو کیا وہ بھی وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہے گی......

"آپ سوئے نہیں......" زوباریہ طاہرہ بیگم کے پاس ہی مسلسل تھیں۔ رات کے کسی بھی پہر ان کا بی پی شوٹ کر جاتا تھا تو کوئی نہ کوئی ان کے پاس ہوتا تھا۔ ایسے میں سعید احمد ساتھ والے روم میں تھے۔ سعید احمد زوباریہ کو دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

"یہ ٹاک شو دیکھ رہا تھا۔ کافی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔" زوباریہ ان کے ساتھ ہی ٹک گئی تو انہوں نے آواز دھیمی کر دی تھی۔

"باقی سب سو گئے ہیں کیا؟" انہوں نے پوچھا تھا۔

"جی۔ فرح کو ابھی کمرے میں بھیجا ہے میں نے۔ ماما کو بھی ابھی دوا دے کر بی پی چیک کر کے آئی ہوں۔" زوباریہ نے قصداً طاہرہ بیگم کا ذکر کیا تھا۔ سعید احمد خاموش رہے تھے۔

"پاپا! ایک بات کہوں؟ اگر برا نہ مانیں تو؟" کچھ دیر سوچتے زوباریہ نے آخر ہمت کر ہی ڈالی۔

"ہاں بیٹا کیوں کیا بات ہے؟" زوباریہ کے یوں ہچکچانے پر وہ متوجہ ہوئے تھے۔

"پاپا کیا ایسا نہیں ہو سکتا جہاں باقی سب نے ماما کو معاف کر دیا ہے۔ وہاں آپ بھی کھلے دل سے انہیں معاف کر دیں۔ یہ ٹھیک ہے میں ذاتیات میں دخل اندازی کر رہی ہوں مگر یہی سب کے حق میں بہتر ہے خصوصاً آج کل جو حالات ہیں ان میں یہ فیصلہ بہت اہم ہے۔ زندگی میں انسانوں سے ہی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات دانستہ یا نادانستہ...... ماما بہت سی غلطیاں کر چکی ہیں۔ اسجد کل آیا تھا

اس کی زبانی جو حالات سننے کو ملے ہیں ایسے عالم میں ماما ڈپریشن کا شکار ہو کر کسی شدید بیماری میں بھی جا سکتی ہیں۔ وہ اگر غلط تھیں تو کچھ لوگوں نے انہیں استعمال بھی تو کیا ہے اور برا نہ مانیے گا بعض جگہوں پر آپ بھی غلط تھے اور مسلسل غلطی پہ ہی رہے۔" زوباریہ نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا تھا اور سعید احمد لب بھینچے سن رہے تھے۔

"میں آپ کو مورد الزام نہیں ٹھہرا رہی مگر یہ بھی سچ ہے اگر بہت شروع میں ہی آپ قیصرہ آنٹی سے ماما کے تعلقات ختم کروا دیتے۔ اگرچہ یہ ناممکن تھا کچھ حد تک کوشش تو کرتے۔ جس طرح ماما چاہتی تھیں ان کو اس طرح ہینڈل کر لیتے تو شاید آج جو ساری خرابیاں ہیں یہ نہ ہوتیں۔ شاید اتنی الجھن نہ ہوتی۔ آپ نے اگر اپنے بچوں کے لیے سمجھوتہ کیا ہی تھا تو ان کی اصلاح کی بھی کوشش کرتے۔"

"ہاں میری بہت سی غلطیاں ہیں بیٹا مگر میں نے کوشش بھی کی جس بات کو آپ بہت آسان کہہ رہی ہیں کہ قیصرہ سے تعلقات طاہرہ کے ختم کروا دیتا تو ایسا بھی کر کے دیکھا تھا۔ نہ طاہرہ نے میری کوئی بات مانی اور نہ قیصرہ نے ایسا کوئی حربہ سودمند ہونے دیا۔ ٹھیک ہے غلطیاں میری بھی ہیں مگر جب کوئی ٹھوکر کھائے بغیر سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے تو اسے کوئی کیسے سمجھا سکتا ہے۔ گھوڑے کو پانی کے پاس لے جایا جا سکتا ہے مگر پانی کی طلب اس کے اندر سے پیدا ہوگی جو اسے پانی پینے پر مجبور کرے گی۔ اس کو زبردستی پانی نہیں پلایا جا سکتا۔ اسی طرح زبردستی کسی کو سمجھایا بھی نہیں جا سکتا۔ درستگی کا عمل انسان کے اپنے اندر سے اٹھتا ہے۔ اگر وہ خود ہی درست نہ ہونا چاہے تو کوئی دوسرا لاکھ کوشش کر لے سب بے کار ہے بیٹا جی......"

"ٹھیک ہے ماضی میں جو بھی ہو چکا اس پر اب بحث بے کار ہے جو ہو رہا ہے اس کو تو ہم اپنے عمل سے سنوار سکتے ہیں نا...... ماما پشیمان ہیں۔ شاید آپ کی طرف سے پیش قدمی کی منتظر بھی...... آپ کی اولاد انہیں معاف کر چکی ہے۔ ان کے رشتہ دار ان کی واپسی پر ان کے پاس چلے آئے ہیں۔ اب صرف آپ ہیں۔ یقین کریں ان کی طبیعت بہت خراب ہو چکی ہے۔ وہ اپنی غلطیوں اور پشیمانیوں کے سبب جس احساس گناہ میں جکڑ چکی ہیں اس سے صرف آپ ہی انہیں نجات دلا سکتے ہیں۔ یہ آپ کے لیے ہو سکتا ہے ایک مشکل مرحلہ ہو مگر وقت و حالات کا یہی تقاضا ہے کہ ان کے ذہنی بوجھ کو کم کرنے کے لیے آپ کو خود ان کی طرف پیش قدمی کرنا ہوگی۔ وہ اس مقام پر تو ہیں کہ آپ سے اپنی گزشتہ تمام غلطیوں اور گناہوں کی معافی مانگ لیں مگر وہ اس مقام پر نہیں کہ اگر آپ ان کو ریجیکٹ کر دیں تو ان کا دل و دماغ اس بوجھ کو برداشت کر بھی لے۔" زوباریہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"فرح اور سعد سے ہٹ کر زرش اور سمعان احمد کے معاملے کو سلجھانا ہے تو آپ کو خود سے کچھ کرنا ہوگا ورنہ وہ پشیمانی کے احساسِ گناہ میں جکڑے وہ ذہنی کنڈیشن کی شکست و ریخت کا تن تنہا سامنا نہ کر پائیں گی۔ انہیں رونے کے لیے ایک کندھے...... ایک ہمدرد کی ضرورت ہے جس کے سامنے وہ اعتراف گناہ کر سکیں۔" زوباریہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

سعید احمد سوچ کے بھنور میں کتنی دیر تک جکڑے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے دل کی تمام گہرائیوں

اور جذبوں سمیت طاہرہ بیگم کو چاہا تھا مگر وقت وحالات نے ان کے دل کی زمین کو بالکل بنجر کر دیا تھا۔ میری محبت وچاہت کی فصل تباہ کر ڈالی تھی اور اب...... وہ خاموشی سے اٹھے تھے۔ اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے بھی وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو پہلی نگاہ بستر پر دراز وجود پر پڑی تھی۔ اس وجود نے بھی ان کے دل کو بڑے خوب صورت انداز میں دھڑکنا سکھایا تھا اور انہوں نے بڑی وفاداری سے اپنے سب جذبے اس وجود کو سونپے تھے مگر کیا ہوا...... طاہرہ بیگم دوا لینے کے باوجود جاگ رہی تھیں۔ سارا دن بستر پر پڑے پڑے تو اب نیند بھی رات کو نہیں آتی تھی۔ دو دن تو زوباریہ نے ان کو نیند کی گولی دے دی تھی مگر آج منع کر دیا تھا کہ اس طرح تو وہ عادی ہو جائیں گی۔ وہ قدرتی نیند لیں تو ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

سعید احمد کو کمرے میں آتے دیکھ کر وہ بستر پر اٹھ بیٹھی تھیں۔ سعید احمد طاہرہ بیگم کو بستر پر بیٹھتے دیکھ کر رک گئے تھے۔ تاہم ایک نظر بغور دیکھا تھا۔ وقت وحالات نے بہت کچھ بدل ڈالا تھا اور ان چند دنوں نے ان کی صحت پر بھی اچھا خاصا اثر ڈالا تھا۔ خاصی کمزور ہوگئی تھیں۔ وہ سعید احمد کو دیکھ کر سر جھکا گئی تھیں۔

”کیسی طبیعت ہے اب؟“ خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا تھا اور طاہرہ بیگم نے بے پناہ حیرت زدہ آنکھوں سے اپنے مجازی خدا کو دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ طاہرہ بیگم کے لہجے میں صدیوں کی مسافت اتر آئی تھی۔ وہ خود بھی تو ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔

سعید احمد کو سامنے دیکھ کر جی چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئیں۔ اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کریں، سب غلطیوں کو قبول کریں اور اس عظیم انسان سے معافی مانگیں جو سب کچھ بھلا کر ان کا حال پوچھ رہا تھا...... ان کے آنسو متواتر ان کے رخساروں پر بہتے چلے گئے تھے۔

سعید احمد نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا تھا اور طاہرہ بیگم کی حالت پر دلی رنج پہنچا تھا۔ یہ واپسی کا سفر تھا......

”مجھے معاف کر دیں۔ میں ہمیشہ سے غلط تھی اور غلطی پر جمی رہی مگر خدا گواہ ہے آپ کے گھر میں آ کر صرف آپ کو دل میں جگہ دی۔ صرف آپ کی ہی وفادار رہی......“ روتے ہوئے یہ وہ اقرار ہوا تھا جو انہوں نے برسوں کے ساتھ میں بھی نہ کیا تھا اور سعید احمد کے دل پر کوئی جیسے بھاری سل گرا گیا تھا۔ وہ گم صم سے بستر پر ٹک گئے تھے جیسے قدموں نے ان کے بوجھ کو سہارنے سے انکار کر دیا ہو۔ وہ روتے ہوئے اپنے گزرے سالوں کا احوال سنا رہی تھیں۔

سعید احمد اس کنڈیشن میں تھے کہ جیسے وقت تھم گیا ہو۔ خود میں اتنی ہمت نہیں پاتے تھے کہ ہاتھ بڑھا کر اس روتی بلکتی شریک حیات کے آنسو سمیٹ لیں کہ جس نے سوائے دکھ کے انہیں اور کچھ نہ دیا تھا مگر وہ تو شش وپنج میں پڑ گئے تھے۔

یہ جھکی جھکی آنکھیں

یہ رکا رکا لہجہ
ٹوٹا ہوا فقرہ
گرد میں اٹی پلکیں

دھوپ سے تپا چہرہ
سر جھکائے آیا ہے
اک عمر کا بھولا
دل ہزار کہتا ہے
ہاتھ تھام لوں اس کا
چوم لوں یہ پیشانی
لوٹنے نہ دوں تنہا
کوئی دل سے کہتا ہے
سارے لفظ جھوٹے ہیں
اعتبار مت کرنا، اعتبار مت کرنا

اور سعید احمد نے بہت آہستگی سے ان کا ہاتھ تھاما تھا۔ اعتبار تو کرنا ہی تھا مگر...... انداز دلاسا دینے والا تھا اور طاہرہ بیگم کو لگا کہ وہ ساری زندگی کی خوشیاں ہار کر یہ بازی جیت گئی ہیں۔

* * *

مصعب کو بخار تھا۔ پچھلے دو دن سے زرش نے امجد کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلوالیا تھا۔ وہ چیک کر کے دوا دے گیا تھا مگر مزید دو دن بھی گزر گئے تو اس کا بخار نہیں اتر رہا تھا۔ نویرہ تو ایک طرف زرش بھی پریشان ہوگئی تھی۔ اتوار یونیورسٹی سے آف تھا۔ دونوں کا ارادہ مصعب کو ہاسپٹل لے جانے کا تھا۔ مسلسل اس کی طبیعت خراب ہی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر کا بھی مشورہ تھا کہ اسے اسپتال لے جائیں۔ نویرہ کے لیے یہ بات کسی افتاد سے کم نہ تھی۔ زرش امجد کے ساتھ ہی اسے لے کر ڈاکٹر کے اسپتال میں لے آئی تھی۔ نویرہ تو گم صم سی تھی وہ خود ہی ڈاکٹر سے مل رہی تھی۔ ڈاکٹر نے مصعب کو اسپتال میں داخل کر لیا تھا اور اسے رات تک اسپتال میں ہی رکھنے کا کہا تھا۔ اگر اس دوران طبیعت سنبھل گئی تو پھر گھر جانے کی اجازت دے دیں گے ورنہ پھر کل تک رکھنا پڑے گا۔ رات تک بھی اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہوئی تو وہ دونوں پریشان ہوگئی تھیں۔ زرش نے گھر سے واچ مین کی بیوی کو بھی بلوالیا تھا۔

چائلڈ وارڈ میں وہ دونوں اکیلی نہیں رہ سکتی تھیں۔ بے شک امجد ساتھ تھا۔ اس کو سمعان کی طرف سے بھی دھڑکا تھا۔ وہ کل دوپہر سے اسپتال میں تھیں۔ بے شک موبائل اس کے پاس تھا اگر اس روز سمعان اچانک بغیر بتائے گھر آ گیا تو حقیقت تو وہ خود ہی جانتی تھی۔ سمعان کے نزدیک تو یہ صرف ایک آیا ہی تھی۔ اسے سمعان کی خفگی کا بھی ڈر تھا۔ بے شک اس نے سمعان کو قائل کر لیا تھا مگر جاتے جاتے بھی وہ کہہ گیا تھا کہ اس طرح آئندہ کسی پر رحم کھانے سے پرہیز کرے۔ ملازمت کی آڑ میں لوگ

بہت کچھ کر جاتے ہیں۔

خدا خدا کر کے رات گزری تو زرش نے شکر کا سانس لیا تھا۔ وہ دونوں ساری رات نہیں سوئی تھیں۔ زرش کا تھکن سے برا حال ہو رہا تھا مگر نویرہ کو اس حالت میں اکیلے چھوڑ کر گھر جانے اور پھر یونیورسٹی جانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ نویرہ زرش کو اپنے ساتھ اس طرح خوار ہوتے دیکھ کر پشیمان سی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں زرش کی قدر و منزلت ایک دم بڑھی تھی۔

محض شناسائی کا ہی تو رشتہ تھا مگر وہ اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہو رہی تھی۔

''تم گھر چلی جاؤ۔ میری فکر نہ کرو۔ ملازمہ ادھر ہی ہے۔ امجد کے ساتھ چلی جاؤ پھر تم نے یونیورسٹی بھی جانا ہوگا۔ بارہ بجے تک ڈاکٹرز وزٹ کرنے آئیں گے تو بات کروں گی کہ ڈسچارج کر دیں۔ اس وقت یہ خاصا بہتر ہے۔''

''مگر آپ اکیلی رہ جائیں گی۔''

''کوئی بات نہیں۔ ملازمہ تو ہے نا۔ تم امجد کو کھانا دے کر بھیج دینا۔ فون پہ رابطہ رکھنا۔''

''ٹھیک ہے..... اور ہاں اسپتال میں سب ادائیگی میں کروا چکی ہوں۔ جب ڈاکٹرز ڈسچارج کر دیں تو کال کر لیجیے گا۔ میں یونیورسٹی سے سیدھی ادھر ہی آ جاؤں گی۔ دوا وغیرہ کی فکر نہ کیجیے گا۔ امجد کو میں نے رقم دے دی ہے۔ وہ خود ہی سب دیکھ لے گا۔'' نویرہ نے اس چھوٹی سے پراعتماد لڑکی کو دیکھا۔

''رقم میرے پاس تھی زرش۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ اور میں الگ تو نہیں۔ بڑی بہن کہا ہے جب آپ کو تو پھر ہر طرح کا حق رکھتی ہیں آپ مجھ پر..... بے گانوں والی باتیں نہ کیا کریں۔ اس رقم کو سنبھال کر رکھیں۔ کبھی نہ کبھی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ اس وقت آپ دونوں مکمل طور پر میری ذمہ داری ہیں۔'' نویرہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''او کے میں چلتی ہوں امجد کے ساتھ۔ صبح یونیورسٹی جاتے ہوئے کھانا دے جاؤں گی۔ پریشان نہیں ہوں۔'' وہ ان کے گلے لگ کر اور کاٹ میں لیٹے مصعب کے گال پر بوسہ دے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

بارہ بجے ڈاکٹر وزٹ پر آیا تو اس نے مصعب کو چیک کر کے دوا لکھ دی تھیں۔ مصعب پہلے سے بہت بہتر تھا۔ اب تو کھلکھلا بھی رہا تھا ورنہ کل تو بالکل مرجھا سا گیا تھا۔ زرش یونیورسٹی جانے سے پہلے خود امجد کے ہمراہ آ کر کھانا دے گئی تھی۔ ڈاکٹرز نے ڈسچارج کرتے کرتے بھی دو بجا دیے تھے۔ نویرہ نے زرش کو فون کر کے بتا دیا تھا۔ زرش سیدھی یونیورسٹی سے آئی تھی۔ ملازمہ نے سامان اٹھا لیا تھا۔ اس نے مصعب کو جب کہ نویرہ اس کی بکس تھامے اس کے ساتھ تھی۔ کل کی نسبت وہ بہت پرسکون تھی ورنہ مصعب کے بخار نے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ ملازمہ اور زرش کے گاڑی میں بیٹھتے نویرہ بھی بیٹھنے لگی تو اچانک یاد آیا کہ وہ مصعب کی دوائیوں والا شاپر جو امجد نے ابھی خرید کر لا کر اسے تھمایا تھا وہ وہیں کاٹ کے قریب چھوڑ آئی تھی۔

''اوہ۔'' اس نے سر پہ ہاتھ مارا۔

''کیا ہوا؟''

''امجد نے جو ابھی دوائیاں لا کر دی ہیں وہ میں ادھر ہی چھوڑ آئی ہوں۔''

''تم لوگ ٹھہرو میں شاپر لے کر ابھی آئی۔'' اس سے پہلے کہ زرش اسے روکتی اور ملازمہ کو بھیجتی وہ خود ہی تیزی سے اندر کی طرف چل دی تھی۔

وہ شاپر لے کر تیز قدموں سے واپس پلٹی تھی۔ سیڑھیاں اترتے وہ کسی سے ٹکراتے بچی تھی۔ دوائیوں والا شاپر اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

''اوف۔ اندھے ہو کیا؟'' کوفت کا شکار ہوتے اس کی نظر جیسے ہی سامنے والے پہ پڑی تھی اس کا سانس خشک ہو گیا تھا۔ شارق زمان اور نواز فاروق کو دیکھ کر وہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے چہرہ بے شک چادر میں لپیٹا ہوا تھا مگر ان دونوں نے ایک پل میں اسے پہچانا تھا۔

''نویرہ.....'' اور نویرہ ان کی طرف دیکھے بغیر دونوں کو دھکیلتے بجلی کی رفتار سے بھاگی تھی۔ دونوں چند پل کو کچھ سمجھ نہ سکے تھے۔

''شارق پکڑو نویرہ کو.....'' جب تک نواز سنبھلا تھا نویرہ کافی دور جا چکی تھی۔ نواز فاروق کی آواز اور قدموں کی دھمک اسے اپنے پیچھے سنائی دی تھی۔

''گاڑی چلاؤ جلدی کرو۔'' امجد اسے بھاگ کر آتے اور اس کے پیچھے بھاگتے مرد کو دیکھ کر پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا فوراً گاڑی تیزی سے وہاں سے نکالی تھی جب کہ زرش حیرانگی سے نویرہ کی حواس باختگی دیکھ رہی تھی۔ جب تک وہ لوگ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ان کا پیچھا کرتے ان کی گاڑی روڈ کراس کر گئی تھی۔

''یہ آج پھر اسی لڑکی کے ساتھ تھی..... آئی ڈیم اٹ؟'' شارق زمان کا برا حال تھا۔ اس نے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارے تھے۔

''گاڑی میں نویرہ کے علاوہ اور بھی افراد تھے نا.....'' فاروق نواز اس کا چہرہ تو ٹھیک سے نہیں دیکھ پایا تھا مگر اندازہ لگایا تھا۔

''ہاں شاید تین یا چار تھے۔'' شارق زمان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر گزرے۔ دو دن پہلے نبیلہ بھابی نے فون کر کے بتایا تھا کہ نویرہ کی کال آئی ہے۔ وہ اسی شہر اور اسی علاقے میں تھی مگر کہاں؟''

''ایسے کون لوگ ہیں جن کو نویرہ جانتی ہے اور ہم لاعلم ہیں۔ ہر جگہ تو دیکھ چکے ہیں۔ وہ تنہا نہیں ہے پوری فیملی کے ساتھ ہے۔'' یہ نواز کا اندازہ تھا۔

وہ آج خالدہ بیگم کی عیادت کو ادھر آیا تھا۔ نویرہ کی مسلسل غیر حاضری نے ان کی طبیعت پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ نبیل انہیں کل ہی ادھر لے کر آیا تھا۔ وہ اوپر والے پورشن میں ایڈمٹ تھیں۔

''وہ ادھر کیا کرنے آئی تھی؟'' شارق زمان کی بے بسی اب ٹینشن میں بدلنے لگی تھی۔

''کہیں اسے خالدہ چچی کی بیماری کا علم تو نہیں ہو گیا.....'' نواز کا انداز پرسوچ تھا۔

"ہوسکتا ہے مگر اس کے ہاتھ سے کوئی چیز سیڑھیوں پر گری تھی نا......"

"ہاں۔ گاڑی واپس کرو اب سڑکوں پر وہ ملنے سے تو رہی۔ دیکھتے ہیں کیا گرا ہے اگر اب وہیں پڑا رہا تو......" شارق نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔ سیڑھیوں پر آ کر دیکھا تو دوا والا شاپر تھا۔

"یہ تو دوائیاں ہیں۔ کہیں مصعب بھی تو ساتھ نہیں تھا اس کے......" نواز کے اندازے پر شارق نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"ہوسکتا ہے۔ یہ کسی اور کا بھی گرا ہو؟"

"نہیں یہ نویرہ کے ہاتھ سے ہی گرا تھا۔"

"اب دواؤں پر تحقیق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چلو چچی جان کا پتا کر لیں۔" نواز کے کہنے پر اس نے شاپر ایک طرف اچھال دیا تھا۔

اگر وہ اس اسپتال میں کھڑی تھی تو یقیناً کسی کے ساتھ آئی ہوگی یا خود کسی سلسلے میں بیمار کون ہوسکتا ہے...... تھوڑی دیر چچی کے پاس بیٹھ کر وہ ریسپشن پر آ گیا تھا۔ آج اور کل کی ڈیٹ کی معلومات لیتے ہوئے بھی اسے کوئی خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہ ہوا تھا۔ نویرہ کے نام سے یا مصعب کے نام سے کوئی بھی ایڈمٹ نہ تھا۔ البتہ مسز زرش سمعان احمد کا نام کل کی ڈیٹ میں ایڈمٹ ہونے والوں کی لسٹ میں ضرور تھا اور صبح سے اب تک صرف ایک ہی مریض ڈسچارج ہوا تھا اور وہ یہی نام تھا۔

ایڈریس وغیرہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی رابطہ نمبر دیا گیا تھا۔ ہلکی پھلکی بیماری تھی شاید جو ایک دن میں ہی فارغ ہوگئے تھے وہ لوگ۔ مزید معلومات اسے نہ مل سکی تھی سوائے اس کے کہ اسپتال کی فیس ایڈوانس میں ادا کی گئی تھی۔ یہ دوسرا موقع تھا جب نویرہ اس کی دسترس میں آ کر نکل گئی تھی۔

✡ ...... ❁ ...... ✡

نویرہ گھر آ کر بہت پریشان تھی۔ حیران تو ملازمہ بھی ہوئی تھی مگر اسے صورت حال کا اندازہ نہیں تھا جب کہ زرش چند پل میں ہی سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ کون ہوسکتے ہیں...... امجد نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ وہ ملازم تھا جب مالک کو ہی پروا نہ تھی تو وہ کیوں پوچھتا...... دوا وہیں گر گئی تھیں امجد نے نئی لا کر دی تھیں۔ زرش اسے مسلسل تسلیاں دیتی رہی تھی مگر نجانے کیوں نویرہ کو لگ رہا تھا کہ اس شہر میں اور اسی علاقے میں رہتے ہوئے وہ ان لوگوں کی پہنچ میں کبھی بھی جا سکتی ہے۔ آج کے واقعے نے اسے سخت پریشان کر دیا تھا۔ اس کا ذہن صرف ایک ہی حل ڈھونڈ رہا تھا کہ وہ اس شہر سے کہیں دور چلی جائے مگر کہاں......؟ زرش اتنی اچھی تھی مگر ساری دنیا اچھی نہیں ہوتی۔ مسئلے تو اسی طرح درپیش رہتے تھے بھی کیا...... کبھی کیا......؟ وہ چھپ کر کہیں بیٹھ نہیں سکتی تھی اور گھر سے باہر نکلنا بھی محال تھا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" وہ اپنی سوچوں میں گم مصعب کو گود میں لیے گم صم سی تھی کہ زرش رات کے اس پہر چائے کا مگ لیے چلی آئی تھی۔ وہ نویرہ کے ساتھ ہی اس کے روم میں سوتی تھی۔ اپنے گھر کی اور بات تھی مگر اس شہر میں اتنے بڑے گھر میں ملازموں کے آسرے اکیلے کمرے میں سونا بڑا خوف آتا تھا۔ چائے کا مگ اسے تھما کر خود بھی وہ ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ میں یہاں سے چلی جاؤں کسی اور شہر میں......؟"

"کیا......؟" زرش کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔ نویرہ خائف سی ہوگئی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر کہیں اور جانے کا کہہ رہی ہیں کیوں......؟" وہ ایک دم ناراضگی سے پوچھ رہی تھی۔ نویرہ مسکرا دی۔

"دیکھو اس کے بنا کوئی اور چارہ بھی نہیں۔ میں ایک بچے کی ماں ہوں۔ سو مسائل ہیں میرے ساتھ۔ میں گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر نہیں بیٹھ سکتی۔ باہر اکثر نکلنا پڑے گا۔ اپنے لیے نہ سہی اپنے بچے کے لیے ہی سہی۔ ایک ہی علاقے اور ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ان لوگوں سے نجانے کتنی بار سامنا ہو اور ہر بار خوش قسمتی سے میں بچ نہیں پاؤں گی۔ اس سے پہلے کہ اب زندگی میں ایسا کوئی اور لمحہ آئے میں یہ شہر ہی چھوڑ دوں گی۔"

"تو کدھر جائیں گی نویرہ آپی......؟ یہ دنیا بڑی سفاک ہے۔ ایک تنہا عورت اس معاشرے میں نہیں رہ سکتی۔ مجھے ہی لے لیں۔ میرے ساتھ سمعان کی مسلسل سپورٹ ہے۔ یہ گھر، ملازم ہر چیز ہے مگر پھر بھی میں ادھر تنہا ہوں۔ یہاں آ کر پڑھنا میری ضد تھی۔ آپ کے ساتھ تو کوئی بھی نہیں ہوگا۔ کیسے رہ پائیں گی؟" وہ نویرہ کے اس خیال پر پریشان ہوئی تھی۔

"کہیں بھی...... کسی ہاسٹل یا کسی وومن ریہا کی ادارے میں مجھے بھی جگہ مل ہی جائے گی۔" زرش بس خاموشی سے انہیں دیکھے گئی۔

"آپ کو ایک بات کہوں؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد اچانک زرش نے کہا تو آرام سے بستر پر مصعب کو لٹا کر خود بھی ساتھ لیٹتے اس نے زرش کو دیکھا۔

"اس ویک اینڈ پر سمعان نہیں آئے ہوسکتا ہے اگلے ہفتے وہ آ گئیں تو ظاہر ہے میں گھر جاؤں گی۔ میرے ساتھ آپ بھی کراچی چلیے گا۔ میری ماما بہت اچھی ہیں۔ یقین کریں ہمارے گھر میں آپ کو بالکل ایک بیٹی والا ماحول ملے گا۔ میرے پاپا بھی بہت اچھے ہیں۔ میری شادی کے بعد ماما پاپا تنہا سے ہوگئے ہیں۔ اگر آپ ان کے ساتھ رہیں گی تو ان لوگوں کو بھی کمپنی مل جائے گی...... کیا خیال ہے میری آفر کے بارے میں......؟" آخر میں اس نے مسکرا کر حیران سی نویرہ کا چہرہ دیکھا۔

"تمہارے ماما پاپا کوئی اعتراض تو نہیں کریں گے......؟ مجھے قبول کر لیں گے؟" وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔ زرش ہنس دی۔

"میں چھوٹے موٹے لوگوں کو منہ لگاتی ہوں نہ ان پر اعتماد کرتی ہوں جو میرے دل کو چھو جائیں وہی لوگ میری زندگی میں شامل ہوتے ہیں اور ماما پاپا میری اس عادت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ انہیں بھی بتائیں گے جو سمعان کو کہہ چکی ہوں۔ بس ماما کو کہہ دوں گی کہ آپ لوگ تنہا تھے۔ اس لیے آپ کے پاس آپ کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔" اس نے بیٹھے بیٹھے پلان بنایا۔

"اور سمعان......؟ انہوں نے اعتراض کیا تو......؟"

"ان کو میں ہینڈل کر لوں گی۔" اس نے پل میں سارا معاملہ سیٹ کر کے کہا تھا۔

''آپ بے فکر ہو کر وہاں جانے کی تیاری کریں۔''

''تھینک یو سو مچ زرش......''

''سویٹ ویلکم......'' اس نے شوخی سے کالرز کھڑے کیے تھے اور نویرہ ہنستی چلی گئی تھی۔

✿......✿......✿

وہ کچن کا کام مکمل کر کے سب دروازے چیک کرتے جیسے ہی رضا کے کمرے کے پاس پہنچی تھی۔ اندر سے دھیمے سروں میں آتی اس آواز نے اسے ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ رضا کے گزشتہ رویوں کے باعث اس نے اس کے سامنے آنا چھوڑ دیا تھا جب سے نویرہ گھر چھوڑ کر گئی تھی۔ رضا یکسر بدلا ہوا تھا۔ ہر وقت گم صم، چپ چاپ...... ضرورت پر بھی وہ جتنا بولا کرتا تھا۔ اسے علم ہوا تھا کہ وہ نواز کے ہمراہ شارق کے گھر گیا تھا۔ شارق نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اس نے شارق سے معافی مانگی تھی اور اس دن کے بعد سے وہ تو صرف کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

کالج سے گھر اور گھر سے کالج وہ سنورا تھا یا بگڑا تھا رمشاء اندازہ نہ کر پائی تھی۔ اس نے ذرا سا دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کچھ کھل گیا تھا۔ رضا نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا وہ ذرا سا جھانک رہی تھی۔ رضا کو متوجہ دیکھ کر فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

''سنو۔'' اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کر کے بھاگ جاتی اس پکار نے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈالی تھی۔ وہ حیرت سے پلٹی تھی۔

''ایک کپ چائے بنا دو گی؟'' انداز پوچھنے والا تھا۔ رمشاء نے حیرت سے دیکھا۔ بہت بڑی تبدیلی تھی اس میں۔ یعنی حکم دینے کے بجائے پوچھ رہا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔ وہ جس دن سے حمید صاحب نے اسے ڈانٹا تھا۔ سب میں اٹھنا بیٹھنا چھوڑ گیا تھا۔ کھانا پینا سب کمرے میں ہوتا تھا۔ رمشاء تو اس کے منگنی کے بعد سے رہنے والے رویے کی وجہ سے اس کے سامنے آنا چھوڑ چکی تھی۔ آج بھی نجانے کیسے سب لاکرز چیک کرتے کمرے میں جھانکنے کی غلطی کر لی تھی۔ یہ تبدیلی کس نوعیت کی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ ایک کپ چائے بنا کر اس کے کمرے میں آئی تو وہ سی ڈی پلیئر آف کر کے آنکھیں موندھے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے کنپٹیوں کو دونوں ہاتھوں سے مسل رہا تھا۔

''چائے۔'' آنکھیں کھول کر اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ایک نظر اسے بھی دیکھا۔ ہلکے ٹی پنک سوٹ میں وہ اپنے خوب صورت سراپا سمیت نگاہوں کے سامنے تھی۔

''بیٹھو۔'' وہ چائے کا مگ دے کر جا رہی تھی۔ اتنی نرمی سے ہونے والی آفر پر وہ حیرت سے ساکت ہوئی تھی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اسے حیرانگی سے کھڑے دیکھ کر اس نے سامنے چیئر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ رمشاء کو تعجب ہوا۔ رات کے اس پہر وہ اسے اپنے کمرے میں بیٹھنے کی آفر کر رہا تھا۔

''تمہیں میں کیسا لگتا ہوں؟'' چائے پیتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اس نے رمشاء کو اور زیادہ تعجب کا شکار کیا تھا۔

''ویسے ہی جیسے تم ہو......'' وہ اپنے یوں روکے جانے اور سوال کیے جانے پر کچھ الجھی بیٹھی تھی۔ جواب بھی ویسا ہی دیا۔

''اور نویرہ کیسی لگتی ہے؟''

''ویسی ہی جیسی وہ ہیں...... ان سوالوں سے مطلب؟'' اس نے اپنا وہی انداز اپنایا تھا۔ رضا کے چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ کر غائب ہو گئی تھی۔

''محبت کرتی ہو مجھ سے؟'' رمشاء ان سوالوں پر خاصی الجھ گئی۔

''نہیں۔'' وہی صاف اکھڑا اکھڑا لہجہ تھا۔ رضا کھل کر مسکرایا تھا۔

''یہی پوچھنا تھا؟'' اس نے اپنے سابقہ کڑوے پن سے پوچھا وہ خاموش رہا۔ ''چلتی ہوں میں۔'' وہ اٹھنے لگی تھی۔

''بیٹھو ابھی۔ تم سے میں نے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' وہ حقیقتاً الجھ گئی تھی۔

''فارغ نہیں ہوں میں۔ نیند آ رہی ہے وہ تو میں ادھر یوں ہی ڈور چیک کرتے آ گئی تھی۔'' اکھڑے لہجے میں اس نے اپنی آمد کی بھی وضاحت کر دی تھی۔

''محبت نہیں تو نفرت کرتی ہو مجھ سے؟'' وہ اپنے اسی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''ان سوالوں کا مطلب؟''

''جنرل نالج کے لیے پوچھ رہا ہوں۔ اگر کبھی CSS کا امتحان دینے جاؤں تو آسانی رہے گی۔'' دل جلا دینے کی رضا نے کسر نہ چھوڑی تھی۔

''تو پھر پہلے محبت میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر لو۔ جواب خود بخود مل جائیں گے۔'' بڑے کڑوے لہجے میں کہا تھا وہ پھر ہنس دیا۔

''وہ تو میں نویرہ سے عشق کر کے کر چکا ہوں۔ میں محبت کی بات کر رہا ہوں۔ وہ بھی تمہاری...... اپنی نہیں۔'' رمشاء کا جی چاہا کہ کوئی چیز اٹھا کر اپنے سر پہ مار لے کہ اتنے دنوں بعد اس کا سامنا کرنے کی غلطی ہی کیوں کر لی تھی۔

''نویرہ کو اس مقام پر پہنچا کر بھی سکون نہیں ہے تمہیں۔ تم جیسا بے ضمیر شخص نہیں دیکھا میں نے...... جن سے محبت کی جاتی ہے ان کو یوں برباد اور خوار نہیں کیا جاتا۔ عجیب انسان ہو تم۔'' وہ سامنے رکھی کرسی پر تنفر سے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ رضا نے کپ خالی کر کے اس کی طرف بڑھایا۔ رمشاء نے کپ تھامنے کو ہاتھ بڑھایا تھا مگر رضا نے کپ تھمانے کے بجائے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ رمشاء کو لگا اسے کرنٹ نے چھو لیا ہو گویا۔

''بہت خوب صورت ہیں ہاتھ تمہارے۔'' دوسرے ہاتھ سے کپ زمین پر رکھتے وہ تعریف کر رہا تھا۔ رمشاء نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا مگر رضا نے گرفت سخت کر لی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' اسے افسوس ہوا وہ رات کے اس پہر اس کے کمرے میں کیوں آئی تھی۔ اگر آ ہی گئی تھی تو کیوں رک گئی تھی...... نجانے کیا ارادے تھے اس شخص کے......؟

”تمہارے ہاتھوں کی تعریف کی ہے۔ اس میں بدتمیزی والی کیا بات ہے بھلا......“ کتنا معصوم انداز تھا۔ وہ جل کے رہ گئی تھی۔ نجانے آج اس کو ہو کیا گیا تھا۔

”سر میں بہت درد ہو رہا ہے دبا دو گی؟“ ہنوز اس کا ہاتھ پکڑے وہ کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔ اتنی دیر اس کے پاس رہنے کا اسے اس وقت پہلی بار احساس ہوا۔

”ہرگز نہیں۔“ اس نے سختی سے کہتے ہاتھ چھڑانا چاہا تھا مگر گرفت بہت مضبوط تھی۔

”رضا کیا مسئلہ ہے؟ چھوڑو میرا ہاتھ......“

”اگر نہ چھوڑوں تو......؟“ اس کا انداز ہنوز تھا۔

”تو میں شور مچا دوں گی۔ پھپھو اور انکل کو اس کمرے میں پہنچنے میں ایک پل بھی نہیں لگے گا۔“ وہ غصے سے چیخی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

”چلو پھر شور مچاؤ......“ گرفت اور مضبوط کرتے اس نے بڑے ریلیکس موڈ میں کہا تو وہ روہانسی ہو گئی۔

”رضا!“ بڑی بے بسی سے اسے پکارا تھا۔

”سر دباؤ گی یا نہیں......؟“

”میں اب بھی وہی رمشاء ہوں جس سے تم بلا کی نفرت کرتے تھے۔ بدل نہیں گئی میں۔“ غصے سے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کرتے وہ پھنکاری تھی۔

”تم نوریہ بن جاؤ۔ رمشاء کو گولی مارو۔“ بڑی نرمی سے اس کے ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”رضا!“

”سر دباؤ گی یا نہیں؟“ عجیب ضدی انداز تھا۔

”نہیں۔“ وہ اس سے بھی زیادہ ضدی تھی۔

”تو پھر ٹھیک ہے ساری رات ادھر ہی رہو......“ کیا دھمکی تھی وہ ششدر سی رہ گئی۔ رمشاء نے بھنا کر اسے دیکھا تھا اور پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس کے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیے تھے۔ رضا نے ایک دم گرفت چھوڑی تو وہ سرعت سے اٹھ کر دروازے تک گئی تھی۔

”پوری جنگلی ہو تم......“ اپنے ہاتھ پر ابھرنے والی خون کی بوندیں دیکھتے ہوئے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔ وہ مطمئن تھی۔

”اگر آئندہ ایسی بدتمیزی کی تو تمہاری جان بھی لے سکتی ہوں۔ رمشاء جاوید کو اتنا کمزور نہ سمجھو۔ میں تمہاری کوئی زرخرید نہیں ہوں جو تمہارے موڈ کی تابع بن جاؤں۔ میرے ساتھ آئندہ ایسی گھٹیا اور اوٹ پٹانگ حرکت کرنے کی کوشش کی تو انجام کے ذمے دار تم خود ہو گے۔“ وہ تنفر سے گویا تھی۔ رضا نے بڑے ریلیکس انداز میں اسے دیکھا۔

”میں سوچ رہا تھا کہ تم شاید بدل گئی ہو۔ سوچا تجربہ کر کے دیکھ لیتے ہیں مگر کہتے ہیں نا کہ کتے کی دم سو سال بھی نلی میں رہے باہر نکالیں تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔“ ایسا تضحیک آمیز انداز تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک سلگ اٹھی تھی۔

”شٹ اپ۔“ وہ ایک دم آؤٹ ہوئی تھی۔

”اتنی پرفیکٹ مثال تم جیسوں کے ہی منہ سے جچتی ہے وہ بھی اپنے لیے۔ بہت زبردست خوش فہمی ہے تمہاری جو نوریہ جیسی اعلیٰ سوچ کی مالک لڑکی کو برباد کر گئی۔ وہ کسی کتے کی دم سے کم تو نہیں۔“ اب سلگنے کی باری رضا کی تھی۔

”شٹ اپ۔“

”اتنی تکلیف کیوں؟ حقیقت کا سامنا کرو رضا حمید کب تک فرار چاہو گے۔ تم نے میری باتوں یا میری نفرت میں نوریہ کو برباد نہیں کیا تھا بلکہ یہ تمہارے اندر کا وہ گھٹیا شخص تھا جس نے موقع تلاش کیا تھا اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا مگر افسوس نوریہ نے تمہارے منہ پر تھوک دیا۔ اس کی زندگی برباد کر کے بھی تمہیں کیا حاصل ہوا...... اپنے گھٹیا اور گھناؤنے کردار کے مالک ہو تم کہ تم سے محبت تو ایک طرف میں نفرت کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھتی تمہیں۔“ وہ ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا۔ کتنے سخت الفاظ تھے۔ کتنے صاف اور واضح الفاظ میں وہ اس کی ذات کو ادھیڑ گئی تھی۔

”میں تو صرف دھمکیاں دیتی تھی۔ تم نے میاں بیوی کے درمیان شک کا بیج بویا۔ نوریہ کو اس مقام پر آنے پر تم نے مجبور کیا ہے۔ ایک بات میری یاد رکھنا نوریہ اگر واپس آ گئی تو بھی وہ شارق سے علیحدہ نہیں ہو گی۔ اگر اس نے علیحدہ ہی ہونا ہوتا تو وہ یہ فرار کیوں اختیار کرتی...... تم جس آس پر یہ سارا کھیل کھیل رہے ہو تمہارا کیا خیال ہے تمہیں کوئی سمجھتا نہیں۔ رضا حمید تم اپنے آپ کو بھی اتنا نہیں سمجھ سکے ہو گے جتنا میں تمہیں سمجھ چکی ہوں اور تمہارے ماں باپ سمجھ سکے ہیں۔ نواز بھائی کے کہنے پر محض دنیا داری کے لیے شارق بھائی سے معافی مانگ لینا۔ ان کی جگہ میں ہوتی تو تمہیں شوٹ کرنے میں ایک پل نہ لگاتی جو لوگ محبت کرتے ہیں وہ محبت کو یوں رسوا نہیں کرتے۔ یوں چھینتے نہیں ہیں۔ خدا جانے تمہاری یہ محبت کی کون سی قسم ہے؟ کیسا جنون اور عشق ہے......“ وہ دروازے میں کھڑی بڑی بے لحاظی سے اسے آئینہ دکھا رہی تھی اور وہ لب بھینچے اسے سننے پر مجبور تھا۔

”دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ وہ ایک دم پھنکارا تھا۔

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں تمہاری شکل دیکھنے کا۔ لعنت بھیجتی ہوں میں تم جیسے انسان پر۔“ وہ اس سے بھی زیادہ آتش فشاں تھی۔

”رمشاء“ وہ غصے سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ ایک دم دروازہ کھول کر باہر بھاگ گئی اور رضا نے بڑے غصے سے دروازہ بند کیا تھا۔ دوبارہ کرسی پر گرتے اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ رمشاء اسے کتنا کچھ سنا گئی تھی اور اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے الفاظ کی نفی ہی کر دیتا۔ وہ کچھ ایسے ہی اپنی نظروں سے بھی گر گیا تھا مگر وہ کس سے کہتا......

............*

اگلے تین چار دن بڑی تیزی سے گزرے تھے۔ اس کی سمعان سے بات نہیں ہوئی تو پھر وہ انہی احساسات کا شکار ہوتی چلی گئی۔ ان ہی چند دنوں میں اس نے جب بھی رابطہ کیا تھا خود ہی کیا تھا۔ سمعان نے کال نہیں کی تھی اور اس کے کال کرنے پر بھی بڑا سرسری سا انداز ہوتا تھا۔ محض جیسے اخلاقیات نبھا رہا ہو۔ سمعان بدل رہا تھا۔ اس کے اندر یہ احساس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ سمعان نے اسے ہر سہولت مہیا کر دی تھی مگر اپنی محبت اور توجہ کے بادل سمیٹ لیے تھے اور یہ شکایت سمعان سے کرنا چاہتی تھی مگر ہمت کہاں تھی...... رات اس کی سمعان سے بات ہوئی تھی۔ اس نے جب کراچی چکر لگانے کا پروگرام بنایا تو سمعان نے صاف کہہ دیا کہ اس کے پاس لاہور چکر لگانے کا ٹائم نہیں وہ امجد کو کہہ دے گا وہ ٹکٹیں دے گا۔ وہ خود ہی آجائے یا پھر وہ علی کو بھیج دے گا اس کے ساتھ آجائے۔ سمعان کے اس رویے نے اسے مزید ہرٹ کیا تھا۔

اس نے امجد کو کہہ دیا تھا کہ ٹکٹس لا دے۔ وہ نوریہ کو بھی تیار رہنے کا کہہ کر خود یونیورسٹی آگئی تھی مگر سارا وقت ذہن الجھا رہا تھا۔ سمعان احمد ایسا کیوں کر رہا تھا۔ کوئی بات سمجھ آ رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ غائب دماغی سے سر نواز فاروق کی کلاس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آج دل اتنا خراب ہو رہا تھا کہ کسی چیز میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا حتیٰ کہ لیکچرز میں بھی نہیں۔ سر نواز فاروق نے کئی بار ٹھہر کر اسے دیکھا تھا مگر وہ ہر بار فائل پر پنسل سے الٹی سیدھی لائنیں کھینچتی دکھائی دی تھی۔ انہوں نے ایک دفعہ تو کہنا چاہا مگر پھر بعد میں بات کرنے پر ٹال گئے۔ سر نواز فاروق بلیک بورڈ پر کچھ لکھ رہے تھے جب کمرے میں موبائل کی بیپ سنائی دینے لگی تھی۔ انہوں نے نہایت ناگواری سے کلاس کی جانب دیکھا تھا۔ لیکچر کے دوران انہیں نے موبائل کی ٹون بہت بری لگتی تھی۔ وہ خود بھی اپنا موبائل آف رکھتے تھے اور اسٹوڈنٹس کو بھی تاکید کر دی تھی مگر آج موبائل کی ٹون سن کر حاضرین پر نظر ڈالی۔

زرش بڑی شرمندہ ہوئی تھی۔ اپنی الجھن میں وہ موبائل آف کرنا بھول گئی تھی۔ بیگ سے موبائل نکال کر اس نے آف کرنا چاہا تھا مگر تایا کے گھر سے کال آتے دیکھ کر وہ چونک گئی تھی۔ یہ لوگ بھی بلاوجہ کال نہ کرتے تھے۔

"مس زرش! آپ باہر چلی جائیں۔" اس معاملے میں نواز فاروق بہت اصول پرست تھا۔ زرش کو بڑی سبکی کا احساس ہوا تیزی سے کال اٹینڈ کر کے فون کان سے لگا لیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے فائل اور دیگر چیزیں سمیٹے وہ اٹھنے کو تھی۔

"زرش! میں فرح بول رہی ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"ہاں بولو" فائل اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ سارے پیپرز بکھر گئے تھے۔ ساری کلاس متوجہ تھی۔ سر نواز اس کے باہر چلے جانے کے منتظر تھے۔ وہ کوفت کا شکار ہوئی۔ جھک کر وہ کاغذ سمیٹ رہی تھی۔

"زرش سمعان بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ وہ ایمرجنسی میں ہیں۔ بہت خراب کنڈیشن ہے ان کی، کوئی بھی مجھے ان کے پاس لے کر نہیں جا رہا۔" فرح روتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"کیا......؟" زرش وہیں ساکت سی ہو گئی تھی۔ ہاتھ میں پیپرز سمیٹے وہ کھڑی ہوئی تھی جب ایک دم لڑکھڑا گئی تھی۔ ہاتھ سے پیپرز پھر گر گئے تھے۔ اس کی آواز ایک دم اتنی اونچی ہو گئی تھی کہ ساری کلاس نے سنا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم...... کیا ہوا سمعان کو......؟" وہ اب اردگرد کا خیال کیے بغیر ایک دم چیخی تھی۔ سمعان کے نام پر سر نواز فوراً قریب آئے تھے۔

"زرش دعا کرو۔ انہیں کچھ نہ ہو...... وہ ایمرجنسی میں ہیں۔ مجھے اور امی کو کوئی کچھ نہیں بتا رہا۔ تم دعا کرو۔" زرش کو لگا زمین و آسمان گھوم گئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی ساتھ بیٹھی لڑکیوں نے فوراً اسے تھام کر واپس اس کی کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ موبائل نیچے گرنے کو تھا۔ نواز فاروق نے فوراً اس کے ہاتھ سے پکڑا تھا۔

"میں نے علی کو بھیجا ہے۔ وہ لاہور بس پہنچنے والا ہوگا۔ تم آجاؤ۔ صبح ایکسیڈنٹ ہوا تھا مگر کوئی واضح صورت حال نہیں بتا رہا۔" نواز نے موبائل آف کرتے ایک لڑکے کو روم کا دروازہ بند کرنے اور کسی دوسرے کو پانی لانے کا کہا تھا۔

"سر یہ تو بے ہوش ہو چکی ہے۔" انیقہ نے بڑی تشویش سے دیکھا۔ ساری کلاس اردگرد جمع ہو گئی تھی۔

"آپ لوگ باہر چلے جائیں۔ یہ رش ختم کریں پلیز......" نواز فاروق کے کہنے پر وہ سب ایک ایک کرتے نکلتے گئے تھے۔ صرف ایک دو لڑکیاں رہ گئی تھیں۔ پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر مار کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی۔ دو تین منٹ بعد اسے ہوش آگیا تھا۔ پہلے تو وہ خالی الذہن اطراف میں دیکھتی رہی اور پھر ذہن نے کام کرنا شروع کیا تو پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"زرش...... بی بریو...... مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟ کس قسم کی کال تھی یہ...... کس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟" سر نواز پوچھ رہے تھے۔

"سمعان......!" نام ٹوٹ کر اس کے ہونٹوں سے نکلا اور نواز فاروق گم صم سے رہ گئے۔ یہ بات کسی عظیم سانحے سے کم نہ تھی۔

"بہت خراب طبیعت ہے ان کی سر، فرح کہہ رہی تھی کہ ایمرجنسی میں ہیں، اگر انہیں کچھ ہو گیا سر تو......؟" اسے اجنبیوں میں صرف ایک ہی تو شناسا تھا اور نواز فاروق اسے دلاسے میں کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ نواز فاروق اسے گھر چھوڑنے آئے تو باہر سے ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ نوریہ اسے یوں آتے دیکھ کر چونکی تھی پھر ساری صورت حال جان کر بڑی غم زدہ ہوئی۔

"تم دعا کرو، ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا۔" اس نے دلاسہ دیا۔ ٹکٹس پہلے ہی کنفرم تھی کچھ دیر میں علی آگیا تو اس کے کندھے سے لگ کر خوب روئی۔

"میں اسپتال سے ہی آ رہا ہوں۔ صبح وہ آفس کے لیے نکلے تھے جب یہ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ ڈاکٹر ٹریٹمنٹ کر رہے ہیں، چچا جان نے تمہیں لانے کو کہا۔ وہ مسلسل بے ہوش ہیں۔"

"تم مجھے بہلا تو نہیں رہے؟" پہلے فرح کی کال اور اب ماما پاپا کا اسے یوں بلوا لینا اسے یقین نہیں

آ رہا تھا۔

”کوئی اور بات تو نہیں؟“

”وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہاں چند چوٹیں شدید ہیں مگر تم خود چچا جان سے بات کر لو۔ یہ لو میں کال ملا دیتا ہوں۔“

اس کی مسلسل گریہ زاری پر اس نے کال ملائی۔ ماما پاپا اور تایا ابو سے بات کر کے اسے کچھ تسلی ہوئی۔

ایکسیڈنٹ سامنے والی گاڑی کی غلطی سے ہوا تھا۔ سمعان کو سینے اور سر پہ چوٹیں لگی تھیں۔ سر کی چوٹ کی وجہ سے وہ مسلسل بے ہوش تھا تاہم ڈاکٹرز ہوش میں آ جانے کی تسلی دے رہے تھے۔

اس پریشانی کے عالم میں نویرہ حقیقتاً اس کی ہمدرد و غم خوار ثابت ہوئی تھی۔ ماما پاپا کی بھرپور تسلی کے باوجود دل کی بے چینی اسی طرح برقرار تھی۔ علی اس کے ساتھ نویرہ کو بھی جاتے دیکھ کر چونکا تو تھا مگر اس نے زیادہ سوال و جواب کرنے سے احتراز برتا تھا۔

اگلے دو گھنٹوں میں وہ کراچی اسپتال میں تھے۔ نویرہ اس کے ساتھ ہی آئی تھی۔

ماما پاپا کو وہیں کھڑے دیکھ کر وہ پھر جذباتی ہوئی۔

”کیسے ہیں وہ؟ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟“ اس وقت وہاں تقریباً سبھی تھے۔ ماما کے گلے لگتے ہی پہلا سوال یہی کیا۔

”اللہ کا شکر ہے، بہت بہتر حالت ہے۔ نارمل چوٹیں تھیں۔ صرف سر کی چوٹ شدید تھی۔ اسی لیے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ہوش آیا ہے۔ اس وقت وہ آبزرویشن میں ہے کسی سے بھی ملنے کی ابھی اجازت نہیں۔ بس گلاس ڈور سے دیکھ لو۔“ ماما نے اسے تسلی دی۔

گلاس ڈور کے قریب طاہرہ بیگم کھڑی تھیں۔

زرش ان کو دیکھ کر رک گئی۔

یہ وہ عورت تھی جس نے اپنی اولاد کو بھی اپنی نفرت کے دائرے میں شامل کر لیا تھا اور آج۔

ان کے بہتے آنسو زرش کے اندر کسی بھی قسم کے احساس کو نہ جگا سکے۔ بلکہ ان کو دیکھ کر گزرے لمحوں کی اذیت و تکلیف دوچند ہو گئی تھی۔

وہ گلاس ڈور سے دیکھ کر واپس آ گئی۔

نویرہ مسلسل تسلیاں دے رہی تھیں۔

اس نے علی سے کہہ کر نویرہ کو گھر بھجوا دیا، بچے کے ساتھ وہ یہاں کہاں خوار ہوتی پھرتیں۔

چند گھنٹوں کے بعد سمعان کو ہوش آیا تو وہاں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ڈاکٹرز نے اچھی طرح چیک اپ کے بعد ملنے کی اجازت دے دی۔ سب ایک ایک کر کے اندر جاتے اور باہر آتے رہے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

شام تک انہیں آبزرویشن روم سے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تو سب کے لرزتے دلوں کو اک سکون حاصل گیا تھا کہ اب خطرے والی کوئی بات نہ رہی تھی۔

رات کو صرف ایک دو کو ٹھہرنے کی اجازت ملی تھی۔ باقی لوگ پُرسکون ہو کر گھر جانے کے معاملے پہ بحث و تکرار کر رہے تھے کہ یہاں کون رکے گا، وجہ بحث یہ بات بنی ہوئی تھی۔

”میں اور زرش اِدھر ہی رہیں گے۔ باقی سب گھر چلے جائیں۔“ یہ سعید احمد تھے انہوں نے کہا، سب نے واضح طور پر محسوس کیا تھا کہ سمعان کے ہوش میں آنے کے باوجود زرش اس کے سامنے نہیں گئی تھی۔

زرش تب بھی خاموش رہی تھی۔

طاہرہ بیگم نے رکنے کی ضد کی تو سعید احمد نے گھر چلے جانے کا کہہ کر بات ختم کر دی تھی۔

”تم سمعان سے نہیں ملیں؟“ وہ بنچ پر بیٹھی نجانے کن سوچوں میں گم تھی کہ سب کے چلے جانے پر وہاں خاموشی سی چھا گئی تھی۔ راہداری میں بنچ پر بیٹھی تھی سعید احمد کے پوچھنے پر چونکی۔

”وہ دواؤں کے زیرِ اثر غنودگی میں ہے۔ جاؤ کمرے میں چلی جاؤ۔ یہاں راہداری میں کب تک بیٹھی رہو گی؟ میں ڈاکٹرز سے مل لوں۔ اللہ نے بڑا کرم کیا ہے۔ چند دنوں میں ہی زخم مندمل ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔ جاؤ بیٹا! شاباش...... پریشان نہیں ہونا...... اللہ تعالیٰ اچھا کریں گے......“

اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر محبت سے تسلی دیتے وہ آگے بڑھ گئے تو وہ خاموشی سے اُٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی۔

سمعان دواؤں کی وجہ سے نیند میں تھا۔ وہ آ کر کرسی پر ٹک گئی۔

صبح سے اب تک بھوکی بیٹھی وہ کتنے آنسو بہا چکی تھی۔ سمعان کے ہوش میں آنے کے بعد سب نے مطمئن ہو کر کچھ نہ کچھ کھایا تھا، اسے بھی کہتے رہے تھے مگر حلق سے ایک لقمہ تک نہ اترا تھا اور اب......

اس کی آنکھیں پھر بہنے لگیں......

اگر اس حادثے میں واقعی سمعان کو کچھ ہو جاتا تو؟

اس تصور نے ہی اس کے وجود کو سرد کر دیا تھا۔

سعید احمد باہر ہی رہے تھے اور اس کی ساری رات کرسی پہ بیٹھے آنکھوں میں گزر گئی تھی۔ کمرے میں دوسرا بیڈ موجود تھا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔ فجر کے قریب سعید احمد نماز ادا کر کے کمرے میں آئے تو اسے اس حالت میں بیٹھے دیکھ کر چونکے تھے۔

”زرش بیٹا! بیڈ پر لیٹ کر سو جاؤ......“

”آپ لیٹ جائیں، میں اِدھر ہی ٹھیک ہوں۔“ وہ کچھ پل اسے دیکھتے رہے اور پھر گہری سانس لے کر پلٹے۔ وہ خاموشی سے بستر پہ جا کر دراز ہو گئے تھے۔ کل سارے دن کی تھکن اور پریشانی پھر رات کا جاگنا وہ لمحوں میں غافل ہو گئے۔

وہ کرسی پہ بیٹھی بستر کے کنارے سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ جب سمعان احمد نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو نگاہ اس کے چہرے پہ ایک پل کو ساکت ہوئی تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد سمعان احمد نے بظاہر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا (اور نہ ہی کسی نے ذکر کیا تھا) مگر اس کا انتظار دل و نگاہ کو رہا تھا اور پھر غنودگی میں ڈوبے ذہن نے زیادہ کچھ سوچنے بھی نہ دیا تھا اور اب تو وہ سامنے تھی۔ سمعان احمد بغیر جنبش کیے بس اسے دیکھتا رہا۔

بند پلکوں کا سایہ رخساروں کی سرخی پر اک عجب بہار دکھا رہا تھا۔ اس وقت وہ ہمیشہ سے زیادہ دلکش اور حسین لگ رہی تھی۔ سمعان نے ہاتھ کو جنبش دی تو زرش ایک دم آنکھیں کھول کر سیدھی ہوئی۔

”آپ..... اُٹھ گئے؟ کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟“ چہرے اور لہجے میں بے پناہ فکر سمیٹے وہ پوچھ رہی تھی سمعان نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر لب دانت تلے دبا کر صرف گردن ہلا دی۔

نگاہ زرش سے ہوتی کمرے میں موجود دوسرے بستر پہ لیٹے سعید احمد کی طرف گئی......

”وقت کیا ہوا ہے؟“ سمعان نے کمرے کے ماحول سے وقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے اس سے پوچھا۔

”صبح کے چھ بج رہے ہیں۔“ اپنی کلائی میں بندھی گھڑی دیکھتے اس نے وقت بتایا۔

”اوہ..... اتنی دیر غافل رہا ہوں میں..... باقی لوگ اِدھر ہی ہیں یا گھر چلے گئے اور تم کب آئیں؟“

”سب گھر چلے گئے تھے رات کو ہی، میں کل دو بجے دوپہر یہاں آئی تھی علی لینے آیا تھا۔“

”ہوں.....“

”اب کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ؟“ پتا نہیں کیوں گزشتہ چند دنوں سے سمعان احمد کے رویے اور انداز میں اس قدر سنجیدگی در آئی تھی کہ وہ اس وقت چاہنے کے باوجود بے تکلف نہ ہو پا رہی تھی۔

”بہتر ہوں.....“ جواب بڑا اختصار لیے ہوئے تھا، زرش نے لب دانتوں میں دبا لیا۔ دل تو پہلے ہی گداز ہو رہا تھا، سمعان کے اس انداز نے اسے مزید رنجیدہ کر دیا تو آنکھوں میں آنسو در آئے۔

”آپ ناراض ہیں مجھ سے؟“ اتنے دنوں سے دل میں مچلتا سوال آخر کار لبوں پر آ ہی گیا تھا۔ پلکیں بند کرتا سمعان چونک کر متوجہ ہوا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اب رخساروں پہ بہہ رہے تھے۔

”کیوں.....؟“ وہی سنجیدہ انداز تھا۔ زرش کو مزید رونا آیا۔

”یہ تو آپ کو پتا ہوگا کہ آپ کیوں ناراض ہیں، مگر آپ کا رویہ بدل رہا ہے۔ جب سے آپ کراچی آئے ہیں ایک بار بھی خود سے رابطہ نہ کیا۔ جب بھی کال کی میں نے کی۔ اتنا سنجیدہ روکھا پھیکا انداز اور اب.....“

سمعان احمد نے چند پل اسے دیکھا۔ بغیر تردید یا تصدیق کے پلکیں موند لی تھیں۔ سمعان کے اس انداز نے زرش کو نئے سرے سے اذیت سے دوچار کر دیا اور وہ گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی۔

سمعان ایسا کیوں کر رہا ہے؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی پھر سمعان کی حالت کا خیال کرتے وہ لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

دن کے معمولات شروع ہوئے تو تایا ابو اُٹھ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد طاہرہ بیگم اور علی ناشتا لے کر آئے تو زرش طاہرہ بیگم کو وہاں موجود دیکھ کر کمرے سے نکل آئی۔

تایا ابو، علی، سمعان اور طاہرہ بیگم ایک فیملی کی طرح تھے، بڑے عرصے بعد زرش نے ایسا ماحول دیکھا تو اسے اپنا آپ بڑا غیر ضروری سا محسوس ہوا۔ باہر آ کر اس نے گھر کال کر کے ماما کو ڈرائیور کو بھیجنے کو کہا۔

سمعان احمد کی طبیعت اب بہتر تھی۔ ڈاکٹرز نے رات کو بھی اطمینان دلایا تھا اور اب طاہرہ بیگم کی موجودگی میں رُکنے کا کوئی جواز بھی نہ رہا تھا۔

”زرش! تم یہاں کیوں آ گئیں..... ناشتہ تو کر لیتیں؟“ وہ راہداری میں کھڑی تھی جب علی چلا آیا تو وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

”میں گھر جا رہی ہوں، وہیں جا کر ناشتا کروں گی، ماما کو فون کیا ہے، ڈرائیور آتا ہی ہوگا۔“

”سمعان بھائی سے کوئی بات ہوئی؟“ علی نے زرش کا چہرہ بغور دیکھا، وہاں بڑی پریشانی درج تھی۔

”ہوں..... صبح بات ہوئی تھی۔ حال چال دریافت کیا تھا۔“

”پریشان مت ہوں، ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”ہوں.....“ اس کا وہی انداز تھا۔ علی کو فکر ہوئی مگر پوچھ نہ سکا۔

کچھ دیر میں ڈرائیور آ گیا تو وہ علی کو خدا حافظ کہتے گھر چلی گئی۔

* * *

اگلے دنوں میں شارق زمان کے لیے یہ خبر کسی گہرے صدمے سے کم نہ تھی، بدر آراء بیگم کا انتقال ہو گیا تھا۔

یہ خبر اس کے ایک رپورٹر نے اسے فون پر دی تھی۔

شہوانہ اور احسان منصور کی شادی کے بعد ان تینوں پر ہونے والی فائرنگ کا نتیجہ تھا کہ شہوانہ اور بدر آراء بیگم شدید زخمی ہوئی تھیں۔ بلکہ احسان منصور صرف زخمی ہی ہوا تھا۔

شہوانہ تو چند دنوں میں چلنے پھرنے لگ گئی تھی جب کہ بدر آراء بیگم دوبارہ اپنی ٹانگوں پر چل نہ سکی تھیں۔ پیسہ تو تھا، ساری عمر پیسہ ہی تو اکٹھا کیا تھا اس عورت نے، یہاں سے ناامید ہونے کے بعد شہوانہ ماں کو علاج کے لیے لندن لے گئی تھی۔

شارق زمان کو ان لوگوں کی برابر خبر مل رہی تھی۔ مگر وہ اپنے مسائل میں اس قدر اُلجھ چکا تھا کہ دوسری طرف دھیان دینے کی کبھی کوشش بھی نہ کی تھی۔

پھر دھیان دینے کا فائدہ بھی کیا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا تھا کہ اس کی ذات میں رہ جانے والا خلاء اسی دھیان کی دین ہے۔ وہ ساری عمر اک نادیدہ آگ میں جھلستا رہا تھا۔ درمیان میں نویرہ کے تصور نے اسے ایک نارمل زندگی کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی تھی اور وہ کامیاب بھی رہا تھا مگر اس کے اندر پلنے والے کمپلیکس نے اسے یہاں بھی شکست سے دوچار کیا تھا اور اب...... وہ نہ مانتا، لاکھ نفرت کرتا۔ مگر یہ سچ تھا بدر آراء بیگم اس کو پیدا کرنے کا سبب ضرور بنی تھیں اور شہوانہ اس کی بہن تھی۔

ماں کے انتقال کے بعد شہوانہ اب لندن میں ہی تھی وہ ابھی تک احسان منصور کے نکاح میں ہی تھی، بے شک لالہ منصور اس نکاح کو نہیں مانتا تھا، لاکھ مخالف تھا۔ احسان منصور اب بھی شہوانہ کا دم بھرتا تھا اور شہوانہ...... ان کی وفات کے بعد اب اس کا کیا ارادہ تھا وہ بے خبر تھا۔ بظاہر اس کے رپورٹر کی دی جانے والی یہ عام سی خبر ہی تو تھی اگلے دن چند ایک اخبارات میں ایک چھوٹی سی سرخی تھی اور پھر خبر دب سی گئی تھی۔ جبکہ شارق زمان کو لگا اس کی ذات اُدھڑ سی گئی ہے۔

عورت ذات سے اس کی نفرت کا بس یہ آخری بہانہ تھا جو آخرکار اپنے انجام کو پہنچا تھا۔

نویرہ نے اسے عورت کے وجود کا جو احساس دلایا تھا، وہ بہت قوی تھا۔ عورت کی وفاداری، خلوص و

حیاداری کا واضح ثبوت اماں کی صورت تو تھا مگر وہ ساری عمر خود ساختہ نفرت کے خول میں مقید الجھتا رہا تھا اور اب...... اس نے اپنی زندگی کو دُہرایا اور پھر ادراک کے کئی لمحے اس پر وا ہوتے چلے گئے تھے۔

وہ اس دن کئی دنوں کے بعد اپنے آفس آیا تھا۔

اس کے ورکر اچھے اور محنتی تھے اس کی غیر موجودگی میں بھی کام خوش اسلوبی سے چلا رہے تھے۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے۔ اس کے اندر کا خالی پن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ نویرہ کا کہیں پتا نہیں چل رہا تھا، وہ کہاں تھی، کن لوگوں میں تھی کچھ علم نہ ہو رہا تھا اور شارق زمان کو اب لگ رہا تھا اس کی برداشت جذباتیت کا بس اختتام ہونے والا ہے اگر نویرہ چند دنوں میں نہ ملی یا تو وہ کسی کو ختم کر بیٹھے گا یا پھر اپنے وجود کو ختم کر ڈالے گا۔

بہت مشکل لمحے تھے یہ......

یہ زندگی اس کے اعمال کا حساب بھی تو بہت تکلیف دہ حساب تھا۔ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو قبول کرنا بھی بڑے، دل گردے کا کام ہوتا ہے اور اس کا دل قبول کر رہا تھا......

بلکہ پسپائی کا عمل تو تب سے شروع ہو چکا تھا جب سے نویرہ واپس اس گھر میں آئی تھی مگر اقرار مشکل تھا، اپنی کوتاہیوں اور اعتماد کی عدم پختگی کا، وہ نویرہ کی ہمت پر حیران تھا، وہ اس کے سب رویے کس بہادری سے سہ گئی تھی، معصب کا تصور اس کے دل میں گداز سا بھر دیتا تھا۔

وہ ننھا سا، پیارا سا بچہ...... اور ہر گزرتا لمحہ اس کے وجود کی مضبوطی اور جذباتیت کو اک گہری ضرب لگا رہا تھا اور وہ ڈھے رہا تھا...... وہ کام میں مصروف تھا، بہت دنوں بعد آفس آیا تھا تو کئی امور اس کی توجہ کے منتظر تھے۔

”ہیلو شارق!“ وہ کسی فائل پر جھکا ہوا تھا جب اس آواز پر سر اٹھا کر آنے والے وجود کو دیکھا۔

زیبا کیانی اول روز کی طرح بڑی تر و تازہ دکھائی دی تھی۔ وہی گرم جوشی کا اظہار کرتا انداز، وہی آنکھوں کا والہانہ پن، وہ اس کے سامنے موجود کرسی پر ٹکی تو شارق کے تصور میں بڑی سی چادر کے گرد لپٹا وجود در آیا۔

کتنا تضاد تھا؟ نجانے تربیت کی کمی تھی یا وقت کا تقاضا تھا مگر ان ظاہری اداؤں سے پہلے متاثر ہوا تھا اور نہ ہی اب......

اس کے دل کو تو نویرہ احسان کا کردار بھایا تھا نہ کہ اس کا حسن، مگر شک کی آندھی سارا خزانہ اُڑا کر لے گئی تھی اور کیا بچا تھا باقی؟ شاید ندامت یا پھر......؟

”کہاں ہوتے ہو تم؟ کہیں نظر ہی نہیں آتے؟ میری انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں نمبرز ملا ملا کر، مگر تم ریسیو نہیں کرتے۔ اتنے چکر تمہارے آفس اور گھر کے لگا چکی ہوں اور ہر بار جواب ملتا ہے صاحب نہیں ہیں، ہوتے کہاں ہو؟“ بڑی بے تکلفی سے وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق نے اپنے سامنے دھری فائل بند کر دی۔

”خیریت؟“ بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

”تمہیں بتا تو چکی ہوں، پاپا شادی پر زور دے رہے ہیں اور تم جانتے ہو، میں کیوں پاپا کو ٹال رہی ہوں؟“

”تو اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”تم پاپا سے ایک دفعہ مل تو لو شاید کوئی راہ نکل آئے، دوسری صورت میں تم جانتے ہو، میں کیا طے کیے ہوئے ہوں۔“

”تمہارے پاپا سے میں بھلا کیوں ملوں؟ اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہوں۔“

”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

”ایم سوری! میں تمہیں واضح طور پر کہہ چکا ہوں کہ یہ صرف تمہارا فیصلہ ہے میرا نہیں، جہاں تمہارے پاپا کہتے ہیں، تم شادی کر لو...... میں اپنی لائف سے بہت خوش ہوں اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ ایک بیوی کے سلسلے میں میری ترجیحات کیا ہیں؟“

”شارق! تم سوچو تو سہی، میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں، مہذب ہوں اور پھر صاحب جائیداد ہوں۔“

”تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے تمہاری یہ ساری کوالٹیز نہ پہلے کبھی متاثر کر سکی ہیں اور نہ ہی اب؟“

”شارق......!“ اس نے کچھ کہنا چاہا تو شارق نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

”تمہیں بہت اچھا لائف پارٹنر مل جائے گا۔ تمہارے پاپا نے تمہارے لیے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے، اسے قبول کر لو۔ دیکھو زیبا! تم سے میری دوستی رہی ہے تم یہ بھی جانتی ہو، کلب کی ممبر شپ کے دوران بہت سی لڑکیوں سے مراسم رہے ہیں، مگر میں نے اتنی اہمیت کسی کو بھی نہ دی، جتنی تمہیں دی۔ صرف اس لیے کہ تم ان سب سے ہٹ کر تھیں تم ان تمام سطحی لڑکیوں کی طرح وقت گزارنے کی قائل نہ تھیں۔ دوستی بہر حال ہمارے درمیان ہے، نوریہ میری بیوی ہے اسے میں نے اپنی زندگی میں کیوں داخل کیا، تم جانتی ہو۔ شادی سے پہلے میری کیا سرگرمیاں تھیں مگر شادی کے بعد میں نے وہ سب چھوڑ دیں۔ چند ایک بار کے علاوہ میں کلب نہیں گیا، وہاں ممبر شپ بھی ختم کر دی ہے۔ تمہارے ساتھ مراسم رہے ہیں مگر وہ بھی بہت صاف شفاف سطح پر۔ میں نے ہر بار تمہارے فیصلے کی نفی ہی کی ہے۔ میں تمہاری دل آزاری نہیں کرنا چاہتا مگر یہ سچ ہے، میری زندگی میں اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسرے کی قطعی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ میرا اپنا گھر ہے، بیوی ہے، ایک بیٹا ہے، کسی چیز کی کمی نہیں۔ پھر تمہاری گنجائش نکالنا تو ایک طرف، میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں۔ تم جس ماحول اور سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہو، میرے جیسا مرد وہاں نہیں چل سکتا، میں عورت ذات کے حوالے سے بہت تنگ نظر واقع ہوا ہوں اور مجھ جیسے مرد کو تم جیسی لڑکی سوٹ نہیں کرتی۔“ اس نے صاف اور واضح الفاظ میں سب کہہ ڈالا اور زیبا چپ چاپ اسے سنتی رہی۔ ”میں عورت ذات کو صرف اپنے تک محدود دیکھنا چاہتا ہوں، چاہے وہ کسی روپ میں بھی ہو اور میری بیوی میرے تصور کے لیے بہترین ہے، تم سمجھدار ہو، پڑھی لکھی، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنا۔ شاید تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔“ بڑے سنجیدہ انداز میں اس نے اپنا موقف واضح کیا اور زیبا چند لمحے تو چپ چاپ بیٹھی رہی پھر ایک دم اٹھ کر اس کے آفس سے باہر نکل گئی۔

نوریہ کے تصور نے اس کے دل و دماغ میں اک کھلبلی سی مچا رکھی تھی مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

* * *

اس کے بعد وہ دوبارہ اسپتال گئی مگر سمعان کے انداز و تیور دیکھ کر اس کے اندر خود سے مخاطب کرنے کی ہمت نہ ہو سکی، پھر طاہرہ بیگم کا ہر بار سامنا بڑا اذیت ناک تھا۔ یہ عمل بھی اور ہر بار تھوڑی دیر ہو سکی تھی اور وہ ہر بار دل میں بے پناہ اذیت لے کر لوٹی تھی۔

سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سمعان کو ہوا کیا ہے؟ اس کا ایسا رویہ کیوں ہے اگر ہے تو کوئی وجہ تو ہو؟ کم از کم پہلے کی مانند اس سے بات تو کریں۔ الفت و محبت نہ سہی مگر مروت و رواداری تو برقرار رکھیں۔

سعد اسپتال جانے کو نکلا تو اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ سعد سے بہت اچھے تو نہیں مگر تعلقات بہر حال بحال ضرور ہوئے تھے وہ اس کے ساتھ ہی اسپتال آئی تو طاہرہ بیگم کو وہاں دیکھ کر اس کا دل کٹا سا ہوا۔ سعد سمعان کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا تو وہ سلام دعا کے بعد ایک طرف رکھے صوفے پر اخبار لے کر بیٹھ گئی۔

طاہرہ بیگم نے دیکھا وہ اخبار میں متوجہ تھی جب کہ سعد اور سمعان باتوں میں۔ ان کا دل چاہا اس کے پاس بیٹھنے کو، بات کرنے کو مگر اپنے رویوں اور سنگین لغزشوں نے ان کی راہ روک لی اور وہ دل مسوس کر رہ گئی تھیں۔ زرش ایسی تو نہ تھی بلکہ وہ تو ان سے بات کرنے، بے تکلف ہونے کے بہانے ڈھونڈتی تھی جب کہ اب......!

انہوں نے شدت سے نوٹ کیا کہ زرش اور سمعان احمد کے آپس میں تعلقات بڑے محدود تھے پہلے دن کے علاوہ زرش دونوں بار شائستہ بیگم کے ساتھ ہی آئی تھی اور ہر بار سلام دعا یا حال چال دریافت کرنے کے علاوہ کوئی اور بات نہ ہوئی تھی اور پھر تھوڑی دیر رک کر وہ شائستہ کے ساتھ واپس چلی جاتی تھی۔

”چائے پیو گی؟“ زرش نے حیران ہو کر طاہرہ بیگم کو دیکھا۔ سعد سے باتوں میں مصروف سمعان نے بھی توجہ دی۔

”نہیں، شکریہ!“ ایک دم بہت کچھ یاد آیا تو تلخی اندر تک اترتی چلی گئی اور چہرے کے زاویے بھی بدلے تھے طاہرہ بیگم کو بڑی شدت سے احساس ہوا کہ جہاں باقی سب نے ان سے مناسب رویہ اختیار کر لیا تھا حتیٰ کہ سعید احمد نے بھی وہاں زرش ابھی تک اسی مقام پر تھی۔ اگر وہ اسی طرح ان سے نفرت کا اظہار کرتی رہی تو وہ کیسے باقی سب سے معافی مانگیں گی۔

وہ ہاتھوں کو مسلتے کرسی پر بیٹھ گئیں تو دوبارہ ہمت نہ ہوئی کہ زرش سے کوئی بات ہی کر لیں۔

کچھ دیر میں سعد کسی ڈاکٹر سے ملنے کے لیے اٹھا تو طاہرہ بیگم بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل گئیں۔

”پانی تو پلاؤ، زرش جواب بھی مکمل طور پر اخبار کی طرف متوجہ تھی سمعان کی آواز پر چونک کر اٹھی۔

سر کی چوٹ کی وجہ سے سمعان کو سر ہلانے کی اجازت نہیں تھی۔ زرش نے جگ میں سے پانی ڈال کر سمعان کی طرف گلاس بڑھا دیا۔

"اگر خود سے پینے کی پوزیشن میں ہوتا تو تمہیں زحمت نہ دیتا۔" سنجیدہ انداز میں کہتے سمعان احمد نے اسے احساس دلایا تو اس نے شرمندہ ہوتے گلاس سمعان احمد کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"بیٹھو۔" وہ پانی پلا کر پلٹنے لگی تو سمعان نے کہا۔ جھجک گئی تھی۔

"ادھر بیٹھو۔" وہ کرسی پر بیٹھنے لگی تو سمعان نے ٹوک کر بستر کے کنارے بیٹھنے کو کہا تھا۔

"نہیں، ادھر ہی ٹھیک ہوں۔"

"زرش......!" وہ بادل ناخواستہ اٹھ کر بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

"لاہور واپس کب جا رہی ہو؟" وہ نظریں جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا۔ تو وہ اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"دو تین دن میں چلی جاؤں گی۔"

"پڑھائی کا حرج ہو رہا ہوگا؟"

"نہیں میں نے سر سے بات کی تھی سارے لیکچرز اور نوٹس مل جائیں گے۔"

"زرش! تم نے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

"کیا مطلب؟" وہ سمعان کے سوال پر چونک اٹھی۔

"تم نے یہاں کے بدلتے حالات کا نا صرف بلکہ امی کے رویوں سے اندازہ بھی لگا لیا ہوگا کہ اب حالات کس سطح پر ہیں، آئندہ دنوں میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ اگر میرے ساتھ یہ حادثہ پیش نہ آتا تو یقیناً اب تک امی خود تم سے مل کر بات کر چکی ہوتیں اور حالات کوئی نہ کوئی کروٹ بدل چکے ہوتے۔"

وہ چپ چاپ سمعان کی بات سن رہی تھی۔

"تمہارا یہی مطالبہ تھا نا کہ امی خود سے اپنی تمام غلطیوں کا اعتراف کریں اور اب ایسا ہو رہا ہے اب بتاؤ کیا کہتی ہو تم؟"

وہ گم صم سی رہ گئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ سمعان اس سے بھی براہ راست اس کے سامنے ایسی صورت حال رکھتے ہوئے اسے فیصلہ کرنے کا کہے گا۔

اس نے خود بھی ایسا چاہا تھا جب کہ اب تمام صورت حال اس کی مرضی کے عین مطابق خود بخود راہ ہموار کر چکی تھیں۔ تو وہ اپنا ذہن عجب کشمکش میں لپٹا محسوس کر رہی تھی۔ سمعان نے اسے چند پل دیئے تھے کہ وہ شاید کچھ کہے مگر وہ ہونٹ بھینچے چپ چاپ سی تھی۔

"زرش......!" سمعان نے بڑی توجہ سے پکارا۔ وہی پرانا محبت بھرا توجہ لیے لہجہ تھا۔ اس کا دل اک لمحے کو بے قابو ہوا۔

"تم نے جو چاہا میں نے تمہاری ہر بات مانی۔ صحیح، غلط میں تمہارا ساتھ دیا کہ تم حق پر ہو۔ ہماری طرف سے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ میں نے ہر موقع پر تمہارا ساتھ دینے کی نا صرف کوشش کی بلکہ تمہارے ہر موقف و واقعات کے تحت پرکھتے ہوئے جتنی قائل بھی کیا ہے۔" سمعان کچھ پل خاموش ہوا۔

"ہمارا رشتہ ایسا ہے کہ اس میں ہم دونوں کے لیے بہت ساری گنجائش نکلتی ہے۔ امی کا ناراض ہو کر خالہ کے ہاں چلے جانا اور پھر بعد کے گھریلو حالات کی وجہ سے میرا رویہ تمہارے ساتھ کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا کہ میں امی اور ابو کی وجہ سے پریشان تھا لیکن تم سے کسی بھی قسم کی ناراضگی نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہے۔" سمعان نے دیکھا وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتی عجب کشمکش و پیچ میں تھی۔

"یہ حادثہ کسی کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا۔ اگر اس حادثے میں خدانخواستہ کچھ ہو جاتا، جیسا کہ اللہ نے بال بال بچایا ہے یا پھر عمر بھر کا کوئی نقصان؟ تو زرش! کیا تمہیں تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا؟" سوال ایسا تھا کہ وہ خود پر ضبط کرتی ایک دم ضبط کھو گئی اور ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

یہی سوال تو اس کی دل کی دھڑکن بند کر دیتا تھا کہ اگر خدانخواستہ واقعی کچھ ہو جاتا یا عمر بھر کا کوئی نقصان تو......؟

"زری!" اس کے رونے پر سمعان نے پریشان ہو کر ڈرپ لگا ہاتھ بڑھا کا اس کا ہاتھ تھاما۔

اس نے چہرہ اٹھا کر سمعان کو دیکھا۔

"اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں مر جاتی، میں ایک پل بھی نہ جی پاتی آپ کے بغیر۔" یہ اعتراف ایسا تھا کہ سمعان کو لگا رگ و پے میں ایک سکون سا سرایت کر گیا ہو۔

بڑا جان گسل انتظار کیا تھا اس ایک اعتراف کے لیے۔ سمعان نے تسلی دینے کو ہاتھ دبایا تھا مگر زرش کے اندر اس تسلی بھرے انداز نے کسی اور ہی انداز میں اثر کیا۔

بے اختیار ہو کر سمعان کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر وہ شدت سے روتی چلی گئی۔ سب کے سامنے خود کو سنبھالتے سنبھالتے وہ تھک گئی تھی۔

اس نے گھر سے نکلنے سے پہلے باتھ لیا تھا۔ شیمپو کیے بالوں کی نمی ابھی بھی برقرار تھی۔ کندھوں سے پھسلتے بال سمعان احمد کے چہرے پر گرے تو اک لطیف سے احساس نے سمعان کو چھوا تھا۔

یہ کیسی بے اختیاری تھی؟

محبت کے اظہار کا یہ کیسا انداز تھا؟

یہ قربت کا کیا عالم تھا؟

اس وقت کا تو سمعان احمد کو شدت سے انتظار تھا۔ مگر وقت اور جگہ نے سمعان کے اندر صورت حال کو سمجھنے کا احساس دلایا تھا۔

"زری......!" زمی سے دوسرا ہاتھ اس کے بالوں پر پھیرتے ہوئے پکارا تھا۔ بھیگے چہرے کو اٹھا کر اس نے سمعان احمد کو دیکھا۔

"آپ یقین کریں، آپ کو اگر کچھ ہوتا تو میں مر جاتی۔" وہ یقین دلا رہی تھی، سمعان نے سر اثبات

میں ہلا کر مسکرا کر اسے اپنے یقین کر لینے کا احساس دلایا۔

”مگر آئندہ کی صورت حال کے بارے میں تو سوچا ہوگا تم نے؟“ سمعان احمد کا انداز ہنوز بڑا پُر سکون اور تسلی آمیز تھا۔ زرش کو لگا جیسے فیصلے کی گھڑی آ پہنچی ہے۔

یہ لمحے اسے بہت بھاری لگے۔

”امی نے مجھ سے بات کی، انہوں نے معافی مانگی، ایک ماں اپنی اولاد کے سامنے معافی مانگے میرے لیے یہ بڑی ذلت کی بات تھی ہمارا اور ان کا تعلق ایسا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کی ہر بات، ہر غلطی اور لغزش کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہمارے رشتے کی ڈیمانڈ نہیں رشتے کا تقاضا بھی ہے جب کہ تمہارا اور امی کا تعلق اور طرح کا ہے دل میں گنجائش بنانے میں وقت ضرور لگتا ہے مگر زرش جہاں محبت ہو وہاں اسے برداشت کرنا پڑتا ہے سمجھ رہی ہو، نا میری بات۔“ وہ پھر ایک گرداب میں پھنس گئی تھی۔ یہ فیصلہ اس کے لیے بڑا مشکل تھا۔

”امی کو معاف کر دو زرش۔“ وہ شدت سے لب بھینچ گئی۔

”زرش......!“

”آپ......!“ وہ اس سے پہلے کہ کچھ کہنے کو لب وا کرتی سعد اور طاہرہ بیگم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔

زرش بوکھلا کر سیدھی ہوتے دوپٹے سے چہرہ رگڑتے کرسی پر بیٹھ گئی۔

”زرش، رکو گی یا گھر جاؤ گی، میں جا رہا ہوں۔“

سعد پوچھ رہا تھا اور زرش کو لگا کہ جیسے اس نے اسے بڑے مشکل فیصلے سے بچا لیا ہو۔

”میں چلتی ہوں۔“ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور سمعان نے ایک بڑی سنجیدہ نگاہ اس پر ڈالی تو وہ نگاہ چرائے سعد کی طرف پلٹ گئی۔

⁂

اگلے دو تین دن زرش کے لیے بڑے تکلیف دہ تھے وہ سوچ سوچ کر الجھتی رہی تھی۔

طاہرہ بیگم کو معاف کر دینا۔ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔

اور سمعان احمد کا تصور کرتی تو دل چاہتا تھا کہ سب بھول جائے کچھ بھی یاد نہ کرے۔ یہ لمحے بڑے تکلیف دہ اور اذیت ناک تھے۔

وہ چاہ کر بھی گزشتہ اذیت نہیں بھول پا رہی تھی اور سمعان احمد کی ذات ایک سایہ دار درخت تھی جس نے ہر اچھے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ سمعان احمد کی اس نیکی کو وہ ساری عمر نہ بھول پائے گی کہ سب کی مخالفت کے باوجود صرف اس کی خواہش پر اسے اتنی دور لاہور میں نہ صرف داخلہ لے کر دیا تھا بلکہ رہائش، تحفظ ہر طرح کا احساس دلایا تھا۔ اس جیسی کم عمر، تن تنہا لڑکی ذات کا اس طرح معاشرے میں اکیلے رہنا بھلا سمعان کے تعاون اور مدد کے بغیر کہاں ممکن تھا۔

اس کے بعد وہ چاہنے کے باوجود نہ تو اسپتال جا سکی تھی اور نہ ہی فون پر رابطہ کر سکی تھی۔

وہ اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔

اگلے دو دن میں سمعان اسپتال سے گھر چلا آیا۔ تو وہ نہ لاہور جا سکی تھی اور نہ ہی کسی حتمی فیصلے پر پہنچ سکی تھی۔

اور سمعان احمد بھی اسے فیصلہ کرنے کا کہہ کر اب اس کے فیصلے کا منتظر تھا اور وہ منتظر ہی رہی کہ شاید سمعان خود سے ہی رابطہ کرے یا اس کا فیصلہ پوچھے مگر اس کا انتظار، انتظار ہی رہا۔

نویرہ اس گھر میں آ کر مطمئن سی ہو گئی تھی۔ ماما، پاپا اور دیگر لوگوں سے بھی اس نے یہی تذکرہ کیا تھا کہ جو وہ سمعان سے کہہ چکی تھی۔ مگر یہ نہ کہہ سکی تھی کہ اب نویرہ ان لوگوں کے پاس رہے گی۔ اس نے سوچا کہ جب وہ لاہور تنہا جائے گی تو سب کو پتا چل ہی جائے گا نویرہ ماما سے کافی گھل مل گئی تھی۔ اپنی اچھی اور سلجھی فطرت کی بدولت شائستہ بیگم کو وہ بہت اچھی لگی تھی اور معصب تو تھا ہی بہت پیارا جو بھی دیکھتا تھا خود بخود اسے پیار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ماما پاپا نے نویرہ کے اس کے ساتھ یوں چلے آنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

نویرہ کو یہاں آ کر بڑا تعجب ہوا تھا کہ زرش سسرال کے بجائے میکے میں کیوں رہ رہی ہے۔ اس صورت میں کہ سسرال بھی پاس ہی تھا۔

زرش سمعان احمد کے ایکسیڈنٹ کو لے کر پریشان اور الجھی ہوئی تھی اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا تھا مگر جب یہی سوال اس نے شائستہ بیگم سے کیا تو انہوں نے گزرے لمحوں کی ساری کہانی سنا دی۔

نویرہ کو جان کر از حد دکھ اور افسوس ہوا۔

سسرال جا کر نہ رہنے کا زرش کا موقف درست تھا یا نہیں مگر زرش کے حوصلے پر اسے حیرت ہوئی کہ وہ کتنے دنوں سے اس کے ساتھ تھی مگر ایک بار بھی اس نے یہ سب ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ اس کے ساتھ اتنا کچھ ہو چکا ہے۔ وہ ہر وقت مطمئن اور پر سکون سی دکھائی دی تھی۔

شائستہ بیگم نے اس سے کافی دیر تک گزشتہ اور موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے زرش کو سمجھانے اور سب بھول کر اب کوئی بہتر فیصلہ کر لینے کو کہا تھا۔

اور نویرہ نے زرش کو سمجھانے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔

نویرہ الجھ سی گئی تھی اس نے شائستہ بیگم سے ہامی تو بھر لی تھی کہ وہ زرش کو سمجھائے گی مگر وہ اسے کیسے قائل کرے گی یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔

ایک لڑکی ذات کے لیے اپنے کردار سے بڑھ کر کچھ بھی اہم نہیں ہوتا اور بات جب کردار کی آتی ہے تو وہ پھر کچھ بھی برداشت نہیں کرتی۔ وہ زرش کے احساسات سمجھ رہی تھی مگر اب طاہرہ بیگم کا جو رویہ اور آنے والے حالات میں جو صورت حال ہو سکتی تھی اس پر وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ زرش اب کیا فیصلہ کرے گی۔

ان حالات میں جب کہ سمعان کے ایکسیڈنٹ سے زرش اس سے متعلق تمام احساسات سب کے

سامنے تھے۔ زرش کا برتاؤ اور اپنی پڑھائی کو بھی فراموش کیے ابھی تک ادھر ہی رہنا کچھ تو ظاہر کر ہی رہا تھا۔

معصب سو چکا تھا سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔ اس گھر میں نویرہ کو گھر کے ایک فرد کی حیثیت مل رہی تھی۔ زرش کے کمرے میں ہی وہ ٹھہری ہوئی تھی۔

نویرہ نماز پڑھ کر کمرے میں آئی تو معصب کو پاس ہی ہاتھ میں موبائل پکڑے زرش نجانے کن سوچوں میں غرق تھی کہ نویرہ کی آمد پہ بھی کوئی توجہ نہ دی۔

"زرش۔" بستر پہ بیٹھ کر پکارا تو اس نے چونک کر نویرہ کو دیکھا۔

"ہوں......؟"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں سوچ رہی ہوں کہ کل واپس چلی جاؤں ابھی سر سے فون پہ بات ہوئی ہے کافی کلاسز مس کر چکی ہوں۔ اللہ کا شکر ہے اب سمعان بہتر ہیں گھر بھی آ چکے ہیں۔ صبح پاپا کو کہتی ہوں کہ ٹکٹ منگوا دیں پہلی فلائٹ سے ہی چلی جاتی ہوں۔ آپ تو ادھر ہی رہیں گی۔ ماما سے ابھی بات تو نہیں کی صبح کرلوں گی، فکر نہ کیجیے گا ماما، پاپا آپ کے ادھر رہنے پر بھی اعتراض نہیں کریں گے آپ کی وجہ سے ان کو کافی ڈھارس رہے گی۔ سعد بھائی تو سارا دن اپنے کلینک کے چکروں میں الجھے رہتے ہیں۔ رات کو سعد بھائی آئیں گے بھی تو بھی اپنے کمرے تک محدود رہیں گے۔"

نویرہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ دل سے اک ہوک سی اٹھی۔ اپنوں سے دور، اپنے شہر سے دور اجنبی لوگوں میں رہنا۔

کاش......

اس نے اپنے خیالات کے سرکش گھوڑے کو فوراً قابو کیا۔ بھلا فائدہ بھی کیا تھا یہ سب یاد کرنے کا۔ بلکہ اپنا خون جلانے کا۔

"اچھی بات ہے مگر سمعان بھائی کے مکمل صحت یاب ہونے تک تو تمہیں ان کے پاس موجود رہنا چاہیے۔"

"وہ اپنے گھر میں ہیں۔ ادھر ان کے پاس سب ہیں۔" نویرہ کی بات پہ بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تم ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں؟"

"میرا خیال ہے اب تک ماما کے ذریعے آپ کو تمام صورت حال کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا۔" نویرہ مسکرا دی۔

"ہاں......! آنٹی نے ساری صورت حال بتائی ہے، مگر اب صورت حال تائی امی کا رویہ سنا ہے بدل چکا ہے۔ وہ سب سے معذرت کر چکی ہیں۔ ہوسکتا ہے اب وہ تمہیں خود ہی اپنے گھر لینے آ جائیں۔"

زرش چپ سی رہ گئی۔

یہی تو مصیبت تھی کہ وہ اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ طاہرہ بیگم کی زیادتیوں کو بھول جانا بڑے ظرف کی بات تھی۔

اور وہ ٹھہری سدا کی جذباتی۔

اس سے کچھ بھولا نہیں جا رہا تھا۔

اسے اس سلسلے میں اپنا ضبط و حوصلہ بہت کم لگ رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے یہ سب برداشت کرے۔

یہ طے تھا کہ وہ اب سمعان احمد کو اپنی نادانیوں اور جذباتیت کے ہاتھوں کبھی بھی کھونے کی ہمت نہیں رکھتی تھی مگر طاہرہ بیگم کو معاف کرنے کا حوصلہ بھی نہ تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں اس معاملے کو جتنا سوچتی ہوں، اتنا ہی الجھ جاتی ہوں۔ نویرہ آپی۔ اس سلسلے میں فی الحال مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔ سمعان کے اس حادثے نے مجھے عجب دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ میرا دل، میرے جذبات، میری سوچیں یہ سب اس رشتے کے ساتھ بندھ گئی ہیں۔ سمعان احمد کے ظرف کا سوچوں تو اپنا آپ بہت کم اور سطحی سا لگتا ہے مگر تائی امی کی زیادتیوں کو سوچوں تو دل چاہتا ہے کہ اپنے تمام جذبات کو نوچ کر پھینک دوں کہ میرے کردار پر انگلی اٹھی تھی۔ مجھے رسوا اس حد تک کیا گیا کہ مجھے زندگی سے نفرت ہوگئی تھی۔ انہوں نے جو بھی کہا جس کے بھی کہنے پر کیا مگر میں تو بدنام ہوگئی نا۔ ان کی زیادتی کبھی بھول جانے والی نہیں ہے اور مجھ میں اتنا ظرف نہیں کہ میں دل میں کدورت رکھے ہونٹوں سے مسکرا کر ملوں۔ یہ منافقت مجھ سے نہیں ہوسکتی، بہت مشکل ہے۔"

نویرہ نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"نویرہ آپی، اس سلسلے میں مجھ سے بات نہ کریں۔ یوں لگتا ہے گویا زخموں سے کھرنڈ اتر رہے ہیں۔ پلیز کوئی اور بات کرلیں۔ اس ٹاپک کو پہلے ہی سوچ سوچ کر اب میرا دماغ پھٹ جانے کو ہے۔ پلیز اب میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی۔"

نویرہ کچھ کہنے کو الفاظ ترتیب دے ہی رہی تھی زرش کے اس دوٹوک انداز پر صرف سر ہلا کر مسکرا دی تھی۔

"سو جاؤ، ان شاءاللہ سب بہتر ہی ہوگا۔"

وہ سونے کو لیٹ گئی تھی جب کہ زرش اسی طرح نیم دراز سی پھر سوچوں میں گم ہو چکی تھی۔

* * *

اگلے دن اس نے ماما پاپا کو کہہ دیا تھا کہ وہ لاہور واپس جانا چاہتی تھی ماما نے اس سے ایک دو دن مزید رکنے کو کہا تھا مگر وہ پہلے ہی کافی حرج ہو گیا ہے کا کہہ کر انکار کر گئی تھی۔ نویرہ کو وہ فی الحال اپنے ساتھ نہیں لے کر جانا چاہتی اگلی دفعہ لے جائے گی۔ نویرہ سے متعلق اس نے یہی ظاہر کیا تھا۔ ماما پاپا کو بظاہر نویرہ کے رکنے پر کوئی اعتراض تو نہ تھا مگر اس کے یوں اکیلے جانے پر ماما کو ضرور تامل ہوا تھا۔

"ماما جہاز سے جانا ہے۔ کچھ نہیں ہوتا۔"

"مگر زرش اکیلے؟ سمعان نے اعتراض کیا تو......؟"

"کچھ نہیں کہیں گے وہ۔" وہ صرف اتنا کہہ کر بات ختم کر گئی تھی۔

پاپا نے ٹکٹ منگوا دیا تھا۔ فلائٹ کا ٹائم دو بجے کا تھا۔

ناشتے کے بعد ہی اس نے پیکنگ کر لی تھی۔ کافی وقت تھا اس کے پاس گیارہ بجے کے قریب وہ باتھ لے کر سو گئی تھی۔ ارادہ تھا کہ ایک بجے تک اٹھ کر تیار ہو کر ائرپورٹ کے لیے روانہ ہو جائے گی۔

وہ گہری نیند میں تھی زور سے دروازہ پیٹے جانے پر ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ وہ دروازہ مقفل کر کے سوئی تھی۔

"آپ......؟" فوراً اٹھ کر دروازہ کھولا تو نویرہ کو دیکھ کر سکون سے پلٹی۔

"بڑی دیر تک سوئی ہو؟" اس نے وقت دیکھا ایک بج رہا تھا ابھی تو اس نے تیار بھی ہونا تھا۔

"اوہ......تو......!" وہ فوراً باتھ روم میں گھسی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو نویرہ بستر کی چادر درست کر رہی تھی۔

"باہر مہمان آئے ہیں۔" بالوں میں برش پھیرتے وہ چونکی۔

"کون؟"

"تمہارے تایا ابو اور ان کی بیگم، تمہارے ماموں کی فیملی تمہاری بہن اور بہنوئی وغیرہ۔"

باقی سب تو نہیں مگر طاہرہ بیگم کی آمد پر وہ چونک گئی تھی۔

"تائی امی بھی ہیں؟" "ہوں۔" نویرہ نے پُرسکون جواب دیا۔

"کیوں آئے ہیں یہ لوگ؟"

اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے نویرہ نے بغور دیکھا۔

"شاید تمہاری تائی بیگم صلح کی پیش کش لے کر آئی ہیں۔ آنٹی اور انکل لاؤنج میں سب کے پاس ہی ہیں مجھے آنٹی نے ہی بھیجا تھا کہ تمہیں اٹھا کر ادھر لے آؤں۔"

"مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ میری دو بجے کی فلائٹ ہے بہت کم وقت ہے میرے پاس۔" وہ غصے سے کہہ کر الماری سے اپنا سوٹ نکال کر پھر واش روم میں گھس گئی۔

چینج کر کے واپس آئی تو نویرہ ادھر ہی تھی۔

بیگ میں اپنا ٹکٹ اور دوسرے چیزوں کی موجودگی چیک کر کے اسکارف لے کر سر پر اچھی طرح لپیٹ کر دوپٹہ پنوں کی مدد سے کندھوں پر جما کر پلٹی۔

"تم ایک دفعہ ان لوگوں سے مل تو لو۔ ہو سکتا ہے مفاہمت کی کوئی راہ نکل ہی آئے۔"

"نہیں نکل سکتی۔ آج تائی امی کو اپنی بہن کی اصلیت کا علم ہوا ہے تو وہ معافی مانگنے آئی ہیں کہ ان کے پاس اب اس کے سوا کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ اگر وہ خود سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتی ہمارے گھر آتیں تو شاید میں سوچتی بھی مجھ میں اتنا ظرف نہیں ہے کہ میں گزشتہ کے تمام حالات و واقعات بھلا کر پھر سے خود کو پرانی زرش بنا لوں۔ سوری آپ امی کو کہہ دیجیے گا کہ میری فلائٹ میں تاخیر ہو رہی تھی اس لیے میں جا رہی ہوں۔" موبائل بھی اٹھا کر بیگ میں رکھتے اپنا کپڑوں والا بیگ تھامے وہ باہر نکل آئی تھی۔ لاؤنج والی سائیڈ کے بجائے وہ دوسری سائیڈ سے ہوتے لان میں نکل آئی تھی۔ نویرہ اس کے ہمراہ ہی تھی۔

"آپ یہاں بے فکر ہو کر رہیں۔ میں فون کرتی رہوں گی۔"

ڈرائیور کو اپنا بیگ تھما کر گاڑی میں بیٹھ گئی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر شائستہ بیگم باہر نکلی تھیں۔ مگر تب تک ڈرائیور گاڑی گیٹ سے نکال چکا تھا۔

"زرش چلی گئی ہے کیا؟" نویرہ قریب آئی تو وہ حیران و پریشان سی کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

"جی۔ میں نے کہا بھی تھا کہ آپ بلا رہی ہیں مہمانوں کا بھی بتایا تھا مگر وہ کسی سے بھی نہیں ملنا چاہ رہی تھی۔ آپ کے لیے سوری کہہ رہی تھی کہ ملے بغیر جا رہی ہوں۔" شائستہ بیگم نے لب بھینچے۔

زرش کی خاموشی سے خوفزدہ پہلے ہی تھیں مگر اندازہ نہ تھا کہ وہ ان سے بھی بغیر ملے چلی جائے گی۔ ان کا دل بڑا دکھی ہو رہا تھا۔

وہ اندر آئیں تو سبھی منتظر تھے۔ گاڑی کی آواز تو انہوں نے بھی سنی تھی۔

"دو بجے زرش کی فلائٹ تھی۔ ڈرائیور کو لے کر چلی گئی ہے۔" شوہر کے پاس بیٹھ کر دھیرے سے بتایا تو مسعود احمد بھی خاموش سے ہو گئے۔

طاہرہ بیگم کے اندر کا ملال ایک دم گہرا ہوا تھا۔ جب سب ان کو معاف کر چکے تھے وہیں زرش کے اس رویے نے ازحد تکلیف پہنچائی تھی۔ یعنی جس کے ساتھ سب سے بڑی زیادتی کی تھی اس نے ان کو معاف کرنا تو دور کی بات ان سے سامنا کرنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔

ان کی آنکھوں سے شرمساری کے آنسو بڑی شدت سے گرے تو سبھی اسے دیکھے گئے۔

وہ بڑے کم وقت میں ائرپورٹ پہنچی تھی۔

تمام مراحل سے گزرنے کے بعد جب اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھی تو وہ سر سے پاؤں تک غم زدہ تھی۔ زندگی میں پہلی بار یوں اکیلے وہ بھی ماما پاپا سے ملے بغیر اتنی دور تک کا سفر کر رہی تھی۔ بے شک جہاز کا سفر تھا مگر تھی تو تنہا۔

"السلام علیکم!" ساتھ والی سیٹ سے آواز آئی تو وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"ارے آپ؟" سرنواز فاروق کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت نے آ لیا تھا۔ "وعلیکم السلام......" پھر مسکرا کر جواب بھی دیا تھا۔ سرنواز بھی لگتا تھا اسی طرح بھاگم دوڑ میں سیٹ تک پہنچے تھے۔

"لاہور جا رہی ہیں، اکیلی ہیں کیا؟"

"جی......"

"اور سمعان کیسے ہیں؟ گھر والے؟"

"سب ٹھیک ہیں۔"

"بیلٹ باندھ لیں۔" کچھ دیر بعد جہاز کی رفتار نارمل ہوئی تو ائر ہوسٹس نے کھانے پینے کو پوچھا تھا اس نے معذرت کرلی تھی جب کہ سرنواز نے جوس منگوالیا تھا۔

"پریشان ہیں کیا؟ سمعان تو ٹھیک ہیں نا۔"

"جی! بہتر ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ کیسے یہاں آئے؟ رات فون پر جب بات ہو رہی تھی تب تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا کہ آپ کراچی میں ہیں۔"

"رومیسہ کو ہی چھوڑنے آیا تھا۔ کافی دنوں سے وہ آنے کا کہہ رہی تھی۔ بس۔" باقی کا سفر دونوں کا خاموشی سے گزرا۔

سرنواز فاروق کی موجودگی میں زرش کو اکیلے ہونے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ گھر سے نکلنے کے بعد اس نے فون آف کردیا تھا۔

پتا نہیں اس نے غلط کیا تھا یا درست مگر یہ سب کرنے کے بعد بھی وہ خوش نہ تھی۔ سرنواز نے ہی اسے گھر ڈراپ کیا تھا۔

اس نے انہیں اندر آنے کا کہا تھا مگر وہ بڑی سہولت سے پھر کبھی پہ ٹال گئے تھے۔ گھر آکر ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد اس نے موبائل آن کیا تھا۔

پانچ منٹ بعد ہی کراچی سے ماما کی کال آگئی تھی۔

"یہ کیا بچپنا تھا زرش! نہ کسی سے ملی جلیں، نہ کسی کو بتایا حتیٰ کہ ہمیں بھی نہیں اور خاموشی سے چلی گئیں؟" سلام دعا کے بعد انہوں نے بڑے گرم لہجے میں کہا تھا۔ پہلی دفعہ اس سلسلے میں انہیں زرش کے بچپنے پن پر غصہ آیا تھا۔ کتنی سبکی سب کے سامنے سہنا پڑی تھی۔

"اگر فلائٹ کا ٹائم اتنا کم نہ ہوتا تو شاید میں رُک جاتی آپ اور پاپا سے مل کر ضرور آتی۔" اس نے بھی سنجیدہ انداز میں کہا۔

"زرش! اب حالات اس مقام پر ہیں جہاں تمہیں اپنے اندر لچک پیدا کرنا ہوگی۔ طاہرہ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہے اور وہ سب سے نا صرف اپنی غلطیوں کی معافی مانگ چکی ہیں بلکہ وہ اب ازالہ کرنے کو بھی تیار ہیں۔ ماضی پر رونے پیٹنے یا ضد لگا کر اڑ جانے سے کچھ حاصل ہوتا تو سب سے پہلے بھائی صاحب اور ان کی اولاد طاہرہ کو معاف نہ کرتیں کہ بہرحال سب سے زیادہ نقصان انہی بچوں کا ہوا ہے۔ زرش تمہاری اس حرکت نے بہت دُکھ دیا ہے مجھے۔ بڑوں کا احترام کرنا سکھایا تھا میں نے تمہیں چاہے حالات کچھ بھی ہوں۔ تمہارے اندر یوں بلاوجہ کی ضد کہاں سے پیدا ہوگئی ہے؟"

"ماما میں سب کچھ برداشت کرلوں گی۔ رہ گیا ان کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا تو وہ بھی میں کرلوں گی مگر کچھ وقت لگے گا۔ ایک دم یوں سب برداشت کرنے کا نہ میرے اندر حوصلہ ہے اور نہ ہی میرا ظرف اتنا بلند ہے کہ میں سب سہ جاؤں۔ ماما پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کریں میں دل میں کوئی کدورت نہیں رکھ رہی مگر یہ بھول کر وہی پرانے تعلقات برقرار رکھنا بھی اب میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ٹھیک ہے انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوا ہے، اچھی بات ہے میں نے کبھی بھی مطالبہ کیا تھا مگر ماما میرا دل نہیں کرتا ان

کا سامنا کرنے کو۔ ان کو دیکھنے کو یا ان سے کوئی بات کرنے کو۔ میں اس سلسلے میں بے بس ہوں۔" اس نے سہولت سے اپنے دل کی کیفیت کہہ سنائی۔

"اس طرح تو زندگی نہیں گزرنے کی زرش بچے!" زرش کے خیالات جان کر وہ ازحد متفکر ہوگئی تھیں۔

"سمعان اور طاہرہ میں ماں بیٹے کا تعلق ہے جب کہ تم صرف بیوی ہو۔ ان حالات میں کہ وہ اپنی ماں کو معاف بھی کرچکا ہے۔ کچھ حالات و واقعات کو نظر انداز کرگیا ہے تم کیا خیال کرتی ہو کہ سمعان کس کا ساتھ دے گا، تمہارا؟ یا اپنی ماں کا؟" سوال ایسا تھا کہ زرش چپ چاپ سی رہ گئی تھی اس سلسلے میں سمعان اس سے صاف اور تفصیلی بات کرچکا تھا وہ کیا چاہتا تھا وہ واضح کرچکا تھا۔ اگر سمعان نے اس سلسلے میں اس کے احساسات سمجھنے کے بجائے واقعی اپنی ماں کا ساتھ دیا تو۔ اس سوال نے اس کے اندر اک طوفان برپا کردیا تھا۔

"ماں باپ کا فرض ہوتا ہے اولاد کو سمجھانا۔ تمہارے یوں چلے آنے کا کیا سمعان کو معلوم نہ ہوا ہوگا؟ اس نے کیا بُرا نہ مانا ہوگا؟ بے شک ہم لوگ باقاعدہ تمہیں اس کے ساتھ رخصت کرچکے ہیں مگر یہ مت بھولو کہ کراچی سے اسلام آباد اور پھر وہاں سے لاہور جانا صرف تمہاری ضد تھی، سمعان کا یہ فیصلہ نہ تھا۔" شائستہ بیگم نے ایک اور تلخ حقیقت اس کے سامنے لا کھڑی کی۔

"تمہارے پاپا نے بھی تمہارے اس عمل کو ناپسند کیا ہے۔ نفیسہ آپا، بھائی صاحب سب کی موجودگی میں تمہارے ملے جلے بغیر چلے جانے کا بتاتے کتنی شرمندگی ہو رہی تھی ہمیں۔"

"ماما پلیز! میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں، آپ لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، مجھے کسی کی بات نہیں سننی۔" زرش کو اپنے احساسات جذباتیت کی زد پر آتے محسوس ہوئے تو وہ چیخ گئی۔

"زرش......" ماما کو اس کے رویے پر ازحد دُکھ ہوا۔

"کیوں خود کو تنہا کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ اتنی محبتوں، رشتوں اور چاہتوں کی موجودگی میں خود کو اکیلا کررہی ہو۔ تم ہماری اولاد ہو۔ سب سے چہیتی بیٹی ہو ہماری، ہم کیسے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ سکتے ہیں؟ ایسا نہ کہو، تم غلطی کررہی ہو۔ تمہیں اس عمل سے باز رکھنا، سمجھانا ہمارا فرض ہے۔ کل کو سمعان بھی بے پناہ محبت کے باوجود تمہارے کہنے پر تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دے تو کیا کرو گی تم؟ ایسا نہ کرو، ورنہ پچھتاوے ساری عمر مقدر بن جاتے ہیں۔ طاہرہ بیگم کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ کچھ تو عقل کرو۔" کچھ دُکھ اور کچھ غصے سے کہتے انہوں نے سمجھایا تو زرش لب بھینچ گئی۔

وہ ماما اور سمعان احمد کی سبھی باتوں کو سمجھتی بھی تو بھی اس کے اندر اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ طاہرہ بیگم کو موجودہ حیثیت سے قبول کرلیتی، بہت مشکل تھا۔

ماما اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں، سمجھا رہی تھیں اور زرش کو اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ماما نے کال ڈراپ کردی تھی اور وہ سوچوں کے ایک ایسے بھنور میں جا اُلجھی تھی، جہاں اسے سب فراموش کرنے کے لیے بڑی ہمت اور برداشت کی ضرورت تھی اور یہ سب وہ بھی نہیں

کر سکتی تھی۔

……

خالدہ بیگم چند دن اسپتال ہی رہ کر دوبارہ گھر آ گئی تھیں۔ نبیل کے سارے حواس ٹھکانے آ چکے تھے۔ اسے رہ رہ کر اپنے رویوں پر پچھتاوا ہو رہا تھا مگر اب ازالے کی کوئی صورت نہ تھی۔

نویرہ کے ملنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دے رہی تھی۔ ہر حربہ، ہر کوشش ناکام رہی تھی۔

زبیدہ بیگم اور حمید صاحب، خالدہ بیگم کی عیادت کو گئے تو پیچھے رمشاء گھر میں اکیلی تھی۔ شام کا وقت تھا، پھپھو کی عیادت پر اس نے جلدی کھانا پکا لیا تھا اب فارغ بیٹھی ان لوگوں کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی مگر کوئی بھی ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔

وہ انتظار سے اکتا کر ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی تو بیل ہونے لگی۔ جا کر گیٹ کھولا تو رضا کو دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔ اکیلے گھر میں اب اسے خوف آنے لگا تھا۔

"کہاں تھے تم سارا دن؟" وہ خاموشی سے اندر بڑھا تو پیچھے سے سوال ہوا۔ وہ بھی ساتھ ہی تھی۔

وہ اسے ایک نظر دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ وہ دوبارہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی۔

"امی کہاں ہیں؟" رمشاء نے دیکھا وہ چینج کر کے منہ ہاتھ دھو چکا تھا۔

"نبیل بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہیں انکل کے ساتھ۔"

نبیل کا نام سن کر وہ لب بھینچ گیا۔ نبیل اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا اور وہ......

"کھانا کھاؤ گے؟" اسے پلٹتے دیکھ کر پوچھا۔

"کیا پکایا ہے؟"

وہ اب تنہا کمرے میں ہی کھانا کھاتا تھا۔ رُک کر پوچھا۔

"رہنے دو۔ جب سب کھائیں گے تو میں بھی کھا لوں گا۔"

رمشاء بتانے لگی تو وہ ٹوک کر واپس کمرے میں چلا آیا۔

آج کل خود احتسابی کے عمل سے گزر رہا تھا۔

لبے رمشاء اس رات اتنا کچھ سنا گئی اور جواب میں وہ کچھ کہہ بھی نہیں پایا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے الفاظ کی نفی تک نہ کر پایا تھا۔ وہ تو اپنی نظروں سے گر گیا تھا کسی سے کیا گلہ کرتا۔

رمشاء کے نزدیک وہ شارق زمان سے دنیاداری کے لیے معافی مانگ کر اب نیا کھیل، کھیل رہا ہے۔ جب کہ اس نے شارق سے معافی خلوصِ دل سے مانگی تھی۔ دنیاداری کے لیے نہیں۔

رمشاء تو ایک طرف اس کے ماں باپ بھی اس سے بدظن ہو چکے تھے۔

ہاں وہ کمزور انسان واقع ہوا تھا۔ محض جذبات میں بہہ کر اس نے کتنے لوگوں کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا۔ یہ سچ تھا اس نے محض رمشاء کی ضد میں آ کر وہ سب نہیں کیا تھا اس نے اگر رمشاء کی ضد میں آ کر ہی وہ سب کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرتا۔ زندگی میں اسے بڑے مواقع ملے تھے۔ نواز اور نویرہ کی منگنی کے اور ان کا وقفہ، نواز کے چلے جانے کے بعد کا دورانیہ نویرہ کی شارق سے شادی کے بعد کے واقعات، اسے بہت سے مواقع ملے تھے مگر اس کی نیت کبھی خراب نہ ہوئی تھی۔

اس کی نیت تو تب خراب ہوئی تھی جب نواز فاروق اور رضیہ چچی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

اگر وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور خاندان میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی تو وہ بھی نویرہ کو حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے خیالات میں پختگی تب آئی جب گولی لگنے سے شارق اسپتال میں ایڈمٹ تھا اور وہ عیادت کو گیا تھا تو وہاں نویرہ اور شارق کی گفتگو دروازہ کے باہر کھڑے سن کر اور پھر نویرہ کو گھر تک چھوڑتے ہوئے اس نے بہت کچھ سوچا تھا مگر ارادوں پر اتنا مضبوط نہ تھا۔

رمشاء تو محض ایک بہانہ بنی تھی اس کے اندر کے غبار کو باہر نکالنے کا۔ وہ نویرہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا ہر قیمت پر۔ وہ خود کو شارق زمان سے بہتر اور نویرہ کے ہزار درجے قابل سمجھتا تھا اور اس رات رمشاء سے جھگڑا تو محض بہانہ تھا۔ اس نے اپنے اندر پکتے لاوے کو اس رات باہر نکلنے کی راہ دکھا دی تھی۔

اس نے شارق زمان سے چند جھوٹ اور کچھ سچ سمیت نویرہ کی بدقسمتی کا کھیل کھیلنے کا آغاز کیا تھا۔

شارق نے اس کی توقع کے عین مطابق ردِعمل دیا تھا۔ مگر نویرہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے نویرہ کی آنکھوں میں اپنے لیے زمانے بھر کی نفرت دیکھتے دل بے اختیار لرز اُٹھا۔ بے انتہا ندامت ہوئی تھی۔

مگر دل پھر بھی نویرہ سے دستبرداری کو نہیں مانا تھا۔ بعد کے حالات سب کے سامنے تھے اور اب نویرہ گھر چھوڑ کر جس طرح گئی تھی اور شارق کا اس کے معافی مانگنے پر جو ردِعمل تھا اس نے اس کے دل سے ساری خوش فہمیاں دور کر دی تھیں۔ وہ دل سے دعا گو تھا کہ نویرہ واپس آ جائے۔

وہ جہاں کہیں بھی ہے پوری عزت و آبرو کے ساتھ باحفاظت رہے۔ سارا سارا دن خود سے لڑتے اُلجھتے، ضمیر کی عدالت کے جواب دیتے اپنا آپ اب شل ہو چکا تھا۔

اس وقت بھی وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر اپنی ذات کی جنگ لڑ رہا تھا۔

ماں باپ اس سے ناراض تھے۔ حمید صاحب تو اسے سامنے دیکھتے ہی نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے۔ زبیدہ بیگم شوہر کی نفرت سے منہ تو نہیں پھیرتی تھیں مگر اس سے بولتی بھی نہ تھیں۔ تین وقت کا کھانا خاموشی سے اس کے کمرے میں رکھ جاتی تھیں اور دیگر ضروریات بھی ایسے ہی پوری ہو رہی تھیں۔ رہ گئی رمشاء تو اس کی نفرت اس کے سامنے تھی؟ کبھی وہ بڑی محبت سے اس کی منتظر رہا کرتی تھی اور اب؟ نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی، اسی طرح بیٹھے بیٹھے کہ کمرے میں ہونے والے کھٹکے پر سر اُٹھا کر دیکھا۔ زبیدہ بیگم تپائی پر کھانا رکھ رہی تھیں۔

"کھانا کھا لو......" وہ ان کو بغور دیکھ رہا تھا کھانا رکھ کر سیدھی ہوئیں تو اسے اپنی طرف متوجہ پا کر زبان سے کہہ دیا ورنہ وہ اب زبان کا استعمال بہت کم کرتی تھیں۔

"امی!" وہ باہر نکلنے لگی تھیں اس پکار پر پلٹ کر دیکھا۔ بڑی سنجیدہ نظریں تھیں۔ ملامت کرتی ہوئیں

وہ اُٹھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"میں بُرا ہوں، بہت بُرا کر چکا ہوں۔ مجھے ملامت کریں۔ بُرا بھلا کہہ لیں مگر یہ چپ کی مار نہ ماریں۔ پلیز کچھ تو کہا کریں۔" وہ ماں باپ کے اس رویے سے چند دنوں میں ہی حوصلہ ہار گیا تھا۔

"کیا بات کروں تم سے؟ تمہاری صورت دیکھتی ہوں تو نویرہ کی پاکیزہ صورت یاد آتی ہے، کیا قصور تھا اس بچی کا؟ کتنی بدنصیب ماں ہوں میں، کسی کی آہیں میری اولاد کی وجہ سے ہیں۔ خالدہ بھابی کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوتیں۔ اس ماں کے دل سے میری اولاد کے لیے نہ جانے کیسی آہیں نکلی ہوں گی۔ ایک ہی تو اولاد ہے میری۔ کیا کیا تُو نے رضا، زندگی امتحان بنا دی ہے تُو نے۔" وہ ابھی خالدہ بیگم کو دیکھ کر لوٹی تھیں، دل پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور ایسے میں رضا کا لٹا پٹا انداز دیکھ کر ان کا دل رونے کا چاہ رہا تھا۔

"کتنی منتوں مُرادوں سے مانگا تھا، کیا اس دن کے لیے؟" ان کا دل گریہ زاری کرنے کو چاہ رہا تھا۔ "دعا کرو نویرہ کا پتا چل جائے، نبیل، شارق، نواز بھی کوششیں کر رہے ہیں۔ اللہ بچی کو ساتھ خیریت اور عزت کے گھر واپس لائے۔" وہ اپنی آنکھوں سے بہہ جانے والے اشک دوپٹے سے صاف کرتیں کمرے سے نکل گئی تھیں اور رضا ماں سے ہزار باتیں کرنے کی آس میں خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا تھا۔ یہ اس کا اپنا بویا تھا۔ جو وہ کاٹ رہا تھا پھر کس کو الزام دے، کیوں دے؟ نویرہ کے تصور نے پھر دل کو دنیا بھر سے اچاٹ کر ڈالا تھا۔

* * *

اگلے دن اس نے سمعان احمد کے نمبر پر کال کی تھی۔ مگر سمعان نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ اس نے میسجز بھیجے مگر ان کا بھی کوئی جواب نہ ملا تو وہ پریشان ہونے لگی۔

اس کے بعد تو وہ روزانہ اُٹھتے بیٹھتے مسلسل رابطہ کرتی رہتی تھی، مگر سمعان احمد نے بھی گویا کال ریسیو نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے اس کی پریشانی بڑھنے لگی تھی۔ کراچی ماما سے مسلسل رابطہ تھا۔ نویرہ سے بھی روزانہ بات ہو جاتی تھی۔ مگر سمعان احمد سے ہنوز بات نہ ہو سکی تھی۔ تین چار دن مسلسل ایسا ہوا تو پھر اس نے بھی خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے بعد میں آنے والے دنوں میں خود بھی رابطہ نہ کیا تھا اور نہ ہی سمعان نے ایسی کوشش کی۔

وہ اکیلی یہاں آئی تھی۔ طاہرہ بیگم بطور خاص اس سے معافی مانگنے آئی تھیں مگر اس نے ان سے ملنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ سمعان کا اس پر ردعمل بڑا شدید تھا۔

یونیورسٹی کی وہی روٹین تھی یہاں آئے ہوئے بھی اسے ہفتہ ہونے کو تھا۔ ماما سے بھی اسے علم ہوا تھا کہ سمعان پہلے سے بہتر تھا۔ اب چند گھنٹوں کے لیے آفس بھی جا رہا تھا۔ سمعان سے رابطہ نہ سہی مگر یہ اطلاع خوش آئند تھی۔

چند دن مزید گزرے تو کراچی کال کرنے پر علم ہوا کہ پھپھو نے سعد اور فرح کی شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔ پہلے ان کا ارادہ نکاح کرنے کا تھا مگر پھر اچانک ہی ان لوگوں نے شادی کے دن بھی

طے کر دیے تھے۔ درمیان میں صرف ایک ماہ کا عرصہ تھا۔ اس کا دل چاہا کہ کراچی تایا کے گھر فون کر کے فرح سے بات کر لے۔ اسے مبارک باد دے، مگر پھر سمعان اور طاہرہ بیگم کے رویوں کا سوچ کر اس نے اپنے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا تھا۔

یونیورسٹی وہ باقاعدہ جا رہی تھی۔ آج کل پڑھائی پر خصوصی توجہ دے رہی تھی۔ گزشتہ دنوں مس ہونے والی کلاسز کے لیکچرز اسے مل گئے تھے۔ وہ یہاں پڑھنے کے لیے آئی تھی باقی سب ذہن سے نکال کر اس نے خود کو پڑھائی کی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

وہ سارا دن اس کا یونیورسٹی میں بڑا مصروف سا گزرا تھا۔ کلاسز کے بعد اس نے امجد کو بلوا لیا تھا، گھر جانے سے پہلے وہ سر نواز کے آفس میں چلی آئی تھی ان سے پڑھائی کے سلسلے میں کچھ بات چیت کرنا تھا۔ وہاں اسے تقریباً پندرہ منٹ لگ گئے تھے۔ امجد انتظار کر رہا تھا اس کے خیال سے جلدی جلدی سر نواز سے بات کر کے کتابیں سمیٹ کر باہر نکل رہی تھی کہ اندر آتے کسی شخص سے ٹکرائی تھی۔ کتابیں اس کے ہاتھ سے گر گئی تھیں۔

"اُف......" آنے والے کا قصور تو نہیں تھا وہی عجلت میں تھی۔

"سوری......" سامنے والے کو دیکھے بغیر وہ جھک کر کتابیں اکٹھی کر کے فوراً وہاں سے نکلی تھی۔ جب کہ اس سے ٹکرانے والا شارق زمان ابھی تک اسی دہلیز پر کھڑا تھا۔

"یہ چہرہ کہیں دیکھا ہے۔" اس کا ذہن الجھ چکا تھا۔

"کہاں دیکھا ہے اسے میں نے؟" وہ لڑکی جا چکی تھی۔ مگر وہ ابھی تک اسی مقام پر تھا۔

"پتا نہیں کہاں دیکھا ہے اسے میں نے؟" الجھتے ہوئے وہ آفس میں چلا گیا تھا۔

"السلام علیکم!"

نواز فاروق اسے دیکھ کر چونکا تھا، شارق زمان اس کے آفس میں، خیریت تو ہے۔

"وعلیکم السلام! تم...... خیریت؟" اس نے مصافحہ کرتے بیٹھنے کا اشارہ کرنے کے ساتھ ہی استفسار بھی کیا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ انسپکٹر انجم کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ اِدھر سے گزر رہا تھا سوچا کہ تم سے بھی ملاقات کر لوں۔" وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہ جو لڑکی یہاں سے ابھی نکل کر گئی ہے، کون ہے؟"

ذہن ابھی تک اسی لڑکی میں الجھا ہوا تھا تو نواز سے بھی دریافت کر لیا۔

"کون......؟" نواز نے حیران ہو کر پوچھا وہ بھلا کیوں پوچھ رہا تھا۔

"یہی جو میرے اندر آنے سے پہلے نکل کر گئی ہے؟"

"زرش کی بات کر رہے ہو؟ اسٹوڈنٹ ہے میری۔"

زرش کے نام پر وہ پھر چونکا تھا۔

اسے یہ نام جانا پہچانا اور سُنا سُنا سا لگا۔

"مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے میں نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے، یہ نام بھی سنا ہے، مگر کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔" اس نے اپنی الجھن اس سے بیان کر دی تھی تو نواز ہنس دیا۔

"نہیں یار! یہ لڑکی تو کراچی کی رہنے والی ہے۔ یہاں صرف اسٹڈی کے لیے آئی ہوئی ہے۔ اتنی مشہور نہیں ہے یہ۔" مگر شارق زمان مسلسل اپنے ذہن کو کھنگال رہا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک دم دھماکا ہوا تھا۔

نوریہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی لڑکی اور پھر تیزی سے ریورس کرتے گاڑی کو بھگانے والا چہرہ...... وہ اسکارف میں لپٹا چہرہ......

"اوہ مائی گاڈ۔" وہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ پہ ہاتھ مارا تھا۔

"کیا ہوا؟" نواز نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ یہ بیٹھے بٹھائے اسے کیا ہو گیا تھا۔

"نوریہ کا پتا چل گیا مجھے۔" جذبات سے اس کی بھاری آواز مزید بھاری ہوئی تھی۔

"کیا......" نواز بھی حیران ہو کر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ لڑکی...... یہ لڑکی ہمیں نوریہ تک لے کر جائے گی۔ مسز زرش سمعان احمد یہی نام ہے نا اس کا؟" خوشی سے بمشکل اپنے آپ کو کنٹرول کرتے اس نے حیران کھڑے نواز کو دیکھا تو اس نے بغیر کچھ سمجھے گردن ہلا دی۔

"مگر یہ نوریہ کو کیسے جانتی ہے۔ ہمیں نوریہ کا پتا کیسے دے سکتی ہے؟" نواز کو شارق کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا تو کچھ ناراض ہو کر اسے کہا۔ اسے شارق کے منہ سے زرش کے لیے یہ لڑکی کہنا قطعی اچھا نہ لگا تھا۔

"یہ کیا اس کے تو بڑے بھی دیں گے۔ تمہیں بعد میں ساری بات بتاتا ہوں۔ اب نوریہ کہیں بھاگ کر تو دکھائے؟" شارق خاصا پُرجوش ہو چکا تھا۔ مسکرا کر نواز کو دیکھا اسے ابھی بھی کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔ شارق کھل کر ہنسا۔

بڑے دنوں بعد وہ ایسی ہنسی ہنسا تھا۔

"ایک منٹ میں ذرا انجم کو فون کر لوں۔" اس نے جیب سے فون نکال کر نمبر ملایا۔

"ہاں انجم میں شارق بول رہا ہوں۔ نوریہ کا ایڈریس مل گیا ہے۔ ہا...... ہا...... ہا...... حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھو الہام ہوا ہے۔ بیٹھے بٹھائے۔ نواز کے پاس آنا بڑا اچھا شگون ثابت ہوا ہے۔ بس اطلاع دے رہا ہوں۔ نواز کو لے کر تمہارے پاس آ رہا ہوں، کہیں جانا نہیں۔ باقی کی تفصیلات آ کر بتاتا ہوں۔" اس نے فون آف کر دیا۔

"یہ کیا طریقہ ہے شارق! انجم کو کیوں کال کی ہے تم نے؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ خوامخواہ اس لڑکی کو پھنسا رہے ہو؟"

"تم اپنے کلیریکل اسٹاف سے اس لڑکی کا ایڈریس پتا کروا کر دو، اگلے پانچ منٹوں میں۔" وہ آرام سے دوبارہ صوفے پہ بیٹھے حکم دے رہا تھا۔ نواز کو وہ بڑا زہر لگا۔

"ہرگز نہیں...... ایک عزت دار گھرانے کی وہ لڑکی ہے۔ کوئی ایڈریس نہیں دلواؤں گا۔"

"تو ٹھیک ہے اس وقت میری جیب بھری ہوئی ہے، میں خود پتا کر لیتا ہوں۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"شارق رکو......" وہ باہر نکلنے لگا تو اس نے فوراً روکا۔

"وہ لڑکی میری جاننے والی ہے۔ ان کی ساری فیملی کو میں جانتا ہوں۔ یوں کہو رومیہ کی فیملی کے اس کی فیملی سے مراسم ہیں۔ یہ یہاں اکیلی صرف پڑھنے کے لیے رہ رہی ہے۔ کراچی میں ہوتی ہے اس کی ساری فیملی۔ تمہیں خوامخواہ غلط فہمی ہو رہی ہے نوریہ کا بھلا اس سے کیا تعلق؟" اس نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"اس لڑکی کو میں خود نوریہ کے ساتھ اس کی گاڑی میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ لڑکی گاڑی چلا رہی تھی اور پھر میرے دیکھ لینے پہ وہ گاڑی بھگا لے گئی تھی۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ ہی تھا، جب نوریہ ہمارے سامنے سے گاڑی میں بیٹھ کر نکل گئی تھی۔ تب میں اس لڑکی کا چہرہ اور گاڑی کا نمبر بھی نہ دیکھ پایا تھا مگر ریسیپشن پہ معلوم کرنے سے پتا چلا تھا کہ مسز سمعان احمد کے نام سے یہ لوگ وہاں تھے، مزید نرسز اور اسٹاف کو کریدنے پہ پتا چلا تھا کہ معصب نامی بچہ بیمار تھا اور معصب صرف میرے بیٹے کا نام ہے اور نوریہ کو تم خود وہاں اسپتال میں دیکھ چکے تھے اب شک کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ لڑکی نوریہ ان کو جانتی ہے۔ نوریہ لوگوں کے پاس ہے۔ مجھے اس لڑکی کا ایڈریس چاہیے۔" بڑے سنجیدہ اور دوٹوک انداز میں اس نے سب بتا کے آخر میں ایڈریس طلب کیا تھا اور نواز فاروق ہکا بکا سا کھڑا رہا۔

اس کے لیے یہ ساری کہانی اک فلمی سی سچویشن تھی۔ اسے یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔

"مگر پولیس کو انوالو کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ یہ لڑکی یہاں اکیلی رہتی ہے۔ اس کے گھر کا مجھے علم ہے۔ جا چکا ہوں میں ایک دو بار۔ عزت دار فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے پہلے اچھی طرح معلوم تو کر لو کہ نوریہ واقعی ان لوگوں کے پاس ہے یا نہیں؟ پھر پولیس کو انوالو کرو۔" اس نے رسانیت سے سمجھانا چاہا تھا۔

شارق اسے گھورتا رہا۔

"مجھے گھورو نہیں۔ یہ مشورہ تمہارے فائدے کے لیے ہی ہے۔ وہ چھوٹی موٹی فیملی نہیں ہے، بڑے تعلقات والے لوگ ہیں۔ کراچی میں ان کا ایک نام ہے، بڑے شریف لوگ ہیں اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ یہ سمعان احمد کی مسز ہیں اور سمعان احمد ڈاکٹر ظفر کا گہرا دوست ہے، ان لوگوں کے آپس میں خاندانی تعلقات ہیں۔ میں اچھی طرح اس لڑکی کو جانتا ہوں، اول تو تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، دوسری صورت میں اگر نوریہ واقعی ان لوگوں کے پاس ہے تو بھی پولیس کو انوالو کرنے کی ضرورت نہیں، میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ سب معلوم کر لیتے ہیں۔" نواز کی بات شارق زمان کے پلے پڑ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے، اگر نوریہ یا بچے کو انہوں نے چھپانے یا اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کی تو پھر میں اپنے طریقے سے اس معاملے کو ہینڈل کروں گا تب پھر تم کچھ نہیں بولو گے۔"

"اوکے! انہیں بولوں گا، مجھے یقین ہے نوریہ ان لوگوں کے پاس نہیں ہے، اگر ہوئی بھی تو میں خود زرش سے بات کروں گا، یقیناً اگر نوریہ لاہور میں ہی ہے تو پھر زرش کو میری بات ماننا ہوگی کہ وہ خود نوریہ کو قائل کرنے کی کوشش کرے کہ اگر نوریہ وہاں ہوئی بھی تو ہم اسے زبردستی وہاں سے نہیں لا سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔" خلافِ معمول وہ فوراً مان گیا۔

"ابھی چلنا ہے یا کچھ دیر بعد؟" چیزیں سمیٹتے نواز نے شارق کو دیکھا۔

"نہیں ابھی۔" اب تو وہ ایک پل بھی انتظار نہیں کر سکتا تھا، بڑے دن ہو گئے تھے خوار ہوتے ہوئے۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی میں تھے شارق نے انسپکٹر انجم کو آنے سے منع کر دیا تھا۔

سارے رستے دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی تھی۔

اچھے خاصے پوش علاقے میں بنے اس خوب صورت گھر کے سامنے گاڑی نواز نے روکی تو شارق فوراً باہر نکل آیا تھا۔

چوکیدار مستعد کھڑا تھا۔

"سبحان احمد گھر پہ ہیں؟" نواز نے بھی باہر نکل کر چوکیدار سے مصافحے کے بعد پوچھا۔ وہ دو بار زرش کو چھوڑنے آ چکا تھا۔ سو چوکیدار سے سلام دعا ہو چکی تھی، وہ فوراً پہچان گیا تھا۔

"نہیں صاحب تو کراچی میں ہوتے ہیں۔"

"اور ان کی مسز؟"

"وہ گھر پہ ہی ہیں۔"

"انہیں کہو نواز فاروق ملنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھہرو۔" نواز کے پیغام پہ وہ جانے لگا تو شارق نے روک لیا۔

"اس گھر میں کون کون رہتا ہے؟" چوکیدار نے تعجب سے اس نئے انسان کو دیکھا۔

"بیگم صاحبہ ہوتی ہیں، ڈرائیور، ملازمہ اور میں خود ہوتا ہوں، صاحب کبھی کبھار آتے ہیں۔"

"اور کوئی نہیں ہوتا۔ بیگم صاحبہ کے علاوہ اور کوئی لڑکی نہیں ہوتی؟"

"نہیں صاحب!" اب کے شارق نے الجھ کر نواز کو دیکھا۔

"بیگم صاحبہ کے ساتھ کوئی اور خاتون نہیں رہتیں، مثلاً کوئی بچے والی خاتون۔"

"اچھا آپ نوریہ بی بی کی بات کرتے ہو۔" چوکیدار فوراً سمجھا تھا۔

شارق نے نواز کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ "اب کیا کہتے ہو؟"

"ہاں وہی نوریہ بی بی......؟"

"مگر صاحب وہ تو چند دن صرف یہاں رہا تھا، بیگم صاحبہ اکیلی رہتی ہیں نا تو انہوں نے آیا رکھی تھی مگر پھر وہ چلی گئی۔ بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ اس عورت کو یہ جگہ پسند نہ تھی کہیں اور چلی گئی ہے۔ شاید کسی اور کے گھر، ہم کو زیادہ نہیں پتا، میں بیگم صاحبہ کو پیغام دے دوں؟"

نواز کے سر ہلانے پہ وہ اندر چلا گیا تھا۔

چوکیدار کی معلومات پہ دونوں ہی پریشان ہو گئے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ نوریہ اِدھر تھی مگر اب وہ کہاں ہے؟" شارق کا اشتعال بڑھنے لگا۔ چند پل پہلے لگا تھا کہ جیسے اب زندگی کی آزمائش ختم ہو چکی ہے مگر اب پھر وہی بے بسی در آئی تھی طبیعت میں۔"

زرش ابھی یونیورسٹی سے آ کر کھانا کھا کر چینج کر کے اپنے کمرے میں آئی ہی تھی کہ ملازمہ چوکیدار کا پیغام لیے چلی آئی تھی کہ "کوئی نواز فاروق صاحب ملنا چاہتے ہیں۔"

وہ پہلے تو اس نام پہ ہی حیران ہوئی مگر غور کرنے پر فوراً اُچھلی تھی۔

"چوکیدار کو کہو ان کو اندر بھیجے، سر نواز ہیں۔ جلدی کرو۔" وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ ملازمہ کی ہمراہی میں سر نواز فاروق اور ایک اجنبی کو آتے دیکھ کر وہ خیر مقدم کو آگے بڑھی۔

"السلام علیکم!" نواز فاروق نے سلام کیا تھا جب کہ شارق لب بھینچے زرش کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام! آیئے سر...... بیٹھیے۔"

دونوں صوفوں پہ بیٹھ گئے تھے۔ زرش ان کے پاس سے ہی آئی تھی۔ اب سر کو اپنے گھر میں دیکھ کر الجھ گئی تھی۔ وہ بھی سائیڈ صوفے پہ بیٹھ کر انتظار کرنے لگی کہ شاید وہ اپنی آمد کا مقصد بیان کریں۔

"آپ سے ایک ضروری کام تھا۔ اسی سلسلے میں آپ کو اس وقت زحمت دی۔ معذرت چاہتے ہیں ڈسٹرب کرنے پر وہ بھی بے وقت۔" نواز فاروق نے اپنے مخصوص سلجھے انداز میں بات شروع کی تھی۔

شارق زمان کو اس تمہیدی انداز پہ الجھن ہوئی وہ جلد از جلد نوریہ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

"ان سے ملیے یہ شارق زمان ہیں۔" زرش کو بغور دیکھتے انہوں نے اپنے ساتھ براجمان شارق کا تعارف کرا دیا۔ تو زرش کا شارق زمان کا نام سن کر رنگ اُڑا تھا۔

"شارق زمان! اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے خوف زدہ نظروں سے شارق کو دیکھا۔ اس نے تو ہی پہلی بار شارق زمان کو بغور دیکھنے کی زحمت کی تھی اور نہ ہی دوسری بار۔ اگر بغور دیکھ لیتی تو اس وقت اس کے سامنے نہ ہوتی۔

"میرے تایا زاد ہیں اور نوریہ احسان کے شوہر۔" اگلا تعارف اسے مزید ہراساں کر گیا تھا۔

"جی......؟" اس کے حلق سے صرف یہی نکل سکا تھا۔

"ہم نوریہ کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔" شارق زمان اب بھی خاموش زرش کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔ جب کہ نواز ہی بات کر رہا تھا۔

"کون نوریہ......؟"

"دیکھیں زرش بی بی! ہم آپ کے چوکیدار سے ساری معلومات لے چکے ہیں، ہمیں صرف اتنا بتائیں کہ اب نوریہ کہاں ہے؟ ہم سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔" شارق زمان سے اب چپ

رہنا محال تھا۔ ایک دم دو ٹوک لہجے میں بات کی تھی۔

زرش نے ایک پل کو سوچا تھا یہ لوگ اگر اس تک پہنچے تھے تو یقیناً ساری معلومات لے کر آئے تھے اس کی بات پر کم ہی اعتبار کریں گے، اب جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔

"جی نوریہ نامی لڑکی ایک بچے کے ساتھ یہاں چند دن رہی تھی۔ مجھے آیا کی ضرورت تھی، میں یہاں اکیلی ہوتی ہوں، اسی لیے ایک دفعہ مارکیٹ میں نوریہ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ ہمارا ٹکراؤ بڑا اتفاقیہ تھا۔ اکٹھے بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے میں نے اپنا مسئلہ انہیں بیان کر دیا تھا، اگلے دن وہ خود میرے پاس آئی تھیں کہ وہ خاصی ضرورت مند ہیں، انہیں جاب کی ضرورت ہے، وہ آیا کی جاب کرنا چاہتی ہیں۔ مجھے تو ضرورت تھی میں نے رکھ لیا تھا۔ پھر میں نے ہر طرح سے انہیں آرام و سکون فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر ایک دفعہ ان کا بچہ کافی بیمار ہو گیا ایک رات اسپتال رہا تھا، وہاں وہ کچھ لوگوں سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ اپنے متعلق انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ مزید چند دن یہاں رہی تھیں اور پھر ایک دن یہ کہہ کر انہیں کہیں اور بہتر جاب مل گئی ہے، وہ خاموشی سے چلی گئی۔ شاید ان کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا یا شاید کسی سے خوف زدہ اور پریشان تھیں۔ اچھی خاتون تھیں نجانے اب کہاں ہوں گی۔" اعتماد کی اس میں کمی تو نہ تھی۔ چند پل گھبرائی تھی اب فراٹے سے جو ذہن میں آ رہا تھا کہہ رہی تھی۔ شارق زمان اسے بغور دیکھ رہا تھا اور نواز فاروق الجھ گیا تھا۔ "مجھے اس نے منع کر رکھا تھا کہ اس کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤں اس لیے میں نے انکار کرنا چاہا تھا۔" وہ اب بڑے پُرسکون انداز میں مزید کہہ رہی تھی۔

اپنی بات کہہ کر اس نے دونوں کے چہروں کو دیکھا تھا، نواز کے چہرے کی الجھن تو دکھائی دے گئی تھی مگر شارق زمان کے چہرے کے سپاٹ تاثرات سے وہ کچھ اخذ نہ کر پائی۔

"مجھے انہوں نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ بس اتنا کہ ان کی جان کو خطرہ ہے، وہ باہر آنے جانے سے گھبراتی تھیں۔ ظاہر ہے میں تو باہر آتی جاتی ہوں اور اکیلی رہتی ہوں۔ میں نے ان کو رکھا بھی اس لیے تھا کہ ہر وقت میرے ساتھ رہیں گی مگر ایک دو بار میرے ساتھ باہر گئیں بھی تو کبھی کسی کو دیکھ کر ڈر جاتی تھیں۔ وہ میرے کام کی نہ تھیں اس لیے میں نے ان کے یہاں رہنے پر اصرار بھی نہ کیا تھا۔ اب میں پھر کسی خاتون کو دیکھ رہی ہوں کیا سر کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" اس نے نواز فاروق سے پوچھا تھا۔ "اور وہ گھر سے نکلی کیوں تھیں؟" بڑے ہی تجسس انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"نہیں کچھ گھریلو مسائل تھے۔ شکریہ آپ نے اتنی معلومات دیں۔ اگر آپ کا کبھی ان سے سامنا ہو تو ان سے موجودہ ایڈریس ضرور لیجیے گا اور پھر مجھے بتائیے گا۔"

"جی...... ضرور سر۔ مجھے بڑا دکھ ہوا ہے کہ میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکی۔"

"چلیں شارق!" شارق مسلسل زرش کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کے چہرے سے اس کے سچ اور جھوٹ کا اندازہ لگا لینا چاہتا ہو۔

زرش اندر ہی اندر خوف زدہ ہوئی۔

"ہوں......" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سر بیٹھیے نا...... میں بھی آپ کے سوالوں میں الجھ گئی تھی۔ پہلی دفعہ میرے گھر آئے میں کوئی ناشتہ وغیرہ۔" ان کے اُٹھنے پر اس نے شکر کا سانس لیا تھا مگر مسکرا کر کہا تو نواز نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

گھریلو سادہ لباس میں اسکارف کے بغیر سلیقے سے سر پر دوپٹہ جمائے وہ خوش اخلاقی سے گویا تھی۔

"نہیں، شکریہ۔ ہمیں کوئی اور بھی کام ہے۔ پھر کبھی سہی۔" زرش نے بھی اصرار نہ کیا۔

وہ لوگ چلے گئے تو وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر گر سی گئی تھی۔ "یا اللہ!" اس کے دل کی رفتار اتنی تیز تھی۔

"اوہ! تو یہ تھے نواز فاروق۔ نوریہ آپی کے سابقہ منگیتر۔ بے چارے، مگر کانوں کے یہ اتنے کچے تو نہیں لگتے؟ اچھے خاصے سنجیدہ مزاج ہیں، پھر وہ سب چھوڑ کر کیوں بھاگے؟"

نوریہ اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی وہ اب تجزیہ کر رہی تھی۔

"ویسے شارق زمان بھی نظر انداز کر دینے والی شخصیت نہیں ہے۔

عجیب انسان تھا، آنکھیں تھیں کہ ایکسرے، کیسے گھور کے دیکھ رہا تھا۔ اب قدر ہو رہی ہے بیوی کی۔ اچھا کیا نوریہ آپی نے۔ بہت اچھا کیا تھا۔" وہ خود ہی سوچے گئی تھی۔

* * *

"اب کیا ارادہ ہے؟"

گاڑی میں آ کر بیٹھتے نواز نے شارق کو دیکھا وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" شارق نے اپنی سوچ سے نکل کر اسے دیکھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ یہ لڑکی کس حد تک سچ بول رہی ہے؟"

"اب خدا کے لیے اس لڑکی کے پیچھے نہ پڑ جانا۔ میں ڈائریکٹ تمہیں اسی لیے اس کے گھر لے آیا تھا کہ تم خود سب دیکھ لو، جان لو۔ تم اس کے چوکیدار سے بھی پوچھ چکے ہو۔ اگر وہ جھوٹ بول رہی ہوتی تو وہ تو سچ بتاتا۔ پتا نہیں اب نوریہ کہاں گئی ہے۔ بڑی مشکلوں سے تو اس کا یہاں تک کا پتا چلا تھا۔" نواز نے اسے ٹوک دیا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اس کا ذہن کچھ بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔ بظاہر اسے وہ لڑکی بڑی پُراعتماد اور سچی لگی تھی مگر کوئی بات ایسی تھی جو اس کے دل کو چُھو رہی تھی۔ جو اسے یقین نہیں کرنے دے رہی تھی۔

"مجھے انجم کے پاس جانا ہے اِدھر اُتار دو۔" کچھ دیر بعد اس نے نواز کو کہا۔

"کیوں؟ خیریت؟"

"کام ہے اس سے۔ اب ہاتھ پہ ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھا رہوں گا، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ اسے کہتا ہوں کچھ کرے۔ ایسا کب تک چلے گا؟"

"تم زرش کو انڈر الو کر رہے ہو؟" اس نے شکی انداز میں شارق کو دیکھا وہ زچ ہوا۔

"نہیں! جب وہ کہہ رہی ہے کہ وہ اِدھر سے چلی گئی ہے اور ہے کہاں، وہ بے خبر ہے تو اسے کیسے

اغوا کر سکتا ہوں؟ انجم کو کہتا ہوں اب ایک دفعہ پھر شہر کے سب چھوٹے موٹے اسپتال دیکھے۔ ہو سکتا ہے اب وہ کہیں ہو۔" پُرسوچ انداز تھا۔ نواز نے شکر ادا کیا ورنہ جو بات شارق کے ذہن میں اٹک جاتی تھی، اتنی جلدی نہیں نکلتی تھی۔ جب تک وہ اس پر عمل نہ کر لے۔

یہی تو اس کی جذباتیت کا سب سے بڑا المیہ تھا۔

"ہاں یہ اچھی بات ہے۔"

نواز اسے انجم کے آفس اُتار کر خود آگے بڑھ گیا تھا۔

* * *

ان لوگوں کو رخصت کر کے وہ واپس اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی تھی، سارا دن یونیورسٹی میں الجھی رہی تھی، اب تھکن ہو رہی تھی۔

لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

"ارے! اٹھو......" کسی کے سختی سے جھنجوڑنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ وہ انجانے کرخت چہروں والی دو خواتین تھیں۔

"اب اٹھ بھی جاؤ۔ باقی نیند اگلے گھر جا کر پوری کر لینا۔"

ان میں سے ایک کرخت آواز میں کہتی اس کا بازو اپنی سخت گرفت میں لے چکی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے، کون ہو تم؟ چھوڑو مجھے۔" زرش ان اجنبی چہروں کے سلوک پر چیخ اٹھی تھی۔

"بی بی! شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے اُترو۔" دوسری نے اس سے زیادہ سختی سے بازو سے پکڑ کر نیچے کھڑا کر دیا تھا۔

"چادر لے لو...... اور چپل پہن لو۔" اگلا حکم نافذ ہوا تھا۔

"کون ہو تم؟ اور میرے گھر میں کیا کر رہے ہو تم لوگ؟" اس نے غصے سے دونوں کو گھورا تھا۔ جھٹکے سے ان کی گرفت سے اپنے بازو چھڑائے تھے۔

"یہ سوال تم صاحب لوگوں سے کرنا۔ لے یہ دوپٹہ اوڑھ۔" ایک نے بستر پر گرا اس کا دوپٹہ اٹھا کر اس پر ڈال دیا تھا۔ زرش ہکا بکا سی رہ گئی۔

"کون صاحب لوگ؟" دوسری کے اشارہ کرنے پر چپل اڑس کر بھنا کر دونوں کو دیکھا۔

"موبائل کہاں ہے تیرا؟" اس کے سوال کو نظر انداز کرتے اس نے اردگرد دیکھا۔ خوب صورت کمرہ، بڑی خوب صورتی سے آراستہ تھا۔

زرش نے تکیے کے نیچے پڑا موبائل نکال کر پکڑا تو دوسری نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا، زرش ششدر سی رہ گئی۔

"بڑا خوب صورت گھر ہے تیرا۔ اتنے بڑے گھر میں حیرت ہے! اکیلی رہتی ہے تو۔ گھر والا کہاں ہے تیرا؟" دوسری نے اردگرد ستائشی نظروں سے دیکھتے زرش پر نگاہیں جما دی تھیں۔

"تم سے مطلب؟ اور میرا موبائل کیوں چھینا ہے۔ کس کے کہنے پر تم لوگ ادھر ہو۔"

"کہا نا اس سوال کا جواب تمہیں صاحب لوگ دیں گے۔ گھر کی تلاشی ہم لے چکے ہیں، مطلوبہ سامان برآمد نہ ہونے کی صورت میں تمہیں لے جانے کا آرڈر ہے۔"

"کہاں......؟" زرش نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بڑے سوال جواب کرتی ہے تو۔ باہر چل، سب جواب مل جاتے ہیں۔" انہوں نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا تھا۔ وہاں ایک نوجوان دہلیز میں کھڑا تھا اس کے ساتھ ایک عورت اور مرد تھا۔

"لے آئیں؟ چلو گاڑی میں بٹھاؤ۔" ان میں ایک حکم دے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

اور زرش کو اس ساری صورت حال کو سمجھنے میں بڑی دقت ہو رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ ہو کون تم لوگ؟" خبردار مجھے ہاتھ بھی لگایا تو۔" وہ اس حکم پر ایک دم چیخی تھی۔

جاتے ہوئے آدمی نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا اور پھر اپنی ساتھی عورتوں کو۔

"زیادہ مزاحمت کرے تو طریقہ نمبر دو استعمال کر لینا۔ مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے، ایک منٹ میں باہر آؤ تم لوگ۔" وہ آرڈر دے کر باہر نکل گیا تھا۔

"کیوں جاؤں میں کہیں۔ عجیب لوگ ہو، میرا موبائل دو۔ میں اپنے میاں سے بات کرتی ہوں۔ میں یہاں سے ایک انچ نہیں ہلوں گی۔" اپنے ملازمین میں سے اسے کوئی ایک بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

"لگتا ہے یہ ایسے نہیں جانے والی۔ چل طریقہ نمبر دو استعمال کر۔" ایک نے دوسری کو اشارہ کیا تو اس نے نجانے کہاں سے پستول نکال لیا تھا۔ پستول دیکھ کر زرش ایک دم چپ ہوئی تھی۔

"زیادہ زبان چلائی تو سیدھی حلق میں گولی اُتار دوں گی۔ چل سیدھی ہو کر۔" اس نے پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دیا تھا اور زرش کو اپنے ہاتھ پاؤں سے جان جاتی محسوس ہوئی تھی۔

"کیا وہ دن دہاڑے اغواء ہو رہی ہے؟" پہلا تصور اس کے ذہن میں یہی آیا تھا اور پھر اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا اور حواس گم۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی اس کے بازو پر مضبوط گرفت جمائے عورت نے اسے فوراً سنبھالا تھا۔

"یہ تو بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"چل ایسے ہی لے چل۔" ان دونوں نے اسے گھسیٹا تھا۔

* * *

سمعان لنچ کے بعد دوبارہ اپنی سیٹ پر آیا تو کئی فائلیں اس کی توجہ کی منتظر تھیں۔ مکمل طور پر صحت یاب تو اب بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر گھر فارغ بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا۔ اب چند گھنٹے آفس کا چکر ضرور لگا لیتا تھا۔ سینے اور سر کا زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرنے کی ڈاکٹر کی طرف سے ابھی اجازت نہ تھی، اسی لیے وہ آج کل ڈرائیور کے ساتھ آتا تھا۔

وہ فائلوں میں منہمک تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ سمعان نے توجہ دی تو چونک گیا۔

''ڈرائیور امجد......'' کے الفاظ پر وہ الجھا، جب سے زرش دوبارہ لاہور گئی تھی، امجد کے ذریعے ہی وہ روزانہ کی معلومات لے رہا تھا کہ زرش سے وہ رابطہ نہیں کر رہا تھا خود سے امجد نے کال نہیں کی تھی، اب کال آئی تو حیرانی ہو رہی تھی۔

''ہاں امجد بولو......'' سلام دعا کے بعد سمعان نے پوچھا تھا۔

''صاحب جی! یہاں بہت گڑبڑ ہوگئی ہے۔ گھر پہ پولیس کی ریڈ ہوئی ہے۔''

''کیا......؟'' سمعان کو لگا اس کے اعصاب پہ گویا بم پھٹا ہو۔

''مگر کیوں......؟''

''پتا نہیں صاحب جی......'' انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ گن پوائنٹ پہ وہ لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔ سراج دین سے گن چھین کر اپنے قبضے میں کر لی تھی۔ آتے ہی گھر کے تمام فون کے تار کاٹ دیئے تھے اور پھر سارے گھر کی تلاشی لینے لگ گئے تھے۔ ہم سب کو ایک کمرے میں اکٹھا کر کے ایک آدمی گن لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔ چوکیدار کی بیوی تو ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی تھی۔''

''اور زرش......وہ کہاں ہے؟'' خبر ایسی تھی کہ وہ سمعان کو اپنے اعصاب نارمل رکھنے میں سخت دقت ہوئی۔

''صاحب جی! جب سارے گھر کی تلاشی کے بعد انہیں کچھ نہ ملا تو وہ بیگم صاحبہ کو ساتھ لے گئے۔''

اور سمعان کو لگا اس کے وجود کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔

''کیا کہہ رہے ہو تم؟ ہوش میں تو ہو تم۔ کیسے لے گئے وہ زرش کو......تم سب لوگ کس مرض کی دوا تھے۔ وہ تمہارے سامنے زرش کو لے گئے اور تم......تم کیا کر رہے تھے؟ اسی وقت مجھے بتاتے۔'' سمعان کو لگ رہا تھا کہ اس کا دماغ بس پھٹنے کو ہے۔

''صاحب انہوں نے آتے ہی ہماری تلاشی لے کر موبائل اپنے قبضے میں کر لیے تھے۔''

''کس تھانے کی پولیس تھی۔ کس کیس میں وہ لوگ آئے تھے؟''

''صاحب پتا نہیں۔ سادہ حلیے میں تھے تمام لوگ، تین عورتیں تھیں اور دو مرد۔ سراج دین کو ہی انہوں نے اپنا کارڈ دکھایا تھا۔''

''اوہ......تو......''

''صاحب بیگم صاحبہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ پتا نہیں وہ انہیں کہاں لے گئے ہیں۔''

''تم سب لوگ کس لیے تھے۔ کیوں رکھا تھا میں نے تمہیں؟ اب ایک دم میں وہاں پہنچ بھی نہیں سکتا۔ پتا کر کے بتاؤ کس تھانے کی پولیس ہے وہ اور کیوں ریڈ ہوئی اور زرش کہاں ہے؟ پانچ منٹ میں پتا کر کے بتاؤ اور کتنی دیر گزری ہے اس سارے واقعے میں۔''

''صاحب صرف پانچ منٹ ہوئے ہیں۔ جاتے ہوئے وہ موبائل دے گئے تھے تو آپ سے بات کر رہا ہوں۔''

''میں پہلی فلائٹ سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہاں بات زیادہ نہ پھیلنے دینا اور کراچی میں بھی کسی کو علم نہ ہو۔''

سمعان آفس سے نکل آیا تھا، اپنی سیکریٹری کو کہہ کر اس نے فلائٹس کی ٹائمنگ کا پتا کروایا تو یہ جان کر کوفت ہوئی کہ شام سے پہلے کی کوئی فلائٹ نہیں مل سکتی تھی۔ کسی اور ذریعے سے وہ اتنی جلدی نہیں پہنچ سکتا تھا، اسے شام تک انتظار کرنا تھا۔

وہ گھر آ گیا تھا اتنی دیر میں وہ دو تین بار امجد کے نمبر پہ کال کر چکا تھا مگر وہاں ہنوز نا امیدی تھی۔

''کیسے جاہل ہو تم لوگ؟ پتا نہیں وہ کون لوگ ہوں گے، یوں ہی گھر میں گھس کر اغواء کرنے والے ہوں گے۔ تم لوگوں کے سامنے وہ زرش کو لے گئے اور تم لوگ کچھ نہ کر سکے۔'' سمعان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھے۔

''صاحب انہوں نے گن تان رکھی تھی، بھلا پھر ہم کیا کرتے؟'' سمعان نے لب بھینچ کر اپنے شدید طیش کو دبایا تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

یہ وقت بڑے ٹھنڈے انداز میں سوچنے کا تھا۔ جذبات میں آ کر اب کچھ بھی نہیں ہونے والا تھا۔ موبائل آف کر کے سمعان سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ نجانے وہ کہاں تھی؟ کن لوگوں میں تھی اور کس حال میں تھی؟

◆

اسے ہوش آیا تو وہ بڑے آرام دہ کمرے میں ایک بڑے سے جہازی سائز بستر پر دراز تھی۔ چند پل تو وہ خالی خالی نظروں سے کمرے کو دیکھتی رہی پھر حواس نے کام کرنا شروع کیا تو وہ ایک دم اُٹھ بیٹھی۔

نجانے وہ کہاں تھی؟ کن لوگوں میں تھی؟ شاید وہ اغواء ہوچکی تھی؟ کمرے کی تمام آرائش پر نگاہ ڈالتے اسے پھر سے سب کچھ یاد آنے لگا تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اجنبی لوگوں اور اجنبی شہر میں اتنی دور۔ پتا نہیں کسی کو خبر بھی ہوئی تھی کہ نہیں۔ سمعان اور باقی گھر والوں کے تصور سے ہی اس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔

”ہائے میرا موبائل بھی ان کے قبضے میں ہے۔“ سمعان سے رابطہ کرنے کے خیال سے اسے مزید یاد آیا۔

”یا اللہ!“ اگلے دس پندرہ منٹ تک اس نے آنسو بہانے کا ہی کام کیا تھا۔

”ہائے اگر ماما پاپا کو علم ہوگیا تو نجانے ان پر کیا بیتے۔ میرے خدا رحم کر۔“ وہ شدت سے رب کو یاد کرنے لگی تھی۔ ایک گھنٹے کے جانگسل انتظار کے بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

”کھانا کھالو......“ ایک ملازمہ ٹائپ خاتون ایک بڑی سی ٹرے میں انواع واقسام کے کھانے لیے چلی آئی تھی۔ تمام چیزیں ٹیبل پر سجا کر وہ اسے کھانے کا آرڈر دے کر چلی گئی۔ اس نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کچھ دیر گزری تو پھر کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر وہ ششدر سی رہ گئی تھی۔

”آپ......“ نویرہ کے شوہر شارق زمان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بمشکل گویا ہوئی تھی۔

”جی میں...... آپ کو اس قدر زحمت دی، معذرت چاہتا ہوں۔“

آپ ہماری محسن ہیں کہ چند دن آپ نے ہماری بیگم صاحبہ کو اپنے گھر کی چار دیواری میں عزت دی، مگر اب وہ کہاں ہیں آپ کو علم نہیں اور مجھے آپ کی بات پر اعتبار نہیں سو آپ کو زحمت دی ہے۔“ وہ منہ کھولے شارق زمان کی گفتگو سن رہی تھی۔۔ وہ سامنے کرسی پر ٹک گیا تھا۔

”کیا کریں ہمیں اپنی بیگم صاحبہ سے محبت بہت ہے۔ ہمارا اپنا ایک انداز ہے، محبت کے اظہار کا جو انہیں پسند نہیں۔ روٹھ کر گھر سے نکل گئی تھیں۔ کوئی بات نہیں آپ ہیں نا۔ یقیناً اپنے محسنوں کو تو وہ بھی

تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی ہوں گی اور ایسا ہی ہے۔ ساری دنیا میں ظالم دشمن انہیں صرف میں ہی لگتا ہوں باقی ساری دنیا کے لیے ان کے دل میں بڑا رحم ہے۔ آپ کو بڑی عزت سے لاتا تھا۔ مگر پھر پولیس کی مدد لینا پڑی۔ جب تک ہماری بیگم صاحبہ ہمارے پاس نہیں آجاتیں آپ ہماری مہمان رہیں گی۔ کھائیں پئیں اور آرام کریں۔ ہاں آپ کا موبائل ہمارے پاس ہے۔ اگر کسی سے بات کرنا ہے تو بات کرلیں مگر یاد رکھیے گا بات کرنے کے بعد موبائل واپس دیجیے گا۔“ اپنی جیب سے موبائل نکال کر اس کے قریب آکر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

”اس سے نویرہ کے نام پر Save نمبر میں نکال چکا ہوں، رابطہ ان سے کرنے کو کرتو لوں مگر میں ان کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے رابطے پر پھر مجھے وہ وہاں بھی نہیں ملیں گی جہاں وہ اس وقت ہے اور آپ کو لانے کی مشقت بھی بے کار جائے گی۔ آپ پُرسکون رہیں۔ جب تک آپ ادھر ہیں وہ کہیں بھی نہیں جائیں گی، بلکہ خود ہم تک آئیں گی۔ کیا خیال ہے؟ ایسا ہی ہوسکتا ہے نا؟“ آخر میں مسکرا کر پوچھا تو زرش نے منہ سختی سے بند کیے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

”نویرہ کے نمبر کے ذریعے پتا لگوالیا گیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ کیسے؟ یہ آپ نہ سوچیں؟ بس ہماری تھوڑی سی مدد کریں۔ کراچی وہ آپ کی فیملی کے ساتھ آپ کے گھر میں ہیں۔ سنا ہے آپ کے میاں کا پچھلے دنوں ایکسیڈنٹ ہوا تھا تبھی آپ ہماری بیگم کو لے کر کراچی گئی تھیں اور ہماری بیگم صاحبہ کو وہیں چھوڑ کر خود یہاں آگئی تھیں۔“

اس کے پاس ساری معلومات تھیں۔ اس نے سارا ہوم ورک مکمل کرکے یہ انتہائی قدم اٹھایا تھا۔

”مدد ہماری یہ کریں کہ...... اپنے میاں کو کال کریں اور انہیں اپنی یہاں موجودگی کا بتائیں۔“ بڑے سنجیدہ انداز میں وہ ہدایات دے رہا تھا۔

”انہیں بتائیں کہ آپ اِدھر ہیں وہ ہماری بیگم صاحبہ کو لے کر یہاں آجائیں اور اپنی بیگم صاحبہ کو لے جائیں۔ ورنہ جب تک ہماری بیگم ہم تک نہ پہنچیں آپ کو ہماری مہمان نوازی برداشت کرنا پڑے گی۔ کیوں کیا خیال ہے؟“ زرش شش وپنج میں تھی۔

سمعان نویرہ کے قصے سے قطعی نابلد تھا۔ اسے بتانے کا مطلب تھا کہ اپنی شامت بلوانا۔ مگر وہ یہاں بھی نہیں رہ سکتی تھی، کیا کرے؟ نویرہ کی وجہ سے وہ کیا بُرا پھنسی تھی، جی بھر کر رونا آیا۔

”لائیں میں نمبر ملا دیتا ہوں۔ زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ یہ طے ہے کہ ہماری بیگم ہم تک پہنچیں گی اور آپ واپس جائیں گی۔“ اس کے ہاتھ سے دوبارہ موبائل لے کر اب نمبر ملاتے کہہ رہا تھا۔ زرش بڑی بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ حالات ایسے بھی ہوں گے۔

”جتنی جلدی آپ رابطہ کریں گی اتنی جلدی واپس جائیں گی۔“

”السلام علیکم! جی سمعان صاحب بول رہے ہیں۔“ دوسری طرف سے پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کرلی تھی۔

”وعلیکم السلام! جی بول رہا ہوں۔“ زرش کے نمبر سے کال تھی مگر آواز اجنبی تھی۔ اتنا تو امجد کے

ذریعے پتا چل گیا تھا کہ زرش کا موبائل کمرے میں نہیں ہے۔

"آپ کیسے ہیں؟ مزاج بخیر ہیں؟" بڑے مطمئن انداز میں پوچھا جا رہا تھا، سمعان الجھ گیا۔

"جی اللہ کا شکر ہے، آپ کون؟"

"بندۂ خاکسار کو شارق زمان کہتے ہیں اور دوسرا تعارف یہ ہے کہ میں نویرہ کا شوہر ہوں۔ وہی نویرہ جو اس وقت آپ کی بیگم زرش صاحبہ کے والدین کے گھر میں موجود ہیں۔"

"جی؟ مگر میں سمجھا نہیں۔"

"کوئی بات نہیں ہم سمجھا دیتے ہیں۔ ہماری بیگم روٹھ کر گھر سے چلی گئی تھیں اور آپ کی بیگم صاحبہ کے پاس آ گئی تھیں اور پھر وہاں سے کراچی آپ کے سسرال میں موجود ہیں۔"

"تو اس قصے سے میرا کیا تعلق؟"

"وہی تو بتا رہا ہوں۔ آپ کی بیگم ہمارے پاس ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ جتنی جلدی آپ ہماری بیگم صاحبہ کو ہم تک واپس پہنچائیں گے اتنی جلدی آپ اپنی بیگم کو واپس لے لیں گے۔"

"کیا بکواس ہے یہ؟" دوسری طرف سمعان کچھ بھی نہ سمجھ سکا تھا کہ یہ اصل میں قصہ کیا ہے؟ جہاں تک اسے معلوم تھا کہ نویرہ کا شوہر اسے چھوڑ چکا تھا تو پھر یہ شوہر کہاں سے آگ آیا اور امجد تو کہہ رہا تھا کہ پولیس کی ریڈ ہوئی تھی تو یہ کون لوگ ہیں؟

"لیں اپنی بیگم سے بات کریں۔ باقی کا سپاس نامہ آپ کو یہ سنا دیں گی۔" شارق نے موبائل زرش کو تھما دیا تھا۔

"سمعان! آپ کدھر ہیں۔ پلیز یہاں آ جائیں۔" وہ اگلے ہی پل رو دی تھی۔

"زرش یہ کیا قصہ ہے؟ نویرہ تو امجد کی کزن تھی نا اور اس کا شوہر اسے چھوڑ چکا تھا تو پھر یہ شخص کون ہے اور تم کہاں ہو اس وقت، کیسے لوگ ہیں یہ۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ یہ نویرہ کے شوہر ہی ہیں۔ جو آپ کو بتایا وہ سب جھوٹ تھا۔ آپ باقی کی باتیں نویرہ سے پوچھ لیں۔ وہ آپ کو سب بتا دیں گی۔ آپ وہاں جا کر نویرہ سے میری بات کروائیے گا۔"

"زرش......" سمعان ابھی تک سب جھوٹ تھا کے ہی الفاظ پر الجھا ہوا تھا۔

اس نے موبائل کان سے ہٹایا تو شارق نے اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

"ہو گئی بات...... آپ ہماری التماس پر عمل کریں، جتنی جلدی لے کر ہماری بیگم کو ہم تک پہنچیں گے اتنی جلدی ہم آپ کی بیگم آپ کے حوالے کر دیں گے۔ یہ ہماری چھوٹی بہن کی طرح ہیں۔ بڑی عزت سے ہم نے رکھا ہوا ہے۔ لیڈی کانسٹیبل کے علاوہ کسی نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ ہم عزت و آبرو پر مر مٹنے والے لوگ ہیں۔ میں عزت دار گھرانے سے ہوں، گھریلو جھگڑے تو چلتے رہتے ہیں، خیر کب تک پہنچ رہے ہیں پھر آپ یہاں؟"

"میں نویرہ سے جا کر بات کرتا ہوں پھر آپ کو کال کرتا ہوں۔" اس عالم میں بھی سمعان نے اپنے اعصاب کو مکمل کنٹرول میں رکھا ہوا تھا۔

"میں انتظار کروں گا اور ایک بات، کال آپ کی بیگم کے موبائل سے ہو رہی ہے۔ اس وقت آپ کی بیگم کو پولیس کی حراست کے بجائے رہائشی علاقے میں بڑی عزت کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ کسی بھی قسم کی کوئی ہوشیاری دکھانے کی صورت میں نقصان آپ کا ہی ہوگا۔ ہمیں ہماری بیگم اور بچے چاہیے، آپ کی بیگم کی واپسی کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ کال ٹوٹ کر کے بے شک فورس کا استعمال کروا سکتے ہیں پھر ہماری فورس بھی دیکھ لیجیے گا۔ اللہ حافظ، امید ہے سمجھدار ہیں، مکمل تعاون کریں گے۔"

شارق نے موبائل آف کر دیا تھا۔

"کھانا کھائیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو ہمیں کہیں۔ آپ ہماری مہمان ہیں، میں باہر ہی ہوں۔ آپ کے شوہر کی کال آتی ہے تو میں بات کروا دوں گا۔" وہ اسے ہدایات دے کر باہر نکل گیا تھا اور زرش کے آنسو برسنے لگے تھے۔

شارق زمان کی کال بند ہوئی تو سمعان کو اپنے اعصاب بکھرتے محسوس ہوئے، امجد کی کزن نویرہ تھی تو یہ کیا قصہ تھا۔

اس نے امجد کو کال کرنے کے بجائے خود نویرہ کے پاس جانے کو ترجیح دی تھی۔

اپنا بیگ وہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا، گھر والوں کو لاہور جانے کا کہہ کر وہ چچا کے گھر چلا آیا تھا۔

"نویرہ کہاں ہیں؟" چچی سے سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو انہوں نے زرش کے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"میں لاہور جا رہا ہوں، سوچا ان سے بھی پوچھ لوں۔ اگر ان کا ارادہ ہے تو لے چلتا ہوں۔ ویسے بھی زرش وہاں اکیلی ہے انہیں اس کے پاس ہی ہونا چاہیے۔"

"ہاں! تم بات کر لو، ادھر ہی ہے۔"

وہ کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ دروازے پر دستک دے کر اجازت کا انتظار کیا تھا۔

"آ جائیں......"

سمعان اندر داخل ہوا تو نویرہ منصب کو سلا رہی تھی۔ سمعان کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنا دوپٹہ درست کیا تھا۔

سمعان اس کے انداز پر بغیر اس کو دیکھے کرسی پر ٹک گیا تھا۔

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ امید ہے آپ میری بات غور اور توجہ سے سنیں گی۔"

"یہ شارق زمان کون ہے؟" نویرہ نے ایک دم ٹھٹکا کر سمعان کو دیکھا، وہ سر جھکائے ہوئے تھے۔

"دیکھیں آپ کو واضح کر دیتا ہوں کہ آپ کے شوہر شارق صاحب زرش کو پولیس کی مدد سے غائب کروا چکے ہیں، ان کی ڈیمانڈ ہے کہ آپ کو ان تک پہنچا دوں تو وہ زرش کو چھوڑ دیں گے۔"

"کیا......؟" نویرہ کو لگا اس کے اعصاب پر بم پھٹا ہے، بے یقینی سے منہ پر ہاتھ رکھے گم صم سی تھی۔

''یہ اصل میں قصہ کیا ہے؟ مجھے نہیں پتا۔ زرش کے بقول مجھے جو کچھ بتایا گیا وہ سب جھوٹ تھا۔ امجد سے ابھی میری بات نہیں ہوئی، جا کر اس کی بھی برین واشنگ کروں گا مگر اس سے پہلے آپ مجھے سب حقیقت بتائیں گی۔ میرے پاس وقت کم ہے، شام کی فلائٹ سے مجھے لاہور جانا ہے اور آپ بھی میرے ساتھ چل رہی ہیں۔ اس لیے آپ کو تیاری بھی کرنا ہوگی، سو آرام سے سکون سے تمام حقیقت بتا دیں۔'' نویرہ کے پاس اب کوئی چارہ نہ رہا تھا، اس نے آہستہ آہستہ سب کہہ ڈالا اور سمعان نے بڑے تاسف سے اسے دیکھا۔

''بڑے افسوس کی بات ہے۔ زرش تو تھی ہی بے وقوف اور آپ جیسی خاتون نے بھی اس کی بے وقوفی میں اس کا ساتھ دیا۔ اگر آپ یہ قدم اٹھا بھی چکی تھیں تو کم از کم میرے نالج میں تمام حقیقت تو آنے دیتیں۔ اب یہ جو صورت حال پیدا ہوئی ہے، یہ تو نہ ہوتی۔ آپ تیاری کر لیں، آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں، آپ کے شوہر کی یہی شرط ہے زرش کو چھوڑنے کی۔ اگر میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں شاید آپ کی ضرور مدد کرتا۔'' سمعان کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں ٹکٹس کنفرم کروا لیتا ہوں تب تک آپ تیاری کر لیں۔ ہمیں آج ہی روانہ ہونا ہے۔'' سمعان اسے ہدایت دے کر رکا تھا۔

''اگر آپ کہیں تو میں آپ کے شوہر سے بات کروا دیتا ہوں۔'' نویرہ چپ ہی رہی تو اس نے کال ملا کر موبائل اسے تھما دیا تھا۔

''ہیلو......'' ادھر ہی سے شارق زمان کی آواز سنائی دی تو نویرہ کا جی چاہا کہ موبائل دیوار پر دے مارے۔ سمعان سامنے ہی کھڑا تھا اسے مجبوراً بات کرنا پڑ رہی تھی، مگر......

''زرش کہاں ہے؟'' لہجے میں دنیا جہاں کی ناگواری سمٹ آئی تھی۔

''ارے! زہے نصیب...... نویرہ صاحبہ بات کر رہی ہیں؟ کہیے کیسی ہیں؟ مزاج بخیر ہیں؟'' سمعان کمرے سے نکل گیا تھا۔

''شارق زمان میرے ضبط کو مت آزماؤ۔ مجھے زرش سے بات کرنی ہے، بات کرواؤ اس سے۔''

''فکر نہ کرو، بڑی موج میں ہیں آپ کی زرش صاحبہ! پہلے مجھ سے معاملات صاف کر لو پھر اس کی بھی باری آ جائے گی۔''

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ دھوکے باز، فریبی انسان...... زندگی عذاب بنا دی ہے تم نے میری۔ اب کس کے در وا ٹھ رہے ہیں۔ ایک بدکردار عورت تمہاری بیوی تھی اس نے خود کو تم سے دور کر لیا اب کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو۔'' وہ پھنکاری تھی۔

''واپس آ جاؤ۔ پھر محبت اور سلیقے سے ساری بات سمجھاؤں گا کہ کیا تکلیف ہے اور کیوں پیچھے پڑ گیا ہوں۔''

''گھٹیا ترین انسان ہو تم۔'' وہ بڑے ضبط سے بولی تھی۔

''خیر تمہارا شوہر ہوں۔ تمہارے بچے کا باپ ہوں۔ اب کیا کر سکتا ہوں۔'' اس نے بھی جلانے میں

کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

''کیوں کیا تم نے زرش کے ساتھ ایسا؟''

''اس کو ہماری لغت میں کارڈ کھیلنا کہتے ہیں میری معصوم بیگم! تم جیسی منہ زور بیوی کو کھونٹے سے باندھنے کا یہی طریقہ سمجھ میں آیا تھا۔ یعنی سمعان احمد اکھڑ انسانیت بھی نبھالے مگر تم اسے اپنی بیوی سے بڑھ کر تو نہیں ہو گی اور اپنی بیوی کے بدلے وہ تمہیں میرے پاس چھوڑ کر جائے گا۔ یعنی کہ بیگم کے بدلے بیگم......'' وہ آخر میں بڑے مزے سے گنگنایا تھا۔ نویرہ نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔

''تو پھر آ رہی ہو نا؟'' وہ پوچھ رہا تھا، نویرہ نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے موبائل آف کر دیا تھا۔

اب واپسی کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ بے اختیار آنکھوں میں آنسو آتے چلے گئے۔

✿......✿......✿

سمعان کو رات آٹھ بجے کے قریب کی فلائٹ ملی تھی۔ ایک گھنٹے میں وہ لاہور پہنچے تھے۔ امجد گاڑی لیے پہلے ہی ایئرپورٹ پر تھا۔ سمعان سے اسے اس جھوٹ میں ان دونوں کا ساتھ دینے پر جو سخت سست سننے کو ملی تھی اس کا بیان ہی نہیں تھا۔

گھر آ کر سمعان نے شارق زمان سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے اپنے کسی آدمی کو خود لینے کو بھیجا تھا۔

دس بجے کے قریب اس کا آدمی آیا تو وہ اس کے ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں اس نے بلوایا تھا۔

گاڑی ایک وسیع لان میں جا کر رکی تو وہ نویرہ کو لیے گاڑی سے اتر آیا تھا۔ شارق زمان کب سے منتظر تھا، انہیں سامنے دیکھ کر فوراً آگے بڑھا تھا۔ چادر میں چہرہ چھپائے، بچے کو بازوؤں میں لیے نویرہ کو دیکھ کر شارق زمان کو لگا کہ جیسے زندگی لوٹ آئی ہے۔

''خوش آمدید......! سمعان صاحب آپ تو بڑے سمجھدار اور معاملہ فہم انسان ہیں۔ قسم سے رشک آ رہا ہے آپ پر۔'' آگے بڑھ کر اس نے سمعان سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

بڑے غصے سے سمعان احمد نے اسے دیکھا اور ہاتھ صاف نظر انداز کر دیا تھا۔

''زرش کہاں ہے؟'' شارق زمان ہنس دیا۔

''اتنا غصہ دکھانا آپ کا حق ہے۔ خیر آئیں آپ کی بیگم سے ملواتا ہوں۔ آپ بھی آئیں نویرہ جی۔'' بڑے مزے سے اس نے نویرہ کو چھیڑا تھا۔ نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہنستے مسکراتے شارق زمان کا منہ نوچ لے۔

وہ ان کو لے کر اندر چلا آیا تھا کمرے کا دروازہ کھولتے اس نے ان کو اندر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

''زرش!'' زرش گھٹنوں میں سر دیے ٹانگوں پہ بازو لپیٹے بستر پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ نویرہ کی اس پکار پہ تڑپ کر سیدھی ہوئی تھی۔ کمرے میں سمعان اور نویرہ کو دیکھ کر ایک دم بستر سے اتری تھی۔ نویرہ کے گلے لگ کر بے اختیار سسک اٹھی تھی۔

سمعان لب بھینچے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

معصب اس افتاد پر ہڑبڑا کر بیدار ہوا تھا اور حلق پھاڑ کر رونا شروع کر دیا۔ شارق زمان نے کمرے میں جھانکا۔

نویرہ ایک بازو میں بچے کو سمیٹے دوسرے ہاتھ سے گلے سے لگی زرش کو بہلا رہی تھی جب کہ سمعان بے تاثر انداز میں صرف کھڑا تھا۔ وہ اندر چلا آیا تھا۔

"لاؤ مجھے دے دو۔" اس نے معصب کو نویرہ کے بازو سے نکال لیا تھا۔ والہانہ پن سے اسے چومتے کندھے سے لگا لیا تھا۔ نویرہ سمعان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ بس زرش کی کمر سہلاتے اسے مسلسل خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میرا خیال ہے باقی کا رونا دھونا گھر جا کر کر لینا چاہیے۔ اب چلنا چاہیے۔" ایک دو منٹ بعد سمعان نے کہا تو زرش گھبرا کر سیدھی ہوئی مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

"اوکے شارق زمان صاحب! آپ کی بیگم صاحبہ آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ آپ کے گھر کے معاملات میں مجھے مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں اس لیے اجازت دیجیے۔"

"معافی چاہتا ہوں آپ کو بہت زحمت دی مگر ان کو کیسے ہینڈل کرتا تھا اس کے سوا کوئی اور رستا بھی نہیں تھا۔ بے شک اپنی بیگم سے پوچھ لیں بڑی عزت و احترام سے رکھا ہے ہم نے انہیں۔" معصب کو کندھے سے لگائے بڑی سنجیدگی سے اس نے کہا تھا۔ سمعان خاموش رہا تھا۔

"یہ رہا آپ کا موبائل۔" اس نے جیب سے موبائل نکال کر سمعان کو تھما دیا تھا۔

سمعان نے خاموشی سے موبائل جیب میں ڈال کر نویرہ کو دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے زرش کو دیکھ رہی تھی۔

"اوکے نویرہ جی! ہم چلتے ہیں۔ یہ آپ کے شوہر ہیں، گھروں میں سو باتیں ہوتی ہیں گھر کی چار دیواری میں ہی حل کر لینا ان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ تاہم آپ کو میں کبھی غلط نہیں کہوں گا مگر آپ ماشاء اللہ سے سمجھدار ہیں، امید کرتا ہوں آئندہ ایسا انتہائی قدم نہیں اٹھائیں گی۔ چلو زرش......!" وہ نویرہ کے پاس رک کر یہ سب کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا اس کے عقب میں زرش بھی نویرہ سے گلے مل کر خدا حافظ کہہ کر نکل گئی تھی۔

شارق زمان نے مکمل توجہ سے نویرہ کو دیکھا۔ وہ بے زار تاثرات اور سپاٹ نظریں لیے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کیا خیال ہے یہیں رات گزارنے کا ارادہ ہے یا پھر گھر چلیں۔ اماں، رفعت باجی تو ہر روز انتظار کرتے سوتی ہیں کہ نجانے تم کب چلی آؤ۔" اس نے بات کا آغاز کیا تھا۔ "ویسے اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔" نویرہ کے قریب آ کر بڑے شرارتی موڈ میں وہ گویا تھا۔ نویرہ نے لب بھینچ لیے۔

"ناراضگی تو تمہاری مجھ سے ہے۔ پھر باقی لوگوں کا کیا قصور تھا؟" اگلے ہی پل سنجیدہ ہوتے پوچھا تھا مگر نویرہ بھی جیسے قسم کھا کر آئی تھی کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالنا۔

"بڑی حسین ہو گئی ہو۔ تیور تو پہلے ہی بڑے تیکھے تھے، اب اور قاتل ہو گئے ہیں۔ گھائل تو ہم پہلے ہی تھے کیا اب جان سے ہی مارو گی۔" معصب کندھے سے لگ کر غنودگی میں چلا گیا تھا اسے بڑے آرام سے بستر پر لٹا کر وہ اس کے پاس چلا آیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا نویرہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

"حد میں رہو اپنی شارق زمان۔ مجھے اس طرح زیر کر کے اسے اپنی فتح مت سمجھو۔ میں صرف زرش کی وجہ سے آئی ہوں ورنہ کبھی مر کر بھی تمہاری شکل نہ دیکھتی۔"

"چلو تم نہ دیکھنا میں تو صبح و شام تمہاری شکل دیکھنا چاہوں گا۔ آخر بیوی ہو میری اور اس میں بھلا حد والی کون سی بات ہے۔ میاں بیوی میں بھلا کون سی حد؟" اس نے شارق زمان کو بڑی غیظ بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"نگاہوں کے تیور نہیں بدلے تمہارے، ویسے تمہاری آنکھوں کو دیکھتا ہوں تو ایک بھولا بسرا شعر یاد آ جاتا ہے۔ سناؤں......"

وہ اس کے سامنے جھکا تھا مگر نویرہ کا وہی انداز تھا وہ کھل کر ہنس دیا۔

"کشتیاں یوں بھی ڈوب جاتی ہیں ناخدا کس لیے ڈراتے ہیں
ایک حسین آنکھ کے اشارے سے قافلے راہ بھول جاتے ہیں"

بڑے اسٹائل میں شعر داغا گیا تھا۔ نویرہ کو ایک عرصے بعد اپنے دل کی حالت زیر و زبر پر ہوتی محسوس ہوئی۔

وہ جھنجلا کر پلٹی تھی۔ بستر پر لیٹے معصب کو اٹھا کر ساتھ لگا لیا تھا، گویا اس کے ننھے معصوم وجود میں پناہ ڈھونڈنا چاہی تھی۔ شارق زمان پھر ہنس دیا اور نویرہ کلس کر رہ گئی۔

"گھر چلیں......؟" خاصا جھنجلا کر کہا تو وہ جیسے بے ہوش ہونے کو ہو گیا۔

"اوہ...... مائی گاڈ! تم ہی کہہ رہی ہو نا گھر جانے کا؟"

"ظاہر ہے اِدھر میرے فرشتے تو نہیں ہیں۔ اتنی دور سے اگر میں اب یہاں آ گئی ہوں تو وہاں تک جانے میں بھی کیا حرج ہے۔" تلخی، کوفت، غم و غصے سے وہ کہہ رہی تھی۔

شارق زمان نے اسے بغور دیکھا اور پھر گہری سانس لی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ اتنے دنوں کا غبار آج ہی نکال دے۔ اتنے دنوں بعد دیکھا تھا نگاہوں کو قرار نہیں آ رہا تھا مگر وہ ابھی بھی اسی مقام پر تھی۔ اگر اس مقام پر نہ ہوتی تو شاید یہ حالات نہ ہوتے۔

تائب تو وہ خود ہوا تھا وہ نہیں۔ اس لیے حالات کو اسے اب خود ہی بدلنا تھا۔

اسے نویرہ کو منانے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ ایک دم وہ بھلا کیسے سنبھل جاتی؟

"انسپکٹر انجم نے بہت ساتھ دیا ہے میرا۔ اس سلسلے میں کہ تم اس وقت میرے سامنے ہو۔ چلے جاتے ہیں گھر بھی۔ وہاں جا کر تمہیں جس طرح غائب ہونا ہے اچھی طرح علم ہے مجھے۔ کیا خیال ہے آج کی رات اِدھر نہ گزاریں بڑا پُرسکون کمرا؟" وہ پھر شرارت سے گویا تھا۔

نویرہ آخری جملے پر تپ گئی تھی۔

”آپ نے ساتھ چلنا ہے تو ٹھیک ورنہ میں خود چلی جاتی ہوں۔ راستہ مجھے اچھی طرح آتا ہے۔“ اس کی شرارت پر اس نے بڑی سنجیدگی سے کہتے اپنا بیگ کندھے پر ڈال لیا۔ اس وقت وہ شولڈر بیگ کے سوا سب سامان زرش کے ہاں ہی چھوڑ آئی تھی کہ پھر کبھی منگوا لے گی۔ شارق کو سنجیدہ ہونا پڑا تھا اور پھر بغور اسے دیکھا۔ وہ چٹانوں کی سی سختی لیے ہوئے تھی۔

”آپ میری ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں شارق صاحب! عورت کو صرف ایک بار گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکالنا مشکل ہوتا ہے اس کے بعد اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں رہتا۔ اس کو ایک بار اپنے اندر پلتے خوف کا سر کچلنا پڑتا ہے۔ میں اب بھی وہ ہی نویرہ ہوں۔ وہی نویرہ، جسے آپ رضا کی چند باتوں کے عوض چھوڑ دینے کی بات کرتے تھے۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ میری ذات، میری زندگی تماشا بن گئی ہے مگر میں کسی کو اپنی انا اور اپنے وفا سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ آپ نے اور نبیل بھائی نے جو کرنا تھا کر لیا مگر اب آپ کے کسی کھیل کو میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ میں صرف زرش کی وجہ سے دوبارہ آپ جیسے شخص کا سامنا کرنے پر مجبور ہوئی ہوں، مجھے آزمانے کی کوشش مت کیجیے گا۔ اس دفعہ تو آپ نے یہ کارڈز کھیلے اور جیت ہمیشہ کی طرح آپ کا مقدر بھی رہی مگر ہر بار مقدر ساتھ دے جائے، ضروری بھی نہیں۔“ وہی بے لچک، کھردرا اور دوٹوک انداز تھا۔ انداز جتاتا ہوا کافی حد تک طنزیہ تھا۔ تنبیہ کرتا لب و لہجہ شارق زمان کی جذباتیت کو ہوا دینے کے لیے کافی تھا مگر ہر بار کی طرح اس نے اس بار جذبات میں کچھ کہنے کے بجائے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

اپنی جذباتیت اور جلد باز طبیعت کے ہاتھوں وہ ایک شدید نقصان بھگت چکا تھا۔ نویرہ حق پر تھی اور وہ غلطیاں کر چکا تھا۔ بڑے سبھاؤ سے اسے اب اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا تھا۔ حالات اپنے حق میں موافق کرنے تھے۔ نویرہ کو خود سے بدظن کرنے والا وہ خود تھا اور اب اسے خود ہی اپنی طرف سے مطمئن کرنا تھا مگر شاید اس میں کچھ وقت درکار تھا۔

”میرا خیال ہے گھر ہی چلنا چاہیے۔ اتنا خراب موڈ ہے تمہارا، گھر جا کر اماں اور رفعت باجی سے مل کر شاید بہتر ہو ہی جائے۔“

نویرہ اپنی تلخ باتوں کے جواب میں اتنا متحمل انداز دیکھ کر لب بھینچ گئی۔ کہنے کو اس کے پاس بہت کچھ تھا۔ یہ شخص اس کے جذبوں کی رسوائی اور ذلت کا قرض دار تھا مگر......!

شارق زمان نے اسے اپنے دل کی مزید بھڑاس نکالنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔ اس نے اسے ایک دم چپ سادھ لینے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ حشر نشر کر دے۔

”لاؤ! اسے مجھے دے دو۔“ آگے بڑھ کر معصب کی طرف ہاتھ بڑھاتے اس نے جیسے اس کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھا ہی نہ تھا۔

اتنا ہی اس نے متحمل اور ٹھنڈا مزاج ہونے کا ثبوت دیا تھا کہ جیسے وہ شروع سے ایسا ہی تو تھا۔ ہاتھ بڑھا کر نویرہ کے کندھے سے لگے بیٹے کو اس نے بازوؤں میں بھر کر بڑی محبت سے رخسار پر بوسہ لیا۔ نویرہ بڑے تیکھے اور بگڑے زاویوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسے شارق زمان کا یہ انداز ڈراما لگ رہا تھا۔

”چلیں حضور!“ انداز ایک بار پھر شرارتی ہوا تھا۔ نویرہ غصے سے پاؤں پٹختی اس سے پہلے ہی کمرے سے باہر نکل آئی۔

شارق زمان نے راستے ہی سے گھر فون کر دیا تھا۔

”آپ کے لیے ایک زبردست خبر ہے۔“

رفعت باجی جو ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں، شارق کی بات پر چونکی تھیں۔

”کیسی خبر......؟“

”میں گھر آ رہا ہوں۔ ساتھ ہی خوش خبری لے کر آ رہا ہوں۔ خود ہی دیکھ لیجیے گا۔“ بڑے عرصے بعد رفعت باجی کو شارق کی آواز میں چہک محسوس ہوئی۔ ہنستا مسکراتا انداز تھا۔

”اماں کہاں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”کمرے میں...... ابھی شاکرہ کو کہہ آئی ہوں کہ انہیں سونے دے۔“

”اچھا! انہیں کچھ دیر کے لیے سونے مت دیجیے گا۔ میں کچھ دیر میں گھر پہنچ رہا ہوں، اللہ حافظ۔“ اور رفعت باجی پچھلے آدھے گھنٹے سے محو انتظار تھیں، اماں کو اس نے ڈسٹرب تو نہیں کیا تھا مگر وہ ابھی تک اندازہ نہ لگا پائی تھیں کہ ایسی کیا بات تھی جو شارق نے اماں کو جاگتے رہنے کا کہا تھا۔

بارہ بجے کے قریب شارق کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ اپنے کمرے سے نکل آئیں۔ چوکیدار کو پہلے ہی گیٹ پر رہنے کا کہہ چکی تھیں۔ باہر جانے کے بجائے وہ لاؤنج میں ہی آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

”السلام علیکم آپا!“ اگلے دو منٹ بعد ہی شارق زمان کی چہکتی آواز سنائی دینے کے ساتھ شارق کے عقب میں انہیں جو چہرہ دکھائی دیا، انہیں لگا کہ زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔

”نویرہ؟“ مارے خوشی کے ان کی چیخ نکل گئی۔ ”ارے...... نویرہ...... ! تم...... کہاں تھیں؟“

اگلے ہی پل وہ خوشی سے بے حال ہوتے اس کو گلے لگا کر رو پڑیں۔ کئی بار ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر نویرہ کی پیشانی چومتے انہیں اس کے اپنے سامنے ہونے پر یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔ آپا کے اس والہانہ پن پر نویرہ بھی اپنے آنسو نہ روک پائی تھی۔

خود کو پتھر بنا لیا تو اور بات تھی ورنہ دل تو خون کے آنسو روتا تھا۔ بھلا کوئی خوشی سے بھی ایسی ذلت خریدتا ہے؟

”یہ تم نے کیا کر دیا نویرہ؟ کیوں گئی تم؟ کوئی یوں بھی کرتا ہے؟ اور تم تھیں کہاں اتنا عرصہ......؟“

کچھ دیر اس کے گلے لگ کر خوب رو دھو کر سر اٹھا کے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ چہرہ صاف کرتے ان سے دور ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

انہوں نے نویرہ کے چپ چاپ انداز پر گھبرا کر شارق کو دیکھا وہ جگمگاتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

”یقین کر لیں، یہ نویرہ ہی ہے۔ بالکل صحیح سلامت۔ مکمل ہوش و حواس میں......“ اس کی آواز کی

کھلکھلاہٹ جوں کی توں تھی۔ نویرہ نے ایک سلگتی نگاہ ڈال کر دوپٹے سے چہرہ رگڑ کے اپنے شکستگی کے نشان مٹائے۔

"یہ تمہیں کہاں مل گئی؟ تھی کہاں......؟" جذباتیت سے نکل کر اب وہ نارمل سوال کر رہی تھیں۔ الجھ کر دونوں کو دیکھا۔ نویرہ تو جوں کی توں ہی تھی مگر شارق......

"تھیں کہاں؟ یہ کہانی آپ کو یہ خود ہی سنائیں گی اور ہمیں کہاں سے ملیں؟ یوں سمجھیں کارڈز کھیلنا پڑے تھے۔ یہ بھی ایک طرح کا کھیل ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔" نویرہ کا جی چاہا کہ شارق زمان کا ہنستا مسکراتا چہرہ نوچ لے۔

رفعت باجی کے کچھ پلے نہ پڑا تھا۔

"اماں کہاں ہیں؟"

"سو گئی ہیں۔" ان کا اب دھیان معصب کی طرف گیا تھا جو کہ شارق کے کندھے سے ہی لگا سو رہا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر محبت سے چوما۔ نویرہ چپ چاپ سر جھکائے قالین کو گھور رہی تھی۔

"آؤ نویرہ! اماں سے مل لو...... وہ تو تمہاری یاد میں دن رات آنسو بہاتے گزار رہی تھیں۔ کتنا ڈھونڈا؟ کتنا یاد کیا تمہیں۔ دعائیں، صدقہ خیرات۔ کیا کچھ نہیں کیا ہم نے...... مگر تم تھیں کہاں؟" وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہو گئی۔

نویرہ چپ چاپ اٹھ کر ان کے ساتھ ہی چل دی۔ شارق بھی ہمراہ تھا۔ اس نے اماں کو اٹھایا اور اٹھنے کے بعد نویرہ کو اپنے سامنے دیکھ کر پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھیں۔ مگر جب حواس بحال ہوئے تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ نویرہ کو گلے لگا کر ہزاروں شکوے کر ڈالے اور نویرہ کو پہلی بار ندامت کے احساس نے اس طرح جکڑا کہ وہ لاکھ حق پر ہونے کے باوجود اپنی جذباتیت میں یہ قدم غلط اٹھا چکی تھی۔

ایسا قدم جس میں نسلوں کا مان و غرور بکھر جاتا ہے۔ محض ایک شخص کی ضد اور تنگ نظری کے عوض۔ ورنہ وہ تو چادر اور چار دیواری کے تحفظ میں جینے والا وجود تھی۔ اس کی سوچ کو مثبت سے منفی رخ پہ ڈھالنے والا کون تھا؟ خوابیدہ معصب کو پیار کرتے، نویرہ کا چہرہ ٹٹولتے بڑی اماں ابھی تک بے یقین سی تھیں۔

شارق کچھ دیر وہاں رہا تھا پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس ساری بھاگ دوڑ میں تھکن سے برا حال ہو رہا تھا مگر دل و ذہن بڑے تر و تازہ تھے کہ نویرہ کا دوبارہ حصول اک نئی زندگی ملنے سے کم نہ تھا۔

زندگی اور موت کا معاملہ تھا یہ تو...... اماں اور رفعت باجی منتظر تھیں کہ وہ کہاں تھی؟ وہ کچھ بتائے اور ان کے بار بار اصرار پر اس نے مختصراً سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"اللہ...... دنیا میں اچھے لوگوں کی ابھی کمی نہیں ہے۔ خدا بھلا کرے اس لڑکی کا۔ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تم کسی ایسی ویسی جگہ نہیں جا سکتی ہو۔ باہر کی دنیا ہم سے کب چھپی ہے بھلا۔ ساری ساری رات

تمہارے لیے عزت و آبرو کی دعائیں مانگتے روتے گزار دی ہے ہم نے۔ مرد تو بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ کچھ نہیں سوچتے۔ تم تو سمجھدار اور عقل مند تھیں نا! ایسا قدم اٹھانے سے پہلے ایک بار تو سوچ ہوتا۔ تم نے صرف شارق اور نبیل کی ضد دیکھی، ہمارا کسی کا احساس نہ کیا؟" یہ وہ شکوے تھے جو اسے روزانہ یاد آتے تھے اور وہ ہر بار اپنا دل پتھر کا بنا لیتی تھی مگر اب اماں کے منہ سے یہ الفاظ سن کر کوئی جواب نہ دے سکی تھی کہ اماں کی محبتوں کا کوئی نعم البدل نہ تھا۔ کتنا سارا وقت ہاتھوں میں گزر گیا تھا۔ شارق نے کمرے میں جھانکا تو وہ تینوں باتوں میں مصروف تھیں۔ نیند کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

"کیا ساری رات باتیں کرتے گزار دینی ہے۔ سونا نہیں ہے؟" شارق کی آواز پہ پلٹ کر دیکھا وہ دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کے دیکھنے پہ مسکرایا تو وہ گردن موڑ کر معصب کو تھپکنے لگی جو پاس ہی بستر پہ دراز تھا۔

"ہاں بس سوتے ہیں۔" رفعت باجی کے جواب پر بھی وہ کھڑا رہا۔

نویرہ معصب کو تھپکتے اس کے ساتھ ہی دراز تھی۔ اماں بھی لیٹی ہوئی تھیں۔ البتہ رفعت باجی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے کمرے میں جا کر سونا تھا۔ بس باتوں میں نیند ہی اڑ گئی تھی۔ شاکرہ ایک دو پل کو اٹھی تھی، نویرہ کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ چند پل بیٹھی سنتی رہی تھی اور پھر نیند میں چلی گئی تھی۔

"تم جا کر سو جاؤ۔ نویرہ اماں کے پاس ہی ہے۔ میں بھی چلتی ہوں۔" رفعت باجی بستر سے اترتے شارق سے کہہ رہی تھیں۔ شارق نے بغور نویرہ کو دیکھا۔ وہ آنکھوں پہ بازو رکھ کر مکمل طور پر اسے نظر انداز کر گئی۔ رفعت باجی نے نکلنے سے پہلے کمرے کی لائٹ آف کی اور پھر دروازہ بند کرتے شارق کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

"شارق! میری بات سنو۔" انہوں نے شارق کے ساتھ چلتے کچھ سوچتے اسے پکارا تو وہ رک کر انہیں دیکھنے لگا۔ "نویرہ اور تمہارے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہو گئی ہے جسے ایک دم نہیں پاٹا جا سکتا۔ تمہارے گزشتہ تمام رویوں نے اسے جس حد تک برگشتہ کرنا تھا، کر دیا ہے۔ اب وقت کا انتظار کرو۔ جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ غلط نہیں تھی، حق پر تھی۔ تمہاری، رضا اور نبیل کی جانب سے اس کے ساتھ جو بھی زیادتیاں کی گئی ہیں، اس نے اس کا سب پر سے اعتبار ختم کر دیا ہے۔ اسے اب سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔ جلد بازی یا جذباتیت کا مظاہرہ کرو گے تو اس سے بڑے سنگین نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اپنی جذباتی فطرت کو کنٹرول کرو۔ گھر یوں نہیں بنتے۔ رشتے یوں نہیں قائم ہوتے۔ میاں بیوی کا رشتہ بڑا نازک ہوتا ہے میرے بھائی! بہت کچھ برداشت کرنا اور سہنا پڑتا ہے۔ اپنی انا، وقار اور خواہشات کو گروی رکھنا پڑتا ہے۔ تم اب تک نویرہ کے ساتھ جو بھی کر چکے ہو اس کا نتیجہ دیکھ لیا ہے؟ آئندہ کچھ بھی کرنے سے پہلے سو بار سوچ لینا کہ نویرہ تمہارے کسی وقتی جذبے کا محرک ہی نہیں، تمہارے بچے کی ماں، تمہاری نسل کی امین بھی ہے۔ وہ جن لوگوں میں گئی تھی وہ عزت دار اور اچھے لوگ تھے۔ اس کی عزت و آبرو محفوظ رہی۔ خدانخواستہ غلط ہاتھوں میں چلی جاتی تو نجانے اب تک کیا ہو چکا ہوتا۔ ابھی اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہ جس طرح کا بھی رد عمل ظاہر کرتی ہے، چپ چاپ سہنا

ہوگا کہ ابھی اس کی اَنا اور نسوانیت پہ لگنے والی چوٹ کی تکلیف تازہ ہے۔ تم اسے ان لوگوں سے نکلوا کر لائے ہو۔ اسے یہ احساس بھی تکلیف دے رہا ہے۔ آئندہ کے لیے کوئی اقدام سے پہلے نویرہ کے گزشتہ اور موجودہ رویّوں کو ضرور ذہن میں رکھنا۔ نیند آ رہی ہے، جا کر سو جاؤ۔ شب بخیر۔" وہ سب کچھ کہہ کر ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈال کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور شارق زمان کئی لمحوں تک کھڑا نہ جانے کیا کچھ سوچ گیا کہ اب زندگی صرف جذباتیت کے سہارے گزارنے والی نہ تھی۔

* * *

شارق زمان کا جو آدمی ان لوگوں کو لے کر آیا تھا اب وہی انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ سمعان احمد نے سارا راستہ اس سے بات کرنا تو دور کی بات اس پر ایک نگاہ تک نہ ڈالی تھی اور زرش سمعان احمد کے خطرناک حد تک سنجیدہ اور سرخ چہرے کو دیکھ کر لرزتی رہی تھی۔ وہ ہولتی رہی کہ اس نے نویرہ کے حوالے سے سمعان احمد سے مصلحتاً جھوٹ بولا تھا۔ مگر اندازہ نہ تھا کہ یہ صورت حال اس طرح رخ بدلے گی۔ اس کے جھوٹ کا پول اس طرح کھلے گا اور نویرہ کا شوہر ایسا کوئی قدم بھی اٹھائے گا۔

شارق زمان نے اسے کیسے ڈھونڈ نکالا۔ اسے اس ساری صورت حال کا علم ہوا۔ اس کا ذہن سب حالات کو سوچ سوچ کر اتنا تھک چکا تھا کہ اب مارے سردرد کے بُرا حال تھا۔ اوپر سے مسلسل گریہ و زاری اور اب سمعان احمد کا خفگی و ناراضگی کا یہ جان لیوا خوف۔

گھر آنے کے بعد سمعان سیدھا کمرے میں گیا۔ ملازمین جاگ رہے تھے۔ سوائے امجد کے سبھی الجھے ہوئے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر والہانہ خوشی کا اظہار کیا۔ نجانے سمعان احمد نے انہیں کیا کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ انہوں نے کوئی سوال و جواب نہیں کیے۔

"سمعان نے تم سے کچھ کہا؟" سب کو اِدھر اُدھر بھیج کر اس نے امجد سے پوچھا۔

"جی! بہت بُرا بھلا کہا۔ بہت زیادہ......" زرش کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ یہ بے چارہ ملازم اس کی وجہ سے بے عزت ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری......!" وہ اور کہتی بھی کیا۔

امجد کو بھیج کر وہ کمرے میں چلی آئی۔ سمعان شاید واش روم میں تھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ بستر کے کنارے ٹک گئی۔ سمعان واش روم سے نکلا تو اسے بستر پر بیٹھے دیکھ کر اس کے اندر کا اُبال ایک دم بڑھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ایک منٹ میں ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھے مگر بڑی مشکل سے خود پر قابو کر پایا۔

اس نے کتنے اعتماد سے اس سے جھوٹ بولا اور اس نے اس کے جھوٹ پہ یقین بھی کر لیا۔ اگر نویرہ کے بجائے کوئی ایسی ویسی عورت ہوتی یا شارق زمان کی جگہ کوئی غلط لوگ ہوتے تو وہ اس وقت کہاں ہوتی......؟ اس سوچ سے ہی سمعان احمد کا فشارِ خون بڑھ جاتا تھا۔

سفید شلوار قمیص میں چہرے کو تولیے سے صاف کرتے زرش کو سمعان کا دراز سراپا ہمیشہ سے بڑھ کر چھایا ہوا لگا۔ بہت کچھ کہنے کی کوشش میں وہ پھر ہمت ہار گئی۔ وہ کیا کہے اور کیسے......

اب صرف یہ سمعان، وہ سمعان احمد نہیں تھا جس سے تایا زاد کی حیثیت سے بڑی بے تکلفی تھی۔ اس

دراز قامت وجود کے مالک انسان سے صرف نام کا ہی رشتہ نہیں بلکہ دل کے بھی سب جذبے اب اس ایک نام سے جڑے محسوس ہوتے تھے۔ اسے پہلی بار اپنے کسی عمل کی وجہ سے سمعان احمد سے شرمندگی کے ساتھ ساتھ ازحد خوف بھی محسوس ہوا۔ نگاہیں اٹھانا دوبھر لگ رہا تھا۔

"آپ...... آپ ناراض ہیں؟" بڑی ہمت کر کے وہ بولی۔

سمعان نے ایک انتہائی سرد اور سنجیدہ نگاہ اس کی طرف ڈالی تو زرش کو لگا اس کے جسم کا سارا خون جم گیا ہو۔ سمعان نے کبھی ایسے تو نہیں دیکھا تھا۔

"میں نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ نویرہ آپی نے خود رابطہ کیا تھا مجھ سے۔ انہوں نے مدد کے لیے کہا تھا اور مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ انہوں نے اِدھر رہنے کو کہا تھا اور مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔ میں نے صرف مصلحتاً چھپایا تھا۔ مجھ پہ یقین کریں پلیز......" وہ بستر سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کر اٹکتے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "میرا مقصد صرف نویرہ کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ کچھ اور نہ تھا۔ میں تو......"

"شٹ اَپ...... جسٹ شٹ اَپ۔"

وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی جب سمعان احمد نے بے پناہ غصے سے اسے ٹوکا اور وہ ایک دم چپ چاپ سے کھڑی رہ گئی۔

"تم نے مجھ سے جتنے جھوٹ بولنے تھے بول لیے۔ اب ایک لفظ مزید نہیں۔ اس دنیا میں تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے میں ہی ملا تھا؟" سمعان خود پر کنٹرول کرتے کرتے بھی پھٹ پڑا اور وہ سمعان کے اس انداز پہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سمعان نے کب اس قدر بُرے انداز میں ڈانٹا تھا۔

"تم نے کہا تم کراچی یا اسلام آباد داخلہ نہیں لینا چاہتیں، تم نے اِدھر کا نام لیا اور میں نے سب کی مخالفت کے باوجود تمہیں اِدھر داخلہ دلوا دیا۔ تم ہمارے گھر نہیں جانا چاہتی تھیں۔ تمہارے جذبات کا پورا خیال رکھا، ہر لمحے تمہاری خواہشات کا احترام کیا۔ کیا اسی دن کے لیے یہ سب کیا تھا میں نے......؟ جس طرح وہ شخص پولیس کے تعاون سے اس گھر میں ریڈ کروا کر تمہیں لے گیا تھا۔ اتنی دور بیٹھا میں بھلا کیا کر سکتا تھا؟ مجھے کیا پتا تھا کہ کون لوگ ہیں؟ کیوں تمہیں لے گئے ہیں؟ اگر وہ خود رابطہ کر کے اپنی ڈیمانڈ نہ بتاتا......؟ تم نے یہ سوچا کہ چچا اور چچی کو اگر یہ سب پتا چل جائے تو ان کی کیا حالت ہو؟ تم...... تم...... میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" سمعان کے اندر طوفان برپا تھا اور وہ خود بھی ایک طوفان سے نمٹ کر آئی تھی۔ سمعان کے اس ردعمل نے اس کے اندر سے رہی سہی طاقت بھی چھین لی۔ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر روتے سمعان کے سینے پہ سر رکھ کر سسک اٹھی۔

"سمعان پلیز......!"

اور سمعان جو شدید ٹینشن کا شکار تھا، زرش کی اس حرکت پہ لب بھینچ کر چپ چاپ کھڑا رہا۔

"مجھے معاف کر دیں۔ آئی ایم سوری...... آئی ایم سوری۔" بُری طرح روتی سسکتی سمعان کے سینے کو

آنسوؤں سے بھگوتی اس کے ہونٹوں سے صرف یہی الفاظ نکل رہے تھے اور سمعان یونہی بے تاثر انداز میں کھڑا رہا۔

اس لمحے اسے زرش کا یوں سسک سسک کر ضبط کھونا کسی بھی طرح متاثر نہ کر پایا۔ چند پل اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد سمعان احمد نے اسے جھٹکے سے خود سے دور کیا۔

''انتہائی بے وقوف ہوتے ہیں وہ لوگ' جو عمل کرنے سے پہلے سوچتے نہیں اور ان سے زیادہ بے وقوف وہ لوگ ہوتے ہیں، جو غلطی کر کے روتے ہیں۔ یہ تم جیسی بے وقوف عورتیں ہوتی ہیں جو مردوں کو کسی بھی حد تک جانے پر مجبور کرتی ہیں۔ نویرہ کے ساتھ کوئی پرابلم تھا تو گھر کی چار دیواری میں رہ کر کوئی حل ڈھونڈتیں۔ محض ضد اور انا میں کسی کو اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کے لیے کسی بھی حد سے گزر جانا بے وقوف عورتوں کی خاصیت ہے۔ انجام سے بے پروا ہو کر کچھ بھی کر گزرنا...... تمہاری عقل مندی کی مثالیں تو میرے سامنے ہیں۔ ایک اور مل گئی تمہیں اپنے جیسی......'' انتہائی تند اور سخت پتھریلے لہجے میں کہتے اسے بے دردی سے پیچھے دھکیل کر سمعان احمد کمرے سے باہر نکل گیا اور زرش کو لگا کہ جیسے زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔ وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

اس کا اس طرح رو رو کر معافی مانگنا بھی سمعان پر کوئی اثر نہ کر پایا۔ اسے لگا وہ زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار گئی ہو۔ اسے لگا جیسے سمعان احمد اسے دوسرے معنوں میں دھتکار گیا ہے۔

✡......❁......✡

رفعت باجی نے نبیل کے ہاں فون کر کے صبح صبح نویرہ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ وہ لوگ تو دور سے آئے تھے اور پھر سارے خاندان میں یہ خبر ایک دم پھیلی تھی۔ جس نے بھی سنا تھا فوراً بڑی اماں کے ہاں پہنچا تھا۔

''کب...... کیسے...... کس طرح......؟'' یہ ایسے سوال تھے جو کہ ہر ایک کے لبوں سے نکل رہے تھے۔

''وہ تھیں کہاں؟'' نویرہ رضیہ چچی' چچا جان' حمیرا وغیرہ نواز حمید چچا' چچی اماں' بھابی' نبیل بھائی' آپا لوگوں کی فیملی سے ہر کوئی ادھر ہی موجود تھا اور نویرہ کو دیکھ کر جھٹکا لگا تھا کہ نبیل شارق بڑے نارمل انداز میں ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔ یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی۔ نویرہ کی سمجھ سے یہ سب بالاتر تھا۔

کسی نے اس سے شکوہ تو نہ کیا تھا اور نہ ہی براہ راست اس سے دریافت کیا تھا مگر بڑی اماں اور رفعت باجی کی زبانی سب کو ہی سارے واقعے کا علم ہو گیا تھا۔

نواز فاروق اصل واقعہ سُن کر ششدر رہ گیا تھا۔

''نویرہ زرش کے ہاں تھی؟'' شارق سے اپنے سوال کا جواب سُن کر یقین پر آمادہ ہی نہ تھا۔

''نویرہ کو بلوا کر تصدیق کر دیتا ہوں۔'' مسکراہٹ تو شارق کے چہرے سے چپک کر ہی رہ گئی تھی۔ نواز چپ سا رہ گیا۔

''مگر تمہارے ساتھ ہی تو اس کے گھر گیا تھا۔ وہ کہیں بھی نہ تھی اور اس کا چوکیدار بھی کہہ رہا تھا کہ وہ وہاں سے چلی گئی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے ان دونوں کے جھوٹ پر میں نے یقین کر لیا تھا؟ ناممکن۔ میں نے بھی دنیا دیکھ رکھی ہے۔ چہرہ دیکھ کر اندر کا احوال بتا سکتا ہوں۔ بس اتنا کرنا پڑا تھا کہ انجم کی مدد لینا پڑی تھی اور پھر چند گھنٹوں میں نویرہ ہمارے پاس تھی۔'' اس وقت شارق کے کمرے میں وہ دونوں ہی تھے' نواز چونکا۔

''مطلب......؟''

اور اس کے بعد شارق نے جو قصہ سنایا۔ وہ سب سُن کر نواز کو بہت تکلیف ہوئی۔ نویرہ کے حصول کے لیے زرش کو اغوا...... اسے رہ رہ کر افسوس ہوا۔ اگر وہ کسی حد تک زرش کے خاندانی معاملات سے ظفر اور رومیسہ کی بدولت واقف نہ ہوتا تو بھی اسے اتنی ہی تکلیف ہوتی۔ شارق زرش کو اس طرح استعمال کرنا جائز سمجھ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ حساس سی لڑکی کس حد تک اس سارے واقعے سے متاثر ہوئی ہوگی۔

اس کی ذات کس طرح بکھری ہوگی؟ اور سمعان احمد' اس کا کیا ردعمل ہوگا؟ وہ لوگ اصل حقائق سے واقف ہوں گے یا نہیں......؟ نواز سب سُن کر بہت الجھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے نکل آیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سب سے پہلے زرش سے رابطہ کیا۔ کال ریسیو کرنے والی زرش نہ تھی۔ مردانہ آواز سُن کر نواز چند پل رُکا۔

''ہیلو......! کون؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میں نواز فاروق بات کر رہا ہوں۔ کیا زرش سے بات ہو سکتی ہے؟'' اس نے بڑے شائستہ انداز میں اپنا تعارف کروایا۔

''اوہ! نواز فاروق صاحب! کیسے کیسے ہیں آپ......''

''مگر آپ......''

''سمعان احمد بات کر رہا ہوں...... زرش سو رہی ہیں۔''

''اوہ! کیسے ہیں آپ سمعان؟ آپ کے ایکسیڈنٹ کا سُن کر دُکھ ہوا تھا۔ پچھلے دنوں کراچی جانا بھی ہوا مگر آپ کی عیادت کا موقع نہ مل سکا۔ اب طبیعت کیسی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' سمعان کا بڑا سنجیدہ انداز تھا۔

''میں نویرہ اور شارق کا کزن ہوں۔ ابھی ان لوگوں سے مل کر سارے حالات جان کر ہی آ رہا ہوں۔ بس زرش کی طبیعت دریافت کرنا تھی' اسی لیے کال کی تھی۔'' نواز نے وضاحت کرنا لازمی سمجھا اور سمعان دوسری طرف اس نئے تعلق پر اور بھی حیران ہوا۔

باتوں کے دوران نواز سب کہتا چلا گیا کہ شارق زمان نے کس طرح چند بار نویرہ کے ہمراہ زرش کو دیکھا تھا اور پھر کیسے اس کے آفس آنے پر زرش کو پہچان لیا اور بعد میں کیا کیا ہوا تھا۔ اگر اس کے علم

میں ہوتا کہ شارق انسپکٹر انجم وغیرہ کو درمیان میں لائے گا تو وہ ضرور اور ایسی صورت حال قطعی پیدا نہ ہونے دیتا۔ ایک بار پھر سب اصل حقائق جان کر سمعان احمد مضطرب اور سخت انتشار کا شکار ہوا۔

زرش کی بے وقوفی اور کم عقلی پر ایک بار پھر رہ رہ کر تاسف ہوا۔ سمعان کو نواز کی زبانی یہ جان کر بھی حیرت ہوئی تھی کہ نواز آج کل زرش کی یونیورسٹی میں ہی استاد کی حیثیت سے فرائض سر انجام دے رہا ہے جب کہ زرش نے ایسا کچھ بھی ذکر نہ کیا تھا۔ ورنہ وہ اپنی یونیورسٹی کی چھوٹی موٹی ہر بات ضرور اس کو بتاتی تھی۔ نویرہ کی ذات کتنے لوگوں کو مشکل سے دوچار کر گئی تھی۔ کال ختم کرنے کے بعد نواز نے بڑے دکھ سے سوچا تھا۔

نویرہ کی اس سنگین حرکت کی وجہ اگر شارق رضا اور نبیل کے رویے تھے تو کہیں نہ کہیں اس کی اپنی ذات بھی ملوث تھی۔ اسے دکھ دینے کا آغاز اسی نے ہی تو کیا تھا' پھر وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں بری الذمہ کیسے ہو سکتا تھا؟

نواز کے اندر کا ملال پھر شدید انداز میں اس کی ذات پر حاوی ہوا تھا۔

"اس سارے واقعے نے اور پھر سمعان کے شدید ردعمل نے اسے اس طرح توڑا کہ وہ صبح تک بخار میں مبتلا ہو گئی تھی۔

سمعان سارا دن گھر سے غائب رہا اور وہ کمرے میں بند۔

"بیگم صاحبہ کو تیز بخار ہے۔" سمعان مغرب کے بعد گھر لوٹا تو یہ اطلاع ملی۔

"ڈاکٹر کو بلوایا؟"

"نہیں! بیگم صاحبہ نے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ سارا دن کمرے میں لیٹی رہی ہیں۔"

"اوہ!" سمعان کو پھر نئے سرے سے غصہ آیا زرش کی حماقتوں پر۔

"اچھا امجد کو کہو کسی ڈاکٹر کو لائے۔" ملازمہ کو ہدایت دیتے وہ کمرے میں چلا آیا۔

وہ بستر پر دراز سر تک کمبل تانے لیٹی ہوئی تھی۔

سمعان نے کوٹ اُتار کر صوفے پر ڈالا۔ موبائل اور کی چین ٹیبل پر رکھتے بستر کی طرف چلا آیا۔ کنارے پر ٹکتے اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو سرخ سوجی آنکھیں سامنے تھیں۔ رو رو کر اس نے چہرے کو سوجا لیا تھا۔ اب بھی سمعان کو دیکھ کر اس نے جلدی سے بازو آنکھوں پر رکھ لیے۔

سمعان کے رویے نے اسے بہت دکھی کیا تھا۔ وہ اپنی غلطی مان تو رہی تھی۔ معافی بھی مانگی' مگر سمعان نے جواباً جو رویہ اختیار کیا تھا' اس نے اسے اندرونی طور پر شکست سے دوچار کر دیا تھا۔

سمعان نے بڑی سنجیدگی سے اس کا بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا۔ اپنی گرم دہکتی کلائی اس نے سمعان کی گرفت سے کھینچی۔ اسے کافی تیز بخار تھا۔ کلائی سے سمعان نے یہی انداز لگایا۔

"ملازمہ بتا رہی تھی کہ تم نے سارا دن کچھ بھی نہیں کھایا پیا......؟" اپنی اسی سنجیدگی سے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

زرش کو یاد آیا کہ اس نے کل دوپہر کے بعد کھانا تو دور کی بات ایک گھونٹ پانی تک حلق سے نہ اتارا تھا۔

"مرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے تم نے؟" کوئی جواب نہ پا کر کہا۔

"آپ کو اس سے کیا......؟ جائیں یہاں سے......" بخار اور آنسوؤں سے بوجھل آواز میں کہتے اس نے رُخ موڑ لیا۔

"زرش! آخر تم اتنی جذباتی کیوں ہو؟ آرام سے اٹھ کر بیٹھو۔ ملازمہ کو بھیجتا ہوں کھانا کھاؤ۔ اتنی دیر میں امجد ڈاکٹر کو لے کر آ جاتا ہے۔ رونا دھونا بند کرو۔" سمعان اسے ٹوک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سمعان کے اس لب و لہجے پر اور رونا آیا۔ ذرا بھی تو ہمدردی نہ تھی۔

سمعان باہر نکل گیا تھا کچھ دیر میں ملازمہ کھانا لے کر آئی تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔

سمعان نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا۔ ملازمہ کو جانے کا اشارہ کر کے اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"پلیز زرش! جو شدید نقصان ہوتے ہوتے رہ گیا ہے کیا اس پر مجھے اتنا بھی غصہ کرنے یا باز پرس کا حق نہیں ہے؟ خدانخواستہ تم غلط ہاتھوں میں پہنچ جاتیں تو......؟" زرش اسی طرح لیٹی آنسو بہاتی رہی۔

"ٹھیک ہے اس موضوع کو اب اِدھر ہی ختم کر دو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اس پر اب ماتم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ آئندہ کے لیے سبق سیکھنا ہو گا۔" تمہاری طبیعت کافی خراب ہے۔ کچھ کھایا پیا بھی نہیں اس طرح تو کمزور ہو گی پلیز' اٹھ کر کچھ کھا لو۔" اب کے سمعان کے رویے نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا۔" آنکھیں ہاتھ سے رگڑتے اس نے کہا تو سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ سوپ پی لو...... بخار میں افاقہ ہو گا...... پھر ڈاکٹر کے آنے پر دوا بھی لے لینا۔" سمعان نے سوپ کا پیالہ اسے زبردستی تھما دیا۔

سمعان کے بار بار کہنے پر اسے سوپ ختم کرنا ہی پڑا۔ مزید اس سے کچھ بھی نہ کھایا گیا۔

امجد ڈاکٹر کو لے آیا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد دوا لکھ دی۔ چند ہدایات دے کر وہ چلا گیا۔ امجد نے دوا لا دی۔

"یہ دوا بھی لے لو۔" سمعان نے چند گولیاں اس کی طرف بڑھائیں تو اس نے سمعان کو دیکھا۔ کل رات والا رویہ تو نہ تھا مگر سنجیدگی اسی طرح برقرار تھی۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے اب بھی......؟" دوا لینے کے بجائے اس نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" سمعان نے اس کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے الٹا سوال کر دیا۔

"میں نے معافی مانگی ہے' اب بھی مانگتی ہوں۔ میں نے جھوٹ بولا۔ اپنی غلطی قبول بھی کرتی ہوں۔ پھر بھی......" وہ بات کرتے کرتے پھر رو دی۔

"پہلے یہ دوا لے لو۔" سمعان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تمام گولیاں ہتھیلی پر رکھتے اسے مزید رونے سے

روک دیا۔ گولیاں منہ میں رکھ کر اس نے سمعان سے پانی کا گلاس لیا۔

”لیٹ جاؤ اور آرام سے سونے کی کوشش کرو۔ میں اب ناراض نہیں ہوں۔ ہاں' تمہاری حماقت پر غصہ ضرور تھا۔ اب مزید کچھ کہنے سننے کا کوئی فائدہ نہیں۔“ وہ لیٹ گئی۔ بخار واقعی تیز تھا کہ اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ ”تمہارے سر نواز فاروق کی اور نویرہ کی کالز آئی تھیں۔ وہ دونوں تمہارا پوچھ رہے تھے۔“ سمعان اٹھ کر دوسری طرف آ کر بیٹھا۔ ”نواز فاروق تمہاری یونیورسٹی میں ہی ہوتے ہیں' تم نے کبھی ذکر نہیں کیا؟“ زرش نے اندازہ لگانا چاہا کہ سمعان کن معنوں میں سر کا ذکر کر رہا ہے۔ مگر سمعان کے تاثرات سے کچھ بھی نہ اخذ کر پائی۔

”خیال نہیں رہا ہوگا اور پھر آپ کے ایکسیڈنٹ سے پہلے میں نے جب بھی کال کی' آپ کا رویہ ایسا تھا کہ بہت سی لازمی باتیں بھی بیان کرنے کا کبھی موقع نہ ملا اور جب کراچی آئی ہوں آپ نے نہ ہی خود سے کبھی کال کی اور نہ ہی کبھی میری کال ریسیو کی۔“ شکوہ اس کے لبوں سے بھی پھسل گیا تھا۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر وہ سمعان کی طرف سے کروٹ بدل گئی۔ سرنواز کا اس وقت ذکر کرنا اسے بہت برا لگا تھا۔ یوں لگا کہ جیسے کوئی پرانا زخم چھیڑ دیا گیا ہو۔

سمعان نے اسے رخ موڑتے دیکھا۔ کتنی بڑی خلیج حائل تھی دونوں کے درمیان...... ایک دم سے احساس ہوا۔ سمعان کو فوراً اندازہ ہوا تھا کہ سرنواز فاروق کے ذکر سے اسے دکھ ہوا ہے۔

”آئی ایم سوری! میں نے سرسری سا ذکر کیا تھا۔ میرا مقصد نواز فاروق کے ذکر سے تمہیں دکھی کرنا نہیں تھا۔“ سمعان نے فوراً معذرت کی۔

مگر وہ چپ ہی رہی بلکہ کمبل سر تک تان گئی تھی۔ وہ اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

* * *

اگلے دو دن میں اس کا بخار اتر گیا۔ اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ اس دوران نویرہ رفعت باجی کے ساتھ اس کی عیادت کو آئی تھی۔ شارق ان کو چھوڑ گیا تھا وہ دو گھنٹے رکی تھیں۔ واپسی پر شارق زمان ہی انہیں لینے آیا تھا۔

سمعان جلدی گھر آ گیا تھا۔ وہ بھی رفعت باجی اور نویرہ سے ملا تھا اور پھر شارق زمان کی آمد پر اس نے اسے اندر ہی بلوا لیا تھا۔

شارق زمان جو بھی کر چکا تھا۔ وہ سب ایک طرف مگر سمعان بھی قبول کرتا تھا کہ اس نے زرش کے ساتھ کوئی مس بی ہیو نہ کیا تھا بلکہ اسے عزت سے رکھا تھا۔

شارق زمان سے گفتگو کے بعد سمعان کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص اتنا بھی برا نہ تھا جتنا نویرہ کی باتوں سے ان لوگوں نے سمجھا تھا بلکہ سمعان کو وہ خاصا متاثر کن اور دلچسپ شخصیت کا مالک لگا۔

سمعان نے ان لوگوں کو رات کے کھانے پر روک لیا تھا۔ زرش کے لیے یہ بڑی حیران کن بات تھی۔ سمعان اس سے ناراضگی کا اظہار کر کے اور شارق زمان کو اہمیت دے' نہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ کھانے بعد انہوں نے جانے کی اجازت چاہی۔

”اوکے سمعان احمد صاحب! اب اجازت دیجیے۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ جیسا سنا اس سے بڑھ کر پایا۔ پہلی ملاقات تو انتہائی کشیدگی میں ہوئی تھی۔ اپنے اس فعل پر معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ خیر کسی دن چکر لگایئے گا ہمارے ہاں۔“

”سوری! کل تو میں واپس کراچی جا رہا ہوں' پھر کبھی سہی......“

زرش نے چونک کر سمعان کو دیکھا مگر پوچھ نہ سکی۔

ان کو رخصت کر کے وہ واپس اندر آئے تو زرش کے ذہن میں ابھی بھی وہی بات اٹکی ہوئی تھی۔

”آپ واپس جا رہے ہیں کل؟“ سمعان کے اندر آنے پر اس نے پوچھا۔

”ہوں......“ سمعان نے اسے دیکھا۔ وہ الجھی ہوئی تھی۔ ”میں چاہتا ہوں تم بھی کل میرے ساتھ چلو۔“ اس کی طرف مکمل توجہ دی۔

”مگر پچھلے دنوں گئی تو تھی۔ اب اتنی جلدی دوبارہ جانا کہاں ممکن ہے؟“

”میں صرف کراچی کی ہی نہیں بات کر رہا' بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ گھر چلو۔“ اب کے سمعان احمد نے کھل کر بات کی۔

”مگر......“ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر سمعان احمد نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

”میری بات دھیان سے سن لو زرش! تمہارا یہی مطالبہ تھا کہ امی اپنی غلطیوں کو قبول کریں۔ انہوں نے نا صرف قبول کیا بلکہ تمہارے گھر بھی گئی۔ تم سے بات کرنے مگر تم ان سے ملنے کے بجائے یہاں چلی آئیں۔ کم از کم ان کی بات تو سنتیں۔ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اس کے باوجود میں یہاں ہوں تو صرف اس لیے کہ میں کسی بھی بات کو محض انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہتا۔ میں شارق زمان سے مروت برت رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ اس سے تمہاری ذات کو مکمل اعتماد اور اطمینان حاصل ہو۔ میری اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اپنے اور تمہارے رشتے کو بچانا چاہتا ہوں۔“ وہ طاہرہ بیگم کی غلطیوں کو معاف کر سکتی تھی مگر ہمیشہ کے لیے ان کا سامنا کرنے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

”مجھے جواب دو ابھی۔ کل میں جا رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ یہ برسوں کی رنجشیں تھیں جس کا انجام چاہتا ہوں۔ ہم کوئی فلمی یا ڈرامائی کردار نہیں ہیں زرش! تم میری بیوی ہو۔ ہمارا رشتہ تو ایک طرف' ہم دونوں ایک دوسرے پر دلی و جذباتی لحاظ سے بھی بہت سے حقوق رکھتے ہیں۔ میں قیامت تک تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کر سکتا ہوں مگر یاد رکھنا زرش! وقت ایک دفعہ ہمارے ہاتھ سے پھسل جائے تو کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔“ سمعان نے چپ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتے عجیب کشش و پنج میں تھی۔

”فرح کی شادی ہو رہی ہے۔ سب کے درمیان تمہاری موجودگی بہت اہم ہے اور جہاں تک امی کا معاملہ ہے۔ میں انہیں کھلے دل سے معاف کر چکا ہوں اور میں تمہیں چاہوں گا کہ وہ اب خود تم سے بات کریں' وہ ہماری ماں ہیں۔ جو کیا انہوں نے وہ ماضی کا حصہ ہے۔ اس وقت وہ ہمارے لیے مخلص ہیں اور میں انہیں اپنے کسی معاملے میں بے عزت نہیں ہونے دوں گا۔“ زرش نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے

سمعان احمد کو دیکھا۔

"میں اپنے دل سے ان کے لیے موجود ہر بات کو نکال چکی ہوں۔ میں خود بھی نہیں چاہتی کہ وہ مجھ سے معافی مانگیں مگر میں ان سے کوئی تعلق' کوئی رابطہ بھی نہیں رکھنا چاہتی۔ اسے میری طرف سے کچھ بھی سمجھ لیں۔ مجھے ان کا سامنا نہیں کرنا اور اس کے لیے آپ مجھے مجبور مت کریں۔ ٹھیک ہے' کبھی یہ میری ڈیمانڈ تھی مگر اب نہیں۔" وہ اپنے دل کی بات کہہ کر سمعان کو دیکھنے لگی۔ جو بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"آخری بھی اور حتمی بھی......" اس کے دوٹوک انداز میں فرق نہ آیا۔

"زرش! بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جب تم پلٹنا چاہو تو واپسی کے سب دروازے بند ہو چکے ہوں۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔"

"اور مجھ سے......؟" سمعان کا انداز خطرناک حد تک سنجیدہ تھا وہ جھنجلا اٹھی۔

"آپ اپنی بات نہ کریں۔ اس معاملے سے ہٹ کر جو بھی کہیں گے' آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں مگر اس معاملے کو بیچ میں نہ لائیں۔" سمعان نے بظاہر خود کو نارمل ہی رکھا تھا مگر دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔

* * *

بہت دنوں بعد رات کے اس پہر جب حمید صاحب' زبیدہ بیگم اور رمشاء ٹی وی کے سامنے بیٹھے کوئی نہ کوئی بات کر رہے ہوتے تو وہ اپنے کمرے میں بند ہو جاتا تھا مگر آج وہ کمرے سے نکل کر باہر آیا تھا۔

جب سے نوریہ واپس لوٹی تھی زبیدہ بیگم نے اس سے رسمی بات چیت شروع کر دی تھی۔ یہی حال حمید صاحب کا بھی تھا۔ انہیں نوریہ کا غم تھا' وجہ بیٹا تھا۔ سو سارا غصہ اسی پر نکالنا تھا مگر جیسے ہی نوریہ لوٹی تھی' رضا سے خود ساختہ ناراضگی بھی جیسے ختم ہو گئی تھی مگر رمشاء ابھی تک اسی مقام پر تھی۔

رضا نے لاؤنج کے دروازے میں قدم رکھا تو حمید صاحب اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

"آؤ رضا! اِدھر آ جاؤ۔" وہ باپ کے پاس آ بیٹھا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ زبیدہ بیگم بھی ان کے ساتھ باتوں میں الجھ گئیں۔ جب کہ رمشاء ان تینوں سے بے پروا صرف ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔ باپ اور ماں سے باتوں کے دوران کئی بار اس کا دھیان رمشاء کی طرف گیا۔ مگر اُدھر جیسے کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔

وہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے الجھتے ہی رہے تھے مگر اب رمشاء کی طرف سے مکمل بے نیازی نے رضا حمید کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

نوریہ کو سوچتے اپنے رویوں پر غور کرتے وہ خود بخود رمشاء کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب سے اس نے اپنی غلطیوں اپنی شخصیت کے دوہرے پن کا جائزہ لیتے سب تسلیم کیا تھا۔ اسے رمشاء کی ذات اور

اس سے جڑے اپنے تعلق کو سمجھنے کا نا صرف موقع ملا تھا بلکہ شعوری کوشش کے نتیجے میں اس کا ذہن جب بھی نوریہ کے تصور میں بھٹکنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنے ذہن کو رمشاء کے تصور کی طرف موڑنے کی کوشش کرتا تھا اور آج بھی ایسا ہوا تھا کہ کمرے کی چار دیواری میں بیٹھے جب نوریہ کا تصور اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرنے لگا تو وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا اور اب ماں باپ سے باتیں کرتے اس نے اپنی ساری توجہ رمشاء کی طرف مبذول کرنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

اس کی ہر دوسرے لمحے میں پڑنے والی نگاہ کا ارتکاز کہ رمشاء نے بے چین ہو کر رضا کی طرف دیکھا۔ بظاہر وہ ماں باپ کی باتوں میں الجھا ہوا تھا مگر توجہ اسی کی طرف تھی۔

رمشاء نے لب بھینچ کر دوبارہ ٹی وی کی طرف توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی۔ رضا نے اس کے دل کی زرخیز زمین کو بنجر اور برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ وہ جو کر چکا تھا جس طرح نوریہ کو برباد کرنے کی پلاننگ کی تھی۔ اس سارے عمل نے اس کی ذات میں خسارے ہی لکھے تھے۔

وہ غلط تھی اس نے اپنی غلطی مان بھی لی تھی مگر اس کے بعد اس کا دل پہلے کی طرح رضا کی طرف مائل نہ ہو پایا تھا۔

اب تو اسے خود بھی اپنے دل کی حالت سے وحشت ہونے لگتی تھی کہ وہ اصل میں کیا تھی اور کیا سے کیا ہو گئی۔ رضا سے الجھنا' نوک جھوک کرنا' ہی تو اس کے دل میں موجود محبت کو ایک نیا رنگ بخشتا تھا۔

اب اس نے لڑنا جھگڑنا' الجھنا اور تکرار کرنا چھوڑ دیا تھا تو لگتا تھا کہ اس کے اندر کی محبت بھی دم توڑ گئی ہے۔

محبت تو احساسات کا وہ پھول ہے جسے اگر توجہ کا پانی میسر آ جائے تو کھل کر گلاب بن جاتا ہے اور اگر نفرت کی ہوا چلے تو وہ تند تھپیڑوں کے سامنے بہت دیر تک اپنا وجود بھلا کیا برقرار رکھ پاتا ہے۔ کسی بھی لمحے کوئی بھی تند ہوا اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے درحقیقت سوچ کی وادیوں میں نجانے کہاں کہاں بھٹک رہی تھی کہ پتا ہی نہ چلا کہ کب حمید صاحب اور زبیدہ بیگم سونے کے لیے اٹھ کر چلے گئے تھے اور وہ چونکی تو تب' جب رضا اس سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس جگہ بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔

"کہاں چل دیں؟" رمشاء کے اس رویے سے رضا کو اب تکلیف ہوتی تھی۔ خاموش سنجیدہ چپ چاپ۔ اس کے اٹھنے پر گھبرا گیا تھا۔

"سونے......" بڑا سپاٹ سا انداز تھا۔

"تھوڑی دیر تو بیٹھو؟" وہ اپنے اندر کی آوازوں اور ضمیر کی چبھن سے گھبرا کر ہی تو یہاں آیا تھا اور اب پھر وہی تنہائی' جو اسے پاگل کر دینے والی تھی۔

"کیوں؟" اس نے بس خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

رضا کے یوں دیکھنے پر رمشاء کے دل کو کوئی مٹھی میں دبا گیا تھا۔ یہ شخص اس سے بات کرتا تو ایک

طرف اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا اور اب تھوڑی دیر رکنے کی استدعا کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

دل لاکھ بنجر بن جائے، راہ بدل لے، مگر زندگی میں چند پل ایسے ضرور ہوتے ہیں جو انسان کو بالکل بے بس کر دیتے ہیں۔ ان دونوں کا المیہ یہ تھا کہ وہ دونوں ہی جذباتی تھے۔ شاید دونوں ہی قصوروار تھے۔

ایک دوسرے سے باخبر مگر ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہوئے دونوں نے ہی ہمیشہ ایک دوسرے کی ذات کو ہی رگیدا تھا اور اب......

"رمشاء! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے معاف کر دو؟" ایک طویل خاموشی کے وقفے کے بعد رضا نے ہمت کر کے کہا بھی تو کیا...... اور رمشاء مارے استعجاب کے پلک جھپکنا بھول گئی تھی۔

یہ رضا تھا...... رضا حمید......؟

"میں نے اپنی زندگی میں اتنی غلطیاں کی ہیں کہ اب شاید ہی سر اٹھا کر جی سکوں۔ نویرہ کا چلے جانا اور اب واپس آنا۔ میں چاہوں اور لاکھ حوصلہ بھی کروں تو کبھی ان کے سامنے جا کر ان سے اپنے کیے کی معافی نہیں مانگ سکتا۔ مگر ہاں، جو کر چکا ہوں۔ اس کے لیے امی ابو سے علیحدہ علیحدہ معافی مانگ چکا ہوں۔ شارق بھائی سے پہلے مانگ چکا تھا، آج خالدہ چچی اور نبیل بھائی سے بھی مانگ لی ہے مگر جس سے اصل معافی مانگنی ہے۔ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں اور نہ ہی شاید اب میں زندگی میں ان کا کبھی سامنا کر پاؤں۔ وہ مجھ سے جتنی بھی نفرت کریں، کم ہے۔ اپنی جذباتی اور دوہری شخصیت کے ہاتھوں اس خاندان کو ایک عظیم نقصان پہنچا چکا ہوں۔ تم سے مجھے ذاتی طور پر کوئی نفرت یا پرخاش نہیں مگر اپنے جذبات کے ہاتھوں بعض اوقات اتنا الجھ جاتا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے بدسلوکی کر جاتا تھا اور اب اتنا کچھ ہونے کے بعد کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ سوائے اس کے کہ جس جس کی تکلیف کا سبب بنا ہوں ان سب سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگ لوں۔" اس نے اپنی طرف حیرانی سے دیکھتی رمشاء کو ایک نظر دیکھا۔

"تم اپنے ہر رویے، ہر فیصلے اور عمل میں حق بجانب ہو۔ تمہیں کسی بھی سلسلے میں مجبوری نہیں ہے۔ ایک عرصہ تک میرے احساسات و جذبات جو بھی رہے اور اب بھی میں جس مقام پر ہوں تمہارے سامنے ہوں۔ میں اپنے آپ کو کسی کے بھی قابل نہیں سمجھتا۔ ہاں اگر تم اپنا ظرف بڑا کرتے ہوئے گزشتہ بدسلوکیوں پر معاف کر دو تو میرے لیے بڑے بخت کی بات ہوگی۔ اس سے بڑھ کر میں تم سے کچھ بھی نہیں چاہتا۔" وہ چپ ہوا تو رمشاء کی حیرانگی ختم ہوئی۔

وہ تو سمجھی تھی کہ اس نے محض پینترا بدلنے کو شارق زمان سے دنیا داری کے لیے معافی مانگی ہے اور اب جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سب ناقابل یقین تھا۔

"ہمارے درمیان موجود رشتہ جو کبھی بھی مجھے قبول نہ تھا اور اب بھی بہت سوچنے کے باوجود مجھے یہ رشتہ مناسب نہیں لگ رہا۔ میری ذات اور گزشتہ تمام احوال تم سے چھپے ہوئے نہیں۔ میں نے اپنی

غلطیاں قبول کرتے اپنے دل کو سمجھایا ہے مگر دل کے معاملات زبردستی سے طے نہیں ہوتے۔ شاید وقت بدل دے مگر زندگی بھر مجھے اپنے ہی احساسات اک چبھن اور تکلیف سے دوچار کرتے رہیں گے کہ میں اسی سزا کے قابل ہوں۔ دل بدلنے کے تجربے تو ہوتے ہیں مگر جذبات احساسات بدلنے کے تجربات کا آج تک سنا نہیں ورنہ کسی ماہر سے ضرور رابطہ کرتا۔ تم اپنے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر لینا۔ میں ابو اور امی کو سمجھا لوں گا تم پر کوئی زبردستی نہیں۔" وہ اپنی بات ختم کر کے اب اسے دیکھ رہا تھا۔ رمشاء سب سمجھ کر بھی کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"کیسا فیصلہ......"

"زندگی کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ تمہیں مجھ سے بھلا کیا حاصل ہوتا ہے؟ مجھے اپنی ساری عمر جذبات و احساسات سے لڑتے گزارنا ہوگی تو میری سزا میں تم کیوں حصہ دار بنو؟" اس نے وضاحت کی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میری محبت تمہارے احساسات و جذبات کو بدل دے۔ رضا! کیا تم مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے؟" آج اس نے لڑنے کے بجائے تحمل سے بات کرنے کی ابتداء کی تو وہ بھی پرانے تمام رویے ترک کر کے بڑی مروت اور لحاظ سے گویا ہوا۔

"محبت کب دل سے جدا ہوتی ہے۔ زمین بنجر ہو بھی جائے مگر کہیں نہ کہیں کوئی کونا ہرا ضرور رہ جاتا ہے۔ مگر میں خود کو تمہارے کیا، کسی کے بھی قابل نہیں سمجھتا۔ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تم مجھے سمجھ لو۔ تمہیں اپنے قابل میں خود بنا لوں گی۔"

وہ محبت کا یقین لیے پُر اعتماد تھی اور رضا کئی لمحے تک اسے دیکھتا رہا۔ وہ حسین تھی اور زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔

"تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ زندگی گزارنا بچوں کا کھیل نہیں۔"

"دل کے معاملات میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارا رشتہ طے ہے اور یہ ازل سے طے تھا۔ تم خود اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ میرا اب بھی یہی جواب ہے اور ہر گزرتے دن میں میرے فیصلے میں استحکام ہی آئے گا۔ ان شاء اللہ۔" وہ تمام ناامیدی نفرت بھلا کے پھر وہی رمشاء جاوید تھی جو ہر حال میں اس کی ذات میں دلچسپی رکھتی تھی۔ رضا کو لگا وہ اس کی محبت کے آگے ہار جائے گا۔

"رضا! نویرہ تمہاری ذات، احساسات و جذبات کا ایک حصہ تھی اور رہے گی بھی۔ میں اب اتنی بھی بُری نہیں ہوں۔ میں تمہیں غلط نہیں کہتی، مگر ساری عمر ایک پڑاؤ پر رکے رہنا بھی عقل مندی نہیں۔ تمہیں زندگی میں اب نہیں مگر کبھی تو کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت ہوگی تو کیا مضائقہ ہے، اگر وہ سہارا میں بن جاؤں؟ نویرہ تمہاری زندگی کا ایک باب تھا اور اب ختم...... زندگی گزارنے کے لیے کوئی وجود بہت ضروری ہوتا ہے رضا! انتہائی نفرت کے باوجود میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں اپنا رشتہ تم سے ختم کر دوں گی اور نہ ہی کبھی ایسا ہوگا۔" رضا نے ایک گہری سانس فضا میں خارج کی تھی۔

"میں جو ہوں اور جیسا ہوں۔ اسی صورت میں برداشت کر لو گی؟" وہ سوال کر رہا تھا انداز بڑا سنجیدہ تھا۔

"ہاں! تم جو ہو اور جیسے ہو میں تمہیں برداشت کرلوں گی، محبت کی تھی اور اب بھی ہے۔ جو گزر گیا وہ ماضی تھا اور ماضی پر ماتم بے وقوف لوگ کرتے ہیں۔ اتنی ٹھوکروں کے بعد اتنی تو عقل آ ہی گئی ہے اور میں بے وقوفوں میں شمار نہیں ہونا چاہتی۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور اگر زندگی میں تمہیں پچھتانا پڑ جائے تو......؟"

"تو کوئی بات نہیں، دونوں مل کر اکٹھے پچھتا لیں گے۔ محبت میں ساتھ نہ دو مگر پچھتانے میں تو ساتھ دو گے نا۔" وہ بالکل پہلے والی رمشاء جاوید بنی مسکرا رہی تھی۔

اس کے جواب کی برجستگی پر رضا کے ہونٹوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔

اور رمشاء کو لگا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہوگئی ہو۔ ایک عرصے بعد اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھنے کو چاہنے لگا۔

"چلو دیکھ لیں گے، آزما لیں گے۔" اپنی ہار کا اعتراف بھی کس صورت میں کیا تھا۔ رمشاء کو ایک دم ہنسی آ گئی۔

"بے شک آزما لینا۔ ہم اپنے قول و فعل میں پکے ہیں اور ان شاء اللہ زندگی بھر پکے رہیں گے۔"

رضا صرف اسے دیکھے گیا وہ مسکراتی ہوئی اچھی لگ رہی تھی۔ پہلی بار اسے بغور دیکھتے اسے اس کی مسکراہٹ بڑی بھلی لگی تھی۔ زندگی سے بھرپور۔

رمشاء وہاں سے نکل گئی تھی اور رضا نے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

پہلی بار اس نے خود کو پرسکون محسوس کیا تھا۔

* * *

رفعت باجی مصعب کی پیدائش پر پاکستان آئی تھیں۔ چند دنوں کے لیے مگر بعد کے حالات ایسے بگڑتے چلے گئے کہ چاہنے کے باوجود واپس نہ جا سکیں اور اب نویرہ کو واپس اس گھر میں دیکھ کر وہ کچھ مطمئن ہوگئی تھیں۔ نویرہ کی شارق کے لیے بے اعتنائی جوں کی توں تھی۔ ہاں، شارق ضرور بدلا تھا اور اب یقین تھا کہ نویرہ بہت دن تک اپنی ضد برقرار نہ رکھ پائے گی۔ شارق کا جو بھی رویہ تھا اب نویرہ کے لیے اپنی ضد اور انا کو پس پشت ڈال کر شارق کی طرف بڑھنے کے علاوہ کوئی اور چارہ باقی نہ تھا۔ اس صورت میں کہ نبیل کے گھر والے بھی شارق سے صلح کر چکے تھے۔

وہ چند دن مزید رکی تھیں مگر پھر انہوں نے شارق کو کہہ کر واپسی کا ٹکٹ منگوا لیا تھا۔ اس دن انہوں نے واپس جانا تھا۔ ایک دن پہلے ہی جا کر وہ سب خاندان والوں سے مل آئی تھیں۔ رات نو بجے کی فلائٹ تھی۔ انہیں ائرپورٹ پر چھوڑنے جانے والوں میں نواز فاروق، نبیل، خالدہ بیگم پہلے ہی ان کے ہاں آگئے۔ نویرہ کا گھر سے ہی خدا حافظ کہنے کا ارادہ تھا مگر رفعت باجی کے اصرار پر وہ بھی ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔

"تم تو ایسے رہتی ہو کہ نجانے کتنے سالوں کی پرانی دلہن ہو۔ زیور پہن کر بج سنور کر رہا کرو۔ خیر سے شوہر والی ہو۔" وہ واش روم سے باہر نکلی تو رفعت باجی کے تبصرے پر بڑی جز بز ہوئی۔

"میں بھی کہتی ہوں مگر یہ مانے کسی کی تب نا!" بڑی اماں کو بھی موقع مل گیا تھا۔ سبھی بڑی اماں کے کمرے میں ہی جمع تھے۔ سب کے درمیان اسے بڑی گھٹن محسوس ہوئی۔

"یہ زیور پہن لو۔ باہر نکلتے ہوئے اس عمر کی عورتیں سولہ سنگھار کرتی ہیں۔" بڑی اماں نے اٹھ کر الماری سے زیور نکال کر اسے تھما دیا۔

اسے کوفت ہوئی مگر نبیل اور نواز فاروق اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ شارق اپنے کمرے میں چینج کرنے گیا تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے زیور پہن لیا۔ رفعت باجی کے ٹوکنے پر اس نے لپ اسٹک بھی لگالی۔ وضو وہ کر چکی تھی نکلتے نکلتے آٹھ بج جانے تھے۔ سو وہ گھر سے ہی نماز پڑھ کر جانا چاہتی تھی۔ تیار ہو کر سب باہر لاؤنج میں چلے گئے تو اس نے نماز کی نیت باندھ لی۔ تیز ہارن کی آواز پر وہ جائے نماز تہہ کر کے چادر لپیٹ کر باہر نکلی تو بڑی اماں اور اماں کو وہیں لاؤنج میں دیکھ کر رک گئی۔ خالدہ بیگم نے ساتھ چلنا تھا مگر وہ بیٹھی تھیں۔

"آپ نہیں جا رہیں؟"

"نہیں مل تو لیا ہے رفعت سے۔ تم جاؤ میں گھر میں ہی رکوں گی۔" وہ باہر نکل آئی۔

پچھلی سیٹ پر نواز اور نبیل کے ساتھ رفعت باجی تھیں۔ فرنٹ ڈور شارق نے اس کے لیے کھول رکھا تھا۔ مصعب نبیل کی گود میں تھا۔ وہ چادر سنبھالتی مارے باندھے بیٹھ گئی۔ شارق نے اس کے تیور دیکھے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر نویرہ کو تاؤ آ گیا تھا مگر اتنے لوگوں کی موجودگی میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

آدھے گھنٹے میں وہ لوگ ائرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ وہاں جا کر علم ہوا کہ فلائٹ ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ خدا خدا کر کے وہ وقت گزرا۔ رفعت آپا اسے ڈھیروں نصیحتیں کرتے رخصت ہوئی تھیں۔ کچھ دیر وہ ائیرپورٹ پر ہی رکے رہے۔ نبیل کچھ کھانے کو لے آیا تھا۔ واپسی کے سفر میں اسے دوبارہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا پڑا۔ مصعب اس دوران سو چکا تھا۔ نواز اور نبیل ان کے ساتھ جانے کے بجائے رستے میں ہی اترنے پر بضد ہوئے تو شارق نے دونوں کو ان کے گھروں پر اتار دیا۔ دونوں کے اترنے کے بعد گاڑی میں اب بالکل خاموشی تھی۔ شارق نے ایک دو بار اسے دیکھا وہ مصعب کو گود میں لیے اس کے وجود کو مکمل طور پر نظر انداز کیے باہر اندھیرے میں جلتی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔ گھر آنے پر نویرہ نے سکون کا سانس لیا۔ مصعب کو سنبھال کر وہ اندر آئی تو شاکرہ جاگ رہی تھی۔

"اماں اور بڑی اماں سو گئیں؟"

"جی......" خالدہ بیگم بڑی اماں کے بستر پر سو گئی تھیں۔ یعنی آج رات اسے کہیں اور انتظار کرنا تھا۔

وہ کچھ سوچتی کمرے سے نکل آئی۔ سوتے ہوئے مصعب کو اس نے لاؤنج میں آ کر صوفے پر لٹا دیا۔ شاکرہ کو تالے لگانے کی ہدایت دیتے وہ کچن میں چلی آئی۔ مصعب کے لیے فیڈر تیار کرتے کھٹکے پر وہ سمجھی کہ شاکرہ ہے۔

"تالے لگا دیے ہیں تو مصعب کو گیسٹ روم میں لے جاؤ اور کوئی کمبل لے کر ادھر ہی آ جاؤ۔ تم

میرے پاس ہی سو جانا۔" دودھ فیڈر میں اُنڈیل کر وہ پلٹی تو شاکرہ کی جگہ شارق زمان کو کچن میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی، پھر سر جھٹک کر فیڈر بند کرنے لگی۔

"شاکرہ، اماں کے پاس ہی روزانہ کی طرح صوفے پر سو جائے گی۔ معتصب میرے کمرے میں ہے۔" اس نے نوریہ کو نظر انداز کرنے پہ کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔

چادر وہ اندر آ کر صوفے پر ہی اتار کر ڈال آئی تھی۔ گمان نہیں تھا کہ اپنے کمرے میں جا کر شارق باہر آئے گا۔ شارق نے بھرپور نگاہوں سے اس کو دیکھا تو نوریہ کوفت سے دوچار ہوئی۔ چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

"کیوں؟ معتصب اِدھر کیوں ہے؟"

"ظاہر ہے جہاں ماں سوئے گی، بچہ بھی وہیں سوئے گا۔" اس نے یوں جواب دیا جیسے وہ بڑی کم عقل ہو۔ نوریہ کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔

"ہٹیں، پیچھے...... بہت بڑی غلط فہمی سے دوچار ہیں محترم! میں آپ کے گھر میں ہوں مگر اتنی مجبور نہیں ہوئی کہ آپ کے کمرے تک پہنچ جاؤں۔" ایک تو شارق کے جواب اور دوسرا اس کی نگاہوں کے تاثر نے اسے پھر بھڑکایا تھا۔ شارق زمان ہنس دیا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ بیٹا تو پہنچ گیا ہے، ماں بھی پہنچ جائے گی۔" وہ آرام سے کہہ کر ایک بھرپور نظر اس کے وجود پر ڈال کر دروازے سے ہٹ کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ نوریہ لب بھینچے اسے گھورتی رہ گئی۔

اسے قطعی گمان نہیں تھا کہ شارق زمان کوئی ایسی بھی حرکت کر گزرے گا۔ اس نے بھی سوچ لیا کہ وہ کبھی اس کے کمرے میں نہیں جائے گی۔ وہ اماں کے کمرے میں آئی تو شاکرہ سونے لیٹ چکی تھی۔ اسے اٹھا کر اشارے سے باہر آنے کو کہا۔

"معتصب شارق کے کمرے میں ہے اسے لے کر میرے پاس آؤ۔"

وہ واپس لاؤنج میں آ گئی۔ اگلے ہی پل حواس باختہ سی شاکرہ واپس خالی ہاتھ آ گئی تھی۔

"صاحب نے ڈانٹ دیا ہے، کہہ رہے تھے خود آ کر لے جائیں۔ اگر میں دوبارہ ان کے کمرے میں نظر آئی تو میری ٹانگیں توڑ دیں گے۔" نوریہ کا جی چاہا ایک پل میں وہ اس شخص کا حشر نشر کر دے۔

"اچھا تم جاؤ...... دیکھ لیتی ہوں کیا کر لیں گے محترم۔"

اسے بھیج کر وہ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ چادر اپنے گرد لپیٹ کر وہ خاصی بے حس سی تھی۔ معتصب اس کے بغیر نہیں سوتا تھا اور وہ اس کے بغیر۔ کچھ دیر بعد بے چین سی ہو کر شارق کے کمرے تک گئی، مگر پھر ضد اور انا آڑے آ گئی تو واپس پلٹ آئی۔

"میں کیوں جاؤں؟ اس شخص نے اتنی بار مجھے ذلیل کیا۔ میرے کردار پر انگلی اٹھائی۔ ایسے کانوں کے کچے مرد پہ کیوں اعتبار کروں؟ اچھی بات ہے، سنبھالے خود بچے کو...... پتا چل جائے گا کہ کیسے سنبھالتے ہیں۔" اپنے آپ کو تسلی دیتے دل سخت کرتے وہ پھر صوفے پر بیٹھ گئی۔

ایک گھنٹہ گزرا تو اسے ہول اٹھنے لگے۔ پتا نہیں معتصب سو رہا ہوگا یا نہیں۔ اسے تو بھوک بھی بہت لگتی ہے۔ اس لیے تو وہ اب فیڈر اپنے پاس رکھتی تھی کہ رات کے کسی پہر وہ روئے تو فیڈر دیتی تھی اور اب...... کچھ دیر گزری وہ خود پر زیادہ دیر جبر نہ کر سکی اور اٹھ کر شارق زمان کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا یوں جیسے اسے واقعی گمان تھا کہ ضرور آئے گی۔ وہ سختی سے لب بھینچے آگے بڑھی تو معتصب کے رونے کی آواز آئی۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ رات کے وقت تو اس کے علاوہ کسی اور سے وہ سنبھلتا بھی نہیں تھا۔ نوریہ کو لگا کہ کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ وہ بے قراری ہو کر بغیر کچھ سوچے بے دھڑک کمرے میں داخل ہو گئی۔ شارق اسے بازوؤں میں لیے کمرے میں ٹہلتے اسے بہلا رہا تھا مگر وہ چپ ہونے کے بجائے مزید رو رہا تھا۔

"اِدھر دیں۔" اس نے فوراً آگے بڑھ کر شارق کے بازوؤں سے بچے کو لے لیا۔

"میرا بچہ...... میرا چاند......" اس نے اسے ایک دم سینے سے لگا کر اس کا منہ چوما۔ شارق زمان بڑی فاتحانہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر دروازہ بند کر کے آگے بڑھا تو نوریہ نے پیچھے ہٹ کر بڑی غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اتنا ظالم، پتھر دل باپ زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔"

شارق زمان ہنس دیا۔

"چلو مانتی ہو ناں کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے۔" وہ ماں کے پاس آتے ہی ایک دم چپ ہو گیا تھا۔

"شارق زمان!" وہ سختی سے پکار کر چپ ہو گئی۔

"اسے شاید بھوک لگی ہے۔" اس نے بچے کی طرف توجہ دلائی تو اس نے سسکیاں بھرتے اپنے بیٹے کو دیکھا تو ممتا کے احساس سے چور ہوتے اس کی پیشانی چوم لی۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اسے فیڈ کیا تھا اب بھوک تو لگنا تھی۔ فیڈر وہ صوفے پر ہی رکھ آئی تھی۔

"فیڈر لاؤنج میں صوفے پر پڑا ہے وہ لا دیں مجھے۔" مجبوراً اسے کہنا ہی پڑا تھا۔ شارق زمان نے اسے دیکھا وہ سر جھکائے بچے کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر بغیر کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

نوریہ نے ایک نظر بچے کو اور پھر کھلے دروازے کو دیکھا اور پھر بیزار سے انداز میں بستر پہ ٹک گئی۔ شارق نے فیڈر لا کر اسے تھما دیا تھا۔ سسکیاں بھرتے معتصب کے منہ میں فیڈر دے کر ہاتھ سے تھپکتے دوبارہ اسے سلانے میں اسے کچھ دیر لگی تب تک شارق زمان صوفے پر بیٹھا اس کے فارغ ہونے کا منتظر رہا۔ معتصب کے سونے کا یقین کر کے اس نے اسے بستر پر لٹا کر کمبل اوڑھایا تو شارق اٹھ کر بستر پر چلا آیا۔

آنکھوں میں اک عجیب سی چمک اور ہونٹوں پر بھرپور مسکراہٹ لیے۔

"آئندہ کے لیے کیا سوچا ہے تم نے؟" ایک دو پل بغور اسے دیکھتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

"مطلب......؟" اس نے تیکھے پن سے شارق زمان کو دیکھا۔

"تم کیوں چاہتی ہو کہ میں تم سے براہِ راست معافی مانگوں۔ کیا تمہیں میرے رویوں سے اندازہ نہیں ہوا کہ اب وہ پہلی والی صورت حال نہیں رہی؟"

"کیوں! اب وہ پہلے والی صورت حال کیوں نہیں رہی؟ میں نئی بن کر آ گئی ہوں یا آپ جناب کی آنکھوں پہ بندھی شک کی پٹی اب اتر چکی ہے؟" اس کے لہجے کی کاٹ وہی تھی مگر شارق زمان نے خود کو کنٹرول میں رکھا۔

"ٹھیک ہے، جو ہوا غلط ہے۔ تم بے قصور تھیں، ناحق سزا کاٹی مگر تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے معاملے میں، میں کس قدر حساس تھا۔ رضا نے جو بھی بتایا اس سے پہلے تمہیں اس کے ساتھ دیکھ کر میرا دماغ خراب ہوا تھا اور رہی سہی کسر رضا کی ڈائری نے پوری کر دی تھی۔ مگر میری یہ کیفیت چند دن رہی تھی۔ تم دوبارہ اس گھر میں آ گئیں تو سوچا تم سے بات کلیئر کر لوں مگر اس رات تم نے جس طرح علیحدہ کمرے میں رہ کر میرے ساتھ جو رویہ اختیار کیا۔ اس نے مجھ جیسے ضدی، جذباتی اور انا پرست مرد کو اور بھی آتش فشاں بنا دیا تھا۔ میں بھی تمہاری طرح ضد پر اڑ گیا تھا۔ مجھ سے بڑھ کر تمہارے کردار کی پاکیزگی اور تمہاری پاکدامنی کا کون گواہ ہے؟ تمہاری یہی چیز تو مجھے متاثر کرتی تھی اور میں ہر حد پار کر گیا تھا۔ مگر تم جس طرح ضد پہ اتری ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے بھی غصہ دلا دیا تھا۔ پھر میں نے سوچا میں تمہیں کیوں تاویلیں دوں۔ کیوں تم سے اپنی چند دنوں کی بھول کی معافی مانگوں۔ تم مجھے اذیت دے رہی تھیں تو میں تمہیں اس سے زیادہ اذیت سے دوچار رکھنا چاہتا تھا مگر معتصب کی ولادت کے بعد میرے ارادے بدل گئے تھے۔ تب تمہارا طلاق کا مطالبہ، مجھے لگا تم نے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں نے تمہیں اتنی مشکلوں سے حاصل کیا تھا۔ بھلا یوں آسانی سے چھوڑ دیتا؟ تم جو کہتیں میں صرف تمہیں جتانے کو ردعمل کے طور پہ ساری جوابی کارروائی کرتا تھا۔ حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہ تھا اور پھر تمہارا اپنے گھر چلے جانا۔ مجھے بہت برا لگا مگر میں کیوں جھکتا؟ کیوں معافی مانگتا؟ نبیل جو کرتا گیا ردعمل کے طور پہ میں سب کہتا گیا مجھے اندازہ ہوتا کہ میرے اور نبیل کے جھگڑے میں تم ایسا قدم اٹھاؤ گی تو شاید میں معافی مانگنے میں پہل کر لیتا۔ اپنی انا اور ضد کو مار لیتا..... تمہارے جانے کے بعد لگا کہ جینے کا مقصد ختم ہو گیا ہے۔ صحیح معنوں میں اپنی محبت اور اپنے جذبات کا علم ہوا۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ تم نظر آ گئیں اور اللہ نے تم تک پہنچنے کی کوئی سبیل پیدا کر دی تو اس وقت یہاں ہو۔ خدا کی قسم! اگر تم چند روز اور نہ ملتیں تو میرے ہاتھوں رضا کا قتل ضرور ہو جاتا تھا۔ ان دنوں میں اتنا ہی ڈپریشن میں تھا۔ میں تم سے فوراً معافی مانگ لیتا مگر میں تمہیں کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔ اب سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ تم جس طرح کہو، میں معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ سارے خاندان والوں کے سامنے تم سے شادی کرنے کے واقعات اور نواز کو بہکانے کا جرم بھی قبول کرنے کو تیار ہوں مگر یہ ذہن میں رکھو کہ یہ سب کچھ میں نے صرف اور صرف تمہاری محبت کے لیے کیا تھا۔ رہ گئے نبیل اور ساجد، تو میں ان سے معافی مانگ چکا ہوں۔ وہ معاف کر چکے ہیں۔" نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔ بس یہی تھی اس کی ضد اور ساری انا۔ اس شخص کے اعترافات میں اس کے سارے مسئلے کا حل پوشیدہ تھا تو اس نے وہ ساری خواری کیوں سہی؟

وہ ساری جگ ہنسائی کس لیے؟

"نویرہ......!" شارق زمان نے بڑی محبت اور جذب سے پکارا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

"جو بھی سزا سنانا ہے، سنا دو۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ سزا سننے کا منتظر ہوں۔ اپنے سارے گناہ تمہارے سامنے قبول کر رہا ہوں۔ کچھ تو کہو؟" نویرہ کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔

وہ اس وقت کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اپنی جگہ چٹان کی طرح مضبوط رہنا چاہتی تھی مگر اس کے آنسوؤں نے اسے بھربھری ریت بنا ڈالا اور نجانے کون کون سے دُکھ اس کے آنسوؤں میں آ ٹھہرے۔

"نویرہ!" شارق زمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بڑی محبت سے خود میں سمیٹ لیا اور وہ تو جیسے اس سینے کی منتظر تھی، پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

"معاف کر دو گی تو تمہارا ظرف ہو گا۔ کوئی سزا تو سناؤ۔ لگتا ہے صلیب پہ لٹکا ہوا ہوں۔ میرا ضمیر دن رات ملامت کرتا ہے۔"

نویرہ کے پاس کہنے کو اتنا کچھ تھا مگر اب زبان گنگ اور ذہن خالی تھا۔ وہ نفرت کو تو سزا سنا سکتی تھی مگر محبت کو کیا سزا سناتی۔ کیا واقعی محبت تھی کہ نہیں......؟ کہ ہر دور میں عورت لفظ محبت کے نام پہ پگھل کر اپنا آپ لٹا رہی ہے۔ لفظ محبت اسے چاروں شانے چت کر ڈالتا ہے اور وہ ہار جاتی ہے۔

وہ تو محبت کے ساتھ لفظ کردار پاکیزگی اور پاکدامنی کی بھی متلاشی تھی۔ پہلی دفعہ بھی اس شخص نے اس کے باکردار ہونے کی گواہی دے کر اسے قبول کیا تو وہ مزاحمت کی ساری راہیں بھول کر اس کے سب حقوق مانتی گئی۔ اس شخص کو اس کی کمزوری کا علم تھا شاید......

"نویرہ!" اور محبت اس پہ مہربان تھی مگر وہ خود کو سنبھالتے سمٹ گئی۔

"مجھے سنبھلنے کا کچھ وقت دیں شارق صاحب! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، میں ہمیشہ آپ کی وفادار بن کر رہوں گی۔ میری کمزوری میرا کردار ہے۔ بس میرے کردار پہ کبھی انگلی نہ اٹھائیے گا۔ اس دفعہ تو میں زندہ ہوں مگر ہر بار میں مضبوطی سے سب سہہ جاؤں، ضروری بھی نہیں۔" شارق زمان نے مسکرا کر اس کے ہاتھ گرفت میں لے کر اسے یقین دلایا۔

* * *

جوں جوں فرح کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ اس کے اندر کی وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سمعان گیا تو پلٹ کر اس کی خبر تک نہ لی تھی۔ سمعان کا انداز اسے ڈنک مارے دے رہا تھا مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ سمعان کی ناراضگی کس وجہ سے تھی اور وہ وجہ پوری کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ سو سمعان کے جانے اور پھر رابطہ نہ کرنے پر اس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ ماما اکثر رابطہ کرتی رہتی تھیں۔ سعد کئی بار فون کر کے اسے کراچی آ جانے کی بات کر چکا تھا۔ مگر وہ ہر بار ٹال جاتی، پھپھو، ماموں بھی کہہ چکے تھے مگر وہ ہر بار "آ جاؤں گی ابھی جلدی کیا ہے" کہہ کر ٹال جاتی مگر کب تک......

نوریہ ایک دو بار چکر لگا گئی تھی۔ شارق زمان کے ساتھ دیکھ کر زرش کو صاف محسوس ہو گیا کہ دونوں کی صلح ہو گئی ہے تاہم اس نے نوریہ سے پوچھنے سے احتراز ہی برتا تھا۔ فون پر روز بات چیت ہوتی تھی مگر اسے پھر بھی تنہائی کا احساس رہتا۔

وہ یونیورسٹی جا رہی تھی ادھر کی روٹین جوں کی توں تھی۔ ہلچل تو تب مچتی تھی جب کراچی سے کسی نہ کسی کا فون آ جاتا تھا۔ تایا ابو نے بھی فون کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے سامنے چپ رہی مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو اس گھر میں جانے پر راضی ہی نہیں تھا۔ فرح کی کال آئی تو اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

”فرح پلیز! کچھ بھی کہو میں مان لوں گی مگر یہ بات نہ کہو، یہ میرے بس کا کام نہیں۔“ اور پھر فرح نے دوبارہ کال نہ کی تھی۔

شادی میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا تو شائستہ بیگم نے بڑے غصے میں کال کی تھی۔ وہاں تو ہر وقت زرش کی ذات زیر بحث رہتی تھی۔ اب تو مسعود احمد بھی خاصے پریشان ہو گئے تھے۔

”زرش! تم ہمیں کیوں بدنام کرانے پر تلی ہوئی ہو؟ تم اتنی ضدی کب سے ہو گئی ہو؟ سمعان جب سے واپس آیا ہے اس نے ایک چکر نہیں لگایا۔ ادھر سب پریشان ہیں اور تم ادھر ضد پر اڑی بیٹھی ہو۔“

”ماما! جو کام مجھ سے نہیں ہو سکتا وہ مت کہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میں آپ کی بات مان کر کراچی آ جاتی ہوں۔ میں شادی میں بھی شرکت کر لوں مگر میں تائی بیگم کا سامنا بھی نہیں کروں گی اور یہ ناممکن سی بات ہے تو پھر وہاں جانے کا فائدہ؟ خاندان میں شادی ہے سعد بھائی کی طرف سے شامل بھی ہو لوں تو بھی دوسری طرف کا رویہ نظر انداز کیا جانے والا نہیں ہوگا اور مجھے اس گھر میں نہیں جانا تو پھر دونوں جگہ جانے کا سلسلہ ہی ختم۔“ ماما کے غصے پر اس نے بھی سکون سے کہا۔

”زرش! خدا کے لیے اپنے پاپا کی طبیعت کا ہی احساس کرو۔ کیوں ہم سب کو پریشان کر رہی ہو؟“ وہ زچ ہو گئی۔

”ماما بات پہلے ہی فائنل اور حتمی ہو چکی ہے۔ اب جتنا بھی کھینچیں گے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پریشان نہ ہوں۔ میں اس وقت کچھ بزی ہوں، پھر بات ہوگی..... اللہ حافظ.....“

ایک ہی بات سن سن کر اب وہ بھی بائپر ہونے لگی تھی۔ یا تو وہ سب کو سمجھ نہیں پا رہی تھی یا سب اسے۔ وہ ساری رات اس کی پریشانی میں گزری۔ اگلی صبح بغیر ناشتہ کیے وہ یونیورسٹی چلی آئی۔ دوپہر میں گھر لوٹی تو سمعان احمد کو موجود پا کر جہاں خوشی کا احساس جاگا تھا، وہیں ٹھٹک بھی گئی تھی۔

”السلام علیکم! وہ اندر چلی آئی۔

”وعلیکم السلام! کیسی ہو؟“ سمعان نے اسے بغور دیکھا وہ پزل ہو گئی۔

سمعان کی آمد پر دل دھڑک اٹھا۔

”ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں؟“

”اللہ کا شکر ہے۔“

اس سوال کے بعد وہ چند پل خاموش رہی۔ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا پوچھے۔ جب کہ سمعان بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

”ملازمہ کو میں نے کھانے کا کہا ہے۔ سخت بھوک لگی ہے۔ ابھی پانچ منٹ پہلے پہنچا ہوں۔ اگر کچھ کھانے کو ہے تو ٹھیک، ورنہ چلو کسی ہوٹل میں لنچ کر لیتے ہیں۔“ سمعان احمد کے اتنے دنوں کی مسلسل لاتعلقی کے بعد یہ ایک دم کی اپنائیت..... اس نے حیران اور بے یقین نظروں سے سمعان احمد کو دیکھا۔

”کیا خیال ہے؟“ سمعان کے ٹوکنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دو دن سے اس نے ملازمہ سے کچھ بھی خاص نہ پکوایا تھا۔ رات بھی ملازمین کو اپنے لیے پکانے کا کہہ کر خود کمرے میں آ گئی تھی اور صبح بھی ناشتہ نہیں کیا تھا۔ سارا دن یونیورسٹی میں بھی خالی پیٹ رہی تھی۔ کچن میں آئی تو دیکھا ملازمہ گوشت دھو رہی تھی۔ سادہ سا سالن بھی بناتے تو بھی کچھ دیر لگ جاتی۔ وہ اسے منع کر کے باہر نکل آئی تھی۔

”کچھ بھی تیار نہیں ہے۔“ اس نے آ کر مجرمانہ انداز میں اقرار کیا۔

”وہ تو میں بھی سن چکا ہوں۔ پرسوں رات سنا تھا کھانا پکا تھا اور اس کے بعد محترمہ فاقوں پر ہیں۔“ یہ طنز کا کون سا انداز تھا۔ زرش نے حیران ہو کر دیکھا۔

”زرش مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم کیا چاہتی ہو؟ خود سے ہی دشمنی پر تلی ہوئی ہو تم۔ کل دوپہر کو تم نے صرف سلائس لیے تھے رات اور صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ یونیورسٹی میں بھی کچھ کھایا یا نہیں.....؟“ غصے سے ملامت کرتے آخر میں باز پرس ہوئی تو زرش ایک دم خفت کا شکار ہوئی۔ اگر بتاتی تو بھی ڈانٹ پڑنی تھی اور نہ بتاتی تو بھی.....

سمعان احمد نے از حد تاسف سے اسے دیکھا۔

”زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔ چینج کرنا ہے تو کر لو ورنہ اسی طرح ساتھ چلو۔ پہلے تو پیٹ پوجا کر لیں باقی باتیں بلکہ مذاکرات بعد میں کروں گا تم سے۔ وقت نہیں ہے میرے پاس۔ جلدی کرو۔ کچھ دیر بعد فلائٹ بھی ہے۔“

وہ نا سمجھی سے سمعان کو ہونق ہو کر دیکھنے لگی۔ کچھ بھی پلے نہ پڑا تھا۔

”زرش پلیز! جلدی کرو۔“ اسے یوں ہونقوں کی طرح کھڑے دیکھ کر ٹوکا تو وہ اپنا بیگ لے کر کمرے میں آ گئی۔

چینج کر کے اس نے ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی۔ سمعان کے ساتھ لنچ تھا یہ بات دل کی خوشی کے لیے کافی تھی۔ سمعان کا موڈ کیسا بھی ہو مگر یہ بات کتنا سرور بخش رہی تھی کہ سمعان احمد اس کے پل پل سے باخبر تھا۔ اس کے کھانا نہ کھانے پر پریشان تھا۔ باقی باتیں اسے یاد نہیں تھیں۔ باہر جاتے ہوئے وہ اسکارف ضرور لیتی تھی سوٹ کا ہم رنگ اسکارف پہن کر دوپٹا شانوں سے کندھوں پہ سیٹ کر کے، سینڈل کو خوب صورت سفید پاؤں میں پھنسا کر وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

وہ کمرے سے باہر آئی تو اس کا منتظر سمعان اس پر سے ایک پل کو نگاہ اٹھانا بھول گیا۔ میک اپ

کے نام پر صرف لپ اسٹک تھی مگر سوٹ اور زرش کا انداز دیکھ کر ضرور چونکا تھا۔

"چلیں......" وہ سمعان کے یوں دیکھنے پہ پزل سی ہو گئی۔ سمعان گہری سانس لیتے اٹھ کھڑا ہوا۔ موبائل اور پاس رکھا بریف کیس تھام لیا۔

"گھر واپس نہیں آنا، ادھر سے ہی فلائٹ ہے۔" زرش نے سمعان کے بریف کیس تھامنے پہ سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے وضاحت کی۔

"تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟ صرف اتنی دیر کے لیے آئے تھے۔" وہ حیران ہوئی۔

"ہوں......" زرش کو لگا اس کے سب لطیف احساسات نوچ لیے گئے ہوں۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

ہوٹل میں سمعان اسے لے کر فیملی کیبن میں آیا۔ سارے راستے وہ خاموش ہی رہی تھی۔ کھانے کے دوران وہ زیادہ تر خاموش ہی رہی تھی۔ ہوں ہاں سے زیادہ نہ بولی تھی۔ سمعان ہی ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد سمعان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ گم صم سی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" کھانے کے بعد سمعان نے چائے کا آرڈر کیا تھا۔ زرش نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا۔

"کچھ نہیں......"

"تم نے پوچھا نہیں میں اس قدر اچانک کیوں آیا ہوں اور اب واپس جانے کی بات کیوں کر رہا ہوں؟" سمعان احمد نے بغور اسے دیکھتے پوچھا تو بھی وہ کچھ نہ بولی۔ "اصولی طور پہ تمہیں یہ بات سب سے پہلے ہی پوچھنی چاہیے تھی خیر جب توقع ہی اٹھ گئی ہو تو کیا شکوہ کریں۔" اب اس کا انداز بڑا سنجیدہ اور طنزیہ تھا۔ زرش کو بڑی تکلیف ہوئی مگر وہ پھر بھی چپ رہی۔ ویٹر چائے کے مگ رکھ کر چلا گیا تھا۔

"میں تم سے جب سارے رابطے ختم اور تفصیلی بات کرنے کے بعد ہی میں کراچی گیا تھا۔ تم نے میرے ساتھ کراچی جانے سے انکار کیا تو مجھے لگا بات ختم ہو گئی ہے۔ مگر وہاں جا کر سب کے منہ سے ایک ہی تذکرہ اور پریشانی کا ایک ہی نام سن سن کر عاجز آ گیا تو جی چاہا کہ کوئی آخری اور حتمی فیصلہ ہو جائے۔" سمعان احمد کا یہ انداز، الفاظ اور لب و لہجہ اتنا سنگین اور سنجیدہ تھا کہ زرش ششدر سی دیکھتی رہ گئی۔ "تمہارا آخری فیصلہ جان کر جب میں یہاں سے گیا تو یہی نیت تھی کہ اب ادھر کا رخ نہیں کروں گا......" زرش نے ازحد خوف زدہ ہو کر سمعان کے چہرے کی سنجیدگی کو پڑھنا چاہا تھا مگر وہ ناکام رہی۔

"میں واقعی اب ادھر کا رخ نہ کرتا اگر مجھے اپنی ماں کے واسطوں اور یہاں ان کے خود آنے کی ضد کا خوف نہ ہوتا۔ جس نے بھی تمہیں کال کی تمہارا ایک ہی جواب تھا۔ ایسے میں امی خود آ کر تمہیں منا کر معافی مانگ کر لے جانا چاہتی تھیں اور یہ بات مجھے گوارا نہ تھی۔ سو مجھے ایک دفعہ پھر تمہارے سامنے آنا پڑا۔" اب کے زرش کا ضبط جواب دے گیا۔

"ان سب باتوں کا کیا مطلب؟" وہ چیخ پڑی۔

"بہت صاف اور واضح ہے میں یہاں ٹھہرنے نہیں، تمہیں لے جانے آیا ہوں۔ فرح کی شادی میں چند دن ہیں اور تمہیں میری بیوی کی حیثیت سے میری بہن کی شادی میں شمولیت کرنا ہو گی۔ میں تمہارا ٹکٹ ساتھ لے کر آیا ہوں۔ گھنٹے بعد کی فلائٹ ہے تب تک تم سوچ لو۔"

"میں انکار کر چکی ہوں، مجھے وہاں نہیں جانا۔" سمعان کے انداز اور لب و لہجے سے زیادہ اس کے الفاظ نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ ضدی لہجے میں انکار کر گئی۔

"زرش سوچ سمجھ کر انکار کرنا، یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد تمہیں کوئی بھی کہنے یا منانے نہیں آئے گا۔" سمعان کو زرش کے ضدی انداز پر غصہ تو بہت آیا مگر پھر بھی بڑے تحمل سے گویا ہوا۔

زرش سمعان کے بجائے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"زرش! میری طرف دیکھ کر مجھے جواب دو، تم میرے ساتھ کچھ دیر بعد چل رہی ہو یا نہیں؟" سمعان نے ازحد برہمی سے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے سوال دہرایا تو زرش نے جھٹکے سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"نہیں......" پہلے سے زیادہ ضدی انداز میں کہا۔

"اوکے! ٹھیک ہے۔ اب تمہیں کوئی نہیں کہے گا۔" سمعان ایک دم غصے سے کہہ کر اٹھا اور ویٹر کو اشارہ کیا تو وہ جلد آیا تھا۔ اسے بل لانے کا کہہ کر پھر زرش کو دیکھا۔

"تم دنیا کی بے وقوف ترین لڑکی ہو۔ اپنی ضد اور ذات میں جینے والی جسے دوسروں کی خوشیوں سے کوئی غرض نہیں۔ تم زرش! یہ بات ذہن میں رکھنا، میں اب کے گیا تو پلٹ کر کبھی نہیں آؤں گا۔ میں نے ہر حال میں سمجھوتا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرح میری بہن ہے۔ اس کی خوشیاں مجھے ہر حال میں عزیز ہیں۔ اس نے مجھ سے ایک فرمائش کی تھی اور اس کی یہ فرمائش پوری نہیں کر پایا، مجھے افسوس رہے گا مگر اس سے بڑھ کر اس بات پر افسوس رہے گا کہ تمہیں زندگی نے سب کچھ دیا۔ مگر تم نے اپنی ضد اور نام نہاد انا کے ہاتھوں مجھے کھو دیا۔ میں تم سے رابطہ ہی ختم نہیں کروں گا بلکہ ہر تعلق بھی توڑ دوں گا۔" زندگی میں پہلی بار سمعان کے اندر بلا کی جذباتیت اور وحشت نے سر ابھارا تھا۔ انتہائی غصیلے اور جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

زرش ایک دم ہراساں سی ہو گئی، وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سمعان احمد کے وقتی الفاظ اور غصہ ہے مگر یہ آخری الفاظ......وہ تڑپ اٹھی۔

اس سے پہلے کہ کچھ کہتی ویٹر بل لے آیا تھا۔ سمعان نے بل ادا کیا۔ پھر اس کی طرف رخ موڑا۔

"یہ تمہارا ٹکٹ تھا، تم نہیں جا رہیں۔ اب تم آؤ گی بھی تو مجھے کوئی خوشی یا غرض نہیں ہو گی۔" سمعان نے جیب سے ٹکٹ نکال کر دو ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ "تم اس گھر میں جانا نہیں چاہتیں، تمہیں اب کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ تمہیں امی کا سامنا عمر بھر نہیں کرنا، تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی۔ مگر یاد رکھنا، کبھی پلٹ کر اب ان دروازوں پر دستک نہ دینا جو تم اپنے ہاتھوں سے بند کر چکی ہو۔ امجد باہر گاڑی لیے منتظر ہے تمہارا۔ میں جا رہا ہوں......اللہ حافظ۔"

وہ سمعان کو روکنا چاہتی تھی، آواز دینا چاہتی تھی مگر اسے لگا اس کی آواز حلق میں پھنس گئی ہے۔

"سمعان رُکیں تو...... سمعان......" وہ سمعان کے پیچھے بھاگی۔ روکنا چاہا مگر سمعان بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوٹل کی سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے جب تک گاڑی کے قریب پہنچی تو سمعان امجد سے بات کر رہا تھا۔

"سمعان پلیز......!" سڑک پر کھڑے ہو کر بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا مگر اس نے پکارا تو سمعان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"بات ہو چکی ہے۔ حتمی اور فیصلہ کن۔ تم اپنا فیصلہ سنا چکی ہو۔ اب کچھ بھی کہنا اور کرنا فضول ہے۔" سمعان کا سرد اور برفیلا انداز اس کی ہڈیوں تک کو جما گیا۔

سمعان ٹیکسی روک کر ڈرائیور سے بات کر کے بیٹھ گیا تو زرش کی آنکھیں ایک دم برسنے لگیں۔ دھندلی آنکھوں سے وہ گاڑی کو آنکھوں سے غائب ہوتے دیکھتی رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ! چلیے......" امجد مؤدب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

اس نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔ وہ کار کا دروازہ کھولے منتظر تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں مگر کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

❀……❀……❀

سمعان احمد کا رویہ لب و لہجہ اور الفاظ اس کے اندر آتش فشاں دہکا گئے تھے۔ وہ خود کو حق بجانب سمجھ رہی تھی مگر جس طرح سمعان احمد گیا تھا اس کے اندر سے ہر احساس گویا مٹ گیا تھا۔

"میں تم سے رابطہ ہی ختم نہیں کروں گا بلکہ ہر تعلق بھی توڑ دوں گا۔" کیسا سنگین انداز اور اشتعال انگیز الفاظ تھے۔ وہ سارے رابطے ختم کیے صرف اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ سمعان نے اسے تحفظ، محبت، مان، عزت سب کچھ تو دیا تھا پھر کس چیز کی آرزو تھی؟ کیا وہ صرف ایک طاہرہ بیگم کی ذات کی وجہ سے اپنی ذات کی نفی کرتے دل کی خوشی کی خاطر اس رشتے کی قربانی دے دے گی۔

اگلے دو دن وہ موبائل آف کیے سب رابطے ختم کیے صرف اپنی ذات سے لڑتی رہی تھی۔ اپنی ضدی اور انا پرست طبیعت سے الجھ رہی تھی۔ سب کے نزدیک وہ اب غلطی کر رہی تھی تو اس کا اندر اب اسے اس کے غلط ہونے کا احساس کیوں نہیں دلا رہا تھا کیوں وہ خود کو حق پر سمجھتے ہوئے یہ تعلق توڑ رہی تھی۔

دو دن بعد وہ یونیورسٹی آئی تھی۔ اس کی طبیعت سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی عذاب سے گزر رہی ہے۔ سر نواز اسے دو دن بعد اس قدر پژمردہ دیکھ کر حیران ضرور ہوئے تھے۔ وہ طبیعت کی خرابی کا کہہ کر ٹال گئی۔ امجد واپسی پر لینے آیا تو اس نے اسے نویرہ کے ہاں چلنے کا کہا۔ پھر نویرہ کے گلے لگ کر وہ اس قدر شدت سے روئی کہ نویرہ کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

کچھ دیر وہ روتی رہی پھر نویرہ کے بہلانے پر سنبھل گئی تھی۔ اماں اور شاکرہ لاؤنج میں تھیں۔ نویرہ اسے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ کچھ دیر پوچھنے اور کریدنے پر اس نے سب کہہ سنایا تھا اور نویرہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اوہ! مائی گاڈ! زرش مجھے یقین نہیں آ رہا تھا تم اس قدر جذباتیت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرو گی وہ

بھی سمعان احمد کے ساتھ...... اوہ نو۔"

"پلیز میں بہت پریشان ہوں، مزید پریشان مت کریں۔"

نویرہ چپ ہو گئی تھی۔ کھانے کا وقت تھا۔ آج کل شارق دوپہر کا کھانا بھی گھر آ کر کھاتا تھا۔ وہ اسے خود کو سنبھالنے کا کہہ کر باہر آ گئی تھی۔ شاکرہ کو کھانا لگانے کا کہہ کر وہ لاؤنج میں آئی تو شارق آ چکا تھا۔ معتصب کو گود میں لیے کھیل رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اماں سے بھی باتیں کر رہا تھا۔

"اماں! میری جو دوست آئی ہے ملنے وہ زرش ہے، وہی جن کے ہاں میں ٹھہری تھی، میں اسے ادھر ہی لے آتی ہوں۔ بس طبیعت اس کی ٹھیک نہیں تو کمرے میں لے گئی تھی۔" شارق نے نویرہ کو دیکھا وہ کچھ سنجیدہ سی تھی۔

"ہاتھ منہ دھو لیں، کھانا لگ گیا ہے۔ میں زرش کو بھی لے آتی ہوں۔"

شارق کو بھی کہہ کر وہ واپس کمرے میں آئی تو تب تک زرش خود کو خاصا سنبھال چکی تھی۔ اس نے اسے منہ ہاتھ دھو کر اپنے ساتھ ہی کھانے کی ٹیبل پر آنے پر اصرار کیا تو وہ آ گئی تھی۔ اماں سے مل کر شارق کو سلام کر کے اس نے ان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے بعد شارق تو چلا گیا تھا کچھ دیر اماں کے پاس بیٹھ کر نویرہ اسے پھر اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

"سمعان جیسا انسان مقدر سے ملا کرتا ہے زرش! میری تو شارق سے ایک رنجش تھی جب کہ سمعان کے ساتھ تم نے جو سلوک کیا۔ آخر وہ کب تک یہ سب برداشت کرتا؟ ایسے معاملات میں مرد انا کا مسئلہ ضرور بنا لیتے ہیں۔ تمہیں کم از کم یہ سب مجھے پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ تم سمعان کی خاطر اس کی ماں کو برداشت کر لیتیں یہ اتنی بڑی بات تو نہ تھی۔" وہ سمجھا رہی تھیں۔ وہ چپ سادھے صرف آنسو بہا رہی تھی۔

"ابھی تین چار دن باقی ہیں۔ بہت بڑی حماقت کی تم نے۔" نویرہ کو رو رہ کر ملال ہو رہا تھا۔ "اب کیا سوچا ہے تم نے؟" کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کیا کروں؟ خود سے جاؤں بھی تو بھی میں جانتی ہوں سمعان احمد کس طرح کا سلوک کریں گے۔ وہ تعلق توڑنے کی بات کر کے گئے ہیں۔"

"تم نے خود ہی سمعان احمد کو اس حد تک جانے پر مجبور کیا ہے مگر...... اچھا پریشان نہیں ہونا۔ سمعان احمد کا نمبر مجھے دو، میں بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں شاید کوئی حل نکل آئے۔" زرش نے بیگ میں سے موبائل نکال کر اسے سمعان احمد کا نمبر دے دیا۔ نویرہ نے کئی بار کال کی مگر ہر بار نمبر بند ملا۔

کیا سمعان احمد نے نمبر چینج کر لیا ہے مگر کیوں...... اگر نہیں کیا تو پھر بند کیوں ہے؟ زرش کا دماغ پھر الجھ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں رکی اور پھر گھر آ گئی۔

اگلے دو دن صرف یونیورسٹی جا رہی تھی باقی ہر کسی سے رابطہ ختم کیے سارا وقت گھر کی چار دیواری میں گزار رہی تھی۔ درمیان میں صرف کل کا دن تھا۔ پرسوں فرح اور سعد کی مایوں تھی اور اس سے اگلے دن بارات۔

وہ دن بھی اختتام پذیر ہوا اور اگلے دن کی شروعات بھی وہی تھیں۔ یونیورسٹی سے واپس آئی تو نویرہ آئی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر موبائل بند رکھنے پر پہلے تو خوب سنائی پھر اس کی مسلسل چپ محسوس کر کے خاموش ہوگئی۔

"زرش تم کراچی چلی جاؤ۔ میں نے بار بار کوشش کی تو سمعان سے رابطہ ہوگیا مگر وہ سرے سے میری بات سننے پر آمادہ ہی نہیں ہے میں نے تمہاری ماما کو کال کی تھی۔ وہ بھی تمہارے نمبر بند کرنے پر پریشان ہیں۔ تمہاری ماما بتا رہی تھیں کہ تمہارے پاپا شادی میں شرکت نہیں کر رہے۔ صرف تمہاری وجہ سے کہ کہیں تم تنہا نہ رہ جاؤ۔" زرش تب بھی چپ رہی۔

"وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں آمادہ کروں۔ کل مایوں ہے اور تم کو ہر حال میں لے کر کراچی پہنچوں۔ شارق سے میں نے بات کی تھی وہ ہمارے کراچی جانے پر راضی ہیں۔ ہم لوگ کل چلیں گے۔ کچھ منہ سے بولو۔ کیا سوچ رہی ہو؟" اسے گم صم دیکھ کر نویرہ نے زور سے کندھا ہلایا۔ تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ میں سمعان کو آپ سے زیادہ جانتی ہوں وہ میرے جانے کو بھی کسی قابل نہ مانیں گے۔ میں نہیں جا رہی۔" نویرہ نے بڑی کوشش کی اسے قائل کرنے کی مگر وہ کسی طرح بھی نہ مانی تو اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چلی گئی۔

وہ ایک بار پھر بغیر کچھ کھائے پیئے کمرے میں بند ہوگئی۔

اگلا دن اس کے لیے بڑا اذیت ناک تھا۔ پھپھو اور تایا ابو کے گھر سارا خاندان اکٹھا تھا اور وہ یہاں تنہا، خود ساختہ سزا جھیل رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی بھی نہیں گئی۔ ہمت ہی نہ ہوسکی تھی۔ ملازمہ اسے کئی بار کھانے کا پوچھ چکی تھی۔ وہ کمرے میں اندھیرا کیے نجانے کب تک اس حالت میں پڑی رہتی اگر نویرہ نہ آ جاتی۔

"بہت بُرا کر رہی ہو تم اپنے ساتھ زرش! شارق کو میں نے ٹکٹس لینے بھیجا ہے وہ بس آنے والے ہوں گے۔ تم تیاری کر لو۔ اگر انکار کیا تو میں بہت بُری طرح ماروں گی۔" آتے ہی وہ کہہ رہی تھیں۔

"کوئی فائدہ نہیں نویرہ آپی!"

"خدا کے لیے اپنی اس مایوسی کی کیفیت سے باہر نکل آؤ اور اٹھ کر نہا دھو لو۔" اس نے اسے زبردستی اٹھا کر واش روم میں دھکیلا۔ نہا کر باہر نکلی تو نویرہ کمرے میں نہ تھی۔ وہ باہر آئی تو شارق بیٹھا تھا۔ معتصب ساتھ تھا۔ سلام دعا کے بعد اس نے بتایا کہ "رات آٹھ بجے کی فلائٹ ملی ہے۔ میرا خیال ہے دس بجے تک ہم کراچی میں ہوں گے۔"

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

ابھی کافی وقت تھا۔ کھانا کھا کر وہ اپنے گھر چلے گئے تھے، گھر جا کر انہوں نے تیاری کر کے ادھر ہی آنا تھا۔ وہ تیار ہو کر آئے تو وہ ان کی منتظر تھی۔ ملازمہ کو ہدایات اور امجد کو گھر کا اچھی طرح خیال رکھنے کا کہہ کر وہ نکل آئے تھے۔

فلائٹ وقت پر تھی۔ ساڑھے دس بجے وہ وہاں تھے۔ شارق نے ٹیکسی لے لی اور زرش نے مسعود احمد کو کال کی تو پتا چلا کہ سب پھپھو اور تایا کے ہاں ہیں۔ اس نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ وہ اس وقت کراچی میں ہے۔ وہ گھر پر ہی تھے۔ اس نے شارق کو پہلے گھر جانے کو کہا تھا۔

پاپا اسے دیکھ کر نا صرف از حد حیران ہوئے بلکہ خوش بھی ہوئے تھے۔ نویرہ کے ساتھ شارق کو دیکھ کر وہ چونکے تھے۔ نویرہ کی کہانی کچھ اور تھی اور اس کا شوہر......؟ وہ الجھے تھے۔

شارق نے ہلکے پھلکے انداز میں لڑائی کا بتا کر قصہ ختم کیا تو وہ تیار ہونے چل دیے تھے۔

زرش بھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ کپڑوں کی کمی تو اسے نہ تھی۔ ماما نے اسے فون پر بھی بتایا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے تقریب کا علیحدہ سوٹ تیار کروایا ہے۔

مہندی کی مناسبت سے اس نے زرد اور سبز امتزاج کا سوٹ نکال کر پہنا تھا۔ نویرہ نے اسے ہلکا پھلکا میک اپ کر کے جیولری پہننے کو کہا۔

تیار ہو کر وہ پاپا کے کمرے میں آئی تو وہ لاکر میں سر دیے کھڑے تھے اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"تمہاری ماما اور مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔ اسی لیے تو انہوں نے سب کچھ پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ یہ زیور وہ نکال کر دے گئی تھیں کہ تم پہنچو تو تمہیں دے دوں۔" انہوں نے اس کا زیور نکال کر اسے تھمایا تو وہ جھینپ گئی۔

ان کے اصرار کرنے پر اس نے ہار، چوڑیاں اور انگوٹھیاں پہن لیں۔

"یہ رکھ لو تمہیں ضرورت پڑتی رہے گی اس کی۔" باقی کا زیور پوٹلی میں رکھ کر اسے تھما دیا تو اس نے چپ چاپ لے لیا۔

پاپا کے ساتھ تایا کے ہاں جاتے ہوئے اس نے ہار، گجرے اور ایک خوب صورت سا گلدستہ بھی لیا۔ بڑے عرصے بعد وہ تایا کے گھر کی طرف سفر کر رہی تھی۔ پوری دلی آمادگی اور خوشی سے۔ نویرہ، شارق اور معتصب ہمراہ ہی تھے۔ وہ اس کے محسن تھے وہ انہیں بھلا کیسے چھوڑ آتی۔ جیسے ہی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی، علی جو گیٹ پر تھا چچا اور زرش کو دیکھ کر حیران ہوا اور پھر ایک دم اندر دوڑ لگا دی۔

"زرش آ گئی......زرش آ گئی......"

یہ خبر یہاں سے وہاں تک جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ پھپھو کی فیملی اور مہمان مہندی کی رسم کرنے پہنچ گئے تھے۔ کھانے کے بعد اب رسم کا ہی شور تھا۔ طاہرہ بیگم تو سب چھوڑ چھاڑ کر دروازے تک چلی آئیں۔ زرش کی نگاہ ان پر پڑی تو قدم ساکت ہوگئے۔

"زری! رک کیوں گئی ہو؟ آؤ......" انہوں نے بازو پھیلا کر کہا تھا۔ یہ آواز کتنی مانوس، اجنبی اور ناشناسا تھی مگر وہ تو سب کدورتیں دل سے مٹا کر آئی تھی، اب کچھ بھی سوچنا فضول تھا۔ جھجکتے ہوئے ان کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔ وہ رو رہی تھیں بڑی شدت سے۔ زرش بھی رو دی۔ کتنی نفرت تھی دونوں میں مگر اب......

"مجھے معاف کر دو بیٹی! میں بہت گناہ گار اور خطاکار ہوں۔ میں خود لاہور جانا چاہتی تھی۔ تمہیں

لانے کے لیے مگر سمعان نہیں مانا۔" زرش کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ معافی مانگ رہی تھیں۔ زرش کو اپنا آپ چھوٹا لگا۔

"پلیز تائی امی! ایسی باتیں مت کریں۔ میں سب کچھ بھلا کر یہاں آئی ہوں۔ جو ہوا بھول جائیں۔" ایک دم شرمندہ ہو کر وہ پھر ان کے کندھے سے لگ گئی۔

"اگر ساس بہو کا پیار ختم ہو گیا ہے تو ارد گرد بھی دیکھ لو اور لوگ بھی یہاں منتظر ہیں ملنے کو......" زوباریہ بھابی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے زرش کو گلے لگا لیا۔

"بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے۔ بہت اچھا......" وہ کان میں بولی تھیں۔

اس کے بعد وہ تایا ابو، عثمان بھائی اور علی سے ملنے کے بعد آگے بڑھی تو پیلے سوٹ میں فرح کو دیکھ کر والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی۔

"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔" وہ کہہ رہی تھی اور زرش کی آنکھوں میں نمی چھلک پڑی۔

جہاں یقین اتنا مضبوط ہو وہاں وہ کیسے نہ آتی۔

پھپھو، ماما، ہادیہ آپا، نوشین اور دیگر لوگوں سے ملنے کے بعد وہ نوریہ کو ہمراہ لیے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر میں مہندی کی رسم شروع ہوئی تو اس نے پنکھے فرح کو تھما کر اس کے بازوؤں میں گجرے سجا کر رسم کا آغاز کیا تھا۔ نوریہ وہاں روبیسہ اور اس کی فیملی کو دیکھ کر بڑا حیران ہوئی تھی اور پھر گفتگو کے بعد تعلق داری واضح ہوئی تو وہ بڑے مطمئن انداز میں ان سب کے ساتھ محو گفتگو ہو گئی۔ عثمان اور علی شارق کو مردانے میں لے گئے تھے۔ رسم مہندی کے بعد ڈھولک کی باری آئی تو سب لڑکیاں اُدھر متوجہ ہو گئی تھیں، وہ بھابی اور فرح اسٹیج پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے ابھی تک سمعان کو نہیں دیکھا تھا۔ خبر تو سمعان کو مل گئی ہوگی مگر وہ اندر نہیں آیا تھا۔

"سمعان سے ملیں......؟" بھابی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بہت خفا ہیں وہ مجھ سے۔" اور زوباریہ یہ جانتی تھی۔

"تم نے بھی اچھا نہ کیا۔ یہاں سب رابطہ کر رہے تھے۔ خاص طور پر تمہیں لینے گیا مگر خیر......" وہ کسی کے بلانے پر اٹھ کر چلی گئیں تو وہ فرح کے پاس ہی بیٹھی رہی۔ فرح کو مہندی لگائی جا رہی تھی، ہاتھ پاؤں پر نہایت خوب صورت ڈیزائن میں۔

دو بجے کے قریب پھپھو کی فیملی اور دیگر مہمان رخصت ہونا شروع ہوئے تو آخر تک گھر کے افراد اور چند دور کے رشتہ دار رہ گئے تھے۔ نوریہ اس کے لاکھ روکنے پر بھی نہیں رُکی۔ وہ ماما پاپا کے ہمراہ شارق کو لیے صبح دوبارہ آنے کے وعدہ پر گھر چلی گئی۔ تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اسے بہت کوشش کے باوجود سمعان نظر نہیں آیا۔ وہ مردانے میں ہی مصروف رہا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ بھی بھابی کے گھورنے پر سمعان احمد والے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بیگ میں صرف ایک جوڑا رکھ کر لائی تھی۔ باقی سب ماما کے ہاں ہی تھا۔ وہ بستر پر بیٹھ کر کراؤن سے ٹیک لگا کر سمعان احمد کا انتظار کرنے

لگی مگر سمعان کمرے میں آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ انتظار کرتے کرتے نجانے اس کی کب آنکھ لگی۔

اذان کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تو اسے اپنا جسم اکڑا اکڑا محسوس ہوا۔ گردن کو سیدھا کرتے وہ سیدھی ہوئی تو علم ہوا کہ وہ باقی ماندہ رات یونہی بیٹھے بیٹھے گزار گئی تھی۔ شاید ایک دو گھنٹے ہی سو پائی تھی۔ نائٹ بلب روشن تھا جب کہ لائٹ آف تھی اسے یاد آیا وہ تو سمعان احمد کا انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی۔ فوراً گردن گھما کر بیڈ کو دیکھا مگر وہ خالی تھا۔ نگاہ اِدھر اُدھر بھٹکتے صوفے پر پڑی تو سمعان کو وہاں محو خواب دیکھ کر از حد دُکھی ہوئی۔ نجانے سمعان کب آ کر لیٹا تھا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں گئی۔ وضو کر کے کمرے میں آ کر اس نے کمبل اٹھا کر بڑی آہستگی سے سمعان احمد پر ڈال دیا۔ پھر نماز پڑھ کر نکل آئی۔ لان کے چکر لگاتے وہ وہیں بیٹھ گئی۔ کافی دیر وہاں بیٹھی رہی گھر کے اندرونی حصے سے آوازیں آنا شروع ہوئیں تو وہ کچن میں آ گئی۔ ماجد جو چائے بنا رہی تھی کہ بھابی بھی آ گئیں۔

"بڑی جلدی اٹھ گئیں تم؟"

"بس جلدی آنکھ کھل گئی۔ چائے پئیں گی؟" بھابی سے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

"بھابی ایک کپ چائے پلا دیں۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ پلیز......"

سمعان کی آواز سن کر وہ پلٹی۔ سمعان بھی اسے وہاں دیکھ کر رُکا۔ وہ جب سے آئی تھی یہ پہلا براہِ راست سامنا تھا۔ سمعان نے اسے نظر انداز کیا۔

"ہاں! بھجواتی ہوں۔ صرف چائے ہی بھجواؤں یا ناشتہ بھی تیار کروا کر بھیجوں۔"

"صرف چائے......" یہ کہہ کر سمعان پلٹ گیا اور زرش کا دل بھر آیا۔

"زرش! سمعان کی بھی چائے لے جاؤ۔" چائے مگوں میں ڈال کر اپنا کپ لے کر وہ نکلنے لگی تو بھابی کے کہنے پر رکی۔

"ماجدہ کو بھیج دیں۔ میرے ہاتھ سے تو وہ شاید چائے لینا بھی پسند نہ کریں۔" یاسیت سے کہہ کر وہ فرح کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ زرش کو اس کی نیند پر بڑا رشک آیا۔ کچھ دیر میں وہ اٹھ گئی۔ زرش کو اپنے کمرے میں دیکھ کر مسکرائی پھر ہاتھ منہ دھو کر لوٹی تو زرش اس کی مہندی دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ فرح کو بڑا تیز رنگ آیا تھا۔ ذرا بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے فرح کو اس کے سادہ ہاتھ پیر۔ وہ کچن میں جا کر کون لے آئی تھی۔

"مجھے تمہارے یہ سادہ ہاتھ پیر بڑے بُرے لگ رہے ہیں۔ دیکھنا اب میں تمہیں مہندی لگاتی ہوں۔ میری مہندی تو ویسے بھی تمہیں بڑی پسند ہے۔" اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود فرح نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پھر اسے تب تک نہ چھوڑا تھا جب تک اس کے ہاتھ اور پاؤں پر اپنی مرضی سے مہندی نہ لگا دی۔

"میں ناشتہ کرنے جا رہی ہوں تم آرام سے چاہے تو سو جاؤ یا بیٹھ کر مہندی سکھاؤ۔"

زرش کے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ کچھ دیر لیٹنے کے بعد اسے خود بخود نیند آ گئی۔

* * *

بارات کا انتظام ہوٹل میں تھا۔ سارا دن سب کا بڑی مصروفیت میں گزرا۔ ہوٹل کے اوقات پانچ سے رات دس بجے تک تھے۔ سو مرد حضرات جلدی ہی تیار ہو کر وہاں چلے گئے تھے۔ زیادہ تر مہمانوں نے ہوٹل ہی پہنچنا تھا۔ بھابی نے اسے فرح کے ساتھ پارلر جانے کا کہا۔

"اس بیگ میں تمہارے اور فرح دونوں کے لباس زیور سب کچھ ہے۔ علی چھوڑ آئے گا جلدی نہا کر نکلو۔" بھابی کی ہدایت پر وہ واش روم میں گھس گئی۔

علی ان کو پارلر لے آیا۔ فرح کا لباس نکال کر اس نے اپنا سوٹ نکالا تو دیکھ کر حیران ہوئی۔ شلوار قمیص کے بجائے ساڑھی تھی۔

"ہائے فرح! میں یہ کیسے پہنوں گی؟ میں نے تو آج تک ساڑھی نہیں پہنی۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"کوئی بات نہیں، آج پہن لو۔ امی نے بھابی کو کہا تھا کہ اپنے ساتھ ساتھ تمہارے لیے بھی شاپنگ کر لیں۔ انہوں نے آج ساڑھی پہنی ہے۔ سو تمہارے لیے بھی یہی خرید لی۔" وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

بیوٹیشن کی مدد سے اس نے ساڑھی پہن لی اور زیور اس کے بیگ میں ہی تھا۔ بیوٹیشن نے فرح کے تیار ہونے تک اسے بھی تیار کر دیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" فرح نے تعریف کی تو وہ جھینپ گئی۔

فرح دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ٹوٹ کر روپ آیا تھا اس پر۔ زرش گاہے بگاہے سعد کے ذکر سے اسے چھیڑتی رہی تھی۔ ہوٹل پہنچ کر فرح کو کمرے میں پہنچا کر وہ ماما اور نویرہ کے پاس چلی آئی۔

"زبردست...... بہت اچھی لگ رہی ہو۔" نویرہ نے دل کھول کر سراہا۔ وہ ہنس دی۔

"سمعان سے کوئی بات ہوئی؟ اب کیسا موڈ ہے؟ ہم لوگوں سے تو نارمل ہی ملے ہیں سمعان احمد تو......"

"کوئی بات نہیں ہوئی۔" اس نے آہستگی سے سارا ماجرا سنا دیا۔ نویرہ اسے تسلیاں دیتی رہی۔

بارات آنے کے بعد نکاح اور پھر کھانے تک وہ ماما کے پاس ہی رہی۔ مرد و خواتین کا علیحدہ انتظام تھا۔ رات گئے جب سعد کو اندر لا کر بٹھایا گیا اور ساتھ میں فرح کو تو بھابی نے اسے پاس بلا لیا۔

"ماما نے خاص تاکید کی ہے کہ دودھ پلائی کی رسم تم اور نوشین نے کرنی ہے۔" انہوں نے بلانے کی وجہ بیان کی اور ساتھ میں طاہرہ کی خصوصی ہدایت بھی بتا دی۔

دودھ پلائی کی رسم بڑے شور ہنگامے میں ہوئی۔ تین ہزار نیگ میں ملے تھے جو طاہرہ کے کہنے پر نوشی اور اس نے آدھے آدھے رکھ لیے۔

رخصتی کے وقت فرح روئی تو باقی لوگوں کو بھی کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔ نویرہ اور شارق رومیسہ کے اصرار پر ان کے ہاں چلے گئے۔ گھر واپسی تک بارہ بج گئے۔ سب کا تھکن سے برا حال تھا۔ ماما اور پاپا ان کے ساتھ ہی ادھر آگئے تھے جنہیں کچھ دیر رک کر گھر چلے جانا تھا۔ جب کہ نوشی ماموں کے ہاں تھی۔ بھابی کے کہنے پر اس نے چائے بنائی تھی۔ ملازمہ سے سب کو چائے دینے کا کہہ کر وہ خود چینج کرنے کمرے میں چلی آئی۔

وہ بے دھیانی میں ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔ مگر وہاں سمعان کو الماری میں سر دیے کھڑے دیکھ کر جھجکی۔ سمعان شاید چینج کرنے آیا تھا۔ شرٹ اتاری ہوئی تھی، زرش رک گئی کہ کیا کرے واپس پلٹ جائے یا آگے بڑھ کر الماری سے اپنا بیگ نکال لے۔ سمعان اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر پھر الماری سے اپنی شرٹ ڈھونڈنے لگا، سمعان کے انداز پر زرش کا دل ایک دم رکا۔

اتنا لاتعلق انداز...... اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر دوسرا پٹ کھول کر اپنا بیگ نکالا تو اونچی ہیل اور ساڑھی کی وجہ سے سمعان کے سامنے وہ کافی زیادہ پزل ہو گئی۔ بیگ نکال کر پلٹی تھی کہ اونچی ہیل پر توازن نہ رکھ پائی اور اس سے پہلے کہ وہ گرتی اس نے قریب کھڑے سمعان کا کندھا تھاما۔ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" سمعان کے غصے پر وہ ششدر رہ گئی۔ سمعان نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا۔ وہ الماری سے جا ٹکرائی۔

آنکھیں ایک دم دھند سے اٹی تھیں مگر وہ خود کو سنبھال گئی۔

"میں آ تو گئی ہوں اب کیوں ناراض ہیں؟" اس نے بے حد بے چارگی سے کہا۔

"تم اپنی غرض کے لیے آئی ہو، میرے لیے نہیں۔ میں نے تم پر پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ تمہارے آنے جانے سے مجھے کوئی غرض نہیں ہوگی۔" سمعان کے لب و لہجے نے اس کے اوپر بری طرح اثر کیا۔

"اب تو میں آگئی ہوں۔ سب کچھ بھلا کر، ساری رنجشیں ختم کر کے۔ آپ اتنے سنگ دل تو نہ تھے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں؟" اگلے ہی پل وہ رو دی۔

"تم اسی قابل ہو۔" وہ سمعان کے لب و لہجے پر بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔ پھر تیزی سے وہاں سے نکل کر بیڈ روم میں آگئی۔

"وہ کیوں آگئی تھی۔" جذباتیت نے اس پر بڑی بری طرح حملہ کیا۔ وہ سب بھلا کر صرف سمعان کے لیے آئی تھی اور سمعان......

پھوٹ پھوٹ کر روتے اس نے ہاتھوں کے گجرے نوچ کر پھینک دیے۔ اسے زیور سے وحشت ہونے لگی۔ بستر پہ گر کر سارا زیور نوچ کر بستر پہ پھینکا۔

"تم اسی قابل ہو۔" یہ الفاظ اس کے ذہن و دل پہ ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے۔ تکیے پہ سر رکھے وہ شدت سے روتی رہی۔

سمعان چینج کر کے روم میں آیا تو پاؤں تلے گجرے آگئے۔ لب بھینچ کر ایک تلخ نگاہ پھوٹ پھوٹ کر روتے وجود اور ارد گرد بکھرے زیور پر ڈالی۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا تو زرش کو لگا کہ اس کے وجود میں موت در آئی ہے۔ خوب رو کر دل کا غبار نکال کر منہ ہاتھ دھو کر چینج کر کے وہ کمرے سے باہر آئی تو ماما پاپا واپسی کے ارادے سے کھڑے تھے۔ سمعان بھی وہیں تھا۔

"ماما! آپ ٹھہریں میں بھی ساتھ چل رہی ہوں۔" سب نے چونک کر خاص طور پہ طاہرہ بیگم نے بغور اس کے روئے چہرے کو دیکھا۔

"کیوں بیٹا؟" وہ ایک دم خوف زدہ ہوئی۔

"میں صبح پھر آجاؤں گی۔" انہیں مختصراً کہہ کر وہ کمرے میں آکر اپنا بیگ لے کر ماما پاپا کے ساتھ چلی آئی۔

شائستہ بیگم نے اس کی چپ نوٹ کی تھی مگر ٹوکا نہیں۔ اب وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنا فیصلہ خود کرے۔ اگر آگئی ہے تو اگلے مرحلے کے بارے میں بھی سوچے۔

❁……❁……❁

خوب صورت پھولوں سے سجے کمرے میں دلہن بنی بیٹھی وہ خاصی گھبراہٹ کا شکار تھی۔ کچھ دیر پہلے سبھی گھر والے اس کے گرد جمع تھے مگر اس وقت وہ تنہا تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ آنے والی گھڑیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے پہ کھٹکا ہوا تو وہ اندر تک گھبرا اٹھی۔

سعد جمال نے اندر آکر ایک بھرپور نگاہ اپنے لیے پورے اہتمام سے سجی فرح پر ڈالی۔

"السلام علیکم! بڑے شرمسار لہجے میں کہتے وہ اس کے قریب بیٹھا تو فرح کو اپنا دل ہتھیلیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔

اس نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ میرے تصور سے بھی بڑھ کر۔" بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بغور دیکھا تو وہ نگاہ نہ اٹھا سکی۔ "خوش ہو؟" فرح نے صرف سر ہلایا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ اپنی جیب سے مخملیں ڈبیا نکال کر اس نے ایک خوب صورت زنجیر نکالی۔

"اجازت ہے......" اس نے پوچھا تھا۔

اور پھر اس نے وہ زنجیر اس کی گردن میں سجا دی۔

"میں اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ یقین راست ہو تو منزل خود قدم چومتی ہے۔ زرش سے تم تک کا سفر دشوار اور کٹھن ضرور تھا۔ اگر تمہارا سوچنا یقین شامل احوال نہ ہوتا تو شاید میں ہمت ہار جاتا۔ تم میرے لیے رب کا ایک عظیم تحفہ ہو۔ کچھ بولو گی نہیں؟" وہ نگاہ اٹھا کر اپنی طرف وارفتگی وجذبات کی شدت سے متوجہ وجود کو صرف ایک پل دیکھ پائی تھی۔

"چلو نہ بولو...... آج رات مجھے بولنے دو۔ بلکہ سنو پھر ساری عمر تمہاری ہی سننی ہے۔" فرح کا حیا اور شرم سے گلنار چہرہ دیکھ کر وہ ہنس دیا۔

❁……❁……❁

وہ سارا دن ماما کے ہی رہی۔ ولیمے کی تقریب میں وہ ادھر سے ہی شامل ہونا چاہتی تھی اور ساری تقریب میں وہ نویرہ کے ساتھ ہی بیٹھی رہی۔ نویرہ اور شارق صرف دو تین گھنٹے کے لیے تھے۔ گھر میں اماں تنہا تھیں یہ دو دن بھی وہ صرف زرش کی ضد میں رکے تھے۔ آج بھی ولیمے میں شامل ہونے کا

مقصد یہی تھا کہ زرش کو خدا حافظ کہہ کر واپس چلے جائیں۔

فرح بہت خوش تھی اسے خوش دیکھ کر زرش نے اس کی خوشیوں کے لیے ڈھیروں دعائیں مانگیں۔

نویرہ، شارق اسے خدا حافظ کہہ کر باقی سب سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ مسعود احمد کا ڈرائیور ان کو ائرپورٹ تک چھوڑنے جا رہا تھا۔

"کافی اچھے لوگ ہیں۔ ملنسار اور مخلص۔" شارق نے تبصرہ کیا۔

"ہوں......" نویرہ نے مختصراً کہا۔

ڈرائیور ائرپورٹ پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ لاہور میں تھے۔ گھر آکر اماں سے مل کر کچھ باتیں کرنے کے بعد وہ کمرے میں چلی آئی۔ شارق چینج کرکے بستر پر دراز تھا اسے آتے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ اپنے آپ کو سمجھنے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کے بعد اس نے نویرہ کو بالکل اسی روپ میں دیکھا تھا جس کی اسے آرزو تھی مگر اس کے باوجود اک خلش سی تھی کہ نویرہ کے دل میں نجانے اس کا مقام کیا تھا۔ کیونکہ ابھی تک نہ جان پایا تھا۔

"کہاں چلی ہو؟" الماری سے کپڑے نکال کر وہ پلٹی تو شارق بستر سے اتر کر سامنے آگیا۔

"چینج کرنے۔" حیران ہو کر شارق کو دیکھا۔

"ابھی رہنے دو...... اچھی لگ رہی ہو...... کچھ دیر تو دیکھنے دو۔" شارق اس کا بازو پکڑ کر بستر پہ لے آیا۔ دوسری طرف معصب سو رہا تھا۔ کندھوں پہ دباؤ ڈال کر بستر پہ بٹھا دیا۔

"تم نے سنبھلنے اور سب بھول جانے کے لیے کچھ وقت مانگا تھا۔ میں انتظار کرتے کرتے تھکنے لگا ہوں۔ نجانے کب تم عام معافی کا اعلان سناؤ گی۔" اس کے لہجے میں بڑا محبت بھرا شکوہ تھا۔

نویرہ کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

شارق نے اس کے کان میں جھولتے آویزے کو انگلی سے چھوا تو وہ پزل سی ہوگئی۔

"مجھے ابھی عشاء کی نماز پڑھنی ہے۔" شارق زمان کی دست و نگاہ کی شوخیوں کو روکنے کا اسے یہی طریقہ سمجھ میں آیا۔

"شوہر کو نظرانداز کرنے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ یاد رکھو......" نویرہ ہنس دی۔

"تو شوہر کو خود ہی چاہیے کہ بیوی کو تنگ نہ کرے۔" اس نے شارق کی گرفت سے بازو نکالنا چاہا تھا مگر گرفت بلا کی مضبوط تھی۔

"تم میری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔" انداز دھمکانے والا تھا مگر وہ بھی نویرہ تھی۔

"میں نے تو کبھی جائز فائدہ نہیں اٹھایا، آپ ناجائز کی بات کرتے ہیں۔" اس نے اس غلط بیانی پہ گھورا۔

"ہاں تو کون منع کرتا ہے، میں تو خود منتظر ہوں کہ تم فائدہ اٹھاؤ۔"

"مجھے زیادہ چڑھائیں نا۔ میں نے فائدہ اٹھایا تو سر پہ ہاتھ رکھ کر آپ کو ہی رونا پڑے گا۔" اس نے چڑانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ "میں نماز پڑھ کر آتی ہوں پھر بات کریں گے سب جائز اور

ناجائز کی۔"

شارق زمان کی آنکھوں سے چھلکتے جذبوں سے گھبرا کر اس نے فوراً بات بدلی۔

"اچھا ایک شرط پہ......"

"کیا......؟"

"تم ابھی یہ لباس نہیں بدلو گی۔ بہت پیاری لگ رہی ہو تم ان کپڑوں میں۔ یوں سمجھو غضب ڈھا رہی ہو۔"

نویرہ ایک دم سرخ ہوئی۔ دل کی دھڑکن کا اور ہی عالم تھا۔

"بولو منظور ہے؟"

"اچھا......" اسے ناچار ماننا ہی پڑا۔

"جاؤ..... کیا یاد کرو گی مگر وعدہ خلافی کی تو یاد رکھنا بہت بُرا کروں گا میں۔"

نویرہ گلنار چہرہ لیے اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی فوراً اُٹھ گئی۔

............*

ولیمے کی تقریب بخیریت و عافیت انجام پذیر ہوئی۔ واپسی پر فرح اور سعد رسم کے طور پر ان کے ساتھ آئے۔ طاہرہ بیگم نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اب شائستہ کے ساتھ نہیں جائے گی بلکہ ان لوگوں کو بھی ضروری کام کہہ کر اپنے ساتھ ادھر ہی بلوا لیا۔ تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا اس نے آتے ہی کپڑے بدلے۔ کچن میں آئی تو بھابی اسے یوں صاف چہرہ لیے دیکھ کر چونکی۔

"تم نے کپڑے کیوں بدلے؟ کچھ دیر تو رک جاتیں۔"

"الجھن ہو رہی تھی ساتھ میں تھکن بھی۔" انہوں نے چائے بنوائی تھی ٹرے تیار کر کے اسے تھما دی۔

"سب کو دے دو۔ میں یہ لے آتی ہوں۔" انہوں نے دوسری ٹرے تیار کرتے ہوئے کہا تو وہ باہر نکل آئی۔ لاؤنج میں سبھی براجمان تھے باتیں زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر وہاں سے نکل آئی۔ کچھ دیر اس کا فرح کے ساتھ باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ فرح کو لیے اس کے کمرے میں آ گئی۔ جب کہ سعد لاؤنج میں ہی تھا۔ تھوڑی دیر میں بھابی اور تائی بیگم بھی چلی آئی۔

"میں نے اپنی نفرت میں ہمیشہ غلط ہی سوچا اور سمجھا۔ جب تک نفرت کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہی میں یہی سمجھتی رہی کہ تم نے سمعان کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ تم سمعان کے ساتھ آباد ہو چکی ہو مگر نفرت کی پٹی آنکھوں سے اتری تو سارے منظر صاف اور واضح دکھائی دینے لگے۔ بچے دکھی اور رنجیدہ ہوں تو ماں کیسے سکھی رہ سکتی ہے؟ اللہ تمہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ سمعان کو صحت و سلامتی دے۔ سمعان میری ضد پر تمہیں لینے گیا تھا، واپس آ کر اس نے صرف یہی کہا تھا کہ تم نہیں آؤ گی اور تمہیں اس گھر سے کوئی لینے گیا تو وہ یہ گھر چھوڑ دے گا۔ میں چپ ہو گئی۔ تم آ گئی ہو۔ بڑے ظرف والی ہو مگر تمہیں اور سمعان کو اس طرح دیکھ کر دل کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ تم ہماری بچی ہو۔ جانتی ہو۔ کب سے سمعان کے ساتھ ہو کم از کم نوشی کی طرح کوئی خوش خبری تو ضرور ہوتی نا۔" پاس بیٹھ کر وہ جس طرح

بات کر رہی تھیں۔ شرم و حیا سے زرش کا سر جھکتا چلا گیا۔

"شائستہ کو بھی میں نے اسی لیے روک لیا ہے۔ سمعان کو وقتی غصہ ہے۔ سب سمجھا رہے ہیں، پریشان نہیں ہونا۔ زوباریہ! بہن کو تیار کر کے باہر لے آؤ۔ اپنی نفرت کے ہاتھوں بڑے حسین اور انمول پل ضائع کیے ہیں۔ آج میں زرش کو دلہن بنا دیکھنا چاہوں گی۔ ساری غلطیوں کا ازالہ کروں گی۔" وہ محبت سے کہہ کر بہت پیار سے اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی تھیں اور زرش ہکا بکا رہ گئی۔

"چلو جی دلہن صاحبہ! جلدی سے اٹھ کر یہ کپڑے چینج کر لیں، خصوصی لباس ہے آج رات کے لیے۔ زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔" بھابی اس کے انداز پر ہنس رہی تھیں۔

"مگر بھابی......!"

"فرح! اسے واش روم میں دھکیلو۔ یہ فٹافٹ کپڑے بدل کر آئے۔ اگر مگر بعد میں کر لینا۔"

ناچار اسے بھابی اور فرح کے سامنے ہار ماننا پڑی۔

بڑا خوب صورت کڑھائی والا سوٹ تھا۔ بھابی نے جلدی سے تیار کیا اور زیور اس کا سارا کمرے میں تھا جو فرح نے لا دیا تھا۔ فرح نے بڑی محبت سے اس کے ماتھے پر بندیا سجائی' ایک ایک زیور پہنایا۔

"پلیز یہ رہنے دو......" اسے بہت حیا آ رہی تھی۔ اتنے عرصے بعد اب دوبارہ سے یہ سب ہنگامہ...... اسے بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

فرح نے اپنے ہاتھوں میں سجے گجرے اُتار کر اسے پہنا دیئے۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ سمعان کی آج خیر نہیں۔" بھابی کی چھیڑ چھاڑ پر اسے اپنا دل کنٹرول کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

"میں امی کو بلا کر لاتی ہوں۔" فرح محبت سے اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی۔ زرش کو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے محسوس ہوئے۔

طاہرہ بیگم کے ہمراہ شائستہ بیگم بھی تھیں۔ ماما کو دیکھ کر اس کا سر جھکتا چلا گیا۔ ٹوٹ کر حیا آئی۔ وہ لوگ اسے لاؤنج میں لے آئیں، سمعان کے ساتھ بٹھانے پر وہ گھبرا گئی۔ اتنے لوگوں کے سامنے اور اوپر سے سمعان کی قربت۔ سمعان اتنا سخت ناراض تھا۔ نجانے کیا ردعمل ہوگا۔ وہ اندر ہی اندر خوف زدہ ہو رہی تھی۔ علی تصویریں لینے لگا۔

"تمہاری تائی بیگم کو تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھنے کا بڑا ارمان ہو رہا تھا۔ چلو ان کی خواہش بھی پوری ہوئی۔ خوش رہو...... آباد رہو۔" تایا ابو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے پیار دے کر کہہ رہے تھے۔

"میں تو سارے ارمان پورے کروں گی اب۔" انہوں نے مخملی کیس سے نہایت قیمتی کنگن نکال کر اس کے ہاتھ میں پہنا دیئے۔ "تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔ زوباریہ کو بھی دیا تھا۔ یہ تمہارا حصہ ہے۔ دینے میں دیر ہو گئی۔" کنگن پہنا کر بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا دیا۔ پھر پیشانی چوم لی۔ سعود احمد اور شائستہ دونوں بڑے مطمئن سے تھے۔

"ماشاء اللہ..... اپنی کم فہمی کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھایا۔ خدا تم دونوں کو سدا سلامت رکھے۔" وہ آبدیدہ ہو گئی۔ مگر اگلے ہی پل خود کو سنبھال بھی لیا کہ اعتماد اور خوشی کے پل بڑی مشکل سے خوش قسمتی سے ملتے ہیں۔

سمعان سارا وقت خاموش رہا۔ اس کے سیل پر کال آنے لگی تو وہ معذرت کرتا اٹھ کر چلا گیا۔

"زوباریہ! بہن کو کمرے میں چھوڑ آؤ۔"

پانچ منٹ بعد طاہرہ بیگم کے کہنے پر بھابی نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔

"ارے تمہیں کیا ہو رہا ہے۔ اتنی سرد ہو رہی ہو۔" بھابی ہنس دی تھیں۔

"بھابی اسمعان بہت سخت ناراض ہیں، دیکھیے گا۔ وہ اس سارے واقعے پر بھی بہت خفا ہوں گے۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا، ہمت کرو..... ایک غلطی کر چکی ہو۔ اب سلیقے سے سنبھالو۔ ہم تمہاری مدد یہاں تک ہی کر سکتے تھے۔ وہ تمہارا شوہر ہے۔ شدید محبت کرتا ہے تم سے۔ اب اسے کیسے منانا ہے، یہ تم پر منحصر ہے۔ پریشان نہیں ہوتے۔" کمرے کی طرف آتے وہ مسلسل ہمت بندھا رہی تھیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو سمعان احمد کو فون پر مصروف پایا۔ ان دونوں کو دیکھ کر سمعان نے کال ڈراپ کی۔

"لو بھئی! سنبھالو اپنی دلہن کو....." بھابی کا انداز بڑا شرارتی ہوا تھا۔

سمعان احمد نے بڑی سنجیدگی سے بھابی اور سجی سنوری زرش کی طرف دیکھا۔

"اس سارے ڈرامے کا مقصد؟" لب و لہجے میں کوئی رعایت نہ تھی، زرش کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"سمعان! صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ بلکہ خوش دلی سے اور بڑے ظرف سے دل میں جگہ دیتے ہیں۔"

"زرش ادھر بیٹھو....." انہوں نے گھبرائی پریشان زرش کو بستر پر بٹھا دیا اور پلٹ کر سمعان کو دیکھا۔

"جو بھی گلے شکوے ہیں ختم کرو اور کھلے دل سے مسکرا کر نئی خوشیوں کو آگے بڑھ کر خوش آمدید کہو۔ اس کے ساتھ جو بھی ہوا اس کے بعد اس نے جو بھی کیا وہ ردعمل تھا۔ ہاں ایک غلطی کر چکی ہے یہ، مگر تمہیں بھی اس بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ لوٹ آئی ہے، اس گھر میں ہے۔ تمہارے حوالے سے ہے تو تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم اسے اہمیت دو۔ ورنہ ہم بدھو نہیں جو معاملہ سمجھیں! کوئی زیادتی کی تو تمہاری کھنچائی کرنے میں زرش کا ساتھ دیں گے کہ وہ آخری وقت میں لوٹ تو آئی نا....." سمعان نے صرف سنجیدگی سے انہیں دیکھا اور وہ مسکرا کر کمرے سے نکل گئی۔

سمعان نے زرش کو دیکھا، خوب صورت لباس اور جیولری کے ہمراہ اس روپ میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔ سمعان ڈریسنگ روم میں چلا گیا اور کچھ دیر بعد چینج کر کے لوٹا تو انداز کچھ پرسوچ تھا۔

"غصہ تو مجھے تم پر بہت ہے اتنا زیادہ کہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ میں تمہیں لینے گیا۔ ایک اس مان اور یقین کے ساتھ کہ اگر واقعی تمہارے نزدیک میری کوئی حیثیت یا اہمیت ہوئی تو تم میرے

ساتھ ضرور آؤ گی۔ مگر تمہارے انکار نے بہت تکلیف دی۔ اتنی تکلیف کہ مجھے اپنے جذبات بس سے باہر ہوتے محسوس ہوئے۔ بہت برا کیا تم نے میرے ساتھ۔" واپس کمرے میں آ کر سمعان احمد نے کہا بھی تو لبوں سے شکوہ برآمد ہوا تھا اور زرش کو اپنا وجود ندامت سے جھکتا محسوس ہوا۔ وہ اتنے اچھے انسان کا دل دکھانے کا سبب بنی تھی محض اپنی ضد اور جھوٹی انا کے سبب۔

"آئی ایم سوری....." بستر سے اٹھ کر وہ سمعان احمد کے سامنے کھڑی ہوئی۔ دونوں ہاتھ ندامت سے جوڑتے وہ سخت پشیمان اور شرمندہ لگ رہی تھی۔ "رئیلی سوری!" خوب صورت لباس و زیور سے سجی سنوری وہ اپنی ساری ضد اور انا کو فراموش کیے کھڑی تھی۔ اپنی غلطیوں کو قبول کرنے اور سمعان احمد کی ناراضگی ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔

سمعان احمد نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کرتے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ نرم و گداز ہاتھوں کا لمس بڑا دلفریب سا تھا۔ مہندی سے سجے ہاتھ بڑے پر بہار لگ رہے تھے۔ دل میں لاکھ غصہ تھا۔ بے پناہ بدظن سہی مگر اس طرح معافی مانگنے کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

"آپ مجھے لاکھ برا بھلا کہہ لیں۔ غصہ کر لیں مگر ناراض نہ ہوں۔ آپ کا یہ انداز مجھے مار ڈالے گا۔" اگلے ہی پل وہ سسک اٹھی اور سمعان کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رو دی۔ بھیگے لہجے میں یہ کیسا دلنشیں اقرار ہوا تھا۔ سمعان احمد کو لگا دل میں موجود ساری کثافت دھل گئی ہے۔ گویا برسوں کا انتظار ختم ہوا تھا۔ بس ایک پل لگا تھا حقیقتاً غصہ ختم تھا۔ جس قدر ناراضگی تھی، پل میں دل صاف ہو گیا۔

"میں غلط تھی، اس معاملے میں..... مگر خدا گواہ ہے آپ کو تکلیف دینا مقصد نہ تھا اور جب آپ ناراض ہو کر آئے تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اگر احساس نہ ہوتا تو میں بھلا کیوں آتی؟" وہ شدت سے روئی۔ سمعان کے اندر اس کے شدت سے رونے سے بڑی ہلچل سی ہوئی۔ بڑا انوکھا سا احساس جاگا تھا۔

"زرش..... زری.....!" سمعان احمد نے اسے مضبوط بازو کے حصار میں سمیٹ لیا۔

"ارے..... بس کرو..... ناراض تو میں تھا۔ ناز نخرے تو تمہیں میرے اٹھانے چاہئیں تھے۔ مگر دیکھو تمہیں چپ میں کروا رہا ہوں۔" سمعان نے بڑے دھیمے ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے اس کے تمام دُر خوش آب اپنے پوروں سے چن لیے اور زرش وہ تو رونا دھونا بھول کر ساکت و صامت سی کھڑی رہ گئی۔

ایسی محبت..... ایسی وارفتگی.....

سمعان احمد کی دلگیری اسے گنگ کر گئی۔ کیا وہ واقعی اس قدر خوش قسمت تھی۔

"دل تو چاہ رہا تھا کہ تمہیں اتنا ضرور ستاؤں کہ کم از کم تم آئندہ کبھی تم اپنی ضد پر اڑنے سے پہلے ہزار بار تو ضرور سوچو۔ مگر دیکھو تمہارے معاملے میں اللہ نے کتنا گداز و مہربان دل دیا ہے۔ ادھر تمہاری آنکھ سے آنسو نکلا نہیں ادھر میں ساری ناراضگی بھولا نہیں۔" سمعان احمد کے والہانہ پن لیے انداز، یہ شدتوں و بے قراریوں سے گھبرا کر اس نے ایک دم سمعان احمد کے حصار کو توڑتے پیچھے ہٹنا چاہا تھا مگر گرفت میں بلا کی سختی تھی۔

"اوں...... ہوں...... اب نہیں...... بہت صبر کرلیا میں نے اور بہت ستالیا تم نے مجھے۔ بڑا امتحان لیا تم نے میری محبت، میرے خوابوں کا۔ آج میری محبت کی فتح کا دن ہے۔ پہلی بار باضابطہ طور پر تم اس گھر میں ہو۔ میری والدہ اور اپنی ساس صاحبہ کے راضی نامے سے اور بہت سے لوگوں کی موجودگی میں خود چل کر میرے کمرے میں آئی ہو۔ کبھی یہی تمہاری ڈیمانڈ تھیں جو آج تکمیل پا گئی ہیں۔ مجھے روکنا فضول ہے۔" بے پناہ والہانہ پن سمیٹے، محبت وشدت کا مظاہرہ کرتے سمعان نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا تھا اور زرش سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گئی۔

"سمعان...... پلیز......" وہ لرز کر پیچھے ہٹی اور سمعان کھل کر ہنسا۔ اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر دل میں جلترنگ سے بجے تھے۔ گویا اطراف میں ساز گونج اٹھے ہوں۔

"میں نے تمہیں ایک بار کہا تھا کہ تم اگر میری محبت کی انتہاء دیکھو تو اپنے ہونے پر فخر کرو گی۔ یہ تو اک جھلک ہے۔ ابھی تو پوری فلم باقی ہے، اپنی محبتوں کی۔ اپنے سچے کھرے جذبوں کی بار آوری کی۔" نہایت شرارت سے کہتے اس کی طرف پیش قدمی کی۔

"جذبے سچے ہوں اور مستقل مزاجی فطرت کا حصہ ہو تو منزل کا حصول قطعی مشکل نہیں رہتا۔ یہ میری محبتوں کی جیت ہے پھر مانتی ہو نا۔" وہ اس طرح کھڑی تھی کہ رخ آئینے کی طرف تھا، سمعان احمد نے آگے جھک کر پوچھا۔

"سنا تھا کہ اگر محبت ہو اور شدتیں حد سے بڑھ جائیں تو بعض اوقات ان کو زوال آنے لگتا ہے مگر میرا یقین ہے کہ اگر انسان توازن کی راہ پر قائم رہے تو اک دن ضرور محبتوں کی جیت ہوتی ہے۔" زرش نے صرف ایک پل کو نگاہ اٹھا کر آئینے میں دکھائی دیتے سمعان احمد کے بھرپور عکس کو دیکھا۔ جگر جگر کرتی آنکھیں اور محبت سے گندھا لہجہ۔ اس نے گھبرا کر پلکوں کی چلمن گرالی۔ سمعان نے ہنس کر اس کا رخ اپنی طرف کرلیا۔

"کچھ نہیں کہو گی۔ آج کے لیے، کوئی لفظ، کوئی جگنو، کوئی اشعار؟" سمعان چھیڑ رہا تھا اور زرش کوئی جائے قرار نہ پاتے سمعان احمد کے کشادہ سینے میں منہ چھپا گئی اور یہ واقعی سمعان احمد کے سچے جذبوں اور والہانہ محبتوں کی جیت تھی کہ آج سب حالات سازگار تھے۔ یوں کہ وہ سر اٹھا کر پوری دنیا کے سامنے فخر سے جی سکتی تھی۔ محبت اعتدال کے ترازو میں ہی برقرار رہتی ہے ورنہ زندگی بے توازن ہوجائے تو جذبوں کا یہ بے توازن پن ساری زندگی کی خوشیوں کو کھا جاتا ہے اور جذباتیت عمر بھر کا خسارہ جھولی میں ڈال دیتی ہے اگر توازن کا دامن ایک بار ہاتھ سے چھوٹ جائے تو۔

(تمت بالخیر)